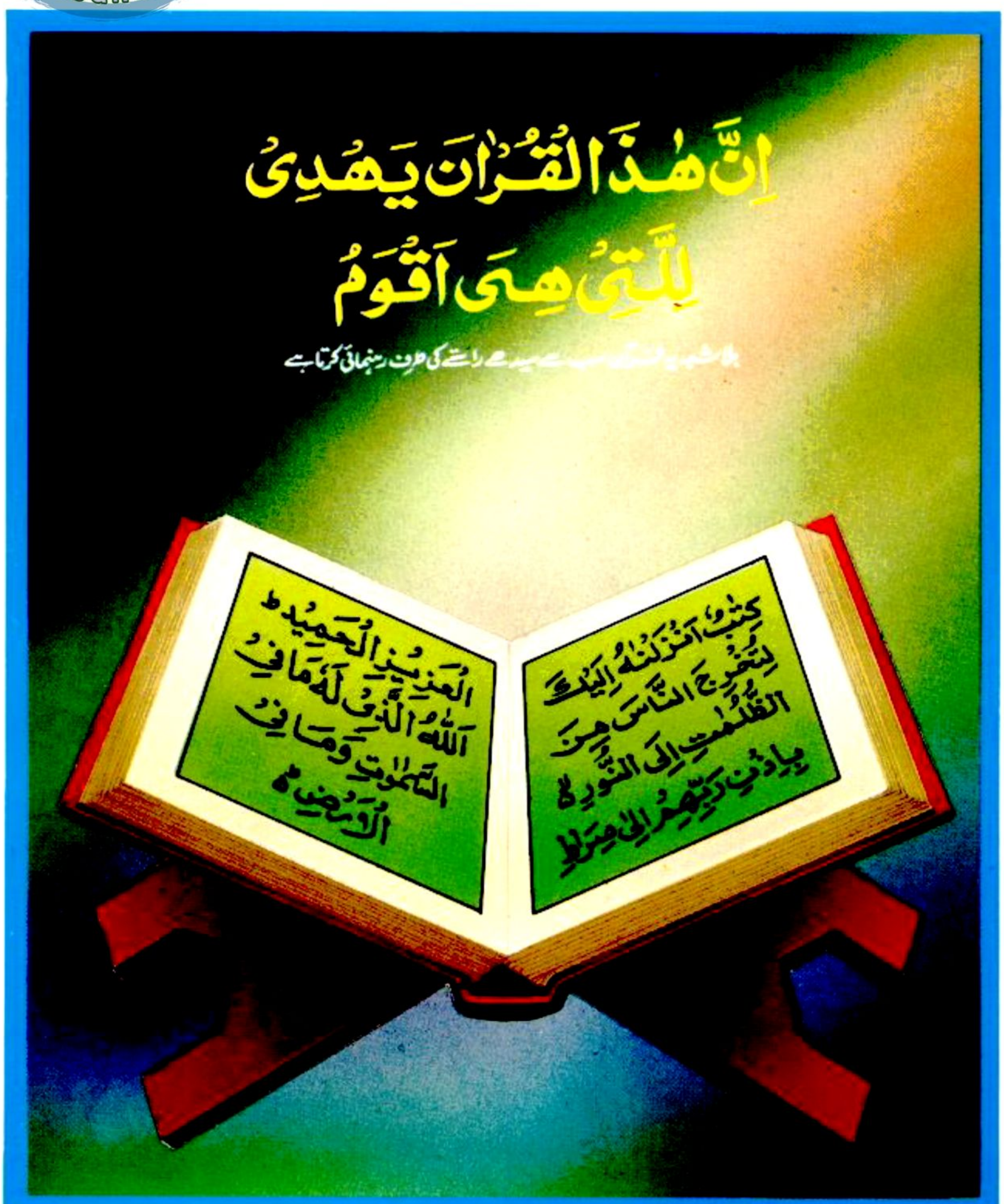
احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ان ھذا القران یھدی للتی ھی اقوم
بلاشبہ یہ قرآن سب سے سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

احسن البیان

فی تفسیرِ القرآن

حصہ اول
سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ

سید فضل الرحمٰن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز
دوکان نمبر ۲۲، بلاک ۲، زینت اسکوائر، ابن سینا روڈ
ایف۔ سی۔ ایریا۔ کراچی۔ ۱۹

اشاعت اول — ربیع الاول ۱۴۱۳ھ / اکتوبر ۱۹۹۲ء

تعداد — ۱۲۰۰

ناشر — زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

طابع

اونیسٹ پرنٹرز ۔ زینت اسکوائر ۔ ابن سینا روڈ ایف سی ایریا ۔ کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

دوکان نمبر ۲۲، بلاک ۲ ۔ زینت اسکوائر ۔ ابن سینا روڈ ۔ ایف سی ایریا ۔ کراچی ۔ ۱۹

۲۔ ادارہ مجددیہ ۵\۲، ایچ، ناظم آباد ۳، کراچی ۱۸

عرضِ ناشر

آج کے ترقی یافتہ دور میں جہاں الیکٹرونک میڈیا کتب بینی کے ذوق پر اثر انداز ہوا ہے ، وہاں مصروفیات میں بے پناہ اضافہ بھی اس میں خاصی حد تک کارفرما نظر آتا ہے ۔ غیر معیاری اور گھٹیا مواد پر مشتمل غیر مہذب اور مخرّبِ اخلاق ڈائجسٹ اور کتابوں کے سیلاب کا نہ تھمنے والا ریلا بھی جلتی پر تیل کا کام کر رہا ہے ۔ اس کے علاوہ رہی سہی کسر معیاری کتب کی کمیابی ، قیمتوں میں بے تحاشا اضافے اور ہوشربا گرانی نے پوری کر دی ہے ۔ ان حالات میں مطالعہ کی روایت قصۂ پارینہ اور معیاری کتب کا حصول جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ، مزید برآں دینی معلومات میں کمی اور مذہب سے دوری بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے بھیانک اور منفی اثرات بڑی تیزی سے معاشرہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہے ہیں ۔ اس وقت ہمارا معاشرتی ڈھانچہ جس شکست و ریخت سے دو چار ہے اور اخلاقی اقدار جس تیزی سے انحطاط پذیر ہیں اس کے پیش نظر اصلاحِ معاشرہ کی طرف التفات ناگزیر ہے اور اس سے چشم پوشی اور تساہل پسندی کی موجودہ روش ہماری سنہری اقدار و روایات کے لئے سمِّ قاتل اور معاشرتی خود کشی کے مترادف ہے ۔

زوّار اکیڈمی کا قیام : حالات کی سنگینی اور نزاکت کے پیش نظر آج سے تقریباً چودہ سال قبل ۱۹۷۸ء میں جب زوّار اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا تو اس کے اغراض و مقاصد میں یہ بات پیش نظر تھی کہ اصلاحِ معاشرہ اور اسلامی اقدار کی سر بلندی اور اشاعتِ دین کے لئے یہ ادارہ ہر ممکن خدمات سر انجام دے گا مگر اس کے بعد کچھ انتظامی دشواریاں اور ایسے اسباب و حالات پیدا ہوئے کہ زوّار اکیڈمی صرف فائلوں تک محدود ہو کر رہ گئی ۔ خداوند قدوس کے فضل و کرم سے آج ہم اس اکیڈمی کے ایک ذیلی ادارہ زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز کا باقاعدہ آغاز کر رہے ہیں اور اس طرح زوّار اکیڈمی کے ایک اہم پروجیکٹ کی ابتداء ہو رہی ہے ۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ جل شانہ ، کے حضور ہم جس قدر شکر ادا کریں کم ہے ۔

اغراض و مقاصد: ادارہ کے قیام کے پیش نظر اہم مقاصد یہ ہیں ۔

۱ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں مذہبی شعور پیدا کرنا ۔

۲ عوام کی سہولت کے لئے اختصار و جامعیت کے ساتھ دلکش اسلوب اور عام فہم انداز میں تفسیر و حدیث ، فقہ ، تصوف ، اخلاقیات اور اصلاح معاشرہ وغیرہ موضوعات پر معیاری کتب کی نشر و اشاعت ۔

۳ اسوۂ حسنہ ، خلفائے راشدین ، اکابر صوفیائے عظام اور علماء و محققین کی تعلیمات ، کارناموں اور سوانح کی ترویج و اشاعت ۔

۴ جدید دور کے معاشرتی مسائل کو اسلام کی روشنی میں حل کرنا ۔

۵ اسلامی نظامِ حیات کے مختلف پہلوؤں کو عام فہم انداز میں پیش کرنا ۔

پہلی پیش کش: ادارہ اپنے کام کی ابتدا ۔ قرآنِ کریم کی تفسیر جیسے عظیم اور مبارک کام سے کر رہا ہے ۔ اس سلسلہ میں احسنُ البیان فی تفسیرِ القرآن پیش کرنیکی سعادت حاصل ہو رہی ہے جو نہایت آسان ، مختصر اور عام فہم ہے ۔ پہلا حصہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل ہے ۔ اللہ تعالیٰ مقبول و نافع بنائے اور ہمارے لئے نجاتِ اخروی کا ذریعہ بنائے ۔ آمین ۔

اس موقع پر ادارہ اللہ تعالیٰ جلّ و علاء کا جس قدر شکر ادا کرے کم ہے کہ اس نے اپنی توفیق اور رحمتِ خاصّہ سے ادارے کے کام کا آغاز اپنے بابرکت کلام کی اشاعت سے کرایا ۔ **لہ الحمد فی الاولیٰ والاٰخرۃ ۔**

ناظم ادارہ

فہرست عنوانات

باب سوئم۔ آداب تلاوت ۳۹

باب چہارم۔ نزول قرآن ۴٦

سورہ بقرہ کی تفسیر

پیش لفظ

از محترمی حضرت قبلہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب مدظلہ العالی

سابق صدر شعبہ اردو۔ سندھ یونیورسٹی۔ حیدر آباد

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مخدوم زادہ حافظ فضل الرحمٰن صاحب مدظلہ اب ایک بیش قیمت دینی اور علمی تحفہ اپنے قارئین کے لئے پیش فرمارہے ہیں۔ یہ تحفہ قرآنی تفسیر سے متعلق ہے اور شروع میں قرآنی علوم کا مفصل تعارف ہے۔ قرآن اور وحی، فضائلِ قرآن، آدابِ تلاوت، نزولِ قرآن، حفاظتِ قرآن، اسبابِ نزول، تفسیرِ قرآن کے ماخذ وغیرہ پر بڑی فاضلانہ بحث ہے اور متعلقہ ابواب کو بڑی تحقیق و تدقیق کے ساتھ مرتب فرمایا ہے۔ اس کے بعد فی الحال تفسیر سورۂ فاتحہ و سورۂ بقرہ آئی ہے جس میں استعاذہ اور تسمیہ پر علمی بحث کے بعد ان سورتوں کی تفسیر اور ان کے الفاظ کی تشریح (صرف مسلّمہ اصولِ تفسیر کی روشنی میں) نہایت آسان انداز میں بیان فرمائی ہے۔ اور کئی سَو صفحات میں اس مشکل موضوع کو آسان ترین بنانے کی کوشش فرمائی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی تفسیر نہ صرف عوام کے لئے بلکہ خواص کے لئے بھی مفید ہے اور قابل صد ستائش ہے۔ تفسیرِ قرآن سے متعلق یہ "احسن البیان" یقیناً اسم بامسمّیٰ ہے۔ میری دلی دعاء ہے کہ ہمارے حافظ صاحب محترم کی یہ مساعیِ جمیلہ بارگاہِ الٰہی میں مشکور ہوں اور ایک عالَم کو ان سے مستفیض ہونے کی زیادہ سے زیادہ سعادت حاصل ہو۔ آمین۔ ثم آمین۔ بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حافظ صاحب مدظلہ مجھ حقیر سے یہ چند کلمات لکھوا کر میری اُخروی زندگی کی بہتری کیلئے کوشاں ہیں۔ یہ ان کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے۔ جزاھم اللہ فی الدارین احسن الجزاء

فقط والسلام

احقر غلام مصطفیٰ خاں

ایم اے۔ ایل ایل بی۔ پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

یکم ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم O الحمد للہ الذی مدٰنا لھذا وماکنا لنھتدی لولاان مدٰنا اللہ ۔ والصلوٰۃ والسلام علی اکمل الخلائق و خاتم الا نبیاء سیدنا و نبینا و شفیعنا و مولٰنا محمد وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا الذی ارسلہ اللّٰہ الیٰ جمیع الثقلین الجن والا نس بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا وعلیٰ الہ و اصحابہ ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین ۔

اما بعد ! قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے ۔ اس کی ایک ایک آیت اور ایک ایک حرف بلکہ اس کی ایک ایک حرکت ، شوشہ اور نقطہ تک ہر قسم کی کمی و بیشی اور تحریف و تغیر سے قیامت تک محفوظ ہے ۔ اس کا کلام الہیٰ ہونا ہی اس کے ہر کلام سے افضل و اکمل اور جامع و مانع ہونیکی دلیل ہے ۔ یہ ایسا بلند پایہ کلام اور بے مثال کتاب ہے کہ لَاَ یَاْتِیهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلاَ مِنْ خَلْفِهٖ ، تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ، (حم سجدہ آیت ۴۲) نہ اس کے سامنے سے اس میں باطل آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ تو حکیم و حمید کی طرف سے نازل کردہ ہے ۔

اہل عرب کو اپنی زبان دانی ، فصاحت و بلاغت اور شعر و شاعری پر بڑا ناز تھا۔ یہ لوگ دنیا کی تمام قوموں کو عجمی (گونگا) کہتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیا محمد مصطفیٰ ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کتاب عطا فرمائی وہ عربی زبان میں نازل کی ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ، (یوسف آیت ۲) ۔

بیشک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم (اسکو) سمجھ لو ۔

قرآنِ کریم فصاحت و بلاغت ، اور عربی ادب کا ایسا بے مثال شاہکار ہے کہ عرب و عجم کے بڑے بڑے شعراء وادباء اور فصحاء و بلغاء آج تک اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز و بے بس ہیں ۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو مخاطب

کر کے فرمایا کہ اگر تم اس قرآن کو کلامِ الہیٰ ماننے کے لئے تیار نہیں تو تم سب مل کر پورا قرآن نہیں تو کم از کم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اس کام میں اپنی مدد و اعانت کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا سارے جہان سے اپنے حمایتی اور مدد گار بھی جمع کر لو اور اپنے ان معبودوں سے بھی مدد لے لو جن کو تم ہر طرح کا حاجت روا سمجھ کر پوجتے ہو ۔ اگر پھر بھی تم سے ایک سورت کے برابر کلام نہ بن سکا اور تم ہر گز نہیں بنا سکو گے تو تم اس آگ سے بچنے کی تدبیر کرو جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

جن لوگوں کی مادری زبان عربی تھی ، جنہیں اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر ناز تھا وہ اس چیلنج کے جواب سے عاجز و بے بس تھے ۔ لہذا وہ پورا قرآن تو کیا اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت جیسی ایک سورت بھی نہ بنا سکے اور قرآن کی یہ پیش گوئی سچ ثابت ہوئی کہ یہ سب لوگ جمع ہو کر بھی اس جیسا کلام نہیں بنا سکتے ۔ قرآنِ کریم کا یہ چیلنج آج بھی برقرار ہے ۔ آج تک نہ تو کوئی اس کے جواب میں کچھ پیش کرنے کی جرأت کر سکا اور نہ قیامت تک کسی سے ایسا ہو سکے گا ۔ اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس بے مثل ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے ۔

جب خانۂ کعبہ میں سبعہ معلقہ کے بالمقابل سورۂ کوثر لکھ کر لٹکائی گئی تو عرب کے بڑے بڑے ادیب و شاعر اپنی ادبی مہارت اور شعر و سخن میں کمال کے باوجود اس کا جواب لکھنے کی بجائے یہ کہنے پر مجبور ہوئے مَاھٰذَا قَوْلُ الْبَشَرِ یعنی یہ کسی بشر کا کلام نہیں ۔

قرآنِ کریم میں شاعروں کے کلام جیسی لا یعنی اور فضول باتیں نہیں بلکہ اس کا ایک ایک لفظ اپنے اندر معانی کا ایک بحرِ بیکراں لئے ہوئے ہے ۔ چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود اس کے بیان کی تر و تازگی اور الفاظ و معانی کی سدا بہاری آج بھی قائم ہے اور قیامت تک اسی طرح قائم رہے گی ۔ اس کا کسی مضمون کو دُہرانا قندِ مکرّر کا مزہ دیتا ہے ۔ اس کو بار بار پڑھنے سے دل نہیں اُکتاتا بلکہ ہر دفعہ نیا لطف اور نئے مضامین سامنے آتے ہیں ۔ اس کے اسلوب بیان میں ایسی حلاوت و دلنشینی ہے کہ اس کے پڑھنے والے پر رقت و وارفتگی طاری ہو جاتی ہے ۔ جو لوگ اس کے معنی و مطالب کو سمجھے بغیر پڑھتے ہیں وہ بھی اس کی نثر کے حسن ، عبارت کی موزونیت ، الفاظ کی بندش اور آواز کی نغمگی میں ڈوب کر بے اختیار اور از خود رفتہ ہو جاتے ہیں ۔ اس کے الفاظ

بے تکلف ذہن نشین اور زبان پر جاری ہوتے چلے جاتے ہیں ۔ اس لئے چھوٹے بچے قرآنِ مجید کے حافظ ہو جاتے ہیں ۔

قرآنِ کریم میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق بنیادی اصول و حقائق اور نہایت معتدل قوانین و ضوابط بیان کئے گئے ہیں ۔ لوگوں کے ذہنوں کو حق کی طرف مائل کرنے کے لئے دلائل و براہین کی قوت کے ساتھ ساتھ تشبیہات و تمثیلات کا بھی نہایت عمدہ اور بر محل استعمال ہے ۔ اس میں گزشتہ پیغمبروں ، قوموں ، امتوں اور سلاطین کے حالات و واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں تاکہ لوگ ان سے سبق حاصل کریں ۔ مسلمانوں کی تمام عبادات و معاملات ، معاشرت و تمدن اور اخلاقیات و اقتصادیات سب کا دارو مدار قرآنِ کریم ہی پر عمل کرنے میں ہے اور قرآن ہی مسلمانوں کا مرکز ہے ۔ جب بھی مسلمانوں نے قرآن و سنت کو مضبوطی سے تھام کر دشمن کی طرف رخ کیا تو اس کی پہاڑ جیسی مضبوط صفیں دم بھر میں الٹ کر رکھدیں اور کفر و شرک کے مضبوط ترین قلعوں کو فتح کر کے ان پر حق و صداقت کا پرچم لہرا دیا ۔ پھر مسلمان دنیا کی ہوس اور اس کے جھمیلوں میں پڑ کر قرآنِ کریم سے دور ہوتے گئے ۔ اور آج اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں ۔

قرآنِ کریم کی تلاوت کا بہت بڑا اجر و ثواب ہے ۔ اس کا ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں ۔ ترمذی اور دارمی میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآنِ کریم کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے ، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے ۔ اس طرح الٓمّٓ پڑھنے والا تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرے گا ۔ اس حدیث میں جس ثواب کا ذکر ہے وہ بغیر سمجھے پڑھنے پر ملے گا ۔ ظاہر ہے کہ سمجھ کر پڑھنے کا ثواب اس سے کئی گنا زیادہ ہوگا ۔ اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کا علم حاصل کرنے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دینے کی ترغیب بھی دلائی ہے ۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن کا علم حاصل کرے اور (پھر) دوسروں کو اس کی تعلیم دے ۔ (بخاری شریف) ۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کائنات کی ہر چیز کا تعلق خالق و مخلوق اور عابد و معبود کا ہے مگر قرآنِ کریم چونکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ کوئی مخلوق نہیں بلکہ یہ اس کی ایک صفت اور اس کا کلام ہے اس لئے جو شخص اپنا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑنا چاہتا ہے ، اس کے لئے روئے زمین پر اس سے بڑھکر کوئی اور ذریعہ نہیں کہ وہ تلاوتِ قرآنِ کریم اور اس کی تعلیم و تعلّم کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کی طرح ترجمہ و تفسیرِ قرآن پر بھی ابتدائے اسلام سے آج تک علماء کرام نے اپنے اپنے زمانے میں بڑی بڑی ضخیم مجلّدات تالیف فرمائی ہیں اور سب کا اپنا اپنا مقام ہے ۔ مگر ان تفاسیر سے صحیح معنوں میں علماء کرام ہی استفادہ کر سکتے ہیں ۔ عوام النّاس کے لئے ان کا سمجھنا اور قرآنِ کریم کی صحیح مُراد کو پانا خاصا مشکل ہے ۔ ایک تو اس لئے کہ ان کا علمی مرتبہ بہت بلند ہے ۔ عام آدمی ان کو سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتا ۔ دوسرے یہ اتنی ضخیم ہیں کہ آج کے مصروف دور میں نہ تو عام آدمی اتنا وقت نکال سکتا ہے اور نہ وہ اتنی بڑی بڑی مجلدات کو خرید نے کی استطاعت رکھتا ہے ۔ لہٰذا عام لوگوں کی مشکلات اور ان کی ذہنی استعداد کے پیش نظر اور دینی مدارس کے طلباء اور عربی زبان کی معمولی شدبد رکھنے والوں کی دلچسپی اور ضروریات کا خیال کرتے ہوئے ، اَحْسَنُ الْبَیَانِ فِیْ تَفْسِیْرِ الْقُرآن کے نام سے ایک نہایت عام فہم ، سلیس اور مختصر تفسیر کا ایک حصہ جو سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل ہے پیش کرنیکی سعادت حاصل کی جا رہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ جَلّ و عَلاَ ، محض اپنے فضل و رحمتِ خاصّہ سے اس کو قبول فرما کر عوام و خواص کے لئے نافع بنائے اور اس کو قبولیت عامّہ بخشے نیز اس تالیف میں جو کوتاہیاں سرزد ہوئی ہوں ان سے در گزر فرما کر بقیہ تفسیر کو مکمل کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

چند خصوصیات

۱ ۔ ہر سورت کی ابتداء میں اس کی وجہ تسمیہ ، اس کا تعارف اور اس کے مضامین کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے ۔

۲ ۔ تقریباً ہر آیت پر اس کے مضمون کی مناسبت سے نہایت مختصر عنوان قائم کیا گیا ہے ۔

۳ ۔ الفاظ کی لغوی اور اصطلاحی تشریح کی گئی ہے تاکہ طلبا اور عربی زبان

سے دلچسپی رکھنے والے اس سے استفادہ کر سکیں ۔

۴ ۔ جہاں ضروری ہوا ، آیات کا ربط سادہ اور مختصر الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ۔

۵ ۔ آیات کا شان نزول مستند و معتبر روایتوں کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے ۔

۶۔ ترجمہ و تفسیر نہایت سلیس ، عام فہم اور بامحاورہ ہے ۔

۷ ۔ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تمام کا تمام اکابر علماء کرام کی تفاسیر سے معمولی لفظی تصرف کے ساتھ اخذ کیا گیا ہے ۔ عہدِ نبوی سے لیکر آج تک علماء راسخین نے قرآنِ کریم کو جس طرح سمجھا ، اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کی ترمیم و اضافہ کئے بغیر اسی طرح پیش کر دیا ہے تاکہ لوگ قرآنِ کریم کا صحیح علم حاصل کر کے اس پر عمل کر سکیں ۔ ترجمہ و تفسیر میں کہیں بھی اپنی رائے کو داخل کر کے خیانت نہیں کی گئی ۔ جو مضمون یا عبارت جس تفسیر سے لی گئی ہے اس کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے تاکہ اصل سے رجوع کرنے میں آسانی ہو ۔

تصحیح و تنقیح میں نہایت اہتمام کے ساتھ امکان بھر کوشش کی گئی ہے ، تاہم اگر کوئی غلطی یا قابل اصلاح بات نظر آئے تو قارئینِ کرام و علمائے عظام سے درخواست ہے کہ اس کی نشاندہی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں ۔ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر دی جائے گی ۔ انشاء اللہ ۔

سید فضل الرحمٰن

منگل ۵ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

۷ جولائی ۱۹۹۲ء

قرآنی علوم کا تعارف

باب اول

قرآن اور وحی

قرآن کی تعریف ۔ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ، صحیفوں میں لکھا گیا ، کسی شبہ کے بغیر آپ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے اور اس کی تلاوت عبادت کا درجہ رکھتی ہے ۔

امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی صفت نہ مخلوق ہے اور نہ حادث بلکہ جس طرح اللہ تعالیٰ قدیم ہے اسی طرح اس کی تمام صفات قدیم ہیں ۔ پس قرآنِ کریم بھی قدیم ہے حادث نہیں ۔ لہٰذا یہ بھی اسی عظمت و برتری کا مستحق ہے جو اللہ جل شانہ ، کی کبریائی کے لائق ہو ۔ یہ ایسا بلند پایہ کلام اور ایسی بے مثال کتاب ہے کہ

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ، (حٰمٓ سجدہ ۴۲) ۔

نہ اس کے سامنے سے اس میں باطل آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے یہ تو حکیم وحمید کی بارگاہ سے نازل کردہ کتاب ہے ۔ (مناہل العرفان صفحہ ۲۳) ۔

قرآنِ کریم کے نام ۔ اللہ تعالیٰ نے خود قرآنِ کریم میں اپنے عظیم و برتر اور بلند پایہ کلام کے متعدد نام تجویز فرمائے ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں ۔

(۱) القرآن (۲) الکتاب (۳) الفرقان

علامہ شیخ ابو المعالی عزیز بن عبدالمالک کے بیان کے مطابق قرآنِ کریم کے پچپن نام ایسے ہیں جو خود قرآنِ کریم میں مذکور ہیں ۔ بعض دوسرے حضرات نے قرآنِ کریم کے ناموں کی تعداد نوے سے زیادہ بتائی ہے ۔ قرآنِ کریم کے جملہ ناموں میں سے قرآن سب سے زیادہ مشہور اور عام ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

إِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (زخرف ۳) ۔

بیشک ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنایا ہے ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿
(الحجر ۸۷) ۔

اور ہم نے آپ کو (نماز میں) مکرر پڑھی جانے والی سات آیتیں (یعنی الحمد) اور قرآنِ عظیم دیا ہے ۔

إِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ (واقعہ ۷۷) ۔

بیشک یہ عزت والا قرآن ہے ۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (بروج ۲۲) ۔

بلکہ یہ بہت بزرگی والا قرآن ہے جو لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے ۔

اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں جن میں علوم الٰہیہ کی اس جامع اور آخری کتاب کا یہی مبارک نام ذکر کیا گیا ہے (منازل العرفان ۲۱) ۔
جاحظ کہتے ہیں کہ اہل عرب اپنے کلام کے جو نام رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اس کے حصوں کے نام ان کے مروجہ ناموں سے مختلف رکھے ۔ چنانچہ اللہ

تعالیٰ نے اپنی کتاب کا نام قرآن رکھا۔ یہ ایسا نرالا اور بے مثال ہے کہ نہ تو کسی عرب نے اپنے مجموعۂ کلام کا یہ نام رکھا اور نہ دنیا میں کسی اور کتاب کا یہ نام رکھا گیا۔ پس جیسا نرالا اور بے مثل کلام ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ویسا ہی بے مثل نام مقرر فرمایا۔

اہل عرب اپنے مجموعۂ کلام کو دیوان کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کا نام قرآن رکھا۔

اہل عرب اپنے کلام کے حصوں کو قصیدہ کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے حصہ کا نام سورت مقرر فرمایا۔

اہل عرب اپنے کلام کے چھوٹے سے چھوٹے جملے کو بیت کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے چھوٹے سے جملے کا نام آیت رکھا۔

قرآن کی وجہ تسمیہ۔ اس لفظ کے بارے میں ائمہ مفسرین اور ماہرین لغت کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم علم غیر مشتق ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے لئے مخصوص ہے اس لئے یہ مہموز نہیں۔

امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ لغت و مفسرین کہتے ہیں کہ یہ نہ تو مہموز ہے اور نہ قِرأۃٌ سے ماخوذ ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کا نام ہے جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ جیسے توریت اور انجیل ان کتابوں کے نام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں۔

فَرَاء کہتے ہیں کہ یہ قَرَائِنٌ سے مشتق ہے کیونکہ اس کی بعض آیتیں بعض دوسری آیتوں کی تصدیق کرتی ہیں اور کچھ آیتیں دوسری آیتوں کے ساتھ مشابہ ہیں، انہی باتوں کا نام قَرَائِنٌ (قرینے) ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ قَرْنٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی جمع کے آتے ہیں۔ جیسے قَرَنْتُ الشَّیْئَ بِالشَّیْئِ۔ میں نے ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ جمع کیا۔ اس لحاظ سے اس کو قرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں سورتیں، آیتیں، کلمات اور حروف ایک خاص انداز کے ساتھ جمع ہیں۔ اس اعتبار سے بھی یہ غیر مہموز ہی پڑھا جائے گا۔

اس کے برعکس جو لوگ لفظ قرآن کو مہموز قرار دیتے ہیں ان میں بھی باہم اختلاف ہے۔

لِحیَانِیْ کہتے ہیں جس طرح رُجْحَانٌ اور غُفْرَانٌ مصدر ہیں اسی طرح قرآن، قرأت کا

مصدر ہے ۔ اور یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے ۔ اکثر ائمہ اور قُرّاء کے نزدیک یہی اولیٰ ہے قرآنِ کریم میں بھی لفظِ قرآن ، قراءت کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (القیمہ ۱۸) ۔

پس جب ہم (اپنے فرشتے کے ذریعہ) اس کو پڑھیں تو (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کی اتباع و پیروی کریں ۔

پس معنوی اعتبار سے یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ لفظِ قرآن کو قَرْءٌ (پڑھنا اور تلاوت کرنا ،) سے ماخوذ قرار دیا جائے ۔ لہٰذا کتاب اللہ کو قرآن کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ حقیقت میں پڑھنے کے لائق کتاب تو قرآن ہی ہے ۔

زجاج کہتے ہیں کہ قُرْآنٌ ، فُعْلَانٌ کے وزن پر اسم صفت ہے اور قَرْءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں جیسے عربی میں کہتے ہیں کہ قَرَأْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ ۔ میں نے پانی کو حوض میں جمع کیا ۔ صحیح یہ ہے کہ اس میں ہمزہ تخفیف کے لئے ترک کیا گیا ہے اور اس کی حرکت ما قبل ساکن کو دیدی گئی ہے ۔

ابو عبیدہ کہتے ہیں کہ کلامِ الٰہی کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے سورتوں کو باہم جمع کیا ہے (اتقان ۱۳۵/ ۱) ۔

علامہ راغب اصفہانی کہتے ہیں کہ ہر ایک جمع کردہ شئے کو یا ہر کلام کے مجموعہ کو ہر گز قرآن نہیں کہا جائیگا بلکہ کلام اللہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس نے سابقہ زمانے میں نازل شدہ آسمانی کتابوں کے جملہ علوم و معارف کے تمام ثمرات (نتائج) جمع کر لئے ہیں ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ

اور اس (قرآن) میں ہر چیز کی تفصیل ہے (۱۱۱/ ۱۲) ۔

تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ

(اس قرآن میں) ہر چیز کی پوری وضاحت ہے (۸۹/ ۱۶) ۔

اور قرآن حقیقت میں کُفْرَان ، رُجْحَان کی طرح مصدر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرْاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ (القیامہ ۱۷، ۱۸) ۔

بلا شبہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہمارے ذمہ ہے ۔ جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو اس کے بعد آپ پڑھیں ۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ (کتاب اللہ کا) یہ نام (قرآن) رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے اندر تمام قسم کے علوم جمع کر لئے ہیں (المفردات ۴۰۲) ۔

بعض دوسرے اہلِ لغت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ کتاب پڑھنے کے لئے نازل ہوئی ہے ۔ اور قیامت تک پڑھی جاتی رہے گی ۔ چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآنِ کریم ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے ۔

نبوت و رسالت

نبوت و رسالت کوئی فن یا ہنر نہیں جس کو کسب و اکتساب اور اپنی محنت و صلاحیت سے حاصل کیا جاسکے بلکہ یہ منصب محض عطائے رّبانی کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے ۔ آدمی اپنی ریاضت ، عملِ صالح ، ذکر و تسبیحات اور عبادات میں کمال پیدا کر کے ولی تو بن سکتا ہے مگر نبی نہیں بن سکتا ۔ نبی تو وہی ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ منصب نبوت و رسالت عطا فرمائے قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ (انعام ۱۲۴) ۔

اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو عطا فرمائے (انعام ۱۲۴) ۔

جس طرح دیگر انبیاء اپنے اپنے زمانے ، اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے احکام خداوندی لیکر آتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی تائید و حمایت اور وحی سے نوازا ۔ اسی طرح سب سے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر آئے ۔ آپؐ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی تائید و حمایت اور وحی سے نوازا ۔ سابقہ انبیاء میں سے ہر ایک ، ایک خاص زمانے اور ایک خاص قوم

کے لئے مبعوث ہوا تھا ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک ہر قوم اور ہر زمانے کے لوگوں کے لئے ہے ۔ اصل کے اعتبار سے تمام شریعتیں ایک ہی تھیں اور فروع میں اپنے اپنے زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے احکام بیان کرتی تھیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں ۔ آپ پر وحی و رسالت کا مقدس سلسلہ ختم ہو گیا ۔ اب قیامت تک نہ تو کوئی نبی اور رسول آئے گا اور نہ کسی انسان پر وحی نازل ہوگی اور نہ ہی اس کی ضرورت ہے کیونکہ آپؐ کو جو کتاب عطا کی گئی ہے وہ تمام سابقہ کتب کی ناسخ اور احکاماتِ الٰہیہ کی جامع و مکمل کتاب ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تاکہ آپؐ کی شریعت قیامت تک بلا کسی تحریف و تغیر باقی رہے ۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی امت میں ہر زمانے میں ایک ایسی جماعت قائم رکھنے کا وعدہ فرمایا ہے جو دین پر قائم رہ کر مسلمانوں کو کتاب و سنت کی صحیح تعلیم دیتی رہے گی ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر جو کلام نازل کیا گیا اس کو وحی کہتے ہیں ۔ جو پیغام و ہدایات سابقہ انبیاء پر نازل ہوئیں ان کا نام بھی وحی ہے ۔ اس طرح وحی کا مفہوم تمام انبیاء کے درمیان مشترک ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ۔ کیونکہ وحی کا مصدر و ماخذ اور غرض و غایت ایک ہی تھی ۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّۦنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ۔ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ۚ

(النساء ۱۶۳، ۱۶۴) ۔

بلا شبہ ہم نے آپ کی طرف اس طرح وحی کی جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کی طرف کی اور حضرت ابراھیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد اور حضرت عیسیٰ و ایوب و یونس و ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کو زبور عطا کی ۔ اور ہم نے آپ سے بعض رسولوں کا ذکر کیا

ہے اور بعض کا نہیں کیا ۔ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو شرف ہمکلامی بخشا ۔

وحی کا مفہوم ۔ لغت میں وحی کے معنی ہیں دوسرے کو پوشیدہ طور پر کچھ بتانا، جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا ، دل میں کوئی بات ڈالنا ، الہام کرنا ۔

شرع کے اعتبار سے وحی اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام اور القاء ہے جو نبی کی طرف بلاواسطہ یا بالواسطہ ہو۔وحی کا اطلاق صرف انبیاء پر ہوتا ہے ۔

زہری کہتے ہیں کہ وحی وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کسی نبی کی طرف بھیجتا ہے اور اس کے دل میں ثبت کر دیتا ہے ۔ پھر وہ نبی اس وحی کو اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور اسے لکھوا دیتا ہے ۔ اسی کو کلام اللہ کہتے ہیں ۔

علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ وحی کے معنی یہ ہیں کہ جلدی سے اشارہ کر دینا خواہ یہ اشارہ رمز و کنایہ سے کیا جائے یا کسی بے معنی آواز سے ، خواہ کسی عضو کے اشارے سے یا کسی تحریر سے (المفردات ۵۱۵) ۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وحی اور اِیحَاءٌ دو علیحدہ علیحدہ لفظ ہیں اور دونوں کے استعمال میں فرق ہے ۔ اِیحَاءٌ کا مفہوم عام ہے ۔ انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے ۔ لہٰذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ اس کے بر خلاف وحی صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو ۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے لفظ ایحاء تو انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لئے استعمال کیا ہے مگر لفظ وحی سوائے انبیاء کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں فرمایا ۔ وحی کے ذریعہ بندوں کو ان باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے جو ان کو محض عقل و حواس کے ذریعہ معلوم نہ ہو سکیں (علوم القران از مولانا تقی عثمانی ۲۹ ،۳۰) ۔

لغوی وحی کی قسمیں

فطری ۔ جیسے الہام الہٰی سے شہد کی مکھیاں چھتہ بنا کر اس میں شہد جمع کرتی ہیں ۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتاً ۔

(النحل ٦٨)

اور تیرے رب نے (فطری) وحی کے ذریعہ شہد کی مکھیوں کو بتادیا ہے کہ تم پہاڑوں میں اپنے لئے چھتہ بناؤ ۔

ایجادی ۔ جیسے کوئی سائنسدان کسی چیز کی ایجاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو اس کے خدوخال اور اس کی شکل و صورت اس کے ذہن میں ڈالدی جاتی ہے ۔ اس طرح وہ چیز وجود میں آجاتی ہے ۔ مثلاً جس شخص نے سب سے پہلے ہوائی جہاز بنانا چاہا تھا تو اس کے ذہن میں یہ خیال کسی پرندے کو ہوا میں اڑتا ہوا دیکھ کر پیدا ہوا۔ پھر اس نے اپنے تخیل کے مطابق کام شروع کیا اور اپنے ذہن کو اس طرف متوجہ رکھا اور بار بار تجربے کئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہوائی جہاز کا مکمل نقشہ اس کے ذہن میں ڈالدیا ۔ یہی وہ وحی اور الہام ہے جو عام انسانوں کو ہوتا ہے ۔ خواہ وہ مومن ہو یا غیر مومن ۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

كُلًّا نُمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّکَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّکَ مَحْظُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل ۱۹)

مومن و غیر مومن جب کوشش کرتے ہیں تو ہم ان کو مدد دیتے ہیں ۔ اور تیرے خدا کی بخشش و فیض کسی پہ بند نہیں ۔

عرفانی ۔ یہ اولیاء سے مختص ہے ۔ جب کوئی ولی اتباع شریعت اور ریاضت و مجاہدہ سے تزکیہ و تصفیۂ قلب حاصل کر لیتا ہے تو الہام کے ذریعہ اس پر خاص علوم کی راہیں کھل جاتی ہیں ۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے ۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (عنکبوت ۱۹) ۔

جو لوگ ہماری اطاعت اور ہمارے دین میں مجاہدہ کرتے ہیں ، ہم ان پر ہدایت کی خاص راہیں کھول دیتے ہیں ۔

لغوی وحی کی مذکورہ تینوں قسمیں غیر انبیاء میں پائی جاتی ہیں خواہ وہ حیوان ہوں یا انسان یا اولیاء ۔

شرعی وحی ۔ یہ وحی صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے ۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے کے ذریعہ یا براہ راست خواب یا بیداری میں الفاظ کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت نبی کی ذات میں منتقل ہو جائے اسی کو شرعی وحی

کہتے ہیں ۔ اور یہی نبوت کی روح ہے ۔ (علوم القرآن از مولانا شمس الحق افغانی ۹۷ ، ۹۸) ۔

شرعی وحی کی قسمیں

(۱) وحیِ قلبی ۔ اللہ تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب میں کوئی بات ڈالدیتا ہے ۔ اس میں نہ تو فرشتے کو واسطہ بنایا جاتا ہے اور نہ نبی کی قوت سامعہ اور حواس کو اور نہ ہی نبی کو کوئی آواز سنائی دیتی ہے بلکہ کوئی بات دل میں بیٹھ جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم اسی قسم کی وحی کے تحت خواب میں دیا گیا ۔

تَکَلُّمِ رَبَّانی ۔ اس میں اللہ تعالیٰ براہ راست نبی سے کلام کرتا ہے ۔ اس میں بھی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا ۔ بلکہ نبی کو آواز سنائی دیتی ہے جو مخلوقات کی آواز سے جدا اور عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے ۔ جو انبیاء اس آواز کو سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت کو پہچانتے ہیں ۔ عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْماً ۔ نساء ۱۶۳۔

اور اللہ نے موسیٰ سے باتیں کیں ۔

وحی کی یہ قسم ، تمام قسموں میں سے افضل و اعلیٰ ہے کیونکہ اس میں نبی کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے ۔

(۳) وحیِ مَلَکی ۔ اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتہ کے ذریعہ نبی کے پاس بھیجتا ہے ۔ کبھی تو فرشتہ نظر آتا ہے اور کبھی نظر نہیں آتا ۔ صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے ۔ کبھی فرشتہ انسان کی شکل میں آکر پیغام پہنچاتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کو اس طرح بیان فرمایا ہے ۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْياً اَوْ مِنْ وَّرَاۤءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلاً فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَاۤءُ (شوریٰ ۵۱) ۔

کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے (روبرو ہو کر) بات کرے ،

مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتہ کو بھیجکر جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وحی نازل کرے۔

اس آیت میں دل میں بات ڈالنے سے وحی قلبی مراد ہے۔ پردے کے پیچھے سے مراد وحی کی دوسری قسم (تکلّم رّبانی) ہے اور فرشتہ بھیجنے سے وحی ملکی مراد ہے۔

آپ پر نزول وحی کی کیفیت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی۔ شیخین نے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حارثؓ بن ہشام (فضلاء صحابہ میں سے ہیں فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے اور ۱۵ھ میں شام کو فتح کرتے ہوئے شہید ہوئے) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ پر وحی کس طرح آتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کبھی تو میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح وحی آتی ہے اور وحی کا یہ انداز میرے اوپر سب سے زیادہ دشوار ہوتا ہے جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو میں اسے یاد کر چکا ہوتا ہوں۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آکر مجھ سے کلام کرتا ہے تو میں اس کے کلمات کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے سخت سردی کے دن میں آپؐ پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے کہ جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو (سخت سردی کے باوجود) آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ اس طرح بہتا تھا جیسے فصد لگائی گئی ہو (بخاری شریف ۱/۲)۔

ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ نزول وحی کے وقت بے چین ہو جاتے اور چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ یہ کیفیت ایک دو مرتبہ پیش نہیں آئی بلکہ جب بھی وحی آتی تھی آپ کی یہی کیفیت ہوتی تھی اور بدن اطہر پسینے سے تر ہو جاتا تھا۔

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو ہم میں سے کسی کی مجال نہیں ہوتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈال سکتے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا سرِمبارک حضرت زیدؓ بن ثابت کے زانو پر رکھا ہوا تھا کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہو گئی۔ اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اس قدر بوجھ پڑا کہ جیسے وہ ٹوٹ رہی ہو۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث میں نزول وحی کے دو طریقے بیان کئے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ (۱) گراں بار قول آپؐ کے قلب اطہر پر اِلقاء کیا جاتا تھا ۔ اس وقت آپؐ گھنٹی کی سی آواز سنتے تھے ۔ وحی کی یہ صورت آپؐ پر بہت دشوار ہوتی تھی جیسا کہ ارشاد ہے ۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قَوْلاً ثَقِیْلاً ۝ (مزمل ۵)

ہم آپؐ پر ایک گراں بار قول اِلقاء کریں گے ۔

(۲) یہ کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپؐ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا تھا ۔ وحی کی یہ صورت مقابلتاً خفیف اور آسان تھی ۔ دوسری احادیث سے وحی کے مندرجہ ذیل طریقے بھی ثابت ہیں ۔

(۳) **اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی** ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو درخت کے پیچھے سے پکارا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پکار سنی اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے ۔ یہ واقعہ آپؐ کو بیداری کی حالت میں معراج کی شب میں پیش آیا ۔

(۴) **فرشتہ کی طرف سے اِلقاء** ۔ وحی کے اس طریقہ کے تحت حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی بھی شکل میں آپؐ کے سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلبِ اطہر میں کوئی بات اِلقاء فرما دیتے تھے ۔ جیسا کہ حاکم کی ایک روایت میں ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ تم میں سے کوئی دنیا سے نہیں جائے گا جب تک وہ اپنا رزق پورا نہ کر لے ۔ (علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی) ۔

(۵) **فرشتہ کا اصلی شکل میں آنا** ۔ اس صورت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے ۔ ایسا ایک مرتبہ تو اس وقت ہوا جب آپؐ نے خود حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصلی شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی ۔ اور دوسری مرتبہ شب معراج میں ہوا (علوم القرآن از مولانا محمد تقی عثمانی) ۔

(۱) **رویائے صادقہ** ۔ صحیح بخاری و مسلم میں ام المؤمنین حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے

خوابوں سے ہوئی ۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی ۔ اس کے علاوہ مدینۂ منورہ میں آپؐ پر کسی منافق نے سحر کر دیا تھا ۔ اس کو دفع کرنے کا طریقہ بھی آپؐ کو خواب ہی میں بتایا گیا تھا۔

وحیِ متلوّ و غیر متلوّ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دو قسم کی وحی نازل ہوتی تھی ۔

(۱) وہ وحی جو قرآنِ کریم کی آیات ہیں اور جن کے الفاظ و معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھے ۔ اور یہ قرآن کی شکل میں ہمیشہ کے لئے اس طرح محفوظ کر دی گئیں کہ ان کا ایک نقطہ یا شوشہ بھی تبدیل نہیں کیا جاسکتا ۔ علماء کی اصطلاح میں اس کو وحی متلو کہا جاتا ہے یعنی وہ وحی جس کی تلاوت کی جاتی ہے ۔ اس میں اسلام کے اصول ، عقائد اور بنیادی تعلیمات کا بیان ہے ۔

(۲) وہ وحی جو قرآنِ کریم کا جزو نہیں بنی ۔ اس کے ذریعہ آپ کو بہت سے احکام عطا فرمائے گئے ۔ اس کو وحی غیر متلو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی تلاوت نہیں کی جاتی ۔ اور یہ صحیح احادیث کی شکل میں محفوظ ہے ۔

فرمانِ رسول

تقدیر ۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے تھا کہ آپ نے فرمایا ۔ اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمے بتاتا ہوں تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو ۔ وہ تمہاری حفاظت کرے گا ۔ تم اس کا لحاظ رکھو تو اسے اپنے سامنے پاؤ گے جب تو کچھ مانگنا چاہے تو اللہ ہی سے مانگ جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور خوب جان لے کہ اگر ساری امت بھی تمہیں کچھ نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تمہیں صرف اتنا نفع پہنچا سکتی ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھا ہے ۔ اگر سب لوگ تمہیں نقصان پہنچانے پر متحد ہو جائیں تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے ۔ تقدیر کے قلم اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں ۔ (ترمذی ۔ مشکوۃ) ۔

باب دوم

فضائلِ قرآن

قرآنِ کریم کی عظمت و فضیلت سمجھنے کے لئے یہ آیتِ مبارکہ ہی کافی ہے ۔

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس ۵۷) ۔

اے انسانو ! بلا شبہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص پیغامِ نصیحت آگیا ہے جو ان تمام بیماریوں کے لئے جو سینوں میں ہوں شفا اور عافیت کا سامان ہے اور مومنوں کے لئے (سباحث) ہدایت و رحمت ہے ۔

اس آیتِ کریمہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کلام (قرآن) لوگوں کے لئے پیغامِ نصیحت ہے ، ظاہری و باطنی امراض و عیوب کے لئے شفا و عافیت کا ذریعہ اور ہدایت و رحمت کا خزانہ ہے ۔ ظاہر ہے انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کونسی نعمت ہوگی ۔

۱۔**قوموں کا عروج و زوال ۔** حضرت عمرؓ نے عظمتِ قرآن کو ظاہر کرنے کے لئے منبر پر کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا کہ آگاہ ہو جاؤ اے لوگو ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عزّت و سر بلندی عطا فرماتا ہے اور بہت سی دوسری (قوموں) کو (اس پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے) ذلیل و رسوا کرتا ہے (مسلم) ۔

۲۔**قرآن کا مُعلّم ۔** حضرت عثمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ بندہ ہے جو قرآن کا علم حاصل کرے اور دوسروں کو اس کی تعلیم دے (بخاری شریف ۱۶۵/ ۳) ۔

۳-**نزولِ ملائکہ** ۔ حضرت اُسَید بن حُضَیر ایک روز تہجد میں سورۂ بقرہ تلاوت کر رہے تھے کہ اچانک ان کا گھوڑا جو قریب ہی بندھا ہوا تھا بِدَکنے لگا ۔ جب وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑے نے بھی بدکنا بند کر دیا ۔ انہوں نے جب دوبارہ تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر اسی طرح بدکنے لگا ۔ آخر نماز ختم کر کے سر اوپر اٹھا کر دیکھا تو ایک سائبان نظر آ رہا تھا جس میں بہت سی شمعیں روشن تھی ۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ فرشتے تھے جو تمہاری تلاوت کی آواز سننے کے لئے قریب ہوگئے تھے ۔ (مسلم) ۔

۴-**نزولِ سکینہ** ۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے کسی گھر میں قرآنِ مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے آپس میں سیکھتے سکھاتے ہیں تو ان پر سکینہ (اللہ تعالیٰ کی رحمت و پسندیدگی اور اس کی طرف سے بندوں کے سکون قلب اور طمانیت کی ایک خاص کیفیت) نازل ہوتا ہے اور ان پر رحمت چھا جاتی ہے اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں (فرشتوں) میں ان کا ذکر کرتا ہے (احمد ، مسلم ، ابوداؤد) ۔

۵- **ذخیرۂ آخرت** ۔ حضرت ابو ذرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ وصیت فرمائیے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ تلاوتِ قرآن کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ تلاوتِ قرآنِ پاک تمہارے لئے زمین میں نور اور آسمان (آخرت) میں ذخیرہ ہے (ابن حبان) ۔

۶-**حافظ کی شفاعت** ۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن پڑھا ، پھر اس کو حفظ یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال جانا اور حرام کو حرام تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے گھرانے میں سے ایسے دس آدمیوں کے بارے میں اس کی شفاعت قبول فرمائے گا جن کے لئے جہنم واجب ہو چکی ہو (امام احمد ، ترمذی ، ابن ماجہ ، دارمی) ۔

۷-**محافظ فرشتے کا تقرر** ۔ شدادؓ بن اوس کی روایت میں ہے کہ جو مسلمان لیٹتے وقت کتاب اللہ کی کوئی سورت پڑھ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ کو محافظ

مقرر کر دیتا ہے اور وہ فرشتہ کسی اذیت دینے والی چیز کو اس کے پاس نہیں آنے دیتا، یہاں تک کہ جب وہ مسلمان بیدار ہوتا ہے تو وہ فرشتہ بھی اپنی خدمت سے سبکدوش ہو جاتا ہے (احمد، ترمذی)۔

۸۔**خیر و برکت کا باعث** بَزّار نے حضرت انسؓ کی حدیث سے روایت کی کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے اس میں خیر و برکت کی کثرت ہوتی ہے اور جس گھر میں قرآن نہیں پڑھا جاتا اس کی خیر و برکت گھٹ جاتی ہے۔

۹۔**اللہ تعالیٰ کے اہل**۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں سے بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر والے اور خاص لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون لوگ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ قرآن شریف والے اللہ تعالیٰ کے اہل اور خاص لوگ ہیں (نسائی ابن ماجہ، حاکم)۔

۱۰۔**قلب کا صَیقَل**۔ حضرت عبدؓاللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے دلوں پر اسی طرح زنگ آجاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دلوں کا زنگ کس چیز سے دور ہوتا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا اور قرآنِ مجید کی تلاوت زیادہ کرنا (بیہقی)۔

۱۱۔**حافظ کی مثال**۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص کی مثال، جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ اس کا حافظ بھی ہے، مکرم اور نیک لکھنے والے (فرشتوں) جیسی ہے۔ اور جو شخص قرآنِ مجید کو بار بار پڑھتا ہے اور وہ اس کے لئے دشوار (اٹک اٹک کر پڑھنا) بھی ہے تو اسے دوہرا اجر ملے گا (ایک تلاوت کا دوسرا مشقت کا) بخاری شریف ۱۵۲ / ۲۔

۱۲۔**بہترین گفتگو**۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین گفتگو اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے (مسلم)۔

۱۳۔ **بہترین رفیق** ۔ حضرت معاذ بن انس سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن کو اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھا وہ صدیقین ، شہداء اور صالحین کی ہمراہی میں لکھ دیا گیا اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں (احمد) ۔

۱۴ ۔ **جنت کا تاج** ۔ حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے کو قرآن کی تعلیم دے گا قیامت کے دن اس کو ایک تاج پہنایا جائے گا (طبرانی) ۔

۱۵۔ **قرآن پڑھنے کا انعام** ۔ حضرت معاذ جہنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھا اور اس میں جو کچھ ہے اس پر عمل کیا تو قیامت کے روز اس کے ماں باپ کو ایک ایسا تاج پہنایا جائیگا جس کی روشنی سورج کی روشنی سے زیادہ حسین ہوگی جبکہ وہ روشنی دنیا کے گھروں میں ہو اور سورج آسمان سے ہمارے پاس ہی اتر آئے ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا خود اس آدمی کے متعلق کیا گمان ہے جس نے یہ عمل کیا ہو (مسند احمد ، ابو داؤد، حاکم) ۔

۱۶۔ **دعا کی قبولیت** ۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن کو جمع کیا اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول کرے گا چاہے وہ جلد دنیا ہی میں اس کی دعا کا اثر ظاہر کر دے اور چاہے اسے آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ رکھے ۔ (طبرانی) ۔

۱۷۔ **ایک آیت سیکھنے کی فضیلت** ۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ بے شک یہ بات کہ تو صبح کو قرآن کی ایک آیت سیکھے تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تو نماز کی ایک سو رکعت ادا کرے (ابن ماجہ) ۔

۱۸۔ **بزرگی کا تاج** ۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ قیامت کے روز جب صاحب قرآن میدان حشر میں آئیگا تو قرآن کہے گا کہ اے اللہ ! اس کو لباسِ آراستہ پہنا دے ۔ چنانچہ اس کو بزرگی کا تاج پہنایا جائیگا ۔ پھر قرآن کہے گا کہ اے اللہ ! تو اس کو اور زیادہ مرتبہ دے اور اس سے راضی ہو جا اور اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جائیگا اور اسے حکم دے گا کے ایک ورق پڑھ اور ہر آیت کے بدلے اس کی ایک نیکی بڑھائے گا (حاکم) ۔

۱۹ - **قرآن کی شفاعت** - حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآنِ کریم ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی گئی اور ایسا جھگڑالو ہے کہ جس کا جھگڑا تسلیم کر لیا گیا - جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے اس کو یہ جنت کی طرف کھینچتا ہے اور جو اسے پس پشت ڈالدے اس کو یہ جہنم میں گرا دیتا ہے (ابن حبان) -

۲۰- **تلاوت دل لگنے تک کرنا** - حضرت جندبؓ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآنِ مجید اس وقت تک پڑھو جب تک اس میں دل لگے - جب دل اچاٹ ہونے لگے تو پڑھنا بند کردو (بخاری شریف ۱۶۹/ ۳) -

۲۱- **گھروں کو منور کرنا** - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز اور قرآن کی تلاوت سے اپنے گھروں کو منور کرو (بیہقی) -

۲۲- **ویران قلب** - حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے قلب میں قرآنِ کریم کا کوئی حصہ بھی محفوظ نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے (ترمذی ، احمد دارمی ، حاکم) -

۲۳- **حساب سے مستثنیٰ لوگ** - حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن تین (قسم کے) آدمی ایسے ہوں گے جن کو نہ خوف دامن گیر ہوگا اور نہ ان کو حساب و کتاب دینا پڑے گا اور جب تک مخلوق اپنے اپنے حساب و کتاب سے فارغ ہوگی ، وہ مشک کے ٹیلوں پر تفریح کریں گے - (۱) وہ شخص جس نے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے قرآن پڑھا اور ان لوگوں کی امامت کی جو اس سے راضی ہیں -
(۲) وہ شخص جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لوگوں کو نماز کی طرف بلاتا ہو - (۳) وہ شخص جو اپنے ماتحتوں سے اچھا برتاؤ کرے (طبرانی) -

۲۴- **مشک کی تھیلی** - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو ! تم

قرآن کی تعلیم حاصل کرو اور اس کو پڑھو اس لئے کہ جو شخص اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے ، پھر اسے پڑھتا اور اس کا اہتمام کرتا ہے تو اس کی مثال اس تھیلی جیسی ہے جو مشک سے بھری ہوئی ہے اور اس کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہے اور جو شخص اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے ، پھر اس سے (غافل ہو کر) سو جاتا ہے ، اس طرح کہ قرآن اس کے سینے میں ہوتا ہے تو اس کی مثال اس تھیلی جیسی ہے جس کی مشک (تھیلی کے منہ) کو بند کر دیا گیا ہو (ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ) ۔

۲۵۔دس آیتوں کی تلاوت ۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی رات میں دس آیتوں کی تلاوت کرے وہ اس رات میں غافلین میں شمار نہیں ہوگا (حاکم) ۔

۲۶۔علمِ نبوت ۔ حضرت عبدؓاللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآن پڑھ لیا ، اس نے علومِ نبوت کو اپنے دونوں پہلوؤں میں لے لیا ۔ فرق یہ ہے کہ اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی ۔ حاملِ قرآن کے لئے مناسب نہیں کہ غصہ کرنے والوں کے ساتھ غصہ کرے یا جاہلوں کے ساتھ جہالت کا برتاؤ کرے ، حالانکہ اس کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ۔ (حاکم ، بیہقی) ۔

۲۷۔طلبِ دنیا کے لئے پڑھنے کا انجام ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اس لئے قرآن پڑھتا ہے کہ اس کی وجہ سے لوگوں سے کھائے تو قیامت کے روز وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ محض ہڈی ہوگا جس پر گوشت نہ ہوگا ۔ یعنی جو لوگ حصول دنیا کی غرض سے قرآن شریف پڑھتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں (بیہقی) ۔

۲۸۔گمراہی سے بچنے کا ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ۔ جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے (ان پر عمل کرتے رہو گے) تو ہرگز گمراہی میں نہ پڑوگے اور وہ (چیزیں) قرآن اور میری حدیث ہے (مشکوٰۃ) ۔

۲۹۔اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونا۔ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن کی تلاوت کرتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتا ہے پس جو شخص چاہے کہ وہ رب العزت سے ہمکلام ہو تو اسے چاہئے کہ وہ قرآنِ کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرے۔ (مسند ابی شیبہ)۔

۳۰۔آمین کہنا۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ اس وقت فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ ہوتی ہے اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں (بخاری شریف ۸۰/ ۴)۔

۳۱۔تلاوت کی فضیلت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نماز میں قرآن شریف کی تلاوت بغیر نماز کی تلاوت سے افضل ہے بغیر نماز کی تلاوت تسبیح و تکبیر سے افضل ہے۔ اور تسبیح صدقہ سے افضل ہے اور صدقہ روزہ سے افضل ہے اور روزہ آگ سے بچاؤ کا ذریعہ ہے (بیہقی)۔

۳۲۔اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین۔ حضرت عبدؓاللہ بن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سب سے زیادہ محبوب قرآن ہے۔ (دارمی)۔

۳۳۔اللہ تعالیٰ کا سایہ۔ حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا اس دن حاملینِ قرآن اللہ تعالیٰ کے سایہ میں کھڑے ہوں گے۔

۳۴۔بہترین کلام۔ حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ سب سے بہتر کلام قرآنِ مجید ہے اور سب سے بہتر طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ اور بُری چیزوں میں سے سب سے بد تر بدعات ہیں۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ آکر رہے گی اور تم اسے روک نہ سکو گے (بخاری شریف)۔

۳۵۔دوگنا ثواب۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف کا حفظ پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور قرآن پاک میں دیکھ کر پڑھنا دوہزار درجہ

تک بڑھ جاتا ہے (بیہقی) ۔

۳۶۔**قرآن سننے کا اجر۔** حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے قرآن مجید کی ایک آیت کان لگا کر سنی اس کو ایک بڑھتی رہنے والی نیکی ملے گی ۔ جس نے اس کو پڑھا ہے وہ اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی (احمد) ۔

۳۷۔**قرآن کے شوق کا صلہ۔** ایک روایت میں ہے کہ جو شخص قرآن پڑھنے کا شوق رکھتا ہے مگر پڑھ نہیں سکتا اور نہ پڑھنے کی کوشش ترک کرتا ہے تو قیامت کے روز وہ اعلیٰ درجہ کے قرآن پڑھے ہوؤں میں اٹھایا جائیگا ۔(احمد) ۔

۳۸۔**نیکی سے محروم گھر۔** حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ خالی (نیکی سے محروم) وہ گھر ہے جس میں تھوڑا سا بھی قرآن مجید نہ ہو ۔ یعنی اس گھر کے لوگ قرآن مجید سے بالکل ہی کورے اور محروم ہوں (حاکم) ۔

۳۹۔**قرآن کو دہرانا۔** حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حافظِ قرآن کی مثال رسی سے بندھے ہوئے اونٹ کے مالک جیسی ہے ۔ اگر اس کی نگرانی رکھے گا تو روک سکے گا ، ورنہ وہ بھاگ جائے گا ۔ (بخاری شریف ۱۶۶ / ۳) ۔

۴۰۔حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں بہت برا ہے بلکہ (یوں کہنا چاہیئے کہ) بھلا دیا گیا ۔ اور قرآنِ مجید کا دہرانا اور یاد کرنا جاری رکھو کیونکہ انسانوں کے دلوں سے دور ہوجانے میں وہ اونٹ سے بھی بڑھکر ہے (بخاری شریف ۱۶۶ / ۳) ۔

باب سوئم

آدابِ تلاوت

(۱) تلاوت کی کثرت: قرآنِ کریم کی قرأت و تلاوت کثرت سے کرنا مستحب ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رشک تو بس دو ہی باتوں پر ہونا چاہئے۔ ایک اس آدمی پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن عطا فرمایا ہے (یعنی جو حافظ قرآن ہے) اور وہ دن رات اس کے ساتھ قیام کرتا ہے (اس کو پڑھتا رہتا ہے) اور اس کا پڑوسی سن کر یہ کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی اس جیسا علم ہوتا اور میں بھی اس کی طرح عمل کرتا۔ اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ اسے حق کے لئے لٹاتا ہو اور (اسے دیکھ کر) دوسرا آدمی کہتا ہو کہ کاش مجھے بھی اتنا مال حاصل ہوتا اور میں بھی اسی کی طرح عمل کرتا (بخاری شریف ۱۶۵/ ۳)۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قرآنِ کریم کا ایک حرف پڑھا اس نے ایک نیکی کمائی اور یہ ایک نیکی اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آلمٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (اس طرح آلم پڑھنے والا تیس نیکیوں کے برابر ثواب حاصل کرے گا) ترمذی، دارمی۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآنِ کریم نے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے سوال کرنے اور دعا کرنے سے مشغول رکھا (روکا) تو میں اس کو ان سے افضل عطا کروں گا جو سوال کرنے والوں اور دعا کرنے والوں کو عطا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں کے مقابلہ میں ویسی ہی فضیلت حاصل ہے جیسی اپنی مخلوق کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کو (ترمذی، دارمی، بیہقی)۔

حضرت ابو امامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قرآن پڑھا کرو ، قیامت کے روز وہ اپنے پڑھنے والوں کا شفیع بن کر آئے گا (مسلم) ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ آسمان والوں کو اس طرح روشن نظر آتا ہے جس طرح زمین والوں کو تارے نظر آتے ہیں (بیہقی) ۔

حضرت نعمانؓ بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی بہترین عبادت قرآنِ کریم کی قرأت ہے ۔

(۲) ۔ قرآن کا بھول جانا: قرآنِ کریم کا بھول جانا گناہِ کبیرہ ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآنِ کریم کو یاد کر کے بھول جائے تو قیامت کے روز وہ جزامی ہوگا (معاذ اللہ) بخاری شریف ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے تو میں نے کوئی گناہ اس سے بڑا نہ پایا کہ آدمی قرآن کی کوئی سورت یا آیت یاد کر کے بھلا دے (ترمذی) ۔

حضرت ابوموسیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید کی تلاوت کو لازم پکڑو ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ اونٹ کے اپنی رسی تڑوا کر بھاگ جانے سے زیادہ تیزی سے بھاگتا ہے ۔ (بخاری شریف ۱۶۶/ ۳)

(۳) ۔ وضو کرنا: قرآنِ کریم پڑھنے کے لئے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ وہ ذکروں میں افضل ترین ذکر ہے ۔

(۴) ۔ مسواک کرنا: قرآن کی تعظیم اور منہ کی صفائی کے خیال سے مسواک کرنا مسنون ہے ۔ بزّار نے حضرت علیؓ سے جید سند کے ساتھ مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے منہ قرآن کے راستے ہیں لہذا ان کو مسواک کے ذریعہ پاک و صاف بناؤ ۔

(۵) ۔ پاک جگہ پر تلاوت کرنا: پاک و صاف جگہ پر تلاوت کرنا مسنون ہے اور اس کے لئے سب سے افضل جگہ مسجد ہے ۔

(۶) قبلہ رو ہونا: قرأت کے وقت قبلہ رو ہو کر خشوع و خضوع کے ساتھ با آرام اور جم کر بیٹھنا مسنون ہے ۔

(۷) تعوّذ پڑھنا: قرأت کے آغاز سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا ضروری ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِااللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ؕ
(النحل ۹۸) ۔

جب تو قرآن پڑھنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے شیطان مردود کے بارے میں پناہ مانگ ۔

(۸) ۔ بسم اللہ پڑھنا: سورۂ برأت کے سوا ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے ۔

(۹) ۔ ترتیل سے پڑھنا: تلاوت میں ترتیل مسنون ہے ۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو ۔

ابو داؤد میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی وضاحت کے ساتھ حرف حرف نمایاں کر کے پڑھا کرتے تھے ۔

۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ قرآن پڑھنے والے سے (قیامت کے روز بہشت میں داخل ہوتے وقت) کہا جائے گا تو قرآن پڑھتا جا اور (بہشت کے) درجوں پر چڑھتا جا اور جس طرح تو دنیا میں ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتا تھا اسی طرح ترتیل کے ساتھ پڑھ ۔ بیشک (بہشت میں) تیری منزل اسی جگہ ہو گی جہاں تو قرآن کی آخری آیت پڑھ کر اسے تمام کرے گا ۔ (احمد ، ترمذی ، ابو داؤد ، نسائی ، ابن ماجہ)۔

مسند احمد میں حضرت بریدہ کی ایک طویل روایت کے آخر میں ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور جنت کے درجات اور اس کے بالا خانوں میں چڑھتا جا ۔ پس جب تک وہ پڑھتا رہے گا چڑھتا ہی رہے گا خواہ وہ روانی سے پڑھے یا ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھے ۔

(۱۰) معانی پر غور کرنا : تلاوتِ قرآن کے وقت اس کے مطالب و معانی پر غور کرنا مسنون ہے ۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (محمد ۲۴) ۔

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے ۔

کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْا اٰیٰتِهٖ ص (۲۹)

ایک با برکت کتاب ہے جس کو ہم نے تم پر نازل کیا تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں ۔

حضرت عوفؓ بن مالک سے مروی ہے کہ ایک شب کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں کھڑا ہوا اور آپ نے سورۂ بقرہ پڑھی اس طرح کہ جب آپؐ کسی رحمت کی آیت کو پڑھتے تو رک کر دعا مانگتے اور عذاب کی آیت پڑھتے تو ٹھہر کر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے (ابو داؤد ، نسائی) ۔

ابوداؤد اور ترمذی نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جو شخص وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ کو خاتمہ تک پڑھے تو اس کے بعد اسے کہنا چاہئے بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ ۔ اور جو شخص لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ کو آخری آیت تک پڑھے یعنی اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی تک تو اس کو بلٰی (بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے) کہنا چاہئے ۔اور سورۂ وَالْمُرْسَلٰت پڑھنے والا جب فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ تک پہنچے تو اس کو اٰمَنَّا بِاللہِ (ہم لوگ خدا پر ایمان لائے) کہنا چاہئے ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھتے تو سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی فرماتے (احمد ، دواؤد) ۔

(۱۱) ۔ کسی ایک آیت کو بار بار پڑھنے اور اس کو دہرانے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

حضرت ابی ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک ہی آیت کی تکرار کرتے کرتے صبح کر دی ۔ وہ آیت یہ تھی ۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۔ (مائدہ ۱۱۸)

(۱۲) **خوش الحانی** : تلاوت میں خوش آوازی اور لب و لہجہ کی درستگی مسنون ہے ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کی طرف اتنی توجہ نہیں فرماتا جتنی توجہ سے اس بندے کی آواز سنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا کلام خوش الحانی سے پڑھتا ہو (بخاری ، مسلم ، احمد) ۔

حضرت براءؓ بن عازب سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنی آوازوں سے قرآنِ کریم کے حسن و زینت کو ظاہر کرو (احمد ، ابو داؤد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ) ۔

عبداللہ بن ابی ملیکہ حضرت عبید اللہ بن ابو یزید سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابو لبابہؓ (صحابی) کا ہمارے پاس سے گزر ہوا ۔ ہم بھی ان کے ساتھ ہو لئے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہوگئے اور (اجازت لیکر) ان کے ساتھ ہم بھی داخل ہوگئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک معمولی رہن سہن والے سادہ مزاج انسان ہیں ، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہمارا نہیں (ابوداؤد) ۔

(۱۳) **تلاوت کے وقت رونا** : قرآن پڑھتے وقت رو پڑنا مستحب ہے اور جو شخص رونے کی قدرت نہ رکھتا ہو اس کو رونی صورت بنا لینی چاہئے ۔ ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت کی ۔ اس حدیث کے آخر میں ہے کہ ناگہاں آپؐ کی دونوں آنکھیں اشکبار ہو گئیں (صحیحین) ۔

بیہقی نے اپنی کتاب شعب الایمان میں سعد بن مالک سے مرفوع روایت بیان کی کہ بیشک یہ قرآن رنج اور صدمہ کے ساتھ نازل ہوا ہے ۔ اس لئے جس وقت تم اس کو پڑھو تو روؤ اور رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنالو ۔

(۱۴) ۔ **قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا** : قرآن میں دیکھ کر تلاوت کرنا زبانی تلاوت کرنے سے افضل ہے کیونکہ مصحف (قرآن) کو دیکھنا بھی عبادت ہے ۔

ابو عبیدہ نے صحیح سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی کہ ناظرہ قرآن پڑھنے کو حفظ کے ساتھ قرآن پڑھنے پر وہی فضیلت ہے جو فرض نماز کو نفل نماز پر فضیلت حاصل ہے۔

(۱۵) ۔ بات کرنے کے لئے تلاوت روکنا : کسی سے بات کرنے کے لئے تلاوت روکنا مکروہ ہے ۔ اسی طرح تلاوت کے دوران ہنسنا ، کپڑے یا کسی چیز سے کھیلنا یا کسی ایسی چیز کو دیکھنا جو تلاوت سے توجہ ہٹا دے ، سب مکروہ ہے ۔

(۱۶) ۔ تلاوت کا سننا : تلاوت قرآن کا سننا اور اس وقت شور و غل اور باتیں ترک کر دینا ضروری ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

إِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْالَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ط
(اعراف ۲۰۴) ۔

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔

(۱۷) سجدہ کی آیت پڑھکر سجدہ کرنا ضروری ہے ۔ قرآنِ کریم میں سجدہ کی چودہ آیتیں ہیں ۔

(۱۸) سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے بعد تکبیر کہنا مستحب ہے ۔
(۱۹) قرآن کا ترتیب سے پڑھنا واجب ہے اگرچہ نماز سے باہر ہو (طحاوی) ۔
(۲۰) قرآن کو با وضو ہاتھ لگانا چاہیئے ۔ اگر پانی میسر نہ ہو یا کوئی اور عذر ہو تو تیمم کر لے بغیر وضو کے زبانی پڑھنا جائز ہے ۔
(۲۱) قرآنِ کریم کو کمائی کا ذریعہ بنانا مکروہ ہے ۔

(۲۲) **ختم القرآن کی اہمیت :** ختمِ قرآن کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے ۔ ختمِ قرآن میں اپنے گھر والوں اور دوستوں کو شریک کرنا چاہیئے ۔
مجاہد سے روایت ہے کہ صحابہؓ کرام ختم القرآن کے وقت اکٹھے ہو جایا کرتے تھے ۔ مجاہد

ہی سے روایت ہے کہ ختم القرآن کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے ۔

(۲۳) ۔ ختم القرآن کی دعا: ختم القرآن کے بعد دعا مانگنا سنت ہے ۔

حضرت عرباض بن ساریہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن ختم کیا اس کے لئے ایک قبول ہونے والی دعا ہے ۔ (طبرانی)

حضرت انسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس شخص نے قرآن ختم کر کے اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا اور اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی تو بیشک اس نے اچھے موقع پر اپنی بہتری طلب کی ۔

(۲۴) ایک ختم سے فارغ ہوتے ہی دوسرا ختم شروع کر دینا مسنون ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابیؓ بن کعب سے روایت کی ہے کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھ لیتے تو اَلْحَمْد سے پھر شروع کر دیتے اور اس کو پڑھ لینے کے بعد سورۂ بقرہ میں سے اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ تک تلاوت فرماتے ۔ اس کے بعد ختم قرآن کی دعا فرما کر اٹھتے (ماخوذ از اتقان ۲۷۹ ۔ ۳۰۱ / ۱) ۔

فرمان رسول

کامل مومن ۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لئے بھی وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ۔ (بخاری شریف ۱۰\۱) ۔

خالص منافق ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص میں یہ چار عادتیں ہوں وہ خالص منافق ہے ۔ اور جس میں ان چار میں سے ایک عادت ہو وہ (بھی) نفاق ہی ہے جب تک کہ وہ اسے چھوڑ نہ دے (وہ علامات یہ ہیں) ۔

(۱) ۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے ۔
(۲) ۔ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے ۔
(۳) ۔ جب وہ کسی سے عہد کرے تو اس کو دھوکہ دے ۔
(۴) ۔ جب وہ کسی سے لڑے تو گالیوں پر اتر آئے ۔ (بخاری شریف ۱۳\۱) ۔

باب چہارم

نزولِ قرآن

نُزُوْل ۔ لغت میں اس کے معنی اترنے کے ہیں ۔

اِنْزَالْ ۔ اس کے معنی اتارنے کے ہیں ۔ کسی چیز کو ایک ہی دفعہ میں مکمل نازل کر دینا ۔ سورۂ اسراء میں ارشاد ہے ۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاہُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ (۱۷/۱۰۵) ۔
اور حق ہی کے ساتھ ہم نے اس (قرآن) کو اتارا اور حق ہی کے ساتھ وہ (قرآن) اترا ۔

تَنْزِیْلْ ۔ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنا ۔

حضراتِ مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتداء اور نزولِ قرآن کریم کا سلسلہ اسی روز اور اسی وقت شروع ہو گیا تھا جب چالیس سال کی عمر میں آپؐ کو خلعتِ نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا گیا ۔ قرآنِ کریم کلام الہیٰ ہے جو پہلے لیلۃُ القدر میں لوحِ محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہوا ۔ پھر وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر تیئس سال کے عرصہ میں حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۸۵/۲۱،۲۲) ۔

بلکہ وہ تو قرانِ مجید ہے جو لوحِ محفوظ میں ہے ۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ (۹۷/۱) ۔

بلاشبہ ہم نے اس (قرآن) کو لَیلۃُ القدر میں نازل کیا ۔

وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا (۱۷/۱۰۲)۔

اور ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔

لوح محفوظ میں کلام اللہ کے محفوظ ہونے کا زمانہ اور کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ بتا دیا ہے کہ تمام علومِ الہٰیہ، تقدیری، وتکوینی امور، فنا و بقا اور ہر ایک کی موت و حیات اور قیامت تک پیش آنے والے جملہ احوال کا خزانہ اور سرچشمہ لوحِ محفوظ ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ (۵۴/۱۵۳)۔

اور ہر چھوٹی اور بڑی چیز لکھی ہوئی ہے۔

تھوڑا تھوڑا نازل کرنے کی حکمت: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کی حکمت اس طرح بیان فرمائی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (سورہ فرقان ۳۲)۔

اور کافروں نے کہا کہ آپؐ پر تمام قرآن بیک وقت کیوں نہ اتار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم اسی طرح تھوڑا تھوڑا کر کے اتارتے ہیں تاکہ اس قرآن کے ساتھ آپؐ کے قلبِ مبارک کو ثابت رکھیں۔ اور ہم ترتیل و خوبی کے ساتھ اس کی تلاوت کریں۔

قرآنِ کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ جب کفار مشرکین کوئی اعتراض کرتے تو اس کے جواب میں قرآنِ کریم کی کوئی آیت یا آیتیں نازل ہو جاتی تھیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ آنے والے واقعات کے بارے میں قرآن کے ذریعہ خبر دیکر کافروں پر حجت قائم کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ جب کفار کی ایذا رسانی بڑھی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَکُ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۔
(النحل ۱۲۷)۔

اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صبر کیجئے ۔ آپ کا صبر کرنا اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق و حمایت سے ہے ۔ اور آپ ان مشرکین پر غم نہ کیجئے اور نہ ان کی سازشوں سے جو یہ کر رہے ہیں تنگدلی اور اضطراب میں پڑئے ۔

اسی طرح جب مشرکین کا بغض و عناد اور شقاوت ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان بد بختوں کو عذاب خداوندی کی وعید سنائی ۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (حٰم سجدہ ۱۳) ۔

پھر اگر وہ اعراض کریں تو آپ ان سے کہدیں کہ میں تو تمہیں عذاب الٰہی کی کڑک سے خبردار کر چکا ہوں ۔ جیسی کڑک کے عاد و ثمود پر مسلط ہوئی تھی ۔

پھر اللہ تعالیٰ کے قہر سے کفار و مشرکین تباہ و برباد ہو گئے ۔ اس طرح ہر آیت ایک مستقل دلیل بنکر نازل ہوتی رہی ۔ اور یہ بات قرآن کریم کے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے ہی کی صورت میں ممکن تھی ۔ (مناہل العرفان ۴۷ ۔ ۴۸) ۔

سب سے پہلی آیات ۔ جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئیں ۔ بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی ۔ آپؐ جو کچھ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی........

یہاں تک کہ ایک فرشتہ (جبرائیل) نے غار (حرا) کے اندر آکر آپؐ سے کہا کہ " پڑھئے " آپؐ نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا ۔ آپؐ نے بیان فرمایا کہ اس پر اس فرشتے نے مجھے دبوچ کر اس

زور سے بھینچا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہونے لگی ۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے ، میں نے دوبارہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا ۔ یہ سنکر اس نے مجھے پھر زور سے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے۔میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔اس پر اس نے تیسری مرتبہ مجھے آغوش میں لیکر خوب بھینچا پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا ۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ؕ (علق ۱ ۔ ۵)

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے ۔ جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ۔ پڑھئے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے ۔ جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی ۔ اور انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ۔

یہاں تک پڑھ کر وہ فرشتہ خاموش ہو گیا ۔ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف لائے تو آپؐ کا دل کانپ رہا تھا اور آپؐ سخت سردی محسوس کر رہے تھے اس لئے آپؐ نے آتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے اڑھادو ، مجھے اڑھادو ، کچھ دیر بعد جب آپؐ کی طبیعت پرسکون ہوئی تو آپؐ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ سے بیان کیا (ہادیٔ اعظم ، از مولف ۱۰۰ ، ۱۰۱) ۔

ان آیات کے نزول کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا ۔ اس مدت کو " فَتْرَتِ وحی " کا زمانہ کہتے ہیں ۔ حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل النبوہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ۔

اول سورۃ نزلت فی القران اقرا باسم ربک ۔

قرآن میں سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت اقرا باسم ہے ۔

طبرانی نے اپنی کتاب الکبیر میں ابی رجاء العطار دی سے ایسی سند کے ساتھ جس میں صحیح ہونے کی شرطیں پائی جاتی ہیں روایت کی کہ ابو رجاء عطاردی بیان کرتے ہیں کہ ابو موسیٰ اشعری ، ہمیں قرآن پڑھاتے وقت حلقہ باندھکر بٹھادیتے تھے اور خود دو سفید و شفاف کپڑے پہن کر وسط میں بیٹھتے تھے ۔ جب وہ اس سورۂ اقرا باسم ربک

سورت ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی ۔ (اتقان ۵۷/۱) ۔

بعض مفسرین کے نزدیک سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی ۔ شیخین نے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت کی ۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے دریافت کیا کہ قرآن کا کونسا حصہ پہلے نازل ہوا ہے ۔ حضرت جابرؓ نے جواب دیا کہ یاایّھاالمدثّر ۔ میں نے کہا یا اِقرَاْ بِاسْمِ ربک ۔ یہ سنکر حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں تم سے وہ بات بیان کرتاہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کہی تھی ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے غارِ حِرا میں خلوت نشینی اختیار کی ۔ جب میں نے یہ مدت پوری کرلی اور پہاڑ سے اتر کر وادی کے نشیب میں آیا تو مجھے کسی نے آواز دی ۔ پس میں نے اپنے سامنے کی طرف، اپنے پیچھے، اپنے دائیں طرف، اپنے بائیں طرف اور آسمان کی طرف دیکھا، پس یکایک مجھے وہ (فرشتہ) نظر آگیا جس کو دیکھ کر مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی اور میں نے (حضرت) خدیجہؓ کے پاس آکر کہا کہ مجھے (کپڑے) اڑھادو ۔ انہوں نے مجھے اڑھادیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یاایّھاالمدثّر نازل فرمائی (بخاری شریف ۱۴۹/ ۳) ۔

علماء کرام نے اس حدیث کے مختلف جواب دئے ہیں ۔ ایک یہ کہ سائل کا سوال پوری سورت نازل ہونے کے بارے میں تھا ۔ اسی لئے حضرت جابر نے فرمایا کہ سب سے پہلے سورۂ مُدَّثِّر نازل ہوئی کیونکہ اس سے پہلے سورۂ علق پوری نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ اس کی ابتدائی پانچ آیتیں نازل ہوئی تھی، دوسرے یہ کہ حضرت جابرؓ وحی کے حوالہ سے بات کر رہے تھے کہ انقطاع وحی کی مدّت گزرنے کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی ۔ اس کی تائید حضرت جابرؓ ہی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو بخاری شریف میں وحی کی ابتداء کے باب میں آئی ہے ۔ یہ حدیث ابن شہاب نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطہ سے حضرت جابرؓ بن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے موقوف ہونے (فَترتِ وحی) کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک بار میں جارہا تھا کہ یکایک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی اور میں نے نگاہ اٹھائی تو مجھے وہی فرشتہ جو غارِ حِرا میں میرے پاس آیا تھا آسمان اور زمین کے مابین ایک کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا ۔ یہ دیکھ کر میں ڈر گیا اور گھر واپس آکر میں نے کہا کہ مجھے اڑھادو، مجھے اڑھادو ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے (سورۂ مدثر کی) یہ آیتیں نازل فرمائیں ۔ (بخاری شریف ۷/۱) ۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "وہ میرے پاس آیا تھا" صاف دلالت کر رہا ہے کہ یہ بعد کا واقعہ ہے جبکہ سورۂ علق کی ابتدائی آیتوں کے نزول کا واقعہ اس سے پہلے غارِ حِرا میں پیش آچکا تھا ۔ لہٰذا سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں پہلے نازل ہوئیں اور سورۂ مدثر

بعد میں ۔ البتہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیات نازل ہوئیں ۔

خاص معاملات میں پہلی آیات

جہاد کے بارے میں پہلی آیت۔ حاکم نے مستدرک میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جنگ کی اجازت کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ ..... الاخیر (حج ۳۹، ۴۰) حضرت ابن عباسؓ کی مانند، مجاہد، ضحاک، عروہ بن زبیر، زید بن اسلم، قتادہ اور دیگر سلف نے فرمایا کہ یہ پہلی آیت ہے جو جہاد کی اجازت میں نازل ہوئی، ترمذی، نسائی ابن ماجہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اور بیہقی وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ستر سے زیادہ آیتوں میں قتال کی ممانعت کے بعد یہ پہلی آیت ہے جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی (ہادی اعظم) ۔

قتل کے بارے میں پہلی آیت۔ ابن جریر نے ضحاک سے روایت کی قتل کے بارے میں سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ۔ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْماً فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطَاناً فَلَا یُسْرِفْ فِی الْقَتْلِ ۔ اِنَّهٗ کَانَ مَنْصُوْراً ۔ (بنی اسرائیل ۳۳) ۔

شراب کے بارے میں پہلی آیت۔ علامہ طیالسی نے اپنی مسند میں ابن عمرؓ سے روایت کی، انہوں نے کہا کہ شراب کے بارے میں تین آیتیں نازل ہوئیں ۔ سب سے پہلے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ..... (بقرہ ۲۱۹) نازل ہوئی ۔ اور کہا جانے لگا کہ شراب حرام ہو گئی ۔ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں اس سے نفع اٹھانے کی اجازت دیجئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ۔ آپ خاموش رہے اور ان کو کوئی جواب نہ دیا ۔ اس کے بعد یہ آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (نساء ۴۳) نازل ہوئی ۔ اور کہا گیا کہ اب شراب حرام ہو گئی ۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اسے نماز کے قریب کے اوقات میں نہیں پیا کریں گے ۔ پھر بھی آپؐ خاموش رہے اور ان کو کچھ جواب نہ دیا ۔ اس کے بعد یہ آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ.... (مائدہ ۹۰) نازل ہوئی ۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اب شراب حرام کر دیگئی ہے (اتقان ۱/۶۴) ۔

مکی و مدنی آیات

قرآنِ کریم کی بعض سورتوں کو مکی اور بعض کو مدنی کہا جاتا ہے ۔ اکثر ائمہ مفسرین کے نزدیک اس تقسیم کا پسندیدہ، مشہور اور راجح مطلب یہ ہے کہ جو سورتیں اور آیتیں آپؐ کی مدینۂ منورہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں خواہ وہ مکہ شہر میں نازل ہوئی ہوں یا مکہ سے باہر کسی اور مقام پر یا شبِ معراج میں یا ہجرت کے سفر میں، سب مکی کہلاتی ہیں ۔ بعض لوگ مکی کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ مکہ شہر میں نازل ہوئیں ۔ اور مدنی ان کو کہتے ہیں جو مدینۂ منورہ میں نازل ہوئیں ۔ مگر مکی و مدنی کا یہ مطلب اکثر مفسرین کے نزدیک درست نہیں ۔ اسی طرح وہ سورتیں اور آیتیں جو آپؐ کی مدینۂ منورہ ہجرت کے بعد نازل ہوئیں خواہ وہ مدینہ شہر میں نازل ہوئی ہوں یا مدینہ کے باہر کسی سفر یا غزوہ میں، وہ سب مدنی کہلاتی ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ بھی مدنی کہلاتی ہیں جو صلح حدیبیہ یا فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے موقع پر خاص مکہ شہر یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں ۔

بیشتر سورتوں اور آیات کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں صحابۂ کرام ہی کے اقوال و تصریحات سے پتہ چلتا ہے کیونکہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انہی حضرات نے قرآنِ کریم پڑھا اور سیکھا اور اس کے بارے میں تفصیلی معلومات حاصل کیں ۔ البتہ بعض سورتوں اور آیات کے بارے میں دوسرے شواہد سے بھی مدد لی گئی ہے ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ہر آیت کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور کب نازل ہوئی ؟ حضرت علی فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میں ہر ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن کو، میدانی علاقہ میں اتری یا پہاڑ پر ؟ ابو ایوب کہتے ہیں کہ کسی شخص نے عکرمہ سے قرآنِ کریم کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے کوہ سلع کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ یہ آیت اس پہاڑ کے دامن میں نازل ہوئی تھی ۔ (الاتقان ۱/۱۶، علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۶۰، ۶۱) ۔

بعض سورتوں کا بیشتر حصہ مکی ہے مگر ان میں چند آیتیں مدنی ہیں ۔ اسی طرح بعض مدنی سورتوں میں چند آیتیں مکی ہیں ۔ ایسی صورت میں اکثر حصہ کا اعتبار کیا جائے گا ۔ مثلاً سورۂ اعراف مکی ہے مگر اس میں وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ سے وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ..... الاٰخر (۱۶۳ - ۱۷۲) مدنی آیات ہیں ۔ اسی طرح سورۂ حج مدنی ہے مگر اس کی چار آیتیں وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ سے عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (۵۲ - ۵۵) تک مکی ہیں (الاتقان ۱۴-۱۶/۱) ۔

مکی و مدنی آیتوں کی خصوصیات

جو آیتیں اور سورتیں مکۂ مکرمہ میں نازل ہوئیں ان میں زیادہ تر اعتقادی مسائل؛ توحید و رسالت، جزا و سزا، اہل جنت کے احوال، اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت، اس کا قہر و عذاب اور اہل جہنم کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔ ان سورتوں میں عبرت و نصیحت کے انداز میں بار بار اللہ تعالیٰ، اس کے پیغمبر اور یوم آخرت پر ایمان لانے کے حکم کے ساتھ ساتھ لوگوں کو آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ غور و فکر اور اپنی عقل و بصیرت سے کام لیکر حق کو پہچانیں اور اس کو قبول کریں۔ اس کے ساتھ ہی بت پرستی کی مذمت اور توحید باری تعالیٰ کے ثبوت میں دلائل ایسے عبرت آموز اور آسان پیرایہ میں بیان کئے گئے ہیں کہ ایک معمولی عقل رکھنے والا انسان بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کو معبود بنانا کتنی بڑی حماقت ہے۔ اہل مکہ اپنی فصاحت و بلاغت اور اپنی شاعری پر اس قدر نازاں تھے کہ انہوں نے بیت اللہ کی دیواروں پر اپنے قصائد ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ (ہے کوئی مقابلہ کرنے والا) کے اعلان کے ساتھ لٹکا رکھے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تشبیہات و استعارات اور تمثیلوں کے ساتھ ساتھ الفاظ کا ایسا اچھوتا انتخاب اور ایسا منفرد اور عمدہ اندازِ تعبیر اختیار فرمایا کہ عرب کے وہ نامور فصحاء و بلغاء اور خطباء و شعراء جو فصاحت و بلاغت اور خطابت و شاعری میں کسی کو اپنا ثانی نہیں سمجھتے تھے وہ اس کلامِ ربانی کے مقابلہ میں ایک چھوٹی سی سورت لانے سے بھی عاجز تھے۔

اس کے بر عکس جو آیتیں اور سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں ان کے مضامین نہایت سادہ، واضح، دلائل کی قوت اور حقائق سے لبریز ہیں کیونکہ ان آیات کے مخاطب اہل کتاب تھے جو علمی صلاحیتوں کے پیش نظر حقائق و دلائل کو سمجھنے اور قبول کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ ان لوگوں کے حسد و عناد، غرور و تکبر، حق کو چھپانے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں تحریف کرنے جیسے عیوب اور بیماریوں کو مدنی آیتوں میں نہایت نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ توریت و انجیل کی ان بشارتوں کا بھی بار بار ذکر کیا گیا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور آپؐ کی نشانیوں کا بیان اور اہل کتاب کو اس نبیٔ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا

حکم تھا ۔ نیز دلائل و براہین کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ توریت و انجیل پر ایمان رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ قرآنِ کریم کو تسلیم کر کے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا جائے کیونکہ تمام آسمانی کتب اصولِ دین اور توحید کے معاملہ میں متفق ہیں ۔ ان آیات میں عبادات و معاملات سے متعلق فرائض و واجبات ، ممنوعات و منہیات ، حلال و حرام غزوات و جہاد ، مالِ غنیمت ، خِراج و جِزیۂ اور حدود و قصاص کے مسائل کا بیان ہے ۔
(ماخوذ از اتقان ۱۴ ۔۱۶ / ۱، مناہل العرفان ۷۸ ۔۸۰) ۔

جس سورت میں لفظ کلا (ہرگز نہیں) آیا ہے وہ مکی ہے ۔ یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ آیا ہے ۔

جس سورت میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں وہ مدنی ہے ۔

مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں اور مدنی آیتیں اور سورتیں طویل اور مفصل ہیں ۔

حضری آیات ۔ قرآنِ کریم کا بیشتر حصہ آپؐ کے اپنے وطن میں قیام پذیر رہنے کے زمانے میں نازل ہوا خواہ آپ کا قیام مکۂ مکرمہ میں رہا ہو یا ہجرت کے بعد مدینۂ منورہ میں ۔ ایسی تمام آیات کو حضری آیات کہتے ہیں ۔

سفری آیات ۔ وہ آیات جو سفر کی حالت میں نازل ہوئیں سفری آیات کہلاتی ہیں مثلاً ۔

۱ ۔ وَاتَّخِذُوْامِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (بقرہ ۱۲۵) ۔

سفر کے دوران حجۃ الوداع کے موقع پر بیت اللہ کے طواف کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عمرؓ نے اس بات کی تمنا کی کاش ہم مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ بنالیں ۔

۲ ۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (بقرہ ۱۹۶) ۔

عمرۂ حدیبیہ کے سفر میں حدیبیہ کے مقام پر نازل ہوئی ۔

۳ ۔ وَ اتَّقُوْايَوْماً تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ ۔ بقرہ ۲۸۱ ۔

حجۃ الوداع میں منیٰ میں نازل ہوئی ۔

۴ ۔ اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔ آل عمران ۱۷۲ ۔

حمراء الاسد میں نازل ہوئی ۔

۵ ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ ...... تَشْکُرُوْنَ ۔

مائدہ ۶۵

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اس کا نزول مقامِ بَیْدَاءؔ یا ذاتُ الجیش میں سفر کے دوران اس وقت ہوا جب وہ لوگ مدینے آرہے تھے ۔

۶ ۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا ۔ نساء ۵۸ ۔

فتح مکہ کے دن خانۂ کعبہ کے اندر اس وقت نازل ہوئی جب آپؐ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تھے ۔

۷ ۔ وَاِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ فَاَقَمْتَ لَھُمُ الصَّلٰوۃَ ۔ نساء ۱۰۲ ۔

مقامِ عُسْفَان میں ظہر اور عصر کے ما بین نازل ہوئی ۔

۸ ۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔ مائدہ ۵

حجۃ الوداع میں جمعہ کے دن عرفہ کی شب میں نازل ہوئی ۔

۹ ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْھَمَّ قَوْمٌ ۔ مائدہ ۱۱ ۔

مقامِ بطنِ نخل میں ایک غزوہ کے دوران اتری ۔

۱۰ ۔ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔ مائدہ ۔ ۶۷ ۔

غزوۂ ذَاتُ الرِّقَاعْ میں اس جگہ نازل ہوئی جہاں آپؐ کا خیمہ نصب تھا اور لوگ آپؐ کے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے ۔ اس کے نازل ہوتے ہی آپؐ نے خیمہ سے اپنا سر مبارک نکال کر فرمایا ۔ اے لوگو ! اب پہرہ دینے کی ضرورت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے ۔

۱۱ ۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ ۔ انفال ۹ ۔

غزوۂ بدر میں نازل ہوئی ۔

۱۲ ۔ لَوْ کَانَ عَرَضاً قَرِیْباً ۔ توبہ ۴۲ ۔

غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ۔

۱۳ ۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ۔ توبہ ۶۵ ۔

غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ۔

۱۴ ۔ وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۔ نحل ۱۲۶ ۔ ۱۲۸ ۔

یہ آیتیں غزوۂ احد میں اس وقت نازل ہوئیں جب آپؐ حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد ان کی لاش کے قریب کھڑے ہوئے تھے ۔

۱۵۔ وَاِنْ کَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْکَ مِنْهَا ۔ بنی اسرائیل ۷۶ ۔

غزوہ تبوک میں نازل ہوئی ۔

۱۶ ۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ ..... شَدِيْدٌ ۔ حج ۱ ۔ ۲

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ بنی مُصْطَلِقْ کے لئے روانگی کے وقت نازل ہوئی ۔

۱۷ ۔ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۔ حج ۱۹

غزوۂ بدر میں اس وقت نازل ہوئی جب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے ۔

۱۸ ۔ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَيْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ۔ قصص ۸۵ ۔

مقام جُحفہ میں نازل ہوئی جب آپ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ تشریف لیجا رہے تھے ۔

۱۹ ۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا ...... يُعْبَدُوْنَ ۔ زخرف ۴۵ ۔

بیت المقدس میں معراج کے سفر کے دوران نازل ہوئی ۔

۲۰ ۔ **سورۂ فتح** : یہ سورت حدیبیہ سے واپسی پر مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی ۔ ایک روایت کے مطابق کُرَاعُ الغَمِیم میں نازل ہوئی ۔

۲۱ ۔ **یَآَیُّھَاالنَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍوَّ اُنْثٰی** ۔ الحجرات ۱۳ ۔

فتح مکہ کے دن اس وقت نازل ہوئی جب حضرت بلالؓ نے خانۂ کعبہ کی پشت پر چڑھ کر اذان کہی ۔

۲۲ ۔ **یَآَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ** ۔ الممتحنہ ۱۰

حدیبیہ کے نشیبی حصہ میں نازل ہوئی ۔

۲۳ ۔ **سورۂ منافقون** ۔ : غزوۂ تبوک کے سفر میں رات کے وقت نازل ہوئی ۔

۲۴ ۔ **سورۂ والمرسلٰت**

شیخین نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ۔ انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ منیٰ کے قریب ایک پہاڑ میں چھپے ہوئے تھے ۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی ۔

۲۵ ۔ **سورۂ اِقْرَاء کی ابتدائی پانچ آیتیں** ۔

صحیحین کی روایت کے مطابق غارِ حرا میں نازل ہوئیں ۔

۲۶ ۔ **سورۂ نصر** ۔

حجۃ الوداع کے سفر میں ایامِ تشریق کے درمیان نازل ہوئی ۔ اس سے آپؐ نے سمجھ لیا کہ یہ دنیا سے رخصت ہونے کی اطلاع ہے ۔ اتقان ۴۲ ۔ ۱/۴۸ ۔

نہاری آیات ۔ قرآنِ کریم کی ان آیات اور سورتوں کو نہاری کہتے ہیں جو دن کے وقت نازل ہوئیں ۔ علامہ ابن حبیب کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کا اکثر حصہ دن کے وقت نازل ہوا ہے ۔

لیلی آیات ۔ وہ آیتیں جو رات کے وقت نازل ہوئیں ۔ مثلاً

۱۔ **اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ ..... اُولِی الْاَلْبَابِ** ۔ آل عمران ۱۹۰ تا آخر ۔

یہ آیتیں رات کے وقت نازل ہوئیں ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن حضرت بلالؓ صبح نماز کے وقت حاضر ہوئے تو اس وقت آپؐ رو رہے تھے ۔ حضرت بلالؓ نے رونے کا سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ آج رات مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں ۔ پھر فرمایا افسوس ہے اس شخص پر جو ان کو پڑھے اور ان پر غور و فکر نہ کرے ۔

۲ ۔ **وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** ۔ مائدہ ۶۷ ۔

غزوۂ ذَاتُ الرِّقَاع میں رات کے وقت نازل ہوئی جب صحابۂ کرام آپؐ کے خیمہ کے باہر پہرہ دے رہے تھے ۔ آپؐ نے خیمہ کے اندر سے اپنا سر مبارک نکال کر فرمایا ۔ لوگو ! تم واپس جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے ۔

۳ ۔ سورۂ انعام ۔

پوری سورت مکۂ مکرمہ میں رات کے وقت اس شان کے ساتھ نازل ہوئی کہ اس کے گرد ستر ہزار فرشتے تسبیح (سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم) کا غلغلہ بلند کرتے آ رہے تھے ۔ (طبرانی) ۔

۴ ۔ **وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰی اِذَا ضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ** توبہ ۱۱۸ ۔

اس آیت میں غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کی توبہ کی قبولیت کا اعلان ہے ۔ یہ آیت رات کے آخری حصہ میں نازل ہوئی ۔

۵ ۔ سورۂ مریم ۔

ابی مریم الغسّانی سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آج رات کو میرے گھر میں لڑکی پیدا ہوئی ہے ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ آج ہی شب کو مجھ پر سورۂ مریم نازل ہوئی ہے ۔ اس لئے اس لڑکی کا نام مریم رکھو (طبرانی) ۔

۶ **یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ** ۔ احزاب ۵۹ ۔

اس رات میں نازل ہوئی جب حضرت سَودہ کسی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلی تھیں ۔

۷ ۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَا ۔ زخرف ۴۵ ۔

شبِ معراج میں نازل ہوئی ۔

۸ ۔ سورۂ منافقون ۔

غزوۂ تبوک میں رات کے وقت نازل ہوئی ۔

۹ ۔ مَعُوذَتَیْن ۔ (قُلْ اَعُوْذُبِرَبِّ النَّاسِ ۔ قُلْ اَعُوْذُبِرَبِّ الْفَلَقِ) ۔

ان کا نزول بھی رات کے وقت ہوا ۔

فجر کے وقت نازل ہونے والی

۱ ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاۤ اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ ..... تَشْکُرُوْنَ مائدہ ۶۵ ۔

یہ آیت فجر کے وقت نازل ہوئی ۔

۲ ۔ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ اَوْیَتُوْبَ عَلَیْھِمْ ... ظٰلِمُوْنَ ۔ اٰل عمران ۱۲۸ ۔

نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع میں نازل ہوئی ۔ اس کے بعد آپؐ نے کافروں کے حق میں بد دعا کرنے کے لئے قنوتِ نازلہ ترک فرمادی ۔

صَیفِی آیات ۔ جو آیتیں گرمی کے موسم میں نازل ہوئیں ان کو صَیفِی کہتے ہیں ۔

۱ ۔ یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ ۔ نساء ۱۷۶

حجۃ الوداع کے موقع پر موسم گرما میں نازل ہوئی ۔

۲ ۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ ۔ مائدہ ۳ ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر موسم گرما میں نازل ہوئی ۔

۳ ۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ ۔ بقرہ ۲۸۱ ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر موسم گرما میں نازل ہوئی ۔

۴ ۔ سورۃ نصر

حجۃ الوداع کے موقع پر موسم گرما میں نازل ہوئی ۔

۵ ۔ لَوْ کَانَ عَرَضًا قَرِیْبًا ۔ توبہ ۴۲ ۔

موسم گرما میں غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ۔

۶ ۔ وَ مِنْهُمْ مَنْ یَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّیْ وَلَا تَفْتِنِّیْ ۔ توبہ ۴۹ ۔

موسم گرما میں نازل ہوئی جب جد بن قیس نے غزوۂ تبوک میں آنے سے رخصت مانگی اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے بنی الاصفر کی بیٹیوں کے بارے میں آزمائش میں نہ ڈالیں ۔

۷ ۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَیَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ ۔ توبہ ۶۵ ۔

موسم گرما میں غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی ۔

۸ ۔ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۔ توبہ ۸۱ ۔

موسم گرما میں اس وقت نازل ہوئی جب کسی منافق نے کہا کہ گرمیوں میں دشمن پر حملہ کرنے نہ جاؤ ۔

۹ ۔ وَ اِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا ۔ بنی اسرائیل ۷۶ ۔

غزوۂ تبوک میں موسم گرما میں نازل ہوئی ۔

۱۰ ۔ سورۃ مُنَافِقُوْنَ ۔

غزوۂ تبوک میں نازل ہوئی جو موسم گرما میں واقع ہوا ۔

شتائی آیات ۔ جو آیتیں موسم سرما میں نازل ہوئیں مثلاً

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُ وْ بِالْاِ فْکِ ..... رِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ نور آیات ۱۱-۲۶ ۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ یہ آیتیں نہایت سردی کے دنوں میں نازل ہوئی تھیں ۔

۲ ۔ یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْانِعْمَةَاللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْجَآءَتْکُمْ۔احزاب ۹۔ ۲۷ ۔

موسم سرما میں غزوۂ احزاب میں نازل ہوئی ۔

فراشی آیات ۔ وہ آیات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسے وقت میں نازل ہوئیں جب آپؐ اپنے بستر پر آرام فرما ہوتے تھے ۔

وَ اللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ۔ مائدہ ۶۷ ۔

غزوۂ ذاتُ الرِّقاعْ میں اس وقت نازل ہوئی جب آپؐ اپنے بستر پر آرام فرما رہے تھے ۔

وَعَلَی الثَّلٰثَةِ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰی اِذَاضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ ۔ توبہ ۱۱۸ ۔

اس کا نزول غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کی توبہ قبول ہونے کے بارے میں رات کے آخری حصہ میں ہوا جبکہ اپنے بسترِ مبارک پر آرام فرما رہے تھے ۔

سماوی آیات ۔ وہ آیات جو آسمان پر نازل ہوئیں ۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ .... الْکٰفِرِیْنَ بقرہ ۲۸۵ ، ۲۸۶ ۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات شبِ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب نازل ہوئیں ۔

فضائی آیات ۔ وہ آیات جو نہ تو زمین پر نازل ہوئیں اور نہ آسمان پر بلکہ دونوں کے درمیان فضا میں نازل ہوئیں ۔ ابن العربی فرماتے ہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ زمین پر نازل ہوا اور کچھ آسمان پر اور کچھ حصہ وہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان اترا اور کچھ وہ ہے جو زمین کے نیچے کسی غار میں نازل ہوا ۔

شیخ ابو بکر فہری نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ تمام قرآن مکہ مکرمہ میں نازل ہوا یا مدینہ منورہ میں ۔ کیونکہ قرآن کی جملہ آیات مکی اور مدنی عنوان ہی سے موسوم ہیں مگر چھ آیتیں ایسی ہی جو نہ تو زمین پر نازل ہوئی اور نہ آسمان میں ۔ ان میں سے تین سورۂ والصفت میں ہیں ۔

۱ ۔ وَمَا مِنَّا اِلاَّ لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ..... اَلْمُسَبِّحُوْنَ (الصفت ۱۶۴ ۔ ۱۶۶) ۔

یہ آیت آسمان اور زمین کے درمیان فضا میں نازل ہوئی ۔

۲ ۔ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاَ ۔ زخرف ۴۵ ۔

شب معراج میں آسمان و زمین کے درمیان فضا میں نازل ہوئی ۔

مکی و مدنی سورتیں

مدنی سورتیں ۔ حضرت قتادہ کی روایت کے مطابق مندرجہ ذیل ۲۶ سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں ۔

(۱) سورۂ بقرہ (۲) سورۂ اٰل عمران (۳) سورۂ نساء (۴) سورۂ مائدہ (۵) سورۂ توبہ (۶) سورۂ رعد (۷) سورۂ نحل (۸) سورۂ حج (۹) سورۂ نور (۱۰) سورۂ احزاب (۱۱) سورۂ محمد (۱۲) سورۂ فتح (۱۳) سورۂ حجرات (۱۴) سورۂ رحمن (۱۵) سورۂ حدید (۱۶) سورۂ مجادلہ (۱۷) سورۂ حشر (۱۸) سورۂ ممتحنہ (۱۹) سورۂ صف (۲۰) سورۂ جمعہ (۲۱) سورۂ منافقون (۲۲) سورۂ تغابن (۲۳) سورۂ طلاق (۲۴) سورۂ تحریم (۲۵) سورۂ زلزال (۲۶) سورۂ نصر (ابن کثیر ۷/ ۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ کی صحیح روایت کے مطابق سورۂ انفال بھی مدینہ ہی میں نازل ہوئی ۔ اس اعتبار سے مدنی سورتوں کی تعداد ۲۷ ہے اور باقی سورتیں مکی ہیں ۔ (مناہل العرفان ۸۶) ۔

مکی سورتیں ۔ (۱) سورۂ فاتحہ (۲) سورۂ انعام (۳) سورۂ اعراف (۴) سورۂ یونس (۵) سورۂ ہود (۶) سورۂ یوسف (۷) سورۂ ابراہیم (۸) سورۂ حجر (۹) سورۂ اسرا (۱۰) سورۂ کہف (۱۱) سورۂ مریم (۱۲) سورۂ طہٰ (۱۳) سورۂ انبیاء (۱۴) سورۂ مؤمنون (۱۵) سورۂ فرقان (۱۶) سورۂ شعراء (۱۷) سورۂ نمل (۱۸) سورۂ قصص (۱۹) سورۂ عنکبوت (۲۰) سورۂ روم (۲۱) سورۂ لقمٰن (۲۲) سورۂ الٓمٓ سجدہ (۲۳) سورۂ سباء (۲۴) سورۂ فاطر (۲۵) سورۂ یٰسٓ (۲۶) سورۂ صٰفّٰت (۲۷) سورۂ صٓ (۲۸) سورۂ زمر (۲۹) سورۂ مؤمن (۳۰) سورۂ حٰمٓ سجدہ (۳۱) سورۂ شوریٰ (۳۲) سورۂ زخرف (۳۳) سورۂ دخان (۳۴) سورۂ جاثیہ (۳۵) سورۂ احقاف (۳۶) سورۂ قٓ (۳۷) سورۂ ذٰریٰت (۳۸) سورۂ طور (۳۹) سورۂ نجم (۴۰) سورۂ قمر (۴۱) سورۂ واقعہ (۴۲) سورۂ ملک (۴۳) سورۂ قلم (۴۴) سورۂ حاقّہ (۴۵) سورۂ معارج (۴۶) سورۂ نوح (۴۷) سورۂ جن (۴۸) سورۂ مزّمّل (۴۹) سورۂ مدّثّر (۵۰) سورۂ قیامہ (۵۱) سورۂ دھر (۵۲) سورۂ مرسلٰت (۵۳) سورۂ نباء (۵۴) سورۂ نٰزعٰت (۵۵) سورۂ عبس (۵۶) سورۂ تکویر (۵۷) سورۂ انفطار (۵۸) سورۂ مطففین (۵۹) سورۂ انشقاق (۶۰) سورۂ بروج (۶۱) سورۂ طارق (۶۲) سورۂ اعلیٰ (۶۳) سورۂ غاشیہ (۶۴) سورۂ فجر (۶۵) سورۂ بلد (۶۶) سورۂ شمس (۶۷) سورۂ لیل
(۶۸) سورۂ ضحیٰ (۶۹) سورۂ انشراح (۷۰) سورۂ تین (۷۱) سورۂ علق (۷۲) سورۂ قدر (۷۳) سورۂ بیّنہ (۷۴) سورۂ عٰدیٰت (۷۵) سورۂ قارعہ (۷۶) سورۂ تکاثر (۷۷) سورۂ عصر (۷۸) سورۂ ھمزہ (۷۹) سورۂ فیل (۸۰) سورۂ قریش (۸۱) سورۂ ماعون (۸۲) سورۂ کوثر (۸۳) سورۂ کٰفرون (۸۴) سورۂ لہب (۸۵) سورۂ اخلاص (۸۶) سورۂ فلق (۸۷) سورۂ ناس ۔

کل سورتیں ۲۷ + ۸۷ = ۱۱۴ ۔

نصف اور تہائی قرآن

حجاج کے زمانے کی گنتی کے مطابق حرفوں کے اعتبار سے نصف قرآن سورہ کہف کی انیسویں آیت وَ كَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ کے لفظ و لیتلطف کی ف پر ہوتا ہے ۔ ایک اور قول کے مطابق نصف قرآن سورہ کہف کی آیت ۷۴ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا میں لفظ نکرا کے نون پر ہوتا ہے ۔

حجاج کے زمانے کی گنتی کے مطابق حرفوں کے اعتبار سے ایک تہائی قرآن سورۂ توبہ کی سوویں آیت وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ کے سرے پر ہوتا ہے ۔ دوسرا تہائی حصہ سورۂ شعراء سوویں آیت فَمَالَنَامِنْ شَافِعِیْنَ کے سرے پر یا ایک سو ایک ویں آیت وَلَاصَدِیْقٍ حَمِیْمٍ کے سرے پر ہوتا ہے ۔ (ابن کثیر ۷/۱) ۔

کلمات کی تعداد کے اعتبار سے سورۂ حج کی بیسویں آیت یُصْھَرُبِہٖ مَافِیْ بُطُوْنِھِمْ وَالْجُلُوْدُ میں لفظ الجلود پر پہلے نصف کلمات مکمل ہوتے ہیں ۔

آیات کی تعداد کے اعتبار سے سورۂ شعراء کی پینتالیسویں آیت فَاِذَاھِیَ تَلْقَفُ مَایَاْفِکُوْنَ میں لفظ یَاْفِکُوْنَ پر نصف آیتیں مکمل ہوتی ہیں ۔

سورتوں کی تعداد کے اعتبار سے سورۂ حدید پر نصف سورتیں تمام ہوتی ہیں ۔ (اتقان ۱/۱۸۸) ۔

حرفوں کے اعتبار سے سات حصے

سبع اول ، سورۂ نساء کی آیت ۵۵ وَمِنْھُمْ مَنْ صَدَّعَنْہُ میں لفظ صَدَّ کی دال پر ۔

سبع دوم ۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۷ وَلِقَاءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ کے لفظ حَبِطَتْ کی ت پر

سبع ثالث ۔ سورۂ رعد کی آیت ۳۵ اُکُلُھَا دَائِمٌ میں لفظ اُکُلُھَا کے آخری الف پر ۔

سبع رابع ۔ سورۂ حج کی آیت ۳۴ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا میں لفظ جَعَلْنَا کے الف پر ۔

سبع خامس ۔ سورۂ احزاب کی آیت ۳۶ وَمَاکَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَۃٍ میں مُؤْمِنَۃٍ کی ت پر ۔

سبع سادس ۔ سورۂ فتح کی آیت ۶ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰہِ ظَنَّ السَّوْءِ میں السَّوْءِ کے واؤ پر ۔

سبع سابع ۔ قرآن کے آخری حرف پر ۔ (ابن کثیر ۷/۱) ۔

پارے	۳۰	منزلیں	۷
سورتیں	۱۱۴	رکوعات	۵۴۰

کل آیات

اہل مدینہ کی پہلی تحقیق کے اعتبار سے یعنی ابو جعفر یزید بن القعقاع اور شیبہ بن

نصاح کی روایت سے ۶۰۰۰ ، ۲
اہل مدینہ کی دوسری تحقیق کے اعتبار سے یعنی اسمٰعیل بن جعفر انصاری کی روایت سے ۶،۲۱۴
اہل شام کے نزدیک بروایت اخفش ۶،۲۵۰
اہل مکہ کے نزدیک ابن کثیر کی سند سے ابن عباسؓ سے منقول ہے ۶،۲۱۲
اہل بصرہ کے نزدیک بروایت عاصم ۶۲۰۴
اہل کوفہ کے نزدیک بروایت حمزہ ۶،۲۶۳
حضرت عائشہؓ کی تحقیق پر ۶،۶۶۶
(منازل العرفان ۱۰۹،۱۱۱ ، مرآۃ القرآن صفحہ ۲) ۔

کل کلمات

قرآن کے کلمات کی کل تعداد ۸۶،۴۳۰
قرآن کے کلمات کی کل تعداد جو فضل بن شاذان نے عطا بن یسار سے نقل کی ۷۷،۴۳۶
قرآن کے کلمات کی کل تعداد حضرت مجاہد کے شمار کے اعتبار سے ۷۶،۲۵۰

کل حروف

حرفوں کی کل تعداد ۳۲۲۶۰۰
عبداللہ بن کثیر کی روایت سے حرفوں کی کل تعداد ۳،۲۱،۱۸۰
فضل بن عطا کی روایت سے حرفوں کی کل تعداد ۳،۲۳،۰۱۵
ابو محمد الحمانی کی روایت سے حرفوں کی کل تعداد ۳،۴۰،۷۴۰
ابن مسعودؓ کی روایت سے حرفوں کی کل تعداد ۳،۲۲،۶۷۱ (ابن کثیر ۷ \ ۱ ، معجم القرآن ۱۵) ۔
حروف مقطعات ۱۴ ۔ کل فتحات (زبر) ۵۳،۲۴۳
کل کسرات (زیر) ۳۹،۵۸۲ کل ضمات (پیش) ۸،۸۰۴
کل مدات ۱،۷۷۱ کل تشدیدات ۱،۲۵۳

کل نقاط ۱،۰۵،۶۸۴ سجدے اختلافی ۱۵ ، متفق ۱۴ (معجم القرآن ۱۷) ۔

مفرد حروف کی تعداد

ا	۴۸،۸۷۲	ب	۱۱،۴۲۸
ت	۱۰۱۹۹	ث	۱۰۲۷۷
ج	۳۲۷۳	ح	۳۹۹۳
خ	۱۴۱۶	د	۵۶۴۲
ذ	۴۶۹۹	ر	۱۱۷۹۹
ز	۱۵۹۰	س	۵۸۹۱
ش	۲۲۵۳	ص	۲۰۱۳
ض	۱۶۰۷	ط	۱۲۷۴
ظ	۸۴۲	ع	۹۲۲۰
غ	۲۲۰۸	ف	۸۴۹۹
ق	۶۸۱۳	ک	۹۵۰۰
ل	۳۰۴۲۳	م	۲۶۱۳۵
ن	۲۶۵۶۰	و	۲۵۵۳۶
ہ	۱۹۵۷۰	ء	۴۱۱۵
ی	۲۵۹۱۹	لا	۴۷۲۰

(مرآۃ القرآن)

باب پنجم

حفاظتِ قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی حفاظت کا مکمل انتظام فرمایا ہے ۔ عالَم بالا میں تو اس کو لوحِ محفوظ اور بیتُ العِزّت میں محفوظ فرمایا اور زمین پر اس کی حفاظت اس طرح کی گئی کہ اس کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور امت کے قلب ودماغ میں محفوظ کر دیا جیسا کہ ارشاد ہے ۔

سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی ۔

ہم بہت جلد آپؐ کو پڑھائیں گے پھر آپؐ نہیں بھولیں گے ۔

اسی طرح امت کے سینوں میں محفوظ کرنے کے بارے میں فرمایا ۔

بَلْ ھُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۔
عنکبوت ۴۹ ۔

بلکہ وہ (قرآن کی) کھلی آیتیں ہیں جو اہلِ علم (حفّاظ) کے سینوں میں موجود ہیں ۔

شروع شروع میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کے وقت ، وحی کے الفاظ کو دہرانے لگتے تھے تاکہ وہ پوری طرح ذہن میں محفوظ ہو جائیں ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔

لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْاٰنَہٗ
قیامہ ۱۶،۱۷ ۔

آپؐ (قرآنِ کریم کو) جلدی سے یاد کر لینے کے خیال سے اپنی زبان کو

حرکت نہ دیں ۔ بلاشبہ اس (قرآن) کو جمع کروانا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اطمینان دلایا ہے کہ نزولِ وحی کے وقت وحی کے الفاظ کو یاد رکھنے کے خیال سے ان کو جلدی جلدی دہرانے کی ضرورت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کے حافظہ میں ایسی قوت پیدا فرمائے گا کہ ایک دفعہ وحی نازل ہونے کے بعد آپؐ کے حافظہ میں محفوظ ہو جائیگی ۔ چنانچہ وحی نازل ہونے کے ساتھ ہی وہ آپؐ کو یاد ہو جایا کرتی تھی ۔ اس طرح قرآنِ مجید کی حفاظت کا سب سے موثر اور محفوظ ذریعہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور آپؐ کا حافظہ تھا ۔ نیز نزولِ وحی کے بعد آپؐ فوراً کاتبِ وحی کو بلا کر نازل شدہ آیات لکھوادیا کرتے تھے ۔ پھر مزید احتیاط کے طور پر آپؐ ہر سال ماہِ رمضان میں حضرت جبرائیل کو قرآنِ مجید سنایا کرتے تھے۔جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اس سال آپؐ نے حضرت جبرائیل کے ساتھ دو مرتبہ دور کیا ۔

ادھر صحابۂ کرام کو قرآنِ کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ اس معاملہ میں ہر شخص دوسرے پر سبقت لیجانے کی فکر میں رہتا تھا ۔ سیکڑوں صحابہ نے اپنی زندگیاں اسی کام کے لئے وقف کر دی تھیں ۔ وہ لوگ نہ صرف قرآنِ کریم کو یاد کرتے تھے بلکہ وہ راتوں کو نماز میں کھڑے ہو کر اسے دہراتے رہتے تھے ۔ مسجدِ نبوی میں قرآن سیکھنے اور سکھانے والے جمع رہتے تھے ۔ اس معاملہ میں عورتیں بھی مردوں سے پیچھے نہ تھیں ۔ بعض عورتوں نے تو اپنے شوہروں سے کوئی مہر طلب نہیں کیا سوائے اس کے کہ وہ ان کو قرآنِ کریم کی تعلیم دیں ۔

اہلِ عرب اپنی حیرت انگیز قوتِ حافظہ کی بنا پر دنیا میں ممتاز تھے ۔ ان کے سینے قومی واقعات اور قبائلی انساب کے خزانے تھے ۔ عرب کی تاریخ شاہد ہے کہ جو شخص ایک بار کوئی قصیدہ سن لیتا خواہ وہ سیکڑوں اشعار پر مشتمل ہوتا بس وہ پورے کا پورا اس کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتا ۔ اس طرح ایک ایک آدمی کو ہزاروں اشعار زبانی یاد ہوتے تھے ۔ ان پڑھ اور دیہاتی لوگوں کو بھی نہ صرف اپنے اور اپنے خاندان کے نسب نامے یاد ہوتے تھے بلکہ وہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد رکھتے تھے ۔

اہلِ عرب کو صدیوں تک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد قرآن کریم کی

ہدایت اور روشنی نصیب ہوئی تھی ۔ وہ اسے اپنی زندگی کی سب سے عزیز متاع تصور کرتے تھے ۔ اس لئے وہ اس کے حصول اور اس کی حفاظت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے تھے ۔ چنانچہ بہت تھوڑے عرصہ میں صحابہء کرام کی بہت بڑی جماعت تیار ہو گئی جس کو قرآنِ کریم زبانی یاد تھا ۔ حُفّاظِ قرآن کی اس جماعت میں شامل چند صحابہء کرام کے نام یہ ہیں ۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ ، حضرت عبداللّٰہ بن مسعود ، حضرت حذیفہؓ بن یمان ، حضرت ابیؓ بن کعب ، حضرت زیدؓ بن ثابت ، حضرت ابوہریرہؓ ، حضرت معاذؓ بن جبیل ، حضرت ابودرداؓء ، حضرت معاویہؓ ، حضرت عبداللّٰہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ ، حضرت عمروؓ بن عاص ، حضرت عبداللہؓ بن زبیر ، حضرت ابو موسیٰؓ اشعری ، حضرت انسؓ بن مالک ، حضرت عائشہؓ ، حضرت حفصہؓ ، حضرت ام سلمہؓ ، حضرت ام ورقہؓ ، وغیرہ ۔ اسلام کے ابتدائی زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی ، کتابت و طباعت کے ذرائع بھی موجود نہ تھے اس لئے قرآنِ کریم زیادہ سے زیادہ لوگوں کو زبانی یاد کراکر اس کی حفاظت کو یقینی بنایا گیا ۔ اس وقت کے حالات کے تحت یہی محفوظ ترین اور قابل اعتماد طریقہ تھا ۔

(منازل العرفان ۱۲۰ ، علوم القرآن ۱۷۳ ، ۱۷۷) ۔

عہد رسالت میں جمع قرآن

پورا قرآنِ کریم ایک ہی دفعہ میں اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا جس پر اس کی تلاوت کی جاتی ہے بلکہ یہ ضرورت اور حالات کی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا اور تیئس سال کی مدت میں مکمل ہوا ۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرنا ممکن نہ تھا البتہ اس کا جس قدر حصہ نازل ہوتا تھا آپؐ اس کے لکھنے کا حکم فرما دیتے تھے ۔ کاتبینِ وحی اس کو متفرق اوراق ، کھجور کی چھال ، چمڑے کے ٹکڑوں اور بکری کے شانے کی ہڈیوں پر لکھ لیتے تھے ۔ اور صحابہء کرام اسی ترتیب سے اس کو یاد کرلیتے جس ترتیب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد کرنے کی تلقین فرماتے تھے ۔

حضرت زیدؓ بن ثابت بیان فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا ۔ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کو سخت گرمی لگتی اور آپؐ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی مانند ڈھلکنے لگتے تھے ۔ پھر جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں شانے کی کوئی ہڈی یا (کسی اور چیز کا) ٹکڑا لیکر آپؐ کی

خدمت میں حاضر ہو جاتا ۔ آپؐ لکھواتے جاتے اور میں لکھتا جاتا یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا ۔ بہر حال جب میں فارغ ہوتا تو آپؐ فرماتے پڑھو ! پس میں پڑھکر سناتا ، اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپؐ اس کی اصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے (علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۱۷۸) ۔

آپؐ نے وحی کی کتابت کے لئے بہت سے صحابہ کرام کو مقرر فرمایا ہوا تھا ۔ صبحی صالح نے اپنی کتاب علوم القرآن میں کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی ہے ۔ ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں ۔ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ، حضرت علیؓ حضرت اُبَیّ بن کعب ، حضرت زبیرؓ بن عوام ، حضرت عبداللہؓ بن ابی سرح ، حضرت حنظلہؓ بن الربیع ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ ، حضرت عامرؓ بن فُہیرہؓ ، حضرت عمروؓ بن العاص ، حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس ، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ ، حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان حضرت زیدؓ بن ثابت وغیرہ ۔

سامانِ کتابت ۔ حاکم نے مستدرک میں زیدؓ بن ثابت سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ ہم عہد رسالت میں " رِقَاعْ " (ٹکڑوں) سے قرآن جمع کیا کرتے تھے ۔ اس حدیث میں رِقَاعْ کا جو لفظ آیا ہے وہ رُقعَہ کی جمع ہے ۔ اس کا اطلاق چمڑے کی جھلی ، کپڑے ، پتے اور کاغذ کے ٹکڑے پر کیا جاتا ہے ۔ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عہد رسالت میں کاتبینِ وحی کس قسم کا سامان استعمال کرتے تھے ۔ مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ نازل شدہ قرآنِ کریم کو پتھر کی پتلی اور چوڑی سلوں ، کھجور کی ٹہنیوں ، اونٹ یا بکری کے شانے کی ہڈیوں ، اونٹ کے کجاوہ کی لکڑیوں اور چمڑے کے ٹکڑوں پر تحریر کیا جاتا تھا ۔ یہ تمام الفاظ مختلف روایات میں آئے ہیں اور ان کی تشریح یہ ہے ۔

لِخَافْ : یہ لَخفَۃ کی جمع ہے جو پتھر کی پتلی پٹی یا ٹکرے کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

اَکْتَافْ : یہ کتف کی جمع ہے ۔ اونٹ یا بکری کے شانے کی چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں جس پر خشک ہونے کے بعد لکھا کرتے تھے ۔

اَقْتَابْ ۔ یہ قَتَبَ کی جمع ہے ۔ اونٹ کی کاٹھی (کجاوہ) کو کہتے ہیں ۔(اتقان ۱۵۸/۱) ۔

سورتوں وآیات کی ترتیب ۔ قرآنِ کریم کی تمام سورتوں اور ان میں آیات کی ترتیب اور ہر سورت سے پہلے بسم اللہ کا لکھنا ایک توقیفی اور غیر اجتہادی امر ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے آگاہ کرنے پر موقوف و مبنی ہے ۔ اس لئے تمام سورتوں کی ترتیب اور ہر سورت میں آیتوں کی ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق ہے ۔ اور یہ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے ۔ اس بارے میں شبہ و اختلاف کی ذرا بھی گنجائش نہیں ۔ امام احمد نے اسنادِ حسن کے ساتھ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص سے روایت کی کہ ایک روز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا ۔ آپ نے نگاہ اٹھائی اور پھر نیچے کرکے فرمایا ۔ میرے پاس (حضرت) جبرائیل آئے تھے ۔ انہوں نے کہا ہے کہ آیتِ کریمہ اِنَّ اللہ یَامُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی کو فلاں سورت میں فلاں جگہ رکھئے ۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرماتے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے چنانچہ اسے آپ کی ہدایت کے مطابق لکھا جاتا تھا ۔ اس طرح قرآنِ کریم کو سب سے پہلے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اپنی نگرانی میں لکھوایا اور مرتب کرایا تھا اگرچہ اس وقت یہ کتابی شکل میں کاغذ پر تحریر نہ تھا بلکہ یہ متفرق جھلیوں ، ہڈیوں اور کھجور کے پتوں وغیرہ پر تحریر تھا ۔ بعض صحابۂ کرام بھی اپنے طور پر قرآنی آیات کو ، جیسے جیسے وہ نازل ہوتی رہتی تھیں ، اپنے پاس لکھتے رہتے تھے ۔ جس کے نتیجہ میں ان کے پاس قرآنِ کریم کے مکمل یا نا مکمل نسخے موجود تھے ۔ یہ سلسلہ اسلام کے ابتدائی زمانے سے جاری تھا ۔

جمعِ صدیقی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآنِ کریم متفرق اشیاء پر لکھا ہوا تھا حضرت ابو بکر نے جنگِ یمامہ کے بعد ۱۲ ھ میں ان منتشر حصوں کو ایک جگہ جمع کر کے محفوظ کرنے کا ارادہ فرمایا ۔ یہ جنگ اہل اسلام اور مُسَیلمہ کذّاب کے متبعین کے مابین ہوئی تھی اور اس میں قرآنِ کریم کے سترّ حافظ صحابہ نے شہادت پائی ۔

حضرت زَیدؓ بن ثابت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو جب جنگِ یمامہ میں صحابہ کے شہید ہونے کی خبر ملی تو اس وقت حضرت عمرؓ بھی آپ کے پاس آئے اور کہا کہ معرکۂ یمامہ میں قرآنِ کریم کے بہت سے قاری شہید ہوگئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ وہ آئندہ معرکوں میں بھی شہید ہوتے جائیں گے ۔ اس طرح قرآنِ کریم کا بڑا حصہ ناپید ہو جائیگا ۔ لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو جمع کروانے کا حکم دیدیں ۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کروں ؟ ۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم اس میں خیر ہی خیر ہے ۔
حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت عمرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے اس پر شرحِ صدر ہوگیا اور اس بارے میں میری بھی وہی رائے ہو گئی جو حضرت عمرؓ کی تھی ۔ حضرت زَیدؓ کہتے ہیں کہ پھر حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم ایک سمجھ دار نوجوان ہو اور تمہارے بارے میں ہمیں کوئی بد گمانی نہیں ہے اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وحی کی کتابت بھی کرتے رہے ہو ، لہٰذا تم قرآنِ کریم کی آیتوں کو تحقیق و تلاش کر کے جمع کرو ۔ حضرت زَیدؓ کہتے ہیں کہ واللہ ! اگر وہ مجھے ایک پہاڑ اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دینے کا حکم دیتے تو یہ بات مجھ پر اتنی بھاری نہ ہوتی جتنا قرآن جمع کرنے کا حکم مجھ پر شاق گزرا ۔ میں نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا ؟ ۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ واللہ ! اس میں خیر ہی خیر ہے ۔
پھر وہ اس بارے میں مجھ سے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اس رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تھی ۔ پھر میں نے قرآنِ کریم کی تلاش اور جستجو شروع کردی اور اسے کھجور کی شاخوں اور پتھروں کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرنا شروع کر دیا ۔ اور میں نے سورۂ توبہ کے خاتمہ کی آیتیں لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِکُمْ ..... عَظِیْمٌ ؕ صرف ابی خُزَیْمَہؓ انصاری کے پاس پائیں اور ان کے سوا کسی سے یہ آیتیں نہ مل سکیں (اتقان ۵۴ / ۱) ۔

اس حدیث میں حضرت زَیدؓ کا یہ کہنا کہ میں نے سورۂ توبہ کی آخری آیات کو صرف ابو خُزَیْمَہؓ کے پاس پایا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کا اثبات کیا گیا ہے ۔ اس لئے کہ حضرت زَیدؓ بذاتِ خود حافظِ قرآن تھے اور انہوں نے خود یہ آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھیں اور ان کو معلوم تھا کہ یہ آیات

کہاں اور کس سورت سے متعلق ہیں لہذا ان آیات کے لئے صحابہ کی تلاش ان کو تحریری شکل میں حاصل کرنے اور تائید وتقویت کے لئے تھی ، اس لئے نہیں تھی کہ حضرت زیدؓ اس سے پہلے ان آیات سے آگاہ نہ تھے ۔

حارث بن اسد المحاسبی نے اپنی کتاب فہم سنن میں بیان کیا کہ قرآنِ کریم کی کتابت کوئی نئی بات نہیں کیونکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لکھنے کا حکم دیتے تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآنِ کریم متفرق تھیلیوں ، اونٹ کے شانے کی ہڈیوں اور کھجور کی شاخ کے ڈنٹھلوں پر لکھا ہوا تھا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے صرف اس کے نقل کرنے اور اکٹھا کر لینے کا حکم دیا ۔ (اتقان ۱۵۷/ ۱) ۔

ابو داؤد نے عبد خیر سے حسن سند کے ساتھ روایت کی ، اس نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ مصاحف کے بارے میں سب سے زیادہ اجر حضرت ابو بکرؓ کو حاصل ہوگا ، خدا حضرت ابو بکرؓ پر رحمت کرے ، وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے کتاب اللہ کو جمع کیا (اتقان ۱۶۶/ ۱) ۔

موسیٰ بن عقبہ نے ابن شہاب سے روایت کی کہ انہوں نے کہا کہ جس وقت یمامہ میں مسلمانوں کا بہت سا جانی نقصان ہوا تو حضرت ابو بکرؓ نہایت پریشان ہوئے اور ان کو ڈر ہوا کہ کہیں صحابہ کی شہادت سے قرآن کا کوئی حصہ تلف نہ ہو جائے ۔ پھر سب لوگ جو کچھ قرآن ان کے پاس تھا یا ان کو یاد تھا لیکر آنے لگے یہاں تک کہ وہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں اوراق میں جمع کر لیا گیا ۔ اس لحاظ سے حضرت ابو بکرؓ پہلے شخص تھے جنہوں نے قرآن کو مصحف میں جمع کیا (اتقان ۱۵۸/ ۱) ۔

حضرت زیدؓ نے انتہائی احتیاط کے ساتھ قرآنی آیات کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا مگر اس وقت ہر سورت علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی اس لئے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا ۔ اس نسخہ میں قرآنی آیات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب کیا گیا تھا مگر سورتوں میں کوئی ترتیب نہ تھی بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی ۔اس نسخہ کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ تمام امت کے اجماع اور تصدیق سے ایک ایسا نسخہ مرتب کیا جائے جس کی طرف ضرورت کے وقت رجوع کیا جاسکے ، عہدِ نبوی میں تحریر کی وہ سہولتیں فراہم نہیں تھیں جو عہد صدیقی میں فراہم ہوئیں ، مثلاً کاغذ اور لکھنے کا دوسرا سامان ۔ عہد صدیقی میں شام سے کاغذ مدینہ منورہ پہنچ چکا تھا اس لئے حضرت ابو بکر نے قرآنِ کریم کو کاغذ پر لکھوایا ،

موطا امام مالک میں سالم بن عبداللہ سے مروی ہے کہ (حضرت) ابو بکرؓ نے قرآن کو کاغذ پر لکھ کر جمع کیا۔

جمعِ عثمانی

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں کثرت سے فتوحات ہوئیں، اور اسلام سر زمینِ عرب سے نکل کر روم و ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ گیا جہاں کے لوگوں نے بڑی تعداد میں اسلام قبول کیا۔ اس کے ساتھ ہی ان ممالک میں مسلمانوں کی آمد و رفت سے جن میں خاصی تعداد حافظوں اور قاریوں کی ہوتی تھی، قرآنِ کریم کی تعلیم اور حفظِ قرآن کا سلسلہ بھی پھیلتا رہا۔

اسلام کے ابتدائی دور میں قرآنِ کریم ایک ہی لغت یعنی لغتِ قریش پر نازل ہوا تھا۔ اس سے مختلف قبائل کے لوگوں کو تلاوتِ قرآن میں دشواری پیش آئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی کہ ایسے لوگوں کو جو کسی لفظ کو قریش کے لغت پر تلاوت کرنے سے معذور ہوں۔ ان کو دوسرے لغات پر پڑھادیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کو بعض آیات دوسرے لغات پر پڑھا دیں تھیں۔

اس کے علاوہ قرآنِ کریم سات حرفوں پر نازل ہوا تھا اور مختلف صحابۂ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے مختلف قرأتوں کے مطابق سیکھا تھا۔ اس لئے صحابۂ کرام میں سے جو لوگ قرآنِ کریم کی تعلیم دیتے وہ اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا کرتے تھے جس کے مطابق خود انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔ قرأتوں کا یہ اختلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی، صحابہ کے درمیان باعثِ حیرت و نزاع بنتا رہا۔ چنانچہ جب بعض صحابہ، بعض دوسرے صحابہ کو مختلف طریقے پر تلاوت کرتے دیکھتے تو انہیں بہت تعجب ہوتا اور پھر معاملہ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا جاتا، جس پر آپؐ دونوں صورتوں کی تصدیق فرماتے کہ یہ آیت اس طرح بھی نازل ہوئی ہے اور اس طرح بھی۔ اس قسم کا ایک واقعہ امام مسلم نے حضرت عمرؓ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ہشامؓ بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان

اس طریقے کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا جس پر میں اس کی تلاوت کرتا تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی مجھے یہ سورت پڑھائی تھی ۔ پس قریب تھا کہ میں ان پر جھپٹ پڑوں مگر پھر میں نے ان کو مہلت دی یہاں تک کہ وہ تلاوت سے فارغ ہو گئے ۔ پھر میں ان کی چادر کو ان کی گردن میں باندھ کر ان کو گھسیٹتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں لیکر حاضر ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ان کو سورۂ فرقان اس طریقے کے خلاف پڑھتے ہوئے سنا ہے جس کے مطابق آپؐ نے یہ سورت مجھے پڑھائی ہے ۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو اور ان سے فرمایا کہ تم پڑھو ۔ پس انہوں نے اسی طریقہ سے پڑھا جس طرح میں نے ان کو تلاوت کرتے ہوئے سنا تھا ۔ پس آپؐ نے فرمایا کہ یہ (سورت) اسی طرح نازل ہوئی ہے ۔ پھر آپؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اب تم پڑھو ۔ پس میں نے پڑھا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس طرح بھی نازل ہوئی ہے اور بلاشبہ یہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے ۔ پس ان حرفوں میں سے جو تمہیں آسان معلوم ہو اس پر پڑھ لیا کرو (اتقان بحوالہ مسلم ، علوم القرآن) ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اس قسم کی اجازت حاصل ہو جانے سے بہت سی آیات متعدد لغات اور مختلف قراتوں کے ساتھ تلاوت کی جانے لگیں ۔ جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو جو قریش کے لغت پر تلاوت کرنے سے معذور ہوں دوسرے لغات پر تلاوت کی اجازت دی ہے ، اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی ۔ پھر جب یہ اختلاف دور دراز شہروں اور ملکوں میں پہنچا جہاں لوگوں میں یہ بات عام نہیں ہوئی تھی کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے تو اس سے لوگوں میں باہم اختلاف پیدا ہونے لگا ۔ اور بعض لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دینے لگے ۔ اس سے دو باتوں کا اندیشہ پیدا ہوا ۔

(۱) ۔ لوگ قرآنِ کریم کی متواتر قراتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں ۔

(۲) تنازع کے تصفیہ کی کوئی قابل اعتماد صورت نہ تھی سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے نسخہ کے جو مدینہ منورہ میں موجود تھا ۔

لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ قرآن کے ایسے معیاری نسخے تیار کر کے

پورے عالم اسلام میں پھیلا دئے جائیں ، جن میں سات حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر صحیح اور غلط قرأتوں میں فیصلہ کیا جائے ۔ یہ عظیم الشان کارنامہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انجام دیا ۔

حافظ بدرالدین عینی نے شرح بخاری باب جمع القرآن میں عمارہ بن غزیہ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت حذیفہؓ ایک غزوہ سے واپس آکر اپنے گھر میں داخل ہونے سے پہلے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے امیر المومنین لوگوں کی خبر لیجئے ۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا کیا ہوا ۔ انہوں نے کہا کہ میں آرمینیہ کے محاذ پر جہاد میں شریک تھا ۔ میں نے وہاں دیکھا کہ اہل شام اُبَیؓ کی قرأت پڑھتے تھے جو اہل عراق نے نہیں سنی اور اہل عراق حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی قرأت پڑھتے تھے جو اہل شام نے نہیں سنی ۔ اس کے نتیجہ میں لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرتے تھے ۔

مسلمانوں میں اختلاف قرأت سے صرف حضرت حذیفہؓ ہی پریشان نہ تھے بلکہ تمام صحابۂ کرام بھی ملول اور رنجیدہ تھے ۔ حضرت عثمانؓ کو بھی اطلاع مل چکی تھی کہ مدینۂ منورہ میں ایک معلم نے اپنے شاگردوں کو قرآن ایک قرأت کے مطابق پڑھایا اور دوسرے معلم نے اپنے شاگردوں کو دوسری قرأت کے مطابق پڑھایا ۔ پھر جب ان اساتذہ کے شاگرد آپس میں ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا اور جب یہ معاملہ اساتذہ کے علم میں آتا تو وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دیتے تھے ۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگ مدینۂ منورہ میں میرے پاس ہوتے ہوئے بھی قرآنِ کریم کی قرأتوں کے بارے میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو لہٰذا جو لوگ مجھ سے دور دراز مقامات پر رہتے ہیں وہ تو اور بھی زیادہ اختلاف کرتے ہوں گے ۔ پس اے اصحاب محمد ! (صلی اللہ علیہ وسلم) تم سب مل کر قرآنِ کریم کا ایک ایسا نسخہ مرتب کرو جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو ۔

امام بخاری نے اپنی سند کے ساتھ ابن شہاب سے روایت کی کہ حضرت انسؓ بن مالک نے انہیں بتایا کہ حضرت حذیفہؓ بن یَمَانؓ آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگ میں شریک تھے ۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ تلاوتِ قرآن میں بہت اختلاف کرنے لگے تھے ۔ چنانچہ وہ مدینہ واپس آکر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امیر المومنین ! قبل اس کے کہ یہ امت یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے لگے اس کو سنبھال لیجئے ۔ یہ سنکر حضرت عثمانؓ نے ام المؤمنین حضرت

حفصہؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابو بکرؓ کے زمانے کے) جو صحیفے امانتاً رکھے ہوئے ہیں وہ میرے پاس بھجوادیجئے تاکہ میں ان کو نقل کروانے کے بعد آپ کو واپس کردوں ۔ حضرت حفصہؓ نے وہ تمام صحیفے حضرت عثمانؓ کو بھجوادئے ۔ انہوں نے حضرت زیدؓ بن ثابت ، حضرت عبداللہؓ بن زبیر ، حضرت سعیدؓ بن العاص اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن حارث بن ہشام کو ان کے نقل کرنے پر مامور فرمایا ۔ (یہ چاروں صحابہ حافظ قرآن تھے) اور تینوں قریشی صحابہ سے کہہ دیا کہ جہاں کہیں قرآن کے تلفظ میں تمہارے اور زیدؓ بن ثابت کے درمیان اختلاف پیدا ہو تو وہاں اس لفظ کو خاص قریش ہی کی زبان میں لکھنا کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے ۔ چنانچہ ان چاروں حضرات نے مل کر حضرت عثمانؓ کے حکم کی تعمیل کی اور جب صحیفوں کی نقل کا کام مکمل ہو گیا تو حضرت عثمانؓ نے وہ صحائف جو حضرت حفصہؓ سے لئے تھے ان کو واپس بھجوائے ۔

جمعِ عثمانی کا طریقہ

جمعِ عثمانی میں مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا گیا ۔

(۱) مصحف میں وہ چیز درج کی جائے جس کے قرآن ہونے کا قطعی یقین ہو اور جس کی صحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اور وہ منسوخ التلاوت نہ ہو ۔

(۲) ۔ چاروں صحابہ نے حضرت ابو بکرؓ کے نسخہ کو جو حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ تھا ، اصل قرار دیا تاکہ ان کا جمع کردہ قرآن حضرت ابو بکرؓ کے جمع کردہ صحیفوں کے بالکل مطابق ہو اور اس کے بارے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے ۔

(۳) تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا جائے کیونکہ حضرت ابو بکرؓ کے نسخہ میں کسی ترتیب کے بغیر ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی ۔

(۴) زائد لغات اور وجوہ کو حذف کر کے صرف قریش کے لغت پر جمع فرمایا ۔ اسی لئے قرآنِ کریم کے الفاظ پر نقطے اور اعراب (زبر ، زیر ، پیش

نہیں لگائے تاکہ اس کو تمام متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جاسکے ، مثلاً نُنْشِزُ مَا کو
ںسرہا لکھا تاکہ اس کو نُنْشِزُ مَا اور نَنْشُرُ مَا دونوں طرح پڑھا جاسکے کیونکہ
دونوں قرأتیں صحیح ہیں ۔ اسی طرح اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا میں
فَتَبَيَّنُوْا کو ڡٮٮٮوا لکھا تاکہ اس کو فَتَبَيَّنُوْا اور فَتَثَبَّتُوْا (ثابت قدم رہو)
دونوں طرح پڑھا جاسکے ۔ اور فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ کو ڡىلمى ادم
مں رٮه کلمات لکھا تاکہ فَتَلَقّٰى وفَتُلُقّٰى اور كَلِمَاتٍ و كَلِمَاتٌ دونوں
طرح پڑھا جاسکے (اتقان ۱۵۹/ ۱۶۲/ ۱) علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۱۸۷، ۱۹۲،
منازل العرفان ۱۲۹ ۔۱۴۰) ۔

مصحف کی نقول ۔ حضرت عثمانؓ نے اس نئے مرتب شدہ مصحف کی ایک سے
زائد نقلیں تیار کروا کر ایک ایک مصحف ، اسلامی ممالک کے ہر گوشے میں ارسال کر دیا
اور حکم دیا کہ اس مصحف کے سوا جو صحیفے پہلے سے موجود ہوں ان کو جلا دیا جائے
تاکہ رسم الخط ، مسلمہ قرأتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام
مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اور اختلاف باقی نہ رہے ۔ حضرت عثمانؓ نے
مصحف کے جو نسخے اطراف ملک میں بھجوائے تھے ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف
ہے ۔ التیسیر فی القرأت السّبع کے مصنف امام عثمان بن سعید ابو عمرو الدانی فرماتے ہیں
کہ اکثر علماء کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآنِ کریم کے چار نسخے مرتب کروائے تھے
ان میں سے تین کوفہ ، بصرہ اور شام بھجوائے تھے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا تھا ۔ بعض
علماء کا خیال ہے کہ آپ نے سات نسخے لکھوائے تھے جو کوفہ ، بصرہ ، شام ، مکہ ، یمن
اور بحرین بھجوائے تھے اور ایک اپنے پاس رکھ لیا تھا ۔ مگر پہلا قول صحیح تر ہے " ۔

بہر حال عثمانی مصاحف کی صحیح تعداد جو بھی ہو وہ سب کے سب قرآن پر
مشتمل تھے ۔ ان میں ایک سو چودہ سورتیں تھیں اور نقطے اور اعراب نہ تھے اور
سورتوں کے نام بھی مرقوم نہ تھے ۔ تمام مصاحف ، شروح ، اور تفاسیر سے خالی اور
صرف قرآنی الفاظ پر مشتمل تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابۂ کرام کے پاس اپنے لکھے

ہوئے ذاتی مصحف خاصی تعداد میں موجود تھے ۔ ان میں سے دو مصحف بہت مشہور تھے ۔ ایک مصحف اُبَیؓ بن کعب اور دوسرا مصحف عبداللہؓ بن مسعود ، یہ دونوں حضرات جلیل القدر اور فاضل صحابہ میں شمار ہوتے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چار صحابہ سے قرآن سیکھنے کا حکم دیا تھا یہ دونوں حضرات ان میں شامل تھے ۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ چار صحابہ سے قرآن سیکھو یعنی ، عبداللہؓ بن مسعود سے ، سالمؓ ، مولیٰ ابی حذیفہؓ سے ، معاذؓ بن جبل سے اور اُبَیؓ بن کعب سے ۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری اور مقدادؓ بن عمرو کے مصحاف بھی شہرت میں مذکورہ بالا دونوں مصاحف کے لگ بھگ تھے ۔

حضرت عثمانؓ نے ان تمام نسخہ ہائے قرآن کو جلانے کا جو حکم دیا تھا وہ حکمت و مصلحت پر مبنی تھا ۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ان مصاحف کا وجود امت میں مزید افتراق اور انتشار کا سبب بن سکتا تھا ۔ اور جس قدر عہد رسالت سے دوری ہوتی جاتی اسی قدر ان کا ضرر (نقصان) بھی بڑھتا جاتا ۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے اس اقدام کو بڑی وقعت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا ۔ البتہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے جن کے پاس اپنا ایک ذاتی مصحف تھا اس کو بظاہر پسند نہ کیا اور اپنا مصحف جلانے سے انکار کر دیا ، بعد میں ان کو بھی اس بارے میں شرح صدر ہو گیا اور وہ حضرت عثمانؓ کی رائے سے متفق ہو گئے جو دراصل پوری امت کی رائے تھی جس کے نتیجہ میں امت کی شیرازہ بندی ہو گئی اور اسباب اختلاف کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا ۔ جہاں تک قرآن کے انفرادی نسخے جلانے کا تعلق ہے تو یہ اقدام آپ نے صحابۂ کرام کے مشورہ سے کیا تھا ۔ حضرت سویدؓ بن غفلہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو ۔ بخدا آپ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ کیا وہ ہمارے مشورہ کے مطابق اور ہماری موجودگی میں کیا ۔ حضرت علیؓ کا ارشاد گرامی ہے ۔ اگر حضرت عثمانؓ کی جگہ میں مسند خلافت پر متمکن ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو حضرت عثمانؓ نے کیا (ماخوذ از علوم القرآن از صبحی صالح ۱۱۸-۱۲۶) ۔

باب ششم

اسبابِ نزول

ائمہ مفسرین کی اصطلاح میں قرآنِ کریم سے تعلق رکھنے والے ان واقعات کو شانِ نزول یا اسبابِ نزول کہا جاتا ہے جو بعض آیتوں کے نزول کے وقت پیش آئے ۔ اسی طرح شان نزول یا اسباب نزول میں وہ آیتیں بھی شامل ہیں جو کسی سوال کے جواب میں نازل ہوئیں اس لحاظ سے قرآنِ کریم کی آیتیں دو طرح کی ہیں ۔

(۱) وہ آیات جو اسبابِ نزول سے متعلق ہیں ۔ اگر ان آیات کے اسبابِ نزول کا علم نہ ہو تو ان کی صحیح تفسیر معلوم نہیں ہو سکتی ۔

(۲) وہ آیات جن کا اسباب نزول سے کچھ تعلق نہیں ۔ قرآنِ کریم کا بیشتر حصہ ایسی آیات پر مشتمل ہے جو نہ تو کسی واقعہ یا سوال کے جواب میں نازل ہوئیں اور نہ ان میں کسی چیز کا حکم مذکور ہے ۔ بلکہ یہ آیات مندرجہ ذیل مضامین سے تعلق رکھتی ہیں ۔

(الف) ان میں سابقہ انبیاء اور سابقہ امتوں کے حالات و واقعات کا بیان ہے ۔

(ب) گزشتہ زمانے کے واقعات پر مشتمل ہیں ۔

(ج) مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے ۔

(د) قیامت کا حال بیان کیا گیا ہے ۔

(ھ) عذاب و ثواب کا ذکر ہے ۔

اسباب نزول کی اہمیت ۔ قرآنِ کریم کی تفسیر کے لئے اسباب نزول کا علم نہایت ضروری ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں ۔ اگر سبب نزول سامنے نہ ہو تو بعض اوقات آیت کا صحیح مفہوم سمجھ میں نہیں آتا ۔ قرآنِ کریم میں متعدد ایسے مقامات ہیں جہاں کسی خاص واقعہ کی طرف مختصر اشارہ کیا گیا ہے اور جب تک وہ واقعہ پوری طرح سامنے نہ ہو تو ان آیات کا مطلب سمجھ میں نہیں آسکتا ۔ لہٰذا اسبابِ نزول کی معرفت سے نہ صرف آیات کے صحیح معانی منکشف ہو جاتے ہیں بلکہ ان کے سمجھنے میں کسی قسم کا ابہام والجھاؤ پیدا نہیں ہوتا ۔

امام واحدی فرماتے ہیں کہ جب تک کسی آیت کا متعلقہ واقعہ اور اس کا سبب

نزول معلوم نہ ہو اس آیت کی تفسیر معلوم نہیں ہو سکتی ۔

ابن دقیق العید کہتے ہیں کہ اسبابِ نزول کا بیان قرآنِ کریم کے مطالب و معانی سمجھنے کا زبردست ذریعہ ہے ۔

علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ اسبابِ نزول جاننے سے احکام کی حکمتیں معلوم ہوتی ہیں اور یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم کن حالات میں اور کیوں فرمایا ۔

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ سبب نزول کی پہچان کسی آیت کے سمجھنے میں مدد دیتی ہے کیونکہ سبب کے علم سے مُسَبّب کا معلوم ہونا ایک فطری بات ہے ۔

سببِ نزول کی چند مثالیں

۱ ۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۔مائدہ ۹۳ ۔

جو لوگ مومن ہیں اور انہوں نے نیک کام کئے ۔ ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو وہ پہلے کھا چکے جبکہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے ۔

اس آیت کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کسی چیز کا کھانا پینا حرام نہیں ۔ اگر کسی کے دل میں ایمان اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہو اور اس کے اعمال نیک ہوں تو وہ جو چاہے کھا پی سکتا ہے ۔ اس سے عام آدمی تو کیا بعض صحابہ کو بھی غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے ایک موقع پر اس آیت سے استدلال کر کے حضرت عمرؓ کے سامنے خیال ظاہر کیا کہ شراب پینے والا اگر ماضی میں نیک عمل کرتا رہا ہو اور اس کی عام زندگی نیکیوں میں گزر رہی ہو تو اس پر حد (شرعی سزا) نہیں ہے ۔ بعد میں حضرت عبداللہؓ بن عباس نے اس آیت کے شان نزول کے حوالہ سے ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا ۔

اس آیت کا پس منظر یعنی شان نزول یہ ہے کہ شراب و قمار کی حرمت نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے یہ سوال کیا کہ ہمارے ان بھائیوں کا کیا حال ہوگا جو شراب و قمار کی حرمت نازل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے یا اپنی طبعی موت سے وفات پاگئے اور اپنی زندگی میں شراب نوشی اور قمار بازی کے

مرتکب ہوئے ۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جن مومنوں نے حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب پی یا قمار کا مال کھا یا ان پر کوئی عذاب نہیں ہوگا بشرطیکہ وہ مومن ہوں اور دوسرے شرعی احکام کے پابند رہے ہوں ۔

۲ ۔ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (بقرہ ۲۰) ۔

پھر جب تم اپنے حج کے اعمال پورے کر چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے ۔

اس آیت کا مطلب بھی سبب نزول کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا ۔یہاں مُزدلفہ کے وقوف کا ذکر ہے ۔ مشرکینِ عرب کا معمول تھا کہ وہ ارکان حج سے فارغ ہونے کے بعد یہاں اپنے اپنے اباء و اجداد کے مفاخر اور کارنامے بیان کیا کرتے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں اپنے آباو اجداد کی بڑائیاں بیان کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو ۔

۳ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ۔ (النساء ۴۳) ۔

اے ایمان والوں تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کے تم سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو ۔

اس آیت کے سبب نزول میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ شراب حرام ہونے سے پہلے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے کچھ صحابہ کو کھانے پر مدعو کیا ۔ کھانے کے بعد شراب پی گئی اور پھر نماز کا وقت آگیا تو ایک صحابی نے نماز پڑھائی اور نشہ کی وجہ سے قرآنِ کریم کی تلاوت میں غلط سلط پڑھ دیا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اگر یہ واقعہ سامنے نہ ہو تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے سے کیا مراد ہے کیونکہ شراب تو بالکل حرام ہے ۔

۴ ۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (بقرہ ۱۵۸) ۔

بیشک صَفا اور مَروَہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں پس جو شخص بیت اللہ کا

حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر ان دونوں یعنی صفا مروہ کے درمیان چکر لگانے میں کوئی گناہ نہیں ۔

یہاں بھی سبب نزول کے بغیر صحیح مطلب نہیں سمجھا جاسکتا کیونکہ اس آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حج یا عمرہ کے دوران صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا صرف جائز ہے فرض یا واجب نہیں ۔ حضرت عروہؓ بن زبیر اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے ۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ نے انہیں بتایا کہ زمانۂ جاہلیت میں ان پہاڑوں پر دوبت رکھے ہوئے تھے ۔ ان میں سے ایک کا نام اِساف اور دوسرے کا نام نائلہ تھا ، اس لئے صحابۂ کرام کو شبہ ہوا کہ کہیں ان بتوں کی وجہ سے ان پہاڑوں کے درمیان سعی کرنا ناجائز نہ ہوگیا ہو۔ان کے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ۔

۵ ۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (بقرہ ۱۱۵) ۔

اور مشرق و مغرب تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں پس تم جدھر رخ کرلو اسی طرف اللہ تعالیٰ کا رخ (سامنا) ہے ۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز میں کسی خاص سمت رخ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ کے ہیں اور وہ ہر سمت میں موجود ہے اس لئے نماز میں کسی طرف بھی رخ کیا جاسکتا ہے ، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں نے اس پر اعتراض کیا کہ مسلمانوں نے اپنے پہلے قبلہ کو کیوں تبدیل کرلیا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تمام سمتیں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر طرف موجود ہے ۔ اس لئے وہ جس طرف رخ کرنے کا حکم دے وہی صحیح ہے ۔ کسی سمت کی کوئی اہمیت نہیں ، اصل چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے (اتقان ۰۷ - ۲۷، ۱ ۔ علوم القرآن از صبحی صالح ۱۸۷ ، علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۷۲ - ۷۸) ۔

باب ہفتم

تفسیرِ قرآن کے ماخذ

ماخذ سے مراد وہ ذرائع ہیں جن کی مدد سے قرآنِ کریم کی کسی آیت کی تفسیر معلوم کی جاسکتی ہے ۔

قرآنِ کریم کی آیات دو قسم کی ہیں ۔ ایک تو وہ جو بالکل واضح اور عام فہم اور اتنی آسان ہیں کہ کوئی بھی عربی زبان جاننے والا ان کو پڑھ کر ان کا مطلب فوراً سمجھ لیتا ہے ایسی آیتوں کے لئے عقل سلیم اور عربی لغت میں مہارت کے سواء کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ۔

دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جن میں کوئی اجمال یا ابہام پایا جاتا ہے یا ان کو سمجھنے کے لئے ان کے پورے پس منظر کو جاننے کی ضرورت ہے یا ان سے دقیق فقہی مسائل وغیرہ مستنبط ہوتے ہیں ۔ ایسی آیتوں کی تفسیر کے لئے محض زبان دانی اور عقل سلیم کافی نہیں بلکہ اس کے لئے مندرجہ ذیل چھ ماخذ ہیں ۔

(۱) قرآنِ کریم کی دوسری آیات (۲) احادیثِ نبویہ (۳) صحابۂ کرام کے اقوال (۴) تابعین کے اقوال (۵) لغتِ عرب (۶) عقلِ سلیم ۔

قرآنِ کریم ۔ تفسیرِ قرآن کا سب سے بہترین اور صحیح ماخذ خود قرآنِ کریم ہے ، جس میں ایسے بہت سے مواقع ہیں کہ ایک جگہ کوئی بات مبہم اور غیر واضح انداز میں کہی گئی ہے اور دوسرے مقام پر اس ابہام کو دور کر دیا گیا ہے ۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے ۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔ بقرہ ۳۷

۔ پس آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھ لئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی ۔

یہاں یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ کلمات کیا تھے ۔ پھر سورۂ اعراف میں ان کلمات کی

وضاحت فرمادی گئی ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ اعراف ۲۳ ۔

ان دونوں آدم و حوا نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے ۔ اگر تونے ہماری مغفرت نہ کی اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۔

اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۔ توبہ ۱۱۹ ۔

اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ ۔

اس آیت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ سچے لوگ کون ہیں ۔ مگر دوسری آیت میں اس کی تشریح فرمادی گئی ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ بقرہ ۱۷۷ ۔

اس میں کوئی نیکی نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ، روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (آسمانی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو

اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور (غلاموں اور قیدیوں کو) آزاد کرانے میں مال خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے ۔ اور وہ لوگ عہد کرنے کے بعد اپنے عہد کو پورا کرتے ہوں اور تنگدستی ، اور بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہوں ۔ یہی لوگ سچے اور یہی لوگ متقی یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں ۔

اس آیت میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ جن لوگوں میں مذکورہ بالا صفات پائی جائیں وہی صادقین اور متقی ہیں ۔ قرآنِ کریم میں اس قسم کی بہت سی آیات ہیں کہ ایک مقام پر تو مجمل بیان ہے مگر دوسرے موقع پر اس کی تفسیر و تشریح موجود ہے ۔

تفسیر قرآن بالقرآن کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کوئی بات ایک قرائت میں تو مبہم ہوتی ہے مگر دوسری قرائت میں اس کی وضاحت ہو جاتی ہے ۔ مثلاً

فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۔ مائدہ ٦ ۔

پس تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھولو ۔

ایک قرائت میں وَاَرْجُلِكُمْ آیا ہے جس کے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ تم اپنے سروں اور پاؤں کا مسح کر لو مگر وَاَرْجُلَكُمْ والی قرائت نے اس کو واضح کر دیا کہ اس آیت میں پاؤں دھونے ہی کا حکم ہے ۔ اور وَاَرْجُلِكُمْ والی قرائت میں جو مسح کرنے کا ترجمہ ہو سکتا ہے وہ یہاں مراد نہیں ۔

تیسری صورت یہ ہے کہ جس آیت کی تفسیر مطلوب ہے خود اسی کے سیاق و سباق پر غور کیا جائے ۔ اس طرح اکثر حل طلب مسئلہ کی تشریح ہو جاتی ہے مثلاً

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۔
احزاب ۵۳ ۔

اور (اے مسلمانو) جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو ان

سے پردے کے پیچھے سے طلب کرو۔

بعض لوگوں نے اس سے یہ سمجھ لیا کہ یہ حکم صرف ازواجِ مطہرات کے لئے ہے حالانکہ اگلے جملے سے یہ بات واضح ہے کہ اس کا اطلاق تمام عورتوں پر ہوتا ہے۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۔ احزاب ۵۳۔

یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے بھی اور ان کے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔

ظاہر ہے کہ دلوں کی پاکیزگی صرف ازواجِ مطہرات ہی کے لئے مطلوب نہیں بلکہ تمام مسلمان عورتوں کے لئے مطلوب ہے اس لئے اس حکم کو صرف ازواجِ مطہرات کے لئے مخصوص کرنا درست نہیں۔ اسی طرح بہت سی آیات کے سیاق و سباق میں غور کرنے سے تفسیر کے بہت سے حل طلب مسائل کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

(ماخوذ از علوم القرآن مؤلفہ مولانا تقی عثمانی ۔ ۳۲۸-۳۳۳)۔

۲۔ احادیثِ نبویہ ۔ قرآنِ کریم کی تفسیر کا دوسرا ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیثِ مبارکہ ہیں کیونکہ حدیث قرآنِ کریم کی شرح اور تفسیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں چار مقامات پر آپؐ کی بعثت و رسالت کے مقاصد بیان کئے ہیں۔ جن میں سے ایک مقصد یہ تھا کہ اپنے قول و فعل سے قرآنِ کریم کی آیات کی تعلیم دیں چنانچہ ارشاد ہے۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ بقرہ ۱۲۹۔

اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۔ بقرہ ۱۵۱۔

جس طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے ایک
رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے
اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی
تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ان باتوں کی تعلیم دیتا ہے
جو تم نہیں جانتے ۔

ان آیات سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں مبعوث فرمانے کا مقصد ہی یہ تھا کہ آپ اہل دنیا کو قرآنِ کریم کی ہدایات اور اس کے اسرار و معارف سے آگاہ کریں اور ان کو قرآنِ کریم کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے کے طریقے سکھائیں ۔ اسی لئے آپ کی تعلیمات تفسیرِ قرآن کا اہم ترین ماخذ ہیں ویسے بھی کسی آسمانی کتاب کی صحیح تشریح و تفسیر اس سے بہتر کون کرسکتا ہے جس پر وہ کتاب نازل ہوئی ہے ۔

اگر کسی فن کو حاصل کرنے یا کسی کتاب کو سمجھنے کے لئے محض زبان کا جان لینا کافی ہوتا تو دنیا کے تمام علوم و فنون اس شخص کو حاصل ہو جاتے جو ان علوم و فنون کی زبان جانتا مگر واقعتاً ایسا نہیں ہے ۔ بڑے بڑے علوم و فنون تو ایک طرف ، معمولی فنون کے سمجھنے کے لئے بھی محض زبان دانی کافی نہیں بلکہ استاد کی ضرورت ہوتی ہے ۔ جس طرح انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر لینے اور ڈاکٹری یا انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کسی شخص کو ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بنا دیتا اور استاد سے سیکھے بغیر محض کتاب کو پڑھکر کوئی شخص لوہار ، بڑھئی ، درزی یا باورچی نہیں بن جاتا اسی طرح محض عربی زبان پر عبور حاصل کر لینے سے کوئی شخص معارفِ قرآن کا ماہر نہیں بن سکتا ۔ اگر ایسا ہوتا تو عہد رسالت میں ابو جہل ، ابو لہب اور عتبہ جیسے لوگ جو عربی زبان و ادب میں مہارت رکھتے تھے ، قرآنِ کریم کے ماہر سمجھے جاتے ۔ لہذا قرآنی تعلیمات اور معارف و اسرار کا صحیح علم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے ۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے آپ کو دنیا میں بھیجنے کا ایک مقصد یہ قرار دیا کہ آپؐ قرآنِ کریم کے معانی و احکام کو تشریح کر کے بیان فرمائیں ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ
النحل ۴۴ ۔

اور ہم نے آپ پر قرآنِ کریم اس لئے اتارا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کے مطلب وضاحت سے بیان فرمائیں ۔
(ہادیٔ اعظم ۶۹۶) ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اس کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے ۔ اس سے مراد سنت ہے ۔ جس طرح قرآنِ کریم بذریعہ وحی نازل ہوا اسی طرح حدیث رسول بھی وحی خداوندی ہے ، مگر قرآنِ کریم وحیٔ متلو ہے اور حدیثِ رسول وحیٔ غیر متلو ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن کی جانب بھیجا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا کہ حکم کس طرح دو گے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ کتاب اللہ سے ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ تو ۔ حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ اگر اس میں نہ پاؤ تو ۔ انہوں نے عرض کیا کہ اب اجتہاد کروں گا ۔ یہ جواب سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے ۔ (مسند احمد) ۔

پس قرآنِ کریم کی تفسیر پہلے خود قرآنِ کریم سے اور پھر حدیث سے کرنی چاہئے ۔ اگر کسی آیت کی تفسیر قرآن و حدیث دونوں میں نہ ملے تو پھر صحابۂ کرام کے اقوال کی طرف رجوع کرنا چاہئے ۔ کیونکہ وہ قرآن کی تفسیر کو بہت زیادہ جانتے تھے ۔

احادیث کے موجودہ ذخیرے میں صحیح اور ضعیف و موضوع ہر طرح کی روایتیں ملتی ہیں ۔ لہٰذا ان سے ٹھیک استفادہ وہی شخص کر سکتا ہے جو علمِ حدیث اور اس کے متعلقات پر ماہرانہ نگاہ رکھتا ہو اور جسے صحیح و سقیم روایات کو پرکھنے کے اصول معلوم ہوں ۔ (ابن کثیر ۳/ ۱) ۔

۳ ۔ اقوالِ صحابہ

صحابۂ کرام نے قرآنِ کریم کی تعلیم اس کی تفسیر اور اس کے متعلقات کو براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ان میں سے بعض صحابہ نے تو اپنی زندگیاں

اسی کے لئے وقف کی ہوئی تھیں ۔ یہ لوگ اہلِ زبان بھی تھے، نزولِ قرآن کے پورے ماحول سے باخبر ہی نہ تھے بلکہ اس سے عملاً گزر رہے تھے اور ایک ایک آیت کے پورے پس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، پھر بھی انہوں نے اپنی زبان دانی پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ قرآنِ کریم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سبقاً سبقاً پڑھا ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ جانتا کہ کتاب اللہ کے علم میں کوئی مجھ سے بڑھا ہوا ہے اور میں کسی طرح وہاں تک پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور وہاں پہنچ کر اپنے آپ کو اس کی شاگردی میں پیش کرتا ۔

مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھ لیتا تو ہماری نگاہوں میں وہ بہت قابلِ احترام ہوجاتا تھا ۔ موطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ آٹھ سال تک صرف سورۂ بقرہ یاد کرتے رہے ۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا حافظہ ایسا کمزور نہ تھا کہ سورۂ بقرہ کے محض الفاظ یاد کرنے میں ان کو آٹھ برس لگ گئے ۔ یقیناً اس مدت میں وہ قرآنی الفاظ کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی تفسیر اور جملہ متعلقات کا علم حاصل کر رہے تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ اور قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما ۔ حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ قرآنِ کریم کے بہترین ترجمان ہیں ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی وفات کے بعد ۳۶ برس تک زندہ رہے ۔ اندازہ کیجئے کہ اس مدت میں حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کے علم میں کس قدر ترقی ہوئی ہوگی ۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بعد ان صحابۂ کرام کے اقوال جنہوں نے اس محنت و جانفشانی سے قرآنِ کریم کی تفسیر سیکھی تھی، تفسیرِ قرآن کا ایک اہم ماخذ ہیں ۔ اس سلسلے میں چند امور کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے ۔

(۱) صحابۂ کرام کے تفسیری اقوال میں صحیح اور سقیم ہر طرح کی روایتیں ملتی ہیں لہٰذا ان کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے اصول حدیث کے مطابق ان کی جانچ پڑتال ضروری ہے ۔

(۲) صحابۂ کرام کے اقوال اس وقت حجت ہوں گے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آیت کی کوئی صریح تفسیر مستند طریقہ سے ثابت نہ ہو ۔

(۳) اگر کسی صحابی کا قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی ہوئی تفسیر کے معارض ہو تو وہ قابل قبول نہیں ۔
(۴) اگر کسی آیت کی تفسیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مستند طریقہ پر منقول نہ ہو اور صحابۂ کرام کی بیان کی ہوئی تفسیر میں بھی کوئی اختلاف نہ ہو تو صحابہ کے اقوال کو اختیار کیا جائے ۔
(۵) اگر صحابۂ کرام کی بیان کردہ تفسیروں میں اختلاف ہو اور ان میں تطبیق ہو سکتی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا ۔
اگر اختلاف ناقابل تطبیق ہو تو اس صورت میں ایک مجتہد جس قول کو دلائل کے لحاظ سے زیادہ مضبوط پائے اسے اختیار کر سکتا ہے (علوم القران از مولانا تقی عثمانی ، ۳۳۸، ۳۴۰ ،ابن کثیر ۳، ۴ / ۱) ۔

۴ ۔ تابعین کے اقوال ۔ تابعین سے مراد وہ حضرات ہیں جنہوں نے صحابۂ کرام سے علم حاصل کیا اگر تابعی کوئی تفسیر کسی صحابی سے نقل کرے تو اس کا حکم وہی ہے جو صحابۂ کرام کی تفسیر کا ہے یعنی وہ اس وقت حجت ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آیت کی تفسیر مستند طریقہ سے ثابت نہ ہو یا صحابی کا قول آپ کی بیان کی ہوئی تفسیر کے معارض نہ ہو ۔ اگر تابعی اپنا قول بیان کرے اور اس قول کے خلاف کسی دوسرے تابعی کا قول موجود ہو تو تابعی کا قول حجت نہیں ہوگا ۔ ایسی صورت میں آیت کی تفسیر کے لئے خود قرآنِ کریم ، احادیثِ نبویہ ، اقوالِ صحابہ ، لغتِ عرب اور دوسرے شرعی دلائل پر غور کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جائیگا ۔ اگر تابعین کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہ ہو تو اس صورت میں بلاشبہ ان کی تفسیر حجت اور واجب الا تباع ہوگی کیونکہ ان لوگوں نے جن حضرات سے قرآنِ کریم سیکھا انہوں نے قرآنی علوم براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کئے تھے ۔ حضرت عبدؒالرحمن سلمی تابعی فرماتے ہیں کہ ہم نے جن حضرات سے قرآن سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ۔ جب تک ہم دس آیتوں کا علم و عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ سیکھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے ۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تین مرتبہ اول سے آخر تک حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے قرآنِ کریم سیکھا اور ہر ایک ایک آیت کو پوچھ پوچھ کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھا ۔ حضرت ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ خود میں نے حضرت مجاہدؒ کو دیکھا کہ کتاب قلم دوات لیکر حضرت ابن عباسؓ کے

پاس پہنچا کرتے اور قرآن کریم کی تفسیر دریافت کرکے اس میں تحریر فرماتے تھے۔ انہوں نے پورے قرآن کی تفسیر اسی طرح نقل کی۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے تھے کہ مجاہد کسی آیت کی تفسیر کردیں تو پھر اس کی ٹٹول (چھان بین) کرنا بے سود ہے۔ بس ان کی تفسیر کافی ہے۔ (ابن کثیر ۵،۴/۱ علوم القرآن از مولانا تقی عثمانی ۳۴۰ ۔ ۳۴۱)۔

لغتِ عرب ۔ تفسیرِ قرآن کے سلسلہ میں، قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہ و تابعین کے علاوہ لغتِ عرب کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے، اس لئے کہ قرآنِ کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربی زبان نہایت وسیع ہے اور اس کا ایک ایک لفظ کئی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح ایک ایک جملے کے کئی کئی معنی ہوسکتے ہیں۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو یہ بات حلال نہیں کہ جب تک وہ لغاتِ عرب کا عالِم نہ ہو اس وقت تک کتاب اللہ کے بارے میں کچھ کلام کرے۔ علمِ لغت کے ساتھ ساتھ علمِ نحو اور علمِ صرف کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ معنی کا تغیر و اختلاف، الفاظ کے اعراب کے اختلاف سے وابستہ ہے، اسی طرح علمِ صرف سے لفظوں کی بنا اور صیغوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ جس شخص سے تصریف کا علم فوت ہوگیا اس کے ہاتھ سے ایک بڑی عظیم الشان چیز جاتی رہی۔ اس کے ساتھ ہی علم اشتقاق کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر اسم دو مختلف مادوں سے مشتق ہوگا تو وہ اپنے مادوں کے مختلف ہونے کے لحاظ سے الگ الگ ہوگا۔

قرآن عرب کے محاورات کے مطابق نازل ہوا ہے لہٰذا جہاں قرآن و سنت یا اقوالِ صحابہ و تابعین میں کسی لفظ کی تفسیر موجود نہ ہو وہاں آیت کی وہ تفسیر کی جائے گی جو اہل عرب کے عام محاوروں میں عام طور پر سمجھی جاتی ہو۔ ایسے مواقع پر عربی اشعار سے استدلال کرکے کوئی ایسے قلیل الاستعمال معنیٰ بیان کرنا بالکل غلط ہے جو لغت کی کتابوں میں تو لکھے ہوئے ہیں مگر عام بول چال اور محاورے میں استعمال نہیں ہوتے (علوم القران از مولانا تقی عثمانی ۔ ۳۴۱ ۔ ۳۴۶ اتقان ۳۴۰، ۳۴۳، ۳۴۴ \ ۲)۔

عقلِ سلیم ۔ عقلِ سلیم کی ضرورت ہر کام میں ہوتی ہے۔ اس سے پہلے تفسیر کے جو پانچ ماخذ بیان ہوئے ہیں ان سے استفادہ بھی عقلِ سلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ قرآنِ کریم کے حقائق اور اسرار و معارف پر غور و فکر کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو بھی علم و عقل اور خشیت الٰہی کی دولت سے نوازا

ہے وہ قرآنِ کریم میں غور و فکر اور تدبّر کے ذریعہ نئے نئے حقائق اور اسرار و معارف تک رسائی حاصل کرسکتا ہے ۔ اسی کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ تو اس کو دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما ۔ چنانچہ ہر دور کے مفسرین اپنی اپنی فہم کے مطابق اس باب میں اضافہ کرتے آئے ہیں مگر یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عقل و فہم سے مستنبط کئے ہوئے وہی اسرار و معارف معتبر ہیں جو دوسرے شرعی اصولوں اور مذکورہ بالا پانچوں ماخذ سے متصادم نہ ہو ۔ اگر اصولِ شرعیہ کو توڑ کر کوئی نکتہ بیان کیا جائے تو دین میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں (اتقان ۲۲۰ \ ۲ ، علوم القران ۳۴۳) ۔

ناقابلِ اعتبار ماخذ

۱ ۔ اسرائیلی روایات ۔ یہ وہ روایات ہیں جو یہودیوں یا عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں ان میں سے بعض تو توریت و انجیل وغیرہ سے لی گئی ہیں اور بعض وہ زبانی روایات ہیں جو اہل کتاب میں سینہ بسینہ نقل ہوتی چلی آئیں اور عرب کے یہود و نصاریٰ میں مشہور تھیں ۔

اسرائیلی روایات تین قسم کی ہیں ۔

۱ ۔ وہ اسرائیلی روایات جن کی تصدیق ہمارے ہاں موجود ہے یعنی قرآنِ کریم کی کسی آیت یا حدیث کے مطابق توریت میں کسی روایت کا ہونا ۔ مثلاً فرعون کا غرق ہونا ۔ فرعون کے جادوگروں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ ، حضرت موسیٰ کا کوہِ طور پر جانا وغیرہ ایسی روایتوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں کیونکہ ان کی تصدیق قرآنِ کریم یا صحیح احادیث سے ہوجاتی ہے ۔

۲ ۔ وہ اسرائیلی روایات جن کی تکذیب ہمارے ہاں موجود ہے یعنی وہ روایت جو قرآن کریم کی کسی آیت یا حدیث کے خلاف ہو مثلاً یہ روایت کہ حضرت سلیمان علیہ السلام آخری عمر میں (معاذ اللہ) بت پرستی میں مبتلا ہوگئے تھے ۔ قرآنِ کریم نے اس کی واضح طور پر تردید کی ہے اس لئے یہ قطعاً باطل اور لغو ہے ایسی روایتوں کے غلط ہونے میں

کوئی شبہ نہیں ۔

۳ ۔ ایسی روایتیں جن کی نہ تو ہم تصدیق کرسکتے ہیں نہ تکذیب اس لئے کہ نہ تو قران میں ایسی کوئی آیت ہے اور نہ حدیث کی کوئی ایسی روایت ہے جس سے اس کی مطابقت یا مخالفت ہوتی ہو مثلاً یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاکس درخت کی لکڑی کا تھا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جن چار پرندوں کو ذبح کیا تھا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھ دیا تھا اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوگئے تھے ، تو وہ پرندے کون کون سے تھے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ایک گائے کو ذبح کرکے اس کے گوشت کے ایک ٹکڑے کو ایک مقتول کے جسم سے لگانے پر وہ مقتول اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ ہوگیا تھا اور اس نے اپنے قاتل کا نام بتادیا تھا ، تو گوشت کا وہ ٹکڑا جو مقتول کے جسم کو لگایا گیا تھا ، وہ گائے کے جسم کے کس حصہ کا تھا، وہ کون سا درخت تھا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نور دیکھا تھا اور اس میں سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا وغیرہ وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں پر پردہ ڈال رکھا ہے اور ہمارے لئے ان چیزوں کے جاننے یا نہ جاننے میں کوئی نفع یا نقصان نہیں ، اس لئے ایسی روایتوں کو نہ تو ہم صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ جھوٹ اور غلط ۔ ایسی روایتوں کے بارے میں خاموشی ہی اختیار کرنی چاہیئے (ابن کثیر ۴ \ ۱) ۔

۲۔ تفسیر بالرّائے

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے قرآنِ کریم کے بارے میں اپنی رائے یا جہالت اور بے علمی کی بنا پر کچھ کہا تو اس نے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنایا۔ ترمذی ، ابن جریر ، ابو داؤد اور نسائی نے بھی اسی قسم کی روایت بیان کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے ۔ اسی لئے سلف کی ایک بہت بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی ۔

ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباسؓ سے اس دن کے بارے میں پوچھا جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس سے فرمایا کہ پچاس ہزار سال کے دن کے بارے میں کیا (خیال) ہے ۔ اس نے کہا کہ میں تو آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے

اپنی کتاب (قرآن) میں فرمایا ہے ۔ ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ۔ ذرا غور فرمایئے کہ کتنے بڑے مفسرِ قرآن نے قرآنِ کریم کی تفسیر میں کس قدر احتیاط برتی کہ جس بات کا علم نہ تھا اس کے بیان سے صاف انکار کردیا ۔

حضرت عبید اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں نے بڑے بڑے فقیہوں کو دیکھا کہ قرآنِ کریم کی تفسیر کرتے ہوئے جھجکتے تھے ۔ مسلم بن یسار فرماتے ہیں کہ جب تم کتاب اللہ کی تفسیر میں کچھ کہنا چاہو تو آگے پیچھے دیکھ لو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرکے بات کہنا ہے ۔ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ گو میں نے قرآنِ کریم کی ایک ایک آیت کا علم حاصل کرلیا ہے تاہم میں کہتے ہوئے جھجکتا ہوں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے روایت کرنا ہے ۔

ان تمام اقوال کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تفسیر کے لئے جو اصول اجماعی طور پر مسلّم اور طے شدہ ہیں ان کو نظر انداز کرکے جو تفسیر محض رائے کی بنیاد پر کی جائے وہ ناجائز ہے ۔ چنانچہ صحابۂ کرام اور ان کے بعد کے علما علم کے بغیر قرآن کے معنیٰ و تفسیر بیان کرنے میں ہرگز لب کشائی نہیں کرتے تھے ۔ یہ لوگ جس چیز کو نہیں جانتے تھے اس کے بارے میں مکمل خاموشی اختیار کرتے تھے اور جس چیز کا علم ہوتا تھا اسے بیان کردیتے تھے اور یہی دونوں باتیں ہر شخص پر واجب ہیں ۔ پس احادیث ، لغت یا شریعت کی رو سے جو تفسیر معلوم ہو اس کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ جاننے کے باوجود اسے چھپائے تو قیامت کے روز اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی (ابن کثیر ۵ ، ۶ \ ۱)۔

تفسیر سورۂ فاتحہ و بقرہ

اِسْتِعَاذَہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

میں شیطان مردود (کے شر) سے (بچنے کے لئے) اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں ۔

شَیْطٰنِ : یہ شَطْنٌ سے بنا ہے ۔ اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں ۔ شیطان مردود ہر بھلائی سے دور ہے اس لئے اس کو شیطان کہتے ہیں ۔ سرکش اور شریر کو بھی شیطان کہتے ہیں ۔

رَجِیْمِ : دھتکارا ہوا ، مردود ، ملعون ، یہ فَعِیْلٌ کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے ۔ شیطان کو رجیم اس لئے کہتے ہیں کہ جب وہ چوری سے کان لگا کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتا ہے تو اس کو شہاب ثاقب سے رجم کیا (مارا) جاتا ہے ۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے ۔

اِلاَّ مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَہٗ شِھَابٌ مُّبِیْنٌ (حجر ۱۸) ۔

مگر جو کوئی چوری سے (فرشتوں کی بات) سنکر بھاگے تو دہکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لگتا ہے ۔

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَہٗ لِیَکُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ۔ (فاطر ٦) ۔

بلا شبہ شیطان تمہارا دشمن ہے ۔ پس تم اس کو دشمن ہی سمجھتے رہو ۔ بس وہ تو اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ اہل دوزخ میں سے ہو جائیں ۔

شیطان کو انسان کی تباہی و بربادی ہی میں مزہ آتا ہے کیونکہ اس نے انسان کو بہکانے اور گمراہ کرنے کا حلف اٹھایا ہوا ہے ۔

فَبِعِزَّتِکَ لَاُ غْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ؕ (ص ۸۲) ۔

تیری عزت کی قسم میں ان سب (بنی آدم) کو ضرور گمراہ کروں گا ۔

قرآنِ کریم کی تلاوت سے پہلے تعوّذ پڑھ لینے سے آدمی شیطان مردود کی زد سے نکل کر اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں آجاتا ہے اور شیطانی وسوسے دور ہو جاتے ہیں ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ۔

فَاِذَ اقَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ۔ (نحل ۹۸) ۔

جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو شیطان مردود کے شر سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کر لیا کرو ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ (اعراف ۲۰۰) ۔

اور جب تمہیں کوئی شیطانی وسوسہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرو ۔

تسمیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ تعالیٰ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

رَحْمٰن: بہت رحم کرنے والا ۔ مبالغہ کا صیغہ اور رَحْمَۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی دل کی نرمی کے ہیں ۔ دنیا و آخرت دونوں میں رحم کرنے والے کو رحمٰن کہتے ہیں ۔اس کی رحمت تمام مخلوق پر ازل سے ابد تک یکساں حاوی ہے ۔ مثلاً بارش ، ہوا ، اور دوسری مہربانیاں ، نیک و بد سب پر یکساں ہوتی ہیں ۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے ۔

رَحِيْم: بڑا مہربان ۔ یہ بھی مبالغہ کا صیغہ ہے اور رَحْمَۃٌ سے مشتق ہے ۔ اس میں رحمٰن سے کم مبالغہ ہے ۔ رحیم سے اللہ تعالیٰ کی وہ خاص رحمت مراد ہے جو آخرت میں صرف مومنوں کے لئے ہوگی ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْماً (احزاب ۴۳) ۔
اور وہ ایمان والوں پر بہت مہربان ہے ۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں پر اپنا خاص انعام فرمائے گا اور ایک نیکی کے بدلے ستر گنا یا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا ۔ یہ لفظ بندوں کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآنِ کریم میں رَؤف الرَّحیم آیا ہے ۔

اسلام سے پہلے عرب کے لوگ اپنے کام بتوں کے نام سے شروع کیا کرتے تھے۔ جاہلیت کی اس رسم کو مٹانے کے ۔لئے جو سب سے پہلی وحی نازل ہوئی اس میں قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کا حکم تھا ۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۔ (سورۂ علق آیت ۱) ۔
اپنے پروردگار کے نام سے پڑھئے جس نے سب کو پیدا کیا ۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کسی سورت کا جزو نہیں بلکہ یہ ایک مستقل آیت ہے جو سورتوں کے درمیان فصل و امتیاز کے لئے نازل ہوئی ہے سنن ابی داؤد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب تک بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورتوں کے فصل نہیں جانتے تھے ۔ (ابن کثیر ۱۶/ ۱) ۔

بسم اللہ کے فضائل ۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کے نام سے یعنی بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ نا تمام اور بے برکت رہتا ہے ۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل کی گئی ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے سوا کسی اور پیغمبر پر نازل نہیں ہوئی ۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ) اتری تو بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے ، ہوائیں ساکن ہو گئیں ، سمندر ٹھہر گیا ، جانوروں نے کان لگائے ، شیطان پر آسمان سے شعلے گرے اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہو گی ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بارے میں سوال کیا ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس کے اور اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم میں اس قدر نزدیکی ہے ، جیسی آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں (ابن کثیر ۱۷/ ۱) ۔

سورۃ الفاتحہ

وجہ تسمیہ ۔ فاتحہ شروع کرنے کو کہتے ہیں ۔ قرآنِ کریم اسی مہتم بالشان سورت سے شروع ہوتا ہے اور نماز میں قرأت بھی اسی سے شروع ہوتی ہے ، اس لئے اس کو سورۂ فاتحہ کہتے ہیں ۔

سورۂ فاتحہ کے اسماء : ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی اُمّ القرآن اور یہی فاتحۃ الکتاب اور یہی سبعِ مثانی ہے ۔ (ابن کثیر ۷/ ۱) ۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّ القرآن کے بارے میں فرمایا کہ یہی اُمّ القرآن ہے اور یہی سبعِ مثانی اور یہی قرآنِ عظیم ہے ۔ (ابن کثیر ۹/ ۱) ۔

تعارف : یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ۔ اس میں ۲۵ کلمات ، ۱۱۳ حروف ، ایک رکوع اور سات آیات ہیں ۔ البتہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ان سات آیتوں میں شامل ہے یا نہیں ۔ جو لوگ بسم اللہ کو پوری آیت بتاتے ہیں وہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ سے ضَالِّیْن تک ساتویں آیت شمار کرتے ہیں ۔ جو لوگ بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو تو مانتے ہیں مگر اس کو پوری آیت نہیں کہتے اور وہ لوگ جو بسم اللہ کو سورۂ فاتحہ کا جزو ہی نہیں مانتے ، ان دونوں کے نزدیک چھٹی آیت صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ہے اور ساتویں آیت غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔ ہے ۔

یہی سورت قرآنِ کریم کا پیش لفظ یا تعارف اور خلاصہ ہے ۔ سارا قرآن اسی کی تفصیل و تفسیر ہے ۔ یہی قرآنِ کریم کی تعلیمات ، اس کی حکمتوں ، اس کے معارف اور اس کے رموزو اسرار کی جامع ہے ۔ یہی وہ سورت ہے جس کی مثل توریت و انجیل و زبور میں نہیں اور خود قرآن میں بھی اس جیسی کوئی اور سورت نہیں ۔ یہی سورت ، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ، اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہے ۔ اسی میں اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنی عبادت کا طریقہ بتایا ہے ۔ اس کی پہلی تین آیات میں آدابِ حمد کی تعلیم ہے ۔ چوتھی آیت خالق اور بندے کے

تعلق کو بیان کرتی ہے ۔ آخری تین آیات میں ایک نہایت مختصر اور جامع دعا ہے جس میں ہدایت طلب کی گئی ہے ۔ اسی ہدایت کے لئے انبیاء و رسل علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے اور ان پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں ۔

فضائل : حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام بیٹھے ہوئے تھے ۔ اتنے میں اوپر (آسمان) سے ایک زور دار آواز سنائی دی ۔ حضرت جبرائیلؑ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا اور کہا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا ہے جو اس سے پہلے کبھی نہیں کھلا تھا ۔ پھر وہاں سے ایک فرشتہ اتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا ۔ خوشخبری ہو آپ کو دو نور دئے گئے ہیں جو اس سے پہلے کسی نبی کو نہیں دئے گئے ۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری (دو) آیتیں ۔ اگر آپ ان میں سے ایک حرف بھی پڑھیں گے تو اس کے بدلے وہ نور آپ کو دیدیا جائیگا ۔(ابن کثیر ، بحوالہ مسلم ۱۱/ ۱)۔

مسند براز میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم بستر پر لیٹتے وقت سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ پڑھ لو تو موت کے سوا ہر چیز سے امن پالو گے (ابن کثیر ۱۲/ ۱) ۔

بخاری نے اپنی سند سے ابن عباسؓ کی حدیث نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ فاتحۃ الکتاب قرآنِ کریم کے دو ثلث (دو تہائی) کے برابر ہے (مظہری ۱۲/ ۱) ۔

صفاتِ باری تعالیٰ

۱ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے جو تمام مخلوقات کا رب ہے ۔

حمد : کسی اختیاری خوبی پر زبان سے تعریف کرنے کو حمد کہتے ہیں ۔ یہ شکر کے مقابلہ میں عام ہے کیونکہ شکر نعمت کے ساتھ مخصوص ہے ۔

شکر دل و زبان اور دوسرے تمام اعضاء سے بھی ہو سکتا ہے ۔ حمد صرف زبان سے ہو سکتی ہے ۔ قتادہ نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حمد، شکر کی اصل ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کی اس نے ذرا بھی شکر نہیں کیا (مظہری ۱/۴)۔

مدح: یہ حمد کی نسبت عام ہے کیونکہ یہ صرف خوبی پر ہوتی ہے اور اس میں نہ تو فعل کا اختیاری ہونا ضروری ہے اور نہ اس خوبی کا واقعتاً ہونا ضروری ہے۔ اسی لئے مدح بعض اوقات ممنوع بھی ہو جاتی ہے مگر حمد سے کسی وقت بھی منع نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ اس خوبی پر ہوتی ہے جو واقعتاً ہو۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ الحمد اللہ کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی شکر کے لائق ہے۔ اس کے سوا مخلوق میں سے کوئی بھی شکر کے لائق نہیں کیونکہ وہ تمام نعمتیں جو شمار سے باہر ہیں اور جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اسی کی طرف سے ہیں (ابن کثیر ۱/۲۲)۔

قرطبی نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری امت میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں ساری دنیا دیدے اور وہ (اس پر) الحمد للہ کہے تو یہ کلمہ ساری دنیا سے افضل ہے۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ ساری دنیا دے دینا اتنی بڑی نعمت نہیں جتنی بڑی نعمت الحمد للہ کہنے کی توفیق دینا ہے۔ اس لئے کہ دنیا تو فانی ہے اور اس کا ثواب باقی ہی باقی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا (کہف ۴۶)۔

مال اور اولاد دنیاوی زندگی کی آرائش ہیں اور تیرے رب کے نزدیک باقی رہنے والی نیکیاں ثواب میں بہتر ہیں۔ (ابن کثیر ۱/۲۳)۔

رَبّ: پرورش کرنا، تربیت کرنا، کام بنانا کسی شئے کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے آہستہ آہستہ درجہ کمال تک پہنچانے کو تربیت کہتے ہیں۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے۔

عٰلَمِیْنَ : یہ عالم کی جمع ہے جو علامہ سے مشتق ہے ۔ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات ہیں ۔ اس کا اطلاق ہر مخلوق پر ہوتا ہے جیسے عالمِ اِنس ، عالمِ جنّ ، عالمِ ملائکہ وغیرہ ۔

ہر شئے کا خالق و مالک اور اس کی تربیت و پرورش کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے ہر قسم کی حمد بھی اسی کے لئے سزاوار ہے ۔ چنانچہ دنیا میں اگر کسی چیز کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے تو وہ بھی حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت حقیقی ، ذاتی اور کامل ہونے کے علاوہ کسی شخص ، زمانے ، جگہ یا کسی حالت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب عالموں کے لئے عام ہے ۔

۲ ۔ **اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ :** (اللہ تعالیٰ) بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔

ان لفظوں کی تشریح بسم اللہ کے تحت گزر چکی ہے ۔ رب کے لفظ میں ترہیب اور ڈراوا تھا اور رحمٰن و رحیم کے لفظوں میں امید ہے ۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے ۔

اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ (انعام ۱۶۶)

بلاشبہ تیرا رب جلد سزا دینے والا بھی ہے اور بخشش و مہربانی کرنے والا بھی ۔

نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔
وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ (حجر ۴۹ ، ۵۰) ۔

میرے بندوں کو خبر کردیجئے کہ میں بخشنے والا اور مہربان بھی ہوں اور میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے ۔

جزا و سزا ۔

۳ ۔ **مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ** اللہ تعالیٰ بدلے کے دن کا مالک ہے ۔

دِین ۔: بدلہ ، جزا ، حساب ۔ ایک مقررہ دن میں اچھے برے ، نیک و بد ، ظالم و مظلوم سب کو ان کے دنیا میں کئے ہوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا وہی بدلہ کا دن ہے ۔ قرآنِ کریم میں ہے ۔

یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ (نور ۲۵) ۔

اس دن اللہ تعالیٰ انہیں پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق اور ظاہر ہے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ دانا وہ ہے جو اپنے نفس سے خود بدلہ لے اور موت کے بعد کام آنے والے اعمال کرے ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ قبل اس کے کہ تمہارا حساب لیا جائے ، تم خود اپنی جانوں سے حساب لو اور اپنے اعمال کا وزن خود کر لو قبل اس کے کہ وہ ترازو میں رکھے جائیں اور اس بڑی پیشی کے لئے تیار رہو جب تم اس خدا کے سامنے پیش کئے جاؤ گے جس پر تمہارا کوئی عمل پوشیدہ نہیں ۔
(ابن کثیر ۱\۲۵) ۔

یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰی مِنْكُمْ خَافِیَةٌ ۔ (الحاقہ ۔۱۸ ۔

اس دن تم لوگ پیش کئے جاؤ گے تمہارا کوئی مخفی راز چھپا نہیں رہے گا ۔

ضحاک نے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اس دن کسی شخص کو حکم کی قدرت نہ ہوگی جیسے دنیا میں بادشاہوں اور حاکموں کو ہوتی ہے ۔ پس قیامت کے دن نہ صرف یہ کہ کوئی ملکیت کا دعویدار نہ ہوگا بلکہ اس مالکِ حقیقی کی اجازت کے بغیر کوئی زبان تک نہ ہلا سکے گا ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ط لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۔ النبا ۳۸ ۔

اس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔کسی کو بولنے کی مجال تک نہ ہوگی سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے اور وہ ٹھیک بات کہے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَخَشَعَتِ الْاَ صْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلاَ تَسْمَعُ اِلاَّ هَمْسًا (طٰہٰ ۱۰۸)

اور (اس دن) آوازیں اللہ تعالیٰ کے واسطے پست ہوجائیں گی ۔ پس تو کھسر پھسر یا گنگناہٹ کے سوا کچھ نہ سنے گا ۔

يَوْمَ يَاْتِ لَاتَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلاَّ بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۰ (ھود ۱۰۵) ۔

اس دن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بات بھی نہیں کرے گا ۔ پس ان میں سے کوئی بدبخت ہے اور کوئی نیک بخت ۔

لِمَنِ الْمُلْکُ الْيَوْمَ ۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المومن ۱۶) ۔

آج کس کی بادشاہت ہے ؟ خدائے واحد کی جو زبردست ہے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کو اپنے قبضہ میں لے لیگا اور آسمان کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا پھر فرمائے گا میں (ہی حقیقی) بادشاہ ہوں ۔ کہاں ہیں زمین کے بادشاہ ۔ کہاں ہیں سرکش اور ظالم ۔ کہاں ہیں تکبر والے ۔ (ابن کثیر ۱\۲۵)۔

دعاء استعانت

۴ ۔ اِيَّاکَ نَعْبُدُ وَاِيَّاکَ نَسْتَعِيْنُ

(اے خدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے (عبادت سمیت ہر کام میں) مدد چاہتے ہیں ۔

نَعۡبُدُ ۔ یہ عِبَادَۃٌ سے جمع کا صیغہ ہے ۔ لغت میں ذلت اور پستی کو عبادت کہتے ہیں اور شریعت میں محبت ، خشوع ، خضوع اور خوف کے مجموعہ کو عبادت کہتے ہیں ۔ یعنی کسی کی انتہائی تعظیم و محبت کی وجہ سے اس کے سامنے اپنی انتہائی عاجزی و فرماں برداری کے اظہار کو عبادت کہتے ہیں ۔

عبادت کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ انسان اس مقدس ذات کو جو تمام کامل صفتوں سے متصف ہے محض اس کی ذات کے لئے عبادت کرے اور مقصود کچھ نہ ہو (ابن کثیر ۱/۳۶) ۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ کمالِ محبت کے ساتھ کمال اطاعت کا نام عبادت ہے ۔ عبادت کا مفہوم زندگی کے تمام شعبوں ، نماز ، روزہ ، حج ، زکوٰۃ ، معاملات ، اور اخلاق و آداب وغیرہ سب پر حاوی ہے ۔ نَعۡبُدُ جمع کا صیغہ ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندگی کرنے والا اپنی عبادت پر ناز نہ کرے بلکہ یہ خیال کرے کہ عبادت کرنے والا صرف وہی نہیں بلکہ بے شمار بندگی کرنے والوں میں سے ایک ہے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۵ ، ۱۶ /۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ نَعۡبُدُ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے (مظہری ۹\۱) ۔

ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کے معنی یہ ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم خاص تیری ہی توحید مانتے ہیں اور تجھ ہی سے ڈرتے ہیں اور تیری ہی ذات سے امید رکھتے ہیں ۔ تیرے سوا کسی اور کی نہ تو ہم عبادت کرتے ہیں ، نہ کسی سے ڈرتے ہیں اور نہ کسی سے امید رکھتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۲۶\ ) ۱ ۔

اس آیت کے پہلے حصے میں شرک سے بیزاری کا اعلان ہے اور دوسرے جملے میں اپنی قوتوں کے انکار اور اپنے عجز کے اقرار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور قوتِ تامّہ کا اقرار ہے ۔ چونکہ حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اس لئے عقلی و طبعی اعتبار سے ہر قسم کی طاقت اور اپنے تمام کاموں میں ، مدد و اعانت بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہئیے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

فَاعۡبُدۡہُ وَتَوَکَّلۡ عَلَیۡہِ ۔

اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر ۔

طلبِ ہدایت

۵ ۔ اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۔

(اے خدا) سیدھے راستے کی طرف ہماری رہنمائی فرما ۔

اِھۡدِنَا ۔ : تو ہمیں ہدایت دے، تو ہماری رہنمائی فرما۔یہ ہِدَایَۃٌ سے امر کا صیغہ ہے۔
امام راغب اصفہانی نے ہدایت کی جو تشریح فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مقصود کی طرف لطف و مہربانی کے ساتھ کسی شخص کی رہنمائی کرنے کو ہدایت کہتے ہیں ۔ (المفردات ۵۳۸) ۔

صراطِ مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جس میں موڑ نہ ہوں ۔ یہاں دین کا وہ راستہ مراد ہے جس میں اِفۡرَاط و تَفۡرِیۡط نہ ہو ۔ اِفۡرَاط کے معنی حد سے آگے بڑھنا اور تَفۡرِیۡط کے معنی کوتاہی کرنا ہیں ۔ امام ابو جعفر بن جریر فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اس واضح اور صاف راستے کو کہتے ہیں جو کہیں سے ٹیڑھا نہ ہو ۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اس راستے کو کہتے ہیں جس میں پانچ باتیں پائی جائیں ۔
(۱) سیدھا ہو (۲) مقصد تک پہنچانے والا ہو (۳) سب سے زیادہ نزدیک ہو (۴) وسیع اور کشادہ ہو (۵) مقصد تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ ہو ۔

حضرت جابرؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد اسلام ہے جو ہر اس چیز سے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے زیادہ وسعت والا ہے ۔
حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صراطِ مستقیم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ۔ (ابن کثیر ۲۷\۱) ۔
پورا قرآنِ کریم اسی طلبِ ہدایت کی دعا کا جواب ہے ۔

انعام یافتہ لوگوں کا راستہ

۶ ۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ ۔

ان لوگوں کا راستہ جن پر آپ نے انعام فرمایا ۔

اس آیت میں صراطِ مستقیم کی تشریح کی گئی ہے کہ یہ وہ راستہ ہے جس پر چلنے

اور ثابت قدم رہنے والے نیک اور ایماندار لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل و انعام فرمایا ۔ سورۂ نساء میں ان انعام یافتہ لوگوں کا ذکر اس طرح ہے ۔

اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَاءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۔ آیت ۲۹ ۔

جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا وہ انبیاء ، صدیقین ، شہداء اور صالحین ہیں ۔

پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ تو ہمیں اس سیدھے راستہ پر چلنے کی ہمت و توفیق عطا فرما جس پر چلنے والوں پر تو نے انعام فرمایا اور جو ہدایت یافتہ تھے ، تیری اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرتے تھے ، تیرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزارتے تھے اور تیری طرف سے جن کاموں کے کرنے کی ممانعت ہے وہ ان سے رک جاتے تھے ۔

مغضوب و گمراہ لوگ

غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۔

جن پر آپ غصے نہیں ہوئے اور نہ وہ گمراہ ہوئے ۔

مَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے احکام کو جاننے کے باوجود ان کی تعمیل میں کوتاہی کرتے ہیں جیسے عام طور پر یہود کا حال تھا ۔ اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوئے ۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

مَنْ لَّعَنَہُ اللّٰہُ وَ غَضِبَ عَلَیْہِ (المائدہ ۶۰) ۔

جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور اپنا غضب نازل کیا ۔

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ (بقر ۹۰) ۔

پس وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہوگئے ۔

ضَآلِّیْن سے وہ لوگ مراد ہیں جو ناواقفیت اور جہالت کی بنا پر دین کے معاملے میں غلط راستے پر پڑ گئے اور دین کی مقررہ حدود سے نکل کر افراط اور غلو میں مبتلا ہوگئے جیسے عام طور پر نصاریٰ تھے جو نبی کی تعظیم میں اتنے بڑھے کہ انہوں نے نبی

(حضرت عیسیٰ) کو خدا بنالیا۔ یہ لوگ گمراہی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝ (مائدہ ۷۷)۔

یہ تو پہلے ہی گمراہ ہیں اور بہت سوں کو گمراہ بھی کر چکے ہیں اور یہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

پس آیت کا حاصل یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اے اللہ تو ہمیں ان لوگوں کی راہ سے بچا جن پر تو ناراض ہوا اور جنہوں نے جان بوجھ کر حق کا انکار کیا۔ اے اللہ تو ہمیں گمراہ لوگوں کے طریقے سے بھی بچا لے جو راہ حق سے بھٹک کر ادھر ادھر حیران و سرگرداں پھر رہے ہیں۔

حضرت عدیؓ بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ سے یہود مراد ہیں اور ضَآلِّيْن سے نصاریٰ۔ (ابن کثیر ۱\۳۰)۔

آمین کہنا ۔ آمین کے معنی ہیں اے اللہ ایسا ہی کر۔ اے اللہ تو قبول فرما۔ سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنا مسنون ہے۔ آمین نہ تو سورۂ فاتحہ کا جزو ہے اور نہ قرآنِ کریم کا۔ اسی لئے اس کو قرآنِ کریم میں نہیں لکھا جاتا۔

سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر آمین کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اے اللہ ہم نے جو انعام یافتہ لوگوں کا راستہ اختیار کرنیکی توفیق و رہنمائی مانگی ہے وہ ہمیں عطا فرما دے اور اہل غضب اور اہل ضلال کے طریقے سے ہمیں دور رکھ۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوجائے اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی نماز میں آمین کہتا ہے تو (اس وقت) فرشتے آسمان میں آمین کہتے ہیں اور اگر ایک کی آمین دوسرے کی آمین کے موافق ہوجائے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ (ابن کثیر ۱\۳۱)۔

سورۂ بقرہ

وجہ تسمیہ ۔ بقر کے معنیٰ گائے کے ہیں اس کا نام بقرہ اس لئے رکھا گیا کہ اس کے آٹھویں رکوع میں گائے ذبح کرنے کے ایک واقعہ کا بیان ہے ۔ بنی اسرائیل کو جو اطاعت خداوندی کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے تھے ، ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ۔ طویل سوال و جواب کے بعد آخر کار انہوں نے گائے ذبح کردی مگر کج بحثی سے پھر بھی باز نہ آئے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو بیان کرکے مسلمانوں کو متوجہ کیا ہے کہ تم کسی قسم کی کج بحثی میں نہ پڑنا بلکہ خلوص نیت اور ادب و اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رحمت ، برکات اور انعامات کے طالب رہو ۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی اُلُوہیت اور قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ایک مقتول کے جسم کو محض ایک مذبوحہ گائے کے ایک ٹکڑے سے چھودینے پر اس کا زندہ ہوجانا اس قادر مطلق کے ارادہ اور مشیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا ۔ منکرینِ حیات بعدالموت کے لئے بھی یہ نہایت عمدہ حجت ہے ۔ ایسے لوگوں کو اس واقعہ سے عبرت پکڑنی چاہئیے اور خوب سمجھ لینا چاہئیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بھی اسی طرح مردوں کو زندہ فرمائے گا ۔

تعارف ۔ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی ۔ اس میں ۲۸۷ آیتیں ، ۶،۲۲۱ کلمات ، ۲۵،۵۰۰ حروف اور ۴۰ رکوع ہیں ، یہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت ہے ۔ اس میں تمام سورتوں سے زیادہ شرعی احکام بیان ہوئے ہیں ۔ بنیادی طور پر اس میں توحید و رسالت ، تحویلِ قبلہ ، نماز ، روزہ ، حج ، جہاد فی سبیل اللہ ، انفاق فی سبیل اللہ ، اہم معاملات مثلاً نکاح و طلاق ، بیع و شراء اور سود و قرض سے متعلق احکامات کا بیان ہے ۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱۔ سب سے پہلے تو قرآنِ کریم کا ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہونے کا اعلان ہے ۔اس کے بعد پانچویں آیت تک مومنوں کی مدح و صفات کا بیان ہے پھر دو

آیتوں میں کافروں کی مذمت ہے ۔
رکوع ۲ ۔ منافقوں کا مفصل حال بیان کیا گیا ہے ۔
رکوع ۳ ۔ بنی آدم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی کا حکم اور قرآنِ کریم کی حقانیت کو ثابت کیا گیا ہے ۔
رکوع ۴ ۔ خلافت آدم ، فرشتوں کا خلافت آدم پر اعتراض اور پھر آدم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ، ابلیس کی نافرمانی اور حضرت آدم و حوّا کو بہکانا ، جس کے نتیجہ میں ان کا جنت سے اخراج اور زمین پر اترنا ۔ پھر حضرت آدم کی توبہ اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے ۔
رکوع ۵ ۔ بنی اسرائیل کو خطاب کرکے ان کو ان پر ہونے والے انعامات اور وہ عہد یاد دلایا گیا ہے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے باندھا تھا ۔ حق کو باطل کے ساتھ ملانے کی ممانعت ، نماز قائم کرنے ، زکوٰۃ ادا کرنے اور مصیبت کے وقت صبر اور نماز سے مدد طلب کرنے کا حکم ہے ۔
رکوع ۶ ۔ پہلے قیامت کا خوف دلایا گیا ہے ، پھر آل فرعون سے بنی اسرائیل کی نجات اور آل فرعون کا سمندر میں غرق ہونا ۔ حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر جانا اور ان کے بعد بنی اسرائیل کا بچھڑے کو معبود بنانا ، اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ کو توریت عطا فرمانا ، بنی اسرائیل کا اللہ تعالیٰ پر بن دیکھے ایمان لانے سے انکار اور ان پر بجلی گرنا ، منّ و سلویٰ کا نزول ، بستی میں معافی طلب کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم اور بنی اسرائیل کا معافی کی بجائے گندم گندم پکارنے کا بیان ہے ۔
رکوع ۷ ۔ بنی اسرائیل کی طرف سے پانی کا مطالبہ کرنا اور حضرت موسیٰ کے معجزے کے طور پر پتھر سے ۱۲ چشمے پھوٹ پڑنا ۔ پھر بنی اسرائیل کی طرف سے سبزی ترکاری کا مطالبہ اور غضب الٰہیٰ کے نتیجہ میں ان کو ذلت و مسکنت کا مستحق ٹھرانا ۔
رکوع ۸ ۔ یہود و نصاریٰ میں سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر کی یقین دہانی ، بنی اسرائیل پر کوہ طور کو بلند کرنا ، ہفتہ کے دن کے بارے میں حد سے تجاوز ، اور گائے ذبح کرنے کے مشہور واقعہ کا بیان ہے ۔
رکوع ۹ ۔ ذبح کی ہوئی گائے کے ایک حصہ کو ایک مقتول کے جسم پر مارنے سے مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کی نشاندہی کرنا ۔ بنی اسرائیل کی قساوتِ قلبی کا ذکر ،

توریت میں تحریف کرکے پیسے کمانے والوں کو تنبیہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل دوزخ اور اہل جنت کے لئے دو ٹوک فیصلہ ۔

رکوع ۱۰ ۔ بنی اسرائیل کا چار احکام میں سے صرف ایک حکم (قیدی کا چھڑانا) تسلیم کرنا اور باقی تین احکام (عہد شکنی ، باہم قتال کرنا ، اور لوگوں کو وطن سے نکالنا) کی مخالفت کرنا ، حیاتِ اخروی پر حیات دینوی کو ترجیح دینے پر عذاب آخرت کی وعید کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۱ ۔ انبیاء کی تکذیب و قتل ، منکرین (یہود) پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور ان کو شدید غضب الہیٰ کا مستحق قرار دینا ، حق کا انکار ، رفع طور ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو موت کی تمنا کرنے کا چیلنج ، زندگی کی حرص ، بیان کی گئی ہے ۔

رکوع ۱۲ ۔ کفار کا جبرائیلؑ سے عداوت رکھنا اور اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا کافروں سے عداوت رکھنا ، کتاب اللہ سے بے اعتنائی ، کفار کی ایک آزمائش اور حصول خیر کے ذریعہ کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۳۔ کفار و مشرکین کا عناد ، یہود کے دعویٰ خیر خواہی کی تکذیب ، اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ، راہ راست سے دوری کا سبب ، کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹانے کی کوشش ، نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ کے قیام کی تاکید ، یہود و نصاریٰ کا جنت میں جانے کا دعویٰ ، مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ، بیان کیا گیا ہے ۔

رکوع ۱۴۔ یہود و نصاریٰ کا ایک دوسرے کے مذہب کو باطل قرار دینا ، مساجد ویران کرنے کی سعی کا انہام ، جہتِ قبلہ کی توجیہہ ، اللہ تعالیٰ کا اولاد سے بری ہونا اور اس کی قدرتِ کاملہ کا بیان ، کافروں کی جاہلانہ آرزو ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجنے اور حقیقی ہدایت کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۵ ۔ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو مخاطب کرکے اپنے انعامات یاد دلانا ، احوال قیامت ، حضرت ابراہیم کی آزمائش ، بیت اللہ میں مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنانا ، دعائے خلیل کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۶۔ ملت ابراہیمی سے اعراض حضرت ابراہیم کی وصیت ، موت کے وقت حضرت یعقوب کا بیٹوں سے معبود کے بارے میں سوال ، اعمال کی جوابدہی ، مسلمانوں کو یہودیوں کی طرف سے یہودیت اختیار کرنے کی دعوت کا جواب ، اللہ تعالیٰ ، قرآنِ کریم ، سابقہ آسمانی کتب اور تمام انبیاء پر ایمان لانا ، اطاعتِ خدا وندی ، یہود کے

دعوے کا جواب ، اور اعمال کی جوابدہی کا بیان ہے ۔
رکوع ۱۷ ، ۱۸ ۔ تحویلِ قبلہ کا بیان ہے ۔
رکوع ۱۹ ۔ صبر کے ذریعہ استعانت طلب کرنا ، حیاتِ شہداء، صابرین کے لئے خوشخبری ، اللہ تعالیٰ کی رحمت پانے والے ، صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا کتمانِ حق پر وعید ، کافروں پر لعنت اور ان کے عذاب میں تخفیف نہ ہونے کی خبر اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان ہے ۔
رکوع ۲۰ ۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ، مشرکین پر عذاب کا ذکر ہے ۔
رکوع ۲۱ ۔ حلال کھانے کا حکم ، شیطان کی پیروی کی ممانعت ، باپ دادا کا طریقہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو تو اس پر چلنے کی ممانعت ، کافروں کی مثال ، مومنوں کو شکر گزاری کا حکم ، حرام اشیاء کا بیان ، کِتمانِ حق کا انجام ، اور ہدایت کے بدلے گمراہی خریدنا مذکور ہے ۔
رکوع ۲۲ ۔ حقیقی بھلائی کا بیان ، قصاص اور وصیت کے احکام بیان کئے گئے ہیں ۔
رکوع ۲۳ ۔ روزہ کا بیان ۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کی دعا قبول کرنا ، سحر و افطار کے اوقات و احکام اور ناحق مال کھانے کی ممانعت بیان کی گئی ہے ۔
رکوع ۲۴ ۔ حقیقی بھلائی ، کفار سے قتال کا حکم ، مسجدِ حرام کے قریب قتال کی ممانعت ، فتنہ ختم ہونے تک قتال کرنا ، حرمت والے مہینوں میں قتال کا جواز ، اپنے آپ کو ہلاکت سے بچانا اور حج و عمرہ کے احکام کا بیان ہے ۔
رکوع ۲۵ ۔ ممنوعاتِ حج ، احکامِ عرفات و مُزدَلِفَہ ، ذکر اللہ کی تاکید اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے دعا کرنا ، سخت جھگڑالو آدمی ، اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے والوں کا ذکر ، شیطان کی پیروی کی ممانعت اور حق سے روگردانی کا بیان ہے ۔
رکوع ۲۶ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو بے شمار کھلی نشانیاں دینے اور بنی اسرائیل کو نعمتِ خداوندی تبدیل کرنے پر شدید عذاب کی وعید ، قیامت کے روز متقیوں کو کافروں پر فوقیت ، لوگوں کا عقائد میں اختلاف کرنا اور ان کی رہنمائی کے لئے نبیوں کا مبعوث ہونا ، جنت میں داخلے کے لئے مومنوں کا امتحان ، پھر لوگوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں پوچھنا ۔ خیرات کے مصارف اور قتال کے حکم کا بیان ہے ۔
رکوع ۲۷ ۔ حرمت والے مہینوں میں قتال کی ممانعت ، کافروں کی طرف سے

مسلمانوں کو مسجد حرام میں جانے سے روکنا اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالنے کی مذمت ، مومنوں ، مہاجروں اور مجاہدین کا رحمت خداوندی کا امید وار ہونا ، شراب و جوئے کا حکم ، یتیم کے ساتھ حسنِ سلوک اور مشرکوں سے نکاح کی ممانعت ۔

رکوع ۲۸ ۔ حیض کے احکام ، قسَم کے ذریعہ نیک کاموں سے رکنے کی ممانعت اور نیک کام کے لئے قسم توڑ دینا اور کفّارہ ادا کردینا ، جھوٹی قسم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مواخذہ ، ایلا اور طلاق کے احکام بیان کئے گئے ہیں ۔

رکوع ۲۹ ۔ خلع کا بیان ، طلاق مغلظہ اور طلاق کے بعد رجوع کے احکام ، بیان کئے گئے ہیں ۔

رکوع ۳۰ ۔ عدت کے بعد نکاح اور رضاعت کی مدت ، بیوہ کی عدت اور عدت میں پیغام نکاح کا بیان ہے ۔

رکوع ۳۱ ۔ مطلقہ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید ، عام نمازوں اور وسطی نماز کی حفاظت کی تاکید صلوٰۃ خوف کا طریقہ ، بیوی کے لئے وصیت کی تاکید ۔

رکوع ۳۲ ۔ اللہ تعالیٰ کا مردوں کو زندہ کرنا ۔ قتال فی سبیل اللہ ، اللہ تعالیٰ کو قرض دینا ، بنی اسرائیل کا جہاد سے فرار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کرنے کو تسلیم نہ کرنا اور طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی کا بیان ہے ۔

رکوع ۳۳ ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نہر کا پانی پینے کی ممانعت ، طالوت کے لشکر کا امتحان لینا ، بنی اسرائیل کی طرف سے جالوت کے لشکر کے خلاف ثابت قدمی کی دعا ، پھر جالوت کے لشکر کو شکست اور جالوت کو مار ڈالنے کا اعلان اور بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت دینے کا اعلان ۔

رکوع ۳۴ ۔ انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید ، صفات باری تعالیٰ ، اسلام لانے کے لئے کافروں کو مجبور نہ کرنے کی ہدایت ، اللہ تعالیٰ کا مومنوں کو اپنا دوست اور کافروں کو شیاطین کا ساتھی اور اہل دوزخ قرار دینا ۔

رکوع ۳۵ ۔ حضرت ابراہیم کا نمرود سے مباحثہ ، مُردوں کو زندہ کرنا ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم کی درخواست پر ان کو مُردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرانا بیان کئے گئے ہیں ۔

رکوع ۳۶ ۔ انفاق فی سبیل اللہ کی مثال ، خیرات کے بعد احسان جتانا اور سائل کو

ستانا ، صدقات و خیرات میں دکھاوے کی ممانعت ، انفاق فی سبیل اللہ کی ایک اور مثال

رکوع ۳۷ ۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں حلال و طیب مال خرچ کرنے کی تاکید ، خیرات کے بارے میں شیطانی وسوسہ ، اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کثیر عطا ہونا ، خفیہ طور پر خیرات کرنا ، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے والوں کے لئے پورا بدلہ ، صدقہ کے مستحق لوگ ۔

رکوع ۳۸ ۔ سود خوری کا انجام ، مومنوں کے لئے اجر کا وعدہ ، حرمتِ سود کے احکام اور سودی لین دین ترک نہ کرنے والے مومنوں کے خلاف اللہ تعالیٰ کا اعلانِ جنگ ۔

رکوع ۳۹ ۔ قرض کی تحریر لکھنا ، اس پر دو گواہ بنانا اور تحریر لکھنے والے کو عدل کے ساتھ لکھنے کی تاکید ۔

رکوع ۴۰ ۔ اعمال کا محاسبہ ، ایمانِ مفصل اور دعائیہ کلمات بیان کئے گئے ہیں ۔

سورۂ بقرہ کے فضائل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ بقرہ پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا چھوڑنا حسرت و بدنصیبی ہے اور اہلِ باطل اس پر قابو نہیں پاسکتے یعنی اس سورت کے پڑھنے والے پر کسی کا جادو نہیں چلے گا (قرطبی بحوالہ مسلم) ۔

حضرت ابوہریرۃؓ کی ایک حدیث میں ہے اس سورت میں ایک آیت ایسی ہے جو قرآن کی تمام آیات میں اشرف و افضل ہے اور وہ آیت الکرسی ہے (ابن کثیر بحوالہ ترمذی) ۔

حضرت ابنِ مسعودؓ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی رات میں سورۂ بقرہ کی دس آیتیں پڑھیں تو اس رات میں شیطان اس گھر میں داخل نہیں ہوگا ۔ وہ دس آیتیں یہ ہیں ۔ چار آیتیں آلم سے مُفْلِحُوْنَ تک ، پھر تین آیتیں درمیان کی یعنی آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیتیں پھر آخری تین آیتیں (ابن کثیر ۱/۳۲) ۔

مسند احمد میں حضرت معقل بن یسار سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان اور اس کی بلندی ہے اس کی ہر آیت کے

ساتھ ۸۰ فرشتے نازل ہوتے تھے اور آیت الکرسی تو عرش کے نیچے سے نکال کر اس سورت کے ساتھ ملائی گئی اور سورۂ یٰسٓ قرآن کا دل ہے ۔ جو شخص اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور طلب آخرت کے لئے پڑھتا ہے ۔ اسے بخش دیا جاتا ہے ۔ اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو (ابن کثیر ۱/۳۲) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ ۔ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس میں شیطان داخل نہیں ہو سکتا (ابن کثیر بحوالہ مسند احمد ، مسلم ، ترمذی ، نسائی ۱/۳۲) ۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے پڑھتا چلا جائے اور سورۂ بقرہ کو پڑھنا چھوڑ دے ۔ پس بیشک جس گھر میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے اس میں سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور بیشک سب سے بدتر گھر وہ ہے جس میں کتاب اللہ کی تلاوت نہ کی جائے ۔

سورۂ بقرہ کی تفسیر

۱ ۔ **حروف مقطعات الٓمٓ** ۔ یہ حروف مقطعات ہیں ۔ اس قسم کے مختلف حروف قرآنِ کریم کی ۱۱۴ سورتوں میں سے ۲۹ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں ۔

عظمتِ قرآن

۲ ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ

" یہ کتاب (ایسی ہے) جس میں ذرا بھی شک نہیں " ۔

ذٰلِكَ ۔ وہ ۔ دور کے اشارے کے لئے آتا ہے مگر کبھی کبھی اشارہ قریب (یہ) کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے ۔ یہاں بھی اشارہ قریب کے معنی میں ہے ۔

الکِتَابُ ۔ ایک خاص کتاب ۔ اس سے مُراد قرآن ہے ۔

رَیْبَ ۔ شک ، شبہ ، گمان ۔ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ ریب ایسے تردّد اور وہم کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد کوئی نہ ہو اور جو ذرا سا غور و تامل سے رفع ہو جائے ۔

شانِ نزول مالک بن صیف یہودی ، مسلمانوں کے دلوں میں یہ کہہ کر شکوک و شبہات پیدا کرتا تھا کہ یہ قرآن وہ کتاب نہیں جس کی پہلی کتابوں میں خبر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شک و شبہ کو دور کرنے کے لئے مسلمانوں کی تعریف اور کافروں کی مذمت میں یہ آیتیں نازل فرمائیں ۔ پہلی چار آیتیں ذٰلِکَ الکتٰبُ سے مفلحون تک مسلمانوں کی تعریف میں ، دو آیتیں کافروں کی مذمت میں اور پھر ۱۳ آیتیں منافقوں کے بارے میں نازل ہوئیں (تفسیر جلالین صفحہ ۳) ۔

تشریح ۔ یہ کتاب جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے ہیں اور یہود و مشرکین جس کو جھٹلاتے ہیں وہی قرآنِ کریم ہے جس کی خبر پہلی کتابوں میں دی گئی ہے اور جس کے دلائل ایسے واضح اور روشن ہیں کہ کوئی معقول اور منصف مزاج آدمی اس کی حقانیت اور اس کے منجانب اللہ ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کرسکتا جیسا کہ سورۂ الٓمٓ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَارَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (آیت ۳۲)۔

اس بارے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ یہ کتاب پروردگار عالم کی طرف سے اتری ہے ۔

جو یہودی اپنی کتابوں کے حقیقی عالم تھے وہ قرآن کو سنتے ہی ایمان لے آئے اور جو بغض و عناد اور حسد میں مبتلا تھے وہ اس سعادت ابدی سے محروم رہے ۔

مومنین کی صفات

ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہ

" (یہ کتاب) پرہیزگاروں کیلئے ہدایت و رہنمائی (کا ذریعہ) ہے "

مُتَّقِیْنَ ۔ پرہیز گار ۔ اللہ سے ڈرنے والے ۔ یہ اِتِّقَاءٌ سے اسم فاعل جمع کا صیغہ ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ متقی وہ مومن ہیں جو شرک سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائیں ۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے ۔

تشریح ۔ قرآنِ کریم سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور رسولوں پر اپنی کتابیں اور صحیفے نازل کئے تھے ۔ اس وقت بھی بہت کم لوگوں نے ان سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی تھی اور لوگوں کی اکثریت اپنی بد اعمالی اور حالتِ کفر پر قائم رہی ۔ ان میں سے بعض بد بخت تو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے ۔ اسی طرح قرآنِ کریم سے بھی ہدایت و رہنمائی صرف وہی لوگ حاصل کریں گے جن کے دل کا آئینہ ، نفسانی و شیطانی ظلمتوں کے زنگ سے صاف و شفاف اور روشن ہوگا ۔ ایسے لوگ ہی اپنے قلب کی نورانیت کے سبب ناپسندیدہ اور بُرے کاموں سے اجتناب کرتے ہیں ۔

قرآنِ کریم میں کہیں عام ہدایت کا ذکر ہے اور کہیں خاص ہدایت کا ۔ یہاں خاص ہدایت مُراد ہے ۔ ہر چند کہ قرآنی ہدایت مسلمانوں اور کافروں سب کے لئے ہے (ھُدًی لِّلنَّاس ۔ انسانوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے) مگر اس سے فائدہ حاصل کرنا صرف پرہیزگاروں کا حصہ ہے کیونکہ ان کا دل زنگ و ظلمات نفسانی و شیطانی سے پاک و صاف اور روشن ہوتا ہے (مظہری ۱/۱۸) ۔

صحیحین میں حضرت نعمانؓ بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت سے مشتبہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جان سکتے ۔ پس جس شخص نے اپنے آپ کو مشتبہ امور سے بچا لیا تو اس نے اپنی آبرو اور دین کو بچا لیا اور جو مشتبہ امور میں پڑ گیا تو وہ حرام میں جا پڑا ۔ جیسے ایک چرواہا کسی محفوظ و ممنوعہ چراگاہ کے گرد جانور چرا رہا ہو تو قریب ہے کہ وہ چراگاہ میں جا پڑے ۔ آگاہ ہو جاؤ ! ہر بادشاہ کی ایک ممنوعہ چراگاہ ہوتی ہے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کا ممنوعہ علاقہ اس کے محارم

(ممنوعات) ہیں ۔ آگاہ ہو جاؤ ! (انسان کے) جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب تک وہ درست اور صحیح رہتا ہے تو (انسان کا) سارا بدن درست اور صحیح رہتا ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو سارے جسم میں فساد پیدا ہو جاتا ہے ۔ آگاہ ہو جاؤ وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے (مظہری ۱/۱۸) ۔

۳ ۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔

(اور متقی وہ ہیں) جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے وہ اس میں سے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں ۔

يُؤْمِنُوْنَ یہ لفظ اِیْمَانٌ سے نکلا ہے ۔ لغت میں کسی کی بات کو کسی کے اعتماد پر یقین کے ساتھ مان لینے کا نام ایمان ہے ۔ شریعت کی اصطلاح میں رسول کی خبر کو مشاہدہ کے بغیر محض رسول کے اعتماد اور بھروسہ پر یقینی طور سے مان لینے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کا نام ایمان ہے (معارف القرآن ۱/۱۰۹) ۔

بِالْغَيْبِ ۔ ہر وہ چیز جو انسان کی نظروں اور دوسرے حواس سے باہر ہو غیب ہے ۔ قرآنِ کریم میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور ان کا علم عقل اور حواسِ خمسہ کے ذریعہ نہیں ہو سکتا ۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ، تقدیری امور ، مرنے کے بعد زندہ ہونا ، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ، جنت و دوزخ کے حالات ، قیامت اور اس میں پیش آنے والے واقعات ، فرشتے ، آسمانی کتابیں اور انبیاء سابقین وغیرہ سب شامل ہیں ۔

يُقِيْمُوْنَ ۔ وہ قائم کرتے ہیں ۔ یہ اِقَامَةٌ سے بنا ہے جس کے معنی قائم کرنا کے ہیں

الصَّلٰوۃَ ۔ لغت میں صلوٰۃ دعا کو کہتے ہیں ۔ شریعت میں نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں ، رکوع ، سجود اور دوسرے خاص افعال کا نام نماز ہے ، جو خاص اوقات میں خاص شرائط کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں ۔

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ وقتوں کا خیال رکھنا ، وضو اچھی طرح کرنا اور رکوع و سجود پوری طرح ادا کرنا ۔ مقاتل کہتے ہیں کہ وقت کی نگہبانی کرنا ، کامل طہارت کرنا ۔ رکوع و سجود پوری طرح کرنا ، تلاوت اچھی طرح کرنا اور اَتحیّات و درود پڑھنا ، اقامتِ صلوٰۃ ہے ۔

پس اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ رکوع و سجود اور قیام و قعود کی پوری رعایت اور پابندی کے ساتھ خود بھی باقاعدگی سے صحیح اوقات میں نماز ادا کرنا اور دوسروں کو بھی اس کی ادائیگی پر آمادہ کرنا ۔

رَزَقْنٰھُمْ ہم نے ان کو دیا ۔ اس کے معنی میں بہت وسعت ہے ۔ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں آجاتی ہیں خواہ وہ ظاہری ہوں جیسے مال و دولت صحت اور اولاد وغیرہ ۔ یا باطنی جیسے علم و دانائی اور سمجھ بوجھ وغیرہ ۔

یُنْفِقُوْنَ ۔ وہ خرچ کرتے ہیں ۔ یہ اِنْفَاقٌ سے نکلا ہے ۔

تشریح : ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقیوں کی تین صفتیں بیان کی ہیں ۔ ایک یہ کہ وہ غیب کی ان چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جن کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اور عقل و حواس کے ذریعہ ان کا علم نہیں ہوسکتا ۔ دوسرے یہ کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں ۔ تیسرے یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں مناسب موقعوں پر جائز اور مفید کاموں میں خرچ کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مال خرچ کرنا بہت بڑی قربانی ہے ۔ بہت سے لوگ بدنی عبادت ، نماز و روزہ وغیرہ تو کرتے ہیں مگر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیتے ہیں جو دنیا و آخرت دونوں کے لئے نقصان دہ ہے ۔

ضحاک فرماتے ہیں کہ سورۂ برات میں زکوٰۃ کی جو سات آیتیں نازل ہوئی ہیں

ان سے پہلے یہ حکم تھا کہ اپنی طاقت کے مطابق تھوڑا بہت جو میسر ہو وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے رہو ۔ (ابن کثیر ۱/۴۲) ۔

قتادہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے رہو کیونکہ یہ مال تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور عنقریب تم سے جدا ہو جائیگا ۔ پس تم اپنی زندگی میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لگا دو (ابن کثیر ۱/۴۲) ۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ مال و دولت اور ہنر و صلاحیت ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اور اسی کی امانت ہیں ۔ اگر ہم اپنا تمام مال و صلاحیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے خرچ کر دیں تو بھی بجا ہے اور ہمارا کوئی احسان نہیں (معارف القرآن ۱/۱۱۰) ۔

۴ ۔ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ج وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ

اور وہ (متقی) لوگ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر (قرآن) نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا ۔ اور ان کو قیامت (واقع ہونے) کا یقین ہے ۔

آخرت ۔ آخرت ۔ پچھلا گھر ۔ قیامت چونکہ دنیا فنا ہونے کے بعد آئے گی اس لئے اسے آخرت کہتے ہیں ۔

يُوْقِنُوْنَ ۔ وہ یقین رکھتے ہیں ۔ یہ اِيْقَانٌ سے بنا ہے جو یقین سے نکلا ہے ۔ یقین اس علم کو کہتے ہیں جو دلائل سے اس قدر واضح اور ثابت ہو کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے ۔

تشریح اس آیت میں بھی متقیوں کی صفات کا بیان ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے اور جو کچھ سابقہ انبیاء آپ سے پہلے لائے تھے ، یہ متقی لوگ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنے رب کی سب باتوں ، مرنے کے بعد زندہ ہونا ، قیامت ، جنت ، دوزخ ، حساب اور میزان وغیرہ کو ملنتے ہیں ۔ یہ لوگ یہ نہیں کرتے کہ اپنے رب کی بعض باتوں کو مانیں اور بعض کا انکار کریں ۔ دنیا

عمل کی جگہ ہے ۔ بدلہ کی جگہ آخرت ہے جہاں ہر شخص کو دنیا میں کئے ہوئے اس کے ایک ایک عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا ۔ پس اس دنیا سے آخرت کا گہرا تعلق ہے ۔ ہماری آخرت کی زندگی کا دارومدار اسی دنیا کی زندگی پر ہے ۔ ہم دنیا میں جیسے اعمال کریں گے ویسا ہی بدلہ آخرت میں پائیں گے ۔ اس لئے متقی وہی ہے جو ہر کام سے پہلے اس بات کا اطمینان کر لے کہ انجام کے اعتبار سے اس کے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کی ہدایت و احکام کے خلاف نہ ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت و رہنمائی کا پورا پورا انتظام فرمایا ہے ۔ صحیح اور غلط راستوں کی واضح طور پر نشاندہی فرمائی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اعمال کے معاملہ میں پوری پوری آزادی اور اختیار بھی دیا گیا ہے ۔ اب یہ ہمارے اوپر منحصر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ کو اختیار کرتے ہیں یا شیطان کے راستہ پر چلتے ہیں ۔

۵ ۔ اُولٰٓئِکَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ق وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۵

" وہی (متقی) لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں " ۔

مُفْلِحُوْنَ فلاح پانے والے ۔ یہ اِفْلَاحٌ سے اسم فاعل ہے جو فَلْحٌ سے بنا ہے ۔ اس کے لفظی معنی چیرنے پھاڑنے کے ہیں ۔ کاشت کار کو فَلَّاحٌ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین کو کھود کر بیج بوتا ہے جو زمین کو چیر کر پودے کی صورت میں باہر آتا ہے ۔

تشریح : آخرت کے گھر کا جیسا یقین ان پرہیز گاروں کو حاصل ہے جن کی چند صفات اوپر بیان ہوئی ہیں ویسا کسی اور کو میسر نہیں ۔ پس جو غیب پر ایمان لاتے ہیں جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اس پر یقین رکھتے ہیں ، آپؐ سے پہلے جو کتابیں نازل ہوئیں ان کو بھی مانتے ہیں ، یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں ، نماز قائم کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ نیک عمل کرتے ہیں اور برائیوں سے بچتے ہیں وہی دنیا و آخرت دونوں میں ہر طرح کی خیر و خوبی

اور فوز و فلاح حاصل کرنے والے ہیں اور وہی یقینی طور پر کامیاب ہیں ۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ کریم کی (بعض آیتوں کی) تلاوت سے تو ہماری ہمت بڑھتی ہے اور قرآن کی (بعض آیتوں کی) تلاوت ہمیں نا امید و مایوس کر دیتی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کیا میں تمہیں اہل جنت اور اہل دوزخ کے بارے میں نہ بتادوں ؟ ۔ صحابہ نے عرض کیا ہاں ! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ پھر آپؐ نے الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ سے مُفْلِحُوْنَ ، تک پڑھ کر فرمایا کہ یہ تو جنتی لوگ ہیں ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہوں گے ۔ پھر آپؐ نے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ سے عَظِیْمٌ تک پڑھکر فرمایا کہ یہ اہل دوزخ ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسے نہیں ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا ہاں (ابن کثیر ۱/۴۵،۴۴) ۔

یہاں تک مومنوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہدایت یافتہ اور مراد پانے والے ہیں ۔ آخرت کی فلاح و کامیابی بھی انہی کو حاصل ہوگی ۔ اس کے بعد دو آیتوں میں کافروں کا ذکر ہے جو اپنے کفر پر سختی سے قائم ہیں ۔ یہ لوگ ایمان کی دولت سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے ہیں گویا ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ۔

کافروں کا حال

۶ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔

بلا شبہ جن لوگوں نے (اسلام قبول کرنے سے) انکار کیا ، ان کے لئے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے ۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے ۔

کَفَرُوْا ۔ انہوں نے کفر کیا ۔ انہوں نے انکار کیا ۔ کفر کے لفظی معنی چھپانے کے ہیں ۔ شریعت کی اصطلاح میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے ان میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے ۔

اِنْذَار ۔ ایسی خبر دینے کو کہتے ہیں جس سے خوف پیدا ہو ۔ مطلق ڈرانے کو انذار نہیں کہتے بلکہ ایسا ڈرانا جو شفقت و رحمت کی بنا پر ہو جیسے بچہ کو آگ ، سانپ وغیرہ سے ڈرانا ۔ (معارف القرآن ۱/۱۱۷) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو مومنوں کی بالکل ضد واقع ہوئے ہیں ۔ یہ لوگ دل سے اسلام کے دشمن ہیں ، اپنا وقت ، قوت اور مال و دولت ، ہر چیز اسلام کی مخالفت میں صرف کرتے ہیں اور واضح اور روشن دلائل سامنے آنے کے باوجود اپنے کفر پر قائم ہیں ۔ ان کے مسلسل انکار اور اسلام کی مخالفت کے باعث ان کے قبول حق کی صلاحیت رفتہ رفتہ ختم ہو گئی ۔ ایسی صورت میں ان کو عذاب سے ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خواہش اور آرزو تھی کہ سب لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ تمام لوگ ایماندار ہو جائیں اور وہ ہدایت کو قبول کر لیں ۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خبر دی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے ، یہ سعادت ہر ایک کے نصیب میں نہیں ۔ یہ نعمت بٹ چکی ہے ۔ جس نے اس میں سے حصہ پایا ہے وہ آپؐ کی بات مانے گا اور جو بد قسمت ہے وہ ہر گز آپؐ کی اطاعت نہیں کرے گا ۔ یعنی جو لوگ حق کو چھپانے کے عادی ہیں ان کی قسمت میں ہدایت نہیں ۔ لہذا آپؐ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے لئے ذرا سا بھی فائدہ مند نہیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس وحی کی جو آپؐ پر نازل کی گئی ہے کبھی بھی تصدیق نہیں کریں گے ۔ ابن کثیر ۴۵\۱ ۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلَوْ جَاۗءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۔
(یونس ۹۶،۹۷) ۔

بیشک جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اگر چہ وہ تمام معجزے دیکھ لیں یہاں تک کہ درد

ناک عذاب دیکھیں ۔

پھر آپؐ کے اطمینان اور تسلی کے لئے ارشاد فرمایا ۔

فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَاب ۔ (رعد آیت ۴۰) ۔

پس آپ کے ذمہ تو احکام پہنچا دینا ہے اور (ان سے) حساب لینا ہمارا ذمہ ہے ۔

اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ ۔ وَّ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ؕ (ہود ۱۱) ۔

بس آپ کا کام تو خبر دار کرنا ہے ۔ اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے ۔

۷ ۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ ۔ وَعَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ؕ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے ۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۔

خَتَمَ ۔ اس نے مُہر لگا دی ۔ خَتْمٌ سے ماضی ۔ مُہر لگانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس چیز پر مُہر لگائی جائے اس کے اندر نہ تو باہر سے کوئی چیز داخل ہو سکتی ہے اور نہ اندر سے کوئی چیز باہر آسکتی ہے ۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ ختم کا مطلب یہ ہے کہ ان پر شیطان غالب آگیا اور وہ اس کے کہنے پر لگ گئے یہاں تک کہ مُہرِ خداوندی ان کے دلوں اور کانوں پر لگ گئی ۔ اور آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ۔ اب وہ نہ ہدایت کو دیکھ سکتے ہیں ، نہ سن سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں ۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں پر گناہ چڑھتے جاتے ہیں اور اسے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں ۔ بس یہی طَبَعْ ، ختم اور مُہر ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ ۔ (النساء ۱۵۵) ۔

بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر مُہر لگادی ۔

قُلُوْبِهِمْ ۔ ان کے دل ۔ قَلْبٌ کی جمع ہے ۔ یہاں قلب سے مراد گوشت پوست کا بنا ہوا دل نہیں بلکہ وہ قوت مراد ہے جو عقل و شعور اور ارادہ کا مرکز ہے ۔

سَمْعِهِمْ ۔ ان کے کان ۔ یہ مفرد لفظ ہے مگر جمع کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ سَمْعٌ کے معنی سننے کی قوت ہے یہاں کان مراد ہیں ۔

اَبْصَارِهِمْ ۔ ان کی آنکھیں ۔ یہ بَصَرٌ کی جمع ہے ۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کا آنکھ سے ادراک کرنا ۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق قوت باصرہ پر بھی ہوتا ہے یہاں اس سے دیکھنے کی قوت مراد ہے ۔

غِشَاوَةٌ ۔ پردہ ۔ ڈھکنا ۔ غشاوہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر حاوی ہو کر اسے سب طرف سے ڈھانک لے ۔

شانِ نزول ۔ یہ آیت ولید بن مغیرہ ، عتبہ ، شیبہ ، ابو جہل وغیرہ ، ان کافروں کے بارے میں نازل ہوئی جنکی موت اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں حالتِ کفر پر ہونی تھی (حاشیہ ترجمۂ قرآن از حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی) ۔

ابن جریر نے ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ...... عَذَابٌ عَظِيْمٌ تک دونوں آیتیں مدینہ کے یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئیں ۔ (جلالین صفحہ ۴) ۔

تشریح ۔ مُہر اور پردہ سے سچ مچ کی مُہر اور پردہ مراد نہیں بلکہ اس سے وہ سیاہی مردا ہے جو گناہوں کے ارتکاب سے گنہگاروں کے دلوں پر آجاتی ہے اور جس سے ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی ۔ اس لئے وہ کفر اور گناہ کے کاموں کی طرف خوشی سے دوڑتے ہیں پس یہ ایک حالت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے استعارہ کے

طور پر مہر اور پردے سے تعبیر فرمایا ہے (حقانی ۱/۳۱۶) ۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مومن کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر اس نے توبہ کر لی اور آئندہ گناہ کرنے سے باز رہا اور استغفار کرتا رہا تو اس کے دل سے وہ سیاہ نقطہ صاف کر دیا جاتا ہے ۔ پس یہ وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآنِ کریم) میں فرمایا ہے ۔ (مظہری ۲۴\۱) ۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝
المطففین ۱۴ ۔

بلکہ ان کے دلوں پر ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے زنگ آ گیا ہے ۔

یہ مُہر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی دیدہ دلیری اور علی الاعلان نافرمانی کی سزا تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مُہر لگا کر ان کو ہمیشہ کے لئے ہدایت سے محروم کر دیا اب وہ نہ تو حق بات کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اس لئے ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا سب برابر ہے ۔ اور آخرت میں ان کے لئے ایک ایسا سخت عذاب ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اسکا تصور بھی نہیں کر سکتا ۔

منافقین کا حال

سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں مومنوں اور کافروں کا بیان تھا اب اگلی تیرہ آیتوں میں منافقوں کا ذکر ہے جو ظاہری طور پر اپنے آپ کو مسلمان کہتے مگر دل سے وہ کفر کے حامی و ناصر تھے ۔ منافق لفظ نَفَقٌ سے نکلا ہے جس کے معنی سرنگ لگانے کے ہیں جیسے جنگلی جانور زمین کے اندر سرنگیں بناتے ہیں تاکہ وقت آنے پر ان میں پناہ لے سکیں اور خفیہ راستوں سے بھاگ نکلیں ۔ اس اعتبار سے منافق اس بد بخت انسان کو کہا جاتا ہے جو بظاہر اسلام قبول کر لے لیکن مسلمانوں کے مقابلہ میں خفیہ چالیں چلے اور دشمنی

کے لئے وقت کا منتظر رہے ۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں ۔

۱ ۔ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے ۔

۲ ۔ جب وعدے کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے ۔

۳ ۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے ۔

(بخاری شریف ۱۳/ ۱) ۔

منافقوں کے ایمان کی حقیقت

۸ ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۔

اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو (زبان سے تو) کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔

النَّاسِ ۔ انسان ۔ لوگ ، یہ یا تو اِنْسٌ سے مشتق ہے کیونکہ انسان ایک دوسرے سے مانوس اور مالوف ہوتے ہیں یا اَنَسَ (اس نے ظاہر کیا) سے کیونکہ آدمی بھی ایک دوسرے پر ظاہر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کو دکھائی دیتے ہیں یہ اصل میں اُنَاسٌ تھا ہمزہ کو حذف کرکے اس کے بدلے حرف تعریف (ال) لایا گیا بعض کے نزدیک یہ اِنْسَانٌ کی جمع ہے اور بعض کے نزدیک اسم جمع ہے ۔ (مظہری ۲۵/ ۱) ۔

تشریح ۔ یہ آیت منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بظاہر تو یہ کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت پر ایمان لائے تاکہ مسلمانوں میں گھل مل کر دنیاوی فوائد و منافع حاصل کریں ۔ اور ہر قسم کی سختی سے جو ان پر پیش آنے والی تھی اسلام کو آڑ بنا کر اپنا بچاؤ کر سکیں مگر ان کا ایمان حقیقی ایمان نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ لوگ مومن

نہیں بلکہ فریبی اور دھوکہ باز ہیں ۔ یہ لوگ ہمیشہ در پردہ رہ کر اسلام کی بیخ کنی کرتے رہے (حقانی ۱/۳۱۸) ۔

یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر یوم آخرت پر ایمان کے مدعی تھے حالانکہ کوئی بھی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کو نہیں پاسکتا ۔ لہذا ان کا دعویٰ ایمان باطل اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ۔

منافقوں کی غلط فہمی

۹ ۔ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ

وہ (اپنے خیال میں) اللہ تعالیٰ اور مومنوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو دھوکہ دے رہے ہیں اور وہ (اس بات کو) سمجھتے نہیں ۔

يُخٰدِعُوْنَ وہ دھوکہ دیتے ہیں ۔ وہ دل میں بری بات چھپاتے ہیں ۔ یہ خَدْعٌ سے بنا ہے جس کے معنی پوشیدہ کرنے کے ہیں ۔ خَدْعٌ اسے کہتے ہیں کہ کسی کو اس مکروہ اور ناپسندیدہ بات کے بارے میں دھوکہ میں رکھنا جسے وہ دل میں چھپائے ہوئے ہو (مظہری ۱/ ۲۵) ۔

يَشْعُرُوْنَ وہ شعور رکھتے ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں ۔ یہ شُعُوْرٌ سے بنا ہے جس کے معنی بوجھنے کے ہیں ۔ یہاں اس سے اندرونی احساس مراد ہے۔مطلب یہ ہے کہ منافقین خود ہی فریب میں مبتلا ہیں اور انہیں اپنی اس حماقت کی خبر نہیں ۔

منافقوں کا یہ سمجھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور مومنوں کو دھوکہ دے رہے ہیں محض خام خیالی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب ہے ۔ اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں اور وہ وحی کے ذریعے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر ان کے ذریعے مسلمانوں کو وقتاً

فوقتاً ان منافقوں کے حال سے مطلع فرماتا رہتا ہے ۔ لہذا یہ خود ہی دھوکہ میں ہیں اور اپنی غفلت اور بے خبری کی بنا پر اس بات کو محسوس نہیں کرتے کہ ان کی دھوکہ دہی کا نقصان خود انہی کو پہنچ رہا ہے ۔ یہ لوگ دنیا میں بھی رسوا ہوئے اور آخرت میں بھی شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے (مظہری ۱/۲۵ حقانی ۱/۳۲۰) ۔

نفاق کی بیماری

۱۰ ۔ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ۝

ان (منافقوں) کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض کو بڑھا دیا ہے اور ان کے جھوٹ کے سبب ان کے لئے (مرنے کے بعد) سخت عذاب ہے ۔

مَرَضٌ ۔ مرض ۔ بیماری ۔ مرض اسے کہتے ہیں جو بدن کا عارض ہو کر اسے اعتدال کی حد سے خارج کر دے اور رفتہ رفتہ ضعیف و کمزور کر کے ہلاکت کے گڑھے تک پہنچا دے ۔ کبھی کبھی اس کا اطلاق اغراضِ نفسانیہ پر بھی مجازاً ہوتا ہے جیسے حسد ، جہل ، کفر ، نفاق عقیدے کی خرابی وغیرہ ۔ منافق جن اغراضِ نفسانیہ کی بیماری میں مبتلا تھے وہ نہایت ہی موذی اور خبیث تھی ۔ (مظہری ۱/۲۶) ۔

اَلِیْمٌ ۔ دردناک ، یہ اَلَمٌ سے نکلا ہے جس کے معنیٰ درد کے ہیں ۔

یَكْذِبُوْنَ ۔ وہ جھوٹ کہتے ہیں ۔ جھوٹ اس خبر کو کہتے ہیں جو حقیقت کے خلاف اور لوگوں کو نقصان پہنچانے والی ہو ۔ یہ کِذْبٌ اور کَذِبٌ سے مضارع ہے

تشریح ۔ یہاں دل کی بیماری سے مراد شک و نفاق ہے ۔ جس طرح بیماری سے بدن کمزور ہوجاتا ہے اسی طرح دین کے بارے میں شک و شبہ کرنے سے ایمان کمزور

ہوجاتا ہے ۔ بیماری موت اور زندگی کے درمیان کی حالت ہے جبکہ نفاق کفر و اسلام کے درمیان کی حالت کا نام ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو مرض فرمایا ۔ منافقوں کے دل نفاق کی وجہ سے مریض تو تھے ہی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جوں جوں قرآنی ہدایات نازل ہوتی گئیں ، منافقین ان کا انکار کرکے اپنے کفر و نفاق اور عداوت کے مرض کو بھی ترقی دیتے گئے جیسا کہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ ۔ توبہ ۱۲۵

اور جن لوگوں کے دلوں میں شک کی بیماری ہے تو ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھادی ۔

منافقوں کی بے شعوری

۱۱-۱۲ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۔

" اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ۔ یاد رکھو ! بلاشبہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے ۔

تُفْسِدُوْا ۔ تم فساد کرتے ہو ۔ تم خلل ڈالتے ہو ۔ یہ فَسَادٌ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں مزاج کا بگڑ جانا ۔ زمین پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا یا نافرمانی کا حکم دینا ہی زمین میں فساد کرنا ہے ۔ اور زمین و آسمان کی اصلاح اطاعت خداوندی میں ہے ۔

مُصْلِحُوْنَ اصلاح کرنے والے ۔ درست کرنے والے ۔ اِصْلَاحٌ سے اسم فاعل ۔ یہ

صَلَاحٌ سے نکلا ہے اور فساد کی ضد ہے ۔

تشریح ۔ ان منافقوں کا مرضِ نفاق ان پر اس حد تک غالب آگیا کہ ان کو نہ صرف نیک و بد اور صحیح و غلط میں تمیز نہیں رہی بلکہ وہ فساد کو اصلاح سمجھنے لگے اور اپنی احمقانہ حرکتوں کو دانائی و فراست خیال کرنے لگے ۔ اسی لئے ان کا مرض نفاق لا علاج ہے ۔ منافقوں کا فساد پھیلانا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے راز فاش کرتے ، کافروں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے ، قرآنی آیات میں تحریف اور باطل تاویلات کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے وغیرہ ۔

ابن جریر فرماتے ہیں کہ منافقوں کا فساد برپا کرنا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے تھے ، جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرماتا وہ اسے کرتے تھے ، اللہ تعالیٰ کے فرائض ضائع کرتے تھے ، اللہ تعالیٰ کے سچے دین میں شک و شبہ کرتے اور اس کی صداقت پر کامل یقین نہیں رکھتے تھے ۔ مومنوں کے پاس آکر اپنی ایمانداری جتاتے حالانکہ ان کے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ہوتے تھے ۔ موقع پاتے ہی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی مدد و اعانت کرتے تھے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے مقابلہ میں ان کی طرفداری کرتے تھے اور اپنی اس مکاری اور مفسدانہ طرز عمل کے باوجود اپنے طور پر اپنے آپ کو مصلح سمجھتے ۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے دوستی رکھنے کو بھی زمین میں فتنہ و فساد پھیلنے سے تعبیر فرمایا ہے ۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ (انفعال ۷۳) ۔

اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم نے ان سے دوستی کی تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائیگا ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (نساء ۱۴۴) ۔

اے ایمان والو ! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ ۔

منافقین مسلمانوں کو اپنی گفتار و کردار سے دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ یہ پوشیدہ طور پر کافروں سے دوستی رکھتے ہیں ۔ اگر یہ علانیہ طور پر اپنے کفر پر رہتے تو ان کی سازشوں اور چالوں سے مسلمانوں کو اتنا نقصان نہ پہنچتا اور اگر یہ پوری طرح مسلمان ہو کر اپنے ظاہر و باطن کو یکساں کر لیتے تو دنیا کے امن و امان کے ساتھ آخرت کی نجات بھی پالیتے ۔ مگر وہ اپنی غلط روش پر قائم رہے اور کہتے رہے کہ ہم تو صلح کن ہیں ، کسی سے بگاڑنا نہیں چاہتے ، ہم تو دونوں فریقین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ منافق کہتے تھے کہ ہم دونوں جماعتوں یعنی مومنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرانے والے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نری جہالت ہے ۔ جسے یہ لوگ صلح کہتے ہیں وہ عین فساد ہے ۔ یہ لوگ اس کا شعور نہیں رکھتے ۔ (ابن کثیر ۱/۵۰) ۔

ایمان کی کسوٹی

۱۳ ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۔

اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ (سچے دل سے) ایمان لائے ہیں تم بھی (ویسے ہی صاف دل سے) اسلام قبول کر لو تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق لوگ ایمان لائے ہیں ۔ یاد رکھو ! بلا شبہ یہی لوگ بیوقوف ہیں مگر یہ جانتے نہیں ۔

سُفَهَآءُ ۔ یہ سفیہ کی جمع ہے جو سَفَہٌ سے نکلا ہے ۔ بے وقوف لوگ ، جاہل ، کم عقل اور نفع و نقصان کو پوری طرح نہ جاننے والے کو سفیہ کہتے ہیں ۔

تشریح ۔ اس آیت میں منافقوں کے سامنے صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا ہے کہ

تم بھی صحابۂ کرام کی طرح صدق دل سے اللہ تعالیٰ ، اس کے فرشتوں ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آؤ اور موت کے بعد زندہ ہونے اور جنت و دوزخ کی حقانیت کو تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں نیک اعمال کرو اور برائیوں سے بچو ۔ صحابۂ کرام کا ایمان ایک کسوٹی ہے جس پر باقی امت کا ایمان کسا جائیگا ۔ اس کے خلاف کوئی عقیدہ اور عمل خواہ ظاہر میں کتنا ہی اچھا نظر آئے اور کتنی ہی نیک نیتی سے کیا جائے ، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں ۔ ہر زمانے میں گمراہوں کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جو بھی راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے وہ اس کو بیوقوف قرار دیتے ہیں ۔ مگر قرآنِ کریم کہتا ہے کہ درحقیقت یہی لوگ بے وقوف ہیں کہ ایسی کھلی اور واضح نشانیوں پر بھی ایمان نہیں رکھتے ۔ (معارف القرآن ۱۲۵/ ۱ ، ابن کثیر ۵۰/ ۱) ۔

تمسخر کرنا

۱۴ ، ۱۵ ۔ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا ۔ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْآ اِنَّا مَعَكُمْ ۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ٥ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ وَ يَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ٥

اور یہ (منافق) جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لائے اور جب وہ اپنے سرداروں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ۔ ہم تو ان (مسلمانوں) سے دل لگی کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ بھی ان (منافقوں) سے دل لگی کرتا ہے اور ان کو ان کی گمراہی میں ڈھیل دے رہا ہے اور وہ (گمراہی میں) اندھے ہو رہے ہیں ۔

خَلَوْا ۔ وہ لوٹتے ہیں ، وہ جاتے ہیں ، وہ تنہا ہوتے ہیں ۔ خَلْوَۃٌ سے مضارع کے معنی میں ماضی ہے ۔

شَیٰطِیْنِہِمْ ان کے شیطان ، ان کے سرکش ، ان کے ہم عقیدہ لوگ ، اس سے مراد رؤسا ، اور سردار ہیں جو اپنی سرکشی کے لحاظ سے شیطان بنے ہوئے ہیں ۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ ہر بہکانے اور سرکشی کرنے والے کو شیطان کہتے ہیں خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِ نْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْراً
(انعام ۱۱۳) ۔

اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے ہر نبی کے دشمن بنادئے جن میں سے بعض بعض کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ ان کو دھوکہ میں ڈالدیں ۔

ایک حدیث میں حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم جنوں اور انسانوں کے شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۱/۵۱) ۔

مُسْتَهْزِءُوْنَ مذاق کرنے والے ، ہنسی اڑانے والے ، تمسخر کرنے والے ۔ اِسْتِہْزَاءٌ سے اسم فاعل ہے ۔

یَمُدُّهُمْ ۔ وہ ان کو ڈھیل دیتا ہے ۔ یہ مَدٌّ سے بنا ہے ۔

طُغْیَانِہِمْ ان کی سرکشی ، ان کی گمراہی ۔ طغیان کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں ۔ یہاں سرکشی اور کفر میں حد سے بڑھنا مراد ہے ۔

یَعْمَهُوْنَ وہ سرگرداں پھرتے ہیں ۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں عَمَہٌ سے مضارع ہے ۔ عَمًیٌ آنکھوں کے اندھے کو کہتے ہیں اور عَمَہٌ دل کے اندھے پن کو ۔ یہاں ایسی کیفیت مراد ہے کہ انسان کو راستہ سجھائی نہ دے اور وہ

اندھوں کی طرح اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارتا پھرے ۔

ان آیتوں میں منافقوں کی دوڑخی پالیسی اس طرح بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو ان کو خوش کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب (یہ لوگ) اپنے سرداروں کے پاس جاتے ہیں تو ان کو بتاکید یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے ہی ساتھ ہیں ۔ ہم تو مسلمانوں کو بے وقوف بنانے اور دل لگی کرنے کے لئے ان سے ملتے ہیں اور ان کے سامنے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** کہدیتے ہیں ، وہ بیوقوف اور سیدھے سادے لوگ ہیں ۔ ہماری اس بات کو سچ جان کر ہمیں اپنے رازوں اور دلی ارادوں سے مطلع کرتے اور فوائد میں شریک بنالیتے ہیں ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا دل لگی اور تمسخر کر رہے ہیں ، اللہ تعالیٰ ان سے دل لگی کر رہا ہے کہ ان کو ڈھیل دیکر اس خراب حالت میں چھوڑ رکھا ہے کہ جس کا نتیجہ دین و دنیا کی خرابی اور آخرت میں سخت عذاب ہے (حقانی ۳۲۵/ ۱) ۔

خسارہ کی تجارت

۱۶ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ۔ پس نہ تو ان کی تجارت سود مند ہوئی اور نہ وہ ہدایت پانے والوں میں سے ہوئے ۔

اِشْتَرَوْا ۔ اِشْتِرَاءٌ سے ماضی ۔ انہوں نے خریدلی ۔ ایک چیز کے بدلے دوسری چیز پالینا ۔ یہ لفظ خریدنے اور بیچنے دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ ایمان کا قبول کر لینا منافقوں کے اختیار میں تھا ۔ مگر انہوں نے اس کی بجائے کفر اور منافقت کا راستہ اختیار کر لیا ۔

رَبِحَتْ ۔ سود مند ہونا ۔ یہ رِبْحٌ سے بنا ہے جس کے معنی نفع کے ہیں ۔

تشریح ۔ منافقین کفر میں تو پہلے ہی مبتلا تھے ۔ پھر انہوں نے اسلام کو قریب سے دیکھا اور اس کا ذائقہ بھی چکھا ۔ اس کے باوجود انہوں نے دنیاوی اغراض کی خاطر اسلام کے بدلے کفر ہی کو ترجیح دی ۔ قرآنِ کریم نے ان کے اس عمل کو تجارت کا نام دیکر بتایا ہے کہ ان کو تجارت کا سلیقہ بھی نہیں آیا ۔ کہ بہترین اور قیمتی چیز (ایمان) دیکر خراب اور تکلیف دہ چیز (کفر) خرید لی ۔ (معارف القرآن ۱۲۶، ۱۲۹ / ۱) ۔

خالص منافق کی مثال

۱۷ ، ۱۸ ۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ۔ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۚ

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (تاریک رات میں) آگ جلائی ۔ پس جب اس کے آس پاس روشنی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی بجھا دی اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں دیکھتے، گونگے ، بہرے ، اندھے ہیں ۔ وہ راہ پر نہیں آئیں گے ۔

اِسْتَوْقَدَ ۔ اس نے (آگ) جلائی ۔ اس نے سلگائی ، اِسْتِقَادٌ سے ماضی ۔

اَضَآءَتْ ۔ اس نے روشن کر دیا ۔ یہ اِضَاءَةٌ سے نکلا ہے ۔

صُمٌّ ۔ بہرے ، بہرہ ہونا ۔ اس کا واحد اَصَمُّ ہے ۔ اگر چہ منافق ظاہری طور پر بہرے نہیں تھے مگر وہ اسلام کے بارے میں سنی ان سنی کر دیتے تھے اس لئے ان کو بہرہ کہا گیا ۔

بُكْمٌ ۔ گونگے ۔ یہ اَبْكَمُ کی جمع ہے ۔ ان لوگوں کے زبانیں تو تھیں مگر وہ حق بات معلوم کرنے اور اس کا اقرار کرنے سے گریز کرتے تھے اس لئے ان کی اس حالت کو گونگا پن کہا گیا ۔

عُمْيٌ ۔ اندھے ۔ اس کا واحد اَعْمٰی ہے ۔ آنکھیں رکھنے کے باوجود یہ لوگ اللہ

تعالیٰ کی واضح نشانیاں دیکھ کر بھی حق کو قبول نہیں کرتے اس لئے گویا وہ اندھے ہیں۔

تشریح یہ مضمون گزشتہ آیت کی تائید میں ہے کہ منافقوں نے اپنے دلوں میں کفر پوشیدہ کر کے اس کلمۂ حق کو جو ان کی زبان سے نکلا تھا ضائع کر دیا۔ ان کے دلوں میں نفاق پختہ ہو چکا ہے۔ اب وہ کسی طرح ہدایت کی طرف رجوع کرنے والے نہیں۔ (مظہری ۲۹/ ۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دو قسم کے منافق تھے۔ ایک وہ جو خالص منافق تھے اور دل سے اسلام کے دشمن تھے مگر زبان سے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ دوسرے وہ جو قطعی طور پر نہ تو اسلام کے حامی تھے اور نہ مخالف بلکہ یہ لوگ پس و پیش اور تردّد میں مبتلا رہتے تھے اور جدھر فائدہ دیکھتے اُدھر ہو جاتے۔ قرآنِ کریم نے یہاں دونوں گروہوں کی حالت کو علیحدہ علیحدہ مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ ان آیات میں پہلے گروہ یعنی خالص منافق کی مثال بیان کی گئی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسلام کی شمع کو روشن کر کے حق و باطل اور ہدایت و گمراہی کو خوب واضح اور ممتاز کر دیا۔ اور خلقِ خدا اسلام کی روشنی سے ہدایت و رہنمائی پانے لگی مگر منافقوں نے اس کو نظر انداز کر کے گمراہی کو اختیار کر لیا۔ پس منافقوں کا ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کرنا ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص اندھیرے میں آگ جلائے جس سے اس کے اطراف کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں، پریشانی دور ہو اور فائدہ کی کچھ امید بندھے۔ پھر یکایک آگ بجھ جائے اور ایک دم اندھیرا چھا جائے۔ اب نہ تو اس کی نگاہ کام کرتی ہے کہ وہ اس کی مدد سے خود دیکھ کر راستہ معلوم کر سکے اور نہ وہ بہرا ہونے کی بنا پر کسی کی بات سن سکتا ہے اور نہ گونگا ہونے کی وجہ سے کسی سے معلوم کرسکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کا راہ راست پر آنا محال ہے۔ (ابن کثیر ۵۳/ ۱، حقانی ۳۲۷/ ۱)۔

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ منافقوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا جیسا کہ قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ کئی جگہ آیا ہے۔ (ابن کثیر ۵۳ \ ۱)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ

لَا یَفْقَهُوْنَ ۔ (المنفقون ۔ ۳) ۔

یہ اس لئے ہوا کہ یہ لوگ ایمان لائے ، پھر کافر ہو گئے ، پھر ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ۔ اب وہ سمجھتے ہی نہیں ۔

متردّد منافق کی مثال

۱۹ ، ۲۰ ۔ اَوْ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ج یَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِیْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ط وَ اللّٰهُ مُحِیْطٌ بِالْكٰفِرِیْنَ ط یَكَادُ الْبَرْقُ یَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ط كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِیْهِ لا وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوْا ۔ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ع

یا (ان کی مثال) ایسی ہے جیسے آسمان سے زور کا مینہ برس رہا ہو اور اس میں کڑک اور بجلی ہو اور وہ کڑک سے ڈر کر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اچک لے (جب بجلی کی چمک سے) ان کو روشنی معلوم ہوتی ہے تو وہ اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی سماعت اور بینائی کھو دے ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

صَیِّبٍ ۔ فَیْعِلٌ کے وزن پر صَوْبٌ سے مشتق ہے اور نزول کے معنی میں ہے ۔ بادل اور بارش دونوں کے لئے آتا ہے ۔ یہاں بارش مراد ہے (مظہری ۱/۳۰) ۔

السَّمَآءِ ۔ یہ سُمُوٌّ سے بنا ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں ۔ افق کو بھی سماء کہتے ہیں ، بادل اور آسمان کو بھی ۔ یہاں بادل مراد ہے کیونکہ بارش وہیں سے نازل ہوتی ہے (حقانی ۳۳۰/ ۱) ۔

رَعْدٌ ۔ اس آواز کو کہتے ہیں جو ابر (بادل) سے سنائی دیتی ہے (مظہری ۱\۳۰) ۔

بَرْقٌ اس چمک ، روشنی اور آگ کو کہتے ہیں جو بادلوں میں پیدا ہوتی ہے ۔ رَعْدٌ اور بَرْقٌ دونوں مصدر ہیں (حقانی ۱\۲۳۰ ، مظہری ۱\۳۰) ۔

یَجْعَلُوْنَ ۔ وہ بناتے ہیں ۔ وہ ڈالتے ہیں ۔ یہ جَعْلٌ سے بنا ہے ۔

اَصَابِعَھُمْ ۔ ان کی انگلیاں ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد اِصْبَعٌ ہے ۔

اٰذَانِھِمْ ۔ ان کے کان ۔ یہ بھی جمع کا صیغہ ہے ۔ اس کا واحد اُذُنٌ ہے ۔

الصَّوَاعِقِ یہ صَاعِقَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی کڑک کے ہیں ۔ صَعِقٌ ایسی شدید آواز کو کہتے ہیں جس کو سننے والا بیہوش ہو جائے یا مر جائے ۔ ہر مہلک عذاب کو بھی صاعقہ کہتے ہیں ۔ (مظہری ۱/۳۱) ۔

حَذَرَ ۔ ڈر ۔ خوف ، مصدر ہے ۔

مُحِیْطٌ ۔ احاطہ کرنے والا ، گھیرنے والا ۔ اِحَاطَۃٌ سے اسم فاعل ۔

یَخْطَفُ ۔ وہ اچک لے گا ۔ وہ سلب کر لے گا ، خَطْفٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ ابن جریر نے مرہ سے حضرت ابن مسعودؓ اور دیگر صحابۂ کرام کے حوالہ سے روایت کی کہ مدینہ کے دو منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگ کر مشرکین مکہ کی طرف چلدئے ۔ راستہ میں ان کو اس بارش نے آ لیا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا ہے ۔ اس میں شدید گرج اور کڑک اور بجلی تھی ۔ اندھیرا گھپ ہو گیا اور وہ دونوں منافق حیران و پریشان کھڑے رہ گئے ۔ جب گرجنے کی ہولناک آواز ان کے کانوں میں آتی تو اس وقت اس ڈر سے کہ کہیں یہ کانوں میں داخل ہو کر ہلاک نہ کر دے یہ لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ۔ جب بجلی کوندتی تو جلدی سے اس کی روشنی میں چند قدم چل لیتے اور پھر کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ۔ آخر حیران و پریشان کہنے لگے کہ کاش جلدی سے صبح ہو اور بادل کھلے تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیدیں یعنی بیعت کر لیں ۔ پھر جب صبح

ہوئی تو وہ دونوں آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایمان لے آئے اور پھر وہ اچھے مسلمان ہوئے ۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (جلالین ۸ ، ۹ ، مظہری ۱/۳۳) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے واقعہ کو مدینہ کے منافقوں کے لئے ضرب المثل بنا دیا ۔ جس طرح وہ دونوں بادل گرجنے کی آواز سن کر موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اسی طرح جب منافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آتے تو کانوں میں انگلیاں دئے رہتے کہ کہیں کوئی ایسی آیت نہ سن لیں جو ان کے بارے میں نازل ہوئی ہو یا کوئی ایسی بات نہ سن لیں جو ان کے قتل کا سبب بن جائے۔ جس طرح یہ دونوں منافق بجلی کی چمک میں چند قدم چل لیتے اسی طرح جب مدینے کے منافقوں کے پاس مال و دولت کی کثرت ہوتی اور جنگ میں فتح اور مال غنیمت حاصل ہوتا تو وہ یہ کہتے ہوئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بلا شبہ سچ اور صحیح ہے ، اس پر قائم رہتے اور جب ان کے اموال اور اولاد ہلاک ہو جاتے اور ان پر کوئی مصیبت آتی تو وہ یہ کہتے ہوئے کہ یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی وجہ سے ہے ، کفر کی طرف لوٹ جاتے ۔ جیسا کہ وہ دونوں منافق بجلی کی چمک ختم ہونے کے بعد حیران و پریشان کھڑے رہ جاتے ۔ اور قرآنی تعلیمات سے آنکھیں بند کرنا بے فائدہ ہے کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کو اندھا اور بہرہ کرسکتا ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے (جلالین ۸ ، ۱۰ ، مظہری ۱/۳۳ ، حقانی ۱/۱) ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۔ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ (الحج آیت ۱۱) ۔

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو کنارے پر ٹھہر کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں ۔ اگر کوئی بھلائی اور نعمت مل گئی تو مطمئن ہو گئے اور اگر برائی اور مصیبت پہنچی تو اسی وقت پھر گئے ۔ ایسے آدمی نے اپنی دنیا اور آخرت دونوں گنوا دیں ۔

قیامت کے روز کئی قسم کے لوگ ہوں گے ۔ خالص مومن جن کا ذکر پہلی چار آیتوں میں ہوا ۔ خالص کفار جن کا ذکر اس کے بعد کی دو آیتوں میں ہے اور منافق جن کی دو قسمیں ہیں ۔ ایک تو خالص منافق جن کی مثال آگ کی روشنی سے دی گئی ہے ۔ دوسرے وہ منافق جو تردد میں ہیں ۔ ان کا ایمان کبھی تو چمک اٹھتا ہے اور کبھی بجھ جاتا ہے ۔ ان کی مثال بارش سے دی گئی ہے اور یہ پہلی قسم کے منافقوں سے نفاق میں کچھ کم ہیں ۔ قیامت کے روز بھی منافقوں کا حال ایسا ہی ہوگا جب کہ لوگوں کو ان کے ایمان کے اندازے کے مطابق نور ملے گا ۔ بعض کو کئی کئی میل تک کا ، بعض کو اس سے بھی زیادہ اور بعض کو اس سے کم یہاں تک کہ کسی کو اتنا نور ملے گا کہ کبھی روشن ہوا اور کبھی بجھ گیا ۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو ذرا دور چلیں گے پھر ٹھہر جائیں گے ۔ پھر ذرا دور کا نور ملے گا پھر بجھ جائے گا اور بعض وہ بد نصیب ہوں گے کہ ان کا نور بالکل بجھ جائے گا ۔ یہ پورے منافق ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ۔

یَوْمَ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۔ قِیْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ ۔ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۔ الحدید ۱۳

اس دن منافق مرد اور عورتیں ایمان والوں کو پکار کر کہیں گے کہ ذرا ٹھہر جاؤ ہمیں بھی آلینے دو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کرلیں ۔ ان سے کہا جائیگا کہ تم اپنے پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ پس کوئی اور نور تلاش کر لو ۔

مومنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ۔ الحدید ۱۲ ۔

اس دن (قیامت کے دن) تو دیکھے گا کہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کا نور ان کے آگے آگے اور ان کے داہنی طرف دوڑتا چلا آتا

ہوگا ۔ (ان سے کہا جائے گا) تمہارے لئے آج کے دن ایسے باغوں کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔ وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ج نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ج اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ التحریم ۸ ۔

اس دن اللہ تعالیٰ رسوا نہ کرے گا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا ۔ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے ہمارے نور کو پورا فرمادے اور ہمیں بخشدے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے ۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق نور ملے گا جس کی روشنی میں وہ پل صراط سے گزریں گے ۔ بعض لوگوں کا نور پہاڑ جتنا ہوگا ، بعض کا کھجور جتنا اور سب سے کم نور والا وہ ہوگا جس کا نور اس کے انگوٹھے پر ہوگا ۔ کبھی چمک اٹھے گا اور کبھی بجھ جائے گا ۔

مسند احمد میں حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دل چار قسم کے ہیں ۔ ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو ۔ دوسرے وہ دل جس پر غلاف چڑھا ہوا ہو (اس میں حق بات جا ہی نہیں سکتی) ۔ تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں چوتھے وہ دل جو دوغلا ہو (اس میں ایمان اور نفاق دونوں ہوں) پہلا دل تو مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے دوسرا دل کافر کا ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں ۔ تیسرا دل خالص منافق کا ہے جو جانتا ہے اور پھر انکار کرتا ہے۔چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں ۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھ رہا ہو ۔ اب جو مادہ بڑھ جاتا ہے وہ دوسرے پر غالب آجاتا ہے ۔ (ابن کثیر ۵۵ ، ۵۶ / ۱) ۔

تعلیم توحید

۲۱ ۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ

اے لوگو ! اپنے رب (ہر وقت پرورش کرنے والے) کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے ۔ تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ ۔

النَّاسُ ۔ یہ مطلق انسان کے معنی میں آتا ہے اس لئے یہ خطاب مذکورہ بالا تینوں گروہوں (مومنوں ، کافروں ، منافقوں) کو ہے ۔

اعْبُدُوْا ۔ تم عبادت کرو ۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو عاجزی اور ادب کے ساتھ مانو ۔ یہ عِبَادَۃٌ سے امر ہے ۔

خَلَقَكُمْ ۔ اس نے تمہیں پیدا کیا ، جس چیز کی مثال پہلے سے موجود نہ ہو اس کو عدم سے وجود میں لانے کو خلق کہتے ہیں ۔ یہ ربکم کی صفت ہے اور تعظیم بیان کرنے کے لئے لائی گئی ہے ۔

لَعَلَّكُمْ ۔ تاکہ تم ۔ یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی کام کا نتیجہ پیدا ہونے کی قوی امید ہو ۔

تشریح یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم میری عبادت کرو بلکہ یہ حکم دیا کہ اپنے رب کی عبادت کرو ۔ لفظ رب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ چونکہ وہ ہر وقت اپنے بندوں کی پرورش کرتا ہے اس لئے اس کے اس عظیم انعام و احسان کے شکریہ میں اس کی عبادت کرو ۔ عبادت کا حکم مومن و کافر سب کے لئے ہے البتہ کافر کے لئے عبادت کا حکم ایمان لانے کے بعد ہے کیونکہ ایمان عبادت کے لئے شرط ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ قرآنِ کریم میں عبادت سے مراد توحید ہے ۔ کفار کو یہ حکم ہے کہ تم توحید کو اختیار کرو اور مومنوں کو یہ حکم ہے کہ تم توحید پر

قائم رہو (مظہری ۲۵ / ۱) ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ تمہارا اور تمہارے آباد اجداد یعنی تمام بنی نوع انسان کا خالق و مالک وہی ہے جو ہر وقت تمہاری پرورش کرتا ہے اور تم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی ربوبیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے ۔ اس لئے صرف اسی کی عبادت کرو تاکہ تمہارے اندر پرہیز گاری آ جائے ۔ تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن چیزوں کو پوجتے ہو ان میں سے کسی نے بھی نہ تو تمہیں پیدا کیا ہے اور نہ تمہارے باپ دادا کو اور نہ ہی ان باطل معبودوں نے تم میں سے کسی کی پرورش کی ہے ۔ جس طرح تم محتاج ہو اسی طرح یہ بھی محتاج ہیں لہذا ان کو کسی امر کا مالک سمجھ کر ان کی عبادت کرنا باطل خیال ہے ۔ (حقانی ۲۲۴/ ۱ ، معارف القرآن ۱۳۴/ ۱) ۔

۲۲ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(تمہارا رب وہ ہے) جس نے تمہارے (آرام کے) لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس بارش سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے ۔ پس تم (اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے بعد) کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ حالانکہ (یہ بات) تم جانتے ہو (کہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے بت خدا نہیں ہو سکتے ۔

فِرَاشًا ۔ فرش ، وہ چیز جو بچھا دی گئی ہے یعنی ایسی ٹھوس اور ہموار چیز جس پر قدم رکھ کر چلا پھرا جا سکے ۔

بِنَآءً ۔ چھت ، خیمہ ۔

اَنْدَادًا ۔ شریک ، مقابل ، یہ نِدٌّ کی جمع ہے نِدٌّ اس کو کہتے ہیں جو برابر کا مخالف ہو ۔ مشرکین ذات میں تو کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں سمجھتے تھے مگر عبادت و استعانت ، نظر و نیاز اور ادب و تعظیم بتوں کی بھی اسی

اسی طرح کرتے تھے جس طرح خدا کی (حقانی ۳۳۴/ ۱) ۔

تشریح ۔ چونکہ عبادت بندے اور خالق میں ایک عجیب رابطہ اور نسبت ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ یہ فعل خدا کے سوا کسی اور کے ساتھ نہ کیا جائے۔لہذا حقیقی معبود وہ ہے جس نے تمہیں اور ان سب کو پیدا کیا ۔ جو تم سے پہلے ہوئے ہیں اور اس نے تمہارے آرام کیلئے زمین کو فرش بنایا ۔ یعنی نہ تو اس کو گارے اور ہوا کی طرح نرم بنایا اور نہ ایسا سخت اور گول بنایا کہ انسان اس کے اوپر سے لڑھک جائے بلکہ اس کو ایسا آرام دہ بنایا کہ اس پر تمام لوگ اطمینان اور سکون سے رہتے ہیں ، سوتے ہیں ، بیٹھتے ہیں ، اور چلتے پھرتے ہیں ۔ اسی نے تمہارے اوپر آسمان کو خیمے کی طرح بنایا۔ گویا زمین کو فرش اور آسمان کو اس کی چھت بنا دیا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَ جَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفاً مَّحْفُوْظاً ۔(انبیاء ۳۲) ۔

اور ہم نے آسمان کو (ہر بلا سے محفوظ) چھت بنا دیا۔

پھر اسی نے تمہاری روز مرہ کی دعوت و ضیافت کا بھی عجیب سامان کیا کہ اوپر سے پانی برسایا اور اس سے رنگ برنگ کے پھل اور پھول پیدا کئے ۔ جن کو کھا کر تم آرام و راحت پاتے ہو لہذا جس ذات میں یہ تین وصف نہیں کہ تمام مخلوق کا پیدا کرنا، آسمان کو خیمہ اور زمین کو فرش بنا کر اس پر ، پر تکلف مکان رکھنا ، اور قِسم قِسم کے کھانے کھلانا ، وہ رب نہیں اور جو رب نہیں وہ عبادت کے لائق نہیں ۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ قَرَاراً وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَکُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَکُمْ وَرَزَقَکُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمْ ۚ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ المومن ۶۴ ۔

اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا ۔ اور تمہیں پیاری پیاری صورتیں عطا فرمائیں ۔ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے روزی دی ۔ یہی اللہ تعالیٰ ہے جو بڑی برکتوں والا اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے ۔

پس سب کا خالق ، سب کا رازق ، سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے وہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق اور شرک سے مُبرّا ہے ۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑا گناہ کونسا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ جو خالق ہے شریک ٹھہرانا ۔ حضرت معاذؓ کی حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر کیا حق ہے ؟ پھر فرمایا کہ (اس کا حق یہ ہے کہ) تم اس کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو ۔ (ابن کثیر ۵۷/ ۱) ۔

اثباتِ رسالت

۲۳ ، ۲۴ ۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۔ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۔

اگر تمہیں اس (قرآن) کے (من جانب اللہ ہونے کے) بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور (اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بھی (اپنی مدد کے لئے) بلا لو اگر تم (اپنے شک میں) سچے ہو ۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو اور یقین جانو کہ تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

شُهَدَآءَ ۔ حاضر ، گواہ ، مددگار ، یہ شَاہِدٌ کی جمع ہے ۔ گواہ کو بھی شاہد اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا عدالت میں حاضر ہونا ضروری ہے ۔ یہاں شہداء سے مراد یا تو عام لوگ ہیں یا کافروں کے بت مراد ہیں جن کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ قیامت کے روز وہ ان کے لئے گواہی دیں گے ۔

وَقُوْدُھَا اس کا ایندھن ۔ آگ جلانے کا ایندھن ۔ یہ اسم ہے ۔

الْحِجَارَۃُ۔ پتھر کو کہتے ہیں ۔ یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبو دار پتھر ہیں جنکی آگ بہت تیز ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ (ابن کثیر ۱/۶۱) ۔

اُعِدَّتْ ۔ وہ تیار کی گئی ہے ۔ یعنی وہ آگ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔ اِعْدَادٌ سے ماضی مجہول ہے ۔

ربط آیات ۔ گزشتہ آیات میں عبادت اور معرفتِ خداوندی کے طریقے بتائے گئے اور محکم دلائل سے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی توحید کو ثابت اور شرک کو باطل کیا گیا ۔ ان آیات میں نبوت کے دلائل کا بیان ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی معرفت حاصل ہو ۔ اسی لئے آپؐ کے سب سے اعلیٰ اور افضل معجزے کو بیان کیا تاکہ آپؐ کی نبوت و رسالت میں منکرین کو کوئی شبہ باقی نہ رہے ۔

تشریح ۔ قرآنِ کریم وقتاً فوقتاً ضرورت اور واقعات کے لحاظ سے نازل ہوتا رہا ۔ یہی مشرکین کے شک و شبہ کا سبب تھا ۔ ان کا گمان تھا کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو یہ ایک دم پورے کا پورا نازل کیوں نہیں کیا گیا ۔ تدریج تو انسانوں کے کلام میں ہوتی ہے۔جیسے شاعر اور خطیب موقع اور ضرورت کے لحاظ سے شعر کہتے اور اپنے خطبے لکھتے ہیں ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیا کے انسانوں کو مخاطب کر کے چیلنج دیا ہے کہ اگر تم اس کلام کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی تو انسان ہو ، تم بھی اہل زبان ہو ، اور تم تو ہر مجلس اور میلے میں جہاں اہل سخن جمع ہوتے ہیں اپنے اشعار و کلام کو سناتے اور زبان دانی میں اپنی مہارت دکھاتے ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اس قسم کے مجمع میں کبھی تشریف نہیں لے گئے ۔ لہذا ایسا کلام پیش کرنے میں تمہیں بھی قدرت ہونی چاہئے ۔ تم سب مل کر پورا قرآن نہیں تو کم از کم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اس کام میں اپنی مدد و اعانت کے لئے ، سارے جہان سے اپنے حمایتی اور مدد گار بھی جمع کر لو اور اپنے ان معبودوں سے بھی مدد لے لو جن کو تم ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو ۔ اگر پھر بھی تم سے ایک سورت کے برابر کلام نہ بن سکا اور تم ہرگز نہیں بنا سکو گے تو یقین کر لو کہ یہ اس

ذاتِ واحد اور قادرِ مطلق کا کلام ہے جو تمام لوگوں اور تمام باطل معبودوں سے بڑھ کر ہے ۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ۔ ایسی صورت میں قادرِ مطلق کا مقابلہ کرنا اور اس کے کلام کو جھٹلانا جہنم میں ٹھکانا بنانا ہے اور جہنم کی آگ یہاں کی آگ سے سخت اور تیز ہے اور اس کا ایندھن پتھر اور آدمی ہیں اور یہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔ لہذا اب تم اس آگ سے بچنے کی تدبیر کرو اور اس کلام پر سچے دل سے ایمان لے آؤ ۔ (حقانی ۳۴۱ ۔ ۳۴۳ / ۱ ، معارف القرآن ۱۴۱ / ۱) ۔

مخالفین کی بے بسی ۔ قرآنِ کریم نے اس چیلنج کا بارہا اعادہ کیا اور ساتھ ہی پیشگوئی بھی کی کہ یہ لوگ اس پر قادر نہیں ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل ۸۸) ۔

آپ کہدیجئے کہ اگر تمام جنّات اور انسان جمع ہو کر اور ایک دوسرے کی مدد کر کے یہ چاہیں کہ وہ اس جیسا قرآن بنائیں تو بھی (ایسا کرنا) ان کے لئے ممکن نہیں ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؕ (ہود ۱۳) ۔

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو (خود اس پیغمبر نے) گھڑ لیا ہے۔آپ کہدیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو تم سب مل کر اور اللہ تعالیٰ کے سوا جنہیں تم (اپنی مدد کے لئے) بلاسکتے ہو بلا کر اس جیسی دس سورتیں بنا لاؤ ۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؕ (یونس ۳۸)۔

کیا یہ لوگ اس (قرآن) کو خود ساختہ بتاتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر شخص کو اپنی مدد کے لئے بلا کر اس جیسی صرف ایک سورت ہی بنا لاؤ تاکہ تمہارا سچ ظاہر ہو ۔

جن لوگوں کی مادری زبان عربی تھی ، جنہیں اپنی زبان دانی اور اپنی فصاحت پر ناز تھا اور جو غیر عرب قوموں کو عجمی یعنی گونگا کہتے تھے وہ در حقیقت اس چیلنج کے جواب سے عاجز و بے بس تھے ۔ لہٰذا وہ نہ تو پورا قرآن بنا سکے ، نہ دس سورتیں بلکہ وہ تو اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی نہ بناسکے اور قرآنِ کریم کی یہ پیشگوئی سچ ثابت ہوئی کہ یہ سب لوگ جمع ہو کر بھی اس جیسا قرآن نہیں بناسکتے ۔ قرآنِ کریم کا یہ چیلنج آج بھی برقرار ہے ۔ آج تک نہ تو کوئی اس کے جواب میں کچھ پیش کرنے کی جرأت کر سکا اور نہ قیامت تک کسی سے ایسا ہو سکے گا کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس بے مثل ہے اسی طرح اس کا کلام بھی بے مثل ہے ۔ اس میں شاعروں کے کلام کی طرح لا یعنی اور فضول باتیں نہیں بلکہ اس کا ایک ایک لفظ فصاحت و بلاغت کا مظہر ہے ۔ کلام کی ترتیب ، الفاظ کی بندش ، عبارت کی روانی ، معانی کی نورانیت ، مضمون کی پاکیزگی اور واقعات میں تسلسل بے مثل ہے ۔ اس کا کسی مضمون کو دہرانا قندِ مکرّر کا مزہ دیتا ہے ۔ اس کو بار بار پڑھنے سے دل نہیں اکتاتا بلکہ ہر دفعہ نیا مزہ اور نئے مضامین سامنے آتے ہیں ۔ یہ صرف کلامِ الٰہیٰ کا ہی خاصہ ہے ، کسی انسان کے کلام میں یہ بات کہاں (ابن کثیر ۵۹ ، ۶۰ / ۱) ۔

جنت کی نعمتیں

۲۵ - وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا ھٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ڎ وَّھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

جو لوگ (توفیق الٰہیٰ سے) ایمان لے آئے اور (انہوں نے) نیک کام کئے تو ان کے لئے ایسی جنتوں (باغوں) کی خوشخبری ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ جب (وہاں) ان کو اس (جنت) کا کوئی پھل کھانے کو دیا جائیگا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے

پہلے دیا گیا تھا اور (واقعی) ان کو ملتے جلتے (پھل) دیئے جائیں گے
اور اس (جنت) میں ان کے لئے پاک بیویاں ہونگی اور وہ وہاں
(جنت میں) ہمیشہ رہیں گے ۔

عملِ صالح ۔ اس عمل کو کہتے ہیں جس کو شرع نے اچھا کہا ہو ۔ حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ عملِ صالح اس عمل کو کہتے ہیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور ریا سے بالکل پاک ہو ۔ علامہ بغوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل نے فرمایا کہ عملِ صالح وہ ہے جس میں چار چیزیں جمع ہوں ۔
۱ ۔ علم (۲) نیت (۳) صبر (۴) اخلاص ۔

جَنّٰتٍ ۔ لغت میں اس باغ کو جنت کہتے ہیں جس میں بکثرت سایہ دار درخت ہوں مگر شریعت کی اصطلاح میں جنت ایک خاص مقام کا نام ہے جو آخرت میں نیک اور پرہیزگار لوگوں کو ہمیشہ کے لئے عنایت ہوگا ۔

مُطَهَّرَةٌ ۔ پاک کی ہوئی ۔ تَطْهِیْرٌ سے اسم مفعول ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ وہ بیویاں ہر لحاظ سے پاک و صاف ہوں گی اور جسم و روح کی ہر قسم کی گندگی سے دور ہوں گی ۔

خٰلِدُوْنَ ۔ ہمیشہ رہنے والے ۔ خُلُوْدٌ سے اسم فاعل ۔ خُلُود کے معنی ہمیشہ رہنے کے ہیں ۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جنت سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے ۔

تشریح گزشتہ آیات میں قرآنِ مجید کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کافروں اور منکروں کو چیلنج کیا گیا تھا کہ وہ قرآنِ مجید کو نعوذ باللہ کسی انسان کا کلام سمجھتے ہیں تو وہ بھی اس جیسا کلام بنا کر دکھائیں جس میں وہ تمام خوبیاں موجود ہوں جو قرآن مجید میں ہیں ۔ مگر آج تک کوئی بھی اس کا جواب پیش نہ کرسکا ۔ اللہ تعالیٰ نے خود بھی فرما دیا ہے کہ یہ لوگ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے ۔ پھر ان کو اس انکار و تکذیب کی سزا بھی بتا دی گئی کہ ان کو ایسی دوزخ میں پھینکا جائے گا جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں ۔

قرآنِ کریم میں عام طور پر ترہیب کے بعد ترغیب اور ترغیب کے بعد ترہیب ، ایمان کے ساتھ کفر ، کفر کے ساتھ ایمان ، نیکوں کے ساتھ بدوں اور بدوں کے ساتھ

نیکیوں کا ذکر ضرور آتا ہے ۔ غرض جس چیز کا بھی ذکر ہوتا ہے اس کے ساتھ ہی اس کے مقابل چیز کا ذکر بھی آتا ہے چنانچہ گزشتہ آیات میں کافروں اور دشمنان اسلام کی سزا، عذاب اور رسوائی کا بیان تھا اس لئے یہاں ایمانداروں اور نیک و صالح لوگوں کی جزا، ثواب اور سرخ روئی کا بیان ہے ۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ جنت کے پھل ظاہری شکل و صورت میں ایک جیسے ہوں گے مگر سب کا مزہ جدا جدا ہو گا ۔ اس لئے اہل جنت دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو ہمیں پہلے بھی دئے گئے تھے ، مفسرین کے دوسرے گروہ کی رائے میں پھلوں کے مشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے پھل شکل و صورت میں دنیا کے پھلوں کی مانند ہوں گے ۔ اہل جنت ان کو دیکھ کر کہیں گے یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں دنیا میں ملا کرتے تھے مگر ذائقہ اور لذت میں ان کو دنیا کے پھلوں سے کوئی نسبت نہ ہوگی ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ اور دیگر صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ اہل جنت کا یہ کہنا کہ یہ تو وہی ہیں جو ہمیں پہلے بھی دئے گئے تھے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب اہل جنت کو جنت میں پھل دئے جائیں گے تو وہ ان کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہ تو وہی ہیں جو ہمیں دنیا میں بھی دئے گئے تھے ۔ قتادہ اور ابن جریر بھی اسی کی تائید کرتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۱/ ۶۲) ۔

نیک لوگوں کو جنت میں ایسی پاکیزہ عورتیں ملیں گی جن میں صورت و سیرت کسی قسم کی گندگی نہ ہوگی ۔ بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جنت کی کوئی عورت زمین پر جھانک بھی لے تو آسمان سے زمین تک اس کی چمک اور خوشبو پھیل جائے اور وہاں کی حور کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے بہتر ہے ۔ (مظہری ۴۰/ ۱) ۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے کم درجہ کا جنتی وہ ہوگا جس کے مکانات ، بیویاں ، نوکر ، چاکر ، اور تخت اس کثرت سے ہوں گے کہ وہ انہیں ہزار برس کی راہ سے دیکھے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ نعمت یافتہ وہ شخص ہوگا جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوا کرے گا ۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ۔ (مظہری ۴۱/ ۱) ۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ (القیامہ ۲۲،۲۳)۔

اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے ۔

جنت کی ان تمام نعمتوں کے ساتھ سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ وہاں کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں کی طرح کبھی فنا اور زائل نہ ہوں گی ۔ اور نہ نعمتوں والے فنا ہوں گے ۔ نہ ان لوگوں کو بڑھاپے ، موت ، اور افلاس کا غم ہوگا بلکہ وہ ان نعمتوں اور راحت و آرام میں ہمیشہ رہیں گے ۔

کافروں کے اوصاف

۲۶ ، ۲۷ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؕ

بیشک اللہ تعالیٰ اس میں شرم محسوس نہیں کرتا کہ وہ کوئی مثال مچھر یا اس چیز کی جو اس سے بھی بڑھ کر ہو (مچھر سے بھی زیادہ حقیر مخلوق کی) بیان کرے ۔ پس جو مومن ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ (مثال ان کے پروردگار کی طرف سے صحیح (حق) ہے اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کا کیا منشا ہے ۔ وہ (اللہ) ایک ہی مثال سے بہت سے (بے سمجھ اور ہٹ دھرم) لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہت سے (حق شناس) لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور (اللہ تعالیٰ) اس (مثال) کے ذریعہ صرف فاسقوں (بد کاروں) کو گمراہ کرتا ہے جو (بد کار) خدا کے عہد کو مضبوط کرنے کے بعد (کسی حقیر فائدے کے لئے) توڑ تے ہیں اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کو ملانے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا اور زمین (ملک) میں فساد کرتے ہیں وہی لوگ

خسارے میں ہیں۔

بَعُوْضَۃً ۔ مچھر۔

فَوْقَھَا ۔ اس سے بڑھ کر۔ فوق کے لفظی معنی اوپر کے ہیں۔ یہاں مراد یہ ہے کہ مچھر سے بھی زیادہ ادنیٰ اور حقیر چیز۔

یَسْتَحْیٖ ۔ وہ شرماتا ہے۔ وہ جھجکتا ہے۔ اِسْتِحْیَاءٌ سے مضارع۔ جو حَیَاءٌ سے مشتق ہے۔ انسانی نفس کا بد نامی اور برائی کے خوف سے متغیرو مکدر ہو جانا۔ حیا انسان کی وہ درمیانی حالت ہے جس کے نیچے خجالت (شرمندگی) ہے جو نفس کو کسی کام سے بالکل باز رکھتی ہے اور اس کے اوپر وقاحت ہے یعنی بے شرمی کی باتوں پر جرأت کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تغیر نفس و انقباض سے پاک ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے لئے حیا کا اطلاق حقیقی طور پر نہیں بلکہ معنوی طور پر ہے یعنی حیا کے لئے لازم ہے کہ جس کام سے حیا کرے اس کو ترک کر دے (حقانی ۳۶۲/ ۱)۔

فَاسِقِیْنَ ۔ بد کار، یہ فَاسِقٌ کی جمع ہے۔ فِسْقٌ کے لفظی معنی باہر نکل جانے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے گناہ کر کے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانا کفرو انکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی۔ اس لئے یہ لفظ مومن گنہگاروں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور کافروں کے لئے بھی۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ زیادہ تر کافروں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ یہاں کافر مراد ہیں۔

یُنْقِضُوْنَ ۔ وہ عہد توڑتے ہیں۔ نَقْضٌ سے مضارع۔ اس کے اصل معنی رسّی وغیرہ کے بل کھولنے کے ہیں پھر اس کا استعمال عہد توڑنے میں ہونے لگا۔ کیونکہ عہد کو بھی رسّی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جس طرح رسّی سے دو چیزوں میں تعلق پیدا ہوتا ہے اسی طرح عہد کرنے والوں میں ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ (مظہری ۴۳/ ۱)۔

عَھْدَ ۔ عہد، قول۔ پیمان، عہد اس معاملہ کو کہتے ہیں جو دو شخصوں کے درمیان طے پاتا ہے اور اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے عہد سے

مراد یا تو وہ عہد ہے جو توریت میں اہل کتاب سے لیا گیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ان کی جو تعریف توریت میں مذکور ہے اسے ظاہر کریں ۔ یا اس سے وہ وعدہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کہہ کر لیا تھا کہ میرے سوا کسی کو خدا نہ جاننا ۔ (مظہری ۴۳/ ۱) ۔

مِیْثَاقْ ۔ ایسے معاہدہ کو کہتے ہیں جو قسم کے ساتھ مضبوط کیا جائے (معارف القرآن ۱/۱۶۸) ۔

شان نزول ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں لوگوں کو سمجھانے کی غرض سے حقیر جانداروں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں ۔ ایک جگہ فرمایا کہ کافروں نے اپنے ہاتھ سے گھڑے ہوئے جن بتوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے وہ ایسے عاجز و کمزور ہیں کہ وہ سب مل کر ایک مکھی تک پیدا نہیں کرسکتے بلکہ اگر وہ مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس نہیں لے سکتے ۔ عابد اور معبود دونوں بے حد کمزور ہیں (الحج ۷۳) ۔

دوسری جگہ فرمایا کہ کافروں کا دین مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے ۔ کافر ان مثالوں کو سنکر طعنہ دینے لگے کہ مسلمانوں کا خدا کیسا ہے کہ اس کو ایسی حقیر چیزوں کے نام لینے اور ایسے بے حقیقت جانوروں کا ذکر کرنے میں ذرا بھی عار نہیں آتی ۔ اس وقت یہ آیت اتری اور کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ حق کے بیان سے نہیں شرماتا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ۔

ابن عباسؓ ، ابن مسعودؓ ، اور دیگر صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ جب گزشتہ آیات میں منافقوں کی مثالیں (آگ روشن کرنے ، زور کی بارش ہونے) بیان ہوئیں تو وہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ایسی چھوٹی چھوٹی مثالیں ہرگز بیان نہیں کرتا ۔ اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں ۔ ابن جریر نے بھی سدی سے بسند معتبر اسی قسم کی روایت بیان کی (ابن کثیر ۶۳/ ۱ ، جلالین ۱۰ ۔ ۱۳ ، مظہری ۴۱/ ۱) ۔

بیوقوف کافر اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام چھوٹی بڑی مخلوق برابر ہے ، سب کو اسی نے پیدا کیا ہے ۔ ان مثالوں کے بیان کرنے میں بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں جنکو اللہ تعالیٰ کے سمجھدار بندے ہی سمجھتے ہیں ۔

تشریح ۔ قرآنِ کریم میں مکھی ، مچھر اور مکڑی جیسے حقیر جانداروں کا جو ذکر آیا ہے

اس سے منکرینِ قرآن شبہ میں مبتلا ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی حقیر اور چھوٹی مخلوق کا ذکر نہ ہوتا کیونکہ بڑے لوگ ایسی چیزوں کے ذکر سے شرم و حیا محسوس کرتے ہیں ۔ اس آیت میں منکرین کے اسی شبہ کا جواب ہے کہ عقل و بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ حقیر و ذلیل چیزوں کی حقارت و ذلت ظاہر کرنے کے لئے ویسی ہی حقیر و ذلیل چیزوں سے مثال دی جائے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ایسی چیزوں کے ذکر سے نہیں شرماتا ۔ ایسے شکوک و شبہات صرف انہی لوگوں کو پیدا ہوتے ہیں جن کی سمجھ بوجھ کفر کی وجہ سے ختم ہو گئی ہے ۔ اہل ایمان ایسے شبہات میں مبتلا نہیں ہوتے۔

جو لوگ ان مثالوں کو سن کر ان میں غور و فکر کرتے ہیں ان کے لئے یہ مثالیں مزید ہدایت و رہنمائی کا سامان پیدا کرتی ہیں ۔ جو لوگ سرکش اور گمراہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد اور ان تعلقات (بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق ، عام مسلمانوں اور عام انسانوں کے ساتھ تعلق ، والدین کے ساتھ تعلق ، عزیزوں اور پڑوسیوں کے ساتھ تعلق) کو توڑتے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے تو ایسے لوگوں کے لئے یہ مثالیں مزید گمراہی و سرکشی کا سبب بنتی ہیں ۔ اپنے تعلقات کے پورے حقوق ادا کرنے کا نام اسلام یا شریعتِ اسلام ہے اور انہی میں کوتاہی سے زمین میں فساد برپا ہوتا ہے ۔ آخر میں فرمایا کہ یہ لوگ عقل و فطرتِ سلیمہ کا سرمایہ لیکر دنیا میں آخرت کی تجارت کرنے آئے تھے مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کیا اور ہدایت کے بدلے میں گمراہی حاصل کر کے اپنی تجارت کو حقیقی خسارے اور نقصان سے دو چار کیا ۔ (معارف القرآن ۱۶۷/ ۱) ۔

اللہ تعالیٰ کے انعامات

۲۸ ۔ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۔ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۔

(اے کافرو) تم کس طرح اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو ؟ حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تمہیں زندگی عطا فرمائی ، پھر وہ تمہیں موت دے گا ، پھر (قیامت کے دن) وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔

اَمْوَاتٌ ۔ میت کی جمع ہے ۔ مُردہ اور بے جان چیز کو کہتے ہیں ۔

تُرْجَعُوْنَ ۔ تم لوٹائے جاؤ گے ، رَجْعٌ سے مضارع مجہول ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اسے دوبارہ زندگی ملے گی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا پڑے گا ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام و احسان کا ذکر فرمایا ہے جو ہر انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہے ۔ باقی تمام احسانات و انعامات کا مدار اسی احسان یعنی زندگی پر ہے ۔ اگر زندگی نہ ہو تو انسان کسی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھاسکتا ۔ موت کو نعمتوں کی فہرست میں اس لئے شمار کیا گیا ہے کہ انسان کو دنیاوی زندگی سے دائمی زندگی تک موت ہی لیجائے گی جس کے بعد کوئی موت نہیں، لہذا یہ موت بھی ایک نعمت ہے ۔ اس کے بعد مزید نعمتوں کا ذکر ہے تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کر کے تائب ہوں اور راہِ ہدایت اختیار کریں ۔

زندگی اور موت سب اسی قادرِ مطلق کے اختیار میں ہے جس نے اس دنیا میں رہنے کے لئے ہر انسان کو ایک مقررہ عمر عطا فرمائی ہے جس کے بعد انسان کو موت آئے گی ۔ جب کسی کی زندگی کا آخری وقت آتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کی حیات میں ایک لمحہ کا بھی اضافہ نہیں کر سکتی ۔ پھر موت کے ایک عرصہ کے بعد قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سب انسانوں کو دوبارہ زندہ کرے گا ۔ اس وقت حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے سب کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کیا جائے گا ۔ پس انسان دنیاوی زندگی سے پہلے بھی بے جان تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی عطا فرمائی اور وہ اپنی مقررہ عمر تک دنیا میں رہا ۔ پھر جب اس کی دنیا کی زندگی پوری ہو گئی تو اس کو موت دیدی ۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو پھر زندہ کرے گا ۔

۲۹ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۠

وہ (پاک ذات) وہی ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے وہ سب کا سب جو کچھ زمین میں ہے پیدا کیا ۔ پھر وہ آسمان کی طرف

متوجہ ہوا ۔ پس ان کو ٹھیک (اور درست کر کے) سات آسمان بنا دیا اور (خوب سمجھ لو کہ) وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۔

اِسْتَوٰی ۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی ۔ اس کے لفظی معنی سیدھا ہونے کے ہیں ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ زمین کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی تخلیق کا ایسا قصد فرمایا جس میں کوئی حائل و مانع نہ ہو سکے یہاں تک کہ سات آسمانوں کی تخلیق مکمل فرما دی ۔

فَسَوّٰهُنَّ پس اس نے ان کو ٹھیک کر دیا ۔ یہ تَسْوِیَۃٌ سے بنا ہے جس کے معنی کسی چیز کے مختلف حصوں اور جوڑوں کو ان کی جگہ پر ٹھیک ٹھیک بٹھا دینا اور درست کردینا ہے ۔ یہاں اس سے ساتوں آسمانوں کو بنانا مراد ہے ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی دوسری نعمت کو یاد دلایا ہے کہ تم اس خدا سے کیسے رو گردانی کر سکتے ہو جس نے تمہیں معدوم سے موجود کیا اور پھر موجود کر کے یو نہی پریشان اور بے سرو سامان نہیں چھوڑا بلکہ زمین کی ہر ایک چیز کو تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ۔ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کسی نہ کسی شکل میں بالواسطہ یا بلا واسطہ فائدہ نہ اٹھاتا ہو ۔ بہت سی چیزوں کا فائدہ تو انسان محسوس کرتا ہے جیسے اس کی غذا ، لباس ، اور مکان وغیرہ ، یہ سب زمین ہی کی پیداوار ہیں ۔ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان کو فائدہ تو پہنچتا ہے مگر اس کو ان کی خبر نہیں ہوتی یہاں تک کہ بعض زہریلی اشیاء اور زہریلے جانور وغیرہ بھی انسان کے لئے کسی نہ کسی حیثیت میں نفع بخش ہوتے ہیں ۔

خلافتِ آدم

۳۰ ۔ **وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِکَ وَ نُقَدِّسُ لَکَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ**

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں

انہوں (فرشتوں) نے کہا،کیا تو اس (زمین) میں ایسے شخص کو (خلیفہ) بنائے گا جو اس میں فساد اور خونریزی کرے گا حالانکہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں اور اس پر تیری حمد بھی کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں اپنی تسبیح کی توفیق عطا فرمائی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بیشک (ان اسرار کو) میں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے ۔

خَلِيْفَةٌ ۔ یہ خَلَفَ سے مشتق ہے اور فَعِيْلَةٌ کے وزن پر ہے ۔ اس میں ۃ مبالغہ کے لئے ہے ۔ اس کی جمع خُلَفَاءُ آتی ہے ۔ اس کے معنی نائب اور قائم مقام کے ہیں جو پیچھے کام کرے ۔ یہاں مراد آدم علیہ السلام ہیں ۔

يَسْفِكُ ۔ وہ خون بہائے گا ۔ سَفْكٌ سے مضارع ۔ یہ آنسو اور خون دونوں کے بہانے میں استعمال ہوتا ہے ۔

نُسَبِّحُ ۔ ہم تسبیح پڑھتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کو تمام عیوب اور ہر برائی سے پاک سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی صفات بیان کرنا ۔

دِمَاءَ ۔ خون ۔ یہ دَمٌ کی جمع ہے ۔

نُقَدِّسُ ۔ ہم پاکی بیان کرتے ہیں ۔ ہم تسبیح کرتے ہیں ۔ تَقْدِيْسٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعمت بیان فرمائی ہے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا اور انہیں تمام فرشتوں پر فضیلت دینا ایک ایسی نعمت ہے جو تمام اولادِ آدم کو شامل ہے ۔ حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت تھی ۔ وہ تو غنی اور بے نیاز ہے،اسے کسی چیز کی حاجت نہیں بلکہ خلیفہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام جن لوگوں کے لئے خلیفہ بنائے گئے وہ اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ مستفیض نہیں ہو سکتے تھے اور نہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بلا واسطہ اخذ کر سکتے تھے ۔ حضرت آدم کے بعد ہر نبی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوا ۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے یہ جانتے تھے کہ بعض انسان نیک اور فرماں بردار ہوں گے اور بعض نا فرمان ۔ نیز ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ بزرگ کوئی مخلوق پیدا نہیں فرمائے گا ۔ اگر کوئی مخلوق پیدا ہو گی بھی تو وہ علم میں بہر حال ان سے کم ہوگی کیونکہ وہ پہلے پیدا کئے گئے ہیں اور ایسے عجائبات دیکھ چکے ہیں جو نئی پیدا

ہونیوالی مخلوق نے نہیں دیکھے ہوں گے ۔ اس لئے انہیں یہ خیال ہوا کہ وہ انسان سے افضل و بزرگ ہیں کیونکہ وہ سب کے سب معصوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے حضرت آدم کو اپنا خلیفہ بنانے کا ذکر فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار کیا تو زمین میں ان کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد اور خونریزی کریں گے حالانکہ ہم معصوم ہیں ۔ ہم تیری تسبیح بھی کرتے ہیں اور اس پر تیری حمد بھی کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں تسبیح کی توفیق عطا فرمائی ۔ اس لئے ہم خلافت کے زیادہ مستحق ہیں ۔ فرشتوں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خلافتِ الٰہیہ کی حقیقت اور اس کے لوازم سے تم واقف نہیں ہو۔اس کی پوری حقیقت کو میں ہی جانتا ہوں ۔

فرشتوں کا امتحان

۳۱۔ وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔

اور اس (اللہ تعالیٰ) نے آدم کو تمام (چیزوں کے) نام سکھا دئے ۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو مجھے ان سب چیزوں کے نام بتاؤ ۔

اَسْمَآءِ ۔ نام ۔ یہ اسم کی جمع ہے ۔ یہاں ان تمام چیزوں کے نام ، خاصیتیں اور کیفیتیں مراد ہیں جن کی حضرت آدم اور ان کی اولاد کو ضرورت پیش آنی تھی ۔

عَرَضَهُمْ ۔ اس نے ان کو سامنے کیا ۔ اس نے ان کو پیش کیا ۔ عَرْضٌ سے ماضی ۔

اَنْۢبِئُوْنِىْ ۔ تم مجھے خبر دو ۔ تم مجھے بتاؤ ۔ اِنْبَاءٌ سے امر ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کے نام اور ان کے خواص جن کے علم کی صلاحیت صرف آدم علیہ السلام ہی میں ودیعت کی گئی تھی وہ سب حضرت آدم کو سکھائے قرآنِ کریم میں کہیں اشارتاً بھی یہ نہیں ہے کہ یہ تعلیم حضرت آدم کو تنہائی میں فرشتوں سے علیحدہ دی گئی ۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ تعلیم تو سب کے لئے عام ہو مگر اس سے فائدہ اٹھانا صرف حضرت آدم علیہ السلام کی طبیعت میں تھا اس لئے وہ سیکھ گئے مگر

فرشتوں کی فطرت میں یہ بات نہ تھی اس لئے وہ سیکھ نہ سکے ۔ اسی لئے یہاں تعلیم کو حضرت آدم سے منسوب کیا گیا ۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ظاہری تعلیم کی صورت ہی عمل میں نہ آئی ہو بلکہ ان چیزوں کا علم حضرت آدم کی فطرت میں ابتداء سے ہی ودیعت کر دیا گیا ہو ۔ جیسے بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کا دودھ پینا جانتا ہے ۔ اور بطخ کا بچہ تیرنا جانتا ہے ۔ ان کو کسی ظاہری تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان مخلوقات کو جن کے اسماء کا علم حضرت آدم کو دیا گیا تھا فرشتوں کے سامنے کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ تم سے زیادہ افضل و اعلیٰ کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوگی یا یہ کہ خلافت کے لئے انسانوں کی نسبت فرشتے زیادہ موزوں ہیں تو ان چیزوں کے نام اور خواص بتاؤ (معارف القرآن ۸۰ / ۱) ۔

۳۲ ۔ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

انہوں (فرشتوں) نے عرض کیا (اے پروردگار) تیری ذات پاک ہے ہمیں علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے ۔ بے شک تو ہی جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ۔

تشریح ۔ فرشتوں کو فوراً ہی اپنی کم علمی اور عجز کا احساس ہو گیا اور انہوں نے حضرت آدم کی فضیلت اور استحقاقِ خلافت کا اقرار کر لیا اور عرض کیا کہ اے پروردگار ہم تیرے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو تو نے ہمیں بتا دیا ہے ۔ بے شک تو اپنی مخلوق کو جاننے والا اور اپنے امر میں حکمت والا ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ انعام فرمایا کہ جو علم حضرت آدم علیہ السلام کو عطا فرمایا تھا وہ ان کے ذریعہ فرشتوں کو بھی عطا فرما دیا ۔ ان آیات سے واضح ہے کہ فرشتوں پر انسان کی برتری اور عظمت ، علم کے اعتبار سے ہوئی لہذا اگر اولاد آدم میں سے کوئی علم سے لاپرواہ ہے تو وہ خلافتِ آدم کا حق ادا نہیں کر سکتا چنانچہ دنیا میں وہی اقوام ترقی پر ہیں جو علم کی دولت سے مالا مال ہیں (مظہری ۵۴ / ۱) ۔

۳۳ ۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اَعْلَمُ مَاتُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ٥

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! اب تم ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ۔ پس جب اس (آدم) نے ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے (فرشتوں سے) فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں (اور رازوں) کو خوب جانتا ہوں اور میں (وہ بھی) جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

تُبْدُوْنَ۔ تم ظاہر کرتے ہو۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع۔ یہاں فرشتوں کا یہ کہنا مراد ہے کہ کیا تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

تَكْتُمُوْنَ۔ تم چھپاتے ہو۔ کَتْمٌ و کِتْمَانٌ سے مضارع۔ اس سے فرشتوں کی وہ گفتگو مراد ہے جو انہوں نے آپس میں چپکے چپکے کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہم سے زیادہ بزرگ کوئی مخلوق پیدا نہیں کرے گا (مظہری ۵۴/۱)۔

تشریح۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام اور ان کے خواص و آثار بتاؤ۔ پس حضرت آدم نے ان تمام چیزوں کے نام جو بے شمار اور بے انتہا تھیں بتا دئے۔ اور اس میں کوئی غلطی نہیں کی تو فرشتے حضرت آدم کے فضل و کمال اور صلاحیت و استعداد کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ودیعت فرمائی تھی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ کیا میں نے تمہیں پہلے ہی نہیں بتا دیا تھا کہ میں تمام آسمانوں اور زمینوں کی تمام پوشیدہ چیزوں کو خوب جانتا ہوں اور جو تم ظاہراً کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو اس کو بھی خوب جانتا ہوں۔

ابلیس کی سرکشی

۳۴۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ٥

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سوائے ابلیس (شیطان) کے سب نے سجدہ کیا ۔ اس (شیطان) نے انکار کیا اور تکبر کیا (اپنے آپ کو بڑا سمجھا) اور وہ تھا ہی کافروں میں سے ۔

اُسْجُدُوْا ۔ تم سجدہ کرو ۔ سُجُوْدٌ سے امر ۔ لغت میں سر جھکا کر عاجزی اور فرمانبرداری ظاہر کرنے کو کہتے ہیں ۔ شرع میں عبادت کے مقصد سے زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں ۔ اس میں نہایت درجہ کی تعظیم ہے ۔ اس لئے شریعت نے اس کو غیر اللہ کے لئے حرام قرار دیا ہے ۔

اِبْلِیْسَ ۔ یہ اِبْلَاسٌ سے مشتق ہے ۔ شیطان کا نام ہے ۔ نا امید اور دھوکہ دینے والے کو ابلیس کہتے ہیں ۔ شیطان جنوں میں سے تھا جیسے کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ (سورۃ الکہف ۵۰) ۔ اور فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا ۔

اَبٰی ۔ اس نے انکار کیا ۔ اِبَاءٌ سے مشتق ہے اپنے اختیار سے کسی چیز سے انکار کرنا ۔ یعنی شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کیا ۔

اِسْتَکْبَرَ ۔ اس نے تکبر کیا ۔ اس نے اپنے آپ کو بڑا سمجھا یعنی آدم علیہ السلام کے مقابلہ میں شیطان نے اپنی بڑائی ظاہر کی ۔ یہ کِبْرٌ سے بنا ہے ۔

تشریح ۔ سب فرشتے اللہ تعالیٰ کا حکم بجا لائے اور ابلیس کے سوا سب نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ۔ ابلیس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبر کیا ۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں تو وہ پہلے ہی کافروں میں سے تھا ۔ اگرچہ اس کا کفر اس وقت ظاہر ہوا ۔ فرشتوں کو جو سجدہ کا حکم دیا گیا تھا اس سے مراد سجدۂ تعظیمی ہے ۔ تمام اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سجدۂ عبادت نہیں تھا ، کیونکہ سجدۂ عبادت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو کرنا کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کفر کا حکم نہیں دیتا ۔ یہ سجدہ تعظیم اور سلام کے طور پر تھا جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں ہے وَخَرُّوْا لَہٗ سُجَّدًا ۔ وہ اس کے لئے سجدہ میں گر پڑے ۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ اس سجدہ میں فرشتوں نے زمین پر پیشانی نہیں رکھی

بلکہ حضرت آدم کی تعظیم کے لئے جھک گئے اور جب اللہ تعالیٰ نے اسلام بھیجا تو اس سجدۂ تعظیمی کو منسوخ کر کے اس کے بجائے سلام مقرر فرما دیا۔ (مظہری ۱/۵۶)۔

شجرِ ممنوعہ

۳۵۔ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔

اور ہم نے کہا اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو اور دونوں اس میں جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح کھاؤ اور تم دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم بھی ظالموں (اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والوں) میں سے ہو جاؤ گے۔

اُسْكُنْ۔ تو سکونت اختیار کر۔ سُکُوْنٌ سے امر۔

زَوْجُكَ تیری بیوی۔ اس سے حضرت حوا مراد ہیں جو اس وقت پیدا ہو چکی تھیں

اَلْجَنَّةَ۔ جنت، بہشت، باغ۔ لغت میں اس باغ کو کہتے ہیں جس کے گھنے درخت زمین کو چھپالیں۔ شرع میں اس سے وہ باغ مراد ہے جس میں بے شمار ایسی نعمتیں ہوں گی جن کا خیال تک کسی کے دل میں نہیں گزرا ہو گا۔ اور وہ آخرت میں نیک لوگوں کو رہنے کے لئے ملے گا۔

كُلَا۔ تم دونوں کھاؤ۔ اَکْلٌ سے امر۔

رَغَدًا۔ جی بھر کر۔ خوب اچھی طرح۔ لغت میں اس کے معنی اس رزق کے ہیں جس کے حصول میں کوئی محنت و مشقت نہ ہو اور وہ اتنی کثیر مقدار میں ہو کہ اس کے ختم یا کم ہو جانے کا خطرہ نہ ہو۔

حَيْثُ۔ جہاں، جس جگہ۔

شِئْتُمَا۔ تم دونوں نے چاہا۔

تَقْرَبَا ۔ تم دونوں قریب ہو جاؤ ۔ قُرْبٌ و قُرْبَانٌ سے مضارع ۔ یہاں قرب مکانی مراد ہے ۔

الظَّالِمِیْنَ ۔ظلم کرنے والے ۔ گنہگار لوگ ۔ بے رحم ۔ ظُلم سے اسم فاعل یہاں وہ لوگ مراد ہیں ، جو اپنے اوپر ظلم کرتے رہتے ہیں ۔ اپنے اوپر سب سے بڑا ظلم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ہوتا ہے ۔

تشریح ۔ جب حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور خلافت کی صلاحیت فرشتوں پر واضح کر دی گئی اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا اور شیطان کو اس کے غرور و تکبر اور کفر کی وجہ سے نکالدیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور ان کی بیوی حوآ کو یہ حکم دیا کہ تم دونوں جنت میں رہا کرو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک خوب کھاؤ ، پیو ۔ پھر ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ کھانے کی غرض سے اس کے قریب بھی نہ جانا اور اس کے کھانے پینے سے مکمل پرہیز کرنا ۔ قرآنِ کریم کی کسی آیت یا صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ وہ درخت کیا تھا ۔

ابلیس کا ورغلانا

۳۶ ۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۔

پھر شیطان نے ان دونوں کو اس (درخت) کے بارے میں پھسلا دیا اور ان دونوں کو اس (عزت و آرام کی) جگہ سے نکلوا دیا جہاں وہ تھے اور ہم نے کہا کہ تم سب (نیچے) اترو (جنت سے چلے جاؤ) اور تم ایک دوسرے کے دشمن رہو گے ۔ تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنے کی جگہ اور فائدہ ہے ایک مقررہ وقت تک ۔

اَزَلَّهُمَا ۔ اس نے دونوں کو ورغلایا ۔ اس نے دونوں کو پھسلایا ۔ اِزلالٌ سے ماضی اس کے معنی ارادہ اور اختیار کے بغیر قدم پھسلنے کے ہیں ۔

اِهْبِطُوْا تم نیچے اترو ۔ یہ ہُبُوْطٌ سے ہے جس کے معنی اوپر سے نیچے اترنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے ہیں ۔

عَدُوٌّ ۔ دشمن

حِیْنٍ ۔ وقت ۔ زمانہ ۔ مدت

مُسْتَقَرٌّ ۔ ٹھہرنے کی جگہ ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم مفعول اور اسم ظرف ۔

مَتَاعٌ ۔ متاع ۔ فائدہ ، پونجی ۔

تشریح ۔ شیطان کو جب اس بات کا علم ہوا کہ حضرت آدم اور حضرت حوّا کو ایک خاص درخت کا پھل کھانے کی ممانعت کر دی گئی ہے تو وہ ان کو ورغلانے اور پھسلانے کی کوشش میں لگ گیا ۔ پھر جیسا کہ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۲۰ میں ہے ، اس نے موقع پا کر ان دونوں کو ورغلایا اور کہنے لگا ۔

یٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا یَبْلٰی ۔

اے آدم کیا میں آپ کو ایسے درخت کی نشاندہی نہ کروں جس کے کھانے سے دائمی زندگی حاصل ہوگی اور کبھی موت واقع نہ ہوگی اور ایسی بادشاہت حاصل ہوگی جس میں کبھی زوال اور کمزوری نہیں آئے گی ۔

حضرت آدم کے پوچھنے پر شیطان نے اسی درخت کی طرف اشارہ کیا جس کا پھل کھانے سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حضرت حوّا کو منع فرمایا تھا ۔ حضرت آدم نے جواب دیا کہ یہ تو فنا اور ندامت کا درخت ہے ۔ بقا اور دوام کا نہیں ۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا ہے ۔ اگر اس میں کسی قسم کی بھلائی اور دوام کے فائدے ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں منع نہ فرماتا ۔ یہ سن کر شیطان نے جواب دیا کہ ۔

مَانَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۔ (اعراف ۲۰) ۔

تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اس لئے منع نہیں کیا کہ اس کا پھل تمہارے لئے نقصان کا باعث ہوگا بلکہ اس لئے منع کیا ہے کہ

تم اس کے کھانے سے کہیں فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہو جائے ۔

حضرت آدم و حوّا شیطان کی باتوں سے شک و شبہ میں مبتلا ہوگئے ۔ پھر ان کو (شک پر) پختہ کرنے کے لئے شیطان نے بہت سی قسمیں کھائیں جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّىْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۔ (اعراف ۲۱) ۔

اور اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ یقین جانئے کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں ۔

حضرت آدم یہ خیال کرتے ہوئے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹی قسم نہیں کھاسکتا ، شیطان کی دلفریب باتوں میں آگئے اور اس درخت کا پھل کھا لیا ۔ اس طرح شیطان دونوں کو جنت سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا ۔
مسلم اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام دنوں میں بہترین دن جمعہ کا دن ہے ۔ اسی میں حضرت آدم پیدا کئے گئے ۔ اسی میں جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن نکالے گئے ۔ (ابن کثیر ۸۰/ ۱)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم نیچے اترو اس طرح کہ تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور یہ کہ تمہیں زمین پر ایک معین مدت تک رہنا ہے اور وہاں کے ساز و سامان سے فائدہ حاصل کرنا ہے اور یہ معین مدت افراد کے لحاظ سے تو موت ہے اور تمام عالم کے اعتبار سے قیامت ہے ۔

حضرت آدم کی توبہ

۳۷ ۔ فَتَلَقّٰىٓ اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔

پھر آدم نے اپنے پروردگار سے چند کلمات سیکھ لئے اور اللہ نے اس کی توبہ قبول کرلی ۔ بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا ہے ۔

تَلَقّٰى ۔ اس نے سیکھ لیا ۔ یہ تَلَقِّیْ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کسی چیز کا پانا ۔

شوق و رغبت کے ساتھ کسی کا استقبال کرنا اور اس کو قبول کرنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کے کلمات اِلقا کئے تو حضرت آدم نے ان کو شوق و رغبت کے ساتھ قبول کر لیا یعنی سیکھ لیا۔
(معارف القرآن ۱۹۹/ ۱)۔

کَلِمٰتٍ۔ وہ کلمات جو حضرت آدم کو توبہ کی غرض سے بتائے گئے تھے۔ اس بارے میں کئی روایات منقول ہیں۔ سب سے مشہور روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے جس کے مطابق اس سے وہ کلمات مراد ہیں جو قرآنِ کریم میں دوسری جگہ منقول ہیں۔ یعنی۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (اعراف ۲۳)۔

اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم ضرور برباد ہو جائیں گے۔ (معارف القرآن ۱۹۹/ ۱)۔

تَابَ۔ توبہ کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں۔ جب توبہ کی نسبت بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی گناہ کا اقرار کرنے، اس پر شرمندہ ہونے، اور آئندہ ایسا نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ اگر توبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی توبہ قبول کرنے اور مغفرت کی طرف توجہ فرمانے کے ہوں گے۔

تشریح۔ حضرت آدم نے جب جنت سے نیچے اترنے کا حکم سنا تو بے چین اور بے تاب ہو گئے اور فوراً اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انتہائی تضرّع اور زاری کے ساتھ التجا کرنے لگے جس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی شان عفو و مغفرت جوش میں آئی اور حضرت آدم کی خطا چونکہ سہو و نسیان تھی اس لئے ان کو معذرت کے مذکورہ بالا کلمات القاء و الہام فرما دئے۔ جب دونوں نے ان کلمات کے ذریعہ اپنی غفلت و کوتاہی کا اقرار کیا اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے دونوں کی توبہ قبول فرمائی اور دونوں کو اپنی رحمت سے معاف فرما دیا۔

مومنین پر انعام

۳۸ ۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعاً فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُوْنَ ہ

ہم نے کہا تم سب کے سب یہاں سے (نیچے) اترو ۔ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے (تو تم اس کی پیروی کرنا) جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا ان پر نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

خَوْفٌ ۔ آئندہ پیش آنے والی کسی تکلیف اور مصیبت کے اندیشے کا نام خوف ہے (معارف القرآن ۲۰۲/ ۱) ۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے نیک اور ایماندار بندوں کو سزا کا خوف نہیں ہوگا ۔

يَحْزَنُوْنَ ۔ کسی مقصد و مراد (یا کسی پسندیدہ چیز) کے فوت ہو جانے سے پیدا ہونے والے غم کو حُزن کہتے ہیں ۔ (معارف القرآن ۲۰۲/ ۱) ۔

یہاں مراد یہ ہے کہ نیک اور مومن بندے اپنی پہلی زندگی پر حسرت و افسوس نہیں کریں گے ۔

تشریح ۔ گزشتہ آیت میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا ذکر تھا ۔ چونکہ دنیا میں ہدایت اور انبیاء کی بعثت کا سلسلہ جاری کرنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے جو زمین کی خلافت کا وعدہ کیا تھا اس کو بھی پورا کرنا تھا ۔ اس لئے ان کی توبہ قبول ہونے کے بعد بھی زمین پر اترنے کا حکم بر قرار رہا اور حضرت آدم کو جنت میں آنے کا حکم نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا کہ تم اسی جگہ رہو جہاں تمہیں اتارا گیا ہے ۔ پہلی بار جو اترنے کا حکم دیا تھا وہ بطور عتاب اور سزا کے جنت سے اترنے کے لئے تھا اور اب زمین پر اترنے کا دوسرا حکم خطا معاف ہونے کے بعد زمین میں مقیم رہنے کے لئے ہے تاکہ خلافت الٰہیہ کے مقصد کی تکمیل ہو ۔ لہٰذا دوسرے حکم کے تحت حضرت آدم کا نزول زمین کے حاکم اور خلیفہ کی حیثیت سے ہوا ۔

زمین پر اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ امرونہی کے ذریعہ اولاد آدم کا امتحان لیا

جائے گا ۔ پس جب ان (اولاد آدم) کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت آئے تو ان میں سے جو اس کی اتباع کرے گا اس کو کسی قسم کا رنج و ملال نہ ہوگا ۔

منکرین کا انجام

۳۹ - وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ‏۔

اور جو لوگ (اس ہدایت) کا کفر کریں گے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے وہی لوگ اہل دوزخ ہیں ، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ میری ہدایت کا انکار کریں گے اور میری نشانیوں کو جھٹلائیں گے تو ایسے لوگ جہنمی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہ اس میں سے کبھی نہیں نکلیں گے ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ‏۔ (بقرہ ۔ ۱۶۷) ۔

اور وہ آگ سے کبھی نہیں نکلیں گے ۔

بنی اسرائیل کو دعوتِ ایمان

ربطِ آیات ۔ سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ہی یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تر ہے ۔ پھر یہ بتایا گیا کہ اس کی ہدایت و رہنمائی تمام مخلوق کے لئے عام ہے مگر صرف مومنین ہی اس سے نفع حاصل کریں گے ۔ اس کے بعد اس کتاب پر ایمان نہ لانے والوں کے لئے شدید عذاب کا ذکر ہے ۔ ان میں کافر اور منافقین شامل ہیں ۔ اس کے ساتھ ہی ان کے کچھ حالات اور طرز عمل کا بیان ہے ۔ اکیسویں اور بائیسویں آیتوں میں مومنین ، مشرکین اور منافقین سب کو مخاطب کر کے شرک سے اجتناب اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تاکید کی گئی ہے ۔ پھر منکرین قرآن کو کھلا چیلنج دیا گیا کہ اگر تمہیں اس قرآن کے کلام اللہ ہونے میں شک و شبہ ہے تو تم بھی اس جیسی ایک سورت بنا لاؤ اور ان کو یہ بھی بتا دیا گیا کہ ناکامی کی صورت میں تمہیں ایسی آگ کا عذاب دیا جائیگا جس کا ایندھن پتھر اور لوگ ہیں ۔ اس کے بعد تخلیق آدم کا

ذکر کر کے فرشتوں پر ان کی حقیقت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ واضح کی گئی ہے ۔

کافروں اور منافقوں میں دو طرح کے لوگ تھے ۔ ایک بت پرست مشرکین جو محض اپنے آباء و اجداد کے رسوم و رواج پر چلتے تھے ۔ ان کے پاس کوئی جدید یا قدیم علم نہ تھا ۔ عام طور پر یہ لوگ ان پڑھ تھے ۔ دوسرے وہ لوگ تھے جو گزشتہ انبیاء پر ایمان لائے اور ان کے پاس آسمانی کتابوں (توریت و انجیل وغیرہ) کا علم تھا ۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ کہلاتے تھے ۔ ان میں سے کچھ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے ۔ ان کو یہود کہا جاتا تھا اور کچھ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے ۔ ان کو نصاریٰ کہا جاتا تھا ۔ قرآنِ کریم میں ان دونوں کو اہل کتاب کہا گیا ہے کیونکہ یہ توریت و انجیل پر ایمان رکھتے تھے ۔ یہ لوگ تعلیم یافتہ ہونے کی بنا پر لوگوں کی نظر میں معزز اور قابل اعتماد مانے جاتے تھے ۔ لوگ ان کی باتوں سے متاثر ہوتے تھے ۔ ان لوگوں کے راہ راست پر آجانے سے دوسرے لوگوں کے مسلمان ہونے کی بڑی توقع تھی ۔ سورۂ بقرہ چونکہ مدنی سورت ہے اس لئے اس میں مشرکین و منافقین کے بیان کے بعد خصوصیت کے ساتھ اہل کتاب کو خطاب ہے جو چالیسویں آیت سے شروع ہو کر پارہ کے آخر (آیت ۱۲۳) تک ہے ۔

اہل کتاب کو مانوس کرنے کے لئے پہلے ان کی خاندانی شرافت اور اس سے ان کو دنیا میں حاصل ہونے والے اعزاز کا ، پھر اللہ تعالیٰ کے پے در پے انعامات کا ذکر ہے پھر ان کی بے راہی اور غلط کاری پر تنبیہ ہے اور صحیح راستہ کی طرف دعوت ہے ۔ پہلی سات آیتوں (آیات ۴۰ تا ۴۷) میں اجمالی خطاب ہے ۔ ان میں سے تین میں دعوتِ ایمان اور چار میں اعمالِ صالحہ کی تلقین ہے ۔ اس کے بعد مفصل خطاب ہے (ماخوذ از معارف القرآن ۲۰۴ ، ۱/۲۰۵) ۔

۴۰ یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَھْدِیٓ اُوْفِ بِعَھْدِکُمْ وَاِیَّایَ فَارْھَبُوْنِ ۝

اے یعقوب کی اولاد ! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیں اور تم اپنے اس عہد (اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر ایمان لانا) کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا ۔ میں (بھی) اس عہد (نعمتوں سے سرفراز فرمانا) کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرو ۔

بَنِیْ ۔ یہ اصل میں بَنِیْنَ تھا ۔ اضافت کی وجہ سے نون حذف ہو گیا ۔ یہ اِبْنٌ کی جمع ہے جو بِنَاءٌ سے مشتق ہے ۔ اس کے معنی بنانا اور تعمیر کرنے کے ہیں ۔ اِبن بھی باپ کا بنا کیا ہوا ہوتا ہے ۔ (مظہری ۶۰/ ۱) ۔

اِسْرَائِیْلَ ۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی عبداللہ کے ہیں (اسراء بمعنی عبد ، ایل بمعنی اللہ) یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب ہے ۔ قرآنِ کریم نے یہود کو بنی یعقوب کی بجائے بنی اسرائیل کہا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ یہود کو اپنے لقب ہی سے معلوم ہو جائے کہ وہ عبداللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے ایک عبادت گزار بندے کی اولاد ہیں ۔ لہذا انہیں بھی انہی کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے (معارف القرآن ۲۰۵/ ۱)۔

اُذْكُرُوْا ۔ تم یاد کرو ۔ اصل میں دل سے یاد کرنے کو ذکر کہتے ہیں ۔ بعض مفسرین نے کہا کہ اُذْكُرُوْا کے معنی ہیں تم شکر کرو ۔ حسن فرماتے ہیں کہ نعمت کا ذکر کرنا ہی شکر ہے (مظہری ۶۰/ ۱) ۔

نِعْمَتِیْ ۔ میری نعمتیں ۔ میرے احسان ۔ یہ واحد کا صیغہ ہے اور جمع کے معنی میں ہے ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں اور احسانات مراد ہیں جو اس نے یہود پر کئے مثلاً آل فرعون کی غلامی سے نجات اور فرعون کو غرق کرنا ۔ پتھر میں سے چشموں کا جاری ہونا ، بغیر کسی محنت و مشقت کے مَنّ اور سَلْوٰی جیسی مزیدار خوراک کا اتارنا ۔ بنی اسرائیل میں سے انبیاء اور رسولوں کو مبعوث کرنا ۔ سلطنت و بادشاہت عطا فرمانا وغیرہ

فَارْهَبُوْنِ ۔ پس تم مجھ سے ڈرو ۔ رَهْبَةٌ سے امر ۔ رَهْبة اس خوف کو کہتے ہیں جس میں پرہیز اور بچاؤ ہو ۔ (مظہری ۶۱/ ۱) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے توحید و نبوت اور معاد کے دلائل بیان کرنے اور ان کی تائید میں اپنی تمام نعمتیں ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو اپنی خاص نعمتیں یاد دلا کر اس طرف متوجہ کیا کہ میں تمہارا قدیم منعم ہوں ۔ میں نے تمہاری بہتری اور بھلائی

ہمیشہ پیش نظر رکھی ۔ اب میں نے تمہارے دین کی اصلاح کے لئے جس کو حوادثِ زمانہ میں لوگوں کی افراط وتفریط نے الٹ پلٹ کر دیا ہے ، قرآن کریم اور نبیٔ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے ۔ تم میری ان مہربانیوں اور عنایتوں کا خیال کرو جو وقتاً فوقتاً میں نے تم پر کی ہیں ۔ تم میرے عہد کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا کہ ہم تیری اطاعت کریں گے اور تیرے پیغمبروں کا کہا مانیں گے ۔ پھر ہم حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس عہد کی تجدید بھی کرتے رہے ۔ میں بھی اپنے عہد کو پورا کروں گا کہ دنیا میں تمہاری عزت و آبرو اور شوکت و سلطنت تمہیں لوٹا دوں گا ۔ تمہارے اوپر سے تمہارے دین کے سخت احکام ہٹا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمہیں ایک آسان دین دوں گا ۔ اور آخرت میں تمہیں جنت عطا کروں گا ۔

۴۱ ۔ وَ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْآ اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّ اِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ه

اور جو کتاب میں نے نازل کی ہے اس پر ایمان لاؤ ۔ یہ تصدیق کرتی ہے اس (توریت) کی جو تمہارے پاس ہے اور تم اس (قرآن) کا سب سے پہلے انکار کرنے والے نہ بنو اور میری آیتوں (میں تحریف کر کے) ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (دنیاوی فائدہ) حاصل نہ کرو اور مجھ ہی سے ڈرو ۔

مَآ اَنْزَلْتُ ۔ جو میں نے نازل کیا ۔ اس سے قرآنِ کریم مراد ہے ، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا اور اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے ۔

مَا مَعَكُمْ ۔ جو تمہارے پاس ہے ۔ اس سے توریت مراد ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جسکی قرآن مجید تصدیق کرتا ہے ۔

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۔ تھوڑی سی قیمت ۔ مراد یہ ہے کہ تم حق کو چھوڑ کر دنیا کے طلبگار نہ بنو ۔ دنیاوی فائدہ بظاہر خواہ کتنا ہی بڑا اور شاندار کیوں نہ معلوم ہو وہ عارضی اور ناپائیدار ہونے کی بنا پر حق و صداقت اور آخرت کے مقابلہ میں بالکل بے قدر اور حقیر ہے ۔

شان نزول ۔ یہود کے عالموں اور رئیسوں کو جاہلوں اور عام آدمیوں سے بہت آمدنی ہوتی تھی ۔ انہوں نے ان بیچاروں سے سالانہ وظیفہ مقرر کر رکھا تھا اور وہ ان کے ہر قسم کے مال میں سے جس میں کھیت، مویشی اور نقد سب چیزیں شامل تھیں، حصہ لیتے ۔ جب اسلام کی روشنی پھیلنے لگی تو ان کو یہ خیال ہوا کہ اگر ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور ان کی اتباع کی تو ہماری یہ ساری آمدنی ہاتھ سے چلی جائے گی ۔ اس لئے انہوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی اور دین کو چھوڑ دیا اور توریت میں تحریف کر کے آپؐ کے اسم مبارک کو محو کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۱/۶۲) ۔

تشریح ۔ عہد کا پورا کرنا یہ ہے کہ تم اس نبیؐ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے ہیں ۔ یہ قرآن، توریت اور انجیل اور دیگر انبیاء کی کتب کی تصدیق کرتا ہے اور ان کو سچ بتاتا ہے ۔ چونکہ توریت وانجیل میں آپؐ کا ذکر تھا اس لئے آپ کا تشریف لانا توریت کی سچائی کی دلیل تھی ۔ اسی لئے کہا گیا کہ تم جانتے بوجھتے ہوئے اس کے پہلے منکر نہ بنو ۔ (ابن کثیر ۱/۸۳) ۔

کافر ہونا خواہ سب سے پہلے ہو یا بعد میں، ہر حال میں انتہائی ظلم اور ایک بڑا جرم ہے یہاں اس لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ جو شخص سب سے پہلے کفر اختیار کرے گا تو بعد میں اس کو دیکھ کر کفر کا ارتکاب کرنے والے ہر شخص کے کفر کا وبال اور گناہ خود اس پر بھی ہوگا جس نے کفر کا ارتکاب کیا اور اس پہلے کافر پر بھی ہوگا جس کو دیکھ کر یہ شخص کفر میں مبتلا ہوا ۔ اس طرح پہلا کافر اپنے کفر کے علاوہ اپنے بعد والے لوگوں کے کفر کا سبب بنکر ان سب کے کفر کے وبال کا بھی ذمہ دار ٹھہرے گا ۔

۴۲ ۔ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھکر حق کو نہ چھپاؤ ۔

تَلْبِسُوا ۔ تم ملاؤ، تم خلط ملط کرو، لَبْسٌ سے مضارع ۔ لغت میں لَبْسٌ کے معنی خلط ملط کرنے کے ہیں اور یہاں ایک بات کو دوسری بات کے ساتھ اس طرح رلا ملا دینا (ملا جلا دینا) مراد ہے جس سے دونوں میں کچھ فرق اور تمیز باقی نہ رہے ۔

بَاطِل ۔ غلط ، ناحق ، جھوٹ ، بُطْلَانٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور نہیں ہوا تھا اس وقت تک یہود توریت اور دیگر کتبِ انبیاء میں آپ کے بارے میں بشارتیں دیکھ کر آپ کے آنے کے منتظر اور آپ کے محاسن اور محامد بیان کرتے تھے ۔ پھر جب آپ کا ظہور ہو گیا اور آپ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو حسد و عناد اور دنیاوی اغراض کی بنا پر انہوں نے ان بشارتوں میں تحریف کر کے کچھ کا کچھ کہنا شروع کر دیا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل میں نے جو سچی اور حق بات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں تم پر اتاری ہے تم اسے باطل کے ساتھ نہ ملاؤ کہ حق و باطل میں تمیز نہ رہے اور حق بات کو عام لوگوں سے نہ چھپاؤ کیونکہ تمہاری اس گمراہی سے بہت سے ان پڑھ گمراہ ہو تے ہیں ۔ یعنی جن لوگوں کے کان حق سے آشنا ہو چکے ہیں ان کو حق و باطل ، جھوٹ و سچ اور ہدایت و گمراہی میں خلط ملط کر کے شک و شبہ میں مبتلا نہ کرو جس سے ان کو حق قبول کرنے میں تردد ہو ۔ (حقانی ۳۹۲/ ۱) ۔

اعمالِ صالحہ کی تلقین

۴۳ ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ط

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور (اللہ تعالیٰ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ (نماز میں) جھکو ۔

الزَّكٰوةَ یہ زَكَاءٌ (بڑھنا) یا تَزَكِّیٌ (پاک ہونا) سے مشتق ہے ۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال پاک بھی ہوتا ہے اور بڑھتا بھی ہے ۔

ارْكَعُوْا ۔ تم جھکو ۔ تم رکوع کرو ، تم نماز پڑھو ۔ رُكُوْعٌ سے امر ہے ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اچھے اعمال میں ایمانداروں کا ساتھ دو اور ان اعمال میں بہترین چیز نماز ہے ۔

تشریح ۔ جس طرح یہود پر نماز فرض تھی اسی طرح ان پر زکوٰۃ بھی فرض تھی مگر ان کی نماز اور زکوٰۃ کا قاعدہ اور تھا ۔ اس آیت میں یہود کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جیسی نماز مسلمان پڑھتے ہیں تم بھی وہی نماز پڑھو اور جیسی زکوٰۃ مسلمان دیتے ہیں تم بھی ویسی ہی زکوٰۃ ادا کرو ، انہی میں مل جاؤ اور انہی کی امت بن جاؤ ۔ نیز اس آیت میں با

جماعت نماز ادا کرنے کی تاکید ہے جو اسلام کے ساتھ مخصوص ہے ۔ یہود تنہا نماز پڑھتے تھے ۔

۴۴ ۔ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو ؟ حالانکہ تم کتاب (توریت) بھی پڑھتے ہو ۔ کیا تم نہیں سمجھتے ؟

تَاْمُرُوْنَ ۔ تم حکم دیتے ہو ۔ اَمْرٌ سے مضارع ۔

اَلْبِرِّ ۔ خوب دل کھول کر نیکی کرنا ۔ یہ بَرٌّ (وسیع میدان) سے مشتق ہے ۔ اور ہر قسم کی نیکی پر بولا جاتا ہے ۔

اَلْكِتٰبَ ۔ یہاں کتاب سے مراد توریت ہے ۔

تَنْسَوْنَ ۔ تم بھول جاتے ہو ۔ نِسْیَانٌ سے مضارع ۔

اَنْفُسَكُمْ ۔ اپنی جان کو ، اپنے آپ کو ، یہ نَفْسٌ کی جمع ہے ۔

شانِ نزول ۔ علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ یہود میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے تھے وہ اپنے غیر مسلم یہودی اعزاء و اقربا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں رائے لیتے تھے کہ ان کا دین حق ہے ۔ اس پر ان کے عزیز و اقارب کہتے کہ تم جس دین پر ہو اسی پر قائم رہو کیونکہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں وہ سب حق ہے مگر خود یہ لوگ اپنی شرارت نفس اور دنیاوی طمع کے باعث ایمان نہ لاتے تھے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ تم دوسروں کو تو نصیحت کرتے ہو اور خود اس پر عمل نہیں کرتے ۔ اے قوم یہود دنیا کا نفع تو چند روزہ ہے تم اس قلیل نفع سے میری آیتوں کو بدلتے ہو ۔ کیا تمہارے دلوں میں قیامت کے ہولناک دن کا اندیشہ بالکل نہیں رہا ۔ واحدی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی قسم کی حدیث روایت کی ہے ۔

بعض مفسرین نے کہا کہ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی علماء عوام کو تو توریت پر عمل کرنے کی نصیحت کرتے تھے مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے اور توریت میں جہاں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف تھی

اس میں تحریف کر دیتے تھے ۔ (مظہری ۶۳/ ۱ ، جلالین ۱۴) ۔

تشریح ۔ بنی اسرائیل کے علماء مال و دولت اور نام و نمود کے طالب تھے ۔ اس آیت میں ان کو شرم دلائی گئی ہے کہ تم لوگوں کو تو ہر وقت نیکی کی تلقین کرتے رہتے ہو اور خود اس کے قریب بھی نہیں جاتے ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں اپنا پیشوا مان کر تمہاری خدمت کرتے رہیں ۔ افسوس ہے تم پر کہ توریت پڑھنے کے باوجود تم اپنی اصلاح سے بالکل غافل ہو اور دنیاوی فائدے کے پیچھے بھاگ رہے ہو ۔ حالانکہ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی اخلاق و کردار اور عمل کے اعتبار سے اپنے آپ کو دوسروں کے لئے مثالی بنا کر پیش کرے ۔ لہٰذا اگر تم دوسروں کو نصیحت کرنے میں مخلص ہو تو پہلے خود عمل کر کے دکھاؤ ۔

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف ۳) ۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو خود نہ کرو ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ (الصف ۱) ۔

اے ایمان والو ! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر تم خود عمل نہیں کرتے ۔

علامہ بغوی نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے معراج کی رات میں کچھ آدمی دیکھے جن کے ہونٹ آگ کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے ۔ میں نے جبرائیلؑ امین سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں ؟ انہوں نے کہا کہ یہ آپؐ کی امت کے واعظ ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے تھے مگر اپنے آپ کو بھولے ہوئے تھے ۔ حالانکہ وہ کتاب الٰہی پڑھتے تھے ۔

حضرت اُسامہؓ بن زید سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا

کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا اور اس کو آگ میں پھینک دیا جائے گا ، جہاں اس کی آنتیں اور اوجھ سب نکل پڑے گا ۔ پھر وہ اس کے پیچھے اس طرح گھومے گا جیسے گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے ۔ اس کا یہ حال دیکھ کر اہل دوزخ اس کے گرد جمع ہو کر اس سے پوچھیں گے کہ تیرا کیا حال ہو گیا ہے ۔ تو ، تو ہمیں بھلی بات بتایا کرتا تھا لیکن خود عمل نہیں کیا کرتا تھا ؟ وہ کہے گا کہ ہاں ! میں تمہیں تو بُری بات سے روکتا تھا اور خود اس میں مبتلا تھا (مظہری ۱/۶۵) ۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عالم بے عمل کی مثال شمع کی مانند ہے جو دوسروں کو تو روشنی پہنچاتی ہے اور خود جلتی ہے ۔

۴۵ ، ۴۶ ۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝

اور مدد چاہو صبر اور نماز سے اور بے شک وہ (نماز) دشوار ہے بجز ان لوگوں کے جو عاجزی کرنے والے ہیں ۔ (عاجزی کرنے والے وہ لوگ ہیں) جن کو خیال ہے کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور یہ کہ وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۔

اَلصَّبْرِ ۔ برداشت ، تحمل ، خواہش نفس کے خلاف اپنے ارادے سے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا نام صبر ہے ۔

لَكَبِيْرَةٌ ۔ البتہ بھاری ہے ۔ البتہ دشوار ہے ۔

الْخٰشِعِيْنَ ۔ سکون ، عاجزی ظاہر کرنا ، خُشُوْعٌ سے اسم فاعل ، خشوع ، آواز اور نگاہ میں ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ ۔ اور رحمٰن کے خوف سے آوازیں پست ہو جائیں گی ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ۔ ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی (مظہری ۱/۶۵)۔

يَظُنُّوْنَ ۔ وہ گمان کرتے ہیں ۔ ظَنٌّ سے مضارع ۔ ظن شک کے معنی میں بھی آتا ہے اور یقین کے معنی میں بھی ۔ یہاں یقین کے معنی میں ہے ۔

تشریح۔ صبر میں تو غیر ضروری خواہشات کو ترک کرنا ہوتا ہے جبکہ نماز میں تو بہت سی جائز خواہشات کو بھی وقتی طور پر ترک کرنا پڑتا ہے، مثلاً کھانا پینا، چلنا پھرنا، بات کرنا وغیرہ۔ اگر انسان غیر ضروری خواہشات کو ترک کرنے پر ہمت باندھ لے تو چند روز کی کوشش سے غیر ضروری خواہشات کا طبعی تقاضا بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مگر نماز کو اس کی شرائط کے ساتھ وقت پر ادا کرنا اور نماز کے اوقات میں خواہشاتِ ضروریہ سے پرہیز کرنا انسانی طبیعت پر بھاری اور دشوار ہے۔ جن لوگوں کے دلوں میں خشوع ہو ان پر پابندی کے ساتھ نماز کو اس کے اوقات میں مع اس کی شرائط ادا کرنا چنداں دشوار نہیں۔ نماز میں ہر طرح کی پستی، عاجزی اور خاکساری ہے۔ جب کوئی شخص نماز کو صحیح طور پر ادا کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کے اثرات سے وہ فحش اور منکرات سے بچنے لگتا ہے اور اس کا تکبر و غرور اور اس کے اندر حبِ جاہ جیسی صفات آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہیں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ عاجزی کرنے والے لوگ وہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے کہ جب وہ اپنے پروردگار کے دربار میں حاضر ہوں گے تو ان کو اپنے اعمال کا حساب و کتاب بھی دینا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت، اجر و ثواب، اور انعام و اکرام کی بھی امید ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں پر نماز شاق اور گراں تو کیا ہوتی وہ تو ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کا سرور ہے۔

اگر کسی شخص میں خشوع نہیں تو اس کو یہ سوچنا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ اس کی تمام حرکات و سکنات کو ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ رفتہ رفتہ جب یہ خیال پختہ ہو جائیگا تو اس کے نتیجہ میں نماز اور دوسری عبادات اس کے لئے آسان ہو جائیں گی۔ دوسری چیز جس سے نماز اور عبادات اس کے لئے آسان ہو جائیں گی وہ آخرت کا یقین ہے۔ آخرت میں ہر آدمی کو اس کے اعمال کے مطابق ثواب یا عذاب ملے گا۔ اس خیال کے پختہ ہونے سے بھی آدمی کے دل میں خوف خدا اور اس کی رحمت کی امید پیدا ہوتی ہے جس سے خشوع میں اضافہ ہو کر نماز کا ادا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام، مشکل اور رنج و غم میں ڈالدیتا تو آپؐ فوراً نماز میں مشغول ہو جاتے (ابن کثیر ۱/۸۷)۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ بدر کی رات میں ، میں نے دیکھا کہ ہم سب سوگئے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک نماز اور دعا میں مشغول رہے (ابن کثیر ۱/۸۷) ۔

۴۷ ۔ يٰبَنِيٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ○

اے بنی اسرائیل ! میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کیں اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام مخلوقات پر فضیلت دی ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ رکوع میں ایمان و تقویٰ کی دعوت دی گئی تھی اور ثابت قدمی کا طریقہ بتایا گیا جو شکر گزاری سے حاصل ہوتا ہے ۔ اگلے (چھٹے) رکوع میں ان انعامات کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر کئے گئے ۔ یہ بھی مسلمانوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لئے ہیں ۔ یہی خصوصی انعام تھا جو ایمان و عملِ صالح سے حاصل ہوتا ہے ۔ اسی کی بنا پر بنی اسرائیل کو مخلوقات پر فضیلت حاصل تھی ۔ جب انہوں نے ایمان و عمل صالح کو چھوڑ دیا تو ان کی فضیلت بھی جاتی رہی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت کی یاد دہانی کرائی ہے جو بنی اسرائیل کے باپ دادا کو عطا فرمائی تھی ۔ وہ نعمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں کو اپنا رسول بنایا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں ، پھر ان کو ان کے زمانے کے دوسرے لوگوں پر فضیلت و مرتبہ عطا فرمایا جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِيۡكُمۡ اَنۡۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا ۖ وَّاٰتٰٮكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ (مائدہ ۲۰) ۔

اور وہ وقت یاد کرو جب حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر انعام کی ۔ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو تمام زمانے کو نہیں دیا ۔

بنی اسرائیل کو تمام لوگوں پر فضیلت دینے سے ، انکو اپنے ہی زمانے کے دوسرے لوگوں پر فضیلت دینا مراد ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام

امتوں سے افضل ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ (اٰل عمران ۱۱۰) ۔

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے بنائی گئی ۔ تم بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو ، اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا ۔

ابو العالیہ مجاہد ، ربیع بن انس اور قتادہ سے بھی یہی مروی ہے کہ بنی اسرائیل کو اپنے ہی زمانے کے دوسرے لوگوں پر فضیلت دی گئی تھی ۔(ابن کثیر ۸۸ ،۸۹/ ۱)۔

۴۸ ۔ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ؕ

اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کے بارے میں (کسی کی) سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس کی طرف سے بدلا لیا جائیگا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۔

تَجْزِىْ ۔ وہ جزا دے گا ، وہ بدلہ دے گا ، جَزَاءٌ سے مضارع ۔

شَفَاعَةٌ ۔ شفاعت کرنا ، سفارش کرنا ، مصدر ہے ۔

يُنْصَرُوْنَ ۔ ان کی مدد کی جائے گی ۔ نَصْرٌ سے مضارع مجہول ۔

شان نزول ۔ یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا ہماری شفاعت کریں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل خیال کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۶۶ \ ۱) ۔

تشریح ۔ چونکہ باپ دادا کی فضیلت سے اولاد کو بھی عزت و شرف حاصل ہوتا ہے اور یہود اس پر فخر بھی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے انعام و اکرام اور شرف و فضیلت یاد دلا کر ان کو تنبیہ و تہدید فرمائی کہ تم اس دن سے ڈرو جس (قیامت کے)

دن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا ۔ اس دن نہ تو خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوستی و شفاعت کام آئے گی ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ؕ (طٰہٰ ۱۰۹) ۔

اس دن (کسی کی) سفارش کام نہ آئے گی مگر جسے اللہ تعالیٰ اجازت دے اور جس کی بات کو پسند فرمالے ۔

لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ؕ (النبا ۳۸) ۔

اس دن کسی کے منہ سے بات نہیں نکلے گی مگر جس کو اللہ تعالیٰ اجازت دے اور وہ بات بھی معقول کہے ۔

يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ (ابراہیم ۳۱) ۔

اس دن نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی ۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ؕ (عبس ۳۷) ۔

اس روز ہر شخص کی ایک خاص حالت ہوگی جو اس کو سب سے بے پرواہ کردے گی ۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ (فاطر ۔ ۱۸) ۔

اور (کوئی گناہ) اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ (گناہ) نہیں اٹھائے گا ۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْئًا ؕ (لقمٰن ۳۳) ۔

اے لوگو ! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ اپنی اولاد کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اولاد اپنے باپ کے ذرا کام آئے گی ۔

آیت کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت کے روز مسلمان بھی کسی مسلمان کے کام نہیں آئے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ کوئی کسی کافر کو نفع نہیں پہنچا سکے گا ۔ آیات اور

احادیث سے یہ بات واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور دیگر نیک لوگ گنہگاروں کی شفاعت کریں گے ۔

اس آیت میں دوسری بات یہ بتائی گئی کہ اے بنی اسرائیل اگر تم اپنے باپ دادا اور انبیاء علیہم السلام پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ سمجھتے ہو کہ قیامت کے روز وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے چھڑا لیں گے تو یہ محض تمہاری خام خیالی ہے جیسا کہ ارشاد ہے ۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ ۔ (بروج ۱۲) ۔

بلا شبہ تیرے رب کی پکڑ بہت شدید ہے ۔

لَا یُقْبَلُ مِنْھَا شَفَاعَۃٌ ۔ (بقرہ ۴۸) ۔

اس روز کسی کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی ۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی نبی یا بزرگ کسی کے لئے شفاعت تو کیا لب کشائی بھی نہیں کر سکے گا ۔

مَالَنَا مِنْ شَافِعِیْنَ ۔ (شعرا ۱۰۰) ۔

کفار کہیں گے آج ہمارا کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہے ۔

تیسری بات یہ بتائی گئی کہ اس روز کسی کی طرف سے کسی قسم کا فدیہ قبول نہیں کیا جائیگا ۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اس دن اپنا مال فدیے اور معاوضہ کے طور پر دیکر نجات پالو گے تو یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مال و دولت کی ذرا بھی پرواہ نہیں جیسا کہ ارشاد ہے ۔

فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰی بِہٖ ۔ (اٰل عمران ۔ ۹۱) ۔

پھر ان میں سے کسی سے ہرگز زمین بھر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا ۔ اگر وہ فدیہ میں دے ۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَہٗ مَعَہٗ

لِيَفْتَدُوا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ (مائدہ ۳۶) ۔

بیشک جو لوگ کافر ہیں ان کے پاس جو کچھ زمین میں ہے اگر وہ سب کا سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی وہ فدیہ میں دیدیں تب بھی وہ ان سے قیامت کے عذاب کے بدلے میں قبول نہیں کیا جائیگا ۔ اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے ۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس روز عزیز و اقارب ، برادری اور دوسرے مدد گار بھی اپنی قوت و زور کے بل پر ان کو نہیں چھڑا سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی کسی کو مجال نہیں ۔

اس آیت میں جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی بھی طرح کفار سے عذاب دور نہیں کر سکتا کیونکہ عذاب دور کرنے کی جتنی بھی صورتیں ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان سب کی نفی فرما کر واضح فرما دیا کہ قیامت کے روز کوئی بھی شخص کسی کافر سے کسی قسم کی تدبیر کے ساتھ عذاب دفع نہ کر سکے گا ۔

عذاب دفع کرنے کی مندرجہ ذیل صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

۱) سزا پانے والے کو یا تو کوئی شخص ، قبیلہ ، برادری ، یا دوسرے مدد گار ، سزا دینے والے کے ہاتھ سے زبردستی چھڑا لیں ۔ اس کو مدد کہتے ہیں ۔

۲) دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی زبردستی تو نہیں کر سکتا مگر کسی کے کہنے سے اس کو چھوڑ دیا جائے ۔ اس کو سفارش کہتے ہیں ۔

۳) جو کچھ اس کے ذمہ ہو وہ ادا کر دیا جائے ۔ اس کو جزا کہتے ہیں ۔

۴) جو کچھ اس کے ذمہ ہو اسکی بجائے اس کا بدل دے دیا جائے اس کو عدل اور فِدیہ کہتے ہیں ۔

قیامت کے روز سب کچھ حکم الٰہی اور رضائے حق جَلَّ وَعُلاَ سے ہوگا ۔ وہاں نہ کسی قسم کا فدیہ اور سفارش ہوگی اور نہ رشوت نہ حمایت ۔ غرض کسی کی مدد کے جتنے بھی دنیاوی طریقے ہیں ان میں سے کوئی بھی وہاں کام نہ آئے گا سوائے ایمان کے (مظہری ۱/۶۶) ۔

قومِ فرعون سے نجات

۴۹ ۔ وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی اولاد سے نجات دی ۔ وہ تمہیں بہت بڑا عذاب دیتے تھے وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی ۔

فِرْعَوْنَ ۔ فرعون ، یہ مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا ۔ جیسے روم کے بادشاہ کو قیصرؔ اور فارس کے بادشاہ کو کِسریٰ اور چین کے بادشاہ کو خاقانؔ کہتے تھے ۔ اسی طرح مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے تھے ۔

يَسُوْمُوْنَكُمْ ۔ وہ تمہیں ستاتے ہیں ، وہ تمہیں سخت تکلیف دیتے ہیں ۔ سَوْمٌ سے مضارع ۔

يَسْتَحْيُوْنَ ۔ وہ زندہ چھوڑ دیتے ہیں ۔ اِسْتِحْيَاءٌ سے مضارع جو حَيٰوةٌ سے ماخوذ ہے ۔

بَلَآءٌ ۔ آزمائش ۔ ابن عباسؓ ، مجاہد ابو العالیہ اور سدی وغیرہ سے یہاں نعمت کے معنی منقول ہیں ۔ امتحان اور آزمائش ، بھلائی اور برائی دونوں کے ساتھ ہوتی ہے ۔ مگر بَلَوْتُهٗ بَلَاءً عموماً برائی کی آزمائش کے لئے اور اَبْلَيْتُهٗ اِبْلَاءً و بَلَاءً کا لفظ بھلائی کے ساتھ آزمائش کے لئے آتا ہے ۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ بچوں کے قتل ہونے میں تمہاری آزمائش تھی (ابن کثیر ۹۰/ ۱)۔

کبھی شدید عذاب دیکر آزمایا جاتا ہے تاکہ پتہ چلے کہ بندہ تکلیف پر صبر کرتا ہے یا نہیں اور کبھی فراخی اور انعام کے ذریعہ امتحان لیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون نعمت و آسودگی کے وقت شکر ادا کرتا ہے ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ (انبیاء ۳۵) ۔

اور ہم تمہیں برائی اور بھلائی کے ذریعہ آزمائیں گے ۔

اس لئے فراخی میں شکر اور تنگی میں صبر واجب ہے (مظہری ۶۷/ ۱) ۔

تشریح ۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل پر ہونے والے انعامات کا اجمالی ذکر تھا ۔ یہاں سے ان انعامات کی تفصیل مذکور ہے ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنا ایک انعام یاد دلایا ہے کہ جب فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے ان کو روزانہ ایک نئی مصیبت کا سامنا تھا یہاں تک کہ ان کے لڑکے قتل کئے جاتے اور لڑکیاں باقی چھوڑ دی جاتی تھیں ۔ بنی اسرائیل پر یہ بڑی سخت مصیبت تھی ، ایک تو ان کی نسل و قوم کا ختم ہونا ، دوسرے لڑکیوں کا غیر قوم کے استعمال میں آنا ، تیسرے زندہ اولاد کا قتل دیکھنا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ بنی اسرائیل کو ان تمام مصائب سے نجات دی ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور احسان تھا (حقانی ۲۹۷/ ۱) ۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ فرعون نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ آئی اور اس نے سارے مصر کو گھیر لیا ۔ اور قبطیوں کو جلا دیا ۔ فرعون اس خواب سے پریشان ہو گیا ۔ چنانچہ اس نے تمام کاہنوں کو جمع کر کے ان سے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی ۔ انہوں نے اس کو بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تجھے ہلاک کر دے گا اور تیرا ملک اور مال سب ختم ہو جائیگا ۔ ابن جریر نے بھی اسی طرح کی روایت بیان کی ہے ۔ علامہ بغویؒ فرماتے ہیں خواب کی تعبیر سننے کے بعد فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے ۔ اور لڑکیوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے ۔

اس حکم کے نتیجہ میں جب ہزاروں معصوم بچے پیدا ہوتے ہی مارے جا چکے تو قبطی سرداروں نے متفقہ طور پر فرعون سے درخواست کی کہ تمام ذلیل کام انہی یہودیوں کے ذمہ ہیں ۔ اگر یہ قتل عام اسی طرح جاری رہا تو بچے بھی مرتے رہیں گے اور بڑے اپنی طبعی عمر پوری کر کے مر ہی رہے ہیں ۔ لہذا آئندہ ذلیل کام بھی ہم کو ہی کرنے پڑیں گے ۔ اس پر فرعون نے اپنے حکم میں ترمیم کر دی کہ ایک سال تو بچے قتل کئے جائیں اور دوسرے سال بچوں کا قتل بند رکھا جائے ۔ چنانچہ جس سال بچوں کا قتل موقوف تھا اس سال تو حضرت موسیٰ کے بڑے بھائی حضرت ہارون پیدا ہوئے اور جس سال یہ قتل جاری تھا اس سال حضرت موسیٰ پیدا ہوئے ۔

حضرت موسیٰ کے واقعات قرآنِ کریم کی متعدد سورتوں میں آئے ہیں جن کی تفصیل اپنے اپنے مقام پر آئے گی ۔ (مظہری ۶۷/ ۱) ۔

آلِ فرعون کی غرقابی

۵۰ - وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو پھاڑ دیا ۔ پھر ہم نے تمہیں بچا دیا اور ہم نے آلِ فرعون کو غرق کر دیا جبکہ تم دیکھ رہے تھے ۔

فَرَقْنَا ۔ ہم نے پھاڑ دیا ۔ ہم نے (پانی کو) الگ الگ کر دیا ۔ فَرْقٌ سے ماضی

اَلْبَحْرَ ۔ سمندر ، ابن کثیر ، خطیب اور علامہ سیوطی وغیرہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد بحرِ قلزم ہے جسے بحرِ احمر بھی کہتے ہیں ۔

اَنْجَيْنٰكُمْ ۔ ہم نے تمہیں نجات دی ۔ ہم نے تمہیں بچا لیا ۔ اِنْجَاءٌ سے ماضی ۔

اَغْرَقْنَا ۔ ہم نے غرق کر دیا ۔ ہم نے ڈبو دیا ۔ اِغْرَاقٌ سے ماضی ۔

تَنْظُرُوْنَ ۔ تم دیکھتے ہو ۔ نَظَرٌ سے مضارع

تشریح ۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر ہونے کے بعد مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے اور بنی اسرائیل برسوں سے مصر کے ظالم و جابر بادشاہ کے ظلم و سختیاں سہ رہے تھے ۔ آخر اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیکر کنعان کی طرف روانہ ہو گئے ۔ راستہ میں سمندر حائل ہوا ۔ اس وقت فرعون بھی بنی اسرائیل کی روانگی کی خبر پا کر اپنے لشکر کے ہمراہ تعاقب کرتا ہوا سمندر تک پہنچ گیا ۔ اب پیچھے فرعون اور اس کا خونخوار لشکر اور آگے سمندر ۔ بنی اسرائیل نہ آگے جا سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ، چنانچہ اس صورتحال سے وہ حواس باختہ ہو گئے مگر اسی وقت حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر پر اپنی لاٹھی ماری اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے سمندر کو شق کر کے اس میں خشک راستہ بنا دیا

جس میں سے گزر کر بنی اسرائیل سمندر سے پار ہو گئے ۔ ان کے پیچھے پیچھے فرعون بھی خشک راستہ دیکھ کر اپنے لشکر سمیت سمندر میں داخل ہو گیا ۔ جب فرعون اور اس کے تمام ساتھی اور لشکری دریا میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی مل کر اپنی پہلی حالت پر آگیا اور بنی اسرائیل کے لئے جو خشک راستہ بنا تھا وہ ختم ہو گیا۔ نتیجتاً فرعون اور اس کے تمام ساتھی سمندر میں غرق ہو گئے ۔

بنی اسرائیل سمندر کے دوسرے کنارے پر خائف اور ہراساں کھڑے ہوئے اتنے بڑے ظالم و جابر دشمن کی انتہائی ذلت و رسوائی اور بے بسی کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے ۔ جب سب غرق ہو گئے تب بھی بنی اسرائیل کے بعض لوگوں پر خوف طاری تھا یہاں تک کہ سمندر نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کے ناپاک جسم کو کنارے پر پھینک دیا تب کہیں بنی اسرائیل کو اطمینان حاصل ہوا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ط (یونس ۹۲)۔

پس آج ہم تیری لاش کو بچا دیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے باعثِ عبرت ہو ۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام تھا جو بنی اسرائیل پر ہوا ۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے (معارف القرآن ۲۲۵/ ۱ ، حقانی ۳۹۷، ۳۹۸/ ۱) ۔

بچھڑے کی پوجا

۵۱ ۔ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ٥

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے (حضرت) موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم بڑے ظالم تھے ۔

اِتَّخَذْتُمْ ۔ تم نے اختیار کر لیا ۔ تم نے بنا لیا ۔ اِتِّخَاذٌ سے ماضی ۔

عِجْلَ ۔ بچھڑا ۔ گائے کا بچہ ۔

تشریح ۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق ہو نے کے بعد حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کے ساتھ ملک شام چلے گئے یا کسی اور مقام پر جا کر رہنے لگے تھے ۔ ابن جریر اور دیگر مفسرین نے تصریح کی ہے کہ فرعون کی ہلاکت دسویں محرم کو ہوئی اور حضرت موسیٰ کی چالیس راتیں دس ذی الحجہ کو پوری ہوئیں ۔ اس طرح فرعون کی ہلاکت اور حضرت موسیٰ کے چلّہ میں گیارہ مہینہ کا فرق ہوا ۔ اس وقت تک بنی اسرائیل کوہِ طور کے نواح میں مقیم تھے ۔ نہ وہ ملک شام پہنچے اور نہ لوٹ کر مصر گئے ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ تم کوہِ طور پر آکر چالیس رات میری عبادت کرو تاکہ میں تمہیں احکامِ شریعت پر مشتمل ایک کتاب دوں ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کوہِ طور پر تشریف لے گئے اور اپنی عدم موجودگی میں قوم کی دیکھ بھال کے لئے اپنے بھائی حضرت ہارون کو مقرر فرما گئے ۔ حضرت موسیٰ کو تیس دن کے لئے بلایا گیا تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے قیام میں دس دن کا اضافہ فرما دیا جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ اعراف ۱۴۲ ۔

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ سے تیس راتوں کی میعاد مقرر کی اور ہم نے اس کو دس سے پورا کر دیا ، پس ان کے رب کی مقرر کردہ میعاد پوری چالیس راتیں ہو گئی ۔

حضرت موسیٰ کے جانے کے بعد بنی اسرائیل میں آزاد خیالی اور خود سَری پیدا ہو گئی اور وہ حضرت ہارون کے ہوتے ہوئے بھی بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے ۔ ان کی سادہ لوحی اور کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک شُعْبدہ باز نے جو بنی اسرائیل میں سے تھا اور جس کا نام سَامَری تھا ، چاندی یا سونے کا ایک بچھڑا بنا کر اس کے اندر وہ مٹی ڈالدی جو اس نے فرعون کی غرقابی کے وقت حضرت جبرائیلؑ کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھی ۔ اس مٹی سے اس بچھڑے میں جان پڑ گئی اور اس کے منہ سے کچھ آواز نکلنے لگی ۔ اگرچہ وہ آواز بے معنی تھی مگر ان لوگوں کے لئے حیرت کی بات ضرور تھی ۔ چونکہ بنی اسرائیل کے لوگ اہل مصر کو گائے کی پوجا کرتے ہوئے دیکھ چکے تھے اس لئے عبادت کے اس طریقے سے وہ پہلے سے ہی آشنا تھے

اور وہ حضرت موسیٰ سے بچھڑے کی شکل کے بت بھی مانگ چکے تھے ۔ پھر فرعون کے غرق ہونے کے بعد شام کی طرف جاتے ہوئے ان کا گزر قوم عمالقہ پر ہوا جو گائے کی شکل کے بت پوجتے تھے ۔ اس لئے انہوں نے سامری کے بہکانے پر بچھڑے کی پوجا میں جلد بازی کی ۔ چند لوگوں کے سوا تمام اسرائیلی اس بچھڑے کی پوجا کرنے لگ گئے ۔ حضرت ہارون نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ حق کی طرف مائل نہ ہوئے ۔ جب حضرت موسیٰ توریت لیکر کوہِ طور سے واپس آئے تو بنی اسرائیل کو شرک میں مبتلا دیکھ کر سخت ناراض ہوئے اور ان کو خوب ملامت کی ۔ (معارف القرآن ۲۲۵/ ۱ ، حقانی ۲۲۴/ ۱)-

۵۲ ۔ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ٥

پھر ہم نے اس کے بعد بھی تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو ۔

عَفَوْنَا ۔ ہم نے معاف کیا ۔ عَفْوٌ سے ماضی ۔ عفو گناہ کے محو کرنے کو کہتے ہیں ۔

تَشْكُرُوْنَ ۔ تم شکر کرتے ہو ۔ تم احسان مانتے ہو ، شُكْرٌ سے مضارع ، مفسرین کے مطابق یہاں شکر سے مراد اطاعت ہے ۔ شکر ، قلب زبان اور اعضاء سب سے ہوتا ہے ۔ حسن نے کہا کہ نعمت کا شکر اس کا ذکر کرنا ہے۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو منعِم حقیقی کی رضا میں صرف کیا جائے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنا ایک اور احسان یاد دلایا ہے کہ جب تمہارے نبی عبادت کی غرض سے چالیس دن کے وعدے پر تمہارے پاس سے کوہِ طور پر گئے تو ان کے جانے کے بعد تم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ۔ پھر ان کے آنے پر ان کے سمجھانے سے تم نے اس شرک سے توبہ کی تو ہم نے تمہارے اتنے بڑے کفر کو بھی بخشدیا (ابن کثیر ۹۱/ ۱) ۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں منقول ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اے میرے مالک و خالق تو نے مجھے بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں اور مجھے ان پر شکر ادا کرنے کا حکم بھی فرمایا مگر اے میرے پروردگار میرا کسی نعمت پر شکر ادا کرنا بھی تو تیری ہی نعمت ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تم بڑے عالم ہو ۔ اس زمانے میں تم سے زیادہ کسی کا علم نہیں ۔ یاد رکھو میرے بندے کو شکر اتنا ہی کافی ہے

کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ جو نعمت حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے (مظہری ۱/۷۱)۔

۵۳۔ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) اور حق کو ناحق سے جدا کرنے والے احکام (شریعت) عطا کئے۔ تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔

اَلْفُرْقَانَ ۔ حق و باطل میں فرق کرنے والی ۔ یہ مصدر بھی ہے اور صفت بھی ۔

تَهْتَدُوْنَ ۔ تم ہدایت پاؤ ۔ تم راہ پاؤ ، اِهْتِدَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ بعض مفسرین کے مطابق یہاں کتاب اور فرقان دونوں سے مراد توریت ہے کیونکہ وہ حق و باطل میں فرق کرتی ہے ۔ بعض نے فرقان سے عصاو ید بیضا ، وغیرہ معجزات مراد لئے ہیں کیونکہ معجزات اہل حق اور اہل باطل میں فرق کر دیتے ہیں جیسے عصا کے ذریعہ سحر اور نبوت میں فرق واضح ہوا ۔

شرک کی سزا

۵۴ ۔ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بیشک تم نے بچھڑے کو (معبود) بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے، پس تم اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاؤ (توبہ کرو) اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالو ۔ تمہارے خالق کے نزدیک یہی تمہارے لئے بہتر ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ۔ بیشک وہی توبہ قبول کرنے والا نہایت رحم والا ہے ۔

بَارِئِكُمْ ۔ یہ بَرْءٌ سے مشتق ہے جس کے معنی کسی شے کو دوسری شئے سے چھانٹ لینے اور خاص کر لینے کے ہیں ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو اس درجہ کی جہالت نے گھیر لیا تھا کہ ان کو اپنے خالق کی بھی پہچان نہ رہی یہاں تک کہ اپنے ہاتھ سے بنائے ہوئے بچھڑے کو

خدا سمجھ کر پوجنے لگے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بچھڑے کی پوجا سے توبہ کا طریقہ تجویز کیا گیا ۔ جب حضرت موسیٰ چالیس روز کے لئے کوہِ طور پر تشریف لے گئے تو ان کے بعد بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی ۔ پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے واپس آکر انہیں سمجھایا تو وہ اپنی غلطی کا یقین کر کے توبہ استغفار کرنے لگے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں حکم ہوا کہ تم میں سے جو لوگ بچھڑے کی پوجا سے باز رہے وہ پوجا کرنے والوں کو قتل کریں ۔ مجرمین میں بچھڑے کی پوجا سے باز رہنے والوں کے عزیز و اقارب بھی تھے ۔ کوئی کسی کا باپ ، کوئی بیٹا کوئی بھائی ، کوئی قریبی رشتہ دار اور کوئی دوست تھا ۔ چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کرنا شروع کیا اور قتل کا یہ سلسلہ کئی روز تک جاری رہا ۔ آخر حضرت موسیٰ نے بار گاہِ خداوندی میں بنی اسرائیل کے لئے رحمت کی دعا فرمائی ۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا کیونکہ وہ بڑا مہربان اور بہت توبہ قبول کرنے والا ہے (حقانی ۴۲۶/ ۱ ، مظہری ۷۱/ ۱)۔

بنی اسرائیل کی گستاخی

۵۵ ۔ وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا ۔ اے موسیٰ ! ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر (بالکل آمنے سامنے) نہ دیکھ لیں ۔ پھر (تمہاری اس گستاخی پر) تمہیں بجلی کی کڑک نے آ لیا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے ۔

جَهْرَةً ۔ برملا ، ظاہری طور پر ، مصدر ہے ۔

الصّٰعِقَةُ ۔ بجلی کی کڑک ۔ سخت آواز ۔ غضب ۔ جمع صَوَاعِق ۔

تشریح ۔ جب حضرت موسیٰ کوہِ طور سے توریت لیکر آئے اور بنی اسرائیل کو بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے تو ان میں سے بعض گستاخوں نے کہا کہ ہم یہ بات آپ کے کہنے سے ہرگز نہیں مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو توریت عطا فرمائی ہے اور آپ

سے کلام فرمایا ہے یا آپ نبی ہیں یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ظاہری طور پر آمنے سامنے نہ دیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہے کہ یہ میری کتاب ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو کوہِ طور پر چلنے کے لئے کہا ۔ بنی اسرائیل نے اس مقصد کے لئے اپنے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ کے ساتھ کوہِ طور پر بھیجے جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام خود سنا اور کہنے لگے کہ ہم صرف کلام سننے سے مطمئن نہیں ہوں گے ۔ نہ جانے کون بول رہا ہوگا ۔ ہم تو اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں ۔ چونکہ دنیا میں کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا اس لئے اس گستاخی پر ان کو بجلی کی کڑک نے آ لیا اور وہ سب ہلاک ہو گئے ۔

اللہ تعالیٰ کا احسان

۵۶ ۔ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

پھر تمہاری موت کے بعد ہم نے تمہیں زندہ کیا تاکہ تم شکر کرو ۔

بَعَثْنٰكُمْ ۔ ہم نے تمہیں زندہ کر کے اٹھایا ۔ بَعْثٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ جب بجلی کی کڑک سے بنی اسرائیل کے چنیدہ لوگ ہلاک ہو گئے تو حضرت موسیٰ بارگاہِ خداوندی میں التجا اور رحمت کی درخواست کرنے لگے اور عرض کی کہ بنی اسرائیل تو پہلے ہی مجھ سے بد گمان رہتے ہیں ۔ اب یہ خیال کریں گے کہ میں نے ہی کسی تدبیر سے ان کا کام تمام کیا ہے ۔ اے اللہ مجھے اس تہمت سے محفوظ رکھ ۔ آخر اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایک دن رات مُردہ حالت میں پڑے رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ایک کر کے زندہ کر دیا ۔ جو زندہ ہو کر اٹھتا تھا وہ دوسرے کو زندہ ہوتے دیکھتا تھا ۔

قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس لئے زندہ کر دیا تاکہ وہ اپنا رزق اور بقیہ عمریں پوری کر لیں ۔ اگر وہ اپنی عمر ختم کر کے مرتے تو پھر قیامت ہی میں اٹھائے جاتے (معارف القرآن ۲۲۷/ ۱ ، مظہری ۷۳/ ۱)۔

مَنّ و سَلویٰ

۵۷ ۔ وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۔
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔

اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کیا اور تمہارے اوپر منّ اور سلویٰ اتارا تاکہ تم ہماری دی ہوئی پاکیزہ چیزیں کھاؤ ۔ اور (نافرمانی کر کے) انہوں نے ہمارا نقصان نہیں کیا بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے ۔

ظَلَّلْنَا ۔ ہم نے سایہ کیا ۔ ہم نے سائبان بنایا ۔ تَظْلِيْلٌ سے ماضی ۔

اَلْغَمَامَ ۔ بادل ۔ سفید ابر ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد غَمَامَةٌ ہے جو غَمٌّ سے مشتق ہے جس کے معنی چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کے ہیں ۔ ابر کو غمام اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سورج کو چھپا لیتا ہے ۔

اَلْمَنَّ ۔ شبنم ترنجبین کی طرح کی ایک میٹھی اور لذیذ چیز جو بنی اسرائیل کے خیموں کے آس پاس جم جاتی تھی اور صبح لوگ اس کو جمع کرکے کھا لیتے تھے ۔ قتادہ نے کہا کہ منّ اس تِیہَ (وادی) میں برف کی طرح گرتی تھی ۔ اس کا رنگ دودھ سے زیادہ سفید اور مزہ شہد سے زیادہ شیریں تھا وہ طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک گرتی تھی ۔ مجاہد کہتے ہیں کہ من گوند کی طرح کی ایک چیز ہے جو درختوں پر آکر گر جاتی ہے اور اس کا مزہ شہد جیسا ہوتا ہے ۔

سَلْویٰ ۔ بٹیر کی طرح کا ایک پرندہ ۔ یہ پرندے ان کے پاس جمع ہو جاتے اور ان سے بھاگتے نہیں تھے ۔ یہ لوگ ان کو پکڑ کر ذبح کر کے کھا لیتے تھے ۔

تشریح ۔ بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام ہے ۔ یہ لوگ حضرت یوسف کے وقت میں مصر آئے تھے اور یہیں رہنے لگے تھے اور ان کے بعد شام میں عَمَالِقَہْ نامی قوم کا تسلط ہو گیا تھا ۔ جب فرعون غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا اصل وطن (شام) عَمَالِقَہ سے جہاد کے ذریعہ آزاد کرنے کا حکم دیا جیسا کہ ارشاد ہے ۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۔ (مائدہ ۲۱) ۔

اے میری قوم مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ ۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہی تقدیر میں لکھدی ہے ۔ اور پیٹھ پھیر کر واپس نہ لوٹو کہ پھر تم بالکل خسارے میں ہو جاؤ گے ۔

بنی اسرائیل اسی ارادے کے ساتھ چلے تھے ۔ جب شام کی حدود میں پہنچکر ان کو عَمَالِقَہ کی قوت و زور کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے انکار کر دیا ۔ حضرت موسیٰ نے ان کو نصرتِ الہیٰ اور فتح کی بشارت بھی دی مگر یہ لوگ لڑائی کے لئے کسی طرح بھی تیار نہ ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے انکار کی سزا دی کہ چالیس برس تک ایک میدان میں حیران و پریشان پھرتے رہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۔ (مائدہ ۲۶) ۔

پھر وہ (ملک) ان پر حرام ہوا چالیس برس تک وہ زمین میں سر مارتے پھریں گے ۔

اس میدان کا رقبہ بہت زیادہ نہ تھا بلکہ صرف دس میل کے قریب تھا ۔ روایت یہ ہے کہ یہ لوگ مصر جانے کے لئے دن بھر سفر کرتے ، رات کو کسی منزل پر اترتے اور صبح دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں ۔ اسی طرح چالیس برس تک اس میدان میں سرگرداں و پریشان پھرتے رہے ، اسی لئے اس میدان کو وادیٔ تِیَہ کہتے ہیں ۔ کیونکہ تِیَہ کے معنیٰ سرگردانی اور پریشانی کے ہیں ۔ یہ وادی ایک کھلا میدان تھا ۔ نہ اس میں کوئی عمارت تھی ، نہ سردی و گرمی اور دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی درخت ، نہ کھانے پینے کا سامان اور نہ پہننے کے لئے لباس ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے معجزے کے طور پر اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا ۔ دھوپ سے بچاؤ کے لئے ابر کا سایہ اور بھوک کے لئے مَنّ و سَلویٰ نازل فرما دیا ۔ جب ان کو پانی کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر اپنا عصا مارنے کا حکم دیا جس سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے ۔ اسکی تفصیل دو آیتوں کے بعد آئے گی ۔ جب ان لوگوں نے رات کی تاریکی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ

نے ان کی آبادی کے درمیان غیب سے ایک عمودی روشنی قائم فرمادی ۔ جب ان کے کپڑے میلے ہو گئے اور پھٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بطورِ اعجاز یہ صورت فرمادی کہ ان کے کپڑے نہ میلے ہوتے تھے اور نہ پھٹتے تھے اور بچوں کے کپڑے انکے بدن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسی مناسبت سے بڑھتے رہے (معارف القرآن بحوالہ تفسیر قرطبی ۲۲۹/ ۱) ۔

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم تھا کہ جس قدر روزانہ کھا سکو اتنا ہی مَن و سلویٰ لے لیا کرو اور دوسرے دن کے لئے جمع کر کے نہ رکھو ، مگر انہوں نے حکم خداوندی کی تعمیل نہ کی اور جمع کر کے رکھنے لگے ۔ آخر کار جمع کیاہوا کھانا (مَنّ و سَلویٰ) سڑنے لگا اور پھر وہ نعمت بند ہو گئی ۔ امام احمد ، بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا اور گوشت کبھی نہ سڑتا اور اگر حوّا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے خاوند سے بے وفائی نہ کرتی ۔ (مظہری ۷۳/ ۱) ۔

غرض بنی اسرائیل نے ناشکری کر کے اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ ناشکری کے سبب آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق ہوئے اور دنیا میں اپنا رزق کھویا جو بلا مشقت اور بلا حساب اخروی ان کو ملتا تھا ۔

بنی اسرائیل کی نافرمانی

۵۸ - وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو با فراغت کھاؤ اور بستی کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے داخل ہونا ۔ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے اور عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے ۔

رَغَدًا ۔ جی بھر کر ۔ خوب اچھی طرح ۔ با فراغت ۔ مصدر ہے ، صفتِ شبہ کے معنی دیتا ہے ۔

حِطَّةٌ ۔ معافی کی درخواست ، بخشش مانگنا ۔ توبہ ۔

مُحْسِنِیْنَ ۔ احسان کرنے والے ۔ بھلائی کرنے والے ، نیکی کرنے والے ۔ اِحْسَانٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ اس آیت میں صحیح قول کی بنا پر قریہ سے مراد بیت المقدس ہے ۔ جب بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کے ساتھ مصر سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم شام جاکر عمالقہ (یہ قوم عاد کے بچے ہوئے لوگ تھے) سے جہاد کر کے ان کو مسلمان کرو یا ان کو وہاں سے نکال دو یا قتل کر ڈالو اور خود شام میں آباد ہو جاؤ ۔ مگر انہوں نے عمالقہ کے مقابلہ میں بزدلی دکھائی اور جہاد سے انکار کیا ۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سزا ملی کہ وہ ایک مدت تک وادیٔ تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے مگر اس سے نکلنے کا راستہ نہ ملتا تھا ۔ اسی وادی میں بنی اسرائیل کے بوڑھے لوگ مع حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام انتقال کر گئے ۔ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت یُوْشَعْ علیہ السلام پیغمبر ہوئے ۔ جب بنی اسرائیل سفر کی مشقت سے گھبرا گئے تو حضرت یوشعؑ نے چالیس سال کے بعد تِیَہ سے نکل کر بنی اسرائیل کے باقی ماندہ نوجوانوں کو ہمراہ لیکر عمالقہ کے ساتھ جہاد کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی اور فتح کے بعد حکم دیا کہ تعظیم کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے حِطَّۃٌ کہتے ہوئے اس بستی میں داخل ہو جاؤ ۔ اگر تم نے اس ہدایت پر عمل کیا اور فتح کے وقت اپنی پستی اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور مجھ سے بخشش طلب کی تو چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت ہی پسند ہیں اس لئے میں تمہاری خطاؤں سے در گزر کر لوں گا ۔ اور تمہارے حق میں اپنی نعمت زیادہ کر دوں گا ۔ (ابن کثیر ۹۸/ ۱ ، مظہری ۷۴/ ۱) ۔

نافرمانی کی سزا

۵۹ ۔ فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلاً غَیْرَ الَّذِی قِیْلَ لَھُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزاً مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا کَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ہ

پھر ان ظالموں نے اس قول (لفظ) کو بدل دیا جو ان سے کہا گیا تھا پھر ہم نے بھی ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کے سبب آسمان سے عذاب نازل کیا ۔

فَبَدَّلَ ۔ پھر اس نے تبدیل کر دیا تَبْدِیْلٌ سے ماضی ۔

رِجْزاً ۔ عذاب ، آفت ، بنی اسرائیل پر یہ عذاب آسمان سے طاعون کی شکل میں اترا جس سے بہت سے لوگ مر گئے ۔

یَفْسُقُوْنَ ۔ وہ نا فرمانی کرتے تھے ۔ یہ فِسْقٌ سے بنا ہے جس کے معنی نا فرمانی کرنا اور حکم نہ ماننے کے ہیں ۔

تشریح ۔ بنی اسرائیل کو ثواب اور مغفرت کی بجائے گیہوں وغیرہ کی زیادہ خواہش تھی اس لئے وہ بستی میں داخل ہوتے وقت حطہ کی بجائے حنطہ کہنے لگے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے سزا کے طور پر آسمانی عذاب نازل فرمایا جس سے ان میں طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی اور ان کے بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے ۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ تم دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے اور حِطَّۃٌ کہتے ہوئے داخل ہونا مگر انہوں نے (لفظ) حِطَّۃٌ کو بدل دیا اور سُرین کے بل گھسٹتے ہوئے اور حِطَّۃٌ کی بجائے حَبَّۃٌ فِیْ شَعْرَۃٍ (گیہوں جو میں) کہتے ہوئے جانے لگے ۔ (ابن کثیر ۹۹/ ۱ مظہری ۷۴/ ۱)

پانی کا مطالبہ

۶۰ ۔ وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ ط فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا ط قَدْ عَلِمَ کُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَھُمْ ط کُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ہ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا (اے موسیٰ) اپنا عصا اس پتھر پر مار ۔ پس (جب حضرت موسیٰ نے پتھر پر اپنا عصا مارا) تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ (پانی پینے کی جگہ) معلوم کر لیا ۔ (پھر ہم نے کہا کہ) اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو ۔

اِسْتَسْقٰی ۔ اس نے پانی مانگا ۔ اِسْتِسْقَاءٌ سے ماضی ۔

اِنْفَجَرَتْ ۔ وہ پھوٹ نکلی ، وہ بہہ نکلی ، اِنْفِجَارٌ سے ماضی ۔

اُناَسٍ ۔ لوگ ۔ انسان ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد اِنس ہے ۔
تَعْثَوْا ۔ تم پھرو ، تم پھیلاؤ ، عثی سے مضارع ۔

ربطِ آیات ۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر کئے یعنی (۱) ان کو ان کے اپنے زمانے کے تمام اہل جہان پر فضیلت دی (۲) آل فرعون سے نجات ، فرعون ان کو سخت تکلیفیں دیتا اور ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا تھا ۔ (۳) دریا کو پھاڑ کر اس میں بنی اسرائیل کے لئے خشک راستہ بنا دیا ، ان کو نجات دی اور آلِ فرعون کو ان کی آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا ۔

(۴) حضرت موسیٰ کو چالیس دن کی عبادت کے لئے کوہِ طور پر بلایا تو ان کی عدم موجودگی میں بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ۔

(۵) بچھڑے کو معبود بنانے جیسے نا قابلِ معافی جرمِ عظیم کے باوجود اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو معاف فرما دیا اور آلِ فرعون کی طرح ان کو ہلاک نہیں کیا ۔

(۶) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو توریت دی جو احکامِ الٰہی کی جامع تھی اور حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی ۔

(۷) ۔ بچھڑے کی پوجا جیسے جرم سے توبہ کا یہ طریقہ تجویز فرمایا کہ پوجا نہ کرنے والے ، پوجا کرنے والوں کو قتل کریں ، حضرت علیؓ کی روایت کے مطابق اس میں ستر ہزار آدمی قتل ہوئے ۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے توبہ قبول ہوئی ، مقتولین کی مغفرت ہوئی انہوں نے شہادت کا درجہ پایا ۔ اور زندہ بچنے والوں کو معاف کر دیا گیا ۔

(۸) بنی اسرائیل نے یہ گستاخی کی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر دیکھے بغیر اس پر ایمان نہ لانے کا اعلان کردیا ۔ اس گستاخی پر ان کو بجلی نے اس طرح آ پکڑا کہ وہ اس کو آتے ہوئے دیکھ رہے تھے ، پھر ان کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دوبارہ زندہ کر دیا ۔

(۹) بنی اسرائیل کو قومِ عمالقہ سے جہاد کا جو حکم ملا تھا اس پر عمل نہ کرنے کے جرم میں وادی تیہ میں چالیس سال تک حیران و پریشان پھرنے کی سزا ملی ۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دھوپ کی تکلیف سے بچانے کے لئے ان پر ایک سفید ابر کا سایہ کر دیا اور کھانے کے لئے منّ و سلویٰ نازل کیا اور پانی طلب کرنے پر ان

کے بارہ قبیلوں کے لئے پتھر سے بارہ چشمے نکالدئے ۔
(۱۰) پھر ان کو حکم دیا کہ حِطَّۃٌ کہتے ہوئے اس بستی میں داخل ہو جاؤ تو انہوں نے حِطَّۃٌ کو بدل کر حِنْطَۃٌ کر دیا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا ۔

ان انعامات کے ذکر کے بعد آئندہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی شرارتوں ، بد اعمالیوں اور ان کو ملنے والی سزاؤں کو بیان فرمایا ہے تاکہ انعامات کو یاد کر کے ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت کی تحریک پیدا ہو ۔ اور شرارتوں اور بد اعمالیوں کو یاد کر کے ان کے دلوں میں نفرت پیدا ہو ۔

تشریح ۔ یہ واقعہ بھی وادیٔ تیہ کا ہے ۔ اس وادی میں جب بنی اسرائیل کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی طلب کیا ۔ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پتھر پر اپنی لاٹھی ماری ۔ اسی وقت پتھر سے بحکم خدا بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کی مناسبت سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۔ ہر خاندان نے اپنے استعمال کے لئے ایک چشمہ مخصوص کر لیا ۔ اس آیت میں کھانے سے مراد مَنّ و سَلویٰ اور پینے سے مراد یہی پانی ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مَنّ و سَلویٰ کھاتے رہو ، ان چشموں کا پانی پیتے رہو اور اس بے محنت روزی کو کھا پی کر ہماری عبادت میں لگے رہو ۔ نافرمانی کر کے زمین میں فساد مت پھیلاؤ ورنہ یہ نعمتیں چھن جائیں گی ۔

اگرچہ سب رزق اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے ہیں مگر اور رزقوں میں بظاہر آدمی کے کسب اور محنت کو کچھ نہ کچھ دخل ہوتا ہے مگر اس مَنّ و سَلویٰ میں کسی کی محنت و مشقت کو دخل نہیں ۔ یہ بغیر محنت کے ملتا ہے اس لئے اس کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے رزق میں سے کھاؤ پیو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو (ابن کثیر ۱۰۱،۱۰۰/ ۱ مظہری ۷۵/ ۱) ۔

کفرانِ نعمت اور اس کی سزا

۶۱ ۔ وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

وَالْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ، ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ،

(وہ وقت یاد کرو) جب تم نے (حضرت) موسیٰ سے کہا کہ ہم ایک (طرح) کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے ۔ پس اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے زمین سے اگنے والی سبزی اور ککڑی ، اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کرے (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ کیا تم اعلیٰ درجہ کی چیز کو ادنیٰ درجہ کی چیز سے بدلنا چاہتے ہو (اگر تم یہی چاہتے ہو تو) کسی شہر میں اترو ۔ پس جو تم نے سوال کیا ہے (وہ سب) تمہارے لئے (وہاں) موجود ہے ۔ اور ان پر ذلت اور محتاجی مار دی گئی (مسلط کر دیگئی) اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے ۔ یہ اس لئے (ہوا) کہ وہ اللہ کی نشانیوں (احکام) کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے ۔ نیز یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے نا فرمانی کی اور حد سے تجاوز کیا ۔

تُنْبِتُ ۔ وہ (زمین) اگاتی ہے ۔ اِنْبَاتٌ سے مضارع ۔

بَقْلِهَا ۔ اس (زمین) کی ترکاری ۔ اس کی سبزی ۔ جمع بُقُوْلٌ ۔

قِثَّآئِهَا ۔ اس کی (زمین) ککڑی ۔ اسم جنس ہے واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

فُوْمِهَا ۔ اس (زمین) کا گیہوں ۔ اس کا لہسن ۔ جمع فُوْمَانٌ ۔

عَدَسِهَا ۔ اس (زمین) کے مسور ، واحد عَدَسَةٌ ۔

بَصَلِهَا ۔ اس (زمین) کی پیاز ۔

اِهْبِطُوْا ۔ تم سب اترو ، تم سب داخل ہوجاؤ ۔ هُبُوْطٌ سے امر ۔

بَآءُوْا ۔ وہ مستحق ہوئے ۔ انہوں نے رجوع کیا ۔ بَوَاءٌ سے ماضی ۔ کبھی بھلائی کے صلہ کے ساتھ اور کبھی برائی کے صلہ کے ساتھ آتا ہے ۔ یہاں برائی کے صلہ کے ساتھ ہے ۔

عَصَوْا ۔ انہوں نے نا فرمانی کی ۔ مَعْصِیَۃٌ و عِصْیَانٌ سے ماضی ۔

یعتدون ۔ وہ زیادتی کرتے تھے ۔ وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ۔ اِعْتِدَاءٌ سے مضارع

تشریح ۔ یہ واقعہ بھی وادیٔ تیہ کا ہے جب بنی اسرائیل پر اس وادی میں جہاں کسی قسم کا سامان خورد نوش نہ تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منّ و سلویٰ اترنے لگا تو یہ بد بخت شکر گزاری کی بجائے حضرت موسیٰ علیہ اسلام سے جھگڑنے لگے کہ تو نے ہمیں مصر سے نکال کر اس وادی میں لا کر ڈالدیا ہے جہاں منّ و سلویٰ کے سوا اور کچھ نہیں ملتا ۔ ہم مصر میں زمین کی ہر قسم کی پیداوار ، ساگ ، بھاجی ، ککڑی ، گیہوں مسور ، پیاز ، لہسن وغیرہ کہاتے پیتے تھے ۔ اب تو اپنے رب سے ہمارے لئے ان چیزوں کی دعا مانگ ۔ اس گستاخی پر بھی اللہ تعالیٰ نے ان سے در گزر فرمایا اور حضرت موسیٰ کے ذریعہ ان کو حکم دیا کہ اس وادی کو طے کر کے آبادی میں چلے جاؤ جہاں تمہیں سب مطلوبہ چیزیں مل جائیں گی ۔

یہاں تک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر ہونے والے اپنے دس انعامات شمار کرائے ہیں ۔ یہ لوگ اتنے انعامات کے باوجود کفرانِ نعمت ہی کرتے رہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی سرزنش ہوئی اور ان کو ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار کر کے اپنے غضب کا مستحق قرار دیا ۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو نا حق قتل کیا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے بڑھتے رہے ۔ یہ لوگ نہ صرف دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے اور ان کی سلطنت و شوکت جاتی رہی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضگی بھی حاصل کی جس کی ابدی سزا جہنم ہے ۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا (۱) جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا ۔ (۲) یا اس نے کسی نبی کو قتل کر دیا ہو (۳) اور گمراہی کا امام (۴) اور تصویریں بنانے والا (حقانی ۴۳۰ ، ۴۳۱/ ۱) ۔

مومنین کا اجر

۶۲ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحاً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ

رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور صابئین (ستارہ پرست) ہیں (ان میں سے) جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لایا اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگ اپنے (اعمال کا) اجر اپنے رب کے پاس پائیں گے اور (قیامت کے روز) ان کو خوف اور غم نہ ہوگا ۔

اٰمَنُوْا ۔ وہ ایمان لائے ۔ ایمان لانے سے مراد مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونا ہے ۔

هَادُوْا ۔ وہ یہودی ہوئے ۔ هُوْدٌ سے ماضی ۔ وہ تمام لوگ مراد ہیں جو یہودی عقائد رکھتے ہوں خواہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں یا کسی اور قوم میں سے ۔

نَصٰرٰی ۔ عیسائی ۔ فلسطین میں نَاصرہ نامی ایک قصبہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے ۔ اسی قصبہ کی نسبت سے حضرت عیسیٰ کو مسیح ناصری کہتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو نصاریٰ کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ناصریہ میں پیدا ہونے والے مسیح کی امت ۔

صَابِئِیْنَ : صابی فرقہ ۔ بے دین فرقہ ۔ ایک ستارہ پرست قوم ۔ صابی کے لفظی معنی ہیں اپنے دین سے منہ موڑ کر کسی اور دین کی طرف مائل ہو جانے والا ۔ عرب میں صابی ایک فرقہ تھا ۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے ، فرشتوں کی پرستش کرتے ، زبور پڑھتے ، اور عبادت میں کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے ۔ عرب انہیں بے دین کہتے تھے ۔

تشریح : اس سے پہلے بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور بے اعتدالیوں پر عذاب کا ذکر تھا ۔ یہاں ان میں سے جو لوگ نیک تھے ان کے اجر و ثواب کا بیان ہے ۔ یہودیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو توریت کو مانتا ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتا ہو ۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد ان کی اتباع کرے اور ان کی نبوت کو برحق سمجھے ۔ اگر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد بھی توریت اور حضرت موسیٰ کی شریعت پر قائم رہا اور حضرت عیسیٰ کا انکار کیا اور انکی اتباع نہ کی

تو وہ بے دین ہو جائیگا ۔ پھر ان میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں اور نہ تو آپؐ کی نبوت کو مانیں اور نہ آپؐ کی اتباع کریں تو وہ بھی بے دین ہیں۔ اسی طرح نصرانیوں میں سے ایماندار وہ ہے جو انجیل کو اللہ تعالیٰ کا کلام مانے ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر عمل کرے ۔ پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے تو آپؐ کی نبوت کی تصدیق کرے اور آپؐ کی شریعت پر عمل کرے ۔ اگر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور پھر بھی انجیل اور حضرت عیسیٰ کی اتباع چھوڑ کر آپؐ کی تصدیق اور آپؐ کی شریعت کی اتباع نہ کی تو وہ ہلاک ہو گا ۔ مختصر یہ کہ ہر نبی کا تابعدار اور اس کا ماننے والا ، ایماندار اور صالح ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پانے والا ہے لیکن جب دوسرا نبی آ جائے اور وہ اس کا انکار کرے تو کافر ہو جائیگا (ابن کثیر ۱۰۳/ ۱) ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ہدایت کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے ۔ اس کے لئے کسی قوم اور کسی شخص کی خصوصیت نہیں ۔ بنی اسرائیل نے بھی ایک زمانے میں اپنے ایمان اور اچھے اعمال کی بدولت دنیا پر فضیلت حاصل کی تھی ۔ پھر یہی لوگ بے ایمانی اور بد کاری کے سبب ذلیل اور مغضوب ہوگئے (حقانی ۴۳۲/ ۱) ۔

رفع طور

۶۳ ۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَافِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو (اٹھا کر) بلند (معلق) کر دیا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے (توریت) اس کو قوت کے ساتھ پکڑے رہو اور جو (احکام) اس میں (لکھے) ہیں ان کو یاد رکھو تا کہ تم متقی بن جاؤ ۔

اَلطُّوْرَ : طور پہاڑ ۔ عربی میں ہر پہاڑ کو طور کہتے ہیں ۔ جزیرہ نمائے سینا کے ایک خاص پہاڑ کا نام بھی طور ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا تھا ۔ اسے جبلِ سینا بھی کہتے ہیں ۔

مِیْثَاقَکُمْ: تمہارا عہد ۔ تمہارا پیمان ، وَثَاقَۃٌ سے اسمِ آلہ ۔

رَفَعْنَا: ہم نے بلند کیا ۔ ہم نے اونچا کیا ۔ ہم نے معلق کر دیا ۔ رَفْعٌ سے ماضی ۔

مَآاٰتَیْنٰکُمْ: جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ۔ اس سے مراد توریت ہے ۔

بِقُوَّۃٍ: قوت کے ساتھ ۔ اس سے مراد اطاعت ہے ۔ یعنی توریت پر مضبوطی سے جم کر عمل کرنیکا وعدہ کرو ورنہ تم پر پہاڑ گرا دیا جائیگا ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کا عہد و پیمان یاد دلایا ہے کہ میں نے تم سے اپنی عبادت اور اپنے نبی کی اطاعت کا وعدہ لیا تھا اور اس وعدے کو پورا کرانے اور منوانے کے لئے میں نے کوہِ طور کو تمہارے سروں پر سائبان کی طرح لا کھڑا کیا تھا ۔ پھر جب تمہیں یقین ہو گیا کہ اب یہ گر کر تمہیں ہلاک کر دے گا تو ہم نے کہا کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوطی سے تھام لو اور اس میں جو کچھ ہے اس کو یاد رکھو یعنی اس کو پڑھتے رہو تو بچ جاؤ گے ۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو توریت عطا فرمائی تو انہوں نے اپنی قوم کو اس کو قبول کرنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا مگر انہوں نے صاف کہدیا کہ اس کتاب میں دیئے ہوئے احکام سخت ہیں اس لئے ہم سے اس پر عمل نہیں ہوسکتا ۔ اس انکار پر حضرت جبرائیلؑ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوہِ طور کے ایک حصہ کو اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر کے ان سے کہا کہ اگر تم توریت کو نہیں مانو گے تو یہ پہاڑ تم پر چھوڑ دیا جائیگا ۔ آخر چارو ناچار انہیں ماننا پڑا ۔ ابن ابی حاتم نے بھی اس واقعہ کو حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے ۔ (ابن کثیر ۱۰۴ / ۱ ، مظہری ۷۸ / ۱) ۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی

۶۴ ۔ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَتُہٗ لَکُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

پھر اس کے بعد بھی تم (اپنے عہد سے) پھر گئے ۔ پس اگر تمہارے اوپر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاتے ۔

تَوَلَّیْتُمْ: تم پھر گئے ۔ تم نے منہ موڑ لیا ۔ تَوَلِّیٌ سے ماضی ۔

خٰسِرِیْنَ: خسارہ پانے والے ۔ نقصان اٹھانے والے ۔ خُسْرٌ اور خُسْرَانٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: بظاہر اس آیت کے مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود ہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا بھی عہد شکنی ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے بنی اسرائیل تم لوگوں نے کتنے پختہ عہد اور اس قدر زبردست وعدے کی بھی کچھ پرواہ نہ کی اور عہد شکنی کر ڈالی ۔ اس کے باوجود ہم نے تم پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جیسا تم سے پہلے بے ایمانوں اور عہد شکنوں پر ہوتا رہا ۔ یہ تم پر محض اللہ تعالیٰ کی رحمت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کا فضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ بنا کر بھیجا ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول نہ فرماتا اور نبیوں کے سلسلہ کو برابر جاری نہ رکھتا تو یقیناً تمہیں زبردست نقصان پہنچتا اور تم اس عہد شکنی کی بنا پر دنیا اور آخرت میں برباد ہو جاتے ۔ (ابن کثیر ۱۰۵/ ۱ ، مظہری ۷۸ ، ۷۹/ ۱) ۔

صورتیں مسخ ہونا

۶۵ ۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِیْنَ ۔

اور البتہ تم اپنے میں سے ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو ہفتہ کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے نکل گئے ۔ پس ہم نے ان سے کہا کہ تم ذلیل بندر ہو جاؤ ۔

اعْتَدَوْا ۔: وہ حد سے نکلے ۔ انہوں نے زیادتی کی ۔ اِعْتِدَاءٌ سے ماضی ۔

السَّبْتِ: ہفتہ کا دن ۔ سنیچر ۔ یہود کے ہاں ہفتہ ایک مقدس دن شمار ہوتا ہے ۔ ان کے ہاں یہ دن صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص ہے اور اس روز دنیاوی کام مثلاً تجارت ، زراعت ، یا شکار وغیرہ ممنوع ہیں ۔

خٰسِئِیْنَ: ذلیل کئے ہوئے ۔ خوار کئے ہوئے ۔ خَسْئًا سے اسم فاعل بمعنی مفعول ۔

تشریح : یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سیکڑوں برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا ۔ ہفتہ کا دن بنی اسرائیل کے لئے معظم و محترم اور عبادت کے لئے مقرر تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن ان پر مچھلی کا شکار حرام فرمادیا تھا ۔ ان کی آزمائش کے لئے ہفتہ کے دن تمام مچھلیاں دریا کی سطح پر جمع ہو جاتیں ۔ یہ مچھلیاں اس کثرت سے ہوتیں کہ دریا کا پانی بھی دکھائی نہیں دیتا ۔ ہفتہ کے علاوہ اور دنوں میں ایک مچھلی بھی دکھائی نہ دیتی ۔ یہ لوگ مچھلی کے شوقین تھے اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی ظاہری صورت برقرار رکھتے ہوئے حیلہ سازی سے ایک تدبیر نکالی ۔ وہ ہفتہ کے دن دریا کے قریب گڑھے کھود کر دریا کا پانی ان میں چھوڑ دیتے ۔ پانی کے ساتھ مچھلی بڑی مقدار میں ان گڑھوں میں چلی جاتی ۔ جب گڑھے پانی اور مچھلی سے بھر جاتے تو دریا سے گڑھوں میں پانی آنے کا راستہ بند کر دیتے اور اگلے روز ان گڑھوں سے مچھلی نکال لیتے ۔ اس مسلسل نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے ان پر صورت مسخ کرنے والا عذاب نازل فرمایا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے ان کو بندر بنا دیا ۔ پھر تین دن کے بعد وہ سب مرگئے (مظہری ۷۹/ ۱) ۔

عبرت کا سامان

۶۶ ۔ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿

پس ہم نے اس (واقعہ) کو اس زمانے کے لوگوں کے لئے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے عبرت اور (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنا دیا ۔

نَكَالًا : عذاب ، سزا ، عبرت ، ایسی سزا اور واقعہ جو دوسروں کے لئے عبرت کا باعث ہو اور جس کو دیکھ کر لوگ نصیحت پکڑیں ۔

مَوْعِظَةً : نصیحت ۔ وہ نصیحت جس میں مخاطب کو ڈرایا جائے ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات اس غرض سے بیان کئے ہیں کہ ایک طرف تو خود بنی اسرائیل کو ندامت و شرمندگی ہو اور وہ اپنی حقیقت کو پہچان کر راہ راست پر آجائیں ۔ دوسری طرف ان واقعات میں

مسلمانوں کے لئے تنبیہ ہے کہ وہ ان واقعات سے عبرت پکڑیں اور قرآنِ کریم کی تعلیمات کو اختیار کریں ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان فرما دیا ہے کہ اگر چہ صورتیں مسخ ہونے کا واقعہ گزشتہ زمانے میں پیش آیا تھا مگر وہ اس زمانے کے لوگوں اور بعد کے زمانوں میں ہونے والے لوگوں کے لئے باعث عبرت اور سرمایہ نصیحت ہے ۔ تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی کے انجام سے آگاہ رہیں ۔ اور اس بات سے ڈرتے رہیں کہ جو عذاب و سزا بنی اسرائیل پر ان کے مکر و فریب اور حیلے بہانے سے حرام کو حلال کر لینے کے باعث نازل ہوئی ، وہی عذاب و سزا اسی قسم کا حیلہ کرنے پر کہیں ان پر نہ آجائے ایک صحیح حدیث میں حضرت ابو ہُریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم وہ نہ کرو جو یہود نے کیا ۔ پس تم حیلے حوالوں سے اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہ کر لیا کرو ۔ یعنی شرعی احکام میں حیلہ جوئی سے بچو ۔ (ابن کثیر ۱۰۷/ ۱)۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی اس کے عذاب اور غصہ کا سبب بنتی ہے ۔ اس لئے ایسے واقعات سے سبق حاصل کرتے ہوئے ان تمام امور سے بچنا چاہئے جن سے اس کی نافرمانی ہوتی ہو اور ایسے امور اختیار کرنے چاہئیں جن سے اس کی رضا حاصل ہو ۔

گائے ذبح کرنے کا حکم

۶۷ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ
قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے ۔ انہوں نے (حضرت موسیٰ سے) کہا ۔ کیا تو ہم سے مذاق کرتا ہے ۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں ۔

يَاْمُرُكُمْ : وہ تمہیں حکم دیتا ہے ۔ اَمْرٌ سے مضارع ۔

تَذْبَحُوْا : تم ذبح کرتے ہو ۔ ذَبْحٌ سے مضارع ۔

بَقَرَةً : گائے ۔ بیل ۔ اسم جنس ہے ۔ مذکر و مونث دونوں پر بولا جاتا ہے ۔

ھُزُواً: مذاق ۔ ہنسی، مسخرا پن، مصدر بمعنی مفعول ۔

الجٰھِلِیْنَ: جاہل ۔ نادان، بے عقل ۔ جہل سے اسم فاعل ۔ جہل کے لغوی معنی ہیں کسی کام کو اس کے مقررہ صحیح طریقے کے خلاف کرنا ۔

تشریح: یہاں سے گائے ذبح کرنے کے واقعہ کا بیان شروع ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ تم میری اس نعمت کو بھی یاد رکھو کہ میں نے ذبح کی ہوئی گائے کے ایک حصہ کو مقتول کے مردہ جسم پر مارنے سے، خلاف عادت اور معجزے کے طور پر اس مقتول کو زندہ کر دیا اور اس نے اپنے قاتل کا پتہ بتادیا ۔ اس طرح ایک بڑا فتنہ جو اس قتل کی بناء پر ابھرنے والا تھا، دب گیا ۔

اس واقعہ کے ابتدائی حصہ کا بیان اگلے رکوع کے شروع میں ہے ۔ اس کے بعد کا حصہ یہاں بیان کیا گیا ہے ۔ اس تقدیم و تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا مقصد کوئی باقاعدہ قصہ بیان کرنا نہیں کہ اس کی ترتیب کا خیال رکھا جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ یہاں بنی اسرائیل کا، حکم الٰہیٰ کے ساتھ تمسخر کرنا، اس کی تعمیل نہ کرنا اور اس میں حجتیں نکالنا بیان فرماتا ہے ۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک خون ہو گیا تھا اور قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا ۔ جب یہ مقدمہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بنی اسرائیل کو ایک گائے ذبح کر کے اس کے ایک حصہ کو مقتول کے مردہ جسم پر مارنے کے لئے کہا، جس سے مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کو ظاہر کر دے گا ۔ لوگوں کو حضرت موسیٰ کی اس بات پر تعجب ہوا اور وہ یہ سمجھے کہ حضرت موسیٰ ان سے مذاق کر رہے ہیں ۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ معاذ اللہ دل لگی اور مذاق کرنا تو جاہلوں کا کام ہے ۔

گائے کی صفات

۶۸ ۔ ۷۱ ۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاھِیَ ۔ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ
اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِکْرٌ ۔ عَوَانٌ بَیْنَ ذٰلِکَ ۔ فَافْعَلُوْا مَا
تُؤْمَرُوْنَ ۔ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَالَوْنُھَا ۔ قَالَ اِنَّہٗ
یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُھَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ۔ قَالُوا ادْعُ
لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَاھِیَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیْنَا ۔ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ

اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۚ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

انہوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کریں کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے ۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہو کہ جو نہ تو بالکل بوڑھی ہو اور نہ بالکل بچہ (بلکہ ان دونوں (بڑھاپے اور جوانی) کے درمیان ہو ۔ پس اب تم کر ڈالو جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ (اے موسیٰ) اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتائے کہ (اس گائے) کا رنگ کیسا ہے (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسے گہرے زرد رنگ کی ہونی چاہیئے کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دے ۔ انہوں نے کہا (اے موسیٰ) آپ اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بتا دے کہ وہ (گائے) کیسی ہے ۔ تحقیق اس گائے نے ہمیں شک و شبہ میں ڈال دیا اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور ہدایت پالیں گے (ٹھیک ٹھیک سمجھ جائیں گے) ۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایک ایسی گائے ہے جو نہ تو زمین میں جوتی گئی اور نہ اس سے کھیتی کو سیراب کیا گیا ، صحیح و سالم ہے ، اس میں کوئی داغ دھبہ نہیں ۔ انہوں نے کہا اب آپ نے صحیح بات بتائی ہے ۔ پھر انہوں نے اس (گائے) کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے ۔

فَارِضٌ : بوڑھی جو بچہ دینے کے قابل نہ ہو ۔ یہ فُرُوْضٌ سے مشتق ہے جس کے معنی منقطع کے ہیں ۔ بوڑھے کی عمر کے برس بھی منقطع ہو جاتے ہیں اس لئے اس کو فَارِض کہتے ہیں ۔

بِكْرٌ : کنواری ، بن بیاہی ، یہاں مراد بچھیا ہے جس نے ابھی بچہ نہ جنا ہو ۔ فارض اور بکر دونوں سے تانیث کی تا اس لئے حذف کردیگئی ہے کہ یہ دونوں صفتیں مونث کے ساتھ مخصوص ہیں ۔

عَوَانٌ : درمیانی ، ادھیڑ عمر ، وہ مادہ جو کئی دفعہ بچہ دے چکی ہو ۔ جمع عُوْنٌ ۔

لَوۡنُهَا: اس کا رنگ، جمع اَلۡوَانٌ۔

صَفۡرَآءُ: زرد، پیلا، صُفۡرَۃٌ سے صفتِ مشبہ۔

فَاقِعٌ: گہرا زرد رنگ، خالص زرد، شوخ زرد، فَقۡعٌ و فُقُوۡعٌ سے اسم فاعل۔

تَسُرُّ: وہ سرور دیتی ہے۔ وہ بھلی لگتی ہے۔ سُرُوۡرٌ سے مضارع۔

تَشٰبَهَ: وہ مشابہ ہو، اس نے شبہ میں ڈالدیا، تَشَابُہٌ سے ماضی۔

ذَلُوۡلٌ: جوتا ہوا۔ ہل میں چلا ہوا۔ جس سے محنت لی گئی ہو۔ ذُلٌّ و ذِلٌّ سے صفت مشبہ جمع ذُلُلٌ۔

تُثِيۡرُ: وہ جوتتی ہے۔ اِثَارَۃٌ سے ماضی۔

حَرۡثَ: کھیتی، مصدر ہے۔

مُسَلَّمَةٌ: صحیح و سالم، بے داغ، تندرست، تَسۡلِيۡمٌ سے اسم مفعول۔

شِيَةَ: داغ، دھبہ، جمع شِيَاتٌ۔

تشریح: جب ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ گائے ذبح کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اب اس کا ذبح کرنا ضروری ہے تو ان کو خیال ہوا کہ جس گائے کے ذبح کرے کا حکم ہوا ہے وہ کوئی بڑی عجیب گائے ہوگی اور اس کی شان تمام گایوں سے نرالی ہوگی۔ اس لئے وہ حضرت موسیٰ سے اس کی صفات پوچھنے لگے۔ یہ ان کی بہت بڑی حماقت تھی۔ اگر وہ بغیر کسی بحث و تمحیث کے کوئی بھی گائے لیکر ذبح کر دیتے تو کافی ہو جاتی مگر انہوں نے حسب عادت اس میں حجتیں نکالنا شروع کر دیں جس کے نتیجہ میں ان پر تنگی ہوتی چلی گئی۔ آخر کار انہوں نے گائے کو ذبح کر دیا، اگر چہ وہ ایسا کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ان کی بحث و تمحیث سے ظاہر ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ گائے ایک ایسے شخص کی ملکیت تھی جس نے مرتے وقت یہ گائے اور ایک لڑکا چھوڑا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ میں اس گائے کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ یہ لڑکا اپنی والدہ کا نہایت فرماں بردار تھا۔ جب بنی اسرائیل میں یہ واقعہ پیش آیا تو وہ تمام صفات جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے

ذریعہ اللہ تعالیٰ سے معلوم کی تھیں صرف اسی گائے میں پائی گئیں ۔ بنی اسرائیل نے اسے خریدنا چاہا تو لڑکے نے اسے اپنی والدہ کی اجازت پر منحصر رکھا ۔ اس کی والدہ نے گائے کی اس قدر قیمت لی کہ وہ اس سعادت مند لڑکے اور اس کی والدہ کے لئے ایک طویل مدت تک کافی ہو گئی ۔ یہ اس نیک مرد کے توکل اور فرماں بردار لڑکے کی اطاعت کا ثمر تھا ۔

مقتول کا زندہ ہونا

۷۲ ، ۷۳ ۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْساً فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۭ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۭ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ۔ پھر تم اس بارے میں باہم اختلاف کرنے لگے اور جو چیز تم چھپا رہے تھے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا تھا ۔ پس ہم نے کہا اس (مردے) کو اس (گائے) کے کسی ٹکڑے سے مارو ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو ۔

اِدّٰرَءْتُمْ : تم نے اختلاف کیا ۔ تم نے ایک دوسرے پر ڈالا ۔ تَدَارُءٌ سے ماضی ۔

تَكْتُمُوْنَ : تم چھپاتے ہو ۔ تم پوشیدہ رکھتے ہو ۔ كَتْمٌ و كِتْمَانٌ سے مضارع ۔

تشریح : یہ گزشتہ واقعہ کا ابتدائی حصہ ہے ، جس میں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل میں سے کسی نے ایک آدمی کو قتل کر دیا ۔ قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا اس لئے وہ اس کا الزام ایک دوسرے پر لگانے لگے ۔ اللہ تعالیٰ کو اس قاتل کا نام ظاہر کرنا منظور تھا اس لئے ان کو حکم دیا کہ تم ذبح کی ہوئی گائے کے ایک حصہ کو مقتول کی لاش کے ساتھ مس کرو ۔ اس سے مردہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کو بتا دے گا ۔ چنانچہ جب مردہ کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا تو اس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتا دیا اور پھر فوراً ہی مر گیا اس طرح ایک بہت بڑی مشکل حل ہو گئی ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اس مردہ کو زندہ کر دیا اسی طرح وہ مردوں کو زندہ کرے گا ۔ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم ایمان لاؤ

اور اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق سمجھو کیونکہ جس طرح وہ ایک مُردہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ تمام مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے ۔

یہود کی قساوتِ قلبی

۷۴ ۔ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

پھر اس کے بعد تمہارے دل پتھر کی مانند یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ۔ اور بعض پتھر تو ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں اور ان میں ایسے پتھر بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور پھر ان سے پانی نکل آتا ہے ۔ اور ان میں ایسے (پتھر) بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ۔

قَسَتْ : وہ (دل) سخت پڑ گئے ۔ وہ سیاہ ہو گئے ۔ دل کی قساوت یہ ہے کہ اس میں خوف و عبرت کی جگہ نہ رہے ۔

اَلْحِجَارَةِ : پتھر ۔ کنکریاں ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد حَجَرٌ ہے ۔

يَتَفَجَّرُ : وہ پھوٹ پڑتا ہے ۔ وہ جاری ہوتا ہے ۔ تَفَجُّرٌ سے مضارع ۔

يَشَّقَّقُ : وہ شق ہوتا ہے ۔ وہ پھٹ جاتا ہے ۔ تَشَقُّقٌ سے مضارع ۔

يَهْبِطُ : وہ لڑھکتا ہے ، وہ گر پڑتا ہے ۔ ہَبْطٌ و ہُبُوْطٌ سے مضارع ۔

خَشْيَةِ : خشیت ۔ خوف ۔ ڈر ، ہیبت ، خشیت اس خوف کو کہتے ہیں جس میں تعظیم ملی ہوئی ہو یعنی جس سے ڈرا جائے اس کی عظمت دل میں ہو ۔

تشریح : اس آیت میں یہود کی قساوتِ قلبی بیان کی گئی ہے کہ ایسے ایسے واقعات و عجائبات قدرت دیکھنے کے بعد تمہارے دل نرم اور اللہ تعالیٰ کی طرف مائل ہونے کی بجائے ، گناہ کرتے کرتے پتھر یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں ۔ اسی لئے انبیاء کی

نصیحت تم پر کوئی اثر نہیں کرتی ۔ تم سے تو پتھر ہی بہتر ہیں کہ بعض پتھروں میں سے نہریں پھوٹ نکلتی ہیں جن سے خلق خدا فائدہ اٹھاتی ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب وہ پھٹتے ہیں تو ان سے پانی بھرتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ خشیتِ الہیٰ سے زمین میں آگرتے ہیں ۔ تمہارے دلوں میں تو یہ وصف بھی نہیں ۔ لہٰذا وہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں اس لئے نصیحت کی کوئی بھی بات ان پر اثر نہیں کرتی ۔

کلامِ الہیٰ میں تحریف

۷۵ ۔ اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ وَ قَدْ کَانَ فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلَامَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَہٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْہُ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ ۔

پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ (یہود) تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے (حالانکہ) ان میں کچھ لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے ۔ پھر اس (کلام) کو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتے تھے ۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ : کیا تم طمع رکھتے ہو ۔ کیا تم توقع رکھتے ہو ۔ کیا تم امید رکھتے ہو ۔ طَمَعٌ سے مضارع ۔

یُحَرِّفُوْنَہٗ : وہ اس میں تحریف کرتے ہیں ۔ وہ اس کو بدل دیتے ہیں ۔ تَحْرِیْفٌ سے مضارع ۔

تشریح : بنی اسرائیل کی تاریخ کے اہم واقعات کے بیان کے بعد گزشتہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ یہود کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو چکے ہیں اس لئے ان پر عبرتناک واقعات کا کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی ہے اور ان کو بتادیا ہے کہ یہود سے اسلام قبول کرنے کی امید رکھنا عبث ہے ۔ یہ شریر قوم ہے ۔ ان کے بڑوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں اور ان کے بعد بھی ایک گروہ ایسا تھا جو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور سمجھنے کے بعد بھی جان بوجھ کر اس میں تحریف کر دیتا تھا ۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ ایسا کرنا سخت گناہ ہے ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر آدمیوں کو منتخب کر کے وعدے کی جگہ لے گئے جہاں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ۔ پھر جب یہ

لوگ وہاں سے واپس آئے تو ان میں سے جو بچے تھے انہوں نے تو جس طرح سنا تھا اسی طرح قوم کو پہنچا دیا اور جن کے دلوں میں فساد تھا انہوں نے آکر یہ کہا کہ ہم نے تو یہ سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے کلام کے) آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ان احکام کے کرنیکی طاقت رکھتے ہو تو کرو ورنہ نہ کرو۔ پس یہی تحریف تھی حالانکہ وہ جانتے تھے کہ کلامِ الٰہی ایسا نہیں ہے (مظہری ۱/۸۶)۔

جب ان کے بڑوں کا یہ حال تھا تو ان سے کس طرح امید ہو سکتی ہے کہ یہ اسلام قبول کرلیں گے۔ یہ لوگ بد بخت اور بد طینت ہیں۔ یہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

یہود کی منافقت

۷۶۔ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ؕ

اور جب یہ (منافقین یہود) مسلمانوں سے ملتے ہیں تو یہ ان سے) کہتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں اور جب یہ ایک دوسرے سے تنہا ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں کو وہ سب باتیں بتا دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کر دی ہیں تاکہ اس سے وہ تمہیں تمہارے رب کے رو برو الزام دینے لگیں۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ: کیا تم ان سے بیان کرتے ہو۔ تَحْدِیْثٌ سے مضارع۔

يُحَآجُّوْكُمْ: وہ تم سے حجت کرتے ہیں۔ وہ تم سے جھگڑا کرتے ہیں۔ مُحَاجَّۃٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں ان یہودیوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو منافق تھے۔ یہ لوگ جب مسلمانوں سے ملتے تو ان پر اپنا ایمان ظاہر کر کے انہیں خوش کرنے اور اپنے ایمان کو سچ ثابت کرنے کے لئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تصدیق کے لئے وہ تمام پیش گوئیاں اور بشارتیں بیان کرتے جو توریت میں موجود تھیں۔ پھر جب یہ لوگ آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو لعنت و ملامت کرتے اور کہتے کہ تم اپنی تعلیمات

مسلمانوں پر ظاہر کر کے خود اپنے خلاف انہیں ہتھیار مہیا کرتے ہو۔ مسلمان یہی دلائل تمہارے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ اور تمہاری ہی باتوں کو سند بنا کر قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دیں گے کہ یہود سب کچھ جانتے تھے پھر بھی ان لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔

۷۷۔ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿﴾

کیا یہ (یہودی) اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ وہ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ وہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔

يُسِرُّوْنَ: وہ چھپاتے ہیں۔ اِسْرَارٌ سے مضارع۔

يُعْلِنُوْنَ: وہ علانیہ کرتے ہیں۔ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اِعْلَانٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں یہود کے پڑھے لکھے منافقوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ مومنوں سے اپنا کفر بھی چھپاتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق توریت میں جو بشارتیں اور پیش گوئیاں آئی ہیں وہ بھی چھپاتے ہیں مگر اس سے ان کو کچھ فائدہ حاصل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے تمام پوشیدہ اور ظاہری امور سے باخبر ہے اور جب چاہے وہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ظاہر فرما دے۔

جھوٹی آرزوئیں

۷۸۔ وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿﴾

اور ان میں سے بہت سے ان پڑھ بھی ہیں جو کتاب کا علم نہیں رکھتے سوائے دل خوش کن باتوں کے اور وہ محض اٹکل پچو باتیں بناتے ہیں۔

اُمِّيُّوْنَ: ان پڑھ، ناخواندہ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد اُمِّیٌّ ہے۔

اَمَانِيَّ: جھوٹی آرزوئیں، تمنائیں، یہ بھی جمع ہے اس کا واحد اُمْنِيَّةٌ ہے۔ امنیہ اس آرزو اور تمنا کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے دل ہی دل میں پختہ کرتا ہے۔ یہاں وہ جھوٹی باتیں مراد ہیں جو یہود کے علماء نے گھڑ لی تھیں (مظہری ۸۷/ ۱)۔

تشریح : اس آیت میں یہود کے ان پڑھ لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ توریت کو تو جانتے ہی نہیں ۔ انہوں نے صرف چند خیالی ، سنی سنائی من گھڑت اور بے بنیاد باتیں اپنے دلوں میں جما رکھی ہیں جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے ۔

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْداً اَوْ نَصَارٰى ۔ بقرہ ۱۱۱ ۔

جنت میں یہود و نصاریٰ کے سوا اور کوئی ہرگز نہیں جائے گا ۔

اس کا سبب ان کی کم عقلی اور کم فہمی تھی ۔ ان کو یہ معلوم ہی نہ تھا کہ توریت میں کیا لکھا ہوا ہے ۔ انہوں نے اپنے بزرگوں سے چند بے بنیاد باتیں سنکر اپنے دلوں میں پختہ کر رکھی تھیں اور وہ توقع رکھتے تھے کہ ان کے بزرگ ان کے گناہ بخشوا دینگے ۔

توریت میں تحریف پر وعید

۷۹ ۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَناً قَلِيْلاً ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝

پس بڑی خرابی ہے ان کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب (توریت) لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ تاکہ اس سے کچھ قیمت حاصل کرلیں ۔ پھر تُف ہے ان کے ہاتھوں سے لکھنے پر اور تُف ہے ان کی کمائی پر ۔

وَيْلٌ : ہلاکت ہے ۔ یہ کلمہ زجر و عذاب ہے ۔

ثَمَناً : قیمت ۔ دام ، جمع اَثْمَانٌ ۔ جو چیز بھی کسی چیز کے معاوضہ میں حاصل ہو وہ اس کا ثمن ہے یہاں ثمن سے مراد دنیوی معاوضہ ہے ۔

تشریح : علماء یہود خوب جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیٔ برحق ہیں مگر ایمان لانے سے اس لئے گریز کرتے تھے کہ کہیں وہ آمدنی نہ بند ہو جائے جو وہ توریت میں تحریف کر کے عام لوگوں کو ان کی حسب منشاء مسائل بتا کر حاصل کرتے تھے ۔ اس کے علاوہ ان کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ اگر عوام کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ نبیٔ آخرالزّمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات توریت میں لکھی ہوئی ہیں وہ تمام محمد صلی اللہ علیہ

وسلم میں موجود ہیں، تو تمام یہود ، مسلمان ہو جائیں گے اور اس طرح ان کی سب کمائی جاتی رہے گی ۔ اس لئے انہوں نے توریت میں جہاں جہاں آپؐ کی صفات تھیں وہاں تحریف کر دی ۔ اس آیت میں علماءِ یہود کی اسی حالت کا ذکر ہے کہ وہ تھوڑی سی قیمت کے حصول کے لئے ، اپنے امراء کی خواہش کے مطابق اپنے ہاتھوں سے جھوٹی روایات لکھ کر پیش کر دیا کرتے تھے اور کہدیتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یعنی توریت کی عبارت ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تُف ہے اس لکھنے پر اور تُف ہے اس کمائی پر ۔

منکرین عذاب کے دعوے کی تردید

۸۰ ۔ وَقَالُوْالَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلاَّ اَيَّاماً مَّعْدُوْدَةً ط قُلْ اَتَّخَذْ تُمْ عِنْدَاللّٰهِ عَهْداً فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَالاَ تَعْلَمُوْنَ ط

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمیں گنتی کے چند روز کے سوا دوزخ کی آگ ہرگز نہ چھوئے گی ۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے پوچھئے کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد کرالیا ہے کہ پھر وہ اپنے عہد کے خلاف ہرگز نہ کرے گا یا تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں ۔

اَتَّخَذْتُمْ : تم نے لے لیا ۔ تم نے بنا یا ۔ اِتِّخَاذٌ سے مشتق ہے ۔

عِنْدَ : نزدیک ۔ قریب ۔ پاس ۔ اسم ظرف ۔

عَهْداً : عہد ۔ قول ۔ اقرار ۔ پیمان ۔ اسم بھی ہے مصدر بھی ۔

تشریح : اس آیت میں یہود کے اس دعوے کا بیان ہے کہ ان کو دوزخ کی آگ چند روز سے زیادہ نہیں چھوئے گی ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہود کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل عمر سات ہزار برس ہے ۔ ہر ہزار برس کے عوض ہمیں ایک دن عذاب ہو گا قتادہ اور عطا فرماتے ہیں کہ چند روز سے یہود کی مراد وہ چالیس دن ہیں جن میں ان کے آباء و اجداد نے گائے کی پوجا کی تھی ۔ (مظہری ۸۸ / ۱) ۔

بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لاڈلے اور محبوب سمجھتے تھے ۔ اس کی سند میں وہ اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کو بیان کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً ان پر

کئے ۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنی طرف سے کئی باتیں گھڑ رکھی تھیں ۔ انہیں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ اگر ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو کوئی سزا دی بھی تو وہ صرف گنتی کے چند روز کے لئے ہوگی ۔ لہذا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں یہ کہکر ان کی تکذیب کر دی کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد لیا ہے کہ تمہیں اسی قدر عذاب ملے گا جو تم دعویٰ کرتے ہو ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ایسا عہد لے لیتے تو وہ ہرگز اپنے عہد کے خلاف نہ کرتا ۔

اہل جنت و دوزخ

۸۱ ، ۸۲ ۔ بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ہاں جس کسی نے برائی کمائی ہوگی اور اس کو ہر طرف سے گناہوں نے گھیر لیا ہو گا ۔ پس وہی اہل دوزخ ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جن لوگوں نے ایمان لا کر اچھے اعمال کئے ہوں گے وہی اہل جنت ہیں اور وہ اس میں ہمشیہ رہیں گے ۔

اَحَاطَتْ : اس نے گھیر لیا ۔ اس نے احاطہ کر لیا ۔ اِحَاطَۃٌ سے ماضی ۔

خَطِيْٓئَتُهٗ اس کی خطا ۔ اس کا گناہ ۔ یہ واحد ہے ۔ اس کی جمع خَطِیْئٰتٌ ہے ۔

تشریح : حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں برائی سے مراد کفر ہے ۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے شرک مراد ہے ۔ سدی کہتے ہیں کہ اس سے کبیرہ گناہ مراد ہیں جو تہ بہ تہ ہو کر دل کو گندہ کر دیں ۔ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گناہوں کو حقیر نہ سمجھو وہ جمع ہو کر انسان کی ہلاکت کا سبب بن جاتے ہیں ۔ پھر آپؐ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ اگر لوگ ایک ایک لکڑی لے آئیں تو انبار لگ جاتا ہے پھر اگر اس میں آگ لگائی جائے تو وہ بڑی بڑی چیزوں کو جلا کر خاک کر دیتی ہے (ابن کثیر ۱۱۹/ ۱) ۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے مذکورہ بالا دعوے کو کہ ان کو دوزخ کی آگ چند روز سے زیادہ نہ چھوئے گی رد فرمادیا ہے ۔ اور واضح طور پر بتایا ہے کہ کفر

کی وجہ سے کافر کا کوئی بھی عملِ صالح قبول نہیں ہوتا بلکہ اگر کسی نے کفر سے پہلے کچھ نیک کام کئے ہوں وہ بھی کفر کی بنا پر ضائع ہو جاتے ہیں ۔ اس لحاظ سے کافر سرتا پا بدی میں گھرا ہوا ہوتا ہے جس کی سزا ابدی جہنم ہے ۔ دوسری طرف اہل ایمان ہیں ۔ اول تو ان کا ایمان ہی بہت بڑا عملِ صالح ہے پھر جو اعمالِ صالحہ ان سے سرزد ہوتے ہیں وہ بھی ان کے نامۂ اعمال میں درج ہوتے ہیں اس لئے وہ جنت کے مستحق ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔

پس مذکورہ آیات کی رو سے کافر کا ابدی جہنمی ہونا ثابت ہے اور چونکہ حضرت موسیٰ آخری نبی نہیں ہیں بلکہ ان کے بعد حضرت عیسیٰ نبی ہوئے اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا ۔ اور اب قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت ۔ اور یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کا انکار کیا لہذا وہ کافروں میں شامل ہو گئے ۔ اس لئے اس ضابطے کی رو سے وہ بھی ابدی جہنمی ہیں ۔ پس ان کا مذکورہ بالا دعویٰ بلا دلیل ہی نہیں بلکہ خلافِ دلیل بھی ہے ۔ (معارف القرآن ۲۵۲، ۲۵۳/ ۱) ۔

بنی اسرائیل کی عہد شکنی

۸۳ ۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ط

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ سے اور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے حسن سلوک کرنا اور لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ۔ پھر تم میں سے چند آدمیوں کے سوا سب منہ موڑ کر پھر گئے ۔

مِیْثَاقَ : اقرار ، عہد ، پیمان ، وَثَاقَۃٌ سے اسم آلہ ۔ یہ واحد ہے اس کی جمع مَوَاثِیْق آتی ہے ۔

یَتٰمیٰ: یتیم بچے، یہ جمع ہے اس کا واحد یَتِیۡمٌ ہے ۔ یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ اس کے بالغ ہونے سے پہلے مر جائے ۔

مَسٰکِیۡنِ: مسکین ۔ غریب ۔ محتاج ۔ اس کا واحد مِسۡکِیۡنٌ ہے ۔ مسکین وہ مفلس ہے جو صاحب زکوٰۃ نہ ہو خواہ وہ بیمار ہو یا تندرست ۔

حُسۡنًا: اچھا ہونا ۔ عمدہ ہونا، مصدر ہے ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے پانچ احکام یاد دلائے ہیں ۔
(۱) سب سے پہلے تعظیم الہٰی کا ذکر فرمایا کیونکہ یہی (توحید ہی) تمام نیکیوں کی بنیاد ہے ۔

(۲) اسی سے متصل ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی ۔ گو یا توحید کے بعد ماں باپ کی تعظیم و حرمت دوسرے درجہ کا حکم ہے اور والدین ہی نہیں بلکہ ان کے سبب جو رشتے اور قرابتیں پیدا ہوتی ہیں خواہ وہ ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے، ان سب کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کی تاکید ہے ۔ جس طرح ماں باپ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ اہلِ قرابت کی تعظیم کا حکم ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ اس کی مخلوق کے ساتھ خیر و بھلائی کی تاکید ہے ۔ خاص طور پر یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ۔ اگر وہ قرابت دار ہیں تو اور بھی زیادہ حسن سلوک کے مستحق ہیں ۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں ۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ ۔ اس نے عرض کیا پھر کس کے ساتھ ۔ آپ نے فرمایا کہ اپنی ماں کے ساتھ اس نے پھر عرض کیا کہ پھر کس کے ساتھ آپ نے ارشاد فرمایا اپنے باپ کے ساتھ ۔ پھر اور قریب والے کے ساتھ، پھر اور قریب والے کے ساتھ (ابن کثیر ۱۱۹/ ۱) ۔

(۳) بنی نوعِ انسان کے لئے عمدہ بات کہنا، اچھا مشورہ دینا، فحش اور بد کاموں سے نرمی اور اخلاق کے ساتھ منع کرنا، ترش روئی سے پیش نہ آنا ۔

مسند احمد میں حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائی سے ہنستے

ہوئے چہرے کے ساتھ ہی ملاقات کرلو (ابن کثیر ۱/۱۲۰) ۔

(۴) نماز قائم کرو ۔ سجدہ کرو اور دعا کرو ۔ مصیبت کے وقت اسی سے التجا کرو ۔

(۵) اس کے بعد زکوٰۃ یعنی مالی عبادت کا حکم ہے جس سے یتیموں اور مسکینوں کا حق بھی ادا ہوتا رہے ۔

یہود میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے ان احکام سے منہ موڑ لیا تھا پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ کے محب ہونے کے دعوایدار تھے ۔

۸۴ ۔ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرنا اور نہ اپنے لوگوں کو جلا وطن کرنا ۔ پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم (اس کی) شہادت بھی دیتے ہو ۔

تَسْفِكُوْنَ: تم (خون) بہاتے ہو ۔ تم خونریزی کرتے ہو ۔ سَفْكٌ سے مضارع ۔

دِمَآءَكُمْ: تمہارے خون ۔ تمہارے لہو ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد دَمٌ ہے ۔

تشریح: اس آیت میں مزید دو حکموں کا بیان ہے جو بنی اسرائیل پر فرض کئے گئے تھے ۔

(۱) آپس میں خونریزی نہ کرنا ۔ (۲) اپنی قوم کے لوگوں کو جلا وطن نہ کرنا ۔

۸۵ ۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۝ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۝ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۝ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

پھر تم ہی تو ہو جو اپنے لوگوں کو اپنے آپ قتل کرتے ہو اور اپنے ایک گروہ کو

ان کے گھروں سے باہر نکالتے ہو۔ ان پر گناہ اور ظلم کے ساتھ چڑھائی کرتے ہو۔ اور اگر (وہی لوگ غیر قوموں کے) قیدی ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو تم فدیہ دیکر ان کو چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالدینا ہی تم پر حرام تھا۔ اور پھر کیا تم کتاب کے کچھ حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا انکار کرتے ہو۔ پھر جو تم میں سے ایسا کرے اس کی سزا یہی ہے کہ وہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت کے روز بھی اس کو سخت عذاب میں ڈالا جائے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں۔

تَظٰھَرُوْنَ: تم آپس میں مدد کرتے ہو۔ تَظَاھُرٌ سے مضارع۔

عُدْوَانِ: حد سے بڑھنا۔ ظلم۔ زیادتی۔ مصدر ہے۔

اُسٰرٰی: گرفتار ہو کر۔ قیدی بن کر۔ یہ اَسِیْرٌ کی جمع ہے۔

تُفٰدُوْھُمْ: تم فدیہ دیکر ان کو قید سے چھڑاتے ہو۔ مُفَادَاۃٌ سے مضارع۔

خِزْیٌ: ذلت۔ خواری۔ رسوائی۔ مصدر ہے۔

یُرَدُّوْنَ: وہ لوٹائے جائیں گے۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول۔

تشریح: مدینہ میں انصار کے دو قبیلے تھے۔ ایک اوس اور دوسرا خزرج۔ دونوں بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اسلام سے پہلے ان میں لڑائیوں کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ یہود کے تین قبیلے تھے۔ ایک بنو قَیْنُقَاعْ، دوسرا بنو نُضَیْر اور تیسرا بنو قُرَیْظَہ۔ ان میں سے بنو قینقاع اور بنو نضیر تو خزرج کے طرفدار اور حامی تھے اور بنو قریظہ قبیلہ اوس کے حلیف تھے۔ جب اوس و خزرج کے قبیلوں میں جنگ و جدال ہوتا تو یہود کے یہ تینوں قبیلے بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے۔ جنگ میں دونوں طرف کے یہودی بھی ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے جاتے اور موقع پا کر وہ ایک دوسرے کے گھروں کو اجاڑ دیتے، ان کے مال و دولت پر قبضہ کر لیتے اور ان کو دیس نکالا بھی دیدیتے تھے۔ جب لڑائی رک جاتی تو فریقِ مغلوب کے قیدیوں کا فدیہ دیکر ان کو چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم اس کو فدیہ دیکر چھڑالیں۔ (ابن کثیر ۱۲۰/ ۱)۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود کی اسی حالت کا

بیان ہے کہ اس عہد و پیمان کے باوجود تم آپس میں خون ریزی بھی کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ دوسرے کو جلا وطن بھی کرتا ہے ۔ اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اگر ان جلا وطن کئے ہوئے لوگوں میں سے کوئی شخص دوسری قوم کے ہاتھوں قید ہو جائے تو تم اسرائیلی کا آزاد کرانا کارِ ثواب جان کر ، اس کو مال کے بدلے قید سے رہائی دلاتے ہو حالانکہ تم ان کو جلا وطن کرنے کے حکم سے انکار کرتے ہو ۔ پھر تم میں سے جو کوئی ایسا کرے تو اس کی یہی سزا ہے کہ وہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہو اور قیامت میں وہ سخت عذاب میں مبتلا ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کرتوتوں سے غافل نہیں ۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا

۸۶ ـ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ زفَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ط

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیاوی زندگی کو خرید لیا ۔ پس نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہوگی اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی ۔

اشْتَرَوُا: انہوں نے بیچا ۔ انہوں نے خریدا ۔ اِشْتِرَاءٌ سے ماضی ۔

یُخَفَّفُ: اس میں تخفیف کی جائے گی ۔ اس میں کمی کی جائے گی ۔ تَخْفِیْفٌ سے مضارع مجہول ۔

تشریح: یہی وہ لوگ ہیں جن کو قیامت کی ذرا پرواہ نہیں اور انہوں نے آخرت کے عیش و آرام کے بدلے میں فانی دنیا کے حصول کو مقدم جانا ۔ یہ لوگ احکام خداوندی کو جانتے ہوئے بھی پسِ پشت ڈالدیتے ہیں ، امانت و دیانت ان میں سے اٹھ گئی ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتیں ، آپؐ کی نشانیاں ، آپؐ کی نبوت کی تصدیق ، آپؐ کی جائے پیدائش اور جائے ہجرت وغیرہ سب توریت میں موجود تھیں مگر یہ ان سب کو چھپاتے رہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے رہے ۔ پس یہی لوگ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے ۔ نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ کوئی ان کی مدد کر سکے گا ۔

انبیاء کی تکذیب

۸۷ ـ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْ بَعْدِهٖ

بِالرُّسُلِ ز وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ج فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ؀

اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلے معجزے دئے اور پاک روح (جبرائیلؑ) سے اس کو قوت دی۔ پھر کیا جب کوئی رسول تمہارے پاس وہ حکم لائے جس کو تمہارا دل نہ چاہے تو تم تکبر کرنا شروع کر دو۔ پھر ایک گروہ کو تم جھٹلانے اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگو۔

قَفَّيْنَا: ہم نے پے در پے بھیجا۔ ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا۔ تَقْفِيَةٌ سے ماضی۔

اَيَّدْنٰهُ: ہم نے اس کی تائید کی۔ ہم نے اس کو قوت دی۔ تَاْئِيْدٌ سے ماضی۔

قُدُسِ: پاک ہونا۔ یہاں مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ یہ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

كُلَّمَا: جب کبھی۔ جس وقت۔ اکثر۔ یہ لفظ کُلّ اور مَا سے مرکب ہے۔

تَهْوٰى: وہ خواہش کرتی۔ وہ چاہتی ہے۔ هَوًى سے مضارع۔

تشریح: اب بنی اسرائیل کے اس سلوک کا ذکر ہے جو وہ گزشتہ انبیاء اور رسولوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (توریت) دی تھی۔ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد ان کا دین توریت کے ذریعہ قائم رہا اور اس کی تعلیم و ترویج کے لئے ہم نے پے در پے رسول بھیجے اور ان سب کے بعد ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم کو نبوت کی کھلی دلیلیں دیکر بھیجا اور روح القدس کے ساتھ ان کی تائید کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کی جو کھلی دلیلیں دی گئی تھیں وہ یہ تھیں کہ مُردوں کو بحکم خدا زندہ کر دینا، بیماروں کو تندرست کر دینا، برص زدہ کو شفایاب اور اندھوں کو آنکھ والا کر کے دکھا دینا، مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں پھونک مار کر اس کو بحکم خدا اڑا دینا وغیرہ۔ اس سے تمام بنی اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی۔ بنی اسرائیل نے اپنی ازلی بد بختی سے یہ کیا کہ جب بھی کوئی رسول ایسا حکم

لایا جو ان کی خواہشات و توقعات کے خلاف ہو تو انہوں نے خفا ہو کر اس سے منہ پھیر لیا ۔ اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے بہت سے رسولوں کو تو صاف صاف جھٹلایا اور ان کی بے توقیری کی اور بہت سوں کو قتل کر ڈالا ۔ (حقانی ۴۴۶، ۴۴۷ / ۱ ابن کثیر ۱۲۲/ ۱) ۔

کافروں پر لعنت

۸۸ - وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ؀

اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل غلاف میں محفوظ ہیں ۔ (نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب ان پر لعنت کر دی ہے ۔ پس وہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ۔

غُلْفٌ : غلاف ۔ محفوظ ڈھکے ہوئے ۔ یہ اَغْلَفْ کی جمع ہے ۔ اغلف اس قلب کو کہتے ہیں جس پر خلقی پردہ پڑا ہوا ہو جس کی وجہ سے نہ وہ حق بات سنے اور نہ سمجھے ۔ بعض مفسرین نے غلف کی اصل غُلُفٌ لام کے ضمہ سے بتائی ہے ، پھر لام کو تخفیف کے لئے ساکن کر دیا ۔ حضرت ابن عباسؓ کی قرأت سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔ پس آیت کے معنی یہ ہوں گے ہمارے دل ہر قسم کے علم کے غلاف اور برتن ہیں یعنی ان میں ہر قسم کا علم بھرا ہوا ہے ، ہمیں تمہارے علم کی ضرورت نہیں (مظہری ۹۴/ ۱) ۔

تشریح : اس آیت میں بنی اسرائیل کا وہ رویہ اور سلوک بیان کیا گیا ہے جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کے ساتھ روا رکھا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ، یہود آپکی نبوت اور قرآنِ مجید کو تسلیم نہ کرنے کا سبب یہ بیان کرتے تھے کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں جو بات سنتے ہیں اسے محفوظ کر لیتے ہیں اور ہم اس پر سختی سے کار بند ہیں جو ہمیں ہمارے بزرگوں سے پہنچا ہے ۔ اپنی ہٹ دھرمی اور کج فہمی کو وہ اپنی خوبی کے طور پر بیان کر رہے ہیں حالانکہ حق کی روشنی کو قبول نہ کرنا کوئی خوبی اور استقامت نہیں بلکہ اس سے تو ان کے دلوں کی کیفیت

ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اس قدر زنگ آلود اور سیاہ ہو گئے ہیں کہ اب ان میں انوارِ ہدایت کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ۔ ان کے اسی کفر و ضلالت کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمادی ہے اور ان کے دلوں کو ہر قسم کی خیر سے دور کر دیا ۔ اسی لئے وہ بہت ہی کم تعداد میں ایمان لاتے ہیں ۔ چنانچہ مشرکین ان کے مقابلہ میں بہت زیادہ تعداد میں ایمان لائے (حقانی ۲۴۸/ ۱) ۔

یہود کا حسد و عناد

۸۹ - وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک ایسی کتاب (قرآن) پہنچی جو اس (توریت) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ (اس کی برکت سے) کافروں پر فتح بھی مانگتے تھے ۔ پھر جب ان کے پاس وہ آیا جس کو انہوں نے پہچان بھی رکھا تھا تو وہ اس کے منکر ہو گئے ۔ سو منکروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ۔

يَسْتَفْتِحُوْنَ : وہ فتح کی دعا مانگتے ہیں ۔ وہ مدد چاہتے ہیں ۔ اِسْتِفْتَاحٌ سے مضارع ۔

عَرَفُوْا : انہوں نے پہچانا ۔ انہوں نے جانا ۔ عِرْفَانٌ و مَعْرِفَةٌ سے ماضی ۔

تشریح : جب یہودیوں اور مشرکینِ عرب کے درمیان لڑائی ہوتی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب لیکر اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں ۔ ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان نہ رہے گا ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ ! تو اس نبی کو جلد بھیج جس کی صفتیں توریت میں بیان کی گئی ہیں تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان کی معیت میں تیرے دشمن سے انتقام لیں ۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور انہوں نے تمام نشانیاں آپؐ میں دیکھ لیں اور آپؐ کو پہچان لیا تو چونکہ آپؐ عرب میں سے تھے اس لئے انہوں نے حسد و عناد کی بنا پر آپؐ کی نبوت کا انکار کر دیا ۔

اس کے بر عکس وہ مشرکین مدینہ جوان یہود سے آپؐ کی بعثت کا زمانہ اور آپؐ کی صفات سنتے چلے آتے تھے ان کو ایمان کی دولت نصیب ہوئی اور بالآخر وہ آپؐ کے ساتھ ہو کر یہود پر غالب آگئے ۔ (ابن کثیر ۱۲۴/ ۱) ۔

امام احمد اور طبرانی نے سلمہؓ بن قیس سے روایت کی ہے کہ ہمارے محلہ بنی عبدالاشہل میں ایک یہودی رہتا تھا ۔ اس نے ہم سے عالمِ آخرت کے عذاب و ثواب کا ذکر کیا تو ہم نے اس سے دلیل پوچھی تو اس نے کہا عنقریب مکہ کی طرف سے ایک نبیؐ مبعوث ہو گا وہ اس بات کو ثابت کر دے گا ۔ ہم نے پوچھا کہ وہ کب ظاہر ہو گا؟ اس نے میری طرف نظر کر کے کہا کہ اگر یہ لڑکا اپنی طبعی عمر تک زندہ رہا تو دیکھ لے گا ۔ سلمہ کہتے ہیں کہ کچھ روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مشہور ہو گئی ۔ پھر جب آپؐ مدینہ میں آئے تو ہم نے اس یہودی سے کہا اب تو ان پر ایمان کیوں نہیں لاتا ۔ اس نے خجل ہو کر کہا یہ وہ شخص نہیں ۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) آئی جو اس (توریت) کی تصدیق کرتی تھی جو ان کے پاس تھی تو انہوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ وہی کتاب اور وہی نبی ہے جس کے ہم منتظر تھے ، ان کا انکار کر دیا ۔ پس ایسے منکروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (حقانی ۲۴۸/ ۱) ۔

حسد و عناد کی سزا

۹۰ ۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۚ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝

انہوں نے اپنے آپ کو بہت ہی بُری چیز کے بدلے بیچ دیا ۔ (وہ یہ کہ) وہ ایسی چیز کا اس حسد میں انکار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس (وحی) کو اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا کیوں اتار دیا ۔ سو وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے ۔

بِئْسَمَا : برا ہے جو کچھ کہ ۔

بَغْیاً: حسد کرنا ۔ بغاوت کرنا ۔ سرکشی کرنا ۔ فساد کرنا ۔ ظالم کو باغی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ فساد کرتا ہے ۔ جو امام وقت کی مخالفت پر مقابلہ کے لئے نکلے اسے بھی باغی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ فساد کرتا ہے ۔ حاسد کو اس لئے باغی کہتے ہیں کہ وہ جس پر حسد کرتا ہے اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے ۔ (مظہری ۹۵/ ۱) ۔

بَآءُوْا: انہوں نے کمایا ۔ وہ مستحق ہوئے ۔ بَوَآءٌ سے ماضی ۔

مُّھِیْنٌ: ذلیل کرنے والا ۔ رسوا کرنے والا ۔ اِھَانَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: یہود نے قرآنِ مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا جو انکار کیا تھا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کو تجارت سے تشبیہہ دی ہے کہ انسان دنیا میں ایک تاجر کی حیثیت سے آیا ہے اس کا مال تجارت اس کی عمر ہے اور جو کچھ اچھے یا بُرے کام وہ کر رہا ہے، یہ وہ مال ہے جو وہ اپنی بیش قیمت عمر کے بدلے میں کما رہا ہے ۔ یہود نے اپنی قیمتی عمر کے بدلے میں جو کچھ کمایا یا کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی چیزوں کا انکار ہے ۔ لہٰذا یہ بہت بُرا سودا ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ اور انجیل کا انکار کرنے، توریت پر عمل نہ کرنے، بچھڑے کی پوجا کرنے اور ہفتہ کے دن حد سے تجاوز کرنے پر یہود پہلے ہی غضب الٰہی میں مبتلا تھے اب اس غضب پر مزید غضب یہ ہو گیا کہ انہوں نے قرآنِ کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا بھی انکار کر دیا اور اس کی وجہ ان کا تکبر، حسد اور بغض و عناد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے نہ تھے بلکہ آپؐ عرب میں سے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی نبوت و رسالت کس کو عطا فرمائے اور کس پر اپنے فضل و کرم سے وحی نازل فرمائے ۔ بنی اسرائیل کے کفر کے نتیجہ میں، قیامت کے روز ان پر ذلیل ورسوا کرنے والا عذاب ہوگا ۔ اس کے برعکس گنہگار مومنوں کو جو عذاب ہوگا وہ ذلت ورسوائی کے لئے نہیں بلکہ وہ ان کو گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا ۔ (حقانی ۲۴۹/ ۱، ابن کثیر ۱۲۵ / ۱) ۔

حق کا انکار

۹۱ ۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ

عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ق وَهُوَالْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ط قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ط

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس پر ایمان لے آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس (کتاب) پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر اتاری گئی اور اس کے علاوہ وہ سب کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ (قرآن) برحق ہے اور تصدیق کرتا ہے اس (کتاب) کی جو ان کے پاس ہے۔ آپ ان سے پوچھئے اگر تم ایماندار تھے تو پہلے سے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے رہے۔

وَرَآءَهٗ: اس کے سوا۔ اس کے علاوہ۔

تشریح: جب یہود سے کہا جاتا کہ تم قرآنِ مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تو وہ کہدیتے کہ ہم تو اسی پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا ہے یعنی توریت۔ اس سے ان کے حسد کا پتہ چلتا ہے۔ اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ چونکہ دوسری کتابیں ہم پر نازل نہیں کی گئیں اس لئے ہم دوسری کسی کتاب پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یہی ان کے دعوے کی تردید ہے کہ جب وہ قرآنِ کریم کو نہیں مانتے جو توریت کی تصدیق کرتا ہے تو اس سے تو خود توریت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۔ بقرہ ۱۴۶

اہل کتاب آپ کو اس طرح جانتے ہیں جس طرح کوئی اپنی اولاد کو پہچانتا ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے تو توریت پر بھی ایمان نہ رہا۔ اس کے بعد فرمایا کہ انبیاء کا قتل تمام آسمانی کتابوں کی رو سے کفر ہے۔ اگر توریت پر تمہارا ایمان ہے تو تم نے اگلے انبیاء کو جو نئی شریعت اور نئی کتاب کے بغیر آئے اور توریت کی تصدیق و اتباع کرتے تھے، کیوں قتل کیا۔ پس تمہارا ایمان نہ تو اِس کتاب پر ہے اور نہ اُس کتاب پر، تم تو محض خواہش کے بندے، نفس کے غلام اور اپنی رائے اور قیاس کے ماتحت ہو۔ غرض کسی پہلو سے تمہارا قول و فعل صحیح اور درست نہیں مظہری (۹۶/ ۱، ابن کثیر ۱/۱۶۵)۔

بچھڑے کی پوجا

۹۲ - وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔

اور بیشک تمہارے پاس موسیٰؑ کھلے معجزے لیکر آئے پھر بھی اس کے بعد تم نے بچھڑے کو (معبود) تجویز کر لیا اور تم نے تو ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی ۔

تشریح : اس آیت میں یہود کو بتایا گیا ہے کہ تم دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہو مگر نبوت کی کھلی نشانیاں دیکھنے کے باوجود تم صریح شرک میں مبتلا ہو جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بھی لازم آتی ہے ۔ تم نے حضرت موسیٰؑ سے بڑے بڑے معجزے دیکھے مثلاً طوفان ، ٹڈیاں ، جوئیں ، مینڈک ، خون ، وغیرہ جو حضرت موسیٰ کی بد دعا سے ان کے معجزے کے طور پر ظاہر ہوئے ۔ اسی طرح لکڑی کا سانپ بن جانا ۔ ہاتھ کا روشن ہو جانا ، سمندر کو چیر کر اس میں خشک راستہ بنا دینا ، بادلوں کا سایہ کرنا ، مَنّ و سَلوٰی اترنا ، پتھر سے نہریں جاری ہونا وغیرہ تمام معجزات حضرت موسیٰ سے ظاہر ہوئے اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ۔ یہ سب ان کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی روشن دلیلیں تھیں اس کے باوجود ادھر حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے ادھر تم نے بچھڑے کو معبود بنا لیا ۔ نتیجتاً نہ تو توریت پر تمہارا ایمان رہا اور نہ حضرت موسیٰ پر ۔

بچھڑے کو معبود بنانے کا واقعہ اگرچہ ان یہود کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نزول قرآن کے وقت موجود تھے مگر چونکہ یہ لوگ اپنے اجداد کے حامی اور ان کے دین کے پیرو ہونے کے دعویدار تھے اس لئے یہ بھی ان کے دور میں شامل ہیں ۔ (ابن کثیر ۱۲۶/ ۱ ، معارف القرآن ۲۶۲/ ۱) ۔

رفعِ طور

۹۳ - وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ط خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ط قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ط قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور کوہ طور کو تمہارے

اوپر بلند کر دیا (اور تمہیں حکم دیا) کہ جو کچھ ہم تمہیں دیں اس کو مضبوطی سے لے لو ۔ اور سنو ! انہوں نے کہا کہ ہم نے سن تو لیا مگر مانیں گے نہیں ۔ اور ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں میں تو بچھڑا گھر کر گیا تھا ۔ آپ کہدیجئے کہ اگر تم ایماندار ہو تو تمہارا ایمان تمہیں بہت ہی برا حکم دے رہا ہے ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے فرماتا ہے کہ تمہارا یہ دعویٰ کہ تم اسی پر ایمان رکھتے ہو جو تم پر نازل کیا گیا یہ بھی صریحاً غلط ہے ۔ کیونکہ تم نے تو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات بیّنات کا انکار کیا اور انبیاء کو قتل کیا اور توریت کا انکار کیا حالانکہ جب وہ تمہیں دی گئی تھی تو اس وقت کوہ طور کو تم پر بلند (معلق) کیا گیا تھا اور تم نے یہ جان لیا تھا کہ اب اگر اس کو نہ لیا تو یہ پہاڑ تم پر آگرے گا ۔ اس وقت بھی تمہارا یہ حال تھا کہ زبان سے تو تم نے سمعنا (ہم نے مان لیا) کہا اور دل میں عصینا (ہم نے نہیں مانا) کہا ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بے شمار معجزے اور کرامتیں دیکھنے کے باوجود بچھڑے کی پوجا کی برائی تمہارے دلوں میں اس طرح رچ بس گئی تھی جس طرح زمین پانی کو پی لیتی ہے اور پھر اس سے گھاس پھونس اگاتی ہے ۔ اسی طرح تمہارے دل کی زمین میں اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی ، انبیاء کا قتل کرنا اور دل میں عَصَیْنَا کہنا ، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں کا انکار کرنا ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کا جان بوجھکر انکار کرنا ، اللہ تعالیٰ کی عبادت اور صلہء رحمی کو توڑنا وغیرہ خبیث ، زہریلی اور خاردار جھاڑجھنکار لگتے ہیں جن کے کڑوے اور زہریلے پھل تمہیں دنیا و آخرت میں اٹھانا پڑیں گے ۔ اگر تمہارا ایمان تمہیں یہی حکم دیتا ہے کہ تم ایسی باتیں کرو تو آپ ان سے کہدیجئے کہ یہ بہت برا حکم ہے (حقانی ۲۵۱/ ۱)۔

موت کی تمنا کا چیلنج

۹۴ ۔ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

آپ کہدیجئے کہ اگر (بقول تمہارے) اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت کا گھر دوسروں کے علاوہ خاص تمہارے ہی لئے ہے تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو ۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ان سے کہدیجئے کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آخرت کا گھر اوروں کے مقابلہ میں خاص تمہارے ہی لئے ہے تو تم موت کی تمنا کرو اس لئے کہ جس شخص کو یہ یقین ہو جائے کہ وہ جنتی اور اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور پیارے لوگوں میں سے ہے تو وہ ضرور دنیا کی پریشانی اور مصائب والے گھر سے نجات کی تمنا کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا مشتاق ہو گا۔ (مظہری ۹۷/ ۱)۔

۹۵۔ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ○

اور وہ تو اپنے ان اعمال کے سبب جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کئے ہیں ہر گز ہر گز کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ تو ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہود کے بارے میں پیشن گوئی ہے کہ وہ اپنے ان گناہوں کے سبب جن کا وہ ارتکاب کرتے رہے ہیں مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول اور قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہ ماننا توریت میں تحریف کرنا وغیرہ، ہر گز موت کی تمنا نہیں کریں گے۔

طویل عمر کی حرص

۹۶۔ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○

اور البتہ آپ ان کو دنیوی زندگی کا دوسرے سب لوگوں سے زیادہ حریص پائیں گے خاص کر مشرکوں سے بھی زیادہ۔ ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اس کی عمر ہزار برس ہو جائے اور اس کی عمر کا اس قدر طویل ہو جانا بھی اس کو عذاب سے نہیں بچا سکتا اور جو کچھ بھی وہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔

تَجِدَنَّهُمْ: تو ان کو ضرور پائے گا۔ وُجُوْدٌ سے مضارع با نون تاکید۔

اَحْرَصَ : بڑا حریص ۔ بڑا لالچی ، حِرْصٌ سے تفضیل ۔

یَوَدُّ : وہ چاہتا ہے ۔ وہ پسند کرتا ہے ۔ وُدٌّ و مَوَدَّۃٌ سے مضارع ۔

یُعَمَّرُ : اس کی عمر بڑھائی جاتی ہے ۔ تَعْمِیْرٌ سے مضارع مجہول ۔

اَلْفَ : ایک ہزار ۔

بِمُزَحْزِحِہٖ : اس کے ہٹانے کے لئے ۔ زَحْزَحَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح : مشرکین عرب تو آخرت کے منکر تھے اس لئے ان کے خیال میں ان کے لئے جو کچھ بہار اور عیش تھی وہ دنیا ہی میں تھی لہٰذا اگر وہ طویل عمر کی تمنا کریں تو کچھ عجب نہیں ۔ اس کے بر عکس یہود نہ صرف آخرت کے قائل تھے بلکہ وہ صرف اپنے آپ ہی کو آخرت کی نعمتوں کا مستحق کہتے تھے ۔ پھر بھی اگر وہ دنیا میں رہنے کی تمنا کریں تو یہ حیرت اور تعجب کی بات ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے اعمال بد کی سزا سے ڈر کر موت سے بھاگتے ہیں اور ہزار برس کی عمر چاہتے ہیں تاکہ ان کے اعمال بد کا نتیجہ پیش نہ آئے حالانکہ یہ لوگ ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں وہ تمام بندوں کے بُرے ، بھلے اعمال کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کو ویسا ہی بدلہ دے گا ۔ (معارف الحدیث ۲۶۶/ ۱ ، حقانی ۴۵۱/ ۱) ۔

جبرائیل سے دشمنی

۹۷ ، ۹۸ ۔ قُلْ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَ ھُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ مَنْ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَ جِبْرِیْلَ وَ مِیْکٰلَ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (ہوا کرے) اس نے تو اس قرآن کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ کے دل پر اتارا ہے ۔ وہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور وہ ایمان والوں کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کو خوشخبری سناتا ہے ۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ تعالیٰ بھی کافروں کا دشمن ہے ۔

شانِ نزول : مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ جب یہود نے حضرت جبرائیلؑ کو اپنا دشمن اور حضرت میکائیلؑ کو اپنا دوست بتایا تو اس وقت ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں ۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت عبداللہؓ بن سلاّم (اسلام لانے سے پہلے) اپنی زمین پر کام کر رہے تھے اور یہودیت پر قائم تھے ۔ جب ان کو آپؐ کی آمد کی خبر ملی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں آپؐ سے تین باتیں پوچھتا ہوں جن کو نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا (۱) قیامت کی علامتوں میں سے سب سے پہلی علامت کونسی ہے ۔ (۲) سب سے پہلے اہل جنت کا کھانا کیا ہوگا ۔ (۳) بچہ کبھی باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی ماں کے ہمشکل ۔ اسکی کیا وجہ ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابھی ابھی جبرائیلؑ نے مجھے ان تینوں سوالوں کے جواب بتائے ہیں ۔ حضرت جبرائیلؑ کا نام سن کر عبداللہؓ بن سلاّم نے کہا کہ یہ تو ہمارا دشمن ہے ۔ اس پر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی ۔ جنتی سب سے پہلے جو کھانا کھائیں گے اس میں مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہوگی ۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی پیدا ہوتی ہے ۔ یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہؓ مسلمان ہو گئے ۔ (مظہری ۱۰۲ / ۱، ابن کثیر ۱۳۰/ ۱) ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو جواب دیا ہے کہ جبرائیلؑ جو کچھ کرتا ہے وہ حکم الٰہیٰ سے کرتا ہے ۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر پر جو قرآن نازل کیا ہے وہ بھی ہمارے ہی حکم سے کیا ہے لہٰذا جو اس کا دشمن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے ۔ اب تم خود قرآن میں غور کرو کہ یہ کیسا ہے ۔ یہ سابقہ انبیاء کی تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہے ۔ اس کے اصول و مطالب حرف بہ حرف ان کے مطابق ہیں۔ لہٰذا ایسی صورت میں اس کا انکار گویا ان تمام انبیاء کی کتابوں کا انکار ہے ۔ یہ سراسر ہدایت ہے اور مومنوں کے لئے اس میں خوشخبری ہے ۔ ان اوصاف کے ہوتے ہوئے

محض اس وجہ سے ان کا انکار کرنا کہ اس کو جبرائیلؑ لائے ہیں سراسر حماقت ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں اور فرشتوں ، خاص طور پر جبرائیلؑ و میکائیلؑ کا دشمن ہے تو اللہ تعالیٰ ان کافروں کا دشمن ہے (حقانی ۱/۲۵۳) ۔

فاسقین کا کفر

۹۹۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ○

اور بیشک ہم نے آپ پر کھلی آیتیں نازل کی ہیں اور بدکار لوگ ہی ان کا انکار کرتے ہیں ۔

فَاسِقُوْنَ : کفر میں بڑھنے والے ۔ سرکشی کرنے والے ۔ فِسْقٌ و فُسُوْقٌ سے اسم فاعل ۔ اگر فسق کا اطلاق معصیت پر ہو تو یہ معصیت کی عظمت پر دلالت کرتا ہے ۔

شانِ نزول : ابن ابی حاتم نے سعید اور عکرمہ کے طریقہ سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ ابن صُوریا یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بخدا آپؐ کی جو نشانیاں ہمیں معلوم ہیں ان میں سے کوئی بھی علامت آپؐ میں نہیں پائی جاتی ۔ آپؐ اپنی نبوت کی نشانی کے طور پر کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس سے ہم پہچان لیں اور نہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے نبی ہونے کی کوئی روشن دلیل بیان فرمائی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۱۰۴/ ۱) ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھنے والوں کے لئے تو آپؐ کے نبی ہونے کی بےشمار دلیلیں موجود ہیں اور قرآن کا معجزہ تو قیامِ قیامت تک باقی اور ظاہر رہے گا ۔ جس میں یہودیوں کی مخصوص معلومات کا ذخیرہ ہے ، ان کی کتاب کی پوشیدہ باتیں ہیں ۔ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور کلام میں تحریف کرنا مذکور ہے ۔ یہ سب آپؐ کی نبوت کی روشن دلیلیں ہیں ۔ یہ اور بات ہے کہ یہودیوں کو ان کا حسد و بغض آپؐ کی تصدیق سے روکدے ورنہ ہر شخص جان سکتا ہے کہ ایک اُمی شخص سے ایسا پاکیزہ ، خوبیوں اور حکمتوں والا کلام نہیں بن سکتا ۔ ایسے کلام پر ایمان نہ

لانا نری جہالت، کم عقلی اور کج فہمی ہے لہذا اس کا انکار کرنا نافرمانوں ہی کا کام ہے۔

یہود کی عہد شکنی

۱۰۰، ۱۰۱۔ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔

اور کیا (انہوں نے یہ نہیں کیا کہ) جب انہوں نے کوئی عہد باندھا تو ان میں سے ایک فریق نے اس کو (توڑ کر) پھینکدیا۔ بلکہ ان میں سے بہت سے تو ایمان ہی نہیں رکھتے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس وہ رسول آیا جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے تو اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو اپنی پیٹھ کے پیچھے ایسا پھینک دیا گویا کہ وہ اس کو جانتے ہی نہیں۔

نَبَذَهٗ: اس نے اسکو پھینک دیا۔ اس نے اس کو پس پشت ڈالدیا۔ نَبْذٌ سے ماضی۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن الصیف یہودی سے فرمایا کہ دینِ محمدی کے بارے میں تم سے عہد و پیمان لیا گیا ہے کہ جب وہ ظاہر ہو تو تم اس کی اتباع کرنا۔ یہ سنکر مالک نے کہا کہ خدا کی قسم ہم سے ہرگز اس کا عہد نہیں لیا گیا۔ اس کی تکذیب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۱۰۴\۱، ابن کثیر ۱۳۳\۱)۔

تشریح: یہود نے جب بھی رسول کی معرفت اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد باندھا یا لوگوں سے عہد کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے فوراً اس کو توڑ دیا۔ یہی نہیں بلکہ ان میں سے اکثر کو تو اس پر ایمان ہی نہ تھا۔ اب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا وہ رسول آیا ہے جو توریت، زبور اور انجیل کی تصدیق کرتا ہے اور جس کی خبر اور نشانیاں توریت میں موجود تھیں۔ یہود نے بشارتوں اور نشانیوں کو چھپانے کے لئے توریت میں ہی تحریف کر ڈالی اور پھر ایسے انجان بن گئے گویا انہیں معلوم ہی نہیں کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و تصدیق موجود ہے۔ اس طرح انہوں نے نہ صرف توریت پر

عمل نہیں کیا بلکہ اس کو پس پشت ڈالدیا اور جادو کے پیچھے پڑ گئے ۔ اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جادو کیا جس کی اطلاع آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے دی ۔ (حقانی ۴۵۴\۱، ابن کثیر ۱۳۴\۱) ۔

جادو اور اس کے نقصانات

۱۰۲ - وَاتَّبَعُوْا مَاتَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۚ وَ مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ۚ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَايُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ۚ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَالَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۚ وَلَبِئْسَ مَاشَرَوْابِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ۚ لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۚ

اور وہ (یہود) اس (علم) کے پیچھے پڑ گئے جس کو شیاطین سلیمان (علیہ السلام) کے (عہد) سلطنت میں پڑھا کرتے تھے ۔ اور (حضرت) سلیمان نے تو کفر نہیں کیا بلکہ وہ شیاطین ہی کافر تھے جو لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور وہ (یہود) اس کے بھی (پیچھے پڑگئے) جو بابل شہر میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اتارا گیا تھا ۔ اور وہ دونوں (فرشتے) کسی کو نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو صرف آزمائش کے لئے ہیں پس تو کافر نہ بن ۔ پس لوگ ان سے وہ بات سیکھتے تھے جس سے خاوند اور اس کی بیوی میں جدائی ڈالدیں ۔ حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اس سے کسی کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے اور (یہود) وہ چیز سیکھتے تھے جو ان کو نقصان پہنچائے اور نفع نہ دے اور بیشک وہ یہ بھی جانتے تھے کہ جس نے جادو خریدا اس کے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں اور وہ بہت ہی بُری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا ۔ کاش ان کو سمجھ ہوتی ۔

فِتْنَةٌ: فتنہ ۔ آزمائش ۔ شورش ۔ مصدر ہے ۔

اخلاق: حسد ۔ فضیلت ۔

شانِ نزول: یہود حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سحر کی نسبت کیا کرتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیا تو یہود کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تو دیکھو کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کرتے ہیں اس طرح گویا وہ حق کو باطل کے ساتھ ملا رہے ہیں حالانکہ وہ بڑے چالاک جادو گر تھے ۔ اور جادو کے زور سے ہوا پر اڑا کرتے تھے ۔ ان کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (جلالین بحوالہ ابن جریر ۔ ۳۳) ۔

تشریح: ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ یہود کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر جادو جیسی واہیات شعبدہ بازیوں میں لگ گئے ۔ حضرت سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور اس کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی برأت میں فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ نے اس کفر کا ارتکاب نہیں کیا تھا بلکہ وہ شیاطین ہی تھے جو کفر کے مرتکب ہوئے اور وہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے (حقانی ۴۵۵/ ۱) ۔

ایک زمانے میں بابل شہر میں جادو کا بہت چرچا تھا ۔ جادو کے اثرات کو دیکھ کر جاہل لوگ انبیاء کے معجزوں میں شبہ کرنے لگے ۔ بعض لوگ جادوگروں کو مقدس اور قابل اتباع سمجھنے لگے اور بعض لوگ جادو کو نیک کام سمجھ کر اس کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے لگے ۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے شبہ اور غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اور جادو کی حقیقت اور شعبدوں سے مطلع کرنے کے لئے بابل شہر میں دو فرشتے بھیجے جن کے نام ہاروت و ماروت تھے ۔ ان فرشتوں نے بابل میں آکر لوگوں کو سحر کے اصول و فروع بتائے اور ان کو اس پر عمل سے اجتناب اور ساحروں سے نفرت و دوری رکھنے کی تاکید کی ۔ جب بھی کوئی جادو کے اصول و فروع سیکھنے کے لئے ان فرشتوں کے پاس آتا تو یہ اس کو احتیاط و تبلیغ اور ان لوگوں کی اصلاح کی غرض سے سحر کے اصول بتانے سے پہلے لوگوں سے کہدیا کرتے تھے کہ ہم جو سحر کے اصول و فروع بیان کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش ہے کہ کون ان چیزوں کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد اپنے دین کی حفاظت کرتا ہے اور کون اپنا دین خراب کرتا ہے ۔ دیکھو ہم تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ تم اچھی نیت سے سحر کے اصول

سیکھنا اور پھر اس پر ثابت قدم رہنا ایسا نہ ہو کہ تم ہم سے کبھی سیکھ لو کہ ہم اپنے دین کو بچانے کیلئے پوچھ رہے ہیں اور پھر خود اس خرابی میں پڑ کر اپنا ایمان برباد کر لو (معارف القرآن ۲۷۱ - ۲۷۳ / ۱) ۔

توریت میں جادو کی ممانعت پڑھنے کے باوجود، یہود اس علم کو سیکھتے تھے جس کا کچھ بھی نفع نہ تھا ۔ وہ خوب جانتے تھے کہ جو کوئی اس جادو کو سیکھے گا وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم رہے گا ۔ لہذا ان کا سحر سیکھنا جو انہوں نے اپنی بیش قیمت عمر کا ایک حصہ دیکر سیکھا تھا، بہت بُری چیز تھی ۔ کاش ان کو اس کا علم ہوتا (حقانی ۱/۲۵۵) ۔

حصولِ خیر کا معیار

۱۰۳ - وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ خَيْرٌ ۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۔

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو البتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کا اجر ان کے لئے بہتر تھا ۔ کاش ان کو علم ہوتا ۔

لَمَثُوْبَةٌ: البتہ ثواب، البتہ بدلہ، البتہ معاوضہ ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب بھی اگر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور اچھے کام کریں اور معاصی اور سحر کو چھوڑ کر پرہیزگاری اختیار کریں تو ان کے لئے آخرت میں بہت اچھا اجروثواب ہے ۔ کاش ان کو علم ہوتا ۔

رَاعِنَا کہنے کی ممانعت

۱۰۴ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ۔ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔

اے ایمان والو ! تم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لفظ) رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنْظُرْنَا کہا کرو اور (توجہ سے) سنا کرو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ۔

رَاعِنَا: ہماری رعایت کر ۔ ہماری طرف متوجہ ہو ۔ ذرا توقف فرمائیے تاکہ ہم

آپ کا کلام سمجھ لیں ۔ مُرَاعَاۃٌ سے امر ۔

اُنْظُرْ نَا: ہماری رعایت کر ۔ ہماری طرف متوجہ ہو ۔ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہو کر وعظ و نصیحت سنتے ۔ اگر کوئی بات نہ سن سکتے اور اس کو دوبارہ پوچھنا چاہتے تو رَاعِنَا کہتے ۔ ان کی تقلید میں کبھی کبھی مسلمان بھی یہ کلمہ کہ دیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو منع فرمادیا کہ یہ لفظ نہ کہا کرو ۔ اگر ضرورت پڑے تو اُنْظُرْنَا کہا کرو ۔ یہودی اس کلمہ کو بُرے معنی میں استعمال کرتے تھے ۔

شانِ نزول: بعض یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شرارتاً آپؐ کو لفظ رَاعِنَا سے خطاب کرتے تھے جس کے معنی عبرانی زبان میں ایک بد دعا کے ہیں اور وہ اسی نیت سے یہ لفظ کہتے تھے ۔ مگر عربی زبان میں اس کے معنی ہماری طرف توجہ فرمانے ، ہماری طرف خیال فرمانے کے ہیں اس لئے عرب ان کی اس شرارت کو نہ سمجھ سکے اور بعض مسلمان بھی اچھے معنی کے خیال سے آپؐ کو اسی کلمہ سے خطاب کرنے لگے ۔ جس سے یہ شریر بہت خوش ہوئے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم ان کی تقلید میں رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اگر ضرورت پڑے تو اُنْظُرْنَا کہا کرو (یعنی ہماری طرف نظر شفقت فرمائیے ، ہمارا انتظار فرمائیے ، ذرا توقف فرمائیے تاکہ ہم آپؐ کا کلام سمجھ لیں) ۔ اور تمہیں تو اس کی بھی ضرورت نہیں ۔ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات شروع ہی سے دھیان لگا کر سنا کرو ۔ (معارف القرآن ۲۸۰/ ۱ ، مظہری ۱۱۱/ ۱) ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں کی بول چال اور ان کے کاموں کی مشابہت سے منع فرمایا ہے ۔ مسند احمد میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہیں میں سے ہے ۔ (ابن کثیر ۱۴۸/ ۱) ۔

یہودی بعض الفاظ زبان دبا کر بولتے تھے اور ان سے بُرا مطلب لیتے تھے ۔ جب انہیں یہ کہنا ہوتا کہ ہماری طرف توجہ فرمائیے یا مکرر فرمائیے تو وہ رَاعِنَا کہتے اور اس سے رعونت اور سرکشی مراد لیتے ۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۔ (نساء ۴۶) ۔

بعض یہودی ایسے بھی ہیں جو کلام کو اپنے موقع سے بدلتے اور زبان مروڑ کر سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (سن لیا اور نہ مانا) اور اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ (سن اور پھر سننا نصیب نہ ہو) اور رَاعِنَا کہتے ہیں تاکہ دین (اسلام) میں عیب لگائیں ۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب یہ لوگ سلام کرتے ہیں تو اسام علیکم کہتے ہیں اور سام کے معنی موت کے ہیں تو تم انکے جواب میں وعلیکم کہا کرو ۔ ہماری دعا انکے حق میں قبول ہو گی اور انکی بد دعا ہمارے حق میں قبول نہیں ہوگی ۔ (ابن کثیر ۱۴۸ / ۱)-

اس آیت میں اُنْظُرْنَا کے ساتھ اِسْمَعُوْا بھی کہا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں اور نصیحتوں کو توجہ اور غور سے سننا چاہیئے جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسانی ہدایت و رہنمائی کے لئے صرف قرآن مجید کافی ہے ان کا خیال صحیح نہیں ۔ ان کو اس قرآنی فیصلہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے ۔ اور دیکھنا چاہیئے کہ اس آیت اور دوسری آیات میں آپؐ کے ارشادات سننے اور ماننے پر کتنا زور دیا گیا ہے ۔ ایک جگہ ارشاد ہے ۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء ۸۰) ۔

جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ کی اطاعت کی ۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تضحیک کر کے اور آپؐ کو برے کلمات سے خطاب کر کے بے ادبی اور گستاخی کا ارتکاب کرتے ہیں وہ کافر ہیں اور ان کی سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

کفار و مشرکین کا عناد

۱۰۵ ۔ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۔

کافر لوگ، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے وہ اس بات کو ذرا بھی پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی اچھی بات نازل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تو جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

فَضْلِ: فضل، مہربانی، بزرگی۔ یہ واحد ہے اس کی جمع اَفْضَالٌ ہے۔

یَخْتَصُّ: وہ خاص کرتا ہے۔ اِخْتِصَاصٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے یہود کے انکار کی وجہ بیان کی ہے۔ یہود اور مشرکین آپؐ کے دلی دشمن ہیں وہ یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یعنی وحی آپؐ پر نازل ہو مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ وہ جس پر چاہتا ہے اپنی رحمتِ خاصہ کو نازل فرمادیتا ہے اور وہ بہت بڑے فضل والا ہے۔ وہ اس بات کا پابند نہیں کہ سلطنت یا نبوت ہمیشہ کسی ایک خاندان یا ایک قوم میں رکھے۔ (حقانی ۴۵۹/ ۱)۔

آیات کی تنسیخ

۱۰۶، ۱۰۷ ۔ مَانَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْنُنْسِهَانَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا اَوْمِثْلِهَا ، اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ، اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ، وَمَالَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ،

ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بُھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس کے برابر لے آتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور نہ مدد گار۔

نَنْسَخْ: ہم منسوخ کرتے ہیں۔ ہم مٹاتے ہیں۔ نَسْخٌ سے مضارع۔ اس پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس آیت میں نسخ سے مراد کسی حکم کا زائل کرنا یعنی منسوخ کرنا ہے۔ اس لئے کتاب و سنت کی اصطلاح، میں ایک حکم

کی بجائے دوسرا حکم جاری کرنے کو نسخ کہتے ہیں۔

نُنْسِهَا: ہم اس کو بھلا دیتے ہیں۔ ہم اس کو فراموش کردیتے ہیں۔ اِنْسَاءٌ سے مضارع۔

وَلِیٍّ: دوست۔ مددگار۔

نَصِیْرٍ: مددگار، بچانے والا۔ نَصْرٌ سے مبالغہ۔

شانِ نزول: قرآنِ کریم کی بعض آیتیں منسوخ ہیں اس پر یہود نے اعتراض کیا کہ یہ اچھا خدا کا کلام ہے۔ بھلا پہلی آیت میں کیا برائی تھی کہ منسوخ ہو گئی اور دوسری آیت اتری۔

ابن ابی حاتم نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رات کے وقت وحی نازل ہوتی اور دن کو بھلا دی جاتی۔ اس پر یہود نے طعن کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جلالین ۳۸)۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے ان شکوک و شبہات کا جواب دیا ہے جن کو وہ اہل اسلام پر پیش کرکے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر (وحی) اور شریعت نازل ہوتی ہے تو خیر کو منسوخ کیوں کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور شریعت ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک خوشہ بھی بدل نہیں سکتا۔ اگر یہ قرآن شریف منجانب اللہ ہے تو توریت کے احکام کیوں منسوخ کر دئے۔ پھر خود اس شریعت میں بعض احکام کو ایک خاص وقت تک قائم رکھ کر منسوخ کر دیا گیا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو اس سے پہلے اس حکم کی قباحت کا علم نہ تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کا اچھی طرح رد فرما دیا ہے کہ اگر ہم کسی حکم کو کسی مصلحت سے موقوف کرتے ہیں یا مؤخر کرتے ہیں تو اس میں بندوں کے لئے سراسر بہتری ہوتی ہے۔ ہم اس سے بہتر یا اسی کی مانند کوئی اور حکم دیتے ہیں جس پر عمل کرنا آسان ہو (حقانی ۱/۲۵۹)۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی سلطنت اسی کے اختیار میں ہے۔ وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ جسے چاہے نیک بختی دے، جسے چاہے بد بختی دے۔ جسے چاہے تندرستی دے، جسے

چاہے بیماری دے ۔ جسے چاہے توفیق دے ، جسے چاہے بے نصیب کر دے ، جسے چاہے حلال کر دے ، جسے چاہے حرام فرمادے ۔ جسے چاہے رخصت دے جسے چاہے روک دے، وہ حاکم مطلق ہے جو چاہے احکام جاری فرمائے ، کوئی اس کے حکموں کو رد نہیں کرسکتا، وہ جو چاہے کرے کوئی اس سے باز پرس نہیں کرسکتا ۔ وہ بندوں کو آزماتا اور دیکھتا ہے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے کیسے تابعدار ہیں ۔ اس نے کسی چیز کا کسی مصلحت سے حکم دیا پھر مصلحت ہی کی وجہ سے اس حکم کو ہٹا دیا ۔ اس میں لوگوں کی آزمائش ہو جاتی ہے ۔ نیک لوگ تو پہلے بھی اطاعت کے لئے کربستہ تھے اور اب بھی ہیں ۔ مگر بدظن لوگ باتیں بناتے ہیں اور اطاعت کی بجائے حیلے بہانے کرتے ہیں حالانکہ تمام مخلوق کو اپنے خالق کی تمام باتیں ماننی چاہئیں اور ہر حال میں رسول کی اتباع کرنی چاہئے اور جو وہ کہے اسے دل سے سچ جاننا چاہئے اور جو حکم دے اسے فوراً بجالانا چاہئے ۔

اس آیت میں گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے مگر دراصل یہ کلام یہودیوں کو سنانا ہے جو انجیل کو اور قرآنِ کریم کو اس وجہ سے نہیں مانتے تھے کہ ان میں توریت کے بعض احکام منسوخ ہو گئے تھے ۔ اسی لئے وہ ان نبیوں کی نبوت کے بھی منکر ہو گئے تھے ۔ اور یہ انکار صرف ان کے عناد و تکبر کی بنا پر تھا ۔ ورنہ عقلاً نسخ محال نہیں۔اس لئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے کاموں میں با اختیار ہے اسی طرح حکموں میں بھی با اختیار ہے ۔ جو چاہے اور جب چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کرے ۔ جسے چاہے جس طرح چاہے ، جس وقت چاہے اور جہاں چاہے رکھے ۔ اسی طرح جو چاہے اور جس وقت چاہے حکم دے ۔ اس حاکموں کے حاکم کا کوئی حاکم نہیں ۔ اسی طرح نقلاً بھی نسخ ثابت شدہ امر ہے اور گزشتہ آسمانی کتابوں اور شریعتوں میں موجود ہے ۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیوں میں ، بھائی بہن ہونے کے باوجود نکاح جائز تھا ۔ پھر بعد میں اسے حرام کردیا ۔ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی سے اترے تو تمام حیوانات کھانا حلال تھا مگر بعد میں بعض کی حلّت منسوخ ہو گئی ۔ دو بہنوں کا نکاح اسرائیل اور ان کی اولاد پر حلال تھا پھر توریت کی شریعت میں اور اس کے بعد حرام ہو گیا ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا پھر قربانی کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دیا ۔ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ جو لوگ بچھڑا پوجنے میں شامل تھے سب اپنی جانوں کو قتل کر ڈالیں ۔ لیکن ابھی بہت سے باقی تھے کہ حکم منسوخ ہو گیا ۔ اسی طرح کے اور بہت سے واقعات موجود ہیں اور خود یہودیوں کو ان کا اقرار ہے ۔ پھر بھی یہ قرآنِ کریم

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اس سے خدا کے کلام میں نسخ لازم آتا ہے اور وہ محال ہے ۔ (ابن کثیر ۱۵۰ ، ۱۵۱/ مظہری ۱۱۲/ ۱) ۔

راہ راست سے دوری

۱۰۸ - اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ط وَ مَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِ يْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ه

اے مسلمانو ! کیا تم بھی یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسے ہی سوال کیا کرو جیسے اس سے پہلے (حضرت) موسیٰ سے کئے گئے تھے ۔ اور جو شخص ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کر لے تو بیشک وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا ۔

ضَلَّ : وہ گمراہ ہوا ، وہ بہکا ، وہ بھٹکا ، ضَلَالٌ سے ماضی ۔

سَوَآءَ : برابر ، یکساں ۔ سیدھا ۔ اسم مصدر ہے ۔ اس سے تثنیہ اور جمع نہیں بنتا ۔

سَبِيْلِ : راستہ ، جمع سُبُل ، مذکر و مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔

شانِ نزول : اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں متعدد روایتیں ہیں ۔ ابن ابی حاتمؒ نے سعید اور عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رافعہ بن حریملہ اور وہب بن زید یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپؐ سچے رسول ہیں تو) آپؐ ہمارے پاس آسمان سے کوئی کتاب لائیے ہم اس کو پڑھیں گے یا زمین سے چشمے جاری کیجئے (اگر آپؐ ایسا کریں گے تو) ہم آپؐ کی اتباع اور تصدیق کریں گے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۱۳ / ۱ ، جلالین ۳۹) ۔

علامہ بغویؒ نے اس آیت کا شانِ نزول اس طرح بیان فرمایا کہ یہود نے کہا تھا کہ آپؐ آسمان سے ساری کتاب ایک ہی دفعہ لے آئیے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لیکر آئے تھے اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۱۱۳/ ۱) ۔

بنی اسرائیل نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسا ہی سوال کیا تھا جس کا بیان سورۂ بقرہ کی آیت ۵۵ میں گزر چکا۔

تشریح : یہودی اہلِ اسلام کو طرح طرح کے شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے رہتے تھے تاکہ یہ لوگ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں حالانکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی بشارتیں توریت سے مل چکی تھیں مگر یہ لوگ پھر بھی حسد کے مارے ایسی باتیں کرتے رہتے تھے جن سے متاثر ہو کر بعض سیدھے سادے مسلمان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الٹے سیدھے سوالات کرنے لگے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرما دیا کہ تم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے سوالات مت کرو جیسے ان یہود کے بزرگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کئے تھے اور غضب الٰہی کے مستحق ہوئے تھے۔ کیونکہ یہ کفر ہے اور جو شخص ایمان چھوڑ کر کفر میں پڑتا ہے وہ نجات اور حیاتِ ابدی کے سیدھے راستہ سے بھٹک جاتا ہے (حقانی ۳۶۱، ۱/۳۶۲)۔

کفار کا حسد

۱۰۹۔ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْيَرُدُّوْنَكُمْ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اکثر اہل کتاب اپنے حسد کی بنا پر حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں بھی ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا ڈالیں۔ پس جب تک اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے تم اس وقت تک معاف کرو اور درگزر کرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَدَّ: اس نے دوست رکھا۔ اس نے خواہش کی۔ وُدٌّ وَمَوَدَّةٌ سے ماضی۔

وَاصْفَحُوْا: اور تم درگزر کرو۔ صَفْحٌ سے امر۔

حَسَدًا: حسد کرنا۔ مصدر ہے۔ کسی خوبی، ترقی اور اچھائی کو دیکھ کر دل میں کڑھنا اور یہ خواہش کرنا کہ اس سے چھن کر مجھے مل جائے۔ جو شخص

کسی سے حسد کرتا ہے وہ صرف اس سے دشمنی نہیں کرتا بلکہ حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی دین پر اعتراض کرتا ہے ۔ حسد سے کچھ حاصل نہیں ہوتا البتہ اخلاق ضرور بگڑ جاتا ہے اور ایمان زائل ہوجاتا ہے ۔

شانِ نزول : ابن ابی حاتم نے اس کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حُیَیْ بن اَخطَب اور ابو یاسر بن اخطب ، دونوں یہودی تھے اور عربوں سے اس لئے بہت حسد کرتے تھے کہ ان میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ہوئے اور رات دن لوگوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے ۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۱۴/ ۱) ۔

کعبؓ بن مالک نے کہا کہ ایک یہودی کعب بن اشرف ، جو شاعر بھی تھا آپؐ کی ہجو میں شعر کہتا تھا ۔ یہ آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے (ابن ابی حاتم)

تشریح : توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائلِ نبوت و احکامِ امت ایسی تفصیل کے ساتھ مذکور تھے کہ جب اہل کتاب نے وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابہؓ کرام اور قرآنِ کریم میں بالکل اسی طرح دیکھ لئے جس طرح توریت و انجیل میں مذکور تھے تو ان پر حق ظاہر ہوگیا اور ان کے شکوک و شبہات دور ہوگئے مگر حسد و عناد نے ان کو جان بوجھ کر انکار پر آمادہ کیا ۔

اس لئے اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام کی حقانیت اور سچائی ظاہر ہوجانے کے باوجود اہل کتاب کی اکثریت مسلمانوں کو کفر میں واپس لانا چاہتی ہے کیونکہ حسد و عناد کی بناء پر مسلمانوں کا وجود ان کو ذرا بھی گوارا نہیں ۔ پس اے مسلمانو جہاں تک ہوسکے تم ان کے حسد و عناد کے باوجود ان سے درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا و آخرت میں جو عذاب ان پر مقرر ہے وہ نازل ہوجائے ۔

آخرت کا توشہ

۱۱۰ ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے لئے تم جو کچھ نیکی آگے بھیجو گے وہ تم اللہ تعالیٰ کے پاس پاؤ گے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ۔

تُقَدِّمُوْا: تم آگے بھیجو ۔ تَقْدِیْمٌ سے مضارع ۔

تَجِدُوْہُ: تم اس کو پاؤ گے ، وُجُوْدٌ سے مضارع ۔

تشریح: اس آیت کا مضمون بھی سابقہ مضمون کے تسلسل میں ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ تم ان یہود کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور کسی کے بہکاوے میں نہ آؤ اور اپنے ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے ان کی مخالفت اس طرح کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگے رہو ۔ بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ نماز ہے تم اس کو ادا کرتے رہو اور مالی عبادت سے بھی غافل نہ رہو اس لئے زکوٰۃ دیتے رہو اور اس کے علاوہ ہر قسم کی نیکی کرتے رہو ، مخلوقِ خدا سے بھلائی اور اپنے پرائے سب سے نیک سلوک سے پیش آؤ ۔ تم جو بھی نیک عمل کرو گے وہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ تم اپنے سب اعمال کو اللہ تعالیٰ کے پاس جا کر پاؤ گے ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل سے غافل نہیں ۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ وہ سب دیکھ رہا ہے ۔ (حقانی ۴۶۲ / ۱) ۔

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ

۱۱۱ ، ۱۱۲ ۔ وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ کَانَ ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْکَ اَمَانِیُّھُمْ ؕ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْھَہٗ لِلّٰہِ وَھُوَ مُحْسِنٌ فَلَہٗٓ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

اور وہ (اہل کتاب) کہتے ہیں کہ یہود اور نصاریٰ کے سوا کوئی ہر گز جنت میں داخل نہیں ہوگا ۔ یہ ان کی (من مانی) آرزوئیں ہیں ۔ آپؐ کہدیجئے کہ تم (اس بات پر) اپنی دلیلیں لاؤ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو ۔ ہاں جس کسی نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا منہ جھکا دیا اور وہ نیکی بھی کرتا ہو تو اس کے لئے اس کا بدلہ اس کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

بُرْهَانَكُمْ ۔ تمہاری دلیل ۔ جمع بَرَاهِيْنَ ۔

اَسْلَمَ ۔ اس نے تابعداری کی ۔ اس نے جھکایا ۔ اِسْلَامٌ سے ماضی ۔

وَجْهَهٗ ۔ اس کے چہرے کو ۔

مُحْسِنٌ ۔ احسان کرنے والا ۔ اِحْسَانٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب نجران کے نصارٰی اور یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے ۔ اس وقت یہود نے کہا کہ جنت میں سوائے یہود کے کوئی نہیں جائے گا ۔ جہنم ان پر حرام ہے خواہ وہ کچھ ہی کریں اور دینِ حق یہودیت ہی ہے ۔ عیسائی کہنے لگے کہ ہمارے اگلے پچھلے سب گناہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے اوپر لے لئے ہیں اور ہماری طرف سے وہ کفارہ ہوگئے ۔ اب جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اس لئے جنت ہمارا مقام ہے اور نصرانیت ہی سچا دین ہے ۔ یہ لوگ مسلمانوں کے سامنے ایسی باتیں اسلئے کرتے تھے تاکہ انکو اسلام سے بد ظن کردیں ۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ان کے دلی منصوبے اور بے اصل خیالات ہیں ۔ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش کرو ۔ حالانکہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں کیونکہ توریت اور انجیل میں کہیں بھی یہ بات نہیں ۔ یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام بنی آدم کا خدا ہے ۔ اس نے نجات کا جو معیار مقرر کیا ہے وہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی نیکو کار ہے ، اللہ تعالیٰ کے آگے اپنا سر جھکاتا ہے اور اس نے جن چیزوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے ان پر بلا چون و چرا ایمان لاتا ہے اور جن احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کرتا ہے اور جن چیزوں سے منع کیا ہے وہ ان سے دور رہتا ہے ، خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی ، عربی ہو یا عجمی ، ہندی ہو یا حبشی وہ اپنے عمل کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ضرور پائے گا ، اور وہی جنت کا مستحق ہے ۔ اور ایسے لوگوں کو وہاں کسی قسم کا خوف اور رنج نہ ہوگا (حقانی ۴۶۴\۱ مظہری ۱۱۴، ۱۱۵\۱) ۔

مذہبی گروہ بندی

۱۱۳ ۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہود کہتے ہیں کہ عیسائی ٹھیک راستہ پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہود راہ حق پر نہیں حالانکہ وہ سب کتاب بھی پڑھتے ہیں ۔ ایسی ہی باتیں وہ لوگ بھی کہتے ہیں جو بے علم ہیں (بعض مشرکینِ عرب) پس قیامت کے روز اللہ تعالیٰ خود ہی ان باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ جھگڑ رہے ہیں ۔

شانِ نزول : ابن ابی حاتم نے سعید اور عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ جب نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو یہود کے بڑے بڑے علماء بھی حاضر خدمت ہوئے اور ان میں سے رافع بن حریملہ یہودی نے اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب انجیل کا انکار کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کے کلمات کہے اور عیسائیوں سے صاف صاف کہدیا کہ تمہارا تو کچھ بھی مذہب نہیں ہے ۔ اس پر عیسائیوں میں سے ایک شخص نے توریت کے آسمانی کتاب ہونے کا انکار کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی اور یہودی مذہب ، کو لغو اور باطل بتایا ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱/۱۱۵ جلالین ۴۲، ۴۳) ۔

تشریح : یہود و نصاریٰ دونوں نے دین کی حقیقت کو فراموش کر کے مذہب کے نام پر ایک قومیت بنا لی تھی اور ان میں سے ہر ایک اپنی ہی قوم کے جنتی اور مقبول ہونے اور اپنے سوا تمام اقوام عالم کے دوزخی اور گمراہ ہونے کا معتقد تھا ۔ یہود و نصاریٰ کے اس اختلاف کے نتیجہ میں مشرکین یہ کہنے لگے کہ یہودیت بھی بے بنیاد اور عیسائیت بھی بے اصل ہے ۔ صحیح تو بس ہماری بت پرستی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ جنت میں جانے کے اصل سبب سے غافل ہیں ۔ مذہب خواہ یہود کا ہو یا نصاریٰ کا یا اسلام ہو سب کی اصل روح دو چیزیں ہیں ۔ ایک یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے ۔ اسی کی اطاعت و فرمانبرادی کو اپنا عقیدہ اور مذہب سمجھے ۔ دوسرے یہ کہ کوئی شخص اطاعت و فرمانبرداری کے طریقے اپنے ذہن و خیال سے خود نہ گھڑے بلکہ عبادت و اطاعت کے وہی طریقے اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ بتائے اور متعین کئے ہیں ۔

نسلی مسلمان ہو یا یہودی یا نصرانی ، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں اصل چیز ایمان اور عملِ صالح ہے ۔ یہود و نصاریٰ کے اختلاف کو بیان کرنے کا مقصد مسلمانوں کو متنبہ کرنا ہے کہ کہیں تم بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جانا کہ ہم تو جدی پشتی مسلمان ہیں ، ہم زبان سے بھی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اس لئے جنت اور ان تمام انعاموں کے ہم ہی مستحق ہیں جن کے وعدے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہیں (معارف القرآن ۲۹۱ ، ۲۹۲/ ۱) ۔

مساجد ویران کرنے کا انجام

۱۱۴ ۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ؕ

اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور ان مساجد کے اجاڑنے میں کوشش کرے ۔ ان لوگوں کے لئے تو یہی بہتر تھا کہ وہ ان میں ڈرتے ہوئے داخل ہوتے ۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور ان کے لئے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے ۔

مَنَعَ : اس نے منع کیا ۔ اس نے روکا ۔ مَنْعٌ سے ماضی ۔

سَعٰى : اس نے سعی کی ۔ اس نے کوشش کی ۔ سَعْیٌ سے ماضی ۔

خَرَابِهَا : اس کا خراب کرنا ۔ مصدر ہے ۔

خِزْیٌ : ذلت ، خواری ، رسوائی ، مصدر ہے ۔

شانِ نزول : ابن جریر نے عبدالرحمٰن بن زید سے روایت کی ہے کہ حدیبیہ کے دن جب مشرکینِ مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ کے لئے مکہ میں نہ آنے دیا اور نہ آپؐ کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (مظہری ۱۱۵ / ۱) ۔

تشریح : ایامِ جاہلیت میں مشرکینِ مکہ خانۂ کعبہ کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے

عرب قبائل بھی کعبہ کا احترام بجالاتے تھے ۔ جب اسلام کا نور کوہِ فاران کی چوٹی سے جلوہ گر ہوا تو ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں ۔ انہوں نے مسلمانوں کو کعبہ میں جاکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کا نام لینے سے منع کر دیا ۔ یہ بات ان کے مسلمہ اصولوں کے تحت بھی بہت بری تھی لہٰذا یہ بھی بڑے ظالم نکلے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور ان کو اجاڑنے کی کوشش کرے ۔

قریش کے لوگ جب خانۂ کعبہ میں جاتے تو نماز پڑھنے کی بجائے تالیاں اور سیٹیاں بجا کر بتوں کے آگے ناچتے اور کودتے تھے جو مسجد کی بڑی بے ادبی ہے حالانکہ وہاں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے بڑے ادب سے جانا چاہئے تھا ۔ لہٰذا مسجد میں نماز پڑھنے سے منع کرنا حرام ہے ۔ اسی طرح مسجدوں میں عبادت کے سوا لہو و لعب کے اشغال بھی حرام ہیں ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کے ساتھ اس قسم کی بے ادبی کریں گے ان کے لئے دنیا میں ذلت و رسوائی ہے جیسا کہ قریش کو بدر وغیرہ معرکوں میں ہوئی اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بھی عذاب عظیم ہے (حقانی ۲۶۷ / ۱) ۔

جہتِ قبلہ

۱۱۵ ۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ه

اور مشرق و مغرب تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے ۔ سو جس طرف تم منہ کرو تو اللہ تعالیٰ کا رخ بھی ادھر ہی ہے ، بیشک اللہ تعالیٰ وسعت والا خبردار ہے ۔

شانِ نزول : مکۂ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف اس طرح منہ کر کے نماز پڑھتے تھے کہ بیت اللہ بھی سامنے ہوتا تھا جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے ۔ اس پر یہود بہت خوش تھے ۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آیت وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ ..... کے نزول سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم منسوخ فرما کر خانۂ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا تو یہود طعنے دینے لگے کہ یہ لوگ اپنے قبلہ سے کیوں ہٹ گئے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ مشرق

و مغرب کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ جدھر اس کا حکم ہو اس کی تعمیل میں اُدھر ہی پھر جانا چاہئے ۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہیں قبلہ معلوم نہ ہوسکا اور انہوں نے اندازہ سے قبلہ کا تعین کر کے نماز پڑھی اور بعد میں ان کو قبلہ کی صحیح سمت کا پتہ چلا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کی اس نماز کو ادا شدہ قرار دیا گیا ۔ (ابن کثیر ۱۵۷ ، ۱۵۸/ ۱) ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو مکہ سے نکالے جانے پر تسلی دی ہے کہ اگر یہ کافر تمہیں مسجد حرام میں جانے سے روکیں تو تمہیں کسی قسم کا رنج و ملال کرنے کی ضرورت نہیں ، مشرق و مغرب سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے روئے زمین کو مسجد بنا دیا ہے ، تم جہاں چاہو نماز ادا کر سکتے ہو ۔

اللہ تعالیٰ کوئی جسم نہیں جو کسی خاص مکان یا کسی خاص سمت میں مقید ہو اور دوسرے کسی مکان یا سمت میں موجود نہ ہو وہ تو زمان و مکان سے بالا تر ، ہر وقت ، ہر جگہ اور ہر سمت میں موجود ہے ۔ اس لئے اس نے تمہارے لئے جو قبلہ متعین کر دیا ہے تم اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرو ۔ اگر فرائض کی ادائیگی کے وقت ، دشمن کے خوف سے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھ سکو یا کسی اندھیری رات یا جنگل میں قبلہ کی سمت معلوم نہ ہوسکے اور تم اندازہ سے قبلہ کا تعین کرکے نماز پڑھ لو اور بعد میں معلوم ہو کہ قبلہ کا تعین صحیح نہ تھا یا سفر میں نوافل پڑھنا چاہو اور سواری کا منہ قبلہ کی طرف نہ ہو اور سواری سے اترنے میں دشواری اور کسی قسم کا اندیشہ ہو تو ان تمام حالتوں میں نماز پڑھتے وقت جس طرف بھی اپنا منہ کر لو گے تو تمہاری نماز درست ہو جائیگی اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب اور حضور حاصل ہو جائیگا ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وسعت اور سہولت تمہیں اس لئے عطا فرمائی ہے کہ وہ بڑے وسیع علم والا ہے ۔

فرزند و زن سے مُبرّاذات

۱۱۶ ۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ

آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے ۔ سب اسی کے تابعدار ہیں ۔

اِتَّخَذَ: اس نے بنایا ۔ اس نے اختیار کیا ۔ اس نے لیا ۔ اِتِّخَاذٌ سے ماضی ۔

قٰنِتُوْنَ: فرماں بردار ۔ اطاعت کرنے والے ۔ عبادت گزار ۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: اس آیت میں عیسائیوں کے فاسد خیالات کا رد ہے ۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں ۔ یہ عقیدہ حضرت عیسیٰ کے حواریوں میں نہیں تھا بلکہ بعد میں پیدا ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس عقیدے کے رد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے اس لئے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کا ہے اور سب اسی کے فرماں بردار ہیں ۔ اس کو کسی کی حاجت نہیں ۔ وہ ان سب کا پیدا کرنے والا ، انہیں روزیاں دینے والا ، ان کے انداز ے مقرر کرنے والا اور انہیں قبضہ میں رکھنے والا ہے ۔ پھر بھلا اس مخلوق میں سے کوئی اس کی اولاد کیسے ہوسکتا ہے ۔ نہ تو حضرت عُزیر علیہ السلام اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے بن سکتے ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ کا خیال تھا اور نہ ہی فرشتے اس کی بیٹیاں بن سکتے ہیں ۔ جیسا کہ مشرکینِ عرب کا عقیدہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نظیر ، نہ اس کی عظمت و کبریائی میں اس کا کوئی شریک ، نہ اس کی کوئی بیوی اور نہ اس کی جنس کا کوئی اور ۔ وہ تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کی اولاد کیسے ہوگی ۔ وہ ہر چیز کا خالق اور ہر چیز کا عالم ہے ۔

صحیح بخاری کی ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے ۔ اسے یہ لائق نہ تھا ، وہ مجھے گالیاں دیتا ۔ اسے یہ نہیں چاہئے تھا ۔ اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مرنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو ۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بُری باتیں سنکر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں ، لوگ اس کی اولاد بتائیں اور وہ انہیں رزق و عافیت دیتا رہے ۔ (ابن کثیر ۱۶۰/ ۱) ۔

کن فیکون

۱۱۷ - بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

وہ آسمان اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ صرف یہی کہتا ہے کہ ہو جا ۔ پس وہ ہو جاتا ہے ۔

بَدِيْعُ : بغیر مادے اور نمونے کے پیدا کرنے والا ۔ ایجاد کرنے والا ۔ اس سے ایسا موجداور صناع مراد ہے جو حقیقی معنی میں پیدا کرنے والا اور ایجاد کرنے والا ہے ۔ جسے نہ کسی آلہ کی ضرورت ہے اور نہ کسی مال مسالہ کی ، نہ وہ کسی نمونہ کا محتاج ہے نہ کسی استاد کا ، وہ بغیر نمونے کے ہر چیز کو وجود بخشنے والا ہے ، زمین و آسمان اور کائنات کی ہر شئے اس نے پیدا کی ہے ۔

قَضٰى : اس نے فیصلہ کیا ۔ اس نے پورا کیا ۔ اس نے خواہش کی ۔ قَضَاءٌ سے ماضی ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کی ذات قدیم ، ازلی اور ابدی ہے اس نے تمام موجودات کو ایجاد کیا ہے ۔ زمین و آسمان اور کائنات کی ہر ہر شے کو بالکل نئے سرے سے بغیر نمونے اور بغیر مادے کے پیدا کیا ہے اور اس کے لئے یہ بات بہت آسان ہے کیونکہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ کام اس کے " ہو جا " کہنے سے ہی ہو جاتا ہے ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں ایسی کوئی قدرت نہیں بلکہ وہ نہ تو دشمنوں پر غلبہ پاسکے اور نہ ان کے ہاتھ سے اپنی جان بچا سکے ۔ ایسا مجبور و معذور کیسے خدا ہو سکتا ہے ۔

مشرکین کی نادانی

۱۱۸ - وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

اور بے علم (مشرکین عرب) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی ۔ ان سے پہلے لوگ بھی ایسی ہی باتیں کرتے تھے ۔ ان کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے ۔ بیشک ہم ان دونوں

کے لئے نشانیاں بیان کرچکے جو یقین کرتے ہیں ۔

یُکَلِّمُنَا : وہ ہم سے کلام کرتا ہے ۔ وہ ہم سے بات کرتا ہے ۔ تَکْلِیْمٌ سے مضارع ۔

تَشَابَھَتْ : وہ مشابہ ہوگئی ۔ وہ یکساں ہو گئی ۔ تَشَابُہٌ سے ماضی ۔

بَیَّنَّا : ہم نے بیان کر دیا ۔ ہم نے کھول دیا ۔ تَبْیِیْنٌ سے ماضی ۔

تشریح : یہاں اللہ تعالیٰ نے عرب کے جاہلوں کے اقوال نقل کئے ہیں جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ مجید کے بارے میں کہا کرتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ دنیا میں کسقدر جہل اور گمراہی کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی ۔ مشرکین مکہ دو اعتراض کیا کرتے تھے ۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا اور بالمشافہ طور پر کیوں نہیں کہدیتا کہ ہم نے فلاں کو رسول بنا کر بھیجا ہے ۔ دوسرے یہ کہ اگر ایسا نہیں کرتا تو ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی کیوں نہیں بھیج دیتا جس سے رسالت کی تصدیق ہو جائے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ یہ ان کی نادانی ہے ۔ اگر ہر شخص میں اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی صلاحیت و قابلیت ہوتی تو دنیا میں انبیاء بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی ۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے براہ راست حرام و حلال اور عبادت و ریاضت کے امور معلوم کر لیتا ۔ کیا دنیاوی اعتبار سے کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ مجھے حکیم کی کیا ضرورت ہر ایک کیوں نہیں حکیم ہو جاتا یا بادشاہ یا حکمران کی کیا ضرورت ، ہر شخص بادشاہ یا حکمران کیوں نہیں بن جاتا ۔ یہ نادانی اور جہل ہے ۔ پہلے زمانے کے جاہل بھی انبیاء کے مقابلہ میں ایسی ہی باتیں کرتے تھے ۔ یہ اور وہ جہل میں یکساں ہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے دوسرے اعتراض کا جواب یہ دیا کہ ہم نے یقین کرنے والوں کے لئے ایک نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں بیان کی ہیں ۔ جن لوگوں میں یقین کا مادہ ہی نہیں ان کو سیکڑوں ، ہزاروں ، معجزے اور قدرت کی نشانیاں بھی راہ راست پر نہیں لاسکتیں ۔ (حقانی ۱/۲۷۱ ، ۱/۲۷۲) ۔

بشیر و نذیر

۱۱۹ ۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ ۝

اور ہم نے آپؐ کو دین حق دیکر خوشخبری سنانے والا ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے
اور جہنمیوں کے بارے میں آپؐ سے پرسش نہیں ہوگی ۔

بالحق: حق کے ساتھ ، مراد یہ ہے کہ آپؐ کو راہِ حق کی طرف ہدایت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے ۔

بشیرا: خوشخبری سنانے والا ۔ جو لوگ ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کریں اور نیک کام کریں تو آپؐ انہیں دنیا و آخرت میں فلاح و بہتری کی خوشخبری دینے والے ہیں ۔

نذیرا: ڈرانے والا ۔ خبر دار کرنے والا ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا انکار کریں اور سرکشی کا راستہ اختیار کریں تو آپؐ انہیں ان کی بد اعمالیوں کی بنا پر دنیا و آخرت میں بُرے انجام سے خبردار کرنے والے ہیں ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپؐ کو دین حق دیکر بھیجا ہے تاکہ آپؐ ماننے والوں کو بشارت سنا دیں اور منکروں کو آنیوالی مصیبت کا خوف دلا دیں اور اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کا کام تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم پہنچا دینا ہے اور اگر کسی بد بخت اور بد نصیب نے آپؐ کی بات کو نہ مانا تو آپؐ سے ان کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا جائیگا ۔ کیونکہ انہوں نے خود ہی کفر و جہنم کی راہ اختیار کی ہے ۔

یہود و نصاریٰ کی خواہش

۱۲۰ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ؔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ؏

اور یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے تاوقتیکہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کرنے لگیں ۔ آپ کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہدایت ،

(حقیقی) ہدایت ہے ۔ اگر اس کے بعد بھی کہ آپ کے پاس علم آ چکا ہے ، آپ ان کی خواہشوں پر چلے تو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مدد گار ۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب (قرآن) دی ہے وہ تو اس کو ویسے ہی پڑھتے ہیں جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے ۔ وہی لوگ اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر ہیں سو وہی نقصان پانے والے ہیں ۔

مِلَّتَهُمْ: ان کا دین ۔ ان کا طریقہ ۔ ان کا مذہب ۔ جمع مِلَلٌ ۔

اَهْوَآءَهُمْ: ان کی خواہشیں ۔ ان کے خیالات ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد ھَوًی ہے ۔

يَتْلُوْنَهٗ: وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں ۔ وہ اس کو پڑھتے ہیں ۔ تِلَاوَةٌ سے مضارع ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتایا ہے کہ اسلام دینِ حق ہے اور اس کی خوبیاں اس کی حقانیت کی روشن دلیلیں ہیں ۔ اور مخالفین بھی دل میں اس کے قائل ہیں مگر وہ ضد اور تعصب کی بنا پر نہ صرف آپؐ کے دین کو حق نہیں مانیں گے بلکہ جب تک آپؐ ان کی جہالت و گمراہی کے متبع نہ ہو جائیں اس وقت تک وہ آپؐ سے راضی نہیں ہوں گے ۔ آپؐ ان ازلی بد نصیبوں کے ہدایت پر آنے کی توقع نہ رکھیں اور نہ ان کی ملمع کاریوں کو ہدایت سمجھیں ۔ اس لئے کہ ہدایت تو وہی ہے جو منجانب اللہ ہے ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے علما و مشائخ نے اپنے مذہب میں جو خیالات گھڑ لئے ہیں وہ ہدایت نہیں اس لئے آپؐ ان کی خواہشوں پر ہرگز نہ چلیں ۔

موجودہ یہود و نصاریٰ جو اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں وہ اہل کتاب نہیں ہیں ۔ اس لئے کہ نہ تو انہیں اپنی کتاب پر ایمان ہے اور نہ وہ اس کو پڑھتے ہیں ۔ بلکہ انہوں نے تو اس کو پس پشت ڈال رکھا ہے ۔ اگر وہ اپنی کتاب کو پڑھتے اور اس پر ایمان رکھتے تو نبیٔ آخرالزّماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے اور ان کی ہدایت قبول کرتے جیسا کہ عبداللّٰہ بن سلام اور نجاشی وغیرہ با انصاف یہود و نصاریٰ نے کیا کیونکہ ان کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بہت سی بشارتیں موجود ہیں ۔(حقانی ۲۷۳ ، ۲۷۴ / ۱) ۔

احوالِ قیامت

۱۲۲ ، ۱۲۳ ۔ یٰبَنِیۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ وَاَنِّیۡ فَضَّلۡتُکُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۔ وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡئًا وَّلَا یُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّلَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ۔

اے بنی اسرائیل ! تم میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام فرمائی تھی اور یہ کہ میں نے تمہیں اہل عالم پر فضیلت دی اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائیگا ۔ اور نہ اس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی ۔

تَجۡزِیۡ : وہ جزا دے گا ۔ وہ بدلہ دے گا ۔ جَزَآءٌ سے مضارع ۔

عَدۡلٌ : عدل ، انصاف ، بدلہ ، معاوضہ ، مصدر ہے ۔

شَفَاعَةٌ : شفاعت کرنا ، سفارش کرنا ، مصدر ہے ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی چالیسویں آیت سے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر خطاب شروع کیا تھا ۔ اب کلام کو تمام کرتے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں ۔ اور فرمایا کہ اے بنی اسرائیل ! تم میرے ان احسانات کو یاد کرو جو میں نے تمہارے ساتھ مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر کئے ۔ یہاں تک کہ تمہارے خاندان کو ایک خاص وقت میں دنیا کے تمام خاندانوں سے افضل و اشرف کر دیا تھا ۔ پھر تم نے جس قدر نا فرمانیاں کیں ، ان کے بُرے نتائج تم نے دنیا میں بھگتے ۔ اگر تم اب بھی اپنی نا فرمانی اور سرکشی سے باز نہ آئے تو یاد رکھو کہ جس طرح میں رحیم و کریم ہوں اس طرح جبّار و قہّار ہوں ۔ پھر تم روز قیامت سے ڈرتے رہو کہ جہاں نہ کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ کچھ معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کوئی مدد گار کسی کی مدد کر کے اس کو چھڑا سکے گا ۔ (حقانی ۱/۴۷۵) ۔

حضرت ابراہیم کی آزمائش

۱۲۴ ۔ وَاِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۔ قَالَ اِنِّیۡ

جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو !) جب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو انہوں نے ان (باتوں) کو پورا کر دکھایا ۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں ۔ حضرت ابراہیم نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی (کچھ لوگوں کو نبوت عطا فرما) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرا اقرار (منصب نبوت) ظالموں (قانون شکنوں کو نہیں پہنچتا ۔

ابْتَلٰی : اس نے آزمایا ۔ اس نے امتحان لیا ۔ اِبْتِلَاءٌ سے ماضی ۔

اَتَمَّهُنَّ : اس نے ان کو تمام کیا ۔ اس نے ان کو پورا کیا ۔ اِتْمَامٌ سے ماضی ۔

جَاعِلُکَ : تجھ کو بنانے والا ، تجھ کو کرنے والا ۔ جَعْلٌ سے اسم فاعل ۔

اِمَامًا : امام ۔ پیشوا ، خلیفہ ، قاضی ۔ یہاں نبی مراد ہے ۔

یَنَالُ : وہ پہنچتا ہے ۔ وہ پاتا ہے ۔ نَیْلٌ سے مضارع ۔

ذُرِّیَّتِیْ : میری اولاد ، میری نسل ، جمع ذُرِّیَّاتٌ و ذَرَارِیُّ ۔

ربطِ آیات : اکیسویں آیت سے یہاں تک بنی اسرائیل کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران ، ان کی بد اعمالیوں ، ان کی شرارتوں اور ان شرارتوں کے نتیجہ میں انکو ملنے والی مختلف سزائیں بیان کی گئی ہیں ۔ یہاں سے آیت ، ۱۵۲ تک خانۂ کعبہ کی فضیلت و تعظیم ، خانۂ کعبہ کا جائے عبادت ہونا ، خانۂ کعبہ کی تعمیر ، مکہ شہر کے لئے حضرت ابراہیم کی دعا ، ملت ابراہیمی سے اعراض کرنے والوں کا ذکر ملت ابراہیمی اور ملت اسلامی کا افضل و اکمل ہونا ، تحویلِ قبلہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افضل الرُّسل ہونا بیان فرمایا ہے ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے خاص پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مختلف امتحانات اور ان میں ان کی کامیابی پھر اس کے انعام و صلہ کا بیان ہے ۔ پھر

جب حضرت خلیل اللہ نے ازراہِ شفقت اپنی اولاد کے لئے بھی اسی انعام کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایک ضابطہ ارشاد فرمادیا جس کے تحت حضرت ابراہیم کی درخواست مشروط طور پر منظور کی گئی کہ یہ انعام آپ کی ذرّیّت کو بھی ملے گا مگر ان میں سے جو لوگ نا فرمان و بد اعمال اور ظالم ہوں گے وہ اس کو نہ پاسکیں گے ۔ (معارف القرآن ۳۰۹/ ۱) ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم ہمارا فرماں بردار بندہ تھا ہم نے اس کو کئی باتوں میں آزمایا ۔ وہ ان میں کامیاب رہے ۔ مثلاً ستارہ پرستوں کی محبت اور برادری بلکہ وطن چھوڑ نے کو کہا تو وہ سب کچھ چھوڑ کر ملک شام میں چلے گئے ۔ عرب کے ریگستان میں اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت خانہ بنانے اور اس کی حفاظت کے لئے اپنی اولاد کو وہاں آباد کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے خانۂ کعبہ بنا کر وہاں اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو بسا دیا ۔ بیٹے کی قربانی کا حکم دیا تو اس کے لئے ہمہ تن آمادہ ہو گئے ۔ نمرود نے آگ میں ڈالا تو ایمان پر ثابت قدم رہ کر اس میں گرنا منظور کر لیا ۔ اس کے صلہ میں جب اللہ تعالیٰ نے ان کو لوگوں کا پیشوا یعنی نبی بنانا چاہاتو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میری اولاد میں سے بھی انبیاء اور بابرکت لوگ پیدا فرما تاکہ تیری خدمت گزاری اور فرماں برداری ہمیشہ میرے خاندان میں رہے ۔ ان کی درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری اولاد میں ایک گروہ بد کاروں کا ہوگا ۔ ان کے لئے میرا وعدہ نہیں ۔ پس اے بنی اسرائیل اور عرب کے مشرکو ! تم اپنے مُسلّم الثبوت بزرگ کی پیروی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بجا لاؤ ۔ جس کے لئے خود حضرت ابراہیم نے صرف اپنے بیٹے حضرت اسحٰق ہی کے خاندان کے لئے برکت نہیں چاہی تھی بلکہ انہوں نے حضرت اسمٰعیل کے لئے بھی چاہی تھی ۔ (حقانی ۲۷۶/ ۱) ۔

بیت اللہ کی اہمیت

۱۲۵ ۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ۔ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۔ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ

اور امن کا مقام بنایا اور (ہم نے حکم دیا کہ) مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ اور ہم نے (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسمٰعیل سے عہد لیا کہ تم دونوں طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو خوب پاک رکھا کرو ۔

مَثَابَۃً: یہ ثَوْبًا یا مَثَابًا سے ماخوذ ہے ۔ بعض کے نزدیک اس کی ت زائد ہے اور بعض کے نزدیک مبالغہ کے لئے ہے ۔ اس کے معنی لوٹنے کے ہیں اس لئے مثابہ کے معنی مرجع کے ہوئے جہاں آدمی بار بار لوٹ کر جائے ۔ (معارف القرآن ۳۱۶/ ۱) ۔

مُصَلًّی: نماز پڑھنے کی جگہ ۔ تَصلِیَۃٌ سے اسم ظرف مکان ۔

طَهِّرَا: تم دونوں پاک رکھو ۔ تَطْهِیْرٌ سے امر ۔

طَائِفِیْنَ: طواف کرنے والے ، گرد گھومنے والے ۔ طوفٌ سے اسم فاعل ۔

عٰکِفِیْنَ: اعتکاف کرنے والے ، گوشہ نشین ہونے والے ۔ عُکُوْفٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: اہل کتاب حج کے منکر تھے ۔ وہ کہتے تھے کہ یہ عرب کے جاہلوں کا طریقہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ نہیں اور نہ حضرت ابراہیم نے اس کعبہ کو بنایا ہے اور نہ انہوں نے اس کو حاجیوں اور طواف کرنے والوں کے لئے مقرر کیا ہے ۔ اس لئے اس کو قبلہ اور عبادت کی جگہ بنانا بھی مشرکین کی رسم ہے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی اس رسم کو ملک و قوم کی محبت میں نباہ رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس باطل خیال کو رد فرما دیا ۔ اور فرمایا کہ خانۂ کعبہ کو امن اور ثواب حاصل کرنیکی جگہ اور مرجع ہم ہی نے بنایا ہے اور ہم حکم دیتے ہیں کہ سب لوگ مقام ابراہیم کو مصلے بنائیں یعنی وہاں نماز پڑھیں اور ہم ہی نے حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کو بڑی تاکید سے کہا تھا کہ تم میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں ، اعتکاف کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھنا ۔ (حقانی ۴۷۸/ ۱) ۔

اس میں مشرکین عرب پر بھی تعریض ہے کہ تم باوجود یکہ ملت ابراھیمی کی پیروی کرتے ہو اور خانۂ کعبہ کی تعظیم بھی کرتے ہو مگر تمہارا عمل تو ملت ابراہیمی کے خلاف ہے ۔ ہم نے تو اس گھر میں نماز ، طواف ، اعتکاف اور عبادت الٰہی کا حکم دیا تھا

اور تم نے اس کے اندر بت رکھ کر ان کی پرستش شروع کر دی ۔ ہم نے اس کو امن کی جگہ بنایا تھا اور تم مسلمانوں کو یہاں امن سے نہیں آنے دیتے ۔ ہم نے اس کو پاک و صاف رکھنے کا حکم دیا تھا مگر تم نے اس کے اندر بت رکھکر اس کو ناپاک بنا رکھا ہے ۔ لہٰذا تمہارا یہ دعویٰ کہ تم ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہو صحیح نہیں ۔ (حقانی ۱/ ۴۷۸) ۔

دعائے خلیل

۱۲۶ ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب اس گھر کو امن کا شہر بنا دے اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اس کو پھلوں سے رزق عطا فرما ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کفر کرے گا میں اس کو بھی تھوڑے (دنوں تک) فائدہ اٹھانے دوں گا ۔ پھر میں اس کو کھینچ کر آگ کے عذاب میں ڈالدوں گا ۔ اور وہ (رہنے کے لئے) بہت بری جگہ ہے ۔

اُمَتِّعُهٗ : میں اس کو فائدہ پہنچاؤں گا ۔ تَمْتِیْعٌ سے مضارع ۔

اَضْطَرُّهٗ : میں اس کو مجبور کردوں گا ۔ اِضْطِرَادٌ سے مضارع ۔

الْمَصِیْرُ : لوٹنے کی جگہ ، ٹھکانا ۔ صَیْرٌ سے اسم ظرف مکان ۔

تشریح : خانۂ کعبہ کی تعمیر سے فارغ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب تو اس کو امن والا شہر بنا دے تاکہ یہاں آنے والے ہر قسم کا آرام و سکون پائیں اور لوگ ہمیشہ اس گھر کی خبر گیری کریں ۔ اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جو لوگ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے روز پر ایمان لائیں ان کو میوے عطا فرما کیونکہ یہ خشک پہاڑ ہے اگر ایسا نہ ہوا (ان کو میوے عطا نہ کئے گئے) تو یہاں

قیام مشکل ہو جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رزق کے معاملہ میں تو مومن و کافر برابر ہیں اس لئے میں یہاں کسی قدر (یعنی حیات دنیوی تک) کافروں کو بھی فائدہ اٹھانے دوں گا ۔ پھر اس کے بعد ان کو کھینچ کر عذاب میں ڈالدیا جائیگا جو نہایت بری جگہ ہے (حقانی ۲۹۱/ ۱) ۔

۱۲۷ ، ۱۲۹ - وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ؕ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیم اور (حضرت) اسمٰعیل اس گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور یہ کہتے جا رہے تھے کہ) اے ہمارے رب ہم سے یہ (خدمت) قبول فرما ۔ بیشک تو ہی سننے اور جاننے والا ہے ۔ اے ہمارے پروردگار ! ہمیں اپنا فرماں بردار بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی امت (پیدا فرما جو) تیری فرماں بردار ہو اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہمارے حال پر توجہ رکھ ۔ بیشک تو ہی توجہ فرمانے والا مہربان ہے ۔

اے ہمارے پروردگار ! اور ان میں انہی میں سے ایک ایسا رسول بھیج جو ان کو تیری آیتیں (پڑھکر) سنایا کرے ۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے (پاک و صاف بنادے) بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے ۔

يَرْفَعُ: وہ بلند کرتا ہے ۔ وہ اٹھاتا ہے ۔ رَفْعٌ سے مضارع ۔

الْقَوَاعِدَ: بنیادیں ۔ دیواریں ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد قَاعِدَةٌ ہے ۔

مَنَاسِكَنَا: ہماری عبادت کے طریقے ، ہمارے حج وغیرہ کے احکام ۔ واحد مَنْسَكٌ ۔

یَتْلُوْا: وہ تلاوت کرتے ہیں ۔ تِلَاوَۃٌ سے مشتق ہے ۔ تلاوت کے اصل معنی اتباع اور پیروی کے ہیں ۔ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں یہ لفظ قرآنِ کریم اور دوسری آسمانی کتابوں اور کلامِ الٰہی کے پڑھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس طرح یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو اسی طرح پڑھنا ضروری ہے ۔ اپنی طرف سے کسی لفظ یا اس کی حرکات میں کمی بیشی یا تبدیلی کی اجازت نہیں ۔ امام راغب اصفہانی نے اپنی مفردات میں فرمایا کہ کلامِ الٰہی کے سوا کسی دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جاسکتا ۔

اَلْحِکْمَۃَ: عربی لغت میں حکمت کا لفظ کئی معنوں میں آتا ہے مثلاً حق بات پر پہنچنا، عدل و انصاف، علم و حلم وغیرہ ۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی تمام اشیاء کی پوری معرفت اور مستحکم ایجاد کے ہوتے ہیں اور جب غیر اللہ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی موجودات کی صحیح معرفت اور نیک اعمال کے لئے جاتے ہیں۔ ابن کثیر اور ابن جریر نے حضرت قتادہ سے لفظ حکمت کے معنی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نقل کئے ہیں۔ بعض نے تفسیرِ قرآن اور بعض نے تفقہ فی الدین فرمایا ہے ۔

یُزَکِّیْھِمْ: وہ ان کا تزکیہ کرتا ہے ۔ وہ ان کو پاک و صاف کرتا ہے ۔ یہ زَکٰوۃٌ سے مشتق ہے جس کے معنی طہارت اور پاکی کے ہیں ۔ یہ لفظ ظاہری و باطنی ہر قسم کی پاکی کے لئے بولا جاتا ہے ۔ (معارف القرآن ۳۳۰/ ۱) ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا کا ذکر فرمایا ہے ۔ جب وہ خانۂ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو اس وقت انہوں نے نہایت عجز و انکسار سے یہ دعا کی تھی کہ اے اللہ ہماری اس کوشش کو قبول فرما ۔ ہم جو کچھ زبان سے کہتے ہیں تو اس کو خوب سنتا ہے اور تو دل کے حال سے بھی خوب واقف ہے ۔ اے اللہ ہمیں ہمیشہ اپنی فرماں برداری میں رکھ اور ہمارے بعد بھی ہماری اولاد میں سے اپنے فرماں بردار لوگ پیدا کر تاکہ تیری غلامی اور تیرے گھر کی خدمت گاری، میری نسل میں رہے ۔ اے اللہ عبادت اور حج کے جو دستور اور طریقے تو نے مقرر کئے

ہیں ہمیں ان کی تعلیم دے تاکہ ہم اس کے مطابق عمل کریں اور اس میں ہم سے جو کوتاہی ہو جائے تو اس کو معاف کر اور ہم پر ہمیشہ مہربانی فرما کیونکہ تو ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے ۔ اے اللہ ہماری نسل سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے ، تیری کتاب کی تعلیم دے اور حکمت سکھائے یعنی شریعت کے اسرار اور رموز احکام بھی بتائے ۔ اور وہ اپنے فیض نبوت اور انوار معرفت سے لوگوں کو آراستہ کرے ۔ بیشک تو ہی زبردست حکمت والا ہے ۔ (حقانی ۲۹۲ / ۱) ۔

دینِ ابراہیمی

۱۳۰ ۔ ۱۳۲ ، وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

اور ملتِ ابراہیمی سے کون منہ پھیر سکتا ہے سوائے اس کے جو اپنے آپ کو بیوقوف بنائے اور بیشک ہم نے اس (ابراہیم) کو دنیا میں بھی بزرگی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوگا ۔ اور جب اس کو اس کے رب نے کہا کہ تو فرماں بردار ہو جا تو (ابراھیم نے) عرض کیا کہ میں نے تمام جہان کے پروردگار کی فرماں برداری اختیار کی ۔ اور (حضرت) ابراھیم اور (حضرت) یعقوب نے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی تھی کہ اے بیٹو ! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس دین کو پسند کر لیا ہے پس تم اسلام ہی کی حالت میں مرنا ۔

یَرْغَبُ عَنْ : وہ اعراض کرے گا ۔ وہ رو گردانی کرے گا ۔ رَغْبٌ و رُغْبَۃٌ سے مضارع ۔ رَغْبٌ اور رَغْبَۃٌ کے معنی مائل اور متوجہ ہونے کے ہیں ۔ جب اس کے ساتھ عن آجائے تو معنی بر عکس ہو جاتے ہیں یعنی اس کے معنی مائل اور متوجہ ہونے کے بجائے اعراض اور رو گردانی کے ہو جاتے ہیں ۔

سَفِهَ : وہ بیوقوف ہوا ۔ اس کی سبکی ہوئی ۔ سَفْہٌ سے ماضی ۔ جو شخص نفع و نقصان سوچے بغیر اپنی خواہشات کو پورا کرتا ہو اس کو خفیف اور سَفِیْہٌ کہتے ہیں ۔ اس کی ضد حلیم ہے ۔

اصْطَفَیْنٰہُ : ہم نے اس کو منتخب کر لیا ۔ ہم نے اس کو برگزیدہ کر لیا ۔ اِصْطِفَاءٌ سے ماضی ۔

اَسْلِمْ : تو اسلام لا ۔ تو تابعداری کر ۔ اِسْلَامٌ سے امر ۔

وَصّٰی : اس نے وصیت کی ۔ اس نے حکم دیا ۔ تَوْصِیَۃٌ سے ماضی ۔

تشریح : ان آیتوں میں بھی مشرکین کا رد ہے جو اپنے آپ کو دینِ ابراہیم پر بتاتے تھے حالانکہ وہ کامل مشرک تھے اور حضرت خلیل اللہ تو موحدوں کے امام اور توحید کو شرک سے ممتاز کرنے والے تھے ۔ انہوں نے تو عمر بھر میں ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کیا ۔ وہ تو ہر قسم کے شرک سے بیزار تھے ۔ اسی لئے قوم سے الگ ہوئے ، وطن چھوڑا اور باپ تک کی مخالفت کی پرواہ نہ کی اور صاف صاف کہدیا کہ ۔

يَا قَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

اے میری قوم میں ان سے بیزار ہوں جنکو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو ۔ بیشک میں نے تو یکسو ہو کر اپنی تمام تر توجہ اس پاک ذات کی طرف کر دی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ۔

جو امور اسلام کے اصول قرار دئے گئے ہیں وہی ملت ابراہیمی کی اصل ہیں اور ملت ابراہیمی کا انکار صرف وہی شخص کرسکتا ہے جو اپنی جان پر ظلم کرے ، نادان اور احمق ہو اور گمراہ ہو ۔ حضرت ابراہیم کو تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے چن لیا تھا اس لئے ان کو دنیا میں بھی برگزیدہ کیا اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ان کے مراتب بلند ہیں ، سب موحدین ان کو پیشوا مانتے ہیں اور ہر جگہ ان کا ذکرِ خیر ہے ۔ ان کی بزرگی کی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے فرماں بردار ہو جاؤ تو انہوں (حضرت ابرہیم) نے فوراً عرض کیا کہ میں دل و جان سے تابعدار ہوں ۔ اے یہود ، اے عرب ، اور اے نصاریٰ تم کیوں ملت ابراہیمی کا انکار کرتے ہو ۔ حضرت

ابراہیم تو خود بھی عمر بھر اسلام پر قائم رہے اور اپنی وفات کے وقت انہوں بھی اور ان کے بعد حضرت یعقوب نے بھی اپنی موت کے وقت اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ تم ہمیشہ اسی دین پر قائم رہنا اور مسلمان ہی ہو کر مرنا ۔ (ابن کثیر ۱۸۵/ ۱ ، حقانی ۱/۲۹۵) ۔

حضرت یعقوب کی وصیت

۱۳۳ ، ۱۳۴ ۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔

(اے بنی اسرائیل) کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب کی موت کا وقت آیا ، جب انہوں نے نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے ۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم اس خدا کی عبادت کریں گے جو تیرا اور تیرے باپ دادا (حضرت) ابراہیم (حضرت) اسمٰعیل اور (حضرت) اسحٰق کا خدائے واحد ہے اور ہم تو اسی کے فرماں بردار ہیں ۔ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ۔ ان کا کیا ہوا ان کے کام آئے گا اور جو کچھ تم کرو گے وہ تمہارے کام آئے گا ۔ اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا۔

شُهَدَآءَ: موجود ، گواہ ۔ حاضر ۔ اس کا واحد شَهِيْدٌ ہے ۔

حَضَرَ: وہ حاضر ہوا ۔ وہ آیا ۔ حُضُوْرٌ و حَضَارَةٌ سے ماضی ۔

خَلَتْ: وہ گزر گئی ۔ خُلُوٌّ سے ماضی ۔

كَسَبَتْ: اس نے کمایا ۔ اس نے کیا ۔ كَسْبٌ سے ماضی ۔

تشریح : گزشتہ آیات میں حضرت یعقوب کی وصیت کا بیان تھا ۔ اس پر یہود نے کہا کہ حضرت یعقوب نے ہرگز یہ وصیت نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے تو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تم ان کی موت کے وقت وہاں حاضر تھے جب کہ حضرت یعقوب نے مصر میں جاکر لوگوں کو بت ، ستارے ، بیل اور بلی وغیرہ کو پوجتے دیکھا اور ان کو اس بات کا خوف ہوا کہ کہیں میرے بعد یہ لوگ بھی ان کو دیکھ کر ، بت پرست نہ ہو جائیں تو انہوں نے اپنی سب اولاد کو بلا کر پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے ؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کے باپ دادا حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق کا واحد خدا ہے اور ہم تو ہمیشہ سے اسی کے فرماں بردار ہیں اور اسی کے فرماں بردار رہیں گے ۔ ظاہر ہے کہ تم اس وقت موجود نہ تھے ، پھر تم کس لئے انکار کرتے ہو؟ تم اس بات پر فخر کرتے ہو کہ تم ان بزرگوں کی فرماں بردار اولاد ہو اور اگر تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہوئی تو تم اپنی برات میں ان کے اعمال پیش کرو گے ۔ تمہارا ان سے کیا تعلق ۔ وہ تو پاکباز لوگ تھے گزر گئے ۔ ان کے اعمال سے ان کو نفع ہو گا اور تمہارے اعمال سے تمہیں اور تم ان کے اعمال کے جوابدار نہیں ۔ (حقانی ۱/۲۹۷) ۔

تمام آسمانی کتابوں پر ایمان

۱۳۵ ، ۱۳۶ - وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا ۔ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ج لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ز وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔

اور وہ کہتے ہیں کہ تم یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو ہدایت پالو گے ۔ آپ کہدیجئے کہ ہم تو ملتِ ابراہیمی کے پابند ہیں جو خالص اللہ کے ہو رہے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۔ (اے مسلمانو !) تم کہدو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو ہماری طرف (قرآن) نازل کیا گیا ہے اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور

یعقوب اور اس کی اولاد پر نازل ہوا اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور جو کچھ دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ، سب پر ایمان رکھتے ہیں ۔ ہم ان میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں ۔

تشریح : یہود و نصاریٰ نے سابقہ انبیاء کا طریقۂ ہدایت چھوڑ کر نیا مذہب بنا رکھا تھا، اسی پر ان کو ناز تھا ۔ اسی کو وہ نجات کا راستہ جانتے تھے ۔ یہود کہتے تھے کہ ہمارا مذہب قدیم ہے ، اس کے بغیر ہدایت ممکن نہیں ۔ اسی طرح عیسائی دعویٰ کرتے تھے کہ ان کے مذہب کے بغیر نجات ممکن نہیں ۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب کے پیشوا حضرت ابراهیم ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ ہم خالص ملتِ ابراہیمی پر ہیں اور وہ مشرک نہیں ۔ جبکہ تمہارے مذہب میں شرک ہے ۔ اس کے علاوہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر اور سب انبیاء پر بلا تفریق ایمان لائے ۔ یہی اسلام ہے جس میں بنی اسرائیل اور غیر بنی اسرائیل کی کوئی تفریق نہیں ۔ اس کے برعکس یہود و نصاریٰ اور دیگر مذاہب کے لوگ دوسرے انبیاء کو نہیں مانتے ۔ پس اسلام ہی قدیم اور حق ہے (حقانی ۲۹۸/ ۱) ۔

مسلمانوں کی حفاظت کا وعدہ

۱۳۷ ۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ؕ

پھر اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم لائے ہو تو بیشک وہ بھی ہدایت پالیں گے اور اگر وہ رو گردانی کریں تو بیشک وہی ضد پر ہیں ۔ سو عنقریب تمہاری طرف سے اللہ ان سے نمٹ لے گا اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

شِقَاقٍ : مخالفت ۔ ضد ۔ مشقت میں ڈالنا ۔

فَسَیَكْفِیْكَهُمُ : پس جلد (اللہ تعالیٰ) تمہاری طرف سے ان سے نمٹ لے گا ۔

تشریح : گزشتہ آیات میں اسلام کی حقانیت ثابت کرنے کے بعد ان آیات میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے فرماتا ہے کہ اگر یہ کفار بھی تمہاری طرح تمام کتابوں اور رسولوں کو مان لیں تو یہ بھی رشد و ہدایت اور نجات پالیں گے ۔ مگر یہ لوگ ضدی ہیں اس لئے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر اسلام قبول نہیں کریں گے ۔ پس اے مسلمانو ! تم ان کی ضد اور دشمنی کے سبب حق ظاہر کرنے میں کچھ تردّد نہ کرو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے شر سے محفوظ رکھے گا ۔ وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

خدائی رنگ

۱۳۸ ۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ز وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۔

(اور ہم نے اپنے آپ کو) اللہ تعالیٰ کے رنگ (میں رنگ لیا) اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہے ۔ اور ہم تو اسی کی عبادت کرتے ہیں ۔

صِبْغَةً : رنگ ۔ غوطہ دینا ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا دین مراد ہے ۔

تشریح : عیسائیوں میں ایک قدیم رسم ہے کہ جب وہ کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے ہیں یا جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو ساتویں روز ایک حوض میں غوطہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے وہ پاک ہو گیا ۔ بعض عیسائی اس پانی میں زرد رنگ وغیرہ بھی ملاتے ہیں اور بعض بجائے غوطہ دینے کے صرف رنگین کرنے ہی کو کافی سمجھتے ہیں اس کو اصطباغ یعنی بپتسمہ کہتے ہیں ۔ اس ظاہری رنگ کو وہ نصرانیت کا پختہ رنگ سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں یہ نجات کی کنجی ہے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں فرمایا کہ حوض میں غوطے لگانے یا سر سے پاؤں تک رنگنے سے کچھ حاصل نہیں ۔ اصل رنگ تو خدائی رنگ ہے جو کلمۂ لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ سے چڑھتا ہے اور انسان کی روح اور قلب کو رنگین کر دیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے اس باطنی رنگ سے اچھا کوئی رنگ نہیں ۔ انسان اس رنگ میں رنگین ہو کر ہمیشہ اسی کی عبادت میں مستغرق رہتا ہے ۔ (حقانی ۵۰۰، ۵۰۱ / ۱) ۔

کتمانِ حق

۱۳۹ ۔ ۱۴۱ ۔ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ

اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۙ اَمْ تَقُوْلُوْنَ
اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا
اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ
شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۗ تِلْكَ
اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ
عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہدیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال اور ہم تو خالص اسی (اللہ) کو ماننے ہیں ۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور اس کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کہدیجئے کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچی ہو اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ۔ وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کا کیا ہوا ان کے کام آئیگا اور جو کچھ تم کرو گے وہ تمہارے کام آئے گا ۔ اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا ۔

اَتُحَاجُّوْنَنَا: کیا تم ہم سے حجت کرتے ہو ۔ کیا تم ہم سے جھگڑا کرتے ہو ۔ مُحَاجَّۃٌ سے ماضی ۔

کَتَمَ: اس نے چھپایا ۔ کَتْمٌ و کِتْمَانٌ سے ماضی ۔

خَلَتْ: وہ گزر گئی ۔ خُلُوٌّ سے ماضی ۔

کَسَبَتْ: اس نے کمایا ۔ اس نے کیا ۔ کَسْبٌ سے ماضی ۔

تشریح: یہود کہتے ہیں کہ ہدایت کا مدار یہودیت پر ہے اور جنت میں صرف یہودی ہی جائیں گے ۔ عیسائی کہتے ہیں کہ ہدایت کا دارومدار عیسائیت پر ہے اور صرف نصرانی ہی جنت کے مستحق ہیں ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ان سے کہدیجئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو ۔ وہ تو تمہارا اور ہمارا سب کا رب ہے اور ہر شخص

اپنے اعمال کی جزا و سزا پاتا ہے ہم تو اسی کے مخلص ہیں ۔ یا اگر وہ یہ کہیں کہ نجات کا مدار یہودیت یا عیسائیت پر ہے کیونکہ حضرت ابراہیم ، حضرت اسمٰعیل ، حضرت اسحٰق ، حضرت یعقوب اور بزرگان دین کی اولاد سب یہودی یا عیسائی تھے تو یہ بھی غلط ہے اس لئے کہ ہزاروں سال پہلے کی بات وہ جانتے ہیں یا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کو خوب جانتا ہے ۔ اور یہ لوگ خود بھی جانتے ہیں مگر یہ جان بوجھ کر چھپاتے ہیں ۔ توریت و انجیل میں اس بات کی شہادت موجود ہے کہ حضرت ابراہیم مخلص تھے مشرک نہ تھے ۔ اور یہودیت و نصرانیت سے بری تھے ۔ اور ان کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت بھی موجود ہے پھر جو شخص اس شہادت کو چھپائے اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ۔ یہ لوگ ان بزرگوں کا نام خواہ لیتے ہیں وہ تو پاکباز اور اچھے لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ گئے ۔ جب تک تم ان کے نقش قدم پر نہیں چلو گے ، صرف ان کی اولاد میں سے ہونا تمہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عزت و نفع نہیں دے سکتا ۔ ان کے اعمال میں تمہارا کوئی حصہ نہیں اور تمہاری بدی ان پر کوئی بوجھ نہیں ، جو کرے گا وہی بھرے گا ۔ لہٰذا ان کے لئے ان کے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں ۔ اور تم سے ان کے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا ۔ (ابن کثیر ۱۸۸ / ۱ ، حقانی ۵۰۲ / ۱) ۔

تحویلِ قبلہ

۱۴۲ - سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا ط قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ط يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ط

اب یہ بیوقوف کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ تھے کس بات نے پھیر دیا (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہدیجئے کہ مشرق و مغرب تو اللہ ہی کے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے ۔

وَلّٰهُمْ : اس نے ان کو پھیر دیا ۔ اس نے ان کو موڑ دیا ۔ تَوْلِيَةٌ سے ماضی ۔

قِبْلَتِهِمْ : ان کا قبلہ ۔ ان کے سامنے کا رخ ۔ قبلہ بروزن فِعْلَۃ سامنے کی جہت کو کہتے ہیں یا اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے سامنے ہونے سے پیدا

ہوتی ہے ۔ یہ مُقَابَلَۃٌ سے مشتق ہے یا اِستِقبَالٌ سے ۔ خانۂ کعبہ کو قبلہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے ۔

تشریح : یہودیوں کو تحویلِ قبلہ پر بھی بڑا اعتراض تھا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کا جواب دیا ہے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے تو یہاں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے ۔ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں کہ مدینہ پہنچ کر کتنی مدت تک آپؐ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ۔ صحیح یہ ہے کہ آپؐ نے تقریباً ۱۷ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو وہاں بھی آپؐ بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور کعبہ کو سامنے رکھتے تھے ۔ جیسا کہ بیہقی اور ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے ۔

پھر جب حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ آپؐ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے دل میں اس کا شوق پیدا فرماد یا اور آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کی آرزو میں بار بار آسمان کی طرف منہ کر کے دیکھا کرتے تھے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دینے سے پہلے مخالفین کے متوقع طعنہ کو بیان کر کے اس کا جواب دیا ہے کہ عنقریب بیوقوف لوگ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم پر یہ اعتراض کریں گے کہ ان مسلمانوں کو ان کے قبلہ بیت المقدس سے جس کی طرف منہ کر کے وہ مدت تک نماز پڑھتے رہے ، کس چیز نے پھیر دیا ۔ یہ طعن مدینہ کے یہود منافقین اور مشرکین کی طرف سے ہوا تھا ۔ یہود تو اس لئے طعن کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو کیوں منسوخ کرتا ہے کیا اس کو (نعوذ باللہ) پہلے سے معلوم نہ تھا ۔ یہ امر ان کو اس لئے بھی ناگوار گزرا کہ یہ نبیٔ عربی ، انبیاء کے قبلہ کو چھوڑ کر جاہلوں کے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے لہذا یہ وہ نبی نہیں ہے جس کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے توریت میں خبر دی ہے جبکہ مشرکین عرب کہتے تھے کہ آخر کار ہمارے ہی کعبہ کی طرف منہ کیا ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ آپؐ کہدیجئے کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے لئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام سمتیں یکساں ہیں ۔ وہ ہروقت اور ہرجگہ موجود ہے ، کسی خاص جگہ اور مکان میں محدود و مقید نہیں ۔ وہ کسی خاص وجہ

سے ایک خاص سمت کو عبادت کے لئے مخصوص کر دیتا ہے جس کو ہر شخص نہیں سمجھتا اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اس کی طرف ہدایت کرتا ہے ۔ (حقانی ۵۰۳، ۵۰۴ / ۱) ۔

تحویلِ قبلہ کی حکمت

۱۴۳۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ، وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِىْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ، وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ، اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ،

اور (جس طرح ہم نے قبلہ کے معاملہ میں تمہاری رہنمائی کی ہے) اسی طرح ہم نے تمہیں ایک نہایت معتدل امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے ۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) وہ قبلہ (بیت المقدس) جس پر آپؐ تھے ، ہم نے اس لئے بنایا تھا کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ (تحویل قبلہ کے وقت) کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھرتا ہے ۔ اور بیشک قبلہ کا بدلنا بہت شاق گزرا ہے بجزان ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے ، بیشک اللہ تعالیٰ (ان) لوگوں کے ساتھ بہت شفیق اور مہربان ہے ۔

وَسَطًا : وسطی ، درمیانی ، معتدل ، یہاں اس کے معنی بہتر اور عمدہ کے ہیں ۔

لِنَعْلَمَ : تاکہ ہم جان لیں ۔ تاکہ ہم معلوم کرلیں ۔ عِلْمٌ سے مضارع ۔

يَنْقَلِبُ : وہ لوٹے گا ۔ وہ پلٹے گا ۔ اِنْقِلَابٌ سے مضارع ۔

عَقِبَيْهِ : اس کی دونوں ایڑیاں ۔ جمع اَعْقَابٌ ۔

تشریح : اسی طرح ہم نے تمہیں معتدل اور بہترین امت بنایا تاکہ قیامت کے روز تم اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دو کہ انبیاء نے اپنی امتوں کو احکام پہنچادئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہوں گے ۔

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولین و آخرین کو ایک جگہ جمع کرے گا ،

پھر گزشتہ امتوں کے کفار سے خطاب کرکے فرمائے گا کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا ؟ وہ صاف انکار کردینگے اور کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے دریافت فرمائے گا تو وہ کہیں گے کہ اے اللہ ہم آپ کا پیغام پہنچا چکے ، یہ لوگ صریح جھوٹ بولتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ باوجود یکہ عالم الغیب ہے اتمام حجت کے لئے انبیاء علیہم السلام سے گواہ طلب فرمائے گا ۔ اس وقت امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوگی اور گواہی دے گی کہ انبیاء علیہم السلام نے تمام احکام ان کو پہنچادئے ہیں ۔ کفار کہیں گے کہ ان کو کیسے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام نے ہمیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچادئے ہیں ۔ یہ تو ہمارے برسوں بعد پیدا ہوئے ہیں ۔ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیگی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ہمیں خبردی کہ تمام انبیاء نے اپنی اپنی امت کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچادئے اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے ۔ اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلائے جائیں گے اور امت کی حالت ان سے پوچھی جائے گی ۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی سچائی اور عدالت کی گواہی دیں گے ۔ بخاری ، ترمذی ، نسائی ، احمد ، اور بیہقی کی روایتوں کا بھی یہی مفہوم ہے ۔ (مظہری ۱۳۹ ، ۱۴۰ / ۱) ۔

پھر فرمایا جو لوگ تحویل قبلہ کے بارے میں آپؐ سے جھگڑا کرتے ہیں اور طرح طرح سے شکوک پیدا کرتے ہیں تو وہ بیوقوف اور نا سمجھ ہیں ۔ چند روز بیت المقدس کی طرف منہ کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ اس سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فرماں برداروں اور نا فرمانوں میں امتیاز ہو جائے ۔ اس لئے کہ جو اپنے معبود حقیقی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں وہ بلا تامل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول کرلیتے ہیں ۔ اور جو لوگ اپنے آبائی مذہب و ملت اور مال و دولت کی محبت میں گرفتار ہیں وہ اس میں نکتہ چینیاں کر کے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں ۔ اور کسی کے کہنے سے اپنے مذہبی شعائر کو چھوڑ دینا اور اس کے بتائے ہوئے شعائر کو تسلیم کر لینا بہت بڑی بات ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان یعنی تمہاری نماز کو جو تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ، ضائع نہیں فرمائے گا ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت کرنے والا بڑا مہربان ہے ۔ (حقانی ۵۰۸ / ۱) ۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدی

عورت کو دیکھا جس سے اسکا بچہ بچھڑ گیا تھا ۔ وہ اپنے بچے کو پاگلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ (بچہ) نہیں ملا تو وہ قیدیوں میں سے جس بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی ۔ یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا ، اس نے خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھالیا ، سینے سے لگا کر پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا ۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا کہ بتاؤ کیا یہ (عورت) اپنا بس چلتے ہوئے بچے کو آگ میں ڈال دے گی ؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہر گز نہیں۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم جس قدر یہ ماں اپنے بچے پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے ۔ (ابن کثیر ۱۹۲/ ۱) ۔

خانۂ کعبہ کو قبلہ مقرر فرمانا

۱۴۴ ۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

بے شک (حکم کے انتظار میں) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں ۔ پس جو قبلہ آپ پسند کرتے ہیں ہم آپ کو اسی کی طرف منہ کرنے کا حکم دئے دیتے ہیں ۔ لہذا آپ نماز میں مسجد الحرام کی طرف منہ کر لیا کریں اور (اے مسلمانو !) تم جہاں کہیں بھی ہوا کرو (نماز میں) اسی کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو اور بیشک یہ اہل کتاب خوب جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے بالکل ٹھیک ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ۔

تَقَلُّبَ : اٹھنا ۔ پھر جانا ۔ مصدر ہے ۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ : پس البتہ ہم آپ کو ضرور پھیر دینگے ۔ تَوْلِیَۃٌ سے مضارع بانون تاکید ۔

تَرْضٰهَا : جسے تو پسند کرتا ہے ۔ مراد خانۂ کعبہ ۔

وَجْهَكَ : اپنے چہرے کو ۔ اپنے منہ کو ۔

شطر : سمت ، طرف ، جانب ، جمع شُطُورٌ وَاَشْطُرٌ ۔

تشریح : سمتِ قبلہ کے بارے میں مخالفین کے شکوک و شبہات رد کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم آپؐ کو اس قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیدیں گے جس کو آپؐ کا دل چاہتا ہے ۔ اس کے بعد آپؐ کو اور آپؐ کی امت کو عام حکم دیا کہ یہ مکہ اور اس کے نواح کی خصوصیت نہیں بلکہ تم جہاں کہیں بھی ہو اور نماز پڑھنا چاہو تو خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر لیا کرو۔ اس کے بعد اہل کتاب کے بارے میں فرمایا کہ اب اس بارے میں وہ جو کچھ اعتراض کرتے ہیں یا کریں گے یہ محض ان کی حق سے چشم پوشی ہے کیونکہ وہ ان روایات سے جو ان میں تواتر کے ساتھ نسل در نسل چلی آتی ہیں ، کعبہ کی بزرگی اور اس کا بر حق ہونا خوب جانتے ہیں (حقانی ۵۱۰ / ۱) ۔

اہلِ کتاب کی ہٹ دھرمی

۱۴۵ ۔ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ج وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ج وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ط وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ م بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ لا اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ م

اور اگر آپ اہل کتاب کے سامنے تمام دلیلیں بھی پیش کر دیں تب بھی وہ آپ کے قبلہ کو نہیں مانیں گے اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے قبلہ کو نہیں مانتا ۔ اور اگر علم حاصل ہو جانے کے بعد آپ نے بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی (ان کے کہنے پر چلے) تو بیشک اس وقت آپ بھی نافرمانوں میں سے ہوں گے ۔

اَتَيْتَ : تو آیا (بلا صلہ) تو لایا (بصلۂ با) اِتْيَانٌ سے ماضی ۔

اٰيَةٍ : آیت ، نشانی ، حکم خداوندی ۔

تَبِعُوْا : انہوں نے پیروی کی ۔ انہوں نے اتباع کی ۔ تَبْعٌ سے ماضی ۔

اَهْوَآءَهُمْ : ان کی خواہشیں ۔ ان کے خیالات ، واحد ھَوًی ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ نے اعلان فرما دیا کہ اب قیامت تک کے لئے آپؐ کا قبلہ بیت اللہ ہی رہے گا ۔ اس سے یہود و نصاریٰ کے ان خیالات کا بھی رد ہو گیا کہ مسلمانوں کے قبلہ کو تو کوئی قرار نہیں ، پہلے بیت اللہ تھا ، پھر بیت المقدس ہو گیا ۔ پھر بیت اللہ ہو گیا ۔ اب بھی ممکن ہے کہ دو بارہ بیت المقدس ہی کو قبلہ بنالیں ۔ (معارف الحدیث بحوالہ بحر محیط ۳۸۵ / ۱) ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت بیان فرمائی ہے جس طرح وہ لوگ نا حق پر اڑے ہوئے ہیں اور اس سے ہٹنا نہیں چاہتے تو ان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی باتوں میں آنے والے نہیں وہ تو ہمارے تابع فرمان ہیں اور ہماری مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں ۔ لہذا وہ ان کی باطل خواہشوں کی پیروی ہر گز نہیں کریں گے ۔ اور نہ ہی ان کے لئے یہ ممکن ہے کہ ہمارا حکم آجانے کے بعد وہ ان کے قبلہ کی طرف توجہ کریں ۔ (ابن کثیر ۱۹۴ / ۱)۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاء. میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے وہ فرضِ محال کے طور پر ہے جس کے وقوع کا کوئی احتمال نہیں ۔ اصل میں امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کو بتانا مقصود ہے کہ اس کی خلاف ورزی ایسی چیز ہے کہ اگر بفرض محال خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا کریں تو وہ بھی ظالم قرار پائیں ۔ (معارف القرآن ۳۸۵ / ۱) ۔

اہلِ کتاب اور پیغمبرِ اسلام

۱۴۶ ، ۱۴۷ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ؔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ؏

جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توریت و انجیل) دی ہے وہ تو اس (نبی) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق ایسا بھی ہے جو حق بات کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں ۔ حق تو وہی ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے ۔ پس آپ شک میں نہ پڑیں ۔

لَيَكْتُمُوْنَ : البتہ وہ چھپاتے ہیں البتہ وہ پوشیدہ رکھتے ہیں کَتْمٌ وکِتْمَانٌ سے مضارع

مضارع ۔

الْمُمْتَرِيْنَ : شک کرنے والے ۔ تردد کرنے والے ۔ اِمْتِرَاءٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح : یہاں بیٹوں سے تشبیہ دیکر بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ جس طرح اپنے بیٹوں کو پوری طرح پہچانتے ہیں اور ان میں ، ان کو کبھی شبہ نہیں ہوتا اسی طرح توریت و انجیل میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں ، واضح علامتیں اور نشانیاں بتائی گئی ہیں ان کے ذریعہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یقینی طور پر جانتے اور پہچانتے ہیں ۔ ان کا انکار محض حسد و عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے (معارف القرآن ۳۸۶ / ۱) ۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ فاروق نے حضرت عبداللہؓ بن سلاّم سے جو یہودیوں کے زبردست علاّمہ تھے پوچھا ، کیا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جانتے ہو جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہو ؟ انہوں نے جواب دیا ۔ ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپؐ کی صحیح تعریف بتا دی یعنی حضرت جبرائیل ، حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگارِ عالم نے آپؐ کی صفتیں بیان کیں جو سب کی سب آپؐ میں موجود ہیں پھر ہمیں آپؐ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا ؟ ہم آپؐ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں ؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپؐ کی نبوت میں کچھ شک نہیں ۔ غرض جس طرح لوگوں کے بڑے مجمع میں ایک شخص اپنے لڑکے کو پہچان لیتا ہے اسی طرح آپؐ کے اوصاف جو اہل کتاب کی آسمانی کتاب میں ہیں وہ آپؐ میں اس طرح نمایاں ہیں کہ ایک ہی نظر میں ہر شخص آپؐ کو جان جاتا ہے ۔ پھر فرمایا کہ اس علم حق کے باوجود بھی یہ لوگ اسے چھپاتے ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ثابت قدمی کا حکم دیا اور تاکید فرمائی کہ تم حق کے حق ہونے میں ہرگز شک و شبہ نہ کرنا ۔ (ابن کثیر ۱۹۴/ ۱) ۔

نیکی میں سبقت

۱۴۸ ، ۱۵۰ ۔ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ ، وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ، وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ، وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ، وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۙ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۙ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ،

اور ہر ایک کے لئے ایک سمت (قبلہ) ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے ۔ پس تم نیکیوں کی طرف دوڑا کرو ۔ تم جہاں کہیں بھی ہوگے ، اللہ تعالیٰ تم سب کو (وہیں سے) سمیٹ کر لے آئے گا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جہاں کہیں سے بھی نکلیں تو (نماز میں اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کر لیا کریں اور بیشک آپ کے رب کی طرف سے یہی حق ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ۔ اور آپ جہاں کہیں سے بھی نکلیں اپنا چہرہ مسجدِ حرام کی طرف کر لیا کریں اور (اے مسلمانو!) تم بھی جہاں کہیں ہوا کرو تو (نماز میں) اپنے چہرے اسی کی طرف کر لیا کرو تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہے ۔ مگر ان میں سے جو ظالم ہیں تو ان سے نہ ڈرو اور تم مجھ ہی سے ڈرتے رہو تاکہ میں تم پر اپنی نعمت (فضل) پوری کردوں اور تاکہ تم ہدایت پاجاؤ ۔

وِجْهَةٌ: سمت ، طرف ، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مُراد قبلہ ۔ اور حضرت اُبَیّ بن کعب کی قرأت میں یہاں وِجْهَةٌ کی بجائے قِبْلَةٌ بھی منقول ہے ۔ (معارف القرآن ۳۸۹/ ۱) ۔

الْخَيْرٰتِ: نیکیاں ۔ خوبیاں ۔ صدقہ و خیرات وغیرہ کے علاوہ ہر قسم کی نیکی کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ ہر وہ کام جو شریعت کے مطابق کیا جائے اور مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو وہ خیرات میں داخل ہے ۔

حُجَّةٌ: حجت ، جھگڑا ، دلیل ، الزام ، جمع حُجَجٌ ۔

تشریح: جمہور مفسرین کے نزدیک وِجْهَةٌ سے مُراد یہ ہے کہ ہر قوم کا ایک علیحدہ قبلہ ہے جس کی طرف وہ عبادت میں رخ کرتے ہیں خواہ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کرنے کا حکم ملا ہو یا انہوں نے اپنے طور پر سمت مقرر کرلی ہو ۔ کوئی بھی قوم

دوسرے کے قبلہ کو تسلیم نہیں کرتی ۔ اس لئے اپنے قبلہ کے صحیح ہونے کے بارے میں ان لوگوں سے بحث و تمحیث فضول ہے ۔ اس لئے اس کو چھوڑ کر نیک کاموں میں دوڑ دھوپ اور آگے بڑھنے کی کوشش میں لگ جاؤ ۔ عنقریب وہ دن آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمام اقوام عالم کو جمع کر کے حساب لے گا ۔ عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنے اوقات آخرت کی فکر میں صرف کرے ۔

تحویل قبلہ کے الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں ۔ اس تکرار کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اگر یہ حکم تاکید کے ساتھ مکرّر بیان نہ کیا جاتا تو لوگوں کو اطمینان و سکون قلب حاصل نہ ہوتا ۔ اس لئے اس حکم کو بار بار دہرایا گیا ۔ قرطبی نے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ پہلی مرتبہ جو حکم آیا وہ حالتِ حضر کے لئے ہے کہ آپؐ جب اپنی جگہ مقیم ہوں تو مسجدِ حرام کی طرف رخ کیا کریں اور حَیْثُ مَاکُنْتُمْ کا مطلب ہوگا کہ یہ حکم صرف مسجدِ نبوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اپنے وطن اور شہر میں جس جگہ بھی ہوں بیت اللہ ہی کا استقبال کرنا ہے پھر انہی الفاظ کے ساتھ دوسری مرتبہ جو حکم آیا اس سے پہلے مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ کے الفاظ ہیں جو ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ حکم وطن سے نکلنے اور سفر کی حالت کے لئے ہے ۔ چونکہ سفر کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور سفر میں کبھی چند روز کے لئے کہیں قیام کیا جاتا ہے اور کبھی زیادہ عرصہ کے لئے اور کبھی سفر قطع کرنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے اس لئے تیسری مرتبہ پھر ان الفاظ کے ساتھ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ کا اضافہ کر کے بتادیا کہ سفر کی کوئی بھی حالت ہو ، نماز میں قبلہ ہی کی طرف رخ کرنا ہے ۔ (معارف القرآن ۳۸۸، ۳۸۹/ ۱) ۔

مقاصدِ بعثت

۱۵۱ ، ۱۵۲ ۔ کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلاً مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ہ فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنَ ہ

جیسا کہ ہم نے تم لوگوں میں ، تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں ایسی باتوں کی تعلیم دیتا ہے جن کو تم نہیں جانتے

تھے ۔ پس تم مجھے یاد کرو ، میں تمہیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو ۔

تشریح : یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت بڑی نعمت یاد دلائی ہے کہ اس نے ہم میں ہماری ہی جنس کا ایک نبی مبعوث فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی روشن اور نورانی کتاب کی آیتیں ہمارے سامنے تلاوت فرماتا ہے ۔ اور وہ ہمیں رذیل عادتوں ، نفس کی شرارتوں اور جاہلیت کے کاموں سے روکتا ہے اور ہمیں کفر کی ظلمت سے نکال کر نورِ ایمان کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور ہمیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ہم پر ایسے راز کھولتا ہے جو اس سے پہلے ہم پر نہیں کھلے تھے ۔ پس آپؐ کی تعلیم و تربیت سے وہ لوگ جن پر صدیوں سے جہل چھایا ہوا تھا اور تاریکی میں گھرے ہوئے تھے ، دنیا کے رہبر و معلم بن گئے ۔ جو لوگ نرے ان پڑھ اور رہزن تھے وہ آپؐ کی تعلیمات سے علم میں گہرے ، تکلف میں تھوڑے ، دلوں کے پاک اور زبان کے سچے بن گئے ۔ دنیا کی حالت کا یہ انقلاب بجائے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کا ایک شاہد عدل ہے ۔ ایسے اولوالعزم پیغمبر کی بعثت مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا زبردست احسان ہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

اٰل عمران آیت ۱۶۴ ۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجدیا ۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کا ذکر فرما کر لوگوں کو اپنی یاد اور اپنے شکر کا حکم دیا کہ جس طرح میں نے تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک نبی بھیج کر تم پر احسان کیا تم بھی میرے ذکر اور میرے شکر سے غفلت نہ کرو ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تو مجھے یاد رکھ ، بھول نہیں ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا شکر ہے اور بھلانا کفر ہے ۔

مسند احمد میں ایک حدیثِ قدسی میں ہے ، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزّو جل فرماتا ہے کہ اے بنی آدم اگر تو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی تجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں ۔ اگر تو

مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں تجھے فرشتوں کی جماعت میں یاد کرتا ہوں یا یہ فرمایا کہ میں تجھے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتاہوں ۔ اور اگر تو میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں تیری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں ۔ اور اگر تو میری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا تو میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھوں گا اور اگر تو میری طرف چل کر آئے گا تو میں تیری طرف دوڑ کر آؤں گا ۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے ۔ (ابن کثیر ۱۹۶ / ۱) ۔

قرطبی فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح ہم نے تمہیں ایک قبلہ کی نعمت عطا فرمائی ، دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی نعمت سے نوازا ، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ایک نعمت ہے ۔ لہذا ان سب نعمتوں کا شکر ادا کرو تاکہ یہ نعمتیں اور زیادہ ہو جائیں ۔ (معارف القرآن ۹۲/ ۱) ۔

طلبِ استعانت

۱۵۳ ۔ يَآ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو ! (ہر مصیبت کے وقت) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔

ربطِ آیات : تحویلِ قبلہ پر مخالفین کی طرف سے جو اعتراض ہوا تھا اسکے دو اثر تھے۔ ایک یہ کہ اعتراض سے اسلام کی حقانیت کے بارے میں شبہ پیدا کیا جا رہا تھا ۔ اوپر کی آیات میں اس اعتراض کا جواب دیکر اسکے اثر کو دفع کر دیا گیا ۔ دوسرا اثر اہل اسلام کی طبیعتوں پر پڑا کہ اعتراض کا جواب دینے کے بعد بھی اس پر بے جا اصرار سے قلب میں رنج اور صدمہ پیدا ہوتا ہے ۔ اس آیت میں صبر اور نماز کی مدد سے رنج و ملال میں کمی کا طریقہ بتا کر اس دوسرے اثر کو بھی زائل فرما دیا ہے ۔ (معارف القران ۱۹۳ /۱) ۔

تشریح : اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی تمام ضروریات اور حوائج کو پورا کرنے اور تمام آفات و مصائب اور تکالیف کو دور کرنے کا جو نسخۂ اکسیر ہے وہ دو چیزوں سے مرکب ہے ۔ ایک صبر ، دوسرے نماز ۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ ان سے

انسان کی ہر ضرورت میں مدد حاصل کی جاسکتی ہے ۔

صبر کے اصلی معنی اپنے نفس کو روکنے اور اس پر قابو پانے کے ہیں ۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں ۔

(۱) اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا ۔
(۲) اطاعت و عبادت کی پابندی پر مجبور کرنا ۔
(۳) مصائب و آفات پر صبر کرنا ۔ یعنی اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا اور اس کے ثواب کا امید وار ہونا ۔

قرآنِ کریم کی اصطلاح میں انہیں لوگوں کو صابرین کہا جاتا ہے جو مذکورہ تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں ۔ بعض روایات میں ہے کہ حشر کے روز ندا کی جائے گی کہ صَابِرِین کہاں ہیں ؟ تو وہ لوگ جنہوں نے تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی گزاری ہوگی وہ کھڑے ہو جائیں گے اور ان کو بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائے گی ۔

اس نسخہ کا دوسرا جزو جو تمام انسانی ضروریات کو پورا کرنے اور تمام پریشانیوں اور آفتوں سے نجات دلانے میں اکسیر ہے ، وہ نماز ہے ۔ در حقیقت نماز اور دوسری تمام عبادات ، صبر ہی کی جزئیات ہیں ۔ نماز کو علیحدہ اس لئے بیان کیا گیا کہ تمام عبادات میں نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جو صبر کا مکمل نمونہ ہے کیونکہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت و اطاعت کے ساتھ ساتھ ، معاصی و مکروہات سے روکا جاتا ہے ۔ تمام آفتوں اور مصیبتوں سے نجات دلانے میں بھی نماز کی ایک خاص تاثیر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو آپؐ نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مہم کو پورا فرما دیتے تھے ۔
(معارف القرآن ۳۹۴ ، ۳۹۵/ ۱) ۔

حیاتِ شہداء

۱۵۴ ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ، بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ،

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل (شہید) ہو جاتے ہیں تم ان کو مرا ہوا نہ

کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں مگر تمہیں اس کا شعور نہیں ۔

تشریح: یہ آیت شہداء بدر کے بارے میں نازل ہوئی تھی ۔ شہداء بدر میں چھ آدمی تو مہاجرین میں سے تھے ۔ اور آٹھ انصار میں سے ۔ لوگ ان کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ ہائے فلاں شخص مر گیا اور اس سے دنیا کی نعمت چھوٹ گئی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کے ازالہ اور ان کے درجات پر آگاہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی ۔ شہداء کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسم کی سی قوت عطا فرما دیتا ہے جس کے ذریعہ وہ زمین ، آسمان اور جنت سب جگہ کی سیر کرتے ہیں ۔ اسی حیات کی وجہ سے زمین ان کے بدن اور کفن کو نہیں کھاتی ۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شہداء کی ارواح اللہ تعالیٰ کے ہاں سبز پرندوں میں رہتی ہیں اور جنت میں جہاں چاہیں سیر کرتی پھرتی ہیں اور عرش کے نیچے جو قندیلیں ہیں ان میں آرام کرتی ہیں ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۔ ۱۵۲/ ۱) ۔

مومنوں کی آزمائش

۱۵۵ ۔ ۱۵۷ ۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ○

اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے ، کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو مصیبت کے وقت کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہیں اور ہم سب اسی کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے خاص مہربانیاں بھی ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی ۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں ۔

لَنَبْلُوَنَّكُمْ: البتہ ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے ۔ بَلَاءٌ سے مضارع ۔

مُصِیْبَۃٌ: مصیبت ۔ تکلیف ۔ اِصَابَۃٌ سے اسم فاعل ۔

صَلَوٰتٌ: عنایتیں ۔ اس کا واحد صَلوٰۃٌ ہے ۔ یہ لفظ نماز ، دعا ، رحمت اور برکت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

تشریح: ان آیتوں میں مومنوں کو ثابت قدمی ، دین میں استقامت اور ہر قسم کی تکالیف صبر و تحمل سے برداشت کرنے کی تعلیم ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہم تمہیں کسی قدر مصائب پہنچا کر برکاتِ سَمَاوِیہ سے مستفید کریں گے ۔ یہ بات پہلے سے اس لئے بتادی گئی تاکہ مصائب کے نزول کے وقت نفس کو اطمینان رہے اور زیادہ پریشانی نہ ہو ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں خوف سے مراد دشمن کا خوف اور جوع سے مراد قحط ہے ۔

طبرانی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نعل (جوتا) مبارک کا تسمہ ٹوٹ گیا ۔ آپؐ نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ بھی مصیبت ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ مومن کو جو ناگوار امر پہنچتا ہے وہی مصیبت ہے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ جایا کرے تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھا کرو کیونکہ یہ بھی مصیبت ہے ۔
(مظہری ۱۵۴۔/ ۱) ۔

بیہقی نے شعب الایمان میں ، ابن ابی حاتم اور طبرانی وغیرہ نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتا ہے ، اللہ تعالیٰ اسے اچھا بدل عطا فرماتا ہے اور اس کو اتنا دیتا ہے کہ وہ راضی ہو جاتا ہے ۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ مصیبت میں جیسے کلمات اس امت کو تعلیم کئے گئے ہیں ویسے کسی اور کو نہیں سکھائے گئے ۔ اگر امت محمدیہ کے سوا یہ کلمات کسی اور کو عطا کئے جاتے تو حضرت یعقوبؑ کو عطا کئے جاتے مگر انہیں بھی نہیں بتائے گئے ۔ چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف کے فراق میں یَا اَسَفیٰ عَلیٰ یُوْسُفَ (اے افسوس یوسف پر) فرمایا ۔ اگر ان کو یہ کلمات تعلیم کئے جاتے تو وہ یہی کلمات کہتے ۔
(مظہری ۱۵۴ / ۱) ۔

ابن ماجہ میں حضرت ابو سنان سے مروی ہے کہ میں نے اپنے ایک بچہ کو دفن

کیا ۔ ابھی میں اس کی قبر ہی میں تھا کہ ابو طلحہ خولانی نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے نکالا اور کہا سنو ! میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتا ہے کہ تونے میرے بندے کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا ۔ فرشتہ کہتا ہے ہاں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر اس نے کیا کہا ؟ فرشتہ جواب دیتا ہے کہ اس نے تیری حمد کی اور اِنَّا لِلّٰہ پڑھا ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بیت الحمد رکھو ۔ (ابن کثیر ۱/۱۵۵) ۔

اس کے بعد فرمایا کہ جن لوگوں نے مصیبت پر اِنَّا لِلّٰہ پڑھا اور حکمِ خداوندی پر رضا مندی کو اپنا شیوہ بنایا تو انہیں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں ہیں اور وہی لوگ راہ راست پر ہیں ۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز جب دنیا کے مصیبت زدوں کو ثواب ملے گا تو جو لوگ یہاں آرام میں رہتے ہیں وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھال قینچی سے کاٹ دی جاتی کہ ہمیں بھی نعمتیں ملتیں (ترمذی) ۔ حضرت ابو سعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو رنج یا غم ، یا حُزن یا کچھ تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے ۔ احمد اور ابو داؤد کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کے مقدر میں کوئی مرتبہ لکھا ہوا ہوتا ہے اور اس بندے کے اعمال ایسے نہیں ہوتے کہ وہ مرتبہ اسے ملے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن یا مال یا اولاد میں کچھ مصیبت پہنچا دیتا ہے ۔ وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اس صبر کی بدولت اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے ۔ (مظہری ۱/۱۵۵) ۔

مراسمِ حج

۱۵۸ ۔ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۔

بیشک صفا اور مروہ ، اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں ۔ پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ان دونوں (پہاڑوں کے درمیان) طواف

(سعی) کرنے میں کوئی گناہ نہیں اور جو شخص اپنی خوشی سے نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ (اس کی) قدر کرنے والا اور جاننے والا ہے ۔

صَفَا: ایک مشہور پہاڑی کا نام ہے جو مکۂ معظمہ میں مسجدِ حرام کے پاس واقع ہے ۔

اَلْمَرْوَۃَ: خانۂ کعبہ کے قریب ایک پہاڑی کا نام ہے ۔ اس کے قریب ہی ایک اور پہاڑی ہے جس کو صفا کہتے ہیں ۔ حج اور عمرہ کے لئے طوافِ کعبہ کے بعد ان دونوں پہاڑوں کے درمیان سعی کی جاتی ہے ۔ یعنی سات چکر لگائے جاتے ہیں ۔ اب یہ دونوں پہاڑیاں تقریباً ہموار ہو چکی ہیں ۔ ان کے معمولی آثار باقی ہیں جن سے ان کی نشاندہی ہوتی ہے ۔

شَعَآئِرِ: یہ شَعِیْرَۃٌ کی جمع ہے جس کے معنی علامت کے ہیں ۔ یہاں مراد عبادت کے طریقے ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے دین کی علامتیں قرار دیا ہے ۔

حَجَّ: لغت میں قصد کرنے کو حج کہتے ہیں ۔ یہاں خانۂ کعبہ کا قصد کرنے اور افعالِ مخصوصہ ادا کرنے کا نام حج ہے ۔

اِعْتَمَرَ: اس نے عمرہ کیا ۔ اِعْتِمَارٌ سے ماضی ۔

عُمْرَۃ: اس کے لفظی معنی زیارت کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں مسجد حرام کی حاضری ، طواف ، اور سعی کو کہتے ہیں (مظہری ، معارف القرآن ۱/۴۰۰

شانِ نزول ۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں جن میں سے چند یہ ہیں ۔

امام بخاری نے حضرت عاصم سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے صفا و مروہ کی سعی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہم اسلام سے پہلے اس سعی کو جاہلیت کی بات سمجھتے تھے ۔ جب اسلام آیا تو ہم نے سعی چھوڑ دی اس پر آیت اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ نازل ہوئی ۔

صحیحین میں حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ فَلَاَ جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِھِمَا (پس اس پر کچھ گناہ

نہیں کہ طواف کرے ان میں) سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی واجب نہیں ۔ حضرت عائشہؓ نے سنکر فرمایا ۔ اے بھتیجے تم نے یہ کیسی بات کہی اگر آیت کا مطلب یہ ہوتا جو تم نے بیان کیا ہے تو قرآن کی عبارت اس طرح ہوتی فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا (ان کا طواف نہ کرنے سے کچھ گناہ نہیں) یہ آیت تو انصار کے بارے میں ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کے حال سے متعلق نازل ہوئی تھی ۔ واقعہ اس طرح ہوا تھا کہ انصار مَنَاةَ بت کی عبادت کرتے تھے جب مسلمان ہوئے تو صفا و مروہ کے درمیان طواف کرنے سے ان کو کراہت محسوس ہوئی اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اسلام سے پہلے صفا و مروہ کی سعی کیا کرتے تھے اس لئے اب اس سعی سے طبیعت میں تنگی معلوم ہوتی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۵۶ / ۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان بہت سے بت تھے اور شیاطین رات بھر ان کے درمیان گھومتے رہتے تھے ۔ اسلام کے بعد لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں کے طواف کے بارے میں دریافت کیا تو یہ آیت اتری ۔ (ابن کثیر ۱۹۹/ ۱) ۔

تشریح : صفا و مروہ کا طواف (سعی) بھی اللہ تعالیٰ کے شرعی احکام میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو حج کی ادائیگی کے لئے سکھائے تھے ۔ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ نے خوراک و پانی کی تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان سات پھیرے کئے تھے ۔ یہی سعی کی اصل ہے ۔ واقعہ اسطرح سے ہے کہ حضرت ابراہیم ، حضرت ہاجرہ اور ان کے چھوٹے بیٹے حضرت اسمٰعیل کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہاں چھوڑ کر چلے گئے تھے ۔ جب حضرت ہاجرہ کے پاس کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا اور بچے کی جان پر آبنی تب انہوں نے نہایت بے قراری ، بے بسی ، ڈر و خوف اور اضطراب کے ساتھ ان دونوں پہاڑوں کے درمیان پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے تاکہ کہیں پانی نظر آ جائے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ فعل اس قدر محبوب ہوا کہ اس کو حج کے مناسک میں شامل کر دیا گیا ۔ پس جو شخص حج بیت اللہ یا عمرہ کا ارادہ کرے اس پر صفا اور مروہ کی سعی اور طواف میں کچھ گناہ نہیں ۔ تم کافروں کی مشابہت سے شبہہ میں مت پڑو ۔ صفا اور مروہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں اور ان کا طواف سراسر خیر اور عبادت ہے

اور جو شخص کوئی خیر اور نیکی ، شوق و رغبت سے کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی قدر فرماتا ہے اور اس کو اس کی نیت و اخلاص کے مطابق ثواب عطا فرمائے گا ۔

کتمانِ حق پر وعید

۱۵۹ ، ۱۶۰ - اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

بیشک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو جو ہم نے نازل کی ہیں ، اس کے بعد بھی چھپاتے ہیں کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لئے کتاب میں بھی بیان کر دیا ہے ۔ تو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں مگر جن لوگوں نے توبہ کر کے نیکی اختیار کر لی اور انہوں نے صاف صاف بیان کر دیا تو میں بھی ان کی توبہ قبول کرلوں گا اور میں تو بہت معاف کرنے والا مہربان ہوں ۔

اَلْبَيِّنٰتِ : روشن دلیلیں ۔ معجزات ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد بَيِّنَةٌ ہے ۔ یہاں مراد وہ علامتیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی بتا رہی ہیں ۔

اَلْهُدٰى : ہدایت کرنا ۔ رہنمائی کرنا ۔ یہاں وہ شئے مراد ہے جو سیدھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی راہ بتائے ۔

يَلْعَنُهُمْ : وہ ان کو لعنت کرتا ہے ۔ وہ ان کو پھٹکارتا ہے ۔ لَعْنٌ سے مضارع ۔

اللّٰعِنُوْنَ : لعنت کرنے والے ۔ اس سے مراد وہ سب ہیں جو لعنت کرنیکی صلاحیت رکھتے ہیں خواہ وہ ملائکہ ہوں ، جن ہوں ، انسان ہوں یا زمین کے جانور یہ سب مخلوق اللہ تعالیٰ سے ان پر لعنت کرنیکی درخواست کرتی ہے ۔ (مظہری ۱۵۸ / ۱) ۔

بَيَّنُوْا : انہوں نے بیان کیا ۔ تَبْيِيْنٌ سے ماضی ۔ یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اس کو صاف صاف بیان کر دیا جو کچھ توریت میں ہے ۔

شانِ نزول : ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت معاذؓ بن جبل اور سعدؓ بن معاذ اور خارجہؓ بن زید نے یہود کے علماء سے توریت کا کوئی مضمون دریافت کیا ۔ انہوں نے اس کو چھپایا اور بتانے سے صاف صاف انکار کر دیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (مظہری ۱۵۸ / ۱) ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ہدایات بیّنات نازل کی گئی ہیں ان کا لوگوں سے چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتا ہے اور تمام مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے ۔

حضرت براءؓ بن عازب سے مروی ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنازہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ کافر جب مرتا ہے تو اس کی پیشانی پر مار پڑتی ہے اور اس کو انسانوں اور جنّوں کے سوا روئے زمین پر چلنے والا ہر ایک سنتا اور لعنت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول یَلْعَنُھُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۔ سے یہی مراد ہے ۔ (مظہری بحوالہ ابن ماجہ ، ابن ابی حاتم ، ابن جریر ، ۱۵۸ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے کسی شرعی امر کے بارے میں سوال کیا جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی ۔ (ابن کثیر ۲۰۰/ ۱) ۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات بیّنات کو چھپانے کے فعلِ بد سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی امانت کو ظاہر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو معاف فرما دیتا ہے کیونکہ وہ بہت معاف کرنے والا مہربان ہے ۔

کافروں پر لعنت

۱۶۱ ، ۱۶۲ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ یُنْظَرُوْنَ ہ

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر گئے تو انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں رہیں گے ۔ نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت (چھٹکارا) ملے گی ۔

یُنۡظَرُوۡنَ : ان کو مہلت دی جائے گی ۔ یہ یا تو اِنۡظَارٌ بمعنی مہلت دینا سے مشتق ہے ۔ یا اِنۡتِظَارٌ سے ماخوذ ہے ۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اس بات کا انتظار نہیں کیا جائے گا کہ وہ کسی قسم کی معذرت کریں یا پھر نَظَرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں دیکھنا ۔ اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کی طرف رحمت نہ کی جائیگی ۔

تشریح : اس آیت میں ان لوگوں کا بیان ہے جو کفر کریں ، آخر دم تک اپنے کفر پر قائم رہیں پھر اسی (کفر کی) حالت پر ان کی موت واقع ہو جائے اور ان کو توبہ نصیب نہ ہو ، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ، فرشتوں او سب لوگوں کی طرف سے ، ہمیشہ لعنت برستی ہے وہ اس (لعنت کے) عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے ۔ نہ ان کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کو اس سے چھٹکارا حاصل ہوگا ۔ (حقانی ۵۲۱/۱)

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

۱۶۳ - وَاِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ

اور تمہارا معبود ایک ہی ہے ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے ۔

شانِ نزول : علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ قریش کے کفار نے یہ کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے رب کی صفت اور نسب بیان کیجئے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص اور یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۵۹/ ۱) ۔

تشریح : گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے احکام چھپانے والوں پر لعنت اور عذاب کا ذکر تھا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت و رحمت کا ذکر فرما کر کافروں پر واضح فرما دیا کہ وہی ایک معبود ہے جو رحمٰن و رحیم ہے ۔ اس کے سوا کہیں پناہ نہیں جو تمہیں اس کی لعنت سے چھڑا سکے ۔ رحمتِ عامّہ اور خاصّہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس لئے اس کی رحمت کے سوا لعنت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ۔ اگر اس کے سوا کوئی دوسرا معبود ہوتا تو شاید وہ تمہیں اس کی لعنت سے نکال لیتا اور تم پر رحمت کرتا لیکن اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو رحمٰن بھی ہو اور رحیم بھی لہذا تمہارے بچنے کی

کوئی صورت نہیں ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اہل کتاب کو تہدید اور عتاب ہو کہ باوجودیکہ توریت و انجیل میں اللہ تعالیٰ کی توحید صراحتاً مذکور ہے پھر بھی تم حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہو ۔ اور شرک کرتے ہو اور تم اس توحید کو چھپاتے ہو جو تمہیں معلوم ہے ۔

توحید کا اثبات

۱۶۴ ۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۔

بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے نفع کی چیزیں لیکر سمندر میں چلتے ہیں اور اس پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا ہے ، پھر اس سے مُردہ زمین کو زندہ کردیا اور اس میں ہر قسم کے چلنے والے جانور پھیلادئے ، اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو گھرا ہوا ہے آسمان اور زمین کے درمیان ، ان سب میں عقلمندوں کے لئے بہت سی دلیلیں ہیں ۔

خَلْقِ: پیدا کرنا ، بنانا ، مصدر ہے ۔ اگر یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی کسی چیز کو بغیر نمونے کے عدم سے وجود میں لانے کے ہوتے ہیں ۔ (المفردات ۱۵۷) ۔

دَآبَّةٍ: چلنے والا ، چوپایہ ، مخلوق ۔ دَبٌّ و دَوَابٌّ سے اسم فاعل ۔

تَصْرِیْفِ: پھیرنا ۔ بدلنا ۔ ہٹانا ۔ مصدر ہے ۔

الرِّیٰحِ: ہوائیں ۔ واحد رِیْحٌ ۔

السَّحَابِ: بادل ۔ ابر ۔

شانِ نزول: بیہقی اور سعد بن منصور نے ابی الضحیٰ سے روایت کی جب آیت

اِلٰھُکُم اِلٰہ وّاحد .... نازل ہوئی تو مشرکین کو بہت تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ اگر ایک ہی معبود ہے تو اس کی دلیل کیا ہے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آٹھ دلیلیں بیان فرمائی ہیں جن سے اس کی واحدانیت و دیگر صفاتِ کمالیہ اور اس کے وجود کا ثبوت ملتا ہے ۔

(۱) **آسمان و زمین کی پیدائش** ۔ افلاک متعدد ہیں اور ان میں ستارے بھی ہیں ۔ کوئی ستارہ بڑا ہے اور کوئی چھوٹا ۔ کسی کا رنگ سرخی مائل اور کسی کا سفیدی مائل ، کسی کی حرکت کسی طرف اور کسی کی کسی طرف ، سب اسی قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے ۔

(۲) **دنوں اور راتوں کا اختلاف** ۔ رات جاتی ہے اور دن آتا ہے ۔ کبھی راتیں چھوٹی اور دن بڑے ہوتے ہیں اور کبھی راتیں بڑی اور دن چھوٹے ہوتے ہیں ۔ ایک ہی وقت میں کہیں دن ہے ، کہیں رات ۔ قطب شمالی اور جنوبی پر دن اور رات چھ چھ مہینے کے ہیں ۔ یہ تمام عجائب از خود نہیں بلکہ یہ سب اسی کے دست قدرت میں ہے جس کے تابع آسمان و آفتاب ہیں ۔ وہی اللہ تعالیٰ ہے ۔

(۳) **کشتی اور جہاز** ۔ زمین کے پیشتر حصہ (تین چوتھائی) پر پانی ہے جس کو عربی میں بحر اور اردو میں سمندر کہتے ہیں اور جو پانی کی بارش ، زمین کے چشموں یا برف کے پگھلنے سے بہتے ہیں ان کو عربی میں نہر کہتے ہیں ، زمین کا جو ایک چوتھائی حصہ پانی سے باہر ہے اس پر دنیا کے ممالک آباد ہیں ۔ دنیا کے دور دراز ممالک میں جو لوگ سیر و سیاحت اور تجارت کی غرض سے جاتے ہیں وہ ہوائی جہازوں اور بحری جہازوں کے ذریعہ جاتے ہیں ۔ سمندر میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا اور اس کے متعلق انسان کو علوم و فنون اور آلات کی تعلیم کرنا اسی خدا کا کام ہے جس نے آسمان و زمین اور سمندر پیدا کئے ۔ پھر پہاڑ جیسی موجوں سے اس کو بچانا اور ہوا کو موافق رخ پر رکھنا سب اسی کے دست قدرت میں ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے ۔

(۴) **آسمانوں میں سے مینہ کا اترنا** ۔ یعنی بادلوں میں سے بارش کا نازل

کرنا بھی اس کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے ۔ ہزاروں لاکھوں من پانی کے بادل ہوا کی گاڑی پر لدے ہوئے ہیں ۔ ان کو فرشتے اِدھر اُدھر لئے پھرتے ہیں ۔ جہاں جسقدر ضرورت ہوتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی قدر نہایت سہولت سے برسا دیتے ہیں ۔

(۵) اس پانی (بارش) سے مردہ زمین کو زندہ کر دینا یعنی اس سے قسم قسم کی ہزار ہا جڑی بوٹیاں ، اناج ، گھاس اور عمدہ عمدہ پھلوں اور پھولوں کے درخت اگانا یہ سب اسی کا کام ہے ۔ باوجودیکہ زمین ایک ہے اور وہی پانی اوپر سے برستا ہے مگر ایک درخت شیریں ہے اور دوسرا تلخ ۔ یہی نہیں بلکہ ایک ہی درخت میں کئی کئی رنگ کے پھول اور بعض نباتات میں ایسی گل کاریاں کہ عقل حیران ہے ۔ کیا یہ سب نیرنگیاں اس قادرِ مطلق کے دست قدرت کا پتہ نہیں دیتیں ۔ وہی تو اللہ تعالیٰ ہے ۔

(۶) زمین پر حیوانات کا پھیلانا ۔ حیوان کی ہزار ہا انواع و اقسام ہیں ۔ بعض جانور اس قدر چھوٹے ہیں کہ دکھائی نہیں دیتے ان کی گنتی اور شمار انسانی قدرت سے باہر ہے ۔

(۷) ہواؤں کا بدلنا ۔ جن پر اہل دنیا کی زندگی کا مدار ہے ، کبھی مشرق کو اور کبھی مغرب کو چلتی ہیں ، کبھی جنوب کا رخ کرتی ہیں اور کبھی شمال کا ، کبھی مفید ہوتی ہیں کبھی مضر ، کبھی تند ، کبھی نرم ، کبھی سرد ، کبھی گرم ۔

(۸) ہزاروں لاکھوں من پانی کے بادلوں کو زمین و آسمان کے درمیان معلق رکھنا حالانکہ پانی اپنی فطرت کی بنا پر نیچے کی طرف آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے معلق ہے نہ گرتا ہے نہ پھٹتا ہے ۔ (حقانی ۵۲۲، ۱/۵۲۳) ۔

ان تمام اشیاء میں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر اور سوچ و بچار کرتے ہیں دلائل و آثار ہیں جو صاف بول رہے ہیں کہ پرستش اور شکریہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے جو وحدہ لا شریک ہے ۔

مشرکین کے لئے وعید

۱۶۵ - وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ

ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعاً وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۔

اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے برابر اوروں کو بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ تعالیٰ سے رکھنی چاہئے ۔ اور ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ زیادہ محبت ہے اور کاش ظالموں کو (آج) معلوم ہو جائے (جیسا کہ اس وقت معلوم ہوگا) جب وہ عذاب دیکھیں گے کہ سب قوت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے ۔

ربطِ آیات : اوپر کی آیات میں توحید کا اثبات تھا ۔ آگے مشرکین کی غلطی اور وعید کا بیان ہے ۔

تشریح : اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اپنی وحدانیت اور صفاتِ کمالیہ پر ایسے آٹھ دلائل بیان کئے جن سے تمام نعمتوں اور تمام بھلائیوں کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے پہنچنا ثابت ہوتا ہے ۔ مثلاً بارش برسانا ۔ اس کے ذریعہ اناج اگانا ، ہواؤں کا بدلنا وغیرہ اس کے باوجود بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی مخلوق میں سے ستاروں ، اور فرشتوں وغیرہ کو بھی اس کی خدائی میں شریک اور نفع و نقصان کا ذمہ دار تصور کر کے ان سے بھی ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے ۔ دراصل یہ انہی لوگوں کا کام ہے جنہوں نے نہ تو اس کو خدا جانا اور نہ وہ سچے دل سے اس پر ایمان لائے ۔ البتہ جو لوگ اس پر صدق دل سے ایمان لا چکے ہیں وہ تو اس پر فدا ہیں اور وہ اپنی جان و مال بھی اس پر قربان کرنے میں تامل نہیں کریں گے ۔ وہ خاص اسی کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے حکم کے مقابلہ میں کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور جو لوگ غیر اللہ سے محبت کرتے ہیں ان کو اصل حال معلوم نہیں اگر ان کو قیامت کا حال معلوم ہو جائے تو کبھی بھی یہ کام نہ کریں ۔ (حقانی ۵۲۴، ۵۲۵ / ۱) ۔

مشرکوں کی بے بسی

۱۶۶ ، ۱۶۷۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۔ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۔ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۔

جب وہ پیشوا الگ ہو جائیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے ان کی پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور آپس کے تعلقات قطع ہو جائیں گے ۔ اور پیروی کرنے والے کہیں گے کاش ایک بار پھر ہمیں (دنیا میں) جانے کا (موقع) ملے تو ہم بھی ان سے اسی طرح الگ ہوجائیں جس طرح یہ ہم سے الگ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے اعمال ان کو افسوس دلانے کے لئے دکھائے گا اور ان کو دوزخ سے نکلنا بھی نصیب نہیں ہوگا ۔

تَبَرَّاَ: وہ الگ ہوا ، وہ بیزار ہوا ۔ تبرءٌ سے ماضی ۔

کَرَّۃً: (دنیا میں) لوٹ جانا ۔ پھر جانا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: اوپر کی آیت میں آخرت کے عذاب کی سختی کی کیفیت کا بیان ہے ۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ سرداروں اور ان کی اتباع کرنے والوں کو ایک جگہ جمع فرمائے گا تو وہ سردار عذاب کو دیکھ کر ان لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر کرتے ہوئے الگ ہو جائیں گے ۔ قیامت کے دن کافروں کو انبیاء کا اتباع اور نیک کام چھوڑنے اور اپنے اوقات کو لغو باتوں میں ضائع کرنے پر تو ندامت و شرمندگی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دنیا کو دین پر ترجیح دینے سے حسرت و افسوس ہوگا ۔ سدی نے کہا کہ اگر کفار اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے اور اس اطاعت پر ان کو جنت میں جو درجات ملتے وہ قیامت کے روز ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور ان سے کہا جائیگا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے تو تمہیں یہ درجے ملتے ۔ پھر ان کے سامنے ہی وہ درجے مومنین کو تقسیم کر دئے جائیں گے ۔ اس وقت کافر بہت نادم ہوں گے اور حسرت و افسوس کر کے روئیں گے ۔ (مظہری ۱۶۴/ ۱) ۔

حلال وطیب غذا

۱۶۸ ، ۱۶۹ ۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔

اے لوگو ! زمین کی چیزوں میں سے حلال و پاکیزہ چیزوں کو کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو ۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ بیشک وہ تمہیں

بُری اور بے حیائی کی باتیں ہی بتائے گا اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ باتیں کہو جو تم نہیں جانتے ۔

خُطُوٰتِ: یہ خُطْوَۃٌ کی جمع ہے ۔ چلنے والے دونوں قدموں کی درمیانی مسافت کا نام خُطْوَۃٌ ہے ۔ یہاں شیطانی اعمال و افعال اور راستے مراد ہیں ۔ (مظہری ۱۶۵/ ۱) ۔

اَلْفَحْشَآءِ: فحش کام ۔ بے حیائی کا کام ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو پاک و حلال چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ نفس کی خواہش پر شیطان کی پیروی کرتے ہوئے حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال نہ بناؤ کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ، تمہیں گناہ اور بے حیائی کی طرف لیجاتا ہے ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اندر شیطان کا بھی اثر ہے اور فرشتے کا بھی ۔ شیطان کا اثر تو یہ ہے کہ وہ شرک کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تکذیب کرتا ہے اور فرشتے کا اثر یہ ہے کہ وہ بھلائی کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کرتاہے ۔ پس جو شخص اپنے دل میں ملکوتی (فرشتے کا) خیال پائے تو وہ جان لے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ کی حمد کرے اور اگر کسی کے دل میں برائی کا وسوسہ آئے تو وہ جان لے کہ وہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان کے مکر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے ۔ (مظہری ۱۶۵ / ۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعدؓ بن وقاص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ میرے لئے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا اے سعد پاک و حلال لقمہ کھاتے رہو اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا رہے گا اور قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی (نحوست کی) وجہ سے چالیس دن تک اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی ، جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے ۔ (ابن کثیر ۲۰۳/ ۱) ۔

اندھی تقلید اور اس کی مثال

۱۷۰، ۱۷۱ - وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ط اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ○ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ط صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ○

اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بھلا اگر ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ وہ راہ راست پر چلتے ہوں (تو کیا پھر بھی یہ ان کے طریقہ پر چلیں گے)۔ اور کافروں کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی چلّا چلّا کر ان جانوروں کو پکارے جو پکارنے اور چلّانے کے سوا اور کچھ نہیں سنتے (یہ کافر) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں پس یہ کچھ نہیں سمجھتے۔

اَلْفَيْنَا: ہم نے پایا۔ اِلْفَاءٌ سے ماضی۔

يَنْعِقُ: وہ چلاتا ہے۔ وہ چیختا ہے۔ نَعْقٌ و نَعِيْقٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور جنت کی رغبت دلائی اور عذاب سے ڈرایا تو رافع بن حَرِیْمَلَہ یہودی نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپؐ کی اتباع نہیں کریں گے بلکہ جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اسی پر چلیں گے کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عالم اور ہم سے اچھے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۱۶۵، ۱۶۶ / ۱)۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آباء و اجداد کی تقلید و اتباع سے منع فرمایا ہے کیونکہ ان کو نہ تو عقل تھی اور نہ ہدایت۔ ہدایت سے مراد وہ احکام ہیں جو بذریعہ اجتہاد، اور نصوصِ شرعیہ سے استنباط کئے گئے۔ امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس میں آباء و اجداد کی تقلید کی جو ممانعت آئی ہے اس سے مراد باطل عقائد و اعمال میں آباء و اجداد کی تقلید کرنا ہے۔ صحیح عقائد اور اعمال صالحہ میں آباء و

اجداد کی تقلید کرنا اس میں داخل نہیں ۔ (معارف القرآن ۴۱۳ ، ۴۱۴ / ۱) ۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ باپ دادا کی تقلید کے پیچھے ایسے پڑے ہیں کہ جب ان کو ہدایت کی طرف بلایا جاتا ہے اور احکام الہٰی سنائے جاتے ہیں تو یہ ان پر کان نہیں دھرتے اور نہ ان میں غور و فکر کرتے ہیں ۔ ان کی مثال بھیڑ بکریوں کی سی ہے کہ جب ان کو کوئی پکارتا ہے تو وہ اس کی آواز تو سنتی ہیں مگر کچھ سمجھتی نہیں ۔ چونکہ یہ لوگ احکام الہٰی کو توجہ سے نہیں سنتے اس لئے بہرے ہیں اور نہ ان کی زبان سے کلمات خیر نکلتے ہیں اس لئے گونگے ہیں اور ہدایت کو دیکھتے ہی نہیں اس لئے اندھے بھی ہیں ۔ چونکہ ان کی فکر و نظر میں خلل واقع ہو گیا ہے اس لئے دین کی بات کو سمجھتے نہیں ۔ (مظہری ۱۶۷ / ۱) ۔

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا جن جن کو پوجتے ہیں اور ان سے اپنی حاجتیں اور مرادیں مانگتے ہیں وہ نہ سنتے ہیں نہ جانتے ہیں ، نہ دیکھتے ہیں نہ ان میں زندگی ہے اور نہ انہیں کچھ احساس ہے ۔ (ابن کثیر ۲۰۴/ ۱) ۔

حرام اشیاء کا بیان

۱۷۲ ، ۱۷۳ ۔ يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَارَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے ایمان والو ! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو ، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر مُردار اور خون اور سُور کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو ، حرام کیا ہے ۔ پس جو کوئی مجبور و بیتاب ہو جائے اور وہ حکم عدولی کرنے والا اور حد سے بڑھنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

اَلْمَيْتَةَ: لغت میں مَیتۃ (مُردار) اس جانور کو کہتے ہیں جو ذبح کئے بغیر مر جائے شرع میں تمام معنی مراد لئے گئے ہیں یعنی خواہ وہ غیر اللہ کے نام پر

ذبح کیا گیا ہو یا اس کا حلقوم نہ کاٹا گیا ہو یا اللہ تعالیٰ کے نام کے بغیر حلقوم کاٹا گیا ہو یا مشرک نے کاٹا ہو یا پہاڑ یا دیوار سے گر کر مر گیا ہو یا اس کو کسی درندے نے پھاڑ کھایا ہو یا اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہو، شرع میں ان سب کو مَیۡتَۃ (مُردار) کہتے ہیں۔ (حقانی ۵۲۹/ ۱)۔

الدم: دم خون کو کہتے ہیں۔ عرب کے لوگ خون کو جمالیتے تھے۔ پھر اس کو توے وغیرہ پر بھون کر کھاتے تھے۔ یہ انسانی اخلاق کو فاسد کرتا ہے مگر کلیجی اور تلی وغیرہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لئے ان کا کھانا درست ہے۔ (حقانی ۵۳۰/ ۱)۔

احمد، ابن ماجہ اور دار قطنی نے ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے لئے دو مُردار، مچھلی اور ٹڈی اور دو خون کلیجی اور تلی حلال کر دئے گئے۔ (ابن کثیر ۲۰۵/ ۱)۔

لَحۡمَ الۡخِنۡزِیۡرِ۔ سُور کا گوشت۔ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سُور کی کل چیزیں گوشت چربی وغیرہ حرام ہے، ان کا کھانا درست نہیں۔ امام قرطبی نے فرمایا ہے اس سے مقصود لحم یعنی گوشت کی تخصیص نہیں بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی باجماع امت حرام ہیں۔ خنزیر ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کیونکہ وہ نجس العین بھی ہے اور حرام بھی۔ حدیث میں صرف چمڑہ سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال جائز قرار دیا ہے۔ (معارف القرآن)۔

اضۡطُرَّ: اضطرار، بے بسی اور ناچاری کو کہتے ہیں۔ اِضۡطِرَارٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ارشاد فرماتا ہے کہ تم ان احمقوں کی باتوں میں نہ آؤ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے پاک چیزیں شوق سے کھاؤ پیو اور ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرو کہ ہم نے ان چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے۔ جن چیزوں کو کافر پاک سمجھتے ہیں ان میں سے صرف چار چیزیں حرام ہیں انکو نہ کھاؤ۔ (۱) مُردار (۲) خون (۳) سُور کا گوشت (۴) وہ جو غیر اللہ کے لئے یعنی بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ جب کوئی بھوک کے مارے ناچار ہو جائے تو اس وقت ان چاروں حرام چیزوں

کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور سرکشی نہ ہو اور ان چیزوں کو صرف جان بچانے کے لئے کھائے اور لذت و خواہش کا طالب ہو کر نہ کھائے اور نہ قدرے ضرورت سے زیادہ کھائے ۔

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی چیزوں کو قبول فرماتا ہے ۔ اور اس نے رسولوں اور مومنوں کو حلال کھانے کا حکم فرمایا ہے ۔ پھر فرمایا کہ آدمی طویل سفر کرتا ہے ، وہ پراگندہ اور غبار آلود ہوتا ہے (یعنی دعا کی قبولیت کے سارے سامان مجتمع ہیں) اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر یا رب یا رب پکارتا ہے لیکن اس کا کھانا پینا اور پہننا اور غذا سب حرام ہے پھر دعا کیسے قبول ہو ۔ (ابن کثیر ۱/۲۰۵) ۔

کتمانِ حق کا انجام

۱۷۴ - ۱۷۶ - اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۝ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ۝

بیشک جو لوگ ان چیزوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کتاب میں نازل کی ہیں اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدی اور بخشش کے بدلے میں عذاب ۔ سو یہ (لوگ) دوزخ کے لئے کس قدر باہمت ہیں ۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے حق کے ساتھ کتاب اتاری تھی اور بیشک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا البتہ وہ بڑی ضد میں پڑے ہوئے ہیں ۔

بُطُوْنِهِمْ : ان کے پیٹ ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد بَطْنٌ ہے ۔

شِقَاقٍ : مخالفت ۔ ضد ۔ مشقت ۔

شانِ نزول ۔ یہود کے رؤساء اور علماء غریب لوگوں سے طرح طرح کے ہدیے اور کھانے پینے کی چیزیں لیا کرتے تھے اور دل میں یہ سمجھتے تھے کہ نبئ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں میں سے ہوں گے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان میں مبعوث نہ ہوئے تو ان کو یہ خوف ہوا کہ اب اگر ہم نے ان کی اتباع کرلی تو یہ ساری آمدنی ہاتھ سے چلی جائے گی اس لئے انہوں نے یہ بیہودہ حرکت کی کہ آپؐ کی صفات اور نشانیوں کو بدل دیا پھر ان بدلی ہوئی صفات کو عوام کے سامنے بیان کیا تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات سے مختلف تھیں جو اصل توریت میں مذکور تھیں اس لئے لوگوں نے آپؐ کی اتباع نہ کی ۔ علامہ بغوی نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ثعلبی نے ابو صالح اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح بیان کیا ۔ (مظہری ۱۷۱ / ۱) ۔

تشریح : مدینہ کے یہود جانوروں کی حِلت و حُرمت اور ان کے کھانے میں مسلمانوں کو بڑی پر ہیز گاری جتایا کرتے تھے حالانکہ خود حرام کھانے میں بڑے مشّاق تھے ۔ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ احکام الہٰی کو چھپاتے تھے اور پیسے لیکر سائل کے حسب منشاء فتویٰ دیدیتے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ہمارے نازل کردہ احکام کو چھپاتے اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت لیکر کھاتے ہیں تو یہ ان کے لئے جہنم کی آگ ہو جائے گا اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے مہربانی کے ساتھ بات بھی نہیں کرے گا اور نہ ان کو گناہوں کی نجاست سے پاک و صاف کرے گا اور ان کے لئے عذابِ الیم تیار ہے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب مُول لیا ۔ ان لوگوں نے جان بوجھکر دوزخ کے اس قدر اسباب اختیار کئے ہیں کہ گویا ان کو آتش جہنم کی بہت برداشت ہے ۔ حالانکہ کسی کو بھی اس کی برداشت نہیں ۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ باتیں ڈرانے کے لئے نہیں بلکہ یہ اسی طرح واقع ہوں گی ۔ کیونکہ ہم نے ایک کتاب بر حق بھیجدی اور اس میں جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی اور جو لوگ اس کتاب میں اختلاف کرتے ہیں اور بے تکی تاویلیں کرتے ہیں وہ بلا شبہ ضد میں پڑے ہوئے ہیں ۔ (حقانی ۵۳۲ ، ۵۳۳ / ۱) ۔

حقیقی بھلائی

۱۷۷۔ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا کرو بلکہ نیکی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال کو، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں اور غلاموں کو آزاد کرانے میں دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور جب کوئی عہد کریں تو اس کو پورا کریں اور تنگدستی اور تکلیف کے وقت اور جنگ میں صبر کریں (ثابت قدم رہیں) یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

الرِّقَابِ: گردنیں۔ واحد رَقَبَۃٌ۔ یہاں مراد معاوضہ دیکر غلاموں کو آزاد کرنا ہے۔

اَلْبَاْسَآءِ: سختی۔ تنگدستی۔ مفلسی۔

اَلضَّرَّآءِ: دکھ درد، مصیبت۔ اسم ہے۔

اَلْبَاْسِ: قتال، لڑائی، جنگ۔

تشریح: جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ کر دیا گیا تو یہود و نصاریٰ اور مشرکین اس بارے میں بڑا شور و شغب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر طرح طرح کے اعتراض کرنے لگے۔ اس آیت میں تحویل قبلہ کے بارے میں بحث کو یہ کہکر ختم کر دیا گیا کہ تمہارے خیال میں دین کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ نماز میں انسان کا رخ مغرب کی طرف ہو یا مشرق کی طرف۔ تم نے صرف سمت و جہت کو دین کا مقصد بنا لیا حالانکہ اصل بھلائی اور ثواب اللہ تعالیٰ کی اطاعت

میں ہے ۔ اپنی ذات کے اعتبار سے مشرق و مغرب یا کسی اور سمت کی کوئی اہمیت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ جس جانب رخ کرنے کا حکم دے اسی کی تعمیل میں ثواب ہے ۔ جب تک بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا تو اسی میں ثواب تھا اور جب بیت اللہ کی طرف رخ کرنے کا ارشاد ہوا تو اب وہی ثواب ہے ۔ مشرق و مغرب کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہود مغرب کی طرف اور نصاریٰ مشرق کی طرف منہ کیا کرتے تھے ۔

اس آیت میں اصولی طور پر تمام احکامِ شرعیہ ، اعتقادات ، عبادات ، معاملات اور اخلاق کا اجمالی ذکر ہے ۔ اس کے بعد سورت کے اختتام تک اسی آیت کی مزید تشریحات ہیں ۔ (معارف القرآن ۴۳۱ ، ۴۳۲ / ۱) ۔

اعتقادات : اللہ تعالیٰ پر اس طرح ایمان لائے کہ اس کو جلالِ ذات اور کمالِ صفات میں یگانہ سمجھے ۔ حدوث کے عیب اور ضد و مثل سے پاک سمجھے ۔ اور جیسا اس نے اپنے آپ کو بتایا ہے اسکے بارے میں ویسا ہی اعتقاد رکھے ۔

یوم آخرت پر ایمان لانا ۔ : یعنی قیامت کے دن پر ایمان لانا ، اس میں حساب و کتاب ، میزان وصراط ، جنت و دوزخ ، شفاعت و مغفرت ، ثواب و عذابِ دائمی سب آ گیا ۔

فرشتوں پر ایمان لانا : یہ اعتقاد رکھنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے ، نور سے پیدا ہوئی ہے ، جسم و روح والے ہیں ، نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں ، نہ نکاح کرتے ہیں ، نہ اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی کرتے ہیں ۔ جوان کو حکم ہوتا ہے وہ وہی کرتے ہیں ۔ ان میں سے بعض اللہ تعالیٰ کے قاصد ہیں ۔ انبیاء کے پاس وحی لاتے تھے ۔

کتاب پر ایمان لانا : اس سے قرآن مجید مُراد ہے ۔ قرآنِ کریم اور تمام کتبِ الہٰیہ سب اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور غیر مخلوق ہیں ۔

انبیاء پر ایمان لانا : تمام انبیاء پر یکساں ایمان لانا ۔ انبیاء سب کے سب صغائر اور کبائر سے معصوم اور پاک ہیں ۔

عبادات : اللہ تعالیٰ کی محبت میں مال دینا۔ حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو

نہیں دیکھتا، وہ تمہارے دلوں اور اعمالوں کو دیکھتا ہے۔ (مسلم)۔

رشتہ داروں کو دینا: اس میں سب طرح کے رشتہ دار شامل ہیں خواہ ان سے نسبی تعلق ہو یا عائلی۔ اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کو اوروں پر اس لئے مقدم فرمایا کہ دوسروں کے مقابلہ میں ان کو دینا زیادہ بہتر اور موجب ثواب ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو ایک دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے اور ایک دینار مسکین کو دے اور ایک دینار اپنے اہل کو دے تو ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار کا ہے جو تو نے اپنے اہل پر صرف کیا۔ (مسلم)۔

حضرت ابنِؓ مسعود کی زوجہ حضرت زینب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتوں کے گروہ صدقہ اور خیرات کر اگرچہ اپنے زیور ہی سے ہو۔ حضرت زینب اور ایک دوسری عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاوند کو اور جو یتیم اپنی پرورش میں ہو، اگر اس کو صدقہ دیا جائے تو کفایت کرے گا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ایسے دینے میں دو ثواب ہیں۔ ایک ثواب رشتہ داری کا اور ایک صدقہ کا۔ (بخاری)۔

حضرت سلمان بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین کو صدقہ دینا تو صدقہ ہے ہی اور رشتہ داروں کو صدقہ دینا، صدقہ بھی ہے اور صلۂ رحمی بھی (امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)۔

یتیموں کو مال دینا: یتیم اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ بالغ ہونے سے پہلے مر جائے یا گم ہو جائے اور کوئی اس کا کمانے والا نہ ہو اور نہ ہی وہ خود روزی کما سکتا ہو ایک حدیث میں ہے کہ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اتنے قریب ہوں گے جیسے شہادت کی انگلی درمیانی انگلی سے قریب ہے۔ (بخاری، احمد، ابوداؤد، ترمذی)۔

حضرت اسماءؓ بنت ابو بکرؓ فرماتی ہیں کہ میری ماں میرے پاس آئی اور وہ مشرکہ تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے۔ میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ صلۂ رحمی کرو۔

مسکین کو دینا: مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ اس کے کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، رہنے سہنے کو کافی ہو سکے۔ اس کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے جس سے اسکی حاجت پوری ہو اور وہ فقر و فاقہ اور قلت وذلت کی حالت سے بچ سکے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسکین صرف وہی نہیں جو مانگتا پھرتا ہواور ایک ایک دو دو کھجوریں یا روٹی کے ایک ایک دو دو لقمے لیجاتا ہو بلکہ مسکین وہ بھی ہے جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ اس کے سب کام نکل جائیں، نہ وہ اپنی حالت ایسی بنائے جس سے لوگوں کو علم ہو جائے اور ان میں سے کوئی اس کو کچھ دیدے۔

مسافر کو دینا: ابن السبیل مسافر کو کہتے ہیں۔ یہاں وہ مسافر مراد ہے جو اپنے اہل و عیال سے الگ ہو اور اس کے پاس سفر خرچ نہ رہا ہو۔ ایسے مسافروں کو اتنا دیا جائے کہ وہ اطمینان سے اپنے وطن پہنچ جائیں۔ اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سفر کر رہا ہو۔ اسے جانے آنے کا خرچ دینا چاہئے۔ مہمان بھی اسی حکم میں ہے۔

سائل کو دینا: سائلین وہ لوگ ہیں جو اپنی حاجت ظاہر کر کے لوگوں سے مانگیں، انہیں بھی صدقہ زکوٰۃ دینا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سائل کا حق ہے اگر چہ وہ گھوڑے پر سوار آئے۔ (ابوداؤد)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا اے امّ مجید اگر تجھے بکری کے جلے ہوئے کھر کے سوا کچھ میسر نہ ہو تو وہی دیدے۔ (احمد، داؤد، ترمذی)۔

گردنوں کے چھڑانے میں دینا: اس سے مراد غلاموں کو آزاد کرانا ہے۔ خواہ وہ غلام ہوں جنہوں نے اپنے مالکوں کو لکھدیا ہو کہ اگر ہم تمہیں اتنا اتنا دیدیں تو ہم آزاد ہیں لیکن پھر بیچارے اتنا ادا نہ کرسکیں تو ان کی امداد کر کے انہیں آزاد کرانا۔

نماز قائم کرنا: فرض اور نفل نماز کو وقت پر، آداب، مستحبات اور سنن کی پوری رعایت اور نہایت اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ اس طرح ادا کرنا جس طرح ادا ئیگی کا حکم شریعت نے دیا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا: اس میں نفلی صدقات و خیرات شامل نہیں۔ یا اس سے مراد نفس کو

ذلیل اخلاقوں سے پاک کرنا ہے جیسا کہ ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۔ اپنے نفس کو پاک کرنے والا فلاح پا گیا ۔ یعنی اپنے آپ کو گندگیوں اور شرک و کفر سے پاک کرنا ہے ۔

معاملات: اور وہ اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں یعنی جب قسم کھاتے ہیں تو اس کو سچ کر دکھاتے ہیں ، جب منت مانتے ہیں تو اس کو پورا کرتے ہیں ، جب وعدہ کرتے تو اس کو وفا کرتے ہیں ۔ جب کچھ کہتے ہیں تو سچ کہتے ہیں ۔ ان کے پاس کوئی امانت رکھتا ہے تو وہ اس کو جوں کا توں ادا کرتے ہیں اور جب حق بات پر ان سے گواہی طلب کی جاتی ہے تو گواہی دیتے ہیں ۔

اخلاق: فقر و فاقہ میں ، مال کی کمی کے وقت ، بدن کی بیماری کے وقت ، لڑائی کے موقع پر دشمنانِ دین کے سامنے میدانِ جنگ میں جہاد کے وقت صبر و ہمت کرنے والے اور لوہے کی لاٹھ کی طرح جم جانے والے ۔

پھر فرمایا کہ ان اوصاف والے لوگ ہی ایمان اور نیکی میں سچے ہیں ، ان کا ظاہر و باطن اور قول و فعل یکساں ہے اور یہی کفر اور تمام بری خصلتوں سے بچتے ہیں ۔ (مظہری ۱۷۳ - ۱۷۷ / ۱ ، ابن کثیر ۲۰۷ - ۲۰۹ / ۱) ۔

قصاص کے احکام

۱۷۸ ، ۱۷۹ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ۭ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ۭ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۗءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۭ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اے ایمان والو ! تم پر مقتولوں کے بارے میں بدلہ لینا فرض کر دیا گیا ہے ، آزاد کے بدلے آزاد ، غلام کے بدلے میں غلام ، عورت کے بدلے میں عورت ، پھر جس کے لئے اس کا بھائی کچھ معاف کر دے تو دستور کے مطابق تابعداری کرنی چاہئے اور اسے خوبی کے ساتھ (خونبہا) ادا کرنا چاہئے ۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر آسانی اور مہربانی ہے ۔ پھر اس کے بعد جو کوئی زیادتی کرے تو اس کے لئے درد ناک عذاب ہے ۔ اور اے عقل والو ! تمہارے لئے

قصاص میں ایک زندگی ہے تاکہ تم (خونریزی سے) بچو۔

اَلْقِصَاصِ: بدلہ، قتل کا بدلہ، مماثلت۔ مراد یہ ہے کہ جتنا کسی نے کسی پر ظلم کیا دوسرے کے لئے اتنا ہی بدلہ لینا جائز ہے۔ اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں۔ اسی لئے شرع کی اصطلاح میں قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو قصاص کہا جاتا ہے یعنی جان کے بدلے جان لینا۔ (معارف القرآن ۴۳۵ / ۱)۔

قَتْلٰی: مقتول۔ قتل کئے ہوئے۔ واحد قتیل۔

اِتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ۔ دستور کے مطابق پیروی کرنا۔ اگر مقتول کے وارث مقتول کے بدلے میں قاتل کا خون معاف کردیں اور صرف خونبہا لینے پر راضی ہوجائیں تو قاتل کا فرض ہے کہ دستور کے مطابق پوری پوری مناسب رقم خوبی، شرافت اور نیکی کے ساتھ ادا کرے۔

شانِ نزول: اس کا شان نزول یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں بنو قریظہ اور بنو نضیر کی جنگ ہوئی تھی جس میں بنو نضیر غالب آئے تھے۔ اب یہ دستور ہو گیا تھا کہ جب نضری کسی قرظی کو قتل کرے تو اس کے بدلے اسے قتل نہ کیا جاتا تھا بلکہ ایک سو وسق کھجور دیت کے طور پر لی جاتی تھی اور جب کوئی قرظی کسی نضری کو مار ڈالے تو اسے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا اور اگر دیت لی جاتی تو ایک سو وسق کھجور کی بجائے دو سو وسق کھجور لی جاتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کی اس رسم کو مٹا دیا اور عدل و مساوات کا حکم دیا۔

امام ابو محمد بن ابی حاتم نے اس کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے عرب کے دو قبیلوں میں جنگ ہوئی تھی جس میں دونوں طرف کے بہت سے آزاد اور غلام مرد اور عورتیں قتل ہوئیں۔ ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ اسلام کا زمانہ شروع ہو گیا اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہوگئے۔ اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ نے جو قوت و شوکت والا تھا کہا کہ ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے غلام کے بدلے میں تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے میں مرد قتل نہ کیا جائے۔ اس جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۱/۲۰۹)۔

تشریح : اسلام کا عادلانہ قانون یہ ہے کہ جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہو اسی کو قصاص میں قتل کیا جائے ۔ آزاد کے بدلے میں آزاد ، غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت ، اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے میں قتل کرنا ۔ اسی طرح اگر قاتل غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے ۔ (معارف القرآن ۴۳۶ / ۱) ۔

قصاص لینا اگرچہ مقتول کے اولیا کا حق ہے مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس کے حصول کے لئے مسلمان سلطان یا اس کے کسی نائب کا حکم ضروری ہے کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے اور کس صورت میں نہیں نیز اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں جن کو ہر شخص معلوم نہیں کرسکتا ۔ اس کے علاوہ مقتول کے اولیا ، غصے میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں ۔ اس لئے حق قصاص کے حصول کیلئے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے ۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی ۴۳۷ / ۱) ۔

اگر مقتول کے وارث اپنے مسلمان بھائی قاتل کو قصاص معاف کردیں اور کسی قدر مال پر راضی ہو جائیں اور دیت لینا قبول کر لیں تو ان کو چاہیئے کہ سہولت اور دستور کو ملحوظ رکھیں ۔ یہ نہ ہو کہ قاتل کی تنگدستی کے باوجود فوری ادائیگی کا تقاضا کریں بلکہ اس کو مہلت دیں ۔ اسی طرح قاتل کو بھی لازم ہے کہ ان کے احسان کو فراموش نہ کرے جو رقم طے پائی ہو اس کو کسی حیلہ و بہانہ کے بغیر عمدہ طریقہ سے ادا کرے ۔ اور جو کوئی اس کے بعد زیادتی کرے کہ دیت لیکر قاتل کو مار ڈالے تو اس کے لئے عذاب الیم ہے ۔ (حقانی ۵۳۷ / ۱) ۔

ابن جریر نے قتادہ سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی مہربانی فرمائی ہے کہ ان کے لئے دیت کا مال حلال فرمادیا جو پہلے کسی کے لئے حلال نہیں فرمایا ۔ یہود کے ذمہ قصاص تھا یا خون معاف کرنا ۔ دیت نہ تھی ۔ اہل انجیل کو خون معاف کر دینے کا حکم تھا ۔ قصاص بھی نہ تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر تخفیف اور سہولت فرمائی کہ ان کے لئے قصاص ، معاف کر دینا ۔ اور دیت لینا تینوں امر مشروع فرمادئے ۔ (مظہری ۱۸۴ ، ۱۸۵ / ۱) ۔

ابی شریح الخزاعی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے ۔

(۱) قصاص یعنی بدلہ لے لے ۔ (۲) معاف کر دے ۔ (۳) دیت یعنی جرمانہ لے لے ۔ اور اگر وہ کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روکدو ۔ اگر ان میں سے ایک کام کر چکنے کے بعد بھی وہ زیادتی کرے تو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائیگا ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے دیت لے لی پھر قاتل کو قتل کر دیا تو اب میں اس سے دیت بھی نہ لوں گا بلکہ اسے قتل ہی کراؤں گا ۔ (ابن کثیر ۲۱۰ / ۱) ۔

پھر فرمایا کہ اے عقل والو ! قصاص کا طریقہ رائج ہونے میں تمہارے لئے زندگی ہے ۔ کیونکہ یہ قاتل کو قتل کے ارادے سے باز رکھے گا اور وہ سوچے گا کہ اگر میں قتل کروں گا تو قصاص میں میری بھی جان جائے گی اس طرح قصاص کے مشروع ہونے سے دو جانیں بچ جائیں گیں ۔ نیز اہل جاہلیت ایک شخص کے عوض بے شمار آدمیوں کو مارڈالتے تھے جس سے ایک فتنہ عظیم اٹھ جاتا تھا ۔ چنانچہ قصاص کے حکم سے ہزاروں جانیں بچ گئیں ۔ (مظہری ۱۸۵ / ۱) ۔

وصیت کے احکام

۱۸۰ ، ۱۸۲ ۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۔ فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

تم پر یہ بات فرض کر دی گئی ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت نزدیک آئے (موت کی علامات معلوم ہوں) اور وہ ترکہ میں کچھ مال چھوڑے تو اس کو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کرنی چاہئے ۔ یہ پرہیز گاروں پر ضروری ہے ۔ پھر جو شخص اس وصیت کو سن کر بدل دے تو اس کا گناہ اسی پر ہے جو اس کو بدلتا ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا ہے ۔ پھر جس کو وصیت کرنے والے کی جانب سے طرفداری یا ناانصافی کا اندیشہ ہو پھر اس نے ان میں صلح کرادی تو اس پر کچھ گناہ نہیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ

معاف کرنے والا مہربان ہے ۔

اَلْوَصِیَّۃُ: ہر اس چیز کو وصیت کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا مرنے کے بعد مگر عرف میں اس کام کو وصیت کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم مرنے کے بعد ہو ۔

مُوْصٍ: وصیت کرنے والا ۔ اِیْصَاءٌ سے اسم فاعل ۔

جَنَفًا: طرفداری ، ظلم ، خطاء ، غلطی ۔

تشریح: اسلام کے شروع میں جب تک میراث کے حصے مقرر نہیں ہوئے تھے ، یہ حکم تھا کہ مرنے والا ترکہ کے ایک تہائی میں اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے جتنا دینا مناسب سمجھے وصیت کر دے ۔ باقی دو تہائی جو بچتا تھا وہ اولاد کا حق ہوتا تھا ۔ اس آیت میں وصیت کے اسی حکم کا بیان ہے ۔ اس حکم کے تین جزو ہیں ۔

(۱) مرنے والے کے ترکے میں اولاد کے سوا کسی دوسرے وارث کے حصے مقرر نہیں ہیں ۔ ان کے حصوں کا تعین مرنے والے کی وصیت کی بنیاد ہوگا ۔

(۲) ایسے رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا مرنے والے پر فرض ہے ۔

(۳) ایک تہائی سے زیادہ مال کی وصیت جائز نہیں ۔

ان تینوں احکام میں سے پہلا حکم اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک میراث کی آیت نازل ہونے کے بعد منسوخ ہو گیا ۔ دوسرا حکم جس کی رو سے رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا فرض ہے وہ بھی باجماع امت منسوخ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک حق والے کو اس کا حق خود دیدیا ہے اس لئے اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں (صحیحین) البتہ جو رشتہ دار شرعی وارث نہیں ان کے لئے ایک تہائی مال تک وصیت کرنے کی اجازت ہے ۔ تیسرا حکم جس میں ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت جائز نہیں ، اب بھی باقی ہے ۔ البتہ وارثوں کی اجازت سے ایک تہائی سے زیادہ بلکہ پورے مال کی وصیت بھی جائز ہے ۔ (معارف القرآن ۴۳۹ ، ۴۴۰ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرہ رضؓ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی نیک لوگوں کے اعمال ستر سال تک کرتا رہتا ہے اور وصیت میں ظلم کرتا اور

برائی کے عمل پر خاتمہ ہونیکی وجہ سے جہنمی بن جاتا ہے اور بعض لوگ ستر سال تک بد اعمالیاں کرتے رہتے ہیں لیکن وصیت میں عدل و انصاف کرتے ہیں اور ان کا آخری عمل بھلا ہوتا ہے اور وہ جنتی بن جاتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۲۱۳/ ۱) ۔

روزہ کا بیان

۱۸۳ ، ۱۸۴ - يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؕ

اے ایمان والو ! تم پر روزے فرض کر دئے گئے ۔ جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ ۔ گنتی کے چند روز تک پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو جائے یا سفر میں ہو تو وہ (بیماری اور سفر کے بعد) دوسرے دنوں میں تعداد پوری کر دے ۔ اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں (جن کو روزہ رکھنا دشوار ہو مثلاً بوڑھے لوگ ، حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں وغیرہ) تو ان کو اس کے بدلے میں ایک محتاج کو کھانا دینا چاہئے ۔ پھر جو شخص اپنی خوشی سے نیکی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے ۔ اور تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم روزہ رکھو اگر تم سمجھتے ہو ۔

الصِّيَامُ : روزہ رکھنا ، مصدر ہے ۔ اس کے لفظی معنی رکنے اور بچنے کے ہیں ۔ شرعی اصطلاح میں صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک روزے کی نیت سے کھانے پینے اور مباشرت سے رکنے اور باز رہنے کو صَوم یعنی روزہ کہتے ہیں ۔

مَّعْدُوْدٰتٍ : گنے ہوئے ۔ چند گنتی کے دن ۔ اس کا واحد مَعْدُوْدَةٌ ہے ۔

عِدَّةٌ : گنتی ، شمار ، مدت ۔

يُطِيْقُوْنَهٗ : وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۔ وہ اس کی قوت رکھتے ہیں ۔ اِطَاقَۃٌ سے مضارع ۔

فِدْیَۃٌ: بدلہ ، وہ مال جو جان بچانے کے لئے یا قیدی کو قید سے چھڑانے کے لئے لیا یا دیا جائے ۔ شریعت میں فدیہ اس مال کو کہتے ہیں جسے انسان عباداتِ خداوندی میں سرزد ہونیوالی کسی کوتاہی کی سزا کے طور پر مسکینوں کو دیتا ہے (المفردات ۳۷۴) ۔

تشریح

سابقہ امتوں میں روزہ کا حکم : اس آیت میں روزے کے حکم کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ یہ حکم صرف تمہارے لئے ہی نہیں ہے بلکہ پچھلی امتوں پر بھی روزے فرض کئے گئے تھے ۔ اور روزے کی مشقت تم سے پہلے بھی سب لوگ اٹھاتے آئے ہیں اگرچہ ان کے روزوں کی تعداد اور اوقات میں کمی بیشی ہوتی رہی ہے ۔ (معارف القرآن ۴۴۲ / ۱) ۔

حضرت سعیدؓ بن جبیر فرماتے ہیں کہ پہلے لوگوں پر رات کی تاریکی شروع ہونے سے پہلے دوسری رات تک کا روزہ فرض تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی اسی طرح روزہ فرض تھا اس لئے دونوں مشابہ ہوئے ۔ (مظہری ۱۸۸ / ۱) ۔

آگے فرمایا کہ یہ روزے اس لئے فرض کئے گئے تاکہ اس سے تمہارے اندر اپنی خواہشات کو قابو میں رکھنے کا ملکہ پیدا ہو اور تم نفس کشی کے عادی ہو کر متقی بن جاؤ۔

مریض کا روزہ : جو شخص مریض ہو اور روزہ رکھنے سے اس کے مرض میں اضافہ کا اندیشہ یا روزہ سے دیر میں شفا ہونے کا خوف ہو یا وہ فی الحال تو تندرست ہو مگر ایسا کمزور ہے کہ گمان غالب ہے کہ روزہ رکھنے سے مرض پیدا ہو جائیگا ۔ یا دودھ پلانے والی اور حاملہ عورتیں جن کو اپنی جان کا یا اپنے بچے کی جان کا خوف ہو وہ سب اس میں شامل ہیں ۔ اور ان پر صحت یابی کے بعد اور دنوں میں گن کر اتنے ہی روزے رکھنے لازم ہیں جتنے بیماری کی وجہ سے چھوٹ گئے تھے ۔

مسافر کا روزہ : لغوی سفر یعنی اپنے گھر اور وطن سے باہر نکل جانا روزے سے رخصت کے لئے کافی نہیں بلکہ سفر کچھ طویل ہونا چاہیئے مگر یہ سفر کتنا طویل ہو قرآنِ کریم میں مذکور نہیں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ، صحابۂ کرام کے عمل اور بہت سے فقہا نے اس کی مقدار تین منزل قرار دی ہے یعنی وہ مسافت جسکو پیدل سفر

کرنے والا آسانی سے تین روز میں طے کر سکے ۔ بعد کے فقہا نے میلوں کے حساب سے اڑتالیس میل لکھے ہیں ۔ جو شخص سفر کے دوران کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہر نے کی نیت کرے تو وہ سفر کی کی رخصت کا مستحق نہیں ۔

روزہ کی قضا : مریض اور مسافر پر اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے جبکہ مریض صحت یاب ہونے کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے جن میں قضا کر سکے ۔ اگر کوئی مریض یا مسافر اتنے دنوں سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر قضا یا فدیہ کی وصیت لازم نہیں ہوگی ۔

روزہ کا فدیہ : جو لوگ روزہ کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ روزہ کی بجائے روزہ کا فدیہ ادا کردیں مگر ایسے لوگوں کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھیں ۔ یہ حکم بھی شروع اسلام میں تھا تاکہ لوگ روزے سے مانوس ہو جائیں ۔ اس کے بعد اگلی آیت میں عام لوگوں کے حق میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا ۔ اب یہ حکم صرف ایسے لوگوں کے حق میں باقی ہے جو بہت بوڑھے ہوں یا ایسے بیمار کہ اب صحت کی امید نہیں رہی ۔

حضرت سلمہؓ بن اکوع سے مروی ہے کہ جب یہ آیت وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دیدیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے رکھے ، جس کا جی چاہے وہ ہر روزے کا فدیہ دے دے ، پھر جب دوسری آیت مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت والوں پر صرف روزہ رکھنا ہی لازم ہو گیا ۔ (بخاری ، مسلم ، ابوداؤد ، نسائی ، ترمذی ، طبرانی) ۔

فدیہ کی مقدار : ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے ۔ نصف صاع ہمارے ہاں کے مروجہ سیر کے حساب سے تقریباً پونے دو سیر کے برابر ہے ۔ اس کی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی غریب مسکین کو مالکانہ طور پر دیدینا ایک روزہ کا فدیہ ہے ۔ (معارف القرآن ۴۴۳ ۔ ۴۴۶ / ۱) ۔

۱۸۵ ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۚ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۚ

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں لوگوں کی ہدایت کے لئے قرآن نازل کیا گیا اور اس (قرآن) میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور وہ حق و باطل میں فرق کرتا ہے ۔ پھر تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے تو اسے چاہئے کہ وہ اس مہینہ کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر میں ہو تو وہ (بیماری اور سفر کے بعد) دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا اور (یہ اس لئے) تاکہ تم گنتی پوری کر لو اور تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو تمہاری رہنمائی فرمائی ہے تم اس پر اس کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم (اس کی نعمت کا) شکر کرو ۔

شَهِدَ : اس نے پایا یہ شہود سے بنا ہے جسکے معنی حاضر اور موجود ہونے کے ہیں

شَهْرُ : مہینہ ۔ جمع اشہر و شہور ۔

رَمَضَانَ : روزوں کے مہینہ کا نام ۔ یہ رمض سے مشتق ہے ۔ اس کے معنی جلنا کے ہیں ۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کو رمضان اس لئے کہتے ہیں کہ وہ گناہوں کو رمض کر دیتا ہے (ترغیب) ۔

قُرْاٰنٌ : قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ لغت میں قرء کے معنی جمع کرنے کے ہیں ۔ چونکہ قرآن کریم میں بھی سورتیں ، آیتیں ، حروف ، قصے ، امر و نہی اور وعدہ وعید جمع کئے گئے ہیں اس لئے اس کا نام بھی قرآن رکھدیا ۔

تشریح ۔

علامہ بغوی نے فرمایا کہ مقسم فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت ابن عباس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کے نزول کا حال متعدد موقعوں پر مختلف طریقہ سے بیان فرمایا ہے چنانچہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم رمضان المبارک میں نازل ہوا ہے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل فرمایا ایک اور جگہ فرمایا کہ ہم نے اس قرآن کو برکت والی رات میں اتارا ہے حالانکہ یہ تمام مہینوں میں نازل ہوا ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ہم نے قرآن کو متفرق طور سے نازل

کیا ہے ۔ یہ کیا بات ہے ۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ قرآن لوحِ محفوظ سے رمضان المبارک کے مہینہ کی لَیْلَۃُ الْقَدْر میں آسمان دنیا کے بیت العزّت میں نازل ہوا ۔ پھر جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھوڑا تھوڑا بیس برس میں بتدریج لائے ۔ حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (حضرت) ابراہیم کے صحیفے تین رمضان اور ایک روایت کے موافق یکم رمضان کو نازل ہوئے ۔ توریت حضرت موسیٰ پر ٦ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل حضرت عیسیٰ پر ١٣ رمضان کو نازل ہوئی ۔ اور زبور حضرت داؤد پر ١٨ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رمضان کی آخری چھ راتوں میں نازل ہوا۔ حضرت واثلہؓ بن اسقع اور حضرت جابرؓ کی روایتوں میں بھی اسی قسم کا مضمون آیا ہے ۔

(مظہری ١٩٤، ١٩٥ / ١) ۔

مذکورہ حدیث میں پچھلی کتابوں کا نزول جس جس تاریخ میں ذکر کیا گیا ہے وہ کتابیں ان تاریخوں میں انبیاء پر پوری کی پوری نازل کر دی گئیں ۔ قرآن کریم کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کی ایک رات میں پورے کا پورا لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کر دیا گیا پھر وہاں سے اس کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تیئس سال میں رفتہ رفتہ ہوا ۔

یہ قرآن اپنے اعجاز سے لوگوں کو گمراہی سے نکالتا ہے اور اس میں ایسی واضح آیات ہیں کہ وہ حلال و حرام اور حدود و احکام کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے اور حق و باطل میں فرق کرتا ہے ۔ پس جو شخص رمضان کا مہینہ پائے اس پر لازم ہے کہ وہ اس مہینے کے روزے رکھے ۔ اور جو شخص مریض ہو یا مسافر ہو تو مریض تندرست ہونے پر اور مسافر مقیم ہونے پر رمضان کے بعد فوت شدہ روزے پورے کرے کیونکہ دونوں پر فوت شدہ روزوں کی قضا لازم ہے ۔ یہ سہولت اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لئے دی تاکہ تم روزوں کی گنتی پوری کر لو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور ہمیشہ اس کی شکر گزاری کرتے رہو ۔

دعا کی قبولیت کا اعلان

١٨٦ - وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ٥

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو آپ کہدیجئے کہ میں قریب ہی ہوں جب کوئی مجھ سے دعا کرتا ہے تو میں دعا کرنے والے کی دعا کا جواب دیتا ہوں (دعا قبول کرتا ہوں) پھر لوگوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں ۔

سَأَلَكَ : اس نے تجھ سے سوال کیا ۔ اس نے تجھ سے پوچھا ۔ سُؤَالٌ سے ماضی ۔

أُجِيْبُ : میں قبول کرتا ہوں ۔ اِجَابَۃٌ سے مضارع ۔

دَعْوَةَ : دعا ۔ پکار ۔ بلاوا ۔ مصدر ہے ۔ ۔

فَلْيَسْتَجِيْبُوْا : پس ان کو قبول کرنا چاہیئے ۔ اِسْتِجَابَۃٌ سے امر غائب ۔

يَرْشُدُوْنَ : وہ ہدایت پائیں گے ، وہ راہ پائیں گے ۔ رُشْدٌ سے مضارع ۔

ربطِ آیات : گزشتہ تین آیتوں میں روزے کے احکام اور فضائل کا ذکر تھا ۔ اس کے بعد بھی ایک طویل آیت میں روزہ اور اعتکاف کے احکام کی تفصیل ہے ۔ اس مختصر سی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی خاص عنایت اور ان کی دعاؤں کو قبول کرنے کا اعلان فرما کر اطاعت احکام کی ترغیب دی ہے ۔

شانِ نزول : ایک اعرابی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمارا رب قریب ہے ؟ اگر قریب ہے تو ہم اس سے سرگوشیاں کریں یا دور ہے ؟ اگر دور ہو تو ہم اونچی اونچی آوازوں سے اسے پکاریں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ ابن جریر کی روایت میں ہے کہ صحابہءکرام کے اس سوال پر کہ ہمارا رب کہاں ہے ؟ یہ آیت اتری ۔ (ابن کثیر ۲۱۸ / ۱) ۔

تشریح : پہلی آیت میں تکبیر اور یاد الٰہی اور اس کی شکر گزاری کا حکم تھا جس سے یہ احتمال تھا کہ ہم تو اس کو یاد کرتے ہیں اس کی شکر گزاری کرتے ہیں آیا وہ بھی ہماری طرف متوجہ ہوتا ہے یا دنیا کے بادشاہوں کی طرح وہاں تک کسی کی رسائی اور شنوائی ہی نہیں ہوتی ۔ اس آیت میں اس شبہ کو زائل کر دیا اور فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے بندے آپؐ سے میرا حال پوچھیں تو آپؐ ان سے کہدیجئے کہ

میں تو ان سے بہت ہی قریب ہوں ۔ جو کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں اس کو سنتا ہوں اور اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں اور وہ مجھ سے جو دعا کرتا ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں پس میرے بندوں کو بھی چاہیئے کہ وہ میری اطاعت کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ مجھ تک پہنچنے کا راستہ پائیں ۔ (حقانی ۵۴۵/ ۱) ۔

حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا عقیدہ رکھتا ہے میں بھی اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرتا ہوں ۔ جب وہ مجھ سے دعا مانگتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہی ہوتا ہوں (مسند احمد) ۔

حضرت سلمان فارسی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ بلند کر کے دعا مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں کو خالی لوٹاتے ہوئے شرماتا ہے ۔ (مسند احمد) ۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے ناتے ٹوٹتے ہوں تو اللہ تعالیٰ اسے تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرما دیتا ہے ۔ یا تو اس کی دعا اس وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے یا اس کی وجہ سے کسی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے ۔ لوگوں نے یہ سنکر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے ۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ کمی نہیں ۔ (مسند احمد) ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دل برتنوں کی مانند ہیں بعض بعض سے زیادہ نگہبانی کرنے والے ہوتے ہیں ۔ اے لوگو ! جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہو تو قبولیت کا یقین رکھ کرو ۔ پس بیشک اللہ تعالیٰ غفلت کرنے والوں کی دعا قبول نہیں فرماتا ۔

حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی (۱) عادل بادشاہ (۲) روزے دار شخص (۳) مظلوم اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن بلند کرے گا ۔ مظلوم کی بددعا کیلئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مجھے میری عزت کی قسم میں تیری مدد ضرور کروں گا ۔ گو دیر سے کروں (مسند احمد) ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ ۔ ابن کثیر ۲۱۸ ، ۲۱۹/ ۱) ۔

سحر و افطار کے اوقات و احکام

١٨٧- اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ
وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ
وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَ
سْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۪ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ
عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝

روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے۔ سو اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا، اور تم سے درگزر کی۔ پس تم (رات میں) ان سے ہم بستر ہو لیا کرو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو کچھ (اولاد) اس (ہم بستری میں) مقدر کر دی ہے اس کو حاصل کرو اور جب تک صبح کی سفید دھاری رات کی سیاہ دھاری سے ممتاز نہ ہو اس وقت تک (صبح صادق تک) کھاپی لیا کرو۔ پھر تم رات تک روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں اعتکاف کے لئے بیٹھے ہوا کرو تو اپنی بیویوں سے اختلاط نہ کیا کرو (اعتکاف کی حالت میں رات کو بھی اختلاط نہ کرو) یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں سو تم ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے اپنے احکام اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار ہو جائیں۔

الرَّفَثُ: بے حجاب ہونا، عورتوں کی طرف رغبت کرنا۔ عورتوں سے اختلاط کرنا۔ مصدر ہے۔

تَخْتَانُوْنَ: تم خیانت کرتے ہو۔ تم حق تلفی کرتے ہو۔ اِخْتِيَانٌ سے مضارع۔

بَاشِرُوْهُنَّ: تم ان سے مباشرت کرو۔ تم ان سے ملو۔ مُبَاشَرَةٌ سے امر۔

اِبْتَغُوْا: تم تلاش کرو۔ تم طلب کرو۔

اَلْخَيْطُ: خط۔ دھاگہ۔ ڈوری۔

عٰكِفُوْنَ: اعتکاف کرنے والے۔ گوشہ نشین ہونے والے۔ عُكُوْفٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: ایک انصاری دن کے کام کاج سے تھکا ماندہ شام کو اپنے گھر میں آیا۔ کھانے میں کچھ دیر تھی اس لئے افطار کے بعد سو گیا۔ پھر اس کو بیدار کیا تو اس نے اس خیال سے کہ سونے کے بعد کھانا منع تھا کچھ نہ کھایا اور اسی طرح روزہ پر روزہ رکھ لیا جس سے اگلے روز ضعف اور کمزوری کی وجہ سے اس کی حالت خراب ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی۔ اس عرصہ میں حضرت عمرؓ نے بھی عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اسی طرح اور لوگوں نے بھی اسی قسم کے واقعات بیان کئے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح: اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ ابتداء اسلام میں روزہ دار کو افطار کے بعد جب تک عشاء کی نماز نہ پڑھے اور نہ سوئے اس وقت تک کھانا پینا اور جماع کرنا درست تھا اور جب وہ عشاء پڑھ چکے یا افطار کرکے سو جائے تو پھر اس کے لئے یہ چیزیں اسی طرح ممنوع ہو جاتی تھیں جس طرح اب صبح صادق سے ممنوع ہو جاتی ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دیکر صبح صادق تک کھانے پینے اور جماع کرنے کی اجازت دیدی خواہ عشاء کی نماز پڑھکر یا سو کر ان چیزوں کو استعمال میں لائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے لئے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں کے پاس جانا مباح ہے۔ اس لئے کہ ان میں اور تم میں باہم نہایت طبعی رغبت ہے اور ہمیں اپنے ازلی علم سے یہ بات معلوم تھی کہ تم صبر نہ سکو گے، لہٰذا ہم نے تمہیں اجازت دیدی کہ تم صبح صادق تک ان سے مباشرت کر سکتے ہو اور کھا پی سکتے ہو مگر جب تم اعتکاف کے لئے مسجدوں میں بیٹھو تب رات میں بھی ان سے رغبت نہیں کر سکتے (حقانی ۱/۵۲۶،۵۲۷)۔

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت سہیلؓ بن سعد فرماتے ہیں پہلے مِنَ الْفَجْرِ کا لفظ نہیں اترا تھا تو چند لوگوں نے اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ دھاگے باندھ لئے اور جب تک ان کی سفیدی اور سیاہی میں تمیز نہ ہوتی کھاتے پیتے رہتے۔ اس کے بعد یہ لفظ اترا اور معلوم ہوا کہ اس سے مراد رات دن ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عدیؓ بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں نے بھی دو دھاگے سیاہ اور سفید اپنے تکئے کے نیچے رکھ لئے اور جب تک ان کے رنگ میں تمیز نہ ہوئی تب تک کھاتا پیتا رہا۔ صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تیرا تکیہ تو بہت لمبا چوڑا نکلا۔ اس سے تو صبح کی سفیدی کا رات کی سیاہی سے ظاہر ہونا مراد ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آیت میں تو دھاگوں سے مراد دن کی

سفیدی اور رات کی تاریکی ہے ۔ اگر تیرے تکیہ کے نیچے یہ دونوں آجاتی ہوں تو گویا اس کی لمبائی مشرق و مغرب تک کی ہے ۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سحری کھایا کرو اس میں برکت ہے (بخاری و مسلم) ۔

حضرت عمروؓ بن العاص سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں سحری کھانے ہی کا فرق ہے ۔ (مسلم) ۔

حضرت ابی سعیدؓ سے مروی ہے کہ سحری کھانا برکت ہے اسے نہ چھوڑو اگر کچھ نہ ملے تو پانی کا گھونٹ ہی سہی ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر رحمت بھیجتے ہیں ۔ (مسند احمد) ۔

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک میری امت افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرتی رہے گی تب تک بھلائی سے رہے گی ۔ (مسند احمد) ۔ (ابن کثیر ۲۲۱، ۲۲۲ / ۱) ۔

ناحق مال کھانا

۱۸۸ - وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ ۔ اور ان (اموال) کو حاکموں تک (رشوت کے طور پر) نہ پہنچاؤ تاکہ تم لوگوں کے مال کا کچھ حصہ جان بوجھ کر ناجائز طور پر کھا جاؤ ۔

بِالْبَاطِلِ: ناجائز طریقہ سے ۔ ناحق ۔ غلط طریقے سے ۔

تُدْلُوْا: تم کھینچ کر لیجاؤ ، تم پہنچاؤ ۔ اِدْلَالٌ سے مضارع ۔

فَرِيْقًا: کوئی حصہ ، جماعت ، گروہ ۔ یہاں حصہ مراد ہے ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کی روایت سے بیان کیا کہ ایک صحابی رَبِیْعہ بن عبدان حضرمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک دوسرے صحابی امرأ القیس پر ایک زمین سے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ اس نے میری فلاں فلاں زمین غصب کر لی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرمی سے فرمایا کہ تمہارے پاس اس امر کے گواہ ہیں ۔ حضرمی نے

عرض کیا کہ میرے پاس گواہ تو نہیں ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر گواہ نہیں ہیں تو امرؤ القیس کی قسم پر فیصلہ ہوگا۔ امرؤ القیس یہ سنکر قسم کھانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو اس غرض سے جھوٹی قسم کھائے گا کہ اس کا مال ناحق کھائے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ناراضگی کی حالت میں ملے گا۔ یہ سنکر امرؤ القیس نے قسم کھانے کو ترک کر دیا اور زمین مدعی کے حوالے کر دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۹/۱)۔

تشریح: باطل سے مال کھانا یہ ہے کہ کسی شخص کے مال پر جھوٹا دعویٰ کرنا۔ جھوٹی گواہی دینا، کسی کی حق بات کا انکار کر کے اس پر قسم کھالینا، کسی کا مال غصب کر لینا، لوٹ لینا، چرالینا، خیانت کر لینا، جوئے سے کسی کا مال لے لینا، سود، رشوت، بُیُوعِ فاسدہ، معاملات فاسدہ، زنا کی اجرت، گانے کی اجرت اور کاہن کو کچھ دینا وغیرہ سب امور باطل میں داخل ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس کے ذمہ کچھ مال ہو اور اس پر گواہ نہ ہو اور وہ اس مال کا انکار کر بیٹھے۔ اور جب یہ جھگڑا حاکم کے پاس پہنچے تو وہاں جھوٹی قسم کھالے۔ کلبی فرماتے ہیں کہ یہ اس شخص کا حال ہے جو جھوٹی گواہی دے۔ (مظہری ۲۰۹/۱)۔

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات فیصلے کے لئے لاتے ہو۔ اس میں یہ بات ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنی دلیل بیان کرنے میں زیادہ فصیح اور چرب زبان ہو اور میں اس سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں (حالانکہ در حقیقت میرا فیصلہ واقعہ کے خلاف ہو)۔ اگر واقعی وہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں چاہئے کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اس کو دوں گا وہ جہنم کا ایک قطعہ ہوگا۔ (مظہری بحوالہ بخاری و مسلم ۲۱۰/۱، ابن کثیر ۲۲۵/۱)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں واضح فرما دیا کہ اگر امام یا قاضی کسی مغالطہ کی وجہ سے کوئی فیصلہ کر دے جس میں ایک کا حق دوسرے کو ناجائز طور پر مل رہا ہو تو اس عدالتی فیصلہ کی وجہ سے وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو جاتا اور جس کے لئے حلال ہے اس کے لئے حرام نہیں ہو جاتا۔ اگر کوئی شخص دھوکہ یا فریب یا جھوٹی شہادت یا جھوٹی قسم کے ذریعہ کسی کا مال یا حق بذریعہ عدالت لے لے تو اس کا وبال اس کی گردن پر رہے گا۔ اس کو چاہئے کہ آخرت کے حساب و کتاب اور علیم و خبیر کی عدالت میں پیشی کا خیال کر کے اس کو چھوڑ دے (معارف القرآن ۳۶۱/۱، ابن کثیر ۲۲۵/۱)۔

حضرت عبداللہؓ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جب وہ تمہارے اندر موجود ہوں تو پھر دنیا میں کچھ بھی حاصل نہ ہو تو یہ تمہارے لئے کافی ہیں۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں۔

(۱) امانت کی حفاظت (۲) سچ بولنا (۳) حسنِ خلق (۴) کھانے میں حلال کا اہتمام۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے یہ دعا فرمادیجئے کہ میں مقبول الدعاء ہو جاؤں، جو دعا کیا کروں قبول ہو جایا کرے۔ آپؐ نے فرمایا اے سعد اپنا کھانا حلال اور پاک بنالو، مستجاب الدعوات ہو جاؤ گے اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا۔ اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو وہ گوشت تو جہنم کی آگ ہی کے لائق ہے۔ (معارف القرآن ۴۶۳/ ۱۔

حقیقی بھلائی

۱۸۹۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ، قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ، وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ج وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ آپ سے نئے چاند کے نکلنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہدیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اوقات بتانے کا آلہ ہیں اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم اپنے گھروں میں ان کے پیچھے (کے راستہ) سے آیا کرو بلکہ نیکی اس کی ہے جو پرہیزگاری اختیار کرے اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اَهِلَّةِ: چاند۔ یہ ہِلَالٌ کی جمع ہے۔ قمری مہینہ کی ابتدائی چند راتوں کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔

مَوَاقِيْتُ: اوقات، واحد میقات۔ میقات اس وقت کو کہتے ہیں جو کسی کام کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ مثلاً حج۔ روزہ، عدت، قرض، وغیرہ۔

شانِ نزول: حضرت معاذؓ بن جبل انصاری اور حضرت ثعلبہؓ بن غنم انصاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا بات ہے کہ ہلال

پہلے تو باریک سا ظاہر ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے بالکل بھر جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر باریک ہونا شروع ہوتا ہے حتیٰ کہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ پہلے دن تھا۔ یہ ایک حالت پر نہیں رہتا۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۱۰/۱)۔

امام بخاری نے حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے لکھا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگوں کی یہ عادت تھی کہ جب احرام باندھ لیتے تھے تو گھروں میں دروازوں سے نہ آتے تھے بلکہ پشت سے آیا کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (مظہری ۲۱۱/۱)۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ چاند کے کم زیادہ ہونے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس کی مدد سے اپنے دینی اور دنیوی معاملات میں وقت کا تعین کرتے ہیں مثلاً حج اور روزہ کا وقت، قرض وغیرہ کے وعدوں کی میعاد، تاریخوں اور مہینوں کا حساب وغیرہ۔ مسند عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ رضؓ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو۔

ایام جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ لوگ احرام کی حالت میں اپنے گھروں میں پیچھے کی طرف سے دیوار پھاند کر آتے تھے، اسی طرح جب کوئی سفر کے ارادے سے نکلتا اور کسی وجہ سے اس کو سفر ادھورا چھوڑ کر واپس آنا پڑتا تو وہ گھر کے دروازے سے گھر میں داخل نہیں ہوتا تھا بلکہ گھر کے پیچھے کی طرف سے دیوار چڑھکر آتا تھا۔ اسلام نے ان جاہلانہ رسموں کو مٹایا اور حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاؤ۔ اس کے منع کئے ہوئے کاموں سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یہی چیزیں اس دن کام آنیوالی ہیں جس دن ہر شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگا اور پوری پوری جزا و سزا پائے گا۔ یہی اصل نیکی ہے اور اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے۔ اور یہی انسان کے اعمال اور اس کی زندگی کے اچھا یا برا ہونے کی کسوٹی ہے۔ (مظہری ۲۱۱/۱، ابن کثیر ۲۲۵/۱)۔

قتال کا حکم

۱۹۰۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝

اور (اے مسلمانو!) جو لوگ تم سے قتال کرتے ہیں تم بھی ان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو اور زیادتی نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: پہلی آیت میں یہ فرمایا تھا کہ گھروں میں پشت کی طرف سے دیواریں چڑھکر آنے میں

کوئی نیکی نہیں ۔ بلکہ نیکی تقویٰ کا نام ہے اور تقویٰ کی بڑی شاخ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑ کر زمین کو کفر و معاصی اور فساد سے پاک کرنا ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد کا حکم دیا ہجرت مدینہ کے بعد کفار کے ساتھ قتال کا حکم سب سے پہلے اسی آیت میں آیا ۔ اس میں یہ حکم ہے کہ مسلمان صرف ان کافروں سے قتال کریں جو ان کے مقابلہ پر قتال کے لئے آئیں، عورتیں، بچے اور بوڑھے عبادت گزار، راہب، پادری، اپاہج و معذور لوگ، وہ لوگ جو کافروں کے ہاں محنت و مزدوری کا کام کرتے ہیں اور ان کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ۔ ان سب کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں ۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد پر جانے والے صحابۂ کرام کو ہدایت فرمائی کہ تم اللہ تعالیٰ کے نام پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر جہاد کے لئے جاؤ، کسی بوڑھے، ضعیف کو اور چھوٹے بچے کو یا کسی عورت کو قتل نہ کرنا غنیمت میں خیانت نہ کرنا، غنیمتوں کو جمع کر لینا اور اپنے سب حالات کو درست رکھنا اور احسان کرنا بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک، اس آیت کے آخر میں وَلَا تَعْتَدُوْا کا یہی مطلب ہے کہ قتال میں حد سے تجاوز نہ کرو کہ عورتوں اور بچوں وغیرہ کو قتل کرنے لگو ۔

احترام کعبہ

۱۹۱ ۔ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ط كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ٥

اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں تم ان کو پاؤ اور ان کو وہاں (مکہ) سے نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑھکر ہے ۔ اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو جب تک کہ وہ تم سے اس کے پاس نہ لڑیں ۔ پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی ان کو قتل کرو ۔ کافروں کی یہی سزا ہے ۔

ثَقِفْتُمُوْهُمْ تم نے ان کو پایا ۔ ثقف سے ماضی ۔

حَيْثُ : جہاں ۔ جس جگہ ۔

شانِ نزول: یہ آیت واقعہ حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب صلح کی شرط کے مطابق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے ساتھ اس عمرہ کی قضا کے لئے سفر کا ارادہ کیا جس سے اس سے پہلے کفار مکہ نے روک دیا تھا۔ صحابۂ کرام کو اس سفر کے وقت یہ خیال ہوا کہ کفار کی صلح اور معاہدہ کا کچھ بھروسہ نہیں اگر وہ اس سال بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو واضح طور پر بتا دیا کہ اگر کافر تم سے قتال کریں تو تمہیں بھی اجازت ہے کہ تم ان کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور اگر قدرت ہو تو جس طرح انہوں نے تمہیں مکہ سے نکال دیا تھا، تم بھی ان کو مکہ سے نکال دو اگرچہ کسی کو قتل کرنا سخت برا کام ہے مگر کفار مکہ کا اپنے شرک و کفر پر جمے رہنا اور مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکنا اس سے زیادہ سخت و شدید ہے اس لئے ان کو قتل کرنا جائز ہے۔ البتہ مسجد حرام کے آس پاس جس سے مراد پورا حرم مکہ ہے اس میں تم ان لوگوں سے اس وقت تک قتال نہ کرو جب تک کہ وہ خود قتال کی ابتداء نہ کریں۔ (معارف القرآن ۴۷۰/۱)۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایتوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن با حرمت کیا ہے۔ اس لئے قیامت تک اللہ تعالیٰ کا حرام کردہ حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کو اس میں قتل و قتال کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے لئے بھی صرف دن کی ایک ساعت کے لئے حلال ہوا ہے۔ اس کے بعد بدستور قیامت تک حرام ہے۔ یہاں کی گھاس کاٹا وغیرہ نہ کاٹا جائے، نہ یہاں کا شکار بھگایا جائے۔ (بخاری و مسلم)۔

حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مکہ میں ہتھیار اٹھانا کسی کو حلال نہیں۔ (مسلم و مظہری ۲۱۳/۱)۔

فتنہ ختم ہونے تک قتال کرنا

۱۹۲، ۱۹۳۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان سے یہاں تک قتال کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ تعالیٰ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی جائز نہیں۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر دشمنانِ اسلام اپنی شرارتوں اور فتنہ و فساد سے باز آجائیں، بدکاری و بدعملی سے توبہ کرلیں، اسلام کو قبول کرلیں، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئیں تو پھر ان پر تلوار نہ اٹھاؤ بلکہ انہیں اپنا بھائی سمجھو کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی گزشتہ خطائیں معاف فرمادیتا ہے۔ وہ بہت بخشنے والا اور بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز نہ آئیں، اور اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے رہیں اور ملک میں فتنہ و فساد پھیلاتے رہیں تو تم بھی فتنہ پردازوں اور اسلام دشمنوں سے برابر جنگ کرتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ و فساد ختم ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا قانون غالب ہو جائے اور کسی اسلام دشمن کو قانونِ الٰہی کی خلاف ورزی کی ہمت نہ ہو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قتال کا حکم دیا گیا ہے۔ جب تک یہ لوگ اس بات کی شہادت نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ جب یہ لوگ ان امور کو کریں گے تو اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیں گے لیکن ان کے جان و مال میں اگر حقِ اسلام ہو گا تو وہ ان امور کے باوجود ان سے لیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔
(مظہری، بحوالہ بخاری و مسلم ۲۱۳، ۱/۲۱۴)۔

حرمت کے مہینوں میں قتال

۱۹۴۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

حرمت والا مہینہ، حرمت والے مہینے کے بدلے ہے اور حرمت کی چیزوں میں ادلے کا بدلہ ہے۔ پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی کی مانند زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں ہی کے ساتھ ہے۔

شانِ نزول: ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب ہدی کے جانور لیکر ذیقعدہ ۶ھ میں عمرہ کی نیت سے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ جب حدیبیہ میں پہنچے تو مشرکین نے آپؐ کو روک لیا۔ آخرکار اہلِ مکہ سے اس پر صلح ہو گئی کہ آپؐ اس سال واپس تشریف لیجائیں اور آئندہ سال تشریف لائیں۔ چنانچہ آپؐ واپس تشریف لیگئے

اور اگلے سال ذیعقد ۷ھ میں تشریف لائے اور عمرہ ادا فرمایا اور مکہ معظمہ میں تین شب قیام فرمایا۔ مشرکین آپؐ کے روکنے پر فخر کرتے تھے۔

جب اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے تشریف لیگئے تو مسلمانوں کو یہ خوف ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ مشرکین اپنا عہد پورا نہ کریں اور گزشتہ سال کی طرح پھر بیت اللہ سے روکدیں اور حرم، احرام اور ماہِ حرام میں قتال واقع ہو جائے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۲۱۴، ۱/۲۱۵)۔

تشریح: مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اگر پہلے سے جنگ جاری ہوتی اور حرمت والے مہینے آجاتے تو آپؐ لڑائی روکدیتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر مشرکین ماہِ حرام کی حرمت کی پرواہ نہ کریں اور تم سے قتال کریں تو تم بھی ان سے قتال کرو کیونکہ یہ ان کے کرتوتوں کا بدلہ ہے۔ اگر تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تم پر کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس شئے کی تمہیں اجازت نہیں دی اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ انہی کی مدد کرتا ہے اور انہی کی اصلاح کرتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ

۱۹۵ - وَ اَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی سے پیش آؤ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

اَنْفِقُوْا: تم خرچ کرو۔ اِنْفَاقٌ سے امر۔

تُلْقُوْا: تم ڈالو۔ اِلْقَاءٌ سے مضارع۔

التھلکہ ہلاکت، تباہی، بربادی۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم جہاد کے لئے بقدر ضرورت اپنا مال بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے آپ کو اپنے اختیار سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ حضرت

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے ۔ (بخاری، ابن کثیر ۲۲۸/۱) ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت قتال کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا اپنے آپکو ہلاکت میں ڈالنا ہے ۔ (ابن کثیر ۲۲۹/۱) ۔

اس آیت کے آخری حصہ میں ہر کام کو اچھی طرح کرنے کی ترغیب ہے ۔ کام کو اچھی طرح کرنے سے عبادات و معاملات دونوں کو بحسن و خوبی ادا کرنا مراد ہے ۔ عبادت کو بحسن و خوبی ادا کرنے کا مطلب تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ جبرائیلؑ میں بیان فرمادیا ہے کہ تم عبادت اس طرح کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو ۔ اگر یہ بات پیدا نہ ہو سکے تو کم از کم یہ اعتقاد ضرور ہونا چاہئے کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ مطلب یہ کہ حضورِ قلب اور خشوع و خضوع سے عبادت کرو ۔ اور معاملات و معاشرت کی خوبی کے بارے میں حضرت معاذؓ بن جبل سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے بُرا سمجھتے ہو اس کو دوسروں کے لئے بھی بُرا سمجھو ۔ (مظہری ۲۱۶/۱) ۔

حج و عمرہ کے احکام

۱۹۶۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔

اور حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو ۔ پس اگر تم (راستہ میں) روک دیئے جاؤ تو جو کچھ قربانی میسر آئے (اسے ذبح کردو) اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈولاؤ جب تک کہ قربانی اپنی جگہ پر نہ پہنچ جائے ۔ پس تم میں سے جو کوئی مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی بیماری ہو (اور وہ سر منڈوا دے) تو اس پر اس کے بدلے میں روزے یا صدقہ یا قربانی

لازم ہے ۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو جاؤ تو جو کوئی عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر متمتع ہو (فائدہ اٹھائے) تو اس کو جو کچھ میسر ہو قربانی کر دے اور جس کو (قربانی) میسر نہ ہو تو اس کو ایامِ حج میں تین روزے رکھنے چاہئیں اور سات (روزے) وطن لوٹنے کے بعد ۔ یہ پورے دس ہو گئے ۔ یہ اس کے لئے ہے جس کا گھر بار مکہ میں نہ ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب کرنے والا بھی ہے ۔

اُحْصِرْتُمْ: تم روک دیئے جاؤ ۔ یہ اِحْصَارٌ سے بنا ہے جس کے معنی گِھر جانے اور بند ہو جانے کے ہیں خواہ یہ گِھر جانا کسی سبب سے ہو ۔ یہاں اس سے مُراد یہ ہے کہ حج کا ارادہ رکھنے والا کسی بیماری کی وجہ سے منزل پر نہ پہنچ سکے یا دشمن نے اس کا راستہ روک رکھا ہو یا کوئی موسمی اور دوسری رکاوٹ حائل ہو گئی ہو ۔

هَدْيِ: ہدی ۔ قربانی کا جانور

تَحْلِقُوْا: تم منڈواؤ ۔ حَلْقٌ سے مضارع ۔

نُسُکٍ: قربانی ۔ عبادت ، اعمالِ حج ۔ یہ اسم ہے

مَحِلَّهٗ: اپنی جگہ ۔ اس (قربانی) کے حلال ہونے کی جگہ ۔ اس کی قربان گاہ ، مراد حدودِ منیٰ ۔ حِلٌّ سے اسم ظرف مکان ۔

اَمِنْتُمْ: تم خطرے اور مرض کی حالت سے نکل کر امن و امان میں آجاؤ ۔

تَمَتَّعَ: اس نے فائدہ اٹھایا ۔ تَمَتُّعٌ سے ماضی ۔ فقہ کی اصطلاح میں حج اور عمرہ کو ملا کر ادا کرنے کا نام تمتع ہے ۔ یعنی حج کے زمانے میں ایک احرام باندھ کر عمرہ ادا کیا جائے اور احرام کھول دیا جائے ۔ پھر ۸ ذی الحجہ کو دوبارہ احرام باندھ کر حج کیا جائے ۔

تشریح: یہ آیت واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی جو ۶ ھ ہجری میں واقع ہوا ۔ اس کا مقصد حج کی فرضیت بتانا نہیں وہ پہلے ہی بتائی جا چکی ہے بلکہ یہاں حج و عمرہ کے کچھ خاص احکام بتانا مقصود ہے ۔ حج کا تعلق مکۂ مکرمہ اور بیت اللہ سے ہے ۔ اس کے کچھ مسائل قبلہ کے بیان میں آیت ۱۲۵ سے ۱۲۸ تک میں بیان ہوئے ۔ پھر قبلہ کی بحث کے اختتام پر آیت ۱۵۸ میں صفاء و مروہ کے درمیان سعی کرنے کا حکم بیان ہوا ۔ اب آیت ۱۹۶ سے آیت ۲۰۳ تک مسلسل آٹھ آیتوں میں حج و عمرہ کے احکام و مسائل کا بیان ہے ۔ (معارف القرآن ۴۸۰/۱) ۔

حج: حج اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن اور فرض عین ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيلًا ۔ (آل عمران ۹۷)۔

لوگوں میں سے جو بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو اس پر بیت اللہ کا حج فرض ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے (۱) اس امر کی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ (۲) نماز قائم کرنا۔ (۳) زکوٰۃ ادا کرنا۔ (۴) بیت اللہ کا حج کرنا۔ (۵) رمضان کے روزے رکھنا۔ (مظہری بحوالہ بخاری و مسلم ۱/۲۱۶)۔

عمرہ: سورۂ آل عمران کی آیت ۹۷ میں صرف حج کا فرض ہونا مذکور ہے۔ اس میں عمرہ کا ذکر نہیں۔ اور سورۂ بقرہ کی آیت وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ میں حج کے ساتھ عمرہ کا بھی ذکر ہے مگر اس میں حج و عمرہ کی فرضیت اور وجوب کا بیان نہیں بلکہ یہاں بیان یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کو احرام کے ذریعہ شروع کر دے تو اس پر اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ عام نفلی نماز اور روزہ کا بھی یہی حکم ہے کہ یہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہوتا کہ عمرہ واجب ہے یا نہیں بلکہ اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ جب کوئی عمرہ شروع کر دے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

ابن کثیر نے بحوالہ ترمذی، احمد، بیہقی، حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا عمرہ واجب ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ واجب تو نہیں، اگر کر لو تو بہتر و افضل ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح اور حسن کہا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عمرہ واجب نہیں، سنت ہے۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۰، ۴۸۱)۔

احرام کے بعد حج و عمرہ ادا نہ کر سکنا: یہ آیت حدیبیہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے عمرہ کا احرام باندھا ہوا تھا۔ مشرکین مکہ نے آپؐ کو مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ احرام کا فدیہ بکری، گائے اونٹ وغیرہ کی ایک قربانی دینا ہے جو آسان ہو۔ لہٰذا قربانی دیکر احرام کھول دو مگر

اس کے لئے بال منڈوانا یا کتروانا ضروری ہے، اس لئے اگلے جملے میں واضح طور پر بتادیا کہ احرام کھولنا یعنی سر کے بال منڈوانا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ محرم کی قربانی اپنے موقع پر (قربان گاہ) پہنچ کر ذبح نہ ہو جائے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک موقع پر پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ حدود حرم میں پہنچکر ذبح کی جائے۔ اگر کوئی شخص خود نہ کر سکے تو کسی دوسرے سے کرادے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے یہ بات ثابت ہے کہ مجبوری کی حالت میں قربانی دیکر احرام کھول دینا جائز ہے مگر بعد میں اس کی قضا کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرام نے حدیبیہ کے اگلے سال حدیبیہ کی قضا کی۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۱)۔

احرام میں بیماری کے سبب بال منڈوانا: اگر بیماری کے سبب سر یا بدن کے کسی دوسرے حصہ کے بال منڈوانے کی مجبوری ہو یا سر میں جوئیں پیدا ہو کر تکلیف دے رہی ہوں تو ایسی صورت میں ضرورت کے مطابق بال منڈوانا جائز ہے۔ مگر اس کا فدیہ اور بدلہ یہ ہے کہ روزے رکھے۔ صدقہ دے یا قربانی کرے قربانی کے لئے تو حدود حرم کی جگہ متعین ہے۔ روزے اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں۔ ہر جگہ ادا کر سکتا ہے۔ روزوں کی تعداد اور صدقہ کی مقدار کے بارے میں قرآنِ کریم میں کچھ ذکر نہیں۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ بن عجرہ صحابی کی ایسی حالت میں یہ فرمایا کہ تین روزے رکھو یا چھ مسکینوں کو آدھا صاع گندم (تقریباً پونے دو سیر) بطور صدقہ دیدو۔ اس کی قیمت صدقہ کر دینا بھی کافی ہے۔ معارف القرآن ۱/۴۸۲،۴۸۱)۔

حج و عمرہ کو جمع کرنا: ایامِ جاہلیت میں مشرکین کا خیال تھا کہ جب حج کے مہینے شروع ہو جائیں یعنی شوال کا مہینہ شروع ہو جائے تو ان دنوں میں حج و عمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی اس طرح اصلاح فرمادی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج و عمرہ دونوں کو حج کے مہینوں میں جمع کرنا ممنوع رکھا گیا کیونکہ ان کے لئے حج کے مہینوں کے بعد دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں۔ لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے حج و عمرہ کا جمع کرنا جائز قرار دیا کیونکہ دور دراز سے صرف عمرہ کے لئے سفر کرنا آسان نہیں۔

میقات: مختلف ملکوں سے مکہ آنے والوں کے لئے، مکہ کے راستوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ مقررہ مقام جہاں پہنچکر مکہ جانے والوں کے لئے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے میقات کہلاتے ہیں۔ احرام باندھے بغیر ان مقامات یا ان کی محاذات سے آگے بڑھنا گناہ ہے۔

حج و عمرہ کو جمع کرنے کا شکرانہ: جو لوگ حج کے مہینوں میں حج و عمرہ کو جمع کریں ان پر دونوں عبادتوں کو جمع کرنے کا شکرانہ ادا کرنا واجب ہے ۔ شکرانہ یہ ہے کہ جو شخص قربانی دینے کی قدرت رکھتا ہو وہ ایک قربانی دیدے خواہ وہ بکری ہو یا گائے ہو یا اونٹ، جو اس کے لئے آسان ہو ۔ جو شخص مالی اعتبار سے قربانی ادا کرنے کے قابل نہ ہو اس پر دس روزے اس طرح واجب ہیں کہ تین روزے تو حج کے دنوں میں ہی رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کردے، باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے ۔ اگر کوئی شخص حج کے دنوں میں تینوں روزے نہ رکھ سکا تو پھر امام ابو حنیفہ اور اکابر صحابہ کے نزدیک اس کے لئے قربانی کرنا ہی ضروری ہے ۔ جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرادے ۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۲) ۔

قِراَن: حج کے مہینوں میں حج کے ساتھ عمرہ کو جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں ۔ پہلی صورت یہ ہے کہ میقات سے ہی حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ لے ۔ اس کو حدیث کی اصطلاح میں قِراَن کہتے ہیں ۔ اس میں عمرہ کا احرام حج کے احرام کے ساتھ کھلتا ہے ۔ جو شخص قِراَن کرتا ہے اس کو ایامِ حج کے آخر تک احرام ہی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے ۔

تمتع: یہ دوسری صورت ہے ۔ اس میں میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکۂ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھولدے ۔ پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ جانے کے وقت حج کا احرام حرم شریف کے اندر ہی باندھ لے ۔ اس کو اصطلاح میں تمتع کہتے ہیں ۔ قرآنِ کریم کی اس آیت میں فَمَنْ تَمَتَّعَ سے یہ دونوں صورتیں مراد ہیں ۔

احکام حج و عمرہ میں کوتاہی: آیت کے آخر میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا تاکہ آدمی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے ڈرتا اور بچتا رہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے ۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے ۔ (معارف القرآن ۴۸۲، ۱/۴۸۳) ۔

حج کا وقت

۱۹۷۔ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ج

حج کے چند مہینے معلوم ہیں ۔

اَشْهُرٌ: یہ شَھرٌ کی جمع ہے اور شہر مہینے کو کہتے ہیں ۔

تشریح: گزشتہ آیت میں بتایا گیا تھا کہ جو شخص حج یا عمرہ کا احرام باندھے اس پر اس کے پورے احکام ادا کرنا لازم ہے۔ عمرہ کے لئے کوئی تاریخ و مہینہ مقرر نہیں۔ سال بھر میں جب چاہے اور جتنی بار چاہے عمرہ کر لے۔ مگر حج اور اس کے افعال و اعمال کے لئے مہینے، خاص تاریخیں اور اوقات مقرر ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صراحتاً فرمادیا کہ حج کا معاملہ عمرہ کی طرح نہیں ہے بلکہ اس کے لئے کچھ مشہور و معروف مہینے مقرر ہیں۔ وہ مہینے شوال، ذیقعدہ اور دس روز، ذی الحجہ کے ہیں۔ شوال سے پہلے حج کا احرام باندھنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۳)۔

احکامِ احرام

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ط وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ط

پس جو کوئی ان میں حج کا قصد کرے تو (حج کے دنوں میں) نہ اس کو فحش بات کرنی چاہئے نہ گناہ کا کام اور نہ لڑائی جھگڑا اور تم جو نیک کام کرو گے وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائیگا۔

رَفَثَ: عورت سے بے حجاب ہونا۔ عورت کی طرف رغبت کرنا۔ مصدر ہے۔

فُسُوْقَ: گناہ کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ مصدر ہے۔ یہاں وہ تمام کام مراد ہیں جو احرام کی حالت میں ممنوع و ناجائز ہیں۔

جِدَالَ: جھگڑا کرنا۔ لڑائی کرنا۔ بحث کرنا۔ مصدر ہے۔ یہاں جھگڑے سے مراد مار پیٹ، ہاتھا پائی، بحث و مباحثہ، گالی گلوچ، نازیبا اور ناشائستہ الفاظ کا استعمال وغیرہ ہیں۔

تشریح: اس آیت میں حج کا احرام باندھنے والے کے لئے کچھ آداب و احکام کا بیان ہے۔ جن سے احرام کی حالت میں پرہیز کرنا لازم ہے۔ احرام کی حالت میں چھ چیزیں ناجائز ہو جاتی ہیں۔

(۱) عورت کے ساتھ مباشرت اور اس کے تمام متعلقات۔ (۲) بَرّی جانور کا شکار خود کرنا یا شکاری کو بتانا۔ (۳) بال یا ناخن کٹوانا (۴) خوشبو لگانا (۵) مَردوں کے لئے سلے ہوئے کپڑے پہننا (۶) سر اور چہرہ کو ڈھانپنا۔

امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی چہرہ کو کپڑا لگانا جائز نہیں مگر پردہ کا اہتمام ضروری ہے۔ اس کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ لوہے کی پتلی پتلی تاروں کا ٹوپی نما پنجرہ سا بنا کر پہن لیا جائے اور اس کے اوپر سے نقاب کا کپڑا ڈالا جائے۔ اس طرح نقاب کا کپڑا چہرہ کو مس نہیں کرے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ گتے یا پنکھے کے وسط میں دونوں طرف

کپڑے کی ڈجی سی کر، اس کو سر پر رکھ لے اور دونوں طرف کی ڈجیوں کو تسمہ کی طرح ٹھوڑی کے نیچے باندھ لے اس طرح گتے یا پنکھے کا کچھ حصہ پیشانی سے آگے نکلا رہے گا۔ اس کے اوپر سے نقاب ڈالیں تو وہ چہرہ کو مس نہیں کرے گا۔ غرض حتی الامکان پردہ کا اہتمام بھی کرے اور چہرہ کو کپڑا لگنے سے بھی بچائے۔

ممنوعات احرام بیان کرنے کے بعد یہ ہدایت دی گئی کہ حج کے مبارک ایام اور مقدس مقامات میں صرف گناہوں سے بچنا ہی کافی نہیں بلکہ موقع کو غنیمت جان کر عبادت اور ذکر اللہ اور نیک کاموں میں لگے رہو۔ تم جو بھی نیک کام کروگے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور تمہیں اس پر بڑے انعامات ملیں گے۔

ضروریاتِ سفر ساتھ لینا

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۔ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِى الْاَلْبَابِ ۝

اور (حج میں) زادِ راہ بھی لے لیا کرو۔ پھر بہترین زادِ راہ تو پرہیزگاری ہے۔ اور اے عقل والو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

تشریح: جو لوگ بے سرو سامانی کے ساتھ حج یا عمرہ کے سفر پر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور اس کو توکل کا نام دیتے ہیں، پھر راستہ میں بھیک مانگتے ہیں، خود بھی تکلیف اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کرتے ہیں ان کی ہدایت کے لئے فرمایا کہ تم حج و عمرہ کے سفر میں ضروریات سفر ساتھ لے لیا کرو۔ یہ توکل کے منافی نہیں بلکہ توکل کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے مقدور بھر اسباب و وسائل کو اختیار کرے پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ (معارف القرآن ۴۸۶/۱)۔

سفرِ حج میں تجارت

۱۹۸۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۝

تم پر اس میں ذرا گناہ نہیں کہ تم حج کے دنوں میں اپنے پروردگار کا فضل (معاش) تلاش کرو۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جاہلیت میں تین بازار تھے، عکاظ، مجنّہ اور ذوالمجاز۔ جب اسلام کا زمانہ آیا تو لوگ گناہ سمجھ کر ان بازاروں میں تجارت کرنے سے رک گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری بحوالہ بخاری ۲۳۵/۱)۔

ابو امامہ تیمی نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ ہم لوگ مکہ تک سواریاں کرایہ پر چلاتے ہیں ۔ اب لوگ کہتے ہیں کہ تمہارا حج ادا نہیں ہوتا ۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کیا تم اوروں کی طرح احرام نہیں باندھتے، طواف نہیں کرتے، رمی نہیں کرتے ۔ میں نے کہا کیوں نہیں ۔ سب ارکان ادا کرتے ہیں ۔ فرمایا بس تو حج ادا ہو گیا ۔ اس کے بعد حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور یہی سوال پیش کیا جو تو نے کیا ۔ آپؐ نے اس وقت کچھ جواب نہیں دیا یہاں تک کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آیت لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ لیکر نازل ہوئے ۔ اس وقت آپؐ نے اس شخص کو بلوا کر فرمایا کہ تمہارا حج صحیح ہے ۔ (مظہری بحوالہ امام احمد، ابن ابی حاتم، ابن جریر، حاکم ۱/۲۳۵) ۔

تشریح: اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دوران حج کوئی بیع و شراء یا مزدوری کرے جس سے نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ۔ اصل مدار نیت پر ہے ۔ اگر کسی شخص کی نیت تجارت یا مزدوری کی ہے اور ضمنی طور پر حج کا بھی قصد کر لیا یا تجارت اور حج کے لئے برابر کا قصد ہے تو یہ دونوں صورتیں اخلاص کے خلاف ہیں ۔ دونوں صورتوں میں حج تو ہو جائیگا مگر ثواب میں کمی آجائے گی ۔ اس کے بر خلاف اگر اصل نیت حج کی ہے اور اسی کے شوق میں نکلا ہے مگر حج کے مصارف یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہے ۔ اس کو پورا کرنے کے لئے کچھ تجارت یا مزدوری کر لی تو یہ اخلاص کے منافی نہیں ۔ اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص ان پانچ دنوں میں جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں کسی قسم کی تجارت یا مزدوری نہ کرے ۔ بلکہ ان دنوں کو خالص عبادت و ذکر میں گزارے ۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۷) ۔

وقوفِ عرفات و مُزدلفہ

فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ ۖ وَٱذْكُرُوهُ كَمَا هَدَىٰكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِۦ لَمِنَ ٱلضَّآلِّينَ ۝

پھر جب تم عرفات سے واپس آنے لگو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اس کا ذکر اس طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں بتایا ہے اور اس سے پہلے تو تم گمراہوں میں سے تھے ۔

اَفَضْتُمْ: تم واپس آؤ ۔ یہاں مراد عرفات سے مزدلفہ کو واپس آنا ہے ۔ اِفَاضَۃٌ سے ماضی ۔

اَلْمَشْعَرِ الْحَرَامِ - یہ ایک مقدس پہاڑ کا نام ہے جو مُزدلفہ میں واقعہ ہے ۔ مَشْعَرٌ کے معنی

شعار اور علامت کے ہیں اور حرام کے معنی محترم و مقدس۔ اس لحاظ سے مشعرِ حرام کے معنی یہ ہوئے کہ یہ پہاڑ شعار اسلام کے اظہار کے لئے ایک مقدس مقام ہے۔

مُزدَلفَہ: مشعرِ حرام پہاڑ کے آس پاس کے میدان کو مُزدلفہ کہتے ہیں۔ جو مکہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

عرفات کی وجہ تسمیہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان یہاں اپنے رب کی معرفت اور عبادت و ذکر الٰہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے مسلمانوں کو آپس میں تعارف کا موقع ملتا ہے۔

وقوفِ عرفات: مکۂ معظمہ سے مشرق کی طرف طائف کو جو سڑک جاتی ہے، میدان عرفات اس سڑک پر مکۂ معظمہ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ عرفات لفظاً جمع ہے۔ یہ حدود حرم سے باہر ہے۔ حج میں حاجیوں کو اس میدان میں پہنچنا اور زوالِ آفتاب سے مغرب تک یہاں قیام کرنا حج کا اہم ترین فرض ہے۔ اگر عرفات کا قیام فوت ہو جائے تو حج نہیں ہوتا۔ کفارے اور فدیہ سے بھی اس کمی کو پورا نہیں کیا جا سکتا۔

وقوفِ مُزدَلفہ: عرفات سے واپسی میں رات کو مُزدلفہ میں قیام اور مغرب و عشاء دونوں نمازوں کو عشاء کے وقت میں مُزدَلفہ میں پڑھنا اور مشعرِ حرام کے پاس تکبیر و تہلیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا مُزدلفہ کی خاص عبادت ہے۔ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ کا یہی مطلب ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یوم نحر کی فجر طلوع ہونے کے بعد مُزدلفہ کا وقوف واجب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کھڑے ہو کر بڑی دیر تک ذکر الٰہی کیا اور دعا مانگی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

عبادات و ذکر الٰہی میں آدمی خود مختار نہیں کہ جس طرح چاہے اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور جس طرح چاہے اس کی عبادت کرے بلکہ ذکر الٰہی اور ہر عبادت کے خاص آداب ہیں۔ ان کے موافق ادا کرنا ہی عبادت ہے۔ اس کے خلاف کرنا جائز نہیں اور نہ ہی اس میں کمی بیشی یا تقدم و تاخیر اللہ تعالیٰ کو پسند ہے (معارف القرآن ۴۸۷، ۴۸۸/ ۱، حقانی ۵۶۳/ ۱)۔

۱۹۹۔ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر تم بھی وہیں سے لوٹ کر آؤ جہاں سے دوسرے لوگ لوٹ کر آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرو۔ بیشک وہ مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

النَّاس: لوگ۔ قریش کے سوا تمام لوگ مراد ہیں۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ اور اسماءؓ بنت ابو بکرؓ کی روایتوں میں ہے کہ حج کے واسطے عرب تو عرفات میں ٹھہرتے اور قریش مُزدلفہ میں قیام کرتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ قریش اپنے آپ کو حمس (شدت اور حیثیت والے) کہلاتے تھے اس لئے وہ اور ان کے حلیف عرفات میں دوسرے اہل عرب کے ساتھ ٹھہرنے کو عار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل اللہ ہیں اور حرم کے رہنے والے ہیں اس لئے حدود حرم سے باہر جانا ہمارے لئے مناسب نہیں۔ یہ بہانہ کر کے وہ مزدلفہ ہی میں قیام کر لیتے کیونکہ مُزدلفہ حدود حرم کے اندر ہے اور عرفات حدود حرم سے باہر ہے۔ جب دوسرے لوگ عرفات سے چلتے تھے تو قریش کے لوگ مُزدلفہ سے چلتے تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم بھی وہیں (عرفات میں) جاؤ جہاں سب لوگ جاتے ہیں۔ اور پھر وہیں سے سب کے ساتھ واپس آؤ۔ (مظہری ۱/۲۳۶)۔

تشریح: اس آیت میں اصولِ معاشرت کے سلسلہ کی ایک اہم بات یہ بتائی گئی کہ رہن سہن، قیام و مقام میں بڑوں کو چاہئے کہ چھوٹوں سے ممتاز ہو کر علیحدہ نہ رہیں بلکہ مل جل کر رہیں۔ اس سے باہمی اخوت و ہمدردی اور محبت و تعلق پیدا ہوتا ہے اور امیر و غریب کی تفریق مٹتی ہے، مزدور و سرمایہ دار کی جنگ ختم ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اس کو خوب واضح کر کے ارشاد فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا مدار تقویٰ اور اطاعت خداوندی پر ہے۔ اسی لئے مشرکین کے اس فعل کو جس سے وہ مُزدلفہ میں قیام کر کے اپنی حیثیت کو ممتاز بناتے تھے، گناہ قرار دیکر ان پر لازم کیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ و استغفار کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرمادے اور ان پر اپنی رحمت فرمادے۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۹)۔

ذکر اللہ کی تاکید

۲۰۰۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي

الْاٰخِرَۃِ مِنْ خَلَاقٍ ۔

پھر جب تم ارکان حج پورے کر لو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ۔ پھر بعض تو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ،ہمیں تو جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دے دے اور ان کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ۔

قَضَیْتُمْ: تم ادا کر چکو، تم پورا کر چکو ۔ قَضَاءٌ سے ماضی ۔

مَنَاسِکَکُمْ: تمہارے حج کے کام ۔ تمہاری حج کی عبادت ۔ نُسُکٌ سے اسم ظرف ۔

خَلَاقٍ: حصہ ۔ فضیلت ۔

تشریح: زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ جب منیٰ میں قیام کرتے تھے تو وہاں مجلسیں منعقد کر کے ان میں مشاعرے اور اپنے آباء و اجداد کے مفاخر اور کارناموں کو بیان کرتے تھے ۔ ان کی مجلسیں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے بالکل خالی ہوتی تھیں ۔ وہ اپنا تمام وقت لغو اور فضول چیزوں میں ضائع کرتے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم احرام کے افعال مکمل کر کے منیٰ میں قیام کرو تو وہاں اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اپنے آباء و اجداد کا ذکر چھوڑ کر اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اسی کے ذکر میں مشغول رہو جو دنیا کے لئے بھی نافع ہے اور آخرت کے لئے بھی ۔ اسی طرح بعض لوگ ان مبارک ایام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعائیں تو کرتے تھے مگر وہ دعائیں صرف دنیوی حاجات ، عزت و راحت کے لئے ہوتی تھیں وہ اپنی دعاؤں میں آخرت کی ذرا فکر نہیں کرتے تھے ۔ اس لئے فرمایا کہ ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔ (معارف القرآن ۴۹۰ ، ۱/۴۹۱) ۔

آخرت کے طالب

۲۰۱ ، ۲۰۲ ۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ نَصِیْبٌ مِّمَّا کَسَبُوْا ۔ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۔

اور ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ،ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی اور ،ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنکو ان کے اس عمل کی بدولت بڑا حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ۔

قِنَا: تو ہمیں بچا۔ تو ہمیں محفوظ رکھ۔ وِقَاءٌ و وِقَایَۃٌ سے امر ہے۔

نَصِیْبٌ: حصہ۔ ٹکڑا۔ قسمت۔ جمع نصب۔

شانِ نزول: علامہ بغوی نے اپنی سند سے حضرت انسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایسا دبلا ہو رہا ہے کہ جیسے انڈے میں سے پرندے کا بچہ نکلتا ہے۔ آپؐ نے اس سے پوچھا کہ تو اللہ تعالیٰ سے کچھ دعا کرتا تھا یا کچھ مانگا کرتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ کہا کرتا تھا کہ اے اللہ آپ مجھے جس قدر عذاب آخرت میں دیں گے وہ دنیا ہی میں دے دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا سُبْحَانَ اللہ! تیرے اندر اس عذاب کو برداشت کرنے کی قوت نہیں ہے۔ تو نے اس طرح کیوں نہ کہا۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا..... النَّارِ۔ چنانچہ اس شخص نے اس کے بعد اسی دعا کو پڑھنا شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دیدی۔ (مظہری ۲۴۰/۱، ابن کثیر ۲۴۴/۱)۔

تشریح: انبیاء علیہم السلام کی سنت یہ ہے کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے آخرت کی بھلائی اور بہتری مانگتے ہیں اسی طرح دنیا کی بھلائی اور آسائش بھی طلب کرتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ آخرت کو پیش نظر رکھتے ہیں وہ اپنی دعاؤں میں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی مانگتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی کوشش بار آور ہوتی ہے اور وہ دونوں جہانوں کی بھلائی حاصل کرتے ہیں۔ (معارف القرآن ۴۹۳/۱)۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر سو مرتبہ بھی دعا فرماتے تھے تو رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا سے دعا شروع فرماتے اور اسی پر ختم فرماتے تھے۔ اور اگر دو دعائیں فرماتے تو ان دونوں میں سے ایک یہی دعا ہوتی تھی۔ (مظہری ۲۴۰/۱)۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد اپنی ساری مخلوق کا حساب لے گا اور ان پر جزا و سزا مرتب فرمائے گا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جتنی دیر میں آنکھ جھپکتی ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی جلد حساب لے لے گا۔ (مظہری ۲۴۱/۱)۔

منیٰ میں قیام کی مدت

۲۰۳۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ کو گنتی کے چند دنوں میں یاد کرو۔ پھر جو کوئی دو ہی دن میں جلدی چلا گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو ٹھہرا رہا تو اس پر بھی گناہ نہیں۔ یہ ان کے لئے ہے جو پرہیزگاری کریں۔ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم سب کو اسی کے پاس جمع کیا جائے گا۔

مَعْدُوْدٰتٍ: گنے ہوئے۔ گنتی کے چند دن۔ واحد مَعْدُوْدَۃٌ۔ یہاں چند دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں (۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ ذی الحجہ تک) جن میں ہر نماز کے بعد تکبیر کہنا واجب ہے۔

تَعَجَّلَ: اس نے عجلت کی۔ اس نے جلدی کی۔ تَعَجُّلٌ سے ماضی۔

تَاَخَّرَ۔ اس نے تاخیر کی۔ وہ پیچھے رہا۔ تَاَخُّرٌ سے ماضی۔

تُحْشَرُوْنَ: تم جمع کئے جاؤ گے۔ تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ حَشْرٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: جو شخص عید کے بعد صرف دو دن یعنی ۱۲ ذی الحجہ تک منیٰ میں قیام کر کے واپس آ جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اور جو تیسرے دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ تک قیام کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ حجاج کو دونوں صورتوں میں اختیار ہے جس پر چاہیں عمل کریں۔ البتہ افضل یہی ہے کہ تیسرے دن (۱۳ ذی الحجہ) تک ٹھہریں۔ جو شخص دوسرے دن غروب آفتاب سے پہلے منیٰ سے چلا آیا اس پر تیسرے دن کی رمی واجب نہیں لیکن اگر منیٰ میں آفتاب غروب ہو گیا تو پھر تیسرے دن کی رمی کرنے سے پہلے منیٰ سے واپس آنا جائز نہیں۔ البتہ تیسرے دن کی رمی میں یہ رعایت ہے کہ وہ زوالِ آفتاب سے پہلے بھی ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں اور اس کے احکام کی پابندی کرنے والوں کے لئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حج اور دوسری عبادتیں انہی لوگوں کی قبول کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۔ (مائدہ ۲۷) بیشک اللہ تعالیٰ متقیوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو کہ تم سب اس کے پاس جمع ہونے والے ہو، اسی نے تمہیں زمین پر پھیلایا پھر وہی سمیٹ لے گا، پھر اسی کی طرف حشر ہو گا، وہ تمہارے کھلے ہوئے اور چھپے ہوئے تمام اعمال کا حساب لے گا۔ اور ان پر جزا و سزا دے گا پس تم جہاں کہیں بھی ہو اسی سے ڈرتے رہو۔ (معارف القرآن ۴۹۳، ۱/۴۹۴، ابن کثیر ۱/۲۴۵)۔

سخت جھگڑالو آدمی

۲۰۴- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) بعض آدمی ایسا بھی ہوتا ہے جس کی بات دنیا کی زندگی میں آپ کو بھلی معلوم ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کو اس پر گواہ بھی ٹھہراتا ہے جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ سخت (دشمن) جھگڑالو ہے۔

يُعْجِبُكَ: وہ تجھے تعجب میں ڈالتا ہے۔ وہ تجھے پسند آتا ہے۔ اِعْجَابٌ سے مضارع۔

اَلَدُّ۔ بہت جھگڑالو، سخت دشمن، لَدٌّ سے اسم تفضیل۔

الْخِصَامِ: جھگڑا کرنا۔ مباحثہ کرنا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: علامہ بغوی نے کلبی، مقاتل، اور عطا کی روایت سے فرمایا کہ اخنس بن شریق ثقفی بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ یہ شخص نہایت فصیح و بلیغ اور بہت شیریں کلام تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا اور بیٹھتا تھا۔ خوب باتیں بناتا اور قسمیں کھا کھا کر اسلام کا دعویٰ اور آپؐ سے اظہار محبت کرتا تھا۔ حقیقت میں وہ منافق تھا۔ جب آپؐ کی مجلس سے اٹھکر جاتا تو فساد و شرارت اور خلق خدا کو تکلیف پہنچانے میں لگ جاتا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۲۴۴/۱)

تشریح: اس سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ کچھ بد قسمت انسان صرف دنیا کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ وہ آخرت کی بھلائی سے بالکل محروم ہیں۔ مگر نیک بندے اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی طلب کرتے ہیں اور دوزخ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بد بخت اور منافقین کا حال بیان فرمایا ہے۔ کہ ان کی زبان بہت شیریں ہوتی ہے۔ ظاہر میں وہ بڑی سمجھ بوجھ کی باتیں کرتے ہیں۔ قسمیں کھا کھا کر اپنے سچا ہونے کا یقین دلاتے ہیں، بات بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہراتے ہیں مگر حقیقت میں وہ اسلام کے دشمن ہیں۔ اور دل سے فتنہ پرور اور سخت جھگڑالو ہوتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ برا شخص وہ ہے جو سخت جھگڑالو ہو۔

منافقوں کی نشانیاں

۲۰۵۔ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ۔

اور جب وہ (آپ کے پاس سے) پیٹھ پھیرتا (چلا جاتا) ہے تو ملک میں فساد ڈالنے اور کھیتی اور مویشی کو برباد کرنے کی کوشش میں لگ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

اَلْحَرْثَ: کھیتی۔ مصدر ہے۔

اَلنَّسْلَ: نسل۔ اولاد

تشریح: گزشتہ آیت میں منافقوں کی کچھ نشانیوں کا بیان تھا۔ مثلاً اسلام کی ہمدردی کا دعویٰ کرنا بات بات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرانا۔ وغیرہ اس آیت میں ان کی مزید نشانیاں بتائی گئی ہیں۔ کہ یہ لوگ ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتے ہیں۔ ہنگامہ آرائی کرتے ہیں۔ مختلف طریقوں سے لوگوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔ لوگوں کی کھیتیوں کو جلاتے اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ زنا کا ارتکاب کرتے اور عورتوں کے حقوق مارتے ہیں اور انہیں ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔ خلاف فطرت فعل کا ارتکاب کر کے نسل انسانی کو تباہ کرتے ہیں۔

۲۰۶۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔

اور جب اس کو کہا جاتا ہے کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈر تو غرور اس کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے۔ سو اس کو جہنم کافی ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

تشریح: اس آیت میں منافقوں کی ایک اور نشانی بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ جھوٹے دعوے کرنے۔ اور اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھانے اور فتنہ و فساد مچانے کے ساتھ ساتھ اپنے غرور و تکبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے بھی سرکشی اور بغاوت پر اتر آتے ہیں۔ جب لوگ ان کو سمجھاتے ہیں کہ ہنگامہ آرائی۔ فتنہ و فساد اور ہر قسم کی شرارت چھوڑ کر سیدھے راستہ پر آجاؤ، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو تو وہ غرور و تکبر میں آکر اور زیادہ گناہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اپنے جھوٹے وقار کو قائم رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دلیر ہو جاتے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرنے لگتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم تیار کی ہے جہاں انہیں رکھا جائے گا۔ یہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے اور اپنے غرور کا مزہ چکھتے رہیں گے۔

اللہ کی رضا چاہنے والا

۲۰۷- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ؕ

اور بعض آدمی ایسا بھی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں اپنی جان بھی دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑی شفقت رکھتا ہے۔

شانِ نزول: حارث بن اسامہ اور ابن ابی حاتم نے سعید بن مُسیّب سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ حضرت صُہَیب رومی مکہ سے ہجرت کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا رہے تھے کہ راستہ میں قریش کی ایک جماعت نے ان کا راستہ روک لیا۔ حضرت صہیب اپنی سواری سے اتر گئے اور اپنے ترکش میں سے تیر نکال کر تیار ہو گئے اور قریش کی اس جماعت کو مخاطب کر کے کہا کہ اے قریش کے گروہ تم سب جانتے ہو کہ میں تیراندازی میں تم سب سے زیادہ ماہر ہوں اور میرا تیر کبھی خطا نہیں کرتا اور قسم ہے اللہ کی جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے تم مجھ تک نہیں پہنچ سکو گے اور تیروں کے ختم ہونے کے بعد جب تک تلوار کا کچھ حصہ بھی باقی رہے گا میں تلوار چلاتا رہوں گا۔ پھر اس کے بعد جو تم چاہو کر لینا۔ اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ بتا دیتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں رکھا ہوا ہے۔ تم جا کر وہ مال لے لو اور میرا رستہ چھوڑ دو۔ اس پر قریش کی جماعت راضی ہو گئی۔ حضرت صہیب ان سے چھوٹ کر صحیح و سالم، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ آپؐ سن کر بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے دو مرتبہ فرمایا کہ اے ابو یحییٰ تمہاری بیع خوب نافع ہوئی۔ اے ابو یحییٰ تمہاری بیع خوب نافع ہوئی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری بحوالہ حاکم، ابن ابی حاتم، ابن جریر وغیرہ ۲۴۵/۱

تشریح: بعض لوگ ایسے عقلمند اور دانا ہیں کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ عزت تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جانبازی اور سر فروشی ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ ایسے بندوں پر اللہ تعالیٰ بہت ہی مہربان ہے کیونکہ یہ لوگ اس کے مخلص ہیں اور اس سے سچی محبت رکھتے ہیں۔

اسلام کو پوری طرح قبول کرنا

۲۰۸، ۲۰۹۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ پھر اگر تم واضح دلیلیں آجانے کے بعد بھی پھسل گئے تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بھی زبردست حکمت والا ہے ۔

سِلْمِ: اس کے لفظی معنی صلح و امن کے ہیں ۔ جمہور صحابہ اور تابعین کے نزدیک یہاں اسلام مراد ہے ۔

کَآفَّةً: پورے پورے، تمام ۔

زَلَلْتُمْ: تم پھسلے ۔ تم نے لغزش کی ۔ تم ڈگمگائے، زَلٌّ سے ماضی ۔

شانِ نزول: ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کی کہ یہود میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے ان میں سے حضرت عبداللہ بن سلام، ثعلبہ، ابن یامین، اور سعید بن عمرو، کعب کے بیٹے اسد و اسید اور قیس بن زید وغیرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ہفتہ کے دن کی تعظیم کیا کرتے تھے ۔ آپؐ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اب اس کی تعظیم کیا کریں اور توریت بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب ہے آپؐ اجازت دیجئے کہ ہم رات کو کھڑے ہو کر اس کو پڑھا کریں ۔ علامہ بغوی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ یہ لوگ اسلام لانے کے بعد بھی اونٹ کے دودھ اور گوشت کو حرام جانتے تھے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح: گزشتہ آیات میں ایمان و اخلاص کا ذکر کیا گیا تھا اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایمان و اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ تم دین اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ ۔ اور اس میں یہودیت وغیرہ کو نہ ملاؤ ۔ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو کہ اس کے بہکانے میں آکر ہفتہ کی حرمت کرنے لگو اور اونٹ کو اپنے اوپر حرام کر لو حالانکہ یہ سب امور منسوخ ہو چکے اور شیطان تو تمہارا کھلا دشمن ہے ۔ اس کے فریب سے بچتے رہو ۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہود سے ایسی باتیں سنتے ہیں جو ہمیں اچھی لگتی ہیں ۔ اگر آپؐ کی رائے ہو تو ہم ان میں سے بعض باتیں لکھ لیا کریں آپؐ نے فرمایا کہ

کہ تم بھی اسی طرح حد سے بڑھو گے جس طرح یہود و نصاریٰ بڑھ گئے ہیں ۔ میں تو تمہارے لئے صاف اور روشن شریعت لایا ہوں ۔ اگر موسیٰ علیہ السلام بھی اس وقت زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ ہوتا ۔ (مظہری بحوالہ امام احمد، بیہقی ۔ ۲۴۹/۱) ۔

کفار کو تنبیہ و تہدید

۲۱۰، ۲۱۱ ۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۔ سَلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۔

کیا یہ لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے بادلوں کے سایہ میں ان پر آئیں اور معاملہ طے ہو جائے ۔ اور سب باتیں اللہ تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہیں ۔ آپ بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے ان کو کس قدر کھلے کھلے معجزات دئے تھے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نعمت پا کر اس کو بدل ڈالے تو بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے ۔

يَنْظُرُوْنَ ۔ وہ انتظار کرتے ہیں ۔ وہ دیکھتے ہیں ۔ نَظَرٌ سے مضارع ۔

ظُلَلٍ: سائبان ۔ بادل ۔ مُراد عذابِ الٰہیٰ ۔

اَلْغَمَامِ: بادل ۔ سفید ابر ۔

قُضِىَ: وہ فیصلہ کیا گیا ۔ وہ پورا کر دیا گیا ۔ قَضَاءٌ سے ماضی مجہول ۔

تشریح: اس آیت میں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کو خطاب ہے کہ تم ہماری آیتیں اور نشانیاں دیکھنے کے باوجود ہماری طرف رجوع کرنے میں حیلے بہانے کرتے ہو ۔ اب اور کیا باقی رہ گیا ہے سوائے اس کے کہ تمہارے اعتقاد کے مطابق اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے تمہارے سامنے آجائیں، تب تم مانو گے ۔ ہم قادر مطلق ہیں یہ بھی کر سکتے ہیں ۔ بنی اسرائیل کے علماء سے پوچھو کہ ہم نے ان کو کیا کچھ نشانیاں نہیں دکھائیں مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی لکڑی کا سانپ بن جانا، ان کے ہاتھ کا روشن اور چمکدار ہو جانا ۔ ان کے لئے دریا کو چیر دینا ۔ ان پر سخت گرمیوں میں ابر کا سایہ کر دینا، مَنّ و سَلویٰ اتارنا ۔ وغیرہ ۔ یہ سب معجزات میری قدرت کاملہ کو ظاہر کرنے اور حضرت موسیٰ کی نبوت کو سچ ثابت کرنے کے لئے کافی تھے ۔ اس کے باوجود انہوں نے میری نعمتوں کا کفر کیا اور ایمان لانے کی بجائے کفر پر اڑے رہے اور میری نعمتوں پر شکر کی بجائے نا

شکری کرتے رہے جس پر میں نے ان کو ہلاک کر دیا اور جو ہماری نعمتوں کی قدر نہیں کرتا ہم اس کو سخت عذاب دیتے ہیں۔ (حقانی ۵۰۰/۱، ابن کثیر ۲۴۹/۱)۔

متقیوں کو فوقیت حاصل ہونا

۲۱۲۔ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

کافروں کے لئے دنیا کی زندگی عمدہ کر کے دکھائی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں حالانکہ قیامت کے روز پرہیزگار ان سے بالاتر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

زُيِّنَ: زینت دی گئی، وہ سنواری گئی۔ تَزْيِيْنٌ سے ماضی۔

يَسْخَرُوْنَ: وہ تمسخر کرتے ہیں۔ وہ مذاق اڑاتے ہیں۔ سَخَرٌ سُخْرِيَۃٌ سے مضارع۔

فَوْقَهُمْ: ان کے اوپر۔ ان سے بڑھکر۔ ظرف مکان ہے۔

تشریح: اہل ایمان کی نظر میں دنیا اور اس کی نعمتوں میں کوئی کشش اور پائیداری نہیں۔ ان پر کافری جان دیتے ہیں اور انہیں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں ہر طرح کی آسائش دی ہوئی ہے کیونکہ یہ لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، صرف دنیا کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اس کے بر عکس اہل ایمان آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے ہیں، اس لئے دنیا پوری حاصل نہیں کرتے۔ کافر دنیا کے مال و دولت اور عزت و جاہ پر فخر کرتے ہوئے مسلمانوں کو بیوقوف اور مفلس سمجھ کر ان پر قہقہے لگاتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ قیامت کے روز اہل ایمان ان سے بالاتر ہوں گے اور وہ کافروں پر اسی طرح ہنسیں گے جس طرح وہ دنیا میں ان اہل ایمان پر ہنستے تھے۔ کیونکہ کافر اس وقت ذلت و رسوائی میں ہوں گے۔ جہاں تک رزق کا تعلق ہے اس میں کافر و مومن ہونے کو کچھ دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرما دیتا ہے۔ (حقانی ۵۰۱/۱)۔

ایک حدیث میں ہے اے ابن آدم! تو میری راہ میں خرچ کر کہ میں تجھے دیتا ہی رہوں گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپؐ نے حضرت بلال سے فرمایا کہ تم راہ خدا میں دئے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو۔ دنیا اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو اور دنیا کے لئے وہ جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔ (ابن کثیر ۱/۲۴۹)۔

حضرت سہل بن سعد سے مروی ہے کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ آپؐ نے ایک دوسرے آدمی سے جو آپؐ کے پاس بیٹھا ہوا تھا پوچھا کہ تم اس آدمی کو کیسا سمجھتے ہو۔ اس نے عرض کیا یہ بڑا شریف آدمی ہے اور اللہ کی قسم یہ اس شان کا آدمی ہے کہ اگر کہیں پیغام بھیجے تو فوراً اس کی شادی ہو جائے اور اگر کہیں کسی کی سفارش کرے تو فوراً قبول ہو جائے۔ آپؐ یہ سنکر خاموش رہے۔ پھر ایک اور آدمی اُدھر سے گزرا۔ آپؐ نے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسلمانوں میں بہت غریب آدمی ہے، یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں پیغام بھیجے تو کوئی شادی بھی نہ کرے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو وہ بھی کوئی منظور نہ کرے اور اگر کچھ کہے تو کوئی سنے بھی نہیں اس پر آپؐ نے فرمایا کہ ویسے (پہلے والے) آدمیوں کی بھری ہوئی زمین سے یہ اکیلا بہتر ہے۔ (مظہری بحوالہ بخاری شریف ۲۵۲،۲۵۲/۱)۔

اختلافِ عقائد

۲۱۳۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

(ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی گروہ تھے (اس کے بعد ان میں اختلاف ہوا تو) پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے جو خوشخبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی نازل کی تاکہ اللہ تعالیٰ اختلافی باتوں میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دے اور واضح دلائل آ جانے کے باوجود اس کتاب میں محض ضد کی وجہ سے انہی لوگوں نے اختلاف کیا جن کو کتاب دی گئی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مومنوں کو اس امر کی ہدایت کر دی جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جن کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

اُمَّةً: جماعت۔ ملت۔ جمع اُمَمٌ۔

بَغْیًا: بغاوت ۔ سرکشی ۔ ضد ۔

بِاِذْنِہٖ: اپنے حکم سے ۔ اپنی اجازت سے ۔ یہاں مراد اللہ تعالیٰ کا فضل اور توفیق ہے ۔

ربطِ آیات: اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دنیا کی محبت کو دینِ حق سے اختلاف کرنے کی وجہ بتایا تھا ۔ یہ آیت بھی اسی مضمون کی تائید میں ہے کہ مدت سے یہی ہوتا چلا آرہا ہے کہ ہم دینِ حق کے بارے میں کھلی نشانیاں اور واضح دلائل بیان کرتے ہیں اور دنیا کے طالب اپنی دنیوی اغراض کے سبب اس سے اختلاف کرتے ہیں ۔

تشریح: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک زمانے میں تمام لوگ ایک ہی عقیدہ اور خیال کے حامل تھے پھر رفتہ رفتہ ان میں اختلاف پیدا ہونے لگا اور کچھ عرصہ کے بعد ان کے عقائد بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوگئے اور فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا کہ کون حق پر ہے اور کس کے عقائد باطل ہیں ۔ اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں ۔ کوئی قوم، کوئی زمانہ اور کوئی جگہ نبیوں اور ان کے جانشینوں سے خالی نہیں رہی ۔ تمام انبیاء اور رسول اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم کی ہدایت و رہنمائی کے لئے احکام خداوندی لیکر آتے رہے ۔ تمام شریعتیں اصل کے اعتبار سے ایک ہی تھیں اور فروع میں اپنے اپنے زمانے کی ضروریات کے لحاظ سے احکام بیان کرتی تھیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا ؕ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ ۔ (فاطر ۲۴)

بیشک ہم نے آپکو دینِ حق دیکر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے اور کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ آیا ہو ۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ۔ (الرعد آیت ۷) ۔

بلاشبہ آپ کا کام تو (عذاب سے) خبردار کر دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ہادی آتے رہے ہیں

وَ لِکُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلٌ ۔ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَ ھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۔ (یونس ۴۷) ۔

ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے ۔ پس جب ان کا رسول ان کے پاس آچکا تو اس کے

بعد انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کیا گیا اور ان پر ظلم نہیں کیا گیا۔

انبیاء علیہم السلام لوگوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح فرماتے تھے اور کتاب اللہ کی روشنی میں ان کے اختلافی امور کا فیصلہ فرماتے تھے۔ جو لوگ ان کے طریقہ پر عمل کرتے تھے وہ ان کو خوشخبری سناتے تھے اور جو لوگ ان کا انکار کرتے تھے وہ ان کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے۔ اس طرح لوگوں کے دو گروہ بن گئے ایک تو وہ جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو قبول کیا، دوسرے وہ جنہوں نے پیغام الٰہی کو جھٹلایا اور انبیاء علیہم السلام کی بات نہ مانی۔

مومنوں کی آزمائش

۲۱۴۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۚ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۚ

(اے مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم (یونہی) جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ (ابھی تک) تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں گزرے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان پر ایسی سختیاں اور مصیبتیں پڑی تھیں کہ وہ ہلا دئے گئے تھے یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی (جس پر ان کو تسلی دی گئی) خبردار ہو جاؤ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

حَسِبْتُمْ: تم نے گمان کیا۔ تم نے خیال کیا۔ حِسْبَانٌ سے ماضی۔

اَلْبَاْسَآءُ: سختی۔ تنگدستی۔ مفلسی۔ اسم ہے۔

اَلضَّرَّآءُ: تکلیف، سختی، مصیبت، اسم ہے۔

زُلْزِلُوْا: وہ زلزلہ میں آگئے۔ وہ ہلا دئے گئے۔ زَلْزَلَةٌ و زِلْزَالٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو صبر و توکل اور ثابت قدمی کی ترغیب دی ہے تاکہ راہِ حق میں جس قدر مصیبتیں اور تکلیفیں پیش آئیں ان پر ثابت قدم رہیں اس لئے کہ مشقت و محنت اور مصائب و آلام برداشت کئے بغیر جنت کا مستحق نہیں بنتا۔ اس لئے فرمایا کہ اے مسلمانو! صرف ایمان لانا ہی تمہیں جنت کا مستحق نہیں بنا دیتا بلکہ اس کے لئے تمہیں ہر قسم کی

مصیبت و آفت برداشت کرنا چاہیئے کیونکہ تم سے پہلے انبیاء اور ان کے متبعین بے پناہ سختیاں اٹھا چکے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ دین حق پر ثابت قدم رہے بلکہ ان پر یہاں تک مصیبت پڑی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی امداد آنے کا کامل یقین ہونے کے باوجود رسول اور مومنین بے قرار ہو کر پکار اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری سنائی گئی کہ مدد الٰہی جلد آنے والی ہے۔ (حقانی ۲/۱۵۷)۔

قرآنِ کریم نے بالکل اسی مضمون کو دوسری جگہ ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

الٓمّٓ ۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ ھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۔ (عنکبوت آیات ۱۔۳)۔

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض ایمان کے اقرار سے ہی چھوڑ دئے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائیگا۔ اور ہم نے تو ان سے پہلے والوں کو بھی آزمایا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ ضرور معلوم کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور وہ ضرور معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔

چنانچہ صحابۂ کرام کو بھی جنگ احزاب میں اسی طرح آزمایا گیا۔ خود قرآنِ کریم نے اس جنگ کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔

اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا ۔ ھُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ۔ (احزاب آیات ۱۰،۱۱)۔

جب کافروں نے تمہیں اوپر اور نیچے سے گھیر لیا، جب آنکھیں پتھرا گئیں اور دل حلقوم تک پہنچ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔ اس جگہ مومنوں کی پوری آزمائش کی گئی اور وہ خوب جھنجوڑے گئے۔

مصارفِ خیرات

۲۱۵۔ یَسْـَٔلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۔ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۔

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کیا خرچ کیا کریں۔ آپ کہدیجئے کہ جو کچھ مال تم خرچ کرنا چاہو تو ماں باپ، قرابت داروں، اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کو دیا کرو اور تم جو کچھ نیکی کروگے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے

خَیْرٍ: مال۔ بہتر۔ اچھا۔ بھلائی۔ نیک کمائی۔ یہاں خیر سے مراد مال ہے۔

شانِ نزول: ابن منذر نے ابن حبان سے روایت کی ہے کہ عمرو بن جموح (جو نہایت عمر رسیدہ اور بڑا مالدار تھا) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں (کن لوگوں کو دیں) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۵۶ /۱)۔

ربطِ آیات: اس سے پہلی آیتوں میں تاکید کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی کہ تم کفر و نفاق چھوڑ کر پوری طرح اسلام کو اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں کسی کی بات مت سنو اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے جان اور مال خرچ کیا کرو اور اس سلسلہ میں پیش آنے والی ہر تکلیف و مصیبت پر صبر و تحمل سے کام لیا کرو۔ اب آگے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال خرچ کرنے کی کچھ تفصیل کا بیان ہے (معارف القرآن ۵۱۱\۱)۔

تشریح: اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اپنے مال میں سب سے پہلے اپنے ماں باپ کا حق ادا کرو۔ ان کے بعد دوسرے رشتہ داروں میں سب سے پہلے قریبی رشتہ دار کو۔ پھر اس سے دور والے کو، پھر اس سے دور والے کو، پھر یتیموں، فقیروں اور مسافروں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ خرچ کروگے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ یہ آیت زکوٰۃ کے متعلق نہیں بلکہ نفلی صدقات کے متعلق ہے کیونکہ زکوٰۃ میں مال کا نصاب بھی مقرر ہے اور جتنی مقدار خرچ کرنا فرض ہے، وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری طرح متعین و مقرر فرمادی گئی ہے جبکہ اس آیت میں نہ نصاب مقرر ہے اور نہ خرچ کی مقدار کا تعین۔

نفلی صدقات کے لئے ضروری ہے کہ ان میں اپنی ضروریات سے زائد مال کو خرچ کیا جائے۔ اپنے اہل و عیال کو تنگی میں ڈال کر اور ان کے حقوق کو تلف کرکے صدقات کے طور پر مال خرچ کرنا باعث ثواب نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کے ذمہ قرض ہو اور وہ اپنے قرض سے سبکدوش ہونے کی بجائے اپنا زائد از ضرورت مال، نفلی صدقات و خیرات میں خرچ کرے تو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ (معارف القرآن ۵۱۲، ۵۱۳\۱)۔

قتال کا حکم

۲۱۶۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۔

(اے مسلمانو!) تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ (جہاد) تمہیں گراں معلوم ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں گراں معلوم ہو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو وہ تمہارے حق میں شر ہو اور (ہر چیز کا انجام) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

كُرْهٌ: ناپسند۔ ناگوار۔ اسم ہے۔

عَسٰى: شاید۔ ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے۔ عنقریب۔

شَرٌّ: برائی۔ شر۔ عیب۔

تشریح: گزشتہ آیت میں مال خرچ کرنے کا حکم تھا مگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان خرچ کرنے کا بڑا درجہ ہے۔ یہاں اسی کا حکم دیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملی کہ جو آپ سے لڑے اور آپ پر ظلم کرے تو آپ بھی اس سے بدلہ لیں۔ جب اس پر بھی مخالفین ظلم و ستم سے باز نہ آئے اور انہوں نے اہلِ ایمان کو ہر جگہ ستانا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے فتنہ و فساد اور شر و الحاد کو دفع کرنے کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اب تم پر جہاد فرض ہو گیا ہے۔ گو جہاد کا حکم تم پر بھاری پڑے گا اور اس میں تمہیں مشقت اور تکلیف نظر آئے گی کیونکہ ممکن ہے تم قتل بھی کئے جاؤ، ممکن ہے زخمی ہو جاؤ، پھر سفر کی تکلیف اور دشمنوں کی یورش کا سامنا بھی ہو گا، مگر اس کی مصلحتیں تم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تم بعض باتوں کو شاق اور مکروہ جانتے ہو مگر ان کے نتائج اچھے ہوتے ہیں مثلاً قتال میں تمہارا غلبہ اور دشمن کی پامالی ہے۔ اسی طرح بعض چیزوں کو تم پسند کرتے ہو اور تمہارے لئے بدتر ہوتی ہیں۔ مثلاً قتال سے پہلو تہی میں دشمن تم پر غالب آجائے گا اور تمہیں دنیا میں قدم ٹکانے کو بھی جگہ نہ ملے گی۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے احکام ادا کرنے میں جلدی کرو تاکہ تمہیں ایسی چیز نصیب ہو جائے جو دین و دنیا کے اعتبار سے تمہارے حق میں بہتر ہو۔ تمام کاموں کے انجام کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، وہی جانتا ہے کہ انجام کے لحاظ سے تمہارے لئے کونسا کام اچھا ہے اور کونسا برا، لہٰذا تم اس کے احکام کو دل و جان سے قبول کر لیا کرو اسی میں تمہاری بھلائی اور بہتری ہے۔ (حقانی ۵۷۵/۱، ابن کثیر ۲۵۲/۱)۔

انجام ارتداد

۲۱۷ - يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ط وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ق وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَاللّٰهِ ج وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ط وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ط وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ط

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے حُرمت کے مہینوں میں قتال کرنے کا حکم پوچھتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ اس میں لڑائی کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور مسجد حرام کے لوگوں کو وہاں سے نکال دینا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی بڑھکر ہے ۔ اور فتنہ برپا کرنا ، قتل سے بھی بڑھکر ہے اور یہ (کفار) تو تمہارے ساتھ ہمیشہ لڑتے ہی رہیں گے تاکہ اگر یہ تم پر قابو پالیں تو تمہیں تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے برگشتہ ہو گا اور جو کفر ہی کی حالت میں مرے گا تو ان کے تمام اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے ۔ اور یہی لوگ اہل دوزخ ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

صَدٌّ : روکنا ۔ باز رکھنا ۔ حائل ہونا ۔ مصدر ہے ۔

يَزَالُوْنَ : وہ ہمیشہ رہیں گے ۔

يَرُدُّوْكُمْ : وہ تمہیں لوٹا دیں گے ۔ وہ تمہیں پھیر دیں گے ۔ رَدٌّ سے مضارع ۔

يَرْتَدِدْ : وہ مرتد ہو جائے گا ۔ وہ پھر جائے گا ۔ اِرْتِدَادٌ سے مضارع ۔

حَبِطَتْ : وہ ضائع ہو گئے ۔ وہ غارت ہو گئے ۔ حَبْطٌ سے ماضی ۔

شان نزول : ابن جریر ، ابن ابی حاتم ، طبرانی نے کبیر میں ، ابن سعد اور بیہقی

نے اپنی اپنی سنن میں حضرت جندبؓ بن عبد اللہ سے روایت بیان کی کہ جنگِ بدر سے دو مہینے پہلے جمادی الاخر ۲ ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہؓ بن جحش کو امیر بنا کر آٹھ مہاجرین کے ہمراہ مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا۔ (نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے، یہ وہی مقام ہے جہاں واقعۂ معراج سے پہلے طائف کے تبلیغی سفر سے واپسی میں جنّات نے آپؐ سے قرآنِ کریم سنا تھا)۔

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ کے علاوہ آٹھ آدمی تھے۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ بارہ آدمی تھے اور ایک ایک اونٹ پر دو دو آدمی سوار تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ کو ایک خط دیکر حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لیکر روانہ ہو جاؤ اور یہ خط اس وقت تک نہ کھولنا جب تک تم دو دن کا سفر طے نہ کر لو۔ دو دن کے بعد اس خط کو کھول کر دیکھنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہو اس پر عمل کرنا اور خط اپنے ساتھیوں کو بھی سنا دینا۔ اور اپنے ساتھ لیجانے میں اپنے کسی ساتھی پر زبردستی نہ کرنا۔

اس کے بعد حضرت عبداللہؓ چلنے لگے تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نجد کی طرف۔ حضرت عبداللہؓ روانہ ہو گئے اور دو روز کا سفر طے کرنے کے بعد ایک جگہ پڑاؤ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والا نامہ کھولا تو اس کا مضمون اس طرح تھا۔

" بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم۔ اما بعد! تم اللہ کی برکت اور اسکی رحمت پر بھروسہ کر کے اپنے ہمراہیوں میں سے ان کو لیکر چلے جاؤ جو تمہارے کہنے میں ہوں۔ بطنِ نخلہ میں پہنچکر قریش کے قافلہ کا انتظار کرو۔ امید ہے کہ ان کا مال تمہارے ہاتھ لگے اور تم اسے ہمارے پاس لے آؤ "۔

حضرت عبداللہؓ نے آپؐ کا والا نامہ پڑھکر فوراً رضا مندی ظاہر کی اور اس کا مضمون اپنے ساتھیوں کو سنایا اور ان سے یہ کہدیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس سے منع فرمایا ہے کہ میں تم میں سے کسی پر زبردستی کروں۔ اب تم میں سے جس کو شہادت پسند ہو وہ تو ساتھ چلے اور جس کو یہ پسند نہ ہو وہ واپس چلا جائے۔ پھر آپ آگے روانہ ہو گئے تو آپ کے سب ساتھی آپ کے ہمراہ تھے۔

جب یہ لوگ معدن پہنچے (حجاز کے علاقہ میں فرع سے اوپر ایک مقام ہے جسے

بحران کہتے ہیں) تو حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عتبہؓ بن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا ۔ یہ دونوں اونٹ کی تلاش میں دور تک نکل گئے ۔ پھر جب اونٹ ملا تو راستہ بھول گئے ۔ اس طرح کئی روز کی تاخیر ہو گئی اس لئے یہ دونوں پیچھے رہ گئے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نہ جاسکے ۔ باقی لوگ حضرت عبداللہؓ کے ہمراہ نخلہ پہنچ گئے ۔ قریش کا ایک تجارتی قافلہ جس میں عمرو بن حضرمی ، عبداللہ بن مغیرہ کے دو لڑکے عثمان اور نوفل اور ہشام بن مغیرہ کا مولیٰ حکم بن کیسان تھے ، آتا ہوا دکھائی دیا ۔ قافلے کے اونٹوں پر زیتون کا تیل ، کشمش اور چمڑے وغیرہ پر مشتمل سامان تجارت لدا ہوا تھا ۔ اہل قافلہ مسلمانوں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہو گئے ۔

یہ واقعہ ایسے وقت ہوا جب ماہ جمادی الآخر ختم اور ماہ رجب شروع ہو رہا تھا اور اس بات کا یقین نہیں تھا کہ حملہ ماہِ رجب (یعنی ماہ حرام) میں ہوا یا ماہ جمادی الآخر میں ۔ حضرت عبداللہؓ نے اپنے ساتھیوں سے اس بارے میں مشورہ کیا کہ اگر اہل قافلہ کو چھوڑ دیا جائے تو یہ مکہ جا کر میری یہاں موجودگی کی خبر پھیلادیں گے اور اگر لڑائی کریں تو کہیں رجب کا مہینہ نہ شروع ہو گیا ہو جس میں قتال حرام ہے ۔ پس ان کو تردّد ہوا اور وہ گناہ کے خیال سے پیش قدمی سے ڈرے ۔ آخر یہی طے پایا کہ لڑ کر اس خطرے کو دور کر دیا جائے ۔ حضرت عبداللہؓ کے ساتھیوں میں سے واقدؓ بن عبداللہ تمیمی نے ایک تیر مارا جس سے عمرو بن الحضرمی مر گیا ۔ یہ مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکوں میں سے سب سے پہلا قتل تھا ۔ اس کے ساتھ ہی قافلے کے باقی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں نے ان کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا ۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا مال غنیمت تھا ۔ اہل قافلہ میں سے عثمان اور حکم گرفتار ہوئے جو مشرکین کے سب سے پہلے قیدی تھے جبکہ نوفل بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ۔ اس وقت تک مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت عبداللہؓ نے بعض مفسرین کے مطابق محض اپنے اجتہاد سے چار خُمس اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دئے اور باقی ایک خُمس مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا ۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا خُمس تھا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں ماہ حرام میں لڑائی کی اجازت تو نہیں دی تھی ۔ پھر اس مال غنیمت میں سے آپؐ نے کچھ نہیں لیا اور فرمایا کہ جب تک وحی نازل نہ ہو اس وقت تک مال غنیمت اور قیدیوں کو حفاظت سے رکھو ۔

مسلمانوں میں بھی یہ بات سخت ناپسند کی گئی اور کفار نے تو کہنا شروع کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب نے حرمت والے مہینوں میں قتال کو حلال کر لیا یہ حالات دیکھ کر حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھیوں کو بڑا صدمہ ہوا اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ان سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے ۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن حضرمی کو قتل کرنے کے بعد شام کو ہم نے رجب کا چاند دیکھا مگر ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ ہم نے یہ قتل رجب میں کیا یا جمادی الآخر میں ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۵۹ ۔ ۲۶۱ ، ابن کثیر ۲۵۲ ۔ ۲۵۴ \ ۱) ۔

تشریح : عرب کا قدیم دستور تھا کہ رجب ، ذیقعدہ ، ذی الحجہ ، اور محرم میں جنگ وجدال نہیں کرتے تھے اس لئے ان مہینوں میں کوئی کسی پر چڑھائی نہیں کرتا تھا ۔ بلکہ اسکو سخت معیوب جانتے تھے ۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام کے عہد سے یہی دستور چلا آرہا تھا ۔ اسلئے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا ان مہینوں میں بھی جہاد ، قتال جائز ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ بلا شبہ ان مہینوں میں لڑائی سخت گناہ ہے مگر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا ، اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا ، اور لوگوں کو مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے رہنے والوں کو ناحق نکال دینا (جیسا کہ کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو مکہ سے نکال دیا تھا اس سے بھی بڑھکر گناہ ہے اور ان کا یہ فتنہ کہ وہ مسلمانوں کو ہر جگہ ستاتے پھرتے ہیں قتل سے بھی بڑھکر ہے ۔ پس جب انہوں نے ان مہینوں کی حرمت کا خیال نہیں کیا تو تم پر بدلہ لینے میں کیا گناہ ہے ؟ (حقانی ۵۷۵/ ۱) ۔

پھر فرمایا کہ جب تک مسلمان اللہ تعالیٰ کے دین پر قائم رہیں گے تو مشرکین مکہ اور دیگر کفار ان کی ہر طرح سے مخالفت کرتے رہیں گے ۔ وہ ہر حال میں اور ہر موقع پر ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑیں گے خواہ یہ موقع انہیں حرم کی حدود میں ملے یا حرمت والے مہینوں میں ۔ جیسا کہ انہوں نے حدیبیہ کے موقع پر کیا کہ اس وقت وہ کسی احترام اور برکت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے صرف مسلمانوں سے حسد اور دشمنی کی بنا پر مرنے مارنے کیلئے تیار ہو گئے اور ان کو مکہ جا کر عمرہ کرنے سے روکدیا ۔ یہ لوگ اسلام سے اس قدر بیزار تھے کہ اگر ان کا بس چلتا تو یہ ہر ممکن طاقت

اور تدبیر استعمال کر کے مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دیتے اور انہیں پرانے اور باطل عقائد کے ماننے پر مجبور کردیتے اور اگر ان کا ذرا بھی بس چلتا تو یہ اسلام کا نام و نشان ہی مٹا دیتے ۔

اس کے بعد اس آیت میں یہ تنبیہ کی گئی کہ اگر کوئی مسلمان ، خواہ کافروں سے ڈر کر خواہ کسی لالچ میں آکر اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹے گا اور پھر وہ مرتے دم تک کفر پر ہی قائم رہے گا تو اس کے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے ۔ اسے دنیا میں بھی اس کی سزا ملے گی اور آخرت میں بھی ۔

رحمتِ الٰہی کے امیدوار

۲۱۸ - اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا سو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

شانِ نزول : حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں لوگوں نے کہا کہ حرمت والے مہینوں میں لڑنے کے باعث اگر ان کو کوئی گناہ نہیں ہوا تو اس جہاد کا ان کو کوئی ثواب بھی نہیں ملے گا ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہمیں اس سفر کا اجر ملے گا اور کیا یہ جہاد شمار ہو گا ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (ابن کثیر ۲۵۴ / ۱) ۔

تشریح : حرمت والے مہینے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم سنکر اہل لشکر کو گناہ نہ ہونے کا تو اطمینان ہوگیا تھا ۔ مگر اس بات کا اطمینان نہیں تھا کہ اس میں ثواب بھی ہوا ہے یا نہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا تو ایسے لوگ تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہوتے ہیں اور تم لوگوں میں یہ صفات موجود ہیں یعنی ایمان اور ہجرت تو پہلے ہی سے ظاہر ہے ۔ اب رہا اس جہاد کا معاملہ سو تمہاری نیت تو جہاد ہی کی تھی لہذا

ہمارے نزدیک وہ بھی جہاد ہی میں شمار ہے ۔ اس لئے تمہیں ناامید ہونے کی ضرورت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ اس غلطی کو معاف فرمادے گا اور ایمان و ہجرت اور جہاد کی وجہ سے تم پر رحمت کی نظر کرے گا ۔ (معارف القرآن ۵۱۶ / ۱) ۔

شراب و قمار کے احکام

۲۱۹ ۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھکر ہے ۔

اَلْخَمْرِ : جمہور کا قول یہ ہے کہ لغت میں خمر اس چیز کو کہتے ہیں جو عقل کو خبط کر دے ۔ امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں ۔ جب وہ گاڑھا ہو جائے (اس میں نشہ ہو جائے) اور اس میں جھاگ اٹھنے لگیں ۔ صاحبین کے نزدیک جھاگ اٹھنے کی شرط نہیں ۔ امام مالک ، امام شافعی اور امام احمد کا قول یہ ہے کہ جس شربت کا زیادہ پی لینا نشہ کرتا ہو وہی خمر ہے ۔ (مظہری ۲۶۵ / ۱) ۔

اَلْمَيْسِرِ : جوا ۔ یہ لفظ مصدر ہے ۔ اس کو میسر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں غیر کا مال آسانی سے لیا جاتا ہے ۔ ایام جاہلیت میں عرب میں مختلف قسم کے جوئے رائج تھے ۔ ان میں سے ایک قسم یہ تھی کہ اونٹ ذبح کر کے اس کے حصے تقسیم کرنے میں جوا کھیلا جاتا تھا ۔ بعض کو ایک یا زیادہ حصے ملتے تھے اور بعض محروم رہتے تھے ۔ گوشت فقراء میں تقسیم کیا جاتا تھا ، خود استعمال نہ کرتے تھے ۔ محروم رہنے والے کو پورے اونٹ کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی ۔ اس خاص جوئے میں چونکہ فقراء کا فائدہ اور جوا کھیلنے والوں کی سخاوت کا اظہار ہوتا اس لئے اس کو باعث فخر سمجھتے تھے ۔ جو شخص اس میں شریک نہ ہوتا اس کو کنجوس اور منحوس کہتے تھے ۔

شانِ نزول : امام احمد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینۂ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینے کے باشندے شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے ۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان دونوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۶۴ / ۱) ۔

مدینۂ منورہ پہنچنے کے بعد چند صحابہ کو شراب اور جوئے کے مفاسد کا احساس ہوا ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت معاذؓ بن جبل اور چند انصاری صحابہ نے اسی احساس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال کو بھی برباد کرتے ہیں ۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (معارف القرآن ۵۲۲ / ۱) ۔

تدریجی حرمتِ شراب : یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے کو ممنوع قرار دیا گیا اور بتایا گیا کہ اگر چہ شراب اور جوئے میں لوگوں کے لئے کچھ ظاہری فوائد بھی ہیں مگر ان دونوں میں ان کے فوائد سے زیادہ بڑی بڑی گناہ کی باتیں ہیں جن میں انسان مبتلا ہو سکتا ہے ۔ اس آیت میں شراب کو صاف طور پر حرام نہیں کیا گیا بلکہ اس کے مفاسد اور خرابیاں بیان کر کے اس کو ترک کرنے کی ترغیب دی گئی ہے ۔ اسی لئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے تو اسی وقت شراب چھوڑ دی اور بعض نے یہ خیال کر کے کہ شراب کو حرام تو نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کے مفاسد اور خرابیوں کی بنا پر اس کو گناہ کا سبب قرار دیا گیا ہے ، اس کو پیتے رہے ۔ یہاں تک کہ ایک روز حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے صحابۂ کرام میں سے اپنے چند دوستوں کی دعوت کی ۔ کھانے کے بعد حسب دستور شراب پی گئی ۔ اسی حال میں مغرب کی نماز کا وقت آ گیا ۔ سب نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور ایک صاحب کو امامت کے لئے آگے بڑھا دیا ۔ انہوں نے نشہ کی حالت میں سورۂ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ کی غلط تلاوت کر دی ۔ اس پر شراب سے روکنے کے لئے دوسری آیت نازل ہوئی ۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی ۔ (نساء آیت ۴۳) ۔

اے ایمان والو ! تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ ۔

اس آیت کے ذریعہ نماز کے اوقات میں شراب کو قطعی طور پر حرام کر دیا گیا مگر باقی اوقات میں اس کی اجازت رہی ۔ بعض صحابہ نے تو پہلی آیت کے نازل ہونے

کے بعد ہی شراب کو ترک کر دیا تھا ۔ پھر جب یہ دوسری آیت نازل ہوئی کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ تو کچھ اور صحابہ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ جو چیز انسان کو نماز نہ پڑھنے دے اس میں کوئی خوبی نہیں ہو سکتی ، شراب کو بالکل ترک کر دیا ۔ مگر چونکہ شراب کی حرمت اب بھی صاف طور پر نازل نہیں ہوئی تھی اسلئے کچھ صحابہ اسکے بعد بھی نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں پیتے رہے ۔ کوئی صبح کی نماز کے بعد پی لیتا تو اس کا نشہ ظہر کے وقت تک اتر جاتا ، کوئی عشاء کی نماز کے بعد پی لیتا تو صبح تک اس کا نشہ اتر جاتا ۔ پھر ایک روز عتبان بن مالک نے بہت سے لوگوں کی دعوت کی اور اس میں کچھ مسلمانوں کو بھی بلایا جن میں حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بھی تھے ۔ کھانے کے بعد شراب کا دور چلا ۔ لوگوں نے اسقدر شراب پی کہ ان کو وہیں نشہ ہو گیا اور نشہ کی حالت میں لوگ شعر و شاعری اور اپنے اپنے مفاخر بیان کرنے لگے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ایک قصیدہ پڑھا جس میں انصار کی ہجو اور اپنی قوم کی بڑائی تھی ۔ اس پر انصار میں سے ایک نوجوان نے غصہ ہو کر اونٹ کے جبڑے کی ایک ہڈی حضرت سعدؓ کے سر پر ماری جس سے ان کا سر پھٹ گیا ۔ حضرت سعدؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس انصاری کی شکایت کی ۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی **اَللّٰھُمَّ بَیِّنْ لَّنَا فِی الْخَمْرِ بَیَانًا شَافِیًا** ۔ (اے اللہ شراب کے بارے میں ہمارے لئے واضح حکم بیان فرمادے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دیدیا گیا ۔

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔

(مائدہ آیت ۹۰) ۔

اے ایمان والو ! بلا شبہ شراب ، جوا ، بت اور جوئے کے تیر یہ سب گندے اور شیطانی کام ہیں ۔ پس تم اس سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ (مظہری ۲۶۵ ، ۲/۲، معارف القرآن ۵۲۲ ، ۵۲۳ / ۱) ۔

شراب عربوں کے رگ و ریشہ میں خوب رچی و بسی ہوئی تھی اس عادت کو ترک کرنا ان کے لئے انتہائی شاق اور گراں ہوتا اس لئے قرآنِ کریم نے حکیمانہ طور پر

پہلے اس کی برائی ذہن نشین کرائی پھر اس کا استعمال نمازوں کے اوقات میں ممنوع قرار دیا پھر ایک خاص مدت کے بعد اس کو بالکل حرام کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شراب کے بارے میں پہلے عذاب کی سخت وعیدیں بتائیں اور فرمایا کہ یہ ام الخبائث اور ام الفواحش ہے۔ اس کو پی کر آدمی بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔ (نسائی) ترمذی میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (۱) شراب نچوڑ نے والا۔ (۲) بنانے والا (۳) پینے والا (۴) پلانے والا۔ (۵) اس کو لاد کر لانے والا۔ (۶) جس کے لئے لائی جائے۔ (۷) بیچنے والا۔ (۸) خریدنے والا۔ (۹) اس کو ہبہ کرنے والا۔ (۱۰) اس کی آمدنی کھانے والا۔

بیمثال جذبۂ تعمیل: حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے مدینہ کی گلیوں میں یہ آواز دی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے تو جس کے ہاتھ میں شراب کا کوئی برتن تھا اس نے اس کو وہیں پھینک دیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اعلان حرمت کے وقت جس کے ہاتھ میں شراب کا گلاس لبوں تک پہنچا ہوا تھا اس نے اسی وقت اسکو پھینک دیا۔ اس روز مدینہ میں بارش کے پانی کی طرح شراب بہہ رہی تھی کہ گلیوں میں عرصہ دراز تک یہ حالت رہی کہ جب بارش ہوتی تو شراب کی بو اور رنگ مٹی میں نمایاں ہو جاتا۔ ایک صحابی شراب کی تجارت کرتے تھے اور شام سے شراب درآمد کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ اپنی ساری رقم جمع کر کے شراب لینے کے لئے ملک شام گئے ہوئے تھے جب واپس ہوئے تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کو شراب کی حرمت کی خبر مل گئی تھی۔ انہوں نے اپنے تمام سرمایہ سے خریدی ہوئی شراب جس سے ان کو بڑے نفع کی امید تھی ایک پہاڑ پر رکھ دی اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور سوال کیا کہ اب میرے اس مال کے متعلق کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمان خداوندی کے مطابق حکم دیا کہ تمام مشکیزوں کو چاک کر کے شراب بہادو چنانچہ اس سچے عاشق رسول نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری میں بلا کسی جھجک اپنا پورا سرمایہ اپنے ہاتھ سے زمین پر بہادیا۔ یہ ایک حیرت انگیز اور بے مثال اطاعت کا عملی نمونہ ہے۔ (معارف القرآن ۱/۵۲۶)۔

نفلی صدقہ کا حکم

وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ، قُلِ الْعَفْوَ ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ، فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ،

اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) کیا خرچ کریں ۔ آپ کہدیجئے کہ جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو ۔ دنیاو آخرت کے معاملات میں ۔

اَلْعَفْوَ: طاؤس کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جو جسے آسان ہو ۔ عطا ، سدی اور قتادہ کا قول ہے کہ عفو ضرورت سے زیادہ مال کو کہتے ہیں ۔ اس سے نفل صدقہ مراد ہے ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعید اور عکرمہ کے طریق سے ابن عباسؓ سے روایت کی کہ جس وقت صحابہ کو راہ خدا میں مال خرچ کرنے کا حکم ہوا تو چند صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ اس خرچ کرنے سے کیا مراد ہے جس کا ہمیں حکم ہوا ہے ۔ لہٰذا ہم کیا خرچ کریں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل اور حضرت ثعلبہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم فرماتا ہے ۔ ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور نقد مال و گھر کے لوگ بھی ۔ اب ہم اپنے مالوں میں سے کیا خرچ کریں ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۷۲ / ۱ ، جلالین ۱۱۲ ، ۱۱۳) ۔

تشریح: اس آیت کے حکم کی وجہ سے صحابہ کی یہ حالت تھی کہ جو کچھ کماتے اس میں سے اپنے خرچ کے موافق رکھ کر باقی خیرات کر دیتے تھے ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم سے اسی طرح صاف صاف آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم دلائل اور احکام میں غور کرو ۔ اور فانی دنیا کی طرف سے بے رغبت ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی

رہنے والی ہے ۔ پس تم اسی کو اختیار کرو جو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہو اور اپنے مال میں سے صرف اتنا رکھ لیا کرو جو دنیا میں تمہاری معاش کے لئے کافی ہو باقی سب خرچ کر دو تاکہ تمہیں آخرت کا فائدہ حاصل ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کی مصلحت اور اس کے انجام سے خوب واقف ہے ۔ پس اس کے احکام پر عمل کرنے اور جن باتوں سے اس نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنے میں جلدی کرو تاکہ تمہیں دونوں جہانوں کے فائدے حاصل ہوں ۔ (مظہری ۲۷۳ - ۲۷۵ / ۱) ۔

مسلم شریف میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ اپنے نفس سے شروع کر ، پہلے اسی پر صدقہ کر ، پھر بچے تو اپنے بال بچوں پر ، پھر بچے تو اپنے رشتہ داروں پر ، پھر بچے تو اور دوسرے حاجتمندوں پر ، مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر ، بچی ہوئی چیز کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے ۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے ۔ پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے ۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اے ابن آدم ! جو تیرے پاس اپنی ضرورت سے زائد ہو اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے ڈالنا ہی تیرے لئے بہتر ہے ۔ اس کا روک رکھنا تیرے لئے بُرا ہے ۔ ہاں اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کرنے میں تجھ پر کوئی ملامت نہیں ۔ (ابن کثیر ۲۵۶ / ۱) ۔

یتیموں کے ساتھ حسنِ سلوک

۲۲۰ - وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ، قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ، وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ، وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ، وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ، اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ،

اور وہ آپ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ جسمیں انکی بھلائی ہو وہ بہتر ہے ۔ اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو خوب جانتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہیں دشواری میں ڈالدیتا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ عزّت و حکمت والا ہے ۔

تُخَالِطُوْهُمْ تم ان کو (خرچ میں) ملا لو ۔ تم ان کو شریک رکھو ۔ مُخَالَطَۃٌ سے مضارع ۔

لَاَعْنَتَکُمْ البتہ وہ تمہیں مصیبت میں ڈالدیتا ۔ البتہ وہ تمہیں مشکل میں ڈالدیتا ۔ اِعْنَاتٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول: جب یہ آیتیں ۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اور اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا ۔ نازل ہوئیں تو اس حکم سے تمام مسلمان بہت ڈرے یہاں تک کہ انہوں نے یتیموں کے مال لپنے مال سے بالکل علیحدہ کر دئے ۔ اور یتیم کا کھانا بھی علیحدہ پکایا جانے لگا اور اگر اس میں سے کچھ بچ جاتا تو اسے خود نہ کھاتے بلکہ اسے ویسے ہی رکھا رہنے دیتے آخر وہ سڑ بس کر ضائع ہو جاتا ۔ پھر یہ نقصان بھی انہیں ناگوار گزرا اور سب نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲۷۵ / ۱) ۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ آپؐ سے یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو ان سے کہدیجئے کہ اصل مقصد تو انکی خیر خواہی ہے ۔ اگر تم دیکھو کہ ان کی خیر خواہی انکا مال علیحدہ کرنے میں ہے تو اسی طرح کرلو اور اگر تم ان کو لپنے ساتھ شریک رکھنے میں ان کی بہتری سمجھو تو یہ بھی ٹھیک ہے کیونکہ وہ بھی تمہارے بھائی ہیں اور بھائی ایک دوسرے کی امداد بھی کرتے ہیں اور خیر خواہی کے طور پر ایک دوسرے کے مال سے نفع بھی اٹھالیتے ہیں ۔ اور جو شخص خیانت اور یتیم کا مال خراب کرنے اور ناحق کھانے کی نیت سے اس کے ساتھ شرکت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے مفسد کو بھی خوب جانتا ہے اور یتیم کی خیر خواہی کرنے والے کو بھی ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس بارے میں تمہارے لئے تنگی اور مشکل پیدا کر دیتا اور تمہارے لئے یتیموں کے ساتھ شرکت کرنا جائز نہ کرتا مگر اس نے تم پر یہ آسانی کی اور خیر خواہی کے طور پر یتیموں کے ساتھ شرکت کو تمہارے لئے جائز کر دیا ۔ بلا شبہ وہ بہت زبردست ہے اور جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے ۔ خواہ وہ حکم بندوں پر آسان ہو یا گراں ۔ وہ لپنے فضل سے اپنی حکمت کے مطابق اور لوگوں کی طاقت کے موافق حکم دیتا ہے ۔ (مظہری ۲۷۵ / ۱) ۔

مشرک سے نکاح

۲۲۱ ۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؕ

اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور مشرک عورتوں سے تو ایماندار کنیز بہتر ہے اگر چہ وہ (مشرک عورت) تمہیں بھلی لگے ۔ اور (مسلمان عورتوں کو) مشرکین کے نکاح میں نہ دو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں ۔ اور ایماندار غلام مشرک (مرد) سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرک) تمہیں بھلا ہی معلوم ہو ۔ یہ (مشرک) تو تمہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے ۔ اور وہ لوگوں کو اپنے احکام کھول کھول کر بتاتا ہے تاکہ وہ یاد رکھیں ۔

تَنْكِحُوْا: تم نکاح کرو ، تم عقد کرو ، نِکَاحٌ سے مضارع ۔

اَمَةٌ: کنیز ، لونڈی ، باندی ۔ جمع اِمَاءٌ ۔

اَعْجَبَتْكُمْ: وہ تمہیں اچھا لگا ۔ وہ تمہیں بھلا لگا ۔ اِعْجَابٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول: علامہ بغوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو مرثدؓ غنوی کو اس لئے مکہ بھیجا کہ وہاں سے مسلمانوں کو پوشیدہ طور پر نکال لائیں ۔ جب یہ مکہ پہنچے تو ایک مشرک عورت ان کی آمد کی خبر سن کر ان کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اے ابو مرثد کیا تم مجھ سے خلوت نہیں کرو گے ۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اسلام نے ایسی باتوں سے روک دیا ہے ۔ وہ کہنے لگی کہ تم مجھ سے نکاح تو کر سکتے ہو ۔ انہوں نے کہا کہ ہاں مگر پہلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپؐ سے اجازت لوں گا ۔ اس کے بعد اس عورت نے شور مچا دیا ۔ مشرکوں نے آکر ابو مرثد کو بہت مارا ۔ پھر وہ ان کو چھوڑ کر چلے گئے ۔ جب ابو مرثد واپس مدینے پہنچے تو انہوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعہ بیان کیا اور پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کیا میرے لئے اس سے نکاح کرنا جائز ہے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۷۵ ، ۲۷۶ / ۱) ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں امورِ خانہ داری کی اصلاح کے لئے فرمایا کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو کیونکہ ان میں دیانت اور خدا ترسی نہیں ۔ میاں بیوی کا معاملہ بہت نازک اور باہمی محبت پر مبنی ہے ۔ اگر مذہبی اختلاف کی وجہ سے باہم محبت نہ ہوئی تو اس سے روز جھگڑے پیدا ہوں گے ۔ اور اگر باہمی محبت ہوئی تو اس کی بنا پر عورت کی رسوم شرک و کفر سے چشم پوشی کرنی پڑے گی جس سے دین برباد ہوگا ۔ اس لئے مشرک عورتوں سے نکاح مناسب نہیں اگرچہ مشرک عورتیں تمہیں بھلی معلوم ہوں ، ان سے تو مومنہ کنیز بہتر ہے ۔ اسی طرح مشرک مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح کی ممانعت فرمادی اور فرمایا کہ مشرک سے تو غلام بہتر ہے اگر چہ وہ مشرک بھلا معلوم ہو ۔ پس مسلمان عورتوں کا کسی کافر سے نکاح جائز نہیں خواہ وہ اہل کتاب ہی کیوں نہ ہوں ۔ اس آیت سے پہلے مسلمانوں اور کافروں میں بیاہ شادی کا عام دستور تھا ۔ اس کے بعد ممانعت ہو گئی ۔ پھر فرمایا کہ یہ لوگ تو تمہیں کفر و معاصی کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہیں جنت و مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو لوگوں کی نصیحت کے لئے اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا ہے ۔ (حقانی ۵۷۸ / ۱) ۔

حیض کے احکام

۲۲۲ ، ۲۲۳ ۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۔ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ج فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ص فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْآ اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۔ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ وہ نجاست ہے ۔ پس تم حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں ۔ پھر جب وہ اچھی طرح پاک ہو جائیں تو تم ان کے پاس جاؤ جس طرح سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ

پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں اور پاک و صاف رہنے والوں کو ۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو آؤ ۔ اور اپنے لئے آگے (عاقبت) کے واسطے بھی کچھ تیاری کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ۔ اور یقین رکھو کہ بیشک تمہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے ۔ اور ایمانداروں کو خوشخبری سنادو ۔

اَلْمَحِيْضِ: حیض کا آنا ۔ حیض کا مقام ۔ حیض کا زمانہ ۔ حَيْضٌ سے مصدر بھی ہے اور اسم ظرف زمان و مکان بھی ۔ حیض اس خون کو کہتے ہیں جو عورتوں کو ہر ماہ آتا ہے ۔

اَذًى: ایذا ۔ تکلیف ۔ ناپاک ۔ گندی ۔

فَاعْتَزِلُوْا: تم کنارہ کرو ۔ تم الگ رہو ۔ اِعْتِزَالٌ سے امر ۔

شانِ نزول: حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ یہود کی عادت تھی کہ جب ان میں سے کسی عورت کو ایام آتے تو وہ اس کو نہ تو اپنے ساتھ کھلاتے تھے اور نہ اپنے گھر میں رہنے دیتے تھے ۔ صحابۂ کرام نے اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (ابن کثیر ۲۵۸ / ۱) ۔

تشریح: اس آیت میں اپنی عورتوں کے ساتھ خلاف فطرت پیش آنے یعنی حیض کی حالت میں صحبت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ۔ کیونکہ یہ طرفین کی تندرستی کے لئے مضر اور پاکیزگی کے خلاف ہے ۔ اس معاملہ میں بعض اقوام افراط و تفریط کا شکار تھیں ۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ حیض والی عورت کو علیحدہ مکان میں رکھتے تھے ، نہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھاتے تھے اور نہ اسے کسی چیز کو ہاتھ لگانے دیتے تھے ۔ اس کے بر عکس عیسائیوں میں کسی قسم کی قید نہ تھی ۔ صحابۂ کرام میں ہر قوم کے لوگ تھے اور وہ اپنی اپنی عادت کے موافق کیا کرتے تھے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حیض ایک ناپاکی ہے اس لئے ایام حیض میں ان سے پرہیز کرو اور جب تک وہ خوب پاک نہ ہو جائیں ان سے صحبت نہ کرو ۔ پاک ہو جانے کے بعد تمہیں ہر طرح سے فائدہ حاصل کرنے کا اختیار ہے ۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ صرف لذتوں ہی میں منہمک نہ رہو بلکہ آخرت کی بھی فکر کرو کیونکہ ایک روز تمہیں اللہ

تعالیٰ سے ملنا ہے ۔ لہٰذا تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو اور ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔ (حقانی ۔ ۵۸۰ / ۱) ۔

قرآنِ کریم میں حیض کی کوئی مدت بیان نہیں کی گئی بلکہ اس کو عرف عام پر چھوڑ دیا گیا ۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ مدت کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے ۔ امام شافعی کے نزدیک کم از کم ایک رات دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہے ۔ امام مالک کہتے ہیں کہ کوئی حد مقرر نہیں۔ قرآنِ کریم نے حیض کے ایام میں صرف جماع کی ممانعت بیان کی ہے ، حیض کے باقی احکام مثلاً نماز نہ پڑھنا ، نماز کی قضا لازم نہ ہونا ، روزہ نہ رکھنا ، روزے قضا کرنا ، مسجد میں نہ جانا ، قرآنِ مجید کو نہ چھونا ، طواف نہ کرنا ، نفاس (بچہ جننے کی حالت) کے احکام اور اس کی مدت وغیرہ یہ سب احکام صحیح حدیثوں سے ثابت ہیں ۔

لغو قسمیں

۲۲۴ ، ۲۲۵. وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ؕ

اور اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں میں آڑ نہ بناؤ کہ (قسم کا بہانہ کر کے) نیکی اور پرہیزگاری اور لوگوں میں اصلاح نہ کرو ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور جانتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری بیہودہ قسموں پر تمہاری گرفت نہیں فرمائے گا لیکن تمہاری ان قسموں پر (پورا نہ کرنے کی صورت میں) مواخذہ کرے گا جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے ۔

عُرْضَةً: آڑ ۔ روکنے والی چیز ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قسم کو نیکیوں سے روکنے والی چیز نہ بناؤ ۔

اَيْمَانِكُمْ: تمہاری قسمیں ۔ واحد يَمِيْنٌ ۔ یمین کے معنی قوت اور مضبوطی کے ہیں ۔ شرع میں یمین اس قسم کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جائے اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم مین قوت اور تاکید پیدا ہو جاتی ہے اس لئے اس کو یمین کہتے ہیں ۔

تَبَرُّوْا: تم نیکی کرتے ہو ۔ تم احسان کرتے ہو ۔ بِرٌّ سے مضارع ۔

شانِ نزول: علامہ بغوی نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اور ان کے بہنوئی بشیرؓ بن نعمان انصاری کے درمیان کوئی ایسی بات ہو گئی کہ حضرت عبداللہؓ نے قسم کھالی کہ نہ تو کبھی بشیر کے پاس جاؤں گا اور نہ ان سے بولوں گا اور نہ ان کے اور ان کے مخالف کے درمیان کبھی صلح کراؤں گا ۔ جب حضرت عبداللہؓ سے کوئی شخص اس کے بارے میں کچھ کہتا تو وہ جواب دیدیتے کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ کی قسم کھالی ہے کہ میں ایسا نہیں کروں گا لہٰذا اب قسم سے بری ہوئے بغیر میرے لئے یہ جائز نہیں ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۸۶ / ۱) ۔

تشریح: لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ جب کسی بات پر یا کسی چیز کے ترک پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی جائے ۔ خواہ وہ اچھی ہو یا بری ۔ اس پر ضرور قائم رہنا چاہیئے ۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے ایک قسم کھالی تھی کہ میں اپنے بھانجے مسطح کو کچھ نہیں دیا کروں گا کیونکہ اس نے حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائی تھی ۔ اسی طرح اور لوگ بھی قسمیں کھا بیٹھے تھے کہ میں فلاں شخص سے صلح نہ کروں گا یا میں اپنے باپ سے یا ماں سے نہ ملوں گا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسی باتوں سے منع فرما دیا ہے اور بتا دیا کہ لغو قسم پر تم سے کچھ مواخذہ نہیں ہو گا ۔

یمین تین طرح کی ہوتی ہے ۔

(۱) **یَمِینِ غَمُوْس** ۔ غَمْس ڈوبنے کو کہتے ہیں ۔ چونکہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو غموس کہتے ہیں ۔ غموس یہ ہے کہ کوئی شخص کسی گزری ہوئی بات پر عمداً جھوٹی قسم کھائے ۔ مثلاً یہ کہے کہ فلاں شخص آیا تھا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ یہاں نہیں آیا ۔ اس میں بڑا گناہ ہے اور اس پر آخرت میں مواخذہ ہو گا ۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ۔

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۔ (بقرہ ۲۲۵) ۔

لیکن وہ تمہاری ان قسموں پر (پورا نہ کرنے کی صورت میں) مواخذہ فرمائے گا جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں ۔

اما ابو حنیفہ کے نزدیک ایسی قسموں پر کفارہ نہیں ۔

۲ ۔ **یمین معقدہ** : کوئی شخص آئندہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے کہ واللہ میں فلاں کام کروں گا یا خدا کی قسم میں اس کے گھر نہ جاؤں گا ۔ ایسی قسم کو توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے ۔ پس جو شخص گناہ کی بات پر قسم کھا بیٹھے مثلاً یہ کہے کہ واللہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں شخص کو قتل کردوں گا وغیرہ تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی قسم کو توڑ کر اسکا کفارہ ادا کرے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی بات پر قسم کھا بیٹھے اور اسکے خلاف کرنے میں بہتری جانے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اس کام کو کر لے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے ۔

(۳) **یمین لغو** : کسی گزری ہوئی بات پر منہ سے بلا ارادہ جھوٹی قسم نکل گئی یا یہ کہ قسم نکلی تو ارادہ سے مگر اس کو وہ اپنے گمان میں صحیح سمجھتا ہے یا آئندہ کسی بات پر اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا چاہتا تھا کچھ اور منہ سے بلا ارادہ قسم نکل گئی ۔ اس میں گناہ نہیں ۔ اس لئے اس کو لغو کہتے ہیں ۔ آخرت میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا (حقانی ۵۸۱ / ۱ معارف القرآن ۵۴۶ / ۱)

اِیلاء کا بیان

۲۲۶ ، ۲۲۷-لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ج فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

جو لوگ اپنی بیویوں سے علیحدہ رہنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے پھر اگر وہ (اس عرصہ میں) رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔ اور اگر طلاق کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

يُؤْلُوْنَ : وہ ایلاء کرتے ہیں یعنی اپنی عورتوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتے ہیں ۔ شرعی اصطلاح میں غیر معینہ مدت یا کم از کم چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کو ایلاء کہتے ہیں ۔ ایلاء کرنے والا اگر چار ماہ سے قبل قسم توڑ دے تو بیوی اس کے لئے حلال ہے اور قسم کا کفارہ واجب ہوگا ۔ چار ماہ گزرنے کے بعد احناف کے نزدیک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اور رجوع درست نہ ہوگا ۔

تَرَبُّصُ: انتظار کرنا ۔ ٹھہرانا ۔ مصدر ہے ۔

فَاءُوْا: انہوں نے (قسم توڑ کر عورت کی طرف) رجوع کیا ۔ وہ لوٹ آئے
فَیْءٌ سے ماضی ۔

تشریح: عرب میں یہ بھی دستور تھا کہ لوگ بیوی سے ناراض ہو کر اس کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے تھے ۔ شرع میں اس قسم کی قسم کو ایلاء کہتے ہیں ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایلاء اہل جاہلیت کی طلاق تھی ۔ سعید بن مُسَیِّب فرماتے ہیں کہ ایلاء جاہلیت کا ستانا تھا ۔ جب کسی کو اپنی بیوی سے محبت نہ رہتی اور نہ وہ یہ چاہتا کہ کوئی دوسرا شخص اس سے نکاح کرے تو وہ قسم کھا کر کہ اب میں کبھی اس کے نزدیک نہ جاؤں گا ، اس کو چھوڑ دیتا تھا ۔ اس سے نہ تو وہ بیوہ ہوتی تھی اور نہ وہ خاوند والی رہتی تھی اسلام کے شروع میں بھی لوگ اس پر عمل پیرا تھے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر فرمادی (حقانی ۵۸۲ / ۱ ، مظہری ۲۹۱/ ۱) ۔

پس اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لے تو اس کی چار صورتیں ہیں ۔

(۱) چار ماہ سے کم کی مدت مقرر کرے ۔ (۲) چار ماہ کی مدت مقرر کرے (۳) چار ماہ سے زیادہ کی مدت مقرر کرے ۔ (۴) بالکل کوئی مدت مقرر نہ کرے ۔

پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم توڑے گا تو کفارہ لازم آئے گا اور اگر قسم پوری کر لی یعنی چار ماہ سے کم کی جو مدت مقرر کی تھی اس کو پورا کرلیا تب بھی نکاح باقی رہے گا ۔ اور رجوع کے لئے تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ۔

دوسری ، تیسری اور چوتھی صورت کو شرع میں ایلاء کہتے ہیں ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے دوران قسم توڑ کر رجوع کر لے تو نکاح تو باقی رہے گا البتہ قسم توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور اگر چار ماہ گزر گئے اور قسم نہ توڑی تو عورت کو قطعی طلاق ہو جائیگی یعنی چار ماہ گزرنے کے بعد رجوع کرنا جائز نہیں البتہ دونوں باہمی رضا مندی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں ۔ حلالہ کی ضرورت نہیں ۔ (معارف القرآن بحوالہ بیان القرآن ۵۴۷ / ۱) ۔

طلاق کے احکام

۲۲۸ - وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؏

اور طلاق پانے والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں ۔ (یعنی ان کی عدّتِ طلاق تین حیض ہے ۔ اس کے بعد کہیں نکاح کریں) ۔ اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم میں پیدا کیا ہو (حمل) وہ اس کو چھپائیں ۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہوں ۔ اور اگر ان کے خاوند ان کو اچھی طرح رکھنا چاہیں تو وہ (اس عرصہ میں) ان کو لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں ۔ اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اور مردوں کا عورتوں پر درجہ بڑھا ہوا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

قُرُوْءٍ: ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونا ۔ حیض ، طُہر ، امام ابو حنیفہ اس کے معنی حیض کے لیتے ہیں اور امام شافعی طُہر کے ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد قُرْءٌ ہے ۔

اَرْحَامِهِنَّ - قرابت ۔ رشتہ داری ۔ رحم ۔ بچہ دانیاں ۔ یہ جمع ہے اسکا واحد رَحِمٌ ہے ۔

بُعُوْلَتُهُنَّ: ان کے شوہر ۔ ان کے خاوند ۔ اس کا واحد بَعْلٌ ہے ۔

بِرَدِّهِنَّ: ان کا لوٹا لینا ۔ ان کا واپس کر لینا ۔

مُطَلَّقٰتُ: مطلقہ عورتیں ۔ طلاق دی ہوئی عورتیں ۔ تَطْلِيْقٌ سے اسم مفعول ۔ شرع میں مطلقہ اس عورت کو کہتے ہیں جو کسی کے نکاح میں ہو اور پھر اس کو طلاق ہو جائے ۔ اگر عورت کا صرف نکاح ہوا ہو اور اس سے

تنہائی نہ ہوئی ہو تو طلاق کے بعد اس کیلئے کوئی عدت نہیں ۔ اگر نکاح کے بعد عورت سے تنہائی ہو گئی اور وہ حاملہ ہے تو اسکی عدت حمل وضع ہونے تک ہے ۔ اس مدت میں کوئی شخص اس سے نکاح نہیں کرسکتا ۔ اگر حمل نہیں ہے تو اس کی عدت صرف تین حیض تک ہے اگر وہ لونڈی ہے اور اس کو حمل نہیں اور حیض آتا ہے تو اس کی عدت دو حیض ہے ۔

تشریح : ایام جاہلیت میں طلاق کی عدت کے بارے میں بھی بڑی بے قاعدگی پائی جاتی تھی اور طلاق دینے والا سال چھ مہینے کے بعد بھی اس عورت پر دعویدار بن جاتا تھا ۔ اس لئے لوگ ایسی مطلقہ سے نکاح نہیں کرتے تھے اور نہ وہ شخص خود اس کے نان و نفقہ کا خیال کرتا تھا ۔اس طرح عورت پر بڑا ظلم ہوتا تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت بیان کر کے مرد کو اس عدت کے دوران بلا تجدید نکاح رجوع کرنے کی اجازت دیدی بشرطیکہ رجوع کرنے میں اصلاح کی نیت ہو اور عورتوں کو بھی تاکید فرما دی کہ عدت میں کمی زیادتی کرنے کی غرض سے یا پہلے خاوند سے ناراض ہو کر اپنا حمل یا حیض نہ چھپائیں اس لئے کہ اس میں بڑی خرابی ہے ۔ ایک تو اس سے عدت کا حساب غلط ہو جائیگا ، دوسرے ایک کی اولاد دوسرے کے پاس جانے سے نسب میں فرق پڑ جائے گا ۔ پھر یہ بھی بتا دیا کہ عورت اور مرد پر ایک دوسرے کے برابر کے حقوق ہیں ۔ البتہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کا کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے اس لئے عورتوں کے مقابلہ میں ان کے حقوق بھی کچھ زیادہ ہیں ۔ (حقانی ۵۸۳ / ۱) ۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا ، جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ،اس کے منہ پر نہ مارو ، اسے گالی نہ دو ۔ اس سے روٹھ کر اسے کہیں اور نہ بھیجو بلکہ گھر میں ہی رکھو ۔ (ابن کثیر ۲۷۱ / ۱) ۔

رجعی طلاق

۲۲۹ ۔ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ

طلاق (جس کے بعد رجوع کر سکتے ہیں) دو مرتبہ تک ہے ۔ پھر یا تو دستور کے مطابق زوجیت میں رکھے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دے اور جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ حصہ واپس لینا تمہارے لئے حلال نہیں مگر اس وقت جبکہ دونوں کو خوف ہو کہ وہ احکام الہیٰ پر قائم نہ رہ سکیں گے ۔

اِمۡسَاکٌ : روک کر رکھنا ۔ بند رکھنا ۔ مصدر ہے ۔

تَسۡرِیۡحٌ : چھوڑ دینا ۔ رخصت کرنا ۔ مصدر ہے ۔

شانِ نزول : ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ نہ تو میں تجھے بساؤں گا اور نہ چھوڑوں گا ۔ اس عورت نے پوچھا کہ یہ کس طرح ہوگا ؟ اس نے کہا کہ میں تجھے طلاق دیدوں گا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلوں گا اور اسی طرح کرتا رہوں گا ۔ اس عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی پریشانی بیان کی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر ۲۷۲ / ۱) ۔

نکاح کی شرعی حیثیت : نکاح کی ایک حیثیت تو ایک باہمی معاملے اور معاہدے کی ہے جیسے بیع و شراء اور لین دین کے معاملات ۔ نکاح کی دوسری حیثیت ایک سنت اور عبادت کی ہے ۔ اسی لئے نکاح کے منعقد ہونے کے لئے باجماعِ امت کچھ ایسی شرائط ضروری ہیں جو بیع و شراء کے عام معاملات میں نہیں ہوتیں ۔

(۱) بہت سی عورتوں اور مردوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا ۔

(۲) نکاح کے علاوہ تمام معاملات و معاہدات کے انعقاد اور ان کی تکمیل کے لئے کوئی گواہی شرط نہیں ۔ گواہی کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب فریقین میں اختلاف ہو جائے ۔ مگر نکاح ایسا معاملہ ہے کہ اسکے انعقاد کے لئے گواہوں کا سامنے ہونا شرط ہے اگر کوئی مرد و عورت گواہوں کے بغیر آپس میں نکاح کر لیں اور دونوں میں سے کوئی فریق بھی کبھی اختلاف و انکار نہ کرے تب بھی شرعاً وہ نکاح اس وقت تک باطل اور کالعدم ہے جب تک کہ گواہوں کے سامنے دونوں کا ایجاب و قبول نہ ہو ۔ اور سنت یہ ہے کہ نکاح اعلان عام کے ساتھ کیا جائے ۔ (معارف القرآن ۵۵۵ / ۱) ۔

تین طلاق کے احکام : اسلام سے پہلے یہ دستور تھا کہ خاوند جتنی مرتبہ چاہے

طلاق دیدے اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لے ۔ اس طرح عورت کی زندگی عذاب بن گئی تھی ۔ لوگ عورتوں کو تنگ کرنے کے لئے یہ کرتے تھے کہ طلاق دیدی پھر جب عدت ختم ہونے کو آئی تو رجوع کر لیا اور اس کے بعد پھر طلاق دیدی ۔ اسلام نے اس پر پابندی لگادی کہ اس طرح کی طلاق صرف دو مرتبہ دے سکتے ہیں ۔ تیسری طلاق کے بعد رجوع کا حق نہیں رہے گا ۔

طلاق دینے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ طلاق دی جائے اور تیسری مرتبہ طلاق دینے کی نوبت نہ آنے دی جائے ۔ فقہائے کرام نے تین طلاق کو اس شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے کہ تین طلاقیں الگ الگ تین طہروں میں دی جائیں قرآنِ کریم کے الفاظ اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ میں بھی طلاق دو مرتبہ دینے کا مطلب یہی ہے کہ الگ الگ طہر میں دو طلاق دی جائیں ۔ احادیثِ صحیحہ اور صحابہ و تابعین کے عمل سے بھی عدد طلاق کے بارے میں یہی ثابت ہے کہ جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ حالت طُہر میں جس میں بیوی سے قربت نہ کی گئی ہو صرف ایک طلاق دیکر چھوڑ دے ۔ عدت ختم ہونے کے ساتھ نکاح کا رشتہ خود بخود ٹوٹ جائے گا صحابۂ کرام نے اس کو طلاق کا بہترین طریقہ قرار دیا ہے ۔

پس شریعت اسلام نے طلاق کے تین درجے جو رکھے ہیں اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان تینوں درجوں کو عبور کرنا ضروری یا بہتر ہے بلکہ شریعت کا منشا یہ ہے کہ اول تو طلاق دینا ہی ایک مغبوض و مکروہ فعل ہے ۔ اگر مجبوری کی حالت میں اس کی نوبت آ ہی جائے تو ایک طلاق پر اکتفا کیا جائے ۔ عدت ختم ہونے کے بعد یہی ایک طلاق رشتہ زوجیت قطع کرنے کے لئے کافی ہو جائیگی ۔ اور عورت آزاد ہو کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکے گی ۔ طلاق کا یہی طریقہ احسن کہلاتا ہے ۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ ایک تو عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لینے سے نکاح برقرار رہتا ہے ، دوسرے عدت ختم ہو جانے کے بعد اگر چہ نکاح تو ٹوٹ جائے گا اور عورت آزاد ہو جائیگی مگر پھر بھی یہ گنجائش باقی رہے گی کہ اگر اب بھی دونوں میں مصالحت ہو جائے اور دونوں باہم نکاح کرنا چاہیں تو اسی وقت نیا نکاح ہوسکتا ہے ۔

اگر کوئی شخص عدت کے دوران مزید ایک طلاق دیدے تو تب بھی عدت کے دوران میں رجعت کا اختیار باقی رہتا ہے ۔ اور عدت ختم ہونے کے بعد طرفین کی رضا مندی سے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے ۔ اس کے بعد اگر شوہر نے ایک مرتبہ بھی (یعنی

تیسری مرتبہ) طلاق دیدی تو معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیگا ۔ اور شرعی حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح نہیں ہو سکے گا ۔ طلاق بھی ایک معاہدہ کا فسخ ہے ۔ جس طرح معاہدہ خوش دلی اور حسن سلوک کے ساتھ کیا جاتا ہے اسی طرح اگر معاہدہ فسخ کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو وہ بھی غصہ ، یا لڑائی جھگڑے کی بجائے حسن سلوک کے ساتھ کیا جائے (ماخوذ از معارف القرآن ۵۵۵ ۔ ۵۶۲ / ۱) ۔

خلع کا بیان

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔

سو اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے احکام پر قائم نہ رہ سکیں گے تو اس بات میں ان پر بھی گناہ نہیں کہ عورت مرد کو کچھ واپس دیکر پیچھا چھڑالے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں سو ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی ظالم ہیں ۔

خِفْتُمْ : تمہیں خوف ہے ۔ تمہیں ڈر ہے ۔ خَوْفٌ سے ماضی ۔

جُنَاحَ : گناہ ۔ برائی ۔

اِفْتَدَتْ : اس عورت نے فدیہ دیا ۔ اس نے اپنے چھڑانے کا بدلہ دیا ۔ اِفْتِدَاءٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول : اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مؤطا امام مالک ۔ مسند احمد ، ابوداؤ ، ابن جریر ، اور نسائی وغیرہ میں مختلف روایتیں آئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ثابتؓ بن قیس بن شماس کی بیوی حبیبہ بنت سہل انصاریہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق اور عادات پر کوئی عیب نہیں لگاتی اور نہ ہی وہ میرے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے ۔ مگر میں اور وہ ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے ۔ میں نے برقع اٹھا کر بہت سے لوگوں میں ان کو آتے ہوئے دیکھا تو سب سے زیادہ سیاہ فام اور پستہ قد اور بد صورت ثابت ہی نظر آئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ کیا تم اس کو وہ باغیچہ واپس دے سکتی ہو جو اس نے تمہیں دیا ہے ۔ انہوں نے عرض کیا ہاں وہ بھی اور کچھ زیادہ بھی دے سکتی ہوں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو بلا کر فرمایا کہ تم اس سے وہ باغیچہ واپس لے لو اور اس کو طلاق دیدو ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ یہ اسلام میں پہلا خلع تھا ۔ (ابن کثیر ۲۷۳ ، ۱ / ۲۷۴) ۔

تشریح : اگر میاں بیوی میں نا اتفاقی بڑھ جائے اور ان کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ باہمی منافرت اور کدورت کے باعث حقوق زوجیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ایسی صورت میں دونوں پر اس بارے میں کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیہ کے طور پر کچھ مال دیکر اپنے خاوند سے نکاح کا تعلق ختم کرالے اور خاوند مال لیکر اس کو چھوڑ دے بشرطیکہ وہ مہر سے زیادہ نہ ہو ۔ کیونکہ اصل مقصد تو اصلاح احوال اور ازدواجی تعلقات کو بہتر بنانا ہے ۔ شریعت کی اصطلاح میں اس کو خلع کہتے ہیں ۔

اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے بلاوجہ خلع طلب کرے تو وہ سخت گنہگار ہے چنانچہ ترمذی ، ابو داود ، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جو عورت اپنے خاوند سے بلا وجہ طلاق طلب کرے اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے ۔ (ابن کثیر ۲۷۳ / ۱) ۔

ائمہ سلف و خلف کی ایک بڑی جماعت کے خیال میں خلع صرف اسی صورت میں ہے کہ نا فرمانی اور سرکشی عورت کی طرف سے ہو ۔ اس وقت مرد فدیہ لیکر اس عورت کو الگ کرسکتا ہے ۔ جمہور علماء کرام اور چاروں اماموں کے نزدیک خاوند کو خلع والی عورت سے اس کی مرضی کے بغیر عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ۔ اس لئے کہ عورت نے اپنے آپ کو مال دیکر آزاد کرایا ہے ۔ (ابن کثیر ۲۷۶ /۱)

پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں ، ان سے آگے بڑھنا جائز نہیں ۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ سراسر ظالم ہیں اور اپنا ہی نقصان کرتے ہیں ۔

تیسری طلاق اور حلالہ

۲۳۰ ۔ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۚ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ

يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ؕ

پھر اگر اس نے (تیسری) طلاق دیدی تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی اور (مرد) سے نکاح نہ کر لے ۔ پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دیدے تو پہلے خاوند اور اس عورت پر باہم ملاپ کرنے پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں ۔ وہ ان کو سمجھنے والوں کے لئے بیان کرتا ہے ۔

تشریح : قرآنی آیات سے ظاہر ہے کہ تین طلاق کے بعد رجعت کا حق باقی نہیں رہتا خواہ وہ تین طلاقیں علیحدہ علیحدہ مواقع پر دی گئی ہوں یا ایک ساتھ دی گئی ہوں ۔ تمام صحابہ ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ تین طلاقیں جس طرح بھی دی جائیں خواہ دفعتاً یا علیحدہ علیحدہ ، وہ واقع ہو جائیں گی ۔

اس آیت میں تیسری طلاق کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ اگر خاوند دو طلاق دینے کے بعد تیسری طلاق بھی دیدے تو اس عورت سے اس کا تعلق بالکل ختم ہو جائیگا اور اس کے لئے حلالہ کے سوا رجعت یا نکاح جدید کا کوئی حق اور اختیار باقی نہیں رہے گا ۔ پھر اگر یہ عورت عدت کے بعد پہلے شوہر کے علاوہ کسی اور شخص سے نکاح کر لے اور وہ شخص خلوت کے بعد اس کو اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا فوت ہو جائے تو عدت گزرنے کے بعد یہ عورت پہلے شوہر سے جدید نکاح کر سکتی ہے ۔ بشرطیکہ دونوں کو گمان ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود قائم رکھ سکیں گے ۔ یعنی حقوق زوجیت وغیرہ کی ادائگی میں کمی کرنے کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں گے ۔ غرض یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں جن سے تجاوز و انحراف جائز نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان حدود واحکام کو ایسے لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے جو علم و فہم رکھتے ہیں اور اس بات کو سمجھتے ہیں کہ ، تیسری طلاق سے زوجیت اور محبت کا تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے ۔

رجعت و انقطاع کے ضابطے

۲۳۱ ۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ

بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں تو ان کو یا تو دستور کے موافق رکھ لو یا اچھے طریقے سے چھوڑ دو ۔ اور ان کو ستانے کے لئے نہ روکے رکھو تاکہ ان پر زیادتی کرو اور جس نے ایسا کیا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا ۔

فَبَلَغْنَ : پس وہ پہنچیں ۔

اَجَلَهُنَّ : ان عورتوں کا مقررہ وقت ۔

سَرِّحُوْهُنَّ : پس تم ان عورتوں کو رخصت کردو ۔ تم انکو چھوڑ دو ۔ تسریح سے امر

بِمَعْرُوْفٍ : بھلائی کے ساتھ ، نیکی کے ساتھ ، دستور کے مطابق ۔ عرفان و معرفہ سے اسم مفعول ۔

ضِرَارًا : ضرر پہنچانا ۔ تکلیف دینا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب کسی عورت کو ایک طلاق دی جائے اور اس کی عدت گزرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں ۔ ایک یہ کہ رجعت کر کے اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور نکاح کا تعلق ختم کر کے اس کو بالکل آزاد کردے ۔ دونوں صورتوں میں شرط یہ ہے کہ اگر عورت کو رجعت کرکے نکاح میں رکھنا ہے تو قاعدے کے مطابق رکھا جائے اور اگر چھوڑنا ہے تو تب بھی شرعی قاعدے کے مطابق چھوڑ ا جائے ۔ محض وقتی غصہ اور جذبات سے مغلوب ہو کر ایسا نہ کیا جائے اور نہ عورت کو قیدی بنا کر ستایا اور تکلیف دی جائے ۔

اگر رجعت کرنے کا ارادہ ہو تو اس پر دو معتبر مسلمانوں کو گواہ بنا لینا چاہئے جیسا کہ سورہ طلاق میں ہے ۔

وَاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۔ (الطلاق ۲)

اور تم اپنے آدمیوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنالو ۔ پھر اگر گواہی کی ضرورت پڑے تو اللہ تعالیٰ کے لئے ٹھیک ٹھیک گواہی دو ۔

اگر چھوڑنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے تو پھر قاعدے کے مطابق عمل کریں جس کی کچھ تفصیل یہ ہے ۔

۱ ۔ بلا کسی شرعی عذر کے ، عورت سے طلاق کے معاوضہ کے طور پر اپنا دیا ہوا سامان یا مہر یا کچھ اور معاوضہ طلب نہ کرو ۔

۲ ۔ جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اس کو رخصت کرتے وقت ، تحفہ کے طور پر کچھ نقد رقم یا کم از کم کپڑے کا ایک جوڑا دینا چاہیئے ۔

۳ ۔ عدت کے دنوں میں عورت کو اپنے گھر میں رہنے دے ، اس کا پورا خرچ برداشت کرے ۔ اگر خلوت ہو چکی تھی اور اب تک مہر ادا نہیں کیا تھا تو پورا مہر ادا کر دے اور اگر خلوت سے پہلے طلاق کا واقعہ پیش آگیا تو خوش دلی کے ساتھ آدھا مہر ادا کر دے (معارف القرآن ۵۷۱ ، ۵۷۲ / ۱) ۔

احکامِ الٰہی کا مذاق

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے مسخرا پن نہ کرو اور تم پر اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو اور (یہ احسان بھی یاد کرو) کہ اس نے تم پر کتاب و حکمت نازل کی اور وہ تمہیں اس کے ذریعہ نصیحت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے ۔

تَتَّخِذُوْا : تم بناؤ ۔ تم پکڑو ۔ تم کرو ۔ اِتِّخَاذٌ سے مضارع ۔

هُزُوًا : مسخرا پن ۔ مذاق ۔ ٹھٹھا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کھیل تماشہ نہ بناؤ اور اس نے نکاح و طلاق کے لئے جو حدود اور شرائط مقرر کی ہیں ان کی خلاف ورزی نہ کرو ۔ اگر کسی نے نکاح و طلاق کو مذاق میں بھی پورا کر دیا تو وہ نافذ ہو جائیں گے ۔ نیت نہ کرنے کا عذر قبول

نہیں کیا جائے گا ۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبادہؓ بن صامت سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو ہنسی کے طور پر کرنا اور واقعی طور پر کرنا دونوں برابر ہیں ۔ (۱) طلاق ۔ (۲) غلام کو آزاد کرنا (۳) نکاح کرنا ۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر بیوی کو طلاق دیکر آزاد کرنا ہی ہو تو باہمی نزاع اور ایک دوسرے کی حق تلفی اور ظلم سے بچنے بچانے کی نیت سے کرو ، غصہ کے انتقام یا بیوی کو ذلیل و رسوا کرنے یا تکلیف پہنچانے کی نیت سے نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں ، ارادوں اور دونوں میں چھپے ہوئے بھیدوں سے پوری طرح باخبر ہے ۔ (معارف القرآن ۵۷۳ ، ۵۷۴ / ۱) ۔

عدت کے بعد نکاح

۲۳۲ ۔ وَاِذَا طَلَّقْتُمُو النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو اب ان کو اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ وہ دستور کے مطابق باہم راضی ہو جائیں ۔ یہ نصیحت تم میں سے اس کو کی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے ۔ یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور (اس کی مصلحت) اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

تَعْضُلُوْهُنَّ : تم ان کو قید کرو ۔ تم ان کو روکو ۔ عَضْلٌ سے مضارع ۔

اَزْكٰى : بہت پاکیزہ ۔ بہت ستھرا ۔ زَكَاءٌ سے اسم تفضیل ۔

اَطْهَرُ : بہت پاکیزہ ۔ خوب پاک ۔ طَهَارَةٌ سے اسم تفضیل ۔

شانِ نزول : حضرت معقلؓ بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے اپنی بہن جملاء بنت یسار کا نکاح ایک شخص (بداح بن عاصم بن عجلان) سے کر دیا تھا ۔ پھر اس نے اسے طلاق دیدی اور جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو وہ پھر پیغام لیکر آئے ۔ میں نے ان

سے کہا کہ میں نے تو اس کا نکاح تمہارے ساتھ کر دیا تھا اور تمہارا گھر بسا دیا تھا اور تمہارا اکرام کیا تھا پھر تم نے اس کو طلاق دیدی اور اب پھر پیغام لیکر آئے ہو ۔ نہیں ایسا نہیں ہوسکتا ۔ خدا کی قسم اب وہ تمہارے پاس کبھی نہیں جائے گی ۔ اور اس آدمی میں کوئی برائی نہیں تھی اور وہ عورت بھی اس کے ہاں جانا چاہتی تھی ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ پھر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب میں اس کو ضرور اس کی زوجیت میں دیدوں گا ۔ (مظہری بحوالہ بخاری ، ابوداؤد ، ترمذی ، ۳۱۶ / ۱) ۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی چچازاد بہن کے ساتھ پیش آیا۔ حضرت جابرؓ کی بہن کو اسکے خاوند نے طلاق دیدی تھی اور جب اسکی عدت پوری ہو گئی تو اس کے خاوند نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا مگر حضرت جابرؓ نے انکار کر دیا ۔ ان واقعات پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۳۱۶ / ۱) ۔

تشریح : گزشتہ آیت میں عدت کے اندر ضرر پہنچانے کی ممانعت تھی ۔ اس آیت میں عدت گزرنے کے بعد ضرر پہنچانے کی ممانعت ہے ۔ عام طور پر پہلا شوہر بھی اپنی مطلقہ بیوی کو دوسرے شخص کے نکاح میں جانے سے روکتا اور اس کو اپنی عزت کے خلاف سمجھتا ہے ۔ بعض خاندانوں میں عورت کے اولیا (وارث) بھی اس کو دوسری شادی کرنے سے روکتے ہیں ۔ بعض اوقات مطلقہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کرنے پر راضی ہوجاتی ہے مگر عورت کے اولیاء اور رشتہ داروں کو طلاق کی بنا پر اس عورت سے ایک قسم کی عداوت ہوجاتی ہے اس لئے وہ اس عورت کے سابقہ شوہر سے نکاح میں مانع ہوتے ہیں ۔ عورت کو شرعی عذر کے بغیر اپنی مرضی کی شادی سے روکنا خواہ یہ سابقہ شوہر کی طرف سے ہو یا اس کے اولیا کی طرف سے ، دونوں صورتوں میں یہ بڑا ظلم ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس ظلم کا انسداد فرمایا ہے کہ جب تمہارا کوئی عزیز اپنی بیوی کو طلاق دیدے اور وہ عورت اپنی عدت پوری کر لے اور پھر وہ اپنے سابقہ شوہر یا کسی اور شخص سے نکاح کرنا چاہے تو تم اس کو کسی شرعی عذر کے بغیر نکاح سے نہ روکو ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھنے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی ان احکامِ الٰہیہ کا پورا پورا پابند ہو اور جو لوگ ان احکام کی اتباع میں کوتاہی کرتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ ان کے ایمان میں خلل ہے ۔ (معارف القرآن ۵۶۵ ، ۵۶۶ / ۱) ۔

رضاعت کے احکام

۲۳۳ - وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ج لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ق وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ج فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ؕ

اور ماؤں کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں اور جو شخص اپنے بچے کو (تین طلاق کے بعد بھی) اسی عورت سے پوری مدت تک دودھ پلوانا چاہے تو اس پر دودھ پلانیوالیوں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق لازم ہے۔ کسی کو اس کی گنجائش (برداشت) سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے۔ نہ تو ماں ہی کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر دیا جائے اور نہ باپ ہی کو اس کی اولاد کی وجہ سے۔ اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے۔ پھر اگر وہ دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے (اس مدت سے پہلے) دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں اور تم اپنے بچوں کو کسی اور سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم نے جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے اس کو دستور کے مطابق دیدو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھتا ہے۔

يُرْضِعْنَ: وہ دودھ پلائیں گی۔ اِرْضَاعٌ سے مضارع۔

حَوْلَيْنِ: دو برس۔ دو سال۔

يُتِمَّ: تمام کرنا۔ پورا کرنا۔ اِتْمَامٌ سے مضارع بمعنی مصدر۔

الرَّضَاعَةَ: دودھ پلانے کی مدت۔

كِسْوَتُهُنَّ: ان عورتوں کا لباس ۔ ان کو کپڑا دینا ۔

تُكَلَّفُ: اسے تکلیف دی جاتی ہے ۔ اسے حکم دیا جاتا ہے ۔ تَكْلِيْفٌ سے مضارع مجہول ۔

فِصَالًا: بچہ کا دودھ چھڑانا ۔ باہم جدا ہونا ۔ مصدر ہے ۔

سَلَّمْتُمْ: تم نے سپرد کر دیا ، تم نے حوالہ کر دیا ۔ تَسْلِيْمٌ سے ماضی ۔

تشریح: طلاق کے بعد میاں بیوی میں ایک قسم کی نفرت اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے خاص طور پر جب عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کا ارادہ رکھتی ہو تو وہ بچے سے بے التفاتی کرتی ہے اور اس کو دودھ پلانے سے کتراتی ہے تاکہ پہلے شوہر کو بچہ کی پرورش میں دشواری ہو ۔ ادھر کبھی کبھی مرد یہ چاہتا ہے کہ اس سے اپنا بچہ چھین کر کسی اور سے دودھ پلوائے اور ماں کو اس کے فراق میں تڑپائے ۔ چنانچہ اس آیت میں رضاعت کے چند احکام کا بیان ہے ۔

رضاعت کی ذمہ داری: بچہ کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ واجب ہے ۔ اگر کوئی عورت ضد یا ناراضگی کے سبب بچہ کو دودھ نہ پلائے تو گنہگار ہوگی ۔ جب تک عورت نکاح میں ہے وہ اپنے شوہر سے بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ نہیں لے سکتی کیونکہ یہ اسکا فرض ہے ۔ باپ کے ذمہ جو نان نفقہ ہے وہی اس کے لئے کافی ہے ۔ مزید اجرت کا مطالبہ باپ کو ضرور پہنچانا ہے ۔ اگر طلاق کی عدت گزر چکی ہے اور نفقہ کی ذمہ داری ختم ہو چکی ہے تو مطلقہ بیوی اپنے بچہ کو دودھ پلانے کا معاوضہ باپ سے طلب کر سکتی ہے اور یہ معاوضہ باپ کو دینا پڑے گا ۔ نہ دینے میں ماں کا نقصان ہے ۔ البتہ ماں اتنا ہی معاوضہ طلب کر سکتی ہے جتنا کوئی دوسری عورت لیتی ہے بصورت دیگر باپ کو حق ہوگا کہ وہ اس کی بجائے کسی انا سے بچہ کو دودھ پلوائے ۔

رضاعت کی مدت: رضاعت کی مدت دو سال ہے ۔ جب تک کوئی خاص عذر مانع نہ ہو ، بچے کا حق ہے کہ اس کو دو سال تک دودھ پلایا جائے ۔ بعض قرآنی آیات اور احادیث کی بنا پر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ڈھائی سال بھی دودھ پلادیا تو رضاعت کے احکام ثابت ہو جائیں گے ۔ اور اگر بچے کی کمزوری وغیرہ کے عذر سے ایسا کیا گیا تو گناہ بھی نہ ہوگا ۔ ڈھائی سال کے بعد بچہ کو ماں کا دودھ پلانا بالاتفاق حرام ہے ۔

نان نفقہ کی ذمہ داری: اگر چہ بچہ کو دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے لیکن ماں کا نان نفقہ اور ضروریات زندگی اس وقت تک باپ کے ذمہ ہیں جب تک وہ عورت اس کے نکاح میں یا عدت میں ہے ۔ طلاق اور عدت پوری ہونے کے بعد نفقہ ختم ہو جائیگا ۔ صرف بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ باپ کے ذمہ باقی رہے گا ۔

نفقہ کا معیار: اس پر تو اتفاق ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں مالدار ہوں تو نفقہ امیرانہ واجب ہوگا اور اگر دونوں غریب ہوں تو نفقہ غریبانہ واجب ہوگا ۔ اگر دونوں کی حالت مختلف ہو تو اس میں فقہا کا اختلاف ہے ۔ بعض کے نزدیک اگر عورت غریب اور مرد مالدار ہو تو اس کا نفقہ درمیانی حیثیت کا دیا جائے گا اور بعض کہتے ہیں کہ شوہر کی حالت کا اعتبار ہوگا واللہ اعلم ۔

رضاعت کے لئے ماں کو مجبور کرنا: اگر ماں کسی عذر یا ضرورت کے سبب بچہ کو دودھ پلانے سے انکار کرے تو باپ کو اسے مجبور کرنا جائز نہیں ۔ اگر بچہ کسی دوسری عورت یا جانور کا دودھ نہ پئے تو ماں کو مجبور کیا جائے گا ۔

یتیم کی رضاعت: اگر باپ زندہ نہ ہو تو بچہ کو دودھ پلانے کا انتظام اس شخص کے ذمہ ہے جو بچہ کا جائز وارث ہو یعنی اگر بچہ مر جائے تو جن کو اس کی وراثت پہنچتی ہے وہی باپ نہ ہونے کی صورت میں اس کے نفقہ کے ذمہ دار ہوں گے ۔ اگر ایسے وارث ایک سے زیادہ ہوں تو ہر ایک پر بقدر میراث اس کی ذمہ داری عائد ہوگی امام ابو حنیفہ کے نزدیک دودھ چھڑانے کے بعد بھی نا بالغ بچے کا خرچہ وارثوں کے ذمہ ہوگا ۔ کیونکہ اس آیت کی رو سے دودھ کی کوئی خصوصیت نہیں اصل مقصد بچے کا گزارہ ہے ۔ اگر یتیم بچے کی ماں اور دادا زندہ ہیں تو یہ دونوں اس بچے کے وارث ہیں اس لئے اس کا نفقہ ان دونوں پر بقدر میراث عائد ہوگا ۔ یعنی ایک تہائی خرچہ ماں کے ذمہ اور دو تہائی دادا کے ذمہ ہوگا ۔

دودھ چھڑانا: ماں باپ باہمی رضا مندی اور مشورہ سے ماں کی معذوری یا بچے کی کسی بیماری کے سبب بچے کا دودھ دو سال سے کم مدت میں بھی چھڑا سکتے ہیں ۔ اس میں ان پر کوئی گناہ نہیں ۔

انا سے دودھ پلوانا: ضرورت کے تحت ماں کی بجائے کسی انا کا دودھ پلوانے

میں بھی کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ دودھ پلانے والی کو دودھ پلانے سے پہلے جو اجرت طے کی گئی تھی ، وہ پوری کی پوری ادا کی جائے ۔ اگر دودھ پلانے والی کو مقررہ اجرت ادا نہ کی گئی تو اس کا گناہ ان کے ذمہ رہے گا ۔

آخر میں فرمایا کہ ان سب باتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یہ سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کھلے اور چھپے اور ظاہر و غائب کو پوری طرح دیکھ رہا ہے اور وہ تمہارے دلوں کے مخفی ارادوں اور نیتوں سے باخبر ہے ۔ اگر کسی فریق نے دودھ پلانے یا چھڑانے کے مذکورہ احکام کی خلاف ورزی کی یا بچہ کی مصلحت کو نظر انداز کر کے اس بارے میں کوئی فیصلہ کیا تو وہ سزا کا مستحق ہوگا ۔ (معارف القرآن ۵۸۰ ۔ ۵۸۳ / ۱) ۔

عدت کے مزید احکام

۲۳۴ ، ۲۳۵ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۗ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ ۚ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں تو ان بیویوں کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں یعنی چار مہینے دس دن کی عدت پوری کریں ۔ پھر جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو تم (وارثوں) پر اس کام میں جو وہ اپنے لئے دستور کے مطابق کر لیں کوئی گناہ نہیں (یعنی نکاح کرنے میں) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے با خبر ہے ۔ اور تم پر اس میں بھی کچھ گناہ نہیں کہ تم ان عورتوں کو نکاح کا پیغام دینے کے لئے اشارتاً کوئی بات کہو یا (اس کو) اپنے دل میں پوشیدہ رکھو ۔ اللہ

تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا تذکرہ کرو گے ۔ لیکن خفیہ طور پران سے نکاح کا وعدہ نہ کرو ۔ ہاں اگر دستور کے مطابق کوئی بات کہو (تو حرج نہیں) ۔ جب تک مقررہ مدت (عدت) پوری نہ ہو جائے تم اس وقت تک نکاح کا قصد بھی نہ کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور حلم والا ہے

یَذَرُوْنَ : وہ چھوڑتے ہیں ۔ وَذْرٌ سے مضارع ۔

یَتَرَبَّصْنَ : وہ (مطلقہ عورتیں) انتظار کریں ۔ وہ روکے رکھیں ۔ تَرَبُّصٌ سے مضارع

عَرَّضْتُمْ : تم نے اشارتاً کہا ۔ تَعْرِیْضٌ سے ماضی ۔

خِطْبَۃِ : نکاح کی بات چیت ۔ نکاح کا پیغام ۔ منگنی ۔ مصدر ہے ۔

اَکْنَنْتُمْ : تم نے دل میں پوشیدہ رکھا ۔ اِکْنَانٌ سے ماضی ۔

تُوَاعِدُوْھُنَّ : تم ان عورتوں سے وعدہ کرو ۔ مُوَاعَدَۃٌ سے مضارع ۔

فَاحْذَرُوْہُ : پس تم اس سے بچو ۔ پس تم اس سے ڈرو ۔ حَذْرٌ سے امر ۔

تشریح : اس سے پہلی آیتوں میں طلاق کی عدت اور بچوں کی رضاعت کا بیان تھا ۔ ان آیتوں میں وفات کی عدت کا بیان ہے کہ جو لوگ بیویاں چھوڑ کر فوت ہو جائیں تو ان کی بیویوں کو چار مہینے اور دس روز تک عدت پوری کرنی چاہئے ۔ اس عرصہ میں نہ تو وہ نکاح کریں ، نہ بلا ضرورت گھر سے باہر نکلیں خواہ دن کا وقت ہو یا رات کا اور نہ زیب و زینت اختیار کریں ۔ مثلاً خوشبو لگانا ۔ سرمہ ، مہندی ، خوشبو کا تیل لگانا ، ریشمی کپڑے پہننا ، رنگین کپڑے پہننا وغیرہ عدت کے دوران یہ سب منع ہیں ۔ عدت ختم ہونے پر یہ چیزیں ان کے لئے جائز ہیں ۔ (حقانی ۵۹۱ / ۱) ۔

عدّتِ وفات کی مدت : اگر خاوند کی وفات چاند رات کو ہوئی ہو تو عدت کے مہینے خواہ تیس کے ہوں یا انتیس کے سب ، چاند کے حساب سے پورے کئے جائیں گے اگر خاوند کی وفات چاند کے بعد ہوئی تو تمام مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کئے جائیں گے ۔ اسطرح کل ۱۳۰ دن پورے کرنا ہوں گے ۔ جب عدت گزر کر خاوند کی وفات کا وہی وقت آئے گا تو عدت ختم ہو جائیگی ۔ (معارف القرآن ۵۸۵ / ۱) ۔

عدت میں پیغام نکاح یہاں بھی بتایا گیا ہے کہ عدت کے اندر نکاح ، نکاح کا وعدہ اور نکاح کا صریح پیغام تو جائز نہیں البتہ جس طرح عدت گزرنے کے بعد نکاح میں کوئی گناہ نہیں ، اسی طرح اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ عدتِ وفات کے اندر نکاح کااشارہ یا کنایہ کرو ۔ مثلاً یہ کہو کہ مجھے ایک نیک عورت کی ضرورت ہے ۔ یا نکاح کے خیال کو دل میں بالکل چھپائے رکھو اور کسی طرح اس کا ذکر نہ کرو ، نہ صراحتاً اور نہ کنایۃً ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ تم عدت کے بعد ان سے صراحتاً اس کا ذکر کروگے اور بغیر ذکر کے تم صبر نہ کرسکو گے اس لئے تمہیں اشارہ اور کنایہ کی اجازت دی گئی ہے پس تم اجازت سے آگے نہ بڑھو ۔

طلاق اور مہر

۲۳۶ ، ۲۳۷ ۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْتَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۝ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دیدو (ہاں اس صورت میں) ان کو کچھ سامان دینا چاہیئے ۔ وسعت والا اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق دے ۔ یہ سلوک دستور کے مطابق ہونا چاہیئے ۔ اور یہ نیک لوگوں کے لئے ضروری ہے ۔ اور اگر تم نے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی اور تم نے مہر بھی مقرر کر لیا تھا تو تم پر مہر میں سے آدھا دینا لازم ہے مگر اس صورت میں کہ خود وہ عورتیں معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کر دے کہ جس کے اختیار میں نکاح کا باندھنا تھا ۔ اور تمہارا معاف کر دینا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے (یعنی بہتر ہے) اور آپس میں احسان کرنا نہ بھولو ۔ جو کچھ تم کرتے ہو بیشک اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے ۔

تَفْرِضُوْا: تم فرض کرو ۔ تم مقرر کرو ۔ فَرْضٌ سے مضارع ۔

مُوْسِعِ: وسعت والا ۔ مالدار ۔، اِیْسَاعٌ سے اسم فاعل ۔

مُقْتِرِ: تنگدست ۔ نادار ، محتاج ، اِقْتَارٌ سے اسم فاعل ۔

تَنْسَوُا: تم بھول جاؤ ۔ تم فراموش کردو ، نِسْیَانٌ سے مضارع ۔

فَضْلَ: مہربانی ۔ احسان ۔

تشریح: مہر اور خلوت کے اعتبار سے طلاق کی چار صورتیں ہیں ۔

(۱) مہر بھی مقرر ہو اور طلاق سے پہلے خلوت بھی ہوئی ہو ۔ یہ حکم پہلے بیان ہو چکا کہ ان کو پورا مہر دینا چاہئے ۔ اور تنگ کر کے ان سے کچھ واپس نہیں لینا چاہئے ۔ ان عورتوں کی عدت تین حیض ہے ۔

۲) مہر مقرر نہ کیا ہو اور دخول کے بعد طلاق دیدی ہو ۔ اس صورت میں مہر مثل پورا دینا ہوگا یعنی وہ مہر جو اس عورت کے کنبہ کی عورتوں کا ہے ۔ اس کا بیان قرآنِ کریم میں دوسرے مقام پر آیا ہے ۔

۳ : نہ مہر مقرر ہوا ہو اور نہ خلوت کی نوبت آئی ہو بلکہ صرف نکاح کر کے طلاق دیدی ہو ۔ ایسی عورتوں کے لئے مہر نہیں بلکہ دستور کے مطابق ان کو خرچ دینا ہے جو کم سے کم کپڑوں کا ایک جوڑا ہے اور زیادہ سے زیادہ نصف مہر ہے ۔ قرآنِ کریم نے اس عطیہ کی مقدار مقرر نہیں کی البتہ یہ بتا دیا کہ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے ۔ اس کا بیان پہلی آیت میں (۲۳۶) میں ہے ۔ اس میں عدت لازم نہیں آتی ۔

۴ : مہر تو مقرر ہوا مگر خلوت نہیں ہوئی ۔ یہ حکم دوسری آیت (۲۳۷) میں آیا ہے کہ ایسی عورتوں کو نصف مہر دیا جائے ۔ البتہ اگر عورت معاف کر دے یا مرد پورا مہر ادا کر دے تو یہ اختیاری بات ہے ۔ اس صورت میں بھی عدت لازم نہیں آتی۔

(معارف القرآن ۵۸۷، ۵۸۸ / ۱) ۔

نماز کی حفاظت

۲۳۸ ۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝

نمازوں کی حفاظت کیا کرو اور (خاص کر) بیچ کی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے نیاز مندی سے کھڑے ہوا کرو۔

تشریح: اس آیت میں اکثر علماء کے نزدیک درمیانی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ اس کے ایک طرف دن کی دو نمازیں فجر اور ظہر ہیں اور ایک طرف رات کی دو نمازیں مغرب اور عشاء ہیں۔ اس نماز کی حفاظت کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی گئی کہ اکثر لوگوں کے لئے یہ وقت کام کی مصروفیت کا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے فوت ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور بیچ کی نماز کی محافظت خاص طور پر کرو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے کھڑے ہوا کرو اور نماز کے دوران آپس میں اشارے اور باتیں نہ کیا کرو۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے، دوسرے اہل کتاب کی طرح مسلمان بھی آپس میں اشارہ یا بات کر لیا کرتے تھے۔ (حقانی ۵۹۴ / ۱، معارف القرآن ۵۸۹ / ۱)۔

نمازِ خوف

۲۳۹۔ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

پھر اگر تمہیں (دشمن کا) اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے (جس طرح ہو سکے نماز ادا کر لیا کرو) پھر جب تم امن پاؤ تو اللہ تعالیٰ کو (اس طرح سے) یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں سکھایا ہے۔ جسے تم نہیں جانتے تھے۔

رِجَالًا: پیدل۔ کھڑے کھڑے۔

رُكْبَانًا: سوار۔

تشریح: اس آیت میں نماز خوف کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ اگر دشمن سے مقابلہ کے وقت تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ اگر ہم نماز پڑھیں گے تو کہیں دشمن ہم پر حملہ نہ کردے تو تم رکوع و سجود اور سمتِ کعبہ کا لحاظ کئے بغیر خواہ سوار ہو یا پیدل ہر حال میں نماز پڑھو۔ پھر جب امن ہو تو اسی طرح نماز پڑھو جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا ہے۔ صلوٰۃ خوف کا وہ طریقہ جو سورۂ نساء کی آیت وَ اِذَا كُنْتَ

فہیم (نساء آیت ۱۰۲) میں بیان ہوا ہے وہ اس طریقہ کے علاوہ ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے ۔

بیوہ کی سکونت کے لئے وصیت

۲۴۰ ۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْ مَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویوں کو چھوڑ جائیں تو ان کو اپنی بیویوں کے لئے ایک سال کے خرچ کی وصیت کرنی چاہئے (اور یہ کہ اس مدت میں ان کو گھر سے) نہ نکالا جائے ۔ پھر اگر وہ خود نکل کھڑی ہوں تو جو وہ اپنے لئے دستور کے مطابق کر لیں اس بارے میں تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

یَذَرُوْنَ : وہ چھوڑتے ہیں ۔ وہ کرتے ہیں ۔ وذر سے مضارع ۔

حَوْل : ایک برس ۔ ایک سال ۔

تشریح : جمہور مفسرین کے مطابق اسلام کے ابتدائی زمانے میں خاوند کی وفات پر عورت کی عدت ایک سال مقرر تھی ۔ اس وقت میراث میں بھی عورت کا کوئی حصہ مقرر نہ تھا ۔ اس لئے اسلام نے اس مدت کو کم کر کے چار مہینے دس دن کر دیا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے ۔ اور مرد کے لئے حکم تھا کہ مرتے وقت اپنی بیوی کے لئے سال بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کر جائے یعنی بیوہ ایک سال تک اس مکان میں رہے اور سال بھر اس کو نان و نفقہ ملتا رہے اور اس عرصہ میں اس کو گھر سے نہ نکالا جائے اگر عدت پوری ہونے کے بعد (چار ماہ دس دن) یا وضع حمل کے بعد عورت خود ہی کسی ضرورت کے تحت سال بھر سے پہلے خاوند کا گھر چھوڑنا چاہے تو عورت کو اس کی اجازت تھی البتہ عدت کے اندر گھر چھوڑنا اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا ۔ یہ بھی اجازت تھی کہ عورت کے گھر سے چلے جانے کے بعد اگر وارث چاہیں تو عورت کا خرچ بند کر سکتے ہیں ۔ پھر آیت میراث نازل ہونے کے بعد جب بیوہ کا آٹھواں یا چوتھا حصہ مقرر ہو گیا تو سال بھر کے خرچ اور مکان کی وصیت کی ضرورت نہ رہی ۔

مطلقہ کے مزید احکام

۲۴۱ ، ۲۴۲ ۔ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ؕ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو قاعدے کے مطابق خرچ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام اسی طرح صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو ۔

تشریح : مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم اس سے پہلے آ چکا ہے مگر وہ صرف دو قسم کی مطلقہ عورتوں کے لئے تھا ۔ ایک تو وہ عورتیں جن کا مہر تو مقرر ہوا ہو مگر خلوت سے پہلے طلاق ہو گئی ۔ ایسی عورتوں کو آدھا مہر دیکر فائدہ پہنچایا گیا ۔ دوسرے وہ عورتیں جن کا مہر مقرر ہوا اور نہ خلوت ہوئی بلکہ نکاح کے بعد طلاق ہو گئی ۔ ایسی عورتوں کو دستور کے مطابق خرچہ دیکر فائدہ پہنچایا گیا جو کم سے کم کپڑوں کا ایک جوڑا اور زیادہ سے زیادہ آدھا مہر ہے ۔

اب وہ طلاق والیاں رہ گئیں جن کو خلوت کے بعد طلاق دی جائے ۔ ان میں سے جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اس کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ پورا مہر دیا جائے ۔ اور جس کا مہر مقرر نہ کیا جائے اس کے لئے مہر مثل واجب ہے یعنی وہ مہر جو اس عورت کے کنبہ کی عورتوں کا ہے ۔

موت سے فرار

۲۴۳ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ؕ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو ہزاروں میں ہوتے ہوئے بھی موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ مر جاؤ (تو وہ مر گئے) پھر ان کو زندہ کر دیا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن بہت سے لوگ (اس کا) شکر نہیں کرتے ۔

اُلُوفٌ: ہزاروں ۔ واحد اَلْفٌ ۔

حَذَرَ: ڈرنا ۔ خوف کھانا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ زندگی اور موت تقدیرِ الٰہیٰ کے تابع ہیں ۔ جہاد موت کا سبب نہیں اور نہ حیلے بہانے کر کے جہاد سے کترانا موت سے بچنے کا ذریعہ ہے ۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک بڑی تعداد ایک شہر میں رہتی تھی ۔ وہاں سخت طاعون پھیلا یہ لوگ اس سے گھبرا گئے اور موت کے خوف سے اس شہر کو چھوڑ کر دو پہاڑوں کے درمیان واقع ایک وسیع ، چٹیل اور کھلے میدان میں جا کر مقیم ہو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور دوسری قوموں پر واضح کرنے کے لئے کہ کوئی شخص نقل مکانی کر کے اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکتا ، دو فرشتے بھیجے جو میدان کے دونوں سروں پر آکر کھڑے ہوگئے ۔ پھر انہوں نے کوئی ایسی آواز دی جس سے وہ سب بیک وقت مر گئے ۔ قرب وجوار کے لوگوں کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے وہاں پہنچ کر ان کے گرد احاطہ کھینچ دیا کیونکہ ہزاروں لوگوں کے کفن دفن کا انتظام آسان نہ تھا ۔ پھر ان کی لاشیں گل سڑ گئیں اور ہڈیاں چونا ہو گئیں ایک طویل زمانے کے بعد بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر جن کا نام حزقیل تھا اس جگہ سے گزرے اور ہزاروں انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے بکھرے ہوئے دیکھ کر حیران ہوئے ۔ پھر وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان لوگوں کا پورا واقعہ بتادیا ۔ حضرت حزقیل نے اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کو زندہ کرنے کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو حکم دیا کہ تم یہ کہو کہ اے بوسیدہ ہڈیو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم سب جمع ہو جاؤ ۔ چنانچہ ہر جسم کی ہڈیوں کا ڈھانچہ کھڑا ہو گیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اب تم آواز دو کہ اے ہڈیو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گوشت پوست ، رگیں پٹھے بھی جوڑ لو ۔ چنانچہ حضرت حزقیل کے سامنے یہ بھی ہو گیا ۔ پھر آواز لگائی کہ اے روحو اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ہر روح اپنے قدیم جسم میں آ جائے ۔ پس سب لوگ جس طرح ایک ساتھ مرے تھے اسی طرح ایک ساتھ زندہ ہو گئے اور ان کی زبان سے نکلا سُبْحَانَکَ لَا اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ ۔ (اے خدا تو پاک ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں) ۔ یہ واقعہ ، قیامت کے روز اسی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کی دلیل ہے ۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا لوگوں پر بڑا فضل و کرم ہے

کہ وہ ان کو اپنی قدرت کاملہ کی زبردست اور ٹھوس نشانیاں دکھاتا ہے لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ناقدرے اور ناشکرے ہیں ۔ (ابن کثیر ۲۹۸ / ۱ ، معارف القرآن ۵۹۳ / ۱) ۔

اس آیت میں چند احکام بیان کئے گئے ہیں ۔

(۱) تقدیر الہٰی کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے جہاد یا طاعون وغیرہ سے بھاگ کر جان نہیں بچائی جا سکتی ۔ اور نہ جہاد میں شرکت یا طاعون کی جگہ قیام کرنا موت کا باعث ہے بلکہ موت کا ایک وقت معین ہے ۔ نہ اس میں تقدیم ہو سکتی ہے نہ تاخیر ۔

(۲) اگر کسی شہر میں کوئی وبائی مرض طاعون وغیرہ پھیل جائے تو وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ نہیں جانا چاہئے ۔ حدیث میں آیا ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی وبا کی جگہ جانا مناسب نہیں ۔ پس نہ کسی جگہ جانا موت کا سبب ہے اور نہ کہیں سے بھاگنا نجات کا سبب ہے ۔

(۳) موت سے ڈر کر جہاد سے بھاگنا حرام ہے ۔ یہ مضمون سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۸ میں زیادہ وضاحت سے آیا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَاقُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔

جو لوگ جہاد میں شریک نہیں ہوئے وہ جہاد میں شریک ہو کر شہید ہونے والوں کے بارے میں دوسرے لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ ہماری بات مان لیتے (جہاد میں شرکت نہ کرتے) تو قتل نہ ہوتے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرما دیجئے کہ اگر موت سے بچنا تمہارے اختیار میں ہے تو تم اوروں کی فکر چھوڑ کر اپنی فکر کرو ۔ (تمہیں گھر بیٹھے بٹھائے بھی موت آ جائیگی) اگر تم سچے ہو (معارف القرآن ۵۹۵ ۔ ۵۹۹ / ۱) ۔

قتال فی سبیل اللہ

۲۴۴ ۔ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ

اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرو اور اس بات کا یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ نیک نیتی اور خلوص دل سے اس کی راہ میں قتال کرو ۔ اس قتال سے خونریزی اور بنی نوع انسان کا قتل کرانا مقصود نہیں بلکہ اس دین کی حفاظت اور اس کی اشاعت کی راہ میں پیش آنیوالی رکاوٹوں کا قلع قمع کرنا ہے ۔ جس طرح ان لوگوں کا بھاگنا انہیں موت سے نہ بچا سکا اسی طرح جہاد سے منہ موڑنا بھی بیکار ہے کیونکہ موت اور رزق دونوں مقرر ہو چکے ہیں ۔ رزق نہ بڑھے گا نہ گھٹے گا ۔ اسی طرح موت نہ پہلے آئے گی نہ پیچھے ہٹے گی ۔

قرضِ حسن

۲۴۵ ۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے پھر اسکو بڑھا کر دو گنا بلکہ کئی گنا کر دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی اور فراخی دیتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔

قَرْضًا حَسَنًا۔قرضِ حسن ۔ ایسا قرض جس کے بعد مقروض کو تنگ نہ کیا جائے ، نہ احسان جتایا جائے ، نہ بدلہ لیا جائے اور نہ مقروض کو حقیر سمجھا جائے دین کی کسی مد میں خرچ ہونیوالی رقم بھی قرض حسن کہلاتی ہے ۔ یہاں جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے ۔ جہاد میں خرچ کیا ہوا مال آخرت میں کئی گنا زیادہ ہو کر واپس ملتا ہے اس لئے قرآنِ کریم نے اس کو قرضِ حسن قرار دیا ۔

فَیُضٰعِفَهٗ : پس وہ اس کو دوگنا کر دے گا ۔ مُضَاعَفَۃٌ سے مضارع ۔

یَقْبِضُ : وہ (اللہ تعالیٰ) بند کرتا ہے ۔ وہ تنگی کرتا ہے ۔ وہ کمی کرتا ہے ۔ قَبْضٌ سے مضارع ۔

یَبْصُۜطُ : وہ کشادہ کرتا ہے ۔ وہ پھیلاتا ہے ۔

تشریح : دشمن سے لڑائی بلا سامانِ حرب و ضرب ممکن نہیں اور سامانِ حرب کے لئے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نام پر مال خرچ کرنے کی نہایت عمدہ طریقہ سے ترغیب دی اور فرمایا کہ ہے کوئی جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے تاکہ

وہ اس کے بدلے دنیا و آخرت میں اس کو کئی گنا کر کے (واپس) عنایت فرمادے ۔ اللہ تعالیٰ قرض مانگنے سے پاک ہے ۔ اس کو کسی قسم کی حاجت وضرورت نہیں ۔ وہ غنی و حمید ہے ۔ اس کے قبضہ قدرت میں زمین و آسمان کے خزانے ہیں ۔ وہی بندوں کو فراخدستی اور تنگدستی دیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ میں خرچ کرنے کو یہاں استعارہ کے طور پر قرض دینے سے تعبیر کیا جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جس طرح غنی اور خوش معاملہ کو قرض دینا اطمینان اور نفع کا باعث ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا ہوا مال بھی رائیگاں نہیں جاتا ۔ وہ کئی گنا نفع کے ساتھ واپس ملتا ہے وہی اس کا ضامن ہے ۔ گویا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کو دینا ہے ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتا وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کی دولت ہمیشہ باقی رہے گی بلکہ اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی اس کی فراخدستی کو تنگدستی میں تبدیل کرسکتا ہے ۔ (حقانی ۵۹۷، ۵۹۸ /۱) ۔

حضرت طالوت کا واقعہ

۲۴۶ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ؕ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا جنہوں نے (حضرت) موسیٰ کے بعد اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کردو تاکہ ہم (اس کی سرپرستی میں) اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں ۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم نہ لڑو ۔ وہ کہنے لگے کہ ہم سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہمیں اپنے گھروں سے اور اپنے بال بچوں سے نکالا جا چکا ہے ۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہو گیا تو چند آدمیوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے ۔

اَلْمَلَاِ: سرداروں کی جماعت۔

تَوَلَّوْا: انہوں نے منہ موڑا۔ انہوں نے پیٹھ پھیری۔ تَوَلِّیٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل رفتہ رفتہ احکامِ توریت سے دور ہوتے گئے۔ اور شرک و بدعت میں پڑ گئے تاہم ان میں پے در پے انبیاء مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں تو اللہ تعالیٰ نے عمالقہ کو جو ان کے دشمن تھے ان پر مسلط کر دیا۔ جالوت نے جو کافر بادشاہ تھا بنی اسرائیل کو مار بھگایا اور ان کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ بنی اسرائیل دشمن کے حملوں سے گھبرا کر بیت المقدس میں جمع ہوگئے۔ غالباً یہ شموئیل نبی کا زمانہ تھا۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے ایک بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ اس کی سرکردگی میں جہاد کر سکیں۔ ان کے نبی نے کہا کہ تمہاری حالت سے مجھے توقع نہیں کہ اگر تم پر جہاد فرض ہو گیا تو تم بادشاہ کے ساتھ ہو کر جہاد کروگے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارا ملک چھین لیا گیا، ہمارے بال بچے گرفتار کر لئے گئے تو کیا پھر بھی ہم مرنے مارنے سے ڈریں گے۔ پھر جب انہوں نے جہاد پر اپنی پختگی اور آمادگی کا یقین دلایا اور ان کے اصرار کے بعد ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا سب پیٹھ دکھا گئے اور وہ چند آدمی وہ تھے جو نہر سے پار اترے جس کا بیان آگے آئے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ (حقانی ۱/۶۰۱، ابن کثیر ۱/۳۰۰)۔

بادشاہ کا تقرر

۲۴۷۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ؕ

اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے (تمہاری درخواست کے مطابق) تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا۔ وہ کہنے لگے کہ وہ ہمارے اوپر

کیسے بادشاہ ہو سکتا ہے حالانکہ ہم خود اس سے زیادہ بادشاہی کے مستحق ہیں اور اس کو تو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی ۔ ان کے نبی نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر سرداری کے لئے مقرر کیا ہے اور علم و صورت میں بھی اس کو فوقیت دی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا جاننے والا ہے ۔

اِصْطَفٰهُ : اس نے اسکو پسند کر لیا ۔ اس نے اسکو منتخب کر لیا ۔ اِصْطِفَاءٌ سے ماضی ۔

بَسْطَةً : کشادگی ۔ وسعت ۔ پھیلاؤ ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : ظلم اور معصیت آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے ۔ ظلم و ستم کی اصل جڑ نبی پر اعتراض کرنا ہے ۔ جس نے نبی کی بات کو بے چون و چراں قبول کر لیا اس نے اپنی جان پر رحم کیا اور جس نے نبی کی بات پر اعتراض کیا اس نے اپنی جان پر ظلم عظیم کیا چنانچہ جس وقت بنی اسرائیل کے نبی نے ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر فرمایا ہے تو انہوں نے اعتراضات شروع کر دئے اور کہنے لگے کہ طالوت کو ہم پر بادشاہت کا کیا حق ہے ۔ وہ تو غریب آدمی ہے اور اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا ، ہم تو دولت مند ، شاہی خاندان اور یہودا کی اولاد سے ہیں ۔ لہٰذا سلطنت اور بادشاہت کے ہم اس سے زیادہ مستحق ہیں ۔ ان کے نبی نے جواب دیا کہ یہ تقرر میری رائے سے نہیں جس کے بارے میں میں دوبارہ غور کرسکوں ، یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس کی بجا آوری ضروری ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہاری بھلائی اور نفع کے لئے منتخب فرمایا ہے اور ظاہر ہے جس کو سلطنت کے لئے اللہ تعالیٰ پسند فرمالے اس سے بڑھکر کوئی شخص سلطنت اور حکمرانی کا اہل نہیں ہوسکتا ۔ سلطنت اور بادشاہت کا دارومدار حسب ونسب اور مال و دولت پر نہیں بلکہ فہم و فراست اور قوت و شجاعت پر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو یہ دونوں چیزیں عطا فرمائی ہیں ۔ وہ مالک مطلق ہے اس کی عطا کے لئے اہلیت و قابلیت شرط نہیں بلکہ وہ جس کو چاہے بادشاہت عطا فرمادے ۔ اگر کسی شخص میں بادشاہت کی ذرا بھی اہلیت نہیں تو وہ قادر مطلق ہے اس لئے وہ اہلیت بھی عطا فرمادیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ بڑے وسیع علم والا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون بادشاہت کے لائق ہے اور کون اس کا اہل نہیں ۔ (حقانی ۶۰۲ / ۱ ، ابن کثیر ۳۰۱ / ۱) ۔

تابوتِ سکینہ

۲۴۸ - وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آ جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھی ۔ اس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے ۔ بیشک اس میں تمہارے واسطے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو ۔

اَلتَّابُوْتُ : صندوق ۔ اس سے وہ صندوق مراد ہے جو بنی اسرائیل میں چلا آتا تھا اور جس میں حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء کے تبرکات تھے ۔ بنی اسرائیل اس صندوق کو جنگ کے دوران آگے رکھتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ان کو فتح دے دیتا تھا ۔

سَكِيْنَةٌ : تسکین ۔ اطمینان ، راحت ۔

تشریح : آخر ان لوگوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمیں طالوت کی بادشاہت اور ان کے برگزیدہ ہونے کی کوئی نشانی بتلایئے جسے دیکھ کر ہمیں ان کی بادشاہت کا یقین آ جائے اور دل کو اطمینان حاصل ہو جائے ۔ نبی نے فرمایا کہ تحقیق طالوت کے من جانب اللہ بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ کسی ظاہری سبب کے بغیر وہ صندوق تمہارے پاس آ جائے گا جو تم سے چھن گیا تھا ۔ اس صندوق میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے خاندان کے کچھ تبرکات بھی ہوں گے جن کا مل جانا تمہارے لئے باعث خیر و برکت اور سکون قلب ہوگا ۔ اس صندوق کو فرشتے اٹھا کر لائیں گے اور طالوت کے سامنے لا کر رکھدیں گے ۔ صندوق کا اس طرح آنا طالوت کی بادشاہت اور میری نبوت کی صداقت کی دلیل ہوگی ۔ پھر جب فرشتوں نے صندوق لا کر طالوت کے سامنے رکھدیا تو بنی اسرائیل خوش ہوگئے ۔ اور ان کو بادشاہ مان لیا اور سب جہاد کے لئے تیار ہو گئے ۔

بنی اسرائیل کی آزمائش

۲۴۹ ۔ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

پھر جب طالوت فوجوں سمیت روانہ ہوا تو طالوت نے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمائے گا ۔ پھر جس نے اس کا پانی پی لیا وہ میرا نہیں اور جو کوئی اس کو نہ چکھے گا تو وہ میرا ہے ، ہاں اگر کسی نے اپنے ہاتھ سے چلو بھر کر پی لیا (تو کچھ مضائقہ نہیں) پھر ان میں سے چند لوگوں کے سوا سب نے پی لیا ۔ جب طالوت اور جو ایمان والے اس کے ساتھ رہ گئے تھے اس (نہر) سے پار ہو گئے تو وہ کہنے لگے آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں اور جن کو یقین تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں کہنے لگے کہ اکثر تھوڑی سی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آگئی ۔ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔

فَصَلَ : وہ جدا ہوا ۔ وہ باہر نکلا ۔ فَصْلٌ و فُصُوْلٌ سے ماضی ۔

مُبْتَلِيْكُمْ : تمہارا امتحان لینے والا ۔ تمہیں آزمانے والا ۔ اِبْتِلَاءٌ سے اسم فاعل ۔

اغْتَرَفَ : اس نے چلو بھر لیا ۔ اِغْتِرَافٌ سے ماضی ۔

جَاوَزَهٗ : وہ اس کے پار اترا ۔ مُجَاوَزَةٌ سے ماضی ۔

فِئَةٍ : گروہ ۔ چھوٹی جماعت ۔

تشریح : جب طالوت جہاد کے لئے شہر سے باہر نکلا تو اس نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہارے صبر و تحمل کو آزمائے گا ۔ پس جو شخص

اس نہر سے سیر ہو کر پانی پیئے گا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں اور جو اس کو چکھے گا بھی نہیں وہ بلا شبہ میرے ساتھیوں میں سے ہوگا ۔ البتہ جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے تو وہ بھی میرے گروہ سے خارج نہیں ہوگا ۔ پس جب وہ لوگ اس نہر پر پہنچے تو پیاس کی شدت کی وجہ سے ، سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے جن کے تعداد ۳۱۳ تھی سب نے اس نہر سے بے تحاشا پانی پی لیا ۔ (جنگ بدر کے موقع پر بیئرِ سقیا پہنچکر آپؐ نے قیسؓ بن صعصعہ کو مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم دیا ۔ قیس نے سب لوگوں کی گنتی کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یہ سب ۳۱۳ ہیں ۔ آپؐ یہ سنکر خوش ہوئے اور فرمایا کہ طالوت کے ساتھ بھی لوگوں کی اتنی ہی تعداد تھی ۔(مظہری ۱۵ / ۴) ۔ جن لوگوں نے چلو سے پانی پیا ان کی پیاس بھی بجھ گئی اور ان کا دل بھی قوی ہو گیا اور جن لوگوں نے زیادہ پانی پیا وہ بزدل ہوگئے ، نہ ان کی پیاس بجھی اور نہ وہ اس قابل رہے کہ نہر سے پار ہوسکتے ۔ جب طالوت اور ان کے ساتھیوں نے نہر سے پار ہو کر دیکھا کہ وہ ایک مختصر سی جماعت ہے اور جالوت کے ساتھ ایک بڑا لشکر ہے تو ان میں سے بعض ضعیف القلب لوگ کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی تاب نہیں کیونکہ دشمن کی طاقت بہت ہے اور ہماری جماعت بہت قلیل ہے البتہ ان میں سے باہمت لوگوں کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ بر حق ہے ۔ انہوں نے کمزور دل والوں کو ہمت دلائی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں ، فتح و نصرت کا مدار قلت و کثرت پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر غالب آتی رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہو وہ کبھی مغلوب نہیں ہوتا ۔

دعاء استقامت

۲۵۰ ۔ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ

اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ میں آئے تو دعا کرنے لگے کہ اے ہمارے رب ہمارے دلوں میں صبر و استقلال ڈالدے اور ہمارے پاؤں جمادے اور ہمیں کافروں کی قوم پر غالب کر ۔

بَرَزُوْا : وہ سب نکلے ۔ بُرُوْز سے ماضی ۔

اَفْرِغْ: تو ڈالدے ۔ اِفْرَاغٌ سے امر ۔

تشریح: جب طالوت اور اس کے ساتھی جالوت کی فوجوں کے سامنے ہوئے تو انہوں نے اپنی ہمت و شجاعت پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں صبر و ہمت عطا فرما اور کافروں کے مقابلہ میں ہمیں ثابت قدم رکھ ، ہماری مدد فرما اور ہمیں فتح سے ہمکنار کر ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر ان کو فتح سے ہمکنار کیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے اس مٹھی بھر جماعت نے جالوت کے ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیا ۔

جالوت کی شکست

۲۵۱ ۔ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۛ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْفَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ؕ

پھر انہوں نے ان (جالوت کے لشکر) کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو بادشاہت اور حکمت عطا کی اور جو کچھ وہ چاہتا تھا اس کو سکھایا اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کے ذریعہ بعض کو پست نہ کرتا رہے تو ملک تباہ ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ تو مخلوق پر فضل کرنے والا ہے ۔

فَهَزَمُوْهُمْ: پس انہوں نے ان کو شکست دی ۔ هَزَمٌ سے ماضی ۔

حِكْمَةٌ: حکمت ، دانائی ، یہاں نبوت مراد ہے ۔

تشریح: طالوت اور ان کے ساتھیوں کے صبر و تحمل اور اللہ تعالیٰ پر ان کے اعتماد اور توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی اس مختصر سی جماعت نے اللہ تعالیٰ کی تائید سے جالوت کی فوجوں کو شکست دی ۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جو اس وقت طالوت کے لشکر میں شامل تھے اور ان کو ابھی نبوت نہیں ملی تھی ، جالوت کو قتل کر ڈالا ۔ طالوت نے خوش ہو کر اپنی بیٹی سے حضرت داؤد کا نکاح کر دیا ۔ پھر طالوت کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو سلطنت اور علم وحکمت یعنی نبوت عطا

فرمادی ۔ اور ان کو خوش آوازی عطا کی ، پرندوں اور چیونٹیوں کی بولی سکھائی ، آلات کے بغیر زرہ بنانا سکھایا اور ان کے لئے لوہے کو موم کی مانند نرم کر دیا ۔ وہ اپنے ہاتھ سے کام کر کے اس کی مزدوری سے کھاتے تھے ۔ پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کافروں کے شر و فساد کو اپنے بعض خاص بندوں کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہے تو زمین میں فساد پھیل جائے اور کفر و شرک غالب آ جائے اور کوئی اللہ تعالیٰ کا نام لینے والا باقی نہ رہے مگر اس نے جہاد فرض کر کے لوگوں پر بڑا فضل فرمایا تاکہ کفر کا فتنہ و فساد دفع ہو ۔
(حقانی ۶۰۳ / ۱ ، ابن کثیر ۳۰۳ / ۱) ۔

رسالتِ محمدی کا اثبات

۲۵۲ ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْھَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ؕ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو صحیح صحیح پڑھکر سناتے ہیں اور بیشک آپ بھی رسولوں میں سے ہیں ۔

تشریح : یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ۔ ان واقعات کو جس طرح اہل کتاب بیان کرتے ہیں وہ صحیح نہیں ۔ بلکہ ان کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے یہ اسی طرح حق اور صحیح ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور آپ کی نبوت کے دلائل ہیں کیونکہ ایسے قدیم واقعات کا کسی سے پڑھے اور سنے بغیر صحیح صحیح بیان کر دینا وحی خداوندی کے بغیر ممکن نہیں ۔ اس لئے آپ بلا شبہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہیں جنکو اس نے اپنے دشمنوں سے جہاد کا حکم دیا اور بے سروسامانی کے باوجود کافروں کے بڑے بڑے لشکروں کو اپنے مخلص بندوں کے ہاتھوں تہ و بالا کر ادیا ۔

رسولوں کے درجات

۲۵۳ ۔ تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْھُمْ مَّنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِھِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰکِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْھُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْھُمْ مَّنْ کَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ

مَایُرِیْدُ ؁

یہ سب رسول ہیں ۔ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ۔
ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا اور ان میں سے
بعض کے درجات بلند کئے ۔ اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلے معجزات عطا
کئے اور ہم نے روح القدس (جبرائیل علیہ السلام) سے ان کو قوت دی اور اگر
اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان (رسولوں) کے بعد والے اپنے پاس کھلے کھلے احکام آنے
کے بعد آپس میں قتال نہ کرتے مگر پھر بھی انہوں نے (آپس میں) اختلاف کیا ۔
پھر ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض نے کفر کیا اور اگر اللہ تعالی
چاہتا تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے لیکن اللہ تعالیٰ جو چاہتا کرتا ہے ۔

ربطِ آیات : اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے طالوت و جالوت اور ان کے باہمی مقابلہ اور ایمانداروں کے استقلال و ثابت قدمی کا ذکر کر کے جہاد کا مقصد بیان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مفسدوں کے شر کو دفع کرتا ہے ۔ اگر جہاد نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو تباہ و ویران کردیں ۔ یہ انبیاء کا معمول ہے ، اس لئے آپؐ پر یہ اعتراض بے جا ہے کہ نبیوں کا کام لڑائی نہیں ۔ آپؐ بھی انہی رسولوں میں سے ہیں جو یہ کام کرتے آئے ہیں ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام شر وفساد دفع کرنے والے ہیں اور یہ درجات میں مختلف ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا ، پھر حضرت شموئیل ، حضرت داؤد ، حضرت الیاس ، حضرت الخمیاہ ، حضرت یرمیاہ اور حضرت دانیال وغیرہ پیغمبر ہیں ۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کو کھلے معجزات عطا کئے گئے اور روح القدس (حضرت جبرائیل) کے ذریعہ ان کو مدد دی گئی ۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ بھی رسولِ برحق ہیں ، باوجود یکہ آپؐ اُمّی ہیں ، نہ آپؐ نے توریت کو دیکھا اور نہ انجیل کو پھر بھی آپؐ کا بنی اسرائیل کے واقعات کی صحیح تفصیلات و جزئیات بیان کرنا ، ظاہر کرتا ہے کہ یہ آپؐ کا کام نہیں بلکہ ہم ہی آپؐ کو یہ باتیں حضرت جبرائیل کے ذریعہ بتاتے ہیں ۔ گزشتہ زمانوں میں حضرت موسیٰ اور ان کے متبعین کو بھی بنی اسرائیل کے سرکشوں اور گمراہوں نے نہ مانا ۔ پھر انہوں نے حضرت

عیسیٰ کے معجزات کو دیکھ کر انکار کیا ۔ اگر یہ لوگ آپؐ کا انکار اور آپؐ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں تو اس میں کچھ تعجب کی بات نہیں ۔ اور ان سرکشوں اور مفسدوں میں سے بعض کا حق کو قبول کر کے اس پر ایمان لانا اور بعض کا اپنے کفر پر قائم رہنا سب تقدیرِ الٰہی کی وجہ سے ہے ۔ مگر ہم اتمام حجت کے لئے ہدایت کے اسباب ضرور مہیا کرتے ہیں ۔ (حقانی ۳، ۴/ ۲) ۔

خیرات کی ترغیب

۲۵۴ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اے ایمان والو ! ہم نے جو رزق تمہیں دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے (اللہ کی راہ میں) خرچ کر لو جس دن نہ تو خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی ۔ اور کافر ہی ظالم ہیں ۔

خُلَّةٌ : دوستی ، جان پہچان ۔ خِلَالٌ سے مصدر ہے ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان و مال صرف کرنے کی جو تاکید گزشتہ آیات میں آئی تھی اسی کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا کہ تم جو کچھ نیکی کرنا چاہتے ہو وہ اسی دنیاوی زندگی میں کر لو ۔ حشر کے روز نہ تو کوئی عمل خرید و فروخت کے ذریعہ حاصل ہوسکے گا اور نہ وہاں کسی کی دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش ۔ آخرت میں کافروں پر جو عذاب و سختی ہوگی اس کے وہ خود ہی ذمہ دار ہوں گے کیونکہ وہ خود ہی بیجا حرکتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہ کر کے اپنی جانوں کو عذاب خداوندی میں مبتلا کرتے ہیں ۔ (حقانی ۵/ ۲) ۔

صفاتِ باری تعالیٰ

۲۵۵ ۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِـنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ۔ وہی (ہمیشہ سے) زندہ اور قائم ہے ۔ نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ نیند ۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے ۔ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے پاس (کسی کی) سفارش کر سکے ۔ ان کے اگلے اور پچھلے تمام حالات کو وہی جانتا ہے اور کوئی بھی اس کے علم کا احاطہ نہیں کرسکتا مگر جس قدر کہ اس نے چاہا ۔ اور اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمینوں کو گھیرا ہوا ہے ۔ اور اس کو ان دونوں کی حفاظت ذرا بھی گراں نہیں گزرتی اور وہ عالیشان عظمت والا ہے ۔

آیت الکرسی کے فضائل : یہ قرآن کی عظیم ترین آیت ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سب سے افضل فرمایا ہے (مسند احمد) ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابیؓ بن کعب سے دریافت کیا کہ قرآن میں کونسی آیت سب سے زیادہ عظیم ہے ۔ حضرت ابیؓ بن کعب نے عرض کیا آیت الکرسی ، آپؐ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا ، اے ابو المنذر تمہیں علم مبارک ہو (مظہری بحوالہ مسلم ۱/۳۶۱) ۔

حضرت ابو ذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں کونسی آیت عظیم تر ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ آیت الکرسی (ابن کثیر بحوالہ مسند احمد ۳۰۵ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو قرآنی آیات کی سردار ہے وہ جس گھر میں پڑھی جائے اس سے شیطان نکل جاتا ہے ۔ (مظہری بحوالہ ترمذی و حاکم ۳۶۱ / ۱) ۔

حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ آیت الکرسی ثواب کے اعتبار سے چوتھائی قرآن کے برابر ہے ۔ (مظہری بحوالہ مسند احمد ۱/۳۶۱) ۔

تشریح : اس مبارک آیت میں دس جملے ہیں ۔

(۱) **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ :** اس میں لفظ اللہ اسم ذات ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے ، وہی دانا ، بینا ، صاحب قدرت و ارادہ ہے اس لئے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

(۲) اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ : عربی زبان میں حی کے معنی ہیں زندہ ۔ یہاں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے اور موت سے بالا تر ہے ۔ اس کی تمام صفات ازلی و ابدی ہیں ۔ اَلْقَیُّوْمُ یہ قیام سے نکلا ہے جس کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں ۔ یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی ۔ اللہ تعالیٰ کے قیوم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز اپنی ہستی کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اسی طرح بقاء ہستی میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ۔ جس طرح سایہ اصل شئے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کائنات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی کی شان اعلیٰ ہے ۔

(۳) لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۔ : سِنَةٌ اونگھ کو کہتے ہیں جو دماغی اعصاب کی وہ سستی ہوتی ہے جو نیند کا پیش خیمہ ہوتی ہے ۔ نَوْمٌ مکمل نیند کو کہتے ہیں ۔

دوسرے جملہ میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہے اور ساری کائنات اسی کے سہارے قائم ہے ۔ اس لئے انسان اپنی فطرت کے مطابق یہ خیال کر سکتا ہے جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکان بھی ہو سکتی ہے اور اس کو کچھ وقت آرام و نیند کے لئے بھی چاہئے ۔ اس لئے اس جملے میں محدود علم و بصیرت رکھنے والے انسان کو بتا دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دوسری مخلوقات پر قیاس نہ کرے اور نہ اپنے جیسا سمجھے ۔ وہ مثل و مثال ، تکان ، اونگھ ، نیند اور ایسے ہی دوسرے اثرات سے بالا تر ہے ۔

(۴) لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ : تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں ۔ وہ مختار ہے ، جس طرح چاہے ان میں تصرف کرے ۔

(۵) مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔ : اس میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اظہار اور اس امر کا بیان ہے کہ کوئی اس سے بڑا اور اس کے اوپر حاکم نہیں ۔ کوئی اس سے کسی کام کے بارے میں باز پرس کرنے کا حق نہیں رکھتا ۔ وہ جو حکم جاری کر دے اس میں کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں ۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس سے کسی کی سفارش و شفاعت بھی نہیں کر سکتا ۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حشر کے روز سب سے پہلے میں ہی ساری امتوں کی شفاعت کروں گا ۔ اسی کا نام مقامِ محمود ہے جو آپؐ کی خصوصیات میں سے ہے ۔

(٦) **يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ** : اللہ تعالیٰ انسان کے ظاہری و باطنی حالات و واقعات سے باخبر ہے ۔ آگے پیچھے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد تمام حالات و واقعات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو انسان جانتے ہیں اور وہ ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو انسان نہیں جانتے ۔

(٧) **وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ** : انسان اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے علم کے کسی حصہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے علم کا جتنا حصہ کسی کو عطا کرنا چاہے تو اس کو صرف اتنا ہی علم ہو سکتا ہے ۔

(٨) **وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** : اس کی کرسی اتنی وسیع ہے کہ اس کی وسعت کے اندر ساتوں آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں ۔ تفسیر بیضاوی میں ہے کہ یہ محض تمثیل ہے ۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی تصویر کشی مقصود ہے ورنہ حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ کی کرسی ہے اور نہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے ۔ حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں انگوٹھی جیسا حلقہ ڈال دیا جائے ۔

اللہ تعالیٰ نشست و برخاست اور زمان و مکان سے بالاتر ہے ۔ اس قسم کی آیات کو اپنے معاملات پر قیاس نہیں کرنا چاہئے ۔ اس کی کیفیت و حقیقت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے ۔

(٩) **وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا** : یَئُوْدُ، اَوْدٌ سے ماخوذ ہے اور اَوْدٌ کے معنی کجی اور ٹیڑھا پن کے ہیں ۔ آسمان و زمین یا کرسی اور کرسی کے اندر سمائی ہوئی چیزوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو کچھ گراں نہیں معلوم ہوتی ۔ کیونکہ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سب چیزیں نہایت آسان ہیں ۔

(١٠) **وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ** : گزشتہ نو جملوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور کمالات کا بیان تھا ۔ ان تمام صفات و کمالات کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد کوئی عقل و

شعور رکھنے والا انسان یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہر قسم کی عزت و عظمت اور بلندی و برتری کی مالک و سزا وار وہی ذات پاک ہے جو مذکورہ بالا ذاتی و صفاتی کمالات کی حامل ہو۔ (معارف القرآن ۶۱۲ ، ۶۱۵/ ۱ مظہری ۳۵۷ ، ۳۶۲/ ۱) ۔

قوی وسیلہ

۲۵۶ - لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

دین کے بارے میں (کوئی) زبردستی نہیں ۔ بیشک ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے ۔ پھر جس نے جھوٹے معبودوں کا انکار کیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا تو اس نے ایسی مضبوط رسی پکڑلی جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ۔

اِكْرَاهَ : کسی پر جبر کرنا ۔ کسی پر زبردستی کرنا ۔ مصدر ہے ۔

الْعُرْوَةِ : حلقہ ، کڑا ۔

الْوُثْقٰى : بہت مستحکم ۔ بہت مضبوط ، وُثُوْقٌ و وَثَاقَةٌ سے اسم تفضیل ۔

اِنْفِصَامَ : شکستہ ہونا ۔ ٹوٹنا ۔ مصدر ہے ۔

شانِ نزول : اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب مدینہ کی مشرکہ عورتوں کے اولاد نہ ہوتی تو وہ نذر مانتی تھیں کہ اگر ہمارے ہاں اولاد ہوئی تو ہم اسے یہودی بنا کر یہودیوں کے سپرد کردیں گے ۔ اسی طرح ان کے بہت سے بچے یہودیوں کے پاس تھے جب یہ لوگ مسلمان ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے انصار بنے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اندرونی سازشوں سے نجات پانے کے لئے یہ حکم جاری فرما دیا کہ بنی نضیر کے یہودیوں کو جلا وطن کر دیا جائے ۔ اس وقت انصار نے بچوں کو جو یہود کے پاس تھے ، ان سے طلب کیا تاکہ انہیں اپنے اثر سے مسلمان بنالیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جبر اور زبردستی نہ کرو ۔ (ابن کثیر ۳۱۰/ ۱) ۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ انصار کے قبیلے بنو سالم بن عوف کا ایک شخص

حصینی نامی تھا ۔ یہ خود مسلمان تھا اور اس کے دو لڑکے نصرانی تھے ۔ ایک بار اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں ان لڑکوں کو جبراً مسلمان بنالوں ویسے تو وہ عیسائیت سے ہٹتے نہیں ۔ اس پر یہ آیت اتری اور اس میں جبراً مسلمان بنانے کی ممانعت کردی گئی ۔ (ابن کثیر ۳۱۱/ ۱) ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جہاد کی مزید تفسیر و تشریح بیان فرمائی ہے کہ جہاد سے یہ غرض نہیں کہ کسی کو زبردستی اور تلوار کے زور پر مسلمان کیا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایسے معجزات اور کھلی نشانیاں ظاہر کیں کہ ان سے حق اور باطل اس طرح علیحدہ اور ممتاز ہوگئے جیسے دن اور رات ایک دوسرے سے ممتاز ہیں ۔ اس کے بعد اگر کوئی غیر اللہ کی عبادت ترک کر کے خدائے واحد و یکتا پر ایمان لاتا ہے تو اس کے لئے اسلام ایسا قوی اور مضبوط وسیلہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے ۔ پس جہاد سے یہ غرض نہیں کہ کسی کو زبردستی اور تلوار کے زور پر مسلمان بنایا جائے بلکہ اس کا مقصد تو دنیا سے شر و فساد ختم کرنا اور برائیوں کو مٹانا ہے ۔

اللہ تعالیٰ کے دوست

۲۵۷ ۔ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۃ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ۃ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے ۔ وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور جو منکر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں ۔ وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لاتے ہیں ۔ یہی اہل دوزخ بھی ہیں وہ اسمیں ہمیشہ رہیں گے

تشریح : ایمان ایسی عمدہ چیز ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ سے محبت کرتا ہے اور اس کو کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت کی روشنی میں لے آتا ہے ۔ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ شیطان کے دوست اور مددگار ہیں جو ان کو نور فطرت سے نکال کر کفر و اخلاقِ رذیلہ اور شہوات وخواہشاتِ نفسانی کی تاریکیوں میں

دھکیل دیتا ہے جو مرنے کے بعد جہنم کی صورت میں ظاہر ہوں گی ۔ جس طرح دنیا میں ان کو اپنی گمراہی کی تاریکیوں سے عمر بھر چھٹکارا نہ ملا اسی طرح ان کو وہاں بھی عذاب الہٰی سے نجات نہیں ملے گی ۔ اس لئے وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ۔

حضرت ابراہیم اور نمرود

۲۵۸ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے دیکھا جو (حضرت) ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے حجت کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا کی تھی ۔ جب (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے ۔ (اس نے) کہا میں بھی تو زندہ کرتا اور مارتا ہوں ۔ (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے پس تو اس کو مغرب سے نکال دے ۔ اس پر وہ کافر حیران رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

حَآجَّ : اس نے حجت کی ۔ اس نے بحث کی ۔ مُحَاجَہٌ سے ماضی ۔

فَبُهِتَ : وہ مبہوت ہو گیا ۔ وہ بھونچکا ہو گیا ۔ وہ حیران ہو گیا ۔ بُھتٌ سے ماضی مجہول ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور نمرود کا واقعہ بیان فرمایا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل شہر کے قریب پیدا ہوئے تھے ۔ جب وہاں کے لوگوں میں ان کی خدا پرستی کی شہرت اور بت پرستی کی مذمت مشہور اور عام ہوئی تو وہاں کے بادشاہ نمرود بن کوش نے جو سخت بے دین ، بد عقل اور ملحد تھا ، حضرت ابراہیم کو بلا کر پوچھا کہ رب کون ہے اور کہاں ہے ۔ اگر ہے تو مجھے دکھاؤ ۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ ہم دنیا میں ایک ایسا فعل پاتے ہیں جو کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس فعل کا فاعل ہی قادر مطلق ہے ۔ اور اپنی لطافت کی وجہ سے محسوس نہیں ہوتا ۔ (ہوا بھی جسم رکھنے کے باوجود لطافت کی وجہ سے نظر نہیں آتی اور جو ذات جسم کی کثافت سے بھی بری ہے اس کو کیسے محسوس کیا جاسکتا ہے) اور وہ فعل زندگی اور موت دینا ہے ۔ نہ کوئی از خود زندہ ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو زندہ کرسکتا ہے ، نہ مارسکتا ہے ۔ اس کے جواب میں نمرود نے کہا کہ میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مارسکتا ہوں ۔ پھر اس نے دو آدمیوں کو طلب کیا ۔ ایک کو قتل کرادیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا ۔ گویا نمرود ، عملِ حیات و موت اور تخلیقِ حیات وموت میں فرق نہ کرسکا ۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا اگر چہ دنیا میں اس کے تمام کام عادتاً اسباب پر مبنی ہیں مگر وہ اسباب بھی اسی کے قبضہ میں ہیں ۔ انہیں اسباب میں سے سورج کا طلوع و غروب کرنا ہے ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہی سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے ۔ وہ اس کو مغرب سے بھی نکال سکتا ہے یا جس طرح اس کی مشیت ہو کرسکتا ہے ۔ پس اگر تو اپنے اعمال پر اپنے آپ کو قادر جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کاانکار کرتا ہے تو سورج کو مغرب سے برآمد کر دے ۔ یہ سنکر نمرود حیرت زدہ اور بھونچکا ہو گیا مگر ایسے بے انصاف راہ راست پر نہیں آتے ۔ (حقانی ۸ ، ۹ / ۲ ، مظہری ۳۶۵ / ۱) ۔

مُردوں کو زندہ کرنا

۲۵۹ ۔ اَوْكَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ج قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ج فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ط قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ط قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ج وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ط فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ٥

یا تو نے اس شخص کو نہ دیکھا جو ایک ایسی بستی پر سے گزرا جو چھتوں سمیت گری پڑی تھی ۔ اس نے (دیکھکر) کہا کہ اس ویرانی کے بعد اللہ تعالیٰ اس (بستی) کو کیسے آباد کرے گا ۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس کو سو برس تک مُردہ رکھا پھر اس کو زندہ کر کے پوچھا کہ تو کتنی دیر (اس حالت میں) رہا ۔ اس نے

جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم رہاہوں گا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تو (اس حالت میں) سو برس رہا ہے ۔ اب اپنے کھانے اور پینے کی چیز کو دیکھ ابھی تک سڑی بسی نہیں اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ (کہ بالکل گل سڑ گیا) اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لئے نمونہ بنائیں اور تو (گدھے کی) ہڈیوں کو بھی دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح جوڑتے ہیں ۔ پھر (کس طرح) ان کو گوشت پہناتے ہیں ۔ پھر جب اس پر تمام کیفیت کھل گئی تو بول اٹھا مجھے معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

خَاوِيَةٌ: گری ہوئی ۔ خالی ۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل ۔

عُرُوْشِهَا: اس کی چھتیں ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد عَرْشٌ ہے ۔

لَبِثْتَ: تو رہا ۔ تو ٹھہرا ۔ لَبْثٌ سے ماضی ۔

يَتَسَنَّهْ: وہ سڑا جاتا ہے ۔ وہ خراب ہو جاتا ہے ۔ تَسَنُّنٌ سے مضارع ۔

عِظَامِ: ہڈیاں ، واحد عَظْمٌ ۔

نُنْشِزُهَا: ہم اس کو جوڑ دیتے ہیں ۔ ہم اس کو چڑھا دیتے ہیں ۔ اِنْشَازٌ سے مضارع

نَكْسُوهَا: ہم اس کو پہنا دیتے ہیں ۔ كَسْوٌ وكِسْوَةٌ سے مضارع ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ایک اور واقعہ بیان فرمایا ہے کہ بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ہزاروں بنی اسرائیلیوں کو قتل کر کے یروشلم شہر کو جلا کر برباد کر دیا اور بیت المقدس کو جلا کر خاک کر دیا اور ستر ہزار یہودیوں کو گرفتار کر کے ساتھ لے گیا مگر حضرت ارمیاہ علیہ السلام یہیں رہے ۔ ایک مرتبہ وہ اس شہر کے پاس سے گزرے ۔ اس کی حالت اور ملک و قوم کی بربادی دیکھ کر حسرت کے طور پر کہنے لگے کہ اب اللہ تعالیٰ اس شہر کو کیسے آباد کرے گا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی قدرت کاملہ کا تماشہ دکھایا ۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے اپنی سواری کا گدھا زیتون کے درخت سے باندھ دیا اور انگور کے شیرے کا برتن اور روٹیوں کا تھیلہ درخت سے لٹکا کر سو گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے نیند میں ان کی روح قبض کر لی یہاں تک کہ ان پر سو برس کا عرصہ گزر گیا ۔ اس عرصہ میں بابل کا بادشاہ بخت نصر مر گیا اور ایران کے بادشاہوں

کا دور دورہ ہو گیا ۔ ایران کے بادشاہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ اپنے ملک میں جاکر بیت المقدس اور شہر کو آباد کریں ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ملک شام جاکر بیت المقدس اور شہر کو از سر نو آباد کرنا شروع کردیا ۔

جب بیت المقدس از سر نو تعمیر ہو گیا اور یروشلم شہر آباد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ارمیاہ کو زندہ کر دیا اور ان سے پوچھا کہ تم کتنی دیر تک پڑے رہے ۔ وہ صبح کے وقت سوئے تھے اور عصر کے وقت زندہ ہوئے تھے اس لئے انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک دن یا اس سے کچھ کم پڑا رہا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ تو سو برس تک مُردہ پڑا رہا ہے ۔ اپنے گدھے کو دیکھ ۔ انہوں نے گدھے کو دیکھا تو اس کی سفید ہڈیاں پڑی ہوئی تھی اور کھانے پینے کو دیکھا تو سو سال گزرنے کے باوجود ویسا ہی تھا نہ سڑا نہ خراب ہوا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے گدھے کو زندہ کر دیا ۔ پھر انہوں نے شہر میں آکر بیت المقدس اور شہر کو آباد دیکھ کر کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور وہ مُردے کو بھی زندہ کر سکتا ہے ۔ پس حشر کے روز مرنے کے بعد تمام مخلوق کو زندہ کر کے حساب لینا بھی اس کی قدرت میں ہے ۔ (حقانی ۱۰ / ۲ ، مظہری ۱/۳۶۷) ۔

۲۶۰ ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۠

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو بھی یاد کرو) جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب مجھے بھی تو دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یقین نہیں آتا (حضرت ابراہیم نے کہا کیوں نہیں ۔ لیکن میں اپنے دل کا اطمینان چاہتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا تم چار پرندے لے لو پھر ان کو اپنے ساتھ ہلا لو (مانوس کر لو) ۔ پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا ، ہر پہاڑ پر رکھ دو ۔ پھر ان کو (اپنے پاس) بلاؤ تو وہ سب تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

صُرْهُنَّ : تو ان کو مانوس کر لے ۔ تو ان کو ہلالے ۔ صَوْرٌ سے امر ۔

سَعْيًا : دوڑتے ہوئے ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرا دیجئے کہ آپ مُردوں کو کس طرح زندہ کریں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا آپ کو ہماری قدرتِ کاملہ پر یقین نہیں ۔ حضرت ابراہیم نے عرض کیا یقین کیسے نہ ہو ۔ آپ کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر تو ہر لحظ اور ہر آن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اور غور و فکر کرنے والا تو خود اپنی ذات اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ مگر انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی یقینی ہو اس کے بارے میں اس کے خیالات منتشر رہتے ہیں ۔ کہ یہ کیسے اور کس طرح ہو گیا ؟ یہ ذہنی انتشار سکونِ قلب میں خلل ڈالتا رہتا ہے ۔ اس لئے مشاہدہ کی درخواست کی ۔

اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول فرما کر آپ کو حکم دیا کہ چار پرندے اپنے پاس جمع کر لیں اور ان کو کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ کر اپنے ساتھ مانوس کر لیں ۔ جب وہ پوری طرح آپ سے مانوس ہو جائیں اور آپ کے بلانے سے آپ کے پاس آ جایا کریں اور آپ کو ان کی پوری طرح شناخت ہو جائے تو ان چاروں کو ذبح کر کے ہڈیوں سمیت ان کا خوب قیمہ سا کر لیں ۔ پھر اس قیمہ کے کئی حصہ کر کے مختلف پہاڑوں پر ایک ایک حصہ رکھدیں اور آواز دیکر ان کو اپنے پاس بلائیں ۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے زندہ ہو کر یہ پرندے دوڑتے ہوئے آپ کے پاس آ جائیں گے ۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے چار پرندے لیکر پہلے ان کو اپنے ساتھ ہلایا (مانوس کیا) پھر ان کا قیمہ کر کے اس کا تھوڑا تھوڑا حصہ مختلف پہاڑوں پر رکھ دیا اور ان کو اپنے پاس بلایا ۔ پس فوراً ہی ہر پرندے کے خون کا ہر قطرہ دوسرے قطرہ سے ، ہر پَر دوسرے پَر سے اور ہر ہڈی اور ٹکڑا دوسری ہڈی اور ٹکڑے سے ملنے لگا اور حضرت ابراہیم کی نظروں کے سامنے ہر جسم بغیر سر کے پورا بن گیا ۔ پھر ہر جسم اپنے اپنے سر کی طرف آکر اپنے سر سے جڑ گیا اور بحکم خداوندی پرندہ بن گیا ۔ (معارف القرآن ۶۲۲ / ۱ ، مظہری ۳۷۲ ، ۳۷۳ / ۱) ۔

انفاق فی سبیل اللہ کی مثال

۲۶۱ ، ۲۶۳ ۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِىْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ۔

جو لوگ اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے ۔ جو لوگ اپنے اموال اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں ، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں ، انہیں کے لئے ان کے رب کے پاس ان کے اعمال کا بدلہ ہے ۔ اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔ اچھی بات کہنا اور در گزر کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد (سائل کو) ایذا دی جائے ۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز برد بار ہے ۔

سَنَابِلَ : بالیں ۔ خوشے ۔ واحد سُنْبُلٌ ۔

يُضٰعِفُ : وہ دو گنا کرتا ہے ۔ وہ بڑھاتا ہے ۔ مُضَاعَفَۃٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول : حضرت عبد الرحمٰن بن سمرہ سے مروی ہے کہ جنگِ تبوک کے موقع پر حضرت عثمان نے ایک ہزار دینار لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈالدئے ۔ میں نے خود دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (انتہائی مسرت کے ساتھ ان میں اپنا دست مبارک ڈالتے اور ان کو الٹ پلٹ کرتے اور فرماتے جاتے تھے کہ آج کے بعد (حضرت) عثمان جو عمل بھی کرے اس کو (کسی عمل سے) ضرر نہیں ہوگا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ نازل فرمائی ۔ (معارف القرآن ۶۳۱ / ۱ ، مظہری ۳۷۴ / ۱) ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں آخرت کے لئے ساز و سامان تیار کرنے کی

ترغیب دی ہے کہ تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروگے وہ ضائع نہیں ہوگا بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی یہاں زمین میں گندم کا ایک دانہ ڈالے ، اس سے کوئی پودا اگے اور اس میں سات بالیں پیدا ہو جائیں اور پھر ہر بال میں سو دانے ہوں اس طرح ایک دانہ زمین میں کاشت کرنے سے سات سو دانے حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ اس کو پانی دیا جائے اور آفات سے بچایا جائے ۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو عالم مثال کی زمین میں ڈالدیتا ہے جس میں سے اس کا ایسا پودا اگتا ہے جس سے ایک دانے کے بدلے سات سو دانے حاصل ہوتے ہیں بشرطیکہ اس کو ایمان اور خلوص کا پانی دیا جائے اور احسان جتانے اور سائل کو ایذا دینے کی بلاؤں سے بچایا جائے ۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب ایک سے لیکر سات سو گنا تک پہنچتا ہے ۔ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جہاد اور حج میں ایک درہم خرچ کرنے کا ثواب سات سو درہم کے برابر ہے ۔

خیرات میں دکھاوے کی ممانعت

۲۶۴ ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًاؕ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَیْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْاؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ۝

اے ایمان والو ! تم اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ایذا دیکر اس شخص کی طرح برباد مت کرو جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور نہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر ۔ سو اس کی (خیرات کی) مثال ایک چکنے پتھر کی سی ہے جس پر کچھ مٹی پڑی ہو ۔ پھر اس پر زور کی بارش ہو جائے اور اس کو بالکل صاف کر دے ۔ ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہیں لگے گی اور اللہ تعالیٰ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا ۔

تُبْطِلُوْا : تم باطل کرو ، تم ضائع کرو ۔ اِبْطَالٌ سے مضارع ۔

صَفْوَانٍ : چکنا اور صاف پتھر ۔ ہموار ۔

وَابِلٌ: موسلادھار بارش ۔

صَلْدًا: صاف سپاٹ اور سخت پتھر جس پر کچھ نہ اُگے ۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں خیرات دیکر احسان جتانے اور فقیر کو بد زبانی یا طعن و تشنیع کے ذریعہ ایذا دینے سے منع فرمایا تھا ۔ ان آیات میں خیرات کا اجر ضائع ہونے کو ایک مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے کہ جو لوگ (منافق) اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ، ان کو آخرت کے اجر کا یقین نہیں بلکہ وہ محض نام و نمود کی خاطر مال خرچ کرتے ہیں ۔ پس تم ایسا نہ کرو ۔ اگر تم بھی نام و نمود کیلئے خرچ کروگے تو جس طرح خیرات کے ثمر کواحسان جتانا اور ایذا دینا برباد کر دیتا ہے اسی طرح ایمان نہ لانا اور ریاکاری کرنا بھی برباد کر دیتا ہے ۔ پھر ایک مثال کے ذریعہ منافقوں کا حال بیان کیا کہ ان کی حالت پتھر کی ایک چکنی چٹان جیسی ہے ۔ جس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہے ۔ پھر اس پر زور کی بارش ہو جائے اور اس کو صاف کر کے چھوڑ دے ۔ جو کچھ انہوں نے دنیا میں کمایا تھا وہ سب ضائع ہوا ۔ آخرت میں اس کو اس سے کچھ نفع حاصل نہیں ہوگا ۔ اور اللہ تعالیٰ ناشکری اور کفران نعمت کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی صدقہ نیک کام سے افضل نہیں صحیح مسلم میں حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کی تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا ، نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے درد ناک عذاب ہیں ۔ ایک تو دے کر احسان جتانے والا ۔ دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکانے والا ۔ تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا ۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ماں باپ کا نافرمان ، خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا ۔ شرابی ۔ اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا ۔ نسائی میں ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تین شخصوں کی طرف دیکھے گا بھی نہیں ۔ ماں باپ کا نافرمان ، شراب کا عادی ۔ اور دے کر احسان جتانے والا ۔ (ابن کثیر ۳۱۸ / ۹۱) ۔

مومنوں کی خیرات کی مثال

۲۶۵ ۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ

أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ج فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔

اور جو لوگ اپنی نیت ثابت رکھ کر اپنا مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک ایسے باغ جیسی ہے جو کسی ٹیلہ پر ہو اور اس پر زور کی بارش ہوئی ہو تو اس میں دوگنا پھل آئے ۔ پھر اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی ہو تو اس کو شبنم ہی کافی ہے ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے ۔

تَثْبِيْتًا : ثابت کرنا ۔ برقرار رکھنا مصدر ہے ۔

بِرَبْوَةٍ : بلندی پر ، ٹیلے پر ۔
طَلٌّ : شبنم ۔ اوس ۔ پھوار ۔

تشریح : جو مومن اور مخلص لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خلوص دل سے اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس باغ جیسی ہے جو نرم اور عمدہ زمین پر لگایا گیا ہو اور اس کے درخت نہایت حسین اور صاف ستھرے ہوں ۔ جب اس پر زور کی بارش ہوتی ہے تو وہ دو گنا پھل دیتا ہے ۔ اگر اس پر بارش نہ بھی ہو یا کم بارش ہو تب بھی وہ پھل ضرور دیتا ہے ۔ اس کی زمین ایسی عمدہ ہے کہ بارش نہ ہونے کی صورت میں اس کے لئے شبنم ہی کافی ہو جاتی ہے ۔ یعنی آخرت کے اجر و ثواب کے علاوہ دنیا میں بھی اس کو کچھ نہ کچھ نفع ضرور حاصل ہو جاتا ہے پس مومنوں کے اعمال کبھی بے اجر نہیں رہتے ، ان کا بدلہ ضرور ملتا ہے ۔ البتہ اس بدلہ میں فرق ہوتا ہے جو ہر ایماندار کے اخلاص اور نیک کام کی اہمیت کے اعتبار سے بڑھتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ پر اپنے بندوں میں سے کسی بندہ کا کوئی عمل مخفی نہیں ۔

خیرات میں ریاکاری کی مثال

۲۶۶ ۔ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ صلے فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ط كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۔

کیا تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی ایسا باغ ہو جس میں نہریں بہتی ہوں ۔ اس میں اس کے لئے ہر قسم کے میوے بھی ہوں اور اس شخص کو بڑھاپا آ گیا ہو اور اس کے چھوٹے چھوٹے بال بچے بھی ہوں ۔ پھر اس باغ پر ایسا بگولہ آیا جس میں آگ تھی اور وہ جل بھُن گیا ۔ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے احکام اسی طرح کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو ۔

یَوَدُّ وہ چاہتا ہے ۔ وہ پسند کرتا ہے ۔ وہ خواہش کرتا ہے مَوَدَّۃٌ سے مضارع ۔

نَّخِیْلٍ کھجور کے درخت ۔

اَعْنَابٍ انگور ۔ واحد عنب ۔

اِعْصَارٌ : بگولا ۔ جمع اَعَاصِیْرُ و اَعَاصِرُ ۔

فَاحْتَرَقَتْ : پس وہ جل گئی ۔ پس وہ بھڑک اٹھی ۔ احتراق سے ماضی ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مثال بیان فرمائی ہے کہ جو شخص خیرات و صدقہ خلوص نیت سے نہیں دیتا یا دے کر احسان جتا تا ہے اور سائل کو طعن و تشنیع کے ذریعہ تکلیف دیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے پاس ایک نہایت عمدہ باغ ہو جس میں خصوصیت کے ساتھ ، کھجور اور انگور کے درخت ہوں اور ان کے علاوہ دوسرے پھلوں کے درخت بھی ہوں ۔ اور اس کا مالک ایک بوڑھا آدمی ہو ۔ اس باغ کی آمدنی کے علاوہ اس کا کوئی اور ذریعہ آمدنی نہ ہو اور وہ کسب معاش پر قادر ہو اور اس شخص کے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں ۔ پھر اس باغ پر کوئی افتاد آ پڑے جو اس کو جلا کر نیست و نابود کر دے تو اس شخص کو کس قدر صدمہ ہوگا اور اس پر کیسی بے بسی اور حیرت و حسرت طاری ہوگی ۔ اسی طرح کوئی شخص بھی یہ بات پسند نہیں کرے گا کہ قیامت کے دن جب اس کو نیکیوں کی سخت ضرورت ہوگی تو اس کی تمام نیکیاں اکارت جائیں اور وہ آخرت میں ناکام و نامراد رہے ۔ (حقانی ۱۵/ ۲ ، مظہری ۳۷۸ / ۱) ۔

حلال و طیب چیز خیرات کرنا

۲۶۷ ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَاکَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۔

اے ایمان والو ! اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزیں اور وہ چیزیں جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے اگائی ہیں خرچ کرو اور ایسی بُری چیز کے دینے کا تو ارادہ بھی نہ کرو جس کو تم خود بھی چشم پوشی کئے بغیر نہ لو (اگر کوئی تمہیں دے) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور تعریف کے لائق ہے ۔

تَيَمَّمُوْا: تم ارادہ کرو ۔ تَيَمُّمٌ سے امر ۔

تُغْمِضُوْا: تم چشم پوشی کرو ۔ اِغْمَاضٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول: حضرت براءؓ بن عازب فرماتے ہیں کہ کھجوروں کے موسم میں انصار اپنی اپنی وسعت کے مطابق کھجوروں کے خوشے لا کر دو ستونوں کے درمیان جو ایک رسی لٹک رہی تھی اس میں لٹکا دیتے تھے ۔ اصحاب صفہ اور مسکین مہاجر بھوک کے وقت ان میں سے لیکر کھا لیتے ۔ کسی نے جسے صدقہ کی کم رغبت تھی اس میں ردی کھجوروں کا ایک خوشہ لٹکا دیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اس کے بعد ہم میں سے ہر شخص بہتر سے بہتر چیز لاتا تھا ۔ (ابن کثیر ۳۲۰ / ۱) ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے بارے میں بتایا کہ جو صدقہ و خیرات میں دینی چاہئیں اور فرمایا کہ صدقہ و خیرات میں نہایت عمدہ ، مرغوب اور پسندیدہ چیزیں دینی چاہئیں اور جو کچھ اناج اور میوے وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو ۔ اور ایسی چیزیں دینے کا تو قصد بھی نہ کرو جو دل سے اتری ہوئی ہوں اور جن کو تم خود بھی آپس میں خوشی سے نہیں لیتے ۔ پس جو چیز تم نے حلال اور جائز طریقے سے حاصل کی ہے اسی کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو کیونکہ اللہ تعالیٰ بھی حلال و جائز کمائی میں سے دی ہوئی خیرات کو قبول کرتا ہے ۔ حرام اور ناجائز کمائی کی خیرات کو قبول نہیں کرتا اور جو کچھ اناج ، میوے وغیرہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں ان میں سے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں دو ۔

خیرِ کثیر

۲۶۸، ۲۶۹ ۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلاً ۔ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۔ یُّؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ۔ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔

شیطان تمہیں تنگ دستی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے اپنی بخشش اور فراخی کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ وسعت والا خبردار ہے ۔ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا فرماتا ہے اور جس کو دانائی دی گئی پس اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی ۔ اور (یہ بات) عقل مند لوگ ہی سمجھتے ہیں ۔

تشریح : شیطان صدقہ و خیرات کرنے پر تنگدستی اور افلاس ہی سے نہیں ڈراتا بلکہ وہ تمہیں فحش کاموں کا بھی حکم دیتا ہے مثلاً سائلوں کو گالیاں دینا ، نیک کاموں کی مذمت کرنا ، نمود و نمائش اور ریاکاری کے کاموں میں روپیہ اڑانا ، شراب خوری ، زنا کاری ، قمار بازی وغیرہ میں بے دریغ روپیہ اٹھانا ۔ یہ سب شیطانی کام ہیں ۔ تعجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے سے تو افلاس سے ڈرتے ہو اور ان تمام شیطانی کاموں میں بے دریغ خرچ کرنے سے تمہیں افلاس کا کوئی خوف نہیں ۔ حالانکہ شیطانی کاموں ہی میں صَرف کرنے سے افلاس آتا ہے ۔ نیک کاموں میں صَرف کرنے والا کوئی شخص مفلس و محتاج نہیں دیکھا گیا بلکہ اس کو فراخدست ہی دیکھا گیا ہے ۔ ایماندار لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ و خیرات دیکر اس کے فضل و مغفرت اور فراخ دستی و خیر و برکت کی امید رکھتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی وسعت و علم والا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے حکمت و دانائی عطا فرماتا ہے اور جس کو حکمت و دانائی دی گئی اس کو سب کچھ دیا گیا ۔ (حقانی ۱۶، ۱۷ / ۲) ۔

خیرات نہ کرنے کا انجام

۲۷۰ ۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَۃٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

اور تم جو کچھ بھی خیرات کرتے ہو یا کوئی نذر ماننے ہو تو بیشک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے ۔ اور ظالموں کا تو کوئی بھی مدد گار نہیں ۔

تشریح : اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو ، کم یا زیادہ ، سب کے سامنے یا چھپا کر ، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں یا باطل راستہ میں یا تمہارا نذر ماننا یعنی اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا کام جو تم اپنے اوپر واجب کر لیتے ہو خواہ وہ عبادت ہو یا مال کا صرفہ ، بلا شبہ اللہ تعالیٰ ان سب سے پوری طرح باخبر ہے اور وہ اپنے بندوں کو جو اس سے ثواب کی امید رکھتے ہیں ، اس کا حکم بجالاتے ہیں ، اس کے فرمان پر ایمان رکھتے ہیں ، اس کے وعدوں کو سچا جانتے ہیں ، بہترین بدلہ عطا فرمائے گا ۔ اور جو لوگ بے جا حرکتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ، اپنی نذروں کو پورا نہیں کرتے یا دکھاوے اور ریاکاری کے لئے خرچ کرتے ہیں یا گناہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دفع کرنے میں ان کا کوئی بھی مدد گار نہیں ۔

خفیہ خیرات کی فضیلت

۲۷۱ ۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو بھی اچھا ہے اور اگر اس کو چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ (چھپانا) تمہارے لئے (زیادہ) بہتر ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ (اس کی برکت سے) تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب سے باخبر ہے ۔

تُبْدُوْا : تم ظاہر کرتے ہو ۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع ۔

نِعِمَّا : وہ کیا ہی اچھا ہے ۔

تشریح ۔ اگر تم لوگوں کو دکھا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو بشرطیکہ یہ دکھاوے کے لئے نہ ہو تو تمہارا یہ عمل اچھا ہے اور اگر تم ضرورت مندوں کی مدد دوسروں سے

چھپا کر کرو تو تمہارا یہ فعل سب کے سامنے دینے سے بہتر اور افضل ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور وہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے اس لئے تمہاری پوشیدہ خیرات ضائع نہیں ہوگی ۔

حضرت ابو امامہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھپا کر خیرات کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب (کی آگ) کو بجھا دیتا ہے اور عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر بڑھا دیتا ہے ۔

حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں ۔

(۱) جو رات کو اٹھ کر کتاب اللہ (قرآن) کی تلاوت کرتا ہے ۔

(۲) جو دائیں ہاتھ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور بائیں ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی ۔

(۳) جو کسی جہادی دستہ میں ہو ، اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے ہوں مگر وہ دشمن کے مقابل ثابت قدم رہے ۔ (مظہری ۳۸۹ / ۱) ۔

خیرات کا پورا پورا اجر

۲۷۲ - لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو راہ راست پر لانا آپ کے ذمہ نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے ۔ اور تم جو کچھ بھی خیرات کرتے ہو تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرتے ہو اور تم تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرتے ہو ۔ اور تم جو کچھ خیرات کرو گے وہ تمہیں پوری پوری ملے گی (یعنی اس کا ثواب) اور تمہارا حق نہیں مارا جائے گا ۔

شانِ نزول : نسائی ، طبرانی ، بزار اور حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ لوگ اپنے مشرک رشتہ داروں کو کچھ دینا پسند نہیں کرتے تھے ۔ انہوں نے یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی تو آپ نے (مشرک رشتہ داروں کو دینے کی) اجازت دیدی ، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۳۹۰ / ۱) ۔

کلبی نے اس کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ یہودیوں سے مسلمانوں کی کچھ سسرالی رشتہ داریاں تھیں ۔ اسلام سے پہلے یہ لوگ یہودیوں کی مدد کرتے تھے ۔ مسلمان ہونے کے بعد ان لوگوں نے یہودیوں کی مدد کرنا مناسب نہ سمجھا اور (ان کی مدد سے ہاتھ روک لیا) مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمان ہو جائیں ۔ (مظہری ۳۹۰ / ۱) ۔

تشریح : اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم خالص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اس کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا فائدہ تمہیں کو حاصل ہوگا ۔ اس لئے کسی فقیر پر اپنی خیرات کا احسان رکھنا یا اس کو نا پاک مال دینا ، ریاکاری اور دکھاوے کے لئے خیرات کرنا ، یہ سب نا جائز اور مال کی بربادی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس قدر مال بھی خرچ کیا جائیگا اس کا پورا پورا نعم البدل دیا جائیگا ۔ ظاہر ہے جس چیز کا بدل لے لیا جائے اس کا احسان نہیں ہوتا مثلاً فروخت کرنے والا جب اپنی چیز کی قیمت لے لیتا ہے تو خرید ار پر اس کا احسان نہیں ہوتا ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کئے ہوئے مال کا تو کئی گنا معاوضہ ملے گا ، پھر خیرات کرنے والے کا فقیر پر کیا احسان ۔

اس آیت میں جس صدقہ کا بیان ہے اس سے مراد نفلی صدقہ ہے ، فرض صدقہ (زکوٰۃ عشر وغیرہ) نہیں ۔

۱) فرض صدقہ (زکوٰۃ، عشر وغیرہ) مسلمان کے علاوہ کسی اور کو دینا جائز نہیں ۔
۲) نفلی صدقہ ذمی (غیر حربی) کافر کو بھی دینا جائز ہے ۔
۳) حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں ۔ (مظہری ۳۹۰ ، ۱/۳۹۱) ۔

خیرات کے مستحق

۲۷۳ ۔ لِلْفُقَرَاۤءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِى الْاَرْضِ ز يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۤءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ط

(خیرات تو) ان فقیروں کا حق ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں گھر گئے ہوں ، وہ ملک میں کہیں جا بھی نہیں سکتے ۔ ان کے سوال نہ کرنے کے سبب نا واقف

ان کو مالدار خیال کرتا ہے ۔ تم ان کو صورت (شکل) سے بھی پہچان سکتے ہو وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے ۔ اور تم جو کچھ بھی کام کی چیز خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے ۔

اُحْصِرُوْا : وہ محاصرہ کئے گئے ۔ وہ روکے گئے ۔ اِحْصَارٌ سے ماضی مجہول ۔

ضَرْبًا : مارنا ۔ مثل بیان کرنا ۔ چلنا ۔ مصدر ہے ۔

التَّعَفُّفِ : پرہیزگاری ۔ سوال نہ کرنا ۔ مصدر ہے ۔

بِسِيْمٰهُمْ : ان کے حلیئے سے ، ان کے چہرے سے ۔ کسی چیز کی وہ خصوصی علامت جس سے وہ چیز پہچان لی جاتی ہے ۔

اِلْحَافًا : لپٹ کر ۔ اصرار کرنا ۔ سائل کا مسئول سے لپٹ جانا اور لئے بغیر نہ چھوڑنا مصدر ہے ۔

تشریح : اس آیت میں فقراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو دینی مشغولیت یعنی ظاہری و باطنی علوم کے حصول یا جہاد میں مصروف رہنے کی وجہ سے روزی کمانے کے لئے کوئی دوسرا کام نہیں کرسکتے ۔ یہ لوگ عموماً کسی سے سوال نہیں کرتے اگر کرتے بھی ہیں تو لپٹتے اور چمٹتے نہیں ۔ اسی لئے ناواقف لوگ ان کو غنی جانتے ہیں حالانکہ ان کے چہروں کی زردی ، لباس کی بوسیدگی ان کی محتاجی کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے اور تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اس لئے اس کا ثواب ضائع نہ ہوگا ۔ لہٰذا تم بلا تردّد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو ۔ (مظہری ۳۹۱ ، ۱ / ۳۹۲) ۔

خیرات کا اجر

۲۷۴ ۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔

جو لوگ دن رات اپنے اموال اللہ تعالیٰ کی راہ میں چھپا کر یا ظاہر کر کے خرچ کرتے ہیں ، تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس موجود ہے اور نہ ان کو کچھ

خوف ہوگا اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے ۔

شانِ نزول : ابن منذر نے سعید بن مُسیّب کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت عثمانؓ بن عفان کے متعلق ہوا ۔ ان دونوں نے جَیشِ عُسرت کے لئے خرچ دیا تھا ۔ (حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بہت سا مال اور حضرت عثمانؓ نے ساز و سامان سے لدے ہوئے تین سو اونٹ اور ایک ہزار اشرفی نقد دی) ۔

روح المعانی میں ابن عساکر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے چالیس ہزار دینار اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس طرح خرچ کئے کہ دس ہزار دن میں ، دس ہزار رات میں ، دس ہزار خفیہ اور دس ہزار علانیہ ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح : اس آیت میں ان لوگوں کے اجرِ عظیم اور فضیلت کا بیان ہے جو ہر وقت اور ہر حال میں ، دن رات ، خفیہ اور علانیہ ہر طرح اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہ رنج ہوگا اور نہ کسی قسم کا خوف ۔ اگر کسی مصلحت کے تحت علانیہ طور پر خرچ کرنا ضروری ہو تو اس وقت علانیہ طور پر خرچ کرنا ہی افضل ہے ۔ (معارف القرآن ۶۴۳/ ۱ ، مظہری ۳۹۳ / ۱) ۔

سُود خوری کا انجام

۲۷۵ ۔ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؕ

جو لوگ سود کھاتے ہیں (قیامت کے روز) وہ اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کے حواس شیطان نے لپٹ کر کھودئے ہوں (یعنی حیران و مدہوش) یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ تجارت بھی تو سود کی مانند ہے ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو تو حلال اور سود کو حرام کر دیا ہے ۔ پھر جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچ جائے اور وہ باز آجائے تو جو کچھ وہ لے چکا

وہ اسی کا ہو گیا اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے ۔ اور جو کوئی پھر
بھی سود لے تو وہ لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

الرِّبٰوا: سود ، بڑھنا ، بلند ہونا ۔

یَتَخَبَّطُهُ: وہ اس کو خبطی بناتا ہے ۔ وہ اس کو دیوانہ بناتا ہے ۔ تَخَبُّطٌ سے مضارع ۔

سَلَفَ: وہ گزر گیا ۔ وہ ہو چکا ۔ سَلْفٌ سے ماضی ۔

تشریح: قرآنِ کریم میں سود کی حُرمت میں دس آیتیں ہیں جن میں سے سات سورۂ بقرہ میں ، ایک سورۂ اٰل عمران میں اور دو سورۂ نساء میں آئی ہیں ۔

اس آیت کے پہلے جملے میں سود خوروں کے بد انجام اور حشر میں ان کی رسوائی و گمراہی کا بیان ہے کہ جو شخص سود کھاتا ہے وہ قیامت کے روز اس پاگل اور مجنون کی طرح قبر سے اٹھے گا جس کو کسی شیطان جن نے خبطی بنا دیا ہو ۔ اس کے دوسرے جملے میں سود خوروں کی اس سزا کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ان لوگوں نے دو جرم کئے ۔ ایک تو سود کے ذریعہ حرام مال کھایا ۔ دوسرے اس کو حلال سمجھا اور جو لوگ سود کو حرام کہتے ہیں ان کے جواب میں سود کو خرید و فروخت کی مانند قرار دیا ۔ اور کہا کہ جس طرح بیع و شراء کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے اسی طرح سود کے ذریعہ نفع حاصل کیا جاتا ہے ۔ اگر سود حرام ہے تو خرید و فروخت بھی حرام ہونی چاہئے ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیع کو سود کی مثل قرار دینے والوں کو جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بیع کو تو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے ۔ پھر دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے نفع و نقصان سے پوری طرح باخبر ہے ۔ اس لئے اس نے جس چیز کو حرام کیا ہے اس میں ضرور کوئی نقصان اور خباثت ہے ۔ اس کے بعد تیسرے جملے میں ارشاد فرمایا ہے کہ سود حرام ہونے سے پہلے اگر کسی شخص نے کچھ رقم جمع کر لی تھی اور سود حرام قرار دئے جانے کے بعد اس نے آئندہ کے لئے توبہ کر لی تو وہ جمع شدہ رقم اسی کی ہوگی ۔ اگر اس نے دل سے توبہ کی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اس کے لئے فائدہ مند ہو گی ورنہ کالعدم ہے ۔ اس کے بارے میں عام لوگوں کو بد گمانی کی ضرورت نہیں اور جو لوگ سود کی حرمت کا حکم پہنچنے کے بعد بھی سود خوری کی طرف یا سود کو بیع کی طرح قرار دینے کی طرف لوٹیں گے وہ گنہگار اور دوزخی ہیں اور چونکہ ان کا یہ کہنا کفر

ہے کہ سود بیع کی مانند حلال ہے، اس لئے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ (معارف القرآن ۶۴۷ ۔ ۶۴۹ / ۱، مظہری ۳۹۴ ۔ ۴۰۸ / ۱) ۔

سود اور صدقہ میں فرق

۲۷۶۔ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرْبِی الصَّدَقٰتِ ۔ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیْمٍ ۔

اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر کافر گناہ گار سے ناخوش ہے ۔

یَمْحَقُ: وہ مٹاتا ہے ۔ وہ گھٹاتا ہے ۔ مَحْقٌ سے مضارع ۔

یُرْبِی: وہ زیادہ کرتا ہے ۔ وہ بڑھاتا ہے ۔ اِرْبَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح: سود اور صدقہ کی حقیقت اور ان کے نتائج میں تضاد ہے ۔ اس کے علاوہ عموماً دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض بھی متضاد ہوتی ہے ۔ صدقہ دینے والا تو کسی معاوضہ کے بغیر اپنا مال دوسرے کو دیتا ہے جبکہ سود میں کسی معاوضہ کے بغیر دوسرے کا مال لیا جاتا ہے ۔ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنا مال صدقہ کرتا ہے جبکہ سود لینے والا اپنے مال پر ناجائز زیادتی کرتا ہے ۔ دونوں کا متضاد ہونا اس آیت سے بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سود سے حاصل شدہ مال یا اس کی برکت کو مٹا دیتا ہے ۔ اور صدقہ کرنے والے کے مال یا اس کی برکت کو بڑھا دیتا ہے عام مفسرین کی رائے میں سود کا مٹانا اور صدقہ کا بڑھانا آخرت کے لئے تو ہے ہی مگر اس کے کچھ آثار دنیا میں بھی مشاہدہ میں آ جاتے ہیں ۔ پس سود جس مال میں شامل ہو جائے وہ مال خود بھی ہلاک و برباد ہوتا ہے اور اپنے ساتھ اچھے مال کو بھی لیجاتا ہے جیسا کہ سٹہ اور سود بازاروں میں عموماً ہوتا ہے کہ کل تو ایک شخص کروڑ پتی تھا اور آج ایک ایک پیسہ کا محتاج ہے ۔ (معارف القرآن ۱/۶۵۰) ۔

مومنین کا اجر

۲۷۷ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے تو ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

تشریح : اس آیت میں ان لوگوں کے اجر عظیم اور آخرت کی راحت کا ذکر ہے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد نیک عمل کئے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے ۔ ان کو نہ تو آئندہ کا کوئی خوف ہوگا اور نہ گزشتہ کا کسی قسم کا غم ۔

حرمتِ سود کے احکام

۲۷۸ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ؕ

اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جو کچھ سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو ۔ اگر تم (سچے) مومن ہو ۔

شانِ نزول : ابن مندہ اور ابو یعلی نے کلبی کے حوالہ اور ابو صالح کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ اسلام سے پہلے عمرو بن عوف ثقفی کے قبیلہ والے مغیرہ بن عبداللہ بن عمیر بن مخزوم کے خاندان کو سودی قرض دیا کرتے تھے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن تمام سود کو ساقط کردیا تو بنو عمرو اور بنی مغیرہ حضرت عتاب بن اسید کے پاس آئے جو مکہ کے والی تھے ۔ بنی مغیرہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے لئے سود ساقط فرمایا تو یقیناً ہم ایسے بد نصیب نہیں کہ ہم پر سود قائم رہے ۔ بنی عمرو بولے کہ ہم سے تو اس شرط پر مصالحت ہوئی ہے کہ ہمارا سود جو لوگوں کے ذمہ ہے وہ قائم رہے گا ۔ حضرت عتاب نے یہ واقعہ لکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوایا ۔ اس پر یہ اور اس سے آگے والی آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری) ۔

علامہ بغوی نے عکرمہ اور عطاء کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب اور حضرت عثمانؓ بن عفان نے کچھ کھجوریں بطور (بیع) سلم کے خریدی تھیں ۔ جب فصل ٹوٹنے کا زمانہ آیا تو کھجور کے مالک نے کہا کہ اگر آپ لوگ اپنا پورا پورا حق لیں گے تو میرے بچوں کے لئے کچھ نہیں بچے گا ۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ

نصف حق تو اسی وقت لے لیا جائے اور باقی نصف کے لئے مدت مقرر کر دیجائے ۔ میں آپ کو دوگنا کر کے دیدوں گا ۔ دونوں اس تجویز پر راضی ہو گئے ۔ جب مقررہ مدت گزر گئی تو دونوں نے (حسب وعدہ) زیادتی کا مطالبہ کیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو آپؐ نے دونوں کو (زیادتی سے) منع فرمایا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ دونوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صرف اپنا اصل مال لے لیا (سود چھوڑ دیا) مظہری ۴۱ / ۱ ۔

تشریح : سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے عرب میں سود کا لین دین عام تھا ۔ جب سود کی ممانعت میں اس سے پہلی آیتیں نازل ہوئیں تو مسلمانوں نے سود کا لین دین ترک کر دیا مگر کچھ لوگوں کی سودی رقم دوسرے لوگوں کے ذمہ واجب لادا تھی ۔ اس لئے پہلے حکم کی روشنی میں (کہ اب سودی لین دین بند کر دو اور جو کچھ اس سے پہلے لے چکے ہو وہ تمہارا ہے ۔) لوگوں کو خیال پیدا ہوا کہ ممانعت سے پہلے کا جو سود قرض دار کے ذمہ ہے وہ بھی ہمارا ہے ، اس کو لے لینا چاہئے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کو رد فرمایا اور حکم دیا کہ اگر تم سچے مومن ہو تو جو کچھ سود قرض دار کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور صرف اپنا اصل مال وصول کرو ۔

سود خوری ترک نہ کرنے پر وعید

۲۷۹ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝

پھر اگر تم باقی سود نہیں چھوڑتے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہیں تمہارے اصل اموال مل جائیں گے ۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے ۔

فَاْذَنُوْا : پس تم خبردار ہو جاؤ ۔ پس تم اعلان سن لو ۔

بِحَرْبٍ : لڑائی ۔ جنگ ۔

رُءُوْسُ : سر ۔ اصل ۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سود کی مخالفت کرنے والوں کو سخت وعید سنائی ہے کہ اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ ۔ قرآنِ کریم میں ایسی وعید کفر کے سوا کسی اور بڑے سے بڑے گناہ پر بھی نہیں آئی ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر تم اس فعلِ بد سے توبہ کر لو اور قرض دار سے سود کی باقی رقم نہ لینے کا عزم کر لو تو سود چھوڑ کر باقی اصل مال تمہارا ہے ۔ نہ تو تم اصل مال سے زائد لیکر کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی اور اصل مال میں کمی یا تاخیر کر کے تم پر ظلم کرے ۔ (معارف القرآن ۶۵۶ / ۱) ۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر سود خور توبہ نہ کرے تو اصل مال بھی اس کا نہیں رہے گا کیونکہ حرام کو حلال قرار دینے پر اصرار کرنے والا مرتد ہے اور اس کا مال مفت کی غنیمت ہے ۔ (بیضاوی ۴۰) ۔

امام شافعی کے نزدیک بھی مرتد کا کل مال مفت کی غنیمت ہے ۔ مگر امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر مرتد کو قتل کر دیا گیا ہو یا وہ بھاگ کر دار الحرب میں چلا گیا ہو تو اس کی زمانہ اسلام کی کمائی تو اس کے مسلمان وارثوں میں تقسیم کر دی جائے گی اور کفر (ارتداد) کے بعد کی کمائی بیت المال میں جمع کر دی جائے گی ۔ (مظہری ۴۱۲ / ۱) ۔

قرض دار کو مہلت دینا

۲۸۰ ۔ وَ اِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ؕ

اور اگر کوئی تنگدست ہو تو اس کو فراخی تک مہلت دینی چاہئے ۔ اور یہ کہ (قرض کا روپیہ) معاف ہی کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے ، اگر تم سمجھو ۔

ذُوْ : والا ۔ صاحب ۔

فَنَظِرَةٌ : پس مہلت دینا ۔ پس ڈھیل دینا ۔

مَيْسَرَةٍ : آسودگی ۔ آسانی ۔ فراخی ۔

شانِ نزول : بغوی نے لکھا ہے کہ بنی مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور فصل توڑنے تک مہلت مانگی مگر قرض خواہوں نے مہلت دینے سے انکار کر دیا ۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح: جب سود حرام قرار دے دیا گیا تو قرض خواہ ، قرض داروں کو قرض کی جلد وصولی کے لئے تنگ کرنے لگے کیونکہ جس نفع کی امید کے تحت وہ ان کو مہلت دیتے تھے وہ تو منقطع ہو گئی ۔ ادھر قرض دار تنگدستی کی وجہ سے فوری طور پر ادائیگی سے قاصر تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حال زار پر رحم کر کے یہ حکم دیا کہ اگر قرض دار تنگ دست ہے اور قرض ادا کرنے کے قابل نہیں تو اس کو اس وقت تک مہلت دینی چاہیئے جب تک وہ قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائے ۔ اور اگر قرض بالکل معاف کر دیا جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں جمع ہو کر تمہیں آخرت میں نفع دے گا ۔ (حقانی ۲۳ / ۲) ۔

حضرت ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں اس کی سختی کو دور کر دے تو اس کو چاہیئے کہ وہ تنگدست کو (قرض کی ادائیگی میں) مہلت دے اور قرض (کے مطالبہ) کو ترک کر دے اور جس شخص کو اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو قعر جہنم سے بچا کر اپنے سایہ میں لے لے اور اس پر اپنا سایہ کر دے تو اس کو چاہیئے کہ مومنوں کے ساتھ درشت خوئی سے پیش نہ آئے بلکہ ان کے لئے نرم دل ہو (حاشیہ مظہری ۴۱۲ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرۃؓ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے پہلے اس شخص پر اللہ تعالیٰ کا سایہ ہو گا جس نے کسی تنگدست کو قرض ادا کرنے میں اس وقت تک مہلت دی ہو جب تک اس کو میسر آئے یا اس نے اپنا مطالبہ بالکل معاف کر دیا ہو اور کہدیا ہو کہ میں تجھے اپنے حق سے اللہ تعالیٰ کے واسطے سبکدوش کرتا ہوں اور اس نے (معافی کے بعد) قرض کی تحریر جلا دی ہو ۔ (مظہری بحوالہ طبرانی ۴۱۲ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تنگ دست کو سہولت دے گا ۔ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کو سہولت دے گا ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۴۱۲ / ۱) ۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس قرض دار کو مہلت

دے گا تو جتنے دن وہ قرض ادا نہ کرسکے اتنے دن تک اس کو ہر روز اتنی رقم کے صدقہ کا ثواب ملے گا جتنی اس قرض دار کے ذمہ واجب ہے اور یہ حساب میعاد پوری ہونے سے پہلے مہلت دینے کا ہے اور جب قرض کی میعاد پوری ہوجائے اور وہ شخص ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اس وقت اگر کوئی مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اس کی دوگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا۔ (ابن کثیر ۳۳۱ / ۱)۔

سخت گیری پر تنبیہہ

۲۸۱ - وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔

اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پھر ہر شخص کو وہ پورا پورا دیا جائے گا جو اس نے کمایا تھا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔

تشریح : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سخت گیر قرض خواہوں کو متنبہ کر دیا ہے کہ تم اس روز سے ڈرو جب تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور جس دن ہر شخص اپنے اعمال کا نتیجہ پائے گا۔ تم پر بھی اللہ تعالیٰ کے بے شمار مطالبات ہیں۔ پھر تم سخت گیری کر کے آخرت کے روز اپنے لئے کس بنا پر رحم کی امید رکھتے ہو (حقانی ۲۳ / ۲)۔

سب سے آخری آیت

حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نزول کے اعتبار سے یہ سب سے آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اس کے اکتیس روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ بعض روایات میں صرف نو دن بعد اور بعض میں صرف سات دن بعد آپؐ کی وفات ہونا مذکور ہے (مظہری ۴۱۳/ ۱)۔

قرض کے لئے تحریر لکھنا

۲۸۲ - يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ عَلَيْهِ الْحَقُّ

وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لئے ادھار معاملہ کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو۔ اور چاہیئے کہ تم میں سے کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھدے۔ اور لکھنے والے کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھایا ہے اس کو چاہیئے کہ لکھدے اور مضمون وہ شخص املا کرائے جس پر حق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس میں ذرا بھی کمی نہ کرے۔ پھر اگر وہ شخص جس پر مطالبہ (حق) ہے بیوقوف یا کمزور ہو یا وہ مضمون نہ بتا سکتا ہو تو اس کے ولی کو چاہیئے کہ وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے۔

تَدَايَنْتُمْ: تم نے ایک دوسرے کو قرض (ادھار) دیا۔ تَدَايُنٌ سے ماضی۔

اَجَلٍ: مدت۔ وقت۔ مہلت۔

مُسَمًّى: مقرر کیا ہوا، معین۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِيَةٌ سے اسم مفعول۔

لِيُمْلِلِ: تاکہ وہ املا کرائے۔ تاکہ وہ لکھوائے۔ اِمْلَاءٌ سے امر غائب۔

يَبْخَسْ: وہ کم کرتا ہے۔ بَخْسٌ سے مضارع۔

تشریح: اسلام سے پہلے دنیا کا تمام کاروبار صرف زبانی ہوتا تھا۔ لکھنے لکھانے اور دستاویز تیار کرنے کا دستور نہ تھا۔ سب سے پہلے قرآنِ کریم نے اس طرف توجہ دلائی کہ جب تم کسی معین مدت کے لئے آپس میں ادھار کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو تاکہ بھول چوک یا انکار کے وقت یہ دستاویز کام آئے۔ اس زمانے میں لکھنا عام نہ تھا اس لئے اس بات کا احتمال تھا کہ لکھنے والا کچھ کا کچھ لکھدے۔ اس لئے لکھنے والے کے لئے بھی ضروری قرار دیا کہ وہ کسی فریق کی طرفداری نہ کرے اور نہ فانی نفع کے لئے اپنا دائمی نقصان کرے، بلکہ عدل و انصاف کے ساتھ لکھے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنے کا ہنر عطا فرمایا ہے اس لئے اس کا شکرانہ یہ ہے کہ وہ لکھنے سے انکار نہ کرے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دستاویز کا مضمون وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق ہے

یعنی جس نے ادھار لیا اور وہ لکھوانے میں ذرہ برابر کمی نہ کرے اور اس بارے میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض لینے والا بے عقل ہے یا نا سمجھ ، بوڑھا یا نا بالغ بچہ ہے ۔ گونگا یا اس کے حواس درست نہیں ہیں یا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہے جس کو لکھنے والا نہیں سمجھتا ، اس لئے وہ دستاویز لکھوانے پر قدرت نہیں رکھتا ۔ ایسی تمام صورتوں میں اس کا ولی دستاویز لکھوائے ۔ (معارف القرآن ۶۸۵ ، ۶۸۶/ ۱) ۔

تحریر پر گواہ بنانا

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۚ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۚ

اور اپنے آدمیوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ بنا لیا کرو ۔ پھر اگر دو مرد نہ ملیں تو ایک مرد اور ایسی دو عورتوں کو گواہ بنالو جن کو تم گواہوں میں پسند کرتے ہو ۔ کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھولے گی تو دوسری اسکو یاد دلا دے گی اور جب گواہوں کو (گواہ بننے کے لئے) بلایا جائے تو ان کو انکار نہیں کرنا چاہئے

تشریح : یہاں ایک اہم اصول کا بیان ہے کہ دستاویز کی تحریر کو کافی نہ سمجھو بلکہ اس پر گواہ بنالو تاکہ اگر کسی وقت کوئی باہمی نزاع پیش آ جائے تو عدالت ان گواہوں کی گواہی سے فیصلہ کر سکے ۔ فقہا کے نزدیک محض تحریر پر کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا ۔ جب تک کہ اس پر شرعی شہادت موجود نہ ہو ۔ گواہی کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے ۔ ایک مرد یا صرف دو عورتیں عام معاملات کی گواہی کے لئے کافی نہیں ۔ ایک مرد کے بدلے دو عورتیں مقرر کرنے کی حکمت یہ بتائی کہ اگر ایک عورت گواہی کو بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے ۔ اس کے بعد حکم دیا گیا کہ جب لوگوں کو کسی معاملہ میں گواہی کے لئے بلایا جائے تو ان کو آنے سے انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ شہادت جھگڑے ختم کرنے کا طریقہ ہے ۔ اس لئے اس کو خدمت سمجھ کر ادا کرنا چاہئے ۔ گواہ مسلمان ہوں ۔ ثقہ اور عادل ہوں جن کے قول پر اعتماد کیا

جاسکے ۔ فاسق و فاجر نہ ہوں ۔ (معارف القرآن ۶۸۶ ، ۶۸۷ / ۱) ۔

گواہی کے احکام

وَلَا تَسْئَمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَ اَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؕ

اور تم اس (معاملے) کے لکھ لینے میں کاہلی نہ کرو خواہ اپنی مقررہ میعاد تک کا وہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ زیادہ منصفانہ بات ہے اور گواہی کے لئے بھی بہت صحیح ہے ۔ اور یہ زیادہ قرین عقل ہے کہ تمہیں شبہ نہ پڑے مگر جبکہ وہ لین دین دست بدست ہو اور جس کو تم باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے پر تمہیں کوئی گناہ نہیں ۔ اور تم خریدوفروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو اور اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے گناہ ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے ۔

تَسْئَمُوْا: تم اکتانے لگو ۔ تم کاہلی کرنے لگو ۔ سَاٰمَۃٌ سے مضارع ۔

تَرْتَابُوْا: تم شبہ میں پڑو ۔ تم شک کرو ۔ اِرْتِیَابٌ سے مضارع ۔

تُدِيْرُوْنَهَا: تم اس کو گھماتے ہو ۔ تم اس کو گردش میں لاتے ہو ۔ اِدَارَۃٌ سے مضارع ۔

تشریح: پھر فرمایا کہ معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو لکھنا چاہئے ۔ اس میں اکتانا نہیں چاہئے کیونکہ معاملات کو قلمبند کر لینا انصاف کو قائم رکھنے اور شہادت دینے اور شک و شبہ سے بچنے کے لئے بہترین ذریعہ ہے ۔ البتہ اگر کوئی معاملہ نقد ہو ، ادھار نہ ہو تو اس کو نہ لکھنے میں کوئی حرج نہیں مگر اس میں بھی گواہ بنا لیا کرو شاید کسی وقت فریقین میں کوئی اختلاف ہو جائے تو اس کے فیصلہ میں یہ شہادت کام آ جائے گی ۔ اس

کے بعد فرمایا کہ کسی لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان نہ پہنچایا جائے ۔ اگر تم نے لکھنے والے یا گواہی دینے والے کو نقصان پہنچایا تو اس کا گناہ تم پر ہوگا ۔ اسی لئے فقہا نے فرمایا کہ اگر لکھنے والا اپنے لکھنے کی مزدوری مانگے یا گواہ اپنی آمدورفت کا ضروری خرچ طلب کرے تو یہ اس کا حق ہے ۔ اس کو ادا نہ کرنا بھی اس کو نقصان پہنچانے میں داخل اور نا جائز ہے ۔ قرآن کریم کا یہ خاص اسلوب ہے کہ کسی قانون کو بیان کرتے وقت اس سے پہلے یا اس کے بعد روز جزا اور اللہ تعالیٰ کا خوف دلا کر لوگوں کو ذہنی طور پر تعمیل کے لئے آمادہ کرتا ہے ۔ اس لئے اس آیت کا خاتمہ بھی خوف خداوندی پر کیا اور بتاد یا کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ۔ اگر تم کسی حیلہ سے بھی کوئی خلاف ورزی کروگے تو بھی اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے ۔ (معارف القرآن ۶۸۷ ، ۶۸۸ \ ۱) ۔

رہن کی ہدایات

۲۸۳ - وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ

اور اگر تم سفر میں ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو رہن رکھے جانے کے قابل چیزیں (صاحب حق کے) قبضہ میں دیدو ۔ پس اگر تم میں سے ایک ، دوسرے کا اعتبار کرے تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے (قرض دار) اس کو چاہیئے کہ وہ دوسرے کا حق پورا پورا ادا کر دے اور اس کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے جو اس کا رب ہے اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپاتا ہے تو وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو سب معلوم ہے ۔

فَرِهٰنٌ : پس رہن رکھنا ، پس گروی رکھنا ۔ اس کا واحد رہن ہے جس کے معنی روک لینے کے ہیں ۔ شرعی اصطلاح میں ایسی چیز کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص اپنے حق کے بدلے (جائز طور پر) روک لے تاکہ اس سے اپنا حق وصول کر سکے ۔

اٰمِنَ : اس نے اعتبار کیا ۔ وہ بے خوف ہو گیا ۔ اَمْنٌ سے ماضی ۔

فَلْيُؤَدِّ : پس چاہئے کہ وہ ادا کرے ۔ تَأْدِيَةٌ سے امر غائب ۔

تشریح : اس آیت میں دو مضمون بیان کئے گئے ہیں ۔

(۱) ادھار کے معاملہ میں اعتماد کے لئے کوئی چیز گروی رکھنا جائز ہے ۔ مگر رہن رکھی ہوئی چیز سے نفع اٹھانا جائز نہیں ۔ مرتہن کو صرف اس قدر حق ہے کہ اپنا قرض وصول ہونے تک اس چیز پر اپنا قبضہ رکھے ۔

(۲) اگر کسی شخص کو کسی نزاعی معاملہ کا صحیح علم ہو تو وہ شہادت کو نہ چھپائے ۔ اگر اس نے شہادت کو چھپایا تو اس کا دل گنہگار ہے ۔ (معارف القرآن ۶۸۸ / ۱) ۔

اعمال کا محاسبہ

۲۸۴ ۔ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِىٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ؕ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے ، خواہ تم اس کو ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا ۔ وہ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

تشریح : اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے تمام اعمال کا محاسبہ فرمائے گا ۔ یہاں محاسبہ سے وہ ارادے اور نیتیں مراد ہیں جو انسان اپنے قصد اور اختیار سے اپنے دل میں جماتا ہے اور ان پر عمل کی کوشش بھی کرتا ہے ۔ مگر اتفاقاً کچھ موانع پیش آ جانے کی بنا پر ان پر عمل نہیں کرسکتا ۔ قیامت کے دن ان کا محاسبہ ہوگا ۔ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنے فضل و کرم سے بخشدے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا ۔ رہے وہ خیالات جن پر آدمی کا اختیار نہیں جیسے بھول چوک

اور وساوس جو انسان کے دل میں بغیر ارادے کے آ جاتے ہیں بلکہ ان کے خلاف ارادہ کرنے پر بھی وہ آتے رہتے ہیں ۔ ایسے غیر اختیاری خیالات اور وساوس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا ہے ۔ (معارف القرآن ۶۹۰ / ۱) ۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو (اتنا) قریب کرلیگا کہ اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر چھپا دے گا اور فرمائے گا کہ کیا تجھے (اپنا) فلاں گناہ معلوم ہے ۔ کیا تجھے (اپنا) فلاں گناہ معلوم ہے ۔ بندہ عرض کرے گا ۔ " اے میرے رب ! بیشک " (مجھے اپنا گناہ یاد ہے) جب اللہ تعالیٰ اس سے اقرار کرا لے گا اور وہ خیال کرے گا کہ بس اب میں ہلاک ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا ۔ " میں نے دنیا میں تیرا گناہ چھپایا تھا (تجھے رسوا نہیں کیا تھا) آج میں معاف کرتا ہوں ۔ اس کے بعد نیکیوں کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں دے دیا جائیگا ۔ رہے کافر اور منافق تو اللہ تعالیٰ ان کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کرے گا اور ان کے گناہ ظاہر کرے گا ان کے بارے میں پکار کر اعلان فرمائے گا ۔

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝
(ھود ۱۸) ۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا ۔ ان ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے ۔ (مظہری ۴۳۹ / ۱) ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی حاضر ہوا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھکر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں ، میرے مال میں خیانت کرتے ہیں اور میری نا فرمانی کر تے ہیں ۔ میں ان کو گالیاں دیتا ہوں اور مارتا ہوں ۔ ان کے ساتھ میرا سلوک کیسا ہے آپؐ نے فرمایا " جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کے جھوٹ ، خیانت ، نافرمانی اور تیری سزا کا حساب لیا جائیگا ۔ اگر تیری سزا ان کے قصور کے برابر ہو گی تو معاملہ برابر برابر چھوٹ جائیگا ۔ نہ تیرا فائدہ ہوگا نہ نقصان ۔ اگر سزا قصور سے کم ہوگی تو بقیہ حصہ تیرے لئے سود مند ہوگا (یعنی تو نے جس گناہ کی سزا انہیں دی ہوگی اس کا تجھے ثواب ملے گا) اور اگر سزا قصور سے زائد ہوگی تو ان کو زیادتی کا عوض تجھ سے دلوایا جائیگا ۔ (مظہری بحوالہ ترمذی ۴۳۹ / ۱) ۔

ایمان مفصل و دعائیہ کلمات

۲۸۵ ، ۲۸۶ ـ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ
كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ
رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا
تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا
وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ
وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

جو کچھ رسول پر اس کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر رسول اور مومنین یقین رکھتے ہیں ۔ ہر ایک ، اللہ تعالیٰ ، اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آیا ۔ ہم ان میں سے کسی ایک رسول میں بھی فرق نہیں کرتے اور انہوں نے کہدیا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ۔ اے ہمارے پروردگار ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اور تیرے ہی پاس لوٹ کر جانا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جس نے اچھے کام کئے تو اس نے اپنے ہی لئے کئے اور جس نے برے کام کئے تو وہ بھی اپنے لئے (یعنی اس کا وبال بھی اسی پر ہے) اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں تو اس پر ہماری گرفت نہ فرما ۔ اے ہمارے رب ، ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے والوں پر ڈالدیا گیا تھا اور اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جس (کے اٹھانے) کی ہمیں طاقت نہ ہو اور تو ہم سے در گزر فرما اور ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم فرما ۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے ۔ پس تو ہمیں کافروں پر فتح یاب کر ۔

يُكَلِّفُ : وہ تکلیف دیتا ہے ۔ وہ مشقت میں ڈالتا ہے ۔ تکلیف سے مضارع ۔

كَسَبَتْ : اس نے کیا ۔ اس نے کمایا ۔ کسب سے ماضی ۔

اِصْرًا : بھاری بوجھ ۔ سخت حکم ۔ دشوار کام ۔

ان آیتوں کے فضائل: حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنت کے خزانوں میں سے نازل فرمائی ہیں ۔ جن کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھدیا تھا ۔ جو شخص ان کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اس کے لئے قیام الیل یعنی تہجد کے قائمقام ہو جاتی ہیں ۔ حاکم اور بیہقی کی روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو مجھے اس خاص خزانہ سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے ۔ اس لئے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ ۔

شانِ نزول: اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ کے نزول کے بعد صحابہؓ کرام یہ سمجھے کہ شاید اللہ تعالیٰ وساوس پر بھی محاسبہ فرمائے گا ۔ اس لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب تک تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہم جو کام اپنے ارادہ اور اختیار سے کرتے ہیں اسی کا حساب ہوگا اور دل میں جو غیر اختیاری خیالات آ جاتے ہیں ان کا حساب نہ ہوگا ۔ مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں آنے والے ہر خیال کا حساب ہوگا ۔ اس طرح تو عذاب سے نجات پانا سخت دشوار ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ نہ فرمایا بلکہ وحی کا انتظار کیا اور صحابہ کرام کو تلقین فرمائی کہ اللہ کی طرف سے جو بھی حکم آئے خواہ وہ آسان ہو یا دشوار اس کو ماننے میں ذرا بھی تامل نہیں ہونا چاہئے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام سن کر تمہیں یہ کہنا چاہئے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ (اے ہمارے پروردگار ہم نے آپ کا حکم سنا اور اس کی اطاعت کی ۔ اے ہمارے پروردگار اگر حکم کی تعمیل میں ہم سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس کو معاف فرمادے کیونکہ ہم سب کو آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے) صحابۂ کرام نے آپؐ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا ۔ اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں ۔ (معارف القرآن ۶۹۴ ، ۶۹۵ / ۱) ۔

تشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان کی تفصیل بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے پر ایمان لائے ، اس کے فرشتوں ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس امت کے مومنین سابقہ امتوں کی طرح انبیاء کے درمیان کسی قسم کی تفریق نہیں کریں

گے کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہ لائیں جیسا کہ یہود نے حضرت موسیٰؑ کو اور نصاری نے حضرت عیسیٰؑ کو نبی مانا مگر خاتم الانبیاء حضرت محمدِ مصطفیٰ، احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہ مانا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحابۂ کرام کے اس جملہ پر ان کی تعریف کی گئی جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق زبان سے کہا تھا ۔ یعنی سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْر ۔

اس کے بعد اگلی آیت میں اس شبہ کو دور کر دیا جو محاسبہ کے بارے میں اس سے پہلے پیدا ہو چکا تھا اور فرمایا لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا (اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کرنے کا حکم نہیں دیتا) ۔ اس لئے غیر اختیاری طور پر جو خیالات اور وسوسے دل میں آ جاتے ہیں اور ان پر عمل نہ کیا ہو تو وہ سب اللہ تعالیٰ کے نزدیک معاف ہیں ۔

حساب اور مواخذہ صرف ان اعمال پر ہوگا جو اختیار اور ارادہ سے کئے جائیں ۔ اس سے صحابہ کو اطمینان ہو گیا ۔ آخر میں اسی مضمون کو مزید واضح کرنے کے لئے فرمایا لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ ۔ یعنی انسان کو ثواب بھی اسی کام کا ہوتا ہے جو وہ ارادے سے کرتا ہے اور عذاب بھی اسی کام پر ہوتا ہے جو وہ ارادہ سے کرتا ہے ۔ اس کے بعد ایک خاص دعا تلقین فرمائی ۔ جس میں بھول چوک سے سرزد ہونے والے کسی فعل کی معافی طلب کی گئی ہے ۔ (معارف القرآن ۶۹۶ ، ۶۹۸ / ۱) ۔

فرمانِ رسول

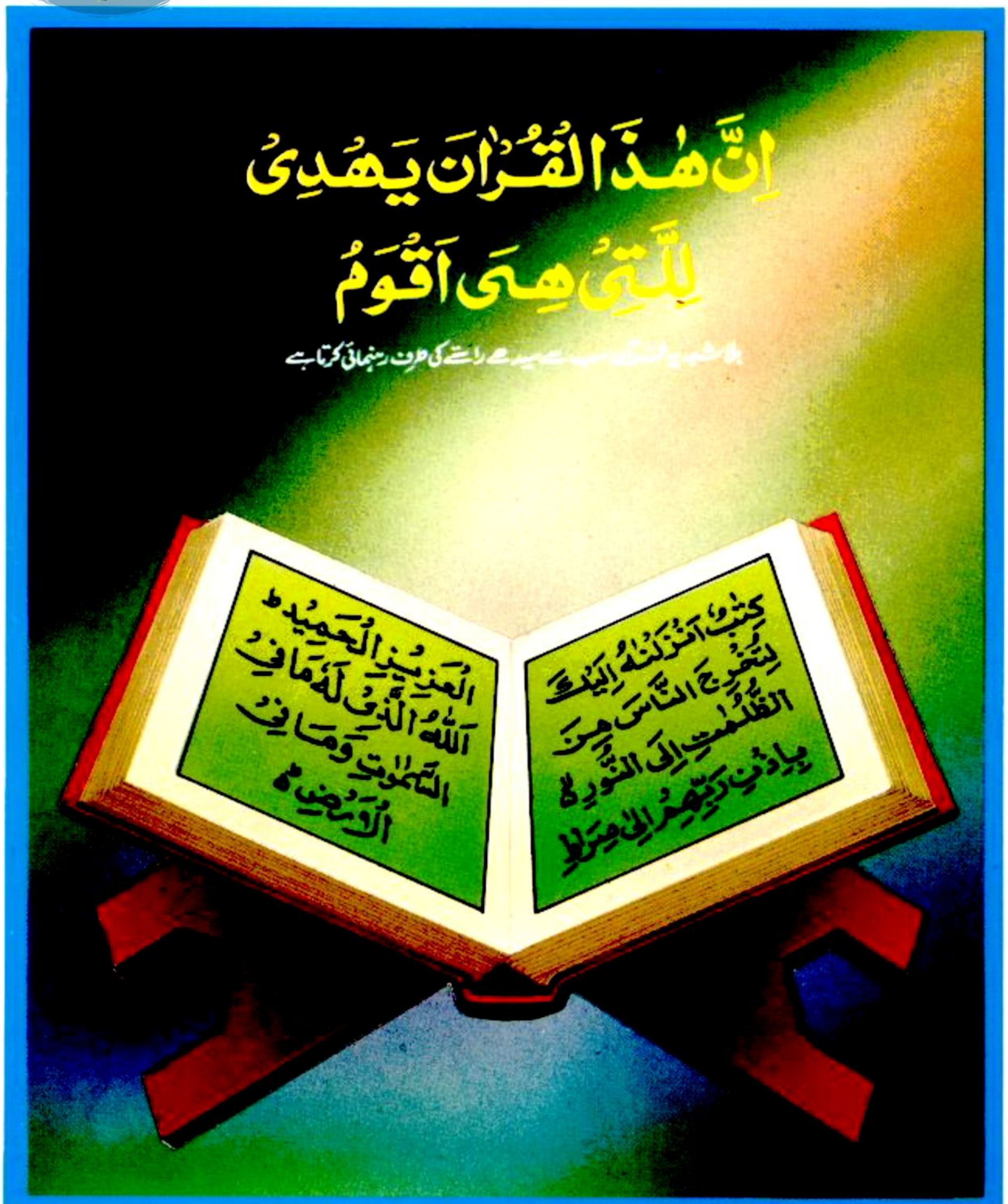
رسول اللہ کا پیغام پہنچانا ۔ حضرت عبد اللہؓ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا پیغام لوگوں تک پہنچاؤ اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو اور تم بنی اسرائیل کے واقعات بیان کر سکتے ہو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا تو اسے اپنے جہنم کے ٹھکانے کے لئے تیار رہنا چاہیے (بخاری شریف) ۔

اہم مآخذ و مصادر

تفسیر ابن کثیر (عربی) - حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن کثیر القرشی الدمشقی - مطبوعہ مصر -
تفسیر مظہری (عربی) - قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی - اشاعت العلوم - حیدر آباد دکن -
تفسیر بیضاوی (عربی) - قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر محمد الشیرازی البیضاوی - مکتبہ الجمہوریہ المصریہ -
تفسیر النسفی (عربی) - علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی دار احیاء کتب العربیہ -
تفسیر جلالین (عربی) - علامہ جلال الدین محمد بن احمد المحلی و علامہ جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی - دارالمعرفہ - بیروت - لبنان -
تفسیر معارف القرآن - مولانا مفتی محمد شفیع - ادارہ المعارف - کراچی -
تفسیر معارف القرآن - مولانا محمد ادریس کاندھلوی - مکتبہ عثمانیہ لاہور -
تفسیر حقانی - علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی - نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی -
تفسیر بیان القرآن - مولانا اشرف علی تھانوی - اشرف العلوم ادارہ ہادی - دیوبند - یوپی ۔ بھارت
صحیح البخاری (عربی) محمد بن اسماعیل بن ابراہیم البخاری - مطبوعہ مصر -
ہادی اعظم - سید فضل الرحمن - ادارہ مجددیہ کراچی -
منازل العرفان - مولانا محمد مالک کاندھلوی - ناشران قرآن لمیٹڈ-لاہور -
الاتقان فی علوم القرآن (اردو) علامہ جلال الدین سیوطی -
علوم القرآن مولانا محمد تقی عثمانی - مکتبہ دارالعلوم کراچی -
علوم القرآن - مولانا سید شمس الحق افغانی - مدرسہ فاروقیہ بہاولپور -
المفردات فی غریب القرآن - حسین بن محمد المفضل الراغب الاصفہانی - نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی -
معجم القرآن - سید فضل الرحمن - ادارہ مجددیہ کراچی -
مرآۃ القرآن مولانا عبدالحی - میر محمد کتب خانہ - آرام باغ کراچی -
المنجد (عربی) لوئس معلوف الیسوعی -
المنجد (عربی اردو) ابو الفضل عبدالحفیظ بلیاوی - مکتبہ برہان دہلی -
بیان اللسان (عربی اردو) قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی - دارالاشاعت کراچی -
لغات الحدیث (کامل ۴ جلد) علامہ وحید الزمان - میر محمد کتب خانہ کراچی -

احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔

یہ کتاب (ایسی ہے) جس (کے من جانب اللہ ہونے) میں ذرا بھی شک نہیں۔ (یہ) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و رہنمائی (کا ذریعہ) ہے۔

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ دوم

تفسیر سورۂ آل عمران و سورۂ نساء

سید فضل الرحمٰن

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

دوکان نمبر ۳۲، بلاک ۲، زینت اسکوائر۔ ابن سینا روڈ

ایف سی ایریا۔ کراچی ۱۹

نام کتاب	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ دوم	تفسیر سورۂ آل عمران و سورۃ النساء
تعداد	۱۱۰۰
اشاعتِ اول	ربیع الآخر ۱۴۱۴ھ / اکتوبر ۱۹۹۳ء
کمپوزنگ	انعام علوی کمپیوٹرز (پرائیوٹ) لمیٹڈ۔ کراچی
مطبع	اونیسٹ پرنٹرز۔ زینت اسکوائر۔ ابن سینا روڈ۔
	ایف۔ سی۔ ایریا۔ کراچی۔ ۱۹۔
ناشر	زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ کراچی۔

ملنے کے پتے

۱۔ زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

دوکان نمبر ۲۲۔ بلاک نمبر ۲۔ زینت اسکوائر۔ ابن سینا روڈ۔
ایف۔ سی۔ ایریا۔ کراچی ۱۹

۲۔ ادارۂ مجددیہ

د / ۲۰ ایچ، ناظم آباد۔ ۲۔ کراچی ۱۸

عرضِ ناشر

احسن البیان فی تفسیر القرآن کا سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل پہلا حصہ ہدیۂ ناظرین ہوچکا ہے اور اس کو توقع سے بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی ہے جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا جس قدر شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اب اس کا دوسرا حصہ جو سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء کی تفسیر پر مشتمل ہے، پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

ایک سال کے قلیل عرصے میں یہ ادارہ کی تیسری پیش کش ہے۔ اس سے پہلے احسن البیان فی تفسیر القرآن کے حصہ اول کی اشاعت کے بعد، حُجاجِ کرام اور عمرہ کی سعادت حاصل کرنے والوں کی رہنمائی کے لئے جیبی سائز کے ۱۹۲ صفحات پر مشتمل نہایت سلیس اور عام فہم زبان میں "رہبرِ حج" کے نام سے ایک کتاب پیش کی جا چکی ہے۔ اس دیدہ زیب و دلکش کتاب میں حج و عمرہ کے تمام ارکان سمیت مقاماتِ مقدسہ کی مسنون و مقبول دعائیں (اردو ترجمہ کے ساتھ) اور ضروری مسائل شامل ہیں۔

اگر قارئین کرام کی طرف سے اسی طرح حوصلہ افزائی ہوتی رہی تو انشاء اللہ عنقریب مزید کتب پیش کی جائیں گی۔

ناظم ادارہ

فہرست عنوانات

پیش لفظ

از مکرمی و محترمی حضرت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدظلہ العالی

سابق صدر شعبۂ اردو ۔ سندھ یونیورسٹی ۔ حیدرآباد

باسمہٖ تعالیٰ ۔ حامداً و مصلیاً

ماشاء اللہ ہمارے حضرت صاحبزادہ حافظ فضل الرحمٰن صاحب مدّ مجدہ کی مشہور تفسیر احسن البیان فی تفسیر القرآن کی دوسری جلد شائع ہو رہی ہے ۔ الحمدللہ ۔ بارک اللہ بے شک اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ان کے شاملِ حال ہے کہ دفتر کی مصروفیات کے باوجود ، وہ بڑی عرق ریزی سے مشکل اور دقیق علوم کو نہایت آسانی کے ساتھ بیان فرما دیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے ۔ پھر حسنِ طباعت اور نفاستِ اشاعت ، نورٌ علیٰ نُور ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عاجز کے پاس الفاظ نہیں کہ اس بلند پایہ تفسیر کی کماحقہا تعریف کر سکے ۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے حافظ صاحب کے فیوض و برکات کو ہمیشہ جاری و ساری رکھے اور ہمارے مرشد عالی مقام علیہ الرحمۃ کے شجرۂ طیبہ کو ہر زمانے میں سر سبز و شاداب رکھے ۔ آمین ۔ ثم آمین ۔

احقر غلام مصطفیٰ خان

ایم اے ۔ ایل ایل بی ۔ پی ایچ ڈی ۔ ڈی لٹ

۴ ربیع الآخر ۱۴۲۳ھ

تعارف

از محترمی حضرت مولانا مفتی محمد ضیاء الحق صاحب مدظلہ العالی
سابق مہتمم و مفتی والستاذِ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد!

" قرآن مجید " اللہ تعالیٰ کی کتاب بھی ہے اور اس کا کلام بھی جو اسکے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جو (**هُدًى لِّلنَّاسِ**) تمام انسانوں کی رہنمائی کرتا ہے اور (**هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ**) اسکے نیک بندوں کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے ۔

" قرآن مجید " حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک لکارتا رہیگا **فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ** ۔ ہے کوئی مائی کا لال جو اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا کر دکھا دے ۔ چودہ صدیاں گذر گئیں کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ اس چیلنج کا جواب دیتا ۔ " قرآن مجید " اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اسے قیامت تک باقی رکھنا ہے اس لئے اسکی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لے لیا ۔ فرمایا **اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ** ۔

ہمارا ایمان ہے کہ یہ کتاب چودہ سو سال قبل جس طرح نازل ہوئی تھی آج بعینہٖ اسی طرح ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے اس میں ایک زیر زبر پیش جزم تشدید کی تبدیلی نہ ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے ورنہ تو کہا جائیگا معاذ اللہ ! اللہ میاں اسکی حفاظت میں ناکام ہو گئے، حفاظت نہ کر سکے ۔ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ وہ قرآن نہیں ہے بد عقیدہ لوگ ہیں ۔

" قرآن مجید " دنیا میں سب سے زیادہ چھپنے اور سب سے زیادہ پڑھی جانیوالی کتاب ہے اسے بار بار پڑھنے سے طبیعت نہیں اکتاتی ۔ اسکے مضامین میں جتنا تدبر اور غور کرو اتنا ہی لطف آتا ہے حکمت و دانائی کے دروازے کھلتے ہیں ۔ دنیا کی وہ کونسی زبان

ہے کہ جس میں قرآن مجید کا ترجمہ نہ ہوا ہو انگریزی ۔ روسی ۔ چینی ۔ جاپانی ۔ جرمنی ۔ فارسی ۔ ہندی ۔ گجراتی وغیرہ وغیرہ ۔

عربی زبان میں ضخیم تفاسیر اور اردو میں دسیوں بیسیوں ترجمے اور تفسیریں موجود ہیں اور لکھنے والے برابر لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہینگے اسکے عجائبات کبھی ختم نہ ہونگے ۔

" قرآن مجید " کی فصاحت و بلاغت اور اعجاز کا حال اہل زبان سے پوچھو دشمنان اسلام بھی یہ کہنے پر مجبور تھے " مَا ہٰذَآ قَوْلُ الْبَشَرِ " یہ انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا ۔ اللہ تعالیٰ اپنی اس کتاب کی جس سے خدمت لینا چاہتا ہے لیتا ہے اور اسکے خدمت گذاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں ۔ پڑھتے ہیں پڑھاتے ہیں سمجھتے ہیں سمجھاتے ہیں کتنے خوش نصیب ہیں یہ لوگ ۔

ہندوستان میں سب سے پہلے قرآن مجید کا ترجمہ کرنیکا شرف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور انکے خاندان کو حاصل ہوا ۔ حضرت شاہ عبدالقادرؒ شاہ رفیع الدینؒ شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہم ۔ انکے بعد یہ سلسلہ جاری و ساری رہا ۔ تحت اللفظ ترجموں کے بعد با محاورہ ترجمے لکھے گئے اور زبان سہل سلیس اور شستہ ہوتی گئی ۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن ؒ کا ترجمہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا حاشیہ ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ ، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی ؒ کا ترجمہ و حاشیہ ، مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع عثمانی ؒ کا ترجمہ اور تفسیر وغیرہ وغیرہ ۔

الغرض ہندستان اور پاکستان میں اکابرین دیوبند نے قرآن مجید کی بڑی خدمت کی ہے فَجَزَاہُمُ اللّٰہُ خَیْرًا ۔

اسی سلسلہ کی کڑی پیش نظر تفسیر " احسن البیان فی تفسیرِ القرآن " ہے جو صاحبزادہ محترم حافظ سید فضل الرحمٰن صاحب زید مجدہم (فرزند بلند ارجمند حضرت مولانا سید زوّار حسین شاہ مرحوم و مغفور) نے بہت عرق ریزی سے لکھی ہے ۔ اس کا پہلا حصہ جو سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر پر مشتمل ہے طبع ہو چکا ہے اور اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے ۔ واقعی اسم بامسمیٰ ہے ۔

ابتدائی سو صفحوں میں قرآن کے بارے میں بہت مفید معلوماتی باتیں درج ہیں ۔ قرآن کی تعریف ، اسکے نام ، وجہ تسمیہ ۔ وحی متلوا اور غیر متلو ، فضائل اور آدابِ تلاوت ، مکی اور مدنی سورتوں کا فرق ۔ کل آیات ، کلمات اور حروف کی تعداد ۔ قرآن کی حفاظت وغیرہ وغیرہ ۔

اسکے بعد سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی تفسیر ، وجہ تسمیہ ، سورت کا تعارف ۔ فضائل ۔ مشکل الفاظ کے معنی با محاورہ ترجمہ اور سلیس اور سہل زبان میں تشریح ۔ زوّار اکیڈمی پبلی کیشن کی یہ پہلی پیش کش ہے ۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں ۔ آمین ۔

" احسن البیان " کا دوسرا حصہ جو سورۂ آل عمران اور سورۂ نساء کی تفسیر پر مشتمل ہے ، زیر طبع ہے اور عنقریب شائقین کے ہاتھوں میں پہنچے گا ۔ انشاء اللہ ۔ میں اپنی معروضات کو جناب محترم ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صاحب مدظلہ (حیدر آباد) کے ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں کہ " حقیقت یہ ہے کہ ایسی تفسیر نہ صرف عوام کے لئے بلکہ خواص کے لئے بھی مفید ہے اور قابل ستائش ہے " ۔ (جلد اول کا پیش لفظ) دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حافظ صاحب کی عمر دراز کرے اور اس تفسیر کو مکمل کرنیکی ہمت اور توفیق عطا فرمائے آمین ۔

تعمیل حکم کے لئے یہ چند سطریں لکھدیں ورنہ من آنم کہ من دانم ۔

۱۷ اگست ۱۹۹۳ ء

احقر محمد ضیاء الحق دہلوی

مہتمم جامعۃ الصالحات
۸ / ۲۹۹ عزیز آباد کراچی
فون نمبر ۔ 6314987

تفسیر سورۂ اٰلِ عمران

وجہ تسمیہ ۔ اس سورت کے چوتھے رکوع میں اٰل عمران (عمران کی اولاد) کا ذکر ہے ۔ اس لئے اس کا نام اٰل عمران رکھ دیا گیا ۔ اس کا دوسرا نام مُجادلہ بھی ہے کیونکہ یہ سورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُلوہیت اور مباحثہ کے بارے میں نازل ہوئی ۔

عمران حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہ السلام کے والد کا نام تھا ۔ حضرت مریمؑ کے والد کا نام بھی عمران تھا ۔ دونوں عمرانوں کے درمیان کئی صدیوں کا فاصلہ ہے ۔ مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اس سورت میں عمران کا مصداق کون سے عمران ہیں ۔ بعض کے نزدیک حضرت موسیٰ کے والد اور بعض کے نزدیک حضرت مریم کے والد ہیں ۔ اگر یہاں عمران سے مراد حضرت موسیٰ کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ۔

تعارف ۔ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی ۔ اس میں ۲۰ رکوع ، ۲۰۰ آیات ، ۳۵۴۲ کلمات اور ۱۵۳۴۶ حروف ہیں ۔ سورۂ بقرہ میں خاص طور پر بنی اسرائیل کو خطاب تھا ۔ اس سورت کے ابتدائی نصف سے زائد حصہ میں عیسائیوں کو خطاب ہے ۔ پھر کچھ آیتوں میں یہود و نصاریٰ دونوں کو خطاب ہے ۔ سورت کے آخری حصہ میں اسلامی تاریخ کے دو اہم واقعات ، غزوۂ بدر اور غزوۂ احد اور ان کے اسباب و نتائج کا تجزیہ ہے ۔

خلاصۂ مضامین

رکوع ۱ :۔ پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہے ۔ پھر قرآنِ کریم کے سچی کتاب ہونے اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے اور پہلی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کا بیان ہے ۔ اس کے بعد قرآنِ کریم کے منکرین کا دنیا میں ذلیل و خوار ہونا مذکور ہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم اور قدرتِ کاملہ کا اثبات ، قرآنِ کریم کی جن آیتوں میں صاف صاف احکام ہیں ان پر عمل کرنے کی ہدایت اور متشابہات میں پڑنے کی ممانعت ہے ۔ آخر میں اہل علم کی تعریف اور ان کی دعا کا بیان ہے ۔

رکوع ۲ :۔ مال و دولت و اولاد کا کافروں کے ذرا بھی کام نہ آنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جہنم کا ایندھن قرار دینا فرعون اور اس سے پہلی قوموں کا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلانا اور ان کو نافرمانی کی سزا ملنا ۔ جنگ بدر کا حال ، فانی اشیاء سے محبت اور ان کو مقصد زندگی بنا لینے کی ممانعت اور آخرت کی فکر کرنے کی تلقین ، پرہیزگاروں کے لئے اجر اور ان کی صفات کا بیان ۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کے نزدیک اسلام کا پسندیدہ دین ہونا اور اہل کتاب کا حسد اور ضد کی بنا پر اس کا انکار کرنا مذکور ہے ۔

رکوع ۳ :۔ پیغمبروں اور نیک لوگوں کو نا حق قتل کرنے پر یہودیوں کے لئے درد ناک عذاب کی جزا اور ان کے اس عقیدے کی تردید کہ ان کو جہنم کی آگ چند روز سے زیادہ نہ چھوئے گی ۔ آخرت میں اعمال کے مطابق جزا و سزا کا ملنا ۔ اور قیامت کے ہولناک نتائج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اختیار و قدرت کا بیان ہے ۔ مسلمانوں کو کافروں سے دوستی کی ممانعت اللہ تعالیٰ سے کسی کے ظاہر و باطن کا مخفی نہ ہونا اور اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمین کے رازوں سے واقف ہونا اور اپنے بندوں پر بہت مہربان ہونا مذکور ہے ۔

رکوع ۴ :۔ اتباعِ رسول ہی میں دنیا و آخرت کی فوز و فلاح کا مضمر ہونا مذکور ہے ۔ انبیاء علیہم السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے ہونا ، حضرت مریمؑ کی پیدائش و پرورش ، حضرت زکریاؑ کی دعاء ، اس کی قبولیت اور ان کو بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری ۔ بیٹے کا نام اور اس کی کچھ صفات اور پھر حضرت زکریاؑ کے بیٹے حضرت یحیٰؑ کی پیدائش کا حال مذکور ہے ۔

رکوع ۵ :۔ حضرت مریمؑ کی فضیلت ، ان کو بندگی اور عبادت کی تلقین ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات اور حضرت مریمؑ کی کفالت کا بیان ۔ حضرت مریمؑ کو حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی بشارت ، باپ کے بغیر بیٹے کی پیدائش کا بیان ، حضرت عیسیٰؑ کے خدا کا بیٹا ہونے کی تردید ، یہود کا حضرت مریم پر تہمت لگانا ، حضرت عیسیٰؑ کی نبوت اور معجزے ، حضرت عیسیٰؑ کے حواری اور ان کی دعاء اور کافروں کی خفیہ تدبیر کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا خفیہ تدبیر کرنا ۔

رکوع ۶ :۔ حضرت عیسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ کے وعدے ، نیک لوگوں کا اجر ، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش

کی مثال ۔ نجران کے عیسائیوں کو مُباہلہ کی دعوت ۔ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں قرآن کے بیان کردہ واقعات و حقائق کی تائید و تصدیق ۔

رکوع ۷ : ۔ نجران کے عیسائیوں کو دعوت اتحاد ۔ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو حضرت ابراہیم کے بارے میں بلا علم مباحثہ کرنے پر تنبیہ ، حضرت ابراہیم کا مسلک ۔ اہل کتاب کی گمراہی ۔ ان کا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کرنا اور حق کو باطل سے ملانا ۔

رکوع ۸ : ۔ اہل کتاب کی چالاکی ، مکاری اور اسلام دشمنی کا ذکر ، ہدایت کا منجانب اللہ ہونا ، نبوت و شریعت کے عطا ہونے کا انحصار اللہ تعالیٰ کے فضل و مہربانی پر ہونا اور اہل کتاب کی خیانتوں کا بیان ہے ۔ پھر خیانت کرنے والوں کا انجام ، اہل کتاب کی دھوکہ دہی ، نبی کا کام اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانا اور لوگوں کو اس کی بندگی اور وفاداری کی طرف متوجہ کرنا مذکور ہے ۔

رکوع ۹ : ۔ انبیاء کا عہد ، عہد شکنوں کو نافرمان قرار دینا ، دینِ حق کی مخالفت ، انبیاء کا سلسلہ ، اسلام کے سوا کسی اور دین کا قابل قبول نہ ہونا ، ہدایت سے محروم لوگ ، ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ، سچی توبہ کرنے والوں کے لئے مغفرت ، کفر کی حالت پر مرنے والوں سے قیامت کے روز ان کے کفر کے بدلے کسی کا فدیہ قبول نہ کیا جانا اور ان کو گناہوں کی پوری سزا ملنے کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۰ : ۔ اِنفاق فی سبیل اللہ کا معیار ۔ بنی اسرائیل کا اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں میں سے بعض کا اپنے اوپر حرام کرنا ۔ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والوں کو بے انصاف قرار دیا جانا ، ملت ابراہیمی کی اتباع کرنے کی تاکید ، بیت اللہ کی عظمت اور اس میں خونریزی کی ممانعت ، حجِ بیت اللہ کی فرضیت ، اہل کتاب کا انکار اور اہل ایمان کو کفار کی دھوکہ بازیوں سے محتاط رہنے کی تلقین ہے ۔

رکوع ۱۱ : ۔ اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرنے کا حکم جس طرح اس سے ڈرنا چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی تاکید ۔ اہل عرب کی دشمنیوں کو ان کے دلوں میں الفت پیدا کر کے ختم کرنا اور ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنا ۔ فرقہ بندی کی مذمت ، بد کردار لوگوں کا انجام اور متقیوں کے حال کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۲ : ۔ امتِ مسلمہ کو بہترین امت قرار دینا ، ان کے اس شرف کی وجہ ، اہل کتاب کو ایمان لانے کی نصیحت ، اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار ، انبیاء کے قتل اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کی بنا پر اہلِ کتاب پر عتاب الٰہی ۔ سب اہلِ کتاب کا برابر نہ ہونا ، اللہ والوں کی خصوصیات ، کافروں کے

لئے دائمی عذاب جہنم ۔ دنیاوی زندگی میں مال خرچ کرنے والے کافروں کی مثال ۔ کافروں کو اپنا راز دار بنانے کی ممانعت ۔ اہل کتاب کا مسلمانوں کا دشمن ہونا اور ان سے حسد کرنا ۔

رکوع ۱۳ :۔ غزوۂ احد کا بیان ۔ غزوۂ بدر میں کامیابی پر شکر گزاری کی تاکید ۔ جنگِ بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کی آمد اور اس مدد کا مقصد ۔ توبہ قبول کرنا اور کسی کو ایمان کی توفیق دیکر بخش دینا اور کفر کی سزا میں کسی کی گرفت کرنا مذکور ہیں ۔

رکوع ۱۴ :۔ سود کی ممانعت ۔ سود خوری کی سزا ۔ متقیوں کی صفات اور ان کا اجر ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے پہلے گزری ہوئی قوموں کو پیش آنے والے واقعات کا لوگوں کے لئے باعث عبرت ہونا ۔ جنگ احد میں مسلمانوں کے غلبہ کی خبر ۔ گردش ایام ۔ مومنوں کی آزمائش ۔ اور جنت میں داخلے کی شرط کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۵ :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلے رسولوں کی طرح ایک رسول ہونا آپ کی رحلت کے بعد دین سے منحرف ہونے والوں کا اپنا ہی نقصان کرنا ۔ موت کا مقررہ وقت پر آنا ۔ حضرات انبیاء اور ان کے ساتھی ۔ اللہ والوں کی دعا ۔

رکوع ۱۶ :۔ کافروں کے کہنے پر چلنے کی ممانعت ۔ کافروں کے دل میں ہیبت ڈالنا ۔ مسلمانوں کی آزمائش ۔ جنگ احد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو پوری طرح نہ ماننے پر مسلمانوں کا نقصان اٹھانا ۔ پھر رحمت الہیٰ کا نزول ۔ منافقوں کے وسوسے ۔ آزمائش کا مقصد ۔

رکوع ۱۷ :۔ منافقوں کی چال ۔ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہونا ۔ اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں پر انعامِ الہیٰ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نرم خوئی ۔ نصرتِ الہیٰ کی نوید اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کی تاکید ۔ نبی کی شان ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی ۔ ابتلا کا شکوہ ۔ آزمائش کا مقصد ۔ منافقوں کی حیلہ سازی ۔ حیاتِ شہداء ۔

رکوع ۱۸ :۔ احد میں شکست کے بعد واپس جاتے ہوئے ابوسفیان کا مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ اور خبر ملنے پر دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کو تیاری کا حکم دینا اور صحابہ کرام کا زخموں سے چور ہونے کے باوجود آپؐ کے حکم پر لبیک کہنا ۔ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہونا ۔ شیطان سے ڈرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ۔ ایمان کے بدلے کفر خریدنا ۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کھوٹے کھرے کا فرق واضح کر کے منافقوں کو مسلمانوں سے جدا کر دینا ۔ بخل کا انجام ۔

رکوع ۱۹: ۔ یہودیوں کی گستاخی اور کٹ حجتی ۔ موت کا ذائقہ ۔ جان و مال کا امتحان ۔ اہل کتاب کا عہد ۔ کافروں اور منافقوں کی خوش فہمیاں ۔

رکوع ۲۰: ۔ آیات الہیٰ میں غور و فکر ۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور و فکر کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا اور اس سے دعا کرتے رہنا ۔ نیک لوگوں کا اجر ۔ دنیا میں کفار کی خوشحالی ، مومنوں کی کامیابی کا اصول ۔

فضائلِ سورۂ اٰلِ عمران

مُسندِ احمدؒ میں حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن پڑھا کرو قیامت کے دن یہ اپنے پڑھنے والوں کی شفاعت کرے گا ۔ دونورانی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو ۔ قیامت کے دن یہ دونوں اس طرح آئیں گی کہ گویا دو سائبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پر کھولے ہوئے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں ۔ یہ اللہ تعالیٰ سے اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کریں گی ۔

مسند احمدؒ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز قرآن اور قرآن پڑھنے والوں کو بلوایا جائیگا ۔ آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی ، بادل کی طرح سائے اور سائبان کی طرح یا پر کھولے ہوئے پرندوں کے جھرمٹ کی طرح ۔ یہ اپنے پڑھنے والوں کی اللہ تعالیٰ سے پر زور سفارش کریں گی ۔

یزید بن اسود جرشی نے حدیث بیان کی کہ ان دونوں سورتوں کو دن میں پڑھنے والا دن بھر نفاق سے بَری رہتا ہے اور رات کو پڑھنے والا رات بھر نفاق سے بَری رہتا ہے ۔ (ابن کثیر ۱/۳۴۰)

حروفِ مقطعات

الٓمّٓ ۔ یہ حروفِ مقطعات ہیں ۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں ۔

صفاتِ باری تعالیٰ

۲ ۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں وہی ہمیشہ سے زندہ اور قائم ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں لفظ اللہ ، اسم ذات ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ

ہے جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے ۔ وہی دانا ۔ بینا ۔ صاحب قدرت و ارادہ ہے ۔ وہ ہمیشہ سے زندہ اور موجود ہے اور ہمیشہ زندہ اور قائم رہے گا اسی لئے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ۔

عربی زبان میں حَیّ زندہ کو کہتے ہیں ۔ یہاں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفت حیات بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا اور موت سے بالاتر ہے ۔ اس کی تمام صفات ازلی و ابدی ہیں ۔

قیّوم کے معنی کھڑا ہونے کے ہیں ۔ یہ قیام سے نکلا ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا اور سنبھالتا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہوسکتی ۔ اللہ تعالیٰ کے قیوم ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح ہر چیز اپنی ہستی کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اسی طرح بقائے ہستی میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ۔ جس طرح سایہ اصل شئے کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کائنات اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہی کی شان اعلیٰ ہے ۔ (معارف القرآن ۶۴ / ۱۰ ۔ مظہری ۲۵۰ / ۱) ۔

عیسائیوں کے تین عقیدے مشہور تھے ۔

۱) ۔ تثلیث یعنی خدا اور عیسیٰ اور روح القدس تینوں مل کر ایک خدا ہے ۔

۲) ۔ مسیح خدا ہے اور وہ انسان کی شکل میں آیا ہے ۔

۳) ۔ مسیح زار کا بیٹا ہے ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے ان تینوں مشہور عقائد کا رد فرما دیا ہے ۔ **اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلاَّ هُوَ** سے پہلا عقیدہ باطل ہوگیا ۔ پھر **حَیُّ قَیُّوْمُ** کے ذریعہ دوسرے اور تیسرے عقیدے کو غلط کر دیا گیا کیونکہ حضرت عیسیٰ ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے ۔ گویا حضرت عیسیٰ اپنی پیدائش میں ماں کے محتاج ہوئے اور فانی بھی ہو گئے ۔ لہذا جو فانی ہو وہ قیوم نہیں ہوسکتا اس لئے وہ خدا بھی نہیں ہوسکتا ۔ (حقانی ۲/۳۳) ۔

قرآن کی تصدیق

۳ ۔ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اس نے آپ پر کتاب برحق نازل کی جو اپنے

سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اسی نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبروں پر کتابوں کا اترنا، اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین اور احکم الحاکمین ہے اور انبیاء و مرسلین خدا نہیں بلکہ اس کے برگزیدہ بندے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بندوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث ہوئے ۔ اگر انبیاء و مرسلین خدا ہوتے تو ان پر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل نہ ہوتی ۔ وحی بندوں پر نازل ہوتی ہے ۔ خدا پر وحی نازل نہیں ہوتی (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۰ / ۱) ۔

قرآنِ کریم نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا جو مضمون بیان کیا ہے وہ کوئی قرآنِ کریم یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت نہیں بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو انبیاء علیہم السلام بھیجے انہوں نے بھی اسی کا اعلان کیا اور جو آسمانی کتابیں، تورات و انجیل وغیرہ قرآن کریم سے پہلے نازل فرمائیں ۔ ان سب میں بھی توحید باری تعالیٰ کی تاکید موجود ہے ۔ قرآن کریم نے توحید باری کے سلسلے میں کوئی نیا دعویٰ بھی پیش نہیں کیا بلکہ اس نے تو اسی دعوے کی تصدیق و تائید کی ہے جو سابقہ انبیاء کرتے چلے آئے تھے اور جو سابقہ آسمانی کتابوں میں واضح طور پر بیان کیا گیا تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کے اس مضمون کو سمجھنے اور ماننے میں لوگوں کو کوئی دشواری یا الجھن نہیں ہونی چاہئے ۔ (معارف القرآن ۱۵ / ۲) ۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے آپ پر دین حق کا حامل قرآن نازل فرمایا جو حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور گمراہی و راہ راست میں فرق کرتا ہے اور جو آسمانی کتابیں اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں، ان سب کی تصدیق کرتا ہے ۔ اور یہ تمام کتابیں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اتری تھیں اور ان میں سے کسی کتاب میں بھی حضرت عیسیٰ کی خدائی اور خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ موجود نہیں ۔ اس لئے جو یہود اور عیسائی پہلی کتابوں کو مانتے ہیں ان پر قرآنِ کریم کی تصدیق بھی لازم ہے ۔

منکرین کو عذاب کی وعید

۴ ۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۞ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۞

اس سے پہلے، اس نے لوگوں کی ہدایت کے لئے، اور حق و باطل میں فرق

کرنے والا (قرآن) بھی اتارا۔ بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے منکر ہیں، ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست انتقام لینے والا ہے۔

تشریح:۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے برحق ہونے کی ایک اور دلیل بیان فرمائی ہے کہ یہ بات تو تم بھی مانتے ہو کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل نازل فرمائی تھیں۔ ان کے کتاب الہیٰ ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جو دلیل ان کے لئے ہے وہی قرآن کریم کے لئے ہے۔ پس قرآن کریم بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی رحمت سے نازل فرمایا۔ ایسے واضح دلائل کے باوجود بھی اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے گا تو اس کے لئے شدید عذاب ہے اور وہ خدا جس نے لوگوں کی ہدایت کے لئے اپنے فضل سے کتابیں نازل فرمائی ہیں زبردست بھی ہے اور بدلہ لینے پر کامل قدرت بھی رکھتا ہے۔ (حقانی ۳۳ / ۲)۔

کائنات کا رازداں

۵۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْئٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ۔

بیشک اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خوب واضح فرمادیا ہے کہ جس طرح اس کا اختیار کامل ہے اسی طرح اس کا علم بھی بہت وسیع ہے۔ وہ آسمان و زمین کے غیب کو بخوبی جانتا ہے۔ اس پر کسی جہان کی کوئی چیز اور کوئی ذرہ مخفی نہیں خواہ وہ کامل ہو یا جزو۔ ظاہر ہے حضرت عیسیٰ کو ایسا کامل علم حاصل نہ تھا۔ وہ صرف اسی قدر جانتے تھے جس قدر اللہ تعالیٰ نے انہیں بتادیا تھا۔ اس لئے وہ خدا نہیں، خدا کے بندے اور رسول تھے۔

قدرتِ کاملہ

۶۔ ھُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۔

وہ وہی ذات ہے جو (ماں کے) پیٹ میں، جس طرح چاہتی ہے تمہاری صورتیں بناتی ہے۔ (وہی اللہ ہے) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔

يُصَوِّرُكُمْ ۔ وہ تمہاری صورتیں بناتا ہے ۔ وہ تمہیں پیدا کرتا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے ۔ تَصْوِيْرٌ سے مضارع ۔

اَرْحَامِ بچہ دانیاں ۔ واحد رَحِمٌ و رِحْمٌ ۔

كَيْفَ ۔ کیسے ۔ جس طرح ۔

يَشَآءُ ۔ وہ چاہتا ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے ۔ اسی نے انسان کو بطن مادر کی اندھیریوں میں اپنی حکمتِ بالغہ اور قدرتِ کاملہ کے ساتھ بنایا ۔ ان کی صورتوں اور رنگوں میں ایسی صنعتکاری فرمائی کہ اربوں انسانوں میں سے بھی کسی ایک کی صورت دوسرے سے ایسی نہیں ملتی کہ امتیاز نہ رہے ۔ وہ اچھی ، بری ، نیک و بد ، خوبصورت و بدصورت ، جیسی چاہتا ہے ، ماں کے پیٹ میں تمہاری ویسی ہی صورتیں بنا دیتا ہے ۔ اس کے سوا علم و قدرت میں یہ کمال کسی اور کو حاصل نہیں ۔ اس لئے صرف وہی عبادت کے لائق ہے ۔ وہی غالب اور حکمت والا ہے ۔

اس آیت میں یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ حضرت عیسیٰ بھی اور انسانوں کی طرح اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں ۔ اس لئے نہ تو وہ خدا ہوسکتے ہیں اور نہ خدا کے بیٹے ۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ بھی بطن مادر سے پیدا ہوئے ہیں اور بطن مادر میں جو صورت بنتی ہے وہ مخلوق ہے اور خالق کی محتاج ہے اور خدا محتاج نہیں ہوتا ۔ (معارف القرآن ۱۸۰۱، ۱۰۲ / ۲ ابن کثیر ۳۴۳ / ۱) ۔

محکم و متشابہ آیات

۷ ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) وہ (اللہ) وہی تو ہے جس نے آپ پر کتاب (قرآن) نازل فرمائی ۔ اس میں بعض آیتیں محکم (صاف صاف احکام بیان کرتی)

ہیں وہی (احکام) اُمّ الکتاب ہیں (یعنی انہی پر شرعی احکام کا دارومدار ہے) اور کچھ دوسری آیتیں متشابہات ہیں (جن کے کئی کئی معنی ہیں) پھر جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اس (کتاب) کی انہی متشابہ آیات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ ان کو غلط معنی دیکر فتنہ برپا کریں حالانکہ ان کے اصل معنی و مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جو لوگ علم میں پختہ اور راسخ ہیں وہ (شک و شبہ میں پڑنے کی بجائے) کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لائے کہ یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور (سمجھانے سے تو) عقلمند ہی سمجھتے ہیں۔

مُحۡکَمٰتٌ ۔ واضح ۔ صاف صاف معنوں والی ۔ اِحْکَام سے اسم مفعول ۔

یہ وہ آیات ہیں جنکی مراد واضح اور متعین ہو اور جو عربی زبان اور اسکے قواعد کو اچھی طرح جاننے والے پر ظاہر اور واضح ہو یا غور و تامل کے بعد کلام کا مقتضا سمجھ میں آ جاتا ہو ۔ انہی سے احکام اخذ کئے جاتے ہیں اور انہی پر دین اور شریعت کا دارومدار ہے اور یہ تمام آیات کی سردار ہیں ۔ اپنا مطلب واضح کرنے کے لئے ان کو دوسری آیات کی ضرورت نہیں بلکہ دوسری آیات کو ان سے ملا کر ان کا مطلب نکالا جاتا ہے۔ (مظہری ۸ / ۲) ۔

اُمُّ الۡکِتٰبِ ۔ کتاب کی اصل ۔ اصول قرآن ۔ ہر شے کی اصل کو اُمّ کہتے ہیں ۔

مُتَشٰبِھٰتٌ ۔ ملتی جلتی ۔ کئی کئی معنوں والی ۔ تشابہ سے اسم فاعل یہ جمع ہے اس کا واحد مُتَشَابِہ ہے ۔

یہ وہ آیات ہیں جنکی تفسیر و معانی عربی زبان و قواعد جاننے والے پر ظاہر اور واضح نہ ہوں ان کی صحیح مراد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ۔ جب تک اللہ تعالیٰ کسی کو ان کا علم نہ دے ، محض عربی دانی اور قیاس آرائی سے کوئی شخص ان کی مراد نہیں جان سکتا ۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم و احسان سے ان کے جس قدر حصے سے جس کسی کو آگاہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو آگاہ کر دیتا ہے ۔ لہذا متشابہ آیات سے کھینچ تان کر اپنی رائے کے مطابق کوئی معنی نکالنا صحیح نہیں ۔ (معارف القرآن ۲/۲۱)

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں یہ بتایا گیا ، کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ وہی سب پر غالب اور بڑی حکمت والا ہے ۔ اس کی قدرت اور حکمت کی کوئی انتہا نہیں ۔ اس نے کسی حکمت و مصلحت سے حضرت عیسٰیؑ کو باپ کے بغیر اور حضرت حوّا کو

ماں کے بغیر اور حضرت آدمؑ کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا فرمایا ۔ وہ جس مخلوق کو جس طرح چاہتا ہے پیدا فرما دیتا ہے ۔ اس کی حکمتوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا ۔ اگلی آیت میں محکم و متشابہ آیات کا بیان ہے ۔ محکم وہ آیات ہیں جن کے معنی صاف اور واضح ہیں اور انہیں پر احکام دین کا دارومدار ہے جبکہ متشابہ آیات کے ظاہری معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہیں ۔ ان پر ایمان لانا ضروری ہے ۔ ان کی مزید تحقیق و کرید کرنے کی اجازت نہیں ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے ، وہ طبعی طور پر کفر اور بدعت کی طرف مائل ہیں ۔ ایسے لوگ محکمات سے آنکھیں بند کر کے متشابہات کی کھوج اور کرید میں لگے رہتے ہیں اور ان سے اپنی حسب منشا معانی نکال کر ، ان کی غلط تاویل کر کے ، لوگوں کو غلط فہمی اور فتنہ میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ حالانکہ متشابہات کی اصل مراد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک راز ہیں ۔ عام لوگوں کو ان کا علم عطا کرنا نہ تو مقصود ہے اور نہ ان کے لئے اس کا حصول ممکن ہے ۔ اس کے بر عکس جو لوگ علم میں پختہ اور راسخ ہیں ان کو متشابہات کے بارے میں کوئی شک و شبہ لاحق نہیں ہوتا ۔ وہ متشابہات اور محکمات سب کو حق سمجھتے ہیں اور سب پر ایمان رکھتے ہیں ۔ انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیتیں ایک ہی سر چشمہ سے آتی ہیں ۔ اسی لئے وہ متشابہات کو محکمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو حصہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا اس کو وہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہی بہتر جاننے والا ہے ۔ اسی میں سلامتی اور احتیاط ہے ۔
(مظہری ۹ ۔ ۱۲/ ۲ ، معارف القرآن ۲۱ ، ۲۲/ ۲) ۔

ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ پختہ علم والے کون ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ جس کی قسم سچی ہو اور جس کی زبان سچ بولنے والی ہو اور جس کا دل سلامت ہو اور جس کا پیٹ حرام سے بچا ہوا ہو اور جس کی شرمگاہ زنا کاری سے محفوظ ہو ، وہ مضبوط اور پختہ علم والے ہیں ۔ (ابن کثیر ، ۳۴۳/ ۱) ۔

پھر فرمایا کہ عقل سلیم والے ہی قرآن کریم سے نصیحت حاصل کرتے ہیں کیونکہ عقل کی سلامتی کا یہی تقاضا ہے کہ جس کا علم نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے جو دانا ، بینا اور سب کچھ جاننے والا ہے ۔

امام احمد ، کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے چند لوگوں کو قرآن کریم کے بارے میں

جھگڑتے ہوئے دیکھا، آپ نے فرمایا سنو! تم سے پہلے لوگ بھی اسی میں ہلاک ہوئے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیتوں کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا حالانکہ اس کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے ۔ تم ان میں اختلاف نکال کر ایک کو دوسری کے متضاد نہ بتاؤ جو کچھ جانتے ہو وہی کہو اور جو تم نہیں جانتے اس کو جاننے والوں کو سونپ دو ۔ (ابن کثیر، ۳۴۳ / ۱) ۔

طلبِ استقامت

۹۰۸ ۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

(اور عقلمند لوگ یہ دعا بھی کرتے رہتے ہیں کہ) اے ہمارے پروردگار ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کرنا اور خاص اپنے پاس سے رحمت (توفیق استقامت) عطا فرما ۔ بیشک تو بڑا دینے والا ہے ۔ اے ہمارے پروردگار ! بیشک تو ایک دن جس کے آنے میں ذرا بھی شبہ نہیں، سب کو جمع کرے گا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ۔

تُزِغْ ۔ تو ٹیڑھا کرتا ہے ۔ تو پھیرتا ہے ۔ اِزَاغَۃٌ سے مضارع ۔

هَبْ ۔ تو بخشش کر ۔ تو عطا کر ۔ وَهْبٌ و هِبَۃٌ سے امر ۔

لَدُنْكَ ۔ تیری طرف سے ۔ اپنے پاس سے ۔ ظرف مکان ہے ۔

وَهَّابٌ بہت ہبہ کرنے والا ۔ بہت عطا کرنے والا ۔ ایسی بخشش کرنے والا جو واپس نہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے ۔ وَهْبٌ و هِبَۃٌ سے مبالغہ ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہدایت ہو یا گمراہی سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے حضرت نواس بن سمعان کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی دل ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان نہ ہو ۔ وہ جب تک چاہتا ہے اس کو حق پر قائم رکھتا ہے ۔ اور جب چاہتا ہے اس کو حق سے پھیر دیتا ہے ۔ وہ قادر مطلق ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے لہذا جن لوگوں کو دین پر قائم رہنے کی فکر ہوتی ہے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دین پر استقامت کی دعاء مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ ! ہمارے دلوں کو ہدایت پر جمانے کے بعد ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر خراب ہوجاتے ہیں بلکہ

ہمیں اپنی رحمت سے صراطِ مستقیم پر قائم رکھ اور ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا۔ بیشک تو بہت دینے والا ہے۔ (مظہری ۲/۱۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمیشہ استقامت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ اے دلوں کے پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔ (حرمت و ذلت کی ترازو) اللہ کے ہاتھ میں ہے اور قیامت تک وہ کسی قوم کو اونچا اور کسی قوم کو نیچا کرتا رہے گا۔ (ابن کثیر ۱/۳۴۸)

صحیحین میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دل کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی پَر کسی میدان میں پڑا ہوا ہو اور ہوائیں اس کو الٹ پلٹ کر رہی ہوں۔ مظہری (۲/۱۲)۔

پھر فرمایا کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب تو قیامت کے دن اپنی تمام مخلوق کو جمع کرنے والا ہے اور ان کے بھلے بُرے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔ اس دن کے آنے میں اور تیرے وعدوں کے سچ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

کفار و مشرکین کو تنبیہ

۱۰، ۱۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰہِ شَیْئًا ؕ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۙ کَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ؕ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ج فَاَخَذَھُمُ اللّٰہُ بِذُنُوْبِھِمْ ؕ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۔

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا (قیامت کے روز) اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں نہ تو ان کے اعمال ہی ان کے کچھ کام آئیں گے اور نہ ہی اولاد۔ اور یہی لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں۔ ان کی حالت بھی آل فرعون اور ان سے پہلے لوگوں جیسی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا۔ اور اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے۔

تُغْنِیَ۔ وہ کام آتی ہے۔ وہ فائدہ دیتی ہے۔ اِغْنَاءٌ سے مضارع۔
وَقُوْدُ۔ آگ جلانے کا ایندھن۔

کَدَاْبِ ۔ جیسا معاملہ ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں کافروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جس طرح فرعون و آل فرعون اور دوسری قوموں عاد و ثمود اور قوم لوط وغیرہ کو ان کے کفروشرک، انبیاء کو جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے انکار کی سزا ملی تھی اور ان کے مال اور اولاد ان کو اللہ تعالیٰ کے قہر سے نہ بچا سکے ۔ اسی طرح اگر انہوں نے بھی حق کو قبول نہ کیا تو ان کو بھی سزا ملے گی اور ان کی نافرمانیوں اور بد اعمالیوں کے سبب ان کو بھی ان کے مال سمیت ایندھن کے طور پر جہنم میں ڈالدیا جائیگا ۔ پھر ان کا مال اور ان کی اولاد ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں ان کے ذرا بھی کام نہیں آئیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت سخت ہے اور اس کا عذاب دردناک ہے ۔ کوئی کافر اس سے نہیں بچ سکتا ۔ البتہ مسلمانوں کا مال اور اولاد آخرت میں ان کے کام آئیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی اولاد کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے دین کی تعلیم میں لگایا اور اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کئے ۔

مسلمانوں کا غلبہ

۱۲ ۔ قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِھَادُ ۝

(اے نبی ! صلی اللہ علیہ وسلم) ان کافروں سے کہدیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کئے جاؤ گے اور (مرنے کے بعد) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ (دوزخ) بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ کافر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں، بہت جلد مغلوب ہوں گے اور مسلمانوں سے شکست کھائیں گے اور آخرت میں ان کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالدیا جائیگا جو بہت ہی بری جگہ ہے ۔ مقاتل نے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول بدر کے واقعہ سے پہلے ہوا تھا اور اس میں کافروں سے مراد مشرکین مکہ ہیں ۔ چنانچہ بدر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم پر غالب آگیا اور تمہیں ہنکاکر جہنم کی طرف لے گیا ۔ (مظہری ۱۵/ ۲) ۔

پس بدر کی فتح نے ظاہر کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے اور پسندیدہ دین کو اور اس دین پر چلنے والوں کو عزت و سر بلندی عطا فرمانے والا ہے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی اطاعت گزار امت کا خود مددگار ہے ۔ وہ اپنی باتوں کو ظاہر اور غالب کرنے والا ہے ۔ (ابن کثیر ۱/۳۵۰) ۔

نصرتِ الٰہی

۱۳۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۖ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۔

بیشک تمہارے لئے ان دو گروہوں میں جو (بدر کے دن) باہم مقابل ہوئے تھے ، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی تھی ۔ ایک گروہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا جو مسلمانوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے دو چند دیکھ رہا تھا ۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی مدد سے فتح دے دیتا ہے ۔ بیشک (اس واقعہ) میں دیکھنے والوں کے لئے بڑی عبرت ہے ۔

فِئَتَيْنِ ۔ دو گروہ ۔ واحد فِئَۃٌ ۔
اِلْتَقَتَا ۔ وہ دونوں باہم مل گئیں ۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں ۔ اِلْتِقَاءٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں جنگ بدر کی کیفیت بیان کی گئی ہے جس میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی ۔ ان کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے ۔ دوسری طرف مسلمان مجاہدین صرف تین سو تیرہ تھے ۔ ان کے پاس کل ستر اونٹ ، دو گھوڑے ، چھ زرہیں اور اسی تلواریں تھیں ۔ کفار کو مسلمان لشکر جو حقیقت میں بہت قلیل تھا ، دیکھنے میں اپنے سے دو گناہ نظر آ رہا تھا جس سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب بیٹھ گیا ۔ آخر جب دونوں جماعتوں کا آمنا سامنا ہوا تو کفار نے عبرت ناک شکست کھائی اور وہ پیش گوئی جو اس سے پہلی آیت میں کی گئی تھی سچ ثابت ہوئی ۔ مشرکین کے ستر آدمی مارے گئے جن میں ابو جہل ، عتبہ بن ربیعہ ، شیبہ بن ربیعہ ، ابوالبختری ، زمعہ بن الاسود ، عاص بن ہشام ، امیہ بن خلف وغیرہ بڑے بڑے سردار بھی تھے ، ستر آدمی گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے ۔ یہ تائید الٰہی کے سبب ہوا ۔ وہ جس کو چاہے فتحیاب کرے ۔ ظاہری سامان و اسباب ، نصرت الٰہی کے مقابلہ میں کچھ کام نہیں آتا ۔ بہر حال ایک مختصر سی بے سروسامان جماعت کو ایک ایسی مضبوط جماعت کے مقابلہ میں جو ہر طرح کے سامان حرب و ضرب سے لیس تھی اور تعداد کے اعتبار سے بھی مسلمانوں سے تین گنا تھی ، فتحیاب کرنا چشم بصیرت والوں کے لئے بہت بڑا عبرت ناک واقعہ ہے ۔ (معارف القرآن ۲۵، ۲۶/ ۰۲ حقانی ۳۰/ ۲) ۔

فانی اشیاء کی محبت

۳۔ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِکَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت زینت دی گئی ہے۔ جیسے عورتیں، بیٹے (اولاد) اور سونے چاندی کے جمع کئے ہوئے ڈھیر، نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ سب دنیاوی زندگی کا سامان ہے۔ اور اچھا ٹھکانا تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

زُیِّنَ: وہ زینت دی گئی۔ وہ آراستہ کی گئی۔ وہ خوبصورت کی گئی۔ زَیْنٌ سے ماضی مجہول

الشَّهَوٰتِ: مرغوبات، خواہشیں۔ وہ چیزیں جن کے لئے نفس میں انتہائی رغبت اور کامل میلان پیدا ہو۔ واحد شَهْوَةٌ۔ صاحب کشاف نے لکھا ہے کہ یہاں دنیوی اشیاء سے نفرت دلائی گئی ہے اور ثواب عنداللہ کی طرف رغبت پیدا کی گئی ہے اور مشتہیات کہنے کی بجائے شہوات کا لفظ استعمال کر کے دنیاوی اشیاء سے نفرت دلانے میں زور اور مبالغہ پیدا کیا گیا ہے۔ (مظہری ۱۷/ ۲)۔

اَلْقَنَاطِیْرِ: خزانے۔ ڈھیر۔ انبار۔ تہ بہ تہ چنا ہوا کثیر مال۔ واحد قِنْطَارٌ۔ اس کی مقدار کے تعین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے ایک ہزار دینار۔ بعض نے بارہ ہزار۔ چالیس ہزار۔ ساٹھ ہزار۔ اسی ہزار وغیرہ وغیرہ بتاتے ہیں۔ سب کا حاصل یہ ہے کہ بہت زیادہ مال کو قِنْطَار کہتے ہیں۔ (مظہری ۱۸/ ۲)۔

اَلْمُقَنْطَرَةِ: ڈھیروں جمع کیا ہوا مال۔ یہ بھی قِنْطَار ہی سے بنا ہے اور تاکید کے لئے لایا گیا ہے قَنَاطِیْرُ سے قِنْطَار کی جمع اور مُقَنْطَرَةٌ سے جمع الجمع مراد لی گئی ہے یعنی ڈھیروں ڈھیر۔ (مظہری ۱۸/ ۲)۔

اَلْمُسَوَّمَةِ: نشان کیا ہوا۔ ممتاز۔ خوبصورت۔ جنگل میں آزادی سے چرنے والے۔ تَسْوِیْمٌ سے اسم مفعول۔

اَنْعَامِ: اس کا اطلاق اونٹ، گائے، بھینس اور بکری پر ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا

کہ اس کا اطلاق جنگلی چوپایوں پر بھی ہوتا ہے ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیتوں میں کفار و مشرکین کا حال بیان فرمایا تھا کہ وہ مال و دولت کے نشہ میں چور ہیں اس لئے حق کو قبول نہیں کرتے ۔ اس آیت میں حبِ دنیا کو ایمان و اسلام کی مخالفت کا اصل سبب قرار دیا گیا ۔ کوئی جاہ و مال کے لالچ میں حق کی مخالفت کرتا ہے ، کوئی نفسانی خواہشات کی وجہ سے اور کوئی اپنی آبائی رسوم کی محبت میں حق کے مقابلہ میں کھڑا ہو جاتا ہے ، حالانکہ دنیاوی عیش و عشرت کے سامان محض چند روزہ ہیں ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض دنیوی چیزوں میں انسان کے لئے طبعی طور پر کشش و رغبت رکھی گئی ہے اس لئے یہ چیزیں اسے بہت پسند ہیں ۔ ان کو عزیز رکھنا بذات خود گناہ نہیں بلکہ ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے شرعی حدود و قیود کا خیال رکھنا ضروری ہے ۔ یہ صرف دنیا میں کام آنیوالی چیزیں ہیں ۔ دنیا خود بھی فانی ہے اور اس کے تمام سامان بھی فانی ہیں ۔ جونہی انسان دنیا سے اٹھ جاتا ہے ، ان اشیاء سے اس کا تعلق بھی ٹوٹ جاتا ہے ۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ انہیں مقصد زندگی نہ بنائے بلکہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھائے اور اس کے ساتھ ہی آخرت کا سامان بھی کرے کیونکہ آخرت کی زندگی ہی اصل اور باقی رہنے والی ہے مگر اکثر لوگ ان دنیوی چیزوں پر فریفتہ ہو کر آہستہ آہستہ انہی کو اپنا مقصد حیات بنا لیتے ہیں ، آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں ۔

یہاں سب سے پہلے عورت اور اس کے بعد اولاد کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ انسان جن چیزوں کے حصول کی کوشش کرتا ہے ان کا اصل سبب عورت یا اولاد کی ضروریات ہوتی ہیں ۔ اس کے بعد سونے چاندی ، مویشی اور کھیتی کا ذکر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے دل میں طبعی طور پر ان چیزوں کی محبت ڈالنے میں بے شمار حکمتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ اگر انسان طبعی طور پر ان چیزوں کی طرف مائل نہ ہوتا تو دنیا کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ۔ نہ کوئی کھیتی کی مشقت اٹھاتا اور نہ کوئی صنعت و تجارت میں روپیہ اور محنت صرف کرتا ۔ دوسرے یہ کہ اگر انسان کے دل میں دنیوی نعمتوں سے رغبت و محبت نہ ہو تو اس کو اخروی نعمتوں میں بھی کوئی دلچسپی نہ رہے گی ۔ اس لئے نہ تو وہ جنت کے حصول کے لئے نیک اعمال میں کوشش کرے گا اور نہ دوزخ سے بچنے کے لئے بُرے اعمال سے بچنے کی کوشش کرے گا ۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امتحان کے طور پر انسان کے دل میں ان چیزوں کی محبت پیدا کی ہے تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون ان چیزوں کی محبت میں مبتلا ہو کر آخرت کو بھلا بیٹھا ہے اور کون ان چیزوں کی اصل حقیقت اور ان

کے فانی ہونے کو ذہن میں رکھ کر ان کو بقدر ضرورت حاصل کرتا ہے اور ان چیزوں کے خالق و مالک کو یاد رکھتا ہے یا ان کی محبت میں مبتلا ہو کر اپنے خالق کو اور آخرت میں اس کے سامنے پیشی اور حساب و کتاب کو بھلا بیٹھتا ہے ۔ (معارف القرآن ۲۸۔۳۰/ ۲) ۔

متقیوں کے لئے انعامات

۱۵ ۔ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہدیجئے کہ (اے لوگو !) کیا میں تمہیں ان چیزوں سے بہت بہتر چیز نہ بتاؤں ۔ (وہ یہ کہ) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں ، ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور (ان کے لئے) پاکیزہ بیویاں اور اللہ کی رضا ہے اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ جو لوگ دنیا کی ناقص اور فانی نعمتوں میں مست ہیں ، آپ ان سے فرما دیجئے کہ میں تمہیں ان سے بہتر نعمتوں کے بارے میں بتاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں اور اس کی فرماں برداری کرنے والوں کو آخرت میں ملیں گی ۔ وہ نعمتیں یہ ہیں ۔

۱۔ سر سبز باغات (جنتیں) جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ، کہیں شہد کی ، کہیں دودھ کی ، کہیں شراب طہور کی اور کہیں نفیس پانی کی ۔ ان کے علاوہ جنت میں ایسی نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی کان نے سنی ہوں گی اور نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال تک گزرا ہوگا ۔

۲۔ متقی لوگ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے ۔ نہ یہ وہاں سے نکالے جائیں گے ، نہ ان کو دی ہوئی نعمتیں کبھی کم ہوں گی اور نہ فنا ہوں گی ۔

۳۔ پرہیزگار لوگوں کے لئے جنت میں ہر طرح سے پاک و صاف بیویاں ہوں گی ۔

۴۔ ان لوگوں کو جنت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہوگی جو تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے ۔ (معارف القرآن ۲/ ۱۰۲ ، ابن کثیر ۳۵۲/ ۱) ۔

متقیوں کی صفات

۱۶، ۱۷۔ اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۔ اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ۔

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ۔ پس تو ہمارے گناہ معاف فرمادے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ۔ یہ لوگ صبر کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں اور بندگی میں لگے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرتے رہتے ہیں اور رات کے آخری حصہ میں (اٹھ کر) اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے ہیں ۔

اَلْقٰنِتِیْنَ فرماں بردار ۔ عبادت گزار ۔ خشوع و خضوع پر قائم رہنے والے ۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل ۔

اَسْحَارِ اخیر شب ۔ صبح کے اوقات ۔ سحر اس وقت کو کہتے ہیں جب رات کا اندھیرا صبح کے اجالے سے مل رہا ہو ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد سَحَرٌ ہے ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی اور پرہیزگار بندوں کے اوصاف بیان فرمائے ہیں ۔

۱) ۔ پرہیزگار لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ۔ اس لئے ہمارے اس ایمان کے باعث تو ہماری خطاؤں کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرماکر ہمیں جہنم کے عذاب سے نجات دے ۔

۲) ۔ یہ متقی لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں حرام و ممنوع چیزوں سے الگ رہتے ہیں یعنی صبر کرتے ہیں ۔ عربی میں لفظ صبر کے بعد عن یا علیٰ آتا ہے ۔ اگر عن آئے تو صبر کے معنی روکنا اور باز رکھنا کے ہوتے ہیں اور اگر صبر کے بعد علیٰ آئے تو اس کے معنی پابند بنانا ہوتے ہیں اس آیت میں لفظ صبر کے بعد نہ عن ہے اور نہ علیٰ اس لئے یہاں مطلق معنی مراد ہیں یعنی روکنا بھی اور پابند رکھنا بھی ۔ مطلب یہ ہے کہ متقی لوگ اپنے نفسوں کو بُری باتوں سے روکتے اور اچھی باتوں کا پابند بناتے ہیں ۔

۳) ۔ یہ متقی لوگ سچے ہیں ۔ یعنی یہ لوگ اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہیں کیونکہ یہ تمام

اعمالِ خیر بجالاتے ہیں خواہ نفس پر بھاری ہی ہوں۔
۴) ۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہمیشہ اس کی اطاعت میں لگے رہتے ہیں۔

۵) ۔ یہی لوگ جائز طریقوں سے کما کر، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے، جہاں جہاں اس نے مال خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، اپنے اموال کو خرچ کرتے ہیں یعنی صلۂ رحمی میں، برائیوں کے روکنے میں، ہمدردی اور خیر خواہی کرنے میں، حاجتمندوں، مسکینوں اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے میں سخاوت سے کام لیتے ہیں۔
۶) ۔ یہ لوگ سحر کے وقت یعنی رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر استغفار کرتے ہیں۔ظاہری اور باطنی اطاعت گزاریوں کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں کا اقرار کرتے ہوئے اس سے معافی طلب کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا جو تقاضا ہے بندے سے ویسی عبادت ہو ہی نہیں سکتی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کماحقہ شکر ادا کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں پھر بھی بندے کو ہر وقت اس کی ان گنت نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔

معافی طلب کرنے کے لئے سحر کا وقت اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ اس وقت کی نیند نفس کے لئے نہایت مرغوب اور پسندیدہ ہوتی ہے۔ اور ایسے وقت میں جاگنا نفس پر شاق گزرتا ہے۔ لہذا ایسے وقت میں نفس کی مخالفت کرتے ہوئے نیند کو قربان کرنا نفس کے خلاف ایک نہایت سخت مجاہدہ ہے جو کمالِ ایمان کی دلیل ہے۔ نیز یہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر رات کو جب آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ میں ہی (سارے جہان کا خود مختار) بادشاہ ہوں۔ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں۔ کوئی ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے اور میں اس کی مغفرت کروں۔ (مظہری ۲۳،۲۲/ ۲)۔

الوہیتِ ربانی کی شہادت

۱۸۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًاۢ بِالْقِسْطِ ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور علم والوں نے انصاف کے ساتھ گواہی دی کہ اس کے

سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ اس کے سوا کسی کی بندگی جائز نہیں ۔ وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے ۔

ربطِ آیات ۔ سورت کی ابتداء میں نجران کے نصاریٰ سے خطاب تھا جس میں توحید کا اثبات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا ابطال تھا ۔ درمیان میں چند دوسرے مضامین کا ذکر تھا ۔ اس کے بعد پھر توحید کا مزید بیان ہے کیونکہ توحید کی شہادت ہی ایمان کی اصل ہے اور توحید ہی پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی کا دارومدار ہے ۔

شانِ نزول علامہ بغوی ؒ نے کلبی کی روایت سے بیان کیا کہ شام کے یہودی علماء میں سے دو بڑے عالم مدینہ منورہ آئے ۔ مدینہ کی بستی کو دیکھ کر وہ آپس میں کہنے لگے کہ یہ بستی تو اس بستی سے بہت مشابہ ہے جس کے لئے تورت میں پیشگوئی آئی ہے کہ اس میں آخری نبی قیام پذیر ہوں گے ۔ پھر ان کو اطلاع ملی کہ بستی میں کوئی بزرگ ہیں جن کو لوگ نبی کہتے ہیں چنانچہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ تمام صفات جو آپ کے بارے میں تورت میں مذکور تھیں ، آپ میں پاکر پہچان گئے اور عرض کیا ۔ کیا آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں ۔ پھر عرض کیا ۔ کیا آپ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ؟ آپ نے فرمایا ہاں میں محمد بھی ہوں اور احمد بھی (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔
پھر عرض کیا کہ ہم آپ سے ایک سوال کرتے ہیں ، اگر آپ نے اس کا صحیح جواب دیا تو ہم ایمان لے آئیں گے ۔ آپ نے فرمایا کہ پوچھو ۔ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کونسی ہے ؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ آپ نے ان کو پڑھکر سنائی تو اسی وقت وہ دونوں مسلمان ہو گئے ۔ (معارف القرآن ۳۵/ ۲ ، مظہری ۲۳/ ۲) ۔

تشریح حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجسام سے چار ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا ، ارواح کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے رزق کو پیدا کیا اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جب وہ خود ہی تھا ۔ نہ آسمان تھا ، نہ زمین ، نہ نیک ، نہ بد ، اس نے خود ہی اپنے ایک ہونیکی شہادت دی اور فرمایا **شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ** ۔
اللہ تعالیٰ خود اپنے واحد و یکتا ہونیکی شہادت دیتا ہے ۔ پس اس کی شہادت کافی ہے ۔ وہ سب سے زیادہ سچا شاہد ہے ۔ سب سے زیادہ سچی بات اسی کی ہے ۔ وہ سب کا خالق ہے ۔ تمام مخلوق اسی کی پیدا کی ہوئی ہے اور اسی کی محتاج ہے ۔ وہ سب سے بے نیاز ہے ۔ الٰہ ہونے میں بھی وہ یکتا اور لاشریک ہے ۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔

پھر فرمایا کہ فرشتے اور اہل علم بھی شاہد ہیں یعنی فرشتے اور ایماندار جن و انس اپنے دل سے مانتے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرتے ہیں۔

فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَہٗ شَاھِدٌ
یَدُلُّ عَلٰی اَنَّہٗ وَاحِدٌ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی شہادت کے ساتھ فرشتوں اور علماء کی شہادت کو ملا کر علماء کی فضیلت اور خصوصیت بیان فرمائی ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں اس آیت کی تلاوت فرمائی اور الحکیم تک پڑھکر فرمایا و اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ یَا رَبِّ یعنی اے میرے پروردگار میں بھی اس پر شاھد ہوں۔

حضرت اعمش کی روایت میں ہے کہ جو شخص اس آیت کی تلاوت کے بعد اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ کہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے بندے نے ایک عہد کیا ہے اور میں سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والا ہوں اس لئے میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔ (ابن کثیر ۳۵۳، ۳۵۴ / ۱)۔

اللہ کا پسندیدہ دین

۱۹۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ قف وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْیًا بَیْنَهُمْ ط وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ط

بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین تو اسلام ہی ہے اہل کتاب نے علم حاصل ہونے کے بعد بھی جو اس دین سے اختلاف کیا تو وہ محض آپس کی ضد سے کیا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی جلد حساب لینے والا ہے۔

ربطِ آیات۔ توحید کی شہادت کے بعد ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ دین صرف اسلام ہے کیونکہ اسلام کے معنی اپنے آپ کو خدائے وحدہ لاشریک کے سپرد کر دینے کے ہیں اور مسلمان اس بندے کو کہتے ہیں جس نے اپنے آپ کو ہمہ تن اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہو اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہو۔ تمام انبیاء کرام کا یہی دین رہا

ہے کہ ایک خدا کی اطاعت اور فرماں برداری کی جائے ۔ پس جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں اور ان کی اور حضرت مریم کی تصویروں کو پوجتے ہیں یا جو لوگ درختوں ، پتھروں ، چاند ، سورج اور ستاروں کو پوجتے ہیں ان کو اسلام سے کوئی واسطہ نہیں (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴۲/ ۱) ۔

تشریح ۔ قرآن کریم کی اصطلاح میں دین کا لفظ ان اصول و احکام کے لئے بولا جاتا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء میں مشترک ہیں ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَاوَصّٰى بِهٖ نُوْحًا ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی دین جاری فرمادیا جس کی وصیت تم سے پہلے (حضرت) نوح (علیہ السلام) اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو کی گئی تھی ۔

تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی دین تھا یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے جامع کمالات اور تمام نقائص سے پاک ہونے اور اس کے سوا کسی کے عبادت کے لائق نہ ہونے پر دل سے ایمان اور زبان سے اقرار ، روز قیامت اور اس میں حساب و کتاب اور جزا و سزا اور جنت و دوزخ پر دل سے ایمان لانا اور زبان سے اقرار کرنا ، اس کے بھیجے ہوئے ہر نبی و رسول اور ان کے لائے ہوئے تمام احکام پر ایمان لانا ۔

اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے کا نام اسلام ہے ۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے ہر نبی اور رسول کے زمانے میں جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کے لائے ہوئے احکام میں ان کی فرماں برداری کی وہ سب مسلمان کہلانے کے مستحق تھے اور ان کا لایا ہوا دین ، دین اسلام اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول تھا ۔ اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا ۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (یونس ۷۲) اور مجھے حکم ہے کہ میں فرماں بردار یعنی مسلمان رہوں ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اور اپنی امت کو امت مسلمہ فرمایا ۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۔ (البقرۃ ۱۲۸) ۔

اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری نسل میں بھی ایک فرماں بردار گروہ پیدا کر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے بھی اسی معنیٰ کے اعتبار سے کہا تھا ۔
وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (اٰل عمران ۵۲) آپ گواہ رہیئے کہ ہم مسلمان ہیں ۔
اب اسلام کا لفظ اس دین اور شریعت کے لئے خاص ہو گیا ہے جو سب سے آخر میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے اور جس نے تمام سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا ۔ اب قیامت تک یہی دین اسلام کے نام سے باقی رہے گا ۔ سابقہ کوئی شریعت اسلام کہلانے کی مستحق نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی دین مقبول اور اسلام کہلانے کا مستحق ہے جو قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو ۔ اس کے سوا نہ کوئی دین مقبول ہے اور نہ نجات کا ذریعہ جیسا کہ ارشاد ہے ۔
وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (اٰل عمران ۸۵) جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائیگا ۔
پھر فرمایا کہ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور اسلام کے بارے میں اس وجہ سے اختلاف نہیں کیا تھا کہ انہیں اس کے بارے میں کچھ شک و شبہ تھا یا وہ اس کی حقانیت سے واقف نہ تھے کیونکہ توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتب کے ذریعہ ان پر اسلام اور پیغمبر اسلام کی حقانیت پوری طرح واضح اور ظاہر کر دی گئی تھی ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے حسد و عناد ، ضد اور مال و عہدے کی محبت میں اسلام اور مسلمانوں سے اختلاف کرتے تھے ۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتا ہے اور توحید و اسلام کو نہیں مانتا تو اللہ تعالیٰ اس سے اس کی اس تکذیب کا بہت جلد حساب لینے والا ہے اور کتاب اللہ کی مخالفت کی وجہ سے اس کو سخت عذاب دے گا ۔ (معارف القرآن ۳۶ ، ۲/ ۲۰ ، ابن کثیر ۳۵۴/ ۱) ۔

اہل کتاب کی کٹ حجتی

۲۰ ۔ **فَاِنْ حَاۤجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۠**

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پس اگر وہ (اپنی ضد کے باعث) آپ سے حجت کریں تو آپ کہدیجئے کہ میں نے اور میرے ماننے والوں نے تو اپنا رخ اللہ

تعالیٰ کی طرف کر لیا اور آپ اہل کتاب اور ان پڑھوں (مشرکین عرب) سے پوچھئے کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو ۔ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو انہوں نے بھی ہدایت پالی اور اگر وہ روگردانی کریں تو آپؐ کے ذمہ تو صرف احکام پہنچا دینا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے ۔

تشریح ۔ اگر دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت ثابت و واضح ہونے کے بعد بھی اہل کتاب آپؐ سے صریح اور واضح امور میں کٹ حجتی اور جھگڑا کریں تو آپؐ ان سے کہدیجئے کہ میں نے اور میری اتباع کرنے والوں نے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا ہے اور اسلام اور توحید کی راہ اختیار کر لی ہے ، ہم تو خاص اسی کی عبادت کریں گے جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ اس جیسا کوئی اور ہے ۔ نہ اس کی اولاد ہے نہ بیوی ۔

سابقہ انبیاء کا دین اور طریقہ بھی یہی رہا ہے ۔ پس اگر تم سابقہ انبیاء کی تعلیم کے خلاف کسی کو خدا اور خدا کا بیٹا بناتے ہو تو بناؤ ۔ میں اور میری اتباع کرنے والے اس سے بری ہیں ۔ آپؐ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) اور ان پڑھ لوگوں (مشرکین عرب) سے کہدیجئے کہ کیا تم ہماری طرح اسلام میں داخل ہوتے ہو ۔ پس اگر یہ لوگ بھی تمہاری طرح اسلام لے آئیں تو یہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے ۔ اور اگر یہ تمہاری طرح اسلام لانے سے منہ موڑیں اور اپنے عقیدے پر قائم رہیں تو اس میں آپؐ کا کوئی نقصان نہیں کیونکہ آپؐ کے ذمہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دینا ہے ۔ ہدایت دینا نہیں ، سو وہ آپؐ کر چکے اور اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو نگاہ میں رکھے ہوئے ہے ۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دیگا (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس ۔ ۳۳/ ۱) ۔

اہل کتاب کے کرتوت

۲۱ ، ۲۲ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ حَقٍّ لا وَّیَقْتُلُوْنَ الَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ز وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ہ

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو نا حق قتل کرتے ہیں اور وہ ایسے لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں جو لوگوں کو انصاف کرنے

کا حکم دیتے ہیں تو اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ان کو درد ناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی بھی مدد گار نہیں ۔

بِالْقِسْطِ ۔ انصاف کے ساتھ ۔ عدل کے ساتھ ۔ برابری کے ساتھ ۔ جمع اَقساطٌ ۔
حَبِطَتْ ۔ وہ ضائع ہو گئے ۔ وہ غارت ہو گئے ۔ وہ اکارت گئے ۔ حبط سے ماضی ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں اہل کتاب کے عنوان سے یہود و نصاریٰ دونوں کو خطاب تھا ۔ ان آیات میں یہود کے کرتوتوں کا بیان ہے کہ انبیاء اور ان کی امتوں کے علماء کو قتل کرنا یہود کا خاص شیوہ ہے ۔ روح المعانی میں ابن ابی حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ بنی اسرائیل نے ایک وقت میں تینتالیس نبیوں کو قتل کیا ۔ ان (بنی اسرائیل) کی نصیحت کے لئے (ان کی قوم میں سے) ایک سو بزرگ کھڑے ہوئے تو (انہوں نے) اسی دن ان کا بھی کام تمام کر دیا ۔

تشریح ۔ ان آیات میں اہل کتاب کے کرتوت بیان کئے گئے ہیں ۔ یہ لوگ غلط اور حرام کام کرتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابوں اور اپنے رسولوں کے ذریعہ جو احکام بندوں تک پہنچائے تھے یہ ان کو جھٹلاتے رہتے تھے ۔ یہی نہیں بلکہ یہ لوگ اس قدر سر کش تھے کہ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے ان کو حق و انصاف کی بات بتاتے اور ان کو راہ راست پر آنے کے لئے کہتے تو یہ لوگ ان کو بھی تہ تیغ کر دیتے تھے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ حق کو نہ ماننے اور اہل حق کو ذلیل جاننے ہی کا نام کبرو غرور ہے ۔

مسند ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ۔ قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب کسے ہوگا ؟ آپؐ نے فرمایا کہ جس نے کسی نبی کو قتل کیا ہوگا یا ایسے شخص کو قتل کیا ہو جس نے اچھی بات کا حکم کیا اور بُری بات سے منع کیا ۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ **اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ** سے **مِّنْ نّٰصِرِیْنَ** تک ۔ اور ارشاد فرمایا کہ اے ابو عبیدہ ۔ بنی اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو دن کے ابتدائی حصہ میں ایک ساعت میں قتل کیا ۔ اس پر بنی اسرائیل کے ایک سو ستر عابد و زاہد لوگ کھڑے ہوگئے اور بنی اسرائیل کو بھلائی کا حکم دینے لگے اور ان کو بُرائی سے روکنے لگے ۔ بنی اسرائیل نے ان کو بھی اسی دن کے آخری حصہ میں قتل کر دیا ۔ اللہ

تعالیٰ نے اس آیت میں بنی اسرائیل کے انہی لوگوں کا ذکر کیا ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی سرکشی اور تکبر کی بنا پر دنیا میں بھی ذلیل و پست کر دیا اور آخرت میں بھی ان کے لئے بد ترین ذلت و رسوائی کا عذاب تیار ہے ۔ اسی لئے دنیا میں بھی ان کے اعمال غارت ہوئے اور آخرت میں بھی برباد ۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچانے کے لئے نہ تو ان کو کوئی سفارشی ملے گا اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا (ابن کثیر ۳۵۵/ ۱) ۔

کتاب اللہ سے انحراف

۲۳ ، ۲۴ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَ هُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۝ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپؐ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے کچھ حصہ دیا گیا اور ان کو اسی کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ (کتاب) ان کے درمیان فیصلہ کر دے ۔ پھر بھی ان میں سے بعض لوگ رو گردانی کرتے ہیں اور وہ تو (در حقیقت) ہیں ہی اعراض کرنے والے ۔ یہ اس لئے کہ وہ کہہ چکے ہیں کہ ہمیں دوزخ کی آگ ہر گز نہیں چھوئے گی مگر گنتی کے چند روز تک اور ان کی افترا پردازیوں نے انہیں اپنے دین کے متعلق مغرور کر دیا ہے (دھوکہ میں ڈال رکھا ہے) ۔

نَصِيْبًا : حصہ ۔ ٹکڑا ۔ قسمت ۔

يُدْعَوْنَ : وہ بلائے جاتے ہیں ۔ ان کو دعوت دی جاتی ہے ۔ دُعَاءٌ و دَعْوَةٌ سے مضارع مجہول ۔

مُعْرِضُوْنَ: اعراض کرنے والے ۔ رو گردانی کرنے والے ۔ کنارہ کشی کرنے والے ۔ اِعْرَاضٌ سے اسم فاعل ۔

غَرَّهُمْ اس کو فریب میں رکھا ۔ اس نے ان کو بھول میں رکھا ۔ غُرُوْرٌ سے ماضی ۔

يَفْتَرُوْنَ : وہ افترا کرتے ہیں ۔ وہ بہتان لگاتے ہیں ۔ اِفْتِرَاءٌ سے مضارع ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں اسلام کی حقانیت کو دلائل و براہین سے واضح فرما کر اہل کتاب کو اسلام میں داخل ہونیکی دعوت دی گئی مگر ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے کی بجائے اس سے اعراض کیا ۔ ان آیات میں فرمایا کہ اہل کتاب کا اسلام سے اعراض کرنا نہایت عجیب ہے کیونکہ یہ لوگ تو تورت و انجیل کے عالم ہیں اور تورت و انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات اور نشانیاں بیان کی گئی ہیں یہ لوگ ان سے پوری طرح واقف ہیں مگر پھر بھی اسلام سے رو گردانی کرتے ہیں ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم اور ابن المنذر نے عکرمہ سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المدارس (یہودیوں کے مدرسے) میں جاکر یہودیوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دی ۔ ان میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے سوال کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس دین پر ہیں ۔ آپ نے فرمایا کہ میں تو (حضرت) ابراہیم علیہ السلام کی ملت اور دین پر ہوں ۔ انہوں نے کہا کہ (حضرت ابراہیم تو یہودی تھے ۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو ، تورت لا کر یہ مضمون اس میں دکھا دو ۔ چونکہ تورت میں یہ لغو بات لکھی ہوئی نہ تھی اس لئے انہوں نے تورت لانے سے انکار کر دیا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (جلالین ۱۵۴۰۱۵۵) ۔

کلبی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ خیبر کے باشندوں میں ایک مرد اور عورت نے زنا کیا ۔ تورت میں زنا کی سزا سنگساری مقرر تھی مگر چونکہ زنا کرنے والے با اثر لوگ تھے اس لئے یہود نے ان کو سنگسار کرنا مناسب نہ سمجھا ۔ پھر انہوں نے یہ معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس امید پر پیش کیا کہ شاید اس سزا میں تخفیف ہو جائے مگر آپؐ نے دونوں کو رجم (سنگسار) کرنے کا حکم دیا ۔ نعمان بن اوفی اور بحری بن عمرو اس سزا کو سن کر کہنے لگے ۔ کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کا فیصلہ غلط ہے ۔ ان کے لئے سنگساری کا حکم نہیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ تورت لے آؤ میری اور تمہاری بات کا فیصلہ اس سے ہو جائے گا ۔ انہوں نے کہا کہ آپؐ نے انصاف کی بات کہی ہے ۔ پھر آپ نے فرمایا کہ تم میں تورت کا سب سے بڑا عالم کون ہے ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ایک فدک کا باشندہ ہے جس کی ایک آنکھ ہے اور اس کو ابن صُوریا کہتے ہیں ۔ چنانچہ یہودیوں نے ابن صَوریا کو بلوالیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ابن صُوریا کے حالات بتادئے ۔ جب ابن صُوریا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم ابن صُوریا ہو ۔

اس نے عرض کیا ہاں ۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم یہود کے سب سے بڑے عالم ہو ۔ اس نے کہا کہ لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں ۔ آپؐ نے تورت کا وہ حصہ طلب فرمایا جس میں رجم کا حکم مذکورہ تھا اور فرمایا کہ اس کو پڑھو ۔ ابنِ صُوریا نے تورت پڑھنی شروع کی اور رجم کی آیت پر پہنچا تو اس پر اپنی ہتھیلی رکھ کر اس سے آگے پڑھنے لگ گیا ۔ حضرت عبداللہ بن سلام بول اٹھے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ رجم کی آیت کو چھوڑ گیا ہے ۔ پھر حضرت عبداللہ نے اس کا ہاتھ رجم کی آیت سے ہٹا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور وہاں موجود تمام یہودیوں کو رجم کی آیت پڑھکر سنائی کہ محصن اور محصنہ جب زنا کریں اور شہادت سے ثابت ہو جائے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی سزا بچہ پیدا ہونے تک موقوف رکھی جائے ۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کرادیا اور یہودی ناراض ہو کر واپس چلے گئے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲۶، ۲۸/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ اپنے اس دعوے میں بھی جھوٹے ہیں کہ ان کا تورت و انجیل پر ایمان ہے کیونکہ ان کتابوں کی ہدایت کے مطابق جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ منہ پھیر لیتے ہیں جس سے ان کی سرکشی تکبر اور عناد و مخالفت ظاہر ہوتی ہے ۔ پھر انہوں نے اپنی سرکشی اور حق کی مخالفت میں اندھے ہو کر اپنی طرف سے یہ بھی گھڑ لیا کہ ہم تو چند روز ہی آگ میں رہیں گے یعنی صرف سات روز یا چالیس روز ۔ ان کے خیال میں دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے ۔ ہر ہزار سال کے بدلے ایک دن دوزخ میں رہیں گے یا زیادہ سے زیادہ چالیس روز تک دوزخ میں رہیں گے یعنی جتنے دن بچھڑے کی پوجا کی تھی ۔ اس کا مفصل بیان سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر ۸۰ میں گزر چکا ۔ یہ محض ان کا من گھڑت خیال ہے ورنہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بات کہی اور نہ ان کے پاس کوئی کتابی دلیل ہے ۔

اسی طرح انہوں نے اپنی طرف سے دین میں بہت سی باتیں گھڑ رکھی ہیں ۔ مثلاً ایک تو یہی کہ ہمیں صرف سات یا چالیس روز دوزخ کی آگ چھوئے گی ۔ دوسرے یہ کہ ہمارے اسلاف جو انبیاء تھے ، ہماری شفاعت کریں گے ۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ ان کی اولاد کو عذاب نہیں دے گا (ابن کثیر ۳۵۵ / مظہری ۲۸/ ۲) ۔

یہود کی بے بسی

۲۵ ۔ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۔ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۔

پھر جب ہم ان کو اس دن جمع کریں گے جس کے آنے میں ذرا بھی شبہ نہیں تو ان کا کیا حال ہوگا ۔ اور (اس دن) ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا اور ان پر (کسی قسم کا) ظلم نہیں کیا جائیگا ۔

وُفِّيَتْ ۔ اس کو پورا پورا دیا گیا ۔ وہ پوری کی گئی ۔ تَوْفِیۃٌ سے ماضی مجہول ۔

كَسَبَتْ ۔ اس نے کمایا ۔ اس نے کام کیا ۔ کَسْب سے ماضی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود کو ڈانٹ ڈپٹ کر تنبیہ فرمائی ہے کہ قیامت کے روز ان کا کیا حال ہوگا؟ جب ان کو ایک یقینی دن کے حساب اور جزا و سزا کے لئے جمع کیا جائیگا ، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ، اس کے رسولوں کی تکذیب کی انبیاء اور اہل حق علماء کو قتل کیا ۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے ایک ایک عمل کا حساب لے گا اور انہیں اپنے تمام اعمال کی سزا بھگتنی پڑے گی ۔ اس روز ہر شخص کو اس کے کئے کا پوراپورا بدلہ دیا جائے گا ۔ کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی ۔ (ابن کثیر ۳۵۶/ ۱) ۔

اختیارِ کامل

۲۶ ۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ ، اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہئے کہ اے ملک کے مالک اللہ ! تو جس کو چاہتا ہے بادشاہی دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے عزت دیتا اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے ۔ تیرے ہی اختیار میں سب بھلائی ہے ۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے ۔

تُؤْتِيْ تو دیتا ہے ۔ تو عطا کرتا ہے ۔ اِیتاء سے مضارع ۔

تَشَاءُ ۔ تو چاہے ۔ تو ارادہ کرے ۔ مَشِیۡئَۃٌ سے مضارع ۔
تَنۡزِعُ ۔ تو چھین لیتا ہے ۔ تو اکھاڑ پھینکتا ہے ۔ تو گرادیتا ہے ۔ نَزۡعٌ سے مضارع ۔

ربطِ آیات ۔ کفار دنیا اور اس کے سامان پر مغرور تھے ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحاب کو فقر و فاقہ اور افلاس کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کے جواب میں فرمایا کہ سلطنت و دولت اور عزت و ذلت سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم اس طرح دعا مانگو ، ہم تمہیں ایسی بے مثال سلطنت عطا کریں گے کہ اس کو دیکھ کر یہ مذاق اڑانے والے بھی حیران و دنگ رہ جائیں گے ۔ گویا یہ ایک طرح کی پیشن گوئی تھی کہ عنقریب دنیا کی کایا پلٹ ہونے والی ہے اور یہ بے سروسامان مسلمان عزت و سلطنت کے مالک بن جائیں گے ۔ اور جو لوگ اس وقت بادشاہت کر رہے ہیں وہ اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے ذلت کے گڑھے میں جا گریں گے (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ، ۳۹/ ۱) ۔

شانِ نزول ۔ علامہ بغوی ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انس بن مالکؓ نے بیان فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کر لیا تو آپؐ نے اپنی امت کے لئے فارس اور روم کی حکومتوں کا وعدہ فرمایا ۔ اس پر منافق اور یہود کہنے لگے کہ کہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور کہاں فارس اور روم کی حکومتیں ۔ وہ ان سے کہیں طاقتور اور مضبوط ہیں ۔ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے مکہ اور مدینہ کافی نہیں کہ فارس اور روم کی حکومت کا لالچ کرنے لگے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲۹/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں قوموں کے عروج و زوال اور ملکوں کے انقلابات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا گیا ہے اور فارس و روم کی فتوحات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے پورا ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ جو لوگ دنیا کے انقلابات سے بے خبر ہیں ، قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ سے ناواقف ہیں ، قوم نوح اور عاد و ثمود کے واقعات سے غافل ہیں ان کو تنبیہ کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام جہاں کا خالق و مالک ہے ۔ وہ جیسے چاہتا ہے اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے ۔ ہر قسم کی طاقت و قدرت اسی کے اختیار میں ہے کوئی بھی اس کی اجازت اور اس کی طرف سے حق ملکیت عطا ہوئے بغیر کسی چیز میں تصرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ۔ وہ اپنے ملک میں سے جس کو جتنا چاہتا ہے دے دیتا ہے اور جس سے جتنا چاہتا ہے واپس لے لیتا

ہے ۔ وہ بلا شبہ اس پر قادر ہے کہ غریبوں اور فقیروں کو تخت و تاج کا مالک بنا دے اور بڑے بڑے بادشاہوں سے حکومت و دولت چھین لے وہ جس کو چاہتا ہے دنیا یا آخرت یا دونوں جہاں میں اپنی مدد و توفیق اور ثواب عطا کر کے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بد بختی ، عدم توفیق اور عذاب دیکر ذلیل کر دیتا ہے ۔ ہر قسم کی بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے وہی قادر مطلق ہے جس طرح وہ خیر عطا کرنے پر قادر ہے اسی طرح خیر نہ دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ قدرت کے معنی ہی یہ ہیں کہ اگر وہ چاہے تو کرے اور چاہے تو نہ کرے ۔ (مظہری ۲۹ ، ۳۰ /۲)

قدرتِ خداوندی

۲۷ ۔ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَ تُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ ز وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ز وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

تو ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور تو ہی مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو پیدا کرتا ہے ۔ اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔

تُوْلِجُ ۔ تو داخل کرتا ہے ۔ تو لاتا ہے ۔ اِیْلَاجٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اے اللہ ! جس طرح نور کو ظلمت سے اور ظلمت کو نور سے بدلنا اور عزت کو ذلت سے اور ذلت کو عزت سے بدلنا تیری ہی قدرت میں ہے بالکل اسی طرح رات کے ایک حصہ کو دن میں داخل کر دینا جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے اور دن کے کسی حصہ کو رات میں داخل کر دینا جس سے رات بڑی ہو جاتی ہے ، بھی تیرے ہی اختیار و قدرت میں ہے ۔ اس طرح کسی موسم میں دن طویل ہو جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور کسی موسم میں رات طویل ہوجاتی ہے اور دن چھوٹا ہو جاتا ہے ۔ اور جاندار کو بے جان سے نکالنا اور بے جان کو جاندار سے نکالنا بھی تیری ہی قدرت میں ہے جیسے انڈے سے جانور اور جانور سے انڈا یا سبزہ کو خشک بیج سے اور خشک بیج کو سبزہ سے پیدا کرنا ۔ اور تو ہی جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔ (مظہری ۳۱/ ۲) ۔

کافروں سے دوستی کی ممانعت

۲۸ ۔لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً ؕ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ؕ

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں ۔ ہاں اگر تم ان سے کوئی بچاؤ کرنا چاہتے ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔

یَتَّخِذِ ۔ وہ اختیار کرتا ہے ۔ وہ بناتا ہے ۔ اِتِّخَاذٌ سے مضارع ۔

تُقٰۃً ۔ بچنا ۔ پرہیز کرنا ۔ ڈرنا ۔ مصدر ہے ۔

یُحَذِّرُکُمْ ۔ وہ تمہیں ڈراتا ہے ۔ تَحْذِیْرٌ سے مضارع ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں یہ بتایا گیا کہ عزت و ذلت سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم مسلمانوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی نہ کرنا اور کافروں کی ظاہری اور وقتی شان و شوکت کو دیکھ کر یہ گمان نہ کرنا کہ شاید ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے میں کچھ عزت مل جائے گی ۔ کیونکہ حقیقی عزت تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس سے ملتی ہے ۔ البتہ اگر کسی وقت کسی نے مجبوری کی حالت میں دشمن کے شروفساد سے بچنے کے لئے ظاہری طور پر ان سے دوستی کر لی تو اس کی ممانعت نہیں (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱/۴۰۰) ۔

شانِ نزول ۔ اس آیت کے شانِ نزول میں کئی روایتیں ہیں ۔ ابن جریر نے سعید اور عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کی کہ حجاج بن عمرو جو کعب بن اشرف کا حلیف تھا اور ابن ابی الحقیق اور قیس بن زید نے انصار کے کچھ آدمیوں سے اندرونی طور پر دوستی کر لی تاکہ ان کو ان کے دین کے بارے میں فتنہ میں ڈالدیں اور بہکادیں ۔ رفاعہ بن منذر اور عبداللہ بن جبیر اور سعید بن خثیمہ نے ان انصار سے کہا کہ تم لوگ ان یہودیوں

سے بچتے رہو اور ان کی دوستی سے دور رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ تمہیں دین کے بارے میں بہکادیں۔ انصار نے ان یہود کی دوستی ختم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (جلالین ۱۵۶، ۱۵۰، مظہری ۲/۳۴۱)۔

علامہ بغوی نے مقاتل کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ وغیرہ کے متعلق ہوا تھا جو مشرکین مکہ سے دوستی کا اظہار کرتے تھے۔ (مظہری ۴۲/ ۲)۔

تشریح۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے ترک موالات کا حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے کافروں سے قلبی محبت و میل ملاپ رکھنا جائز نہیں بلکہ مومنوں کو کافروں کی بجائے آپس میں دوستیاں اور محبت رکھنی چاہئے۔ اور جو شخص اس صریح اور واضح حکم کے باوجود کافروں سے دوستی رکھے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں۔ اگر کافروں سے کچھ شر و فساد کا اندیشہ ہو تو ان سے ظاہری خوش خلقی اور دوستی جائز ہے مگر دل میں ان کی طرف رغبت اور ان سے حقیقی محبت نہیں ہونی چاہئے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی دوستی سے محرومی نہ ہوگی۔

قرآن کریم میں یہ مضمون متعدد جگہ آیا ہے مثلاً۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ

(الممتحنہ آیت ۱)

اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن (یعنی کافروں) کو دوست نہ بناؤ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ (مائدہ ۵۱)۔

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں شمار ہوگا۔

وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۔ (الممتحنہ) ۔
اور جس نے ان سے دوستی کی تو وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا ۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی (متفق علیہ) حضرت انسؓ کی روایت میں ہے کہ تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی ۔ (متفق علیہ) ۔

حضرت ابو موسیٰؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیک ہمنشیں کی مثال ایسی ہے جیسے اپنے ساتھ مشک رکھنے والا اور برے ہمنشیں کی مثال ایسی ہے جیسے بھٹی دھونکنے والا ۔ مشک رکھنے والا یا تو تجھے مشک مفت دیدے گا یا تو اس سے خرید لے گا اور اگر کچھ بھی نہ ہوگا تو تجھے خوشبو تو پہنچ ہی جائیگی اور بھٹی دھونکنے والا تیرے کپڑے جلا دے گا یا کم سے کم اس کی طرف سے تجھے بد بو تو آئیگی ۔ (متفق علیہ) ۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ جس نے اپنی دوستی اور دشمنی کو اللہ تعالیٰ کے لئے وقف کر دیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا ۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی اور عذاب سے ہر اس شخص کو خبر دار کرتا ہے جو اس کے فرمان کی مخالفت کر کے اس کے دشمنوں سے دلی دوستی اور میل ملاپ رکھے اور اس کے دوستوں سے دشمنی رکھے ۔ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے جہاں اس کو اس کے کئے کا بدلہ ملے گا ۔ کوئی بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتا ۔ (مظہری ۳۳/ ۲، ۰ ابن کثیر ، ۳۵۰/ ۱) ۔

دلوں کا راز داں

۲۹ ۔ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ط وَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ان سے کہدیجئے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم اس کو چھپاؤ گے یا اس کو ظاہر کرو گے تو اللہ تعالیٰ تو اس کو جان ہی لے گا اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب کچھ جانتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

تُخْفُوْا ۔ تم چھپاتے ہو ۔ اِخْفَاءٌ سے مضارع ۔
تُبْدُوْہُ ۔ تم اس کو ظاہر کرتے ہو ۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع ۔
صُدُوْرِکُمْ ۔ تمہارے سینے ۔ تمہارے دل ۔ واحد صَدْرٌ ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ چھپی ہوئی اور ظاہر کی ہوئی تمام باتوں کو بخوبی جانتا ہے ۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ۔ اس کا علم ہر چیز کو ہر لمحہ گھیرے ہوئے ہے ۔ آسمانوں اور زمین میں ، پہاڑوں اور سمندروں میں ، ہواؤں اور فضاؤں میں غرض کائنات میں جو کچھ بھی ہے اور جہاں کہیں بھی ہے سب اس کے علم میں ہے اور ہر چیز پر اس کو قدرت حاصل ہے ۔ وہ جس کو جس طرح چاہے رکھے اور جو چاہے اس کو جزا و سزا دے ۔ پس ایسے وسیع علم والے اور ایسی زبردست قدرت والے سے ہر شخص کو ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کی نافرمانیوں سے بچتے ہوئے اس کی فرماں برداری میں لگے رہنا چاہئے (مظہری ۳۳/ ۲ ، ابن کثیر ۳۵۰/ ۱) ۔

کافروں کی پشیمانی

۳۰ ۔ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗٓ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ۭ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اس دن (کو یاد کرو) جس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اچھے کاموں کو بھی اور اپنے کئے ہوئے بُرے کاموں کو بھی اپنے سامنے موجود پائے گا ۔ اس دن وہ چاہے گا کہ کاش اس کے اور اس کے اعمالِ بَد کے درمیان دور دراز کی مسافت (حائل) ہو جائے ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے ۔

تَجِدُ ۔ وہ پائے گی ۔ وُجُوْدٌ سے مضارع ۔
مُّحْضَرًا ۔ حاضر کیا ہوا ۔ سامنے لایا ہوا ۔ اِحْضَارٌ سے اسم مفعول ۔
اَمَدًا ۔ مدت ۔ زمانہ دراز ۔ مسافت ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ عزت و ذلت سب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے ۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بنانے کی ممانعت فرمائی ہے ۔ اور کافروں کی ظاہری اور وقتی شان و شوکت دیکھ کر مسلمانوں کو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے سے شاید ان کو بھی کچھ دنیوی عزت و شہرت حاصل ہو جائیگی ۔ کیونکہ کافروں کے پاس جو عزت نظر آتی ہے وہ حقیقی نہیں ۔ حقیقی عزت تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے ۔ البتہ اگر کسی مجبوری کے تحت یا کافروں کے شرو فساد سے بچنے کے لئے ظاہری طور پر تدبیر کے درجہ میں اور بقدر ضروریات و حاجت ، ان سے کچھ تعلق قائم کر لیا تو وہ جائز ہے مگر پسندیدہ وہ بھی نہیں ۔

تشریح ۔ قیامت کے روز ہر شخص اپنی نیکیوں کو یا نیکیوں کے صحیفے کو یا ان کے ثواب کو پالے گا ۔ اور نیکی یا صحیفہ یا ثواب اس کے سامنے ہوگا جس کو دیکھ کر وہ خوش ہوگا ۔ اسی طرح بُرے اعمال کو یا برائیوں کے صحیفے یا اس کے عذاب کو پالے گا اور بُرے اعمال یا برائیوں کا صحیفہ یا اس کا عذاب اس کے سامنے ہوگا جس کو دیکھ کر وہ حسرت و افسوس کرے گا اور تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور روز جزا کے درمیان ایک بڑی مسافت حائل ہوجائے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۔ (القیامۃ ۱۳)

اس دن انسان کو تمام اگلی پچھلی باتوں کی خبر کر دی جائیگی ۔

حضرت عدیؓ بن حاتم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک سے اس کا رب اس طرح کلام فرمائے گا کہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا اور نہ کوئی حجاب مانع ہوگا ۔ وہ شخص اپنے دائیں طرف دیکھے گا تو اس کو وہی اعمال نظر آئیں گے جو اس نے پہلے کئے ہوں گے اور بائیں طرف دیکھے گا تب بھی سابقہ اعمال دکھائی دیں گے اور سامنے دیکھے گا تو منہ کے سامنے آگ ہی آگ دکھائی دے گی ۔ پس تم اس آگ سے بچو اگر چہ چھوارہ کا ایک ٹکڑا ہی دے سکو ۔ (متفق علیہ ۔ مظہری ۳۵/ ۲) ۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے نیک بندوں کے لے خوشخبری ہے کہ انکو اس کے لطف و کرم سے کبھی نا امید نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ وہ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے ۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کو قریب بلا کر اور اس پر اپنی ہتھیلی رکھ کر خفیہ طور پر فرمائے گا کہ کیا تجھے اپنا فلاں گناہ معلوم ہے ۔ بندہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب بیشک مجھے معلوم ہے جب اللہ تعالیٰ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرالیگا اور بندہ خیال کرے گا کہ اب میں تباہ و برباد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے اور آج میں معاف کرتا ہوں ۔ اس کے بعد نیکیوں کا اعمال نامہ اس کو دے دیا جائیگا ۔ رہے کافرو منافق تو ان کے متعلق تمام مخلوق کے سامنے ندا دی جائے گی کہ ۔

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۔ (ھود ۱۸) ۔

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا ۔ آگاہ ہو جاؤ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے (مظہری ۳۳ / ۲) ۔

محبتِ الٰہی کی کسوٹی

۳۱ ، ۳۲ ۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہدیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو (اس کے نتیجہ میں) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا اور وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا ۔ اور اللہ تو بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے ۔

آپ کہدیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو ۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے موالات اور محبت کی ممانعت

کا بیان تھا ۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے حبیب حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اتباع کا حکم ہے ۔

شانِ نزول ۔ ابن جریر اور ابن المنذر نے حسن بصری ؒ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کچھ لوگوں نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم ہم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو ایمان لاؤ اور اس کے سچے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کرو (جلالین ۵۰، ۱ ، مظہری ۳۶ / ۲)۔

ابن اسحٰق اور ابن جریر نے محمد بن جعفر بن زبیر کا قول نقل کیا ہے کہ نجران کے وفد نے کہا تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی پرستش کرتے ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۳۶/ ۲) ۔

علامہ بغوی ؒ نے لکھا ہے کہ آیت کا نزول یہود و نصاریٰ کے حق میں ہوا تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا **نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ** ۔ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں (مظہری ۳۶/ ۲)۔

تشریح ۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار بتایا ہے کہ جو شخص اس کی محبت کا دعویٰ کرے اور اس کے اعمال و افعال اور عقائد ، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہوں تو اس کا دعویٰ صحیح نہیں لہذا اگر کوئی شخص اپنے مالک و معبود حقیقی کی محبت کا دعویٰ کرے تو اس کے دعوے کی سچائی کو پرکھنے کے لئے اس کے اعمال و افعال اور عقائد کو اتباع محمدی کی کسوٹی پر کسا جائیگا جس سے سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائیگا ۔ جو شخص اپنے دعوے میں جس قدر سچا ہوگا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اسی قدر پختہ اور کامل ہوگا اور جتنا وہ اپنے دعوے میں کمزور ہوگا اتنا ہی وہ آپ ؐ کی اتباع میں سست اور کمزور ہوگا ۔ (معارف القرآن ۵۵ / ۲)

پھر حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری سے رو گردانی کریں وہ کافر ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ ان سے محبت نہیں رکھتا کیونکہ اس کی محبت مومنوں کے لئے مخصوص ہے ۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس پر میرا حکم نہ ہو وہ مردود ہے ۔ (ابن کثیر ۳۵۸/ ۱) ۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔ جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کی اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی اتباع کی اور جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ۔ (مظہری ۳۸/ ۲) ۔

منتخب انبیاء

۳۳ ، ۳۴ ۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىٓ اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم و نوح اور آل ابراہیم و آل عمران کو سارے جہان پر (فضیلت کے لئے) چن لیا ۔ ان میں بعض بعض کی اولاد ہیں اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

اٰلَ ۔ اولاد ، قوم ۔ گھر کے لوگ ۔

اصْطَفٰى ۔ اس نے منتخب کر لیا ۔ اس نے پسند کر لیا ۔ اِصْطِفَاء سے ماضی ۔

ذُرِّيَّةً ۔ اولاد ۔ جمع ذریّت ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے معیار کا بیان تھا ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے چند منتخب و محبوب بندوں کا ذکر اور ان کے واقعات بیان فرمائے ہیں تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان پاکباز اور پسندیدہ بندوں کی اتباع اور محبت کا شوق پیدا ہو اور وہ یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق و محبت اور اس کی خوشنودی ، ان منتخب و برگزیدہ بندوں کی اتباع اور پیروی کے بغیر ممکن نہیں ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کی برگزیدگی اور فضیلت کو بیان فرمایا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا جو سب انسانوں کے باپ تھے ۔ پھر فرشتوں سے ان کو سجدہ کرایا اور ان کو تمام چیزوں کے نام بتائے اور جنت میں بسا دیا ۔

پھر اپنی حکمت اور قدرت کاملہ کے اظہار کے لئے ان کو زمین پر اتار دیا ۔ سب سے پہلے انہی کو نبوت عطا فرمائی اور تمام انبیاء کو انہی کی نسل سے پیدا فرمایا ۔

ابتداء میں ، تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کے دین پر تھے ۔ پھر جب ان میں اختلافات پیدا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے حضرت نوح علیہ السلام کو اپنی نبوت کے لئے چن لیا ۔ جب ان کی قوم نے سرکشی کی اور پیغمبر کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعاء سے ان پر پانی کا عذاب بھیجکر ، حضرت نوحؑ کی اتباع کرنے والوں کے سوا ، سب کو اس پانی کے طوفان میں ڈبودیا ، جو طوفان نوحؑ کے نام سے مشہور ہے ۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کو برگزیدگی عطا فرمائی ۔ پھر سب سے آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے خاندان میں سید البشر ، خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو برگزیدہ فرما کر مبعوث فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ نے عمران کے خاندان کو بھی منتخب و برگزیدہ کیا ۔ عمران حضرت مریمؑ کے والد کا نام ہے ۔ جو حضرت عیسیٰ کی والدہ ہیں ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر تعجب کا اظہار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی بات کو خوب سنتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ منتخب کئے جانے کی اہلیت و صلاحیت کس میں ہے ۔ (مظہری ۳۸/ ۲، ابن کثیر ۳۵۸/ ۱) ۔

حضرت مریمؑ کی والدہ کی نذر

۳۵ ۔ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ج اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۔

(اور وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے میرے رب میرے پیٹ میں جو کچھ ہے میں نے اس کو تیرے لئے نذر کیا ۔ پس تو (اس کو) میری طرف سے قبول فرما لے ۔ بیشک تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے ۔

نَذَرْتُ ۔ میں نے نذر مانی ۔ میں نے منت مانی ۔ نَذْرٌ سے ماضی ۔

مُحَرَّرًا ۔ تحریر کیا ہوا ۔ آزاد کیا ہوا ۔ تحریرٌ سے اسم مفعول ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کا اجمالی ذکر تھا ۔ یہاں سے ان کا تفصیلی بیان شروع ہوا ہے ۔ سب سے پہلے آل عمران کا واقعہ بیان کیا تاکہ یہود و نصاریٰ کے من گھڑت اور فاسد خیالات کا فیصلہ کر دیا جائے ۔ یہود نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں ہنایت تفریط سے کام لیکر ان کی شان کو گھٹایا ، ان کو کاہن اور جادوگر بتایا ۔ اس کے برعکس نصاریٰ نے افراط سے کام لیکر ان کو خدا اور خدا کا بیٹا قرار دیا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی ولادت ، ان کی طفولیت اور ان کے بشری احوال کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا تاکہ حضرت عیسیٰ کا اولاد آدم میں سے ہونا پوری طرح واضح ہو جائے ۔

تشریح ۔ گزشتہ انبیاء کی شریعت میں عبادت کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ اپنی اولاد میں سے کسی لڑکے کو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کر دیتے تھے اور اس سے دنیا کی کوئی خدمت نہیں لیتے تھے ۔ جوان ہونے تک وہ لڑکا گرجا کی خدمت میں لگا رہتا تھا ۔ اس کے بعد اس کو اختیار ہوتا تھا کہ وہ چاہے تو وہیں رہ کر گرجا کی خدمت میں لگا رہے اور اگر وہ چاہے تو اس خدمت کو ترک کر کے کہیں اور چلا جائے ۔

حضرت مریمؑ کی والدہ نے بھی اسی دستور کے مطابق یہ منت مانی تھی کہ جو بچہ پیدا ہوگا اس کو خاص بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردوں گی اور اسے دنیا کے کام میں نہیں لگاؤں گی ۔ (معارف القرآن ، ۵/ ۲) ۔

ابن جریرؒ نے ابن اسحٰقؒ کی روایت سے بیان کیا اور حضرت عکرمہؓ سے بھی اسی طرح مروی ہے کہ عمران کے باپ کا نام ماثان یا اشہم تھا ۔ ماثان کی اولاد ہی بنی اسرائیل کی سردار تھی انہی میں سے علماء اور بادشاہ ہوتے تھے ۔ عمران کی بیوی کا نام حنّہ بنت فاقوذ تھا ۔ ان کے اولاد نہیں ہوتی تھی ۔ اور وہ بوڑھی بھی ہو گئی تھیں ۔ ایک روز انہوں نے ایک درخت کے نیچے سے ایک پرندے کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو چونچ سے چوگا دے رہا ہے ۔ یہ دیکھ کر ان کے دل میں بھی بچے کی خواہش پیدا ہوئی ۔ انہوں نے فوراً اللہ تعالیٰ سے دعا کی ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کے مقبول گھرانے سے تھیں اس لئے ان کی دعا فوراً قبول ہوگئی اور وہ حاملہ ہو گئیں ۔ (مظہری ۳۰/ ۲) ۔

جب انہیں حمل کا یقین ہو گیا تو انہوں نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ مجھے جو اولاد دے گا میں اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ تعالیٰ کے نام پر آزاد کر دوں گی ۔ اے اللہ تو میری اس مخلصانہ نذر کو قبول فرما ۔ بلا شبہ تو میری دعا کو سن رہا ہے اور تو میری نیت کو

بھی خوب جانتا ہے ۔ (ابن کثیر ۳۵۹/ ۱) ۔

عمران نے بیوی کی دعاء اور منت سنکر کہا کہ تونے یہ کیا کیا ۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی تو کیا ہوگا ۔ پھر دونوں فکر میں پڑگئے ۔ حضرت مریمؑ کے والد عمران حضرت مریمؑ کی پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر گئے اور حنّہ بیوہ ہو گئیں ۔ (مظہری ۴۰، ۴۱ / ۲) ۔

حضرت مریمؑ کا مرتبہ

۳۶ ۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰی ط وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَا لْاُنْثٰی ج وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْٓ اُعِیْذُهَا بِکَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ہ

پھر جب اس نے لڑکی جنی تو کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس نے کیا جنا ۔ اور لڑکا ، لڑکی جیسا نہیں اور (بہر حال) میں نے اس کا نام مریمؑ رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں ۔

وَضَعْتُهَا ۔ اس نے اس (مؤنث) کو جنا ۔ اس نے اس کو رکھا ۔ وَضْعٌ سے ماضی ۔

سَمَّیْتُهَا ۔ میں نے اس کا نام رکھا ۔ تَسْمِیَۃٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ پھر جب حضرت مریمؑ کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ حنّہ نے حسرت کے ساتھ کہا کہ اے میرےپروردگار میں نے تو اس بچے کو تیرے نام پر وقف کیا تھا مگر یہ تو لڑکی ہے جو فطرتاً کمزور ہوتی ہے اور اس کو نسوانی عوارض بھی ہوتے ہیں اس لئے وہ بیت المقدس کی خدمت کی صلاحیت نہیں رکھتی ۔ اگر یہ لڑکا ہوتا تو وہ فطرتاً طاقتور اور مضبوط ہونیکی بنا پر بیت المقدس کی خدمت کرسکتا تھا ۔ اس لئے لڑکا لڑکی کی مانند نہیں ہوسکتا

پھر حنّہ نے کہا کہ اے اللہ میں نے اس لڑکی کا نام مریمؑ رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے بچانے کے لئے تیری پناہ میں دیتی ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے حنّہ کی یہ دعا بھی قبول فرمائی اور حضرت مریمؑ اور ان کا بچہ شیطان سے محفوظ رہے ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پیدائش کے وقت

شیطان ہر بچہ کو ضرور ٹھوکا دیتا ہے جس سے بچہ چیخنے چلانے اور رونے لگتا ہے ۔ مگر (حضرت) مریمؑ اور ان کا بچہ (یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام) شیطان سے محفوظ رہے ۔ متفق علیہ (مظہری ۳۱/ ۲، ۱۰۲ ابن کثیر ۳۵۹/ ۱) ۔

حضرت مریمؑ کی پرورش

۳۷ ۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۔

پھر اس (لڑکی) کو اس کے رب نے اچھی طرح سے قبول کر لیا اور اس کی نشوونما بہت عمدہ طریقہ پر فرمائی اور (حضرت) زکریاؑ نے اس کی کفالت کی ۔ جب (حضرت) زکریاؑ اس کے پاس حجرے میں جاتے تو وہ اس کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے (پھر مریم سے) پوچھا کہ اے مریم تیرے پاس یہ (کھانا) کہاں سے آتا ہے ۔ اس (مریم) نے جواب دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے ۔

اَنْۢبَتَهَا اس نے اس کو اگایا ۔ اس نے اس کی نشوونما کی ۔ اِنبَاتٌ سے ماضی ۔
الْمِحْرَابَ لغت میں محراب سب سے اونچی جگہ کو کہتے ہیں یہاں اس سے وہ بالاخانہ مراد ہے جو حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کے لئے بنوایا تھا ۔

تشریح ۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو قبول فرمالیا اور ان کو اپنی مہربانی سے برگزیدہ و پسندیدہ بنایا اور ان کو سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا کی اور بہترین طریقہ سے ان کی نشوونما کی ۔ چنانچہ ایک دن میں ان کا بڑھاؤ اتنا ہوتا تھا جتنا عام بچوں کا سال بھر میں ہوتا ہے ۔

ابن جریرؒ نے عکرمہؒ ، قتادہؒ اور سدیؒ کی روایتوں سے لکھا ہے کہ حنہؒ ، حضرت مریمؑ کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر مسجد بیت المقدس میں لے گئیں اور ان کو وہاں کے مجاوروں اور عابدوں کے سامنے رکھ کر کہا کہ یہ نَذِیرَۃٌ (منت میں پیش کی ہوئی لڑکی) ہے ۔ حضرت عمران اس مسجد کے امام بھی تھے اور حضرت مریمؑ کے والد بھی ۔ وہ حضرت مریمؑ کی ولادت سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے ورنہ وہی ان کے لینے کے سب سے زیادہ حقدار تھے ۔ دوسرے مجاوروں اور عابدوں میں سے ہر شخص کو ان کے لینے اور پرورش کرنے کی خواہش تھی ۔ حضرت زکریاؑ نے فرمایا کہ میں اس کا سب سے زیادہ مستحق ہوں کیونکہ اس کی خالہ میری بیوی ہے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے اس لئے ماں کے بعد وہی اس کو لینے اور پرورش کرنے کی مستحق ہے ۔ مگر دوسرے لوگ اس پر راضی نہ ہوئے لہذا سب نے قرعہ اندازی پر اتفاق کیا اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکل آیا ۔ (مظہری ۳۲/ ۲ ، معارف القرآن ۵۸/ ۲) ۔

حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کے لئے ایک حجرہ بنوایا اور دودھ پلانے کے لئے ایک عورت کو مقرر کر دیا ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان کو دودھ پینے کی حاجت ہی نہیں ہوئی ۔ محمد بن اسحقؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت زکریاؑ نے حضرت یحیٰؑ کی ماں یعنی اپنی بیوی کو جو حضرت مریمؑ کی خالہ تھیں ، ان کی نگہداشت اور پرورش پر مقرر کیا ۔ جب حضرت مریمؑ بڑی ہو گئیں تو ان کے لئے مسجد کے اندر ایک بالاخانہ بنوادیا جس کا دروازہ مسجد کے اندر تھا اور زینہ کے بغیر اس پر چڑھنا ممکن نہ تھا ۔ حضرت مریمؑ کے پاس بالا خانہ پر حضرت زکریاؑ کے سوا کوئی نہیں جاتا تھا اور حضرت زکریاؑ ہی کھانے پینے کی چیزیں ان کے پاس پہنچاتے تھے ۔ جب کہیں جاتے تو بالا خانہ کو تالا لگا کر جاتے اور واپس آکر کھول لیتے ۔ (مظہری ۳۳/ ۲) ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کی بزرگی اور کرامت بیان فرمائی ہے کہ جب بھی حضرت زکریاؑ ان کے پاس بالا خانہ میں جاتے تو وہ ان کے پاس غیر موسمی پھل رکھے ہوئے پاتے مثلاً سردیوں میں گرمیوں کے پھل اور گرمیوں میں سردیوں کے پھل ۔ ایک دن حضرت زکریاؑ نے ان سے پوچھ لیا کہ اے مریمؑ ! تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آتے ہیں ۔ حضرت مریمؑ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے ۔ بیشک وہ جسے چاہے بے حساب روزی دیتا ہے ۔ (مظہری ۳۳/ ۲ ، ابن کثیر ۳۶۰/ ۱) ۔

حضرت زکریاؑ کی دعاء

۳۸ ۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۔
اس موقع پر (حضرت) زکریاؑ نے اپنے رب سے دعا کی ۔ اے میرے رب ! مجھے بھی اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما ، بیشک تو دعا کا سننے والا ہے ۔

هُنَالِكَ ۔ اس وقت ۔ اس جگہ ۔ وہاں ۔ اسم ظرف زمان و مکان ۔

هَبْ ۔ تو ہبہ کر ۔ تو عطا کر ۔ تو عنایت کر ۔ وَهْبٌ سے امر ۔
لَدُنْكَ ۔ اپنی طرف سے ، اپنے پاس سے ۔
طَيِّبَةً ۔ نیک ، گناہوں سے پاک ، معصوم ۔

تشریح ۔ حضرت زکریاؑ کے اس وقت تک اولاد نہیں ہوئی تھی ۔ اور ان کی بیوی اور وہ خود بہت بوڑھے اور اولاد سے نا امید ہو چکے تھے ۔ اس کے باوجود حضرت مریمؑ کی کرامت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت دیکھ کر ان کے دل میں اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعاء کا خیال پیدا ہوا کہ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی بڑھاپے میں اولاد عطا فرمادے کیونکہ اس کی قدرت اور ارادہ کے لئے کسی سبب کا پایا جانا شرط نہیں ۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار ! مجھے بھی خلاف معمول اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما جس طرح تو اسباب کے بغیر حضرت مریمؑ کو رزق عطا فرماتا ہے ۔ بیشک تو ہی دعا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے ۔ (مظہری ۳۴ / ۲) ۔

حضرت یحیٰؑ کی بشارت

۳۹ ۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّ حَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔
جب وہ محراب میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے پکار کر

ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یحیٰ (کے پیدا ہونے) کی بشارت دیتا ہے
جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار ہوگا ۔ اور وہ اپنے
نفس کو (لذات سے) روکنے والا ہوگا اور نیک نبی ہوگا ۔

سَیِّدًا ۔ عنداللہ معزز ۔ قانع ۔ متقی ۔ جس نے دونوں جہان دیکر خالق جہان کو لے لیا ۔
یہ سَادَ ۔ یَسُوْدُ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے ۔ اصل میں یہ سَیْوِدٌ تھا یائے
ساکن کی وجہ سے واؤ کو یا سے تبدیل کرکے ادغام کر دیا ۔

حَصُوْرًا ۔ پاکباز ۔ نفس کو خواہشات اور لہو و لعب سے روکنے والا ۔ حضرت عبداللہؓ بن
مسعود اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حصور اس شخص کو کہتے ہیں
جو قدرت کے باوجود عورتوں کے قریب نہ جاتاہو ۔ (معارف القرآن از مولانا
محمد ادریس کاندھلوی بحوالہ تفسیر قرطبی ۴/۸۰ ۱) ۔ یہ حَصْر سے فعول کے
وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے ۔

تشریح ۔ حضرت زکریا علیہ السلام بیت المقدس کے شیخ اعظم تھے ۔ قربانی پیش کرنا اور قربان گاہ کا دروازہ کھولنا انہی کے سپرد تھا ۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی اندر داخل نہیں ہوسکتا تھا ۔ ایک روز یہ قربان گاہ کے قریب مسجد کے اندر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ قربان گاہ میں داخل ہونے کے لئے اجازت کے منتظر تھے کہ اچانک ایک نوجوان سفید کپڑے پہنے ہوئے داخل ہوا ۔ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے ۔ انہیں دیکھ کر حضرت زکریا ڈر گئے ۔ حضرت جبرائیل نے ندا دی کہ اے زکریا بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حضرت یحیٰ کے پیدا ہونیکی بشارت دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور اپنی قوم کے سردار ہوں گے ۔ اور وہ اپنے نفس کو خواہشات اور لہو و لعب سے روکنے والے ہوں گے ۔ وہ نبی ہوں گے اور صالحین میں سے ہوں گے ۔

ابن ابی حاتمؒ اور ابن عساکرؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام ابن آدم اللہ تعالیٰ کے سامنے اس گناہ کے ساتھ جائیں گے جو ان سے سرزد ہوگا ۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو معاف فرمادے گا اور چاہے گا تو عذاب دے گا سوائے (حضرت) یحیٰ بن زکریا کے جو سید اور حصور تھے ۔ (انہوں نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے بغیر گناہ کے جائیں گے) اور نبی تھے اور صالحین کی

نسل سے تھے (مظہری ۴۴ ۔ ۴۶/ ۲) ۔

حضرت زکریاؑ کی حیرانگی

۴۰ ۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝

(حضرت) زکریاؑ نے کہا کہ اے میرے پروردگار! میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا آ پہنچا ہے اور میری بیوی بھی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی ۔ فرشتہ نے کہا اسی حالت میں (لڑکا ہوگا) اللہ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے ۔

غُلٰمٌ ۔ لڑکا ۔ بچہ ۔ جمع غِلْمَانٌ و غِلْمَۃٌ ۔

عَاقِرٌ ۔ بہت بوڑھی ۔ نا قابل تولید ۔ بانجھ ۔ عُقْرٌ و عَقَارَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت یحییٰ کی پیدائش کی بشارت ملنے کے بعد حضرت زکریاؑ کو خیال پیدا ہوا کہ ظاہری اسباب سے تو بچہ کا پیدا ہونا محال ہے اس لئے انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے ہاں بچہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ میں تو بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بھی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی ۔ فرشتے نے اسی وقت جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کا امر سب سے بڑا ہے ۔ اس کے پاس کوئی چیز ان ہونی نہیں ، نہ اس کے لئے کوئی کام بھاری ہے اور نہ وہ کسی کام سے عاجز ۔ اس کا ارادہ ہو چکا ۔ وہ اسی طرح کرے گا ۔ یعنی تمہارے بوڑھا ہونے اور تمہاری بیوی کے ناقابل تولید ہونے کے باوجود بچہ پیدا ہو گا ۔ (ابن کثیر ۳۶۳/ ۱) ۔

پیدائش کی علامت

۴۱ ۔ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ۝

(حضرت) زکریاؑ نے کہا اے میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ تم تین دن

تک اشاروں کے سوا لوگوں سے بات نہ کر سکو گے اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کر اور صبح و شام تسبیح کر۔

رَمْزًا ۔ اشارہ ۔ خواہ ہاتھ سے ہو یا سر یا آنکھ سے ۔ جمع رُمُوْزٌ ۔
اَلْعَشِيِّ ۔ شام کے وقت ۔ سورج ڈھلنے کے بعد ۔
اَلْاِبْكَارِ ۔ صبح کے وقت ۔

تشریح ۔ پھر حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ سے اِستقرارِ حمل کی علامت کے لئے عرض کیا تاکہ اس کو جاننے کے بعد تیری نعمت کے شکریہ میں تیری عبادت میں مشغول ہو جاؤں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ تندرست اور صحیح و سالم ہونے کے باوجود تو تین دن تک لوگوں سے بات نہ کر سکے گا سوائے اشاروں کے ۔ اگر چہ اس وقت لوگوں سے بات کرنے کی قدرت نہ ہوگی مگر اللہ تعالیٰ کے ذکر پر قدرت ہوگی ۔ لہٰذا جب یہ نشانی ظاہر ہو جائے اور لوگوں سے بات کرنے کی قدرت نہ رہے تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہنا ۔ (ابن کثیر ۳۶۳/ ۱) ۔

حضرت مریمؑ کی برگزیدگی

۴۲ ، ۴۳ ۔ وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا اے مریم ! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں منتخب فرمالیا ہے اور تمہیں پاک کر دیا ہے ۔ اور تمہیں (اپنے زمانے میں) سب جہان کی عورتوں پر فضیلت دی ۔ اے مریم ! تم اپنے رب کی عبادت کرتی رہو اور سجدہ کیا کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کر ۔

وَطَهَّرَكِ ۔ اور اس نے تجھے پاک کر دیا ۔ یعنی گناہوں سے محفوظ رکھا ۔ تَطْهِيْرٌ سے ماضی
قُنُتِيْ تو فرماں برداری کر تو اطاعت کر قُنُوْتٌ سے امر ۔ قُنُوْتٌ کے معنی اطاعت کے ہیں جو

عاجزی اور دل کی حضوری کے ساتھ ہو ۔

تشریح ۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مریمؑ کو خبردی کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے عبادت کی کثرت ، دنیا سے بے رغبتی اور شیطانی وساوس سے دوری کی بنا پر اپنے خاص قرب کا درجہ عطا فرمادیا ہے اور تجھے برگزیدہ کر لیا اور تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت دی ۔ یعنی اس زمانے کی تمام عورتوں پر فضیلت دی ۔ (ابن کثیر ۳۶۴/ ۱) ۔

حضرت ابوموسیٰؓ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مردوں میں تو کامل بہت ہیں لیکن عورتوں میں کامل صرف مریمؑ بنت عمران اور فرعون کی زوجہ آسیہ تھی ۔ اور عورتوں پر عائشہ کی فضیلت ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔متفق علیہ ۔ (مظہری ،۴۰/ ۲) ۔

پھر فرشتے نے حضرت مریمؑ سے کہا کہ اے مریمؑ! تو اس انتخاب پر اپنے رب کا شکر ادا کرنے کے لئے خشوع و خضوع اور رکوع و سجود میں رہا کر ۔ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی قدرت کا ایک عظیم الشان نشان بنانے والا ہے اس لئے تجھے اپنے رب کی طرف پوری رغبت رکھنی چاہئے تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو ۔ (ابن کثیر ۳۶۴/ ۱) ۔

صداقتِ وحی کی دلیل

۴۴ ۔ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ؕ وَمَاکُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْیُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَکْفُلُ مَرْیَمَ ص وَمَاکُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْیَخْتَصِمُوْنَ ؕ

یہ (تمام واقعات) غیب کی خبریں ہیں (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم ان کو آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ (قرعہ اندازی کے لئے) اپنے اپنے قلم (دریا میں) ڈال رہے تھے کہ مریم کی کفالت کون کرے گا ۔ اور آپ اس وقت بھی ان کے پاس موجود نہ تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے ۔

اَنْبَآءِ ۔ خبریں ۔ واحد نَبَاٌ ۔
لَدَیْهِمْ ۔ ان کے پاس ۔

یَخْتَصِمُوْنَ ۔ وہ جھگڑتے ہیں ۔ وہ بحث کرتے ہیں ۔ اِخْتِصَامٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ یہ اہم اور گزرے ہوئے واقعات غیب کی خبریں ہیں جو وحی کے ذریعہ ہم آپؐ کو بتاتے ہیں۔ ورنہ آپ کو کیا خبر ۔ کیونکہ آپؐ اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھے ، جب وہ قرعہ اندازی کے لئے اپنے قلم دریا کے اندر ڈال رہے تھے اور نہ آپؐ اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ حضرت مریمؑ کی کفالت کے بارے میں آپس میں جھگڑ رہے تھے اور ہر ایک چاہتا تھا کہ وہ حضرت مریمؑ کی کفالت کے شرف سے مشرف ہو جائے ۔ آخر قرعہ اندازی کے ذریعہ حضرت مریمؑ حضرت زکریاؑ کی کفالت میں آگئیں اور وہی اس سعادت سے مشرف ہوئے ۔ یہ سب علم آپؐ کو وحی کے ذریعہ حاصل ہوا اور یہ آپؐ کے نبی ہونیکی دلیل ہے ۔ کیونکہ آپؐ نہ تو پڑھے لکھے ہیں کہ اہل کتاب کی کتابوں سے یہ واقعات پڑھ لیتے اور نہ آپؐ اہل کتاب کے ساتھ اٹھے بیٹھے ہیں کہ ان کی زبانی سن کر آپؐ کو معلوم ہو جاتے ۔ پھر اہل کتاب کے پاس بھی صحیح علم موجود نہیں ۔ انہوں نے صحیح واقعات کو بدل ڈالا ہے ۔ لہذا یہ تمام واقعات آپؐ کو وحی کے ذریعہ ہی معلوم ہوئے اور یہ آپؐ کی صداقت کی دلیل ہیں ۔ جو لوگ اس دلیل کے بعد بھی آپؐ کی نبوت کا انکار کریں وہ گمراہ اور سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ۔

حضرت عیسیٰؑ کی بشارت

۴۵ ، ۴۶ ۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

(وہ وقت بھی یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا کہ اے مریم ! بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح ، عیسیٰ بن مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبہ والا اور اللہ تعالیٰ کے مقرب لوگوں میں سے ہوگا ۔ اور وہ لوگوں سے ماں کی گود میں اور بڑی عمر میں باتیں

کرے گا اور وہ نبی ہوگا اور نیک لوگوں میں سے ہوگا ۔

وَجِیْهًا ۔ وجاہت والا ۔ قدر و منزلت والا ۔ وَجَاهَۃٌ سے صفت مشبہ ۔
الْمَهْدِ ۔ گود ، گہوارہ ، جھولا ۔
كَهْلاً ۔ ادھیڑ عمر ۔ درمیانی عمر کا آدمی ۔ جمع کُھُولٌ ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ حضرت مریمؑ کو خوشخبری سنائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کن کہنے سے ان کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑی شان والا ہوگا ۔ اس کا نام عیسیٰؑ بن مریم ہوگا ۔ وہ اپنے پالنے میں یعنی شیر خوارگی کی حالت میں ہی لوگوں سے باتیں کرے گا ۔ اپنی پاک دامنی اور برأت میں تجھے بولنے کی ضرورت نہیں ہوگی تو صرف یہ کہدینا کہ آج میں روزہ سے ہوں بات نہیں کر سکتی ۔ بچہ خود ہی کلام کرے گا اور بڑا ہو کر بھی لوگوں کو اللہ کی باتیں بتائے گا ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ دونوں جہانوں میں برگزیدہ اور اس کے خاص مقربین میں سے ہوگا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی شریعت اور کتاب اترے گی اور دنیا و آخرت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی مہربانیاں نازل ہوں گی ۔ وہ اولوالعزم پیغمبروں کی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم سے جس کے لئے اللہ تعالیٰ چاہے گا شفاعت کرے گا اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی ۔ اس کا قول ، صحیح علم پر مبنی اور عمل ، نیک و صالح ہوگا ۔ (ابن کثیر ۳۶۳ ، ۳۶۴ / ۱) ۔

قدرتِ کاملہ

۴۷ ۔ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝

(حضرت مریم نے) کہا اے میرے پروردگار ! میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ تک نہیں لگایا ۔ فرمایا کہ اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے ۔ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو وہ اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جاؤ ، سو وہ ہو جاتا ہے ۔

قَضٰی ۔ اس نے فیصلہ کیا ۔ اس نے پورا کیا ۔ اس نے چاہا ۔ قَضَاءٌ سے ماضی ۔

كُنْ ۔ تو ہو جا۔ کَوْنٌ سے امر۔

تشریح ۔ حضرت مریمؑ نے بشارت سنکر تعجب و حیرت سے کہا کہ اے میرے پروردگار ! میرے بچہ کیسے ہوگا مجھے تو کسی مرد نے نہیں چھوا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعہ حضرت مریمؑ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کا امر بہت بڑا ہے ۔ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی ۔ وہ جو چاہے جب چاہے اور جس طرح چاہے پیدا فرمادے ۔ جس طرح وہ اسباب اور مادہ کے ذریعہ پیدا کرنیکی قدرت رکھتا ہے اسی طرح وہ بغیر اسباب کے ایک دم بھی پیدا کر سکتا ہے ۔ جب وہ کسی چیز کے ہونے کا فیصلہ کر تا ہے تو وہ اس چیز کے ہونے کا حکم دے دیتا ہے ۔ پس وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے ۔ اس کے حکم کے بعد کسی چیز کے ہونے میں دیر نہیں لگتی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلاَّ وَاحِدَةٌ کَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ۔ (القمر ۵۰) ۔ اور ہمارے صرف ایک مرتبہ کے حکم سے ہی بلا تاخیر فوراً پلک جھپکتے میں وہ کام ہو جاتا ہے ۔ ہمیں دوبارہ کہنا نہیں پڑتا ۔ (مظہری ۵۰ ، ۱/۱۰۲ ابن کثیر ۳۶۳ / ۱) ۔

حضرت عیسیٰؑ کے معجزے

۴۸ ، ۴۹ ۔ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۔ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۵ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۵ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۔

اور اللہ تعالیٰ اس (عیسیٰ بن مریم) کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دے گا ۔ اور ان کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجے گا (عیسیٰ بن مریم کہیں گے کہ) میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لیکر آیا ہوں ۔ میں تمہارے لئے گارے سے پرندے کی شکل کی ایک مورت بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے

اڑنے لگتا ہے اور میں مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں ۔ اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں رکھ کر آتے ہو ، میں تمہیں وہ سب بتادوں گا ۔ بیشک اس میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم مومن ہو ۔

الطِّیْنِ ۔ گارا ۔ مٹی ۔ خاک ۔
کَھَیْئَۃِ ۔ ایک شکل کی مانند ۔ ایک صورت کی مانند ۔
اَنْفُخُ ۔ میں پھونک مارتا ہوں ۔ **نَفْخ** سے مضارع ۔
اُبْرِیءُ ۔ میں اچھا کرتا ہوں ۔اِبْرَاء سے مضارع ۔
اَکْمَہَ ۔ پیدائشی اندھا ۔ کَمَہ سے صفت مشبہ ۔
اَبْرَصَ برص زدہ ۔ کوڑھی ۔
تَدَّخِرُوْنَ ۔ تم جمع کرتے ہو ۔ تم ذخیرہ کرتے ہو ۔ اِدِّخَار سے مضارع ۔

تشریح ۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے نبی کو اس زمانے والوں کی مناسبت سے خاص خاص معجزے عطا فرمائے ۔ حضرت موسیٰ کے زمانے میں جادو کا زور تھا اور جادوگروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسا معجزہ عطا فرمایا (لاٹھی کو سانپ بنانے کا) جس نے تمام جادوگروں کو عاجز کر دیا اور انہیں کامل یقین ہو گیا کہ یہ جادو نہیں بلکہ یہ تو خدائے واحد و قہار کی طرف سے عطیہ ہے ۔ چنانچہ تمام جادوگر سر تسلیم خم کر کے اسلام میں داخل ہوگئے ۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت عرب میں فصاحت و بلاغت ، شاعری و بلند خیالی اور گفتگو میں نزاکت و لطافت کا دور دورہ تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی کتاب عطا فرمائی جس سے ان کی تمام فصاحت و بلاغت ، نزاکت و لطافت او ربلند خیالی دھری کی دھری رہ گئی اور وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے سامنے ایسے عاجز و بے بس ہوئے کہ بے اختیار پکار اٹھے کہ یہ انسانی کلام نہیں ۔

قرآن کریم نے بار بار اعلان کیا ، کہ ہے کوئی جو ایسا کلام بنا سکے ۔ اکیلے اکیلے نہیں بلکہ سب انسان و جنات مل کر سارے قرآن کے برابر نہیں بلکہ اس کی صرف ایک سورت کے مثل ہی بنا لاؤ مگر سب کی ہمتیں پست ہوگئیں ، زبانیں گنگ ہو گئیں اور آج تک ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز و بے بس ہے اور ان کی یہ بے بسی قیامت تک بر

قرار رہے گی ۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طبیبوں اور حکیموں کا چرچا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو ایسے معجزے عطا فرمائے جن سے اس وقت کے کامل اطباء اور ماہر حکیم عاجز و بے بس تھے ۔ ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ کے انہی معجزات اور ان کی کچھ صفات کا بیان ہے ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی معلم اور استاد کے بغیر آسمانی کتابوں کے علوم اور دانائی و حکمت کی باتیں سکھائے گا اور خاص طور پر ان کو تورات و انجیل کا علم عطا کرے گا اور ان کو بنی اسرائیل کی طرف ایک عظیم الشان رسول بنا کر بھیجے گا جو صاحبِ معجزات ہوگا اور انکو بتائے گا کہ میں تمہارے پاس نبوت و رسالت کی ایک روشن نشانی لیکر آیا ہوں جس کو دیکھ کر تمہیں یقین ہو جائے گا کہ بلا شبہ یہ معجزے تمہارے رب کی طرف سے ہیں کیونکہ اس زمانے کے تمام اطباء و حکماء ان کی مثل لانے سے عاجز و بے بس ہوں گے مثلاً میں گارے سے پرندے جیسی شکل بنا کر اس میں پھونک ماروں گا پس وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ اور اڑتا ہوا پرندہ بن جائیگا ۔ اور میں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو ہاتھ پھیر کر تندرست کردوں گا ۔ مُردوں کو زندہ کردوں گا ۔ اگرچہ ظاہری طور پر ان سب میں میرا ہاتھ ہوگا مگر حقیقت میں یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا ۔ اور میں تمہیں وحی کے ذریعہ اس چیز کی خبردوں گا جو تم کھاتے اور اپنے گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو اگر تم ایمان لانا چاہتے ہو تو بلا شبہ ان تمام معجزوں میں تمہاری ہدایت کے لئے میری صداقت کی پوری پوری نشانی اور علامت ہے ۔ (ابن کثیر ۳۶۳ / ۰۱ مظہری ۵۱ ۔ ۵۳/ ۲ ۔ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۹۱۰۳۹۰) ۔

حضرت عیسیٰ کی تعلیمات

۵۰ ۔ ۵۱ ۔ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۔ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۔

اور میں اپنے سے پہلی (کتاب) تورت کی تصدیق کرتا ہوں اور میں اس واسطے (آیا ہوں) کہ بعض وہ چیزیں جو (تورت کی رو سے) تم پر حرام

تھیں وہ (اللہ کے حکم سے) حلال کردوں ۔ اور میں تمہارے پاس
تمہارے خدا کی طرف سے نشانی لیکر آیا ہوں ۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور
میری اطاعت کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی میرا (بھی) رب ہے اور تمہارا
(بھی) رب ہے ۔ سو تم اسی کی عبادت کرو ۔ یہی سیدھا راستہ ہے ۔

تشریح ۔ پھر حضرت عیسیٰ نے فرمایا کہ میں تورات کے آسمانی ہونے کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے نازل ہو چکی اور میں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں (مثلاً اونٹ کا گوشت اور چربی اور ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت) حلال کرنے آیا ہوں جو مجھ سے پہلے تم پر حرام تھیں ۔ اور میں اپنی سچائی کے لئے تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں ۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو جو میری مخالفت اور تکذیب کی وجہ سے آئے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید و اطاعت کا جو حکم میں تمہیں دے رہا ہوں اس میں تم میری اطاعت کرو اور ان معجزوں کی وجہ سے مجھے اپنا خدا نہ سمجھو میں تو اس کا برگزیدہ بندہ اور رسول ہوں،معاذ اللہ اس کا بیٹا نہیں ۔ بیشک میرا اور تمہارا رب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ پس تم اسی کی عبادت کرو ۔ یہی سیدھا ۰ اور سچا راستہ ہے ۔ (ابن کثیر ۳۶۵ /۱ ۰ مظہری ۵۳ ۰ ۵۴/۱) ۔

حضرت عیسیٰ کے حواری

۵۲ ۔ ۵۳ ۔ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ج اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ج وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

پھر جب (حضرت) عیسیٰ نے ان (بنی اسرائیل) کا کفر محسوس کر لیا تو
انہوں نے کہا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرے ۔ حواریوں
نے کہا کہ ہم ہیں اللہ تعالیٰ کے مدد گار ۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ
رہیں کہ ہم فرماں بردار ہیں ۔ اے ہمارے پروردگار ! جو کچھ تو نے نازل کیا
ہم اس پر ایمان لائے اور رسول کی پیروی اختیار کی ۔ پس تو ہمیں بھی
شہادت دینے والوں میں لکھ لے ۔

اَحَسَّ ۔ اس نے محسوس کیا ۔ اس نے دیکھا ۔ اِحْسَاسٌ سے ماضی ۔
اَنْصَارِیْ ۔ میرے مدد گار ۔ مجھے مدد دینے والے ۔ یہ جمع ہے ۔ نَصِیْرٌ و نَاصِرٌ واحد ۔
اَلْحَوَارِیُّوْنَ ۔ حواری ۔ اصحاب ۔ واحد حَوَارِیٌّ ۔

تشریح ۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف سے اپنی تکذیب اور کفریہ کلمات سنے اور ان کو لوگوں کی ضد اور ہٹ دھرمی کا احساس ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے میں میرا ہاتھ بٹائے اور میری مدد کرے ؟ ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ منورہ ہجرت کرنے سے پہلے حج کے موسم میں فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کا کلام پہنچانے کے لئے جگہ دے ؟ قریش تو مجھے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تبلیغ سے روک رہے ہیں ۔ آخر مدینہ کے انصار رضوان اللہ علیہم اس خدمت کے لئے کمر بستہ ہو گئے ۔ انہوں نے آپؐ کو جگہ بھی دی اور آپؐ کی مدد بھی کی اور جب آپؐ مدینہ تشریف لے گئے تو انہوں نے پوری طرح آپؐ کی خیر خواہی اور بے مثال ہمدردی کی ۔ ساری دنیا کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو کر آپؐ کی حفاظت کی اور آپؐ کے مقاصد کی کامیابی میں ہمہ تن مصروف و کوشاں رہے ۔

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آواز پر بھی چند بنی اسرائیلیوں نے لبیک کہا ، آپ پر ایمان لائے ، آپ کی تائید و تصدیق کی اور دین کی تبلیغ میں پوری طرح آپ کے مدد گار رہے ۔ پھر ان لوگوں نے (حواری) اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار ! ہمیں شاہدوں میں لکھ لے ۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس سے مراد امتِ محمدیہ میں لکھ لینا ہے ۔ کیونکہ امتِ محمدیہ قیامت کے روز انبیاء کی رسالت و تبلیغ کی شہادت دیگی ۔ (ابن کثیر ۳۶۵/۱) ۔

خدائی تدبیر

۵۴ ۔ وَ مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۔

اور انہوں (یہود) نے خفیہ تدبیریں کیں اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے ۔

مَكَرُوْا ۔ انہوں نے مکر کیا ۔ انہوں نے خفیہ تدبیر کی ۔ مَکْرٌ سے ماضی ۔ اردو میں سازش اور کسی کو نقصان پہنچانے کی تدبیر کو مکر کہتے ہیں ۔ مگر عربی میں لطیف و خفیہ تدبیر کو مکر کہتے

ہیں ۔ اگر مکر اچھے مقصد کے لئے ہے تو اچھا ہے اور بُرائی کے لئے ہے تو بُرا ہے ۔
(معارف القرآن ۳، / ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی دشمن تھے ۔ انہوں نے اس زمانے کے بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خوب خوب بھڑکایا کہ یہ شخص لوگوں کو بہکاتا پھرتا ہے ، رعایا کو بگاڑ رہا ہے ، ملک میں بغاوت کر رہا ہے ، باپ بیٹے میں فساد برپا کراتا ہے ، اسی طرح آپ پر اور بڑے بڑے بہتان باندھے یہاں تک کہ بادشاہ بھی آپ کا جانی دشمن بن گیا ۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار کر کے پھانسی دینے کے لئے اپنی فوج کو بھیجا ۔ چنانچہ فوج نے جاکر اس گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا جس میں آپ تھے ۔ پھر جب بادشاہ کے فوجی اس گھر میں داخل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو ان مکاروں کے ہاتھ سے بچا کر آسمان پر اٹھالیا اور حضرت عیسیٰؑ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈالدی جو اس گھر میں موجود تھا ۔ ان لوگوں نے اس شخص کو حضرت عیسیٰؑ سمجھ کر گرفتار کر لیا ، اس کی سخت توہین کی اور اسے صلیب پر چڑھا دیا ۔

یہی ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکر تھا کہ وہ تو اپنے نزدیک یہ سمجھتے رہے کہ ہم نے اللہ کے نبی کو پھانسی پر لٹکا دیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو آسمان پر اٹھا کر بچالیا ۔ اس بد بختی کے نتیجہ میں ان کے دل ہمیشہ کے لئے سخت ہو گئے ، باطل پر اڑ گئے اور دنیا میں ذلیل و خوار ہوگئے اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔ (ابن کثیر ۳۶۵ / ۱) ۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے

۵۵ ۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰىٓ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

(وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ اے عیسیٰؑ ! میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور میں تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا اور میں تمہیں

کافروں (کے بہتان) سے پاک کردوں گا اور تمہارے ماننے والوں کو تمہارے منکروں پر قیامت تک فوقیت دوں گا ۔ پھر تم سب لوگوں کو میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے ۔ سو جن امور میں تم اختلاف کرتے تھے ان میں میں تمہارا فیصلہ کردوں گا ۔

مُتَوَفِّیْکَ ۔ تجھے وفات دینے والا ، تجھے موت دینے والا ۔ اس کا مصدر تَوَفِّیْ اور مادہ وَفْیٌ ہے ۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنی پورا پورا لینے کے ہیں ۔ اور چونکہ انسان موت کے وقت اپنی مقررہ زندگی پوری کرلیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روح پوری پوری لے لی جاتی ہے اس لئے یہ لفظ موت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ۔ (معارف القرآن ۷۳/ ۲) ۔

قتادہ وغیرہ بعض مفسرین کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ میں تجھے مارنے والا ہوں ۔ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہاں وفات سے مراد نیند ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ **هُوَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ** ۔ وہ خدا تمہیں رات کو فوت کر دیتا ہے ۔ یعنی سُلا دیتا ہے ۔ ابن ابی حاتم میں حضرت حسنؓ سے **اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ** کی تفسیر یہ مروی ہے کہ ان پر نیند ڈالی گئی اور نیند کی حالت میں ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں اٹھالیا ۔ (ابن کثیر ۳۶۶ / ۱) ۔

رَافِعُکَ اِلَیَّ ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا ۔ ظاہر ہے عیسیٰؑ روح کا نام نہیں بلکہ روح اور جسم کے مجموعہ کا نام عیسیٰؑ ہے ۔ اس لئے یہ کہنا کہ صرف روح کو اٹھایا گیا صحیح نہیں ۔ سورۂ نساء میں بھی جہاں یہودیوں کے عقیدہ کا رد کیا گیا ہے یہی فرمایا کہ **وَمَا قَتَلُوْہُ یَقِیْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ** ۔ یعنی یہود نے حضرت عیسیٰؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا اور اپنی طرف اٹھالینا ، روح اور جسم دونوں کے مجموعہ کو زندہ اٹھالینے کے لئے بولا جاتا ہے ۔ (معارف القرآن ۷۶/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے پانچ وعدے فرمائے ۔

۱) ۔ ان کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل ہو کر واقع نہیں ہوگی بلکہ طبعی طور پر وقت

موعودہ پر ہوگی اور وہ وقتِ موعود قیامت کے قریب آئے گا ۔ اس وقت حضرت عیسیٰ آسمان سے نازل ہوں گے جیسا کہ احادیثِ صحیحہ و متواترہ میں آیا ۔ (معارف القرآن ۲، / ۲
۔

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ۔ عنقریب ابن مریم حاکمِ عادل ہو کر تمہارے اندر اتریں گے ، صلیب کو توڑ دیں گے ، خنزیر کو قتل کریں گے ، جزیہ کو ساقط کر دیں گے اور مال کو بہائیں گے کہ کوئی قبول بھی نہیں کرے گا حتیٰ کہ ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہوگا ۔ متفق علیہ ۔

بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں ۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب (عیسیٰ) ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا ۔

بغویؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ کے نزول کے متعلق فرمایا کہ ان کے زمانے میں اسلام کے سوا تمام مذاہب مردہ ہو جائیں گے اور دجّال بھی ہلاک ہو جائیگا ۔ آپ زمین پر چالیس سال رہیں گے ، پھر آپ کی وفات ہو جائیگی ۔ اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز پڑھیں گے ۔ (مظہری ۵۶ ، ۵۷/ ۲) ۔

۲) ۔ دوسرا وعدہ عالم بالا کی طرف اٹھا لینے کا تھا جو اسی وقت پورا کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد ہے

وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط (النساء ، ۱۵۷ ، ۱۵۸) ۔

اور یقیناً ان کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ مرے نہیں وہ قیامت سے پہلے تمہاری طرف لوٹنے والے ہیں ۔ (ابن کثیر ۳۶۶/ ۱) ۔

۳) ۔ دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنا ۔ یہ وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے تمام غلط الزامات کو صاف کر دیا ۔ مثلاً باپ کے بغیر پیدا ہونے کی وجہ سے ، یہود حضرت عیسیٰ کے نسب کو مطعون کرتے تھے ۔ قرآن کریم نے اس الزام کو یہ

کہہ کر صاف کر دیا کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے حکم سے باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ حضرت آدم کی پیدائش اس سے زیادہ تعجب کی بات ہے کہ وہ ماں اور باپ کے بغیر پیدا ہوئے ۔

یہودی حضرت عیسیٰؑ پر خدائی کے دعوے کا الزام لگاتے تھے ۔ اس کے جواب میں قرآن کریم نے بہت سی آیات میں حضرت عیسیٰؑ کی طرف سے اپنی عبدیت کا اقرار نقل کیا ۔
(معارف القرآن ۷۰/ ۲) ۔

۴) ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے متبعین کو قیامت تک آپ کے منکرین پر غالب رکھنے کا وعدہ فرمایا ۔ یہاں اتباع سے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا اعتقاد و اقرار مراد ہے ۔ ان کے تمام احکام پر ایمان و اعتقاد شرط نہیں ۔ اس طرح نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں اس میں داخل ہوگئے کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت ورسالت کے معتقد ہیں ۔ یہ اور بات ہے کہ نجاتِ اُخروی کے لئے صرف اتنا اعتقاد کافی نہیں بلکہ نجاتِ اُخروی اس پر موقوف ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے تمام احکام پر اعتقاد و ایمان رکھے ۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لائیں ۔ جیسا کہ ارشاد ہے ۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰؑ نے کہا اے بنی اسرائیل ! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں ۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات وغیرہ ہے ۔ اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہے ۔ میں اس کی خوشخبری دیتا ہوں ۔

نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اس لئے وہ نجاتِ اُخروی سے محروم رہے ۔ اس کے بر عکس مسلمانوں نے حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت پر بھی اعتقاد رکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر بھی ایمان لائے ۔ اس لئے وہ نجاتِ اُخروی کے مستحق ہوگئے ۔ دنیا میں منکرین پر غالب رہنے کا وعدہ صرف حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کے اقرار پر موقوف تھا ۔ یہودیوں نے چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کو نہیں مانا اس لئے دنیا سے ان کی حکومت ختم ہو گئی ۔ نہ ان کا ملک رہا نہ سلطنت ۔ اس کے بر

خلاف نصاریٰ اور مسلمان حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت پر اعتقاد و ایمان کی بنا پر ہمیشہ یہودیوں پر غالب رہے ۔ اور یہ غلبہ یقیناً قیامت تک رہے گا ۔ (معارف القرآن ،، / ۲) ۔
۵) ۔ پانچواں وعدہ یہ فرمایا کہ قیامت کے روز جب سب لوگ میرے پاس جمع ہوں گے تو میں تمام جھگڑوں کا دو ٹوک فیصلہ کردوں گا ۔ جس کی تفصیل اگلی آیتوں میں ہے ۔

کفار کا انجام

۵۶ ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ز وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ہ

پھر جن لوگوں نے انکار کیا تو ان کو میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی بھی مدد گار نہ ہوگا ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کا انجام بیان فرمایا ہے کہ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت اور تکذیب کی ، میں ان کو دنیا و آخرت میں سخت عذاب دوں گا ۔ دنیا میں تو وہ طرح طرح سے ذلیل و خوار ہوں گے ، قتل و قید ہوں گے اور ان پر جزیہ مقرر ہوگا ۔ اور آخرت میں ان کو دوزخ کا دائمی عذاب ہوگا جہاں ان کا کوئی مدد گار و حمایتی نہیں ہوگا جو ان کو عذاب سے بچا سکے ۔

مومنوں کا انعام

۵۷ ۔ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ہ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو ان کو اللہ تعالیٰ پورا پورا اجر دے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان اور نیک لوگوں کا اجر و ثواب بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کی نیکیوں کا پورا پورا بدلہ دے گا ۔ اور ان کو دنیا میں بھی فتح و نصرت اور عزت و حرمت حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہوں گی ۔ لہذا ہمیں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو

بلند کرنے کے لئے ہر لمحہ کوشش کرتے رہنا چاہئے اور اسلام نے ہم پر جو فرائض عائد کئے ہیں، ہر وقت ان کی ادائیگی میں لگے رہنا چاہئے تاکہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور انعامات حاصل ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ بے انصاف لوگوں کو پسند نہیں کرتا یعنی ان پر رحم نہیں کرے گا اور ان کو ان کے کفر کے مطابق عذاب دے گا۔

نبوت کی دلیل

۵۸۔ ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ جو ہم آپ کو پڑھکر سناتے ہیں یہ (ہماری) آیتیں اور حکمت آمیز نصیحتیں ہیں۔

تشریح۔ دوسرے واقعات کی طرح یہ قصہ بھی غیب کی خبروں، آپؐ کی نبوت کے دلائل اور نصیحت و حکمت کی باتوں میں سے ہے۔ جو وحی کے ذریعہ آپؐ کو بتایا گیا، کیونکہ آپؐ اس واقعہ سے واقف نہیں تھے۔ وحی کے ذریعہ اس کا علم حاصل ہونے کے بعد آپؐ نے اس کو اسی طرح بیان فرمایا جس طرح بنی اسرائیل کے علماء اس کو جانتے تھے۔ اگر اب بھی عیسائی آپؐ سے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جھگڑا کریں تو آپؐ ان کی پرواہ نہ کریں۔ جس طرح سورج کی روشنی کا انکار کرنے والا نابینا کہلاتا ہے۔ اسی طرح حقیقت کا منکر بد بخت اور بد انجام ہوتا ہے۔

قدرتِ کاملہ کا مظہر

۵۹، ۶۰۔ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۔

بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک (حضرت) عیسیٰؑ کی مثال (حضرت) آدم کی مثال جیسی ہے کہ ان کو مٹی سے بنایا پھر اس سے کہا کہ ہو جا سو وہ ہو گیا۔ حق (بات) وہی ہے جو آپ کے رب کی طرف سے ہے۔ پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔

تُرَاب ۔ مٹی ۔ خاک ۔
اَلْمُمْتَرِیْنَ ۔ شک کرنے والے ۔ تردد کرنے والے ۔ اِمْتِرَاءٌ سے اسم فاعل ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتمؒ نے حضرت حسنؓ کی روایت سے بیان کیا کہ نجران کے دو راہب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ پھر ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ حضرت عیسیٰ کا باپ کون تھا ؟ آپؐ کی عادت مبارکہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے فوراً جواب نہیں دیا کرتے تھے ۔ اس پر ذٰلِکَ نَتْلُوْهُ سے اَلْمُمْتَرِیْنَ تک تین آیتیں نازل ہوئیں ۔ (جلالین ۱۵۸ ، مظہری ۵۹/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا بیان فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ کو تو میں نے صرف باپ کے بغیر پیدا کیا ۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ میں نے تو ان سے پہلے حضرت آدمؑ کو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا تھا اور مٹی سے آدمؑ کا پتلا بنا کر اس کو کہہ دیا کہ ہو جا تو وہ اسی وقت ہوگیا ۔ اگر صرف باپ نہ ہونے کی بنا پر حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں تو حضرت آدمؑ ان سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہ باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے حالانکہ حضرت آدمؑ کو تم خود بھی اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہیں مانتے ، پھر حضرت عیسیٰؑ کو کیوں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہو ۔ یہ سب تو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا ظہور ہے کہ وہ جس کو جس طرح چاہے پیدا فرمادے ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؐ کے رب کی طرف سے یہی حق بات ہے جو آپؐ کے پاس آ چکی کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے بیٹے نہیں لہذا آپؐ کو کسی قسم کا شک و شبہ کرنے کی ضرورت نہیں ۔ (ابن کثیر ۳۶۸/ ۱) ۔

قیاس کا شرعی حجت ہونا ۔ اس آیت سے قیاس کا شرعی حجت ہونا بھی ثابت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باپ کے بغیر حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے جواز کو تخلیق آدم پر قیاس کیا ہے ۔ (مظہری ۔ ۵۹/ ۲) ۔

دعوتِ مُبَاہلہ

۶۱ ۔ فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ
فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَکُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَ

كُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔

پھر علم (کچی خبر) آجانے کے بعد بھی جو کوئی اس (عیسیٰ کے بارے) میں آپ سے حجت کرے تو آپ کہدیجئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی (بلائیں اور خود ہم بھی اور تم بھی جمع ہو جائیں ۔ پھر ہم سب خوب التجا کریں ۔ پھر جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں ۔

نَبْتَهِلْ ۔ ہم گڑگڑائیں ۔ ہم خوب التجا کریں ہم مباہلہ کریں اِبْتِهَالٌ سے مضارع ۔

مُبَاہلہ ۔ اگر کسی معاملہ کے حق و باطل ہونے میں فریقین میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر سب کو مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہئے کہ اس معاملہ میں جو فریق جھوٹا ہوگا وہ اپنے جھوٹ کا خمیازہ بھگتے گا ۔ اس طرح دعا کرنے کو مباہلہ کہتے ہیں ۔ اس میں مباحثہ کرنے والوں کو خود جمع ہو کر دعا کرنا کافی ہے ۔ اپنے اعزہ و اقارب کو جمع کرنا ضروری نہیں لیکن اگر ان کو جمع کیا جائے تو اس سے اہتمام اور بڑھ جاتا ہے ۔(معارف القرآن ۸۵ / ۲) ۔

شانِ نزول ۔ اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ کی جانب ایک فرمان بھیجا جس میں تین چیزیں ذکر کی گئی تھیں ۔ ۱ ۔ اسلام قبول کرو ۔ ۲ ۔ یا جزیہ ادا کرو ۔ ۳ ۔ یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ ۔

نصاریٰ نے آپس میں مشورہ کر کے مندرجہ ذیل تین آدمیوں پر مشتمل ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا ۔

۱) ۔ شُرَحْبِیل بن وَدَاعَۃ ۔ یہ ہمدان کا رہنے والا تھا ۔
۲) ۔ عبداللہ بن شُرَحْبِیل ۔ یہ اہل نجران میں حِمْیَر کا ایک معزز شخص تھا ۔
۳) ۔ جبار بن قیس ۔ یہ بنو الحارث بن کعب میں سے تھا ۔

یہ لوگ مدینہ پہنچ کر چند روز تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے اور آپؐ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گفتگو کی جس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح ۔ نجران کے عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنے کے لئے آئے تھے ۔ انہوں نے اپنے تمام عقائد کو پیش کیا اور اللہ تعالیٰ نے سب کا جواب قرآن کریم کے ذریعہ دیکر انہیں لا جواب کر دیا ۔ مگر نجرانی عیسائی ان واضح قرآنی دلائل کے بعد بھی ایمان نہ لائے اور اپنے باطل عقائد پر قائم رہے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصرانیوں کے ساتھ مُباہلہ کرنے کا حکم دیا کہ دونوں فریق اپنی اپنی جانوں اور اولادوں کو لیکر آئیں ، خوب گڑگڑا کر دعا کریں اور جھوٹے پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں۔عیسائی آپؐ کو مباہلہ کے لئے تیار دیکھ کر مرعوب ہو گئے اور آپس میں مشورہ کے لئے آپؐ سے مہلت مانگی ۔ شُرجیل نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس شخص کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا آسان نہیں ۔ میرے خیال میں اگر یہ بادشاہ ہے تب بھی اس سے مُباہلہ کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس صورت میں تمام عرب میں ہم ہی اس کی نگاہوں میں کھٹکتے رہیں گے اور اگر یہ نبیِ مُرسَل ہے تو اس کی لعنت کے بعد ہم بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے ۔ اس لئے میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ ہم اس کی ماتحتی قبول کرلیں اور جزیہ کی رقم کا فیصلہ بھی اسی پر چھوڑدیں کیونکہ جہاں تک میں سمجھا ہوں یہ سخت مزاج نہیں ہے ۔ شُرجیل کے دونوں ساتھیوں نے اس کی رائے سے اتفاق کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے خیال میں مُباہلہ سے بہتر یہ ہے کہ آپؐ ہمارے لئے جو مناسب اور بہتر خیال کریں وہ آپؐ کل صبح تک ہم پر مقرر فرمادیں ۔ چنانچہ اگلے روز آپؐ نے ان پر جزیہ مقرر فرمادیا اور ان کے لئے ایک معاہدہ تحریر کرادیا جسے حاصل کرنے کے بعد یہ لوگ نجران واپس چلے گئے ۔ اُسقف اور نجران کے دوسرے معززین نے ایک منزل آگے آکر ان کا استقبال کیا ۔ (ہادی اعظم صفحہ ۵۸، ۶۱) ۔

سچے واقعات

۶۲ ، ۶۳ ۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

بیشک یہی بیانِ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی زبردست اور حکمت والا ہے ۔ پھر (بھی)

اگر وہ رو گردانی کریں تو اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کے جو واقعات ہم نے بیان فرمائے ہیں وہی حق اور سچ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کے شرک اور باپ بیٹے کے تعلقات سے پاک ہے ۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا باپ ہے بلکہ وہ واحد و یکتا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ اس کو بیٹے اور بیوی کی کوئی حاجت نہیں وہ اپنی حکمت بالغہ سے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے ۔ اگر اب بھی انہوں نے دلائل حق سے رو گردانی اور توحید سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ ایسے باطل پسندوں اور مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور وہ انہیں بد ترین سزا دے گا ۔ وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے ۔ کوئی اس سے نہ بھاگ سکتا ہے اور نہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہے ۔ ہم اس کے عذاب سے اس کی پناہ چاہتے ہیں ۔

دعوتِ اتحاد

۶۴ ۔ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب ! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے سوائے اللہ تعالیٰ کے ۔ پھر اگر وہ اس کو بھی نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ گواہ رہو کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں ۔

تشریح ۔ یہود و نصاریٰ دونوں توحید کے مدعی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ جب توحید کے بارے میں ہم اور تم برابر ہیں تو اس متفقہ اور مشترکہ اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی

عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا بیٹا بنائیں، نہ کسی کو پوجیں، نہ صلیب کو، نہ تصویر کو، نہ آگ کو اور نہ کسی اور چیز کو، صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں جو واحد و یکتا ہے۔ تمام انبیاء کرام بھی یہی دعوت توحید دیتے چلے آئے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلاَّ نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلآَّ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۔ (انبیاء ۔۲۵)

تجھ سے پہلے ہم نے جس جس رسول کو بھیجا سب کی طرف ہم نے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۔ (النحل ۳۶)

اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیج کر یہ اعلان کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے سوا سے بچو۔

اگرچہ اہل کتاب زبان سے تو، توحید کا اقرار کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ان سے کہدیجئے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر آپس میں بھی ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ایک دوسرے کی اطاعت نہ کریں۔ نصاریٰ اپنے پادریوں اور راہبوں کو رب اور پروردگار کے مرتبہ میں مانتے تھے اور ان کے ہر امر اور نہی کو اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرح بے چون و چرا واجب الاطاعت جانتے تھے۔ اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ جس چیز کو چاہیں حلال کر دیں اور جس چیز کو چاہیں حرام کریں۔ اس آیت میں ایک دوسرے کو رب بنانے سے یہی مراد ہے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ سے مروی ہے کہ جب آیت اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ ۳۱) نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو ان کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں۔ انہوں نے لوگوں کے لئے حلال کو حرام کیا اور حرام کو حلال کیا اور لوگوں نے ان کی پیروی کی پس یہی ان کو معبود اور رب بنانا ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ لوگ پھر بھی اس سیدھی اور سچی بات سے جس پر اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں اور پیغمبر متفق ہیں، رو گردانی کریں تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ اور تمام

مسلمان ان سے کہدیں کہ اے اہل کتاب تم گواہ رہو کہ ہم تو اسلام پر قائم ہیں اور تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہیں اور تم نہیں مانتے ۔ (ابن کثیر ۳۷۱ / ۱ ، مظہری ۶۶۔۳ / ۲) ۔

اہلِ کتاب کو تنبیہ

۶۵ ۔ ۶۶ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اے اہل کتاب تم (حضرت) ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ توریت اور انجیل تو ان کے بہت بعد نازل ہوئی ہیں ۔ کیا تم سمجھتے نہیں ۔ تم تو وہی لوگ ہو جو ایسی باتوں میں تو جھگڑا کرتے ہی تھے جن کا تمہیں کچھ علم تھا ۔ پھر اب تم اس میں کیوں حجت کرتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۔

تشریح ۔ یہودی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم ہم میں سے ہیں اور نصرانی کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم ہم میں سے ہیں اور دونوں اس بارے میں بحث و مباحثہ کرتے رہتے تھے ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دونوں کے دعوے کو باطل قرار دیا کہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں تو نہ حضرت موسیٰ تھے اور نہ حضرت عیسیٰ اور نہ توریت تھی ، نہ انجیل ۔ یہ دونوں کتابیں حضرت ابراہیم کے صدیوں بعد نازل ہوئیں ۔ کیا تمہیں ذرا بھی سمجھ نہیں ۔ تم تو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی ، آپس میں جھگڑتے رہتے ہو اور ان کے دین پر ہونے کے دعوے کرتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ توریت و انجیل کا دین کیا تھا اور تم نے اس میں کتنی تحریف کر رکھی ہے ۔ توریت و انجیل دونوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف مذکور ہیں اور یہ بھی مذکور ہے کہ دین محمدی سے توریت و انجیل کے احکام منسوخ کر دئے جائیں گے مگر تم نے جان بوجھ کر ان باتوں کو چھپایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا پردہ چاک کر کے تمہیں رسوا کردیا ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں کو اس بے علمی کے جھگڑے پر ملامت کی کہ تم ان امور میں کیوں جھگڑا کرتے ہو جن کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں ۔ حضرت ابراہیم تو تم سے ہزاروں سال پہلے گزرے ہیں اور تورت و انجیل میں ان کی شریعت کے بارے میں کچھ بھی بیان نہیں لہذا تم اس بارے میں کیوں گفتگو کرتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ۔ ان سب امور سے تو اللہ تعالیٰ ہی باخبر ہے (ابن کثیر ۳۷۲/ ۱، مظہری ۶۶، ۶۷ / ۲) ۔

حضرت ابراہیمؑ کا دین

۶۷، ۶۸ ۔ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(حضرت) ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو سیدھی راہ پر چلنے والے مسلمان تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۔ بیشک لوگوں میں (حضرت) ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی (محمد) ہیں اور جو لوگ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر) ایمان لائے (وہ ہیں) اور اللہ مومنوں کا دوست ہے ۔

تشریح ۔ یہود و نصاریٰ حضرت ابراہیمؑ کے یہودی اور نصرانی ہونے کا جو دعویٰ کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی بلکہ وہ تمام غلط عقائد سے کنارہ کشی کر کے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی تعمیل کرنے والے تھے ۔ جبکہ تم نہ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل نہیں کرتے بلکہ تم تو اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں مانتے جس کی بشارتیں تورت و انجیل میں تمہارے پاس لکھی ہوئی ہیں ۔ تم حضرت ابراہیمؑ کی ملت اور دین پر ہونے کا دعویٰ کیسے کرتے ہو، تم نے تو احکام خداوندی کو پس پشت ڈال رکھا ہے، نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو اور حضرت عُزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہو حالانکہ حضرت ابراہیمؑ مشرکوں میں سے نہ تھے ۔

بلا شبہ وہی لوگ حضرت ابراہیمؑ کے امتی اور ان کے دین پر تھے ۔ جنہوں نے ان کے زمانے میں ان کی اتباع کی تھی اور اب اس اخیر زمانے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ملت ابراہیمی پر ہیں کیونکہ یہ لوگ اپنے اکثر اعمال میں ملت ابراہیمی کی متابعت کرتے ہیں مثلاً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں ، قربانی کرتے ہیں ، ختنہ کراتے ہیں ، بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں ، حج و عمرہ کرتے ہیں اور ان احکام کو پورا کرتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو آزمایا تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے ان کو پورا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے کیونکہ ان کا ایمان اول سے آخر تک تمام انبیاء پر ہے جبکہ یہود و نصاریٰ تمام انبیاء پر ایمان نہیں رکھتے (مظہری ۶۸/ ۲) ۔

اہلِ کتاب کی گمراہی

۶۹ ۔ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ؕ

اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی تو یہی آرزو ہے ، کاش وہ تمہیں گمراہ کردیں ۔ حالانکہ وہ اپنے آپ ہی کو گمراہ کر رہے ہیں ۔ اور ان کو خبر تک نہیں ۔

وَدَّتْ ۔ اس نے دوست رکھا ۔ اس نے آرزو کی ۔ وُدٌّ سے ماضی ۔

طَآئِفَةٌ ۔ گروہ ۔ جماعت ۔ طَوْفٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بعض اہل کتاب ، مسلمانوں کو ان کے دین کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا کر کے ان کو کفر کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں جس کے لئے وہ نت نئی ترکیبیں نکالتے اور طرح طرح سے مکروفریب کے جال پھیلاتے ہیں ۔ مسلمان تو اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان کے شر سے محفوظ رہیں گے مگر ان کی تمام عیاریوں اور مکاریوں کا وبال لوٹ کر خود انہی پر پڑے گا اور ان کا عذاب دو گنا ہوجائیگا ۔ اگر چہ فی الحال ان کو اس کا احساس نہیں ۔ (مظہری ۷۱ / ۲) ۔

اہلِ کتاب کی عیّاری

۷۰ ۔ ۷۲ ۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ اَنْتُمْ

تَشْهَدُوْنَ ۔ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ۔ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۔ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ۔ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ۔ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۔

اے اہل کتاب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو حالانکہ (دل میں تو) تم قائل ہو ۔ اے اہل کتاب ! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور تم (کیوں) جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہو ۔ اور اہل کتاب کے ایک گروہ نے تو یہ بھی کہا تھا کہ مسلمانوں پر جو کچھ نازل کیا گیا ہے ، دن کے ابتدائی حصہ میں تو اس پر ایمان لے آؤ اور دن کے آخری حصہ میں اس کا انکار کردو تاکہ (تمہارے ساتھ) مسلمان بھی (اس دین سے) برگشتہ ہو جائیں ۔ اور ان لوگوں کے سوا جو تمہارے دین پر ہیں کسی اور کا کہا نہ مانو ۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان کافروں سے) کہدیجئے کہ بیشک جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے وہی (حقیقی) ہدایت ہے ۔ (تم ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو) کہ ایسی چیز کسی اور کو کیوں مل گئی جیسی تمہیں ملی تھی ۔ یا اس لئے کہ تمہارے پروردگار کے متعلق حجت اور دلیل میں ، تم پر کوئی غالب آسکتا ہے ۔ آپ کہدیجئے کہ فضل تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے ۔ وہ اسے جس کو چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے (اور) خوب جاننے والا ہے ۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ

بڑے فضل والا ہے ۔

شانِ نزول ۔ ابن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ عبداللہ بن الصیف اور عدی بن زید اور حارث بن عوف نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں پر جو کچھ اتارا گیا ہے ، دن کے شروع کے حصہ (صبح کے وقت) میں تو ہمیں ظاہراً اس پر ایمان لے آنا چاہئے اور دن کے آخری حصہ میں (شام کو) اس کا انکار کر دینا چاہیے تاکہ اس سے مسلمان اپنے دین کے بارے میں شک و شبہ میں پڑ جائیں اور ممکن ہے وہ ہمیں دیکھ کر اپنے دین سے برگشتہ ہو جائیں انہی کے بارے میں یہ آیتیں **یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ** سے .... **وَاسِعٌ عَلِیْمٌ** تک نازل ہوئیں۔
(جلالین ۱۳، ۱۴، مظہری ۱، / ۲) ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اہل کتاب کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں کا انکار نہ کرو جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں اور جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپؐ کی صفات کا صراحت کے ساتھ بیان ہے حالانکہ جب تم تنہا ہوتے ہو تو آپس میں اقرار کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ، اللہ تعالیٰ کے وہی سچے نبی ہیں جن کی بشارتیں توریت و انجیل میں موجود ہیں ۔ خوب سمجھ لو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار توریت و انجیل اور تمام آسمانی کتابوں کا انکار ہے ۔

اے اہل کتاب ! تم جان بوجھ کر حق اور باطل کو کیوں ملاتے ہو اور سچ کو چھپاتے ہو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف توریت و انجیل میں مذکور ہیں تم ان کو کیوں چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ سچ کو چھپانا اور حق کو باطل کے ساتھ ملانا کتنا بڑا جرم ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں مشورہ کرتے ہیں کہ صبح کے وقت مسلمانوں کے پاس جاکر ایمان لے آؤ ، مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھو اور شام کو پھر مرتد بن جاؤ تاکہ ان کو دیکھ کر جاہل لوگ یہ خیال کریں کہ یہ لوگ اہل کتاب کے علماء ہیں ۔ انہوں نے دین اسلام میں ضرور کوئی نقص یا خرابی دیکھی ہوگی تب ہی تو یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے کے بعد اپنے دین پر لوٹ گئے ہیں ۔ اس طرح شاید ان میں سے کوئی کمزور ایمان والا ، ہماری طرف لوٹ آئے ۔

مجاہدؒ ، مقاتلؒ اور کلبیؒ کا قول ہے کہ یہ گفتگو قبلہ اول کے بارے میں ہوئی تھی ۔

جب مسلمانوں کا رخ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا تو یہودیوں کو یہ بات بہت شاق گزری ۔ کعب بن اشرف اور اس کے ساتھیوں نے کہا کہ کعبہ کی تحویل کو بظاہر مان لو اور دن کے ابتدائی حصہ میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لو ۔ پھر دن کے آخری حصہ میں انکار کر دینا اور اپنے قبلہ کی طرف لوٹ آنا ۔ (مظہری ۱۱/ ۲) ۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں کہتے ہیں کہ اپنے دین پر چلنے والوں کے سوا کسی اور کا یقین نہ کرو ۔ نہ اپنے بھید ان پر ظاہر ہونے دو ، نہ اپنی کتاب کی باتیں ان کو بتاؤ ، کہیں یہ لوگ ان پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم پر حجت بن جائیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، آپ کافروں سے کہدیجئے کہ تمہارا مکروفریب سب بیکار ہے ۔ بیشک ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے ۔ اسی نے حق کی طرف مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے ۔ لہذا نہ تو تم پھونکوں سے اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھا سکتے ہو اور نہ تمہاری مکاری مسلمانوں کو ضرر دے سکتی ہے ۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دیدے اسے کسی کا مکروفریب گمراہ نہیں کرسکتا ۔ یہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہود مسلمانوں سے عیاریاں و مکاریاں حسد کی بنا پر کرتے ہیں ۔ وہ اس بات سے جلتے ہیں کہ مسلمانوں کو ایسی شریعت اور نبوت و رسالت کیوں دی جا رہی ہے جیسی اس سے پہلے یہود کو ملتی رہی ۔ یہود کا گمان تھا کہ نبوت و رسالت ، شریعت اور علم و حکمت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے ۔ عرب کے ان پڑھ لوگوں کو اس فضل و نعمت سے کیا واسطہ ؟ ان میں نبی کیوں پیدا ہوا ؟ ظاہر ہے ان کے حسد سے تورت کی وہ پیشگوئیاں غلط نہیں ہوسکتی تھیں جن میں ان کو بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بنو اسماعیل میں ایک موسیٰ جیسا نبی مبعوث فرمائے گا اور اپنا کلام (قرآن مجید) اس کے منہ میں ڈالے گا ۔ چنانچہ بنو اسماعیل کو یہ دولت ملی اور وہ علم و فضل اور مذہبی معاملات میں بنی اسرائیل اور دنیا کی دیگر اقوام سے آگے بڑھ گئے ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہودیوں سے کہدیجئے کہ تمام فضیلت تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ۔ جسے چاہے وہ ایمان اور علم و فضل کی دولت سے مالا مال کر دے اور جسے چاہے کلمۂ اسلام سے بہرا ، راہ حق سے دور اور فہم سلیم سے محروم کردے اس کے تمام کام حکمت ہی سے ہوتے ہیں ۔ وہ بڑے وسیع علم والا ہے اور ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کے فضل کے اہل ہیں ۔ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت و نبوت کے لئے خاص کر لیتا ہے ۔ اسی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی اتباع کرنے والوں کو فضیلت عطا

فرمائی ہے ۔ پس اس کی رحمت و عنایت پر حسد کرنا حماقت ہے ۔ اور وہ بڑے فضل والا ہے اور اس کے فضل کو کوئی نہیں روک سکتا ۔(ابن کثیر ۳۷۳/ ۰۲ مظہری ۲، ۳۰، / ۲) ۔

اہلِ کتاب کی خیانت

۷۵، ۷۶ ۔ وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَ اتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۔

اہل کتاب میں سے بعض لوگ ایسے (دیانت دار) بھی ہیں کہ اگر تو اس کے پاس مال کا ایک ڈھیر بھی رکھدے تو وہ تجھے ادا کر دیں گے اور ان میں سے ایسے بھی لوگ ہیں کہ اگر تو اس کے پاس ایک دینار امانت رکھدے تو وہ تجھے کبھی ادا نہیں کرے گا جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا نہ رہے ۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان پڑھوں کے معاملہ میں کوئی گناہ نہیں اور وہ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں ۔ ہاں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری اختیار کی تو بیشک اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے ۔

تَاْمَنْهُ ۔ تو اس کے پاس امانت رکھتا ہے ۔ اَمَانَۃٌ سے مضارع ۔

قِنْطَارٍ ۔ خزانہ ۔ انبار ۔ مال کثیر ۔

يُؤَدِّهٖ ۔ وہ اس کو ادا کرے گا ۔ تَاْدِيَۃٌ سے مضارع ۔

مَادُمْتَ ۔ جب تک تو رہے ۔ دَوْمٌ و دَوَامٌ سے ماضی ۔ فعل ناقص ہے ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہود کی خیانت کے بارے میں مطلع فرمایا ہے کہ ان میں سے بعض تو ایسے امانت دار ہیں کہ خزانہ کا خزانہ بھی اگر ان کے پاس امانت رکھا ہوا

ہو تو وہ لوگوں کو جوں کا توں لوٹا دیں گے جیسے عبداللہ بن سلام اور ان جیسے وہ اہل کتاب جو مسلمان ہو گئے تھے ۔ اور ان میں سے بعض لوگ ایسے خائن ہیں کہ اگر ان کے پاس ایک دینار بھی امانت ہو تو وہ واپس نہ دیں جب تک کہ امانت رکھنے والا مسلسل اور سخت تقاضانہ کرتا رہے ۔

امانت کو واپس نہ کرنے اور خیانت کو حلال سمجھنے کا سبب یہ ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ جو لوگ اہل کتاب نہیں ان کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں چونکہ اہل عرب ہمارے مذہب پر نہیں ہیں اس لئے ہماری کتاب میں ان کے کوئی حقوق نہیں ۔ لہذا ان کا مال ہمارے لئے ہر طرح حلال ہے پھر فرمایا کہ یہودیوں کا یہ کہنا غلط اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے کہ بددینوں اور ان پڑھوں کا مال ہم پر حلال ہے ۔ اس کا علم خود انہیں بھی ہے کیونکہ ان کی کتاب میں بھی اللہ تعالیٰ نے ناحق مال کو حرام قرار دیا ہے ۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور کفرو خیانت سے بچتا رہا تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرے گا ۔ اور عہد سے مراد یا تو امانت واپس کرنے کے لئے اس کے مالک سے کیا ہوا عہد ہے یا اللہ تعالیٰ کا وہ حکم مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے تورت میں دیا تھا کہ تمام انبیاء پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن پر ایمان لانا اور امانت ادا کرتے رہنا ۔ ابن کثیر ۳۷۴ / ۱ ، مظہری ۷۴ / ۲) ۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین علامتیں ہیں ۔

۱) ۔ جب وہ بات کرے تو جھوٹ بولے ۔

۲) ۔ جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے ۔

۳) ۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو وہ اس میں خیانت کرے ۔ (بخاری شریف ۱/۳) ۔

مسلم کی روایت میں حدیث کے یہ الفاظ زائد ہیں کہ خواہ وہ روزے رکھتا ہو اور نماز پڑھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعویدار ہو ۔ (مظہری ۷۴ / ۲) ۔

بد عہدی اور جھوٹی قسم کا انجام

۷۷ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَناً

قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ص وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کئے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے میں تھوڑا سا مال حاصل کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز رحمت کی نظر سے دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے۔

بِعَهْدِ ۔ عہد ۔ عہد اس قول کا نام ہے جو فریقین کے درمیان باہمی بات چیت سے طے ہوتا ہے اور اس پر دونوں فریقوں کا قائم رہنا ضروری ہے۔ اس کے بر عکس وعدہ صرف ایک فریق سے ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث میں عہد پورا کرنے کی بہت تاکید آئی ہے۔ (معارف القرآن ۹۳/ ۲)۔

اَيْمَانِهِمْ - انکی قسمیں ۔ واحد یَمِیْنٌ۔

ثَمَنًا - قیمت ۔ دام ۔ جمع اَثْمَانٌ۔

شانِ نزول ۔ حضرت اشعثؓ بن قیس سے مروی ہے کہ میرے اور ایک یہودی کے درمیان کچھ زمین کا تنازعہ تھا۔ یہودی (میرے حق کا) منکر تھا۔ میں اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپؐ نے مجھ سے فرمایا کیا تیرے پاس گواہ ہیں۔ میں نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے یہودی سے فرمایا تو قسم کھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو قسم کھالیگا۔ اور میرا مال لے جائیگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۵۰/ ۲۰ جلالین ۱۶۵، ۱۶۶)۔

ابن جریر نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول کعب بن اشرف، حی بن اخطب اور ان جیسے دوسرے یہودیوں کے حق میں ہوا جو تورت میں نازل شدہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو چھپاتے، بدلتے اور ان کی جگہ دوسری چیزیں درج کیا کرتے تھے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ اس تبدیلی اور تحریف سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان کو کھانے کو ملتا رہے اور جو رشوتیں وہ اپنے متبعین سے لیتے

رہتے تھے ان میں فرق نہ آئے ۔ (مظہری ٥٠ / ۲) ۔

تشریح ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے اپنے عہد پر قائم نہیں رہتے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کرتے اور نہ لوگوں سے آپؐ کی صفتیں بیان کرتے ہیں ۔ اسی طرح جو لوگ دنیا کے حقیر اور تھوڑے سے فائدے کے لئے اپنی قسموں کو توڑ لیتے ہیں دنیاوی فائدے کے لئے امانت میں خیانت کرتے ہیں اور باہمی معاملات کو درست نہیں رکھتے ان سب کے لئے اس آیت میں پانچ وعیدیں مذکور ہیں ۔

۱) ۔ ان کے لئے آخرت کی نعمتوں میں کوئی حصہ نہیں ۔

۲) ۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے بات تک نہیں کرے گا ۔

۳) ۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی طرف رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا ۔

۴) ۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف نہیں کرے گا کیونکہ عہد کو پورا نہ کرنے سے بندے کی حق تلفی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کے حق کو معاف نہیں کرتا جب تک کہ وہ بندہ جس کی حق تلفی ہوئی ہو خود معاف نہ کردے ۔

٥)۔ قیامت کے روز ان کے لئے درد ناک عذاب ہوگا ۔ (معارف القرآن ۹۴ ، ۹۵/ ۲) ۔

حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے قسم کھا کر کسی مسلمان کا حق مارا ، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے دوزخ لازم کر دی اور جنت اس پر حرام کر دی ۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ تھوڑی سی چیز ہو ۔ آپؐ نے فرمایا اگرچہ پیلو کے درخت کی ایک ٹہنی ہو ۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے یہ آخری الفاظ تین مرتبہ فرمائے ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ٦٩ / ۲) ۔

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے لوگ ہیں جن سے نہ تو اللہ تعالیٰ بات کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور نہ انہیں (گناہوں سے) پاک فرمائے گا ۔ یہ سنکر حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا یہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ یہ تو بڑے گھاٹے اور نقصان میں پڑے ۔ آپؐ نے تین مرتبہ یہی فرمایا ۔ پھر جواب دیا کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والا ۔ جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچنے والا ۔ دیگر احسان جتانے والا ۔ (مسلم ، احمد ، ابوداؤد ، ترمذی ، نسائی ، مظہری ۷۰/ ۲) ۔

یہود کی دھوکہ دہی

۷۸ ۔ وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَ يَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور ان میں ایک ایسا فریق بھی ہے جو کتاب پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں تاکہ تم اس کو کتاب ہی کا جزو سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں اور وہ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں

يَلْوٗنَ ۔ وہ موڑتے ہیں ۔ وہ پھیرتے ہیں ۔ لَیٌّ سے مضارع ۔
اَلْسِنَتَهُمْ ۔ اپنی زبانوں کو ۔ واحد لِسَانٌ ۔
لِتَحْسَبُوْهُ ۔ تاکہ تم اس کو خیال کرو ۔ تاکہ تم اس کے متعلق گمان کرو ۔ حِسْبَانٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اہل کتاب کی دینی خیانت اور بد دیانتی بتائی گئی ہے ۔ یہ لوگ دنیوی امور میں دھوکہ دہی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو دینی امور میں بھی فریب دیتے تھے ۔ تورات میں تحریف اور اس کی غلط تاویل کرتے تھے چنانچہ ان کا ایک گروہ جس میں کعب بن اشرف حی بن اخطب ، ابویاسر ، مالک بن الصیف اور سفنہ بن عمرو شامل تھے ، اپنی زبانوں کو نازل شدہ الفاظ سے اپنے من گھڑت الفاظ کی طرف پھیردیتا تھا ۔ اس طرح یہ لوگ نازل شدہ تورت کے الفاظ کے ساتھ کچھ عبارت اپنی طرف سے ملا کر کتاب ہی کے لہجہ میں پڑھتے تھے تاکہ مسلمان ان کی پڑھی ہوئی عبارت کو اللہ تعالیٰ کی اصل کتاب یعنی تورت ہی کا جزو سمجھ لیں حالانکہ وہ کتاب اللہ کا حصہ نہیں ۔ پھر یہ لوگ خود بھی ان تحریف شدہ کلمات اور عبارتوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام کہکر جاہلوں کے خیال کو اور پختہ کر دیتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں اس طرح یہ لوگ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے تھے ۔ بخاری

شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ لوگ تورت میں تحریف کرتے تھے ۔ (مظہری ۷۰/۲، ابن کثیر ۳۷۶/۱) ۔

انبیاء کی تعلیم

۷۹، ۸۰ ۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

کسی بشر کا یہ کام نہیں کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم (عقل) اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ (وہ یہی کہے گا) کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب الٰہی پڑھاتے بھی رہے اور خود بھی پڑھتے رہے ہو ۔ اور وہ تم سے یہ کبھی نہیں کہے گا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا بنا لو ۔ کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو ۔

اَلْحُكْمَ ۔ حکم ۔ فیصلہ یہاں حکم سے مراد حکمت و سنت یا حکومت ہے ۔
رَبّٰنِيّٖنَ ۔ اہل اللہ ۔ درویش ۔ فقہاء ۔ معلمین ۔ صاحب بصیرت عالم ۔ واحد رَبَّانِیٌّ ۔
تَدْرُسُوْنَ ۔ تم ہمیشہ پڑھتے اور یاد رکھتے ہو ۔ دَرْسٌ سے مضارع ۔

ربطِ آیات ۔ یہود و نصاریٰ نہ تو کوئی دلیل مانتے تھے اور نہ مُباہلہ پر آمادہ ہوئے کیونکہ ان کا مقصد حق کی تلاش و تحقیق نہ تھا بلکہ ان کی ہٹ دھرمی کا سبب شرارت اور فتنہ پردازی تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہاں ان کی شرارتوں ، مکاریوں اور عداوتوں کو بیان کیا گیا ہے تاکہ مسلمان اپنے آپ کو ان کے دھوکے اور مکر و فریب سے بچا سکیں ۔

شانِ نزول ۔ ابن اسحاقؒ ، ابن جریرؒ ، ابن المنذرؒ ، ابن ابی حاتمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن

عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب یہود کے علما اور نجران کے نصاریٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جمع تھے اور آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی کہنے لگا ۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپؐ چاہتے ہیں کہ ہم آپؐ کی ایسی ہی پوجا کریں جیسی نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ کی کرتے ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پوجنے کا حکم دوں ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے لئے نہیں بھیجا اور نہ مجھے اس کا حکم دیا ۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (مظہری ۸۰/ ۲ ۔ جلالین ۱۹۷ ۔ ۱۹۸) ۔

تشریح ۔ یہ بات ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو کتاب و حکمت اور نبوت و رسالت دیکر بھیجے وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کی بجائے اپنی بندگی کی طرف بلائے ۔ کوئی بادشاہ کسی ایسے آدمی کو اپنی سلطنت کا نائب یا سفیر مقرر نہیں کر سکتا جس کے بارے میں حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے کا ادنیٰ سا شبہ ہو ۔ جب دنیاوی حکومتیں اتنی احتیاط کرتی ہیں تو اللہ تعالیٰ کا علم تو کامل ہے ۔ وہ کیسے کسی ایسے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجے گا جو اس کی بغاوت کرے اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی بجائے اپنی بندگی کا حکم دے اور حضرت عیسیٰؑ جو اللہ تعالیٰ کے بر حق نبی ہیں وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہلانے یا اس کی خدائی میں شریک ٹھہرانے کی غلطی کیسے کر سکتے ہیں ۔ لہذا نصاریٰ کا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے آپ کو خدا اور خدا کا بیٹا کہا ہے صریح جھوٹ اور افتراء ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء تو خالق و مخلوق کے درمیان سفیر ہیں ۔ وہ حق رسالت ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی امانت اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور فرماں برداری کی طرف متوجہ کرتے ہیں ۔ وہ لوگوں کو یہ حکم نہیں دیتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ اور جو ایسا کرے اس نے کفر کیا اور نبیوں کا کام کفر کرنا نہیں ۔ ان کا کام تو خدائے واحد و یکتا کی عبادت کا حکم کرنا ہے ۔ (ابن کثیر ۳۷۷/ ۱ ۔ معارف القرآن ۹۷/ ۲) ۔

انبیاء کا عہد

۸۱ ، ۸۲ ۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى

ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ۔ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ۔ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۔ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب و حکمت دوں ، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہو تو تم اس (رسول) پر ایمان بھی لانا اور اس کی مدد بھی کرنا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا عہد قبول کر لیا ۔ سب نے کہا کہ ہم نے اقرار کر لیا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ پس اب تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ۔ پھر اس کے بعد بھی کوئی رو گردانی کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں ۔

اَقْرَرْتُمْ ۔ تم نے اقرار کر لیا ۔ اِقْرَارٌ سے ماضی ۔

اِصْرِیْ ۔ میرا بوجھ ۔ میرا عہد ۔

تشریح ۔ ان آیات میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے یہ پختہ عہد لیا کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے جو یقیناً پہلے گزرے ہوئے انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہوگا تو پہلے نبی کے لئے اگر وہ اس وقت حیات ہو ، ضروری ہے کہ وہ اپنے بعد آنے والے نبی کی سچائی اور نبوت پر خود بھی ایمان لائے اوردوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرے ۔ اب اس پختہ اقرار کے بعد جس پر تمام انبیاء علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے ، جس نے انبیاء کی اتباع سے رو گردانی کی (مراد یہود و نصاریٰ) تو وہی لوگ فاسق و بد کار ہیں ۔ (معارف القرآن ۱۰۰ / ۲) ۔

مسند احمدؒ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایک دوست قرظی یہودی سے کہا تھا کہ وہ تورت کی جامع باتیں لکھ کر مجھے دیدے ۔ اگر آپؐ فرمائیں تو میں انہیں پیش کروں ۔ آپؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا ۔ حضرت عبداللہؓ بن ثابت نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ آپؐ کے چہرہ کا کیا حال ہے ؟

حضرت عمرؓ کہنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر خوش ہوں ۔ اس وقت آپؐ کا غصہ دور ہوا اور فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر (حضرت) موسیٰ تم میں آجائیں اور تم ان کی تابعداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ ۔ تمام امتوں میں سے میرے حصہ کی امت تم ہو اور تمام نبیوں میں سے تمہارے حصہ کا نبی میں ہوں ۔

مسند ابو یعلیٰ میں ہے کہ اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھو ۔ وہ خود گمراہ ہیں تمہیں راہ راست کیسے دکھائیں گے بلکہ ممکن ہے تم کسی باطل کی تصدیق کر لو یا کسی حق کی تکذیب کر بیٹھو ۔ خدا کی قسم اگر موسیٰ (علیہ السلام) بھی تم میں زندہ موجود ہوتے تو انہیں بھی میری تابعداری کے سوا کچھ حلال نہ تھا ۔ بعض حدیثوں میں ہے کہ اگر (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) عیسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا ۔ (ابن کثیر ۳۷۷، ۱/۳۷۸) ۔

دینِ اسلام کی اہمیت

۸۳ ، ۸۵ ۔ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۔ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ص لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ز وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ج وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔

کیا وہ اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں حالانکہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ سب خوشی یا جبر کے ساتھ اسی کے فرماں بردار ہیں ۔ اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔ (اے نبی صلی

اللہ علیہ وسلم) آپؐ کہدیجئے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہم پر نازل کیا گیا اور جو کچھ (حضرت) ابراہیمؑ و (حضرت) اسماعیلؑ و (حضرت) اسحٰقؑ و (حضرت) یعقوبؑ اور اس کی اولاد پر نازل کیا گیا اور جو کچھ (حضرت) موسیٰؑ اور (حضرت) عیسیٰؑ اور (دوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا ۔ سب پر ایمان لائے ۔ ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اس (ایک خدا) کے فرماں بردار ہیں ۔ اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ۔ اور وہ (شخص) آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا ۔

یَبْغُوْنَ ۔ وہ چاہتے ہیں ۔ وہ سرکشی کرتے ہیں ۔ بَغیٌ سے مضارع ۔

طَوْعًا ۔ اطاعت کرنا ۔ فرماں برداری کرنا ۔ مصدر ہے ۔ احکام دو قسم کے ہیں ۔

۱) ۔ تشریعی ۔ جنکی اطاعت میں بندے کے اختیار کو دخل ہے جیسے نماز ، روزہ ، حج وغیرہ ۔

۲) ۔ تکوینی ۔ جن میں بندے کے اختیار کو دخل نہیں اور نہ کوئی ان کے خلاف کر سکتا ہے سب ان احکام کے تابع ہیں ۔ کَرْھًا سے یہی تسخیری اطاعت مراد ہے ۔

اَلْاِسْلَامِ ۔ تابعداری کرنا ۔ فرماں برداری کرنا ۔ مسلمان ہونا ۔ شرعی اصطلاح میں خاص اس دین کو اسلام کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا کیونکہ اصول دین تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں ایک ہی ہیں ۔ لفظ اسلام کبھی اس عام مفہوم کے لئے استعمال ہوتا ہے اور کبھی صرف اس آخری شریعت کے لئے بولا جاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ۔ قرآن کریم میں یہ دونوں استعمال موجود ہیں ۔ گزشتہ انبیاء کا اپنے آپ کو مُسلم کہنا اور اپنی امت کو امت مُسلمہ کہنا بھی نُصوصِ قرآن سے ثابت ہے ۔ اور اس نام کا امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ مخصوص ہونا بھی قرآن کریم میں مذکور ہے ۔ (معارف القرآن ۱۰۳ / ۲) ۔

شانِ نزول ۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہود ونصاریٰ میں سے ہر فریق نے دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ جھگڑا لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ دونوں فریق دین ابراہیمی سے علیحدہ ہیں ۔ اس فیصلہ سے دونوں فریق ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم آپؐ کے فیصلہ کو نہیں مانتے اور نہ آپؐ کے مذہب کو پسند کرتے

ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۸۲/ ۲) ۔

تشریح ۔ اسلام اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کا نام ہے اور یہی تمام انبیاء کا دین ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی دین کی دعوت دینے کے لئے مبعوث ہوئے ۔ آخرت کی نجات کا دارومدار اسلام پر ہے اس کے سوا کوئی دین اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دین (اسلام) کو چھوڑ کر جو اس نے اپنی کتابوں میں اپنے رسولوں کی معرفت نازل فرمایا ، کسی اور دین کے طلبگار ہیں اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی فرماں بردار اور مطیع ہیں خواہ خوشی سے ہوں یا نا خوشی سے ۔ جب کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا
(الرعد ۱۵) ۔

اور زمین و آسمان کی تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے ۔ اپنی خوشی سے یا جبراً ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ (النحل ۴۸ ۔ ۵۰) ۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ تمام مخلوق کے سائے دائیں بائیں جھک کر اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کے تمام جاندار اور سب فرشتے اور ان میں سے کوئی بھی تکبر نہیں کرتا ۔ سب کے سب اپنے اوپر والے رب سے ڈرتے ہیں اور جو ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اسی کو بجا لاتے ہیں ۔

پس مومنوں کا ظاہر و باطن ، قلب و قالب دونوں اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار ہوتے ہیں ۔ اور کافر بھی اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اور جبراً اس کی طرف جھکا ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام فرمان اس پر جاری ہیں اور وہ ہر طرح کی قدرت و مشیت کے ماتحت ہے ۔ کوئی چیز بھی اس

کی قدرت اور غلبہ سے باہر نہیں ۔
پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہدیجئے کہ میں تمہیں جس دین کی دعوت دے رہا ہوں وہی تمام انبیاء کا دین ہے ۔ اسکا حاصل یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور قرآن کریم پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ حضرت ابراہیمؑ ، حضرت اسماعیلؑ ، حضرت اسحاق ، حضرت یعقوبؑ علیہم السلام اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اس پر بھی ہمارا ایمان ہے ۔ اور جو کچھ دوسرے انبیاء پر نازل ہوا ان سب پر ہمارا ایمان ہے ۔ ہم ان میں کوئی تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں بلکہ سب پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں ۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر کوئی اور دین طلب کرے تو وہ دوسرا دین اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا ۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو وہ مردود ہے ۔ (ابن کثیر ۳۷۸،۳۷۹/ ۱) ۔

مرتد کی توبہ

۸۶ ۔ ۸۹ کَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْآ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۔ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ اُولٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے ہدایت دے گا جو ایمان لانے کے بعد اور رسول کے بر حق ہونیکی شہادت دیکر اور اس بات کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل پہنچ چکے تھے پھر منکر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ۔ ایسے لوگوں کی یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہو ۔ وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے ۔ نہ ان

کے عذاب میں کمی کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی مگر جن
لوگوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی (وہ سدھر گئے) تو
بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

شانِ نزول ۔ ابن جریرؒ، نسائیؒ، حاکمؒ اور ابن حبانؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری مرتد ہو کر مشرکوں میں جا ملا ۔ پھر پچھتانے لگا ۔ اور اپنی قوم سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرو کہ کیا میری توبہ پھر بھی قبول ہو سکتی ہے ۔ اس پر یہ آیتیں اتریں ۔

مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حارثؓ بن سوید نے اسلام قبول کیا پھر اپنی قوم میں مل گیا اور اسلام سے پھر گیا ۔ اس کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ اس کی قوم کے ایک آدمی نے یہ آیتیں اسے پڑھ کر سنائیں تو اس نے کہا کہ جہاں تک میرا خیال ہے خدا کی قسم تو سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی تو تجھ سے بہت ہی زیادہ سچے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے ۔ پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ آئے ۔ اسلام لائے اور بہت اچھی طرح اسلام کو نبھایا ۔ (ابن کثیر ۳۷۹/ ۱، مظہری ۸۴، ۸۵/ ۲) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت و توفیق سے نوازے جو دل سے ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور زبان سے اس شہادت و اقرار کے بعد کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بر حق رسول ہیں، اسلام سے پھر گئے ۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت و توفیق نہیں دیتا جو اقرار کرنے کے بعد پھر جائیں ۔ ایسے لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی ۔ ظالم سے وہ لوگ مراد ہیں جو ہٹ دھرم اور ضدی ہیں ۔ ان لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور مسلمان لعنت بھیجتے ہیں، جو ان پر ہمیشہ ہمیشہ پڑتی رہے گی ۔ یہی نہیں بلکہ جب وہ اپنے منہ سے یہ کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت تو یہ لعنت بھی لوٹ کر خود انہی پر پڑتی ہے ۔ اس طرح گویا وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت کرتے ہیں ۔ اور آخرت میں ان پر شدید عذاب ہوگا جو نہ کبھی کم ہوگا اور نہ کبھی ذرا دیر کے لئے ملتوی ہوگا ۔ البتہ اگر یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آ جائیں، برائیوں کو چھوڑ کر اعمالِ صالحہ اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں کو معاف فرما کر ان کی مغفرت فرمادے گا ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے ۔

ارتداد کی سزا

۹۰ ، ۹۱ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۔ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِافْتَدٰی بِهٖ ۔ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّ مَالَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۔

بیشک جو لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے ۔ پھر کفر میں بڑھتے رہے تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہیں کی جائی گی اور وہی لوگ گمراہ ہیں ۔ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ حالت کفر ہی میں مر گئے تو ان میں سے کوئی زمین بھر سونا بھی (اپنے کفر کے) فدیہ میں دے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا ۔ انہی لوگوں کے لئے درد ناک عذاب ہے اور ان کا کوئی بھی مدد گار نہ ہوگا ۔

مِلْءٌ ۔ بھرنا ۔ پیٹ بھرنا ۔

اِفْتَدٰی ۔ اس نے فدیہ دیا ۔ اس نے اپنے چھڑانے کا بدلہ دیا ۔ اِفْتِدَاءٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے بعد کفر کرنے والوں اور پھر اس پر قائم رہنے والوں کو تنبیہ کی ہے کہ کہ موت کے وقت تمہاری توبہ قبول نہیں کی جائیگی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ .... اَلِیْمًا ۔

اور ان کی توبہ (قبول) نہیں جو گناہ پر گناہ کئے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہوئی تو وہ کہنے لگتا ہے کہ اب میری توبہ ہے ۔ اور نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوگی جو کفر کی حالت میں مر جائیں گے ۔ انہی لوگوں کے لئے تو ہم نے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ (نساء ۱۸) ۔

جو لوگ کفر سے توبہ تو کرتے ہیں مگر ان کی توبہ صحیح نہیں ہوتی مثلاً یہ کہ وہ دل سے توبہ نہیں کرتے بلکہ کسی مصلحت کے تحت صرف زبان سے توبہ کے الفاظ کہہ دیتے ہیں

یا وقت نکلنے کے بعد توبہ کرتے ہیں جیسے فرعون نے ڈوبتے وقت توبہ کی یا موت کو سامنے دیکھ کر توبہ کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی توبہ مقبول نہیں ۔ لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ میں ایسے ہی لوگوں کا ذکر ہے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ کفر پر مرنے والوں کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جائیگی ۔ گو وہ زمین بھر سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ بھلا اللہ تعالیٰ کو سونے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے وہ تو کل کائنات کا خالق و مالک ہے ۔ تمام مخلوقات و موجودات کا پیدا کرنے والا ہے ۔ کائنات کی ہر چیز ذرہ سے لیکر آفتاب تک ، چیونٹی سے لیکر ہاتھی تک ، ادنیٰ گنہگار انسان سے لیکر عظیم الشان نبی تک سب اس کے تابع فرمان ہیں ۔ سونا ۔ چاندی ، مال و دولت سب اسی کی ملکیت ہیں۔وہی یہ تمام چیزیں لوگوں کو دیتا ہے ۔ پھر وہ ان چیزوں کے بدلے کسی گنہگار کو کیوں معافی دے گا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ عبداللہ بن جدعان جو بڑا مہمان نواز ، غلام آزاد کرنے والا اور کھانا دینے والا شخص تھا ۔ کیا اسے اس کی نیکی کام آئے گی ؟ آپ نے فرمایا اس نے ساری زندگی میں ایک دفعہ بھی رَبِّ اغْفِرْلِیْ خَطِیْئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۔ نہیں کہا ۔ یعنی میرے رب میری خطاؤں کو قیامت کے دن بخشش دے (ابن کثیر ۳۸۰/ ۱) ۔

محبوب ترین چیز خیرات کرنا

۹۲ ۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۔

تم نیکی (میں کمال) ہرگز نہ حاصل کر سکو گے جب تک کہ اپنی پسندیدہ چیز میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو ۔ اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے ۔

اَلْبِرَّ ۔ نیکی ۔ بھلائی ۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک جنت مراد ہے ۔ یعنی جب تک تم اپنی پسندیدہ چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرو گے تو تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگے ۔ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ تم بِرّ کی حقیقت یعنی کمال خیر تک نہیں پہنچ سکتے یا اللہ تعالیٰ کی رحمت ، رضا اور جنت کو نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی محبوب ترین

چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو ۔ (مظہری ،۸۰/ ۲) ۔

مَاتُحِبُّوْنَ ۔ اس سے ہر قسم کا مال مراد ہے ۔ کیونکہ آدمی کو ہر قسم کے مال سے محبت ہوتی ہے ۔ (مظہری ۸۷/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی اور واضح طور پر بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں معمولی سے معمولی چیز خرچ کرنے کا بھی تمہاری نیت اور عمل کے مطابق اجر و ثواب ضرور ملے گا مگر اس سے ابرار کا درجہ حاصل نہیں ہوگا ۔ لہذا ابرار کا درجہ پانے کے لئے تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی محبوب ترین اور پسندیدہ چیز خرچ کرو ۔ اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ تمہاری بخل کی عادت ختم ہو جائیگی ۔ قصداً خراب اور نا پسندیدہ چیز خیرات کرنے کی ممانعت ہے البتہ اگر کسی نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا اور وہ سارا ہی خراب تھا تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے قصداً خراب مال خیرات نہیں کیا بلکہ جو اس کے پاس موجود تھا وہ اس نے خیرات کر دیا ۔ اگر کسی کے پاس خراب مال بھی ہو اور اچھا اور پسندیدہ مال بھی اور وہ خراب اور ناپسندیدہ مال میں سے خیرات کرے تو یہ منع ہے ۔

بخاری ، مسلم اور مسند احمد میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ تمام انصار میں حضرت ابو طلحہؓ سب سے زیادہ مالدار تھے ۔ ان کو اپنے مال میں بیرِ حاء نامی باغ جو مسجد نبوی کے سامنے تھا ، سب سے زیادہ پسندیدہ تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی اس باغ میں جا کر اس کا عمدہ او ر میٹھا پانی پیا کرتے تھے ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! مجھے اپنے مال میں بیرِ حاء نامی باغ سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے ۔ میں اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دیتا ہوں ۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر و ثواب میرے لئے جمع رکھے گا ۔ آپؐ جس طرح چاہیں اس (باغ) میں تصرف کریں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا واہ واہ ! یہ تو بہت ہی فائدہ مند مال ہے ۔ جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا ۔ میرے نزدیک یہی مناسب ہے کہ تم اس باغ کو اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کردو ۔ چنانچہ حضرت ابو طلحہؓ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا ۔ (مظہری ۸۸ / ۲) ۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ اپنے محبوب گھوڑے کو لیکر آئے اور عرض کیا کہ مجھے اپنی

املاک میں یہ سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتا ہوں ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو قبول فرما کر انہی کے صاحبزادے حضرت اُسامَہ کو دیدیا ۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ اس پر کچھ دل گیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر واپس آگیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول کر لیا ۔ (معارف القرآن ۱۰۸/ ۲) ۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بھی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا سب سے زیادہ عزیز اور بہترین مال وہ ہے جو خیبر میں میری زمین کا حصہ ہے ۔ میں اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اصل زمین کو تو اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کی پیداوار اللہ تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دو ۔ (ابن کثیر ۳۸۱ / ۱) ۔

پھر فرمایا کہ تم جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کروگے خواہ وہ محبوب اور پسندیدہ چیز ہو یا غیر محبوب اور ناپسندیدہ اللہ تعالیٰ یقینی طور پر اس سے بخوبی واقف ہے ۔ اس لئے وہ صدقہ و خیرات کرنے والے کو اس کی نیت اور عمل کے مطابق جزا دے گا ۔

یہود کے عقائد کی تردید

۹۳ ۔ ۹۵۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلاًّ لِّبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلاَّ مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۔ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

بنی اسرائیل کے لئے ہر قسم کا کھانا حلال تھا سوائے اس کے جو بنی اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر خود حرام کر لیا تھا (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہدیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو تورات لا کر پڑھو ۔ پھر اس کے بعد بھی جو کوئی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے تو وہی لوگ ظالم ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ۔ سو تم (حضرت)

ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو جو ایک خدا کے ہو رہے تھے ۔ اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے ۔

الطَّعَامِ کھانا ۔ خوراک ۔ جمع اَطْعِمَۃٌ ۔

كُلُّ الطَّعَامِ ۔

اس سے وہ تمام کھانے کی چیزیں مراد ہیں جو اس وقت زیر بحث تھیں ۔ ہر قسم کا کھانا مراد لینا صحیح نہیں ۔

شانِ نزول ۔ بغوی ؒ نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپؐ ملت ابراہیمی پر ہونے کا تو دعویٰ کرتے ہیں اور اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیمؑ نہ اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور نہ اس کا دودھ پیتے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لئے تو یہ چیزیں حلال تھیں ۔ یہود نے کہا ہم جن چیزوں کو آج حرام کہتے ہیں یہ حضرت نوحؑ کے لئے بھی حرام تھیں اور حضرت ابراہیمؑ کے لئے بھی اور اس زمانے سے آج تک ان کی حرمت چلی آ رہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۸۹/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تورت میں جو کھانے حرام کئے گئے ہیں پہلے وہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد اور ان کے باپ دادا حضرت اسحاقؑ و حضرت ابراہیمؑ کے لئے حلال تھے ۔ پھر تورت نازل ہونے کے بعد یہود کی بیجا حرکتوں کی وجہ سے بعض چیزیں ان کے لئے حرام کر دی گئیں ۔ اونٹ کا گوشت اور دودھ حضرت یعقوبؑ نے ایک خاص وجہ سے خود ہی اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور وہ یہ کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ حضرت یعقوبؑ کی پسندیدہ اور مرغوب ترین غذا تھی ۔ پھر ان کو عرق النساء کا مرض ہو گیا تو انہوں نے منت مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو اس بیماری سے شفا دیدے تو وہ اپنی اس محبوب ترین غذا کو چھوڑ دیں گے ۔ چنانچہ ان کو شفا ہو گئی اور انہوں نے اپنی محبوب ترین غذا (یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ) چھوڑ دی ۔ پھر ان کی اولاد نے بھی ان کی پیروی میں اس کو چھوڑ دیا ورنہ دونوں چیزیں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرام نہ تھیں ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا آپؐ ان سے کہدیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تورت لا کر سب کے سامنے ؛ اس سے تمہارا جھوٹ ظاہر ہو جائیگا کیونکہ تورت میں لکھا ہوا ہے کہ جو چیزیں تورت

نزول سے پہلے یہود کے لئے حلال تھیں وہ ان کی بیجا حرکتوں کی وجہ سے ان کے لئے توریت میں حرام کر دی گئیں ۔(مظہری ۱۰/ ۲) ۔

پس جو لوگ توریت کے اس واضح حکم کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان لگائیں اور دعویٰ کریں کہ اس نے حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے لئے اونٹ کاگوشت حرام کر دیا تھا تو حقیقت میں یہی لوگ ظالم و بے انصاف ہیں اور حق بات ظاہر ہو جانے کے بعد بھی ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور حق کو تسلیم نہیں کرتے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ان سے فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور مجھے سچی خبر دی ہے کہ توریت نازل ہونے سے پہلے یہ سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں ۔ اور یہود و نصاریٰ جھوٹے ہیں جو اپنے گروہ کو دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی یا عیسائی تھے ۔ پس اے یہود و نصاریٰ تم بھی مسلمانوں کی طرح ملت ابراہیمی کی پیروی کرو اور حضرت ابراہیمؑ کا طریقہ اختیار کرو ۔ وہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کا دین ہے ۔ حضرت ابراہیمؑ نہ یہودی تھے ، نہ عیسائی اور نہ مشرک بلکہ وہ تمام باطل مذاہب سے منہ موڑ کر دین حق اختیار کرنے والے تھے ۔

بیت اللہ کی فضیلت

۹۶ ۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ٥

بیشک (سب سے) پہلا گھر جو لوگوں کے لئے (عبادت گاہ) مقرر کیا گیا وہ وہی ہے جو مکہ میں ہے ۔ وہ برکت والا ہے اور دنیا بھر کے لئے رہنمائی کا ذریعہ ہے ۔

وُضِعَ: وہ رکھا گیا ۔ وہ قائم کیا گیا ۔ وہ مقرر کیا گیا ۔ وَضْعٌ سے ماضی مجہول ۔

بَكَّةَ: مکہ معظمہ کا پرانا نام ۔ چونکہ یہاں بڑے بڑے جابروں کی گردنیں ٹوٹ جاتی تھیں اور ہر بڑائی والا یہاں پست ہو جاتا تھا ۔ اس لئے اسے بکہ کہا گیا ۔ اس کو بکہ اس لئے بھی کہا گیا کہ یہاں لوگوں کا ہجوم رہتا ہے نیز یہاں لوگ خلط ملط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ کبھی عورتیں آگے نماز پڑھتی ہیں اور مرد ان کے پیچھے ہوتے ہیں یہ بات اور کہیں نہیں ہوتی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں ساری دنیا کے مکانوں اور مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ کی فضیلت اور شرف کا بیان ہے ۔ بیت اللہ کا یہ شرف و فضیلت کئی وجہ سے ہے ۔

۱ ۔ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں یہ سب سے پہلی عبادت گاہ ہے ۔ یہ عین ممکن ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا گھر عبادت ہی کے لئے بنایا گیا ہو اور اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ ہو اور نہ کوئی دولت خانہ ، حضرت آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں ۔ ان کی شان سے کچھ بعید نہیں کہ انہوں نے زمین پر آنے کے بعد اپنا گھر بنانے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا گھر یعنی عبادت کی جگہ بنائی ہو ۔ اسی لئے حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ ، مجاہدؒ ، قتادہؒ اور سدیؒ وغیرہ صحابہ و تابعین اسی کے قائل ہیں کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے ۔ حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات پہلے بن چکے ہوں مگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے یہ پہلا گھر بنا ہو ۔ (معارف القرآن ۱۱۳ ، ۱۱۴ / ۲) ۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ زمین پر کونسی مسجد سب سے پہلے قائم کی گئی ۔ آپؐ نے فرمایا مسجد حرام ۔ میں نے عرض کیا پھر کونسی ؟ آپؐ نے فرمایا مسجد اقصیٰ ۔ میں نے عرض کیا ان دونوں کے درمیان کتنا وقت ہے ؟ آپؐ نے فرمایا چالیس سال (بیت اللہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد حضرت اسحاقؑ نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تھی ۔ اور اس کی تکمیل کئی سو سال بعد حضرت داؤدؑ کے زمانے میں ہوئی) میں نے عرض کیا پھر کونسی ؟ آپؐ نے فرمایا جہاں بھی تمہیں نماز کا وقت آ جائے (وہیں) نماز پڑھ لیا کرو ۔ ساری زمین مسجد ہے ۔ (ابن کثیر ۳۸۳/ ۱) ۔

۲ ۔ بیت اللہ برکت والا ہے ۔ بیت اللہ کا با برکت ہونا ظاہری طور پر بھی ہے اور معنوی طور پر بھی ۔ ظاہری برکات میں یہ ہے کہ مکہ اور اس کے آس پاس خشک ریگستان اور بنجر زمین ہونے کے باوجود اس میں ہمیشہ ہر طرح کے پھل اور سبزیاں ترکاریاں وغیرہ ضرورت کی تمام چیزیں ہر وقت مہیا رہتی ہیں جو صرف اہل مکہ ہی کے لئے نہیں بلکہ اطراف عالم سے آنیوالے لاکھوں آدمیوں کے لئے بھی کافی ہو جاتی ہیں ۔ حج کے ایام میں تو وہاں مہینوں بے پناہ ہجوم رہتا ہے ۔ حج کے موسم کے علاوہ بھی وہاں ہزاروں آدمیوں کی آمد رفت رہتی ہے ۔ مگر ضروریات زندگی کے ختم ہونے یا کم ہونے کے بارے میں کبھی نہیں سنا گیا یہاں تک کہ لاکھوں کی تعداد میں درکار قربانی کے جانوروں کی بھی کبھی کمی محسوس نہیں ہوئی (معارف القرآن ۱۱۰/ ۲) ۔

معنوی و باطنی برکات کا تو شمار ہی نہیں ۔ بعض اہم عبادتیں تو بیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ وہ کسی اور جگہ تو ادا ہی نہیں ہوسکتیں مثلاً حج ، عمرہ ، طواف وغیرہ ۔ اور بعض دوسری عبادتوں کا ثواب مسجد حرام میں بہت بڑھ جاتا ہے ۔ ابن ماجہ میں حضرت انسؓ بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے گھر کے اندر آدمی کی نماز ایک نماز کے برابر ہے ۔ اور محلہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں پانچسو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے ۔ (مظہری ۲ / ۲) ۔

حج کو ادا کرنے والا مسلمان پچھلے گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو ۔

۳ ۔ بیت اللہ سارے جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے ۔ یہیں ہادیِ اعظم نبیِ آخرالزماں محمدِ مصطفےٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ۔ لوگوں کے لئے اس گھر کا حج فرض کیا گیا ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سب اسی کا طواف کرتے ہیں تمام مسلمانوں کو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا ۔

بیت اللہ کی خصوصیات

۹۷ ۔ فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ۔ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۔ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔

اس میں بہت سی کھلی نشانیاں ہیں ۔ انہی میں سے ایک مقامِ ابراہیم (یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی) ہے ۔ اور جو کوئی اس (گھر) میں داخل ہو گیا وہ امن میں آگیا ۔ اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لئے اس گھر کا حج فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں اور جو کوئی نا فرمانی کرے تو اللہ تعالیٰ کو بھی دنیا جہان کے لوگوں کی کچھ پرواہ نہیں ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں پہلے اسلام کی حقیقت کا بیان تھا کہ اسلام اللہ تعالیٰ کی

اطاعت اور فرماں برداری کا نام ہے ۔ یہی تمام انبیاء اور تمام کائنات کا دین ہے ۔ دیگر انبیاء کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے مبعوث ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام کے سوا کوئی دین قبول نہیں کیا جائیگا ۔ لہذا آخرت کی نجات کا دارومدار اسی دین پر چلنے میں ہے ۔ پھر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی محبوب ترین چیز خرچ کرنے کی ترغیب ہے ۔ اس کے بعد یہود کو خطاب کر کے فرمایا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ وغیرہ حضرت ابراہیمؑ اور تمام انبیاء پر حلال تھا ۔ حضرت یعقوبؑ نے تورت نازل ہونے سے پہلے عرق النساء کی بیماری سے صحت پانے کے لئے اپنی مرغوب اور پسندیدہ چیز چھوڑنے کے لئے نذر مان کر ، صحت یاب ہونے پر ان کا استعمال ترک کر دیا تھا ۔ پھر ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی ان کو چھوڑ دیا تھا ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سب چیزیں بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں ۔ تورت میں بھی ان کا حرام ہونا کہیں مذکور نہیں پھر خانہ کعبہ بیت المقدس سے افضل و اشرف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سب سے پہلے اسی گھر کو لوگوں کی عبادت کے لئے قبلہ مقرر کیا گیا ۔ یہ گھر مکہ شہر میں واقع ہے ۔ اور اس کو بیت اللہ کہتے ہیں ۔ یہی گھر خیر و برکت اور امن والا ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ بیت اللہ کی بہت سی خصوصیات ہیں ۔

۱) مقامِ ابراہیم ۔

۲) جو شخص اس میں داخل ہو جائے وہ محفوظ و مامون ہے ۔

۳) صاحب استطاعت پر بیت اللہ کا حج فرض ہے ۔

۱ ۔ **مقامِ ابراہیم** ۔ بیت اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقامِ ابراہیم ہے ۔ مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے ۔ بعض روایات میں ہے کہ تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ یہ پتھر خود بخود بلند ہو جاتا تھا اور نیچے اترنے کے وقت نیچا ہو جاتا تھا ۔ اس پتھر کے اوپر حضرت ابراہیمؑ کے قدم مبارک کا گہرا نشان آج تک موجود ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایک بے حس و بے شعور پتھر میں یہ ادراک کہ ضرورت کے مطابق بلند یا پست ہو جائے اور یہ تاثر کہ موم کی طرح نرم ہو کر حضرت ابراہیمؑ کے قدموں کا مکمل نقش اپنے اندر لے لے ۔ یہ سب قدرت کی نشانیاں ہیں ۔ (معارف القرآن ۱۲۰/ ۲)۔

یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا ۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے

زمانے میں اسے وہاں سے ہٹا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلے پر مطاف سے باہر زم زم کے کنوئیں کے قریب رکھدیا تاکہ طواف پوری طرح ہو سکے ۔ اور جو لوگ طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں ان پر بھیڑ بھاڑ نہ ہو (ابن کثیر ۱/۳۸۴) ۔

آج کل اس کو اسی جگہ ایک بلوری خول کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے ۔ طواف کے بعد دو رکعتیں اس کے آس پاس پڑھنا افضل ہے ۔ ویسے مسجد حرام کے اندر کسی جگہ بھی طواف کی دو رکعتیں پڑھنے سے واجب ادا ہو جائیگا ۔ بعض علماء کے نزدیک پورا حرم مقام ابراہیم ہے ۔

۲ ۔ **بیت اللہ میں مامون ہونا** ۔ بیت اللہ کے اندر مامون و محفوظ ہونا ایک تو تشریعی اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جو شخص اس میں داخل ہو جائے اس کو نہ ستاؤ اور نہ قتل کرو ۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جو شخص حرم کے اندر آ جائے وہ مامون و محفوظ ہے ۔ اس کو قتل کرنا جائز نہیں ۔ پس اگر کسی نے حرم سے باہر ایسا جرم کیا جو قصاص یا حد کا موجب ہو اور وہ (مجرم) حرم میں اگر پناہ لے لے تو حرم کے اندر نہ اس سے قصاص لیا جائیگا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی ۔ البتہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائیگا اور اس سے خرید و فروخت بھی ترک کر دی جائے گی تاکہ وہ مجبور ہو کر حرم سے باہر نکل آئے اور اس کو حرم سے باہر سزا دی جاسکے ۔ (مظہری ۲/۹۳) ۔

ابو داؤد طیالسیؒ نے مسند میں اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی روایت سے اور طبرانیؒ نے کبیر میں اور بیہقیؒ نے سنن میں حضرت حاطب کی روایت سے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دونوں حرموں میں سے کسی میں مرے گا قیامت کے دن وہ دوزخ سے بے خوف ہو گا ۔ (مظہری ۲/۹۳) ۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تکوینی طور پر ہر قوم و ملت کے لوگوں کے دلوں میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم ڈالدی ہے ۔ اور وہ سب عموماً باہمی اختلافات کے باوجود اس بات پر متفق ہیں کہ اگر چہ اس میں داخل ہونے والا مجرم یا ہمارا دشمن ہی ہو ، حرم کے احترام میں اس کو وہاں کچھ نہ کہا جائے ۔ زمانہ جاہلیت کے عرب اور ان کے مختلف قبائل بے شمار عملی گمراہیوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بیت اللہ کی حرمت و عظمت پر جان دیتے تھے اور قاتل کو بھی حرم کے اندر کچھ نہ کہتے تھے ۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ حرم کے اندر قتل و قتال نہ مجھ سے پہلے حلال تھا ، نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے اور میرے

لئے بھی (بیت اللہ کی تطہیر کی غرض سے) صرف چند گھنٹوں کے لئے حلال ہوا تھا ۔ پھر حرام کر دیا گیا ۔ (معارف القرآن ۱۲۱/ ۲) ۔

۴ ۔ حج بیت اللہ کی فرضیت ۔ حج کے معنی کسی عظیم الشان چیز کی طرف قصد کرنے کے ہیں ۔ محض ہر قصد کو حج نہیں کہتے ۔ شرعی اصطلاح میں ایک خاص زمانے میں خاص افعال ادا کرنے اور خاص مکان کی زیارت کرنے کو حج کہتے ہیں یعنی حج ان خاص افعال کا نام ہے جو حج کی نیت سے احرام باندھنے کے بعد کئے جاتے ہیں ۔ حج اسلام کا پانچواں رکن ہے جو ۹ ھ میں فرض ہوا ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین عبادت اور تمام انبیاء کرام اور اللہ کے نیک بندوں کا شعار ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض کر دیا ہے بشرطیکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت و استطاعت رکھتے ہوں یعنی ان کے پاس اصل ضروریات سے زائد اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں قیام کا خرچ برداشت کر سکیں اور اپنی واپسی تک اپنے اہل و عیال کا بھی انتظام کر سکیں جن کا نفقہ انکے ذمہ واجب ہے نیز وہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہوں ۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو ! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے ۔ پس تم حج کرو ۔ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ۔ ۱ ۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ۔ ۲ ۔ نماز پڑھنا ۔ ۳ ۔ زکوٰۃ دینا ۔ ۴ ۔ بیت اللہ کا حج کرنا ۔ ۵ ۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا ۔

حج ان لوگوں پر فرض ہے جو آزاد ہوں ، ہوشمند ہوں اور بالغ ہوں ۔ بچوں ، دیوانوں اور غلاموں پر حج فرض نہیں ۔ اگر کسی کافر نے یا نا بالغ بچہ یا غلام نے حج کر لیا تو بالا جماع کافر پر مسلمان ہونے کے بعد ، بچہ پر بالغ ہونے کے بعد اور غلام پر آزاد ہونے کے بعد حج کرنا واجب ہے ۔ سابقہ حج جو کفر کے زمانے ، یا بالغ ہونے سے پہلے یا غلامی کے زمانے میں کیا تھا وہ کافی نہیں ۔ حاکمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جس بچہ نے حج کر لیا ہو پھر وہ بالغ ہو گیا تو اس پر دوسرا حج کرنا لازم ہے اور جو دیہاتی حج کر چکا ہو پھر اس نے (مسلمان ہو کر) ہجرت کی ہو اس پر بھی دوسرا حج کرنا واجب ہے اور جو غلام حج کر چکا

ہو ، پھر آزاد کر دیا گیا ہو تو اس پر بھی دوسرا حج فرض ہے ۔ اس حدیث میں دیہاتی سے غیر مُسلم دیہاتی مُراد ہے کیونکہ عرب کے مشرک بھی حج کیا کرتے تھے ۔ (مظہری ۹۵/ ۹) ۔

عورت کے لئے چونکہ محرم کے بغیر سفر کرنا شرعاً جائز نہیں اس لئے وہ اس وقت حج پر قادر سمجھی جائے گی جب اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو خواہ وہ محرم اپنے خرچ سے حج کرے یا وہ عورت اس کا خرچ بھی برداشت کرے ۔ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم کے بغیر عورت تین منزل پر سفر نہ کرے (بخاری و مسلم) ۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جو عورت اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ تین رات کا سفر محرم کے بغیر نہ کرے ۔ (مظہری ۹۰، ۲/) ۔

اسی طرح بیت اللہ تک پہنچنے کے لئے راستہ کا مامون ہونا بھی استطاعت کا ایک جزو ہے ۔ اگر راستہ میں بد امنی ہو ، جان و مال کا قوی خطرہ ہو تو حج کی استطاعت نہیں سمجھی جائے گی ۔

حج کی فرضیت کے اعلان کے بعد فرمایا کہ جو شخص انکار کرے تو اللہ تعالیٰ بھی تمام جہان والوں سے بے نیاز ہے ۔ جو شخص حج کو فرض نہ سمجھے اس کا دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہونا تو ظاہر ہے مگر جو شخص حج کو عقیدے کے طور پر فرض تو سمجھتا ہو اور استطاعت و قدرت کے باوجود نہیں کرتا وہ بھی ایک طرح سے منکر ہی ہے کیونکہ وہ کافروں جیسے عمل میں مبتلا ہے ۔ (معارف القرآن ۱۲۲/ ۲) ۔

اہلِ کتاب کے کرتوت

۹۸ ، ۹۹ ۔ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَٱللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُونَ ۔ قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ مَنْ ءَامَنَ تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۔

آپ کہدیجئے کہ اے اہل کتاب ! تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو ۔ آپ کہدیجئے کہ اے اہل کتاب ! تم ایمان لانے والو کو (نا حق) عیب نکال کر اللہ تعالیٰ کی راہ سے

کیوں روکتے ہو ۔ حالانکہ تم خود (اس کے حق ہونے پر) شاہد ہو ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل (بے خبر) نہیں ۔

تَصُدُّوْنَ ۔ تم روکتے ہو ۔ تم بند کرتے ہو ۔ صَدٌّ سے مضارع

تَبْغُوْنَهَا ۔ تم اس کو چاہتے ہو ۔ تم اس کو تلاش کرتے ہو ۔ بَغْیٌ سے مضارع ۔

عِوَجًا ۔ کجی ۔ ٹیڑھا پن ۔ مصدر ہے ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کو تنبیہ کی ہے کہ جب تمہارے سامنے نیکی اور بدی کی راہیں کھول کر بیان کر دی گئیں ، حق و صداقت کے دلائل واضح کر دئے گئے اور قرآنِ کریم کی سچی کھری باتیں سنادی گئیں، تو اب تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اہلِ کتاب کہلانے کے باوجود حق سے عناد رکھتے ہو ، اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہو لوگوں کو پوری قوت و شدت کے ساتھ اسلام سے روکتے ہو اور اپنے کفر پر اڑے ہوئے ہو حالانکہ تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا یقینی علم ہے ، تمہاری کتابوں میں ان کا ذکر موجود ہے ۔ ان کے بارے میں گزشتہ انبیاء اور رسولوں کی پیش گوئیاں تمہارے پاس موجود ہیں ۔ یاد رکھو! میں خوب دیکھ رہا ہوں کہ تم کس طرح کتاب میں تحریف کرتے ہو ، میرے نبیوں کی تکذیب کرتے ہو اور کس طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے مخلص بندوں کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہو ۔ اور مومنوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کرتے ہو تاکہ ان کی وحدت باقی نہ رہے ۔ میں تمہارے اعمال سے غافل نہیں ۔ میں تمہیں اس دن پکڑوں گا جس دن تمہیں کوئی سفارشی اور مدد گار نہیں ملے گا ۔ اس دن میں تم سے پورا پورا حساب لوں گا اور پھر تمہیں تمام بُرے اعمال کی سزا دوں گا ۔

مومنین کو تنبیہ

۱۰۰ ، ۱۰۱ ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۔ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔
اے ایمان والو ! اگر تم اہل کتاب میں سے کسی فریق کا کہا مان لو گے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد پھر تمہیں کافر بنادیں گے اور تم کس طرح کفر کرنے لگو گے حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول بھی موجود ہے ۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ (کے دامن رحمت) کو مضبوط پکڑتا ہے تو اس کی ضرور رہنمائی کی جاتی ہے سیدھے راستے کی طرف۔

تُتْلٰی ۔ اس کی تلاوت کی جاتی ہے ۔ وہ پڑھی جاتی ہے ۔ تِلَاوَةٌ سے مضارع مجہول ۔
یَعْتَصِمْ ۔ وہ اعتماد کرتا ہے ۔ وہ مضبوط پکڑتا ہے ۔ اِعْتِصَامٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ فریابی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ زمانۂ جاہلیت میں اوس و خزرج کے قبائل میں جنگ و جدال جاری رہتا تھا ۔ (اسلام نے سب کو متفق و متحد کر دیا) ایک روز وہ سب ملے جلے بیٹھے تھے کہ آپس کی عداوت کا ذکر آ گیا اور سب غضبناک ہو گئے ۔ اور ہتھیار اٹھا کر ایک دوسرے کے مقابل آ گئے اس پر آیت کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ اور اس کے بعد کی دو آیتیں نازل ہوئیں ۔ (جلالین ۱،۲ ، مظہری ۱۴۳ / ۲) ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اہل کتاب کی اتباع کرنے سے منع فرمایا ہے کہ یہ حاسد ایمان کے دشمن ہیں اور تمہیں ایمان سے ہٹانا چاہتے ہیں ۔ تعجب ہے کہ تم کفر کے اعمال کی طرف جا رہے ہو حالانکہ ابھی اللہ کے رسول تمہارے اندر موجود ہیں جو دین کے بارے میں تمہارے شکوک و شبہات کو دور کرتے ہیں اور تمہیں وعظ و نصیحت کرتے اور تمہیں اللہ تعالیٰ کا کلام پڑھ کر سناتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے پکڑے گا اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے گا تو وہ ہدایت پالے گا اور سیدھے راستہ سے کبھی نہیں بھٹکے گا ۔

حضرت زیدؓ بن ارقم سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مجمع میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ لوگو ! میں محض ایک آدمی ہوں ۔ عنقریب میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے گا اور میں اس کی دعوت قبول کروں گا ۔ میں تمہارے اندر دو بڑی عظمت والی چیزیں چھوڑ رہا ہوں ۔ پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس کے اندر ہدایت اور نور ہے ۔ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پکڑ لو اور

مضبوطی سے تھامے رہو ۔ (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں ۔ میں اپنے اہل بیت کے متعلق تمہیں اللہ تعالیٰ (کے احکام اور خوف) کی یاد دلاتا ہوں ۔ (مظہری ۱۰۳/ ۲) ۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ۔ جو اس کے حکم پر چلے گا ہدایت پر ہوگا ، جو اس کو چھوڑ دے گا گمراہ ہوگا ۔ (مظہری ۱۰۳/ ۲) ۔

اجتماعی قوت کے اصول

۱۰۲، ۱۰۳ ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ج وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسلام ہی کی حالت میں مرنا ۔ اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور تم پر اللہ تعالیٰ کا جو احسان ہے اس کو یاد کرو جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کی سو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے ۔ حالانکہ تم آگ کے گڑھے کے کنارہ پر تھے ۔ پھر اس نے تمہیں اس سے بچا لیا ۔ اللہ تعالیٰ تم سے اپنی آیتیں اسی طرح بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ ۔

اِتَّقُوْا ۔ تم ڈرو ۔ تم پرہیزگاری اختیار کرو ۔ اِتِّقَاءٌ سے امر ۔ تقویٰ کے کئی درجے ہیں ۔ ادنیٰ درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے ۔ اس معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جا سکتا ہے اگر چہ وہ گناہوں میں مبتلا ہو ۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک

پسندیدہ نہیں ۔ تقویٰ کے جو فضائل و برکات قرآن و حدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجہ کے لئے ہیں ۔ تیسرا درجہ تقویٰ کا اعلیٰ معیار ہے جو انبیاء اور ان کے خاص نائبین اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے ۔ اس میں اپنے قلب کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا ۔ (معارف القرآن ۱۲۷/ ۲) ۔

فَاَلَّفَ ۔ پس اس نے الفت ڈالی ۔ پس اس نے محبت ڈالدی ۔ تَالِیفٌ سے ماضی ۔

شَفَا ۔ کنارہ ۔ آخری حصہ ۔

حُفْرَةٍ ۔ گڑھا ۔

اَنْقَذَكُمْ ۔ اس نے تمہاری جان بچائی ۔ اس نے تمہیں نجات دی ۔ اِنْقَاذٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اجتماعی قوت کے دو اصول بتائے ہیں ۔

۱ ۔ **تقویٰ کا حق ادا کرنا** ۔ مجاہدؒ نے کہا کہ تقویٰ کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کا حق ادا کرے ۔ اور احکام خداوندی کی تعمیل میں تمہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت نہ روکے ۔ اللہ تعالیٰ کے لئے انصاف کرنے کھڑے ہو جاؤ خواہ اس میں خود تمہارا ، تمہارے ماں باپ یا اولاد کا نقصان ہو ۔ (مظہری ۱۰۵/ ۲) ۔

حضرت انسؓ کے نزدیک کوئی آدمی اس وقت تک حقِ تقویٰ ادا نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبان کو محفوظ نہ رکھے (مظہری ۱۰۵/ ۲) ۔

مطلب یہ ہے کہ معاصی اور گناہوں سے بچنے میں اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کر دے تو تقویٰ کا حق ادا ہو جائیگا ۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے ۔

اِتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۔ اللہ سے ڈرو جتنا تمہاری قدرت میں ہے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ تمام زندگی اسلام پر قائم رہنا تاکہ موت بھی اسی پر آئے ۔ کیونکہ اسلام ہی دین و دنیا کی نعمتوں کا سر چشمہ ہے ۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جہنم سے الگ ہونا اور جنت میں جانا چاہتا ہو تو اسے چاہئے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جیسے وہ خود اپنے لئے چاہتا ہو ۔ (ابن کثیر ۳۸۸/ ۱) ۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میں نے آپؐ کے انتقال سے تین روز پہلے آپؐ کو

یہ فرماتے ہوئے سنا کہ دیکھو! موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ۔ (مسلم)۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میرا بندہ میرے ساتھ جیسا گمان رکھے میں اس کے گمان کے پاس ہی ہوں ۔ اگر وہ میرے ساتھ حسن ظن رکھتا ہے تو میں اس کے ساتھ اچھائی کروں گا ۔ اگر وہ میرے ساتھ بد گمانی کرے گا تو میں اس سے اسی طرح پیش آؤں گا ۔ مسند احمد ۔ (ابن کثیر ۳۸۸ / ۱) ۔

۲ ۔ **باہمی اتحاد و اتفاق** ۔ اجتماعی قوت کا یہ دوسرا اصول ہے جو دوسری آیت میں بیان ہوا کہ تم آپس میں اتحاد و اتفاق رکھو ، اختلاف سے بچو اور سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو ۔ یہ ایسی تدبیر ہے جسے اختیار کر کے امت مسلمہ ایک نا قابل تسخیر قوت بن جائے گی اور دشمنوں کی سازشوں اور شر و فساد سے محفوظ ہو جائے گی اور کوئی غلط کار اسے گمراہ نہیں کر سکے گا ۔

جس طرح رسی کو پکڑ لینے سے آدمی گرنے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور رسی ہی کو ذریعہ بنا کر نیچے سے اوپر پہنچ جاتا ہے اسی طرح قرآن کریم اور دین اسلام کو مضبوطی سے تھام کر بندہ خدا تک پہنچ جاتا ہے اور آگ میں گرنے سے بچ جاتا ہے ۔ خدا کی رسی اتنی مضبوط ہے کہ وہ چھوٹ تو سکتی ہے ٹوٹ نہیں سکتی لہذا جو شخص اس کو چھوڑ دے گا وہ ضرور ذلت و حسرت کے گڑھے میں جا گرے گا اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے والا اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیگا ۔

حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے ۔ یہ نورِ مبین ہے ۔ یہ سراسر شفا دینے والا اور نفع بخش ہے ۔ اس پر عمل کرنے والے کے لئے یہ بچاؤ ہے اور اس کی تابعداری کرنے والے کے لئے یہ نجات ہے ۔ (ابن کثیر ۳۸۹ / ۱) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین باتوں سے خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے نا خوش ۔ جن تین باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں ۔ ۱) اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ۔ ۲) ۔ سب مل کر اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو ۔ ۳) اپنے حاکموں کی خیر خواہی کرو ۔ جن تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ نا خوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں ۔ (۱) فضول

بات چیت اور بحث و مباحثہ (۲) بلا ضرورت کسی سے سوال کرنا ۔ (۳) مال کی بربادی (ابن کثیر ۳۸۹/ ۱) ۔

مذکورہ دونوں اصولوں پر سختی سے عمل کر کے ہی امت کا شیرازہ منظم ہو سکتا ہے جیسا کہ قرون اولیٰ میں اس کا مشاہدہ ہو چکا ہے ۔ آج انہی قرآنی اصولوں کو بھلا دینے سے پوری امت مسلمہ انتشار و افتراق کا شکار ہو کر برباد ہو رہی ہے ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت یاد دلائی ۔ جاہلیت کے زمانے میں اوس اور خزرج قبیلوں کے درمیان سخت عداوت تھی اور آئے دن آپس میں جنگ ہوتی رہتی تھی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دیکر ان کے دلوں میں الفت ڈال دی چنانچہ اسلام کی برکت سے ان کا سب حسد و بغض جاتا رہا ۔ برسوں کی عداوت باہمی اخوت و محبت میں بدل گئی اور دونوں قبیلے اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے آپس میں بھائی بھائی بن گئے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہو گئے ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے دوسرے احسان کا ذکر کیا کہ تم اپنے کفر کی وجہ سے بالکل آگ کے کنارے پہنچ چکے تھے ۔ اگر اسی حالت میں تمہیں موت آ جاتی تو تم یقیناً جہنم کا ایندھن بنتے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی توفیق دیکر اس سے بچالیا ۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی قدر کرو اور ان پر اس کا شکر ادا کرو اور شکریہ ہے کہ تم اس کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور یہود کے بہکانے سے اسلام کو نہ چھوڑو جس کی برکت سے یہ تمام نعمتیں تمہیں ملی ہیں ۔

دعوت و تبلیغِ دین

۱۰۴ ۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور بری باتوں سے منع کرے ۔ اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔

تشریح ۔ اور تم میں ایک ایسی جماعت ہونی چاہئے جو اپنے قول و عمل سے لوگوں کو خیر یعنی قرآن و سنت کی طرف بلائے اور جب ان کو نیکی اور بھلائی کے کاموں میں سست

اور غافل دیکھے اور برائیوں میں مبتلا پائے تو ان کو نیکیوں کی طرف متوجہ کرے اور برائیوں سے روکے ۔ ظاہر ہے یہ کام وہی لوگ کر سکتے ہیں جو نیکی اور بدی میں تمیز کر سکتے ہوں اور قرآن کریم کی تعلیمات سے پوری طرح با خبر ہوں ۔ نیز ان میں موقع شناسی اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو حکمت کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کی صلاحیت بھی ہو ۔ ورنہ اصلاح کی بجائے بگاڑ بھی پیدا ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنی نا واقفیت کی بنا پر کسی معروف کو منع کرنے لگیں یا منکر کا حکم کرنے لگیں ۔ پس جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے ہیں وہی لوگ حقیقی کامیابی حاصل کریں گے اور جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہی ناکام اور نقصان اٹھانے والے ہیں ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہر شخص پر فرض نہیں کیونکہ اس کے لئے علم شریعت اور احتساب کی قدرت ضروری ہے جو سب لوگوں میں نہیں ہو سکتی ۔ اس لئے یہ جماعت کا فرض ہے اگر بعض نے کر لیا تو سب کی طرف سے فرض ادا ہو جائیگا ۔ اور اگر کوئی بھی اس فر ض کو انجام نہ دے گا تو سب گنہگار ہو ں گے ۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی کسی بُری بات کو دیکھے تو وہ اس کو اپنے ہاتھ سے دفع کر دے ۔ اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے ۔ اگر یہ بھی نہ کر سکتا ہو تو دل سے ہی (اس کو برا جانے اور یہ کمزور ترین (درجہ کا) ایمان ہے ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۔ ۱۳/ ۲) ۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور اچھائی کا حکم کرتے رہو اور بُرائی سے روکتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیجدے گا ۔ پھر تم اس کے دور ہونے کی دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی ۔ (مظہری بحوالہ ترمذی ۱۳ / ۲) ۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ احکام الٰہیہ میں سستی کرنے والے اور ان میں پڑ جانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے قرعہ اندازی کی ہو اور قرعہ ڈالنے کے بعد کوئی کشتی کے بالائی درجہ میں سوار ہو گیا اور کوئی نچلے درجہ میں ۔ نچلے درجہ والا پانی لے کر بالائی درجہ والوں کی طرف سے گزرتا تو ان کو تکلیف پہنچتی ۔ اس لئے نچلے درجہ والے نے کلہاڑی لیکر کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کر دیا ۔ بالائی درجہ والوں نے جاکر اس سے کہا ۔ تو یہ کیا کر رہا ہے ؟ اس

نے جواب دیا آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور مجھے پانی کی بہر حال ضرورت ہے ۔ (اس لئے کشتی میں سوراخ کر رہا ہوں) اب اگر وہ اس کے ہاتھ کو پکڑ لیں گے تو اس کو بھی ڈوبنے سے بچالیں گے اور خود بھی محفوظ رہیں گے اور اگر اس کو سوراخ کرتا ہوا چھوڑ دیں گے تو اس کو بھی ہلاک کریں گے اور خود بھی ہلاک ہوں گے ۔ (مظہری بحوالہ بخاری شریف ۱۴۳/ ۲) ۔

افتراق و انتشار کی ممانعت

۱۰۵ ۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔

اور تم ان جیسے نہ ہو جانا جو متفرق ہو گئے ۔ اور بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچ چکے تھے وہ باہم اختلاف کرنے لگے اور انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مسلمانوں کو باہمی افتراق و انتشار سے بچنے کے لئے تاکیداً کہا گیا ہے کہ تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح نہ ہو جانا جو صاف اور صریح احکام کے باوجود محض دنیا پرستی اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں شریعت کے اصولوں میں اختلاف کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو چھوڑ کر بہتّر فرقے بن گئے اور باہمی جنگ و جدال سے تباہ برباد ہوئے اور ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا ۔ آج امت مسلمہ بھی اسی طرح شریعتِ اسلامیہ کے صاف و صریح احکام میں اختلاف پیدا کر کے اپنے لئے تباہی کا سامان فراہم کر رہی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہدایت و رہنمائی فرمائے ۔ آمین ۔

سفید و سیاہ چہروں والے

۱۰۶ ، ۱۰۹ یَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْھُھُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۔ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْھُھُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ ھُمْ فِيْھَا

خٰلِدُوْنَ ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتْلُوْهَا عَلَیْکَ بِالْحَقِّ ۔
وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْماً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ وَلِلّٰہِ ما فِی السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۔

جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ سیاہ ہو جائیں گے ۔ سو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائیگا کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے ۔ پس تم اپنے کفر کے بدلے میں عذاب کا مزا چکھو ۔ اور جن کے چہرے سفید ہوں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دنیا کے لوگوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا ۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔

تَبْیَضُّ ۔ وہ سفید ہو گئے ۔ اِبْیِضَاضٌ سے مضارع ۔
تَسْوَدُّ ۔ وہ کالے ہو گئے ۔ وہ سیاہ ہو گئے ۔ اِسْوِدَادٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ جمہور مفسرین کے نزدیک چہرہ کی سفیدی سے مراد نورِ ایمان کی سفیدی ہے ۔ قیامت کے روز مومنوں کے چہرے ایمان کے نور سے روشن اور مسرت و فرحت سے کھلے ہوئے ہوں گے ۔ سیاہی سے مراد کفر کی سیاہی ہے ۔ قیامت کے روز کافروں کے چہروں پر کفر کی سیاہی اور فسق و فجور کی ظلمت و تاریکی چھائی ہوئی ہوگی ۔

امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں یوم **تَبْیَضُّ وُجُوْہٌ وَ تَسْوَدُّ وُجُوْہٌ** کے متعلق فرمایا کہ مومنین مخلصین کے چہرے سفید ہوں گے اور ان کے علاوہ ان تمام لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے جنہوں نے دین میں تغیر و تبدل کیا ہو ۔ خواہ وہ مرتد ہو گئے ہوں یا اپنے دلوں میں نفاق چھپائے ہوئے ہوں ۔

سفید چہروں والے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہیں گے ۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں رحمت سے مراد جنت ہے ۔ جنت کو رحمت سے تعبیر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ آدمی خواہ کتنا ہی عابد و زاہد کیوں نہ ہو وہ محض اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت سے جنت میں جائے گا ۔ کیونکہ عبادت کرنا بھی انسان کا کوئی ذاتی کمال نہیں بلکہ عبادت کی قدرت

بھی اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے ۔ اس لئے عبادت کرنے سے جنت میں داخلہ ضروری نہیں ہو جاتا بلکہ جنت میں داخلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت سے ہوگا (تفسیر کبیر) ۔

پھر فرمایا کہ مومنین اللہ تعالیٰ کی جس رحمت میں ہوں گے وہ ان کے لئے عارضی نہیں ہوگی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت نہ کبھی ان سے سلب ہوگی اور نہ کبھی کم ہوگی ۔ اس کے بعد سیاہ چہرے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ عذاب ہماری طرف سے نہیں بلکہ یہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے جو تم دنیا میں کرتے رہے ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا کیونکہ اس کی طرف سے ظلم کا تصور بھی نہیں ہو سکتا ۔ وہ مالک مطلق ہے اپنی ملک میں جیسا چاہتا ہے کرتا ہے ۔ (معارف القرآن ۳۶ / ۲) ۔

اُمّتِ محمدیہ کا امتیاز

۱۱۰ ، ۱۱۱ ۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ
وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ
الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ
وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۔

(مسلمانو !) تم سب امتوں سے بہتر (امت) ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئیں ۔ (کیونکہ) تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور بُرائی سے منع کرتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو ۔ اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو بیشک یہ ان کے لئے بہتر ہوتا (مگر) ان میں سے کچھ تو مومن ہیں اور اکثر نافرمان ہیں ۔ تھوڑی سی تکلیف کے سوا وہ تمہیں ہرگز ضرر (نقصان) نہ پہنچا سکیں گے ۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے ۔ پھر انہیں (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی ۔

اَذًی ۔ ایذا ۔ تکلیف ۔

اَدْبَارَ ۔ پیٹھیں ۔ پشتیں ۔ واحد دُبُرٌ ۔

شانِ نزول ۔ بغوی نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ مالک بن الصیف اور وہب بن

یہود ، یہودی تھے ۔ ان دونوں نے حضرت ابن مسعودؓ ، حضرت معاذ بنؓ جبل اور حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ سے کہا کہ ہم تم سے افضل ہیں اور ہمارا مذہب اس دین سے بہتر ہے جس کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۱۸/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا ہے کہ تم تمام امتوں میں بہترین امت ہو ۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے حکم میں مقدر ہو چکی کہ تمہیں تمام امتوں پر برتری ملے گی اور اس کی خبر سابقہ انبیاء کو بھی دیدی گئی تھی ۔ جس طرح خاتم الانبیاء تمام نبیوں سے افضل و اشرف ہیں اسی طرح آپؐ کی امت بھی تمام امتوں سے افضل و برتر ہے ۔ اور آپؐ کی شریعت بھی تمام شریعتوں سے جامع اور مکمل شریعت ہے ۔

قرآن کریم نے اُمّتِ محمدیہ کو خَیر الامم قرار دینے کی متعدد وجوہ بیان کی ہیں ۔

۱) ۔ یہ معتدل اور بہترین امت ہے ۔

(۲) ۔ یہ خلق اللہ کو نفع پہنچانے کے لئے وجود میں آئی ہے ۔ (۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سب سے زیادہ اسی امت نے انجام دیا حالانکہ یہ فریضہ سابقہ امتوں پر بھی عائد تھا جس کی تفصیل احادیثِ صحیحہ میں مذکور ہے مگر ان میں سے بہت سی امتوں پر جہاد فرض نہ ہونے کی بنا پر وہ صرف دل اور زبان سے یہ فریضہ ادا کر سکتے تھے ۔ اُمّتِ محمدیہ کا امتیاز یہ ہے کہ وہ حکومتی طاقت سے بھی اسلامی قوانین کی تنفیذ کر سکتی ہے اور جہاد کے ذریعہ ہاتھ کی قوت سے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کر سکتی ہے ۔

۴) ۔ سابقہ اُمَم میں دین سے عام غفلت کی بنا پر دین کے شعائر اور امر بالمعروف بالکل محو اور متروک ہو گئے تھے جبکہ اس امت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشگوئی فرمائی کہ اس میں قیامت تک ایک ایسی جماعت قائم رہے گی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتی رہے گی ۔

۵) ۔ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اگر چہ ایمان تمام امتوں میں مشترک ہے مگر کمالِ ایمان کے درجات مختلف ہیں ۔ ایمان کا جو کامل درجہ اس امت کو حاصل ہے وہ سابقہ امتوں کے مقابلہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے ۔ (معارف القرآن ۱۳۹ ، ۱۵۰ / ۲) ۔

اس کے بعد اہل کتاب سے کہا گیا کہ اگر تم بھی ایمان لے آتے تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہوتا اور تم بھی خیر الامم میں شامل ہو جاتے ۔ اس سے دنیا میں بھی تمہاری عزت بڑھتی اور آخرت میں بھی تمہیں اجر و ثواب ملتا ۔ مگر افسوس کہ ان میں سے چند افراد کے سوا

کسی نے اسلام قبول نہ کیا ۔ حق واضح ہو جانے کے باوجود وہ نافرمانی پر ہی اڑے رہے ۔

پھر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ان کی زیادہ تعداد یا مادی ساز و سامان کو دیکھ کر خوف نہ کھانا ۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یہ نافرمان تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے ۔ یہ لوگ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں کہ زبان سے گالی دیں یا تمہیں بُرا بھلا کہیں یا کوئی چھوٹی موٹی تکلیف پہنچائیں ورنہ یہ ' نہ تم پر غالب آسکتے ہیں اور نہ تمہیں کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں ۔ اگر یہ لوگ لڑائی میں تمہارے مقابلہ پر آ بھی گئے تو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے ۔ کوئی ان کی مدد کو نہ آئے گا اور یہ شکست کھا کر ذلیل و رسوا ہوں گے ۔

مسند احمد ؒ میں حضرت ابوبکرؓ صدیق سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مانند روشن ہوں گے ۔ سب ایک دل ہوں گے ۔ میں نے اپنے رب سے اس تعداد میں اضافہ کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی حضرت ابو بکرؓ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہات والے بلکہ بادیہ نشین بھی آ جائیں گے ۔ ابن کثیر ۲۹۴/ ۱)

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حساب کیا گیا تو جملہ تعداد چار کروڑ نوے ہزار ہوئی (ابن کثیر ۲۹۵/ ۱)۔

مسند احمدؒ ہی میں حضرت عبدؒ الرحمٰن بن اَبُو بکر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے رب نے میری امت میں سے ستر ہزار آدمیوں کے بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونیکی مجھے بشارت دی ہے ۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے عرض کیا حضور کچھ اور زیادتی طلب فرماتے ۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے سوال کیا تو مجھے خوش خبری ملی کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے ۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا ۔ حضور اور برکت کی دعا فرماتے ۔ آپؐ نے فرمایا میں نے پھر کی تو ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار کا وعدہ ہوا حضرت عمرؓ نے پھر عرض کیا حضور آپؐ کچھ اور زیادتی بھی طلب فرماتے ۔ آپؐ نے فرمایا میں نے پھر مانگا تو اتنی زیادتی اور ملی ۔ پھر دونوں ہاتھ پھیلا کر بتایا کہ اس طرح ۔ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ اس طرح جب اللہ تعالیٰ سمیٹے تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس قدر مخلوق اس میں آئے گی ۔ (فسبحان اللہ و بحمدہ) ابن کثیر ۲۹۴/ ۱)۔

حافظ ابوبکر بن ابو عاصم نے اپنی کتاب السنن میں لکھا ہے کہ ابو امامہ باہلی کہتے ہیں

کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب و عذاب کے بہشت میں داخل ہوں گے ۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے اور تین لپیں اور میرے رب عزوجل کی لپوں سے (ابن کثیر ۳۹۳/ ۱) ۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتیوں کے چوتھائی ہو ۔ ہم نے خوش ہو کر اللہ اکبر کہا ۔ پھر فرمایا کہ کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم اہلِ جنت کی تہائی ہو ۔ ہم نے پھر تکبیر کہی ۔ آپؐ نے فرمایا مجھے تو امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھوں آدھ ہو جاؤ گے ۔ (ابن کثیر ۳۹۵ / ۱) ۔

عتابِ الٰہی اور اس کے اسباب

۱۱۲ ۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ؕ

ان پر ذلت ڈالدی گئی ۔ وہ جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے صرف اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی پناہ سے پائے جائیں گے اور وہ غضب الٰہی کے مستحق ہو گئے اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے اور نبیوں کو نا حق قتل کرتے تھے ۔ یہ اس کی سزا ہے کہ انہوں نے نا فرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ گئے ۔

ثُقِفُوْا ۔ وہ پائے گئے ۔ ثَقف سے ماضی مجہول ۔

حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ ۔ اللہ کی رسی ۔ مراد اللہ تعالیٰ کا عہد ۔ یعنی جب تک یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قانون اور اس کی شریعت پر عمل نہیں کریں گے ان کی ذلت دور نہ ہوگی ۔

حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ۔ لوگوں کی رسی ۔ مراد لوگوں کا عہد ۔ یعنی جب تک انہیں دوسری

اقوام کی حمایت حاصل نہ ہوگی وہ ذلت و رسوائی سے نہ نکل سکیں گے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ کر کے بے فکر ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ دوسری غیر مسلم طاقتوں سے صلح کا معاہدہ کر کے محفوظ ہو جائیں جیسے حکومت اسرائیل کی موجودہ صورت جو حقیقت میں اہل یورپ کی ایک مشترکہ چھاؤنی سے زیادہ نہیں اس کی جو کچھ قوت نظر آتی ہے وہ سب غیروں کے بل بوتے پر ہے۔ اگر امریکہ و برطانیہ اور دوسرے مغربی ممالک اس پر سے آج اپنا ہاتھ اٹھالیں تو وہ ایک دن اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔ واللہ اعلم (معارف القرآن ۱۵۲، ۱۵۳ / ۲)۔

بَآءُوْا۔ وہ مستحق ہوئے۔ انہوں نے کمایا۔ بَوْءٌ سے ماضی۔

الْمَسْکَنَةُ۔ مفلسی۔ محتاجی۔ ذلت۔

تشریح۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہود پر ذلت کی مُہر لگادی گئی۔ اب یہ دنیا میں ایسے ذلیل و خوار ہوں گے کہ ان کو (۱) کہیں پناہ نہیں ملے گی سوائے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے۔ یہ لوگ کہیں بھی ہوں ان کو یا تو قرآن کریم اور دین اسلام کی وجہ سے پناہ مل سکتی ہے جس نے امن طلب کرنے والے کافروں ذمیوں سے تعرض نہ کرنے کا حکم دیا ہے (۲) یا پھر مسلمانوں سے امن کا معاہدہ کر لیں یا جِزیہ دینا قبول کرلیں (۳) یا پھر غیر مُسلم طاقتوں سے صلح کا معاہدہ کر کے محفوظ ہو جائیں۔ انہی تین صورتوں میں ان کا جان و مال محفوظ ہو گا۔

یہود کی بد اعمالیوں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان پر غربت و مسکینی مسلط کر دی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ "بیشتر یہودی فقراء اور مساکین ہوتے ہیں"۔ جیسے کنجوس آدمی مال خرچ نہیں کرتا ہمیشہ مسکینوں کے حُلیہ میں رہتا ہے۔ اسی طرح بیشتر یہودی بھی مالدار ہونے کے باوجود فقیروں کی طرح مفلسی دکھاتے اور مال کو چھپاتے ہیں۔ اب یہ لوگ نہ صرف دنیا میں ذلیل و خوار ہیں اور ان کی سلطنت و شوکت جاتی رہی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا غضب اور ناراضگی بھی حاصل کی جس کی ابدی سزا جہنم ہے۔ یہ سب کچھ ان کے کفر اور بد اعمالیوں کا نتیجہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے، انبیاء کو نا حق قتل کرتے رہے اور اپنی نا فرمانی میں حد سے بڑھے رہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا۔ (۱) جس کو (کسی) نبی نے قتل کیا ہوگا۔ (۲) یا اس نے کسی نبی کو قتل کر دیا ہو۔ (۳) گمراہی کا امام

(۳) اور تصویریں بنانے والا ۔

اہلِ کتاب مومنوں کے اوصاف

۱۱۳ ۔ ۱۱۵ ۔ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۔ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۔ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۔ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۔

وہ سب برابر نہیں ہیں ۔ (کیونکہ) اہل کتاب میں سے ایک جماعت سیدھے راستہ پر ہے ۔ وہ راتوں کے وقت اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدے کرتے ہیں ۔ وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ نیک کاموں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں ۔ اور وہ جو کچھ بھی نیکی کریں گے اس کو ہرگز نظر انداز نہ کیاجائیگا ۔ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ۔

شانِ نزول ۔ احمد ، نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز کے لئے تاخیر سے تشریف لائے ۔ صحابہ کرام نماز کے منتظر تھے ۔ آپؐ نے ان سے فرمایا " اس وقت تمہارے سوا کسی مذہب کا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کر رہا ۔ صرف تم ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہو ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۳۹۰/ ۱، مظہری ۱۴۲/ ۲) ۔

ابن مندہ ، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب حضرت عبداللہؓ بن سلام اور ثعلبہؓ بن شعبہ اور اسیدؓ بن تبیہ اور اسدؓ بن عبید اور ان کے ساتھ دوسرے یہودی مسلمان ہو گئے اور ایمان لے آئے اور انہوں نے اسلام کی تصدیق کی اور دل سے اسلام کی طرف راغب ہو گئے تو یہودی علماء نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ

وسلم) پر ایمان لانے والے اور ان کی پیروی کرنے والے صرف وہی لوگ ہیں جو ہم میں بُرے تھے ۔ اگر یہ اچھے ہوتے تو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر دوسرے کی طرف نہ جاتے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لَيْسُوْا سَوَاءً سے مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ تک (دو آیتیں) نازل فرمائیں ۔ (مظہری ۱۳۲ / ۲) ۔

تشریح ۔ اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام لے آئے تھے ان آیتوں میں ان کو امتِ قائمہ (نماز میں کھڑا رہنے والا گروہ یا اللہ کے امر پر قائم رہنے والا گروہ) کہا گیا ہے اور ان کے ایسے اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو یہود کے اوصاف کی ضد تھے ۔ مثلاً یہود حق سے منحرف تھے ، دن رات غفلت میں پڑے ہوئے تھے ، مشرک تھے ، اللہ تعالیٰ کی صفات کے عقیدے میں کج رو تھے ، آخرت کے بارے میں بھی غلط عقیدے رکھتے تھے ، بُرائی کا حکم اور بھلائی سے روکتے تھے وغیرہ ۔

مومنوں کا یہ گروہ سیدھے راستے پر ہے ، راتوں کو تہجد کی نماز میں کھڑا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور سجدے کرتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور لوگوں کو بھی اچھی باتوں کا حکم دیتا اور بُرائی سے روکتا ہے اور نیک کاموں میں پیش پیش رہتا ہے ۔ یہی لوگ نیک و صالح اور دیندار ہیں اور ان کے یہ نیک اعمال ضائع نہیں ہوں گے بلکہ ان کو پورا پورا بدلہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں سے خوب واقف ہے ۔ وہ کسی کے اچھے اعمال کو برباد نہیں کرتا ۔

کافروں کے اعمال کی بَربادی

۱۱۶ ، ۱۱۷ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۔ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا ان کو اللہ تعالیٰ (کے عذاب) سے بچانے

میں ان کا مال اور ان کی اولاد ان کے ذرا بھی کام نہ آئیں گے ۔ اور یہی لوگ اہل دوزخ ہیں ۔ وہ اس (دوزخ) میں ہمیشہ رہیں گے ۔ جو کچھ (مال) وہ اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ۔ اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں سخت ٹھنڈک ہو ۔ وہ اس قوم کی کھیتی پر پڑ کر اس کو برباد کر دے جس نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں ۔

رِیْحٌ ۔ ہوا ۔
صِرٌّ ۔ سخت سردی جو کھیتوں کو جلا دیتی ہے ۔ پالا ۔
حَرْثَ ۔ کھیتی ۔ مصدر ہے ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مال و اولاد ، زمین و جائداد سب بے حقیقت اور فانی چیزیں ہیں ۔ یہ انسان کے کسی کام نہیں آئیں گی ۔ اصل چیز ایمان کی دولت ہے جو پائیدار بھی ہے اور ہمیشہ کام آنیوالی بھی ۔ اسی کے باعث انسان کو دنیا و آخرت دونوں جگہ عزت و وقار اور سر خروئی حاصل ہوتی ہے ۔ جن لوگوں نے ایمان قبول نہیں کیا خواہ وہ یہودی ہوں یا نصاریٰ یا مشرکینِ مکہ ، ان سب کو ان کے کفر و شرک ، انبیاء کو جھٹلانے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے انکار کے سبب ان کے مال سمیت ایندھن کے طور پر جہنم میں ڈالدیا جائیگا ۔ پھر ان کا مال اور ان کی اولاد ، ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں ان کے ذرا بھی کام نہ آئیں گے ۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں ، یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

بعض اوقات کافر بھی اپنے اموال سے محتاجوں ، یتیموں ، مظلوموں اور بے کسوں کی مدد کرتے ہیں ، صلۂ رحمی کرتے ہیں ، سرائے اور کنواں بنواتے ہیں وغیرہ ۔ قیامت کے روز کافروں کو اس قسم کے اعمال اور اخراجات سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ ایمان نہ ہونے کی وجہ سے ان کا ہر عمل نا پائیدار اور فنا ہونے والا ہے لہذا اس کی جزا بھی فناہونیوالی ہے اور ان کو وہ (جزا) اسی فانی دنیا میں مل جائے گی ۔ عمل کی دائمی حفاظت کرنے والی چیز ایمان ہے جس کے بغیر عمل کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک باغ لگایا اور اس کو پالے اور سخت سرد ہوا سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا ۔ چند روز تو وہ اس کی سر سبزی کو دیکھ کر خوش ہوتا رہا اور اس سے طرح طرح کی امیدیں باندھتا رہا ۔ پھر یکایک ایک سخت سرد ہوا چلی جس نے اس کے ہرے بھرے اور لہلہاتے باغ کو جلا کر خاک کر دیا اور

وہ شخص اپنی تباہی و بربادی پر کفِ افسوس مل کر رہ گیا۔ اس کی کوئی امید پوری نہ ہوئی اور نہ وہ اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھاسکا۔ اسی طرح کافروں کے کفر کی تند و برفانی ہوا ان کے صدقات و خیرات کو تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ قیامت کے روز ان کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے صدقات و خیرات کے ساتھ کفر و شرک کو ملا کر خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ ان کے کفر و شرک ہی نے ان کے صدقات و خیرات کی کھیتی کو پالے اور برفانی ہوا کی طرح جلا کر خاک کیا۔

پالے اور برفانی ہوا یا سخت گرم لُو سے ظالم اور غیر ظالم سب ہی کی کھیتی تباہ و برباد ہوتی ہے۔ مگر اس میں کامل نقصان کافر ہی کا ہوتا ہے اس لئے کہ اگر مسلمان کی کھیتی پالے سے تباہ ہو جائے تو اس کو اس مصیبت پر اور پھر مصیبت کے صبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ جو کھیتی سے لاکھ درجہ افضل ہوتا ہے۔ پس حقیقی اور کامل نقصان وہ ہے جس کا کوئی بدل نہ ہو۔ ظاہر ہے مسلمان کسی مصیبت پر اجر و ثواب سے محروم نہیں رہتا۔ جو ظاہری نقصان کے مقابلہ میں بدرجہا افضل و بہتر ہے۔ کافر کا معاملہ اس کے بر عکس ہے۔ اول تو وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان و یقین ہی نہیں رکھتا۔ پھر جب اس کو کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ اس پر نہ تو صبر کرتا ہے اور نہ اس کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھتا ہے۔ اس لئے کافر کو مصیبت پر کوئی اجر نہیں ملتا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳ - ۱/۵۶، مظہری ۱۲۳ ۱۲۲، ۲/۱۲۳)۔

کافروں سے راز داری کی ممانعت

۱۱۸۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۔ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔

اے ایمان والو! کسی غیر کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی میں کچھ کمی نہیں کرتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم تکلیف اٹھاؤ۔ ان کے منہ سے دشمنی ظاہر ہو چکی ہے۔ اور جو کچھ ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تمہارے لئے کھلی کھلی نشانیاں بیان

کر دی ہیں ۔

بِطَانَۃً ۔ راز دار دوست ، دلی دوست ، بھیدی ، یہ بَطنٌ سے مشتق ہے ۔ ہر شئے کے اوپر کے حصے کو ظاہر اور اندر کے حصہ کو بطن کہتے ہیں ۔ اسی طرح کپڑے کے اوپر کے حصہ کو ظہارہ اور اندرونی حصہ کو جو جسم سے ملا ہوا رہتا ہے استر یا بطانہ کہتے ہیں ۔ مشہور لغت لسان العرب میں بطانہ کسی شخص کے دلی اور راز دار دوست اور اس کے معاملات میں دخیل کو کہا جاتا ہے ۔ جس سے وہ اپنے معاملات میں مشورہ لے ۔ امام راغب اصفہانیؒ نے اپنی مفردات میں اور قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں یہی معنی بیان کئے ہیں ۔ (معارف القرآن ۱۵۰ / ۲) ۔

حضرت عمرؓ سے کہا گیا کہ یہاں حیرہ کا ایک شخص بہت اچھا لکھنے والا اور بہت اچھے حافظہ والا ہے ۔ آپ اسے اپنا محرر و منشی مقرر کر لیں ۔ آپ نے فرمایا پھر تو میں غیر مومن کو بطانہ بنالوں گا جو اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ۔ (ابن کثیر ۳۹۸/ ۱) ۔

یَاْلُوْنَکُمْ ۔ وہ تمہارے لئے کمی کریں گے ، وہ تمہارے لئے کوتاہی کریں گے ۔ اَلْوٌ سے مضارع ۔

خَبَالاً ۔ تباہ کرنا ۔ برباد کرنا ۔ خراب کرنا ۔ مصدر ہے ۔

عَنِتُّمْ ۔ تم کو تکلیف پہنچی ۔ تم کو ایذا پہنچی ۔ عَنَتٌ سے ماضی ۔

بَدَتِ ۔ وہ ظاہر ہوئی ۔ بَدْوٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول ۔ ابن جریرؒ اور ابن اسحٰقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ مسلمانوں کا یہودیوں کے ساتھ میل ملاپ تھا کیونکہ جاہلیت کے زمانے میں وہ ایک دوسرے کے حلیف تھے اور ساتھ بھی رہتے تھے ۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۳۳/ ۲) ۔

مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ اوس و خزرج کے لوگوں کی قدیم زمانے سے دوستی چلی آ رہی تھی ۔ انفرادی طور پر بھی ان کے ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات تھے اور قبائلی حیثیت سے بھی وہ ایک دوسرے کے ہمسایہ اور حلیف تھے ۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی اوس و خزرج کے لوگ یہودیوں کے ساتھ پرانے تعلقات نبھاتے رہے مگر یہود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے لائے ہوئے دین سے جو عداوت تھی اس کی بنا پر وہ کسی مسلمان سے مخلصانہ روابط رکھنے کے لئے تیار نہ تھے ۔ چنانچہ ظاہر داری میں تو

یہود نے انصار کے ساتھ وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آ رہے تھے مگر دل میں وہ ان سے دشمنی رکھتے تھے اور اس ظاہری دوستی سے نا جائز فائدہ اٹھا کر وہ ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں میں فتنہ و فساد برپا کر دیں اور ان کے اجتماعی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچادیں ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اسی منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت فرمائی ہے ۔ (معارف القرآن ۱۵۶ ، ۱۵۷ / ۲) ۔

تشریح ۔ اسلام نے جہاں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ ہمدردی ، خیر خواہی اور روا داری کی غیر معمولی ہدایات فرمائی ہیں وہیں ان کو اپنی تنظیم اور مخصوص شعائر کی حفاظت کے لئے اس بات کا پابند بھی بنایا ہے کہ وہ غیر مسلموں سے ایک حد سے آگے تعلقات و روابط نہ بڑھائیں کیونکہ یہود ہوں یا نصاریٰ ، منافقین ہوں یا مشرکین ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا ۔ اس کے برعکس یہ لوگ مسلمانوں کو دینی و دنیوی اعتبار سے نقصان پہنچانے میں لگے رہتے ہیں ۔ لہٰذا ایسے دشمنوں کو راز دار اور دلی دوست بنانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص مشرکوں سے میل جول رکھے یا ان کے ساتھ رہے سہے تو وہ بھی انہی جیسا ہے ۔ (ابن کثیر ۳۹۹/ ۱) ۔

یہاں مسلمانوں کو کافروں اور منافقوں کی دوستی اور ہمرازی سے منع کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ تمہارے دشمن ہیں تم ان کی چکنی چپڑی باتوں اور مکروفریب میں نہ آنا ورنہ یہ موقع پا کر تمہیں نقصان پہنچائیں گے اور اپنا بغض و عداوت نکالیں گے ۔ تم ان کو اپنا راز دار ہرگز نہ بنانا ۔ ان کی باتوں سے ان کی عداوت و دشمنی ٹپکتی ہے اور قیافہ شناس ان کے چہروں سے ان کی باطنی خباثت کو معلوم کرسکتا ہے اور جو کچھ شرارتیں اور خباثتیں ان کے دلوں میں مخفی ہیں وہ ان کی ظاہری خباثتوں سے کہیں زیادہ ہیں ۔ دشمنی اور حسد کی بنا پر ان کی زبانیں قابو میں نہیں رہتیں اس لئے غصہ اور عداوت سے مغلوب ہو کر کبھی کبھی وہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن سے ان کی گہری دشمنی کا پتہ چلتا ہے ۔ پس عقلمند آدمی کو چاہئے کہ ایسے بد باطن دشمنوں کو اپنا راز دان نہ بنائے ۔

اہل کتاب کی حالت

۱۱۹ ۔ هَآنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ج وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ط قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ؕ

دیکھو! تم لوگ تو وہ ہو جو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ (ہیں کہ) تم سے بالکل محبت نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے اور جب وہ اکیلے ہوتے ہیں تو غصہ کے مارے تم پر انگلیاں چباتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ تم اپنے غصے میں مرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو دلوں کی باتیں خوب معلوم ہیں ۔

عَضُّوْا ۔ انہوں نے دانتوں سے کاٹا ۔ انہوں نے چبایا ۔ عَضٌّ سے ماضی ۔

اَلْاَنَامِلَ ۔ انگلیاں واحد ۔ اَنْمِلَۃٌ ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں کی حالت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ تم تو ان کی دوستی کا دم بھرتے ہو مگر وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ وہ تمہاری جڑیں کاٹنے والے اور تمہارے دشمن ہیں ۔ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو خواہ وہ کسی قوم کی ہوں ، کسی زمانے میں اور کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں ۔ اس کے بر خلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے ۔ خود اپنی کتاب پر بھی ان کا ایمان صحیح نہیں ۔ منافقوں کی طرح یہ بھی جب تمہارے سامنے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور انہیں تسلیم کرتے ہیں اس لئے ہم بھی مومن و مسلمان ہیں حالانکہ اس طرح وہ تمہیں دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں پھر جب تم سے علیحدہ ہوتے ہیں، غیظ و غضب اور حسد و عناد میں جلتے بھنتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو ترقی دیتا ہی رہے گا خواہ کافر غصے کے مارے مر ہی جائیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے ۔ یہ اپنی شرارتوں میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے بلکہ یہ اپنی خواہش کے خلاف دنیا میں بھی مسلمانوں کی ترقی و خوش حالی دیکھیں گے اور آخرت میں بھی انہیں نعمتوں والی جنت میں پائیں گے ۔ اس کے بر عکس یہ لوگ دنیا میں بھی ذلیل و رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے ۔ (ابن کثیر ۳۹۹ / ۱) ۔

اہلِ کتاب کا حسد

۱۲۰ ۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ز وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ

يَفْرَحُوْا بِهَا ۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ
شَيْئًا ۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔

اور اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو (اس سے) ان کو رنج ہوتا ہے اور
اگر تم پر کوئی سختی آتی ہے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں ۔ اور اگر تم صبر
کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو ان کا مکر تمہیں ذرا بھی نقصان نہ دے گا ۔
بیشک اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا پوری طرح احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

تَسُؤْهُمْ ۔ وہ ان کو بری لگتی ہے ۔ وہ ان کو رنجیدہ کرتی ہے ۔ سَوْءٌ سے مضارع ۔
كَيْدُهُمْ ۔ ان کا مکر ۔ ان کا فریب ۔ ان کی چالاکی ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں پہلے اہل کتاب کو خطاب تھا جو حق و اضح ہو جانے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتے تھے اور لوگوں کو اس پر ایمان لانے سے روکتے تھے ۔ پھر اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی باتوں میں آ گئے تو وہ اپنے حیلوں اور مکرو فریب کے ذریعہ تمہیں کفر کی طرف لوٹا دیں گے لہذا تم ان کے دھوکہ میں نہ آنا ۔ اس کے بعد مسلمانوں کی قوت کو نا قابل تسخیر بنانے کے دو اصول بتائے ایک تقویٰ اور دوسرے باہمی اتحاد و اتفاق ۔ پھر مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا تاکہ مسلمان انفرادی طور پر اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اجتماعی اصلاح کا ذریعہ بھی بنیں اور اس طرح پوری قوم کی اصلاح ہو جائے ۔ پھر فرمایا کہ ایمان پر ثابت قدم رہنے ، اپنے تمام امور میں اعتدال پر ہونے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاص اہتمام کرنے کی بنا پر یہ امت دوسری تمام امتوں سے بہتر ہے ۔ ایک حدیث میں ہے کہ میری امت کبھی گمراہی پر متفق نہیں ہوگی ۔ اسی لئے تمام امت کا اتفاق ہے کہ اس امت کے علماء کا اجماع حجت ہے اس کے بعد مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ گھل مل کر رہنے اور ان کو اپنا راز دار بنانے کی ممانعت کر دی گئی کیونکہ کافر مسلمانوں اور ان کے دین کے دشمن ہیں ۔

تشریح ۔ اہل کتاب کی کچھ حالت تو گزشتہ آیت میں بیان ہوئی تھی ۔ اس آیت میں ان کی کافرانہ ذہنیت کو مزید واضح کیا گیا ہے کہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آ جائے جیسے مسلمانوں کا اتحاد ، دشمنوں پر غلبہ ، مال غنیمت ہاتھ آنا اور مسلمانوں کی فلاح و

کامرانی ، تو اس سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ حسد کی آگ میں جلتے ہیں ۔ اگر تم پر کوئی تنگی اور مصیبت آتی ہے جیسے دشمنوں میں گھر جانا تو یہ لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں ۔ اہل کتاب کا یہ رویہ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں نہ تھا بلکہ مسلمانوں کے ساتھ آج بھی ان کا یہی سلوک ہے ۔ یہ اور بات ہے کہ کسی وقتی مصلحت کے تحت کسی وقت وہ دشمنی سے باز رہیں ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کی خباثت اور مکروفریب سے بچنے کا طریقہ بتایا ہے کہ اگر تم ان کی شرارتوں اور مکرو فریب کے مقابلہ میں صبرو تقویٰ اختیار کئے رہے تو ان کی چالیں اور شرارتیں تمہیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی ۔ قرآنِ کریم نے مسلمانوں کو ہر قسم کے مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ رہنے کے لئے صبر و تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین صرف اسی آیت میں نہیں بلکہ متعدد آیتوں میں کی ہے (معارف القرآن ۱۶۰ ، ۱۶۱ / ۲) ۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۔ (اٰل عمران ۱۲۵) ۔

ہاں ! اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو اور دشمن تم پر ایک دم سے آ پہنچیں تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا ۔ جو نشان کئے ہوئے یا سدھے ہوئے گھوڑوں پر (سوار ہو کر) آئیں گے ۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ ۔ (یوسف ۹۰) ۔

بیشک جو اللہ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (اٰل عمران ۲۰۰) ۔

اے ایمان والو ! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور جہاد کے لئے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ ۔ اگر کوئی شخص آہستہ آہستہ صبر و تقویٰ کا مشتاق ہو جائے اور رفتہ رفتہ اس میں کوشش کرتا رہے تو وہ مصائب سے کم متاثر ہوتا ہے ۔ پھر مومن کو تو ہر مصیبت کے بدلے ثواب کی امید ہوتی ہے ۔ اس لئے نعمت ملنے سے زیادہ اس کو مصیبت سے خوشی ہوتی ہے ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

پیچھے بیٹھا ہوا تھا ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ۔ اے لڑکے ! اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھ ، اللہ تعالیٰ تیری نگہداشت کرے گا ۔ اللہ تعالیٰ کا لحاظ رکھ تو اپنے سامنے اللہ تعالیٰ کو پائے گا ۔ جب کچھ مانگنا چاہے تو اللہ ہی سے مانگ ، جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کر اور خوب جان لے کہ اگر ساری امت بھی تمہیں کچھ نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نفع پہنچا سکتی ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھدیا ہے ۔ اور اگر سب لوگ تمہیں نقصان پہنچانے پر متحد ہو جائیں تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھدیا ہے ۔ تقدیر کے قلم اٹھا لئے گئے ہیں اور لکھی ہوئی تحریریں خشک ہو گئی ہیں ۔ (مظہری بحوالہ ، ترمذی ۔ احمد) ۔

مسلم میں حضرت صہیبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے ۔ اس کے سارے کام خیر ہی خیر ہیں ۔ اور یہ بات مومن کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ۔ اگر اس کو راحت ملتی ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ شکر اس کے لئے موجب خیر ہوتا ہے ۔ اور اگر اس کو دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے لئے باعث خیر ہوتا ہے ۔ (مظہری ، ۱۳۷/ ۲) ۔

غزوۂ اُحد

۱۲۱ ۔ وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۔ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۔

اور (وہ وقت یاد کرو) جب آپ صبح کو اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر بٹھا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے

غَدَوْتَ ۔ تو صبح کے وقت چلا ۔ غُدُوٌّ سے ماضی ۔

تُبَوِّئُ ۔ تو جگہ دیتا ہے ۔ تو ٹھکانا دیتا ہے ۔ تَبْوِيَةٌ سے مضارع ۔

مَقَاعِدَ ۔ بیٹھنے کی جگہ ۔ گھات لگانے کے مقامات ۔ قُعُوْدٌ سے اسم ظرف ۔ یہ جمع ہے اس کا واحد مقعد ہے ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں بتایا گیا تھا کہ اگر مسلمان صبر و تقویٰ پر قائم رہیں تو کوئی طاقت ان کو نقصان نہیں پہنچا سکتی ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو غزوۂ اُحد

میں جو عارضی شکست اور تکلیف پہنچی تھی وہ انہی دو چیزوں میں کوتاہی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی کا نتیجہ تھی ۔ اس کے بر عکس غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے صبر و تقویٰ کو اختیار کیا اس لئے بے سرو سامانی کے باوجود وہ اس میں فتح و کامیابی سے ہمکنار ہوئے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی تیاریوں، گھر سے میدان جنگ کی طرف روانگی اور میدان جنگ میں صف بندی کے واقعات کی طرف اشارہ ہے ۔ غزوۂ اُحد ۳ ھ میں اُحد کے مقام پر مشرکین مکہ اور مسلمانوں کے درمیان ہوا ۔ مشرکین مکہ ابو سفیان کی قیادت میں تین ہزار کا لشکرِ جرّار لیکر مدینہ پر حملہ آور ہوئے ۔ ایک سال پہلے وہ بدر کے مقام پر مسلمانوں کے ہاتھوں عبرتناک شکست سے دو چار ہو چکے تھے اس لئے اس دفعہ وہ ہر قسم کے سامانِ حرب و ضرب سے لیس ہو کر زبردست تیاری کے ساتھ آئے تھے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا ۔ بڑے بوڑھوں کی رائے تھی کہ شہر کے اندر رہ کر مدافعت کی جائے ۔ منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبَیّ کی بھی یہی رائے تھی ۔ نوجوانوں کا خیال تھا کہ یہ کمزوری کی نشانی ہے اس لئے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیئے ۔ ہم سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے ۔ آپؐ اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے گھر سے زرہ پہن کر نکلے اور ایک ہزار کا لشکر لیکر اُحد کی طرف روانہ ہو گئے راستہ میں منافقین نے دھوکہ دیا اور عبداللہ بن اُبَیّ یہ کہتے ہوئے کہ جب ہماری بات نہیں مانی تو ہم ساتھ کیوں دیں، اپنے تین سو ساتھیوں کو لشکر سے علیحدہ کر کے واپس لے گیا ۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی جن میں صرف دو سو زرہ پوش تھے ۔ منافقین کی یہ حرکت بد نیتی پر مبنی تھی ۔

اُحد کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو جھنڈا دیا اور اُحد پہاڑ کو پشت پر رکھ کر صفوں کو مرتب فرمایا ۔ پشت کی طرف اُحد کے ایک دَرّہ سے دشمن کے حملہ کا احتمال تھا اس لئے آپؐ نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ دَرّہ پر متعین فرمادیا اور ان کو حکم دیا کہ فتح ہو جانے پر بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹنا ۔

اس غزوہ میں پہلے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی پھر تیر اندازوں کے دستہ کی ذرا سی بے احتیاطی اور جلد بازی سے قریش کے مقابلہ میں مسلمانوں کا زیادہ جانی نقصان ہوا تا

قریش کو کچھ حاصل نہ ہوا ۔ اسی غزوہ میں ایک پتھر لگنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہوا اور سر مبارک میں زخم آیا ۔ اسی غزوہ سے مسلمانوں کے لئے خطرات میں اضافہ ہوا کیونکہ اس سے مخالفین کی ہمتیں بڑھ گئیں اور انہوں نے اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے منظم جدوجہد شروع کر دی اور مسلمانوں کے لئے فتنوں اور سازشوں کا جال پھیلا دیا ۔

دو جماعتوں کا ہمت ہارنا

۱۲۲ ۔ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

جب تم میں سے دو گروہوں نے ہمت ہار دینی چاہی تو اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا (اس لئے وہ سنبھل گئے) اور ایمان والوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے ۔

هَمَّتْ ۔ اس نے ارادہ کیا ۔ ہَمٌّ سے ماضی ۔

طَآئِفَتٰنِ دو گروہ ۔ دو جماعتیں ۔ دو فرقے ۔ یہ تثنیہ ہے اس کا واحد طَائِفَۃٌ ہے ۔ یہاں دو جماعتوں سے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے وہ افراد مراد ہیں جو غزوۂ اُحد کے موقع پر دل برداشتہ اور شکستہ خاطر ہو گئے تھے ۔

تَفْشَلَا وہ دونوں بزدلی کریں ۔ فَشْلٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ غزوۂ احد میں ہر قسم کے سامانِ حرب و ضرب سے لیس تین ہزار مشرکینِ مکہ کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف ایک ہزار تھی ۔ ان میں سے بھی تین سو منافق اپنے سردار عبداللہ بن اُبَیّ کے ہمراہ راستہ ہی سے واپس چلے گئے ۔ اس طرح مسلمانوں کی تعداد صرف سات سَو رہ گئی ۔ ان حالات کو دیکھ کر کمزور دل لوگوں کا فکر مند ہونا غیر معمولی بات نہ تھی ۔ لہٰذا بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے لوگ عبداللہ بن اُبَیّ کی حرکت دیکھ کر اپنے اندر کمزوری اور کم ہمتی محسوس کرنے لگے ۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی اس طرح مدد فرمائی کہ ان کے دلوں میں حوصلہ مندی اور جُرات کے جذبات ابھار کر ان کے دلوں سے قلت و کثرت کا تصور ہی نکالدیا اور وہ اس خرابی سے بچ گئے ۔

اس کے بعد مسلمان اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اس قوت سے آگے بڑھے کہ

کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے ۔ پھر فرمایا کہ مسلمانوں کو بقدر استطاعت مادی وسائل جمع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور کثرتِ عدد اور ساز و سامان پر اعتماد و بھروسہ نہیں کرنا چاہئے ۔ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کو جو کمزوری و کم ہمتی کا وسوسہ اور خیال پیدا ہوا تھا وہ بھی مادی کمزوری کی بنا پر تھا ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا علاج بھی توکل تجویز فرمایا ۔ (معارف القرآن ۱۶۸ / ۲) ۔

غزوۂ بدر میں غیبی مدد

۱۲۳ ۔ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور بیشک اللہ تعالیٰ بدر (کی لڑائی) میں تمہاری مدد کر چکا ہے ۔ حالانکہ تم اس وقت بہت ہی کمزور تھے ۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار رہو ۔

تشریح ۔ اس آیت میں غزوۂ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں مسلمانوں نے کامل توکل کا مظاہرہ کیا تھا اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے بے سرو سامانی کے باوجود مسلمانوں کو فتح و کامرانی سے سرفراز فرمایا تھا ۔ اس روز کفار کو پہلی بار مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہوا ۔ اس جنگ نے دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا ۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے اس دن کو یوم الفرقان کہا ۔ یہ جنگ ۱۷ رمضان المبارک بروز جمعہ ہوئی تھی ۔ اس دن اسلام اور اہل اسلام کو عزت ملی ۔ شرک برباد ہوا ۔ حالانکہ اس روز مسلمان صرف ۳۱۳ تھے ۔ جن میں جوان بوڑھے اور ایسے نو عمر بھی شامل تھے جو اپنے قد اور عمر کے اعتبار سے جنگ کے قابل نہ تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ نو عمر لڑکے میدان جنگ میں نہ جائیں مگر ان کا ذوق و شوق دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دیدی ۔ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے ۔ باقی سب لوگ پیدل تھے ۔ مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی نہ ہونے کے برابر تھے ۔

اس دن دشمن کی تعدا مسلمانوں سے تین گنی تھی اور وہ زرہ بکتر لگائے ہوئے تھے ۔ ان کے پاس ہتھیار بھی ضرورت سے زیادہ اور وافر تعدلو میں تھے ۔ ان کے ساتھ عمدہ قسم کے گھوڑے بھی بڑی تعداد میں تھے ۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے

سروسامانی کے عالم میں کافروں پر عزت و غلبہ دیا اور ان کو سرخرو کیا اور شیطان اور اس کے لشکروں کو ذلیل و خوار کیا ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان یاد دلایا ہے کہ تعداد میں کمی اور ظاہری اسباب کی عدم موجودگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تمہیں کافروں پر غلبہ دیا تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ غلبہ ظاہری اسباب پر موقوف نہیں ۔ (معارف القرآن ۱۶۹ / ۲) ۔

فرشتوں کی مدد

۱۲۴ ، ۱۲۵ ۔ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ
رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۔ بَلٰٓى ۙ اِنْ
تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۔

جب آپ مسلمانوں سے کہہ رہے تھے کہ کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا خدا آسمان سے اتارے ہوئے تین ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے ہاں ! اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو اور دشمن تم پر ایک دم سے آ پہنچیں تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائے گا جو نشان کئے ہوئے (سدھائے ہوئے) گھوڑوں پر (سوار ہو کر) آئیں گے ۔

يَكْفِيَكُمْ ۔ وہ تمہارے لئے کافی ہوگا ۔ کِفَایَۃٌ سے مضارع ۔
يُمِدَّكُمْ وہ تمہاری مدد کرے گا ۔ اِمْدَادٌ سے مضارع ۔
فَوْرِهِمْ ۔ ان کا جوش ۔ ان کی عجلت ۔

تشریح ۔ ان آیات میں جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے ۔ جب کافروں کی کثیر تعداد دیکھ کر مسلمان کچھ گھبرائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جو تعداد تمہارے دشمن کی ہے ۔ تمہاری مدد کے لئے اس سے تین گنا تعداد میں فرشتوں کو بھیجدیا جائیگا ۔ یہاں پہلی آیت میں تین ہزار اور دوسری آیت میں پانچ ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے ۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بدر کے میدان میں مسلمانوں کو خبر ملی تھی کہ کرز بن جابر محاربی اپنے قبیلے کا لشکر لے کر مشرکین کی مدد کے لئے آ رہا ہے مسلمانوں کے مقابلہ میں دشمن کی تعداد پہلے ہی تین گنی تھی اس لئے مسلمان اس خبر سے کچھ پریشان ہوئے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی

کے لئے تین ہزار فرشتوں کی مدد کا وعدہ فرمایا تاکہ معاملہ بر عکس ہو کر مسلمانوں کی تعداد دشمن سے تین گنی ہو جائے ۔

پھر اگلی آیت میں دو شرطوں کے ساتھ اس تعداد کو بڑھا کر پانچ ہزار کر دیا ۔ ایک شرط تو یہ کہ مسلمان صبر و تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر قائم رہیں ۔ دوسری یہ کہ دشمن کی فوج ان پر ایک دم ٹوٹ پڑے ۔ ان دونوں شرطوں میں سے دوسری شرط واقع نہیں ہوئی یعنی دشمن نے ایک دم حملہ نہیں کیا ۔ اس لئے پانچ ہزار کی تعداد کا وعدہ نہ رہا (معارف القرآن ۱۰۳ / ۲) ۔

غیبی امداد کا مقصد

۱۲۶ ، ۱۲۷ ۔ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَکُمْ وَ لِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُکُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِاللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۙ لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْ یَکْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآئِبِیْنَ ۙ

اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری خوشی اور تمہارے دلوں کے اطمینان کے لئے کیا ہے ورنہ (اصل) مدد تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست (اور) حکمت والا ہے ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ ڈالے یا ان کو ذلیل کرے پھر وہ ناکام لوٹ جائیں ۔

طَرَفًا ۔ ایک گروہ ۔ ایک ٹکڑا ۔ ایک حصہ ۔ جمع اَطْرَافٌ ۔
یَکْبِتَهُمْ ۔ وہ ان کو ذلیل کرے گا ۔ وہ ان کو بے عزت کرے گا ۔ کَبْتٌ سے مضارع ۔
خَآئِبِیْنَ ۔ ناکام ۔ نا امید ہونے والے ۔ خَیْبَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے غزوۂ بدر میں تمام غیبی سامان اور فرشتوں کی مدد اس لئے پہنچائی گئی تاکہ مسلمانوں کے دلوں سے خوف و تشویش دور ہو کر انہیں خوشی اور اطمینان و سکون حاصل ہو جائے ورنہ اللہ تعالیٰ کی مدد ظاہری اسباب کی محتاج و پابند نہیں ۔ وہ چاہے تو اپنی زبردست قوت و قدرت سے کام لیکر فرشتوں کو مدد کے لئے اتارے بغیر ہی بلکہ لڑائی کی نوبت آئے بغیر بھی وہ تمہیں کافروں پر غلبہ دیکر ان کو

ذلیل و رسوا کر دے ۔ فرشتے جو امداد پہنچاتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مرضی ہی سے پہنچاتے ہیں اور فتح و کامرانی، سامانِ حرب کی فراوانی اور تعداد کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے ، کیونکہ انسانوں اور فرشتوں سب کے افعال، اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں ۔ وہ جس کی جس طرح چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے مدد کرتا ہے ۔ خواہ یہ مدد کسی کے ذریعہ ہو یا بلا ذریعہ ۔ وہ اگر کسی کی مدد کرتا ہے تو محض اپنی مہربانی سے کرتا ہے ورنہ کسی کی مدد کرنا اس پر لازم نہیں ۔ وہ زبردست غلبہ اور حکمت والا ہے ۔

پس اس نے اپنے فضل سے تمہاری مدد اس لئے فرمائی تاکہ کافروں کا ایک گروہ ہلاک اور جہنم رسید ہو اور دوسرا ذلیل و خوار ہو کر ناکام و نامراد اپنے شہر کو واپس جائے ۔ چنانچہ جنگ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور باقی خائب و خاسر اپنے شہر کو واپس گئے ۔

اختیارِ کامل

۱۲۸ ، ۱۲۹ ۔ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

(اے نبی ! صلی اللہ علیہ وسلم) اس کام میں آپ کا اختیار کچھ نہیں ۔ چاہے اللہ تعالیٰ ان کو توبہ نصیب کرے یا ان کو عذاب دے، پس بیشک وہ ظلم کرنے والے ہیں ۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے ۔ وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ (بڑا) بخشنے والا مہربان ہے ۔

شانِ نزول ۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ اُحد کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا دانت اور چہرۂ انور زخمی ہو کر خون بہنے لگا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

ایسی قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے پیغمبر سے یہ سلوک کیا ۔ حالانکہ پیغمبر ان کو اللہ تعالیٰ کیطرف بلا رہا ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری بحوالہ مسلم و احمد ۱۳۴ ، ۱۳۵ / ۲) ۔

اس آیت کے شان نزول میں ایک اور واقعہ بھی آیا ہے جو امام احمدؒ اور بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے ۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اے اللہ ! فلاں شخص پر لعنت کر ۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے دعا کی کہ اے اللہ ! ابو سفیان پر لعنت کر ۔ اے اللہ حارث بن ہشام پر لعنت کر ۔ اے اللہ ! سہیل بن عمرو پر لعنت کر ۔ اے اللہ صفوان بن امیہ پر لعنت کر ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بعد میں ان سب کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی ۔ (مظہری ۱۳۵/ ۲) ۔

تشریح ۔ اُحد کی لڑائی میں ستّر صحابۂ کرام شہید ہوئے تھے، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ بھی تھے ۔ مشرکین نے نہایت وحشیانہ طریقہ سے ان کے جسم کی بے حرمتی کی تھی ۔ اسی جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دندانِ مبارک شہید ہوا اور خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں اور چہرۂ انور خون آلودہ ہو گیا ۔ آپؐ نے مشرکین کے ان وحشیانہ مظالم کو دیکھ کر ان میں سے چند لوگوں کے حق میں بد دعا کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان لوگوں کے حق میں بد دعا کرنے سے منع فرمادیا ۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ کے بعد وہ سب لوگ جن کے حق میں آپؐ بد دعا کرنے والے تھے ایمان لا کر اسلام کے جانباز سپاہی بن گئے ۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا و آخرت کے کامل امور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں ۔ بندہ کو نہ تو کوئی اختیار ہے اور نہ اسے کسی چیز کا کامل علم ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے کہ وہ کافروں کو ان کے ظلم و ستم کے باوجود اگر چاہے تو ایمان کی توفیق دیکر بخشدے اور چاہے تو ان کو کفر کی سزا میں پکڑ لے ۔ مگر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ غفاری و رحیمی اس کی تمام صفات سے بڑھکر ہیں۔ اس لئے وہ کسی کو اس وقت تک سزا نہیں دینا چاہتا جب تک کہ کوئی، بد عملی اور نا فرمانی میں، حد سے نہ بڑھ جائے ۔ پھر فرمایا کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اسی کی ہے ۔ سب اسی کے بندے اور غلام ہیں ۔ وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس کی چاہے مغفرت فرمادے اور جو چاہے حکم کرے ۔ اس سے کوئی پرسش نہیں کرسکتا ۔

سود کی ممانعت

۱۳۰ ، ۱۳۱ ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۔ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْٓ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ۔

اے ایمان والو ! دوگنا چوگنا کر کے سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ اور اس آگ سے بھی ڈرتے رہو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

اَضْعَافًا ۔ دو گنا ۔ واحد ضِعف ۔

مُّضٰعَفَةً ۔ دوگنا کیا ہوا ۔ بڑھانا ۔ مصدر بھی ہے اور اسم مفعول بھی ۔

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۔ دونے پر دونا ۔ چند در چند ۔ یہاں یہ مُراد نہیں ہے کہ تم چند در چند بڑھا کر سود نہ کھاؤ بلکہ تھوڑا لے لیا کرو یہاں بھی سود کی مطلق ممانعت ہے ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں غزوۂ احد اور غزوۂ بدر کا ذکر تھا ۔ اس آیت میں سود کی ممانعت ہے کیونکہ کفار سودی کاروبار کرتے اور اس سے جو نفع حاصل ہوتا اس کو لڑائیوں میں خرچ کرتے تھے ۔ چنانچہ انہوں نے اُحد کی لڑائی میں جو مال خرچ کیا تھا وہ وہی مال تھا جو بدر کے سال شام سے آنے والے تجارتی قافلے کو نفع کے طور پر حاصل ہوا تھا ۔ اس زمانے میں مسلمان یہودیوں سے اکثر سودی لین دین کرتے رہتے تھے ۔ اس لئے مسلمانوں کے لئے یہودیوں سے تعلقات توڑنا بہت مشکل تھا ۔ یہودیوں نے عین اُحد کے دن مسلمانوں کو دھوکہ دیا ۔ اس لئے مسلمانوں کو سُودی لین دین سے منع کیا گیا ورنہ اس کی وجہ سے یہودیوں سے تعلقات قائم رہیں گے جو آگے چل کر نقصان کا سبب بنیں گے ۔

تشریح ۔ اہلِ جاہلیت مدت مقرر کر کے سُود پر قرضہ دیتے تھے ۔ اگر مقررہ مدت پر روپیہ وصول نہ ہوتا تو قرض خواہ سود کو اصل رقم میں شامل کر کے قرض کی مدت بڑھا دیتا تھا ۔ یہ مدت ختم ہونے پر اگر قرضدار اپنی مجبوری سے رقم ادا نہ کرسکتا تو سود خور پھر سود کو اصل رقم میں شامل کر کے اس پر سود لگا دیتا تھا ۔ اس طرح سود در سود مل ملا کر قرض پر دی ہوئی

رقم کئی گنا بڑھ جاتی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح لوگوں کے مال نا حق بر باد کرنے سے منع فرمایا ہے ۔ سود خوری سے قلب میں قساوت اور اطاعت و فرماں برداری کی طاقت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے ۔ سود خور آرام پسند اور کاہل ہو جاتا ہے ۔ اس کے اندر جہاد اور ایثار و قربانی کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے اور بخل و کنجوسی جیسی کمینہ صفات پیدا ہو جاتی ہیں ۔ اس لئے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا گیا ۔

اطاعت و فرمانبرداری

۱۳۲ ، ۱۳۳ ۔ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ وَسَارِعُوْا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔

اور اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔ اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض،آسمانوں اور زمین کے برابر ہے (اور وہ) پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ۔

سَارِعُوْا ۔ تم جلدی کرو ۔ تم دوڑو ۔ مسارعۃ سے امر ۔
عَرْضُهَا ۔ اس کا عرض ۔ اس کی چوڑائی ۔ اس کی وسعت ۔
اُعِدَّت ۔ وہ تیار کی گئی ۔ اعداد سے ماضی مجہول ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو لازم اور ضروری قرار دیا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت محض زبانی کلامی نہیں ہوتی بلکہ اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرنے سے ہوتی ہے جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور جن سے وہ پہچانا جائے کہ واقعی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع و فرماں بردار ہے ۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا وجود ، اس کی وحدانیت اس کی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ایمان کا ایک جزو ہے اسی طرح رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت،ایمان کا دوسرا جزو ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لئے ، اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ

ایک کتاب بھیجی اور رسول کے ذمہ یہ کام لگائے ۔
۱) ۔ قرآن کریم کی آیات لوگوں کو ٹھیک اسی طرح پڑھکر سنانا جس طرح وہ نازل ہوئیں ۔
۲) ۔ لوگوں کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کرنا ۔
۳) ۔ لوگوں کو اس کتاب کے مضامین اور حکمت کی تعلیم دینا ۔
یہ مضمون قرآن کریم میں بعض الفاظ کی تقدیم و تاخیر کے ساتھ متعدد جگہ آیا ہے ۔
ایک جگہ ارشاد ہے ۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ (الجمعہ ۲) ۔

وہ ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ (البقرۃ ۱۲۹) ۔

وہ ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے ۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔ اور ان کا تزکیہ کرتا ہے ۔

ظاہر ہے یہاں تعلیم کتاب سے مراد صرف یہی نہیں کہ لوگوں تک قرآن کریم پہنچا دیا جائے ۔ یا قرآنی الفاظ کے لغوی معنی انکو سمجھا دئے جائیں کیونکہ آپؐ کے مخاطب عرب کے فصحاء و بلغاء تھے جو الفاظ کے لغوی معانی بخوبی سمجھتے تھے ۔ بلکہ تعلیم کتاب کا مقصد یہ تھا کہ قرآن کریم میں جو احکام مجمل یا مبہم الفاظ میں آئے ہیں ، ان کی وہ تشریح جو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپؐ کے قلب اطہر میں ڈالی ہے ، لوگوں تک پہنچائی جائے ۔ مثلاً قرآن کریم نے متعدد جگہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے مگر نماز میں قیام ، رکوع ، سجود اور قعود وغیرہ کی تفصیلات و کیفیات کا ذکر نہیں ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان تمام اعمال و ارکان کی تفصیلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کر کے بتائیں اور دکھائیں ۔ پھر آپؐ نے اسی طرح اپنے قول و عمل کے ذریعہ امت کو پہنچائیں ۔ اسی طرح زکوٰۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین اور یہ کہ کس مال پر زکوٰۃ ہے اور کس مال پر نہیں ۔ یہ تمام تفصیلات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں ۔
چونکہ یہ تمام تفصیلات قرآن کریم میں مذکور نہیں اس لئے اس بات کا احتمال تھا کہ

کسی نا واقف کو یہ دھوکہ ہو کہ یہ تفصیلی احکام اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے نہیں ہیں لہذا اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی تعمیل ضروری نہیں ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کو لازم قرار دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تمہیں دیں اس کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت سمجھ کر مانو خواہ وہ قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہو یا نہ ہو (معارف القرآن ۱۷۷، ۱۸۰ / ۲) ۔

اس کے بعد فرمایا کہ مغفرت اور جنت کی طرف تیزی سے بڑھو ۔ یہاں مغفرت سے مراد وہ تمام اعمال صالحہ ہیں جو مغفرت الٰہی کا سبب ہوتے ہیں ۔ اس آیت میں مغفرت کو جنت پر مقدم کرنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مغفرتِ الٰہی کے بغیر جنت کا حصول ممکن نہیں کیونکہ انسان اگر تمام عمر بھی نیکیاں کرتا رہے اور گناہوں سے بچتا رہے تب بھی اس کے تمام اعمال جنت کی قیمت نہیں ہو سکتے ۔ جنت میں لیجانے والی صرف مغفرت الٰہی اور اس کا فضل ہی ہے ۔

اگرچہ ہمارے اعمال جنت کی قیمت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنے فضل سے اسی بندے کو نوازتا ہے جو اعمالِ صالحہ کرتا ہے ۔ اس لئے اعمال صالحہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے ۔

جنت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی وسعت اس قدر ہے کہ اس میں سارے آسمان و زمین سما سکتے ہیں ۔ ظاہر ہے جس کے عرض کا یہ حال ہے تو اس کا طول کس قدر ہوگا ۔ پس ایسی قیمتی اور عظیم الشان چیز کے حصول میں مسابقت و مسارعت نہایت ضروری ہے ۔ (معارف القرآن ۱۸۱ ۔ ۱۸۳ / ۲) ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت انس بن مالک سے دریافت کیا گیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں ۔ حضرت انس نے فرمایا کہ کس زمین و آسمان میں جنت سما سکتی ہے دریافت کیا گیا کہ پھر کہاں ہے ۔ حضرت انس نے فرمایا ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے ۔ حضرت عبداللہ کا قول ہے کہ جنت سب سے اونچے ساتویں آسمان میں (یعنی ساتویں آسمان کے اوپر) ہے اور دوزخ سب سے نچلی ساتویں زمین میں (یعنی ساتویں زمین کے نیچے) ہے ۔ (مظہری ۱۳۸ / ۲) ۔

متقیوں کی صفات

۱۳۴ ، ۱۳۵ ۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِى السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْآ اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۔ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۔

(وہ پرہیزگار لوگ) فراخی اور تنگی کے وقت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو ضبط اور لوگوں سے در گزر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے ۔ اور یہ لوگ جب کوئی کھلا گناہ کر گزرتے ہیں یا اپنے اوپر ظلم کر لیتے ہیں تو اسی وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرے اور جو گناہ وہ کر بیٹھتے ہیں اس پر اصرار نہیں کرتے حالانکہ وہ جانتے ہیں ۔

السَّرَّآءِ ۔ سرور ۔ خوشی ۔ نعمت ۔ فراخی ۔ سُرور سے اسم مصدر ۔

الضَّرَّآءِ ۔ تکلیف ۔ سختی ۔ مصیبت ۔

الْكٰظِمِيْنَ ۔ غصہ روکنے والے ۔ اس کے معنی چھپانے کے ہیں ۔ یعنی وہ لوگ اپنے غصہ کا اظہار بھی نہیں کرتے ۔ کَظْم و کَظُوم سے اسم فاعل ۔

يُصِرُّوْا ۔ وہ اصرار کرتے ہیں ۔ وہ ضد کرتے ہیں ۔ اِصْرار سے مضارع ۔

تشریح ۔ قرآن کریم نے جگہ جگہ نیک بندوں کی صحبت اور ان کی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کی تاکید فرمائی ہے ۔ کہیں صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ فرما کر دین کی صحیح اور سیدھی راہ اپنے نیک بندوں سے سیکھنے کی طرف اشارہ فرمایا ۔ کہیں کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ فرما کر ان کی صحبت و معیت کی خاص افادیت کی تلقین فرمائی ۔

دنیا میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں ۔ اچھوں کے لباس میں بُرے بھی ان کی جگہ لے لیتے ہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی رہنمائی کے لئے اپنے مقبول بندوں کی خاص علامات و صفات بیان کر دیں تاکہ غلط لوگوں سے بچا جاسکے اور سچے اور مقبول لوگوں کو پہچان کر ان کی اتباع کی جاسکے ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا

مال خرچ کرنے کے ایسے عادی ہیں کہ خواہ ان پر تنگی ہو یا فراخی وہ ہر حال میں مقدور بھر خرچ کرتے رہتے ہیں ۔ اگر ان کے پاس زیادہ مال ہوتا ہے تو وہ اس میں سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اور اگر کم مال ہوتا ہے تو کم خرچ کرتے ہیں ۔ پس غریب آدمی بھی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے فارغ نہ سمجھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو درجہ ہزار روپیہ میں سے ایک روپیہ اس کی راہ میں خرچ کرنے والے کا ہے وہی درجہ ہزار پیسہ میں سے ایک پیسہ اس کی راہ میں خرچ کرنے والے کا ہے ۔ اس لئے غریب آدمی کو بھی اس سعادت سے محروم نہیں رہنا چاہئے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی صدقہ میں دیکر ہو اور سائل کو خالی واپس نہ کرو اور کچھ نہ ہو تو بکری کا ایک کھر ہی دیدو ۔ (معارف القرآن ۱۸۵ ـ ۱۸۶ / ۲) ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخاوت جنّت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکی ہوئی ہیں ۔ جو شخص ان ٹہنیوں میں سے کسی ٹہنی کو پکڑ لے گا وہ ٹہنی اس کو جنّت کی طرف کھینچ کر لیجائے گی ۔ اور کنجوسی دوزخ کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکی ہوئی ہیں ۔ جو شخص ان شاخوں میں سے کسی شاخ کو پکڑ لے گا تو وہ شاخ اس کو کھینچ کر دوزخ کی طرف لیجائیگی ۔ (مظہری ۱۳۸ / ۲) ۔

قرآن کریم نے یہاں ینفقون کا عام معنوں میں استعمال کیا ہے کہ وہ لوگ تنگی اور فراخی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہ متعین نہیں کیا کہ وہ کیا خرچ کرتے ہیں ۔ اس لئے اس عمومی حکم سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ خرچ کرنے کی ہر چیز داخل ہے ۔ مثلاً جو شخص اپنا وقت اور اپنی محنت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے وہ بھی انفاق فی سبیل اللہ ہی ہے ۔

پھر فرمایا کہ اگر ان لوگوں کو کسی ایسے شخص سے سابقہ پڑے جو ان کو اذیت اور تکلیف پہنچائے تو وہ نہ تو غصہ میں مشتعل اور مغلوب ہوتے ہیں اور نہ انتقام لیتے ہیں بلکہ وہ دل سے معاف کر دیتے ہیں اور تکلیف دینے والے کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہیں (معارف القرآن ۱۸۸ / ۲) ۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی ہوگی کہ جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے وہ کھڑا

ہو جائے ۔ تو اس وقت وہ لوگ کھڑے ہوں گے جنہوں نے لوگوں کے ظلم و جور کو دنیا میں معاف کیا ہوگا ۔

ابن ابی حاتمؒ کی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابن آدم اگر تو غصے کے وقت مجھے یاد رکھے گا (میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا) تو میں بھی اپنے غصہ کے وقت تجھے یاد رکھوں گا (ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچالوں گا) (ابن کثیر ۴۰۴/ ۱) ۔

مسند احمدؒ میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی تنگدست کو مہلت دے یا اپنا قرضہ اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد کر دیتا ہے ۔ لوگو ! سنو ! جنت کے اعمال سخت اور مشکل ہیں اور جہنم کے کام آسان اور سہل ہیں ۔ نیک بخت وہی ہے جو فتنوں سے بچ جائے ۔ اللہ تعالیٰ کو کسی گھونٹ کا پینا ایسا پسند نہیں جتنا غُصّہ کے گھونٹ کا پی جانا ۔ ایسے شخص کے دل میں ایمان رچ جاتا ہے (ابن کثیر ۴۰۶ / ۱) ۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ اگر کوئی گناہ کر لیتے ہیں تو توبہ کئے بغیر اس پر اصرار نہیں کرتے بلکہ فوراً اللہ تعالیٰ کا ذکر اور استغفار کرنے لگتے ہیں ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو یاد کرتے ہیں اور ان کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس گناہ کے بارے میں پوچھے گا ۔ لہذا وہ پشیمان ہو کر توبہ و استغفار کرتے ہیں اگر ان سے بار بار گناہ سرزد ہوتے ہیں تو وہ بار بار توبہ کرتے ہیں کیونکہ گناہوں کا بخشنا تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے ۔

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (نساء ۱۱۰)

جو شخص کوئی بُرا کام کرے یا گناہ کرکے اپنی جان پر ظلم کرے ۔ پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرے تو وہ دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا مہربان ہے ۔

مسند احمدؒ میں حضرت ابو سعیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس نے کہا اے اللہ ! مجھے تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کو اس وقت تک بہکاتا رہوں گا جب تک ان کے جسموں میں روح باقی رہے گی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے بھی میرے جلال اور میری عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا ۔ (ابن کثیر ،۴۰۷ / ۱) ۔

پرہیزگاری کا اجر

۱۳۶ ۔اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ مَّغْفِرَۃٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ جَنّٰتٌ
تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَ نِعْمَ اَجْرُ
الْعٰمِلِیْنَ ؁

یہی وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ ان کے خدا کی طرف سے بخشش اور ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ وہ لوگ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے اور ان کام کرنے والوں کا کیا ہی اچھا بدلہ ہے ۔

تشریح ۔ گزشتہ آیتوں میں متقیوں کی مندر جہ ذیل چھ صفات بیان کی گئی ہیں ۔

۱) خوشی اور غمی ہر حال میں وہ اپنا مال اور قوت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ تنگدستی میں بھی وہ اپنا ہاتھ نہیں روکتے ۔

۲) ۔ وہ غصے کو ضبط کرتے ہیں اور غصے سے مغلوب ہو کر نازیبا حرکات نہیں کرتے ۔

۳)۔ وہ خطا کاروں کو معاف کر دیتے ہیں ۔

۴) ۔وہ تکلیف دینے والوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہیں ۔

۵)۔ اگر وہ کوئی برائی کر بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے بخشش طلب کرتے ہیں ۔

۶) ۔ اپنی غلطی پر اصرار نہیں کرتے بلکہ غلطی کا احساس ہوتے ہی اس کو تسلیم کر لیتے ہیں ۔

ان صفات سے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور پر ہیزگاری پیدا ہوتی ہے اسی لئے ان صفات کے حامل متقی کہلاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے ۔ آخرت میں وہ ان کی مغفرت فرمائے گا اور ان کو ایسے باغات عطا فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں ۔ پس نیک لوگوں کے لئے ان کے رب کی طرف سے کیسا اچھا بدلہ ہے ۔

مقامِ عبرت

۱۳۷ ، ۱۳۸ ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی
الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ ؁ ھٰذَا

بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۔

تم سے پہلے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں سو تم روئے زمین پر چل پھر کر تو دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ۔ یہ لوگوں کے لئے تو (واقعات کا) بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے ۔

خَلَتْ ۔ وہ گزر گئی ۔ خُلُوٌّ سے ماضی ۔

سُنَنٌ ۔ طریقے ۔ دستور ۔ یہ سُنَّةٌ کی جمع ہے ۔ اچھائی یا برائی کے اس راستے کو سنت کہتے ہیں جسکی پیروی کی جائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اچھا طریقہ نکالا اس کو خود اس طریقہ پر چلنے کا بھی ثواب ملے گا اور ان لوگوں کا بھی جو اس طریقہ کے موافق عمل کریں گے مگر ان (عمل کرنے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی ۔ (مظہری ۱۴۳/ ۲) ۔

تشریح ۔ ان آیات میں دنیا اور اہل دنیا کی بے ثباتی کا بیان ہے کہ تم سے پہلے دنیا میں کیسی کیسی قومیں گزر چکی ہیں اور کیا کیا حالات و واقعات پیش آ چکے ہیں ۔ گزشتہ اُمتوں میں سے جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق و فرماں برداری سے منہ موڑا اور ان کی دشمنی و تکذیب پر کمربستہ رہے ۰ بدکاریاں اور زیادتیاں کرتے رہے ۰ وہ خائب و خاسر ہو کر نیست و نابود ہوئے ۔ جن لوگوں نے حق کی تائید کی ۰ انبیاء علیہم السلام کی اتباع و فرماں برداری میں لگے رہے ۰ حق کی بالادستی کے لئے کافروں سے لڑتے رہے انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوئیں ۔ اگر کسی کو اس بارے میں کچھ شک و شبہ ہے تو روئے زمین پر چل پھر کر سرکشوں اور منکرینِ حق کی تباہی کے آثار دیکھ لے جو آج بھی ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں ۔ یہ واقعات پرہیزگاروں کے لئے باعث عبرت و نصیحت ہیں ۔

گردشِ ایام

۱۳۹ ، ۱۴۰ ۔ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ

قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ

اور (اس شکست سے) تم ہمت نہ ہارو اور نہ غم کرو۔ اگر تم سچے مسلمان ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔ اگر تمہیں کوئی زخم پہنچ گیا ہے تو اس قوم کو بھی ویسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور یہ حادثات زمانہ ہیں جو لوگوں کے درمیان ہوتے رہتے ہیں۔

تَھِنُوْا ۔ تم ہمت ہارو۔ تم کمزور پڑ جاؤ۔ تم سست ہو جاؤ۔ وَھْنٌ سے مضارع۔

قَرْحٌ ۔ زخمی ہونا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔ جمع قُرُوْحٌ۔ قُرْحٌ (پیش کے ساتھ) اس زخم کو کہتے ہیں جس کا سبب اندرونِ جسم ہو اور قَرْحٌ (زبر کے ساتھ) اس زخم کو کہتے ہیں جس کا سبب بیرونِ جسم ہو۔ لہذا پھوڑے پھنسی کی وجہ سے جو زخم ہو جائے اس کو قُرْحٌ (پیش کے ساتھ) کہتے ہیں اور تلوار کے زخم کو قَرْحٌ (زبر کے ساتھ) کہتے ہیں (المفردات صفحہ ۴۰۰)۔

نُدَاوِلُھَا ۔ ہم اس کو باری باری پھیرتے ہیں۔ ہم اس کو ادل بدل کرتے ہیں۔ مُدَاوَلَۃٌ سے مضارع۔

تشریح ۔ یہ آیتیں بھی واقعۂ اُحد کے ضمن میں نازل ہوئیں۔ جب مسلمان زخموں سے چور تھے، بہت سے بہادروں اور جو انمردوں کی لاشیں ان کے سامنے تھیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے تھے اور منافق ان پر ہنستے تھے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی تسلی اور اطمینان کے لئے فرمایا کہ اگر اس معرکہ میں تمہیں کچھ زخم پہنچ گیا ہے تو اس پر افسردہ اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس سے پہلے جنگ بدر میں تم بھی دشمن کو ایسا ہی زخم اور رنج و غم دے چکے ہو مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری اور تم سے دوبارہ لڑنے کے لئے آ گئے۔

دنیا میں ہمیشہ ایک جیسے دن نہیں رہتے، رنج و راحت اور غمی و خوشی آتے جاتے اور فتح و شکست ہوتی رہتی ہے اور ہم لوگوں کے لئے زمانے کو اسی طرح الٹتے پلٹتے رہتے ہیں۔ لہذا گزشتہ لغزشوں اور کوتاہیوں پر رنج و غم کر کے اپنا وقت و توانائی ضائع کرنے کی بجائے مستقبل کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیئے۔ مستقبل کی کامیابی ایمان و ایقان اور اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مُضمر ہے۔ اگر تم اس پر قائم رہے تو تم ہی غالب رہو گے۔ چنانچہ بعد کے زمانے نے اس پیش گوئی کو سچ ثابت کر دیا اور صحابۂ کرام نے اپنے

قوتِ ایمانی کی بدولت مشرق سے مغرب تک بڑے بڑے ملک فتح کئے ۔ (حقانی ۹۰/ ۲ ، مظہری ۴۳ / ۲) ۔

واقعۂ اُحد کی حکمتیں

۱۴۰ ، ۱۴۱ ۔ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۔ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۔

اور (یہ زخم اس لئے پہنچا) تاکہ اللہ تعالیٰ (خالص) ایمان والوں کو جان لے اور تم میں سے بعض کو شہید بنائے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ۔ اور (یہ اس لئے بھی کیا) تاکہ اللہ ایمان والوں کو نکھار دے اور کافروں کو مٹا دے ۔

لِيُمَحِّصَ ۔ تاکہ وہ خالص کرے ۔ تاکہ وہ صاف کرے ۔ تَمْحِیْصٌ سے مضارع ۔
يَمْحَقَ ۔ وہ مٹاتا ہے ۔ وہ ہلاک کرتا ہے ۔ وہ گھٹاتا ہے ۔ مَحْقٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ (اُحد کے دن) جب دیر تک عورتوں کو جنگ کی خبر نہ ملی تو وہ جنگ کا حال معلوم کرنے کے لئے نکلیں ۔ پھر ان کو دو شخص اونٹ پر سوار آتے ہوئے دکھائی دئے ۔ ایک عورت نے ان سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے ۔ ان سواروں نے کہا کہ زندہ ہیں ۔ اس عورت نے جواب دیا اب مجھے پرواہ نہیں کہ اللہ اپنے بندوں میں سے کچھ لوگوں کو شہید بنا دے ۔ پس اسی عورت کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۳۹/ ۲ ، جلالین ۱۸۵) ۔

تشریح ۔ جنگ اُحد میں مشرکین کی عارضی کامیابی کا سبب ، ان سے اللہ تعالیٰ کی محبت نہیں بلکہ اس میں کچھ حکمتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ حقیقت میں کافروں کی مدد نہیں کرتا مگر کبھی کبھی ان کو عارضی طور پر غلبہ دے دیتا ہے جو ان کے لئے تو ڈھیل اور مومنوں کے لئے آزمائش ہوتا ہے ۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں میں سے بہت سے لوگ عالمِ آخرت اور شہادت کے مُشتاق تھے ۔ اس لئے ان کو درجۂ شہادت دینا مقصود تھا ۔ تیسرے یہ کہ جو خالص مسلمان ہیں انکو

اس معرکہ میں گناہوں سے پاک و صاف کرنا اور کفار کو مٹانا مقصود تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ ایسے معرکوں کے بعد جو کافر اصلاح کے قابل ہوتے ہیں وہ ایمان لا کر مومنوں کی جماعت میں داخل ہوجاتے ہیں اور باقی لوگوں پر ان کے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے ایسی مار پڑتی ہے کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا ۔ (حقانی ۹۳/ ۲ ، مظہری ۳۵ ، ۳۶ / ۲)۔

حصولِ جنّت کا معیار

۱۴۲ ۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۔

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تک تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو آزمایا ہی نہیں ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جنّت کے اعلیٰ مقامات اور درجات عطا فرمانا چاہتا ہے اور یہ درجات صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلتے ہیں اور مالی اور جانی قربانیاں پیش کرتے ہیں ۔ بلا امتحان کوئی جنّت میں نہ جائے گا سب کو جہاد اور صبر و مشقت کی کسوٹی پر کسا جائے گا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ تم میں سے کون اس کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے ثابت قدم رہتا ہے اور کون مصائب اور سختیوں پر صبر و استقلال کا مظاہرہ کرتا ہے ۔ (حقانی ۹۳/ ۲) ۔

موت کی تمنّا

۱۴۳ ۔ وَ لَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔

اور تم تو اس (جنگ) کا سامنا کرنے سے پہلے (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) مرنے کی آرزو کیا کرتے تھے ۔ سو اب تو تم نے اس کو آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا (تو اب شہادت سے کیوں جی چراتے ہو) ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم نے عوفی کے طریق سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ صحابہ کہا کرتے تھے کہ کاش ہم بھی اہلِ بدر کی طرح دشمن کو مارتے یا یہ کہتے کہ کاش بدر کے دن کی طرح کسی دن ہمیں بھی مشرکوں سے لڑنے کا موقع ملتا اور اس روز ہمارا اچھا امتحان ہوتا یا ہم شہادت پاکر جنت میں شہیدوں کی زندگی اور رزق کے طالب ہوتے ۔ مگر (آزمائش کے وقت) ان لوگوں کے سوا جنکو اللہ تعالیٰ نے چاہا کوئی بھی (میدان جنگ میں) نہ ٹھہر سکا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (۱۳۶/ ۰۲ جلالین ۱۸۶) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ لڑائی کی شدت کو دیکھنے سے پہلے تو تم بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنے یا لڑائی کی تمنا کیا کرتے تھے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا صبر ، اپنی مضبوطی اور استقامت دکھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت پاؤ ۔ پھر جب تم نے لڑائی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اور تمہارے بھائی بند تمہارے سامنے مارے گئے تو تم بزدلی دکھاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے ۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دشمن سے ملاقات کی آرزو نہ کرو ، اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو اور جب جنگ کا سامنا ہو جائے تو پھر لوہے کی لاٹ کی طرح جم جاؤ اور صبر کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے ۔ (مظہری ۱۳۶ / ۰۲ ، ابن کثیر ۴۰۹/ ۱) ۔

شکر گزاری کی جزا

۱۴۴ ۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلاَّ رَسُوْلٌ ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ، اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ، وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّاللّٰهَ شَيْئًا ، وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ،

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں ۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں ۔ پھر اگر ان کا انتقال ہو جائے یا وہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھرے گا تو وہ اللہ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑے گا ۔ اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو جزا

دے گا ۔

مُحَمَّدٌ ۔ تعریف کیا ہوا ۔ آپؐ سے پہلے اس نام سے کوئی موسوم نہیں ہوا ۔ یہ باب تفعیل سے اسم مفعول ہے ۔ محمدؐ کا مادہ حمد ہے اور مصدر تحمید ہے ۔ قاموس میں حمد کے معنی ہیں شکر ۔ رضا ۔ ادائے حق اور تحمید کے معنی ہیں پیہم حمد کرنا ۔ کیونکہ باب تفعیل کی خاصیت مبالغہ اور تکرار ہے ۔ لہذا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معنی ہوئے وہ شخص جس کی پیہم حمد کی جائے ۔

امام راغب اصفہانی نے اپنی مفردات میں لکھا ہے کہ محمد وہ شخص ہے جس کے اندر بکثرت خصائل حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ ہوں ۔ (المفردات ۱۳۱) ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ شخص ہے جو تمام محامد کا جامع ہو کیونکہ حمد کا مستحق صرف وہی شخص ہوتا ہے جو کامل الصفات ہو ۔ اور تحمید کا درجہ حمد سے زیادہ ہے ۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ
فَذُوا الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّ هٰذَا مُحَمَّدٌ

اور اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اس کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے پس عرش کا مالک تو محمود ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں ۔ (مظہری ، ۱۳۰/ ۲)

اِنْقَلَبْتُمْ ۔ تم لوٹ گئے ، تم پھر گئے ، انقلابٌ سے ماضی ۔

اَعْقَابِكُمْ ۔ تمہاری ایڑیاں ۔ واحد عقب ۔

شانِ نزول ۔ اس آیت کے شان نزول کے بارے میں متعدد آیتیں ہیں ۔ ابن المنذر نے حضرت عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اُحد کے دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر پراگندہ ہو گئے ۔ میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور ایک یہودی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے ۔ میں نے کہا کہ جو کوئی یہ کہے گا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو میں اس کی گردن مار دوں گا ۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ واپس آ رہے ہیں (مظہری ، ۱۳۰/ ۲ ، جلالین ، ۱۸۰)۔

بیہقی نے دلائل میں ابن ابی نجیح کی روایت سے لکھا ہے کہ جنگ اُحد میں ا

مہاجر کسی انصاری کے پاس سے گزرا اور دیکھا کہ وہ زمین پر گرا ہوا خون میں لت پت تڑپ رہا تھا۔ مہاجر نے انصاری سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دئے گئے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر یہ صحیح ہے تو وہ تو پیغام خداوندی پہنچا گئے۔ اب تم سب بھی ان کے دین پر قربان ہو جاؤ۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (ابن کثیر ۴۰۹/ ۱ ، جلالین ۱۸۹)۔

ابن ابی حاتم نے ربیع کی روایت سے بیان کیا کہ اُحد کے دن جب مسلمانوں پر زخمی ہونیکی جو مصیبت پڑنی تھی وہ پڑ چکی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو پکارا۔ لوگوں نے کہا کہ وہ تو شہید ہو گئے۔ کچھ لوگ کہنے لگے کہ اگر وہ نبی ہوتے تو شہید نہ ہوتے۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ جس چیز کے لئے تمہارے نبی نے قتال کیا تم بھی اس کے لئے اس وقت تک لڑو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح دیدے یا تم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملو۔ (مظہری ۳۰، جلالین ۱۸۸)۔

تشریح ۔ گزشتہ انبیاء کی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایک رسول ہیں ، خدا نہیں کہ ان پر موت اور فنا کا آنا محال ہو۔ جس طرح دوسرے انبیاء اپنے اپنے زمانے میں رسالت کے فرائض انجام دیکر اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی رسالت کے فرائض انجام دیکر اپنے خالق سے جا ملیں گے۔ جس طرح سابقہ انبیاء کی وفات کے بعد ان کا دین ختم نہیں ہوا اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کا دین بھی قائم رہے گا۔ لہذا تمہیں اسلام سے منہ موڑ کر مرتد نہیں ہونا چاہئے۔ اور اگر کوئی دین اسلام سے پھر ہی جائیگا تو وہ اللہ تعالیٰ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد اسلام پر قائم رہ کر نعمت اسلام کا شکر گزار رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت و حفاظت کے لئے جہاد کرتا رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جزائے خیر دے گا۔ (مظہری ۳۸/ ۲)۔

موت کا معیّن وقت

۱۴۵ ۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوتَ اِلاَّ بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلاً ۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَنْ يُّرِدْ

ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۔ وَ سَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ ۔

اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کسی شخص کو موت نہیں آسکتی (ہر ایک کی موت کا) مقررہ وقت لکھا ہوا ہے ۔ اور جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے تو ہم اس کو (دنیا ہی میں) کچھ دے دیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا بدلہ چاہتا ہے ، تو ہم اس کو اس میں سے دیں گے اور ہم بہت جلد شکر گزاروں کو (ان کے حسن عمل کا) بدلہ دیں گے ۔

کِتٰباً ۔ لکھا ہوا ۔ فرض ۔ آسمانی صحیفہ ۔

مُؤَجَّلاً ۔ مقرر کیا ہوا ۔ وعدہ کیا ہوا ۔ تَاْجِیل سے اسم مفعول ۔

نُوءْتِهٖ ۔ ہم اس کو عطا کریں گے ۔ ہم اس کو دیں گے ۔ ایتاءٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب اور جنگ کی جرات دلائی گئی ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر انسان کی موت کا وقت مقرر ہے ۔ اس مقررہ وقت سے پہلے کسی کو موت نہیں آسکتی خواہ وہ ساری عمر ہلاکت کے مقامات اور جنگ کے میدانوں میں پھرتا رہے اور نہ کوئی اس مقررہ وقت کے بعد زندہ رہ سکتا ہے دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ ۔ (فاطر ۱۱) ۔

نہ کسی کو عمر دی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم کی جاتی ہے مگر سب کتاب اللہ میں موجود ہے ۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰٓی اَجَلًا (انعام ۲) ۔

وہی تو ہے (خدا) جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر (ہر ایک کا) وقت مقرر کیا ۔

لہٰذا نہ تو جہاد سے کسی کی عمر میں کمی آتی ہے اور نہ اس سے منہ موڑنے پر کسی کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے ۔ موت تو اپنے مقرر وقت پر آکر رہے گی خواہ تم جہاد میں خوب شجاعت و بہادری دکھاؤ یا اس سے منہ موڑ کر بزدلی دکھاؤ ۔ پس نہ تو جہاد و قتال میں کوئی کمزوری اور پستی آنی چاہئے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کی خبر سنکر مایوس اور سراسیمہ ہونیکی ضرورت ہے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ جس کا عمل دنیا کے لئے ہو تو اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے

مطابق جو کچھ اس کے مقدر میں ہوتا ہے وہ اس کو دنیا میں دے دیتا ہے مگر آخرت میں وہ خالی ہاتھ رہتا ہے اور جس نے آخرت طلب کی تو اس کو آخرت تو ملتی ہی ہے مگر وہ دنیا میں بھی اپنے مقدر کے مطابق پالیتا ہے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

مَن کَانَ یرِید حَرثَ الاٰخِرۃ نزِد لہ فِی حَرثِہٖ ۔ وَ مَن کَانَ یرِید حَرثَ الدنیا نؤتِہٖ مِنھَا و مَالہٗ فِی الاٰخرَۃِ مِن نصِیبٍ (الشوریٰ ۲۰)

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا میں دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيهَا مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۔ (الاسراء ۱۸ ، ۱۹) ۔

جو شخص صرف دنیا کا طالب ہو تو ہم ان میں سے جسے چاہیں ، جس قدر چاہیں دنیا دیتے ہیں ۔ پھر وہ جہنمی بن جاتا ہے اور ذلت و رسوائی کے ساتھ اس میں چلا جاتا ہے ۔ اور جو آخرت کا طالب ہو اور وہ اس میں کوشش بھی کرتا ہو اور وہ مومن بھی ہو تو ان کی کوشش اللہ تعالیٰ کے ہاں مشکور ہے ۔ (ابن کثیر ۳/۱۰ / ۱) ۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کی نیت طلب آخرت کی ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں دنیا کی طرف سے بے نیازی پیدا کر دیتا ہے اور اس کی پریشانی کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس کی نیت طلب دنیا کی ہو تو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا اور اس کی جمعیت (خاطر) کو پراگندہ بنا دیتا ہے اور دنیا میں اس کو اتنا ہی ملتا ہے جو

اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لکھدیا ہے ۔ (مظہری ۱۵۲/ ۲) ۔

صبر و استقامت

۴۲۶ ۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۔ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ مَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ؏

اور بہت سے نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر (اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہت سے اللہ والے لڑے ہیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ان کو جو کچھ تکلیف پہنچی اس سے نہ تو وہ سست ہوئے اور نہ انہوں نے ہمت ہاری اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے (ثابت قدم رہنے) والوں سے محبت رکھتا ہے ۔

رِبِّيُّوْنَ ۔ اللہ والے ۔ خدا کے طالب ۔ ابرار ۔ متقی ۔ بہت سی جماعتیں ۔ حضرت ابن عباسؓ ، مجاہدؒ اور قتادہؒ نے اس کا ترجمہ کثیر جتھے کیا ہے ۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس کا ترجمہ ہزار ہا کیا ہے (مظہری ۱۵۲ / ۲) ۔

وَهَنُوْا ۔ ضعیف ہونا ۔ کمزور ہونا ۔ پست ہمت ہونا ۔ وَھْنٌ سے ماضی ۔

اسْتَكَانُوْا ۔ وہ مطیع ہوئے ۔ وہ عاجز ہوئے ۔ وہ دب گئے ۔ اِسْتِكَانَۃٌ سے ماضی ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم ، پیغمبر کی اطاعت اور دشمن سے جہاد کرنے پر جمے رہے ۔ (مظہری ۱۵۲/ ۲ ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجاہدینِ اُحد کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اس سے پہلے بھی بہت سے نبی جیسے حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوشعؑ بن نون وغیرہ اپنی جماعتوں کو ساتھ لیکر دشمنانِ دین سے جہاد و قتال کر چکے ہیں اور تمہاری طرح انہیں بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں مصائب و تکالیف پہنچیں ، وہ خود زخمی ہوئے ، ان کے ساتھی مارے گئے ، انہوں نے گرمی ، بھوک اور پیاس برداشت کی اور پیدل سفر کئے مگر پھر بھی نہ تو انہوں نے ہمت ہاری ، نہ جہاد کے وقت کمزوری و سستی دکھائی اور نہ دشمن کی شوکت سے ان کے حوصلے پست ہوئے بلکہ وہ صبر و استقلال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم ، پیغمبر کی اطاعت اور دشمن سے

جہاد کرنے پر جمے رہے ۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی صابروں سے محبت ہے ۔ تم تو خیر الامم ہو اس لئے تمہیں تو ان سے بڑھ کر صبر و استقامت کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور مخلوق کی طرف جھکنے کی بجائے اپنے خالق و مالک سے لو لگائے رہنا چاہئے اور اسی سے فتح و نصرت کی دعا کرتے رہنا چاہئے ۔ (حقانی ۹۰/ ۲ ۰۱ابن کثیر ۴۱۰/ ۱) ۔

ثابت قدمی کی دعاء

۴۷، ۴۸ ۔ وَمَاكَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۔ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَ حُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔

اور وہ یہی کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ اور ہم سے اپنے کام میں جو کچھ زیادتی ہو گئی ہے اس کو معاف فرمادے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں کی قوم پر فتح عطا فرما ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بدلہ بھی دیا اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا اور اللہ تعالیٰ نیک بندوں سے محبت کرتا ہے ۔

اِسْرَافَنَا ۔ ہمارا اسراف ۔ ہمارا حد سے نکل جانا ۔ ہماری زیادتی ۔
ثَبِّتْ ۔ تو ثابت رکھ ۔ تو قائم رکھ ۔ تَثْبِيْتٌ سے امر ۔
ثَوَابَ ۔ ثواب ۔ اجر ۔ انعام ۔ نیکی کا بدلہ ۔ لغوی اعتبار سے اس کا استعمال اچھے اور بُرے اعمال کی جزا کے لئے ہوتا ہے مگر عرف عام میں اس سے جزائے خیر مراد لی جاتی ہے ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اس امت کو بتایا گیا ہے کہ جس طرح آزمائشوں اور مصائب پر صبر کرنے والے نہایت انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ جو کچھ گناہ ان سے سرزد ہو گئے ہیں اور دین کی خدمت میں ان سے جو کوتاہیاں ہو گئی ہیں ان کو معاف کر دے اور آئندہ کافروں کے مقابلہ میں ثابت قدمی عطا فرما کر فتح و کامرانی سے ہمکنار کر دے ، تم بھی اسی طرح مصائب برداشت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کرو ۔ کسی کو اپنے نیک اعمال اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں بڑی سے بڑی جدوجہد پر بھی ناز نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس کے نیک اعمال بھی اللہ تعالیٰ ہی کے فضل کا نتیجہ ہیں ۔ لہذا اسے ہر وقت اور

ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور نیکی پر ثابت قدم رہنے کی دعا کرتے رہنا چاہئے ۔ (معارف القرآن ۲۰۱ / ۲) ۔

پھر اللہ والوں کو دنیا و آخرت دونوں میں اچھا بدلہ دینے کا ذکر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں بھی عمدہ بدلہ دیا یعنی فتح و نصرت ، مال غنیمت ، ملک اور نیک نامی وغیرہ اور آخرت میں بھی ان کو اچھا بدلہ دے گا یعنی جنت ، مرتبہ قرب اور اپنی خوشنودی وغیرہ ، جو کچھ ان کو آخرت میں ملے گا دنیا میں اس کا تصور بھی محال ہے کیونکہ جنت کی نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے ، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال تک گزرا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنت کی نعمتیں فانی نہیں باقی رہنے والی ہیں ۔ (حقانی ۹۰، / ۲) ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہل احسان کو محبوب رکھتا ہے اور احسان کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے عبادت کرنا یعنی عبادت کے وقت ہر طرح کی غفلت دور کر کے دل کو حاضر رکھنا ۔ لہذا احسان کا تقاضا ہے کہ یہ یقین رکھا جائے کہ رنج و راحت اور دکھ سکھ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کریم و رحیم ہے اس لئے جب تک انسان اپنی اطاعت میں کوئی کمی نہ کرے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت نہیں بدلی جاتی ۔ جب بندے کی طرف سے اطاعت میں کمی آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی نعمت بدل دیتا ہے اور اس کی جگہ کچھ تکلیف بھیجدیتا ہے تاکہ انسان کی غفلت دور ہو اور وہ معافی طلب کرنے لگے اور دنیاوی سزا بھگت کر پاک و صاف ہو جائے ۔ (مظہری ۱۵۳/ ۲) ۔

کافروں سے کنارہ کشی کی تلقین

۱۴۹ ، ۱۵۰ ۔ یایھا الذین امنوا ان تطیعوا الذین کفروا
یردوکم علی اعقابکم فتنقلبوا خسرین ۔ بل اللہ
مولکم ۔ وھو خیر النصرین ۔

ے ایمان والو ! اگر تم کافروں کے کہنے پر چلے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا کر
جائیں گے (وہ تمہیں دین سے برگشتہ کر دیں گے) پھر تم نقصان میں جا
پڑو گے ۔ بلکہ تمہارا دوست تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ سب سے بہتر مدد
کرنے والا ہے ۔

یَرُدُّوکُمْ ۔ وہ تمہیں لوٹا دیں گے ۔ وہ تمہیں برگشتہ کردیں گے ۔ رَدٌّ سے مضارع ۔
اَعْقَابِکُمْ ۔ تمہاری ایڑیاں ۔ واحد عقب ۔
فَتَنْقَلِبُوْا ۔ پس تم پھر جاؤ گے ۔ پس تم جا پڑو گے ۔ انقلاب سے مضارع ۔

تشریح ۔ غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کی عارضی شکست اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی افواہ پر جب منافقین نے جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھا تو مسلمانوں سے کہنے لگے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نہ رہے تو اب ہمیں اپنا دین اختیار کر لینا چاہئے تاکہ تمام جھگڑے ختم ہو جائیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ نہ تو تم ان دشمنوں کی باتوں میں آؤ، نہ ان کو اپنے کسی مشورہ میں شریک کرو اور نہ ان کے کسی مشورہ پر عمل کرو بلکہ ان سے بچتے رہو ورنہ یہ تمہیں اسلام سے شرک کی طرف پھیردیں گے ۔ پھر تم خسارہ میں پڑجاؤ گے اور تمہارا دین و دنیا دونوں تباہ ہو جائیں گے ۔ یہ ہرگز تمہارے دوست نہیں خواہ یہ تمہاری دوستی کا دم ہی بھریں ۔ تمہارا دوست اور مدد گار تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لئے تم اسی پر اعتماد اور اسی کی مدد پر بھروسہ کرو ۔ (معارف القرآن ۲۰۳/ ۲، مظہری ۱۵۳ / ۲) ۔

رُعب طاری کرنا

۱۵۱ ۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَ مَاْوٰهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَ ۝

ہم جلد ہی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالدیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرایا جس کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی ۔ اور ان کا ٹھکانا (جہنم کی) آگ ہے اور ظالموں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے ۔

سَنُلْقِیْ ۔ بہت جلد ہم ڈالیں گے ۔ بہت جلد ہم نازل کریں گے ۔ اِلْقَاءٌ سے مضارع ۔
سُلْطٰنًا ۔ قوت ۔ غلبہ ، سند ۔ دلیل ۔
مَثْوَی ۔ ٹھکانا ۔ رہنے کی جگہ ۔ ثُوِیًّا و ثَوَاءً سے ظرف مکان ۔

شانِ نزول ۔ ایک روایت میں ہے کہ ۱۶ شوال ۳ ھ کو جب ابو سفیان اور مشرکین مکہ واپس جانے کے لئے روانہ ہوگئے تو کچھ راستہ طے کرنے کے بعد ان کو پشیمانی ہوئی اور کہنے لگے کہ ہم نے برا کیا ۔ پہلے تو ہم نے ان کو قتل کیا پھر جب چند بھاگے ہوئے لوگوں کے سوا ہمارے مقابلہ میں کوئی نہ رہا تو ہم ان کو چھوڑ آئے ۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ ابھی واپس چلو اور ان کی جڑ ہی اکھاڑ دو ۔ کافروں نے یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈالدیا اور وہ اپنے ارادہ سے باز آ گئے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۵۴ / ۲) ۔

تشریح ۔ ہم بہت جلد ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں میں ان کے کفر و شرک کی وجہ سے رعب ڈالدیں گے ۔ انہوں نے ایسے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے ۔ جن کے شریک ہونیکی عقلی یا نقلی کوئی دلیل نہیں ۔ اور ان مشرکوں کا ٹھکانا دوزخ ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے ۔ (مظہری ۱۳۵ / ۲) ۔

بخاری و مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ باتیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں ۔

۱) ۔ میری مدد مہینے بھر کی راہ تک (دشمن کے دل میں) رعب ڈال کر کی گئی ہے ۔ (میرا دشمن مجھ سے مہینے بھر کی راہ پر ہو تو وہیں سے اس کے دل میں میرا رعب ڈال دیا جاتا ہے ۔ مسند احمد) ۔

۲) ۔ میرے لئے زمین ، مسجد اور وضو کی پاک چیز بنائی گئی ہے ۔ (میرے اور میری امت کے لئے تمام زمین مسجد اور پاک بنائی گئی ہے ۔ میرے امتی کو جہاں نماز کاوقت آ جائے وہیں اس کی مسجد اور اس کا وضو ہے ۔ (مسند احمد) ۔

۳) ۔ میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں ۔

۴) ۔ مجھے شفاعت دی گئی ہے ۔ (تمام انبیاء نے شفاعت مانگ لی لیکن میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت کے ان لوگوں کے لئے چھپا رکھا ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا ۔ (مسند احمد) ۔

۵) ۔ ہر نبی اپنی قوم کی طرف خَاصَّۃً بھیجا جاتا تھا اور میری بعثت تمام دنیا کے لئے عام ہوئی ہے ۔ (ابن کثیر ۳۱۱ / ۱) ۔

مومنوں کی آزمائش

۱۵۲ ۔ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۔ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَ عَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۔ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۔

اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا ۔ جب تم ان (کافروں) کو اللہ کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم خود ہی بزدل ہوگئے اور (رسول کے) حکم کے بارے میں آپس میں جھگڑنے لگے اور تم نے نا فرمانی کی ، بعد اس کے کہ جو تم چاہتے تھے وہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دکھا بھی دیا تھا ۔ تم میں سے کچھ تو دنیا چاہتے تھے (جنہوں نے درہ چھوڑ دیا تھا) اور کچھ تم میں سے آخرت کے طالب تھے (جو مورچے پر قائم رہے) پھر اس نے تمہیں ان (کافروں) سے ہٹا دیا تاکہ تمہارا امتحان لیا جائے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرمادیا اور مومنوں پر تو اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے ۔

تَحُسُّوْنَهُمْ ۔ تم ان کو تلوار سے بے دریغ کاٹ رہے تھے ۔ تم ان کو قتل کر رہے تھے ۔ حَسٌّ سے مضارع ۔ اس کے معنی ہیں قتل کر کے بیخ و بن سے اکھاڑ دینا ۔ یہاں قتل عام مراد ہے ۔ (مظہری ۱۴۳ / ۲) ۔

فَشِلْتُمْ ۔ تم نے ہمت ہاری ۔ تم نے بزدلی کی ۔ فَشْلٌ سے ماضی ۔

صَرَفَكُمْ ۔ اس نے تمہیں پھیر دیا ۔ اس نے تمہیں دور رکھا ۔ صَرْفٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول ۔ محمد بن کعب کا بیان ہے کہ جب اُحد کی اُفتاد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام مدینۂ منورہ لوٹے تو بعض صحابہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہم

سے فتح کا وعدہ کیا تھا پھر یہ کیا ہوا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۵۴/ ۲) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے جو فتح کا وعدہ کیا تھا وہ صبر و تقویٰ کے ساتھ مشروط تھا ۔ جنگ کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فتح دیکر اس کو پورا فرمادیا تھا ۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اس وقت مسلمان کافروں کو تلوار سے بے دریغ کاٹ رہے تھے ۔ پھر جب مسلمان بزدل اور کمزور پڑ گئے اور گھاٹی پر قیام اور عدم قیام کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نا فرمانی کرتے ہوئے گھاٹی کو چھوڑ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد روک لی اور مسلمانوں پر مصیبت ڈالدی ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی محبوب چیز فتح اور مال غنیمت انہیں دکھا دی تھی ۔

اسلامی لشکر میں سے کچھ تو دنیا کے طالب تھے جو کافروں کو بھاگتا دیکھ کر گھاٹی کو چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان میں سے کچھ آخرت کے طالب تھے جیسے عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھی جو اپنی جگہ جمے رہے ۔ پھر مومنوں اور منافقوں میں امتیاز کرنے کے لئے آزمائش کے طور پر نا فرمانی کی وجہ سے انہیں کافروں سے پھیر دیا اور کافر ان پر غالب آ گئے اور مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہو گئی ۔ پھر جب مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نا فرمانی پر نادم ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے انہیں معاف فرمادیا ۔ اور ان پر یہ فضل فرمایا کہ غلبہ حاصل کر لینے کے بعد بھی کفار ان کا استیصال (بیخ کنی) نہ کر سکے ۔ (مظہری ۱۵۵ / ۲) ۔

نا فرمانی کا انجام

۱۵۳ ۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(وہ وقت یاد کرو) جب تم چڑھتے (بھاگتے) چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے حالانکہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں پیچھے سے پکار

رہے تھے ۔ سو اللہ نے تمہیں غم پر غم دیا تاکہ تم اس چیز پر غم نہ کرو جو
ہاتھ سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم پر آ پڑے ۔ اور جو کچھ تم
کرتے ہو اللہ کو سب خبر ہے ۔

تُصْعِدُوْنَ ۔ تم چڑھتے ہو ۔ تم دور جاتے ہو ۔ اِصْعَادٌ سے مضارع ۔
تَلْوٗنَ ۔ تم مڑ کر دیکھتے ہو ۔ لَیٌّ سے مضارع ۔
فَاَثَابَكُمْ ۔ پس اس نے تمہیں بدلہ دیا ۔ انعام و سزا دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے ۔ یہاں سزا مراد ہے ۔

تشریح ۔ جب تم دشمن کے خوف سے بھاگ کر تیزی سے چلے جا رہے تھے اور دہشت کی شدت سے کوئی کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہا تھا اور پچھلی جماعت میں کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پکار کر اپنی طرف بلا رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری حرکت کی بنا پر تمہیں ثواب کی بجائے سزا کے طور پر غم پر غم دیا ۔ ایک غم دشمن کے غالب آنے کا ، ایک غم اپنے مارے جانے اور زخمی ہونے کا ، ایک غم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے زخمی ہونے اور دندانِ مبارک شہید ہونے کا ، ایک غم آپؐ کی شہادت کی جھوٹی خبر مشہور ہونے کا ، ایک غم فتح کے بعد شکست ہو جانے کا اور ایک غم منافقین کی طعنہ زنی کا ۔ ان تمام غموں میں تمہیں اس لئے مبتلا کیا گیا تاکہ آئندہ کے لئے تمہارے اندر پختگی پیدا ہو جائے اور پھر تم کسی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نا فرمانی نہ کرو اور صبر و استقلال کے ایسے عادی ہو جاؤ کہ پھر تمہیں نہ تو کسی چیز کے ہاتھ سے جاتے رہنے کا کوئی رنج و غم ہو اور نہ کسی مصیبت پر کوئی پریشانی لاحق ہو بلکہ دنیاوی منافع اور مضرتیں تمہاری نظروں میں یکساں ہو جائیں اور تم ہر حال میں مشیت الٰہی پر راضی رہنے کے عادی ہو جاؤ ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۹۵/ ۱) ۔

نزولِ طمانیت

۱۵۴ ۔ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى
طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَ طَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ

بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۔ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۔ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۔ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۔ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۔ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ لِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے غم کے بعد تم پر امن (حالت اطمینان) نازل کیا جو ایک اُونگھ تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا رہی تھی اور دوسری جماعت کو اپنی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی ۔ وہ جاہلوں کی طرح اللہ تعالیٰ سے بد گمانی کر رہے تھے کہ آیا ہمارے لئے بھی کچھ اختیار باقی ہے ۔ آپ ان سے کہدیجئے کہ تمام اختیارات اللہ ہی کے لئے ہیں ۔ وہ اپنے دلوں میں ایسی باتیں پوشیدہ رکھتے ہیں جو آپ سے ظاہر نہیں کرتے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے ۔ آپ کہدیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی رہتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا تھا وہ ضرور اپنے قتل ہونے کی جگہ نکل کر آ جاتے ۔ اور (یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے خیال آزمائے اور تاکہ ان خیالات کو نکھار دے جو تمہارے دلوں میں ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ تو دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے ۔

نُعَاسًا ۔ اونگھ ۔ جھپکی ۔ حواس کی سستی ۔
يَغْشٰى ۔ وہ چھپائے گا ۔ وہ ڈھانک لے گا ۔ وہ چھا جائے گا ۔ غَشْیٌ سے مضارع ۔
اَهَمَّتْهُمْ ۔ اس نے ان کو فکر میں ڈالدیا ۔ اِهْمَامٌ سے ماضی ۔
لَبَرَزَ ۔ البتہ وہ نکل پڑا ۔ بُرُوْزٌ سے ماضی ۔
مَضَاجِعِهِمْ ۔ ان کی خواب گاہیں ۔ ان کی قتل گاہیں ۔ ضَجْعٌ و ضُجُوْعٌ سے اسم ظرف ۔

لِیُمَحِّصَ ۔ تاکہ وہ خالص کرے ۔ تاکہ وہ صاف کرے ۔ تَمْحِیْصٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ جب معرکۂ اُحد میں فتح کے بعد شکست سے دو چار ہونے پر مومنوں کو رنج و غم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام و احسان فرمایا ۔ اس آیت میں اسی انعام و احسان کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی لشکر میں سے مومنوں کے گروہ پر اُونگھ کی شکل میں قلبی اطمینان وسکون اتارا ۔ ہتھیار ہاتھ میں ہیں ، دشمن سامنے ہے مگر دل میں ایسا سکون و اطمینان ہے کہ آنکھیں اُونگھ سے جھکی جا رہی ہیں ۔ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی مدد ضرور کرے گا ۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ لڑائی کے وقت اونگھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نماز میں اونگھ آنا شیطانی حرکت ہے ۔ حضرت ابو طلحہؓ کا بیان ہے کہ اُحد والے دن مجھے اس زور سے اونگھ آنے لگی کہ میرے ہاتھ سے تلوار بار بار چھوٹ رہی تھی ۔ جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تقریباً ہر شخص کو اسی حالت میں پایا ۔ (ابن کثیر ۳۱۸/ ۱) ۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیر کا بیان ہے کہ اس سخت خوف کے وقت ہمیں تو اس قدر نیند آنے لگی کہ ہماری ٹھوڑیاں سینوں سے لگ گئیں ۔ میں نے اسی حالت میں معتب بن قشیر کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے ۔ (ابن کثیر ۳۱۸/ ۱) ۔

اس اُونگھ کے بعد مسلمانوں کے دلوں سے کافروں کا رعب اس طرح دور ہو گیا جس طرح تھکان دور ہو جاتی ہے اور اس کے بعد جو مسلمانوں نے حملہ کیا تو مشرکین بھاگ کھڑے ہوئے ۔

اسلامی لشکر میں سے وہ گروہ جو منافقوں کا تھا وہ اس قلبی امن و سکون سے محروم رہا ۔ وہ خوف و دہشت کے مارے ہلکان ہو رہے تھے اور اہل جاہلیت کی طرح ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے وساوِس اٹھ رہے تھے ۔ انہیں اپنی جان کی فکر تھی اور اپنے دل میں کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا ، اس میں سے ہمیں کچھ نہیں ملا ۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہدیجئے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں ۔ وہ جو چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے کرتا ہے ۔ اور یہ لوگ جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس کا آپؐ سے

اظہار نہیں کرتے ۔ یہ لوگ ظاہر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ہدایت کے طلبگار اور فتح و کامرانی کے خواہشمند ہیں مگر آپس میں وہ اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ اختیار ہوتا اور ہماری بات مان لی جاتی تو ہم مدینہ سے باہر نہ نکلتے اور یہاں قتل نہ ہوتے ۔ آپؐ ان سے کہدیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں کے اندر بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل ہونا لوح محفوظ میں لکھدیا گیا تھا وہ ضرور اپنے گھروں سے نکل کر اپنی قتل گاہوں میں پہنچتے اور مارے جاتے وہ مدینہ کے اندر ٹھہر ہی نہ سکتے تھے ۔ اس کے علاوہ اس معرکہ میں لوگوں کے اخلاص و نفاق کی آزمائش اور منافقوں کے پوشیدہ خیالات کو ظاہر کرنا بھی مقصود تھا تاکہ بھلے اور برے اور نیک و بد میں تمیز ہو جائے ۔ اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید اور ارادے خوب جانتا ہے ۔ (مظہری ، ۱۵۰ ۔ ۱۵۹ / ۲) ۔

لغزش پر معافی

۱۵۵ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۔

بیشک تم میں سے جو لوگ دونوں فوجوں کے مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے تو ان کو تو ان کے بعض اعمال کے سبب شیطان نے ڈگمگادیا تھا اور بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ تو بڑا معاف کرنے والا (اور بڑا حلیم ہے) ۔

تَوَلَّوْا ۔ انہوں نے منہ موڑا ۔ انہوں نے پیٹھ پھیری ۔ تَوَلِّیٌ سے ماضی ۔

اَلْتَقَی ۔ وہ ملا ۔ وہ مقابل ہوا ۔ اِلْتِقَاءٌ سے ماضی ۔

اَلْجَمْعٰنِ ۔ دو گروہ ۔ دو جماعتیں ۔

اسْتَزَلَّهُمْ ۔ اس نے ان کو بہکا دیا ۔ اس نے ان کو ڈگمگا دیا ۔ اِسْتِزْلَالٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مومنوں کی لغزش کا بیان ہے جو ان سے جنگ اُحد کے دوران شیطان کے بہکانے کی وجہ سے سرزد ہوئی ۔ اُحد کے دن اہل اسلام میں سے کچھ لوگ شکست کھا کر بھاگ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف تیرہ آدمی باقی رہ گئے اور

حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھ پچاس میں سے صرف دس آدمی باقی رہ گئے اور شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر ان کو ڈگمگا دیا ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنا فضل فرمایا اور انہیں تباہ کن شکست سے بچا لیا اور ان کی خطا کو معاف فرمادیا ۔ کیونکہ وہ بہت مغفرت کرنے والا اور حلم والا ہے ۔ اسی لئے اس نے فرار ہونے والوں سے مواخذہ نہیں کیا بلکہ ان کو معاف کر دیا ۔ (مظہری ۱۵۹/ ۲)۔

فاسد عقائد کی ممانعت

۱۵۶ ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ کَانُوْا غُزًّی لَّوْ کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۔ لِیَجْعَلَ اللّٰہُ ذٰلِکَ حَسْرَۃً فِیْ قُلُوْبِھِمْ ط وَاللّٰہُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ط

اے ایمان والو ! تم ان کافروں جیسے نہ بنو جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں جبکہ وہ سفر میں یا جہاد میں ہوتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے اور اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب دیکھ رہا ہے ۔

ضَرَبُوْا ۔ انہوں نے سفر کیا ۔ وہ چلے ۔ بصلہ فِیْ ۔ ضَرْبٌ سے ماضی ۔

غُزًّی ۔ غازی ۔ دشمن سے لڑنے والے ۔ جہاد کرنے والے ۔ غزوٌ سے اسم فاعل جمع ۔ واحد غازیٌ ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں جیسے فاسد عقائد رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے ۔ کفار یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ جنگ میں مارے گئے ، اگر وہ لڑائی میں شریک نہ ہوتے تو ان کی موت واقع نہ ہوتی ۔ پس ایسی مشابہت سے جو کفر کا باعث ہو اجتناب کرنا فرض ہے ۔ یہاں جس مشابہت کو اختیار کرنیکی ممانعت کی گئی ہے وہ موجب کفر ہے ۔ کیونکہ یہ تقدیر کا انکار ہے اور تقدیر کا انکار کفر ہے ۔

ابو داؤدؒ میں حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص کسی قوم کے افکار و اعمال کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہوگا ۔ (مظہری ۱۹۰ / ۱) ۔

کافروں کا یہ باطل خیال بھی کہ مسلمانوں کو جنگ میں شرکت سے موت کا سامنا کرنا پڑا ، ان کی حسرت و افسوس کو بڑھاتا ہے کیونکہ حقیقت میں موت و حیات تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ۔ وہ جس کو چاہتا ہے اور جب تک چاہتا ہے زندہ رکھتا ہے اور جب چاہتا ہے موت دے دیتا ہے ۔ تمام امور کا جاری ہونا اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے ۔ اس کی قضا و قدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا ۔ کوئی چیز اس کے علم اور قدرت و اختیار سے باہر نہیں۔ وہ تمام مخلوق کے تمام امور کو بخوبی جانتا ہے ۔ (ابن کثیر ۴۱۹ / ۱) ۔

جہاد کی ترغیب

۱۵۷ ، ۱۵۸ ۔ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ○

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ یا اپنی موت مر جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ۔ اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو ضرور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس اکٹھے کئے جاؤ گے ۔

تشریح ۔ یہاں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینا اور یہ سمجھانا مقصود ہے کہ جہاد میں مارا جانا دنیاوی زندگی سے کہیں بہتر ہے ۔ اس لئے کہ زندگی کا فائدہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسان اپنی محنت و مشقت سے کچھ مال و متاع جمع کر کے اس سے فائدہ اٹھائے ۔ اس کے بر خلاف اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جانے سے اس کا صلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی شکل میں ملتا ہے جو دنیاوی مال و متاع ، اس کی لذتوں اور منفعتوں سے بہتر ہے ۔ دنیا اور اس کا تمام مال و متاع اور منافع ، فانی اور چند روزہ ہیں اور ان کو جمع کرنے والا اس دنیا میں مہمان ہے ۔ عین ممکن ہے کہ ان چیزوں کو بنہایت محنت و جانفشانی سے جمع کرنے والا ان سے فائدہ اٹھانے سے پہلے ہی چل بسے یا یہ مال اس سے جاتا رہے ۔ لہذا دنیاوی مال و متاع اور فوائد کے فوت ہو جانے پر حسرت و افسوس کرنے کی بجائے جہاد کے ترک ہونے پر حسرت و افسوس کرنا چاہئے ۔

حقیقت میں نہ تو سفر و جہاد کسی کی موت کا سبب ہیں اور نہ سفر و جہاد کا ترک کرنا موت سے بچنے کا ذریعہ ہیں۔ آدمی کو گھر بیٹھے بٹھائے بھی موت آ جاتی ہے اور بہت سے لوگوں کو جو ہمیشہ سفر و جہاد میں رہتے ہیں موت نہیں آتی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنی ساری عمر جہاد میں گزاری اور شہادت کی تمنا کرتے رہے مگر شہادت نصیب نہ ہوئی۔ وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر کوئی جگہ تیر و تلوار کے زخم سے خالی نہیں مگر افسوس آج اونٹ کی طرح گھر میں بستر پر مر رہا ہوں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۰/۱)۔

پس اگر کوئی شخص گھر میں بیٹھے بٹھائے مر جائے یا میدان جنگ میں قتل ہو جائے یا ملک میں سفر کرتے ہوئے چل بسے تو ہر حال میں اسے لوٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے جہاں وہ اپنے اعمال کا اچھا یا بُرا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ لہٰذا جس موت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت حاصل ہو وہ دنیاوی مال و متاع سے بہتر ہے۔

لُطف و کرم اور مشورہ کی ہدایت

۱۵۹، ۱۶۰۔ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ۔ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ تو کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت ہے جو آپ ان کے لئے نرم دل ہیں اور اگر آپ تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے سو آپ ان کو معاف کر دیجئے اور ان کے لئے (اللہ سے) بخشش مانگیئے اور (اہم) کام (کے بارے) میں ان سے مشورہ بھی کر لیا کیجئے۔ پھر جب آپ (کسی کام کے

بارے) میں ان سے مشورہ بھی کر لیا کیجئے ۔ پھر جب آپ (کسی کام کے بارے میں) پختہ عزم کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہیں آنے گا ۔ اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے ۔ اور مومنوں کو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے ۔

لِنْتَ ۔ تو نرمی کرتا ہے ۔ تو نرم ہوا ۔ لِیْنٌ سے ماضی ۔

فَظًّا ۔ سخت دل ۔ بد مزاج ۔ بد زبان ۔ یہاں سخت کلام مراد ہے ۔ فِظَاظٌ و فِظَاظَۃٌ سے صفت مشبہ ۔

غَلِیْظَ ۔ سخت ۔ بے رحم ۔ گاڑھا ۔ غِلْظَۃٌ سے صفت مشبہ ۔

غَلِیْظَ الْقَلْبِ ۔ سخت دل ۔ بد اخلاق ۔

اِنْفَضُّوْا ۔ وہ منتشر ہو جاتے ۔ وہ علیحدہ ہو جاتے ۔ اِنْفِضَاضٌ سے ماضی ۔

حَوْلِکَ ۔ تیرے گرد ۔ تیرے چاروں طرف ۔

شَاوِرْھُمْ ۔ تو ان سے مشورہ کر ۔ مُشَاوَرَۃٌ سے امر ۔

یَخْذُلْکُمْ ۔ وہ تم کو چھوڑ دے گا خَذْلَانٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ غزوۂ اُحد میں بعض مسلمانوں کی لغزش اور میدان چھوڑنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو صدمہ اور رنج و غم ہوا تھا اس پر آپؐ نے اپنی طبعی نرم خوئی کی بنا پر نہ تو مسلمانوں کو کوئی ملامت کی اور نہ ان کے ساتھ کوئی سختی کا معاملہ کیا ۔ مگر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ان میدان چھوڑنے والوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور ان کو باہمی مشوروں میں بھی شریک نہیں کیا جاتا تھا ۔ یہ بات ان کی دل شکنی کا باعث تھی ۔ چونکہ ان کی خطا و لغزش بشری تقاضے کے تحت تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا تھا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آپؐ مومنوں کے حق میں نرم دل ہیں اس لئے آپؐ اپنا حق بھی ان کو معاف فرمادیں اور ان کے ذمہ اللہ تعالیٰ کے جو حقوق ہیں اور جن کو وہ ادا نہیں کر سکے ہیں ، آپؐ ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں ۔ اور دنیاوی امور میں سے جو مشورہ طلب ہوں ان میں ان سے مشورہ لے لیا کریں ۔ پھر جب آپؐ مشورہ کے بعد کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر لیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اہل توکل کو پسند کرتا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام سے دنیاوی امور میں مشورہ لیا کرتے تھے

اس لئے مشورہ سنت ہے ۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے لوگوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشورہ لینے والا کسی شخص کو نہیں دیکھا ۔ بدر کے دن آپؐ نے دشمن کے مقابلہ میں پڑاؤ ڈالنے کے لئے مشورہ لیا ۔ اُحد کے موقع پر بھی آپؐ نے مشورہ لیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکل کر ۔ جمہور کی رائے کے مطابق آپؐ نے مدینہ سے باہر نکل کر مقابلے کا فیصلہ کیا ۔ جنگ احزاب کے موقع پر آپؐ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ لیا کہ مدینے کے پھلوں کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ دینے کے وعدہ پر مخالفین سے صلح کر لی جائے ۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ نے اس کے خلاف رائے دی تو آپؐ نے ان کا مشورہ قبول فرمالیا ۔ اور صلح کی بات چیت ختم کر دی (ابن کثیر ۴۲۰/ ۱) ۔

پھر مومنوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم کسی کے کہنے سننے میں نہ آؤ خالص اللہ پر بھروسہ رکھو ۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرنا چاہے گا تو ظاہری اسباب کی قلت کے باوجود تم پر کوئی غالب نہ آسکے گا جیسا کہ تم بدر کے معرکہ میں دیکھ چکے ہو اور اگر کسی مصلحت کے تحت وہ اپنی مدد روک لے اور تمھیں رسوا کرنا چاہے تو کوئی بھی تمہاری مدد نہ کر سکے گا جیسا کہ اُحد کے معرکہ میں دیکھ چکے ہو اور مومنوں کو تواللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہیئے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں ۔ وہی زبردست اور غالب ہے ۔ (حقانی ۱۰۲ / ۲) ۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل کرو جیسا توکل (کرنے) کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اسی طرح رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں ۔ (مظہری ۱۳۶/ ۱) ۔

خیانت کا انجام

۱۶۱ ۔ وَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

اور کسی نبی کے شایان شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے روز لے کر آئے گا ۔ پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملے گا ۔ اور ان پر کچھ ظلم نہ ہوگا ۔

یَغُلَّ ۔ وہ خیانت کرتا ہے ۔ وہ چھپاتا ہے ۔ غَلٌّ اور غُلُولٌ سے مضارع ۔
تُوَفّٰی ۔ اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا ۔ توفِیَہٌ سے مضارع مجہول ۔

شانِ نزول ۔ محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول وحی کے متعلق ہوا ۔ مطلب یہ ہے کہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے وحی کا کچھ حصہ ظاہر نہ کرنا نبی کے لئے جائز نہیں ۔ (مظہری ۱۳/ ۱) ۔

ابو داؤد اور ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن بھی کہا ہے ۔ کہ بدر کے دن مال غنیمت میں سے ایک سرخ دھاری دار چادر کم ہو گئی تھی ۔ بعض لوگوں نے خیال کیا کہ شاید وہ (چادر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہوگی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں خیانت کا عظیم گناہ ہونا اور قیامت کے روز اس کی شدید سزا کا ذکر ہے ۔(مظہری ۱۳/ ۱۰ جلالین ۱۹۱) ۔

کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کہ اس کا نزول جنگ اُحد کی غنیمت کے بارے میں ہوا جب تیر اندازوں نے اُحد کی گھاٹی کو چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی لڑائی کی طرح آج بھی غنیمت تقسیم نہ کریں اور یہ فرمادیں کہ جس نے جو چیز لی ہو وہ اسی کی ہے ۔ پس اس خیال سے انہوں نے اپنی مقررہ جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ جب تک تمہیں میرا حکم نہ پہنچے اپنی جگہ نہ چھوڑنا " وہ کہنے لگے کہ ہم اپنے دوسرے ساتھیوں کو وہاں چھوڑ کر آئے ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تم نے یہ خیال کیا کہ میں مال غنیمت میں خیانت کرلوں گا اور تمہیں بانٹ کر نہیں دوں گا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۱۳/ ۱) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کی خیانت اور بیجا طرفداری سے مُبرا ہیں خواہ وہ مال کی تقسیم ہو یا امانت کی ادائیگی ۔ مومنوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان اور عصمت و امانت کا پورا لحاظ رکھنا چاہیئے ۔ کسی کو آپؐ کے بارے میں کوئی بیہودہ اور لغو خیال کہ آپؐ غنیمت کا کچھ مال چھپا کر رکھ لیں گے ، دل میں نہیں لانا چاہیئے ۔

پھر خیانت کرنے والوں کے لئے سخت عذاب کی وعید ہے کہ جو شخص دنیا میں خیانت کرے گا خواہ وہ خیانت مال میں ہو ، راز داری میں ہو یا احکام الٰہی میں ، قیامت کے

روز اس کی خیانت کو ظاہر کر دیا جائیگا اور اس دن وہ اپنی خیانت کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا ۔ پھر ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری پوری سزا دی جائے گی ۔ (ابن کثیر ۴۲۱/ ۰۱ حقانی ۱۰۳ / ۱) ۔

حضرت ابو حمید ساعدی سے مروی ہے کہ قبیلۂ ازد کے ایک شخص کا نام ابن اللُّتْبِیَہ تھا ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صدقہ وصول کرنے کے لئے حاکم بنا کر بھیجا ۔ جب وہ مال زکوٰۃ وصول کر کے واپس آیا تو (کچھ مال پیش کر کے) کہنے لگا یہ آپؐ کا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں دیا گیا ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا ۔ اما بعد ! اللہ تعالیٰ نے جن امور کا مجھے مہتمم بنایا ہے میں ان میں سے بعض کاموں کا ناظم تمہارے بعض اشخاص کو بنا دیتا ہوں ۔ پس وہ آکر کہتے ہیں کہ یہ (مال تو) آپؐ کا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں دیا گیا ہے ۔ آخر وہ اپنی اماں اور اپنے ابا کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہتا ۔ اگر وہ سچا ہے تو اس کا ہدیہ (گھر بیٹھے) اس کے پاس آ جاتا ۔ خدا کی قسم تم میں سے جو شخص کوئی چیز ناحق لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کے وقت اس کو ضرور اپنے اوپر لادے ہوئے ہوگا ۔ پس میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی کے وقت وہ اپنے اوپر بلبلاتے ہوئے اونٹ کو یا بولتی ہوئی گائے کو یا ممناتی ہوئی بکری کو لا دے ہوئے آئے ۔ متفق علیہ (مظہری ۱۴۳/ ۲) ۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر مقرر تھا ۔ اس کو کر کرہ کہتے تھے ۔ جب وہ مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں ہے ۔ لوگ اس کا سامان دیکھنے گئے تو اس میں ایک عبا ملی جس کی اس نے خیانت کی تھی ۔ (مظہری ۱۶۵/ ۲) ۔

بُرا ٹھکانہ

۱۶۲ ، ۱۶۳ ۔ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاۤءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۔ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۔ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَاللّٰهِ ۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۔

کیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تابع ہو گیا اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہوا اور اس کا ٹھکانا بھی جہنم ہوا اور

وہ کیا ہی برا ٹھکانا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ۔

بَاءَ ۔ وہ مستحق ہوا ۔ وہ پھرا ۔ وہ لوٹا (بصلہ با) بواءٌ سے ماضی ۔

سَخَطٍ ۔ سخت غصہ ۔ عذاب ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی اتباع کرنے والے ، اس کے ثوابوں کو حاصل کرنے والے اور اس کے عذابوں سے بچنے والے یعنی مہاجرین و انصار ، ان لوگوں کی مانند نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوئے اور مرنے کے بعد جن کا ٹھکانا جہنم ہوگا یعنی منافقین اور بعض فاسقین ۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کی اتباع کرنے والوں ، بھلائی کے کام کرنے والوں اور برائی اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کام کرنے والوں کے درجات مختلف ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۔ ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں ۔

بعض مومن بعض دوسرے مومنوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوں گے ۔ اسی طرح بعض کفار و نافرمان دوسرے کافروں اور نافرمانوں کے مقابلہ میں دوزخ کے زیادہ نچلے درجے میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے ۔ عنقریب وہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا ۔ نہ کسی کی نیکی کم کی جائیگی اور نہ کسی کی بدی بڑھائی جائے گی بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا ملے گی ۔ (مظہری ۱۶۵/ ۲ ۰ ابن کثیر ۴۲۲/ ۱) ۔

مومنوں پر احسانِ عظیم

۱۶۴ ۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

بیشک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا ہی احسان کیا جبکہ ان میں انہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا

ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے ۔ اور بیشک اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے ۔

مَنَّ ۔ اس نے احسان کیا ۔ اس نے مہربانی کی ۔ مُنٌّ سے ماضی ۔
بَعَثَ ۔ اس نے بھیجا ۔ اس نے مبعوث کیا ۔ بَعْثٌ سے ماضی ۔
يُزَكِّيْهِمْ ۔ وہ ان کا تزکیہ کرتا ہے ۔ وہ ان کو پاک و صاف کرتا ہے ۔ تزکیہ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک عظیم الشان پیغمبر مبعوث فرمایا ۔ وہ اس کے احوال و اخلاق ، امانت و دیانت اور اس کی عفت و پاکبازی سے خوب واقف ہیں لہذا وہ اس کے پاس اٹھ بیٹھ کر بات چیت کے ذریعہ اس سے دین کو پوری طرح سیکھ کر ہر قسم کے انوار و برکات اور دنیا و آخرت کے منافع حاصل کر سکتے ہیں ۔ اگر کسی جن یا فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تو مومنوں کے لئے اس سے مانوس ہونا اور آسانی و بے تکلفی سے دین سیکھنا ممکن نہ ہوتا ۔ اس لئے مومنوں پر یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ اس نے ان کے پاس ایک انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ۔

یہ پیغمبر ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن کریم پڑھ کر سناتا ہے جن کے انوار و برکات سے ظلمت دور ہوتی ہے وہ ان کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے اور ان کے غلط اور فاسد عقائد کی اصلاح کرتا ہے تاکہ شرک و جاہلیت کے اثرات دور کر کے ان کے نفوس کو خصائل رذیلہ سے پاک و صاف بنادے ۔ وہ ان کو کتاب و سنت اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے ۔ بلا شبہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جہالت اور کھلی گمراہی میں تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت کے نتیجہ میں عرب کے یہ جاہل بلکہ اَجْہل ایسے حکیم و دانا بن گئے کہ انہوں نے اپنی حکمت و دانائی سے یونان کے حکماء اور دنیا کے فلاسفہ کو نیچا دکھا دیا ۔

شامتِ اعمال

۱۶۵ ۔ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ
قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

کیا جب تم پر (احد میں) ایک مصیبت آ پڑی جس سے دو گنی مصیبت
تم ان کو (بدر میں) پہنچا چکے ہو تو یہ کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی ۔
(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہدیجئے کہ یہ (مصیبت) خود تمہاری
ہی طرف سے ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

اَصَابَتْكُمْ ۔ وہ تمہیں پہنچی ۔ اصابۃ سے ماضی ۔
قَدْ ۔ کافی ۔ تحقیق ۔ کبھی ۔ اسم بھی ہے حرف بھی ۔ ماضی اور مضارع دونوں پر آتا ہے ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں غزوۂ اُحد کی مصیبت کا بیان ہے جس میں ستر صحابی شہید ہوئے تھے ۔ اس سے پہلے غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے کافروں کو اس سے دو چند مصیبت پہنچائی تھی جس میں بڑے بڑے اور نامور سرداروں اور سپہ سالاروں سمیت ستر کافر شہید ہوئے تھے اور ستر قید ہوئے تھے ۔

غزوۂ اُحد میں جب ابتداء میں مسلمانوں کو فتح ہو گئی تو پہاڑی درّہ پر متعین تیر اندازوں کے دستہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے درّہ کو چھوڑ دیا اور مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے ۔ حضرت خالد بن ولید نے جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے پہاڑی درہ پر مسلمانوں کی برائے نام تعداد دیکھ کر حضرت عکرمہ اور اپنے دستہ کو لیکر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا جس سے جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور ستر مسلمان شہید ہو گئے ۔ اس پر مسلمانوں میں سے کچھ لوگ تعجب سے کہنے لگے کہ ہم تو مسلمان مجاہد تھے ۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے تھے ۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے پیغمبر کی زبانی فتح و نصرت کا وعدہ فرما چکا تھا پھر ہم پر یہ مصیبت کہاں سے اور کیسے نازل ہو گئی ۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مصیبت دشمن کی قوت و کثرت کے سبب نہیں بلکہ تمہاری اپنی ہی شامت اعمال کا نتیجہ ہے ۔ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نا فرمانی کی اس لئے تمہیں یہ مصیبت اٹھانی پڑی ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت کا وعدہ صبر و تقویٰ کے ساتھ وابستہ تھا ۔ چنانچہ ابتداء میں جب تم صبر و ہمت کے ساتھ لڑے تو کفار شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ پھر تم نے بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کیا ۔ اس لئے اس کی سزا میں تم پر یہ مصیبت آ گئی ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔ اس کے حکم اور ارادہ کو کوئی نہیں ٹال سکتا

اس آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ تم نے جنگ بدر کے موقع پر قیدیوں کو زندہ چھوڑنا اور ان سے فدیہ وصول کرنا اس شرط پر منظور کیا تھا کہ تمہارے بھی اتنے ہی آدمی شہید ہوں سو وہ شہید ہو گئے ۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ جبرائیل امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی قوم کا کفار کو پکڑ کر قیدی بنا لینا اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا ۔ اب آپ ان کو دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کر لینے کا حکم دیجئے یا تو یہ کہ ان قیدیوں کو مارڈالیں یا ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دیں ۔ فدیہ کی صورت میں ان مسلمانوں میں سے (کسی اور موقع پر) اتنی ہی تعداد میں (ستر آدمی) شہید ہوں گے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کر کے دونوں باتیں ان کے سامنے رکھیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ تو ہمارے ہی قبیلوں کے ہیں اور ہمارے رشتہ دار ہیں کیوں نہ فدیہ لیکر ہم ان کو چھوڑ دیں ۔ اور اس مال سے قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں اور پھر جو ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے تو اس میں ہماری کیا برائی ہے ۔ چنانچہ مسلمانوں نے فدیہ لیکر ستر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور پھر اس کے بعد غزوۂ اُحد میں ٹھیک ستر ہی کی تعداد میں مسلمان شہید ہوئے ۔ (ابن کثیر بحوالہ ترمذی و نسائی ۳۲۵/ ۱، مظہری ۱۹۷/ ۲) ۔

شکستِ اُحد کی حکمت

۱۶۶ ۔ ۱۶۸ ۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِادْفَعُوْا ۔ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۔ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۔ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ

اَنْفُسِکُمُ الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔

اور جو کچھ مصیبت تمہیں دونوں لشکروں کے مقابلہ کے دن (احد میں) پہنچی تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہنچی تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بھی معلوم کر لے ۔ اور ان لوگوں کو بھی معلوم کر لے جنہوں نے نفاق کیا اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو دفع کرو تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑنا جانتے تو تمہارے ساتھ ہو لیتے ۔ اس روز یہ (منافقین) ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے ۔ یہ لوگ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ (دل میں) چھپاتے ہیں ۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے (گھروں میں) بیٹھ کر اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا تھا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے ۔ آپ ان سے کہدیجئے کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دو ۔

اِلْتَقیٰ ۔ وہ ملا ۔ وہ مقابل ہوا ۔ اِلْتِقَاءٌ سے ماضی ۔

جَمْعٰنِ ۔ دو گروہ ۔ دو جماعتیں ۔ جمع کا تثنیہ ۔

فَادْرَءُ وْا ۔ پس تم ہٹاؤ ۔ پس تم دفع کرو ۔ پس تم دور کرو ۔ دَرْءٌ سے امر ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ معرکۂ اُحد میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت کے تحت ہوا ۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ مومن و صابر بھی معلوم ہو جائیں اور منافقوں کا حال بھی پوری طرح لوگوں پر ظاہر ہو جائے ۔ چنانچہ اس مصیبت کے وقت منافق تو مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر چلے گئے اور مومن کفار کے مقابلے میں سینہ سپر رہے ۔

جب منافقوں سے کہا گیا کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو ورنہ کم از کم مسلمانوں کی جماعت بڑھانے کے لئے ہی اپنی جگہ جمے رہو اور راہ فرار اختیار نہ کرو تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہمیں لڑنا آتا تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیتے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس روز منافقین ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے کیونکہ ان کے بھاگنے سے کفر کو مدد ملی ۔ وہ لوگ زبانی تو اسلام کا دم بھرتے ہیں اور دلوں میں کفر پوشیدہ رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں چھپے ہوئے نفاق سے خوب واقف ہے ۔

پھر فرمایا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو جہاد میں شریک نہیں ہوئے مگر مسلمانوں کو جہاد میں شریک ہونے سے روکنے کے لئے جہاد میں شہید ہونے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر وہ بھی ان کی طرح گھر میں بیٹھے رہتے اور جہاد میں شرکت نہ کرتے تو وہ بھی نہ مارے جاتے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ان سے کہدیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو گھر بیٹھے موت سے بچکر دکھاؤ ۔ تمہیں بھی ایک روز گھر بیٹھے بٹھائے موت آ پکڑے گی کیونکہ موت کا وقت مقرر ہے ۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر آکر رہے گی ۔ خواہ اس وقت کوئی اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہو یا میدان جنگ میں ہو ۔

(ابن کثیر ۴۲۵/ ۱ ، مظہری ۱۹۸/ ۲) ۔

شہداء کے فضائل

۱۶۹ - ۱۷۱ ۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۘ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚۛ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ان کو مُردہ نہ خیال کرنا بلکہ وہ زندہ ہیں ، اپنے رب کے پاس سے رزق پاتے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو کچھ ان کو دے رکھا ہے اس پر وہ خوش ہیں اور جو لوگ ان کے پیچھے ہیں (یعنی دنیا میں ہیں) اور ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے وہ ان کی اس حالت پر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر بھی (مرنے کے بعد) کسی قسم کا نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا خوش ہوتے ہیں ۔

تَحْسَبَنَّ ۔ تو ضرور گماں کرے گا ۔ تو ضرور خیال کرے گا ۔ حِسْبَانٌ سے مضارع بانون تاکید

یَلْحَقُوْا ۔ وہ پہنچتے ہیں ۔ وہ ملتے ہیں ۔ لُحُوْقٌ سے مضارع ۔
خَلْفِهِمْ ۔ ان کے پیچھے ۔ ان کے بعد ۔

شانِ نزول ۔ ترمذی نے بسند حسن ، ابن خزیمہ اور ابن ماجہ نے بسند صحیح ، بغوی اور ابن مردو یہ نے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ملے اور فرمانے لگے ۔ " جابر کیا بات ہے کہ میں تجھے غمگین دیکھ رہا ہوں " ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ شہید ہو گیا اور اس نے بچے اور قرض چھوڑا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا " کیا میں تجھے بشارت نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ تیرے باپ کے ساتھ کس طرح ملا " ۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ آپؐ نے فرمایا " اللہ تعالیٰ نے جس کسی سے بھی کلام کیا پردہ کی اوٹ سے کیا مگر تیرے باپ کو زندہ کر کے اس نے رُودر رُو کلام فرمایا اور فرمایا ۔ " اے میرے بندے تو اپنی تمنا مجھ سے بیان کر میں تجھے دوں گا "۔ تیرے باپ نے کہا اے میرے رب ! تو مجھے پھر زندہ کر دے تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں ۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ میں یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکا ہوں کہ کوئی بھی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائیگا ۔ پھر تیرے باپ نے کہا کہ اے میرے رب ! میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۶۹/ ۲ ، ابن کثیر ۴۲۲/ ۱) ۔

امام مسلم ، امام احمد ، ابو داؤد ، حاکم اور بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُحد کے دن جب تمہارے بھائی مارے گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے اندر داخل کر دیا جو جنت کی نہروں پر اترتے ہیں ، جنت کے پھل کھاتے ہیں اور جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں ۔ اور پھر لوٹ کر سونے کی ان قندیلوں میں چلے جاتے ہیں ۔ جو عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں ۔ پھر جب انہوں نے اپنے کھانے پینے اور رہنے سہنے کی یہ بہترین نعمتیں دیکھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جو عزت عطا فرمائی انہوں نے اس کا مشاہدہ کیا تو کہنے لگے کاش ہماری قوم کو ہماری موجودہ راحت اور سلوک کی جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ کیا اطلاع ہوتی تاکہ ان کو جہاد کی رغبت ہوتی اور وہ جہاد سے رُوگردانی نہ کرتے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہاری طرف سے ان کو خبر کر دوں گا اور تمہارے بھائیوں کو یہ بات پہنچا دوں گا ۔ یہ سنکر وہ خوش و خرم ہو گئے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۶۹/ ۲ ، ابن کثیر ۴۲۲/ ۱) ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ گھر میں بیٹھے رہنے سے کوئی شخص موت سے نہیں بچ سکتا البتہ آدمی اس موت سے محروم رہ جاتا ہے جو حقیقت میں حیات جاودانی ہے ۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص قسم کی زندگی ملتی ہے جو دوسرے مُردوں کو نہیں ملتی ۔ ان کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہوتا ہے اور وہ بہت بلند مقامات پر فائز ہوتے ہیں اور ان کو جنت سے رزق دیا جاتا ہے ۔ ان نعمتوں اور ایسی ہی دوسری بے شمار نعمتوں پر جو ان کو وہاں حاصل نہیں وہ بہت خوش و مسرور ہوتے ہیں ۔ ان کے عزیز و اقارب اور دوستوں میں سے جو لوگ ابھی زندہ ہیں ، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بھی ان کو خوشخبری سنادی کہ تمہاری برکت سے ان پر بھی کچھ خوف و غم نہیں ۔ وہ بھی تمہارے ہی پاس آئیں گے ۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے اجر و ثواب اور دینی خدمات کو ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کے خیال و گمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے ۔ (حقانی ۱۰۷/ ۲) ۔

ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت ابودرداءؓ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا ۔

ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عثمانؓ بن عفان کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز انبیاء شفاعت کریں گے ۔ پھر علماء ، پھر شہداء ۔ (مظہری ۱۷۲/ ۲) ۔

کامل مومنوں پر اللہ کا انعام

۱۷۲ ۔ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۔

جن لوگوں نے (احد میں) زخم پہنچنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانا ، ان میں سے جن لوگوں نے نیکی اور پرہیزگاری کی (ان کے لئے اجر عظیم ہے ۔

اسْتَجَابُوْا ۔ انہوں نے کہنا مان لیا ۔ انہوں نے قبول کر لیا ۔ اِسْتِجَابَۃٌ سے ماضی ۔

اَصَابَھُمُ ۔ ان کو پہنچا ۔ اِصَابَۃٌ سے ماضی ۔
اَلْقَرْحُ ۔ زخم ۔ زخمی ہونا ۔ یہ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

شانِ نزول ۔ محمد بن عمرو کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سنیچر کے روز ۱۵ شوال کو اُحد سے لوٹے ۔ دشمن کے واپس آ جانے کے خیال سے خزرج اور اوس کے سرداروں نے آپؐ کے دروازے پر ہی رات گزاری ۔ ۱۶ شوال کو اتوار کے دن حضرت بلال نے فجر کی اذان دی اور صحابہ کرام آپؐ کا انتظار کرنے لگے ۔ جب آپؐ گھر سے بر آمد ہوئے تو ایک شخص نے آکر اطلاع دی کہ مشرکین کے رَوْحَاء پہنچنے پر ابو سفیان نے کہا کہ مدینے واپس چلو تاکہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان کا جڑ سے صفایا کردیں ۔ یہ سنکر صفوان بن امیہ نے کہا کہ لوگو ! ایسا نہ کرو ۔ وہ لوگ شکست کھا چکے ہیں ۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ خزرج کے جو لوگ رہ گئے تھے وہ تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے ۔ اگر تم مدینے واپس جاؤ گے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہاری فتح شکست میں نہ بدل جائے ۔ لہٰذا مکہ ہی واپس چلو ۔

تمام گفتگو سننے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفوان سیدھے راستہ پر تو نہیں ہے مگر اس کی رائے سب سے بہتر تھی ۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ۔ ان لوگوں پر برسنے کے لئے تو (غیبی) پتھر نامزد کر دیئے گئے تھے ۔ اگر وہ (مدینے کی طرف) واپس آتے تو گزرے ہوئے دن کی طرح گئے گزرے ہو جاتے اور ان کا نشان بھی باقی نہ رہتا ۔ پھر آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو بلوا کر اس کا تذکرہ کیا ۔ دونوں نے جواب دیا کہ آپؐ دشمن کا تعاقب کیجئے کہیں وہ ہمارے بال بچوں پر سر نہ اٹھائیں ۔ اس مشورہ کے بعد آپؐ نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ منادی کر دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں دشمن کا تعاقب کرنے کا حکم دیا ہے مگر آج صرف وہی لوگ نکلیں گے جو کل لڑائی میں حاضر تھے ۔ (مظہری ۱۷۰ / ۲) ۔

حضرت اسیدؓ بن حضیر کے نو زخم آئے تھے اور وہ ان کا علاج کروانا چاہتے تھے ۔ آپؐ کا حکم سنکر بولے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم پر حاضر ہیں ۔ چنانچہ اپنے زخموں کے علاج کا خیال کئے بغیر حاضر ہو گئے ۔ خاندان بنی سلمہ کے چالیس زخمی نکل کھڑے ہوئے ۔ طفیلؓ بن نعمان کے ۱۳ زخم لگے تھے ۔ خراشؓ بن صمہ کو دس ۔ کعبؓ بن مالک کو دس سے زیادہ اور عطیہؓ بن عامر کو نو زخم لگے تھے ۔ غرض مسلمان اپنے زخموں کی پرواہ کئے بغیر فوراً اسلحہ لیکر تیار ہو گئے ۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری

۔ (۱۶۸/ ۲) ۔

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ جب مشرکین مکہ اُحد سے واپس ہوئے تو راستہ میں سوچنے لگے کہ نہ تو تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کیا ۰ نہ مسلمانوں کی عورتوں کو پکڑا ۔ افسوس تم نے کچھ نہ کیا ۔ اب واپس چلو ۔ جب یہ خبر آپؐ کو پہنچی تو آپؐ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا ۔ سب آپؐ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے تیار ہوگئے اور مشرکین کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ حمراالاسد پہنچ گئے ۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دل خوف سے بھر دیئے اور وہ (آپؐ کے حمراالاسد پہنچنے سے پہلے ہی) یہ کہکر مکہ کی طرف چلدیئے کہ اچھا اگلے سال دیکھا جائے گا ۔ پھر آپؐ مدینۂ منورہ واپس تشریف لے آئے ۔ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۴۲۸/ ۱) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مخلص مومنوں کی مدح کی گئی ہے جو غزوۂ اُحد میں شدید زخمی ہو گئے تھے ۔ ابھی ان لوگوں کے زخم تازہ ہی تھے اور وہ ان کا علاج بھی کروانا چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوہ کے لئے تیاری کا حکم دے دیا جو حمراالاسد کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ لوگ اپنے زخموں کی پرواہ کئے بغیر آپؐ کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہتے ہوئے آپؐ کے ہمراہ کافروں کے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ۔ ابو سفیان مسلمانوں کی روانگی کی خبر سے خوفزدہ ہو کر مکہ کی طرف بھاگ گیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ستر صحابہ کو ہمراہ لیکر حمراالاسد تک گئے جو مدینے سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہی مومنوں کی مدح میں فرمایا کہ یہ اعلیٰ درجہ کے نیکو کار اور پرہیزگار تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے ۔

مومنوں کا اللہ پر بھروسہ

۱۷۳ ۔ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کو لوگوں نے کہا کہ بیشک (کافروں نے) تمہارے مقابلہ کے لئے بڑا سامان (جنگ) جمع کیا ہے ۔ پس تم ان سے ڈرتے

رہنا ۔ پس اس بات نے ان کا ایمان اور بڑھادیا اور وہ بول اٹھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور (وہی) اچھا کار ساز ہے ۔

حَسْبُنَا ۔ ہمیں کافی ہے ۔ مصدر ہے ۔
نِعْمَ ۔ اچھا ہے ۔ خوب ہے ۔ یہ کلمہ مدح ہے ۔
اَلْوَكِيْلُ ۔ وکیل ۔ کارساز ۔ وَكْلٌ سے صفت مشبہ ۔

شانِ نزول ۔ غزوۂ اُحد سے واپسی میں ابو سفیان نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مقام رَوحَاء میں قیام کیا اور اپنے ساتھیوں کے مشورہ سے مدینے واپس جا کر باقی مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اسی اثناء میں معبد خزاعی نے وہاں پہنچ کر ابو سفیان کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابۂ کرام کی ایک بہت بڑی جماعت کے ہمراہ تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں ۔ وہ لوگ سخت غصہ میں ہیں اور بھر پور طاقت کے ساتھ تم پر حملہ آور ہونے والے ہیں ۔ میں نے ایسا لشکر کبھی نہیں دیکھا ۔ یہ سن کر ابو سفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور کہنے لگا کہ اچھا ہی ہو گیا جو تم مل گئے ورنہ ہم تو ان پر حملے کے لئے جانے والے تھے ۔ معبد نے کہا کہ ہرگز ایسا نہ کرنا ۔ تم فوراً یہاں سے بھاگ کر اپنی جان بچاؤ اگر تم نے ذرا بھی تاخیر کی تو تم اسلامی لشکر کے گھوڑوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے ۔ یہ سنکر ابو سفیان اوراس کے ساتھی فوراً مکہ کی طرف فرار ہو گئے ۔

راستہ میں ابو سفیان کو قبیلہ عبدالقیس کے کچھ لوگ ملے جو کاروبار کی غرض سے مدینے جارہے تھے ۔ ابو سفیان نے ان سے کہا کہ تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر پہنچا دینا کہ ہم انہیں تہ تیغ کرنے کے لئے لوٹ کر ان پر حملہ کرنے والے ہیں ۔ یہ پیغام پہنچانے پر میں تمہیں سُوقِ عکاظ میں بہت سی کشمش دوں گا ۔ چنانچہ انہوں نے حمرالاسد پہنچکر ڈراوے کے طور پر خوب بڑھا چڑھا کر یہ خبر سنائی ۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے نہایت صبر و استقلال اور پا مردی سے **حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ** (ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہی بہترین کار ساز ہے) فرمایا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (ابن کثیر ۴۳۰/ ۲) ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اُحد کی شکست کے بعد جب مومنوں کو دشمن کے سازوسامان اور اس کی کثرت و بہتات کی خبر ملی تو اس سے ان کے صبر و استقلال میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ اللہ تعالیٰ پر ان کا توکل اور بھروسہ اور بڑھ گیا ۔ اور جو لوگ ان کے ساتھ برسر

کا ارادہ رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلت و رسوائی کے ساتھ پسپا کر دیا ۔

ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جب تم پر کوئی بہت بڑا کام آ پڑے تو **حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ** پڑھو ۔

اللہ تعالیٰ پر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے زیادہ کسی کا توکل نہیں ہوسکتا مگر آپؐ کے توکل کی صورت ہرگز یہ نہ تھی کہ آپؐ نے ظاہری اسباب کو چھوڑ کر یہ خیال کر لیا ہو کہ بس اللہ تعالیٰ ہمیں بیٹھے بٹھائے غلبہ عطا فرما دے گا بلکہ آپؐ نے صحابۂ کرام کو جمع کر کے ان کو جہاد و قتال کے لئے تیار فرمایا اور جو اسباب و ذرائع اپنے اختیار میں تھے وہ سب مہیا فرمائے ۔ اور صحابۂ کرام کو لیکر جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے ۔ یہی صحیح توکل ہے ۔ اسی پر آپؐ نے عمل کیا اور کرایا۔ ظاہری اسباب بھی اللہ تعالیٰ کا انعام ہیں ۔ ان کو ترک کر دینا اللہ تعالیٰ کی نا شکری ہے اسباب کو ترک کر کے توکل کرنا سنتِ رسول نہیں ۔ (معارف القرآن ۲۳۲ ، ۲۳۳ / ۲) ۔

توکل کے ثمرات

۱۷۴ ۔ **فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝**

پس یہ (ایمان والے) اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے اور ان کو کچھ بھی گزند نہ پہنچی اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر چلے اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والا ہے ۔

فَانْقَلَبُوْا ۔ پس وہ لوٹ گئے ۔ پس وہ واپس ہوئے ۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی ۔

يَمْسَسْهُمْ ۔ وہ ان کو مس کرتا ہے ۔ وہ ان کو چھوتا ہے ۔ مَسٌّ سے مضارع ۔

سُوْٓءٌ ۔ برائی ۔ گناہ ۔ آفت ۔

تشریح ۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کیا اور جہاد کے لئے نکلے ان پر اللہ تعالیٰ کا انعام اور فضل ہوا اور انہیں کوئی تکلیف دہ اور ناگوار حادثہ پیش نہیں آیا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر کے صحیح و سالم واپس آئے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تین نعمتیں عطا فرمائیں ۔

۱) کافروں کے دلوں میں مومنوں کا رعب اور ہیبت ڈالدی جس کے نتیجہ میں ان

لوگوں (کافروں) نے راہ فرار اختیار کی ۔ اور مومن قتل و قتال سے محفوظ و مامون رہے ۔ اس آیت میں نعمت سے یہی مراد ہے ۔

۲) ۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حمرالاسد کے بازار میں تجارت کا موقع دیکر ان کو خوب مالی فائدہ پہنچایا ۔ یہاں فضل سے یہی تجارتی نفع مراد ہے ۔

۳) ۔ اس جہاد میں مومنوں کو رضائے الہیٰ حاصل ہوئی جو تمام نعمتوں سے بڑھکر ہے ۔

قرآن کریم نے حَسْبُنَا اللّٰہُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْل کے جو فوائد و ثمرات بیان کئے ہیں وہ صحابۂ کرام ہی کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ جو شخص بھی ایمان و اخلاص کے ساتھ اس کا ورد کرے گا وہ یہ برکات و ثمرات حاصل کرے گا ۔ (معارف القرآن ۲۴۳ ، ۲۴۳ / ۲) ۔

شیطان کا خوف دلانا

۱۷۵ ۔ اِنَّمَا ذٰلِکُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَہٗ ص فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔

بیشک یہ (خبر دینے والا) تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے ۔ سو تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم مومن ہو ۔

تشریح ۔ مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے مشرکین کے دوبارہ لوٹنے کی خبر پھیلانے والا شیطان تھا جو اپنی اتباع کرنے والوں کو ہی ڈراتا ہے اور انہی کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے ۔ مومنوں کو ایسی خبروں سے ہرگز نہیں ڈرنا چاہئے کیونکہ وہ شیطان کے دوست نہیں ۔ اس لئے ان کو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی ڈرنا چاہئے ۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دیا جائے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا خطرہ ہو ۔ (معارف القرآن ۲۴۳ / ۲) ۔

عذاب کے مستحق

۱۷۶ ۔ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ان لوگوں کی وجہ سے رنج نہیں ہونا چاہئے جو کفر میں دوڑ دھوپ کر رہے ہیں ۔ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے ۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۔

يُسَارِعُونَ ۔ وہ سرعت کرتے ہیں ۔ وہ جلدی کرتے ہیں ۔ وہ دوڑ دھوپ کرتے ہیں ۔ مُسَارَعَةٌ سے مضارع ۔

حَظًّا ۔ حصہ ۔ نصیب ۔

تشریح ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر بےحد مشفق و مہربان تھے اس لئے کافروں کی بے راہ روی آپؐ پر گراں گزرتی تھی ۔ وہ جوں جوں کفر کی طرف بڑھتے تھے آپؐ رنجیدہ خاطر ہوتے جاتے تھے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ تیزی سے کفر کی طرف جا رہے ہیں ۔ آپؐ ان کی طرف سے فکر مند اور رنجیدہ نہ ہوں ۔ یہ لوگ اسلام کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ یہ صرف اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں کیونکہ ان کی شرارتوں اور حرکتوں کی وجہ سے ان کا آخرت کا اجرو ثواب ضائع اور برباد ہو رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ان کی مخالفت اور دشمنی سے محفوظ رکھے گا ۔ آپؐ ان کے لئے غمگین اور فکر مند نہ ہوں ۔ یہ ازلی بد بخت ہیں ۔ ثواب سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے ۔ (ابن کثیر ۴۳۲/ ۱) ۔

کُفر کے خریدار

۱۷۷ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

بیشک جن لوگوں نے ایمان کے بدلے میں کفر خریدا وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے ۔ اور ان کے لئے درد ناک عذاب ہے ۔

تشریح ۔ جو اہل کتاب کھلی نشانیاں دیکھنے کے باوجود محض حسد و عناد کی بنا پر آپؐ پر ایمان لانے کی بجائے آپؐ کو جھٹلاتے اور دنیاوی اغراض و منافع کو ایمان پر ترجیح دیتے اور فطری ہدایت چھوڑ کر کفر اختیار کرتے ہیں ، وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور آخرت میں ان کو درد ناک عذاب ملے گا ۔ (مظہری ۱۸۳/ ۲

کفار کو مُہلت دینے کی حِکمت

۱۷۸ ۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا ان کے لئے بہتر ہے ۔ ہم ان کو صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ اور زیادہ گناہ کریں اور ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے ۔

نُمْلِيْ ۔ ہم ڈھیل دیتے ہیں ۔ ہم مہلت دیتے ہیں ۔ اِملَاءٌ سے مضارع ۔
مُهِيْنٌ ۔ ذلیل کرنے والا ۔ رسوا کرنے والا ۔ بے عزت کرنے والا ۔ هُوْنٌ سے صفت مشبہ

تشریح ۔ اُحد کی لڑائی کے بعد مشرکین اپنی فتح پر ناز کرتے ہوئے یہ کہا کرتے تھے کہ ہمارا دین حق ہے ۔ ہم کامیاب ہیں اور ہمیں دولت اور ہر قسم کی آسائش میسر ہے ۔ مسلمان اسلام کی بدولت خستہ حال ہیں ، ان کے پاس نہ مال ہے نہ اسباب ، وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر

مدینے میں فاقہ کشی پر مجبور ہیں ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ کافر یہ خیال نہ کریں کہ ہمارا ان کو ڈھیل دینا ، ان کی عمریں دراز کرنا ، ان کو دنیاوی خوشحالی ، دولت و ثروت اور عیش و آرام دینا اور ان کو ان کی حالت پر چھوڑنا ، ان کے لئے بہتر ہے ۔ بلکہ یہ دنیاوی منافع اور عمر و دولت ان کو اس لئے دیئے گئے ہیں تاکہ وہ نافرمانی اور گناہ میں کامل ترقی کر کے آخرت میں اس کی پوری سزا پائیں ۔ انہی کے لئے آخرت میں ذلت و رسوائی کا عذاب ہے ۔ (حقانی ۱۴۲/ ۲ ، مظہری ۱۸۴ / ۲) ۔

غیبی اُمور کی خبر

۱۷۹ ۔ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیَذَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلٰی مَآ اَنْتُمْ عَلَیْہِ حَتّٰی یَمِیْزَ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ ، وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ، فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ ، وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو یہاں تک کہ ناپاک کو پاک سے ممتاز نہ کر دے اور اللہ تعالیٰ تمہیں غیب کے امور پر مطلع نہیں کرتا لیکن اللہ تعالیٰ (غیب پر مطلع کرنے کے لئے) اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے منتخب فرمالیتا ہے سو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کروگے تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے ۔

لِیَذَرَ ۔ تاکہ وہ کیا جائے ۔ تاکہ اس کو چھوڑا جائے ۔ وَذْرٌ سے مضارع ۔
یَمِیْزَ ۔ وہ ممتاز کرتا ہے ۔ وہ جدا کرتا ہے ۔ مَیْزٌ سے مضارع ۔
یَجْتَبِیْ ۔ وہ چن لیتا ہے ۔ وہ منتخب کرتا ہے ۔ اِجْتِبَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اُحد کے معرکہ کے بعد منافق یہ کہتے تھے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم برحق نبی ہوتے تو یہ حوادث پیش نہ آتے اور نہ یہ مصائب اٹھانے پڑتے ۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب

میں فرماتا ہے کہ اُحد کے روز شکست ہونا، بہت سے لوگوں کا قتل ہونا، بہت سوں کا زخمی ہونا اور پھر اسی حالت میں ابو سفیان کے تعاقب میں حمرالاسد تک جانا اور کھانے پینے اور افلاس کی تکلیفیں پیش آنا۔ یہ سب کھرے کھوٹے کی پہچان کی کسوٹی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ وہ مومنوں کو منافقوں اور کافروں سے ممتاز کئے بغیر چھوڑ دیتا اور اس کی حکمت و مصلحت اور طریقہ یہ بھی نہیں کہ وہ لوگوں کو امتحان میں ڈالے بغیر منافقوں کے احوال اور ناموں سے مطلع کر دیتا بلکہ یا تو وہ ایسے حالات و واقعات اور اسباب پیدا کر دیتا ہے جو کھرے کو کھوٹے سے، پاک کو ناپاک سے اور مومن کو منافق سے صاف صاف ممتاز کر دیں یا غیب پر مطلع کرنے کے لئے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے اور ان کو جس قدر چاہتا ہے اسرار غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ پس اگر تم اخلاص اور سچے دل سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ گے اور نفاق و معاصی سے پرہیز کروگے تو تمہیں اجر عظیم ملے گا (حقانی ۱۱۳/ ۲۰ مظہری ۱۸۳/ ۲)۔

بخل کی سزا

۱۸۰۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۔ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔

اور وہ لوگ جو اس مال پر بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے، یہ خیال نہ کریں کہ یہ بخل کرنا ان کے لئے بہتر ہے بلکہ یہ ان کے حق میں بہت ہی برا ہے۔ بہت جلد قیامت کے دن ان کو اس چیز کا طوق پہنایا جائیگا جس پر وہ بخل کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا وارث ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے۔

يَبْخَلُوْنَ ۔ وہ بخل کرتے ہیں۔ وہ کنجوسی کرتے ہیں۔ بُخْلٌ سے مضارع۔ شرع میں بخل کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا واجب ہو اس کو

خرچ نہ کرنا ۔ اسی لئے بخل حرام ہے ۔ اور اس پر جہنم کی شدید وعید ہے
(معارف القرآن ۲۵۲/ ۲) ۔

سَيُطَوَّقُوْنَ ۔ عنقریب ان کو طوق پہنایا جائیگا ۔ عنقریب ان کے گلے میں پڑ ڈالا جائے گا ۔ تطویق سے مضارع مجہول ۔

ربطِ آیات ۔ سورت کے شروع میں یہودیوں کی بُری خصلتوں اور شرارتوں کا ذکر تھا ۔ درمیان میں نصاریٰ اور حضرت عیسیٰ کے کچھ واقعات و حالات اور اس کے بعد غزوۂ اُحد کا تفصیلی بیان تھا ۔ اب یہاں سے پھر اہل کتاب کی گستاخیوں اور بد بختیوں کا بیان ہے ۔ ان میں سے یہود کا معاملہ زیادہ تکلیف دہ اور ضرر رساں تھا اور منافقین بھی زیادہ تر انہی میں سے تھے اس لئے آئندہ آیتوں میں زیادہ تر انہی کی شرارتوں اور خباثتوں کا ذکر ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بخل کرنے والوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ جو لوگ بخل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ اس مال کو اپنے لئے بہتر نہ سمجھیں بلکہ یہ ان کے لئے بہت بُرا ہے ۔ جس مال کی وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے قیامت کے روز ان کو ان کے اس مال کا طوق بنا کر پہنایا جائیگا ۔ یہاں مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر دی گئی کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے جی نہ چرائیں ورنہ بخل و حرص کی سزا ان کو بھی ملے گی ۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور پھر وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے روز اس کا مال گنجا سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے طوق کی طرح اس کے گلے میں لپٹ جائیگا اور اس کی باچھوں (کلوں) کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائیگا میں تیرا مال ہوں ، میں تیرا خزانہ ہوں ۔ پھر آپؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ۔ (ابن کثیر ۴۳۲/ ۲ ، مظہری ۱۸۹/ ۲) ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن یہ جانور بہت ہی جسامت اور فربہی کے ساتھ اس کے سامنے آئیں گے اونٹ اپنے پیروں سے اس کو روندیں گے اور گائے بکریاں اس کو سینگوں سے ماریں گی ۔ جب پچھلی قطار اس (روندتی اور مارتی ہوئی اگلی قطار) پر پہنچے گی تو (گھوم کر) پہلی قطار

(پیچھے) آ جائے گی ۔ روندنے اور مارنے کا یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے ۔ (مظہری ۱۸۹ / ۲)۔

پھر فرمایا کہ آسمان و زمین کی وراثت اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے ۔ اس نے اپنے فضل و رحمت سے جو کچھ مال تمہیں عطا فرما رکھا ہے اس میں سے اپنی زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرو تاکہ قیامت کے روز تمہارے کام آئے ورنہ موت کے بعد اس مال پر سے تمہارا اختیار ختم ہو جائیگا ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں، تمہارے دلی ارادوں اور تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے اور وہ تمہاری نیتوں کے مطابق ہی تمہیں اعمال کا بدلہ دے گا ۔ (ابن کثیر ۴۳۳/ ۱) ۔

یہود کی گستاخی

۱۸۱، ۱۸۲ ۔ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں ۔ اب ہم ان کی یہ بات اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا لکھ رکھیں گے اور (اس کے جواب میں) ہم (قیامت کے روز) ان سے کہیں گے کہ اب بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھو ۔ یہ انہی اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے تھے ۔ اور اللہ تعالیٰ تو کسی بندے پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا ۔

اَغْنِيَآءُ ۔ مالدار لوگ ۔ دولت مند ۔ واحد غَنِیٌّ۔

اَلْحَرِيْقِ ۔ جلتی ہوئی آگ ۔ بھڑکتی ہوئی آگ ۔ حَرْقٌ سے صفت مشبہ ۔

بِظَلَّامٍ ۔ ظلم کرنے والا ۔ زیادتی کرنے والا ۔ ظُلْمٌ سے فَعَّالٌ کے وزن پر اسم منسوب ۔ یہاں نسبت کے معنی مراد ہیں مبالغہ کے نہیں ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت **مَنْ ذَالَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضاً حَسَناً** اتری تو یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ کا رب فقیر ہو گیا ہے اور اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۴۳۳/ ۱ ۰ جلالین ۲۰۱) ۔

محمدؒ بن اسحاق ۰ ابن جریرؒ اور ابن ابیؒ حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک روز حضرت ابو بکرؓ یہود کے مدرسے میں گئے جہاں ان کا ایک بہت بڑا عالم فنحاص بن عازور درس دے رہا تھا اور اس کے پاس یہود کا ہجوم تھا ۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا اے فنحاص اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ ۔ خدا کی قسم تم خوب جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اس کے پاس سے حق لیکر آئے ہیں اور ان کی صفتیں تمہارے پاس تورت میں لکھی ہوئی ہیں ۔ لہذا تم ان پر ایمان لاؤ ۰ ان کی تصدیق کرو اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت میں داخل کرے گا اور دوہرا ثواب دے گا ۔ فنحاص نے جواب دیا کہ اے ابو بکرؓ ! تمہارا یہ گمان ہے کہ ہمارا رب ہم سے ہمارا مال قرض مانگتا ہے حالانکہ قرض تو فقیر ، غنی سے لیتا ہے ۔ پس اگر تمہاری بات صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ فقیر ہوا اور ہم غنی ۔ اس پر حضرت ابو بکرؓ کو غصہ آگیا اور انہوں نے فنحاص کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ہمارے اور تمہارے درمیان عہد نہ ہوتا تو خدا کی قسم میں تیری گردن ماردیتا ۔

فنحاص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابو بکرؓ کی شکایت کی ۔ آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دشمن خدا نے بڑی سخت بات کہی کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں ۔ اس پر مجھے غصہ آگیا اور میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا ۔ فنحاص نے اس کا انکار کیا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اس کی تکذیب و تردید اور حضرت ابو بکرؓ کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۱۸۶/ ۲ ۰ جلالین ۲۰۰) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہود کی ایک گستاخی پر تنبیہ اور سزا کا ذکر ہے ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ و صدقات کے احکام بیان کئے تو گستاخ یہود کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تو فقیر و محتاج ہو گیا ہے اور ہم غنی اور مالدار ہیں اسی لئے تو وہ ہم سے قرض مانگتا

ہے (نعوذ باللہ) ۔

اللہ تعالیٰ نے صدقات کا حکم اپنے فائدے کے لئے نہیں دیا تھا بلکہ یہ حکم اہل مال ہی کے دینی اور دنیاوی فائدے کے لئے تھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لئے قرض اس لئے فرمایا کہ انسان جو بھی صدقہ دیتا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کی جزا اپنے ذمہ اسی طرح لے لیتا ہے جس طرح قرض کا ادا کرنا مقروض کے ذمہ ہوتا ہے ۔

پھر فرمایا کہ یہود کی یہ گستاخی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ، ان کا کوئی پہلا جرم نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے ان کے اسلاف تو انبیاء کو ناحق قتل کرنے جیسے سنگین جرائم کا ارتکاب کر چکے ہیں اور یہ لوگ اپنے اسلاف کے اس فعل کو پسند کرتے ہیں ۔ اس لئے اعمال نامے لکھنے والے فرشتے ہمارے حکم سے ان کی یہ گستاخانہ باتیں لکھ لیتے ہیں تاکہ قیامت کے روز ان پر حجت تمام کر کے ان کو عذاب دیا جائے ۔ قیامت کے روز جب ان کو آتش جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان سے کہا جائیگا کہ اب تم اس بھڑکتی ہوئی آگ کا مزا چکھو ۔ یہ تمہارے ان اعمال کی سزا ہے جو تم نے پہلے کئے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ عدل و انصاف کرتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ نیکیوں پر اجروثواب اور برائیوں پر عذاب دیا جائے ۔ (معارف القرآن ۲۵۳/ ۲ ، مظہری ۱۸۷ / ۲) ۔

یہود کی کج بحثی

۱۸۳ ۔ اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ عَھِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْکُلُہُ النَّارُ ۔ قُلْ قَدْ جَآءَکُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۔

(یہ وہی لوگ ہیں (جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے عہد کر لیا ہے کہ ہم کسی پیغمبر پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی (کا معجزہ) نہ لائے جس کو (آسمانی) آگ کھا جائے ۔ آپ کہدیجئے کہ مجھ سے پہلے بہت سے رسول تمہارے پاس کھلے دلائل لیکر آئے اور جو کچھ تم کہتے ہو وہ بھی لیکر آ چکے ہیں ۔ پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو

شانِ نزول ۔ کلبی ؒ نے بیان کیا کہ کعب بن اشرف ، مالک بن ضیف ، وہب بن یہودا اور زید بن تابوت اور فنحاص بن عازور اور حیی بن اخطب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپؐ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیغمبر بنا کر ہمارے پاس بھیجا ہے اور آپؐ پر کتاب نازل کی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں تورات میں حکم دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے تو تم اس وقت تک اس پر ایمان نہ لانا جب تک کہ وہ تمہارے سامنے ایسی قربانی نہ لائے جسے (آسمان سے آکر) آگ کھالے۔ پس اگر آپؐ بھی ایسی قربانی پیش کر دیں گے تو ہم آپؐ ایمان لے آئیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۸۸ / ۱)۔

تشریح۔ بنی اسرائیل کے لئے قربانیاں اور اموال غنیمت اپنے استعمال میں لانا جائز نہیں تھا۔ اس لئے جب وہ قربانی کرتے یا مال غنیمت پاتے تو وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے لئے پیش کر دیتے تھے اور اس کے قبول ہونے یا نہ ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آکر اس قربانی یا مال غنیمت کو کھا جاتی تھی اور اگر آسمان سے آگ نہ آتی اور وہ قربانی یا غنیمت کا مال اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا تو اس کو نا مقبول سمجھا جاتا تھا۔(مظہری ۱۸۸ /۲)۔

سدیؒ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرے تو تم اس وقت تک اس کی تصدیق نہ کرنا جب تک کہ وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جس کو آگ کھا جائے ہاں اگر حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئیں تو ان پر ضرور ایمان لانا وہ قربانی پیش نہیں کریں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ان یہود سے کہدیجئے کہ مجھ سے پہلے بہت سے پیغمبر کھلے کھلے معجزات لیکر تمہارے پاس آئے اور جس قربانی کا مطالبہ تم مجھ سے کر رہے ہو انہوں نے وہ بھی پیش کی۔ پھر تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا۔ یعنی تمہارے اسلاف نے ان انبیاء کو کیوں قتل کیا جو اپنے ساتھ دلائل و براہین لیکر آئے تھے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ بھی دیا تھا کہ ان کی ہر قبول شدہ قربانی کو آسمانی آگ کھا جاتی تھی تم نے انہیں بھی سچا نہ جانا اور تم نے ان کی مخالفت اور دشمنی ہی نہیں کی بلکہ انہیں قتل بھی کیا۔ پس تمہارا ان سابقہ انبیاء پر ایمان نہ لانا ظاہر کرتا ہے کہ تمہارا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا محض تعصب و عناد کی وجہ سے ہے، حکم خداوندی کی وجہ سے نہیں اور تم اپنے دعوے میں یقیناً جھوٹے ہو۔ (مظہری ۱۸۸، ۱۸۹/ ۲، ابن کثیر ۴۳۳/ ۱)۔

آنحضرتؐ کو تسلی

۱۸۴ ۔ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ
بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ؀

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ! پھر اگر انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے ، جو معجزات ، صحیفے اور روشن کتاب بھی لائے تھے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ ان ملعونوں اور مردودوں کی کج بحثی اور تکذیب سے آپؐ رنجیدہ خاطر نہ ہوں ۔ آپؐ سے پہلے بھی بے شمار رسولوں کی تکذیب کی جا چکی ہے ۔ حالانکہ وہ بھی کھلے معجزے ۔ چھوٹے صحیفے جیسے حضرت ابراہیم کے صحیفے اور بڑی روشن کتابیں لیکر آئے تھے جیسے تورت و انجیل ۔ پس جس طرح سابقہ انبیاء نے صبر کیا آپؐ بھی صبر کریں ۔

موت کا مزہ

۱۸۵ ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ
فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ؀

ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور بیشک قیامت کے روز تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا ۔ پس جس شخص کو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا پس وہی کامیاب ہوا اور دنیاوی زندگی تو دھوکہ کے سوا کچھ نہیں ۔

زُحْزِحَ ۔ اس کو بچا لیا گیا ۔ اس کو دور کر دیا گیا ۔ زَحْزَحَةٌ سے ماضی مجہول ۔
فَازَ ۔ وہ مراد کو پہنچا ۔ وہ کامیاب ہوا ۔ فَوْزٌ و مَفَازَةٌ سے ماضی ۔
اَلْغُرُوْرِ ۔ فریب ۔ دھوکا ۔ جھوٹا وعدہ ۔ مصدر

تشریح ۔ یہاں مخلوق کو یہ بتایا گیا ہے کہ ہر جاندار موت کا مزہ چکھے گا خواہ وہ جنّ ہو یا انسان اور مومن ہو یا کافر۔ پھر جب قیامت قائم ہوگی تو مخلوق کو ان کے تمام چھوٹے بڑے اور ظاہری و باطنی اعمال کی جزا سزا ملے گی ۔اچھے اعمال پر اچھا بدلہ ملے گا اور بڑے اعمال پر بُرا بدلہ ملے گا اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا ۔ پس جو شخص جہنم سے نجات پاکر جنت میں چلا جائے وہی کامیاب انسان ہے خواہ وہ ابتدا ہی میں جنت میں چلا جائے جیسا کہ صالح اور عبادت گزار لوگوں کے ساتھ معاملہ ہوگا یا کچھ سزا بھگتنے کے بعد جیسا کہ گنہگار مسلمانوں کے ساتھ ہوگا ۔ مگر آخر کار سب کے سب مسلمان جہنم سے نجات پاکر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت کی راحتیں اور نعمتیں حاصل کر لیں گے ۔ ان کے بر عکس کفار دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ مل جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے ۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا آگ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ۔ (مظہری بحوالہ ترمذی)

پھر فرمایا کہ دنیا تو بنلات حقیر و ذلیل اور فنا ہونے والی اور دھوکہ کی چیز ہے ۔ بہت سے لوگ دنیا کے پیچھے لگ کر آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں حالانکہ اصل کامیابی یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہ کر ایسے کام کرے جو اس کو عذاب الہیٰ سے بچا کر جنت تک پہنچا دیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل و رحمت سے جنت عطا فرمائے ۔ آمین ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم دنیا۔آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبوئے تو اس انگلی پر لگنے والے پانی کو جو نسبت سمندر کے پانی سے ہے وہی نسبت دنیا کو آخرت کے مقابلے میں ہے ۔(ابن کثیر ۴۳۵/ ۱ ، معارف القرآن ۲۵۵/ ۲) ۔

مومنوں کی آزمائش

۱۸۶ ۔ لَتُبۡلَوُنَّ فِیۡۤ اَمۡوَالِکُمۡ وَ اَنۡفُسِکُمۡ ۟ وَلَتَسۡمَعُنَّ مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا

اَذًی كَثِيْرًا ؕ وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ؕ

تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے اور تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ضرور بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے ۔ اور اگر تم نے ان پر صبر کیا اور پرہیزگاری اختیار کی تو بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں ۔

لَتُبْلَوُنَّ ۔ البتہ تم ضرور آزمائے جاؤ گے ۔ بَلَاءٌ سے مضارع مجہول بلام تاکید و نون ثقلیہ ۔
اَذًی ۔ ایذا ۔ تکلیف ۔ ناپاک ۔ گندی ۔
عَزْمِ ۔ پختہ ارادہ ۔ ہمت ۔ مصدر ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ دین کے لئے جان و مال کی قربانی ، قید و بند کی تکلیفیں ، بیماری ، اموال کی تلفی عزیز و اقارب اور وطن کا چھوٹنا ، کفار و مشرکین و اہل کتاب کی بد زبانی اور دل آزار باتوں سے تمہیں ضرور آزمایا جاتا رہے گا ۔ ان سب کا علاج صبر و تقویٰ ہے ۔ اگر تم ان آزمائشوں پر صبر و استقلال اور پرہیزگاری کا مظاہرہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے بچتے رہو گے تو یہ بڑی عمدہ اور ہمت کی بات ہے ۔ (مظہری ۱۹۰ ، ۱۹۳ / ۲) ۔

اہلِ کتاب کی بد عہدی

۱۸۷ ۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا کہ اس (کتاب) کا مطلب لوگوں سے ضرور بیان کرنا اور چھپانا مت ۔ پھر انہوں (اہل کتاب) نے اس کو پس پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی ۔ سو کس قدر بری چیز ہے جو وہ خریدتے

ہیں ۔

مِيثَاقَ ۔ عہد ۔ پیمان ۔ وَثَاقَةٌ سے اسم آلہ ۔

فَنَبَذُوْهُ ۔ پس انہوں نے اس کو پھینک دیا ۔ پس انہوں نے اس کو پس پشت ڈالدیا ۔
نَبْذٌ سے ماضی ۔

وَرَآءَ ۔ پس پشت ، پیچھے ۔

ظُهُوْرِهِمْ ۔ ان کی پیٹھیں ۔ ان کی پشتیں ۔

ثَمَنًا ۔ قیمت ۔ دام ۔ مول ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیتوں کی طرح اس آیت میں بھی یہودیوں کی ایک بُری خصلت یعنی بد عہدی کا ذکر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے عہد لیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی عام اشاعت کریں گے جو تورت میں آئے ہیں اور اپنی نفسانی غرض سے ان میں سے کسی حکم کو نہیں چھپائیں گے ۔ اہل کتاب نے یہ عہد بھی توڑ دیا ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ اہل کتاب کے علماء سے یہ عہد و پیمان لیا تھا کہ جو احکام اور بشارتیں کتاب اللہ میں ہیں وہ ان کو کسی کمی بیشی کے بغیر لوگوں سے صاف صاف بیان کریں گے اور ان سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے ۔ اور نہ ہیر پھیر کر کے ان کے معنی تبدیل کریں گے مگر انہوں نے اس کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور تھوڑے سے دنیاوی نفع کی خاطر اپنا عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں کو بدل دیا ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں لفظی و معنوی تحریفوں کے ذریعہ حقیر و دنیاوی معاوضہ حاصل کیا جو بہت ہی بُرا سودا ہے ۔

اس میں مسلمان اہل علم کے لئے بھی تنبیہ ہے کہ وہ یہودی علماء کی طرح دنیا کی محبت میں نہ پڑیں ۔ ان کے پاس جو دینی علم ہو اس کو لوگوں کی رہنمائی کے لئے پھیلاتے رہیں اور کسی بات کو نہ چھپائیں ورنہ ان کا حشر بھی یہودی علماء جیسا ہوگا ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ جس شخص سے دین کا کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی ۔ (ابن کثیر ۴۳۶ / ۱ ، مظہری ۱۴۳ / ۲) ۔

ریاکاری کی مذمت

۱۸۸ ، ۱۸۹ ۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَ يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ یہ نہ سمجھیں کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں اور جو کام انہوں نے نہیں کیا اس پر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف کی جائے (تو اللہ تعالیٰ ان کو چھوڑ دے گا) آپ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ وہ عذاب سے چھوٹ جائیں گے ۔ اور ان کے لئے تو درد ناک عذاب (تیار) ہے ۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

شانِ نزول ۔ شیخین نے حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ منافق ایسے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد پر جاتے تو وہ پیچھے رہ جاتے اور جہاد میں شریک نہ ہوتے اور اپنے بیٹھے رہنے پر خوش ہوتے ۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے واپس آتے تو یہ لوگ قسمیں کھا کر معذرت پیش کرتے اور ناکردہ نیکی پر تعریف کے خواستگار ہوتے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۴۳۶/ ۱) ۔

قتادہؒ اور مقاتلؒ نے کہا کہ خیبر کے یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم آپؐ کو پہچانتے ہیں اور آپؐ کی تصدیق کرتے ہیں اور ہم آپؐ کے خیال سے متفق ہیں اور آپؐ کے مددگار ہیں مگر یہ باتیں ان کے دلوں میں نہیں تھیں (وہ صرف زبان سے کہتے تھے) جب وہ آپؐ کے پاس سے اٹھ کر باہر آئے تو مسلمانوں نے ان سے کہا کہ آپؐ نے خوب کہا ۔ ایسا ہی کرنا ۔ غرض مسلمانوں نے ان کی تعریف کی اور ان کے لئے دعا کی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۹۱/ ۲) ۔

تشریح ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب یہودی علماء سے کوئی بات دریافت فرماتے تو وہ اصل بات کو تو چھپالیتے اور خلاف واقعہ بات بیان کر دیتے ۔ پھر اپنے اس چھپانے پر دل

میں خوش ہوتے اور لوگوں سے اپنی تعریف کی امید رکھتے ۔ اوھر منافقین کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا کہ وہ جہاد کے موقع پر گھروں میں بیٹھ جاتے اور پھر اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے ۔ جب آپؐ جہاد سے واپس تشریف لاتے تو جھوٹے عذر پیش کر کے آپؐ سے اپنی تعریف کرانا چاہتے ۔ اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ ان کی یہ حرکتیں دنیا و آخرت میں ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتیں ۔ ان کے لئے تو بڑا ہی درد ناک عذاب ہے جو ان کی ساری خوشی اور خود پسندی کو خاک میں ملا دے گا ۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین کی حکومت تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ۔ لہٰذا مجرم بھاگ کر کہیں پناہ نہیں لے سکے گا ۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے ۔ وہ ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہے ۔ کوئی کام اسے عاجز نہیں کرسکتا ۔ پس تم اس سے ڈرتے رہو اور اس کے غضب سے بچنے کی کوشش میں لگے رہو ۔ (ابن کثیر، ۴۳۲/ ۱) ۔

توحید کے دلائل

۱۹۰۔ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۔

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور کامل قدرت یعنی توحید کا بیان تھا ۔ اس آیت میں توحید کے دلائل اور اہل عقل و دانش کی مدح ہے ، جنہوں نے مخلوق کو دیکھ کر خالق حقیقی اور قادر مطلق کا پتہ چلایا اور مصنوعات کو دیکھ کر صانع کو پہچان لیا ۔

تشریح ۔ آسمان و زمین کی پیدائش ۔ آسمان میں بڑی بڑی نشانیوں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جگہ ٹھہرے رہنے والے ستارے اور زمین میں پیدا ہونیوالی بڑی بڑی چیزیں مثلاً پہاڑ ، کانیں ، جنگل ، درخت ، کھیتیاں ، انواع و اقسام کے پھل اور میوے اور مختلف قسم کے جاندار ، یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ، ایک سمجھ دار اور عقلمند انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں ، پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا اس علیم و خبیر اور قادر مطلق کی کامل نشانیاں ہیں جس کے قبضہ و اختیار میں کائنات کا مضبوط و محکم نظام ہے ۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے محدود دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے ۔ (ابن کثیر ۴۳۸/ ۱) ۔

ابن حبان نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ افسوس ہے اس پر جو یہ (آیت) پڑھتا ہے اور اس پر غور نہیں کرتا ۔ (مظہری ۱۹۰/ ۲) ۔

عقلمندوں کی صفات

۱۹۱ ۔ اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۔

(عقلمند وہ لوگ ہیں) جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور کروٹوں پر (لیٹے ہوئے) اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب تو نے یہ بے مقصد نہیں بنائے

جُنُوْبِھِمْ ۔ ان کے پہلو ۔ واحد جَنْبٌ ۔
بَاطِلًا ۔ بے مقصد ۔ بے کار ۔ غلط ۔
فَقِنَا ۔ پس تو ہمیں بچا ۔ پس تو ہمیں محفوظ رکھ ۔ وِقَاءٌ و وِقَایَۃٌ سے امر ۔

تشریح ۔ ساری دنیا عقلمند ہونے کی مدعی ہے ۔ کوئی بیوقوف بھی اپنے آپ کو بے عقل تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں عقل والوں کی چند ایسی علامات بتائی ہیں جو حقیقت میں عقل کا صحیح معیار ہیں ۔

کائنات عالم پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آسمان و زمین اور ان میں سمائی ہوئی تمام مخلوقات اور ان کی چھوٹی بڑی چیزوں کا مستحکم اور حیرت انگیز نظام ، عقل کو کسی ایسی ہستی کا پتہ دیتا ہے جو علم و حکمت اور قوت و قدرت کے اعتبار سے سب سے زیادہ بالا تر ہو اور جس نے ان تمام چیزوں کو خاص حکمت سے بنایا ہو اور جس کے ارادہ اور مشیت سے یہ سارا نظام چل رہا ہو ۔ ظاہر ہے وہ ہستی اللہ تعالیٰ جل شانہ ہی کی ہوسکتی ہے ۔

انسانی ارادوں اور تدبیروں کے فیل ہونے کا مشاہدہ ہر جگہ اور ہر وقت ہوتا رہتا ہے ۔ لہٰذا انسان نظام کائنات کو چلانے والا نہیں ہوسکتا ۔ اس لئے آسمان و زمین کی پیدائش

اور ان میں ہونے والی مخلوقات کی پیدائش میں غور و فکر کا نتیجہ عقل کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی اطاعت و ذکر ہے ۔ جو اس سے غافل ہے وہ عقل مند کہلانے کا مستحق نہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عقلمند وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہو کر ، بیٹھ کر اور لیٹے ہوئے ، غرض ہر حال میں اور ہر وقت یاد کرتے ہیں ۔

اہل دنیا میں سے کسی نے مال و دولت سمیٹنے کو عقلمندی قرار دیدیا ، کسی نے مشینوں کے کل پرزے بنانے یا برق و بھاپ کو اصل پاور و قوت سمجھ لینے کا نام عقلمندی رکھدیا ۔ حالانکہ اصل کام نہ پانی ، مٹی یا لوہے ، تانبے کا ہے ، نہ مشین کا اور نہ اس کے ذریعہ پیدا کی ہوئی بھاپ کا ۔ بلکہ کام تو اس کا ہے جس نے آگ ، پانی اور ہوا پیدا کی جس کے ذریعہ یہ برق وبھاپ حاصل ہوئی ۔

اس کی مثال اس طرح ہے کہ ایک دیہات کا رہنے والا جاہل انسان جب کسی ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر یہ دیکھے کہ ریل جیسی عظیم سواری ایک سرخ جھنڈی کے دکھانے سے رک جاتی ہے اور سبز جھنڈی کے دکھانے سے چلنے لگتی ہے ۔ اگر وہ یہ کہے کہ یہ سرخ اور سبز جھنڈیاں بڑی طاقت کی مالک ہیں کہ اتنی بڑی ریل کے انجن کو روک دیتی اور چلا دیتی ہیں تو علم و عقل والے اس کو احمق کہیں گے اور اس کو بتائیں گے کہ طاقت ان جھنڈیوں میں نہیں بلکہ اس شخص کے پاس ہے جو انجن میں بیٹھا ہوا ان جھنڈیوں کو دیکھ کر انجن کو روکنے یا چلانے کا کام کرتا ہے ۔ لیکن جس شخص کی عقل ان عام علم و عقل والوں سے زیادہ ہے وہ کہے گا کہ انجن ڈرائیور کو طاقت کا مالک سمجھنا بھی غلط ہے کیونکہ در حقیقت اس کی طاقت کو اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ طاقت تو انجن کے کل پرزوں میں ہے ۔ مگر ایک فلسفی یا سائنسدان اس کو بھی یہ کہہ کر بیوقوف بتائے گا کہ بے حس کل پرزوں میں کیا رکھا ہے اصل طاقت تو اس بھاپ کی ہے جو انجن کے اندر آگ اور پانی کے ذریعہ پیدا کی گئی ہے ۔ حکمت و فلسفہ یہاں آکر عاجز و مجبور ہو جاتے ہیں ۔

اس سے آگے علم وحی رہنمائی کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام کو عطا کیا جاتا ہے ۔ انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں کہ جس طرح جھنڈیوں کو یا ڈرائیور اور انجن کے کل پرزوں کو طاقت وقوت کا مالک سمجھ نا جہالت و نادانی ہے اسی طرح بھاپ کو قوت کا مالک کہنا بھی فلسفیانہ غلطی ہے ۔ حقیقت میں ان ساری قوتوں کی مالک وہ ذات ہے جس نے آگ اور پانی پیدا کئے اور ان کے ذریعے یہ بھاپ پیدا ہوئی ۔ پس عقلمند کہلانے کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پہچانیں ، ہر وقت اور ہر حال میں اس کو یاد کریں

اس آیت میں عقل والوں کی دوسری علامت یہ بتائی گئی کہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق و پیدائش میں تفکر و تدبر کرتے ہیں ۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ کا ذکر عبادت ہے اسی طرح تفکر بھی ایک عبادت ہے ۔ ذات و صفاتِ الٰہیہ کی حقیقت کا ادراک انسان کی عقل سے بالاتر ہے اور اس میں غور و فکر سے حیرانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا کیونکہ آفتاب کی روشنی میں ہر چیز کو دیکھا جا سکتا ہے مگر خود آفتاب کو دیکھنا چاہیں تو آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں ۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ خلق میں غور کرو خالق (کی ذات) میں غور نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ۔ (مظہری ۱۹۹ / ۲) ۔

اس عظیم الشان اور وسیع و عریض آسمان ہی کو لے لیجئے ۔ آفتاب و مہتاب اور دوسرے ستارے ایک خاص نظام کے تحت اپنی اپنی منزل کی طرف رواں دواں اور ایک نہایت مضبوط و محکم قانون کے تحت مقرر و متعین ہیں ۔ ان میں سے کوئی نہ ایک سیکنڈ ادھر ہوتا ہے اور نہ اس کی مشینری کا کوئی پرزہ گھستا اور ٹوٹتا ہے ، نہ اس کی مشینری کبھی رنگ و روغن چاہتی ہے اور نہ اس کو کبھی اوور ہالنگ اور مرمت کی ضرورت ہوتی ہے ۔ ہزاروں لاکھوں سال سے مسلسل ایک خاص نظام للاوقات کے تحت چل رہے ہیں ۔

اسی طرح زمین ، اس کے پہاڑ و دریا ، اس کی تہہ میں چھپی ہوئی معدنیات ، اس کے جنگلات و حیوانات اور چرند و پرند ۔ اور آسمان و زمین کے درمیان چلنے والی ہوا اور اس میں پیدا ہونے اور برسنے والی برق و باراں اور اس کے مخصوص نظام ہیں ۔ یہ سب کے سب عقل و سمجھ رکھنے والے کے لئے ایک ایسی ہستی کا پتہ دیتے ہیں جو علم و حکمت اور قوت و قدرت میں سب سے بالا تر ہے ۔ اسی غور و فکر کا نام معرفتِ الٰہی ہے اور یہ بہت بڑی عبادت ہے ۔ (معارف القرآن ، ۲۴۳ ۔ ۲۴۶ / ۲) ۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور نشانیوں میں غور و فکر کرنے والا اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو بیکار و بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ ان کی خلقت میں بے شمار حکمتیں ہیں ۔ ان سب کو انسان کا خادم اور انسان کو مخدومِ کائنات بنا کر انسان کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ ساری کائنات تو اس کے فائدے کے لئے بنی ہے اور انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے لئے پیدا ہوا ہے ۔ یہی اس کا مقصد زندگی ہے ۔ (معارف القرآن ۲۴۳ ۔ ۲۴۶ / ۲) ۔

اہلِ عقل کی درخواستیں

۱۹۱ - ۱۹۴ ۔ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَ اٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

تو سب عیبوں سے پاک ہے سو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا ۔ اے ہمارے پروردگار ! بیشک ہم نے ایک منادی کرنے والے کو جو ایمان کی منادی کر رہا تھا ۔ (یہ پکارتے ہوئے) سنا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ ۔ سو ہم ایمان لے آئے ۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر دے اور ہم سے ہماری برائیاں دور کر دے اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے ۔ اے ہمارے رب ! تونے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جن نعمتوں کا وعدہ کیا ہے وہ ہمیں عنایت فرمادے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا ۔ بیشک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اہل عقل کی درخواستوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے خالق و مالک کو پہچان کر اس کی بارگاہ میں پیش کیں ۔ پہلی درخواست یہ ہے کہ اے ہمارے رب ! اگر ہمارے تفکر میں کوئی خرابی ہو جائے اور ہم غور و فکر کا تقاضا پورا نہ کرسکیں اور عذاب کے مستحق قرار پائیں تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ ۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ ہمیں آخرت کی رسوائی سے بچا کیونکہ جس کو آپ نے جہنم میں داخل کر دیا تو بس اس کو تو سارے جہان کے سامنے رسوا ہی کر دیا ۔ تیسری درخواست یہ ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنا اور ان پر ایمان لائے ۔ پس اے ہمارے رب ! ہمارے بڑے گناہوں کو معاف فرمادے اور ہماری چھوٹی موٹی برائیوں پر پردہ ڈالدے اور جب ہماری موت

کا وقت آئے تو ہمیں نیک لوگوں کے گروہ میں شامل کر کے دنیا سے اٹھالے ۔ چوتھی درخواست یہ ہے کہ اے ہمارے رب! آپ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ جو جنت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں شروع ہی سے عطا فرمادے یعنی مواخذہ اور بد نامی سے پہلے ہی یہ تمام نعمتیں ہمیں عطا فرمادے ۔ قیامت کے روز ہمیں رسوا نہ کرنا بیشک آپ وعدہ خلافی نہیں کرتے ۔ (معارف القرآن ۲۶۹/ ۲ ، مظہری ۲۰۰/ ۲) ۔

دعا کی قبولیت

۱۹۵ ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ۔ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۔ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ، وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ،

پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے (اچھے) عمل کو ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ۔ تم آپس میں ایک ہی ہو ۔ پھر جنہوں نے ہجرت کی اور وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میرے راستہ میں ان کو ایذا دی گئی اور انہوں نے جہاد کیا اور شہید ہوئے تو میں بھی ان سے ان کی برائیاں مٹادوں گا ۔ اور میں ان کو ضرور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ۔ (یہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے (ان کے اعمال کا) بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت ہی اچھا بدلہ ہے ۔

ربطِ آیات ۔ سابقہ آیات میں مومنوں کی چند دعاؤں کا ذکر تھا ۔ آئندہ آیتوں میں پہلے ان دعاؤں کی قبولیت اور ان کے نیک اعمال کے بدلے میں عظیم اجرو ثواب کا بیان ہے ۔ پھر کافروں کے ظاہری عیش و آرام اور مال و دولت اور دائمی عذاب کا بیان ہے ۔ اس کے بعد پرہیز گار مسلمانوں کے لئے جنت کی ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کا وعدہ اور ان مسلمانوں کے

اجر و ثواب کا بیان ہے جو پہلے اہل کتاب میں سے تھے پھر مسلمان ہوگئے ۔

شانِ نزول ۔ ایک روز حضرت ام سلمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا بات ہے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی ہجرت کا کہیں ذکر نہیں فرمایا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح ۔ جب اہل عقل مومنوں نے اللہ تعالیٰ سے وہ دعائیں مانگیں جن کا ذکر گزشتہ آیتوں میں ہوچکا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول کرتے ہوئے ان کو منہ مانگی مرادیں عطا فرمائیں اور فرمایا کہ میں کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل ضائع نہیں کرتا بلکہ ان کو پورا پورا بدلہ عطا فرماتا ہوں خواہ وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت ۔ پس عورتوں کو بھی ان کے اعمال کا اجر و ثواب اسی طرح ملے گا جس طرح مردوں کو ۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ اپنا وطن ، اپنے اہل وعیال ، اپنے عزیز و اقارب ، دوست و احباب اور پڑوسیوں کو چھوڑ کر دارالاسلام کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور ان کو مجھ پر ایمان لانے اور میرے کہنے پر چلنے کی وجہ سے طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں اور انہوں نے میرے راستہ میں جہاد کیا اور شہید ہوگئے تو میں ضرور ان لوگوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کر کے ان کی مغفرت کر دوں گا ۔ اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے یہ انعام ان کے اعمال کے بدلے میں ہے ۔ اور کسی عمل کا بہترین بدلہ دینا تو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے ۔ (ابن کثیر ۴۴۱ / ۱) ۔

چند روزہ بہار

۱۹۶ ، ۱۹۷ ۔ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِى الْبِلَادِ ؕ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ

کافروں کا شہروں میں آنا جانا تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے ۔ یہ تھوڑا سا فائدہ ہے ۔ پھر تو ان کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ۔

يَغُرَّنَّكَ ۔ وہ تجھے ضرور فریب دے گا ۔ وہ تجھے ضرور دھوکہ دے گا ۔ غُرُوْرٌ سے مضارع بانونِ تاکید ۔

تَقَلُّبٌ ۔ اٹھنا ۔ پھرنا ۔ لوٹ جانا ۔ مصدر ہے ۔

اَلْمِھَادُ ۔ ٹھکانا ۔ فرش ۔ بچھونا ۔
مَتَاعٌ ۔ متاع ۔ فائدہ ۔ پونجی ۔ جمع اَمْتِعَۃٌ ۔
شانِ نزول ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مشرک بڑی راحت و آسائش میں تھے ۔ تجارت کرتے اور آرام سے رہتے تھے ۔ بعض مسلمانوں نے کہا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ کے دشمن کیسے اچھے حال میں ہیں اور ایک ہم ہیں کہ (مومن ہونے کے باوجود) دکھ اور تنگ حالی کا شکار ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲۴۳ / ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ کافروں کا تجارت و کمائی کے لئے ادھر ادھر ملکوں اور شہروں میں گھومنا پھرنا اور زندگی کے مزے اڑانا ، ان کے ناز و نعم ، ان کی راحت و آرام اور ان کی ظاہری خوش حالی و فارغ البالی سے مسلمانوں کو دھوکہ نہیں کھانا چاہئے کیونکہ یہ تو بہت تھوڑا سا اور بے مقدار و بے حقیقت سامان ہے جو عنقریب زائل ہوجائے گا ۔ اس کے بعد تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بُری جگہ ہے ۔ لہذا آخرت کے مقابلہ میں ان کی یہ تمام نعمتیں حقیر و بے حقیقت ہیں ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی فاجر (کی راحت اور اچھی حالت دیکھ کر اس) پر رشک نہ کرو ۔ تمہیں نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کے سامنے کیا آئیگا ۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے لئے ایک ایسا مارڈالنے والا متعین ہے جو (خود) کبھی نہیں مرے گا ۔ یعنی دوزخ ۔ (مظہری ۲۴۳/ ۲) ۔

حضرت مسور بن شدّاد کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکال لے ، پھر اپنی انگلی کو دیکھے کہ اس پر کتنی (تری لگ کر) لوٹی ہے ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۔ ۲۴۳ / ۲) ۔

اللہ تعالیٰ کی میزبانی

۱۹۸ ۔ لٰکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّھُمْ لَھُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا نُزُلاً مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ۔ وَمَا عِنْدَاللّٰہِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۔

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے (ایسے) باغ ہیں

جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے ۔ یہ
اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان داری ہے ۔ اور نیک لوگوں کے لئے اللہ
تعالیٰ کے پاس جو چیز ہے وہ (بہت) بہتر ہے ۔

خٰلِدِیْنَ ۔ ہمیشہ رہنے والے ۔ سدا رہنے والے ۔ خُلودٌ سے اسم فاعل ۔
نُزُلاً ۔ دعوت ۔ مہمانی ۔ آؤ بھگت ۔
اَبْرَار ۔ نیک لوگ واحد برٌّ و بارٌّ ۔

تشریح ۔ گزشتہ کلام سے یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ جب دنیا میں آرام و آسائش اور فارغ البالی کے ساتھ رہنے والوں کی متاع قلیل ہے تو پرہیزگاروں کی متاع تو اس سے بھی قلیل ہوگی کیونکہ وہ تو پہلے ہی آسائشوں اور لذتوں سے دور ہیں ۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن پرہیزگاروں نے دنیا میں ایسے کام کر لئے جو آخرت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہیں تو حقیقت میں انہی لوگوں نے دنیا سے بیش بہا فائدہ اٹھایا ۔ انہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے خصوصی مہمانی ہے ۔ جس طرح مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر نہیں ہوتی ۔ عزت و آرام سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز تیار ملتی ہے ۔ اسی طرح پرہیزگاروں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی شان و قدرت کے مطابق بہترین سامان ضیافت پیش فرمائے گا اور نیک لوگوں کے لئے جو کچھ ثواب و قرب کے درجات اور رضا و رحمت، اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے ۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دیکھا کہ آپؐ ایک کھری چٹائی پر آرام فرما رہے تھے ۔ سر کے نیچے ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی ۔ قدموں کے پاس کچھ پکا چمڑا تہ کیا ہوا رکھا تھا ۔ سرہانے کچی کھال لٹک رہی تھی اور آپؐ کے پہلو پر چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے ۔ یہ دیکھ کر میں رونے لگا آپؐ نے فرمایا کس لئے روتے ہو ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسریٰ اور قیصر اس (عیش کی) حالت میں ہیں اور آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں (اور اس تنگ حالی میں ہیں) آپؐ نے فرمایا کیا تم اس پر رضا مند نہیں کہ ان کے لئے تو دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت ۔

حضرت قتادہؓ بن نعمان سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کو دنیا سے بچاتا ہے جیسے تم اپنے بیمار کو پانی سے پرہیز کراتے ہو۔ (مظہری بحوالہ احمد و ترمذی ۲۰۵ / ۲)۔

حقیقت پسند اہلِ کتاب

۱۹۹۔ وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۔

اور بیشک اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی اور اس (کتاب) پر جو ان کی طرف نازل کی گئی تھی ایمان لاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

شانِ نزول ۔ نسائیؒ نے حضرت انسؓ اور ابن جریرؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب نجاشیؓ کے انتقال کی خبر آئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی نماز پڑھو۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایک حبشی غلام کی نماز پڑھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ جس روز نجاشیؓ کی وفات ہوئی اسی روز حضرت جبرائیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی اطلاع دی۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا (شہر سے) باہر نکل کر اپنے بھائی نجاشیؓ کی نماز پڑھو۔ اس کا انتقال دوسرے ملک میں ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپؐ بقیع کو تشریف لے گئے۔ آپؐ کے سامنے سے سرزمین حبش تک پردہ ہٹادیا گیا اور نجاشیؓ کا جنازہ آپؐ نے خود (آنکھوں سے) دیکھ کر نماز جنازہ پڑھی (جس میں) چار تکبیریں کہیں اور دعاء مغفرت کی۔ منافق کہنے لگے کہ ان کو تو دیکھو ایک حبشی عیسائی کافر کی نماز پڑھ رہے ہیں جو ان کے دین پر نہیں تھا۔ نہ انہوں نے کبھی اس کو دیکھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۶/ ۲)۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کی تعریف فرمائی ہے

جو پوری طرح ایمان دار تھے ، قرآن کریم کو مانتے تھے ۔ اپنے نبی کی کتاب پر بھی ایمان رکھتے تھے اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں پیدا کر کے اس کے احکام کی بجا آوری میں نہایت خلوص کے ساتھ مشغول رہتے تھے ، اپنے رب کے سامنے عاجزی و گریہ وزاری کرتے رہتے تھے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ کی وہ صفات و علامات جو ان کی کتابوں میں تھی ان کو چھپانے اور ان کے عوض حقیر معاوضہ لینے کی بجائے ان کو لوگوں سے صاف صاف اور واضح طور پر بیان کرتے تھے ۔ اور لوگوں کو آپؐ پر ایمان لانے کی ترغیب دیتے تھے ۔ ایسے لوگوں کے لئے ، خواہ وہ یہودی ہوں یا نصرانی ، اللہ تعالیٰ کے پاس خصوصی اجر و ثواب ہے جو دوسروں سے زائد ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ۔ (مظہری ۲۰۶/ ۲) ۔

حضرت ابو موسیٰؓ اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے ۔ ان میں سے ایک وہ اہل کتاب ہے جو (پہلے) اپنے پیغمبر پر ایمان لایا اور (پھر) مجھ پر بھی ایمان لایا ۔ (مظہری بحوالہ ترمذی و مسلم ۲۰۶/ ۲

مومنوں کو نصیحت

۲۰۰ ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَرَابِطُوْا قف
وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؏

اے ایمان والو ! صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور جہاد کے لئے مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ ۔

صَابِرُوْا ۔ تم صبر کے ساتھ جمے رہو ۔ تم مضبوطی سے جمے رہو ۔ مُصَابَرَةٌ سے امر ۔

رَابِطُوْا ۔ تم مستعد رہو ۔ تم لگے رہو ۔ تم آمادہ رہو ۔ رِبَاطٌ و مُرَابَطَةٌ سے امر ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مومنوں کو نصیحت فرمائی گئی ہے کہ اگر تم دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو سختیوں کے باوجود خواہشات نفس کی مخالفت پر اور اپنے رب کی محبت و اطاعت پر جمے رہو ، گناہوں سے بچتے رہو ، دشمن کے مقابلے میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھاؤ ، اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو ۔ جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو جاؤ ۔ ہر وقت اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ سرحد پر ایک دن رات کی چوکیداری مہینہ بھر کے روزوں اور مہینہ بھر راتوں کو نماز پڑھنے سے بہتر ہے ۔ اگر اسی حالت میں مر گیا تو جو عمل وہ کر رہا تھا وہ (قیامت تک) جاری رہے گا اور اس کا رزق جاری رکھا جائیگا ۔ اور وہ فتنہ سے محفوظ رہے گا ۔

حضرت فضالہ بن عبیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر میت اپنے عمل پر ختم ہو جاتی ہے (مرنے کے بعد ہر شخص کا عمل ختم ہو جاتا ہے) سوائے اس کے جو راہ خدا میں سرحد پر چوکیداری کرتا ہوا مرتا ہے ۔ اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا ۔ اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا ۔ (ترمذی و ابوداؤد) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں ایسا عمل بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا اور درجات کو اونچا کرتا ہے ۔ وہ ہے پورا پورا وضو کرنا باوجود مکروہات کے (یعنی سخت سردی ، برف باری وغیرہ کے باوجود پورا پورا وضو کرنا) اور مسجدوں تک جانے کے لئے اپنے قدموں سے زیادہ مسافت طے کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں لگے رہنا ۔ یہی تمہارا رباط ہے ۔ یہی تمہارا رباط ہے ۔ یہی تمہارا رباط ہے ۔ (مسلم ، ترمذی ، مظہری ۲۰۰/ ۲) ۔

سورۃ النساء

وجہ تسمیہ ۔ اس سورت میں عورتوں کے احکام (نکاح و توریث) دوسری سب سورتوں سے زیادہ مذکور ہیں نیز لفظ النساء (جو اِمْرَءَۃٌ کی خلاف قیاس جمع ہے) بھی اس میں کثرت سے آیا ہے ۔ اس لئے اس کا نام سورۃ النساء مشہور ہو گیا ۔

تعارف ۔ یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی ۔ اس میں ۲۴ رکوع ، ۱۷۶ آیتیں ، ۳۰۴۵ کلمات اور ۱۶۰۳۰ حروف ہیں ۔

بنیادی طور پر اس میں رشتہ داروں کے حقوق ، یتیموں کی پرورش اور ان کے مال کی حفاظت کے احکام ، وراثت کے احکام ، عورتوں کے حقوق و احکام کا تفصیلی بیان ، منافقوں کی نا زیبا حرکات ، جہاد و قتال کی تاکید ، یہود و نصاریٰ کے غلط عقائد اور ان کی درستگی کی ہدایت ، قتل خطا اور قتل عمد ، نماز خوف اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے ۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱ ۔ تقویٰ کی تاکید ، انسان کی خلقت ، رشتہ داروں کے حقوق ، یتیم کے ساتھ حسن سلوک ، عدل کی شرط کے ساتھ چار شادیوں کی اجازت اور مہر کی ادائیگی کی تاکید ۔ کم عقلوں کی پرورش ، یتیم کے مال کی حفاظت ، مردوں ، عورتوں اور یتیموں کے حصوں کا بیان اور یتیم کا مال کھانے پر وعید ہے ۔

رکوع ۲ ۔ احکام وراثت کا مفصل بیان ۔

رکوع ۳ ۔ فاحشہ کی سزا ، توبہ کی قبولیت اور عدم قبولیت کا بیان ، عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور مہر دیکر واپس نہ لینے کی تاکید اور محرمات نکاح مذکور ہیں ۔

رکوع ۴ ۔ محرمات نکاح اور باندی کے نکاح کے احکام بیان کئے گئے ہیں ۔

رکوع ۵ ۔ انسان کا خلقی طور پر کمزور ہونا ۔ نا حق کسی کا مال کھانے اور کسی کو نا حق قتل کرنے کی ممانعت اور ایسا کر گزرنے پر وعید ، گناہوں سے بچنے پر انعام اور ورثاء کو ان کا حق ادا کرنا ۔

رکوع ۶ ۔ عورتوں پر مردوں کی فضیلت اور اس کی حکمت ، گھریلو تنازعوں میں منصف بنانے کا حکم ، حقوق العباد ، بخل و ریاکاری کی ممانعت اور ایمان کی ترغیب ، نیکیوں کے دو گنا ہونے کا بیان ، روز قیامت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی اور نا فرمانوں کا کف افسوس ملنا ۔

رکوع ۷ ۔ نشے اور جنابت کی حالت میں نماز کی ممانعت ، تیمم کا حکم ، کفار کی گمراہی پر تنبیہ ، اللہ تعالیٰ کی مدد اور کفار کی چند گستاخیوں کا ذکر ، ایمان لانے کی دعوت اور مشرک کی بخشش نہ ہونے کا بیان ہے ۔

رکوع ۸ ۔ کتاب اللہ پر ایمان نہ لانے والوں کا ذکر ، یہود کا حسد ، منکرین پر عذاب اور مومنین پر انعامات ، امانتوں کی ادائیگی اور عدل و انصاف کا حکم ۔

رکوع ۹ ۔ کفار کی گمراہی ، منافقین کی احکام دین سے رو گردانی اور ان کے حیلے بہانے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم ، ایمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنانے کی شرط ، منافقوں کو نصیحت ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر انعام اور انعام یافتہ لوگوں کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۰ ۔ مومنین کو جہاد میں نکلتے وقت احتیاط کی تاکید ، جہاد کے بارے میں منافقین کے طرز عمل اور جہاد کے فضائل کا ذکر ، مکہ کے کمزور مسلمانوں کی دعاء ، شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کا حکم اور شیطانی تدابیر کی کمزوری کا ذکر ہے ۔

رکوع ۱۱ ۔ جہاد کی تاکید ، موت کے وقت کا معین ہونا ۔ منافقین کے چند غلط عقائد کی تردید ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پوری انسانیت کے لئے نبی ہونا اور آپ کی اطاعت کو

خدا کی اطاعت قرار دینا ۔ اللہ تعالیٰ کے کارساز ہونے اور قرآن کی حقانیت کا بیان ، اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتال کا حکم ، اچھی سفارش پر اجر اور پھر توحید کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۲ ۔ ہدایت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا ۔کفار کی ایک خواہش ، منافقوں سے قتال کا حکم ، صلح کی خواہش رکھنے والوں سے صلح کی تاکید ، اور عہد توڑنے والوں سے قتال کا حکم

رکوع ۱۳ ۔ مومن کا قتل خطاء ، قتل خطاء کی دیت اور قتل عمد کی سزا ، جہاد کے بارے میں احتیاط کی تاکید اور مجاہدوں کے مراتب و انعامات کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۴ ۔ مغلوب مسلمانوں کے ہجرت نہ کرنے پر وعید ،کمزور مسلمانوں کے لئے رخصت ، معذور مسلمانوں کی معافی اور مہاجر کے لئے اجر و انعامات کا ذکر ہے ۔

رکوع ۱۵ ۔ مسافر کے لئے نماز کو قصر کرنے اور صلوٰۃ خوف کا بیان ہے ، ہر وقت خدا کو یاد کرنے اور دشمن کے مقابلے میں ہمت نہ ہارنے کی تاکید ہے ۔

رکوع ۱۶ ۔ خائن کی سفارش کی ممانعت اور استغفار کرتے رہنے کی تاکید ،گناہوں سے توبہ کرنے والے کی معافی اور کسی پر تہمت لگانے والے کا خسارہ میں رہنا مذکور ہے ۔

رکوع ۱۷ ۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ، نیک کام پر اجر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر وعید ہے ۔

رکوع ۱۸ ۔ مشرک کی بخشش نہ ہونے ، شیطان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کے پیرو کاروں پر عذاب کا بیان ، نیک لوگوں کی جزا ، بُرے اعمال کی سزا ، ملتِ ابراہیمی کی پیروی کرنے والے کے حق پر ہونے اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا ذکر ہے ۔

رکوع ۱۹ ۔ یتیم لڑکیوں کے نکاح کا بیان ، یتیموں کے ساتھ انصاف کا حکم ، زوجین کے درمیان صلح ، بیویوں کے درمیان عدل و انصاف ، زوجین میں جدائی کا بیان ، تمام عالم پر اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور اس کی لا محدود قدرت اور اخروی اجر و ثواب کا بیان ہے ۔

رکوع ۲۰ ۔ مسلمانوں کو انصاف اور سچی گواہی ظاہر کرنے اور خواہشات نفسانی کی اتباع نہ کرنے کی تاکید ،کفر پر مرنے والے کی بخشش نہ ہونے اور منافقین کے لئے درد ناک عذاب کی جزا اور کفر کی مجالس میں بیٹھنے کی ممانعت ہے ۔

رکوع ۲۱ ۔ منافقین کی دھوکہ دہی اور دکھاوے کے لئے نماز پڑھنے کا بیان ۔ کفار سے دوستی کی ممانعت ۔ منافقوں کے اصل ٹھکانے کی نشاندہی ۔ نفاق سے توبہ کرنے والوں کے لئے بشارت ۔ علانیہ اور پوشیدہ بھلائی کا ذکر ۔ بعض رسولوں پر ایمان لانے اور بعض کا انکار کرنیوالوں کا حقیقی کافر ہونا ۔ کفر کی سزا اور تمام انبیاء پر ایمان لانے کا انعام ۔

رکوع ۲۲ ۔ اہل کتاب کا گستاخانہ مطالبہ ۔ یہود کا اللہ تعالیٰ سے عہد اور عہد شکنی پر سزا کا بیان ۔ یہود کی جانب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے دعوے کی تردید اور ان کو اوپر اٹھالینے کا اعلان ۔ یہود کے جرائم کی وجہ سے ان پر حلال اشیاء کے حرام کئے جانے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے یہودیوں کا ذکر ہے ۔

رکوع ۲۳ ۔ انبیاء کی طرف وحی بھیجنے ۔ حضرت موسیٰ سے کلام کرنے اور انبیاء کی بعثت کے مقاصد کا بیان ہے ۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی تصدیق ۔ کفار کی گمراہی اور ان کی بخشش نہ ہونا ۔ لوگوں کو بھلائی کی دعوت ۔ اہل کتاب کے باطل عقائد اور ان کو باز آنے کی تاکید ہے

رکوع ۲۴ ۔ حضرت عیسیٰ کا خدا کا بندہ ہونے اور اس کی بندگی تسلیم نہ کرنے پر وعید ۔ نور مبین (قرآن مجید) کے نزول اور مسلمانوں کو صراط مستقیم کی خوش خبری ۔ میراث میں کلالہ کا حکم اور میراث کے مزید احکام مذکور ہیں ۔

تقویٰ کا حکم

۱ ۔ یَاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۝

اے لوگو ! اپنے رب سے ڈرتے رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اوراس نے اس سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا اور (پھر) ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں ۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس کا واسطہ دیکر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت کا بھی لحاظ رکھ

بیشک اللہ تعالیٰ تمہارا نگہبان ہے ۔

بَثَّ ۔ اس نے پھیلایا ۔ اس نے بکھیرا ۔ بَثٌّ سے ماضی ۔

اَرْحَامَ ۔ رشتہ داری ۔ قرابت ۔ واحد ۔ رَحِمٌ و رِحْمٌ ۔

رَقِیْبًا ۔ نگہبان ۔ نگران ۔ رُقُوْبٌ و رَقَابَۃٌ سے صفت مشبہ ۔

تشریح ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو نکاح کے خطبہ میں پڑھا کرتے تھے ۔ پس نکاح کے خطبہ میں اس آیت کا پڑھنا مسنون ہے ۔

اس میں عام لوگوں کو خواہ وہ مرد ہو یا عورتیں ، اور نزولِ قرآن کے وقت موجود ہوں یا آئندہ قیامت تک پیدا ہوں ، سب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اپنے اس رب سے ڈرتے رہو جس نے تم سب کو ایک ہی جان یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا ۔ سب سے پہلے ان کی بیوی حضرت حوا کو انہی سے پیدا فرمایا ۔ پھر اس جوڑے کے ذریعہ بہت سے مرد اور عورتیں پیدا فرمائیں ۔ اور اسی سے ڈرتے رہو اور اسی کی عبادت بجالاتے رہو جس کے نام پر تم دوسروں سے اپنے حقوق و فوائد طلب کرتے ہو اور جس کی قسمیں دیکر تم دوسروں سے اپنا مطلب نکالتے ہو اور قرابت کے تعلقات خواہ باپ کی طرف سے ہوں یا ماں کی طرف سے ، ان کی حفاظت اور ادائگی میں کوتاہی کرنے سے بچو ۔ آپس میں صلۂ رحمی اور حسنِ سلوک کرتے رہو۔اللہ تعالیٰ تمہارے احوال و اعمال سے خوب واقف ہے۔ (معارف القرآن ۲۷۸ ، ۲۷۹ / ۲) ۔

احادیث میں صلۂ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے چنانچہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کو جو شخص پسند کرتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی پیدا ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو صلۂ رحمی کرنی چاہئے ۔ (متفق علیہ) ۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (رحم) کو جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر اس سے رشتہ منقطع کیا جائے تب بھی وہ جوڑے رکھے ۔ (مظہری ۶۵۹/ ۲) ۔

حضرت عبداللہؓ بن سلام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ کے وہ مبارک کلمات جو سب سے پہلے میرے کانوں میں پڑے یہ تھے ۔ اے لوگو ! ایک دوسرے کو کثرت سے سلام کیا کرو ۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے لوگوں کو کھانا کھلایا کرو ، صلۂ رحمی کیا کرو اور ایسے وقت

میں نماز کی طرف سبقت کیا کرو جبکہ عام لوگ نیند کے مزے لے رہے ہوں ۔ یاد رکھو ان امور پر عمل کر کے تم حفاظت اور سلامتی کے ساتھ کسی رکاوٹ کے بغیر جنت میں پہنچ جاؤ گے ۔

اس کے برعکس احادیث میں قطع رحمی کے حق میں شدید ترین وعیدیں مذکور ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ جو آدمی قرابت کے حقوق کی رعایت نہیں کرتا وہ جنت میں نہیں جائیگا ۔
اس قوم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں اتریگی جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو ۔ (معارف القرآن بحوالہ مشکوۃ ۲۸۰ ۔ ۲۸۱/ ۲) ۔

یتیم کے مال کی حفاظت

۲ ۔ وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

اور یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو اور بُری چیزوں کو اچھی چیزوں سے نہ بدلا کرو اور ان کے مال اپنے مالوں سے ملا کر نہ کھایا کرو ۔ بیشک یہ بڑا گناہ ہے ۔

اَلْخَبِيْثَ ۔خراب ۔ بیکار ۔ گندی چیز ۔ خُبثٌ سے صفت مشبہ ۔

اَلطَّيِّبِ ۔ پاکیزہ ۔ اچھا ۔ صاف ستھرا ۔ طِیبًا سے صفت مشبہ ۔

حُوْبًا ۔ گناہ ۔ قصور ۔ وبال ۔

اَلْيَتٰمٰى ۔ یہ یَتِیمٌ کی جمع ہے۔اس کے معنی اکیلے اور منفرد کے ہیں ۔ اسی لئے جو موتی سیپ میں تنہا ایک ہو اس کو دُرِّ یتیم کہا جاتا ہے ۔ شرعی اصطلاح میں یتیم اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا باپ مر گیا ہو اور جانوروں میں اس کو یتیم کہتے ہیں جس کی ماں مر گئی ہو ۔ شرعی اصطلاح میں بالغ ہونے کے بعد بچے کو یتیم نہیں کہا جائیگا ۔ (معارف القرآن بحوالہ قاموس) ۔

شانِ نزول ۔ مقاتل ؒ اور کلبی ؒ نے بیان کیا کہ ایک غطفانی آدمی کے پاس اس کے بھتیجے کا بہت مال تھا ۔ جب یتیم بالغ ہو گیا تو اس نے چچا سے اپنا مال طلب کیا تو چچا نے دینے

سے انکار کر دیا ۔ دونوں مقدمہ لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۹۵۹/ ۲) ۔

تشریح ۔ پہلی آیت میں قرابت کی حفاظت اور اس کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کے بعد اس آیت میں یتیموں کے مال کی حفاظت کا حکم اور اس میں کسی قسم کی خرد برد کی ممانعت فرمائی گئی ہے ۔ اگر یتیم کی ملکیت میں کچھ مال ہو جو کسی نے اس کو ہبہ کیا ہو یا اس کو وراثت میں ملا ہو تو یتیم کے ساتھ اس کے مال کی حفاظت بھی اس کے ولی کے ذمہ ہے خواہ اس ولی کا تقرر اس کے مرنے والے باپ نے خود کر دیا ہو یا حکومت نے کسی کو اس کا ولی مقرر کیا ہو ۔

یتیم کا مال واپس کرنے کی تاکید ۔ اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے والیوں کو حکم دیا ہے کہ جب یتیم بالغ اور سمجھدار ہو جائیں تو ان کے اموال کسی کمی اور خیانت کے بغیر ان کو دے دیئے جائیں ۔ بالغ ہونے سے پہلے یتیموں کے اموال کی حفاظت ان کے والیوں کے ذمہ ہے ۔ اس عرصہ میں نہ تو وہ خود یتیم کے مال کو کھائیں ، نہ اس کو ضائع کریں اور نہ یتیم کو واپس کریں کیونکہ وہ نا سمجھ ہے ، کہیں ضائع کر دے گا ۔ البتہ ولی کو یتیم کے اخراجات اس کے مال سے پورا کرنے کی اجازت ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی کہ تم اپنے اموال کو یتیموں کے اموال کے ساتھ گڈ مڈ کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو ۔ جب اللہ تعالیٰ تمہیں حلال رزق دے رہا ہے تو حرام کی طرف رخ نہ کرو ۔ یتیم کے مال کو بالکل علیحدہ رکھو اور علیحدہ خرچ کرو تاکہ کسی قسم کی کمی و بیشی کا خطرہ نہ رہے اور اگر ملا کر رکھو تو پھر اس کا پورا پورا حساب بھی رکھو تاکہ یتیم کا مال تمہارے ذاتی خرچ میں نہ آنے پائے ۔ اس کی تشریح سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۰ میں بھی گزر چکی ہے ۔

سعید بن جبیر ، زہری ، اور سدی کا بیان ہے کہ یتیموں کے سر پرست یتیموں کا عمدہ مال خود لے لیتے تھے اور اس کی جگہ اپنا خراب مال رکھ دیتے تھے ۔ مثلاً موٹی بکری لیکر بدلے میں دبلی بکری دے دیتے تھے ۔ (ان کے مال میں سے) کھرا درہم نکال کر کھوٹا درہم رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے تو بکری کے بدلے میں بکری اور درہم کے بدلے میں درہم لیا ہے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کی ممانعت فرمادی ہے ۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ بلا شبہ یتیموں کا مال کھانا بڑا گناہ ہے ۔ یعنی یتیم کے مال

میں کسی قسم کا ناجائز تصرف خواہ وہ اس کے مال کی حفاظت کی کمی سے ہو یا خراب چیز کے بدلے میں اچھی لیکر ہو یا اس کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھانے سے ہو۔ ہر حال میں یہ بہت بڑا گناہ ہے (معارف القرآن ۲۸۲ ۔ ۲۸۳/ ۲۰ ابن کثیر ۴۴۹/ ۱)۔

نکاح کے احکام

۳ ۔ وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتیں تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو خواہ دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار سے ۔ پھر اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ تم (متعدد بیویوں میں) انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی (نکاح) کرنا یا جو کنیز تمہاری ملک میں ہو (وہی سہی) اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے ۔

طَابَ ۔ وہ پسند آیا ۔ وہ بھلا معلوم ہوا ۔

اَیْمَانُکُمْ ۔ تمہاری قسمیں ۔ تمہارا دایاں ہاتھ ۔ واحد یَمِیْنٌ ۔ آدمی اکثر کسی چیز کو دائیں ہاتھ سے پکڑتا ہے ۔ اس لئے عربی محاورہ میں کسی چیز پر پورا قبضہ ظاہر کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ اس کا دایاں ہاتھ اس چیز کا مالک ہے یعنی وہ اس کی پوری اور مضبوط گرفت میں ہے مثلاً کنیز اور غلام وغیرہ ۔

تَعُوْلُوْا ۔ تم ایک طرف جھک جاؤ گے ۔ تم بے انصافی کرو گے ۔ عَوْلٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں ایک شخص کی ولایت میں ایک لڑکی تھی اور اس کا ایک باغ تھا جس میں یہ لڑکی بھی شریک تھی ۔ اس شخص نے اس یتیم لڑکی سے خود اپنا نکاح کر لیا اور اس کو اپنے پاس سے مہر وغیرہ دینے کی بجائے اس کے باغ کا حصہ بھی اپنے قبضہ میں کر لیا ۔ اس پر یہ آیت نازل

ہوئی ۔ (معارف القرآن ۲۸۵/ ۲) ۔

تشریح

یتیم لڑکیوں کا نکاح ۔ اس آیت میں یتیم لڑکیوں کے سرپرستوں کو بتایا گیا ہے کہ اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ جو یتیم لڑکیاں تمہاری سرپرستی میں ہیں ان سے نکاح کرنے میں تم عدل نہ کر سکو گے اور ان کے مہر اور ان کے ساتھ حسن معاشرت میں کوتاہی ہوگی تو پھر تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کا خیال چھوڑ دو اور ان کے علاوہ دوسری عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو خواہ دو سے، تین سے یا چار سے ۔ آزاد مرد کو چار سے زیادہ کی اجازت نہیں اور غلام کے لئے دو کی اجازت ہے ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ لوگوں نے یتامیٰ سے نکاح کا مسئلہ پوچھا تو آیت یَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ نازل ہوئی ۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ بیان فرمادیا کہ اگر یتیم لڑکی حسین اور مالدار ہوتی ہے تو لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں مگر اس کے درجے کے مطابق اس کو مہر نہیں دیتے اور جب مال و جمال کے لحاظ سے وہ گری ہوئی ہوتی ہے تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسری عورت سے نکاح کے خواہشمند ہوتے ہیں ۔ پس جس طرح لوگ مال و حسن کی کمی کے وقت یتیم لڑکی سے نکاح کے خواہشمند نہیں ہوتے اسی طرح مال و جمال کی زیادتی کے وقت بھی ان کو نکاح کا خواہشمند نہیں ہونا چاہئے ۔ البتہ اگر وہ یتیم لڑکی کا پورا پورا حق اور مہر (مثل) ادا کردیں تو وہ اس سے نکاح کر سکتے ہیں ۔ (مظہری ۲۶۱ / ۲) ۔

ازواج کی تعداد ۔ علماء کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ مرد کو ایک وقت میں چار عورتوں سے زیادہ اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ۔ زمانۂ جاہلیت میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہ تھی ۔ ایک آدمی آٹھ آٹھ، دس دس عورتیں رکھتا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حد مقرر کر دی کہ آدمی ایک وقت میں چار سے زیادہ کو اپنے نکاح میں نہیں رکھ سکتا ۔ ان چار بیویوں کے درمیان بھی عدل و انصاف اور مساوی حقوق کا نہایت تاکیدی حکم دیا اور اس کی خلاف ورزی پر شدید وعید سنائی ۔

احادیث سے بھی چار بیویوں کی اجازت ثابت ہے ۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ایک شخص غیلانؓ بن اسلمہ ثقفی مسلمان ہوئے ۔ اس وقت ان کے نکاح میں دس عورتیں تھی اور وہ بھی مسلمان ہو گئی

تھیں ۔ آپؐ نے قرآنی حکم کے مطابق ان کو حکم دیا کہ ان دس میں سے چار کو منتخب کر لو باقی کو طلاق دیکر آزاد کر دو ۔ غیلانؓ نے آپ کے حکم کے مطابق چار عورتیں رکھ کر باقی سے علیحدگی اختیار کر لی ۔

ابوداؤد میں ہے کہ قیسؓ بن الحارث اسدی فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں ۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ان میں سے چار کو رکھ لو باقی کو طلاق دیدو ۔

مسند امام شافعی میں ہے کہ جب نوفلؓ بن معاویہ دیلمی مسلمان ہوئے تو ان کے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں ۔ آپؐ نے ان کو بھی ایک عورت کو طلاق دینے کا حکم دیا ۔ (مظہری ۲۶۳/ ۲) ۔

ایک بیوی پر اکتفا کا حکم ۔ چار بیویوں کی اجازت کے بعد فرمایا کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم چاروں بیویوں کے درمیان عدل و انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو یا جو کنیز شرعی اصول کے مطابق تمہاری ملک میں ہو اس سے گزارہ کرو ۔ پس ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی صورت میں جائز ہے جبکہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں عدل و انصاف اور برابری کر سکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے ۔ اگر اس پر قدرت نہ ہو تو پھر ایک ہی بیوی رکھی جائے ۔ متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے درمیان عدل و مساوات قائم نہ رکھنا گناہ عظیم ہے ۔ لہذا جب کوئی شخص ایک سے زیادہ نکاحوں کا ارادہ کرے تو پہلے اس کو اپنے حالات کا جائزہ لے لینا چاہئے کہ سب کے درمیان عدل و مساوات قائم کرنے کی قدرت ہے بھی یا نہیں ۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے نکاح میں دو عورتیں ہوں اور وہ ان کے حقوق میں برابری نہ کرسکے تو قیامت کے روز اس کو اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کا ایک پہلو گرا ہوا ہوگا ۔(معارف القرآن ۲۹۳/ ۲) ۔

مہر کی ادائیگی

۴ ۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــًٔا مَّرِیْٓــًٔا ۔

اور عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو ۔ پھر اگر وہ (خود)

اپنی خوشی سے اس (مہر) میں سے تمہارے لئے کچھ چھوڑ دیں تو اسے
شوق سے مزے سے کھاؤ ۔

نِحْلَةً ۔ عطیہ جو خوشی سے دیا جائے ۔ مہر ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

طِبْنَ ۔ وہ خوشی سے دیں ۔ وہ خوش دلی سے چھوڑ دیں ۔ مراد یہ ہے کہ عورتیں اپنی مرضی سے مہر کا جو کچھ حصہ تمہیں معاف کر دیں تم اسی پر بس کرو کل یا زیادہ مہر کی معافی کی طمع نہ کرو ۔

هَنِيْٓاً ۔ خوش مزہ ۔ پاکیزہ ۔ زود ہضم ۔ **هَنْیٌ و هَنَاءٌ** سے صفت مشبہ ۔

مَرِيْٓاً ۔ خوش گوار ۔ جلد ہضم ہونے والا ۔ مَرَاءَ ةٌ سے صفت مشبہ ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ بعض لوگ اپنی لڑکی کا نکاح کرانے کے بعد مہر خود لے لیتے تھے ، لڑکی کو نہیں دیتے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت میں یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۲/۶۶۹) ۔

تشریح ۔ اس آیت کے مخاطب عورتوں کے شوہر بھی ہیں اور لڑکیوں کے اولیاء بھی ۔ عرب میں لڑکیوں کو مہر نہیں دیا جاتا تھا ۔ بلکہ لڑکی کے اولیاء شوہر سے مہر وصول کر کے خود رکھ لیتے تھے ۔ اگر کسی لڑکی کو مہر دینا بھی پڑ گیا تو بادلِ ناخواستہ اور اسے تاوان سمجھ کر دیتے تھے ، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ عورتوں کا جو مہر بھی مقرر ہو وہ ان کو خوش دلی کے ساتھ ادا کر دیا کرو ۔ اگر عورت اپنی مرضی سے سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ مرد کو معاف کر دے یا لینے کے بعد اسے واپس کر دے تو وہ (واپس کیاہوا مہر) مرد کے لئے حلال و جائز ہے ۔ (ابن کثیر ۱/۴۵۱) ۔

نا سمجھ کو مال دینے کی ممانعت

۵ ۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ٥

اور کم عقل (یتیموں) کو اپنے وہ مال نہ دیا کرو جن کو اللہ نے تمہارا گزارہ بنایا ہے ۔ اور اس (مال) میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ اور ان سے

معقول بات کہو ۔

السُّفَہَآءَ ۔ بیوقوف ، نادان ، کم عقل ، احمق ۔ واحد سَفِیْہٌ ۔

وَاکْسُوْھُمْ ۔ اور ان کو پہننے کو دو ۔ کُسْوٌ سے امر ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر یتیم بیوقوف اور نا سمجھ ہو اور مال کی حفاظت اور تجارت نہ کر سکتا ہو اور اس کے بارے میں یہ خیال ہو کہ وہ مال کو یونہی ضائع کر دے گا تو اس مال کو اس کے حوالے نہ کرو بلکہ اس کی پوری پوری حفاظت کرو اور اس کو ضائع ہونے سے بچاؤ اور اس (یتیم) کو اسی مال میں سے یا اگر وہ مال تجارت میں لگا ہوا ہے تو اس سے حاصل شدہ نفع میں سے کھلاؤ اور پہناؤ ۔ مال نہ دینے سے یتیم کو رنج ہوتا ہے اس لئے اس کو تسلی دینی چاہئے اور بتانا چاہئے کہ مال اسی کا ہے جب وہ سمجھ دار ہو جائیگا تو اس کو واپس کر دیا جائیگا اور یہ کہ تم تو اس کے صرف نگہبان اور منتظم ہو ۔ (حقانی ۲/۴۸) ۔

یتیم کے مال کی حفاظت

۶ ۔ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۔ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْھُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ ۔ وَلَا تَاْکُلُوْھَاۤ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ یَّکْبَرُوْا ط وَمَنْ کَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۔ وَ مَنْ کَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْکُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ط فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ فَاَشْھِدُوْا عَلَیْھِمْ ط وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ط

اور تم یتیموں کو آزمایا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تو پھر اگر ان میں صلاحیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور فضول خرچی سے اور ان کے بڑے ہو جانے کے خوف سے ان کے مال کو جلدی جلدی نہ کھاؤ اور جو (سرپرست) غنی ہو تو اس کو یتیم کے مال سے پرہیز کرنا چاہئے اور جو (سرپرست) حاجتمند ہو تو وہ دستور کے

مطابق کھالیا کرے ۔ پھر جب تم ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو
ان پر گواہ کر لیا کرو اور اللہ تعالیٰ حساب لینے کو کافی ہے ۔

اٰنَسْتُمْ ۔ تم نے دیکھا ۔ تم نے محسوس کیا ۔ اِیْنَاسٌ سے ماضی ۔
رُشْدًا ۔ ہوشیاری ۔ بھلائی ۔
بِدَارًا ۔ سرعت سے کام لیکر ۔ جلدی کر کے ۔ مصدر ہے ۔
فَلْيَسْتَعْفِفْ ۔ پس اس کو (یتیم کے مال سے) پرہیز کرنا چاہئے ۔ پس اس کو بچنا چاہئے
اِسْتِعْفَافٌ سے امر غائب۔

تشریح ۔ اس آیت میں چار حکم ہیں

۱ ۔ بالغ ہونے سے پہلے ہی خرید و فروخت کے چھوٹے چھوٹے معاملات ان کے سپرد کر کے ان کی صلاحیت کا اندازہ کرتے رہا کرو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں اور اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے لگ جائیں اور کاروبار کے اعتبار سے ان میں کچھ سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے تو ان کا مال ان کے حوالے کر دو ۔

۲ ۔ ان کی سرپرستی کے زمانے میں تم ان کے مال فضول خرچی یا اس خیال سے کہ یہ بڑے ہو کر اپنا مال واپس لے لیں گے نہ کھایا کرو ۔

۳ ۔ اگر یتیم کا سرپرست مالدار ہے تو اس کو یتیم کے مال سے بچنا چاہئے یعنی اس میں سے کچھ نہیں لینا چاہئے ۔ اگر سرپرست غریب ہو تو وہ یتیم کے مال کی نگرانی و حفاظت ، خدمت گزاری اور اس کی تجارت کے معاوضہ میں دستور کے مطابق اپنے لئے لے سکتا ہے ۔ مگر سرپرست کو چاہئے کہ وہ اپنی حاجت اور محنت کو دیکھے ۔ اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے لے ۔ اگر حاجت محنت سے زیادہ ہو تو صرف محنت کا بدلہ لے لے ۔

پھر اگر ایسا ولی مالدار بن جائے تو کھائے ہوئے مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں اس میں دو قول ہیں ۔ ایک یہ کہ واپس نہیں دینا پڑے گا اس لئے کہ اس نے مال اپنے کام اور محنت کے بدلے میں لیا ہے ۔ امام شافعی اور ان کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے دوسرا قول یہ ہے کہ تنگدستی دور ہونے کے بعد یتیم کا مال واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے ۔ غربت کی وجہ سے مال لینے کا جواز پیدا ہوا تھا ۔ جب تنگدستی جاتی رہی تو اب اس کا بدلہ دینا پڑے گا ۔

حضرت عمرؓ نے خلیفہ بننے کے بعد اعلان فرمایا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے ولی جیسی ہے ۔ اگر مجھے ضرورت نہ پڑی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو قرض کے طور پر لوں گا ۔ جب آسانی ہوگی تو واپس کردوں گا ۔ (ابن کثیر ۴۵۳/ ۱) ۔

۴ ۔ جب تم یتیم کا مال اس کے حوالے کرنے لگو تو چند ثقہ اور نیک لوگوں کو اس پر گواہ کر لیا کرو تاکہ اگر کسی وقت کوئی اختلاف پیدا ہو تو اس کو سہولت کے ساتھ طے کیا جاسکے ۔ اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ تم سے ہر چیز کا حساب لے گا ۔

اگر یتیم بالغ ہونے کے بعد بھی احمق اور نا سمجھ ظاہر ہو تو اس کو اس کا مال نہیں دینا چاہئے ۔ امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ اگر یتیم ۲۵ سال کی عمر کے بعد بھی نا سمجھ ظاہر ہو تواس کو اس کا مال دینا چاہئے کیونکہ اب اس کی اصلاح کا زمانہ پورا ہو چکا ہے اور اصلاح کی کوئی امید باقی نہیں رہی ۔ اس لئے اب اس کو محروم نہیں کرنا چاہئے ۔ امام شافعی اور صاحبین کے نزدیک اگر یتیم کی نا سمجھی آخر عمر تک بھی رہے تو اس کو مال نہیں دینا چاہئے کیونکہ وہ اپنی نا سمجھی کی بنا پر اسے ضائع کر دے گا ۔ (حقانی ۱۲۸/ ۲) ۔

میراث میں مرد و عورت کا حصہ

۷ ۔ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ص وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ط نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۔

مردوں کا بھی ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں حصہ ہے اور عورتوں کا بھی ماں باپ اور قرابت داروں کے ترکہ میں حصہ ہے ۔ خواہ (ترکہ) کم ہو یا زیادہ ۔ حصہ مقرر کیا ہوا ہے ۔

نَصِيْبٌ ۔ حصہ ٹکڑا ۔ قسمت ۔ جمع نُصُبٌ و اَنصِباءٌ ۔

تَرَكَ ۔ اس نے ترک کیا ۔ اس نے چھوڑا ۔ ترک سے ماضی ۔

قَلَّ ۔ وہ قلیل ہوا ۔ وہ کم ہوا ۔ قِلاًّ و قِلَّۃٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول ۔ ابن حبان نے کتاب الفرائض میں ابو صالح کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اہل جاہلیت نہ لڑکیوں کو میراث دیتے تھے اور نہ ہی بالغ ہونے

سے پہلے چھوٹے لڑکوں کو ۔ ایک انصاری کا انتقال ہوگیا ۔ ان کا نام اوس بن ثابت تھا ۔ اور انہوں نے ایک چھوٹا لڑکا اور دو لڑکیاں چھوڑیں ۔ اوس کے دو بچازاد بھائی خالد اور عرفجہ تھے دونوں نے آکر ساری میراث پر قبضہ کر لیا ۔ اوس کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے نہیں معلوم کہ میں کیا کہوں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲/۲۷۳) ۔

تشریح ۔ ایام جاہلیت میں عرب کے لوگ لڑکوں اور لڑکیوں کو خواہ وہ بالغ ہوں یا نا بالغ ، میت کے ترکہ میں حصہ نہیں دیتے تھے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ میت کا ترکہ خواہ کم ہو یا زیادہ اس میں کسی قسم کی تخصیص کے بغیر مردوں اور عورتوں دونوں کا حصہ ہے ۔ دونوں کے حصوں کی مقدار کا تعین آگے چل کر آیت نمبر گیارہ میں فرمایا ہے ۔ پھر فرمایا کہ قرآن کریم میں مختلف وارثوں کے مختلف حصے جو بیان کئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں ان میں کسی کو اپنی رائے اور قیاس سے کمی و بیشی یا تغیر و تبدل کا کوئی حق نہیں ۔

دور کے رشتہ داروں کا حصہ

۸ ۔ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔

اور جب ترکہ کی تقسیم کے وقت قرابت دار (جن کا کوئی حصہ نہ ہو) اور یتیم اور محتاج آ جائیں تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دیا کرو اور ان سے معقول بات کرو ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر میراث کی تقسیم کے وقت کچھ ایسے دور کے رشتہ دار اور یتیم و مسکین جمع ہو جائیں جو وراثت میں حصہ کے مستحق نہ ہوں تو تم اس مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں محنت کے بغیر عطا فرمایا ہے شکرانہ کے طور پر اپنے اختیار سے کچھ حصہ ان کو بھی دیدو ۔ یہ تمہارے لئے صدقہ اور موجب ثواب ہوگا ۔ اور اس سے دور کے رشتہ داروں کی دل شکنی اور حسرت کا بھی ازالہ ہو جائیگا ۔ اگر یہ لوگ تھوڑے سے حصہ پر راضی نہ ہوں بلکہ دوسروں کے برابر حصہ مانگیں تو چونکہ شرعاً ان کا مطالبہ پورا کرنے کی

گنجائش نہیں اس لئے ان کو کوئی ایسی بات کہنے کی بجائے جس سے ان کی دل شکنی ہو نرمی سے سمجھا دو ۔ (معارف القرآن ۳۲/ ۲) ۔

اولاد کے حصوں کی حفاظت

۹ ۔ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْدًا ۔

اور (یتیموں کے معاملہ میں) ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے کہ اگر وہ اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جاتے تو انہیں ان کی کیسی فکر ہوتی ۔ پس ان کو اللہ سے ڈرنا چاہیئے اور سیدھی بات کرنی چاہیئے ۔

ضِعٰفًا ۔ ضعیف ۔ کمزور ۔ ناتواں ۔ واحد ضَعِيْفٌ ۔

سَدِيْدًا ۔ سیدھا ۔ سَدَادٌ سے صفت مشبہ ۔

تشریح ۔ یہاں عام مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اس بات کا پورا پورا اہتمام کرو کہ مرنے والے کا ترکہ اس کی اولاد کو پورا پورا پہنچ جائے اور ہر ایسے طریقے سے پرہیز کرو جس میں اولاد کے حصہ پر بُرا اثر پڑتا ہو ۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح تم میں سے ہر شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ کہیں مرنے کے بعد اس کی چھوٹی اولاد کے ساتھ سختی اور بُرائی سے معاملہ نہ کیا جائے ، اسی طرح تمہیں دوسروں کی یتیم اولاد کے ساتھ سختی برتنے سے پرہیز کرنا چاہیئے ۔ جس طرح تم چاہتے ہو کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری چھوٹی اولاد کے ساتھ لوگ شفقت و مہربانی سے پیش آئیں اسی طرح تم بھی یتیموں کے ساتھ مہربانی، حسن سلوک اور شفقت سے پیش آؤ اور ان سے سیدھی اور سچی بات کہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ۔

اگر کوئی شخص کسی کو ایسی وصیت کرتے دیکھے جس سے اس کی اولاد اور دوسرے وارثوں کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کو ایسی وصیت سے روکے ۔

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی بیماری کے زمانے میں ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال بہت ہے اور میری صرف ایک لڑکی ہے

اگر آپؐ اجازت دیں تو میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دوں ۔ آپؐ نے فرمایا نہیں ۔ انہوں نے عرض کیا کہ پھر آدھے کی تو اجازت دیجئے ۔ آپ نے فرمایا نہیں ۔ انہوں نے عرض کیا کہ ایک تہائی کی تو اجازت دیجئے ۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا ہے تو یہ بھی زیادہ ۔ اگر تو اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو مال دار چھوڑ کر جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ ہاتھ پھیلاتے پھریں ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لوگ ایک تہائی سے بھی کم یعنی ایک چوتھائی ہی کی وصیت کریں تو اچھا ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تہائی کو بھی زیادہ فرمایا ہے ۔ (ابن کثیر ۴۵۶/ ۱، معارف القرآن ۳۴/ ۲) ۔

یتیم کا مال کھانے پر وعید

۱۰ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا ؑ

بیشک جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے (ناحق) کھاتے ہیں ۔ بیشک وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالدئے جائیں گے ۔

بُطُوْنِهِمْ ۔ ان کے پیٹ ۔ واحد بَطْنٌ ۔

سَیَصْلَوْنَ ۔ وہ جلد ہی داخل ہوں گے ۔ صَلْیٌ سے مضارع ۔

سَعِیْرًا ۔ دہکتی ہوئی آگ ۔ دوزخ ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول ۔

تشریح ۔ گزشتہ آیات میں بھی یتیموں کا مال خرچ کرنے میں احتیاط سے کام لینے کی تاکید کی گئی تھی کیونکہ ان کے مال میں خیانت کرنا بہت بڑا گناہ ہے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال نا حق کھانے والوں کے لئے بڑی سخت سزا بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب یہ مال ان کو کھینچ کر جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں لیجائیگا ۔

ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا کہ صحابۂ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا تو آپؐ نے

فرمایا کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ اونٹ کے لبوں کی طرح تھے ۔ بالائی لب سکڑا ہوا دونوں نتھنوں پر تھا اور نیچے کا ہونٹ سینہ پر لٹکا ہوا تھا ۔ جہنم کے کارندے ان کے منہ میں دوزخ کے انگارے اور پتھر بھر رہے تھے ۔ میں نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون ہیں ؟ جبرائیل امین نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کا مال بیجا طور پر کھاتے تھے ۔

ابن ابی شیبہ ؒ، ابن ابی حاتم ؒ اور ابن حبان ؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کچھ لوگوں کو قبروں سے ایسی حالت میں اٹھائے گا کہ ان کے منہ سے آگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے ۔ عرض کیا گیا کہ یہ کون لوگ ہوں گے ۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم کے ساتھ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں اور عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے ۔ (مظہری ۲۶۶، ۲۶۸ / ۲) ۔

وارثوں کے حصوں کا تعین

۱۱ ۔ يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَھَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے (حصہ کے) بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصہ کے برابر ہے ۔ پھر اگر (مرنے والے کے) سب لڑکیاں ہی ہوں خواہ وہ دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو اس ترکہ کا

دو تہائی ملے گا اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لئے آدھا ترکہ ہے ۔ اور اگر میت کے کوئی اولاد (بیٹا ، پوتا وغیرہ) ہو تو میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لئے ترکہ کا چھٹا حصہ ہے ۔ پھر اگر میت کے کوئی بھی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو میت کی ماں کے لئے ترکہ کا ایک تہائی (حصہ) ہے (اور باقی دو تہائی حصہ باپ کا ہے) پھر اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی (یا بہن) ہوں تو (میت کی) ماں کو چھٹا حصہ ملے گا ۔ (یہ تقسیم) میت کی وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ہے ۔ تم اپنے باپ دادا اور بیٹوں (پوتوں) میں سے یہ نہیں جانتے کہ نفع رسانی کے اعتبار سے ان میں سے کون تم سے زیادہ قریب ہے ۔ (یہ حصہ) اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے ۔

یُوْصِیْکُمُ ۔ وہ تمہیں وصیت کرتا ہے ۔ وہ تمہیں حکم دیتا ہے ۔ اِیْصَاءٌ سے مضارع ۔

حَظِّ ۔ حصہ ۔ نصیب ۔

دَیْنٍ ۔ قرض ۔ ادھار ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

تَدْرُوْنَ ۔ تم جانتے ہو ۔ تمہیں معلوم ہے ۔ دَرْیٌ و دِرَایَۃٌ سے مضارع ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیتوں میں میراث کا استحقاق رکھنے والوں کا اجمالاً ذکر تھا ۔ میت کے اقارب ، مرد و عورت ، بالغ و نا بالغ سب وارث ہیں اور ترکہ میں سب کا حق ہے ۔ ان آیتوں میں ان کے حصے متعین کئے گئے ہیں ۔

شانِ نزول ۔ امام احمد، ابو داؤد ، ترمذی ، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت سعدؓ بن ربیع کی بیوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں (حضرت) سعدؓ کی لڑکیاں ہیں ۔ ان کے والد آپؐ کے ساتھ جنگ اُحد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہو گئے ۔ ان کے چچا نے ان کا تمام مال لے لیا ہے ۔ ان کے لئے کچھ نہیں چھوڑا ۔ اور مال کے بغیر ان کا نکاح نہیں ہو سکتا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا ۔ اس کے بعد جب آیت میراث نازل ہوئی تو آپؐ نے ان لڑکیوں کے چچا کو طلب فرما کر حکم دیا کہ دو تہائی مال لڑکیوں کو دو ، آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے ۔ (مظہری ۲۰۸/

۱۰۲ ابن کثیر، ۳۵۵/ ۱) ۔

ترکہ میں ضروری مصارف

تشریح ۔

۱ ۔ میت کے ترکہ میں سے پہلے شریعت کے مطابق اس کے کفن دفن کے اخراجات پورے کئے جائیں ۔ جن میں نہ تو فضول خرچی ہو اور نہ کنجوسی ۔

۲ ۔ اگر میت کے ذمہ کوئی قرض ہو تو اس کو ادا کیا جائے ۔

۳ ۔ اگر قرض کی مالیت اتنی ہو جتنا میت کا مال ہے یا قرض مال سے زیادہ ہو تو دونوں صورتوں میں کسی کو میراث نہیں ملے گی اور نہ اس مال میں کوئی وصیت نافذ ہو گی ۔

۴ ۔ اگر میت کے ذمہ قرض بالکل نہ ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد مال بچ جائے تو اس صورت میں اگر میت نے کوئی وصیت کی ہے اور وہ گناہ کی وصیت نہیں ہے تو میت کا جو مال موجود ہے اس کے ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوگی ۔

۵ ۔ اگر کوئی شخص اپنے پورے مال کی وصیت کر دے تب بھی وہ ایک تہائی مال ہی کے لئے معتبر ہو گی ۔ ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا جائز نہیں ۔

۶ ۔ قرض کی ادائیگی کے بعد ایک تہائی مال میں وصیت نافذ کر کے باقی مال شرعی وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے ۔

۷ ۔ اگر کسی نے وصیت نہیں کی تو قرض کی ادائیگی کے بعد اس کا سارا مال وارثوں میں تقسیم ہو گا ۔

۸ ۔ وارث کے حق میں وصیت باطل ہے ۔ البتہ اگر دیگر وارث اجازت دیدیں تو جس وارث کے لئے وصیت کی گئی ہے اس کے حق میں وصیت نافذ کر کے باقی مال شرعی طریقہ سے اس وارث سمیت جس کے حق میں وصیت کی گئی ہے ، سب وارثوں میں تقسیم کیا جائیگا ۔ (معارف القرآن ۳۲۰/ ۲) ۔

لڑکے اور لڑکیوں کا حصہ ۔ اگر میت کی اولاد میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں یعنی دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں اور ایک لڑکا یا ایک سے زیادہ لڑکے اور ایک لڑکی ہو تو ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ ہر لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں دو حصے ملیں ۔

جو لوگ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے اور وہ سخت گنہگار ہیں ۔ ان میں بعض بچیاں نابالغ بھی ہوتی ہیں ۔ ان کو حصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے

ایک تو شرعی وارث کو حصہ نہ دینے کا اور دوسرا گناہ یتیم کا مال کھانے کا ۔

دو یا زائد لڑکیوں کا حصہ ۔ اگر میت کے نرینہ اولاد نہ ہو اور صرف لڑکیاں ہوں اور ان کی تعداد دو یا دو سے زیادہ ہو تو ان کو ترکہ میں سے دو تہائی مال ملے گا ۔ اس دو تہائی مال میں سب لڑکیوں کا حصہ برابر ہوگا اور باقی ایک تہائی مال دوسرے وارثوں مثلاً والدین ، بیوی یا شوہر وغیرہ کو ملے گا ۔

دو سے زائد لڑکیوں کے لئے دو تہائی حصہ کا حکم تو قرآن کریم کی اس آیت میں لفظ فوق اثنتین سے ثابت ہے مگر دو لڑکیوں کے لئے بھی وہی دو تہائی حصہ کا حکم ہے جو احادیث سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع ہے ۔

تنہا لڑکی کا حصہ ۔ اگر مرنے والے نے صرف ایک لڑکی چھوڑی اور اس کے کوئی لڑکا نہ ہو تو اس کو اس کے والدین یا والدہ کے چھوڑے ہوئے مال کا آدھا حصہ ملے گا ۔ باقی مال دوسرے وارثوں میں تقسیم ہو گا ۔ (معارف القرآن ۳۴۱ ، ۳۴۲ / ۲) ۔

تنہا لڑکے کا حصہ ۔ اس آیت میں تنہا لڑکے کا حصہ نہیں بتایا گیا اور تنہا لڑکی کے لئے نصف ترکہ مقرر کیا گیا ہے لہذا تنہا لڑکا مال سے محروم تو ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس کو لڑکی پر بہر حال فضیلت حاصل ہے ۔ پس جب تنہا لڑکی محروم نہیں ہوتی تو تنہا لڑکا بھی محروم نہیں ہوگا اور لڑکے کے مقابلہ میں لڑکی کا حصہ نصف ہوتا ہے اور آیت میں لڑکی کے لئے نصف ترکہ مقرر کیا گیا ہے اس لئے تنہا لڑکے کو کل ترکہ ملنا چاہئے ۔

لڑکے کی موجودگی میں کوئی دوسرا عصبہ بھی وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ قریب ترین عصبہ لڑکا ہی ہے اس لئے مال کا کوئی حصہ اس سے بچ ہی نہیں سکتا کہ کسی دوسرے وارث کو ملے ۔ لہذا لڑکے کی موجودگی میں پوتے پوتیاں بالا جماع محروم رہیں گے (مظہری ۹۶ / ۲) ۔

پوتے پوتیوں کی وراثت ۔ اس بات پر اجماع ہے کہ اگر صلبی اولاد نہ ہو تو پوتے اور پوتیاں صلبی اولاد کی قائم مقام ہو جائینگے ۔ اگر صرف ایک پوتا یا چند پوتے ہوں تو کل مال ان کو ملے گا اور اگر ایک پوتی ہو تو آدھا مال ملے گا ۔ اگر پوتیوں کی تعداد ایک سے زیادہ ہوگی تو ان کو دو تہائی ملے گا ۔ اگر پوتے اور پوتیاں مخلوط ہوں تو مذکر کا دوہرا حصہ اور مؤنث کا اکہرا حصہ ہوگا ۔ اگر پوتے پوتیوں کے ساتھ ایک صلبی لڑکی یا چند لڑکیاں ہوں تو جو کچھ ترکہ لڑکی یا لڑکیوں کو دینے کے بعد بچے گا وہ پوتے اور پوتیوں کو دوہرے اور اکہرے حصوں کے حساب

سے ملے گا۔

بخاریؒ و مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرض حصے اہل فرائض کو دو اور فرائض ادا کرنے کے بعد جو کچھ بچ جائے وہ قریب ترین مرد کو دیدو۔

اگر ایک صلبی لڑکی ہو اور ایک یا ایک سے زیادہ پوتیاں تو لڑکی کو نصف ترکہ دینے کے بعد پوتیوں کو کل ترکہ کا چھٹا حصہ دیا جائیگا تاکہ دو تہائی ہو جائے کیونکہ بیٹیوں، پوتیوں، بہنوں کا حصہ دو تہائی سے زائد نہیں۔ لہذا دو تہائی پورا کرنے کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ دیا جائیگا۔

دو حقیقی بیٹیوں کی موجودگی میں پوتیاں وارث نہ ہوں گی کیونکہ بیٹیوں کو دو تہائی پورا ملے گا اور عورتوں کا حصہ بطور فرضیت دو تہائی سے زائد نہیں، البتہ اگر پوتیوں کے ساتھ مساوی رشتہ کا کوئی پوتا ہوگا یا پوتیوں سے نیچے کے درجہ میں کوئی پوتا ہوگا تو وہ چونکہ عصبہ ہوگا اس لئے وہ اپنے ساتھ مساوی درجہ رکھنے والی پوتیوں کو بھی عصبہ بنا دے گا اور اس سے اوپر کا درجہ رکھنے والی پوتیاں بھی اس کی وجہ سے عصبہ ہو جائینگی۔ (مظہری ۶۸۰/ ۲)۔

والدین کا حصہ۔

۱) ۔ اگر میت کے ماں باپ دونوں زندہ ہوں اور میت کے اولاد بھی ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث تو اس صورت میں ماں کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اور باپ کو بھی چھٹا حصہ ملے گا۔ باقی ترکہ دوسرے وارثوں مثلاً اولاد، بیوی یا شوہر وغیرہ میں تقسیم ہوگا۔ اگر میت کے مذکر اولاد نہ ہو بیٹی ہو تو باپ کو چھٹا حصہ تو بطور فرض ملے گا اور ذوی الفروض کو دینے کے بعد جتنا مال بچے گا وہ باپ کو عصبہ ہونے کی بنا پر ملے گا کیونکہ بیٹوں اور پوتوں کے بعد باپ کا رشتہ تمام عصبات سے زیادہ قریب ہے۔ (مظہری ۶۸۰/ ۲)۔

۲) اگر میت کے اولاد اور بھائی بہن اور بیوی یا شوہر نہ ہوں اور ماں باپ موجود ہوں تو اس صورت میں ماں کا ایک تہائی حصہ ماں کو اور باقی دو تہائی باپ کو ملے گا۔

۳) ۔ اگر میت کے وارثوں میں اس کا شوہر یا اس کی بیوی موجود ہو تو سب سے پہلے اس کا حصہ الگ کیا جائیگا۔ اور باقی مال میں سے ایک تہائی والدہ کو اور دو تہائی والد کو ملے گا۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ جس راستہ پر حضرت عمرؓ چلتے تھے ہمیں وہی آسان نظر آتا تھا اور ہم بھی اسی پر چلتے تھے۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ اگر میت کے وارث ایک

بیوی اور ماں باپ ہوں تو کیا حکم ہے ۔ آپؓ نے فرمایا عورت کو چوتھائی اور باقی ماندہ میں سے ماں کو ایک تہائی اور باقی دو تہائی باپ کا ہوگا ۔ یہی قول حضرت زیدؓ بن ثابت کا ہے ۔ اسی پر اجماع ہے ۔ (مظہری ۶۸۱ / ۲) ۔

۴ ۔ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور بھائی بہن ہوں خواہ حقیقی ہوں یا علآتی یا اخیافی (باپ کی طرف سے یا ماں کی طرف سے) اور ان کی تعداد دو ہو ، خواہ دونوں بھائی ہوں یا دو نوں بہنیں ، یا دو سے زیادہ ہوں تو دونوں صورتوں میں ماں کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر میت کا کوئی اور وارث نہیں تو باقی ۶/۵ حصہ باپ کو ملے گا ۔

مقررہ حصے بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اور ماں باپ کے یہ حصے اپنے طور پر مقرر فرمائے ہیں ۔ کسی کو اپنی رائے سے ان میں کمی بیشی کا حق نہیں ۔ وہ حکیم ہے ، اسے سب کچھ معلوم ہے ۔ اس نے جو حصے مقرر کئے ہیں ان میں بڑی حکمتیں ہیں اور تمہارے نفع کا کوئی پہلو اس کے علم سے باہر نہیں ۔ (معارف القرآن ۲/ ۳۲۳، ۳۲۴) ۔

زوجین و کلالہ کی میراث

۱۲ ۔ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْدَيْنٍ ۭ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاۗءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَاۗرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۭ

اور تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے ترکہ میں سے نصف (ترکہ) ہے اگر ان کے کوئی اولاد نہ ہو۔ پھر اگر ان کے اولاد ہو تو ان کی وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد ان کے ترکہ میں تمہارے لئے چوتھائی (حصہ) ہے۔ اور اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو تو تمہاری بیوی کو تمہارے ترکہ میں چوتھائی (حصہ) ملے گا۔ پھر اگر تمہارے اولاد ہو تو تمہاری وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد تمہارے ترکہ میں ان (بیویوں) کا آٹھواں (حصہ) ہے۔ اور اگر کوئی مرد یا عورت جس کی میراث ہے، کلالہ ہے (یعنی اس کے کوئی اولاد نہ ہو اور نہ باپ دادا وغیرہ ہوں) اور اس میت کا (ماں کی طرف سے) ایک بھائی اور ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ پھر اگر (بھائی اور بہن) ایک سے زیادہ ہوں تو وصیت پوری کرنے اور قرض ادا کرنے کے بعد سب ایک تہائی (حصہ) میں شریک ہوں گے بشرطیکہ (وصیت سے اوروں کو نقصان نہ پہنچا ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) حلم والا ہے۔

كَلٰلَةٌ: کلالہ اس میت کو کہتے ہیں جس کے نہ اصول ہوں یعنی باپ دادا اور نہ فروع ہوں یعنی اولاد اور بیٹے کی اولاد وغیرہ۔

مُضَآرٍّ: ضرر پہنچانے والا۔ نقصان دینے والا۔ ضِرار سے اسم مفعول۔

شانِ نزول۔ بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے فرمایا کہ میں بیمار تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ میری بیمار پرسی کے لئے محلہ بنو سلمہ میں پیدل تشریف لائے۔ میں اس وقت بیہوش تھا۔ آپؐ نے پانی منگوا کر وضو کے پانی کا چھینٹا دیا۔ مجھے فوراً ہوش آگیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر ۴۵۰/ ۱، مظہری ۶۸/ ۲)۔

تشریح

زوجین کا حصہ اس آیت میں شوہر اور بیوی کے حصوں کی تعین کی گئی ہے۔ اگر فوت ہونیوالی عورت کے کوئی اولاد نہ ہو تو قرض کی ادائگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد

شوہر کو مرحومہ کے کل مال کا نصف حصہ ملے گا اور باقی نصف دوسرے وارثوں ، مرحومہ کے والدین ، بھائی ، بہن وغیرہ میں حسب قاعدہ تقسیم ہوگا ۔

اگر مرنے والی عورت نے اولاد چھوڑی ہو ، خواہ ایک ہو یا دو یا اس سے زیادہ اور خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی ، اس شوہر سے ہو جس کو چھوڑ کر وفات پائی ہے یا اس سے پہلے کسی اور شوہر سے ہو تو ان تمام صورتوں میں قرض کی ادائیگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد موجودہ شوہر کو مرحومہ کے کل مال میں سے ایک چوتھائی ملے گا اور باقی تین چوتھائی مال دوسرے وارثوں میں تقسیم ہوگا ۔

اگر میاں بیوی میں سے فوت ہونے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی تو قرض کی ادائیگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد بیوی کو مرحوم شوہر کے کل مال کا چوتھائی ملے گا اور اگر اس نے کوئی اولاد چھوڑی ہے خواہ وہ اس بیوی سے ہو یا کسی دوسری بیوی سے تو اس صورت میں قرض کی ادائیگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا ۔

اگر مرحوم شوہر نے ایک سے زیادہ بیویاں چھوڑی ہیں تو بھی مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق ایک بیوی کے حصہ میں جتنی میراث آئے گی وہ ان سب بیویوں میں برابر ، برابر تقسیم کی جائے گی ۔ یعنی سب بیویاں ایک چوتھائی یا آٹھویں حصہ میں شریک ہوں گی ۔ بیوی کو یا بیویوں کو دینے کے بعد جو ترکہ بچے گا وہ دوسرے وارثوں میں تقسیم کیا جائیگا ۔ (معارف القرآن ۳۲۵ ، ۳۲۶ / ۲) ۔

نوٹ ۔ اگر کسی نے بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو دوسرے قرضوں کی طرح وارثوں میں مال تقسیم کرنے سے پہلے بیوی کو مہر کے برابر مال دیاجائیگا ۔ اس کے بعد جو کچھ بچے گا وہ وارثوں میں تقسیم ہوگا ۔ مہر کی ادائیگی کے بعد عورت کو اپنا میراث کا حصہ بھی ملے گا ۔ اگر میت کا مال اتنا ہے کہ مہر ادا کرنے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو دوسرے قرضوں کی طرح پورا مال مہر میں عورت کو دیدیا جائیگا اور کسی وارث کو کچھ نہیں ملے گا ۔

کلالہ کی میراث ۔ اگر کوئی مرد یا عورت وفات پا جائے اور اس کے نہ باپ ہو نہ دادا اور نہ اولاد اور اس نے ایک بھائی یا بہن ماں شریک (اخیافی) چھوڑے ہوں تو ان میں سے اگر بھائی ہے تو اس کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی نہیں ہے تو بہن کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں مثلاً ایک بھائی ایک بہن ہوں یا دو بھائی دو بہنیں ہوں تو یہ سب میت کے کل مال کے تہائی حصہ میں شریک ہوں گے اور مذکر و

مونث سب کو برابر، برابر حصہ ملے گا۔ (معارف القرآن ۳۲۸/ ۲)۔

میراث کے ضروری احکام

کافر و مسلمان کی وراثت ۔ پیدائشی مسلمان کسی کافر کا اور پیدائشی کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا خواہ ان میں کوئی بھی نسبی رشتہ ہو ۔

مرتد کی وراثت ۔ اگر کوئی شخص پہلے اسلام لایا پھر (نعوذ باللہ) مرتد ہوگیا تو اس کے مرنے یا قتل ہو جانے پر اس کا وہ مال جو اس نے اسلام کے زمانے میں کمایا تھا اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا ۔ اور جو مال اس نے مرتد ہونے کے بعد کمایا وہ بیت المال میں جمع کر دیا جائیگا ۔

اگر کوئی عورت اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گئی تو اس کا تمام مال خواہ وہ زمانہ اسلام میں حاصل ہوا ہو یا زمانہ ارتداد میں، اس کے مسلمان وارثوں کو ملے گا ۔

مرتد ہونے والا خواہ مرد ہو یا عورت دونوں میں سے کسی کو بھی نہ تو کسی مسلمان سے میراث ملے گی نہ کسی مرتد سے ۔

قاتل کی وراثت ۔ اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو قتل کر دے جس کے مال میں سے وہ میراث کا حقدار ہو تو یہ قاتل اس شخص کی میراث سے محروم ہو جائیگا ۔

حمل کے بچے کی میراث ۔ اگر کسی شخص نے کچھ اولاد اور حاملہ بیوی چھوڑی تو حمل والا بچہ بھی وارثوں میں شامل ہوگا ۔ مگر بچہ پیدا ہونے تک میراث کی تقسیم ملتوی رکھنا مناسب ہوگا ۔ اور اگر ترکہ تقسیم کرنا ضروری ہو تو حمل کو ایک لڑکا یا ایک لڑکی تصور کر کے دونوں صورتوں میں سے جس صورت میں وارثوں کو کم مال ملتا ہو اس پر عمل کر لیا جائے اور باقی مال بچہ پیدا ہونے کے بعد تقسیم کیا جائے ۔

عدت والی عورت کی میراث ۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو رجعی طلاق دیدی ۔ پھر وہ طلاق سے رجوع کرنے اور عدت ختم ہونے سے پہلے وفات پاگیا تو یہ عورت میراث میں حصہ پائے گی کیونکہ اس کا نکاح باقی ہے ۔

اگر کسی شخص نے مرض الوفات میں بیوی کو طلاق دی، اگر چہ طلاق بائن یا مغلظہ ہی ہو اور وہ عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے مرگیا، تب بھی وہ عورت اس کی وارث ہوگی اور اس کو وارث بنانے کی وجہ سے اس کی طلاق (کی عدت تین حیض) اور وفات (کی

عدت ۴ مہینے دس دن) کی دونوں عدتوں میں سے جو سب سے زیادہ دراز ہو اسی کو اختیار کیا جائیگا ، تاکہ جہاں تک ممکن ہو عورت کو وراثت میں سے حصہ مل سکے ۔

اگر کسی شخص نے مرض الوفات سے پہلے طلاق بائن یا مغلظ دی اور اس کے چند دن بعد عورت کی عدت کے دوران وہ فوت ہوگیا تو اس صورت میں اس کو میراث میں سے حصہ نہیں ملے گا ۔ البتہ اگر اس نے رجعی طلاق دی ہے تو عورت کو وراثت میں حصہ ملے گا ۔

عصبات کی میراث ۔ فرائض کے مقررہ بارہ حصے وارثوں کے لئے طے شدہ ہیں ۔ ان وارثوں کو اصحاب الفروض کہتے ہیں ۔ اگر اصحاب الفروض میں سے کوئی نہ ہو یا ان کے حصے دینے کے بعد کچھ مال بچ جائے تو وہ عصبہ کو دے دیا جاتا ہے اور بعض دفعہ ایک ہی شخص کو دونوں حیثیتوں سے مال مل جاتا ہے اور بعض صورتوں میں میت کی اولاد اور میت کا والد بھی عصبہ ہو جاتا ہے ۔ دادا کی اولاد یعنی چچا اور باپ کی اولاد یعنی بھائی بھی عصبہ ہو جاتے ہیں ۔

اگر عصبات نہ ہوں تو اصحاب الفروض کے حصے دینے کے بعد جو مال بچے گا وہ بھی ان کے حصوں کے مطابق انہی (اصحابِ فرائض) کو دیدیا جائیگا ۔ البتہ شوہر اور بیوی کو کسی حال میں مقررہ حصے سے زیادہ نہیں ملے گا ۔

اگر اصحابِ فرائض میں سے کوئی نہ ہو اور عصبات میں سے بھی کوئی نہ ہو تو میراث ذَوِی الْاَرْحَامْ میں تقسیم کی جائے گی ۔ ذَوِی الْاَرْحَامْ میں نواسے نواسیاں ، بہنوں کی اولاد ، پھوپھیاں ، ماموں ، خالہ وغیرہ آتے ہیں ۔ (معارف القرآن ۳۳۲ ۔ ۳۳۳/ ۲) ۔

اطاعت کا انعام

۱۳ ۔ تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ؕ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ؕ وَ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ؕ

یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن

کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں فرمایا کہ یہ تمام احکامِ میراث اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود ہیں ۔ مومنوں کو ان حدود کے اندر رہنا چاہیئے ۔ ان سے باہر قدم نکالنے میں ایمان کا خطرہ ہے ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری اتباع کرے گا ، اللہ تعالیٰ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ یہی بڑی کامیابی ہے کیونکہ جنت ہمیشگی کا گھر ہے جہاں ایسی نعمتیں ملیں گی جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال تک گزرا ۔

نافرمانی کا انجام

۱۴ ۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۔ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۔

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی (مقرر کی ہوئی) حدود سے تجاوز کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ۔ اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے ۔

يَتَعَدَّ ۔ وہ حد سے تجاوز کرے گا ۔ تَعَدِّیْ سے مضارع ۔

مُّهِيْنٌ ۔ ذلیل کرنے والا ۔ بے عزت کرنے والا ۔ اهانة سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا اور اس کی قائم کردہ حدود کو توڑے گا یعنی اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو بدل کر کسی وارث کے حصے کو کم یا بیش کر دے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو جہنم کی آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے وہاں ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ہے ۔ پس وہ وہاں ہمیشہ مصیبت ، ذلت اور رسوائی میں گرفتار رہے گا ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

ایک شخص ستر سال تک نیک عمل کرتا ہے پھر وصیت کے وقت ظلم کرتا ہے ۔ اس کا خاتمہ بُرے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے ۔ اور ایک شخص ستر سال تک بُرائی کا عمل کرتا ہے ۔ پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے ۔ اس کا خاتمہ بہتر ہو جاتا ہے اور وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے ۔ (ابن کثیر ۳۶۱/ ۱) ۔

بد کاری کی سزا

۱۵ ، ۱۶۔ وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۔ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْیَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلاً ۔ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۔ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّاباً رَّحِیْمَا ۔

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں ۔ تو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار (معتبر) گواہ لاؤ ۔ پھر اگر وہ گواہی دیدیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ وہ مر جائیں یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ نکالے ۔ اور تم میں سے جو دو مرد بد کاری کریں تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ ۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی حالت کی اصلاح کرلیں تو ان سے کچھ تعرض نہ کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے ۔

فَاحِشَةَ ۔ بے حیائی بدکاری ۔ لغت میں ہر ایسے قول و فعل کو فحش کہا جاتا ہے جو بُرا ہو اور جس کا ذکر کرنا اور سننا گوارا نہ ہو ۔ یہاں مُراد زنا ہے ۔ فُحْشٌ سے اسم مصدر ۔

فَاَمْسِكُوْهُنَّ ۔ پس تم ان عورتوں کو روک رکھو ۔ اِمْسَاکٌ سے امر ۔

تشریح ۔ پہلی آیت میں بدکاری کی مجرم عورتوں کی سزا کا حکم ہے اور دوسری آیت میں بدکاری کرنے والے مردوں کی سزا کا بیان ہے ۔ ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب چار چشم دید عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہوجائے تو اس کو گھر

کے اندر ہی قید کرکے رکھو یہاں تک کہ اس کو موت آجائے یا اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی راہ نکال دے ۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد سورۂ نور میں حکم نازل ہوا کہ اگر کنوارا مرد یا عورت ایسا فعل کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور اگر شادی شدہ مرد یا عورت اس فعل کا ارتکاب کرے تو ان میں سے ہر ایک کو سنگسار کرو ۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب تک سورۂ نور کی آیت نازل نہیں ہوئی تھی زناکار عورت کے لئے یہی حکم تھا۔

زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی ہونی چاہیئے جو مومن اور عادل ہوں فاسق نہ ہوں ۔ زنا کے مقدمہ میں عورت کی شہادت بالا جماع جائز نہیں ۔

پھر فرمایا کہ اگر مرد و عورت دونوں توبہ کرلیں اور بدکاری سے باز آجائیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کرلیں تو تم ان کے ساتھ سختی سے پیش نہ آؤ کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا گناہ نہ کرنے والے کی مانند ہے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے (ابن کثیر ۴۶۳/ ۱، حقانی ۱۳۶/ ۲) ۔

توبہ کی شرائط

۱۷ ۔ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔

بیشک اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے جو نادانی سے کوئی بُری حرکت کر بیٹھیں ۔ پھر (معلوم ہونے پر) جلدی توبہ کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔

تشریح ۔ یہاں توبہ قبول ہونیکی شرائط بتائی گئی ہیں ۔ توبہ قبول ہونے کے لئے دو باتیں ضروری ہیں ۔

۱) ۔ گناہ ، حماقت و غفلت اور بیوقوفی سے کیا ہو ۔ پس جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرے خواہ جان بوجھ کر ، قصد اور ارادہ سے کرے یا خطاء ، اور نا واقفیت کی بنا پر کرے وہ بہر حال جہالت ہی میں شمار ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے گناہ سے توبہ کرنے والے کی توبہ

قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے بشرطیکہ وہ توبہ اخلاص اور صدق دل سے کی گئی ہو ۔
۲) ۔ گناہ کا احساس ہوتے ہی ندامت محسوس کرتے ہوئے فوراً توبہ کر لے ۔
جو لوگ یہ دو شرطیں پوری کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کی توبہ ضرور قبول فرمالیتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے کہ کس نے نادانی سے گناہ کیا اور کس نے اخلاص سے توبہ کی ۔ وہ بڑی حکمت والا ہے ۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان نے (بارگاہ الٰہی میں) عرض کیا کہ تیری عزّت اور جلال کی قسم ، میں لوگوں کو برابر گمراہ کرتا رہوں گا جب تک کہ ان کے اندر جان ہوگی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزّت اور جلال کی قسم میں بھی ان کو ہمیشہ معاف کرتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے معافی مانگتے رہیں گے ۔ (مظہری بحوالہ امام احمد وابویعلیٰ ۲/۷۰ ، ابن کثیر ۱/۴۶۳) ۔

توبہ کا قبول نہ ہونا

۱۸ ۔ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔

اور ایسے لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو گناہ پر گناہ کئے چلے جاتے ہیں ۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت آکھڑی ہوتی ہے تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ایسے لوگوں کی (توبہ قبول ہوتی ہے) جو حالت کفر میں مر جاتے ہیں ۔ انہی (لوگوں) کے لئے تو ہم نے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

لَيْسَتِ ۔ وہ نہیں ہے ۔ فعل ناقص ہے ۔
اَعْتَدْنَا ۔ ہم نے تیار کیا ۔ اِعْتِدَاءٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کی توبہ قبول نہیں ہوتی ۔ جو لوگ عمر بھر جرأت کے ساتھ گناہ کرتے رہتے ہیں اور باز نہیں آتے ۔ پھر جب موت سر پر آجاتی ہے ، جان کنی کی حالت ہوتی ہے اور موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں تو وہ اس وقت کہتے ہیں

کہ اب ہم توبہ کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں نے توبہ کا وقت کھو دیا ۔ لہذا اب ان کی توبہ بھی قبول نہیں ہوگی اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی جن کو کفر کی حالت پر موت آ گئی اور انہوں نے عین نزع کی حالت میں ایمان کا اقرار کیا ۔ انہی لوگوں کے لئے درد ناک عذاب ہے ۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورج مغرب کی جانب سے برآمد ہونے سے پہلے تک جو شخص توبہ کر لے گا ، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لے گا ۔ (معارف القرآن ۳۳۵/ ۲) ۔

عورتوں پر ظلم کی ممانعت

۱۹ ۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۔ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۔ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۔ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ۔

اے ایمان والو ! تمہیں یہ حلال نہیں کہ تم زبردستی عورتوں سے میراث لے لو اور نہ ان کو اس لئے روک کر رکھو کہ تم نے ان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ واپس لے لو سوائے اس کے کہ وہ صریح بد کاری کریں ۔ اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے رہو ۔ پھر اگر (کسی وجہ سے) وہ تمہیں پسند نہ ہوں تو ممکن ہے ایک چیز تمہیں نا پسند ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسی میں (تمہارے لئے) بہت بھلائی رکھی ہو ۔

كَرْهًا ۔ نا پسندیدگی ۔ سختی ۔ جبر ۔ زبردستی ۔
تَعْضُلُوْهُنَّ ۔ تم ان کو قید کرو ۔ تم ان کو روکو ۔ عَضْلٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ بخاری ، ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ (دور جاہلیت میں) جب کوئی مر جاتا تو اس میت کے قریب ترین عزیز اس کی بیوی کے

زیادہ حقدار ہوتے تھے ۔ اگر چاہتے تو خود نکاح کر لیتے اور چاہتے تو کسی دوسرے سے نکاح کر دیتے ۔ عورت کے قریب ترین عزیزوں کو بھی اس کا اختیار نہیں ہوتا تھا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲/۳۰) ۔

تشریح ۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا تو اس کے وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے تھے ۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اس کو اپنے نکاح میں لے لیتا ۔ اگر وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح میں دیدیتے ۔ اگر وہ چاہتے تو اس کو نکاح ہی نہ کرنے دیتے ۔ اس عورت کے رشتہ داروں کے مقابلے میں بھی لوگ اس کے زیادہ حقدار سمجھے جاتے تھے ۔

دوسری روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہر کے حق سے دست بردار ہو جائے یا نکاح کے بغیر بیٹھی رہے ۔ کبھی یہ بھی ہوتا کہ خاوند کے مرتے ہی ان لوگوں میں سے کوئی آکر اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور وہی اس کا مختار سمجھا جاتا ۔ اگر وہ خوبصورت ہوتی تو کپڑا ڈالنے والا خود اس سے نکاح کر لیتا ۔ اگر بد صورت ہوتی تو اسے یونہی روکے رکھتا یہاں تک کہ مرجائے ۔ پھر وہی اس کے مال کا وارث بنتا ۔ زمانہ جاہلیت میں یہ بات بھی عام تھی کہ اگر کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کر لیا تو موافقت نہ ہونے کی صورت میں وہ اسے طلاق دے دیتا تھا لیکن ساتھ میں یہ شرط بھی کر لیتا کہ اس کی اجازت کے بغیر وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی ۔ اس بات پر گواہ مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا ۔ اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا کہ مجھے اتنی رقم دیدو تو میں نکاح کی اجازت دیدوں گا ۔ اگر وہ عورت مطلوبہ رقم ادا کر دیتی تو خیر ورنہ وہ اسے یونہی روکے رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا ۔ (ابن کثیر ۱/۴۶۵) ۔

اس آیت میں انہی ناشائستہ افعال سے منع فرمایا ہے جن کا خلاصہ یہ ہے ۔

۱) ۔ اگر کسی نے کسی بالغ عورت سے اس کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر نکاح کر لیا تو وہ نکاح شرعاً حلال نہیں بلکہ کالعدم ہے ۔ ایسے نکاح سے نہ تو ان کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور نہ وراثت یا نسب کے احکام جاری ہوتے ہیں ۔

۲) ۔ اگر کسی نے عورت کو مجبور کر کے اس سے اپنا دیا ہوا مہر واپس لے لیا یا واجب الادا مہر کو جبراً معاف کرالیا تو یہ جبری واپسی یا معافی شرعاً معتبر نہیں ۔ نہ اس طرح لیا ہوا مال مرد کے لئے حلال ہوتا ہے اور نہ کوئی واجب حق معاف ہوتا ہے ۔

۳) ۔ عورتوں کو اس خیال سے اپنی مرضی کا نکاح کرنے سے نہ روکو کہ تم نے یا تمہارے عزیز نے ان کو جو مال بطور مہر یا ہدیہ دیا ہو وہ ان سے واپس لے لو ۔
۴ ۔ اگر کسی عورت سے کسی ایسی کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت کا ارتکاب ہو جائے جس کی وجہ سے آدمی طلاق دینے پر مجبور ہو جائے تو ایسی صورت میں شوہر اس وقت تک طلاق نہ دے جب تک کہ وہ اس کا دیا ہوا مال یا مہر واپس نہ کر دے یا واجب الادا مہر کو معاف نہ کردے ۔
۵) ۔ اگر مرد ، عورت کو بد صورتی یا بد اخلاقی کی وجہ سے نا پسند کرتا ہو تب بھی اس کو صبر کرنا چاہئے ۔ اس صورت میں بھی نہ تو اس کو تکلیف دے اور نہ اس سے ترک تعلق کرے کیونکہ ممکن ہے ایک چیز اس کو پسند نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس میں بڑا فائدہ رکھ دے یعنی (آخرت میں) بڑا درجہ یا ثواب یا (دنیا میں) نیک اولاد عطا فرمادے ۔
(معارف القرآن ۔ ۲۵۱ ، ۲۵۲/ ۲) ۔

مہر واپس لینے کی ممانعت

۲۰ ، ۲۱ ۔ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ لا وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا ط اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۔ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۔

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہتے ہو (ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو) اور تم اس (پہلی بیوی) کو بہت سا مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو ۔ کیا تم اس پر بہتان باندھ کر اور صریح گناہ کے مرتکب ہو کر اس کو (واپس) لینا چاہتے ہو ۔ اور تم اس کو کیسے واپس لے سکتے ہو حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے حجاب ہو کر مل چکے ہو اور وہ عورتیں تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں ۔

قِنْطَارًا ۔ ڈھیر ۔ خزانہ ۔ انبار ۔
اَفْضٰی ۔ وہ مل چکا ۔ وہ پہنچ گیا ۔ اِفْضَاءٌ سے ماضی ۔
غَلِيْظًا ۔ پختہ ۔ سخت ۔ گاڑھا ۔

تشریح ۔ اگر عورت نے نا فرمانی اور زنا کا ارتکاب نہ کیا ہو مگر شوہر اپنی خواہش سے اس کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ دئے ہوئے مال کا کوئی حصہ طلاق کے معاوضہ میں اس سے واپس لے لے یا واجب الادا مہر کو معاف کرا لے خواہ اس نے اس بیوی کو ڈھیروں مال ہی دیا ہو کیونکہ اس میں عورت کا کوئی قصور نہیں ۔ کیا تم باطل طریقے سے بیوی پر زنا وغیرہ کا بہتان لگا کر، کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے اس سے اپنا مال واپس لو گے ؟ اور جب مہر مقرر ہو چکا اور اس کا ادا کرنا واجب ہو گیا اور تم بیوی سے خلوت بھی کر چکے تو پھر تم دئے ہوئے مال کو واپس نہیں لے سکتے ۔ (مظہری ۶۰۹ ، ۶۰۰ / ۲ ، معارف القرآن ۳۵۲/ ۲) ۔

سوتیلی ماؤں کی حرمت

۲۲ ۔ وَلَا تَنْكِحُوْا مَانَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۔ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔

اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو مگر جو گزر چکا (سو گزر چکا) بیشک یہ بڑی بے حیائی اور ہلاکت نفرت کی بات ہے اور برا طریقہ ہے ۔

سَلَفَ ۔ وہ ہو چکا ۔ وہ گزر گیا ۔ سَلَفٌ سے ماضی ۔
مَقْتًا ۔ سخت نا پسندیدہ ۔ سخت نفرت کیا ہوا ۔ مصدر بمعنی مفعول ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم ، فریابی اور طبرانی نے حضرت عدی بن ثابت کی وساطت سے حضرت ابو قیسؓ انصاری کا واقعہ بیان کیا ہے ۔ حضرت ابو قیسؓ بڑے نیک اور بزرگ صحابی تھے ۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے قیس نے ان کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا جو اس کی سوتیلی ماں تھی ۔ عورت نے قیس سے کہا کہ بیشک تو اپنی قوم میں نیک ہے مگر میں تو تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں ۔ پھر اس عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا ۔ آپ نے فرمایا کہ اب تم اپنے گھر چلی جاؤ (اور حکم کا انتظار کرو) اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۴۶۸ / ۱) ۔

تشریح ۔ اہل جاہلیت اپنی سوتیلی ماؤں اور بعض دیگر محرمات سے بھی نکاح کر لیتے تھے ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سوتیلی ماؤں کی حرمت اور ان کی تعظیم و توقیر بیان فرمائی ہے کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا نے نکاح کیا ہو ، ان سے نکاح نہ کرو مگر جو کچھ پہلے ہو چکا اس کا مواخذہ نہ ہوگا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اور شریف لوگوں کے نزدیک یہ بہت ہی بے حیائی ، گناہ اور سخت نفرت کا کام ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے کسی امت کو بھی اس کی اجازت نہیں دی ۔

اگر باپ نے کسی عورت سے صرف نکاح کیا اور ابھی وہ رخصت ہو کر بھی نہیں آئی کہ طلاق ہو گئی یا باپ مر گیا وغیرہ تب بھی وہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہے ۔ اسی طرح بیٹے کی بیوی سے باپ کا نکاح کرنا درست نہیں اگر چہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہو ۔

اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ۔

مُحرماتِ نکاح

۲۳ ۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَ حَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ لا وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ط

تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور

تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور جن بیویوں سے تم نے صحبت کی ہو ان کی وہ بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں رہتی ہوں (تم پر حرام کی گئیں) پھر اگر تم نے ان بیویوں سے صحبت نہیں کی تو (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں ۔ اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں (بہوئیں) جو تمہاری صلب (پشت) سے پیدا ہوئیں (وہ بھی تم پر حرام ہیں) اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ (نکاح میں) رکھو (یہ بھی حرام ہے) مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے ۔

رَبَائِبُكُمْ ۔ تمہاری بیوی کی لڑکیاں جو پہلے خاوند سے ہوں ۔ ربیب اس بچہ کو کہتے ہیں جو پہلے شوہر کا ہو اور ماں کے ساتھ چلا آئے ۔ واحد رَبِيْبَۃٌ ۔

حُجُوْرِكُمْ ۔ تمہاری آغوشیں ۔ تمہاری گودیں ۔ واحد حِجرٌ ۔

اَصْلَابِكُمْ ۔ تمہاری پیٹھیں ۔ تمہاری پشتیں ۔ تمہاری نسلیں ۔ واحد صُلْبٌ ۔

تشریح ۔ گزشتہ آیت میں سوتیلی ماں کی حرمت کا بیان تھا ۔ اس آیت میں ان عورتوں کا بیان ہے جن سے نکاح جائز نہیں ۔

۱ ۔ **حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ** ۔ تم پر اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا ہے ۔ اس میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں ۔

۲ ۔ **وَبَنٰتُكُمْ** ۔ اور تم پر اپنی صلبی لڑکی سے بھی نکاح کرنا حرام اور لڑکی کی لڑکی سے بھی اور بیٹے کی لڑکی سے بھی یعنی بیٹی ، پوتی ، پڑپوتی ، نواسی اور پڑنواسی ، ان سب سے نکاح کرنا حرام ہے ۔ اور جو لڑکا اور لڑکی صلبی نہ ہو بلکہ گود لیکر پال لیا ہو ، ان سے اور ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے ۔ بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے حرمت نہ آئی ہو ۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس سے جو لڑکی پیدا ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں ہے اس سے بھی نکاح درست نہیں ۔

۳ ۔ **وَاَخَوٰتُكُمْ** ۔ حقیقی بہن سے بھی نکاح کرنا حرام ہے اور اس بہن سے بھی جو علاتی (باپ شریک) اور اس بہن سے بھی جو اخیافی (ماں شریک) ہو ۔

۴ ۔ **وَعَمّٰتُكُمْ** ۔ باپ کی حقیقی بہن ، علاتی بہن ۔ اخیافی بہن ۔ ان تینوں سے نکاح حرام

ہے ۔ یعنی تینوں قسم کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا ۔
۵۔ وَخٰلٰتُکُمْ: والدہ کی بہن خواہ حقیقی ہو یا علاّتی یا اخیافی ۔ ہر ایک سے نکاح حرام ہے
۶ ۔ وَ بَنٰتُ الْاَخِ ۔ بھائی کی لڑکیوں یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ خواہ حقیقی ہوں علاّتی ہوں یا اخیافی ہوں ۔ تینوں طرح کے بھائیوں کی لڑکیوں سے نکاح حلال نہیں ۔
۷ ۔ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ ۔ بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح حرام ہے۔ خواہ بہن یا بہنیں حقیقی ہوں یا اخیافی ہوں ، شرعاً ان کی لڑکیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا ۔
۸ ۔ وَ اُمَّھٰتُکُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَکُمْ ۔ اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے ۔ یعنی دودھ پینے کے زمانے میں جن عورتوں کا تم نے دودھ پیا ہے اگر چہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمت نکاح میں والدہ کے حکم میں ہیں اور ان سے بھی نکاح حرام ہے خواہ دودھ تھوڑا پیا ہو یا زیادہ ، ایک دفعہ پیا ہو یا زیادہ مرتبہ ۔
۹ ۔ وَ اَخَوٰتُکُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ ۔ اور تمہاری دودھ شریک بہنیں ۔ رضاعت کے رشتہ سے جو بہنیں ہیں ان سے بھی نکاح حرام ہے ۔ اگر ایک لڑکے اور ایک لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا اسی طرح رضاعی بھائی اور رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا ۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپؐ کو اپنے چچا حضرت حمزہ کی لڑکی (سے نکاح کرنے) کی خواہش ہے ۔ وہ قریش میں حسین ترین عورت ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کیا تمہیں علم نہیں کہ حمزہ میرے رضاعی بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح نسبی رشتہ میں نکاح حرام کیا ہے اسی طرح رضاعی رشتہ میں بھی حرام کیا ہے ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۳۰، ۳۰، / ۲) ۔
۱۰۔ وَ اُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ ۔ اور تمہاری بیویوں کی مائیں بھی شوہروں پر حرام ہیں ۔ اس میں بیویوں کی نانیاں ، دادیاں ، نسبی ہوں یا رضاعی سب داخل ہیں ۔
۱۱ ۔ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِکُمْ مِّنْ نِّسَآئِکُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَکُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِھِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ ۔ اور جن بیویوں سے تم نے صحبت کی ہو ان کی وہ بیٹیاں جو دوسرے شوہر سے ہوں اور تمہاری پرورش میں رہتی ہوں اور ان کی پوتیاں اور نواسیاں ان سب سے نکاح کرنا جائز نہیں ۔ البتہ اگر ان بیویوں سے صحبت نہیں کی تو ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہیں ۔
۱۲ ۔ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِکُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِکُمْ ۔ بیٹے کی بیوی حرام ہے ۔ اس میں

پوتا ، نواسا بھی داخل ہیں ۔ لہذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہیں ۔ رضاعی بیٹا بھی نسبی بیٹے کے حکم میں ہے ۔ لہذا اس کی بیوی سے بھی نکاح کرنا حرام ہے ۔

۳ ۔ **وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ** ۔ دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا بھی حرام ہے ۔ خواہ حقیقی بہنیں ہوں یا علاتی ہوں یا اخیافی ، نسبی ہوں یا رضاعی ، یہ حکم سب کے لئے ہے ۔ البتہ طلاق ہو جانے کے بعد عدت گزرنے پر دوسری بہن سے نکاح کرنا جائز ہے اسی طرح پھوپھی ، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

۴ ۔ **اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** ۔ ممنوعہ عورتوں سے نکاح پر عذاب ہوگا البتہ زمانۂ جاہلیت میں جو کچھ ہو چکا اس پر مواخذہ نہیں ہوگا ۔ مگر آئندہ کے لئے اجتناب لازم ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔ (مظہری ۱۹، ۱۹۰، / ۲ معارف القرآن ۳۵۸ ۔ ۳۴۳ / ۲) ۔

منکوحہ سے نکاح کی ممانعت

۲۴ ۔ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ج كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ط فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ط وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔

اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ باندیاں جو تمہاری ملک میں آ جائیں (حرام نہیں) اللہ تعالیٰ نے تم پر ان (احکام) کو فرض کر دیا ہے ۔ اور ان عورتوں کے سوا (جن کا اوپر ذکر آیا ہے) دوسری تمام عورتیں تمہارے (نکاح کے) لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم ان کو اپنے مال (مہر) کے ذریعہ پاکدامنی کے لئے طلب کرو شہوت رانی کے لئے نہیں ۔ پھر جب تم نے ان سے اس (مال) کے سبب فائدہ اٹھالیا تو ان کا مقرر

کیا ہوا مہر ادا کر دو ۔ اور تم پر کچھ گناہ نہیں اگر تم مقررہ (مہر) میں سے
(کچھ کمی بیشی کے لئے) آپس میں رضا مند ہو جاؤ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ
سب کچھ جانتا ہے (اور) حکمت والا ہے ۔

اَلْمُحْصَنٰتُ ۔ پاکدامن عورتیں ۔ شوہر والی عورتیں ۔ اِحْصَانٌ سے اسم مفعول ۔
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔ تمہارے دائیں ہاتھ کی ملکیت ۔ مراد غلام عورتیں ہیں جو جنگ وغیرہ کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ہاتھ آئیں ۔
وَرَاءَ ۔ سوائے ۔ علاوہ ۔ پس پشت ۔
تَبْتَغُوْا ۔ تم طلب کرو ۔ تم چاہو ۔ تم تلاش کرو ۔ اِبْتِغَاءٌ سے مضارع ۔
مُسٰفِحِيْنَ ۔ بد کار ۔ زنا کرنے والے ۔ سفاح سے اسم فاعل ۔
اسْتَمْتَعْتُمْ تم نے فائدہ حاصل کیا ۔ تم نے لطف اٹھایا ۔ استمتاع سے ماضی ۔
اُجُوْرَهُنَّ ۔ ان کے حقوق ۔ ان کا بدلہ ۔ یہاں عورتوں کا مہر مراد ہے ۔ واحد اجر ۔

شانِ نزول ۔ مسند احمد میں حضرت ابو سعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ خاوندوں والی کچھ عورتیں جنگ اوطاس میں قید ہو کر آئیں۔ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں سوال کیا ۔ اس پر یہ آیت اتری اور ان سے ملنا حلال کیا گیا ۔ (ابن کثیر ۴۰۳/ ۱)

تشریح ۔ شوہر والی بیوی کو کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں جب تک کہ وہ عورت طلاق کے ذریعہ یا شوہر کی وفات کی وجہ سے نکاح سے جدا نہ ہو جائے اور طلاق یا وفات کی عدت پوری نہ کرلے البتہ وہ عورت جو مملوکہ کنیز ہو کر تمہاری ملک میں آ جائے تو وہ حرمت کے اس حکم سے مستثنیٰ اور تم پر حلال ہے خواہ اس کا خاوند زندہ ہو اور اس نے اس کو طلاق بھی نہ دی ہو ۔ مثلاً مسلمانوں نے دار الحرب کے کافروں سے جہاد کیا اور وہاں سے کچھ عورتیں قید ہو کر دار الاسلام میں آئیں اور ان کے شوہر دار الحرب میں رہ گئے ۔ دارالاسلام میں آنے کے بعد ان عورتوں کے نکاح اپنے سابقہ شوہروں سے ختم ہو گئے اگر یہ عورتیں کتابیہ یا مسلمہ ہوں تو ان سے دارالاسلام کے مسلمان ایک حیض کے بعد نکاح کر سکتے ہیں ۔ مشرک بت پرست سے نکاح جائز نہیں ۔ اگر امیرالمؤمنین ان میں سے کسی کو کنیز بنا کر کسی فوجی کو مال غنیمت کی تقسیم میں دیدے تب بھی ایک حیض کے بعد اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے ۔ اگر وہ حاملہ ہو تو وضع حمل ضروری ہے ۔ اس کے بعد فائدہ اٹھائے ۔

(معارف القرآن ۳۴۳/ ۲) ۔

مہر ادا کرنے کی تاکید ۔ جن محرمات کا اوپر ذکر ہوا ان کی حرمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے شدہ ہے ۔ ان محرمات کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح حلال ہے مثلاً چچا کی لڑکی ، خالہ کی لڑکی ، ماموں زاد بہن ، بیوی کی وفات کے بعد اس کی بہن وغیرہ ۔ اور یہ محرمات اس لئے بیان کی گئیں تاکہ تم نکاح کے لئے اپنے اموال کے ذریعہ عفت و عصمت کے لئے حلال عورتیں تلاش کر سکو اور تم مال خرچ کر کے زنا کے لئے عورتیں تلاش نہ کرو۔

جب تم نکاح کے بعد عورتوں سے فائدہ حاصل کر لو تو ان کا مہر ادا کر دو یہ تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے ۔ اس میں کوتاہی کرنا شریعت کے خلاف ہے ۔ شوہر مقررہ مہر میں اپنی طرف سے اضافہ بھی کر سکتا ہے ۔ اسی طرح اگر بیوی چاہے تو اپنی طرف سے تھوڑا یا پورا مہر معاف کر سکتی ہے ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ معلوم ہے اس لئے ہر حال میں اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور احکام شرعیہ کی خلاف ورزی سے بچتے رہنا چاہئے ۔
(معارف القرآن ۳۴۳ ۔ ۳۶۸/ ۲)۔

آزاد مسلمان عورت کو ترجیح

۲۵ ۔ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۔ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

اور تم میں سے جو (اس بات کی) استطاعت نہ رکھتا ہو کہ وہ پاکدامن مسلمان (آزاد) عورتوں سے نکاح کرسکے تو پھر جو مسلمان کنیزیں تمہارے قبضہ میں ہوں (ان میں سے کسی سے نکاح کر لے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے ۔ تم آپس میں ایک ہو ۔ سو تم ان (کنیزوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کو ان کے مہر بھی ادا کردو (اور یہ کنیزیں) پاکدامن ہوں ، علانیہ بد کاری کرنے والی اور خفیہ آشنائی کرنے والی نہ ہوں ۔ پھر اگر وہ (کنیزیں) نکاح میں آ جانے کے بعد بے حیائی کا کام کریں تو جو سزا آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے ان (کنیزوں) کے لئے اس کی نصف سزا ہے ۔ اور تم میں سے (کنیز سے نکاح کی اجازت) اس کے لئے ہے جس کو گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو اور اگر تم صبر کرو (اور کنیز سے نکاح نہ کرو) تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے ۔

طَوْلاً ۔ تونگری ۔ مالی وسعت ۔ قدرت ۔ مہر ۔
فَتَیٰتِکُمْ ۔ تمہاری مسلمان کنیزیں ۔ واحد فَتَاۃٌ ۔
مُسٰفِحٰتٍ ۔ علی الاعلان بد کاری کرنے والیاں ۔ زنا کرنے والیاں ۔ **سِفَاحٌ** سے اسم فاعل ۔
مُتَّخِذٰتِ ۔ پکڑنے والیاں ، لینے والیاں ۔ واحد **مُتَّخِذَۃٌ** ۔
اَخْدَانٍ ۔ خفیہ آشنائی کرنے والیاں ۔ واحد **خِدْنٌ** ۔ یہ مذکر و مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔
الْعَنَتَ ۔ گناہ کرنا ۔ بد کاری کرنا ۔ زنا کرنا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح ۔ اسلام سے پہلے طاقتور لوگ اپنے سے کمزور اور مجبور مردوں ، عورتوں اور بچوں کو غلام اور باندی بنا لیتے تھے ۔ اور جانوروں کی طرح ان کی خرید و فروخت کرتے تھے اسلام نے باندی اور غلام کے لئے ایسے اصول بتائے کہ ان پر عمل کرنے سے رفتہ رفتہ غلاموں کی حالت درست ہوتی گئی اور آخر کار غلامی کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا اور آج دنیا میں غلام اور باندی کا وجود نہیں ۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو آزاد مسلمان عورت سے نکاح

کرنا چاہئے ۔ باندی سے نہیں کرنا چاہئے ۔ اگر کسی شخص کو آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی استطاعت نہ ہو اور وہ اس کا نان و نفقہ برداشت نہ کر سکے تو وہ کسی پکدامن باندی سے اس کے مالک کی اجازت سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ اس کا مہر کم ہوتا ہے اور عام طور پر نکاح کے بعد بھی وہ مالک کے پاس ہی رہتی ہے اس لئے اس کا نفقہ بھی مالک ہی کے ذمہ رہتا ہے اور اگر مالک نے باندی کو حوالے کر دیا تب بھی اس کا نفقہ آزاد کے مقابلے میں کم ہو گا امام ابو حنیفہ کے نزدیک آزاد مسلمان عورت سے نکاح کی قدرت ہوتے ہوئے مسلمان باندی یا کتابیہ باندی سے نکاح کرنا مکروہ ہے ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان اور دلی حالت کو خوب جانتا ہے ۔ اللہ کے نزدیک کسی باندی کا ایمان کسی آزاد عورت کے ایمان سے بہتر اور افضل ہو سکتا ہے اور تم میں سے خواہ کوئی آزاد ہو یا غلام سب آدم کی اولاد ہیں اس لئے فضیلت کا دارومدار غلامی اور آزادی پر نہیں بلکہ ایمان و تقویٰ پر ہے ۔ پس تمہیں باندیوں سے نکاح کرنے میں عار نہیں ہونی چاہئے اور جب تم باندیوں سے نکاح کرو تو دستور کے مطابق ان کے مہر خوبی کے ساتھ پورے پورے ادا کر دیا کرو اور اس میں ٹال مٹول سے کام نہ لیا کرو ۔

پھر اگر مسلمان باندیاں نکاح میں آ جانے کے بعد زنا کا ارتکاب کر لیں تو جو سزا آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے ۔ باندیوں کو اس کی نصف سزا ملے گی یہاں آزاد عورت سے غیر شادی شدہ عورت مراد ہے ۔ اگر غلام یا باندی زنا کا ارتکاب کر لیں خواہ وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ تو دونوں صورتوں میں ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا اس لئے رکھی گئی ہے تاکہ تم زنا سے بچتے رہو اور اگر تم صبر کرو اور باندیوں سے نکاح نہ کرو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی ۔ اور جو شخص باندیوں سے نکاح کئے بغیر نہ رہ سکے اور اس کو زنا میں مبتلا ہونے کا ڈر ہو تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ کسی باندی سے نکاح کر لے ۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔ (حقانی ۱۳۶ / ۲ ، مظہری ۵۳۵ ۔ ۵۴۱ / ۲) ۔

احکام و نصائح بیان کرنے کی حکمت

۲۶ ۔ ۲۸ ۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْکُمْ ۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ

حَكِيْمٌ ۔ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۔ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلاً عَظِيْمًا ۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے (دین کے احکام) کھول کر بیان کرے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں پر چلائے جو تم سے پہلے گزر چکے اور تم پر توجہ فرمائے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی کرنا چاہتا ہے اور جو لوگ خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم (سیدھے راستے سے بھٹک کر) بہت دور جا پڑو ۔ (اور) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان تو کمزور پیدا کیا گیا ہے ۔

سُنَنَ ۔ طریقے ۔ دستور ۔ واحد سُنَّةٌ ۔

تَمِيْلُوْا ۔ تم مائل ہو جاؤ ۔ تم جھک جاؤ ۔ تم کج روی اختیار کرو ۔ مَيْلٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے دین کے احکام و مصالح اس لئے واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ تم گزشتہ انبیاء اور نیک لوگوں کے راستہ پر چل کر ایسے کام کر لو جن سے تمہارے گناہ معاف ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے ۔وہ ان احکام کی حکمتوں اور مصلحتوں سے خوب واقف ہے ۔ حلال و حرام کے یہ احکام اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے لئے ہی مقرر نہیں فرمائے بلکہ سابقہ امتوں کو بھی ایسے ہی احکام دیئے گئے تھے ۔ انہوں نے ان احکام پر عمل کر کے مقربین کا درجہ حاصل کیا تم بھی ان پر عمل کر کے یہ درجہ حاصل کر سکتے ہو ۔

اللہ تعالیٰ تمہیں ان احکام پر عمل کرنے کی توفیق دینا چاہتا ہے اور نفسانی خواہشات پر چلنے والے تمہیں راہ راست سے دور لیجانا چاہتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک حلال و حرام کوئی چیز نہیں ۔ اللہ تعالیٰ تمہارا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تمہارے لئے ہلکے احکام کا ارادہ رکھتا ہے کیونکہ انسان پیدائشی طور پر کمزور ہے ، نہ خواہشات سے رک سکتا ہے اور نہ اطاعات کی تکلیف اٹھا سکتا ہے ۔ اسی لئے اس نے تمہاری سہولت کے لئے ایک آسان اور نرم شریعت مقرر کی ہے ۔ اور جو چیزیں گزشتہ قوموں کے لئے حرام تھیں ۔ تمہارے لئے ان میں سے کچھ حلال کر دی گئیں ۔ (حقانی ۱۳۸ / ۲ مظہری ۳۲، / ۲) ۔

باطل طریقے سے مال کھانے کی ممانعت

۲۹ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ
بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۔ وَلَا
تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۔

اے ایمان والو ! تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال نا حق نہ کھایا کرو ۔ ہاں اگر آپس کی رضا مندی سے تجارت ہو (تو کوئی مضائقہ نہیں) اور آپس میں خونریزی نہ کیا کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مومنوں کو ایک دوسرے کے اموال باطل طریقے سے کھانے کی ممانعت کی گئی ہے ۔ باطل طریقے سے مال کھانے میں ، اسراف ، غیر شرعی کاموں میں خرچ کرنا ، دھوکہ ، چوری ، ڈاکہ ، غصب ، خیانت ، جوا ، سٹہ ، سود ، اور اسی طرح کے تمام نا جائز اور غیر شرعی طریقے شامل ہیں ۔ البتہ جائز تجارت یعنی بیع و شراء یا ملازمت و مزدوری وغیرہ کے ذریعہ آپس کی رضا مندی سے ایک کا مال دوسرے کے لئے ممنوع نہیں ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جو کچھ کھاتے ہو اس میں پاکیزہ ترین وہ ہے جو تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہو اور تمہاری اولاد (کی کمائی) بھی تمہاری کمائی ہے ۔ (مظہری ۳۳ھ / ۲) ۔

حاکم نے حضرت رفاعہؓ بن رافع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز تاجروں کو بد کاروں (کے گروہ) میں اٹھایا جائیگا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں اور نیکی کرتے ہوں اور (بیع کے وقت) سچ بولتے ہوں ۔

حضرت ابو سعیدؓ خدری نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے روز) سچا امانتدار تاجر ، نبیوں ، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا ۔

حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پاکیزہ ترین کمائی ان تاجروں کی ہے جو بات کرتے وقت جھوٹ نہیں بولتے ، کوئی وعدہ کرتے ہیں تو اس کے خلاف نہیں کرتے ، جب ان کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اس میں خیانت نہیں کرتے (کسی سے) کوئی سامان خریدتے وقت اس سامان کو خراب نہیں

بتاتے اور اپنا سامان بیچتے وقت اس کی (خلاف واقعہ) تعریف نہیں کرتے اور اگر ان پر کسی کا قرض ہو تو ادائگی کو ٹالتے نہیں اور ان کا کسی پر قرض ہو تو اس کو تنگ نہیں کرتے ۔ (مظہری حاشیہ صفحہ ۴۳، / ۲) ۔

خودکشی کی ممانعت ۔ آیت کے پہلے جملے میں عام انسانوں کے مالی حقوق اور ان کی حفاظت کا بیان تھا ۔ دوسرے جملے میں ان کے جانی حقوق کی حفاظت بیان کی گئی ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ تم میں سے نہ تو کوئی اپنے آپ کو قتل کرے اور نہ تم ایک دوسرے کو نا حق قتل کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی رحمت ہی کی وجہ سے نیکیوں کا حکم دیا اور برائیوں سے روکا ہے ۔

حضرت ثابت بن ضحاک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کسی چیز سے خودکشی کرے گا ۔ قیامت کے روز اسی چیز کے ذریعہ اس کو عذاب دیا جائیگا ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پہاڑ سے گر کر خودکشی کرے گا وہ جہنم کی آگ میں جائیگا اور دائمی طور پر دوزخ میں لڑھکتا چلا جائیگا ۔ جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا وہ دوزخ کے اندر دائمی طور پر اسی لوہے سے اپنے آپ کو مارتا رہے گا ۔ (مظہری ۴۵، / ۲) ۔

سرکشی کی سزا

۳۰ ۔ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۔

اور جو کوئی یہ کام سرکشی اور ظلم سے کرے گا تو ہم بہت جلد اس کو آگ میں داخل کریں گے اور اللہ تعالیٰ پر یہ بات بہت آسان ہے ۔

عُدْوَانًا ۔ حد سے بڑھنا ۔ زیادتی ۔ ظلم ۔ سرکشی ۔ مصدر ہے ۔
نُصْلِيْهِ ۔ ہم اس کو داخل کریں گے ۔ ہم اس کو ڈالیں گے ۔ اِصْلَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اور جو کوئی ان ہدایات اور احکام کے باوجود حد سے تجاوز کرتے ہوئے استحقاق کے بغیر ظلم کے ذریعہ کسی کا مال کھائے گا یا کسی کو نا حق قتل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے لئے

کسی کو آگ میں داخل کرنا چنداں دشوار نہیں بلکہ بالکل سہل اور بہت آسان ہے ۔ لہذا کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم تو مسلمان ہیں دوزخ میں کیسے جاسکتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے اس کو عدل و انصاف سے کوئی چیز نہیں روک سکتی ۔

گناہوں سے بچنے پر انعام

۳۱ ۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلاً كَرِيْمًا ۔

اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے بچتے رہو تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف کر دیں گے اور ہم تمہیں عزت کے مقام میں داخل کریں گے ۔

تَجْتَنِبُوْا ۔ تم اجتناب کرو گے ۔ تم بچو گے ۔ اِجْتِنَابٌ سے مضارع ۔
كَبَآئِرَ ۔ بڑے گناہ ۔ واحد کَبِیْرَۃٌ ۔
تُنْهَوْنَ ۔ تمہیں منع کیا جاتا ہے ۔ تمہیں روکا جاتا ہے ۔ نَہْیٌ سے مضارع مجہول ۔

تشریح ۔ اس آیت میں توبہ کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے جن کی ممانعت کی گئی ہے ۔ مثلاً شرک کرنا ، قتل کرنا ، چوری کرنا ، زنا کرنا ، سحر کرنا اور ماں باپ کی نا فرمانی کرنا وغیرہ ، تو حقوق العباد کو چھوڑ کر تمہارے صغیرہ گناہ جو بھول چوک سے سرزد ہوں گے ، معاف کر دئے جائیں گے اور تمہیں خوبی کے ساتھ جنت میں داخل کیا جائیگا (حقانی ۱۵۰/ ۲ ، مظہری) ۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس تین رجسٹر ہیں ۔ ایک رجسٹر (کے اندر درج شدہ لغزشوں) کی تو اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں اور دوسرے رجسٹر (کے اندر درج شدہ گناہوں) میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑے گا (کچھ معاف نہیں کرے گا) اور تیسرے رجسٹر (کے مندرجات) کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا ۔ نا قابل معافی رجسٹر تو شرک کا (رجسٹر) ہے اور جس رجسٹر کی اللہ تعالیٰ کو پرواہ نہیں وہ اللہ تعالیٰ کی حق تلفیوں کا رجسٹر ہے جیسے نماز ترک کرنا ، روزہ نہ رکھنا وغیرہ ، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا معاف فرمادے گا ۔ اور جس رجسٹر سے اللہ تعالیٰ کچھ بھی

ترک نہیں کرے گا وہ بندوں کی باہمی حق تلفیوں کا رجسٹر ہے ۔ لا محالہ ان کا بدلہ دینا ہوگا ۔ جب تک کہ بندہ خود معاف نہ کر دے (مظہری ۳۶۹/ ۲) ۔

بخاری شریف میں حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبیرہ (گناہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا ہے ، اور ماں باپ کی نا فرمانی کرنااور کسی کو نا حق قتل کرنا اور دانستہ جھوٹی قسم کھانا ہے ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات ہلاکت آفرین باتوں سے بچو ۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کونسی ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا ، نا حق ایسے شخص کو قتل کرنا جس کو قتل کرنے سے اللہ نے منع فرمایا ہے ۔ سُود کھانا ، یتیم کا مال کھانا ، جہاد کے مقابلے کے وقت پیٹھ دکھانا اور پکدامن بھولی بھالی مومن عورت پر زنا کی تہمت لگانا ۔ (مظہری ۳۷۳/ ۲) ۔

حسد کی ممانعت

۳۲ ۔ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ؕ

اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے ۔ مردوں کے لئے ان کی کمائی سے ان کا حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے ان کا حصہ ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگا کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے ۔

تَتَمَنَّوْا ۔ تم تمنا کرو ۔ تم آرزو کرو ۔ تَمَنِّیٌ سے مضارع ۔
نَصِيْبٌ ۔ حصہ ٹکڑا ۔ قسمت ۔
اكْتَسَبُوْا ۔ انہوں نے کمایا ۔ اِکْتِسَابٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول ۔ مجاہدؒ نے بیان کیا کہ حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم مرد تو جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کرتیں اور میراث میں مردوں کا ہم سے دو گنا حصہ ہے ۔ اگر ہم بھی مرد ہوتیں تو ہم بھی ان کی طرح جہاد کرتیں اور ہمارا بھی میراث میں ان کے برابر حصہ ہوتا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۵۰/ ۲) ۔

قتادہ ؒ اور سدی ؒ نے بیان کیا کہ جب آیت لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ نازل ہوئی تو مردوں نے کہا کہ ہمیں امید ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے میراث میں ہمارا حصہ عورتوں سے زیادہ رکھا ہے اسی طرح آخرت میں بھی ہماری نیکیوں کا ثواب عورتوں کی نیکیوں سے دو گنا ہوگا ۔ اس پر آیت نازل ہوئی (مظہری ۱۵۱/ ۲) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر جو شرف و امتیاز اور فضیلت عطا فرمائی ہے تم اس کی آرزو اور تمنا نہ کرو ۔ کیونکہ یہ شرف و فضیلت تو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے ۔ اس کی تمنا کرنے سے حسد و جلن کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا ۔ اس لئے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ نیکیوں میں سبقت کرنے کی کوشش کرے ۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کے قرب اور آخرت کے ثواب میں اضافہ ہوگا ۔

مردوں کے لئے بھی ان کے اعمال کا حصہ مقرر ہے اور عورتوں کے لئے بھی ان کے اعمال کا حصہ مقرر ہے ۔ مرد جو عام عبادات اور جہاد کی مخصوص عبادت کرتے ہیں اور مال غنیمت و میراث اور تجارتی منافع حاصل کرتے ہیں ، وہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے مقرر کردہ ہیں ۔ اسی طرح عورتوں کو ان کے خصوصی اور عمومی اعمال کے بدلے جو مال و ثواب ملتا ہے مثلاً شوہروں کی اطاعت ، اولاد کی پرورش ، آبرو کی حفاظت ، عام عبادات ، ان کا مہر ، نان نفقہ ، میراث وغیرہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں ۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب اور اس کے فضل کی درخواست کرتے رہو ۔ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لیکر سات سو گنا تک بلکہ جس کو چاہے گا بے حساب دے دے گا ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے ۔ وہ ہر ایک کے درجے اور فضائل کے استحقاق سے خوب واقف ہے ۔

وارثوں کا تقرر

۳۳ ۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿﴾

ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکہ میں ہم نے ہر ایک کے لئے وارث بنا دئے ہیں اور جن لوگوں سے تم نے عہد کر رکھا ہے ان کو بھی ان کا حصہ دے دو ۔ بیشک ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے ۔

مَوَالِيَ ۔ وارث ، رشتہ دار ، دوست واحد مَولیٰ ۔ بہت سے مفسرین کے نزدیک اس سے مراد وارث ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ عصبہ مراد ہیں ۔ بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں ۔ (ابن کثیر ۴۸۹/ ۱) ۔

عَقَدَتْ ۔ اس نے باندھا ۔ اس نے عہد کیا ۔ عَقْدٌ سے ماضی ۔

اَيْمَانُكُمْ ۔ تمہاری قسمیں ۔ واحد يَمِيْنٌ ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر ایک کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ، اس مال میں وارث مقرر کر دئے جو ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ کر جائیں اور اپنے علم و حکمت سے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے اس میں کمی بیشی کرنا اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنا ہے ۔ اور جن لوگوں سے تمہارا عہد و پیمان ہو چکا ہے ان کو میراث میں سے ان کا حصہ دیدو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی خبر ہے ۔

ابتدائے اسلام میں ، جن لوگوں میں بھائی چارہ ہو جاتا تھا وہی وارث ہوتے تھے ۔ کیونکہ اس وقت اکثر لوگ اپنے خاندان اور کنبہ والوں سے علیحدہ ہو کر اکیلے اکیلے مسلمان ہوئے تھے ۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو مسلمانوں (ایک مہاجر اور ایک انصاری) کو آپس میں بھائی بھائی قرار دیا تھا ۔ وہی آپس میں وارث ہوتے تھے ۔ بعد میں جب ان کے عزیز و اقارب مسلمان ہو گئے تو میراث کی آیتیں نازل ہوئیں کہ میراث تو عزیز و اقارب ہی کا حق ہے ۔ اس طرح میراث میں عزیز و اقارب کا حصہ بر قرار رکھا گیا اور بھائی چارہ اور عہد و پیمان والوں کے لئے میراث میں حصہ ختم کر دیا گیا ۔

مردوں کی حاکمیت

۳۴ ۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴿﴾

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَ اهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلاً ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ؕ

مرد ، عورتوں پر اس لئے حاکم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو بعض پر (مردوں کو عورتوں پر علم و عمل میں) فضیلت دی ہے اور اس لئے بھی کہ وہ اپنا مال خرچ کرتے ہیں ۔ پس جو نیک بیویاں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مرد کی تابعدار ہیں اور اس کی غیر موجودگی میں (اپنے نفس اور خاوند کے مال کی) حفاظت کرتی ہیں اور تمہیں جن عورتوں کی نا فرمانی کا اندیشہ ہو تو ان کو (نرمی سے) سمجھا دو اور (اگر نہ مانیں تو) خواب گاہوں میں ان سے جدا رہو اور (اگر پھر بھی نہ مانیں تو) ان کو مارو ۔ پس اگر وہ تمہاری اطاعت کرنے لگیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا رفعت و عظمت والا ہے ۔

قَوّٰمُوْنَ ۔ قائم رہنے والے ۔ حاکم ۔ نگراں ۔ سر پرست ۔ قَوْمٌ سے مبالغہ ۔ واحد قَوّٰمٌ ۔

قٰنِتٰتٌ ۔ فرماں بردار عورتیں ۔ اطاعت گزار عورتیں ۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل ۔

نُشُوْزَهُنَّ ۔ ان عورتوں کی سرکشی ۔ ان کی نا فرمانی ۔ ان کی بد دماغی ۔

وَاهْجُرُوْهُنَّ ۔ اور تم ان عورتوں کو چھوڑ دو ۔ تم ان کو الگ کر دو ۔ هَجْرٌ سے امر ۔

مَضَاجِعِ ۔ بستر ۔ بچھونے ۔ خوابگاہیں ۔ مَضْجَعٌ و مَضْجُوْعٌ سے اسم ظرف ۔

ربطِ آیات ۔ سورت کے شروع سے یہاں تک زیادہ تر احکام اور ہدایات عورتوں کے حقوق سے متعلق ہیں ۔ اسلام سے پہلے جو مظالم اور نا انصافیاں عورتوں کے ساتھ روا رکھی جاتی تھیں ، اسلام نے ان کو ختم کر کے عورتوں کو بھی وہ تمام انسانی حقوق دیئے جو مردوں کو حاصل تھے ۔ جہاں عورتوں پر مردوں کی کچھ خدمات عائد کیں وہیں مردوں پر بھی عورتوں کے حقوق فرض کئے ۔ آئندہ آیتوں میں مردوں کے حقوق کا ذکر ہے ۔

شانِ نزول ۔ حضرت حسن بصری • فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے، پس آپؐ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی ۔ پھر وہ عورت بدلہ لئے بغیر واپس چلی گئی ۔ (ابن کثیر ۴۹۱/ ۱) ۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری اپنی بیوی کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ اس عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا ہے جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اسے حق نہ تھا ۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ ادب سکھانے کے لئے مرد عورتوں پر حاکم ہیں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے کچھ اور چاہا تھا اور اللہ نے کچھ اور ۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے چاہا وہی خیر ہے ۔ (ابن کثیر ۴۹۱/ ۱ ، جلالین ۳۲) ۔

تشریح یہاں عورتوں پر مردوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا اور ان کو تادیب و اصلاح کی غرض سے عورتوں کو تنبیہ کرنے کی اجازت دی ہے ۔ مردوں کو عورتوں پر فضیلت کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر بزرگی عطا فرمائی ہے ۔ چنانچہ عورتوں کے مقابلہ میں مردوں کو کمال عقل ، وسعت علم و فہم ، حسن تدبیر اور صلاحیت ، تخلیقی طور پر کہیں زیادہ عطا فرمائی ہیں ۔ اسی لئے مندرجہ ذیل خصوصیات اور احکام مرد کے لئے ہیں ، عورتیں ان سے محروم ہیں مثلاً نبوت و امامت ، خلافت و بادشاہت ، قضاء و شہادت ، وجوب جمعہ و عیدین ، اذان و خطبہ ، نماز کی جماعت میراث میں دوہرا حصہ ، نکاح کی مالکیت ، طلاق کا اختیار ، نقصان کے بغیر نماز و روزوں کا پورا کرنا ، حیض و نفاس اور ولادت سے محفوظ رہنا وغیرہ تمام فضائل اللہ تعالیٰ نے مردوں ہی کو عطا فرمائے ہیں ۔ اس برتری کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے ۔

جسمانی قوت میں بھی عورتیں مردوں سے کم تر ہیں ۔ ظاہر ہے کمزور اور ناتواں کو قوی اور توانا پر حکومت کا کوئی حق نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر عورتوں میں نزاکت اور مردوں میں قوت و شجاعت رکھی ہے ۔ اسی لئے جنگ و جدال ، جہاد و قتال اور شجاعت و بہادری اور محنت و مشقت جیسے سخت اعمال مردوں ہی کے ذمہ رکھے ہیں ۔

مردوں کی فضیلت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مرد اپنے اموال میں سے عورتوں پر بہت کچھ خرچ کرتے ہیں ، ان کو مہر ادا کرتے ہیں ، نان و نفقہ دیتے ہیں ۔ اور ظاہر ہے دینے والا ہاتھ اوپر اور لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے ۔ اس طرح مرد عورتوں کے محسن ہوئے اور محسن کو

حکومت کا حق ہے ۔ پس شریعت نے مرد کو بالادست قرار دیکر عورت کے تمام مصارف کا ذمہ دار بھی اسی کو ٹھرایا ۔

اگر عورتیں حاکم بننا چاہتی ہیں اور مرد کو محکوم رکھنا چاہتی ہیں تو ان کو مردوں کے تمام مصارف کا کفیل اور ذمہ دار ہونا چاہیئے اور مردوں کا مہر بھی عورتوں ہی پر واجب ہونا چاہیئے ۔ نکاح کے بعد جو اولاد ہو اس کے کھانے پینے ، پہننے اوڑھنے اور ان کی تعلیم و تربیت کے تمام اخراجات کی ذمہ داری عورتوں پر ہی ہونی چاہیئے یہاں تک کہ مکان کا کرایہ بھی عورتوں ہی کے ذمہ ہونا چاہیئے ۔ غرض جس طرح حاکم ہونے کی صورت میں مرد ان تمام مصارف کا کفیل اور ذمہ دار تھا ۔ اسی طرح جب عورتیں مردوں کی حاکم بنیں تو ان تمام اخراجات کی ذمہ داری مردوں کی بجائے عورتوں پر ہونی چاہیئے ۔

اگر یہ کہا جائے کے مرد اور عورت دونوں میں برابری اور مساوات ہونی چاہیئے نہ کوئی حاکم اور نہ کوئی محکوم تو اس صورت میں مہر تو ختم ہی ہوجائے گا۔ رہا نان نفقہ تو یہ بھی ختم ہوجائیگا۔ اس لئے کہ مساوات اور برابری کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک اپنا اپنا ذمہ دار ہے ۔ گھر کے جملہ اخراجات اور مکان کا کرایہ بھی دونوں کو آدھا آدھا برداشت کرنا پڑے گا ۔ بچوں کی تعلیم اور دیگر ضروریات میں ہونے والے مصارف بھی دونوں کو آدھے آدھے برداشت کرنا ہوں گے ۔ پس اگر عورتیں حقوق میں مرد کی مساوات چاہتی ہیں تو مصارف اور ذمہ داریوں میں بھی ان کو مساوات قبول کرنی پڑے گی ۔ کیونکہ ہر مساوی اپنا اپنا کفیل اور ذمہ دار ہوتا ہے ۔ دوسرے کا کفیل اور ذمہ دار نہیں ہوتا۔

غرض شریعت نے جو مرد کے حاکم ہونے کا فیصلہ کیا ہے وہ نہایت عادلانہ اور حکیمانہ فیصلہ ہے اور عورتوں کے حق میں اس سے بہتر اور مفید کوئی دوسرا فیصلہ نہیں ہو سکتا ۔ عورتوں کو اس فیصلہ پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس نے ان کے ضعف و کمزوری اور وسائلِ معاش سے لا چاری و مجبوری کی بنا پر ان کو شوہر کا محکوم بنا کر تمام مصارف اور ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیا ۔

پھر فرمایا کہ نیک بخت وہ عورتیں ہیں جو اپنے مردوں کی فرماں بردار ہیں ، ان کی فضیلت و برتری کو ملحوظ رکھ کر ان کی اطاعت گزار ہیں اور ان کے غائبانہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کے مال اور ناموس کی حفاظت اور نگہبانی کرتی ہیں اور نفس و ناموس اور شوہر کے مال و متاع میں کسی قسم کی خیانت نہیں کرتیں ۔

جو عورتیں نیک بخت نہیں اور جن کی سرکشی اور بد خوئی کا تمہیں ڈر ہو اور جن

کے متعلق تم یہ محسوس کرو کہ وہ سر چڑھنے لگی ہیں تو ان کی تادیب اور تنبیہ کا پہلا درجہ یہ ہے کہ تم ان کو سمجھاؤ اور نصیحت کرو۔ اگر وہ تمہارے سمجھانے اور نصیحت کرنے سے باز نہ آئیں تو پھر تادیب و تنبیہ کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ ان کو بستروں اور خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو۔ اس طرح شاید وہ تمہاری بے التفاتی سے متاثر ہو کر اپنی اصلاح کر لیں اور راہ راست پر آ جائیں۔ اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کو مار کر درست کرو۔ ہلکی مار کہ نشان نہ پڑے۔

اگر وہ نصیحت یا علیحدگی یا مارنے سے اپنی سرکشی اور بد خوئی چھوڑ کر تمہاری فرماں بردار ہو جائیں تو پھر تم ان کو ستانے کے لئے الزام تراشی نہ کرو اور ان کو عاجز سمجھ کر ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بلند مرتبہ والا اور سب سے بڑا ہے۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ظالم مردوں سے مظلوم عورتوں کا بدلہ لے اور تمہیں اپنی عورتوں پر وہ قدرت نہیں جو اللہ تعالیٰ کو تم پر حاصل ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ تم سے نرمی کا معاملہ کرتا ہے تم بھی اپنی عورتوں سے نرمی کا معاملہ کرو۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۰، ۳۔، / ۲ ۰ مظہری ۵۶، / ۲)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھی بیوی وہ ہے کہ اگر تو اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو۔ اگر تو اس کو کسی کام کا حکم دے تو وہ تیرا حکم مانے۔ اگر غیر حاضر ہو تو تیری غیر موجودگی میں اپنے مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔ (مظہری ۵۵، / ۲)۔

حضرت معاویہؓ قشیری کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر بیویوں کے کیا حقوق ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ جب اس کو کھانے کی ضرورت ہو تو کھانے کو دینا چاہئے، پہننے کی ضرورت ہو تو پہننے کو دینا چاہئے۔ چہرے پر نہ مارنا۔ اس کو گالیاں نہ دینا اور سوائے گھر کے کہیں اس کو تنہا نہ چھوڑنا۔ (مظہری بحوالہ احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ ۵۶، / ۲)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے لئے اچھا ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔ (مظہری بحوالہ ترمذی، دارمی۔ ۵۶، / ۲)۔

صلح کے لئے حکم مقرر کرنا

۳۵ ۔ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝

اگر تمہیں میاں بیوی کے مابین عداوت کا اندیشہ ہو تو ایک منصف ، مرد کے کنبہ سے اور ایک منصف ، بیوی کے کنبہ سے مقرر کردو ۔ اگر یہ دونوں منصف صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ بھی میاں بیوی میں موافقت کرادے گا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) خبر رکھنے والا ہے ۔

شِقَاقَ ۔ مخالفت ۔ عداوت ۔ ضد ۔ مشقت میں ڈالنا ۔
فَابْعَثُوْا ۔ پس تم بھیجو ۔ پس تم مقرر کرو ۔ پس تم کھڑا کرو ۔ بَعْثٌ سے امر ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مرد اور عورت ایک دوسرے سے نالاں ہوں اور بہتری کی کوئی صورت نہ نکلے تو ایک سمجھ دار آدمی عورت کے خاندان سے اور ایک سمجھ دار آدمی مرد کے خاندان سے منصف مقرر کئے جائیں کیونکہ خاندان والوں کو ان کے حالات بہتر طور پر معلوم ہوں گے اور ان سے خیر خواہی کی بھی زیادہ توقع ہوگی ۔ پھر یہ دونوں آدمی مل کر تحقیقات کریں اور صحیح نیت کے ساتھ معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں ۔ اگر وہ ملاپ میں بہتری سمجھیں تو ملاپ کروادیں اور اگر علیحدگی میں بہتری سمجھیں تو علیحدگی کرا دیں مگر جہاں تک ممکن ہو ملاپ اور نباہ کی کوشش ہونی چاہئے ۔ اگر دونوں حَکَمْ نیک نیت ہوں گے اور دل سے مصالحت کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی غیبی مدد ہوگی اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی میں اتفاق و محبت پیدا فرمادے گا ۔

اگر دونوں منصفوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے زیادتی ثابت ہو تو وہ اسکی عورت کو اس سے روک لیں اور مرد کو اپنی عادت ٹھیک کرنے کے لئے مجبور کریں ۔ جب تک مرد کی عادت ٹھیک نہ ہو عورت کو اس سے الگ رکھیں اور مرد کو عورت کے

اخراجات برداشت کرنے کے لئے مجبور کرتے رہیں ۔
اگر عورت کی طرف سے زیادتی ثابت ہو تو منصفین عورت کا نان نفقہ بند کرادیں اور عورت کو خاوند کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے کے لئے مجبور کریں ۔ اسی طرح اگر منصفین طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی اور اگر وہ آپس میں میل ملاپ کرائیں تو بھی ان کا فیصلہ ماننا پڑے گا ۔ (ابن کثیر ۴۹۳/ ۱)۔

توحید و حقوق العباد

۳۶ ۔ وَاعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ۔ اور ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور قرابت والے پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور ساتھ بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور جو (غلام اور باندیاں) تمہارے قبضہ میں ہوں ، ان سب کے ساتھ اچھا معاملہ کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اترانے والوں اور بڑائی مارنے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔

وَالْجَارِ ۔ اور ہمسایہ ، پڑوسی ۔ جمع جِيْرَانٌ ۔
الْجُنُب ۔ اجنبی ۔ دور
جَنْبٍ ۔ کروٹ ، طرف ۔ پہلو ۔ جمع جُنُوْبٌ ۔
مُخْتَالًا ۔ تکبر کرنے والا ۔ اِخْتِيَالٌ سے اسم فاعل ۔ یہاں وہ شخص مراد ہے جو تکبر سے اپنے رشتہ داروں ، پڑوسیوں اور ساتھیوں کی التفات نہ کرتا ہو ۔
فَخُوْرًا ۔ بہت فخر کرنے والا ۔ بہت اترانے والا ۔ دوسروں پر اپنی فوقیت جتانے والا ۔ فخرٌ سے مبالغہ ۔

ربطِ آیات ۔ یتیموں ، وارثوں اور میاں بیوی کے حقوق کے بیان کے بعد اب عام لوگوں کے حقوق کا بیان ہے کہ والدین ، عزیز و اقارب ، پڑوسیوں اور احباب کے ساتھ کس طرح معاملہ رکھنا چاہئے ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنی عبادت کو بیان فرمایا کیونکہ خالق کا حق مخلوق کے حق سے مقدم ہے ۔ بندوں کے حقوق صحیح طور پر وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو ۔ اس لئے سب سے پہلے ایمان کو بیان فرمایا ، پھر اعمالِ صالحہ اور مکارمِ اخلاق کی تعلیم دی ، پھر بخل اور تکبر اور ریا کی مذمت بیان فرمائی اس لئے کہ بخل اور تکبر دونوں اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور حدود اللہ سے تجاوز کا سبب بنتے ہیں ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷۰/۲) ۔

توحید کا بیان ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ۔ عبادت کے معنیٰ انتہائی کمزوری اور عاجزی کے اظہار کے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی لا متناہی ہے ۔ اس کے مقابلہ میں ہر ممکن خواہ کتنا ہی بڑا ہو ، حقیر ہے ۔ پس تم حقیر کو اللہ اعظم کی عبادت میں شریک نہ ٹھہراؤ (مظہری ۵۸، / ۲) ۔

حضرت معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس وصیتیں فرمائی تھیں ۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اگرچہ تمہیں قتل کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے ۔ دوسرے یہ کہ اپنے والدین کی نا فرمانی یا دل آزاری نہ کرو اگر چہ وہ یہ حکم دیں کہ تم اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دو ۔ (مظہری بحوالہ مسند احمد ۵۸، / ۲) ۔

والدین کے ساتھ حسن سلوک ۔ اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو ۔ وہی تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا سبب بنے ۔ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا باپ کی رضا میں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے ۔

شعب الایمان میں بیہقی نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لڑکا اپنے والدین کا مطیع و فرماں بردار ہو تو جب وہ اپنے والدین کو عزت و محبت کی نظر سے دیکھتا ہے تو ہر نظر میں اس کو حج مقبول کا ثواب ملتا ہے ۔

بیہقی کی ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ

تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہے لیکن جو شخص ماں باپ کی نافرمانی اور دلآزاری کرے اس کو آخرت سے پہلے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ۔ (معارف القرآن ۴۱۰/ ۲) ۔

قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک ۔ والدین کے بعد عام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید ہے ۔ حضرت سلمانؓ بن عامر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین کو خیرات دینا تو (صرف) خیرات ہے اور (مسکین) قرابت داروں کو دینا خیرات بھی ہے اور صلہ رحمی بھی یعنی اس میں دوہرا ثواب ہے ۔ (مظہری بحوالہ مسند احمد نسائی ۔ ترمذی ۔ ۵۹، / ۲) ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہترین خیرات وہ ہے جو غنیٰ (یعنی اپنی حاجت پوری ہونے) کے بعد ہو اور دینا اس سے شروع کرو جس کی کفالت تمہارے ذمہ ہو ۔ (مظہری بحوالہ بخاری شریف ۵۹، / ۲) ۔

یتیموں مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک ۔ یتیموں ، مسکینوں کے حقوق کا مفصل بیان سورت کے شروع میں آ چکا ہے ۔ یہاں رشتہ داروں کے ساتھ ذکر فرما کر ان کی مدد و اعانت کی تاکید کی گئی ہے کہ جس طرح اپنے عزیز و اقارب کی مدد و اعانت ضروری ہے اسی طرح یتیموں اور لاوارثوں کی مدد اور اعانت بھی ضروری ہے ۔

حضرت سہلؓ بن سعد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے اندر ، میں اور یتیم کی سر پرستی کرنے والا اس طرح ہوں گے ۔ آپؐ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے ۔ (مظہری بحوالہ بخاری ۵۹، / ۲) ۔

حضرت ابو امامہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے محض اللہ تعالیٰ کے لئے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو جس حصہ پر اس کا ہاتھ لگا ہوگا اس کے ہر بال کے عوض اس کو دس نیکیاں ملیں گی اور جس نے کسی یتیم لڑکے یا لڑکی سے جو اس کے پاس ہو اچھا سلوک کیا تو وہ اور میں جنت میں ان دو انگلیوں کی طرح (قریب قریب) ہوں گے ۔ آپؐ نے دونوں انگلیوں کو (قدرے) الگ الگ کر کے بتایا ۔ اس کو بغویؒ نے روایت کیا ہے ۔ (مظہری ۵۹، / ۲) ۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک ۔ قریب کے پڑوسی سے بھی اچھا سلوک کرو اور

دور کے پڑوسی سے بھی اچھا سلوک کرو ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جَارِ ذِی الْقُرْبیٰ سے وہ شخص مراد ہے جو پڑوسی بھی ہے اور رشتہ دار بھی ۔ اس طرح اس میں دو حق جمع ہو گئے اور جارالجنب سے وہ شخص مراد ہے جو صرف پڑوسی ہے ، رشتہ دار نہیں ۔ اس لئے اس کا درجہ پہلے کے بعد رکھا ۔ (معارف القرآن ۴۱۱/ ۲) ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرائیل امین ہمیشہ مجھے پڑوسی کی رعایت و امداد کی تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ شاید پڑوسی کو بھی رشتہ داروں کی طرح وراثت کا حق دار بنا دیا جائیگا ۔ (مظہری ۹۰، / ۲) ۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دو پڑوسی ہیں میں کس کے گھر ہدیہ بھیجوں (یعنی دونوں میں سے زیادہ مستحق کون ہے) آپؐ نے فرمایا جس کا دروازہ تجھ سے زیادہ قریب ہو ۔ (مظہری بحوالہ بخاری ۵۹، / ۲) ۔

ہمنشین کے ساتھ حسنِ سلوک ۔ اس کے معنی ہم پہلو ساتھی کے ہیں اس لئے اس میں سفر کا ساتھی بھی داخل ہے جو ریل ، ہوائی جہاز اور بس وغیرہ میں آپ کے برابر بیٹھا ہوا ہو ۔ اور وہ شخص بھی داخل ہے جو کسی عام مجلس میں آپ کے برابر بیٹھا ہوا ہو ۔ اسلام نے جس طرح نزدیک و دور کے پڑوسیوں کے حقوق واجب فرمائے ہیں اسی طرح اس شخص کا حقِ صحبت بھی لازم کر دیا جو تھوڑی دیر کے لئے کسی مجلس یا سفر میں آپ کے برابر بیٹھا ہوا ہو ۔ اس میں مسلم و غیر مسلم ، رشتہ دار وغیر رشتہ دار سب برابر ہیں ۔ اس کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کی ہدایت فرمائی جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ تو آپ کی کسی بات سے اس کی دل آزاری ہو اور نہ آپ کا کوئی عمل اس کے لئے باعث تکلیف و آزار ہو (معارف القرآن ۴۴۲ / ۲) ۔

مسافر کے ساتھ حسنِ سلوک ۔ مسافر سے وہ شخص مُراد ہے جو سفر کے دوران آپ کے پاس آ جائے یا آپ کا مہمان ہو جائے ، اس کے ساتھ بھی وسعت و استطاعت کے مطابق حسن سلوک کی تاکید ہے ۔ (معارف القرآن ۴۴۳/ ۲) ۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو مہمان کی خاطر تواضع کرنی چاہئے اور جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو اپنے ہمسایہ کو دکھ نہیں دینا چاہئے ۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ بھلائی کی بات کہے یا خاموش رہے ۔ (مظہری ۶۹، / ۲)۔

غلام کے ساتھ حسن سلوک ۔ اس سے مراد مملوک غلام اور باندیاں ہیں ۔ ان کے لئے بھی حسن سلوک لازمی کر دیا گیا ۔ اپنی استطاعت کے مطابق ان کو کھلانے پلانے اور پہنانے میں کوتاہی نہ کریں اور نہ ان کی طاقت سے زیادہ کام ان پر ڈالیں ۔ ملازموں اور نوکروں کے لئے بھی یہی احکام ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے ۔ ان کی مقررہ تنخواہ اور کھانا وغیرہ دینے میں بخل اور دیر نہیں کرنی چاہئے اور نہ ان کی طاقت سے زیادہ کام ان پر ڈالنا چاہئے ۔ (معارف القرآن ۴۴۳/ ۲) ۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باندی ، غلام کے کھانے پینے کا حق (آقا پر) ہے ۔ اور اس بات کا بھی حق ہے کہ اس کی برداشت سے زیادہ کام کا بوجھ اس پر نہ ڈالا جائے ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ باندی غلام تمہارے بھائی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے زیر دست کر دیا ہے پس اللہ تعالیٰ نے جس کے زیر دست اس کے بھائی کو کر دیا ہو تو اس پر لازم ہے کہ جو کھانا خود کھائے وہی اپنے زیردست بھائی کو کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو پہنائے اور طاقت سے زیادہ کام اس پر نہ ڈالے ۔ اگر اس کی طاقت سے زیادہ کام ہو تو خود بھی اس کی مدد کرے ۔

ترمذی میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین باتیں ہیں جن کے اندر یہ تینوں ہوں گی اللہ تعالیٰ اس کی موت کو آسان کر دے گا اور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا ۔ (۱) کمزور سے نرمی کرنا ۔ (۲) ماں باپ پر شفقت کرنا ۔ (۳) باندی غلام سے اچھا سلوک کرنا ۔ (مظہری ۷۰، / ۲) ۔

اس کے بعد فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ پس اس آیت میں جن لوگوں کے حقوق کی تاکید آئی ہے ان کی ادائیگی میں وہی لوگ کوتاہی کرتے ہیں جن کے دلوں میں غرور و تکبر ہو ۔ (معارف القرآن

۴۴/ ۲) ۔

حضرت ابن عمر کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص غرور سے اپنا کپڑا (زمین پر) گھسیٹ کر چلتا ہے ، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا ۔ (مظہری بحوالہ بخاری و مسلم ۶۱/ ۲) ۔

بُخل پر وعید

۳۷ ۔ اَلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔

یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بُخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بُخل کرنے کو کہتے ہیں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے وہ اس کو چھپاتے ہیں ۔ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

اَعْتَدْنَا ۔ ہم نے تیار کیا ۔ اِعْتِدَادٌ سے ماضی۔

مُّهِيْنًا ۔ ذلیل کرنے والا ۔ رسوا کرنے والا ۔ اِهَانَةٌ سے اسم فاعل ۔

شانِ نزول ۔ابن جریرؒ نے ابن اسحاق ؒ کے طریق سے ابن عباسؓ کی روایت بیان کی کہ کعب بن اشرف کا حلیف کردم بن زید ، اسامہ بن حبیب ، نافع بن ابی نافع ، بحری بن عمرو ، حُی بن اخطب ، رفاعہ بن زید بن تابوت ، انصار کے لوگوں کے پاس جا کر ان کو نصیحت کرتے تھے کہ تم اپنے مال (اللہ کی راہ میں) خرچ کرنے میں عجلت نہ کیا کرو ، تمہیں نہیں معلوم کیا ہونے والا ہے ۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں مال خرچ ہونے سے تم تنگ دست نہ ہو جاؤ اور تم پر فقر و فاقہ کی نوبت آ جائے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (جلالین ۴۲۸) ۔

تشریح ۔ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے میں خود بھی بُخل کرتے تھے اور مسلمانوں کو بھی خرچ کرنے سے روکتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف ، اور اسلام کی حقانیت کی نشانیاں ، تورات میں مذکور تھیں وہ ان کو چھپاتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہود کی اسی حالت کو بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ (مراد یہود) اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال میں بُخل کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو

بھی بخل کی ترغیب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اپنے خدا داد علم کو لوگوں سے چھپاتے ہیں اور اس سے کسی کو نفع نہیں پہنچاتے ایسے نا شکرے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذلیل و رُسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی ، اللہ تعالیٰ سے قرب رکھنے والا ، جنت سے قرب رکھنے والا ، اور لوگوں سے قرب رکھنے والا (ہر دل عزیز اور محبوب خلق ہوتا ہے) اور دوزخ سے دور ہوتا ہے ۔ اور بخیل اللہ تعالیٰ سے دور ، جنت سے دور ، لوگوں سے دور اور دوزخ کے قریب ہوتا ہے اور جاہل سخی اللہ تعالیٰ کو بخیل عابد سے زیادہ پیارا ہے ۔ (مظہری بحوالہ ترمذی ۲۳/ ۲) ۔

ریاکاری کی ممانعت

۳۸ ۔ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۤءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۔ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۤءَ قَرِيْنًا ۔

اور یہ وہ لوگ ہیں جو اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت کے دن پر اور جس کا شیطان ساتھی ہو تو وہ بڑا ہی ساتھی ہے ۔

رِئَاۤءَ ۔ دکھاوا ۔ خود نمائی کرنا ۔ مصدر ہے ۔

قَرِيْنًا ۔ ساتھی ۔ ہمنشین ۔ مصاحب ۔ جمع قُرَنَاءَ ۔

تشریح ۔ جو لوگ ظاہر داری میں تو بخل نہیں کرتے مگر وہ اپنے اموال ، دکھاوے ، خود نمائی ، شہرت اور سخی کہلانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نہ ان کو آخرت کے ثواب سے کوئی غرض ہوتی ہے ، تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ۔ ان کا دوست تو شیطان ہے ۔ اور جس کا دوست شیطان ہو تو وہ بہت ہی بُرا دوست اور ساتھی ہے کیونکہ ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان کے ساتھی شیطان کا ہوگا ۔

ایمان کی ترغیب

۳۹ ۔ وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۔

اور ان کا کیا بگڑ جاتا اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ۔ اور اللہ تعالیٰ ان سے خوب واقف ہے ۔

تشریح ۔ اس میں ان کافروں کا کچھ نقصان نہ تھا اگر وہ کفر کی بجائے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لے آتے اور اس مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دیا ہے ، نام و نمود کی بجائے اس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کے ثواب کی امید میں ، اس کی راہ میں خرچ کردیتے ۔ بلکہ اس میں تو سراسر ان کا نفع تھا۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی نیتوں کو خوب جانتا ہے کہ یہ اپنی شہرت اور نام کے لئے اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ۔

نیکی کا دوگنا ہونا

۴۰ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔

بیشک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہو تو اسکو دوگنا کردیتا ہے اور اس کو اپنے پاس سے بھی (انعام کے طور پر) بڑا اجر دیتا ہے ۔

مِثْقَالَ ۔ برابر ۔ ہموزن ، بھاری ہونا ثِقْلٌ و ثَقَالَةٌ سے فعل بھی ہے اور اسم بھی ۔

يُضٰعِفْهَا ۔ وہ اس کو دوگنا کرے گا۔ وہ اس کو بڑھا دے گا۔

لَدُنْهُ ۔ اس کی طرف سے ۔

تشریح ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی کی ذرہ برابر بھی حق تلفی نہیں کرتا اور نہ وہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے ۔ بلکہ قیامت کے روز وہ نیکی کو بڑھا چڑھا کر اس کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ اس نے کافروں کے لئے جو ذلت و رسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے وہ ظلم نہیں بلکہ سراسر

انصاف اور ان کی بداعمالیوں کا بدلہ ہے ۔ البتہ اگر کافروں کو عذاب نہ دیا گیا تو یہ ظلم ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت سے منہ موڑا ، والدین و اقارب اور ہمسایہ وغیرہ کے حقوق کی ادائیگی کو ترک کیا وغیرہ ۔ اگر ایسے لوگوں کو بھی عذاب نہ دیا گیا تو یہ ظلم ہوگا۔

بغویؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوں کی کسی نیکی (کے اجر) کو کم نہیں کیا جائیگا۔ دنیا میں اس کے بدلے میں زیادہ رزق ملے گا اور آخرت میں بھی اس کی اچھی جزا ملے گی اور کافر کی نیکی کا بدلہ رزق کی شکل میں دنیا ہی میں مل جائے گا۔ جب وہ آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی باقی ہی نہیں رہیگی جس کا ثواب پاسکے ۔ (مظہری بحوالہ احمد و مسلم ۶۳، / ۲) ۔

اگر کسی کی ذرہ برابر نیکی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا کردے گا اور اپنی مہربانی سے اس ایک نیکی والے کو مقررہ موعودہ ثواب سے الگ انعام کے طور پر اجر عظیم عنایت فرمائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ نے قسم کھا کر بیان کیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیکی کو بڑھا کر ہزاروں ہزار نیکیاں کردے گا۔ بغویؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اجراً عظیما فرمایا تو اس کی مقدار کا اندازہ کون کرسکتا ہے ۔ (مظہری ۶۵، / ۲)۔

قیامت کی ہولناکی

۴۱ ۔ ۴۲ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ، بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۔ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ عَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۔ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ۔

پھر کیا ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے (یعنی ان کا رسول) اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو بھی ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے ۔ اس دن تو کافر اور جنہوں نے رسول کی

نافرمانی کی۔ یہ آرزو کریں گے کہ کاش ان پر زمین ہموار کردی جائے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی بات نہ چھپا سکیں گے۔

یَوَدُّ۔ وہ چاہتا ہے۔ وہ پسند کرتا ہے۔ وہ خواہش کرتا ہے۔ **وُدٌّ وَمَوَدَّۃٌ** سے مضارع۔
تُسَوّٰی۔ وہ ملا دی جائے گی۔ وہ برابر کردی جائے گی۔ **تَسْوِیَۃٌ** سے مضارع مجہول۔
تشریح۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکی بیان کی ہے۔ جو لوگ نہ تو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے ہیں اور نہ بندوں کے، اس دن ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب انبیاء علیہم السلام کو گواہ کے طور پر بلایا جائیگا۔ قیامت کے روز ہر نبی اپنی امت کی نافرمانی اور فرماں برداری کو بیان کرے گا۔ اور اس بات کی گواہی دے گا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام اپنی امت کو پہنچا دیئے تھے۔ امتیں اپنے نبیوں کی تکذیب کریں گی۔ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ انبیاء کی صداقت پر گواہی دیں گے۔ آپؐ کی گواہی کے بعد مجرموں پر جرم ثابت ہوجائیگا۔ کافروں کے لئے یہ وقت عجیب پریشانی اور اضطراب کا ہوگا۔ اس وقت کافر اور پیغمبروں کے نافرمان یہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کو مٹی بناکر زمین کے ساتھ ہموار کردیا جاتا اور وہ عذاب سے بچ جاتے۔ یہ لوگ اپنے عقائد اور اعمال کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کوئی بات بھی نہیں چھپا سکیں گے۔ ان کے اپنے ہاتھ پیر اقرار کریں گے، انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے اور ان کے اعمال نامے سب کچھ ظاہر کردیں گے۔ (مظہری ۲۹، ۲/۲۷۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۷۷)۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمایا کہ مجھے (قرآن) پڑھکر سناؤ۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ہی پر تو یہ نازل ہوا ہے اور میں آپ ہی کو پڑھکر سناؤں۔

آپؐ نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ میں دوسرے سے سنوں۔ پس میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی۔ پڑھتے پڑھتے جب میں آیت فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا پر پہنچا تو آپؐ نے فرمایا بس کرو۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (ابن کثیر ۴۹۸/ ۱)۔

نماز کے آداب

۴۳۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِیْ

سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۔ وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْجَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْلٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔

اے ایمان والو ۔ تم نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ (نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو ۔) یہاں تک تم سمجھنے لگو کہ تم منہ سے کیا کہتے ہو اور نہ ، ناپاکی کی حالت میں (ناپاکی کی حالت میں نماز نہ پڑھو) سوائے اس کے کہ تم سفر میں ہو (جس کا حکم آگے مذکور ہے) یہاں تک کے غسل کرلو ۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کرکے آئے یا تم نے عورت سے قربت کی ہو ، پھر تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی لے کر اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرلو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ درگزر کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے ۔

سُکٰرٰی ۔نشہ میں مست ۔ بےہوش واحد سَکْرَانٌ ۔

عَابِرِیْ ۔عبور کرنے والا ۔ گزرنے والا ۔ مسافر ۔ عُبُوْرٌ سے اسم فاعل ۔

غَائِطِ ۔وسیع نشیبی میدان ۔ قضائے حاجت کی جگہ ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیت میں عبادت کا ذکر تھا اور ایمان کے بعد نماز سب سے اہم عبادت ہے اس لئے اس آیت میں نماز کے آداب کو بیان فرمایا گیا ہے کہ نشہ اور ناپاکی کی حالت میں نماز نہ پڑھو ۔

شانِ نزول ۔ابو داؤد ، ترمذی اور حاکم نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف نے ہمارے لئے کھانا تیار کرایا ۔ اور اس میں شراب نوشی کا بھی انتظام تھا۔ جب کھانے اور شراب سے فارغ ہوچکے تو مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ لوگوں نے مجھے امام بنادیا۔ میں نے قُلْ يَآ اَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کی تلاوت میں نشہ کی وجہ سے خلط ملط کردیا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۶۸، ۲/) ۔

تشریح

نشہ میں نماز کی ممانعت ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے ۔ نشہ کی حالت میں آدمی اپنے ہوش و حواس میں نہیں ہوتا ، اس کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زبان سے کیا کہہ رہا ہے اور کس سے کہہ رہا ہے ۔ جب اس درجہ کا نشہ ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہئے ۔ اگر نشہ کی مقدار کم ہو اور نشہ والے کو اتنا ہوش ہو کہ جو کچھ وہ پڑھ رہا ہے اس کو سمجھ بھی رہا ہو تو اس حالت میں نماز پڑھ سکتا ہے ۔ یہ حکم اس وقت کا ہے جب شراب پوری طرح حرام نہیں ہوئی تھی ۔

جنابت میں نماز کی ممانعت ۔ یہاں دوسری بات یہ بتائی گئی کہ اگر تم نا پاک ہو اور غسل فرض ہے تو اس حالت میں بھی نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ تم غسل کر لو ۔

تیمم کا حکم ۔ اگر کوئی سفر میں ہو یا اس کو کوئی ایسا عذر پیش آ جائے کہ پانی استعمال نہ کر سکتا ہو اور طہارت حاصل کرنا ضروری ہو تو اس صورت میں پاک صاف مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے ۔ تیمم چار حالتوں میں جائز ہے ۔

۱) بیماری ۔ (۲) سفر (۳) حدث اصغر یعنی پیشاب پاخانہ کرنے کے بعد (۴) حدث اکبر یعنی حالت جنابت میں ۔

ان چار حالتوں میں وضو اور غسل کے لئے پانی نہ ملنے پر تیمم جائز ہے ۔ پانی نہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ پانی سرے سے موجود ہی نہ ہو ۔ یا اتنی قلیل مقدار میں ہو کہ اگر وہ وضو کر لے تو پیاس سے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو (کیونکہ دور تک پانی نہ ملنے کا احتمال ہے) یا پانی موجود تو ہو مگر بیماری اور عذر کی وجہ سے استعمال نہ کر سکتا ہو ۔

تیمم کا طریقہ ۔ تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ تیمم کی نیت کر کے دونوں ہاتھ پاک زمین پر مار کر اپنے چہروں پر مسح کر لو (مل لو) پھر دوسری مرتبہ اپنے ہاتھ زمین پر مار کر اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک مل لو (مسح کر لو) مٹی پاک ہے اور بعض چیزوں کے لئے پانی کی طرح مطہر (پاک کرنے والی) بھی ہے اور جو نجاست زمین پر گر کر خاک ہو جاتی ہے وہ بھی پاک ہو جاتی ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بڑا بخشنے والا ہے ۔ اس نے اپنی رحمت سے تمہیں ضرورت کے وقت تیمم کی اجازت دیدی اور مٹی کو تمہارے لئے پانی کے قائمقام کر دیا جو بہت ہی آسانی سے دستیاب ہے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/ ۹ء) ۔

یہود کا مکر و فریب

۴۴ ۔ ۴۶۔اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ
يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ۔ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ
نَصِيْرًا ۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ
وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ
رَاعِنَا لَيًّا ۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِى الدِّيْنِ ۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ
قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ
اِلَّا قَلِيْلًا ۔

(اے نبی ! صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب سے کچھ حصہ دیا گیا تھا ۔ وہ گمراہی خریدتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بھٹک جاؤ ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ کافی ہے (تمہاری) حمایت کے لئے اور اللہ کافی ہے (تمہاری) مدد کے لئے ۔ بعض یہودی ایسے بھی ہیں جو الفاظ کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور اپنی زبانوں کو موڑ کر سَمِعْنَا (ہم نے سنا) و عَصَيْنَا (اور ہم نے مانا نہیں) اور اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ اور رَاعِنَا کہتے ہیں اور (یہ سب کچھ) وہ دین میں عیب لگانے کے لئے (کرتے ہیں) اور کاش وہ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور اِسْمَعْ اور اُنْظُرْنَا کہتے تو ان کے حق میں بہتر اور درست ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے کفر کی وجہ سے لعنت کر دی ہے سو وہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں ۔

یُحَرِّفُوْنَ ۔ وہ تحریف کرتے ہیں ۔ وہ بدل دیتے ہیں ۔ تَحْرِیْف سے مضارع ۔

مَوَاضِعِہٖ ۔ اس کے ٹھکانے ۔ اس کی جگہیں ۔ اس کے رکھنے کے مقامات ۔ وَضْعٌ سے اسم ظرف ۔ واحد مَوْضِعٌ ۔

رَاعِنَا ۔ ہماری رعایت کر ۔ ہماری طرف متوجہ ہو ۔ مُرَاعَاۃٌ سے امر ۔

لَیًّا ۔ مروڑنا ۔ پھیرنا ۔ بل دینا ۔ مصدر ہے ۔

طَعْنًا ۔ طعنہ دینا ۔ عیب لگانا ۔ مصدر ہے ۔

شانِ نزول ۔ محمد بن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ یہود کا ایک بڑا سردار جس کا نام رفاعہ بن زید بن تابوت تھا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرتا تو زبان مروڑ کر کہتا تھا ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ذرا اپنے کان ہماری طرف کیجئے تاکہ ہم آپ کو سمجھائیں ۔ پھر وہ اسلام پر نکتہ چینی کرتا اور عیب نکالتا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۸۹، / ۲) ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی مذموم خصلتیں بیان کی ہیں کہ وہ ہدایت کے بدلے گمراہی کو اختیار کرتے ہیں ۔ جو کچھ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے وہ اس سے رو گردانی کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کے جو احکام پہلے سے ان کے پاس موجود ہیں ، ان کو بھی انہوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے وہ اپنی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بشارتیں پڑھتے ہیں ان کو لوگوں پر ظاہر نہیں کرتے کہ کہیں لوگوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کو ملنے والے نذرانے نہ بند ہو جائیں ۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جائیں ، اللہ تعالیٰ کی کتاب کا انکار کر دیں ۔ اور ہدایت کو چھوڑ دیں اس لئے کہ ان کو مسلمانوں سے عداوت ہے ۔ لہذا تم ان سے بچتے رہو ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے ۔ وہ تمہیں خبردار کرتا ہے کہ تم ان کے دھوکے میں نہ آنا تمہارے لئے تو اللہ تعالیٰ کی حمایت ہی کافی ہے تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف نہ جاؤ اور نہ کسی سے مدد طلب کرو ۔ وہ تمہاری ضرور مدد کرے گا ۔ (ابن کثیر ۵۰۰، / ۱) ۔

یہودی اللہ تعالیٰ کے کلام میں جان بوجھ کر لفظی و معنوی تحریف کر کے اس کے معنی بدل دیتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق اس کی تفسیر کرتے ہیں ۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اے محمد ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ آپؐ نے کہا وہ ہم نے سن لیا مگر آہستہ سے

کہتے ہیں کہ ہم نے اس کو مانا نہیں ۔ اور وہ جان بوجھ کر آپؐ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ آپ سنئے ، خدا کرے آپؐ نہ سن سکیں ۔ اس طرح وہ آپؐ کو بہرہ ہو جانے یا مر جانے کی بد دعا دیتے ہیں اور وہ آپؐ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنَا کہتے ہیں جو ذومعنی لفظ ہے عربی زبان میں اس کا معنی ہے ، ہماری رعایت کیجئے ، ہمارا انتظار کیجئے اور عبرانی اور سریانی زبانوں میں یہ لفظ گالی ہے ۔ ان لوگوں کا آپؐ کو اس لفظ سے مخاطب کرنے کا مقصد آپؐ کی توہین کرنا تھا اور اپنی زبانیں گھما گھما کر ان کلمات کو اپنے کلام میں ملا کر ایسے انداز سے کہتے کہ سننے والے ان سے اچھے معنی ہی مراد لیتے اور بُرے معنوں کی طرف ان کا دھیان بھی نہ جاتا ۔ اور اپنے دلوں میں ان کلمات کے بُرے معنی مراد لیتے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا تو ہمارا فریب ضرور معلوم کر لیتا ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے فریب کو خوب واضح کر دیا ۔

پھر فرمایا کہ اگر وہ سَمِعْنَا ، وَ اَطَعْنَا ، وَاسْمَعْ ، وَ انْظُرْنَا (ہم نے سنا ، ہم نے مانا ، اور ہماری بات سن لیجئے اور ہماری رعایت کیجئے) کہتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا مگر ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی ، اللہ نے ان کو بے مدد چھوڑ دیا اور ہدایت سے دور کر دیا ۔ اس لئے یہ بعض کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔ (مظہری ۹۴، / ۲)

اہلِ کتاب کو دعوتِ ایمان

۴۷ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

اے اہلِ کتاب ! ہماری نازل کی ہوئی اس (کتاب) پر ایمان لے آؤ جو اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے پاس ہے ۔ قبل اس کے کہ ہم (تمہارے) چہرے بگاڑ کر ان کو ان کی پیٹھ کی جانب الٹ دیں یا ان پر ایسی لعنت کریں جیسی اصحاب سبت (ہفتہ کے دن والوں) پر کی تھی ۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہو کر رہتا ہے ۔

نَطْمِسَ ۔ ہم مسخ کر دیں گے ۔ ہم بگاڑ دیں گے ۔ طَمْسٌ سے مضارع ۔
فَنَرُدَّھَا ۔ پس ہم اس کو لوٹا دیں گے ۔ پس ہم اس کو پھیر دیں گے ۔ رَدٌّ سے مضارع ۔
اَدْبَارِھَا ۔ اس کے بعد ، اس کے پیچھے ۔ اس کی پیٹھیں ۔ واحد دُبُرٌ ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں اہل کتاب کی شرارتوں اور خباثتوں کا ذکر تھا ۔ اس آیت میں ان کو ایمان و اسلام کی دعوت دی گئی ہے اور نصیحت کے طور پر ان کو ان کی خباثتوں کے بُرے انجام سے ڈرایا گیا ہے ۔

شانِ نزول ۔ ابن اسحاق نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن صوریا ، کعب بن اسید اور انہی جیسے بعض دوسرے علماء یہود سے گفتگو کی اور فرمایا کہ تم لوگ خوب جانتے ہو کہ جو کچھ میں لیکر آیا ہوں وہ سراسر حق ہے ۔ انہوں نے جواب دیا ۔ محمد ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس کو نہیں جانتے (ہماری کتاب میں اس کے خلاف ہے اور آپؐ وہ نبی نہیں جن کا ذکر توریت میں ہے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲۴، / ۲) ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو حکم دیا ہے کہ میں نے جو کچھ اپنے نبی پر نازل کیا ہے اور جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے تم اس پر ایمان لے آؤ قبل اس کے ہم کتاب اللہ میں تحریف کی سزا میں تمہاری صورتیں مسخ کر دیں اور تمہارے چہروں کو پشت کی طرف الٹا دیں اور آنکھیں اِدھر کی بجائے اُدھر ہو جائیں یا ہم ان پر ایسی لعنت کریں جیسی ہفتہ کے دن کی بے حرمتی کرنے والے یہودیوں پر کی تھی یعنی جو لوگ ممانعت کے باوجود حیلے کر کے ہفتے کے دن شکار کھیلا کرتے تھے ، ان کو بندر اور سور بنا دیا گیا ۔ اور اللہ تعالیٰ کا حکم ضرور پورا ہوتا ہے ۔ اس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا ۔ (ابن کثیر ،۵۰۷/ ۱) ۔

بہت سے اہل کتاب جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا ، اس آیت کو سنتے ہی مشرف با سلام ہو گئے ۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے جب یہ آیت سنی تو گھر جانے سے پہلے ہی آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور اس اندیشے سے کہ کہیں چہرہ بگڑ نہ گیا ہو چہرے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے امید نہ تھی کہ گدی کی طرف منہ پلٹ جانے سے پہلے میں یہاں تک پہنچ سکوں گا ۔ یہ کہکر مسلمان ہو گئے ۔

اسی طرح حضرت کعب احبار کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے جب حضرت عمر

کے زمانے میں یہ آیت سنی تو فوراً مسلمان ہو گئے اور اس خوف سے کہ کہیں اس آیت کی وعید ان پر نہ پڑ جائے عرض کیا اے رب! میں مسلمان ہو گیا۔ اے رب! میں ایمان لے آیا۔ (مظہری ۹۳، / ۲) ۔

شرک کا انجام

۴۸ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَادُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۔

بیشک اللہ تعالیٰ اس کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے ۔ اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا ۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا تو اس نے اللہ پر بڑا بہتان باندھا ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ یہ خیال نہ کریں کہ کفر و شرک بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے۔ جس کی معافی اور مغفرت ہو جائیگی ۔ شرک کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ وہ اس جرم کو توبہ کے بغیر معاف نہیں فرماتا ۔ علماء کرام کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص شرک سے توبہ کر کے ایمان لے آئے تو اس کے گزشتہ شرک و معصیت کو بخشدیا جائے گا اور توبہ کرنے والا گناہ سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے اس سے کبھی گناہ سر زد ہی نہ ہوا ہو ۔

کفروشرک توبہ کے بغیر قابل معافی نہیں ۔ ان کی سزا دائمی عذاب ہے البتہ کفر و شرک کے علاوہ جو گناہ ہیں خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ، قصداً کئے ہوں یا غلطی سے وہ سب توبہ کے بغیر بھی قابل مغفرت ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان میں سے جس کو چاہے گا معاف فرمادے گا اور جس پر چاہے گا عذاب دے دے گا ۔ اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک قرار دیا اس نے بڑے جھوٹ ، فساد اور گناہ کا ارتکاب کیا جو قابل مغفرت نہیں ۔

یہود کی خود ستائی

۴۹ ، ۵۰ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ

يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۔ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۔

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو مقدس کہتے ہیں ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے مقدس کرتا ہے اور ان پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا ۔ دیکھو یہ اللہ تعالیٰ پر کیسا جھوٹ باندھ رہے ہیں اور صریح گنہگاری کے لئے تو یہی کافی ہے ۔

فَتِيْلًا ۔ تاگہ ۔ کھجور کی گٹھلی کا ریشہ ۔ ذرا بھی ۔

يَفْتَرُوْنَ ۔ وہ افترا کرتے ہیں ۔ وہ بہتان لگاتے ہیں ۔ اِفْتِرَاءٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول ۔ بغوی، اور ثعلبی ، نے کلبی کا قول لکھا ہے کہ کچھ یہودی جن میں بحری بن عمرو ، نعمان بن اوفی اور مرحب بن زید بھی تھے اپنے چھوٹے بچوں کو لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا محمد ! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ان (بچوں) پر کوئی گناہ ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا نہیں ۔ پھر وہ کہنے لگے کہ ہم بھی انہی کی طرح ہیں ، ہم دن میں جو کچھ کرتے ہیں ان کو رات میں معاف کر دیا جاتا ہے اور جو کام رات کو کرتے ہیں ، دن میں ان کا کفارہ ہو جاتا ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۹۶، ۲ /

تشریح ۔ یہودی کہتے تھے کہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ، تقدس و پاکیزگی ہمارا موروثی حق ہے اور ہم حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام کی نسل ہیں جن پر دوزخ کی آگ از خود حرام ہے اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں ۔ جنت میں صرف یہودی جائیں گے یا نصرانی وغیرہ ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ یہ کیوں نا حق اپنی تعریفیں کرتے ہیں اور اپنے پاکیزہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ پاکیزہ تو وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاری کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کو جانتا ہے وہی ہر چیز پر قادر ہے ۔ پاکیزگی کے سلسلہ میں کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائیگا ۔ جو پاکیزگی کا اہل ہوگا اسی کو پاکیزگی کی توفیق ملے گی اور جو پاکیزگی کے لائق نہیں ہوگا اس کو اس کی توفیق نہیں ملے گی ۔ ایسے دعوے کرنا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور محبوب ہیں ، ہم پر دوزخ کی آگ حرام ہے ، یہ اللہ تعالیٰ پر صریح جھوٹ باندھنا ہے ۔ اور یہ گناہ کی انتہا ہے ۔ اور اس کا غلط

ہونا واضح ہے ۔ (حقانی ۱۶۵/ ۲) ۔

یہود کی عداوت و حسد

۵۱، ۵۲ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۔ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۔

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ۔ وہ بتوں اور شیطان پر ایمان رکھتے ہیں ۔ اور وہ کافروں (مشرکین مکہ) کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ مسلمانوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمادے تو، تو اس کے لئے ہرگز کسی کو مددگار نہ پائے گا ۔

جِبْتِ ۔ بت ۔ جادو ۔ کاہن ۔
طَاغُوْتِ ۔ شیطان ۔ سرکش ۔ نافرمان ۔

شانِ نزول ۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جنگ اُحد کے بعد یہود کے سردار حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف اپنی ایک جماعت کے ساتھ قریش سے ملنے کے لئے مکہ آئے ۔ کعب بن اشرف ابو سفیان کے پاس آیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کے ساتھ تعاون کا وعدہ کیا ۔ اہل مکہ نے کعب بن اشرف سے کہا کہ تم ایک دھوکہ دینے والی قوم ہو ، اگر تم واقعی اپنے قول میں سچے ہو تو ہمارے ان دو بتوں (جبت اور طاغوت) کے سامنے سجدہ کرو ۔ چنانچہ اس نے قریش کو مطمئن کرنے کے لئے ایسا ہی کیا ۔ اس کے بعد کعب نے قریش سے کہا کہ تیس آدمی ہمارے اور تیس آدمی تمہارے کعبہ کے رب کے ساتھ اس چیز کا عہد کریں کہ ہم سب مل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف جنگ کریں گے ۔ قریش نے کعب کی اس تجویز کو پسند کیا ۔ اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک متحد محاذ قائم کر دیا ۔

اس کے بعد ابو سفیان نے کعب سے کہا کہ تم اہل علم ہو ، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ

کی کتاب ہے ۔ مگر ہم بالکل جاہل ہیں اس لئے تم بتاؤ کہ ہم حق پر ہیں یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کعب نے پوچھا کہ تمہارا دین کیا ہے ۔ ابو سفیان نے کہا کہ ہم حج کے لئے اپنے اونٹوں کو ذبح کرتے ہیں ، ان کا دودھ پلاتے ہیں ، مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں ، صلۂ رحمی کرتے ہیں اور بیت اللہ کا طواف اور عمرہ کرتے ہیں ۔ اس کے بر عکس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے آبائی دین کو چھوڑ دیا ہے ، وہ اپنوں سے علیحدہ ہوگئے ہیں اور انہوں نے ہمارے دین کے خلاف اپنا ایک نیا دین پیش کیا ہے ۔ ان باتوں کو سن کر کعب بن اشرف نے کہا کہ تم لوگ حق پر ہو ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں ۔ (معارف القرآن ۴۴۲ ـ ۴۴۳/ ۲) ۔

تشریح ۔ کعب بن اشرف یہودیوں کا ایک ممتاز عالم تھا ۔ وہ خدا پر عقیدہ رکھتا تھا اور اس کی عبادت کرتا تھا مگر اس نے مسلمانوں سے حسد و عداوت کی بنا پر مسلمانوں کے خلاف قریش سے معاہدہ کرنا چاہا ۔ قریش نے معاہدہ کے لئے یہ شرط رکھی کہ وہ ان کے بتوں کو سجدہ کرے ۔ کعب نے اسلام دشمنی میں اس کو بھی گوارا کر لیا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسلام سے ان کے حسد و عناد کی اسی خبیث حالت کو بیان فرمایا ہے کہ ان کی جہالت ، بے دینی ، اور خود اپنی کتاب کے ساتھ کفر کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح دینے لگے حالانکہ جس کتاب پر یہ لوگ ایمان رکھتے ہیں وہ توحید کی تعلیم اور بت پرستی کی مذمت سے بھری پڑی ہے ۔ پس جو لوگ مشرکین کو مُوحدین پر ترجیح دیتے ہیں اور کفر و شرک کو اسلام سے افضل بتاتے ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ملعون ہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کر دے اس کو کوئی مددگار نہیں ملے گا جو اس کو دنیا و آخرت کی ذلت و رسوائی سے بچا سکے ۔ چنانچہ یہود ، مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوئے اور قریش کی کوئی مدد ان کے کام نہ آسکی ۔ (معارف القرآن ۴۴۳/ ۲ ، ابن کثیر ۵۱۴/ ۱) ۔

ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے لعنت بھیجی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی ہے ۔ اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے ۔ وہ چھ آدمی یہ ہیں ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں زیادتی کرنے والا ۔ ۲ ۔ وہ شخص جو جبر و قہر سے اقتدار حاصل کر لے اس آدمی کو عزت دے جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا ہو اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت عطا کی ہو اس کو ذلیل کرے ۔۳ ۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو جھٹلانے والا ۔ ۴ ۔ اللہ تعالیٰ کی حرام

کردہ چیزوں کو حلال سمجھنے والا ۔ ۵ ۔ میری اولاد میں وہ آدمی جو محرمات کو حلال کرنے والا ہو ۔
۶ ۔ میری سنت کو چھوڑنے والا ۔ (معارف القرآن بحوالہ سابق و مشکوۃ ۲/۴۳۵) ۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مردوں پر لعنت کی جو عورتوں کی طرح شکل و صورت بنا کر ہیجڑے بنیں اور ان عورتوں پر لعنت کی جو شکل و صورت میں مردانہ پن اختیار کریں ۔ اور ارشاد فرمایا کہ ان کو اپنے گھروں سے نکال دو ۔ (معارف القرآن ۴۳۵، ۲/۴۳۴) ۔

یہود کا بخل و حسد

۵۳ ، ۵۴ ۔ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ۙ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝

کیا (اللہ کی) سلطنت میں ان کا کچھ حصہ ہے ؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ کسی کو رائی برابر بھی نہ دیتے ۔ کیا یہ (یہود) لوگوں پر اس لئے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے نعمت عطا فرمادی ۔ سو بیشک ہم نے (حضرت) ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت بھی دی اور ہم نے ان کو عظیم سلطنت بھی عطا فرمائی ۔

نَقِيْرًا ۔ کھجور کی گٹھلی کے اوپر کا چھلکا ۔ مراد حقیر ترین چیز ۔
يَحْسُدُوْنَ ۔ وہ حسد کرتے ہیں ۔ وہ جلتے ہیں ۔ حَسَدٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ یہود ملک کے کسی حصہ کے مالک نہیں ہیں ۔ اگر ان کے پاس ملک کا کچھ حصہ بھی ہوتا تو وہ اپنے بخل کی وجہ سے کسی کو ذرا سا بھی نفع نہ پہنچنے دیتے ۔ خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے کسی نبی کو تو یہ اتنا بھی نہ دیتے جتنا کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا پردہ ہوتا ہے ۔ جو لوگ اس درجہ بخیل ہوں کہ سلطنت ملنے کے بعد بھی لوگوں کو ایک تل برابر چیز دینا گوارا نہ کریں تو وہ سلطنت کے اہل اور حقدار نہیں دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ

خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۔ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۰) ۔
آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک ہوتے
تو خرچ ہو جانے کے خوف سے تم تو ان کو بالکل ہی روک لیتے ۔

اس کے بعد یہود کے حسد کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے فضل سے جو منصب نبوت عطا فرمایا ہے اور چونکہ آپؐ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں بلکہ عرب میں سے ہیں ، اس لئے یہ لوگ حسد کرتے ہیں کہ یہ تو ہمارا حصہ تھا ان کو کیوں مل گیا ۔ اسی حسد کی بنا پر یہ لوگ خود بھی ایمان نہیں لاتے اور دوسروں کو بھی آپؐ کی تصدیق سے روکتے ہیں ۔ اور ہم نے ال ابراہیم کو کتاب و حکمت اور عظیم ملک عطا فرمایا ہے ۔ یہود آپؐ کی نبوت و عزت پر کیوں حسد کرتے ہیں ، آپؐ بھی تو حضرت ابراہیم ہی کے گھرانے سے ہیں ۔ (حقانی ۱۹۵/ ۲) ۔

یہود کی ہٹ دھرمی

۵۵ ۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّعَنْهُ ، وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ۔

پھر ان میں سے کچھ تو اس کتاب پر ایمان لے آئے اور کچھ اس سے رک
گئے اور (نہ ماننے والوں کے لئے) دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے ۔

صد ۔ اس نے روکا ۔ اس نے باز رکھا ۔ صَدٌّ و صُدُوْدٌ سے ماضی ۔
سعیرا ۔ دہکتی ہوئی آگ ۔ بھڑکتی ہوئی آگ ۔دوزخ ۔

تشریح ۔ پس ان حاسد یہودیوں میں سے کچھ تو آپؐ پر ایمان لانے سے باز رہے جیسے کعب بن اشرف وغیرہ ۔ بعض علماء کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اولاد ابراہیم میں سے جن نبیوں کو ہم نے کتاب و حکمت دی تھی ان پر بعض یہود تو ایمان لائے اور بعض نے ان کو بھی نہ مانا ۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ آپؐ کی نبوت کو نہ مانیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ یہ لوگ اب تک اپنی پہلی روش پر قائم ہیں ۔ ان کے لئے تو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے ۔

منکرین پر عذاب

۵۶ - اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا ؕ کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۝

بلا شبہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ، ہم بہت جلد ان کو آگ میں ڈالیں گے ۔ جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں پیدا کردیں گے تاکہ وہ خوب عذاب چکھیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والا ہے ۔

نَضِجَتْ ۔ وہ جل گئی ، وہ گل گئی ۔ **نَضْجٌ** سے ماضی ۔

جُلُوْدُهُمْ ۔ ان کی جلدیں ۔ ان کی کھالیں ۔ واحد **جِلْدٌ** ۔

تشریح ۔ ایمان کی ترغیب اور کفر سے ترہیب کے لئے اس آیت میں کافروں کی سزا کو قاعدہ و کلیہ کے طور پر ذکر فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے برگشتہ کیا ، ان کو آگ میں دھکیل دیا جائیگا جو ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گی اور ان کے رونئیں رونئیں کو جلا دے گی اور یہ عذاب یکساں اور دائمی ہوگا ۔ جب ایک دفعہ کھال جل جائے گی تو ان کے عذاب میں کمی نہ آنے کی غرض سے فوراً اس کی جگہ دوسری کھال آ جائے گی ۔ بیشک اللہ تعالیٰ عزت و غلبہ والا ہے ۔ کافروں کو ایسی سزا دینے میں اس کو کوئی دشواری نہیں ، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ، اس کے ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا ۔ اور کافروں کو ایسی سزا دینا عین حکمت کے موافق ہے ۔ (ابن کثیر ۵۱۳ / ۱) ۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کے اندر دوزخیوں کی جسامت بڑی ہو جائیگی یہاں تک کہ بعض آدمیوں کے کان کی لو سے گردن کی جڑ تک کا فاصلہ سات سو برس کی راہ کے برابر ہو گا ۔ کھال کی موٹائی ستر ذراع (شرعی گز ۔ کہنی سے انگلی کے سرے تک کا فاصلہ) اور ڈاڑھ احد (پہاڑ) کے برابر ہوگی اور اس کی کھال کی موٹائی تین روز کی راہ کے برابر ہوگی ۔ (مظہری ۸۰۱ ، ۸۰۲ / ۲) ۔

مومنین پر انعامات

۵۷ ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ؕ

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، تو ہم ان کو بہت جلد (ایسے) باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ ان کے لئے وہاں پاک بیویاں ہیں اور ہم ان کو گھنی گھنی چھاؤں میں داخل کر لیں گے ۔

ظِلًّا ۔ سایہ ۔ چھاؤں ۔
ظَلِيْلًا ۔ گھنی چھاؤں ۔ گھنا سایہ ۔ جمع اَظِلَّةٌ ۔

تشریح ۔ جس طرح گزشتہ آیت میں قاعدہ کلیہ کے طور پر کافروں کی سزا کا بیان تھا اسی طرح اس آیت میں قاعدہ و کلیہ کے طور پر مومنوں کی جزا اور ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ہم ان کو ایسے باغوں (جنتوں) میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ یہاں کی نعمتیں نہ فنا ہوں گی نہ کم ہوں گی ، نہ انکو واپس لیا جائیگا اور نہ وہ کبھی ختم ہوں گی اور ان باغوں میں ان کے لئے حیض و نفاس ، پخانہ ، پیشاب ، میل کچیل اور گندگی وغیرہ سے پاک و صاف بیویاں ہوں گی اور گھنے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بڑے فرحت و سرور والے ، راحت افزا اور دل خوش کن ہوں گی ۔

حاکم نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا اور روایت کو صحیح قرار دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ (بیویاں) حیض ، پخانہ ، ناک کی ریزش اور تھوک سے پاک ہوں گی ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ کو ایک سوار سو سال میں بھی طے نہ کر سکے گا ۔(مظہری ۲/۱۰۸) ۔

امانت کی ادائیگی اور عدل کی تاکید

۵۸ ۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا لا
وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ط اِنَّ
اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ٥

بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ، امانت والوں کو ادا کردو اور جب تم لوگوں کے درمیان (کسی جھگڑے کا) فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں (بہت ہی) اچھی نصیحت کرتا ہے ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا (اور) دیکھتا ہے ۔

تُؤَدُّوا ۔ تم ادا کرو ۔ تم پہنچا دو ۔ **تَاْدِيَةٌ** سے مضارع ۔
حَكَمْتُمْ ۔ تم نے حکم دیا ۔ تم نے فیصلہ کیا ۔ **حُكْمٌ** سے ماضی ۔
نِعِمَّا ۔ وہ کیا ہی اچھی ہے ۔

شانِ نزول ۔ بغوی ؒ نے بیان کیا کہ فتح مکہ کے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو عثمان بن طلحہ کعبہ کا دروازہ بند کر کے چھت پر چڑھ گیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنجی طلب فرمائی تو عرض کیا گیا کہ کنجی عثمان کے پاس ہے اور اس نے دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں تو میں کنجی دینے سے انکار نہ کرتا ۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے عثمان بن طلحہ کی گردن مروڑدی اور کنجی لے لی اور دروازہ کھول دیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں داخل ہو گئے اور اندر دو رکعت نماز پڑھی ۔ جب باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے کنجی مانگی اور درخواست کی کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ بیت اللہ کی دربانی بھی مجھے عطا کر دی جائے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ کنجی عثمان کو واپس کر دو اور اس سے معذرت بھی کرو ۔

حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی ۔ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ تم نے مجھ پر جبر کیا اور دکھ دیا اور اب پچکارنے آگئے ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں آیت نازل فرمائی ہے ۔ پھر یہ آیت پڑھی ۔ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں ۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ۔ اس کے بعد کعبہ کی کنجی عثمان کے پاس رہی ۔ مرتے وقت انہوں نے اپنے بھائی شیبہ کو دیدی ۔ کعبہ کی کنجی اور دربانی قیامت تک انہی کی اولاد کے پاس رہے گی ۔ (مظہری ۱۴۸/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت کے پہلے حصہ میں امانت ادا کرنے کا حکم ہے اور دوسرے میں عدل و انصاف کرنے کا حکم ہے ۔ آیت کا مخاطب ہر وہ شخص ہے جو کسی امانت کا امین ہے ۔ اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی ۔ پس جس کے پاس کوئی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ امانت اس کے اہل اور مستحق کو پہنچادے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت ادا کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ۔

امانت کی قسمیں ۔ ۱) امانت کا مطلب یہی نہیں کہ ایک شخص کا مال کسی دوسرے شخص کے پاس بطور امانت رکھا ہوا ہو جیسا کہ عام طور پر کہا اور سمجھا جاتا ہے ۔ بلکہ حکومت کے تمام عہدے اور منصب بھی سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں جن کے امین وہ حکام اور افسران ہیں جن کے ہاتھ میں تنزل و ترقی کے اختیارات ہیں ۔ حکام کے لئے جائز نہیں کہ وہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی علمی یا عملی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ وہ ہر کام اور ہر عہدے کے لئے اپنے دائرہ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں ۔ اگر پوری اہلیت اور تمام شرائط کا جامع کوئی شخص نہ ملے تو قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے ۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی اور تعلق کی مد میں اہلیت معلوم کئے بغیر دے دیا ، تو اس پر اللہ کی لعنت ہے ، نہ اس کا فرض مقبول ہے ، نہ نفل ، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے ۔ (جمع الفوائد) ۔

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ اس عہدہ کے لئے دوسرا آدمی اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سب مسلمانوں کی خیانت کی ۔ آج نظام حکومت کی ابتری اسی قرآنی حکم کو نظر انداز کرنے کا نتیجہ ہے ۔

۲) ۔ کسی مجلس میں جو بات کہی جائے وہ اس مجلس کی امانت ہے ۔ اہل مجلس کی اجازت کے بغیر اس کو دوسروں سے نقل کرنا اور پھیلانا جائز نہیں ۔

۳) اگر کسی شخص سے کوئی مشورہ لیا جائے تو وہ امین ہے ۔ اس پر لازم ہے کہ وہ وہی مشورہ دے جو اس کے نزدیک مشورہ لینے والے کے حق میں مفید اور بہتر ہو ۔ اگر اس نے جان بوجھ کر غلط مشورہ دیا تو وہ امانت میں خیانت کا مرتکب ہوا ۔
۴) ۔ اگر کسی نے اپنا کوئی راز کسی پر ظاہر کیا تو وہ اس کی امانت ہے ۔ اس کی اجازت کے بغیر کسی کو بتانا خیانت ہے ۔ اس آیت کے پہلے حصہ میں ان سب امانتوں کا حق ادا کرنے کی تاکید ہے ۔ (معارف القرآن ۴۴۶ ۔ ۴۴۷، ۲/) ۔

عدل و انصاف کی تاکید ۔ آیت کے دوسرے حصہ میں ان لوگوں کو خطاب ہے جو باہمی جھگڑوں اور مقدموں کے فیصلے کرتے ہیں ۔ ان کو لوگوں کے باہمی جھگڑوں کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرنے کی تاکید کی گئی ہے ۔ کیونکہ مقدمات کے فیصلوں میں سب انسان برابر ہیں خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہموطن، ہم رنگ اور ہم زبان ہوں یا غیر ۔ اس لئے فیصلہ کرنے والوں کا فرض ہے کہ وہ ان سب تعلقات سے قطع نظر جو بھی حق و انصاف کا تقاضا ہو وہ فیصلہ کریں ۔ (معارف القرآن ۴۴۸/ ۲) ۔

اللہ، رسول اور اولو الامر کی اطاعت

۵۹ ۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِا اللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۚ

اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی (اطاعت کرو) جو تم میں صاحب حکومت ہوں ۔ پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو ۔ یہ (بہت ہی) اچھی بات ہے اور اس کا انجام (اور بھی) اچھا ہے ۔

تَنَازَعْتُمْ ۔ تم نے ایک دوسرے سے تنازع کیا ۔ تم نے ایک دوسرے سے جھگڑا کیا ۔

تَنَازَعْ ۔ سے ماضی ۔
فَرُدُّوْہُ ۔ پس تم اس کو لوٹاؤ ۔ پس تم اس کو حوالے کردو ۔ رَدٌّ سے امر ۔
تَاْوِیْلاً ۔ انجام ۔ تعبیر ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ، اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے حاکم کا حکم مانو ۔ اُولِی الْاَمْرِ سے وہ حکام اور امراء مراد ہیں جن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہے ۔

اطاعت کی عملی صورتیں ۔ ۱) ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جس چیز کا صریح اور واضح حکم نازل فرما دیا اور اس میں مزید کسی تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں جیسے شرک و کفر کا انتہائی جرم ہونا ، اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کرنا ، قیامت اور آخرت پر یقین رکھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا آخری رسول ماننا ، نماز ، روزہ ، حج اور زکوٰۃ کو فرض سمجھنا وغیرہ ۔ یہ سب براہ راست احکام ربانی ہیں ۔ ان کی تعمیل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے ۔

۲) ۔ قرآن کریم نے بعض احکام کو مجمل طور پر بیان کیا ہے ۔ ان کی تفصیل و تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کے ذریعہ فرمائی ہے ۔ وہ بھی وحی ہی ہوتی ہے اس قسم کے احکام کی اطاعت بھی اگر چہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے مگر ظاہری اعتبار سے چونکہ یہ احکام صریح طور پر قرآن کریم میں نہیں ہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے امت کو پہنچے ہیں اس لئے ان کی اطاعت ظاہری اعتبار سے اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتی ہے ۔

۳) ۔ بعض احکام نہ تو قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہیں اور نہ حدیث میں ۔ یا احادیث میں ان کے متعلق متضاد روایات ملتی ہیں ۔ ایسے احکام میں ، علماء و مجتہدین ، قرآن و سنت کی منصوصات اور نظائر میں غور و فکر کر کے ان کا حکم تلاش کرتے ہیں ۔ حقیقت کے اعتبار سے تو ان احکام کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے مگر ظاہری اعتبار سے یہ علماء کی طرف منسوب ہیں ۔

انہی میں سے بعض احکام ایسے بھی ہیں جن میں کتاب و سنت کی رو سے کوئی پابندی عائد نہیں بلکہ ان پر عمل کرنے والوں کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں کریں ۔ انہیں شرعی اصطلاح میں مباحات کہتے ہیں ۔ ایسے احکام میں عملی انتظام حکام اور امراء کے سپرد ہے ۔ اس آیت میں اُولُوالْاَمْر کی اطاعت سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے ۔ اس

لئے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام و امراء کی اطاعت واجب ہے ۔

حقیقت میں ان احکام کی اطاعت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے مگر ظاہری اعتبار سے یہ احکام نہ قرآن کریم میں ہیں اور نہ سنت میں بلکہ علماء اور حکام کی طرف منسوب ہیں ۔ اس لئے اس اطاعت کو اُولُوالاَمر کی اطاعت کہا گیا ۔ جس طرح مَنصُوصَاتِ قرآن میں ، قرآن کی اتباع اور منصوصات رسول میں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع لازم ہے ، اسی طرح غیر مَنصُوص فقہی چیزوں میں فقہا کی اور انتظامی امور میں حکام و امراء کی اتباع واجب ہے ۔ اُولُوالاَمر کی اطاعت کا یہی مفہوم ہے ۔ (معارف القرآن ۴۵۰ ۔ ۴۵۲/ ۲) ۔

اختلاف کی صورت میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع ۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی امر کے بارے میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رجوع کرو ۔ یعنی جن مسائل کی صراحت نہ قرآن کریم میں ہے اور نہ فرمان رسول میں تو ایسے مسائل میں اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ یہ دونوں کتاب و سنت ہی کی طرف لوٹتے ہیں ۔ اگر اجماع اور قیاس کی طرف رجوع کے بعد شرعاً اس کی اطاعت واجب ہوتی ہو تو اطاعت کرو ورنہ مت کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے ۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (امیر کا حکم) سننا اور اس کو ماننا مسلمان پر واجب ہے خواہ پسند ہو یا نا پسند بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی نا فرمانی کا حکم نہ دیا گیا ہو ۔ اگر معصیت کا حکم دیا گیا ہو تو نہ سننا جائز ہے اور نہ ماننا ۔

صحیحین ہی میں حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت درست نہیں ۔ اطاعت صرف نیکی میں ہوتی ہے ۔ (مظہری ۱۰۹/ ۲) ۔

منافقین کی گمراہی

۶۰ ۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى

الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْآ اَنْ يَّكْفُرُوْابِهٖ ، وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلاً بَعِيْدًا ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ پر نازل ہوا اور ان (کتابوں) پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہوئیں ۔ (مگر) وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے مقدمے شیطان کے پاس لیجائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس کو نہ مانیں اور شیطان (تو یہی) چاہتا ہے کہ ان کو گمراہ کر کے راہ راست سے بہت دور جا ڈالے ۔

يَزْعُمُوْنَ ۔ وہ گمان کرتے ہیں ۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں ۔ **زَعْمٌ** سے مضارع ۔
يَتَحَاكَمُوْا ۔ وہ فیصلہ کراتے ہیں ۔ وہ فیصلہ چاہتے ہیں ۔ **تَحَاكُمٌ** سے مضارع ۔
الطَّاغُوْتِ ۔ شیطان ۔ سرکش ۔ نا فرمان ۔

شانِ نزول ۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ بشر نامی ایک منافق کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا ۔ یہودی نے فیصلے کے لئے منافق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلنے کے لئے کہا مگر بشر نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ کعب بن اشرف یہودی کے پاس جا کر فیصلہ کرانے کے لئے کہا ۔ یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے پر اصرار کیا ، مجبوراً بشر منافق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا پڑا ۔ جب دونوں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے معاملے کی تحقیق کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا ۔

فیصلے کے بعد جب دونوں باہر آئے تو منافق نے یہودی کو (فیصلے کے لئے) حضرت عمرؓ کے پاس جانے پر آمادہ کر لیا ۔ چنانچہ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے تو یہودی نے عرض کیا کہ میں اور یہ شخص اپنا باہمی مقدمہ لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے تھے ۔ آپؐ نے فیصلہ میرے حق میں فرمادیا ۔ یہ اس سے مطمئن نہیں ۔ اس لئے مجھے آپ کے پاس لا یا ہے ۔ حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا کیا واقعہ ایسا ہی ہے ۔ منافق نے اقرار کر لیا ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا ٹھہرو ۔ میں ابھی آتا ہوں ۔ چنانچہ آپ گھر میں گئے اور ایک تلوار لیکر آئے اور اس منافق کا کام تمام کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو برزہ اسلمی ایک کاہن تھا جو یہودیوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرتا تھا ۔ (یہودیوں کی دیکھا دیکھی) کچھ مسلمان بھی اس کے پاس فیصلہ کرانے گئے ۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۸۱۰/ ۲)۔

تشریح ۔ یہ آیت بھی اہل کتاب سے متعلق ہے ۔ ان میں سے کچھ لوگ منافقانہ طور پر مسلمان ہو گئے تھے ۔ یہ لوگ دل میں تو کفر و الحاد چھپائے ہوئے تھے اور زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرتے تھے ۔ جب کسی سے کوئی جھگڑا ہوتا تو اس کے فیصلے کے لئے یہودی عالموں اور سرداروں کے پاس جانے کو ترجیح دیتے تاکہ رشوت دیکر یا ناروا رعایت سے اپنے حق میں فیصلے کرالیں ۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر فیصلہ کرانے سے گریز کرتے اس لئے کہ انہیں یقین تھا کہ آپؐ کا فیصلہ کسی قسم کی رعایت کے بغیر بالکل عادلانہ ہوگا ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کاہنوں اور شیطانوں سے علیحدہ رہنے اور ان سے اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کی ممانعت کی ہے کیونکہ یہ شیطانی دھوکہ ہے اور شیطان تو ان کو بہکا کر حق سے دور لیجانا چاہتا ہے ۔

منافقوں کی روگردانی

۶۱ ۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (قرآن) کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف آؤ (رجوع کرو) تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے کہ وہ آپ سے کتراتے ہیں ۔

تَعَالَوْا ۔ تم آؤ ۔ تَعَالِیٌ سے امر ۔
يَصُدُّوْنَ ۔ وہ روکتے ہیں ۔ وہ باز رکھتے ہیں ۔ صَدٌّ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے بشر منافق کا کام تمام کر دیا

تو اس کے وارث خون کا عوض طلب کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قسمیں کھا کھا کر عرض کرنے لگے کہ حضرت عمرؓ کے پاس مقدمہ لیجانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی خلاف ورزی مقصود نہ تھی بلکہ اس سے ہماری غرض یہ تھی کہ وہ اس معاملہ میں دونوں فریقوں کی صلح کرادیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۸۲/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ باہمی تنازعات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرعی فیصلے سے اعراض کرنا کسی مسلمان کا کام نہیں ۔ ایسا کرنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے اور جب ان منافقوں کو جو اسلام کا دم بھرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا جاتا ہے تو یہ آپؐ کی طرف سے منہ موڑ کر دوسروں کی طرف راغب ہو جاتے ہیں تاکہ ان کو رشوت دیکر ان سے اپنے حق میں فیصلہ کرالیں ۔ (معارف القرآن ۴۵۸ / ۲ ، مظہری ۱۸۲/ ۲) ۔

منافقوں کے حیلے

۶۲ ۔ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢبِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۔

پھر اس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے جو وہ کر چکے ہیں ، ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی ہے ۔ پھر وہ آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور ملاپ تھا ۔

اَصَابَتْهُمْ ۔ وہ ان کو پہنچ گئی ۔ اِصَابَةٌ سے ماضی ۔

يَحْلِفُوْنَ ۔ وہ حلف اٹھاتے ہیں ۔ وہ قسمیں کھاتے ہیں ۔ حَلْفٌ سے مضارع ۔

تَوْفِيْقًا ۔ توفیق دینا ۔ قدرت دینا ۔ ملاپ کرنا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں ان باطل تاویلوں اور غلط قسموں کی تکذیب کی گئی ہے جو شرعی فیصلہ کو چھوڑ کر غیر شرعی فیصلہ کی طرف رجوع ہونے والوں کی طرف سے پیش کی جاتی تھیں مثلاً ان کا یہ کہنا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نا حق سمجھ کر یا آپؐ کے فیصلے سے ناراض ہو کر مقدمہ دوسری جگہ نہیں لے گئے تھے بلکہ اس لئے لے گئے تھے کہ دونوں

فریقوں کے لئے کوئی بھلائی کی صورت نکل آئے اور دونوں میں مصالحت ہو جائے ۔ یہ تاویلیں ان لوگوں نے اس وقت پیش کیں جب ان کا راز کھل گیا اور نفاق ظاہر ہو گیا ۔ غرض جب ان کے بد اعمال کے نتیجے میں ، ان کا کفر و نفاق ظاہر ہونے سے ان پر رسوائی اور قتل کی مصیبت پڑی تو قسمیں کھا کر تاویلیں کرنے لگے ۔ ان کی یہ سب تاویلیں اور قسمیں جھوٹی ہیں ۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنے کفر و نفاق کی وجہ سے کیا ۔ (معارف القرآن ۴۵۸ ، ۴۵۹/ ۲ ، مظہری ۸۳ / ۲) ۔

منافقوں کو نصیحت کا حکم

۶۳ ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ اللّٰہُ مَا فِیْ قُلُوْبِہِمْ ق فَاَعْرِضْ عَنْہُمْ وَعِظْہُمْ وَقُلْ لَّہُمْ فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ قَوْلًاۢ بَلِیْغًا ۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا حال اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے ۔ پس آپ ان سے اعراض برتتے اور ان کو نصیحت کیجئے اور ان سے ان کے دلوں میں اثر کرنے والی بات کہئے ۔

اَعْرِضْ ۔ تو اعراض کر ۔ تو منہ پھیر لے ۔ تو کنارہ کر لے ۔ **اِعْرَاضٌ** سے امر ۔
بَلِیْغًا ۔ بلاغت والا ۔ اثر کرنے والا ۔ **بَلَاغَۃٌ** سے صفت مشبہ ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان منافقوں کے دلوں میں جو کفر و نفاق ہے ، اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف اور با خبر ہے ۔ ان کی سب تاویلیں غلط اور قسمیں جھوٹی ہیں ۔ اس لئے آپؐ ان کے عذر کو قبول نہ فرمائیں اور حضرت عمرؓ کے خلاف دعویٰ کرنے والوں کا دعویٰ رد فرمادیں کیونکہ اس منافق کا کفر ظاہر ہو چکا تھا ۔

اس کے بعد فرمایا کہ آپؐ ان منافقوں سے تغافل برتتے ، ان کی سزا اور مواخذہ سے اعراض فرمائیے اور ان کے ساتھ ظاہر میں مسلمانوں جیسا معاملہ رکھئے اور دل کا حال اللہ کے سپرد کر دیجئے ۔ آپ ان کی حرکتوں سے مایوس نہ ہوں ، ان کو برابر وعظ و نصیحت کرتے رہئے اور نفاق و کذب کے بُرے انجام سے ڈراتے رہئے ۔ شاید ان میں سے کوئی راہ راست پر آ جائے ۔ (معارف القرآن ۴۵۹/ ۲)۔

اطاعتِ رسول کی تاکید

۴۳ ۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ
وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ؕ

اور ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے ۔ اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ۔ آپ کے پاس آ جاتے (اور) پھر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتا تو البتہ وہ اللہ تعالیٰ کو (بھی) معاف کرنے والا مہربان پاتے ۔

جَآءُوْکَ ۔ وہ تیرے پاس آتے ۔ مَجِیْئٌ سے ماضی ۔
لَوَجَدُوا ۔ البتہ انہوں نے پایا ۔ وَجْدٌ و وُجُوْدٌ اور وِجْدَانٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر زمانے کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر فرض ہوتی ہے ۔ منصبِ رسالت یہی ہے کہ رسول کے تمام فرمانوں پر اللہ تعالیٰ کے احکام سمجھ کر دل و جان سے عمل کیا جائے ۔ اگر کوئی شخص پیغمبر کے حکم کو نہ مانے اور اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہو تو اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ رسول کے فیصلے کو نہ ماننے کا مطلب اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار ہے ۔

اس کے بعد منافقین کو مشورہ دیا گیا کہ اگر وہ باطل تاویلوں اور جھوٹی قسموں کی بجائے اپنے قصور کا اعتراف کر لیتے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر خود بھی اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اپنے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کی درخواست کرتے اور پھر ان کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی توبہ قبول فرمالیتا مگر اول تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رو گردانی کی جو بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا ۔ پھر جب اس کا وبال ان پر پڑا تب بھی توبہ و استغفار کرنے کی بجائے جھوٹی قسمیں کھانے اور غلط تاویلیں کرنے لگے ۔ ظاہر ہے ایسے لوگوں کی مغفرت کیسے ہو سکتی ہے ۔

ایمان و کفر کا معیار

٦٥ ـ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ـ

پھر (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک وہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حکم (منصف) نہ بنائیں ـ پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے خوشی سے قبول کر لیں ـ

شَجَرَ ـ اختلاف ہوا ـ جھگڑا ہوا ـ **شُجُوْرٌ** سے ماضی ـ

حَرَجًا ـ حرج ـ تنگی ـ مصدر ہے ـ

قَضَيْتَ ـ تونے فیصلہ کیا ـ تونے حکم دیا ـ **قَضًا** سے ماضی ـ

شانِ نزول ـ طبرانیؒ نے کبیر میں حضرت ام سلمہ کی روایت سے بیان کیاکہ حضرت زبیرؓ کا ایک شخص سے جھگڑا ہو گیا ـ دونوں معاملہ لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے ـ آپؐ نے حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ کر دیا ـ وہ شخص کہنے لگاکہ حضرت زبیرؓ کے حق میں فیصلہ اس لئے کیاگیاکہ وہ ان کی پھوپھی کا بیٹا ہے ـ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ـ

صحاح ستہ میں مذکور ہے کہ حرہ کے کسی پہاڑی نالے سے کھیتوں کو پانی دینے سے متعلق حضرت زبیرؓ بن عوام کا کسی انصاری سے جھگڑا تھا ـ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ـ آپؐ نے حکم دیاکہ زبیرؓ تم (پہلے) سینچ لو پھر اپنے ہمسایہ کی طرف پانی چھوڑ دو ـ انصاری اس فیصلہ سے ناراض ہو گیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس فیصلہ کی وجہ یہ ہے کہ زبیرؓ آپؐ کی پھوپھی کا بیٹا ہے ـ یہ سنکر آپؐ کے چہرۂ انور کا رنگ بدل گیا اور فرمایا زبیر! سینچنے کے بعد پانی کو اتنا روکے رکھو کہ پانی بیندھوں تک پہنچ جائے ـ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع میں ایسا مشورہ دیا تھا کہ حضرت زبیرؓ اور انصاری دونوں کا کام ہو جائے ـ اور بعد میں حضرت زبیرؓ کو اپنا پورا حق وصول کرنے کا حکم دے دیا ـ یعنی پہلا حکم استحبابی تھا اور دوسرا حکم استحقاقی ـ حضرت زبیرؓ کا بیان ہے کہ جب انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا اور آپؐ نے

صراحت کے ساتھ مجھے پورا حق لینے کا حکم صادر فرمادیا تو خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ اسی معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۸۳/ ۲) ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے سامنے بے چون و چرا سر تسلیم خم کر دینے ہی کا نام اسلام ہے ۔ ایمان کی شرط یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملے میں فیصلہ فرمادیں تو اس کو حق جان کر اس پر راضی رہے اور دل میں کوئی تنگی و ناگواری اور شک کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہ آنے دے ۔ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر دل و جان سے راضی نہ ہو گا اس وقت تک اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے ، تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی نفسانی خواہش میرے حکم کے تابع نہ ہو جائے ۔

پس اس آیت سے یہ بات واضح ہے کہ مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ جب ان میں کسی مسئلہ پر باہم اختلاف ہو جائے تو مسئلہ کے حل کے لئے ان کو آپس میں جھگڑنے کی بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور آپؐ کے بعد آپؐ کی شریعت کی طرف رجوع کرنا چاہئے ۔ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً یا عملاً ثابت ہو اس کے کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا بھی ایمان کی کمزوری کی علامت ہے ۔ (معارف القرآن ۴۴۳/ ۲، ابن کثیر ۵۲۰/ ۱) ۔

منافقین کو نصیحت

۶۶ ۔ ۶۸ ، وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۔

اور اگر ہم ان لوگوں پر یہ بات فرض کر دیتے کہ تم اپنے آپ کو خود قتل کرو ، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے بہت ہی کم لوگ اس پر

عمل کرتے ۔ اور اگر وہ اس بات پر عمل کرتے جس کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور (ان کو دین پر) ثابت قدم رکھتا ۔ اور اس وقت ہم انکو اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتے اور ہم ان کو راہ راست کی ہدایت (بھی) کرتے ۔

كَتَبْنَا ۔ ہم نے فرض کیا ۔ ہم نے لکھ دیا ۔ **كَتْبٌ و كِتَابَةٌ** سے ماضی ۔
دِيَارِكُمْ ۔ تمہارے گھر ۔ تمہارے شہر ۔ واحد **دَارٌ** ۔
تَثْبِيْتًا ۔ ثابت کرنا ۔ برقرار رکھنا ۔ مصدر ہے ۔
لَدُنَّا ۔ ہماری طرف سے ۔ ظرف مکان ہے ۔

شانِ نزول ۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس اور ایک یہودی کے درمیان مباحثہ ہو گیا ۔ یہودی فخر کے طور پر کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے خود کشی کو ہم پر واجب کیا تو ہم نے خود اپنے آپ کو قتل کر دیا ۔ ثابت نے جواب میں کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر بھی خود کشی کو فرض کر دیتا تو ہم بھی اپنے آپ کو قتل کر دیتے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۱۵۸/ ۲)

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ دین اسلام نہایت آسان ہے ۔اس کا کوئی حکم سخت نہیں ۔ سابقہ زمانے میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کی توبہ قبول ہونے کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ اپنے آپ کو قتل کرے ۔ اس کے بر عکس اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کرنے کے لئے ایسی کوئی شرط عائد نہیں کی ۔ بس اتنا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری طرف سے سفارش کریں ۔ مگر پھر بھی تم اطاعت کے لئے تیار نہیں ۔

اگر ہم ان منافقوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کوئی سخت حکم دے دیتے کہ بنی اسرائیل کی طرح اپنے آپ کو قتل کرو، اپنے ملک سے نکل جاؤ تو اس پر صرف وہی لوگ عمل کرتے جن کا ایمان پختہ اور سچا ہوتا ۔ لہذا ان کو ہمارا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ہم نے ان کو کوئی سخت حکم نہیں دیا جس پر عمل کرنے میں ان کو دشواری ہوتی اور عمل نہ کرنے کی صورت میں ان کی ذلت و رسوائی ہوتی ۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ لوگ وہ کام کرتے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یہی ان کے لئے بہتر ہوتا اور اس سے ان کا دین اور ایمان مضبوط و مستحکم ہو جاتے ۔ اور ہم ان کو اس پر اجر عظیم دیتے اور ہم ضرور سیدھے راستہ کی

طرف ان کی رہنمائی کرتے ۔ (حقانی ۱۷۳/ ۲ ، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۰/ ۲) ۔

انعام یافتہ لوگ

۶۹ ، ۷۰ ۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۔ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۔

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا (اور وہ) انبیاء (علیہم السلام) ، صدیقین ، شہدا ، اور نیک لوگ ہیں ۔ اور یہ بہت ہی اچھے رفیق ہیں ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا جاننا کافی ہے ۔

اَنْعَمَ ۔ اس نے انعام کیا ۔ اِنْعَامٌ سے ماضی ۔
حَسُنَ ۔ وہ اچھا ہوا ۔ وہ خوب ہوا ۔ حُسْنٌ سے ماضی ۔
رَفِيْقًا ۔ رفیق ۔ ساتھی ۔ رِفَاقَةٌ سے صفت مشبہ ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیت ۴۴ سے یہود کی خباثتوں ، مکر و فریب ، بُری خصلتوں اور شرارتوں کا ذکر چل رہا ہے ۔ مال و دولت کے نشہ اور غرور و تکبر نے یہود کو اندھا کر رکھا ہے وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے پھیر دیں ۔ اس مقصد کے لئے وہ اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ شک و شبہ میں پڑ کر اسلام سے بد ظن ہو جائیں اور آخرکار اس کو چھوڑ دیں ۔ یہود کی ان خباثتوں کو بیان کرنے کا مقصد مسلمانوں کو ان کے مکر و فریب سے مطلع کرنا ہے تاکہ وہ ان سے علیحدہ رہیں ۔ اس کے بعد بتقاضائے شفقت و رحمت ان کو اسلام و ایمان کی دعوت دی گئی ہے ۔ اور نصیحت کے طور پر تکبر و تمسخر اور احکام الٰہی میں تحریف کے بُرے انجام سے ڈرایا گیا تاکہ وہ ایمان لا کر ذلت و رسوائی سے محفوظ ہو جائیں ۔ پھر ان کی خود ستائی کی تکذیب و تردید ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور محبوب ہیں اور معصوم بچوں کی طرح بے گناہ ہیں ، ہمیں دوزخ کی

آگ چند روز سے زیادہ نہیں چھوئے گی ۔ پھر ان کے بخل و حسد اور مشرکین کو موحدین پر ترجیح دینے ، امانت میں خیانت اور رشوت لیکر بے انصافی کرنے کے بیان کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُولو الامر کی اطاعت کا حکم ہے ۔ اس کے بعد منافقانہ طور پر مسلمان بننے والوں کی خبیث خصلتوں ، ان کے نفاق اور ظاہر داری میں توحید و رسالت کے اقرار کا بیان ہے ۔

شانِ نزول ۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، میرے دل میں آپؐ کی محبت اپنی جان و اولاد سے بھی زیادہ ہے ۔ بعض اوقات میں اپنے گھر میں بے چین ہو جاتا ہوں ، جب تک آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی زیارت نہ کر لوں ، قرار نہیں آتا ۔ اب میں فکر مند ہوں کہ جب اس دنیا سے آپؐ کی وفات ہو جائے گی اور مجھے بھی موت آ جائے گی تو میں جانتا ہوں کہ آپؐ تو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہوں گے اور مجھے اول تو معلوم ہی نہیں کہ میں جنت میں پہنچ بھی سکوں گا ۔ اگر پہنچ بھی گیا تو میرا درجہ آپؐ سے بہت نیچے ہوگا ۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں وہاں آپؐ کی زیارت نہ کر سکوں گا ۔ آپؐ نے جواب نہ دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۸۱۹ / ۲ ، ابن کثیر ۵۲۲ ، ۵۲۳ / ۱) ۔

تشریح ۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنے والوں کے درجات عالیہ کا بیان ہے ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کریں گے اور جن کاموں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عزت کے گھر میں لیجائے گا اور ان کو اپنے سب سے معزز و مقبول بندوں یعنی نبیوں ، صدیقوں ، شہیدوں اور نیک لوگوں کے ساتھ رکھے گا جن پر اس کے انعام و اکرام کی خاص بارشیں ہوتی ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں پر فضیلت و فوقیت عطا فرمائی ہے ۔ اور یہ کیسے پاکیزہ اور بہترین رفیق ہیں ۔ (ابن کثیر ۵۲۲ / ۱) ۔

قرب کے لحاظ سے ، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنے والوں کے چار درجات ہیں ۔

۱ ۔ اول درجہ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جنت کے مقامات عالیہ میں

جگہ عطا فرمائے گا ۔ نبی وہ برگزیدہ بندے ہیں جو انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس یہ پیغام فرشتے کے ذریعہ بھیجا جاتا تھا وہ اس کو بلا کم و کاست بندوں تک پہنچاتے تھے ۔

۲ ۔ دوسرے درجہ کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ صدیقین کے ساتھ جگہ عطا فرمائے گا ۔ صدیق اس کو کہتے ہیں جس کا دل اللہ تعالیٰ کے رسول کو بغیر کسی دلیل کے از خود سچا مانتا ہے ۔ ہر نبی کی امت میں صدیق ہوتے ہیں اور ان کا مرتبہ سب سے بلند ہوتا ہے ۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق امت مسلمہ کے صدیق اکبر تھے ۔ انہوں نے بلا تامل آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی ۔

۳ ۔ تیسرے درجہ کے لوگ شہداء کے ساتھ ہوں گے ۔ شہداء ، شہید کی جمع ہے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کرتے ہیں ۔

۴ ۔ چوتھے درجے کے لوگ صلحاء کے ساتھ ہوں گے ۔ صلحاء صالح کی جمع ہے ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ظاہر و باطن میں اعمالِ صالحہ کے پابند اور شریعت مطہرہ کے پوری طرح متبع ہوتے ہیں ۔

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کریں گے وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین بندوں یعنی نبیوں ، صدیقوں ، شہیدوں اور صالحین کے ساتھ ہوں گے اور ان کا یہ شرف ان کے اعمال کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی بدولت ہوگا ۔ البتہ اطاعتِ رسول ہی نے ان کو اللہ تعالیٰ کے فضل کا مستحق بنایا ۔

مؤطا امام مالک میں حضرت ابو سعیدؓ خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے سے اوپر کے طبقات والوں کو اپنی کھڑکیوں میں سے دیکھیں گے جیسے دنیا میں ستاروں کو دیکھتے ہیں ۔

ابن جریرؒ نے ربیع کی روایت سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونچے درجات والے نیچے کے درجات کی طرف اتر کر آیا کریں گے اور جنت کے باغوں میں جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی ثنا کریں گے ۔ (مظہری ، ۱۸۱ / ۲) ۔

بخاری شریف میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اس شخص کا درجہ کیا ہوگا جو کسی جماعت سے محبت اور تعلق رکھتا ہے مگر عمل میں ان کے درجہ کو نہیں پہنچا ۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے روز ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے (اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ) ۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام کو دنیا میں کسی چیز سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی اس حدیث سے ہوئی ۔ کیونکہ اس حدیث نے ان کو بشارت دیدی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والے آخرت میں بھی آپؐ کے ساتھ ہوں گے ۔ (ابن کثیر ۵۲۳ / ۱) ۔

ہر وقت جہاد کے اسباب مہیا رکھنا

۷۱ ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِیْعًا ۔

اے ایمان والو! (جب تم جہاد کے لئے نکلو تو) اپنے ہتھیار لے لیا کرو ۔ پھر چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں نکلو یا اکٹھے کوچ کرو ۔

حِذْرَكُمْ ۔ تمہارا ہتھیار ۔ تمہارا بچاؤ ۔ حَذْرٌ کے معنی بچاؤ اور ڈر کے ہیں ۔ واحدی کہتے ہیں کہ حَذْرٌ سے مُراد ہتھیار ہیں کیونکہ یہ دشمن سے بچنے اور محفوظ رہنے کا سبب ہیں ۔ (حقانی ۱۷۵ / ۲) ۔

فَانْفِرُوْا ۔ پس تم فرار ہو جاؤ ۔ پس تم نکلو ۔ نفر کے معنی کوچ کرنے اور تیار ہونے کے ہیں (حقانی ۱۷۶ / ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دشمن کے مقابلے میں ہتھیار اٹھانے اور اس کے مقابلے میں نکلنے کا حکم دیا ہے ۔ مومنوں کو ہر وقت ہتھیار بند رہنا چاہئے اور اپنی تعداد اور قوت بڑھاتے رہنا چاہئے تاکہ دشمن ان کی غفلت و بے خبری سے فائدہ نہ اٹھا سکے مومن جہاد کے لئے مردانہ وار بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں اور چھوٹے چھوٹے لشکر بن کر نکل کھڑے ہوں یا اگر ضرورت ہو تو سب مل کر ایک بڑے لشکر کی شکل میں نکلیں ۔ (ابن کثیر ۵۲۳ / ۱) ۔

منافقین کا طرز عمل

۷۲ ، ۷۳ ۔ وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ

مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْلَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا، وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ه

اور بیشک تم میں سے بعض ایسا بھی ہے جو (جہاد کا حکم سنکر) سستی کرتا ہے ۔ پھر اگر (جنگ میں) تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام فرمایا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا ۔ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا (فتح نصیب ہوئی) تو وہ اس طرح افسوس کرتا ہے گویا کہ تم میں اور اس میں کبھی دوستی ہی نہ تھی اور کہتا ہے کہ اے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا ۔

لَيُبَطِّئَنَّ ۔ البتہ وہ ضرور دیر لگاتا ہے ۔ تَبْطِئَةٌ سے مضارع ۔
شَهِيْدًا ۔ موجود ۔ حاضر ۔ گواہ ۔ اقرار کرنے والا ۔
فَضْلٌ ۔ فضل ۔ مہربانی ۔ یہاں فتح مراد ہے ۔
مَوَدَّةٌ ۔ محبت ۔ دوستی ۔
يٰلَيْتَنِيْ ۔ اے کاش کہ میں ۔

تشریح ۔ منافقوں کی خصلت یہ ہے کہ وہ خود بھی جہاد سے جی چُراتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس میں شرکت سے روکتے ہیں ۔ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر حکمت خداوندی سے مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ میں کامیابی نہ ہوئی اور دشمن ان پر غالب آگیا اور ان کو جانی و مالی نقصان پہنچا تو یہ گھر بیٹھے خوش ہوتے ہیں اور اپنی دانائی پر اتراتے ہیں اور اس جہاد میں شریک نہ ہونے کو اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھتے ہیں ۔ ان بے سمجھوں کو یہ نہیں معلوم کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا یہ بد نصیب اس سے بالکل محروم رہے ۔ اگر یہ لوگ بھی جہاد میں شریک ہوتے تو یہ بھی یا تو غازی کا درجہ پاتے اور اجر و ثواب حاصل کرتے یا شہادت کے بلند مرتبہ تک پہنچتے ۔

اگر مسلمان مجاہدین دشمن پر غالب آگئے ، وہ فتح یاب ہوئے ، دشمن کو پا مال کیا اور مال غنیمت اور غلام لیکر کامیاب و کامران لوٹے تو یہ منافقین ٹھنڈے سانس بھرتے اور کف

افسوس ملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو ہم بھی ان کی طرح باندی غلام اور مال و متاع والے بن جاتے ۔ (ابن کثیر ۵۱۳/ ۱) ۔

شہید اور غازی کے لئے اجر عظیم

۷۴ ۔ فَلْيُقَاتِلْ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۔

پس (منافق لڑیں یا نہ لڑیں) جو لوگ حیات دنیا کو آخرت کے بدلے میں بیچ دیتے ہیں (مسلمان) ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا چاہئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے پھر وہ مارا جائے یا (دشمن پر) غالب آ جائے تو ہم اس کو اجر عظیم دیں گے ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے مومنوں کو چاہئے کہ ان لوگوں سے جہاد کریں جو اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں ۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا کبھی نقصان نہیں اٹھاتا اگر قتل ہو گیا تو بھی اجر و ثواب پاتا ہے اور غالب رہا تو بھی اجر و ثواب حاصل کرتا ہے ۔ ابن کثیر ۵۱۳/ ۱) ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلتا ہے اور محض اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اللہ کے پیغمبر کی تصدیق اس کو گھر سے نکالتی ہے (کوئی دنیوی غرض اس کے پیش نظر نہ ہو) تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذمہ لے لیا ہے یا تو ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اس کو (جنگ سے) لوٹائے گا یا جنت میں داخل کرے گا ۔ (مظہری ۱۸۰/ ۲) ۔

جہاد کی ترغیب و تاکید

۷۵ ، ۷۶ ۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْکَ نَصِيْرًا ۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ۔

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہیں لڑتے جو ظلم سے عاجز آ کر دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حمایتی بنا دے اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنادے ۔ جو لوگ مومن ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو لوگ منکر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں ۔ پس تم شیطان کے ساتھیوں سے جہاد کرو ۔ بیشک شیطان کا فریب کمزور ہے ۔

اَلْمُسْتَضْعَفِيْنَ ۔ ضعیف، بے بس، کمزور ۔ اِسْتِضْعَافٌ سے اسم مفعول ۔
اَلْقَرْيَةِ ۔ بستی ۔ آبادی ۔
لَّدُنْکَ ۔ اپنی طرف سے لپنے پاس سے ۔ ظرف مکان ہے ۔
كَيْدَ ۔ خفیہ تدبیر ۔ مکر و فریب ۔ مصدر و اسم ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جہاد کی ترغیب دلائی ہے ۔ اور فرمایا کہ جو کمزور و بے بس مرد و عورت اور بچے مکہ میں ہیں اور ان کو کفار کی طرف سے نت نئی مصیبتوں اور تکلیفوں کا سامنا ہے ان کو آزاد کرانے کے لئے جہاد کرو ۔ وہ مکہ سے نکلنے کی دعائیں مانگ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالموں کی بستی سے نجات دے اور لپنے پاس سے ہمارا ولی اور مددگار مقرر فرما ۔

پھر فرمایا کہ ایماندار تو اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری، اس کی رضا اور اس کے دین کو بلند و غالب کرنے کے لئے جہاد کرتے ہیں اور کفار شیطان کی اطاعت میں لڑتے ہیں ۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ شیطان کے دوستوں سے خوب دل کھول کر لڑیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں ۔ بلا شبہ شیطان کا مکرو فریب کمزور ہے ۔ دل میں وسوسہ پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا ۔ (ابن کثیر ۵۲۳/ ۱)۔

بعض مومنوں کا جہاد سے جی چرانا

۷۷۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو اس وقت ان میں سے ایک فریق تو لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! تونے ہم پر جہاد کیوں فرض کردیا۔ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دے دیتا۔ آپ کہدیجئے کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت ہی بہتر ہے۔ اور تم پر ایک تاگہ کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

كُفُّوْا ۔ تم روکو۔ کَفٌّ سے امر۔

اَجَلٍ مدت۔ وقت۔

مَتَاعٌ ۔ متاع۔ فائدہ۔ پونجی۔

فَتِيْلًا ۔ کھجور کی گٹھلی کا ریشہ۔ تاگہ۔ ذرا بھی۔

شانِ نزول ۔ نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ہجرت سے پہلے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف فرما تھے تو حضرت عبدؓ الرحمٰن بن عوف اور کچھ دوسرے صحابیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم مشرک ہونیکی حالت میں تو عزت والے تھے جب سے مسلمان ہوئے، ذلیل ہو گئے۔ ہم کفار کے مظالم سے تنگ آ گئے ہیں۔ آپؐ ہمیں

کفار سے جہاد و قتال کی اجازت دیں۔ آپ نے فرمایا " ابھی جہاد کی اجازت نازل نہیں ہوئی، مجھے (کافروں کو) معاف کر دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے تم صبر کرو اور ان سے لڑائی نہ کرو "۔ ہجرت کے بعد جب جہاد کی اجازت ملی تو بعض کچے اور کمزور دل والے مسلمان پست ہمت ہو گئے اور انہوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۸۲۱ / ۲)۔

تشریح ۔ ابتدائے اسلام میں جب مسلمان مکہ شریف میں تھے، تو اس وقت وہ کمزور تھے، تعداد میں کم تھے، حرمت والے شہر میں تھے، اس وقت کفار کا غلبہ اور کثیر تعداد تھی اور ان کو ہر طرح کا جنگی ساز و سامان میسر تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس وقت مسلمانوں کو جہاد و قتال کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس وقت کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اپنے ہاتھ روکنے اور ان کے ظلم و ستم اور مخالفت برداشت کرنے اور صبر کرنے کا حکم تھا۔ جو احکام اس وقت تک نازل ہو چکے تھے ان پر عمل پیرا رہنے اور نماز و زکوٰۃ ادا کرتے رہنے کی تلقین تھی۔ اگر چہ اس وقت مسلمانوں کی مالی حالت اچھی نہ تھی پھر بھی مسکینوں اور محتاجوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا حکم تھا۔

ادھر کافر بڑی دلیری سے مسلمانوں پر ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے۔ ہر چھوٹے بڑے کو سخت سے سخت سزائیں دے رہے تھے، مسلمان سخت مصیبت اور اذیت میں تھے۔ اس لئے وہ پر جوش تھے اور ان کی زبانوں سے ایسے الفاظ نکل جاتے تھے کہ ان روز مرہ کی مصیبتوں سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک مرتبہ کافروں سے دو دو ہاتھ کر ہی لیں۔ کاش اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کا حکم دیدے۔

پھر جب ہجرت کی اجازت ملی اور مسلمان اپنا گھر بار، زمین و جائداد، عزیز و اقارب غرض سب کچھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر قسم کی سہولت و آسائش دی، امن کی جگہ دی، مدینہ کے انصار کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی تعداد اور قوت میں اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں کے ساتھ جہاد و قتال کا حکم دیا۔ اس وقت بعض کمزور دل اور کچے مسلمان، میدان جنگ کے تصور، عورتوں کے بیوہ ہونے اور بچوں کی یتیمی کا خیال کر کے پست ہمت اور جہاد و قتال سے خوف زدہ ہو گئے۔ اور گھبراہٹ میں کہہ اٹھے۔ اے ہمارے پروردگار! ابھی سے کیوں جہاد فرض کر دیا۔ کچھ اور مہلت دی ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا کا نفع تو بہت ہی

محدود اور ناپائیدار ہے ۔ ایسی صورت میں عمر میں زیادتی کی تمنا بے سود ہے ۔ البتہ پرہیز گاروں کے لئے آخرت بہت پاکیزہ اور بہتر ہے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ۔ تمہارا کوئی نیک عمل بھی غارت نہیں کیا جائیگا اور نہ کسی پر ذرہ برابر ظلم ہوگا ۔ (ابن کثیر ۵۲۵ ، ۵۲۴ / ۱) ۔

موت کا معین وقت

۷۸ ، ۷۹ ۔ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ۔ وَاِنْ تُصِبْھُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ ج وَاِنْ تُصِبْھُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا ھٰذِہٖ مِنْ عِنْدِکَ ۔ قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِاللّٰہِ ۔ فَمَالِ ھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثًا ۔ مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰہِ ز وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ ۔ وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا ۔

تم جہاں کہیں بھی ہوگے ، موت تمہیں آ پکڑے گی ۔ اگرچہ تم مضبوط برجوں ہی میں کیوں نہ ہو اور اگر ان کو کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ہے ۔ اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچے تو کہتے ہیں کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ کی طرف سے ہے ۔ آپ کہدیجئے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے ۔ پھر اس قوم کو کیا ہو گیا ہے کہ ان کی سمجھ میں کوئی بات ہی نہیں آتی ۔ جو کچھ تجھے بھلائی پہنچتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ تجھے نقصان پہنچے تو وہ تیرے نفس کی شامت سے ہے ۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے اور (اس پر) اللہ کی گواہی کافی ہے ۔

یُدْرِکْکُّمْ ۔ وہ (موت) تم کو پالے گی ۔ وہ تم کو آلے گی ۔ اِدْرَاکٌ سے مضارع ۔

مُّشَيَّدَۃٍ ۔ بلند کئے ہوئے ۔ مضبوط بنائے ہوئے ۔ تَشْيِيْدٌ سے اسم مفعول ۔
يَكَادُوْنَ ۔ وہ نزدیک ہیں ۔ وہ قریب ہیں ۔ كَوْدٌ سے مضارع ۔
يَفْقَهُوْنَ ۔ وہ سمجھتے ہیں ۔ وہ جانتے ہیں ۔ فِقْهٌ سے مضارع ۔
حَدِيْثًا ۔ بات ۔ خبر ۔ جمع اَحَادِيْثُ ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر ایک کی موت یقینی ہے خواہ وہ کیسے ہی مضبوط و محفوظ مکان میں رہے ، اس کی موت اپنے وقت پر آکر رہے گی ۔ اس سے بچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے ۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ یہاں سب فانی ہیں ۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ
آپ سے پہلے لوگوں میں سے ، کسی کے لئے بھی ہم نے ہمیشگی کی زندگی مقرر نہیں کی ۔

پس خواہ کوئی جہاد کرے یا نہ کرے موت سے ہرگز نہیں بچ سکتا ۔ ہر ایک کی موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے ، بلند و بالا ، مضبوط و محفوظ قلعے اور محل بھی کسی کو موت سے نہیں بچا سکتے ۔ لہذا جہاد سے گھبرانا ، موت سے ڈرنا اور کافروں کے ساتھ قتال سے خوف کھانا ۔ نری نادانی اور ایمان کی کمزوری ہے ۔

جب باغی ، حضرت عثمانؓ پر چڑھ دوڑے تو آپ نے امت محمدیہ کی خیر خواہی اور ان کے اتفاق کی دعا کے بعد دو شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ موت کو ٹالنے والی کوئی چیز ، کوئی حیلہ ، کوئی قوت اور کوئی چالاکی نہیں ۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر بارش کا ہونا ، جانوروں میں زیادتی ، مال و اولاد میں کثرت اور رزق میں وسعت وغیرہ کی شکل میں کوئی بھلائی ان یہود و منافقین کو پہنچ جائے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ نے ہماری صلاحیت اور قابلیت کی وجہ سے ہمیں دی ہے اور اگر قحط سالی اور اموات کی شکل میں کوئی مصیبت آ پڑے تو فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ یہ آپ کی تابعداری کا نتیجہ ہے ۔ اگر ہم اپنے بڑوں کی راہ نہ چھوڑتے اور آپ کی تابعداری اختیار نہ کرتے تو اس مصیبت میں نہ پھنستے ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل عقیدے کی تردید میں فرمایا کہ سب بھلائی اور برائی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کی قضا و قدر ، ہر بھلے برے ، فاسق و فاجر ، نیک و بد ، مومن و کافر ، سب پر جاری ہے ۔ پھر فرمایا کہ کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان میں بات سمجھنے کی صلاحیت بھی جاتی رہی ۔ اگر یہ لوگ قرآن مجید میں غور و فکر کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ اس میں انسان کا کوئی دخل نہیں اور اللہ تعالیٰ ایک کے عمل پر دوسرے کو عذاب نہیں دیتا ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں جو بھی بھلائی پہنچتی ہے وہ تمہارا حق نہیں بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے پہنچتی ہے اور جو بُرائی پہنچتی ہے وہ تمہارے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے ۔ اور اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کام تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچا دینا ہے اور آپ کی رسالت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ہی کی گواہی کافی ہے ۔ اور اس کی گواہی اس امر پر بھی کافی ہے کہ آپؐ نے اس کے احکام لوگوں تک پہنچادئے اور یہ لوگ آپؐ کے ساتھ جو حسد و عناد رکھتے ہیں ، وہ اس کو بھی دیکھ رہا ہے ۔ (ابن کثیر ۵۲۷ ، ۵۲۸ / ۱) ۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان پر جو مصیبت بھی آتی ہے اللہ اس کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے یہاں تک کہ جو کانٹا بھی چبھتا ہے وہ (گناہوں کی) تخفیف کا ذریعہ ہو جاتا ہے ۔ متفق علیہ ۔ (مظہری ۸۳۳ / ۲)

اطاعتِ رسول کی تاکید

۸۰ ۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۔

جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رو گردانی کی تو ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حکم پہنچانے والے ہیں اور حکم دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ

وہ تو وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو وحی کیا جاتا ہے ۔ اور جو شخص آپؐ کی نا فرمانی کرتا ہے ، آپؐ کی اطاعت سے رو گردانی کرتا ہے تو آپؐ اس کی پرواہ نہ کریں کیونکہ آپؐ کے ذمہ تو صرف حکم پہنچا دینا ہے ، ان کے اعمال کی نگرانی آپؐ کے ذمہ نہیں ۔ جو آپؐ کی اطاعت کرے گا وہ اس کے نتیجہ میں نجات اخروی اور اجر و ثواب حاصل کرے گا اور جو آپؐ کی اطاعت سے رو گردانی کرے گا وہ بد نصیب خود اپنا نقصان کرے گا ۔ اس کا گناہ آپؐ پر نہیں ، اس لئے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے ، لوگوں کو راہ حق دکھانے اور انہیں سمجھانے بجھانے میں کوئی کمی نہیں کی ۔ (مظہری ۲/۱۷۵ ، ابن کثیر ۱/۵۲۸) ۔

منافقین کی حالت

۸۱ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ز فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ۔ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَايُبَيِّتُوْنَ ، فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلاً ۔

اور وہ منافق کہتے ہیں کہ (ہمارا کام تو) اطاعت کرنا ہے ۔ پھر جب وہ آپ کے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو اس بات کے خلاف مشورہ کرتا ہے جو آپ نے کہی تھی ۔ اور جو کچھ وہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں اللہ (اس کو) لکھتا رہتا ہے ۔ پس آپ ان کی طرف التفات نہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ پر توکل رکھئے اور کار ساز (ہونے کے لئے) اللہ کافی ہے ۔

بَرَزُوْا ۔ وہ سب نکلے ۔ بُرُوْز سے ماضی ۔
بَيَّتَ ۔ اس نے رات کو مشورہ کیا ۔ تبییت سے ماضی ۔
طَآئِفَةٌ ۔ گروہ ۔ جماعت ۔

تشریح ۔ اس آیت میں منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ظاہری طور پر تو وہ آپؐ کی اطاعت کا اقرار کرتے ہیں ۔ جب وہ آپؐ کے پاس سے اٹھ کر اپنے ہم خیال دوسرے لوگوں کے ایک گروہ کے پاس جاتے ہیں تو ان سے رات کی تاریکی میں سر گوشیاں کرتے ہیں

حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی پوشیدہ باتوں اور چالبازیوں کو بخوبی جانتا ہے اور اس کے مقرر کردہ فرشتے ان کی تمام باتوں اور کرتوتوں کو اس کے حکم سے ان کے نامۂ اعمال میں لکھ رہے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے ۔ وہ ان کی حرکتوں پر ان کو سزا دے گا۔

پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے بالکل الگ رہیں ۔ ان کی پرواہ نہ کریں اور نہ ان پر غصہ کریں ۔ آپ تو ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کریں ۔ اس کی کارسازی و ذمہ داری کافی ہے ۔ (مظہری ۸۳/ ۲۰۲ابن کثیر ۵۲۹/ ۱) ۔

قرآن کی حقانیت

۸۲ ۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ؕ

کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے ؟ اور اگر وہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے ۔

يَتَدَبَّرُوْنَ ۔ وہ تدبر کرتے ہیں ۔ وہ غور کرتے ہیں ۔ تدبر سے مضارع ۔

عِنْدِ ۔ نزدیک ۔ قریب ۔ پاس ۔ اسم ظرف ۔

لَوَجَدُوْا ۔ البتہ وہ پاتے ۔ وجد و وجود وجدان سے ماضی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو قرآن کریم میں تدبر و تفکر کی دعوت دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ اس کی تلاوت و قرات میں غفلت و لا پرواہی نہیں کرنی چاہئے بلکہ تلاوت کے وقت اس کے معانی و مضامین اور اس کے احکام اور فصیح و بلیغ الفاظ میں غور و فکر کرنا چاہئے ۔

قرآن کریم کے الفاظ و معانی میں غور فکر ہر شخص کے لئے ضروری ہے ۔ یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ اس میں تدبر و تفکر صرف اماموں اور مجتہدوں کا کام ہے اور عام لوگوں کے لئے اس کی ضرورت نہیں ۔ البتہ تدبر و تفکر کے درجات علم و فہم کے اعتبار سے مختلف لوگوں میں مختلف ہوں گے مثلاً ائمہ مجتہدین کا تفکر ایک ایک آیت سے بے شمار مسائل کا استنباط کرے گا ۔ علماء کا تفکر ان مسائل کے سمجھنے تک پہنچے گا ۔ عام لوگ اگر اپنی زبان میں ترجمہ و تفسیر پڑھ کر اس میں غور و فکر کریں گے تو اس سے ان میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت

اور آخرت کی فکر پیدا ہو گی ۔ عام لوگوں کو غیر معتبر ترجمہ و تفسیر سے پرہیز کرتے ہوئے ، مستند و معتبر ترجمہ و تفسیر ہی کا مطالعہ کرنا چاہئے ۔ پھر بھی اگر کہیں بات سمجھ میں نہ آئے یا کہیں اشتباہ ہو جائے تو مستند علماء کرام کی طرف رجوع کرنا چاہئے ۔ (معارف القرآن ۴۸۸ ، ۴۸۹ / ۲) ۔

اس کے بعد فرمایا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو حکیم بھی ہے حمید بھی ، اس لئے یہ اختلاف و تضاد سے پاک ہے ، جس طرح وہ خود حق ہے اسی طرح اس کا کلام بھی سرا سر حق ہے ۔ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا جیسا کہ منافقین و مشرکین کا خیال ہے تو لوگوں کو اس میں بہت کچھ اختلاف ملتا کیونکہ انسانی کلام کا اضطراب و تضاد سے پاک ہونا محال ہے مگر اس کے کسی مضمون میں بھی اختلاف نہیں ، اور نہ ہی کسی جگہ فصاحت و بلاغت میں کمی ہے اور نہ توحید و کفر اور حلال و حرام کے بیان میں تناقض و تفاوت ہے ۔ پس اس کتاب کا متضاد باتوں سے پاک و صاف ہونا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے ۔ (ابن کثیر ۵۲۹/ ۱ ، معارف القرآن ۴۹۰/ ۲) ۔

بلا تحقیق خبر مشہور کرنے کی ممانعت

۸۳ ۔ وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْبِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی بات پہنچتی ہے تو وہ اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر وہ اس کو رسول اور اپنے حاکموں تک لیجاتے تو ان میں سے تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے ۔ اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو چند لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے ہو لیتے ۔

اَذَاعُوْا ۔ انہوں نے پھیلایا ۔ انہوں نے مشہور کیا ۔ اِذَاعَةٌ سے ماضی ۔
رَدُّوْهُ ۔ انہوں نے اس کو لوٹایا ۔ انہوں نے اس کو واپس کیا ۔ رَدٌّ سے ماضی ۔

یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ ۔ وہ اس سے استنباط کرتے ۔ وہ اس کی تحقیق کرتے ۔ اسْتِنْباطٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ حضرت عمرؓ کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ۔ حضرت عمرؓ اپنے گھر سے مسجد کی طرف آئے ۔ مسجد میں بھی آپ نے لوگوں کو یہی کہتے ہوئے سنا ۔ آپ بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دیدی ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ تحقیق کرنے کے بعد میں مسجد کی طرف واپس آیا اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ لوگو ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۵۳۰/ ۱) ۔

تشریح ۔ یہاں ہر سنی سنائی بات کو تحقیق کے بغیر بیان کرنے کی ممانعت کی گئی ہے ۔ ایک حدیث میں ہے کہ کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کردے ۔

جب منافقوں کو مسلمانوں کی فتح و سلامتی یا شکست و ہزیمت کی کوئی خبر ملتی تو خواہ وہ جھوٹی ہو یا سچی اور خواہ اس کو ظاہر کرنا مصلحت کے خلاف ہو ، یہ لوگ اس کو فوراً بلا تحقیق مشہور کر دیتے حالانکہ ہر شخص بات کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا ۔ اگر یہ لوگ خبر سننے کے بعد اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہ تک پہنچا دیتے اور خود مشہور نہ کرتے تو وہ اپنی بصیرت اور غور و فکر سے پہچان لیتے کہ یہ خبر مشہور کرنے کے قابل ہے یا نہیں ۔

اس کے بعد فرمایا کہ چونکہ تمہاری عقل و دانش اکثر چیزوں کی اچھائی یا بُرائی پہچاننے سے قاصر ہے اس لئے شیطان کی پیروی سے محفوظ رہنے کا دارومدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور ان احکام خداوندی پر عمل پیرا ہونے میں ہے جو اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً تمہاری اصلاح و تربیت اور ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل فرمائے ۔ پس اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے احکام نازل نہ فرماتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث نہ فرماتا تو تم اتباع شیطان سے محفوظ نہ رہتے سوائے تھوڑے سے لوگوں کے جن کی عقل اور ایمان کامل ہیں ۔ پس تم اس کے فضل و انعام پر اس کا شکر ادا کرو ۔ اور اس کے احکام کی پوری طرح تعمیل کرو ۔ (مظہری ۸۲۶ ، ۸۲۷/ ۲) ۔

آپ کو قتال کا حکم

۸۴ ۔ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ج لَا تُکَلَّفُ اِلَّا نَفْسَکَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ج عَسَی اللّٰهُ اَنْ یَّکُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا ٥

پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کیجئے ۔ آپ پر اپنی ذات کے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں اور آپ مسلمانوں کو (جہاد کی) ترغیب دیجئے ۔ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے (زور) جنگ کو روکدے اور اللہ تعالیٰ کا زور جنگ زیادہ شدید ہے اور وہ بہت سخت سزا دیتا ہے ۔

حَرِّضِ ۔ تو ترغیب دلا ۔ تو تاکید کر ۔ تَحْرِیْضٌ سے مضارع ۔
یَکُفَّ ۔ وہ باز رکھے گا ۔ وہ روک دے گا ۔ کَفٌّ سے مضارع ۔
بَاْسَ ۔ قتال ۔ لڑائی ۔ جنگ ۔ آفت ۔
تَنْکِیْلًا ۔ عذاب دینا ۔ سزا دینا ۔ رسوا کرنا ۔ مصدر ہے ۔

شانِ نزول ۔ بغوی ؒ نے لکھا ہے کہ غزوۂ اُحد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان سے وعدہ کر لیا تھا کہ ماہ ذی قعدہ میں بدر صغریٰ پر دونوں فریقوں کا پھر مقابلہ ہوگا ۔ جب مقررہ وقت آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی مگر بعض لوگں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اس پراللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (مظہری ۸۲۷، ۲ / ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا حکم دیا ہے خواہ کوئی آپؐ کے ساتھ جہاد میں جائے یا نہ جائے ۔ آپؐ تو صرف اپنی ذات کے مکلف ہیں ۔ کسی کی مخالفت اور ان کا آپؐ کی مدد نہ کرنا آپؐ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا ۔ اور نہ آپؐ سے ان کے فعل کا مواخذہ ہوگا ۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کرتے رہیئے کیونکہ آپؐ کا کام تو صرف پہنچا دینا اور ترغیب دینا ہے ۔ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ جنگ ہی کو روک دے اور کافر جنگ سے باز رہیں ۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ستر سواروں کو ہمراہ لیکر حسب وعدہ بدر صغریٰ پر پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ

پورا کر دیا ۔ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کسی قسم کا دکھ تکلیف اٹھائے بغیر صحیح و سالم واپس آ گئے ۔ اور کافر پست ہمت ہو کر مقابلہ پر نہ آسکے ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی ہی قوت والا ہے اور دشمن کی طرف سے جس شدت و سختی کا خوف و خطرہ ہے ، اللہ تعالیٰ کا عذاب تو اس سے بہت سخت ہے ۔ (مظہری ۸۲۸/ ۲) ۔

سفارش کی حقیقت

۸۵ ۔ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ۔

جو کوئی نیک کام کی سفارش کرتا ہے تو اس میں سے اس کو بھی ایک حصہ ملتا ہے اور جو کوئی بُرے کام کی سفارش کرتا ہے تو اس پر اس کو بھی اس کے وبال کا ایک حصہ ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حصہ بانٹنے والا ہے ۔

شَفَاعَةً ۔ شفاعت کرنا ۔ سفارش کرنا ۔ مصدر ہے ۔ شفاعت کے لفظی معنی ملنے یا ملانے کے ہیں ۔ اس لئے شفاعت کے معنی یہ ہوئے کہ کسی کمزور طالب حق کے ساتھ اپنی قوت ملاکر اس کو قوی کر دیا جائے یا بیکس اکیلے شخص کے ساتھ خود مل کر اس کو جوڑا بنا دیا جائے ۔ (معارف القرآن ،۴۹۰/ ۲) ۔

كِفْلٌ ذمہ ۔ حصہ ۔ جمع اَكْفَالٌ ۔

مُقِيْتًا ۔ قدرت رکھنے والا ۔ نگہبان ۔ روزی دینے والا ۔ اِقَاتَةٌ سے اسم فاعل ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں اہل کتاب اور منافقین کی خباثتوں اور شرارتوں کا ذکر تھا ، پھر اللہ اور رسول کی اطاعت کی تاکید کے بعد مسلمانوں کو ان سے جہاد کا حکم دیا گیا تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کا قلع قمع ہو کر احیائے دین اور اللہ کا کلمہ بلند ہو اور مظلوم مسلمانوں کو کافروں کے ظلم سے نجات ملے اور خدا اور رسول کی اطاعت میں لوگوں کے اخلاص و نفاق کا پتہ چل جائے کیونکہ منافقوں پر جہاد کا حکم بہت شاق اور گراں گزرتا ہے ۔ پھر سفارش کے متعلق ایک قانون بیان کیا گیا کہ جو شخص عمدہ سفارش کرے مثلاً جہاد میں شرکت کی ترغیب دے تو اس کو اسی قدر ثواب ملے گا جس قدر اس پر عمل کرنے والے کو

ملے گا ۔ اور اگر کوئی بُری سفارش کرے مثلاً لوگوں کو جہاد میں شریک ہونے سے روکے تو اس کو گناہ میں سے حصہ ملے گا ۔

تشریح ۔ اس آیت میں سفارش کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ نہ ہر سفارش بُری ہے اور نہ ہر سفارش اچھی ۔ اچھی سفارش یہ ہے کہ جس کی سفارش کی جائے اس کا مطالبہ حق اور جائز ہو دوسرے یہ کہ وہ اپنے مطالبہ کو کمزوری کی وجہ سے خود بڑے لوگوں تک نہ پہنچا سکتا ہو ، اس لئے آپ اس کا مطالبہ حکام بالا تک پہنچا دیں ۔ بُری سفارش یہ ہے کہ کسی کے حق کے خلاف سفارش کرنا یا اس کو قبول کرنے پر مجبور کرنا ۔ پس جو شخص کسی کے جائز حق اور جائز کام کے لئے جائز طریقے سے سفارش کرے گا تو یہ اچھی سفارش ہوگی اور ایسی سفارش کرنیوالے کو اس پر ثواب کا حصہ ملے گا ۔ اسی طرح جو شخص کسی کی نا جائز کام کے لئے نا جائز طریقہ سے سفارش کرے گا تو یہ بُری سفارش ہو گی اور ایسی سفارش کرنے والے کو عذاب میں حصہ ملے گا ۔

ثواب اور عذاب میں حصہ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی سفارش سے کسی مظلوم یا محروم کا کام بن گیا تو جس طرح اس کام کرنے والے کو ثواب ملے گا اسی طرح اس کام کے لئے سفارش کرنے والے کو بھی ثواب ملے گا ۔ اور نا جائز کام کی سفارش کرنے والے کو عذاب میں حصہ ملے گا ۔ نیز سفارش کرنے والے کا ثواب و عذاب اس کی سفارش کی کامیابی پر موقوف نہیں بلکہ اس کو ثواب و عذاب میں ضرور حصہ ملے گا خواہ اس کی سفارش کا کوئی نتیجہ بر آمد ہو یا نہ ہو ۔

حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی کو کسی نیکی پر آمادہ کرتا ہے تو اس کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے جیسا اس نیک عمل کرنے والے کو ۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر و نگراں ہے ۔ اسے سب معلوم ہے کہ کون کس نیت سے سفارش کر رہا ہے ۔

سلام اور اس کے آداب

۸۶ ۔ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ۔

اور جب کوئی تمہیں سلام کرے (دعا دے) تو تم (اس کے جواب میں)
اس سے بہتر الفاظ میں سلام کرو یا (جواب میں) وہی کلمہ لو ٹادو ۔
بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ۔

تَحِيَّةٍ ۔ دعائے خیر ۔ زندگی کی دعا ۔ اس کے لفظی معنی کسی کو حیاک اللہ (اللہ تجھے زندہ رکھے) کہنا ہے ۔ اسلام سے پہلے عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ آپس میں ملتے تو **حَيَّاكَ اللّٰهُ ، يا اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا يا اَنْعِمْ صَبَاحًا** جیسے الفاظ سے ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے ۔ اسلام نے سلام کے اس طریقے کو تبدیل کر کے السلام علیکم (تم ہر تکلیف اور رنج و مصیبت سے سلامت رہو) کہنے کا طریقہ رائج کیا (معارف القرآن ۔ ۵۰۱/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سلام اور اس کے جواب کے آداب بتائے ہیں ۔ دنیا کی ہر مہذب قوم میں رواج ہے کہ جب وہ آپس میں ملتے ہیں تو اظہار انس و محبت کے لئے کوئی کلمہ کہتے ہیں ۔ اسلام نے بھی اس مقصد کے لئے السلام علیکم کہنے کو رواج دیا ۔ یہ کلمہ جتنا جامع ہے ، سلام کے لئے دوسری قوموں میں رائج کوئی کلمہ اتنا جامع نہیں کیونکہ اس میں اظہار محبت ہی نہیں بلکہ حق محبت کی ادائیگی بھی ہے کہ سلام کرنے والا اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو تمام آفات و آلام سے سلامت رکھے ۔ پس یہ کلمہ عبادت بھی ہے اور اپنے مسلمان بھائی کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے کا ذریعہ بھی ۔ (معارف القرآن ۵۰۱/ ۲) ۔

اس آیت میں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ جب تمہیں سلام کیا جائے تو اس کا جواب اس سے بہتر الفاظ میں دو یا کم از کم ویسے ہی الفاظ کہدو ۔ لہذا سلام کا جواب ویسے ہی الفاظ میں لوٹا دینا تو واجب ہے اور رحمت و برکت کے الفاظ بڑھا کر جواب دینا مستحب ہے ۔ سلام کے جواب میں صرف تین کلمات تک اضافہ کرنا مسنون ہے یعنی السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہنا ۔ اس سے زیادہ الفاظ ملانا مسنون نہیں ۔ سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے ۔ اگر جماعت میں سے کسی ایک نے جواب دے دیا تو کافی ہے ۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہؓ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کونسا اسلام سب سے بہتر ہے (یعنی خصائل اسلامی میں کونسی خصلت سب سے اچھی ہے) آپؐ نے فرمایا کھانا کھلانا اور

(ہر شخص کو) سلام کرنا، جان پہچان ہو یا نہ ہو۔

مسند احمد، ترمذی اور ابو داؤد میں حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا مقرب وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو شخص سواری پر ہو اس کو چاہئے کہ وہ پیدل چلنے والے کو خود سلام کرے اور جو (پیدل) چل رہا ہو وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور جو لوگ تعداد میں تھوڑے ہوں وہ کسی بڑی جماعت پر گزریں تو ان کو چاہئے کہ سلام کی ابتداء کریں۔

ترمذی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آدمی اپنے گھر میں جائے تو اپنے گھر والوں کو سلام کرے اس سے اس کے لئے بھی برکت ہوگی اور اس کے گھر والوں کے لئے بھی۔

ابو داؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان سے بار بار ملاقات ہو تو ہر مرتبہ سلام کرنا چاہئے اور جس طرح ملاقات کے شروع میں سلام کرنا مسنون ہے اسی طرح رخصت کے وقت بھی سلام کرنا مسنون اور ثواب ہے۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سلام میں پہل کرنے والا غرور سے پاک ہے۔

اگر خالی گھر میں داخل ہو تو اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلیٰ عِبَادِاللّٰہِ الصّٰالِحِیْنَ کہنا چاہئے۔ (مظہری ۱۸۳/ ۲، معارف القرآن ۵۰۵/ ۲)۔

توحید

۸۷۔ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّکُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ لَارَیْبَ فِیْہِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ؕ

اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ قیامت کے روز وہ تمہیں جمع کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کس کی بات سچی ہو سکتی ہے۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں قیامت کے دن وہ ضرور تمہیں

قبروں سے نکال کر جمع کرے گا ۔ تمہارے جمع کرنے اور قیامت کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں ۔ اس روز سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائیگا اور قیامت کا وعدہ اور جزا و سزا کی خبر سب حق ہیں ۔

منافقوں کی گمراہی

۸۸ ، ۸۹ ۔ فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۔ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلاً ۔ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۔ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۔

پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اعمال کی وجہ سے ان کو اوندھا کر دیا ہے ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کر دیا اس کو ہدایت پر لے آؤ ۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو ، تُو اس کے لئے کوئی راستہ نہ پائے گا ۔ وہ چاہتے ہیں جیسے وہ کافر ہیں ، تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ تاکہ سب برابر ہو جائیں ۔ پس تم ان میں سے کسی کو بھی دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت نہ کریں ۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ ان کو قتل کر ڈالو ۔ اور نہ ان میں سے کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار ۔

فِئَتَيْنِ ۔ دو گروہ ۔ واحد فِئَةٌ ۔

اَرْكَسَهُمْ ۔ برابر ۔ اسم مصدر ۔ اس سے تثنیہ اور جمع نہیں بنتا ۔

سَوَآءً ۔ برابر ۔ اسم مصدر ۔ اس سے تثنیہ اور جمع نہیں بنتا ۔

وَجَدْتُمُوْهُمْ ۔ تمنے ان کو پایا ۔ تم نے ان کو تلاش کیا ۔ وَجْدٌ و وِجْدَانٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول ۔ جنگ اُحد میں عین مقابلہ کے وقت جب عبداللہ بن اُبَیّ اپنے گروہ کو لیکر واپس چلا گیا اور مسلمانوں کو شکست ہو گئی تو مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے دو فریق ہو گئے ۔ ایک کہتا تھا کہ ان کو قتل کرنا چاہئے ، دوسرا کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی اصلاح کر دے گا ، قتل میں بد نامی ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (حقانی ۱۸۶/ ۲) ۔

بخاری شریف میں حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ وسلم (قریش سے مقابلے کے لئے) اُحد کی جانب چلے تو ساتھیوں میں سے (منافق) لوگ راستہ ہی سے لوٹ گئے ۔ لوٹنے والوں کے بارے میں صحابۂ کرام کے دو گروہ ہوگئے ، ایک گروہ کا خیال تھا کہ ہمیں ان سے لڑنا چاہئے اور دوسرا گروہ کہتا تھا کہ نہیں لڑنا چاہئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

بغوی نے مجاہد کے حوالے سے لکھا ہے کہ کچھ لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے مگر پھر مرتد ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ، مکہ واپس جا کر اپنا تجارتی سامان لانے کی اجازت لیکر چلے گئے اور پھر مکہ ہی میں رہنے لگے ۔ ان لوگوں کے متعلق مسلمانوں کی رائے مختلف ہو گئی ۔ بعض نے کہا کہ وہ منافق تھے اور بعض نے ان کو مومن خیال کیا ۔ (مظہری ۸۳۳ / ۲) ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ جب تم نے منافقوں کی باطنی خباثت اور ان کے کفر و ارتداد کو ظاہری طور پر دیکھ لیا تو پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ تم منافقوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے اختلاف کر کے دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک گروہ ان کو مسلمان بتاتا ہے اور دوسرا کافر ۔ تم آپس میں اختلاف کیوں کرتے ہو اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیوں نہیں کر دیتے جو سب سے زیادہ سچا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مرتد ہونے اور دارالحرب میں چلے جانے کی وجہ سے ان کو کفر کی طرف لوٹا دیا اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لاسکتا ۔

ان بد نصیبوں کا حال تو یہ ہے کہ یہ تمہارے بارے میں بھی یہی خواہش رکھتے ہیں کہ تم بھی انہی کی طرح کافر ہو جاؤ تاکہ گمراہی میں وہ اور تم سب برابر ہو جاؤ ۔ ایسے لوگوں کے کفر میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ۔ پس تم ایسے لوگوں کے ساتھ مسلمانوں جیسے دوستانہ تعلقات نہ رکھو یہاں تک کہ یہ لوگ اپنے گھر بار اور عزیز و اقارب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی راہ

میں ہجرت کر کے مومن مخلص نہ بن جائیں۔

اسلام کے ابتدائی زمانے میں ایمان کی تکمیل کے لئے ہجرت بھی فرض تھی۔ بغیر ہجرت کے ایمان معتبر نہ تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ اسلام اور ہجرت سے منہ موڑیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو تم جہاں کہیں ان کو پاؤ، کافروں کی طرح پکڑ کر قتل کر دو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ کیونکہ یہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ (مظہری ۸۳۵/ ۲۔ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۳۱/ ۲)۔

قتل سے مستثنیٰ منافق

۹۰۔ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۔ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۔

سوائے ان لوگوں کے جو ایسی قوم سے جا ملے ہوں جن کا تمہارے ساتھ عہد و پیمان ہے یا وہ تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ ان کے دل تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے تنگ ہوں اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا، پھر وہ تم سے ضرور لڑتے۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر (دست درازی کا) کوئی راستہ نہیں رکھا۔

يَصِلُوْنَ ۔ وہ پہنچتے ہیں۔ وہ ملتے ہیں۔ **وَصْلٌ و وُصُوْلٌ** سے مضارع۔

حَصِرَتْ ۔ وہ رک گئی۔ وہ تنگ ہو گئی۔ **حَصْرٌ** سے ماضی۔

اِعْتَزَلُوْكُمْ ۔ انہوں نے تمہیں چھوڑ دیا۔ وہ تم سے الگ ہو گئے۔ **اِعْتِزَالٌ** سے ماضی

اَلْقَوْا ۔ انہوں نے ڈالا۔ **اِلْقَاءٌ** سے ماضی۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حسن سے روایت کی کہ سراقہ بن مالک

مدلجی نے بیان کیا کہ جب بدر اور اُحد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہو گیا اور ارد گرد کے لوگ مسلمان ہو گئے تو مجھے اطلاع ملی کہ آپ (حضرت) خالدؓ بن ولید کو میری قوم بنی مدلج کے پاس جنگ کے ارادے سے بھیجنا چاہتے ہیں۔ میں نے فوراً آپؐ کی خدمت گرامی میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپؐ میری قوم کو اسی حالت پر رہنے دیں۔ اگر آپ کی قوم مسلمان ہو گئی تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور آپؐ کی قوم مسلمان نہ ہوئی تو ان سے کوئی اندیشہ نہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ نے حضرت خالد کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ ان کے ساتھ چلے جاؤ اور جیسا چاہو کرو۔ چنانچہ حضرت خالدؓ نے جا کر بنی مُدلج سے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور اگر قریش مسلمان ہو گئے تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (جلالین ۲۶۱، مظہری ۲/۱۸۳۵)۔

تشریح۔ اس آیت میں ان منافقوں کو قتل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے جو ایسے لوگوں کے پاس پہنچ جائیں جن سے مسلمانوں کا صلح کا معاہدہ ہو۔ کیونکہ جب وہ مسلمانوں کے معاہد کی پناہ میں آ گئے تو حکماً ان کے ساتھ بھی مسلمانوں کا عہد ہو گیا۔ حلیف کا حلیف بھی حلیف ہی ہوتا ہے۔ ان کو قتل کرنا عہد شکنی ہوگی۔ جو کافر اور منافق غیر جانبدار رہیں اور نہ وہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر تمہارے ساتھ لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑیں تو ان لوگوں کو بھی قتل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ جب تمہیں ان سے نقصان کا اندیشہ ہی نہیں تو ان کا قتل بھی ضروری نہیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمہارا رعب ان کے دلوں سے زائل کر کے، ان کو تم پر مسلط کر دیتا۔ پھر وہ تم سے ضرور جنگ کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہاری ہیبت ان کے دلوں میں ڈالدی اور وہ قوت و قدرت کے باوجود تم سے نہیں لڑتے۔ پس اگر وہ تمہارے ساتھ نہ لڑیں اور تمہیں صلح کا پیغام دیں تو اس صورت میں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ان سے لڑنے کی اجازت نہیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۱۳۲)۔

صلح توڑنے والوں کے قتل کا حکم

۹۱۔ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَ یَاْمَنُوْا

قَوۡمَهُمۡ ۔ كُلَّمَا رُدُّوۡٓا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۔ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡٓا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡٓا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ۔ وَاُولٰٓـئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ۔

عنقریب تمہیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو تمہارے ساتھ بھی امن سے رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں (مگر) جب ان کو فساد کے لئے بلایا جاتا ہے تو وہ اس میں کود پڑتے ہیں ۔ پس اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور تمہیں صلح کا پیغام نہ دیں اور اپنے ہاتھ لڑائی سے نہ روکیں تو ان کو پکڑو اور جہاں کہیں پاؤ ان کو قتل کرو ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے تمہارے لئے کھلی حجت قائم کر دی ہے (تمہیں ان پر کھلا اختیار دے دیا) ۔

اُرۡكِسُوۡا ۔ وہ گرائے گئے ۔ وہ لوٹائے گئے ۔ وہ کود پڑے ۔ اِرۡكَاسٌ سے ماضی مجہول ۔
رُدُّوۡا ۔ ان کو متوجہ کیا گیا ۔ ان کو بلایا گیا ۔ ان کو لوٹایا گیا ۔ رَدٌّ سے ماضی مجہول
يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ ۔ وہ تم سے کنارہ کشی کریں گے ۔ وہ تم سے الگ رہیں گے ۔ اِعۡتِزَالٌ سے مضارع ۔
ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ۔ تم نے ان کو پایا ۔ ثَقۡفٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ تم سے امن و صلح کے ساتھ نہ رہیں اور اپنے ہاتھ شرارت سے نہ روکیں تو تم ان سے جہاد کرو اور وہ تمہیں جہاں کہیں بھی ملیں ، تم ان کو پکڑ کر قتل کرو کیونکہ ایسے لوگوں سے لڑنے کی دلیل موجود ہے کہ ان کی عداوت ظاہر ہو گئی ، ان کا کافر ہونا ، مسلمانوں سے غداری کرنا اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانا سامنے آگیا ۔

کلبی نے ابو صالح کے حوالے سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ (اس آیت میں جن لوگوں کا بیان ہے) وہ بنی اسد اور بنی غطفان کے لوگ تھے ۔ وہ دکھاوے کے لئے اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے ، مگر حقیقت میں مسلمان نہ تھے ۔ جب ان میں سے کسی سے اس کی قوم والے کہتے کہ تو کیوں مسلمان ہو گیا تو وہ جواب دیتا کہ میں اس بندر اور بچھو پر ایمان لایا ہوں یعنی بندر اور بچھو سے امن پانے کے لئے ایمان لایا ہوں لیکن جب صحابہ سے

ملتا تو کہتا کہ میں آپ لوگوں کے دین پر ہوں ۔ اس دوغلے پن سے اس کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ دونوں طرف سے بے خطر ہو جائے ۔ (مظہری ۸۳۶/ ۲) ۔

قتل خطاء کی دیت

۹۲ ۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۔ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۔ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ز تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔

اور کسی مومن کا یہ کام نہیں کہ وہ کسی مسلمان کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو اس کو ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہئے اور مقتول کے وارثوں کو دیت دینی چاہئے سوائے اس کے کہ وہ خود معاف کر دیں ۔ پس اگر وہ (مقتول) اس قوم کا ہو جو تمہاری دشمن ہے اور وہ خود مسلمان ہے تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور اگر وہ (مقتول) ایسی قوم سے ہے جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے تو اس کے وارثوں کو دیت بھی دینی چاہئے اور مسلمان غلام بھی آزاد کرنا چاہئے ۔ پس جس کو میسر نہ ہو تو وہ لگا تار دو مہینے کے روزے رکھے ۔ توبہ کا یہ (طریقہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ علم والا (اور) حکمت والا ہے ۔

فَتَحْرِيْرُ ۔ تحریر کرنا ۔ لکھنا ۔ آزاد کرنا ۔ مصدر ہے ۔
رَقَبَةٍ ۔ گردن ۔ جان ۔ غلام ۔
يَصَّدَّقُوْا ۔ وہ صدقہ کریں گے ۔ وہ معاف کریں گے ۔ تَصَدُّقٌ سے مضارع ۔

یَجِدْ اس نے پایا ۔ اس کو میسر ہوا ۔ اس نے حاصل کیا ۔ وِجْدَانٌ سے مضارع ۔ یہاں ماضی کے معنی میں ہے ۔

شانِ نزول ۔ اس آیت کے شانِ نزول میں متعدد روایتیں ہیں ۔ بغوی ؒ نے لکھا ہے کہ ہجرت سے پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو عیاش بن ربیعہ مخزومی جو ابو جہل کا اخیانی (ماں شریک) بھائی تھا ۔ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا اور گھر والوں کے ڈر سے اس نے اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کیا ۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ تشریف لے آئے تو عیاش بھی بھاگ کر مدینۂ آگیا اور کسی قلعہ میں چھپ گیا ۔ عیاش کے چلے جانے سے اس کی ماں کو بہت صدمہ ہوا اور اس نے عیاش کے غم میں کھانا پینا چھوڑ دیا اور اپنے دونوں بیٹوں ابو جہل اور حارث کو کہا کہ جب تک تم عیاش کو واپس نہ لاؤ گے ، خدا کی قسم نہ تو میں کسی چھت کے سایہ میں بیٹھوں گی ، نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی ۔ ماں کی قسم سن کر ابو جہل اور حارث ، عیاش کی تلاش میں روانہ ہو گئے ۔ حارث بن زید بن ابی اُنیسہ بھی ان کے ساتھ ہو لیا ۔ یہ تینوں عیاش کو تلاش کرتے کرتے مدینے پہنچے جہاں انہیں پتہ چلا کہ وہ ایک قلعہ میں رو پوش ہے ۔ انہوں نے قلعہ کے باہر سے آواز دیکر کہا کہ تمہارے بعد تمہاری ماں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک تم واپس نہیں آؤ گے اس وقت تک وہ چھت کے سایہ میں نہیں بیٹھے گی اور نہ کچھ کھائے پیئے گی ۔ اور ہم قسم کھا کر تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ تجھے کسی ایسی بات پر مجبور نہ کریں گے جو تیرے دین کے خلاف ہو ۔

ماں کا حال سنکر عیاش کا دل بھر آیا ۔ پھر وہ ان کی قسموں اور عہد و پیمان پر یقین کرتے ہوئے قلعے سے نیچے اتر آیا اور ان کے ساتھ روانہ ہو گیا ۔ مدینہ سے باہر نکل کر انہوں نے عیاش کو نواڑ سے باندھ دیا اور تینوں میں سے ہر ایک نے اس کو سو سو کوڑے لگائے ۔ پھر وہ اسی حال میں اس کو اس کی ماں کے پاس لے گئے ۔ ماں نے دیکھ کر کہا کہ خدا کی قسم میں تجھے اس وقت تک نہیں کھولوں گی جب تک تو اس چیز کا انکار نہیں کرے گا جس پر ایمان لایا ہے ۔ اس کے بعد انہوں نے اس کو اسی حالت میں دھوپ میں ڈالدیا اور ایک عرصہ تک اس کو تکلیف دیتے رہے ۔ آخر کار عیاش نے مجبوراً وہ بات کہدی جو وہ کہلوانا چاہتے تھے ۔

اتنے میں حارث بن زید جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمنوں میں سے تھا ، وہاں پہنچ گیا ۔ اور کہنے لگا ۔ اے عیاش جس دین کو تونے اختیار کیا تھا اس کو کیوں چھوڑ دیا ؟ اگر وہ ہدایت تھی تو تونے ہدایت کو کیوں چھوڑ دیا ؟ اور اگر وہ گمراہی تھی تو ، تو اتنے دنوں تک گمراہ رہا ۔ اس پر عیاش کو طیش آگیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم اگر تو مجھے تنہا مل گیا تو قتل کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا ۔

کچھ عرصہ بعد عیاش نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور ہجرت کر کے مدینہ آگیا ۔ عیاش کے اسلام لانے کے کچھ دنوں بعد حارث بھی مشرف با سلام ہو گیا اور ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔ اس وقت عیاش وہاں موجود نہ تھا اس لئے اس کو حارث کے مسلمان ہونے کی خبر نہ ہو سکی ۔ ایک روز عیاش قبا کے باہر جا رہا تھا کہ سامنے سے حارث آگیا ۔ عیاش نے اس کو قتل کر دیا ۔ جب لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ عیاش کو ملامت کرنے لگے کہ تونے یہ کیا کیا ، حارث تو مسلمان تھا ، عیاش نے یہ سنتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، آپؐ میرے اور حارث کے واقعہ سے واقف ہیں جب میں نے اسے قتل کیا تو مجھے اس کے مسلمان ہونیکا علم نہ تھا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔(مظہری ، ۸۳/ ۲) ۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت حضرت ابودرداءؓ کے بارے میں نازل ہوئی ۔ حضرت ابو درداء نے ایک کافر پر تلوار سے حملہ کیا تو اس نے کلمہ پڑھ لیا ۔ تلوار چونکہ چل چکی تھی اس لئے وہ ہلاک ہو گیا ۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا علم ہوا تو حضرت ابو درداء نے یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے کلمہ پڑھا تھا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراض ہو کر فرمایا کہ کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۵۳۳/ ۱) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کسی مومن کے لئے ہرگز ہرگز یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے مومن کو قتل کردے ۔ اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کافر سمجھ کر یا کسی اور غلطی اور بھول چوک کی بنا پر قتل کر دے تو وہ معذور ہے البتہ قتل کی دیت اور کفارہ دینا واجب ہے ۔ اس کے بعد قتل کے تین احکام بیان کئے گئے ہیں ۔

۱۔ جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد ، غلطی اور بھول چوک سے قتل کر دے تو اس غلطی

کے کفارہ میں دو چیزیں واجب ہیں ۔ ایک تو مسلمان غلام یا کنیز کا آزاد کرنا ۔ دوسرے دیت (خون بہا) جو مقتول کے وارثوں کو میراث کے حصوں کے مطابق دیا جائیگا ۔ اگر مقتول کے وارث نہ ہوں تو دیت بیت المال میں جمع کر دی جائے گی ۔ اگر مقتول کے اولیاء از خود دیت معاف کر دیں تو انہیں اختیار ہے وہ بطور صدقہ اسے معاف کر سکتے ہیں ۔

۲۔ اگر اس مسلمان مقتول کا تعلق تمہارے دشمن گروہ سے ہے اور وہ مقتول دار الحرب میں ہو اور کسی وجہ سے ہجرت کر کے اس وقت تک وہ دارالاسلام نہیں پہنچ سکا تھا کہ کسی مسلمان نے اس کو اپنا دشمن سمجھ کر قتل کر دیا تو قاتل پر صرف کفارہ واجب ہے یعنی ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ۔ یہ مقتول کے مسلمان ہونے کا حق ہے ۔اس صورت میں دیت واجب نہیں ہوگی کیونکہ وہ حربی ہے اور حربی کی دیت واجب نہیں ۔

۳۔ اگر اس مسلمان مقتول کا تعلق ایسے گروہ سے ہو جس کے ساتھ تمہارا کسی قسم کا عہد و پیمان ہو تو قاتل پر ایک تو دیت (خون بہا) واجب ہوگی جو مقتول کے مسلمان وارثوں کو دی جائے گی ۔ اگر مقتول کے وارث مسلمان نہ ہوں بلکہ کافر ہوں تو ان کو دیت نہیں دی جائیگی اگر چہ وہ معاہد ہی کیوں نہ ہوں ۔ دوسرے دیت کے علاوہ کفارہ بھی دینا ہوگا ۔ یعنی ایک مسلمان غلام آزاد کرنا واجب ہے ۔

پھر اگر کسی کو آزاد کرنے کے لئے غلام یا کنیز میسر نہ ہو تو اس پر متواتر دو مہینے کے روزے واجب ہیں ۔ جمہور کے نزدیک روزے ، صرف غلام کی آزادی کا بدل ہیں ۔ دیت ہر حال میں واجب ہے خواہ قاتل مفلس ہو یا مالدار ۔ پھر فرمایا کہ یہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے قاتل کی توبہ کے لئے مقرر ہیں ۔ وہ خطاء اور غلطی کی حقیقت و کیفیت کو خوب جانتا ہے اور اس نے دیت و کفارہ کا جو حکم دیا ہے اس میں بھی بڑی حکمت ہے ۔

قتل عمد کا انجام

۹۳ ۔ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ لَعَنَهٗ وَاَعَدَّلَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ۔

اور جو کوئی کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے ، وہ

اس میں ہمیشہ رہے گا ، اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا اور اس کی لعنت ہوگی اور اس کے لئے عذاب عظیم تیار ہے ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں پہلے کسی مسلمان کو سلام کرنے اور دعا دینے کا حکم تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی توحید و عظمت کا ذکر اور کسی شک و شبہ کے بغیر حساب و کتاب اور اعمال کی جزا کیلئے قیامت کے روز سبکو ایک جگہ جمع کرنے کا اعلان ۔ اسکے بعد یہ بتایا گیا کہ منافقوں کے ساتھ اس وقت تک مسلمانوں جیسا معاملہ کرو جب تک کہ انکا نفاق چھپا رہے ۔ نفاق ظاہر ہونے کے بعد منافقوں کے ساتھ کفار جیسا معاملہ کیا جائے گا ۔ پھر مومنوں کے قتل کی ممانعت اور قتل خطاء کے احکام بیان کئے گئے ۔ یہاں قتل عمد کی وعید مذکور ہے ۔

تشریح ۔ جو شخص (مسلمان) کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے پھر توبہ کئے بغیر مر جائے تو اس کے لئے طویل مدت تک دوزخ میں رہنے کی وعید ہے ۔ ایسے شخص پر اللہ کا غضب نازل ہوگا ، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا اور اس کے لئے عذابِ عظیم تیار ہے ۔

تمام سلف و خلف کا اجماع ہے ۔ کہ یہاں خلود سے طویل مدت تک دوزخ میں رہنا مُراد ہے ۔ کافروں کی طرح غیر محدود اور ابدی طور پر دوزخ میں رہنا مُراد نہیں ۔ اس لئے کہ احادیثِ متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا ۔ قرآن کریم میں کافر کے خلود کے ساتھ ابداً کا لفظ آیا ہے اس لئے کافر کا خلود ابدی ہے اور قاتل کا خلود غیر ابدی ۔

جہاد میں احتیاط

۹۴ ۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۚ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

اے ایمان والو ! جب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرو (جہاد کے لئے نکلو) تو تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص تمہیں سلام کرے اس کو یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ۔ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو سو اللہ کے ہاں تو بہت سی غنیمتیں ہیں ۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر فضل فرمادیا ۔ پس تم اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو ۔ بلا شبہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خوب واقف ہے ۔

ضَرَبْتُمْ ۔ تم نے سفر کیا ۔ تم چلے ۔ تم نکلے ۔ **ضَرْبٌ** سے ماضی ۔
فَتَبَيَّنُوْا ۔ پس تم بیان کرو ۔ پس تم تحقیق کر لو ۔ **تَبَيُّنٌ** سے امر ۔
عَرَضَ ۔ مال و متاع ۔ سامان ۔ جمع **عُرُوضٌ** ۔

شانِ نزول ۔ ترمذی اور مسند احمد میں حضرت عبداللہؓ بن عباس سے منقول ہے کہ بنو سُلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا اور (صحابہ کو سلام کیا ۔ صحابہ کرام نے یہ سمجھا کہ اس نے اپنی جان بچانے کے لئے سلام کیا ہے ۔ چنانچہ انہوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو مالِ غنیمت کے طور پر لیکر چلے آئے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (ابن کثیر ۵۳۸ / ۱) ۔

بخاری شریف میں مختصراً اور مسند بزار میں مفصلاً حضرت عبداللہؓ بن عباس ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کا ایک دستہ بھیجا جس میں حضرت مقدادؓ بن اسود بھی تھے ۔ جب یہ دستہ دشمن کے قریب پہنچا تو سب لوگ بھاگ گئے ، صرف ایک شخص رہ گیا جس کے پاس بہت مال تھا ۔ اس نے صحابۂ کرام کے سامنے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کہا مگر حضرت مقدادؓ نے یہ سمجھ کر کہ یہ شخص محض جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے ، اس کو قتل کر دیا ۔ مجاہدین میں سے ایک صحابی نے کہا کہ مقداد آپ نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کی شہادت دی تھی ۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہو کر یہ واقعہ ضرور عرض کروں گا ۔ جب لشکر واپس مدینہ منورہ پہنچا تو اس شخص نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا ۔ آپؐ نے حضرت مقدادؓ کو بلوا کر فرمایا کہ تم نے یہ کیا کیا ؟ کل قیامت کے دن تم کیا جواب دو گے جب کلمۂ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ تمہارے مقابلہ میں دعویدار ہوگا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ابن کثیر ۵۳۹ / ۱) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کر دے تو اس کے قتل سے ہاتھ روکنا ہر مسلمان پر واجب ہے ۔ محض شک و شبہ کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں جیسا کہ بعض مواقع پر بعض صحابہ سے شک و شبہ کی بنا پر اس قسم کی لغزش واقع ہوئی کہ انہوں نے بعض لوگوں کے اسلام ظاہر کرنے کو کذب پر محمول کر کے ان کو قتل کر دیا اور مقتول کا مال ، غنیمت کے طور پر حاصل کر لیا ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کا انسداد فرمایا ۔

پھر فرمایا کہ جس غنیمت اور دنیاوی مال و متاع کے لالچ میں تم غفلت برت رہے ہو اور سلام کرنے والوں کے ایمان میں شک و شبہ کر کے انہیں قتل کر دیتے ہو تو یہ غنیمت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس تو بے حساب غنیمتیں ہیں جو وہ تمہیں حلال ذرائع سے دے گا ۔ اور وہ تمہارے لئے اس مال سے بہت بہتر ہوں گی ۔ تم بھی اپنا وہ وقت یاد کرو جب اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے تم اپنا ایمان ظاہر کرنے کی جرأت نہیں کرتے تھے اور لوگوں سے چھپے چھپے پھرتے تھے ۔آج اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا اور تمہیں قوت دی کہ تم کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہو ۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس سے پہلے جب تم اسلام میں داخل ہوئے تھے اور تم نے اسلام کا کلمہ پڑھا تھا تو تمہارے بارے میں کوئی تفتیش نہیں کی گئی تھی کہ تم نے یہ کلمہ محض زبان سے کہا ہے یا دل سے بھی اس کی تصدیق کرتے ہو بلکہ صرف کلمہ پڑھ لینے ہی سے تمہاری جان و مال محفوظ ہو گئے تھے ۔

پس جو بے بس لوگ اب تک دشمن کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور اپنے ایمان کا برملا اظہار نہیں کر سکے تو وہ تم پر اپنا اسلام ظاہر کریں تو تمہیں اس کو تسلیم کر لینا چاہیئے ۔ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال سے غافل نہ سمجھو ، جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب کی خبر رکھتا ہے ۔ (ابن کثیر ۵۳۹، ۵۴۰/ ۱) ۔

جہاد کے چند احکام

۹۵ ، ۹۶ ۔ لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ

اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

جو لوگ بغیر کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں وہ ان مجاہدوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو (گھر میں) بیٹھے رہنے والوں پر مرتبہ میں فضیلت دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے (یوں تو) ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے مگر جہاد کرنے والوں کو (گھر) بیٹھے رہنے والوں پر اجرِ عظیم کے اعتبار سے فضیلت دی ہے ۔ (مجاہدوں کے لئے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سے درجے اور بخشش اور رحمت ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے ۔

يَسْتَوِىْ ۔ وہ برابر ہوتا ہے ۔ اِسْتِوَاءٌ سے مضارع ۔

ضَرَرِ ۔ ضرر ۔ نقصان ۔

شانِ نزول ۔ بخاری، ابو داؤد ، ترمذی اور نسائی نے حضرت زید بن ؓ ثابت سے اور صرف بخاری نے حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت زیدؓ بن ارقم کی روایت سے اور ابن حبان نے حضرت ابنؓ عاصم کی روایت سے اور صرف ترمذی نے حضرت ابنؓ عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت زیدؓ بن ثابت سے **لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** (یعنی **مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** کے بعد **غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ** کے الفاظ نہ تھے) ۔ لکھوا رہے تھے کہ حضرت ابن امِّ مکتوم آ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں جہاد کر سکتا تو ضرور کرتا ۔ حضرت ابن امِّ مکتوم نا بینا تھے اس پر یہ آیت اس طرح نازل ہوئی ۔ **لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ** (مظہری ۸۵۷ ، ۸۵۸/ ۲)۔

تشریح ۔ اس آیت میں جہاد کے چند احکام بیان کئے گئے ہیں ۔

۱ ۔ جو لوگ کسی عذر کے بغیر جہاد میں شریک نہ ہوں وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے جان و مال سے جہاد کرتے ہیں ۔

۲ ۔ اللہ تعالیٰ نے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو عذر کے بغیر بیٹھے رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت عطا فرمائی ہے ۔

۳ ۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں اور غیر مجاہدوں سے اچھی جزا کا وعدہ کیا ہے ۔ جنت و مغفرت دونوں کو حاصل ہوں گی مگر درجات میں فرق رہے گا ۔

۴ ۔ عام حالات میں جہاد فرضِ کفایہ ہے ۔ اگر بعض لوگ اس کو ادا کر لیں تو باقی مسلمان اس سے سبکدوش ہو جاتے ہیں بشرطیکہ جو لوگ جہاد میں شریک ہیں وہ اس جہاد کے لئے کافی ہوں ۔ اگر وہ کافی نہیں تو ان کے قرب و جوار کے لوگوں پر فرض عین ہو جائیگا کہ وہ مجاہدوں کی مدد کریں ۔

۵ ۔ لنگڑے ، لنجے ، اندھے ، بیمار اور دیگر شرعی طور پر معذور لوگوں پر جہاد فرض نہیں ۔

۶ ۔ اگر مسلمانوں کی بستی پر کافر دشمن حملہ کر دے تو اس بستی کے ہر بالغ مرد پر جہاد کے لئے نکلنا فرض عین ہو جاتا ہے ، فرض کفایہ نہیں رہتا ۔ خواہ وہ آزاد ہو یا غلام ، مالدار ہو یا نادار ۔ اگر ایسے موقع پر آقا غلام کو ، قرض خواہ قرض دار کو اور ماں باپ اولاد کو جہاد میں نکلنے سے روکیں تو ان کے احکام کی تعمیل نہیں کی جائیگی ۔

۷ ۔ اگر بستی والے مقابلہ کے لئے کافی نہ ہوں تو برابر کی بستی والوں پر ان کی مدد کرنا فرض ہو جاتا ہے ۔

اگر وہ مدد نہ کریں تو پھر ان کے متصل رہنے والوں کو مدد کرنی چاہئے وغیرہ وغیرہ ۔ مگر معذور لوگ اس حکم سے بھی مستثنیٰ ہیں ۔ ان پر اس حالت میں بھی جہاد فرض نہیں ۔ (معارف القرآن ۵۲۲ ، ۵۲۳ / ۲) ۔

ہجرت نہ کرنے کا انجام

۹۷ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ

فَاُولٰٓئِکَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۔ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۔

بیشک جب فرشتے ایسے لوگوں کی روح نکالیں گے، جو اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں تو وہ ان سے پوچھیں گے کہ تم کس حال میں تھے۔ وہ کہیں گے کہ ہم ملک میں بے بس تھے۔ فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم ہجرت کر کے کہیں چلے جاتے۔ سو یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے۔

تَوَفّٰهُمُ ۔ اس نے انکو وفات دی۔ اس نے انکو موت دی۔ اس نے انکو اٹھالیا۔ تَوَفِّیْ سے ماضی۔

مُسْتَضْعَفِيْنَ ۔ ضعیف۔ بے بس، کمزور۔ اِسْتِضْعَافٌ سے اسم مفعول۔

مَاْوٰىهُمْ ۔ ان کا ٹھکانہ۔ ان کے رہنے کی جگہ۔ اُوِیٌ سے اسم ظرف۔

سَآءَتْ ۔ وہ بُری ہے۔ سوء سے ماضی۔

مَصِيْرًا ۔ لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ صَیْرٌ سے اسم ظرف و مصدر میمی۔

شانِ نزول ۔ ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ مکہ کے کچھ باشندے مسلمان تو ہو گئے تھے مگر انہوں نے اپنا ایمان چھپا رکھا تھا اور مشرکوں کے ڈر سے انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت بھی نہیں کی تھی۔ مشرک ان کو ساتھ لیکر بدر گئے جہاں ان میں سے کچھ لوگ مارے گئے۔ مسلمانوں نے کہا کہ وہ تو مسلمان تھے ان کو مجبور کر کے لایا گیا تھا۔ لہذا ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۸۳/ ۲)۔

تشریح ۔ اس آیت میں بلا عذر ہجرت ترک کرنے والوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ جن لوگوں نے قدرت کے باوجود ہجرت نہیں کی اور اپنی خیالی کمزوری اور وہمی مجبوری کی بنا پر وہ کافروں میں پڑے رہے اور ان کا ساتھ دیتے رہے اور مشرکوں کی فوج میں شامل ہو کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے جاتے رہے اور اپنے دین کو برباد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے یہاں تک کہ اسی حالت میں موت کے فرشتے نے ان کی روح قبض کر لی اور ان سے سرزنش کے طور پر پوچھا کہ تم کس حال میں تھے؟ کیا تم اسلام کی حالت میں تھے جیسا کہ تمہارے اقرار سے معلوم ہو رہا ہے یا تم کفر کی حالت میں تھے جیسا کہ کافروں کے ساتھ تمہارے قیام اور کسی عذر کے بغیر ان کی موافقت کرنے سے پتہ چل رہا ہے۔

ان ظالموں نے فرشتوں کو جواب دیا کہ دل سے تو ہم مسلمان تھے مگر مکہ میں ہم نہایت کمزور اور بے بس تھے ۔ ہم میں کافروں سے مقابلہ کی طاقت نہیں تھی ۔ اس لئے ہم اسلام کے احکام کو علانیہ طور پر نہیں بجا لاسکتے تھے اور ظاہری طور پر کافروں کا ساتھ دیتے تھے۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع اور کشادہ نہ تھی کہ تم مکہ سے ہجرت کر کے کہیں اور چلے جاتے ، جہاں نہ کافروں کا ڈر ہوتا اور نہ اسلام کے اظہار میں کسی سے مخالفت اور نہ دین کا بول بالا کرنے میں کوئی رکاوٹ ہوتی ۔ جیسے دوسرے لوگوں نے مکہ سے حبشہ اور مدینہ ہجرت کر کے کیا ۔ پس ہجرت ترک کرنے کے نتیجہ میں ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بُری جگہ ہے ۔

مسلم نے عمرو بن عاص کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلا شبہ اسلام ، مسلمان ہونے سے پہلے کے جرائم کو ڈھادیتا ہے ، بلا شبہ ہجرت ، ہجرت سے پہلے کے گناہوں کو ڈھا دیتی ہے ۔ یقیناً حج ، پہلے کے گناہوں کو ڈھادیتا ہے ۔ (مظہری ۱۸۳/ ۲ ، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۳۵/ ۲) ۔

کمزوروں کے لئے رخصت

۹۸ ، ۹۹ ۔ اِلاَّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَۃً وَّلاَ یَھْتَدُوْنَ سَبِیْلاً ۔ فَاُولٰٓئِکَ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۔ وَکَانَ اللّٰہُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۔

سوائے ان مردوں ، عورتوں اور بچوں کے جو بے بس ہوں اور (نکلنے کا) کوئی حیلہ نہ کر سکتے ہوں اور نہ وہ راستہ جانتے ہوں ۔ سو امید ہے اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادے گا اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو مرد ، عورتیں اور بچے مجبور و بے بس ہوں اور کسی طرح بھی مشرکوں کے چنگل سے نہ نکل سکتے ہوں مثلاً نابینا ، یا معذور ہو ، بہت بوڑھا ، بہت کمزور یا بہت بیمار ہو ۔ اپاہج ہو کہ پیدل سفر نہیں کر سکتا ، سواری کی استطاعت

نہ ہو ، یا کفار کی قید میں ہو یا اس کے پاس سفر خرچ نہ ہو یا وہ کوئی حیلہ نہ کر سکتا ہو یا وہ راستہ سے واقف نہ ہو تو امید ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے درگزر فرمالے گا اور اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے ۔

پس اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی مسلمان کافروں کی سر زمین پر ذلیل و خوار ہو کر پڑا رہے ، جہاں وہ نہ تو اسلامی احکام پر آزادی کے ساتھ عمل کرسکتا ہو اور نہ آزادی کے ساتھ دین کا علم حاصل کر سکتا ہو ۔ ایسی حالت میں ہجرت فرض ہے ۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۰۵ / ۲ ، مظہری ۸۹۵ / ۲) ۔

ہجرت کا اجر و ثواب

۱۰۰ ۔ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اور جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا تو وہ زمین میں بہت جگہ اور بہت وسعت پائے گا اور جو کوئی اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف نکلے پھر (راستہ میں) اس کو موت آ جائے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہو گیا اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے ۔

مُرٰغَمًا ۔ ہجرت کا مقام ۔ ناگوار امور سے ہٹنے کا مقام ۔ چھوڑ دینا ۔ دور ہو جانا ۔ رِغَامٌ سے ظرف مکان ۔

يُدْرِكْهُ ۔ وہ (موت) اس کو پالے گی ۔ وہ اس کو آپکڑے گی ۔ اِدْرَاكٌ سے مضارع ۔

وَقَعَ ۔ وہ واقع ہوا ۔ وہ مقرر ہوا ۔ وَقْعٌ و وُقُوْعٌ سے ماضی ۔

فَقَدْ ۔ پس تحقیق ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم اور ابو یعلے نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ضمرہ بن جندب اپنے گھر سے ہجرت کر کے نکلا اور گھر والوں سے کہا کہ

مجھے سواری پر بٹھا دو اور شرکستان سے نکال کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دو (لوگ اس کو لیکر چلے) مگر وہ راستہ ہی میں مر گیا ۰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچ سکا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۸۶۶ / ۲) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والے کو فکر مند اور پریشان ہونیکی ضرورت نہیں کہ پردیس میں تکلیف ہوگی ۔ وہ جہاں کہیں بھی جائے گا ۰ اللہ تعالیٰ اس کے لئے وہاں امن و سکون کے ساتھ رہنے کے اسباب مہیا کر دے گا ۰ وہ وہاں دشمن کے شر سے بچ جائے گا ۰ اس کو وہاں کشادہ جگہ اور فراخ روزی ملے گی ۰ اس کی تنگدستی فراخ دستی سے بدل جائے گی اور وہ گمراہی کے ماحول سے نکل کر ہدایت کے راستہ پر لگ جائے گا ۔

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ میں ہجرت کی نیت کرکے اپنے گھر سے نکل کھڑا ہوا پھر وہ مقام ہجرت تک نہ پہنچ سکا ۰ راستہ ہی میں اس کو موت نے آ لیا تو اس کو کامل ہجرت کا ثواب ملے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ۔ (مظہری ۸۶۶/ ۲) ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہ ہے جس کی اس نے نیت کی ۔ پس جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا باعث ہوگی ۔ اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہو تو اسے اصل ہجرت کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ اس کی ہجرت اسی طرف سمجھی جائے گی ۔ (ابن کثیر ۵۴۳/ ۱) ۔

نماز کو قصر کرنا

۱۰۱ ۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۔

اور جب تم ملک میں سفر کرو تو تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ تم نماز میں سے کچھ کم کر دو ۔ اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے تو بلا شبہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ۔

ضَرَبْتُمْ ۔ تم نے سفر کیا ۔ تم چلے ۔ ضَرْبٌ سے ماضی ۔
تَقْصُرُوْا ۔ تم قصر کرو ۔ تم کم کرو ۔ تم چھوٹا کرو ۔ قَصْرٌ سے مضارع ۔ لغت میں قصر کے معنی کم کرنے اور تخفیف کرنے کے ہیں ۔ خواہ یہ کمی اور تخفیف کمیت میں ہو یا کیفیت میں ۔ (حقانی ۱۹۱/ ۲) ۔
یَفْتِنَکُمُ ۔ وہ تمہیں فتنہ میں ڈالے گا ۔ وہ تمہیں مصیبت میں ڈالے گا ۔ وہ تمہیں ستائے گا ۔ فَتْنٌ وفُتُوْنٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ ابن جریر نے حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بنی نجار کے کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، ہم سفر پر جاتے ہیں نماز کس طرح پڑھیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۸۹۶/ ۲) ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جب تم جہاد وغیرہ کے لئے کہیں سفر میں جاؤ اور تمہیں کافروں سے جو تمہارے کھلے دشمن ہیں یہ خوف ہو کہ وہ تمہیں ستائیں گے تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں یعنی تم چار چار رکعتوں والی نمازوں میں سے دو دو رکعتیں کم کر دو ۔ البتہ دو اور تین رکعتوں والی نمازوں میں قصر نہیں ۔ جب یہ حکم نازل ہوا تھا اس وقت کافروں کے ستانے کا ڈر موجود تھا ۔ پھر جب یہ ڈر جاتا رہا تین منزل یا اس سے زیادہ سفر کے لئے قصر نماز کا حکم برقرار رکھا گیا ۔ امن کی حالت میں سفر کے دوران نماز قصر کرنے سے متعلق کثرت سے احادیث آئی ہیں ۔

اما شافعیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے درمیان امن کی حالت میں سفر کیا ۔ آپؐ کو اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ تھا اور آپؐ دو رکعت پڑھتے رہے ۔

۱ ۔ اگر سفر تین منزل سے کم ہو تو اس میں نماز قصر نہیں کی جائیگی بلکہ پوری نماز پڑھی جائے گی ۔

۲ ۔ قصر صرف تین نمازوں ظہر ، عصر اور عشاء کے فرضوں میں ہوتی ہے ۔ مغرب ، فجر ، عشاء کے وتروں اور سنتوں میں قصر نہیں ہوتی ۔

۳ ۔ سفر میں خوف نہ بھی ہو تب بھی قصر نماز پڑھی جائے گی ۔

بخاری و مسلم میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ شروع میں نماز کی دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں ۔ پھر سفر کی حالت میں تو اس کو قائم رکھا گیا اور اقامت کی حالت میں اس میں (دو رکعت کی) زیادتی کر دی گئی ۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ۔ آپؐ نے وفات کے وقت تک (سفر میں) دو رکعت سے زائد نہیں پڑھی ۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی رہا آپؓ نے بھی (سفر میں) وفات تک دو رکعت سے زائد نہیں پڑھی ۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی رہا ۔ آپؓ نے بھی (سفر میں) وفات تک دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۔ (تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونۂ عمل ہے)۔

اگر مسافر کسی مقیم امام کی اقتداء میں نماز کے کسی حصہ میں شامل ہو تو جمہور کے نزدیک اس کو چار رکعتیں پوری کرنی چاہئیں ۔

اقامت کی حالت میں جو نماز فوت ہو جائے اور مسافر اس کو سفر کے دوران ادا کرنا چاہے تو وہ پوری نماز ادا کرے گا ۔ اس میں قصر جائز نہیں ۔

اگر سفر میں کوئی نماز قضا ہو گئی تو امام حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حضر میں قصر کے ساتھ ادا کرے گا ۔ اگر امام مسافر، اور مقتدی، مقیم ہو تو امام دو رکعتیں پڑھے گا اور مقیم امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کرے گا ۔ (مظہری ۸۶۹/ ۲) ۔

صلوٰۃِ خوف

۱۰۲ ۔ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ قف فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ص وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ج وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ط

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۔ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۔

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ (سفر میں) ان کے ساتھ ہوں ، پھر آپ ان کو نماز پڑھانے لگیں تو مسلمانوں کی ایک جماعت کو چاہئے کہ وہ آپ کے ساتھ (نماز میں) کھڑی ہو جائے اور ان کو اپنے ہتھیار بھی اپنے ساتھ رکھنے چاہئیں ۔ پھر جب سجدہ کر چکیں تو ان کو چاہیئے کہ پیچھے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی وہ (آگے) آ جائے اور آپ کے ساتھ نماز پڑھے اور وہ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لئے رہیں ۔ اور کافر تو چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور اسباب سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک دم ٹوٹ پڑیں ۔ اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو تم پر اپنے ہتھیار اتار کر رکھنے میں کوئی گناہ نہیں ۔ لیکن اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

وَرَآئِكُمْ ۔ تمہارے پیچھے ۔ پس پشت ۔

حِذْرَهُمْ ۔ ان کی احتیاط ۔ ان کا بچاؤ ۔ ان کا ہتھیار ۔

اَمْتِعَتِكُمْ ۔ تمہارا مال اسباب ، تمہارا ساز و سامان ۔ واحد مَتَاعٌ ۔

فَيَمِيْلُوْنَ ۔ پس وہ خواہش کریں گے ۔ پس وہ جھک آئیں گے ۔ پس وہ حملہ کریں گے ۔ مَیْلٌ سے مضارع ۔

مَطَرٍ ۔ بارش ۔ جمع اَمْطَارٌ ۔

تَضَعُوْا ۔ تم رکھتے ہو ۔ تم ڈالتے ہو ۔ وَضْعٌ سے مضارع ۔

مُّهِيْنًا ۔ ذلیل کرنے والا ۔ اِهَانَةٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ نماز خوف کی کئی قسمیں اور مختلف صورتیں اور حالتیں ہیں ۔ کبھی دشمن قبلہ کی طرف ہوتا ہے کبھی دوسری طرف ، کبھی نماز کی چار رکعتیں ہوتی ہیں ، کبھی تین اور دو جیسے فجر اور مغرب کی نمازیں ۔ کبھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ممکن ہوتا ہے اور کبھی لشکر آپس

اس طرح گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ جماعت کے ساتھ نماز اداکرنا ممکن ہی نہیں رہتا ۔ ایسے وقت میں ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ پیدل یا سوار ہر حال میں نماز پڑھنی پڑتی ہے ۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سمت قبلہ کا تعین بھی ممکن نہیں رہتا ۔ کبھی دشمن کے حملوں سے بچتے ہوئے اس پر حملے بھی جاری رکھے جاتے ہیں اور نماز بھی ادا کی جاتی ہے ۔ غرض مختلف حالتوں میں مختلف طریقے اختیار کئے جاتے ہیں ۔ (ابن کثیر ۵۴۹/ ۱) ۔

اس آیت میں دونوں گروہ کے ایک ایک رکعت نماز پڑھنے کا ذکر ہے ۔ باقی نماز کا بیان نہیں کہ وہ کتنی اور کس طرح ادا کی جائے ۔ احادیث میں اس کا طریقہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ پہلے گروہ کی طرح دوسرا گروہ بھی امام کے سلام پھیرنے کے بعد دشمن کے مقابلہ میں چلا جائے اور ہر گروہ بطور خود اپنی باقی نماز پوری کرے ۔ یہ حکم اس وقت کے لئے ہے جب سب لوگ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھنا چاہیں اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ممکن ہو ورنہ دو جماعتیں کرلی جائیں ۔ ایک گروہ کو ایک امام نماز پڑھادے اور دوسرے گروہ کو دوسرا امام نماز پڑھادے ۔ اگر جماعت کے ساتھ نماز اداکرنا ممکن نہ ہو تو پھر ہر شخص تنہا یا جس طرح ممکن ہو نماز پڑھ لے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۵۰/ ۲) ۔

اگر بارش کی وجہ سے ہتھیار ساتھ رکھنے میں زحمت ہو یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار نہ اٹھا سکو تو ایسی صورتوں میں ہتھیار اتار کر رکھدینے میں کوئی حرج نہیں مگر پھر بھی اپنے بچاؤ اور حفاظت کے لئے احتیاط ضروری ہے ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے ، دنیا میں قتل ، قید وغیرہ کی شکل میں اور آخرت میں دوزخ ۔

ذکر اللہ کی تاکید

۱۰۳ ۔ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ۝

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو کھڑے ہوئے ، بیٹھے ہوئے ، اور لیٹے ہوئے ۔ پھر جب تمہیں اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو ۔ بیشک مسلمانوں پر نماز ، مقررہ اوقات میں فرض ہے ۔

قَضَيْتُمْ ۔ تم ادا کر چکو ۔ تم پڑھ چکو ۔ تم پورا کر چکو ۔ قَضَاءٌ سے ماضی ۔

جُنُوْبِكُمْ ۔ تمہارے پہلو ۔ واحد جَنْبٌ ۔
مَوْقُوْتًا ۔ مقرر کیا ہوا وقت ۔ وَقْتٌ سے اسم مفعول ۔

تشریح ۔ پھر جب تم نماز خوف پڑھ چکو تو کھڑے کھڑے ، بیٹھے بیٹھے یا لیٹے ہوئے ، غرض ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو ، اس کی تسبیح و تحمید اور تکبیر و تہلیل میں لگے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی سے خوف دور ہو کر دلوں کو سکون و اطمینان حاصل ہوتا ہے ۔ جب سفر اور خوف کی حالت ختم ہو جائے اور تمہیں امن و سکون حاصل ہو جائے تو پھر معمول کے مطابق اطمینان و سکون سے ، تمام ارکان و شرائط کی پابندی کے ساتھ پوری نماز ادا کرو ۔ کیونکہ نماز کو مقررہ اوقات میں ادا کرنا مسلمانوں پر فرض ہے ۔

حضرت عبد اللہؓ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ظہر کا وقت زوال آفتاب سے (شروع ہو کر) اس وقت تک رہتا ہے کہ ہر چیز کا سایہ اس کی لمبائی تک ہو جائے ، جب تک عصر نہ آ جائے ۔ اور عصر کا وقت اس وقت تک ہے کہ دھوپ زرد نہ ہو جائے اور مغرب کا وقت اس وقت تک ہے کہ شفق نہ چھپ جائے اور عشاء کا وقت آدھی رات تک ہے ۔ اور فجر کا پو چھٹنے سے اس وقت تک ہے کہ سورج بر آمد نہ ہو جائے ۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۸۸۲ ، ۸۸۰ / ۲) ۔

دشمن کا تعاقب

۱۰۴ ۔ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۔ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۔ وَ تَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔

اور ان کا تعاقب کرنے میں ہمت نہ ہارو ۔ اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو وہ بھی ویسی ہی تکلیف اٹھاتے ہیں جیسی تم اٹھاتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ سے جو امید رکھتے ، ہو وہ نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔

تَهِنُوْا ۔ تم ہمت ہارو ۔ تم کمزور پڑ جاؤ ۔ تم سست ہو جاؤ ۔ وَهْنٌ سے مضارع ۔
تَاْلَمُوْنَ ۔ تمہیں تکلیف ہوتی ہے ۔ تم بے آرام ہوتے ہو ۔ اَلَمٌ سے مضارع ۔

تَرْجُوْنَ ۔ تم امید رکھتے ہو ۔ رَجَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جہاد ایسی عظیم عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے نماز میں تخفیف کی اجازت دی گئی ۔ لہذا اس عظیم عبادت کے حصول و برکات کا تقاضا ہے کہ کافروں کا تعاقب کرنے میں سستی نہ کی جائے ۔ اگر تم زخموں کی تکلیف محسوس کرتے ہو تو وہ بھی تمہاری طرح زخمی ہیں ۔ اور جب وہ اپنے زخموں کی پرواہ نہیں کرتے اور تم پر برابر حملے کئے جا رہے ہیں ، تو تم اپنے زخموں پر صبر کیوں نہیں کرتے ۔ حالانکہ تمہیں تو زیادہ صبر کرنا چاہئے کیونکہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے جس اجر و ثواب کی امید ہے وہ کافروں کو نہیں ۔ لہذا تمہاری تکلیف ان کی تکلیف سے کم ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور نیتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ تمہیں جو بھی احکام دیتا ہے وہ ان کی مصلحتوں سے بھی خوب واقف ہے ۔ (مظہری ۸۸۵/ ۲) ۔

خائن کی طرفداری کی ممانعت

۱۰۵ ، ۱۰۹ ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْکَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ اللّٰهُ ۔ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۔ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۔ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۔ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ق فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۔

بیشک ہم نے آپ پر سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان

اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھا دیا ہے ۔اور آپ خیانت کرنے والوں کی طرفداری نہ کریں اور آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا (اور) مہربان ہے ۔ اور جو لوگ اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں ، آپ ان کی طرف سے جھگڑا نہ کریں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی دغا باز گنہگار کو پسند نہیں کرتا ۔ وہ (شرم کے مارے) لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپتے حالانکہ جب وہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے ۔ اور جو کچھ وہ کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے ۔ ہاں تم دنیا میں تو ان کی طرف سے جھگڑتے ہو (مگر) قیامت میں ان کی طرف سے کون جھگڑے گا یا کون ان کا وکیل بنے گا ۔

خَصِیْمًا ۔ سخت جھگڑالو ۔ خَصْمٌ سے فعیل کے وزن پر مبالغہ ۔ جمع خِصَامٌ ۔
خَوَّانًا ۔ بہت خیانت کرنے والا ۔ بڑا دغا باز ۔ **خِیَانَۃٌ** سے مبالغہ ۔
یَسْتَخْفُوْنَ ۔ وہ چھپتے ہیں ۔ وہ پوشیدہ رہتے ہیں ۔ **اِسْتِخْفَاءٌ** سے مضارع ۔
یُبَیِّتُوْنَ ۔ وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں ۔ **تَبْیِیْتٌ** سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ حضرت قتادہؓ بن نعمان سے روایت ہے کہ بنو ابیرق قبیلے کے ایک گھر میں تین بھائی تھے ۔ جن کے نام بشر ، بشیر اور مبشر تھے ۔ بشیر ایک منافق شخص تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا ۔ پھر ان اشعار کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے پڑھتا تھا ۔ صحابہ کرام جانتے تھے کہ یہی خبیث ان اشعار کو بنانے والا ہے ۔ یہ لوگ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں محتاج اور فاقہ زدہ تھے ۔ (اس زمانے میں) اہل مدینہ کی عام غذا جو اور کھجوریں تھیں ۔ مال دار لوگ شام سے آنے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید کر اپنے لئے رکھ لیتے ۔ باقی لوگ عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے تھے ۔

میرے چچا رفاعہ بن زید نے بھی شام سے آنے ہوئے قافلے سے میدے کی ایک بوری خرید کر اپنے بالا خانہ میں محفوظ کر لی ، جہاں ہتھیار ، زرہیں ، تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھیں ۔ رات کو کسی نے نیچے سے نقب لگا کر آٹا اور ہتھیار چرالئے ۔ صبح کو میرے چچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا ۔ جب ہم نے پوچھ گچھ کی تو پتہ چلا کہ آج رات کو بنو اُبیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھا پکا رہے تھے غالباً وہ تمہارا ہی آٹا ہوگا ۔ اس

سے پہلے جب ہم پوچھ گچھ کر رہے تھے تو بنو اُبَیرِقِ نے کہاکہ خدا کی قسم ہمارے خیال میں یہ حرکت لبیدؓ بن سہل کی ہے ۔ ہم جانتے تھے کہ لبید بن سہل بڑا نیک اور دیانتدار مسلمان تھا جب حضرت لبیدؓ کو خبر ملی تو وہ تلوار سونت کر بنو اُبَیرِقِ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا تو تم مجھے چور ثابت کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا ۔ بنو اُبَیرِقِ نے حضرت لبیدؓ کی برات کی اور ان سے معافی مانگ لی ۔ پس وہ واپس چلے گئے ۔

ہم سب پوری تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق نے کی ہے ۔ میرے چچا نے مجھ سے کہاکہ تم جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کر دو ۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر سارا واقعہ عرض کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ آپؐ ہمارے ہتھیار دلوادیجئے ۔ آٹے کی ضرورت نہیں ۔ آپؐ نے مجھے اطمینان دلایا کہ میں اس کی تحقیق کروں گا ۔ جب بنو ابیرق کو یہ خبر ملی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپؐ کے پاس بھیجا جس کا نام اسیدؓ بن عروہ تھا ۔ انہوں نے آکر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتادہؓ بن نعمان اور اس کے چچا نے ہمارے کنبہ کے کچھ نیک مسلمانوں پر گواہ اور ثبوت کے بغیر چوری کی تہمت لگائی ہے ۔

حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تم بہت بُرا کررہے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں پر چوری کی تہمت لگا رہے ہو ۔ میں چپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان اور پریشان تھا کہ کاش میں اس مال سے چپ چاپ دست بردار ہو جاتا اور آپؐ سے اس کا ذکر ہی نہ کرتا تو اچھا تھا ۔ اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھاکہو تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کر دیا جسے سن کر انہوں نے کہا اَللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ ۔ (اللہ ہی مدد کرنے والا ہے) اس پر یہ نو آیتیں ۱۰۵ ۔ ۱۱۳ تک نازل ہوئیں ۔ (ابن کثیر ۵۵۱/ ۱ ، مظہری ۸۸۵ ، ۸۸۶/ ۲) ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایاکہ یہ قرآن جو ہم نے آپؐ پر اتارا ہے وہ سرا سر حق ہے اس کی خبریں بھی حق ہیں اور اس کے فرمان بھی حق تاکہ آپؐ اس علم و معرفت کے مطابق لوگوں کے فیصلے کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دیاہے ۔ اور خیانت کرنے والوں کی طرفداری نہ کریں اور لا علمی اور بے خبری کی حالت میں اصل واقعہ معلوم نہ ہونیکی وجہ سے محض ظاہری حالات اور قرائن کی بنا پر چوری کے معاملے میں بنو اُبَیرِقِ کی طرف آپؐ کا جو رجحان ہو گیا تھا اس پر آپؐ اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں

کیونکہ بنو ابیرق جیسے خائن لوگوں کی برأت کا تصور بھی گناہ اور قابل استغفار ہے ۔

اگرچہ یہاں استغفار کا حکم بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حقیقت میں آپؐ کو ان لوگوں کے لئے استغفار کرنے کے لئے کہا گیا ہے جنہوں نے حسن ظن کی بنا پر ابیرق کو سچا اور بَری سمجھ لیا تھا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے ۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ آئندہ بھی خیانت کرنے والوں کی طرف سے کوئی جواب دہی نہ کریں کیونکہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان دغا بازوں اور گنہگاروں کو پسند نہیں کرتا ۔ یہ دغا باز اپنی خیانتوں کو اپنے ہی جیسے دوسرے لوگوں سے تو چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتے کیونکہ وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ تھا جب وہ رات کو آپس میں ایسی باتوں کے مشورے کر رہے تھے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ۔ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اپنا گناہ دوسروں کے ذمہ لگادیں ۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔ اس پر تمہاری کوئی بات پوشیدہ نہیں ۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن سے پوری طرح باخبر ہے ۔

پھر بنو ابیرق کے حامیوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ہی ایسے نادان اور نا سمجھ لوگ ہو کہ تم ان خیانت کرنے والوں کی طرف سے دنیاوی زندگی میں تو جھگڑ لئے اور ان کو خیانت کے الزام سے بَری کرالیا مگر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کون ان کی حمایت کرے گا ۔ (ابن کثیر ۵۵۲/ ۱ ، مظہری ۸۸، ۸۹/ ۲) ۔

توبہ کی قبولیت

۱۱۰ ۔ ۱۱۲ ۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ۔

اور جس نے بُرا کام کیا یا اپنے اوپر ظلم کیا ، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے تو وہ اللہ کو بھی معاف کرنے والا مہربان پائے گا ۔ اور جو

کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہی گناہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو (سب کی) خبر اور حکمت معلوم ہے ۔ اور جو کوئی خطاء یا گناہ کرے پھر وہ اس کو کسی بے گناہ کے ذمہ لگا دے تو اس نے ایک بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے اوپر لے لیا ۔

یَرْمِ ۔ وہ تہمت لگاتا ہے ۔ وہ عیب لگاتا ہے ۔ رَمْیٌ سے مضارع ۔
بَرِیًّا ۔ بے تعلق ۔ بے زار ۔ بری ۔ بَرَاءَۃٌ سے اسم فاعل کے معنی میں ۔
اِحْتَمَلَ ۔ اس نے اٹھایا ۔ اس نے اپنے ذمہ لے لیا ۔ اِحْتِمَالٌ سے ماضی ۔
بُھْتَانًا ۔ بہتان ۔ صریح جھوٹ ۔

تشریح ۔ جو شخص ان خائنوں کی وکالت و حمایت سے توبہ کر لے ، اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو شخص ایسا بُرا کام کرے جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے جیسے چوری کرنا اور کسی پر تہمت لگانا یا کوئی ایسا کام کرے جس کا ضرر اس کی ذات تک محدود رہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا ۔ لہذا جن لوگوں سے یہ گناہ سرزد ہوا تھا اگر وہ باز آ جائیں اور دل سے توبہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا ۔

اور جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے کیونکہ اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور اس کے گناہ کی سزا اسی کو ملے گی ، اس کے بدلے میں کسی اور کو سزا نہیں مل سکتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے ۔

جس نے کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ کر کے ، اس پر شرمندہ اور تائب ہونیکی بجائے ، اپنے اس گناہ کو کسی بے گناہ کے ذمہ لگایا تو اس نے اپنے اوپر دو گناہ لازم کر لئے ایک تہمت کا دوسرا وہ گناہ جس کا اس نے حقیقی طور پر ارتکاب کیا ہے ۔ اس طرح اس نے نفع کی بجائے اپنے نقصان میں اضافہ کر لیا ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۵۶ ، ۱۵۷ / ۲)

آپ پر اللہ کا خاص فضل

۱۱۳ ۔ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۔ وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۔

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان (منافقوں) میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا اور وہ گمراہ نہیں کر رہے مگر اپنے آپ کو اور وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔ اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل کی اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل رہا ہے ۔

لَهَمَّتْ ۔ البتہ اس نے ارادہ کیا ۔ **هَمٌّ** سے ماضی ۔
طَآئِفَةٌ ۔ گروہ ۔ جماعت ۔
يَضُرُّوْنَكَ ۔ وہ تجھے ضرر پہنچائیں گے ۔ وہ تجھے نقصان پہنچائیں گے ۔ وہ تجھے تکلیف پہنچائیں گے ۔ **ضَرٌّ** سے مضارع ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت آپ کے ساتھ ہے ۔ اس نے وحی کے ذریعہ آپ کو واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کر دیا ورنہ منافقوں کا یہ گروہ اپنی چرب زبانی سے آپ کو غلطی میں مبتلا کر دیتا ۔ یہ لوگ آپ کو ہرگز کسی غلطی میں نہیں ڈال سکتے بلکہ یہ تو خود ہی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ لوگ آپ کو کسی قسم کا نقصان بھی نہیں پہنچاسکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہے ۔ اسی نے آپ پر کتاب و حکمت اور دانشمندی کی باتیں نازل فرمائی ہیں اور اسی نے آپ کو غیب کی بہت سی خبروں پر مطلع کیا جن کا آپ کو پہلے سے کوئی علم نہیں تھا ۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی فضل اور مہربانی ہے اور ظاہر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور مہربانی ہو اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتا ۔

بھلائی کا اجر

۱۱۴ ۔ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ

اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ
ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ؕ

(آپ کے خلاف) ان کے اکثر مشوروں میں کوئی خیر نہیں سوائے اس
کے جس نے خیرات یا کسی نیک کام یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم دیا۔
اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے یہ کام کرے گا سو ہم عنقریب اس
کو اجر عظیم دیں گے۔

نَجْوٰھُمْ ۔ ان کی سرگوشیاں۔ ان کا مشورہ کرنا۔ اسم بھی ہے اور مصدر بھی ہے۔
اِبْتِغَآءَ ۔ چاہنا۔ تلاش کرنا۔ مصدر ہے۔
مَرْضَاتِ ۔ رضا مندی۔ خوشنودی۔ رِضیً سے مصدر میمی۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ محض چند روزہ دنیاوی فائدے کے لئے ایسی باہمی تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں جن میں آخرت کی فکر اور انجام پر غور و خوض نہ ہو تو ان میں کوئی خیر نہیں سوائے اس کے کہ ان مشوروں اور سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو صدقہ و خیرات کی ترغیب یا نیکی کا حکم یا لوگوں میں باہم صلح کرانے کا مشورہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ انسان کا ہر کام اس کے لئے مضر ہی ہے سوائے اس کے کہ اس کے کلام میں اللہ کا ذکر ہو یا امر بالمعروف یا نہی عن المنکر ہو۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ جو شخص مذکورہ امور (یعنی صدقہ و خیرات کی ترغیب یا نیکی کا حکم یا لوگوں میں باہم صلح کرانے) میں سے کسی امر کے کرنے کا مشورہ دے گا اور اس میں اس کی کوئی نفسانی غرض شامل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ جس کے مقابلے میں دنیا کا سارا مال و متاع حقیر ہے۔ (معارف القرآن ۵۳۵ ، ۵۳٦ / ۲)۔

اجماع امت

۱۱۵ ۔ وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُ الْھُدٰی
وَ یَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّہٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِہٖ
جَھَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ؕ

اور جو کوئی ہدایت ظاہر ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلے گا تو ہم بھی اس کو اسی راستہ پر چلائیں گے اور ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے ۔ اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے ۔

یُّشَاقِقِ ۔ وہ مخالفت کرتا ہے ۔ شِقَاقٌ و مُشَاقَۃٌ سے مضارع ۔

نُوَلِّہٖ ۔ ہم اس کو متوجہ کریں گے ۔ ہم اس کو پھیر دیں گے ۔ تَوْلِیَۃٌ سے مضارع ۔

نُصْلِہٖ ہم اس کو داخل کریں گے ۔ اِصْلَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ اس آیت میں دو باتیں بتائی گئی ہیں جو جُرمِ عظیم بھی ہیں اور جہنم میں لیجانے کا سبب بھی اور جہنم تو بہت ہی بُری جگہ ہے ۔

۱ ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ، کفر اور وبال عظیم ہے ۔

۲ ۔ جس کام پر سب متفق ہوں اس کو چھوڑ کر ان کے خلاف کوئی نیا راستہ اختیار کرنا ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے یعنی جس طرح قرآن و سنت کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا واجب ہے اسی طرح جس چیز پر امت کا اتفاق ہو جائے اس پر عمل کرنا بھی واجب ہے ۔ اور اس کی مخالفت گناہ عظیم ہے ۔ بیہقی اور ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے بکھرا وہ بکھر کر دوزخ میں گیا ۔ (مظہری ۲/۳۸۵) ۔

شریعت کے چار اصول ہیں ۔

۱ ۔ کتاب اللہ ۔ ۲ ۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۳ ۔ اجماع امت ۔ ۴ ۔ قیاس ۔

اِجماعِ امت ۔ لغت میں اجماع کے معنی اتفاق رائے کے ہیں ۔ اور شریعت کی اصطلاح میں ایک زمانے میں مجتہدین ، علماء ، ربانیین اور راسخین فی العلم کا کسی دینی امر پر اتفاق رائے کر لینے کا نام اجماع امت ہے ۔ جس طرح قرآن و حدیث حجت ہیں اسی طرح اجماع بھی حجت ہے ۔ اجماع کی حجیت کتاب و سنت ، اجماع امت اور قیاس عقلی سے ثابت ہے ۔ منجملہ ان قرآنی آیات کے جن سے علماء نے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ، مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۱۵ بھی ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے یا مسلمانوں کا طریقہ چھوڑ کر کوئی اور طریقہ اختیار کرے تو اس کا

انجام جہنم ہے ۔

خلفائے راشدین اور خصوصاً حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو جو صحابہ اہل الرائے اور اہل فقہ تھے ان کو جمع کر کے مشورہ کرتے اور جس پر وہ متفق ہو جاتے اسی کے مطابق حکم صادر فرماتے۔

قیاسِ عقلی اور فطری کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اجماع کو حجت مانا جائے ۔ خصوصاً اس زمانے میں تو کثرت رائے ایک مسلّم اصول بن گیا ہے ۔ اگر سو میں سے ۴۹ ایک طرف ہوں اور ۵۱ ایک طرف تو ۵۱ والی رائے کو اختیار کیا جاتا ہے ۔ اور ۴۹ والی رائے کو محض ایک شخص کی رائے کی کمی کی وجہ سے چھوڑ دیا جاتا ہے ۔ اگر کسی بات پر سو کے سو متفق ہوں اور ایک رائے بھی اس کے خلاف نہ ہو تو وہ بات بدرجۂ نہایت صحیح اور پختہ سمجھی جاتی ہے ۔

اجماع اور کثرت رائے میں فرق یہ ہے کہ آجکل اسمبلیوں میں محض کثرت رائے یا اتفاق رائے سے فیصلہ ہوتا ہے ۔ اجماع شرعی میں شرط یہ ہے کہ رائے دینے والے علماء ، صلحاء اور اتقیاء ہوں ۔ ہر کس و ناکس کی رائے کا اعتبار نہیں ۔ دنیا کا مسلّم اصول ہے کہ علاج کے متعلق اطباء کا متفقہ فیصلہ اور تعمیر کے متعلق انجنیئروں کا متفقہ فیصلہ حجت اور سند ہے ۔ اسی طرح شرعی معاملات میں علماء کا اتفاق حجت ہے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۵۸/ ۲) ۔

مشرک کا انجام

۱۱۶ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ۔

بلا شبہ اللہ تعالیٰ اس کو تو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا جس (گناہ) کو چاہے گا معاف فرمادے گا اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ۔

ربطِ آیات ۔ گزشتہ آیات میں مومن کے قتل پر شدید وعید تھی اس کے بعد یہ بتایا گیا کہ احکام شرعیہ کے اجراء کے لئے مومن کا صرف ظاہری اسلام کافی ہے ۔ پس جو شخص اسلام کا اظہار کر دے اس کے قتل سے ہاتھ روکنا واجب ہے ۔ محض شک و شبہ کی بنا پر قتل کرنا جائز نہیں ۔ اس کے بعد جہاد اور ہجرت کی ترغیب اور سعادت دارین کا وعدہ اور جہاد کے دوران دشمن کے خوف اور سفر کی رعایت سے نماز میں تخفیف کی سہولت کا بیان ہے ۔ پھر منافقوں کے ایک شر انگیز واقعہ کا بیان اور خیانت کرنے والے کی حمایت کرنے سے منع کیا گیا اگر چہ وہ کلمہ گو ہی ہو اور یہ بتایا گیا کہ مقدمات کا فیصلہ عدل و انصاف سے ہونا چاہئے ۔ یہاں شرک کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ توبہ کے بغیر کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوگا ۔ البتہ شرک و کفر کے علاوہ دوسرے گناہ اگر اللہ چاہے تو ، توبہ کے بغیر بھی معاف فرمادے گا ۔

تشریح ۔ یہاں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ گناہوں میں شرک ایسا سخت گناہ ہے کہ اس کی سزا ابدی جہنم ہے ۔ یہ توبہ کے بغیر ہرگز معاف نہیں ہوگا ۔ البتہ شرک کے علاوہ جتنے گناہ ہیں خواہ وہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ، قصداً کئے ہوں یا غلطی سے ان میں سے اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہے توبہ کے بغیر بھی اپنی رحمت سے معاف فرمادے گا ۔

کائنات کی مخلوقات و مصنوعات پر غور و فکر کر کے عقلمند آدمی کہہ سکتا ہے کہ اس تمام عالم اور کائنات کو پیدا کرنے والی ایک ہی ذات ہے اور وہی اللہ تعالیٰ ہے ۔ تمام مخلوقات ، خواہ وہ نبی ہوں یا ولی ، فرشتے ہوں یا جن ، چاند و سورج ہوں یا بحروبر ، سب کے سب اپنی ذات و کمالات میں ، ہر وقت اسی کے دست نگر اور محتاج ہیں ۔ پھر جو کوئی ممکنات (مخلوقات) میں سے کسی کو اس کی خدائی میں شریک کرے تو اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا ۔ لہٰذا ایسے سنگین جرم کی معافی توبہ و استغفار سے نہیں ہوگی ۔ (حقانی ۲۴۳ / ۲) ۔

مشرکین کی جہالت

۱۱۷ ۔ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ۙ

یہ مشرک تو اللہ کے سوا عورتوں ہی کو پکارتے ہیں ۔ اور یہ مشرک صرف سرکش شیطان ہی کی عبادت کرتے ہیں ۔

یَدْعُوْنَ ۔ وہ دعا کرتے ہیں ۔ وہ پکارتے ہیں ۔ دُعَاءٌ و دَعْوَةٌ سے مضارع ۔
مَرِیْدًا ۔ سرکش ۔ اللہ تعالیٰ کا نا فرمان ۔ مَرْدًا و مُرَادَةٌ سے صفت مشبہ ۔

تشریح ۔ یہاں مشرکوں کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں ۔ ایک تو وہ جو اپنے بزرگوں اور ملائکہ وغیرہ کو ایک خیالی صورت دیکر مثلاً پتھر یا کسی اور چیز کی کوئی شکل بنا کر پوجتے ہیں ۔ اور پوجنے کے لئے جن کی خیالی تصویریں بناتے ہیں ان کو دعاء کے وقت حاضر جانتے ہیں ۔ یہ ان کی نادانی کی انتہا ہے ۔

دوسرے وہ جو تصویر یا بت تو نہیں بناتے بلکہ جن ، بھوت ، ملائکہ وغیرہ کو عالم کا مدبّر کارکن سمجھ کر ان کو پوجتے ہیں اور نذر و نیاز کر کے ان کو پکارتے ہیں اور ان کو خدا سمجھتے ہیں ۔ ان لوگوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ اپنے نزدیک جن ، بھوت اور فرشتوں کو موجود اور حاضر جان کر پوجتے ہیں مگر وہاں سرکش شیطان کے سوا جس پر اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اور کوئی نہیں ہوتا ۔ شیطان کی حقیقت یہ ہے کہ نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو دھتکار دیا ہے ۔(حقانی ۲/۲۴۳)۔

شیطان کے عزائم

۱۱۸ ۔ ۱۲۱ ، لَّعَنَهُ اللّٰهُ م وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۔ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۔ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۔ يَعِدُهُمْ وَ يُمَنِّيْهِمْ ۔ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۔ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ز وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ۔

اللہ نے اس (شیطان) پر لعنت کر دی ہے ۔ اور وہ کہہ چکا ہے کہ میں تیرے بندوں سے (اپنی اطاعت کا) ایک مقررہ حصہ ضرور لوں گا ۔ اور میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا اور میں ان کو ضرور امیدیں دلاؤں گا کہ وہ اللہ

کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں ۔ اور جس نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنا لیا تو وہ صریح نقصان میں پڑ گیا ۔ وہ (شیطان) ان سے وعدے کرتا ہے اور ان کو امیدیں دلاتا ہے ۔ اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ سب فریب ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ وہاں سے نکل جانے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے ۔

يُبَتِّكُنَّ ۔ وہ ضرور تراشیں گے ۔ وہ ضرور کاٹیں گے ۔ **تَبْتِيْكٌ** سے مضارع ۔

اٰذَانَ ۔ کان ۔ واحد **اُذُنٌ** ۔

غُرُوْرًا ۔ فریب ۔ جھوٹا وعدہ ۔ مصدر ہے ۔

مَحِيْصًا ۔ پناہ گاہ ۔ بھاگنے کی جگہ ۔ حَيْصٌ سے اسم ظرف مکان ۔

تشریح ۔ ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ شیطان نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ میں تیرے بندوں کو گمراہ کرنے کا اپنا مقررہ حصہ ضرور لوں گا ۔ وہ میرے کہنے پر چلیں گے اور میں ان کے دلوں میں وسوسے ڈال کر ان کو ضرور راہ راست سے گمراہ کروں گا ۔ اور ان کو طرح طرح کی باطل آرزوئیں اور امیدیں دلاؤں گا ۔ کہ نہ قیامت ہوگی ، نہ عذاب ہوگا اور زندگی بہت طویل ہے وغیرہ اور میں ان کو ایسی تعلیم دوں گا کہ وہ بتوں کی قربانی کے لئے جانوروں کے کان کاٹا کریں گے جیسا کہ مشرکین عرب اپنے خیالی معبودوں کی نذر و نیاز اور قربانی کے لئے جانوروں کے کان کاٹ ڈالتے تھے ۔ میں ان کو یہ بھی سکھاؤں گا کہ وہ مخلوق الہیٰ میں تغیر کریں خواہ یہ تغیر صورت کے اعتبار سے ہو یا حالت کے لحاظ سے ۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رب بنائے گا اور اللہ کے حکم کو چھوڑ کر شیطان کے حکم پر عمل کرے گا تو وہ کھلا ہوا نقصان اٹھائے گا اور جنت کے عوض دوزخ حاصل کرے گا ۔

شیطان لوگوں کے دلوں میں فاسد خیالات پیدا کرتا ہے اور اپنے دوستوں کے ذریعہ ایسے وعدے کراتا ہے جن کو وہ کبھی پورا نہیں کرتا اور شیطان کا وعدہ تو محض فریب ہی ہوتا ہے ۔ وہ نفع بخش کام کو نقصان دہ بتاتا ہے اور تمہیں افلاس سے ڈراتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو گے یا رشتہ داروں کو دو گے تو محتاج ہو جاؤ گے پس جو لوگ شیطان کے کہنے پر عمل کرتے ہیں انہی لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے ۔ یہ اس سے چھٹکارا نہیں پائیں گے ۔ (حقانی ۲۰۳ ، ۲۰۵ / ۲ ، مظہری ۸۹۳ ۔ ۸۹۶ / ۲) ۔

مومنوں کے لئے اللہ کا وعدہ

۱۲۲ ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ، ہم ان کو بہت جلد ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ۔ اور اللہ سے زیادہ کون بات کا سچا ہو سکتا ہے ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں نیک لوگوں کا حال بیان کیا ہے کہ جو لوگ مجھے دل سے مانتے ہیں ، میری تابعداری کرتے ہیں ، میرے احکام پر عمل کرتے ہیں اور میری منع کی ہوئی چیزوں سے باز رہتے ہیں ، میں انہیں اپنی نعمتیں دوں گا اور انہیں ایسی جنتوں میں لیجاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ۔ وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ وہاں کی نعمتیں نہ کبھی کم ہوں گی اور نہ ختم ہوں گی ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل اور سچا وعدہ ہے ۔ اور یقیناً ہونے والا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے کہ سب سے سچی بات اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایت ہے ۔ اور تمام کاموں میں سب سے بُرا کام دین میں نئی نکلی ہوئی بات ہے ۔ اور ہر ایسی بات کا نام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے ۔ (ابن کثیر ۵۵۶ / ۱) ۔

بُرائی کا بدلہ

۱۲۳ ۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

(آخرت کی فلاح) نہ تو تمہاری آرزؤں پر (موقوف) ہے اور نہ اہل

کتاب کی خواہشوں پر بلکہ جو کوئی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا ۔
اور وہ اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا اور نہ مدد گار ۔

اَمَانِیِّکُمْ ۔ تمہاری آرزوئیں ۔ تمہاری تمنائیں ۔ واحد **اُمْنِیَّۃٌ** ۔
سُوْٓءًا ۔ بُرائی ۔ گناہ ۔ آفت ۔
وَلِیًّا ۔ دوست ۔ مدد گار ۔ **وَلَایَۃٌ** سے صفت ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے کہا تھا کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا ۔ اور قریش نے حشر و نشر کا ہی انکار کر دیا تھا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔ (جلالین ۲۹۴ ، مظہری ۸۹۷/ ۲) ۔

ابن جریر نے مسروق کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک مباحثہ سے متعلق ہوا جس میں دونوں گروہ ایک دوسرے پر اپنی فضیلت کا دعویٰ کر رہے تھے ۔

حضرت قتادہ کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ کچھ مسلمانوں اور اہل کتاب کے درمیان مفاخرت کی گفتگو ہونے لگی ۔ اہل کتاب نے کہا کہ ہم تم سے افضل ہیں کیونکہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے ہیں اور ہماری کتاب بھی تمہاری کتاب سے پہلے ہے لہذا ہم تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ تقرب رکھتے ہیں ۔ مسلمانوں نے کہا کہ ہم تم سے افضل و اشرف ہیں کیونکہ ہمارے نبی خاتم النبیین ہیں اور ہماری کتاب آخری کتاب ہے اور ہماری کتاب نے پہلی تمام کتابوں کو منسوخ کر دیا ہے ۔ ہمارا ایمان تمہاری کتاب پر بھی ہے مگر تمہارا ایمان ہماری کتاب پر نہیں ۔ اس لئے ہم افضل ہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ جلالین ۲۹۵ ، مظہری ۸۹۹/ ۲) ۔

تشریح ۔ مشرکین مکہ میں سے بعض لوگ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ حشر و نشر کچھ نہ ہوگا اور بعض کہتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفارش کریں گے اور بعض کہتے تھے کہ اگر تمہارے خیال کے مطابق ہم دوبارہ زندہ بھی ہو گئے تب بھی ہم تم سے اچھے حال میں ہوں گے ۔ اسی طرح یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب اور بیٹے ہیں ۔ یہود و نصاریٰ کے سوا جنت میں کوئی نہیں جائیگا ۔ آگ تو ہمیں صرف چند روز چھوئے گی ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ محض خیالات ، تمناؤں اور دعووں سے

کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں ہوتی بلکہ فضیلت کا مدار ایمان اور نیک اعمال پر ہے اور عذاب و سزا، کفر و بد اعمالی سے وابستہ ہے۔ کسی کا نبی اور کتاب کتنی ہی افضل و اشرف کیوں نہ ہو، جو شخص گناہ کرے گا اس کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔ اور اس کو سزا سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔

یہ آیت صحابۂ کرام پر بہت شاق گزری۔ مسند احمدؒ میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نجات کیسے ہوگی؟ جبکہ ذرا ذرا سی بُرائی کی جزا ملے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اے ابو بکر یہ جزا وہی ہے جو کبھی تیری بیماری کی صورت میں ہوتی ہے، کبھی تکلیف کی صورت میں، کبھی صدمے اور رنج و غم کی صورت میں اور کبھی بلا و مصیبت کی شکل میں۔ (ابن کثیر ۵۵۰ / ۱)۔

مسند احمدؒ ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دور کرنے والے بکثرت نیک اعمال نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ اس پر غم ڈال دیتا ہے جس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (ابن کثیر ۵۵۸ / ۱)۔

ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کو دنیا میں جو بھی غم یا تکلیف یا بیماری یا فکر لاحق ہوتی ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے۔

نیک اعمال کا بدلہ

۱۲۴۔ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ۔

اور جو کوئی نیک کام کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر تل بھر بھی ظلم نہ کیا جائیگا

نَقِيْرًا کھجور کی گٹھلی کے اوپر کا چھلکا۔ وہ لمبوترا گڑھا جو کھجور کی گٹھلی پر ہوتا ہے۔ مراد حقیر ترین مقدار یا حقیر ترین چیز۔

شانِ نزول ۔ ابن جریرؒ نے مسروق کی روایت سے اور بغویؒ نے اعمش کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت **لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ** نازل ہوئی تو اہل کتاب نے کہا کہ ہم اور تم برابر ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۸۹۹ / ۲)۔

تشریح ۔ بد عملیوں کی سزا کے ذکر کے بعد اس آیت میں نیک اعمال کی جزا کا بیان ہے بدی کی سزا یا تو دنیا میں ہو جاتی ہے یا آخرت میں ملتی ہے ۔ بندے کے حق میں یہی بہتر ہے کہ برائیوں کی سزا اس کو دنیا میں مل جائے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت کی سزا سے محفوظ رکھے اور ہمارے ساتھ مہربانی اور درگزر کا معاملہ فرمائے ۔

اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کو پسند فرماتا ہے اور اپنے احسان و کرم اور فضل و رحم سے انہیں قبول فرماتا ہے ۔ وہ کسی مومن مرد و عورت کے کسی نیک عمل کو ضائع نہیں کرتا ۔ وہ مومنوں کو ان کے اعمال کے بدلے میں جنت عطا فرمائے گا ۔ خواہ وہ صالح ہوں یا فاسق کیونکہ فاسق مومن بھی کوئی نہ کوئی نیک عمل ضرور کرتا ہے ۔ کم از کم توحید کی شہادت تو دیتا ہی ہے ۔ اور ایمان کی سب سے اعلیٰ شاخ یہی ہے ۔ اس لئے اس آیت میں دونوں طرح کے مسلمانوں کو بشارت دی گئی ہے ۔ خواہ وہ نیک ہوں یا بد ۔ کسی مسلمان کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی ۔ اور نہ ہی عذاب میں بیشی ہوگی ۔

عمل کے مقبول ہونے کی شرائط

۱۲۵ ۔ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ اتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۔

اور اس شخص سے بہتر کس کا دین ہوگا جس نے اللہ کے آگے سر جھکا دیا ہو اور وہ نیک کاموں میں بھی لگا ہوا ہو اور یکسو ہو کر ملت ابراہیمی کی پیروی بھی کر رہا ہو ۔ اور اللہ نے (حضرت) ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا ہے ۔

مُحْسِنٌ ۔ اچھے کام کرنے والا ۔ فریضہ سے زیادہ ادا کرنے والا ۔ اِحْسَانٌ سے اسم فاعل ۔
حَنِيْفًا ۔ یکسو ہونے والا ۔ ایک طرف ہونے والا ۔ تمام باطل راستوں سے منہ موڑ کر راہ حق پر چلنے والا ۔
خَلِيْلًا ۔ خالص دوست ۔ دلی دوست ۔ خالص محبت والا ۔ خِلَّةٌ و خِلَالٌ سے صفت مشبہ ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے ، دکھاوے اور ریاکاری سے ہٹ کر اخلاص کے ساتھ صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے درست طریقہ پر (شریعت کے مطابق) عمل کرے تو اس کا عمل اور طریقہ سب سے اچھا ہوتا ہے ، اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو پسند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے پس کسی عمل کے مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں ۔ ایک اخلاص دوسرے عمل کا درست یعنی شریعت اور سنت کے مطابق ہونا ۔

اخلاص کا تعلق انسان کے باطن (قلب) سے ہے اور شریعت کی موافقت کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے ۔ اگر کسی شخص نے یہ دونوں شرطیں پوری کر لیں تو اس کا ظاہر و باطن درست ہوگیا اور اگر ان میں سے ایک شرط بھی کم ہے تو عمل فاسد ہو جائے گا ۔

لہذا کسی عمل کو کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو کس طرح کیا اور اس کے بارے میں کیا ہدایات دیں ۔ جو عمل سنت سے ہٹے گا وہ نا مقبول ہوگا ۔ اس لئے نماز ، روزہ ، حج و زکوٰۃ ، صدقات و خیرات ، ذکر اللہ اور درود و سلام سب میں اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو کس طرح کیا اور کس طرح کرنے کے لئے ارشاد فرمایا ۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو جو اعلیٰ درجے کے مخلص تھے ، اپنا خالص دوست بنالیا ۔ خلیل اللہ وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اس درجہ فنا ہو چکا ہو کہ طبعی اور فطری طور پر اس کا ارادہ ، اختیار اور رغبت اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہو جائے ۔ خلیل اللہ ہونا بارگاہ خداوندی میں تقرب کا اعلیٰ ترین مقام ہے اور یہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل تھا ۔

صحیحین میں حضرت ابو سعیدؓ خدری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں جو آخری خطبہ دیا تھا اس میں فرمایا ۔ اے لوگو ! اگر میں کسی کو اہل زمین میں سے اپنا خلیل بناتا تو ابو بکر بن ابی قحافہ کو اپنا خلیل بناتا لیکن تمہارا صاحب اللہ کا خلیل ہے ۔

حضرت جندبؓ بن عبداللہ ، حضرت عبداللہؓ بن عمر و بن عاص اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا ہے جس طرح (حضرت) ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنایا تھا ۔

ترمذی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلیل اللہ ہونے کے

علاوہ حبیب اللہ بھی تھے (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۳/ ۲ ۰ مظہری ۸۰۳ / ۸۴۳/ ۲) ۔

حقیقی حاکمیت

۱۲۶ ۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ۔

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے ۔ وہ جس وقت اور جس طرح اس میں تصرف کرنا چاہے تو وہ کسی کی شرکت و مدد اور مشورے و روک ٹوک کے بغیر کر گزرتا ہے ۔ کوئی اس کو اس کے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا ۔ کوئی نہیں جو اس کی مرضی کو بدل سکے یا اس کے حکم میں حائل ہو سکے ۔ وہ عظمتوں اور قدرتوں والا ۰ وہ عدل و حکمت والا ۰ لطف و مہربانی والا واحد و صمد خدا ہے ۔ اس کا علم دور و نزدیک والی ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے ۔ جو چیزیں ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں ۰ اس کے علم میں وہ سب ظاہر ہیں ۔ (ابن کثیر ۵۶۰/ ۱) ۔

عورت اور بچے کی وراثت

۱۲۷ ۔ وَ یَسْتَفْتُوْنَكَ فِی النِّسَآءِ ۔ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیْكُمْ فِیْهِنَّ ۙ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِیْمًا ۔

اور لوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں ۔ آپ کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان سے نکاح کی اجازت دیتا ہے اور قرآن میں جو حکم تمہیں سنایا جا چکا ہے وہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں بھی ہے جو بے بس ہیں اور تم یتیموں کے حق میں انصاف قائم رکھو اور تم جو کچھ بھی نیکی کروگے اللہ اس کو خوب جانتا ہے ۔

شانِ نزول ۔ ابن المنذر نے سعدؓ بن جبیر کی روایت سے بیان کیا کہ بالغ مرد ، نہ تو بچے کو وارثت کا مال دیتے تھے اور نہ عورت کو وراثت میں سے کچھ دیتے تھے ۔ جب سورہ نساء میں میراث کے تفصیلی احکام نازل ہوئے تو لوگوں پر یہ بات بہت شاق گزری اور کہنے لگے کہ کیابالغ مرد کی طرح بچہ اور عورت بھی وارث ہوں گے ۔ پھر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۹۰۶/ ۲) ۔

عبدالملک بن محمد حزم سے روایت ہے کہ عمرہ بنت حزم ، حضرت سعدؓ بن ربیع کی بیوی تھیں ۔ حضرت سعدؓ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے اور (اپنے پیچھے) عمرہ اور اپنی ایک لڑکی کو جو عمرہ کے بطن سے تھی چھوڑ گئے ۔ لڑکی اپنے باپ کی میراث طلب کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری حاشیہ ۹۰۶/ ۲) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ یتیموں ، عورتوں اور بچوں کے بارے میں جو حکم سورت کے شروع میں دیا جا چکا ہے وہ قطعی ہے ۔ اس میں کوئی تبدیلی یا تخفیف نہیں ہوگی ۔ لہٰذا اس پر عدل و انصاف اور دیانتداری سے عمل کرتے رہو ۔

اہلِ عرب ، عورتوں ، بچوں اور یتیموں کو بعض حقوق سے محروم رکھتے تھے مثلاً اگر یتیم لڑکیوں کے پاس مال کم ہوتا یا وہ حسین نہ ہوتیں تو ان کے ولی ان سے نکاح نہ کرتے اور اگر وہ مال دار اور صاحب جمال ہوتیں تو ان سے نکاح کی رغبت کرتے مگر چونکہ ان لڑکیوں کا کوئی اور وارث نہیں ہوتا تھا جو ان کے حقوق کا تحفظ کرتا ، اس لئے وہ ولی ان کے حقوق اور مہر میں کمی کرتے تھے ۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو مہر اور پورے حقوق دیئے بغیر نکاح سے روک دیا ہے ۔ لہٰذا ولی ایسی یتیم لڑکی سے جس سے اس کا نکاح حلال و جائز ہو ، اس شرط کے ساتھ نکاح کر سکتا ہے کہ جو مہر اس لڑکی کے قبیلے کی اس جیسی دوسری لڑکیوں کو دیا جاتا ہے ، ولی اس لڑکی کو ویسا ہی مہر دے ۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو اس کو اس

لڑکی سے نکاح نہیں کرنا چاہئے ۔
کبھی ایسا بھی ہوتا کہ یتیم لڑکی سے اس کا ایسا ولی جس کو اس سے نکاح حلال ہوتا ، کسی وجہ سے خود نکاح نہ کرتا اور پھر اس خیال سے کہ جب یہ لڑکی کسی دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو اس لڑکی کا مال جس پر اس ولی کا قبضہ ہے وہ بھی دوسرے کے پاس چلا جائے گا ، وہ ولی اس لڑکی کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا ۔ اس آیت میں ایسے بے جا فعل کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے ۔ (ابن کثیر ۵۶۱/ ۱) ۔
حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ اس آیت میں وہ یتیمہ مُراد ہے جو کسی شخص کی زیرِ تربیت ہو اور وہ شخص اس یتیمہ کا ولی ہو ۔ پھر اگر وہ لڑکی مالدار اور خوبصورت ہو تو اس سے نکاح کی رغبت کرے مگر اس کو مہر ، اس کے مہر مثل سے کم دے اور اگر وہ بد صورت یا نادار ہو تو اس سے نکاح نہ کرے (مظہری ۹۰۶ / ۲) ۔

زوجین کے درمیان صلح

۱۲۸ ۔ وَ اِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۔ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۔ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۔ وَ اِنْ تُحْسِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۔

اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی بد مزاجی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو آپس میں مصالحت کرنے میں ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور صلح بڑی اچھی بات ہے ۔ اور بخل تو سب ہی کی طبیعتوں میں ہوتا ہے ۔ اور اگر تم نیکی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے ۔

بَعْلِهَا ۔ اس کا شوہر ۔ اس کا خاوند ۔
نُشُوْزًا ۔ زیادتی کرنا ۔ مرد کا بیوی پر سختی کرنا ۔ مصدر ہے ۔
الشُّحَّ ۔ حرص ۔ لالچ ۔ وہ بخل جس میں حرص ہو اور جو عادت بن جائے ۔

شانِ نزول ۔ بخاری ، ابوداؤد اور حاکم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ترمذی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب حضرت سودہ زیادہ سن رسیدہ ہو گئیں

اور ان کو اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیں گے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دیتی ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری، ۲/۹۰)۔

حضرت محمدؓ بن مسلمہ کی صاحبزادی حضرت رافعؓ بن خدیج کے گھر میں تھیں۔ بڑھاپے یا کسی اور امر کی وجہ سے وہ انہیں چاہتے نہیں تھے یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر انہوں نے حضرت رافعؓ بن خدیج سے کہا کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں بلکہ آپ جو چاہیں مجھے منظور ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۲/۵۶۳)۔

تشریح ۔ عورتوں کے متعلق کچھ احکام سورت کے شروع میں گزر چکے ہیں۔ یہاں ان کے مزید احکام کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کی بد مزاجی یا بے التفاتی اور بے اعتنائی کا خطرہ محسوس کرے مثلاً عورت بد شکل ہو یا عمر رسیدہ ہو گئی ہو اور اس کو قرائن سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے یا دوسری بیوی کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں اگر میاں بیوی آپس میں خاص شرائط پر صلح کرلیں تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ مثلاً عورت اپنا نان و نفقہ اور باری معاف کردے یا کم کردے اور مرد طلاق دینے کی بجائے اس کو اپنے نکاح میں رہنے دے اس لئے کہ طلاق، علیحدگی اور آپس کے تنازع سے تو صلح ہی بہتر ہے۔ اس لئے نہ تو عورت کو اپنا پورا حق لینے کی ضد کرنی چاہئے اور نہ مرد اس کو جدا کرنے پر اصرار کرے۔

حرص اور بخل انسان کی فطرت میں رکھے گئے ہیں اسلئے مرد اور عورت میں سے ہر ایک اپنے لئے حریص اور بخیل ہے۔ اور کوئی بھی اپنے نفع میں کمی کیلئے تیار نہیں مگر آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی حرص اور بخل کو دبائے اور دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

پھر فرمایا کہ اگر تم احسان کا معاملہ کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو یعنی ناپسندیدگی کے باوجود عورت کو باری اور لین دین وغیرہ میں اس کا پورا حق دو تو یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور وہ اس پر بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۱۷۱، ابن کثیر ۱/۵۶۳)۔

بیویوں کے درمیان عدل

۱۲۹، ۱۳۰ ۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ

حَرَصْتُم فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۔ وَاِنْ تُصْلِحُوا وَ تَتَّقُوا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۔ وَ اِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ۔

اور تم عورتوں کے حقوق میں ہرگز عدل نہیں کر سکتے اگر چہ تم کتنا ہی چاہو ۔ پس تم ایک ہی کی طرف پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری درمیان میں لٹکتی رہے ۔ اور اگر تم صلح کر لو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔ اور اگر دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اپنی فراخ دستی سے غنی کردے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ وسعت والا (اور) حکمت والا ہے ۔

تَمِيلُوْا ۔ تم مائل ہو جاؤ ۔ تم جھک جاؤ ۔ مَيْلٌ سے مضارع ۔
فَتَذَرُوْهَا ۔ پس تم اس عورت کو چھوڑتے ہو ۔ وَذْرٌ سے مضارع ۔
مُعَلَّقَةِ ۔ معلق ۔ ادھر میں لٹکی ہوئی ۔ تَعْلِيْقٌ سے اسم مفعول ۔
سَعَتِهٖ ۔ اس کی وسعت ۔ اس کی گنجائش ۔ اس کی فراخی ۔

تشریح ۔ ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور پائدار بنانے کے لئے قرآن کریم نے فریقین کو جو ہدایات دی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کسی مرد کے نکاح میں ایک سے زیادہ عورتیں ہوں تو اس کے لئے اختیاری معاملات مثلاً شب باشی ، طرز معاشرت اور نفقہ وغیرہ میں ، سب بیویوں کے درمیان عدل و برابری قائم رکھنا ضروری ہے اور جو شخص اس فرض کو ادا نہ کر سکے یعنی سب بیویوں کے درمیان عدل و مساوات قائم نہ رکھ سکے تو اس کو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہئے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے بیویوں میں عدل و مساوات کی بہت تاکید فرمائی ہے اور اس کی خلاف ورزی پر سخت وعید سنائی ہے ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات میں برابری اور عدل کا پورا اہتمام فرمایا کرتے تھے اور ساتھ ہی بارگاہ جل شانہ میں عرض کیا کرتے تھے ۔ اے اللہ ! یہ میری منصفانہ تقسیم اور مساوات اس چیز میں ہے جو میرے اختیار میں ہے ، جو چیز آپ کے

اختیار میں ہے یعنی قلبی میلان و رجحان وغیرہ ، وہ میرے اختیار میں نہیں ۔ لہٰذا اس کے بارے میں مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا ۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کوشش کے باوجود سب بیویوں میں ، محبت و قلبی میلان کے بارے میں مساوات نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تمہارے اختیار میں نہیں ۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ جس بیوی کی طرف قلبی میلان ہو ، اختیاری معاملات میں بھی اسی کو ترجیح دینے لگو اور بالکل ایک ہی طرف کے ہو رہو ۔ اس طرح دوسری بیوی اُدھر میں لٹک کر رہ جائے گی یعنی نہ تو وہ بیوہ ہی ہے کہ کہیں نکاح کر سکے اور نہ خاوند والی ہے کہ شوہر ہی سے فائدہ اٹھا سکے ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے دو بیویاں ہوں اور وہ بالکل ایک ہی کی طرف مائل ہو جائے تو قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا ۔

پھر فرمایا کہ اگر تم اصلاح کر لو ، اختیاری معاملات میں بیویوں کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات قائم کرو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو ایسی صورت میں اگر کسی وقت تم کسی ایک بیوی کی طرف مائل ہو بھی گئے تو اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو معاف فرمادے گا ۔ اگر نباہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے اور دونوں علیحدگی اختیار کر لیں تو اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا ۔ عورت کو اس سے اچھا شوہر اور مرد کو اس سے اچھی بیوی دے گا ۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور حکمتیں بہت وسیع ہیں ۔ (معارف القرآن ۵۶۶ ، ۵۶۷/ ۲ ، ابن کثیر ۵۶۳/ ۱) ۔

وصیت و نصیحت

۱۳۱ ۔ ۱۳۴ ، وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ اِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۔ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۔ وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۔ وَكَفٰى بِا اللّٰهِ وَكِيْلاً ۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۔

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ اور ہم نے ان کو بھی حکم دیا تھا جنکو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی اور تمہیں بھی (حکم دیا ہے) کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اگر تم نا فرمانی کروگے تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور اپنی ذات میں محمود ہے ۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا کارساز ہونا کافی ہے ۔ اے لوگو ! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم سب کو سمیٹ لے جائے (فنا کردے) اور دوسروں کو لے آئے ۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے ۔ جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا و آخرت دونوں کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ (سب کچھ) سنتا اور دیکھتا ہے ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف اور مساوات و برابری کے جو احکام تمہیں دئے ہیں وہ تمہارے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ پہلی امتوں کو بھی ان احکام پر عمل کرنے کی تاکید کی گئی تھی ۔ پس اگر تم کفر کروگے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں ۔ وہ تو زمین و آسمان کا تنہا مالک ہے اور بہت ہی بے نیاز ہے ۔ مخلوق اور اس کی اطاعت کی اس کو چنداں ضرورت نہیں ۔ مخلوق خواہ اس کی حمد و ثنا کرے یا نہ کرے وہ بہر حال محمود ہے ۔ وہ اس پر قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانی کرو تو وہ تمہیں برباد کردے اور غیروں کو آباد کر دے ۔ اگر تم اس سے منہ موڑو گے تو تمہیں بدل کر تمہاری جگہ دوسری قوم کو لے آئیگا جو تم سے زیادہ اطاعت گزار ہوگی ۔

جو شخص اپنی تمام تر توانائیاں اور کوششیں صرف حصول دنیا کے لئے صرف کرتا ہے تو وہ جان لے کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں ۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں کا مالک ہے ۔ جب تو اس سے دنیا و آخرت دونوں طلب کرے گا تو وہ تجھے

دونوں دے گا ۔ کیونکہ تمام خزانوں کی کنجیاں اسی کی مٹھی میں ہیں ۔ جو جس کا مستحق ہو وہ اسے وہی دیتا ہے ۔ تم ذرا اس پر غور تو کرو کہ تمہیں دیکھنے اور سننے کی طاقت دینے والے کا دیکھنا اور سننا کیسا کچھ ہوگا ۔ (ابن کثیر ۵۶۵،۵۳۳ / ۱) ۔

انصاف قائم کرنے کی تاکید

۳۵ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ وَلَوْ عَلٰٓی اَنْفُسِکُمْ اَوِ الْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ ۚ اِنْ یَّکُنْ غَنِیًّا اَوْ فَقِیْرًا فَاللّٰہُ اَوْلٰی بِھِمَا قف فَلَا تَتَّبِعُوا الْھَوٰٓی اَنْ تَعْدِلُوْا ج وَ اِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ۔

اے ایمان والو ! انصاف پر قائم رہو ۔ اور خدا لگتی گواہی دو اگر چہ یہ (شہادت) خود تمہارے نفس یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ۔ اگر کوئی غنی یا فقیر ہے تو اللہ تعالیٰ سب سے بڑھکر ان کا خیر خواہ ہے ۔ پس تم انصاف کرنے میں خواہش نفس کی پیروی نہ کرو ۔ اور اگر تم گھما پھرا کر گواہی دو گے یا (گواہی سے) پہلو تہی کرو گے تو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے ۔

قَوّٰمِیْنَ ۔ قائم رہنے والے ۔ نگران ۔ قوم سے مبالغہ ۔ واحد **قَوَّامٌ** ۔
اَوْلٰی ۔ زیادہ قریب ۔ بہت لائق ۔ زیادہ مستحق ۔ **وَلْیٌ** سے اسم تفضیل ۔
تَلْوٗا ۔ تم کج بیانی کرو ۔ تم پیچیدگی پیدا کرو ۔ تم گھماؤ پھراؤ ۔ لَیٌّ سے مضارع ۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ دو شخص باہمی تنازع لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ایک مالدار تھا اور دوسرا نا دار ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جھکاؤ نادار کی طرف تھا کیونکہ آپؐ کا خیال تھا کہ یہ نادار تو مالدار پر ظلم کر ہی نہیں سکتا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۲/۲۱۵) ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مسلمانوں کو عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی تاکید

کی گئی ہے ۔ کسی کے ڈر یا کسی قسم کے لالچ کی بنا پر یا کسی کی خوشامد میں یا کسی پر رحم کر یا کسی کی سفارش سے عدل و انصاف چھوڑ دینے کی سخت ممانعت اور سب کو مل کر عدل و انصاف قائم اور جاری کرنے کی تاکید ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ کسی نفسانی غرض کے بغیر صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے سچی ، صاف صاف اور بے لاگ گواہی دو خواہ وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا ماں باپ اور عزیز و اقارب کے خلاف ہو ۔ گواہی کے وقت نہ تو مالدار کا لحاظ کرو اور نہ غریب کی محتاجی اور افلاس کو دیکھ کر اس پر رحم کھاؤ ۔ ان کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ تم سے بہت بہتر جانتا ہے ۔ وہی دونوں کا خالق و مالک اور رازق و رب ہے ۔ اسی نے تمہیں واقعی شہادت کا حکم دیا ہے ۔ اس لئے خواہ کسی کو فائدہ پہنچے یا ضرر تم ہر صورت اور ہر حال میں سچی اور بے لاگ شہادت دو ۔ کسی کی دشمنی ، قومیت یا عصبیت کی بنا پر عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑو ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو خیبر والوں کی کھیتیوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کے لئے بھیجا تو اہل خیبر نے ان کو ، اس پر رشوت دینی چاہی کہ آپ مقدار کم بتائیں ۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا ۔ سنو ! خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بد تر ہو لیکن اس کے باوجود یہ نا ممکن ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آکر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں ۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہیں ۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر تم نے شہادت میں تحریف کی ، غلط بیانی سے کام لیا ، واقعہ کے خلاف گواہی دی ، زبان دبا کر پیچیدہ الفاظ کہے ، واقعہ کو کم و بیش کیا یا کچھ چھپا لیا ، کچھ بیان کر دیا ، تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ جیسے باخبر حاکم کے سامنے تمہاری کچھ نہیں چل سکے گی ۔ تم وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دیدیں ۔ (ابن کثیر ۵۶۵ / ۱) ۔

اہل کفر کی مذمت

۱۳۶ ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ

الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ۞

اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب (قرآن) پر جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور اس کتاب پر جو وہ پہلے نازل کر چکا ہے ، ایمان لاؤ اور جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور قیامت کے دن کا انکار کیا تو وہ بہت دور بھٹک گیا ۔

ربطِ آیات ۔ یہاں تک زیادہ تر احکام فرعیہ کا بیان ہوا اور کہیں کہیں ایمان والوں کے مباحث بھی تھے ۔ گزشتہ آیات میں عدل و انصاف اور شہادت حق و صدق کی تاکید فرمائی ۔ آئندہ آیات میں ایمان کے ارکان کا بیان ، عقائد اور اعمال کے اعتبار سے کفار کے مختلف فرقوں کی مذمت ہے ۔

شانِ نزول ۔ بغوی نے کلبی کا بیان بروایت ابو صالح نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن سلام ، اسد بن کعب ، اسید بن کعب ، ثعلبہ بن قیس ، عبداللہ بن سلام کے بھانجے سلام اور بھتیجے سلمہ اور یامین بن یامین کے متعلق ہوا تھا ۔ ان لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا کہ ہمارا ایمان آپؐ پر بھی ہے اور آپؐ کی کتاب پر بھی اور (حضرت) موسیٰ اور توریت اور (حضرت) عُزیرؑ پر بھی ۔ ان کے علاوہ ہم کسی کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اور یہ تمام لوگ مسلمان ہوگئے ۔ (مظہری ۹۱، /۲) ۔

تشریح ۔ یہاں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم اسلام اور اس کے احکام کو پوری طرح قبول کرو ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے رسول پر جو اللہ تعالیٰ کا نائب ، اس کا سفیر اور برگزیدہ بندہ ہے ، اور قرآن پر اور ان تمام کتابوں پر جو اللہ تعالیٰ نے سابقہ انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں ، کامل ایمان لاؤ ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ، اس کے فرشتوں کا ، اس کی کتابوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور روز آخرت کا منکر ہوا تو بیشک وہ حد درجہ کا گمراہ ہے جس سے بڑھکر کوئی گمراہی نہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا انکار تو کھلی گمراہی ہے ہی مگر اس کی کتابیں

فرشتے اور اس کے پیغمبر جو رشد ہدایت کا ذریعہ ہیں ، ان کا انکار بھی سخت گمراہی ہے کیونکہ ان کا انکار در حقیقت کلام خداوندی اور احکام خداوندی کا انکار ہے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۰،۱۸۹/ ۲) ۔

ارتداد کی مذمت

۱۳۷ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ سَبِیْلًا ۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے ، پھر کافر ہو گئے ، پھر ایمان لائے ، پھر کافر ہوگئے ، پھر وہ کفر میں ہی بڑھتے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ نہ ان کی مغفرت کرے گا اور نہ ان کو سیدھا راستہ دکھائے گا ۔

تشریح ۔ یہ آیت منافقوں کے ایک خاص گروہ کے بارے میں نازل ہوئی جو کبھی ایمان لاتے اور کبھی کفر اختیار کرتے ۔ پس جو لوگ ایمان لانے کے بعد مرتد اور کافر ہوگئے ، پھر اپنے کفر پر جمے رہے اور پھر کفر ہی کی حالت میں ان کو موت آگئی تو نہ ان کی بخشش کا کوئی امکان ہے اور نہ اللہ تعالیٰ ان کو راہ ہدایت دکھائے گا ۔ ان کا ظاہری اسلام ان کے کچھ بھی کام نہ آئے گا ۔

بعض کے نزدیک یہ آیت یہودیوں کے بارے میں ہے کہ پہلے وہ ایمان لائے ، پھر بچھڑے کو پوج کر کافر ہو گئے ، پھر توبہ کر کے مومن ہوئے ، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کافر ہو گئے ، اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کر کے کفر میں ترقی کر گئے ۔

دردناک عذاب کی بشارت

۱۳۸ ، ۱۳۹ ۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۔ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ منافقین کو درد ناک عذاب کی بشارت دے دیجئے ۔ وہ منافقین جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں ؟ پس عزت تو ساری اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے ۔

تشریح ۔ یہاں منافقوں کے لئے درد ناک عذاب کی خبر دی گئی ہے ۔ یہ لوگ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں تاکہ ان کی ظاہری شان و شوکت سے ان کو بھی قوت و عزت حاصل ہو جائے ۔ ان کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ جن کے پاس خود قوت و غلبہ اور شوکت و عزت نہیں ، ان کے ذریعہ ان کو کیا عزت حاصل ہوگی ۔ حقیقی قوت و غلبہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ۔ وہی جس کو چاہتا ہے قوت و غلبہ اور عزت دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا

جو کوئی عزت چاہتا ہے تو اللہ ہی کیلئے ہے تمام عزت (فاطر آیت ۱۰)

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور عزت تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں ہی کے لئے ہے مگر منافق اس کو نہیں جانتے ۔ (منافقون آیت ۸) ۔

پس جو لوگ حقیقی عزت چاہتے ہیں ان کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیئے اور اس کے بندوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چاہیئے ۔ اس کے نتیجہ میں ، اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں عزیز بنادے گا ۔ (ابن کثیر ۱/۵۶۰) ۔

کفار کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت

۱۴۰ ۔ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ

اللّٰہَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْکٰفِرِیْنَ فِیْ جَھَنَّمَ جَمِیْعًا ۔

اور اللہ تعالیٰ قرآن میں تم پر حکم نازل کر چکا کہ جب تم (لوگوں کو) اللہ کی آیتوں کا انکار اور ان کا تمسخر کرتے ہوئے سنو تو ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ کسی اور بات میں نہ لگیں ۔ ورنہ تو تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں ، سب کو دوزخ میں جمع کرے گا ۔

تَقْعُدُوْا ۔ تم بیٹھو ۔ **قُعُوْدٌ** سے مضارع ۔

یَخُوْضُوْا ۔ وہ بحث کرتے ہیں ۔ وہ مصروف ہوتے ہیں ۔ **خَوْضٌ** سے مضارع ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی اصلاح کے لئے پہلے ہی کافروں اور فاجروں کی ایسی مجلسوں میں بیٹھنے کی ممانعت فرمادی تھی ، جن میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا جاتا ہو اور انہیں مذاق میں اڑایا جاتا ہو ۔ اس کے باوجود یہ لوگ نہ صرف ان کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں بلکہ ان سے دوستی بھی کرتے ہیں اور ان کو عزت وقوت کا مالک بھی سمجھتے ہیں ۔ پس یہ لوگ بھی کفر و استہزاء میں ان کے ساتھ شریک سمجھے جائیں گے ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرے گا ۔ جس طرح وہ دنیا میں اکھٹے ہو کر اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑاتے تھے اسی طرح وہ عذاب دوزخ میں بھی اکھٹے ہوں گے جہاں انہیں سخت ترین اور دل ہلا دینے والا دائمی عذاب ہوگا ۔ (ابن کثیر ۵۶۶ ، ۵۶۷ / ۱) ۔

منافقوں کی بد باطنی

۱۴۱ ۔ اِلَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِکُمْ ج فَاِنْ کَانَ لَکُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰہِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَکُنْ مَّعَکُمْ ز صلے وَاِنْ کَانَ لِلْکٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْکُمْ وَ نَمْنَعْکُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ فَاللّٰہُ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ۔ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ۔

وہ منافقین جو تمہاری تاک میں رہتے ہیں ۔ پس اگر تمہیں اللہ کی طرف

فتح نصیب ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر
کافروں کو (فتح) نصیب ہوتی ہے تو (کافروں سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم تم
پر غالب نہ آئے تھے اور ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا تھا ۔ پس
اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمہارا اور ان کا فیصلہ کر دے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ
کافروں کو مومنوں پر ہرگز غالب نہ ہونے دے گا ۔

یَتَرَبَّصُوْنَ ۔ وہ تاک میں رہتے ہیں ۔ وہ راہ دیکھتے ہیں ۔ وہ انتظار کرتے ہیں ۔
تَرَبُّصٌ سے مضارع ۔

نَسْتَحْوِذْ ۔ ہم غلبہ پائیں گے ۔ ہم زندہ رہنے دیں گے ۔ **اِسْتِحْوَاذٌ** سے مضارع ۔

نَمْنَعْكُمْ ۔ ہم نے تمہیں منع کیا ۔ ہم نے تمہیں بچالیا ۔ **مَنْعٌ** سے مضارع ۔

تشریح ۔ یہاں منافقوں کی بد باطنی بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ ہر وقت تم پر کسی افتاد اور مصیبت پڑنے کے منتظر رہتے ہیں ۔ اگر کسی معرکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمان کامیاب و کامران ہوگئے اور مال غنیمت ہاتھ آگیا تو یہ لوگ کہنے لگتے ہیں کہ کیا جہاد میں ہم تمہارے ساتھ نہ تھے لہذا ہمیں بھی مال غنیمت میں حصہ دو ۔ اور اگر کسی وقت ، مسلمانوں کی آزمائش کے لئے ، اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مسلمانوں پر کچھ غلبہ دیدیا جیسے معرکہ اُحد میں ہوا تھا ، تو یہ ان سے کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم مسلمانوں کے ساتھ مل کر تم پر غالب نہیں آنے لگے تھے ، مگر ہم نے مسلمانوں کو بے مدد چھوڑ کر ان کی خبروں اور ان کے حالات سے تمہیں مطلع کیا جس کے نتیجہ میں تم نے ان پر فتح پالی ۔

پس قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں اور منافقوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا ۔ اس وقت منافقوں پر اسلام کی خوبی اور نفاق کی بُرائی کھل جائے گی ۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو جنت میں داخل کرے گا اور منافقوں کو دوزخ میں اور اللہ تعالیٰ مومنوں کے مقابلہ میں کافروں کو ہرگز غالب نہیں کرے گا (مظہری ۲/۲۰۰۰، ۲۹۹) ۔

منافقین کی دھوکہ دہی

۱۴۲ ، ۱۴۳ ۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ
خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ

يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۔

بلا شبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ انہی کو دھوکہ میں ڈالے ہوئے ہے ۔ اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کیساتھ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں ۔ وہ (ایمان و کفر کے) درمیان متردد ہیں ۔ نہ ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف ۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو ، تو اس کے لئے کوئی راستہ نہ پائے گا ۔

يُخٰدِعُوْنَ ۔ وہ فریب دیتے ہیں ۔ وہ دھوکہ دیتے ہیں ۔ **مُخَادَعَةٌ** سے مضارع ۔
كُسَالٰى ۔ سست ۔ کاہل ۔ واحد **كَسْلَانٌ** ۔
مُذَبْذَبِيْنَ ۔ شک و شبہ میں پڑے ہوئے ۔ پس و پیش میں مبتلا ۔ **ذَبْذَبَةٌ** سے اسم مفعول ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں منافقوں کی دھوکہ دہی بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے چالیں چلتے ہیں ، جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دلوں کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہے ۔ یہ نا سمجھ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ جس طرح ان کا نفاق دنیا میں چل گیا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہ رہے ہیں ، اسی طرح ان کی مکاری اللہ تعالیٰ کے پاس بھی چل جائے گی حالانکہ ان کا کفر و نفاق اللہ کو خوب معلوم ہے ۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کو ڈھیل اور خوشحالی و فراخ دستی دیکر دھوکہ میں رکھ رہا ہے تاکہ یہ لوگ دل کھول کر گناہ کر لیں اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈالدے ۔

منافقوں کا دعوائے ایمان ، ظاہری اطاعت اور نماز وغیرہ بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ لوگوں پر اپنا ایمان ظاہر کرنے اور دنیوی فوائد حاصل کرنے کے لئے ہے ۔ یہ لوگ کفر و اسلام کے درمیان متحیر و متردد ہیں ، نہ صاف طور پر مومنین مخلصین کے ساتھ ہیں اور نہ پوری طرح کافروں کے ساتھ ہیں ۔ کبھی نور ایمان چمک اٹھا تو اسلام کا دم بھرنے لگے ، کبھی کفر غالب آگیا تو ایمان سے کنارہ کش ہو گئے ۔ (ابن کثیر ۵۶۸ ، ۵۶۹ / ۱) ۔

کفار سے دوستی کی ممانعت

۱۴۴ ۔ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ
مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْکُمْ
سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۔

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صریح حجت قائم کر لو ۔

تشریح ۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو کافروں کے ساتھ دوستی اور دلی محبت رکھنے ، ان کے ساتھ اٹھنے ، بیٹھنے اور ان سے پوشیدہ تعلقات رکھنے سے منع فرمایا ہے ۔ جو لوگ مومنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی اور دلی محبت رکھیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی بھلائی کے مستحق نہیں ۔ اور ان کا یہ فعل ان کے نفاق کی کافی شہادت اور پوری دلیل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس کی سزا دے ۔ لہذا جو سزا کافروں کو ملے گی وہی سزا ان کو بھی ملے گی ۔

منافقوں کا انجام

۱۴۵ ۔ ۱۴۷ ، اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ
النَّارِ ج وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِیْرًا ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا
وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِیْنَهُمْ لِلّٰهِ
فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ
اَجْرًا عَظِیْمًا ۔ مَا یَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَ
اٰمَنْتُمْ ۔ وَکَانَ اللّٰهُ شَاکِرًا عَلِیْمًا ۔

بلا شبہ منافق آگ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہوں گے اور تم ہر گز ان کا کوئی مدد گار نہ پاؤ گے ۔ مگر ان میں سے جن لوگوں نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی اور اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑ لیا اور وہ اللہ کے خالص فرماں بردار ہوگئے تو وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ تعالیٰ

مومنوں کو اجر عظیم دے گا ۔ اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دیکر کیا کرے گا ۔ اور اللہ تعالیٰ قدر دان ہے ، جاننے والا ہے ۔

دَرْکِ ۔ طبقہ ۔ منزل ۔ جمع دَرکات ۔ اس لفظ کا استعمال نچلی منزلوں کے لئے مخصوص ہے ۔ بالائی منزلوں کو درجات کہتے ہیں ۔ پس بہشت میں ایک کے اوپر ایک درجات ہیں ۔

اَسْفَلِ ۔ سب سے نیچے ۔ سَفُولٌ سے اسم تفضیل ۔

اِعْتَصَمُوا انہوں نے مضبوط پکڑا ۔ اِعْتِصَامٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ اس آیت میں مومنوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ کافروں اور منافقوں کی دوستی سے تمہیں کوئی نفع نہیں ہوگا اس لئے کہ منافق اپنے کفر کی وجہ سے بلا شبہ دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں داخل کئے جائیں گے جس کا عذاب تمام طبقوں سے زیادہ ہے ۔ دوزخ کے سات طبقے ہیں ایک کے نیچے ایک ۔ سب سے نیچے کے طبقہ میں سب سے زیادہ سخت عذاب ہے ۔ اور یہ طبقہ خاص منافقوں کے لئے ہے ۔ اس لئے کہ کافر تو کھلے کافر تھے ، مسلمانوں کو فریب نہیں دیتے تھے ۔ اور منافق کفر کے علاوہ جھوٹ بھی بولتے تھے اور مسلمانوں کو فریب بھی دیتے تھے ۔

پھر فرمایا کہ ان منافقوں کا کوئی مدد گار بھی نہیں ہوگا جو ان کو دوزخ کے نیچے کے طبقہ سے نکال سکے یا ان کے عذاب میں کمی کرا سکے ۔ البتہ ان میں سے جو لوگ سچے دل سے نفاق سے توبہ کر لیں ، اپنے گناہوں پر نادم ہوں ، اپنے اعمال و اخلاق کی اصلاح کر لیں اور تذبذب و تردد میں پڑے بغیر اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر لیں اور اس کو مضبوطی سے تھام لیں تو بیشک اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمالے گا اور ان کو جہنم کے کسی طبقہ میں نہیں رکھے گا بلکہ ان کو مومنین کاملین کے ساتھ جنت میں داخل کرے گا جو اپنے ایمان و اخلاص کی وجہ سے ان سے پہلے جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے ۔ اور اللہ تعالیٰ مومنوں کو بڑا اجر و ثواب عنایت فرمائے گا ۔

ترمذی نے حضرت زید بن ارقم کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اخلاص کے ساتھ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہا جنت میں داخل ہو گیا ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ پڑھنے میں اخلاص کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا کہ

پڑھنے والے کو یہ کلمہ ممنوعات سے باز رکھے ۔ (یہ اخلاص کلمہ ہے) ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو خواہ مخواہ عذاب نہیں دیتا بلکہ عذاب کا دارومدار کفر و فسوق اور عصیاں پر ہے ۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ، فرماں بردار اور اطاعت شعار ہو اس کو وہ ہرگز عذاب نہیں دے گا ۔ وہ تو صرف انہی لوگوں کو عذاب دیتا ہے جو نہایت نا فرمان اور سرکش ہوں ۔ وہ نیک اعمال کا قدردان بھی ہے اور جاننے والا بھی ۔ اس کی قدردانی یہ ہے کہ وہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک اور اس سے بھی زیادہ عطا فرماتا ہے ۔ اس لئے وہ کسی کو بلا وجہ عذاب نہیں دے سکتا ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸۸،۱۸۷ / ۲ ، ابن کثیر ۵۷۰ / ۱ ، مظہری ۲/۲۶۱) ۔

مظلوم کو بد دعاء کی اجازت

۱۴۸ ، ۱۴۹ ۔ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ط وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ط اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ط

اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کہ کوئی کسی کی بری بات کو ظاہر کرے ۔ ہاں مگر جس پر ظلم ہوا ہو ۔ اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے ۔ اگر تم علانیہ بھلائی کرو یا اس کو خفیہ کرو یا کسی برائی کو معاف کر دو تو اللہ تعالیٰ بھی معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ہے ۔

اَلْجَهْرَ ۔ برملا کہنا ۔ زور سے کہنا ۔ ظاہر کرنا ۔ مصدر ہے ۔

تُبْدُوْا ۔ تم ظاہر کرتے ہو ۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع ۔

تُخْفُوْهُ ۔ تم اس کو چھپاتے ہو ۔ اِخْفَاءٌ سے مضارع ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص کسی کی برائی کو ظاہر کرے سوائے مظلوم کے کہ وہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کو بیان کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو خوب سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ وہ مظلوم کی دعاء کو خوب سنتا ہے

اور جانتا ہے کہ ظالم نے اس پر کتنا ظلم کیا ہے اور وہ کتنی سزا کا مستحق ہے اگر چہ مظلوم اپنی زبان سے کچھ نہ کہے ۔

حضرت ابنؓ عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ کسی مسلمان کو دوسرے کے لئے بد دعاء کرنی جائز نہیں ۔ ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم کے لئے بد دعا کرنی جائز ہے اور اس کے لئے بھی صبر و تحمل کرنے میں فضیلت ہے ۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر چہ مظلوم کو شکایت کی اجازت نہیں ہے مگر بُرائی کرنے والے کے ساتھ پوشیدہ یا ظاہری طور پر احسان اور درگزر کا معاملہ کرنا ، اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب اور پسندیدہ ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا قدرت والا ہے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۲/ ۲ ، ابن کثیر ۱،۵۷/ ۱) ۔

حقیقی کافر

۱۵۰ ، ۱۵۱ ۔ اِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيدُونَ اَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ لا وَّ يُرِيدُونَ اَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلاً ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا ۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۔

بلا شبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں ، اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کرنا چاہتے ہیں ، اور وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس (کفر و ایمان) کے درمیان ایک اور راستہ نکال لیں ۔ ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

تشریح ۔ اگر کوئی شخص مومن بننا چاہتا ہے تو اسے تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانا چاہئے ۔ جس نے ایک نبی کا انکار کیا ، اس نے تمام انبیاء کا انکار کیا کیونکہ ہر نبی پر ایمان لانا فرض ہے ۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار تمام انبیاء کی نبوتوں کا انکار ہے

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کا ارادہ رکھتے ہوں اور کہتے ہوں کہ ہم بعض نبیوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ ایمان اور کفر کے درمیان کوئی دوسرا طریقہ نکالنا چاہتے ہوں حالانکہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہو سکتا تو یہ لوگ خوب سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ پکے کافر ہیں ۔ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ۔ انہی لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے ذلت و رسوائی کا عذاب تیار کر رکھا ہے ۔(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۔ ۱۹۳/ ۲) ۔

مومنوں کی تعریف

۱۵۲ ۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۔

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور وہ ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

تشریح ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ ، بلا تفریق تمام انبیاء کو مانتے ہیں ، اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کا انکار کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے ایمان کی برکت سے ان کے اعمال کا اجرِ جمیل اور ثوابِ عظیم عطا فرمائے گا ۔ اگر ان سے کوئی گناہ سر زد ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش کرے گا ۔

اہلِ کتاب کا مطالبہ

۱۵۳ ، ۱۵۴ ۔ يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۔

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۔ وَ اٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۔ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَ قُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۔

اہل کتاب (یہود) آپ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ ان پر آسمان سے کوئی (لکھی لکھائی) کتاب اتار لائیں ۔ پس یہ لوگ تو (حضرت) موسیٰ سے اس سے بھی بڑھ کر سوال کر چکے ہیں جب کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کو کھلم کھلا دکھادے ۔ پھر ان کے ظلم کی وجہ سے ان کو بجلی نے آپکڑا ۔ پھر کھلی نشانیاں آنے کے بعد بھی انہوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا ۔ پھر ہم نے یہ بھی معاف کر دیا تھا ۔ اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو صریح غلبہ دیا ۔ اور ہم نے ان سے عہد لینے کے لئے ان کے اوپر کوہ طور کو بلند کیااور ہم نے ان سے کہا کہ (شہر کے) دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ ہفتہ کے دن کے بارے میں زیادتی نہ کرنا اور ہم نے ان سے پختہ عہد بھی لے لیا تھا ۔

الصّٰعِقَةُ ۔ بجلی کی کڑک ، سخت آواز ۔ جمع صَوَاعِقُ ۔
الْعِجْلَ ۔ بچھڑا ۔ گائے کا بچہ ۔ گوسالہ ۔
سُلْطٰنًا ۔ اقتدار ۔ قوت ۔ غلبہ ۔ دلیل ۔ جمع سَلَاطِيْنُ ۔
تَعْدُوْا ۔ تم تعدی کرو ۔ تم تجاوز کرو ۔ تم زیادتی کرو ۔ عَدْوٌ سے مضارع ۔
غَلِيْظًا ۔ سخت ۔ پختہ ۔ گاڑھا ۔

شانِ نزول ۔ ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ (حضرت) موسیٰ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے (تورت کی لکھی ہوئی) تختیاں لائے تھے ۔ آپ بھی اللہ کی طرف سے ہمیں (اللہ کی کتاب کی لکھی ہوئی) تختیاں لا کر دیجئے ۔ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے (مظہری ۲/۳۳) ۔

تشریح ۔ یہودیوں کے کچھ سرداروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آسمان سے لکھی ہوئی کتاب نازل ہوئی تھی اسی طرح اگر آپؐ بھی لکھی ہوئی کتاب آسمان سے لے آئیں تو ہم آپؐ پر ایمان لے آئیں گے ۔ ان کا یہ مطالبہ بدنیتی ، مذاق اور کفر کے طور پر تھا ۔ پس اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ ان کی اس بے باکی اور سرکشی پر ، آپؐ رنجیدہ خاطر نہ ہوں ، ان کی یہ پرانی عادت ہے ۔ ان کے بزرگوں نے حضرت موسیٰ سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ اور فضول سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا دیدار کھلم کھلا کروادو ۔ جس کی پاداش میں ان پر آسمانی بجلی گری تھی اور وہ سب ہلاک ہو گئے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیات ۵۵ ، ۵۶ میں ہے ۔

پھر فرمایا کہ بڑی بڑی نشانیاں اور کھلے معجزے دیکھ لینے کے بعد بھی ان لوگوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے توبہ کی یہ صورت رکھی کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا نہیں کی وہ بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کو قتل کریں ۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق توبہ کی اور ایک دوسرے کے ساتھ قتال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ گناہ معاف فرمادیا اور قتل موقوف کر دینے کا حکم نازل فرمادیا تاکہ ان کی قوم کی مکمل بیخ کنی نہ ہو جائے اور حضرت موسیٰ کو ظاہری حجت اور کھلا غلبہ عطا فرمایا ۔

پھر جب انہوں نے یہ کہہ کر تورت کے احکام ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ احکام سخت ہیں ، ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر کوہ طور کو معلق کر کے ان سے کہا کہ یا تو تورت کے احکام قبول کرلو ورنہ تمہارے اوپر یہ پہاڑ گرا کر تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا ۔ تب مجبوراً انہوں نے تورت کے احکام کو قبول کیا ۔ پھر ان کے غرور اور سرکشی کو توڑنے کے لئے ان کو حکم دیا کہ خشوع و خضوع اور نیاز مندی کے ساتھ سر جھکائے ہوئے ایلیا شہر کے دروازے میں داخل ہونا مگر ان نا فرمانوں نے اس کو بھی نہ مانا اور سر جھکانے کی بجائے سُرین کے بل گھسٹتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے ۔ جب شہر میں پہنچے تو ان پر طاعون پڑا جس سے ستر ہزار کے قریب اموات ہوئیں ۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے ہفتہ کے دن کی تعظیم و تکریم کا بھی مضبوط عہد و پیمان لیا تھا

اور ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار کی ممانعت کی تھی ۔ مگر انہوں نے اس کی بھی پابندی نہیں کی اور حیلہ کر کے دریا کے پاس حوض بنالئے ۔ ہفتہ کے روز مچھلیوں کو ان حوضوں میں بند کرلیتے اور دوسرے دن حوضوں میں سے شکار کرتے ۔ اس فریب اور عہد شکنی پر اللہ نے ان کو بندر بنادیا ۔

عہد شکنی کی سزا

۱۵۵ ۔ ۱۵۸ ' فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ وَّ بِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۔ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۔ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۔ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۔

پھر (جو کچھ سزا ان کو ملی وہ) ان کو عہد شکنی ، آیات الٰہی کے انکار اور انبیاء کو نا حق قتل کرنے اور ان کے اس قول پر (ملی) کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں (ان کے دلوں پر غلاف نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے باعث ان کے دلوں پر مہر کر دی ۔ پس ان میں سے کم ہی لوگ ایمان لاتے ہیں ۔ اور (جو کچھ سزا ان کو ملی وہ) ان کے کفر سے اور مریم پر بڑا بہتان باندھنے سے (ملی) ۔ اور ان کے اس کہنے پر (بھی انکو سزا ملی) کہ اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو ہم نے قتل کیا ۔ حالانکہ نہ انہوں نے اس کو قتل کیا اور نہ اس کو سولی دی بلکہ ان کو شبہ ہوا ۔ اور بیشک جو

لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں البتہ وہ خود شک میں پڑے ہوئے ہیں
ان کو اس کی کچھ خبر نہیں ، وہ محض اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور
یقینا انہوں نے (حضرت) عیسیٰ کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس
کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

نَقْضِهِمْ ۔ ان کا عہد شکنی کرنا ۔ ان کا توڑنا ۔ **نَقْضٌ** سے ماضی ۔
غُلْفٌ ۔ غلاف ۔ محفوظ ڈھکے ہوئے ۔ مصدر ہے ۔ واحد ۔ **غِلَافٌ** ۔
طَبَعَ ۔ اس نے مہر کی ۔ اس نے بندش لگائی ۔ طَبْعٌ سے ماضی ۔
صَلَبُوْهُ ۔ انہوں نے اس کو سولی دی ۔ انہوں نے اس کو پھانسی دی ۔ صَلْبٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے چھ گناہ شمار کرائے ہیں جنکی وجہ سے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوئے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوئی ۔

۱ ۔ عہد شکنی ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو وعدے کئے تھے ان پر قائم نہ رہے ۔
۲ ۔ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور معجزوں کا انکار ۔
۳ ۔ انبیاء کرام کا نا حق قتل و خون ۔
۴ ۔ ان کا یہ کہنا کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں ۔ یعنی پردوں میں ہیں یا یہ مطلب کہ ہمارے دل علم کے ظروف ہیں اور علم و عرفان سے پر ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کی تردید میں فرمایا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہوچکے تھے ۔
۵ ۔ حضرت مریم پر زنا کاری جیسی بد ترین اور شرمناک تہمت لگائی ۔ اور اسی زنا کاری کے عمل سے حضرت عیسیٰ کا پیدا ہونا بتانا ۔
۶ ۔ یہ لوگ تمسخر اور بڑائی کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کو صولی دی حالانکہ نہ ان کو سولی دی گئی اور نہ ان کو قتل کیا گیا ۔ بلکہ ان کو شبہ میں ڈالدیا گیا اور اللہ نے حضرت عیسیٰ کو اپنی طرف اٹھالیا ۔ (ابن کثیر ۵۷۵ / ۱) ۔

امام تفسیر حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے ۔ حضرت عیسیٰ بھی ان کے پاس تشریف لے آئے ۔ ابلیس نے ان یہودیوں کو جو حضرت عیسیٰ کے قتل کے لئے تیار تھے ، حضرت عیسیٰ کا پتہ بتادیا اور چار ہزار آدمیوں نے اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں حضرت عیسیٰ

اور ان کے حواری موجود تھے ۔ حضرت عیسیٰ نے اپنے حواریوں سے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لئے آمادہ ہے کہ وہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے اور پھر جنت میں وہ میرے ساتھ ہو ۔ ان میں سے ایک آدمی نے اپنے آپ کو اس مقصد کے لئے پیش کیا ۔ حضرت عیسیٰ نے اس کو اپنا کرتا اور عمامہ عطا کیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر آپ کی مشابہت ڈالدی گئی ۔ جب وہ باہر نکلا تو یہودی اسے پکڑ کر لے گئے اور سولی پر چڑھا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا ۔ (معارف القرآن ۶۰۱/ ۲) ۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ یہودیوں کے سردار یہودا نے اس شخص کو جس کا نام طیطانوس تھا مقرر کیا تھا کہ وہ گھر میں داخل ہو کر حضرت عیسیٰ کو قتل کر دے مگر اللہ نے حضرت عیسیٰ کو تو اٹھالیا اور طیطانوس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی بنادی ۔ جب وہ باہر نکل کر آیا تو لوگوں نے اس کو حضرت عیسیٰ سمجھ کر مار ڈالا اور سولی دیدی ۔

بعض کا قول ہے کہ لوگوں نے حضرت عیسیٰ کو ایک مکان میں بند کر دیا تھا اور ایک چوکیدار نگرانی کے لئے مقرر کر دیا تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس چوکیدار کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی کر دی اور لوگوں نے اسی کو قتل کر دیا ۔ واللہ عالم (مظہری ۹۲،/ ۲) ۔

مذکورہ بالا صورتوں میں سے جو بھی صورت پیش آئی ہو ، سب کی گنجائش ہے ۔ قرآن کریم نے کسی خاص صورت کی تعیین نہیں فرمائی ۔ اس لئے حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے ۔ البتہ قرآن کریم نے یہ واضح کر دیا کہ یہود و نصاریٰ واقعہ کی حقیقت کے بارے میں شبہ میں پڑ گئے اور انہوں نے اپنے اپنے گمان و قیاس کے مطابق مختلف دعوے کئے ۔ بلا شبہ صحیح واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور وہ زبردست قدرت و غلبہ والا ہے اور اس کا ہر فعل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے ۔ (معارف القرآن ۶۰۲/ ۲) ۔

اہل کتاب کے کفر پر حضرت عیسیٰؑ کی گواہی

۱۵۹ ۔ وَ اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۔

اور ان کی موت سے پہلے تمام اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہی دیں گے ۔

تشریح ۔ یہ آیت قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ کے نزول کے متعلق ہے ۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس وقت تو یہ لوگ محض بغض و حسد کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باطل خیالات رکھتے ہیں اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا بھی انکار کرتے ہیں مگر جب قیامت کے قریب حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو یہ سب اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے ۔ ان میں سے جو مخالفت کریں گے وہ قتل کر دئے جائیں گے ۔ باقی مسلمان ہو جائیں گے ۔ اس وقت ہر طرح کا کفر فنا ہو جائے گا اور زمین پر صرف اسلام ہی کی حکمرانی ہوگی ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰؑ بن مریم ایک عادل حکمران بن کر ضرور نازل ہوں گے ۔ وہ دجال اور خنزیر کو ضرور قتل کریں گے ، صلیب کو ضرور توڑیں گے اور اس وقت صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی ۔ پھر حضرت ابوہریرہؓ نے یہی آیت وَ اِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ..... تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس میں قبل موتہٖ (اس کی موت سے پہلے) سے حضرت عیسیٰؑ کی موت مراد ہے ۔

اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابھی حضرت عیسیٰؑ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ قیامت کے قریب وہ آسمان سے دنیا میں نازل ہوں گے ۔ پھر جب وہ حکمتیں جو اللہ تعالیٰ نے ان سے وابستہ رکھی ہیں پوری ہو جائیں گی تب اسی دنیا میں ان کی وفات ہوگی ۔
(معارف القرآن ۶۰۲ ، ۶۰۳ / ۲) ۔

یہود کی بد نصیبی

۱۶۰ ، ۱۶۱ ۔ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۔ وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۔ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۔

الغرض یہود کی انہی بے اعتدالیوں کی وجہ سے بہت سی پاکیزہ چیزیں جو ان پر حلال تھیں ، ہم نے ان پر حرام کردیں اور یہ اس وجہ سے بھی ہوا کہ وہ اکثر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکا کرتے تھے اور اس وجہ سے بھی

کہ وہ سود لیتے تھے حالانکہ ان کو اس سے منع کر دیا گیا تھا ۔ اور اس وجہ سے بھی کہ وہ لوگوں کے مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں سے ظالموں کے لئے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔

بِصَدِّهِمْ ۔ ان کے روکنے کے سبب ۔ ان کے باز رکھنے کے سبب ۔ مصدر ہے ۔
الرِّبٰوا ۔ سود ۔ بڑھنا ۔ بلند ہونا ۔
اَعْتَدْنَا ۔ ہم نے تیار کیا ۔ **اِعْتَادٌ** سے ماضی ۔

تشریح ۔ گزشتہ آیتوں میں یہود کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا بیان تھا ۔ ان آیتوں میں ان کی مزید نافرمانیاں اور بے اعتدالیاں بیان کی گئی ہیں ۔ مثلاً خود بھی راہ حق سے دور رہنا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہنا ، حیلے بہانوں سے سود خوری کرنا جو محض حرام تھی ، لوگوں کا مال نا حق کھانا ۔ ان کا ظلم و زیادتی اور بے جا حرکتیں جب حد سے بڑھیں تو ان کو دنیا ہی میں بہت سی سزائیں دی گئیں ۔ ان میں سے ایک سزا یہ تھی کہ اللہ نے بہت سی نفیس ، عمدہ اور حلال و طیب چیزیں ان پر حرام کر دیں تاکہ رزق کا دائرہ تنگ ہو اور ان کی سرکشی ٹوٹے۔ یہ تو ان کے لئے دنیا کی سزا تھی ۔ آخرت میں ہم نے ان کے لئے درد ناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ (ابن کثیر ۵۸۵/ ۱) ۔

کامل مومنوں کے لئے بشارت

۱۶۲ ۔ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

لیکن ان میں سے جو لوگ علم میں پختہ اور مومن ہیں وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو (قرآن) آپ پر نازل ہوا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل ہو چکا ہے اور وہ نماز بھی قائم کرتے ہیں اور وہ زکوٰۃ بھی ادا کرتے

ہیں اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر بھی ایمان رکھتے ہیں ۔ یہی وہ لوگ
ہیں جن کو ہم بہت جلد اجر عظیم دیں گے ۔

رٰسِخُوْنَ ۔ راسخ ۔ پختہ ۔ مضبوط ۔ ثابت قدم ۔ رُسُوْخٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح ۔ یہود میں سے جو لوگ علم میں پختہ اور مضبوط ہیں جیسے حضرت عبداللہ بن سلام ، حضرت ثعلبہ بن سعید ، حضرت زید ابن سعید وغیرہ ، اور وہ مومن ہیں اور ان کا ایمان اس کتاب (قرآن) پر بھی ہے جو آپؐ پر نازل کی گئی اور ان کتابوں پر بھی جو آپؐ سے پہلے نازل کی گئیں اور وہ نماز کو واجب و برحق مانتے اور مال یاجان کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کے لائق جانتے ہیں اور یوم آخرت پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ اس دن ہر اچھے یا بُرے عمل کا بدلہ ملے گا ۔ بہت جلد ہم ان لوگوں کو ایسا اجر عظیم عطا کریں گے جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا ۔ (ابن کثیر ۵۸۵/ ۱) ۔

نزولِ وحی

۱۶۳ ۔ ۱۶۵ ، اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْ بَعْدِہٖ ج وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰی وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ ہٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ ج وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۔ وَرُسُلاً قَدْ قَصَصْنٰہُمْ عَلَیْکَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلاً لَّمْ نَقْصُصْہُمْ عَلَیْکَ ۔ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا ۔ رُسُلاً مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلاَّ یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۔ وَکَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا ۔

بیشک ہم نے آپ کی طرف بھی اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح (حضرت) نوح کی طرف اور ان کے بعد کے انبیاء کی طرف بھیجی تھی اور ہم نے (حضرت) ابراہیم (حضرت) اسمٰعیل ، (حضرت) اسحٰق ۔ (حضرت) یعقوب اور ان کی اولاد اور (حضرت) عیسیٰ اور (حضرت)

ایوب اور (حضرت) یونس اور (حضرت) ہارون اور (حضرت) سلیمان کی طرف بھی وحی بھیجی تھی اور ہم نے (حضرت) داؤد کو زبور دی تھی ۔ اور بہت سے رسولوں کا حال پہلے ہی ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے رسول (ایسے) ہیں جن کا حال ابھی تک ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ نے (حضرت) موسیٰ سے تو باتیں بھی کی ہیں ہم نے رسولوں کو خوشخبری دینے اور خبردار کرنے کے لئے بھیجا تھا تاکہ رسولوں کے بعد لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

اَوْحَيْنَا ۔ ہم نے وحی کی ۔ ہم نے حکم بھیجا ۔ اِیْحَاءٌ سے ماضی ۔
اَسْبَاطِ ۔ اولاد ۔ قبیلے ۔ خاندان ۔ واحد سِبْطٌ ۔
قَصَصْنٰهُمْ ۔ ہم نے ان کا قصہ بیان کیا ۔ قَصَصٌ سے ماضی ۔
كَلَّمَ ۔ اس نے کلام کیا ۔ اس نے باتیں کیں ۔ تَكْلِيْمٌ سے ماضی ۔

شانِ نزول ۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مسکین اور عدی بن زید نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نہیں جانتے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز (کتاب) نازل کی ہو ۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (ابن کثیر ۱/۵۸۵)۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سیکڑوں معجزوں سے ثابت ہو چکی ہے ۔ جس طرح ہم نے حضرت نوحؑ ، حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیل وغیرہ کو نبی بنایا اسی طرح آپؐ کو بھی منصب نبوت عطا فرمایا ۔ آپؐ کی نبوت اور ان کی نبوت میں کوئی فرق نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی طرف وحی بھیجنے میں بھی وہی طریقہ اختیار کیا جو دوسرے انبیاء کی طرف نازل کرنے میں اختیار کیا تھا ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو زبور عطا کی گئی اس کے نزول کی کیفیت بھی وہی تھی جس کیفیت سے قرآن کریم نازل ہوا ۔ یعنی قرآن کریم کی طرح زبور بھی بتدریج نازل ہوئی ۔ بہت سے رسول ایسے ہیں جن کا حال اس سے پہلے ہم کی سورتوں میں آپؐ سے بیان کر چکے ہیں اور بہت سے رسول ایسے ہیں ، جن کا حال ہم نے آپؐ سے بیان نہیں کیا ۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنایا اور حسب ضرورت فرشتے کے ذریعہ ان پر وحی نازل فرمائی ۔ ان میں سے کسی سے بھی اللہ تعالیٰ نے

کلام نہیں فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے واسطے کے بغیر صرف حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا ۔
پھر فرمایا کہ رسولوں کو بھیجنے کی غرض یہ ہے کہ وہ لوگوں کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور فرماں برداروں کو انعام خداوندی کی خوشخبری سنائیں اور نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں تاکہ قیامت کے دن لوگ اللہ کے سامنے یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمیں آپ کے احکام اور مرضی کا علم نہ تھا ۔ اگر ہمارے پاس آپ کے پیغمبر آتے تو ہم ان کا حکم ضرور مانتے ۔
(معارف القرآن ازمولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۳۶/ ۲) ۔

اللہ کی شہادت

۱۶۶ ۔ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۔

لیکن جو کچھ آپ پر نازل ہوا اس پر اللہ شاہد ہے کہ اس نے اس کو اپنے علم سے نازل کیا ہے اور اس کے فرشتے بھی اس پر گواہ ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ کی شہادت کافی ہے ۔

شانِ نزول ۔ ابن اسحاقؒ اور ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ یہودیوں کی ایک جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم بلا شبہ جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں ۔ انہوں نے اس کا انکار کر دیا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۳۴۳/ ۲) ۔

تشریح ۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جو کتاب (قرآن کریم) آپ پر نازل کی گئی ہے وہ اپنی عبارت اور معنی کے لحاظ سے مکمل معجزہ اور اللہ کے خاص علم کی حامل ہے ۔ اس میں ان چیزوں کا بیان ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا مثلاً اللہ کی رضا مندی اور ناراضی کے احکام ، گزشتہ اور آئندہ کی خبریں ، اللہ تعالیٰ کی وہ مقدس صفتیں جنہیں نہ تو کوئی نبیٔ مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود اسکو معلوم کرائے ۔ یہ قرآن آپ کی نبوت کے لئے کافی شہادت ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ نبوت کا اہل کون ہے اور کس پر کتاب نازل کی جائے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کے جو دلائل قائم کر دئے ہیں ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کی شہادت طلب کرنے کی ضرورت نہیں ۔ پس اللہ اور اس کے فرشتوں کی شہادت کافی ہے کہ جو کچھ آپؐ پر وحی کے

ذریعہ نازل ہوا وہ بالکل سچ اور سرا سر حق ہے ۔ (مظہری ۳۴۳، ۳۴۴ / ۱) ۔

منکرین کی گمراہی و انجام

۱۶۷ ۔ ۱۶۹ ، اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۔ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۔

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور (دوسروں کو) اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑے ۔ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور زیادتی کی تو ان کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ ان کو راہ راست دکھائے گا ۔ سوائے جہنم کے راستہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے ۔

صَدُّوْا ۔ انہوں نے روکا ۔ صَدٌّ سے ماضی ۔
طَرِيْقَ ۔ راستہ ۔ راہ ۔ جمع طُرُقٌ ۔

تشریح ۔ جن لوگوں نے حق کا انکار کیا ، تورات میں بیان کردہ آپؐ کے اوصاف و حالات کو لوگوں سے چھپا کر ان کو بھی راہ حق سے روکا ، اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی اور اس کی ممنوعات کو اختیار کیا تو ایسے لوگوں کی نہ تو بخشش ہوگی اور نہ ان کو خیر و بھلائی کی طرف ہدایت و رہنمائی نصیب ہوگی ۔ جہنم کے راستے کے سوا کوئی اور راستہ ان کو دکھائی نہیں دے گا ۔ وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی ۔ منکرین اور گمراہوں کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈالدینا ، اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے ۔ اس کو اس امر کے لئے کسی سامان اور اہتمام کی ضرورت نہیں ۔ (ابن کثیر ۵۸۹ / ۱) ۔

دعوتِ حق

۱۷۰ ۔ يٰاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ

رَبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۔ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۔

اے لوگو! تمہارے پاس، تمہارے رب کی طرف سے یہ رسول حق بات لیکر آیا ہے۔ پس تم (اس پر) ایمان لاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ اور اگر تم انکار کرو گے تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

تشریح ۔ یہاں عام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے خدا کا رسول، قرآن کریم اور سچا دین لیکر آگیا۔ پس تم اس پرایمان لاؤ اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اگر تم کفر کروگے تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ تمہارے کفر و انکار سے نہ تو اس کا نقصان ہوگا اور نہ کوئی نفع کیونکہ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اسی کی مخلوق اور اسی کی ملک ہیں۔ وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے اور گمراہی کا مستحق کون۔ وہ حکیم ہے، اس کے اقوال، اس کے افعال، اس کی شرع اور اس کی تقدیر سب حکمت سے پر ہیں۔ (مظہری ۳۴۳/ ۲، ابن کثیر ۵۸۹/ ۱)۔

اہلِ کتاب کے باطل عقائد

۱۷۱ ۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۔ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۔

اے اہل کتاب! اپنے دین میں حد سے نہ گزرو اور اللہ تعالیٰ کے بارے

میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو ۔ بلا شبہ (حضرت) مسیح تو مریم کے بیٹے عیسیٰ اور اللہ تعالیٰ کے ایک رسول اور اس کا کلمہ ہیں جو اس (اللہ) نے (حضرت) مریم کی طرف القا کیا اور اس کی طرف سے خاص روح ہیں ۔ سو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو ۔ باز آ جاؤ کہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے ۔ بیشک اللہ ہی معبودِ واحد ہے ۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی کچھ اولاد ہو ۔ جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے ۔ اور اللہ ہی کافی کارساز ہے ۔

تَغْلُوْا ۔ تم مبالغہ کرو ۔ تم زیادتی کرو ۔ **غُلُوٌّ** سے مضارع ۔

اَلْقٰھَا ۔ اس نے اس کو ڈالا ۔ اس نے اس کو القا کیا **اِلْقَاءٌ** سے ماضی ۔

اِنْتَھَوْا ۔ تم باز رہو ۔ تم ترک کردو ۔ **اِنْتِہَاءٌ** سے ماضی ۔

تشریح ۔ نزول قرآن کے وقت نصاریٰ مختلف فرقوں میں تقسیم تھے ۔ ایک فرقہ کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ عین خدا ہیں اور خدا ہی مسیح کی شکل میں دنیا میں اتر آیا ہے ۔ دوسرا فرقہ حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتا تھا اور تیسرے فرقے کا یہ دعویٰ تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے ، باپ ، بیٹا اور مریم ۔ قرآن کریم نے یہ واضح کر دیا کہ حق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ نہ تو خدا ہیں اور نہ خدا کا بیٹا بلکہ وہ تو حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں اور اللہ کے سچے رسول ہیں ۔ اس سے زیادہ جو کچھ کہا جاتا ہے وہ سب باطل اور لغو ہے خواہ اس میں تفریط ہو جیسے یہود کا عقیدہ ہے کہ وہ (العیاذ باللہ) شعبدہ باز اور مفتری تھے ، یا افراط ہو جیسے نصاریٰ کا عقیدہ ہے کہ وہ خدا ہیں یا خدا کے بیٹے ہیں یا تین میں کے تیسرے ہیں ۔ پس اللہ تعالیٰ اس سے پاک و بلند ہے کہ اس کے بیوی اور اولاد ہو اس کی بڑائی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں ۔ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ رب حضرت عیسیٰ اللہ کے رسول ، اس کے بندوں میں سے ایک بندے اور اس کی مخلوق ہیں وہ صرف کلمہ کن کہنے سے پیدا ہوئے ۔ حضرت جبرائیل اس کلمہ کو لیکر حضرت مریم کے پاس گئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان میں پھونک دیا ۔ پس حضرت عیسیٰ ، باپ کے بغیر اسی کلمہ سے پیدا ہوئے ۔

پھر فرمایا کہ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق اور اس کی مملوک ہے مخلوق میں سے کوئی اس کا بیٹا اور شریک کیسے ہوسکتا ہے ۔ سب کے کام بنانے اور سب کی

کارسازی کے لئے وہی کافی ہے اس کو کسی دوسرے کی حاجت نہیں۔ پس نہ کسی مخلوق میں اس کا شریک بننے کی قابلیت و اہلیت اور نہ اس کی ذات پاک میں اس کی گنجائش و حاجت۔ (معارف القرآن ۶۱۸/ ۲، ابن کثیر ۵۹۰، ۵۹۱/ ۱)۔

اللہ کی بندگی سے دل چُرانے کا انجام

۱۷۲، ۱۷۳۔ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۔

مسیح کو تو اس بات سے ہرگز عار نہیں کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ مقرب فرشتوں کو عار ہے۔ اور جو کوئی اس کی بندگی سے عار اور سرکشی کرتا ہے سو وہ عنقریب ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ پھر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے سو وہ ان کو ان کا پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ بھی دے گا۔ اور جو لوگ عار اور تکبر کرتے ہیں تو وہ ان کو دردناک عذاب دے گا اور اللہ کے مقابلہ میں نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔

يَسْتَنْكِفْ۔ وہ عار کرتا ہے۔ وہ انکار کرتا ہے۔ اِسْتِنْكَافٌ سے مضارع۔

فَيُوَفِّيْهِمْ۔ پس وہ ان کو پورا پورا دے گا۔ تَوْفِيَةٌ سے مضارع۔

شانِ نزول بغوی نے لکھا ہے اور واحدی نے اسباب النزول میں اس قول کی نسبت کلبی کی طرف کی ہے کہ نجران کے نمائندوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ہمارے آقا پر عیب لگاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں کیا کہتا ہوں۔ اہل وفد نے کہا کہ آپؐ انکو اللہ کا بندہ اور رسول کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا بندہ ہونا تو (حضرت) عیسیٰؑ کیلئے باعث عار نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۲۹۶/ ۲)

تشریح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ کے مقرب فرشتے اسکی بندگی سے ہرگز تکبر اور عار نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی تو ان کیلئے باعث شرف و کمال ہے۔ عبدیت کے سوا، اللہ تعالیٰ سے حضرت عیسیٰ کی کوئی اور نسبت نہیں۔ پس عبدیت ہی ان کیلئے کمال ہے۔ ذلت و نفرت تو، اللہ

تعالیٰ کے سوا جو سب کا خالق و مالک ہے، دوسروں کی بندگی سے ہوتی ہے جو مخلوق ہیں۔ پھر جو کوئی اسکی عبادت سے منہ موڑے اور سرکشی کرے تو وہ عنقریب اسی کے پاس لوٹنے والا ہے اور وہ جلد اپنے بارے میں اسکا فیصلہ سن لے گا۔

پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے اپنی طرف سے بھی انعام کے طور پر ان کو مزید ثواب عطا فرمائے گا۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت سے رک گئے اور انہوں نے تکبر و بڑائی کی تو اللہ تعالیٰ ان کو دردناک عذاب دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، ان کو اپنے لئے نہ کوئی کارساز ملے گا، نہ مددگار۔ (ابن کثیر ۵۹۱، ۵۹۰/ ۱، مظہری ۲۸۱، ۲۸۲/ ۲)۔

نورِ مُبین

۱۷۵، ۱۷۶۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۔

اے لوگو! یقیناً تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل و برہان آچکی اور ہم نے تمہاری طرف واضح نور (قرآن) نازل کیا ہے۔ پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کے دین کو مضبوط پکڑا تو وہ انکو عنقریب اپنی خاص رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انکو اپنی طرف (پہنچنے) کا سیدھا راستہ بھی دکھائے گا۔

بُرْهَانٌ ۔ دلیل ۔ جمع بَرَاهِيْنُ ۔

مُّبِيْنًا ۔ ظاہر کرنے والا ۔ کھلا ہوا ۔ اِبَانَةٌ سے اسم فاعل ۔

وَاعْتَصَمُوْا ۔ اور انہوں نے مضبوط پکڑا ۔ اِعْتِصَامٌ سے ماضی ۔

تشریح ۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میری طرف سے تمہارے لئے کامل اور واضح دلیل اور شک و شبہ کو الگ کرنے والی برہان نازل ہو چکی ہے اور میں نے، تمہارے پاس نورِ مبین یعنی قرآن کریم بھیجدیا ہے ۔ جس طرح اشیا کا انکشاف روشنی سے ہوتا ہے، اسی طرح حق کا انکشاف قرآن کریم سے ہوتا ہے ۔

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انہوں نے اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لیا تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل اور مہربانی سے نعمتوں والی جنت میں داخل کرے گا، ان کے ثواب کو بڑھائے گا، ان کے درجات کو بلند کرے گا اور انہیں اپنے پاس پہنچنے کا سیدھا اور صاف راستہ

دکھانے گا، جو نہ کہیں سے ٹیڑھا ہوگا اور نہ تنگ۔ پس مومن دنیا میں صراط مستقیم اور اسلام کی راہ پر ہوتا ہے اور آخرت میں جنت اور سلامتی کی راہ پر ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ خدا کی سیدھی راہ اور خدا کی مضبوط رسی قرآن ہے۔ (ابن کثیر ۵۸۵/۱، مظہری ۲/۳۴۹)۔

میراث کے مزید احکام

۱۷۷۔ يَسْتَفْتُوْنَكَ ۔ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِى الْكَلٰلَةِ ۔ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۔ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۔ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔

وہ آپ سے حکم پوچھتے ہیں۔ آپ کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جسکی کوئی اولاد نہ ہو اور اسکی ایک بہن ہو تو اس (بہن) کو اسکے تمام ترکہ کا نصف ملے گا اور اگر بہن کے کوئی اولاد نہ ہو تو وہ بھائی اس (بہن) کا وارث ہوگا۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو اسکے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے۔ اور اگر (کلالہ کے وارث) کئی بہن بھائی، مرد و عورت ہوں تو مرد کو دو عورتوں کے حصے کے برابر ملے گا۔ اللہ تعالیٰ تم سے اسلئے واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم گمراہی میں نہ پڑو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۔ وہ آپ سے فتویٰ لیتے ہیں۔ وہ آپ سے شرعی حکم معلوم کرتے ہیں۔ اِسْتِفْتَاءٌ سے مضارع۔

يُفْتِيْكُمْ ۔ وہ تمہیں فتویٰ دیتا ہے۔ وہ تمہیں فیصلہ سناتا ہے۔ اِفْتَاءٌ سے مضارع۔

كَلٰلَةِ ۔ وہ میت جسکی وارث نہ اولاد ہو نہ باپ۔

اِمْرَءًا ۔ مرد۔ شخص۔ انسان۔

حَظِّ ۔ حصہ۔ نصیب۔

شانِ نزول ۔ ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلالہ کی میراث کا حکم دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

نسائی نے ابو زبیر کے طریق سے حضرت جابرؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا

کہ میں بیمار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اپنی بہنوں کے لئے ایک تہائی مال کی وصیت کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا (ان کے ساتھ) بھلائی کرو۔ میں نے عرض کیا آدھے مال کی وصیت کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا (ان کے ساتھ) بھلائی کرو۔ یہ فرمانے کے بعد آپؐ تشریف لے گئے۔ پھر (کچھ دیر کے بعد) آپؐ تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے خیال میں تم اس بیماری سے نہیں مروگے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بہنوں کے معاملے میں حکم نازل فرمادیا ہے۔ اور وہ دو تہائی مال (کا) ہے۔ حضرت جابر فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نزول میرے ہی حق میں ہوا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ سورت کے شروع میں جو واقعہ گزرا ہے۔ حضرت جابرؓ کا یہ واقعہ اس سے الگ ہے۔ (مظہری ۳۰۹/ ۰۲ جلالین ۳۰۵، ۳۰۶)۔

تشریح۔

۱۔ اگر کوئی شخص مرجائے اور اسکے کوئی اولاد نہ ہو، نہ بیٹا، نہ بیٹی اور نہ پوتا، نہ پوتی اور نہ ماں باپ ہوں اور اسکے ایک عینی (حقیقی) یا علاتی (باپ کی طرف سے) بہن ہو تو اسکو بھائی کے ترکہ میں سے آدھا مال ملے گا۔ اس آیت میں بہن سے سگی یا علاتی بہن مراد ہے۔ کیونکہ اخیافی (ماں کی طرف سے) بہن کا حکم سورت کے شروع میں گزر چکا ہے۔

۲۔ اگر کوئی عورت مرجائے اور اسکے نہ اولاد ہو اور نہ والدین اور وہ صرف ایک سگا بھائی یا ایک علاتی بھائی چھوڑے تو وہ بھائی اپنی اس بہن کے کل مال کا وارث ہوگا۔ مگر اخیافی بھائی کا یہ حکم نہیں۔ اسکا صرف چھٹا حصہ ہے جیسا کہ سورت کے شروع میں گزر چکا ہے۔

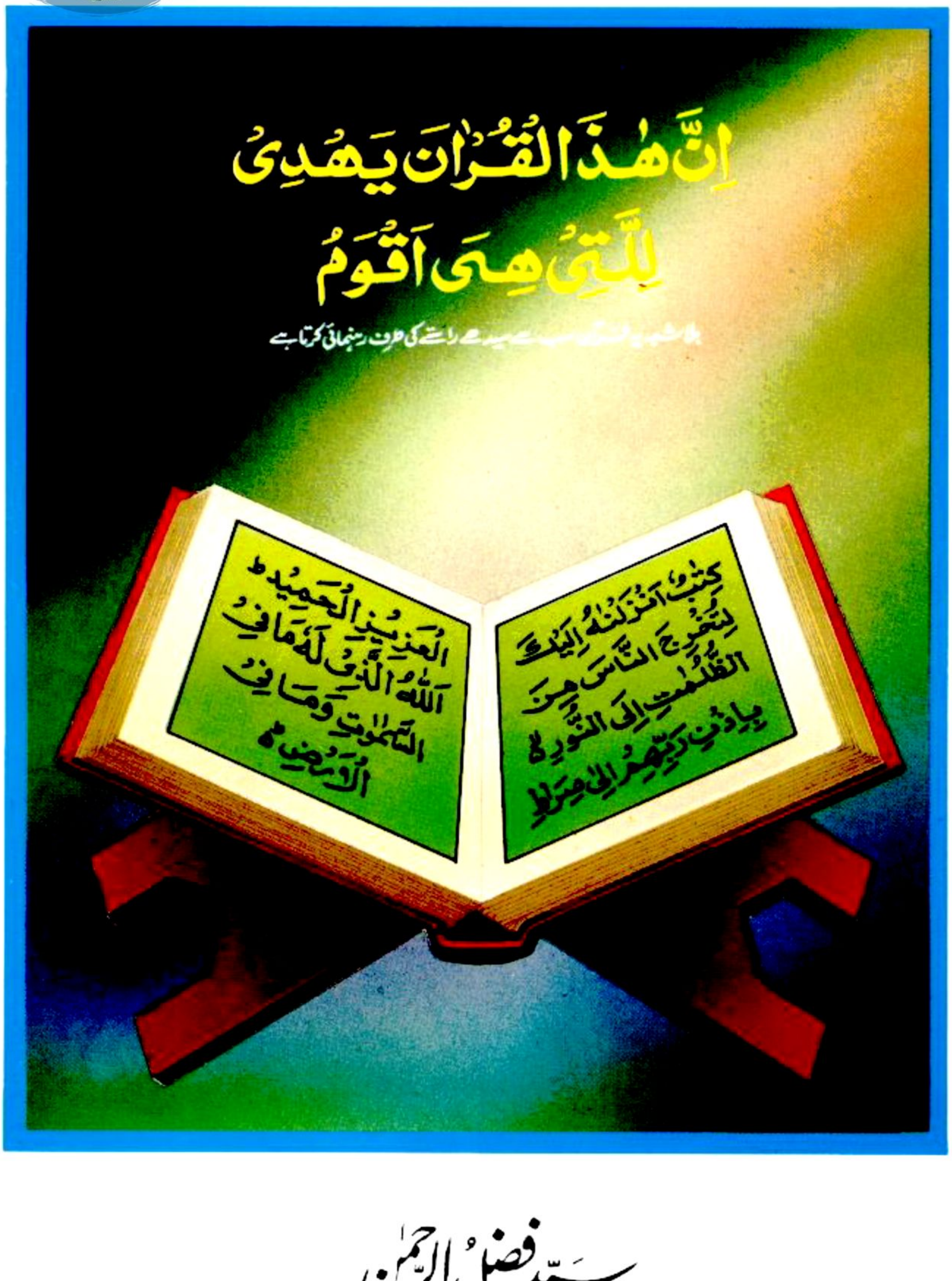
۳۔ اگر کوئی ایسا شخص مر جائے جس کی میراث نمبر ا پر بیان ہو چکی اور اس کے دو بہنیں ہوں اور بھائی کوئی نہ ہو تو ان بہنوں کو بھائی کے کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا۔ دو سے زیادہ بہنوں کا بھی یہی حکم ہے۔ ان کو بھی بالاجماع دو تہائی ترکہ ملے گا۔

۴۔ اگر میت کے نہ اولاد ہو، نہ والدین اور وہ میت خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور وہ چند وارث چھوڑے جن میں مرد اور عورتیں ملے جلے ہوں یعنی بھائی اور بہنیں ملے جلے ہوں تو ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے بشرطیکہ وہ سب عینی یا سب علاتی ہوں۔ اگر عینی اور علاتی مخلوط ہوں تو ان کا حکم جدا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان احکام اور فرائض کو اس لئے بیان کرتا ہے کہ کہیں تم لا علمی کی بنا پر گمراہ نہ ہو جاؤ۔ اور کسی کو حق سے کم یا زیادہ نہ دیدو۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ لہذا تمہیں اس کے احکام کی پابندی کرنی چاہئے۔ اپنی ناقص رائے کو اس میں داخل نہیں کرنا چاہئے۔ (معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی ۲۶۸/ ۲)۔

احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ

یہ کتاب (ایسی ہے) جس (کے من جانب اللہ ہونے) میں ذرا بھی شک نہیں ۔ (یہ) پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و رہنمائی (کا ذریعہ) ہے ۔

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ سوم

تفسیر سورۃ المائدہ تا سورہ اعراف

سید فضل الرحمٰن

زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب	:	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ سوم	:	تفسیر سورۃ المائدہ تا سورہ اعراف
تعداد	:	۱۲۰۰
اشاعتِ اول	:	محرم ۱۴۱۷ھ / جون ۱۹۹۶ء
کمپوزنگ	:	بقا کمپوزنگ سروسز، اردو بازار، کراچی
ناشر	:	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ کراچی

ملنے کے پتے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

7-B-11 ، کمرشل ایریا،

ناظم آباد نمبر ۲، کراچی

ادارہ مجددیہ

۲/۵۔ ایچ، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی نمبر ۱۸

فہرستِ عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المائدہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کو مائدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اس مائدہ (خوان) کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ اس کا نام سورۃ عقود بھی ہے کیونکہ اس کی پہلی آیت میں عقود (عہدوں) کو پورا کرنے کی تاکید ہے۔

تعارف: اس میں ۱۶ رکوع، ۱۲۰ آیتیں، ۲۸۴۲ کلمات اور ۱۲۴۶۴ حروف ہیں۔

یہ سورت مدنیہ ہے اور مدینے میں نازل ہونے والی سورتوں میں بھی سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے اس کو قرآنِ کریم کی آخری سورت بھی کہا ہے۔

مستدرکِ حاکم میں حضرت جبیرؓ بن نُفیر سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے گیا اور وہاں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم سورۃ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ انہوں نے فرمایا کہ سنو! سب سے آخر میں یہی سورت نازل ہوئی ہے۔ اس میں جس چیز کو حلال پاؤ تو اس کو حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام پاؤ تو اس کو حرام ہی جانو۔

مسند احمدؒ میں حضرت اسمآ بنت یزید سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئے تھی کہ آپؐ پر سورۃ مائدہ پوری نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں۔

مسند احمدؒ کی ایک اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو آپؐ اس پر سے اتر گئے۔

ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ (جب یہ سورت نازل ہوئی) اس وقت آپؐ سفر میں تھے۔ وحی کے بوجھ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی۔

بظاہر یہ حجۃ الوداع کا سفر ہے جو ہجرت کے نویں سال ہوا جیسا کہ بعض روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲)

بنیادی طور پر اس سورت میں ہر قسم کے معاہدے کی پابندی اور اس کو پورا کرنے کی

تاکید ہے ۔ اس کے علاوہ حلال و حرام چیزوں اور شرعی سزاؤں کے احکام اور یہود و نصاریٰ کی بد عہدیوں اور بد اعمالیوں کا بیان ہے ۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: سورت کی ابتدائی آیات میں عہدوں کو پورا کرنے اور حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت ہے ۔ پھر شعائر اللہ کی بے حرمتی سے منع فرمایا گیا ہے اور احرام کھولنے کے بعد شکار کی اجازت کا ذکر ہے ۔ اس کے بعد چند حرام چیزوں کا بیان ہے ۔ پھر دین اسلام کے مکمل ہونے ، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس امت کے لئے اسلام کو بطور دین پسند کرنے ، حلال جانوروں اور اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے اور اہل کتاب سے رشتہ ازدواجیت کی اجازت کا بیان ہے ۔

رکوع ۲: وضو کی فرضیت ، تیمم اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی پابندی اور عدل و انصاف قائم کرنے کی تاکید ہے ۔ پھر مسلمانوں پر انعام اور کفار پر عذاب کا تذکرہ ہے اور اہل کتاب کو نصیحت ہے ۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے چند انعامات یاد دلائے ہیں ۔

رکوع ۳: بنی اسرائیل سے عہد لینے اور ان کی عہد شکنی پر سزا کا ذکر ہے ۔ پھر نصاری سے عہد اور ان کی بد عہدی کی سزا مذکور ہے ۔ اہل کتاب کو نصیحت اور یہود و نصاری کے غلط عقائد کا بیان ہے ۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے خطاب ، بنی اسرائیل کو ہمت دلانا اور ان کی گستاخی کا ذکر ہے ۔ پھر حضرت موسیٰ کی دعا اور بنی اسرائیل کی نافرمانی کا انجام مذکور ہے ۔

رکوع ۵: ہابیل و قابیل کی قربانی ، ہابیل کی نصیحت اور ہابیل کے قتل کا ذکر ہے ۔ پھر دفن کی تدبیر ، انسانی جان کی حرمت ، شرعی سزاؤں اور توبہ کی گنجائش کا بیان ہے ۔

رکوع ۶: جہاد کی تاکید ، کفر کی سزا اور کفار پر عذاب کا ہمیشہ رہنا ، چوری کی سزا اور چور کی توبہ کے قبول ہونے کا ذکر ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور کفار کے اسلام نہ لانے پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دلبرداشتہ ہونا، عدل و انصاف قائم کرنے اور یہود کی بد اعتقادی کا بیان ہے۔

رکوع ۷: احکاماتِ خداوندی کے بدلنے کی ممانعت اور توریت کے بعض احکامات کا ذکر ہے۔ پھر توریت و انجیل کے اپنے اپنے زمانے میں نافذ العمل ہونے اور قرآن کریم کے قیامت تک واجب العمل ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کی نفسانی خواہشات کی پیروی کی ممانعت ہے۔

رکوع ۸: یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت، منافقین کے طرز عمل اور ارتداد کے انجام کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستی کی تاکید ہے۔

رکوع ۹: کفار سے دوستی کی ممانعت اور مسلمانوں کے ساتھ منافقین کے تمسخر کا ذکر ہے۔ پھر یہود و منافقین کی بُری خصلتوں اور دھوکہ دہی کا بیان ہے۔ آخر میں یہود کے نیک لوگوں کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۱۰: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغِ دین کا حکم، قلبی اطمینان پانے والوں کا ذکر، یہود کا انبیاء کو قتل کرنا اور سزا سے بے خوف ہونا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب غلط عقائد کا بیان ہے۔ باطل معبودوں کی عبادت پر تنبیہ اور دین کے بارے میں اہلِ کتاب کی من مانی کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۱: بنی اسرئیل کے کفار پر لعنت، ان کے بُرے افعال کا ذکر اور یہود و مشرکین کی عداوت کا بیان ہے۔ آخر میں حق کو پہچان کر ایمان لانے والوں اور حق پرستی کے اجر اور اصحاب النار کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۱۲: دین میں حد سے تجاوز کی ممانعت، حلال و طیب چیز کھانے کا حکم، قسم کے کفارے اور حرام چیزوں کا بیان ہے۔ پھر شیطان کی فتنہ پردازیوں اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ لوگوں کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۱۳: مومنوں کی آزمائش، حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت اور دریائی شکار کی حلت کا بیان ہے۔ پھر امن و اطمینان کے ذرائع اور تبلیغ دین کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۴: فضول سوالات سے اجتناب کی تاکید، شرکیہ رسومات کا ابطال، کفار کے گمراہ خیالات اور موت کے وقت وصی اور گواہ مقرر کرنے کا بیان ہے۔

رکوع ۱۵: قیامت کا حال، حضرت عیسیٰ پر اللہ تعالیٰ کے انعامات۔ حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی جانب سے آسمانی کھانا طلب کرنا اور حضرت عیسیٰ کی دعا سے آسمان سے کھانے کے نزول کا بیان ہے۔

رکوع ۱۶: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شرک سے برأت، سچے لوگوں کے لئے جنت کی نعمتوں کی بشارت اور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اعلان ہے۔

عہد پورا کرنے کی تاکید

۱- يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ۚ

اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو

اَلْعُقُوْدِ: اقرار، عہد و پیمان، گرہ لگانے اور ایک چیز کو دوسری کے ساتھ خوب مضبوط باندھنے کا نام عقد ہے۔ یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد عُقْدٌ ہے۔

تشریح: معاہدے تین قسم کے ہیں۔

(۱) وہ معاہدے جو انسان نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کئے ہیں۔ مثلاً ایمان و اطاعت کا عہد، حلال و حرام کی پابندی کا عہد وغیرہ۔

(۲) وہ معاہدے جو انسان اپنے نفس کے ساتھ کر لیتا ہے مثلاً کسی چیز کی نذر مان لینا یا حلف کر کے کوئی چیز اپنے ذمہ لے لینا۔ وغیرہ

(۳) وہ معاہدے جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے مثلاً نکاح کا معاہدہ، خرید و فروخت، اجارہ، ہبہ وغیرہ۔

اس قسم میں وہ سب معاہدے شامل ہیں جو دو شخصوں یا دو جماعتوں یا دو حکومتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کو مخاطب فرما کر مضمون کی اہمیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ حکم عین ایمان کا تقاضا ہے کہ تم ان تمام عہدوں کو پورا کرو جو تم نے باندھے ہیں۔ خواہ ان کا

تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ سے ہو یا بندوں سے ہو یا وہ دنیا و آخرت سے متعلق ہوں، سب کو واجب العمل سمجھ کر پورا کرو۔ خلافِ عہد کوئی کام نہ کرو کیونکہ بے وفائی اور عہد شکنی بہت بُری چیز ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ○ (الرعد ۲۵)

اور جو لوگ پختہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو توڑ دیتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں۔ انہی کے لئے لعنت ہے اور انہی کے لئے بُرا گھر ہے۔

حلال جانوروں کا بیان

اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

تمہارے لئے چوپائے مواشی حلال کر دیئے گئے سوائے ان کے جن کا حکم آگے سنایا جائے گا۔

بَهِيْمَةٌ: چوپائے یعنی اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ جمع بَهَائِمُ

بہیمہ ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو عادتاً غیر ذوی العقول سمجھے جاتے ہیں۔ چونکہ لوگ ان کی بولی کو عادتاً نہیں سمجھتے اس لئے ان کی مراد مبہم رہتی ہے۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ بہیمہ کا مطلب یہ نہیں کہ اس جانور کو عقل نہیں اور عقل کی باتیں اس پر مبہم رہتی ہیں، جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عقل و ادراک سے کوئی جانور اور کوئی شجر و حجر خالی نہیں البتہ درجات کا فرق ضرور ہے۔ ان چیزوں میں اتنی عقل نہیں جتنی انسان میں ہے۔ اسی لئے انسان کو احکام کا مکلف بنایا گیا ہے اور جانوروں کو احکام کا مکلف نہیں بنایا گیا ورنہ اپنی ضروریات زندگی کی حد تک تو اللہ تعالیٰ نے ہر جانور اور شجر و حجر کو عقل و ادراک بخشا ہے۔ اسی لئے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ۝ (الاسراء ۴۴)

اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

اگر عقل نہ ہوتی تو حجر و شجر اپنے خالق و مالک کو کس طرح پہچانتے اور کس طرح اس کی تسبیح و تحمید کرتے۔ (معارف القرآن ۱۳ / ۳)

اَلْاَنْعَامِ چوپائے۔ پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ۔ واحد نَعَمٌ۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ تم احکام الٰہی کی پابندی کرتے ہوئے پالتو جانوروں مثلاً اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ اور شکاری جانوروں مثلاً ہرن، چکارا وغیرہ، جن کے پنجے نہیں ہوتے اور جو انسان پر حملہ نہیں کرتے، کو شرعی قاعدے کے مطابق ذبح کرکے کھاؤ۔ مجوسیوں اور بت پرستوں کی طرح مطلقاً ان جانوروں کے ذبح کو حرام قرار نہ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر اعتراض اور اس کی نعمت کی ناشکری ہے اور اسی طرح دوسرے گوشت خور فرقوں کی طرح بے قید و آزاد ہو کر ہر طرح کے جانوروں کو نہ کھاؤ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کو تمہارے لئے حلال کیا ہے انہی کو کھاؤ۔ اور جن جانوروں کو اس نے حرام قرار دیا ہے ان سے بچو۔ اللہ تعالیٰ ہی خالقِ کائنات ہے، وہی حاکمِ مطلق اور حکیمِ مطلق ہے۔ اس نے اپنی حکمتِ بالغہ سے ہر جانور کے اندر کچھ خواص اور صفات و اثرات رکھے ہیں۔ پس اس نے جس جانور کو بندوں کے لئے مفید جانا اس کو اپنی رحمت سے حلال کر دیا اور جس کو مضر جانا اس کو حرام کر دیا۔ پس تم بلاچون وچرا اس کے احکام پر عمل کرو۔ (معارف القرآن ۱۳، ۱۴ / ۳)

حرام جانور: پھر فرمایا کہ جن جانوروں کا ذکر آئندہ آیت نمبر ۳ میں آئے گا وہ حرام ہیں۔ مثلاً مردار جانور، خنزیر، ذبح کرتے وقت جن جانوروں پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے لیا گیا ہو، جن جانوروں کو بتوں پر چڑھایا گیا ہو، گلا گھونٹ کر مارے ہوئے جانور، چوٹ کے صدمے سے مرے ہوئے جانور، کسی اونچی جگہ سے لڑھک کر مرے ہوئے جانور اور وہ چوپائے جن کا کچھ حصہ درندوں نے کھالیا ہو یہ سب حرام ہیں۔ اس کے علاوہ باقی جانور حلال ہیں۔

حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت

غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۔ اِنَّ اللّٰہَ یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ○

مگر احرام کی حالت میں شکار کو حلال نہ سمجھنا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ۔

تشریح: اگرچہ چوپائے اور جنگل کا شکار تمہارے لئے حلال ہیں ۔ مگر جب تم حرم میں یا احرام کی حالت میں ہو تو اس وقت شکار کرنا گناہ ہے ۔ پس تم اس سے بچتے رہو ۔ چونکہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور حکیمِ مطلق ہے اس لئے وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس چیز کو چاہے حرام قرار دے ۔ کسی کو حق نہیں کہ اس کے حکم کو ماننے میں چون وچرا کرے یا اس پر اعتراض کرے ۔

(حقانی ۲۳۹، ۲۴۰ / ۲، مظہری ۹ / ۳)

شعائر اللہ کی حُرمت

۲ ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا ۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ۔ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ۔ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور حرمت والے مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو اور نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ نذر کے ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے ڈلے ہوئے ہوں اور نہ بیت الحرام کا قصد کرنے والوں کی، جو اپنے رب کا فضل اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں اور جب تم احرام سے حلال ہو جاؤ تو شکار کر سکتے ہو اور ایسا نہ ہو کہ تم اس قوم پر زیادتی کرنے لگو جس سے تمہیں اس وجہ سے دشمنی ہے کہ انہوں نے تمہیں

مسجد حرام سے روک دیا تھا اور نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔

شَعَآئِرَ: نشانیاں، علامتیں۔ یہ شِعَارٌ و شَعِیْرَۃٌ کی جمع ہے، جس کے معنی خاص علامت کے ہیں۔ شعائرِ اسلام، ان اعمال و افعال کو کہا جاتا ہے جو عُرفاً مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ جیسے نماز، اذان، حج کے مناسک، ختنہ اور سنت کے مطابق ڈاڑھی وغیرہ۔

اَلْھَدْیَ: قربانی کے جانور مثلاً اونٹ، گائے اور بکری

اَلْقَلَآئِدَ: پٹے، ہار یا وہ چیز جو ہار کی طرح استعمال کی جائے۔ قربانی کے وہ جانور جن کے گلے میں علامت کے طور پر پٹہ ڈال دیا جائے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ قربانی کا جانور ہے اور کعبہ کو جارہا ہے اس کا واحد قِلَادَۃٌ ہے۔

آٰمِّیْنَ: قصد کرنے والے واحد آمٌّ۔ اَمٌّ سے اسم فاعل

اِصْطَادُوْا: تم شکار کرو۔ اِصْطِیَادٌ سے امر۔

یَجْرِمَنَّکُمْ: وہ تمہیں ضرور آمادہ کرتا ہے۔ وہ ضرور تمہارا باعث بنے گا۔ جَرْمٌ وجُرْمَۃٌ سے مضارع بانون تاکید۔

شَنَاٰنُ: سخت بغض، سخت دشمنی کرنا۔ مصدر سماعی ہے۔ یہاں مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ حدیبیہ کے سال مشرکین مکہ نے تمہیں کعبہ تک پہنچنے سے روک دیا تھا۔ اس لئے تمہیں ان سے بغض اور دشمنی ہو گئی ہے۔ پس یہ بغض و عداوت تمہیں زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔ (مظہری ۱۲ / ۳)

صَدُّوْکُمْ: انہوں نے تمہیں روکا۔ صَدٌّ سے ماضی

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حطم کے متعلق ہوا تھا، جس کا نام شریح بن صبیعہ بکری تھا۔ یہ مدینہ میں آیا اور اپنے سواروں کو پیچھے چھوڑ کر تنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ لوگوں کو کس بات کی طرف بلاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں لوگوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے اقرار، پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کی دعوت دیتا ہوں۔ وہ کہنے لگا کہ میرے ساتھ کچھ سردار اور بھی

ہیں جن کے بغیر میں کسی کام کو طے نہیں کر سکتا۔ امید ہے کہ میں مسلمان ہو جاؤں گا اور ان کو ساتھ لے کر آؤں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آنے سے پہلے ہی صحابۂ کرام سے فرما دیا تھا کہ تمہارے پاس قبیلہ ربیعہ کا ایک شخص آئے گا جو شیطان کی زبان سے کلام کرے گا۔ پھر جب شریح آپؐ کے پاس سے چلا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ کافر کا منہ لے کر (کفر کے ساتھ) آیا تھا اور عہد شکن پشت (دھوکہ وغداری) کے ساتھ چلا گیا۔

شریح مدینہ سے نکل کر (جنگل میں) اہل مدینہ کے اونٹوں کے پاس سے گزرا تو گلہ کو ہنکا کر لے گیا۔ لوگوں نے اس کا پیچھا کیا مگر اس کو گرفتار نہ کر سکے۔ پھر اگلے سال وہ بنی بکر کے حاجیوں کے ساتھ حج کے لئے یمامہ سے روانہ ہوا۔ اس وقت اس کے ساتھ بڑا تجارتی مال بھی تھا اور اس نے اونٹوں کی گردنوں میں قلادے بھی ڈال رکھے تھے۔ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حطم حج کے لئے نکلا ہے۔ آپؐ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس سے نمٹ لیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس نے تو قربانی کے جانوروں کو قلادے پہنا رکھے ہیں۔ مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حرکت تو ہم جاہلیت کے زمانے میں کیا کرتے تھے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

واحدی نے بیان کیا کہ حطم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یمامہ سے مدینہ آیا۔ آپؐ نے اس کو اسلام کی دعوت دی مگر اس نے قبول نہیں کی۔ جب حطم مدینے سے نکلا تو وہ راستے میں سے اہل مدینہ کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گیا۔ پھر جب آپؐ قضائے عمرہ کے لئے مدینے سے نکلے تو آپؐ نے یمامہ کے حاجیوں کے لبیک پڑھنے کی آواز سنی اور صحابہ سے فرمایا کہ یہ حطم اور اس کے ساتھی ہیں۔ حطم نے جو اونٹ لوٹے تھے ان کو قلادے پہنا رکھے تھے اور وہ ان کو قربانی کے لئے کعبہ لے جا رہا تھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۹، ۱۰ / ۳)۔

تشریح: اس آیت میں چند چیزوں کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

(۱) شعائر اللہ کی بے حرمتی۔ شعائر اللہ کی بے حرمتی یہ ہے کہ ان احکام کو جو مسلمان ہونے کی علامت سمجھے جاتے ہیں سرے سے نظر انداز کر دیا جائے یا ان پر پوری طرح عمل نہ کیا جائے یا عمل میں مقرر حدود سے تجاوز کیا جائے۔ یہاں احرام کی حالت میں شکار کی ممانعت مراد ہے۔

(۲) حرمت کے مہینے میں قتال کرنا۔ اسلام نے چار مہینوں شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور رجب

کو حرمت والا قرار دیا ہے ۔ جن میں جنگ کرنا شرعاً حرام تھا ۔ قدیم دستور کے مطابق عرب کے لوگ عام مہینوں میں تو جنگ و جدل اور مار دھاڑ کرتے رہتے تھے ۔ مگر حرمت والے مہینوں میں کسی کو کچھ نہ کہتے تھے ۔ مسلمان ان مہینوں میں مشرکین کو روک ٹوک کرنے لگے تھے ، اس لئے اس کی ممانعت کردی گئی ۔

(۳) ہدی کے جانور کی بے حرمتی کرنا ۔ حرم مکہ میں قربان ہونے والے جانوروں اور خصوصاً ان جانوروں کو جن کے گلے میں قربانی کی علامت کے طور پر قلادہ ڈال دیا گیا ہو ، ان کی بے حرمتی کرنا منع ہے ۔ ان جانوروں کی بے حرمتی کی ایک صورت یہ ہے کہ ان کو حرم تک پہنچنے سے روک دینا یا چھین لینا ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان جانوروں سے قربانی کے علاوہ کوئی دوسرا کام لیا جائے جیسے سواری کے لئے استعمال کرنا یا ان سے دودھ حاصل کرنا ۔ یہ سب صورتیں ناجائز ہیں ۔

اگرچہ قربانی کا جانور بھی شعائر اللہ میں داخل ہے جن کی ممانعت آیت کے شروع میں کی گئی ہے مگر اس احتمال کے پیش نظر کہ لوگ اس کو اپنے مالی فائدے کے لئے لوٹ لیں گے اور غریبوں کی حق تلفی ہوگی ، اس کو خصوصیت کے ساتھ نام لے کر علیحدہ ذکر کیا گیا ۔

(۴) ان لوگوں کی بے حرمتی کرنا جو گھر سے مسجد الحرام کا قصد کر کے حج وغیرہ کے لئے نکلیں اور اس سفر سے ان کا مقصد اپنے رب کا فضل اور رضا حاصل کرنا ہو ۔ ان لوگوں کی حرمت قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سفر میں ان سے مزاحمت نہ کی جائے اور نہ ان کو کوئی تکلیف دی جائے ، نہ ان کو قتل کیا جائے اور نہ لوٹا جائے ۔

(۵) حرم میں اور حالتِ احرام میں شکار کرنا منع ہے ۔ پس جب تم حلال ہو کر احرام کھول دو یا حرم سے باہر نکل جاؤ تو پھر شکار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

(۶) مشرکین نے جو تمہیں مسجد الحرام سے روک دیا تھا تو ان کی دشمنی تمہیں انصاف کی حد سے نکل جانے پر آمادہ نہ کرے کہ تم بھی ان سے قتال کرنے لگو ، ان کو مسجد الحرام میں داخل ہونے اور حج کرنے سے روکنے لگو ۔

پھر فرمایا کہ تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو ۔ یعنی ممنوعاتِ الٰہیہ کا ارتکاب نہ کرو اور نہ اپنی تسکینِ قلب کے لئے انتقام لے کر ظلم کرو ۔

حضرت نواسؓ بن سمعان انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

بِرّ اور اِثم کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ بِرّ حسن خلق ہے اور اِثم وہ کھٹک ہے جو تمہارے دل میں پیدا ہو اور لوگوں کا اس سے واقف ہونا تمہیں پسند نہ ہو۔

مسند احمدؒ میں حضرت ابو ثعلبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بِرّ وہ بات ہے جس پر تمہارے دل کو سکون و اطمینان ہو جائے خواہ مفتی تمہیں (اس کے خلاف جواز کا) فتویٰ دے دیں۔ (حقانی ۲۴۱۔ ۲۴۳ / ۲، مظہری ۱۲، ۱۳ / ۳)

حرام اشیاء کا بیان

۳۔ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ ۙ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ

تم پر مُردار اور خون اور سُور کا گوشت اور (وہ جانور) جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرجائے اور جو (لاٹھی یا پتھر وغیرہ کی) چوٹ سے مرجائے اور جو اوپر سے گر کر مرجائے اور جو سینگ لگنے سے مرجائے اور جس (جانور) کو کوئی درندہ پھاڑ کھائے، یہ سب حرام ہیں، مگر جس کو (مرنے سے پہلے) تم ذبح کرلو اور وہ جانور بھی حرام ہے جو بتوں پر ذبح کیا گیا ہو اور فال کے تیروں سے تقسیم کرنا بھی حرام ہے۔ یہ سب گناہ کے کام ہیں۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہوگئے۔ پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو۔

تشریح: اسی سورت کی پہلی آیت میں اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ کے ذریعہ جن چیزوں کو حلال چیزوں سے مستثنیٰ کیا گیا تھا ان کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ گیارہ چیزیں ہیں۔

(۱) مَيْتَةٌ: مُردار۔ جو بلا ذبح اپنی طبعی موت سے مرجائے۔ جس کا خون جسم کے اندر ہی منجمد ہو جائے۔

بیضاویؒ کہتے ہیں کہ میتہ وہ جانور ہے جس کی روح ذبح کئے بغیر نکل جائے۔
(تفسیر بیضاوی، صفحہ ۸۸)
اس میں کسی جانور کی خصوصیت نہیں خواہ وہ چرند ہو یا پرند، جب تک اس کو ذبح نہ کیا جائے حرام ہے۔ سوائے مچھلی اور ٹڈی کے جیسا کہ امام شافعیؒ، امام احمد ابن حنبلؒ، ابن ماجہؒ، دار قطنیؒ اور بیہقیؒ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو میتہ (مُردار) اور دو خون حلال کر دیئے۔ دو میتہ سے مراد مچھلی اور ٹڈی ہے اور دو خون سے مراد کلیجی اور تلی ہیں۔ (ابن کثیر، ۲/۲)

(۲) **وَالدَّمُ**: اور خون حرام ہے۔ قرآن کریم کی دوسری آیت میں **اَوْدَمًا مَّسْفُوْحًا** کے ذریعہ وضاحت فرمادی گئی کہ جو خون حرام کیا گیا ہے وہ، وہ خون ہے جو ذبح کے وقت بہتا ہے۔ وہ خون جو گوشت پر کہیں لگا رہ جائے یا جو کلیجی اور تلی میں ہوتا ہے وہ حرام نہیں۔

(۳) **وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ**: اور سور کا گوشت حرام ہے، خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو۔ اس میں اس کی چربی، بال اور کھال سب شامل ہیں۔ تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ سور نجس العین ہے۔ اس کے کسی جزو سے نفع اٹھانا درست نہیں۔ غذا کا اثر اخلاق پر پڑتا ہے۔ سور میں بہت سی صفاتِ ذمیمہ پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ نہایت حریص اور پرلے درجے کا بے غیرت ہے۔ چنانچہ جو قومیں سور کا گوشت کھاتی ہیں ان کی بے غیرتی کسی سے پوشیدہ نہیں۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور مُردار اور خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت فرمادی ہے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مُردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے، وہ کشتیوں پر لگائی جاتی ہے اور کھالوں پر ملی جاتی ہے اور اس سے چراغ جلائے جاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں وہ حرام ہے۔ (ابن کثیر ۸/۲)

بخاری شریف میں ہے کہ ابو سفیان نے ہرقل سے کہا کہ وہ نبیؐ ہمیں مُردار اور خون سے روکتا ہے۔ (ابن کثیر ۸/۲)

(۴) **وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ**: اور جو جانور غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔ خواہ ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام لیا جائے۔ اگر ذبح کے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے۔ جب تک کہ نیت شرکیہ سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح

نہیں کیا جائے گا وہ جانور حلال نہیں ہو گا۔

(۵) وَالْمُنْخَنِقَةُ: اور جو جانور گلا گھوٹنے سے یا گلا گھٹنے سے مرجائے یا کسی جال میں پھنس کر دم گھٹنے سے مرجائے وہ بھی حرام ہے۔

(۶) وَالْمَوْقُوْذَةُ: اور وہ جانور جو کسی ایسی چیز کی شدید ضرب کے ذریعہ ہلاک ہوا ہو جو دھار دار نہیں جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ، اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ جو جانور بندوق کی گولی سے مارا جائے اس کا شمار بھی موقوذہ میں ہے اور اس کا کھانا حرام ہے۔

اگر شکاری نے بسم اللہ پڑھ کر تیز دھار دار چیز مثلاً نیزہ، تیر وغیرہ پھینک کر شکار کیا اور تیر یا نیزہ سے جانور کا جسم کٹ کر خون بہہ گیا تو یہ شکار حلال ہے۔ خواہ تیر یا نیزہ جانور کے جسم کے کسی بھی حصہ پر لگے۔ اور خواہ جانور ذبح کرنے سے پہلے ہی مرجائے۔ اسی طرح اگر شکاری کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا اور جانور اس کی گرفت میں مر گیا تو وہ بھی حلال ہے۔

(۷) وَالْمُتَرَدِّيَةُ: اوپر سے نیچے گر پڑنے کو تَرَدِّیْ کہتے ہیں۔ جو جانور کسی پہاڑ یا کسی درخت یا مکان کی چھت یا اونچی عمارت سے گر کر یا کنوئیں وغیرہ میں گر کر مرجائے، وہ بھی ذبح نہ ہونے کے سبب حرام ہے۔

(۸) وَالنَّطِيْحَةُ: سینگ مارنے کو نَطْحٌ کہتے ہیں۔ پس وہ جانور جو کسی دوسرے جانور کے سینگ مارنے سے مرجائے یا کسی ٹکر اور تصادم سے ہلاک ہو جائے جیسے کسی ریل، موٹر وغیرہ کی زد میں آکر مرجائے تو ذبح نہ ہونے کے سبب وہ بھی حرام ہے۔

(۹) وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ: اور وہ جانور جس کو کسی درندے (شیر، بھیڑیا، چیتا، کتا وغیرہ) نے پھاڑ کھایا ہو اور وہ اسی حالت میں ذبح کئے بغیر مر گیا ہو وہ بھی حرام ہے۔

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ: اگر تم ان جانوروں میں سے کسی کو زندہ پالو اور شرعی طریقہ سے ذبح کر لو تو پھر ان کا کھانا حلال اور جائز ہے۔ البتہ یہ استثنا پہلی چار قسموں یعنی نمبر ۱ تا ۴ کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ مُردار اور خون میں تو زندہ پالینے اور ذبح کرنے کا امکان ہی نہیں۔ رہے خنزیر اور ما اھل لغیر اللہ تو وہ اپنی ذات سے حرام ہیں۔ ان کا ذبح کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ لہذا یہ استثنا پہلی چار صورتیں چھوڑ کر باقی پانچ قسموں، المنخنقۃ، الموقوذہ، المتردیہ، النطیحۃ اور ما اکل السبع کے متعلق ہے۔ ان پانچوں صورتوں میں اگر جانور زندہ پایا گیا اور اسی حالت میں اس کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دیا تو اس کا کھانا حلال ہے۔

(۱۰) **وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ**: اور وہ جانور جو نُصب پر ذبح کیا جائے حرام ہے ۔ نصب وہ ان گھڑت پتھر ہیں جن کو مشرکین پوجنے اور نذر و نیاز کے لئے کھڑا کر لیتے تھے ۔ جن پتھروں میں کوئی صورت کھدی ہوئی ہو وہ اصنام ہیں ۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ نصب ان پتھروں کو کہتے ہیں جن کو عرب کے مشرکین عبادت کے لئے نصب کرتے تھے اور جانوروں کو ان پتھروں کے پاس لے جا کر ذبح کرتے تھے ۔ (المفردات ۴۹۴)

ایام جاہلیت میں عرب کے مشرکین پرستش کے لئے کہیں تو ترشے اور کھدے ہوئے پتھر کھڑے کر لیتے تھے اور کبھی ایسے ہی ان گھڑت پتھر کھڑے کر کے ان پر اپنے دیوی اور دیوتاؤں کے نام سے جانور قربان کرتے تھے اور کچھ خون ان پر بھی چھڑک دیتے تھے اور اس کو عبادت سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایسے جانوروں کو بھی حرام قرار دیا، خواہ ان کے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر ہی کہا جائے ۔ کیونکہ اس ذبح سے ان کا اصل مقصد اور نیت غیر اللہ کی تعظیم و تقرب تھا ۔

(۱۱) **وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ**: اور فال کے تیروں سے تقسیم کرنا بھی حرام ہے ۔ قسمت معلوم کرنے یا حصہ مقرر کرنے کا یہ طریقہ فسق اور گمراہی ہے ۔

اَزْلَامِ: زَلَمْ کی جمع ہے جس کی معنی برابر کرنے کے ہیں ۔

ایام جاہلیت میں مشرکین نے جوئے کے تیر رکھے ہوئے تھے ۔ انہی کے ذریعہ قربانی کے گوشت اور دیگر چیزوں کو تقسیم کرتے تھے ۔ مثلاً کسی تیر پر دو حصے، کسی پر تین حصے لکھتے اور کسی کو خالی رہنے دیتے اور پھر سب ایک تھیلی میں ڈال دیتے پھر تھیلی میں ہاتھ ڈال کر ایک تیر نکال لیتے اگر اس پر دو حصے لکھے ہوئے ہوتے تو جس کے نام سے وہ تیر نکالا جاتا اس کو دو حصے ملتے ۔ اگر اس تیر پر تین حصے لکھے ہوئے ہوتے تو جس کے نام سے وہ تیر نکالا جاتا اس کو تین حصے ملتے ۔ اگر خالی والا تیر نکل آتا تو جس کے نام پر وہ نکلتا اس کو کچھ نہ ملتا ۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کاہن سے خبر طلب کی یا قسمت معلوم کی یا سفر سے رک جانے کا شگون لیا تو قیامت کے روز وہ جنت کے اعلیٰ درجات کو نہیں پا سکتا ۔

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پرندوں کے ناموں سے، آوازوں سے اور گزرنے سے فال حاصل کرنا اور شگون لینا اور کنکریاں مارنا (یعنی ہار جیت یا کرنے نہ کرنے کا حکم معلوم کرنا) کفر سے ہے ۔ (مظہری ۴۸/ ۳)

اس کے بعد فرمایا کہ اب کافر تمہارے دین پر غالب آنے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ آیت ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن نازل ہوئی۔ اس وقت مکہ اور تقریباً سارا عرب فتح ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کافر مسلمانوں کو ختم کرنے اور کمزور کرنے کے منصوبے بنایا کرتے تھے فتح مکہ کے بعد ان کے حوصلے پست ہو گئے اور قوت ختم ہو گئی۔ اس لئے اب مسلمانوں کو ان کی طرف سے مطمئن ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگ جانا چاہئے اور اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرنا چاہئے۔ اب کافروں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔

(حقانی ۲۴۴۔ ۲۴۷/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۷۵۔۲۷۷/ ۲)

اِکمالِ دین و اتمامِ نعمت

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔

مقامِ نزول: یہ آیت حجۃ الوداع میں عرفہ کے مقام پر جمعہ کے دن عصر کے بعد نازل ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اپنی اونٹنی عضباء پر کھڑے تھے کہ وحی کے بار سے اونٹنی کے بازو ٹوٹنے لگے اور یہ آیت نازل ہوئی۔

بغویؒ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کو سن کر حضرت عمرؓ رو دیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم کیوں روتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ بات رلا رہی ہے کہ اب تک تو ہمارا دین ترقی پذیر تھا اور اب کامل ہو گیا تو کمال کے بعد آئندہ نقصان (کے احتمال) کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ (مظہری ۱۹/ ۳)۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو تین خصوصی انعام عطا فرمانے کی بشارت دی ہے۔

(۱) **اِکمالِ دین:** یعنی دین حق کے تمام حدود و فرائض اور احکام و آداب مکمل کر دیئے گئے

اب اس میں نہ کسی اضافہ کی ضرورت باقی ہے اور نہ کمی کا احتمال۔ اسی لئے اس کے بعد احکام اسلام (حلال و حرام، فرائض و سنن وغیرہ) میں سے کوئی نیا حکم نازل نہیں ہوا۔ البتہ اس آیت کے بعد جو چند آیتیں نازل ہوئیں، ان میں یا تو ترغیب و ترہیب کے مضامین ہیں یا جو احکام پہلے نازل ہو چکے تھے ان کی تاکید ہے۔

ہر نبی اور رسول کا دین اس کے زمانے کے اعتبار سے کامل و مکمل تھا مگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ جو دین ایک نبی کے زمانے اور اس کی قوم کے لئے مکمل ہے وہ اس کے بعد کے زمانوں اور قوموں کے لئے مکمل نہ ہوگا۔ لہٰذا بعد والوں کے لئے اس دین کو منسوخ کر کے دوسرا دین و شریعت نافذ کی جائے گی۔ اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپؐ پر نبوت ختم ہو گئی۔ اب تاقیام قیامت نہ تو کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی شریعت۔ شریعت محمدی ہی قیامت تک نافذ العمل رہے گی۔ لہٰذا یہ شریعت ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے۔ یہ کسی زمانے، قوم، ملک اور خطہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ہر قوم، ہر ملک، ہر خطہ اور ہر زمانے کے لئے ہے۔

(۲) **اتمامِ نعمت**: اس سے مراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب و مفتوح ہونا ہے، جس کا ظہور فتح مکہ سے اور حجۃ الوداع کے سال حج میں کسی مشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعہ ہوا۔

(۳) **دینِ اسلام کا انتخاب**: اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دین اسلام کو منتخب فرما لیا ہے۔ یہ دین ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں نجات اخروی کا انحصار ہے۔ (معارف القرآن ۳۲۔ ۳۸ / ۳)

حالتِ اضطرار کا حکم

فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

پھر جو بھوک کی شدت سے بے قرار ہو جائے۔ بشرطیکہ اس کا میلان گناہ کی طرف نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

اُضْطُرَّ: وہ بے بس ہو گیا۔ وہ بے تاب ہو گیا۔ اِضْطِرَارٌ سے ماضی مجہول۔

مَخْمَصَةٍ : سخت بھوک۔ پیٹ کا غذا سے خالی ہونا۔ اسم ہے۔

مُتَجَانِفٍ : گناہ کی طرف مائل ہونے والا۔ جھکنے والا۔ تَجَانُفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح : آیت کے شروع میں جن جانوروں کی حرمت بیان کی گئی ہے، یہاں ایک خاص حالت کو اس حرمت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ پس اگر کوئی شخص بھوک کی شدت سے بیتاب ہو جائے اور اس کی موت کا خطرہ لاحق ہو اور کوئی حلال چیز ملنا محال ہو تو ایسی اضطراری حالت میں اگر وہ مذکورہ بالا حرام جانوروں میں سے کچھ کھالے تو اس کے لئے گناہ نہیں بشرطیکہ وہ پیٹ بھرنے یا لذت حاصل کرنے کے لئے نہ کھائے بلکہ صرف اتنا کھائے کہ اس سے اس کی اضطراری کیفیت ختم ہو جائے، یعنی اس کی جان بچ جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں توڑی بلکہ اس نے بے بسی اور حالت اضطرار میں ایسا کیا ہے۔ (معارف القرآن ۳۸ / ۳)

صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا پسند ہے جیسا اپنی نافرمانی سے رک جانا۔

حلال چیزوں کا بیان

۴۔ يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہیں اور جو شکاری جانور تم نے شکار پر دوڑانے کے لئے سدھائے ہوئے ہیں اور تم ان کو (شکار کرنے کا) وہ طریقہ سکھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں تم اس کو کھالو اور (شکاری جانور کو چھوڑتے وقت) اس پر اللہ کا نام لے لیا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا

ہے۔

اَلْجَوَارِح: زخمی کرنے والے۔ مراد شکاری جانور خواہ چوپائے ہوں یا پرندے جیسے کتا، چیتا، باز، شاہین وغیرہ۔ جَرْحٌ سے مشتق ہے۔ واحد جَارِحَۃٌ (مظہری ۲۱/ ۳)۔

مُکَلِّبِیْنَ: کتوں اور درندوں کو شکار کی تعلیم دینے والے۔ تربیت دینے والے تَکْلِیْبٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: طبرانی، حاکم، بیہقیؒ وغیرہ نے حضرت ابو رافعؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپؐ نے اجازت دے دی مگر حضرت جبرائیل نے داخل ہونے میں تاخیر کی تو آپؐ اپنی چادر لے کر (اوڑھ کر) باہر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ حضرت جبرائیلؑ دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہم نے تو آپ کو (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت دے دی تھی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ بیشک (آپؐ نے اجازت دے دی تھی) مگر ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی تصویر یا کتا ہو۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک کوٹھڑی میں کتے کا بچہ موجود تھا۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت ابو رافعؓ کو مدینے کے سب کتے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ اس پر کچھ لوگوں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس امت (نوعِ حیوانی) میں سے ہمارے لئے کیا حلال ہے، جس کے قتل کا آپؐ نے حکم دیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریرؒ نے عکرمہؒ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کرنے کے لئے، حضرت ابو رافعؓ کو بھیجا اور وہ (کتوں کو قتل کرتے کرتے) بالائی مدینے تک پہنچ گئے تو (حضرت) عاصمؓ بن عدی اور (حضرت) سعدؓ بن حتم اور (حضرت) عویمؓ بن ساعدہ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا حلال کیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا تو لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ (یعنی کتوں) میں سے کیسے (کتے پالنا) ہمارے لئے حلال کیا گیا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت عدی بن حاتم طائی اور حضرت زید بن مہلہل طائی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگ کتوں اور بازوں سے شکار کرتے ہیں اور آل ذریح کے کتے تو نیل گائے، گورخر اور ہرنوں کا شکار کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مُردار کو حرام کر دیا ہے۔ پس ہمارے لئے کیا حلال ہے (یعنی ہم کتوں سے کیا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور ان کا کیا ہوا کون سا شکار کھا سکتے ہیں)۔ (مظہری ۲۰، ۲۱ / ۳، جلالین ۳۱۲، ۳۱۴)

تشریح: ایام جاہلیت میں عرب قومیں بعض چیزوں کو پاکیزہ اور حلال سمجھنے کے باوجود محض اپنے وہم اور شبہ کی بنا پر ان کا کھانا حرام جانتی تھیں حالانکہ شریعت نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ یا تو ناپاک، گندی اور نقصان دہ ہیں یا بتوں کے نام منسوب ہونے سے ان میں عارضی طور پر ناپاکی آگئی ہے۔ پس صحابہ کرامؓ بھی اپنے اسی شبہ اور وہم کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و طیب چیزوں کے بارے میں سوال کرتے تھے، جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمام پاک اور ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور جس کتے کو شکار کرنا سکھا دیا جائے اور اس بات کا اطمینان و امتحان ہو جائے کہ وہ تمہارے کہنے سے شکار پر منہ ڈالتا ہے اور منع کرنے سے رک جاتا ہے اور وہ اس شکار کو خود نہیں کھاتا اور اس کتے کو بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا گیا ہے تو ذبح کئے بغیر بھی اس کا شکار کھانا درست ہے کیونکہ اس کتے کا شکار کو پکڑ کر پھاڑ ڈالنا ہی ذبح کرنا ہے۔ اس میں نجس العین جانوروں کے سوا وہ سب جانور شامل ہیں جو قابل تعلیم ہیں، مثلاً چیتا، باز وغیرہ۔

(حقانی ۲۴۸، ۲۴۹ / ۲)

حضرت عدیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ اگر تم بسم اللہ کہہ کر کتے کو چھوڑو اور کتا جا کر شکار کو پکڑ لے اور تم شکار کو زندہ پا لو تو اس کو ذبح کر لو اور اگر کتا اس کو قتل کر چکا ہو مگر اس نے خود اس میں سے کچھ نہ کھایا ہو تو اس کو کھا سکتے ہو اور اگر کتے نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو تو تم اس کو نہ کھاؤ، وہ کتے نے اپنے لئے پکڑا ہے۔ (متفق علیہ)

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کتے اور باز وغیرہ کو تم نے سدھا کر اور اللہ کا نام لے کر (شکار پر) چھوڑا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ لے، اس کو تم کھا سکتے ہو۔ میں (عدی) نے عرض کیا خواہ وہ شکار کو قتل کر چکا ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ خواہ اس نے قتل کر دیا ہو بشرطیکہ اس نے کھایا نہ ہو۔ اگر اس نے اس میں سے کچھ کھا لیا ہو تو تم مت کھاؤ۔ وہ شکار اس نے اپنے لئے پکڑا ہے۔

(مظہری ۲۳ / ۳)

شکار کے احکام

شکاری کتے اور باز وغیرہ کے شکار کو چار شرطوں کے ساتھ حلال کیا گیا ہے۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو شکاری جانور کا مارا ہوا شکار حرام ہوگا۔ ہاں اگر مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لیا جائے تو مَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَاذَکَّیۡتُمۡ کے قاعدے سے حلال ہوگا۔

(۱) کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور جب تم اس کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار کو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے اور خود اس کو نہ کھائے۔ اگر تم ان کو شکار پر چھوڑنے کے بعد واپس بلاؤ تو وہ فوراً واپس آجائیں۔ پس ایسے جانوروں کا کیا ہوا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا۔ اگر کسی وقت وہ تمہاری اس تعلیم کے خلاف کریں۔ مثلاً کتا شکار کو خود کھانے لگے یا تمہارے بلانے سے واپس نہ آئے تو ایسے شکار کا کھانا جائز نہیں۔

(۲) کتے یا باز کو تم اپنے ارادہ سے شکار کے پیچھے چھوڑو۔ اس آیت میں لفظ مکلبین سے یہی مراد ہے۔ اگر وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کر لیں تو اس کا کھانا حلال نہیں۔

(۳) شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگے بلکہ وہ اس کو پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے جیسا کہ مِمَّآ اَمۡسَکۡنَ عَلَیۡکُمۡ سے ظاہر ہے۔

(۴) شکاری جانوروں کو بسم اللہ کہہ کر شکار پر چھوڑا جائے۔

یہ چار شرطیں پوری ہونے پر اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دم توڑ دے تب بھی وہ حلال ہے۔ اگر وہ تمہارے پاس زندہ حالت میں پہنچ جائے تو پھر اس کو ذبح کر لو۔ ذبح کے بغیر وہ تمہارے لئے حلال نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بھی ضروری ہے کہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کرے۔ لفظ جوارح میں اس کا اشارہ ہے۔ (معارف القرآن ۴۰، ۴۱/ ۳)

عام طور پر آدمی دنیوی لذتوں میں منہمک ہو کر اور شکار وغیرہ کے مشاغل میں پڑ کر اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ اس لئے تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ تم ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور طیبات اور شکار سے نفع اٹھانے میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو اور یاد رکھو حساب کا دن کچھ دور نہیں جس میں تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل اور تمہاری زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب ہوگا۔

دائمی حلت

۵۔ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ

آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں۔

تشریح: اسلام نے جن جانوروں کو حرام قرار دیا ہے ان میں سے ایک قسم تو وہ ہے جن میں ذاتی طور پر خبث (گندگی) پایا جائے جیسے خنزیر وغیرہ۔ دوسری قسم ان جانوروں کی ہے جن کی ذات میں تو کوئی خبث نہیں پایا جاتا مگر جانوروں کو ذبح کرنے کا جو طریقہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے ان کو اس طریقہ سے ذبح نہیں کیا جاتا یا سرے سے ذبح ہی نہیں کیا جاتا جیسے جھٹکا کر کے مارنا، چوٹ کے ذریعہ مارنا یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کرنا۔ یہ سب صورتیں شرعاً ناجائز ہیں۔ ان کی وجہ سے جانوروں میں خبث پیدا ہو جاتا ہے اس لئے اضطراری حالت کے سوا کسی حالت میں بھی ان کا کھانا حلال نہیں۔ (معارف القرآن ۴۶ / ۳)

اس آیت میں آج سے مراد دس ہجری عرفہ کا دن ہے جس میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا انعام ہے کہ اس نے ان کے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کر دیں، حالانکہ ان پاکیزہ چیزوں میں سے بہت سی چیزیں یہود کی سرکشی اور ظلم کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئیں تھیں۔ اب تمام پاکیزہ چیزیں جن میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو یہود پر حرام تھیں، مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے حلال کر دی گئیں۔ یہ حلت اب کبھی منسوخ نہ ہو گی۔ یہ حکم اسی سورت کی پہلی آیت میں بھی آچکا ہے مگر یہاں تاکید کے لئے دہرایا گیا ہے۔

اہلِ کتاب کے کھانے کی حِلت

وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ز

اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔

تشریح: جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک یہاں کھانے سے مراد ذبیحہ جانور ہیں اور کتاب سے مراد وہ آسمانی کتاب ہے جس کا کتاب اللہ ہونا بتصدیق قرآن یقینی ہو جیسے توریت، انجیل،

زبور، حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفے وغیرہ۔ اس آیت میں اہل کتاب کے طعام کو جو حلال قرار دیا گیا ہے اس سے ان کا ہر قسم کا کھانا مراد نہیں بلکہ اس سے ان کے ذبائح اور کھانے کی وہ چیزیں مراد ہیں جو ناپاک اور حرام نہیں۔ (حقانی ۲۵۰ / ۲)

اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور تین شرطوں کے ساتھ حلال ہے۔

(۱) وہ ذبیحہ ان جانوروں میں سے نہ ہو جن کو مسلمانوں کے لئے قرآن و سنت میں حرام قرار دیا گیا جیسے خنزیر کا گوشت۔

(۲) ذبح کے وقت مذبوحہ جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو، غیر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، کیونکہ اہل کتاب کے صحیح عقیدے کے مطابق بھی غیر اللہ کے نام پر ذبح جائز نہیں۔ اگر اہل کتاب نے حضرت مسیح اور حضرت عزیر کا نام لے کر جانور ذبح کیا تو وہ حلال نہیں۔ اہل کتاب کے سوا کسی اور دین اور مذہب والے کا ذبیحہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں خواہ وہ ذبح کے وقت اس پر اللہ تعالیٰ ہی کا نام لے۔ اس کا اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرنا بھی معتبر نہیں۔

(۳) ذبح کرنے والا اسلام سے مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی نہ بنا ہو۔ اس لئے کہ مرتد کا ذبیحہ باجماع امت حرام ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۸۸ / ۲)

اہلِ کتاب عورت سے نکاح

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور پاکدامن مومن عورتیں اور ان لوگوں کی پاکدامن عورتیں بھی (تمہارے لئے حلال ہیں) جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی جبکہ تم ان کا مہر ادا کر دو اور تمہارا مقصد ان سے نکاح کرنا ہو، علانیہ بدکاری اور خفیہ آشنائی کرنا نہ ہو اور جس نے ایمان کی باتوں سے انکار کیا تو اس کا عمل غارت ہوا اور وہ آخرت میں خسارہ والوں میں سے ہوگا۔

اَلْمُحْصَنٰتُ: پاکدامن عورتیں۔ شوہر والی عورتیں۔ اِحْصَانٌ سے اسم مفعول

مُسَافِحِيْنَ: بدکار۔ زنا کرنے والے۔ سِفَاحٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُسَافِحٌ

مُتَّخِذِىْ: پکڑنے والے۔ بنانے والے۔ اِتِّخَاذٌ سے اسم فاعل

اَخْدَانٍ: خفیہ آشنائی کرنے والے۔ واحد خِدْنٌ۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

تشریح: آیت کے اس جملے میں دو جگہ **مُحْصَنٰتُ** کا لفظ آیا ہے، جس کے معنی عربی لغت و محاورہ کے اعتبار سے آزاد عورتوں (جو کنیزیں نہ ہوں) کے بھی ہیں اور عفیف و پاکدامن عورتوں کے بھی۔ یہاں یہ دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ مگر جمہور علماء و صحابہ و تابعین کے نزدیک یہاں عفیف و پاکدامن عورتیں مراد ہیں۔ پس جس طرح عفیف و پاکدامن مسلمان عورتوں سے نکاح جائز ہے اسی طرح اہل کتاب کی عفیف و پاکدامن عورتوں سے بھی مسلمان مردوں کا نکاح جائز ہے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں عفیف و پاکدامن عورتوں کی قید کا مطلب یہ نہیں کہ غیر عفیف عورتوں سے نکاح حرام ہے بلکہ اس قید کا منشا بہتر اور مناسب صورت کی ترغیب دینا ہے کہ خواہ تم مسلمان عورت سے نکاح کرو یا اہل کتاب سے دونوں صورتوں میں یہ بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ جس عورت سے نکاح ہو وہ عفیف و پاکدامن ہو اور بدکار و فاسق نہ ہو کیونکہ بدکار و فاسق عورت سے نکاح کا رشتہ جوڑنا دین و دنیا دونوں کی تباہی و بربادی ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہئے۔

• اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جو توریت و انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو لوگ کسی ایسی کتاب پر ایمان رکھتے ہوں اور اس کو وحی الٰہی قرار دیتے ہوں جس کا کتاب اللہ ہونا قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو تو وہ لوگ اہل کتاب میں داخل نہیں جیسے مشرکین مکہ، مجوس، بت پرست ہندو، بدھ، آریہ، سکھ وغیرہ۔

اس زمانے میں غیر مسلموں کے جتنے فرقے اور جماعتیں موجود ہیں ان میں سے صرف وہ یہود و نصاریٰ ہی اہل کتاب میں شمار ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوں اور توریت و انجیل کو آسمانی کتاب مانتے ہوں۔ باقی مذاہب میں سے کوئی بھی اہل کتاب میں داخل نہیں خواہ وہ آتش پرست ہوں یا بت پرست ہندو ہوں یا سکھ یا آریہ اور بدھ وغیرہ۔ اسی لئے باجماع امت موجودہ زمانہ کے مختلف مذاہب میں سے صرف یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح

حلال ہے۔ ان کے علاوہ کسی اور قوم کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح حرام ہے جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں، جیسا کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرۃ آیت ۲۲۱)

اور تم مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں (معارف القرآن ۶۰۔ ۶۳ / ۳)

پھر فرمایا کہ تم بھی پاک دامن رہو، علانیہ یا پوشیدہ بدکاری نہ کرو۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس طرح عورتوں کے ساتھ پاک دامنی اور عفت کی شرط لگائی اسی طرح مردوں کے ساتھ بھی لگائی ہے۔ (ابن کثیر ۲۱ / ۲)

آیت کے آخر میں واضح طور پر بتایا گیا کہ اہل کتاب کے ساتھ یہ رعایت کہ مسلمانوں کے لئے ان کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح کا جواز صرف دنیا کی حد تک ہے۔ آخرت میں اہل کتاب اور دیگر کفار کے مابین کوئی فرق نہیں ہو گا، آخرت میں سب کافروں کا ایک ہی حکم ہے۔ سب کے اعمال اکارت ہیں اور سب نقصان اٹھانے والے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۹۳ / ۲)

وضو، غسل اور تیمم

۶۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے

ہاتھ دھو لیا کرو اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر تم ناپاک (حالت جنابت میں) ہو تو نہا لیا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے (فارغ ہو کر) آئے یا تم میں سے کسی نے عورت کو چھوا ہو (قربت کی ہو)، پھر تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو اور اس سے اپنے منہ اور اپنے ہاتھوں کا مسح کر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک رکھنا چاہتا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے تاکہ تم شکر گزار رہو۔

وُجُوْھَکُمْ: چہرے، منہ واحد وَجْہٌ۔ اس کی حد پیشانی کے بالوں کی جڑوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک ہے۔

اَلْمَرَافِقِ: کہنیاں۔ واحد مِرْفَقٌ۔ وضو میں کہنیوں تک ہاتھ دھونا چاروں اماموں کے نزدیک واجب ہے۔

اَلْکَعْبَیْنِ: دونوں ٹخنے۔ واحد کَعْبٌ۔ کعب وہ ہڈی ہے جو پنڈلی اور قدم کے جوڑ کے دونوں طرف ابھری ہوئی ہوتی ہے۔

اَلْغَآئِطِ: وسیع نشیبی میدان۔ قضائے حاجت کی جگہ۔ جمع غِیَاطٌ و اَغْوَاطٌ

صَعِیْدًا: مٹی۔ خاک۔ زمین۔ صُعُوْدٌ سے صفت مشبہ

حَرَجٍ: حرج۔ تنگی۔ گناہ مصدر ہے۔

ربطِ آیات: سورت کے شروع میں عقود اور عہدوں کو پورا کرنے کی تاکید تھی۔ پھر کھانے پینے کی چیزوں کی حلت کا بیان اور ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے مسلمانوں کو نکاح کی اجازت دی گئی۔ ان سب چیزوں کا تعلق دنیوی زندگی سے تھا۔ اس آیت میں نماز کے لئے طہارت حاصل کرنے کی تاکید اور اس کے چند احکام کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: بخاریؒ نے قاسم کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ہم مدینہ کی طرف آرہے تھے کہ میرا ہار کہیں صحرا میں گر پڑا، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑاؤ کرنا پڑا۔ (لوگ ہار تلاش کرنے لگے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے میں ابو بکرؓ آئے اور مجھے مکے مارنے لگے اور فرمانے لگے کہ تو نے ایک ہار کے لئے لوگوں کو روک رکھا ہے۔ کچھ دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور صبح کی نماز کا

وقت آگیا۔ وضو کے لئے پانی تلاش کیا گیا مگر پانی نہ ملا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت اُسَید بن حُضَیرؓ نے کہا کہ اے ابو بکر کے گھرانے والو! تمہاری وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو برکت عطا فرمائی۔ طبرانی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے ایک حدیث بیان کی جس میں اتنا زائد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی اور حضرت ابو بکرؓ نے (حضرت عائشہؓ سے) فرمایا کہ بلاشبہ تو برکت والی ہے۔ (مظہری ۳۹ / ۳)

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم ظاہری و باطنی طہارت و پاکیزگی کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے آپ کو کفر و معصیت کی نجاست و گندگی سے بچاؤ۔ حلال و طیب چیزیں کھاؤ، نیک اور پاکدامن عورتوں سے نکاح کرو۔ پھر جب تم دربار خداوندی میں حاضری کا ارادہ کرو یعنی نماز پڑھنے لگو تو حلال و طیب چیزیں کھانے اور پاکدامن عورتوں کے ساتھ اختلاط سے جو تمہاری باطنی طہارت میں خلل واقع ہو جاتا ہے، اس کو وضو یا غسل یا تیمم کے ذریعہ دور کرو۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۹۴ / ۲)۔

وضو کی فرضیت

اس آیت میں وضو کے چار فرض بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ **چہرے کا دھونا۔ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ:** لغت میں کسی عضو پر پانی بہانے کو غسل کہتے ہیں۔ کسی عضو کو محض تر کرنے کا نام غسل نہیں۔ غسل کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ عضو پر سے پانی بہہ کر اس کے کچھ قطرے نیچے ٹپک جائیں۔ اس اعتبار سے اگر کسی نے برف کے ڈلے کو منہ اور دیگر اعضا پر وضو کی غرض سے پھرایا اور ہوا کی گرمی یا جسم کی حرارت سے برف پگھل کر پانی کے کچھ قطرے منہ اور دیگر اعضاء کے اوپر سے بہہ کر نیچے ٹپک گئے تو وضو ہو جائے گا ورنہ نہیں۔

وضو کے اعضاء کو وضو کے وقت ایک بار دھونا فرض ہے اور تین بار دھونا سنت ہے۔ ماتھے کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی تک اور ایک کان سے دوسرے کان تک کے حصے کو چہرہ کہتے ہیں۔ وضو میں اس تمام حصہ کا دھونا فرض ہے۔ کان اور ڈاڑھی کے درمیان خالی حصہ بھی چہرے

میں شامل ہے، اس لئے جمہور کے نزدیک اس کا دھونا بھی فرض ہے۔ اگر چہرے کا یہ حصہ دھونے سے رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا۔ گھنی ڈاڑھی میں بالاتفاق بالوں کی جڑیں دھونا ضروری نہیں البتہ ڈاڑھی میں خلال کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ ابن ماجہ اور ترمذی کی روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی میں خلال کیا کرتے تھے۔ (حقانی ۲۵۳ / ۲)

اگر کسی کی ڈاڑھی میں بال کم ہوں اور بالوں میں سے جلد نظر آتی ہو تو جلد تک پانی پہنچانا ضروری ہے اور اگر ڈاڑھی گھنی ہو اور بالوں میں سے جلد نظر نہ آتی ہو تو جلد تک پانی پہنچانا ضروری نہیں بلکہ ڈاڑھی کی اوپر کی سطح کو دھو لینا کافی ہے۔

۲۔ ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا۔ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ: دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا فرض ہے۔ جمہور کے نزدیک اس میں کہنیوں کا دھونا بھی شامل ہے۔ آیت میں اس بات کی تشریح نہیں کہ پہلے دائیں ہاتھ کو دھوئے یا بائیں کو مگر مسنون یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کو دھوئے، پھر بائیں کو اور دھونے کی ابتدا ہاتھ کی طرف سے کرے۔ کہنیوں کی طرف سے پانی ڈالنا شروع نہ کرے کیونکہ یہ مکروہ اور خلاف حدیث ہے۔

۳۔ سر کا مسح کرنا۔ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ: ہاتھ کو پانی سے تر کر کے کسی چیز کو لگانے کو مسح کہتے ہیں اور لغت میں عموماً چھونے کو مسح کہتے ہیں۔ اس آیت میں اس بات کی وضاحت نہیں کہ پورے سر کا مسح کیا جائے یا نصف کا یا چوتھائی کا۔ اس لئے ائمہ عظام کا اس میں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے اور گردن کا شمار سر میں ہوتا ہے اس لئے کانوں کی طرح اس پر مسح کرنا بھی مستحب ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سر کے چند بالوں کے مسح سے بھی فرض ادا ہو جائے گا۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک پورے سر کا مسح فرض ہے۔

۴۔ پاؤں دھونا۔ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ: وضو میں دونوں پاؤں کا ٹخنوں تک دھونا فرض ہے۔ ہر پاؤں کو تین دفعہ دھونا اور دائیں طرف سے شروع کرنا سنت ہے۔

وضو کی نیت کرنا۔ پہلے پہنچوں تک ہاتھ دھونا، کلی کرنا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، ہر عضو کو تین بار دھونا اور دائیں طرف سے شروع کرنا اور ترتیب کا خیال رکھنا یہ سب باتیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل سے ثابت ہیں اور سنت و مستحب شمار ہوتی ہیں۔
(حقانی ۲۵۳۔ ۲۵۵ / ۲)

وضو کے طریقے کے بارے میں حضرت علیؓ کی حدیث اس طرح ہے کہ آپ نے تین کلیاں کیں، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالا اور تین مرتبہ چہرہ دھویا اور تین مرتبہ دونوں باہنیں (دونوں ہاتھ کہنیوں تک) دھوئیں اور ایک مرتبہ سر کا مسح کیا پھر ٹخنوں تک دونوں پاؤں دھوئے پھر کھڑے ہوگئے اور وضو سے بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پیا۔ (مظہری بحوالہ ترمذی و نسائی ۵۳ / ۳)

مسند احمدؒ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لئے تازہ وضو کیا کرتے تھے۔
فتح مکہ کے دن آپؐ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج آپؐ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصداً کیا ہے۔ (ابن کثیر ۲۱ / ۲)

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز میری امت کو بلایا جائے گا۔ ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے اثر سے چمکتے ہوں گے۔ لہٰذا تم میں سے جو شخص (اپنے چہرے اور ہاتھ پاؤں کی) چمک کو جس قدر بڑھا سکے، بڑھائے۔ (مظہری ۵۹ / ۲)

غسل کی فرضیت

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ
اگر تم ناپاکی کی حالت میں ہو تو طہارت حاصل کرو، یعنی غسل کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کا طریقہ اپنے فعل سے بیان فرمایا کہ پہلے نجاست دھو ڈالو، پھر وضو کر کے تین مرتبہ تمام جسم پر پانی بہا دو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غسل کے وقت کلی کرنا، اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے اور وضو میں سنت ہے۔ کیونکہ وضو میں صرف چہرہ کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے اور غسل میں فَاطَّهَّرُوْا کہا گیا جو مبالغہ کا صیغہ ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ جسم کے دھونے میں اتنا مبالغہ

کرو کہ ایک بال بھی باقی نہ رہے ۔ (حقانی ۲۵۶ / ۲)

تیمم کا حکم

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى ..... وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ

تیمم وضو اور غسل کا قائم مقام ہے ۔ اگر تم بیمار ہو جاؤ اور بیماری کی وجہ سے پانی کا استعمال تمہارے لئے نقصان دہ ہو یا تم سفر میں ہو اور پانی دستیاب نہیں اور بیماری یا سفر کے دوران تمہیں وضو یا غسل کی ضرورت پیش آجائے تو دونوں صورتوں میں پاک مٹی سے تیمم کر لو، جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مار کر اپنے چہرہ کا مسح کر لو ، پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھوں کو زمین پر مار کر اپنے ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کر لو ۔

پھر فرمایا کہ اگر ہر حال میں تمہیں وضو اور غسل کا حکم دیا جاتا تو تم تنگی میں پڑ جاتے ۔ پس اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تو تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے اور تم پر اپنی نعمت تمام کرنا چاہتا ہے ۔ لہذا اگر پانی نہ ملے تو مٹی سے طہارت حاصل کر لو ۔ اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم نازل کر کے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی ۔ گزشتہ امتوں کو تیمم کا حکم نہیں دیا گیا تھا ۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر اس کا شکر ادا کرو ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۰۲ / ۲)

ایفائے عہد

۷۔ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ؀

اور اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا ہے اور اس کے اس عہد کو بھی (یاد کرو) جو تم سے لیا گیا ہے جبکہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بلاشبہ وہ دلوں کی باتیں خوب جانتا ہے ۔

تشریح: اس آیت میں دو باتوں کا بیان ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو یاد دلایا ہے جو اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اور ان کے ذریعہ عظیم دین اسلام کو پہنچا کر اس امت پر کیا۔

(۲) مسلمانوں کو اس عہد پر مضبوط رہنے کی ہدایت کی ہے جو انہوں نے بیعت کے وقت اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کی تابعداری اور مدد کرنے، دین اسلام پر قائم رہنے، اسے قبول کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کے لئے کیا تھا۔ اسلام لاتے وقت ہر مومن اپنی بیعت میں انہی باتوں کا اقرار کرتا تھا۔

بعض کے نزدیک یہاں عہد سے مراد عہد الست ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدم کی ذریت کو آدم کی پشت سے نکالنے کے بعد سب سے لیا تھا اور فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، اس وقت سب نے اقرار کیا تھا کہ ہم اس پر گواہ ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ اس سے عہد امانت مراد ہے جس کا ذکر درج ذیل آیت میں ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۝

(الاحزاب ۷۲)

بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر امانت کو پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اس امانت کو انسان نے اٹھا لیا۔

پھر فرمایا کہ احسان فراموشی اور عہد شکنی سے پرہیز کرتے رہو۔ ظاہری اعمال کا تو ذکر ہی کیا اللہ تعالیٰ تو ان اچھے یا برے خیالات سے بھی خوب واقف ہے جو لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ (ابن کثیر ۲/۳۰)

عدل وانصاف کی تاکید

۸۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ

لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ کے واسطے انصاف سے گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جایا کرو اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ترک نہ کرو (اور) عدل کیا کرو یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

يَجْرِمَنَّكُمْ: وہ تمہیں ضرور آمادہ کرتا ہے۔ وہ ضرور تمہارا باعث بنے گا۔ جَرْمٌ وجَرِيْمَةٌ سے مضارع بانون تاکید۔

شَنَاٰنُ: دشمنی کرنا۔ عداوت رکھنا، مصدر سماعی۔

ربطِ آیات: گزشتہ آیات میں عبادات اور ان احکام کا ذکر تھا جن کا تعلق مکلف کی ذات سے تھا۔ اس آیت میں عدل و انصاف اور شہادتِ حق کے احکام کا بیان ہے جن کا تعلق دوسروں سے ہے۔ نظام عالم کا دار و مدار عدل و انصاف اور سچی شہادت پر ہے، اس لئے کہ عدل و انصاف اور سچی شہادت سے تمام مظالم و مفاسد کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

تشریح: یہ مضمون تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ سورۂ نساء آیت ۱۳۵ میں بھی گزر چکا ہے۔ بنیادی طور پر دونوں آیتوں میں مسلمانوں کو ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنے اور سچی گواہی دینے کی تاکید کی گئی ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری کا یہی تقاضا ہے کہ دوست و دشمن کے ساتھ یکساں عدل و انصاف کیا جائے، نہ کسی کے ساتھ رعایت ہو اور نہ کسی کی حق تلفی۔

انسان کو عدل و انصاف سے روکنے اور ظلم و جور میں مبتلا کرنے کے عموماً دو سبب ہوتے ہیں۔ ایک اپنے نفس یا اپنے دوستوں، عزیزوں کی طرف داری، دوسرے کسی شخص کی دشمنی اور عداوت، سورۂ نساء کی آیت کا روئے سخن پہلے مضمون کی طرف ہے اور سورۂ مائدہ کی اس آیت کا روئے سخن دوسرے مضمون کی طرف ہے۔ اسی لئے سورۂ نساء میں **شُهَدَاۤءَ لِلّٰهِ** کے بعد **وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ** فرمایا یعنی عدل و انصاف پر قائم رہو خواہ عدل و انصاف کا حکم خود تمہارے ہی خلاف ہو یا تمہارے والدین اور عزیز و اقارب کے خلاف ہو اور یہاں سورۂ مائدہ میں **شُهَدَاۤءَ بِالْقِسْطِ** کے بعد فرمایا **وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا** یعنی کسی قوم کی عداوت و دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف کے خلاف کرنے لگو۔ مختصر یہ کہ مذکورہ دونوں آیتوں میں دو باتوں کی تاکید کی گئی ہے۔

(۱) خواہ معاملہ دوستوں سے ہو یا دشمنوں سے ہر حال میں عدل و انصاف پر قائم رہنا چاہیئے ۔ کسی سے کسی قسم کے تعلق کی بنا پر اس میں کمزوری نہیں آنی چاہیئے اور نہ کسی دشمنی اور عداوت کی بنا پر اس میں کوتاہی کی جائے ۔

(۲) سچی شہادت اور حق بات بیان کرنے سے گریز نہ کیا جائے تاکہ منصف کو صحیح فیصلہ کرنے میں دشواری پیش نہ آئے ۔

قرآن کریم میں کئی جگہ اس کی تاکید آئی ہے کہ سچی گواہی دینے میں کوتاہی اور سستی نہ کی جائے چنانچہ سورۂ بقرہ آیت ۲۸۳ میں نہایت صراحت کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ،

اور تم گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو شخص اس کو چھپائے گا، اس کا دل گنہگار ہوگا ۔

گویا سچی گواہی دینا واجب اور اس کا چھپانا سخت گناہ ہے ۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کریم میں یہ تاکید بھی فرمادی گئی کہ ۔

وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيدٌ (بقرہ آیت ۲۸۲)

معاملے کی تحریر لکھنے والوں اور گواہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے ۔ یعنی ان کو بلاوجہ پریشان نہ کیا جائے اور کم سے کم وقت میں ان کا بیان لے کر فارغ کر دیا جائے ۔

گواہی کی چند صورتیں

ڈاکٹری سرٹیفکٹ: عرف عام میں تو شہادت و گواہی کا مفہوم صرف کسی مقدمے میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینا ہے ۔ مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت یعنی گواہی کا بہت وسیع مفہوم ہے ۔ مثلاً اگر کوئی ڈاکٹر کسی بیمار کو یہ سرٹیفکٹ دے کہ یہ شخص کام کرنے کے قابل نہیں یا نوکری کے قابل نہیں تو یہ بھی ایک شہادت ہے ۔ اگر ڈاکٹر نے واقعہ کے خلاف سرٹیفکٹ دیا تو جھوٹی شہادت ہوگی جو گناہ کبیرہ ہے ۔

امتحانی پرچوں پر نمبر لگانا: یہ بھی ایک شہادت ہے ۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پروائی سے کسی کے نمبروں میں کمی بیشی کر دی گئی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے ۔ یہ حرام اور سخت گناہ ہے ۔ کامیاب ہونے والے طالب علم کو سند دینا اس بات کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت

وصلاحیت رکھتا ہے۔ اگر واقعتاً وہ شخص ایسا نہیں ہے تو اس سند پر دستخط کرنے والے تمام لوگ شہادتِ کاذبہ کے مجرم ہوں گے۔

اسمبلیوں کے انتخاب: اسمبلیوں اور کونسلوں وغیرہ کے انتخاب میں کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی ایک شہادت ہے۔ گویا ووٹ دینے والا اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کے نزدیک وہ امیدوار جس کو وہ ووٹ دے رہا ہے اپنی استعداد وقابلیت اور دیانت وامانت کے اعتبار سے قومی نمائندہ بننے کے قابل ہے۔ اس لئے ووٹ خوب سوچ سمجھ کر دینا چاہئے۔

قرآن کریم کی رو سے ووٹ ایک سفارش بھی ہے کہ ووٹ دینے والا گویا یہ سفارش کرتا ہے کہ فلاں امیدوار کو نمائندگی دی جائے۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۔ (نساء آیت ۸۵)۔

جو شخص کسی نیک کام کی سفارش کرتا ہے تو اسے بھی اس کا حصہ ملے گا اور جو برے کام کی سفارش کرے گا اس کے لئے بھی اس میں سے ایک حصہ ہے۔

پس جو شخص اپنی ممبری کی مدت کے دوران غلط اور ناجائز کام کرے گا، ان سب کا وبال ووٹ دینے والے پر بھی پڑے گا۔

شرعی اعتبار سے ووٹ کی ایک حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو اپنی نمائندگی کے لئے وکیل بناتا ہے۔ یہ وکالت ایسے حقوق سے متعلق ہے جن میں اس کے ساتھ پوری قوم شریک ہے۔ اس لئے اگر کسی نااہل کو ووٹ دے کر کامیاب بنایا تو پوری قوم کے حقوق کو پامال کرنے کا گناہ بھی اس کی گردن پر ہے۔ اس لئے ہر مسلمان ووٹر کا فرض ہے کہ وہ ووٹ دینے سے پہلے پوری تحقیق واطمینان کرلے کہ جس کو ووٹ دے رہا ہے۔ اس میں کام کی صلاحیت اور دیانت وامانت ہے یا نہیں۔ محض غفلت ولا پرواہی سے ایسے عظیم گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔

(معارف القرآن ۶۸۔ ۳، ۲/۳)

اہلِ جنت واہلِ دوزخ

۱۰۰۹۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ

وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کر لیا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ اہل جہنم ہیں۔

تشریح: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کی بخشش اور ان کے لئے اجر عظیم یعنی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ یہ عدل وانصاف کا تقاضا بھی ہے اور مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل وانعام اور مہربانی بھی ہے۔ کیونکہ جنت نیک اعمال کے سبب اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ملے گی۔

اس کے برعکس جن لوگوں نے کفر کیا، اللہ تعالیٰ کے صاف و صریح احکام کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک اور اس کی آیتوں کی تکذیب ایسا ظلم عظیم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی ظلم اور بے انصافی نہیں۔ اس لئے اس کی سزا کے طور پر کافروں کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رکھنا اللہ تعالیٰ کا عدل وانصاف اور اس کی حکمت ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۰۴ ۲)

فتح ونصرت کا راز

۱۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو جو اس نے تم پر کیا جبکہ ایک قوم (اہل مکہ) نے تم پر دست درازی کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

هَمَّ: اس نے ارادہ کیا۔ اس نے قصد کیا۔ هَمٌّ سے ماضی

یَبْسُطُوْا: وہ بڑھائیں گے۔ وہ پھیلائیں گے۔ بَسْطٌ سے مضارع

فَکَفَّ: پس اس نے روک دیا۔ پس اس نے باز رکھا۔ کَفٌّ سے ماضی

شانِ نزول: اس آیت کے شانے نزول میں کئی واقعات ہیں جن میں کوئی تضاد نہیں اور وہ سب کے سب مذکورہ آیت کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

(۱) بغویؒ نے اپنے سلسلہ سند سے مجاہدؒ، عکرمہؒ، کلبیؒ اور ابن بشارؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر ساعدیؓ کو مہاجرین و انصار کے تیس آدمیوں کی ایک جماعت کے ساتھ بنی عامر بن صعصعہ کی طرف (تبلیغ اسلام کے لئے) بھیجا۔ حسب الحکم یہ لوگ روانہ ہو گئے اور بنی عامر کے ایک چشمہ پر پہنچ کر جس کا نام بیرِ معونہ تھا، بنی عامر بن طفیل سے مقابلہ ہوا۔ حضرت منذر اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے۔ صرف تین مسلمان بچے جو گمشدہ اونٹ کی تلاش میں گئے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک عمروؓ بن امیہ ضمری تھے۔ یہ دیکھ کر کہ پرندے آسمان پر چکر کاٹ رہے ہیں اور ان کی چونچوں سے خون کے لوتھڑے زمین پر گر رہے ہیں، ان تینوں کو اندیشہ ہوا اور ان میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے ساتھی قتل کر دیئے گئے اور پھر وہ اپنے (مقتول) ساتھیوں کی طرف رخ کر کے دوڑنے لگے۔ راستہ میں ایک آدمی سے مقابلہ ہوا۔ دونوں میں خوب لڑائی ہوئی۔ آخر ان کے ایک کاری ضرب لگی تو انہوں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا اللہ اکبر۔ خدا کی قسم میں جنت میں داخل ہو گیا۔ ان کے دونوں ساتھی بھی اسی طرف چل دیئے۔ ان کا مقابلہ بنی سلیم کے دو آدمیوں سے ہوا (بنی سلیم بنی عامر کی ایک شاخ تھی) ان دونوں نے اپنا نسب بنی عامر سے ملایا تو دونوں مسلمانوں نے ان کو کافر سمجھ کر قتل کر دیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی سلیم سے صلح کا معاہدہ کر چکے تھے۔ اس لئے بنی سلیم والے خون بہا مانگنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (خون بہا ادا کرنے کے لئے پیسہ نہ تھا، لہٰذا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو ساتھ لے کر کعب بن اشرف یہودی اور بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے۔ تاکہ دیت ادا کرنے میں ان سے مالی مدد لیں کیونکہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا کہ یہودیوں اور مسلمانوں میں لڑائی نہ ہو گی اور (اگر مسلمانوں کو ضرورت ہوئی تو) خون بہا ادا کرنے میں مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سن کر یہودیوں نے کہا کہ اے ابو القاسم! پہلے ہم آپ کو کھانا کھلائیں گے، پھر جو کچھ

آپ کا مطالبہ ہو گا وہ ہم آپ کو دے دیں گے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے ۔

یہودیوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس قدر آج تمہارے قریب ہیں آئندہ اتنے قریب کبھی نہیں آئیں گے ۔ اس وقت اگر کوئی اس مکان کی چھت پر چڑھ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایک بڑا پتھر گرادیتا تو (ہمیشہ کے لئے) سکون ہو جاتا ۔ (نعوذ باللہ) ۔ یہ گفتگو سن کر عمر بن حجاش نے کہا کہ یہ کام میں کروں گا ۔ چنانچہ وہ ایک بڑی چکی کا پاٹ گرادینے کے ارادے سے چلا گیا ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور جبرائیل امین نے آکر آپؐ کو ان کے ارادے کی خبر دے دی اور آپؐ فوراً وہاں سے اٹھ کر مدینے واپس آنے کے ارادہ سے باہر آ گئے ۔ پھر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا ۔ اگر میرے رفقاء میں سے کوئی شخص تمہارے پاس آکر میرے بارے میں معلوم کرے تو کہہ دینا کہ وہ مدینے کو گئے ہیں ۔ حضرت علیؓ نے حکم کی تعمیل کی یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب نکل آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے آ گئے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

ابو نعیمؒ نے دلائل النبوۃ میں حضرت حسن بصریؒ کے طریق سے حضرت جابر بن عبداللہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بنی محارب کے ایک آدمی نے جس کو غورث بن حارث کہا جاتا تھا اپنی قوم والوں سے جا کر کہا کہ میں جا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کئے دیتا ہوں ۔ یہ کہہ کر وہ آپؐ کی طرف آیا ۔ اس وقت آپؐ بیٹھے ہوئے تھے اور تلوار گود میں رکھی ہوئی تھی ۔ غورث نے کہا کہ ذرا میں آپ کی تلوار دیکھوں ۔ آپؐ نے فرمایا لو دیکھ لو ۔ غورث تلوار نیام سے کھینچ کر ہلانے لگا اور کہنے لگا کہ کیا آپؐ کو مجھ سے ڈر نہیں لگتا ۔ آپؐ نے فرمایا نہیں ۔ وہ کہنے لگا کہ میرے ہاتھ میں تو تلوار ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری حفاظت کرے گا ، تجھ سے ۔ یہ سن کر اس نے تلوار نیام میں رکھی اور آپؐ کو واپس کر دی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

بیہقیؒ نے دلائل میں قتادہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ آیت کا نزول عربوں کے ایک قبیلہ کے بارے میں ہوا تھا ۔ جس نے دھوکہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کے ارادے سے ایک بدو کو بھیجا ۔ وہ بدو آپؐ کے پاس اس وقت پہنچا جب آپؐ کسی پڑاؤ پر آرام فرما رہے تھے ۔ بدو آپؐ کی تلوار قبضے میں لے کر کہنے لگا کہ اب مجھے آپؐ (کو قتل کرنے) سے کون روک سکتا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ ۔ فوراً اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی ۔ مگر آپؐ نے اس کو سزا

نہیں دی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہودیوں نے آپ ؐ کو اور آپؐ کے صحابہ کو قتل کرنے کے ارادے سے زہر ملا کر کھانا تیار کیا اور آپ ؐ کی اور صحابہ کرام کی دعوت کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو مطلع کر دیا اور آپؐ بچ گئے۔

بعض صحابۂ کرام سے یہ بھی منقول ہے کہ ایک مرتبہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ ؐ کو قتل کرنے کی سازش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس کی اطلاع کر دی اور ان کی سازش خاک میں مل گئی۔ (مظہری ۶۱ - ۶۳ / ۳، ابن کثیر ۳۱ / ۲)

تشریح: اس آیت میں ایک بات تو خاص طور پر یہ بتائی گئی کہ دشمنوں نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو مٹا دینے اور قتل و غارت کر دینے کے منصوبے بنائے اور تیاریاں کیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ہر موقع پر ان کو ناکام و نامراد اور خائب و خاسر کر دیا۔

دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ غیبی نصرت و امداد اور حفاظت خداوندی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس نصرت و امداد اور غیبی حفاظت کا دار و مدار تقویٰ اور توکل پر ہے۔ پس جو قوم یا فرد جس زمانے اور جس جگہ، تقویٰ اور توکل کو اختیار کرے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی بھی ایسی ہی نصرت و امداد اور غیبی حفاظت و حمایت ہوگی۔

اس آیت میں یہ بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کی فتح و نصرت صرف ظاہری ساز و سامان کی مرہون منت نہیں بلکہ ان کی اصل طاقت کا راز تقویٰ اور توکل میں مضمر ہے۔

(معارف القرآن ۷۴ - ۷۶ / ۳)

عہد و میثاق کی اہمیت

۱۲۔ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ

فَضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ سردار مقرر کئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور تم ان کی مدد کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ کو خوش دلی سے قرض دیتے رہے تو میں تمہارے گناہ ضرور تم سے دور کردوں گا اور میں تمہیں ضرور ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر تم میں سے جس شخص نے اس کے بعد کفر کیا تو وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہوا۔

نَقِيْبًا: سردار۔ نَقَابَۃٌ سے صفت مشبہ جمع نُقَبَآءُ۔ یہاں نَقِیْبٌ سے مراد بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں میں سے ہر خاندان کا ایک سردار ہے جو اپنی قوم کے احوال کا نگران و ذمہ دار تھا۔

عَزَّرْتُمُوْهُمْ: تم نے ان کی مدد کی۔ تم نے ان کو قوت پہنچائی۔ تَعْزِیْرٌ سے ماضی۔

قَرْضًا حَسَنًا: قرض حسن۔ وہ قرض جو لینے والے پر احسان رکھنے سے خالی ہو، اپنے محبوب و مرغوب اور پاک و صاف مال میں سے اخلاص کے ساتھ دیا گیا ہو، اس میں غرور و دکھاوا نہ ہو اور ان تمام امور سے پاک ہو جن سے عمل اکارت جاتا ہے۔

ربطِ آیات: اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو عہد و پیمان کی وفاداری، حق پر قائم رہنے اور عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا۔ اس آیت میں اس عہد و میثاق کی حقیقت و کیفیت کا بیان ہے جو سابقہ بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ عہد و میثاق لینا صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ان سے پہلے دوسری امتوں سے بھی اسی قسم کے میثاق لئے گئے تھے۔ مگر وہ اپنے میثاق میں پورے نہیں اترے، اس لئے ان پر طرح طرح کے عذاب مسلط کئے گئے۔

بنی اسرائیل سے بھی اللہ تعالیٰ نے ایک عہد لیا تھا جس کی صورت یہ تھی کہ بنی اسرائیل کی پوری قوم بارہ خاندانوں پر مشتمل تھی ان کے ہر خاندان سے ایک سردار چنا گیا۔ جس نے اپنے خاندان کی طرف سے میثاق الٰہی کی پابندی کی ذمہ داری لی۔ اس طرح بنی اسرائیل کے بارہ سردار اس بات کے ذمہ دار ٹھہرے کہ وہ خود بھی اس میثاق کی پابندی کریں گے اور اپنے خاندان سے

بھی کرائیں گے ۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے خود اس میثاق کی پابندی کی اور دوسروں سے بھی پابندی کرانے کا عزم کیا تو میری مدد و نصرت تمہارے ساتھ رہے گی اور تم ہر قدم پر اس کا مشاہدہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے اور اس میثاق کی نگرانی فرما رہا ہے ۔ تمہارا ہر فکر و خیال ، عزم و ارادہ اور حرکت و عمل اس کے علم میں ہے ۔ وہ تمہاری نیتوں اور ارادوں سے خوب واقف ہے ۔ میثاق کی خلاف ورزی کر کے تم کسی طرح بھی اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتے ۔

میثاق کی چند اہم دفعات

(۱) نماز قائم کرنا، (۲) زکوٰۃ ادا کرنا: دوسرے قرآنی اشارات اور احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کے فرائض صرف بنی اسرائیل ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ ہر پیغمبر اور ہر شریعت میں ہمیشہ عائد رہے ۔

(۳) رسولوں پر ایمان لانا: اللہ تعالیٰ کے تمام رسولوں پر ایمان لانا اور ان کے مقصد رشد ہدایت میں ان کی تائید و مدد کرنا اور ان میں باہم تفریق نہ کرنا کہ کسی کو ماننے اور کسی کو نہ ماننے ۔ بنی اسرائیل میں چونکہ بہت سے رسول آنے والے تھے اس لئے خصوصیت سے ان کو اس کی تاکید فرمائی گئی ۔

(۴) اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کے پیغمبروں کی حمایت میں اخلاص کے ساتھ اپنا محبوب مال خرچ کرنا اور اس میں کوئی دنیوی غرض شامل نہ ہو ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کو ، قرض دینے سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح قرض کا بدلہ قانوناً اور اخلاقاً واجب الادا سمجھا جاتا ہے ۔ اسی طرح یہ یقین کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جائے کہ اس کا بدلہ ضرور ملے گا ۔

زکوٰۃ اور قرض حسن کے علیحدہ علیحدہ ذکر سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات و خیرات ہیں اور زکوٰۃ کے علاوہ کچھ دوسرے مالی حقوق بھی انسان کے ذمہ ہیں ۔

میثاق کی دفعات بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر تم نے میثاق کی پابندی کی تو اس کی جزا

کے طور پر تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور تمہیں دائمی راحت و عافیت کی بیمثال جنت میں رکھا جائے گا۔ پھر فرمایا کہ اگر کسی نے ان واضح ہدایات وارشادات کے بعد بھی سرکشی اختیار کی تو وہ سیدھی راہ چھوڑ کر اپنے ہی ہاتھوں تباہی کے گڑھے میں جاگرا۔

(معارف القرآن ۷۷۔۸۰/ ۳)

یہود کی محرومی

۱۳۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

پھر ہم نے ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر لعنت کر دی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ وہ (توریت کے) الفاظ کو ان کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ اس نصیحت میں سے ایک بڑا حصہ بھول گئے، جو ان کو کی گئی تھی اور ان میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع آپ کو ہمیشہ ملتی رہے گی۔ سو آپ ان کو معاف کیجئے اور ان سے درگزر فرمایئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

نَقْضِهِمْ: ان کا توڑنا۔ ان کا عہد شکنی کرنا۔

قٰسِيَةً: سخت ہونے والی۔ سیاہ ہونے والی۔ قَسْوٌ و قَسَاءٌ سے اسم فاعل۔

اِصْفَحْ: تو منہ پھیر لے۔ تو درگزر کر۔ صَفْحٌ سے امر۔

تشریح: یہود نے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ کی کتابوں کو پس پشت ڈالا اور اللہ کے فرائض سے روگردانی کی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عہد شکنی اور سرکشی پر ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ اب نہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان میں نرمی آتی ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کی آیات و تنبیہات کا ان پر کوئی اثر ہوتا ہے۔ اب ان کی حالت یہ ہے کہ وہ توریت میں

معنوی اور لفظی تحریف کرتے ہیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف توریت میں بیان کئے گئے ہیں وہ ان کو بدل دیتے ہیں اور الفاظ کے غلط معنی بیان کرتے ہیں اور ان کو جو نصیحت کی گئی تھی وہ اس کا ایک بڑا حصہ بھول گئے۔ یعنی بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی معرفت ان کو اتباع محمدی کا جو حکم دیا گیا تھا اس کو بنی اسرائیل نے ترک کر دیا اور خیانت و غداری ان کی عادت میں داخل ہے۔ ان کے بزرگ بھی اپنے زمانے کے پیغمبروں سے غداری کرتے رہے اور یہ بھی آپ سے غداری کرتے رہتے ہیں۔ مگر ان یہود میں سے تھوڑے سے لوگ اس خیانت سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے عبداللہؓ بن سلام وغیرہ۔ ایسے ہی نیک لوگ حضرت موسیٰؑ کے عہد نبوت میں ان پر ایمان لائے تھے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کے بعد انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی تصدیق کی تھی اور اب آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپؐ پر ایمان لائے۔

آپؐ کو درگزر کا حکم: آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؐ کی ذات کو دکھ دینے اور ارادہ قتل کا جو جرم ان سے سرزد ہوا ہے۔ آپؐ اس سے درگزر فرمایئے اور ان کی حرکتوں کا مواخذہ نہ کیجئے بلکہ ان سے وہی سلوک کیجئے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو حکم دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بھلائی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (مظہری ۶۴۔۶۶/۳)

نصاریٰ کو بدعہدی کی سزا

۱۴۔ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○

اور جو لوگ اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا۔ پھر وہ بھی اس نصیحت کا ایک حصہ بھول گئے، جو ان کو کی گئی تھی۔ سو ہم نے قیامت تک ان میں عداوت اور کینہ ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ بہت جلد ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کرتے رہے۔

اَغْرَيْنَا: ہم نے بھڑکا دی، ہم نے ڈال دی۔ (بصلہ۔ بین) اِغْرَاءٌ سے ماضی

اَلْبَغْضَاءَ: بغض ۔ عداوت ۔ کینہ ۔ بُغْضٌ سے اسم مصدر

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو نصاری کہتے تھے ، اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے ذریعہ ان سے بھی پختہ عہد لیا تھا کہ تم انجیل میں دی ہوئی بشارت کے مطابق اس رسول پر ایمان لانا جس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گا ۔ اور جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آئیں گے ، ان کی مدد کرنا اور ان کی ہدایات پر عمل کرنا ۔ پھر وہ بھی اس نصیحت کا ایک حصہ بھول گئے ۔ جو ان کو انجیل میں کی گئی تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ان پر ایمان لانے کی بجائے ، یہود کی طرح انہوں نے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی ۔ اس بد عہدی کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی ۔ اس عداوت کے نتیجہ میں ان میں بے شمار فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر و ملعون کہتے ہیں اور ایک دوسرے کو اپنے عبادت خانوں تک میں نہیں آنے دیتے ۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کفر و معصیت ، نصیحت کو بھلا دینے ، اللہ تعالیٰ کے ذمہ تہمتیں لگانے ، اس کے لئے بیوی اور اولاد مقرر کرنے ، آسمانی کتابوں کی خلاف ورزی اور انبیاء کی تکذیب جیسے جرائم کی سزا میں ان کو بری طرح پکڑے گا اور ان کو بتا دے گا کہ ان کی یہ تمام حرکتیں گمراہی کی تھیں ۔ (ابن کثیر ۳۳ / ۲ ، مظہری ۶۶، ۶۷ / ۳)

اہلِ کتاب کو نصیحت

۱۵، ۱۶۔ يَٰٓأَهْلَ الْكِتَٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَٰبِ وَيَعْفُوا۟ عَن كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ۝ يَهْدِى بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَٰنَهُۥ سُبُلَ السَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَٰتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِۦ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

اے اہل کتاب ! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا جو تمہیں بہت سی وہ باتیں صاف صاف بتاتا ہے جو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے اور وہ بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے ۔ بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور

روشن کتاب آچکی ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے طلب گار ہیں اللہ ان کو
اس کے ذریعہ سلامتی کا راستہ بتاتا ہے اور ان کو اپنے حکم سے اندھیروں سے
روشنی کی طرف لاتا ہے اور ان کو سیدھی راہ پر چلاتا ہے ۔

شانِ نزول: ابن جریرؒ نے عکرمہؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ یہودی رجم (سنگساری) کا حکم معلوم کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ آپؐ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہارا سب سے بڑا عالم کون ہے ۔ یہود نے ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا ۔ آپؐ نے ابن صوریا کو اس خدا کی قسم دی جس نے (حضرت) موسیٰ پر توریت نازل کی تھی اور بنی اسرائیل کے سروں پر کوہ طور کو بلند کر کے (توریت پر عمل کرنے کا) پختہ وعدہ لیا تھا ۔ پھر آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری کتاب میں رجم کی سزا ہے ۔ اگر ہے تو تم لوگوں نے اسے کس طرح ترک کر دیا ۔ ابن صوریا نے جواب دیا کہ جب ہمارے اندر زنا کی کثرت ہو گئی (اور سنگسار کرنا دشوار ہو گیا) تو ہم نے خود سو کوڑے مارنے اور سر مونڈنے کی سزا جاری کر دی ۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا حکم دے دیا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیتیں نازل فرمائیں ۔ (مظہری ۶۷ / ۳)

تشریح: یہاں تمام اہل کتاب کو مخاطب کر کے نصیحت کے طور پر فرمایا کہ دیکھو ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت و رسالت کے دلائل اور معجزے اور دین حق کے ساتھ تمہارے پاس آ گئے ہیں ۔ تمہیں ایک عرصہ سے ان کا انتظار تھا اور ان کی صفات و بشارتیں تمہاری کتابوں توریت و انجیل میں موجود ہیں ۔

ان کی نبوت و رسالت کے دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ امی ہونے کے باوجود وہ تمہاری کتابوں کے مخفی علوم کو تمہارے سامنے ایسے حرف بحرف صحیح بیان کرتے ہیں کہ تمہیں اس کے انکار کی مجال نہیں ۔ مثلاً رجم اور قصاص کے وہ احکام جن کو تم چھپاتے تھے ۔ ظاہر ہے کسی ان پڑھ کا ان تمام علوم و احوال کو تمہاری کتابوں سے حاصل کرنا محال ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علوم و احوال وحی الٰہی کے ذریعہ بتائے گئے ہیں ۔

ان کے حلم و بردباری کا یہ حال ہے کہ وہ تمہاری بہت سی نامناسب و ناگوار باتوں اور احوال و واقعات سے درگزر کرتے ہیں اور علم ہونے کے باوجود ان کے اظہار سے چشم پوشی کرتے ہیں ۔ تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ایک نور ہدایت یعنی قرآن کریم

بھی نازل کیا ہے جو گمراہی کو مٹاتا اور ہدایت کو واضح کرتا ہے۔ رضائے الٰہی اور اس کی خوشنودی چاہنے والوں کو اللہ تعالیٰ اس کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کے ضابطے اور احکام بتاتا ہے اور اپنے فضل و ارادے اور توفیق و تائید سے ان کو کفر و معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر راہ ہدایت پر لگا دیتا ہے۔ پس اے اہل کتاب! تم بھی اس نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اس پر نازل ہونے والی کتاب مبین کو قبول کر کے اپنے کفر و جہالت کی تاریکی کو دور کرو اور ہدایت کی روشنی میں آجاؤ۔ اسی میں تمہاری بھلائی اور نجات ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۰، ۲/۳۱۱، ابن کثیر ۲/۳۴)

نصاریٰ کا باطل عقیدہ

۱۷۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

بیشک وہ تو کافر ہی ہو گئے جنہوں نے یہ کہا کہ بیشک اللہ تو مسیح بن مریم ہی ہے آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ، مسیح بن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور سب زمین کے رہنے والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو پھر اللہ کے آگے کس کا بس چلے گا اور آسمانوں پر اور زمین پر اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب پر اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریح اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کا کفر بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے مخلوق کو خدائی کا درجہ دے رکھا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک و ہمسر نہیں۔ تمام مخلوقات، جن و انس چرند و پرند، حیوان و حشرات، شجر و حجر، زمین و آسمان، چاند و سورج، خشکی و تری، آگ و ہوا وغیرہ سب اسی کی محکوم و مملوک ہیں اور سب فانی ہیں۔ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ بھی اللہ تعالیٰ کی

مخلوق اور قابل فنا تھے ۔ ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و اختیار سے باہر نہیں تھا ۔ بھلا جو فانی اور مخلوق ہو وہ کیسے خالق ہو سکتا ہے ؟

اگر اللہ تعالیٰ ، حضرت عیسیٰ ان کی والدہ اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہئے تو کسی کی مجال نہیں کہ آگے آکر اسے روک سکے اور ان کو فنا ہونے سے بچا سکے ، کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے اور کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرأت کر سکے ۔ تمام موجودات و مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے ۔ وہ جو چاہے کرے ۔ کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں ۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا ۔ اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے ۔ اس کی عظمت و عزت بہت بلند ہے ، وہ عامل و غالب ہے جیسے جس طرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور فنا کرتا ہے ۔ وہ سابق مادے کے بغیر بھی پیدا کرتا ہے جیسے آسمان اور زمین کو محض عدم سے وجود میں لایا ۔ اور غیر جنس کے مادے سے بھی پیدا کر سکتا ہے جیسے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور صرف نر سے بھی پیدا کر سکتا ہے جیسے حضرت حوا کو حضرت آدمؑ سے پیدا کیا اور صرف مادہ سے بھی پیدا کر سکتا ہے ۔ جیسے حضرت عیسیٰ کو حضرت مریم سے پیدا کیا اور نر و مادے کے جوڑے سے بھی پیدا کر سکتا ہے جیسے اکثر جانوروں اور انسانوں کو پیدا کرتا ہے ۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ زندہ کرنا بھی اس کی قدرت میں ہے اور مار دینا بھی اس کی قدرت میں ہے ۔ (ابن کثیر ۳۴ / ۲ ، مظہری ۶۸ / ۳)

یہود و نصاریٰ کے دعوے کی تردید

۱۸ ۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ○

اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور اس کے محبوب ہیں آپ کہہ دیجئے کہ پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے ۔ بلکہ اس کی مخلوق میں سے تم بھی ویسے ہی آدمی ہو (جیسے اور لوگ) ۔ وہ جس کو چاہتا

ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور آسمانوں پر اور زمین
پر اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب پر اللہ تعالیٰ ہی کی حکومت ہے
اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔

شانِ نزول: محمد بن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ نعمان بن حی اور بحری بن عمرو اور شاس بن عدی یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ گفتگو کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوالوں کے جواب دیئے اور ان کو اسلام کی دعوت پیش کی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا۔ اس پر یہودی بھی عیسائیوں کی طرح کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ہمیں کس چیز سے ڈراتے ہیں۔ بخدا ہم تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور چہیتے ہیں (وہ ہمیں عذاب کیسے دے گا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶۸ / ۳)

تشریح: یہود و نصاریٰ، اپنی نفسانی اغراض کے تحت، توریت و انجیل کی عبارتوں میں تحریف و تاویل کے ذریعہ ان کا مطلب الٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اسی قسم کی تحریف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کے لاڈلے فرزند ہیں۔ اس لئے وہ ہمیں عذاب نہیں دے گا۔ ان کے اس دعوے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارا گمان صحیح ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں اور نافرمانیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے، حالانکہ باپ تو اپنی اولاد کو عذاب نہیں دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں تو تمہیں قتل، قید، ذلت اور صورتیں مسخ ہونے کے عذاب دیئے اور تم خود یہ دعویٰ کرتے ہو کہ آخرت میں تمہیں چند روز کے لئے دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ تم نہ تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہو اور نہ لاڈلے، بلکہ تم بھی دوسرے عام آدمیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہو۔ تمہیں بھی دوسروں کی طرح نیکی اور بدی کی جزا یا سزا دی جائے گی۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے کفر سے کم درجے کے گناہ، جس کے چاہے گا معاف فرما دے گا اور جس کو چاہے گا انصاف کے تقاضے کے تحت، ان گناہوں پر عذاب دے گا۔ وہ اس پر قادر ہے کہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے پکڑ لے، اس کے کسی حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔ وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے اور آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق، اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے اور بیٹے ملک نہیں ہو سکتے۔ لہذا نہ تو حضرت عزیرؑ اللہ

تعالیٰ کے بیٹے تھے اور نہ حضرت عیسیٰ ۔ اس کے بعد فرمایا کہ آخر کار سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ۔ وہ ظالم نہیں عادل ہے ۔ وہ بندوں کے اعمال کے فیصلے عدل و انصاف کے ساتھ کرے گا اور سب کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا ۔

مسند احمدؒ میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ جا رہے تھے ۔ راستہ میں ایک چھوٹا سا بچہ کھیل رہا تھا ۔ اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی طرف آ رہی ہے تو اسے بچے کے کچلے جانے کا اندیشہ ہوا اور وہ میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑی اور فوراً بچے کو گود میں اٹھالیا ۔ اس پر صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عورت اپنے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی ۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے ۔ اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا ۔

(مظہری ۶۸، ۶۹ / ۳، ابن کثیر ۳۴ / ۲)

اہلِ کتاب کو تنبیہ

۱۹ ۔ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اے اہل کتاب ! تمہارے پاس ہمارا وہ رسول آچکا جو رسولوں کا آنا بند ہونے کے بعد تمہیں (ہمارے احکام) صاف صاف بتاتا ہے تاکہ تم یہ نہ کہنے لگو کہ ہمارے پاس نہ تو کوئی خوش خبری دینے والا آیا اور نہ کوئی ڈرانے والا ۔ پس اب تمہارے پاس (ثواب کی) خوش خبری دینے والا اور (عذاب سے) ڈرانے والا آگیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

فَتْرَةٍ: سست ہونا ۔ موقوف ہونا ۔ کسی کام کو معطل کر دینا ۔

شانِ نزول: محمد بن اسحاقؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو اسلام کی دعوت اور ترغیب دی ۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے کہا کہ اے یہود کے گروہ ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو ۔ بخدا تم ضرور جانتے ہو کہ

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ بعثت سے پہلے تو تم ہم سے آپؐ کا ذکر کیا کرتے تھے اور آپؐ کے اوصاف بیان کرتے تھے۔ اس کے جواب میں رافع بن حریملہ اور وہب بن یہودا کہنے لگے کہ ہم نے تم سے یہ نہیں کہا تھا اور (حضرت) موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے کوئی کتاب نازل نہیں کی اور نہ (حضرت) موسیٰ کے بعد کسی شخص کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۶۹ / ۳)

زمانہء فترت: شرعی اصطلاح میں کچھ عرصہ کے لئے نبوت و انبیاء کا سلسلہ بند رہنے کو زمانہ فترت کہتے ہیں اور یہ حضرت عیسیٰ کے بعد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک کا زمانہ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا زمانہ ہے۔ اس تمام مدت میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ برابر جاری رہا، اس میں کبھی فترت نہیں ہوئی۔ اس عرصہ میں صرف بنی اسرائیل میں سے ایک ہزار انبیاء مبعوث ہوئے اور غیر بنی اسرائیل میں سے جو انبیاء ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان صرف پانچ سو سال کا عرصہ ہے۔ اس عرصہ میں انبیاء کا سلسلہ بند رہا، اس لئے اس کو زمانہ فترت کہتے ہیں۔ اس سے پہلے کبھی اتنا زمانہ انبیاء کی بعثت سے خالی نہیں رہا۔ بعض نے اس مدت کو ساڑھے پانچ سو برس بتایا ہے اور بعض اس کو پانچ سو چالیس برس کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ چھ سو سال کا تھا۔ اس پوری مدت میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا۔ یہی مشہور قول ہے۔
(معارف القرآن ۹۰ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے۔ ان کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ آپؐ کی بعثت ایسے وقت ہوئی جب رسولوں کی تعلیمات مٹ چکی تھیں اور دنیا توحید کو بھلا چکی تھی۔ جگہ جگہ مخلوق کی پرستش ہو رہی تھی۔ مثلاً سورج، چاند، بت اور آگ وغیرہ کی پوجا ہوتی تھی۔ کفر کی تاریکی ایمان کے نور پر چھا چکی تھی۔ دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی کی زد میں تھا۔ عدل و انصاف فنا ہو چکا تھا۔ علم اور دین کی روشنی ناپید تھی۔ ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔ چند لوگوں کے

سوا زمین پر اللہ کا نام لینے والا کوئی نہ تھا۔

اس تاریک ترین زمانے میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور آپؐ کے ذریعہ لوگوں کو سرکشی اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر راہ راست پر لگایا اور ایک روشن و ظاہر شریعت عطا فرمائی تاکہ لوگوں کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ان کے پاس کوئی نبی نہیں آیا، نہ ان کو کسی نے خوش خبری سنائی اور نہ کسی نے خبردار کیا۔ پس قادر مطلق نے اپنے برگزیدہ پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھیج دیا تاکہ کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے۔ وہ اپنے فرماں برداروں کو ثواب دینے اور نافرمانوں کو عذاب دینے پر قادر ہے۔

جہاد کی ترغیب

۲۱،۲۰۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو جو تم پر ہوا ہے، جبکہ اس نے تم میں بہت سے نبی پیدا کئے اور اس نے تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ کچھ دیا جو دنیا جہاں میں کسی کو بھی نہیں دیا۔ اے میری قوم! تم اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے اور پیٹھ پھیر کر واپس نہ لوٹو ورنہ خسارے میں پڑ جاؤ گے۔

تَرْتَدُّوْا: تم پھر جاؤ۔ تم لوٹ جاؤ۔ اِرْتِدَادٌ سے مضارع

اَدْبَارِكُمْ: تمہاری پیٹھیں۔ تمہاری پشتیں۔ واحد دُبُرٌ

فَتَنْقَلِبُوْا: پس تم پھر جاؤ گے۔ پس تم پلٹ جاؤ گے۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی۔

ربطِ آیات: گزشتہ آیتوں میں اس عہد و میثاق کا ذکر تھا جو بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے بارے میں لیا گیا تھا۔ پھر ان کی عام عہد شکنی اور میثاق کی خلاف ورزی اور اس پر سزاؤں کا بیان تھا۔ ان آیتوں میں ان کی عہد شکنی کا ایک خاص واقعہ مذکور ہے۔

تشریح: جب فرعون اور اس کا لشکر دریا میں غرق ہو گئے اور حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل فرعون کی غلامی سے نجات پا کر مصر کی حکومت کے مالک بن گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید انعام فرمانے اور ان کا آبائی وطن ملک شام بھی ان کے قبضہ میں دینے کے لئے ان کو حضرت موسیٰ کے ذریعہ حکم دیا کہ وہ جہاد کی نیت سے ارض مقدس یعنی ملک شام میں داخل ہوں اور ساتھ ہی ان کو اس جہاد میں فتح کی خوشخبری بھی سنا دی۔ اس کے باوجود انہوں نے نافرمانی کی۔

ان آیتوں میں حضرت موسیٰ کی طرف سے اپنی قوم کو اسی جہاد کے لئے ترغیب دلانے اور آمادہ کرنے کا بیان ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلا کر، اطاعتِ خداوندی کی طرف مائل کرنے کے لئے فرمایا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو کہ اس نے تم میں تمہیں میں سے ایک کے بعد ایک نبی بھیجا جو تمہیں دعوتِ توحید و ایمان دیتے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء کے ذریعہ تمہیں ہدایت و عزت عطا فرمائی اور تمہارے اندر بادشاہ بنائے اور تمہیں جاہ و حشم اور خادموں والا بنایا اور تمہیں وہ سب کچھ عطا فرمایا جو تمہارے زمانے میں کسی اور کو نہیں دیا۔

نبوت سے بڑھ کر کوئی دینی نعمت نہیں اور بادشاہت سے بڑھ کر کوئی دنیوی نعمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان دونوں نعمتوں سے نوازا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے بنی اسرائیل فرعون کے غلام تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نہ صرف ان کو فرعون کی غلامی سے نجات دی بلکہ ان کو ان کے ملک اور ان کی تمام املاک کا مالک بھی بنا دیا اور اس کے علاوہ اس زمانے کے جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ نعمتیں بھی ان کو عطا فرمائیں۔ مثلاً انبیاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونا، دنیا میں عزت و بزرگی ملنا، من و سلویٰ اترنا، بادلوں سے سایہ کرنا، دریا کو پھاڑ کر راستہ بنانا، پتھر سے بارہ چشمے برآمد ہونا، ان کے دشمنوں پر طرح طرح کے عذاب نازل ہونا۔ یہ سب وہ انعامات ہیں جو اس زمانے میں بنی اسرائیل کے علاوہ کسی اور کو عطا نہیں فرمائے۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ارض مقدس میں داخل ہو کر وہاں کے

لوگوں سے جہاد کرو ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں ان پر غلبہ دے گا اور تمہیں اس سرزمین کا قبضہ پھر مل جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدس سرزمین میں داخل ہونا تمہارے لئے لکھ دیا ہے ۔ پس تم اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتے ہوئے مصر کی طرف یا کسی اور طرف پشت پھیر کر نہ لوٹو ورنہ تم دونوں جہاں کے ثواب سے محروم ہو جاؤ گے ۔

(حقانی ۲۶۵ / ۲، مظہری ۷۰ / ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۸ / ۲)

یہود کا اظہارِ بزدلی

۲۲، ۲۴ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا
حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ○
قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا
ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬
وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا
لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ
فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ○

انہوں نے کہا: اے موسیٰ! بلاشبہ وہاں تو ایک زبردست قوم ہے اور ہم وہاں ہرگز داخل نہیں ہوں گے ۔ یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل جائیں ۔ پس اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم وہاں داخل ہو جائیں گے ۔ اس پر ان دو شخصوں نے کہا جو اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اور جن پر اللہ نے فضل کیا تھا کہ تم ان پر حملہ کر کے دروازے کی طرف سے داخل ہو جاؤ ۔ پھر جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے ۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو ۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! ہم تو ہرگز کبھی بھی اس میں داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ۔ پس تو اور تیرا رب دونوں جا کر لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ۔

جَبَّارِيْنَ: بڑے زبردست ۔ سرکش لوگ ۔ طاقتور لوگ ۔ جَبْرٌ سے مبالغہ ۔ بغویؒ نے لکھا

ہے کہ جبار اس کو کہتے ہیں جس پر کوئی زبردستی نہ کر سکے اور اس کا مقابلہ ممکن نہ ہو۔ (مظہری)

اَبَدًا: کبھی۔ ہمیشہ

هٰهُنَا: اس جگہ۔ یہاں یہ لفظ حرف تنبیہ (ھَا) اور اسم ظرف قریب (ھُنَا) سے مرکب ہے۔

قٰعِدُوْنَ: بیٹھنے والے۔ قَعْدٌ و قُعُوْدٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت موسیٰ سے ارض مقدس میں داخل ہونے کا حکم سن کر بنی اسرائیل کہنے لگے کہ اے موسیٰ، اس سرزمین پر تو بڑے قد آور اور طاقت ور لوگ رہتے ہیں، ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، ہم اس شہر میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے۔ پس اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر ہم وہاں جانے کے لئے تیار ہیں ورنہ آپ کے حکم کی تعمیل ہماری طاقت سے باہر ہے۔

بنی اسرائیل نے جب اپنے نبی کا حکم نہ مانا اور ان سے سخت کلامی اور بے ادبی کی تو دو شخص جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام و اکرام تھا ان کو سمجھانے لگے، کیونکہ ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف تھا اور وہ ڈرتے تھے کہ کہیں بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ آجائے۔ انہوں نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو گے اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنی مدد و تائید کے ذریعہ تمہیں ان پر غالب کر دے گا اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ ہم نے انہیں دیکھا ہے کہ وہ ڈیل ڈول والے ہونے کے باوجود دل کے کمزور ہیں۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کے وعدے کا یقین رکھتے ہوئے دروازے تک تو چلو، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور غالب کرے گا، ان دونوں شخصوں کے سمجھانے کے باوجود بنی اسرائیل اپنی نافرمانی پر مضبوطی سے قائم رہے اور حضرت موسیٰ سے کہنے لگے کہ اس زبردست قوم کی موجودگی میں، ہم کسی صورت بھی اس شہر میں داخل نہیں ہوں گے۔ پس تم اور تمہارا رب جا کر ان سے لڑ لو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ نے ان کو بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔ (ابن کثیر ۳۸ / ۲، مظہری ۷۳ / ۳)

حضرت موسیٰ کی التجاء

۲۵۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○

(حضرت) موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! مجھے اپنے اور اپنے بھائی کے سوا کسی پر اختیار نہیں۔ پس تو ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی کر دے

تشریح: جب بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی سے کسی طرح باز نہ آئے اور ارض مقدس میں داخل ہونے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے ان سے بیزاری کا اظہار کیا کہ اے میرے رب! مجھے تو صرف اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ ان نافرمانوں پر میرا بس نہیں چلتا کہ ان کو تیری فرماں برداری پر مجبور کر سکوں۔ پس تو میرے اور میری قوم کے ان فاسق و بد کار لوگوں کے درمیان جدائی کر دے۔

نافرمانی کا انجام

۲۶۔ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً ۚ یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پس اب یہ لوگ چالیس برس تک اس ملک سے محروم رہیں گے۔ یہ یونہی زمین میں سرگرداں رہیں گے۔ سو آپ اس نافرمان قوم پر رنجیدہ نہ ہوں۔

یَتِیْهُوْنَ: وہ سرگرداں رہیں گے۔ وہ پریشان پھریں گے۔ تَیْهٌ سے مضارع

تَاْسَ: تو افسوس کرتا ہے تو رنجیدہ ہوتا ہے۔ اَسیٰ سے مضارع

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ اب یہ لوگ اس سرزمین سے محروم کر دیئے گئے۔ نہ صرف یہ کہ یہ لوگ ملک شام نہ جا سکیں گے بلکہ اب اگر یہ اپنے وطن مصر کی طرف لوٹنا چاہیں گے تو وہاں بھی نہ جا سکیں گے اور چالیس سال تک اسی وادی تیہ میں

سرگرداں رہیں گے ۔ ان کو کسی طرح بھی اس وادی کی حدود سے نکلنے کا راستہ نہ ملے گا ۔

چنانچہ یہ لوگ چالیس سال تک اس وادی تیہ سے نکلنے کی تگ و دو کرتے رہے مگر نہ تو یہ اس سے نکل کر اپنے وطن مصر جاسکے اور نہ ارض مقدس پہنچ سکے ۔ ہوتا یہ تھا کہ سارا دن سفر کے بعد جب شام ہوتی تو معلوم ہوتا کہ گھوم پھر کر وہ اسی مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں سے صبح کو چلے تھے ، حالانکہ اس میدان کا رقبہ بعض روایتوں میں ۳۰ × ۹ فرسخ بتایا گیا ہے جو تقریباً ۹۰ × ۲۷ مربع میل کے برابر ہوتا ہے اور بعض روایتوں میں اس کا رقبہ ۳۰ × ۱۸ مربع میل بتایا گیا ہے حضرت مقاتلؒ کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل کی تعداد ۶ لاکھ تھی ۔ (مظہری ۲۷۴، ۷۵ / ۳)

جب بنی اسرائیل کو وادی تیہ میں بھٹکتے ہوئے چالیس سال ہو گئے اور ان کی سزا کی میعاد پوری ہو گئی اور بنی اسرائیل کا من و سلوی سے دل بھر گیا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سبزیوں، ترکاریوں وغیرہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ یہ تو عام سی چیزیں ہیں کسی بھی بستی سے مل جائیں گی ۔ لہٰذا اپنی مطلوبہ اشیاء حاصل کرنے کے لئے کسی بستی میں چلے جاؤ جیسا کہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۶۱ میں ارشاد ہے

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے (حضرت) موسیٰ سے کہا کہ ہم ایک طرح کے کھانے پر ہرگز صبر نہ کریں گے ۔ پس اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمارے لئے زمین سے اگنے والی سبزی اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز پیدا کرے ۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ کیا تم اعلیٰ درجے کی چیز کو ادنیٰ درجہ کی چیز سے بدلنا چاہتے ہو ۔ (اگر تم یہی چاہتے ہو تو) کسی شہر میں اترو ۔ پس جو تم نے سوال کیا ہے ۔ (وہ سب) تمہارے لئے وہاں موجود ہے ۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر ایک بستی کی طرف روانہ ہو گئے ۔
(جلالین صفحہ ۱۳، مواہب الرحمن ۱۷۶ / ۱)

بستی کے قریب پہنچ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اللہ تعالیٰ کا حکم سنایا کہ جس بستی

کا تم نے قصد کیا ہے اب تم اس میں سجدہ کرتے ہوئے اور لفظ حِطَّۃٌ کہتے ہوئے (گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے) داخل ہو جاؤ۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۵۸ میں ارشاد ہے:

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ اور بستی کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے۔ اور عنقریب ہم نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔

پس اگر تم نے ہماری ہدایت پر عمل کیا اور اپنی پستی اور گناہوں اور میری نعمتوں کا اقرار کیا اور مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش طلب کی تو، چونکہ یہ چیزیں مجھے بہت پسند ہیں، اس لئے میں تمہاری خطاؤں کو معاف کر دوں گا اور تمہارے حق میں اپنی نعمت زیادہ کر دوں گا اور تمہیں ارض مقدس عطا کر دوں گا۔ مگر بنی اسرائیل کو ثواب و مغفرت کے مقابلے میں سبزیوں، ترکاریوں اور گیہوں وغیرہ کی زیادہ خواہش تھی، اس لئے وہ ہٹ دھرمی اور نافرمانی پر قائم رہے اور بستی میں داخل ہوتے وقت وہ حِطَّۃٌ (بخشش مانگتے ہوئے، توبہ کرتے ہوئے) کی بجائے حِنْطَۃٌ (گیہوں) کہنے لگے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کی نافرمانی اور فسق و فجور کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا اور وہ اپنے کفر اور بداعمالیوں کی بنا پر نہ صرف ثواب و مغفرت سے محروم رہے بلکہ ان کو ارض مقدس میں داخل ہونا بھی نصیب نہ ہوا۔ (ابن کثیر ۹۹/۱، مظہری ۷۴/۱)

ہابیل و قابیل کی قربانی

۲۷۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ○

اور آپ ان کو (حضرت) آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا قصہ بھی ٹھیک

ٹھیک پڑھ کر سنا دیجئے جب دونوں نے ایک قربانی پیش کی ۔ سو ان میں سے
ایک کی (قربانی) تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی (قربانی) قبول نہ ہوئی ۔ وہ
(قابیل) کہنے لگا کہ میں تجھے ضرور قتل کروں گا ۔ اس (ہابیل) نے جواب دیا کہ
اللہ تو صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول فرماتا ہے ۔

ربطِ آیات: گزشتہ آیتوں میں اہل کتاب کے اس فخر و دعوے کا رد فرمایا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے لاڈلے بیٹے ہیں ۔ آئندہ آیتوں میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا واقعہ مذکور ہے ۔ یہ دونوں حضرت آدمؑ کے صلبی بیٹے تھے، مگر جس نے اطاعت کی وہ مقبول ہوا اور جس نے نافرمانی کی وہ مردود ہوا اور حضرت آدمؑ کا بیٹا ہونا اس کے کچھ کام نہ آیا ۔ لہذا یہ گھمنڈ کے ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ذرا بھی فائدہ مند نہیں ۔ نیز اس واقعہ سے بنی اسرائیل کو نصیحت کرنا مقصود ہے کہ حسد کا انجام برا ہوتا ہے ۔ لہذا تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضل و کمال پر حسد کرنے کی بجائے اس پر نظر کرو کہ آپؐ بالکل امی ہیں ۔ کسی کتاب کو پڑھ بھی نہیں سکتے مگر اس کے باوجود تمہارے سامنے توریت و انجیل کے مخفی علوم اور بنی اسرائیل کے گزشتہ واقعات کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ تمہارے علماء فضلاء کو انکار کی مجال نہیں ۔ آخر غور تو کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں اللہ تعالیٰ کے سوا کس نے بتائیں ۔

تشریح: حضرت حوّا کے بطن سے ہر حمل میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے اور ان کے لئے حکم یہ تھا کہ ایک حمل کے لڑکے کا دوسرے حمل کی لڑکی سے نکاح کر دیں ۔ جڑواں بہن بھائی کا آپس میں نکاح حلال نہ تھا ۔ سب سے پہلے لڑکے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بہت خوبصورت تھی اور دوسرے لڑکے ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ خوبصورت نہ تھی ۔ دستور کے مطابق حضرت آدمؑ نے ہابیل کی بہن کا قابیل کے ساتھ اور قابیل کی بہن کا ہابیل کے ساتھ نکاح کرنا چاہا مگر قابیل اس پر راضی نہ ہوا اور وہ ہابیل کا دشمن ہو گیا اور اصرار کرنے لگا کہ جو لڑکی اس کے ساتھ پیدا ہوئی ہے وہی اس کے نکاح میں دی جائے ۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کو اس سے منع فرما دیا اور کہا کہ یہ تیرے لئے حلال نہیں مگر وہ نہ مانا ۔

حضرت آدمؑ نے اختلاف رفع کرنے کے لئے یہ صورت تجویز فرمائی کہ تم دونوں اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی قربانی پیش کرو ۔ جس کی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اسی کو دی جائے گی ۔ اس زمانے میں قربانی قبول ہونے کی واضح علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کو کھا لیتی تھی

جس قربانی کو آسمانی آگ نہ کھاتی وہ نامقبول سمجھی جاتی تھی ۔ چنانچہ دونوں نے قربانی کی ۔ ہابیل کے پاس بھیڑ، بکریاں تھیں اس لئے اس نے خوش دلی کے ساتھ ایک نہایت عمدہ اور فربہ دنبہ قربانی کر کے پہاڑ پر رکھ دیا ۔ قابیل کاشتکاری کرتا تھا اس لئے اس نے کچھ غلہ قربانی کے لئے پیش کیا ۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اس نے خراب غلہ قربانی کے لئے پیش کیا اور وہ بھی بے دلی سے ۔ پھر آسمان سے آگ نے آکر ہابیل کی قربانی کو تو کھالیا اور قابیل کی قربانی کو یونہی چھوڑ دیا اور وہ قبول نہ ہوئی ۔ اس سے قابیل کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا اور بھائی کو قتل کی دھمکی دی ۔ ہابیل نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی قربانی قبول فرماتا ہے ۔ اگر تم پرہیزگاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہو جاتی ۔ تم نے ایسا نہیں کیا اس لئے تمہاری قربانی قبول نہیں ہوئی ۔ اس میں میرا کیا قصور ہے ۔

(مظہری ۷۸، ۷۹ / ۳، ابن کثیر ۴۱، ۴۲ / ۲)

ابن ابی الدنیا نے حضرت علیؓ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تقویٰ کے ساتھ کوئی (چھوٹا اور تھوڑا سا) عمل بھی قلیل نہیں ہوتا ۔ پس جو عمل قبول ہو جائے وہ قلیل کیسے ہو سکتا ہے ۔

ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ اگر یہ امر ثابت ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے میری نماز قبول فرمالی تو یہ بات میری نظر میں ساری دنیا اور موجودات دنیا سے زیادہ محبوب ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ صرف تقویٰ والوں کا عمل قبول فرماتا ہے ۔

ابن عساکرؒ نے فرمایا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اگر میرے علم میں آجائے کہ اللہ تعالیٰ میرا ایک عمل قبول فرما رہا ہے تو یہ بات میرے لئے زمین بھر سونے سے زیادہ محبوب ہو گی ۔ (مظہری ۷۹ / ۳)

ہابیل کا قتل

۲۸، ۳۰ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ
لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ
بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا

الظّٰلِمِيْنَ ○ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

اگر تو مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ ہرگز نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ سب اپنے سر لے لے، پھر تو اہل دوزخ میں سے ہو جائے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔ پس (قابیل) کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ پھر اس نے اس کو قتل کر ہی دیا اور وہ خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

بَسَطْتَّ : تو نے دراز کیا۔ تو نے اٹھایا۔ بَسْطٌ سے ماضی۔

تَبُوْٓاَ : تو کمائے۔ تو حاصل کرے۔ تو اپنے سر لے لے۔ بُوْءٌ وَ بَوَاءٌ سے مضارع

فَطَوَّعَتْ : پس اس نے رغبت دلائی۔ پس اس نے آمادہ کیا۔ تَطْوِيْعٌ سے ماضی۔

فَاَصْبَحَ : پس وہ ہو گیا۔ اِصْبَاحٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

تشریح : ہابیل اپنے بھائی قابیل کے مقابلے میں خوب تنومند اور طاقتور تھا۔ مگر تقویٰ اور خوف خدا نے اس کو دست درازی سے باز رکھا۔ اس نے صبر کیا اور اپنے بھائی کا ظلم و زیادتی برداشت کر لی اور اس پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ پھر ہابیل نے اپنے بھائی قابیل کو نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف دلایا کہ اس کام سے باز آجا ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کروں گا نہیں اور تو اپنے دوسرے گناہوں کے ساتھ میرے قتل اور خون ناحق کا سارا گناہ بھی اپنے سر لے گا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ ہابیل کی اس نصیحت کے باوجود قابیل کے نفس نے اس کو دھوکہ دیا اور بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا۔ آخر قابیل نے غصے اور حسد میں آکر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔

قابیل نے جب ہابیل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کس طرح قتل کرے۔ ابن جریج کا بیان ہے کہ اس وقت شیطان بھیس بدل کر اس کے سامنے آیا اور ایک پرندے کو پکڑ کر پرندے کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اوپر سے دوسرا پتھر مار دیا۔ قابیل نے بھی یہ سب کچھ دیکھا اور پھر ہابیل کا سر پتھر پر رکھ کر کچل دیا۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قابیل نے سوتے میں ہابیل کو پتھر مار کر قتل کیا۔ پھر قتل کے اس جرم کی بنا پر وہ خسارہ اٹھانے والوں میں

سے ہو گیا۔ دنیا میں بھی ساری عمر مارا مارا پھرتا رہا اور آخرت کے اعتبار سے بھی جنت کی بجائے دوزخ حاصل کی۔ (مظہری ۸۰-۸۲ / ۳)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ظلم سے قتل کیا جاتا ہے اس کے خون کا ایک حصہ حضرت آدمؑ کے پہلے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ہوتا ہے کیونکہ قتل کا دستور سب سے پہلے اسی نے ایجاد کیا۔

(مظہری بحوالہ بخاری شریف ۸۴ / ۳)

دفن کی تدبیر

۳۱۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ۝

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیج دیا جو زمین کو کریدنے لگا تاکہ وہ اس کو دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ پھر وہ کہنے لگا کہ افسوس میری حالت پر میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا پھر وہ پشیمان ہو گیا۔

غُرَابًا: کوا۔ جمع اَغْرُبٌ۔

يَبْحَثُ: وہ کھودتا ہے۔ وہ کریدتا ہے۔ بَحْثٌ سے مضارع

يُوَارِيْ: وہ ڈھانکتا ہے۔ وہ چھپاتا ہے۔ مُوَارَاةٌ سے مضارع

سَوْءَةَ: لاش، عیب، رسوائی، جمع سَوْآتٌ

تشریح: اس سے پہلے چونکہ کوئی انسان نہ اپنی طبعی موت مرا تھا اور نہ قتل ہوا تھا اس لئے قتل کے بعد قابیل کی سمجھ میں نہ آیا کہ بھائی کی لاش کو کس طرح چھپائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جس نے زمین کھود کر اس میں ایک مرے ہوئے کوے کو رکھ کر اس پر مٹی ڈال دی۔ کوے کے فعل کو دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی بات آگئی اور وہ اپنے نفس پر ملامت کرتے ہوئے کہنے لگا کہ ہائے افسوس میں اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اپنے بھائی کی لاش کو نہ چھپا سکا، پھر

وہ اس پر پشیمان ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ وہ بھائی کی جدائی پر پشیمان ہوا اور بعض نے قتل پر پشیمان ہونا مراد لیا ہے۔ تاہم قتل پر پشیمان ہونے سے یہ مراد نہیں کہ اس کو اپنے جرم پر ندامت ہوئی اور اس نے اپنے فعل کو گناہ تصور کیا، بلکہ ندامت اس بات پر ہوئی کہ اس فعل کے ارتکاب سے ماں باپ کی ناراضگی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوا۔ پھر اس نے ایک گڑھا کھود کر اپنے بھائی کی لاش کو اس میں دفن کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کوے کو قابیل کا معلم و رہنما اور قابیل کو اس کا شاگرد بنا دیا اور یہ کہ قابیل اللہ تعالیٰ کی نظر میں کوے سے بھی زیادہ حقیر تھا۔ (مظہری ۸۲ / ۳)

حیاتِ انسانی کی عظمت

۳۲۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ○

اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ جو کوئی کسی کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے کے یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اور جس نے کسی کو بچا لیا تو گویا اس نے سب کو بچا لیا اور بیشک ہمارے رسولؑ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ دنیا میں زیادتی کرتے پھرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ کے اس لڑکے کے بیجا قتل کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ مقرر کر دیا کہ جو شخص کسی ایک شخص کو قتل کر دے جس نے نہ کسی کو قتل کیا ہو اور نہ زمین میں فساد پھیلایا ہو تو گویا اس نے بدامنی اور خونِ ناحق کا دروازہ کھول کر سب لوگوں کو قتل کر دیا اور جو شخص کسی کے قتل سے باز رہے اور اسے حرام جانے تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا اور اپنے عمل سے امن و حیات کا دروازہ کھولا۔ پس کسی شخص کے قتل سے باز رہنے یا کسی کو کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچا لینے کا ثواب اتنا ہے جتنا کہ

سارے جہاں کے لوگوں کو زندہ کرنے کا۔

بنی اسرائیل چونکہ قتل و خونریزی سے نہیں ڈرتے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم یاد دلایا اور کہا کہ تم ہزاروں نبیوں کو قتل کر چکے ہوں اور اب اللہ تعالیٰ کے رسول برحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی فکر میں ہو۔ بلاشبہ ہمارے پیغمبران کے پاس صاف صاف احکام اور کھلے معجزے لے کر آچکے ہیں، پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ فتنہ و فساد اور ظلم و تعدی سے باز نہیں آتے۔

ابن ماجہ میں حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک (کل) دنیا کی تباہی ایک مومن کے ناحق خون کے مقابلے میں حقیر ہے۔

ابن ماجہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ، "میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا طواف کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ تو کیسا پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کیسی اچھی ہے، تیری عظمت کس قدر بڑی ہے، تیری عزت کتنی عظیم ہے۔ لیکن قسم ہے اس کی جس کے ہاتھوں میں میری جان ہے، مومن کے مال و خون کی عزت و حرمت تیری حرمت سے بڑھ کر ہے۔ (مظہری ۸۶ / ۳)۔

شرعی سزائیں

۳۳، ۳۴۔ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بیشک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں تو ان کی یہی سزا ہے کہ ان کو قتل

کر دیا جائے یا ان کو سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ تو ان کی دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں تو ان کے لئے بڑا ہی سخت عذاب ہے۔ مگر جو لوگ توبہ کر لیں اس سے پہلے پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

یُحَارِبُوْنَ: وہ جنگ کرتے ہیں۔ وہ لڑتے ہیں۔ مُحَارَبَۃٌ سے مضارع۔ محاربہ حَرْبٌ سے ماخوذ ہے۔ اس کے اصل معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں۔ محاورہ میں طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور سلامتی کو سلب کرنے کا نام محاربہ ہے۔ ظاہر ہے اکاد کا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا بلکہ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی طاقت ور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے۔ اس لئے فقہانے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکہ ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو ڈاکو یا باغی کہا جاتا ہے۔ انفرادی جرائم کرنے والے چور یا گرہ کٹ اس میں داخل نہیں۔ اسی طرح مقاتلہ خونریز لڑائی کو کہا جاتا ہے، خواہ اس میں کوئی قتل ہو یا نہ ہو اور خواہ اس میں ضمناً مال بھی لوٹ لیا جائے۔ (معارف القرآن ۱۱۹ / ۳)

یُنْفَوْا: وہ نکال دیئے جائیں گے۔ نَفْیٌ سے مضارع مجہول

خِزْیٌ: ذلت، خواری، رسوائی مصدر ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کے سبب نزول میں مختلف روایتیں ہیں۔ ابن جریرؒ نے یزید بن ابی حبیب کی روایت سے لکھا ہے کہ عبد الملک بن مروان نے حضرت انسؓ کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور اس آیت کے متعلق آپ سے دریافت کیا۔ حضرت انسؓ نے جواب میں لکھا کہ اس آیت کا نزول عرینہ والوں کے متعلق ہوا تھا، جنہوں نے مرتد ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا تھا اور اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے تھے۔

امام بخاریؒ وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ قبیلہ عکل کے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے مگر مدینہ کی آب و ہوا

ان کو موافق نہ آئی، اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ صدقے کے اونٹوں کے (پڑاؤ کے) پاس جاکر رہیں اور اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پئیں۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی جب تندرست ہوگئے تو مرتد ہو کر چرواہوں کو قتل کر کے اونٹوں کو ہنکا کر لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعاقب میں آدمی بھیجے۔ جب وہ گرفتار ہو کر آئے تو آپؐ نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیئے اور آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر ان کو حرہ میں پھنکوا دیا۔ وہ انتہائی تشنگی (کی حالت) میں پانی مانگتے تھے مگر ان کو پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ آخر اسی حالت میں مر گئے۔ ابو قلابہ نے کہا کہ انہوں نے قتل بھی کیا تھا، مال بھی چرایا تھا، اللہ کے رسول سے جنگ بھی کی تھی اور زمین پر تباہی پھیلانے کی کوشش بھی کی تھی۔ سلیمان تیمی نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں اس لئے سلائی پھروائی تھی کہ انہوں نے بھی چرواہوں کی آنکھیں پھوڑی تھیں۔

ضحاکؒ نے کہا کہ اس آیت کا نزول اہل کتاب میں سے ایک قوم کے متعلق ہوا جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ تھا مگر انہوں نے معاہدہ توڑ دیا۔ راستے لوٹے اور زمین پر فساد پھیلایا۔

کلبیؒ نے لکھا کہ اس آیت کا نزول ہلال بن عویمر کے قبیلے کے حق میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن عویمر یعنی ابو برزہ اسلمی سے معاہدہ کیا تھا کہ ابو برزہ کی قوم نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دے گی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی دشمن کو مدد دے گی اور قبیلہ ہلال بن عویمر کا کوئی آدمی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرے گا تو وہ مامون رہے گا اور اس سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور اس کو چھیڑا نہ جائے گا۔

ایک بار قبیلہ کنانہ کے کچھ لوگ اسلام لانے کے ارادے سے چلے اور قبیلہ اسلم کے کچھ لوگوں کی طرف سے ان کا گزر ہوا۔ قبیلہ اسلم، ہلال بن عویمر کا قبیلہ تھا۔ ہلال اس وقت موجود نہ تھا۔ بنی اسلم نے بنی کنانہ والوں پر چڑھائی کر دی اور مال چھین کر ان کو قتل کر دیا۔ (حضرت) جبرائیل امین یہ خبر لے کر آئے اور ان آیات کا نزول ہوا۔ (مظہری ۸۷، ۸۸ / ۳)

تشریح: ان آیتوں میں قتل و غارت گری، ڈاکہ زنی اور چوری کی شرعی سزاؤں کا بیان ہے۔ قرآن کریم کا یہ حکیمانہ اسلوب ہے کہ وہ دنیا کی تعزیرات کی کتابوں کی طرح صرف جرم و سزا کے بیان پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ہر جرم و سزا کے ساتھ خوفِ خدا اور آخرت کے تصور کو مستحضر کر کے

انسان کا رخ ایک ایسے عالم کی طرف موڑ دیتا ہے جس کا تصور اس کو ہر عیب و گناہ سے پاک کر دیتا ہے ۔ قرآن کریم کے اسی حکیمانہ اسلوب نے دنیا میں انقلاب برپا کیا اور ایسے انسانوں کا ایک معاشرہ پیدا کیا جو اپنے تقدس میں فرشتوں سے بھی اونچا مقام رکھتے ہیں ۔

شرعی سزاؤں کی قسمیں: شریعت اسلام میں جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں ۔

۱۔ **حدود:** قرآن کریم نے جن جرائم کی سزاؤں کو اللہ تعالیٰ کے حق کے طور پر متعین کر کے جاری کیا ہے ان کو حدود کہتے ہیں ۔ ان کی پوری تفصیل و تشریح خود قرآن کریم نے بیان کر دی ہے ۔

حدود کے معاملے میں کسی حاکم و امیر یا حکومت کو ادنیٰ سے تغیر و تبدل یا کمی بیشی کا بھی اختیار نہیں اور نہ زمان و مکان کے بدلنے کا ان پر کوئی اثر پڑتا ہے ۔ حتیٰ کہ صاحبِ حق انسان کے معاف کر دینے سے بھی حد ساقط نہ ہو گی ۔ مثلاً اگر کسی نے کسی کا مال چوری کیا ہے تو جس کا مال چوری کیا ہے اس کے معاف کر دینے سے بھی چوری کی شرعی سزا یعنی حد معاف نہ ہو گی ۔ شریعتِ اسلام میں حدود صرف پانچ ہیں ۔

(۱) ڈاکہ ، (۲) چوری ، (۳) زنا ، (۴) تہمت زنا ، (۵) شراب خوری

ان پانچ قسم کے جرائم کی سزاؤں کو حدود کہا جاتا ہے ان میں سے پہلی چار سزائیں تو قرآن کریم میں منصوص ہیں ۔ پانچویں حد جو شراب خوری کی ہے وہ اجماع صحابہ کرام سے ثابت ہے ۔ جس طرح حدود کی سزائیں اور ان کے نفاذ کا قانون سخت ہے اسی طرح ان جرائم کے ثبوت کی تکمیل کے لئے شرائط بھی نہایت سخت اور کڑی رکھی گئی ہیں ۔ ان شرائط میں سے اگر کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے بلکہ اگر ثبوت میں ادنیٰ سا شبہ بھی پایا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے ۔

ڈاکہ و رہزنی کی شرعی سزا: پہلی آیت میں ان لوگوں کی سزا کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقابلہ و محاربہ کرتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں ۔ لہذا یہ سزا ان ڈاکوؤں اور باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں اور حکومت کے قانون کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں ، مال لوٹنا ، آبرو پر حملہ

کرنا، قتل و خونریزی کرنا، بد امنی پھیلانا وغیرہ سب اس میں داخل ہیں۔

قرآن کریم نے ڈاکہ اور رہزنی کی چار سزائیں ذکر کی ہیں:

(۱) ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جائے، (۲) ان کو سولی چڑھا دیا جائے، (۳) ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں، (۴) ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

ان میں سے پہلی تین سزاؤں کے لئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ تینوں مبالغہ کے صیغے اور باب تفعیل سے ہیں جو فعل کی تکرار اور شدت پر دلالت کرتا ہے۔ نیز تینوں سزاؤں کے لئے جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں، جو اس بات کی طرف اشارہ ہیں کہ ان لوگوں کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو اسی کو سزا دی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بد امنی پھیلانے والے گروہ کے ایک فرد سے بھی یہ جرم سرزد ہو گیا تو پورے گروہ کو قتل یا سولی یا ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔ نیز یہ شرعی سزا حد کے طور پر نافذ کی جائے گی۔ لہٰذا اگر وہ لوگ جن کو نقصان پہنچا ہے اس کو معاف کر دیں تب بھی شرعاً یہ سزا معاف نہ ہوگی۔ ان سزاؤں میں امام یا امیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت و شوکت اور جرم کی شدت و خفت کو سامنے رکھ کر یہ سزائیں جاری کر سکتا ہے۔

چوتھی سزا زمین سے نکالنا ہے۔ بعض فقہا کے نزدیک اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دار الاسلام سے نکال دیا جائے اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے ان کو وہاں سے نکال دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ایسے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو اس شہر سے نکال کر، جہاں جرم سرزد ہوا ہے، دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ وہاں لوگوں کو ستائے گا۔ اس لئے اس کو قید خانہ میں بند کر دیا جائے۔ یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔

مذکورہ بالا چاروں سزاؤں کی تفسیر و تشریح میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ جمہور نے حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے رہزنوں اور لٹیروں کے متعلق فرمایا کہ اگر لٹیروں نے قتل کیا ہو اور مال لیا ہو تو ان کو قتل کیا جائے اور صلیب دی جائے اور اگر صرف قتل کیا ہو مال نہ لیا ہو تو ان کو قتل کیا جائے، صلیب نہ دی جائے اور اگر صرف مال لیا ہو قتل نہ کیا ہو تو ان کے مخالف سمت کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں اور اگر راہ گیروں کو صرف خوفزدہ کیا ہو اور ان سے مال نہ چھینا ہو تو ان کو جلا وطن کر دیا جائے۔

ہدایہ میں ہے کہ جب رہزن قتل کا ارتکاب بھی کریں اور اموال بھی لوٹیں تو امام کو سزا میں اختیار ہے کہ پہلے مخالف سمتوں سے ہاتھ اور پاؤں کاٹے اور بعد میں قتل کرے یا سولی پر چڑھا دے یا چاہے تو صرف قتل کرے یا سولی پر لٹکا دے ۔ (کتاب السرقہ باب قطع الطریق)

۲۔ **قصاص**: اسلام نے جن جرائم کی سزاؤں کو بندے کے حق کے طور پر جاری کیا ان کو قصاص کہتے ہیں ۔ قصاص کو بھی خود قرآن کریم نے پوری تفصیل و تشریح کے ساتھ بیان کر دیا ہے ۔ اس سلسلہ میں اسلام کا عادلانہ قانون یہ ہے کہ جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہو اسی کو قصاص میں قتل کیا جائے ۔ آزاد کے بدلے میں آزاد، غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بدلے میں عورت کو قتل کیا جائے ۔ اسی طرح زخم کے بدلے میں مساوی زخم کی سزا دی جائے ۔ اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلے میں قتل کرنا یا اگر قاتل غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد آدمی کا قتل کرنا ظلم عظیم ہے ۔

قرآن و سنت نے قصاص میں بندے کے حق کی حیثیت کو غالب قرار دیا ہے اس لئے قاتل پر قتل کا جرم ثابت ہونے کے بعد اس کو مقتول کے ولی کے حوالے کر دیا جاتا ہے ۔ وہ چاہے تو اس کو قصاص میں قتل کرا دے اور چاہے معاف کر دے ۔ اس کو دونوں طرح کا اختیار ہے ۔

ابی شریح خزاعیؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کوئی مقتول یا مجروح ہو تو اسے تین باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے: (۱) قصاص یعنی بدلہ لے لے، (۲) معاف کر دے، (۳) دیت یعنی جرمانہ لے لے ۔ اور اگر (ان تین باتوں کے علاوہ) کچھ اور کرنا چاہے تو اسے روک دو ۔ اگر ان (تین) میں سے ایک کام کر چکنے کے بعد وہ زیادتی کرے تو ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو جائے گا ۔

۳۔ **تعزیر**: جن جرائم کی سزاؤں کا تعین نہیں فرمایا بلکہ حکام کی صوابدید پر رکھا گیا ہے ان کو شرعی اصطلاح میں تعزیر کہا جاتا ہے ۔ تعزیری جرائم کی تفصیلات کے بیان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حکام وقت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ تعزیری سزائیں حالات کے تحت ہلکی بھی کی جا سکتی ہیں اور سخت بھی اور معاف بھی کی جا سکتی ہیں ۔ ان میں حکام کے اختیارات وسیع ہیں ۔

تعزیر کی کم سے کم مقدار ۳ کوڑے ہے اور زیادہ سے زیادہ مقدار طرفین یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ۳۹ کوڑے ہے ۔ (ہدایہ کتاب الحدود ۔ فصل تعزیر)

آیت کے آخر میں فرمایا کہ ایسے لوگوں کے لئے یہ شرعی سزائیں تو دنیا کی ذلت اور رسوائی ہے۔ آخرت میں جو سزا ان کو دی جائے گی وہ اس سے بھی سخت اور دیر پا ہو گی۔

دوسری آیت میں ایک استثنا کا ذکر ہے کہ اگر یہ ڈاکو اور باغی، حکومت کے گھیرے میں آنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے پہلے جبکہ ان کی قوت و طاقت بحال ہو، توبہ کرلیں، رہزنی اور بغاوت سے باز آجائیں تو ڈاکہ کی یہ شرعی حد ان سے ساقط ہو جائے گی مگر گرفتاری کے بعد کی توبہ معتبر نہیں، مثلاً اگر کسی نے گرفتاری سے پہلے توبہ کرلی تو شرعی حد جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے معاف ہو جائے گی، البتہ بندے کا حق اگر اس کے ذمہ ہے تو وہ ادا کرنا پڑے گا۔ یعنی اگر اس نے کسی کا مال لیا ہے تو وہ مال واپس کرنا پڑے گا یا اگر اس نے کسی کو قتل کیا ہے تو قصاص لازم ہو گا۔ البتہ مال معاف کرنے کا حق صاحبِ مال کو اور قصاص معاف کرنے کا حق مقتول کے اولیاء کو ہو گا۔ اگر توبہ کے بعد مقتول کا ولی قاتل کو معاف نہ کرے بلکہ قتل کرے تو یہ قتل بطور حد نہ ہو گا بلکہ بطور قصاص ہو گا۔

رہزنی کی حد کے علاوہ باقی چار حدود یعنی چوری، زنا، تہمت زنا اور شراب خوری توبہ سے معاف نہیں ہوتیں خواہ توبہ گرفتاری سے قبل ہو یا بعد میں۔ البتہ آخرت کا گناہ مخلصانہ توبہ سے معاف ہو جاتا ہے۔ حدود کے معاملے میں نہ تو سفارش کرنا جائز ہے اور نہ سفارش کا سننا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

(معارف القرآن ۱۱۶۔ ۱۲۲ / ۳، مظہری ۹۱ / ۳)

قربِ الٰہی

۳۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ (اس کا قرب) تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اَلْوَسِيْلَةَ: یہ وُسُلٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ملنے اور جڑنے کے ہیں۔ یہ لفظ سین اور صاد دونوں سے تقریباً ایک ہی معنی میں آتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وصل مطلق

ملنے اور جڑنے کے معنی میں ہے اور وسل، رغبت و محبت کے ساتھ ملنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی لئے وصیلہ ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جو دو چیزوں کو ملانے اور جوڑنے کا کام دے، خواہ وہ ملانا اور جوڑنا رغبت و محبت سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔ اور وسیلہ کے معنی اس چیز کے ہیں جو کسی کو کسی دوسرے سے محبت و رغبت کے ساتھ ملا دے۔

(معارف القرآن بحوالہ لسان العرب و مفردات راغب ۱۲۶/ ۳)

تشریح: اس آیت میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں سے بچتے ہوئے اعمال صالحہ کو قرب خداوندی کا ذریعہ اور وسیلہ بناؤ اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خوب جہاد کرو، بنی اسرائیل کی طرح کم ہمت اور بزدل نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محاربہ اور زمین میں فساد پھیلانے کے مترادف ہے۔ اس لئے تم اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اور اس کی راہ میں ظاہری اور باطنی دشمنوں سے، خواہ وہ نفس ہو یا شیطان یا کفار، سب سے اس کی خوشنودی کے لئے جہاد کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ، یعنی اللہ تعالیٰ کی خالص عبدیت، کمال تقویٰ اور اس کا تقرب تمہیں حاصل ہو جائے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اصل مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے اور جہاد ظاہری و باطنی قرب خداوندی کا بہترین ذریعہ ہے۔

حاکم نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ وسیلہ سے مراد قربت و اطاعت ہے۔ فریابی، عبد بن حمیدؒ، ابن المنذرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی بھی یہی تفسیر نقل کی ہے کہ وسیلہ کے معنی تقرب کے ہیں۔ قتادہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال سے اس کا قرب حاصل کرو۔ ان آئمہ مفسرین نے اس آیت میں لفظ وسیلہ کے جو معنی بیان کئے ہیں ان پر گویا سب مفسرین کا اجماع ہے۔ پس تقویٰ اور اعمال صالحہ کو قرب خداوندی کا ذریعہ بناؤ۔

وسیلہ، جنت کے اس اعلیٰ ترین مقام کا نام بھی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے اور عرش سے بہت زیادہ قریب ہے۔

امام احمدؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وسیلہ، اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک درجہ ہے جس سے اونچا کوئی درجہ

نہیں ۔ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ وہ درجہ مجھے عطا فرمادے ۔

مسلمؒ نے حضرت عبد اللہؓ بن عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو جو لفظ وہ کہتا ہے وہی تم بھی کہو ۔ پھر (اذان کے بعد) مجھ پر درود پڑھو ۔ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرمائے گا ۔ پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو ۔ وہ جنت کا ایک درجہ ہے جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا ۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں ۔ پس جس نے میرے لئے وسیلہ طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی ۔

طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے ۔ جو شخص دنیا میں میرے لئے یہ دعا کرے گا، قیامت کے روز میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی بن جاؤں گا ۔

(مظہری ۹۴ / ۳، ابن کثیر ۵۳ / ۲) ۔

کفر کا انجام

۳۶، ۳۷ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

بے شک جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس وہ سب کا سب ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تاکہ وہ اس کو فدیہ میں دے کر قیامت کے عذاب سے چھوٹ جائیں تو وہ ہرگز ان سے قبول نہ کیا جائے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ۔ وہ اس بات کی خواہش کریں گے کہ وہ دوزخ سے نکل آئیں حالانکہ وہ اس سے کبھی نہیں نکلیں گے اور ان کے لئے تو ہمیشہ کا عذاب ہے ۔

لِيَفْتَدُوْا: تاکہ وہ فدیہ دیں ۔ تاکہ وہ بدلہ دے کر چھوٹ جائیں ۔ اِفْتِدَاءٌ سے مضارع ۔

مُقِیْمٌ: دائمی۔ ابدی۔ اٹل، اِقَامَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ان آیتوں میں کافروں کے برے انجام کا بیان ہے کہ کافر چند روزہ زندگی اور اس کی لذت و راحت کے لئے جن چیزوں کو ہزاروں جتن کر کے جمع کرنے میں لگے رہتے ہیں پھر بھی وہ سب جمع نہیں ہو پاتیں۔ اس ناجائز ہوس کا انجام یہ ہے کہ قیامت کے روز جب انہیں سخت برا عذاب دیا جائے گا تو اس وقت اگر وہ روئے زمین کے تمام مال و دولت اور خزانوں اور دفینوں کے مالک ہوں اور اس کے ساتھ ہی اتنا ہی اور ان کو مل جائے اور پھر وہ تمام مال و دولت اور خزینے اور دفینے، اپنے آپ کو عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے فدیہ میں دے دیں تو ان کا اس قدر فدیہ بھی ان کو عذاب سے نہ بچا سکے گا۔ کیونکہ آخرت کی کامیابی رشوت و فدیہ سے نہیں بلکہ تقویٰ و تقرب الٰہی اور جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتی ہے۔

کافر اس روز فلاح و کامرانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ان کی انتہائی تمنا اور آرزو ہوگی کہ وہ دوزخ کی آگ سے باہر نکل جائیں مگر ان کی یہ تمنا پوری نہ ہو سکے گی اور یہ لوگ کسی صورت بھی عذاب سے نجات نہ پائیں گے۔ ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

صحیحین میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس دوزخی سے جس کو سب سے کم عذاب ہوگا پوچھے گا کہ اگر ترے پاس ساری دنیا کا (مال و متاع) ہو تو کیا تو اس عذاب سے چھوٹنے کے لئے اس کو اپنے فدیے میں دے دے گا، تو وہ کہے گا کہ ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں نے تو تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان چیز طلب کی تھی کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، میں تجھے دوزخ میں داخل نہیں کروں گا بلکہ جنت میں داخل کروں گا مگر تو نے اس آسان چیز کو قبول نہ کیا (لہٰذا آج تجھ سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا)۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۲۹/ ۲، ابن کثیر ۵۳/ ۲)

چوری کی شرعی سزا

۳۸۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اور جو کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو (سزا کے طور پر) ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے کئے کی سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

كَسَبَا: ان دونوں نے کمایا، ان دونوں نے کیا۔ کَسْبٌ سے ماضی

نَكَالاً: عذاب۔ سزا۔ عبرت

تشریح: قرآن کریم میں اکثر مواقع پر عورتوں کے احکام مردوں سے علیحدہ بیان نہیں کئے گئے بلکہ مردوں کے ذکر میں عورتوں کا حکم بھی شامل ہوتا ہے۔ مثلاً نماز، روزہ حج، زکوۃ اور دیگر احکام میں قرآن کریم کا یہی اسلوب ہے۔ مگر یہاں اور زنا کی حد کے موقع پر صرف مردوں کے ذکر پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ دونوں صنفوں کو الگ الگ ذکر کر کے صراحت کے ساتھ حکم دیا تاکہ دونوں کے معاملہ میں کسی قسم کا شبہ پیدا نہ ہو۔ اس لئے کہ حد کے معاملے میں محض شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ اگر حد کے موقع پر صراحت کے ساتھ عورت کا ذکر نہ ہوتا تو شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید عورتوں کے لئے یہ حدود نہیں ہیں۔ اسی لئے دونوں جگہ صراحت کے ساتھ عورتوں کا علیحدہ ذکر فرمایا۔ (مظہری ۹۶ / ۳)

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ چوری کا جرم خواہ مرد سے سرزد ہو یا عورت سے دونوں صورتوں میں سزا کے طور پر عبرت و تنبیہ کے لئے ان کے ہاتھ، پہنچے پر سے کاٹ دیئے جائیں۔ چور کو دی جانے والی یہ سزا چوری کئے ہوئے مال کا عوض اور بدلہ نہیں بلکہ یہ چوری کے فعل کی سزا ہے تاکہ دوسرے چور اس سے عبرت حاصل کریں۔ گزشتہ زمانوں سے جہاں کہیں بھی یہ سزا جاری ہوئی وہاں ایک دو آدمیوں کے ہاتھ کٹنے کے بعد مکمل طور پر چوری کا انسداد ہو گیا۔ جب سے یہ سزا موقوف ہوئی اس وقت سے چوری کا دروازہ چوپٹ کھل گیا۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ کونسا ہاتھ کاٹا جائے اور کس جگہ سے کاٹا جائے۔ لیکن صحیح احادیث اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ چور کا داہنا ہاتھ پہنچے سے کاٹا جائے گا۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی عزت و حکمت والا ہے کہ چور خواہ کتنا ہی معزز کیوں نہ ہو وہ اس عزیز و حکیم کی مقرر کردہ سزا (ہاتھ کٹنے) سے نہیں بچ سکتا۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ امن عالم اور ملک کے باشندوں کے اموال و املاک کی حفاظت کے لئے وہ ہاتھ ہی کاٹ دیا جائے جو اس جرم عظیم کا ارتکاب کرے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۰ / ۲)

سرقہ کی تعریف: قاموس میں ہے کہ سرقہ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے اس کی اجازت کے بغیر چھپ کر لے لے۔ سرقہ کی شرعی تعریف بھی یہی ہے اور اس تعریف کی رو سے سرقہ ثابت ہونے کے لئے چند چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) مسروقہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو۔ اس میں چرانے والے کی ملکیت نہ ہو اور نہ ہی اس میں اس کی ملکیت کا شبہ ہو اور نہ مسروقہ مال ایسی چیزوں پر مشتمل ہو جن میں عوام کے مساوی حقوق ہوں جیسے رفاہِ عام کے ادارے اور ان کی اشیاء۔ پس اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہو یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہوں تو اس پر سرقہ کی حد جاری نہیں کی جائے گی، البتہ حاکم اپنی صوابدید سے تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

(۲) مال کا محفوظ ہونا: مسروقہ مال کا مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہونا۔ اگر مال کسی جگہ محفوظ نہ ہو اور اس کو کوئی شخص اٹھالے تو اس پر سرقہ کی حد جاری نہیں ہوگی۔ مثلاً مسجد، عید گاہ، پارک، اسٹیشن، ریل، جہاز وغیرہ عام جگہوں پر رکھے ہوئے مال کو اگر کوئی چرالے یا درختوں پر لگے ہوئے پھل چرالے تو اس پر سرقہ کی حد جاری نہیں ہوگی۔ اگر مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہو جائے تب بھی حد ساقط ہو جائے گی، البتہ تعزیزی سزا دی جاسکتی ہے۔

(۳) بلا اجازت ہونا: اگر کسی کو مال لینے کی یا اٹھا کر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہو اور وہ اس کو بالکل لے جائے تو اس پر بھی سرقہ کی حد جاری نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی گئی ہو خواہ وہ نوکر ہو یا مزدور یا معمار یا کوئی دوست یا عزیز ہو تو اگر وہ کوئی چیز لے جائے تو اس کو ہاتھ کاٹنے کی شرعی سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ آپ کے گھر میں آپ کی اجازت سے داخل ہوا۔ لہٰذا اس کے حق میں حفاظت مکمل نہیں۔ اگر اجازت کا شبہ بھی ہو جائے تب بھی حد ساقط ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے کسی کی جیب کاٹ لی، زیور یا نقدی چھین لی یا دھوکہ دے کر کچھ وصول کر لیا یا امانت لے کر مکر گیا تو ان سب صورتوں میں حد جاری نہیں ہوگی بلکہ ان کو تعزیری سزا دی جائے گی جو حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے۔

(۴) چھپا کر لینا: اگر کسی کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا

پہلے بیان ہو چکی ہے ۔ پس اگر چوری خفیہ نہ ہو تو سرقہ کی حد جاری نہیں ہو گی ۔

جس چوری میں مذکورہ بالا تمام شرائط پائی جائیں صرف اسی میں سرقہ کی شرعی حد جاری ہو گی ۔ چوری کی باقی تمام قسموں میں جن میں مذکورہ بالا تمام شرطیں یا کوئی ایک شرط نہ پائی جائے تو ان میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا ۔ بلکہ حاکم وقت اپنی صوابدید سے اس کو تعزیری سزا دے سکتا ہے ۔ (معارف القرآن ۱۳۰ ۔ ۱۳۵ / ۳)

حد کے لئے چوری کی مقدار: اس میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ کس قدر مال کی چوری پر چور کا ہاتھ کاٹا جائے ۔ امام شافعیؒ کے نزدیک چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹنا لازم ہے ۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دس درہم کی چوری پر امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک چوتھائی دینار یا تین درہم کی یا ان دونوں میں سے کسی کے برابر قیمت کا مال ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا ۔ (دس درہم ۲ تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کے برابر ہے) ۔ (مظہری ۱۰۲ / ۳)

چور کی توبہ

۳۹، ۴۰ ۔ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

پھر جس نے اپنے ظلم کے بعد توبہ کر لی اور (اپنی) اصلاح کر لی تو بیشک اللہ تعالیٰ بھی اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے ۔ کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے وہ جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر چور اپنی بدکرداری اور چوری سے باز آجائے اور اپنے عمل کی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے جرم کو معاف فرما کر اس کو آخرت کی سزا سے نجات دے دے گا ۔ البتہ اس کی دنیوی سزا برقرار رہے گی یعنی اگر چور اپنی گرفتاری سے پہلے یا بعد میں

چوری سے توبہ کر لے تو سرقہ کی حد جو دنیوی سزا ہے وہ تو معاف نہیں ہوگی البتہ توبہ سے چوری کا گناہ معاف ہو کر اس کو آخرت کے عذاب سے نجات مل جائے گی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ (معارف القرآن ۱۳۲ / ۳)

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف سزا یا عذاب ہی نہیں دیتا بلکہ معاف بھی فرمادیتا ہے اور اس معافی یا سزا کا مدار اس کی حکمت پر ہے۔ اس لئے کہ جس طرح وہ مالک مطلق و قادر مطلق ہے، اسی طرح وہ حکیم مطلق بھی ہے۔ جس طرح اس کی قدرت و سلطنت کا احاطہ کوئی انسانی طاقت نہیں کر سکتی اسی طرح اس کی حکمتوں کا پورا احاطہ بھی انسانی عقل و دماغ نہیں کر سکتے۔ لہذا گنہگاروں میں سے جس کو وہ عذاب دینا چاہے گا عذاب دے دے گا، خواہ اس کے گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، کیونکہ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ گناہ کی سزا دی جائے۔ اسی طرح وہ اپنے فضل سے جس کے گناہ معاف فرمانا چاہے گا معاف فرمادے گا، خواہ اس نے توبہ کی ہو یا نہ کی ہو، کیونکہ یہ اس کے فضل کا تقاضا ہے اور چونکہ وہ قادر مطلق ہے اس لئے اس کو عذاب دینے پر بھی پوری قدرت ہے اور معاف کر دینے پر بھی۔ (مظہری ۱۱۴ / ۳)

یہود کی خیانت

۴۱، ۴۲ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ
الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ
هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ
يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا
فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ
تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ
يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ
جَاۗءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ
عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○

اے رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لوگ کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ ان کے لئے رنجیدہ نہ ہوں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو اپنے منہ سے تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل ایمان نہیں لائے اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی ہیں ۔ یہ لوگ جھوٹی باتوں کی جاسوسی کرتے ہیں ۔ یہ لوگ اس قوم کے جاسوس ہیں جو آپ تک نہیں آئی ۔ یہ (لوگ) الفاظ کو ان کے مواقع سے ہٹا کر بدل ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم ملے تو قبول کر لو اور اگر نہ ملے تو بچتے رہنا ۔ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے تو آپ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ اختیار نہیں رکھتے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں کہ ان کے دل پاک ہوں ۔ ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے ۔ یہ جھوٹی باتوں کی جاسوسی کرتے ہیں اور بڑے حرام کھانے والے ہیں ۔ پھر اگر یہ آپؐ کے پاس آئیں تو ان میں فیصلہ کر دیجئے یا ان سے کنارہ کشی کر لیجئے اور اگر آپؐ ان سے کنارہ کشی کریں گے تو وہ آپ کا ہرگز کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر آپ ان میں فیصلہ کریں تو انصاف سے کیجئے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ۔

فِتْنَتَهٗ : اس کی آزمائش ۔ اس کا امتحان ۔ اس کی گمراہی ۔ مصدر ہے

تَمْلِكَ : تو مالک بنتا ہے ۔ تو اختیار رکھتا ہے ۔ مِلْکٌ سے مضارع ۔

سُحْتِ : حرام ۔ رشوت ۔ اس کے معنی کسی چیز کو جڑ بنیاد سے کھود کر برباد کرنے کے ہیں ۔ یہاں مراد رشوت ہے جو نہ صرف لینے اور دینے والوں کو برباد کرتی ہے بلکہ پورے ملک اور ملت کی جڑ بنیاد اور امن عامہ کو برباد کر دیتی ہے ۔

(معارف القرآن ۱۵۱ / ۳)

شانِ نزول: امام احمدؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت براءؓ بن عازب کی روایت سے بیان کیا کہ ایک یہودی جس کو کوڑوں کی سزا دے کر منہ کالا کر دیا گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرا ۔ آپؐ نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہاری کتاب میں زانی کی شرعی سزا یہی ہے

یہودی نے جواب دیا، جی ہاں۔ آپؐ نے ایک یہودی عالم کو طلب فرمایا اور اس سے فرمایا کہ میں تجھے اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے (حضرت) موسیٰ پر توریت نازل فرمائی تھی۔ کیا زانی کی شرعی سزا تمہیں اپنی کتاب میں یہی ملتی ہے؟ یہودی عالم نے کہا نہیں۔ خدا کی قسم (توریت میں زنا کی حد یہ نہیں ہے)، اگر آپؐ مجھے قسم نہ دیتے تو میں آپ سے بیان نہ کرتا۔ ہماری کتاب میں زانی کی سزا سنگسار کرنا ہے۔ مگر ہمارے بڑے آدمیوں میں جب زنا کی کثرت ہو گئی تو ہمارا طریقہ یہ ہو گیا کہ بڑا آدمی پکڑا جاتا تو ہم اس کو سزا دیئے بغیر چھوڑ دیتے اور کمزور پکڑا جاتا تو اس پر شرعی حد جاری کرتے۔ آخر ہم نے آپس میں کہا کہ کوئی ایسی سزا تجویز کر لینی چاہیئے جو ہم اونچ اور نیچ دونوں طبقوں کو دے سکیں۔ چنانچہ اتفاق رائے کے بعد ہم نے یہ سزا تجویز کی کہ زانی کا منہ کالا کر کے اس کو کوڑے مارے جائیں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! ان لوگوں نے تو تیرا حکم مردہ کر دیا، سب سے پہلے میں ہی تیرے حکم کو زندہ کر رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا اور اس کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیات ۴۱ تا ۴۵ نازل فرمائیں۔ (مظہری ۱۱۴ / ۳)۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ سنگساری کے بارے میں تمہاری کتاب میں کیا لکھا ہوا ہے۔ یہودیوں نے جواب دیا کہ (ہماری کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ) ہم ان کو رسوا کریں اور کوڑے لگائیں۔

عبد اللہ بن سلامؓ نے کہا کہ تم نے جھوٹ کہا۔ توریت میں رجم کی آیت موجود ہے۔ لوگ توریت لے آئے۔ ایک آدمی نے توریت کھول کر تلاوت شروع کی تو رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ کر اس سے پہلی اور بعد کی (عبارت) ملا کر پڑھ دی۔ حضرت عبد اللہؓ نے اس سے ہاتھ ہٹانے کو کہا۔ اس نے ہاتھ ہٹایا تو رجم کی آیت سامنے آگئی۔ آخر یہودی بول اٹھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔ توریت میں رجم کی آیت موجود ہے۔ پھر آپؐ نے حکم دے کر دونوں کو سنگسار کرا دیا۔
(مظہری ۱۱۶ / ۳، ابن کثیر ۵۸ / ۲)

امام احمدؒ اور امام ابو داؤدؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت یہودیوں کے دو گروہوں کے حق میں نازل فرمائی۔ ایام جاہلیت میں ایک گروہ کو دوسرے

گروہ پر فوقیت حاصل تھی۔ دونوں گروہوں میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب فریق کا کوئی شخص اگر مغلوب فریق کا کوئی آدمی مار ڈالے گا تو پچاس وسق دیت ہوگی۔ اور اگر مغلوب گروہ کا کوئی آدمی غالب گروہ کے کسی آدمی کو قتل کردے تو سو وسق دیت ہوگی۔ ان میں یہی رواج چلا آرہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری کے بعد ایک واقعہ پیش آیا کہ مغلوب گروہ میں سے کسی نے غالب گروہ کے ایک آدمی کو مار ڈالا۔ غالب گروہ نے اس پر سو وسق دیت طلب کی۔ مغلوب گروہ نے جواب دیا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے، ایک ہی دین، ایک ہی نسب اور ایک ہی شہر کے ہیں۔ پھر ہماری دیت کم اور تمہاری دیت زیادہ کیوں ہو۔ چونکہ اب تک ہم تم سے دبے ہوئے تھے اس لئے اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عادل بادشاہ یہاں آگئے ہیں اس لئے ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دیتے ہو۔ اس تنازع پر بات بہت بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ جنگ چھڑنے ہی والی تھی کہ دونوں فریق اس پر راضی ہوگئے کہ تنازع کا فیصلہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سونپ دیا جائے۔ پھر غالب گروہ کے سمجھدار لوگوں نے آپس میں مشورہ کرکے کہا کہ دیکھو خدا کی قسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اس سے دوگنا (دیت) دلوانے والے نہیں، جو تم ان کو دیتے ہو، اور ان کی یہ بات سچ ہے کہ انہوں نے دب کر اس کو منظور کیا تھا۔ پس اب تم کسی کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجو کہ وہ ان کی رائے معلوم کرکے آئے۔ اگر وہ تمہاری منشا کے مطابق تمہارا حق تمہیں دیں تو ان کو حکم بنالو اور اگر وہ نہ دیں تو تم الگ رہو اور ان کو حکم نہ بناؤ۔ چنانچہ انہوں نے کچھ منافقوں کو جاسوس بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا۔ پھر جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے واقع اور ان کے ارادے کی خبر کردی اور **یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ لَا یَحْزُنْکَ** سے **الْفٰسِقُوْنَ** تک سات آیتیں نازل فرمائی۔

(ابن کثیر ۶۰/ ۲، مظہری ۱۱۷/ ۳)

تشریح: یہاں منافقوں کی دو خصلتیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جھوٹی باتیں جلد قبول کرتے ہیں یعنی جو لوگ اسلام کی مذمت میں بے اصل باتیں کہتے ہیں، یہ لوگ ان کو فوراً مان لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو لوگ ابھی تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہیں

ہوئے، یہ منافق ان کو دور ہی سے بہکاتے اور اسلام سے بد گمان کرتے ہیں۔ کفر میں کوشش کرنے سے ان کی یہی باتیں مراد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ان ناشائستہ حرکتوں سے ملال خاطر ہوتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ ان لوگوں کے لئے رنجیدہ اور مغموم نہ ہوں جو بے تکلفی اور رغبت کے ساتھ کفر کی طرف دوڑ رہے ہیں خواہ وہ منافق ہوں جو اپنے منہ سے تو جھوٹ موٹ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ان کے دل مسلمان نہیں اور خواہ وہ یہود ہوں۔ امر حق کی مخالفت کرنا ان دونوں گروہوں کا شیوہ ہے اور یہ اپنے علماء اور سرداروں سے جھوٹی باتیں سننے اور ان کو قبول کرنے کے عادی ہیں۔ اگر کبھی یہ لوگ آپ کی مجلس میں آجاتے ہیں تو ان کا مقصد آپ کی باتیں سننا نہیں ہوتا بلکہ یہ دوسروں کے جاسوس بن کر آپ کے پاس آتے ہیں تاکہ ان کے تحریف شدہ احکام کی تائید میں آپ کی کوئی بات حاصل کریں۔

یہ لوگ حق کی عداوت میں توریت کے کلمات میں تحریف کر ڈالتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جس کسی کو آپ کی خدمت میں بھیجتے ہیں تو اس کو پہلے ہی تاکید کر دیتے ہیں کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے تمہیں ہمارے تحریف کئے ہوئے حکم کے موافق کوئی چیز ملے تو اسے قبول کر لینا ورنہ اسے قبول نہ کرنا، یعنی اگر تمہیں زنا کی حد میں کوڑے لگانے کا حکم ملے تو اس کو قبول کر لینا ورنہ نہیں۔ گویا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو اپنی نفسانی خواہشات کے تابع رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں کیونکہ یہ ازلی گمراہ ہیں ان کے دلوں کا نجاستوں اور خباثتوں سے پاک ہونا، ان کی تقدیر ہی میں نہیں۔ لہذا آپ ان کے بارے میں رنجیدہ اور فکرمند نہ ہوں۔ ان کے لئے تو دنیا میں بھی بڑی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے عذاب عظیم مقرر کر دیا گیا ہے۔

یہ لوگ حق کو سننے اور سچ کو ماننے والے نہیں بلکہ یہ تو جھوٹ کو بہت زیادہ سننے والے اور بڑے حرام خور ہیں۔ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور رشوت لے کر حرام کو حلال کر دیتے ہیں۔ پس اگر ایسے لوگ اپنا کوئی مقدمہ لے کر آپ کے پاس آئیں اور آپ سے اس کا فیصلہ کرانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ خواہ آپ ان کے مقدمے کا فیصلہ کر دیں یا ان سے کنارہ کشی کرتے ہوئے ان کا معاملہ انہی کے علماء کے سپرد کر دیں۔ ایسے جاہلوں اور خود غرضوں سے تو اعراض ہی مناسب ہے۔ اس صورت میں یہ لوگ آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ و نگہبان ہے۔ اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کرنا چاہیں تو پھر آپ بلا

خوف و خطر، عدل و انصاف اور قانون شریعت کے مطابق فیصلہ کر دیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔

(حقانی ۲۷۵ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۵، ۲/۳۳۶)

اللہ کا اظہارِ تعجب

۴۳، ۴۴ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○

اور وہ آپ کو کس طرح حکم (منصف) بنائیں گے، حالانکہ ان کے پاس تو توریت ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے۔ پھر وہ اس کے بعد بھی روگردانی کرتے ہیں اور وہ تو سرے سے ہی مومن نہیں۔ بیشک ہم نے توریت نازل کی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان بردار انبیاء یہود کو اسی پر چلنے کا حکم دیتے تھے، اور مشائخ اور علماء بھی (اسی پر چلنے کا حکم دیتے تھے) کیونکہ وہ کتاب اللہ کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور وہ خود اس پر گواہ تھے۔ پس (اے یہود) تم لوگوں سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو اور میری آیات کو تھوڑی سی قیمت پر فروخت نہ کرو اور جو کوئی اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق حکم نہ کرے سو وہی (لوگ) کافر ہیں۔

يُحَكِّمُوْنَكَ : وہ آپ کو حکم (ثالث) بناتے ہیں۔ تحکیم سے مضارع

الرَّبّٰنِيُّوْنَ: اللہ والے۔ درویش۔ واحد رَبَّانِیٌّ
الْاَحْبَارُ: علماء دانا لوگ واحد حِبْرٌ
ثَمَنًا: قیمت۔ دام جمع اَثْمَانٌ

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے طرز عمل پر تعجب کا اظہار فرمایا ہے کہ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہ لوگ توریت کے پیرو کار ہوتے ہوئے، اس کے احکام پر نہ چلنے کے لئے، آپ کو حکم بناتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ آپ کو تو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ ان کے پاس جو توریت ہے اس میں بھی زنا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم صراحت کے ساتھ موجود ہے اور یہ لوگ اس توریت کو اللہ کی کتاب بھی مانتے ہیں اور اس پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ پھر یہ اس کے احکام سے انحراف کیوں کرتے ہیں۔ پھر مزید تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ آپ کو حکم بناتے ہیں اور پھر آپ کے فیصلے سے اعراض بھی کرتے ہیں۔ پس جن لوگوں کا اپنی کتاب کے بارے میں یہ حال ہو تو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حق سے چشم پوشی کرنے میں ان کا کیا کچھ حال نہ ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب پر بھی ان کا ایمان نہیں۔ نہ یہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ توریت کو۔ اگر توریت پر ان کا ایمان ہوتا تو یہ اس پر عمل کرتے اور جو کتاب (یعنی قرآن) توریت کی تصدیق و تائید کرتی ہے، اس پر بھی ان کا ایمان ہوتا۔

بلاشبہ توریت کسی شخص کی تصنیف کردہ کتاب نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اس میں ہدایت و نور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیاء علیہم السلام آئے، سب کے سب توریت کے احکام پر عمل کرتے رہے، ان کے لئے کوئی علیحدہ شریعت نازل نہیں کی گئی تھی۔ یہ تمام انبیاء جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے اور یہود کے مشائخ و علماء سب یہود کے معاملات کا اسی توریت سے فیصلہ کرتے تھے۔ وہ لوگ اسی کتاب کے محافظ و نگہبان ٹھہرائے گئے تھے۔ یہ کیسے ناخلف ہیں کہ اپنے انبیاء اور علماء کے طریقے کو چھوڑ کر توریت کے احکام سے نہ صرف روگردانی کرتے ہیں بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق ان میں تحریف بھی کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اے یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ میری کتاب اور میرے احکام کو ترک کرنے میں مجھ ہی سے ڈرو اور توریت کے احکام کو لوگوں کے سامنے بلا خوف و خطر ٹھیک

بیان کرو اور دنیا کے حقیر فائدے کے لئے احکام خداوندی میں تحریف نہ کرو۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کرے بلکہ ان میں اپنی طرف سے رد و بدل کر کے فیصلے کرے تو ایسے ہی لوگ احکام الٰہی کے منکر ہیں۔ (حقانی ۲۷۶،۲۷۷/ ۲)

ابن عساکرؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر آدمی کسی آدمی سے ڈرے تو اس شخص پر اسی آدمی کو مسلط کر دیا جاتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے اور اگر آدمی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی کو اس پر قابو نہیں دیتا اور جو آدمی کسی آدمی سے کوئی امید رکھتا ہے اس کو اسی سے وابستہ کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے امید نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سوا کسی اور کے سپرد نہیں کرتا۔ (مظہری ۱۲۴/ ۳)

توریت میں قصاص کا حکم

۴۵۔ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○

اور ہم نے اس (توریت) میں ان پر یہ بات فرض کر دی تھی کہ جان کے بدلے میں جان اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ اور ناک کے بدلے میں ناک اور کان کے بدلے میں کان اور دانت کے بدلے دانت اور زخموں کے بدلے میں ویسے ہی زخم اور جو کوئی اس بدلے کو معاف کر دے تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے اور جو کوئی اس کے مطابق حکم نہ دے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی (لوگ) ظالم ہیں

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ یہود نے اپنی کتاب کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے جس طرح زنا کی سزا کو بدل رکھا تھا اور زانی کو صرف رسوا اور منہ کالا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے تھے، اسی طرح یہ لوگ قصاص کے بارے میں بھی توریت کے حکم کی صریح خلاف ورزی کرتے ہیں کہ بنو قریظہ کے یہود کو تو بنو نضیر کے یہود کے بدلے میں قتل کرتے ہیں مگر بنو

نضیر کو بنو قریظہ کے بدلے میں قتل نہیں کرتے بلکہ آدھی دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں ۔ حالانکہ توریت میں بھی قصاص اور دیت کی مساوات کے احکام موجود ہیں کہ قاتل خواہ آزاد ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت، مسلمان ہو یا ذمی اس کو مقتول کے بدلے میں قتل کیا جائے ۔ اور آنکھ کے بدلے میں آنکھ پھوڑی جائے اور ناک کے بدلے میں ناک کاٹی جائے اور کان کے بدلنے میں کان کاٹا جائے اور دانت کے بدلے میں دانت (اکھاڑا جائے) اور دوسرے زخموں میں بھی اسی طرح بدلہ ہے ۔ پس حقداروں میں سے جو شخص قصور وار کے قصاص سے درگزر کرلے گا تو اس (معاف کرنے والے) کے لئے معافی کا یہ فعل اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم کے مطابق حکم نہیں کرتے اور اس کی جگہ اپنی طرف سے تحریف کر کے حکم جاری کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ظالم اور بے انصاف ہیں ۔ (حقانی ۲۸۱ / ۲، مظہری ۱۲۵ / ۳)

حضرت عیسیٰ ؑ کی بعثت

۴۶، ۴۷۔ وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

اور ان کے بعد ان ہی کے نقش قدم پر، ہم نے (حضرت) مریم کے بیٹے (حضرت) عیسیٰ کو بھیجا جو توریت کی تصدیق کرتے تھے جو ان سے پہلے سے موجود تھی اور ہم نے ان کو انجیل دی تھی جس میں ہدایت و روشنی ہے اور وہ (انجیل) اپنے سے پہلے والی کتاب توریت کی تصدیق کرتی تھی اور پرہیز گاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت تھی ۔ اور اہل انجیل کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ احکام اس میں نازل کئے انہی کے مطابق فیصلہ دیا کریں اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو وہی لوگ نافرمان ہیں ۔

قَفَّيْنَا: ہم نے پیچھے بھیجا ۔ ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا ۔ تَقْفِيَةٌ سے ماضی ۔

اٰثَارِ ھِمْ: ان کے نشانات۔ ان کے نقوش قدم۔ واحد اَثَرٌ

مَوْعِظَۃٌ: وہ نصیحت جس میں مخاطب کو ڈرایا جائے۔

ربطِ آیات: یہود کی شرارتوں اور خباثتوں کے ذکر کے بعد نصاریٰ کے انحراف اور کجروی کا بیان ہے کہ جس طرح یہود اپنی آسمانی کتاب توریت سے منحرف ہیں اسی طرح نصاریٰ بھی اپنی آسمانی کتاب انجیل سے منحرف ہیں۔

تشریح: یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے برحق نبی تھے۔ ان کو اس کتاب (توریت) کی تصدیق کے لئے بھیجا گیا تھا جو ان سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے اور توریت کے مطابق احکام بیان کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی جس میں توریت کی طرح ہدایت و نور ہے اور یہ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت کا ذریعہ ہے۔ اس میں ہادیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارت ہے کہ وہ آکر لوگوں کو حق کا راستہ دکھائیں گے اور وعظ و نصیحت کے ذریعہ لوگوں کو حرام اور گناہ کے کاموں سے بچائیں گے۔ اہل انجیل کو یہود کی طرح اپنی کتاب سے انحراف نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام اس میں نازل کئے ہیں ان پر عمل کرنا چاہئے اور جس نبی امی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت اس میں مذکور ہے اس پر حضرت عیسیٰ کی ہدایت و نصیحت کے مطابق ایمان لانا چاہئے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہیں دیتے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج اور فاسق و بدکار ہیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۲، ۳۴۳ / ۲)

عظمتِ قرآن

۴۸۔۵۰ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ
الْکِتٰبِ وَمُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ
شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَکُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلٰکِنْ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرٰتِ ؕ اِلَی اللّٰهِ

مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعاً فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْراً مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْماً لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر بھی سچی کتاب نازل کی ہے جو تمام سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی محافظ ہے۔ سو آپ ان کے باہمی معاملات میں ان احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کئے ہیں اور آپ کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جو حق بات پہنچی ہے، اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات پر نہ چلئے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے ایک دستور اور راستہ مقرر کر دیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس نے جو کچھ تمہیں دے رکھا ہے وہ اس میں تمہیں آزمانا چاہتا ہے۔ سو تم نیکیوں میں پیش قدمی کرو۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں سب باتیں بتا دے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے اور یہ بھی کہ آپ ان کے معاملات میں اس کے مطابق فیصلہ کر دیجئے کہ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے اور ان کی طرف سے احتیاط کیجئے۔ (ایسا نہ ہو) کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کئے ہوئے کسی حکم سے آپ کو بھٹکا دیں۔ اگر یہ لوگ پھر بھی نہ مانیں تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ وہ ان کو ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں گرفتار کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہی ہوتے ہیں۔ کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور یقین رکھنے والی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے۔

مُهَيْمِناً: حاکم۔ نگہبان۔ شاہد۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت

شِرْعَةً: شریعت۔ دستور۔ طریقہ۔ احکام خداوندی کا مجموعہ۔ شَرْعٌ سے اسم

مِنْهَاجًا: سیدھا راستہ ۔ کھلا ہوا راستہ ۔ دینی راستہ ۔ یہ نَہْجٌ سے ماخوذ ہے ۔ اس سے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کا طریقہ مراد ہے اور طریقت، شریعت کے علاوہ کوئی چیز نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے ۔

یَبْغُوْنَ: وہ چاہتے ہیں ۔ وہ سر کشی کرتے ہیں ۔ بُغْیٌ سے مضارع

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہود میں باہم کچھ نزاع ہو گیا تو کعب بن اسید، عبد اللہ بن صوریا اور شاس بن قیس وغیرہ جو یہود کے مقتدر علماء تھے، مشورہ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے تنازع کے فیصلہ کی درخواست کی اور کہا کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ ہم یہود کے بڑے عالم اور ان کے سردار ہیں ۔ آپ ہماری عزت و شرافت سے بھی واقف ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہودی قوم ہمارے اختیار و اقتدار میں ہے اور اگر آپ اس مقدمے میں ہمارے موافق فیصلہ کر دیں تو ہم مسلمان ہو جائیں گے ۔ اگر ہم نے آپ کا دین قبول کر لیا تو ہماری تقلید میں سب یہودی اسلام لے آئیں گے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس رشوتی اسلام کو منظور نہ فرمایا اور ان کی خواہشات کی پیروی سے صاف انکار کر دیا ۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۲۴۵)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا جو خود بھی برحق ہے اور اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں توریت اور انجیل کی تصدیق بھی کرتا ہے اور ان کی حفاظت بھی اس لئے کہ ان کتابوں میں جو تحریف شدہ اور غلط باتیں شامل کر دی گئی ہیں، قرآن کریم ان کی نشاندہی کر کے اصل حقیقت کو واضح کرتا ہے ۔ یہی قرآن کریم کے حق ہونے کی دلیل ہے ۔ کیونکہ دین حق ہی حق کی تصدیق کرتا ہے ۔ باطل دین کبھی دین حق کی تصدیق نہیں کر سکتا ۔ دنیا میں توریت و انجیل کی اصل تعلیمات آج بھی قرآن کریم ہی کے ذریعہ باقی ہیں ورنہ ان کتابوں کے وارثوں اور ان کی پیروی کا دعویٰ کرنے والوں نے تو ان کا ایسا حلیہ بگاڑا کہ حق و باطل کا امتیاز ناممکن ہو گیا ۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی وہی حکم دیا گیا جو اس سے پہلے اہل توریت اور اہل انجیل کو دیا گیا تھا کہ آپ بھی ان کے درمیان اسی کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر حق کے ساتھ اتاری ہے اور جو تمام سابقہ کتب کی محافظ ہے اور آپ اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آچکا ہے ان لوگوں کی خواہشوں اور فرمائشوں کی پیروی نہ کیجئے ۔ آپ کو جو دین دیا

گیا ہے وہ کبھی منسوخ نہیں ہو گا۔ آپ سے پہلے بھی ہم نے ہر ایک گروہ کے لئے ایک خاص شریعت اور خاص طریق عمل مقرر کیا تھا تاکہ وہ اس پر چل کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے بھی یہ شریعت اور یہ شاہ راہ مقرر کی ہے۔ آپ اسی پر چلتے رہئے۔ اللہ تعالیٰ نے حکمت و مصلحت کے تحت مختلف زمانوں میں ان زمانوں کے انبیاء کو ان زمانوں اور ان امتوں کے احوال و استعداد کے مطابق شریعتیں عطا فرمائیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم تمام پیغمبر عَلّاتی (باپ شریک) بھائیوں کی مانند ہیں کہ جن کا باپ (یعنی دین) ایک ہے اور مائیں (شریعتیں) مختلف ہیں۔

انبیاء کرام کی شریعتیں مختلف رہیں۔ کسی کی شریعت میں کوئی چیز حلال ہوئی اور کسی میں وہی چیز حرام۔ کسی کے احکام میں نرمی اور سہولت رہی جیسا کہ شریعت عیسویہ میں ہے اور کسی میں شدت اور سختی رہی جیسا کہ شریعت موسویہ میں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان اور قوموں کے احوال و استعداد کے مطابق جیسی شریعت مناسب سمجھی ویسی ہی ان کے لئے نازل فرمادی۔ اب اس اخیر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے ایک نہایت کامل اور معتدل شریعت نازل فرمائی جو قیامت تک تمام عالم کی ہدایت کے لئے کافی و شافی ہے۔ جس طرح پہلی شریعتیں من جانب اللہ اور واجب الاطاعت تھیں، اسی طرح یہ آخری شریعت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور واجب الاطاعت ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی امت اور ایک ہی ملت بنا دیتا، سب کی ایک ہی کتاب اور ایک ہی شریعت ہوتی۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ مختلف زمانوں اور امتوں کے لئے مختلف شریعتیں نازل فرمائیں تاکہ اس سے لوگوں کا امتحان اور آزمائش ہوتی رہے کہ کون اس کے حکم کو مانتا ہے اور کون اس سے روگردانی کرتا ہے۔ پس اے لوگو! تم تعجب اور نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر ان بہترین اعمال و عقائد اور مکارم اخلاق کی طرف دوڑو اور ان کی طلب میں سرگرم رہو جن کی طرف شریعتِ محمدیہ تمہیں دعوت دیتی ہے۔ کیوں کہ اب نجات کا انحصار اسی آخری شریعت کی اتباع پر ہے اور تم یہ نہ سمجھو کہ تم دنیا میں ہمیشہ رہو گے۔ ایک دن تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جہاں تمہیں دین کے بارے میں ان سب باتوں سے آگاہ کر دیا جائے گا جن میں تم یہاں اختلاف کرتے ہو۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو

شریعت عطا فرمائی ہے، آپ اسی پر قائم رہیئے اور یہود و نصاریٰ کے مکر و فریب سے ہوشیار رہیئے اور ان کے باہمی تنازعات کا فیصلہ آپ اپنی شریعت کے مطابق کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ خواہ آپ کا فیصلہ ان کے رسوم و رواج اور ان کی خواہشات کے خلاف ہی ہو اور آپ ان کی چرب زبانی اور ملمع کاری سے محتاط رہیئے۔ اگر یہ لوگ آپ کے فیصلے سے اعراض کریں تو جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض گناہوں کی سزا کے طور پر ان کو دنیا ہی میں مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے۔

بلاشبہ بہت سے یہود دین و شریعت کی حدود سے تجاوز کر چکے ہیں۔ وہ فاسق و بدکار ہیں وہ آپ کے فیصلے پر راضی نہیں ہو سکتے۔ پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں کہ دیت و قصاص کے معاملات میں امیر و غریب کا فرق روا رکھا جائے۔ جو لوگ اللہ کے فیصلے کو نہیں مانتے ان کو آخرت پر یقین نہیں۔ اگر انہیں آخرت پر یقین ہوتا تو اللہ کے فیصلے سے انحراف نہ کرتے کیونکہ اس کے فیصلے سے اچھا فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے انحراف جہالت کی دلیل ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۶۔ ۲/۳۴۸)

یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت

۵۱، ۵۳۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو دوست بنائے گا تو بیشک وہ انہی

میں سے ہو گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ پس (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق و حسد کا) مرض ہے دیکھیں گے کہ وہ ان (یہود و نصاریٰ) سے دوستی میں جلدی کرتے ہیں (اور) کہتے ہیں کہ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ ہم کسی گردش میں نہ آجائیں۔ سو عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے ہاں سے فتح دے گا یا کوئی اور بات۔ پھر یہ لوگ اس بدگمانی پر نادم ہوں گے جو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے اور مومن کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی سخت قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔ سو وہ خسارہ میں رہ گئے۔

اَوْلِیَآءَ: دوست۔ ساتھی۔ ناصر و مددگار۔ واحد وَلِیٌّ

یُسَارِعُوْنَ: وہ سرعت کرتے ہیں۔ وہ جلدی کرتے ہیں۔ مُسَارَعَۃٌ سے مضارع

دَائِرَۃٌ: دائرہ۔ حلقہ، مصیبت

جَھْدَ: زور دار کوشش۔ سخت۔ پختہ۔ مصدر ہے

حَبِطَتْ: وہ ناپید ہو گئے۔ وہ ضائع ہو گئے۔ حَبْطٌ سے ماضی

شانِ نزول: ان آیتوں کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں۔ ابن اسحاق، ابن جریرؒ، ابن ابی حاتمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں میں باہم جنگ ہوئی تو معاہدہ کے مطابق عبداللہ بن ابی بن سلول انہی کے معاملے میں الجھا رہا اور انہی کی طرف سے کھڑا ہو گیا لیکن حضرت عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئے اور عرض کیا کہ میں ان کے ساتھ دوستی کے معاہدہ سے دست بردار ہوتا ہوں اور اللہ اور رسول کے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔ حضرت عبیدہ بن صامتؓ قبیلہ خزرج کے ایک فرد تھے اور یہودیوں کے ساتھ ان کا ایسا ہی معاہدہ تھا جیسا عبداللہ بن ابی بن سلول کا تھا۔ مگر انہوں نے کافروں کے ساتھ تعاون و مدد سے بیزاری کا اظہار کر دیا۔ اس پر یہ آیت حضرت عبیدہ بن صامتؓ اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔

(مظہری ۱۳۲ / ۳)

ایک روایت میں ہے کہ جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نیچا دکھا دیا تو عبداللہ بن ابی تو آپؐ کے سامنے ان کی حمایت کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ان کا حلیف ہونے کے باوجود ان سے برأت ظاہر کر دی اس پر آیات ۵۱ تا ۵۶ نازل ہوئیں۔

حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں لبابہؓ بن عبدالمنذر کے بارے میں نازل ہوئیں جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تھا تو انھوں نے حضرت لبابہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے تو حضرت لبابہؓ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرا دیں گے۔(ابن کثیر ۶۸/ ۲)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ سے دوستی اور دوستوں جیسی معاشرت رکھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ باہمی اختلافات کے باوجود وہ آپس میں دوست ہیں اور مسلمانوں کی مخالفت اور ضرر رسانی پر وہ متفق ہیں اور مسلمانوں میں سے جو شخص ان کا دوست ہے حقیقت میں وہ انہی میں سے ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا جو کافروں سے دوستی کر کے خود اپنے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں اور مسلمانوں کے دشمنوں سے تعاون کر کے مسلمانوں پر بھی ستم کرتے ہیں۔ پس جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے وہ دوڑ دوڑ کر کافروں سے ملتے ہیں اس سے مراد عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے منافق ساتھی ہیں جو یہودیوں سے موالات اور تعاون میں جلدی کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں گردش زمانہ سے معاملہ الٹ نہ ہو جائے اور کافر اقتدار میں آکر ہمارے لئے باعثِ مصیبت نہ بن جائیں۔

پس وہ وقت قریب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے دشمن پر فتح یاب کرے گا اور حکومت ان کے قدموں میں ڈال دے گا۔ یا فتح و کامرانی سے پہلے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کوئی اور خاص بات یعنی منافقوں کے نفاق کو ظاہر کر کے ان کو رسوا کر دے یا جزیرہ عرب سے یہودیوں کی جڑ مٹا دے۔ اس وقت یہ منافق اپنے نفاق اور کافروں سے دوستی پر پشیمان ہوں گے اور اپنی چالاکی و عیاری پر خون کے آنسو بہائیں گے۔

پھر جب مسلمانوں پر ان کے نفاق کا پردہ چاک ہو گا اور ان کی دوستی کے دعوؤں اور قسموں کی حقیقت کھلے گی تو وہ ان کی مکاری پر حیرت زدہ ہو کر کہیں گے کہ یہ لوگ تو اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ اگر تمہیں نکالا گیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ پس ایسے لوگوں کا ظاہری

اسلام ان کے کچھ کام نہ آیا ۔ ان کے تمام اعمال برباد ہوگئے اور وہ دین و دنیا میں ناکام و نامراد ہو گئے ۔

اللہ تعالیٰ کی یہ پیشنگوئی کہ وہ اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے دشمنوں پر فتح یاب کرے گا، جنگ احزاب میں پوری ہوئی اور اس جنگ میں مخالفین کی تمام شوکت و قوت مٹ گئی اور اسلام کو قوت و غلبہ حاصل ہو گیا ۔ (مظہری ۱۳۳، ۱۳۴ / ۳)

ارتداد کا انجام

۵۴ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھتا ہو گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتے ہوں گے ۔ وہ مومنوں کے ساتھ نرم ہوں گے اور کافروں کے ساتھ سخت ۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں گے اور وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کریں گے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جس کو چاہے عطا فرما دے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا (اور) علم والا ہے ۔

یَرْتَدَّ: وہ مرتد ہو جائے گا ۔ وہ پھر جائے گا ۔ حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھرنے کو ارتداد کہتے ہیں ۔ اِرْتِدَادٌ سے مضارع (ابن کثیر ۶۸ / ۲)

اَذِلَّةٍ: نرم دل ۔ مہربان ۔ واحد ذَلِيْلٌ

اَعِزَّةٍ: زبردست ۔ سخت گیر ۔ واحد عَزِيْزٌ

لَوْمَةَ: ملامت ۔ ملامت کرنا ۔ مصدر ہے

لَآئِمٍ: ملامت کرنے والا ۔ برا کہنے والا ۔ لَوْمٌ سے اسم فاعل

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے تہدید کے طور پر مسلمانوں سے فرمایا کہ اسلام کا مدار تم پر

نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی دین اسلام سے پھر جائے تو اس سے اسلام کی قوت میں کمی نہیں آئے گی بلکہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے بدلے دوسرے لوگوں کو اپنے دین کی خدمت اور حفاظت و حمایت کے لئے مامور فرمادے گا جو تم لوگوں سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے اور ان میں مندرجہ ذیل صفات ہوں گی:

(۱) اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے۔

(۲) وہ ایمانداروں کے حق میں تو نرم اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلے میں سخت اور شدید قوی ہوں گے۔

(۳) وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد سے منہ نہ موڑیں گے، نہ پیٹھ دکھائیں گے اور نہ بزدلی کریں گے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ بھلائی کا حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔

(۴) وہ لوگ حق کے اظہار میں کسی کی طرف سے ملامت اور برا کہنے کی ذرا پرواہ نہ کریں گے۔

پس وہ ایک ایسی قوم ہوگی، جس کی محبت و عداوت اور دوستی و دشمنی اپنی ذات اور ذاتی حقوق و معاملات کی بجائے صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین کی خاطر ہوگی۔ اسی لئے ان کی لڑائی کا رخ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں برداروں کی طرف نہیں بلکہ اس کے دشمنوں اور نافرمانوں کی طرف ہوگا۔ یہ لوگ دین حق کی اشاعت و برتری کے لئے جہاد کرتے رہیں گے اور اقامت دین اور کلمہ حق کی سربلندی کی کوشش میں کسی کی ملامت اور برا کہنے کی ذرا پرواہ نہ کریں گے۔

پھر فرمایا کہ کمال ایمان کی یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ ہیں۔ وہی جس کو چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے، اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے۔ انسان محض اپنی سعی و عمل سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر ان کو حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ کامل علم والا ہے اور خوب جانتا ہے کہ اس عظیم نعمت کا مستحق کون ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ آیت آنے والے فتنہ کی پیشگوئی اور اس کا ہمت کے ساتھ مقابلہ کر کے کامیاب ہونے والی جماعت کے لئے بشارت ہے۔ آنے والا فتنہ وہ فتنہ ارتداد ہے جس کے اثرات تو عہدِ نبوت کے آخری ایام ہی میں پھیلنے لگے تھے اور جو آپ کی وفات کے بعد

پورے جزیرۃ العرب میں طوفان کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور بشارت پانے والی جماعت صحابہ کی جماعت ہے جس نے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مل کر اس فتنہ کا مقابلہ کیا۔

مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی ہیبت میں آکر حق گوئی سے نہ رکنا۔ یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے، نہ رزق کو دور کر سکتا ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خلاف شرع امر کو دیکھ کر، سن کر، اپنے آپ کو کمزور جان کر خاموش نہ ہو جانا ورنہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی۔ اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے خاموش ہو گیا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا۔
(ابن کثیر ۲/۷۰)

فتنہ، ارتداد: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ساتھ ہی اہل مکہ، اہل مدینہ اور بحرین کے قبیلہ عبد القیس کے سوا عام عرب مرتد ہو گئے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا مگر صحابہؓ کرام نے اس کو پسند نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں آپ ان سے کس طرح جہاد کر سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا ہے کہ مجھے لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ جو لا الہ الا اللہ کا قائل ہو گیا۔ اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے محفوظ کر لیا اور اس کا (باطنی) محاسبہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ البتہ کسی حق کی وجہ سے (اس کلمہ گو کے جان و مال سے) تعرض کیا جا سکتا ہے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ جو لوگ نماز اور زکوٰۃ کی فرضیت میں فرق پیدا کرتے ہیں، خدا کی قسم میں ان سے جہاد کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز جسمانی عبادت اور فرض ہے اسی طرح) زکوٰۃ مالی فرض ہے۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ بکری کا بچہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے تھے اور مجھے دینے سے انکار کریں گے تو میں اس پر ان سے جنگ کروں گا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والوں سے جنگ کرنا (شروع میں) صحابہ کو پسند نہ تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ لوگ تو اہل قبلہ ہیں اور اہل قبلہ سے جہاد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن جب (حضرت) ابو بکرؓ گردن میں تلوار لٹکائے ہوئے تنہا ہی نکل کھڑے ہوئے تو صحابہ

کو بھی لگے بغیر کوئی چارہ نہ رہا۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوتے ہی عرب مرتد ہوگئے اور نفاق ان کے دلوں میں جم گیا اور میرے باپ پر وہ مشکلات پڑیں کہ اگر مضبوط پہاڑوں پر پڑتیں تو ان کا بھی چورا کر دیتیں۔(مظہری، ۱۳۷/ ۳)

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ شروع میں ہمیں حضرت ابو بکرؓ کا فیصلہ پسند نہ تھا لیکن آخر میں ہم نے آپ کے خیال کی تعریف کی۔

ابو بکر بن عیاشؒ کا بیان ہے کہ میں نے ابو حفصؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انبیاء کے بعد حضرت ابو بکرؓ سے افضل کوئی شخص پیدا نہیں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی مرتدوں سے جنگ کرنے کے لئے کھڑے ہوگئے تھے۔(مظہری ۱۳۶/ ۳)

عرب کے مختلف مقامات پر تین گروہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مرتد ہوگئے تھے۔ پھر آپ کی وفات کی خبر نے اس فتنہ ارتداد کو ایک طوفانی شکل دے دی اور عرب کے سات قبیلے اسلام اور اس کی حکومت سے منحرف ہوگئے اور خلیفہ وقت حضرت ابو بکرؓ کو اسلامی قانون کے مطابق زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔

جو تین گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مرتد ہوگئے تھے، ان کا مختصر حال درج ذیل ہے۔

(۱) **بنو مُذحج:** ان کا سردار ذوالخمار عبہلہ بن کعب عنسی تھا اور اس کا لقب اسود تھا۔ یہ ایک شعبدہ باز کاہن تھا۔ اس نے یمن میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال کو نکال کر بلاد یمن پر قبضہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے گورنر حضرت معاذؓ بن جبل اور یمن کے رئیسوں کو لکھا کہ لوگوں کو مضبوطی کے ساتھ دین پر قائم رہنے کی ترغیب دیتے رہو اور اسود سے لڑنے کے لئے نکل پڑو۔ چنانچہ فیروز دیلمی نے گھر میں گھس کر اسود کو اس کے بستر پر ہی قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قتل کی خبر اسی روز دے دی تھی، اگرچہ باضابطہ خبر کافی دن بعد آئی۔

(۲) **بنو حنیفہ:** ان کا سردار مُسیلمہ کذّاب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں ۱۰ھ کے آخر میں اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اسے بھی نبوت میں شریک کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط دو آدمیوں کے ذریعہ بھیجا۔

مسیلمہ (کذّاب) کی طرف سے محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام۔ امابعد! یہ زمین آدھی میری اور آدھی آپ کی ہے۔ آپ نے قاصد سے فرمایا کہ اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا حکم نہ ہوتا تو میں تم دونوں کی گردنیں مار دیتا۔ پھر آپ نے خط کا مندرجہ ذیل جواب لکھوایا۔

محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذّاب کے نام۔ امابعد! ساری زمین اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اپنے بندوں میں سے وہ جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بناتا ہے اور اچھا انجام پرہیزگاروں کا ہوتا ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے اور آپ کی وفات ہو گئی۔ حضرت ابو بکرؓ نے کثیر لشکر کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ کو مسیلمہ سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ آخر مسیلمہ، مطعم بن عدی کے غلام حضرت وحشیؓ کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ وحشیؓ وہی شخص تھے جس نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلبؓ کو شہید کیا تھا۔ مسیلمہ کو قتل کرنے کے بعد حضرت وحشیؓ کہا کرتے تھے کہ میں نے مسلمان ہونے سے پہلے سب سے بہتر آدمی کو شہید کیا تھا اور مسلمان ہونے کے بعد بدترین آدمی کو قتل کیا۔

(۳) **بنی اسد:** ان کا سردار طلیحہ بن خویلد تھا۔ نبوت کا دعوی کرنے والوں میں یہ سب سے آخری شخص تھا۔ اس نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں مرتد ہو کر نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ مگر آپ کی وفات کے بعد اس سے جہاد کیا گیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو اس کے مقابلے کے لئے بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے شدید جنگ کے بعد اس کو شکست دی۔ پھر یہ بھاگ کر شام چلا گیا اور کچھ مدت کے بعد دوبارہ مسلمان ہو گیا اور پھر خلوص کے ساتھ اس پر قائم رہا۔ (مظہری، ۱۳۷ / ۳)

اللہ اور رسول کے دوست

۵۵،۵۶۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○

بیشک تمہارا دوست تو اللہ اور اس کا رسول اور مومن ہیں جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور (اللہ کے آگے) جھکنے والے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنوں کو دوست رکھے گا تو بے شک اللہ کا گروہ سب پر غالب ہے۔

تشریح: بلاشبہ کفار تمہارے دوست نہیں بلکہ تمہاری دوستی تو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مومنوں سے ہونی چاہئے جو نماز کے پوری طرح پابند ہوں، زکوٰۃ ادا کرتے ہوں، تواضع، عاجزی اور انکساری کرتے ہوں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں سے دوستی رکھے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت میں داخل ہے جو سب پر غالب ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓىِٕكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَیُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓىِٕكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(المجادلہ آیات ۲۱، ۲۲)

اللہ تعالیٰ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرا رسول ہی غالب رہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی نہ پائے گا۔ خواہ وہ باپ، بیٹے، بھائی اور کنبے، قبیلے کے لوگ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہیں۔ یہی اللہ کا گروہ ہے

اور یہی گروہ فلاح پانے والا ہے۔ (ابن کثیر ۲/۷۱)

ترک موالات کے حکم کا اعادہ

۵۷،۵۸۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○ وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ○

اے ایمان والو! جن لوگوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے اور جن کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ ان کو اور کافروں کو اپنا دوست مت بناؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم مومن ہو اور جب تم نماز کے لئے اذان دیتے ہو تو وہ اس سے ہنسی اور مسخرا پن کرتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ وہ بالکل بے عقل ہیں۔

ھُزُوًا: ٹھٹھا۔ مسخرا پن۔ مصدر بمعنی اسم

نَادَیْتُمْ: تم نے بلایا۔ تم نے پکارا۔ نِدَاءٌ سے ماضی

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رفاعہ بن زید بن تابوت اور سوید بن حارث بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر باطن میں کافر تھے۔ مسلمان دونوں کو دوست سمجھنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳/۱۴۴)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت اور دوستی سے نفرت دلائی ہے کہ کیا تم ان سے محبت اور دوستی کرو گے جو تمہارے دین کو ہنسی اور مذاق میں اڑاتے ہیں خواہ وہ لوگ اہل کتاب ہوں، جیسے یہود و نصاریٰ یا دوسرے کافر ہوں۔ ان کے استہزاء اور تمسخر کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان سے دوستی کی بجائے دشمنی کی جائے۔ اگر تم ان سے دوستی کرو گے تو اندیشہ ہے کہ کہیں اس سے تمہارا ایمان و اسلام نہ ضائع ہو جائے۔ پس تم اپنے دین کی عزت و حرمت کا پورا لحاظ رکھو اور اس کی پوری حفاظت کرو اور جو دشمنان دین اللہ کے دین کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں ان کے ساتھ محبت و دوستی نہ رکھو کیونکہ ان کی دوستی سے دین محفوظ نہیں رہ

سکتا۔ (ابن کثیر ۲/۷۲)

جب تم اذان کے ذریعہ لوگوں کو نماز جیسی افضل عبادت کی طرف بلاتے ہو تو وہ اس کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں کیونکہ وہ بے عقل ہیں اور نماز اور اذان کی حقیقت کو نہیں سمجھتے اور بے عقل محبت کے لائق نہیں۔

ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے بیان کیا کہ مدینہ میں ایک عیسائی تھا۔ جب وہ مؤذن کو **اشھدان محمدا رسول الله** کہتے ہوئے سنتا تو کہتا کہ اللہ جھوٹے کو آگ میں جلائے۔ ایک رات اس کا خادم آگ لے کر آیا۔ وہ عیسائی اور اس کی بیوی سو رہے تھے۔ اتفاق سے آگ کی ایک چنگاری اڑ کر عیسائی پر جا پڑی جس سے وہ خود بھی جل گیا اور اس کی بیوی بھی۔
(مظہری ۳/۱۴۵)

یہود کی بُری خصلتیں

۵۹، ۶۰۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ○ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ○

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! کیا تم ہم سے اس بات کا انتقام لیتے ہو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو کچھ ہماری طرف نازل ہوا اس پر اور جو پہلے نازل ہو چکا اس پر ایمان لائے اور یہ کہ تم میں اکثر نافرمان ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک (فی الواقع) کون لوگ بدتر ہیں۔ (یہ وہ ہیں) جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور وہ اس پر غصہ ہوا اور اس نے ان میں سے (بعض کو) بندر اور سور بنا دیا اور انہوں نے شیطان کی بندگی کی۔ یہی لوگ درجہ میں بدتر ہیں اور یہی سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

تَنْقِمُوْنَ: تم انتقام لیتے ہو۔ نَقْمٌ سے مضارع

مَثُوبَةً: ثواب - بدلہ - جزا

الْقِرَدَةَ: بندر واحد قِرْدٌ۔

الْخَنَازِيرَ: سور - واحد خِنزِيرٌ۔

شانِ نزول: ابن جریرؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں ابو یاسر بن اخطب، رافع بن ابی رافع اور عامر بن عمرو بھی تھے۔ ان لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کا ایمان کن کن پیغمبروں پر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور جو کچھ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور ان کی اولاد پر نازل ہوا اور جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دیا گیا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسرے انبیاء کو دیا گیا، سب پر میرا ایمان ہے۔ ہم ان میں سے کسی کی بھی تفریق نہیں کرتے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کا نام سن کر یہود کہنے لگے کہ ہم ان کو نہیں مانتے اور نہ اس کو مانتے ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کو پیغمبر مانتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۳۶/ ۳)

تشریح: جو اہل کتاب تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور نماز اور اذان جیسی بہترین عبادت کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں ان سے کہہ دو کہ تم جو ہمارے دین میں ہنستے ہو تو تم اس میں کیا عیب پاتے ہو۔ ہمارے دین کا خلاصہ تو یہ ہے کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں جو تمام شریعتوں کا لب لباب اور تمام حکمتوں کا عطر ہے اور ہم ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم سے پہلے نازل ہوئیں۔ کیا یہ کوئی عیب کی بات ہے جو تم اس پر ہنستے ہو۔ چونکہ تم بدکار ہو اور ہم تمہاری بدکاری سے علیحدہ ہیں، اسی لئے ہم تمہاری آنکھوں میں کھٹکتے ہیں۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے جو مسلمانوں کو برا کہتے ہیں اور ان کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں یہ کہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بدلہ پانے میں کون بدتر ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ برے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی اور ان پر اپنا غضب نازل کیا اور ان کی نافرمانیوں کی بنا پر ان میں سے بعض کو بندر اور بعض کو سور بنایا اور جنہوں نے شیطان اور باطل معبود کی پرستش کی یعنی گوسالہ کو معبود بنایا، یہی لوگ بدترین مقام والے اور راہِ راست سے بالکل بھٹکے ہوئے ہیں۔

(ابن کثیر ۲/ ۷۲، ۷۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/ ۳۷۲)

منافقوں کی سیاہ کاریاں

۶۱۔۶۳ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا آمَنَّا وَقَد دَّخَلُوا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ○ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ○

اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے حالانکہ وہ کافر ہی آئے تھے اور کافر ہی چلے گئے اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اور آپ ان میں سے بہت سے لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ گناہ، سرکشی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں۔ البتہ وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ ان کے مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی بات اور حرام کھانے سے کیوں نہیں منع کرتے۔ البتہ وہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔

السُّحْتَ: حرام، رشوت، جمع اَسْحَاتٌ۔

رَبَّانِيُّونَ: اللہ والے۔ درویش۔ واحد رَبَّانِيٌّ

اَحْبَارٌ: علماء۔ دانا لوگ۔ واحد حِبْرٌ

تشریح: جب یہ منافق دنیاوی اغراض کے لئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس وعظ و نصیحت میں آتے تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے اور کہتے کہ ہم آپ کے دین سے راضی ہیں اور جب واپس جاتے تو دامن جھاڑ کر ویسے کے ویسے ہی اٹھتے جیسے آئے تھے۔ یہ لوگ ایک لمحہ کے لئے بھی ایمان میں داخل نہیں ہوئے۔ آپ کے وعظ و نصیحت کا ان پر کچھ اثر نہیں کیونکہ ان کے شجر کہنہ میں اصلاح کی قابلیت ہی نہیں رہی۔ لہٰذا ان کا اٰمنّا کہنا بالکل جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے کفر و نفاق کو خوب جانتا ہے۔ کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔ آپ ان میں سے بہت سوں کو گناہ، ظلم اور حرام خوری کی طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے دیکھیں گے۔ کیونکہ ان کے اعمال بہت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے علماء و مشائخ بھی ان کو گناہ اور نافرمانی سے نہیں روکتے کیونکہ وہ

خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کو بھلا کر برائی میں مبتلا ہیں اور ان کو بھی برائی کا حکم دیتے ہیں۔
(حقانی ۲۸۹/ ۲، ابن کثیر ۷۴/ ۲)

یہود کی گستاخی

۶۴، ۶۶ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا
قَالُوْا بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ؕ
وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَآ
اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ
فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ
اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ
النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ
مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تنگ ہے۔ انہی (یہودیوں) کے ہاتھ تنگ ہو جائیں اور لعنت ہو ان کو اس کہنے پر، بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو (کلام) نازل ہوا وہ ضرور ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرنے کا باعث ہو گا اور ہم نے قیامت تک ان میں آپس کی عداوت اور کینہ ڈال دیا۔ یہ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بجھا دیتا ہے اور وہ ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ضرور ان سے ان کے گناہ دور کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے اور اگر یہ لوگ توریت اور انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان کے رب

کی طرف سے ان کی طرف نازل کیا گیا ہے ۔ تو یہ اپنے اوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے سے خوب کھاتے ۔ ان میں سے کچھ لوگ تو سیدھی راہ پر ہیں اور ان میں سے اکثر برے کام کر رہے ہیں ۔

مَغْلُوْلَۃٌ: بندھی ہوئی ۔ بخیل ۔ غُلٌّ سے اسم مفعول

مَبْسُوْطَتٰنِ: دو کھلے ہوئے ۔ دو کشادہ ۔ بَسْطٌ سے اسم مفعول

اَوْقَدُوْا: انہوں نے آگ سلگائی ۔ انہوں نے روشن کیا ۔ اِیْقَادٌ سے ماضی

اَطْفَاَھَا: اس نے اس کو بجھادیا ۔ اِطْفَاءٌ سے ماضی

مُقْتَصِدَۃٌ: اعتدال پر رہنے والی ۔ اِقْتِصَادٌ سے اسم فاعل

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ، عکرمہؒ، ضحاکؒ اور قتادہؒ نے کہا کہ یہودی بڑے مال دار، فراخ دست اور دولت مند تھے ۔ جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے جو فراخی اور کشائش ان کو عطا فرمائی تھی وہ تنگی سے بدل دی اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بخیل کہنا شروع کر دیا اور بنی قینقاع کے سردار فحاص بن عازور نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تو رزق دینے سے بندھ گیا ہے ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان اس طرح نقل کیا ہے کہ نباش بن قیس نامی یہودی نے کہا کہ تیرا رب بخیل ہے کچھ دیتا نہیں ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(جلالین ۱۰۱/ ۳۴۱ ۔ مظہری ۱۴۹/ ۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مدینے کے یہود کو مالدار اور صاحبِ وسعت بنایا تھا ۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اپنی جاہلانہ رسوم سے حاصل ہونے والے نذرانوں کی خاطر دعوتِ اسلام سے روگردانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت شروع کر دی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سزا میں ان پر دنیا تنگ کر دی اور نتیجتاً یہ لوگ تنگ دست ہو گئے اور ان کی زبانوں سے ایسے کلمات نکلے کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کمی آ گئی یا اللہ تعالیٰ بخیل ہو گیا ۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انہی لوگوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور انہی پر لعنت ہو گی جس کا اثر آخرت میں عذاب اور دنیا میں ذلت و رسوائی کی صورت میں ظاہر ہو گا ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ تو ہمیشہ سے کھلے ہوئے ہیں ۔ اس کی جود و سخا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی ۔

جس طرح وہ غنی اور صاحبِ وسعت ہے، اسی طرح وہ حکیم بھی ہے۔ وہ اپنی حکمت کے تحت جس پر مناسب سمجھتا ہے۔ فراخی و وسعت فرما دیتا ہے اور جس پر مناسب سمجھتا ہے، تنگدستی مسلط فرما دیتا ہے۔

آپ پر جو قرآنی آیات نازل ہوتی ہیں، یہ سرکش لوگ ان سے فائدہ اٹھانے کی بجائے اپنے کفر و انکار میں اور سخت ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچانے کے لئے ان میں آپس میں شدید اختلافات اور دشمنی پیدا کر دی، جس کی وجہ سے نہ تو ان کو مسلمانوں کے خلاف کھلی جنگ کا حوصلہ ہو سکتا ہے اور نہ ان کی کوئی سازش ان (مسلمانوں) کے خلاف چل سکتی ہے۔

پھر فرمایا کہ توریت و انجیل اور انبیاء علیہم السلام کے ارشادات سے فائدہ اٹھانے کی بجائے، دنیا کی حرص میں مبتلا ہو کر یہ لوگ سب کچھ بھلا بیٹھے۔ اسی لئے یہ لوگ دنیا میں تنگدستی کا شکار ہوئے۔ گر یہ اب بھی ایمان اور پرہیزگاری اختیار کر لیں تو ہم ان کی پچھلی تمام خطائیں معاف کر دیں گے اور ان کو نعمتوں کے باغات عطا کر دیں گے۔ اگر یہ لوگ توریت و انجیل اور ان کے بعد جو آخری کتاب نازل کی گئی، اس کی تعلیمات پر کسی قسم کی کمی بیشی کے بغیر پوری طرح عمل کریں تو ان کو آخرت کی نعمتیں بھی ملیں گی اور دنیا میں بھی ان پر رزق کے دروازے اس طرح کھول دئے جائیں گے کہ ان کو آسانی سے اور مسلسل رزق عطا ہو گا۔

پھر فرمایا کہ یہود کی ایک چھوٹی سی جماعت اس بد عملی اور کج روی سے بچی ہوئی ہے اور راہِ راست پر ہے۔ مگر ان کی اکثریت بدکار اور بد عمل ہے۔ یہاں راہ راست پر ہونے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے یہودی یا نصرانی تھے پھر قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ (معارف القرآن ۱۹۱، ۱۹۲ / ۳)

تبلیغِ دین کی تاکید

۶۷ يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے

نازل کیا گیا وہ (لوگوں کو) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کا
کچھ بھی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا۔
بیشک اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بَلِّغْ: تو تبلیغ کر۔ تو پہنچا دے۔ تَبْلِیغٌ سے امر

یَعْصِمُکَ: وہ آپ کی حفاظت کرے گا۔ وہ آپ کو بچائے گا۔ عِصْمَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ پر نازل فرمایا ہے، آپ وہ سب کسی جھجک کے بغیر لوگوں کو پہنچا دیں۔ خواہ کوئی اس کو قبول کرے یا اس کی مخالفت کرے۔ اگر بفرض محال کسی حکم خداوندی کو امت کو پہنچانے میں آپ سے ادنیٰ سی کوتاہی بھی ہوئی، تو فریضہ تبلیغ رسالت کا حق ادا نہ ہو گا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام عمر فریضہ تبلیغ رسالت میں پوری ہمت وقوت کے ساتھ مصروف رہے۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپؐ نے اپنے خطبہ میں صحابہ کرام کے عظیم مجمع کو اہم ہدایات اور وصیتیں فرمانے کے بعد مجمع سے سوال فرمایا کہ دیکھو! کیا میں نے تمہیں دین پہنچا دیا؟ صحابہ نے اقرار فرمایا کہ ہاں آپؐ نے ہمیں دین پہنچا دیا۔ پھر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر گواہ رہو اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ اس وقت مجمع میں حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک میری بات پہنچا دیں جو اس وقت حاضر نہیں۔

غائبین میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اس وقت دنیا میں موجود تھے مگر اس مجمع میں حاضر نہ تھے اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ ان سب کو دین پہنچانے کا طریقہ علم دین کی نشر و اشاعت تھی جس کو صحابہ کرام نے نہایت تن دہی سے انجام دیا۔ آیت کے دوسرے جملے میں آپؐ کو یہ خوش خبری بھی دی گئی کہ تبلیغ رسالت کے سلسلے میں کفار آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود آپؐ کا محافظ و ناصر ہے۔ پھر فرمایا کہ آپؐ کے ذمے تو صرف تبلیغ دین ہے۔ ہدایت دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔ وہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (معارف القرآن ۱۹۴ / ۳)

بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جو تم سے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپا لیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خود حکم دیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

صحیحین میں ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان کو چھپاتے تو اس آیت کو چھپاتے۔

وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ

آپ اپنے دل میں وہ چھپاتے تھے جس کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے خوف محسوس کر رہے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ (ابن کثیر ۷۷/۲)

اہلِ کتاب کے دعوے کی تردید

۶۸ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کسی راہ پر بھی نہیں ہو جب تک تم توریت و انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کیا گیا (سب کو) قائم نہ رکھو گے اور جو کچھ کلام آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا وہ ضرور ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر کو زیادہ کرنے کا باعث ہوگا۔ سو آپ کافروں پر افسوس نہ کریں۔

طُغْيَانًا: سرکشی۔ نافرمانی۔ مصدر ہے

تَاْسَ: تو افسوس کرتا ہے۔ تو رنجیدہ ہوتا ہے۔ اَسیً سے مضارع

شانِ نزول: ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رافع اور سلام بن مشکم اور مالک بن الضیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کیا آپ کا یہ دعویٰ نہیں کہ آپ (حضرت) ابراہیم کی شریعت اور دین پر ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ بے شک میں یہی کہتا ہوں مگر تم لوگوں نے نئی باتیں ایجاد کر لی ہیں اور (حضرت) ابراہیم کی شریعت میں جو کچھ ہے تم اس کا انکار کرتے ہو اور جن چیزوں کو لوگوں کے سامنے واضح طور پر بیان کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا تم ان کو چھپاتے ہو۔ (یہ سن کر) وہ کہنے لگے کہ جو کچھ ہمارے ہاتھوں میں ہے، ہم تو وہی لیں گے۔ ہم یقیناً حق اور ہدایت پر ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۵۶/ ۳)

تشریح: یہود و نصاریٰ کے گمان فاسد کو غلط کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہود و نصاریٰ کسی صحیح دین پر نہیں ہیں۔ یعنی اہل کتاب کا مذہب اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر نہیں یہاں تک کہ وہ توریت و انجیل اور دوسرے صحیفوں اور اللہ تعالیٰ کی اس کتاب (قرآن کریم) پر ایمان لائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے۔ مگر ان کی حالت تو یہ ہے کہ جوں جوں آپ کے رب کی طرف سے آپ پر قرآن نازل ہوتا توں توں ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہوتا۔ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو وہ اس کا انکار کرتے، جس سے ان کے کفر و سرکشی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ان کافروں کی طرف سے حسرت و افسوس اور غم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ لوگ اپنی سرکشی میں حد سے بڑھ چکے ہیں۔ (مظہری ۱۵۶/ ۳، ابن کثیر ۸۰/ ۲)

قانونِ نجات

۶۹ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جو یہودی اور جو صابئین ہیں اور جو نصاریٰ ہیں ان میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو (قیامت کے روز) ان پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اٰمَنُوْا: وہ ایمان لائے۔ انہوں نے مانا۔ اِیْمَانٌ سے ماضی۔ یہاں مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونا مراد ہے۔

هَادُوْا: وہ یہودی ہوئے۔ ھَوْدٌ سے ماضی۔ اس سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو یہودی عقائد رکھتے ہوں۔ خواہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہوں یا کسی اور قوم میں سے۔

نَصَارٰی: عیسائی، نصرانی، فلسطین میں ناصرہ نامی ایک قصبہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ اسی قصبہ کی نسبت سے حضرت عیسیٰ کو مسیح ناصری کہتے ہیں اور ان کے ماننے والوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ نصاریٰ کا مطلب یہ ہے کہ ناصرہ میں پیدا ہونے والے مسیح کی امت۔

صَابِئِیْنَ: صابی۔ بے دین۔ ستارہ پرست، صابی کے لفظی معنی ہیں، اپنے دین سے منہ موڑ کر کسی اور دین کی طرف مائل ہو جانے والا۔ عرب میں صابی ایک فرقہ تھا یہ لوگ حضرت ابراہیم کو مانتے، فرشتوں کی پرستش کرتے، زبور پڑھتے اور عبادات میں کعبہ کی طرف منہ کرتے تھے۔ عرب کے لوگ انہیں بے دین کہتے تھے۔

تشریح: اہل کتاب کی بے دینی، بری خصلتوں اور ان کی گستاخیوں کے ذکر کے بعد اس آیت میں نجاتِ اخروی کا نہایت معقول اور منصفانہ قانون بیان کیا گیا ہے کہ نجاتِ اخروی اور حقیقی فلاح اور دائمی کامیابی کا مدار ایمان باللہ اور عمل صالح پر ہے۔ پس جو لوگ اپنے مقرب الٰہی ہونے یا کامیاب ہونے کا دعویٰ کریں خواہ وہ مومنین ہوں، یہود و نصاریٰ اور صابی ہوں یا ان کا تعلق کسی اور مذہب سے ہو وہ محض اپنی مذہبی نسبت کی بنا پر یعنی مومن ہونے یا یہودی یا نصرانی ہونے کی بنا پر حقیقی فلاح و کامیابی اور نجاتِ اخروی حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لئے ایمان باللہ اور عمل صالح ضروری ہے۔ یہی نجاتِ اخروی کا قانون و معیار ہے۔ ایسے ہی لوگوں کو قیامت کے روز کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ رنج و غم۔ پس جس شخص یا قوم کو اپنے مقرب الٰہی ہونے کا دعویٰ ہو وہ اپنے آپ کو اسی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے۔ اگر وہ اس میں کھری اترے تو وہ بلا خوف و خطر کامیاب اور فلاح پانے والی ہے ورنہ وہ ناکام و نامراد اور غضبِ الٰہی کی مستحق ہے۔

ایمان باللہ اور عمل صالح کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخص ایمان باللہ کا دعویدار ہو اس کو اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت، اس کی صفاتِ کمالیہ، اس کی قدرت کی نشانیوں اس کے احکام و قوانین، اس کے انبیاء و مرسلین اور روز جزا پر ایمان لانا چاہئے اور نیکی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے ورنہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ابدی سکون و اطمینان اور فلاح و نجات کا حصول محال ہے۔ پس اللہ

تعالیٰ کے کسی پیغمبر کی تکذیب حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے ان دلائل اور نشانیوں کو جھٹلانا ہے جو اس نے اپنے نبی کی تصدیق کے لئے اتاریں۔

اگر کوئی یہودی توریت پر ایمان رکھتا ہو اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طریقے پر چلتا ہو اور پھر اس کی زندگی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہو جائیں اور وہ ان کی نبوت کو برحق سمجھتے ہوئے ان کی اتباع کرنے لگے تو ایسا شخص ایمان دار ہے۔ اگر ایسا شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے بعد بھی توریت اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر قائم رہا اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا اور ان کی اتباع نہ کی تو اس کا شمار بے دینوں میں ہوگا۔ اسی طرح یہود میں سے جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں اور آپ کی نبوت کو نہ مانیں اور آپ کی اتباع نہ کریں تو وہ بھی بے دینوں میں شمار ہوں گے۔

نصرانیوں میں سے بھی ایمان دار وہ ہے جو انجیل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانے، حضرت عیسیٰ کی شریعت پر عمل کرے پھر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائے تو آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور آپ کی شریعت پر عمل کرے۔ اگر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا اور پھر بھی اس نے آپ کی تصدیق نہ کی اور نہ آپ کی اتباع کی اور وہ بدستور حضرت عیسیٰ کی اتباع کرتا رہا تو وہ بھی بے دین کہلائے گا۔ مختصر یہ کہ ہر نبی کا تابعدار اور ماننے والا ایمان دار اور صالح ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات پانے والا ہے۔ لیکن جب دوسرا نبی آجائے اور وہ اس کی اتباع کرنے کی بجائے اس کا انکار کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔ (ابن کثیر ۱۰۳/ ۱، تفسیر عثمانی ۳۶۷/ ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸۱ / ۲)

یہود کی عہد شکنی

۷۰،۷۱۔ لَقَدْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَھُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَھْوٰٓی اَنْفُسُھُمْ ۙ فَرِیْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِیْقًا یَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَیْھِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِیْرٌ مِّنْھُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۝

البتہ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ان کے پاس رسول بھیجے تھے۔ جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آیا جو ان کو ناپسند ہوئے تو انہوں نے بعض رسولوں کو تو جھٹلایا اور بعض کو قتل کر ڈالا۔ اور انہوں نے یہ خیال کیا کہ ان پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ سو وہ اندھے اور بہرے بن گئے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر بھی ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے بنے رہے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

مِیْثَاقَ: عہد۔ پیمان۔ وَثَاقَۃٌ سے اسم آلہ۔ جمع مَوَاثِیْقُ۔

کُلَّمَا: جب کبھی، جس وقت۔ اکثر۔ یہ لفظ کُلَّ اور مَا سے مرکب ہے۔

تَھْوٰی: وہ خواہش کرتی ہے۔ وہ چاہتی ہے۔ ھُوًی سے مضارع

حَسِبُوْا: انہوں نے گمان کیا۔ انہوں نے خیال کیا۔ حِسْبَانٌ سے ماضی

فَعَمُوْا: پس وہ اندھے ہو گئے۔ عَمًی سے ماضی

صَمُّوْا: وہ بہرے بن گئے۔ صَمٌّ و صَمَمٌ سے ماضی

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہود سے، توحید پر قائم رہنے، نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا تھا۔ پھر ان کو یہ عہد و پیمان یاد دلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے پاس بہت سے رسول بھیجے، مگر انہوں نے عہد و پیمان کو توڑ دیا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ گئے۔ سرکشی میں ان کا یہ حال تھا کہ جب بھی کوئی رسول ان کے پاس ایسا حکم لے کر آتا جو ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق نہ ہوتا تو وہ لوگ اس پیغمبر کی تکذیب کرتے اور کبھی ان میں سے کسی کو قتل بھی کر دیتے۔ اس قدر شدید مظالم اور باغیانہ جرائم کے ارتکاب کے بعد بھی وہ بالکل بے فکر رہے کہ پیغمبروں کو جھٹلانے اور قتل کرنے پر بھی ان کو کوئی سزا نہیں ملے گی۔ اور نہ ان پر کوئی مصیبت اور عذاب آئے گا۔ مگر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی سخت سزا ملی کہ وہ حق سے دور کر دیئے گئے اور وہ کلام الٰہی کی طرف سے بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلّط کر دیا، جس نے ان کو خوب ذلیل و رسوا کیا۔ طویل عرصے کے بعد جب یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آئے اور تائب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور فارس کے ایک بادشاہ کے ذریعہ ان کو بخت نصر کی قید سے آزاد کرا کر بیت

المقدس کی طرف واپس کیا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد وہ پھر وہی شرارتیں کرنے لگے اور حسبِ سابق ان میں سے بہت سے اپنی سرکشی میں اندھے اور بہرے ہوگئے اور انہوں نے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل کر دیا۔ پھر وہ حضرت عیسیٰ کو بھی قتل کرنے کے لئے تیار ہوگئے مگر وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہوئے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ یہ لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے بے پرواہ اور اپنی سرکشی میں اندھے ہوگئے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو برابر دیکھ رہا ہے۔ یہ سزا سے بچ نہیں سکتے۔ (ابن کثیر ۸۰/ ۲، حقانی ۲۹۳/ ۲)۔

نصاریٰ کا فاسد عقیدہ

۷۲، ۷۵۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَھُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۭ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

بیشک وہ لوگ کافر ہوگئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تو یہی مریم کا بیٹا مسیح ہے۔ حالانکہ خود مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ بیشک جو کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بیشک وہ کافر ہوگئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو تین میں کا تیسرا کہا۔

حالانکہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اور اگر وہ اس سے باز نہیں آئیں گے جو کچھ وہ کہتے ہیں تو ان میں سے جو لوگ کفر پر قائم رہیں گے، ان پر درد ناک عذاب ضرورت واقع ہو گا ۔ پھر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کیوں نہیں کرتے اور اس سے معافی کیوں نہیں چاہتے حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے ۔ مریم کا بیٹا مسیح تو صرف رسول ہے ۔ اس سے پہلے بھی بہت سے رسول ہو چکے ہیں اور اس کی ماں پاک دامن ہے ۔ وہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے ۔ دیکھئے ہم ان کے لئے کیسی کھلی کھلی دلیلیں بیان کرتے ہیں ۔ پھر دیکھئے وہ کدھر بھٹکے چلے جا رہے ہیں ۔

مَاْوٰهُ : اس کے رہنے کی جگہ ۔ اس کا ٹھکانا ۔ اُوِیٌّ سے اسم ظرف ۔ مصدر کے معنی میں ہے ۔

یَنْتَھُوْا : وہ رکتے ہیں ۔ وہ باز رہتے ہیں ۔ اِنْتِھَاءٌ سے مضارع

لَیَمَسَّنَّ : البتہ وہ ضرور پہنچ جائے گا ۔ مَسٌّ سے مضارع بالام تاکید و نون تاکید

قَدْ : تحقیق ۔ کبھی ۔ کافی ۔ ہے ۔ اسم بھی ہے حرف بھی ۔ ماضی اور مضارع دونوں پر آتا ہے ۔

خَلَتْ : وہ گزر گئی ۔ خُلُوٌّ سے ماضی

یُؤْفَکُوْنَ : وہ لوٹائے جاتے ہیں ۔ وہ پھیرے جاتے ہیں ۔ اَفْکٌ و اُفُوْکٌ سے مضارع مجہول

تشریح : ان آیتوں میں نصاریٰ کے ایمان باللہ کی کیفیت و حالت کا بیان ہے ۔ ان کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے کہ انہوں نے عقل و فطرت سلیمہ کے خلاف اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف حضرت عیسیٰ بن مریم کو خدا بنا دیا، اللہ تعالیٰ ان کے قول سے مبرا ہے ۔ حضرت عیسیٰ تو اللہ تعالیٰ کے بندے تھے ۔ انہوں نے اس دنیا میں قدم رکھتے ہی اپنے گہوارہ میں سب سے پہلے یہ کلمہ کہا تھا کہ بلاشبہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں (اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ) انہوں نے اپنے آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا نہیں کہا تھا بلکہ اپنی بندگی کا اقرار کیا تھا اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے یہ بھی کہا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ تم سب اسی کی عبادت کرتے رہو ۔ یہی سیدھا اور صحیح طریقہ ہے ۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے گا ۔ اس پر جنت

حرام ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے ۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرتا ۔

دوسری آیت میں ان لوگوں کے کفر کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک مانتے تھے ۔ یہودی حضرت عزیر کو اور نصرانی حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو تین میں کا ایک مانتے تھے ۔ مگر یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے جو حضرت عیسیٰؑ اور ان کی ماں حضرت مریمؑ اور اللہ تعالیٰ کو ملا کر خدا مانتے تھے ۔ یعنی حضرت مسیح، روح القدس اور اللہ تعالیٰ یا حضرت مسیح، حضرت مریم اور اللہ تعالیٰ تینوں خدا ہیں ۔ (العیاذ باللہ) یہ تینوں خدائی میں حصہ دار ہیں ۔ پھر یہ تینوں مل کر ایک اور وہ ایک، تینوں ہیں ۔ عیسائیوں کا عام عقیدہ یہی ہے ۔

پھر فرمایا کہ عبادت کے لائق تو اسی خدائے بزرگ و برتر اور واحد و یکتا کی ذات پاک ہے ۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ تمام کائنات اور کل موجودات کا معبودِ برحق وہی ہے ۔ اگر یہ لوگ اپنے اس کفریہ قول سے باز نہ آئے تو یقیناً ان کو المناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم اور بخشش و رحمت کو بیان فرمایا ہے اور ان لوگوں کے انتہائی سخت جرم اور شدید کذب و افتراء کے باوجود ان کو اپنی رحمت کی طرف دعوت دی اور فرمایا کہ بڑے بڑے باغی، سرکش اور گستاخ مجرم بھی جب شرمندہ ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ اور معافی طلب کرتے ہیں تو میں پل بھر میں ان کی زندگی بھر کے گناہ معاف کر دیتا ہوں ۔ لہٰذا تم اب بھی میری طرف جھک جاؤ اور توبہ و استغفار کرو میں تمہارے سب گناہ معاف کر دوں گا کیونکہ میں بہت بخشنے والا مہربان ہوں ۔

پھر فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہی ہیں ۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں یہ بھی گزر جائیں گے ۔ لہٰذا انہیں خدا کہنا تمہاری نری جہالت کے سوا کچھ نہیں ۔ حضرت عیسیٰ کی والدہ بھی نبیہ نہیں تھیں بلکہ وہ تو مومنہ اور سچائی والی تھیں اور دوسری عورتوں کی طرح وہ بھی ایک عورت تھیں ۔ وہ دونوں ماں بیٹا اپنی بھوک و پیاس کو دفع نہیں کر سکتے تھے، بلکہ وہ دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور جو کھانے پینے کا محتاج ہو وہ ہر چیز کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کا محتاج نہیں ۔ پس جو شخص اپنی بقاء کے لئے عالم اسباب سے مستغنی نہ ہو وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام بھی اوروں کی مانند

مخلوق ہی تھے، خدا نہیں تھے ۔ دیکھو! ان کے سامنے ہم کس طرح کھول کھول کر اپنی دلیلیں پیش کرتے ہیں ۔ پھر یہ بھی دیکھو کہ اس کے باوجود یہ کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں (ابن کثیر۸۱ / ۲، تفسیر عثمانی ۳۶۹، ۳۷۰ / ۱)

باطل معبودوں کی عبادت کی ممانعت

۷۶ ۔ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

آپ کہہ دیجئے ۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں ضرر دے سکتی ہیں اور نہ کچھ نفع، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی سنتا (اور) جانتا ہے ۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ معبود تو وہ ہونا چاہئے جو ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہو اور پورا با اختیار ہو ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز میں یہ وصف نہیں ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کا معبود ہونا باطل ہے ۔ یہود و نصاریٰ کا حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو خدا کہنا بلا دلیل ہے ۔ وہ دونوں نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر بلکہ وہ تو اپنا ضرر بھی دفع نہ کر سکے ۔ بقول نصاریٰ حضرت عیسیٰؑ نے صلیب پر چیخ چیخ کر جان دے دی ۔

پھر اس ذات کو چھوڑ کر جو تمام باتوں کو سننے والی اور تمام چیزوں سے باخبر ہے، ایسی چیزوں کو معبود بنانے میں کون سی عقل مندی ہے جو نہ سن سکتی ہیں اور نہ دیکھ سکتی ہیں، نہ کسی کو نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ کسی کا ضرر دفع کر سکتی ہیں، نہ ان کی کوئی قدر ہے اور نہ ان میں کوئی قدرت ۔ (حقانی ۲۹۶ / ۲، ابن کثیر ۸۲ / ۲)

دین میں غلو کی ممانعت

۷۷ ۔ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝

اے اہل کتاب! تم اپنے دین میں ناحق غلو (زیادتی) نہ کرو اور نہ اس قوم کی خواہشوں پر چلو جو اس سے پہلے خود گمراہ ہو چکی اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکی اور سیدھے راستے سے بھٹک چکی ہے۔

تَغْلُوْا: تم مبالغہ کرو۔ تم زیادتی کرو۔ غُلُوٌّ سے مضارع

اَھْوَاءَ: خواہشیں۔ خیالات۔ واحد ھَوٰی

سَوَآءِ: برابر۔ اسم مصدر۔ اس سے تثنیہ اور جمع نہیں بنتا

السَّبِیْلِ: راہ۔ راستہ۔ جمع سُبُلٌ

تشریح: اے اہل کتاب! تم دین کے معاملے میں مبالغہ سے کام نہ لو اور اعتدال کی حد سے ہٹ کر افراط و تفریط میں نہ پڑو۔ یہود نے اپنے دین میں تفریط کی اور حضرت عیسیٰؑ کی رسالت کے منکر ہو گئے۔ دین اور دین داروں کے لئے ان کے ہاں کوئی قدر و منزلت نہ تھی یہاں تک کہ انبیاء کی اہانت اور ان کو قتل کرنا ان کا خاص شعار تھا۔ اس کے برخلاف نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں افراط سے کام لیا اور ان کو خدا کا درجہ دے دیا اور ترکِ دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔

اللہ تعالیٰ نے جس کی جتنی عزت و توقیر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی اتنی ہی عزت و توقیر کرو۔ انسانوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت و رسالت عطا فرمائی ہے، ان کو نبوت و رسالت کے درجے سے خدائی کے درجے تک نہ پہنچاؤ۔ جیسا کہ تم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنا لیا ہے۔ اے نصاریٰ! یہ سب کچھ تم اپنے اسلاف کی تقلید میں کر رہے ہو جو خود بھی عدل و استقامت کے راستہ کو چھوڑ کر ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا ہو گئے تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے۔

ابن ابی حاتمؒ میں ہے کہ ایک شخص بڑا دین کا پابند تھا۔ ایک زمانے کے بعد شیطان نے اس کو بہکا دیا کہ جو کچھ پہلے لوگ کر گئے تم بھی وہی کر رہے ہو، اس میں کیا رکھا ہے۔ اس سے عام لوگوں میں نہ تو تمہاری قدر ہو گی اور نہ شہرت۔ پس تم کوئی نئی بات ایجاد کرو، اسے لوگوں میں پھیلاؤ اور پھر دیکھو تمہاری کیسی شہرت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کی ایجاد کردہ بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور ایک زمانہ ان کی تقلید کرنے لگا۔

پھر اسے سخت ندامت ہوئی۔ اس نے سلطنت اور ملک چھوڑ دیا۔ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی

عبادتوں میں مشغول ہو گیا مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے جواب ملا کہ اگر تو نے صرف میری نافرمانی کی ہوتی تو میں معاف کر دیتا مگر تو نے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا جس پر چلتے چلتے وہ مر بھی گئے۔ ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ہٹے گا۔ لہذا میں تیری توبہ قبول نہیں کروں گا۔ (ابن کثیر ۸۲ / ۲)

یہود کا انجامِ بد

۷۸، ۷۹۔ لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ؁ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ

بنی اسرائیل میں جو کافر تھے ان پر (حضرت) داؤدؑ اور (حضرت) عیسیٰؑ بن مریمؑ کی زبان سے لعنت کر دی گئی۔ یہ اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے نکل گئے تھے۔ وہ لوگ جس برے کام کو کرتے تھے اس سے باز نہیں آتے تھے۔ بیشک بہت ہی برے افعال ہیں جو وہ کرتے ہیں۔

لُعِنَ: اس پر لعنت کی گئی۔ لَعْنٌ سے ماضی مجہول

یَتَنَاھَوْنَ: وہ باہم منع کرتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو روکتے ہیں۔ تَنَاھِیٌ سے مضارع

تشریح: ان آیتوں میں بنی اسرائیل کے بد انجام کا ذکر ہے کہ جب بنی اسرائیل کے لوگ کفر و عصیان اور ظلم و سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور منکرات و فواحش کا برملا ارتکاب کرنے لگے اور کوئی ان کو ان بد اعمالیوں سے روکنے والا نہ تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان بدبختوں پر حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبانی زبور و انجیل میں لعنت فرمائی۔ جس طرح گناہوں پر ان کی جسارت حد سے بڑھ گئی تھی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت بھی اپنے جلیل القدر انبیاء علیہما السلام کے ذریعہ فرمائی جو ان کے حق میں غیر معمولی طور پر تباہ کن ثابت ہوئی۔

جن کافروں پر حضرت داؤدؑ نے لعنت فرمائی تھی وہ اہل ایلہ تھے۔ جنہوں نے سنیچر کے دن کی حرمت پامال کی تھی اور حضرت داؤدؑ نے ان کے لئے بد دعا کی تھی کہ اے اللہ! ان پر لعنت کر اور ان کو عبرت بنا دے۔ چنانچہ ان کی شکلیں بندروں جیسی بنا دی گئیں اور جب اصحابِ مائدہ

ایمان نہ لائے تو حضرت عیسیٰ نے ان کو بد دعا دی اور کہا کہ اے اللہ! ان پر لعنت کر اور ان کو عبرت کا نشان بنا دے۔ چنانچہ وہ صورتیں مسخ کر کے سور بنا دئے گئے۔

یہ ان کی نافرمانی اور حد سے تجاوز کا نتیجہ تھا۔ جب ان کے کچھ لوگ برے کام کرتے تو دوسرے لوگ ان کو ان کی بری حرکتوں سے منع نہیں کرتے تھے جس کے نتیجہ میں سب پر عذاب آیا کیونکہ جب کسی قوم میں برائی عام ہو جائے اور کوئی ان کو روکنے اور منع کرنے والا بھی نہ ہو یعنی نیک لوگ برائی کرنے والوں کو نہ روکیں تو پھر بشمول نیک لوگوں کے ساری قوم کے عذاب میں مبتلا ہونے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں اور اس کے ہاتھ نہ پکڑیں تو اغلب ہے کہ ان سب پر اللہ کا عذاب آجائے۔

ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ جن لوگوں کے اندر گناہ کئے جا رہے ہیں اور وہ گناہوں کو بدلنے کی طاقت رکھنے کے باوجود نہ بدلیں تو اغلب ہے کہ ان سب پر اللہ کا عذاب آجائے۔

ترمذی۔ ابن ماجہ اور ابو داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلی یہی برائی داخل ہوئی تھی کہ جب کوئی شخص دوسرے شخص کو خلاف شرع کام کرتے دیکھتا تو اس کو اس سے منع کرتا تھا لیکن دوسرے دن صبح کو یہی منع کرنے والا شخص اس گناہ کرنے والے شخص کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا تھا۔ اس سے سب میں سنگدلی آگئی پھر آپ نے یہ پوری آیت تلاوت کر کے فرمایا کہ واللہ! تم پر فرض ہے کہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو، برائیوں سے روکو، ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ کرو کہ وہ حق پر آجائے۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے دل بھی سخت کر دے گا اور تم پر بھی اپنی پھٹکار نازل فرما دے گا۔ جیسی ان پر نازل فرمائی

(مظہری ۱۶۱، ۱۶۲ / ۳، ابن کثیر ۸۲، ۸۳ / ۲)

مشرکین سے دوستی کا انجام

۸۰، ۸۱۔ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

آپ ان میں سے بہت سوں کو دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ البتہ برا ہے جو کچھ انہوں نے اپنے لئے آگے بھیجا کہ ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور جو کچھ آپؐ پر نازل ہوا اس پر ایمان لاتے تو وہ ان کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

يَتَوَلَّوْنَ: وہ محبت کرتے ہیں۔ وہ دوستی کرتے ہیں۔ تَوَلِّیٌ سے مضارع

سَخِطَ: وہ غصہ ہوا۔ سَخَطٌ سے ماضی

اِتَّخَذُوْهُمْ: انہوں نے ان کو بنالیا۔ انہوں نے ان کو اختیار کرلیا۔ اِتِّخَاذٌ سے ماضی

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مدینہ کے یہود جیسے کعب بن اشرف اور اس کے ساتھی، مشرکین مکہ سے دوستی کرتے ہیں اور ان کو جوش دلا کر اسلام کے مقابلے میں ابھارتے ہیں۔ حالانکہ اسلام توحید کا درس دیتا ہے، حضرت موسیٰ کی نبوت اور توریت کی تصدیق کرتا ہے۔ مگر یہ لوگ اپنی باطنی خباثت کی بنا پر مسلمانوں کے مقابلے میں مشرکین عرب کو دوست بناتے ہیں۔ حالانکہ یہ خوب جانتے ہیں کہ وہ باطل پر ہیں۔ کافروں سے دوستی کی بنا پر انہوں نے آگے کے لئے جو کام کیا وہ بلاشبہ بہت برا ہے۔ اسی کی پاداش میں ان پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ دائمی عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن کریم پر پوری طرح ایمان لاتے تو کافروں سے ہرگز دوستی نہ کرتے اور خدا پرستوں کے مقابلہ میں بت پرستوں کو ترجیح نہ دیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے لوگ بدکار ہیں اور حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے خارج ہیں۔

(ابن کثیر ۸۴، ۸۵ / ۲، حقانی ۲۹۸ / ۲)

بعض اہلِ کتاب کی حق پرستی

۸۲ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ○

اور البتہ لوگوں میں سے مسلمانوں کا شدید ترین دشمن، آپ یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور البتہ اور لوگوں میں مسلمانوں سے زیادہ محبت کرنے والے آپ کو وہ لوگ ملیں گے جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان میں اہل علم اور درویش بھی ہیں اور یہ کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔

لَتَجِدَنَّ: البتہ تو ضرور پائے گا۔ وُجُوْدٌ سے مضارع بانون تاکید ولام تاکید

قِسِّيْسِيْنَ: عیسائی عالم۔ عیسائی درویش۔ واحد قِسِّيْسٌ

رُهْبَانًا: عبادت کرنے والے۔ تارک دنیا۔ درویش۔ واحد رَاهِبٌ

تشریح: اس آیت میں اور اس کے بعد کی چار آیتوں میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے جو اپنی حق پرستی اور خدا ترسی کی بنا پر مسلمانوں سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے۔ مگر ان اوصاف کے حامل لوگ یہود میں بہت کم تھے۔ جیسے عبد اللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ یہود کی نسبت، نصاریٰ میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور وہاں کے حکام اور عوام میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد تھی۔ اسی لئے جب مکہ کے مسلمان، مشرکین کے مظالم سے تنگ آگئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے، اس لئے مسلمان کچھ عرصہ کے لئے وہاں چلے جائیں۔ چنانچہ پہلی مرتبہ سولہ افراد پر مشتمل قافلہ جس میں ۱۲ مرد اور ۴ عورتیں تھیں ہجرت کر کے حبشہ پہنچا۔ ان میں حضرت عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ محترمہ حضرت رقیہؓ بھی شامل تھیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ جس میں ۸۶ مرد اور ۱۷ عورتیں تھیں، ہجرت کر کے حبشہ پہنچا۔ یہ لوگ وہاں امن و عافیت سے رہے۔

حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں کے قیام سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی اور وہاں کے حکام اور عوام سب کے دلوں میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت و عظمت پیدا ہوئی چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور آپؐ کو وہاں سکون و اطمینان حاصل ہو گیا تو ہجرت کر کے حبشہ جانے والے مہاجرین نے بھی مدینہ منورہ جانے کا عزم کر لیا۔ چنانچہ نجاشی نے ان کے ساتھ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء و مشائخ کا ایک وفد آپؐ کی خدمت میں بھیجا، جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ان میں باسٹھ افراد حبشہ کے اور آٹھ شام کے تھے۔

دربارِ رسالت میں وفد کی حاضری: حبشہ کا یہ وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درویشانہ اور راہبانہ لباس میں حاضر ہوا۔ آپ نے ان کو سورۂ یسین پڑھ کر سنائی۔ یہ لوگ سنتے جاتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ سب کہنے لگے کہ یہ کلام اس کلام سے مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا۔ پھر یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ ان کی واپسی کے بعد نجاشی نے بھی اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔

یہ آیتیں انہی حضرات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ ان میں ان کا خوفِ خدا سے رونا اور حق کو قبول کرنا بیان فرمایا گیا ہے۔ جمہور مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ اگرچہ یہ آیتیں نجاشی اور اس کے وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، مگر الفاظ میں عموم ہے۔ اس لئے یہ حکم ان تمام نصاریٰ کے لئے عام ہے جو اہل حبشہ کی طرح حق پرست اور انصاف پسند ہوں، یعنی جو اسلام سے پہلے انجیل کی اتباع کرتے تھے اور اسلام آنے بعد اسلام کی اتباع کرنے لگے۔

اگرچہ یہود میں بھی چند افراد اسی شان کے موجود تھے جو پہلے توریت پر عمل پیرا تھے پھر اسلام آنے کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ لیکن ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ عام یہودی، مسلمانوں کی عداوت اور رنج کنی میں پیش پیش رہتے تھے۔ اسی لئے آیت کے شروع میں ان کا حال اس طرح بیان فرمایا کہ مسلمانوں کی عداوت میں، یہود سب سے زیادہ سخت ہیں۔

امام ابو بکر جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ بعض جاہل جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً نصاریٰ کی مدح ہے اور وہ علی الاطلاق یہود سے بہتر ہیں یہ سراسر جہالت ہے کیونکہ اگر عام طور پر دونوں جماعتوں کے مذہبی عقائد کا موازنہ کیا جائے تو نصاریٰ کا مشرک ہونا زیادہ واضح ہے اور اگر مسلمانوں کے ساتھ معاملات کو دیکھا جائے تو آج کل کے عام نصاریٰ بھی اسلام

دشمنی میں یہود سے کم نہیں البتہ نصاری میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوئی ہے جو خدا ترس اور حق پرست تھے ۔ اسی کے نتیجہ میں ان کو اسلام قبول کرنے کی توفیق حاصل ہوئی اور یہ آیتیں ان دونوں جماعتوں کے درمیان اسی فرق کو ظاہر کرتی ہیں ۔ یہاں بھی ذٰلِکَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ فرمایا، یعنی ان آیات میں جن نصاری کی مدح کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور خدا ترس اور تارک الدنیا حضرات ہیں اور ان میں تکبر نہیں کہ دوسروں کی بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہ ہوں ۔ اس کے برعکس یہود میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے، جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں ان میں خدا ترسی اور حق پرستی نہیں ۔ ان کے علماء نے ترک دنیا کی بجائے اپنے علم کو صرف ذریعہ معاش بنایا اور طلب دنیا میں ایسے مست ہوئے کہ حق و ناحق اور حلال و حرام کی بھی پرواہ نہ کی ۔ (معارف القرآن ۲۱۶ ۔ ۲۱۸ / ۳)

اہلِ کتاب مومنین کا حال

۸۳، ۸۶ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

اور جب وہ اس (قرآن) کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل کیا گیا تو تو ان کی آنکھوں کو آنسو بہاتے دیکھے گا اس وجہ سے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی ہے (اور) وہ کہتے ہیں ۔ اے ہمارے رب، ہم ایمان لائے پس تو ہمیں بھی ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے اور (وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ) ہم اللہ تعالی پر اور جو کچھ حق بات ہمیں پہنچی ہے ہم اس پر ایمان کیوں نہ لائیں حالانکہ ہمیں توقع ہے کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کی جماعت کے ساتھ داخل کرے گا ۔ پھر اللہ تعالی نے اس

کہنے کی جزا میں ان کو ایسے باغ عطا فرمادئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں۔

تَفِيْضُ: وہ بہتی ہے۔ وہ جاری ہوتی ہے۔ فَيْضٌ سے مضارع

الدَّمْع: آنسو۔ جمع دُمُوْعٌ

نَطْمَعُ: ہم طمع رکھتے ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں۔ طَمَعٌ سے مضارع

فَاَثَابَهُمْ: پس اس (اللہ تعالیٰ) نے ان کو ثواب دیا۔ پس اس نے ان کو انعام دیا۔ اِثَابَۃٌ سے ماضی۔

الْجَحِيْم: دوزخ۔ دہکتی ہوئی آگ

ربطِ آیات: گزشتہ آیات میں پہلے یہود کی شرارتوں اور خباثتوں کا بیان تھا پھر نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور ان کی گمراہی کا ابطال اور اس کے دلائل کا بیان تھا تاکہ ان کے ایمان باللہ کا حال معلوم ہو جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ ان کا دین ہیچ ہے اور ان کے عقائد صحیح نہیں، اس لئے کہ وہ دین میں غلو کرتے ہیں۔ یہ سب اس لئے بیان کیا گیا کہ شاید اہل کتاب باطل کو چھوڑ کر حق کی اتباع کرتے ہوئے اسلام میں داخل ہو جائیں۔ پھر یہود کا انجام بد بیان کیا گیا۔ ان آیتوں میں بعض اہل کتاب مومنوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ قرآن کریم کو سنتے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے تھے کیونکہ وہ اس بشارت کو پہچان گئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق انہوں نے اپنی کتاب انجیل میں دیکھی تھی۔

تشریح: ان آیتوں میں بھی نصاریٰ کا ذکر ہے جو گزشتہ آیت سے شروع ہوا تھا۔ جب یہ نصاریٰ قرآن کریم کو سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ وہ اس بشارت کو پہچان گئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے متعلق انہوں نے اپنی کتاب انجیل میں دیکھی تھی۔ چنانچہ وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ پہلے ہم انجیل پر ایمان لائے تھے، اب ہم قرآن کریم پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہے اس لئے تو ہمیں ان لوگوں میں لکھ لے جنہوں نے تیرے معبود برحق اور واحد و یکتا ہونے کی شہادت دی ہے اور تجھ پر اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں اور تو ہمیں نیک لوگوں کی معیت نصیب فرما۔

ان کی درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کے ایمان و تصدیق کے صلہ میں ان کو ایسی جنتیں دی جائیں گی جن میں پانی کے چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ حق کی اتباع کرنے والوں کی یہی جزا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب اہل دوزخ ہیں۔ (ابن کثیر ۸۵، ۸۶ / ۲)

حلال اشیاء کو حرام ٹھہرانے کی ممانعت

۸۷، ۸۸۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○

اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں، حرام نہ ٹھہراؤ اور حد سے نہ بڑھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی حلال اور پاک چیزوں میں سے کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

طَیِّبٰتِ: پسندیدہ اور نفیس چیزیں جو مرغوبِ طبع ہوں۔ واحد طَیِّبَۃٌ د

تَعْتَدُوْا: تم زیادتی کرتے ہو۔ تم حد سے بڑھتے ہو۔ اِعْتِدَاءٌ سے مضارع

شانِ نزول: ابن جریرؒ نے عوفی کی سند سے بیان کیا کہ حضرت عثمان بن مظعونؓ اور بعض دوسرے صحابیوں نے عورتوں اور گوشت کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا اور چھریاں لے کر مردانہ آلات کو کاٹ ڈالنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا تاکہ نفسانی خواہش کی جڑ ہی کٹ جائے اور عبادت کے لئے فراغتِ دل حاصل ہو جائے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۶۹ / ۳)

ابن ابی حاتمؒ نے زید بن اسلم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے گھر والوں کو ایک مہمان کی ضیافت پر مامور کیا اور (کھانے کے وقت) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے۔ جب (رات کو) گھر پہنچے تو دیکھا کہ اہل خانہ نے ان کے انتظار میں مہمان کو کھانا نہیں کھلایا تھا۔ انہوں نے بیوی سے کہا کہ تم نے میری وجہ سے میرے مہمان کو بھی کھانا نہیں کھلایا۔ اب یہ کھانا مجھ پر حرام ہے۔ بیوی نے کہا تو مجھ پر بھی حرام ہے۔

مہمان نے کہا تو میرے لئے بھی حرام ہے۔ حضرت عبد اللہؓ نے جب یہ معاملہ دیکھا تو (قسم توڑ کر) کھانے میں ہاتھ ڈال دیا اور کہا کھاؤ بسم اللہ۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۷۱/ ۳)

بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے تین شخص امہات المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت (کی مقدار) بتائی گئی تو انہوں نے اس مقدار کو قلیل سمجھا اور کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا کیا مقابلہ۔ آپ کے تو اگلے پچھلے قصور معاف کر دیئے گئے۔ اس پر ایک شخص کہنے لگا کہ میں تو ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں تو ہمیشہ روزے رکھوں گا ناغہ نہیں کروں گا۔ تیسرا کہنے لگا کہ میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسا ایسا کہا تھا۔ سن لو! خدا کی قسم! میں تم سے زیادہ اللہ کا خوف اور خشیت رکھتا ہوں لیکن روزے بھی رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں۔ (رات) کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو شخص میرے طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے (متعلق) نہیں ہے۔ (مظہری ۱۷۰/ ۳)۔

تشریح: ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ ترکِ دنیا اور ترکِ شہوات و لذات ایک حد تک تو محبوب و پسندیدہ ہے مگر اس میں بھی حدودِ الٰہیہ سے تجاوز کرنا مذموم و حرام ہے۔ پس جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں ان کو کھاؤ پیو اور اہل کتاب کی طرح دین میں غلو مت کرو۔ نصاریٰ کی طرح رہبانیت اختیار کرنا اور حلال و پاکیزہ چیزوں کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں اسی طرح یہود کی طرح دنیاوی لذات و شہوات اور حرام خوری میں منہمک رہنا بھی دین میں غلو اور تفریط ہے۔ اللہ تعالیٰ اعتدال اور میانہ روی کو پسند کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو حلال چیزیں تمہیں دی ہیں ان میں سے حلال و پسندیدہ چیزیں کھاؤ اور حد سے تجاوز نہ کرو کہ حلال کی حد سے آگے بڑھ کر حرام کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ، اور نہ حلال میں اتنے منہمک ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اور جس اللہ پر تم ایمان رکھتے ہو اس سے ڈرتے رہو اور اس کے حکم اور اس کی رضا کے خلاف کوئی کام نہ کرو۔

بغویؒ نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ شیرینی یا شہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کو مرغوب تھا۔ ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مرغوب روٹی اور دلیہ کا ثرید تھا۔

ترمذیؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانا کھا کر شکر ادا کرنے والا صابر روزہ دار کی طرح ہے۔ (مظہری ۱۷۱/ ۳)

قسم کا کفارہ

۸۹ - لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○

اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری فضول قسموں پر مواخذہ نہیں کرتا۔ لیکن وہ ایسی قسموں پر ضرور گرفت کرے گا جن کو تم نے مستحکم کیا ہے۔ سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو یا ان (دس مسکینوں) کو کپڑے پہنانا یا ایک غلام آزاد کرنا۔ پھر جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جبکہ تم قسم کھا بیٹھو اور تم اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔

يُؤَاخِذُكُمْ: وہ تم سے مواخذہ کرتا ہے۔ وہ پکڑتا ہے۔ مُؤَاخَذَةٌ سے مضارع

اللَّغْوِ: فضول۔ بیہودہ بات۔ بیکار

اَيْمَانِكُمْ: تمہاری قسمیں۔ واحد یَمِیْنٌ۔ یمین کے معنی قوت اور مضبوطی کے ہیں۔ شرع میں یمین اس قسم کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام سے یا اس کی کسی صفت سے کھائی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے نام یا صفت سے قسم میں قوت اور تاکید پیدا ہو جاتی

ہے۔ اس لئے اس کو یمین کہتے ہیں۔

عَقَّدْتُّمْ: تم نے گرہ باندھی۔ تم نے مضبوط کیا۔ تَعْقِیْدٌ سے ماضی۔

کِسْوَتُھُمْ: ان کالباس۔ ان کو پہنانا۔ ان کو کپڑا دینا۔ مصدر و اسم۔ جمع کِسَاءٌ

تَحْرِیْرُ: تحریر کرنا۔ لکھنا۔ آزاد کرنا۔ مصدر ہے

رَقَبَۃٍ: گردن۔ جان۔ غلام

شانِ نزول: بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب آیت **لَاتُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآاَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ** نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان قسموں کا کیا کریں جو حلال چیزوں کے سلسلہ میں ہم کھا چکے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

قسم کی چند صورتیں

اس آیت میں قسم کھانے کی چند صورتوں کا بیان ہے۔

۱۔ **یَمِیْنِ غَمُوْس:** غمس ڈوبنے کو کہتے ہیں۔ چونکہ ایسی قسم کھانے والا گناہ میں ڈوبتا ہے اس لئے اس کو غموس کہتے ہیں۔ فقہاء کی اصطلاح میں یَمِیْنِ غَمُوْس اس جھوٹی قسم کو کہتے ہیں جو کسی گزشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر کھائی جائے۔ مثلاً کسی شخص نے کوئی کام کیا ہے اور وہ جانتا بھی ہے کہ اس نے یہ کام کیا ہے پھر وہ جان بوجھ کر قسم کھالے کہ اس نے یہ کام نہیں کیا۔ یہ جھوٹی قسم ہے۔ یہ سخت گناہِ کبیرہ اور موجبِ وبالِ دنیا و آخرت ہے اور اس پر آخرت میں مواخذہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْؕ (البقرہ ۲۲۵)

لیکن وہ تمہاری ان قسموں پر (پورا نہ کرنے کی صورت میں) مواخذہ فرمائے گا جو تمہارے دل سے سرزد ہوئی ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسی قسموں پر کفارہ نہیں۔ البتہ توبہ و استغفار لازم ہے۔

۲۔ **یمینِ لغو:** کسی گزرے ہوئے واقعہ پر اپنے نزدیک اس کو سچا جان کر قسم کھانا جبکہ حقیقتاً وہ واقعہ غلط ہو۔ مثلاً کسی کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آگیا ہے۔ اس ذریعہ پر

اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی کہ وہ آگیا ہے ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط تھی ۔ اس کو یمین لغو کہتے ہیں ۔ یا کسی گزری ہوئی بات پر منہ سے بلا ارادہ جھوٹی قسم نکل گئی یا کہنا کچھ چاہتا تھا اور منہ سے بلا ارادہ قسم نکل گئی ۔ ایسی قسموں کو یمین لغو کہتے ہیں ۔ ان پر نہ کفارہ اور آخرت کا مواخذہ ہے اور نہ گناہ ۔

۳۔ یمین منعقدہ: کوئی شخص آئندہ کے لئے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے ۔ مثلاً یہ کہے کہ واللہ میں فلاں کام کروں گا یا خدا کی قسم میں اس کے گھر نہ جاؤں گا ۔ ایسی قسم توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے ۔ اگر کوئی شخص گناہ کی بات پر قسم کھا بیٹھے مثلاً یہ کہے کہ واللہ میں نماز نہیں پڑھوں گا یا فلاں شخص کو قتل کر دوں گا، وغیرہ تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کرے ۔

اس آیت میں لغو سے وہی قسم مراد ہے جس پر کفارہ نہیں اور مواخذہ سے صرف دنیا کا مواخذہ مراد ہے جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے ۔

کفارہ دینے کی صورتیں

(۱) دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا دو وقت یعنی صبح و شام کھلا دیا جائے ۔ خواہ وہ کھانا وہیں بیٹھ کر کھالیں یا ساتھ لے جائیں ۔ دونوں صورتیں جائز ہیں ۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک ایک ہی مسکین کو دس دن تک کھانا دینا جائز ہے ۔ لیکن ایک شخص کو ایک ہی دن میں دس مرتبہ کھانا کھلانا جائز نہیں البتہ ایک شخص کو ایک دن میں دس آدمیوں کی خوراک دے دینا جائز ہے ۔

(۲) یا دس مسکینوں کو بقدر ستر پوشی کپڑا دے دیا جائے ۔ مثلاً ایک پاجامہ یا تہبند یا لمبا کرتہ ۔

امام مالک اور امام احمد کے نزدیک کم سے کم اتنا کپڑا ہونا چاہئے جس کو پہن کر نماز صحیح ہو جائے ۔ اس صورت میں مرد کے لئے صرف پائجامہ یا تہبند یا گھٹنوں سے نیچا کرتہ کافی ہو گا اور عورت کے لئے دو کپڑے ضروری ہیں ۔ لمبا کرتہ اور اوڑھنی ۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کم سے کم اتنا کپڑا ہونا چاہئے جس سے بدن کا بیشتر حصہ چھپ جائے ۔ اس لئے صرف پائجامہ کافی نہیں ۔ اگرچہ صرف پائجامہ سے نماز ہو جاتی

ہے، مگر صرف پائجامہ پہننے والے کو عرف میں برہنہ کہا جاتا ہے اور عورت کے لئے ایک لمبا کرتہ اوڑھنی کے بغیر کافی ہے اگرچہ اوڑھنی کے بغیر عورت کی نماز صحیح نہیں مگر عرف میں ایسی عورت کو برہنہ نہیں کہتے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک **کِسْوَتُھُمْ** سے کم سے کم وہ کپڑا مراد ہے جس پر لفظ کِسْوَۃ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے صرف عمامہ یا صرف پائجامہ یا صرف معمولی کرتہ جائز ہے۔

(۳) یا ایک غلام آزاد کیا جائے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

(۴) جس کو مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کچھ بھی میسر نہ ہو یعنی اس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ وہ قرض ادا کرنے اور اپنے گھر والوں کے کھانے، پہننے کے مصارف کے بعد دس مسکینوں کو اوسط درجہ کا کھانا یا کپڑا دے سکے یا غلام آزاد کر سکے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

غلام کے لئے روزے رکھنے کے سوا قسم کا کوئی کفارہ نہیں کیونکہ اس کا مال اپنا مال نہیں، اس لئے وہ نہ کھانا دے سکتا ہے نہ لباس اور نہ غلام آزاد کر سکتا ہے۔ اگر آقا اپنے غلام کی قسم کے کفارہ میں کھانا دے گا یا لباس یا غلام آزاد کرے گا تو کفارہ ادا نہ ہو گا۔ مکاتب کا بھی یہی حکم ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسلسل روزے رکھنا ضروری نہیں۔ درمیان میں ناغہ کر کے بھی روزے رکھ سکتا ہے البتہ ناغہ کے بغیر مسلسل روزے رکھنا مستحب ہے۔

کفارہ کی ادائیگی قسم ٹوٹنے کے بعد ہو گی۔ اگر قسم ٹوٹنے سے پہلے کفارہ ادا کر دیا تو وہ معتبر نہ ہو گا۔ قسم کھانے میں نہ تو جلد بازی سے کام لینا چاہئے اور نہ قسم کھانے کے بعد کسی شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر اس کو توڑنا چاہئے۔

(مظہری ۱۷۲۔ ۱۸۴ / ۳۔ معارف القرآن ۲۲۲۔ ۲۲۳ / ۳)

حرام چیزوں کا بیان

۹۰، ۹۱۔ **یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ**
وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ
تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ

وَالْبَغْضَآءَ فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ؕ

اے ایمان والو! بیشک شراب اور جوا اور بت اور پانسے محض گندے اور شیطانی کام ہیں ۔ پس تم ان سے بچتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ ۔ بیشک شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے سے تم میں باہم عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے (اب بھی) تم باز (نہیں) آؤ گے ۔

اَلْاَنْصَابُ: بت ۔ انصاب ان اُن گھڑت پتھروں کو کہتے ہیں جن کو کسی دیوی یا دیوتا کے نام پر کھڑا کر کے مشرک لوگ پوجتے تھے اور وہاں قربانیاں کرتے تھے ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے ۔ اس کا واحد نُصُبٌ ہے ۔

اَلْاَزْلَامُ: فال کے تیر کو کہتے ہیں ۔ جاہلیت میں ازلام دو قسم کے تھے ۔ ایک قسم کے ساتھ عرب جوا کھیلتے تھے اور بتوں پر قربان کئے ہوئے جانوروں کا گوشت تقسیم کرتے تھے ۔ دوسری قسم کے ساتھ فال لے کر کاروبار کرتے تھے ۔

رِجْسٌ: ناپاک ۔ گندہ ۔ عذاب

اَلْخَمْرِ: شراب ۔ یہ خمرالشیء سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں اس نے اس کو ڈھانپ لیا شراب بھی چونکہ عقل کو ڈھانپ لیتی ہے اور اس پر پردہ ڈال دیتی ہے، اس لئے عربی میں اس کو خمر کہتے ہیں ۔

اَلْمَیْسَرِ: قمار ۔ جوا ۔ یہ یُسر بمعنی آسانی سے ماخوذ ہے ۔ چونکہ جوئے میں کسی قسم کی محنت و مشقت اٹھائے بغیر مال آسانی سے مل جاتا ہے، اس لئے اسے مَیسر کہتے ہیں ۔

شانِ نزول: ترمذیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے دعا کی: اے اللہ! ہمارے لئے شراب سے متعلق کوئی تسلی بخش حکم نازل فرما دے ۔ اس پر سورۂ بقرہ کی آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ الخ نازل ہوئی ۔ حضرت عمرؓ نے پھر دعا کی کہ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے بارے میں تسلی بخش حکم نازل فرما دے ۔ اس پر سورۂ نساء کی آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی نازل ہوئی ۔ حضرت عمرؓ کو بلوا کر یہ آیت سنائی گئی ۔ انہوں نے پھر دعا کی ۔ اے اللہ! ہمارے لئے شراب کے متعلق کوئی واضح اور شافی حکم نازل فرما دے ۔ اس پر سورۂ مائدہ کی آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ

الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ..... فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ تک
شراب و قمار کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ پڑھی گئی تو انہوں نے فرمایا۔ ہم باز آئے۔ ہم باز آئے۔ (مظہری ۱۸۴/ ۳)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ جیسے حلال کو حرام سمجھنا گناہ ہے اسی طرح حرام کو حلال سمجھنا بھی گناہ ہے۔ اہل عرب شراب اور جوئے کو حلال و طیب سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ یہ چیزیں حلال و طیب نہیں بلکہ یہ خبیث و ناپاک اور گندی ہیں۔ ان کا استعمال حرام ہے۔ اس لئے ان سے بچو۔

عرب میں شراب نہایت درجہ کی مرغوب چیز تھی۔ اہل عرب کے لئے اس کو چھوڑنا آسان نہ تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو دفعتاً حرام قرار دینے کی بجائے حکیمانہ طور پر تدریجاً حرام کیا۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۹: **يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ** میں شراب کے مفاسد اور خرابیاں بیان کر کے اس کو ترک کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض صحابہ نے تو اسی وقت شراب چھوڑ دی اور بعض یہ خیال کر کے کہ شراب کو حرام تو نہیں کیا گیا بلکہ اس کے مفاسد اور خرابیوں کی بنا پر اس کو گناہ کا سبب قرار دیا گیا ہے، اس کو پیتے رہے۔

پھر جب سورۂ نساء کی آیت ۴۳: **لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى** نازل ہوئی تو کچھ صحابہ نے جنہوں نے پہلی آیت کے بعد شراب کو ترک نہیں کیا تھا، یہ خیال کرتے ہوئے کہ جو چیز انسان کو نماز نہ پڑھنے دے اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی، شراب کو بالکل ترک کر دیا۔ مگر چونکہ شراب کی حرمت ابھی صاف طور پر نازل نہیں ہوئی تھی اس لئے کچھ صحابہ اس کے بعد بھی نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں اس کو پیتے رہے۔ کوئی صبح کی نماز کے بعد پی لیتا تو اس کا نشہ ظہر کے وقت تک اتر جاتا۔ کوئی عشاء کی نماز کے بعد پی لیتا تو صبح تک اس کا نشہ اتر جاتا۔
(حقانی ۳۰۳/ ۲)

اس کے بعد مذکورہ بالا آیتیں نازل ہوئیں تو شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا۔ شراب کے ساتھ ساتھ جوئے، انصاب اور فال کے تیروں کو گندی، پلید، قابل نفرت اور شیطانی کام قرار دے کر ان سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اگرچہ شراب اور قمار (جوئے) میں کچھ فوائد و منافع بھی ہیں۔ لیکن ان دونوں کے مفاسد اور نقصانات بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے شریعت نے ان

دونوں چیزوں کو ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے۔ جو بندہ دنیا میں اس کو پیئے گا اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے کہ (قیامت کے روز) اس کو طینتہ الخبال پلائے گا۔ تم جانتے بھی ہو کہ طینتہ الخبال کیا چیز ہوگی، دوزخیوں کا پسینہ۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت شراب پر، شراب پینے والے پر، پلانے والے پر، بیچنے والے پر، خریدنے والے پر، نچوڑنے والے پر، بنوانے والے پر، اٹھانے والے پر اور اس پر جس کے لئے اٹھا کر لے جائی جاتی ہو اور شراب کی قیمت کھانے والے پر۔ (ابن ماجہ)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس صبح تک اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ اس کے بعد اگر وہ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر اگر وہ دوبارہ شراب پیتا ہے تو چالیس صبح تک اس کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ اس کے بعد اگر وہ توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے پھر اگر لوٹ کر (تیسری بار) وہ پہلے والی حرکت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا۔ لیکن اگر وہ پھر توبہ کرلیتا ہے تو توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ چوتھی مرتبہ میں اس کی چالیس دن کی نماز قبول نہیں فرماتا اور اگر توبہ کرتا ہے تو توبہ بھی قبول نہیں فرماتا اور اس کو نہر خبال (کا پانی) پلائے گا۔ (مظہری ۱۸۷/ ۳)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت

۹۲ - وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرتے رہو اور (برائیوں سے) بچتے رہو۔ پھر اگر تم نہیں مانو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ تو صرف احکام کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔

وَاحْذَرُوْا: اور تم ڈرو ۔ اور تم بچو ۔ حَذَرٌ سے امر

اَلْبَلٰغُ: پہنچا دینا ۔ کافی ہونا ۔ مصدر ہے

اَلْمُبِیْنُ: ظاہر کرنے والا ۔ واضح کرنے والا ۔ کھول کر بیان کرنے والا ۔ اِبَانَۃٌ سے اسم فاعل

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو شراب، جوا اور تمام ممنوعات سے پرہیز اور واجبات کی ادائیگی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تاکید ہے اور اطاعت کا یہ حکم تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں مانو گے تو اس میں نہ تو اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان ہے اور نہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تو صرف احکام الٰہی کو صاف صاف اور واضح طور پر لوگوں تک پہنچانا ہے جس کو وہ بحسن و خوبی انجام دے چکے ۔ لہٰذا اب اگر کوئی شخص نہیں مانتا تو وہ شخص اپنا نقصان کرتا ہے ۔ اس کے ماننے یا نہ ماننے سے نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ کمی واقع ہوتی ہے ۔

تحریم سے پہلے شراب پینے والوں کا حال

۹۳ ۔ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکے اس میں ان پر کچھ گناہ نہیں جبکہ وہ (آئندہ) پرہیزگار ہو گئے اور ایمان لائے اور وہ نیک کام کرنے لگے ۔ پھر وہ ڈرتے رہے اور ایمان پر (قائم) رہے ۔ پھر وہ پرہیزگار اور نیک ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نیکوں سے محبت رکھتا ہے ۔

جُنَاحٌ: گناہ

طَعِمُوْا: انہوں نے کھالیا ۔ وہ کھا چکے ۔ طَعْمٌ سے ماضی

شانِ نزول: شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے کے بعد صحابۂ کرام نے آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے جو بھائی تحریم سے پہلے شراب پیتے رہے اور جوئے کا مال کھاتے رہے اور مرگئے تو ان کا کیا حال ہو گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۴۰۷)

نسائیؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ انصار کے دو قبیلوں کے معاملہ میں شراب کی حرمت ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے شراب پی تھی اور نشہ میں مست ہو کر آپس میں ہاتھا پائی کی تھی۔ جب نشہ اترا تو چہروں، سروں اور ڈاڑھیوں کی حالت غیر دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ حرکت فلاں بھائی کی ہے۔ اگر اس کو میرا لحاظ ہوتا تو ایسی حرکت نہ کرتا۔ یہ نصاری سب بھائی بھائی تھے، کسی کے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہ تھا، مگر شراب خوری سے ان کے دلوں میں کینے پڑ گئے۔ اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ الخ نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ تو گندگی ہے۔ مگر یہ اس وقت فلاں شخص کے پیٹ میں تھی جب وہ احد کی لڑائی میں مارا گیا۔ (اس کا کیا ہو گا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۳/۱۸۸)

تشریح: اس آیت میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے شراب کو حرام قرار دیئے جانے سے پہلے شراب پی یا جوا کھیلا، ان پر کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں، بشرطیکہ وہ شراب کو حرام قرار دیئے جانے سے پہلے ایمان لے آئے ہوں اور اس بات کا یقین رکھتے ہوں کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ جس چیز کو جس وقت چاہے حلال قرار دے اور جس وقت چاہے حرام کر دے، اس کے ساتھ ہی وہ لوگ نیک کام کرتے رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ڈر سے ان چیزوں سے بچتے رہے ہوں جو اس وقت حرام تھیں، پھر وہ تقویٰ اور ایمان میں ترقی کرتے کرتے احسان کے مرتبہ تک پہنچ گئے۔ اس مقام پر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ محسنوں کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۴۰۷)

مومنوں کی آزمائش

۹۴ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ

اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ذرا سے شکار کے معاملہ میں ضرور آزمائے گا۔ جس پر تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ سکتے ہیں تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ کون اس سے بن دیکھے ڈرتا ہے پھر جو کوئی اس کے بعد حد سے تجاوز کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

لَیَبْلُوَنَّکُمْ: البتہ وہ تمہیں ضرور آزمائے گا۔ البتہ وہ تمہارا ضرور امتحان لے گا۔ بَلَاءٌ سے مضارع بالام و نون تاکید۔

الصَّیْدِ: شکار۔ شکار کرنا۔ مصدر ہے۔

تَنَالُهٗ: وہ اس کو پاتی ہے۔ وہ اس کو پہنچتی ہے۔ نَیْلٌ سے مضارع

رِمَاحُکُمْ: تمہارے نیزے واحد رُمْحٌ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتمؒ نے مقاتل بن حیانؒ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول عمرۂ حدیبیہ میں ہوا جب جنگلی چوپائے اور پرندے اتنی کثرت سے لوگوں کی سکونت گاہوں میں گھس آئے تھے کہ اس کی نظیر پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ لوگ احرام باندھے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو شکار کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ اور امتحان لیا تھا کہ ان میں سے کون باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے ڈرتا ہے۔ (مظہری ۱۸۹ / ۳)۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تمہیں ایک چھوٹی سی بات (یعنی شکار) سے آزمایا جائے گا جو تمہاری احرام کی حالت میں تمہارے اتنا قریب اور کثیر تعداد میں ہوگا کہ تم نہایت آسانی سے اس کو اپنے ہاتھوں سے بھی پکڑ سکو گے اور نیزے و برچھے وغیرہ سے بھی شکار کر سکو گے۔ یہی تمہاری آزمائش کا وقت ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس وقت دیکھے گا کہ کون تم میں سے بن دیکھے اس سے ڈرتا ہے اور اس کی طرف سے شکار کی ممانعت کے بعد احرام کی حالت میں شکار سے باز رہتا ہے اور کون اس کے حکم کی مخالفت کرتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے۔ پھر جو کوئی حد سے تجاوز کرتے ہوئے شکار کرے گا تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے، اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کا لحاظ کرتے ہوئے ایک معمولی کام سے اپنے نفس کو نہیں روک سکتا تو وہ اپنے آپ کو ایسی چیزوں سے کیسے روک سکے گا جن کی طرف طبعی میلان بہت زیادہ ہوتا ہے۔

(مظہری ۱۸۹ / ۳، حقانی ۳۰۴ / ۲)

حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت

۹۵ - یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّیْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ
مِنْکُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ یَحْکُمُ بِهٖ ذَوَا
عَدْلٍ مِّنْکُمْ ھَدْیًا بٰلِغَ الْکَعْبَةِ اَوْ کَفَّارَۃٌ طَعَامُ مَسٰکِیْنَ اَوْ
عَدْلُ ذٰلِکَ صِیَامًا لِّیَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا
سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَیَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝

اے ایمان والو! احرام کی حالت میں شکار نہ مارو اور تم میں سے جس نے اس کو قصداً مار ڈالا تو اس کا بدلہ ویسا ہی چوپایہ ہے جیسا کہ اس نے قتل کیا، جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں اور یہ بطور نیاز کعبہ تک پہنچائی جائے یا کفارہ میں محتاجوں کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ وہ اپنے کام کے وبال کی سزا چکھے۔ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا اور جو کوئی دوبارہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لے گا اور اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔

مُتَعَمِّدًا: جان بوجھ کر کرنے والا۔ تَعَمُّدٌ سے اسم فاعل۔ یہاں جان بوجھ کر شکار قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنا محرم ہونا یاد ہو اور اس کو یہ بھی یاد ہو کہ احرام کی حالت میں شکار کرنا جائز نہیں۔

اَلنَّعَمِ: چوپایہ (اونٹ، بکری، گائے، بھینس وغیرہ) اسم جنس ہے۔ جمع اَنْعَامٌ

بٰلِغَ: پہنچنے والا۔ بُلُوْغٌ سے اسم فاعل۔

وَبَالَ: وبال۔ سختی۔ اعمال کی سخت سزا۔

عَفَا: اس نے معاف کیا۔ اس نے بخش دیا۔ عَفْوٌ سے ماضی۔

سَلَفَ: وہ ہو چکا۔ وہ گزر گیا۔ سَلَفٌ سے ماضی

عَادَ: اس نے عود کیا۔ وہ لوٹا۔ اس نے دہرایا۔ عَوْدٌ سے ماضی۔

یَنْتَقِمُ: وہ انتقام لے گا۔ وہ سزا دے گا۔ اِنْتِقَامٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو احرام کی حالت میں شکار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

پس شکار کا جو جانور اصل خلقت کے لحاظ سے جنگلی ہو اور آنکھوں سے دور رہنے کی وجہ سے قتل ہونے سے محفوظ ہو اس کا شکار کرنا یا شکاری کو اشارے سے اس کا پتہ بتانا ممنوع ہے، خواہ اس کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ اشارہ کی وجہ سے اس کا وہاں امن سے رہنا ختم ہو گیا۔ البتہ بچھو، کوا، چیل، چوہا اور کاٹ کھانے والا کتا اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، ان کو احرام کی حالت میں قتل کیا جا سکتا ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ چیزیں فاسق ہیں۔ ان کو احرام میں بھی قتل کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ تکلیف پہنچانے والے جانور ہیں۔ کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کاٹ کھانے والا کتا۔ (ابن کثیر)

ابو داؤدؒ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرم سانپ کو، بچھو کو، چوہے کو، کاٹ کھانے والے کتے کو، چیل کو اور عادی درندہ کو قتل کر سکتا ہے۔ کوے کو قتل نہ کرے کوئی اینٹ یا پتھر وغیرہ اس پر پھینک سکتا ہے۔ (مظہری)

جو شخص جان بوجھ کر احرام کی حالت میں شکار کو قتل کرے یا احرام کو بھول کر یا غلطی اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی بنا پر قتل کرے تو ان سب صورتوں میں اس کی سزا کے طور پر اس کو شکار کے جانور جیسا دوسرا جانور فدیہ میں دینا پڑے گا، البتہ جان بوجھ کر شکار کرنے کی صورت میں فدیہ کے علاوہ اس کو اللہ کے انتقام کی سزا بھی ملے گی جبکہ بھول کر شکار کرنے کی صورت میں صرف فدیہ دینا پڑے گا۔ اللہ کے انتقام کی سزا معاف ہو جائے گی۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فدیہ کا جانور قیمت کے اعتبار سے شکار کے برابر ہونا چاہئے۔ فدیہ کے جانور کی قیمت یا مثل ہونے کا فیصلہ دو صاحب بصیرت، تجربہ کار اور معتبر مسلمان کریں گے۔ فدیہ کے جانور کو حدود حرم میں لے جا کر ذبح کرے اور حرم ہی کے مساکین میں اس کا گوشت تقسیم کرے اور خود اس میں سے نہ کھائے۔ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے البتہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ گوشت حرم اور بیرون حرم کے فقراء میں تقسیم کرنا جائز ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ کفارہ اس پر اس لئے واجب کیا گیا ہے تاکہ وہ ہمارے حکم کے خلاف کرنے کی سزا پالے اور جو کچھ زمانہ جاہلیت میں ہو چکا وہ معاف ہے اور جس نے اسلام میں آنے کے بعد اور اس کی ممانعت کا حکم نازل ہونے کے باوجود اس حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ اس

سے انتقام لے گا۔ وہ سرکشوں سے انتقام لینے کی قدرت رکھتا ہے۔ کوئی باغی و سرکش اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں۔ (ابن کثیر ۹۸، ۹۹ / ۲، مظہری ۱۸۹، ۲۰۱ / ۳)

بحری شکار کی اجازت

۹۶ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

(احرام کی حالت میں) بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے حلال کر دیا گیا اور تم پر جنگل کا شکار حرام ہے جب تک تم احرام میں ہو۔ اور تم اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تمہیں جمع کیا جائے گا۔

مَتَاعًا: فائدہ۔ پونجی جمع اَمْتِعَۃٌ

لِلسَّيَّارَةِ: کاروان۔ قافلہ

مَا دُمْتُمْ: جب تک تم رہو۔ دَوْمٌ و دَوَامٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

الْبَحْرِ: دریا۔ سمندر۔ بحر سمندر کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں بالاتفاق عام معنی مراد ہیں خواہ وہ سمندر ہو، خواہ دریا ہو یا ندی نالہ یا جھیل اور تالاب یا کنواں ہو۔

تشریح: یہاں حرم اور حالتِ احرام میں بحری شکار کی اجازت کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ بحری شکار سے مراد عام بحری شکار ہے خواہ وہ کھانے کی چیزیں ہوں یا نہ ہوں۔ جیسے موتی یا سیپی نکالنا یا بعض بحری جانوروں کو ان کے دانت اور ہڈیوں کے لئے شکار کرنا۔

بحری شکار میں سے تمام مچھلیاں حلال ہیں اور ہر قسم کے مینڈک حرام ہیں۔ آیت میں طعام سے وہ مچھلی مراد ہے جو پانی سے جدا ہو کر مر گئی ہو۔ مسافروں اور عام لوگوں کے فائدہ کے لئے اس کو حلال کیا گیا۔ اگر اس کو حلال نہ کیا جاتا تو مسافروں اور دوسرے لوگوں کو سخت تکلیف اٹھانی پڑتی۔ پھر فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو کیونکہ تم سب کو اسی کے پاس جمع کیا جائے گا۔ پس جس چیز سے اس نے تمہیں منع کر دیا ہے اس کو نہ کرو۔ (حقانی ۳۰۶ / ۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ صید البحر

ہے وہ (خوردنی) اشیاء مراد ہیں جو سمندر کے اندر موجود ہوں اور طعام سے مراد وہ (خوردنی) اشیاء ہیں جو سمندر نے اگل کر باہر پھینک دی ہوں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صید البحر وہ ہے جس کو (سمندر سے) شکار کیا جائے اور طعام البحر وہ ہے جس کو سمندر خود بخود باہر پھینک دیتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ طعام البحر وہ ہے جس کو پانی مردہ حالت میں کنارے پر پھینک دیتا ہے۔ (مظہری ۲۰۱، ۲۰۲ / ۳)

امن واطمینان کے ذرائع

۹۷، ۹۹۔ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو، جو حرمت والا گھر ہے، لوگوں کے لئے امن کی جگہ بنا دیا اور حرمت والے مہینے کو اور نیاز (قربانی) کے جانور اور جن جانوروں کے گلے میں نشانی کے پٹے بندھے ہوئے ہوں ان کو (مامون بنا دیا) تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب کا علم رکھتا ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ جان لو! کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا بھی ہے اور بخشنے والا مہربان بھی ہے۔ رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو وہ سب معلوم ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

جَعَلَ: اس نے بنایا۔ اس نے کیا۔ جَعْلٌ سے ماضی

قِيٰمًا: کھڑے ہونا۔ امن کا ذریعہ بنانا۔ قیام کا ذریعہ بنانا۔ مصدر ہے۔

اَلْقَلَآئِدَ: ہار - پٹہ - قربانی کے وہ جانور جن کے گلے میں علامت کے طور پر پٹہ ڈال دیا جائے - یہ جمع ہے اس کا واحد قِلَادَۃٌ ہے -

تُبْدُوْنَ: تم ظاہر کرتے ہو - اِبْدَاءٌ سے مضارع

تَکْتُمُوْنَ: تم چھپاتے ہو - تم پوشیدہ رکھتے ہو - کَتْمٌ و کِتْمَانٌ سے مضارع

ربط: نصاریٰ کی تعریف میں رہبانیت کا ذکر آیا تھا اور رہبانیت دنیاوی لذات کو ترک کرنے کا نام ہے - خواہ وہ حلال ہوں یا حرام - اس احتمال سے کہ کہیں مسلمان رہبانیت کو اچھی چیز نہ سمجھنے لگیں - اللہ تعالیٰ نے اپنی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھنے کی ممانعت فرمادی پھر قسم کے کفارے، شراب، جوا وغیرہ، شیطانی کاموں کی حرمت، احرام میں شکار کی ممانعت اور اس کے احکام اور بحری و بری شکار کے احکام بیان کئے گئے - ان آیتوں میں بیت اللہ کی تعظیم و تکریم بیان کی گئی ہے کہ شکار کی حرمت سے حرم اور احرام کا احترام مقصود ہے -

تشریح: اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کو لوگوں کے لئے امن و اطمینان کا سبب بتایا ہے -

(۱) کعبہ: عربی زبان میں کعبہ ایسے مکان کو کہتے ہیں جو مربع یعنی چوکور ہو - عرب میں قبیلہ خثعم کا بنایا ہوا ایک مکان کعبہ یمانیہ کے نام سے مشہور تھا - اس لئے بیت اللہ کو اس کعبہ سے ممتاز کرنے کے لئے لفظ کعبہ کے ساتھ البیت الحرام بڑھایا گیا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو حرم بنادیا تھا -

اللہ تعالیٰ نے کعبہ بیت اللہ اور اس کے متعلقات کو پورے عالم انسانیت کے لئے دین و دنیا کی درستگی کا ذریعہ بنادیا ہے - دین کی درستگی تو یہ ہے کہ لوگ اس کا حج کرتے ہیں اور یہاں دوسرے شعائر اسلامی کی ادائیگی کرتے ہیں اور یہ دنیاوی درستگی کا ذریعہ اس لئے ہے کہ حرم کے اندر لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت کی ممانعت ہے، یہاں پہنچ کر لوگوں کا مال و جان محفوظ ہو جاتا ہے - جس طرح کوئی سمجھدار آدمی حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کرنے کی جرات نہیں کرتا اسی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی حرمت و تعظیم لوگوں کے دلوں میں اس طرح بٹھادی تھی کہ اس کے احترام میں وہ اپنے تمام جذبات و خواہشات کو پس پشت ڈال دیتے تھے -

زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی جنگ جوئی اور قبائلی دشمنی میں ضرب المثل تھے - اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بیت اللہ اور اس کے متعلقات کی حرمت و تعظیم ایسی گہری کردی تھی کہ اگر

ان کا سخت جانی دشمن بھی حرم میں داخل ہو جائے تو انتہائی غم و غصہ کے باوجود وہ اس کو کچھ نہ کہتے تھے۔ اگر باپ کا قاتل بیٹے کو حرم میں مل جاتا تو بیٹا نیچی نظریں کر کے گزر جاتا۔

(مظہری ۲۰۵ / ۳، معارف القرآن ۲۳۷۔ ۲۳۸ / ۳)

(۲) **حج کے مہینے:** عرب میں جس طرح بیت اللہ اور اس کے گرد و پیش کے حرم کا احترام عام تھا۔ اسی طرح ان میں حج کے مہینوں کا بھی خاص احترام تھا۔ ان مہینوں کو وہ اشہر حرم کہتے تھے۔ تمام عرب ان مہینوں میں حرم سے باہر بھی قتل و قتال کو حرام سمجھتے تھے اور اس سے پرہیز کرتے تھے۔

(۳) **ہدی:** اس جانور کو کہتے ہیں جس کی قربانی حرم شریف میں کی جائے۔ جس شخص کے ساتھ ایسے جانور ہوں، عرب کے لوگ اس کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ وہ امن و اطمینان کے ساتھ سفر کرتا اور اپنا مقصد پورا کرتا تھا۔ اس لئے ہدی بھی قیام امن کا ایک سبب ہوئی۔

(۴) **قلائد:** قلادہ ہار کو کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں جو شخص حج کے لئے نکلتا تو وہ اپنے گلے میں علامت کے طور پر ایک ہار ڈال لیتا تھا تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ وہ حج کے لئے جا رہا ہے اور وہ اسے کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ اسی طرح قربانی کے جانوروں کے گلے میں بھی اسی قسم کے ہار ڈالے جاتے تھے۔ ان کو بھی قلائد کہتے ہیں۔ پس قلائد بھی قیام امن و سکون کا ذریعہ بنے۔

یہ تینوں چیزیں یعنی اشہر حرام، ہدی اور قلائد بیت اللہ کے متعلقات میں سے ہیں۔

(معارف القرآن ۲۳۹، ۲۴۰ / ۳)

ایسی عمدہ تدبیر کرنا جس سے لوگوں کے دلوں میں کعبہ اور مناسک حج کی عظمت پیدا ہو کر وہاں کے لوگوں اور وہاں آنے جانے والوں کے لئے باعث امن و سکون ہو جائے۔ یہ بڑے علیم و خبیر کا کام ہے۔ وہی تمہاری دینی و دنیاوی مصلحتوں اور ضرورتوں سے پوری طرح واقف ہے خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو سخت سزا دینے والا اور اہل طاعت کو بخشنے والا مہربان ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ، اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں۔ جب انہوں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تو اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اب جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا وہ اس کی سزا پائے گا اور اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔

(حقانی ۳۰۷ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۱۱ / ۲)

حلال وطیب کی برکت

۱۰۰۔ قُلْ لَّا یَسْتَوِی الْخَبِیْثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَکَ کَثْرَۃُ الْخَبِیْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰہَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہہ دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ تمہیں ناپاک کی کثرت بھلی ہی لگے۔ پس اے عقل والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

یَسْتَوِی: وہ برابر ہوتا ہے۔ اِسْتِوَاءٌ سے مضارع

اَعْجَبَکَ: وہ تجھ کو بھلا لگا۔ وہ تم کو اچھا لگا۔ اِعْجَابٌ سے ماضی

شانِ نزول: اصبہانی نے ترغیب میں اور واحدی نے حضرت جابرؓ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کا ذکر کیا تو ایک اعرابی نے عرض کیا کہ میری تو یہی تجارت تھی۔ اسی میں میں نے مال کمایا ہے۔ اگر اسی مال میں سے میں کچھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صرف کروں تو کیا مجھے (آخرت میں) کچھ فائدہ ہوگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ صرف پاک (کمائی) کو قبول فرماتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۶ / ۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ خبیث اور طیب اور ناپاک اور پاکیزہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ناپاک اور گندہ کی بہتات کتنی ہی بھلی معلوم ہو۔ یعنی حرام مال خواہ کتنا ہی زیادہ اور پسندیدہ ہو، وہ حلال مال کی برکت کو نہیں پہنچ سکتا۔ پس اے صحیح عقل والو! تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام مت ٹھہراؤ۔ جو چیزیں خبیث اور حرام ہیں خواہ وہ دائمی طور پر ہوں یا خاص اوقات و حالات میں ہوں، ان سے پوری طرح اجتناب کرو۔ اور حلال و پاکیزہ پر ہی قناعت کرو اگرچہ وہ قلیل ہو۔ شاید اس سے تم دین و دنیا میں فلاح پا سکو۔

حضرت ثعلبہؓ بن حاطب انصاریؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بہت سا مال عطا فرمائے۔ آپؐ نے فرمایا کہ تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کرو، وہ اس کثیر سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کرو۔ (ابن کثیر ۱۰۴ / ۲)۔

غیر ضروری سوالات کی ممانعت

۱۰۱، ۱۰۲۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ ج
وَاِنْ تَسْئَلُوْا عَنْھَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَکُمْ ط عَفَا اللّٰہُ
عَنْھَا ط وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ○ قَدْ سَاَلَھَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِکُمْ ثُمَّ
اَصْبَحُوْا بِھَا کٰفِرِیْنَ ○

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگواری ہو اور اگر تم قرآن کے نازل ہوتے وقت ان کو پوچھو گے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔ (گزشتہ سوالات) اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے اور اللہ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔ تم سے پہلے بھی ایک جماعت نے ان کو پوچھا تھا۔ پھر وہ ان سے انکار کرنے لگے۔

تُبْدَ لَکُمْ: وہ تم پر ظاہر کی جائے۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع مجہول

تَسُؤْکُمْ: وہ تمہیں بری لگے۔ وہ تمہیں غمگین کرے۔ سَوْءٌ سے مضارع

شانِ نزول: احمدؒ، ترمذیؒ اور حاکمؒ نے حضرت علیؓ کی روایت سے اور ابن جریرؒ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو امامہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب آیت **وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ** نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال (حج فرض ہے) آپؐ خاموش رہے۔ صحابہ نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہر سال (حج فرض ہے) آپؐ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ سوال کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج کرنا واجب ہو جاتا۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تمہیں اندیشہ نہیں ہوا کہ (شاید) میں ہاں کہہ دوں اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) حج کرنا واجب ہو جاتا اور ہر سال واجب ہو جاتا تو پھر تم اس کو ادا نہ کر سکتے اگر میں تمہیں چھوڑے رکھوں تو تم بھی مجھے (سوال کئے بغیر) چھوڑے رکھو۔ تم سے پہلے لوگ انبیاء سے زیادہ سوال کرنے ہی سے برباد ہوئے۔ اگر میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو تم سے جہاں تک ہو سکے اس کی تعمیل کرو اور جب کسی بات کی ممانعت کر دوں تو اس سے باز رہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۷/ ۳)

بخاریؒ نے بحوالہ قتادہ حضرت انس بن مالکؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوالات کئے اور اتنے مبالغہ کے ساتھ کئے کہ آپؐ غضبناک ہو گئے اور ممبر پر تشریف لے جا کر فرمایا کہ آج تم جس چیز کے بارے میں سوال کرو گے میں اس کا جواب واضح طور پر دوں گا۔ یہ سن کر میں دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ ہر شخص کپڑے میں سر لپیٹے ہوئے رو رہا ہے۔ ایک آدمی ایسا تھا جو اپنا نسب غیر باپ سے جوڑتا تھا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے، آپؐ نے فرمایا حذافہ۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عرض کیا، ہم اللہ کے رب ہونے سے، اسلام کے دین ہونے سے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے سے راضی ہیں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی طرح کوئی دن میں نے کبھی نہیں دیکھا، نہ خیر میں نہ شر میں۔ میرے سامنے جنت اور دوزخ کی تصویر لائی گئی۔ (یعنی میری نظر کے سامنے دونوں کو لایا گیا) یہاں تک کہ میں نے دیوار سے پرے دونوں کو دیکھ لیا۔ قتادہؒ اس حدیث کو بیان کرتے وقت آیت يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَسْئَلُوْا عَنْ أَشْيَاءَ... کا ذکر کر رہے تھے۔

بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ استہزاء کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا کہ میرا باپ کون ہے، دوسرا کہہ رہا تھا کہ میری اونٹنی گم ہو گئی ہے۔ بتائیے وہ کہاں ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۲۱۰ / ۳)

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو ادب سکھانے کے لئے فضول اور غیر مفید سوالات پوچھنے کی ممانعت کی گئی ہے کہ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے صراحت کے ساتھ بیان نہیں فرمائی ان کے بارے میں غیر ضروری سوالات مت کیا کرو۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے کمال حکمت و عدل سے حلال یا حرام کر دیا وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش و وسعت رہی۔ اگر ایسی چیزوں کے بارے میں خوامخواہ بحث و تمحیص اور سوال و جواب کا دروازہ کھولا تو چونکہ ابھی قرآن کریم کا نزول ہو رہا ہے تو بہت ممکن ہے کہ ان سوالات کے جواب میں ایسے احکام نازل ہو جائیں جن سے تمہاری آزادی اور سہولت ختم ہو جائے اور ایسی باتیں ظاہر ہو جائیں جن کا ظاہر ہونا تمہارے لئے سخت ناگواری اور رنج کا باعث ہو۔ پس اگر تم رسول کی زندگی میں فضول باتیں اور سوال پوچھو گے تو ان کے جواب تم پر ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ خواہ وہ تمہاری رسوائی اور ناگواری کا باعث

ہوں اور تمہیں سخت احکام کی تعمیل پر مامور کر دیا جائے گا۔ پھر تم کیا کرو گے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔ لیکن جو گزر چکا وہ اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور بڑے حلم والا ہے کہ تمہارے قصور معاف فرما دیتا ہے اور تمہیں فوراً سزا نہیں دیتا۔ تم سے پہلے لوگوں نے بھی سوال کئے تھے پھر وہ اس کی وجہ سے کافر ہو گئے کیونکہ ان کے سوالوں کے جواب میں جو احکام ان کو دیئے گئے ان پر انہوں نے عمل نہیں کیا۔

(ابن کثیر ۱۰۶/ ۲، مظہری ۲۰۸، ۲۰۹/ ۳، تفسیر عثمانی ۳۸۲/ ۱)

بعض شرکیہ رسوم کا اِبطال

۱۰۳، ۱۰۴۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْــــًٔـا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ مقرر کیا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں اور ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے۔ اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں تو وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور گو کہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ جانتے ہوں اور نہ راہ راست پر رہے ہوں۔

بَحِيْرَةٍ: اگر کوئی اونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو مشرکین اس کے کان چیر کر اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ نہ اس سے سواری کا کام لیتے، نہ اس کو ذبح کرتے، نہ اس پر وزن لادتے اور نہ اس کو کسی پانی اور چراگاہ سے روکتے، وہ جہاں چاہتی چرتی پھرتی۔ مشرکین عرب ایسی اونٹنی کو بحیرہ کہتے تھے۔

سَآئِبَةٍ: اگر کوئی سفر میں جاتا یا بیمار ہو جاتا تو منت مانتا کہ اگر میں اپنے سفر سے واپس آ

گیا یا میں نے اس بیماری سے شفا پالی تو میری یہ اونٹنی سواری اور باربرداری کی مشقت سے آزاد ہے۔ جہاں چاہے چلے پھرے۔ عرب کے مشرکین ایسی اونٹنی کو سائبہ کہتے تھے۔ سائبہ نر بھی ہوتا اور مادہ بھی۔

وَصِيْلَة: اہل جاہلیت وصیلہ اس اونٹنی کو کہتے تھے کہ جس کے پہلی مرتبہ نر، دوسری اور تیسری مرتبہ مادہ بچہ پیدا ہوتا۔ مشرکین عرب ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے۔

حَام: اہل جاہلیت اس نر اونٹ کو حام کہتے تھے جس کی جفتی سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں۔ اہل عرب ایسے اونٹ کو بھی سواری وغیرہ کی خدمت سے آزاد کر کے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ (مظہری ۲۱۱ / ۳)

تشریح: ان آیتوں میں اہل جاہلیت کی گمراہی کا بیان ہے کہ ان جاہل مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر بہت سی چیزیں اپنی طرف سے اپنے اوپر حرام کر لیں اور پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا۔ یہ محض افترا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہ تو بحیرہ مشروع کیا نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حام۔ کافر لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ یہ رسوم اس کی مقرر کردہ ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتا ہے۔

بغوی نے محمد بن اسحاق کی روایت سے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثم بن جون خزاعیؓ سے فرمایا کہ اے اکثم میں نے دیکھا عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف دوزخ کے اندر اپنی آنتیں کھینچتا ہوا پھر رہا ہے میں نے کسی کو اس کا اتنا ہم شکل نہیں دیکھا جتنا کہ تو عمرو سے اور عمرو تجھ سے مشابہ تھا۔ عمرو بن لحی نے ہی سب سے پہلے دین اسماعیل کو بگاڑا۔ اس نے استھان قائم کئے، بحیرہ اور سائبہ بنانے کی رسم ایجاد کی۔ وصیلہ اور حامی بنانے کی ابتداء کی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی آنتوں کی بدبو سے دوزخیوں کو بھی اذیت ہو رہی تھی۔ اکثم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کا ہم شکل ہونے سے مجھے کچھ ضرر پہنچے گا۔ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ تو یقیناً مومن ہے اور وہ کافر تھا۔

پھر فرمایا کہ ان بے عقلوں کی جہالت اس درجہ تک پہنچ چکی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جہالت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے بزرگوں کے دین پر ہی ٹھیک ہیں۔ کیا یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے باپ، دادا بھی

حق سے بے بہرہ اور ہدایت سے محروم تھے۔ تقلید اور پیروی تو ایسے شخص کی کی جاتی ہے جو علم بھی رکھتا ہو اور ہدایت یافتہ بھی ہو۔ تمہارے آباو اجداد تو جاہل اور گمراہ تھے۔ انہیں حق و باطل کی کوئی تمیز نہ تھی۔ پھر تم ان کے پیچھے کیوں چلتے ہو۔ (مظہری ۲۱۲ / ۳، ابن کثیر ۱۰۷، ۱۰۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۱۴، ۲۱۵ / ۲)

اپنی اصلاح کی فکر کرنا

۱۰۵۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا جب کہ تم ہدایت پر ہو۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گا۔ جو تم کرتے رہے ہو۔

تشریح: اے ایمان والو! تم تو ان جاہل اور معاندین کی اصلاح کی جو کوشش کر سکتے تھے وہ کر چکے۔ لہٰذا اگر یہ تمہاری بات نہیں مانتے اور اپنے عناد، ضد اور جہالت و گمراہی سے باز نہیں آتے تو اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں۔ تم تو اپنی ہدایت و اصلاح کی فکر کرو۔ نیکیوں میں کوشش کرتے رہو۔ کسی کا گمراہ ہونا تمہارے لئے ذرا بھی نقصان دہ نہیں۔ بشرطیکہ تم خود ہدایت پر رہو۔ جو جیسا کرے گا ویسا ہی نتیجہ پائے گا۔ البتہ جہاں تک ہو سکے وعظ و نصیحت کرتے رہو۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو برا کام کرتے دیکھ کر اس کو اس خیال سے منع نہ کیا جائے کہ اس کی برائی ہمارے لئے نقصان دہ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بھلائی کی تاکید اور برائی سے روکنے کے بعد بھی اگر کوئی ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنی گمراہی پر قائم رہے تو اس کی گمراہی تمہارے لئے نقصان دہ نہیں بشرطیکہ تم ہدایت پر ہو۔

پھر فرمایا کہ تم سب کو لوٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف آنا ہے۔ وہاں تمہیں اپنے اچھے اور برے اعمال کا پتہ چل جائے گا۔ جس کا عمل نیک ہو گا اس کو اچھی جزا ملے گی اور جس کا عمل بد ہو گا اس کو بری سزا ملے گی۔

حضرت ابو بکرؓ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا کہ اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو اور اس کا مطلب نہیں سمجھتے ۔ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر لوگ برائی کو دیکھ کر اس کو نہ بدلیں گے (یعنی بدلنے کی کوشش نہ کریں گے) تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو عذاب میں مبتلا کر دے ۔

ایک روایت میں ہے کہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں ورنہ اللہ تعالیٰ شریر لوگوں کو تم پر مسلط کر دے گا ۔ پھر وہ تمہیں بدترین عذاب کی تکلیفیں دیں گے ۔ اس وقت تم میں کے نیک لوگ بھی اگر تمہارے لئے دعا کریں گے تو ان کی دعا قبول نہیں ہو گی ۔ (مظہری ۳/۲۱۳)

موت کے وقت وصی و گواہ مقرر کرنا

۱۰۶ - يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ٥

اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو وصیت کے وقت تمہارے درمیان دو معتبر گواہ ہونے چاہئیں ۔ جو تم میں سے ہوں یا اگر تم سفر میں ہو اور تم پر موت کی مصیبت پڑ جائے تو اپنوں کے سوا دو گواہ بنا لو ۔ اگر تمہیں شبہ ہو تو ان دونوں گواہوں کو نماز کے بعد روک لو ۔ پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس قسم کے عوض کوئی مول نہیں لیں گے اگرچہ وہ ہمارا قرابت دار ہی کیوں نہ ہو اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کی گواہی چھپائیں گے ۔ اگر ایسا کریں تو ہم گنہگار ہیں ۔

تَحۡبِسُوۡنَهُمَا: تم ان دونوں کو محبوس کرتے ہو۔ تم ان دونوں کو روکتے ہو۔
حَبۡسٌ سے مضارع

اِرۡتَبۡتُمۡ: تم شبہ میں پڑے۔ اِرۡتِیَابٌ سے ماضی

ثَمَنًا: قیمت۔ دام۔ جمع اثمان۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں لایعنی سوالوں کی ممانعت اور کفار و مشرکین کی جہالتوں کا بیان تھا پھر مومنوں کو اپنے دین کی حفاظت کا حکم دیا گیا۔ ان آیتوں میں مال کی حفاظت کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ مرتے وقت کسی کو وصی اور گواہ بنالینا چاہئے تاکہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔

شانِ نزول: بخاریؒ، ابو داؤدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ تمیم داری اور عدی بن بدر تجارت کے لئے شام گئے۔ اس زمانے میں یہ دونوں عیسائی تھے۔ ان کے ساتھ عمرو بن عاص کے آزاد کردہ غلام بدیلؓ بھی تھے۔ بدیلؓ مسلمان تھے اور شام پہنچ کر بیمار ہوگئے۔ (جب موت کا یقین ہو گیا تو بدیل نے) اپنے موجودہ سامان کی ایک فہرست لکھ کر سامان ہی میں ڈال دی اور ساتھیوں کو (اس کی) اطلاع نہیں دی بلکہ دونوں ساتھیوں کو وصیت کر دی کہ میرا سامان میرے گھر پہنچا دینا۔ پھر وہ وفات پا گئے۔ دونوں ساتھیوں نے سامان کی تلاشی لی تو سامان میں چاندی کا ایک برتن ملا جس کا وزن تین سو مثقال تھا اور اس پر سنہری کام کیا ہوا تھا۔ دونوں نے وہ برتن چھپا لیا۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر جب وہ مدینے لوٹے تو بدیل کے گھر والوں کو اس کا سامان پہنچا دیا۔

بدیل کے گھر والوں کو سامان دیکھنے پر اس کے اندر سے ایک فہرست ملی۔ انہوں نے آکر تمیم اور عدی سے پوچھا کہ کیا ہمارے آدمی نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز فروخت کی تھی۔ دونوں نے نفی میں جواب دیا۔ گھر والوں نے پوچھا کہ کیا اس نے کوئی تجارت کی تھی دونوں نے جواب دیا نہیں۔ پھر گھر والوں نے پوچھا کہ کیا اس کی بیماری اتنی طویل ہو گئی تھی کہ اس کو کوئی چیز خرچ کرنی پڑی تھی۔ دونوں نے کہا کہ نہیں۔ اس وقت گھر والوں نے کہا کہ ہمیں سامان میں ایک تحریر ملی ہے جس میں پورے سامان کی ایک فہرست ہے۔ مگر سامان میں چاندی کا ایک پیالہ جس پر سونے کا ملمع کیا ہوا تھا اور جس کا وزن تین سو مثقال تھا موجود نہیں۔ دونوں نے جواب دیا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے ہم سے سامان تمہارے پاس پہنچانے کے لئے کہا تھا سو ہم نے پہنچا دیا۔ ہمیں برتن کا کچھ علم نہیں۔ غرض انہوں نے انکار کر دیا اور معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا اس پر آیات ۱۰۶، ۱۰۸ نازل ہوئیں ۔
تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جب تم سفر میں ہو اور تم میں سے کسی کو اپنی موت کے آثار معلوم ہونے لگیں تو اس کو اپنے مال کے متعلق اپنے لوگوں میں سے کسی معتبر آدمی کو وصیت کرنی چاہیئے اور اپنے دو معتبر آدمیوں کو اس وصیت کے گواہ مقرر کرنا چاہیئے ۔ اگر اپنے آدمی نہ ملیں تو پھر غیروں میں سے دو شخص گواہ بنالئے جائیں ۔ اگر سفر کے تمام ساتھی کافر ہوں اور ان میں مسلمان کوئی بھی نہ ہو تو پھر انہیں میں سے دو گواہ مقرر کر لو ۔ پھر اگر کوئی تنازع پیدا نہ ہو اور جو کچھ مال و اسباب وہ ادا کریں ۔ میت کے وارث اس کو سچ جان کر قبول کر لیں تو ٹھیک ورنہ نماز کے بعد مجمع عام میں کھڑا کرکے ان دونوں گواہوں سے قسم لی جائے اور یہ کہلوایا جائے کہ اس قسم کے عوض ہم کسی قسم کا مال نہیں چاہتے خواہ وہ شخص جس کے لئے ہم گواہی دے رہے ہیں ہمارا کوئی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو ۔ نہ ہم جھوٹ بولتے ہیں اور نہ اللہ کی فرض کی ہوئی گواہی کو چھپاتے ہیں ۔ اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم گنہگاروں میں سے ہوں گے ۔

وارثوں کا حلفی بیان

۱۰۷، ۱۰۸ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَآخَرَانِ يَقُومَانِ
مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ
بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذًا
لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ
وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ
وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝

پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے گناہ کمایا ہے (گواہی میں کمی بیشی کی ہے) تو ان کی جگہ، جن لوگوں کا حق دبایا گیا ہے، ان میں سے دو گواہ کھڑے ہو جائیں جو مظلوم کے قریبی رشتہ دار ہوں ۔ پھر وہ دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی پہلے والوں کی گواہی سے زیادہ معتبر ہے اور ہم نے کچھ تجاوز نہیں کیا ۔ اگر ہم نے زیادتی کی ہو تو بلاشبہ ہم ظالموں میں سے ہوں گے ۔ امید ہے کہ

اس طرح وہ ٹھیک ٹھیک گواہی دیں گے یا اس بات سے ڈریں گے کہ ہماری قسم ان (وارثوں) کی قسموں کے سامنے رد نہ کر دی جائے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور (اس کے احکام) سنو اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

عُثِرَ: اسے اطلاع دی گئی۔ اسے خبر کی گئی۔ عُثُوْرٌ سے ماضی۔

اسْتَحَقَّا: وہ دونوں مستحق ہوئے۔ وہ دونوں حقدار ہوئے۔ اِسْتِحْقَاقٌ سے ماضی

اذا: اس وقت۔ یہ حرف ناصب ہے۔

ترد: وہ رد کر دی جائے۔ وہ لوٹا دی جائے۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول

اَیْمَانٌ: قسمیں۔ واحد یَمِیْنٌ۔

تشریح: پھر اگر بعد میں کسی طرح یہ اطلاع ملے کہ دونوں گواہوں نے میت کے مال میں خیانت کی ہے اور جھوٹی قسم کھائی ہے تو میت کے وارثوں میں سے دو شخص جو میت کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں اور میت کے مال اور حال سے پوری طرح واقف ہوں، وہ کھڑے ہو کر اللہ کی قسم کھا کر یہ کہیں کہ بیشک ہماری شہادت ان کی شہادت سے زیادہ معتبر ہے۔ ہمارا کہنا سچ ہے اور اس قسم میں ہم نے حق سے تجاوز نہیں کیا۔ اگر ہم حق سے تجاوز کریں تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے۔ پس اگر میت کے رشتہ دار قسم کھالیں تو جتنے مال کا ان کا دعویٰ ہے وہ وصیوں سے دلایا جائے گا۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم اور اس کے بھائی سے عصر کی نماز کے بعد قسم لی کہ ہم نے اس مال میں کچھ خیانت نہیں کی اور قسم کے بعد دونوں کو بری کر دیا گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد چاندی کا وہ پیالہ کہیں سے بکتا ہوا پکڑا گیا اور معاملہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا۔ آپؐ نے عمرو بن العاصؓ اور مطلب بن ابی رفاعہ سے، جو بدیل کے زیادہ قریبی رشتہ دار تھے، قسم لی اور وہ پیالہ انہیں دلوا دیا۔ اس واقعہ کے بعد جب تمیم داریؓ اسلام لے آئے تو انہوں نے اقرار کیا کہ بیشک اللہ اور اس کا رسول سچا ہے۔ میں نے جھوٹی قسم کھائی تھی اور پیالہ لیا تھا۔ اب میں اپنے اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور اللہ سے معافی مانگتا ہوں۔

شہادت کا جو طریقہ ان آیتوں میں بیان ہوا ہے وہ اس امر کے زیادہ قریب ہے کہ لوگ صحیح شہادت دیا کریں یا اس بات سے ڈریں کہ اگر ہم نے جھوٹی قسم کھائی تو ہمارے بعد وارثوں سے بھی قسم لی جائے گی اور وارث قسم کھا کر ہماری قسم کو بے اعتبار بنا دیں گے۔ اس اندیشہ کے

بعد وہ جھوٹی قسم کی جرأت نہیں کریں گے ۔ جو لوگ امانت میں خیانت کرتے اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے محروم ہو جاتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، بلکہ ان کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے، تاکہ وہ قیامت میں اس کی سزا پائیں ۔

(حقانی ۳۱۱ / ۲، معارف القرآن، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۴۱۹ / ۲)

قیامت کا حال

۱۰۹ ۔ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○

جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کر کے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا، تو وہ کہیں گے کہ ہمیں کچھ علم نہیں، بیشک تو ہی غیب کی باتیں خوب جانتا ہے

تشریح: قیامت کے روز اگرچہ اول سے آخر تک پیدا ہونے والے تمام انسان خواہ وہ کسی خطہ، کسی ملک اور کسی زمانے کے ہوں، سب ایک کھلے میدان میں حاضر کئے جائیں گے اور ان سے ان کے عمر بھر کے اعمال کا حساب لیا جائے گا، مگر سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام سے سوال ہو گا تاکہ تمام مخلوق دیکھ لے کہ آج کے دن سوال و جواب اور حساب سے کوئی مستثنیٰ نہیں ۔

انبیاء علیہم السلام سے پوچھا جائے گا کہ جب آپ لوگوں نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف بلایا تو ان لوگوں نے آپ کو کیا جواب دیا تھا؟ اور کیا انہوں نے آپ کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کیا؟ اس سوال کے مخاطب اگرچہ انبیاء علیہم السلام ہوں گے لیکن در حقیقت ان کی امتوں کو سنانا مقصود ہو گا کہ انہوں نے جو نیک یا بد اعمال کئے تھے، سب سے پہلے اس کی شہادت ان کے رسولوں سے لی جائے گی، جیسا کہ ارشاد ہے:

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ○

(اعراف آیت ۶)

پس ہم ان کی قوموں سے بھی پوچھیں گے اور ان کے پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ○ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ○

(الحجر آیات ۹۲، ۹۳)

تیرے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور پوچھیں گے کہ دنیا میں تمہارا کیا عمل تھا

یہ وقت امتوں کے لئے بڑا نازک ہوگا کہ وہ تو اس ہوش ربا ہنگامہ میں انبیاء علیہم السلام سے شفاعت کی امید لگائے ہوئے ہوں گے، ادھر انبیاء علیہم السلام ہی سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا تو ظاہر ہے وہ کوئی غلط یا خلاف واقعہ بات تو کہیں گے نہیں۔ اس لئے گنہگاروں کے دلوں میں خوف پیدا ہوگا۔ ب انبیاء علیہم السلام ہی ہمارے بارے میں شہادت دیں گے تو اب ہماری مدد و شفاعت کون کرے گا۔ انبیاء علیہم السلام جواب دیں گے کہ ہمیں ان کے ایمان و عمل کا کچھ علم نہیں، کیونکہ ہمارا علم تو ظاہر پر مبنی ہے اور تو تو علاّم الغیوب ہے۔ اس لئے تو باطن کی بھی خبر رکھتا ہے اور خوب جانتا ہے کہ انہوں نے کیسے اعمال کئے۔ ابن جریرؒ نے کہا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے کہ ہمیں تو معلوم نہیں کہ امت والوں کا آل کار کیا رہا۔ ہمارے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی باتیں ملادیں اور انہوں نے اپنے دلوں کے اندر کیا کیا خیالات چھپائے رکھے۔ پوشیدہ باتوں کو تو ہی جانتا ہے، ہم تو صرف انہی افعال و احوال کو جانتے ہیں جو ہمارے سامنے ظاہری طور پر پیش آئے تھے۔

بخاریؒ وغیرہ میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) حوض (کوثر) پر میری طرف کچھ لوگ آئیں گے۔ میں ان کو پہچان لوں گا لیکن ان کو میرے پاس پہنچنے سے پہلے ہی روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے پیارے صحابی ہیں، یہ تو میرے پیارے ساتھی ہیں۔ جواب ملے گا کہ آپؐ کو معلوم نہیں کہ آپؐ کے بعد انہوں نے دین میں کیا کیا نئی نئی باتیں نکال لی تھیں۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز کسی شخص کے قدم اس وقت تک آگے نہ سرک سکیں گے جب تک اس سے پانچ سوالوں کا جواب نہ لے لیا جائے۔ (۱) اس نے اپنی عمر کس کام میں خرچ کی۔ (۲) اپنی جوانی کا زمانہ کن کاموں میں خرچ کیا۔ (۳) اس نے مال کہاں سے اور کن حلال یا حرام طریقوں سے کمایا۔

(۴) اپنے مال کو کن جائز یا ناجائز کاموں میں خرچ کیا۔ (۵) اپنے علم پر کیا عمل کیا۔
(ابن کثیر ۱۱۴/ ۲، معارف القرآن ۲۶۱/ ۳، مظہری ۲۲۰/ ۳)

حضرت عیسیٰ ؑ کے احوال

۱۱۰، ۱۱۱۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا ۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۝

جب اللہ تعالیٰ حضرت مریمؑ کے بیٹے (حضرت) عیسیٰؑ سے فرمائے گا کہ تم میرے اس احسان کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری ماں پر کیا تھا (اور) جب میں نے روح القدس سے تمہاری مدد کی تو تم لوگوں سے (ماں کی) گود میں بھی کلام کرتے تھے اور بڑی عمر میں بھی اور جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور توریت و انجیل سکھائی اور جب تم میرے حکم سے، مٹی سے پرندے کی سی صورت بناتے تھے، پھر تم اس میں پھونک مارتے تو وہ میرے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا اور تم مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے اور جبکہ تم میرے حکم سے مُردوں کو قبروں سے نکال کر کھڑا کر دیتے تھے۔ اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے روکا، جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے اور ان میں سے منکروں نے کہہ دیا تھا کہ یہ تو محض صریح جادو ہے

اور (وہ وقت یاد کرو) جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہئے کہ ہم فرماں بردار ہیں۔

اَیَّدْتُّکَ: میں نے تیری تائید کی۔ میں نے تجھے قوت دی۔ تَاْیِیْدٌ سے ماضی۔

اَلْمَھْدِ: گود۔ گہوارا۔ جھولا۔ بچھونا

کَھْلًا: ادھیڑ عمر۔ متوسط عمر کا آدمی۔ جمع کُھُوْلٌ۔

طِیْنٍ: گارا۔ مٹی۔ خاک۔

ھَیْئَۃِ: صورت۔ شکل۔

تُبْرِیءُ: تو شفا دیتا ہے۔ تو تندرست کرتا ہے۔ اِبْرَاءٌ سے ماضی۔

اَکْمَہَ: پیدائشی اندھا۔ مادر زاد اندھا۔

اَبْرَصَ: برص زدہ۔ کوڑھی۔

کَفَفْتُ: میں نے ہتھیلی کو پکڑ لیا۔ میں نے باز رکھا۔ کَفٌّ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ انعامات یاد دلائے ہیں جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر فرمائے تھے کہ اے عیسیٰ ہمارے ان انعامات کو یاد کرو جو میں نے معجزات و خوارق عادات کی شکل میں تمہارے اور تمہاری والدہ کے اوپر کئے۔ تمہیں باپ کے بغیر صرف ماں سے پیدا کیا اور تمہاری ذات کو خود اپنے کمال قدرت کی ایک نشانی قرار دیا اور تمہاری ماں پر یہ احسان کیا کہ تمہیں اس کی پاک دامنی کی دلیل بنایا اور جو فحش الزام یہ ظالم اور جاہل اس سے منسب کرتے تھے، اس سے تمہاری ماں کو بچایا۔ تمہیں (حضرت) جبرائیل کے ذریعہ مدد دی کہ تم گہوارے میں بھی بولنے لگے اور ماں کی پاکدامنی کی گواہی دینے لگے اور اپنے عبد ہونے کا اعتراف کیا۔ تم نے طفلی اور شباب میں بھی لوگوں کو تبلیغ دین کی۔ بڑی عمر میں بولنا تو کوئی عجیب بات نہیں لیکن گہوارے میں تمہارا بولنا کیسا عجیب تھا، جبکہ دوسرے بچے اس وقت عادتاً نہیں بول سکتے۔ تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی اور توریت و انجیل کو پڑھنا لکھنا سکھایا۔ تم مٹی سے ایک پرندے جیسی شکل بنا کر ہمارے حکم سے اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک زندہ پرندہ بن کر اڑنے لگتا تھا اور تم میرے حکم سے مادر زاد اندھے اور برص کے مریض کو اچھا کر دیتے تھے۔ تم میرے حکم اور قدرت سے مُردوں کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتے تھے اور یاد کرو کہ جب تم مذکورہ بالا

معجزات لے کر بنی اسرائیل کے پاس پہنچے اور انہوں نے تمہیں جھٹلایا اور کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے اور پھر انہوں نے تمہیں قتل کرنے اور سولی دینے کی کوشش کی تو ہم نے تمہیں ان کے شر سے بچا لیا اور اپنی طرف اٹھالیا۔

نزولِ مائدہ

۱۱۲،۱۱۵ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ
يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ○ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا
وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ○
قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ
السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ج
وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا
عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ
اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○

جب حواریوں نے کہا کہ اے (حضرت) مریمؑ کے بیٹے (حضرت) عیسیٰؑ، کیا تمہارا رب ہم پر آسمان سے کوئی خوان اتار سکتا ہے۔ (حضرت عیسیٰؑ نے) کہا اللہ سے ڈرو، اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اور ہمیں یقین ہو جائے کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور ہم بھی اس پر گواہ ہو جائیں۔ (حضرت) مریمؑ کے بیٹے (حضرت) عیسیٰؑ نے کہا اے اللہ! ہم پر آسمان سے خوان نازل کردے تاکہ وہ ہمارے اگلے اور پچھلوں کے لئے عید اور تیری طرف سے نشانی ہو جائے اور تو ہمیں رزق عطا فرما اور تو ہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کو تم پر نازل تو کرتا ہوں، پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو کوئی ناشکری کرے گا تو میں اس کو ایسی سزا دوں گا کہ تمام جہان والوں میں سے

ویسی سزا کسی کو بھی نہ دوں گا۔

مَآئِدَۃٌ: کھانا چنا ہوا خوان۔ کچھ کھانا۔ مَیْدٌ سے اسم فاعل۔

نُرِیْدُ: ہم ارادہ کرتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ اِرَادَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: اس واقعہ میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ کے ساتھیوں نے اپنی حاجت اور فقر کی وجہ سے یہ سوال کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا کر سکتا ہے کہ آسمان سے ایک پر از طعام خوانِ نعمت (مائدۃ) نازل فرمائے۔ اس پر حضرت عیسیٰ نے خفا ہو کر فرمایا کہ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور ایسا سوال نہ کرو۔ طلبِ رزق میں اللہ پر بھروسہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہی چیز تمہارے لئے فتنہ بن جائے۔

حواریوں نے عرض کیا کہ یہ سوال تو محض اطمینان اور اپنے کھانے کے لئے ہے ورنہ اس کی قدرت میں کچھ کلام نہیں۔ جب ہم آسمان سے مائدہ کو اترتا ہوا دیکھیں گے تو ہمیں پورا اطمینان ہو جائے گا، تم پر ایمان بڑھ جائے گا اور تمہارے رسول ہونے کا کامل یقین ہو جائے گا اور ہم خود اس کے گواہ بن جائیں گے کہ یہ اللہ کی طرف سے ایک نشانی ہے اور حضرت عیسیٰ کی نبوت و سچائی کی ایک واضح دلیل ہے۔

پھر حضرت عیسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے ایک مائدہ نازل فرما تاکہ ہمارے اگلے اور پچھلے لوگوں کے لئے یہ خوشی کا دن بن جائے اور یہ تیری قدرت اور میری دعا کی قبولیت کی دلیل بن جائے، تاکہ لوگ میری تصدیق کر سکیں اور تو اپنی طرف سے ہمیں رزق عطا فرما اور تو بہترین رزق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا میں مائدہ نازل کرتا ہوں لیکن اگر تمہاری قوم میں سے اس کے بعد بھی کسی نے کفر کیا تو اس کو ایسا عذاب دوں گا کہ جہاں میں کسی نے ایسا عذاب نہ دیکھا ہو گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ قیامت کے روز تین قسم کے لوگوں پر شدید ترین عذاب ہو گا۔ (۱) منافق لوگ (۲) جن لوگوں نے مائدہ اترنے کے بعد کفر کیا (۳) فرعون کی امت۔

اس کے بعد آسمان سے سرخ دسترخوان نازل ہوا جس کے اوپر بھی ایک بدلی (ابر) اور نیچے بھی ایک بدلی تھی۔ جب اس کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک تلی ہوئی مچھلی اور پانچ روٹیاں اور سبزیاں رکھی ہوئی تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس میں ہر قسم کی نعمتیں تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ

بات صرف ایک بار ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس روز تک مائدہ نازل ہوتا رہا۔ مگر یہ تفصیل کہ مائدہ نازل ہوا یا نہیں یا کتنی بار نازل ہوا، قران و حدیث سے ثابت نہیں۔ قرآن مجید سے صرف حضرت عیسیٰؑ کا دعا کرنا ثابت ہے۔ (ابن کثیر۱۱۶ / ۲، حقانی ۳۱۴، ۳۱۵ / ۲)

نصاریٰ کو تہدید

۱۱۸،۱۱۶ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ
وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ
اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ
مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ
الْغُيُوْبِ ۝ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ
فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ
لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور جب اللہ (حضرت) مریمؑ کے بیٹے (حضرت) عیسیٰؑ سے پوچھے گا کہ کیا تم نے ہی لوگوں سے کہا تھا کہ تم اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو دو خدا بنا لو۔ وہ کہیں گے (اے اللہ) تو پاک ہے۔ میں وہ بات کیوں کہتا جس کا مجھے کچھ بھی حق نہ تھا۔ اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھے اس کا علم ضرور ہو گا۔ تو میرے دل کی بات ضرور جانتا ہے۔ اور میں نہیں جانتا کہ تیرے دل میں کیا ہے۔ بیشک تو ہی تمام غیبوں کا جاننے والا ہے۔ میں نے تو ان سے وہی کہا تھا جو تو نے مجھے حکم دیا تھا۔ وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے اور میں جب تک ان میں رہا ان کا نگراں رہا۔ پھر جب تو نے مجھے وفات دی تو ان پر تو ہی نگہبان رہا اور تو ہی ہر چیز کا نگران ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف فرما دے تو بیشک تو ہی زبردست ہے (اور)

حکمت والا ہے۔

مَادُمْتُ: جب تک میں رہا۔ دَوْمٌ و دَوَامٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

تَوَفَّيْتَنِيْ: تو نے مجھے وفات دی۔ تو نے مجھے اٹھالیا۔ یہاں آسمان پر اٹھایا جانا مراد ہے۔ تَوَفِّیٌ سے ماضی۔

الرَّقِيْبَ: خبر رکھنے والا۔ نگہبان۔ رُقُوْبٌ و رَقَابَةٌ سے صفت مشبہ۔

شَهِيْدٌ: گواہ۔ اقرار کرنے والا۔ نگران

ربط: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حضرت عیسیٰ کے احوال اور ان پر اپنے خاص انعام اور خاص معجزہ کا ذکر کر کے یہود و نصاریٰ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ (معاذ اللہ) خدا نہیں خدا کا بندہ ہے۔ وہ رزق کا محتاج ہے اور خدا رزق کا محتاج نہیں۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو بلا کر ان کو اپنے وہ احسانات و انعامات یاد دلائے گا جو ان پر اور ان کی والدہ پر کئے تھے۔ اس کے بعد ان سے نصاریٰ کے عقائد اور حضرت مریمؑ کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار فرمائیں گے جنہوں نے ان کو خدا ٹھہرایا تھا اور باطل عقائد اختیار کئے تھے۔

تشریح: جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو خدا بنا رکھا تھا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی موجودگی میں حضرت عیسیٰ کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریمؑ کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ تم اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو، حالانکہ تو تو پیدا شدہ ہے اور مریم تیری والدہ ہے، پھر الوہیت کے دعوے کا کیا جواز ہے۔

یہ سن کر حضرت عیسیٰ عاجزی سے عرض کریں گے کہ تو ہر طرح کے شرک سے پاک ہے۔ میں تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ مجھے ہرگز ایسی بات کہنے کا حق نہ تھا۔ اگر میں نے ایسی بات کہی بھی ہوگی تو تجھے اس کا علم ہوگا کیونکہ تجھ پر کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ تو میرے دل کی بات جانتا ہے لیکن میں تیرے ارادے کو نہیں جان سکتا۔ میں نے تو یہی کہا تھا کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ میں تو جب تک ان میں رہا خاص تیری ہی عبادت کا حکم دیتا رہا۔ میرے بعد انہوں نے جو کچھ کیا اس سے تو باخبر ہے کیونکہ میرے بعد تو ہی ان کے اعمال و اقوال کا نگراں تھا اور تو ہر چیز سے پوری طرح باخبر ہے۔ میرے اور ان کے اعمال و احوال بھی تیرے سامنے ہیں۔

اب اگر تو ان کو عذاب دے تو تجھے اس کا حق ہے کیونکہ وہ تیرے بندے ہیں اور تو ان کا مالک حقیقی ہے۔ اس لئے تو اپنی ملک میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ پھر انہوں نے تو تیرے علاوہ دوسروں کی بھی پوجا کی، حالانکہ تو نے ہی ان کو پیدا کیا، پھر ان کی پرورش کی اور ان کو نعمتیں عطا فرمائیں۔ ایسی صورت میں ان کو سزا دینا خلافِ عدل نہیں ہو سکتا اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو بیشک تو ہی غالب و حکمت والا اور عذاب و ثواب پر قادر ہے اور اگر تو عذاب دے گا تو یہ انصاف ہو گا اور معاف کر دے تو یہ تیری مہربانی ہو گی۔ (مظہری ۲۲۷، ۲۲۸ / ۳)

سچائی کے انعام کا دن

۱۱۹، ۱۲۰ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچ ہی نفع دے گا۔ ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور وہ اس سے راضی ہوں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ آسمانوں اور زمین کی حکومت اور جو کچھ ان میں ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریح: جب حضرت عیسیٰ نے جھوٹے اور ملحدین نصاریٰ سے اپنی بیزاری ظاہر فرما دی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آج کے دن سچوں کا سچ کام آئے گا۔ ان کو ایسے باغ ملیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ ہر چیز پر اس کو تصرف و قدرت حاصل ہے۔ سب اس کے غلبہ و قدرت کے تحت ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ انعام

وجہ تسمیہ: انعام جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد نَعَمٌ ہے، جس کے معنی جانور کے ہیں۔ اس سورت میں اَنْعَامْ یعنی جانوروں کے متعلق مشرکین کی جہالتوں اور رسموں کا بیان ہے، اس لئے اس سورت کا نام انعام رکھ دیا گیا۔

تعارف: اس میں ۲۰ رکوع، ۱۶۵ آیتیں، ۳۱۰۰ کلمات اور ۱۲۹۳۵ حروف ہیں۔

یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی، سوائے چھ آیتوں (۹۱ تا ۹۳ اور ۱۵۱ تا ۱۵۳) کے جو ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئیں۔ یہ پوری سورت ایک ہی دفعہ رات کے وقت مکہ میں اس طرح نازل ہوئی کہ ستر ہزار فرشتے اس کے جلو میں تسبیح پڑھتے ہوئے آرہے تھے۔ ائمہ تفسیر حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، مجاہدؒ، کلبیؒ اور قتادہؒ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

اسماءؓ بنت یزید کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار تھے اور سورۂ انعام نازل ہو رہی تھی، میں اونٹنی کی باگ (مہار) تھامے ہوئے تھی۔ وحی کے بوجھ سے اونٹنی ایسی دب گئی تھی گویا اس کی ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ ملائکہ زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔ فرشتوں کی **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْم** کی گونج سے زمین و آسمان میں ہنگامہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ (ابن کثیر ۱۲۲ / ۲)

سورۂ انعام کا زیادہ تر حصہ مشرکین و ملحدین کے محاجہ اور بحث و مباحثہ میں ہے۔ یہ لوگ توحید و رسالت اور قیامت کے منکر تھے۔ اس لئے اس میں زیادہ تر توحید و رسالت، مبداء و معاد اور قیامت کے دلائل کا بیان ہے اور مشرکین و ملحدین اور مبتدعین کے مذہب کا پورا ابطال ہے۔ اس سورت کے نزول کے وقت ستر ہزار فرشتوں کی مشایعت سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم اصول دین کی شان سب سے بلند ہے۔ اس لئے بندہ پر سب سے پہلے اصول دین کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے۔

امام قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ یہ سورت اصول دین کا مآخذ ہے۔ علماء نے عقائد کے اکثر مسائل اسی سورت سے اخذ کئے ہیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۲۴۰ / ۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اثبات و دلائل اور اس کی صفات کا بیان ہے۔
پھر کفار کے اعراض، حق کو جھٹلانے اور پچھلی امتوں کا ذکر ہے۔ نیز کفار کی عادات اور فرشتوں کو رسول بنا کر نہ بھیجنے کی حکمت اور کفار کے پہلے رسولوں کے ساتھ تمسخر کا بیان ہے۔

رکوع ۲: زمین پر چل پھر کر سابقہ امتوں کا انجام دیکھنے، اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے دلائل، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے، اس کے مشکل کشا اور قاہر و حاکم ہونے کا ذکر ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی گواہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرک سے برأت اور خاسرین کے اسلام نہ لانے کا بیان ہے۔

رکوع ۳: اللہ تعالیٰ پر افترا باندھنے، قیامت کے روز عدالتِ الٰہیٰ میں مشرکین سے سوال و جواب کی کیفیت اور ان کی بد نصیبی کا ذکر ہے۔ پھر ایمان نہ لانے کی وجہ سے کفار کی اپنے ہاتھوں تباہی، ان کی دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش اور اس کے رد ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں کفار کا حشر میں کفِ افسوس ملنا مذکور ہے۔

رکوع ۴: اس رکوع میں خسارے والوں کا ذکر، دنیا کی بے ثباتی اور اس کے بے حقیقت ہونے کا ذکر، خدا کے منکرین کی فطرت اور ہدایت سے محرومی کا بیان ہے۔ آپؐ کی تسلی کے لئے سابقہ رسولوں کی تکذیب کا بیان ہے۔ پھر کفار کے معجزہ طلب کرنے اس کی نشانیوں کی تکذیب کرنے والوں کی مثال اور مصائب کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا بیان ہے۔

رکوع ۵: بہت سی امتوں پر رسولوں کو بھیجنے، کفار کو ڈھیل دے کر ان کی گرفت کرنے کا بیان ہے۔ پھر عذاب کے مستحقین اور رسولوں کی بعثت کے سبب کا بیان، منکرین کو عذاب دینے اور انبیاء کے اختیار کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۶: کفار کو ڈرانے اور ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ ہٹانے کی تلقین جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ آزمائش کی حکمت، توبہ کی تاکید اور آیاتِ معجزات بیان کرنے کی مصلحت کا بیان ہے۔

رکوع ۷: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتوں کو پوجنے اور مشرکین کی خواہشات پر چلنے سے انکار کا

اعلان کرنے کا حکم، پھر اللہ تعالیٰ کے خیر الفاصلین ہونے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کافروں کو جواب، غیب کے خزانوں اور اللہ تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کا بیان ہے۔

رکوع ۸: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتوں کا لوگوں کی روح قبض کرنا، ان سے جلد حساب لینا اور کفار کی عاجزی و لاچاری کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب دینے پر قادر ہونا، مکذبین اور دین کا تمسخر کرنے والوں سے کنارہ کشی اور منکرین کو نصیحت کی تلقین مذکور ہے۔

رکوع ۹: اطاعت و نماز ادا کرنے کی تاکید، اللہ تعالیٰ کی مالکیت، حضرت ابراہیم کا مناظرہ مذکور ہے پھر شرک سے برأت، قوم کا حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑا کرنا اور حضرت ابراہیمؑ کی بے خوفی کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: حضرت ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے میں دلیل عطا کرنا اور انبیاء علیہم السلام کو ہدایت و فضیلت اور حکمت و نبوت عطا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی انبیاء کے طریقہ پر چلنے کی تلقین ہے۔

رکوع ۱۱: منکرین کے اعتراض کا جواب، مبارک کتاب کا نازل کرنا، اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھنے، ظالموں پر موت کی سختیوں اور ان سے سوال و جواب کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۲: اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کے وجود و صفات کے دلائل اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۳: اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی، بچوں کی نفی، صرف اسی کی ذات کا عبادت کے لائق ہونا، مشرکین سے اعراض کرنے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادے کا بیان ہے۔ پھر باطل معبودوں کو برا کہنے کی ممانعت، منکرین کی طرف سے معجزے کے مطالبے اور کافروں کے دلوں کو پھیرنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۴: کفار کا ایمان نہ لانا۔ انبیاء کے دشمن، قرآن کی حقانیت اور حلال و حرام ذبیحوں کا بیان ہے۔ پھر گناہوں سے بچنے اور جس جانور کو اللہ کے نام سے بغیر ذبح کیا گیا ہو اس سے اجتناب کی تلقین ہے۔

رکوع ۱۵: مومن و کافر میں فرق، عطیہ۔ خداوندی، صراط مستقیم، سلامتی کا گھر اور جنوں سے باز

پر س کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۶: جنوں اور کافروں کا اقرار جرم اور بے خبری میں ان کو عذاب نہ دینے، اعمال کے درجات اور اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے ۔ پھر کافروں کے لئے سخت وعید، مشرکین کی مذمت اور ان کے غلط عقائد اور اللہ پر افترا، کا ذکر ہے ۔

رکوع ۱۷: اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے حیرت انگیز کمالات، شیطان کے صریح دشمن ہونے اور آٹھ مویشیوں کی حلت کا بیان ہے ۔

رکوع ۱۸: چند حرام چیزوں کا بیان، یہود کو ان کی سرکشی کی سزا دینے، مشرکین کی گمراہی کا بیان اور منکرین کی خواہشات کی پیروی کی ممانعت ہے ۔

رکوع ۱۹: چند حرام چیزوں کا ذکر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کرنے کا بیان ہے ۔

رکوع ۲۰: قرآن کی پیروی کرنے کی تاکید اور اس کے نازل کرنے کی وجہ کا بیان ہے ۔ پھر سزا کے مستحق اور ظالم شخص کا ذکر، کفار کو دھمکی، تفرقہ کا انجام، نیکی کا بدلہ، ملتِ ابراہیمی اور زندگی و موت کے مالک کا بیان ہے ۔

اثباتِ وحدانیت

۱۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تاریکیوں اور نور کو بنایا ۔ پھر بھی کافر لوگ دوسروں (بتوں) کو اپنے رب کے برابر قرار دیتے ہیں ۔

تشریح: اس سورت کو لفظ الحمد سے شروع کر کے لوگوں کو خبر دی گئی ہے کہ سب طرح کی تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں ۔ چونکہ اس نے آسمانوں اور زمین کو اور ظلمت و نور کو پیدا کیا ہے، اس لئے وہ کسی کی حمد و تعریف کا محتاج نہیں ۔ کوئی حمد کرے یا نہ کرے وہ اپنے ذاتی کمالات اور قدرت و اختیارات کے سبب ہر وقت اور ہر حال میں محمود ہے ۔

اس آیت میں توحید کی حقیقت اور اس کی واضح دلیل سے توحید کی منکر قوموں اور افراد کو

متنبہ کیا گیا ہے ۔ مجوس دنیا کے دو خالق مانتے ہیں ۔

۱۔ یزداں ۔ اس کو خالق خیر یعنی نور و روشنی کا پیدا کرنے والا، قرار دیتے ہیں ۔

۲۔ اہرمن ۔ اس کو خالق شر یعنی ظلمت و تاریکی کا پیدا کرنے والا کہتے ہیں ۔

ہندوستان کے مشرک بے شمار دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بتاتے ہیں ۔ آریہ سماج توحید کے قائل ہونے کے باوجود روح اور مادہ کو قدیم اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و خلقت سے آزاد قرار دے کر توحید سے ہٹ گئے ۔

اسی طرح نصاری توحید کے قائل ہونے کے باوجود حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ حضرت مریمؑ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بتاتے ہیں ۔ یہود بھی توحید کو ماننے کے ساتھ ساتھ حضرت عزیرؑ کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا بتاتے ہیں ۔

مشرکین عرب نے تو خدائی کی تقسیم میں ایسی سخاوت و فیاضی دکھائی کہ ہر پہاڑ کے ہر پتھر کو خدائی کا درجہ دیا جاسکتا ہے ۔

غرض انسان، مخدوم کائنات اور اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود، جب راہ حق سے بھٹکا تو اس نے نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو اس قدر گرالیا کہ وہ چاند و سورج، ستاروں، آگ، پانی، درخت و پتھر وغیرہ کے آگے جھکنے لگا بلکہ اس نے کیڑے، مکوڑوں اور حشرات تک کو اپنا مسجود و معبود اور حاجت روا بنالیا ۔ قرآن کریم نے اس آیت میں اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کا خالق اور اندھیرے اجالے کا بنانے والا بتاکر منکرین خدا کے تمام باطل خیالات کی تردید کردی اور دنیا کی عظیم ترین چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق و محتاج بتاکر صحیح عقیدہ توحید کی طرف انسان کی رہنمائی کردی ۔ پس جو شخص آسمان و زمین کی پیدائش میں غور کرے گا وہ سمجھ لے گا کہ ان کو بنانے والا ضرور کوئی نہ کوئی ہے ورنہ اتنے وسیع و عریض آسمان و زمین کسی بنانے والے کے بغیر خود بخود نہیں بن سکتے ۔ (معارف القرآن ۲۷۸، ۲۷۹ / ۳) ۔

حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے ایک (سیدھی) لکیر کھینچ کر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے ۔ پھر اس لکیر کے دائیں بائیں مختلف لکیریں کھینچ کر فرمایا کہ ان راستوں میں سے ہر راستہ پر شیطان موجود ہے ۔ جو لوگوں کو اپنی طرف بلا رہا ہے ۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْماً فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ (انعام ۱۵۳)

اور میرا یہ راستہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ پس تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا، پھران پر اپنے نور کا ایک حصہ ڈالا، پس جس پر نور کا کوئی حصہ پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا، جس پر نہ پڑا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق (لکھ کر) قلم خشک ہو گیا (مظہری، ۲۲۳ / ۳)۔

انسان کی مقررہ میعاد

۲۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ○

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اس (اللہ) نے (ہر ایک کی) موت کا ایک وقت مقرر فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مقررہ مدت ہے۔ پھر بھی تم شک میں پڑے ہوئے ہو۔

طِیْنٍ: گارا۔ مٹی۔ خاک

قَضٰی: اس نے مقرر کیا۔ اس نے فیصلہ کیا۔ اس نے پورا کیا۔ قَضَاءٌ سے ماضی

اَجَلًا: وقت۔ موت۔ مہلت۔ مدت۔ جمع اٰجَالٌ

مُّسَمًّى: معین۔ مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِیَۃٌ سے اسم مفعول

تَمْتَرُوْنَ: تم شک کرتے ہو۔ تم تردد کرتے ہو۔ اِمْتِرَاءٌ سے مضارع

تشریح: تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ مٹی سے پیدا کیا جو پستی میں سب سے بڑھی ہوئی ہے۔ پھر ہر انسان کی زندگی اور حیات کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا، جس میں ذرا بھی کمی یا زیادتی نہیں ہو سکتی۔ اسی مقررہ وقت کا نام موت ہے اور اس مقررہ وقت کو کوئی نہیں جانتا سوائے فرشتوں کے۔ اسی طرح سارے عالم کی انتہا (قیامت) کے لئے بھی

ایک وقت مقرر فرمایا جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس کا پورا علم نہ کسی انسان کو ہے نہ فرشتے کو، پھر فرمایا کہ کیا اب بھی تمہیں اللہ تعالیٰ اور قیامت کے بارے میں شک و شبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قدیر و حکیم اور علیم و خبیر ہے۔ جس طرح اس نے انسان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اسی طرح وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مٹی سے آدم کی تخلیق اس طرح کی کہ مٹی کا گارا بنا کر کچھ مدت کے لئے اسے چھوڑ دیا یہاں تک کہ گارا سڑ کر لیسدار بن گیا۔ پھر اس سے آدم کا پتلا بنایا اور پتلے کی صورت بنائی۔ پھر اس کو اتنی مدت تک چھوڑے رکھا کہ وہ (خشک ہو کر) ٹھیکرے کی مانند کھنکھنانے لگا۔ پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔

حضرت ابو موسیٰؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے ایک مٹھی (مٹی) لے کر آدم کی تخلیق کی۔ اسی لئے زمین کے مطابق آدمی سرخ، سفید، سیاہ، مخلوط رنگ، نرم خو، درشت مزاج، بدخصال اور پاکیزہ اخلاق والے ہو گئے۔ (مظہری بحوالہ ترمذی و ابو داؤد، ۲۳۸ / ۳)۔

ظاہر و باطن کا جاننے والا

۳۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ○

وہی اللہ آسمانوں اور زمین میں (قادر و متصرف اور معبودِ برحق) ہے۔ وہ تمہارے پوشیدہ احوال کو بھی جانتا ہے اور ظاہری احوال کو بھی اور جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس سے بھی واقف ہے۔

تشریح: آسمانوں اور زمین میں صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق، مالک و بادشاہ اور متصرف و مدبر ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جس طرح اس کی قدرت تمام کائنات کو محیط ہے، اسی طرح اس کا علم بھی تمام کائنات کو محیط ہے۔ اسی لئے وہ تمہارے تمام ظاہری و باطنی، چھوٹے اور بڑے، احوال و اقوال اور اعمال و افعال سب کو خوب جانتا ہے۔ پس جو کچھ اعمال تم کرتے ہو خواہ وہ نیک ہوں یا بد وہ سب کو جانتا ہے اور جو اعمال تم نے ابھی نہیں کئے، آئندہ کرو

گے وہ ان سے بھی واقف ہے۔ وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا یا سزا دے گا۔

حق کی تکذیب

۵،۴۔ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ○
فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ○

اور جب ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے حق (قرآن) کو بھی جھٹلا دیا جب وہ ان کے پاس آیا۔ سو جلد ہی ان کو اس بات کی حقیقت معلوم ہو جائے گی، جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔

اَنْۢبٰٓؤُا: خبریں۔ واحد نَبَاٌ

يَسْتَهْزِءُوْنَ: وہ مذاق کرتے ہیں۔ وہ ٹھٹھا کرتے ہیں۔ وہ ہنسی اڑاتے ہیں۔ اِسْتِھْزَاءٌ سے مضارع ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں سے روگردانی اور ان کی تکذیب پر کفارِ مکہ کے لئے وعید سنائی ہے، کہ ان بدبختوں کے پاس جب بھی ان کے رب کی طرف سے توحیدِ باری کی کوئی واضح دلیل اور نشانی (معجزہ) آتی ہے تو وہ اس کو جادو کہہ کر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور اس میں ذرا غور نہیں کرتے۔ یہ ان کی نہایت بدنصیبی ہے کہ یہ حق کو جھٹلاتے ہیں۔ یہاں حق سے مراد یا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے یا قرآن کریم کی آیتیں یا معجزات، پس عنقریب، جب ان پر عذاب آئے گا یا قیامت آئے گی تو ان پر ان چیزوں کی حقیقت کھل جائے گی جن کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے کی چالیس سالہ زندگی انہی لوگوں کے درمیان رہ کر انہی کی آنکھوں کے سامنے گزاری۔ ان کو خوب معلوم تھا کہ آپؐ نے کسی انسان سے قطعاً کوئی تعلیم حاصل نہیں کی، یہاں تک کہ آپ اپنا نام بھی نہیں لکھ سکتے تھے۔ اسی لئے عرب کے لوگ آپ کو اُمّی کہتے تھے۔ پھر چالیس سال پورے ہوتے ہی دفعۃً آپ کی زبان مبارک سے وہ

حقائق و معارف اور اسرار و علوم جاری ہوئے کہ بڑے بڑے فصحاء و بلغاء، حکماء و فضلاء اور فلسفی و شاعر آپ کے سامنے عاجز و بے بس نظر آئے ۔ ان میں سے کسی کو بھی اجتماعی یا انفرادی طور پر قرآنی چیلنج قبول کر کے اس کی ایک آیت کی مثال پیش کرنے کی جرأت نہ ہوئی ۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بے شمار معجزات اور ایسی کھلی کھلی نشانیاں ظاہر ہوئیں کہ کوئی صحیح الحواس انسان ان کا انکار نہیں کر سکتا، مگر ان بدبختوں نے ان کا بھی انکار کیا ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عنقریب جب ان پر عذاب آئے گا یا قیامت برپا ہوگی، اعمال کا حساب ہوگا اور ہر ایک کو اپنے کئے کی جزا و سزا ملے گی تو ان پر ان چیزوں کی حقیقت کھل جائے گی، جن کی وہ ہنسی اڑاتے تھے ۔ مگر اس وقت کا یقین و اقرار ان کے کچھ کام نہ آئے گا کیونکہ وہ عمل کی جگہ نہیں بلکہ وہ بدلہ کی جگہ ہے لہذا اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے غور و فکر کی جو مہلت ملی ہوئی ہے اس کو غنیمت جان کر آیاتِ الٰہیہ پر ایمان لانے ہی میں دنیا و آخرت کی فلاح ہے ۔

(معارف القرآن، ۲۸۱ / ۳) ۔

منکرینِ اسلام کو نصیحت

۶۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَالَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ؁

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی امتیں ہلاک کر دیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت دی تھی کہ ہم نے تمہیں بھی وہ قوت نہیں دی ۔ اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے نیچے سے نہریں جاری کیں ۔ پھر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا ۔ اور ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں پیدا کر دیں ۔

قَرْنٍ : زمانہ، گروہ، امتیں، جمع قُرُوْنٌ ۔ قَرْن اس جماعت کو بھی کہا جاتا ہے جو ایک وقت اور ایک زمانے میں مجتمع موجود ہو اور زمانے کے ایک طویل حصے کو

بھی قرن کہتے ہیں ۔ بعض احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لفظ سو سال کے لئے بولا جاتا ہے ۔ (معارف القرآن ۲۸۵/ ۳) ۔

مَكَّنّٰهُمْ : ہم نے ان کو فائز کیا ۔ ہم نے ان کو قوت دی ۔ تَمْكِيْنٌ سے ماضی

مِدْرَارًا : بہت برسنے والا ۔ دَرٌّ سے مبالغہ

اَنْشَأْنَا : ہم نے پیدا کیا ۔ ہم نے پرورش کی ۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی

تشریح : اس آیت میں منکرین اسلام کا رخ اپنے گرد و پیش کے حالات اور سابقہ اقوام کے واقعات کی طرف پھیر کر ان کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا موقع دیا گیا ہے ۔ بلاشبہ تاریخ عالم عبرتوں کی ایک کتاب ہے ۔ اگر اس کو چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو وہ ہزاروں وعظوں سے زیادہ مؤثر وعظ ہے ۔ ایک حکیم نے خوب کہا ہے کہ دنیا ایک بہترین کتاب ہے اور زمانہ بہترین معلم ۔ برخلاف قصہ گوئی اور تاریخ نگاری کے ، قرآن کریم نے سابقہ اقوام کے حالات و واقعات کو عبرت و نصیحت کے لئے بیان کیا ہے ۔ اسی لئے اس نے تاریخی واقعات کو مسلسل قصہ کی صورت میں بیان نہیں کیا بلکہ واقعہ کا جس قدر حصہ جس معاملے اور جس حال سے متعلق تھا وہاں اس واقعہ کا اتنا ہی حصہ ذکر کر دیا ۔ پھر کسی دوسری جگہ اس واقعہ کا دوسرا حصہ اس موقع کی مناسبت سے بیان کر دیا تاکہ واقعہ کے ضروری اور متعلقہ حصہ کو پڑھ کر اپنے حالات کا جائزہ لیا جائے اور ماضی کے حالات و واقعات سے سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کا سامان کیا جائے ۔

(معارف القرآن ۲۸۴/ ۳) ۔

یہاں مشرکین و معاندین کو یہ بتایا گیا ہے کہ گزشتہ قومیں ان سے کہیں زیادہ قوی تھیں ، ان کے پاس مال و اولاد کی بھی کثرت تھی ، وہ تعداد میں بھی زیادہ تھے اور ان کے پاس حکومت بھی تھی ۔ انہیں کبھی کسی قسم کے قحط و خشک سالی سے سابقہ نہیں پڑا ۔ ان تمام انعامات کا مقصد ان کو ڈھیل دینا تھا ، پھر وہ اپنی نافرمانیوں اور گناہوں کے سبب ہلاک و برباد کر دئے گئے تاکہ ان کی ہلاکت و بربادی لوگوں کے لئے باعث عبرت بنے ۔ پھر ان کے بعد ان کی جگہ دوسری قوموں کو پیدا کر کے اسی طرح آباد کر دیا کہ دیکھنے والوں کو یہ بھی محسوس نہیں ہوا کہ یہاں سے کوئی انسان کم بھی ہوا ہے ۔

پس اے اہل مکہ تم سابقہ امتوں کے حالات و واقعات پر نظر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے بڑے بڑے ڈیل ڈول ، جاہ و جلال اور حکومت و سلطنت کی مالک قوموں کو اپنے پیغمبروں کو

جھٹلانے کی پاداش میں چشم زدن میں ہلاک و برباد کر دیا۔ اس وقت ان کی دنیوی شان و شوکت اور راحت و ثروت ان کے کچھ کام نہ آئی۔ تمہارے پاس تو ان جیسی قوت، قدرت، راحت و ثروت اور آل و اولاد بھی نہیں۔ پھر تمہیں ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کیا مشکل ہے۔
(ابن کثیر ۱۲۴/ ۲)۔

مشرکین کی فطرت

۷،۸۔ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ہم آپ پر کوئی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے، پھر وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے، تب بھی یہ کفار یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور کافروں نے کہا کہ ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو بات ہی ختم ہو جاتی، پھر ان کو ذرا بھی مہلت نہ ملتی۔

قِرْطَاسٍ: کاغذ۔ جس پر لکھا جائے۔ جمع قَرَاطِيْسُ

فَلَمَسُوْهُ: پس البتہ انہوں نے اس کو چھوا۔ پس البتہ انہوں نے اس کو مَس کیا۔ لَمْسٌ سے ماضی۔

سِحْرٌ: جادو۔ جادو کرنا

مَلَكٌ: فرشتہ۔ اسم جنس۔ جمع ملائکہ

ربط: گزشتہ آیات میں توحید کا اثبات و بیان تھا۔ ان آیتوں میں مشرکین کے چند شبہات اور ان کے عناد و تمسخر کا بیان ہے۔

شانِ نزول: کلبیؒ اور مقاتلؒ کا بیان ہے کہ نضر بن حارث، عبد اللہ بن ابی امیہ اور نوفل بن خویلد نے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپؐ پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے

جب تک کہ آپ (ہماری نظروں کے سامنے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کتاب نہ لے آئیں، جس کے ساتھ چار فرشتے ہوں اور وہ شہادت دیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۴۲ / ۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے ارشاد فرمایا کہ منکرین و معاندین آپ سے جو مطالبات کر رہے ہیں اس سے ان کا مقصد حق کو قبول کرنا اور آپ پر ایمان لانا نہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ جو کچھ یہ لوگ آپ سے طلب کر رہے ہیں، اگر ان کے پاس آپ کی سچائی کی اس سے بھی زیادہ واضح دلیلیں اور نشانیاں آجائیں تب بھی یہ آپؐ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ یعنی ان کی فرمائش کے مطابق اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب آپؐ پر اتار دیں اور پھر یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اور اپنے ہاتھوں سے چھو کر اطمینان بھی کر لیں کہ جادو یا نظر بندی کے تحت یہ محض خیال نہیں بلکہ حقیقت ہے، تب بھی محض اپنے عناد کی وجہ سے یہ لوگ یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں یہ پہلے سے موجود ہے کہ یہ ایمان لانے والے نہیں۔

اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ آپؐ پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتار گیا جو آپؐ کی نبوت کی شہادت دیتا، بھی نیک نیتی پر مبنی نہیں۔ لہٰذا اگر ان کا مطلوبہ معجزہ دکھا بھی دیا جائے اور ہم فرشتے کو شاہد بنا کر بھیج بھی دیں تب بھی یہ اپنی ضد اور عناد پر قائم رہیں گے۔ پھر ان کی ہلاکت کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہو جائے گا اور ان کو ذرا بھی مہلت نہیں ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ جب کوئی قوم کسی پیغمبر سے کسی خاص معجزہ کا مطالبہ کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا مطلوبہ معجزہ دکھا دیا جائے تو اگر وہ لوگ اس کے بعد بھی حق کو قبول کرنے اور ایمان لانے میں تاخیر کریں تو پھر ان کو عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ پس ان لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اگر ان کی مطلوبہ نشانی ظاہر نہیں کی گئی تو اسی میں ان کے لئے خیر ہے۔

(معارف القرآن ۲۸۶۔ ۲۸۷ / ۳)۔

فرشتہ نہ بھیجنے کی حکمت

۹۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا

يَلْبِسُوْنَ ○
اور اگر ہم کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے، تو اس کو بھی آدمی ہی کی شکل میں بھیجتے۔ پھر بھی وہ اسی شبہ میں پڑے رہتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

جَعَلْنٰهُ : ہم نے اس کو بنایا۔ ہم نے اس کو کیا۔ جَعْلٌ سے ماضی

لَلَبَسْنَا : البتہ ہم شبہ ڈالتے۔ لَبْسٌ سے ماضی

تشریح : یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ فرشتوں کے نازل کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ فرشتے کو اس کی اپنی اصل صورت وہیئت میں نازل کیا جائے۔ اس صورت میں اس کی ہیبت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا بلکہ خوف کے مارے حواس کھو دینے اور اس کے مرجانے کا خطرہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے تاکہ لوگ اس سے بات کر سکیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔ جیسے جبرائیل امین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کئی مرتبہ انسانی شکل میں آئے۔ اس صورت میں ان لوگوں کو جو اعتراض آپ پر ہے وہی اس فرشتے پر بھی ہو گا، اس لئے کہ وہ تو انسانی شکل میں دیکھ کر اس کو انسان ہی سمجھیں گے۔

(معارف القرآن، ۲۸۷ / ۳)

دوسری جگہ ارشاد ہے

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○ (بنی اسرائیل آیت ۹۵)

آپ کہہ دیجئے کہ ہم پیغام دے کر آسمان سے فرشتے تو اس وقت اتارتے جب زمین پر فرشتے چلتے پھرتے ہوتے۔

جب ایسا نہیں ہے تو پھر آسمان سے فرشتہ کیوں اتارا جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت و مہربانی ہے کہ جب وہ مخلوق کی طرف کوئی رسول بھیجتا ہے تو انہیں میں سے بھیجتا ہے تاکہ وہ ایک دوسرے سے بات کر سکیں اور لوگ رسول سے نفع اٹھا سکیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ○ (آل عمران ۱۶۴)

مومنین پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان میں انہی میں کے ایک آدمی کو رسول بنا کر بھیجا جو ان پر اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کو رسول بنا دیتا تو وہ اس کے نور کی وجہ سے اس پر نظر بھی نہیں ڈال سکتے تھے۔ (ابن کثیر، ۱۲۴/ ۲)

سابقہ امتوں کا انجام

۱۰، ۱۱۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کی بھی ہنسی اڑائی گئی تھی۔ پھر ہنسی اڑانے والوں کو اسی عذاب نے آگھیرا جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

اُسْتُهْزِئَ: اس کی ہنسی اڑائی گئی۔ اس کا مزاق اڑایا گیا۔ اِسْتِہْزَاءٌ سے ماضی مجہول

فَحَاقَ: پس اس نے گھیر لیا۔ پس وہ نازل ہوا۔ حَیْقٌ و حُیُوْقٌ سے ماضی

سَخِرُوْا: انہوں نے مذاق اڑایا۔ انہوں نے ہنسی ازائی۔ سُخْرٌ سے ماضی

عَاقِبَةُ: عاقبت۔ آخرت۔ انجام۔ سزا

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی قوم جو کچھ آپ کے ساتھ کر رہی ہے وہ آپؐ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی اسی قسم کے واقعات ہوتے رہے۔ مگر انہوں نے ہمت نہیں ہاری یہاں تک کہ ان لوگوں کے تمسخر کے سبب ان کو عذاب الٰہی نے آپکڑا اور پھر ہلاک و برباد ہوگئے۔ پس اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپؐ اس سے دل گرفتہ نہ ہوں اگر یہ لوگ عذاب الٰہی کا انکار کریں تو آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ذرا ملک میں گھوم پھر کر تو دیکھو کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ نینوا، بابل، عمورا اور صمیدا کیسے کیسے شہر تھے

کی دولت و حشمت کیسی تھی۔ وہ کیسی لطف و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر ان کی بت پرستی، گستاخی اور انبیاء کی تکذیب نے ان کو کیسا تباہ و برباد کیا۔ ان کے شہر اور بستیاں برباد ہو کر نشان عبرت بن گئیں۔ اب سوائے ٹیلوں کے وہاں کچھ نظر نہیں آتا۔ یہ تو دنیاوی عقوبت کا عذاب تھا، آخرت میں ان کو الگ عذاب دیا جائے گا۔ پس جو لوگ آپ کی ہنسی اڑا رہے ہیں ان کا بھی یہی انجام ہو گا۔ (حقانی ۳۱۹، ۳۲۰ / ۲، ابن کثیر ۱۲۴ / ۲)

حقیقی حاکم

۱۲، ۱۳۔ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پوچھئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ کا ہے۔ (توبہ کرنے والوں پر) رحمت کرنا اس نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ وہ قیامت کے روز تمہیں ضرور جمع کرے گا۔ جس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے وہ تو ایمان نہیں لائیں گے اور جو کچھ رات اور دن میں رہتا ہے وہ سب اسی (اللہ) کا ہے اور وہی سنتا (اور) جانتا ہے۔

ربط: سورت کے شروع میں توحید کا اثبات تھا۔ پھر منکرین کے چند شبہات اور ان کا تمسخر و عناد بیان کیا گیا۔ اب ان آیتوں میں پھر توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال ہے۔

تشریح: یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا جا رہا ہے کہ آپ ان معاندین سے بطور نام حجت یہ پوچھئے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ کس کی ملک ہے۔ اول تو یہ خود ہی اب دیں گے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے، جس سے توحید ثابت ہو جائے گی اور اگر بالفرض کسی خوف و ڈر کی بنا پر یا شرم و حیا کی وجہ سے اس کا جواب نہ دیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے اور تم جن بتوں کو پوجتے ہو وہ کسی چیز کے بھی مالک نہیں۔ لہذا تم

اس کی گرفت اور سزا سے نہیں بچ سکتے ۔ آپؐ ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے توبہ کرنے والوں کے لئے اپنے اوپر رحمت کا ذمہ لے رکھا ہے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس پر کسی کا زور اور دباؤ ہے بلکہ وہ محض اپنی رحمت کی بنا پر سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا ۔ وہ توبہ کے لئے مہلت دیتا اور توبہ کو قبول کرتا ہے ۔ لہٰذا اگر تم بھی کفر و شرک سے توبہ کرو گے تو وہ ارحم الراحمین ہے وہ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی ۔ بغویؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری رحمت میرے غضب سے آگے بڑھ گئی ۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں جن میں سے ایک اس نے نیچے اتار کر جنوں، انسانوں، چوپایوں اور کیڑوں، مکوڑوں میں تقسیم کر دی ۔ اسی کی وجہ سے وہ باہم محبت و رحمت کرتے ہیں، وحشی جانور اسی کے سبب اپنے بچوں سے پیار کرتے ہیں ۔ ننانوے رحمتیں اس نے اپنے پاس رکھ لی ہیں جن سے وہ قیامت کے روز اپنے بندوں کو سرفراز فرمائے گا ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حجت پوری ہونے کے باوجود اپنی رحمت و حلم کی وجہ سے اگرچہ ان سرکشوں کو دنیا میں سزا نہیں دی مگر اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا ۔ جس میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ۔ پھر وہ تم سب سے حساب و کتاب لے کر تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا یا سزا دے گا ۔

پھر فرمایا کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسی کی حکومت اور قبضہ و اقتدار ہے ۔ ہر وہ چیز جو رات کے وقت یا دن میں آرام سے زندگی بسر کرتی ہے اور معلوم و نامعلوم دشمنوں سے محفوظ رہتی ہے، یہ سب اسی کی رحمتِ کاملہ کے آثار ہیں ۔ اور وہ اسی کی ذات ہے جو دن کے شور و غل اور رات کے اندھیرے اور سناٹے میں بھی ہر ایک کی پکار سنتی اور سب کی حاجتوں اور ضرورتوں کو بخوبی جانتی ہے ۔ پھر بھی تم اس کو چھوڑ کر اوروں سے مدد طلب کرتے ہو ۔

(ابن کثیر ۱۲۵ / ۲، مظہری ۲۴۴ / ۳، تفسیر عثمانی ۳۹۶، ۱/)

واضح کامیابی

۱۴، ۱۶۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا، جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے، کسی اور کو اپنا مددگار بنا لوں، حالانکہ وہی سب کو کھلاتا ہے اور اس کو کوئی نہیں کھلاتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں فرماں برداری کروں اور یہ بھی (حکم ہوا ہے) کہ مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ اس دن جس سے وہ عذاب ٹل گیا تو اس پر بڑی مہربانی ہوئی اور یہی صریح کامیابی ہے۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کا خالق و مالک ہے، سب کچھ اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، تمام مخلوق اسی کی محتاج ہے کیونکہ وہ سب کو کھلاتا ہے، وہ ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں بھی کسی کا محتاج نہیں تو کیا ایسے مالک و قادر مطلق کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بنا لینا نری حماقت نہیں۔ پھر فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پہلا فرماں بردار بنوں اور مشرکوں کے گروہ میں شامل نہ ہوں۔ اگر بالفرض تمہارے کہنے سے میں اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے تمہارا دین اختیار کر لوں تو اس صورت میں مجھے بھی روز قیامت کا ڈر ہے۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں گا اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت کروں گا تو قیامت کے دن وہ مجھے عذاب دے گا۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہوں سے پاک و معصوم ہیں۔ آپؐ سے نافرمانی کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن آپ کی طرف منسوب کر کے امت کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اس حکم کی خلاف ورزی پر جب امام الانبیاء اور نبیوں کے سردار کو معاف نہیں کیا جا سکتا تو

اور کسی کی کیا مجال ہے؟

پس جس شخص سے اللہ تعالیٰ اس دن اپنا عذاب ہٹا دے تو یہ اس پر اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت اور عنایت ہوگی اور یہی اللہ کے عذاب سے نجات کھلی اور واضح کامیابی ہے۔ یہاں کامیابی سے مراد دخول جنت ہے۔ (حقانی ۳۲۰ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۱ / ۲، معارف القرآن، ۲۹۳ / ۳)

اسلام کا بنیادی عقیدہ

۱۷، ۱۸۔ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

اور (اے بندے) اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے کوئی فائدہ پہنچائے تو وہ اس پر قادر ہے اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہی حکمت والا باخبر ہے۔

كَاشِفٌ: کھولنے والا۔ دور کرنے والا، كَشْفٌ سے اسم فاعل۔

فَوْقَ: اوپر۔ اونچا۔ ظرف مکان ہے۔

اَلْقَاهِرُ: غالب ہونے والا۔ زبردست۔ قَهْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: یہاں اسلام کا ایک بنیادی عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ نفع اور نقصان دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے کوئی شخص نہ تو کسی کو معمولی سا نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان، وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ اس کی قضا کو کوئی روکنے والا نہیں جیسا کہ ارشاد ہے

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۝ (سورہ فاطر، آیت ۲)

اللہ تعالیٰ لوگوں میں سے جس پر جو مہربانی کرنا چاہے اس سے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جس سے وہ روک لے اسے کوئی نہیں دے سکتا۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کی رسی کی لگام دے کر ایک خچر پر سوار ہوئے اور مجھے اپنے پیچھے بٹھالیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ تم اللہ کو یاد رکھو، اللہ تمہیں یاد رکھے گا۔ تم اللہ کو یاد رکھو گے تو تم اس کو ہر حال میں اپنے سامنے پاؤ گے۔ تم امن و عافیت اور عیش و آرام کے وقت اللہ تعالیٰ کو پہچانو تو تمہاری مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں پہچانے گا۔ جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔ اگر مدد طلب کرنی ہو تو اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کرو۔ جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے تقدیر کا قلم اس کو لکھ چکا ہے۔ اگر ساری مخلوق مل کر یہ کوشش کرے کہ وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف کوئی فائدہ پہنچا دے تو وہ ہرگز تمہیں فائدہ نہیں پہنچا سکتی اور اگر وہ سب مل کر تمہیں ایسا نقصان پہنچانے کی کوشش کریں جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں نہیں لکھا تو وہ ہرگز تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اگر تجھ سے ہوسکے تو یقین کے ساتھ (مصائب پر) صابر رہ کر عمل کر۔ اگر اس پر قدرت نہیں تو صبر کر کیونکہ خلاف طبع چیزوں پر صبر کرنے میں بڑی بہتری ہے اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ فراخی ہے۔ یہ حدیث ترمذی اور مسند احمد میں بھی صحیح سند کے ساتھ مذکور ہے۔ (مظہری ۲۴۷، ۲۴۸ / ۳)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب و قادر ہے۔ اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے سب پست ہیں۔ اس کا ہر فعل حکمت پر مشتمل ہے وہ اپنے ہر حکم کی حکمت سے واقف ہے۔ وہ مواضع اشیاء سے باخبر ہے۔ اگر وہ کچھ دیتا ہے تو مستحق ہی کو دیتا ہے اور وہ روک دیتا ہے تو غیر مستحق سے روک دیتا ہے۔ وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ کوئی شئے اس سے مخفی نہیں۔ وہ اپنے علم کے مطابق ہر ایک کو جزا اور سزا دے گا۔ اس شانِ فوقیت و قہر اور شانِ علم و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کو اپنا ولی اور کارساز نہ بنایا جائے۔

(ابن کثیر ۱۲۶ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۱ / ۲)

شرک سے برأت

۱۹۔ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ قف
وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ

لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○

آپؐ پوچھئے کہ کس کی گواہی سب سے بڑی ہے ؟ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اور جس کو یہ پہنچے (اس کو) اس سے خبردار کروں ۔ کیا تم اس بات کی گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کچھ اور معبود بھی ہیں ۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور بیشک میں ان سے بیزار ہوں جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو ۔

بَلَغَ: وہ پہنچا ۔ بُلُوْغٌ وَ بَلَاغٌ سے ماضی

بَرِیْءٌ: بری ۔ بے تعلق ۔ بیزار

ربط: گزشتہ آیات میں توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال تھا ۔ ان آیتوں میں توحید و رسالت دونوں کا بیان ہے ۔

شانِ نزول: کلبیؒ نے بیان کیا کہ مکہ کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ کیا کوئی شخص ایسا ہے جو آپ کے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو ۔ ہمیں تو کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو آپ کی تصدیق کرتا ہو ۔ ہم نے یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی آپؐ کے بارے میں دریافت کیا ۔ سب نے جواب دیا کہ ان کے ہاں آپ کا کوئی ذکر نہیں ہے (یعنی ان کی کتابوں میں آپ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے) ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(مظہری ۲۴۸ / ۳)

تشریح: جو لوگ آپؐ کی نبوت و رسالت پر شہادت و گواہی طلب کرتے ہیں، آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میری نبوت و رسالت کا گواہ تو اللہ تعالیٰ ہے جس سے بڑھ کر کوئی گواہ نہیں کیونکہ وہی ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہے اور تمام بندوں پر غالب و قاہر اور ذرہ ذرہ سے باخبر ہے ۔ اسی نے مجھے دلائلِ نبوت اور براہینِ رسالت دے کر بھیجا ہے ۔ اور یہ قرآن جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور وحی کے ذریعہ مجھ پر نازل کیا گیا ہے، یہ بھی میری نبوت کا ناقابل تردید گواہ ہے ۔ اگر میں اللہ تعالیٰ کا رسول نہ ہوتا تو وہ مجھ پر اپنا کلام نازل نہ فرماتا ۔ اور یہ قرآن جو رشد و ہدایت کے تمام علوم کا جامع ہے، مجھ پر اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ میں تمہیں اور جس کو یہ پہنچے، عذابِ الٰہی سے

خبردار کروں۔ جو لوگ توحید و رسالت کا انکار کرتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا۔ اے مشرکو! کیا تم اس شہادتِ کبریٰ کے بعد بھی یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو ایسی گواہی نہیں دے سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تو واحد و یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس چیز سے بیزار ہوں جس کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری طرف سے لوگوں کو پہنچا دو خواہ وہ ایک ہی آیت ہو۔

محمد بن کعب قرظی کا قول ہے کہ جس شخص کو قرآن پہنچ گیا، اس نے گویا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر لی اور آپؐ سے قرآن سن لیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۲، ۲۵۳ / ۲، مظہری ۲۴۹ / ۳)

اہلِ کتاب کا آپ کو پہچاننا

۲۰۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال رکھا ہے، وہ تو ایمان نہیں لائیں گے۔

تشریح: اس آیت میں مشرکین کے اس قول کی تردید ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ سے تحقیق کر لی، کوئی بھی آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی نہیں دیتا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ اہل کتاب اس قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بالکل اسی طرح جانتے پہچانتے ہیں جس طرح وہ بہت سے بچوں میں اپنی اولاد کو پہچان لیتے ہیں کیونکہ آپؐ کا پورا حلیہ مبارک، آپؐ کا اصلی وطن، آپؐ کا ہجرت کے بعد کا وطن، آپؐ کی امت کے اوصاف، آپؐ کی عادات و اخلاق وغیرہ کا ایسا تفصیلی ذکر ان کی کتابوں میں موجود ہے کہ اس کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ لہٰذا اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ جو شخص توریت و انجیل کو پڑھتا ہو اور ان پر ایمان رکھتا ہو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچانے۔ البتہ یہ لوگ حسد، کبر، آباء و اجداد کی تقلید اور حب جاہ و مال میں

گرفتار ہونے کی بنا پر آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت زید بن سعنہؓ اہل کتاب میں سے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو توریت و انجیل میں بیان کردہ اوصاف ہی کے ذریعہ پہچانا تھا۔ صرف ایک وصف ایسا تھا جس کی ان کو تصدیق نہیں ہو سکی تھی اور وہ یہ کہ آپ کا حلم آپؐ کے غصہ پر غالب ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی خدمت میں پہنچ کر تجربہ کیا تو یہ صفت بھی آپؐ میں پوری طرح پائی اور اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

آخر میں فرمایا کہ یہ اہل کتاب آپ کو پوری طرح پہچاننے کے باوجود اسلام نہیں لاتے۔ یہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔

(معارف القرآن ۲۹۵ - ۲۹۷ / ۳)

اللہ پر افتراء باندھنا

۲۱۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بیشک ایسے ظالم فلاح نہیں پاتے۔

تشریح: مشرکین عرب اہل کتاب کو پڑھا لکھا اور قابل سند سمجھتے تھے۔ چند اہل انصاف کو چھوڑ کر جیسے حضرت عبداللہ بن سلام، باقی اہل کتاب جب بھی مشرکوں سے ملتے تو جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے وہ بھی ظالم ہے اور جو سچے نبی اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرے وہ بھی ظالم ہے۔ اب دونوں فریق میں سے جو ناحق پر ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ ظالم کو فلاح نہ ہو گی۔ پس اگر یہ نبی جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق یہ خود خراب و خستہ ہو جائے گا، قتل کر دیا جائے گا، اس کی جماعت تتر بتر ہو جائے گی اور یہ کامیاب نہ ہو گا اور اگر تم ناحق پر ہو تو یہ کامیاب ہو جائے گا اور تم ذلیل و مقہور ہو جاؤ گے۔ حالانکہ اس نبی کی جماعت کے ہاتھ سے جو نہایت کمزور اور پست حالت میں ہے، بظاہر تمہاری ذلت و رسوائی کا کوئی امکان نہیں۔

سبحان اللہ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی اس سے بڑھ کر اور کیا پیشن گوئی ہو گی جس کے مطابق آپ کامیاب و کامران ہوتے گئے اور مخالفین و معاندین ذلیل و خوار ہوتے گئے۔ (حقانی ۳۲۳ / ۲)

مشرکین کا انجام

۲۲، ۲۳۔ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ○ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ○ انْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ○

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے (اس دن) پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک (معبود) کہاں ہیں جن کے معبود ہونے پر تم گھمنڈ کرتے تھے۔ پھر ان کی کچھ بھی چالاکی نہ چلے گی سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے کہ قسم ہے اللہ کی جو ہمارا رب ہے، ہم تو کسی کو بھی (اللہ کا) شریک نہیں ٹھہراتے تھے۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ذرا ان کو دیکھئے تو کہ کس طرح وہ اپنے آپ پر جھوٹ بولنے لگے اور ان کی تمام فتنہ پردازیاں غائب ہو گئیں۔

تشریح: وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہم ان سب مشرکوں اور ان کے بنائے ہوئے معبودوں کو جمع کریں گے، پھر سرزنش کے طور پر ہم مشرکوں سے کہیں گے کہ تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم دعوی کیا کرتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہیں اور جن کو تم اپنا مددگار اور کارساز سمجھتے تھے۔ آج ایسی سختی اور مصیبت کے وقت وہ کہاں چلے گئے۔ تم اپنے ان معبودوں کو بلاؤ تاکہ وہ تمہاری سفارش کریں۔ پھر جب قیامت کے روز، مشرکین اپنے لئے عذاب اور اہل توحید کے لئے نجات کو دیکھیں گے تو اس وقت وہ شرک سے نفرت و بیزاری ظاہر کریں گے اور اپنے شرک کو چھپانے کے لئے اپنے پروردگار کی جھوٹی قسم کھا کر اس کے سوا کچھ نہ کہیں گے کہ دنیا میں ہم مشرک نہ تھے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۵ / ۲)

اس وقت اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کے موہنوں پر مہر سکوت لگا دے گا اور ان کے ہاتھ پاؤں کو حکم دے گا کہ تم شہادت دو کہ یہ لوگ کیا کیا کرتے تھے۔ پھر کسی کو جرأت نہ ہو گی کہ وہ کوئی بات چھپائے یا جھوٹ بولے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا

اور اس روز وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے

مشرکین کی بدنصیبی

۲۶،۲۵۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـــَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھ سکیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگا رکھی ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ جب وہ آپؐ کے پاس آتے ہیں تو آپؐ سے جھگڑا کرتے ہیں۔ کافر کہتے ہیں کہ یہ تو محض پہلے لوگوں کے قصے ہیں اور وہ اس سے اوروں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی رکتے ہیں اور وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں اور وہ اس کو سمجھتے نہیں۔

اَكِنَّةً: حجاب۔ پردے۔ واحد کِنَانٌ

يَفْقَهُوْهُ: وہ اس کو سمجھتے ہیں۔ وہ اس کو جانتے ہیں۔ فِقْہٌ سے مضارع

اٰذَانِهِمْ: ان کے کان۔ واحد اُذُنٌ

وَقْرًا: بوجھ۔ بہرا پن۔ ڈاٹ

اَسَاطِيْرُ: کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَةٌ

يَنْهَوْنَ: وہ منع کرتے ہیں۔ وہ روکتے ہیں۔ نَھْیٌ سے مضارع

يَنْئَوْنَ: وہ پھر جاتے ہیں۔ وہ دور رہتے ہیں۔ نَأْیٌ سے مضارع

شانِ نزول: کلبیؒ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ابو سفیان بن حرب، ابو جہل بن ہشام، ولید بن مغیرہ، نضر بن حارث، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف، ابی بن خلف اور حارث بن عامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو کر قرآن مجید سننے لگے۔ پھر سب نے نضر بن حارث سے پوچھا کہ اے ابو قتیلہ، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا کہہ رہے ہیں۔ نضر نے کہا کہ مجھے تو معلوم نہیں کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی زبان کو ہلاتے ہیں۔ اور اگلے لوگوں کی کہانیاں بیان کرتے ہیں، جیسے گزشتہ اقوام کے قصے میں تم سے یہاں بیان کرتا ہوں، ابو سفیان نے کہا کہ میرے خیال میں تو وہ بعض باتیں سچ کہتے ہیں۔ ابو جہل نے کہا کہ ہرگز نہیں تم ان کی بات کے سچا ہونے کا اقرار نہ کرو۔ ہمیں مرنا قبول ہے مگر ان پر ایمان لانا قبول نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۲۵۳ / ۳)

تشریح: ان آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ہدایت حاصل کرنے اور حق کو قبول کرنے کے لئے نہیں بلکہ اعتراض اور عیب جوئی کی غرض سے اس کلام الٰہی کو کان لگا کر سنتے ہیں جس کی آپؐ تلاوت کرتے ہیں۔ ان کے عناد و سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دئے ہیں تاکہ وہ اس کلام کو سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے تاکہ وہ قرآن کو نہ سن سکیں۔ اب اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل اور نشانیوں کو دیکھتے ہیں لیکن چونکہ نہ انہیں عقل ہے اور نہ انصاف سے کام لیتے ہیں اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اگر ان میں ذرا بھی بھلائی کی صلاحیت ہوتی تو اللہ تعالیٰ انہیں سننے اور سمجھنے کی توفیق دے دیتا۔

جب یہ لوگ آپؐ کے پاس آتے ہیں تو باطل تاویل کر کے حق کے بارے میں بحث و تمحیث شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپؐ جو کچھ وحی کے نام سے پیش کر رہے ہیں یہ تو پہلے لوگوں کی کتابوں سے منقول ہے۔ ایسے بے بنیاد شکوک و شبہات پیدا کر کے یہ لوگ دوسروں کو بھی قرآن سے دور رکھتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ ان کی ان ناپاک کوششوں سے بحمد اللہ نہ تو دین حق کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ پس اس طرح وہ غیر شعوری طور پر اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنے آپ ہی کو ہلاک و برباد کر رہے ہیں۔

(ابن کثیر ۱۲۷ / ۲)

حشر میں کفِ افسوس ملنا

۲۷۔۳۰۔ وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا
نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ
مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ
وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا
نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ
اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

اور اگر آپ ان کو اس وقت دیکھیں، جب ان کو دوزخ کے پاس کھڑا کیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں دنیا میں پھر بھیج دیا جائے اور ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں سے ہو جائیں۔ بلکہ جس چیز کو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے وہ ان کے آگے آگئی اور اگر ان کو (دنیا میں) واپس بھیج بھی دیا جائے تب بھی وہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہماری تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے اور مرنے کے بعد ہم اٹھائے نہیں جائیں گے اور اگر آپ ان کو اس وقت دیکھیں جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا یہ (قیامت) سچ نہیں ہے، وہ جواب دیں گے کہ قسم ہے اپنے پروردگار کی ہاں (یہ سچ ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر اپنے کفر کے بدلے میں عذاب (کا مزہ) چکھو۔

وُقِفُوْا: وہ کھڑے کئے گئے۔ وَقْفٌ و وُقُوْفٌ سے ماضی مجہول۔

يٰلَيْتَنَا: اے کاش ہم۔

نُرَدُّ: ہم لوٹائے جائیں گے۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول۔

بَدَا لَهُمْ: وہ ان پر ظاہر ہو گیا۔ وہ ان پر کھل گیا۔

لَعَادُوْا: البتہ وہ واپس ہوئے۔ البتہ انہوں نے دوبارہ کیا۔ عَوْدٌ سے ماضی۔

بِمَبْعُوْثِیْنَ: قبروں سے اٹھائے جانے والے۔ دوبارہ زندہ کئے جانے والے۔ بَعْثٌ سے اسم مفعول۔

فَذُوْقُوْا: پس تم چکھو۔ ذَوْقٌ سے امر۔

تشریح: قیامت کے روز کفار جب دوزخ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور وہ اس کے طوق و سلاسل اور ہولناک مناظر دیکھیں گے تو اظہار تاسف کریں گے اور دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کریں گے اور کہیں گے کہ اب دنیا میں جاکر ہم ایمان لائیں گے، نیک اعمال کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے۔ پس ان کا دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرنا ایمان کے ساتھ رغبت و محبت کی بنا پر نہیں بلکہ وہ دنیا میں جس عذاب کے منکر تھے، اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر خوف زدہ ہیں اور ان کو یقین ہو گیا ہے کہ اب اپنے کفر و انکار کی سزا ملے گی۔ اس لئے وقتی طور پر دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لئے دنیا کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔ اگر بالفرض دنیا کو دوبارہ پیدا کر کے ان کو اس میں بھیج بھی دیا جائے تب بھی یہ لوگ کفر ہی کریں گے کیونکہ کفر و تکذیب اور بدی و شرارت ان کے خمیر میں داخل ہے اور ان کا یہ کہنا کہ اب ہم تکذیب نہیں کریں گے اور ایماندار بن کر رہیں گے، سب غلط ہے۔ پس کافروں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب و استہزاء وغیرہ سب اس وقت تک ہے جب تک کہ آخرت کی سزا کا ہولناک و ہوشربا منظر سامنے نہیں۔ جس وقت دوزخ کی ذرا سی بھی ہوا لگ جائے گی تو ان معاندین و منکرین کی ساری شیخی اور اکڑفوں جاتی رہے گی۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ زندگی تو صرف یہی دنیا کی زندگی ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی زندگی ہے اور نہ ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ کاش آپ اس وقت ان کو دیکھ سکتے جب وہ باز پرس اور جواب دہی کے لئے اپنے رب کے سامنے مایوس کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ کیا یہ روزِ قیامت حق نہیں، کیا یہ عذاب اور حساب و کتاب حق نہیں اور کیا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق نہیں، تم تو دنیا میں اس کا انکار کرتے تھے۔ وہ جواب دیں گے کہ ہاں قسم ہے ہمارے رب کی یہ تو سچ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے خود قیامت کے حق ہونے کا اقرار کر لیا ہے جس کا دنیا میں تم انکار کرتے تھے۔ پس اب تم اپنے کفر و انکار کا مزہ چکھو۔ اس کے بعد ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (ابن کثیر ۱۲۸ / ۲)

دنیا کی حقیقت

۳۲،۳۱۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ
يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ○
وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

بیشک وہ لوگ تو نقصان میں رہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملنے کو جھٹلایا یہاں تک کہ جب ان پر دفعتاً قیامت آپہنچے گی تو وہ پکار اٹھیں گے کہ ہائے افسوس، ہماری اس کوتاہی پر جو ہم نے (قیامت کے بارے میں) کی اور وہ اپنے بوجھوں (گناہوں) کو اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے۔ خوب سن لو! وہ بہت ہی برا بوجھ ہوگا جس کو وہ اٹھائے پھریں گے اور دنیا کی زندگی تو کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور آخرت کا گھر تو ان کے لئے بہتر ہے جو پرہیزگار ہیں کیا تم سمجھتے نہیں۔

بِلِقَآءِ: ملاقات سے۔ ملنے سے۔

قَدْ: کافی۔ تحقیق۔ کبھی۔ اسم بھی ہے حرف بھی۔ ماضی اور مضارع دونوں پر آتا ہے۔

السَّاعَةُ: گھڑی۔ وقت۔ قیامت

بَغْتَةً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک

اَوْزَارَهُمْ: ان کے بوجھ۔ ان کے گناہ

ظُهُوْرِهِمْ: ان کی پیٹھیں۔ ان کی پشتیں

سَآءَ: وہ برا ہے۔ سُوْءٌ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

تشریح: کافر چونکہ قیامت اور جنت و دوزخ کا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب کے لئے پیش ہونے کا انکار کرتے تھے، اس لئے یہ لوگ نامراد اور خسارے میں رہیں گے۔ یہاں تک کہ جب یکایک قیامت آجائے گی تو یہ اپنی

کوتاہی پر ندامت و مایوسی کا اظہار کریں گے، پھر قیامت کے روز جب یہ قبروں سے نکلیں گے تو اپنی پیٹھوں پر اپنی بداعمالیوں کے بوجھ لادے ہوئے ہوں گے، جن سے ان کی کمریں جھکی ہوئی ہوں گی اور وہ بہت ہی برا بوجھ ہو گا۔

اس مصیبت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اس دنیاوی زندگی کے سوا کوئی اور زندگی نہیں۔ حالانکہ دنیاوی زندگی چند روزہ کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں اور کھیل تماشے پر فریفتہ ہونا بے عقلوں اور نا سمجھوں کا کام ہے۔ البتہ آخرت کا گھر انہی لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور دنیا کے کھیل تماشوں اور اس کی لذتوں سے بچتے ہیں۔ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ تم باقی اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کے مقابلے میں لہو و لعب کو ترجیح دیتے ہو

ابن ابی حاتمؒ نے عمرو بن قیس ملائی کا بیان نقل کیا ہے کہ جب مومن قبر سے برآمد ہو گا تو اس کا نیک عمل حسین ترین شکل اور پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ اس کے سامنے آکر کہے گا کہ کیا تم مجھے پہچانتے ہو۔ مومن کہے گا کہ نہیں۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری صورت حسین اور تیری خوشبو پاکیزہ بنائی ہے۔ نیک عمل کہے گا کہ میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا۔ میں تمہارا نیک عمل ہوں۔ میں مدت دراز تک دنیا میں تیرے اوپر سوار رہا۔ آج تو مجھ پر سوار ہو جا۔ پھر راوی نے یہ آیت تلاوت کی:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًاo (سورۂ مریم، آیت ۸۵)

جس دن پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمانوں کی طرح جمع کریں گے۔

اور کافر کا عمل مکروہ ترین شکل اور بدترین بُو کے ساتھ اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کہ کیا تو مجھے نہیں جانتا۔ کافر کہے گا نہیں۔ مگر اتنی بات جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری شکل بہت مکروہ اور تیری بو بہت گندی بنائی ہے۔ عمل کہے گا کہ میں دنیا میں بھی ایسا ہی تھا۔ میں تیرا برا عمل ہوں دنیا میں تو مدت دراز تک مجھ پر سوار رہا۔ آج میں تجھ پر سوار ہوں گا۔ پھر راوی نے یہ آیت تلاوت کی:

وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ

اور وہ اپنے بوجھوں (گناہوں) کو اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے۔

(مظہری ۲۵۷ - ۲۵۸، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۸ - ۲)

منکرین کی فطرت

۳۳، ۳۴۔ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَیَحْزُنُکَ الَّذِیْ یَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ
لَایُکَذِّبُوْنَکَ وَلٰکِنَّ الظّٰلِمِیْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ یَجْحَدُوْنَ ○
وَلَقَدْ کُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِکَ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَاکُذِّبُوْا
وَاُوْذُوْا حَتّٰیٓ اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ
جَآءَکَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم جانتے ہیں کہ آپ کو ان کی باتوں سے رنج ہوتا ہے۔ سو وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں۔ پس وہ جھٹلائے جانے پر اور ایذا دیئے جانے پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی نہیں بدل سکتا اور البتہ کچھ رسولوں کے حالات آپ کو پہنچ چکے ہیں۔

یَجْحَدُوْنَ: وہ انکار کرتے ہیں۔ جَحْدٌ، جُحُوْدٌ سے مضارع۔

اُوْذُوْا: ان کو ایذا دی گئی۔ ان کو تکلیف دی گئی۔ اِیْذَاءٌ سے ماضی مجہول۔

مُبَدِّلَ: تبدیل کرنے والا۔ تَبْدِیْلٌ سے اسم فاعل۔

نَبَاِی: خبر۔ اطلاع۔ واقعہ۔ نَبَاٌ ایسی خبر کو کہتے ہیں جو اہمیت و عظمت والی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے ذرائع سے حاصل ہوئی ہو جن سے اس کی صحت کا یقین ہو جائے یا کم از کم گمان غالب ہو جائے۔

تشریح: مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت اور وہاں کے حساب و کتاب کے بارے میں جھٹلاتے تھے۔ اس سے آپ کو رنج ہوتا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ منکرین کا آپ کو جھٹلانا اور اس پر آپ کا رنجیدہ ہونا ہمیں معلوم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے کیونکہ آپ کو تو وہ پہلے ہی سے صادق و امین سمجھتے تھے، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ اس لئے کہ رسول کی تکذیب دراصل اسی کی تکذیب ہے۔ جس نے اس کو رسول بنایا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح آپ کی قوم نے آپ کی تکذیب کی اسی طرح سابقہ پیغمبروں کی قوموں نے ان کی تکذیب کی تھی اور انہیں تکلیفیں پہنچائی گئی تھیں۔ انہوں نے اپنی تکذیب و ایذا رسانی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کو ہماری طرف سے مدد پہنچ گئی اور وہ منکرین و مکذبین پر غالب آ گئے، حالانکہ وہ بے سرو سامان تھے۔ پس آپ بھی منکرین و مکذبین کی مخالفت سے تنگدل نہ ہوں کیونکہ پیغمبروں کی مخالفت قدیم دستور ہے کوئی نئی بات نہیں۔ لہٰذا آپؐ ان کی تکذیب پر صبر کیجئے، اللہ تعالیٰ آپؐ کو بھی ان پر غالب کر دے گا اور آپؐ کی تکذیب کرنے والے ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ سے فتح و نصرت کے جو وعدے کئے ہیں وہ سب پورے ہوں گے۔ اس لئے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی باتوں اور وعدوں کو کوئی نہیں بدل سکتا وہ اس پر قادر ہے کہ قلیل کو کثیر پر غالب کر دے۔

(حقانی ۳۲۴، ۳۲۵ / ۲، مظہری ۲۵۹، ۲۶۰ / ۳)

ہدایت سے محرومی

۳۵، ۳۶۔ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۭ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ڪ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر ان کی روگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کر کے یا آسمان کے لئے سیڑھی پیدا کر کے ان کو کوئی معجزہ لا دیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ سو آپ ہرگز نادانوں میں سے نہ بننا (کہ عذاب کی جلدی کرنے لگو) بیشک (نصیحت کو تو) وہی مانتے ہیں جو (دل کے کانوں سے) سن سکتے ہوں۔ (کفار تو مُردے ہیں) اور مُردوں کو تو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پھر وہ سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

كَبُرَ: وہ (مرتبہ میں) بڑا ہوا۔ وہ بزرگ ہوا۔ کِبَرٌ، کُبْرٌ و کَبَارَۃٌ سے ماضی۔

تَبْتَغِيَ: تو چاہتا ہے تو تلاش کرتا ہے۔ اِبْتِغَاءٌ سے مضارع۔

نَفَقًا: سرنگ۔ تنگ راستہ۔ جمع اَنْفَاقٌ

سُلَّمًا: سیڑھی۔ زینہ۔ جمع سَلَالِمٌ و سَلَالِيْمُ

شانِ نزول: مشرکین و منکرین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وقتاً فوقتاً امتحان کے طور پر معجزات کا سوال کرتے رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ نہیں کہ لوگوں کے کہنے پر معجزہ ظاہر کیا جائے۔ اسی لئے جب حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف چند کفار کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسی معجزہ کا خواستگار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو ظاہر نہ فرمایا اس لئے وہ جماعت اس وقت ایمان نہ لائی۔ یہ بات آپؐ پر شاق گزری۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (حقانی ۳۲۵ / ۲)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے مسلمان ہونے کی رغبت حرص کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ مشرکین کی ایمان سے روگردانی آپ کو بہت شاق گزرتی تھی۔ اسی لئے جب وہ آپ سے کوئی معجزہ طلب کرتے تو آپؐ بہ دل سے خواستگار ہوتے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ سے یہ معجزہ نمودار کردے تاکہ یہ لوگ ایمان لے آئیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کو ان کا اعراض کرنا گراں گزرتا ہے تو اگر آپ زمین میں کوئی سرنگ بنا سکتے ہوں اور اس کے ذریعہ زمین میں گھس کر ان کے لئے کوئی معجزہ نمودار کر سکتے ہوں یا آسمان پر چڑھنے کے لئے کوئی زینہ بنا کر اس کے ذریعہ آسمان سے کوئی معجزہ لا کر ان کے سامنے ظاہر کر سکتے ہوں تو کر دو۔ مطلب یہ ہے کہ آپ خود تو کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتے، اس لئے خواہ مخواہ اپنے آپ کو بے چین نہ کریں۔ خواہ ان کا اعراض آپ کو کتنا ہی شاق گزرے، آپ اس پر صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی ہدایت منظور نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو کسی پیغمبر یا معجزات کے توسط کے بغیر شروع ہی سے ہدایت پر متفق کر دیتا، مگر اللہ تعالیٰ اپنی مشیت و مصلحت کے پیش نظر ان کی ہدایت نہیں چاہتا۔ اور اس کی مشیت و مصلحت سے کوئی دوسرا واقف نہیں اور نہ کسی اور کو اس کی مشیت میں دخل ہے۔ اس لئے ان کے ہدایت نہ پانے پر آپ مضطرب نہ ہوں۔

بلاشبہ آپ کی دعوت تو وہی لوگ قبول کریں گے جو سنتے ہیں اور حق کے طالب ہیں ورنہ

جن کے دل مردہ ہیں وہ کہاں کسی کی بات ماننے ہیں ۔ ان کافروں کے دلوں پر تو اللہ تعالیٰ نے تالے ڈال دئے ہیں اور ان کے کانوں پر مہر لگادی ہے ۔ اور ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے ہیں ۔ اس لئے یہ حق کو حق اور باطل کو باطل نہیں جانتے ۔ اب یہ حکماً مردے ہیں، پھر ایک روز حقیقت میں مردے ہوں گے ۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سب مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا ۔ پھر سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے وہی ان کو کفر اور انکار کی سزا دے گا ۔ اس سے پہلے نہ وہ حق بات سنیں گے اور نہ حق کو مانیں گے ۔ (مظہری ۲۶۱ / ۳)

معجزہ طلب کرنا

۳۷، ۳۹ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اور (کافر) یہ بھی کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بیشک نشانی نازل کرنے پر تو اللہ تعالیٰ پوری طرح قادر ہے، لیکن ان میں سے بہت سے لوگ (نشانی نازل کرنے کی مصلحتیں) نہیں جانتے اور جو جاندار زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور جتنے پرندے اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتے پھرتے ہیں وہ سب تمہاری طرح کے گروہ ہیں ۔ ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ۔ پھر سب اپنے رب کے پاس جمع کئے جائیں گے اور جو لوگ ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے ہیں اور گونگے ہیں ۔ اندھیروں میں (پڑے ہوئے) ہیں ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے ۔ گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے ۔

دَآبَّۃٍ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ مخلوق۔ دَبٌّ و دَوَابٌّ سے اسم فاعل۔

طٰٓئِرٍ: پرندہ۔ اڑنے والا۔ واحد طُیُورٌ۔

بِجَنَاحَیْہِ: اپنے دونوں بازؤں کے ساتھ۔ اپنے دونوں پروں کے ساتھ۔

فَرَّطْنَا: ہم نے کوتاہی کی۔ ہم نے نہیں چھوڑی۔

ربط: گزشتہ آیات میں مشرکین کے فلاح نہ پانے اور ان کے عناد کا بیان تھا۔ پھر ان کی درد انگیز حسرتوں کو بیان کیا گیا جو وہ قیامت کے روز دیکھیں گے۔ ان آیتوں میں منکرین و مشرکین کی تکذیب کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی کے لئے فرمایا کہ آپؐ ان کی تکذیب سے رنجیدہ و افسردہ نہ ہوں۔ یہ لوگ آپ کی نہیں بلکہ اللہ کی تکذیب کرتے ہیں۔ آپؐ ان کی فکر نہ کریں۔ ان کو اللہ تعالیٰ خود ہی سمجھ لے گا۔ آپؐ تو سابقہ انبیاء کی طرح ان کی تکذیب پر صبر کریں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو غلبہ عطا فرمایا تھا اسی طرح وہ آپؐ کو بھی ان پر غالب فرمائے گا۔

تشریح: مشرکین کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا طلب کردہ معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو ایسا معجزہ اتارنے پر قادر ہے، جیسا وہ چاہتے ہیں لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کا طلب کردہ معجزہ اتارنے کے بعد، اس کا انکار کرنے والوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے اور ان کو تباہ و برباد کرنے پر بھی قادر ہے، جیسا کہ اس سے پہلے گزشتہ امتوں کے ساتھ ہو چکا ہے۔

پھر فرمایا کہ زمین پر چلنے والے جانور اور ہوا میں اڑنے والے پرندے بھی پیدا ہونے میں، مرنے میں، پھر زندہ ہو کر اٹھنے میں، غذا کی ضرورت اور رزق کی طلب میں اور عافیت و مصیبت وغیرہ میں تمہاری طرح امتیں، جماعتیں اور مختلف گروہ ہیں۔ محض معرفت الٰہی کی وجہ سے تمہیں ان پر برتری حاصل ہے ورنہ فضیلت کی اور کوئی وجہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے کتاب کے اندر کسی قسم کی کمی نہیں چھوڑی۔ تمام دینی امور تفصیل یا اجمال کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہیں۔ اس کا علم ہمہ گیر ہے، ظاہر ہو یا پوشیدہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں اور کوئی حیوان یا غیر حیوان ایسا نہیں کہ اس کا اندراج لوح محفوظ میں نہ ہو۔ پھر

سب کو ان کے مالک کے پاس جمع کیا جائے گا۔

ابن ابی حاتم، ابن جریرؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے روز تمام مخلوق اٹھائی جائے گی۔ چوپائے، کیڑے، مکوڑے اور پرندے سب ہی کا حشر ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا انصاف اس حد تک پہنچ جائے گا کہ اللہ تعالیٰ سینگوں والی بکری سے بغیر سینگ والی بکری کا بدلہ دلوائے گا۔ پھر فرمائے گا تم سب مٹی بن جاؤ۔ حقوق ادا ہونے کے بعد سب جانور مٹی بن جائیں گے۔ اس وقت کافر کہیں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے تاکہ دوامی عذاب سے نجات ہو جاتی۔

حیوانات کا حشر باز پرس کی غرض سے نہیں ہو گا بلکہ محض اس لئے ہو گا کہ ان کو دنیا میں جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کا عوض اور بدلہ ان کو دلایا جائے تاکہ اللہ تعالیٰ کا عدل ظاہر ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ اپنے جہل، قلتِ علم اور عدم فہم کے سبب بہرے اور گونگوں کی طرح ہیں۔ یہ لوگ کفر کی جہالت، ضد و عناد اور اسلاف پرستی کے اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں، اسی لئے ان کی زبانوں پر کلمہ حق نہیں آتا۔ ایسے لوگ سیدھے راستہ پر کیسے چل سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ پر چلا دیتا ہے۔ پس کسی کا ہدایت یاب ہونا یا نہ ہونا اس کی مشیت پر موقوف ہے۔

(مظہری ۲۶۱، ۲۶۲ / ۳، ابن کثیر ۱۳۱ / ۲)

مصیبت میں اللہ کو پکارنا

۴۰، ۴۱۔ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ دیکھو تو اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آپڑے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو پکارو گے۔ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ۔ بلکہ تم تو اسی کو پکارنے لگو گے۔ پھر اگر وہ چاہے تو اس مصیبت کو دور کر دے گا جس کے لئے تم اس کو پکارو گے اور جن کو تم اللہ

تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو (اس وقت) ان سب کو بھول جاؤ گے۔

فَیَکْشِفُ: پس وہ کھولتا ہے۔ پس وہ دور کرتا ہے۔ پس وہ ہٹاتا ہے۔ کَشْفٌ سے مضارع

تَنْسَوْنَ: تم بھول جاتے ہو۔ تم فراموش کر دیتے ہو۔ نِسْیَانٌ سے مضارع۔

تشریح: عرب کے مشرکین بتوں کو خدائی کار کن سمجھتے تھے۔ مگر جب ان پر کوئی مصیبت آ پڑتی تو مدد کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے اور اسی سے دعا مانگتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جب تم دنیا کی چھوٹی چھوٹی مصیبتوں میں گھر جاتے ہو تو مجبور ہو کر اسی خدائے واحد و یکتا اور بزرگ و برتر کو پکارتے ہو جو تمہارا اور تمام مخلوقات کا خالق و مالک ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہاری مصیبت دور کر دے اور چاہے تو تمہیں مصیبت میں گرفتار رکھے۔ اس وقت تم اپنے سب شرکاء کو بھول جاتے ہو، کیونکہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہاری مصیبت دور نہیں کر سکتا۔ اسی طرح جب اللہ کا عذاب تمہیں یکایک آپکڑے یا اچانک قیامت آجائے تو اس وقت بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں بچا سکتا (ابن کثیر ۱۳۲ / ۲، مظہری ۲۶۳ / ۳)

کفار کی بدبختی

۴۲، ۴۳۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے ہیں۔ پھر ہم نے ان کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا کہ شاید وہ گڑگڑانے لگیں۔ پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے۔ لیکن ان کے دل تو سخت ہو گئے تھے اور شیطان ان کو ان کے اعمال بد آراستہ کر کے دکھاتا رہا۔

بَاْسَآءِ: تنگدستی۔ مفلسی۔ فقر۔ سختی۔

الضَّرَّآءِ: تکلیف۔ سختی۔ مصیبت۔

قَسَتْ : وہ (دل) سخت ہو گئے ۔ وہ سیاہ ہو گئی ۔ قَسْوَۃٌ سے ماضی ۔

زَیَّنَ : اس نے زینت دی ۔ اس نے سنوارا ۔ تَزْیِیْنٌ سے ماضی ۔

تشریح : گزشتہ آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ مصیبت کے وقت کفار بتوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ پھر وہ اپنی رحمت سے ان کی مصیبت کو دور کر دیتا ہے ۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ان مشرکین سے بڑھ کر سیاہ دل قومیں بھی گزری ہیں جو مصیبت کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کو بھول گئے تھے ۔ جب انہوں نے تکذیب کی تو ہم نے ان کو فقر و تنگدستی کے عذاب میں جکڑ لیا اور ان کو بیماری اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تاکہ وہ ہمارے آگے گڑگڑائیں اور عاجزی کریں اور کفر و شرک سے توبہ کریں ۔ مگر ان سنگدلوں پر تنبیہ کا کوئی اثر نہیں ہوا ۔ پھر جب ان کو عذاب میں مبتلا کیا گیا تو انہوں نے اس وقت بھی توبہ نہیں کی ، کیونکہ ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور شیطان ان کے شرک و معاندت کے اعمال کو ان کی نگاہوں کے سامنے اچھا بنا کر دکھا رہا تھا ۔ اگر وہ اس وقت گڑگڑا کر توبہ کر لیتے تو ان کی مصیبت دور ہو جاتی

(حقانی ۳۲۸ / ۲ ، ابن کثیر ۱۳۲ / ۲)

کفار کی گرفت

۴۴ ، ۴۵ ۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے ، یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں وہ ان پر اترانے لگے ، تو ہم نے ان کو یکایک آپکڑا ۔ پھر تو وہ بالکل ناامید ہو گئے ۔ پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی ۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں ، جو تمام عالم کا رب ہے ۔

بَغْتَةً : یکایک ۔ ایک دم ۔ اچانک ۔

مُبْلِسُوْنَ: حیرت زدہ ۔ ناامید ۔ مایوس ۔ اِبْلَاسٌ سے اسم فاعل ۔
دَابِرُ: جڑ ۔ بنیاد ۔ پچھاڑی

تشریح: جب انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے وعظ و نصیحت کو بالائے طاق رکھ دیا اور ہماری تنبیہ کو بھول گئے تو ہم نے امتحان و آزمائش کے لئے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے ۔ غلہ اور میوے خوب پیدا ہوئے، تجارت و صنعت میں خوب کامیابیاں ہوئیں ۔ غرض ان کو ہر قسم کی خوشی اور کامیابیاں دی گئیں ۔ یہ سب اس لئے کیا گیا کہ وہ سختی اور تکلیف میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں ہوئے، شاید راحت و آرام میں ہی اس کی طرف رجوع کریں، مگر وہ پھر بھی ایمان نہ لائے کیونکہ ان کے دل سخت ہو گئے تھے ۔ وہ سختی اور تنگی کے زمانے کو اور پھر راحت و آرام کے دنوں کو اپنے گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ و آزمائش خیال نہیں کرتے تھے ۔ بلکہ ان کے خیال میں یہ سب ان کی بدتدبیری اور خود تدبیری کا نتیجہ تھا ۔

پس جب ان کی یہ حالت ہو گئی اور وہ ہماری نعمتوں پر اترانے لگے تو ان پر ہماری طرف سے ناگہانی بلا نازل ہوئی اور وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو گئے ۔ پھر وہ قومیں ہلاک و برباد ہو گئیں اور ان کی جڑیں کٹ گئی ۔ (حقانی ۳۶۸ / ۲)

آیت کے آخر میں اس بات کا اشارہ ہے کہ جب مجرموں اور ظالموں پر کوئی عذاب و مصیبت آتی ہے تو یہ پورے عالم کے لئے ایک نعمت ہے، جس پر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے ۔

قتادہؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کو اس وقت تک نہیں پکڑا جب تک کہ وہ اپنی نعمت میں بدمست نہیں ہو گئے ۔ ابن عامرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کے گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے دنیاوی عیش و تنعم دے رکھا ہے تو تم یقین کر لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل کا وقت گزار رہا ہے ۔ پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۔

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے ۔ (ابن کثیر ۱۳۲ / ۲)

منکرین کو تنبیہ

۴۶، ۴۷۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو سہی، اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سننے اور دیکھنے کی قوت بالکل لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں واپس لا دے۔ دیکھو ہم دلائل کو کس طرح مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں۔ پھر بھی یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ بھلا تم دیکھو تو سہی کہ اگر اللہ تعالیٰ کا عذاب تم پر یکایک یا کھلم کھلا آپڑے تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہو گا؟

نُصَرِّفُ: ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں۔ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تَصْرِیْفٌ سے مضارع۔

يَصْدِفُوْنَ: وہ کنارہ کرتے ہیں۔ وہ اعراض کرتے ہیں۔ صَدْفٌ و صُدُوْفٌ سے مضارع۔

جَهْرَةً: برملا۔ ظاہراً۔ کھلم کھلا

تشریح: ملحدین و منکرین، کامیابی و ناکامی کو اپنے تدبر کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ انسان کی تمام صنعت و دانش اور تدابیر کے آلات، کان، آنکھ اور دل ہیں۔ یہ سب اسی کی نعمت ہیں۔ اس میں بندے کا کچھ بھی دخل نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری سماعت و بصارت سلب کر لے اور تمہیں اندھا، بہرا کر دے اور تمہارے دلوں پر ایسی غفلت طاری کر دے کہ تمہاری عقلیں ناکارہ ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ایسا معبود ہے جو تمہیں یہ چیزیں واپس کر دے۔ ذرا غور تو کرو کہ ہم اپنی باتیں کس قدر وضاحت سے بیان کرتے ہیں جو اس بات کی کافی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کے باوجود یہ منکرین و ملحدین، ان کو ماننے اور قبول کرنے سے

اعراض کرتے ہیں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب بے خبری یا خبرداری میں، کہ پہلے سے اس کی کوئی علامت اور نشانی نہ ہو، یا تمہاری آنکھوں دیکھتے آجائے تو اس سے سوائے ظالموں کے اور کس کو ہلاک کیا جائے گا۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ تم عذاب کے آنے سے پہلے ہی اپنے ظلم و شرک سے توبہ کر لو۔ (حقانی ۳۲۹ / ۲، ابن کثیر ۱۳۳ / ۲)

پیغمبروں کی بعثت کا مقصد

۴۸، ۴۹۔ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ○

اور ہم نے رسولوں کو تو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ وہ لوگوں کو خوشخبری سنا دیں اور (عذاب سے) خبردار کر دیں۔ پھر جو کوئی ایمان لائے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لے تو ان پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔

يَمَسُّهُمْ: وہ ان کو مس کرتا ہے۔ وہ ان کو چھوتا ہے۔ مَسٌّ سے مضارع۔

يَفْسُقُوْنَ: وہ فسق کرتے ہیں۔ وہ گناہ کرتے ہیں۔ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔ فِسْقٌ سے مضارع۔

تشریح: انبیاء علیہم اسلام کو دنیا میں بھیجنے کی غرض یہ نہیں کہ وہ لوگوں کو ان کی خواہش کے مطابق معجزے دکھائیں اور جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دینا چاہتا ان کو ہدایت دیں بلکہ ان کا کام تو یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اچھے اور برے کاموں کے نتائج سے مطلع کریں اور اہل ایمان و نیک لوگوں کو جنت کی خوشخبری دیں اور منکرین و مکذبین کو دوزخ کے عذاب سے خوف دلائیں۔ پھر جو لوگ انبیاء کی پیش کی ہوئی تعلیم کو سچا جان کر جنت کی امید اور دوزخ کے خوف سے اپنے اعمال کی اصلاح کر لیتے ہیں تو ان کو نہ عذاب کا ڈر ہو گا اور نہ ثواب کے فوت ہونے کا غم اور جن لوگوں

نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، انہیں ایمان و اطاعت کے دائرہ سے خارج ہونے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنے اور ان کے کفر و فسق کے سبب عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(مظہری ۲۶۵/ ۳، ابن کثیر ۱۳۳/ ۲)

مشرکین کی فرمائش

۵۰۔ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔

عِنْدِيْ: میرے نزدیک۔

مَلَكٌ: فرشتہ۔

اَعْمٰى: اندھا۔ جمع عُمْیٌ۔

اَلْبَصِيْرُ: دیکھنے والا۔

تشریح: کفار مکہ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزوں کا ظہور ہو چکا تھا۔ مثلاً آپ کا حالتِ یتیمی میں دنیا میں تشریف لانا، بالکل ان پڑھ اور اُمّی ہونا، ایسے علاقہ میں پیدا ہونا جس کے آس پاس بھی کوئی عالم تھا نہ کوئی علمی مرکز، اسی اُمّیت کے عالم میں چالیس سال تک اہل مکہ کے سامنے رہنا، پھر دفعۃً آپ کی زبان مبارک سے ایسا محیر العقول اور حکیمانہ کلام جاری ہونا جس کی فصاحت و بلاغت نے تمام عرب کے بلغاء کو چیلنج دے کر ہمیشہ کے لئے ان کے موہنوں پر مہر لگا دی۔ اسی طرح آپ کی زندگی کا ہر دور اور اس میں پیش آنے والے عظیم واقعات میں سے ہر ایک واقعہ ایک مستقل معجزہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے بعد کسی انصاف پسند آدمی

کے لئے مزید کسی معجزہ کے طلب کرنے کی گنجائش باقی نہ تھی ۔ لیکن کفار قریش نے اس کے باوجود اپنی خواہش کے مطابق معجزے طلب کئے ۔ ان کے مطلوبہ معجزوں میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے ان کو دکھا بھی دیا ۔ مثلاً چاند کے دو ٹکڑے کرنے کا مطالبہ ۔ یہ معجزہ نہ صرف قریش نے بلکہ دنیا کے دوسرے حصوں میں رہنے والوں کی ایک بڑی تعداد نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ۔ اس کے باوجود وہ اپنے کفر و ضلالت اور ضد و عناد پر قائم رہے ۔

ان کی طرف سے آئے دن نئے نئے معجزات کا مطالبہ رہتا تھا ۔ قرآن کریم نے ان کے جواب میں آپؐ کو حکم دیا کہ آپؐ ان لوگوں کو بتادیں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو سب کچھ ہے ۔ جس طرح اس نے تمہارے مانگے بغیر بہت سے معجزے نازل فرمادیئے اسی طرح وہ تمہارے مطالبہ پر بھی معجزات نازل فرما سکتا ہے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب وہ کسی قوم کا مطلوبہ معجزہ دکھا دیتا ہے اور پھر وہ اس پر ایمان نہ لائیں تو ان کو فوراً عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے ۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کے مطلوبہ معجزات ظاہر نہ کئے جائیں ۔ مختلف اوقات میں کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مطالبے کئے تھے :

(۱) اگر آپؐ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو معجزہ کے ذریعہ ہمارے لئے تمام دنیا کے خزانے جمع کر دیں ۔

(۲) اگر آپؐ سچے رسول ہیں تو ہمارے مستقبل میں پیش آنے والے تمام مفید یا مضر حالات و واقعات بتادیجئے تاکہ ہم مفید چیزوں کو حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے کا انتظام پہلے سے کر لیں ۔

(۳) ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہماری ہی قوم کا ایک انسان جو ہماری ہی طرح ماں باپ سے پیدا ہوا ہو، کھاتا پیتا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا ہو، وہ اللہ کا رسول بن جائے ۔ کوئی فرشتہ ہوتا جس کی تخلیق و اوصاف ہم سے ممتاز ہوتے تو ہم اس کو اللہ کا رسول مان لیتے ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ان تینوں سوالوں کا جواب دیا ہے اور آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ کا رسول ہوں، اس کی بھیجی ہوئی ہدایت انسانوں کو پہنچاتا ہوں اور خود بھی اس کی اتباع کرتا ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کرتا ہوں ۔

رسالت کے اس دعوے کے لئے نہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول، اللہ کے سب

خزانوں کا مالک ہو جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرح غیب کی ہر چھوٹی بڑی چیز سے واقف ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ انسانی اور بشری صفات سے جدا کوئی فرشتہ ہو بلکہ رسول کا منصب صرف اتنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی وحی کا اتباع کرے۔ خود اس پر عمل کرنا بھی اس میں داخل ہے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی دعوت شامل ہے۔

(معارف القرآن ۳۲۵۔ ۳۲۶ / ۳)

پھر فرمایا کہ اگرچہ پیغمبر بنی نوع انسان سے علیحدہ کوئی دوسری نوع نہیں لیکن اس کے اور باقی انسانوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انسانی قوتیں دو قسم کی ہیں۔ علمی اور عملی۔ علمی قوت کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی میں اندھے اور آنکھوں والے جیسا تفاوت سمجھنا چاہئے۔ نبی کے دل کی آنکھیں ہر وقت مرضیاتِ الٰہی اور تجلیاتِ ربانی کے دیکھنے کے لئے کھلی رہتی ہیں، جس کے بلاواسطہ مشاہدہ سے دوسرے انسان محروم ہیں۔ جہاں تک قوتِ عملیہ کا تعلق ہے تو پیغمبر اپنے قول و فعل اور ہر ایک حرکت و سکون میں رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کے تابع ہوتا ہے۔ احکام الٰہی کے خلاف نہ تو ان کا کوئی قدم اٹھ سکتا ہے اور نہ زبان حرکت کر سکتی ہے۔ پیغمبر کی مقدس ہستی اخلاق و اعمال اور واقعاتِ زندگی میں تعلیماتِ ربانی اور مرضیات الٰہی کی روشن تصویر ہوتی ہے جسے دیکھ کر غور و فکر کرنے والوں کو ان کی صداقت اور مامور من اللہ ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں رہ سکتا۔ (تفسیر عثمانی ۴۰۶ / ۱)

تبلیغِ دین کی تاکید

۵۱۔ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ○

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس قرآن کے ذریعہ ایسے لوگوں کو خبردار کیجئے جن کو اس بات کا ڈر ہے کہ وہ اپنے رب کے پاس ایسی حالت میں جمع ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ ان کا کوئی حمایتی ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا شاید وہ (آپؐ کے خبردار کرنے سے) پرہیزگار بن جائیں۔

اَنْذِرْ: تو ڈرا۔ تو خبردار کر۔ اِنْذَارٌ سے امر۔

یُحْشَرُوْا: ان کو جمع کیا جائے گا۔ ان کو اکٹھا کیا جائے گا۔ حَشْرٌ سے مضارع مجہول۔

وَلِیٌّ: دوست۔ مددگار

شَفِیْعٌ: سفارش کرنے والا۔ شَفَاعَۃٌ سے فاعل کے معنی میں۔

شانِ نزول: امام احمدؒ، طبرانیؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ قریش کے کچھ سردار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرے۔ اس وقت حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عمارؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ قریش کے سردار کہنے لگے کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے انہی لوگوں کا انتخاب کیا ہے۔ کیا اللہ نے ہم لوگوں میں سے انہی کو اپنی نعمت سے سرفراز کیا ہے؟ اگر آپ ان کو اپنے پاس سے نکال دیں تو ہم آپ کے ساتھی ہو جائیں گے۔ اس پر **وَاَنْذِرْ بِهٖ** سے ...... **سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ** تک پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ یہ آیت چھ آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی، میں اور عبد اللہ بن مسعودؓ اور چار دوسرے لوگ۔ کفار قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ان لوگوں کو نکال دیں تو ہم آپ کے پیرو ہو جائیں گے، ہمیں ان کی طرح آپ کا پیرو ہونے میں شرم آتی ہے (یعنی ہم ان لوگوں کے ساتھ آپ کے پاس نہیں بیٹھ سکتے)۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۹۷ / ۳)

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ اگر یہ مشرکین و منکرین ان واضح بیانات کے بعد بھی اپنے عناد اور ضد سے باز نہ آئیں تو آپ کو ان سے بحث و مباحثہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ تو تبلیغ دین کرتے رہیئے اور ان لوگوں کو خبردار کرتے رہیئے جو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی پیشی اور حساب و کتاب کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

قیامت کے بارے میں عقیدے کے اعتبار سے تین طرح کے آدمی ہیں:

(۱) جو قیامت کا یقین رکھتے ہیں، (۲) جو قیامت کے بارے میں متردد ہیں، (۳) جو قیامت کے بالکل منکر ہیں۔

تبلیغ و انذار کا کام اگرچہ ان تینوں طبقوں کے لئے عام ہے لیکن پہلے دو طبقوں کے اثر قبول کرنے کی زیادہ توقع ہے، اس لئے اس آیت میں خاص طور پر انہی کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت فرمائی۔ (معارف القرآن ۳۲۹ / ۳)

غریب مومنوں کی صفات

۵۲، ۵۳۔ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ
حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝

اور ایسے لوگوں کو (اپنے پاس سے) دور مت کیجئے، جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں (اور) اس کی رضا چاہتے ہیں۔ ان کا حساب ذرا بھی آپ کے ذمہ نہیں اور نہ آپ کا حساب ان کے ذمہ ہے کہ آپ ان لوگوں کو دور کرنے لگیں پس آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور ہم نے اسی طرح ایک کو دوسرے کے ذریعہ آزمایا تاکہ وہ یہ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا، کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا۔

تَطْرُدِ: تو نکالے۔ تو ہانکے۔ طَرْدٌ سے مضارع

اَلْغَدٰوةِ: صبح کا وقت۔ صبح، جمع غَدَوَاتٌ

اَلْعَشِيِّ: شام۔ سورج ڈھلے۔ زوال کے بعد۔

فَتَنَّا: ہم نے آزمایا۔ ہم نے سزا دی۔ فُتُوْنٌ سے ماضی۔

مَنَّ: اس نے احسان کیا۔ اس نے مہربانی کی۔ مَنٌّ سے ماضی۔

بَيْنِنَا: ہمارے درمیان۔

تشریح: اس آیت میں غریب مسلمانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ صبح و شام یعنی دن رات کے تمام اوقات میں اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، حسن نیت اور خلوص کے ساتھ اس کی رضامندی چاہتے ہیں۔ اس لئے ایسے مخلص عبادت گزاروں کی عزت کیجئے اور ان کو اپنے پاس سے نہ نکالئے کیونکہ نہ تو ان کا حساب آپ کے ذمہ ہے اور نہ آپ کا حساب ان کے ذمے۔ اگر بالفرض آپ نے ان دولت مندوں کی ہدایت کی طمع میں، ان غریب مخلص مسلمانوں کو اپنے پاس سے نکالا تو یہ بے انصافی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اسی طرح ایک دوسرے کو آزمائش میں ڈال رکھا ہے تاکہ قریش کے سرداروں پر یہ واضح ہو جائے کہ جن غریب مسلمانوں کو وہ حقیر و ذلیل سمجھتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے سے کس مقام پر پہنچ گئے اور دنیا و آخرت میں ان کو کیسی عزت حاصل ہوئی ۔ اور مشرکین یہ کہتے پھریں کہ کیا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے زیادہ مستحق تھے کہ ہم سب اشراف کو چھوڑ کر ان کو نوازا گیا ۔ کیا اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزاروں سے بخوبی واقف نہیں ؟ (مظہری ۲۶۸ / ۳، معارف القرآن ۳۳۵ / ۳)

مومنوں کو خوشخبری

۵۴، ۵۵۔ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ○

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ کے پاس ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے لوگ آئیں تو ان سے کہئے کہ تم پر سلامتی ہو ۔ تمہارے رب نے مہربانی کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جو شخص نادانی میں گناہ کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے ۔ اور ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ آیتیں بیان کرتے ہیں اور تاکہ گنہگاروں کا طریقہ ظاہر ہو جائے ۔

كَتَبَ : اس نے لکھا ۔ اس نے فرض کیا ۔ اس نے حکم دیا ۔ كَتْبٌ و كِتَابَةٌ سے ماضی ۔

سُوْٓءًا : برائی ۔ گناہ ۔ آفت

نُفَصِّلُ : ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں ۔ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ۔ تَفْصِيْلٌ سے مضارع ۔

لِتَسْتَبِيْنَ : تاکہ وہ ظاہر ہو جائے ۔ تاکہ وہ کھل جائے ۔ اِسْتِبَانَةٌ سے مضارع ۔

تشریح : اس آیت میں غریب اور مخلص مسلمانوں کی دل شکنی کا بہترین تدارک اور ان کا

انتہائی اعزاز و اکرام ہے تاکہ ان کا دل بڑھے اور وہ دولت مند متکبرین کے طعن و تشنیع اور تحقیر آمیز رویے سے شکستہ خاطر نہ ہوں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب وہ لوگ، جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں، آپؐ کے پاس آئیں تو آپؐ ان کو السلام علیکم کہہ کر مخاطب فرمائیے۔ یعنی ان کو اللہ جل شانہ کا سلام پہنچائیے۔ اس کے بعد ان مسلمانوں کے لئے مزید احسان و انعام کا وعدہ فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کے رب نے رحمت کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے۔ اس لئے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

بخاری و مسلم اور مسند احمد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا اور ہر ایک کی تقدیر کا فیصلہ فرما دیا تو ایک کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ لکھا:

ان رحمتی غلبت غضبی

میری رحمت میرے غصہ پر غالب ہے

پھر فرمایا کہ جو شخص غلطی سے کوئی گناہ کر بیٹھے اور اس کے بعد وہ توبہ کر لے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ وہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو واضح کر کے بیان کرتے ہیں تاکہ سیدھا راستہ بھی واضح ہو جائے اور مجرموں کا راستہ بھی معلوم ہو جائے۔

(معارف القرآن ۳۳۸ / ۳، مظہری ۲۷۲ / ۳)

حاکمِ مطلق

۵۶، ۵۷۔ قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ۝ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھے ان چیزوں کی

عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کروں گا (اگر میں ایسا کروں) تو میں گمراہ ہو جاؤں گا ۔ اور ہدایت پانے والوں میں نہ رہوں گا ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے پروردگار کی ایک روشن دلیل پر ہوں، حالانکہ تم اس کو جھٹلا چکے ہو ۔ جس (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو وہ میرے پاس نہیں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں ۔ وہی حق بیان فرماتا ہے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ۔

نُهِيْتُ : مجھے منع کیا گیا ۔ نَھْیٌ سے ماضی مجہول ۔

اَهْوَآءَكُمْ : تمہاری خواہشیں، تمہارے خیالات ۔ واحد ھَوًی ۔

يَقُصُّ : وہ بیان کرتا ہے ۔ وہ سناتا ہے ۔ قَصَصٌ سے مضارع ۔

تشریح : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ آپ کو بت پرستی کی دعوت دیتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ مجھے ان معبودوں کی پرستش سے منع کر دیا ہے جن کو تم معبود قرار دے کر پوجتے ہو ۔ حالانکہ تم خود بھی اس کا اعتراف کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کمتر ہیں اور جو کمتر ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا اور نہ وہ عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے ۔ خدا تو وہ ہے جو سب سے بالا و برتر ہے ۔ پس تم جن خیالات پر چل رہے ہو ان کے لئے نہ کوئی عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی ثبوت ۔ اس لئے میں تمہاری خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے بتوں کی پرستش نہیں کروں گا اگر میں تمہاری خواہشات پر چلا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا ۔ حالانکہ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دے کر بھیجا ہے ۔ اس لئے میں ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اختیار نہیں کر سکتا ۔

آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو میرے رب کی طرف سے اس کی معرفت کی دلیل اور اس بات کا علم ہے کہ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور تم میرے رب کی تکذیب کرتے ہو اور دوسروں کو اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو ۔ تم جس عذاب کی جلدی کر رہے ہو اس کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں ۔ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا تم پر عذاب نازل کر دے گا جیسا کہ وہ پہلی امتوں پر نازل کر چکا ہے ۔ عذاب میں تعجیل یا تاخیر یا قیامت کو لانے سے متعلق حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے ۔ اگر وہ تم پر جلد عذاب لانا چاہے تو فوراً ہی آجائے اور اگر وہ اپنی حکمت و مصلحت سے تمہیں مہلت دینا چاہے تو وہ اس پر پوری طرح قادر ہے ۔ وہ حق کا طریقہ اختیار فرماتا ہے اور وہ احکام و قضایا کے فیصلے کرنے اور بندوں کے درمیان کوئی حکم نافذ کرنے میں حق پر

ہوتا ہے۔ (ابن کثیر ۱۳۶ ۔ ۱۳۷ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۴ / ۲)

کمالِ علم و قدرت

۵۹۔۶۰ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ
وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ
ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝
وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ
يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ
يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور اسی کے پاس غیب (کے خزانوں) کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کو خشکی اور دریاؤں کی سب چیزیں معلوم ہیں اور کوئی پتہ ایسا نہیں جھڑتا جس کو وہ نہ جانتا ہو اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں ایسا نہیں اور کوئی ایسی تر اور خشک چیز ہے جو کتاب مبین (لوح محفوظ) میں نہ ہو اور وہی تو ہے جو رات کو تمہیں موت دیتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کر چکے۔ پھر وہ تمہیں دن میں اٹھا کھڑا کرتا ہے تاکہ مقررہ میعاد پوری ہو جائے۔ پھر تمہیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔ پھر وہ تمہیں سب کچھ بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

مَفَاتِحُ: یہ جمع ہے اس کا مفرد مَفْتَحٌ، میم کے زبر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی خزانے کے ہیں اور مِفْتَحٌ، میم کی زیر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی کنجی کے ہیں۔ لفظ مفاتح میں دونوں معنی کی گنجائش ہے۔ اس لئے بعض نے اس کا ترجمہ خزانوں سے کیا ہے اور بعض نے کنجیوں سے اور دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، کیونکہ کنجیوں کا مالک ہونے سے بھی خزانوں کا مالک ہونا مراد ہوتا ہے

(معارف القرآن ۳۴۴ / ۳)

اَلْغَیْبِ: غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئیں۔ جیسے قیامت کے احوال۔ بارش ہونا یا نہ ہونا اور کب ہونا۔ یا وجود میں تو آچکی ہیں مگر اللہ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا۔ (مظہری ۳/۲۷۳)

تَسْقُطُ: وہ گرتی ہے۔ وہ جھڑتی ہے۔ سُقُوْطٌ سے مضارع۔

وَرَقَةٍ: کوئی ایک پتہ۔ اس میں تا وحدت کے لئے ہے۔

حَبَّةٍ: دانہ۔

رَطْبٍ: تازہ۔ تر۔ ہرا۔ رُطُوْبَۃٌ سے صفت مشبہ

یَابِسٍ: خشک۔ سوکھا ہوا۔ یُبْسٌ سے اسم فاعل۔

جَرَحْتُمْ: تم نے زخمی کیا۔ تم نے کمایا۔ جَرْحٌ سے ماضی۔

اَجَلٌ: وقت۔ موت

مُسَمًّی: معین۔ مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِیَۃٌ سے اسم مفعول۔

یُنَبِّئُکُمْ: وہ تمہیں بتائے گا۔ وہ تمہیں آگاہ کرے گا۔ تَنْبِئَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: تمام دنیا کے مذاہب میں اسلام کا طغرائے امتیاز اور اس کا رکن اعظم عقیدہ۔ توحید ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو واحد و یکتا جاننے کا نام توحید نہیں بلکہ اس کو تمام صفات کمال میں یکتا و بے مثل ماننے اور اس کے سوا کسی مخلوق کو ان صفاتِ کمال میں اس کا شریک نہ سمجھنے کو توحید کہتے ہیں۔

علم، قدرت، سمع، بصر، ارادہ، مشیت، خلق، رزق وغیرہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال ہیں وہ ان سب صفات میں ایسا کامل ہے کہ اس کے سوا کوئی مخلوق کسی صفت میں اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ پھر ان صفات میں بھی دو صفتیں سب سے زیادہ ممتاز ہیں۔ ایک علم دوسرے قدرت اس کا علم بھی تمام موجود و غیر موجود، ظاہر و مخفی، بڑے اور چھوٹے، ہر ذرہ پر حاوی و محیط ہے اور اس کی قدرت بھی ان سب پر پوری پوری محیط ہے۔

مذکورہ آیتوں میں انہی دو صفتوں کا بیان ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفتوں پر مکمل یقین اور اس کے استحضار کی کیفیت پیدا کر لے تو اس سے کوئی جرم و گناہ سرزد نہیں ہو سکتا۔

ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ غیب کے خزانوں کا علم بھی اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے

اور ان کو وجود و ظہور میں لانا بھی اسی کی قدرت میں ہے کہ کب کب اور کتنا کتنا وجود میں آئے گا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ

اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں مگر ہم ہر چیز کو ایک خاص انداز سے نازل کرتے ہیں۔ (الحجر آیت ۲۱)

پھر فرمایا کہ غیب کے ان خزانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہی غیب کی تمام چیزوں پر علم محیط کے ساتھ مطلع اور ان سب پر قدرتِ کاملہ کے ساتھ قادر ہے۔ وہ ہر چیز کو جانتا ہے خواہ وہ خشکی میں ہے یا دریا میں اور کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اس کو علم نہ ہو۔ اسی طرح جو دانہ زمین کے تاریک حصہ میں چھپا ہوا ہے وہ بھی اس کے علم میں ہے اور ہر بحر و بر میں کل کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے علم میں ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ ہے کہ انسان کے جینے، مرنے اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا ایک نمونہ ہر روز اس کے سامنے آتا رہتا ہے۔ یعنی وہ ہر رات کو تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور پھر صبح کو جگا کر اٹھا دیتا ہے تاکہ تمہاری مقررہ عمر پوری کر دے اور پھر دن بھر جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اس کے علم میں ہے۔ پھر تم سب لوٹ کر اسی کی طرف جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں تمہارا ہر عمل بتا دے گا اور تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ (معارف القرآن ۳۴۴۔ ۳۵۱ / ۳)

فرشتوں کا روح قبض کرنا

۶۲،۶۱ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ○ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ○

اور وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ تم پر نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو اس کو ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) قبض کر لیتے ہیں اور وہ ذرا کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر ان کو اللہ تعالیٰ کی

طرف لوٹایا جائے گا جو ان سب کا حقیقی مالک ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! بس اسی کا حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

اَلْقَاہِرُ: غالب ہونے والا۔ زبردست۔ قَہْرٌ سے اسم فاعل۔
فَوْقَ: اوپر۔ اونچا۔ ظرف مکان ہے۔
حَفَظَۃً: حفاظت کرنے والا۔ نگہبان۔ واحد حَافِظٌ۔
یُفَرِّطُوْنَ: وہ کوتاہی کرتے ہیں۔ وہ زیادتی کرتے ہیں۔ تَفْرِیْطٌ سے مضارع۔
اَسْرَعُ: بہت جلدی کرنے والا۔ سُرْعَۃٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر شئے اس کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اس نے انسان پر فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے جو زندگی بھر اس کے اعمال لکھتے ہیں، ہر وقت اس کی حفاظت و نگہبانی کرتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ۔ (الانفطار آیت ۱۰)

بیشک تم پر محافظ و نگہبان مقرر ہیں۔

اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ۔

جب وہ دو لینے والے لے لیتے ہیں۔ ایک دائیں طرف بیٹھا ہے اور ایک بائیں طرف بیٹھا ہے۔ (ق۔ آیت۔ ۱۶)

جب تم میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ کئی فرشتے ملک الموت کے مددگار ہیں، جو جسم سے روح کھینچتے ہیں۔ جب وہ روح حلق تک آپہنچتی ہے تو ملک الموت قبض کر لیتا ہے۔ اور وہ وفات پانے والے کی حفاظت میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ پھر اس روح کو وہ فرشتے وہاں پہنچادیتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ اگر وہ نیک ہے تو علیین میں جگہ دی جاتی ہے اور اگر وہ فاجر و گنہگار ہے تو سجین میں جگہ دی جاتی ہے۔

کلبیؒ کا بیان ہے کہ ملک الموت روح کو قبض کر کے رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہے (جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں) پھر سب روحوں کو ان کے مالکِ حقیقی کے پاس لایا جائے گا۔ آگاہ ہو جاؤ! اس دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہو گا، کسی اور کا نہیں اور وہ بہت تیزی سے حساب لے گا۔ (ابن کثیر ۱۳۸/ ۲، مظہری ۲۷۵، ۲۷۹/ ۳)

توحید کی ایک اور دلیل

۶۳، ۶۴۔ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ
تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○
قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ○

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں خشکی (جنگل) اور دریا کی تاریکیوں سے بچا کر لاتا ہے۔ جس کو تم گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں اس سے بچا دیا تو ہم ضرور احسان مانیں گے۔ (سو ان سے) کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس سختی اور ہر بے چینی سے نجات دیتا ہے۔ پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔

يُنَجِّيْكُمْ: وہ تم کو نجات دیتا ہے۔ وہ تم کو بچاتا ہے۔ تَنْجِيَةٌ سے مضارع۔

تَدْعُوْنَهٗ: تم اس کو پکارتے ہو۔ تم اس کو بلاتے ہو۔ دُعَاءٌ سے مضارع۔

تَضَرُّعًا: تضرع کرنا۔ عاجزی کرنا۔ گڑگڑانا۔ مصدر ہے۔

كَرْبٍ: کرب۔ سختی۔ غم۔ جمع كُرُوْبٌ۔

تشریح: عرب مشرکین جنگلوں اور سمندروں میں تجارت کے لئے سفر کیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ جنگل کی ہولناک تاریکیوں میں جو رات کے وقت یا ابر اور گھنے درختوں کی وجہ سے بڑھ جاتی تھیں۔ راستہ بھول جاتے یا کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتے یا سمندر میں رات یا ابر کی تاریکی میں جب طوفان آجاتا اور طوفان کی موجیں اور بادل کی کڑک ہر طرف سے گھیر لیتی اور یہ لوگ گویا موت کے دروازے پر پہنچ جاتے تو اس وقت یہ نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے اور دعا کرتے کہ اگر اب اس مصیبت سے بچا دیا تو ہمیشہ شکر گزار رہیں گے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو ان کی یہی حالت یاد دلا کر فرمایا کہ ہر مصیبت و بے قراری کے وقت تمہارے بت کسی کام نہیں آتے۔ میں ہی تمہیں مصیبت و غم سے نجات دیتا ہوں۔ پھر نجات پانے کے بعد تم اپنے وعدے پر قائم نہیں رہتے بلکہ اپنے کفر و شرک کی طرف لوٹ جاتے ہو۔

(حقانی ۳۳۶ / ۲)

مسلمانوں کو مشرکین کے اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنا چاہئے کہ مصیبت کے وقت

وہ بھی خدا ہی کو یاد کرتے تھے ۔ مومن کا کام یہ ہے کہ وہ تمام مصائب اور تکلیفوں کو دور کرنے کے لئے مادی سامان اور تدبیروں سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے، ورنہ انجام وہی ہو گا جو روز مشاہدے میں آتا رہتا ہے کہ ہر تدبیر مجموعی حیثیت سے الٹی پڑتی ہے ۔

(معارف القرآن ۳۵۶/ ۳)

ابتلا میں ڈالنے کی قدرت

۶۵۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰٓ اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا تم میں نااتفاقی ڈال دے اور ایک کو دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھا دے ۔ دیکھو ہم کس طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں ۔

يَلْبِسَكُمْ: وہ تم کو ملا دے گا۔ وہ تم کو مشتبہ کر دے گا۔ لَبْسٌ سے مضارع ۔

شِيَعًا: فرقے ۔ گروہ ۔ مددگار ۔ واحد شِيْعَةٌ

بَاْسَ: قتال ۔ لڑائی ۔ جنگ ۔ آفت ۔

نُصَرِّفُ: ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں ۔ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ۔ تَصْرِيْفٌ سے مضارع ۔

تشریح: جس طرح اللہ تعالیٰ مصیبت سے نجات دے سکتا ہے اسی طرح وہ دوبارہ بھی اس مصیبت میں مبتلا کر سکتا ہے ۔ وہ اس پر قادر ہے کہ آسمان سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے پتھر برسانا، ہوا یا بارش کا طوفان بھیجنا یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے تم پر کوئی عذاب بھیج دے جیسے زلزلہ، زمین کے اندر دھنسانا یا پانی میں غرق کر دینا یا تمہیں کسی داخلی عذاب میں مبتلا کر دے کہ تم گروہوں میں تقسیم ہو کر آپس میں لڑنے لگو ۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ پر فرمایا اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ اور تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ پر بھی فرمایا اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ یعنی اے خدا تیری پناہ اور جب اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا سنا تو فرمایا یہ نسبتاً سہل ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے اور مسجد معاویہ میں آئے۔ وہاں آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ دیر تک اللہ تعالیٰ سے مناجات میں مصروف رہے پھر فرمانے لگے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین باتوں کی درخواست کی تھی کہ میری امت فرعونیوں کی طرح غرق ہو کر تباہ نہ ہو، اور قحط سے ہلاک نہ ہو اور ان کے گروہوں کے اندر جنگ برپا نہ ہو تو پہلی دو باتیں تو منظور کر لی گئیں اور تیسری بات نامنظور کر دی گئی۔ (ابن کثیر ۱۳۹، ۱۴۰ / ۲)

مکذبین سے کنارہ کشی کی تلقین

۶۶، ۶۷۔ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

اور آپ کی قوم تو اس (قرآن) کی تکذیب کرتی ہے حالانکہ وہ برحق ہے۔ آپؐ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔

ربط : گزشتہ آیات میں مشرکین و منکرین کی تنبیہ و تہدید کے لئے عذابِ خداوندی کے نزول کے سلسلہ میں فرمایا کہ پہلے ہم مجرموں کو تنبیہ کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ سرکشی سے باز نہ آئیں تو ان کو ڈھیل دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ نافرمانی میں بے باک ہو جاتے ہیں تو ان کو یکایک عذاب میں پکڑ کر تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد قریش کے متکبر سرداروں کا ذکر تھا جنہوں نے آپ سے کہا کہ ہمارا دل آپ کے پاس بیٹھنے کو چاہتا ہے تاکہ ہم آپ کی باتیں سنیں۔ آپ کے پاس رذیل لوگ بیٹھتے ہیں اور ہم قریش کے سردار ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ بیٹھنے میں عار سمجھتے ہیں۔ لہٰذا جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو ان کو مجلس سے اٹھا دیا کریں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بت پرستی کی مذمت اور اپنی قدرتِ کاملہ اور تصرفِ کامل کو بیان فرمایا ہے۔

تشریح: خوف و عذاب کی باتوں کو سن کر ان کی تصدیق اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی بجائے مشرکین مکہ ان کی تکذیب کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب آنے کا وعدہ لیتے تھے کہ اگر فلاں روز عذاب آیا تو ہم اسلام قبول کرلیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان حق باتوں کو آپ کی قوم نے جھٹلادیا حالانکہ یہی حق ہے۔ خواہ کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ ان کو ہدایت پر لانا آپ کے ذمہ نہیں۔ آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میرا کام تو صرف تبلیغ دین کرنا ہے اور تمہارا کام سننا اور اطاعت کرنا ہے، جو میری اطاعت کرے گا وہ دین و دنیا میں سرخ رو رہے گا اور جو میری مخالفت کرے گا وہ دونوں جگہ بدبخت رہے گا۔ رہا ان کے کہنے پر عذاب یا قیامت کا آنا تو ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ کسی کی جلدی اور نادانی سے اللہ تعالیٰ آسمان سے پتھر برسا کر یا آندھی یا زلزلے کے ذریعہ کسی کی نسل قطع نہیں کرتا۔ (حقانی ۲/۳۳۷، ابن کثیر ۲/۱۴۴،۱۴۳)

دین کا تمسخر کرنے والوں سے کنارہ کشی

۶۸، ۶۹۔ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ
حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ
فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَمَا عَلَى
الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ
يَتَّقُوْنَ ○

اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں بحث کرتے ہیں تو ان سے اعراض کرلیجئے یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر کبھی شیطان آپ کو بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے ساتھ مت بیٹھئے اور پرہیزگاروں پر ان ظالموں کی ذرا بھی جواب دہی نہیں۔ البتہ ان کے ذمہ نصیحت کردینا ہے کہ شاید وہ بھی پرہیزگاری اختیار کریں۔

يَخُوْضُوْنَ: وہ بحث کرتے ہیں۔ وہ عیب جوئی کرتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

تَقْعُدْ: تو بیٹھے گا۔ قُعُوْدٌ سے مضارع۔

تشریح: مشرکین مکہ، تکذیب کے علاوہ قرآن مجید اور ارکان اسلام کے ساتھ تمسخر بھی کرتے تھے۔ جس سے ان مسلمانوں کو جو ان کی مجلس میں ہوتے تھے بہت رنج و تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کفار و مشرکین ہماری آیتوں کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرنے لگیں تو تم وہاں نہ بیٹھو بلکہ وہاں سے اٹھ جایا کرو یہاں تک کہ وہ دوسری باتوں میں لگ جائیں، ورنہ تم بھی استہزاء کرنے والوں میں گنے جاؤ گے اور اگر شیطان تمہیں بھلا دے اور تم بھولے سے بیٹھ جاؤ تو یاد آجانے پر وہاں سے اٹھ جایا کرو۔ پھر فرمایا کہ ان کفار کا حساب پرہیزگاروں یعنی اہل اسلام کے ذمہ نہیں۔ جو گناہ کرے گا وہی اس کی سزا پائے گا۔ یہ لوگ اپنے برے اعمال کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ اہل اسلام ان کی بد اعمالیوں کے ذمہ دار نہیں۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو ان کو نصیحت کر دینی چاہیئے تاکہ وہ بھی کفر و بت پرستی چھوڑ کر پرہیزگاری اختیار کرلیں۔

(حقانی ۲/۳۳۸،۳۳۷)

منکرین سے کنارہ کشی کی تلقین

۷۰۔ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○

آپ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے لوگوں سے بالکل کنارہ کش رہیئے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیاوی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور اس (قرآن) کے ذریعہ ان کو نصیحت کرتے رہیئے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس کا نہ کوئی حمایتی ہو اور نہ سفارش کرنے والا اور یہ کیفیت ہو کہ اگر وہ دنیا کے برابر بھی معاوضہ دے تب بھی اس سے قبول نہ کیا جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کے سبب پھنس گئے، ہیں ان کے لئے نہایت گرم پانی ہے اور

ان کے کفر کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب ہوگا۔

وَذَرِ: اور تو چھوڑ دے اور تو کنارہ کش رہ۔ وَذْرٌ سے امر۔

غَرَّتْهُمُ: اس (دنیوی زندگی) نے انہیں فریب دیا۔ غُرُوْرٌ سے ماضی۔

تُبْسَلَ: وہ عذاب میں مبتلا کی جائے۔ وہ پھنس جائے۔ اِبْسَالٌ سے مضارع مجہول۔

حَمِيْم: کھولتا ہوا پانی۔ نہایت گرم پانی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے کنارہ کشی کی تلقین فرمائی ہے جنہوں نے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے۔ دنیا کی اس تھوڑی سی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ یہ لوگ آخرت سے غافل ہیں۔ اگر آخرت پر ان کا ایمان و یقین ہوتا تو یہ بد اعمالیوں میں ہرگز مبتلا نہ ہوتے۔ آپ ان کو قرآن مجید کے ذریعہ نصیحت کرتے رہیئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہیئے۔

قیامت کے روز ایسے مکذبین کو نہ کوئی حمایتی ملے گا جو ان کی مدد کرے اور ان کو زبردستی عذابِ الٰہی سے بچا لے اور نہ ان کے لئے کوئی سفارش کرنے والا ہوگا اور نہ ان کی طرف سے کسی قسم کا فدیہ اور معاوضہ قبول کیا جائے گا۔ اگر بالفرض کوئی مجرم دنیا بھر کا معاوضہ دے کر بھی چھوٹنا چاہئے گا تو نہ چھوٹ سکے گا۔ اپنے کفر و عناد اور دین کو کھیل تماشا بنانے کے سبب قیامت کے روز، یہ لوگ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ان کو پینے کے لئے سخت کھولتا ہوا پانی ملے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ (حقانی ۳۳۸/ ۲، ابن کثیر ۱۴۴/ ۲)

حقیقی ہدایت

۷۱، ۷۳۔ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى
اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى
الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ
اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ
وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝
وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ

فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ۚ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ان سے پوچھئے کہ کیا ہم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کریں جو نہ ہمیں نفع دے سکے اور نہ ضرر اور کیا ہم اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کر دی ہو، اس شخص کی طرح الٹے پاؤں لوٹ جائیں جس کو شیطانوں نے جنگل میں بھلا کر حیران کر دیا ہو۔ اس کے ساتھی اس کو سیدھی راہ کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہماری طرف چلا آ۔ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک سیدھی راہ تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی ہے اور ہمیں پروردگار عالم کی فرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اس سے ڈرتے رہو اور تم سب اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو ہر چیز ہو جائے گی۔ اسی کی بات سچی ہے اور اس دن اسی کی بادشاہت ہوگی جس دن صور پھونکا جائے گا۔ وہ پوشیدہ اور ظاہری چیزوں کا جاننے والا ہے اور وہی حکمت والا (اور) پوری خبر رکھنے والا ہے۔

اَعْقَابِنَا: ہماری ایڑیاں

اسْتَهْوَتْهُ: اس نے اس کو بھٹکایا۔ اس نے اس کو راستہ بھلا دیا۔ اِسْتِھْوَاءٌ سے ماضی۔

حَيْرَانَ: حیران۔ پریشان۔ سرگرداں۔ متردد۔ حَیْرَۃٌ سے صفت مشبہ۔

يُنْفَخُ: اس میں پھونک ماری جائے گی۔ نَفْخٌ سے مضارع مجہول۔

الصُّوْرِ: صور۔ سینگ۔

تشریح: مشرکین مکہ نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو چھوڑ دو۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو دین اسلام کا مضحکہ اڑاتے ہیں کہ تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ تم نے ایسی چیزوں کو معبود بنا رکھا ہے جو نہ تمہیں کسی قسم کا نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ کیا ہم بھی تمہارے کہنے سے ان بتوں کو پوجنے لگیں جو محض عاجز و لاچار ہیں اور وہ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں، نہ نقصان۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیں کفر و گمراہی سے نکال کر سیدھے راستے پر چلایا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے

ہو کہ ہم سیدھا راستہ چھوڑ کر پہلے والی گمراہی پر لوٹ جائیں اور کفر اختیار کرلیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر معاذ اللہ ایسا ہو بھی جائے کہ ہم توحید کی سیدھی اور صاف راہ چھوڑ کر کفر و شرک کی راہ اختیار کرلیں اور اس شخص کی مانند ہو جائیں جس کو شیطان نے جنگل میں لے جا کر سراسیمہ اور حیران و پریشان کر کے ڈال دیا ہو اور وہ منزل سے بے خبر بھٹکتا پھرتا ہو جبکہ اس کے کچھ ساتھی راہ راست پر ہوں اور وہ اس کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہوں۔ اگر وہ شیطانوں کا کہا مان لے گا تو اس کو کبھی سیدھا راستہ نہ ملے گا۔ اگر اس نے اپنے ساتھیوں کا کہا مان لیا تو وہ اس مہلک بیابان سے نجات پا کر راہ راست پر آجائے گا اور آخر کار منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ان کافروں کی مثال بیان کی ہے جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں اور مسلمان ان کو راہ راست کی طرف بلاتے ہیں۔

آپ کہہ دیجئے کہ حقیقی ہدایت شرک و بت پرستی میں نہیں بلکہ وہ تو صرف اسلام میں ہے اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم پوری طرح اللہ کے مطیع و فرماں بردار ہو جائیں، نماز کی پابندی کریں اور اللہ تعالیٰ ہی سے ڈریں اور اسی کے پاس سب لوگ جمع کئے جائیں گے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ اظہار حق کے لئے پیدا کیا۔ جس دن وہ کسی مردہ مخلوق سے فرمائے گا کہ اٹھ کھڑی ہو، وہ سب فوراً کھڑے ہو جائیں گے۔ اس کا قول برحق ہے۔ جس دن صور پھونکا جائے گا، اس دن صرف اسی کی سلطنت و بادشاہت ہوگی۔ اس دن دنیا کے بادشاہوں کا عجز ظاہر ہو جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ حقیقی بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ وہ ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے ہر موجود اللہ کے سامنے ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں وہی حکمت والا اور خبردار ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ پس جس ذات کی یہ شان ہو وہی عبادت و بندگی کے لائق ہے، اس کو چھوڑ کر شرک و بت پرستی کی راہ کیسے اختیار کی جا سکتی ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۸۰۔ ۲۸۲ / ۲، مظہری ۲۸۳۔ ۲۸۶، ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ

۷۴۔ ۷۹۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ

اَزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۝
فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب (حضرت) ابراہیمؑ نے اپنے باپ آزر سے (یہ) کہا کہ کیا تم بتوں کو خدا مانتے ہو؟ میں تو تمہیں اور تمہاری قوم کو صریح گمراہی میں مبتلا دیکھتا ہوں۔ اور اسی طرح ہم (حضرت) ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھانے لگے تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ پھر جب اس (حضرت ابراہیمؑ) پر رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارے کو دیکھ کر کہا کہ یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ میں غائب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ اگر میرا رب مجھے ہدایت نہیں کرے گا تو میں ضرور گمراہوں میں سے ہو جاؤں گا۔ پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے (کیونکہ) یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے ان معبودوں سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہو۔ میں نے تو یک طرفہ ہو کر اپنا رخ اسی کی جانب کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

اَصْنَامًا: بت مورت۔ واحد صَنَمٌ۔

مَلَکُوْتَ : اختیار کامل ۔ حقیقی حکومت ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے لئے مخصوص ہے ۔
جَنَّ : وہ چھا گئی ۔ اس نے ڈھانپ لیا ۔ جَنٌّ سے ماضی ۔
کَوْکَبًا : ستارہ ۔ جمع کَوَاکِبُ ۔
اَفَلَ : وہ غائب ہو گیا ۔ وہ چھپ گیا ۔ اُفُوْلٌ سے ماضی ۔
بَازِغاً : روشن ۔ چمکتا ہوا ۔ بُزُوْغٌ سے اسم فاعل ۔

ربط : پہلے مسلمانوں کو کافروں کی ایسی مجلسوں سے کنارہ کشی کا حکم دیا گیا جہاں اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑایا جاتا ہو ۔ پھر ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کی بھی ممانعت کر دی گئی کیونکہ غیرت ایمانی کا تقاضا یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو بالکل چھوڑ دیا جائے ۔ پھر ان کے تمسخر کا جواب دیا گیا کہ جو لوگ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کو معبود بناتے ہیں جو کسی قسم کے نفع و ضرر کے مالک نہیں ۔ ان آیتوں میں باطل معبودوں کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ کا بیان ہے ۔

تشریح : حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکین و اہل کتاب سب کے نزدیک مسلمہ بزرگ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اثبات توحید اور ابطال شرک کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ، ان کی قوم کے ساتھ ہونے والے مناظرے اور مکالمے ذکر فرمائے ہیں ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے زمانے کے بادشاہ نمرود کے ساتھ ان کا مناظرہ تیسرے پارے کے شروع میں بیان فرمایا ہے جس کی تفسیر سورۂ بقرہ کے رکوع ۳۵ میں گزر چکی ہے ۔ ایک مناظرہ کا بیان ان آیات ۷۴ تا ۸۲ میں ہے ۔ تیسرا مناظرہ سورۂ انبیاء میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑ کر پھاؤلہ بڑے بت کے کاندھے پر رکھ دیا ۔ چوتھا مکالمہ ان کے باپ آزر کے ساتھ ہوا جس کا ذکر سورۂ مریم میں ہے ۔

اس مناظرہ اور مکالمے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو ایسے بتوں کو اپنا معبود بناتا ہے جن کو تم نے بسولہ سے تراش کر بنایا ہے ۔ بلاشبہ میں تو تجھے اور تیرے ہم مذہب لوگوں کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورت کو خدا بنا لیا ہے ۔ کیا کوئی بندہ بھی خدا کو تخلیق کر سکتا ہے ۔

جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم کو بت پرستی کی گمراہی اور جہالت و حماقت دکھائی اسی طرح ہم نے ان کو آسمانوں اور زمین میں قائم اپنی سلطنت و حکومت کا مشاہدہ بھی کرایا ۔ یعنی ساتوں آسمانوں اور زمین ان کی نظروں کے سامنے کردئے گئے اور چاند و سورج ، ستاروں اور درختوں ،پہاڑوں اور سمندروں کے عجائبات ان پر منکشف کردئے یہاں تک کہ عرش سے لے کر فرش تک تمام اشیاء کے حقائق ان کو دکھائے دئے تاکہ وہ مخلوقات ارضی و سماوی کی عاجزی و لاچارگی ، ان کی ذلت و خاکساری اور ان کے امکان و حدوث کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں اور اس سے وجود باری تعالیٰ پر استدلال کریں اور ہماری خالقیت و وحدانیت پر کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں ۔

کافر ، بتوں اور ستاروں کی پوجا اور تعظیم کرتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام کام انہی کے ہاتھوں میں ہیں ۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو اس گمراہی پر متنبہ کرنا چاہا، اس لئے جب رات کی تاریکی چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارے کو چمکتے ہوئے دیکھ کر اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کیا تمہارے خیال کے مطابق یہ ستارہ میرا اور تمہارا رب ہے ۔ پس ذرا انتظار کرو ، تھوڑی دیر میں تم پر اس کی ربوبیت کی حقیقت کھل جائے گی ۔ پھر جب وہ ستارہ چھپ گیا تو حضرت ابراہیم نے کہا کہ جو ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہو جائے اور جو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متغیر ہو جائے میں تو اس کو دوست بھی نہیں رکھتا چہ جائے کہ میں اس کو خدا مانوں، کیونکہ تغیر تو حادث ہونے کی نشانی ہے اور قدیم حادث نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے حادث قابل عبادت نہیں ۔

پھر جب اسی شب یا کسی دوسری شب میں حضرت ابراہیمؑ نے چاند کو طلوع کی ابتداء میں چمکتے ہوئے دیکھا تو پہلے کی طرح کہا کہ کیا تمہارے گمان کے مطابق یہی میرا اور ساری قوم کا رب ہے ۔ اچھا تھوڑی دیر اس کا بھی انتظار کرو ۔ اس کی حقیقت و کیفیت بھی تم پر واضح ہو جائے گی ۔ پھر جب وہ بھی غائب ہو گیا تو حضرت ابراہیم نے کہا کہ یہ محض میرے خدا کا فضل ہی ہے کہ میں اپنی قوم سے مختلف عقائد رکھتا ہوں اور خالص توحید پر ہوں ۔ اگر اس کی ہدایت و توفیق نہ ہوتی تو میں بھی ان گمراہوں کی طرح ستاروں کی الوہیت کا قائل ہوتا ۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے طلوع آفتاب کا انتظار کیا پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا یہی میرا اور تمہارا رب ہے کیونکہ یہ تمام ستاروں سے بڑا ہے ۔ پھر

جب وہ بھی غروب ہو گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میری قوم والو! تم جن چیزوں کو معبود برحق کی عبادت میں شریک بناتے ہو میں ان سب سے بیزار ہوں۔ بلاشبہ ستارے اور چاند و سورج اجرام علوی ہیں، بڑے بڑے اور روشن ہیں مگر یہ الوہیت کے قابل نہیں کیونکہ یہ خود بھی حادث ہیں، ان کے احوال بھی حادث ہیں اور یہ پیدا کرنے والے کے محتاج ہیں۔ میں تو سب کو چھوڑ کر اسی ذات کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

قوم کا حضرت ابراہیمؑ سے جھگڑنا

۸۰، ۸۲۔ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

اور (جب) ان کی قوم کے لوگ ان سے جھگڑنے لگے تو انہوں نے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو اور وہ تو مجھے راہ راست دکھا چکا ہے۔ اور میں ان سے نہیں ڈرتا جن کو تم اس کا شریک مانتے ہو۔ سوائے اس کے کہ میرا رب ہی کچھ (تکلیف دینا) چاہے۔ میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا احاطہ کر رکھا ہے، کیا تم نہیں سمجھتے اور میں ان چیزوں سے کیوں ڈروں جن کو تم نے اللہ کا شریک بنا لیا ہے۔ حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک کر رکھا ہے جن کے لئے اس نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ پھر دونوں فریقوں میں سے کون اس کا زیادہ مستحق ہے۔ (بتاؤ) اگر تم جانتے ہو جو لوگ ایمان لائے اور وہ اپنے

ایمان کو ظلم (یعنی شرک) کے ساتھ نہیں ملاتے، انہی کے لئے امن و دلجمعی ہے اور وہی سیدھی راہ پر ہیں۔

حَآجَّهٗ: اس نے اس سے حجت کی۔ اس نے اس سے جھگڑا کیا۔ مُحَاجَّۃٌ سے ماضی۔

سُلْطٰنًا: اقتدار۔ قوت۔ غلبہ۔ دلیل۔

یَلْبِسُوْا: وہ ملاتے ہیں۔ وہ خلط ملط کرتے ہیں۔ لَبْسٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے ان سے توحید اور شرک کی نفی کے بارے میں جھگڑنا شروع کر دیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے حق و استدلال کا راستہ دکھایا ہے کہ اس کے سوا ہر چیز فانی اور ناقص ہے اور خدائی کے لئے کمال مطلق اور بقا اور دوام ضروری ہے۔ جن چیزوں کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے نہیں ڈرتا۔ یہ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے ہاں اگر میرا رب ہی مجھے تکلیف میں مبتلا کرنا چاہے تو وہ مجھے کسی بھی ذریعہ سے تکلیف پہنچا سکتا ہے۔ وہ تکلیف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگی نہ کہ ان بتوں کی طرف سے اور میرا رب علم کے لحاظ سے ہر شئے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کوئی شئے اس کے علم سے باہر نہیں۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک ہستی تو اللہ تعالیٰ کی ہے جو مکمل طور پر بااقتدار و اختیار اور قہار ہے اور دوسری مخلوق وہ ہے جو پوری طرح عاجز و لاچار ہے جیسے بت۔

پس تم نے جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا رکھا ہے میں ان سے کیوں ڈروں۔ وہ تو پتھر ہیں، نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں اور نہ کسی کو نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ تم اپنے اس جرم عظیم سے کیوں نہیں ڈرتے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہو جن کو شریک ٹھہرانے کی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری۔ نہ عقلی نہ نقلی۔ پس اب تم ہی بتاؤ کہ موحدین اور مشرکین میں سے قیامت کے روز کون سا فریق دنیا و آخرت کے عذاب و شدائد سے محفوظ رہنے کا زیادہ مستحق ہے۔ پس اگر تم جانتے اور سمجھتے ہو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو، اس کے سوا کسی سے نہ ڈرو۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم یعنی شرک سے آلودہ نہیں کیا تو قیامت کے روز ایسے ہی لوگ عذاب الٰہی سے محفوظ ہیں اور وہی حق کا راستہ پانے والے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۸۶ ۔ ۲۹۳ / ۲، مظہری ۲۸۶ ۔ ۲۹۵ / ۳)

انعامِ خداوندی

۸۳۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○

اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے (حضرت) ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک آپ کا رب حکمت والا (اور) خبردار ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے ساتھ مناظرے میں ان کو لاجواب کر کے جو کھلی فتح پائی وہ ہمارا ہی انعام تھا۔ ہم ہی نے ان کو صحیح نظریہ اور اس کے واضح دلائل بتائے۔ کسی کو اپنی عقل و فہم یا زورِ خطابت پر ناز نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت کے بغیر کسی کو کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کے چاہتا ہے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو پورے عالم میں اور قیامت تک آنے والی نسلوں میں خاص عزت و مقام عطا ہوا ہے اور یہود و نصاریٰ اور مسلمان وغیرہ سب کے سب ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا فضل و انعام ہے۔ کسی کے کسب و اکتساب کا اس میں دخل نہیں۔ (معارف القرآن ۳۸۷ / ۳)

اٹھارہ انبیاء کے نام

۸۴، ۸۸۔ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ○ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ ذٰلِكَ

هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور ہم نے اس (ابراہیمؑ) کو اسحٰقؑ و یعقوبؑ عطا فرمائے۔ ہم نے سب کو ہدایت دی اور سب سے پہلے ہم نے (حضرت) نوحؑ کو ہدایت دی تھی۔ اور اس کی نسل میں (حضرت) داؤدؑ اور (حضرت) سلیمانؑ اور (حضرت) ایوبؑ اور (حضرت) یوسفؑ اور (حضرت) موسیٰؑ اور (حضرت) ہارونؑ کو بھی (ہدایت دی) اور ہم نیک کام کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اور (حضرت) ذکریاؑ اور (حضرت) یحیٰؑ اور (حضرت) عیسیٰؑ اور (حضرت) الیاسؑ کو بھی (ہدایت دی) یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ اور (حضرت) اسمٰعیلؑ اور (حضرت) الیسعؑ اور (حضرت) یونسؑ اور (حضرت) لوطؑ کو بھی (ہدایت دی) اور ہم نے ہر ایک کو تمام اہل جہاں پر فضیلت دی اور ان کے آباء و اجداد میں سے ان کی اولاد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے بھی ہم نے بعض کو برگزیدہ کیا اور ان کو سیدھا راستہ دکھایا۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ہے اللہ تعالیٰ کی ہدایت۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس پر چلاتا ہے اور اگر وہ لوگ بھی شرک کرتے تو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب ضائع ہو جاتا۔

وَهَبْنَا: ہم نے بخشا۔ وَهْبٌ و هِبَةٌ سے ماضی۔

اِجْتَبَيْنٰهُمْ: ہم نے ان کو چن لیا۔ ہم نے ان کو پسند کر لیا۔ اِجْتِبَاءٌ سے ماضی۔

لَحَبِطَ: البتہ وہ غارت ہو گیا البتہ وہ ضائع ہو گیا۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام سمیت ۱۸ انبیاء علیہم السلام کے نام مذکور ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ خدا پرستی اور اتباع توحید حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی پر موقوف نہیں۔ ان سے پہلے ان کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام بھی موحد و مخلص تھے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کی نسل ہی میں سے یہ لوگ بھی موحد تھے، مشرک نہ تھے۔ اور ان کی بزرگی عرب و دیگر بلاد میں مشہور رہی۔ جن انبیاء کا یہاں ذکر ہے ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ (۲) حضرت اسحٰقؑ (۳) حضرت یعقوبؑ (۴) حضرت نوحؑ

(۵) حضرت داوٗدؑ (۶) حضرت سلیمانؑ (۷) حضرت ایوبؑ (۸) حضرت یوسفؑ
(۹) حضرت موسیٰؑ (۱۰) حضرت ہارونؑ (۱۱) حضرت زکریاؑ (۱۲) حضرت یحیٰؑ
(۱۳) حضرت عیسیٰؑ (۱۴) حضرت الیاسؑ (۱۵) حضرت اسمٰعیلؑ
(۱۶) حضرت الیسعؑ (۱۷) حضرت یونسؑ (۱۸) حضرت لوط علیہم السلام۔ (حقانی ۳۴۳/ ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے بعد جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے وہ سب ان کی اولاد میں ہیں۔ ایک شاخ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چلی جس میں بنی اسرائیل کے تمام انبیاء آئے اور دوسری شاخ حضرت اسمٰعیلؑ سے چلی جس میں سید الاولین والآخرین حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

پھر فرمایا کہ ان کے باپ دادا، نسل اور بھائیوں میں سے ہم نے بعض کو برگزیدہ بنایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ یہ دین توحید تو اللہ تعالیٰ ہی کا بتایا ہوا ہے۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کی ہدایت کرتا ہے۔ دوسروں کا تو ذکر ہی کیا، بالفرض اگر یہ پیغمبر بھی شرک کرتے تو جو کچھ نیک اعمال وہ کرتے وہ سب اکارت چلے جاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرکیہ اعمال قبول نہیں۔

انبیاء کی پیروی کی تلقین

۸۹، ۹۰۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ○

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، شریعت اور نبوت عطا کی تھی۔ پھر اگر یہ لوگ (اہل مکہ) ان باتوں کو نہ مانیں تو (ان کو تسلیم کرنے کے لئے) ہم نے ایسے لوگ مقرر کئے ہیں جو ان کا انکار ہی نہ کریں گے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی تھی۔ پس (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی انہی کے طریقے پر چلئے اور کہہ دیجئے کہ میں اس (قرآن سنانے) پر تم سے کوئی معاوضہ

نہیں چاہتا۔ بس یہ تو دنیا جہان کے لئے محض ایک نصیحت ہے۔

وَكَّلْنَا: ہم نے سونپا۔ ہم نے حوالے کیا۔ ہم نے مقرر کر دیا۔ تَوْكِيْلٌ سے ماضی۔

فَقَدْ: پس تحقیق

لَيْسُوْا: وہ نہیں ہیں۔ فعل ناقص ہے۔

اُقْتَدِهْ: تو اس کی اقتدا کر۔ تو اس کی پیروی کر۔ اِقْتِدَاءٌ سے امر۔

تشریح: ان تمام انبیاء کو ہم نے کتاب، حکومت اور نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اب اگر یہ کفار آپ کے طریقہ کا انکار کریں تو آپ اس کا غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے اس کے لئے ایسے بہت سے لوگ مقرر کر دیئے ہیں جو اس کا انکار نہیں کرتے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جو مہاجرین و انصار موجود تھے وہ بھی داخل ہیں اور قیامت تک آنے والے مسلمان بھی۔ یہ آیت ان سب لوگوں کے لئے باعث فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مقام مدح میں ذکر فرمایا ہے۔ اے اللہ ہمیں بھی ان میں سے بنا اور ہمارا حشر بھی انہی کے زمرے میں فرما۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر اہل مکہ کو سنایا گیا کہ کسی قوم کے آباد اجداد محض باپ دادا ہونے کی بنا پر قابل تقلید نہیں ہو سکتے کہ ان کے ہر قول و فعل کو قابل اتباع سمجھا جائے، جیسا کہ عموماً عرب اور اہل مکہ کا خیال تھا بلکہ تقلید و اتباع کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہم جس کی پیروی کرتے ہیں وہ خود بھی ہدایت کے صحیح راستہ پر ہے یا نہیں۔ پھر مذکورہ انبیاء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر تھے۔ آپ بھی انہی کے طریقے کو اختیار فرمایئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جس طرح مجھ سے پہلے انبیاء اپنی امتوں سے تبلیغ دین کے اجر کے طالب نہ تھے، اس طرح میں بھی تم سے اس تبلیغ دین یا قرآن کا معاوضہ نہیں مانگتا۔ یہ تبلیغ دین یا قرآن تو جنوں اور انسانوں کے لئے محض ایک یاد داشت اور نصیحت ہے۔

(معارف القرآن ۳۸۹۔ ۳۹۴ / ۳، مظہری ۲۹۷، ۲۹۸ / ۳)

منکرین کو جواب

۹۱، ۹۲۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا

وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ویسی قدر نہیں جانی جیسی جاننی چاہیئے تھی جبکہ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے پوچھئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو (حضرت) موسیٰ لائے تھے، جو لوگوں کے لئے نور وہدایت تھی جس کو تم نے ورق ورق کر رکھا ہے۔ جن میں سے کچھ تو تم (لوگوں کو) دکھاتے ہو اور بہت سے چھپاتے ہو اور (اس کے ذریعہ) تمہیں بہت سی ایسی باتیں تعلیم کی گئیں جن کو نہ تو تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ (ہی نے نازل کی تھی)، پھر آپ ان کو چھوڑ دیجئے کہ یہ اپنی خرافات میں کھیلتے رہیں۔ اور یہ (قرآن) وہ مبارک کتاب ہے جس کو ہم نے نازل کیا جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے تاکہ آپ اہل مکہ اور اس کے آس پاس والوں کو خبردار کریں اور جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ اس پر بھی ایمان لے آئے ہیں اور وہ اپنی نماز کے بھی پابند ہیں۔

قَرَاطِيْسَ: کاغذ۔ اوراق۔ واحد قِرْطَاسٌ

ذَرْهُمْ: تو ان کو چھوڑ دے۔

خَوْضِهِمْ: ان کی بحث۔ ان کا باتیں بنانا۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعدی بن جبیر کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ ایک یہودی جس کا نام مالک بن الضیف تھا، مناظرہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور جھگڑا کرنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ میں تجھے اس خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے موسیٰ پر توریت نازل فرمائی تھی۔ کیا تم توریت میں یہ

بات لکھی ہوئی پاتے ہو کہ موٹے عالم کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ مالک موٹا تھا۔ یہ سن کر وہ غضبناک ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم اللہ نے کسی انسان پر کوئی حکم نہیں اتارا۔ اس کے ساتھی یہ بات سن کر کہنے لگے کہ کیا موسیٰ پر بھی اللہ نے کچھ نہیں اتارا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ اسی قول کی وجہ سے یہودیوں نے مالک بن الضیف کو اجتہاد کے عہدے سے معزول کر کے اس کی جگہ ابن اشرف کو مقرر کر دیا۔

سدیؒ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول فخاص بن عازور کے حق میں ہوا اور فخاص ہی نے یہ بات کہی تھی۔ ابن جریرؒ نے بطریق ابو طلحہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہودیوں نے سوال کیا، محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اللہ نے آپ پر کوئی کتاب نازل کی ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم اللہ نے آسمان سے کوئی کتاب نہیں اتاری۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۲۹۸، ۲۹۹ / ۳)

تشریح: پہلی آیت ان لوگوں کے جواب میں نازل ہوئی جنہوں نے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔ یہ کتابوں اور رسولوں کا قضیہ سرے سے غلط ہے۔ یہ بات کہنے والے اگر مکہ کے بت پرست تھے، جیسا کہ ابن کثیر نے فرمایا، تو معاملہ ظاہر ہے کہ وہ کسی کتاب اور نبی کے قائل ہی نہ تھے۔ اور اگر یہ بات یہود نے کہی جیسا کہ دوسرے مفسرین کا خیال ہے اور آیت کا سلسلہ۔ کلام بھی بظاہر اسی کی تائید میں ہے تو پھر ان کا ایسا کہنا محض غصہ اور جھنجھلاہٹ کا نتیجہ تھا جو خود ان کے مذہب کے بھی خلاف تھا۔ (معارف القرآن ۳۹۶ / ۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ایسا اندازہ نہیں کیا جیسا کرنا چاہئے تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو نعمت و رحمت نازل فرمائی ہے اس کو انہوں نے نہیں جانا۔ اس لحاظ سے جیسا اللہ تعالیٰ کو پہچاننا چاہئے تھا ویسا انہوں نے نہیں پہچانا۔ اسی لئے انہوں نے یہ کہہ کر کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں فرمایا، پیغمبروں کی بعثت کا انکار کر دیا۔ حالانکہ نبوت اللہ تعالیٰ کی سب بڑی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کی ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھئے اگر اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی کتاب نازل نہیں کی تو یہ توریت کس نے نازل کی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور جو سراسر نور اور لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ تم نے اس توریت کو اپنی نفسانی اغراض کی بنا پر متفرق

اوراق میں رکھا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض اوراق کو جو تمہاری خواہش اور غرض کے مطابق ہوتے ہیں تم ظاہر کرتے ہو اور اکثر اوراق کو تم چھپا لیتے ہو۔

پھر فرمایا کہ اے یہود! توریت کے ذریعہ جو علم تمہیں عطا کیا گیا تھا اس سے زیادہ علم تو تمہیں قرآن مجید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے نہ تو تم اس (علم) کو جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ جب یہودی اس سوال کا جواب نہ دے سکے کہ توریت کس نے نازل کی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ہی بتا دیجئے ان کو کہ توریت بھی اللہ تعالیٰ ہی نے نازل فرمائی تھی۔ اگر اتمام حجت کے بعد بھی یہ لوگ نہ مانیں تو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور جس بیہودہ مشغلہ میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کو اس میں لگا رہنے دیجئے۔ آپ کا کام تو تبلیغ دین ہے، وہ آپ نے کر دیا۔

جس طرح توریت ہم نے نازل کی تھی اسی طرح یہ قرآن بھی ہمارا ہی نازل کیا ہوا ہے۔ یہ بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے۔ اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا دونوں جہان میں کامیابی کا باعث ہے۔ یہ ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور ہم نے یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ اہل مکہ اور مکہ کے تمام اطراف یعنی مشرق و مغرب اور جنوب و شمال میں رہنے والے تمام لوگوں کو خبردار کر دیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہیں مانے گا وہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ جن لوگوں کو جزاو سزا اور عذاب کا اندیشہ ہے وہ آخرت پر ایمان کے ساتھ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہی لوگ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ یہ نماز ان کو آخرت میں کام آئے۔ (مظہری ۲۹۹۔ ۳۰۰۰ / ۳)

سب سے بڑا ظالم

۹۳، ۹۴۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ

اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہیں آتی ۔ اور جو یہ کہے کہ میں بھی وہ نازل کر سکتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ ان کو اس وقت دیکھیں جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف اپنے ہاتھ بڑھا کر کہہ رہے ہوں گے کہ اپنی روح نکالو ۔ آج تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا ۔ تمہاری ان باتوں پر جو تم اللہ تعالیٰ پر ناحق بنایا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے اور بیشک تم ہمارے پاس ویسے ہی تنہا آگئے ، جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور جو کچھ (مال و اسباب) ہم نے تمہیں دیا تھا اس کو تم اپنے پیچھے چھوڑ آئے اور اب ہمیں تمہارے ساتھ تمہاری سفارش کرنے والے بھی دکھائی نہیں دیتے جن کو تم اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے تھے ۔ ضرور تمہارے آپس کے تعلقات منقطع ہوگئے اور تمہارے سب گمان غلط ہوگئے ۔

غَمَرٰتِ : سختیاں ۔ شدتیں ۔ واحد غَمْرَةٌ ۔

بَاسِطُوْا : کھولنے والے ۔ پھیلانے والے ۔ بَسْطٌ سے اسم فاعل ۔

الْهُوْنِ : ذلت ۔ رسوائی ۔ خواری ۔

فُرَادٰى : ایک ۔ ایک ، علیحدہ علیحدہ ۔

خَوَّلْنٰكُمْ : ہم نے تم کو دیا ۔ ہم نے تم کو عطا کیا ۔ تَخْوِيْلٌ سے ماضی ۔

وَرَآءَ : پس پشت ۔ پیٹھ پیچھے ۔

تَقَطَّعَ : وہ قطع ہو گیا ۔ وہ کٹ گیا ۔ وہ جدا ہو گیا ۔ تَقَطُّعٌ سے ماضی ۔

ربط : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد چودہ پیغمبروں کا ان کی نسل میں سے ہونا اور ان کے جد امجد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے ۔ یہ سب کے سب ہدایت یافتہ تھے اور توحید کی دعوت

دیتے اور شرک کو رد کرتے تھے ۔ پس جو شخص راہ ہدایت کا طالب ہو وہ ان لوگوں کے طریقے پر چلے، توحید کا اقرار کرے اور شرک سے اجتناب کرے ۔ اس کے بعد منکرین نبوت کی تردید تھی ۔ ان آیتوں میں مدعیان نبوت کی تہدید ہے کہ فرشتے مار مار کر ان کی جان نکالتے ہیں اور قیامت کے روز ان کو ذلت و خواری کا عذاب دیا جائے گا۔

تشریح: جس طرح نبوت و الہام الہیٰ کا انکار اللہ تعالیٰ کی سخت ناقدری ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا جیسے مالک بن الضیف کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی پر کچھ نازل نہیں کیا یا نبوت اور وحی کا جھوٹا دعویٰ کرنا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور میرے پاس وحی آتی ہے، بھی بڑا ظلم ہے ۔ نزول قرآن کے وقت لوگوں نے ایسی باتیں بھی کہی تھیں ۔ چنانچہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ بر قول قتادہ اس آیت کا نزول مسیلمہ کذاب کے حق میں ہوا ۔ یہ شخص کاہن تھا اور کاہنوں کی طرح مسجع فقرے بولتا تھا ۔ اس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور کہتا تھا کہ اس کے پاس وحی آتی ہے ۔ ابن جریرؒ نے عکرمہ کا بھی یہی بیان نقل کیا ہے ۔ اسی طرح صنعاء، یمن میں اسود عنسی کو خبط ہوا تھا اور مشرکین مکہ قرآنی آیات سن کر کہہ دیا کرتے تھے کہ لو نشاء لقلنا مثل ھذا وغیرہ ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان ظالموں کی موت کا حال بیان فرمایا کہ جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے اور موت کے فرشتے ان کی جان نکالنے کے لئے ہاتھ بڑھا کر تحقیر کے طور پر یہ کہیں گے کہ اب آخرت کے عذاب سے کہاں ہٹتے ہو ۔ اب تم اپنی خبیث روح کو نکالو ۔ آج تمہاری بداعمالیوں، بغض و تکبر، تمہاری افترا بندی اور اللہ کی آیات سے اعراض کی بنا پر تمہیں ذلت و رسوائی کا عذاب ہوگا ۔

مرنے کے بعد حساب و کتاب اور جزاو سزا کے لئے تم اپنا مال و اولاد جو ہم نے تمہیں عطا کیا تھا، دوست و احباب اور تمہارے اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے معبود جن کو تم اپنا سفارشی سمجھتے تھے اور جن کی سفارش کا تمہیں بہت بھروسہ تھا ۔ تم ان سب کو پیچھے چھوڑ کر ہمارے پاس ایسے تنہا آئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اکیلا پیدا کیا تھا ۔ قیامت کے روز تمہارے اس باطل خیال کی بھی قلعی کھل جائے گی کہ تمہارے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بت اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری سفارش کریں گے ۔ اس دن ان بتوں اور تمہارے درمیان قطع تعلق ہو جائے گا ۔ وہ تم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور تم ان سے بَری اور بیزار ہو جاؤ گے اور تمہاری ساری امیدوں پر پانی پھر جائے گا
(حقانی ۲/۳۴۸)

وجود و صفاتِ باری کے دلائل

۹۵، ۹۷۔ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ
وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ ○
فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
حُسْبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ○ وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ
لَکُمُ النُّجُوْمَ لِتَھْتَدُوْا بِھَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ
فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○

بیشک اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ زندہ کو مردہ سے پیدا کرتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔ یہی تو خدا ہے پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔ وہی (رات کی تاریکی میں سے) صبح کا پھاڑنے والا ہے اور اسی نے آرام کے لئے رات بنائی اور اسی نے حساب کے لئے سورج اور چاند بنائے۔ یہ اندازہ اسی ذات کا مقرر کیا ہوا ہے جو زبردست ہے اور بڑی علم والی ہے اور اسی نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان کے ذریعہ بحر و بر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔ بیشک ہم نے ان لوگوں کے لئے تفصیل کے ساتھ دلائل بیان کر دئے جو جانتے بوجھتے ہیں۔

فَالِقُ: پھاڑنے والا۔ نکالنے والا۔ فَلْقٌ سے اسم فاعل۔

اَلنَّوٰی: کھجور کی گٹھلیاں۔ واحد نَوَاۃٌ۔

اَلْحَبُّ: دانہ۔ گٹھلی۔ غلہ۔

تُؤْفَکُوْنَ: تم پلٹائے جاتے ہو۔ تم پھیرے جاتے ہو۔ اَفْکٌ سے مضارع مجہول۔

حُسْبَانًا: آفت۔ عذاب۔ حساب کے مطابق سزا۔ حساب۔ گردش۔

تَقْدِیْرٌ: تقدیر۔ اندازہ کرنا۔

تشریح: پچھلی آیتوں میں کفار و مشرکین کی ہٹ دھرمی اور حقائق و نتائج سے ان کی غفلت کا تذکرہ تھا۔ ان سب خرابیوں کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ اور اس کے بے مثال علم و قدرت سے بے خبری ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہٹ دھرمی کے علاج کے لئے اپنے وسیع علم اور عظیم

قدرت کے چند نمونے اور انسان پر اپنے انعامات و احسانات کا ذکر فرمایا جن میں معمولی غور و فکر سے کوئی سلیم الفطرت انسان خالق کائنات کی عظمت و بے مثال قدرت کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ (معارف القرآن ۳۹۹ / ۳)

اللہ تعالیٰ زمین میں بوئے ہوئے دانوں اور گٹھلیوں کو پھاڑ کر ان میں سے مختلف قسم کے پودے اور روئیدگیاں پیدا فرماتا ہے، جن کے رنگ، شکلیں اور ذائقے الگ الگ ہوتے ہیں۔ خشک دانے اور خشک گٹھلی کو پھاڑ کر اس کے اندر سے ہرا بھرا پودا نکال دینا اس ذات واحد و یکتا کے سوا کسی اور کا فعل نہیں ہو سکتا، جو خالق کائنات ہے۔ انسان کے سعی و عمل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

أَفَرَأَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُونَ ۝ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ۝

کیا تم ان دانوں کو نہیں دیکھتے جن کو تم مٹی میں ڈال دیتے ہو کیا ان کو تم نے اگایا یا ہم نے اگایا۔

پھر فرمایا کہ وہ ایک ضد کو دوسری ضد سے نکالتا ہے۔ یعنی ایک بے جان چیز کے اندر سے جاندار چیز کو نکالتا ہے جیسے نباتات اور جاندار چیز کے اندر سے بے جان چیز کو نکالتا ہے جیسے بیج جو بے جان ہیں اور جاندار پودے کے اندر پیدا ہوتے ہیں یا یہ مطلب کہ زمین تو خشک اور مردہ ہوتی ہے۔ مگر پانی برسا کر ہم اسے زندہ کر دیتے ہیں اور اس سے اناج اور غلہ پیدا کر دیتے ہیں جسے تم کھاتے ہو اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مومن بمنزلہ زندہ کے ہے اور کافر بمنزلہ مردہ کے ہے اس لئے وہ کافر (مردہ) سے مومن (زندہ) کو اور مومن (زندہ) سے کافر (مردہ) کو نکالتا ہے۔

یہ زندہ اور مردہ کرنے والا ہی سب کا مالک و خالق اور اللہ تعالیٰ ہے اور یہی معبود ہونے کا مستحق ہے جو خود عاجز ہو جیسے تمہارے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بت۔ وہ عبادت کا مستحق نہیں پھر یہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے تم کیوں حق سے منہ موڑتے ہو اور غیر خدا کی پرستش کرتے ہو

پھر فرمایا کہ وہی رات کی گہری ظلمت و تاریکی کو پھاڑ کر اس میں سے صبح کو نمودار کرتا ہے اور رات کے اندھیرے میں سے صبح صادق کا اجالا نکالنا بھی اس کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے۔ پھر رات کو آرام و سکون کا ذریعہ بنانا بھی اسی کی قدرت کا کمال ہے۔ انسان اور حیوان دن بھر

تلاش و کسب معاش میں مصروف رہتے ہیں پھر تھک ہار کر رات کو گہری نیند سے سکون حاصل کرتے ہیں ۔ اسی نے سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا جس سے لوگ سالوں، مہینوں، دنوں گھنٹوں، منٹوں اور سیکنڈوں کا حساب لگاتے ہیں ۔ یہ حیرت انگیز نظام جس میں ایک سیکنڈ کا بھی فرق نہیں آتا، اسی ذات واحد و یکتا کی قدرتِ کاملہ کا کرشمہ ہے جو ہر چیز پر غالب بھی ہے اور قوی بھی ۔ اس کو ہر چیز اور ہر کام کا علم بھی ہے ۔

چاند و سورج کے علاوہ دوسرے ستارے بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرتِ کاملہ کے خاص مظہر ہیں ۔ اور ان کے پیدا کرنے میں بے شمار حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ لوگ ان کے ذریعہ جنگل کے اندھیروں اور سمندر کی تاریکیوں میں راستہ کا تعین کرتے ہیں ، پھر فرمایا کہ ہم نے اہل علم کے لئے قدرت کے دلائل خوب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں تاکہ وہ حق کو پہچان کر باطل سے اجتناب کریں ۔ جو لوگ ان کھلی نشانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے وہ بے خبر و بے عقل ہیں ۔ (مظہری ۳۰۳، ۳۰۴ / ۳، ابن کثیر ۱۵۸، ۱۵۹ / ۲)

عجائباتِ قدرت

۹۸، ۹۹۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

اور اس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، پھر کہیں تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور کہیں سپرد کئے جانے کی ۔ بیشک ہم نے سمجھ داروں کے لئے تفصیل کے ساتھ دلائل بیان کر دئے اور (اللہ) وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا ۔ پھر اس (پانی) سے ہم نے ہر قسم کی جڑی بوٹیاں نکالیں ۔ پھر ہم ہی نے اس سے

سبزہ نکالا جس سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے گابھے میں سے
(پھل کے) گچھے نکالتے ہیں جو نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور انگور اور زیتون اور انار
کے باغ پیدا کئے جو باہم ملتے جلتے بھی ہیں اور جدا جدا بھی ہیں۔ جب یہ پھلتے ہیں
تو ان کا پھلنا اور پکنا تو دیکھو ان سب (باتوں) میں ایمان والوں کے لئے (اس
کی قدرت کی) بڑی نشانیاں ہیں۔

اَنْشَاَکُمْ: اس نے تم کو پیدا کیا۔ اس نے تمہاری پرورش کی۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

فَمُسْتَقَرٌّ: پس ٹھہرنے کی جگہ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم مفعول و اسم ظرف مکان۔

مُسْتَوْدَعٌ: پناہ کی جگہ۔ سونپے جانے کی جگہ۔ اِسْتِیْدَاعٌ سے اسم مفعول و اسم ظرف مکان۔

نَبَاتَ: گھاس۔ زمین سے لگنے والی ہر چیز۔

خَضِرًا: سبزہ۔

مُتَرَاکِبًا: اوپر تلے۔ تہ بہ تہ۔ ایک پر ایک چڑھا ہوا۔ تَرَاکُبٌ سے اسم فاعل۔

طَلْعِهَا: اس کا خوشہ۔ اس کا سر۔ اس کا پھول۔

نَخْلِ: کھجور کے درخت۔

قِنْوَانٌ: خوشے۔ گچھے۔ واحد قِنْوٌ۔

دَانِیَةٌ: نزدیک۔ جھکنے والی۔

اَعْنَابٍ: انگور۔ واحد عِنَبٌ۔

الرُّمَّانَ: انار۔ واحد رُمَّانَۃٌ۔

یَنْعِهٖ: اس کا پکنا۔ اس کا مراد کو پہنچنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام سے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی۔
دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اس خدا سے ڈرو جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اس سے
اس کی بیوی (حضرت) حوا کو اور پھر ان دونوں سے بے شمار مرد و عورت پیدا کئے، پھر فرمایا کہ
تمہارے لئے ایک مستقر یعنی زمین پر ٹھہرنے کی جگہ بنائی اس سے مراد دنیا ہے اور ایک مستودع
یعنی سونپے جانے کی جگہ بنائی۔ اس سے مراد قبر ہے جہاں انسان عارضی طور پر رکھا جاتا ہے۔
مطلب یہ ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد ایک مقررہ مدت تک تو دنیا میں رکھا جاتا ہے، پھر
اس کے بعد اس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور اس کو قیامت تک قبر میں رکھا جاتا ہے۔ پھر قیامت

کے دن اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ یہ سب توحید کی نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے سمجھدار لوگوں کے لئے واضح طور پر بیان فرما دیں۔

پھر فرمایا کہ اسی ذات واحد و شاہد نے آسمان سے پانی اتارا جو مبارک ہے اور بندوں کے لئے رزق مہیا کرتا ہے۔ پھر اسی پانی سے ہر قسم کی نباتات اگتی ہے۔ اسی سے کھیتی باڑی اور سرسبز درخت اگتے ہیں اور ان میں دانے اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں کے اندر سے ہم ایسے دانے نکالتے ہیں جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں جنہیں خوشے اور گچھے کہا جاتا ہے۔ اسی پانی سے ہم نے انگور کے باغات اور زیتون و انار کے درخت پیدا کئے جو شکل اور مزے کے اعتبار سے آپس میں ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی ہوتے۔ یہاں انگور اور کھجور کا اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ دونوں پھل اہل حجاز کے پسندیدہ اور بہترین پھل سمجھے جاتے تھے۔

پھر فرمایا کہ جب وہ پک جائے تو اس کے پھل کی طرف دیکھو اور اللہ تعالیٰ کی قدرت میں غور کرو کہ کس طرح وہ ان پھلوں کو عدم سے وجود میں لایا۔ چھوٹا اور کچا پھل کیسا بیکار ہوتا ہے۔ پھر یہی پھل پک کر کیسا بڑا اور لذیذ ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ ان چیزوں میں مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کی بڑی نشانیاں ہیں۔ یہی لوگ ان میں غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں۔ (ابن کثیر ۱۵۹/ ۲، مظہری ۳۰۴، ۳۰۶/ ۳)

مشرکین کی مذمت

۱۰۰، ۱۰۳۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ؗ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

اور انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنا لیا حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے

ہوئے ہیں اور انہوں نے بلا علم اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی گھڑ لیں ۔ وہ پاک ہے اور ان باتوں سے بہت بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ۔ وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے ۔ جب اس کی کوئی بیوی ہی نہیں تو اولاد کیسے ہوگی اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر بات کو جانتا ہے ۔ یہی اللہ تعالیٰ تمہارا پروردگار ہے ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ۔ وہی ہر چیز کا خالق ہے سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے ۔ کوئی آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب آنکھوں کو دیکھتا ہے ۔ وہ نہایت لطیف (اور) خبردار ہے ۔

خَرَقُوْا: انہوں نے تراشا ۔ انہوں نے گھڑ لیا ۔ خَرْقٌ سے ماضی ۔

يَصِفُوْنَ: وہ بیان کرتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں ۔ وَصْفٌ سے مضارع ۔

بَدِيْعٌ: ایجاد کرنے والا ۔ کسی چیز کو بغیر نمونے کے بنانے والا ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت ہے ۔

صَاحِبَةٌ: ساتھ رہنے والی ۔ بیوی ۔ جمع صَوَاحِبُ ۔

تُدْرِكُهٗ: وہ اس کو پاتی ہے ۔ اِدْرَاکٌ سے مضارع ۔

تشریح: جو چیزیں آنکھ سے دکھائی نہیں دیتیں جیسے فرشتے ، خبیث روحیں اور جن ، عرب کے بعض فرقے ان کو پوجتے تھے اور مصیبت کے وقت ان کو پکارتے تھے اور ان کو عالم میں کارکن اور متصرف سمجھتے تھے اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے ۔ یمن کے اطراف میں آتش پرستوں کی حکومت تھی ۔ وہ بھی زرتشت کی تقلید میں دو خدا مانتے تھے ۔ ان میں سے ایک خدا نیکی اور خیر کو پیدا کرتا ہے ، اس کو وہ یزداں کہتے تھے اور یزداں کی فوج کو فرشتے کہتے تھے ۔ دوسرا خدا ظلمت و شر کو پیدا کرتا ہے اس کو وہ اہرمن کہتے تھے ۔ اہرمن کی فوج کو شیاطین اور جن قرار دیتے تھے ۔ یہاں آیت میں جن سے مراد شیطان ہیں ۔ نجران وغیرہ علاقوں میں نصاریٰ رہتے تھے وہ حضرت مریم کو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کی بیوی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا بیٹا کہتے تھے ۔ اسی طرح یہود حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے ۔ یہ سب شرک ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے رد میں فرمایا کہ یہ ان لوگوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر بہتان ہے اور ان لوگوں نے بغیر سمجھے جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اور اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بھی گھڑ لیں حالانکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے

پیدا کئے ہوئے ہیں ۔ پس مخلوق کو خالق کا شریک ٹھہرانا بہت بڑا ظلم ہے ۔ اللہ تعالیٰ ان سب من گھڑت اور بیہودہ باتوں سے پاک اور بالاتر ہے ۔

اسی نے آسمانوں اور زمین کو کسی نمونے کے بغیر پیدا کیا، جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجود ہے وہ سب اسی کا بنایا ہوا ہے ۔ کیا تمہارے ان باطل معبودوں نے بھی کچھ تخلیق کیا ہے ۔ کوئی آسمان یا زمین یا کوئی اور چیز اگر ان باطل معبودوں میں سے کسی نے بنائی ہے تو بتاؤ ۔ اللہ تعالیٰ تو قدیم اور مستغنی ہے ۔ اس کے تو بیوی ہی نہیں، پھر اس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے ۔ وہ تو ان سب چیزوں کا خالق و مالک ہے اور مخلوق بیوی اور بیٹا نہیں بن سکتے ۔ اس کو ہر چیز کا علم ہے وہ سب کچھ جانتا ہے یہ بات باطل معبودوں میں نہیں ۔ (حقانی ۳۵۱/ ۲)

وہی تمہارا رب ہے جس نے ہر شئے کو پیدا کیا ۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ۔ پس تم اسی کی عبادت کرو اور اسی کی وحدانیت کا اقرار کرو ۔ اس کا نہ کوئی لڑکا ہے، نہ کوئی باپ، نہ کوئی بیوی اور نہ کوئی اس کا عدیل و نظیر ۔ وہی ہر چیز کا مدبر ہے ۔ اسی نے رات اور دن بنائے، وہی آسمانوں اور زمین کا خالق ہے ۔ اور وہی اپنی مخلوق کا مالک و رازق ہے ۔ وہی ہر چیز کا محافظ و نگہبان ہے اس کو اس عالم حسی کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں کیونکہ وہ صرف محسوسات کے ادراک کے لئے مخصوص ہیں ۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے کیونکہ وہ نہایت باریک بین اور باخبر ہے ۔ وہ اپنی لطافت کی بنا پر نظر نہیں آتا ۔

اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے بارے میں ائمہ سلف کے مختلف اقوال ہیں ۔ صحیح تر یہ ہے کہ ہماری آنکھیں اللہ تعالیٰ کو دنیا میں نہیں دیکھ سکتیں لیکن آخرت میں دیکھ سکیں گی ۔ متواتر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے ۔ (ابن کثیر ۱۶۱/ ۲)

منکرین پر اتمامِ حجت

۱۰۴، ۱۰۵۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ○ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بینی کے ذرائع پہنچ چکے سو

جو شخص دیکھ لے گا وہ اپنا ہی فائدہ کرے گا اور جو شخص اندھا بنا رہے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ۔ اور ہم اسی طرح مختلف پہلوؤں سے دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ (نادان) لوگ یہ کہیں کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے کس سے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم اس کو اہل علم کے لئے واضح کر دیں ۔

بَصَآئِرُ : کھلی دلیلیں ۔ واضح نصیحتیں ۔ واحد بَصِیْرَۃٌ ۔

نُصَرِّفُ : ہم طرح طرح سے بیان کرتے ہیں ۔ ہم کھول کر بیان کرتے ہیں ۔ تَصْرِیْفٌ سے مضارع ۔

دَرَسْتَ : تو نے پڑھا ۔ دَرْسٌ سے ماضی ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس توحید و رسالت اور قیامت کی ایسی روشن دلیلیں آچکیں جن کو دیکھ کر دل کی آنکھیں کھل جائیں اور ہدایت و گمراہی کا فرق واضح ہو جائے ۔ پس جس نے دل کی آنکھ سے حق دیکھ لیا اور بصیرت سے کام لیا تو اس نے اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کیا اور جو شخص ان واضح دلائل کے باوجود اندھا بنا رہا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا اور میں نہ تو تمہارے اعمال کا نگراں ہوں اور نہ تمہیں جزا اور سزا دینے والا ہوں ۔ میں تو صرف تمہیں اللہ کے احکام پہنچانے والا اور خبردار کرنے والا ہوں ۔ ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے وہ جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے ۔

ہم اسی طرح صاف صاف دلائل بیان کرتے ہیں تاکہ مخالفین پر حجت پوری ہو جائے اور یہ معاندین ضد میں آکر آپ سے یہ کہیں کہ آپ یہ مضامین علماء یہود سے پڑھ کر ان کو وحی الٰہی کہتے ہیں ۔ اگر مشرکین کے نزدیک یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ یہ یہودی علماء کا پڑھایا ہوا ہے تو یہ لوگ بھی یہودی علماء کے پاس جا کر اسی قسم کی آیتیں کیوں نہیں بنوا لاتے اور ان کو قرآن کریم کے مقابلے میں کیوں نہیں پیش کر دیتے ۔ یہودی علماء تو ان مشرکین کے دوست ہیں وہ ان کو پڑھانے سے انکار نہیں کر سکتے ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۶، ۵۱۷ / ۲)

مشرکین سے اعراض کی تلقین

۱۰۶، ۱۰۷۔ اِتَّبِعۡ مَآ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۝ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَکُوۡا ؕ وَمَا جَعَلۡنٰکَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِوَکِیۡلٍ ۝

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس طریقے پر چلتے رہئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ مشرکوں سے کنارہ کش رہئے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر محافظ مقرر نہیں کیا اور نہ آپ پر ان کی جواب دہی ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو وحی کی پیروی کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ یہی حق ہے۔ اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اگر مشرکین اپنے شرک پر اصرار کریں تو آپ اس سے غمگین نہ ہوں بلکہ آپ ان سے منہ پھیر لیں، ان سے درگزر کریں، ان کی ایذا رسانی کو برداشت کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان معاندین پر فتح عطا فرمادے۔

آپ ان کے ہدایت پر آنے کی فکر نہ کریں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور ساری دنیا ہدایت یافتہ ہو جاتی لیکن ان کی گمراہی میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے اس پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو ان کا نگراں اور محافظ بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کو اللہ کے عذاب سے بچالیں اور نہ ان کے جرم کا آپ سے مواخذہ ہو گا۔ آپ کو تو صرف معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا آپ کا کام تو صرف ہمارے احکام ان تک پہنچا دینا اور ان کو سمجھا دینا ہے۔ پھر ان کو ماننا اور ان پر عمل کرنا یا انکار کرنا ان کا کام ہے۔ وہ خود اپنے اعمال کے ذمہ دار ہیں۔ (ابن کثیر ۱۶۳/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۶، ۵۱۷/ ۲)

باطل معبودوں کو بُرا کہنے کی ممانعت

۱۰۸۔ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور (اے مسلمانو!) یہ مشرک اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہیں تم ان کو برا بھلا مت کہو کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بنا پر حد سے تجاوز کر کے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔ اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے اعمال کو ان کی نظروں میں مزین کر دیا۔ پھر ان سب کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانا ہے۔ پھر وہ ان کو بتادے گا، جو کچھ بھی وہ کیا کرتے تھے۔

تَسُبُّوا: تم گستاخی کرو۔ تم برا کہو۔ تم گالیاں دو۔ سَبٌّ سے مضارع۔

زَيَّنَّا: ہم نے زینت دی۔ ہم نے سنوارا۔ تَزْيِيْنٌ سے ماضی۔

فَيُنَبِّئُهُمْ: پس وہ ان کو بتادے گا۔ پس وہ ان کو آگاہ کر دے گا۔ تَنْبِئَۃٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت **اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ** نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ اے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یا تو آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں ورنہ ہم بھی آپ کے رب کو برا کہیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتوں کی ہجو کرنے سے منع فرما دیا۔

سدیؒ اور ابن جریرؒ کی روایتوں کے مطابق جب ابو طالب مرض الموت میں تھے تو قریش کے مشرک سردار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت اور ایذا رسانی میں لگے ہوئے تھے اور آپؐ کے قتل کی سازشیں کرتے رہتے تھے، ان کو فکر لاحق ہوئی کہ ابو طالب کی وفات کے بعد ان کے لئے مشکل پیدا ہو جائے گی کہ اگر انہوں نے ان کی وفات کے بعد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا تو لوگ کہیں گے کہ ابو طالب کے سامنے تو یہ لوگ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ ان کی موت کے بعد ان کو اکیلا دیکھ کر قتل کر دیا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابو طالب سے مل کر کوئی فیصلہ کن بات کر لی جائے۔ چنانچہ ابو سفیان نضر بن حارث، امیہ بن خلف، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط، عمرو بن عاص اور اسود بن ابو البختری جمع ہو کر ابو طالب کے پاس گئے اور ان سے کہا

کہ اے ابو طالب! آپ ہمارے بزرگ اور سردار ہیں آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیں اور ہمارے معبودوں کو سخت تکلیف اور ایذا پہنچار کھی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو بلوا کر سمجھا دیں کہ وہ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں ہم بھی ان کو اور ان کے معبود کو کچھ نہیں کہیں گے۔

ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوا کر کہا کہ یہ آپ کی قوم کے سردار آئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کو اور ان کے معبودوں کو کچھ نہ کہیں اور یہ آپ کو اور آپ کے خدا کو کچھ نہ کہیں گے۔ یہ انصاف کی بات کہہ رہے ہیں، اس لئے آپ ان کی بات مان لیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمہاری یہ بات مان لوں تو کیا تم بھی میری ایک بات مان لو گے جس کو مان لینے کے بعد تم عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجم بھی تمہارے زیر حکم آجائیں گے۔ ابو جہل نے کہا کہ ایسی ایک بات نہیں بلکہ دس باتیں مان لیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا للّٰه** کے قائل ہو جاؤ۔ یہ سن کر سب برہم ہوگئے۔ ابو طالب نے کہا کہ بھتیجے اس کلمہ کے سوا کوئی اور بات کہو کہ یہ اس کو مان لیں۔

آپ نے فرمایا کہ چچا میں اس کلمہ کے سوا کوئی دوسرا کلمہ نہیں کہہ سکتا خواہ وہ آسمان سے سورج لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دیں۔ اس پر یہ لوگ ناراض ہو کر کہنے لگے کہ یا تو آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کو بھی گالیاں دیں گے اور اس کو بھی جو آپ کو یہ حکم دیتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۱۰ / ۳، معارف القرآن ۳۱۸، ۳۱۹ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم مشرکین کے باطل معبودوں کو برا مت کہو کہ کہیں وہ ضد اور اپنی جہالت و ناسمجھی کی بنا پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برا نہ کہنے لگیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک اور قرآن کریم میں نہ تو پہلے کبھی ایسا کلام آیا تھا جسے گالی سمجھا جائے اور نہ آئندہ ایسا کوئی خطرہ تھا۔ البتہ مسلمانوں سے اس کا امکان تھا۔ اس لئے اس آیت کے ذریعہ ان کو ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ نیز گالیاں دینا اور بات ہے اور باطل معبودوں کے عیب و نقائص اور ان کا عجز بیان کرنا اور چیز ہے۔ یہاں قرآن کریم نے مسلمانوں کو مشرکوں کے معبودوں کی برائی کرنے سے روکا ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ باطل معبودوں کی جو تنقیص و تحقیر مذکور ہے اس سے ان کی الوہیت و معبودیت کا ابطال مقصود ہے نہ کہ ان کو برا کہنا

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے ان مشرکوں کے دلوں میں شرک کا خیال پختہ کر دیا ہے اسی طرح ہم نے ہر قوم کی نظر میں ان کے اعمال کو پسندیدہ بنا دیا ہے ۔ اس لئے ہر قوم اپنے اعمال و افعال اور طور طریقوں کو ہی پسند کرتی ہے ۔ خواہ وہ غلط اور شرکیہ ہی ہوں اور ان کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی ۔ یہ دنیا آزمائش اور امتحان کی جگہ ہے ۔ یہاں برے اعمال کی سزا نہیں ملے گی، بلکہ اس کے لئے ایک دن سب کو ان کے رب کی طرف لوٹایا جائے گا جہاں انہیں وہ سب کچھ بتا دیا جائے گا جو کچھ وہ دنیا میں کرتے تھے اور ان کو ان کے اچھے یا برے اعمال کی جزا یا سزا دی جائے گی ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۷، ۵۱۸ / ۲)

دلوں کا پھیرنا

۱۰۹، ۱۱۰۔ وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ○ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ○

اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی سخت قسمیں کھا کر کہا تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی (معجزہ) آئے گا تو ہم ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو بیشک اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو!) تمہیں کیا خبر کہ جب وہ نشانیاں آجائیں گی تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے ۔ اور ہم بھی ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے ۔ جیسا کہ وہ پہلی مرتبہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیں گے ۔

جَهْدَ : زور دار کوشش ۔ سخت ۔ پختہ ۔ مصدر ہے ۔
أَيْمَانِهِمْ : ان کی قسمیں ۔ واحد يَمِينٌ ۔
نُقَلِّبُ : ہم پھیرتے ہیں ۔ ہم موڑتے ہیں ۔ تَقْلِيبٌ سے مضارع ۔
أَفْئِدَتَهُمْ : ان کے دل ۔ ان کے قلوب ۔ واحد فُؤَادٌ ۔
نَذَرُهُمْ : ہم ان کو چھوڑ دیں گے ۔ وَذْرٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول: ابن جریرؒ اور بغویؒ نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے نیز بغویؒ نے کلبیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کے پاس ایک عصا تھا جس کو پتھر پر مار کر وہ بارہ چشمے جاری کر دیتے تھے اور حضرت عیسیٰؑ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور حضرت صالحؑ نے قوم ثمود کے لئے پتھر سے ایک اونٹنی برآمد کر دی تھی، لہٰذا آپ بھی ایسا کوئی معجزہ ہمیں دکھا دیں۔ ہم آپ کو سچا مان لیں گے آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم مجھ سے کیا معجزہ چاہتے ہو۔ قریش نے کہا کہ آپ ہمارے لئے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیں۔ بغویؒ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ آپ ہمارے بعض مُردوں کو زندہ کر کے اٹھا دیں تاکہ آپ کے حق پر ہونے کے بارے میں ہم ان سے دریافت کر لیں یا آپ فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیے تاکہ وہ آپ کی تصدیق کر دیں۔

ابن جریرؒ اور بغویؒ کا بیان ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا معاہدہ کرو کہ اگر یہ معجزہ ظاہر ہو گیا تو تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم اگر آپؐ نے ایسا کر دیا تو ہم آپؐ کی اتباع کر لیں گے۔ پس آپؐ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کھڑے ہو گئے کہ اے اللہ! کوہ صفا کو سونے کا بنا دے اسی وقت حضرت جبرائیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام لے کر آ گئے کہ اگر آپؐ چاہتے ہیں تو کوہ صفا سونے کا ہو جائے گا لیکن اگر اس کے بعد بھی انہوں نے تصدیق نہ کی تو میں ان پر عذاب نازل کر دوں گا اور اگر آپ کی خواہش ہو تو میں ان کو یونہی رہنے دوں تاکہ ان میں سے جو توبہ کرنے والے ہیں وہ توبہ کر لیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ان کو یونہی چھوڑ دیا جائے اور ان پر عذاب نہ آئے تاکہ ان میں سے جو توبہ کرنے والے ہیں وہ توبہ کر لیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۱۱/۳)

تشریح: یہاں مشرکوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر انہیں ان کا کوئی مطلوبہ معجزہ دکھا دیا جائے تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ معجزات کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، میرے اختیار میں کوئی معجزہ نہیں۔ وہ اپنی حکمت سے جس معجزے کو چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے پھر فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اللہ کو معلوم ہے کہ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار و کفر کی وجہ سے ان کے دل اور ان کی نگاہیں پھیر دی ہیں۔ اب یہ کسی بات پر جمنے والے نہیں۔ اب یہ دنیا جہاں کی نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ اس سے پہلے بھی وہ معجزات کو دیکھ کر

ایمان نہیں لائے تھے۔ مثلاً شق القمر کا معجزہ ان کی فرمائش پر دکھایا گیا مگر پھر بھی وہ ایمان نہیں لائے اور اس کو جادو کہہ کر رد کر دیا۔ اسی طرح دوبارہ معجزہ دیکھنے پر بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر فرمایا کہ ہم ان کو سرکشی میں بھٹکنے کے لئے حیران و سرگرداں چھوڑ دیں گے تاکہ ان کا دل اور آنکھیں حق اور ہدایت کی طرف متوجہ نہ ہوں اور ان کو ایمان کی توفیق ہی نصیب نہ ہو۔ (ابن کثیر ۱۶۴، ۱۶۵/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۸/ ۲)

کفار کا ایمان نہ لانا

۱۱۱۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝

اور اگر ہم ان کے پاس فرشتے (بھی) بھیج دیتے اور مُردے ان سے باتیں کرنے لگتے اور ہم تمام چیزوں کو ان کے سامنے اکٹھا کر دیتے تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نادانی ہی کرتے ہیں۔

تشریح: ۔اگر ان کی خواہش کے مطابق، آسمان سے اتر کر فرشتے آپ کی رسالت کی گواہی دیں اور مُردے قبروں سے اٹھ کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور ان سے آپ کی نبوت کی تصدیق کر دیں اور تمام مری ہوئی چیزیں زندہ کر کے ان کے سامنے لا کھڑی کی جائیں یہاں تک کہ بڑے سے بڑا معجزہ بھی ان کو دکھا دیا جائے تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ توفیق دے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہوا تو وہ مومن ہو جائیں گے ورنہ وہ کسی صورت ایمان نہیں لائیں گے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نادان ہیں جو اپنی نادانی اور جہالت کے باعث معجزات تو طلب کرتے ہیں، حق کو طلب نہیں کرتے۔ (حقانی ۳۵۵/ ۲)

انبیاء کے دشمن

۱۱۲، ۱۱۳۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ

وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ۝

اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے شریر آدمیوں اور جنوں کو دشمن کر دیا جو ایک دوسرے کو فریب دینے کے لئے چکنی چپڑی باتوں کے وسوسے ڈالتے رہتے ہیں۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یہ لوگ ایسی حرکت نہ کرتے سو آپ ان کو اور ان کی افتراء پردازی کو چھوڑیئے۔ اور تاکہ (ان کی افتراء پردازی کی طرف) ان لوگوں کے دل مائل ہو جائیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور تاکہ وہ ان کو پسند کریں اور جو غلط کام وہ کرتے ہیں ان کو کرتے رہیں۔

شَيٰطِيْنَ: شیطان سرکش یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اس کا واحد شَيْطَانٌ ہے۔ شیطان اصل میں اس کو کہتے ہیں جو سرکش اور شریر اور بدذات ہو خواہ وہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے، یہاں شیطان سے مراد سرکش جن اور انسان ہیں۔

زُخْرُفَ: چکنی چپڑی۔ بناوٹی۔ ملمع کی ہوئی۔ جمع زَخَارِفُ۔

غُرُوْرًا: فریب۔ جھوٹا وعدہ۔ مصدر ہے۔

لِتَصْغٰى: تاکہ وہ (دل) مائل ہو جائیں۔ تاکہ وہ جھکیں۔ صَغْیٌ سے مضارع۔

لِيَقْتَرِفُوْا: تاکہ وہ کرلیں۔ تاکہ وہ ارتکاب کریں۔ اِقْتِرَافٌ سے مضارع۔

ربط: گزشتہ آیات میں اثبات توحید کے لئے اللہ تعالیٰ نے متضاد و مختلف اشیاء پر اپنی قدرتِ کاملہ کے آثار اور مخلوق کے عجیب حالات بیان فرمائے تاکہ یہ سب چیزیں صانع کے وجود اور اس کی قدرت اور علم و حکمت کے کمال کی دلیل بنیں۔ اور مشرکین پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کے تمام باطل معبود ان عجائباتِ قدرت میں سے ایک ادنیٰ سے ادنیٰ چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے، لہذا وہ عبادت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے عقائد کے رد میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے، کیونکہ اس کے تو کوئی بیوی ہی نہیں اور اولاد کے لئے بیوی کا ہونا ضروری ہے۔ پھر منکرین نبوت کے چند شبہات کا جواب دیا گیا۔ ان آیتوں میں حتمی طور پر بتا دیا گیا کہ کافروں کو خواہ ان کے مطلوبہ معجزے اور نشانیاں دکھا دی جائیں بلکہ اس سے بھی زیادہ تب

بھی وہ اپنی ضد اور عناد کی بنا پر ایمان نہیں لائیں گے ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ جس طرح آپ کے مخالفین اور دشمن ہیں ۔ اسی طرح جنوں اور انسانوں میں سے ہر نبی کے معاندین اور دشمن گزرے ہیں، جو لوگوں کو چکنی چپڑی باتیں سکھا کر گمراہ کیا کرتے تھے ۔ اس لئے آپ ان کی مخالفت پر رنجیدہ نہ ہوں ۔ اگر آپ کا رب چاہتا کہ شیاطین انبیاء کے دشمن نہ ہوں یا وہ دلوں میں گمراہ کن خیالات پیدا نہ کریں تو شیاطین انبیاء سے دشمنی نہ کرتے مگر یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت ہے کہ ہر نبی کا انہی لوگوں میں سے دشمن ہوتا ہے ۔ پس ان سے درگزر کیجئے اور ان کے جھوٹ اور افتراء پردازی کو خاطر میں نہ لائیے ۔

جنوں اور انسانوں میں شیطان پیدا کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ ان کی چکنی چپڑی باتوں میں وہی لوگ آئیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور دنیا کی لذتوں پر فریفتہ ہیں ۔ اور وہ ان کی باتوں کو دل سے صحیح اور حق سمجھتے ہیں ۔ جب آدمی کسی بات کو دل سے حق اور سچ سمجھنے لگتا ہے اور آخرت سے بے فکر ہو جاتا ہے تو وہ دل کھول کر برے کام کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ جب وہ حد سے بڑھتا ہے تو پھر یکایک اس کو پکڑ لیا جاتا ہے ۔ (ابن کثیر ۱۶۶، ۱۶۷ / ۲)

قرآن کی حقانیت

۱۱۴، ۱۱۷ ۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِیْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ اِلَیْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِی الْاَرْضِ یُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ یَّضِلُّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اس نے تو تمہارے پاس واضح کتاب بھیج دی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی

ہے وہ تو یہ جانتے ہیں کہ یہ (قرآن) حقیقت میں آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا اور آپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف میں پوری ہے۔ اس بات کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ وہی خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اور دنیا میں اکثر لوگ ایسے بھی ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا مان لیں تو وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے راستہ سے گمراہ کر دیں، وہ تو محض خیالات پر چلتے ہیں اور وہ محض قیاس لڑاتے ہیں۔ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہیں۔

اَلْمُمْتَرِیْنَ: شک کرنے والے۔ تردد کرنے والے۔ اِمْتِرَاءٌ سے اسم فاعل۔

یَخْرُصُوْنَ: وہ انکل دوڑاتے ہیں۔ وہ قیاسی باتیں کرتے ہیں۔ خَرْصٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ اپنے اور ہمارے اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک ثالث مقرر کر دو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۳۱۴ / ۳)

تشریح: ان آیات میں ان دلائل کا بیان ہے جن سے بدیہی طور پر قرآن کریم کا حق اور کلام الٰہی ہونا ثابت ہے۔ پہلی آیت کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین سے فرمایا کہ میرے اور تمہارے درمیان رسالت و نبوت میں اختلاف ہے۔ میں اس کا مدعی ہوں اور تم منکر۔ اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کا فیصلہ میرے حق میں فرما دیا ہے۔ میرے اس دعوے کا سب سے بڑا ثبوت اور دلیل خود قرآن کا اعجاز ہے جس نے تمام اقوام عالم کو چیلنج کیا کہ اگر اس کے کلام الٰہی ہونے میں کسی کو شبہ ہے تو وہ اس کلام کی ایک چھوٹی سی سورت یا آیت کی مانند کوئی سورت بنا کر لائے۔ جس کے جواب سے تمام عرب عاجز رہا۔ اور جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ختم کرنے کے لئے اپنی جان و مال اور اولاد و آبرو سب کچھ قربان کر رہے تھے ان میں سے ایک بھی ایسا نہ نکلا جو قرآن کے مقابلے کے لئے ایک دو آیت ہی پیش کر دیتا۔ یہ کھلا معجزہ کیا قبول حق کے لئے کافی نہ تھا کہ ایک اُمّی جس نے کہیں کسی سے تعلیم نہیں پائی اس کے پیش کئے ہوئے کلام کے مقابلے سے پورا عرب ہی نہیں بلکہ پورا جہان عاجز و بے بس ہو جائے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا واضح فیصلہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول برحق ہیں اور قرآن کریم اس کا

کلام ہے۔

پہلی آیت میں اسی کے بارے میں فرمایا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اس واضح فیصلے کے بعد میں کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں۔ اس کے بعد قرآن کریم کے چار خصوصی کمالات و امتیازات کا بیان ہے جو اس کے حق اور کلام الٰہی ہونے کا ثبوت ہیں۔

(۱) یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔

(۲) یہ ایک ایسی کامل اور معجز کتاب ہے کہ سارا جہاں اس کے مثل بنانے سے عاجز ہے۔

(۳) اس میں تمام اہم اور اصولی مضامین تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

(۴) اہل کتاب یہود و نصاریٰ بھی یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا کلام حق ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان واضح دلائل کے بعد آپ قرآن کے کتاب اللہ ہونے کے بارے میں شبہ میں نہ پڑیں۔ دوسری آیت میں قرآن مجید کی دو امتیازی صفات کا بیان ہے۔

(۱) سچائی، انصاف اور اعتدال کے اعتبار سے آپ کے رب کا کلام کامل ہے۔

(۲) اللہ کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں۔

بدلنے کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ اس میں غلطی ثابت کرے تو اس غلطی کی اصلاح کے لئے اس میں تبدیلی کی جائے۔ یا یہ کہ کوئی دشمن زبردستی اس کو بدل ڈالے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام ان سب چیزوں سے بالاتر اور پاک ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

بیشک ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ (الحجر آیت ۹)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تمام گفتگو کو سنتا ہے اور وہ سب کے حالات سے واقف ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ زمین پر بسنے والے لوگوں کی اکثریت گمراہی پر ہے۔ آپ اس سے مرعوب نہ ہوں اور نہ ان کی باتوں پر کان دھریں۔ اگر آپ ان کے کہنے پر چلنے لگے تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گے کیونکہ وہ عقائد و نظریات میں محض خیالات اور اوہام کے

پیچھے چلتے ہیں۔ اور انکل سے کام لیتے ہیں۔ یقیناً وہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بے راہ ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے بے راہ ہونا آسان کر دیتا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کی راہ پر چلتے ہیں اور وہ ان کے لئے ہدایت پر چلنا آسان کر دیتا ہے۔ پس قیامت کے روز جس طرح گمراہ لوگوں کو ان کے اعمال کی سزا ملے گی اسی طرح سیدھی راہ پر چلنے والوں کو انعام واکرام سے نوزا جائے گا۔ (معارف القرآن ۴۲۸۔ ۴۳۱ / ۳)

اللہ کے نام کا ذبیحہ

۱۱۸، ۱۱۹۔ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ○ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ○

پس (ذبح کے وقت) جن جانوروں پر اللہ کا نام لیا جائے ان کو کھاؤ اگر تم اس کے احکام پر یقین رکھتے ہو اور اس کا کیا سبب ہو سکتا ہے کہ تم ایسے جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ تم پر واضح کر چکا ہے کہ جو کچھ اس نے تم پر حرام کیا ہے مگر یہ کہ اضطراری حالت میں تم کسی حرام کے کھانے پر مجبور ہو جاؤ۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بہت سے لوگ تو بلا تحقیق اپنے خیالات پر بہکاتے رہتے ہیں۔ بیشک آپ کا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

شانِ نزول: ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے کہ جس (جانور) کو ہم خود قتل کریں اس کو کھالیں اور جس کو ہمارے ذبح کئے بغیر اللہ مار ڈالے اس کو نہ کھائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۱۵ / ۳)

تشریح: کفار جس طرح خون وغیرہ ناپاک چیزوں کو کھا جایا کرتے تھے اسی طرح وہ اس

جانور کو بھی کھا لیتے تھے جو خود بخود مرجاتا تھا یا بتوں پر چڑھایا جاتا اور پھر کسی طرح مرجاتا۔ اس کے برعکس ذبح کئے ہوئے جانور کو اپنا مارا ہوا سمجھ کر نہیں کھاتے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اسی کے بارے میں حکم دیا کہ جو جانور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یعنی بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا گیا ہو اس کو کھاؤ اور حلال (ذبیحہ) کو حرام اور حرام (مُردار) کو حلال قرار دینے میں کافروں کی پیروی نہ کرو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان رکھتے ہو تو ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس سے پرہیز کرو

دوسری آیت میں فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم اس جانور کو نہ کھاؤ جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو تمہارے لئے حرام کیا ہے ان کی تفصیل تو وہ خود بیان کر چکا ہے۔ البتہ اضطرار اور مجبوری کی حالت میں تمہارے لئے وہ بھی حلال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو جہالت کی بنا پر اپنے من گھڑت خیالات اور الٹی سیدھی باتوں کے ذریعہ لوگوں کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ حد سے تجاوز کرتے ہوئے حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جاتے ہیں اور حلال کو چھوڑ کر حرام کو اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ (مظہری ۳۱٦ / ۳)

گناہوں سے اجتناب کی تاکید

۱۲۰۔ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ۗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ○

اور (اے لوگو!) تم ظاہری و باطنی سب گناہ چھوڑ دو۔ بیشک جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔

وَذَرُوْا: اور تم چھوڑ دو۔ وَذْرٌ سے امر۔

يَقْتَرِفُوْنَ: وہ کماتے ہیں۔ وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اِقْتِرَافٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں ظاہری اور باطنی تمام گناہ چھوڑنے کی تاکید ہے۔ ظاہری گناہ وہ ہیں جن کا تعلق جسمانی اعضا۔ ناک، کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ سے ہے۔ باطنی گناہ وہ ہیں

جن کا تعلق دل اور اندرونی جذباتِ نفس سے ہے۔ جو لوگ گناہ کے کام کرتے ہیں ان کو بہت جلد ان کے کئے کی سزا دی جائے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اثم یعنی گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ گناہ وہ ہے جس کی کھٹک تمہارے دل میں ہو اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ تمہارا یہ عمل کسی پر ظاہر ہو جائے

(حقانی ۳۵۸ / ۲، مظہری ۳۱۶ / ۳)

غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ

۱۲۱۔ وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ
الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ
اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ۝

اور ایسے جانور کو مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بیشک (ایسے جانور میں سے کھانا) گناہ ہے اور بیشک شیاطین اپنے دوستوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو بیشک تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

لَفِسْقٌ: البتہ فسق ہے۔ البتہ شرعی حدود سے تجاوز کرنا۔ البتہ نافرمانی کرنا۔ البتہ گناہ کرنا۔ مصدر ہے۔

لَيُوْحُوْنَ: البتہ وہ دل میں ڈالتے ہیں۔ اِیْحَاءٌ سے مضارع۔

لِيُجَادِلُوْكُمْ: تاکہ وہ تم سے جھگڑا کرے۔ مُجَادَلَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں اس جانور میں سے کھانے کی ممانعت کی گئی ہے جس پر ذبح کے وقت قصداً اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ ایسے جانور میں سے کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔ مشرکین مسلمانوں سے اس بارے میں جھگڑا کرتے تھے کہ تم اپنے مارے ہوئے کو (ذبح کئے ہوئے کو) تو حلال کہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے مارے ہوئے کو حرام بتاتے ہو۔ اس آیت میں مشرکین کے اسی خیال کو شیطانی القاء اور وسوسہ کہا گیا ہے۔ پھر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم عقائد اور حلال و حرام میں

خدا نخواستہ ان لوگوں کا کہنا ماننے لگ گئے تو تم بھی شرک کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ دینی امور میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت چھوڑ کر دوسروں کے کہنے پر چلنا اور ان کو قابل اتباع ماننا بھی شرک ہے۔

مومن و کافر کی مثال

۱۲۲، ۱۲۳۔ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

بھلا کیا ایسا شخص جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا اور ہم نے اس کو روشنی دے دی جس سے وہ لوگوں میں چلتا ہے، اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہوا ہے (اور) وہاں سے نکل نہ سکتا ہو۔ اسی طرح ہم نے کافروں کے اعمال ان کی نگاہوں میں مزین کر دئے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے گنہگار لوگ سردار بنا دیئے تاکہ وہ وہاں مکر و فریب کریں اور ان کا مکر صرف انہی کے لئے ہے اور ان کو اس کا شعور نہیں۔

شانِ نزول: ابو الشیخؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت عمر بن خطابؓ اور ابو جہل کے حق میں ہوا۔ ابن جریرؒ نے ضحاک کی روایت سے ایسا ہی واقعہ نقل کیا ہے۔

بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ آیت میں حضرت حمزہ بن عبد المطلبؓ اور ابو جہل مراد ہیں۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر (اونٹ کا) اوجھ ڈال دیا تھا۔ حضرت حمزہؓ شکار سے واپس آ رہے تھے کہ ان کو ابو جہل کی اس حرکت کی اطلاع ملی۔ اس وقت ان کے ہاتھ میں کمان تھی۔ یہ واقعہ حضرت حمزہؓ کے مسلمان ہونے سے پہلے کا ہے۔ حضرت حمزہؓ غصہ میں بھرے ہوئے کمان لے کر ابو جہل کے پاس پہنچے۔ ابو جہل

عاجزی کے ساتھ کہنے لگا کہ ابو یعلی دیکھو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا پیش کر رہے ہیں ۔ یہ تو ہماری عقلوں کو بیوقوف بتاتے، ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتے اور ہمارے اسلاف کی مخالفت کرتے ہیں ۔

حضرت حمزہؓ نے فرمایا کہ تم سے زیادہ احمق کون ہو گا کہ اللہ کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا کرتے ہو ۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔

عکرمہؒ اور کلبیؒ نے کہا کہ یہ آیت حضرت عمار بن یاسرؓ اور ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی ۔ اس آیت کے الفاظ میں عموم ہے اور مذکورہ تینوں حضرات حضرت عمرؓ، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے ۔ اس لئے ان تینوں میں ہر ایک کو اس آیت کا مورد نزول قرار دیا جا سکتا ہے ۔ (مظہری ۳۱۹ ۔ ۳۲۰ / ۳)

تشریح: یہاں مومن و کافر کی مثال بیان کی گئی ہے کہ مومن اسلام لانے سے پہلے کفر و ضلالت کی حالت میں مردہ کی مانند تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے قلب کو ایمان و اتباعِ رسول کی دولت عطا فرما کر زندہ کر دیا اور اس کو قرآن کی روشنی عطا فرمائی جس کو لے کر وہ لوگوں کے ہجوم میں بے تکلف سیدھے راستے پر چل رہا ہے ۔ ایسا شخص قابل اطاعت اور لائق اتباع ہے ۔ یہ مومن اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو اپنے کفر و جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے اور حیران و سرگرداں ہے ۔ وہ ان تاریکیوں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا ۔ ایسا شخص قابل اتباع نہیں ہو سکتا لہٰذا جس کو ایمان کی روشنی مل گئی وہ کفر کی تاریکی والے کی اتباع کیوں کرے ۔

مسند احمدؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا، پھر ان پر اپنے نور کی بارش کی ۔ پس جس نے اس نور کو پا لیا اس کو ہدایت مل گئی اور جس نے اس نور کو نہیں لیا وہ دنیا میں گمراہ رہ گیا ۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ (ہود آیت ۲۴)

دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تو اندھا اور بہرا ہے اور دوسرا دیکھتا اور سنتا ہے ۔ کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے ۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ ۝ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ۝ (فاطر آیات ۱۹تا۲۳)

اور نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ تاریکی اور نور اور نہ سایہ اور گرمی اور نہ زندہ اور مردہ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے ۔ اور آپؐ قبر کے مردے کو نہیں سنا سکتے ۔ آپؐ تو صرف اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کرنے والے ہیں ۔

دوسری آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح آپؐ کی بستی میں مالدار اور بڑے بڑے لوگ (مکہ کے سردار) مجرم اور کافر ثابت ہوئے ہیں جو خود بھی کفر پر قائم ہیں اور دوسروں کو بھی کفر کی طرف بلاتے ہیں اور آپؐ کی مخالفت و عداوت میں بھی خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں ۔ اسی طرح آپؐ سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں سے دشمنی کرنے والے بھی ایسے ہی دولت مند لوگ ہوتے تھے ۔ پھر ان کو جو سزا ملی وہ معلوم ہی ہے ۔ یہاں اکابر کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اس لئے کیا گیا کہ بڑے لوگ چھوٹے لوگوں کو اپنا تابع بنانے کی زیادہ طاقت رکھتے ہیں ۔

پھر جب ہم کسی بستی کو تباہ و برباد کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہاں کے مالدار لوگوں کو جرائم کے ارتکاب میں لگا دیتے ہیں ۔ جب وہ خوب دل کھول کر شرارتیں اور فسق و فجور کرنے لگتے ہیں تو ہم ان کے مکر و فریب اور شرارتوں کے نتیجہ میں ان کو ہلاک و برباد کر دیتے ہیں اور وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں ۔ (ابن کثیر ۱۷۲/ ۲، مظہری ۳۲۰/ ۳)

عطیہء خداوندی

۱۲۴۔ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ

اَلَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَاللّٰہِ وَعَذَابٌ شَدِیْدٌ بِمَا کَانُوْا یَمْکُرُوْنَ○

اور جب ان کے پاس کوئی معجزہ آتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں قائم کرے۔ (کس کو دے) اللہ کے ہاں عنقریب، گنہگاروں کو ذلت پہنچے گی اور ان کی مکاریوں کی وجہ سے ان کو شدید عذاب پہنچے گا۔

سَیُصِیْبُ: عنقریب وہ پہنچے گا۔ عنقریب وہ برسائے گا۔ اِصَابَۃٌ سے مضارع۔

صَغَارٌ: خرابی۔ ذلت۔ خواری۔ مصدر بھی ہے اور اسم بھی۔

یَمْکُرُوْنَ: وہ مکر کرتے ہیں۔ وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں۔ مَکْرٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بغویؒ نے قتادہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے کہا کہ عبد مناف کی اولاد نے شرف میں ہم سے مقابلہ کیا یہاں تک کہ جب ریس کے دو گھوڑوں کی طرح (مقابلے پر) دوڑنے لگے تو انہوں نے اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے کہا کہ ہم میں ایک نبی ہے جس کے پاس وحی آتی ہے۔ خدا کی قسم ہم اس کو نہیں مانیں گے اور نہ کبھی اس کے تابع بن کر رہیں گے ہاں اگر ہمارے پاس بھی اسی طرح وحی آجائے جس طرح اس کے پاس آتی ہے تو مان لیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ولید بن مغیرہ نے کہا تھا کہ اگر نبوت واقعی کوئی ضروری چیز ہے تو میں نبوت کا آپ سے زیادہ حقدار ہوں۔ میں عمر میں بھی آپ سے زیادہ ہوں اور مال میں بھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۲۱ / ۳)

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی نبوت و رسالت کس کو عطا فرمائے۔ ان بیوقوف مشرکوں نے اپنی حالت سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ نبوت و رسالت بھی کوئی کسبی اور اختیاری چیز ہے جسے خاندانی شرافت یا قوم کی سرداری اور مالداری کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کا عہدہ ہے جس کا حاصل کرنا کسی کے اختیار میں نہیں۔ کوئی شخص اپنے علمی و عملی کمالات و مجاہدات کے زور سے نبوت و رسالت حاصل نہیں کر سکتا اور نہ یہ مقامات ولایت میں بلند پروازی کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے۔ بلکہ یہ تو محض فضلِ خداوندی اور عطیہ ربانی ہے جو وہ اپنے علم و حکمت کے ماتحت اپنے خاص بندوں کو عطا فرماتا ہے

البتہ جس شخص کو یہ عہدہ دینا منظور ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ شروع ہی سے اس کے اخلاق و اعمال کی خاص تربیت فرماتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ مشرکین و معاندین جو اپنی قوم میں بڑے اور رئیس کہلاتے ہیں، عنقریب ان کی بڑائی اور عزت خاک میں ملنے والی ہے اور اللہ کے پاس ان کو سخت ذلت و رسوائی پہنچنے والی ہے اور ان کو سخت عذاب دیا جائے گا۔

اللہ کے پاس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے روز یہ لوگ اللہ کے سامنے ذلیل و خوار ہو کر حاضر ہوں گے اور پھر ان کو سخت عذاب دیا جائے گا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اگرچہ اس وقت ظاہر میں یہ بڑے عزت دار اور رئیس ہیں، لیکن اللہ کی طرف سے ان کو سخت ذلت و رسوائی پہنچنے والی ہے، جو دنیا میں بھی ہو سکتی ہے اور آخرت میں بھی۔ جیسا کہ انبیاء کے مخالفین کے ساتھ ہوتا رہا۔ سرداران مشرکین بھی جو اپنی عزت و مالداری کی ڈینگیں مارا کرتے تھے یا تو ایک ایک کر کے اسلام میں داخل ہو گئے یا پھر ذلیل و خوار ہو کر ہلاک و برباد ہو گئے۔ جیسے ابو جہل، ابو لہب وغیرہ۔ (معارف القرآن ۴۴۳ / ۳)

دین کے لئے شرح صدر

۱۲۵۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

پس اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ زور لگا کر آسمان پر چڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر اسی طرح عذاب ڈالے گا۔

يَشْرَحْ : وہ کھولتا ہے۔ وہ کشادہ کرتا ہے۔ شَرْحٌ سے مضارع۔

صَدْرَهٗ : اس کا سینہ۔

ضَیِّقاً: تنگ۔ ضِیْقٌ سے صفت مشبہ۔
حَرَجًا: حرج۔ تنگی۔ گناہ۔ مصدر ہے۔
یَصَّعَّدُ: وہ مشکل سے چڑھتا ہے۔ تَصَعُّدٌ سے مضارع۔
اَلرِّجْسَ: گندگی۔ ناپاکی۔ پھٹکار۔ جمع اَرْجَاسٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت پانے والوں اور گمراہی پر جمے رہنے والوں کے حالات و علامات بیان فرمائی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو ہدایت کرنا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔

حاکم نے مستدرک میں اور بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت بیان کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرح صدر (اسلام کے لئے سینہ کھول دینے) کی تفسیر دریافت کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ایک نور ڈال دیتا ہے جس سے اس کا دل حق بات کو دیکھنے، سمجھنے اور قبول کرنے کے لئے کھل جاتا ہے۔ اور وہ حق بات کو آسانی سے قبول کرنے لگتا ہے اور خلاف حق سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا اس کی کوئی علامت ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اس شخص کی ساری رغبت اور میلانِ قلب آخرت اور اس کی نعمتوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ وہ دنیاوی خواہشات اور فانی لذتوں سے گھبرانے لگتا ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کرنے لگتا ہے۔

اس کے برعکس جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں رکھنا چاہتا ہے تو وہ اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے جس سے اس کے لئے حق بات کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا ایسا دشوار ہو جاتا ہے جیسے کسی انسان کے لئے آسمان پر چڑھنا دشوار ہو۔

امام تفسیر کلبیؒ نے فرمایا کہ اس کا دل تنگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں حق اور بھلائی کے لئے کوئی راستہ نہیں رہتا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جب وہ اللہ کا ذکر سنتا ہے تو اس کو وحشت ہونے لگتی ہے اور جب وہ کفر و شرک کی باتیں سنتا ہے تو ان میں دل لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں کے دلوں پر اسی طرح پھٹکار ڈال دیتا ہے اور حق بات ان کے دل میں نہیں اترتی اور وہ برائی کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔

(معارف القرآن ۴۴۴، ۴۴۵ / ۳)

صراطِ مستقیم

۱۲۶، ۱۲۷۔ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور یہی (اسلام) آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیتوں کو صاف صاف بیان کر دیا ہے۔ ان (ایمان داروں) کے لئے ان کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور ان کے اعمال کے سبب وہی ان کا کارساز ہے۔

صِرَاطٌ: راستہ۔ راہ

مُسْتَقِيْمًا: سیدھا۔ درست۔ صحیح۔

دَارٌ: گھر۔ عالم۔ جمع دیار۔

ربط: قرآن کریم جو بذاتِ خود ایک عظیم ترین معجزہ ہے، وہ آپ کی نبوت و رسالت کی ایک روشن دلیل بھی ہے۔ اور اہل کتاب کے علماء اس کی حقانیت سے واقف بھی ہیں۔ ایسی واضح اور عظیم دلیل کے بعد کسی اور معجزہ کی فرمائش کی ضرورت نہیں تھی مگر جن کے دل میں قبولِ حق کا مادہ ہی نہ ہو وہ ایمان نہیں لا سکتے۔ اس کے بعد حلال و حرام ذبیحوں کا بیان تھا کہ حرام و حلال کے بارے میں اللہ ہی کا حکم چلتا ہے۔ بندوں کے فیصلوں کا اعتبار نہیں۔ پھر مومن و کافر کی مثال بیان کی گئی تاکہ دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے۔ ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم ہی صراط مستقیم ہے جو وحی کے ذریعہ آپ کو عطا فرمایا گیا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ جو قرآن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے اور جس طریقہ اور راستہ کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے وہی سیدھا راستہ ہے۔ اس کے سوا جتنے راستے ہیں وہ سب ٹیڑھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی آیتوں کو نہایت تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے تاکہ اہل عقل و فراست اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس جنت یعنی سلامتی کا گھر ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے اعمال صالحہ

کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھتا ہے اور وہ ان کے تمام امور میں ان کا کارساز و مددگار ہے۔
(ابن کثیر ۲/۱۷۵)

جنّوں سے باز پرس

۱۲۸، ۱۲۹۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعاً يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ
مِّنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيٰۤؤُهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا
بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ أَجَلَنَا الَّذِيْٓ أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰكُمْ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ إِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ○
وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

اور جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرکے (پوچھے گا) اے جنوں کی قوم تم نے بہت سے انسانوں کو اپنے تابع کر لیا تھا اور انسانوں میں سے ان کے دوست عرض کریں گے کہ اے پروردگار ہم (دنیا میں) ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے رہے اور (اب) ہم اپنے اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے جس میں ہمیشہ رہو گے۔ مگر ہاں جو اللہ چاہے بیشک آپ کا رب حکمت والا (اور) خبردار ہے۔ اور اسی طرح ہم (وہاں بھی) گنہگاروں کو ان کے اعمال کے سبب ایک دوسرے سے ملا دیں گے۔

يَحْشُرُهُمْ: وہ ان کو جمع کرے گا۔ وہ ان کو اکٹھا کرے گا۔ حَشْرٌ سے مضارع۔
اسْتَكْثَرْتُمْ: تم نے بہت زیادہ کر لیا۔ تم نے کثرت سے کیا۔ اِسْتِكْثَارٌ سے ماضی۔
اِسْتَمْتَعَ: اس نے فائدہ حاصل کیا۔ اس نے کام نکالا۔ اِسْتِمْتَاعٌ سے ماضی۔
بَلَغْنَا: ہم پہنچے۔ بُلُوْغٌ و بَلَاغٌ سے ماضی۔
أَجَلَنَا: ہمارا وقت۔ ہماری مدت۔ ہماری موت۔ جمع آجَالٌ۔
مَثْوٰكُمْ: تمہارے رہنے کی جگہ۔ تمہارا ٹھکانا۔
نُوَلِّيْ: ہم پھیر دیں گے۔ ہم مسلط کر دیں گے۔ ہم ملا دیں گے۔ تَوْلِيَةٌ سے مضارع۔

تشریح: وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا اور جنوں شیطانوں اور ان کے انسانی مددگاروں سے کہے گا کہ اے جنوں کے گروہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو مکر و فریب سے بہکا کر اپنے تابع کر لیا اور جنوں کے انسان دوست اقرار کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار بیشک تیری بات درست ہے، ہم قصور وار ہیں ہم میں سے ہر ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرتا رہا۔

حسنؒ کہتے ہیں کہ ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کرنا یہ تھا کہ شیاطین حکم دیتے تھے اور یہ نادان انسان اس پر عمل کرتے تھے۔ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی شخص سفر کرتے ہوئے کسی وادی میں بھٹک جاتا تھا تو کہتا تھا کہ میں اس وادی کے سب سے بڑے جن کی پناہ لیتا ہوں، یہی فائدہ اٹھانا تھا اور جنوں کا انسانوں سے فائدہ اٹھانا یہ تھا کہ انسان ان کی تعظیم کرتے تھے اور ان سے مدد طلب کرتے تھے اور انسانوں سے انہیں بزرگی ملتی تھی چنانچہ وہ کہتے تھے کہ ہم جنوں اور انسانوں کے سردار ہیں۔

اس کے بعد جنوں کے انسان دوست کہیں گے کہ اے اللہ تو نے ہمارے لئے جو وقت مقرر کیا تھا وہ ہم نے پورا کر لیا اور قیامت آگئی جس کو ہم جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جب تم توبہ کے بغیر اپنی مقررہ مدت پوری کر کے ہمارے سامنے پیش ہو گئے تو اب تمہارا اور تمہارے اولیاء کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔ اس سے رہائی کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی کو نکالنا چاہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ حکمت و علم والا ہے۔ اس کا کوئی کام علم و حکمت سے خالی نہیں۔ (ابن کثیر ۱۷۶/ ۲)

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے کفار جن و انس کو بے مدد چھوڑ دیا اور ان کو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔ اسی طرح ہم بعض کافروں کو ان کے اعمال کے سبب، بعض کا دوست بنا دیتے ہیں۔ مومن کا دوست مومن کو خیر پر ابھارتا ہے اور نیکی میں اس کی مدد کرتا ہے اور کافر کا دوست کافر کو شر پر اکساتا ہے اور شر میں اس کی مدد کرتا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک قسم کے اعمال نیک یا بد کرنے والے ایک ساتھ کر دئے جائیں گے۔ نیک آدمی نیکوں کے ساتھ جنت میں اور بد دوسرے بدوں کے ساتھ جہنم میں پہنچا دیئے جائیں گے۔

کلبیؒ نے بروایت ابو صالحؒ حضرت ابن عباسؓ کا قول اس طرح نقل کیا ہے کہ جب اللہ

تعالیٰ کسی قوم کی بھلائی چاہتا ہے تو نیک لوگوں کو ان کے امور کا حاکم بنا دیتا ہے اور اگر کسی قوم کی برائی چاہتا ہے تو بدوں کو ان کا حاکم بنا دیتا ہے۔ اس قول کی روشنی میں آیت کا ترجمہ اس طرح ہو گا کہ ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں اور ظالم کے ذریعہ ظالم کی گرفت کرتے ہیں۔

(مظہری ۳۲۴، ۳۲۵ / ۳، معارف القرآن ۴۵۲ / ۳)

کافروں کا اقرارِ جرم

۱۳۰۔ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

اے جنوں اور انسانوں کی جماعت، کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول نہیں آئے جو تمہیں میرے احکام سناتے تھے اور تمہیں ڈراتے تھے اس دن کے پیش آنے سے۔ وہ سب کہیں گے کہ ہم اپنے اوپر گواہ ہیں، یعنی اپنے گناہ کا اقرار کرتے ہیں اور ان کو تو دنیا کی زندگی نے فریب میں ڈال رکھا تھا اور وہ خود ہی اپنے بارے میں گواہی دیں گے کہ بیشک وہ کافر تھے۔

يَقُصُّوْنَ: وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ سناتے ہیں۔ قَصَصٌ سے مضارع۔

لِقَآءَ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

غَرَّتْهُمْ: اس (دنیاوی زندگی) نے انہیں فریب دیا۔ اس نے انہیں دھوکہ دیا۔ غُرُوْرٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافر جنوں اور انسانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ قیامت کے روز ان سے پوچھا جائے گا کہ تم کفر و نافرمانی میں مبتلا رہے۔ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے، جو تمہیں میں سے تھے۔

رسول صرف انسانوں میں ہوئے ہیں جنوں میں نہیں ہوئے۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول بنی آدم میں ہوتے ہیں اور جنوں میں صرف ڈرانے والے ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے

عذاب سے ڈراتے ہیں۔

یہ رسول تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور قیامت کے دن کی پیشی سے ڈراتے تھے۔ اس کے جواب میں وہ کافر جن و انسان کہیں گے کہ ہم اپنے خلاف شہادت دیتے ہیں کہ پیغمبروں نے ہمیں تیرا پیغام پہنچا دیا تھا اور ہم نے ماننے سے انکار کیا تھا۔

مقاتلؒ کا قول ہے کہ کافر یہ شہادت اس وقت دیں گے جب ان کے ہاتھ پاؤں ان کے شرک و کفر کی شہادت دے چکے ہوں گے اور ان کے پاس اقرار کے سوا کوئی چارہ۔ کار نہ ہو گا۔

پھر فرمایا کہ ان کو دنیاوی زندگی نے فریب دے رکھا تھا۔ وہ دنیاوی زندگی میں افراط و تفریط میں مبتلا تھے، انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور معجزات کی مخالفت کی۔ آخر کار وہ اپنی بداعمالیوں اور بغض و عناد کے سبب ہلاک و برباد ہوئے اور قیامت کے روز وہ خود اپنے کافر ہونے کی گواہی دیں گے۔ (مظہری ۳۲۵، ۳۲۶ / ۳)

بے خبری میں عذاب نہ دینا

۱۳۱، ۱۳۲۔ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ○ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ○

یہ اس لئے کہ آپ کا رب کسی بستی والوں کو ان کے ظلم (کفر) کے سبب ان کی بے خبری میں ہلاک کرنے والا نہیں اور ہر ایک کے لئے ان کے اعمال کے سبب درجے ہیں اور آپ کا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔

مُهْلِكَ: ہلاک کرنے والا۔ اِہْلَاکٌ سے اسم فاعل۔

اَلْقُرٰى: بستیاں۔ باشندے۔ دیہات۔ واحد قَرْيَةٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف اور رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک وہ کسی قوم کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ غفلت سے بیدار نہ کر دے اور ان کو دعوت توحید نہ پہنچا دے، اس وقت تک وہ ان کو غفلت اور بے خبری کی حالت میں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ اگر وہ کسی قوم پر عذاب بھیجتا ہے تو پہلے وہاں رسولوں کو بھیج کر تکمیل حجت کرتا ہے جیسا کہ فرمایا کہ کوئی بستی ایسی

نہیں جہاں ہم نے کوئی ڈرانے والا رسول اپنی طرف سے نہ بھیجا ہو اور فرمایا کہ ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا کہ ہم کسی پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک کہ ان کے پاس رسول نہ بھیج دیں۔

اگر اللہ تعالیٰ غفلت میں کسی کو پکڑتا تو وہ کہتے کہ ہمارے پاس تو کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا دوسرے یہ کہ رسول نہ بھیجنے کی صورت میں ان پر ظلم کرنا لازم آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

پھر فرمایا کہ ہر نیک و بد عمل کرنے والے کے لئے اس کے عمل کے لحاظ سے درجات ہوں گے۔ اگر اس کا عمل خیر ہوگا تو اس کا نتیجہ بھی خیر ہی ہوگا اور اگر عمل بد ہوگا تو اس کا نتیجہ بھی بد ہوگا۔ پس اپنے اپنے اعمال کے اعتبار سے کسی کو بہت بڑا اجر و ثواب اور مرتبہ۔ قرب نصیب ہوگا اور کوئی رحمتِ خداوندی سے دور سخت ترین عذاب میں پڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کسی کے عمل سے غافل نہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ جب بھی وہ اس کی طرف لوٹیں گے تو ان کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ (ابن کثیر ۱۷۷، ۱۷۸ / ۲)

کافروں کے لئے سخت وعید

۱۳۳، ۱۳۴۔ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ إِنْ يَّشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ أَنْشَأَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۝ إِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ أَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

اور آپ کا رب غنی ہے (اور) رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ آباد کر دے جیسا کہ تمہیں اور لوگوں کی نسل سے پیدا کیا۔ بیشک جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ آنے والا ہے۔ اور تم ہرگز روک نہ سکو گے۔

يَسْتَخْلِفْ: وہ خلیفہ بناتا ہے۔ وہ جانشین بناتا ہے۔ وہ آباد کرتا ہے۔ اِسْتِخْلَافٌ سے مضارع

أَنْشَأَكُمْ: اس نے تم کو پیدا کیا۔ اس نے تمہاری پرورش کی۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

بِمُعْجِزِيْنَ: عاجز بنانے والے۔ روکنے والے۔ اِعْجَازٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: آپ کا پروردگار تمام مخلوق سے بے نیاز اور رحیم و کریم ہے۔ تمام احول میں سب اسی کے محتاج ہیں۔ اس کو کسی کی عبادت اور بندگی کی ضرورت نہیں اور نہ وہ کسی کی اطاعت و فرماں برداری کا محتاج ہے۔ وہ اپنی مخلوق پر رحمت کرنے والا ہے۔ لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے رسول بھیجتا ہے۔ گناہوں کے باوجود وہ گنہگاروں کو ڈھیل دیتا ہے اور ان کو فوراً سزا نہیں دیتا۔ اگر وہ چاہے تو تمہارے گناہوں کی پاداش میں تم سب کو فنا کر دے اور تمہاری جگہ جس کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے۔ جس طرح ان نے دوسرے لوگوں کی نسل سے تمہیں پیدا کر کے ان کو فنا کر دیا۔ اللہ کے لئے یہ ذرا دشوار نہیں۔ بلاشبہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً آنے والی ہے اور تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے کہ قیامت یا عذاب آنے پر کہیں بھاگ نکلو گے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو گے وہ تمہیں ضرور پکڑ لے گا۔ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمہیں پھر سے زندہ کر دے خواہ تم خاک ہی کیوں نہ بن جاؤ۔ تم قیامت کے روز کے حساب و کتاب سے نہیں بچ سکتے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۴۵ / ۲، مظہری ۳۲۷، ۳۲۸ / ۳)

کافروں کی محرومی

۱۳۵۔ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَکُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، میں بھی عمل کر رہا ہوں، سو عنقریب تم جان لو گے کہ آخرت کے گھر کا انجام کس کے لئے اچھا ہے۔ بیشک ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم ان کو نیک و بد اور نفع و نقصان سب بتا چکے ہیں۔ اگر اب بھی یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے سے باز نہیں آتے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے کفر و عناد پر قائم رہو اور میں اپنے اسلام اور صبر پر قائم ہوں۔ مجھے تمہارے کفر و عداوت کی پرواہ نہیں۔ میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں، تم اپنے کفر و دشمنی پر جمے رہو۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کی بھلائی کس کے لئے ہے

بلاشبہ ظالم کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

مشرکین کی ناسمجھی

۱۳۶۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشی میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے حصہ مقرر کر کے مشرکین اپنے خیال سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو اللہ کا ہے اور یہ (حصہ) ہمارے معبودوں کا، پھر جو حصہ ان کے معبودوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچتا نہیں اور جو حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ کیا ہی برا فیصلہ وہ کرتے ہیں۔

ذَرَاَ: اس نے پیدا کیا۔ اس نے پھیلایا۔ ذَرْءٌ سے ماضی۔

اَلْحَرْثِ: کھیتی۔

اَنْعَام: مویشی۔ چوپائے۔ واحد نَعَمٌ۔

نَصِيْبًا: حصہ۔ ٹکڑا۔ قسمت۔ جمع نُصُبٌ۔

بِزَعْمِهِمْ: اپنے گمان سے۔ اپنے خیال سے۔

سَآءَ: وہ برا ہے۔ سَوْءٌ سے ماضی۔ یہ فعل ذم ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ مشرکوں کا دستور تھا کہ اپنی کھیتیوں، باغوں کے پھلوں، مویشیوں کے بچوں اور تمام اموال میں ایک حصہ اللہ تعالیٰ کا اور ایک حصہ بتوں کے لئے مقرر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حصہ تو مہمانوں اور مسکینوں پر صرف کرتے تھے اور بتوں کا حصہ نوکروں چاکروں اور خدمت گزاروں پر صرف کرتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے حصہ میں سے کچھ حصہ بتوں کے حصہ میں شامل ہو جاتا تو اس کو علیحدہ نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ تو غنی ہے اس کو اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ اللہ کے حصے میں شامل ہو جاتا تو اس

کو فوراً نکال لیتے اور کہتے کہ یہ حاجت مند ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اگر اللہ کے حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اس کی پرواہ نہ کرتے اور اگر بتوں کے حصہ میں سے کوئی چیز ہلاک ہو جاتی تو اللہ کے حصے میں سے اس کی کمی پوری کر لیتے۔ (مظہری ۳۲۸ / ۳)

تشریح: اس آیت میں مشرکین کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے بدعتیں اور شرک و کفر پھیلایا اور دوسری مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا۔ حالانکہ ہر چیز کا خالق و مالک وہی پاک پروردگار ہے اور فرمایا کہ یہ لوگ کھیتی کی پیداوار یا مویشیوں کی نسل سے جو کچھ پیدا کرتے ہیں اس میں سے ایک حصہ تو اللہ تعالیٰ کے نام کا نکالتے ہیں اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نام کا ہے۔ اور یہ ہمارے شرکاء کا ہے۔ حالانکہ اللہ نے ان کو اس کا حکم نہیں دیا، بلکہ یہ محض ان کے دماغ کی اختراع ہے۔ پھر جو شرکاء کے نام کا ہے وہ تو اللہ کے نام پر خرچ نہیں کرتے اور جو اللہ کے نام کا ہے وہ شرکاء کی اغراض میں خرچ کر دیتے ہیں۔ پس ان کا یہ فیصلہ بہت ہی برا ہے۔ کیونکہ اول تو کھیتی اور مویشی جو اللہ نے پیدا کئے ہیں ان میں سے غیر اللہ کا حصہ نکالنا ہی غلط ہے۔ پھر بتوں کو فقیر و محتاج ماننے کے باوجود ان کو معبود کہنا اور بھی شرمناک بات ہے۔ لہٰذا ان کا یہ فیصلہ سراسر حماقت اور جہالت پر مبنی ہے۔ (ابن کثیر ۱۷۹ / ۲، مظہری ۳۲۹،۳۲۸ / ۳)

مشرکین کے غلط عقائد

۱۳۷۔ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے خیال میں ان کے معبودوں نے ان کی اولاد کا قتل کرنا مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں اور تاکہ ان کے دین کو ان کے حق میں خلط ملط کر دیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ ایسا کام نہ کرتے۔ سو آپ ان کو اور ان کی افتراء پردازی کو چھوڑیئے۔

لِيُرْدُوْهُمْ: تاکہ وہ ان کو ہلاک کر دیں۔ تاکہ وہ ان کو برباد کر دیں۔ اِرْدَاءٌ سے مضارع۔

لِيَلْبِسُوْا: تاکہ وہ ملا دیں۔ تاکہ وہ خلط ملط کر دیں۔ لَبْسٌ سے مضارع۔

فَذَرْهُمْ: پس تو ان کو چھوڑ دے۔ وَذْرٌ سے امر۔

یَفْتَرُوْنَ: وہ افتراء کرتے ہیں۔ وہ بہتان لگاتے ہیں۔ اِفْتِرَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: جس طرح شیاطین نے مشرکین کی نظر میں اللہ کے لئے بتوں سے علیحدہ حصہ مقرر کرنا پسندیدہ بنایا اسی طرح شیاطین نے ان کے اس فعل کو بھی ان کی نظر میں مستحسن بنا دیا کہ وہ افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیں اور سسرالی رشتہ کی عار کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیں۔ اس جہالت میں مبتلا کرنے سے شیاطین کا ایک مقصد تو مشرکین کو ابدی ہلاکت میں ڈالنا تھا، تاکہ وہ اس جہالت و سنگدلی میں پڑ کر اپنی دنیا و آخرت دونوں کو تباہ و برباد کر لیں۔ دوسرا مقصد یہ تھا کہ ان کا دین مشتبہ ہو جائے۔

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ یہ خراب کام نہ کرتے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوتا ہے۔ اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ وہ حکیم مطلق ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ پس آپؐ ان کو افتراء پردازی کرنے دیجئے۔ ان کی فکر میں نہ پڑیئے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ آپؐ کا اور ان کا فیصلہ کر دے گا۔ (ابن کثیر ۱۷۹، ۱۸۰/ ۲)

اللہ پر افتراء کا انجام

۱۳۸، ۱۳۹۔ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا یَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا یَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا افْتِرَآءً عَلَیْهِ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ بِمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ یَّكُنْ مَّیْتَةً فَهُمْ فِیْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَیَجْزِیْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝

اور وہ لوگ اپنے خیال میں یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی اچھوتی ہے۔ اس کو کوئی نہ کھائے۔ مگر جسے ہم چاہیں۔ اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر سواری کرنا اور سامان لادنا انہوں نے حرام کر رکھا ہے اور کچھ چوپائے ایسے ہیں کہ جب وہ ان کو ذبح کرتے تو محض اللہ پر افتراء پردازی کرتے ہوئے (اس کو اللہ

کا حکم سمجھتے ہوئے) ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے افتراء کی سزا دے گا۔ اور وہ (یہ بھی) کہتے ہیں کہ جو بچہ ان کے مویشی کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کے لئے ہے اور وہ ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو اس میں سب شریک ہوں گے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دے گا۔ بیشک وہ حکمت والا ہے۔

حِجْرٌ: اچھوتی۔ مخصوص۔ ممنوع۔

بُطُوْنِ: پیٹ۔ واحد بَطْنٌ۔

وَصْفَهُمْ: ان کی غلط بیانی۔ ان کا بات گھڑنا۔ مصدر بھی ہے۔

تشریح: وہ کہنے لگے کہ یہ کھیتی اور مویشی اللہ اور بتوں کے لئے نام زد کئے گئے ہیں۔ یہ ممنوع ہیں۔ ان کے گمان کے مطابق ان کی مرضی کے بغیر ان کو کوئی نہیں کھا سکتا۔ سوائے مردوں اور بتوں کے مجاوروں کے۔ یہ تحریم اور ممانعت، ان پر شیاطین کی طرف سے تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ تھی۔ اسی طرح بعض چوپائے سواری یا بار برداری کے لئے حرام کر رکھے تھے۔ ان چوپایوں سے مراد بحیرہ (جس کا دودھ بتوں کے نام کر دیا گیا ہو) سائبہ (بتوں کے نام پر آزاد چھوڑا ہوا جانور) اور حام (وہ نر اونٹ جس کو ایک مدت کے بعد بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے تھے) ہیں کچھ مخصوص چوپایوں کو ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام لینے کی بجائے وہ ان کو بتوں کے نام لے کر ذبح کرتے تھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ پر محض افتراء ہے۔ نہ یہ اللہ کا حکم ہے اور نہ یہ اس کی رضا جوئی کا ذریعہ، بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کو اس افتراء پردازی کی سزا دے گا۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں سے زندہ بچے برآمد ہوں تو وہ صرف مردوں کے لئے حلال ہیں اور عورتوں کے لئے حرام ہیں۔ اگر وہ بچے مردہ حالت میں برآمد ہوں تو وہ مرد و عورت سب کے لئے حلال ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد ان کو ان کی غلط بیانی کی سزا دے گا۔ بلاشبہ وہ بڑی حکمت والا اور بڑے علم والا ہے۔ وہ بندوں کے اچھے اور برے اعمال سے خوب واقف ہے وہ انہیں پوری پوری جزا دے گا۔ (ابن کثیر ۱۸۰/ ۲، مظہری ۳۳۰، ۳۳۱/ ۳)

اولاد کا قتل کرنا

۱۴۰۔ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۚ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

بیشک وہ لوگ خسارے میں رہے جنہوں نے اپنی اولاد کو نادانی اور جہالت کی بنا پر قتل کر دیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھ کر اس رزق کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا۔ بیشک وہ گمراہ ہو گئے اور وہ ہدایت پانے کے لائق بھی نہ تھے۔

تشریح: جو لوگ جہالت اور بیوقوفی سے اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ ان کا بھی رازق ہے اور ان کی اولاد کا بھی وہ لوگ خسارے میں رہے۔ انہی لوگوں نے اللہ پر افترا باندھتے ہوئے اپنے لئے ان (بحیرہ، سائبہ، وصیلہ، حام) جانوروں کو حرام کر لیا جو اللہ نے ان کے لئے حلال ٹھہرائے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس سے بڑی خرابی، گمراہی اور نقصان کیا ہو گا کہ محض اپنی نادانی اور جہالت کی بنا پر اپنی اولاد سے بھی محروم ہوئے اور زمانے کی نظر میں سنگدل، بد اخلاق اور جاہل بھی مشہور ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی آخرت کے دردناک عذاب کے بھی مستحق ہوئے۔ یہ لوگ واقعی راہ راست سے بھٹک گئے۔ اب کبھی سیدھے راستے پر نہیں آئیں گے۔

(مظہری ۳۳۱، ۳)

قدرتِ کاملہ کے حیرت انگیز مظاہر

۱۴۱، ۱۴۲۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَمِنَ

الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

اور وہی تو ہے جس نے باغ اگائے وہ بھی جو ٹیٹوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹیٹوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور اور مختلف قسم کی کھیتی اور زیتون اور انار بھی جو باہم ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور مختلف بھی ہوتے ہیں اور جب ان میں پھل آجائیں تو ان کو کھاؤ اور کٹنے کے دن ان کا حق ادا کر دیا کرو ۔ یعنی زکوٰۃ دے دیا کرو اور اسراف نہ کرو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور (اللہ ہی نے) بلند قد کے اور چھوٹے قد کے مویشی پیدا کئے ۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں سے کھاؤ ۔ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو ۔ بلاشبہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے ۔

اَنْشَاَ: اس نے پیدا کیا ۔ اس نے پرورش کی ۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی ۔

جَنّٰتٍ: جنتیں ۔ گھنے باغ ۔

مَعْرُوْشٰتٍ: اٹھائے ہوئے ۔ بلند کئے ہوئے ۔ چڑھائے ہوئے ۔ تَعْرِيْشٌ سے اسم مفعول ۔ یہاں درختوں کی وہ بیلیں مراد ہیں جو ٹیٹوں پر چڑھائی جاتی ہیں ۔ جیسے انگور اور بعض سبزیاں ، ترکاریاں ۔ غیر معروشات سے وہ تمام درخت مراد ہیں جن کی بیلیں اوپر نہیں چڑھائی جاتیں ۔ خواہ وہ تنے دار درخت ہوں جن کی بیلیں ہی نہیں ہوتیں یا بیل دار ہوں ۔ مگر ان کی بیلیں زمین پر پھیلتی ہیں ، اوپر نہیں چڑھائی جاتیں ۔ جیسے تربوز ، خربوزہ ، لوکی ، ٹنڈہ ، کھیرا ، ککڑی وغیرہ ۔

النَّخْلَ: کھجور کے درخت ۔ واحد نَخْلَةٌ ، اسم جنس ہے ۔

الزَّرْعَ: ہر قسم کی کھیتی ۔ اگانا ۔ کھیتی کرنا ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

اُكُلُهٗ: اس کا پھل ۔

الزَّيْتُوْنَ: زیتون ۔ ایک مشہور درخت کا نام ہے جس سے روغن نکلتا ہے ۔ درخت کو بھی زیتون کہتے ہیں ۔ اور پھل کو بھی ۔

الرُّمَّانَ: انار ۔ واحد رُمَّانَةٌ

اٰتُوْا: تم دو ۔ تم ادا کرو ۔ اِيْتَاءٌ سے امر ۔

حَقَّهٗ: اس کا حق۔ یہاں غریبوں، مسکینوں کا حصہ مراد ہے۔

حَصَادِہٖ: اس (کھیتی) کی کٹائی۔ مصدر ہے۔

یَوْمَ حَصَادِہٖ: کھیتی کٹنے۔ یا پھل توڑنے کا وقت۔

حَمُوْلَۃً: بلند قد والے۔ بار بردار۔ بوجھ اٹھانے والے۔ حَمْلٌ سے صفت مشبہ۔

فَرْشًا: چھوٹے قد والے۔ فرش کرنا۔ بچھانا

خُطُوٰتِ: قدم۔ واحد خُطْوَۃٌ

ربط: قیامت کے روز جنوں سے باز پرس اور کافروں سے اقرار جرم کے بیان کے بعد بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو غفلت اور بے خبری میں عذاب نہیں دیتا بلکہ پہلے وہ ان کو انبیاء کے ذریعہ دعوت توحید دے کر ان کی غفلت و بے خبری کو دور کرتا ہے۔ اس کے بعد کافروں کے لئے سخت وعید اور مشرکین کی مذمت ہے۔ پھر مشرکین کی جاہلانہ رسموں اور عادتوں کا بیان ہے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے حیرت انگیز کمالات کا بیان ہے۔

تشریح: تمام حیوانات و نباتات کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ تمام جانور و باغات اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ ان سب کی تخلیق میں ذرہ برابر بھی کوئی اس کا شریک نہیں۔ پھر تم کیوں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے ہو۔ حقیقت میں اللہ تو وہی ہے جس نے تمہارے لئے قسم قسم کی نعمتیں پیدا کیں تاکہ تم ان کے ذریعہ اپنے منعم حقیقی کو پہچانو۔ اسی نے تمہارے لئے مختلف قسم کے باغات پیدا کئے۔ کچھ تو انگور کی طرح ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور کچھ نہیں چڑھائے جاتے۔ جیسے وہ پھل دار درخت اور پودے جو جنگلوں اور پہاڑوں میں اگتے ہیں۔ اسی نے کھجور اور کھیتی کو پیدا کیا اور اسی نے زیتون اور انار پیدا کئے۔ ان کے پھل یکساں بھی ہوتے ہیں اور جداگانہ بھی۔ یہ سب اسی کی قدرت کے کرشمے اور اسی کی رحمت و عنایت کے نمونے ہیں۔
اس نے تمام چیزیں تمہاری غذا اور لذت کے لئے پیدا کیں۔ لہذا جب ان پودوں اور درختوں میں پھل آجائیں تو تم یہ پھل کھاؤ اور اس کی نعمت کی قدر کرو اور اس کا شکر ادا کرو اور جب پھل توڑو اور کھیتی کاٹو تو اس وقت غریبوں کا حصہ بھی ادا کرو اور ناجائز باتوں میں خرچ کر کے شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ کا دوست تو وہ ہے جو شرعی حدود کے اندر رہ کر خرچ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے کچھ چوپائے تو بوجھ اٹھانے والے بنائے جیسے اونٹ، گھوڑا۔

گدھا اور خچر وغیرہ۔ جن سے تم بار برداری اور سواری کا کام لیتے ہو اور کچھ چوپائے پست قد اور زمین سے ملے ہوئے بنائے جو بوجھ نہیں اٹھا سکتے، جیسے بھیڑ، بکری وغیرہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ نے تمہارے آرام و راحت کے لئے پیدا کئے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو رزق تمہیں پھل، غلہ اور مویشی وغیرہ کی شکل میں دیا ہے تم اس کو کھاؤ اور شیطان کے طریقے اور احکام کی پیروی نہ کرو۔ جیسے ان مشرکوں نے ان کی اتباع میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کیا۔ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے جس نے تمہیں گمراہ کیا اور دنیا کی نعمتوں سے محروم کیا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۱، ۵۵۲ / ۲)

مشرکین کو ملامت

۱۴۳، ۱۴۴۔ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(اللہ نے) آٹھ قسم کے جوڑے (پیدا کئے) بھیڑوں میں سے دو (نر مادہ) اور بکریوں میں سے بھی دو۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ ان سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو، یا دونوں ماداؤں کے پیٹ کے بچوں کو۔ اگر تم سچے ہو تو مجھے اس کی سند بتاؤ۔ اور اونٹ میں بھی دو (نر و مادہ) اور گائے میں بھی دو (نر و مادہ) پیدا کئے۔ آپؐ ان سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نروں کو حرام کیا ہے یا ماداؤں کو، یا دونوں ماداؤں کے پیٹ کے بچوں کو۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کا

حکم دیا تھا۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو بلا تحقیق لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں بنائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اَلضَّاْنِ: دنبہ۔ بھیڑ۔

اَلْمَعْزِ: بکریاں۔ اسم جنس۔

اَرْحَامُ: پیٹ کے بچے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے یہ باغ اور کھیت اور بار برداری اور سواری کے جانور، سب اسی نے پیدا کئے ہیں۔ اسی نے تمہاری غذا کے لئے نر و مادہ ملا کر آٹھ قسم کے جانور پیدا کئے۔ دو بھیڑ کی قسم سے (نر اور مادہ) اور دو بکری کی قسم سے (نر اور مادہ)۔ ان سب کو اور ان کے بچوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے، کیونکہ یہ سب بنی آدم کی غذا، سواری، بار برداری اور دودھ وغیرہ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھئے کہ جن چیزوں کو تم اپنے خیال میں حرام سمجھتے ہو وہ اللہ نے تم پر کب حرام کیں۔ پھر تم بحیرہ، سائبہ اور حام وغیرہ کو کیوں حرام قرار دیتے ہو، یہ تو سب کے سب حلال ہیں۔

پھر مشرکین کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اپنی طرف سے نئی نئی باتیں نکالتے ہو اور خود ہی کبھی نر کو حرام کہتے ہو اور کبھی مادہ کو حرام بتاتے ہو، کبھی کہتے ہو یہ چیز مردوں کے لئے حرام ہے اور یہ چیز عورتوں کے لئے حرام ہے۔ تمہارے پاس اس تحلیل و تحریم کی کیا دلیل ہے۔ پھر تم خود ہی بعض جانوروں کو حرام قرار دے کر اس تحریم کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہو۔ کیا تم اس وقت حاضر تھے جب اللہ نے اس تحریم و تحلیل کا حکم دیا تھا۔ پس اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۲، ۵۵۳ / ۲)

حرام چیزوں کا بیان

۱۴۵۔ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ

أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ میری طرف وحی کیا گیا ہے، میں اس (قرآن) میں کھانے والے کے لئے کوئی حرام چیز نہیں پاتا، سوائے اس کے کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا سُور کا گوشت ہو، کیونکہ یہ بالکل ناپاک ہے یا ناجائز ذبیحہ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے۔ پھر جو کوئی اضطرار (مجبوری) میں (ان میں سے) کچھ کھالے بشرطیکہ وہ لذت کا طالب نہ ہو اور نہ وہ حاجت سے زیادہ کھانے والا ہو تو آپ کا رب معاف کرنے والا مہربان ہے۔

أَجِدُ: میں پاتا ہوں۔ وِجْدَانٌ سے مضارع۔

دَمًا: خون۔ لہو۔

مَسْفُوْحًا: بہتا ہوا۔ گرایا ہوا۔ سَفْحٌ سے اسم مفعول۔

دَمًا مَّسْفُوْحًا بہتا ہوا خون۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ سیال خون ہے جو زندہ جانور کی گردن کی رگوں سے ذبح کرتے وقت نکلتا ہے۔ اس میں جگر (کلیجی) و طحال (تلی) داخل نہیں، کیونکہ دونوں جامد خون ہوتے ہیں۔ شریعت نے ان دونوں کو حلال کیا ہے۔ اس میں وہ خون بھی شامل نہیں جو گوشت کے ساتھ لگا ہوا رہ جاتا ہے کیونکہ وہ بھی سیال نہیں ہوتا۔

(مظہری ۳۳۶ / ۳)

خِنْزِيْرٍ: سور۔ جمع خَنَازِيْرُ۔

رِجْسٌ: گندگی۔ ناپاکی۔ نجاست۔ جمع اَرْجَاسٌ۔

فِسْقًا: شرعی حدود سے تجاوز کرنا۔ نافرمانی کرنا۔ گناہ کرنا۔ مصدر بھی ہے۔ اسم بھی۔

أُهِلَّ: نامزد کیا گیا۔ پکارا گیا۔ اِہْلَالٌ سے ماضی مجہول۔

اُضْطُرَّ: وہ بے بس ہو گیا۔ وہ بے تاب ہو گیا۔ وہ مجبور ہو گیا۔ اِضْطِرَارٌ سے ماضی مجہول۔

عَادٍ: حد سے تجاوز کرنے والا۔ زیادتی کرنے والا۔ عَدْوٌ و عُدُوٌّ و عُدْوَانٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جن لوگوں نے اللہ کے رزق کو اپنے لئے حرام کرلیا، آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میری

طرف جو وحی اتری ہے میں اس میں ان جانوروں میں سے کسی جانور کو بھی کسی کھانے والے کے لئے حرام نہیں پاتا، خواہ وہ کھانے والا مرد ہو یا عورت۔ سوائے اس کے کہ وہ جانور مردار ہو یعنی وہ جانور کسی انسان کے فعل کے بغیر مر گیا ہو یا وہ بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو، جو بلاشبہ گندگی اور عین نجاست ہے یا وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

اگر کوئی شخص فاقہ اور بھوک کی وجہ سے ان حرام چیزوں میں سے کسی کو کھانے پر مجبور ہو جائے، بشرطیکہ وہ لذت کا طالب نہ ہو اور نہ وہ مقدار ضرورت سے تجاوز کرے تو وہ ان حرام چیزوں میں سے بقدر ضرورت کھا سکتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے کہ اس نے اضطراری حالت میں ان حرام چیزوں میں سے کھانا حرام نہیں رکھا۔ (ابن کثیر ۱۸۳، ۱۸۴ / ۲)

یہود کو سرکشی کی سزا

۱۴۶، ۱۴۷۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۚ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۫ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ○

اور ہم نے یہودیوں پر ناخن والے تمام جانور حرام کر دیئے تھے اور گائے اور بکریوں کی چربی بھی ان پر حرام کر دی تھی سوائے اس چربی کے جو ان کی پشت یا انتڑیوں پر لگی ہوئی ہو یا ہڈی سے ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے ان کو ان کی سرکشی کی سزا دی تھی اور یقیناً ہم سچے ہیں۔ پھر اگر وہ جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے (جو عذاب نازل نہیں کرتا) اور گنہگاروں سے اس کا عذاب نہیں ٹلے گا۔

ظُفُرٍ: ناخن۔ جمع اَظْفَارٌ۔ یہ لفظ انسان اور غیر انسان دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے

شُحُوْمَهُمَا: ان دونوں کی چربیاں۔ واحد شَحْمٌ۔

اَلْحَوَایَا: آنتیں۔ او جھڑی۔ واحد حَوِیَّۃٌ۔

اِخْتَلَطَ: وہ لپٹ گیا۔ وہ مل گیا۔ اِخْتِلَاطٌ سے ماضی۔

بِعَظْمٍ: ہڈی کے ساتھ۔ جمع اَعْظُمٌ و عِظَامٌ۔

بِبَغْیِھِمْ: ان کی سرکشی کے سبب۔ ان کی بغاوت کے سبب۔

بَأْسُہٗ: اس کا عذاب

تشریح: یہود کی شرارتوں کی بنا پر تمام ناخن والے جانور جن کی انگلیاں کٹی کٹی اور جدا جدا نہ ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ اور مرغابی، یہود پر حرام کر دیئے گئے تھے۔ نیز گائے اور بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی، سوائے اس چربی کے جو ان جانوروں کی پشت پر لگی ہوئی ہو یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا ان کی ہڈیوں سے لگی ہوئی ہو۔ یہ چیزیں اپنی ذات میں حلال و طیب ہیں۔ یہود پر یہ تنگی ان کی سرکشی، بغاوت اور دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی سزا کے طور پر کی گئی تھی۔

اگر یہود و مشرک آپ کو اس لئے جھٹلائیں کہ ان پر عذاب کیوں نازل نہیں ہوتا تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے اور بڑا حلیم و بردبار ہے وہ کفر و تکذیب پر فوراً سزا نہیں دیتا۔ تم اللہ کی طرف سے ملی ہوئی مہلت سے یہ نہ سمجھنا کہ تم مجرم نہیں ہو اور تم سے عذاب ٹل گیا۔ اس کی گرفت بڑی سخت ہوتی ہے۔ جب وہ مجرموں پر عذاب نازل کرتا ہے تو پھر وہ ان سے ٹلتا نہیں۔ (ابن کثیر ۱۸۶،۱۸۵/ ۲)

مشرکین کا ایک شبہ

۱۴۸۔ سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ ھَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْہُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ○

اب مشرک کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز (اپنے اوپر) حرام کرتے۔ جو ان سے پہلے ہو چکے

انہوں نے بھی اسی طرح تکذیب کی تھی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمہارے پاس کچھ علم بھی ہے کہ اس کو تم ہمارے سامنے نکالو۔ تم تو محض خیال کی پیروی کرتے ہو اور تم صرف اٹکل ہی دوڑاتے ہو۔

ذَاقُوْا: انہوں نے چکھا۔ ذَوْقٌ سے ماضی۔

بَأْسَنَا: ہمارا عذاب۔ ہماری سختی۔

تَخْرُصُوْنَ: تم اٹکل سے باتیں بناتے ہو۔ تم تجویز کرتے ہو۔ خَرْصٌ سے مضارع۔

تشریح: اہل باطل جب دلیل و برہان سے عاجز ہو جاتے ہیں تو ہٹ دھرمی کرنے لگتے ہیں۔ اس لئے جب مشرکین دلیل کا جواب دینے سے عاجز ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور لپنے پسندیدہ۔ خدا ہونے پر اس طرح استدلال کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا طریقہ اور عمل پسند نہ ہوتا تو وہ اپنی قدرت سے ہمیں کفر سے روک دیتا اور ایمان کی توفیق دے دیتا، لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نہیں روکا، لہٰذا اس کی مشیت اور اس کا ارادہ یہی ہے اور وہ ہم سے راضی ہے۔ یہ استدلال مشرکوں کی جہالت پر مبنی ہے۔ انہوں نے ارادے اور پسندیدگی میں فرق نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کا تعلق تو ہر خیر و شر سے ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ لیکن پسندیدگی کا تعلق کفر سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کافر ہونے کو پسند نہیں کرتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہ کا اس طرح جواب دیا کہ یہ تکذیب کچھ انہی پر موقوف نہیں بلکہ ان سے پہلے لوگ بھی اسی طرح انبیاء کی تکذیب کرتے رہے اور اسی شبہ کے سبب گمراہ ہوتے رہے۔ جب پیغمبروں نے اپنی امتوں کو کفر و شرک سے منع کیا اور ان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ شرک کو پسند نہیں کرتا اور جن چیزوں کو مشرکوں نے از خود حرام کر رکھا ہے اللہ نے ان کو حرام نہیں کیا، تب بھی مشرک اپنی اس تکذیب پر قائم رہے، یہاں تک کہ ان پر اللہ کا عذاب آگیا اور انہوں نے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ اگر وہ صحیح راستہ پر ہوتے تو ان پر اللہ کا عذاب کبھی نہ آتا اور وہ ہلاک نہ کئے جاتے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ تمہارے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ راضی ہے۔ اگر تمہارے پاس اس دعوے کی کوئی

دلیل ہے تو اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرو ۔ تم بھلا اس کا کیا ثبوت دے سکتے ہو ۔ تم تو فقط اپنے قیاس، ظن باطل اور اعتقادِ فاسد کی پیروی کر رہے ہو اور اٹکل چلا رہے ہو اور اللہ پر بہتان لگا رہے ہو ۔ (مظہری ۳۴۰ / ۳، ابن کثیر ۱۸۶ / ۲)

مشرکین کا استدلال

۱۴۹، ۱۵۰۔ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ○

آپ کہہ دیجئے کہ بس اللہ تعالیٰ ہی کی دلیل قوی ہے ۔ پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا ۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے ان گواہوں کو تو لاؤ جو اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ (چیزیں) حرام کر دی ہیں ۔ پھر اگر وہ گواہی دے بھی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیجئے (یعنی ان کا اعتبار نہ کیجئے) اور نہ ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع کیجئے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں ۔

اَلْبَالِغَةُ: اعلیٰ درجے کی ۔ قوی ۔ پہنچنے والی ۔ بُلُوْغٌ سے اسم فاعل ۔

هَلُمَّ: تم لاؤ ۔ تم آؤ ۔ تم حاضر کرو ۔

يَعْدِلُوْنَ: وہ عدل کرتے ہیں ۔ وہ برابر کرتے ہیں ۔ عَدْلٌ سے مضارع ۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار و مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوامر و نہی کی جو دلیل بیان کی ہے وہ تمہارے خلاف کامل و مکمل ہے اور تم نے اللہ کی مشیت کے بارے میں جو استدلال پیش کیا ہے وہ ناقص ہے، کیونکہ مشیت کے لئے رضامندی لازم نہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق کرتا ہے اور جیسا ارادہ کرتا ہے ویسا حکم دیتا ہے ۔ اس سے کسی بات کی باز پرس نہیں کی جا سکتی، وہ سب بندوں سے باز پرس کرے گا ۔ اس

میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اگر وہ چاہتا تو سب ہدایت یافتہ بن جاتے ۔ ہر چیز اس کی قدرت میں ہے ۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون ضلالت کا ۔

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے پاس گواہ ہیں تو ان کو بلاؤ تاکہ وہ آکر گواہی دیں کہ جن چیزوں کو تم حرام کہتے ہو ان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، تاکہ سب پر اتمام حجت ہو جائے اور سب کی کمزوری ظاہر ہو جائے ۔ اگر وہ جھوٹی گواہی دے بھی دیں، تب بھی آپ ان کے ساتھ شہادت نہ دینا اور نہ ان کی تصدیق کرنا، کیونکہ بلاشبہ ان کی گواہی بالکل جھوٹ اور مکاری ہے ۔ آپ ان کی خواہشوں پر نہ چلئے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور جو دوسروں کو اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں ۔ (مظہری ۳۴۱ / ۳، ابن کثیر ۱۸۷ / ۲)

اللہ کے حرام کردہ امور

۱۵۱، ۱۵۳ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ج وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَمَا بَطَنَ ج وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ط
ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ
اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ج وَاَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ج لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ج وَاِذَا قُلْتُمْ
فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ج وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ط ذٰلِكُمْ
وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا
فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ط ذٰلِكُمْ
وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں ۔ وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور تنگدستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ۔ ہم تمہیں

بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی ۔ اور تم بے حیائی کے کاموں کے پاس نہ پھٹکو، خواہ وہ (بے حیائی کے کام) ظاہر (علانیہ) ہوں یا پوشیدہ ۔ اور اس جان کو قتل نہ کرو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق پر ۔ یہ ہے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو اور نہ یتیم کے مال کے قریب جاؤ مگر اس طریقے سے جو بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائے اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو ۔ ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کا حکم نہیں دیتے اور جب کوئی بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ وہ قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو ۔ یہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم یاد رکھو ۔ اور یہ کہ تم میرے اس سیدھے راستہ ہی کی اتباع کرو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے (بھٹکا کر) تتر بتر کر دیں گے جس کا اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو ۔

تَعَالَوْا: تم آؤ ۔ تَعَالِیٌ سے امر ۔

اَتْلُ: میں تلاوت کرتا ہوں ۔ میں پڑھتا ہوں ۔ تِلَاوَۃٌ سے مضارع ۔

اِمْلَاقٍ: افلاس ۔ ناداری ۔ تنگدستی ۔ مصدر ہے ۔

وَصّٰکُمْ: اس نے تم کو حکم دیا ۔ اس نے تم کو نصیحت کی ۔ تَوْصِیَۃٌ سے ماضی ۔

اَشُدَّہٗ: اس کا کمال عقل ۔ اس کی بھری جوانی ۔

اَلْکَیْلَ: پیمانے سے غلہ وغیرہ ناپنا ۔ مصدر ہے ۔

اَوْفُوْا: تم پورا کرو ۔ اِیْفَاءٌ سے امر ۔

ربط: گزشتہ آیات میں مشرکین کو ملامت اور ان حرام چیزوں کا بیان تھا جن کو مشرک حلال سمجھتے تھے ۔ پھر یہود کی سرکشی کی سزا بیان کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شرارتوں کی بنا پر ناخن والے تمام جانور ان پر حرام کر دئے تھے ۔ پھر مشرکین کی ہٹ دھرمی اور ان کے استدلال کا جواب دیا گیا ۔ ان آیتوں میں ان حرام چیزوں کا بیان ہے جن کا تعلق اقوال و افعال سے ہے ۔

تشریح: یہ مشرکین جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں، اللہ کے حلال کو حرام بناتے ہیں اور اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں، یہ سب شیطانی بہکاوے میں ہیں ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ اللہ نے تم پر کن باتوں کو حرام کیا اور میں یہ سب کچھ قیاس، اٹکل اور ظن سے نہیں کہتا بلکہ یہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا پیغام ہے ۔ سو تم ان امور سے بچنے کا اہتمام کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے ۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بتوں کو خدا بناؤ اور نہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دو اور نہ یہود و نصاریٰ کی طرح انبیاء کو خدا اور خدا کا بیٹا کہو۔

۲۔ ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرنا بھی بجائے خود برا سلوک اور گناہ ہے۔

۳۔ ناداری کے اندیشہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، یعنی لڑکیوں کو زندہ دفن نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔

۴۔ بے حیائی کے کاموں کے نزدیک بھی نہ جاؤ، خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

۵۔ جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل نہ کرو، خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم معاہد، ہاں مگر حق پر۔ اس کی تفصیل بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت سے اس طرح آئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں مگر تین چیزوں سے۔

(الف) کوئی شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود بد کاری میں مبتلا ہو جائے۔

(ب) اس نے کسی کو ناحق قتل کر دیا ہو، اس کے قصاص میں مارا جائے۔

(ج) وہ اپنا دین اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو۔

۶۔ یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، اس میں ناحق تصرف نہ کرو، مگر ایسے طریقہ سے جو کہ شرعاً بہت اچھا ہو یعنی اس کو بڑھانے کی نیت سے اس کو کاروبار میں لگاؤ۔ پھر جب وہ یتیم سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کا مال اس کو دے دو بشرطیکہ وہ بیوقوف نہ ہو۔

۷۔ ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، نہ کسی کو کم دو نہ کسی سے زیادہ لو۔ یہ احکام کچھ دشوار نہیں کیونکہ ہم کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔

۸۔ جب تم کسی فیصلہ یا شہادت وغیرہ کے بارے میں کوئی بات کہو تو حق و انصاف کا خیال رکھو، اگرچہ وہ شخص جس کے بارے میں وہ بات کہہ رہے ہو

تمہارا قریبی رشتہ دار ہی ہو۔ یعنی حق کے مقابلے میں رشتہ داری کی رعایت نہ کرو، سچ سچ بیان کرو، خواہ اس میں کسی کا نفع ہو یا نقصان۔

۹۔ اللہ کے ساتھ کیا ہوا عہد پورا کرو۔ خلاف عہد کوئی کام نہ کرو۔

۱۰۔ سیدھے راستہ پر چلو۔ اس کو چھوڑ کر دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے۔

یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ نے تمہیں تاکیداً دیئے ہیں تاکہ تم ان کو سمجھو، یاد رکھو، ان کے خلاف کرنے سے بچتے رہو اور ان سے ہدایت و رہنمائی حاصل کرتے رہو۔

(مظہری ۳۴۱۔ ۳/۳۴۷)

حضرت موسیٰ ؑ کو کتاب دینا

۱۵۴، ۱۵۵۔ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

پھر ہم نے (حضرت) موسیٰ کو کتاب دی تاکہ نیک عمل کرنے والوں پر نعمت پوری ہو اور ہر چیز کی تفصیل ہو اور ہدایت و رحمت ہو تاکہ وہ لوگ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں اور کتاب (قرآن) جو ہم نے نازل کی ہے یہ بڑی برکت والی ہے۔ پس تم اس کی اتباع کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم ہو۔

تَمَامًا: تمام کرنا۔ پورا کرنا۔ مصدر ہے۔

اَحْسَنَ: اس نے احسان کیا۔ اس نے نیکی کی۔ اِحْسَانٌ سے ماضی۔

بِلِقَاۗءِ: ملاقات سے۔ ملنے سے۔ مصدر ہے۔

تشریح: گزشتہ آیات میں جن وصیتوں اور احکام کا بیان تھا وہ سابقہ امتوں پر بھی نافذ تھے۔ ان کی مزید تاکید کے لئے فرمایا کہ یہ وصیتیں اور احکام، ہم اس کتاب (توریت) میں بھی بیان کر چکے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اس زمانے کے نیک لوگوں کے لئے توریت کا

عطیہ سب سے اچھا عطیہ تھا کیونکہ اس میں ہر ضروری چیز کو شرح و بسط کے ساتھ بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ان پر اس توریت کے ذریعہ ہدایت و رحمت کے دروازے کھول دئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین کرلیں اور اس کے شوق میں طاعت کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔

پھر توریت کے بعد اب ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے۔ جو توریت اور دیگر تمام کتب سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ یہ بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے۔ پس اب تم اسی کی اتباع کرو تاکہ تم پر اللہ کی رحمت ہو۔ کسی اور کتاب کی اتباع سے پرہیز کرو کیونکہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اور اس نے تمام سابقہ کتابوں کو منسوخ کر دیا۔ اب قیامت تک نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی اور کتاب۔

(ابن کثیر ۱۹۱ / ۲)

اتمامِ حجت کے لئے قرآن کا نزول

۱۵۶، ۱۵۷۔ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝

اس خیال سے کہ کہیں تم یہ نہ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے صرف دو قوموں (یہود و نصاریٰ) پر نازل ہوئی تھی اور ہمیں تو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی۔ یا یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے بھی زیادہ ہدایت یافتہ ہو جاتے۔ سو اب تمہارے پاس بھی تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل اور ہدایت اور رحمت آچکی ہے، تو اب اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے کترائے۔ ہم عنقریب ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں، ان کے کترانے کے سبب سخت سزا دیں گے۔

طَآئِفَتَيْنِ: دو گروہ۔ دو جماعتیں۔ دو فرقے۔

صَدَفَ: وہ پھرا۔ اس نے منہ موڑا۔ وہ کترایا۔ صَدْفٌ سے ماضی۔

سُوْءَ: برائی۔ گناہ۔ آفت۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے یہ قرآن اس لئے بھی نازل کیا ہے کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہنے لگو کہ آسمانی کتابیں تو صرف یہود و نصاریٰ پر اتاری گئی تھیں اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے معذور تھے، کیونکہ وہ ہماری زبان میں نہیں تھیں۔ یا تم یہ کہنے لگو کہ اگر ہم پر بھی ہماری زبان میں کتاب نازل کی جاتی تو ہم یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ ہدایت پر ہوتے سو اب تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح ہدایت و رحمت والی کتاب ایسی زبان میں آچکی جس کو تم جانتے اور سمجھتے ہو۔ اس کتاب میں حلال و حرام سب کا بیان ہے۔ اب تمہارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

پس ایسی واضح اور روشن ہدایت آجانے کے بعد بھی اگر کوئی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے منہ موڑے اور دوسروں کو بھی اللہ کے احکام کی پیروی کرنے سے روکے تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا۔ جو لوگ ہماری آیتوں سے خود بھی روگردانی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں تو بہت جلد ہم ان کو ان کے اعراض کی سخت سزا دیں گے۔ (ابن کثیر ۱۹۲/ ۲)

کافروں کے لئے سخت تنبیہ

۱۵۸۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ○

کیا یہ لوگ صرف اسی کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپؐ کا رب آئے یا آپؐ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آئے۔ جس دن آپؐ کے رب کی بڑی نشانی آجائے گی تو جو کوئی اس سے پہلے ایمان نہ لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان میں سے کچھ نیکی نہیں کی تھی، تو اس وقت اس کا ایمان (لانا) اس کو کچھ نفع نہ دے گا

آپؐ (منکرین سے) کہہ دیجئے کہ اچھا تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

تشریح: یہاں کافروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تم تو بس اس بات کا انتظار کر رہے ہو کہ تمہارے پاس فرشتے آجائیں یا اللہ تعالیٰ خود تمہارے سامنے آجائے یا اس کی کوئی بڑی نشانی آجائے۔ پہلی دونوں باتیں تو قیامت کے روز ہونے والی ہیں اور تیسری بات قیامت سے پہلے قیامت کی نشانی کے طور پر ضرور ہوگی۔

جس دن آپؐ کے رب کی نشانیاں آجائیں گی تو اس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو اس نشانی کے آنے سے پہلے ایمان نہ لایا ہوگا یا جس نے اس نشانی سے پہلے ایمان کی حالت میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو۔ پس اس نشانی کے ظہور کے بعد نہ کسی کا جدید ایمان قبول ہوگا اور نہ اس کی توبہ قبول ہوگی۔ البتہ جو لوگ اس نشانی کے ظاہر ہونے سے پہلے ایمان کی حالت میں نیک اعمال کرتے تھے، ان کے اعمال قبول کئے جائیں گے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اس دن کا تم بھی انتظار کرو اور ایمان لاؤ اور میں بھی تمہارے بارے میں حکم خداوندی کا انتظار کرتا ہوں۔

بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے اور جب لوگ یہ صورت حال دیکھ لیں گے تو تمام اہل زمین کو یقین ہو جائے گا اور ایمان لے آئیں گے اور اگر پہلے ایمان نہیں لائے تھے تو اب ایمان لانا نفع بخش ثابت نہیں ہوگا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تین چیزیں ظاہر ہونے سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا تو اب ایمان لانا بے کار ہے۔ اور اگر پہلے نیک عمل نہیں کئے تھے تو اب کرنا بے کار ہے۔ ایک یہ کہ سورج کا مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہونا، دوسرے دجال کا نکلنا، تیسرے دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے تک توبہ کرلی تو اس کی توبہ قبول ہو سکے گی ورنہ نہیں۔

(ابن کثیر ۱۹۳، ۱۹۵ / ۲)

تفرقہ کا انجام

۱۵۹۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ○

بیشک جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ ڈال کر کئی فرقے بن گئے تو آپؐ کو ان سے کوئی سروکار نہیں بیشک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ پھر وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔

فَرَّقُوْا: انہوں نے متفرق کر دیا۔ انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تَفْرِيْقٌ سے ماضی۔

شِيَعًا: فرقے۔ گروہ۔ مددگار۔ واحد شِيْعَةٌ۔

لَسْتَ: تو نہیں ہے۔ فعل ناقص ہے۔ عموماً حال کے معنی دیتا ہے۔

يُنَبِّئُهُمْ: وہ ان کو بتا دے گا۔ وہ ان کو آگاہ کر دے گا۔ تَنْبِئَةٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن لوگوں نے شیطان کے بہکانے سے یا اپنی خواہشاتِ نفس کے دباؤ سے اصل دینِ حق کے ساتھ اپنی من پسند چیزوں کو شامل کر لیا اور دین کی بعض چیزوں کو چھوڑ دیا تو انہوں نے اپنے اپنے گروہ بنالئے۔ ایسے لوگوں سے اللہ کے رسول کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا معاملہ تو اللہ کے حوالے ہے۔ قیامت کے روز وہ ان کو بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے اور پھر وہی ان کو سزا دے گا۔ یہاں تفریق دین کرنے والوں سے مراد گزشتہ فرقے ہی نہیں بلکہ اسلام میں بدعتیں شامل کرنے والے بھی اس میں داخل ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت پر بھی قدم بقدم وہی واقعات آئیں گے جو بنی اسرائیل پر آئے یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کسی نے اپنی ماں سے علی الاعلان زنا کیا ہے تو میری امت میں بھی کوئی ایسا ہو گا جو یہ فعل کرے گا۔ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سا فرقہ ہو گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ (وہی فرقہ ہو گا جو) اس طریقہ پر ہو گا جس پر میں اور میرے ساتھی ہیں۔

ترمذیؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔ جمہور پر اللہ کا ہاتھ ہے جو (جمہور سے) بچھڑا وہ بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بالشت بھر جماعت سے علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے نکال دی۔

(مظہری ۳۵۵، ۳۵۹ / ۳)

نیکی کا بدلہ

۱۶۰۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

جو کوئی (قیامت کے دن) نیکی لے کر آئے گا تو وہ اس کا دس گنا بدلہ پائے گا اور جو کوئی گناہ لے کر آئے گا تو وہ صرف اتنی ہی سزا پائے گا (جتنا اس نے گناہ کیا ہے) اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: یہاں آخرت کی جزا و سزا کا بیان ہے کہ جو شخص ایک نیک کام کرے گا تو اس کو اس کا دس گناہ بدلہ دیا جائے گا اور جو شخص ایک گناہ کرے گا تو اس کا بدلہ صرف ایک گناہ کے برابر دیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے اسلام کو خوب ٹھیک کر لے تو پھر اگر وہ ایک نیکی کرے گا تو اس کے لئے اس جیسی نیکیاں دس گنے سے لے کر سات سو گنا تک لکھی جائیں گی اور اگر کوئی بدی کرے گا تو اتنی ہی بدی لکھی جائے گی، یہاں تک کہ وہ اللہ سے جا ملے (متفق علیہ)۔ اس فرمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجر چند گناہ کرنے کو حسن اسلام سے وابستہ کیا ہے جو دل کی صفائی اور تزکیہ۔ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔ ان دونوں کا تعلق اخلاص عمل سے ہے جو تزکیہ۔ قلب و نفس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا

رب عزوجل بڑا رحیم و کریم ہے۔ اگر کسی شخص نے کسی نیک کام کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کر سکا تو بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور اگر اس نے اس پر عمل کر لیا تو دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ حسن نیت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ اضافہ سات سو گنا تک بھی جا پہنچتا ہے۔ اگر کسی نے ایک گناہ کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو اس کے لئے بھی ایک نیکی درج ہو جاتی ہے اور اگر وہ گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو ایک ہی گناہ لکھا جائے گا اور اگر اللہ چاہے تو اس کو بھی مٹا دیتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک نیک عمل کیا اس کو دس گناہ زیادہ ثواب ملے گا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اور اگر ایک بدی کی تو اس کی سزا ایک حصہ ہے بلکہ شاید وہ بھی معاف ہو جائے۔ جو مجھ (اللہ) سے ملے اور دنیا بھر کی خطائیں بھی لائے، لیکن شرک نہ لائے تو میں بھی اس پر اتنی ہی مغفرت نازل کروں گا۔ جو میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

گناہ ترک کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گناہ کا ارادہ ترک کرنا۔ ایسے شخص کو گناہ سے رکنے کے سبب ایک نیکی ملے گی۔ دوم یہ کہ ارادہ کے باوجود بھول کر گناہ کو ترک کر دینا، اس صورت میں اس کے لئے جزا ہے نہ سزا، کیونکہ نہ تو اس نے خیر کی نیت کی اور نہ شر کا فعل کیا۔ سوم یہ کہ کوشش اور گناہ کے اسباب فراہم کرنے کے باوجود کسی مجبوری سے گناہ کا ارتکاب کرنے سے عاجز رہ جاتا ہے۔ ایسا شخص اگرچہ گناہ کا مرتکب نہیں ہوا لیکن وہ بمنزلہ مرتکب ہی کے سمجھا جائے گا اور اسے سزا ملے گی۔

(مظہری ۳۶۰ / ۳، ابن کثیر ۱۹۶ / ۲)

صراطِ مستقیم

۱۶۱، ۱۶۳۔ قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ○ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ○

آپ فرما دیجئے کہ بیشک میرے رب نے مجھے تو سیدھا راستہ بتا دیا ہے۔ صحیح مذہب (حضرت) ابراہیمؑ کا ہے جو سب (باطل معبودوں) سے منہ موڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہو گئے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک میری نماز اور میری سب عبادتیں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جو سارے جہاں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی (توحید) کا مجھے حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔

قِیَمًا: قائم رہنے والا۔ مستحکم۔ صحیح۔ درست۔ مصدر ہے۔

حَنِیْفًا: یکسو ہونے والا۔ سب باطل معبودوں سے منہ موڑ کر صرف اللہ کی فرماں برداری کرنے والا۔ جمع اَحْنَافٌ۔

نُسُکِیْ: میری قربانی۔ میری عبادت۔

تشریح: یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکین کو بتا دیجئے کہ تم جتنی چاہو راہیں نکال لو اور اپنے لئے جس قدر چاہو معبود مقرر کر لو، مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں۔ مجھے تو میرے رب نے صراط مستقیم بتا دیا ہے، جس میں کوئی کجی نہیں۔ یہ راستہ ایک دین مستحکم ہے جو سب باطل معبودوں کو چھوڑ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ ہے، جنہوں نے کبھی شرک نہیں کیا تھا۔ وہ خدا کی نعمتوں کے شکر گزار رہے۔ دنیا و آخرت دونوں جگہ ان کا شمار نیک ترین بندوں میں ہوتا ہے۔ اے مشرکین مکہ تم اپنے باپ کے طریقے کے خلاف کیوں شرک کرتے ہو، حالانکہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلنے کا دعویٰ بھی کرتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کے حکم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل و اکمل ہو گئے، اس لئے کہ آپ ہی نے ملتِ ابراہیمی کو قیام عظیم بخشا اور آپ ہی سے اس دین کی تکمیل ہوئی۔ کوئی اور نبی اس دین کی تکمیل نہ کر سکا۔ آپ ہی اولاد آدم کے مطلقاً سردار ہیں۔ آپ ہی مقام محمود پر فائز ہیں کہ قیامت کے روز ساری مخلوق آپ ہی کی طرف رجوع کرے گی حتیٰ کہ خود خلیل اللہ بھی۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری ساری عبادت،

میرا جینا اور مرنا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے، جو تمام جہان کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے تو اسی اقرار و اخلاص کا حکم دیا گیا ہے اور میں اس امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوں اور جس بات کو میں تم سے پہلے حاصل کر چکا ہوں، اسی کی تمہیں دعوت دیتا ہوں، لہٰذا تمہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ میں تمہارا بھی خواہ ہوں۔ (ابن کثیر ۱۹۷، ۱۹۸ / ۲، مظہری ۳۶۲ / ۳)

حق و باطل کا فیصلہ

۱۶۴۔ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور رب کو تلاش کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے۔ اور جو کوئی برا کام کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ اور کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ پھر تم سب کو اپنے رب ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ سو وہ تمہیں بتا دے گا، جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے۔

اَبْغِيْ: میں تلاش کروں۔ میں ڈھونڈوں۔ بُغْیٌ سے مضارع۔

تَزِرُ: وہ بوجھ اٹھاتی ہے۔ وِزْرٌ سے مضارع۔

وَازِرَةٌ: بوجھ اٹھانے والی۔ وِزْرٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ کفارِ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کرتے تھے کہ آپؐ ہمارے مذہب کی طرف لوٹ آیئے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۳۶۲ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ یہ مشرکین جو مسلمانوں اور آپؐ سے توحید کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور آپؐ کو توحید کا راستہ چھوڑ کر اپنے کفر و شرک کے طریقہ پر چلنے کے لئے کہتے ہیں تو آپؐ ان سے کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر، جو ہر چیز کا خالق و مالک ہے، کسی اور کو اپنا رب کیوں بناؤں۔ میرا رب تو وہی ہے جو

خالق حقیقی اور واحد و یکتا ہے۔ وہی میری تربیت اور حفاظت کرتا ہے۔ وہی میرے ہر امر میں میرا مدبر ہے۔ میں تو اس کے سوا کسی اور کی طرف نہیں جھکوں گا کیونکہ ساری مخلوق اسی کی ہے۔ اس لئے حکم کا حق صرف اسی کو ہے۔

اگر کوئی شخص نامناسب عمل کرے گا تو اس کا گناہ بھی اسی پر ہو گا۔ ایک کے گناہ کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ قیامت کے روز جو سزا یا جزا ہو گی وہ حکمت اور عدل کی بنیاد پر ہو گی۔ نیکی کا نیک بدلہ ملے گا اور بدی کی سزا ملے گی۔ پھر سب اپنے رب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ وہ سب مومنوں اور مشرکوں کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا اور ان کو بتادے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر اور ہر ایک کو اس کے عمل و اعتقاد کے مطابق سزا یا جزا دے گا۔

(ابن کثیر ۱۹۹/ ۲)

آزمائش کا طریقہ

۱۶۵۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ڮ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور اسی نے تو تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض پر بعض کے درجے بلند کئے تاکہ وہ تمہیں ان چیزوں میں آزمائے جو اس نے تمہیں دی ہیں بیشک آپ کا رب جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

سَرِيْعُ: جلدی کرنے والا۔ تیزی سے کرنے والا۔ سُرْعَۃٌ سے صفت مشبہ۔

اَلْعِقَابِ: عقوبت۔ عذاب۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے گزشتہ اقوام کی ہلاکت کے بعد تمہیں بااختیار اور زمین کا والی وارث بنایا اور تم میں سے بعض کے مقابلے میں بعض کے درجات بلند کئے۔ کوئی امیر ہے، کوئی غریب ہے، کوئی خوبصورت ہے، کوئی بدصورت ہے، کوئی عالم ہے، کوئی جاہل، کوئی تندرست ہے، کوئی بیمار، کوئی رذیل ہے، کوئی شریف اور کوئی عقل مند ہے اور کوئی بے عقل۔ یہ سب اس

لئے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو جاہ و مال تمہیں عطا فرمایا ہے اس میں تمہیں آزمائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ تم شرک کرتے ہو یا اس کی نعمتوں کا شکر کرتے ہو اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہو۔

جس طرح وہ دنیا میں فرق مراتب پر قادر ہے اسی طرح وہ آخرت میں بھی جزا و سزا میں فرق مراتب پر قدرت رکھتا ہے۔ بلاشبہ آپ کا پروردگار، دین میں مختلف راہیں نکالنے والوں کو جلد ہی سزا دے گا۔ بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر یہ نافرمان اب بھی ایمان لے آئیں تو وہ ان کے سب گناہ معاف فرما دے گا۔

تقدیر

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے تھا کہ آپؐ نے فرمایا۔ "اے لڑکے! میں تمہیں چند کلمے بتاتا ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ تم اس کا لحاظ رکھو تو اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب تو کچھ مانگنا چاہے تو اللہ ہی سے مانگ۔ جب تو مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے مدد طلب کر اور خوب جان لے کہ اگر ساری امت بھی تمہیں کچھ نفع پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نفع پہنچا سکتی ہے جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھا ہے اور اگر سب لوگ تمہیں نقصان پہنچانے پر متحد ہو جائیں تو وہ تمہیں صرف اتنا ہی نقصان پہنچا سکتے ہیں جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ تقدیر کے قلم اٹھائے جا چکے ہیں اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔" (ترمذی شریف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الاعراف

وجہ تسمیہ: اعراف، عرف کی جمع ہے، جس کے معنی بلند جگہ کے ہیں۔ دوزخ اور جنت کے درمیان ایک بلند دیوار حائل ہے جو جنت کا اثر دوزخ تک اور دوزخ کا اثر جنت تک نہیں پہنچنے دیتی۔ اسی کا نام اعراف ہے۔ اس کی بلندی پر سے جنتی اور دوزخی سب نظر آئیں گے۔ اس دیوار کی بلندی پر کچھ لوگ ہوں گے جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی۔ اس لئے یہ لوگ جنت کے مستحق ہیں اور نہ دوزخ کے۔ فی الحال ان کو اعراف میں رکھا جائے گا۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے بہشت میں داخل فرمائے گا۔ اسی بلند دیوار یعنی اعراف کی مناسبت سے اس سورت کا نام اعراف رکھا گیا۔

تعارف: یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی مگر اس کی آٹھ آیتیں ۱۶۳ تا ۱۷۰ مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اس میں ۲۴ رکوع، ۲۰۶ آیتیں، ۳۳۸۷ کلمات اور ۱۴۶۳۵ حروف ہیں۔

گزشتہ سورت میں زیادہ تر توحید کے مضامین تھے۔ اس سورت میں زیادہ تر مضامین بعثت و رسالت اور معاد (آخرت) سے متعلق ہیں۔ سورت کی ابتداء سے چھٹے رکوع تک تقریباً معاد و آخرت کے مضمون کا بیان ہے۔ پھر آٹھویں رکوع سے اکسویں رکوع تک انبیاء سابقین کے حالات، ان کی امتوں کے واقعات، ان کی جزاو سزا اور ان پر آنے والے عذابوں کا مفصل ذکر ہے یہ سب رسالت سے متعلق ہیں۔ رکوع بائیس کے نصف سے تیئس کے ختم تک معاد و آخرت کی بحث ہے۔ صرف ساتویں اور بائیسویں رکوع کے ابتدائی نصف اور آخری رکوع کے اکثر حصہ میں توحید پر خاص بحث ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اس رکوع میں کتاب اللہ کے نازل کرنے کی غرض و غایت کا بیان اور اس پر عمل کا

تاکیدی حکم دیا گیا۔ پھر سابقہ قوموں پر عذاب کا حال اور ان کی طرف سے اپنے ظلم کا اقرار ہے۔ آخر میں تمام امتوں سے پیغمبروں کی دعوت قبول کرنے کے بارے میں سوال کا ذکر ہے۔ اس کے بعد میزان میں مومنوں کا پلہ بھاری ہونے، خسارے میں رہنے والوں اور انعاماتِ خداوندی کا ذکر ہے۔

رکوع ۲: ابلیس کی نافرمانی، اللہ تعالیٰ سے اس کا مکالمہ اور اس کی تذلیل کا بیان ہے۔ پھر شیطان کا اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگنا اور اس کو مہلت ملنا، آدم و حوا پر انعام خداوندی اور شیطان کا ان کو ورغلانا مذکور ہے۔ آخر میں آدم و حوا کی دعا اور ان کا زمین پر اترنا اور زمین پر زندگی گزارنے کا بیان ہے۔

رکوع ۳: لباس کی ضرورت اور اس کا نزول، شیطان کے بہکاوے میں نہ آنے کی تاکید ہے۔ پھر اتباعِ شریعت اور نماز میں ستر پوشی کی تاکید ہے۔

رکوع ۴: کفار کو غلط عقائد پر تنبیہ، حرام چیزوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ پھر مشرکین کے انجام اور منکرین و مکذبین کی سزا کا بیان ہے۔

رکوع ۵: منکرین کی جنت سے محرومی، جنت میں داخلہ کی شرط اور اہلِ جنت کے احوال کا بیان ہے۔ اس کے بعد اہلِ جنت و دوزخ کی گفتگو اور اہل اعراف کا تذکرہ ہے۔

رکوع ۶: اہلِ اعراف کا مشرکین کو پکارنا، اہل دوزخ کا اہلِ جنت سے فریاد کرنا اور کفار کا کفِ افسوس ملنا مذکور ہے۔ کتاب اللہ کے ہدایت و رحمت ہونے اور دوزخ والوں کی طرف سے دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش کا بیان ہے۔

رکوع ۷: اللہ تعالیٰ کے خالق و حاکم ہونے کا ذکر اور دعا کی تاکید اور اس کا طریقہ مذکور ہے پھر کائنات میں تصرفاتِ خداوندی کا بیان ہے۔

رکوع ۸: حضرت نوحؑ کی تبلیغ، قومِ نوح کے سرداروں کی طرف سے حضرت نوحؑ کی تکذیب، قومِ نوحؑ کی غرقابی اور حضرت نوحؑ کو کشتی کے ذریعہ بچانے کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۹: حضرت ہودؑ کی تبلیغ، قومِ عاد کے سرداروں کی طرف سے حضرت ہودؑ کی تکذیب، قوم کا حضرت ہودؑ سے عذاب کا مطالبہ کرنا اور ان پر عذاب کا واقع ہونا اور قومِ عاد کی جڑ کاٹنے کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: حضرت صالحؑ کا اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرنا اور اونٹنی کے واقعے کا بیان ہے۔ پھر

قومِ عاد کا انجام، کافر سرداروں کی طرف سے حضرت صالحؑ کی تکذیب، اونٹنی کی کونچیں کاٹنا اور عذابِ الٰہی سے قومِ ثمود کی ہلاکت اور قومِ لوط کا واقعہ مذکور ہے

رکوع ۱۱: حضرت شعیبؑ کی تبلیغ اور قوم کو ناپ تول میں کمی نہ کرنے کی تلقین، قومِ شعیبؑ کا حال، حضرت شعیبؑ کی دعا اور قوم پر تین طرح کے عذاب مذکور ہیں۔ اس کے بعد قومِ شعیبؑ کے سرداروں کی سرکشی، قومِ شعیبؑ کا دردناک انجام اور حضرت شعیبؑ کے اظہارِ افسوس کا بیان ہے۔

رکوع ۱۲: انبیاء کو جھٹلانے والوں کی آزمائش اور ان کو اچانک پکڑنے کا بیان ہے۔ مکذبین و منکرین کی بدنصیبی، لوگوں کی عذاب سے بے خوفی اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۳: کفار کے دلوں پر مہر لگ جانے، بدعہدوں کی کثرت، مفسدوں کے انجام کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰؑ کا فرعون سے مناظرہ، بنی اسرائیل کا مطالبہ، عصائے موسیٰؑ کا معجزے کے طور پر اژدہا بننا اور یدِ بیضاء کا معجزہ۔

رکوع ۱۴: سرداروں کے مشورہ سے فرعون کا جادوگروں کو طلب کرنا اور ان کو حضرت موسیٰؑ سے مقابلے پر آمادہ کرنا اور جادوگروں کا اجرت کا مطالبہ کرنا مذکور ہے۔ پھر ساحروں کی طرف سے جادو کا مظاہرہ اور ان کے جواب میں عصائے موسیٰؑ کا معجزہ۔ آخر میں ساحروں کا قبولِ اسلام، فرعون کا غیظ و غضب اور مومن ساحروں کا ایمان و اسلام پر استقامت دکھانا۔

رکوع ۱۵: سرداروں کی طرف سے فرعون کو بنی اسرائیل کے خلاف اکسانے، حضرت موسیٰؑ کی قوم کو نصیحت اور بنی اسرائیل کے شکوہ کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۶: قومِ فرعون کی پکڑ اور ان کی ہٹ دھرمی، آلِ فرعون پر طرح طرح کے عذاب اور بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰؑ سے دعا کی درخواست کرنا مذکور ہے۔ پھر آلِ فرعون کا غرق ہونا، بنی اسرائیل کو مصر و شام کا وارث بنانا، بنی اسرائیل کا ایک جاہلانہ مطالبہ اور حضرت موسیٰ کی نصیحت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۷: کوہ طور پر چالیس راتوں کا وعدہ، حضرت موسیٰؑ کا اپنی عدم موجودگی میں حضرت ہارونؑ کو اپنا خلیفہ بنانا، حضرت موسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ سے دیدار کی درخواست کا بیان ہے۔ پھر کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی، حضرت موسیٰؑ کو تختیوں کا تحفہ اور تکبر کی سزا

مذکور ہے۔

رکوع ۱۸: بنی اسرائیل کا بچھڑے کی پوجا کرنا اور اس پر نادم ہونا، حضرت موسیٰ کی حضرت ہارونؑ سے باز پرس اور ان کی وضاحت اور حضرت موسیٰ کا دعا کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۱۹: بچھڑے کی پوجا پر سزا، حضرت موسیٰ کے ساتھ بنی اسرائیل کے ستر سرداروں کا کوہِ طور پر جانا اور حضرت موسیٰ کی دعا اور توریت و انجیل میں آنحضرت کا تذکرہ۔

رکوع ۲۰: آنحضرت کی عالمگیر نبوت، بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے، بنی اسرائیل پر انعاماتِ خداوندی۔ بستی میں بخشش طلب کرتے ہوئے داخل ہونے کا حکم اور اس حکم کو تبدیل کرنے کی سزا کا بیان ہے۔

رکوع ۲۱: ہفتے کے دن کے حکم کی خلاف ورزی، بنی اسرائیل کو نصیحت کرنے والوں کی نجات اور نافرمانوں پر عذاب کا بیان ہے۔ پھر توریت میں تحریف کرنے اور رفعِ جبل کا واقعہ مذکور ہے۔

رکوع ۲۲: عالمِ ارواح میں روحوں سے عہدِ الست لینا، ہدایت کے بعد گمراہی میں پڑنے والوں اور اللہ کی آیات کو جھٹلانے والوں کی مثال۔ تکذیب کرنے والوں کا چوپایوں کی مانند ہونا اور اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا کرنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲۳: منکرین و مکذبین کو ڈھیل دینے، مضبوط تدابیر کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نذیر ہونے کا ذکر ہے۔ پھر غور و فکر کی ترغیب اور سرکشی میں سرگرداں پھرنے والوں کا ذکر اور قیامت کے وقوع کا علم اور آنحضرتؐ کا عالمِ غیب نہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲۴: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، شرک کی ابتداء اور معبودوں کی بے بسی کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حدود اور جاہلوں سے اعراض کا حکم اور اللہ کی پناہ مانگنے کی تلقین ہے۔ پھر پرہیزگاروں کی ایک خاص صفت، وحی کی تاخیر پر کفار کا تمسخر کرنا، قرآن سننے کے آداب، ذکر اللہ کی تلقین و آداب اور مقرب لوگوں کا تذکرہ ہے۔

حروفِ مقطعات

۱۔ الٓمّٓصٓ ۝ یہ حروفِ مقطعات ہیں ۔ اس قسم کے مختلف حروف قرآنِ کریم کی ۱۱۴
سورتوں میں سے ۲۶ سورتوں کے شروع میں آئے ہیں ۔ ان کے صحیح معنی و مراد
اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں ۔

اتباعِ قرآن کی ترغیب

۲،۳۔ کِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْکَ فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ
بِهٖ وَ ذِکْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ
وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ قَلِیْلًا مَّا تَذَکَّرُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل کی گئی ہے ۔ سو آپ کے دل میں اس سے تنگی پیدا نہ ہو تاکہ آپ اس سے لوگوں کو خبردار کریں اور یہ (کتاب) مومنوں کے لئے نصیحت (حاصل کرنے) کا ذریعہ ہے ۔ تم لوگ اسی کی اتباع کرو جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اللہ کے سوا اور معبودوں کی پیروی نہ کرو ۔ تم بہت کم ہی نصیحت مانتے ہو ۔

صَدْرِکَ: تیرا سینہ، تیرا دل ۔ جمع صُدُوْر ۔

حَرَجٌ: حرج ۔ تنگی ۔ گناہ مصدر ہے ۔

تشریح: یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے ۔ جو اس نے آپ پر نازل کی ہے ۔ اس کے احکام کی تبلیغ میں آپ کو کسی قسم کا خوف مانع نہیں ہونا چاہیئے کہ لوگ اس کو جھٹلادیں گے اور آپ کو ایذا دیں گے ۔ جس نے آپ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے، اس نے آپ کی امداد و حفاظت کا بھی انتظام کر دیا ہے ۔

اس کتاب کو نازل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ آپؐ کافروں کو آخرت کے عذاب سے خبردار کر دیں ۔ یہ قرآن اہلِ ایمان کے لئے نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے ۔ آپؐ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ جو کتاب اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کی ہے وہ اس کی اتباع کریں اور اللہ

تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی راہ پر نہ چلیں جو ان کو گمراہ کرتے ہیں ۔ مگر اس مشفقانہ نصیحت کے باوجود تم میں سے بہت کم لوگ نصیحت ملنتے ہیں حالانکہ تمہارا نبی تمہارا خیر خواہ ہے ۔ تم اس کی طرف کان نہیں لگاتے ۔ اس کے برعکس جو تمہارے دشمن ہیں اور تمہیں ہلاک و برباد کرنا چاہتے ہیں تم انہی کی سنتے ہو ۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آغاز و انجام اور طاعت و معصیت کے نتائج پر پوری طرح غور و فکر کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی ہدایت کو چھوڑ کر شیطان کے پیچھے چلنے کی کبھی جرأت ہی نہ کرے ۔ (ابن کثیر ۲۰۰ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴ / ۳)

سابقہ قوموں پر عذاب کا حال

۴۔۷ ۔ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ٥ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ٥ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ٥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ٥

اور کتنی بستیاں، ہم نے ہلاک کر دیں کہ ہمارا عذاب ان پر راتوں رات آ گیا یا ایسے وقت آیا جب وہ دوپہر کو سوئے پڑے تھے ۔ پھر جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو ان کے منہ سے اس کے سوا کوئی بات نہ نکلتی تھی کہ واقعی ہم ہی ظالم تھے ۔ سو ہم ان لوگوں سے ضرور پوچھیں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے تھے اور ہم رسولوں سے بھی ضرور پوچھیں گے ۔ پھر ہم اپنے علم کے ذریعہ ان سے ضرور حال بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے ۔

قَرْيَةٍ: بستی ۔ آبادی

بَاْسُنَا: ہمارا عذاب

بَيَاتًا: رات کے وقت ۔ شبخون مارنا ۔ تَبْيِيْتٌ سے اسم مصدر ۔

قَآئِلُوْنَ: دوپہر کے وقت سونے والے ۔ قَيْلٌ و قَيْلُوْلَةٌ سے اسم فاعل ۔

فَلَنَقُصَّنَّ: پس البتہ ہم ضرور بیان کریں گے ۔ قَصَصٌ سے مضارع ۔

تشریح: کتنی ہی بستیوں کو ہم نے رسول کی مخالفت کے سبب ہلاک و برباد کر دیا اور دنیا و آخرت کی رسوائی ان کے پیچھے لگادی ۔ جب ان کے ظلم و تمرد وان اور کفر و عصیان کی انتہا ہو گئی اور وہ دنیا کی لذتوں میں ایسے منہمک ہو گئے کہ عذابِ الہیٰ سے بالکل بے فکر ہو کر خوابِ استراحت کے مزے لینے لگے تو یکایک ہمارے عذاب نے ان کو رات کے وقت آدبوچا جیسے قومِ لوط پر ، یا ایسی حالت میں جب کہ وہ دوپہر کے وقت آرام کر رہے تھے جیسے قومِ شعیب پر ۔ یہاں رات اور دوپہر کے وقت کا ذکر بستی والوں کی انتہائی غفلت کو ظاہر کرنے کے لئے کیا گیا ہے ۔

پھر فرمایا کہ جب وہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو اپنی تمام اکڑفوں بھول گئے اور ان کو پتہ چل گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا ، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ۔ جن قوموں کی طرف نبی بھیجے گئے ، قیامت کے روز ان سے ضرور پوچھا جائے گا کہ جب انبیاء کرام نے اپنا فریضہ ، تبلیغ ادا کر دیا تھا تو تم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا ۔ اسی طرح اس روز اللہ تعالیٰ رسولوں سے بھی پوچھے گا کہ کیا تم نے ہمارے احکام اپنی قوم کو پہنچا دیئے تھے ۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور تم سب سے اپنے زیر اثر اور ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اور عورت سے اس کے شوہر کے گھر کے بارے میں سوال ہو گا اور غلام و خادم سے اس کے آقا کے مال کے بارے میں پوچھا جائے گا ۔

پھر فرمایا کہ چونکہ ہم تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل اور تمہارے ظاہری و باطنی حال سے پوری طرح باخبر ہیں ، اس لئے قیامت کے روز تمہارے تمام سابقہ احوال تمہارے سامنے کھول کر رکھ دیں گے اور چونکہ ہم پیغمبروں کی تبلیغ یا امتوں کے جواب اور امتِ محمدیہ کی شہادت سے پوری طرح باخبر ہیں ، اس لئے جب پیغمبر کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں یا جب امتیں تبلیغ کا انکار کریں گی اور امتِ محمدیہ شہادت دے گی تو ہم پیغمبروں اور ان کی امتوں کو یقیناً سب کچھ بتا دیں گے اور ان کو ان کے اعمال نامے کھول کر دکھا دیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ہر شئے کو دیکھتا ہے ۔ وہ تو چوری چھپے نظر ڈالنے پر بھی واقف ہے اور دلوں کے بھید بھی خوب جانتا ہے ۔

(ابن کثیر ۲۰۱ / ۲ ، مظہری ۳۰۷ ۔ ۳/۳۰۲)

کامیاب اور خسارے والے لوگ

۹،۸۔ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○

اور اس دن اعمال کا تُلنا برحق ہے۔ پھر جن کے تول بھاری ہوں گے وہ ہی کامیاب ہوں گے اور جن کے تول ہلکے ہوں گے سو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے ہماری آیتوں کی حق تلفی کر کے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا تھا۔

تشریح: قیامت کے روز اعمالِ ظاہرہ و باطنہ کا ٹھیک ٹھیک وزن کیا جانا برحق ہے تاکہ ہر ایک کی حالت سب پر ظاہر ہو جائے اور یہ واضح ہو جائے کہ حساب و کتاب کے بعد جو جزاو سزا دی گئی ہے وہ عین حق اور اعمال کے مطابق ہے۔ کسی کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی اور ناانصافی نہیں ہوئی۔ پھر وزن کے بعد جن لوگوں کی نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے وہی پوری طرح کامیاب و کامران ہوں گے اور جن کی نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے سو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کر کے خود اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا۔

اعمال کے وزن کی کیفیت کیا ہو گی؟ اس بارے میں علماء کرام کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اعمال نامے تولے جائیں گے۔ ترمذیؒ، ابن ماجہؒ، ابن حبانؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز میری امت کے ایک آدمی کو سب کے سامنے لایا جائے گا اور اس کے ننانوے اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ ہر اعمال نامے کی لمبائی اس کی حد نگاہ تک ہو گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ کیا تجھے اس میں سے کسی بات کا انکار ہے؟ کیا فرشتوں نے (لکھنے میں) تیری کچھ حق تلفی کی ہے؟ وہ شخص جواب دے گا۔ نہیں میرے مالک (کوئی حق تلفی نہیں کی)۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ کیوں نہیں۔ تیری ایک نیکی ہمارے پاس موجود ہے اور آج تجھ پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد ایک چھوٹا پرچہ نکالا جائے گا جس میں **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ** لکھا ہوا ہو گا۔ وہ شخص عرض کرے گا: اے میرے پروردگار، ان دفتروں کے مقابلے میں اس چھوٹے سے پرچے کی کیا حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ پر ظلم نہیں ہو

گا۔ پھر اعمال کے تمام دفاتر ایک پلڑے میں اور وہ چھوٹا سا پرچہ دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے گا اور اعمال نامے والا پلڑا اوپر اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلڑا بھاری نکلے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں۔

بعض علماء کرام کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اعمال کو نہیں اشخاص کو تولا جائے گا۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن کچھ بڑے قد آور موٹے آدمی ایسے ہوں گے کہ اللہ کے نزدیک ان کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہو گا۔ پھر آپؐ نے آیت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ؚ (پس قیامت کے روز ہم ان کا کوئی وزن قرار نہ دیں گے) تلاوت فرمائی۔

بعض علماء کا کہنا ہے کہ اعمال کو مجسم بنا دیا جائے گا۔ پھر ان کو تولا جائے گا، کیونکہ بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں لیکن میزان پر بھاری اور اللہ تعالیٰ کے محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

اصبہانی نے الترغیب میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سبحان اللہ ترازو کے آدھے پلڑے اور الحمد للہ پورے ترازو کو بھر دے گا۔

طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تمام آسمان و زمین اور ان کے اندر کی موجودات اور دونوں کے درمیان کی کائنات اور زمینوں کے نیچے کی مخلوقات سب کو لا کر میزان کے ایک پلڑے میں اور لا الٰه الا الله کی شہادت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو یہ (شہادت) ان سب سے وزنی ہو گی۔

ابن مبارکؒ نے حماد بن ابی سلیمانؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو اپنا عمل حقیر دکھائی دے گا۔ اتنے میں ایک چیز بادل کی طرح آکر میزان کے پلڑے میں گر جائے گی اور (فرشتہ یا کوئی اور) کہے گا کہ یہ وہی نیکی ہے جس کی تعلیم تو لوگوں کو دیتا تھا۔ تیرے بعد وہ نیکی نسل در نسل چلتی رہی (یہاں تک کہ آج) اسی کا اجر تجھے دیا جا رہا ہے۔

(مظہری ۳۷۲۔۳۷۶ / ۳)

انعاماتِ خداوندی

۱۰۔ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

اور ہم نے تمہیں زمین میں بسایا اور تمہارے لئے اس میں روزی کے اسباب پیدا کئے۔ تم لوگ بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

مَكَّنّٰكُمْ: ہم نے تمہیں فائز کیا۔ ہم نے تمہیں قوت دی۔ ہم نے تمہیں بسایا۔ تَمْكِیْنٌ سے ماضی۔

مَعَایِشَ: معاش کے سامان۔ روزیاں۔ واحد مَعِیْشَۃٌ اس کی اصل مَعْیِشَۃٌ ہے۔ ی پر کسرہ (زیر) ثقیل تھا اس لئے اس کو عین کی طرف منتقل کر دیا گیا اور یہ لفظ مَعْیِشَۃٌ سے مَعِیْشَۃٌ بن گیا۔ پھر جب اس واحد کی جمع بنائی گئی تو یہ کسرہ (زیر) ی کی طرف پھر لوٹ آیا کیونکہ جمع بننے سے اس میں ثقالت باقی نہیں رہی۔ معایش کا وزن مفاعل ہے، اس لئے کہ اس لفظ میں ی اصلی ہے۔ بخلاف مدائن، صحائف اور بصائر کے کہ یہ مدینہ، صحیفہ اور بصیرہ کی جمع ہیں۔ کیونکہ ان میں ی زائد ہے، لہذا ان کی جمع بروزن فعائل ہوگی اور اس میں ہمزہ بھی آئے گا۔ واللہ اعلم۔ (ابن کثیر ۲۰۲/ ۲)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے انعامات کا ذکر فرما کر ان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کی طرف دلائی ہے کہ اس دنیا میں اسی نے تمہیں زمین پر رہنے اور زندگی گزارنے کی قدرت عطا فرمائی اور تمہارے لئے زندگی بسر کرنے کے اسباب، کھیتی باڑی، پھل، ترکاری، غلہ، مویشی اور تجارت کے سامان اور کسب و کمائی کے پیشے وغیرہ پیدا کئے۔ اس کے باوجود لوگ ان سب نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے، بلکہ ان نعمتوں میں مست ہو کر وہ منعم حقیقی کو بھول جاتے ہیں، اس کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں اور اس کی آیتوں کو جھٹلانے لگتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (النحل آیت ۱۸)

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہ سکو گے۔ (مظہری ۳۷۵/ ۳)

ابلیس کی نافرمانی

۱۱، ۱۲۔ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ○

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر ہم نے تمہاری صورتیں بنائیں ۔ پھر ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے (آدم کو) سجدہ کیا ۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ ہوا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جبکہ میں نے تجھے اس کا حکم دیا ۔ وہ کہنے لگا کہ میں اس (آدم) سے بہتر ہوں ۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔

مَنَعَكَ : اس نے تجھ کو منع کیا ۔ اس نے تجھ کو روکا ۔ مَنْعٌ سے ماضی

اَمَرْتُكَ : میں نے تجھے حکم دیا ۔ اَمْرٌ سے ماضی

طِيْنٍ : گارا، مٹی، خاک، لپینا

تشریح : یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت اور ان کے دشمن ابلیس کا ذکر فرمایا ہے جو بنو آدم اور حضرت آدم علیہ السلام سے بغض و دشمنی رکھتا ہے، تاکہ لوگ اپنے آپ کو اس سے بچالیں اور اس کے کہنے اور پھسلانے میں آکر اس کے راستہ پر نہ چلیں ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ پہلے ہم نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا علمی اندازہ کیا پھر چکنی لیس دار مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام کا پتلا بنایا اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دی ۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ میرے ہاتھوں سے بنے ہوئے آدم کو سجدہ کرو ۔ حقیقت میں یہ قدرتِ الٰہی کو سجدہ کرنا تھا اور اس کی شان کی تعظیم کرنی تھی ۔ چنانچہ ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا ۔ سورہ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا بیان ہو چکا ہے ۔ (ابن کثیر ۲۰۲، ۲۰۳ / ۲)

پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا کہ جب میں نے تجھے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ نہ کرنے پر مجبور کیا ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کو حکم کی تعمیل نہ

کرنے کی وجہ معلوم تھی، لیکن اس کے باوجود اس لئے استفسار کیا کہ ابلیس کو سرزنش ہو اور اس کا بغض و عناد اور کفر و غرور ظاہر ہو جائے۔

ابلیس نے جواب دیا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل ہوں، کیونکہ تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے۔ ابلیس نے اصل عنصر پر نظر کی لیکن اس نے حضرت آدم کے اس شرف و بزرگی پر نظر نہیں کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کا بنا ہوا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی روح بھری ہوئی ہے۔ غرض سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا اور ابلیس سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے فرشتوں سے الگ ہو گیا اور رحمتِ خداوندی سے مایوس و محروم ہو گیا۔

(ابن کثیر ۲۰۳ / ۲، مظہری ۸، ۳۷۹، ۳ / ۳)

ابلیس کی ذلت و رسوائی

۱۳، ۱۵۔ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ○ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو یہاں (جنت) سے نیچے اتر۔ تجھے کوئی حق نہیں کہ تو یہاں تکبر کرے۔ پس تو یہاں سے نکل باہر ہو۔ بے شک تو بھی ذلیلوں میں کا ایک ذلیل ہے۔ اس نے عرض کی کہ تو مجھے اس دن تک مہلت دے جبکہ لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جا تجھے مہلت ہے۔

فَاهْبِطْ: پس تو اتر۔ هُبُوْطٌ سے امر۔

اَنْظِرْنِيْ: تو مجھے مہلت دے۔ تو مجھے ڈھیل دے۔ اِنْظَارٌ سے امر۔

يُبْعَثُوْنَ: وہ اٹھائے جائیں گے۔ وہ زندہ کئے جائیں گے۔ بَعْثٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا کہ اب تُو یہاں یعنی جنت سے نیچے اتر جا، کیونکہ تو ذلیل و حقیر اور مغرور ہے۔ اب تُو اللہ تعالیٰ اور اس کے دوستوں کی نظر میں ذلیل و خوار ہے۔ ہر شخص تجھے برا کہے گا اور ہر زبان تجھ پر لعنت کرے گی۔ یہ جگہ یعنی جنت یا آسمان، نافرمانوں، مغرور و

متکبروں کے لئے نہیں بلکہ یہ تو اہل تواضع، اطاعت شعار اور فرماں بردار بندوں کے لئے ہے۔

بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے فروتنی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اونچا کرتا ہے۔ وہ خود تو اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں وہ بڑا ہوتا ہے اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کر دیتا ہے۔ وہ اپنے خیال میں تو بڑا ہوتا ہے، مگر لوگوں کو آنکھوں میں وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہوتا ہے۔

اس کے بعد شیطان نے عرض کیا کہ اے اللہ! مجھے قیامت کے روز تک مہلت عطا فرما دے اور میری زندگی کی میعاد کو اس روز تک طویل کر دے جس دن صور پھونکا جائے گا اور لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ مجھ پر موت مسلط نہ کر۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے فرمایا کہ بلاشبہ قیامت تک تجھے موت سے چھوٹ دے دی گئی۔

(مظہری ۳۷۹،۳۸۰ / ۳، ابن کثیر ۲۰۴ / ۲)

ابلیس کی سرکشی

۱۶، ۱۷۔ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ۚ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ۝

وہ کہنے لگا کہ جیسا کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی تیری سیدھی راہ پر ان کی تاک میں ضرور بیٹھوں گا۔ پھر میں ان کے سامنے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں اور بائیں سے آکر (ان پر حملہ کروں گا) اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔

اَغْوَيْتَنِىْ: تو نے مجھے بے راہ کر دیا۔ تو نے مجھے گمراہ کر دیا۔ اِغْوَاءٌ سے ماضی۔

تَجِدُ: تو پائے گا۔ وُجُوْدٌ سے مضارع۔

تشریح: جب ابلیس کو قیامت تک کے لئے مہلت مل گئی تو وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ چوں کہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اس لئے میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ میں تیرے ان بندوں کی تاک میں

تیری سیدھی راہ پر بیٹھ کر ان کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا اور آدمؑ کا بدلہ آدمؑ کی نسل سے لوں گا کیوں کہ میں آدمؑ ہی کی وجہ سے راندہ۔ درگاہ بنا ہوں۔ میں ان کے سامنے سے بھی آؤں گا، یعنی آخرت کے بارے میں بھی میں ان کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کروں گا اور ان کے پیچھے سے بھی آؤں گا، یعنی دنیا پسندی کے لئے بھی ان کو ترغیب دوں گا۔ میں ان کے سیدھی طرف سے بھی آؤں گا یعنی امر دین ان پر مشتبہ کر دوں گا اور ان کے بائیں طرف سے بھی یعنی ان کو گناہ کی طرف راغب کروں گا۔ اس وقت شیطان نے یہ نہیں کہا کہ میں اوپر سے بھی ان کے پاس آؤں گا کیوں کہ اوپر سے تو صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی آسکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کو ہر طرح سے بہکاؤں گا۔

اس کے بعد شیطان نے کہا کہ اے پروردگار تو ان بندوں میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ یہ بات اس نے اپنے ظن سے کہی تھی اور اس کا یہ گمان صحیح نکلا کیوں کہ مومنوں کے سوا سب نے اس کی پیروی کی لیکن مومنوں پر اس کی چال کارگر نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو یہ موقع اس لئے دیا تھا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون آخرت پر یقین رکھنے والا ہے اور کون آخرت کے بارے میں شک و شبہ میں پڑنے والا ہے۔ (ابن کثیر ۲۰۴، ۲۰۵ / ۲، مظہری ۳۸۰، ۳۸۱ / ۳)

ابلیس کی ذلت و خواری

۱۸۔ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے (شیطان سے) فرمایا کہ تو یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر نکل جا۔ ان لوگوں میں سے جو کوئی بھی تیری اتباع کرے گا تو میں بھی تم سب سے جہنم کو ضرور بھر دوں گا۔

مَذْءُوْمًا: مذمت کیا ہوا۔ ملامت کیا ہوا۔ ذَءْمٌ سے اسم مفعول۔

مَدْحُوْرًا: مردود کیا ہوا۔ رحمت سے دور کیا ہوا۔ دَحْرٌ و دُحُوْرٌ سے اسم مفعول۔

اَمْلَئَنَّ: میں ضرور بھر دوں گا۔ مَلْأٌ سے مضارع با نون تاکید۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ اے گستاخ و ملعون، اب تو ذلیل و خوار اور دھتکارا ہوا ہو کر یہاں (جنت) سے نکل جا اور جس کو چاہے بہکا، مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ ان میں

سے جو لوگ تیری پیروی کریں گے تو میں ان سب کو تیرے ساتھ جہنم میں ڈال دوں گا جہاں تم ایک دوسرے پر لعنت کرتے رہو گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر اپنے احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ سرکشی و حسد کرنے والے شیطانِ لعین کو ایسی ذلت و رسوائی دی کہ قیامت تک سب اس پر لعنت کرتے رہیں اور انجام کے اعتبار سے وہ ہمیشہ کے لئے جنت سے محروم ہو کر دوزخ کا مستحق ہو گیا۔ دوسرے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ خالق و مالک اور محسن حقیقی نے تمہارے ابدی دشمن کا ایسا عبرتناک انجام کیا۔ تم اس کے بعد بھی اپنے محسن و مالک کی نافرمانی کرتے ہو اور اپنے قدیمی دشمن کے کہنے پر چلتے ہو۔

آدم و حوّا پر انعام

۱۹۔ وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○

اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پس تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ تم غلط کاروں میں سے ہو جاؤ گے۔

اُسْكُنْ: تو سکونت اختیار کر۔ تو رہ۔ سُکُوْنٌ سے امر۔

حَيْثُ: جہاں۔ جس جگہ۔

شِئْتُمَا: تم دونوں نے چاہا۔ مَشِيْئَةٌ سے ماضی۔

تشریح: جب شیطان کو اس کے غرور و تکبر اور کفر کی وجہ سے جنت سے نکال دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے آدمؑ تم اپنی بیوی کے ساتھ جنت میں رہو اور اس میں جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ۔ مگر کھانے کی غرض سے تم دونوں اس درخت کے قریب بھی نہ جانا اور اس کے کھانے سے مکمل پرہیز کرنا ورنہ تم نامناسب کام کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

قرآن کریم کی کسی آیت یا صحیح حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ وہ درخت کیا تھا جس کے کھانے کی ممانعت کی گئی۔

ابلیس کا وسوسہ ڈالنا

۲۰، ۲۱۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ○ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ○

پھر شیطان نے ان دونوں کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ جو کچھ ان کی شرمگاہوں سے، ان کی نظر سے پوشیدہ تھا وہ ان پر ظاہر کر دے اور کہنے لگا کہ تمہارے رب نے تمہیں اس درخت سے اسی لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ زندہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ اور وہ ان دونوں سے قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔

وَسْوَسَ: اس نے دل میں بُرا خیال پیدا کیا۔ وَسْوَسَۃٌ سے ماضی۔

لِيُبْدِيَ: تاکہ وہ ظاہر کرے۔ تاکہ وہ نمایاں کرے۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع۔

وٗرِيَ: وہ چھپایا گیا۔ مُوَارَاۃٌ سے مضارع مجہول۔

سَوْاٰتِهِمَا: ان دونوں کی شرمگاہیں۔ واحد سَوْاَۃٌ۔

تشریح: حضرت آدم و حوّا پر اللہ تعالیٰ کا انعام دیکھ کر شیطان کو ان دونوں پر حسد ہوا اور وہ مکاری و فریب سے کام لے کر ان کو ورغلانے لگا اور اس نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی تاکہ جو نعمتِ خداوندی ان کو حاصل ہے وہ اس سے محروم ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے حضرت آدم و حوّا سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس درخت سے محض اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ اور ہمیشہ یہاں رہنے کا حق حاصل نہ کر لو اور یہ بات تمہیں اسی درخت کا پھل کھانے سے حاصل ہو گی۔ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو تمہیں دائمی زندگی حاصل ہو جائے گی اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی اور تمہیں ایسی بادشاہت حاصل ہو گی جو کبھی کمزور اور زائل نہ ہو گی۔

پھر وہ ان کو یقین دلانے کے لئے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ میں تم دونوں سے پہلے یہاں رہتا تھا اور اس جنت کے چپہ چپہ سے پوری

طرح واقف ہوں۔(ابن کثیر ۲۰۵/ ۲)

خطا سرزد ہونا اور توبہ کرنا

۲۲، ۲۳ فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا
وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا
رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ
الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ
وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

پھر شیطان نے ان دونوں کو دھوکے سے مائل کر لیا۔ پس جب ان دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان پر ان کی شرمگاہیں کھل گئیں اور وہ دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور ان کے رب نے ان کو پکار کر کہا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کر دیا تھا اور میں نے تمہیں یہ نہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ان دونوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم یقیناً تباہ ہو جائیں گے۔

فَدَلّٰهُمَا: پس اس نے ان دونوں کو کھینچ لیا۔ پس اس نے ان دونوں کو ورغلایا۔ تَدْلِيَةٌ سے ماضی۔

بِغُرُوْرٍ: دھوکے سے۔ فریب سے۔ جھوٹے وعدہ سے۔

بَدَتْ: وہ ظاہر ہوئی۔ بَدْوٌ سے ماضی۔

سَوْاٰتُهُمَا: ان دونوں کی شرمگاہیں۔ واحد سَوْءَةٌ۔

طَفِقَا: وہ دونوں کرنے لگے۔ ان دونوں نے شروع کیا۔ طَفَقٌ و طُفُوْقٌ سے ماضی۔

يَخْصِفٰنِ: وہ دونوں ٹانکتے ہیں۔ وہ دونوں چپکانے لگے۔ وہ دونوں ڈھانپنے لگے۔ خَصْفٌ سے مضارع۔

تشریح: جب شیطان کے ورغلانے پر حضرت آدم و حوا سے خطا سرزد ہو گئی اور انہوں نے

ممنوعہ درخت کا پھل چکھ لیا تو وہ نافرمانی کی نحوست سے دوچار ہوگئے ۔ ان کے بدن سے جنت کا لباس اتر گیا، ان کا چھپا ہوا جسم کھل گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو گئے ۔ پھر بدحواسی کے عالم میں جنت کے اندر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اور درختوں کے پتوں سے اپنے جسموں کو چھپانے لگے ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے آدم! میں نے تو تمہیں جنت عطا کر دی تھی اور تمہارے لئے سوائے اس درخت کے جس سے منع کیا تھا، ہر چیز جائز کر دی تھی اور تمہیں بتا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، تم اس سے بچتے رہنا ۔ پھر تم کیوں اس کی باتوں میں آگئے ۔

حضرت آدمؑ و حوّا نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! تیری عزت کی قسم! ہمارے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ تیری قسم کھا کر بھی کوئی جھوٹ کہے گا ۔ اے ہمارے پروردگار ہم قصوروار ہیں، ہم نے ابلیس کی بات مان کر اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنا ہی نقصان کیا ۔ ہم تیری مغفرت و رحمت کے امیدوار ہیں ۔ اگر تو ہماری لغزش اور خطا معاف نہ کرے اور ہم پر اپنا لطف و مہربانی نہ فرمائے تو بلاشبہ ہم خسارہ اور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷، ۱۸ / ۳، ابن کثیر ۲۰۶ / ۲) ۔

جنت سے اترنے کا حکم

۲۴، ۲۵ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم نیچے اتر جاؤ، تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور ایک مقررہ وقت تک نفع اٹھانا ہے ۔ (اور) فرمایا کہ تمہیں وہیں زندگی بسر کرنی ہے اور وہیں مرنا ہے ۔ (اور قیامت کے دن) تم اسی میں سے نکالے جاؤ گے ۔

اِهْبِطُوْا: تم سب اترو ۔ ہُبُوْطٌ سے امر ۔

مُسْتَقَرٌّ: ٹھہرایا ہوا ۔ ٹھہرنے کی جگہ ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم مفعول ۔

مَتَاعٌ: متاع۔ فائدہ۔ پونجی۔

حِیْنٍ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ میں نے تمہاری خطاو لغزش کو معاف کر دیا اور تمہاری توبہ و معذرت قبول کرلی اور آئندہ میری رحمتیں اور برکتیں تم پر مبذول ہوں گی لیکن فی الحال تم جنت سے زمین پر اترو اور ایک مقررہ مدت کے لئے یعنی مرنے تک تمہیں زمین پر ٹھہرنا ہے اور سامان دنیوی سے نفع اٹھانا ہے اور جنت میں واپسی کی تیاری کرنا ہے۔ زمین پر تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہوں گے۔ وہاں شیطان بھی ہوگا، لہٰذا اس سے ہوشیار رہنا اور اس کے دھوکہ میں نہ آنا۔ مقررہ مدت ختم ہونے کے بعد پھر تمہیں ہماری ہی طرف آنا ہے۔ پس تم اسی زمین میں زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے۔ پھر قیامت کے روز اسی میں سے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے تم میں سے جو شخص اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے طریقہ پر چلا ہوگا وہ حساب و کتاب کے بعد جنت میں پہنچ جائے گا ورنہ اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹ / ۳)۔

بہترین لباس

۲۶۔ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ○

اے بنی آدم! ہم نے تم پر ایسا لباس نازل کیا ہے جو تمہاری شرمگاہ بھی چھپاتا ہے اور موجبِ زینت بھی ہے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ غور کریں۔

یُوَارِیْ: وہ چھپاتا ہے۔ وہ ڈھانکتا ہے۔ مُوَارَاۃٌ سے مضارع۔

سَوْاٰتِکُمْ: تمہاری شرمگاہیں۔ واحد سَوْءَۃٌ۔ سَوْءَۃٌ ان اعضاء کو کہا جاتا ہے جن کے کھلنے کو انسان فطرۃً بُرا اور قابلِ شرم سمجھتا ہے۔

رِیْشًا: لباس۔ زینت۔ جمع اَرْیَاشٌ۔ ریش اس لباس کو کہا جاتا ہے جو آدمی، زینت اور جمال کے لئے استعمال کرتا ہے۔

ربط: گزشتہ آیات میں حضرت آدم و حوّا علیہما السلام اور ان کو شیطانِ لعین کے ورغلانے اور ان کو شجرِ ممنوعہ کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا کرنے کے واقعہ کا بیان تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو اپنا ایک عظیم انعام یاد دلایا ہے جو اس نے لباس کی شکل میں ان پر فرمایا۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ مَرد دن کے وقت اور عورتیں رات کے وقت طواف کرتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں ان کو پہن کر ہم طواف نہیں کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۸۳ / ۳)

تشریح: جب شیطانِ لعین کے ورغلانے اور پھسلانے سے حضرت آدم و حوّا علیہما السلام نے شجرِ ممنوعہ کو چکھا تو ان کی ستر پوشی ختم ہو گئی اور وہ پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میری اس عظیم نعمت کی قدر کرو جو میں نے لباس کی شکل میں تمہیں عطا فرمائی ہے۔ کیونکہ لباس اور ستر پوشی انسان کی فطری خواہش بھی ہے اور ضرورت بھی۔ دنیا کی کوئی قوم و ملت اس سے بے نیاز نہیں۔ سب لوگ اس کے پابند اور حاجتمند ہیں۔

اس آیت میں تین قسم کے لباسوں کا ذکر ہے:

(۱) وہ لباس جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو قابلِ شرم اعضاء کو چھپانے کے لئے نازل کیا یعنی عطا فرمایا۔

(۲) وہ لباس جو آدمی زیب و زینت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ستر چھپانے کے لئے گو مختصر سا لباس کافی ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور مہربانی سے تمہیں زائد لباس اس لئے عطا فرما دیا کہ اس کے ذریعہ تم تجمل اور زینت حاصل کر سکو اور اپنی ہیئت و حلیہ کو مناسب، شریفانہ اور شائستہ بنا سکو اور موسمی اثرات سے اپنے آپ کو بچا کر راحت پا سکو۔

(۳) تیسری قسم کا لباس تقویٰ کا لباس ہے۔ جو سب لباسوں سے زیادہ بہتر ہے۔ تقویٰ کے لباس سے مراد عمل صالح ہے جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، یا خوفِ خدا ہے جیسا کہ عروہ بن زبیرؓ سے مروی ہے، یا حیا ہے جیسا کہ حسنؒ سے مروی ہے۔

پس جس طرح ظاہری لباس انسان کے لئے، ستر چھپانے، زینت و تجمل حاصل کرنے اور سردی و گرمی سے بچنے کا ذریعہ ہے اسی طرح تقویٰ و طہارت کا لباس انسان کے اخلاقی عیوب و

کمزوریوں کے پردے اور دائمی تکلیفوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے اس کو سب سے بہتر لباس کہا گیا ہے۔

ابن جریرؒ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے، جو شخص کوئی بھی عمل لوگوں کی نظروں سے چھپا کر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس عمل کی چادر اوڑھا کر اعلان کر دیتا ہے۔ نیک عمل ہو تو نیکی کا (اعلان) اور برا عمل ہو تو برائی کا (اعلان کر دیتا ہے)۔ چادر اوڑھنے سے مراد یہ ہے کہ جس طرح بدن پر اوڑھی ہوئی چادر سب کے سامنے ہوتی ہے، اسی طرح انسان کا عمل خواہ کتنا ہی پوشیدہ ہو اس کے اثرات اس کے چہرے اور بدن پر ظاہر کر دئے جاتے ہیں۔

پس آدمی کا لباس ایسا ہونا چاہئے جو مذکورہ بالا تمام تقاضے پورے کرتا ہو۔ مثلاً یہ پوری طرح ستر پوشی اور زیب و زینت کے ساتھ ساتھ تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بھی ہو۔ لباس ایسا باریک اور چست نہ ہو کہ اس سے اعضائے جسم نظر آئیں، نہ اس میں فخر و تکبر کا انداز اور اسرافِ بیجا ہو۔ مردوں کے لئے زنانہ لباس اور عورتوں کے لئے مردانہ لباس بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مغبوض و مکروہ ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ انسان کو لباس کی یہ تینوں قسمیں عطا فرمانا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں اور اس میں غور و فکر کریں۔

(معارف القرآن ۵۳۶،۵۳۳ / ۳، روح المعانی ۱۰۳، ۱۰۴ / ۸، ابن کثیر ۲۰۷ / ۲)

بنی آدم کو تنبیہ

۲۷۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اے بنی آدم! تمہیں شیطان نہ بہکائے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو ان کا

ستر دکھانے کے لئے ان کے کپڑے اتروا کر جنت سے نکلوا دیا تھا۔ بے شک وہ اور اس کا لشکر تمہیں اس جگہ سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔ بے شک ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا ہے جو ایمان نہیں لائے۔

یَفْتِنَنَّکُمْ: وہ تم کو ضرور فتنہ میں ڈالے گا۔ وہ تم کو ضرور گمراہ کرے گا۔ فَتْنٌ و فُتُوْنٌ سے مضارع۔

یَنْزِعُ: وہ اتارتا ہے۔ وہ کھینچتا ہے۔ نَزْعٌ سے مضارع۔

سَوْاٰتِھِمَا: ان دونوں کی شرمگاہیں۔ واحد سَوْءَۃٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بھی تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے تنبیہ فرمائی کہ تم اپنے تمام اعمال و افعال میں شیطان کے مکر و فریب سے بچتے رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح اس نے تمہارے ماں باپ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو ورغلا کر جنت سے نکلوا دیا اسی طرح وہ اپنے مکر و فریب سے تمہیں بھی کسی فتنہ اور مصیبت سے دوچار کر دے۔ وہ تمہارا قدیم اور مکار دشمن ہے، تم اس سے دھوکہ مت کھانا، ہمیشہ اور ہر وقت اس سے بچتے رہنے اور شدید احتیاط کی ضرورت ہے، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ بلاشبہ شیطان اور اس کے ساتھی تو تمہیں دیکھتے ہیں مگر تم ان کو نہیں دیکھ سکتے، اس لئے ان سے بچنے اور محتاط رہنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ ایسے دشمن سے بچاؤ ایمان و تقویٰ ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ شیطان کے ساتھی ہیں وہ باطل کی پیروی اور حق سے نفرت کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر شیطان قابو پاتا ہے۔ جو لوگ مومن اور پرہیزگار ہیں وہ شیطانِ لعین کے مکر و فریب اور داؤ گھات سے محفوظ رہتے ہیں۔

(روح المعانی ۱۰۴، ۱۰۶ / ۸، مظہری ۳۸۴، ۳۸۵ / ۳)

باپ دادا کا طریقہ

۲۸- وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْھَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰہُ اَمَرَنَا بِھَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور جب وہ کوئی بے حیائی (کا کام) کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی پر پایا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی باتیں لگاتے ہو جو تمہیں معلوم نہیں۔

تشریح: عرب کے مشرکین ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم جس حال میں پیدا ہوئے تھے اسی حال میں طواف کریں گے اور جن کپڑوں کو پہن کر انھوں نے گناہ کئے ہیں وہ ان کپڑوں میں طواف نہیں کر سکتے۔ عورتیں بھی عموماً برہنہ ہو کر رات کو طواف کرتی تھیں اور کپڑے پہننے کی بجائے چمڑہ کا کوئی چھوٹا سا ٹکڑا یا کوئی اور چیز اپنی شرمگاہ پر لگا لیتی تھیں اور باقی تمام بدن برہنہ رہتا تھا۔ طواف کے دوران وہ کہتی جاتی تھیں کہ آج جسم کا بعض حصہ یا پورا جسم کھلا رکھا جائے گا لیکن جسم کا جو حصہ بھی کھلا ہوا ہو وہ کسی پر حلال نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ یہ لوگ جب کوئی شرمناک کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو فحش اور نازیبا کام کا حکم نہیں دیتا۔ مفسرین کے نزدیک یہاں فحش کام سے مراد ننگے ہو کر طواف کرنا ہے۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہو جن کی صحت کا تمہیں کوئی علم نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بری باتوں کا حکم نہیں دیتا کیونکہ ایسا حکم اس کی حکمت اور شان کے خلاف ہے۔ (ابن کثیر ۲۰۸، ۲۰۹ / ۲)

اتباعِ شریعت کی تاکید

۲۹، ۳۰ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ○ فَرِیْقًا هَدٰی وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر سجدے کے وقت اپنا منہ سیدھا رکھو اور خاص اسی کے فرماں بردار ہو کر اس کو پکارو ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں ابتداء میں پیدا کیا اسی طرح تم دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے ۔ ایک فریق کو (اللہ تعالیٰ نے) ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی مسلط ہو گئی کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیاطین کو دوست بنا لیا اور ان کا گمان ہے کہ وہ ہدایت پر ہیں ۔

قِسْطِ : انصاف، اعتدال، برابری، جمع اَقْسَاطٌ ۔ یہاں قسط سے ایسا عمل مراد ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہو ۔ چونکہ تمام احکام شرعیہ افراط و تفریط سے خالی ہیں اس لئے قسط کے مفہوم میں تمام عبادات و احکام شرعیہ داخل ہیں ۔

(روح المعانی ۱۰۷ / ۸) ۔

بَدَاَكُمْ : اس نے تم کو شروع میں پیدا کیا ۔ بَدْءٌ سے ماضی ۔

تَعُوْدُوْنَ : تم لوٹو گے ۔ تم دوبارہ پیدا کئے جاؤ گے ۔ عَوْدٌ سے مضارع ۔

يَحْسَبُوْنَ : وہ گمان کرتے ہیں ۔ وہ خیال کرتے ہیں ۔ حُسْبَانٌ سے مضارع ۔

تشریح : ننگے ہو کر طواف کرنے کو اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دینا، اللہ تعالیٰ پر صریح بہتان و افتراء ہے ۔ اللہ تعالیٰ کسی کو فحش و نازیبا کام کا حکم نہیں دیتا ۔ وہ تو عدل و انصاف اور اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے ۔ لہٰذا ہر نماز کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھو اور اللہ کو اس طرح متوجہ ہو کر پکارو کہ عبادت خالص اسی کی ہو، اس کی عبادت میں کسی کی شرکت کا شائبہ بھی نہ ہو حتیٰ کہ وہ رِیا و نمود سے بھی پاک ہو اور یہ سمجھ لو کہ ایک دن تمہیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا ۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اسی طرح تمہیں قیامت کے روز دوبارہ پیدا کرنا اس کے لئے ذرا مشکل نہیں ۔ بالآخر تم اسی کی طرف لوٹو گے ۔ اس وقت تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس ہو گی ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت عام تھی ۔ کچھ لوگ اس پر لبیک کہتے ہوئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور ہدایت یافتہ ہو گئے، کچھ لوگ اس ہدایت سے منہ موڑ کر شیطانوں کی اتباع کرنے لگے، بت پرستی اور بے حیائی کے کام کرنے لگے اور ستم بالائے ستم یہ کہ یہ لوگ اپنی اس گمراہی کو ہدایت خیال کرنے لگے ۔ قیامت کے روز ان کو معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر ۔ (معارف القرآن ۵۴۰، ۵۴۱ / ۳، روح المعانی ۱۰۷، ۱۰۸ / ۸)

نماز میں ستر پوشی

۳۱۔ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو آراستہ کر لیا کرو اور کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

شانِ نزول: مسلمؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اسلام سے پہلے عورتیں برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتی تھیں اور طواف کے دوران ایک ہاتھ شرمگاہ پر رکھ کر کہتی تھیں کہ آج یہ سب کچھ کھل جائے یا کچھ حصہ کھل جائے۔ اس کو کسی کے تصرف میں نہیں دے سکتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۸۷ / ۳۔ روح المعانی ۱۰۹ / ۸)

تشریح: زمانہ جاہلیت کے عرب ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنے کو صحیح عبادت اور بیت اللہ کا احترام سمجھتے تھے۔ اسی طرح ان میں ایک جاہلانہ رسم یہ بھی تھی کہ وہ حج کے ایام میں صرف اتنا کھاتے پیتے تھے کہ سانس چلتا رہے۔ خاص طور پر گھی، دودھ اور پاکیزہ غذاؤں سے بالکل اجتناب کرتے تھے۔ اس آیت میں بیت اللہ کی تعظیم کے نام پر ننگے ہو کر طواف کرنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ تم طواف اور ہر نماز کے وقت اپنے کپڑے پہن لیا کرو جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے یہاں کئی احکام نکالے ہیں۔

۱۔ جس طرح ننگے ہو کر طواف کرنا منع ہے اسی طرح ننگے نماز پڑھنا بھی حرام اور باطل ہے۔ ترمذیؒ کی ایک حدیث میں ہے کہ کسی بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر جائز نہیں۔

۲۔ اس آیت میں لباس کو لفظ زینت سے تعبیر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا گیا کہ نماز میں افضل و اولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق اچھا لباس پہنا جائے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نماز کے وقت اپنا سب سے اچھا لباس پہنتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔ اس لئے میں اپنے رب کے لئے زینت و جمال اختیار کرتا ہوں۔

۳۔ قرآن کریم نے نماز و طواف کی حالت میں ستر کا چھپانا فرض قرار دیا ہے، مگر اس کی حد کا

تعین نہیں کیا یعنی یہ نہیں بتایا کہ جسم کا کون سا اور کتنا حصہ ستر میں داخل ہے۔ یہ تفصیل احادیث میں مذکور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک اور عورت کا ستر صرف چہرہ، دونوں ہتھیلیاں اور قدم چھوڑ کر سارا بدن ہے۔ پس جس عورت کا سر، گردن یا بازو یا پنڈلی کھلی ہوئی ہو تو ایسے لباس میں رہنا اس کے لئے جائز نہیں اور نہ ایسے لباس میں اس کی نماز ہوگی۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس مکان میں عورت ننگے سر ہو وہاں نیکی کے فرشتے نہیں آتے۔

عورت کا چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم جو ستر سے مستثنیٰ قرار دیئے گئے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر نماز میں اس کے یہ اعضاء کھلے ہوئے ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آئے گا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ شرعی عذر کے بغیر چہرہ کھول کر غیر محرموں کے سامنے پھرا کرے۔

اسی طرح مرد کا ننگے سر نماز پڑھنا یا مونڈھے یا کہنیاں کھول کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ ایسے لباس میں بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے جس کو پہن کر آدمی اپنے دوستوں اور عام لوگوں کے سامنے جانا قابل شرم و عار سمجھے۔

۴۔ شرعی اعتبار سے انسان پر کھانا پینا فرض و لازم ہے۔ اگر قدرت کے باوجود کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے یہاں تک کہ مر جائے یا اتنا کمزور ہو جائے کہ واجبات بھی ادا نہ کر سکے تو ایسا شخص عند اللہ مجرم و گنہگار ہوگا۔

۵۔ اس آیت کی رو سے کھانے پینے کی اجازت ہی نہیں بلکہ حکم ہے مگر اس کے ساتھ ہی اسراف کی ممانعت ہے۔

اسراف کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا اور حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ حلال سے تجاوز کر کے حرام تک پہنچ جائے اور حرام چیزوں کو کھانے پینے لگے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو کسی شرعی وجہ کے بغیر حرام سمجھ کر چھوڑ دے جس طرح حرام چیزوں کا استعمال جرم و گناہ ہے اسی طرح حلال چیزوں کو حرام سمجھنا بھی سخت گناہ ہے۔

۳۔ بھوک اور ضرورت سے زیادہ کھانا پینا بھی اسراف ہے۔

۴۔ ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے۔

(معارف القرآن ۵۴۲، ۵۴۶/ ۳، روح المعانی ۱۰۹، ۱۱۰/ ۸)

لباس پہننے کی تاکید

۳۲۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ (ان سے) پوچھیئے کہ جو زینت اور پاک روزی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اس کو کس نے حرام کیا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کی زندگی میں یہ چیزیں مومنوں ہی کے لئے (پیدا کی گئی) ہیں (اگرچہ کافر بھی ان کے ساتھ شریک ہیں) اور آخرت میں تو خاص مسلمانوں ہی کو دی جائیں گی۔ سمجھدار لوگوں کے لئے ہم اسی طرح صاف صاف آیتیں بیان کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو عبادات میں غلو اور اپنی طرف سے تنگیاں پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دینے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ جیسے مشرکین مکہ حج کے دنوں میں طواف کے وقت لباس پہننا جائز نہیں سمجھتے تھے اور جو غذائیں اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہیں ان سے پرہیز کو عبادت جانتے تھے۔

کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانے کا حق صرف اس ذات کو ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے کسی اور کو اس میں مداخلت کا حق نہیں۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی عمدہ پوشاک اور لذیذ خوراک کو حرام سمجھے اور وسعت کے باوجود پھٹیچر حال میں رہے تو یہ نہ تو اسلام کی تعلیم ہے اور نہ اسلام میں پسندیدہ چیز ہے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور قابل عتاب و عذاب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی نعمت و وسعت عطا فرمادے تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اس کے لباس وغیرہ سے ظاہر ہو، اس لئے کہ اظہار نعمت بھی شکر ہے۔ اسکے بالمقابل وسعت ہوتے ہوئے پھٹے پرانے یا میلے کچیلے کپڑے استعمال کرنا ناشکری ہے البتہ ریاو نمود اور فخر و غرور سے بچنا ضروری ہے۔

دنیا کی تمام نعمتیں، نفیس و عمدہ لباس، پاکیزہ اور لذیذ غذائیں، اللہ تعالیٰ نے مومنوں ہی کے لئے پیدا کی ہیں تاکہ وہ ان سے فائدہ اٹھائیں، ان کو استعمال کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے

جسمانی طاقت و توانائی حاصل کریں اور اللہ کا شکر ادا کریں ۔ دوسرے لوگ تو انہی کے طفیل میں کھاتے پہنتے ہیں ۔ یہ دنیا دار العمل ہے ، دار الجزا نہیں ، اس لئے دنیا کی نعمتوں میں کھرے کھوٹے اور اچھے برے کا امتیاز نہیں کیا جاسکتا بلکہ رحمٰنِ دنیا کی نعمتوں کا یہ دستر خوان دنیا میں سب کے لئے عام ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و مصلحت سے دنیاوی زندگی میں مومنوں کے ساتھ کافروں کو بھی نعمتوں میں شریک کر دیا تاکہ حجت پوری ہو جائے ۔ آخرت میں ساری نعمتیں اور راحتیں صرف اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندوں کے لئے مخصوص ہوں گی کیونکہ جنت اور جنت کی نعمتیں کافروں پر حرام ہیں ۔

بعض مفسرین نے آیت کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ دنیا میں ساری نعمتوں اور راحتوں کے ساتھ محنت و مشقت ، پھر زوال کا خطرہ اور طرح طرح کے رنج و غم لگے ہوئے ہیں ۔ خالص نعمت اور خالص راحت کا یہاں وجود نہیں ۔ البتہ قیامت کے روز جس کو یہ نعمتیں ملیں گی وہ خالص ہو کر ملیں گی ، نہ ان کے ساتھ کوئی محنت و مشقت ہوگی ، نہ ان کے زوال یا نقصان کا کوئی خطرہ ہوگا اور نہ ان کے بعد کوئی رنج و مصیبت ۔

پھر فرمایا کہ ہم اپنی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں سمجھدار لوگوں کے لئے اسی طرح صاف صاف بیان کرتے ہیں جس طرح ہم نے حرام کو حلال سے جدا کر دیا تاکہ ہر عالم و جاہل سمجھ لے اور جو لوگ جہالتوں اور حماقتوں میں مبتلا ہیں ان کے لئے بتانا یا نہ بتانا سب برابر ہے ۔

(معارف القرآن ۵۴۹، ۵۵۲ / ۳)

حرام چیزوں کی تفصیل

۳۳۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَابَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ ○

آپ کہہ دیجئے کہ البتہ میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے ۔ خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ ، گناہ کے کام ہوں یا ناحق زیادتی ہو اور اس سے بھی منع کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی باتیں لگاؤ جن کو تم جانتے بھی نہیں ۔

اَلْفَوَاحِشَ: فحش کام، بے حیائی کے کام، کھلے گناہ، واحد فَاحِشَۃٌ۔ فواحش وہ باتیں ہیں جن میں برائی بہت زیادہ ہے۔

اَلْبَغْیَ: بغاوت، سرکشی، استحقاق کے بغیر لوگوں کا مال لینا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اِثم کے معنی معصیت اور بَغْیٌ کے معنی استحقاق کے بغیر لوگوں کا مال یا ناحق عزت چھیننے میں زیادتی کرنا ہے۔ مجاہدؒ کہتے ہیں کہ باغی وہ ہے جو خود اپنے نفس پر بغاوت کرے۔ حاصل یہ کہ اثم وہ خطائیں ہیں جو فاعل کی اپنی ذات سے متعلق ہیں اور بغی وہ تعدی اور حد سے بڑھنا ہے جو لوگوں تک متجاوز ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو حرام فرمایا۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن چیزوں کو تم نے اپنے طور پر حرام ٹھہرالیا ہے وہ تو حرام نہیں البتہ بے حیائی کے تمام کام خواہ وہ ظاہر ہوں، جیسے ننگے ہو کر طواف کرنا، یا چھپے ہوئے ہوں جیسے بدکاری، گناہ کے کام بشمول شراب و جوا، کسی پر ناحق ظلم کرنا، بلا دلیل کسی کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور جس بات کی تمہارے پاس کوئی سند نہ ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا یہ سب حرام ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں واقعتاً حلال ہیں ان کو تو تم نے حرام سمجھ رکھا ہے اور جو چیزیں حرام ہیں ان کو تم حلال سمجھتے ہو۔ یہ نری جہالت ہے۔ (ابن کثیر ۲۱۱ / ۲)

مشرکین کا انجامِ بد

۳۴۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○

اور ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو اس وقت نہ ایک گھڑی تاخیر کر سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکیں گے۔

اَجَلٌ: مقررہ وقت۔ موت۔ مہلت جمع اٰجَالٌ

سَاعَةٌ: گھڑی، وقت۔ قیامت۔

يَسْتَقْدِمُوْنَ: وہ سبقت کرتے ہیں۔ وہ پیشقدمی کرتے ہیں۔ اِسْتِقْدَامٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمان اور مجرم ہر طرح کی سرکشی اور ظلم و تعدی کے باوجود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں پل رہے ہیں۔ بظاہر ان پر کوئی عذاب اور تکلیف و تنگی نظر نہیں آتی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے مہلت اور ڈھیل ہے تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس مہلت و ڈھیل کا ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آپہنچتا ہے تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی آگے پیچھے نہیں ہوتا خواہ وہ اس وقت مہلت کے طالب ہوں یا اس مقررہ وقت سے پہلے نزول عذاب کے خواستگار ہوں۔ نیز اس وقت کوئی توبہ اور معذرت قبول نہیں ہوتی بلکہ ان کو عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ کبھی تو دنیا میں ہی عذاب دے دیا جاتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی مصلحت کے تحت ان کو دنیا میں عذاب نہ دے تو ایسے لوگ مرتے ہی عذاب میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اہلِ دوزخ

۳۵، ۳۶۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اے بنی آدم! اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں اور وہ تمہیں میری آیتیں سنائیں تو اس وقت جو پرہیزگاری اختیار کرے گا اور اپنی اصلاح کر لے گا تو اس پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا تو وہی اہل دوزخ ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اِمَّا: اگر۔ یا۔ یہ اِنْ اور مَا سے مرکب ہے۔

يَقُصُّوْنَ: وہ بیان کرتے ہیں۔ وہ سناتے ہیں۔

خٰلِدُوْنَ: ہمیشہ رہنے والے۔ سدا رہنے والے۔ خُلُوْدٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: بنی آدم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و مہربانی سے

تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے کتابیں اور تمہاری ہی جنس سے رسول بھیجے ۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے اور انبیاء کی تکذیب سے بچتے رہیں گے، اپنے اعمال کی اصلاح کرتے رہیں گے اور اللہ کے حکم کے مطابق خاص اس کی خوشنودی کے لئے کام کرتے رہیں گے تو قیامت کے روز جب دوسرے لوگ دوزخ اور عذاب کے خوف میں مبتلا ہوں گے اور اپنی گزشتہ زندگی تباہ و برباد کرنے پر مغموم ہوں گے، اس وقت یہ لوگ امن و سکون میں ہوں گے اور ان کو کوئی غم اور خوف نہ ہو گا ۔ جن لوگوں نے ہماری کتابوں اور رسولوں کے آنے کے باوجود ہمارے رسولوں اور ہمارے احکام کو جھٹلایا اور ان کو قبول کرنے سے تکبر کیا تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور کبھی عذاب سے نہ نکل سکیں گے ۔ (مظہری ۳۹۵ / ۳)

کفر کا اقرار

۳۷۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ○

پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے ۔ ان لوگوں کے نصیب میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ ان کو پہنچ جائے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو وہ (فرشتے) کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے تھے ۔ وہ کہیں گے کہ وہ سب ہم سے غائب ہو گئے اور وہ اپنے اوپر اس بات کی گواہی دیں گے کہ بے شک ہم کافر تھے ۔

يَنَالُهُمْ: وہ ان کو لے گا ۔ وہ ان کو پہنچے گا ۔ نَيْلٌ سے مضارع ۔

نَصِيْبُهُمْ: ان کا حصہ ۔ ان کی قسمت

يَتَوَفَّوْنَهُمْ: وہ ان کو وفات دیں گے ۔ وہ ان کو مار دیں گے ۔ تَوَفِّيٌ سے مضارع ۔

تشریح: اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے یا اس کی آیتوں اور معجزات کو جھٹلائے، اس کے لئے شریک اور بیوی قرار دے۔ برہنہ طواف کو ضروری کہے اور ایسے احکام کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرے۔ ایسے لوگوں کو دنیا میں وہ سب کچھ مل جائے گا جو ان کے نصیب میں ہے۔ پھر جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے آئیں گے اور ان کی جانیں قبض کر کے ان کو دوزخ کی طرف لے جائیں گے تو وہ فرشتے ان لوگوں سے ان کے معبودوں اور بتوں کے بارے میں پوچھیں گے کہ اب وہ کہاں گئے جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ جن کی تم عبادت کرتے تھے اور جن سے دعائیں مانگتے تھے۔ اب تم انہی کو بلاؤ تاکہ وہ تمہیں دوزخ سے چھڑائیں۔ وہ لوگ جواب میں کہیں گے کہ وہ سب تو غائب ہو گئے۔ ہمیں اب ان کی طرف سے کسی خیر کی امید نہیں۔ پھر وہ مجبور ہو کر اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

(ابن کثیر ۲۱۲ / ۲، مظہری ۲۹۵، ۲۹۶ / ۳)

مکذبین و متکبرین کی سزا

۳۸، ۳۹۔ قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ
فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓی اِذَا
ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ
اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ
وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ
لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ
○

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں میں سے جو امتیں پہلے گزر چکی ہیں، تم بھی ان کے ساتھ مل کر دوزخ میں جاؤ۔ جب کوئی امت (دوزخ میں) داخل ہو گی تو اپنے جیسی دوسری امت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں گر چکیں گے تو پچھلے لوگ پہلے لوگوں کے بارے میں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، سو ان کو دوزخ میں دوگنا

عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہر ایک کے لئے دو گنا ہے، لیکن تم نہیں
جانتے اور پہلے لوگ پچھلے لوگوں سے کہیں گے کہ اب تمہیں ہم پر کوئی فضیلت
نہیں رہی سو تم بھی اپنے کئے کے سبب عذاب کا مزہ چکھو۔

اِدَّارَکُوْا: وہ گریں گے۔ وہ ملیں گے۔ وہ جمع ہوں گے۔ تَدَارُکٌ سے ماضی۔

ضِعْفًا: دو گنا۔ دو چند۔ جمع اَضْعَافٌ۔

فَذُوْقُوا: پس تم چکھو۔ ذَوْقٌ سے امر۔

تشریح: جو لوگ دنیا میں اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتے تھے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ تم دوزخ میں داخل ہو کر اپنے جیسے ان گروہوں میں شامل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گزرے ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ پھر جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہو گا تو وہ اپنے جیسی دوسری جماعت کو لعنت و ملامت کرنے لگے گا جو انہی کی طرح گمراہ ہو گی اور جن کی پیروی کی وجہ سے یہ گروہ گمراہ ہوا، یہاں تک کہ جب سب لوگ دوزخ میں جمع ہو جائیں گے تو بعد میں داخل ہونے والے اللہ تعالیٰ سے ان لوگوں کی شکایت کریں گے جو ان سے پہلے دوزخ میں داخل ہوئے تھے اور جن کی اتباع کر کے یہ لوگ گمراہ ہوئے اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، اس لئے ان کو دوزخ میں دو گنا عذاب دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ صرف انہی کو نہیں بلکہ تم میں سے ہر ایک کو دو گنا عذاب ہو گا، لیکن تمہیں ابھی اس کا علم نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے جواب کے بعد پہلی جماعت بعد والی جماعت سے کہے گی کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد اب تمہیں ہم پر کوئی فضیلت و فوقیت نہیں رہی۔ ہم بھی دو چند عذاب میں مبتلا ہیں اور تم بھی دو چند عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ پس گمراہی اور کفر میں ہم دونوں برابر ہو گئے۔ لہٰذا تم بھی اپنے کفر کے بدلے ہماری طرح عذاب کا مزہ چکھو۔

(ابن کثیر ۲۱۲ / ۲، روح المعانی ۱۱۶، ۱۱۷ / ۸)

منکرین کی جنت سے محرومی

۴۰، ۴۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ

اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِىْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ○ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ○

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا تو ان کے لئے نہ تو آسمانوں کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ان کے لئے دوزخ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا اور ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

يَلِجَ: وہ داخل ہوتا ہے۔ وہ گھستا ہے۔ وُلُوْجٌ سے مضارع۔

اَلْجَمَلُ: اونٹ، جمع جِمَالَۃٌ و جِمَالٌ۔

سَمِّ: ناکہ۔ سوراخ۔ زہر دینا۔، جمع سِمَامٌ و سُمُوْمٌ۔

الْخِيَاطِ: سوئی۔ جمع خُيُطٌ۔

غَوَاشٍ: ہر طرف سے ڈھانک لینے والی (آگ)۔ پردے۔ سائبان۔ واحد غَاشِيَۃٌ۔

مِهَادٌ: ٹھکانا۔ فرش۔ بچھونا۔

تشریح: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے روگردانی کرتے ہیں تو ان کے لئے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ اس طرح نہ تو ان کی زندگی میں ان کے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہوں گے اور نہ مرنے کے بعد ان کی روحیں آسمان پر چڑھ سکیں گی کیونکہ ان کے اعمال گندے اور روحیں نجس ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف تو اعمالِ صالحہ اور پاک روحیں ہی چڑھتی ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے اس آیت کی تفسیر میں آیا ہے کہ منکرین و کفار کی ارواح کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے۔ کیونکہ ان کی روحیں گندی ہوں گی، اس لئے ان کو اوپر نہیں چڑھایا جائے گا، بلکہ ان کی روحیں وہیں سے نیچے سجین میں پھینک دی جائیں گی۔

یہ لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ اونٹ جیسا عظیم الجثہ

جانور سوئی کے سوراخ میں داخل نہ ہو جائے ۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخل ہونا عادتاً محال ہے اسی طرح ان کا جنت میں جانا محال ہے ۔ پس یہ لوگ دائمی طور پر عذابِ جہنم میں رہیں گے اور ان کا اوڑھنا بچھونا سب جہنم کا ہوگا ۔ ظالموں کی یہی سزا ہے ۔

(مظہری ۳۹۷ / ۳، روح المعانی ۱۱۸، ۱۱۹ / ۸)

اہلِ جنت

۴۲، ۴۳۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ز اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ○ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے تو وہی لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ہم ان کے دلوں کی رنجشوں کو بھی دور کر دیں گے ۔ ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ کہیں گے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم کبھی ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ ہماری رہنمائی نہ کرتا ۔ بیشک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس حق لے کر آئے اور (وہاں) ان کو بھی پکار کر کہا جائے گا کہ تم اپنے اعمال کی بدولت اس جنت کے وارث ہوگئے ۔

نُکَلِّفُ: ہم تکلیف دیتے ہیں ۔ ہم ذمہ دار بناتے ہیں ۔ تَکْلِیْفٌ سے مضارع ۔

نَزَعْنَا: ہم نے باہر نکالا ۔ نَزْعٌ سے ماضی ۔

غِلٍّ: کینہ ۔ برائی ۔ رنجش ۔

نُوْدُوْا: ان کو پکارا جائے گا ۔ نِدَاءٌ سے ماضی مجہول بمعنی مستقبل ۔

تشریح: کفار کے حال کے بعد یہاں مومنوں کے حال کا بیان ہے ۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا

ہے کہ جنت میں داخلے کے لئے ایمان و اعمال کو جو شرط کہا گیا ہے، وہ کوئی بہت مشکل کام نہیں جو انسان نہ کر سکے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے احکام شریعت کو لوگوں کے لئے نہایت آسان کر دیا ہے یہاں تک کہ بیماری، کمزوری، سفر اور دوسری انسانی ضرورتوں اور حالتوں کا لحاظ کرتے ہوئے احکام شریعت میں نرمی اور آسانی پیدا کر دی تاکہ ہر شخص اپنی طاقت اور قوتِ برداشت کے مطابق ان پر عمل کر سکے۔ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کرنے والے ہی اہلِ جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد اہلِ جنت کے مابین، اہلِ نار کی طرح باہمی عداوت اور ایک دوسرے سے نفرت نہ ہوگی بلکہ ان مومنوں کے سینوں میں بشری تقاضوں کے تحت دنیا میں جو ایک دوسرے کی طرف سے کوئی رنجش یا ناخوشی ہوگی تو جنت میں داخل ہونے کے بعد ہم اس کو ان کے سینوں سے کھینچ کر باہر نکال دیں گے۔ جنت میں پہنچ جانے کے بعد نہ تو ایک دوسرے سے عداوت ہوگی اور نہ شکوہ و شکایت۔

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مومنین دوزخ سے نجات پا جائیں گے تو ان کو جنت اور دوزخ کے درمیان والے پل کے اوپر روک لیا جائے گا اور ان کے وہ مظالم بیان کئے جائیں گے جو دنیا میں ان کے درمیان تھے، یہاں تک کہ جب ان کے دل ان مظالم اور بغض و حسد سے پاک و صاف کر دئے جائیں گے تو ان کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔ پس قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، ان کو جنت کی منزل اپنے دنیا کے مسکن سے زیادہ سہل معلوم ہو گی۔

سدیؒ نے اس آیت (ونزعنا) کی تفسیر میں بیان کیا کہ اہل جنت، جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازے کے پاس ان کو ایک درخت ملے گا جس کی جڑ میں دو چشمے بہتے ہوں گے۔ پس جب وہ ان میں سے ایک چشمے کا پانی پئیں گے تو ان کے دل میں جو کچھ باہمی کینہ ہوگا وہ سب دھل جائے گا، یہی شراب طہور ہے اور وہ لوگ دوسرے چشمے سے نہائیں گے تو ان کے چہروں پر جنت کی سی تازگی نمایاں ہو جائے گی۔ پھر اس کے بعد نہ کبھی ان کے بال بکھریں گے اور نہ کبھی ان کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہوگی۔

ابن ابی حاتمؒ نے حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صراط سے گزرنے کے بعد اہلِ جنت کو روک لیا جائے گا۔ یہاں تک کہ ان کے ایک دوسرے پر جو حقوق ہوں گے وہ دلوائے جائیں گے۔ پھر ان کو اس حال میں جنت میں بھیجا جائے گا کہ ان کے دلوں میں باہم کوئی خلش باقی نہ رہے گی۔

(ابن کثیر ۲۱۵ / ۲، روح المعانی ۱۲۰، ۱۲۱ / ۸، مظہری ۳۹۸، ۳۹۹ / ۳)

اہلِ جنت و دوزخ کی گفتگو

۴۴، ۴۵۔ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝

اور اہلِ جنت، اہلِ دوزخ سے کہیں گے کہ ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پایا، تو کیا تم نے بھی اپنے رب کا وعدہ سچا پایا۔ وہ کہیں گے ہاں۔ پھر کوئی پکارنے والا ان کے درمیان پکار کر کہے گا کہ ظالموں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ جو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور اس میں کجی ڈھونڈتے تھے اور وہ آخرت کا بھی انکار کرتے تھے۔

يَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ باز رکھتے ہیں۔ صَدٌّ سے مضارع۔

يَبْغُوْنَهَا: وہ اس کو چاہتے ہیں۔ وہ اس سے سرکشی کرتے ہیں۔ بَغْیٌ سے مضارع۔

عِوَجًا: کجی۔ ٹیڑھا پن۔

تشریح: جب اہلِ جنت، جنت میں چلے جائیں گے اور اہلِ دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے تو جنت والے اپنی خوشی ظاہر کرنے کے لئے اور اہلِ دوزخ کی حسرت بڑھانے کے لئے ان سے پکار کر کہیں گے کہ ہمارے رب نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہم سے جس اجر و ثواب اور جنت کا وعدہ فرمایا تھا، ہم نے تو اس کو حقیقتاً پالیا۔ کیا تم نے بھی اپنے کفر و عصیان پر، اس عذاب کو واقعتاً پالیا جس کی تمہارے رب نے انبیاء کرام کے ذریعہ تمہیں وعید دی تھی؟ اہلِ دوزخ جواب دیں گے کہ

ہاں۔ اسی بنا پر تو ہم عذاب میں مبتلا ہیں۔

اس وقت ایک پکارنے والا دونوں کے درمیان پکار کر کہے گا کہ ظالموں اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روگردانی کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، جو آخرت کے اہتمام سے بے فکر ہو کر خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے۔ یہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔ صرف دنیاوی زندگی ہی ان کا منتہائے نظر تھی۔ یہ بہت ہی برے لوگ تھے۔

(ابن کثیر ۲۱۵/ ۲، مظہری ۴۰۰/ ۳)

اہلِ اعراف

۴۶، ۴۷۔ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ○ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ○

اور دوزخ و جنت کے درمیان ایک حجاب ہو گا اور اعراف پر ایسے لوگ ہوں گے جو ہر فریق کو ان کے آثار سے پہچانتے ہوں گے اور وہ اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ سلامتی ہو تم پر، ابھی وہ جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے (بلکہ) وہ اس کے امیدوار ہوں گے اور جب ان کی نگاہیں اہلِ دوزخ کی طرف پھریں گی تو وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ان ظالموں کے ساتھ شامل نہ فرما۔

بِسِيمَاهُمْ: ان کے حلیے سے۔ ان کے چہرے سے۔ ان کی علامت سے۔

صُرِفَتْ: وہ پھیری گئی۔ صَرْفٌ سے ماضی مجہول۔

تِلْقَاءَ: جانب۔ طرف۔ سمت۔ لِقَاءٌ سے اسم۔

أَعْرَافِ: اونچی جگہ۔ یہاں اس دیوار کے بالائی حصے مراد ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان حائل ہے۔

ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ اعراف، عرف کی جمع ہے۔ ہر بلند جگہ کو عرف

کہتے ہیں ۔ مرغ کی کلغی کو بھی اسی لئے عرف کہا جاتا ہے ۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ کے درمیان ایک ٹیلہ ہے جہاں لوگوں کو روک کر رکھا جائے گا سدیؒ کہتے ہیں کہ یہاں کے لوگ اپنے لوگوں کو پہچان لیں گے اسی لئے اس کا نام اعراف رکھا گیا ہے ۔ (ابن کثیر ۲۱۶ / ۲)

اصحابِ اعراف: اس کے بارے میں مفسرین کی تعبیریں مختلف ہیں، مگر سب کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں ۔ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور گناہ برابر ہوں ۔ (ابن کثیر ۲۱۶ / ۲)

تشریح: دوزخ اور جنت کے درمیان ایک آڑ ہوگی جو دوزخیوں کو جنت تک پہنچنے سے روک دے گی ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۔ (الحدید ۔ آیت ۱۳)

پس ان دونوں کے درمیان ایک دیوار قائم کر دی گئی ہے جس کے اندر کی طرف ایک دروازہ ہے جس میں رحمت ہے اور اس کے باہر کی طرف عذاب ہے ۔

یہی اعراف ہے، جس پر لوگ ہوں گے ۔

ایک روایت میں ہے کہ اصحاب اعراف وہ ہیں جو والدین کی اجازت کے بغیر خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے اور پھر قتل ہوگئے ۔ جنت میں داخل ہونے سے انہیں اس لئے روک دیا گیا کہ انہوں نے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف کیا تھا اور دوزخ سے اس لئے بچ گئے کہ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے تھے ۔

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب اعراف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر برابر ہوں گی ۔ برائیوں نے تو انہیں جنت میں جانے سے روک دیا اور نیکیوں نے دوزخ میں جانے سے روک دیا ۔ اب یہ لوگ اسی دیوار کے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے تک یہیں ٹھہرے رہیں گے ۔ یہ لوگ اہلِ جنت کو دیکھ کر پکاریں گے کہ تم پر سلامتی ہو اور جب ان کی نگاہیں اہلِ دوزخ کی طرف اٹھیں گی تو ان کا حال دیکھ کر وہ پناہ مانگیں گے اور کہیں گے کہ اے

ہمارے پروردگار ہمیں ان ظالموں میں سے نہ بنا۔ یہ لوگ اسی طرح دعا مانگتے رہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ میں نے تمہیں بخش دیا، اب تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ لوگوں کا حساب لے گا۔ جس کی ایک نیکی بھی بڑھ جائے گی اس کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا اور جس کی ایک برائی بھی نیکیوں سے زیادہ ہو گی اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

پس قیامت کے روز تین قسم کے آدمی ہوں گے۔ ایک وہ جن کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہوں گی، ان کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ دوسرے وہ جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی، انہیں اس مقام میں ٹھہرنے کا حکم دیا جائے گا جس کا نام اعراف ہے۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہو گا تو وہ ان کی خطائیں معاف فرما کر ان کو جنت میں داخل ہونے کا حکم فرما دے گا۔ دوزخ و جنت کے درمیان ہونے کی وجہ سے ان کی حالت خوف و رجا اور طمع و یاس کے بین بین ہو گی۔ جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس کی امید کریں گے اور دوزخ کی طرف دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ سے ڈر کر پناہ مانگیں گے۔ مگر ان کی امید خوف پر غالب ہو گی۔ (ابن کثیر ۲۱۶، ۲۱۷ / ۲)

اہلِ اعراف کا مشرکین کو پکارنا

۴۸، ۴۹۔ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ○

اور اعراف والے ان (دوزخی) لوگوں کو جن کو وہ ان کے آثار سے پہچانتے ہوں گے، پکار کر کہیں گے کہ نہ تو تمہاری جماعت ہی تمہارے کام آئی اور نہ تمہارا تکبر کرنا تمہارے کام آیا۔ کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسم کھا کر کہتے تھے کہ ان کو اللہ کی رحمت نہیں پہنچے گی۔ (ان کو تو حکم ہو گیا کہ) تم جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ تمہیں کوئی رنج ہو گا۔

تشریح: قیامت کے روز اعراف والے، مشرکین کے سرداروں کو دوزخ میں دیکھ کر ملامت کے طور پر ان سے کہیں گے کہ دنیا میں جس مال و دولت اور جماعت و کثرت پر تمہیں بھروسہ تھا

اور جس کی وجہ سے تم غرور و تکبر میں مبتلا تھے اور انبیاء کرام کی اتباع سے انکار کرتے تھے، آج وہ تمہارے کسی کام نہ آیا۔

پھر اہلِ اعراف جنت کی طرف دیکھیں گے تو اس کے اندر غریب اور کمزور لوگ نظر آئیں گے جن سے کافر دنیا میں استہزاء اور مذاق کرتے تھے اور ان کو ایذا دیتے تھے۔ اس وقت اہلِ اعراف کافر سرداروں کو دوزخ میں دیکھ کر کہیں گے کہ کیا یہ وہی کمزور و حقیر لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں کبھی نہیں پہنچے گی اور نہ اللہ تعالیٰ کبھی ان کی مغفرت فرمائے گا۔ ان کو تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ "جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ، تمہیں نہ سابقہ معاملات کا کوئی خوف ہونا چاہیئے اور نہ آئندہ کا فکر و غم"، حالانکہ تم عذاب میں مبتلا ہو۔

(ابن کثیر ۲/۲۱۸، مظہری ۳/۴۰۴)

اہلِ دوزخ کی ذلت

۵۰، ۵۱۔ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۚ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝

اور اہلِ دوزخ، اہلِ جنت کو پکار کر کہیں گے کہ ہمارے اوپر کچھ پانی ہی ڈال دو یا جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے (اس میں سے کچھ دے دو)۔ اہلِ جنت جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو کافروں پر حرام کر دیا ہے (اور ان پر) جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا تھا۔ سو آج کے دن ہم بھی ان کو بھلا دیں گے، جیسا کہ انہوں نے اس دن کے پیش آنے کو بھلا رکھا تھا اور جیسا کہ یہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔

اَفِيْضُوْا: تم واپس آؤ۔ تم ڈالو، تم بہاؤ۔ اِفَاضَةٌ سے امر۔

نَنْسٰهُمْ: ہم ان کو بھول جائیں گے ۔ ہم انہیں فراموش کر دیں گے ۔ نِسْیَانٌ سے مضارع
لِقَآءَ: ملاقات کرنا ۔ ملنا ۔ مصدر ہے ۔
یَجْحَدُوْنَ: وہ انکار کرتے ہیں ۔ جَحْدٌ و جُحُوْدٌ سے مضارع ۔

تشریح: اہلِ دوزخ بھوک و پیاس سے بد حواس ہو کر جنت والوں کو پکار کر کہیں گے کہ جو پانی اور کھانے کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں، ان میں سے کچھ ہمیں بھی دے دو ۔ جیٹا، باپ سے یا بھائی، بھائی سے مانگے گا، لیکن وہ بھی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں چیزیں کافروں پر حرام کر دی ہیں ۔ یہ کافر وہی تو ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا اور دنیاوی زندگی کے فریب میں مبتلا ہو کر آخرت کو بالکل بھلا رکھا تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج ہم بھی ان کو اپنی رحمت سے ایسے ہی نظر انداز کر دیں گے جیسے انہوں نے ہماری نعمتوں میں مست ہو کر ہمیں بھلایا اور ہمارے احکام سے روگردانی کی، جو ہم نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ ان کو پہنچائے تھے ۔ جس طرح انہوں نے دنیا میں ہمارے دین کو کھیل تماشا بنایا اسی طرح آج ہم بھی ان کی ذلت و خواری کا تماشا دکھائیں گے ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳ / ۳)

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے سے فرمائے گا کہ کیا میں نے تجھے بیوی، بچے نہیں دیئے تھے اور کیا تجھ پر انعام و اکرام نہیں کیا تھا اور کیا اونٹ، گھوڑے اور ہاتھی نہیں دیئے تھے اور کیا تو سرداری و افسری نہیں کرتا تھا؟ بندہ کہے گا کہ ہاں اے میرے رب! تو نے یہ سب کچھ دیا تھا ۔ پھر فرمائے گا کہ کیا تجھے یقین تھا کہ تجھے میرا سامنا کرنا پڑے گا؟ وہ کہے گا کہ اے میرے رب مجھے یقین نہیں تھا ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جیسے تو نے مجھے بھلا دیا تھا، آج میں بھی تجھے بھلائے دیتا ہوں ۔ (ابن کثیر ۲۱۹ / ۲)

ہدایت و رحمت کا ذریعہ

۵۲، ۵۳ ۔ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِىْ كُنَّا نَعْمَلُ ۔ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

اور ہم نے ان کو ایسی کتاب پہنچا دی جس کو ہم نے اپنے علمِ کامل سے بہت واضح کر کے بیان کیا ہے اور جو مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے ۔ کیا یہ (کافر) لوگ اسی کے منتظر ہیں کہ اس کی سچائی ظاہر ہو جائے ۔ جس دن اس کی سچائی ظاہر ہو جائے گی اس دن جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے تھے وہ کہیں گے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول ہمارے پاس سچی بات لائے تھے ۔ پھر ہمارے معبودوں میں سے کوئی ہے جو ہماری سفارش کرے یا ہمیں پھر لوٹا دیا جائے تاکہ ہم جو کچھ اعمال کرتے تھے، ان کے برخلاف کریں ۔ بیشک انہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور جو کچھ وہ افترا کرتے تھے وہ سب گیا گزرا ہو گیا ۔

تَاْوِيْلَهٗ : اس کی تاویل، اس کی تعبیر، اس کی سچائی بیان کرنا ۔

نُرَدُّ : ہم لوٹائے جائیں گے ۔ ہم پھیرے جائیں گے ۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول ۔

ضَلَّ : وہ گمراہ ہوا ۔ وہ بہکا ۔ وہ بھٹکا ۔ ضَلَالٌ سے ماضی ۔

تشریح : مشرکین و منکرین پر اتمامِ حجت کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعہ ایک ایسی کتاب بھیجی جس میں بڑی کھلی کھلی اور واضح دلیلیں ہیں تاکہ لوگ احوالِ آخرت اور اپنے انجام سے باخبر ہو کر خیر و بھلائی کی طرف مائل ہوں اور راہِ راست اختیار کریں ۔ مگر جو لوگ ازلی بد بخت و بد باطن ہیں ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے پیغمبروں پر یقین نہیں آتا ۔ وہ تو بس مال و عہدے کی محبت اور خواہشاتِ نفسانیہ کی تکمیل میں مگن ہیں ۔ پس ایسے لوگوں کو اس کتاب سے کچھ حاصل نہیں ۔ یہ کتاب تو صرف ایمان داروں ہی کے لئے باعث ہدایت و رحمت ہے ۔ وہی لوگ اس کی برکتوں سے حصہ پاتے ہیں اور اس کی کسی بات میں شک و شبہ نہیں کرتے ۔

قیامت کے روز جب مشرکین و منکرین، احوالِ قیامت کا مشاہدہ کریں گے اور عذاب و ثواب دیکھیں گے تو یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے دنیا میں جو کچھ کہا تھا وہ تو حق نکلا ۔ یہ تو ہم ہی بد بخت تھے کہ ان کے طریقے پر نہ چلے ۔ اب کیا وہ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش کریں گے کہ

ہم اس ابدی عذاب سے نجات پائیں یا ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ وہاں جاکر اعمالِ صالحہ اختیار کریں۔ مگر اب مہلت کا وقت نہیں۔ وہ اپنے آپ کو نقصان اور خسارے میں ڈال چکے جو کچھ وہ افتراء کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے وہ سب ہوا ہو گیا۔ اب تو وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ (حقانی ۳۹۲/ ۲)

خالق و حاکم

۵۴۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○

بیشک تمہارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں بنایا۔ پھر عرش پر قائم ہو گیا۔ وہی رات کو دن سے چھپاتا ہے۔ جو اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند اور ستارے بنائے جو اس کے حکم کے پابند ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! پیدا کرنا اور حکم دینا اسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو سارے جہاں کا رب ہے۔

اِسْتَوٰی: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہوا۔ وہ ٹھہرا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

حَثِیْثًا: تیزی سے۔ دوڑتا ہوا۔ حَثٌّ سے فَعِیْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کا ذکر کر کے ہر اہلِ عقل انسان کو اس کی دعوتِ فکر دی ہے کہ جو ذات پاک اس عظیم الشان عالم کو عدم سے وجود میں لانے اور حکیمانہ نظام کے ساتھ چلانے پر قادر ہے۔ اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ ان چیزوں کو معدوم کر کے قیامت کے روز دوبارہ پیدا فرما دے۔ اس لئے قیامت کا انکار چھوڑ کر صرف اسی ذات کو اپنا رب سمجھنا چاہئے۔ اسی سے اپنی حاجتیں طلب کرنی چاہئیں اور اسی کی عبادت میں لگے رہنا چاہئے۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلاشبہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا فرمایا۔ زمین و آسمان کو چھ روز میں پیدا کرنے کی کیا وجہ ہے۔ اس کا

جواب مفسرِ قرآن حضرت سعد بن جبیرؒ نے یہ دیا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اس پر حاوی ہے کہ یہ سب کچھ ایک آن میں پیدا کر دے لیکن بتقاضائے حکمت اس عالم کی تخلیق میں چھ دن لگائے گئے تاکہ انسان کو نظام عالم چلانے میں تدریج اور پختہ کاری کی تعلیم دی جائے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غور و فکر اور وقار و تدریج کے ساتھ کام کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے۔ مطلب یہ ہے کہ جلد بازی میں انسان مسئلہ کے ہر پہلو پر غور و فکر نہیں کر سکتا۔ اس لئے اکثر کام خراب ہو جاتا ہے اور پشیمانی ہوتی ہے۔ غور و فکر اور تدبر و سہولت کے ساتھ جو کام کیا جائے اس میں برکت ہوتی ہے۔

اس آیت میں زمین و آسمان کی تخلیق چھ روز میں مکمل ہونے کا جو ذکر ہے اس کی تفصیل سورۂ حم سجدہ کی نویں، دسویں اور بارہویں آیات میں اس طرح آئی ہے:

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ۔

اس نے دو دن میں زمین کو پیدا فرمایا۔

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِیْهَا وَقَدَّرَ فِیْهَا اَقْوَاتَهَا فِیْ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ۔

(پھر دو دن میں) اس نے زمین کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس (زمین) کے اندر برکت رکھی اور اس میں اس کے رہنے والوں کی خوراکیں ٹھہرا دیں۔ یہ سب کچھ چار دن میں ہوا۔

پھر فرمایا:

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ۔

پھر دو دن میں ساتوں آسمان بنائے اس طرح کل چھ دن ہو گئے۔

پھر فرمایا کہ وہ (اللہ) عرش (شاہی تخت) پر قائم ہوا۔ اب عرش کیسا اور کیا ہے اور اس پر قائم ہونے کا مطلب کیا ہے، اس کے بارے میں سلف صالحین، صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ انسانی عقل اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات و صفات کی حقیقت کا احاطہ کرنے سے عاجز ہے۔ اس لئے نہ تو اس کی کھوج میں پڑنا چاہیئے اور نہ اپنی طرف سے اس کے کوئی معنی متعین کرنے کی فکر میں پڑنے کی ضرورت ہے بلکہ آدمی کو اس پر ایمان لانا چاہیئے کہ ان الفاظ سے جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہی صحیح اور حق ہے۔

پھر فرمایا کہ رات سے دن کو ڈھانپ دینا یعنی دن کے بعد رات کو لے آنا اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے اتنی جلدی اور آسانی سے ہو جاتا ہے کہ ذرا دیر نہیں لگتی اور سورج و چاند اور ستارے، اللہ تعالیٰ نے اس حالت پر پیدا کئے ہیں کہ سب کے سب اسی کے حکم کے تابع چل رہے ہیں۔

اس میں انسان کے لئے دعوتِ فکر ہے کہ بڑے بڑے ماہرین کی بنائی ہوئی مشینوں کو دیکھو، اول تو ان میں کچھ نہ کچھ نقائص رہ جاتے ہیں۔ اگر نقائص نہ بھی رہیں تب بھی چلتے چلتے ان کے کل پرزے گھس جاتے ہیں اور ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کی مرمت اور گریسنگ کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس کام کے لئے کئی کئی دن بلکہ ہفتوں اور مہینوں مشینیں بند رہتی ہیں۔ لیکن یہ خدائی مشینیں ایسی ہیں کہ جس طرح اور جس شان سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہلے دن چلایا تھا، یہ اسی طرح چل رہی ہیں، نہ کبھی ان کی رفتار میں فرق آتا ہے اور نہ کبھی ان کا کوئی پرزہ گھستا اور ٹوٹتا ہے اور نہ کسی قسم کی مرمت اور نہ کبھی ان کو ورکشاپ لے جانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس یہ تو امرِ الٰہی سے چل رہی ہے، اسی کے تابع ہیں، ان میں کوئی فرق آنا محال ہے۔ ہاں جب وہ قادرِ مطلق ہی ایک معینہ وقت پر ان کو فنا کرنے کا ارادہ کرے گا تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اسی کا نام قیامت ہے۔

پھر فرمایا کہ خالق و حاکم ہونا اسی کے لئے خاص ہے۔ اس کے سوا نہ کوئی دوسرا کسی ادنیٰ چیز کو پیدا کر سکتا ہے اور نہ کسی کو کسی پر حکم کرنے کا حق ہے، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حکم کا کوئی خاص شعبہ کسی کے سپرد کر دیا جائے۔ حقیقت کے اعتبار سے وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے۔ پس یہ ساری چیزیں پیدا کرنا بھی اسی کا کام ہے اور پیدا ہونے کے بعد ان سے کام لینا بھی کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ اسی کی ذات بلند و بالا ہے۔ (معارف القرآن ۵۷۲۔ ۵۷۵/ ۳)

دعاء کے آداب

۵۵، ۵۶۔ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ؀
وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا

وَّ طَمَعاً اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ○

تم اپنے رب کو پکارو ۔ عاجزی سے اور چپکے چپکے ۔ بلاشبہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو اور اس (اللہ) کو خوف اور امید کے ساتھ پکارو ۔ بیشک اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے ۔

تَضَرُّعًا: عاجزی کرنا ۔ گڑگڑانا ۔ مصدر ہے ۔

الْمُعْتَدِيْنَ: سرکش لوگ ۔ حد سے تجاوز کرنے والے ۔ اِعْتِدَاءٌ سے اسم فاعل ۔

طَمَعاً: طمع ۔ لالچ ۔ توقع ۔ امید ۔ مصدر ہے ۔

تُفْسِدُوْا: تم فساد پھیلاؤ ۔ تم خرابی پیدا کرو ۔ امام راغب نے اپنی مفردات میں فرمایا کہ کسی چیز کے اعتدال سے نکل جانے کو فساد کہتے ہیں ۔ خواہ یہ نکلنا تھوڑا سا ہو یا زیادہ اور ہر فساد میں کمی بیشی کا مدار اسی اعتدال سے نکلنے پر ہے ۔

تشریح: جب قدرت کاملہ کا مالک اور تمام احسانات و انعامات کا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے تو مصیبت و حاجت کے وقت اسی کو پکارنا چاہئے اور اسی سے دعا کرنی چاہئے ۔ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف متوجہ ہونا جہالت و محرومی ہے ۔

پس اسی سے اپنی حاجتیں مانگو اور اسی کی عبادت کرو ۔ دعاء کی قبولیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے عجز و انکسار اور تذلل کا پوری طرح اظہار کرے ۔ دعاء کا خفیہ اور آہستہ مانگنا افضل بھی ہے اور قرین قبول بھی، کیونکہ بلند آواز سے دعاء مانگنے میں ایک تو تواضع و انکساری باقی رہنا مشکل ہے دوسرے اس میں ریا و شہرت کا بھی خطرہ ہے ۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ علانیہ اور جہراً دعاء کرنے میں اور آہستہ آواز سے دعا کرنے میں ستر درجے فضیلت کا فرق ہے ۔ ابن جریج ؒ نے فرمایا کہ دعاء میں آواز بلند کرنا اور شور کرنا مکروہ ہے ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، خواہ یہ حد سے بڑھنا دعاء میں ہو یا کسی دوسرے عمل میں ۔ دعاء میں حد سے تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں ۔ ایک یہ کہ دعاء میں قافیہ وغیرہ کے لفظی تکلفات اختیار کئے جائیں جس سے خشوع و خضوع میں فرق پڑے ۔ دوسرے دعاء میں غیر ضروری قیدیں اور شرطیں لگانا ۔ تیسرے عام مسلمانوں کے لئے بد دعاء کرنا یا

ایسی چیز مانگنا جو عام لوگوں کے لئے مضر ہو ۔ چوتھے دعاء میں بلا ضرورت آواز بلند کرنا ۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی اصلاح و درستی فرما دی ہے، لہٰذا اب تم اس میں فساد اور خرابی پیدا نہ کرو ۔ اس اصلاح اور درستی کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں ۔ ایک ظاہری درستی کہ زمین کو کھیتی باڑی اور درخت اگانے کے قابل بنایا ۔ اس پر بادلوں سے پانی برسا کر پھل پھول پیدا کئے ۔ انسانوں اور دوسرے جانداروں کے لئے ہر قسم کی ضروریاتِ زندگی، خوراک و آسائش کے سامان پیدا کئے ۔ دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی رہنمائی و ہدایت کے لئے زمین پر اپنے رسول اور کتابیں بھیج کر اس کو کفر و شرک اور گمراہی سے پاک کیا ۔ دونوں مفہوم بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ظاہری و باطنی طور پر درست فرما دیا ہے، اب تم اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعہ اس میں فساد و خرابی پیدا نہ کرو ۔

پھر فرمایا کہ خوف و امید کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو یعنی اللہ تعالیٰ کو اس طرح پکارو کہ ایک طرف تو دعاء کے قبول نہ ہونے کا خوف لگا ہوا ہو اور دوسری طرف اس کی رحمت کی پوری پوری امید بھی ہو ۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک عمل کرنے والوں سے قریب ہے ۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ دعاء کے وقت خوف و امید دونوں حالتیں ہونی چاہئیں ۔ لیکن ان دونوں حالتوں میں سے امید کو خوف پر غالب رہنا چاہئے ۔

(معارف القرآن ۵۷۶ ۔ ۵۷۹ / ۳)

مسلمؒ و ترمذیؒ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ کسی شخص کا (بطور تمثیل) ذکر فرمایا کہ طویل سفر کرتا ہے، پراگندہ مو اور غبار آلود چہرہ والا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر دعاء کرتا ہے اے میرے رب! اے میرے رب! مگر اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے، اس کی پرورش بھی حرام سے ہے ایسے شخص کی دعاء کیسے قبول ہو گی ۔

مسلمؒ و ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ کی دعاء برابر قبول ہوتی ہے، بشرطیکہ وہ گناہ کی اور قطع رحمی کی دعاء نہ کرے اور دعاء میں جلد بازی سے کام نہ لے ۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، جلد بازی سے کیا مراد ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ (مثلاً) یہ کہنے لگے کہ میں اتنے عرصہ سے دعا مانگ رہا ہوں اب تک قبول نہیں ہوئی ۔ یہاں تک کہ مایوس ہو کر (دعاء کرنا) چھوڑ دے ۔

امام احمدؒ نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دل ظروف ہیں، بعض بعض سے زیادہ سمائی والے ہیں۔ لوگو! اللہ سے دعا کرتے وقت یقین رکھا کرو کہ تمہاری دعا ضرور قبول ہوگی۔ اللہ اس بندہ کی دعا قبول نہیں کرتا جو بے توجہی سے اور سطحی طور پر کرتا ہے۔ (مظہری ۴۱۱ / ۳)

تصرفاتِ خداوندی

۵۷، ۵۸۔ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّشْكُرُوْنَ ○

اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوش خبری لانے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ ہوائیں بھاری بادلوں کو اٹھالاتی ہیں تو ہم اس ابر کو کسی مُردہ شہر (خشک زمین) کی طرف ہانک دیتے ہیں۔ پھر اس ابر سے ہم پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مُردوں کو نکال دیں گے (زندہ کر دیں گے) تاکہ تم سمجھو اور جو زمین پاکیزہ ہوتی ہے وہ اپنے رب کے حکم سے خوب سبزہ اگاتی ہے اور جو خراب (زمین) ہے تو اس سے حقیر چیز کے سوا کچھ نہیں اگتا۔ شکر گزاروں کے لئے ہم اسی طرح مختلف پیرایوں سے دلائل بیان کرتے ہیں۔

سَحَابًا: بادل۔ ابر۔ جمع سُحُبٌ۔

ثِقَالًا: بوجھل۔ بھاری۔

خَبُثَ: وہ خبیث ہوا۔ وہ خراب ہوا۔ خَبَاثَۃٌ اور خُبْثٌ سے ماضی۔

نَكِدًا: کم لگنے والا۔ مشکل سے نکلنے والا۔ بیکار۔

تشریح: جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے مُردہ اور بنجر زمین کو زندہ اور سرسبز کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ قیامت کے روز مُردہ انسانوں کو بھی زمین سے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے مُردہ انسان اور مُردہ زمین کا زندہ کرنا یکساں ہے۔

یہاں عمدہ اور پاکیزہ زمین سے مراد مومن کا دل ہے اور ناکارہ اور خراب زمین سے مراد کافر کا دل ہے اور قرآنِ کریم بارانِ رحمت اور آبِ حیات کی مانند ہے۔ جس طرح ابرِ رحمت ہر جگہ یکساں برستا ہے مگر ہر زمین اپنی استعداد و صلاحیت کے موافق اثر قبول کر کے نباتات و سبزہ اگاتی ہے، اسی طرح قرآن مجید اور نبوت کا ابرِ رحمت بھی برابر فیض رساں ہے، مگر ہر زمینِ قلب اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق بارانِ ہدایت کا اثر قبول کرتی ہے۔ لہٰذا جو لوگ ازلی گمراہ ہیں، جن میں ہدایت کا مادہ ہی نہیں، وہ اس سے فیضیاب نہیں ہو سکتے۔ ان کے دل کی زمین میں تو کفر و الحاد کے کانٹے اور جھاڑ جھنکاڑ ہی پیدا ہوں گے۔ ان کے برعکس مومنوں کے قلوب کی زمین میں طرح طرح کے ثمرات و برکات پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ان کے قلوب اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق بارانِ ہدایت کا اثر قبول کرتے ہیں۔

جو لوگ نعمتوں کا شکر کرتے ہیں اور ہدایت و رہنمائی کی قدر کرتے ہیں، ہم ان کے لئے اسی طرح بار بار اپنی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ وہ پوری طرح سمجھ لیں کہ مُردہ زمین کا زندہ کرنا اور ہر زمین سے الگ الگ نباتات کو اگانا اس کی قدرت و حکمت کے کمال کی دلیل ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۳ / ۳، حقانی ۳۹۵ / ۲)

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت و علم عطا فرما کر مجھے بھیجا ہے اس کی مثال کثیر بارش کی طرح ہے جو زمین کے کسی اچھے ٹکڑے پر برستی ہے تو وہ خطہ اس کو قبول کر لیتا ہے، جس سے سبزہ اور چارہ خوب پیدا ہوتا ہے اور کسی خشک بنجر خطے پر برستی ہے تو وہ بھی (اپنے احاطہ میں) پانی کو روک لیتا ہے (مگر جذب نہیں کر سکتا، اس لئے اس میں سبزہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ) لوگ اس کو خود پیتے اور جانوروں کو پلاتے اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں۔ ایک تیسرے ٹکڑے پر برستی ہے جو چٹیل، سخت، ہموار میدان ہوتا ہے۔ وہ نہ تو (اپنے حاطہ میں) پانی کو روکتا ہے (کہ دوسروں کو فائدہ ہو) نہ خود جذب کرتا ہے کہ سبزہ پیدا ہو جائے۔ بس یہ مثال ہے ان لوگوں کی جو دینی سمجھ رکھتے ہیں، میری لائی ہوئی ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خود سمجھتے ہیں، دوسروں کو سکھاتے ہیں

اور ان لوگوں کی جو میرے پیام کی طرف قطعاً التفات نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی ہدایت کو قبول نہیں کرتے ۔ (مظہری ۴۱۴ / ۳، روح المعانی ۱۴۸ / ۸)

قومِ نوح کا واقعہ

۶۲،۵۹ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝
قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ
لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

ہم نے (حضرت) نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا سو انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں ۔ مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے ۔ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تجھے صریح گمراہی میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں ۔ (حضرت نوح نے) کہا اے میری قوم! مجھ میں تو کوئی گمراہی نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں ۔ میں تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔

ربط : گزشتہ آیات میں جاہلیت کی لغویات کا رد تھا ۔ پھر مکذبین و متکبرین کی سزا کی تفصیل تھی، جس کا منکرین انکار کرتے تھے ۔ اس کے بعد مومن اور صالح لوگوں کی جزا اور بدلہ کا بیان تھا پھر جنتیوں، جہنمیوں اور اہل اعراف کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ذکر ہوا جس کا مقصد یہ بتانا تھا کہ اس روز اہلِ ایمان ہی کو سعادتِ کاملہ حاصل ہو گی اور دشمنانِ اسلام کو نہایت رنج و غم اور حسرت و افسوس ہو گا، جس کی کوئی تلافی ممکن نہ ہو گی ۔ پھر تخلیقِ عالم کا ذکر ہوا جو اس کی ربوبیت و الوہیت اور قدرتِ کاملہ پر مشتمل ہے ۔ اب یہاں سے بعض انبیاء کرام کے واقعات کا بیان ہے، جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء کرام سے سرکشی اور ان کی تکذیب و انکار کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے ۔ یہ کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں ہر زمانے کے لوگ اپنے

پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے ۔ پھر یہ مخالفینِ انبیاء دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت کے اعتبار سے بھی شدید عذاب کے مستحق ٹھہرے ۔

تشریح: یہاں سے انبیاء علیہم السلام کے کچھ واقعات کا بیان ہے جن سے یہ بتانا مقصود ہے کہ:

(۱) لوگوں کی سرکشی و سرتابی کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ گزشتہ اقوام بھی اسی طرح اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی تکذیب کرتی چلی آئی ہیں ۔

(۲) انبیاء علیہم السلام کے مخالفین کا انجام ہمیشہ خراب رہا ۔ وہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین بھی ذلیل و خوار اور عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمّی ہونے کے باوجود سابقہ انبیاء کے حالات و واقعات نہایت صحت و تفصیل کے ساتھ بیان کرنا ۔ آپؐ کی نبوت کی دلیل اور معجزہ عظیمہ ہے ۔ وحی ربانی کے بغیر ہزار ہا سال قبل کے واقعات کا علم اور ان کا پوری تفصیل کے ساتھ بیان کرنا عقلاً محال ہے ۔ (حقانی ۳۹۶ / ۲)

سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپؑ ہی کو رسول بنا کر دنیا میں بھیجا ۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنے نفس پر بہت نوحہ کیا کرتے تھے ، اسی لئے ان کا نام نوح پڑ گیا ۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بہت عرصہ تک لوگ شریعتِ الٰہیہ پر قائم رہے ۔ پھر آہستہ آہستہ بت پرستی شروع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا ۔ انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو ! تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو ، بت پرستی چھوڑ کر ہمہ تن اسی معبودِ برحق کی طرف متوجہ ہو جاؤ ، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ اگر تم نے میرا کہنا نہ مانا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر ایک بڑے دن کا عذاب نہ آجائے ۔ یہاں بڑے دن سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے یا طوفان کا دن مراد ہے ۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بات سن کر ان کی قوم نے جواب دیا کہ تم جو ہمیں بت پرستی سے روکتے ہو اور ایک خدا کی عبادت کی تلقین کرتے ہو ، یہ تو ہمارے باپ دادا کا طریقہ ہے ، ہم اس کو نہیں چھوڑ سکتے ۔

ہمارے خیال میں تو تم ہی صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا وہ خاص پیغام پہنچا رہا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دے کر تمہارے پاس بھیجا، تاکہ تم گمراہی سے بچ جاؤ۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ مجھے وحی کے ذریعہ خبر دی گئی ہے کہ تم میں سے جو شخص بت پرستی چھوڑ کر ایمان نہیں لائے گا اس پر عذابِ الٰہی نازل ہو گا۔ میں نے تمہاری خیر خواہی کے لئے تمہیں آنے والے عذاب سے مطلع کر دیا۔

(ابن کثیر ۲۲۳ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۵ / ۳)

قومِ نوح کی غرقابی

۶۳، ۶۴۔ اَوَ عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ○

کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک شخص کے ذریعہ تمہارے رب کی نصیحت پہنچی، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے اور تم پرہیزگار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ انہوں نے اس کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے اس (نوح) کو اور جو لوگ اس کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو بچا لیا اور جنہوں ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کو ہم نے غرق کر دیا، کیونکہ وہ ایک اندھی قوم تھی۔

عَجِبْتُمْ: تم نے تعجب کیا۔ تم نے اچنبھا کیا۔ عَجَبٌ سے ماضی۔

اَلْفُلْكِ: کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث۔ واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

عَمِيْنَ: اندھے۔ عَمًی سے صفت مشبہ۔ واحد عَمٍ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو مخاطب کر کے حضرت نوح کے بارے میں فرمایا کہ تم اس بات پر تعجب کیوں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک شخص کی معرفت وحی کے ذریعہ ہدایت و نصیحت کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ تو تم پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اور مہربانی ہے کہ اس نے تمہیں میں سے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر تمہارے پاس بھیجا تاکہ وہ تمہیں عذابِ الٰہی سے ڈرائے اور تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو اور تم پر اللہ تعالیٰ مہربان ہو جائے۔

حضرت نوح علیہ السلام اسی طرح ۹۵۰ برس تک اپنی قوم کو تبلیغ دین کرتے رہے اور آخرت کے عذاب سے ڈراتے رہے۔ مگر وہ لوگ آپ کو جھٹلاتے رہے اور ایذائیں دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم ـ پانی کے طوفان کی شکل میں عذاب نازل کیا۔ جس سے ایک کافر بھی زندہ نہ بچ سکا۔ اس طوفان سے صرف وہ لوگ محفوظ رہے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے۔ (ابن کثیر ۲۲۳ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۶ / ۳)

قومِ عاد کا واقعہ

۶۵، ۶۹۔ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ
اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ قَالَ
یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ
جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ
وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی
الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اور ہم نے قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا)۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں سو کیا تم ڈرتے نہیں۔ ان کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تجھے بیوقوفی

میں پڑا ہوا دیکھتے ہیں اور ہم تو تجھے جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں (ہود) نے کہا کہ اے میری قوم! مجھ میں تو ذرا بھی بیوقوفی نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کی طرف سے ایک رسول ہوں۔ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تو تمہارا امانت دار خیر خواہ ہوں۔ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے پاس تمہیں میں کے ایک شخص کے ذریعہ، تمہارے رب کی نصیحت پہنچی تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے اور (وہ وقت) یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور ڈیل ڈول میں بھی تمہیں اور لوگوں سے زیادہ پھیلاؤ دیا۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے احسان یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اَلْمَلَأُ: سرداروں کی جماعت۔

سَفَاهَةٌ: بیوقوف ہونا۔ جہالت۔ بے عقلی۔

بَصْطَةً: پھیلاؤ۔

اٰلَآءَ: احسانات۔ نعمتیں۔ واحد الی۔

تشریح: طوفان نوح کے بعد یہ قوم عرب کے جنوبی حصہ میں آباد ہو گئی تھی، جس کو یمن کہتے ہیں۔ یہ لوگ عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے اور نہایت قد آور، شہ زور، مغرور و متکبر اور سرکش تھے۔ بڑے بڑے مکانوں میں رہتے تھے۔ جیسا کا ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۔ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۔ الَّتِیْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ (الفجر آیات ۶ تا ۸)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے کیسی سزا دی جو ارم کے رہنے والے تھے جن میں بڑے بڑے ستون تھے۔ شہروں میں ایسے بڑے بڑے مکان کہیں بھی نہیں تھے۔

یہ ان کی زبردست جسمانی قوت کی دلیل تھی جیسا کہ فرمایا

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ

لیکن قوم عاد فخر و تکبر میں پڑ گئی۔ ناحق غرور کرنے لگی اور کھلا دعوی کرنے لگی

کہ ہم سے بڑھ کر قوی کون ہے ؟ کیا انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ جس نے انہیں پیدا کیا ہے ، وہ ان سے زیادہ قوی ہے اور وہ ہماری آیتوں اور معجزوں کا انکار کرتے تھے ۔

یہ لوگ جس طرح جسمانی حیثیت سے بڑے سخت تھے ، اسی طرح ان کے دل بھی نہایت سخت تھے ۔ انہوں نے سب امتوں سے زیادہ حق کی تکذیب کی ۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا ۔ جب حضرت ہودؑ نے ان کو توحید کی دعوت دی تو اس بد بخت اور متکبر قوم نے ان کو دیوانہ اور بیوقوف کہا اور جھوٹا ٹھہرایا اور کہنے لگے کہ کیا تیرے کہنے پر ہم اپنے سب معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی عبادت کرنے لگیں اور اپنے باپ دادا کا طریقہ چھوڑ دیں ۔ قریش نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید پر اسی قسم کا جواب دیا تھا ۔

حضرت ہودؑ نے ان سے کہا کہ میں بیوقوف اور کم عقل نہیں ہوں بلکہ بیوقوف تو تم ہو کہ اپنے ہی ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھروں کو پوجتے ہو ۔ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں ۔ تمہارے لئے اپنے رب کا پیغام لے کر آیا ہوں ، تاکہ تمہاری اصلاح ہو اور میں تمہارا صحیح معنی میں خیر خواہ ہوں ۔ میری نصیحت و خیر خواہی اور امانت و دیانت تمہیں خوب معلوم ہے ۔ کیا اس کے بعد بھی تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو ۔ تم اس بات پر تعجب کیوں کرتے ہو کہ تمہارے ہی ایک آدمی کے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے وحی کے ذریعہ ہدایت و نصیحت آئی اور اس نے تمہاری بہتری کے لئے تمہیں پہنچا دی اور تمہیں عذابِ الٰہی سے خوف دلایا ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ یہ تو شکر کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنایا اور تم پر ان سے زیادہ انعام و اکرام کیا ۔ اس نے تمہیں جسمانی قوت اور ڈیل ڈول میں ان سے زیادہ قوی اور توانا بنایا ، تم دوسری قوموں کی نسبت بہت دراز قامت اور چوڑے چکلے ہو ۔ پس تم اس انعام خداوندی کے شکریہ میں اس کی نعمتوں کو زیادہ یاد کرو اور ان پر زیادہ شکر کرو تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو ، کیونکہ ذکر و شکر ہی سے فلاح و نجات حاصل ہوتی ہے ۔ (ابن کثیر ۲۲۴ / ۲ ، حقانی ۲۹۸ / ۲)

قومِ ہود کی سرکشی

۷۰-۷۲۔ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ
عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۗ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۗ
فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ
مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ۝

وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے س اسی لئے ایا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبا ت کریں اور جس کو ہمارے باپ د پوجتے تھے اس کو چھوڑ دیں۔ پس ر ہے تو اس (عذاب) کو لے اجس سے ہمیں ڈراتا ہے۔ (حضرت ہودؑ نے) کہ کہ بس تم پر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب اور غضب آہی گیا۔ کیا تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے اپنی طرف سے رکھ لئے ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی سند نہیں اتاری۔ پس تم منتظر رہو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ ڈالی جنہوں نے ہماری اتوں کو جھٹلایا تھا ر وہ ایمان لانے والے نہ تھے۔

نَذَرَ: ہم چھوڑ نے ہیں۔ ہم پڑا رہنے دیں گے۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

رِجْسٌ: ناپاک۔ گندہ۔ عذاب جمع اَرْجَاسٌ۔

سُلْطٰنٍ: اقتدا قوت۔ دلیل

دَابِرَ: جڑ۔ پچھاڑی۔ دَبْرٌ و دُبُوْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت یہ السلام نے اپنی قوم کو عذابِ الٰہی سے خوف دلایا اور بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانے اور کہنے لگے تو ہمارے پاس اسی لئے آیا ہے کہ ہم صرف ایک خدا کی عبادت کریں اور ان سب معبود در دیں جن کو ہمارے آباو اجداد پوجتے تھے۔ پس اگر تو سچا ہے تو س

عذاب سے تو ہمیں ڈرا رہا ہے اس کو ہمارے پاس لے آ۔

مکہ کے قریش بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی کہا کرتے تھے کہ اگر آپ کی عذاب کی دھمکی سچ ہے تو آپ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کرا دیں اور ہمیں عذاب الیم میں مبتلا کرا دیں۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو جواب دیا کہ تمہارے کہنے کی وجہ سے تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اور غضب تو واجب ہو چکا ہے، اب وہ کسی وقت بھی تم پر نازل ہو کر تمہاری سرکشی کو ختم کر دے گا۔ تم مجھ سے ان بتوں کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کے نام تم نے یا تمہارے اسلاف نے رکھ لئے ہیں۔ ان کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ سب تو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور نہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی دلیل اور سند اتاری ہے۔ پس اب تم عذاب نازل ہونے کا انتظار کرو۔ تمہارے ساتھ میں بھی انتظار کرتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرما دیا اور حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو تو اپنی رحمت و مہربانی سے بچا لیا۔ جو لوگ حضرت ہودؑ پر ایمان نہیں لائے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، بمقتضائے حکمت اللہ تعالیٰ نے ان کی جڑیں کاٹ دیں اور ان کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا، کیونکہ ان کی قساوت قلبی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ (ابن کثیر ۲۲۵ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳/۰)

قوم ہود کی ہلاکت و تباہی کے حالات و واقعات قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس طرح مذکور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ان کو تین برس تک شدید قحط میں مبتلا رکھا جس سے وہ عاجز آ گئے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے۔ پھر ایک روز ان پر ایک ابر نمودار ہوا جس کو دیکھ کر قوم ہود کے لوگ بہت خوش ہوئے کہ اب اس ابر سے ضرور پانی برسے گا۔ یہ سیاہ ابر ایک سیاہ آندھی تھی۔ جب یہ نزدیک آئی تو انہوں نے اس میں آدمی، اونٹ اور بڑے بڑے درخت چیلوں کی طرح آسمان میں اڑتے ہوئے دیکھے۔ پھر وہ اپنے مکانوں اور محفوظ مقامات کی طرف دوڑے۔ مگر قہر الٰہی سے کون بچ سکتا ہے۔ مکان اور چھتیں اڑنے لگیں، دیواریں گر پڑیں، کچھ لوگ تو وہیں تمام ہوئے اور جو لوگ گھبرا کر باہر نکلے ان کو آندھی کے طوفان نے بہت بلند اٹھا کر کسی پتھر یا زمین پر دے مارا اور وہ گرتے ہی چور چور ہو گیا۔ یہ طوفان سات رات اور آٹھ دن تک جاری رہا۔ قوم عاد کے طویل القامت لوگ زمین پر کھجور کے پیڑوں کی طرح لمبے پڑے تھے۔ (حقانی ۳۹۸ / ۲)

قومِ ثمود کا واقعہ

۷۳، ۷۴۔ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ
لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ
فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ
بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا
وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی
الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی (حضرت) صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل آچکی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے دلیل (بنا کر بھیجی گئی) ہے۔ سو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرتی رہے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور (وہ وقت) یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کے بعد تمہیں جانشین بنایا اور تمہیں زمین پر رہنے کا ٹھکانا دیا کہ تم نرم زمین میں محل بنا لیتے ہو اور پہاڑوں کے گھر تراش لیتے ہو۔ پس تم اللہ تعالیٰ کے احسان یاد کرو اور زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔

نَاقَةٌ: اونٹنی، جمع نُوْقٌ۔

فَذَرُوْهَا: پس تم اس (اونٹنی) کو چھوڑ دو۔ وَذْرٌ سے امر۔

بَوَّاَكُمْ: اس نے تم کو ٹھکانا دیا۔ اس نے تم کو جگہ دی۔ تَبْوِیَۃٌ سے ماضی۔

سُهُوْلِهَا: اس (زمین) کا نرم حصہ۔ اس کا ہموار حصہ۔ واحد سَہْلٌ۔

قُصُوْرًا: محلات۔ واحد قَصْرٌ۔

تَنْحِتُوْنَ: تم تراشتے ہو۔ نَحْتٌ سے مضارع۔

تَعْثَوْا: تم پھرو۔ تم فساد مچاؤ۔ تم پھیلاؤ۔ عَثْیٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے قدیم عرب کے جو قبائل تھے، انہیں میں سے ثمود بھی تھے جو قوم عاد کے بعد ہوئے ۔ یہ لوگ عرب کے شمال مشرقی حصہ میں جو مدینہ اور شام کے درمیان ہے اور جس کو قدیم عرب ملک حجر کہتے تھے، آباد تھے ۔ یہ لوگ پہاڑ کھود کر اور پتھر تراش کر عجیب و غریب مکانات بناتے تھے ۔ اسی طرح انہوں نے پہاڑوں کے نیچے نرم زمین میں بھی عجیب و غریب محل بنائے ہوئے تھے ۔ گرمی اور سردی کے جدا جدا مکانات ہوتے تھے ۔ یہ لوگ بت پرست، راہزن اور علانیہ فاحش و بدکار تھے ۔ ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا ۔ انہوں نے آکر ان کو توحید و عبادت الٰہی کی تعلیم دی اور ایک اونٹنی کا معجزہ دکھا کر ان سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے نشانی ہے، تم اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ دینا ورنہ دردناک عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے ۔

یہ اونٹنی ایک دن چشمے سے پانی پیتی تھی اور ایک دن ناغہ کرتی تھی تاکہ دوسرے لوگ اور ان کے جانور پانی پی سکیں ۔ وہ لوگ اس اونٹنی کا دودھ پیتے تھے اور جس قدر چاہتے دودھ سے اپنے برتن بھر لیتے ۔ وہ وادی میں ایک راستہ سے چرنے جاتی اور دوسرے راستہ سے باہر آتی، تاکہ آنے جانے والوں کو آسانی ہو، کیونکہ پانی پی کر وہ بہت موٹی تازی ہو جاتی اور بہت شاندار اور پر رعب و ہیبت نظر آتی تھی ۔ وہ جانوروں کے پاس سے گزرتی تو دوسرے جانور ڈر کر بھاگ جاتے ۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو کہ قوم عاد کی ہلاکت کے بعد اس نے تمہیں ان کا جانشین بنایا تاکہ تم اس دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی کا ذریعہ بناؤ ۔ اس نے تمہیں زمین میں ٹھکانا دیا، تم اس کی نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو ۔ پس تم اللہ کی نعمتوں اور احسانات کو یاد کرو اور ان کا شکر ادا کرو اور زمین میں فتنہ و فساد پھیلاتے نہ پھرو ۔ کفر و شرک اور نبی کی مخالفت و تکذیب سے بڑھ کر کوئی فتنہ و فساد نہیں، لہٰذا تم ان سے بچو ۔ (حقانی ۲۴۰ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴، ۷۵ / ۳)

کافر سرداروں کی گفتگو

۷۵، ۷۶۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْٓا اِنَّا

بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○

اس قوم کے متکبر سرداروں نے ان غریب لوگوں سے پوچھا جو ایمان لے آئے تھے کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ (حضرت) صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا بے شک ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں۔ جو لوگ متکبر تھے وہ کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو، ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔

تشریح: حضرت صالح کی قوم میں جو متکبر سردار تھے انہوں نے غریب لوگوں میں سے جو لوگ حضرت صالح پر ایمان لے آئے تھے، ان سے، کہا کہ کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ حضرت صالح کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ غریب مومنوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ ان کو دے کر بھیجا ہے، ہم تو بلاشبہ اس پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں، ہمیں ان کی نبوت میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ کافر سرداروں نے مومنوں سے کہا کہ تم جس چیز پر ایمان رکھتے ہو، ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ ہم ان کی نبوت، رسالت کو نہیں مانتے اور نہ ان کے اونٹنی کے معجزے کو مانتے ہیں اور نہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اونٹنی کو مار ڈالنے سے کوئی عذاب آ جائے گا۔

(مظہری ۴۲۴ / ۳)

اونٹنی کی کونچیں کاٹنا

۷۷۔ ۷۹۔ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ○

پھر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ اے صالح اگر تو رسولوں میں سے ہے تو جس (عذاب) سے تو

ہمیں ڈراتا ہے اس کو ہم پر لے آ۔ پس ان کو زلزلے نے آپکڑا، سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ پھر حضرت صالحؑ نے ان سے منہ پھیرا اور کہا کہ اے میری قوم! بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی تھی لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے۔

فَعَقَرُوا: پس انہوں نے پاؤں کاٹ دئے۔ پس انہوں نے کونچیں کاٹ دیں۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

عَتَوْا: انہوں نے سرکشی کی۔ انہوں نے نافرمانی کی۔ عُتُوٌّ سے ماضی۔

الرَّجْفَةُ: زلزلہ۔ کپکپاہٹ۔

جٰثِمِيْنَ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثُوْمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب حضرت صالحؑ کی قوم کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو انہوں نے باہم صلاح و مشورہ کر کے اس اونٹنی کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تاکہ ان کو ہر روز پانی لینے کا حق حاصل ہو جائے چنانچہ ان کافروں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سرکشی کرتے ہوئے اونٹنی کے پیر کاٹ ڈالے اور حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور کہنے لگے کہ اے صالحؑ اگر تو واقعی رسول ہے اور اپنے دعوے میں سچا ہے تو اس عذاب کو لے آجس کا تو ہم سے وعدہ کرتا ہے۔ پس جب ان کی جرأت و سرکشی اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ خدا کے پیغمبر کا مذاق اڑانے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر زلزلہ کی شکل میں وہ عذاب نازل فرما دیا جس کا وہ مطالبہ کر رہے تھے۔ پھر وہ زلزلہ کے سبب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ سب لوگ ایک دم مر گئے۔ چھوٹا، بڑا، مرد و عورت، غرض ان میں سے کوئی بھی نہ بچ سکا، سوائے ان لوگوں کے جو حضرت صالحؑ پر ایمان لے آئے تھے۔

اس قوم کا ایک آدمی ابو رِغال تھا۔ عذاب کے وقت یہ شخص مکہ میں تھا، اس لئے چند روز عذاب سے محفوظ رہا، لیکن جب کسی ضرورت سے مکہ سے باہر نکلا تو آسمان سے اس پر ایک پتھر گرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

پھر جب حضرت صالحؑ کی قوم کے سب کافر ہلاک کر دئے گئے تو حضرت صالحؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے میری قوم! میں نے تو تمہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا اور تمہاری خیر خواہی کی تھی لیکن تم نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا کیونکہ تم حق بات کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (ابن کثیر ۲۲۸، ۲۲۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷ / ۳)

قومِ لوطؑ کا واقعہ

۸۰، ۸۱۔ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝

اور ہم نے (حضرت) لوطؑ کو (رسول بنا کر) بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو جس کو تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا۔ تم تو شہوت میں آکر عورتوں کو چھوڑ کر مردوں پر گرتے ہو بلکہ تم لوگ تو حد سے بڑھے ہوئے ہو۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے ملکِ شام تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہر سدوم کے رہنے والوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے تاکہ ان کی اصلاح فرمائیں اور ان کو بے حیائی کے کاموں سے باز رکھیں۔ سدوم کے لوگ بت پرست، لٹیرے، نہایت بدکار اور بے حیا تھے۔ لڑکوں سے بدفعلی کیا کرتے تھے۔ یہی بدبخت قوم اس ناپاک عمل کی موجد تھی۔ ان سے پہلے دنیا کی کسی قوم نے یہ خبیث فعل نہیں کیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا اور بدکاری و بے حیائی سے منع کیا اور کہا کہ کیا تم ایسا فحش کام کرتے ہو، جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے عورتیں پیدا کی ہیں اور تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے ساتھ غیر فطری فعل کا ارتکاب کرتے ہو۔ یہ نری جہالت اور خباثت نفس ہے۔ پس تم اس سے بچو۔

قومِ لوط کا انجام

۸۲، ۸۴۔ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ٥

اور ان کی قوم سے اس کے سوا کوئی جواب نہ بن پڑا کہ آپس میں کہنے لگے کہ ان لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو، کیونکہ یہ لوگ بڑے پاک و صاف بنتے ہیں۔ پھر ہم نے (حضرت) لوط کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا سوائے ان کی بیوی کے کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی اور ہم نے اس قوم پر (پتھروں کا) مینہ برسایا۔ سو دیکھ لو ان مجرموں کا کیا حال ہوا۔

اُنَاسٌ: انسان۔ لوگ۔ واحد اِنْسٌ۔

اَلْغٰبِرِیْنَ: پیچھے رہنے والے۔ باقی رہنے والے۔ غَبْرٌ و غُبُوْرٌ سے اسم فاعل۔

اَمْطَرْنَا: ہم نے برسایا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کی نصیحت کا کوئی معقول جواب دینے کی بجائے ضد میں آکر آپس میں یہ کہنے لگے کہ یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں اور ہمیں گندہ بتاتے ہیں، تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام۔ لہٰذا ان کو اپنی بستی ہی سے نکال دو۔ پھر جب ان کا تمسخر اور سرکشی حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل و عیال کو اس بستی سے صحیح و سالم نکال لیا، سوائے حضرت لوطؑ کی بیوی کے جو کافر تھی اور ان بدبختوں کے ساتھ رہ گئی تھی جن پر اللہ تعالیٰ نے عذاب مسلط کیا۔ اس نے معذبین کے ساتھ ساز باز کر رکھی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں جو مہمان آتے تھے ان کی اطلاع بھی معذبین کو یہی دیا کرتی تھی اور ان کو بدکاری کی ترغیب بھی دیتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر پتھروں کی بارش کی اور ان کی بستیاں الٹ دی گئیں سو دیکھو مجرموں کا کیسا انجام ہوا۔ (ابن کثیر ۲۳۰، ۲۳۱ / ۲)

حضرت شعیبؑ کا واقعہ

۸۵، ۸۷۔ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ

۞ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۔ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۞ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۞

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی (حضرت) شعیب کو بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ تمہارے پاس ایک واضح دلیل آچکی۔ پس تم ناپ اور تول کو پورا رکھو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اگر تم ایماندار ہو اور تم راستوں پر اس غرض سے نہ بیٹھا کرو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والوں کو ڈراؤ اور ان کو اللہ کی راہ سے روکو اور اس راہ میں کجی ڈھونڈو اور (وہ وقت) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں زیادہ کر دیا اور دیکھو مفسدوں کا کیسا انجام ہوا اور اگر تم میں سے ایک گروہ اس پر ایمان لے آیا ہے جو کچھ میرے ذریعہ بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ اس پر ایمان نہیں لایا تو تم صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دے اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

فَاَوْفُوْا: پس تم پورا کرو۔ اِیْفَاءٌ سے امر۔

اَلْكَيْلَ: پیمانے سے غلہ وغیرہ ناپنا۔ مصدر ہے۔

تَبْخَسُوا: تم کم دینے لگو۔ تم گھٹانے لگو۔ بَخْسٌ سے مضارع۔

تَقْعُدُوْا: تم بیٹھو۔ قُعُوْدٌ سے مضارع۔

تُوْعِدُوْنَ: تم وعید کرتے ہو۔ تم ڈراتے ہو۔ اِیْعَادٌ سے مضارع۔

تَصُدُّوْنَ: تم روکتے ہو۔ تم بند کرتے ہو۔ صَدٌّ سے مضارع۔

تَبْغُوْنَهَا: تم اس کو چاہتے ہو۔ تم اس کو تلاش کرتے ہو۔ بَغْیٌ سے مضارع۔

عِوَجًا: کجی۔ ٹیڑھا پن۔
طَائِفَةٌ: گروہ، جماعت۔ طَوفٌ سے اسم فاعل۔
تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ حضرت لوط علیہ السلام کے واقعہ کے بعد پیش آیا عرب کے شمال مغربی حصہ کے بیابانوں میں ایک بستی کا نام مدین ہے، جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بحر قلزم کو عبور کر کے کوہِ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے۔

مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان کی نسل کے لوگ یہاں رہتے تھے، اس لئے اس بستی یا قبیلے کو مدین کہا جاتا ہے۔ مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر ہوتا ہے۔ اہل مدین میں سے ایک شخص (حضرت شعیبؑ) کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر ان میں بھیجا۔ یہ وہی شعیبؑ ہیں جن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے آکر قیام پزیر ہوئے تھے اور دس برس ان کے ہاں رہے اور ان کی صاحبزادی سے شادی کی۔ پھر حضرت موسیٰ نے مصر کی طرف واپس جاتے ہوئے کوہِ طور کے قریب اللہ تعالیٰ کی تجلی دیکھی اور پھر وہیں ان کو نبوت ملی۔

مدین کے لوگ بڑے شریر اور بت پرست تھے، ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے حضرت شعیبؑ کو مبعوث فرمایا۔ انہوں نے قوم کی اصلاح کے لئے تین باتیں فرمائیں۔

۱۔ اے میری قوم! تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہی دعوتِ توحید تمام عقائد و اعمال کی روح ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام یہی دعوتِ توحید دیتے آئے ہیں۔ حضرت شعیبؑ کی قوم مخلوق پرستی میں مبتلا تھی، اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس کے حقوق سے غافل تھی۔ اسی لئے حضرت شعیبؑ نے سب سے پہلے ان کو یہی پیغام دیا اور فرمایا کہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس میری نبوت کی واضح دلیلیں اور معجزے آچکے ہیں اور تم یہ سمجھ چکے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں، لہٰذا تم میری اطاعت کرو۔

۲۔ ناپ تول پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے ان کو نقصان نہ پہنچایا کرو۔ جس طرح ناپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح دوسرے حقوق انسانی میں کمی کرنا بھی حرام ہے۔ کسی کی عزت و آبرو پر حملہ کرنا، کسی کے درجہ اور رتبہ کے موافق اس کا احترام نہ کرنا، جن جن کی

اطاعت واجب ہے ان کی اطاعت میں کوتاہی کرنا، یہ سب امور اسی جرم میں داخل ہیں جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کیا کرتی تھی۔

مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو جلدی جلدی رکوع سجدے کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا **قد طففت** یعنی تو نے ناپ تول میں کمی کر دی مراد یہ ہے کہ نماز کا جو حق تھا وہ تو نے پورا نہیں کیا۔

پھر فرمایا کہ تم اصلاح کے بعد زمین میں خرابی پیدا نہ کرو۔ یعنی دین خداوندی کی مخالفت نہ کرو اور اپنی ناجائز حرکتوں سے باز آجاؤ۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

۳۔ تم راہ گیروں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں ان کو اللہ کے راستے سے روکنے کے لئے راستوں اور سڑکوں پر نہ بیٹھا کرو۔ ان لوگوں کی عادت تھی کہ دو، دو، چار، چار کی ٹولیوں میں راستوں پر بیٹھ جاتے تھے اور راہ گیروں کو ڈرا دھمکا کر ان کا سامان و نقدی وغیرہ چھین لیتے تھے۔ جو شخص حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانا چاہتا اس کو ورغلاتے اور شکوک و شبہات میں مبتلا کرتے۔

پھر فرمایا کہ تم وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد کے اعتبار سے بہت تھوڑے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے تمہاری نسلیں بڑھا کر تمہاری قلت کو کثرت میں بدل دیا۔ یا مال و اسباب کے اعتبار سے تم بہت کمتر تھے، اللہ تعالیٰ نے دولت عطا فرما کر تمہیں مستغنی کر دیا۔ پس تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو اور فساد کرنے والوں کے انجام پر نظر رکھو اور قوم نوحؑ، قوم عادؑ، قوم ثمودؑ اور قوم لوطؑ کے حالات و انجام سے عبرت پکڑو۔

پھر حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اگر تم میں سے کچھ لوگ ان باتوں پر ایمان لے آئے جو میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہوں اور کچھ لوگ ان پر ایمان نہیں لائے تو تم ذرا صبر کرو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے۔ وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس کے فیصلے میں نہ ظلم ہے اور نہ کوئی اس کے فیصلے کو رد کر سکتا ہے۔

(حقانی ۲۰۴ / ۲، معارف القرآن ۶۲۳، ۶۲۵ / ۳)

سرداروں کی سرکشی

۸۹،۸۸۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۝ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

اس کی قوم کے سرکش سرداروں نے کہا کہ اے شعیبؑ! ہم تجھے اور ان لوگوں کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے نکال کر رہیں گے یا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔ حضرت شعیبؑ نے کہا کہ اگر ہم کراہت کریں تو (بھی لوٹ آئیں) ؟ اگر ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں تو ہم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی تہمت لگانے والے ہو جائیں گے جبکہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے نجات دے چکا ہے اور ہم سے نہیں ہو سکتا کہ ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں، مگر یہ کہ ہمارا رب ہی چاہے اور ہمارے رب کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہم نے تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر لیا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم میں اور ہماری قوم میں حق کے مطابق فیصلہ فرما دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی گفتگو سن کر ان کی قوم کے مغرور و متکبر سردار کہنے لگے کہ اے شعیبؑ یا تو تم اور جو لوگ تم پر ایمان لائے ہیں، سب ہمارے مذہب میں واپس آ جاؤ، ورنہ ہم تم سب کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔

حضرت شعیبؑ کی قوم کے سرداروں کا حضرت شعیب پر ایمان لانے والوں کو اپنے مذہب میں واپس بلانا تو ٹھیک ہے مگر حضرت شعیبؑ تو ان کے باطل مذہب پر ایک دن بھی نہیں رہے تھے اور نہ کوئی پیغمبر کسی مشرکانہ مذہب کی پیروی کر سکتا ہے۔ اس لئے قوم کے سرداروں کا

حضرت شعیبؑ سے یہ کہنا کہ ہمارے مذہب میں واپس آجاؤ غالباً اس لئے تھا کہ نبوت ملنے سے پہلے حضرت شعیبؑ ان کے باطل عقائد و اعمال پر خاموش رہتے تھے اور انہی کے اندر رلے ملے رہتے تھے، اس لئے وہ ان کو بھی اپنا ہم مذہب سمجھتے تھے۔ جب حضرت شعیبؑ نے ان کو دعوت ایمان دی تب ان کو پتہ چلا کہ ان کا مذہب تو ہمارے مذہب سے مختلف ہے اور یہ کہ یہ ہمارے مذہب سے پھر گئے ہیں۔

حضرت شعیبؑ نے جواب دیا کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے مذہب کو ناپسند اور باطل سمجھنے کے باوجود ہم تمہارے مذہب میں داخل ہو جائیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باطل مذہب سے ہمیں نجات دے دی۔ اب اگر ہم تمہارے مذہب میں واپس ہو جائیں تو یہ ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ پر سخت جھوٹا بہتان ہو گا۔ اب تمہارے باطل مذہب میں واپس آنا ہمارے لئے ممکن ہی نہیں سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ ہی ایسا ہو جائے۔ ہمارے پروردگار کا علم بہت وسیع ہے اور ہر چیز کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ قضا و قدر کی حکمتیں اور مصلحتیں اسی کو معلوم ہیں۔ لہٰذا ہمارا بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے۔ وہی اپنی عنایت سے ہمیں اپنے دین پر قائم رکھے گا۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کے ایمان کی طرف سے ناامید ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کر دے اور تو ہی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ دراصل حضرت شعیبؑ کی طرف سے اپنی قوم کے کافروں کے لئے ہلاکت کی دعا تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما کر ان سرکشوں کو زلزلہ کے ذریعہ ہلاک کر دیا۔ (معارف القرآن ۶۲۸، ۶۲۹ / ۳)

قومِ شعیبؑ کا دردناک انجام

۹۰، ۹۲۔ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ○ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ○

اور (حضرت شعیبؑ کی) قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ اگر تم (حضرت) شعیبؑ کی اتباع کرو گے تو بڑا نقصان اٹھاؤ گے۔ پھر ان کو زلزلے نے آلیا، سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ جنہوں نے (حضرت) شعیبؑ کو جھٹلایا تھا (وہ ایسے مٹے کہ) گویا وہ ان بستیوں میں آباد ہی نہ تھے۔ جنہوں نے (حضرت) شعیب کو جھٹلایا وہی خسارے میں رہے۔

الرَّجْفَةُ: زلزلہ۔ کپکپاہٹ

فَاَصْبَحُوْا: پس وہ ہو گئے۔ اِصْبَاحٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

جٰثِمِیْنَ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثُوْمٌ سے اسم فاعل۔

یَغْنَوْا: وہ قیام کرتے ہیں۔ وہ بستے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ غَنْیٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی کفر و گمراہی ایسی شدید تھی کہ ان کے سردار اپنی قوم کے کافروں سے کہنے لگے کہ اگر تم نے شعیب کی بات مان لی اور تم ان کی اتباع کرنے لگے تو تم بڑے خسارے میں رہو گے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طور پر ان پر ایسا شدید زلزلہ بھیجا کہ وہ اپنے گھروں میں ہی اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ یہ اس بات کی سزا تھی کہ وہ حضرت شعیبؑ اور ان کے اصحاب کو بلاوجہ ڈراتے اور ان کو جلاوطنی کی دھمکی دیتے تھے۔

یہاں زلزلہ کو عذاب بتایا گیا ہے۔ دوسری آیتوں میں عذاب یوم الظلہ آیا ہے جس کے معنی ہیں سایہ کے دن کا عذاب۔ یعنی پہلے ان پر گہرے بادل کا سایہ آیا، جب وہ اس کے نیچے جمع ہو گئے تو اسی بادل سے ان پر پتھر یا آگ برسائی گئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم کے مختلف حصے ہو گئے ہوں۔ بعض پر زلزلہ آیا اور بعض عذاب ظلہ سے ہلاک کئے گئے ہوں۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی تھی وہ اپنے گھروں میں ایسے ڈھیر ہوئے گویا کبھی اس بستی میں بستے ہی نہ تھے۔ یہ لوگ اللہ کے رسول اور اس کے اصحاب کو بستی سے نکالنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ اب نہ وہ خود رہے اور نہ ان کی بستیاں۔ یہی لوگ حقیقی خسارے میں رہے۔

(ابن کثیر ۲۳۲ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۳ / ۳)

حضرت شعیبؑ کا اظہار افسوس

۹۳۔ فَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ نَصَحْتُ لَکُمْ فَکَیْفَ اٰسٰی عَلٰی قَوْمٍ کٰفِرِیْنَ ۝

پھر (حضرت) شعیبؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور کہنے لگے کہ اے میری قوم! میں تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہیں نصیحت بھی کر چکا۔ پھر اب ان منکروں پر میں کیا افسوس کروں۔

رِسٰلٰتِ: احکامات۔ پیغامات۔ واحد رِسَالَۃٌ۔

اٰسٰی: میں افسوس کروں۔ میں غم کھاؤں۔ اَسیً سے مضارع۔

تشریح: حضرت شعیبؑ اور ان کے ساتھی اپنی قوم پر عذاب آتا ہوا دیکھ کر وہاں سے چل دئے۔ جب قوم پر عذاب آیا تو پیغمبرانہ شفقت و رحمت کے سبب حضرت شعیبؑ کا دل دکھا۔ پھر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے قوم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں نے تو تمہارے رب کے احکام تمہیں پہنچا دئے تھے اور تمہاری پوری پوری خیر خواہی کی تھی، دنیا و آخرت کے نفع و نقصان سے تمہیں آگاہ کر دیا تھا، مگر تم نے میری بات نہ مانی اور اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ پھر میں کافر قوم کی ہلاکت پر کیوں غم کروں کیونکہ کافروں، ظلم و شرک پر ہٹ دھرمی کرنے والوں اور انبیاء کے ساتھ تمسخر کرنے والوں کی تباہی و بربادی لائق حزن و غم نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں سے پاک ہو گئی اور اہل ایمان کی نگاہیں کفر و شرک کی نجاستیں دیکھنے سے محفوظ ہو گئیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۳ / ۳)

اُمم سابقہ کا انجام

۹۵،۹۴ وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَۃِ الْحَسَنَۃَ حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَۃً وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝

اور ہم نے جس بستی میں کوئی نبی بھیجا تو یہی کیا کہ وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں مبتلا کیا تاکہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے بد حالی کو خوشحالی سے بدل دیا یہاں تک کہ وہ زیادہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو بھی تنگی اور راحت پہنچی تھی۔ پھر ہم نے ان کو یکایک پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔

اَلْبَأْسَآءِ: تنگدستی۔ مفلسی۔ فقر۔ سختی۔

اَلضَّرَّآءِ: تکلیف۔ سختی۔ مصیبت۔

یَضَّرَّعُوْنَ: وہ عاجزی کرتے ہیں۔ وہ گڑگڑاتے ہیں۔ تَضَرُّعٌ سے مضارع۔

عَفَوْا: انہیں خوب ترقی ہوئی۔ وہ زیادہ ہوگئے۔ بعصلہ عن انہوں نے معاف کیا۔ عَفْوٌ سے ماضی۔

بَغْتَةً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک۔

تشریح: انبیاء کرام علیہم السلام کے ان واقعات کی جن میں منکرین پر عذابِ الٰہی آنے کا ذکر ہے، عرب کے لوگ بھی دل سے تصدیق کرتے تھے۔ ان واقعات کو سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ منکرین انبیاء پر عذابِ الٰہی شاید انہی مذکورہ چند علاقوں میں واقع ہوا ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ دوسرے علاقوں میں ایسی کوئی بات نہیں۔ پس جب ہر منکر پر یہ عذاب واقع نہیں ہوا تو کیا ضروری ہے کہ مکہ اور عرب کے منکروں پر بھی ایسا ہی عذاب واقع ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی بستی اور آبادی ایسی نہیں جہاں ہم نے کوئی نبی نہ بھیجا ہو اور وہاں کے لوگوں کو راحت و شادمانی اور تکلیف و مصیبت کے ذریعہ نہ آزمایا ہو تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں، ہم سے ڈریں، ہمارے آگے گڑگڑائیں اور اس مصیبت کے دور ہونے کی درخواست کریں۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ وہ اپنی روش پر قائم رہے۔ اس کے باوجود ہم نے ان کی بدحالی اور مصیبت کو راحت و مالداری اور فراخی و دولت مندی سے بدل دیا تاکہ وہ کفرانِ نعمت ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور اپنی بداعمالیوں سے توبہ و استغفار کریں۔ پھر بھی انہوں نے نہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کیا اور نہ مصائب و مضرات پر صبر و عاجزی کا دامن تھاما، نہ اپنی بداعمالیوں سے باز آئے اور نہ توبہ و استغفار کی، بلکہ یہ کہنے لگے کہ یہ انقلابِ راحت و مصیبت تو ہمارے آباؤ اجداد کے زمانے سے چلا آرہا ہے۔ کبھی راحت و شادمانی کبھی رنج و مصیبت، اسی طرح ہم پر بھی کبھی راحت و خوشحالی آئی اور کبھی مصیبت و

تنگدستی ۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور نہ اس میں ایمان و کفر کو کوئی دخل ہے ۔

پھر جب وہ کسی طرح راہِ راست پر نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے یکایک ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا اور ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ یکایک عیش و عشرت سے محروم کر کے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا جائے گا ۔ (حقانی ۴۰۷، ۴۰۸ / ۲، ابن کثیر ۲۳۳ / ۲)

مکذبین و منکرین کی بد نصیبی

۹۶، ۹۹۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ○ اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول دیتے لیکن انہوں نے تو تکذیب کی، سو ہم نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے پکڑ لیا ۔ کیا پھر بھی بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر راتوں رات آپڑے اور وہ سب سوئے ہوئے ہوں اور کیا بستیوں کے رہنے والے اس بات سے بے فکر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آپڑے جبکہ وہ کھیل کود میں مشغول ہوں ۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے فکر ہو گئے ۔ سو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی بے فکر نہیں ہوتا، سوائے ان لوگوں کے جن کی شامت ہی آگئی ہو ۔

اَلْقُرٰى : بستیاں ۔ دیہات ۔ باشندے ۔ واحد قَرْيَۃٌ ۔

بَيَاتًا : رات کے وقت ۔ شبخون مارنا ۔ تَبْيِيْتٌ سے اسم مصدر ۔

نَآئِمُوْنَ : سونے والے ۔ نَوْمٌ سے اسم فاعل ۔

ضُحًى : دن کی روشنی ۔ دن چڑھے ۔ چاشت کا وقت ۔

مَکْرَ: پکڑ۔ داؤ۔ تدبیر۔ حیلہ۔

تشریح: اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور نافرمانی سے پرہیز کرتے تو ہم ان کے لئے آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ مگر انہوں نے ہماری اتباع و فرماں برداری کی بجائے ہمارے پیغمبروں کی تکذیب و نافرمانی کو اپنا مقصدِ حیات بنایا، سو ہم نے بھی ان کو ان کی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی سزا میں پکڑ لیا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔

کیا ان عبرتناک واقعات کو سننے کے بعد بھی ان موجودہ بستیوں کے لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہیں اور عیش و عشرت میں مست ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ سابقہ امتوں کی طرح رات کے وقت ان پر ہمارا عذاب آجائے اور وہ سوتے ہی رہ جائیں یا یہ لوگ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ دن چڑھے ان پر ہمارا عذاب آجائے جبکہ وہ کھیل تماشہ میں مشغول ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ پیغمبروں کی نافرمانی اور تکذیب کے بعد عذابِ الٰہی سے کسی وقت بھی بے خوف نہیں رہنا چاہئے۔ نہ جانے رات کو یا دن کو کس وقت بے خبری میں عذاب آجائے۔ کیا یہ تکذیب کرنے والے اللہ تعالیٰ کی تدبیروں سے بے خوف ہو گئے۔ عیش و عشرت اور خواب و استراحت میں یکایک پکڑ لینا کہ جہاں سے کسی مصیبت کا وہم و گمان بھی نہ ہو، یہی اللہ تعالیٰ کی تدبیر ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۶، ۸۷ / ۳)

گزشتہ واقعات سے عبرت

۱۰۰۔ اَوَلَمْ یَهْدِ لِلَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا یَسْمَعُوْنَ

کیا اس سے بھی ان کو ہدایت نہیں ہوئی جو وہاں کے رہنے والوں کی ہلاکت کے بعد زمین کے وارث ہوئے، کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے گناہوں کی سزا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں پھر وہ سن بھی نہ سکیں گے۔

نَشَآءُ: ہم چاہتے ہیں۔ شَیْئٌ و مَشِیْئَۃٌ سے مضارع۔

اَصَبْنٰهُمْ: ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان کو پکڑ لیا۔ اِصَابَۃٌ سے ماضی۔

نَطْبَعُ: ہم مہر لگا دیں گے۔ ہم بند لگا دیں گے۔ طَبْعٌ سے مضارع۔

یَهْدِ: وہ ہدایت کرتا ہے۔ وہ توفیق دیتا ہے۔ یہاں بتانا اور نشاندہی کرنا مراد ہے۔

تشریح: اس آیت میں اقوام عرب و عجم کو یہ بتانا مقصود ہے کہ گزشتہ اقوام کے واقعات میں تمہارے لئے درس عبرت و نصیحت ہے۔ جن بداعمالیوں کی وجہ سے سابقہ اقوام پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب نازل ہوا تم ان سے بچو اور جن کاموں کی وجہ سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والوں کو کامیابی حاصل ہوئی تم بھی ان پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرو۔

موجودہ زمانے کے لوگ سابقہ قوموں کے ہلاک ہونے کے بعد ان کی زمینوں اور مکانوں کے وارث بنے، مگر انہوں نے گزشتہ اقوام کے حالات و واقعات سے عبرت و نصیحت حاصل نہیں کی اور نہ ہی کفر و الحاد کی روش ترک کی۔ اگر یہ لوگ احکام خداوندی کی خلاف ورزی اور اپنی بداعمالیوں میں اسی طرح بدمست رہے تو جس طرح سابقہ قومیں اپنی بداعمالیوں اور بدافعالیوں کے سبب ہلاک و برباد ہوئیں اسی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو سکتی ہیں۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ غفلت کرتے ہیں اور ماضی کے واقعات سے ہدایت و نصیحت حاصل نہیں کرتے تو ان کے دلوں پر غضبِ الٰہی سے مہر لگ جاتی ہے، پھر وہ کچھ نہیں سنتے۔ یہاں سننے

سے مراد ماننا اور اطاعت کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دلوں پر مہر لگ جانے کے سبب وہ کسی بات کو حق ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔

کافروں کو تنبیہ

۱۰۱،۱۲۰۔ تِلْکَ الْقُرٰی نَقُصُّ عَلَیْکَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِیْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ ہیں وہ بستیاں جن کی خبریں ہم آپ کو سنا رہے ہیں اور بیشک ان کے پاس ان کے رسول معجزات لے کر آ چکے تھے، پھر وہ تو ایسے تھے ہی نہیں کہ اس پر ایمان لے آتے جس کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کافروں کے دلوں پر مہر کر دیتا ہے۔ اور ہم نے ان کے اکثر لوگوں کو عہد کا پابند نہیں پایا اور ہم نے تو ان کے اکثر لوگوں کو نافرمان ہی پایا۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ قوم نوحؑ، عادؑ و ثمودؑ اور لوطؑ و شعیبؑ وغیرہ کی یہ وہ اجڑی ہوئی بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات و واقعات ہم نے بیان کئے ہیں۔ مشرکین مکہ جب اپنے تجارتی سفر پر جاتے ہیں تو ان کو اپنے سفر کے دوران ان بستیوں کے آثار و نشانات ملتے ہیں۔ یہ لوگ ان کو دیکھ کر سبق حاصل نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات دے کر ان کے پاس بھیجا، جنہوں نے ان کو خوب سمجھایا مگر وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر توحید کو جھٹلاتے رہے اور اپنے کفر و انکار پر قائم رہے اور ایمان نہ لائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اور اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے۔ پھر ان میں نیکی قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح آپ کی قوم کے کافروں کے بارے میں بھی، ہم نے لکھ دیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(حقانی ۲/۴۱۰، معارف القرآن ۴/۱۹،۱۷)

جن قوموں کے حالات و واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں سے اکثر لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو توڑا جو انہوں نے مصیبت اور دشمنوں کے خوف میں گھر کر کیا تھا کہ اگر تو نے ہمیں اس سے بچا لیا تو ہم شکر گزار مومنوں میں سے ہو جائیں گے یا اس عہد کو توڑنا مراد ہے جو حضرت آدمؑ کی پشت سے تمام ذریات کو نکال کر لیا گیا تھا یا ایمان و پرہیزگاری کا وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا۔ (روح المعانی ۹/۱۶)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہد الست ہے جو ازل میں تمام مخلوقات کے پیدا کرنے سے پہلے، ان سب کی روحوں کو پیدا فرما کر لیا گیا تھا، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ **اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس وقت تمام انسانی روحوں نے اقرار اور عہد کے طور پر جواب دیا کہ بلیٰ یعنی ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ دنیا میں اکثر لوگ اس عہدِ ازل کو بھول گئے اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اسی لئے یہاں فرمایا کہ ہم نے اکثر لوگوں کو عہد کا پابند نہ پایا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ عہد سے مراد عہدِ ایمان ہے۔ (معارف القرآن ۱۹، ۲۰ / ۴)

حضرت موسیٰؑ کی بعثت

۱۰۳۔ **ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝**

پھر ان کے بعد ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا۔ پھر ان لوگوں نے ان نشانیوں کا انکار کیا، سو دیکھو ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا۔

ربط: گزشتہ آیات میں بعض انبیاء کرام کے واقعات کا بیان تھا، جن میں یہ بتایا گیا کہ انبیاء کرام سے سرکشی اور ان کی تکذیب و انکار محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ سلسلہ تو زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ ہر زمانے کے لوگ اپنے پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے، جس کے نتیجہ میں یہ مکذبین و منکرین دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت کے اعتبار سے بھی شدید عذاب کے مستحق ٹھہرے۔ اس کے بعد سابقہ امتوں کے واقعات کا اجمالی

بیان ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ مکذبین و منکرین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ان کو سختیوں اور مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے، تاکہ وہ عبرت و نصیحت پکڑیں اور راہِ راست پر آجائیں۔ جب وہ سختیوں اور آزمائشوں کے باوجود راہِ راست پر نہیں آتے تو پھر ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ شاید اسی طرح وہ شکر گزاری اور اطاعت کرنے لگیں اور سیدھے راستے پر آجائیں۔ لیکن جب وہ کسی طرح راہِ راست پر نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ یکایک ان کو پکڑ لیتا ہے۔ اب یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا بیان ہے جو دوسرے انبیاء کرام کے واقعات سے زیادہ مفصل ہے۔

تشریح: اس سے پہلے اس سورت میں پانچ سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کے واقعات کا بیان ہوا۔ یہ چھٹا واقعہ ہے جس کا تعلق حضرت موسیٰؑ اور ان کی امت بنی اسرائیل سے ہے۔ قرآن کریم نے اس کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے دوسرے سابقہ انبیاء کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ سابقہ امتوں کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی جہالت اور ہٹ دھرمی بھی زیادہ شدید ہے۔ (معارف القرآن ۲۳ / ۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے حالات و واقعات پہلے بیان ہو چکے ہیں، پھر ان کے بعد ہم نے اپنی واضح نشانیاں اور دلائل دے کر حضرت موسیٰ کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا، جو مصر کا بادشاہ تھا۔ مگر فرعون اور اس کی قوم نے اپنی سرکشی کے سبب، ایمان لانے کی بجائے حضرت موسیٰ کو جھٹلایا اور ان کی نبوت کا انکار کیا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان منکرین و مکذبین کے انجام پر تو غور کریں کہ ہم نے ان کو کیسی سزا دی اور حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کی آنکھوں کے سامنے ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کر دیا۔ جس طرح شاہ فارس کا لقب کسریٰ اور شاہِ روم کا لقب قیصر تھا اسی طرح شاہِ مصر کا لقب فرعون تھا۔

(ابن کثیر ۲۳۵ / ۲)

حضرت موسیٰؑ اور فرعون کا مناظرہ

۱۰۴، ۱۰۶۔ وَقَالَ مُوْسٰی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ حَقِیْقٌ عَلٰٓی اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُکُمْ بِبَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَرْسِلْ مَعِیَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝ قَالَ اِنْ کُنْتَ جِئْتَ بِاٰیَۃٍ فَاْتِ بِھَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

اور حضرت موسیٰ نے کہا کہ اے فرعون! میں پروردگار عالم کی طرف سے (بھیجا ہوا) ایک رسول ہوں۔ میں اس بات پر قائم ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچ کے سوا کچھ نہ کہوں۔ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے بڑی نشانی لایا ہوں، سو تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ فرعون نے کہا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اس کو لے آ، اگر تو سچا ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ نے فرعون سے کہا کہ میں اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جو ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ میرے منصب نبوت و رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف سچ کے سوا کوئی بات منسوب نہ کروں کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغامات دیئے جاتے ہیں وہ ان کے پاس امانت ہوتے ہیں۔ ان میں اپنی طرف سے کمی بیشی کرنا خیانت ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام خیانت اور ہر گناہ سے پاک اور معصوم ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک واضح اور قطعی دلیل لے کر آیا ہوں۔ لہٰذا میری بات پر یقین کرتے ہوئے تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ ارض مقدس جانے کے لئے اپنی مصنوعی قید سے آزاد کر دے۔ فرعون بنی اسرائیل سے قیدیوں اور غلاموں جیسا سلوک کرتا تھا اور ان سے سخت محنت و مزدوری کے کام لیتا تھا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ کو جواب دیا کہ میں تمہارے نبوت و رسالت کے دعوے کو نہیں مانتا۔ اگر تم اپنے دعوائے نبوت میں سچے ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی معجزہ لے کر آئے ہو تو دکھاؤ تاکہ تمہاری بات کی تصدیق ہو سکے۔ (ابن کثیر ۲۳۵، ۲۳۶ / ۲، مظہری ۴۳۹ / ۳)

حضرت موسیٰؑ کے معجزے

۱۰۸،۱۰۷۔ فَاَلْقٰی عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ○ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ○

تب (حضرت) موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا سو اسی وقت وہ صریح اژدہا بن گیا اور (حضرت موسیٰ نے) اپنا ہاتھ نکالا ہی تھا کہ یکایک دیکھنے والوں کے سامنے وہ بہت ہی چمکتا ہوا ہو گیا۔

عَصَاهُ: اپنے عصا کو۔ اپنی لاٹھی کو۔ جمع عُصِیٌّ و اَعْصَاءٌ

ثُعْبَانٌ: اژدہا۔ بڑا سانپ جمع ثَعَابِیْن۔ یہ اسم ہے۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نَزَعَ: اس نے باہر نکالا۔ نَزْعٌ سے ماضی۔ نَزْعٌ کا مطلب ہے ایک چیز کو دوسری چیز میں سے کسی قدر سختی کے ساتھ نکالنا۔ یہاں اپنے ہاتھ کو کھینچ کر نکالنا مراد ہے۔

بَیْضَآءُ: سفید۔ ہاتھ کا سفید ہونا۔ جمع بِیْضٌ۔ برص کی بیماری کے سبب بھی ہاتھ سفید ہو جاتا ہے۔ اس لئے دوسری جگہ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ سے اس کی وضاحت کر دی گئی کہ ہاتھ کا سفید ہونا کسی بیماری کے سبب نہ تھا اور نہ یہ سفیدی برص کی مانند تھی بلکہ یہ تو معجزے کے طور پر نہایت روشن اور چمکدار بن جاتا تھا اور اس وقت اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک اژدہا بن گیا جس کو دیکھ کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ بد حواسی کے عالم میں چلاتے ہوئے حضرت موسیٰ سے کہنے لگا کہ اے موسیٰ اسے روک لو۔ حضرت موسیٰ نے اس کو اٹھا لیا تو وہ پھر عصا بن گیا۔

بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس اژدہا نے فرعون کی طرف منہ پھیلایا تو وہ گھبرا کر تخت شاہی سے کود گیا اور حضرت موسیٰ کی پناہ لی۔ دربار کے ہزاروں آدمی اس کی دہشت سے مر گئے۔

سدیؒ کہتے ہیں کہ جب اژدہا نے منہ پھاڑا تو اس کا نیچے کا جبڑا زمین پر اور اوپر کا جبڑا محل

کی دیوار پر تھا۔ جب وہ فرعون کی طرف بڑھا تو وہ کانپ اٹھا اور تخت سے کود کر بھاگنے لگا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ اس کو پکڑلو، میں تم پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ بھیج دوں گا۔ حضرت موسیٰ نے اس کو پکڑلیا تو وہ عصا بن گیا۔

حضرت موسیٰ نے دوسرا معجزہ یہ دکھایا کہ اپنا ہاتھ کھینچ کر نکالا تو وہ انتہائی روشن اور چمکدار بن گیا اور اس پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ اس آیت میں یہ ذکر نہیں کہ ہاتھ کو کس چیز میں سے نکالا۔ دوسری آیتوں میں دو چیزیں مذکور ہیں۔ ایک یہ کہ **اَدْخِلْ یَدَکَ فِیْ جَیْبِکَ** یعنی اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو۔ دوسرے یہ کہ **وَاضْمُمْ یَدَکَ اِلٰی جَنَاحِکَ** یعنی اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے دبالو۔ ان دونوں آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہاتھ کا نکالنا گریبان کے اندر سے یا بازو کے نیچے سے ہوتا تھا۔ مطلب یہ کہ یہ معجزہ کبھی ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکالنے سے اور کبھی بازو کے نیچے دبا کر نکالنے سے ظاہر ہوتا تھا۔ (معارف القرآن ۲۴۔ ۲۵ / ۴)

سرداروں کا گمان

۱۰۹، ۱۱۰۔ **قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝**

قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ بیشک یہ تو کوئی بڑا ماہر جادوگر ہے۔ وہ تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ پھر تمہاری کیا رائے ہے۔

تشریح: قوم فرعون کے سردار اللہ تعالیٰ اور اس کی قدرت کاملہ سے بے خبر تھے۔ انہوں نے تو فرعون کو اپنا خدا اور جادوگروں کو اپنا رہبر سمجھا ہوا تھا اور زندگی میں جادوگروں ہی کے شعبدے دیکھے تھے۔ کیونکہ اس زمانے میں جادو کا بول بالا تھا۔ حضرت موسیٰ کو بھی جادوگروں سے مقابلے کے لئے عصا اور ید بیضاء کے معجزے عطا کئے گئے تھے۔ سنت اللہ بھی یہی ہے کہ وہ ہر زمانے میں پیغمبروں کو ان کے زمانے کے حالات اور ضرورت کی مناسبت سے معجزے عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں طب یونانی اپنے عروج پر تھی اس لئے ان کو یہ معجزہ دیا گیا کہ وہ مادر زاد اندھوں کو بینا بنا دیں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عربوں کا سب سے بڑا کمال فصاحت و بلاغت تھا، اس لئے آپ کا سب سے بڑا

معجزہ قرآن کو بنا دیا گیا۔ جس کے مقابلے سے سارا عرب و عجم اُس وقت بھی عاجز تھا، آج بھی عاجز و بے بس ہے اور یہ عجز و بے بسی تا قیام قیامت اسی طرح برقرار رہے گی۔

حضرت موسیٰ کے معجزوں کو دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے سردار اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے تھے کہ یہ بھی کوئی بڑا جادو ہے، اس لئے کہ انہوں نے تو زندگی میں جادوگروں ہی کے شعبدے دیکھے تھے۔ چنانچہ بااثر سرداروں نے قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ یہ تو بڑا فنکار اور ماہر جادوگر معلوم ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب تم بتاؤ کہ اس کے جادو کو بے اثر کرنے اور اس کے نبوت و رسالت کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے۔ (معارف القرآن ۲۵/ ۴، ابن کثیر ۲۳۶/ ۲)

جادوگروں کو جمع کرنا

۱۱۱، ۱۱۲۔ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ○ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ○

انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو ڈھیل دو اور شہروں میں ہرکارے بھیج دو کہ وہ سب ماہر جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں۔

اَرْجِهْ: تو ڈھیل دے۔ تو مہلت دے۔ اِرْجَاءٌ سے امر۔

مَدَآئِن: ہر بڑے شہر کے لئے بولا جاتا ہے۔ واحد مَدِيْنَةٌ۔

حٰشِرِيْنَ: اٹھانے والا۔ جمع کرنے والا۔ یہاں اس سے مراد سپاہی ہیں جو اطراف ملک سے جادوگروں کو جمع کر کے لائیں۔ حَشْرٌ سے اسم فاعل۔ یہ جمع ہے اس کا واحد حَاشِرٌ ہے۔

تشریح: فرعون اور سرداروں کی بات سن کر قوم کے لوگوں نے ان کو مشورہ دیا کہ اگر یہ جادوگر ہے اور جادو کے ذریعہ ہمارا ملک فتح کرنا چاہتا ہے تو ہمارے لئے اس سے مقابلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے جادوگر موجود ہیں جو اپنے جادو سے اس کو شکست دے دیں گے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کو روک لیا جائے اور کچھ سرکاری کارندوں کو ملک کے تمام شہروں میں بھیج دیا جائے، جو وہاں سے مشہور جادوگروں کو جمع کر کے یہاں لے آئیں

چنانچہ حضرت موسیٰ سے مقابلے کے لئے تمام نامور جادوگروں کو جمع کر لیا گیا۔

جادوگروں کا فرعون سے وعدہ لینا

۱۱۳، ۱۱۴۔ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝

اور سب جادوگر فرعون کے پاس آکر کہنے لگے کہ اگر ہم غالب آگئے تو کیا ہمیں کچھ انعام ملے گا۔ فرعون نے کہا ہاں اور تمہیں تقرب بھی ضرور حاصل ہو گا۔

تشریح: جب ملک بھر کے نامور جادوگروں کی ایک بڑی تعداد فرعون کے پاس پہنچ گئی تو انہوں نے فرعون سے سوال کیا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آگئے تو کیا اس پر ہمیں اجر و انعام بھی ملے گا۔ فرعون نے جواب دیا کہ اجر و انعام کے علاوہ تم سب کو ہمارے قربِ شاہی کا اعزاز بھی ملے گا۔
جادوگروں کی اس جماعت نے فرعون سے وعدہ لینے کے بعد حضرت موسیٰ سے مقابلے کی جگہ اور وقت کا تعین کرایا۔ چنانچہ ایک کھلا میدان اور عید کے دن آفتاب بلند ہونے کے بعد کا وقت مقابلے کے لئے تجویز ہوا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝

(سورۂ طٰہٰ، آیت ۵۹)

موسیٰ نے کہا، تمہارے مقابلے کے وعدے کا دن وہ ہے جس میں تمہارا میلہ ہوتا ہے اور جس میں دن چڑھے لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ اس موقع پر حضرت موسیٰ نے جادوگروں کے سردار سے گفتگو فرمائی کہ اگر میں تم پر غالب آگیا تو کیا تم مجھ پر ایمان لے آؤ گے اور اس بات کی شہادت دو گے کہ جو کچھ میں لایا ہوں وہ حق ہے۔ اس نے جواب دیا کہ کل ہم ایسے جادو لائیں گے کہ ان پر کوئی سحر غالب نہیں آسکے گا لہٰذا ہمارے مغلوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر آپ غالب آ گئے تو ہم علی الاعلان فرعون کے سامنے آپ پر ایمان لے آئیں گے اور اس بات کی گواہی دیں گے کہ آپ حق پر ہیں۔ (مظہری ۴۴۱ / ۳، روح المعانی ۲۷ / ۹)

جادوگروں کی مُبارزت

۱۱۵، ۱۱۶۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا سَحَرُوْۤا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ۝

جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ! یا تو تم ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ تم ہی ڈالو۔ پھر جب انہوں نے ڈالا تو جادو کے زور سے انہوں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان کو ڈرایا اور وہ بڑا جادو بنا کر لائے تھے۔

تُلْقِىَ: تو ڈالتا ہے۔ اِلْقَاءٌ سے مضارع۔

سَحَرُوْا: انہوں نے جادو کیا۔ انہوں نے نظر بندی کی۔ سِحْرٌ سے ماضی۔

اِسْتَرْهَبُوْهُمْ: انہوں نے ان کو ڈرایا۔ اِسْتِرْهَابٌ سے ماضی۔

تشریح: جادوگر اپنے فن سحر پر ایسے مطمئن تھے کہ جب وہ مقابلے کے دن مقررہ جگہ پہنچے تو انہوں نے اپنی بڑائی دکھانے کے لئے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم ڈالیں۔ اگرچہ دل سے وہ یہی چاہتے تھے کہ پہلا وار ان کا ہو تاکہ جب وہ سب مل کر اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو حضرت موسیٰ ان کو دیکھ کر حیران و دنگ رہ جائیں۔ حضرت موسیٰ نے ان کے منشاء کو محسوس کرتے ہوئے اور اپنی الوالعزمی کے اظہار کے لئے، انہیں پہل کرنے کا موقع دیا اور فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو۔

پھر جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو انہوں نے لوگوں کی نظر بندی کر دی اور ان کو ہیبت زدہ کر دیا جس سے دیکھنے والوں کو محسوس ہوا جیسے لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہے ہیں۔ سارا میدان سانپوں سے بھر گیا تھا۔ ایک کے اوپر ایک رینگ رہا تھا۔ حالانکہ حقیقت میں وہ اسی طرح لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں جس طرح اس نظر بندی سے پہلے تھیں اور دیکھنے والوں کی نظر میں لاٹھیوں اور رسیوں کا سانپ بن کر ادھر ادھر دوڑنا فنی اعتبار سے گویا جادو کا بہت بڑا مظاہرہ تھا۔ (معارف القرآن ۳۰، ۳۱/ ۴، ابن کثیر، ۲۳۳/ ۲)

حضرت موسیٰؑ کو عصا ڈالنے کا حکم

۱۱۷، ۱۱۹۔ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝

اور (اس وقت) ہم نے (حضرت) موسیٰ کو وحی کی تم بھی اپنا عصا ڈال دو۔ پھر یکایک وہ (عصا اژدہا بن کر) ان جادوگروں کے رچائے ہوئے سانگ کو نگلنے لگا۔ پس حق ظاہر ہو گیا اور جادوگروں کا شعبدہ باطل ہو گیا۔ پھر وہ (فرعون اور اس کے درباری) لوگ اس وقت مات کھا گئے اور ذلیل ہو کر لوٹ گئے۔

تَلْقَفُ: وہ (اژدہا) نگل جاتا ہے۔ لَقْفٌ سے مضارع۔

يَاْفِكُوْنَ: وہ لوٹتے ہیں۔ وہ تہمت لگاتے ہیں۔ اَفْكٌ و اُفُوْكٌ سے مضارع۔

صٰغِرِيْنَ: بے عزت۔ ذلیل۔ خوار

هُنَالِكَ: وہاں۔ اس جگہ۔ اس وقت۔ اسم ظرف زمان و مکان

تشریح: جب جادوگروں نے اپنے کمال کا مظاہرہ کرتے ہوئے لوگوں کی نظر بندی کر دی اور لوگوں کو ان کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ دکھائی دینے لگیں اور میدان سانپوں سے بھر گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ تم بھی اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دو۔ تم ہی غالب رہو گے، ان کے جادو اور شعبدہ بازی کی کوئی حقیقت نہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے فوراً اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو دفعتاً ایک بہت بڑا اژدہا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگلنے لگا اور ان کا ایک سانپ بھی نہ بچ سکا۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ جب اژدہا سب رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل چکا تو اس نے لوگوں کا رخ کیا۔ یہ دیکھ کر لوگ گرتے پڑتے، سرپٹ دوڑ پڑے۔ پھر حضرت موسیٰ نے اس کو پکڑ لیا تو وہ حسبِ سابق لاٹھی بن گئی۔ اس طرح حق ظاہر ہو گیا اور جو کچھ جادوگروں نے سانگ بنایا تھا وہ سب باطل ہو گیا اور فرعون کی تمام قوم خوب ذلیل و رسوا ہو کر واپس ہوئی۔

(مظہری ۴۴۲ / ۳)

جادوگروں کا ایمان لانا

۱۲۰۔۱۲۲۔ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ٥ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥
رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ٥

اور جادوگر سجدے میں گر گئے (اور) کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے
آئے جو (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون کا رب ہے۔

تشریح: جادوگروں نے جب یہ دیکھا کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی ان کے سحر عظیم کو یک لخت نگل گئی تو کہنے لگے کہ یہ سحر نہیں کیونکہ سحر سحر پر غلبہ پا سکتا ہے مگر سحر کو نیست و نابود نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت موسیٰ کی لاٹھی جادو کی لاٹھی ہوتی تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں تو اصلی حالت پر باقی رہتیں۔ لاٹھیوں اور رسیوں کا غائب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ اگر حضرت موسیٰؑ نبی نہ ہوتے تو کبھی ہم پر غالب آ ہی نہیں سکتے تھے۔ پھر تمام جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا رب ہے اور جس نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ جادوگروں نے رب العالمین کے ساتھ رب موسیٰ و ہارون کا لفظ اس لئے بڑھایا تاکہ فرعون کی قوم میں سے کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انہوں نے یہ سجدہ فرعون کو کیا ہے کیونکہ فرعون بھی اپنے آپ کو رب اعلیٰ کہتا تھا۔ (مظہری ۴۴۲ / ۳)

فرعون کی سراسیمگی

۱۲۳، ۱۲۴۔ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ
مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ٥ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ٥

فرعون نے کہا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی (حضرت) موسیٰؑ پر ایمان لے
آئے۔ بیشک یہ تو مکر ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے۔ تاکہ تم اس شہر کے

رہنے والوں کو یہاں سے نکال دو، سو تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں
تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا۔ پھر میں تم
سب کو سولی پر چڑھاؤں گا۔

اٰذَنَ: میں حکم دوں۔ میں اجازت دوں۔ اِیْذَانٌ سے ماضی۔

لَمَکْرٌ: البتہ مکر کرنا۔ البتہ۔ تدبیر کرنا۔ البتہ حیلہ کرنا۔

اُصَلِّبَنَّکُمْ: میں تم کو ضرور سولی پر چڑھاؤں گا۔ تَصْلِیْبٌ سے مضارع۔

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں کے مشورہ سے جن جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے پورے ملک سے جمع کیا تھا وہ نہ صرف مقابلے میں ہار گئے بلکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان بھی لے آئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جادوگروں کو ایمان لاتے دیکھ کر فرعون کی قوم کے لاکھوں افراد حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک بڑی طاقت فرعون کے مقابلے پر آگئی۔

اس وقت فرعون نے اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے ایک چالاک و ہوشیار سیاستدان کی طرح پہلے تو ان کو ڈانٹا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ پھر یہ الزام لگایا کہ تم نے مقابلے پر آنے سے پہلے ہی حضرت موسیٰ کے ساتھ مل کر ملک و قوم کے خلاف سازش کر رکھی تھی تاکہ حکومت پر غلبہ پاکر اہل وطن کو ملک سے نکال باہر کیا جائے۔ یقیناً یہ تم سب کا استاد ہے، جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ تمہیں بہت جلد اپنی سازش کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ کر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ تمہاری لاشیں درختوں کی ٹہنیوں سے بندھی اور لٹکی رہیں گی۔ فرعون کی ظالمانہ سزائیں پہلے ہی مشہور تھیں اور لوگ پہلے ہی ان سے لرزہ براندام رہتے تھے۔

(معارف القرآن ۳۴، ۳۵ / ۴، ابن کثیر ۲۳۸ / ۲)

جادوگروں کی استقامت

۱۲۵، ۱۲۶۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا
بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا

مُسْلِمِيْنَ ٥

انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور تو ہم سے اسی لئے انتقام لیتا ہے کہ ہم اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لے آئے ، جب وہ ہمارے پاس آئیں۔ اے ہمارے رب! ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں اسلام کی حالت میں موت دے۔

تَنْقِمُ: تو انتقام لیتا ہے۔ تو بدلہ لیتا ہے۔ تو دشمنی رکھتا ہے۔ نَقْمٌ سے مضارع۔

اَفْرِغْ: تو ڈال دے۔ تو انڈیل دے۔ اِفْرَاغٌ سے مضارع۔

تَوَفَّنَا: تو ہم کو وفات دے۔ تو ہم کو اٹھالے۔ تَوَفِّیٌ سے امر۔

تشریح: اسلام و ایمان ایک ایسی زبردست قوت ہے کہ جب وہ کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر انسان اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرتے ہوئے ساری دنیا اور اس کے وسائل کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے یہ جادوگر جو ابھی ذرا دیر پہلے فرعون کو اپنا خدا مانتے تھے کلمہ پڑھتے ہی ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ فرعون کی ساری دھمکیوں کے جواب میں کہنے لگے کہ اب تو ہم اللہ تعالیٰ کے ہو چکے اور اس کی طرف رجوع کر چکے ہیں۔ آج تو ہمیں جس عذاب کی دھمکی دے رہا ہے، اللہ تعالیٰ کا عذاب اس سے زیادہ سخت ہے۔ آج ہم تیرے عذاب پر صبر کریں گے تو کل اللہ کے عذاب سے نجات پالیں گے۔ لہٰذا اگر تو ہمیں سولی پر چڑھائے گا تو ہم اپنے رب کے پاس چلے جائیں گے جہاں ہمیں ہر طرح کی راحت ملے گی۔ وہاں کی زندگی دنیا کی زندگی سے بہت بہتر ہے۔ تو جس زندگی پر فریفتہ ہے، ایمان لانے کے بعد ہماری نظر میں اس دنیاوی زندگی کی کوئی حقیقت و اہمیت نہیں لہٰذا جو کچھ تجھ سے ہو سکے وہ کر گزر، ہم مرنے سے نہیں ڈرتے۔ پھر قیامت کے روز تجھ کو بھی اور ہم سب کو بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ظالم سے مظلوم کا انتقام لے گا اور تجھے بھی اپنے ظلم اور بداعمالیوں کا نتیجہ مل جائے گا۔

پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے رب! تو اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کے لئے اور فرعون کے عذاب سے نہ ڈرنے کے لئے ہمیں کامل صبر و استقامت عطا فرما اور اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں ہمیں دنیا سے اسلام کی حالت میں اٹھا۔

(معارف القرآن ۳۵،۳۶/۴، ابن کثیر ۲۳۹/۲)

سرداروں کا اضطراب

۱۲۷۔ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَیَذَرَکَ وَاٰلِهَتَکَ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝

اور قوم فرعون کے سرداروں نے کہا کہ کیا تو (حضرت) موسیٰ اور ان کی قوم کو یونہی چھوڑ دے گا کہ وہ ملک میں فساد کرتے پھریں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو ترک کئے رہیں۔ فرعون نے کہا کہ ہم ابھی ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیں گے اور ہم ان پر (پوری طرح) غالب ہیں۔

اَتَذَرُ: کیا تو چھوڑ دے گا۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

نَسْتَحْیٖ: ہم زندہ چھوڑیں گے۔ اِسْتِحْیَاءٌ سے مضارع۔

قٰهِرُوْنَ: غالب ہونے والے۔ زبردست۔ قَہْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے اور جادوگر سجدے میں گر پڑے تو عام قبطیوں کا میلان بھی ان کی طرف ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کی قوم کے سردار گھبرا گئے۔ اسی لئے فرعون نے حضرت موسیٰ سے کوئی تعرض نہ کیا اور نہ ان کو کوئی تکلیف پہنچائی، نہ قتل کیا اور نہ قید کیا۔ اس وقت فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے پوچھا کہ کیا تو حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو زمین پر فساد برپا کرنے اور لوگوں کو تیری مخالفت اور بغاوت پر آمادہ کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دے گا۔ ان کے جواب میں فرعون نے کہا کہ میرے نزدیک حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کا معاملہ کچھ زیادہ اہم نہیں۔ ان میں جو لڑکا پیدا ہو گا، ہم اس کو قتل کر دیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے، جس کے نتیجہ میں تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ان کی قوم مردوں سے خالی ہو جائے گی اور ان کے ہاں صرف عورتیں رہ جائیں گی، جو ہماری کنیزیں بن کر ہماری خدمت کریں گی اور ہم تو ان سب پر پوری قدرت رکھتے ہیں، جو چاہیں کریں۔ یہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتے۔

فرعون بنی اسرائیل کو کمزور کرنے کے لئے ان کے لڑکوں کو قتل کرنے کا اعلان حضرت موسیٰ کی پیدائش سے پہلے بھی کر چکا تھا۔ پھر یہی نہیں بلکہ وہ اپنے اس اعلان پر عمل درآمد کرتے ہوئے بنی اسرائیل کے ہزاروں لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی قتل بھی کروا چکا تھا۔ لیکن جن کی پیدائش کو روکنے کے لئے اس نے یہ ظلم برپا کیا تھا وہ مشیت و مرضیٔ الٰہی سے نہ صرف پیدا ہوئے بلکہ اسی کے گھر میں پلے بڑھے اور جس چیز کا اس کو اندیشہ تھا اس سے دو چار بھی ہونا پڑا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۹۸، ۹۹ / ۳)

دشمن پر غلبہ پانے کا نسخۂ اکسیر

۱۲۸، ۱۲۹۔ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ○ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۗ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○

(حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ بیشک زمین اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے مالک بنا دیتا ہے اور آخر میں کامیابی تو پرہیزگاروں ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں تو آپ سے پہلے بھی تکلیفیں دی گئیں اور آپ کے آنے کے بعد بھی۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ تمہارا رب جلد ہی تمہارے دشمن کو ہلاک اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا دے گا۔ پھر وہ تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا۔

يُوْرِثُهَا: وہ اس کا وارث کرتا ہے۔ وہ اس کا مالک بناتا ہے۔ اِیْرَاثٌ سے مضارع۔

اُوْذِيْنَا: ہم کو ایذا دی گئی۔ ہم کو تکلیف دی گئی۔ اِیْذَاءٌ سے ماضی مجہول۔

عَسٰى: عنقریب، جلد، امید ہے۔ یہ فعل مقاربہ ہے۔

يَسْتَخْلِفَكُمْ: وہ تم کو خلیفہ بناتا ہے۔ وہ تم کو جانشین بناتا ہے۔ اِسْتِخْلَافٌ سے مضارع ہے۔

تشریح: اس آیت میں اگرچہ بنی اسرائیل کو خطاب ہے مگر حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے اس میں

ہر زمانے کے حکمرانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ حقیقی حکومت و سلطنت تو اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ وہ انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے خلیفہ کے طور پر اپنی حکومت دے دیتا ہے اور جب چاہتا ہے اس سے چھین لیتا ہے، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ۔ (آل عمران آیت ۲۶)

تو جس کو چاہتا ہے سلطنت عطا فرما دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے۔

جس کو زمین پر حکومت عطا کی جاتی ہے تو وہ حقیقت میں اس فرد یا جماعت کا امتحان ہوتا ہے جس کو حکومت دی جاتی ہے، تاکہ یہ پتہ چل جائے کہ وہ فرد یا جماعت حکومت حاصل ہونے کے بعد کس حد تک عدل و انصاف قائم کرتی ہے اور کہاں تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔

جب بنی اسرائیل کو فرعون کے عزائم کا پتہ چلا تو وہ گھبرا گئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے جس عذاب میں مبتلا تھے، پھر اسی میں گرفتار ہونے والے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے ان کی گھبراہٹ اور پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے پیغمبرانہ شفقت و حکمت کے مطابق اس آزمائش سے نجات حاصل کرنے کے لئے ان کو دو چیزوں کی تلقین فرمائی:

۱۔ دشمن کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا۔

۲۔ مقصد میں کامیابی حاصل ہونے تک صبر و ہمت سے کام لینا۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم نے اس نسخہ پر عمل کیا تو یہ ملک تمہارا ہو جائے گا، کیونکہ حقیقت میں تو اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے اور یہ بات بھی طے ہے کہ آخر کار پرہیزگار ہی کامیاب ہوتے ہیں۔ لہٰذا تم بھی پرہیزگاری اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد و اعانت طلب کرو اور صبر و استقامت کا دامن تھامے رکھو۔ پھر تم ہی ملک مصر کے مالک بن جاؤ گے، اس لئے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جائے تو ساری کائنات جو اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہے، اس کی مدد پر کمربستہ ہو جاتی ہے۔

(معارف القرآن ۴۱، ۴۲ / ۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جو خوش خبری سنائی تھی وہ اس کو نہ سمجھے اور

کہنے لگے کہ اب ہم میں صبر کی طاقت نہیں۔ آپ کی پیدائش سے پہلے بھی فرعون نے ہم پر بہت ظلم ڈھا رکھا تھا۔ اب آپ کے آنے کے بعد بھی ہمیں دوبارہ وہی اذیت دی جائے گی اور وہ پھر ہمارے نومولود لڑکوں کو قتل کرے گا اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دے گا۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کی باتیں سن کر ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد تمہارے دشمن کو ہلاک کرنے والا ہے۔ پھر ان کی جگہ وہ تمہیں اس سرزمین مصر کا مالک بنادے گا اور دیکھے گا کہ تم کس طرح اس کا نظام چلاتے ہو۔

اٰلِ فرعون کی آزمائش

۱۳۰، ۱۳۱۔ وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ج وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور ہم نے اٰل فرعون کو برسوں کی قحط سالی اور پھلوں کی کمی کے عذاب میں گرفتار کر دیا تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ پھر جب کبھی ان پر خوشحالی آتی تو کہتے کہ یہ تو ہمارے ہی لئے ہے اور اگر کوئی بدحالی پیش آجاتی تو اس کو (حضرت) موسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے۔ آگاہ ہو جاؤ! ان کی نحوست تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

سَيِّئَةٌ: برائی۔ گناہ۔ بدحالی۔

يَطَّيَّرُوْا: وہ منحوس سمجھتے ہیں۔ وہ بدشگونی کرتے ہیں۔ تَطَيُّرٌ سے مضارع۔

تشریح: جب جادوگر ایمان لے آئے اور فرعون اور اس کے ساتھی شکست کھا کر واپس چلے گئے، کفر و شرک سے باز نہ آئے اور حضرت موسیٰ کی اطاعت سے انحراف کرتے رہے تو آخری ہلاکت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تنبیہ کے لئے وقفہ وقفہ سے ان کو اپنی قدرت کی سات نشانیاں دکھائیں۔ یہاں ان میں سے دو نشانیوں کا بیان ہے: (۱) قحط سالی، (۲) پھلوں کی پیداوار میں کمی۔

سب سے پہلے قحط سالی اور پھلوں کی پیداوار میں کمی کر کے ان کو آزمایا گیا۔ آسمان سے

بارش کا برسنا بند کر دیا گیا اور مختلف ارضی و سماوی آفتوں اور ہلاکتوں کے ذریعے پھلوں کی پیداوار کو کم کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ کھجور کے درختوں میں سے بعض میں کھجور کا صرف ایک ہی دانہ لگتا۔ کھیتوں اور باغوں کی یہ تباہی و بربادی ان کو متنبہ کرنے کے لئے تھی کہ شاید وہ سمجھ جائیں کہ یہ قحط سالیاں اور پھلوں کی بربادیاں ان کے کفر و معصیت کی وجہ سے آئی ہیں اور شاید وہ اپنی سرکشی چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ مگر ان کے دل تو اور بھی سخت ہو گئے۔ جب ان کو خوشحالی و فراغت حاصل ہوتی تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کو اپنی خوش بختی و خوش تدبیری کا نتیجہ قرار دیتے اور جب کوئی برائی بدبختی جیسے قحط و بیماری وغیرہ تو اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی نحوست بتاتے۔ حالانکہ وہ ان کی اپنی سرکشی و بغاوت کی نحوست ہے۔ حضرت موسیٰ کا اس میں کچھ دخل نہیں کیونکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ان کی طرف نحوست کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۲/ ۳، مظہری ۴۴۵/ ۳)

فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی

۱۳۲، ۱۳۳۔ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝

اور (فرعون کے لوگ) کہنے لگے کہ (اے موسیٰ!) تو ہم پر جادو کرنے کے لئے کچھ بھی نشانی ہمارے پاس لے آ، ہم پھر بھی تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر ہم نے کھلی کھلی نشانیاں بنا کر ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (کا عذاب) بھیجا۔ پھر بھی وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ تو تھے ہی مجرم لوگ۔

مَهْمَا: جو کچھ، جب کبھی، کلمہ شرط ہے۔ مضارع کو جزم دیتا ہے۔

الْجَرَادَ: ٹڈیاں۔ اسم جنس ہے۔ واحد جَرَادَةٌ۔

اَلْقُمَّلَ: غلے کو کھانے والا کیڑا۔ سرخ پر والا کیڑا۔ گھن کا کیڑا۔ واحد قُمَّلَۃٌ۔ قمل اس جوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے بالوں اور کپڑوں میں پیدا ہو جاتی ہے اور اس کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو غلہ میں لگ جاتا ہے اور جسے گھن کہتے ہیں۔

اَلضَّفَادِعَ: مینڈک واحد ضِفْدِعٌ و ضِفْدَعَۃٌ۔

اَلدَّمَ: لہو، خون، جمع دِمَاءٌ۔

مُفَصَّلٰتٍ: جدا جدا۔ کھلی ہوئی۔ واضح۔

تشریح: پہلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ قوم فرعون کے لوگ اپنی سرکشی اور کفر و عناد کی بنا پر کہنے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت و رسالت کی خواہ کتنی ہی دلیلیں اور معجزے پیش کر دیں، ہم پر ان کا جادو نہیں چل سکتا اور ہم نہ تو ان پر ایمان لائیں گے اور نہ ان کے معجزوں کو مانیں گے۔ قحط سالی اور پھلوں میں کمی سے متعلق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی دو نشانیاں اس سے پہلے ایک سو تیسویں آیت میں بیان ہو چکیں، یہاں دوسری آیت میں مزید پانچ معجزوں اور نشانیوں کا ذکر ہے جن کو یہاں آیات مفصّلٰت کہا گیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق آیات مفصّلٰت کے معنی یہ ہیں کہ ہر ایک عذاب ایک مقررہ وقت تک رہا، پھر موقوف ہو گیا اور ان کو کچھ مہلت دی گئی۔ اس کے بعد دوسرا عذاب، پھر اسی طرح کچھ مہلت کے بعد تیسرا عذاب اور پھر چوتھا اور پانچواں عذاب علیحدہ علیحدہ آیا۔

ابن منذر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ قوم فرعون پر ان میں سے ہر ایک عذاب سات روز تک مسلط رہتا تھا۔ ہفتہ کے دن شروع ہو کر دوسرے ہفتہ کے دن ختم ہوتا تھا۔ پھر ان کو تین ہفتہ کی مہلت دی جاتی تھی۔ (معارف القرآن ۴۶، ۴۷ / ۴)

حضرت موسیٰؑ کی دعاء

بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ، قتادہؒ، سعید بن جبیرؒ اور محمد بن اسحاقؒ کی روایتوں سے بیان کیا کہ قوم فرعون پر جب پہلی مرتبہ قحط سالی کا عذاب مسلط ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے رفع ہو گیا مگر فرعون اور اس کی قوم کے لوگ پھر بھی اپنی سرکشی سے باز نہ آئے۔ اس لئے

حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اے میرے پروردگار! زمین پر تیرا بندہ فرعون مغرور و سرکش ہو گیا اور حد سے آگے نکل گیا، قحط سالی سے اس نے سبق حاصل نہیں کیا، اس کی قوم نے بھی تیرے عہد کو توڑ دیا۔ اب تو ان کو ایسے عذاب میں گرفتار کر دے جو ان کے لئے دردناک سزا ہو، میری قوم کے لئے نصیحت اور آنے والے لوگوں کے لئے نشان عبرت ہو۔ (مظہری ۴۴۶ / ۳)

۳۔ پانی کے طوفان کا عذاب

چنانچہ حضرت موسیٰ کی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم فرعون پر بارش کا طوفان آگیا جو شدید تاریکی کے ساتھ آٹھ دن تک رہا، کسی کو اپنے گھر سے نکلنے کی قدرت نہ تھی۔ قوم فرعون کے تمام گھروں اور زمینوں کو پانی کے طوفان نے گھیر لیا۔ نہ کہیں بیٹھنے کی جگہ رہی، نہ لیٹنے کی اور نہ زمین میں کاشت کرنے کی، فرعون والوں کے تمام گھروں میں پانی بھر گیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل اور قوم فرعون کے گھر باہم مخلوط اور ایک دوسرے سے متصل ہونے کے باوجود، بنی اسرائیل کے مکانوں اور زمینوں میں طوفان کے پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا جبکہ قوم فرعون کے تمام گھر اور زمینیں اس طوفانی پانی سے لبریز تھیں۔ یہ طوفان سنیچر سے شروع ہو کر سات روز تک رہا۔

آخر قبطیوں نے گھبرا کر حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ اس عذاب کو ہم سے دور فرما دے۔ اگر یہ عذاب دور ہو گیا تو ہم ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون سے طوفان کو دور کر دیا اور ان کی کھیتیاں بھی ایسی ہری بھری کر دیں کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ تمام ملک سرسبز ہو گیا۔ یہ دیکھ کر قبطی کہنے لگے کہ یہ پانی تو ہمارے لئے نعمت ثابت ہوا۔ یہ ہرگز عذاب نہ تھا اور نہ ہی حضرت موسیٰ کو نہ ماننے کا نتیجہ تھا۔ غرض وہ ایمان نہ لائے۔

(مظہری ۴۴۶، ۴۴۷ / ۳، روح المعانی ۳۴ / ۹)

۴۔ ٹڈی دَل کا عذاب

پانی کا عذاب دور ہونے کے بعد فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں نے عہد شکنی کی اور ایمان نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے غور و فکر کے لئے ان کو ایک مہینہ کی مہلت دی۔ جب ایک مہینہ امن و عافیت سے گزر گیا اور وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ٹڈی دل بھیج دیا جس نے قبطیوں کے تمام کھیت، پھل، درختوں کے پتے، سبزیاں، ترکاریاں اور گھاس کھالی، یہاں تک کہ مکانوں کی چھتوں کی لکڑیاں، تختے، گھر کا سامان، لکڑی کے کواڑ اور ان میں لگی ہوئی لوہے کی کیلیں بھی چٹ کر گئیں۔ یہ مصیبت صرف قبطیوں پر پڑی، بنی اسرائیل اس سے بالکل محفوظ رہے۔

قوم فرعون پھر چیخ پڑی اور مضبوط عہد و پیماں کے ساتھ پہلے کی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کرنے لگی کہ آپ اپنے رب سے دعا کرکے اس مصیبت کو دور کر دیجئے۔ ہم پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر یہ عذاب ٹل گیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام جنگل کی طرف نکل گئے جہاں پہنچ کر انہوں نے اپنی لاٹھی سے مشرق و مغرب کی طرف اشارہ کیا۔ پس فوراً ہی ٹڈی دل جس طرف سے آیا تھا اسی طرف واپس چلا گیا۔

یہ عذاب بھی سنیچر تک رہا۔ آخر حضرت موسیٰ کی دعا سے عذاب دور ہو گیا۔ کچھ کھیتیاں اور غلہ وغیرہ اس عذاب سے بچ گیا تھا، کیونکہ یہ عذاب تکمیل سے پہلے ہی حضرت موسیٰ کی دعا سے ٹل گیا تھا۔ عذاب دور ہو جانے کے بعد فرعون کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ابھی ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ ہم سال بھر کھا سکتے ہیں، لہٰذا ہم اپنے مذہب کو نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے عہد شکنی کی، نہ ایمان لائے اور نہ بنی اسرائیل کو آزاد کیا، بلکہ اپنی بداعمالیوں پر بدستور قائم رہے۔ (مظہری، ۴۴ / ۳، روح المعانی ۳۴ / ۹)

۵۔ غلے کے گھُن یا جُوؤں کا عذاب

ٹڈی دل کے عذاب کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ایک مہینہ کی مہلت دی، تاکہ وہ اپنے معاملے میں خوب غور و فکر کرلیں اور راہِ راست پر آجائیں مگر وہ بدبخت اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہے اور ایمان نہ لائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان پر غلہ کے گھن یا

جوؤں کا عذاب مسلط کر دیا۔ ممکن ہے یہ عذاب دونوں قسم کے کیڑوں پر مشتمل ہو کہ غلہ میں گھن لگ گیا ہو اور انسانوں کے بدن اور کپڑوں میں جوؤں کا طوفان امڈ آیا ہو۔ واللہ اعلم۔

اس گھن نے غلہ کا یہ حال کر دیا تھا کہ اگر پیسنے کے لئے دس سیر گیہوں نکالیں تو اس میں سے تین سیر آٹا بھی نہ نکلتا تھا جبکہ جوؤں نے قبطیوں کے بال، پلکیں اور بھویں تک کھالیں۔ یہ کیڑے کپڑوں کے اندر گھس کر بدن کو کاٹتے تھے اور جب وہ لوگ کھانا کھاتے تو یہ کیڑے کھانے میں بھر جاتے تھے۔ غرض ان کا کھانا، پینا اور سونا دوبھر ہو گیا۔ یہاں تک کہ قبطی چیخ پڑے اور فریاد لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچے اور درخواست کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں۔ آپ اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ یہ مصیبت دور کر دے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے قمل کا عذاب دور کر دیا۔ یہ عذاب بھی سنیچر سے سنیچر تک رہا۔

(مظہری ۴۴۸ / ۳، روح المعانی ۳۴ / ۹)

۶۔ مینڈک کا عذاب

جن بدنصیبوں کی تقدیر میں ہلاکت و بربادی ہی لکھی تھی وہ کہاں عہد کو پورا کرنے والے تھے۔ چنانچہ مہلت ملتے ہی سب کچھ بھول گئے اور اپنے عہد سے منکر ہو گئے اور حضرت موسیٰؑ سے کہنے لگے کہ اب ہمیں یہ تحقیق ہو گئی کہ آپ بلاشبہ ایک جادوگر ہیں۔

پھر مزید غور و فکر کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک ماہ کی اور مہلت دی کہ شاید وہ راہِ راست پر آجائیں۔ جب ان بختوں نے اس مہلت سے بھی فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر مینڈکوں کا عذاب مسلط کر دیا۔ ان کے گھروں میں اس کثرت سے مینڈک پیدا ہو گئے کہ وہ جہاں بیٹھتے تو ان کی گردنوں تک مینڈکوں کا ڈھیر لگ جاتا تھا۔ ان کے آنگن، ان کے کھانے اور برتن مینڈکوں سے بھر جاتے۔ جب وہ بولنے کے لئے اپنے لب کھولتے تو مینڈک کود کر ان کے منہ میں چلا جاتا۔ مینڈک کود کود کر ان کے چولھوں اور ہانڈیوں میں جا گرتے، کھانا برباد کر دیتے اور آگ بجھا دیتے۔ آدمی سونے کے لئے لیٹتا تو مینڈک اتنی تعداد میں اس پر چڑھ جاتے کہ وہ کروٹ بھی نہ لے سکتا۔ کھانا کھانے کے لئے منہ کھولتا تو لقمہ سے پہلے مینڈک کود کر اس کے منہ میں چلا جاتا۔ آٹا گوندھا جاتا تو بے شمار مینڈک اس میں کچلے جاتے۔ غرض قبطیوں کا

جینا محال ہو گیا۔

آخر عاجز آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ اس دفعہ ہم پختہ توبہ کرتے ہیں، دوبارہ ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے پختہ عہد و پیماں لے کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی تو اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو بھی ان سے دور کر دیا۔ اس عذاب میں بھی وہ سات دن تک جسلار ہے۔ (مظہری ۴۴۸ / ۳، روح المعانی ۳۵ / ۹)

۷۔ خون کا عذاب

مینڈک کا عذاب دور ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قوم فرعون کو پھر ایک ماہ کی مہلت ملی تاکہ وہ اپنے حال اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور و فکر کر کے، اپنی ہٹ دھرمی اور سرکشی ترک کر دیں اور ایمان لے آئیں، مگر حسبِ سابق انہوں نے اس دفعہ بھی عہد شکنی کی اور کفر کی طرف لوٹ گئے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان پر خون کا عذاب مسلط کر دیا۔ ان کے لئے دریائے نیل خون ہو گیا۔ کنویں اور نہریں اور حوض سب خون بن گئے۔ وہ جہاں سے بھی پانی لیتے وہ تازہ خون ہوتا تھا۔

قبطیوں نے فرعون سے شکایت کی تو اس نے کہا کہ حضرت موسیٰ نے تم پر جادو کر دیا ہے لوگوں نے کہا کہ یہ جادو نہیں ہے۔ ہم تو اپنی آنکھوں سے پانی کے بجائے خون دیکھتے ہیں۔ بنی اسرائیل اس عذاب سے بھی مامون و محفوظ رہے، یہاں تک کہ جب بنی اسرائیل اور قبطی ایک ہی برتن میں آمنے سامنے ہو کر پانی پیتے تو قبطی کی طرف کا پانی خون ہو جاتا تھا اور اسرائیلی کی طرف کا پانی، پانی ہی رہتا۔ ایک ہی کنوئیں پر کھڑے ہو کر اسرائیلی اور قبطی دونوں ایک ساتھ پانی کھینچتے تو اسرائیلی کا نکالا ہوا پانی، پانی ہوتا اور قبطی کا نکالا ہوا پانی خون۔ پیاس سے بیتاب ہو کر قبطی عورت اسرائیلی عورت سے پینے کے لئے پانی مانگتی تو اسرائیلی عورت قبطی عورت کے برتن میں پانی ڈال دیتی مگر پانی اس کے برتن میں پہنچ کر فوراً خون ہو جاتا تھا۔ غرض یہ کیفیت سات روز رہی، آخر مجبور ہو کر انہوں نے پہلے کی طرح پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پختہ وعدہ کئے اور درخواست کی کہ آپ اپنے رب سے دعاء کر کے عذاب کو دور کرا دیں، ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آزاد کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا سے یہ عذاب بھی

دور کر دیا۔ مگر وہ اپنی سرکشی اور گمراہی پر قائم رہے کیونکہ وہ متکبر اور عادی مجرم تھے۔
(مظہری ۴۴۹ / ۳، روح المعانی ۳۵ / ۹)

اللہ تعالیٰ کا انتقام

۱۳۶،۱۳۴۔ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ۝

اور جب ان پر کوئی عذاب واقع ہوتا تو کہتے کہ اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے وسیلے سے دعا کر جو اس نے تجھ سے کر رکھا ہے۔ اگر تو نے ہم سے یہ عذاب دور کر دیا تو ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے اور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ضرور بھیج دیں گے۔ پھر جب ہم ان سے وہ عذاب ایک مقررہ وقت تک کہ جس تک ان کو پہنچنا تھا، ٹال دیتے تو وہ فوراً عہد شکنی کرنے لگتے تھے۔ (آخر کار) ہم نے ان سے انتقام لیا سو ہم نے ان کو اس لئے دریا میں غرق کر دیا کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان سے تغافل کرتے تھے۔

الرِّجْزَ: نجاست۔ آفت۔ عذاب۔
كَشَفْتَ: تو نے کھولا، تو نے دور کیا۔ کَشْفٌ سے ماضی۔
يَنْكُثُوْنَ: وہ (عہد کو) توڑتے ہیں۔ نَکْثٌ سے مضارع۔
الْيَمِّ: دریا۔ سمندر، گہرا پانی، جمع یُمُوْمٌ۔

تشریح: جب بھی قوم فرعون پر کوئی عذاب آتا تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر ان سے دعا کی درخواست کرتے اور پختہ عہد کرتے کہ اگر یہ عذاب دور ہو گیا تو وہ ضرور ان پر ایمان

لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو ان کے ہمراہ کر دیں گے۔ جب حضرت موسیٰ کی دعا سے ایک خاص وقت تک کے لئے ان کا عذاب دور ہو جاتا تو فوراً اپنا عہد توڑ لیتے اور پہلے کی طرح سرکشی کرنے لگتے۔ اتنے عذاب اور نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی جب فرعون اور اس کی قوم کے لوگ اپنی سرکشی اور بدعہدی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی اور ان کے لئے ابدی عذاب کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر کنعان کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں بحر قلزم حائل ہوا۔ جب بنی اسرائیل سمندر کے کنارے پہنچے تو فرعون اور اس کا لشکر بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے سمندر تک پہنچ گئے۔ اب پیچھے فرعون اور اس کا لشکر اور آگے سمندر۔ بنی اسرائیل نہ آگے جا سکتے تھے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ سخت پریشانی کا عالم تھا۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سمندر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا۔ جونہی حضرت موسیٰ نے سمندر کی سطح پر لاٹھی ماری تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے سمندر کو شق کر کے اس میں خشک راستہ بنا دیا، جس میں سے گزر کر بنی اسرائیل سمندر سے پار ہو گئے۔ سمندر میں خشک راستہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر والے بھی بنی اسرائیل کا پیچھا کرتے ہوئے اس میں داخل ہو گئے۔ جب فرعون اور اس کا تمام لشکر پانی میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے سمندر کا پانی مل کر اپنی پہلی حالت پر آگیا اور بنی اسرائیل کے لئے جو خشک راستہ بنا تھا وہ ختم ہو گیا۔ اس کے نتیجہ میں فرعون اور اس کے لشکر والے سب سمندر میں غرق ہو گئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلانے اور ان سے غفلت کا نتیجہ تھا۔ ادھر بنی اسرائیل سمندر کے دوسرے کنارے پر خائف اور ہراساں کھڑے ہوئے، اتنے بڑے ظالم و جابر دشمن کی انتہائی ذلت و رسوائی اور بے بسی کی موت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

بنی اسرائیل کو مصر کا وارث بنانا

۱۳۷۔ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ
وَمَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ

يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ○

اور ہم نے اس قوم کو جو کمزور خیال کی جاتی تھی، مشرق سے مغرب تک اس سرزمین (شام) کا وارث بنا دیا، جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور تیرے رب کا نیک وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے سبب پورا ہو گیا اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی سب بلند عمارتیں منہدم کر دیں۔

يُسْتَضْعَفُوْنَ: وہ ضعیف کئے جاتے ہیں۔ وہ کمزور کئے جاتے ہیں۔ اِسْتِضْعَافٌ سے مضارع مجہول۔

دَمَّرْنَا: ہم نے تباہ کر ڈالا۔ ہم نے اکھاڑ ڈالا۔ تَدْمِیْرٌ سے ماضی۔

يَعْرِشُوْنَ: وہ چھت بناتے ہیں۔ وہ اونچا بناتے ہیں۔ عَرْشٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو، جو متکبر اور سرکش فرعون اور اس کی قوم کی نگاہ میں کمزور و ناتواں سمجھے جاتے تھے، برکت والی زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا۔ بظاہر اس برکت والی سرزمین سے مصر کی سرزمین مراد ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے سرزمین شام کے مشرقی اور مغربی حصے مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو ان کے تمام ملک و مال کا وارث بنا دیا اور اپنا وہ اچھا وعدہ جو بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا پورا کر دیا، کیونکہ انہوں نے شدتوں اور مصیبتوں پر صبر کیا تھا اور ان پر ثابت قدم رہے تھے۔

اچھے وعدے سے مراد یا تو وہ وعدہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا تھا کہ:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ

قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں ان کی سرزمین کا مالک بنا دے۔

یا وہ وعدہ مراد ہے جس کے بارے میں ارشاد ہے:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ○ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا

يَحْذَرُوْنَ ۝ (القصص ۔ آیات ۶،۵)

اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اس قوم پر احسان کریں جس کو اس ملک میں کمزور و ذلیل سمجھا گیا اور ہم ان کو امام اور سردار بنا دیں اور انہی کو اس زمین کا وارث بنا دیں اور انہی کو اس زمین پر تصرف کرنے کا حق دیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز واقع کرکے دکھا دیں جس کے ڈر سے وہ (حضرت موسیٰ کے خلاف) طرح طرح کی تدبیریں کر رہے تھے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ان سب چیزوں کو جو فرعون اور اس کی قوم بنایا کرتی تھی، تباہ برباد کر دیا۔ فرعون اور اس کی قوم کی بنائی ہوئی چیزوں میں ان کے مکانات اور بلند عمارتیں، ان کا گھریلو سامان، بلند درخت، انگور کی وہ بیلیں جو چھتوں پر چڑھائی جاتی ہیں اور وہ مختلف تدبیریں شامل ہیں جو وہ حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لئے کیا کرتے تھے۔

بنی اسرائیل کی جہالت و سرکشی

۱۳۸۔۱۴۰۔ وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا کے پار اتار دیا سو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو اپنے بتوں کو پوجنے میں لگی ہوئی تھی۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا معبود بنا دے جیسے کہ ان کے معبود ہیں۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ واقعی تم بڑی جاہل قوم ہو۔ بیشک یہ لوگ (بت پرست) جس دین میں ہیں وہ تباہ ہونے والا ہے اور جو کچھ یہ کرتے ہیں وہ سب باطل ہے۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ کیا میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں تمام جہان والوں پر فضیلت دی ہے۔

جٰوَزْنَا: ہم نے پار اتارا۔ مُجَاوَزَۃٌ سے ماضی۔

یَعْکُفُوْنَ: وہ جمے بیٹھے ہیں۔ وہ لگے بیٹھے ہیں۔ عُکُوفٌ سے مضارع۔

اَصْنَام: بت، مورت، واحد صَنَمٌ۔

مُتَبَّرٌ: ہلاک کیا ہوا۔ تباہ برباد۔ تَتْبِیْرٌ سے اسم مفعول۔

ربط: یہاں تک فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت و تباہی کا ذکر تھا۔ یہاں بنی اسرائیل کی جہالت و کجروی کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں کے مشاہدے کے باوجود ان لوگوں سے سرزد ہوئی۔

تشریح: قوم فرعون کے غرق ہونے کے بعد جب بنی اسرائیل آگے بڑھے تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو مختلف بتوں کی پرستش میں مبتلا تھی۔ انہیں مختلف بتوں کی پوجا کرتے ہوئے دیکھ کر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ جس طرح ان لوگوں کے بہت سارے معبود ہیں، آپ ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی مجسم معبود بنا دیجئے تاکہ ہم بھی ایک محسوس چیز کو سامنے رکھ کر عبادت کیا کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو سامنے نہیں ہے۔ بنی اسرائیل مدت تک مصر کے بت پرستوں کے ساتھ رہے تھے۔ ان کی بری صحبت کے اثر ہی سے ان کو یہ جاہلانہ خیال آیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تم تو نرے جاہل ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صورت نہیں بن سکتی، نہ اس کی عبادت کے وقت کسی محسوس اور مجسم شئے کو سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ یہ سب مشرکانہ اور جاہلانہ خیالات ہیں۔ جن لوگوں کے طریقے کو تم نے پسند کیا ہے ان کے سب اعمال ضائع و برباد ہیں۔ یہ باطل کی پیروی کرتے ہیں۔ تمہیں ان کی حرص نہیں کرنی چاہئے۔ کیا میں تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنا دوں، حالانکہ اسی نے تمہیں اہل جہان پر فضیلت دی ہے اور اسی نے تمہیں انواع و اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ پس ایسے محسن معبود کو چھوڑ کر دوسرا معبود تلاش کرنا حماقت ہے۔

اس آیت میں عالمین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے لوگ مراد ہیں کیونکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہی سب سے افضل و اعلیٰ تھے۔

(معارف القرآن ۵۴،۵۵ / ۴)

بنی اسرائیل کو سابقہ دور کی یاد دہانی

۱۴۱۔ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۤءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تمہیں آل فرعون سے نجات دی، جو تمہیں بری طرح عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔

تشریح: اس آیت میں بنی اسرائیل کو ان کے سابقہ دور کی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ جب تم فرعون کے ہاتھوں ایسے مجبور و بے بس تھے کہ وہ تمہارے لڑکوں کو قتل کر دیا کرتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو اپنی اور اپنی قوم کی خدمت کے لئے زندہ رکھتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی دعا کی برکت سے تمہیں اس ذلت و رسوائی سے نجات دی، تمہارے دشمنوں کو تمہارے سامنے ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا اور پھر تمہیں ان کے ملک و مال کا مالک بنا دیا۔ کیا ایسے عظیم احسانات کے بعد بھی تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر لکڑیوں اور پتھروں کو معبود بناتے ہو؟ یہ نہایت بدنصیبی کی بات ہے۔ پس تم اس سے توبہ کرو۔

اللہ سے ہمکلامی کا چلّہ

۱۴۲۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ○

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ ٹھہرایا اور ہم نے اس کو دس ملا کر پورا کر دیا سو اس کے رب کی (مقرر کی ہوئی) مدت پوری چالیس راتیں ہو گئی (اور کوہِ طور پر جاتے وقت حضرت) موسیٰ نے اپنے بھائی

(حضرت) ہارونؑ سے کہا کہ میری قوم میں میری قائم مقامی کرتے رہنا اور اصلاح کرتے رہنا اور مفسدوں کے راستہ پر نہ چلنا۔

تشریح: اس آیت میں بنی اسرائیل کا وہ واقعہ بیان کیا گیا ہے جو فرعون کے غرق ہونے کے بعد پیش آیا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے درخواست کی کہ اب ہمیں اطمینان حاصل ہو گیا ہے۔ اگر اب ہمیں کوئی کتاب اور شریعت ملی تو اطمینان و سکون کے ساتھ اس پر عمل کریں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ پر اپنا کلام نازل کرنے کا وعدہ اس شرط کے ساتھ فرمایا کہ وہ تیس راتیں کوہِ طور پر ذکر اللہ میں گزار دیں۔ بعد میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اس مدت کو چالیس کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی قوم سے یہ کہہ کر گئے تھے کہ تیس روز کے لئے جا رہا ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے قیام کی مدت میں دس روز کا اضافہ کر دیا تو حضرت موسیٰؑ کا انتظار کرنے کی بجائے اپنی جلد بازی کے سبب یہ کہنے لگے کہ حضرت موسیٰؑ تو کہیں گم ہو گئے۔ لہٰذا اب ہمیں کوئی دوسرا پیشوا بنا لینا چاہئے۔

اسی جلد بازی اور بے صبرے پن کے نتیجہ میں وہ سامری کے دامِ فریب میں پھنس کر گؤ سالہ کو پوجنے لگ گئے۔ حالانکہ حضرت موسیٰؑ کوہِ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو اپنا قائم مقام مقرر کر گئے تھے اور جاتے وقت ان کو تاکید کی تھی کہ میرے بعد جب قوم میں فساد کی کوئی بات محسوس کرو تو اس وقت ان کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کرنا اور مفسدین کی مدد یا ہمت افزائی کا کوئی کام نہ کرنا۔

چنانچہ جب حضرت ہارونؑ نے قوم کو سامری کے بہکائے میں آکر گؤ سالہ کو پوجتے دیکھا تو ان کو اس بیہودگی سے روکا اور سامری کو نہایت سخت سست کہا۔ ادھر حضرت موسیٰؑ نے کوہِ طور سے واپس آکر یہ خیال کرتے ہوئے حضرت ہارونؑ سے مواخذہ فرمایا کہ ان کی عدم موجودگی میں حضرت ہارونؑ نے اپنے فرض میں کوتاہی کی۔ (معارف القرآن ۵۶ ۔ ۶۰ / ۴)

اللہ سے ہمکلامی

۱۴۳۔ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ

اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور جب (حضرت) موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو (حضرت) موسیٰ نے عرض کیا کہ اے میرے رب! تو مجھے دکھا دے کہ میں تجھے دیکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو۔ پھر اگر وہ (پہاڑ) اپنی جگہ قائم رہا تو تم بھی مجھے جلد دیکھ لو گے۔ پھر جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو (تجلی نے) ریزہ ریزہ کر دیا اور (حضرت) موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش آیا تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے، میں تجھ سے معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہوں۔

دَكًّا: پرخچے اڑانا۔ ریزہ ریزہ کرنا۔ مصدر ہے۔

خَرَّ: وہ گر پڑا۔ خَرٌّ و خُرُوْرٌ سے ماضی۔

صَعِقًا: بیہوشی۔ غشی۔ موت۔ یہاں غشی مراد ہے۔

اَفَاقَ: اس کو افاقہ ہوا۔ وہ ہوش میں آیا۔ اِفَاقَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مقررہ وقت پر آئے اور ان کے رب نے فرشتہ کے واسطے کے بغیر ان سے باتیں کیں تو اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر حضرت موسیٰ کو شوق پیدا ہوا کہ کاش میں اپنے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنا دیدار کرانے کی درخواست کی۔ چونکہ یہ آنکھیں تو جسمانیات میں سے اجسامِ لطیفہ کو بھی نہیں دیکھ سکتیں، چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکیں، جو نہ جسم ہے، نہ کثیف، بلکہ وہ تو سب سے زیادہ لطیف ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ تو اس دارِ فانی میں ان کمزور اور جسمانی آنکھوں کے ساتھ ہرگز میرے جمال بے مثال کی تاب نہیں لا سکے گا (یعنی تو مجھے نہیں دیکھ سکے گا)، البتہ تمہارے اطمینان کے لئے پہاڑ پر تھوڑی سی تجلی کرتا ہوں۔ پس تم پہاڑ کی طرف نظر کرو جو وجودِ جسمانی میں تم سے کہیں زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔ اگر میری تجلی کے بعد یہ پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو ممکن ہے تم بھی

مجھے دیکھ سکو۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی کی تو پہاڑ کا وہ حصہ جس پر تجلی پڑی تھی، ریزہ ریزہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ بھی اس منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہو گئے اور زمین پر گر پڑے۔ جب ہوش آیا اور حقیقتِ امر منکشف ہوئی تو کہنے لگے کہ اے اللہ تو اس سے پاک ہے کہ دنیا میں کوئی تجھے دیکھ سکے۔ دنیا کی فانی آنکھوں میں یہ طاقت نہیں کہ تیرے دیدار کا تحمل کر سکیں۔ میں نے فرطِ شوق میں یہ درخواست کر دی تھی لیکن آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہوں کہ اس دار فانی میں کبھی ایسا سوال نہیں کروں گا اور میں سب سے پہلے تیری عظمت و جلال اور اس بات پر ایمان لانے والا ہوں کہ قیامت تک اس دار فانی میں کوئی تجھ کو چشم فانی سے دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

(حقانی ۴۱۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۹، ۱۲۰ / ۳)

حضرت موسیٰ ؑ کا شرف و امتیاز

۱۴۴، ۱۴۵۔ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنی پیغمبری اور ہمکلامی کے ذریعہ لوگوں پر امتیاز دیا۔ پس جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اس کو لے لو اور شکر گزاری کرتے رہو۔ اور ہم نے (حضرت موسیٰ کے لئے) تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، سو ان کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اس کے اچھے احکام پر عمل کریں۔ عنقریب میں تمہیں نافرمانوں کے گھر دکھاؤں گا (کہ کیسے اجڑے پڑے ہیں)۔

اِصْطَفَيْتُكَ: میں نے تجھ کو امتیاز دیا۔ میں نے تجھ کو منتخب کر لیا۔ اِصْطِفَاءٌ سے ماضی۔

اَلْوَاح: تختیاں۔ واحد لَوْحٌ۔

سَاُورِیْکُمْ: بہت جلد میں تم کو دکھاؤں گا۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محرومی کا رنج ہوا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی کے لئے فرمایا کہ اے موسیٰ تمہیں دیدار سے محرومی پر رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ میں نے تمہیں اپنی نبوت و رسالت دے کر اور بلاواسطہ کلام کر کے تمہارے زمانے کے لوگوں پر تمہیں برگزیدگی اور برتری دی ہے اور تمہیں توریت عطا کی۔ کیا یہ شرف و امتیاز کم ہے۔ پس جو کچھ میں نے تمہیں دے دیا اس کا شکر کرو اور جو نہیں دیا اس کا رنج نہ کرو اور جو چیز تمہاری طاقت و برداشت سے باہر ہے اس کا سوال نہ کرو اور رویت کے حاصل نہ ہونے کا افسوس نہ کرو۔ یہ نعمت صرف آخرت کے لئے مخصوص ہے۔

پھر فرمایا کہ ان تختیوں میں نصیحت کی ہر بات اور ہر حکم کی تفصیل لکھ دی گئی ہے، سب حلال و حرام بتا دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کو طاعت کے عزم صمیم کے ساتھ لے لو اور اپنی قوم کو بھی اس پر اچھی طرح عمل کرنے کا حکم دو۔ بہت جلد ہم آپ کو ان لوگوں کا انجام اور ان کی تباہی و بربادی دکھا دیں گے جو میری طاعت سے گریز کرتے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲۱ / ۳، ابن کثیر ۲۴۶ / ۲)

تکبر کی سزا

۱۴۶، ۱۴۷۔ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ یَتَکَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ یَّرَوْا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِھَا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الرُّشْدِ لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ۚ وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَکَانُوْا عَنْھَا غٰفِلِیْنَ ○ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَۃِ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ ؕ ھَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

میں ایسے لوگوں کو اپنے احکام سے برگشتہ ہی رکھوں گا جو زمین پر ناحق تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اس پر نہ چلیں اور اگر وہ گمراہی کا راستہ

دیکھ لیں تو اس پر چلنے لگیں۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا
اور ان سے غفلت کرتے رہے اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور قیامت
کے پیش آنے کو جھٹلایا تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے۔ وہ اسی کی سزا پائیں گے
جو کچھ وہ عمل کرتے تھے۔

سَاَصْرِفُ: بہت جلد میں پھیر دوں گا۔ بہت جلد میں برگشتہ کردوں گا۔ صَرْفٌ سے
مضارع۔

الرُّشْدِ: بھلائی۔ ہدایت۔ سیدھی راہ۔

الْغَيِّ: گمراہی۔ عذاب۔ ناکامی۔

لِقَاءَ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

حَبِطَتْ: وہ ناپید ہوگئے۔ وہ ضائع ہوگئے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے تنبیہ فرمائی کہ تم دوسروں کو دیکھ کر نہ بگڑ جانا، بلکہ جہاں تک ہو سکے اپنے ایمان کو قائم رکھنا۔ جو لوگ زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں اور اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھتے اور اتراتے ہیں، میں بہت جلد ان لوگوں کے دلوں کو اپنے احکام سے برگشتہ کر دوں گا، کیونکہ ہمارا طریقہ یہی ہے کہ ہم متکبروں کے دلوں پر مُہر کر دیتے ہیں تاکہ وہ حق بات کو سمجھ نہ سکیں، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ (الصف آیت ۵)

پھر جب وہ ٹیڑھی چال چلے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا بنا دیا۔

تکبر کی وجہ سے وہ عقل و فہم سے اس قدر دور ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ تمام نشانیاں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ان کا یقین نہ کریں۔ اسی طرح اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو اس پر نہیں چلیں گے اس کے برعکس اگر وہ گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو اس کو فوراً اختیار کر لیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے غرور و تکبر کی وجہ سے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اور ضد و ہٹ دھرمی کی بنا پر ہماری آیتوں سے غفلت برتتے رہے۔ اس لئے سزا کے طور پر ان کے دل حق سے پھیر دئے گئے۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی۔ آخرت کی سزا یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو، آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے اور جزا و سزا کو جھٹلایا تو ان کے وہ سب کام جن پر وہ نفع کی امید لگائے بیٹھے تھے سب برباد ہو جائیں گے۔ آخرت میں ان کو اپنے کرتوتوں کی سزا کے سوا کچھ

حاصل نہ ہو گا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲۲ / ۳، حقانی ۴۲۱، ۴۲۲ / ۲)

بچھڑے کو پوجنا

۱۴۸، ۱۴۹۔ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور (حضرت) موسیٰ کی قوم نے ان کے بعد اپنے زیور سے ایک بچھڑا بنا لیا جو کہ ایک جسم تھا جس کی گائے جیسی آواز تھی۔ کیا انہوں نے اتنا بھی نہ دیکھا کہ وہ نہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو رستہ دکھا سکتا ہے۔ اس کو انہوں نے اپنا معبود بنایا اور وہ (بڑے) ظالم تھے۔ اور جب وہ شرمندہ ہوئے اور دیکھا کہ وہ (واقعی) گمراہی میں پڑ گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارے گناہ معاف نہ کرے تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔

حُلِيِّهِمْ: ان کے زیورات۔ ان کے گہنے۔ واحد حُلِیٌّ۔

عِجْلًا: بچھڑا۔ گائے کا بچہ۔ گوسالہ۔

خُوَارٌ: گائے کی آواز۔

سُقِطَ: وہ گرا دیا گیا۔ سُقُوْطٌ سے ماضی مجہول۔

سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ: وہ بہت پچھتائے۔ وہ شرمندہ ہوئے۔

تشریح: ان آیتوں میں پھر اس واقعہ کا بیان ہے جو کوہِ طور پر گزرا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چالیس روز تک رہے۔ اپنی عدم موجودگی میں اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنا قائم مقام بنایا تھا، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ ابتدائی طور پر حضرت موسیٰ کو تیس روز کے لئے کوہِ طور پر بلایا گیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس مدت میں دس روز کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح کل چالیس روز ہو گئے۔

جب تیس روز گزر گئے اور حضرت موسیٰ واپس نہ آئے تو بنی اسرائیل یہ سمجھے کہ حضرت موسیٰ فوت ہو گئے۔ چونکہ مصریوں کی صحبت میں رہ کر ان کے دلوں میں بت پرستی کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے بھی مصریوں کی تقلید میں جو بیل کو پوجا کرتے تھے، اپنے لئے سامری سے سونے چاندی کا ایک بچھڑا بنوالیا۔ سامری ایک بہت ہوشیار اور ماہر سنار تھا۔ اس نے بنی اسرائیل سے وہ زیورات لے کر، جو انہوں نے مصر سے نکلتے وقت قبطیوں سے عید کے بہانے سے مستعار لئے تھے، ایک بچھڑا ڈھالا اور ان سے کہا کہ تمہارا اور موسیٰ کا یہی خدا ہے۔ حضرت ہارونؑ کے منع کرنے کے باوجود سامری کے کہنے پر لوگوں نے سونے کا بت بنا ہی لیا۔ سورۃ طٰہٰ میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ (حقانی ۴۲۳ / ۲)

اس بچھڑے کی حقیقت صرف اتنی سی تھی کہ یہ حیوان بھی نہ تھا بلکہ حیوان کے مشابہ ایک بلا روح کا قالب تھا جس میں سے بچھڑے کی مانند آواز نکلتی تھی۔ ان نادانوں نے اسی کو خدا بنا لیا اور سب اس کی پوجا کرنے لگے، ناچتے ہوئے اس کا طواف اور اس کو سجدہ کرنے لگے اور بڑے فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ اس بچھڑے کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حقیقتاً بچھڑا بن گیا تھا، اس کا دھڑ گوشت پوست کے ساتھ اصل گائے کی طرح جاندار بن گیا تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا جسم تو سونے، چاندی کا تھا لیکن اس میں روح وغیرہ کچھ نہ تھی۔ اس کے منہ میں ہوا کی آمد و رفت سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نادان اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ وہ محض ایک آواز نکالتا ہے۔ نہ وہ ان کی کسی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ کسی معاملے میں ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ نہ وہ ضرر پہنچا سکتا ہے اور نہ کسی قسم کا نفع۔ بچھڑے کو معبود بنا کر انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب حضرت موسیٰ نے کوہ طور سے واپس آکر اس جہالت و حماقت پر ان کو ملامت کی تو عقل و ہوش ٹھکانے آئے اور اپنی گمراہی کا احساس کر کے اپنی حرکت پر نادم ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے اور ہماری مغفرت نہ فرمائے تو ہم بڑے خسارے میں رہیں گے اور ہلاک ہو جائیں گے۔

(ابن کثیر ۲۴۷ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲۸، ۱۲۹ / ۲)

حضرت موسیٰؑ کا غضبناک ہونا

۱۵۰، ۱۵۱۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ
وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ
وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ
وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ
۝

اور جب (حضرت) موسیٰ غصہ اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ تم نے میرے بعد یہ بڑی نامعقول حرکت کی۔ تم نے اپنے رب کے حکم سے پہلے کیوں جلد بازی کی اور (حضرت موسیٰ نے) تختیاں (زمین پر) ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ حضرت ہارونؑ نے کہا کہ اے میرے ماں جائے! ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھ کو مار ڈالیں سو تم مجھ پر دشمنوں کو مت ہنسواؤ اور نہ مجھے ان ظالموں میں شمار کرو۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کرلے اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

اَسِفًا: افسوس کرنا۔ پچھتانا۔ مصدر ہے۔

بِئْسَمَا: برا ہے جو کچھ کہ۔

خَلَفْتُمُوْنِيْ: تم نے میری جانشینی کی۔ خِلَافَۃٌ سے ماضی۔

يَجُرُّهٗ: وہ اس کو گھسیٹتا ہے۔ وہ اس کو کھینچتا ہے۔ جَرٌّ سے مضارع۔

اِسْتَضْعَفُوْنِيْ: انہوں نے مجھ کو کمزور سمجھا۔ اِسْتِضْعَافٌ سے ماضی۔

كَادُوْا: وہ قریب ہوئے۔ کَوْدٌ سے ماضی۔

تُشْمِتْ: تو ہنسائے۔ تو خوش کرے۔ اِشْمَاتٌ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے توریت لے کر واپس آئے اور قوم کو بچھڑے کی پوجا میں مبتلا دیکھا تو انہوں نے غضبناک ہو کر قوم سے کہا کہ میرے بعد تم نے بچھڑے کی پرستش کر کے نہایت نامعقول کام کیا ہے۔ تم اپنے رب کا حکم آنے کا انتظار تو کر لیتے۔ تم نے جلد بازی کر کے گمراہی اختیار کر لی۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ نے توریت کی وہ تختیاں جو ان کے ہاتھ میں تھیں نیچے رکھ دیں اور اپنے بھائی حضرت ہارون کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف گھسیٹا۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت ہارونؑ نے قوم کو بچھڑے کی پرستش سے روکنے میں کوتاہی کی ہوگی، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَالَ يَا هٰرُوْنُ مَامَنَعَكَ اِذْرَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا ۔ اَنْ لَّاتَتَّبِعَنِیْ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ ○ (طٰہٰ ۔ آیات ۔ ۹۲، ۹۳)

اے ہارون جب تم نے ان کو گمراہی اختیار کرتے ہوئے دیکھا تو تمہیں میرے حکم پر چلنے سے کس نے روکا تھا۔ کیا تمہیں میری نافرمانی کی جرأت ہو گئی۔

حضرت ہارونؑ نے جواب میں کہا:

يَاابْنَ اُمَّ لَاتَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ وَلَابِرَاْسِیْ ۔ اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ (طٰہٰ، آیت ۔ ۹۴) ○

اے میرے ماں جائے، میری ڈاڑھی اور سر کے بالوں کو پکڑ کر نہ کھینچ۔ مجھے تو خوف تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ میرا انتظار کیوں نہیں کیا۔ اور بنی اسرائیل میں تفرقہ کیوں ڈال دیا۔

ان لوگوں نے تو مجھے کمزور خیال کر کے میری پرواہ نہیں کی اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔ پس تم دشمنوں کو مجھ پر مت ہنساؤ اور مجھے ان ظالموں میں شمار نہ کرو۔ حضرت ہارونؑ کا جواب سن کر حضرت موسیٰ کو بھائی کی بے قصوری کا یقین ہو گیا اور انہوں نے حضرت ہارون کو چھوڑ دیا۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگے کہ اے اللہ میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرما دے اور تو ہم دونوں کو اپنی رحمت میں لے لے، کیونکہ تو ہی سب رحم کرنے

والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (ابن کثیر ۲۴۸ / ۲)

بچھڑے کی پرستش کا انجامِ بد

۱۵۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ○

بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنایا، ان کو جلد ہی ان کے رب کا غضب پہنچے گا اور دنیا کی زندگی میں ان کو ذلت پہنچے گی اور بہتان باندھنے والوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی اور اب تک اس پر قائم ہیں تو بہت جلد ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گا اور وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ اللہ کا غضب یہ تھا کہ ان کی توبہ قبول کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں۔ پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کو قتل کیا تو ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔ لیکن وہ دنیا میں ذلیل و خوار ہوئے۔ افترا کرنے والوں کی یہی سزا ہے۔

سفیان بن عیینہؒ کہتے ہیں کہ ہر صاحبِ بدعت اسی طرح ذلیل و خوار ہو گا۔ جو بدعت نکالتا ہے اس کو یہی سزا ملے گی۔ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ اس کے چہرہ پر ذلت و رسوائی برستی ہے، اگرچہ وہ دنیاوی شان و شوکت رکھتا ہو۔ افترا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قیامت تک یہ سزا ملتی رہے گی۔ (ابن کثیر ۲۴۸ / ۲)

توبہ کا قبول ہونا

۱۵۳۔ وَالَّذِیْنَ عَمِلُوا السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○

اور جن لوگوں نے برے کام کئے، پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور

ایمان لے آئے، تو بیشک آپ کا رب توبہ کے بعد معاف کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے، جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تنبیہ کے بعد اپنے اس جرم سے، جو بچھڑے کی پرستش کی صورت میں ان سے سرزد ہوا تھا، توبہ کر لی اور توبہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر آپس میں قتال کی جو کڑی شرط لگائی گئی تھی اس کو پورا کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ جو لوگ اس قتل عام میں مارے گئے ان کو شہادت کا درجہ دیا گیا اور جو زندہ بچے ان کی مغفرت ہو گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور گناہوں کو معاف کرنے والا ہے، خواہ وہ گناہ کفر و شرک اور نفاق ہی کا ہو۔

پس جو لوگ برے اعمال کا ارتکاب کر لیں، خواہ وہ برے اعمال کبیرہ گناہ ہی ہوں، پھر اس کے بعد وہ توبہ کر لیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان لوگوں کو معاف فرما دے گا۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ جب اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کر لے۔ (معارف القرآن ۳/۷۴)

ہدایت ور حمت کا ذریعہ

۱۵۴۔ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ○

اور جب (حضرت) موسیٰ کا غصہ دور ہوا تو انہوں نے (توریت کی) تختیوں کو اٹھا لیا اور ان تختیوں پر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت لکھی ہوئی تھی۔

سَكَتَ: وہ ساکت ہو گیا۔ وہ تھم گیا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ سُكُوْتٌ سے ماضی۔

نُسْخَتِهَا: اس کا لکھا ہوا۔ اس کے مضامین۔ جمع نُسَخٌ۔

يَرْهَبُوْنَ: وہ ڈرتے ہیں۔ وہ خوف کھاتے ہیں۔ رَهَبٌ وَرُهْبَةٌ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت ہارون کی معذرت اور قوم کی ندامت و توبہ کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا غصہ دور ہوا تو انہوں نے توریت کی وہ تختیاں زمین پر سے اٹھا لیں جو انہوں نے اس سے

پہلے اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کا سر پکڑ کر ان کو اپنی طرف کھینچتے وقت زمین پر رکھ دی تھیں ۔ ان تختیوں میں جو مضامین لکھے ہوئے تھے ان میں ان لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت تھی جو اپنے مالک و خالق سے ڈرتے ہیں ۔ نسخہ ۔ ہدایت سے اسی کو شفا ہوتی ہے جس کے دل میں خدا کا خوف ہو ۔

ستر افراد کا کوہِ طور پر جانا

۱۵۵۔ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۖ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ۖ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ○

اور (حضرت) موسیٰ نے ہمارے معین کردہ وقت کے لئے اپنی قوم میں سے ستر آدمی منتخب کر لئے ۔ پھر جب ان کو زلزلے نے آلیا تو (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ان کو اور مجھے پہلے ہی ہلاک کر دیتا ۔ کیا تو ہماری قوم کے چند بیوقوفوں کی حرکت پر ہم سب کو ہلاک کر دے گا ۔ یہ تو صرف (تیری طرف سے) آزمائش ہے ۔ ایسی آزمائشوں سے تو جسے چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے ہدایت دے ۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے ۔ سو تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما ۔ اور تو ہی سب سے زیادہ معاف کرنے والا ہے ۔

اِخْتَارَ: اس نے منتخب کر لیا ۔ اس نے چن لیا ۔ اِخْتِیَارٌ سے ماضی ۔

لِمِیْقَاتِنَا: ہمارے مقررہ وقت کے لئے ۔ ہماری مقررہ میعاد کے لئے ۔

الرَّجْفَةُ: زلزلہ، کپکپاہٹ ۔

شِئْتَ: تو نے چاہا ۔ تو نے ارادہ کیا ۔ مَشِیْئَۃٌ سے ماضی ۔

السُّفَهَآءُ: بیوقوف ۔ کم عقل ۔ احمق واحد سَفِیْہٌ ۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی کتاب توریت لا کر دی تو وہ اپنی کم عقلی اور کج فہمی سے کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کریں کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے ۔ ممکن

ہے آپ اپنی طرف سے لکھ لائے ہوں ۔ بنی اسرائیل کو اطمینان دلانے کے لئے حضرت موسیٰ نے اللہ تعالی سے دعا کی تو اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ کو بنی اسرائیل میں سے ستر آدمی منتخب کر کے کوہ طور پر لانے کا اختیار دیا، تاکہ وہ بھی اللہ کا کلام سن لیں اور اس پر یقین کر لیں ۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو منتخب کر کے کوہ طور پر لے گئے، جہاں انہوں نے اپنے کانوں سے اللہ تعالی کا کلام سنا، مگر وہ بدبخت کہنے لگے کہ ہمیں کیا معلوم کہ یہ آواز اللہ تعالی ہی کی ہے یا کسی اور کی ۔ ہم تو جب یقین کریں گے جب اللہ تعالی کو علانیہ طور پر دیکھیں ۔ ان کی اس ہٹ دھرمی اور جہالت کی بنا پر اللہ تعالی کا غضب متوجہ ہوا، جس کے نتیجہ میں ان کے نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک، جس سے وہ سب بیہوش ہو کر گر پڑے ۔

سورہ بقرہ میں لفظ صاعقہ آیا ہے جس کے معنی بجلی کی کڑک کے ہیں اور یہاں لفظ رجفہ آیا ہے جس کے معنی زلزلہ کے ہیں ۔ ممکن ہے دونوں چیزیں ایک ساتھ واقع ہوئی ہوں ۔ اس واقعہ سے حضرت موسیٰ کو سخت صدمہ ہوا ۔ ایک تو اس لئے کہ یہ اپنی قوم کے منتخب لوگ تھے ۔ دوسرے اس لئے کہ قوم کو کیسے مطمئن کریں گے ۔ وہ تو یہی کہیں گے کہ حضرت موسیٰ نے ان سب کو کہیں لے جا کر قتل کرا دیا ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالی سے عرض کی کہ اے میرے رب! میں جانتا ہوں کہ تیرا مقصد ان کو ہلاک کرنا نہیں، کیونکہ اس سے پہلے بہت سے واقعات ہو چکے ہیں جن میں ان کو ہلاک کیا جا سکتا تھا ۔ مثلاً فرعون کے ساتھ ان کو بھی غرق کر دیا جاتا یا بچھڑے کی پرستش کے وقت سب کے سامنے ان کو ہلاک کر دیا جاتا ۔ مگر تو نے ایسا نہیں کیا ۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ تو ان کو سزا دینا اور تنبیہ کرنا چاہتا ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ چند بیوقوفوں کے عمل کی بنا پر تو ہم سب کو ہلاک کر دے ۔

پھر عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! یہ تو تیری طرف سے آزمائش ہے جس کے ذریعہ تو بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دے گا کہ وہ تیری شکایت و ناشکری کرنے لگیں اور بہت سے لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھے گا تاکہ وہ اپنے رب کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ کر مطمئن ہو جائیں ۔ اے اللہ! میں بھی تیری اس آزمائش سے مطمئن ہوں ۔ تو ہی ہماری خبر گیری کرنے والا ہے ۔ پس تو ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحمت و مہربانی فرما ۔ تو ہی سب معافی دینے والوں سے زیادہ معافی

دینے والا ہے ۔ پھر اللہ تعالی نے حضرت موسی علیہ السلام کی دعاء سے ان کو زندہ کر دیا ۔

(معارف القرآن ۴، ۷۵، ۴ / ۴)

حضرت موسیٰؑ کی دعاء

۱۵۶، ۱۵۷۔ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ۭ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَاۗءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۭ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَـبٰۗىِٕثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بھلائی لکھ دے ۔ ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں ۔ اللہ تعالی نے فرمایا کہ میں اپنا عذاب تو اسی پر واقع کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں اور میری رحمت تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے سو اس کو تو میں انہی کے لئے لکھوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ۔ جو لوگ اس رسول نبی امی کی پیروی کریں گے جس کو وہ اپنے ہاں توریت وانجیل میں لکھا ہوا پائیں گے، جو ان کو نیک کاموں کا حکم دے گا اور بری باتوں سے منع کرے گا اور پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال کرے گا اور گندی چیزیں ان پر حرام کرے گا اور ان کے بوجھ (سخت احکام) اور ان کے طوق (نافرمانی کی ہتھکاریں) جو ان کے گلے میں پڑے ہوئے تھے، وہ ان کو اتار ڈالے گا ۔ پھر جو کوئی اس نبی پر ایمان لائے

گا اور ان کی حمایت و مدد کرے گا اور وہ اس نور کی اتباع کریں گے جو اس کے ساتھ نازل کیا جائے گا، سو وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

ھُدْنَا: ہم نے توبہ کی۔ ہم نے رجوع کیا۔ ھَوْدٌ سے ماضی۔

اُصِیْبُ: میں پہنچاتا ہوں۔ اِصَابَۃٌ سے مضارع۔

یَضَعُ: وہ دور کرتا ہے۔ وہ اتارتا ہے۔ وَضْعٌ سے مضارع۔

اِصْرَھُمْ: ان کے بوجھ۔ یہاں وہ سخت احکام مراد ہیں جو یہودیوں پر تھے۔

اَغْلٰلَ: طوق۔ ہتھکڑیاں۔

عَزَّرُوْہُ: انہوں نے ان کی مدد کی۔ انہوں نے ان کو قوت دی۔ تَعْزِیْرٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت موسیٰ کی یہ دوسری دعاء ہے۔ پہلی دعاء مصیبت دور ہونے کے لئے تھی۔ اس دعاء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دنیا اور آخرت کی بھلائی کی درخواست کی ہے کہ اے اللہ ہم تیری طرف رجوع ہوتے ہیں اور تجھ ہی سے خیر و بھلائی کے امیدوار ہیں، اس لئے تو میری امت کو سب امتوں پر فائق کر دے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں جس پر چاہتا ہوں اپنا عذاب نازل کرتا ہوں کوئی مجھ پر اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ میں مالک ہوں اور سب میرے بندے ہیں اور مالک کو اپنے بندوں پر ہر قسم کے تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔ اور میری رحمت و مہربانی ہر چیز سے زیادہ وسیع ہے اور ہر مومن و کافر پر بلا استحقاق عام ہے۔ اگر اللہ کی رحمت عام نہ ہوتی تو کوئی کافر و فاجر اور کوئی نافرمان زندہ نہ رہتا۔

اس عام رحمت کے علاوہ اللہ کی ایک خاص رحمت بھی ہے جو اس کے خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ یہی خاص رحمت حضرت موسیٰ نے مانگی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ جس رحمتِ کاملہ اور خاصہ کا آپ نے سوال کیا ہے اس میں سے بنی اسرائیل کے اس شخص کو حصہ ملے گا جو متقی اور پرہیزگار ہو اور اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے مال میں سے زکوٰۃ ادا کرتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو مانتا ہو۔ جس درجہ کا ایمان و تقویٰ ہو گا وہ اسی درجہ کی رحمت کا مستحق ہو گا۔

پھر فرمایا کہ اخیر زمانے میں جب نبوتِ محمدیہ کا دور دورہ ہو گا تو اس رحمتِ خاصہ سے وہ لوگ حصہ پائیں گے جو توریت و انجیل کی پیشن گوئیوں کے مطابق اس نبی امی کی اتباع کریں گے، جس کے اوصاف وہ توریت و انجیل میں لکھے ہوئے پائیں اور دل و جان سے ان کی مدد کریں گے۔

وہ نبی امی لوگوں کو ہر اچھے کام کا حکم دے گا اور ہر برے کام سے منع کرے گا۔ وہ ان تمام پاکیزہ چیزوں کو لوگوں کے لئے حلال قرار دے گا جو بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر توریت میں ان کے لئے حرام کر دی گئی تھیں، جیسے اونٹ کا گوشت، بھیڑ، بکری اور گائے کی چربی وغیرہ۔ وہ امی نبی تمام ناپاک اور گندی چیزوں کو لوگوں پر حرام کر دے گا، جیسے مُردار، خون، سور کا گوشت، قمار، شراب اور سود وغیرہ۔ اگرچہ مشرکوں نے اپنی جہالت سے ان چیزوں کو اپنے اوپر حلال کر رکھا ہے۔ وہ یہودیوں پر سے ان کے بوجھ اور مشقت کے طوق اتار دے گا۔ وہ شریعت کو ان پر آسان اور ہلکا کر دے گا۔ پس جو لوگ اس امی نبی پر ایمان لائیں گے، اس کی تعظیم کریں گے، اس کے دشمنوں کے مقابلے پر اس کی مدد کریں گے اور اس نورِ ہدایت یعنی قرآن کریم کی پیروی کریں گے جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، تو وہی لوگ کامیاب اور فلاح پانے والے ہیں۔ اخیر زمانے میں دین و دنیا کی بھلائی انہی لوگوں کو ملے گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۳۴ - ۱۴۲ / ۳)

بعثتِ عام

۱۵۸۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ سو تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں بنی اسرائیل کی اس جاہلانہ درخواست کو بیان کیا گیا جو انہوں نے بت پرستوں کو دیکھ کر اپنے لئے بھی ایک مجسم معبود تجویز کرنے کے لئے حضرت موسیٰ سے کی تھی۔

پھر حضرت موسیٰ کا کوہِ طور پر جانا اور ان کا دیدارِ الٰہی کی درخواست کرنا مذکور تھا۔ اس کے بعد ان کی گؤ سالہ پرستی اور حضرت موسیٰ کا ستر منتخب آدمیوں کو کوہِ طور پر لے جانا اور اللہ کا کلام سننا بیان کیا گیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ذکر تھا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی آخر الزماں کی بعثت عام ہوگی اور آپؐ قیامت تک تمام عالم کے لئے نبی اور رسول ہوں گے۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں میں اعلان فرما دیجئے کہ میں سب عرب و عجم اور دنیا جہان کے لوگوں کے لئے قیامت تک اللہ کا رسول ہوں، جس کی بادشاہت تمام آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہی ہر شئے کا خالق و مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔

سابقہ انبیاء خاص اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم اور قبیلہ اور زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ نبوت آپؐ پر ختم ہو گئی اور آپ قیامت تک ساری دنیا کے پیغمبر ہیں۔ اب نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ کوئی شریعت۔ آپؐ اللہ کے سچے رسول ہیں، آپؐ کی اطاعت سب پر لازم ہے۔ پس اہل کتاب میں سے جو شخص اس رحمت خاصہ میں شامل ہونا چاہے، جس کی حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی، تو اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا چاہئے۔ آپ کی اتباع کے بغیر کوئی ہدایت و فلاح نہیں پا سکتا۔

حق پرست جماعت

۱۵۹۔ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○

اور (حضرت) موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو حق کی راہ بتاتا ہے اور حق ہی سے انصاف کرتا ہے۔

تشریح: گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی کجروی، کج بحثی اور گمراہی کا بیان تھا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ بنی اسرائیل کی پوری قوم گمراہ اور بھٹکی ہوئی نہیں بلکہ ان میں اچھے لوگ بھی ہیں، جو حق کی اتباع کرتے ہیں اور حق کو سامنے رکھ کر عدل و انصاف سے فیصلے کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے توریت و انجیل کے زمانے میں ان پر پوری طرح عمل کیا

پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو توریت و انجیل کی بشارت کے مطابق آپؐ پر ایمان لائے اور آپ کی اتباع کی اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا وہ اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں ۔ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کی اس حق پرست جماعت کا ذکر کئی جگہ آیا ہے ۔ چنانچہ ارشاد ہے:

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ○ (آل عمران آیت ۱۱۳)

اہل کتاب میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہے جو حق پر قائم ہے ۔ وہ رات بھر اللہ کی آیتوں کو تلاوت کرتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○

(القصص آیت ۵۲)

وہ لوگ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کتاب (توریت و انجیل) دی گئی تھی، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں ۔

(ابن کثیر ۲۵۶ / ۲، معارف القرآن ۹۳ / ۴)

بنی اسرائیل کے بارہ خاندان

۱۶۰۔ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِاسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے الگ الگ کر دیئے اور جب (حضرت) موسیٰ کی قوم نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے (حضرت) موسیٰ کو وحی کی کہ اپنا عصا پتھر پر مارو ۔ سو (عصا پتھر پر مارنے سے) بارہ چشمے پھوٹ نکلے ۔ ہر گروہ

نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے ان پر بادل کا سایہ کیا اور ان پر من و سلویٰ اتارا (اور ان کو اجازت دی کہ) ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور انہوں نے ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔

اَسْبَاطًا: قبیلے۔ خاندان۔ یہاں یہودیوں کے بارہ قبیلے مراد ہیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے اور بنی اسرائیل کہلائے۔

فَانْبَجَسَتْ: پس وہ پھوٹ نکلی۔ اِنْبِجَاسٌ سے ماضی

عَيْنًا: آنکھ، چشمہ۔

الْغَمَامَ: بادل۔ سفید ابر۔ واحد غَمَامَۃٌ۔

الْمَنَّ: ترنجبین۔ شبنم۔ اوس۔

السَّلْوٰی: بٹیر کے مشابہ ایک پرندہ۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں میں تقسیم کر کے ان کی بارہ جماعتیں بنا دیں۔ پھر جب وادیٔ تیہ میں بنی اسرائیل کو پیاس لگی تو انہوں نے حضرت موسیٰ سے پانی طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو وحی کے ذریعہ ایک پتھر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا جس سے بنی اسرائیل کے بارہ خاندانوں کے لئے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر خاندان نے اپنے لئے ایک چشمہ مخصوص کر لیا۔

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام ہے۔ یہ لوگ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں مصر آئے تھے اور یہیں رہنے لگے تھے۔ فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا اصل وطن شام، جس پر ان کے بعد عمالقہ کا قبضہ ہو گیا تھا، ان سے آزاد کرانے کا حکم دیا۔ چنانچہ یہ لوگ اپنا ملک آزاد کرانے کے ارادے سے روانہ ہو گئے۔ مگر شام کی حدود میں پہنچ کر جب ان کو عمالقہ کی قوت کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے ہمت ہار دی اور جہاد سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی سزا یہ دی کہ یہ لوگ چالیس برس تک وادیٔ تیہ میں حیران و پریشان پھرتے رہے۔

وادیٔ تیہ ایک کھلا میدان تھا جہاں نہ کوئی سردی گرمی کا بچاؤ تھا اور نہ کھانے پینے کا سامان۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا سے معجزے کے طور پر اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا۔ چنانچہ جب پانی کی ضرورت پیش آئی تو پتھر سے بارہ چشمے نکال دیئے

جیسا کہ ابھی اوپر بیان ہوا، دھوپ سے بچاؤ کے لئے ابر کا سایہ کردیا اور بھوک کے لئے منّ و سلویٰ نازل فرمادیا اور حکم دیا کہ جس قدر کھاسکو اتنا ہی منّ و سلویٰ لے لیا کرو۔ مگر انہوں نے اس حکم کی بھی خلاف ورزی کی۔ آخر وہ نعمت بند ہو گئی۔ غرض بنی اسرائیل نے ناشکری کر کے اپنا ہی نقصان کیا، کیونکہ ناشکری کے سبب آخرت میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہوئے اور دنیا میں اپنا رزق کھویا جو بلا مشقت اور بلا حساب اُخروی ان کو ملتا تھا۔

نافرمانی کی سزا

۱۶۱، ۱۶۲۔ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ۝

اور جب ان (بنی اسرائیل) کو کہا گیا کہ اس آبادی میں جا کر رہو اور اس میں جہاں سے چاہو کھاؤ اور حِطَّۃٌ (ہمیں بخش دے) کہتے جاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا، تو ہم تمہارے سب گناہ معاف کر دیں گے۔ نیکی کرنے والوں کو ہم عنقریب اور زیادہ دیں گے۔ سو ان ظالموں نے اس کلمہ کو جو ان سے کہا گیا تھا دوسرے کلمہ سے بدل دیا۔ سو ہم نے بھی ان کو ظلم کے سبب ان پر آسمان سے عذاب بھیج دیا۔

تشریح: پھر جب وادیٔ تیہ میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا انتقال ہو گیا اور حضرت یوشعؑ پیغمبر ہو گئے تو وہ بنی اسرائیل کے باقی ماندہ نوجوانوں کو لے کر وادیٔ تیہ سے نکلے اور عمالقہ سے جہاد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح دی اور حکم دیا کہ تعظیم کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے اور زبان سے لفظ حِطَّۃٌ کہتے ہوئے اس بستی میں داخل ہو جاؤ۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا اور تمہارے حق میں اپنی نعمت زیادہ کر دے گا۔

بنی اسرائیل کو ثواب و مغفرت کی بجائے گیہوں وغیرہ کی زیادہ خواہش تھی، اس لئے

انہوں نے بستی میں داخل ہوتے وقت حِطَّۃٌ کی بجائے حِنْطَۃٌ کہنا شروع کر دیا۔ پس اس جرم کی سزا میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمادیا، جس سے ان میں طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی اور ان کے بہت سے آدمی ہلاک ہوگئے۔ ان واقعات کی مزید تفصیلات سورہ بقرہ کی آیات ۵۷۔۶۰ کے ذیل میں ملاحظہ فرمالیں۔

اصحابِ سبت کا واقعہ

۱۶۳۔ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ○

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان (یہود) سے اس بستی کے بارے میں تو پوچھئے جو سمندر کے کنارے آباد تھی جبکہ وہ ہفتے کے (دن) کے بارے میں حد سے بڑھنے لگے، جبکہ ہفتہ کے دن مچھلیاں ان کے پاس پانی (کی سطح) کے اوپر آنے لگیں اور جب ہفتہ (کا دن) نہ ہوتا (مچھلیاں پانی کی سطح پر) نہ آتیں۔ ان کی نافرمانی کے سبب ہم اسی طرح ان کو آزمانے لگے۔

حَاضِرَةَ: روبرو۔ دست بدست۔ لگا ہوا

السَّبْتِ: سنیچر کا دن، ہفتہ کا دن۔

حِيتَانُهُمْ: ان کی مچھلیاں۔ واحد حُوْتٌ۔

شُرَّعًا: پانی کی سطح کے قریب تیرتی ہوئی (مچھلیاں)۔ پانی کے اوپر ظاہر ہونے والی شَرْعٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس آیت میں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا کفرانِ نعمت اور ان کی سرکشی کے واقعہ کا بیان ہے۔ یہود بھی اس سے بخوبی واقف ہیں۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ احکامِ خداوندی سے جان بوجھ کر انحراف کرنا یہود کی فطری اور پرانی خصلت ہے جس کی سزا ان کو ملتی رہی۔ اسی لئے ان کو انسانی صورت سے حیوانی صورت میں مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا جو انتہائی ذلت اور عبرت ناک

سزا ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۸ / ۳)

یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سینکڑوں برس بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بحر قلزم کے کنارے واقع ایلہ نامی شہر میں بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آیا۔ ہفتہ کا دن بنی اسرائیل کے لئے نہایت محترم اور عبادت کے لئے مقرر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے روز ان پر مچھلی کا شکار حرام فرما دیا تھا مگر چونکہ یہ لوگ نافرمانی کے عادی تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے لئے ان کی اس طرح آزمائش کی کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں دریا کی سطح پر اس کثرت سے جمع ہوتیں کہ دریا کا پانی بھی دکھائی نہ دیتا۔ باقی دنوں میں مچھلیاں بالکل دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ یہ لوگ مچھلی کے شوقین تھے، اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی ظاہری صورت برقرار رکھتے ہوئے یہ تدبیر اختیار کی کہ وہ ہفتے کے دن دریا کے قریب گڑھے کھود کر دریا کا پانی ان میں چھوڑ دیتے تھے۔ پانی کے ساتھ مچھلیاں بھی بڑی مقدار میں گڑھوں میں جمع ہو جاتی تھیں۔ جب گڑھے پانی سے بھر جاتے تو گڑھوں میں پانی آنے کا راستہ بند کر دیتے۔ پھر اگلے روز ان گڑھوں سے مچھلیاں نکال لیتے تاکہ ہفتے کے دن شکار کرنا ان پر صادق نہ آئے۔ گویا اس طرح معاذ اللہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔

نافرمانوں کو بندر بنا دینا

۱۶۴۔۱۶۶۔ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۨاللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَىِٕيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۝

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنا چاہتا ہے یا ان کو سخت عذاب دینا چاہتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لئے اور شاید

وہ ڈر بھی جائیں۔ پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچالیا جو برائی سے منع کرتے تھے اور ہم نے ظالموں کو ان کی نافرمانی کے سبب سخت عذاب میں مبتلا کر دیا۔ پھر جب وہ اس چیز میں حد سے بڑھ گئے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا تو ہم نے ان کو حکم دیا کہ ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔

مَعْذِرَةً: عذر پیش کرنا۔ اسم بھی ہے اور مصدر میمی بھی۔

بَئِيْسٍ: سخت برا۔ بَأْسٌ و بُؤْسٌ سے صفت مشبہ۔

عَتَوْا: انہوں نے سرکشی کی۔ انہوں نے نافرمانی کی۔ عُتُوٌّ سے ماضی۔

قِرَدَةً: بندر۔ لنگور۔

خٰسِئِيْنَ: ذلیل کئے ہوئے۔ خوار کئے ہوئے۔ خَسْأٌ سے اسم فاعل بمعنی مفعول۔

تشریح: یہود پر ہفتے کے دن مچھلی کا شکار کرنا منع تھا۔ اس وقت ان میں تین قسم کے لوگ تھے:

(۱) وہ جو ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنے کا حیلہ اختیار کر کے نافرمانی کرتے تھے۔

(۲) جو اس بارے میں بالکل خاموش رہے۔ انہوں نے نہ تو خود نافرمانی کی اور نہ دوسروں کو اس سے منع کیا۔

(۳) جو خود بھی نافرمانی سے بچتے رہے اور دوسروں کو بھی نافرمانی سے منع کرتے تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے شکار کرنے والوں سے ملنا جلنا بھی ترک کر دیا اور بستی کے درمیان ایک دیوار تعمیر کر لی۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عذاب میں گرفتار ہونے والوں اور عذابِ الٰہی سے نجات پانے والوں کا حال بیان فرمایا ہے۔ مگر جو لوگ شروع سے آخر تک خاموش رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکر سے سکوت فرمایا۔ نہ ان کے عذاب کا ذکر کیا اور نہ نجات کا۔ اس لئے کہ جزا عمل کے مطابق ہوتی ہے۔ انہوں نے نہ تو نجات کا کام کیا اور نہ عذاب کا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے میں سکوت فرمایا۔ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ جن لوگوں کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے سکوت فرمایا ان کے بارے میں قیاس آرائی نہ کی جائے۔

یہود پر ہفتے کی دن کی تعظیم فرض تھی، اس دن ان پر مچھلی کا شکار حرام تھا اور دنیاوی

کاموں میں مشغولیت بھی ممنوع تھی، مگر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مسلسل خلاف ورزی کرتے ہوئے حیلوں بہانوں سے ہفتے کے دن مچھلی کا شکار جاری رکھا اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حرمت کو پامال کر دیا۔ اس وقت بنی اسرائیل میں سے ان لوگوں نے جو نہ تو خود شکار کرتے تھے اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتے تھے، شکار سے منع کرنے والے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم ان لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جو تمہاری نصیحت کا کوئی اثر نہیں لیتے اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہلاک و برباد کرنے والا ہے۔ اگر یہ سب کے سب ہلاک نہ ہوئے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب ضرور دے گا۔ ایسے لوگوں کو نصیحت کرنے سے کیا فائدہ۔ اس کے جواب میں منع کرنے والے لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے نیکی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا ہم پر فرض کیا ہے۔ اسی لئے ہم ان کو نصیحت کرتے ہیں کہ شاید وہ کسی وقت ہماری نصیحت کا اثر قبول کرتے ہوئے اپنی نافرمانی سے باز آجائیں اور توبہ کرلیں۔

پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو بھلا دیا جو ان کو کی گئی تھی اور وہ سرکشی میں حد سے بڑھ گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو ان کو برائی سے روکتے تھے اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے ظالموں کو ان کی نافرمانی کے سبب سخت عذاب میں پکڑ لیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے ان کو بندر بنا دیا۔ پھر تین دن بعد وہ سب مر گئے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۹-۱۵۱/ ۳، ابن کثیر ۲۵۷-۲۵۸/ ۲)

یہود کی دائمی ذلت

۱۶۷۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۚۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تیرے رب نے (بنی اسرائیل کو) خبر دی تھی کہ وہ ان پر قیامت تک ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو سخت تکلیف پہنچاتے رہیں گے۔ (محکوم رکھیں گے)۔ بیشک آپ کا رب جلد عذاب دیتا ہے اور بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) نہایت مہربان بھی ہے۔

لَيَبْعَثَنَّ: البتہ وہ ضرور بھیجے گا۔ البتہ وہ ضرور مسلط کرے گا۔ بَعْثٌ سے مضارع۔
يَسُوْمُهُمْ: وہ ان کو ستاتا ہے۔ وہ ان کو تکلیف دیتا ہے۔ سَوْمٌ سے مضارع۔
سُوْءَ: برائی۔ گناہ۔ آفت۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں اب بھی بعض لوگ خدا پرست اور انصاف دوست ہیں جو لوگوں کو راہِ راست کی ہدایت کرتے ہیں، جیسے عبد اللہ بن سلام وغیرہ۔ ایسے حق پرست لوگ ہی اس رحمتِ خاصہ میں داخل ہیں، جس کی حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی۔ انہی اہلِ کتاب میں ظالم و سرکش بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے انعامات کے باوجود سرکشی میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے آباؤ اجداد کی سرکشی اور کفرانِ نعمت کا بیان ہے کہ احکامِ خداوندی سے جان بوجھ کر انحراف کرنا بنی اسرائیل کی جبلی اور آبائی خصلت ہے، جس کی ان کو ہمیشہ سزا ملتی رہی۔ اسی لئے ان کی صورتیں مسخ کر کے بندر بنا دیا گیا، جو انتہائی ذلت اور عبرتناک سزا ہے۔ اس آیت میں یہود کی دائمی ذلت کا بیان ہے کہ قیامت تک ان پر دوسرے لوگ مسلط رہیں گے اور ان کی کہیں حکومت نہ ہوگی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ بنی اسرائیل کے بارے میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم احکامِ الٰہی کی مخالفت اور گناہ کا ارتکاب کرو گے اور سرکشی میں مبتلا رہو گے تو قیامت تک تمہیں ذلت و حقارت کا عذاب ملتا رہے گا، دوسرے لوگ تم پر مسلط ہوتے رہیں گے اور تمہاری کہیں حکومت نہ ہوگی اور تم ہمیشہ دوسروں کے زیرِ اثر اور مغلوب رہو گے۔

چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد سے آج تک ان پر دشمن کا تسلط ہے۔ کبھی یونانی، کشدانیوں اور کلدانیوں نے ان کو غلام بنایا، کبھی نصرانیوں کے زیرِ تسلط رہے اور ان کو جزیہ و خراج دیتے رہے۔ اسلام آیا تو اللہ کے نبی نے ان پر غلبہ رکھا۔ وہ ذمی تھے اور جزیہ دیتے تھے۔ تقریباً چودہ سو سال تک وہ مسلمان حکومتوں کے باجگزار رہے۔ اب تقریباً ۴۴ سال سے جو اسرائیل کے نام سے حکومت قائم ہے وہ یہودیوں کی حکومت نہیں ہے بلکہ حقیقت میں وہ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کی چھاؤنی ہے اور اس چھوٹے سے علاقے کے یہودی امریکہ اور مغربی ممالک کے سہارے سے زندہ ہیں اور امریکی حکومت کے غلام ہیں۔ وقتاً فوقتاً ان پر قہرِ الٰہی نازل ہوتا رہتا ہے اور لوگوں کے ہاتھوں ان کو سخت اذیتیں ملتی رہتی ہیں۔ آخر کار وہ دجال کے مددگار بن کر نکلیں گے اور مسلمان ان کو قتل کر دیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے قتل میں مسلمانوں

کا ساتھ دیں گے ۔ یہ سب قربِ قیامت میں ہو گا ۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کافروں سے جلد بدلہ لینے والا ہے ۔ وہ دنیا میں کافروں پر عذاب نازل کرتا ہے اور اہل ایمان کو اپنی مغفرت و رحمت سے نوازتا ہے ۔

(حقانی ۴۳۴ / ۴، ابن کثیر ۲۵۹ / ۲)

بنی اسرائیل کی گروہ در گروہ تقسیم

۱۶۸۔ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ز وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اور دنیا میں ہم نے بنی اسرائیل کو متفرق جماعتوں میں تقسیم کر کے بکھیر دیا ۔ ان میں سے بعض تو نیک تھے اور بعض دوسری طرح کے بھی تھے اور ہم نے ان کو نعمتوں اور سختیوں سے آزمایا تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں ۔

تشریح : یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گروہ در گروہ کر کے دنیا میں پھیلا دیا ۔ اس سے ان کی طاقت ایسی منتشر ہوئی کہ آئندہ کبھی ان میں آپس میں اتفاق نہ ہو گا اور نہ ان کو اجتماعی قوت حاصل ہو گی ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۔ (بنی اسرائیل آیت ۱۰۴)

اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم زمین پر سکونت پذیر رہو ۔ جب آخرت کا دن آئے گا تو ہم تم سب کو جمع کر لیں گے ۔

پھر فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سب لوگ برابر نہ تھے ۔ ان میں اچھے لوگ بھی تھے اور برے بھی ۔ مگر ان کی اکثریت منکروں اور بدکاروں کی تھی ۔ ہم نے ان کو راحت و آرام اور خوف و مصیبت کا زمانہ دے کر دونوں طرح آزمایا تاکہ وہ عبرت و نصیحت حاصل کر کے برے کاموں سے باز آجائیں ۔

ناخلف جانشین

۱۶۹، ۱۷۰۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ
عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ
مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ
لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ
الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ
الْمُصْلِحِيْنَ ۝

پھر ان کے بعد ایسے ناخلف کتاب کے وارث ہوئے جو اس خسیس دنیا کا مال و متاع (ناجائز طور پر) لے لیتے اور کہتے کہ ہمیں معاف ہو جائے گا اور اگر ان کے پاس ویسا ہی مال و متاع اور آجائے تو اس کو بھی لے لیں۔ کیا کتاب میں ان سے یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سچ بات کے سوا اور کچھ نہ کہیں گے اور جو کچھ اس کتاب میں تھا اس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا۔ اور پرہیز گاروں کے لئے آخرت کا گھر بہتر ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور نماز کو قائم رکھتے ہیں تو ہم بھی نیکوں کا ثواب ضائع نہیں کرتے۔

عَرَضَ: مال و متاع۔ سامان۔ جمع عُرُوْضٌ

مِّيْثَاقُ: عہد۔ پیمان۔ وَثَاقَةٌ سے اسم آلہ۔ جمع مَوَاثِيْقُ۔

دَرَسُوْا: انہوں نے پڑھا۔ دَرْسٌ سے ماضی۔

يُمَسِّكُوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ تھامتے ہیں۔ وہ پکڑتے ہیں۔ تَمْسِيْكٌ سے مضارع۔

تشریح: ایک زمانے میں بنی اسرائیل میں اچھے اور برے سب طرح کے لوگ تھے۔ پھر ان لوگوں کے بعد ان کے جانشین ایسے ناخلف لوگ بنے کہ وہ توریت کا وارث بننے کے باوجود تھوڑے سے دنیاوی فائدے اور اس کی شان و شوکت کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اپنے دل کو یہ کہہ کر بہلا لیتے ہیں کہ پھر توبہ کر لیں گے، اس کے بعد جب دوبارہ دنیا سمیٹنے کی کوئی صورت پیدا

ہوئی پھر حسب سابق دنیا کے بدلے دین کو بیچ دیا، آیتوں میں تحریف کر دی، غلط مسئلہ اور غلط حکم بتا دیا، دنیاوی فائدے کے لئے نہ حلال کو دیکھا اور نہ حرام کو۔ بس فائدہ حاصل کر لیا اور پھر توبہ کرنے بیٹھ گئے۔ پھر دنیا کا کوئی فائدہ سامنے آیا تو پھر ان کے قدم ڈگمگا گئے۔ یہ بڑے ناخلف لوگ تھے۔ انبیاء کے بعد یہی لوگ توریت و انجیل کے وارث تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سے عہد بھی لیا تھا کہ حق بات کے سوا کوئی دوسری بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا، لوگوں کو حق بات کی تلقین کرنا اور حق کو چھپانا نہیں، لیکن انہوں نے اس حکم کو پسِ پشت ڈال دیا۔ وہ بخشش کی آرزو تو رکھتے ہیں مگر گناہوں کو نہیں چھوڑتے اور نہ توبہ پر قائم رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں کے لئے تو آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔ پھر تم دنیا پر کیوں فریفتہ ہو۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے۔

پھر فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ اب بھی کتاب اللہ کو تھامے ہوئے ہیں، اس کے اوامر و نہی پر عمل کرتے ہیں، گناہوں سے باز رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم ان کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ (ابن کثیر ۲۶۰/ ۲)

پہاڑ کا معلق ہونا

۱۷۱۔ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے اوپر سائبان کی طرح معلق کر دیا اور وہ ڈرے کہ وہ ان پر گر پڑے گا (تو ہم نے ان سے کہا کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو، تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔

نَتَقْنَا: ہم نے بلند کیا۔ ہم نے معلق کر دیا۔ نَتْقٌ سے ماضی۔

ظُلَّةٌ: ابر۔ عذاب کا بادل۔

وَاقِعٌ: واقع ہونے والا۔ کرنے والا۔ وُقُوْعٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمائی تو انہوں نے بنی اسرائیل کو فریضہ۔ تبلیغ سے متعلق اللہ کا حکم سنایا اور انہیں توریت کو قبول کرنے اور اس کے

احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ بنی اسرائیل کو یہ بات گراں گزری۔ چنانچہ انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اس کتاب میں دئے ہوئے احکام سخت اور دشوار ہیں اس لئے ہم سے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ اس پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوہِ طور کے ایک حصے کو اٹھا کر سائبان کی طرح ان کے سروں پر معلق کر دیا۔ پھر ان سے کہا گیا کہ یہ اللہ کی وحی اور اس کے احکام ہیں۔ اس میں حلال و حرام اور امر و نہی کا ذکر ہے۔ پس تم اس کو قبول کر لو۔ اگر تم توریت اور اس کے احکام کو نہیں مانو گے تو یہ پہاڑ تمہارے سروں پر گرا دیا جائے گا۔ جب انہیں یقین ہو گیا کہ پہاڑ اب ان پر گر ہی جائے گا، تب انہوں نے مجبوراً توریت اور اس کے احکام کو قبول کیا۔

(ابن کثیر ۲۶۰۔۲۶۱ / ۲)

عہدِ الست

۱۷۲۔ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اور جب تیرے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی اولاد کو نکالا اور انہی کو ان پر گواہ بنا کر (یہ کہا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا، ہاں، ہم گواہ ہیں۔ یہ گواہی اس لئے لی تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہو کہ تمہیں تو اس کی خبر نہ تھی، یا یہ کہنے لگو کہ ہمارے باپ دادا نے تو ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کے بعد ان کی نسل میں ہوئے۔ (اے خدا) کیا تو ہمیں اس فعل پر ہلاک کرتا ہے جو بیہودہ لوگوں نے کیا۔ اور ہم آیتوں کو اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ باز آجائیں۔

ظُهُوْرِهِمْ: ان کی پیٹھیں۔ ان کی پشتیں۔ واحد ظَہْرٌ۔

اَلَسْتُ: کیا میں نہیں ہوں۔
ذُرِّیَّۃٌ: اولاد۔ جمع ذَرَارِیٌّ
اَلْمُبْطِلُوْنَ: اہلِ باطل۔ جھوٹ کہنے والے، اِبْطَالٌ سے اسم فاعل۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کا ذکر فرمایا تھا جو بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اور جس کی خلاف ورزی پر وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوئے۔ ان آیتوں میں اس عہد کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم سے عالمِ ارواح میں لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اولادِ آدم کو جو قیامت تک پیدا ہونے والی ہے، حضرت آدم کی پشت سے نکالا اور ان کو عقل اور بولنے کی قوت دے کر پوچھا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں۔ سب نے کہا کہ بیشک آپ ہمارے پروردگار ہیں۔

تشریح: جمہور مفسرین اہل سنت نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا کہ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی تمام ذریت (اولاد) سے لیا جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے تمام اولادِ آدم کو نکالا جو چیونٹیوں کی طرح نکل پڑے۔ پھر ان کو عقل و گویائی عطا کر کے کہا کہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ؕ (کیا میں تمہارا خدا نہیں ہوں؟) سب نے کہا، کیوں نہیں۔ بیشک تو ہمارا پروردگار ہے۔ ہم اس بات پر گواہ ہیں اور اقرار کرتے ہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی رب نہیں۔ چونکہ یہ عہد عالمِ ارواح میں لیا گیا تھا، دنیا میں آنے کے بعد عرصہ دراز گزر جانے کے باعث اکثر لوگ اس سے غافل ہو گئے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس عہد کی یاد دہانی کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ قیامت کے روز لوگ اپنی غفلت و بھول کا عذر نہ کر سکیں۔ یا یہ کہنے لگیں کہ شرک و بت پرستی تو ہم سے پہلے ہمارے بڑوں نے اختیار کی تھی۔ ہم تو ان کی اولاد تھے اور ان کے بعد پیدا ہوئے۔ صحیح و غلط اور اچھے یا برے کو نہیں جانتے تھے۔ اس لئے جو کچھ بڑوں کو کرتے ہوئے دیکھا ہم نے بھی اسی کو اختیار کر لیا۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ تو رب العالمین ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں۔ پس کیا تو ہمیں دوزخ میں ڈال کر بڑوں کے اس جرم کی سزا دے گا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دوسروں کے فعل کی سزا نہیں بلکہ یہ تو تمہاری غفلت کی سزا ہے میں نے پیغمبروں کے ذریعہ تمہیں یہ عہد یاد دلادیا تھا۔ نیز اس ازلی اقرار سے انسان کے اندر ایسی بصیرت و صلاحیت پیدا ہو گئی تھی کہ اگر تم ذرا بھی غور و فکر سے کام لیتے تو یہ سمجھنا کچھ مشکل نہ تھا کہ پتھر کے جن بتوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے یا آگ، پانی، درخت یا انسان، ان میں سے

کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس کو کوئی انسان اپنا رب اور پروردگار کہہ سکے۔

جس طرح ہم نے عہد الست کو بیان کیا اسی طرح کھول کھول کر ہم اپنی ربوبیت اور الوہیت کی نشانیاں بیان کرتے ہیں تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کریں اور کفر و شرک چھوڑ کر اپنی فطرت کی طرف لوٹ جائیں۔ (حقانی ۴۳۵ / ۲، روح المعانی ۱۰۰۔ ۱۰۳ / ۹)

خواہشِ نفس کی پیروی کا انجام

۱۷۵۔۱۷۷۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○

اور آپ ان کو اس شخص کا حال بھی سنا دیجئے جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا تو اس کے پیچھے شیطان لگ گیا۔ پھر وہ گمراہوں میں سے ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی برکت سے اس کا مرتبہ بلند کر دیتے۔ لیکن وہ تو خود پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا، تو اس کی مثال کتے کی مثال کی مانند ہو گئی۔ اگر تم اس پر سختی کرو تب بھی ہانپے یا اس کو چھوڑ دو تب بھی ہانپے۔ یہی حال ان لوگوں (اہلِ مکہ) کا ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پس آپ یہ حالات ان سے بیان کرتے رہئے تاکہ یہ لوگ غور و فکر کریں۔ کیسی بری مثال ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

نَبَاَ: خبر۔ اطلاع۔ واقعہ۔ اسم ہے۔ جمع اَنْبَآءٌ۔ نبا ایسی خبر کو کہتے ہیں جو اہمیت و عظمت والی ہونے کے ساتھ ساتھ ایسے ذرائع سے حاصل ہوئی ہو جن سے اس

کی صحت کا یقین ہو جائے یا کم از کم گمان غالب ہو جائے۔

فَانْسَلَخَ: پس وہ نکل گیا۔ پس وہ گزر گیا۔ اِنْسِلَاخٌ سے ماضی۔

یَلْهَثْ: وہ زبان باہر نکالتا ہے۔ وہ ہانپتا ہے۔ وہ سخت پیاسا ہوتا ہے۔ لَهْثٌ سے مضارع۔

اَلْكَلْبِ: کتا۔ بھونکنے والا جانور۔

سَآءَ: وہ برا ہے۔ سُوْءٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباسؓ، محمد بن اسحاقؒ، سدیؒ وغیرہ نے ان آیتوں کا شان نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عمالقہ سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا اور شام کے علاقہ، کنعان میں جاکر قیام کیا تو کنعان کے کچھ آدمی بلعم کے پاس گئے، جو ایک عالم اور صاحبِ تصرف درویش تھا اور اس کی دعاء قبول ہوتی تھی۔ انہوں نے بلعم سے کہا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت مزاج آدمی ہیں، ان کے پاس لشکر بھی بہت ہے، وہ اپنی قوم کو لے کر ہمارے ملک میں آگئے ہیں تاکہ ہمیں ہمارے ملک سے نکال دیں اور ہماری جگہ بنی اسرائیل کو آباد کر دیں۔ ہم تمہاری قوم ہیں اور تمہاری دعا قبول ہوتی ہے، اس لئے تم ہمارے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ہماری طرف سے واپس کر دے۔ بلعم نے کہا کہ کمبختو! حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ فرشتے اور مومن ہیں میں ان کے لئے کیسے بددعاء کروں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اگر میں تمہارے کہنے کے مطابق کروں گا تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔ لوگ پھر بھی عاجزی کرتے رہے اور اس پر دباؤ ڈالتے رہے، آخر بلعم نے ان سے کہا کہ اچھا میں اپنے رب سے معلوم کر لوں کہ ایسی دعاء کرنے کی اجازت ہے یا نہیں۔

بلعم کی عادت یہ تھی کہ جب تک اس کو خواب میں اجازت نہیں مل جاتی تھی وہ دعا نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے خلاف بددعاء کرنے کے معاملے میں بھی اس نے استخارہ کیا، مگر خواب میں اس کو بددعاء نہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ بیدار ہونے کے بعد اس نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ مجھے استخارہ میں بددعاء کی ممانعت کر دی گئی ہے۔

بلعم کا جواب سن کر اس کی قوم نے اس کو کچھ تحفے اور ہدایہ پیش کئے جو اس نے قبول کر لئے۔ وہ ایک طرح کی رشوت تھی۔ اس کے بعد لوگوں نے پھر اس سے بددعاء کرنے کی

درخواست کی اور بلعم نے پہلے کی طرح جواب دیا کہ میں اپنے رب سے استخارہ کرلوں۔ چنانچہ اس نے استخارہ کیا مگر اس مرتبہ اس کو کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے قوم کو بتادیا کہ میں نے استخارہ کیا تھا مگر مجھے کوئی جواب نہیں ملا۔ قوم نے کہا کہ اگر تمہارا بددعا کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ پہلے کی طرح اس مرتبہ بھی ممانعت فرمادیتا۔ یہ لوگ عاجزی کرتے رہے اور برابر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ان کے بہکانے میں آگیا۔

چنانچہ بلعم ایک خچر پر سوار ہوکر کوہِ حسبان کی طرف گیا، تاکہ اس کے اوپر چڑھ کر بنی اسرائیل کے لشکر کا معائنہ کرے، مگر وہ پہاڑ پر کچھ دور تک چڑھا تھا کہ اس کا خچر بیٹھ گیا۔ اس نے نیچے اتر کر خچر کو مارا۔ خچر کھڑا ہوگیا تو بلعم پھر اس پر سوار ہوگیا مگر زیادہ دور نہیں چلا تھا کہ پھر بیٹھ گیا۔ بلعم نے پھر اسے مارا تو اللہ تعالیٰ نے خچر کو بات کرنے کی طاقت عطا فرمادی اور اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت تمام کرتے ہوئے کہا کہ کمبخت تو کہاں جارہا ہے؟ کیا تجھے میرے سامنے فرشتے نظر نہیں آتے، جو مجھے واپس جانے کو کہہ رہے ہیں؟ تو اللہ کے نبی اور مومنوں کے خلاف دعا کرنے جارہا ہے۔ لیکن وہ باز نہ آیا اور پھر خچر کو مارنے لگا۔ چنانچہ اس مرتبہ خچر اس کو لے کر اللہ کے حکم سے حسبان نامی پہاڑ پر چڑھ گیا، جہاں پہنچ کر وہ حضرت موسیٰ اور مومنوں کے لئے بددعا کرنے لگا۔

جب وہ بددعاء کے کلمات اپنی زبان سے نکالتا تو اس کی زبان پھر جاتی تھی اور بددعا کے کلمات اس کی قوم کے لئے ادا ہوتے۔ جب وہ دعاء کے کلمات اپنی قوم کے لئے کہتا تو اس وقت بنی اسرائیل کا لفظ زبان سے نکلتا۔ اس کی قوم والوں نے اس سے کہا کہ اے بلعم کیا تجھے معلوم ہے کہ تو کیا کہہ رہا ہے۔ تو بنی اسرائیل کے لئے دعاء اور ہمارے لئے بددعاء کر رہا ہے۔ بلعم نے جواب دیا کہ اس پر میرا کچھ اختیار نہیں، یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے کرادیا جاتا ہے۔ میں مجبور ہوں۔

بددعاء کرنے کے وبال میں اس کی زبان باہر نکل کر سینے پر لٹک گئی اور وہ اپنی قوم سے کہنے لگا کہ لوگو! میری دنیا و آخرت دونوں تباہ ہوگئیں۔ اب مجھے تمہارے لئے مکاری سے کام لینا پڑے گا، کیونکہ اب اس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا۔ لہذا اب تم اپنی عورتوں کو بنا سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو اور ان سے کہہ دو کہ وہ بنی اسرائیل کے مردوں کو اپنی طرف مائل کریں۔ اگر ان میں سے ایک شخص بھی زنا کا مرتکب ہوگیا تو تم ان کے مقابلے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ لوگوں نے اس کے مشورے کو مان لیا۔

جب اہل کنعان کی عورتیں، بن سنور کر بنی اسرائیل کے لشکر میں پہنچیں تو ایک کنعانی عورت جس کا نام کسبتی بنتِ صور تھا، ایک اسرائیلی سردار کی طرف سے گزری۔ اس سردار کا نام زمری بن شلوم تھا۔ جو شمعون بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم کا پوتا اور اپنی قوم کا سردار تھا۔ کسبتی کا باپ صور بھی اپنی قوم کا سردار تھا۔ زمری نے کسبتی کو پسند کر لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت موسیٰ کے سامنے لے گیا اور کہنے لگا کہ میرا خیال ہے کہ آپ یہی کہیں گے کہ یہ عورت تیرے لئے حرام ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ ہاں یہ تیرے لئے حرام ہے، تو اس کے قریب بھی نہ جانا۔ زمری کہنے لگا، خدا کی قسم اس معاملے میں، میں آپ کی بات نہ مانوں گا۔ پھر وہ عورت کو لے کر خیمے کے اندر چلا گیا اور اس سے قربت کی۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر فوراً طاعون مسلط کر دیا جو ساری قوم میں پھیل گیا۔

حضرت موسیٰ کی قوم کا سردار فنحاص بن عیزار بن ہارون اس وقت موجود نہ تھا، جب زمری نے زنا کیا۔ پھر جب اس کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ اپنا لوہے کا چھوٹا نیزہ اٹھا کر زمری کے خیمہ میں داخل ہو گیا جہاں وہ دونوں محو خواب تھے۔ فنحاص نوجوان اور قوی تھا۔ اس نے دونوں کو اپنے نیزے میں پرو کر اٹھایا۔ اسی حالت میں وہ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا کہ اے اللہ جو تیری نافرمانی کرتا ہے، ہم اس کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ اب تو طاعون کی بیماری ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و مہربانی سے بنی اسرائیل سے طاعون اٹھالیا۔ یہ آیت اسی بلعم کے بارے میں نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۸۳۔ ۴۸۴ / ۳، ابن کثیر ۲۶۶۔ ۲۶۷ / ۲)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ نصیحت و عبرت کے لئے آپ لوگوں کو اس شخص کا حال سنا دیجئے جس کو ہم نے اپنی آیات و احکام کا علم دیا تھا۔ پھر وہ ان آیات و احکام سے اس طرح باہر نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے باہر نکل آتا ہے۔ پھر شیطان نے اس کے پیچھے لگ کر اس کو قابو کر لیا اور اس کو بالکل گمراہ کر دیا۔ اب اس کی ہدایت کی کوئی توقع نہیں۔

پھر فرمایا کہ اگر وہ ان آیتوں اور احکام پر عمل کرتا تو ہم ان آیات و احکام کے ذریعہ اس کے مراتب بلند کر دیتے اور اس کو شیطان سے محفوظ فرما دیتے، مگر وہ ہماری آیات و احکام پر عمل کرنے کی بجائے دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرنے لگا۔ اس لئے وہ پستی میں جا گرا اور اس کی مثال کتے کی سی ہو گئی، جو دوڑنے میں بھی ہانپتا ہے اور بیٹھے ہوئے بھی ہانپتا

ہے ۔ یعنی وہ اضطراری حالت کے بغیر بھی گناہ کی طرف مائل ہے اور اضطراری حالت میں بھی ۔

ہماری آیتوں کو تکبر کی وجہ سے دیدہ و دانستہ جھٹلانے والوں کی بھی یہی مثال ہے ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد اہل مکہ ہیں جو یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ ان کے پاس کوئی رہبر و ہادی آئے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف بلائے اور ان کو اس کے صحیح طریقے سکھائے پھر جب وہ ہادی اور رہبر ایسی واضح اور کھلی نشانیوں کے ساتھ آگئے جن کی صداقت و حقانیت میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی تو وہ ان کی تکذیب کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی کرنے لگے ۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد بنی اسرائیل ہیں، جو بعثتِ نبوی سے پہلے آپؐ کی صفات و علامات توریت میں پڑھ کر آپؐ کی تشریف آوری کے منتظر تھے ۔ پھر جب آپؐ تشریف لے آئے تو سب سے زیادہ دشمنی اور مخالفت انہی لوگوں نے کی اور توریت کے احکام سے ایسے نکل گئے جیسے بلعم بن باعور نکل گیا تھا ۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ مثال تمام کفار اور معاندین و مکذبین پر صادق آتی ہے جو حق واضح ہو جانے کے بعد بھی احکام الٰہیہ چھوڑ کر کتے کی طرح دنیا کی حرص و طمع میں پڑے رہے ۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ ان لوگوں کو یہ واقعات سنا دیجئے تاکہ وہ غور و فکر کر کے راہِ راست پر آجائیں اور برے انجام سے ڈریں ۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کا برا حال ہے ۔ ہماری آیتوں کی تکذیب کر کے وہ اپنے ہی اوپر ظلم کر رہے ہیں کہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے اور آخرت میں بھی ان کے ساتھ برا معاملہ ہوگا ۔

(معارف القرآن ۱۲۱ ۔ ۱۲۲ / ۴)

ہدایت و گمراہی

۱۶۸۔ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

جس کو اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو وہی خسارے میں ہے ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جس کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت و رہنمائی کر دی وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کر دیا وہ خسارہ اور نقصان اٹھانے والا ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے اور بار بار بتایا گیا ہے کہ ہدایت و گمراہی، خیر و شر، اچھائی و برائی سب کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ صحیح اور غلط دونوں راستے بتادئے اور اس کو ایک خاص قسم کا اختیار بھی دے دیا ہے۔ اب اگر وہ چاہے تو اپنے اس اختیار کو استعمال کر کے صحیح اور سیدھا راستہ اختیار کر لے، جو اس کو ثواب اور جنت کا مستحق بنادے گا اور چاہے غلط راستہ اختیار کر لے، جو اس کو عذاب اور جہنم کا مستحق بنادے گا۔

آیت میں ہدایت پانے والے کے لئے صیغہ واحد لاکر اس طرح اشارہ کر دیا گیا کہ ہدایت کا راستہ صرف ایک ہی دینِ حق ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کا طریقہ رہا ہے۔ اس لئے حق کی پیروی کرنے والے خواہ کسی زمانے کے ہوں، کسی نبی کی امت ہوں اور کسی دین و مذہب سے متعلق ہوں، وہ سب ایک ہیں۔ اس کے برعکس گمراہی کے مختلف اور بے شمار راستے ہیں، اس لئے گمراہوں کو جمع کے صیغہ سے ذکر فرمایا۔

جہنم کا ایندھن

۱۷۹۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝

اور ہم نے بہت سے جن اور انسان جہنم ہی کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں مگر وہ سمجھ نہیں سکتے اور ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ دیکھ نہیں سکتے اور ان کے کان ہیں مگر وہ سن نہیں سکتے۔ یہ لوگ چوپایوں کے مانند ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ بے خبر ہیں۔

ذَرَاْنَا: ہم نے پیدا کیا۔ ہم نے پھیلا دیا۔ ذَرْءٌ سے ماضی۔

یَفْقَھُوْنَ: وہ سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ فِقْہٌ سے مضارع۔

اَنْعَام: مویشی۔ چوپائے۔

اَضَلُّ: بہت گمراہ، ضَلَالَۃٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس طرح ہم جنت کے رازق ہیں اسی طرح جہنم کے بھی رازق ہیں۔ اسی لئے ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو جہنم کے رزق کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہم مالک و خالقِ مطلق ہیں، جو چاہیں مقدر کریں۔ تقدیر کا کسی کو علم نہیں۔ بندہ کا فرض بندگی اور بلاچون وچرا اطاعت ہے۔ اس کو چاہیئے کہ جو حکم اس کو دیا جائے اس کو بجالائے۔

انسانوں اور جنوں کو دوزخ کا رزق بنانے کا سبب یہ ہے کہ ہم نے ان کو سمجھنے کے لئے دل، دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سننے کے لئے کان دئے ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو ان کو صحیح استعمال کر کے اور اپنے اختیار و قدرتِ خداداد کو کام میں لاکر صراط مستقیم پاسکتے ہیں اور نفع و نقصان کو سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ نہ تو وہ قلوب سے یہ بات سمجھتے ہیں کہ بت ان کے اپنے ہی ہاتھوں کے تراشے ہوئے ہیں اور قضاء و قدر میں یہ بت کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ عالم تغیرات اور اس میں گوناگو تصرفات تو دیکھتے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ کوئی قادر و مختار پس پردہ ان کو بلا جلا رہا ہے۔ دنیا کے عمدہ محلات اور عالی شان عمارتوں کے خرابات دیکھ کر بھی یہ نہیں سمجھتے کہ ایک روز ہمارے ساتھ بھی یہ معاملہ پیش آنا ہے اور ہمیں بھی یہاں سے چلے جانا ہے۔

اسی طرح وہ نہ تو آنکھوں سے صحیح چیزوں کو دیکھتے ہیں اور نہ کانوں سے حق سنتے ہیں۔ ایسے لوگ چوپایوں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ چوپایوں کو جس قدر قدرت عطا ہوئی ہے وہ اس کو صحیح موقع پر کام میں لاتے ہیں۔ یہی صفات ان کے دوزخی ہونے کا سبب ہیں اور یہی لوگ توجہ دلانے کے باوجود آخرت سے بالکل غافل ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص کا ٹھکانا مقرر ہو چکا، کسی کا دوزخ، کسی کا جنت۔ لوگوں نے عرض کیا کہ پھر لکھے ہوئے پر تکیہ کر کے کچھ نہ کیا کریں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کئے جاؤ۔ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا ہوا ہے اس سے ویسے ہی عمل آسانی سے سرزد ہوتے ہیں۔ اچھوں سے اچھے اور بروں سے برے (متفق علیہ)۔

(معارف القرآن ۱۲۶ / ۴، حقانی ۴۴۰ / ۲)

دعاء کا حکم

۱۸۰۔ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اور اچھے نام اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں، سو ان ناموں سے اسی کو پکارو۔ اور جو لوگ اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان کو چھوڑ دو۔ عنقریب وہ اپنے کئے کی سزا پالیں گے۔

وَذَرُوْا: اور تم چھوڑ دو۔ اور تم کنارہ کشی کرو۔ وَذْرٌ سے امر۔

يُلْحِدُوْنَ: وہ توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ حق سے پھرتے ہیں۔ اِلْحَادٌ سے مضارع۔

فَادْعُوْا: پس تم پکارو۔ پس تم دعاء کرو۔ دَعْوَةٌ سے امر۔ قرآن کریم میں یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: (۱) اللہ کا ذکر، اس کی حمد و ثنا اور تسبیح و تمجید کے ساتھ، (۲) حاجات و مشکلات کے وقت، اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت طلب کرنا اور مصائب و آفات سے نجات اور مشکلات کی آسانی کے لئے درخواست کرنا۔ یہاں دونوں معنی مراد ہیں۔ پس معنی یہ ہوئے کہ حمد و ثنا اور تسبیح کے لائق بھی صرف اسی کی ذات ہے اور مشکلات و مصائب سے نجات اور حاجت روائی بھی صرف اسی کے قبضہ میں ہے۔ اسی لئے حمد و ثنا بھی اسی کی کرو اور حاجت روائی و مشکل کشائی کے لئے بھی اسی کو پکارو۔ (معارف القرآن ۱۲۹ / ۴)

تشریح: غافلین کے ذکر کے بعد مومنین کو متنبہ فرمانے کے لئے اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ تم غفلت اختیار نہ کرنا، غفلت دور کرنے والی چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ پس تم اس کو اچھے ناموں اور اچھی صفات سے یاد کرو۔ اچھے ناموں سے مراد وہ نام ہیں جو صفاتِ کمال کے اعلیٰ درجے پر دلالت کرنے والے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کمال کا اعلیٰ درجہ جس سے اوپر کوئی اور درجہ نہ ہو وہ صرف خالق کائنات ہی کو حاصل ہے۔ اس کے سوا مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ مقام حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ ہر کامل سے دوسرا شخص اکمل اور ہر فاضل سے دوسرا شخص افضل ہو سکتا ہے جب یہ معلوم ہو گیا کہ اسماء حسنیٰ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے ساتھ خاص ہیں تو اس کو انہی اسماء حسنیٰ کے ساتھ پکارنا ضروری و لازم ہے۔

آیت کے اگلے جملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں تحریف و کجروی سے کام لیتے ہیں، آپ ایسے لوگوں سے قطع تعلق کر لیں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ بہت جلد ان کو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات میں کجروی کی سزا مل جائے گی۔ (معارف القرآن ۱۳۱۔ ۱۳۲ / ۴)

اسماء الٰہیہ میں الحاد و کجروی کی کئی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ان اسماء و صفات کا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں، غیر اللہ پر اطلاق کیا جائے، جیسا کہ مشرکین عرب غیر اللہ کو الٰہ اور معبود کہتے تھے یا کسی کو رزّاق، غفّار، قدّوس اور غنی وغیرہ کہنا۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے غیر مناسب اسماء و صفات کے ساتھ موسوم کرنا جو اس کی تعظیم و اجلال کے لائق نہیں، جیسے نصاریٰ اللہ تعالیٰ کو اب یعنی باپ کہتے ہیں۔ سوم اللہ تعالیٰ کو ایسے نام اور صفت سے پکارنا جو ادب کے خلاف ہو، جیسے یوں کہنا کہ اے محروم کرنے والے، اے بندوں کے خالق وغیرہ چہارم اللہ تعالیٰ کے لئے جو نام و صفات حدیث و شریعت سے ثابت نہیں، اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے ناموں کا اطلاق بھی کجروی میں داخل ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو یا کریم کہنا تو صحیح ہے مگر یا سخی کہنا صحیح نہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو عالم اور حکیم کہنا صحیح ہے مگر عاقل اور طبیب کہنا صحیح نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۶۸۔ ۱۶۹ / ۳)

امتِ محمدیہ کا امتیاز

۱۸۱۔ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ ۝

اور ہماری مخلوق میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو حق بات کی ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف کرتی ہے۔

تشریح: جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا ان میں سے ایک جماعت امتِ محمدیہ ایسی ہے جس نے ہر قسم کی افراط و تفریط اور کجروی سے علیحدہ ہو کر سچائی اور انصاف و اعتدال کا طریقہ اختیار کیا اور اسی کی وہ لوگوں کو دعوت دیتی ہے۔ اگر ان میں آپس میں کوئی تنازع پیدا ہو جائے تو وہ اپنے جھگڑوں اور غیروں کے معاملات کا فیصلہ عدل و انصاف کے ساتھ کرتی ہے۔

ابن جریرؒ نے اپنی سند کے ساتھ نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو

تلاوت کر کے ارشاد فرمایا کہ اس آیت میں جس امت کا ذکر ہے وہ میری امت ہے، جو اپنے تمام تنازعات کے فیصلے حق و انصاف کے ساتھ کریں گے اور لینے دینے کے تمام معاملات میں حق و انصاف کو سامنے رکھیں گے۔

حضرت موسیٰ کی امت میں بھی ایک گروہ ان صفات کا حامل تھا، جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسٰىٓ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ○

(الاعراف، آیت ۱۵۹)

اور (حضرت) موسیٰ کی قوم میں بھی ایک ایسی جماعت ہے جو حق بات کی ہدایت کرتی ہے اور اسی کے مطابق انصاف کرتی ہے۔

مگر امتِ محمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے ان صفات میں خصوصی امتیاز بخشا ہے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی کو حق کے تابع بنایا۔ جس جماعت کی قیادت و رہنمائی کی وہ بھی محض حق کے تقاضوں کے تحت کی اور باہمی تنازعات میں بھی ہمیشہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ صحابہ و تابعین کرام کی پوری تاریخ اس کی آئینہ دار ہے۔ جب سے امتِ محمدیہ نے ان صفات کو نظر انداز کرنا شروع کیا، اسی وقت سے اس کا تنزل و انحطاط شروع ہو گیا۔ (معارف القرآن ۱۳۵/ ۴)

ازلی جہنمیوں کا حال

۱۸۲۔ ۱۸۳۔ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ○

اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسا پکڑیں گے ان کو خبر بھی نہ ہوگی اور میں ان کو ڈھیل دوں گا۔ بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ : عنقریب ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے۔ عنقریب ہم ان کو بتدریج لے جائیں گے۔ اِسْتِدْرَاجٌ سے مضارع۔

حَيْثُ : جہاں۔ جس جگہ۔

اُمْلِيْ : میں ڈھیل دوں گا۔ اِمْلَاءٌ سے مضارع۔

کَیْدِیْ : میری تدبیر۔ میرا مکر۔ میری چالاکی۔
مَتِیْنٌ : مضبوط۔ قوی۔ محکم
تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ان ازلی جہنمیوں کا حال بیان فرمایا ہے جو دنیا میں اس کے معجزات کو جھٹلاتے ہیں اور فرمایا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ جو لوگ دنیا میں ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، ہم فوراً ان کا مواخذہ کریں اور نہ یہ کوئی معیار ہے کہ جس شخص پر دنیا میں مال، رزق اور صحت وغیرہ کے اعتبار سے تنگی و سختی ہے تو وہ جہنمی ہے اور عتابِ الٰہی میں گرفتار ہے اور جو خوشحال ہے وہ اللہ کے نزدیک محبوب ہے۔ بلکہ جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ہم ان کے کفر و گناہ اور تکذیب کے باوجود ان پر رزق کے دروازے کھول دیتے ہیں اور ان کو ہر قسم کی نعمتوں اور آسائش میں رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ عیش و عشرت میں مست اللہ کی سزا سے بے فکر ہو کر، جرائم کے ارتکاب پر زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں اور منعم حقیقی کو بالکل بھول جاتے ہیں تو ہم ان کو دفعتاً ایسی ناگہانی بلا میں گرفتار کر دیتے ہیں جس کی ان کو خبر بھی نہیں ہوتی یا جب ان کو موت آجاتی ہے تو ان کی ساری عیش و آسائش جاتی رہتی ہے اور وہ عذاب و ذلت میں جا پڑتے ہیں (حقانی ۲/۴۴۱)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا نَسُوْا مَاذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ○ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا○

(الانعام آیات ۴۴۔۴۵)

پھر جب وہ اس نصیحت کو بھول گئے جو ان کو کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دئے، یہاں تک کہ جب وہ ان چیزوں پر خوش ہو کر اترائے جو ان کو دی گئی تھیں، تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا۔ پس اس وقت وہ مایوس ہو کر رہ گئے۔ پھر ان ظالموں کی جڑیں کٹ گئیں۔

پس پہلے تو اللہ تعالیٰ گنہگاروں کو تھوڑا سا پکڑتا ہے۔ اگر اس وقت وہ گڑگڑا کر توبہ کر لیں تو بچ جاتے ہیں اور اگر وہ اللہ کی طرف رجوع نہ کریں تو پھر ان پر نعمتوں اور آسائشوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ پھر اگر وہ نعمتوں کی شکر گزاری اور انعام و احسان سے متاثر

ہونے کی بجائے خوب گناہوں میں غرق ہو جاتے ہیں تو دفعتاً بے خبری میں ان کو پکڑ لیا جاتا ہے۔

مکذبین کی گمراہی کا سبب

۱۸۴۔۱۸۶۔ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۔ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۔ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۔ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ○ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۔ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○

کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ان کا رفیق (پیغمبر) دیوانہ نہیں۔ وہ تو بس صاف صاف ڈرانے والے ہیں اور کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کی طرف نظر نہیں کی اور نہ اس طرف کہ شاید ان کی اجل قریب آپہنچی ہو۔ پھر اس (قرآن) کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔ جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کی گمراہی میں سرگرداں ہی چھوڑے رکھتا ہے۔

جِنَّةٍ: جنون۔ سودا۔ دیوانگی۔ جُنُوْنٌ سے اسم مصدر۔

مَلَكُوْتِ: اختیار کامل۔ حقیقی حکومت۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے لئے مخصوص ہے۔

اقْتَرَبَ: وہ قریب ہوا۔ وہ نزدیک ہوا۔ اِقْتِرَابٌ سے ماضی۔

حَدِيْثٍ: بات۔ خبر۔

تشریح: ان آیتوں میں آخرت سے غفلت اور گمراہی کا سبب بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے اسی لئے کبھی تو ان کو نبوت و رسالت کے بارے میں شبہات لاحق ہوتے ہیں اور کبھی وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اگر یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات و معجزات میں غور و فکر کر لیتے تو آپ کی نبوت و رسالت کے بارے میں ان کے تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے۔ اسی طرح اگر آسمان و زمین کی خلقت میں غور کر لیتے تو ان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہتا۔

ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ انہی لوگوں کے درمیان رہے۔ یہ لوگ آپؐ کے حال سے پوری طرح واقف ہیں۔ دنیاوی لذات سے کنارہ کشی اور ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہنا، دن رات لوگوں کو حکمت ودانائی کی باتیں بتانا اور ان کو وعظ و نصیحت کرنا اور آخرت کے عذاب سے خبردار کرنا، یہ سب کسی مجنون اور دیوانے سے سرزد نہیں ہو سکتیں۔ ان کی عقل و حکمت کے سامنے تو ساری دنیا کے عقلاء و حکماء حیران ہیں۔ ان کے بارے میں جنون کا گمان کرنا خود جنون ہے۔ حقیقت میں وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ تمہیں حق کی طرف بلاتے اور آخرت کے عذاب شدید سے خبردار کرتے ہیں۔ اگر تم ضد و عناد کو چھوڑ دو تو تم پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ یہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

کیا یہ لوگ چاند، سورج، ستاروں، پہاڑوں اور دریاؤں میں غور و فکر نہیں کرتے اور کیا دوسری مخلوقات اور قسم قسم کی چیزوں کو نہیں دیکھتے؟ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی نے تو پیدا کی ہیں۔ یہ سب خالق کے کمال قدرت کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان لوگوں نے اس بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ کہیں ان کی موت قریب نہ آگئی ہو۔ یہ لوگ اس بات سے ڈر کر ہی توبہ کر لیتے کہ کہیں کفر کی حالت میں نہ مرجائیں۔ موت سے غفلت انسان کو تمام خرافات و جرائم میں مبتلا کرتی ہے اور موت کے استحضار سے انسان بہت سی برائیوں سے بچ جاتا ہے۔

یہ لوگ قرآن کے بعد اب کون سی کتاب پر ایمان لائیں گے، حالانکہ قرآن تو آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد نہ کوئی کتاب نازل ہوگی اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی آئے گا۔ کیونکہ آپؐ خاتم النبیین ہیں اور آپؐ کی کتاب آخری کتاب ہے جس سے تمام سابقہ کتابیں منسوخ ہو گئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو توفیق سے محروم کر دے تو اس کو کوئی راہِ راست پر نہیں لا سکتا۔ ان معاندین و مکذبین کو ان کی ہٹ دھرمی اور ضد کے سبب اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے محروم کر کے سرکشی کے لئے ڈھیل دے رکھی ہے اور یہ اسی میں سرگرداں اور حیران پھرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آئیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۰۔۱۷۱/ ۳)

احوالِ قیامت

۱۸۷۔ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا
عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؕ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ؕ یَسْئَلُوْنَکَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ
عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ اس کے قائم ہونے کا وقت کب ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی اس کے وقت کو ظاہر نہیں کر سکتا۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑا بھاری حادثہ ہو گا۔ وہ تم پر اچانک ہی آئے گی۔ وہ آپ سے اس طرح سوال کرتے ہیں جیسے گویا آپ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ بس اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔

مُرْسٰهَا: اس کا ٹھہرنا۔ اس کا رکنا۔ اِرْسَاءٌ سے مصدر میمی۔

یُجَلِّیْهَا: وہ اس کو ظاہر کرے گا۔ وہ اس کو روشن کرے گا۔ تَجْلِیَةٌ سے مضارع۔

حَفِیٌّ: بحث کرنے والا۔ خوب واقف ہونے والا۔ تحقیق کرنے والا۔ حَفَاوَةٌ سے صفت مشبہ۔

شانِ نزول: بعض کے نزدیک یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہود کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی۔ مگر پہلی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور یہود مدینہ میں رہتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہود کے کسی گروہ نے مکہ آکر آپؐ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا ہو، واللہ اعلم۔

ابن جریرؒ نے حضرت قتادہؓ وغیرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ ہمارے قرابت دار ہیں، اس لئے آپ ہمیں

اشارے کے طور پر بتا دیجئے کہ قیامت کب آئے گی۔

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جمل بن ابی قشیر اور سمول بن زید نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کیا کہ اگر آپ نبی ہیں، جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے، تو یہ بتائیے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۴۹۵ / ۳، ابن کثیر ۲۷۱ / ۲)

تشریح: اس آیت میں قیامت کا حال بیان کیا گیا ہے۔ مشرکین مکہ نے تمسخر کے طور پر آپؐ سے سوال کیا تھا کہ آپ قیامت کے آنے کی باتیں کرتے اور ہمیں اسے ڈراتے ہیں۔ اگر آپ کا خیال صحیح ہے تو آپ ہمیں وہ سال، تاریخ اور وقت بتائے جب قیامت آئے گی، تاکہ وقت آنے پر ہم اس کے لئے تیاری کر لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ قیامت کے آنے کا صحیح وقت تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اس کا علم نہ تو اس سے پہلے کسی کو دیا گیا ہے نہ اب کسی کو معلوم ہے اور نہ آئندہ کوئی اس کے بارے میں جان سکے گا۔ پس اس کا جو وقت مقرر ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ اس پر ظاہر ہو جائے گی، اس لئے آدمی کو ہر وقت اس کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ قیامت کا حادثہ آسمانوں اور زمین پر بہت گراں گزرے گا کیونکہ وہ بے خبری میں اچانک آئے گی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو شخص (خریدنے اور بیچنے والا) اپنے درمیان میں کپڑا پھیلائے ہوئے ہوں گے اور خریدنے بیچنے نہ پائیں گے کہ قیامت آجائے گی۔ کوئی آدمی اپنا حوض درست کر رہا ہو گا اور اس کا پانی پلانے نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ کوئی آدمی اونٹنی کا دودھ دوہ کر لوٹ رہا ہو گا اور پینے نہ پائے گا کہ قیامت آجائے گی۔ کوئی شخص لقمہ اٹھا کر منہ میں لے جانا چاہتا ہو گا اور کھانے نہ پائے گا کہ قیامت قائم ہو جائے گی۔ (مظہری ۴۹۵ / ۳)

قیامت کے وقت کو ظاہر نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس کے ہولناک واقعات کا تصور کر کے برائیوں سے بچتے رہیں۔ کیونکہ جب آدمی یہ تصور کرے گا کہ قیامت کے روز وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا، اس وقت اس کے تمام چھوٹے بڑے اور اچھے برے اعمال پیش کئے جائیں گے، جس کے نتیجہ میں یا تو جنت اور اس کی لازوال نعمتیں ملیں گی یا دوزخ کا شدید عذاب ملے گا، تو وہ گناہوں اور برائیوں کو چھوڑ کر اعمال صالحہ کی بجاآوری کی طرف متوجہ رہے گا۔

آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ آپ ؐ کو اپنی قرابت اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر آپؐ سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے تحقیق کر کے اس کا صحیح وقت اور تاریخ معلوم کر لی ہو، مگر آپؐ کسی وجہ سے ان کو بتا نہیں رہے ۔ پس آپ ان کو بتا دیجئے کہ بلاشبہ قیامت کی صحیح تاریخ اور وقت اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی نبی جانتا ہے اور نہ فرشتہ ۔ لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا پورا علم نہیں تو یہ گویا آپؐ کے نبی نہ ہونے کی علامت ہے ۔

بشیر و نذیر

۱۸۸۔ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنے لئے بھی نفع و نقصان کا مالک نہیں، مگر اتنا ہی جتنا کہ اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی بات جانتا تو بہت سے فوائد حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہ پہنچتا ۔ میں تو بس ایمان لانے والی قوم کو خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں ان لوگوں کی مثال بیان کی گئی تھی جو حق کو قبول کر لینے کے بعد محض دنیاوی حرص و طمع کی بنا پر احکام خداوندی سے انحراف کرتے ہیں اور شیطان کے اشاروں پر چلتے ہیں ۔ پھر مومنوں کو ذکرِ الٰہی کی ترغیب دی گئی ۔ اس کے بعد گمراہوں اور آخرت سے غافل لوگوں کی غفلت و گمراہی کا سبب بتایا گیا کہ یہ لوگ غور و فکر سے کام نہیں لیتے، اسی لئے کبھی تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں اور کبھی یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت میں شک کرنے لگتے ہیں ۔ اگر یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور معجزوں میں غور کر لیتے تو ان کو آپ ؐ کی نبوت و رسالت میں شک و شبہ نہ ہوتا ۔ اسی طرح اگر یہ آسمان و زمین کی خلقت میں غور کر لیتے تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور ربوبیت میں کوئی شبہ نہ ہوتا ۔ پھر یہ بتایا گیا کہ جس طرح کسی شخص کو اپنی موت کا علم نہیں اسی طرح تمام

کائنات کی موت یعنی قیامت کا بھی اللہ کے سوا کسی کو علم نہیں ۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو، وہ نہ تو اختیار کامل رکھتا ہے اور نہ علم محیط ۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو علوم اولین وآخرین کے حامل اور زمین کے خزانوں کی کنجیوں کے امین بنائے گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ میں دوسروں کے لئے تو کیا خود اپنے لئے بھی کوئی نفع حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کی قدرت نہیں رکھتا، سوائے اس کے کہ جس قدر اللہ چاہے ۔ اگر میں غیب کا حال جانتا تو اپنے لئے بہت سی وہ بھلائیاں اور منافع حاصل کر لیتا جو علم غیب نہ ہونے کی وجہ سے فوت ہو جاتی ہیں ۔ اگر مجھے پہلے سے ان حالات و واقعات کا علم ہو جایا کرتا، جن سے مجھے سابقہ پڑتا رہتا ہے، تو مجھے کبھی پریشانی نہ اٹھانی پڑتی اور میں ہر طرح کے رنج و تکلیف اور نقصان سے اپنے آپ کو بچا لیا کرتا اور نہ میں کبھی لڑائیوں میں مغلوب ہوتا ۔

پس نہ تو میں دیوانہ ہوں، نہ غیب کا جاننے والا اور نہ میرے اختیار میں کسی قسم کا نفع و نقصان ہے ۔ میں تو محض اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خبردار کرنے والا اور مومنوں کو بشارت دینے والا ہوں ۔

عقیدہء توحید

۱۸۹، ۱۹۰۔ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا
خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا
صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا
جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

وہی تو ہے (اللہ) جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اس کے پاس آکر آرام پائے ۔ پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانکا تو اس کا ہلکا سا حمل رہ گیا سو وہ اس کو لئے ہوئے پھرتی رہی ۔ پھر جب وہ بوجھل ہو گئی تو دونوں میاں بیوی اپنے رب سے دعا کرنے لگے کہ اگر تو نے ہمیں

صالح (بچہ) عطا کیا تو ہم تیری شکر گزاری کریں گے۔ پھر جب اللہ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو وہ اللہ کی دی ہوئی چیز میں اللہ کو شریک بنانے لگے۔ سو اللہ تعالیٰ ان کے شریک بنانے سے برتر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں عقیدہ، توحید کو بیان فرمایا ہے جو اسلام کا سب سے اہم اور بنیادی عقیدہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ دنیا جہاں کے لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے پیدا کئے گئے ہیں اور حضرت آدم ہی سے ان کی بیوی حضرت حوا کو پیدا کیا گیا۔ پھر ان کی نسل کو اتنا بڑھایا کہ لوگ خاندان اور قبیلے بن گئے اور انہی میں سے ان کے جوڑے بنائے، تاکہ لوگ ایک دوسرے سے محبت کریں اور باہم سکون حاصل کریں۔

پھر جب ان میں سے مرد نے عورت سے مقاربت کی تو اس عورت نے ہلکا سا بوجھ محسوس کیا اور وہ تکلیف کے بغیر اس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب عورت بھاری ہو جاتی ہے اور دونوں کو حمل کا یقین ہو جاتا ہے تو ان کو طرح طرح کے خیالات آنے لگتے ہیں اور وہ دونوں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوب شکر گزاری کریں گے۔ عام طور پر کسی نعمت کے حصول کے پہلے لوگ اس قسم کی دعائیں کرتے ہیں اور اللہ سے عہد و میثاق باندھتے ہیں، مگر جب مطلوبہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے تو سب کچھ فراموش کر دیا جاتا ہے۔ دوسری آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح سالم بچہ عطا فرما دیا تو خوشی میں آکر اللہ کے ساتھ اس کام میں اوروں کو بھی شامل کرنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ ستاروں کی تاثیر سے پیدا ہوا ہے، کوئی کہنے لگا کہ یہ تو ہمارے بتوں نے ہمیں عطا کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پس اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے بلند و بالا ہے۔

شرک کا ابطال

۱۹۱-۱۹۳۔ اَيُشْرِكُوْنَ مَالَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ○ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ○ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ○

کیا وہ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے
گئے ہیں اور نہ وہ ان کی مدد کی استطاعت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی کچھ مدد
کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو وہ تمہارے کہنے پر نہ
چلیں گے ۔ تمہارے لئے برابر ہے خواہ تم ان کو بلاؤ یا خاموش رہو ۔

تشریح: جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں، ان کی تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں ۔ ان کو دوسری مخلوقات پر کسی بات کی بھی قدرت حاصل نہیں ۔ نہ یہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع ۔ نہ ان میں دیکھنے کی طاقت ہے اور نہ سننے کی ۔ اس لئے نہ وہ اپنے پوجنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ کسی معاملہ میں ان کی رہنمائی کر سکتے ہیں ۔ یہی نہیں بلکہ یہ بت تو عام جمادات ہیں، اس لئے حرکت بھی نہیں کر سکتے ۔ ان کو پوجنے والے ان سے کہیں زیادہ افضل ہیں کہ وہ سن بھی سکتے ہیں اور دیکھ بھی سکتے ہیں، وہ چل پھر بھی سکتے ہیں اور دوسروں کی بات کا جواب بھی دے سکتے ہیں ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج آیات ۷۳ ۔ ۷۴)

بلاشبہ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہیں وہ تو ایک مکھی تک نہیں بنا سکتے، خواہ سب کے سب مل کر ہی کیوں نہ کوشش کریں ۔ یہی نہیں بلکہ اگر مکھی ان کے کھانے کی کوئی چیز لے اڑے تو یہ اس سے واپس تک نہیں لے سکتے ۔ طالب اور مطلوب دونوں کس قدر ضعیف اور بے قدرت ہیں ۔ انہوں نے خدا کی قدر نہیں پہچانی ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا قوی اور غالب ہے ۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا:

اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کو تم خود گھڑتے ہو
(الصٰفٰت آیت ۔ ۹۵)

پھر فرمایا کہ وہ بت اپنی عبادت کرنے والوں کی ذرا بھی مدد نہیں کر سکتے حتیٰ کہ اگر کوئی

ان کے ساتھ بُرا برتاؤ کرے تو وہ خود اپنا بچاؤ بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً اگر کوئی ان کو توڑنے لگے تو وہ اپنے آپ کو بھی توڑنے سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔ اگر تم ان کو کوئی بات بتانے کے لئے پکارو تو وہ تمہاری پکار بھی نہیں سن سکتے۔ تمہارا ان کو پکارنا اور خاموش رہنا سب برابر ہے۔ پس ایسے عاجز جو پکار بھی نہ سن سکیں وہ کیسے معبود ہو سکتے ہیں۔ (ابن کثیر ۲۷۶/ ۲)

شرک کا مزید ابطال

۱۹۴، ۱۹۵۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ز اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ط قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنَ ۝ اِنَّ وَلِيِّ َ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ صلے وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝

بیشک جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ بھی تمہارے جیسے بندے ہیں سو تم ان کو پکار کر دیکھو، اگر تم سچے ہو تو ان کو تمہاری بات کا جواب دینا چاہیئے کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں؟ کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں؟ کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے سب معبودوں کو بلالو پھر سب مل کر میرے بارے میں جو تدبیر کرنا چاہو کر لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ بیشک میرا مددگار تو اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل کی اور وہی نیک بندوں کی مدد کرتا ہے۔

تشریح: یہ بت مخلوق ہونے کے باوجود ان کمالات سے محروم ہیں جن سے کسی مخلوق پر امتیاز حاصل ہو سکتا ہے، گو ان کے ظاہری ہاتھ پاؤں وغیرہ سب کچھ تم بناتے ہو، لیکن ان اعضاء میں وہ قوت نہیں جس سے ان کو اعضاء کہا جا سکے، کیونکہ نہ تو وہ تمہارے پکارنے سے اپنے مصنوعی پاؤں سے چل کر آسکتے ہیں اور نہ وہ اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز پکڑ سکتے ہیں، نہ آنکھوں سے دیکھ سکتے

ہیں ۔ تم ان کو پکارتے پکارتے تھک جاؤ گے مگر وہ تمہاری پکار کا کبھی جواب نہ دے سکیں گے، کیونکہ تمہارا ان کو پکارنا یا خاموش رہنا ان کے لئے سب برابر ہے ۔ ان میں سننے، سمجھنے اور جواب دینے کی قوت ہی نہیں ۔ پھر تم ایسی عاجز و بے بس مخلوق کو کیوں معبود بناتے ہو ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے تمام باطل معبودوں کو جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، میری ضرر رسانی کے لئے بلا لو اور جس قدر تدبیریں تم سے ہو سکیں وہ سب کر لو اور مجھے ذرا سی مہلت بھی نہ دو ۔ مجھے تمہارے معبودوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کیونکہ میرا حامی و مددگار اور حفاظت کرنے والا تو اللہ ہی ہے جس نے مجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ۔ وہی دنیا و آخرت میں اپنے نیک بندوں کی مدد کرتا ہے ۔ اس لئے مجھے نہ تو تمہاری طرف سے کوئی خوف ہے اور نہ تمہارے معبودوں کی طرف سے ۔

مشرکین کا حال

۱۹۷، ۱۹۸۔ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝

اور تم اللہ تعالیٰ کے سوا جن کو پکارتے ہو وہ نہ تو تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو راہِ راست کی طرف بلاؤ تو وہ سنیں گے بھی نہیں اور آپ ان بتوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف تک رہے ہیں حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے ۔

تشریح: تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی عبادت کرتے ہو وہ تمہاری مدد تو کیا کریں گے ۔ وہ تو اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے ۔ اگر کوئی ان کو توڑنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے اگر تم ان کو کچھ بتانے کے لئے پکارو تو وہ تمہاری پکار بھی نہیں سن سکتے، کیونکہ ان کے کان ہی نہیں ۔ ان باطل معبودوں کی مورتیوں کو دیکھنے والے اگرچہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ ان کی طرف دیکھ رہی ہیں مگر حقیقت میں وہ کچھ بھی نہیں دیکھتیں ۔

یہی حال مشرکوں کا ہے کہ جو آپ کی دعوت اسلام کو نہ دل سے سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں بظاہر وہ اپنی آنکھوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر وہ دل سے ایسا نہیں کرتے ۔

اخلاقِ قرآنی

۱۹۹، ۲۰۰۔ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ○ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے درگزر کرتے رہئے اور ان کو اچھی باتوں کا حکم دیتے رہئے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہئے اور اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگیے۔

بِالْعُرْفِ: نیکی کا۔ اچھائی کا۔ بھلائی کا۔

اَعْرِضْ: تو منہ پھیر لے۔ تو کنارہ کر لے۔ اِعْرَاضٌ سے امر۔

یَنْزَغَنَّکَ: وہ تجھ کو فتنہ میں ڈال دے گا۔ وہ تجھ کو شبہ میں ڈال دے گا۔ نَزْغٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر یہ مشرکین واضح دلائل کے بعد بھی آپ سے اپنے معبودوں کے بارے میں مجادلہ کریں تو ان معاندین پر غصہ کرنے کی بجائے ان سے درگزر فرمایئے اور ان کو نیک کام کا حکم دیجئے۔ شاید وہ نصیحت قبول کر لیں اگر یہ لوگ جہالت سے پیش آئیں تو آپ ان پر غصہ کرنے کی بجائے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیں اگر کسی وقت ان کی جہالت پر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آپ کو غصہ پر آمادہ کر دے تو آپ اس سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ مانگیے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبان کی بات کو سننے والا اور دل کی بات کو جاننے والا ہے۔ وہ خود آپ کو بدلہ دے گا، آپ کو انتقام لینے کی ضرورت نہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص (جنت کے اندر) اپنے مکان کا بلند ہونا اور درجات کا اونچا ہونا پسند کرتا ہو تو اس کو چاہئے کہ جو شخص اس کی حق تلفی کرے، اس سے درگزر کرے اور جو اس سے قرابت منقطع کرے، وہ اس سے قرابت جوڑے رکھے۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ برابر دینے والا واصل (قرابت) نہیں۔ قرابت جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر اس سے رشتہ داری توڑ دی جائے تو وہ اس کو جوڑے رکھے۔ (مظہری)

متقیوں کی صفت

۲۰۱، ۲۰۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَکَّرُوْا فَاِذَا ھُمْ مُّبْصِرُوْنَ ○ وَاِخْوَانُھُمْ یَمُدُّوْنَھُمْ فِی الْغَیِّ ثُمَّ لَا یُقْصِرُوْنَ ○

بیشک جب پرہیزگاروں کو کوئی شیطانی وسوسہ چھوتا ہے تو وہ فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ اسی وقت (راہِ راست) دیکھنے لگتے ہیں اور جو ان (شیطانوں) کے بھائی ہیں وہ ان کو گمراہی میں کھینچتے چلے جاتے ہیں۔ پھر وہ کمی نہیں کرتے۔

مَسَّھُمْ: اس نے ان کو مس کیا۔ اس نے ان کو چھوا۔ وہ ان کو پہنچا۔ مَسٌّ سے ماضی۔

طٰٓئِفٌ: وسوسہ، پھر جانے والا۔ چکر لگانے والا۔ طَوْفٌ وطَوَافٌ سے اسم فاعل۔

اَلْغَیِّ: گمراہی۔ عذاب۔ ناکامی۔ مصدر ہے۔

یَمُدُّوْنَھُمْ: وہ ان کو بڑھاتے ہیں۔ وہ ان کو کھینچتے ہیں۔ مَدٌّ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور ممنوعات سے بچتے رہتے ہیں اگر ان کو کوئی شیطانی وسوسہ آجائے تو وہ فوراً چونک جاتے ہیں، ذکر الٰہی میں لگ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے پناہ مانگنے لگتے ہیں، اللہ کے اوامر و نہی اور ثواب و عذاب کو یاد کرتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ یہ شیطانی خیال ہے۔ اس طرح شیطانی وسوسہ کی کدورت ان کے دل سے دور ہو جاتی ہے اور وہ صحیح راستہ پر آجاتے ہیں۔

جو لوگ فاسق و بدکار ہیں، ان کو شیطان گمراہی پر آمادہ کرتا رہتا ہے اور برائی اختیار کرنے میں ان کی مدد کرتا ہے اور وہ گناہ کے کاموں میں ان کے لئے آسانی پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی غفلت و معصیت برابر بڑھتی رہتی ہے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

مشرکین کی کج بحثی

۲۰۳۔ وَاِذَا لَمْ تَاْتِھِمْ بِاٰیَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَیْتَھَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ

مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ ان کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے تو وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اپنی طرف سے گھڑ لائے (چھانٹ لائے)۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں ہیں اور ایمان رکھنے والوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔

شانِ نزول: بعض مشرکین شرارت اور کج بحثی کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص معجزے طلب کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸ / ۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب آپ ان مشرکین کی خواہش اور مطالبے کے مطابق کوئی معجزہ اور نشانی ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تو پھر یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اس معجزہ کو اپنی طرف سے کیوں نہیں بنا لیتے۔ جس طرح آپ طرح طرح کے معجزے دکھاتے ہیں اسی طرح آپ ہماری فرمائش پر بھی ایک معجزہ دکھا دیجئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ معجزے دکھانا میرا کام نہیں، نہ میں خود آیات بناتا ہوں اور نہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ سے معجزہ طلب کرتا ہوں۔ میں تو صرف اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ آیات کا اتارنا اور معجزات کا ظاہر کرنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ وہ جب چاہتا ہے انہیں اتارتا اور ظاہر کرتا ہے اور جب چاہتا ہے تو نہیں ظاہر کرتا۔ البتہ یہ قرآن جو مجھ پر نازل ہوا ہے یہ میرا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ جب تم اس کو نہیں مانتے تو اور کس چیز کو مانو گے۔ یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل ہے، جس سے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ دکھائی دیتا ہے اور اہلِ ایمان کے لئے یہ ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے۔ ہدایت و رہنمائی اور اللہ کی رحمت و عنایت اسی کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔

تلاوتِ قرآن کے آداب

۲۰۴۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

ربط: گزشتہ آیتوں میں توحیدِ خداوندی کا مفصل بیان تھا، جس میں اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ اور باطل معبودوں کے نقائص کو بیان کیا گیا جو ان کے معبود نہ ہونے کی دلیل ہیں۔ اس آیت میں تلاوت قران کریم کے آداب کا بیان ہے اور اگلی دو آیتوں میں ذکر الہیٰ کے آداب بیان کئے گئے ہیں۔

شانِ نزول: حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ میں نے جا کر سلام کیا۔ آپؐ نے جواب نہ دیا۔ اس سے پہلے لوگ نماز میں کلام کر لیا کرتے تھے اور اپنے کام کے لئے کہہ دیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر (میرے) سلام کا جواب دیا اور فرمایا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور آیت **وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآن .....** نازل ہوئی۔ (مظہری بحوالہ ابن ابی حاتم وابن مردویہ)

حضرت قتادہؒ کی روایت میں ہے کہ شروع میں جب لوگوں کو نماز کا حکم دیا گیا تو وہ نماز میں بات کر لیا کرتے تھے۔ آدمی آتا لوگ نماز میں مشغول ہوتے تو آنے والا پوچھ لیتا کہ تم کتنی نماز پڑھ چکے۔ پڑھنے والے بتادیتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کان لگا کر سننے اور خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ یہ آیت قرأت خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی، یعنی یہ حکم خاص مقتدی کے لئے نازل ہوا۔ مقتدی کے لئے یہ جائز نہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرے بلکہ اس کے لئے توجہ سے سننا اور خاموش رہنا واجب اور ضروری ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ قرآن کریم کا ادب و احترام یہ ہے کہ جب اس کی تلاوت کی جائے تو سننے والے اس پر اپنے کان لگائیں اور پوری توجہ اور خاموشی سے اسے سنیں اور اس کے احکام پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ قرآن کریم کا رحمت

ہونا اس کے مذکورہ آداب بجالانے پر موقوف ہے ۔ اگر کسی نے اس کے مذکورہ آداب کی خلاف ورزی کر کے اس کی بے حرمتی کی تو وہ رحمت کی بجائے اللہ کے قہر و غضب کا مستحق ہوگا ۔

ذکرِ الٰہی کے آداب

۲۰۶،۲۰۵۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۝

اور اپنے رب کو دل ہی دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور غافل نہ رہا کرو ۔ بیشک جو لوگ آپ کے رب کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور وہ تو اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کو سجدہ کرتے ہیں ۔

تشریح: قرآن کریم کی تلاوت کے بعد ذکرِ الٰہی کا درجہ ہے ۔ ان آیتوں میں ذکر کے پانچ آداب بیان کئے گئے ہیں:

(۱) ذکر آہستہ آواز سے دل میں ہونا چاہئے، بلند آواز میں نہیں کرنا چاہئے ۔ (۲) تضرع و زاری اور عاجزی و خوف کے ساتھ ہونا چاہئے ۔ (۳) خوف و خشیت کے ساتھ ہو ۔ (۴) خاص طور پر صبح و شام کے اوقات میں اس کا اہتمام ہونا چاہئے، کیونکہ یہ دونوں اوقات قبولیت کے ہیں ۔ (۵) ذکرِ الٰہی سے کسی وقت بھی غافل نہیں ہونا چاہئے ۔

پروردگار کی یاد سے غفلت ایک قسم کا تکبر ہے ۔ قربِ خداوندی کے طالب اس سے حد درجہ اجتناب و احتراز کرتے ہیں ۔ اسی لئے اللہ کے مقرب فرشتے بھی مقرب ہونے کے باوجود اللہ کی عبادت و بندگی سے تکبر نہیں کرتے ۔ وہ دن رات اسی کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں اور تھکتے نہیں ۔ وہ خاص اسی کو سجدہ کرتے ہیں اور سجدہ ہی قربِ خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے ۔ لہٰذا (سجدہ کی حالت میں) زیادہ دعا کیا کرو ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۹، ۲۰۰ / ۳، مظہری)

مقالاتِ زواریہ

ترتیب: سید فضل الرحمن

- فقیہ العصر حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ۱۴۰ نشری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔
- طلباء، علماء، مقررین اور واعظین کے لئے ایک بیش بہا تحفہ، اور عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔
- تمام تقاریر اور مضامین کی زبان نہایت سادہ، اندازِ بیاں عام فہم اور قرآنی آیات واحادیث کی دلنشیں تشریح ہے۔
- تمام قرآنی آیات کی اصل عربی عبارت اور اسکا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔
- بعض ایسے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو اہلِ علم کے ہاں اختلافی رہے ہیں۔
- روزمرہ پیش آنے والے مسائل ومشکلات پر تبصرہ اور سماجی ومعاشرتی برائیوں کے انسداد وسد باب کے لئے قرآن وسنت کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئی ہیں۔
- اس مجموعہ کو درج ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) قرآنی تعلیمات۔ (۲) ایمان ودعوت اسلام، (۳) احکام دین،
(۴) تجارت ومعیشت، (۵) اخلاق وحقوق، (۶) تصوف وسلوک،
(۷) سیرت وسوانح

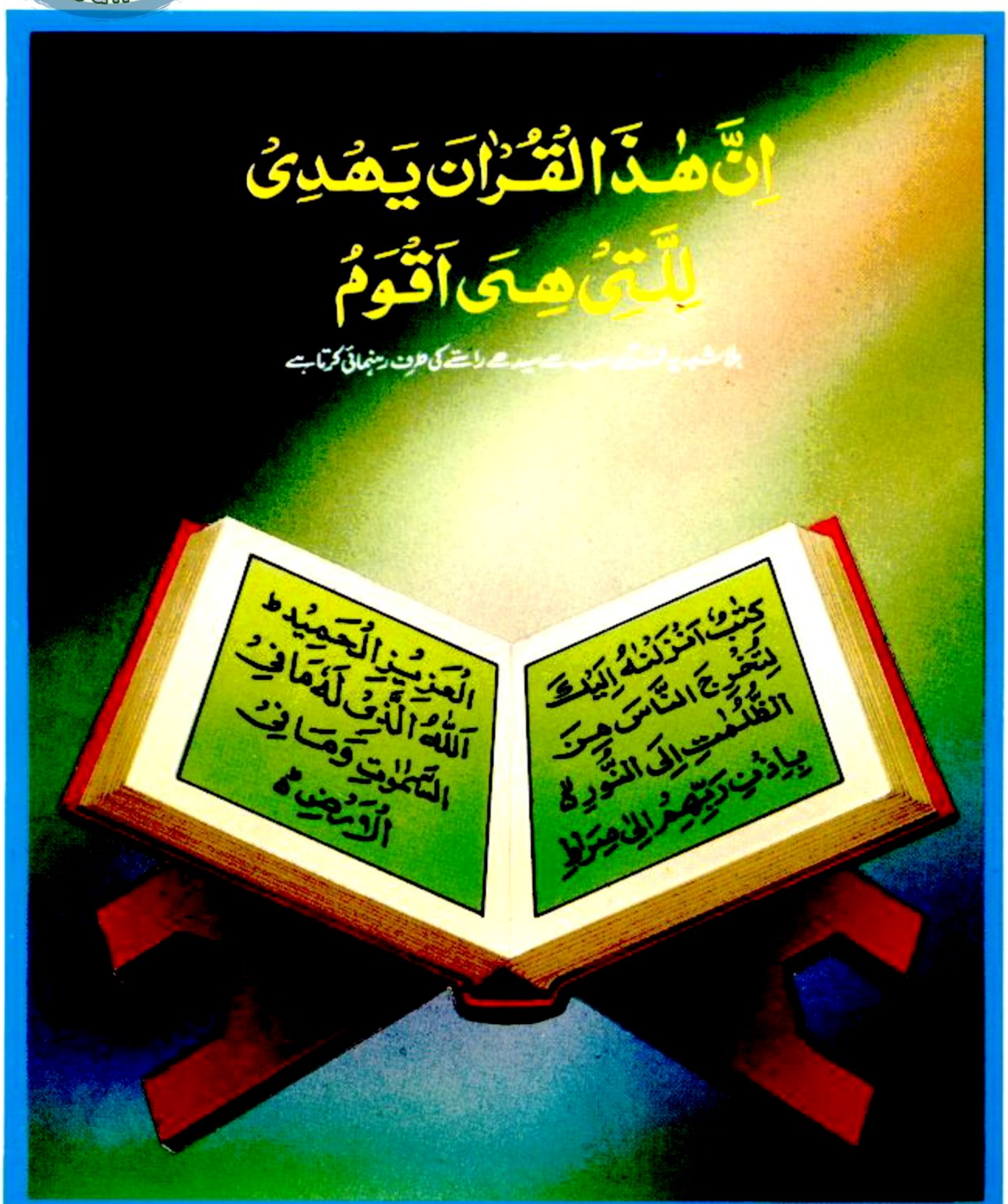
- خوبصورت اور دلکش رنگین سرورق، اعلیٰ کمپیوٹر کمپوزنگ، نہایت نفیس آفسٹ طباعت اور مضبوط جلد بندی کی اضافی خوبیوں کے ساتھ۔ اہلِ علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ،

بہت جلد طباعت کے مراحل سے گزر کر شائع ہو رہی ہے،

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سیّد فضل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انّ ھذہ تذکرۃ : فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلاً ○ (دھر - ۲۹)

بلاشبہ یہ (قرآن ایک) نصیحت ہے، سو جو چاہے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرلے۔

احسن البیان

فی تفسیر القران

حصہ چہارم

تفسیر سورۃ انفال، توبہ، یونس، ہود، یوسف، رعد

سید فضل الرحمن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے - ۴ / ۱۷، ناظم آباد نمبر ۴۔

کراچی نمبر ۱۸ - فون: ۶۶۸۴۷۹۰

نام کتاب	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ چہارم	تفسیر سورۂ انفال تا سورۂ رعد
تعداد	۱۱۰۰
اشاعت اول	۰ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ / اپریل ۱۹۹۸ء
کمپوزنگ	بقا کمپوزنگ سروسز، اردو بازار، کراچی
ناشر	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز۔ کراچی
قیمت	۱۵۰ روپے

ملنے کے پتے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔ ۴/ ۱۷، ناظم آباد نمبر ۴،

کراچی نمبر ۱۸۔ فون: ۶۶۸۴۲۹۰

ادارۂ مجددیہ

۲/ ۵۔ جے، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی نمبر ۱۸

مکتبہ برہان

اردو بازار۔ کراچی

فہرستِ عنوانات

سورۃ الانفال

سورۂ یونس ۲۱۷

سورۂ رعد ۴۲۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الانفال

وجہ تسمیہ: اس سورت میں اموالِ غنیمت کا خاص طور پر بیان ہے، اس لئے اس کو سورہ انفال کا نام دیا گیا ہے۔ یہ سورۃ چونکہ معرکہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی اس لئے اس کو سورہ بدر بھی کہتے ہیں۔ (معارف القرآن ۱۷۴/۴)

تعارف: یہ سورۃ معرکہ بدر کے موقع پر مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، جیسا کہ حسنؒ، عکرمہؒ، جابر بن زیدؒ، عطاؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے۔ ابوالشیخؒ و ابن مردویہؒ و نحاسؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ سورت مدنیہ ہے۔ یہی راجح بلکہ اصح ہے۔ (حقانی ۲/۲۵۳، مواہب الرحمن ۹/۱۷۹)

اس میں دس رکوع، پچھتر آیتیں، ۱۲۵۳ کلمات اور ۵۵۲۲ حروف ہیں۔

سورہ اعراف میں مشرکین اور اہلِ کتاب کے جہل و عناد اور کفر و فساد اور اس کے متعلقہ مباحث کا بیان تھا۔ اس سورۃ کے زیادہ تر مضامین معرکہ بدر میں انہیں لوگوں کے انجامِ بد، ناکامی اور شکست اور مسلمانوں کی فتح و کامرانی کے بارے میں ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: پہلے مالِ غنیمت کا حکم بیان کیا گیا ہے پھر کامل اور حقیقی مؤمنوں کے اوصاف کا بیان ہے۔ اس کے بعد واقعہ بدر، مشرکین پر غلبہ کی بشارت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور اس کی قبولیت کا ذکر ہے۔

رکوع ۲: مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی مثلاً ان پر اونگھ طاری ہونے سے ان کی تکان دور ہونا، بارش کے ذریعہ نرم ریتیلی زمین کو سخت اور چلنے کے قابل کر دینا اور فرشتوں کے ذریعہ دشمن کو مسلمانوں کی تعداد کئی گنا بڑھا کر دکھانا، پھر مسلمانوں

کو کفار کے ساتھ مقابلے سے فرار کی ممانعت اور مسلمانوں کی غیبی مدد کا ذکر ہے۔
آخر میں مشرکین کی دعا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب ہے۔

رکوع ۳: اطاعتِ رسول کی تاکید اور منکرین کو جانوروں سے بدتر قرار دینا، پھر مؤمنوں کو اللہ تعالیٰ کی آزمائش کا خوف دلانا اور انعاماتِ خداوندی کی یاد دہانی مذکور ہے۔ آخر میں خیانت کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۴: تقوے کی برکات، مشرکوں کے مکر اور تدبیریں اور ان کے متکبرانہ دعوے کا بیان ہے۔ پھر نضر کی دعا کا جواب، مسجد الحرام کی تولیت کا حق اور بدر کے موقع پر عداوتِ اسلام میں مال خرچ کرنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۵: اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کو خسارے کی تلافی کی پیش کش، بصورتِ دیگر ان سے جہاد و قتال کا حکم اور مالِ غنیمت کے احکام کا بیان ہے۔ پھر واقعہ بدر کے سلسلہ میں محاذِ جنگ کے کچھ حالات مذکور ہیں۔

رکوع ۶: آدابِ جہاد و قتال اور شیطان کا مشرکین کو اطمینان دلانا مذکور ہے۔

رکوع ۷: منافقوں کی احمقانہ سوچ، کافروں کی ذلت و رسوائی کی موت کا حال اور مشرکوں کا سابقہ امتوں جیسے طور و طریق اختیار کرنا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں یہود کی خباثت کا بیان اور عہد شکنوں سے معاہدہ ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع ۸: جہاد کے لئے بھرپور تیاری کا حکم اور ضرورت و مصلحت کے تحت صلح کی اجازت کا بیان۔ پھر اس انعامِ الٰہی کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و مہربانی سے باہمی الفت و محبت کی شکل میں مسلمانوں پر فرمایا۔

رکوع ۹: مؤمنوں کو جہاد کی ترغیب اور جنگی قیدیوں کے احکام کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: فدیہ کا نعم البدل اور مہاجرین و انصار کے مراتب و فضائل بیان کئے گئے ہیں۔

مالِ غنیمت کا حکم

۱۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ

مُؤْمِنِيْنَ ٥

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ آپؐ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مالِ غنیمت تو اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اپنے باہمی معاملات کی اصلاح کرو اور اگر تم مؤمن ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو۔

اَنْفَال: یہ نفل کی جمع ہے، جس کے معنی فضل و انعام کے ہیں۔ نفلی نماز، روزہ اور صدقہ کو بھی نفل اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اصل فرائض سے زائد ہیں اور کسی کے ذمہ لازم اور واجب نہیں، بلکہ ان کو کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ " انفال " کبھی کبھی مطلقاً اموالِ غنیمت کے لئے بولا جاتا ہے، جو جہاد کے وقت کافروں سے حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اکثر یہ لفظ اس انعام کے لئے استعمال ہوتا ہے جو امیرِ جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کار گزاری کے صلہ میں غنیمت کے حصے کے علاوہ بطور انعام عطا کرے۔ یہاں انفال سے مُراد وہ مال غنیمت ہے جو کفار سے جنگ میں حاصل ہوتا ہے۔
(حقانی ۲/۲۵۳)

اس امتِ مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص انعام ہے کہ اس نے مسلمانوں کے لئے اس مال کو حلال کر دیا جو کافروں سے جہاد و قتال کے ذریعہ حاصل ہو۔ ورنہ سابقہ امتوں میں سے کسی کے لئے بھی مالِ غنیمت حلال نہ تھا، بلکہ تمام اموالِ غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تھا پھر آسمان سے ایک آگ آکر اس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی۔ یہ اس جہاد کے عند اللہ مقبول ہونے کی علامت بھی تھی۔ اگر آسمان سے آکر آگ مالِ غنیمت کو نہ جلاتی تو اس سے یہ سمجھا جاتا تھا کہ یہ جہاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں، اس لئے مالِ غنیمت کو منحوس و مردود سمجھ کر کوئی استعمال نہ کرتا تھا۔

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں متعدد روایتیں ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان فرماتے ہیں کہ بدر کی لڑائی میں میرا بھائی عمیرؓ شہید ہو گیا تو میں نے اس کے بدلے میں سعید بن عاص کو قتل کر کے اس کی تلوار لے لی۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آج اللہ نے مشرکوں کی طرف

سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا، پس آپ یہ تلوار مجھے عطا فرما دیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ تلوار نہ تیری ہے نہ میری۔ اس کو مالِ غنیمت میں رکھ دے۔ پس میں نے اس کو مالِ غنیمت میں رکھ دیا۔ اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ میرے بھائی کو کس نے قتل کیا اور اس کا سامان لیا۔

ابھی میں تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سورہ انفال نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے سعد! تو نے مجھ سے وہ تلوار مانگی تھی، مگر اس وقت وہ میری نہ تھی۔ اب وہ میری ہو گئی، لہٰذا اب تم جاکر وہ تلوار لے لو۔ (روح المعانی ۱۶۱ / ۹، مظہری ۷ / ۴)

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے انفال کے بارے میں حضرت عبادہؓ سے سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ مجاہدینِ بدر بھی تھے اور یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب انفال کے لئے ہم میں اختلاف پیدا ہو گیا اور ہم آپس میں تیز و تلخ باتیں کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے بات ہمارے ہاتھ سے لے لی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ پھر آپ نے یہ مالِ غنیمت مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ (ابن کثیر ۲۸۳ / ۲، روح المعانی ۱۶۲ / ۹)

حضرت عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ میں بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دے دی۔ اب ایک جماعت نے تو دشمن کا تعاقب کیا اور بھاگتوں کو قتل کیا اور قید کیا اور ایک جماعت مالِ غنیمت جمع کر رہی تھی اور ایک جماعت نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیرے میں لئے ہوئے آپ کی حفاظت کر رہی تھی کہ دشمن آپ کو گزند نہ پہنچائے۔ جب رات ہوئی اور سب لوگ جمع ہو گئے تو جن لوگوں نے مالِ غنیمت کو سمیٹ کر محفوظ کیا تھا وہ کہنے لگے کہ اس کے حقدار صرف ہم ہیں۔ جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم نے دشمن کو شکست دی اور بھگایا اس لئے صرف ہم اس کے حقدار ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کی حفاظت کی تھی وہ کہنے لگے ہمیں اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ کہیں دشمن کی طرف سے آپ کو گزند نہ پہنچے اس لئے ہم تو ایک بہت ہی اہم کام میں مصروف تھے۔ اس پر یہ آیت اتری۔
(ابن کثیر ۲۸۳ / ۲)

تشریح: یہ آیت جنگِ بدر میں حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس میں انفال کا حکم بتایا گیا ہے کہ مالِ غنیمت کی ملکیت تو اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس میں تصرف کرنے کا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس مال کو مجاہدین میں تقسیم فرمائیں گے۔ پس اے مومنو! تم باہمی اختلاف اور پھوٹ پیدا کرنے سے

اجتناب کرو اور مالِ غنیمت کے بارے میں آپس میں جھگڑا نہ کرو ۔ چونکہ تم متقی اور پرہیز گار اور کامل مومن ہو، اس لئے کمالِ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر پوری طرح عمل کرو اور ان کی نافرمانی سے بچو اور آپس میں محبت و اخوت اور صلح و سلامتی قائم رکھو ۔ اسی میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا ہے ۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ناگاہ آپ مسکرائے یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں دندان مبارک کھل گئے تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس بات پر مسکرائے؟ آپؐ نے فرمایا کہ میری امت میں سے دو آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوئے اور ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! میرے اس بھائی سے مجھے اس کا عوض دلوا دے جو اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کو اس ظلم کا عوض دے دے جو تو نے اس پر کیا ہے ۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اب میری نیکیوں میں سے میرے پاس کچھ باقی نہیں رہا ۔ مدعی نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! پھر اس کو چاہئے کہ یہ میرے گناہوں میں سے کچھ گناہ اٹھالے ۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اتنا فرمانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے پھر فرمایا کہ بلاشبہ یہ بڑا بھاری دن ہو گا ۔ اس دن لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھالے ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مدعی سے ارشاد فرمایا کہ تو اپنی آنکھ اٹھا کر جنت کی طرف دیکھ ۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا تو عرض کرنے لگا کہ اے میرے پروردگار! میں تو چاندی کے شہر اور سونے کے مکانات، موتیوں اور جواہرات سے جڑاؤ دیکھتا ہوں ۔ یہ کس نبی، کس صدیق اور کس شہید کے لئے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو اس کی قیمت ادا کر دے یہ اسی کے ہیں ۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب! بھلا اس کے دام کون دے سکتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو بھی دے سکتا ہے ۔ اس نے عرض کیا کہ اے میرے رب! میرے پاس کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اپنے بھائی کا ظلم معاف کر دے ۔ وہ کہنے لگا کہ اے میرے رب! میں نے معاف کیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ ۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۝ (ابن کثیر ۲/۲۸۵، مواہب الرحمٰن ۹/۱۸۳)

حقیقی مومنوں کے اوصاف

۲-۴۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَمَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝

بیشک مومن تو وہی لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔ اور جب اس کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس سے ان کا ایمان اور زیادہ (تر و تازہ) ہو جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ جو لوگ نماز قائم کرتے ہیں اور وہ ہمارے دئے ہوئے مال میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، یہی وہ سچے مومن ہیں جن کے لئے ان کے رب کے پاس بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

وَجِلَتْ: وہ (دل) ڈر گئے۔ وہ لرز گئے۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور ہیبت و عزت سے ان کے دل ڈر گئے۔ وہ خوفزدہ ہو گئے۔ وَجْلٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں حقیقی مومنوں کے پانچ اوصاف بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ خوفِ خدا: جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے یا اس کی وعید بیان کی جائے تو اس کے جلال و عظمتِ شان اور عزت و ہیبت کے تصور سے ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ وہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور اس کی منع کی ہوئی باتوں سے باز رہتے ہیں۔

حضرت ام درداءؓ کہتی ہیں کہ خوف خدا سے دل دھڑکنے لگتے ہیں اور بدن میں ایک سوزش سی ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب یہ کیفیت طاری ہو جائے تو بندے کو چاہئے کہ اس وقت وہ اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصد کی دعا کرے کیونکہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ (ابن کثیر ۲۸۵ / ۲)

۲۔ ایمان میں ترقی: جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ ان کی تصدیق کرتے ہیں، جن سے ان کے ایمان میں مزید پختگی اور قلبی اطمینان میں اضافہ ہوتا ہے او

اعمالِ صالحہ کی طرف ان کی رغبت بڑھ جاتی ہے۔

۳۔ اللہ پر توکل: حقیقی مومن اپنے تمام اعمال و احوال میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل اعتماد و بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کے سوا کسی سے امید رکھتے ہیں اور نہ خوف۔ جو کچھ مانگنا ہوتا ہے اسی سے مانگتے ہیں، ہر معاملے میں اسی کی طرف جھکتے ہیں، کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ وہی قادرِ مطلق ہے، وہ جو چاہے گا وہی ہو گا۔ اس کے حکم کے بعد کسی کا حکم نہیں، وہی سریع الحساب ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ توکل یہ نہیں کہ اپنی ضروریات کے مادی اسباب و تدابیر کو ترک کر کے بیٹھ جائے۔ توکل تو یہ ہے کہ مادی اسباب کو اصل کامیابی کے لئے کافی نہ سمجھے بلکہ اپنی قدرت و ہمت کے مطابق مادی اسباب و تدابیر فراہم کرنے کے بعد معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور یہ سمجھے کہ اسباب بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان اسباب کے ثمرات بھی وہی پیدا کرتا ہے۔ بس وہی ہو گا جو وہ چاہے گا۔

۴۔ اقامتِ صلوٰۃ: حقیقی مومنوں کی چوتھی صفت یہ بتائی کہ وہ صلوٰۃ قائم کرتے ہیں۔ اس سے مُراد یہ ہے کہ وہ نماز کو پورے آداب و شرائط اور اس کے حقوق کے ساتھ بجالاتے ہیں۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے نماز کے آداب و شرائط بتائے ہیں وہ ان کو اسی طرح بجالاتے ہیں۔

۵۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا: جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ان کو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس خرچ کرنے میں تمام فرائض و واجبات، صدقات، نفلی صدقات و خیرات حتیٰ کہ عزیز و اقارب، مہمانوں اور دوستوں وغیرہ کی مالی خدمت بھی شامل ہے۔
(ابن کثیر ۲/۲۸۶)

پھر فرمایا کہ جن مومنوں میں یہ پانچ صفات پائی جائیں وہی سچے اور حقیقی مومن ہیں۔ ان لوگوں کا ظاہر و باطن اور قول و فعل سب یکساں ہیں۔ ایسے سچے مومنوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف فرما دے گا اور ان پر اپنا فضل فرمائے گا اور ان کو ایسی عمدہ روزی عطا فرمائے گا جو محنت و مشقت اور زوال و حساب کے خوف سے خالی ہو گی

طبرانی نے حارث بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ اے حارث! تم نے صبح کیسی کی؟ حارثؓ نے عرض کیا کہ ایک

حقیقی مومن کی حیثیت سے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ خوب سمجھ لو ! ہر شئے کی ایک حقیقت ہوتی ہے ، سو تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے ؟ پس حارث نے عرض کیا کہ میں نے دنیا سے کنارہ کشی کر لی ، راتوں کو جاگتا ہوں ، دن کو (روزے کے سبب) پیاسا رہتا ہوں اور گویا کہ میں اہلِ جنت کو باہم ملاقاتیں کرتا دیکھتا ہوں اور گویا کہ میں اہلِ دوزخ کو مصیبت میں مبتلا دیکھتا ہوں ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے حارث تو نے ایمان کی حقیقت پالی سو تم اس پر قائم رہنے کی کوشش کرو ۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی ۔ (روح المعانی ۱٦۷ / ۹)

اہلِ جنت کے درجات مختلف ہوں گے ۔ بعض درجات بہت بلند ہوں گے اور بعض کم بلند اور بعض اس سے بھی کم ۔ جو اونچے درجات والے ہوں گے وہ نیچے درجات والوں پر اپنی فضیلت دیکھیں گے اور جو نیچے درجات والے ہوں گے وہ اپنے اوپر کسی کی فضیلت کا گمان نہیں کریں گے کیوں کہ حسد و تمنا اور آرزو جیسے خصائل ، دنیاوی جسم و قویٰ کی خاصیت ہیں ۔ دنیا میں یہ خصلتیں انسان کے اندر اس لئے رکھی گئی ہیں تاکہ ان کے ذریعہ اچھے اور برے میں تمیز ہو سکے ۔ آخرت میں ان چیزوں کا وجود ہی نہ ہو گا ۔ اس لئے کسی کو بلند درجات میں دیکھ کر کم تر درجے والے کے دل میں حسد و احساس محرومی پیدا نہ ہو گا بلکہ ہر شخص اپنی نعمت اور اپنے حال میں ایسا مگن ہو گا کہ کسی دوسرے کی طرف اس کی توجہ ہی نہ ہو گی ۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ علیین والوں کو ان سے نیچے والے ایسے دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے افق پر جگمگاتے ہوئے تارے کو دیکھتے ہو ۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، کیا انبیاء علیہم السلام کے درجے ہیں ؟ کیا ان کے سوا ان کو کوئی اور نہیں پائے گا ؟ آپؐ نے فرمایا کیوں نہیں ۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ، اور لوگ بھی پائیں گے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی ۔ (مواہب الرحمٰن ۱۸۹ / ۹)

بعض مومنوں کا جنگ سے کترانا

۱۰۵ ۔ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس طرح آپؐ کے پروردگار نے آپؐ کو آپ کے گھر سے حق کے لئے نکالا اور اہل ایمان کی ایک جماعت اس سے ناخوش تھی، حق بات کے ظاہر ہو جانے کے بعد بھی اس کے بارے میں وہ آپؐ سے ایسے جھگڑ رہے تھے گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے تھے اور وہ اس کو دیکھ بھی رہے تھے۔

کٰرِھُوْنَ: کراہت کرنے والے۔ نفرت کرنے والے۔ یہاں صحابہ کرام کا وہ گروہ مراد ہے جس کو معرکہ، بدر کے موقع پر جہاد کے لئے نکلنا ناپسند تھا۔ **کَرْہٌ** و **کَرَاھَۃٌ** سے اسم فاعل

یُسَاقُوْنَ: وہ ہانکے جاتے ہیں۔ وہ کھینچے جاتے ہیں۔ سَوْقٌ سے مضارع مجہول۔

شانِ نزول: حضرت ابو ایوب انصاریؓ کہتے ہیں کہ ہم مدینے میں تھے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ابو سفیان قافلہ لے کر آرہا ہے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے۔ کیا ہم اس قافلے کو روکنے کے لئے نکل پڑیں۔ ممکن ہے کہ تم لوگوں کو کچھ مال و دولت مل جائے۔ ہم نے عرض کیا کہ ضرور چلنا چاہیے۔ چنانچہ ہم نکلے اور ایک یا دو روز چلتے رہے۔

پھر آپؐ نے فرمایا کہ کافروں کو اس بات کی خبر ہو گئی ہے کہ تم ان کے قافلے کو روکنے کے ارادے سے نکل چکے ہو۔ لہٰذا کافروں سے جنگ کے بارے میں اب تمہاری کیا رائے ہے۔ مسلمانوں نے کہا کہ واللہ ہم میں دشمن کے اتنے بڑے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں، ہم تو صرف قافلے کو روکنے کے خیال سے نکلے ہیں۔ آپؐ نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ ہم لوگوں نے پھر یہی جواب دیا۔ اب مقداد بن عمروؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ! ہم اس موقع پر وہ بات نہیں کہیں گے جو حضرت موسیٰ کی امت نے ان سے کہی تھی کہ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب جا کر دشمن سے لڑ لو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ ہم گروہ انصار نے تمنا کی اور کہا کہ اگر ہم بھی وہی کہتے جو (حضرت) مقداد نے کہا تو یہ بات ہمیں قافلے کا مال مل جانے سے زیادہ پسند ہوتی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ابن کثیر ۲/۲۸۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے لئے مشورہ کیا اور پھر قریش کے لشکر سے جنگ کا حکم دیا تو مسلمانوں کو یہ جنگ ناپسند ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۲/۲۸۷)

تشریح: ان آیتوں میں واقعۂ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مومنوں کو مال غنیمت کی تقسیم بھی ایسی ہی ناگوار ہے جیسا کہ اس جنگ کے لئے بحکم الہٰی آپؐ کا گھر سے نکلنا ناگوار تھا۔ انہوں نے اپنی قلتِ تعداد و اسلحہ اور دشمن کی کثرتِ تعداد و اسلحہ کے خوف سے یہ کہا تھا کہ آپؐ تو ہمیں قافلے سے نمٹنے کے لئے لے کر نکلے تھے ہمیں تو گمان بھی نہ تھا کہ ہمیں جنگ کرنا پڑے گی اور نہ ہم جنگ کے لئے تیار ہو کر گھر سے نکلے تھے۔ جس طرح وہاں ان کی خوشی کا لحاظ نہیں کیا گیا تھا اور ان کو ارادہ اور تیاری کے بغیر دشمن سے بھڑا دیا تھا اور ان کو دشمن پر فتحیاب کر دیا تھا، اسی طرح یہاں بھی لحاظ نہیں اس لئے کہ ان کی عقلیں اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں، حکمتوں اور عمدہ نتائج کو نہیں پہنچ سکتیں۔ بندے تو آسانی اور موجودہ فائدہ کو دیکھتے ہیں۔ اس جنگ کے لئے گھر سے نکلنے میں بظاہر تکلیف و مشقت اور دشمن کی کثیر تعداد اور اپنی قلت کے سبب مارے جانے کا خوف تھا۔ مگر اس قتال نے مشرکینِ مکہ کی کمر توڑ ڈالی۔

مسلمانوں کو معرکہ بدر میں فتح و نصرت مسلمانوں کی قوت و تعداد کے سبب نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے حاصل ہوئی۔ پھر جو مال ان کو غنیمت کے طور پر ملا وہ بھی اللہ کا ہے۔ اس لئے اللہ کے پیغمبر اس مال کو اس کے حکم مطابق مسلمانوں میں تقسیم کریں گے۔ (حقانی ۲/۴۵۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳/۲۰۷)

واقعۂ بدر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینے میں خبر ملی تھی کہ ابو سفیان شام سے مالِ تجارت لے کر مکہ واپس جارہا ہے۔ اس تجارت میں مکہ کے تمام قریشی شریک تھے۔ ابن عقبہ کے بیان کے مطابق مکہ کا کوئی قریشی مرد یا عورت باقی نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو۔ اگر کسی کے پاس صرف ایک مثقال (ساڑھے چار ماشے) سونا بھی تھا تو اس نے بھی اس میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔ ابن عقبہ کہتے ہیں کہ اس قافلے کا کل سرمایہ پچاس ہزار دینار تھا۔ دینار سونے کا ایک سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ آج کل کے اعتبار سے اس کی قیمت اندازاً ۱۲ کروڑ روپے بنتی ہے۔

آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا اور اس قافلہ کا حال بیان کیا کہ اس میں مال بہت اور

آدمی کم ہیں ۔ لہذا تم اس کی طرف نکلو، شاید اللہ تعالیٰ تمہیں یہ اموال عطا کر دے ۔ یہ رمضان کا زمانہ تھا ۔ پہلے سے کسی جنگ کی تیاری نہ تھی، اس لئے بعض لوگوں نے تو چستی اور ہمت کا اظہار کیا اور بعض نے کچھ پس و پیش کی ۔ چنانچہ آپؐ نے بھی سب لوگوں کے لئے اس جہاد کی شرکت ضروری قرار نہیں دی بلکہ یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں موجود ہوں وہی ساتھ چلیں سواریاں باہر سے منگوانے کا وقت نہیں ۔ اس طرح ساتھ جانے کا ارادہ رکھنے والوں میں سے بھی تھوڑے ہی آدمی تیار ہو سکے ۔ یوں بھی لوگوں کو اطمینان تھا کہ یہ محض ایک تجارتی قافلہ ہے ۔ اس کے لئے کسی بڑے لشکر کی ضرورت نہیں ۔ بیرِ سقیا سے روانگی کے وقت آپ نے لشکر کو شمار کرایا تو ۳۱۳ کی تعداد تھی اور لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے ۔ لوگ باری باری انہیں پر سوار ہوتے تھے ۔

ادھر ابو سفیان جب حجاز کے قریب پہنچا تو اس نے مختلف سمتوں میں جاسوس روانہ کئے اور راستہ میں جو قافلہ بھی ملتا اس سے مسلمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا ۔ اس کو خوف تھا کہ کہیں مسلمان اس کے قافلے کو لوٹنے کے لئے اس پر حملہ نہ کر دیں ۔ پھر اس کو ایک قافلے کے ذریعہ یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم اس کے قافلے کو روکنے کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ مدینے سے روانہ ہو گئے ہیں ۔ اس نے اسی وقت ضمضم بن غفاری کو اجرت دے کر مکہ کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ جا کر قریش کو خبر کر دے کہ ان کے قافلے کو صحابہ کرام سے خطرہ لاحق ہے ۔ جب اہلِ مکہ کو خبر ملی تو ابو جہل ایک بڑا لشکر لے کر قافلے کو بچانے کے لئے روانہ ہو گیا مگر ابو سفیان راستہ بدل کر مسلمانوں کی زد سے بچ نکلا اور ابو جہل لڑائی کے ارادے سے مقامِ بدر پر آپہنچا ۔ اس لشکر میں ایک ہزار جوان، دو سو گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں ۔ ان لوگوں کے کھانے کے لئے دس اونٹ ذبح ہوتے تھے ۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو سفیان کے تجارتی قافلے کو روکنے کی غرض سے اسی انداز کی تیاری کر کے مدینے سے نکلے تھے ۔ بدر کے قریب پہنچ کر آپؐ نے دو آدمیوں کو ابو سفیان کے قافلے کی خبر لانے کے لئے آگے بھیجا ۔ مخبروں نے آپ کو یہ خبر پہنچائی کہ ابو سفیان کا قافلہ آپ کے تعاقب کی خبر پا کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ گزر گیا ۔ اس کی حفاظت اور مسلمانوں سے جنگ کے لئے مکہ مکرمہ سے ایک ہزار جوانوں کا لشکر آرہا ہے ۔ اس خبر نے حالات کا رخ پلٹ دیا اور آپ نے صحابہ کرام سے قریشی لشکر سے جنگ کے بارے میں مشورہ فرمایا ۔

حضرت ابوب انصاریؓ اور بعض دوسرے حضرات نے عرض کیا کہ ہم میں ان کے مقابلے کی طاقت نہیں اور نہ ہم اس قصد سے نکلے تھے۔ اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر تعمیل حکم کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر تعمیل حکم اور جہاد کے لئے تیار ہونے کا اظہار کیا۔ پھر حضرت مقدادؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ حکم ملا ہے آپ اس کو جاری کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ خدا کی قسم ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے کہی تھی کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جاکر دشمن سے لڑ لو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ ہم آپ کے دائیں، بائیں اور آگے پیچھے ہو کر دشمن سے لڑیں گے۔

حضرت مقدادؓ کی گفتگو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے اور ان کو دعائیں دیں، مگر ابھی تک انصار کی طرف سے موافقت میں کوئی آواز نہیں آئی تھی۔ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد کا جو معاہدہ کیا تھا وہ مدینے کے اندر رہ کر مدد کرنے کا تھا۔ مدینے سے باہر امداد کرنے کے وہ پابند نہ تھے۔ اس لئے آپ نے پھر مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اس جہاد پر اقدام کریں یا نہ کریں۔ اس خطاب کا روئے سخن انصار کی طرف تھا۔ حضرت سعد بن معاذ انصاریؓ سمجھ گئے اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت سعد نے عرض کیا:

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم آپ پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم نے آپ سے عہد وپیماں کیا ہے کہ جو کچھ آپ حکم دیں گے ہم اس کو بجالائیں گے۔ آپ کو شاید یہ اندیشہ ہو کہ انصار اپنی بستیوں میں ہی آپ کی مدد کریں گے (باہر نکل کر نہیں کریں گے) تو میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں سفر کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ جس سے تعلق جوڑنا چاہیں جوڑیں اور جس سے ختم کرنا چاہیں کریں، ہمارے مالوں میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں ہمیں دے دیں اور جو مال آپ ہمارے پاس چھوڑ دیں گے وہ ہمیں اس مال سے زیادہ محبوب نہ ہو گا جو آپ ہم سے لیں گے۔ خدا کی قسم اگر آپ ہمیں لے کر برک الغماد جانا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور اگر آپ ہمیں سمندر میں لے جائیں گے تو ہم آپ کے ساتھ اس میں بھی گھس جائیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا۔ اگر کل دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہمیں ناگوار نہ ہو گا۔ ہم لڑائی میں تجربہ کار ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری (جنگی) کارگزاری سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ایک کام کے لئے نکلے ہوں اور اللہ تعالیٰ دوسری بات پیدا کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چلئے۔ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہیں گے۔

حضرت سعد کی تقریر سن کر آپ کا چہرہ انور چمکنے لگا اور فرمایا کہ اللہ کے نام پر چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دو گروہوں (ایک ابو سفیان کا گروہ یعنی قافلہ اور دوسرا ابو جہل کا گروہ) میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے۔ خدا کی قسم میں اس وقت بھی گویا ان لوگوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں (کہ ان میں سے کون کس جگہ مارا جائے گا)۔

(ابن کثیر ۲۸۶۔ ۲۸۸ / ۲، روح المعانی ۱۷۰۔ ۱۷۱ / ۹، مظہری ۱۶۔ ۱۷ / ۴)

بدر پہنچ کر قریش نے تو ٹیلے اور بطن وادی کے پیچھے اونچی جگہ پر قبضہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے حصہ میں نشیبی اور ریتیلا میدان آیا جہاں چلنا بھی دشوار تھا۔ رات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش ہو گئی جو مشرکوں کی طرف تو نہایت شدید اور موسلا دھار تھی جس سے ان کے لئے چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔ مسلمانوں کی طرف کم بارش ہوئی جس سے وہ نہا بھی لئے، خود بھی پانی پیا، اپنے اونٹوں کو بھی پلایا، اپنے مشکیزے بھی بھر لئے اور اس سے ان کی طرف والی زمین بھی سخت اور ہموار ہو گئی۔

صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی صف بندی شروع کی اور تیر کی مانند صفوں کو سیدھا کیا۔ جب صفیں درست ہو گئیں تو آپؐ نے حضرت مصعب کو ایک جگہ جھنڈا نصب کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد لوگوں کو جنگ میں ثابت قدم رہنے اور اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کی ترغیب دی اور حکم دیا کہ جب دشمن تمہارے قریب ہو جائے تو تیر مارنا اور جب بالکل قریب آجائے تو تلوار سے لڑنا۔

اسی اثنا میں قریش بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مسلمان بدستور اپنی لائن پر جمے رہے سب سے پہلے عتبہ، شیبہ اور ولید نے میدان میں آکر اپنا مبارز (مقابل) طلب کیا۔ حضرت عبیدہ بن الحارث، حضرت حمزہ اور حضرت علی نے نکل کر ان کو واصل جہنم کیا۔ پھر گھمسان کا رن پڑا۔ آپ نے حضرت جبرائیل کے اشارے سے ایک مٹھی خاک لے کر اس پر **شَاہَتِ الْوُجُوْہ** (چہرے بگڑ گئے) پڑھتے ہوئے کافروں پر پھینک ماری اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر ٹوٹ پڑو۔ مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو۔ اس کے ساتھ ہی دشمن بھاگ

کھڑا ہوا۔ اس معرکہ میں صرف ۱۴ مسلمان شہید ہوئے جن میں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے۔ ادھر مشرکین کو زبردست جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ ان کی اصل طاقت ٹوٹ گئی۔ ان کے سردار و سپہ سالار ایک ایک کر کے مارے گئے۔ (ماخوذ از ہادی، اعظم، ۴۸۶۔۵۰۳)

مشرکین پر غلبے کی بشارت

۸-۷ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

اور جب اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا بھی نہ لگے وہ تمہیں ملے اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمات حق کو حق ثابت کرنا اور کافروں کی جڑ کاٹنا چاہتا تھا تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے اگرچہ مجرم ناپسند ہی کریں۔

الطَّآئِفَتَيْنِ: دو گروہ۔ دو جماعتیں۔ دو فرقے۔

تَوَدُّوْنَ: تم دوست رکھتے ہو۔ تم چاہتے ہو۔ وَدٌّ سے مضارع۔

ذَاتِ: والی۔ ذُوْ کا مؤنث۔ جمع ذَوَاتٌ۔

الشَّوْكَةِ: جماعت (قافلہ) تکلیف۔ ہتھیار۔ کانٹا۔

دَابِرَ: جڑ۔ بنیاد۔ پچھاڑی۔ دَبْرٌ و دُبُوْرٌ سے اسم فاعل جمع دوابر۔

تشریح: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کو یہ اطلاع ملی کہ قریش کا ایک عظیم لشکر اپنے تجارتی قافلے کی حفاظت کے لئے مکہ مکرمہ سے روانہ ہو چکا ہے تو اب مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں۔ ایک ابو سفیان کا تجارتی قافلہ جو غیر مسلح تھا، دوسرا قریش کا مسلح لشکر جو ہر طرح کے جنگی ساز و سامان سے لیس تھا۔ پہلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں سے ان دو جماعتوں میں سے کسی ایک پر غلبہ کا وعدہ فرمایا

تھا۔ چونکہ تجارتی قافلے پر قبضہ آسان اور خطرات سے خالی تھا اور مسلح لشکر سے مقابلہ دشوار اور خطرات سے پر تھا اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق ان میں سے کسی بھی جماعت پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو سکتا تھا، اس لئے بہت سے صحابہ کی تمنا اور خواہش یہ ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس جماعت پر قبضہ کا وعدہ ہوا ہے وہ غیر مسلح تجارتی قافلہ ہو جائے۔

ان لوگوں کو متنبہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تو شدت و تکلیف کے بغیر مالی فائدے کے لیے غیر مسلح تجارتی قافلے پر قبضہ چاہتے تھے، جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ تمہیں بے سرو سامانی کے عالم میں ایسے کثیر التعداد اور ہر طرح کے جنگی ساز و سامان سے لیس لشکر سے بھڑا دے تاکہ حق کا حق ہونا واضح ہو جائے اور کافروں کی بیخ کنی ہو جائے۔ چنانچہ یہی ہوا۔ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے جن میں ابو جہل سمیت ان کے نامور سردار شامل تھے اور ستر آدمی قید ہوئے۔ اس طرح کفر کی کمر ٹوٹ گئی اور مشرکین مکہ کی بنیادیں ہل گئیں۔ (معارف القرآن ۱۸۹۔۱۹۰/ ۴، تفسیر عثمانی صفحہ ۵۱۳)

آپ کی دعاء

۱۰۹۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ○ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

(اور وہ وقت یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کرنے لگے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی کہ میں لگاتار آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا اور یہ تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں صرف خوشخبری دی تھی تاکہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور فتح تو (جب بھی ہوتی ہے) اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

تَسْتَغِيْثُوْنَ: تم فریاد کرتے ہو۔ اِسْتِغَاثَۃٌ سے مضارع۔

فَاسْتَجَابَ: پس اس نے منظور کر لیا۔ پس اس نے قبول کر لیا۔ اِسْتِجَابَۃٌ سے ماضی۔

مُمِدُّکُمْ : تمہیں مدد دینے والا۔ اِمْدَادٌ سے اسم فاعل۔

مُرْدِفِیْنَ : یکے بعد دیگرے آنے والے۔ پیچھے آنے والے۔ اِرْدَافٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ بدر کے روز آپؐ نے اپنے ساتھیوں کا شمار کرایا تو وہ تین سو سے کچھ اوپر تھے اور مشرکین کوئی ایک ہزار کی تعداد میں تھے۔ آپ نے قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھائے اور نہایت عجز و انکسار سے دعا کرنے لگے کہ اے اللہ تو اپنے وعدے کو پورا کر۔ اے اللہ اپنے وعدے کے مطابق مجھے عطا کر دے۔ اے اللہ! اگر یہ اہلِ حق کی جماعت ماری گئی تو پھر زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا اور توحید کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ دعا کرتے کرتے آپ کی چادر مبارک کندھوں سے گر پڑی۔ حضرت ابو بکر نے اٹھا کر آپ کے کندھوں پر ڈال دی اور آپ کا ہاتھ تھام کر عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! بس کیجئے آپ کی دعا۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲/۷ ۴)

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر پہنچنے سے پہلے ہی مشرکین مکہ نے بدر کے کنوؤں پر قبضہ کر لیا تھا۔ ان کی تعداد بھی ایک ہزار تھی اور وہ سامان حرب سے پوری طرح لیس تھے۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ تھی جو بھوکے، پیاسے اور بے سرو سامان تھے۔ موسم بھی گرمی کا تھا۔ ایسی حالت میں مسلمان اپنے پروردگار سے مدد کے خواہاں اور اس سے فریاد رسی کے امیدوار ہوئے۔

یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ جب آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کر لی کہ اب میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا جو صف بہ صف آئیں گے۔

سورۂ آل عمران میں امداد کے لئے آنے والے فرشتوں کی تعداد تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے۔ اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین مختلف وعدے ہیں جو مختلف حالات میں کئے گئے۔ سورۂ انفال میں جو ایک ہزار فرشتوں کی مدد کا ذکر ہے وہ پہلا وعدہ تھا اور اس کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی۔

پھر جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ مشرکین کی مدد کے لئے کرز بن جابر محاربی کمک لے کر آرہا ہے تو ان میں اضطراب پیدا ہو گیا۔ اس پر آل عمران کی آیت ۱۲۴ **اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ ..... مُنْزِلِیْنَ** نازل ہوئی۔ جس میں آسمان سے تین ہزار فرشتوں کی امداد نازل کرنے کا وعدہ ہے۔

تیسرا وعدہ اس شرط کے ساتھ تھا کہ اگر تم ثابت قدم اور تقویٰ پر قائم رہے اور دشمن نے ایک دم حملہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ جو خاص نشان یعنی خاص لباس میں ہوں گے۔ (معارف القرآن ۱۹۲ / ۲)

امام احمد، بزار اور حاکم رحمہم اللہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ بدر کے دن میں اور حضرت ابو بکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ نے ہم میں سے ایک سے فرمایا کہ تمہارے ساتھ جبرائیل ہیں اور دوسرے سے فرمایا کہ تمہارے ساتھ میکائیل ہیں اور اسرافیل ایک عظمت والا فرشتہ ہے جو میدان جنگ میں موجود رہتا ہے مگر صف میں شامل ہو کر لڑتا نہیں۔

محمد بن عمرو اسلمی اور ابن عساکر کا بیان ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا کہ میں نے بدر کے دن دو آدمی دیکھے۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب تھا۔ دونوں سخت ترین قتال کر رہے تھے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تیسرا آگیا۔ پھر آپ کے آگے چوتھا آگیا۔

امام احمدؒ، ابن سعدؒ اور ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بیہقیؒ نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو الیسرؓ نے (حضرت) عباسؓ کو گرفتار کیا تھا۔ ابو الیسر گٹھیلے بدن اور چھوٹے قد کے آدمی تھے اور حضرت عباس قد آور تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو الیسر سے دریافت فرمایا کہ تم نے (حضرت) عباس کو کیسے گرفتار کیا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو گرفتار کرنے میں ایک شخص نے میری مدد کی جس کا حلیہ اس طرح کا تھا۔ میں نے اس شخص کو نہ پہلے کبھی دیکھا نہ اس کے بعد۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری مدد ایک بزرگ فرشتے نے کی تھی۔

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن حضرت جبرائیل، حضرت زبیر کی شکل میں زرد عمامہ باندھے ہوئے اترے تھے۔ (مظہری ۳۰ / ۲)۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی امداد ایک تو تمہاری بشارت کے لئے عطا فرمائی تھی اور دوسرے دلوں کے اطمینان کے لئے تاکہ تمہارے دلوں سے وہ خوف دور ہو جائے جو فطری طور پر اپنی قلت و بے سروسامانی اور دشمن کی کثرت و سامان حرب کی فراوانی کے خیال سے تمہارے دلوں میں پیدا ہوا تھا ورنہ اللہ تعالیٰ تو اس بات پر قادر ہے کہ فرشتوں کی مدد کے بغیر

تمہارے ہی ہاتھوں سے تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے یا خود ہی ان کو ہلاک کر دے۔ جہاں تک فتح و نصرت کا تعلق ہے تو یہ منجانب اللہ ہے۔ فرشتوں کی مدد یا لشکر کی کثرت و قلت اور ساز و سامان وغیرہ میں خود کچھ تاثیر نہیں۔ پس تم ان چیزوں پر بھروسہ مت کرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی حکمت و غلبہ والا ہے۔

دعاء کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو جہاد کی خوب خوب ترغیب دی اور پھر خود بھی جنگ میں شریک ہو گئے۔

ابن سعد اور فریابی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جب بدر کا دن ہوا اور جنگ سامنے آ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آگے ہو گئے اور ہم نے آپ کی آڑ میں اپنا بچاؤ کیا۔ اس روز آپ سب سے زیادہ جنگجو تھے۔ ہم میں سے کوئی مشرکوں سے اتنا قریب نہ تھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریب تھے۔ امام احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ بدر کے دن کا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لے رہے تھے۔ (مظہری ۳۱/ ۴)

مسلمانوں پر انعاماتِ خداوندی

۱۱۔ اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝

(اور وہ وقت یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ تمہاری تسکین کے لئے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس کے ذریعہ تمہیں پاک کر دے اور شیطانی ناپاکی (شیطانی وسوسہ) کو تم سے دور کر دے اور تاکہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے قدم جمائے۔

يُغَشِّيْكُمْ: وہ تم کو اوڑھاتا ہے۔ وہ تم کو ڈھانک دے گا۔ تغشیۃ سے مضارع۔

النُّعَاسَ: اونگھ۔ جھپکی۔ حواس کی سستی۔ مصدر ہے۔

رِجْزَ: نجاست۔ عذاب۔ آفت۔ وسوسہ۔

لِيَرْبِطَ: وہ باندھتا ہے۔ وہ مضبوط کرتا ہے۔ ربط سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے غزوہ بدر میں مومنوں کو جو انعامات عطا ہوئے ان میں سے پہلا انعام تو اس جہاد کے لئے مسلمانوں کو نکالنا ہے۔ جیسا کہ آیت کما اخرجک ربک میں مذکور ہے۔ دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے۔ جس کا ذکر آیت اذیعدکم الله میں ہے۔ تیسرا انعام دعاء کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے جو آیت اذ تستغیثون میں مذکور ہے۔

اس آیت میں دو نعمتوں کا ذکر ہے۔

(۱) مسلمانوں پر نیند غالب آکر ان کی پریشانی اور تکان دور ہونا۔

ایک طرف تو مسلمانوں کی قلت اور بے سرو سامانی تھی۔ دوسری طرف مشرکین کی کثرت اور ان کے پاس ہر طرح کا سامانِ حرب و ضرب تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ مشرکین مکہ نے پہلے پہنچ کر بدر کے میدان کے اس حصہ پر قبضہ کر لیا جو پانی سے قریب اور نسبتاً اونچائی پر تھا جبکہ صحابہ کرام کو میدان کے اس حصہ میں جگہ ملی جو نسبتاً نشیب میں تھا اور ریتیلا تھا۔ اس میں چلنا پھرنا دشوار تھا۔ ان حالات میں طبعی طور پر مسلمانوں کو پریشانی اور فکر لاحق تھی۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک طرح کی نیند اور سکینت نازل فرما دی جس نے ہر مسلمان کو سلا دیا۔ خواہ اس کا ارادہ سونے کا تھا یا نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ جنگ میں اونگھ آجانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ سکینت ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطان کی طرف سے ہے۔ اونگھ کا (نزول) دو بار ہوا ایک بار بدر کی لڑائی میں اور دوسری بار احد کی جنگ میں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ غزوہ بدر کی رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہ رہا جو سو نہ گیا ہو۔ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر ایک درخت کے نیچے نماز پڑھتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے روتے رہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بنائے ہوئے چھپر میں حضرت ابو بکر کے ساتھ نماز تہجد میں مشغول تھے۔ اس دوران آپ کو بھی کچھ اونگھ آگئی پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہو گئے اور حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا: اے ابو بکر خوش ہو جاؤ۔ وہ جبرائیل علیہ السلام ٹیلے کے قریب کھڑے ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر تشریف لے گئے۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابو جہل کی قتل گاہ ہے۔ یہ فلاں کی یہ فلاں کی۔ پھر صبح کو جب جنگ ہوئی تو وہ لوگ ٹھیک انہی مقامات پر قتل ہوئے۔ (ابن کثیر ۲۹۱/ ۲)

(۲) اس رات مسلمانوں کو دوسری نعمت یہ ملی کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے ذریعہ ان کی پانی کی ضرورت کو پورا کر دیا۔ مشرکین نے مسلمانوں سے پہلے بدر پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا تھا۔ مسلمان بعد میں بدر پہنچے۔ ان کو نہ تو پانی ملا اور نہ میدان میں ایسی جگہ ملی جو سخت اور چلنے پھرنے کے لئے آسان ہو بلکہ میدان کا وہ حصہ جس میں مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ نہایت ریتیلا تھا اور اس میں پاؤں دھنستے تھے۔ اس رات کو جب مسلمانوں کو پیاس نے ستایا اور نماز کے وقت وضو اور غسل سے عاجز ہوئے تو شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو حالانکہ دشمن تم پر ہر طرح سے فوقیت رکھتا ہے۔ اگر تم حق پر ہوتے اور اللہ کے مقبول ہوتے تو اس پریشانی میں مبتلا نہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شیطانی وسوسہ کو دور کرنے کے لئے بارش نازل فرمائی۔ مسلمانوں نے خوب پانی پیا، وضو و غسل کیا، سواریوں کو پلایا اور اپنی مشکوں کو بھر لیا۔ میدان جنگ کا وہ حصہ جو مسلمانوں کی طرف تھا اور ریتیلا تھا وہاں اتنی بارش ہوئی جس سے ریت جم گئی اور اس پر چلنا پھرنا آسان ہو گیا اور مسلمانوں کے دلوں سے شیطانی وسوسہ دور ہو گیا جبکہ میدان کے اس حصے پر جو مشرکوں کے قبضہ میں تھا اتنی شدید بارش ہوئی کہ اس سے وہاں کیچڑ اور پھسلن ہو گئی اور کافروں کے لئے اس پر چلنا پھرنا دشوار ہو گیا۔

ایک نعمت کا اظہار

۱۲۔۱۴ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ۝

جب آپ کا پروردگار فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو

تم مومنوں کو ثابت قدم رکھو ۔ میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں ۔ سو تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے ہر ایک جوڑ پر مارو ۔ یہ اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو سخت عذاب دیتا ہے ۔ یہ تو تم چکھ لو اور جان لو کہ کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے ۔

فَوْقَ: اوپر ۔ اونچا ۔ ظرف مکان ہے ۔

اَعْنَاقِ: گردنیں ۔ واحد عُنُقٌ ۔

بَنَانٍ: پوریں ۔ انگلیوں کے سرے ۔ واحد بَنَانَۃٌ ۔

شَاقُّوْا: وہ مخالف ہوئے ۔ مُشَاقَّۃٌ سے ماضی ۔

العِقَاب: عذاب ۔ سزا ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر اپنی خفیہ نعمت کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے فرشتوں کو وحی بھیجی کہ میری مدد تمہارے ساتھ ہے ۔ سو تم مومنوں کی جماعت میں اضافہ کر کے اور ان کو کامیابی کی بشارت دے کر ان کی ہمت بڑھاؤ ، ان کو ثابت قدم رکھو اور ان کے دلوں کو قوی بناؤ اور ان کے ساتھ کافروں سے قتال کرو ۔ میں مسلمانوں کی تعداد کو دوگنا ، چوگنا دکھا کر کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی دہشت ڈال دوں گا ۔ تم ان کافروں کی گردنوں پر مارو تاکہ وہ حق کے مقابلے میں سر ہی نہ اٹھا سکیں اور ان کے ایک ایک پور کو ضرب لگاؤ تاکہ وہ تلوار پکڑنے کے بھی قابل نہ رہیں ۔ کافروں کو یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی تھی ۔ اس کفر و نافرمانی کا مزہ تو انہوں نے دنیا ہی میں چکھ لیا ۔ ان کو اصل سزا تو آخرت میں ملے گی جہاں ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار ہے ۔ (مظہری ۳۳ / ۴، ابن کثیر ۲۹۲ ۔ ۲۹۳ / ۲) ۔

مقابلے سے فرار کی ممانعت

۱۵-۱۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا
تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا
لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ

جَهَنَّمُ ،وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہاری مڈھ بھیڑ ہو جائے تو ان کو پیٹھ نہ دکھاؤ اور جو کوئی اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا سوائے اس کے جو جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا اپنے ہی لشکر سے جاملنے کے لئے (ایسا کرے) تو وہ اللہ تعالیٰ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

زَحْفًا: میدان جنگ۔ لڑائی۔ بڑا لشکر۔ مصدر ہے۔

الْاَدْبَارَ: پیٹھیں۔ پشتیں۔ واحد دُبُرٌ۔

مُتَحَرِّفًا: پینترا بدلنے والا۔ کرتب کرنے والا۔ تَحَرُّفٌ سے اسم فاعل۔

مُتَحَيِّزًا: پناہ لینے والا۔ جگہ لینے والا۔ تَحَيُّزٌ سے اسم فاعل۔

فِئَةٍ: گروہ۔ چھوٹی جماعت۔

بَاءَ: وہ مستحق ہوا۔ وہ پھرا۔ وہ لوٹا۔ بَوَاءٌ سے ماضی۔

مَاْوٰهُ: اس کے رہنے کی جگہ۔ اس کا ٹھکانا۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ جب تم جنگ میں کافروں کے مقابل آجاؤ تو پھر تم پیٹھ پھیر کر ان کے سامنے سے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر مت بھاگو سوائے دو صورتوں کے، ایک یہ کہ بھاگنے سے کافروں کو دھوکہ دینا مقصود ہو تاکہ کوئی کافر تنہا اس کے تعاقب میں آئے اور وہ اس کافر کو اکیلا پاکر قتل کرڈالے۔ ایسی مصلحت کے تحت بھاگنے میں کوئی حرج نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ مسلمان جماعت سے مل جانے کے خیال سے بھاگے تاکہ ان میں مل کر قوت حاصل کرے اور پھر کافروں پر حملہ کرکے ان کو شکست دے۔ پس جو کوئی ان دو صورتوں کے سوا کفار سے پیٹھ پھیر کر بھاگے جیسے جان بچاکر بھاگنا تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۰۷۔ ۲۰۸ / ۹، ابن کثیر ۲۹۳ / ۲)۔

پس مذکورہ بالا حکم کی رو سے مسلمانوں کے لئے دشمن کے مقابلے سے پشت پھیرنا حرام ہے۔ خواہ دشمن کی تعداد اور قوت و شوکت کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو سوائے دو صورتوں کے ایک جنگی چال کے طور پر میدان سے ہٹنا اور دوسرے مزید کمک حاصل کرنے کے لئے پیچھے ہٹنا۔

(معارف القرآن ۲۰۰ / ۴)

مسلمانوں کی غیبی مدد

۱۷-۱۸۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ
اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

پھر تم نے تو ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو قتل کیا اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جس وقت آپ نے وہ مٹھی (بھر کنکریاں) پھینکیں تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکیں تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں تھیں تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں پر خوب احسان فرمائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کافروں کی چال کو کمزور کرنے والا ہے۔

رَمَيْتَ: تو نے پھینکا۔ رَمْیٌ سے ماضی۔

بَلَآءٌ: آزمائش۔ امتحان۔ تکلیف۔ غم۔ بوسیدہ ہونا۔ مصدر و اسم۔ اللہ کا امتحان کبھی مصیبت و مشقت میں مبتلا کر کے ہوتا ہے اور کبھی راحت و دولت دے کر۔

بَلَآءً حَسَنًا: اس امتحان کو کہا گیا ہے جو راحت و دولت اور فتح و نصرت دے کر لیا جاتا ہے تاکہ لوگ اس کو اللہ کا انعام سمجھ کر اس کی شکر گزاری کریں اور اس کو اپنی ذاتی قابلیت کا نتیجہ سمجھ کر فخر و ناز میں مبتلا نہ ہوں۔

شانِ نزول: بغویؒ نے مجاہدؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن جب مسلمان لڑائی سے فارغ ہو کر لوٹے تو ان میں سے کوئی کہنے لگا کہ میں نے فلاں کافر کو قتل کیا ہے اور کوئی کہنے لگا کہ میں نے فلاں کو مارا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۸ / ۴)

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ بندوں کے تمام افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ بندہ خود اپنے افعال پر قادر نہیں اور نہ وہ ان کا خالق ہے۔ بندوں سے جو نیک اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہوتے ہیں۔ پس اے مومنو! تمہاری طاقت اور بس میں یہ کہاں تھا کہ تم اتنی کم تعداد اور نہایت بے سر و سامان کے عالم میں دشمن کی اتنی بڑی تعداد اور ہر طرح کے سامان

حرب و ضرب سے لیس فوج کو شکست دیتے ۔ لہذا تم اپنی سعی و عمل پر ناز نہ کرو ۔ یہ کامیابی تو تمہیں اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے ۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (ال عمران آیت ۱۲۳)

بدر کے دن اللہ تعالیٰ ہی نے تمہاری مدد فرمائی حالانکہ تم بہت کمزور تھے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝

(التوبہ آیت ۲۵)

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مواقع پر تمہاری مدد فرمائی ہے اور حنین کی جنگ کے دن تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور بنادیا تھا ۔ لیکن اس کثرت نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا اور زمین کشادہ ہونے کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے ۔

پس کامیابی کا دار و مدار نہ تو کثیر تعداد پر ہے اور نہ سامان حرب کی کثرت پر بلکہ فتح و نصرت تو من جانب اللہ ہوتی ہے ۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔

(البقرۃ آیت ۲۴۹)

کتنی ہی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ کے حکم سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آجاتی ہے ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب آپ بدر میں چھپر کے اندر اللہ تعالیٰ سے دعا میں مصروف تھے اور پھر چھپر سے باہر آکر آپ نے کافروں کی طرف کنکریلی مٹی کی ایک مٹھی پھینکی اور فرمایا کہ چہرے بگڑ جائیں ۔ پس مشرکوں میں سے کوئی نہ بچا جس کی آنکھوں میں یہ کنکریلی مٹی نہ جا پڑی ہو ۔ پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ فوراً دشمن پر ٹوٹ پڑو تو یہ مٹی کا پھینکنا اگرچہ بظاہر آپ کی طرف سے تھا مگر حقیقت میں یہ مٹی اللہ تعالیٰ ہی نے پھینکی تھی کیونکہ کسی انسان کے ایک مٹھی خاک پھینکنے کا یہ اثر نہیں ہو سکتا کہ وہ اتنے بڑے لشکر کی آنکھوں میں بھر

جائے ۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی قدرت سے اس مٹی کو تمام مشرکوں کی آنکھوں میں ڈال کر انہیں سرنگوں کر دیا ۔ پھر تم نے اپنی بے سرو سامانی اور قلت تعداد کے باوجود اللہ کی مدد توفیق سے دشمن کے ستر نامور سرداروں اور جوانوں کو تہ تیغ کیا اور ستر کو قیدی بنایا ۔ یہ اللہ کا تم پر بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہارے ہاتھوں یہ کام کرایا ورنہ اگر وہ تمہاری مدد نہ کرتا، تمہارے دلوں کو مضبوط نہ کرتا اور تمہیں ثابت قدم نہ رکھتا تو تم ان میں سے کسی ایک کو بھی قتل نہ کر سکتے ۔ یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کی محنت کا خوب خوب بدلہ دے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی دعاؤں کو خوب سننے والا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون مدد کا مستحق ہے اور کون نہیں ۔ یہ سب اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ کافروں کے مکر و تدبیر کو باطل کر دے اور ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے ۔ (ابن کثیر ۲۹۵ / ۲)

کفار کو حسرت و عار دلانا

۱۹۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(اے کافرو!) اگر تم فتح چاہتے تھے تو وہ تو تمہارے سامنے آچکی اور اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے اور تمہاری فوج خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ تمہارے ذرا کام نہ آئے گی اور بیشک اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے ۔

تَنْتَهُوْا: تم باز آجاؤ ۔ تم رک جاؤ ۔

تَعُوْدُوْا: تم لوٹو ۔ تم دوبارہ کرو ۔ عَوْدٌ سے ماضی ۔

فِئَتُكُمْ: تمہارا گروہ ۔ تمہاری جماعت ۔

شانِ نزول: محمد بن اسحاقؒ اور امام احمدؒ نے حضرت عبد اللہ بن ثعلبہ بن صعیر عذریؓ کی روایت سے اور ابن جریرؒ اور ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ (بدر کے دن) جب مسلمان اور کفار صف آراء ہو کر ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو ابو جہل نے کہا

کہ اے اللہ! ہم میں سے جو بھی رشتۂ قرابت کو قطع کرنے والا اور جو غیر مانوس چیز لایا ہو، کل صبح تو اس کو ہلاک کر دے۔ گویا ابو جہل نے خود ہی اپنے خلاف فتح کی دعاء کی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۴۲ / ۴)

سدی نے کہا کہ مشرکوں نے مکہ سے نکلتے وقت خانہ کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعاء کی تھی کہ اے پروردگار! ہمارے دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ کو اور دونوں گروہوں میں سے بزرگ کو اور دونوں قبیلوں میں سے بہتر کو فتح دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(مواہب الرحمن ۲۱۴ / ۹)

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلے میں کافر اپنے آپ کو اعلیٰ و افضل اور زیادہ ہدایت پر سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ یہ دعا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے اور جب وہ فتح پا جائیں گے تو یہ گویا من جانب اللہ ان کے حق پر ہونے کا فیصلہ ہوگا۔

ان کی دعاء کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم جس خدائی فیصلے کے متمنی تھے وہ اب سامنے آچکا ہے کہ حق کو فتح اور باطل کو شکست ہو گئی۔ اگر تم اب بھی اپنے کفر و عناد اور اللہ کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاؤ اور توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے اور تم نے پھر کفر و شرک کیا اور پھر مسلمانوں سے جنگ پر آمادہ ہوئے تو ہم پھر تمہیں سزا دیں گے اور مسلمانوں کی مدد کریں گے اور تمہاری کثیر جماعتیں، اللہ کی مدد کے مقابلے میں تمہارے کچھ کام نہ آئے گی کیونکہ جس کے ساتھ اللہ ہو اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔

اطاعتِ رسول کی تاکید

۲۰-۲۱ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور حکم سننے کے بعد اس سے روگردانی مت کرو۔ اور تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جو یہ کہتے ہیں کہ

ہم نے سن لیا حالانکہ وہ کچھ نہیں سنتے۔

تشریح: گزشتہ آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ ہونا محض تمہارے مسلمان کہلانے اور نام کا مسلمان ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے لئے دو شرطیں ہیں۔ جب تک تم یہ شرطیں پوری نہ کرو گے تمہیں اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل نہ ہو گی۔

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع کرنا۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سن کر اس سے روگردانی نہ کرنا۔

جب تک مسلمانوں کا ان دونوں باتوں پر عمل رہا اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال رہی اور وہ بے سرو سامانی کے باوجود دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو سرنگوں کرنے میں کامیاب رہے۔ پھر فرمایا کہ تم لوگ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے تو یہ ہیں کہ ہم نے سن لیا اور سمجھ لیا مگر حقیقت میں انہوں نے نہ تو کچھ سنا اور نہ سمجھا۔ یہاں ان لوگوں سے مراد کافر اور منافقین ہیں۔ یہ دونوں گروہ غور و فکر اور صحیح سمجھ سے محروم ہیں۔ اس لئے ان کا سننا بھی نہ سننے کے حکم میں ہے۔ مسلمانوں کو ایسے لوگوں کی مشابہت سے اجتناب کرنا چاہئے۔

جانوروں سے بدتر لوگ

۲۲-۲۳۔ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ٥ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ٥

بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام جانداروں میں بدتر وہ ہیں جو بہرے اور گونگے ہیں۔ جو ذرا سمجھ نہیں رکھتے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی خوبی دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دے دیتا اور اگر ان کو اب سنا دے تو وہ بے رخی کے ساتھ منہ پھیر لیں گے۔

دَوَآبّ: چلنے والے۔ چوپائے جو زمین پر چلتے ہوں، اگرچہ انسان ہوں۔ واحد دَآبَّۃٌ۔

مُعْرِضُوْنَ: اعراض کرنے والے۔ روگردانی کرنے والے۔ اِعْرَاضٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کی شدید مذمت ہے جو نہ تو حق بات کو توجہ کے ساتھ سنتے ہیں اور نہ اس کو قبول کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر وہ چوپائے ہیں جو حق کو سننے سے بہرے اور اس کو قبول کرنے سے گونگے ہیں۔ اگر بہرے، گونگے میں کچھ عقل ہو تو وہ بھی اشاروں کے ذریعہ اپنے دل کی بات کہہ لیتا ہے اور دوسروں کی بات سمجھ لیتا ہے، مگر یہ لوگ تو بہرے، گونگے ہونے کے ساتھ ساتھ بے عقل بھی ہیں۔ ظاہر ہے جو بہرا، گونگا اور بے عقل ہو اس کے سمجھنے سمجھانے کا کوئی امکان نہیں۔ (معارف القرآن، ۲۰۷ / ۴)

انسان جو احسن التقویم میں پیدا کیا گیا تھا، اس کو اس کے سعی و عمل اور اطاعتِ حق کے صلے میں اشرف المخلوقات اور مخدوم کائنات کا درجہ عطا کیا گیا۔ پھر جب اس نے حق بات سننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے منہ موڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اپنے تمام انعامات سلب کر لئے اور وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو گیا۔

دوسری آیت میں بتایا گیا کہ اگر ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بھی ضرور ہوتی۔ جب اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی موجود ہی نہیں تو پھر وہ حقیقت میں ہر بھلائی سے محروم ہیں۔ ایسی حالت میں جبکہ ان کے دل بغض و عناد سے لبریز ہوں، اگر بالفرض ان کو غور و فکر اور حق کی دعوت دی جائے تو وہ اس کو قبول کرنے کے بجائے اس سے منہ پھیر کر چل دیں گے، ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کو دین میں کوئی اعتراض کی بات نظر آگئی اس لئے انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے تو حق بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

پس جن لوگوں میں حق کی طلب اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت و استعداد ہی نہ ہو تو ایسے بدبخت، حق کو سننے کے بعد بھی ہدایت پر نہیں آتے اور اپنے ظاہری کانوں سے سننے کے بعد بھی بے رخی برتتے ہیں، اسی لئے یہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ (ساری عمر) اہل جنت کے کام کرتے ہیں، یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اس وقت کتاب (لوح محفوظ) کا لکھا ہوا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کر کے دوزخ میں چلے جاتے ہیں۔ (مظہری، ۳۶ / ۴)

احکامِ رسول کی فوری تعمیل

۲۴۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ اور رسول کا حکم مانو جبکہ رسول تمہیں ایسی بات کی طرف بلائیں جس میں تمہاری زندگی ہے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور بلاشبہ تم سب اس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

یَحُوْلُ: وہ حائل ہوتا ہے۔ وہ آڑ بن جاتا ہے۔ حَوْلٌ سے مضارع۔

اَلْمَرْءِ: مرد۔ انسان۔ آدمی۔

تُحْشَرُوْنَ: تم جمع کئے جاؤ گے۔ تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ حَشْرٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب فرما کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی فوری تعمیل و اطاعت کی تاکید فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تمہیں اصلاح و مصلحت کی خاطر کوئی حکم دیں تو تم فوراً اس کو قبول کرو اور تعمیل حکم میں جلدی کرو۔ اس آیت میں جس حیات اور دل کی زندگی کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان غفلت و نفسانی خواہشات کے جو حجابات حائل ہیں وہ ہٹ جائیں اور ان حجابات کی ظلمت دور ہو کر نورِ معرفت دل میں جگہ کرلے۔

ترمذی اور نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی طرف گزر ہوا۔ آپ نے ان کو آواز دی تو وہ جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر فوراً آنے سے تمہیں کس چیز نے روکا۔ حضرت ابی نے عرض کیا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں اس کی خبر نہیں ہوئی جو مجھ پر نازل ہوا: **یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا ..... لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔** حضرت ابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب آئندہ میں کبھی اس کوتاہی کو نہیں دہراؤں گا۔ انشاء اللہ۔ (خواہ نماز کی حالت ہی میں ہوں)۔ (مظہری ۴/۳۶، روح المعانی ۹/۱۹۱)

اس حدیث کی بنا پر بعض فقہا نے فرمایا کہ اللہ کے رسول کی اطاعت کے لئے نماز کے دوران جو کام بھی کیا جائے اس سے نماز میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اگرچہ خلافِ نماز افعال سے نماز ختم ہو جائے گی اور بعد میں اس کی قضا کرنی پڑے گی لیکن کرنا یہی چاہیئے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو بلائیں اور وہ اس وقت حالتِ نماز میں ہو تو اس کو نماز قطع کر کے فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے۔ یہ صورت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔

البتہ بعض ایسے امور میں جن میں تاخیر کرنے سے کسی شدید نقصان کا اندیشہ ہو تو اس وقت بھی فوراً نماز قطع کر کے اس کام کو کر لینا چاہیئے۔ اس کے بعد اگر وقت ہو تو نماز ادا کر لے اور اگر وقت نہ رہے تو قضا کر لے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز کے دوران یہ دیکھے کہ کوئی نابینا آدمی کنوئیں یا گڑھے کے قریب پہنچ کر اس میں گرنے ہی والا ہے تو فوراً نماز توڑ کر اس کو بچا لے اور اس کے بعد نماز پڑھ لے۔

آیت کے دوسرے حصے میں بتایا گیا ہے کہ جب کسی نیک کام کے کرنے یا گناہ سے بچنے کا موقع آئے تو اس کو چاہیئے کہ اس وقت کو غنیمت جانتے ہوئے ایک نیک کام کو فوراً کر لے جس کو وہ کرنا چاہتا ہے یا اس گناہ سے فوراً اجتناب کرے جس سے وہ بچنا چاہتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات آدمی کے ارادے کے درمیان قضاءِ الہیٰ حائل ہو جاتی ہے اور وہ اپنے ارادے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی بیماری پیش آجانا یا موت آجانا یا کوئی ایسی مصروفیت پیدا ہو جانا جس سے اس کو کام کے لئے وقت ہی نہ مل سکے۔ اس لئے آدمی کو چاہیئے کہ فرصتِ عمر اور فرصتِ وقت غنیمت جانتے ہوئے آج کا کام کل پر نہ چھوڑے بلکہ اس کو فوراً کر لے۔

پس مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی تعمیل میں دیر نہ کی جائے، اس کو فوراً کر لینا چاہیئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تاخیر کے سبب دل میں نیکی کا جذبہ اور امنگ ہی باقی نہ رہے۔ (معارف القرآن ۲۰۸۔۲۱۰ / ۴)

حضرت نواس بن سمعانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو سیدھا رکھنا چاہتا ہے تو وہ سیدھا رہتا ہے اور اگر وہ اس کو بگاڑنا چاہے تو وہ بگڑ جاتا ہے اور فرمایا کہ میزان اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، چاہے وہ اس کو ہلکا کر دے اور چاہے وہ اس کو بھاری کر دے۔

مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کے پاس قلبِ واحد کی تعریف میں ہیں کہ انہیں جس طرح چاہے پھیر دے پھر فرمایا: اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰی طَاعَتِکَ ۔ اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔

(ابن کثیر ۲۹۸ / ۲، مظہری ۴۷ / ۴)

آزمائش سے بچنے کی تاکید

۲۵۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِیْبَنَّ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ○

اور اس فتنہ سے بھی ڈرتے رہو جو تم میں سے خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا (بلکہ وہ عام ہو گا) اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔

فِتْنَةً: فتنہ۔ وبال۔ آزمائش۔ فتنہ سے مراد ایسا امر ہے جس سے قلب متزلزل ہوتا ہے، جیسے قحط و گرانی، ظالموں کا غلبہ، آپس کا نفاق اور فاجروں، بدکاروں کی سرکشی اور نیک لوگوں کا ان کو اس سے منع نہ کرنا وغیرہ۔ (مواہب الرحمٰن ۹ / ۲۲۳)

تُصِیْبَنَّ: وہ ضرور پہنچے گی۔ وہ ضرور آپڑے گی۔ اِصَابَۃٌ سے مضارع بانون تاکید۔

الْعِقَابِ: عقوبت۔ عذاب۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کی اس آزمائش سے ڈرایا گیا ہے جو گنہگاروں اور نیکوکاروں سب کے لئے ہے کہ جب لوگ علانیہ طور پر برائیوں میں مبتلا ہو جائیں اور اہل علم و فضل، قدرت کے باوجود نہ تو برائی میں مبتلا لوگوں کو برائی سے باز رکھنے کے لئے قوت استعمال کریں، نہ زبان سے ان کو روکیں اور نہ ایسے لوگوں سے میل جول ختم کریں تو ایسی صورت میں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب آیا تو وہ صرف منکرات کا ارتکاب کرنے والوں ہی پر نہیں آئے گا بلکہ نیک و بد سب اس میں مبتلا ہوں گے۔ پس جو شخص کسی کو معصیت و نافرمانی کرتے ہوئے دیکھ کر قدرت کے باوجود اس کو معصیت سے نہیں روکے گا اور اس کا دل اس پر رنجیدہ نہیں ہو

گا، بلکہ اس پر خاموشی اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ نافرمانوں کے ساتھ ساتھ اس کو بھی عذاب دے گا۔

ابو رقاد کہتے ہیں کہ میں اپنے غلام کے ساتھ نکلا تو میں نے اس کو حضرت حذیفہؓ کی طرف بھیجا۔ اس وقت وہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی شخص ایک بات بھی اس قسم کی کہہ دیتا تو اس کو منافق سمجھنے لگتے، لیکن آج ایک نشست میں تم میں سے ایک آدمی کی زبان سے میں ایسے چار منافقانہ کلمات سن رہا ہوں۔ تمہیں چاہئے کہ نیک کاموں کا حکم دیا کرو، بری باتوں سے فوراً روک دیا کرو، لوگوں کو خیر پر ابھارا کرو ورنہ تم سب عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے یا عذاب اس نوعیت کا ہو گا کہ شریر لوگ تمہارے حاکم بنا دیئے جائیں گے۔ پھر تم میں سے اچھے لوگ بھی دعا کریں گے تو وہ قبول نہ ہو گی۔ (ابن کثیر ۲۹۹ / ۲)

انعامِ خداوندی پر شکر کرنے کی تاکید

۲۶۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم تھوڑے سے تھے اور ملک (مکہ) میں مغلوب تھے تم ڈرا کرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں۔ سو اللہ نے تمہیں (مدینے میں) ٹھکانہ دیا اور تمہیں اپنی مدد سے قوت دی اور تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا تاکہ تم شکر کرو۔

مُسْتَضْعَفُوْنَ: ضعیف۔ بے بس۔ کمزور۔ اِسْتِضْعَافٌ سے اسم مفعول۔

يَتَخَطَّفَكُمْ: وہ تم کو اچک لیتا ہے۔ وہ تم کو جھپٹ لیتا ہے۔ تَخَطُّفٌ سے مضارع۔

فَاٰوٰىكُمْ: پس اس نے تم کو ٹھکانا دیا۔ اس نے تم کو ٹھہرایا۔ اِیْوَاءٌ سے ماضی۔

اَيَّدَكُمْ: اس نے تمہاری تائید کی۔ اس نے تمہیں قوت دی۔ تَاْيِيْدٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو وہ وقت یاد دلایا ہے جب سرزمین مکہ میں وہ تعداد کے اعتبار سے بہت کم تھے۔ کمزور و ناتواں اور خائف تھے، غریب و نادار تھے، تمام کفار و

مشرکین ان کی قلتِ تعداد اور ضعف و عدم قوت کے سبب ان کے قتل کے در پے تھے ۔ ان کو ہر وقت کفار و مشرکین کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ ان کو نوچ کھسوٹ نہ لیں ۔ ایک عرصہ تک یہی حالت رہی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینے کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، جہاں انہیں رہنے کے لئے ٹھکانا ملا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان ضعیف و ناتواں لوگوں کی قلت کو کثرت میں ضعف و ناتوانی کو قوت میں، فقر و افلاس کو خوشحالی میں بدل دیا اور ان پر حلال و پاکیزہ رزق کے دروازے کھول دیئے ۔ ان کے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا جو سابقہ امتوں کے لئے حلال نہ تھا ۔ اپنی تائید و نصرت سے ان کو دشمنانِ اسلام پر غلبہ دے کر دشمن کو ان کے سامنے ذلیل و خوار کر دیا پھر ان کو حکومت و سلطنت ہی عطا نہیں کی بلکہ وہ بادشاہوں پر حکم چلانے لگے ۔ یہ سب اس لئے کیا تاکہ وہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں ۔ (ابن کثیر ۳۰۰/ ۲)

خیانت کی ممانعت

۲۷-۲۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ○

اے ایمان والو ! اللہ تعالیٰ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کیا کرو حالانکہ تم (خوب) جانتے ہو (کہ خیانت بری چیز ہے) ۔ اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ (آزمائش) ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پاس بڑا اجر ہے ۔

شانِ نزول: زہری اور کلبی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے یہود کا ۲۱ رات تک محاصرہ رکھا ۔ بیہقی کی روایت میں ہے کہ محاصرہ کی مدت ۲۵ راتیں تھیں ۔ پھر اہلِ قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی جس طرح بنی نضیر کو ارضِ شام کے مقام اذرعات کی طرف جانے کی اجازت دی گئی تھی ۔ اسی طرح ہمیں بھی وہاں جاکر آباد ہونے کی اجازت دے دی جائے ۔ آپ نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ (حضرت) سعد بن معاذ کی ثالثی پر راضی ہو تو اپنے قلعوں سے نیچے اتر آؤ ۔ بنی قریظہ نے (حضرت) سعد بن

معاذ کی ثالثی قبول نہیں کی اور درخواست کی کہ حضرت ابو لبابہ رفاعہ بن عبد المنذر کو (بات چیت کے لئے) ان کے پاس بھیج دیا جائے۔ حضرت ابو لبابہ ان کے خیر خواہ تھے کیونکہ ان کا مال اور اہل وعیال بہود کے پاس یعنی ان کی بستی میں تھے۔ آپ نے حضرت ابو لبابہؓ کو ان کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ اے ابو لبابہ تمہاری کیا رائے ہے۔ کیا ہم (حضرت) سعد بن معاذؓ کے حکم پر اپنے قلعوں سے اتر جائیں۔ حضرت ابو لبابہؓ نے اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ حضرت سعد کے فیصلے کے تحت تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے۔ لہٰذا تم ان کی ثالثی قبول نہ کرو۔

حضرت ابو لبابہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم (اشارہ کرنے کے بعد) میرے قدم اپنی جگہ سے ہٹے بھی نہ تھے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیانت کی ہے۔ پھر میں خود ہی سیدھا مسجد میں پہنچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا اور مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون سے اپنے آپ کو باندھ دیا اور قسم کھالی کہ نہ کھانا کھاؤں گا اور نہ پانی پیوں گا یہاں تک کہ مرجاؤں یا اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول فرمالے۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا لیکن جب اس نے خود ہی وہ کام کرلیا جو اس نے کرنا چاہا تو اب جب تک اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا میں اس کو نہیں کھولوں گا۔ چنانچہ حضرت لبابہ سات روز تک اسی حالت میں کچھ کھائے، پیئے بغیر رہے۔ آخر بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ حضرت ابو لبابہ کو جب بتایا گیا کہ ان کی توبہ قبول ہو گئی تو انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم مجھے کوئی نہ کھولے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود مجھے اپنے دست مبارک سے کھولیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس آکر ان کو آزاد کیا رہائی کے بعد حضرت لبابہ نے کہا کہ میری توبہ کی تکمیل اس وقت ہوگی جب میں اپنے خاندانی مکان کو چھوڑ دوں کیونکہ اسی مکان میں مجھ سے گناہ کا صدور ہوا اور اپنے مال سے کنارہ کش ہو جاؤں (تمام مال خیرات کر دوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک تہائی مال صدقہ کر سکتے ہو۔ اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۹۵/ ۹)

تشریح: یہاں مومنوں کو مخاطب کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم پر فرض کی ہیں ان میں کمی نہ کرو اور نہ رسول کے مقرر کردہ امور میں کمی کرو اور نہ

آپس کی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو کہ امانت کی حفاظت ضروری ہے اور خیانت کرنے کا بہت بڑا وبال ہے۔

حضرت عباس نے فرمایا کہ اللہ کے فرائض کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ سے خیانت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وہ فرائض و اعمال جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور جن کا امین اللہ نے اپنے بندوں کو بنایا ہے وہ انسانوں کی امانتیں ہیں۔ ان میں بھی کوتاہی نہ کرو۔ (مظہری ۵۳ / ۴)

پھر فرمایا کہ تمہارا مال اور اولاد تمہارے لئے آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ مال اور اولاد دے کر تمہیں آزماتا ہے کہ تم مال کے حصول پر اس کا شکر بجالاتے ہو یا نہیں اور اولاد کی ذمہ داریاں پوری کرتے ہو یا نہیں یا مال و اولاد کی محبت میں اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہو۔ اگر تم اس امتحان میں پورے اترو گے تو اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا اجر و ثواب اور اس کی جنتیں اس مال و اولاد سے کہیں بہتر ہیں۔ لہذا تم مال و اولاد کے بارے میں احتیاط کو پیش نظر رکھو۔

بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان، اور اپنے اہل و عیال اور اپنے مال اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ جانے۔
(ابن کثیر ۳۰۱ / ۲)

تقوے کی برکات

۲۹۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہیں ایک فیصلہ کن چیز دے گا اور تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

يَجْعَلْ: وہ بناتا ہے۔ وہ کرتا ہے۔ جَعْلٌ سے مضارع۔

فُرْقَانًا: حق و باطل میں فیصلہ کرنے والا۔ فرق کرنے والا۔

سَیِّاٰتِکُمْ: تمہارے برے اعمال۔ تمہارے گناہ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم اپنے ایمان کو فتنے سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اس کے احکام بجالاتے رہو، مناہی سے اجتناب کرتے رہو اور تقوے کو اپنا شعار بنائے رکھو۔ اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں تین چیزیں عطا فرمائے گا:

۱۔ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے دشمنوں پر فتح و غلبہ عطا فرمائے گا اور تم فتنے سے محفوظ ہو جاؤ گے۔

۲۔ جو خطائیں اور لغزشیں تم سے سرزد ہوتی ہیں دنیا میں ان کا کفارہ اور بدل کر دیا جاتا ہے۔ یعنی دنیا میں تمہیں ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق ہو جاتی ہے جو تمہاری سب لغزشوں پر غالب آجاتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ تمہاری خطاؤں کو معاف فرما کر تمہاری مغفرت فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ وہ وہم و گمان سے بڑھ کر دیتا ہے۔

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم کے تین رجسٹر لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر نیک اعمال کا، دوسرا رجسٹر اس کے گناہوں کا اور تیسرے رجسٹر میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اندراج ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے اس بندے کو عنایت کی ہوں گی۔ پھر انعامات کے رجسٹر میں سے کسی حقیر ترین نعمت کو حکم ہوگا کہ تو اپنے مقابل کسی عمل صالح کو وصول کرلے (یعنی اللہ تعالیٰ کی اس حقیر ترین نعمت کا مقابلہ بندے کے نیک عمل سے کیا جائے گا)۔ اس نعمت کے مقابل تمام نیک اعمال بھی پورے نہ اتریں گے۔ وہ نعمت کہے گی کہ تیری عزت کی قسم میں نے تو پورے اعمال کو بھی اپنے مقابل نہیں پایا۔ سب نیک اعمال ختم ہوگئے اور تمام گناہ باقی ہیں اور دوسری نعمتیں بھی موجود ہیں۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کو کسی بندے پر رحم کرنا مقصود ہوگا تو فرمائے گا کہ میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند گنی کر دیں، تیری بداعمالیاں معاف کر دیں اور تجھے اپنے انعام سے سرفراز کر دیا (گویا نیک اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے بخشش ہوگی)۔ (مظہری ۵۵ / ۴)

مشرکین کے مکر و تدبیریں

۳۰۔ وَاِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لِيُثۡبِتُوۡكَ اَوۡ يَقۡتُلُوۡكَ اَوۡ يُخۡرِجُوۡكَ ؕ وَيَمۡكُرُوۡنَ وَيَمۡكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيۡرُ الۡمٰكِرِيۡنَ ○

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب کافر آپ کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کرلیں یا آپ کو مار ڈالیں یا آپ کو جلاوطن کردیں اور وہ بھی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ تعالیٰ بھی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

شانِ نزول: ابن اسحاق، عبد الرزاق، امام احمد، ابن جریر، ابو نعیم، ابن المنذر اور طبرانی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور عبد الرزاق و عبد بن حمید نے قتادہؒ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے جب مسلمانوں کی بڑی تعداد مدینے ہجرت کر چکی تھی اور ان کو وہاں ٹھکانا اور انصار کی حمایت بھی میسر آگئی تھی تو مشرکین مکہ کو اندیشہ ہوا کہ اب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی انصار کے پاس چلے جائیں گے۔ پھر ان سے مل کر یہ وہاں ہر قسم کی قوت جمع کر کے ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ اس معاملے پر مشورہ کے لئے دار الندوہ میں جمع ہوئے جو مسجد الحرام سے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا، جس کو انہوں نے قومی مسائل پر مشورہ کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔

اس اجتماع میں تمام سرکردہ اشخاص شامل ہوئے اور مختلف تدبیریں زیرِ غور آئیں۔ ابھی یہ لوگ مشورہ کے لئے جمع ہوئے ہی تھے کہ ابلیس لعین ایک بوڑھے عرب شیخ کی شکل میں چادر اوڑھے ہوئے دار الندوہ کے دروازے پر آکھڑا ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کون بوڑھا آدمی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نجد کا رہنے والا ہوں۔ میں نے سنا تھا کہ آپ لوگ ایک اہم معاملے میں مشورے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ میں بھی آپ لوگوں کی خیر خواہی کے لئے چلا آیا۔ شاید کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔ یہ سن کر لوگوں نے اس کو اندر بلالیا۔

حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگوں کو اس شخص کے حالات معلوم ہی ہیں میرے خیال میں کچھ بعید نہیں کہ یہ شخص اپنے پیروکاروں کو لے کر ہم پر حملہ کردے۔ اس لئے

باہم مشورہ کر لو اور کسی رائے پر متفق ہو جاؤ۔

علامہ سہیلی کی روایت کے مطابق ایک شخص نے جس کا نام ابوالبختری بن ہشام تھا کہا کہ ان کو (نعوذ باللہ) زنجیروں میں باندھ کر کسی مکان میں بند کر دو اور دروازے کو مقفل کر دو یہاں تک کہ وہ موت جو ان جیسے گزشتہ دوسرے شعراء، زہیر، نابغہ وغیرہ کو آئی ان کو بھی (قید خانے کے اندر) آجائے۔ نجدی بوڑھے نے کہا کہ یہ رائے تمہارے لئے سود مند نہیں۔ اگر تم ان کو مکان کے اندر بند بھی کر دو تب بھی معاملہ چھپے گا نہیں بلکہ ان کی شہرت دور دور تک پہنچ جائے گی۔ بہت ممکن ہے کہ ان کے صحابہ جمع ہو کر تم پر حملہ کر دیں اور ان کو تم سے چھڑالیں۔ یہ سن کر سب کہنے لگے کہ بوڑھے نجدی کی بات صحیح ہے۔

اس کے بعد ابوالاسود ربیعہ بن عمر نے جس کا تعلق قبیلہ بنی عامر بن لوی سے تھا کہا کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے۔ باہر جا کر جو چاہیں کرتے رہیں، ہمارا شہر ان کے فساد سے مامون ہو جائے گا۔ یہ سن کر بوڑھے نجدی نے کہا کہ یہ رائے بھی ٹھیک نہیں۔ تم جانتے ہو کہ اس کی باتیں کتنی اچھی اور میٹھی ہوتی ہیں۔ جو چیز وہ پیش کرتے ہیں دلوں میں گھر کر جاتی ہے۔ اگر وہ چلے گئے تو بہت جلد وہ ایک طاقتور جماعت تیار کر لیں گے اور تم پر حملہ کر کے تمہیں شکست دے دیں گے۔ لہذا کچھ اور سوچو۔

بوڑھے نجدی کی بات سن کر ابو جہل نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ ہر قبیلے سے ایک ایک نوجوان لے لیں اور ہر نوجوان کو ایک عمدہ تلوار دے دیں۔ پھر یہ سب لوگ ایک دم ان پر حملہ کر کے ان کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں۔ اس طرح ہمیں ان کے شر و فساد سے نجات مل جائے گی۔ رہا ان کے قتل کا جرم تو وہ چونکہ تمام قبائل پر عائد ہو گا اس لئے قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا مطالبہ تو باقی نہیں رہتا، صرف خون بہا یا دیت کا مطالبہ رہ جائے گا، جو سب قبیلوں سے جمع کر کے دے دیا جائے گا۔

یہ سن کر بوڑھے نجدی نے کہا کہ بس یہ رائے صحیح ہے۔ اس کے سوا کوئی رائے نہیں ہو سکتی۔ سب نے اسی رائے پر اتفاق کر لیا اور اسی روز رات کے وقت اپنے ناپاک عزم کی تکمیل کا تہیہ کر لیا۔

ادھر جبرئیل امین نے ان کے مشورہ اور عزائم کی اطلاع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی اور کہا کہ آج رات کو آپ اپنے اس بستر پر آرام نہ فرمائیں جس پر آپ روزانہ سوتے ہیں اور یہ

کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ مشرکوں کے اسی اجتماع کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۹۷، ۱۹۸ / ۹، مظہری ۵۵۔۵۷ / ۴، ابن کثیر ۳۰۲۔۳۰۳ / ۲)

تشریح: یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آچکے تھے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے مکہ معظمہ کے قیام کے زمانے کی وہ سازش یاد دلائی ہے جو مشرکین مکہ آپ کے خلاف کر رہے تھے۔ سرداران مکہ نے دار الندوہ میں جمع ہو کر آپ کے بارے میں مشورہ کیا۔ کسی نے رائے دی کہ آپ کو قید کر دیا جائے، کسی نے کہا کہ آپ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیا جائے اور کسی کا مشورہ یہ تھا کہ آپ کو جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تھیں وہ تدبیریں جو دار الندوہ میں زیر بحث تھیں۔

ادھر اللہ تعالیٰ بھی ان کے مکر و فریب کو باطل کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے داؤ پیچ سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنی تدبیر کر رہا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کے آگے کسی کا منصوبہ نہیں چل سکتا۔ اس نے اپنی تدبیر سے دشمن کے تمام منصوبے خاک میں ملا دئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن کے شر و فساد سے بچا کر محفوظ و مامون مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

مشرکین کا متکبرانہ دعویٰ

۳۱۔۳۲۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا (کلام) کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کے احوال ہیں اور (وہ وقت یاد کرو) جب ان لوگوں نے یہ کہا کہ اے اللہ! اگر تیری طرف سے یہی دین حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر

دردناک عذاب بھیج دے۔

اَسَاطِیْرُ: کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَۃٌ

فَاَمْطِرْ: پس تو برسا۔ اِمْطَارٌ سے امر۔

حِجَارَۃً: پتھر۔ کنکریاں۔ واحد حَجَرٌ

تشریح: یہ آیتیں نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو دار الندوہ کی سازش میں شریک تھا۔ یہ شخص تجارت پیشہ تھا۔ مختلف ملکوں کے تجارتی سفروں میں اس کو یہود و نصاریٰ کی کتابیں اور ان کی عبادتیں دیکھنے کا بار بار اتفاق ہوتا تھا۔ وہ فارس اور حیرہ سے رستم اور اسفندیار کی داستانیں سن کر آیا تھا۔ اس لئے جب اس نے قرآن کریم میں گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات سنے تو کہنے لگا کہ یہ باتیں تو ہماری سنی ہوئی ہیں۔ یہ تو گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی باتیں کہہ سکتے ہیں۔

یہ شخص جہاں بیٹھتا، لوگوں کو جھوٹ اور مبالغہ سے پر رستم و اسفندیار کے قصے سناتا اور یہود و نصاریٰ کی عبادتوں اور ان کی کتابوں کے حالات و واقعات بیان کرتا اور لوگوں سے کہتا کہ یہ واقعات بھی ویسے ہی ہیں جیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں سناتے ہیں۔ اگر چاہوں تو میں بھی ویسا ہی کلام بنا لوں۔

بعض صحابہ کرام نے اس سے یہ کہا کہ اگر تم قرآن کریم جیسا کلام کہہ سکتے ہو تو پھر کہتے کیوں نہیں، جبکہ قرآن کریم تو ساری دنیا کے لوگوں کو چیلنج دے چکا ہے کہ اگر تم اپنے دعوائے انکار میں سچے ہو اور قرآن کریم کو اللہ کا کلام نہیں مانتے تو تم سب مل کر بھی اس جیسی ایک چھوٹی سی سورت بنا لاؤ۔ مگر کوئی بھی آج تک انفرادی یا اجتماعی طور پر ایک چھوٹی سی سورت بھی قرآن کریم کے مقابلے میں پیش نہ کر سکا اور نہ قیامت تک کوئی ایسا کر سکے گا۔ قرآن کریم کا یہ چودہ سو سال پرانا چیلنج آج بھی دنیا کے تمام کفار و مشرکین کو للکار رہا ہے۔

پھر جب صحابہ کرام نے نضر بن حارث کے سامنے کلام الٰہی کا حق ہونا بیان کیا تو وہ اپنے غلط مذہب پر پختگی دکھانے کے لئے کہنے لگا کہ اے اللہ! اگر یہ قرآن آپ کی طرف سے نازل کیا ہوا صحیح اور حق ہے تو، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے جس طرح تو نے اصحابِ فیل پر برسائے تھے یا کوئی دردناک عذاب نازل کر دے۔

یہ دعا مشرکین کی کامل جہالت و نادانی اور سرکشی و عناد کا اظہار ہے، حالانکہ انہیں تو دعا

اس طرح مانگنی چاہیئے تھی کہ اے اللہ اگر یہ قرآن تیری ہی طرف سے ہے تو ہمیں اس کے اتباع کی توفیق عطا فرما۔ اس کے برخلاف وہ عذاب میں جلدی کرنے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَ هُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

(سورۃ عنکبوت آیت ۵۳)

اور یہ لوگ عذاب کے لئے جلدی کرتے ہیں۔ اگر عذاب کا ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو وہ فوراً ہی انہیں پکڑلیتا اور انہیں خبر تک نہ ہوتی۔

(ابن کثیر ۳۰۵،۳۰۴/ ۲، مظہری ۶۱/ ۴)

نضر کی دعا کا جواب

۳۳۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ○

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے اور آپ ان میں موجود بھی ہوں اور جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے نضر کی دعا کے جواب میں فرمایا کہ سابقہ انبیاء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب تک وہ بستی میں موجود رہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے ان امتوں پر عذاب نازل نہیں فرمایا یعنی ایسا عذاب جس سے پوری قوم تباہ ہو جائے۔ پھر جب ان کی سرکشی اور بداعمالیوں کی بنا پر عذاب کا نازل کرنا ضروری ٹھہرا تو پہلے وہاں سے انبیاء کو نکال لیا گیا جیسا کہ حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کے معاملے میں مشاہدہ ہوا۔ آپؐ چونکہ رحمۃ للعالمین ہیں اس لئے آپ کی موجودگی میں ان پر عذاب کا نازل ہونا آپ کی شان کے خلاف ہے۔

امام ابن جریر نے فرمایا کہ جب آپؐ مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو آیت کا دوسرا حصہ نازل

ہو الیغنی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

اور جب تک وہ معافی مانگتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہیں دے گا۔

مطلب یہ ہے کہ اگرچہ آپ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمالینے کے بعد عذاب کا وہ مانع رفع ہو گیا تھا جو آپ کی وہاں موجودگی کی وجہ سے تھا مگر عذاب کا ایک اور مانع یہ تھا کہ بہت سے کمزور و ضعیف مسلمان جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے مکہ میں رہ گئے تھے اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے تھے۔ ان کی استغفار کی برکت سے اہلِ مکہ عذاب سے محفوظ رہے۔ (معارف القرآن ۲۲۳ / ۴)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا اے مسلمانو! تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کے دنیوی عذاب سے محفوظ رہنے کے دو سبب تھے۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی۔

۲۔ تمہارا استغفار کرتے رہنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو (دنیا سے) تشریف لے گئے اور استغفار (کا سلسلہ) روزِ قیامت تک تمہارے اندر باقی رہے گا (اس لئے دنیوی عمومی عذاب تم پر نہیں آئے گا)۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان نے کہا "اے اللہ! تیری عزت کی قسم جب تک تیرے بندوں کے جسموں میں روحیں ہیں میں انہیں بہکاتا رہوں گا۔" اللہ تعالیٰ نے (جواب میں) فرمایا: "مجھے میری عزت کی قسم جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا رہوں گا"۔ (ابن کثیر ۳۰۴، ۳۰۵ / ۲، مظہری ۶۱ / ۴)

عذابِ الٰہی

۳۴۔ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

اور اب ان میں کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل نہ کرے حالانکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں۔

یَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ باز رکھتے ہیں۔ صَدٌّ سے مضارع۔

تشریح: پھر جب ضعیف و کمزور لوگ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچ گئے تو عذابِ الٰہی کے دونوں موانع رفع ہو گئے یعنی نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے اور نہ استغفار کرنے والے ضعیف و کمزور مسلمان مکہ میں رہے۔ وہ لوگ اب ہر لحاظ سے عذاب کے مستحق ہو گئے تھے، کیونکہ وہ مسلمانوں کو عبادت کی غرض سے مسجد حرام میں جانے سے روکنے لگے تھے۔

مسلمانوں کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنے کا واقعہ ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر پیش آیا تھا، جب مشرکین مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کو عمرہ کے قصد سے مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا۔ آپ کو اور تمام صحابۂ کرام کو عمرہ ادا کئے بغیر احرام کھولنے اور واپس جانے پر مجبور کیا، پھر دو ہی سال بعد ۸ھ میں فتح مکہ کی شکل میں ان پر عذابِ الٰہی نازل ہوا۔

(روح المعانی ۲۰۰، ۲۰۱ / ۹، مظہری ۶۰، ۶۱ / ۴)

مسجد الحرام کی تولیت کا حق

۳۴۔ ۳۵۔ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَاۗءً وَّتَصْدِيَةً ۭ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

اور (وہ مشرکین مکہ) اس (مسجد الحرام) کے متولی نہیں ہیں۔ اس کے متولی تو پرہیزگار ہی ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں کو علم نہیں اور بیت اللہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا ان کی نماز ہی کیا تھی۔ سو (قیامت میں ان سے کہا جائے گا کہ) اپنے کفر کے سبب عذاب کا مزہ چکھو۔

مُكَاۗءً: سیٹی بجانا۔ مضبوط پکڑنا۔ مصدر ہے۔

تَصْدِيَةً: تالیاں بجانا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: ابن جریر نے بحوالہ سعید بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طواف کے دوران قریش آپ کے سامنے آجاتے، آپ سے ٹھٹھا کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶۳ / ۴)

تشریح: کفار و مشرکین اپنے آپ کو مسجد الحرام کا متولی سمجھتے اور مومنوں کو جو حقیقتاً اس کی تولیت کے مستحق ہیں اس کی زیارت اور اس میں طواف و عبادت کرنے سے روکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نجس اور گندے ہیں۔ یہ اس قابل ہی نہیں کہ ان کو بیت اللہ جیسی پاکیزہ اور مقدس جگہ کی تولیت دی جائے۔ مسجد الحرام کا متولی تو وہی ہو سکتا ہے جو اپنے آپ کو کفر و شرک کی نجاست اور معصیت سے بچائے رکھتا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر لوگ یہ جانتے ہی نہیں کہ تولیت ان کا حق نہیں۔

پھر فرمایا کہ مسجد الحرام کی تولیت کا حق تو اس شخص کو ہے جو اس کا حق ادا کرے اور اس میں صحیح طریقے سے نماز ادا کرے جبکہ ان لوگوں کی نماز تو خانہ کعبہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہیں جو نری جہالت اور حماقت ہے۔ ایسے لوگوں کو خانہ کعبہ کی تولیت کا کوئی حق نہیں بلکہ یہ تو عذاب کے مستحق ہیں۔ لہذا اب ان کو اپنے کفر و شرک کے بدلے میں عذاب کا مزہ چکھنا چاہئے۔

بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کیا کرتے تھے اور طواف کی حالت میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے۔ (مظہری ۶۳ / ۴)

عداوتِ اسلام میں مال خرچ کرنا

۳۶-۳۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ۬ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ۝ لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں۔ سو یہ لوگ ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ پھر وہ مال ان کے لئے حسرت و افسوس کا باعث ہو جائے گا۔ پھر بھی وہ مغلوب ہو کر رہیں گے اور جو لوگ کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے تاکہ اللہ

تعالیٰ ناپاک کو پاک سے جدا کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر ان کا ایک ڈھیر بنادے، پھر سب کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارے میں ہیں

لِیَمِیْزَ: تاکہ وہ ممتاز کردے۔ تاکہ وہ جدا کردے۔ مَیْزٌ سے مضارع۔

فَیَرْکُمَهٗ: پس وہ اس کو اکٹھا کرتا ہے۔ پس وہ اس کو تہ بہ تہ کر کے ڈھیر لگاتا ہے۔ رَکْمٌ ورُکُوْمٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: کلبی، ضحاک اور مقاتل رحمہم اللہ نے بیان کیا کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے موقع پر (قریش کے لشکر کو) کھانا کھلایا تھا۔ یہ بارہ آدمی تھے۔ ابو جہل بن ہشام، ربیعہ بن عبد شمس کے دونوں بیٹے، عتبہ و شیبہ، حجاج کے دونوں بیٹے بنیہ و منیہ، ابو البختری بن ہشام، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف، زمعہ بن اسود، حرث بن عامر بن نوفل، عباس بن عبد المطلب، یہ سب قریشی تھے۔ ان میں سے روزانہ ایک آدمی دس اونٹ ذبح کیا کرتا تھا اور یوم الھزیمہ یعنی شکست والے دن عباس بن عبد المطلب کی باری تھی۔

ابن اسحاق نے کہا کہ یہ آیت (مشرکین مکہ کے تجارتی) قافلے والوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ جب بدر کے دن قریش پر مصیبت پڑی اور وہ شکست کھا کر مکہ لوٹے تو صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل جو ان لوگوں میں سے تھے جن کے باپ بھائی بدر میں مارے گئے تھے۔ ابو سفیان اور قریش کے ان لوگوں کے پاس گئے جو ابو سفیان کے تجارتی قافلے کے مال میں حصے دار تھے اور ان سے کہا کہ اے قریش کے لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہاری قوت توڑ دی اور تمہارے چنیدہ لوگوں کو قتل کر دیا۔ اب تم (اس تجارتی) مال سے ہماری مدد کرو تاکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑ کر اپنا انتقام لے سکیں۔ پس لوگوں نے یہ بات قبول کر لی۔

سعید بن جبیر اور مجاہد سے روایت ہے کہ یہ آیت ابو سفیان کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے (معرکہ) احد کے لئے عرب میں سے جو لشکر اکٹھا کیا تھا اس کے علاوہ دو ہزار احابیش کو اجرت پر جنگ کے لئے تیار کیا تاکہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قتال کریں اور ان پر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا تھا۔ اس وقت ایک اوقیہ سونا بیالیس مثقال سونے کے برابر تھا۔ (روح المعانی ۲۰۴/ ۹)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کا حال بیان کیا ہے کہ لوگوں کو حق کے راستے پر چلنے

سے روکنے کے لئے یہ لوگ خوب روپیہ پیسہ خرچ کر رہے ہیں اور خرچ کرتے ہی رہیں گے۔ لیکن ان کا یہ سب مال ضائع ہو کر ان کے لئے دنیا ہی میں باعث ندامت و حسرت ہو جائے گا کیونکہ مال بھی جائے گا اور مقصد بھی حاصل نہ ہو گا۔

جو لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے اور اپنے کفر و عناد پر قائم رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کو ہنکا کر جہنم کی طرف لے جائے گا تاکہ اہل سعادت کو کافروں سے ممتاز کر کے جنت میں داخل کر دے اور تمام کافروں کو ملا جلا کر ایک ساتھ جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ حقیقتاً خسارہ اٹھانے والے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ (آل عمران ۱۷۹)

اور اللہ ایسا نہیں کہ مسلمانوں کو اسی حالت پر چھوڑ دے جس پر وہ ہیں یہاں تک کہ وہ جدا کر دے ناپاک کو پاک سے۔

دوسری آیت میں ناپاک و پاک سے مراد یا تو کافر و مومن ہیں یا ناپاک سے وہ مال مراد ہے جو کفار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں صرف کیا تھا اور پاک سے مراد وہ مال ہے جو مسلمانوں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد میں صرف کیا تھا۔ واللہ اعلم۔

(ابن کثیر ۳۰۸ / ۲، مظہری ۶۳ - ۶۴ / ۴)

خسارے کی تلافی

۳۸۔ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ○

آپ کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر وہ باز آجائیں تو ان کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر وہ پھر وہی حرکتیں کریں گے تو گزشتہ کافر قوموں کے حق میں ہمارا قانون نافذ ہو چکا ہے۔

يَنْتَهُوْا: وہ رکتے ہیں۔ وہ باز رہتے ہیں۔ اِنْتِہَاءٌ سے مضارع۔

سَلَفَ: وہ ہو چکا۔ وہ گزر گیا۔ سَلَفٌ سے ماضی۔

مَضَتْ: وہ گزر گئی۔ وہ ہو چکی۔ مُضِیٌّ سے ماضی۔

سُنَّتٌ: عادت۔ طریقہ۔ راہ۔ رسم، جمع سُنَنٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کافروں کو جو اسلام کی عداوت پر تلے ہوئے ہیں کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے کفر و عناد اور عداوت رسول سے باز آجاؤ اور اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو تو کفر کی حالت میں جو گناہ تم کر چکے ہو، اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے گا اور اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے اور اپنے کفر و عناد پر قائم رہے تو جیسا کہ سابقہ امتوں میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے دشمنوں کو ہلاک و برباد کرتا رہا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کرے گا۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ دست مبارک بڑھایئے، میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ آپ نے فرمایا عمرو کیا بات ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں کچھ شرط رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ پیش کرو کیا شرط ہے۔ میں نے عرض کیا کہ شرط یہ ہے کہ میرے (گزشتہ) قصور معاف ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام گزشتہ جرائم کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی جو کچھ پہلے ہو چکا ہو اس کو ڈھا دیتی ہے اور حج بھی سابقہ باتوں (یعنی گناہوں) کو ڈھا دیتا ہے۔ (مظہری بحوالہ مسلم ۶۵ / ۲)

انسدادِ فتنہ

۳۹۔۴۰ وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ○

اور ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ (کفر کا) فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے اعمال خوب دیکھ رہا ہے اور اگر وہ روگردانی کریں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حمایتی ہے۔ وہ بہت ہی اچھا کارساز اور بہت ہی اچھا مددگار ہے۔

تشریح: اگر یہ لوگ اپنے کفر و شرک پر قائم رہیں تو تم بھی ان سے جہاد و قتال کرتے رہو۔ یہاں تک کہ کافروں کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کے لئے کسی قسم کے فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ رہے۔ اس آیت میں فتنہ سے مراد کفر کا غلبہ ہے۔ جب کفر کو غلبہ ہوتا ہے تو اسلام کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے۔ پس تم کافروں سے اس وقت تک قتال کرتے رہو جب تک کہ اللہ کا حکم علی الاعلان جاری و نافذ نہ ہو جائے اور کفر میں مزاحمت کی سکت باقی نہ رہے اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آجائے۔

پھر اگر یہ لوگ ظاہر میں اپنے کفر و عناد اور تمہارے ساتھ جنگ و قتال سے باز رہیں اور اسلام قبول کر لیں تو تم بھی اپنے ہاتھ ان سے روک لو اور ان کا ظاہری اسلام قبول کر لو اور ان کے دلوں کا حال اللہ کے سپرد کر دو اس لئے کہ تمہیں ان کے دلوں کا حال معلوم نہیں۔ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس لئے وہ ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔ اگر یہ لوگ اسلام سے روگردانی کرتے رہے اور اپنے بغض و عناد پر قائم رہتے ہوئے انہوں نے تمہارے ساتھ محاربہ و مقاتلہ جاری رکھا تو اللہ تعالیٰ بھی یقیناً تمہاری مدد و اعانت کرتا رہے گا۔ لہٰذا تم بھی اس پر بھروسہ رکھو اور کافروں سے لڑتے رہو۔ ان کی کثرت و شوکت اور ان کے سامان حرب و ضرب کو خاطر میں نہ لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کیا ہی اچھا مددگار ہے کہ وہ اپنے دین کی حمایت کرنے والوں کو مغلوب نہیں ہونے دیتا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس وقت تک لوگوں (کافروں) سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ **لا الٰہ الا اللہ** اور **محمد رسول اللہ** کی شہادت دیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں۔ جب وہ ایسا کرنے لگیں تو ان کے خون اور اموال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے۔ سوائے حق اسلام کے (یعنی حقوق العباد کی وجہ سے ان سے قصاص اور مالی معاوضات لئے جا سکیں گے) اور ان کا (باطنی) حساب اللہ کے ذمہ ہے (ان کی باطنی حالت اللہ ہی کو معلوم ہے) متفق علیہ۔

(ابن کثیر ۳۰۸، ۳۱۰/ ۲، مظہری ۶۶/ ۴)

مالِ غنیمت کے احکام

۴۱۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور جان لو کہ جو چیز تمہیں غنیمت کے طور پر ملے تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ تعالیٰ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلے کے دن (جنگ بدر میں) اپنے بندے پر نازل کی، جس دن دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہو گئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

غَنِیْمَتٌ: لغت میں اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو دشمن سے حاصل کیا جائے۔ شریعت کی اصطلاح میں اس مال کو غنیمت کہتے ہیں جو جنگ و قتال اور غلبہ کے ذریعہ غیر مسلموں سے حاصل ہو۔

فَیْئٌ: جو مال جنگ و قتال کے بغیر صلح و رضامندی سے حاصل ہو جیسے جزیہ و خراج وغیرہ اس کو فئی کہتے ہیں۔

تشریح: تمام کائنات کی اصل ملکیت اللہ تعالیٰ کی ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔ انسان کسی چیز کا صرف اسی وقت مالک ہو سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے ذریعہ اس کو اس چیز کا مالک بنادے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ (سورۃ یٰسٓ آیت ۷۱)

کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ چوپاؤں کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، پھر لوگ ان کے مالک بن گئے۔ یعنی ان کی ملکیت ذاتی نہیں بلکہ ہم نے اپنے فضل سے ان کو ان چوپاؤں کا مالک بنادیا۔

جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتی ہے اور کفر و شرک میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ

تعالیٰ ان کی اصلاح کے لئے اپنے رسول اور کتابیں بھیجتا ہے۔ اگر یہ لوگ پھر بھی راہِ راست پر نہ آئیں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو ان سے جہاد و قتال کا حکم دیتا ہے جس کے نتیجے میں ان کے اموال ان کی ملکیت سے نکل کر خالص اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آجاتے ہیں۔ اسی کو مالِ غنیمت کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ خصوصیتیں عطا ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی امت کے لئے انعام کے طور پر مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا جو سابقہ امتوں کے لئے حلال نہ تھا۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مالِ غنیمت کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ کے قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے گا۔ باقی چار خمس بالاجماع مجاہدین پر تقسیم کئے جائیں گے۔

تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کے پانچ حصے کرتے تھے، جن میں سے چار تو جہاد میں شریک لوگوں کو عطا فرما دیتے تھے اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے کرتے تھے، جن میں سے ایک حصہ اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے لیتے تھے، اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ بھی اسی حصے سے چلاتے تھے، جو کچھ بچ رہتا اس سے جہاد کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خریدتے تھے اور مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرتے تھے۔ دوسرا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو بانٹ دیتے تھے اور ان کے مالدار، نادار، مرد و عورت سب کو دیتے تھے۔ اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو عنایت فرماتے تھے۔

آپ کے ان اقارب کے بارے میں جن کو خمس میں سے حصہ دیا جاتا تھا مختلف اقوال ہیں بعض کے نزدیک تمام قریش اقارب ہیں۔ مجاہد اور امام زین العابدین کے نزدیک صرف بنی ہاشم اقارب ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عبد مناف کے صرف دو بیٹوں ہاشم اور مطلب کی اولاد اقارب ہیں اور عبد مناف کے باقی دو بیٹوں اور عبد الشمس اور نوفل کی اولاد اقارب میں داخل نہیں۔ امام شافعی کی روایت ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو تقسیم فرمایا تو میں اور عثمان بن عفانؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنے ہاشمی بھائیوں کی فضیلت کا تو انکار نہیں کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے ہیں۔ لیکن بنی مطلب کی قرابت اور ہماری قرابت تو ایک ہی ہے پھر آپ نے ان کو تو دیا اور ہمیں نہیں دیا۔ یہ ترجیح کیوں ہے؟ آپ نے اپنی

انگلیوں کو ایک دوسرے میں ڈال کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب تو اس طرح ایک ہی ہیں یعنی انہوں نے مقاطعہ، بنی ہاشم کے وقت بنی ہاشم کی مدد کی اور شعب ابی طالب میں ان کے ساتھ رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خمس میں سے آپ کے حصے کی تقسیم میں علماء کے دو قول ہیں:

(۱) جمہور علماء کے نزدیک جن میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی شامل ہیں آپ کا حصہ اسلام کے مصارف اور اس کی ضرورتوں میں صرف ہوگا کیونکہ اب آپ کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۲) بعض کے نزدیک آپ کا حصہ ذوی القربی، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر تقسیم ہوگا۔

(مظہری ۶۷۔۷۰ / ۴، حقانی ۴۶۸۔۴۶۹ / ۲، معارف القرآن ۲۳۷۔۲۴۰ / ۴)

محاذِ جنگ کا نقشہ

۴۲۔ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

جب تم (مدینے سے) وادی کے قریب والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے سرے پر اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف کو (ہٹا ہوا تھا) اور اگر تم آپس میں جنگ کا وعدہ بھی کرتے تو وعدے پر ایک ساتھ نہ پہنچتے لیکن اللہ تعالیٰ کو تو ایک کام کرنا منظور تھا جو مقدر ہو چکا تھا تاکہ جسے مرنا ہے وہ حجت قائم ہو کر مرے اور جو زندہ رہے وہ بھی حجت تمام ہو کر زندہ رہے اور بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

الْعُدْوَةِ: کنارہ۔ جانب۔ سمت۔ جمع عُدیٰ

الدُّنْيَا: بہت نزدیک۔ بہت ذلیل۔ دُنُوٌّ سے اسم تفضیل۔

الْقُصْوٰى: دور والا کنارہ۔ نہایت دور کا یعنی مدینہ منورہ سے دور مکہ معظمہ کی طرف والا

کنارہ۔ قَصْوٌ و قُصُوٌّ سے اسم تفضیل۔

اَلرَّکْبُ: اونٹ سواروں کا قافلہ۔ سوار۔ رُکُوبٌ سے اسم فاعل۔

اَسْفَلَ: سب سے نیچا۔ سُفُوْلٌ سے اسم تفضیل۔

تَوَاعَدْتُّمْ: تم نے باہم وعدہ کیا۔ تَوَاعُدٌ سے ماضی۔

بَیِّنَۃٍ: واضح دلیل۔

تشریح: قرآن کریم نے غزوہ بدر کو خاصی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی معرکہ، بدر نے کفار و مشرکین پر اسلام کی برتری اور حقانیت کا سکہ جمادیا تھا۔ اس آیت میں محاذِ جنگ کا نقشہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے تو میدان کے اس کنارے پر پڑاؤ ڈالا تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کافر اس کنارے پر تھے جو مدینے سے دور تھا۔ ابو سفیان اور اس کا قافلہ تجارتی سامان سمیت مکہ سے آنے والے مشرکین و کفار کے لشکر سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔

اس ساری تفصیل سے یہ بتانا مقصود ہے کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے اور مسلمان بالکل بے موقع اور غلط جگہ پر ٹھہرے تھے، اس لئے کہ اس میدان کا مدینے کی جانب والا حصہ اس قدر ریتیلا تھا کہ اس میں چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے پاس پانی کی بھی کوئی جگہ نہ تھی اور نہ ان کو کہیں سے کمک ملنے کا احتمال تھا جبکہ میدان کا مدینے سے دور والی جانب کا حصہ جو کافروں کے قبضہ میں تھا وہ صاف اور ہموار تھا اور پانی بھی وہاں سے قریب تھا۔ نیز ان کو یہ بھی اطمینان تھا کہ ان کا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اور اب ضرورت پڑنے پر وہ بھی ان کی مدد کو آسکتا ہے۔ لہٰذا ظاہری اعتبار سے وہ جگہ جہاں اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا کسی طور پر بھی ایسی نہ تھی جہاں دشمن پر قابو پایا جاسکتا یا مسلمان اپنی جان بچا کر وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہوتے۔ یوں بھی مسلمان کسی مسلح لشکر سے جنگ کی تیاری کر کے نہیں نکلے تھے۔ وہ تو محض ایک تجارتی قافلے کا راستہ روکنے کے لئے نہایت مختصر سی جماعت کے ساتھ بے سرو سامانی کے عالم میں نکلے تھے کہ اچانک ایک ہزار مسلح جنگجوؤں سے مقابلہ ہو گیا جو ہر قسم کے سامان حرب سے لیس تھے۔

اگر مومنین و مشرکین پہلے سے کسی مقررہ مقام یا وقت پر آپس میں لڑائی کا وعدہ کر لیتے تو بھی وعدہ پورا کرنے میں اختلاف کرتے کیونکہ مسلمان تو اپنی قلت اور ان کی کثرت کے باعث

مقابلے سے کتراتے اور کافر پہلے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیبت زدہ تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اچانک بھڑا دیا کیونکہ مسلمان تو تجارتی قافلے کی تلاش میں نکلے تھے اور مشرکین اپنے قافلے کی مدد کے لئے نکلے تھے۔ دونوں میں سے کسی فریق کا بھی لڑائی کا ارادہ نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ کفر کا زور ٹوٹے اور وہ ذلیل و خوار ہوں اور اسلام و مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہو۔ اس لئے اس نے دونوں کو اچانک ایک دوسرے سے بھڑا دیا اور مذکورہ بالا حالات کے باوجود مسلمانوں کو کافروں پر کھلی فتح عطا فرما دی تاکہ حجت پوری ہو جائے اور کوئی عذر باقی نہ رہے اور آئندہ جو کوئی ہلاکت میں پڑے وہ بھی دیکھ بھال کر پڑے اور جو زندہ رہے وہ بھی دیکھ بھال کر زندہ رہے۔ اللہ تعالیٰ مومن و کافر سب کی باتوں کو سننے والا اور ان کے احوال کو جاننے والا ہے۔

قدرت کا کرشمہ

۴۳-۴۴۔ اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّیُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب اللہ تعالیٰ آپ کو خواب میں ان (کافروں) کو کم کر کے دکھا رہا تھا اور اگر وہ ان کو (کافروں) کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم بزدلی کرتے اور اس کام میں جھگڑا ڈالتے۔ لیکن اللہ نے بچا لیا۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور جب تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو اللہ نے تمہاری نظروں میں ان کو کم کر کے دکھایا اور ان کی نظروں میں تمہیں کم کر کے دکھایا تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے جس کا کرنا اس کو منظور تھا اور سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

یُرِیْکَهُمْ: وہ تجھے ان کو دکھاتا ہے۔ اِرَاءَةٌ سے مضارع۔
مَنَامِكَ: تیری نیند۔ تیرا سونا۔

لَفَشِلْتُمْ: البتہ تم ہمت ہار دیتے ۔ البتہ تم سستی کرتے ۔ البتہ تم بزدلی کرتے ۔ فَشَلٌ سے ماضی ۔

اِلْتَقَيْتُمْ: تم ملے ۔ تمہاری مڈبھیڑ ہوئی ۔ اِلْتِقَاءٌ سے ماضی ۔

تشریح: مجاہدؒ اور مقاتلؒ کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں بدر کا واقعہ دکھایا ۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ کفار بہت تھوڑے سے ہیں ۔ پھر آپ نے یہ بات صحابہ کرام کو بتائی تو اس سے ان کے حوصلے اور مقابلے کی جرات بڑھ گئی ۔ جب مقابلے کا وقت آیا اور دونوں لشکر صف بندی کر کے ایک دوسرے کے سامنے آگئے تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی نگاہوں میں کافروں کو کم کر کے دکھایا ۔

پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں، کافروں کو کثرت میں دکھاتا تو تم بزدلی کرتے اور کافروں سے قتال کرنے میں اختلاف کرتے ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کافروں کی تعداد کم دکھا کر تمہیں آپس کے اختلاف سے محفوظ رکھا، کیونکہ وہ دلوں کی باتیں خوب جانتا ہے ۔

اے مومنو! وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری نظروں میں ان کی تعداد کم کر کے دکھائی تاکہ تم دلیری پکڑو اور بیداری میں، اپنے نبی برحق کے خواب کی تصدیق کر لو اور ان کی نظروں میں تمہاری تعداد کم دکھائی کہ کہیں وہ جنگ کے بغیر ہی واپس نہ چلے جائیں کیونکہ ان کا قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو چکا تھا اور ابو سفیان نے مشرکین کو واپس آجانے کے لئے کہلا بھیجا تھا ۔ چنانچہ اخنس بن شریق بنی زہرہ کو لے کر واپس چلا گیا اسی طرح بنو عدی بھی لڑائی میں شامل نہ ہوئے ۔

ابن ابی حاتمؒ اور ابن جریرؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ واللہ! وہ لوگ (کفار) ہماری نظروں میں اس قدر کم کر دیئے گئے تھے کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا کہ مجھے تو یہ ستر معلوم ہوتے ہیں ۔ اس نے کہا کہ میرے خیال میں سو ہیں ۔ پھر جب لڑائی میں ہم نے ایک کافر کو گرفتار کر کے پوچھا تو اس نے کہا کہ ہم لوگ ایک ہزار تھے ۔

سدیؒ نے کہا کہ اس وقت بعض مشرکین نے کہا کہ قافلہ تو سلامتی کے ساتھ نکل گیا تم بھی واپس چلے چلو ۔ یہ سن کر ابو جہل نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی آج تمہارے مقابلے میں آئے ہیں ۔ ہم جب تک ان کا فیصلہ نہ کر دیں اس وقت تک واپس نہ جائیں

گے ۔ وہ چند آدمی ہیں ان کو قتل تو کیا کرو گے، پکڑ کر باندھ دو ۔

سورۃ آلِ عمران آیت ۱۳ میں ارشاد ہے کہ:

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۗ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۚ

بے شک تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں جو (میدان بدر میں) باہم مقابل ہوئیں (اللہ کی قدرت اور اس کا وعدہ حق ہونے کی) ایک نشانی ہے ۔ ایک جماعت (یعنی مسلمانوں کی فوج) اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری کافروں کی جماعت تھی اور وہ (کافر) اپنی آنکھوں سے انہیں اپنے سے دو چند دیکھ رہے تھے ۔

اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ کافروں کو مسلمان اپنے سے دوگنا نظر آتے تھے تو یہ صورت لڑائی شروع ہونے کے بعد تھی ۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے کافروں کو مسلمان بہت تھوڑے دکھائی دے رہے تھے تاکہ ان کا غرور بڑھے اور وہ جنگ پر آمادہ رہیں ۔ پھر جب دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابل آگئیں اور لڑائی شروع ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد کے لئے فرشتے بھیج دیئے ۔ اس وقت کافروں کی تعداد تو مومنوں کی نظر میں اسی طرح قلیل رہی جیسے لڑائی شروع ہونے سے پہلے تھی ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی نظر میں مومنوں کی تعداد دوگنا کر دی تاکہ وہ مرعوب ہو کر شکست کھا جائیں ۔

پھر فرمایا کہ یاد رکھو تمام امور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔ پس اگر وہ اپنی قدرت کاملہ سے کسی وقت اپنے پیدا کئے ہوئے اسباب کے خلاف کوئی کرشمہ ظاہر کر دے تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ اسباب میں ذاتی طور پر کوئی تاثیر نہیں بلکہ ان کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع ہے ۔ اس لئے کہ وہی ذات مسبب الاسباب ہے ۔

(مواہب الرحمٰن ۷۔ ۸ / ۱۰، حقانی ۷۰ / ۲ / ۴)

آدابِ جہاد

۴۵۔۴۶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

اے ایمان والو! جب کسی لشکر سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے تو تم ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرو اور آپس میں تنازع نہ کرو۔ ورنہ تم کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

فِئَةٌ: گروہ۔ چھوٹی جماعت۔

فَاثْبُتُوْا: پس تم ثابت قدم رہو۔ ثَبَاتٌ سے امر۔

فَتَفْشَلُوْا: پس تم بزدلی کرو گے۔ فَشْلٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں مسلمانوں کو دشمن سے مقابلے کے وقت میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ذکر اللہ، مومن کا خاص ہتھیار ہے۔ مومنوں کے سوا تمام دنیا اس سے غافل ہے۔ اللہ کی یاد اور اس پر اعتماد ہر مصیبت اور پریشانی کو ختم کر دیتی ہے اور ان کے قلب کو مضبوط اور قدم کو ثابت رکھتی ہے۔ پس تم اس کی یاد میں لگے رہو۔ اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے مدد طلب کرو، اسی میں کامیابی ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے رہو کیونکہ اللہ کی نصرت و مدد اس کی اطاعت ہی کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ آپس کے نزاع اور اختلاف سے بچو ورنہ تم میں بزدلی پھیل جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمن پر جو تمہاری دھاک بیٹھی ہوئی ہے وہ جاتی رہے گی اور تم دشمن کی نظروں میں حقیر ہو جاؤ گے۔

آیت کے آخر میں باہمی نزاع اور اختلاف سے بچنے کا نسخہ بتا دیا کہ خلافِ طبع امور پر صبر کا دامن نہ چھوڑو اس لئے کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر حال میں صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک غزوے کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج ڈھلنے کا انتظار کیا پھر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے لوگو!

دشمن سے مقابلے کی تمنا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگتے رہو۔ پھر جب دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر و استقامت رکھو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ پھر آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! سچی کتاب کے نازل فرمانے والے اور بادلوں کے چلانے والے اور لشکروں کو ہزیمت دینے والے، ان کافروں کو شکست دے اور ان کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تین وقتوں میں خاموش رہنا پسند ہے۔ ۱۔ تلاوت قرآن کے وقت، ۲۔ جہاد کے وقت اور ۳۔ جنازے کے وقت۔ (ابن کثیر ۳۱۶/۲)

مسلمانوں کو فخر و غرور کی ممانعت

۴۷۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ٥

اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکتے تھے اور اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔

بَطَرًا: اترانا۔ اتراتے ہوئے۔ مصدر ہے۔

رِئَاءَ: دکھاوا۔ خود نمائی کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے مشرکین کی مشابہت اختیار نہ کرنے کا حکم دیا ہے کہ جس طرح مشرکین اپنے گھروں سے غرور و تکبر اور اپنی بہادری پر فخر کرتے ہوئے حق کو مٹانے کے لئے نکلے تھے، تم ان کی طرح بڑائی نہ مارنا اور نہ ریاکاری کرنا کیونکہ تم تو اللہ کے دین کی حمایت و نصرت اور اس کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے نکلے ہو۔ اس لئے اپنے آپ کو ان کی مشابہت سے محفوظ رکھو۔ یہ مشرکین لوگوں کو اللہ کے دین سے روکنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم ان کے اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ان کا کوئی عمل اس سے پوشیدہ نہیں۔ قیامت کے روز وہ ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابو سفیان نے دیکھا کہ وہ اپنے قافلے کو بچا کر لے جانے میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس نے قریش کو یہ پیغام بھیجا کہ چونکہ قافلہ مسلمانوں کی زد سے صحیح وسالم نکل گیا ہے اس لئے تم بھی واپس لوٹ جاؤ۔ یہ سن کر ابو جہل کہنے لگا کہ واللہ! ہم اس وقت تک واپس نہ جائیں گے جب تک کہ بدر میں جاکر قیام نہ کریں، ہم وہاں شرابیں پئیں گے، طوائفیں گائیں گی اور ہم لوگوں کو کھانا کھلائیں گے۔ تمام عرب میں ہماری بات مشہور ہو گی اور سب پر ہماری ہیبت بیٹھ جائے گی۔

چنانچہ جب لوگ بدر پہنچے تو وہاں ان کو شراب کی بجائے موت کے جام ملے۔ گانے والی عورتوں کی جگہ، عورتوں نے ان پر نوحہ کیا۔ (روح المعانی ۱۴/ ۱۰، مظہری ۹۸/ ۴)

شیطان کا دعویٰ

۴۸۔ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور جب شیطان نے ان کو ان کے اعمال خوشنما کر کے دکھائے اور کہا کہ آج تم پر کوئی شخص غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا حمایتی ہوں پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو وہ الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں کیونکہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

جَارٌ: ہمسایہ۔ پڑوسی۔ حمایتی۔

نَكَصَ: وہ پھر گیا۔ وہ الٹے پاؤں بھاگا۔ نَكْصٌ و نُكُوْصٌ سے ماضی۔

عَقِبَيْهِ: ان کی دونوں ایڑیاں۔ جمع اَعْقَابٌ۔

تشریح: وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب شیطان کافروں کی پشت پناہی کر رہا تھا اور اس نے ان کے دماغوں میں یہ بات حمادی تھی کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اعمال نیک اور ان کی نجات

کا ذریعہ ہیں ۔ اس روز شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں کافروں کے سامنے ان کی قوت بیان کرنے اور ان کو اپنی مدد و حمایت کا یقین دلانے کے لئے نہایت مبالغے سے کام لیتے ہوئے ان سے یہ تک کہہ دیا کہ بے سرو سامان مسلمانوں کے مقابلے میں تمہاری تعداد بھی بہت زیادہ ہے اور تمہارے پاس جنگی ساز و سامان کی بھی کوئی کمی نہیں لہذا آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اس معاملے میں، میں تمہارا ضامن ہوں ۔

پھر جب بدر کے مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا اور شیطان نے حضرت جبرائیل اور فرشتوں کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا تو فوراً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں تم سے بری اور بے تعلق ہوں ۔ بلاشبہ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے ۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں کہ کہیں قیامت سے پہلے ہی نہ پکڑ لیا جاؤں اور اللہ کا عذاب بہت سخت ہے ۔

منافقوں کی احمقانہ سوچ

۴۹۔ اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

اس وقت منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض تھا کہنے لگے کہ ان لوگوں (مسلمانوں) کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے ۔

غَرَّ: اس نے فریب دیا ۔ اس نے دھوکہ دیا ۔ غُرُوْرٌ سے ماضی ۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ صرف کفار و مشرکین ہی اپنے اعمال بد کو اچھا سمجھنے کی بیماری میں مبتلا نہ تھے بلکہ مدینے کے منافق بھی اس بیماری میں مبتلا تھے ۔ ان کے دلوں میں جو نفاق کا مرض ہے وہ بھی اسی شیطانی دھوکہ کا نتیجہ ہے ۔ چونکہ بدر کی لڑائی میں مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس سامان جنگ بھی برائے نام تھا ۔ اس لئے منافقین مسلمانوں کے بارے میں کہنے لگے کہ ان کو ان کے دین حق نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اس کو جنت میں یہ یہ نعمتیں ملیں گی ۔ یہ تین سو بے سروسامان دمی ایک ہزار مشرکین کے لشکرِ جرّار سے جنگ کرنے جا رہے ہیں جو ہر طرح کے سامان حرب و ضرب

سے لیس ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمان کسی غرور یا خوش فہمی میں مبتلا نہ تھے بلکہ وہ تو اللہ کی مدد و اعانت پر بھروسہ کر کے اس کے دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے نکلے تھے۔ منافق یہ بات نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ وہم و گمان سے بڑھ کر ان کی مدد و اعانت کرتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو غلبہ دینے پر قادر ہے۔ اس کے سب کام حکمت سے ہوتے ہیں۔

کافروں کی موت کا حال

۵۰-۵۱ وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ○ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ○

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کاش آپ اس وقت کافروں کو دیکھیں جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں۔ وہ ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے ہوں گے اور (کہتے جاتے ہوں گے کہ لو اب) جلنے کا عذاب چکھو۔ یہ (عذاب) ان کاموں کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سے آگے بھیجے ہیں اور اللہ تعالیٰ تو بندوں پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کرتا۔

اَلْحَرِیْقِ: جلتی ہوئی آگ۔ بھڑکتی ہوئی آگ۔ حَرْقٌ سے صفت مشبہ۔

ظَلَّامٍ: ظلم کرنے والا۔ ظُلْمٌ سے اسم منسوب۔ قرآن کریم میں نسبت کے معنی مراد ہیں مبالغہ کے نہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کاش آپ ان کافروں کی موت کے وقت وہ ہیبتناک منظر دیکھتے جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت ان کے چہروں اور ان کی پشتوں پر مار رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اپنی بداعمالیوں کے سبب آگ میں جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ بعض ائمۂ تفسیر نے بیان کیا کہ یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے۔ جب سامنے سے تو ان کافروں کے چہروں پر تلواریں پڑتی تھیں اور جب پیٹھ پھیر کر میدانِ جنگ سے

بھاگتے تھے تو فرشتے ان کی پشتوں پر مارتے تھے۔

ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے ابو جہل کی پیٹھ پر کانٹوں کے نشان دیکھے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں یہ فرشتوں کی مار کے نشان ہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ آیت واقعہ بدر کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ الفاظ عام ہیں۔ موت کے وقت ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے۔ جب کوئی کافر مرتا ہے تو موت کا فرشتہ اس کی روح قبض کرتے وقت اس کے چہرے اور پشت پر مارتا ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ فرشتوں کے ہاتھوں میں آگ کے کوڑے اور لوہے کے گرز ہوتے ہیں جن سے وہ مرنے والے کافر کو مارتے ہیں۔ چونکہ اس عذاب کا تعلق عالمِ برزخ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا۔

حضرت براء کی روایت میں ہے کہ سکراتِ موت کی حالت میں موت کے فرشتے کافر کے پاس آکر کہتے ہیں کہ اے خبیث روح تو گرم ہوا، گرم پانی اور گرم سائے کی طرف چل۔ پس وہ اس کے بدن میں چھپنے لگتی ہے۔ آخر اسے اس کے جسم سے اس طرح گھسیٹ کر نکالا جاتا ہے جس طرح کسی زندہ شخص کی کھال کو اتارا جائے اس کے ساتھ رگیں اور پٹھے بھی آجاتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اب آگ میں جلنے کے عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ عذاب تمہارے کفر و معاصی اور تمہاری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو عدل و انصاف کرنے والا حاکم ہے وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا اور نہ کسی کو بلاوجہ عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

(روح المعانی ۱۶-۱۷/ ۱۰، ابن کثیر ۳۱۹/ ۲)

سابقہ امتوں کے طور طریق

۵۲-۵۴ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰي قَوْمٍ حَتّٰي يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

ظٰلِمِیْنَ o

جیسی حالت آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا (اور) سخت سزا دینے والا ہے ۔ اس (عذاب الٰہی) کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو ہرگز نہیں بدلتا (محروم نہیں کرتا) جو اس نے کسی قوم کو دی ہو جب تک کہ وہ لوگ خود اپنی حالت نہیں بدل ڈالتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا (اور جاننے والا ہے) ۔ جیسی حالت آلِ فرعون اور ان سے پہلے لوگوں کی تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر دیا اور آلِ فرعون کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے ۔

کَدَاْبِ: جیسی عادت ۔ جیسا معاملہ ۔

مُغَیِّرًا: بدلنے والا ۔ تَغْیِیْرٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: دینِ حق اور اللہ کے نبی کی عداوت و تکذیب میں عرب کے مشرکوں کا وہی طریقہ ہے جو فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا، قومِ عاد و ثمود کا اپنے پیغمبروں کے ساتھ تھا ۔ فرعون اور قومِ عاد و ثمود اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلاتے رہے اور کفر و معصیت میں مبتلا رہے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو قیامت سے پہلے ہی ان کے کفر و نافرمانی کے سبب عذاب میں پکڑ لیا ۔ یہی حال مشرکین کا ہوا کہ ان کی نافرمانیوں اور کفر و عناد کے سبب ان کو دنیا میں ہی بدر کے مقام پر قتل اور قید کے عذاب میں مبتلا کر دیا ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا قوی ہے ۔ اس کا عذاب بھی بڑا سخت ہے، کوئی نہیں جو اس پر غالب آسکے اور کوئی نہیں جو اس سے بھاگ سکے ۔

اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں کو اس وقت تک کسی قوم سے واپس نہیں لیتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے نہ لگے اور یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اللہ ہر بات کو خوب سننے والا اور چھپے ہوئے خیال و عمل کو خوب جاننے والا ہے ۔

اللہ کے دین اور اس کے نبی کی عداوت و تکذیب میں کفار و مشرکین کے بھی وہی طریقے ہیں جو فرعون اور اس سے پہلے والوں کے تھے ۔ انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کو جھٹلایا تو اللہ

تعالیٰ نے ان کو ہلاک و برباد کر دیا، کسی کو پانی میں غرق کر کے، کسی کو زلزلے کے ذریعہ، کسی کو زمین میں دھنسا کر، کسی کی صورتیں بگاڑ کر اور کسی کو طوفان کے ذریعہ۔ یہ سب لوگ ظالم تھے۔ انہوں نے کفر و معاصی اختیار کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا تھا۔

(ابن کثیر ۳۱۹۔ ۳۲۰ / ۲، مظہری ۱۰۱۔ ۱۰۳ / ۴)

یہود کی خباثت

۵۵۔۵۷ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ○ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ○

بیشک زمین پر چلنے والوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ لوگ بدتر ہیں جنہوں نے کفر کیا سو وہ ایمان نہیں لاتے۔ جن لوگوں سے آپ نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار وہ اپنے عہد کو توڑ ڈال دیتے ہیں اور وہ ڈرتے نہیں۔ پھر اگر کبھی آپ ان کو لڑائی میں پالیں تو ان کو ایسی سزا دیں کہ جو لوگ ان کے پیچھے ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں تاکہ ان کو عبرت ہو۔

الدَّوَآبّ: یہ دَآبَّۃٌ کی جمع ہے۔ اس کے لغوی معنی زمین پر چلنے والے کے ہیں۔ اس لئے انسان اور جتنے جانور زمین پر چلتے ہیں یہ لفظ ان سب کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر عام محاورے میں یہ لفظ خاص چوپائے جانوروں کے لئے بولا جاتا ہے۔

(معارف القرآن ۲۶۶ / ۴)

تَثْقَفَنَّهُمْ: تو ان کو پائے۔ تو ان پر قابو پائے۔ ثَقْفٌ سے مضارع۔

فَشَرِّدْ بِهِمْ: پس تو ان کو منتشر کر دے۔ پس تو اس کو سزا دے۔ تَشْرِيْدٌ سے امر۔

شانِ نزول: ابوالشیخؒ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول یہود کے ان چھ آدمیوں کے بارے میں ہوا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پیشگی خبر دے دی کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ (مظہری ۱۰۳ / ۴)

تشریح: ان آیتوں میں یہود کا حال بیان کیا گیا ہے کہ بلاشبہ اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے پھرنے والوں میں خبیث و شریر تو وہ سب ہی لوگ ہیں جو کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ ان کے ایمان کی توقع نہیں مگر یہود خباثت میں سب سے بڑھ کر ہیں۔ ان میں دو وصف خاص طور پر پائے جاتے ہیں:

(۱) کفر پر اصرار (۲) بد عہدی۔

یہ لوگ بار بار عہد کرتے ہیں اور ہر بار اس کو توڑ دیتے ہیں۔ قول و قرار کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور نہ قسم کی پابندی کرتے ہیں۔ اس کو بھی فوراً توڑ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ تو ان کو خدا کا خوف ہے اور نہ گناہ کا کھٹکا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عہد شکنی کرنے والوں سے مراد بنی قریظہ کے یہود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان محبت و اخوت کی ایک تحریر لکھی تھی جس میں یہودیوں سے بھی مصالحت کا ذکر تھا۔ یہودیوں سے معاہدہ تھا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور ہر فریق کا نفع نقصان دوسرے فریق کا نفع و نقصان سمجھا جائے گا۔ مگر یہود نے یہ معاہدہ توڑ کر بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں مشرکین کی ہتھیاروں سے مدد کی بعد میں کہنے لگے کہ ہم سے غلطی ہو گئی، ہم دوبارہ معاہدہ کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے پھر عہد شکنی کی اور کعب بن اشرف نے مکہ جا کر مشرکین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے کا حلف لیا، جس کے نتیجہ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب کبھی آپ لڑائی میں ان پر غالب آجائیں تو ان میں ایسی خونریزی کیجئے کہ ان کے بعد والے کافر ان کے قتل کا حال سن کر اس سے عبرت پکڑیں اور عہد شکنی سے باز رہیں۔ اسی بنا پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غلبہ پانے کے بعد بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کیا اور عورتوں، بچوں کو باندی غلام بنایا اور ان کا مال تقسیم کیا۔

طبرانی نے حضرت اسلم انصاریؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے قیدیوں کی تفتیش پر مجھے مامور فرمایا تھا چنانچہ میں نے جس لڑکے کو بالغ پایا اس کی گردن اڑا دی تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور آئندہ عہد شکنی کی جرات نہ کریں۔ (روح المعانی ۲۱۔ ۲۲ / ۱۰، مظہری ۱۰۳۔ ۱۰۴ / ۴)

عہد شکنی کے اندیشے پر معاہدہ ختم کرنے کا حکم

۵۸۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝

اور اگر آپ کو کسی قوم کی دغا بازی کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دیجئے تاکہ وہ اور آپ برابر ہو جائیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ کا کسی سے عہد و پیمان ہو اور پھر آثار و علامات سے آپ کو یہ اندیشہ ہو جائے کہ وہ بد عہدی اور وعدہ خلافی کریں گے تو آپ کو بھی برابری کی حالت میں معاہدہ ختم کرنے کا اختیار ہے۔ اگر کسی وقت ایسی صورت حال پیش آجائے یعنی معاہدہ توڑنے کی نوبت آجائے تو معاہدہ توڑنے سے کچھ دن پہلے ان کو اس کی خبر کر دو تاکہ وہ بھی صلح کے خیال میں نہ رہیں اور ان کو بھی معاہدہ ٹوٹنے کا بروقت علم ہو جائے۔ محض اندیشے اور خطرے کی بنا پر اطلاع کے بغیر دشمن پر حملہ کرنا ایک قسم کی خیانت ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں یعنی عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مسند احمد میں مسلم بن عامر سے روایت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں میں ایک مدت تک کے لئے صلح کا معاہدہ تھا۔ پھر جب صلح کی مدت گزرنے کے قریب آئی تو انہوں نے لشکر کو رومی سرحد کے قریب کرنا شروع کر دیا تاکہ مدت گزرتے ہی ان پر اچانک حملہ کر دیں۔ اچانک گھوڑے پر سوار ایک شخص یہ کہتا ہوا آیا۔ اللہ اکبر، اللہ اکبر عہد پورا کرو، عہد شکنی نہ کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب کسی قوم سے کوئی عہد و پیمان ہو جائے تو نہ کوئی گرہ کھولو اور نہ باندھو یہاں تک کہ صلح کی مدت ختم ہو جائے۔ یا انہیں اطلاع دے کر معاہدہ ختم کر دیا جائے۔ جب یہ بات حضرت امیر معاویہ کو پہنچی تو انہوں نے اسی وقت فوج کو واپسی کا حکم دے دیا۔ یہ شخص حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ (مواہب الرحمن ۲۰ / ۱۰، ابن کثیر ۳۲۰ / ۲)

جہاد کے لئے بھرپور تیاری کا حکم

۵۹-۶۰ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝
وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ
لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بھاگ نکلے وہ ہرگز عاجز نہ کر سکیں گے اور جہاں تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلے کے لئے قوت مہیا کرو اور منجملہ اس کے گھوڑے پالنا کہ جس سے تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھاؤ گے اور ان کے سوا ان لوگوں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے ۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کو جانتا ہے ۔ اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے، تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور تمہارا ذرا بھی نقصان نہیں کیا جائے گا ۔

سَبَقُوْا: انہوں نے سبقت کی ۔ وہ آگے نکل گئے ۔ وہ بھاگ نکلے ۔ سَبْقٌ سے ماضی ۔

اَعِدُّوْا: تم تیار کرو ۔ اِعْدَادٌ سے امر ۔

رِبَاطِ: پلے ہوئے ۔ باندھنا ۔ مصدر ہے ۔

اَلْخَيْلِ: گھوڑے ۔ جمع اَخْيَالٌ ۔

تُرْهِبُوْنَ: تم رعب جماتے ہو ۔ تم ڈراتے ہو ۔ اِرْهَابٌ سے مضارع ۔

يُوَفَّ: اس کو پورا پورا (بدلہ) دیا جائے گا ۔ تَوْفِيَةٌ سے مضارع مجہول ۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جو بدر کے دن شکست کھا کر بھاگ گئے تھے ۔

تشریح: غزوہ بدر کفار و مشرکین کے لئے عذاب الٰہی تھا ۔ جو لوگ اس میں شریک نہ ہونے کی بنا پر بچ گئے تھے یا شریک ہونے کے بعد جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے ۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے ۔ وہ اپنی چالاکی سے اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے ۔ وہ جب بھی ان کو پکڑنا چاہے گا تو یہ ایک قدم بھی

نہ بھاگ سکیں گے۔

دوسری آیت میں فرمایا کہ کفار سے مقابلے کے لئے تم سے جس قدر ممکن ہو سکے تیاری کرو۔ تمہاری کامیابی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان حرب ہے تم بھی اسی قسم کا اور اتنی ہی مقدار میں حاصل کرو بلکہ تمہارے لئے اتنا سامانِ حرب حاصل کر لینا ہی کافی ہے جس کی تمہارے اندر استطاعت ہے۔ اس کے بعد اللہ کی مدد و نصرت تمہارے ساتھ ہو گی۔ یہاں لفظ قوت میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ قوت ہر زمانے اور ملک کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کا اسلحہ، تیر، تلوار اور نیزے وغیرہ پر مشتمل تھا۔ جبکہ آج کل کا اسلحہ بموں، راکٹوں، ٹینکوں، توپوں، طیاروں، آب دوزوں اور بحری جہازوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہ سب اسی لفظ قوت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

پھر فرمایا کہ سامانِ جنگ جمع کرنے کا اصل مقصد قتل و قتال نہیں بلکہ کفر و شرک کو زیر کرنا اور مرعوب و مغلوب کرنا ہے کیونکہ دشمن نہ تو کسی کے علم و فضل اور معابدوں سے ڈرتا ہے اور نہ کسی قوم کی صنعت و حرفت سے خائف ہوتا ہے وہ تو صرف جنگی صلاحیت و قوت ہی سے ڈرتا ہے۔ اس لئے دشمن کے مقابلے کے لئے مسلمانوں کو اپنے وسائل کے مطابق ہر قسم کی جنگی تیاری کر کے معاملہ اللہ کے سپرد کر دینا چاہئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ سامانِ حرب جمع کرنے سے جن لوگوں کو مرعوب و مغلوب کرنا مقصود ہے۔ ان میں سے بعض کو تو مسلمان جانتے ہیں۔ مثلاً کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کو مسلمان ابھی تک نہیں جانتے۔ اس سے مراد پوری دنیا کے کفار و مشرکین ہیں جو ابھی تک مسلمانوں کے مقابلے پر نہیں آئے بلکہ آئندہ ان سے تصادم ہونے والا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ تم اس کی راہ میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا۔ (معارف القرآن ۲۷۲-۲۷۴ / ۴، حقانی ۲۷۵ / ۲)

کفار سے صلح کی اجازت

۶۱-۶۲ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ

حَسْبَکَ اللّٰہُ ؕ ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ ۝

اور اگر وہ (کافر) صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی جھک جائیے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے۔ بیشک وہ خوب سنتا (اور) جانتا ہے اور اگر وہ (کافر) آپ سے فریب کریں گے تو آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور وہی ہے، جس نے آپ کو اپنی تائید اور مسلمانوں (کے ذریعہ) سے قوت دی۔

جَنَحُوْا: وہ جھکے۔ وہ پست ہوئے۔ وہ آمادہ ہوئے۔ جُنُوْحٌ سے ماضی۔

یَخْدَعُوْکَ: وہ تجھ کو دھوکہ دیں گے۔ وہ تجھ کو فریب دیں گے۔ خَدْعٌ سے مضارع۔

اَیَّدَکَ: اس نے تیری تائید کی۔ اس نے تیری حمایت کی۔ اس نے تجھے قوت دی۔ تَأْیِیْدٌ سے ماضی۔

تشریح: اس سے پہلے بتایا جاچکا کہ اگر تمہارا کسی قوم سے معاہدہ ہو اور پھر ان کی طرف سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو تم بھی معاہدہ ختم کر کے ان کو اس کی اطلاع دے دو۔ اس کے بعد اگر وہ لڑائی پر آمادگی ظاہر کریں تو آپ بھی اللہ پر بھروسہ کر کے جہاد شروع کر دیجئے۔ اگر وہ پھر صلح پر آمادہ ہو جائیں تو آپ بھی پھر سے صلح و صفائی کر لیجئے ممکن ہے اس طرح وہ اسلام میں داخل ہو کر آپ کے بھائی بن جائیں۔

اگر آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ صلح کے ذریعہ یہ آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اپنی شان و شوکت اور جنگی صلاحیت میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ اس کی پروا نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے دھوکہ سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ وہ اس سے پہلے بھی آپ کی مدد کر چکا ہے۔ (ابن کثیر ۲/۳۲۲)

ایک نعمتِ الٰہی کا بیان

۶۳۔ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ ؕ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی نے تو ان (مسلمانوں) کے دلوں میں

الفت ڈالی۔ اگر آپ وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتے جو زمین میں ہے تب بھی آپ ان
کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان میں الفت ڈالی کیونکہ
وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ایک نعمت یاد دلائی ہے کہ اس نے مہاجرین و انصار کے ذریعہ محض اپنے فضل سے آپ کی تائید کی۔ ان کو آپ پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت کی توفیق دی اور ان کو آپ کی مدد و نصرت کے لئے آمادہ کیا۔ اگر آپ روئے زمین کے تمام خزانے بھی خرچ کر ڈالتے تب بھی ان میں ویسی الفت و محبت پیدا نہ کر سکتے جیسی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈال دی، ان کی صدیوں پرانی عداوتوں کو محبت سے بدل دیا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْكُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ
قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا
حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (ال عمران آیت۔ ۱۰۳)

اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ پھر اس نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی سو تم اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو جہنم کے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ لیکن اس نے تمہیں بچا لیا۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ وہ غالب و حکیم ہے۔ اس نے اپنی حکمت و قدرت سے آپ کی خاطر ان کے دلوں کو بدل دیا وہ زبردست ہے اس لئے سب کچھ کر سکتا ہے۔

طبرانی نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے مل کر مصافحہ کرتا ہے تو دونوں کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے درخت کے خشک پتے تیز ہوا سے اور یہ کہ ان کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں گو وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ (ابن کثیر ۳۲۳ / ۲، حقانی ۴۷۹ / ۲)

مومنوں کو جہاد کی ترغیب

۶۴-۶۶۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ○ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ○

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور جو مسلمان آپ کی اتباع کرتے ہیں وہ کافی ہیں۔ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مسلمانوں کو جہاد پر رغبت دلائیے۔ اگر تم میں بیس آدمی صبر کرنے والے (ثابت قدم رہنے والے) ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی (صبر کرنے والے) ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر غالب آئیں گے اس لئے کہ وہ کافر نا سمجھ قوم ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ ابھی تم میں ضعف ہے، سو اگر تم میں سے سو آدمی صابر (ثابت قدم) ہوں گے تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ہزار ہوں گے تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

حَرِّضْ: تو ترغیب دلا۔ تو تاکید کر۔ تَحْرِيْضٌ سے امر۔

مِائَتَيْنِ: دو سو۔

اَلْفًا: ہزار۔

يَفْقَهُوْنَ: وہ سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ فِقْهٌ سے مضارع۔

ضَعْفًا: ضعف۔ کمزوری۔ ناتوانی۔ مصدر ہے۔

خَفَّفَ: اس نے تخفیف کی۔ اس نے ہلکا کر دیا۔ تَخْفِيْفٌ سے ماضی۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جملہ امور میں آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور ان مومنوں

کے لئے بھی اللہ کافی ہے جو آپ کی اتباع کر رہے ہیں ۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے لئے اللہ اور وہ مومن کافی ہیں جو آپ کی اتباع کر رہے ہیں ۔

آپ مومنوں کو جہاد کی خوب ترغیب دیتے رہیئے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل و خوار ہو ۔ مسلمانوں کو جہاد کے وقت کافروں کی کثرت کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے ۔ ہمارا وعدہ ہے کہ اگر ان میں سے بیس آدمی صابر و ثابت قدم ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب آئیں گے ۔ اگر صابر و ثابت قدم رہنے والوں کی تعداد ایک سو ہوگی تو وہ ایک ہزار پر غالب آئیں گے ۔ پھر جب مسلمانوں پر یہ حکم گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے صبر و استقامت میں ضعف و کمزوری کے پیش نظر اس میں تخفیف کر کے یہ حکم دیا کہ اب دو سو کافروں کے مقابلے میں سو صابر ثابت قدم مسلمان غالب رہیں گے ۔ مطلب یہ ہے کہ جب کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد نصف ہو تو ان کے لئے دشمن کے مقابلے سے بھاگنا جائز نہیں ۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔ پھر وہ کیوں غالب نہ ہوں گے ۔ (مواہب الرحمن ۱۰/۳۳-۳۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی اور دشمن کے مقابلے کے وقت برابر فوجوں کا دل بڑھاتے ۔ بدر کے دن آپ نے فرمایا کہ اس جنت کو حاصل کرو جس کا عرض (چوڑائی) آسمان وزمین کے (عرض کے) برابر ہے ۔ حضرت عمیر بن حمام نے (تعجب سے) عرض کیا اتنی چوڑائی ۔ آپ نے فرمایا ہاں اتنی ہی ۔ انہوں نے کہا کہ واہ واہ ۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کس ارادے سے کہا ؟ انہوں نے عرض کیا کہ اس امید پر کہ شاید اللہ مجھے بھی جنتی کر دے ۔ آپ نے فرمایا کہ بیشک تو جنتی ہے ۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر اپنی تلوار کا میان توڑ دیا اور کھجوریں نکال کر کھانے لگے ۔ پھر انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ اب ان کو کھانے تک یہاں ٹھہرنا بھی مجھ پر گراں ہے، اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں ۔ پھر وہ دشمن پر جھپٹ پڑے اور خوب قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے ۔ (ابن کثیر ۳۲۴/ ۲)

جنگی قیدیوں کے احکام

۶۷-۶۹ مَاكَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ط

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

نبی کی شان کے لائق نہیں کہ ان کے قبضہ میں قیدی رہیں جب تک کہ وہ (نبی) زمین پر اچھی طرح خونریزی نہ کر لیں ۔ تم تو دنیا کا مال و متاع چاہتے ہو اور اللہ (تمہیں) آخرت (دینا) چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے اگر نہ ہوتی ایک بات جو اللہ تعالیٰ پہلے سے لکھ چکا ہے تو جو کچھ تم نے (بدر کے قیدیوں سے) لے لیا ہے اس پر تمہیں بڑی سزا ملتی ۔ سو جو کچھ مال غنیمت تمہیں ملا ہے اس کو حلال و طیب سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو ۔ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ۔

اَسْرٰی: قیدی ۔ واحد اَسِیْرٌ۔

یُثْخِنَ: وہ خوب قتل کرتا ہے ۔ وہ کثرت سے خون بہاتا ہے ۔ اِثْخَانٌ سے مضارع ۔

عَرَضَ: مال و متاع ۔ سامان ۔ جمع عُرُوْضٌ ۔

شانِ نزول: مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں لوگوں سے مشورہ لیا ۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے انہیں تمہارے قبضے میں دے دیا ہے ۔ (بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے) پس حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی گردنیں مار دیجئے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منہ پھیر لیا ۔ پھر فرمایا کہ اللہ نے انہیں تمہارے بس میں کر دیا ہے ۔ کل تک یہ تمہارے بھائی بند ہی تھے ۔ حضرت عمرؓ نے پھر کھڑے ہو کر اپنا جواب دہرایا اور آپ نے پھر ان سے منہ پھیر لیا اور پھر وہی فرمایا ۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری رائے میں تو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور فدیہ لے کر انہیں آزاد کر دیجئے ۔ یہ سن کر آپ کے چہرہ انور سے غم کے آثار جاتے رہے ۔ پھر آپ نے سب کو معاف فرما دیا اور فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

(ابن کثیر ۳۲۵ / ۲)

تشریح: بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر قید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ستر قیدیوں کو مدینہ منورہ لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قیدیوں کے بارے میں مسلمانوں کے سامنے دو صورتیں پیش کیں۔ ۱۔ قتل کر دینا یا ۲۔ فدیہ لے کر چھوڑ دینا۔ یہ دوسری صورت اس شرط پر تھی کہ آئندہ سال اسی تعداد میں تمہارے آدمی قتل کئے جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اس معاملے میں رائے طلب کی۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب آپ کے خویش واقارب اور بھائی بند ہیں۔ اس لئے آپ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیجئے۔ اس احسان کے بعد ممکن ہے کچھ لوگ مسلمان ہو کر وہ خود اور ان کی اولاد ہمارے دست و بازو بنیں اور ان سے فدیہ کے طور پر حاصل ہونے والا مال جہاد کے کاموں میں لگے۔ رہا آئندہ سال ہمارے ستر آدمیوں کا شہید ہو جانا تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ان کو درجہ، شہادت ملے گا۔ فطری رحمدلی اور شفقت کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان بھی اسی رائے کی طرف تھا۔ صحابہ، کرام میں سے بہت سے لوگ تو ان ہی خیالات کی بنا پر جو حضرت ابو بکرؓ کے تھے اور بعض مالی فائدے کو دیکھتے ہوئے اس رائے سے متفق تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ لوگ کفر کے امام اور مشرکین کے سردار ہیں۔ اس لئے ان کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر و شرک کا سر ٹوٹ جائے اور مشرکین پر ہیبت طاری ہو جائے۔ الغرض بحث و تمحیص کے بعد حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ پر عمل ہوا۔

اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ پہلی آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ صحابہ کرام کی سخت اجتہادی غلطی تھی۔ جن لوگوں نے مالی فوائد پر نظر کر کے اس رائے سے اتفاق کیا تھا ان کو مخاطب کر کے واضح طور پر فرمایا کہ تم دنیا کے فانی اسباب پر نظر کر رہے ہو حالانکہ مومن کی نظر انجام پر ہونی چاہیئے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ پر پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ مواخذہ نہ ہو گا ورنہ تم نے فدیہ لے کر جو کافروں کو چھوڑا تو اس کی پاداش میں تم پر عذاب نازل ہوتا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے حضرت عمر اور حضرت سعد بن معاذ کے کوئی اس سے نجات نہ پاتا۔

اس عتاب و تہدید سے مسلمان ڈر گئے کہ مال غنیمت کو جس میں قیدیوں سے لیا ہوا فدیہ

بھی شامل ہے اب ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے۔ تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی و اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ جو کچھ تم نے ان سے فدیہ کے طور پر لیا ہے یا غنیمت کے طور پر لائے ہو وہ اللہ کی عطاء ہے اور تمہارے لئے حلال و طیب ہے۔ سو تم اس کو خوشی سے کھاؤ پیو۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے لیکن آئندہ ایسی باتوں سے پرہیز کرتے رہنا۔

(عثمانی ۵۳۳۔ ۵۳۴ / ۱، حقانی ۲۷۷۔ ۲۷۸ / ۲)

فدیہ کا نعم البدل

۷۰۔۷۱ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو قیدی آپ کے قبضے میں ہیں ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں میں نیکی معلوم ہوگی تو وہ تمہیں اس سے بہتر دے دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر یہ لوگ آپ سے دغا کرنا چاہیں گے تو اس سے پہلے یہ خود اللہ تعالیٰ سے دغا کر چکے ہیں سو اس نے ان کو گرفتار کرا دیا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان قیدیوں سے کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے اس پر تمہیں افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہارے دل میں بھلائی اور نیکی ہوگی اور تم اسلام لے آؤ گے تو تمہیں دنیا میں ہی اس سے بہتر مال دے دیا جائے گا جو تم سے فدیہ میں لیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بھی معاف فرما دے گا کیونکہ وہ خوب بخشنے والا مہربان ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ لوگ آپ کے پاس سے جانے کے بعد پھر شرارت کریں گے تو آپ اس کی ذرا پروا نہ کریں۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے اللہ کے ساتھ شرارت کی تھی۔ جس کا انجام مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونے کی صورت میں ہوا۔ آئندہ بھی اللہ تعالیٰ ان سے

بدلہ لینے پر پوری طرح قادر ہے۔ وہ خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے اور نہ کسی کو اس کی حکمتوں کے ادراک کی قدرت ہے۔ (حقانی ۲/۴۷۸)

مومنوں میں باہمی رفاقت

۷۲۔ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) جنہوں نے (مہاجروں کو) رہنے کی جگہ دی اور ان کی مدد کی وہی ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو لوگ ایمان تو لائے اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ ہجرت نہ کریں تمہیں ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں اور اگر وہ تم سے دینی کام میں مدد چاہیں تو تمہارے ذمہ (ان کی) مدد کرنا لازم ہے۔ مگر اس قوم کے مقابلے میں نہیں کہ ان میں اور تم میں عہد ہو اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

تشریح: اس آیت میں ہجرت و نصرت اسلام کے اعتبار سے اس زمانے کے مسلمانوں کی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو ابتداء میں اللہ تعالیٰ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، فرشتوں، قیامت اور دیگر انبیاء پر صدق دل سے ایمان لائے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے بیوی بچے، عزیز و اقارب، دوست واحباب اور وطن سب کچھ چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت کی اور اپنی جان اور مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔

(۲) جن لوگوں (انصار) نے اہل اسلام کو اپنے ہاں ٹھہرنے کی جگہ دی اور اپنے اموال میں سے ان کو حصہ دیا اور ان کے ساتھ مل کر دشمنانِ اسلام سے لڑائی کی۔

پھر مذکورہ دونوں قسموں کے بارے میں فرمایا کہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بھائی چارہ کرایا۔ ایک ایک انصاری کو ایک ایک مہاجر کا بھائی بنا دیا۔ یہ بھائی بندی قرابتداری سے بھی مقدم تھی۔

(۳) وہ مسلمان جو ایمان تو لائے مگر ہجرت کر کے مدینے منورہ میں نہ آئے ان کے بارے میں دو حکم بیان فرمائے کہ تم پر ان کی حمایت ضروری نہیں جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں۔ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی۔ دوسرا حکم یہ دیا کہ اگر وہ دینی امور میں تم سے مدد طلب کریں تو ان کی مدد ضرور کرو کیونکہ وہ اہل ایمان ہیں۔ لیکن اگر ان کے مقابلے پر کوئی ایسا قبیلہ ہو کہ تمہارے اور اس قبیلے کے درمیان صلح کا معاہدہ ہو تو تم ہرگز عہد شکنی نہ کرو۔ (حقانی ۲/۴۰۹)

کفار کی باہمی رفاقت

۷۳۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝

اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

تشریح: تمام کافر خواہ وہ مشرک ہوں یا یہود و نصاری سب آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ یہ لوگ باہمی اختلاف کے باوجود مسلمانوں کی دشمنی میں سب ایک ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کو نہ تو ان کافروں سے دوستی کرنی چاہئے اور نہ ان کے لئے دوسرے مسلمانوں کے خلاف ان کافروں کی مدد کرنا جائز ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ بخاری و مسلم نے صحیحین اور اصحاب السنن نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ مسلمان کافر کا

وارث ہوتا ہے اور نہ کافر مسلم کا۔

پھر فرمایا کہ اگر تم آپس میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت نہ کرو گے تو اس سے زمین پر کفر کا فتنہ پھیل جائے گا۔ فساد برپا ہو جائے گا اور آخر کار کفر غالب آجائے گا۔ (حقانی ۴۸۰ / ۲، مظہری ۱۲۲ / ۴)

مہاجرین وانصار کے فضائل

۷۴۔۷۵۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ (انصار) جنہوں نے رہنے کی جگہ دی اور مدد کی وہی سچے مسلمان ہیں۔ انہی کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت بھی کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا سو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں اور جو لوگ رشتہ دار ہیں وہ اللہ کے حکم کی رو سے آپس میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تشریح: مسلمانوں کی مذکورہ بالا تین قسموں میں سے پہلی دو قسموں کے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا کہ یہی لوگ حقیقی مسلمان ہیں۔ ان کے کامل الایمان ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں۔ انہی کے لئے آخرت میں مغفرت اور جنت میں عزت کی روزی ہے۔

جو لوگ صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے، پھر ہجرت کر کے آپ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ کے ساتھ جہادوں میں شریک ہوئے وہ بھی احکام کے اعتبار سے مہاجرین اولین میں شامل ہیں۔ اگرچہ ہجرت میں تاخیر کی وجہ سے ان کا مرتبہ کم ہے۔ تم ان کے وارث اور وہ تمہارے وارث ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورہء توبہ

وجہِ تسمیہ: سورۃ الحمد کی طرح اس سورت کے بھی بہت سے نام ہیں ۔ ان میں سے دو نام برأت اور توبہ زیادہ مشہور ہیں ۔

۱۔ **برأت :** اس کو سورہ ۔ برأت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالی نے مشرکین سے اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت و بیزاری کا اعلان فرمایا ہے ۔

۲۔ **توبہ :** اس کو سورۃ توبہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں تین نیک مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے یا اس میں توبہ کا ذکر بار بار آیا ہے ۔

۳۔ **سورۃ مُقَشْقِشَہ:** یہ نفاق سے بیزاری کا اظہار کرتی ہے ۔

۴۔ **سورۃ الفَاضِحَہ:** اہلِ نفاق کی فضیحت و رسوائی کرنے والی ۔

۵۔ **سورۃ مُبَعْثِرَہ:** لوگوں کے اندرونی رازوں کی پردہ کشائی کرتی ہے ۔

اسی طرح اور نام بھی ہیں ۔ **مُنَکِّلَہ** ۔ عذاب والی ۔ **مُدَمْدِمَہ** ۔ تباہی لانے والی وغیرہ ۔

تعارف: اس میں سولہ رکوع ، ایک سو انتیس یا ایک سو تیس آیتیں ، ۲۵۳۷ کلمات اور ۱۱۳۶۰ حروف ہیں ۔ یہ سورۃ بالاتفاق مدنی ہے ۔ فتح مکہ کے بعد سب سے آخر میں نازل ہوئی ۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سب سے آخری سورت جو نازل ہوئی وہ سورۃ برأت ہے اور سب سے آخر میں جو آیت اتری وہ سورۃ نساء کی آیت ۱۷۶ یعنی

یَسْتَفْتُوْنَکَ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ ہے۔ (بخاری شریف کتب التفسیر سورۃ نسا.)
سورۃ کے شروع میں عہد توڑنے والوں سے برأت و بیزاری اور متعلقہ احکام کا ذکر ہے۔ پھر فتح مکہ اور غزوہ حنین کا بیان ہے۔ آخر میں غزوہ تبوک کے واقعات اور اس میں شرکت نہ کرنے والوں پر عتاب اور ملامت کا بیان ہے۔

بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ: ترمذی شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ انفال مثانی میں سے ہے اور برأت مئین میں سے۔ آپ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور ان کے درمیان میں بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی اور برأت کو سبع طوال میں درج کر دیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی کئی سورتیں ایک ساتھ نازل ہوتی تھیں۔ جب کچھ نازل ہوتا تو آپ کاتب وحی کو بلوا کر حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں جگہ لکھو، جہاں یہ یہ ذکر ہے۔ سورۃ انفال مدینے کے ابتدائی ایام یعنی ہجرت کے فوراً بعد نازل ہوئی اور یہ سورہ برأت سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ دونوں کا مضمون باہم ملتا جلتا تھا اور مجھے خیال ہوا کہ یہ بھی کہیں اسی میں سے نہ ہو۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی زندگی میں صراحت نہیں فرمائی کہ یہ اس میں سے ہے یعنی سورہ برأت سورہ انفال کا جزو ہے۔ اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو متصل لکھا اور ان کے درمیان بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نہیں لکھی اور انہیں پہلی سات لمبی سورتوں میں رکھا۔ امام احمد، ابو داؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کو صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے۔ (مظہری ۳۲ / ۴، ابن کثیر ۳۳۱ / ۲)

سورت کا سببِ نزول: ہجرت کے آٹھویں سال مکہ مکرمہ فتح ہوا تو بہت سے قبائل اسلام لائے اور بہت سوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا عہد کر لیا کہ وہ آپ سے اور آپ کے حلیفوں سے جنگ نہ کریں گے اور مدد کے موقع پر آپ کو مدد دیں گے۔ جب ہجرت کے نویں سال آپ شام کی طرف غزوہ تبوک کے لئے تشریف لے گئے تو آپ کے بعد بہت سے قبائل نے بد عہدی کی۔ منافقوں نے بھی خوب افواہیں پھیلائیں۔ غزوہ تبوک سے واپس آنے کے

بعد یہ سورۃ نازل ہوئی، جس میں ان بدعہدوں، غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے والوں اور غلط باتیں اڑانے والوں کی سرزنش ہے۔ (حقانی ۴۸۲/ ۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: شروع میں عہد شکنوں سے برأت اور ان کو چار مہینے کی مہلت دینے اور عہد پورا کرنے والوں کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ پھر میثاقِ حدیبیہ توڑنے والوں کا حکم اور اسلام سمجھنے کے لئے آنے والوں کو پناہ دینے کی تاکید ہے۔

رکوع ۲: اعلانِ برأت کی حکمت اور عہد شکنوں کی بدخصالیوں کا بیان ہے۔ پھر کفر کے سرداروں کی بیخ کنی اور کافروں سے جنگ کی ترغیب دی گئی ہے۔ آخر میں جہاد کی ایک حکمت بتائی گئی ہے کہ اس سے کھوٹے اور کھرے کی تمیز ہو جاتی ہے۔

رکوع ۳: مشرکین کے فخر و ناز کا جواب اور مہاجرین و مجاہدین کے فضائل بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں کافروں سے ترکِ موالات کا حکم ہے۔

رکوع ۴: غزوات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی نصرت خاص طور پر غزوہ حنین میں تائیدِ غیبی اور نزولِ سکینت کا بیان ہے۔ پھر مسجد الحرام میں مشرکین کے داخل ہونے کی ممانعت اور اہلِ کتاب سے جہاد و قتال کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: اہلِ کتاب کے عقائدِ باطلہ کا بیان اور کفار کا حق کو مٹانے کی کوشش کرنا۔ احبار و رہبان کا شر و فساد، مال جمع کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کا انجام۔ اہلِ عرب کی ایک جاہلانہ رسم یعنی حرمت والے مہینوں کی تعیین میں اپنی مرضی سے رد و بدل کرنا۔

رکوع ۶: سستی کی وجہ سے جہاد میں نہ جانے والوں پر عتاب، تائیدِ غیبی اور جہاد و قتال کی تاکید کا بیان ہے۔

رکوع ۷: خدائے لطیف و خبیر کا عتابِ لطیف، منافقین متخلفین کے احوال اور جد بن قیس کے نفاق کا بیان ہے۔ پھر منافقین کے حسد و نفاق اور ان کی باطنی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں صدقات کی تقسیم کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر

منافقین کے تہمت لگانے کا ذکر ہے۔

رکوع ۸: زکوۃ کے مصارف بیان کئے گئے ہیں۔ پھر منافقوں کی بری حرکات، ان کی بدبختی و خود فریبی اور اسلام پر طعن و تشنیع مذکور ہے۔

رکوع ۹: منافقوں کی بد باطنی اور گزشتہ سرکش اقوام سے ان کا موازنہ اور ان کے انجام سے خبردار کرنا مذکور ہے۔ پھر مومنوں کے لئے مغفرت اور رضائے الہیٰ کی بشارت کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۰: مسلمانوں کو کفار و منافقین کے ساتھ جہاد و قتال کرنے کا حکم، منافقین کی احسان فراموشی اور ان کی عہد شکنی کے انجام کا بیان ہے۔ آخر میں مومنوں کے صدقات پر منافقوں کی طعنہ زنی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۱۱: متخلفین منافقین کو دردناک انجام کی خبر اور منافقوں کو آئندہ کسی جہاد میں لے جانے کی ممانعت کا بیان ہے۔ پھر منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت اور غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والے منافقوں کے حیلے بہانوں کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۲: غزوہ تبوک کے موقع پر منافقین کا عذرِ کاذب اور مومنین کے عذرِ صادق کا بیان ہے۔ اس کے بعد منافقین کا عذر قبول کرنے کی ممانعت اور دیہات کے منافقین کی مذمت کی گئی ہے۔ آخر میں دیہات کے مومنوں کے لئے رحمتِ خداوندی کی بشارت دی گئی ہے۔

رکوع ۱۳: پہلے سبقت و اولیت والے مہاجرین و انصار کا ذکر ہے، پھر کامل منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین متخلفین کی توبہ قبول کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا صدقہ قبول کرنے کا حکم دیا گیا۔ آخر میں مسجدِ ضرار بنانے والوں کا حال اور ان کا انجام بتایا گیا ہے۔

رکوع ۱۴: مجاہدین کے فضائل اور صفاتِ فاضلہ اور مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔ پھر مومنین متخلفین کا ذکر اور توبہ مؤخر کئے جانے والے تین اصحاب کی توبہ کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۱۵: پرہیزگاری اختیار کرنے اور صادقین کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے والوں کی ملامت ہے۔ آخر میں مسلمانوں میں سے

کچھ لوگوں کو دین کی سمجھ پیدا کرنے کی تاکید ہے۔

رکوع ۱۶: جہاد و قتال کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے قریب ترین کافروں سے قتال کیا جائے۔ پھر ان کے بعد جو سب سے قریب ہوں وغیرہ۔ پھر منافقین کی کج فہمی اور امت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال شفقت و رأفت کو بیان کیا گیا ہے۔

عہد شکنوں سے اعلان برأت

۲،۱ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکین سے دستبرداری ہے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا۔ پس (اے مشرکو!) تم اس سرزمین میں چار مہینے تک چل پھر لو اور جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

بَرَآءَةٌ: دستبرداری، خلاصی، چھٹکارا پانا۔ صفت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

فَسِيْحُوْا: پس تم سیاحت کرو۔ پس تم چلو پھرو۔ سَیْحٌ و سِیَاحَةٌ سے امر۔

مُخْزِي: رسوا کرنے والا۔ ذلیل کرنے والا اِخْزَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ ہوا تھا۔ جس کے نتیجہ میں بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے۔ کچھ عرصے کے بعد بنی بکر نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے بھی معاہدہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حملہ آوروں کی اسلحہ وغیرہ سے مدد کی۔ اس طرح قریش اور ان کے حلیفوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور معاہدہ ختم کر دیا گیا۔ پھر ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کر کے مکہ فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دیگر قبائل سے مسلمانوں کا میعادی و غیر میعادی معاہدہ تھا۔ جن میں سے بعض قبائل اپنے معاہدے پر قائم رہے۔ کچھ قبائل ایسے بھی

تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔ ان آیات میں ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا۔ مگر میعادی نہ تھا۔ ان لوگوں کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ نہیں رکھنا چاہتے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ۔

جب قبائل عرب، مشرکوں اور یہود مدینہ نے معاہدے توڑ دیئے تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی معاہدوں کو پورا کرنے سے بری الذمہ ہیں۔ اب مشرکوں کو علانیہ طور پر بتادو کہ ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اس مدت میں وہ امن و سکون اور آزادی سے ساتھ چل پھر سکتے ہیں۔ ان کے جان و مال سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نیز مہلت کے زمانے میں اگر وہ چاہیں تو اسلامی برادری میں شامل ہو جائیں ورنہ وہ وطن چھوڑ کر مرکزِ ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دیں یا جنگی مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔ بہر حال وہ اپنے لئے کوئی ٹھکانہ اور جائے پناہ تلاش کرنے میں بھی پوری طرح آزاد ہوں گے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس مہلت کی ابتدا حج اکبر یعنی عید کے دن سے شروع ہو کر دس ربیع الثانی کو ختم ہو گی۔

پھر فرمایا کہ خوب جان لو کہ اگرچہ اس نے تمہیں مہلت دے دی ہے مگر تم اللہ تعالیٰ پر غالب نہیں آسکتے اور نہ تم اس کی گرفت سے بچ سکتے ہو خواہ تم زمین کے کسی خطہ اور گوشہ میں چلے جاؤ اور یہ بھی جان لو کہ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تمہیں دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار کرے گا۔ دنیا میں تو قتل اور قید کی ذلت و رسوائی ہو گی اور آخرت میں عذابِ جہنم کی خواری ہو گی۔ (مظہری ۱۳۳/ ۴، عثمانی ۵۴۰/ ۱)

عام اعلانِ برأت

۳۔ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں مشرکوں (کو امن دینے) سے دستبردار ہوتے

ہیں۔ سو اگر تم (کفر و شرک سے) توبہ کر لو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم
نے (اسلام سے) منہ موڑا تو جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہ کر سکو گے اور آپ
کافروں کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

اَلْحَجِّ الْاَکْبَرِ شریعت میں ہر حج کو حج اکبر اور عمرے کو حج اصغر کہتے ہیں۔ اسی لئے آیت میں حج
کے ساتھ لفظ اکبر لگا کر اس کی صفت بیان کر دی تاکہ عمرے کا احتمال نہ رہے۔
عام لوگوں میں جو یہ مشہور ہے کہ حج اکبر وہ حج ہے جو خاص جمعہ کے دن ہو،
اس کی کوئی اصل نہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حج اکبر کے دن عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں سے بری الذمہ، بیزار اور الگ ہیں۔ پہلا اعلانِ برأت صرف ان مشرکوں سے تھا۔ جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کی تھی اور یہ اعلانِ برأت عام ہے۔ اس میں عہد شکنی کرنے والے کافروں سے بھی برأت کا ذکر کیا گیا ہے اور ان مشرکوں سے بھی جنہوں نے کوئی معاہدہ ہی نہیں کیا۔

یوم الحج الاکبر کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں۔ بغویؒ نے بروایت عکرمہؒ بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یوم الحج الاکبر یومِ عرفہ ہے۔ بغویؒ نے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ مجاہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد یومِ عرفہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الحج عرفہ (حج عرفہ کا نام ہے) حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ کا دن حج اکبر کا دن ہے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ یوم الحج الاکبر سے مراد قربانی کا دن ہے۔ بخاری شریف، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم النحر کے دن جمرات کے درمیان کھڑے ہوئے فرمایا آج کون سا دن ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ قربانی کا دن ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ یوم حج اکبر ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس اور ابن جبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے کہ یوم حج اکبر سے مراد یوم النحر ہے کیونکہ اس دن حج کی تکمیل ہوتی ہے۔

مجاہدؒ اور سفیان ثوریؒ سے منقول ہے اس سے مراد تمام ایامِ حج ہیں جیسا کہ یومِ جمل و یومِ صفین سے تمام ایامِ جنگ مراد ہوتے ہیں۔ غرض حجِ اکبر سے یا تو دس ذی الحجہ کا دن مراد ہے یا پھر نو ذی الحجہ یعنی عرفہ کا دن مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ مشرک کفر و شرک سے توبہ کر لیں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔ اگر وہ ایمان نہ لائیں، توبہ نہ کریں اور کفر و شرک پر اڑے رہیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور ان کی قوت و طاقت ان کو اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں بچا سکتی اور نہ وہ اللہ کی گرفت سے بھاگ کر کہیں جا سکتے ہیں اور نہ وہ اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ یہ تو دنیا کی ذلت و رسوائی ہوئی۔ آخرت کا دردناک عذاب اس کے علاوہ ہے۔ (روح المعانی ۴۶ / ۱۰، مظہری ۱۳۴ / ۴)

عہد پورا کرنے والوں کا حکم

۴۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

البتہ جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا تھا۔ پھر انہوں نے تمہارے ساتھ (عہد میں) ذرا کمی نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو ان کے معاہدوں کو ان کی (مقررہ) مدت تک پورا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ (بد عہدی سے) پرہیز کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کے معاہدوں کا حکم بیان کیا گیا ہے جنہوں نے ایک مقررہ مدت کے لئے صلح کا معاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں کے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا جنہوں نے ایک خاص مدت کے لئے صلح کا معاہدہ کیا۔ وہ اس پر قائم رہے، اس کو پورا کرنے میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی اور نہ مسلمانوں کے مقابلے میں انہوں نے ان کے دشمن کی مدد کی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور عہد کی پابندی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ معاہدے کی مدت ختم ہونے کے بعد کوئی نیا معاہدہ نہیں ہوگا۔ اس وقت ان کے لئے بھی وہی راستہ ہوگا جو اوروں کے لئے تھا۔ یہ حکم بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے معاہدوں کے بارے میں تھا۔

اس حکم کی رو سے ان کو نو مہینے کی مہلت مل گئی کیونکہ اس وقت ان کے معاہدے کے نو مہینے باقی تھے۔

میثاقِ حدیبیہ توڑنے والوں کا حکم

۵۔ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

پھر جب پناہ کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو اور ان کو پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر وہ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بیشک اللہ بہت مغفرت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

انْسَلَخَ: وہ نکل گیا۔ وہ گزر گیا۔ اِنْسِلَاخٌ سے ماضی۔

مَرْصَدٍ: گھات کی جگہ۔ کمین گاہ۔ رَصْدٌ سے مبالغہ یا اسم ظرف۔

وَاقْعُدُوْا: اور تم بیٹھو۔ قُعُوْدٌ سے امر۔

تشریح: مشرکینِ مکہ نے میثاقِ حدیبیہ کو خود توڑ دیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ اب مزید کسی مہلت کے مستحق نہ تھے۔ مگر جس وقت معاہدوں سے برأت کا حکم نازل ہوا وہ اشہر حرم کا زمانہ تھا جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ و قتال ممنوع ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ ان لوگوں نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا۔ مگر حرمت والے مہینوں کے احترام میں فوری طور پر ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اس عرصے میں وہ مکہ چھوڑ کر جہاں مناسب سمجھیں سہولت و اطمینان کے ساتھ چلے جائیں یا اگر ان پر اسلام کی حقانیت روشن ہو چکی ہے تو وہ اسلام قبول کر لیں اور شعائرِ اسلامی کو بجالائیں۔ یعنی نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں ورنہ حدودِ حرم یا حل میں جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے ان کو قتل کیا جائے گا یا ان کو قیدی بنایا جائے گا۔ اگر وہ قلعہ بند ہو جائیں تو ان کا محاصرہ کر کے ان کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ یا تو جنگ کریں یا مسلمان ہو

جائیں یا جزیہ دینا قبول کریں۔ پھر فرمایا کہ ہر کمین گاہ میں ان کی گھات لگا کر بیٹھو تاکہ وہ جدھر سے بھی آئیں تم ان کو گرفتار کر لو۔ پھر اگر وہ تائب ہو کر شعائرِ اسلامی کو بجالائیں یعنی نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کرنے لگیں تو تم بھی ان کا راستہ چھوڑ دو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو معاف کرنے والا اور ان پر مہربانی کرنے والا ہے۔ (مظہری ۱۳۹/ ۴)

پناہ طلب کرنے والے کا حکم

۶۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ٥

اور اگر مشرکین میں سے کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیجئے تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر آپ اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔ یہ اس لئے ہے کہ وہ لوگ علم نہیں رکھتے۔

اِسْتَجَارَکَ: اس نے تجھ سے پناہ مانگی۔ اِسْتِجَارَۃٌ سے ماضی۔

اَبْلِغْهُ: تو اس کو پہنچا دے۔ اِبْلَاغٌ سے امر۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ جن کافروں سے آپ کو جہاد کا حکم دیا گیا ہے اگر ان میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور اسلام کو سمجھنے کے لئے آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اس کو پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور آپ کی باتیں سن لے اور اسلام کی حقیقت کو سمجھ لے۔ پس اگر وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سننے کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو اس کو امن و حفاظت کے ساتھ اس کی قوم اور قبیلے تک پہنچا دو اور اس سے کوئی تعرض نہ کرو۔ ممکن ہے وہ سوچ سمجھ کر حق کو قبول کر لے۔ یہ رعایت ان کو اس لئے دی گئی ہے کہ ان کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہے کیونکہ وہ لوگ اللہ کے دین اور اس کے کلام سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔ (روح المعانی ۶۳۔ ۵۴/ ۱۰، ابن کثیر ۳۳۷/ ۲)

اعلانِ برأت کی حکمت

۷۔ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا
الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ
فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ○

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک مشرکوں کا عہد کیسے (قابل رعایت) رہے گا سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا تھا۔ (یعنی جنہوں نے عہد کو قائم رکھا) پھر جب تک یہ لوگ تمہارے ساتھ سیدھی طرح رہیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھی طرح رہو۔ (جب تک یہ عہد نہ توڑیں تم بھی عہد کی مدت پوری کرو)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں جو برأت کا اعلان کیا گیا تھا۔ یہاں اس کی حکمت بیان کی گئی ہے کہ ایسے لوگوں سے وفا کی امید رکھنا عبث ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک ان مشرکین کا کوئی عہد قابلِ رعایت کیسے ہو سکتا ہے جبکہ یہ بار بار عہد شکنی کرتے رہے ہیں۔ ایسے دغا باز اور غدار لوگوں سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسے لوگوں سے برأت و بیزاری عین مصلحت ہے۔ البتہ ان میں سے جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو اور انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تو تم بھی اپنے عہد پر اس وقت تک قائم رہو جب تک کہ وہ وفائے عہد کرتے رہیں۔ اور تم اس بارے میں خاص احتیاط رکھو کہ تمہاری طرف سے کوئی ایسی معمولی سی بات بھی نہ ہونے پائے جس سے تمہارا دامن عہد شکنی کی گندگی سے آلودہ اور داغدار ہو جائے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو وہی لوگ محبوب ہیں جو اپنے معاملات میں پوری احتیاط کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی ۵۴۲/۱)

مشرکین کی عاداتِ بد

۸۔۱۱۔ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ
يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ○
اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ○ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○

ان سے عہد کس طرح پورا کیا جائے جبکہ ان کی حالت یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پالیں تو وہ نہ تو تمہاری قرابت کا لحاظ کریں گے اور نہ عہد کا۔ یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کر دیتے ہیں اور ان کے دل نہیں مانتے اور ان میں سے اکثر بد عہد ہیں۔ انہوں نے اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت کے بدلے بیچ دیا۔ پس وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ بیشک ان کا یہ عمل بہت ہی برا ہے۔ یہ لوگ کسی مسلمان کے حق میں نہ تو قرابت کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد کا اور یہ لوگ حد سے تجاوز کر رہے ہیں۔ پھر اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں تو یہ بھی تمہارے دینی بھائی ہو جائیں گے اور ہم جاننے والوں کے لئے احکام کو خوب تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

يَرْقُبُوْا: وہ لحاظ کریں گے۔ وہ رعایت کریں گے۔ رَقْبٌ، رُقُوْبٌ سے مضارع۔

ذِمَّةً: وعدہ۔ عہد۔ جمع ذِمَمٌ

ثَمَنًا: قیمت۔ دام۔ جمع اَثْمَانٌ۔

فَصَدُّوْا: پس انہوں نے روکا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

سَآءَ: وہ برا ہے۔ سُوْءٌ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کے مکر و فریب اور بغض و عداوت سے آگاہ کیا ہے تاکہ وہ ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں اور نہ وہ ان کے قول و قرار پر بھروسہ کریں۔ ان کا کفر و شرک ان کو وعدوں کی پابندی سے باز رکھتا ہے۔ یہ لوگ تو موقع کی تلاش میں رہتے ہیں کہ اگر یہ تم پر غلبہ پالیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں اور نہ قول و قرار کی پاسداری کریں۔ ان کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے مقابلے میں اپنے آپ کو کمزور پاتے ہیں تو بظاہر تم سے صلح کرنے لگتے ہیں اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے تمہیں راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ

وہ دل میں دغا رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر فاسق و بدکار ہیں کہ کسی قول و قرار پر قائم نہیں رہتے۔
یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے بدلے میں دنیا کے معمولی سے فائدے کو ترجیح دی اور لوگوں کو دینِ اسلام میں داخل ہونے سے روکا۔ بلاشبہ ان کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ یہ لوگ تو مومنوں کو نقصان پہنچانے ہی کے درپے ہیں۔ نہ انہیں رشتہ داری کا خیال ہے، نہ معاہدے کا پاس۔ یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ ان کی شرارتوں اور زیادتی کی کوئی حد نہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کے عہد و پیمان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ اگر یہ لوگ کفر و شرک سے توبہ کرلیں، شعائرِ اسلامی کو بجالاتے ہوئے نماز قائم کرنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر یہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اسلام لانے سے تمہارے اور ان کے حقوق برابر ہو جائیں گے۔ اہلِ علم و اہلِ فہم کے لئے ہم اپنے احکام اسی طرح تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔
(حقانی ۲/۴۸۴، ابن کثیر ۲/۳۳۸)

کفر کے سرداروں کی بیخ کنی کا حکم

۱۲ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝

اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین (اسلام) پر طعن کریں تو تم لوگ کفر کے سرداروں سے اس خیال سے قتال کرو کہ شاید وہ (اپنی حرکتوں سے) باز آجائیں۔ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔

نَكَثُوْا: انہوں نے عہد کو توڑا۔ نَكْثٌ سے ماضی۔

اَيْمَانَهُمْ: ان کی قسمیں۔ واحد يَمِيْنٌ

طَعَنُوْا: انہوں نے طعنہ دیا۔ انہوں نے عیب نکالا۔ طَعْنٌ سے ماضی۔

يَنْتَهُوْنَ: وہ رکتے ہیں۔ وہ باز رہتے ہیں۔ اِنْتِهَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اگر یہ کفار و مشرکین اپنے عہد و پیمان کو توڑ کر تمہارے ساتھ وعدہ خلافی کریں۔ تمہارے دین اسلام پر اعتراض کریں، احکامِ شریعت پر نکتہ چینی اور ان کی تحقیر و تکذیب کریں تو تم بھی ان سردارانِ کفر سے خوب جہاد و قتال کرو۔ ان کی عہد شکنی کے سبب ان کی قسمیں اور ان کے

عہد و پیمان باقی نہیں رہے۔ ان کو کفر و عناد سے روکنے کا یہی طریقہ ہے۔

یہاں ائمۃ الکفر سے مراد یہ ہے کہ لوگ اپنی عہد شکنی کی وجہ سے کفر کے امام و قائد ہو کر اس بات کے مستحق ہو گئے کہ ان سے جنگ و قتال کیا جائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ائمۃ الکفر سے مراد مکہ کے وہ سردار ہیں جو لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارتے اور جنگی تیاریوں میں لگے رہتے تھے۔ ان سے جنگ کرنے کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر فرمایا کہ اہل مکہ کی طاقت کا سرچشمہ یہی لوگ تھے۔ (ابن کثیر ۳۳۸، ۳۳۹ / ۲، معارف القرآن ۳۲۳ / ۴)

کفار سے جنگ کی ترغیب

۱۳-۱۵۔ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ
وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ
وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ
۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

کیا تم اس قوم سے نہیں لڑو گے۔ جس نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور وہ رسول کے اخراج کی فکر میں ہیں اور انہوں نے (چھیڑ خوانی میں) خود ہی تم سے پہل کی کیا تم ان سے (قتال کرنے میں) ڈرتے ہو۔ پس اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ تم ان سے قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دے گا۔ اور ان کو رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ دے گا اور مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا اور وہ ان کے دلوں سے غیظ (و غضب) کو دور کرے گا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا توبہ (کی توفیق) نصیب کرے گا اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

هَمُّوْا: انہوں نے ارادہ کیا۔ انہوں نے قصد کیا۔ ہَمٌّ سے ماضی۔

بَدَءُوْكُمْ: انہوں نے تم سے پہلے شروع کیا۔ انہوں نے تم سے پہلے ابتداء کی۔ بَدْءٌ سے ماضی۔

یُخْزِہِمْ: وہ ان کو ذلیل کرے گا۔ وہ ان کو رسوا کرے گا۔ اِخْزَاءٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابو الشیخ نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے بارے میں ہوا جن کو مکہ میں بنی بکر نے قتل کیا تھا۔ عکرمہؓ نے بھی یہی کہا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے متعلق ہوا۔ (مظہری ۱۴۵/ ۴)

تشریح: یہاں کفار سے جنگ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور ان سے جنگ نہ کرنے میں مسلمانوں کو عار دلائی گئی ہے کہ تم ان مشرکوں سے جنگ و قتال کیوں نہیں کرتے جنہوں نے عہد توڑ ڈالے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کا قصد کیا۔ دار الندوہ میں جمع ہو کر اس کام کے لئے مشورے اور تدبیریں کیں اور تم سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں پہل کی۔

جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں قسمیں توڑنے سے مراد وہ عہد شکنی ہے جو صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین کی طرف سے ہوئی۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے چھٹے سال عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ مکرمہ کا قصد کیا۔ آپ کے ہمراہ چودہ سو آدمی تھے۔ جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے تقریباً نو میل کے فاصلے پر ہے تو مشرکین مکہ نے آپ کا راستہ روکا اور آمادہ جنگ ہوئے۔ آخر دس سال تک باہم جنگ نہ کرنے، آئندہ سال ہتھیاروں کے بغیر آکر عمرہ کرنے اور ایک دوسرے کے حلیف کو نہ ستانے جیسی شرائط پر صلح ہو گئی اور آپ وہیں سے مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ قبیلہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور بنو خزاعہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا۔ دونوں قبیلوں میں مدت سے عداوت تھی صلح کے نتیجہ میں جب دونوں قبیلوں کے لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے تو کچھ عرصہ کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ پر شبخون مارا۔ دونوں قبیلوں میں خوب جنگ ہوئی۔ قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہتھیاروں اور آدمیوں سے بنو بکر کی مدد کی۔ آخر بنو خزاعہ کو شکست ہو گئی۔ بنو خزاعہ کے سردار عمرو بن سالم نے مدینہ منورہ پہنچ کر آپ سے فریاد کی۔ آخر کار معاہدۂ حدیبیہ ٹوٹ گیا۔ یہی واقعہ فتح مکہ کا سبب بنا۔

پھر فرمایا کہ کیا تم کافروں کی قوت و شوکت اور ان کے جنگی ساز و سامان سے ڈر کر ان سے جنگ و قتال کرنے سے کتراتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس کی قوت و قدرت پر نظر کرتے ہوئے اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے ڈرو۔ ایمان کا تقاضا بھی یہ ہے کہ

بندہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرے۔ اس کے قہر و غضب سے لرزاں و ترساں رہے۔ کیونکہ نفع و ضرر سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی مشیت کے بغیر کسی کو ادنیٰ سے ادنیٰ نفع و ضرر پہنچانے پر قادر نہیں۔

جب مسلمان کمزور تھے تو کافر ان کو بے پناہ تکلیفیں دیا کرتے تھے۔ جس سے ان کے دلوں میں غصہ اور رنج رہتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ تم ان شریر کافروں سے جہاد و قتال کرو۔ اللہ تعالیٰ ان کے غرور و تکبر اور مومنوں کو ستانے کے سبب ان کو تمہارے ہاتھ قید و قتل کر کے ان کو ذلت و رسوائی کے عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہیں ان پر غلبہ اور برتری عطا فرمائے گا۔ جس سے کافروں کے بارے میں تمہارے دلوں کا غیظ و غضب جو بیماری کی طرح تمہیں بے چین کئے ہوئے ہے جاتا رہے گا اور تمہارے دل اس بیماری سے شفا پا جائیں گے۔ اور ان کافروں میں سے بھی اللہ جس کو چاہے گا کفر سے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق عطا فرما دے گا۔ اگرچہ تمہیں ابھی اس کا علم نہیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے بعد بہت سے اہل مکہ ایمان لے آئے۔ اور اچھے مسلمان ہو گئے۔ جیسے ابو سفیان، سہل بن عمرو اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ رضی اللہ عنہم حالانکہ اسلام لانے سے پہلے یہ لوگ ائمہ کفر تھے۔ اللہ نے ان پر احسان کیا اور ان کو ایمان کی توفیق دی اور اللہ خوب جانتا ہے کہ ان کافروں میں سے کون کون ایمان لانے والے ہیں۔ وہی حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ (مواہب الرحمن ۱۰/۶۶،۶۵، حقانی ۲/۴۸۶،۴۸۵)۔

ایمان کی کسوٹی

۱۶۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو (ظاہری طور پر) معلوم ہی نہیں کیا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں

بنایا اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

حَسِبْتُمْ: تم نے گمان کیا۔ تم نے خیال کیا۔ حِسْبَانٌ سے ماضی۔

تُتْرَكُوْا: تمہیں ترک کر دیا جائے۔ تمہیں چھوڑ دیا جائے۔ تَرْكٌ سے مضارع مجہول۔

وَلِیْجَةً: بھیدی۔ دلی دوست۔ راز دار

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں امتحان لئے بغیر یونہی تمہارے حال پر چھوڑ دیا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ان لوگوں کو ابھی دوسرے لوگوں سے ممتاز نہیں کیا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بھی جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے سوا کسی اور کو دلی دوست نہیں بناتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ ۝ (سورہ عنکبوت۔ آیات ۲، ۳)

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ آزمائش سے گزرے بغیر ہی صرف اس لئے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ایمان لے آئے۔ حالانکہ ہم نے ان سے پہلے مومنوں کو بھی آزمایا ہے۔ پس یاد رکھو اللہ تعالیٰ سچوں اور جھوٹوں کو ضرور الگ الگ کرے گا۔

پس جہاد فرض کرنے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعہ کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ تم جو کچھ کرتے ہو، جس غرض اور جس نیت سے کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کو وہ سب معلوم ہے۔ جو کچھ اب ہونے والا ہے۔ وہ بھی اس کو معلوم ہے اور جو کچھ آئندہ ہو گا، کب ہو گا، اور کس طرح ہو گا وہ سب اس کو معلوم ہے۔ وہ ہر چیز کی حالت سے واقف ہے اور چاہتا ہے کہ دنیا پر بھی کھرا کھوٹا اور جھوٹ سچ ظاہر کر دے۔ (روح المعانی ۶۳، ۶۴ / ۱۰، ابن کثیر ۳۴۰ / ۲)

مشرکین کے فخر و ناز کا جواب

۱۷-۱۸ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى
اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِى النَّارِ
هُمْ خٰلِدُوْنَ ○ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ
فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ○

مشرکوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ خود اپنے اوپر کفر (کی باتوں) کا اقرار کر رہے ہوں۔ ان لوگوں کے سب اعمال ضائع ہو گئے اور وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ بیشک اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد کرتا ہے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور نماز قائم کرتا ہو اور زکوۃ ادا کرتا ہو اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو۔ پس توقع ہے کہ ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں گے۔

یَعْمُرُوْا: وہ تعمیر کرتے ہیں۔ وہ آباد کرتے ہیں۔ عَمْرٌ، عِمَارَۃٌ سے مضارع

حَبِطَتْ: وہ ناپید ہو گئے۔ وہ ضائع ہو گئے۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

فَعَسٰى: سو عنقریب۔ پس جلد۔ پس امید ہے۔ یہ فعل مقاربہ ہے۔

شانِ نزول: بغویؒ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب جنگ بدر میں حضرت عباسؓ گرفتار ہو کر آئے تو مسلمانوں نے ان کو کفر اختیار کرنے اور قرابت منقطع کرنے کی شرم و عار دلائی اور حضرت علیؓ نے ان سے سخت کلامی کی۔

پھر (اس کے جواب میں) حضرت عباسؓ نے کہا کہ تم ہماری برائیوں کا تو ذکر کرتے ہو لیکن تم ہماری خوبیوں کا تذکرہ نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے۔ حضرت علیؓ نے تعجب سے کہا کہ کیا تم لوگوں میں کچھ خوبیاں بھی ہیں۔ حضرت عباسؓ نے جواب دیا کہ ہاں۔ ہم مسجد حرام تعمیر کرتے ہیں۔ ہم کعبہ کی دربانی کرتے ہیں اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت عباسؓ کے کلام کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری ۱۴۶ / ۴، روح المعانی ۶۵ / ۱۰)

تشریح: مشرکین مکہ مسجد حرام کو آباد رکھتے اور اس کا انتظام کرتے تھے۔ حج کے دنوں میں حاجیوں کو پانی پلاتے تھے۔ وہ اپنی ان خدمات پر فخر کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ان سے بڑھ کر اللہ کے نزدیک کس کا درجہ ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کعبہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کی تعمیر کریں اور ان کو آباد کریں کیونکہ مسجد تو وہ جگہ ہے جہاں صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ایسی عبادت کی جائے جو اس کی شان کے لائق ہو۔ جبکہ مشرکین نہ تو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ کفر و شرک سے باز آتے ہیں۔ انہوں نے تو کعبہ میں سیکڑوں مورتیاں نصب کر رکھی ہیں۔ یہ لوگ ان کی نذر و نیاز کرتے اور منتیں مانتے ہیں۔ ننگے ہو کر کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اللہ کے ذکر کی جگہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کو وہاں آنے سے روکتے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کا انتظام کرنا اور کعبہ کا غلاف چڑھانا جیسے اعمال بے جان و بے روح ہیں۔ کیونکہ کفر و شرک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا جمع ہونا ہی محال ہے۔ پھر کفر و شرک تو تمام اچھے اعمال کو ضائع کر دیتا ہے۔ اس لئے اللہ کے ہاں ان کا کوئی عمل قبول نہیں۔ اسی بنا پر وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے۔

پھر فرمایا کے مساجد کی تعمیر کا اصل حق تو انہی لوگوں کو ہے جو عقائد اور اعمال کے اعتبار سے احکام الٰہی کے پابند ہوں، اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز و زکوۃ کے پابند ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ سو امید ہے کہ ایسے لوگ ہدایت پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ (عثمانی، ۵۴۵ / ۱۔ مظہری ۱۴۶۔ ۱۴۹ / ۴)

امام احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی کو مسجد آباد کرتے دیکھو (مسجد میں آنے جانے کی عادت والا دیکھو) تو اس کے مومن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ نے فرمایا
اِنَّمَا يَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ .....

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص گھر میں اچھی طرح وضو کرنے کے بعد مسجد کو جاتا ہے وہ اللہ کی ملاقات کو آنے والا (اللہ کا مہمان) ہو جاتا ہے اور میزبان پر حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔

شیخین نے صحیح میں اور امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور بغوی رحمہم اللہ نے روایت کی کہ

جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی مسجد بنائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ویسا ہی مکان بنائے گا۔ (مظہری ۱۴۸ / ۴، ابن کثیر ۳۴۰ / ۲، روح المعانی ۶۶،۶۵ / ۱۰)

مہاجرین و مجاہدین کے فضائل

۱۹۔۲۲۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ
عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ
اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ
رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ
۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کو آباد کرنا اس شخص کے اعمال کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ لوگ برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا تو اللہ کے ہاں ان کے لئے بڑا درجہ ہے اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضامندی کی بشارت دیتا ہے اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمت ہوگی۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

يَسْتَوٗنَ: وہ برابر ہوتے ہیں۔ اِسْتِوَاءٌ سے مضارع۔

نَعِيْمٌ: بڑی نعمت۔ آرام۔

مُّقِيْمٌ: دائمی۔ اٹل۔ ابدی۔ اِقَامَةٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: مسلم، ابوداؤد، ابن جریر اور ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے حضرت

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں چند صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ہم میں سے ایک آدمی کہنے لگا کہ اسلام لانے کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پرواہ نہیں سوائے اس کے کہ میں حاجیوں کو پانی پلاؤں۔ دوسرے نے کہا کہ نہیں بلکہ مسجدِ الحرام کی آباد کاری (سب سے اچھا عمل ہے لہٰذا میں تو وہی کروں گا) ایک اور آدمی نے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا اس سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا اور فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس اپنی آوازوں کو بلند مت کرو۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن کا ہے۔ اور جب تم جمعہ کی نماز پڑھ لو گے تو میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہارے ان جھگڑوں کے بارے میں دریافت کروں گا۔ اس پر آیت اَجَعَلْتُمْ سے الظّٰلِمِیْنَ تک نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۶۷/ ۱۰، مظہری ۱۴۹/ ۴، ابن کثیر ۳۴۲/ ۲)

ابن جریر نے محمد بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علی، حضرت عباس اور حضرت طلحہ بن شیبہ رضی اللہ عنہم کے حق میں ہوا تھا۔ تینوں اپنی اپنی بزرگیاں بیان کر رہے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے کہا کہ میں کعبہ کا متولی ہوں، میرے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں ہیں اگر چاہوں تو میں وہاں رات گذار سکتا ہوں۔ حضرت عباسؓ نے کہا کہ میں حاجیوں کو زم زم پلاتا ہوں اور اس کا نگہبان ہوں۔ اگر چاہوں تو ساری رات مسجد میں رہ سکتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ تم دونوں کیا کہہ رہے ہو۔ میں نے لوگوں سے چھ ماہ پہلے قبلے کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھی ہیں اور میں صاحبِ جہاد ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۳۴۱/ ۲، مظہری ۱۵۰/ ۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ کے نزدیک حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی خدمت بجالانے والا اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اس کی راہ میں جہاد و قتال کیا۔ کافر چونکہ اپنے کفر و شرک کی وجہ سے انتہا درجہ کے ظالم ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و عناد کی وجہ سے یہ لوگ اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔ اس لئے ان کی بڑی سے بڑی نیکی بھی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ ان کی ہر نیکی کو کفر و شرک کا گھن کھا جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کے لئے

اپنے گھر بار و عزیز و اقارب چھوڑ کر اپنی جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کیا تو اللہ کے
نزدیک ایسے لوگوں کے لئے بڑے درجات ہیں۔ ان کے درجات کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔
دنیا و آخرت کے اعتبار سے یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت اور
رضا کی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں دائمی نعمتیں ہوں گی۔ یہ لوگ ان نعمتوں میں
ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے پاس ایسا اجر عظیم ہے کہ اس کے سامنے تمام دنیا ہیچ ہے

کافروں سے ترکِ مُوالات کا حکم

۲۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ
اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ
وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا
وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ
اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ اگر وہ ایمان
کے مقابلے میں کفر کو عزیز رکھیں اور تم میں سے جو کوئی ان کو دوست رکھے سو
ایسے ہی لوگ بڑے نافرمان ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور
تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو
تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو اور وہ گھر
جس کو تم پسند کرتے ہو، تمہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں
جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم
(عذاب) بھیج دے۔ اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اِقْتَرَفْتُمُوْهَا: تم نے اس کو کمایا۔ اِقْتِرَافٌ سے ماضی۔

كَسَادَهَا: اس کا مندا ہونا۔ اس کی تجارت نہ چلنا۔ مصدر ہے۔

فَتَرَبَّصُوْا: پس تم منتظر رہو۔ تَرَبُّصٌ سے امر۔

شانِ نزول: ثعلبی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں کے اہل و عیال ان سے چمٹ گئے اور اللہ کا واسطہ دے کر کہنے لگے کہ (ہمیں چھوڑ) جانے کا ارادہ ترک کر دو۔ اس سے وہ سست ہو گئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم ہجرت کر جائیں تو اپنے والدین و اولاد و اقارب کا رشتہ قطع کریں گے اور ہماری تجارتیں جاتی رہیں گی۔ ہمارے اموال ہلاک ہو جائیں گے اور ہمارے شہر تباہ ہو جائیں گے اور ہم برباد ہو جائیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے کہا کہ یہ آیت ان نو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مرتد ہو کر مکہ چلے گئے تھے اور کافروں سے جا ملے تھے۔ ان کے اقارب کو ان سے موالات کرنے سے منع کر دیا گیا۔

(مواہب الرحمن ۷۴ / ۱۰، روح المعانی ۷۰ / ۱۰)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں سے ترکِ موالات یعنی ان کی دوستی ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ خواہ وہ ماں باپ ہوں یا بہن بھائی، بشرطیکہ وہ کفر کو اسلام پر ترجیح دیں۔ جو شخص اللہ کے حکم کے باوجود اپنے کافر ماں باپ، بہن بھائی اور دیگر رشتہ داروں سے دوستانہ تعلقات رکھے گا، ان کو مسلمانوں کے راز بتائے گا اور ہجرت چھوڑ کر ان کے ساتھ رہنے کو پسند کرے گا تو وہ یقیناً بے انصاف اور ظالم ہو گا۔

اگر تمہیں اپنے ماں باپ، بیٹے، بھائی، اموال تجارت اور مکان وغیرہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہیں تو پھر کافروں کے ساتھ تم بھی عذاب برداشت کرنے کے لئے تیار رہو۔ پھر جو حال ان کا ہو گا وہی تمہارا بھی ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

(مظہری ۲۰۴، ۲۰۵ / ۴، مواہب الرحمن ۷۴، ۷۵ / ۱۰)

زہرہ بن معبد اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ نے حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ سوائے میری اپنی جان کے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی شخص مومن نہ ہو

گا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز نہ رکھے ۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ خدا کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں ۔ آپ نے فرمایا ۔ اب اے عمرؓ! (تو مومن ہو گیا)
(مسند احمد ۳۲۲ / ۵)

غزوات میں نصرتِ خداوندی

۲۵۔۲۷ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

بلاشبہ اللہ تعالیٰ (جنگ) کے بہت سے موقعوں پر (کفار کے مقابلے میں) تمہاری مدد کر چکا ہے اور (جنگ) حنین کے دن بھی جب تم اپنی کثرت پر خوش تھے ۔ پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور اپنی فراخی کے باوجود تم پر زمین تنگ ہو گئی ۔ پھر تم پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں (کے دلوں) پر اپنی سکینت نازل فرمائی اور (ان کی مدد کے لئے) ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے ۔ پھر اس کے بعد اللہ جس کو چاہے توبہ نصیب کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

مَوَاطِنَ : مواقع ۔ جگہیں ۔ جنگ کے میدان ۔ واحد مَوْطِنٌ

اَعْجَبَتْكُمْ : وہ تم کو اچھی لگی ۔ وہ تم کو بھلی لگی ۔ اِعْجَابٌ سے ماضی ۔

ضَاقَتْ : وہ تنگی کرنے لگی ۔ وہ تنگ ہو گئی ۔ ضَيْقٌ وضِيْقٌ سے ماضی ۔

رَحُبَتْ : وہ کشادہ ہوئی ۔ وہ فراخ ہوئی ۔ رُحْبٌ و رَحَابَۃٌ سے ماضی ۔

جُنُوداً: لشکر۔ فوجیں۔ واحد جُندٌ۔

تشریح: فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ ہوازن وثقیف کے کفار مسلمانوں سے جنگ کے لئے حنین کے مقام پر جمع ہوئے ہیں۔ آپ بارہ ہزار کی جمعیت لے کر ان کے مقابلے کے لئے روانہ ہوئے۔ ان بارہ ہزار میں دس ہزار تو وہ مہاجرین و انصار تھے جو مدینے منورہ سے آپ کے ساتھ آئے تھے اور دو ہزار مکہ کے نو مسلم تھے۔ ادھر کافروں کی تعداد چار ہزار اور بعض روایتوں کے مطابق ۲۲، ۲۴ یا ۲۸ ہزار تھی۔

اس وقت بعض مسلمانوں کی زبان سے یہ نکلا کہ آج ہم تعداد کی قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ مسلمانوں نے اس کی نصرت و اعانت پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی کثرت پر نظر کی۔ حالانکہ فتح تو اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت و اعانت سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ جنگی ساز و سامان اور فوج کی کثرت سے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ کرنے کے لئے پہلے تو ان کو شکست سے دوچار کیا تاکہ ان کو احساس ہو جائے کہ فتح کا دار و مدار قوت و کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی تائید و حمایت پر ہے۔ پھر جب ان کو اپنی لغزش کا احساس ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے تائیدِ غیبی سے شکست کو فتح سے بدل دیا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح اس نے دوسرے بہت سے مواقع پر ان کی مدد و اعانت کی تھی اسی طرح اس نے حنین کے دن بھی مسلمانوں کی غیبی امداد کی جبکہ ان کی عددی کثرت جس پر انہیں فخر و ناز تھا۔ انکے ذرا بھی کام نہ آئی اور وہ دشمن کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے اور فراخی کے باوجود ان پر زمین تنگ ہو گئی۔ پھر جب ان کو اپنی لغزش اور خطاء کا احساس ہو گیا اور ان کا فخر و غرور زائل ہو گیا اور انہوں نے اپنی کثرت کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت پر نظر کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی خاص رحمت و سکینت نازل فرمائی۔ جس سے ان کے دلوں کو اطمینان و سکون نصیب ہوا اور ان کے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے اور مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے ایسے لشکر اتارے جن کو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مگر ان کے آثار کو محسوس کرتے تھے۔ اس تائیدِ غیبی کی وجہ سے مومنوں کو غلبہ حاصل ہوا اور کافروں کو سزا ملی کہ وہ قتل بھی ہوئے اور گرفتار بھی۔ دنیا میں کافروں کی یہی سزا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس سزا کے بعد اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی رحمت سے اسلام کی توفیق بخش

دے گا کیونکہ وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ چنانچہ ہوازن وثقیف کے بہت سے لوگ تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہوئے۔ (ابن کثیر ۳۴۳۔ ۳۴۶/ ۲)

مشرکین کے لئے ایک سال کی مہلت

۲۸۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَاۗءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

اے ایمان والو! مشرک لوگ بڑے ناپاک ہیں۔ سو اس سال کے بعد یہ لوگ مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا اندیشہ ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اگر اللہ نے چاہا تو وہ تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔

نَجَسٌ: نجس۔ پلید۔ ناپاک۔ مصدر ہے۔

عَيْلَةً: محتاجی۔ فقر۔ مفلسی۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا کہ اس سال کے بعد جس میں یہ حکم سنایا گیا ہے مشرکوں کو مسجدِ حرام میں نہ آنے دو کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔ ان کی نجاست باطنی بھی ہے۔ جیسے کفر و شرک اور وہ ظاہری طور پر بھی نجس ہیں کیونکہ وہ نہ طہارت کرتے ہیں اور نہ نجاستوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کہتے ہیں کہ وہ نجس العین نہیں۔

مسجد الحرام کے سوا دوسری مساجد میں داخل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اہلِ مدینہ تمام مساجد سے منع کرتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دوسری مساجد میں آنے کی ممانعت نہیں کیونکہ آپ نے ثمامہ بن اثال کو اپنی مسجد میں باندھا تھا اور ثقیف کے وفد کو بھی وہیں ٹھہرایا تھا۔

پھر فرمایا کہ اگر مشرکین کی آمد و رفت بند ہو جانے سے، تمہیں معاشی مشکلات کا اندیشہ ہو تو سمجھ لو کہ تمام مخلوق کی معاش کا نظام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے فضل و مہربانی سے

تمہیں دوسرے طریقوں سے غنی اور مالدار کر کے ان تمام کفار سے مستغنی کر دے گا کیونکہ وہ مادی اسباب کا محتاج نہیں۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو پھر اسباب خود بخود پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پس اس کے چاہنے کی دیر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ اس طرح پورا فرمایا کہ آسمان سے اچھی بارش فرمادی جس سے خوب غلہ پیدا ہوا۔ اہل صنعاء اور یمن وغیرہ کو اسلام کی ہدایت فرمائی جس سے مکہ میں غلہ کی بڑی مقدار آئی۔ پھر شام و روم وغیرہ فتح کرا دیئے۔ جس سے مال غنیمت اور جزیہ بڑی مقدار میں حاصل ہوا۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے۔ تمہاری مصلحتوں کو وہ تم سے زیادہ جانتا ہے۔ اس کی حکمت و علم سے بعض کو ملتا ہے اور بعض کو نہیں ملتا۔ بعض چیز ملتی ہے اور بعض چیز نہیں ملتی، بعض وقت ملتی ہے اور بعض وقت نہیں ملتی۔ یہی عین حکمت ہے۔

(حقانی ۲۹۱ / ۲، مواہب الرحمٰن ۸۴، ۸۵ / ۱۰)

اہلِ کتاب سے جہاد کا حکم

۲۹۔ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ؀

ان اہلِ کتاب میں سے ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور نہ سچے دین (اسلام) کو قبول کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دینا منظور کر لیں۔

يَدِيْنُوْنَ: وہ دین اختیار کرتے ہیں۔ وہ اطاعت کرتے ہیں۔ دِیْنٌ سے مضارع۔

اَلْجِزْيَةَ: فدیہ۔ خراج۔ وہ رقم جو اسلامی حکومت میں سکونت پذیر کافروں سے سالانہ وصول کی جاتی ہے۔

صٰغِرُوْنَ: بے عزت۔ ذلیل۔ خوار۔ صِغَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: مشرکین سے جہاد و قتال کے ذکر کے بعد اس آیت میں اہل کتاب سے جہاد کا حکم ہے گویا یہ غزوہ تبوک کی تمہید ہے۔ جو اہل کتاب کے مقابلے میں پیش آیا۔ اگرچہ لغوی اعتبار سے لفظ اہل کتاب ہر اس کافر جماعت کے لئے استعمال ہو سکتا ہے جو کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتی ہو مگر قرآن کریم میں یہ لفظ یہود و نصاری کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ عرب کے قرب و جوار میں اہل کتاب کے یہی دو گروہ معروف تھے۔

یہود و نصاری چونکہ اہل علم تھے۔ ان کے پاس توریت و انجیل کا علم تھا۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک اور حلیہ تک نہایت تفصیل سے مذکور ہے۔ اس علم کے باوجود ان کا کفر و انکار اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا ان کے جرم کی سنگینی کو شدید بنا دیتا ہے۔ اسی لئے ان سے جنگ و قتال کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔

اس کتاب میں اہل کتب کے ساتھ جنگ کی چار وجوہ بیان کی گئی ہیں۔

۱ - لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

یہود و نصاریٰ اگرچہ علانیہ طور پر توحید کا انکار نہیں کرتے۔ مگر یہود حضرت عزیر کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہہ کر ان کو اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہیں۔ پس درحقیقت یہ لوگ، اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ایسے خدا پر ایمان رکھتے ہیں جس کے بیٹے ہوں۔ اس لئے ان کا توحید و ایمان کا دعویٰ غلط ہے

۲ - وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اور نہ وہ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

یہود روز آخرت اس دن کو کہتے ہیں جس میں وہ لوگ بڑے آرام سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان کی چوری، دغا بازی، ظلم، فریب اور زناکاری وغیرہ کسی بھی جرم کا ان سے مواخذہ نہ ہوگا اور صرف وہی جنت کے مالک ہوں گے۔ کوئی اور اس میں نہ جا سکے گا۔ نصاریٰ کا دعوی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کے بدلے سولی چڑھ گئے۔ اب ان کے سوا جنت کا حقدار کوئی نہیں۔ جو کچھ گناہ وہ دنیا میں کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں ان سے کوئی پوچھ گچھ نہ ہو گی۔ پس یہ لوگ اس قسم کے روزِ آخرت کے قائل ہیں۔ جبکہ حقیقت میں ایسا کوئی روز آخرت نہ ہوگا۔ بلکہ روزِ قیامت تو وہ دن ہے جب آدمی سے ذرہ ذرہ کا حساب اور پورا پورا عدل و انصاف

ہو گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور اس نے نیک کام کئے وہ ثواب و آرام پائے گا اور جنت میں اپنے اعمال کے مطابق درجات حاصل کرے گا۔ خواہ وہ کوئی ہو اور جو کافر رہا، مشرک، بدکار و گنہگار رہا وہ اپنے کئے پر گرفتار ہو کر عذاب پائے گا۔ اس دن کوئی شخص دوسرے کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر نہیں لے گا اور نہ کسی کی بدکاری میں دوسرا پکڑا جائے گا بلکہ ہر ایک اپنے کئے کی جزا یا سزا پائے گا۔

۳ - وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

وہ ان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام بتایا ہے۔

یہود و نصاریٰ بہت سی ایسی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو توریت و انجیل نے حرام قرار دیا تھا۔ جیسے سود، چربی وغیرہ۔ یہود پر چربی کھانا حرام تھا مگر انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کر کے اس کی قیمت کھانا شروع کر دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تنبیہ فرما دی کہ وہ شرعی احکام میں یہود کی مانند حیلہ و فریب نہ کریں۔

۴ - وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ

وہ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔

یہود و نصاریٰ دین اسلام کو قبول نہیں کرتے حالانکہ دین اسلام نے دوسرے تمام دینوں کو منسوخ کر دیا اب قیامت تک یہی دین ثابت و قائم رہے گا۔

آخر میں فرمایا کہ ان لوگوں سے اس وقت تک قتال کرتے رہو جب تک کہ وہ تمہارے ماتحت ہو کر اور تمہاری رعایا بن کر جزیہ دینا منظور نہ کرلیں۔

(معارف القرآن ۳۵۹۔ ۳۶۲ / ۴، مواہب الرحمٰن ۸۷۔ ۸۸ / ۱۰)

اہلِ کتاب کے عقائدِ باطلہ

۳۰-۳۱۔ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْٓا

اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ بھی ان لوگوں کی سی باتیں کرنے لگے جو ان سے پہلے ہو چکے۔ اللہ ان کو ہلاک کرے۔ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں اور مریم کے بیٹے مسیح کو خدا ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ ان کو ایک معبود کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا۔ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ ان کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔

يُضَاهِؤُنَ: وہ مشابہ ہوتے ہیں۔ وہ برابری کرتے ہیں۔ مُضَاهَئَةٌ سے مضارع۔

يُؤْفَكُوْنَ: وہ لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ پھیرے جاتے ہیں۔ اَفْكٌ و اُفُوْكٌ سے مضارع۔

اَحْبَارَهُمْ: ان کے علماء۔ یہود کے علماء۔ واحد حِبْرٌ۔

رُهْبَانَهُمْ: ان کے درویش۔ اہل نصاریٰ کے علماء۔ ان کے عبادت گزار۔ واحد رَاهِبٌ۔

اَرْبَابًا: بہت سے رب۔ کئی معبود۔ واحد رَبٌّ۔

تشریح: ان آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد اور شرکیہ افعال کا بیان ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ اسی طرح نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس لئے یہود و نصاریٰ دونوں کا توحید و ایمان کا دعویٰ غلط ہے۔ اس طرح عقیدے کے اعتبار سے یہ دونوں مشرکوں کی مانند ہیں جو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔

ان کا شرک کوئی مخفی چیز نہیں بلکہ یہ تو صاف طور پر اپنی زبانوں سے اس کا اقرار کرتے ہیں۔ اور یہ ان کی اپنی ہی کی ہوئی باتیں ہیں جن کی نہ کوئی حقیقت و اصلیت ہے اور نہ کوئی سند و دلیل۔ جس طرح ان سے پہلے لوگ کفر و گمراہی میں مبتلا تھے۔ اسی طرح یہ بھی گمراہ ہیں۔ خدا ان کو غارت کرے۔ یہ توحید کی روشنی چھوڑ کر شرک کی تاریکی کی طرف جا رہے ہیں۔ اور کفر و معصیت کی جو باتیں ان کے اگلے پڑھے لکھے اور درویش لوگ کہہ گئے ہیں یہ انہیں کو بلا دلیل مانتے اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا انکار کئے جا رہے ہیں۔

دوسری آیت میں ان کے افعالِ کفریہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا رکھا ہے۔ یہ لوگ ان کے احکام واقوال کو اپنا دین وایمان سمجھتے ہیں۔ خواہ وہ توریت وانجیل کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں اور ان پر عمل کرنا بھی اسی طرح ضروری سمجھتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ضروری ہے۔ پس ایسی بلا چوں و چرا اطاعت عبادت کے حکم میں ہے۔ یہی ان کا شرک ہے۔ حالانکہ توریت وانجیل میں اللہ تعالیٰ نے ان کو صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا تھا۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اس سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ نہ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ بیٹی۔

(ابن کثیر ۴۸، ۴۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۲، ۳۱۶ / ۳)

کفار کا حق کو مٹانے کی کوشش کرنا

۳۲۔ ۳۳ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

وہ لوگ اللہ کے نور (دین) کو اپنے منہ سے بجھا دینا چاہتے ہیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے بغیر نہیں رہے گا۔ خواہ کفار کتنے ہی ناخوش ہوں۔ اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ وہ اس کو (باقی) تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔

يُطْفِـُٔوْا: وہ اس کو بجھاتے ہیں۔ اِطْفَاءٌ سے مضارع۔

يَاْبٰى: وہ انکار کرتا ہے۔ وہ باز رہتا ہے۔ اِبَاءٌ سے مضارع۔

لِيُظْهِرَهٗ: تاکہ وہ اس کو غالب کرے۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی نیک بخت بھٹک جاتا ہے تو وہ روشنی کا متلاشی ہوتا ہے۔ پھر جب اس کو روشنی مل جاتی ہے تو وہ راہِ راست پر آجاتا ہے۔ اس کے برخلاف تمام کافریہ

چاہتے ہیں کہ اللہ کے نورِ ہدایت ہی کو بجھا دیں، ہدایتِ خداوندی اور دینِ حق کو مٹا دیں۔ لیکن یہ ان کی خام خیالی اور سعی لاحاصل ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنے منہ کی پھونک سے سورج اور چاند کی روشنی کو نہیں بجھا سکتا۔ طرح یہ لوگ بھی اپنی مقدور بھر کوشش کے باوجود نورِ خدا کو بجھانے سے عاجز و بے بس رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے کہ دینِ حق کا بول بالا ہو کر رہے گا۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ان کی خواہش پر غالب رہے گا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ اپنا پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا ہے تاکہ وہ اس دینِ اسلام کو دنیا کے تمام دینوں پر غالب کر دیں خواہ یہ بات مشرکوں کو بری ہی لگے۔

مفسرین کے اقوال کے مطابق اس آیت کے مفہوم میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ دین سے مراد دینِ اسلام ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام ادیان یعنی تمام دیگر مذاہب پر غالب کر دیا جائے اور وہ سب رسوا ہو جائیں۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حکمت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کے علاوہ دیگر تمام مذاہب منسوخ کر دیئے جائیں۔ اکثر مفسرین نے پہلا احتمال اختیار کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے دینِ اسلام کا تمام ادیان پر غالب آنا مراد ہے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہو گا جب اسلام کے سوا کوئی دین باقی نہیں رہے گا۔

(ابن کثیر ۳۴۹ / ۲، روح المعانی ۸۶ / ۱۰)

اَحبار و رُہبان کا شر و فساد

۳۴۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اے ایمان والو! بیشک بہت سے احبار (عالم) اور رہبان (درویش) لوگوں کے اموال ناحق (طریقہ سے) کھاتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں

تشریح: ضحاکؒ نے کہا کہ احبار سے علماء یہود اور رہبان سے علماء نصاریٰ مراد ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے عالم اپنی کتابوں میں تحریف کرنے کے عادی تھے۔ وہ مال کی محبت اور لالچ میں، لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے تھے اور ان سے پیسے لے کر احکامِ شرعیہ کو بدل

ڈالتے تھے ۔ مثلاً رشوت لے کر لوگوں کے فیصلے ان کی خواہش کے مطابق کرنا ۔ اللہ کے کلام میں تحریف کرنا ۔ خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر یہ کہنا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ حکم ہے ۔ وغیرہ ۔ اس لئے مسلمانوں کو ان کے مکرو فریب سے متنبہ فرمانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ دنیا کی حرص و طمع میں گرفتار ہیں اور لوگوں کو طرح طرح کے شبہات میں مبتلا کرتے اور ان سے پیسے لے کر شرعی احکام کو بدل دیتے ہیں ۔ سو ایسے لوگوں سے دور رہنا چاہئے ۔ یہ لوگ تو تعظیم و تکریم ہی کے لائق نہیں چہ جائیکہ ان کو رب بنالیا جائے ۔ پس تم اپنے دین پر قائم رہو اور یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان کی مخالفت کا خیال نہ کرو ۔ یہ لوگ نہ صرف احکامِ الٰہی میں تحریف کرتے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی لوگوں کو دینِ اسلام میں داخل ہونے سے بھی روکتے ہیں ۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی مخالفت سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ۔

(مظہری ۱۹۶ / ۴، مواہب الرحمٰن ۱۰۵، ۱۰۶ / ۱۰)

مال جمع کرنے کا انجام

۳۴۔ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ط ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ۝

اور جو لوگ (حرص سے) سونا اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے ۔ جس دن اس مال کو دوزخ کی آگ میں گرم کیا جائے گا ۔ پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور ان کی کروٹوں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائیگا کہ) یہ ہے وہ جس کو تم نے اپنے لئے جمع کر رکھا تھا ۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو ۔

یَکْنِزُوْنَ: وہ جمع کرتے ہیں ۔ وہ اکٹھا کرتے ہیں ۔ کَنْزٌ سے مضارع ۔

یُحْمٰی: اس کو گرم کیا جائے گا ۔ اِحْمَاءٌ سے مضارع مجہول ۔

فَتُکْوٰی: پس داغ دیا جائے گا۔ کَیٌّ سے مضارع۔
جِبَاھُھُمْ: ان کے ماتھے۔ ان کی پیشانیاں۔ واحد جَبْھَۃٌ
جُنُوْبُھُمْ: ان کے پہلو۔ واحد جَنْبٌ۔
ظُھُوْرُھُمْ: ان کی پیٹھیں۔ ان کی پشتیں۔ واحد ظَھْرٌ۔
فَذُوْقُوْا: پس تم (مزا) چکھو۔ ذَوْقٌ سے امر۔

تشریح: جو لوگ حرص اور لالچ کی بنا پر سونے اور چاندی کو جمع کرتے رکھتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب کی بشارت ہے۔ قیامت کے روز ان کے جمع کردہ سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں گرم کر کے اس سے ان کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا کیونکہ یہ لوگ غریبوں اور مسکینوں کو دیکھ کر منہ موڑ لیتے تھے۔ پھر داغ دیتے وقت ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی سونا چاندی ہے جس کو تم نے اپنے فائدے کے لئے جمع کر رکھا تھا اور تم اس میں سے اللہ کا حق ادا نہیں کرتے تھے، سو اب تم اپنے ذخیرہ کئے ہوئے مال کے وبال کا مزہ چکھو۔

جمہور علماء مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جس وعید کا ذکر ہے وہ اس شخص کے بارے میں ہے جو اپنے مال کی زکوٰۃ اور حقوقِ واجبہ ادا نہ کرے۔ اس کے برعکس جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے اس کے جمع کرنے پر کسی قسم کی وعید نہیں خواہ اس کی مالیت اربہا ارب ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا لفظ عام ہے۔ اس میں فرض زکوٰۃ، نفل خیرات اور تمام واجب و مستحب صدقات داخل ہیں۔

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ثواب کی امید سے اپنے بال بچوں پر صرف کرتا ہے وہ اس کے لئے صدقہ ہے۔ (بخاری و مسلم)

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار وہ ہے جس کو تو اللہ کی راہ (جہاد) میں خرچ کرے، ایک دینار وہ ہے جو تو کسی غلام (کی آزادی) کے لئے صرف کرے ایک دینار وہ ہے جو تو کسی مسکین کو خیرات کرے۔ ایک دینار وہ ہے جو اپنے بال بچوں کے صرف میں لائے۔ ان میں سب سے زیادہ ثواب والا دینار وہ ہے جو تو اپنے بال بچوں کے صرف میں لائے۔

ابن مردویہ اور بیہقیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس مال کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں یعنی لغت و عرف کے اعتبار سے تو وہ کنز ہو گا مگر شرعی اعتبار سے وہ ایسا کنز نہیں رہتا جس پر عذاب کی وعید آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور اس نے اس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو تو قیامت کے روز اس مال کو گنجے سانپ کی شکل میں بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر سیاہ نقطے ہوں گے۔ یہ سانپ طوق کی شکل میں اس کے گلے میں پڑ جائے گا اور اس کی دونوں باچھوں کو پکڑ کر (چیرے گا اور) کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا مال ہوں۔ (روح المعانی ۸۷ / ۱۰، مظہری ۱۹۷، ۲۰۱ / ۴)

اہلِ عرب کی ایک جاہلانہ رسم

۳۶، ۳۷. اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

بیشک کتابِ الٰہی میں مہینوں کا شمار اسی روز سے جس روز اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، اللہ کے نزدیک بارہ مہینے (معتبر) ہیں۔ ان میں سے چار مہینے احترام کے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ پس تم ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم مت کرو اور تم سب مل کر مشرکوں سے قتال کرو۔ جیسا کہ وہ سب مل کر تم سے قتال کرتے ہیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ بیشک احترام کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر کے زمانے میں (اپنی طرف

سے) بڑھائی ہوئی بات ہے۔ اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔ کسی سال تو وہ اس مہینے کو (نفسانی اغراض سے) حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال (جب کوئی غرض نہ ہو) تو وہ اس کو حرام رکھتے ہیں۔ تاکہ وہ ان مہینوں کی گنتی پوری کر لیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے محترم کیا ہے۔ پھر اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینے کو حلال کر لیتے ہیں۔ ان کی نظر میں ان کے برے کام اچھے کر دیئے گئے اور ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

عِدَّةً: گنتی۔ شمار۔ مدت

الْقَيِّمُ: قائم رکھنے والا۔ درست۔ سیدھا۔ قِيَامٌ سے صفت شبہ۔

كَافَّةً: سب۔ تمام۔ اسم جمع کے معنی میں آتا ہے۔

النَّسِيْٓءُ: آگے پیچھے کر دینا۔ ہٹا دینا۔

لِيُوَاطِئُوْا: تاکہ وہ پورا کریں۔ تاکہ وہ درست کریں۔ مُوَاطَئَةٌ۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک مشرکینِ عرب کا دستور تھا کہ وہ حرمت والے مہینوں، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ان مہینوں میں مار دھاڑ، قتل و غارت سب بند ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دشمن یا اپنے باپ کے قاتل کو بھی کچھ نہ کہتے تھے۔ اس لئے لوگ ان مہینوں میں امن و امان کے ساتھ سفر کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک عجیب بدعت بھی ایجاد کر رکھی تھی کہ جب ان میں سے کسی زور آور قبیلے کو ماہ محرم میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی تو ایک سردار یہ اعلان کر دیتا کہ اس سال انہوں نے محرم کو حرمت والے مہینوں سے نکال کر اس کی جگہ ماہ صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے۔ پھر اگلے سال کہہ دیتے کہ قدیم دستور کے مطابق محرم حرمت والا اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح مشرکین عرب سال بھر میں حرمت والے چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے۔ لیکن ان کی تعیین میں اپنی مرضی سے ردو بدل کرتے رہتے تھے۔ اور حسبِ ضرورت جس مہینے کو چاہتے حلال کر لیتے اور جس مہینے کو چاہتے حرام کر لیتے۔

اسی کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب سے اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اسی دن سے لوحِ محفوظ میں قمری اعتبار سے سال کے بارہ مہینے ہیں۔ جن میں سے چار مہینے نہایت ادب و احترام والے ہیں۔ ان محترم مہینوں میں سے تین مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم تو مسلسل

ہیں اور چوتھا مہینہ رجب کا ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے ۔ ان میں کوئی تغیر وتبدل اور تقدیم وتاخیر جائز نہیں ۔یہی دینِ مستقیم ہے ۔ اس کے برعکس کسی حرمت والے مہینے کو حلال اور حلال مہینے کو حرام ٹھہرالینا نری جہالت ، بے دینی اور گمراہی ہے ۔

ان مہینوں کو حرمت والے مہینے اس لئے کہا گیا کہ ایک تو ان میں قتال حرام ہے اور دوسرے ان میں عبادت کا زیادہ ثواب ملتا ہے ۔پہلا حکم یعنی ان مہینوں میں قتال کا حرام ہونا تو اسلام میں منسوخ ہو گیا مگر دوسرا حکم یعنی ان میں عبادت کا زیادہ ثواب ملنا اسلام میں بھی باقی ہے ۔

زمانہ ، جاہلیت میں اہلِ عرب میں سے اکثریت کی گزر اوقات لوٹ مار اور قتل وغارت پر ہوتی تھی ۔ لہٰذا لگاتار تین مہینوں کی پابندی سے ان کو تکلیف ہوتی تھی ۔ اس لئے جب ان کو قتل وغارت اور لوٹ مار کی ضرورت ہوتی تو وہ ان حرمت والے مہینوں میں سے جس میں چاہتے قتال کر لیتے اور اس کے بعد والے کسی حلال مہینے کو اس کے بدلے میں حرام قرار دے لیتے تاکہ سال بھر میں چار مہینے کی تعداد پوری ہو جائے ۔یہی زمانہ جاہلیت کی نسی تھی ۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا کفر کے زمانے میں اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی چیز ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کافروں کی گمراہی میں اضافہ کرتا ہے کیونکہ جب کسی سال ان کو ضرورت ہوتی تو وہ حرمت والے مہینے کو حلال کر لیتے اور پھر کسی سال جب ان کو ضرورت نہ ہوتی تو اس کو حرام ہی رہنے دیتے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو چار مہینوں کو حرمت والا قرار دیا ہے ان کی تعداد پوری رہے ۔ حالانکہ گنتی پوری کر لینے سے تعمیل حکم نہیں ہوتی بلکہ جو حکم جس مہینے کے لئے دیا گیا ہے اس کو اسی مہینے میں پورا کرنا ضروری ہے ۔

بعض مفسرین کا خیال ہے کہ مشرکین عرب سردی گرمی کے مہینوں کا لحاظ کر کے قمری مہینوں کو شمسی مہینوں کے مطابق کر دیا کرتے تھے تاکہ حج ایک خاص موسم میں آیا کرے ۔ چنانچہ جس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا تو ہر قمری مہینہ اپنے اصلی موقع پر تھا ۔ اس وقت آپ نے گیارہ ذی الحجہ کو منیٰ میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا ۔ اے لوگو! بلاشبہ زمانہ گھوم پھر کر آج اپنی اسی ہیئت پر آگیا ہے جس پر کہ وہ اس دن تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا اور اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں سے چار حرمت وادب والے ہیں ۔ ان میں سے ایک مہینہ رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے اور ذی القعدہ اور ذی الحجہ اور محرم ہیں ۔

پھر فرمایا کہ شیطان نے ان کی بد کاریاں ان کی نظروں میں رچا بسادی ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ بدکاری و بداعمالی کو اچھا سمجھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کو جو احکام خداوندی میں تحریف کرتے ہوں اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بناتے ہوں، ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

(حقانی ۲۹۴۔ ۲۹۵ / ۲، روح المعانی ۹۰ / ۱۰، مواہب الرحمٰن ۱۱۱، ۱۱۶ / ۱۰)

جہاد سے پہلو تہی پر عتاب

۳۸۔۹ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ○ اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ وَّ یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْهُ شَیْـًٔا ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے (جہاد کے لئے) اللہ کی راہ میں نکلنے کو کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے لگ جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے؟ سو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے بہت ہی قلیل ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔ اور تمہارے بدلے میں دوسری قوم کو لے آئے گا۔ اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِنْفِرُوْا: تم فرار ہو جاؤ۔ تم نکلو۔ تم کوچ کرو۔ نَفْرٌ و نُفُوْرٌ سے امر۔

اِثَّاقَلْتُمْ: تم زمین کو لگے جاتے ہو۔ تم بوجھل ہو گئے۔ اِثَّاقُلٌ سے ماضی۔

مَتَاعٌ: سامان۔ فائدہ۔ پونجی۔ جمع اَمْتِعَةٌ

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ طائف سے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیوں سے جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دیا۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تبوک کے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رومیوں سے جہاد کا ارادہ کیا تو وہ زمانہ بڑی تنگدستی، سخت گرمی اور قحط سالی کا تھا اور پھلوں کی فصل بھی تیار تھی۔ لوگ اپنے پھلوں کی نگرانی کے لئے

مدینہ میں رکنا اور سائے میں رہنا پسند کرتے تھے۔ ایسے وقت اور ایسی حالت میں روانہ ہونا ان کو پسند نہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب آپ کسی جہاد پر جانے کا ارادہ فرماتے تو عام طور پر آپ اس کا صحیح مقام نہیں بتاتے تھے بلکہ کسی دوسرے مقام کا نام لیتے تھے۔ صرف تبوک کا جہاد ہی ایسا ہے جس کو آپ نے صاف صاف نام لے کر ظاہر فرما دیا تھا تاکہ لوگ مناسب تیاری کر لیں کیونکہ یہ سخت گرمی کا زمانہ اور طویل مسافت تھی اور دشمن کی تعداد بھی زیادہ تھی۔

ابن ابی شیبہ، بخاری اور ابن سعد رحمہم اللہ نے حضرت کعب بن مالکؓ کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس میں اتنا زائد ہے کہ آپ نے مدینہ کے گرد و نواح میں رہنے والے عرب قبائل کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور مکہ بھی پیغام بھیج دیا تھا۔ چنانچہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے ساتھ شامل ہو گئی البتہ منافقین اور مخلص مومنوں میں سے کچھ سست لوگ آپ کے ساتھ نہیں گئے۔ انہی کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک قبیلے کو جہاد پر چلنے کی دعوت دی تو قبیلے والے بوجھل ہو گئے اور سستی کی وجہ سے جہاد پر نہیں گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۰۶ / ۴)

تشریح: اس آیت میں صرف ان مسلمانوں کو خطاب ہے جو سستی کی وجہ سے جہاد کے لئے نہیں گئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے مومنو! جب اللہ کے رسول نے تمہیں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیا تو تم جہاد کے لئے کیوں نہیں نکلے اور بوجھل ہو کر اپنی زمینوں اور گھروں سے کیوں چمٹ گئے۔ کیا تم آخرت کی نعمتوں کے بدلے دنیا کے حقیر ساز و سامان کو پسند کرتے ہو حالانکہ دنیاوی آرام و راحت اور ساز و سامان نہایت حقیر اور زائل ہو جانے والے ہیں اور آخرت کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

اگر تم اس جہاد کے لئے نہ نکلے جس کے لئے تمہیں بلایا جا رہا ہے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا میں بھی دردناک عذاب دے گا اور آخرت میں بھی اور تمہاری جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا جو اس کی فرماں بردار ہو گی اور اللہ کے دین کی مدد کرنے میں تمہاری غفلت و بے رغبتی اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی کیونکہ اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اللہ نے اپنے رسول سے ان کی حفاظت و کامیابی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ وہ تمہیں تباہ و برباد کر کے

تمہاری جگہ دوسری قوم کو لانے، اسباب کو بدلنے اور کسی کی مدد کے بغیر اپنے رسول کو اپنی مدد واعانت سے فتح یاب بنانے پر بھی قادر ہے۔ (مظہری ۲۰۶، ۲۰۷، ۴)

تائیدِ غیبی

۴۰۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اگر تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد نہ کرو گے تو اللہ تو ان کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے ان کو (مکہ سے) نکالا تھا جبکہ وہ دو آدمیوں میں سے ایک تھے اور وہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ تو غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ نے اپنی طرف سے اس پر تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جن کو تم نے نہیں دیکھا تھا اور اللہ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ ہی کا بول بالا رہا اور اللہ زبردست ہے، حکمت والا ہے۔

اَلسُّفْلٰى: بہت نیچی۔ پست ہونا۔ سُفُوْلٌ وَسَفَالٌ سے اسم تفضیل۔

اَلْعُلْيَا: اونچی جگہ۔ بلندی۔ سب سے اوپر۔ عُلُوٌّ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو نہ کرو وہ تمہاری مدد کے محتاج نہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کی مدد کرے گا۔ جیسا کہ اس نے اس وقت بھی ان کی مدد کی تھی جب کافروں نے ان کو قتل یا قید کرنے یا ملک سے نکالنے کی سازش کی تھی اور آپ اپنے سچے ساتھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر جبل ثور کے ایک غار میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ تاکہ تلاش کرنے والے مشرکین جب مایوس ہو کر واپس چلے جائیں تو آپ یہاں سے نکل کر مدینہ منورہ روانہ ہو جائیں۔ اس وقت غار میں آپ کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا۔ پس جس خدا نے

ایسے وقت میں اپنے پیغمبر کی مدد کی جب سوائے حضرت ابو بکر کے کوئی دوسرا شخص آپ کے ہمراہ نہ تھا۔ وہ اب بھی آپ کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کے ہمراہ غارِ ثور میں جاکر چھپ گئے تو مشرکین مکہ آپ کا سراغ لگاتے لگاتے عین غار کے منہ پر جا کھڑے ہوئے۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ اگر کافروں میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف نظر کی تو وہ ہمیں ضرور دیکھ لے گا۔ آپ نے حضرت ابو بکر کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تمہیں کسی قسم کا اندیشہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر سکون و اطمینان کی ایک خاص کیفیت نازل فرمائی۔ جس کے انوار و برکات نے حضرت ابو بکر کے رنج و خوف کو دور کر دیا اور سکینت و طمانیت کی اس خاص کیفیت کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے بدر و حنین کی طرح فرشتوں کے ایسے لشکروں سے اپنے پیغمبر کی مدد و حفاظت فرمائی جن کو تم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے ارادوں میں ناکام کر دیا اور ان کی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا اور آپ کو بحفاظت مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ بلند و بالا ہے اور اللہ ہی اپنے تمام امور اور تدبیروں میں غلبہ اور حکمت والا ہے۔ وہ جس طرح چاہے اور جس کو چاہے غلبہ عطا فرمادے۔ (مظہری ۲۰۷ / ۴، مواہب الرحمن ۱۲۰، ۱۲۲ / ۱۰)

جہاد و قتال کی تاکید

۴۱۔۴۲ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

نکل پڑو ہلکے اور بوجھل (خواہ پیادہ ہو یا سوار، فقیر ہو یا غنی، جوان ہو یا بوڑھے، جس حال میں بھی ہو نکل پڑو) اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں

جہاد کرو ۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تمہیں سمجھ ہے ۔ اگر مال کا حصول نزدیک معلوم ہوتا اور سفر بھی ہلکا پھلکا ہوتا تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) یہ لوگ ضرور آپ کے ساتھ ہو لیتے لیکن ان کو تو مسافت دور دراز معلوم ہونے لگی اور بہت جلد وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم ضرور آپ کے ساتھ چلتے ۔ یہ لوگ (جھوٹ بول کر) اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں ۔

خِفَافًا: ہلکے ۔ واحد خَفِیْفٌ ۔

ثِقَالًا: بوجھل ۔ بھاری ۔ واحد ثَقِیْلٌ ۔

عَرَضًا: مال و متاع ۔ سامان ۔ جمع عُرُوْضٌ ۔

قَاصِدًا: ارادہ کرنے والا ۔ معمول ۔ ہلکا ۔ قَصْدٌ سے اسم فاعل ۔

الشُّقَّۃُ: مسافت ۔ دوری ۔ یہاں غزوہ تبوک کی مسافت مراد ہے ۔

تشریح: جب آپ نے تبوک کے لئے کوچ فرمایا تو بہت سے منافقوں نے تو مدینہ ہی میں عذر کرنے شروع کر دیئے ۔ وہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے عذر پیش کر رہے تھے ۔ دوران سفر جب کسی منزل پر پڑاؤ ہوتا تو بعض منافق کچھ نہ کچھ بہانہ کر کے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت لے کر پیچھے رہ جاتے ۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہر حال میں جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دے کر منافقوں کے حیلوں بہانوں کا رد فرما دیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو تم اپنے اموال اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کے لئے نکلو ۔ حالتِ خفاف اور ثقال کے معنی یہ ہیں کہ خواہ بوڑھے ہو یا جوان، خواہ ضعیف ہو یا توانا، تنگدست ہو یا فراخ دست، مشغول ہو یا غیر مشغول، ہتھیار بند ہو یا بغیر ہتھیار کے غرض ہر حال میں جہاد کے لئے نکلو ۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے ۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے غزوہ میں شرکت نہیں کی وہ مال کے حریص اور آرام طلب ہیں ۔ تبوک کا سفر چونکہ طویل اور دشوار ہے اور اس میں مال غنیمت ملنے کی بھی امید نہیں اس لئے منافقین آپ کے ساتھ نہیں نکلے ۔ جب آپ غزوہ تبوک سے واپس جائیں گے تو وہ جھوٹی قسمیں کھا کر کہیں گے کہ اگر ان کو قدرت ہوتی تو وہ آپ کے ساتھ جہاد کے لئے ضرور نکلتے ۔ وہ لوگ اپنے نفاق اور جھوٹی قسموں سے اپنے آپ ہی کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ خوب

جانتا ہے کہ وہ اپنی قسموں میں جھوٹے ہیں اور انہیں کوئی عذر نہ تھا۔ انہوں نے غزوہ میں شرکت نہ کرکے اپنے آپ کو ہلاک و برباد کر لیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۸ / ۳، روح المعانی ۱۰۷ / ۱۰

عتابِ لطیف

۴۳۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ نے ان کو (ایسی جلدی) کیوں رخصت دے دی یہاں تک کہ سچ بولنے والے آپ پر ظاہر ہو جاتے اور آپ جھوٹوں کو بھی جان لیتے۔ جو لوگ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ سے رخصت نہیں مانگیں گے اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیزگاروں کو۔ بیشک وہ لوگ آپ سے (جہاد میں نہ جانے کی) رخصت مانگتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک ہی میں بھٹک رہے ہیں۔

اَذِنْتَ: تو نے رخصت دی۔ تو نے اجازت دی۔

ارْتَابَتْ: وہ شبہ میں پڑی۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی۔

يَتَرَدَّدُوْنَ: وہ تردد کرتے ہیں۔ وہ حیران ہوتے ہیں۔ تَرَدُّدٌ سے مضارع۔

تشریح: منافقوں کا جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت طلب کرنا حقیقت میں نفاق پر مبنی تھا۔ انہوں نے تو پہلے ہی سے یہ طے کر رکھا تھا کہ خواہ ان کو اجازت ملے یا نہ ملے وہ غزوہ میں نہیں

جائیں گے ۔ اس لئے ان کو اجازت دینا مناسب نہیں تھا ۔ اگر آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو اطاعت گزار تو حاضر ہو جاتے اور نافرمان اجازت نہ ملنے پر بھی جہاد کے لئے نہ نکلتے ۔ اس طرح جائز عذر کرنے والوں اور جھوٹے حیلے بہانے کرنے والوں میں تمیز ہو جاتی ۔

پھر فرمایا کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں وہ آپ سے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے سے رخصت طلب کریں کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال تو ان کی دلی تمنا اور آرزو ہے ۔ ان کا جان و مال تو ہر وقت جہاد کے لئے حاضر ہے ۔ ایسے لوگ جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت کیسے طلب کر سکتے ہیں ۔ یہی لوگ متقی و پرہیز گار ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کی پرہیز گاری سے خوب واقف ہے ۔ وہ ایسے لوگوں کو ان کے تقویٰ اور پرہیز گاری کے مطابق اجر و ثواب عطا فرماتا ہے ۔

بلاشبہ جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت وہی لوگ طلب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ۔ ان کے دلوں میں آخرت کی کوئی تمنا نہیں جس کے حصول کے لئے وہ جہاد کریں ۔ ان کے دل تو اب تک دین حق کی طرف سے شک و شبہ میں پڑے ہوئے ہیں ۔ یہ اسی میں حیران و سرگرداں ہیں ۔ ان کا ایک قدم آگے بڑھتا تو دوسرا قدم پیچھے ہٹتا ہے ۔ انہیں ثابت قدمی اور استقلال حاصل نہیں ۔ یہ نہ ادھر ہیں اور نہ ادھر ۔ یہ اللہ کے گمراہ کئے ہوئے ہیں اور ہلاک و برباد ہونے والے ہیں ۔ (ابن کثیر ۳۶۰ / ۲، روح المعانی ۱۰۷، ۱۰۸ / ۱۰)

منافقین متخلفین کے احوال

۴۶۔۴۸۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝

اور اگر وہ لوگ (جہاد کے لئے) نکلنا چاہتے تو اس کے لئے کچھ سامان بھی تیار

کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (جانا) پسند نہیں کیا اس لئے ان کو توفیق نہیں دی اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ (جہاد کے لئے) تمہارے ساتھ نکل بھی پڑتے تو تمہارے لئے فساد ہی بڑھاتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کی فکر میں دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور (اب بھی) تم میں بعض لوگ ان کے جاسوس ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ تو پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر میں لگے رہے اور آپ کے کام الٹتے رہے یہاں تک کہ حق آپہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ ناخوش ہی رہے۔

اَعَدُّوْا: وہ تیار کرتے۔ اِعْدَادٌ سے ماضی۔

عُدَّۃً: ساز و سامان۔ ہتھیار۔ جمع عُدَدٌ۔

اِنْبِعَاثَھُمْ: ان کا اٹھنا۔ ان کا جانا۔ اِنْبِعَاثٌ مصدر۔

فَثَبَّطَھُمْ: پس اس نے ان کو باز رکھا۔ پس اس نے ان کو روک دیا۔ تَثْبِیْطٌ سے ماضی۔

اُقْعُدُوْا: تم بیٹھو۔ قُعُوْدٌ سے امر۔

خَبَالًا: تباہ کرنا۔ برباد کرنا۔ خراب کرنا۔ مصدر ہے۔

اَوْضَعُوْا: انہوں نے گھوڑے دوڑائے۔ وہ سازشیں کرتے پھرے۔ اِیْضَاعٌ سے ماضی۔

خِلٰلَکُمْ: تمہارے درمیان۔ واحد خَلَلٌ۔

سَمّٰعُوْنَ: خوب کان لگا کر سننے والے۔ جاسوس۔ سَمْعٌ سے مبالغہ۔

تشریح: منافقین کا جہاد میں نہ جانے کے لئے رخصت طلب کرنا سب جھوٹ اور نفاق ہے۔ اگر ان کا جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ ہوتا تو اس سفر کے لئے کچھ نہ کچھ سامان ضرور تیار کرتے لیکن یہ تو اعلان و حکم کے بعد بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کا جہاد میں جانا، ان کی بزدلی اور سستی کے سبب پسند نہیں فرمایا۔ اسی لئے ان کو جہاد میں جانے کی توفیق نہیں دی اور ان کے دلوں میں جہاد سے کراہت پیدا فرمادی اور ان کو کہہ دیا کہ تم بھی بچوں اور اپاہج لوگوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے رہو۔ جہاد کے لئے نہ نکلو۔

اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ جہاد میں شامل ہو جاتے تو جہاد کے وقت یا تو مسلمانوں کے لوں میں خوف ڈال کر بزدلی پیدا کرتے یا کافروں کی مدد کرتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے اور یسے امور کی کوشش کرتے جس سے تمہارے اندر خلل اور بدنظمی پیدا ہوتی۔ مثلاً شکست کھا کر

بھاگ کھڑے ہوتے اور کفار کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد نہ کرتے وغیرہ۔ اب بھی تمہارے اندر کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان کی باتیں سنتے اور ان کا کہا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کے باطنی حالات اور ان کی ظاہری حرکتوں سے خوب واقف ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ یہ لوگ تو اس غزوہ سے پہلے بھی فتنہ و فساد برپا کرنے اور آپ کے کاموں کو خراب کرنے کی تدبیریں کر چکے ہیں جیسا کہ انہوں نے معرکہ احد میں عین وقت پر مسلمانوں سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ یہاں تک کہ حق واضح ہو گیا اور اللہ کا حکم غالب آگیا اور اللہ تعالیٰ کی مدد و اعانت سے مسلمانوں کو کافروں پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ حالانکہ کافر اسلام کے غلبہ اور فتح و کامرانی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

(مظہری ۲۲۳، ۲۲۴ / ۴، روح المعانی ۱۱۱، ۱۱۳ / ۱۰)

جد بن قیس کا نفاق

۴۹۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے وہ شخص بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے رخصت دو اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالو۔ آگاہ ہو جاؤ! یہ لوگ فتنہ میں تو خود ہی پڑے ہوئے ہیں اور بیشک کافروں کو جہنم نے گھیر رکھا ہے۔

ائْذَنْ: تو اجازت دے۔ تو رخصت دے۔ اِذْنٌ سے امر۔

سَقَطُوْا: وہ گر پڑے۔ سُقُوْطٌ سے ماضی۔

لَمُحِيْطَةٌ: البتہ احاطہ کرنے والی۔ البتہ گھیرنے والی۔ اِحَاطَةٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: ابن المنذر، طبرانی، ابن مردویہ اور المعرفہ میں ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کے حوالے سے اور محمد بن اسحاق و محمد بن عمرو بن عقبہ نے اپنے مشائخ کی سند سے بیان کیا کہ جد بن قیس اپنے ساتھیوں کو لے کر (جن کی تعداد دس سے کم تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے یہیں رہ جانے کی اجازت

دے دیجئے میری کچھ کھیتی باڑی کی زمین ہے (جس کی دیکھ بھال ضروری ہے) میں اس کی وجہ سے معذور ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیاری کرو تم فراخ دست ہو شاید تمہیں (مال غنیمت میں) بنی الاصفر (اہل روم) کی کوئی عورت مل جائے۔ جد نے عرض کیا مجھے تو اجازت ہی دے دیجئے اور مجھے آزمائش میں نہ ڈالئے۔ میری قوم والے واقف ہیں کہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی عورتوں کا دلدادہ نہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رومی عورتوں کو دیکھ لوں تو اپنے آپ کو نہ روک سکوں گا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف سے منہ موڑ لیا اور فرمایا کہ میں نے تجھے اجازت دے دی۔

محمد بن عمرو نے یہ اضافہ کیا ہے کہ جد بن قیس کا بیٹا عبداللہ بدری صحابی (خالص مومن) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا اخیافی بھائی (ماں ایک ہو اور باپ الگ الگ) تھا۔ اس واقعہ کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ سے کہا کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو کیوں رد کر دیا۔ واللہ بنی مسلمہ میں آپ سے زیادہ مالدار کوئی نہیں ہے۔ آپ نہ خود جارہے ہیں اور نہ (اپنی طرف سے) کسی کو سواری دے رہے ہیں۔ جد نے جواب دیا کہ بیٹے سخت گرمی (طوفانی) ہوا اور تنگ حالی کے زمانے میں رومیوں کے مقابلے پر کیسے جاسکتا ہوں اس وقت تو میں اپنے گھر میں ہوں پھر بھی رومیوں کے خوف سے خالی نہیں ہوں۔ ایسے میں ان سے لڑنے کے لئے کیسے جاسکتا ہوں۔ بیٹے خدا کی قسم میں زمانے کے چکروں سے واقف ہوں۔

پھر بیٹے نے کچھ درشتی کے ساتھ کہا خدا کی قسم اور کوئی بات نہیں ہے یہ تو صرف نفاق ہے۔ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت نازل ہو جائے گی اور آپ اس کو پڑھیں گے (تو تمہارا نفاق ظاہر ہو جائے گا) یہ سن کر جد نے جھنڈا اٹھا کر بیٹے کے منہ پر مارا اور بیٹا چلا گیا اور اس نے باپ سے کوئی بات نہیں کی۔ پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

(روح المعانی ۱۱۳ / ۱۰، مظہری ۲۲۵ / ۴)

تشریح: منافقین میں سے ایک ایسا شخص بھی تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا کہ مجھے گھر ہی بیٹھے رہنے کی اجازت دے دیجئے اور مجھے جہاد کے لئے لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالئے۔ آگاہ ہو جاؤ! رومی عورتوں کا فتنہ تو بعد میں پیش آئے گا یہ لوگ تو پہلے ہی فتنے اور مصیبت میں مبتلا ہیں ان لوگوں کا جہاد میں نہ جانا اور پھر ان کے نفاق کا ظاہر ہونا ہی ان کی ہلاکت و بربادی ہے۔ یہ لوگ دوزخ کی آگ سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ بلاشبہ جہنم ان کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

(روح المعانی ۱۱۳، ۱۱۴ / ۱۰)

منافقین کا حسد و نفاق

۵۰-۵۲ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ○ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۚ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ○

اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ ان کو رنجیدہ کرتی ہے اور اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا کام ٹھیک کر رکھا تھا اور وہ خوش ہوتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہمیں ہرگز کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔ سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بھلائیوں (فتح یا شہادت) میں سے ایک ہی بھلائی (شہادت) کی امید لگائے رہتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے (سزا دلوائے)۔ سو تم انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں۔

تُصِبْكَ: تجھ کو پہنچے۔ اِصَابَۃٌ سے مضارع۔

تَسُؤْهُمْ: وہ ان کو بری لگتی ہے۔ وہ ان کو رنجیدہ کرتی ہے۔ سَوْءٌ سے مضارع۔

فَرِحُوْنَ: خوش۔ اترانے والے۔ واحد فَرِحٌ۔ فَرَحٌ سے صفت شبہ۔

تَرَبَّصُوْنَ: تم منتظر رہتے ہو۔ تَرَبُّصٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں منافقین کی اندرونی خباثت و عداوت بیان کی گئی ہے کہ اگر آپ کے ساتھ کسی لڑائی میں کوئی بھلائی پیش آجائے مثلاً فتح یا مال غنیمت کا حاصل ہونا تو حسد و عداوت کی بنا پر ان کے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے اور اگر خدا نخواستہ آپ کو دوسری حالت پیش آجائے مثلاً

شکست، کوئی دشواری تو خوب چہک چہک کر اپنی چالاکی و ہوشیاری کا اظہار کرتے ہیں اور خوشی سے بغلیں بجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی انجام سے باخبر تھے، اسی لئے لڑائی میں شریک نہیں ہوئے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دیجئے کہ ہر قسم کا رنج و راحت اور ہم خود اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی منشاء کے ماتحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لوح محفوظ میں جو کچھ لکھ دیا وہی ہمارے لئے خیر و خوبی کا باعث ہے۔ اہل ایمان کو تو اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ ہی نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہی ان کا کارساز ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ لڑائی میں ہمیں یا تو فتح و غنیمت حاصل ہوگی یا پھر شہادت اور اجر ثواب ان دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ضرور ہمیں حاصل ہوگی۔ سو تم ہمارے حق میں ان کے علاوہ اور کس چیز کے منتظر ہو۔ اور ہم تو تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ یا تو اللہ تعالیٰ براہِ راست تم پر کوئی عذاب نازل کردے جیسے زلزلہ اور طوفان وغیرہ تاکہ تم سب اس عذاب الٰہی سے ہلاک ہو جاؤ یا پھر اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھوں تمہیں قتل و قید کرا کے ذلیل و خوار کرے۔ پس تم ہمارے انجام کے منتظر رہو اور ہم تمہارے انجام کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ وقت دور نہیں جب انجام تمہارے سامنے آجائے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۵۱، ۳۵۲ / ۳، ابن کثیر ۳۶۱، ۳۶۲ / ۲)

منافقین کے نفقات کا مردود ہونا

۵۳۔۵۵ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ خواہ تم خوشی سے مال خرچ کرو یا ناخوشی سے، تم سے ہرگز قبول

نہ کیا جائے گا۔ بلاشبہ تم نافرمان قوم ہو اور ان کا خرچ کیا ہوا (مال) قبول نہ ہونے کی اس کے سوا کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ نماز کے لئے آتے بھی ہیں تو کاہلی سے اور وہ کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو ناگواری سے۔ پس ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو تو صرف یہ منظور ہے کہ وہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیاوی زندگی میں عذاب میں جبتلا رکھے اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں۔

طَوْعًا: اطاعت کرنا۔ فرماں برداری کرنا۔ خوشی سے کرنا۔

كَرْهًا: ناپسندیدگی۔ سختی۔ جبر۔

نَفَقٰتُهُمْ: ان کا خرچ کرنا۔ ان کی خیرات۔

كُسَالٰى: سست۔ کاہل۔ واحد کَسِلٌ اور کَسْلَانٌ۔

تَزْهَقَ: وہ نکل جائے۔ وہ مٹ جائے۔ زُهُوْقٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان منافقوں سے کہہ دیجئے کہ تم تو فاسق وفاجر اور مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہو اس لئے تمہاری طرف سے دی ہوئی مالی امداد اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہیں۔ خواہ تم خوش دلی سے دو یا بے دلی سے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں، نماز میں سستی کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں ناگواری کے ساتھ محض لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اسی لئے ان کی خیرات اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے ساتھ تعلق قائم نہ کریں۔ سو آپ کو ان کے مال و اولاد سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ جو مال و اولاد ہم نے ان کو عطا کیا ہے وہ پسندیدگی کے قابل نہیں۔ یہ تو ان کے لئے محض ایک مہلت اور ڈھیل ہے جو حقیقت میں وبال ہے۔ یہ لوگ دولت جمع کرنے اور اولاد کی دیکھ بھال کے لئے طرح طرح کی فریب کاریاں کرتے ہیں، دکھ اٹھاتے ہیں اور سختیاں جھیلتے ہیں، اس لئے اس مال کو خرچ کرنا انہیں ناگوار ہوتا ہے اور جس کے پاس مال نہیں وہ حسرت و افسوس کرتا ہے۔ غرض مال و اولاد کا ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتوں میں ان پر عذاب ہی عذاب ہے۔ (مظہری ۲۲۷، ۲۲۸ / ۴)

منافقوں کی باطنی کیفیت

۵۶۔۵۷ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝

اور یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں بلکہ وہ تو (ظاہر و باطن میں) فرق رکھنے والی قوم ہے۔ اگر ان لوگوں کو کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھس بیٹھنے کی ذرا جگہ مل جائے تو وہ اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ نکلیں۔

مَلْجَاً: پناہ کی جگہ۔ لَجَأٌ سے اسم ظرف۔

مَغٰرٰتٍ: غار۔ گڑھے۔ واحد مَغَارَةٌ۔

مُدَّخَلًا: داخل ہونے کی جگہ۔ اِدِّخَالٌ سے اسم ظرف۔

لَوَلَّوْا: البتہ انہوں نے منہ موڑا۔ البتہ انہوں نے پیٹھ پھیری۔ تَوْلِيَةٌ سے ماضی۔

يَجْمَحُوْنَ: وہ سرکشی کرتے ہیں۔ وہ سرپٹ دوڑتے ہیں۔ جَمْحٌ و جِمَاحٌ و جُمُوْحٌ سے مضارع

تشریح: ان کی سراسیمگی اور پریشانی و بے اطمینانی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے کفر و نفاق پر پردہ برقرار رکھنے کے لئے لمبی چوڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ واللہ وہ تمہارے بھائی اور مسلمان ہیں حالانکہ حقیقت میں یہ مسلمان نہیں ہیں۔ یہ محض اپنے نفاق کو چھپانے کے لئے ایسا کہتے ہیں۔ وہ تم سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کا نفاق ظاہر ہو جانے سے تم ان کے ساتھ بھی قتل و قید کا برتاؤ نہ کرو جیسا کہ تم مشرکوں کے ساتھ کرتے ہو۔

اگر ان کو اپنے بچاؤ کے لئے کوئی پناہ گاہ یا کوئی غار یا کوئی سر گھسانے کی جگہ مل جائے تو فوراً پشت پھیر کر سرپٹ دوڑتے ہوئے اسی طرف چلے جائیں گے اور ان میں سے ایک بھی آپ کے پاس نظر نہیں آئے گا، کیونکہ انہیں آپ سے ذرا بھی محبت نہیں۔ یہ تو محض ضرورت، مجبوری اور خوف کی بنا پر آپ کی چاپلوسی کرتے ہیں۔ (ابن کثیر ۳۶۳ / ۲، مواہب الرحمن ۱۴۳ / ۱۰)

تقسیمِ صدقات پر منافقین کا طعن

۵۸۔ ۹وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا
وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ○ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا
مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ
فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ○

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر الزام لگاتے ہیں۔ پھر اگر ان کو بھی ان صدقات میں سے ان کی خواہش کے مطابق مل جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو ان کی خواہش کے مطابق نہ ملے تو ناراض ہو جاتے ہیں اور ان کے لئے بہتر ہوتا اگر وہ اسی پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اللہ اور اس کا رسول اپنے فضل سے ہمیں اور دے گا۔ ہم تو اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

يَلْمِزُكَ: وہ تجھ کو طعنہ دیتا ہے۔ وہ تیرے اندر عیب نکالتا ہے۔ لَمْزٌ سے مضارع۔

يَسْخَطُوْنَ: وہ ناراض ہوتے ہیں۔ وہ ناخوش ہوتے ہیں۔ سُخْطٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بعض منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمت لگائی کہ آپ صدقات کی تقسیم صحیح نہیں کرتے۔ اس تہمت سے ان کا مقصد اپنے لئے نفع حاصل کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر انہیں کچھ مل جائے تو راضی ورنہ ناراض۔ ابن جریر، داؤد ابن ابی عاصمؒ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صدقات کا مال تقسیم کرنے کے لئے تشریف لائے اور جب آپ نے مال تقسیم فرمادیا تو انصار میں سے کسی نے آواز لگائی کہ یہ عدل نہیں ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (ابن کثیر ۳۶۳/ ۲)

تشریح: منافقوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ صدقات کامل عدل و انصاف کے ساتھ تقسیم نہیں کرتے، حلانکہ آپ تمام مخلوق سے بڑھ کر عادل اور جور و ظلم سے دور ہیں۔ ان لوگوں کی نکتہ چینی محض حرص اور طمع کی بنا پر ہے۔ جب آپؐ ان کو ان کی خواہش اور حرص کے مطابق دے دیتے ہیں تو وہ

آپ کے فعل سے خوش ہو جاتے ہیں اور کوئی اعتراض نہیں کرتے کیونکہ ان کی غرض اور مقصد یہی تھا۔ اگر ان کو ان کی خواہش کے مطابق حصہ نہ دیا جائے تو یہ لوگ فوراً بگڑ جاتے ہیں اور زبان درازی کرنے لگتے ہیں۔

اگر یہ لوگ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات اور مال غنیمت میں سے ان کو حصہ دیا تھا اور یہ کہتے کہ ہمارے لئے تو بس اللہ تعالیٰ کافی ہے، وہی ہماری کفایت کرنے والا ہے، آئندہ بہت جلد وہ اپنے فضل و کرم سے اور اس کا رسول اپنے لطف و عنایت سے ہمیں اور دے دیں گے، تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔

(مظہری ۲۲۹، ۲۳۰ / ۴، مواہب الرحمن ۱۴۴، ۱۴۵ / ۱۰)

مصارفِ صدقات (زکوٰۃ)

۶۰۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ○

زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکنوں اور جن کی دلجوئی منظور ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے اور اللہ کے راستہ (یعنی جہاد) اور مسافروں (کی مدد) کے لئے ہے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے۔

اَلْمُؤَلَّفَةِ: دلجوئی۔ کئے ہوئے۔ تالیف قلب کئے ہوئے۔ تَأْلِيْفٌ سے اسم فاعل

اَلرِّقَابِ: گردنیں۔ مراد غلاموں کو آزاد کرانا۔ واحد رَقَبَةٌ۔

اَلْغٰرِمِيْنَ: قرضدار۔ تاوان دینے والا۔ غُرْمٌ و غَرَامَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس سے پہلی آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقات کی تقسیم کے بارے میں منافقوں کی نکتہ چینی اور اس کے جواب کا ذکر تھا۔ منافقین کہتے تھے کہ آپ صدقات کی تقسیم میں (معاذ اللہ) انصاف نہیں کرتے۔ جس کو جتنا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرما دیا کہ زکوٰۃ کی تقسیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی

مرضی پر موقوف نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے مصارف میں ہی خرچ ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم کسی کے سپرد نہیں کی بلکہ اس کی تقسیم کا طریقہ اس نے خود مقرر فرمادیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے بلکہ وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کو لوگوں میں تقسیم فرماتے ہیں۔ (ابن کثیر ۳۶۴ / ۲)

باجماع صحابہ و تابعین اس آیت میں صدقہ ، واجبہ یعنی زکوٰۃ کے مصارف کا بیان ہے جو آٹھ ہیں۔

۱۔ فقراء: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب زکوۃ نہ ہو بلکہ نصاب سے کم مال ہو یا دوسرے لفظوں میں فقیر وہ ہے جو غنی نہ ہو خواہ اس کے پاس مال بالکل نہ ہو یا کچھ مال ہو مگر اتنا نہ ہو کہ غنی ہو جائے۔ فقیر عالم کو زکوۃ دینا فقیر جاہل کو دینے سے افضل ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کی طرف جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں۔ پہلے ان کو **لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ** کی شہادت کی طرف دعوت دینا۔ اگر وہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوۃ فرض کی ہے جو ان کے غنی (صاحبِ نصاب) لوگوں سے لی جائے گی اور انہی کے فقراء (جو صاحبِ نصاب نہ ہوں) میں تقسیم کی جائے گی۔ زکوۃ میں سب سے بڑھیا جانور نہ لینا، مظلوم کی بددعاء سے ڈرتے رہنا، مظلوم کی بددعاء (براہِ راست اللہ تک پہنچتی ہے اس کے) اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی رو سے زکوۃ لینے والے کا مسلم ہونا ضروری ہے۔ باجماع علماء غیر مسلم کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی، خواہ وہ غیر مسلم ذمی ہو (جزیہ دینے والا کافر جو مسلم حکومت میں رہتا ہو) یا حربی (وہ کافر جو غیر مسلم ریاست میں رہتا ہو)۔ (مظہری ۲۳۱ / ۴، عمدۃ الفقہ ۱۲۷ / ۳)

۲۔ مساکین: مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ وہ اپنے کھانے یا بدن ڈھانپنے کے لئے مانگنے کا محتاج ہو اور بخلاف فقیر کے اس کے لئے سوال کرنا حلال ہو۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

مسکین وہ نہیں جو مارا مارا پھرے۔ ایک دو لقموں کی طلب یا ایک دو چھوہاروں کی خواہش اس کو لئے لئے پھرے، بلکہ مسکین وہ ہے جس کو بقدرِ کفایت نہ ملتا ہو اور کوئی اس کی حالت سے واقف بھی نہ ہو کہ کچھ خیر خیرات ہی اس کو دے دے اور وہ خود بھی کھڑا ہو کر کسی سے نہ مانگتا ہو۔

(مظہری ۲۳۲ / ۴)

زکوۃ کے حکم کے اعتبار سے فقراء اور مساکین دونوں یکساں ہیں کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریاتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ نصاب مال نہ ہو تو اس کو زکوۃ دی جاسکتی ہے اور اس کے لئے زکوۃ لینا بھی جائز ہے۔ ضروریات میں رہنے کا مکان، ضرورت کا گھریلو سامان، کپڑے، خادم، سواری، ہتھیار اور کتابیں وغیرہ سب داخل ہیں۔ جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا اس کی قیمت کے برابر نقد رقم ہو اور وہ قرض دار بھی نہ ہو تو ایسے شخص پر زکوۃ فرض ہے۔

جو شخص صاحبِ نصاب نہیں مگر تندرست، قوی اور کمانے کے قابل ہے اور اس کے پاس ایک دن کا گزارہ موجود ہے تو اس کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ مگر ایسے شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے۔ اس کے لئے لوگوں سے سوال کرنا حرام ہے۔

(معارف القرآن ۳۹۶ / ۴)

۳۔ عاملین: عاملین سے مراد وہ کارکن ہے۔ جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوۃ اور عشر وغیرہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ اپنا سارا وقت اسی کام میں صرف کرتے ہیں، اس لئے ان کی ضروریات کو پورا کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ ان لوگوں کا حق الخدمت زکوۃ ہی کی مد سے دیا جائے گا۔ عاملین کو جو کچھ دیا جاتا ہے وہ ان کے کام کی اجرت اور معاوضہ نہیں بلکہ وہ ان کی خدمت کا صلہ اور انعام ہوتا ہے

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کسی غنی (مالدار) کے لئے حلال نہیں، سوائے پانچ شخصوں کے: ۱۔ وہ جو جہاد کے لئے نکلا ہو اور وہاں اس کے پاس بقدرِ ضرورت مال نہ ہو اگرچہ گھر میں وہ مالدار ہو۔ ۲۔ وہ شخص جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو۔ ۳۔ کسی کے پاس مال تو ہو مگر وہ اس مال سے زیادہ مقروض ہو۔ ۴۔ جو

شخص صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے پیسے دے کر خرید لے ۔ ۵۔ وہ شخص جس کو کسی غرِ فقیر نے صدقہ کا حاصل شدہ مال بطور ہدیہ پیش کر دیا ہو ۔ (معارف القرآن ۳۹۷ / ۴)

امام ابو حنیفہؒ اور اکثر ائمہ نے فرمایا کہ صدقہ وصول کرنے والے نے جتنی مدت کام میر صرف کی ہو اس کو اتنی مدت کی ضروریات پوری کرنے کے بقدر (معاوضہ) دیا جائے گا ۔ مثلاً کسی نے اس کام میں ایک دن صرف کیا تو اس کو ایک دن کا معاوضہ بقدرِ کفایت دیا جائے گا اور اگر اس نے ایک سال صرف کیا تو اسے ایک سال کا معاوضہ بقدرِ کفایت دیا جائے گا ۔

اگر اس کی اجرت بقدرِ کفایت اتنی ہو کہ وہ وصول شدہ زکوۃ کے کل مال کا حقدار ہو جاتا ہو تو علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ زکوۃ کا کل مال اس کو نہیں دیا جائے گا بلکہ آدھا دیا جائے گا ۔ نصف سے زائد مال کل مال کے حکم میں ہوتا ہے ۔ اس لئے اگر نصف سے زیادہ مال دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس نے فقراء کے لئے زکوۃ وصول نہیں کی بلکہ اپنے لئے وصول کی ۔ اس طرح اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا ۔ (مظہری ۲۳۳، ۲۳۴ / ۴)

۴۔ مؤلفۃُ القلوب: ان کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے تالیفِ قلب کی کہ وہ مسلمان ہو جائیں ۔

۲۔ وہ جو مسلمان تو ہو چکے تھے مگر ان کا ایمان قوی نہ تھا ۔ جیسے عیینہ بن حصنؓ، اقرع بن حبسؓ، عباس بن مرداس اسلمیؓ ۔ ایسے لوگوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے عطا کیا کہ ان کا اسلام قوی ہو جائے ۔

۳۔ وہ لوگ جنہیں اس لئے عطا کیا گیا تاکہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے باز رہیں ۔ اس تیسری قسم میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں کفار اور مانعین زکوۃ سے قتال کے لئے صدقات وغیرہ عطا کر کے ان کی تالیفِ قلب کی گئی ۔ یہ (تالیفِ قلب) ختم ہو چکی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا کر دی ہے اور اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہے ۔

(ہدایہ کتاب الزکوۃ ۱۸۴ / ۱)

ایک روایت میں ہے کہ عیینہ اور اقرع زمین کا مطالبہ لے کر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے

حضرت ابو بکرؓ نے ان کے لئے تحریر لکھ دی مگر حضرت عمرؓ نے وہ تحریر پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں اسلام پر قائم رکھنے کے لئے دیا کرتے تھے اور آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمادیا ہے اور تمہاری طرف سے (مسلمانوں کو) بے نیاز کر دیا ہے۔ پس اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہتے ہو تو ٹھیک ورنہ تمہارا فیصلہ تلوار کرے گی۔ وہ لوٹ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ (رضی اللہ عنہما)۔ آپ نے ہمیں ایک خط دیا اور (حضرت) عمرؓ نے اسے پھاڑ ڈالا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ اگر وہ چاہیں (تو وہی خلیفہ ہیں)۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی توثیق کر دی اور صحابہ میں سے کسی نے بھی ان کے فیصلے پر اعتراض نہیں کیا۔

(روح المعانی ۱۲۲ / ۱۰)

۵۔ رِقاب: جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک رقاب سے مراد وہ غلام ہیں جن کے آقاؤں نے مال کی ایک خاص مقدار متعین کر کے کہہ دیا کہ اگر اتنا مال کما کر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ شرعی اصطلاح میں اس کو مکاتب کہا جاتا ہے۔ اس شخص کو اس کا آقا اجازت دے دیتا ہے کہ وہ تجارت یا مزدوری کے ذریعہ مال کمائے اور آقا کو لا کر دے۔ اس آیت میں رقاب سے مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم میں سے حصہ دے کر آزادی حاصل کرنے میں اس کی مدد کی جائے۔ غلام کی گلو خلاصی کے لئے دینا عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے۔

۶۔ غارِم: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے ذمہ کسی کا قرض ہو اور ان کے پاس اس کو ادا کرنے کے لئے کچھ نہ ہو۔ غلام کی گلو خلاصی کی طرح قرض دار کو قرض کی ادائیگی کے لئے دینا بھی عام فقراء و مساکین کو دینے سے زیادہ افضل ہے، بشرطیکہ اس قرض دار کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکے۔ اگر کسی نے گناہ کے کام کے لئے قرض لیا جیسے شراب وغیرہ، شادی کی ناجائز رسمیں، تو ایسے قرض دار کو زکوٰۃ میں سے نہیں دیا جائے گا تاکہ اس کی معصیت اور اسراف کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔ (معارف القرآن ۴۰۶ / ۴)

۷۔ فی سبیل اللہ: امام ابو یوسف کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد وہ غازی ہیں جو فقیری کی وجہ سے لشکرِ اسلام کے غازیوں سے جدا ہیں۔ یعنی جو اپنے فقیر ہونے کی وجہ سے خرچہ یا

سواری وغیرہ نہ ہونے کی بنا پر لشکر اسلام کے ساتھ ملنے سے عاجز رہ گئے ہوں تو ان کو صدقہ (زکوۃ) لینا حلال ہے۔ اگرچہ وہ کسب کر سکتے ہوں۔ اس لئے کہ وہ کسب میں مشغول ہوں گے تو جہاد سے رہ جائیں گے۔ یہی صحیح اور اظہر ہے۔

بعض نے کہا کہ فی سبیل اللہ سے طالبِ علم مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ حاملین قرآن مراد ہیں جبکہ وہ فقراء ہوں۔ بعض نے سفرِ حج میں قافلے سے بچھڑا ہوا حاجی وغیرہ مراد لیا ہے جبکہ وہ خرچ نہ ہونے کی وجہ سے قافلے میں نہ مل سکے۔ (عمدۃ الفقہ ۱۳۱ / ۳)

۸۔ مسافر: ابن السبیل سے مراد مسافر ہے۔ مسافر اگرچہ اپنے وطن میں مالدار ہو۔ لیکن سفر میں اس کے پاس خرچ ختم ہو گیا ہو یا کوئی اور ایسی وجہ ہو گئی کہ گھر تک پہنچنے کا خرچ نہیں ہے یا حاجی کا خرچ ختم ہو گیا اگرچہ وہ اپنے وطن میں مالدار ہو تو ایسے مسافر یا حاجی کو زکوۃ دینا جائز ہے۔

فقیرِ مسافر کو اپنی ضرورت کے مطابق لینا جائز ہے۔ ضرورت سے زیادہ لینا حلال نہیں، لیکن جو شخص اپنے وطن میں بھی فقیر ہے اس کو ضرورت سے زیادہ لینا درست ہے۔ مسافر فقیر کو زکوۃ لینے سے قرض لینا اولیٰ ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۱۳۲ / ۳)

منافقین کی حرکاتِ بد

۶۱۔ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ کانوں کا کچا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ دھیان دے کر تو وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔ وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں کی بات مانتا ہے اور تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے حق میں رحمت ہے

اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یُؤْذُوْنَ: وہ ایذا دیتے ہیں۔ وہ تکلیف دیتے ہیں۔ اِیْذَاءٌ سے مضارع۔

اُذُنٌ: ہر کسی کی بات سن کر قبول کرنے والا۔

شانِ نزول: ابن ابی شیبہ، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ رحمہم اللہ نے مجاہدؒ کا بیان اور ابن ابی حاتمؒ نے سدیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی۔ انہیں میں سے جلاس بن سوید بن صامت، رفاعہ بن عبدالمنذر اور ودیعہ بن ثابت بھی تھے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کچھ نامناسب باتیں کہیں تو ان میں سے ایک شخص نے کہا کہ ایسامت کہو۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ بات جو تم کہتے ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ جائے گی۔ پھر جلاس نے کہا کہ ہم جو چاہیں گے کہیں گے پھر ہم ان کے پاس چلے جائیں گے سو وہ ہماری بات کو سچ مان لیں گے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف کان ہیں (ہر ایک کا عذر سن لیتے ہیں)۔

ابن اسحاقؒ کہتے ہیں کہ یہ آیت منافقوں میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کو نبتل بن حارث کہا جاتا تھا۔ یہ شخص سرخ آنکھوں اور ڈھلکے گالوں والا بدشکل آدمی تھا۔ یہ آپ کی باتیں سنتا اور جاکر منافقوں کو چپکے چپکے بتاتا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ ایسامت کر تو وہ کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو سراسر کان ہیں، جو کوئی ان سے کچھ بیان کرتا ہے تو وہ اس کو سچ مان لیتے ہیں۔ ہم جو چاہیں گے کہیں گے، پھر ان کے پاس جاکر (جھوٹی) قسمیں کھالیں گے (اور اپنی بات سے منکر ہو جائیں گے) تو وہ ہماری بات کو سچ مان لیں گے۔

یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جو شخص شیطان کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ نبتل بن حارث کو دیکھ لے۔

(روح المعانی ۱۲۵، ۱۲۶ / ۱۰)

تشریح: منافقوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنی باتوں کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نبی تو کانوں کے بہت کچے ہیں۔ جو بات ان سے کہی جاتی ہے اس کو سن لیتے ہیں اور اس پر یقین کر لیتے ہیں۔ جھوٹ اور سچ میں فرق نہیں کرتے، سو لوگوں کی باتوں سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ہم بھی ان کے پاس جاکر جھوٹی قسمیں کھالیں گے اور ان باتوں سے انکار کر دیں گے جو ہم نے ان کے بارے میں کہی ہیں۔ وہ ہماری باتوں کا بھی یقین کر

لیں گے۔

اس آیت میں ان کی انہیں باتوں کا جواب دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آپ کے حلم و بردباری اور چشم پوشی سے دھوکہ لگا اسی لئے وہ آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کہتے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ آپ خیر کے کان ہیں شر کے کان نہیں، حق و باطل اور خیر و شر کا فرق آپ پر مخفی نہیں۔ آپ نورِ نبوت سے سچ اور جھوٹ پہچان لیتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چشم پوشی اور نرمی ان منافقوں کے حق میں ایک قسم کی رحمت ہے کہ علم کے باوجود آپ نے ان کو برملا رسوا نہیں کیا اور ان کا پردہ فاش نہیں کیا۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دیتے ہیں۔ ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ (مواہب الرحمن ۱۵۳/ ۱۰)

منافقوں کی بدبختی

۶۲-۶۳ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی رکھیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ یہ ان کو راضی کریں۔ اگر یہ ایمان رکھتے ہوں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔

یُّحَادِدِ: وہ دشمنی کرتا ہے۔ وہ مخالفت کرتا ہے۔ محادۃ سے مضارع۔

اَلْخِزْیُ: ذلت۔ خواری۔ رسوائی۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: منافقوں میں سے ایک شخص کہنے لگا کہ ہمارے سردار اور رئیس ہم میں سے بہترین لوگ ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہے تب تو یہ لوگ سب سے زیادہ بیوقوف ہیں۔ یہ بات ایک سچے مومن صحابی نے سن لی۔ وہ کہنے لگے کہ واللہ رسول صلی اللہ

علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں وہ سب بالکل سچ ہے ۔ تمہیں لوگ بیوقوف ہو کہ ان پر ایمان نہیں لاتے۔

پھر یہ صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے اس شخص کو بلوا کر پوچھا کہ تجھے یہ بات کہنے پر کس چیز نے ابھارا۔ وہ قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا کہ میں نے تو یہ بات کہی ہی نہیں۔ وہ صحابی اللہ سے دعاء کرنے لگے کہ اے پروردگار! تو سچے کا سچ اور جھوٹے کا جھوٹ ظاہر فرمادے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(روح المعانی ۱۲۸ / ۱۰، ابن کثیر ۳۶۶ / ۲)

مقاتلؒ اور کلبیؒ کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں ہوا جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے واپس تشریف لائے تو وہ مومنوں کے پاس آکر اپنے پیچھے رہ جانے کے بارے میں عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ (روح المعانی ۱۲۸ / ۱۰، مظہری ۲۵۵ / ۴)

تشریح: منافقین اپنی خلوتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ پھر جب ان کے کہے ہوئے نازیبا کلمات آپ تک پہنچتے تو یہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بات کا انکار کرتے اور حلفیہ کہتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی اسی حالت سے مطلع فرمایا ہے کہ یہ منافق محض تمہیں راضی کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی گستاخیوں کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ لوگ واقعی سچے ایماندار ہیں تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ یہ لوگ ان کو راضی کریں۔ ان کو راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ سچے دل سے ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، ان کے بارے میں اپنے دلوں سے شیطانی خیالات کو نکال دیں اور زبان سے ان کے بارے میں گستاخانہ کلمات نہ کہیں۔ ان لوگوں کو اتنی بھی عقل نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دھوکہ نہیں دے سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ اپنے رسول کو بھی ان کے کرتوتوں اور بداعمالیوں سے وحی کے ذریعہ مطلع کر دیتا ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک زمانے سے لوگوں کو وعظ و نصیحت اور احکام دین سکھا رہے ہیں اور ان کو جزاو سزا کے بارے میں بتا رہے ہیں تو کیا یہ منافق اب بھی نہیں جانتے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت

کرے گا، جس طرح یہ لوگ کرتے ہیں، تو بلاشبہ اس کو دوزخ کے عذاب کی سزا ملے گی۔ دوزخ میں داخل ہونے کے بعد یہ ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہے گا اور کبھی اس سے نجات نہیں پائے گا یہ سزا بڑی سخت اور ذلت و رسوائی کی ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۵۳، ۱۵۴/ ۱۰)

منافقوں کی خود فریبی

۶۴۔ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ○

منافق اس بات سے ڈر رہے ہیں کہ مسلمانوں پر ایسی سورت نازل نہ ہو جائے جو ان کے دل کی بات ظاہر کر دے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم استہزاء کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس سے تم ڈرتے ہو۔

يَحْذَرُ: وہ ڈرتا ہے۔ وہ بچتا ہے۔ حَذَرٌ سے مضارع۔

تُنَبِّئُهُمْ: وہ ان کو خبر دے گا۔ تَنْبِئَةٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ عجیب بات ہے کہ منافقین اپنی باطنی حالت کے بارے میں قرآن کے نزول کا تو خوف کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قرآنی آیات کے ذریعہ مسلمان ان کی باطنی حالات سے باخبر ہو جائیں اور اس طرح وہ دنیا ہی میں ان کے سامنے ذلیل و رسوا ہو جائیں، مگر وہ اپنے دلوں سے نفاق اور شک کو دور نہیں کرتے تھے بلکہ اس پر مستعد اور پختہ تھے اور دین کے تمسخر اور استہزاء میں لگے ہوئے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم دین کے ساتھ خوب تمسخر اور استہزاء کرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے حسد و عناد اور وہ تمام باتیں جو تم نے دل میں چھپائی ہوئی ہیں سب کے سامنے ظاہر کرنے والا ہے تاکہ جس ذلت و رسوائی کا تمہیں خوف و اندیشہ ہے وہ تمہاری نظروں کے سامنے آجائے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۵۵/ ۱۰)

اسلام پر طعن و تشنیع

۶۵۔۶۶ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○

اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ کہہ دیں گے کہ ہم تو بات اور دل لگی کرتے تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے۔ اب (یہ بے ہودہ) عذر مت کرو۔ بے شک تم تو ایمان لانے کے بعد کفر کرنے لگے۔ اگر ہم تم میں سے بعض کو معاف بھی کر دیں تو بعض کو اس لئے عذاب دیں گے کہ وہ تو تھے ہی گنہگار۔

نَخُوْضُ: ہم بحث کرتے ہیں۔ ہم باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

نَلْعَبُ: ہم کھیلتے ہیں۔ ہم دل لگی کرتے ہیں۔ لَعْبٌ سے مضارع۔

طَآئِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔ طَوْفٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: ابن المنذرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کی طرف جا رہے تھے۔ آپ سے آگے آگے کچھ فاصلے پر منافقوں کا ایک گروہ یہ کہتے ہوئے جا رہا تھا کہ اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو۔ ان کا خیال ہے کہ وہ شام کے محلات اور قلعے فتح کر لیں گے۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اس گفتگو سے مطلع فرما دیا۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا کہ ان سواروں کو روک لو۔ جب ان کو آپ کے پاس لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے ایسے ایسے کہا تھا وہ کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی! ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۳۰ / ۱۰، ابن کثیر ۳۶۷ / ۲)

ابن جریرؒ اور ابن مردویہؒ وغیرہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے غزوہ تبوک میں کہا کہ ہم نے اپنے ان قرآن پڑھنے والوں کی طرح کسی کو ان سے زیادہ کھانے کا حریص، زبان کا جھوٹا اور دشمن سے مقابلے کے

وقت بزدلی کا مظاہرہ کرنے والا نہیں دیکھا۔ یہ سن کر ایک شخص نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے اور تو منافق ہے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ضرور کروں گا۔ چنانچہ یہ بات آپ تک پہنچی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۱ / ۱۰، مظہری ۲۶۰ / ۴)

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس منافق کو دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے کجاوہ کے پچھلے حصے کو پکڑ کر لٹکا ہوا جا رہا تھا اور اس کی دونوں ٹانگوں پر پتھر لگ رہے تھے۔ اسی حالت میں وہ کہتا جا رہا تھا کہ اِنَّا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ، ہم تو سفر طے کرنے کے لئے ہنسی مذاق کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۔ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ آیت رأس المنافقین عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۱ / ۱۰، مواہب الرحمن ۱۵۶ / ۱۰)

تشریح: منافقین دین سلام اور مومنوں پر طعن و تشنیع کرتے تھے۔ جب آپ نے بلا کر ان سے باز پرس کی کہ تم کیوں دین اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہو تو وہ قسمیں کھا کر کہنے لگے کہ ہم دل سے ایسی باتیں نہیں کرتے بلکہ ہم تو محض دل لگی کے طور پر زبان سے ایسی باتیں کر رہے تھے تاکہ باتوں باتوں میں سفر کٹ جائے۔ دین میں عیب جوئی ہرگز ہمارا مقصد نہ تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ، اس کے احکام اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کرتے ہو۔ تم لوگ بہانے مت بناؤ۔ تمہارے دل تو کفر و نفاق سے لبریز ہیں۔ اب تک تو تم ظاہر میں مسلمان تھے مگر تمہارے اس استہزاء اور تمسخر سے تمہارا ظاہری اسلام بھی جاتا رہا اور تمہارا باطنی کفر ظاہر ہو گیا۔ لہٰذا اب جھوٹے عذر تراشنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اب جرم کی سزا مل کر رہے گی۔ البتہ تم میں سے جو لوگ صدق دل سے توبہ کر لیں گے ان کا قصور معاف کر دیا جائے گا اور جو لوگ اپنے کفر و نفاق اور حسد و عناد سے توبہ نہیں کریں گے اور اس پر بدستور قائم رہیں گے تو ان کو ضرور سزا ملے گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳،۲،۳،۱۷ / ۳)

منافقین کی بد باطنی

۶۷-۶۸ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ط اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط هِيَ حَسْبُهُمْ ج وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں (جو) بری باتوں (کفر) کا حکم کرتے ہیں اور اچھی باتوں (ایمان و اسلام لانے) سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو (خیرات دینے سے) بند رکھتے ہیں۔ وہ اللہ کو بھول بیٹھے۔ سو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا۔ بلاشبہ منافق بڑے ہی نافرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کا وعدہ کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کے لئے یہی (سزا) کافی ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر دی اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

يَقْبِضُوْنَ: وہ بند کرتے ہیں۔ وہ روکتے ہیں۔ وہ بخل کرتے ہیں۔ قَبْضٌ سے مضارع۔

نَسُوا وہ بھول گئے۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ نِسْيَانٌ سے ماضی۔

مُقِيْمٌ: دائمی۔ اٹل۔ ابدی۔

تشریح: منافق مرد اور عورتیں بد باطنی، شرک و نفاق اور ایمان سے دور ہونے میں سب برابر اور ایک جیسے ہیں۔ یہ سب لوگ مسلمانوں کی عداوت و مخالفت پر طبعی طور پر متفق ہیں۔ ان کے احوال مسلمانوں کے بالکل برعکس ہیں، اس لئے یہ مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔ ان آیتوں میں تفصیل کے ساتھ ان کی بد خصلتوں کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ شرک و نافرمانی اور اسلام کی مخالفت کی تلقین کرتے ہیں، ایمان و اسلام اور اتباعِ رسول سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سخت گرمی میں جہاد کے لئے نہ نکلو۔ یہ لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں اور اپنی مٹھی بند رکھتے ہیں اللہ کو اس طرح بھول گئے ہیں گویا کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کا کوئی خالق بھی ہے جو ایک روز ان سے ان کے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو فراموش کر دیا۔ دنیا میں ان کو ایمان کی توفیق اور ہدایتِ اسلام سے محروم کیا اور آخرت میں ان کو اپنی رحمت سے دور کر کے عذاب میں ڈال کر چھوڑ دے گا اور پھر خبر بھی نہ لے گا۔ بلاشبہ یہ لوگ ایمان و اسلام کے دائرہ سے بالکل خارج ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور عورتوں اور علانیہ کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ان کو دنیا میں عذاب دینے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کے کفر و نفاق کی سزا کے لئے دوزخ کا عذاب ہی کافی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

(روح المعانی ۱۳۲، ۱۳۳/ ۱۰، مظہری ۲۶۲/ ۴)

منافقوں کا حال

۶۹۔ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اے منافقو! تمہاری عادت بھی ان لوگوں کی مانند ہے جو تم سے پہلے ہو چکے۔ وہ تم سے زیادہ قوت اور زیادہ مال و اولاد والے تھے۔ وہ اپنے دنیوی حصے سے خوب فائدہ اٹھا گئے۔ سو تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصے سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے والوں نے اپنے حصوں سے فائدہ حاصل کیا۔ اور تم بھی برائی میں ایسے ہی پڑے جیسے وہ لوگ پڑے تھے۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے اعمال (حسنہ) دنیا اور آخرت میں ملیامیٹ ہو گئے اور یہی لوگ خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔

اِسْتَمْتَعُوْا: انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ اِسْتِمْتَاعٌ سے ماضی۔

بِخَلَاقِهِمْ: اپنے حصے سے۔

خُضْتُمْ: تم نے بیہودہ گوئی کی۔ تم گھسے۔ تم نے بحث کی۔ خَوْضٌ سے ماضی۔

حَبِطَتْ: وہ ضائع ہو گئے۔ وہ نابید ہو گئے۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں منافقوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری حرکتیں بھی ویسی ہی ہیں جیسی تم سے پہلے کافروں کی تھیں۔ انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پس پشت ڈالا تھا۔ اس لئے اللہ نے ان پر

لعنت فرمائی۔ تم نے بھی انہی کی طرح سرکشی کی اس لئے اللہ نے تم پر بھی لعنت کی۔

گزشتہ لوگ جسمانی قوت اور مال و اولاد میں تم سے بہت زیادہ تھے، اس لئے دنیاوی اعتبار سے انہوں نے اپنے مال و اولاد سے خوب فائدہ اٹھایا، مگر آخرت کی کچھ پرواہ نہ کی۔ پس ان کے بعد تم نے بھی اپنے سے پہلے والوں کی طرح اس دنیا سے خوب فائدہ حاصل کیا۔ تم بھی لہو و لعب اور بری باتوں میں بالکل انہی کی مانند ہو اور انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔ جیسے انہوں نے رسولوں کے ساتھ استہزاء، سرکشی اور نافرمانی کی، تم بھی ویسے ہی کر رہے ہو۔ لہذا جس طرح ان کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور وہ بڑے نقصان میں رہے، اسی طرح تمہارے اعمال بھی ضائع ہو جائیں گے اور تم بھی دنیا و آخرت دونوں اعتبار سے خسارے میں رہو گے۔

(مظہری ۲۶۳/ ۴، مواہب الرحمن ۱۶۱، ۱۶۳/ ۱۰)

گزشتہ انبیاء کی تکذیب کا انجام

۷۰۔ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

کیا ان لوگوں کو ان کے (عذاب وہلاکت) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں جیسے قوم نوح و قوم عاد و ثمود اور قوم ابراہیم و اصحاب مدین اور الٹی ہوئی بستیوں والے۔ ان کے رسول ان کے پاس معجزے لے کر آئے۔ سو اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ تو خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

نَبَاُ: خبر۔ اطلاع۔ واقعہ۔ اسم ہے۔

اَلْمُؤْتَفِكٰتِ: الٹی ہوئی۔ منقلب۔ اِئْتِفَاكٌ سے اسم فاعل۔

اَتَتْهُمْ: وہ ان کے پاس آئی۔ اِتْيَانٌ سے ماضی۔

تشریح: کیا ان منافقوں کو گزشتہ نافرمانوں کے حال کی خبر نہیں ملی جو عذاب آنے سے پہلے دنیاوی لذتوں میں غرق اور آخرت سے بے فکر تھے۔ انہوں نے ہمارے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور

ہمارے احکام کو پس پشت ڈالا تو ہم نے ان پر عذاب بھیج کر ان کو تباہ کر ڈالا۔ ان منافقوں کو چاہیئے کہ گزشتہ اقوام کے حال سے عبرت پکڑیں مثلاً:

۱۔ قومِ نوح: پانی کے طوفان سے ہلاک کی گئی۔
۲۔ قومِ عاد: آندھی کے طوفان سے ہلاک کی گئی
۳۔ قومِ ثمود: زلزلے سے تباہ ہو گئی۔
۴۔ قومِ ابراہیم: اللہ تعالیٰ نے اس قوم سے اپنی نعمت چھین کر اس کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا اور ایک حقیر مچھر یا چیونٹی سے ان کے بادشاہ نمرود کو ہلاک کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو غارت کر دیا۔
۵۔ اصحابِ مدین: مدین والے یا حضرت شعیبؑ کی قوم۔ ان پر بادل کا عذاب آیا جس سے آگ برسی اور وہ سب ہلاک ہو گئے۔
۶۔ مؤتفکٰت: الٹی ہوئی بستیاں یا قومِ لوط کی بستیاں جن کو الٹ دیا گیا۔ زمین کو زیر و زبر کر دیا گیا اور پھر اوپر سے نوکیلے پتھر برسائے گئے۔

اللہ تعالیٰ جرم کے بغیر کسی کو ہلاک نہیں کرتا بلکہ تمہاری طرح انہوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو جھٹلا کر خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ ان کے پیغمبر بالکل کھلے کھلے اور واضح معجزے لے کر ان کے پاس آئے تھے اور ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا تھا، مگر انہوں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور ان کی نافرمانی کی جس کے نتیجہ میں وہ تباہ و برباد ہوئے۔ تمہیں بھی ڈرنا چاہیئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی طرح تم پر بھی عذابِ الٰہی آجائے۔ (روح المعانی ۱۳۳۔ ۱۳۵ / ۱۰)

مومنوں کے لئے بشارت

۷۱۔۷۲ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ

الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰکِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے (دینی) مددگار ہیں ۔ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ۔ ان لوگوں پر اللہ ضرور رحمت کرے گا ۔ بلاشبہ اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں اور عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور (اللہ نے) نفیس مکانوں کا (بھی وعدہ کر رکھا ہے) جو عدن کے باغوں میں ہوں گے اور اللہ کی رضا سب سے بڑی (نعمت) ہے ۔ یہ (جزا اور اجر) بڑی کامیابی ہے ۔

عَدْنٍ: عدن جنت میں ایک خاص مقام کا نام ہے ۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَیْبِ ۔

(سورہ مریم، آیت ۶۱)

(نیک لوگ رہیں گے) عدن کے باغات میں، جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ کیا ہے ۔

اور بزار و دارِ قطنی نے اور ابن مردویہ نے ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عدن اللہ کا گھر ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال گذرا ۔ اس میں صرف تین طرح کے لوگ رہ سکیں گے، انبیاء، صدیقین اور شہداء ۔

اور عطاء بن سائب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عدن جنت میں ایک نہر کا نام ہے، جس کے دونوں کناروں پر باغات ہیں ۔ ایک قول یہ ہے کہ عدن اصل میں ٹھہرنے اور قرار پکڑنے کو کہتے ہیں اور اس آیت میں ہمیشہ کا قیام مراد

ہے۔ (روح المعانی، ۱۳۶/ ۱۰۔ نسفی، ۳۵۔۳۶/ ۲۔ لسان العرب، ۲۷۹/ ۱۲)

تشریح: ان آیتوں میں مسلمانوں کی نیک صفتوں کا بیان ہے کہ مومن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دست و بازو ہیں۔ وہ اللہ کی اطاعت اور اللہ کے دین کو سربلند کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ بھلائی کا درس دیتے اور بری باتوں سے لمکان بھر روکتے ہیں۔ تمام شرائط کے ساتھ نماز پابندی سے پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ مخلوق کی دلجوئی بھی ہوتی رہے۔ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے تمام احکام پر دل و جان سے عمل کرتے ہیں۔ یہی لوگ جن میں مذکورہ بالا صفات پائی جائیں رحمتِ خداوندی کے مستحق ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی عزت و حکمت والا ہے۔ نہ کوئی اس سے سرتابی کی طاقت رکھتا ہے اور نہ کوئی اس کی حکمت کی تہ کو پہنچ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے مومن مردوں اور عورتوں سے، جن کی صفات ابھی اوپر بیان ہوئی ہیں، ایسے باغوں کا وعدہ کر رکھا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور عدن کے باغوں میں ان کے لئے نہایت عمدہ اور پاکیزہ مکان ہیں۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ نے یہ بھی وعدہ کر رکھا ہے کہ جنت میں ان لوگوں کو اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی ملے گی جو سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر کامیابی حقیر ہے۔
(مظہری ۲۶۴۔۲۶۶/ ۴، ابن کثیر ۳۶۹/ ۲)

ایک حدیث میں ہے کہ مومن، مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو تقویت پہنچاتا اور مضبوط کرتا ہے۔ آپؐ نے یہ فرماتے ہوئے اپنے ہاتھ کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈال کر دکھایا۔ (ابن کثیر ۳۶۹/ ۲)

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کی تمام چیزیں چاندی کی ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہیں اور جنتِ عدن کے اندر اہل جنت اور ان کے رب کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔ صرف (اللہ کی) کبریائی کی چادر ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے چہرے پر پڑی ہوگی۔

طبرانی نے اوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تمہیں کسی اور چیز کی طلب ہے

جو میں عطا کروں۔ جنتی عرض کریں گے کہ اے ہمارے مالک! جو کچھ تو نے ہمیں عطا فرما دیا اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اللہ کی رضامندی ان سب سے بڑھ کر ہے۔
(مظہری ۲۶۶،۲۶۵ / ۴)

کفار و منافقین سے سختی کا حکم

۴۷۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ○

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اُغْلُظْ: تو سختی کر۔ غِلْظَۃٌ سے امر۔

بِئْسَ: برا۔ خراب۔ فعل ذم ہے۔

اَلْمَصِیْرُ: لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ اسم ظرف و مصدر میمی۔

جَاهِدِ: تو جہاد کر۔ تو اللہ کی راہ میں لڑائی کر۔ مُجَاھَدَۃٌ سے امر۔ جہاد کے معنی کسی ناپسندیدہ چیز کے دفع کرنے کے لئے اپنی انتہائی طاقت اور کوشش خرچ کرنے کے ہیں، خواہ یہ کوشش سیف و سِنان سے ہو یا زبان اور حجت و برہان سے یا قلم سے۔ غرض جس وقت جیسی مصلحت ہو جہاد کیا جائے۔ کیونکہ آیت میں لفظ عام ہے۔ (عثمانی ۵٦٧ / ۱)

تشریح: منافقین کے ناشائستہ اعمال و افعال کے ذکر کے بعد اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ منافقوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ نہ کریں جیسا کہ آپ کی عادتِ حمیدہ ہے بلکہ آپ ان کے ساتھ شدت اور سختی سے پیش آئیے۔ ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اور مسلمانوں جیسا معاملہ کرنے کا حکم اس وقت تک تھا جب تک کہ ان کا نفاق پوشیدہ تھا۔ اب چونکہ ان کا نفاق ظاہر ہو گیا ہے، اس لئے یہ بدبخت سختی اور شدت ہی کے مستحق ہیں۔ آخرت میں بھی ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کفار سے جہاد کا جو حکم آیا

ہے اس سے جہاد بالسیف والسنان مراد ہے اور منافقین سے جو جہاد کا حکم آیا ہے اس سے زبان اور برہان کے ذریعے جہاد کرنا مراد ہے۔ منافقین اپنے آپ کو مسلمان بتاتے تھے اور دوسرے لوگ بھی ان کو ظاہر کے اعتبار سے مسلمان ہی سمجھتے تھے۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کے قتل سے اعراض فرمایا اور ان کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ نہیں فرمایا۔ اسی لئے حضرات مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں منافقین کے ساتھ زبان وقلم اور برہان کے ذریعہ جہاد کرنا مراد ہے۔ یہ حکم اس وقت تک ہے جب تک نفاق پوشیدہ رہے۔ جب نفاق ظاہر ہو جائے تو پھر منافقین کے ساتھ بھی جہاد بالسیف ہو گا۔ منافقین چونکہ بظاہر مسلمان تھے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ نرمی برتتے تھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب ان کا نفاق ظاہر اور واضح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم نازل فرمایا۔

(روح المعانی ۱۳۸،۱۳/ ۱۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳،۹،۸ /۳)

منافقین کی احسان فراموشی

۷۴۔ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○

وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے (وہ باتیں) نہیں کہیں حالانکہ وہ کفر کا کلمہ کہہ چکے ہیں اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو چکے اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جس کو وہ پا نہ سکے۔ اور انہوں نے یہ اسی کا بدلہ نکالا کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہو گا اور اگر روگردانی کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر نہ ان کا کوئی حمایتی ہو گا اور نہ مددگار۔

ھَمُّوْا: انہوں نے ارادہ کیا۔ انہوں نے قصد کیا۔ ھَمٌّ سے ماضی۔
یَنَالُوْا: وہ پہنچتے ہیں۔ وہ پاتے ہیں۔ نَیْلٌ سے مضارع۔
نَقَمُوْا: انہوں نے ناپسند کیا۔ انہوں نے بدلہ دیا۔ نَقْمٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: ابن جریر، ابن منذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ دو افراد میں لڑائی ہوئی، جن میں سے ایک قبیلہ جہینہ سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا قبیلہ غفار سے۔ جہینہ والے انصار مدینہ کے حلیف تھے۔ اس لڑائی میں غفاری اپنے مدِمقابل پر غالب آ گیا۔ یہ دیکھ کر عبداللہ بن ابی (منافق) قبیلہ اوس کو کہنے لگا کہ تم اپنے بھائی (جہنی) کی مدد کرو۔ واللہ ہماری اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے کتے کو موٹا تازہ کرے اور کتا اسے کھا جائے اور واللہ جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں سے عزت والے ذلت والوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔ ایک شخص نے اس کی یہ باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیں۔ آپ نے جب اسے بلوایا تو وہ اللہ کی قسمیں کھانے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۳۸ / ۱۰، مواہب الرحمن ۱۷۱،۱۷۲ / ۱۰)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت میں ہے کہ جو منافق پیچھے رہ گئے تھے (اور غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے) اور جن کے بارے میں قرآن کریم بھی نازل ہوا، ان میں سے بعض حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ انہیں میں سے جلاس بن سوید بن صامت بھی تھا۔ حضرت عمیر بن سعد کی والدہ اس کے گھر میں تھیں اور خود عمیر بن سعد بھی اس کی پرورش میں تھے۔ چنانچہ جب قرآن نازل ہوا اور منافقین کا نفاق ظاہر ہوا تو جلاس کہنے لگا کہ واللہ اگر یہ شخص (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے تو ہم تو گدھے سے بھی بدتر ہیں۔ یہ بات عمیرؓ نے بھی سنی اور کہنے لگے۔ خدا کی قسم اے جلاس! تو مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھا اور تیری تکلیف مجھ پر اپنی تکلیف سے بھی زیادہ شاق تھی۔ لیکن تو نے ایسی بات کہہ دی ہے جسے میں اگر ذکر کرتا ہوں تو میری رسوائی ہے اور اگر میں اسے چھپاتا ہوں تو اس میں میری ہلاکت ہے۔ لیکن ان میں سے ایک (یعنی رسوائی) مجھ پر دوسری بات (ہلاکت) سے زیادہ آسان ہے۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلاس کی بات بیان کی۔ جب یہ بات جلاس کو معلوم ہوئی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی اور عمیر نے اس پر جھوٹ بولا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

یہ آیت نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر ۳۷۱/ ۲)

اس آیت کے شان نزول میں منافقین کے اور بھی واقعات ہیں۔ اور اس میں کوئی تضاد اور بعد نہیں کہ اس آیت میں سب ہی واقعات مراد ہوں۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ منافقین اپنی مجلسوں میں مومنوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا کلمات کہتے رہتے ہیں۔ پھر جب مسلمانوں کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچتی ہے تو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی برأت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے ظاہری اسلام کے بعد کھلا کفر کر چکے ہیں اور زبان سے نازیبا کلمات کہہ چکے ہیں اور انہوں نے ایک ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جس کو وہ پورا نہ کر سکے۔

روایتوں میں آیا ہے کہ تبوک سے واپسی میں آپ لشکر سے علیحدہ ہو کر ایک پہاڑی راستہ پر جا رہے تھے۔ حضرت حذیفہ اور حضرت عمار آپ کے ساتھ تھے۔ بارہ منافق ایک گھاٹی میں (چھپ کر) کھڑے ہو گئے تھے تاکہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑی سے گرا دیں (نعوذ باللہ)۔ جبرائیل امین نے آکر آپ کو اطلاع دی اور اللہ کا حکم پہنچایا کہ آپ کسی آدمی کو بھیج دیں تاکہ وہ ان کی اونٹنیوں کے رخ پلٹ دے۔ آپ نے حضرت حذیفہ کو بھیج دیا۔ انہوں نے مار مار کر ان کی اونٹنیوں کے رخ پھیر دیئے۔ منافقین چونکہ اپنے چہرے چھپائے ہوئے تھے اس لئے حضرت حذیفہ ان کو پہچان نہ سکے۔ بعد میں آپؐ نے حضرت حذیفہ کو ان منافقوں کے نام اور پتے بتا دیئے مگر ان کو کسی پر ظاہر کرنے سے منع فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء سے منافقوں کو دولت مند بنا دیا، قرضوں کے بار سے سبکدوش کر دیا اور آپ کی برکت سے ان کی زمینوں میں پیداوار اچھی ہوئی۔ انہوں نے ان احسانات کا بدلہ یہ دیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دغا بازی کرنے لگے، آپؐ کو اور مسلمانوں کو ستانے پر ہمہ وقت کربستہ رہنے لگے۔ اگر یہ لوگ اب بھی کفر و نفاق سے توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہے اور اگر انہوں نے توبہ سے منہ موڑا اور اپنے کفر و نفاق پر جمے رہے تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی ذلت و رسوائی اور قتل کی صورت میں سخت سزا دے گا اور آخرت میں بھی دوزخ کے ناقابلِ برداشت عذاب سے دوچار کرے گا۔ دنیا میں ان کا کوئی یار و مددگار اور طرف دار نہیں جو ان کے کچھ کام آئے اور ان کو قتل و رسوائی سے بچا سکے۔ یہ لوگ یونہی بے یار و مددگار رہیں گے۔ (مظہری ۲۶۸، ۲۶۹/ ۴، مواہب الرحمن ۱۷۲، ۱۷۴/ ۱۰، عثمانی ۵۶۷/ ۱)

منافقین کی عہد شکنی کا انجام

۷۵-۷۸۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ
وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ
وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى
يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ
○ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ
الْغُيُوْبِ ○

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، اگر اللہ اپنے فضل سے ہمیں دے تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور نیک ہو کر رہیں گے۔ پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دے دیا تو وہ اس میں (سے خیرات کرنے میں) بخل کرنے لگے اور روگردانی کرنے لگے۔ اور وہ تو تھے ہی روگردانی کے عادی۔ سو اس وعدہ خلافی کی سزا میں اور ان کے جھوٹ بولنے کی بنا پر، اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا جو اللہ کے پاس جانے کے دن تک رہے گا کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کا بھید اور خفیہ مشورہ جانتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا غیب دان ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ: پس اس نے ان میں اثر رکھ دیا۔ پس اس نے ان میں ڈال دی۔ اِعْقَابٌ سے ماضی۔

نَجْوٰىهُمْ: ان کی سرگوشیاں۔ ان کے خفیہ مشورے۔ اسم بھی ہے مصدر بھی

شانِ نزول: حضرت امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ ثعلبہ بن حاطب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے (کثیر) مال عطا کرے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے ثعلبہ تجھ پر افسوس ہے! کیا تجھے میرا طریقہ پسند نہیں۔ اگر میں چاہتا کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو سونے کا بنا کر میرے ساتھ چلائے تو یہ ضرور چل پڑتے۔ اس نے (پھر) کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ میرے لئے دعا کریں کہ وہ مجھے (کثیر) مال عطا کر دے پس قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مال عطا

کر دیا تو میں ہر حق دار کو اس کا حق ضرور دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ افسوس ہے تجھ پر اے ثعلبہ! وہ قلیل مال بہتر ہے جس کا تو شکر ادا کر سکے اس کثیر مال سے، جس کا شکر ادا کرنے کی تم طاقت نہ رکھ سکو۔ مگر اس نے پھر بھی یہی کہا کہ اے اللہ کے رسول آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں۔ اس پر آپؐ نے اس کے لئے دعاء فرمائی کہ اے اللہ! اس کو مال عطا فرما۔ چنانچہ اس دعاء کے بعد اس نے بکریاں پالیں اور ان میں اتنی برکت ہوئی کہ وہ اس تیزی سے بڑھتی تھیں، جیسے کیڑے بڑھ رہے ہوں۔ یہاں تک کہ اس کے لئے مدینہ میں جگہ تنگ پڑ گئی اور وہ شہر سے باہر جا بسا۔ اب وہ دن کی نمازیں تو آپؐ کے ساتھ پڑھتا تھا مگر رات کی نمازوں میں آپ کے ساتھ شرکت نہیں کرتا تھا۔

پھر جانوروں میں اور اضافہ ہوا اور وہ مزید دور چلا گیا۔ اب وہ آپؐ کے ساتھ نہ تو دن کی نمازوں میں حاضر ہوتا تھا اور نہ رات کی نمازوں میں۔ البتہ جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ پھر (بکریوں میں) مزید اضافہ ہوا اور موجودہ جگہ بھی تنگ ہوئی اور وہ مزید دور چلا گیا۔ اب وہ نہ جمعہ کی نماز میں آپ کے ساتھ حاضر ہوتا تھا اور نہ جنازے کی نماز میں شریک ہوتا تھا۔ مگر وہ سواروں سے مل کر خبریں دریافت کر لیا کرتا تھا۔

آپؐ نے اس کو نہ پاکر صحابہ سے پوچھا تو بتایا گیا کہ اس نے بکریاں خرید لی ہیں اور مدینے میں (اس کی بکریوں کے لئے) جگہ تنگ پڑ گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب! افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب!! پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقات وصول کرنے کا حکم دیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔ (التوبہ آیت ۱۰۳)

آپ ان کے مال میں سے صدقہ لے لیں تاکہ اس سے آپ ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک اور صاف فرمائیں اور ان کے لئے دعاء فرمائیں۔ بے شک آپ کی دعاء ان کے لئے (باعث) تسکین ہے۔

چنانچہ آپؐ نے صدقات کی وصولی کے لئے دو اشخاص کو روانہ فرمایا۔ ان میں سے ایک جہینہ کا تھا اور دوسرا بنی سلمہ کا، اور انہیں ایک خط دیا جس میں آپ نے اونٹوں اور بکریوں کی عمریں لکھوا دیں اور یہ بھی لکھ دیا کہ صدقہ کس طرح وصول کرنا ہے اور ان دونوں کو ثعلبہ اور بنی سلیم کے ایک شخص کے پاس جانے کا حکم دیا۔

پھر وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو کر (پہلے) ثعلبہ کے پاس پہنچے اور اس سے زکوٰۃ طلب کی۔ اس نے کہا کہ کیا تم مجھے اپنا خط دکھاؤ گے۔ پھر وہ خط دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ (کافروں پر عائد ہونے والا ٹیکس) ہے۔ تم (دوسرے شخص سے) فارغ ہو کر میرے پاس آنا۔ پھر وہ دونوں بنی سلیم کے شخص کے پاس چلے گئے۔ جب اس کو ان کی آمد کا مقصد معلوم ہوا تو اس نے بہترین اونٹ نکال کر سامنے دیئے۔ ان دونوں نے کہا کہ تم پر ایسے (بہترین) جانور دینا لازم نہیں۔ اس نے کہا کہ میں اللہ کے تقرب (رضا) کے لئے اپنا بہترین مال دے رہا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے وہ قبول کر لئے۔

وہاں سے فراغت پا کر وہ پھر ثعلبہ کے پاس آئے۔ اس نے پھر کہا کہ تم مجھے خط دکھاؤ۔ خط دیکھ کر کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ تم جاؤ میں ذرا سوچ لوں۔ پھر وہ وہاں سے روانہ ہو کر مدینے آئے جب آپؐ نے ان دونوں کو دیکھا تو آپ نے ان کے بات کرنے سے پہلے ہی فرمایا: افسوس ہے ثعلبہ بن حاطب! اور سلیمی شخص کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ ۔۔۔ تین آیات (روح المعانی ۱۴۳ / ۱۰، مظہری ۲۶۹، ۲۷۰ / ۴)

جب یہ آیات ثعلبہ کے قریبی عزیزوں نے سنیں تو انہوں نے اس کے پاس جا کر اس سے کہا کہ تجھ پر افسوس ہے ثعلبہ، تیرے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ پھر وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی زکوٰۃ پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرا مال قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے۔ یہ سن کر وہ رونے لگا اور اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ تیرے اعمال کی سزا ہے۔ میں نے تو تجھے حکم دیا تھا مگر تو نے میری اطاعت نہیں کی۔ سو آپؐ نے اس کا مال قبول نہیں فرمایا۔ یہاں تک کہ وہ چلا گیا۔ پھر وہ (حضرت) ابو بکرؓ کے (دور میں ان کے) پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری زکوٰۃ قبول کر لیں۔ انصار میں میرا جو مرتبہ ہے وہ آپ جانتے ہی ہیں۔ (حضرت) ابو بکرؓ نے فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری زکوٰۃ قبول نہیں فرمائی تو میں کیسے قبول کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے اس کا مال قبول نہیں فرمایا۔

پھر جب حضرت عمرؓ امیر مقرر ہوئے تو وہ ان کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو حفص! اے امیر المؤمنین! آپ میرا مال قبول فرمالیجئے۔ مگر انہوں نے کہا کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور نہ (حضرت) ابو بکرؓ نے تو میں کون ہوں؟ اس طرح حضرت عمرؓ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر (حضرت) عثمانؓ امیر بنے تو انہوں نے بھی اس کا مال قبول نہیں

کیا اور وہ ان کی خلافت کے دوران ہلاک ہو گیا۔

(روح المعانی ۱۴۳، ۱۴۴ / ۱۰، مظہری ۲۷۰، ۲۷۱ / ۴)

حسن بصریؒ اور مجاہدؒ کہتے ہیں کہ اس آیت کا نزول ثعلبہ اور معتب بن قشیر کے بارے میں ہوا۔ یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے خاندان سے تھے۔ قبیلے کے سرداروں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ دونوں ادھر سے گزرے اور ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں (مال) عطا فرمائے تو ہم ضرور صدقہ کریں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرما دیا تو انہوں نے بخل کیا (اور زکوٰۃ بھی نہیں دی)۔

(مظہری ۲۷۱ / ۴، روح المعانی ۱۴۴ / ۱۰)

تشریح: منافقین میں سے کچھ لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و مہربانی سے ہمیں مال عطا فرما دے تو ہم خوب سخاوت کریں گے، اس میں سے فرض و مستحب صدقات بھی دیں گے، لوگوں کی بھلائی کے کام بھی کریں گے اور حقداروں کو ان کا حق بھی دیں گے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و عنایت سے ان کو بہت سا مال دے دیا اور ان کو خوشحال بنا دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے۔ اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے اور اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے روگردانی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انہوں نے فرض زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کے بخل و نافرمانی، عہد شکنی اور جھوٹ کی سزا میں ان کے دلوں میں نفاق پختہ کر دیا، جو قیامت تک قائم رہے گا۔ یعنی اللہ نے قیامت تک ان کو توبہ سے محروم کر دیا۔ قیامت کے روز جب وہ اللہ سے ملیں گے اس وقت بھی وہ منافق ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ ارادوں اور ان کی کانا پھوسی کو جو وہ اسلام کی مخالفت میں کرتے رہتے ہیں خوب جانتا ہے۔ اسے تو پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ لوگ محض زبانی دعوے کرتے ہیں کہ اگر ہم مالدار ہو جائیں تو یوں شکر گزاری کریں گے، یوں خیراتیں کریں گے، یوں نیکیاں کریں گے۔ بلاشبہ وہ عالم الغیب ہے وہ ہر حاضر و غائب اور ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۳ / ۳، مواہب الرحمٰن ۱۷۵، ۱۷۸ / ۱۰)

صدقات پر منافقوں کی طعنہ زنی

۷۹۔۸۰ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ
وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ط سَخِرَ
اللّٰهُ مِنْهُمْ ز وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ
اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ط اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَهُمْ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ط وَاللّٰهُ
لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

(یہ منافقین ایسے ہیں) جو ان مسلمانوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور (خصوصیت کے ساتھ) ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں جن کو محنت و مزدوری کے سوا کچھ میسر نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ہنسے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آپ ان (منافقین) کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں۔ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی بخشش طلب کریں گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور اللہ ایسی نافرمان قوم کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

یَلْمِزُوْنَ: وہ طعنہ دیتے ہیں۔ وہ عیب نکالتے ہیں۔ لَمْزٌ سے مضارع۔

اَلْمُطَّوِّعِيْنَ: نفلی صدقات دینے والے۔ خیرات کرنے والے۔ تَطَوُّعٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: بغویؒ نے اپنی معجم میں اور ابو الشیخؒ نے حسنؒ سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے لوگو! صدقہ دو۔ اے لوگو! صدقہ دو۔ میں قیامت کے روز تمہارے لئے اس کی گواہی دوں گا۔ آگاہ رہو! شاید تم میں سے کوئی شخص بہت مالدار ہو اور اس کا پڑوسی مسکین ہو، کسی چیز کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ آگاہ رہو! ایک آدمی اپنی اونٹنی کے دودھ کا ایک بڑا پیالہ صبح کو (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے اور ایک پیالہ شام کو (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے اور صبح کے وقت اپنے گھر والوں کو ایک پیالہ دیتا ہے اور ایک پیالہ شام کے وقت ان کو دیتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! البتہ ان کا اجر بہت بڑا ہے۔

پس ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس چار اونٹ ہیں ۔ پھر ایک دوسرا شخص کھڑا ہو جو چھوٹے قد کا اور بدشکل تھا اور اس نے اپنی خوبصورت اونٹنی آگے بڑھ کر پیش کی ۔ پھر منافقین میں سے ایک شخص نے آہستہ سے کہا اور اس کا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات نہیں سنی کہ اس سے تو اس کی اونٹنی اچھی ہے ۔ پس آپ نے اس کی بات سن لی اور فرمایا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، وہ تجھ سے بھی بہتر ہے اور اس اونٹنی سے بھی ۔

پھر عبد الرحمٰنؓ بن عوف کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آٹھ ہزار (درہم یا دینار دونوں روایتیں آئی ہیں) ہیں جن میں سے چار ہزار میں اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ آیا ہوں اور چار ہزار اللہ تعالیٰ کے لئے پیش کرتا ہوں ۔ انہوں نے جو کچھ پیش کیا منافقین نے اسے کثیر خیال کیا ۔ پھر عاصمؓ بن عدی انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس کھجور کے ستر وسق (ایک پیمانہ جو تقریباً پانچ من پانچ سیر کا ہوتا ہے) ہیں (میں وہ پیش کرتا ہوں) ۔ منافقوں نے اسے بھی کثیر کہا اور کہا کہ اس نے چار ہزار ریاکاری کے لئے دیئے ہیں اور اس نے بھی ستر وسق ریاکاری اور شہرت کے لئے دیئے ہیں ۔ پس ان دونوں نے خفیہ طور پر کیوں نہیں دیا؟ انہوں نے الگ الگ کیوں نہیں دیا؟

پھر ایک انصاری صحابیؓ کھڑے ہوئے جن کا نام حبحاب اور کنیت ابو عقیل تھی ۔ ابن کثیر نے ان کا نام حباب لکھا ہے ۔ ان کے نام میں کافی اختلاف ہے ۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کچھ مال نہیں سوائے اس کے کہ گزشتہ شب میں نے فلاں قبیلے میں دو صاع کھجور کے بدلے مزدوری کی تھی (صاع ایک پیمانہ ہے جو ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے) اور اپنی گردن پر بوجھ اٹھایا تھا ۔ پس میں نے اس میں سے ایک صاع اپنے گھر والوں کے لئے چھوڑ دیا اور ایک صاع لے آیا ہوں اور اس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہوں ۔ منافقین نے اس کا بھی مذاق اڑایا اور کہا کہ اونٹوں والے اونٹ لائے اور چاندی والے چاندی لے کر آئے اور یہ چند کھجوریں اٹھا کر لایا ہے ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ۔

(روح المعانی ۱۴۶ / ۱۰، ابن کثیر ۳۷۵ / ۲)

تشریح: یہ منافق نہایت بدخصلت ہیں ۔ ہر شخص میں عیب نکالتے ہیں خواہ کوئی سخی ہو یا بخیل ۔ اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں ایک بڑی رقم صدقہ کرتا ہے تو یہ اس کو ریاکار کہتے ہیں اور اگر

کوئی غریب و مسکین آدمی مالی وسعت نہ ہونے کی بنا پر تھوڑی سی چیز صدقہ کرتا ہے تو یہ لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو کنجوس ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس کے صدقے کی کیا ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ و خیرات کی ترغیب دی تو بعض صحابہ نے تو بہت سامال پیش کیا۔ ان لوگوں کے بارے میں منافقوں نے کہا کہ یہ تو دکھاوے اور شہرت کے لئے لائے ہیں۔ بعض لوگ غریب و نادار تھے، محنت و مزدوری کرتے تھے، اس لئے وہ بہت کم مال لے کر حاضر ہوئے۔ ایک صحابی صرف ایک صاع (ساڑھے تین سیر) کھجور لے کر حاضر ہوئے، اس پر منافقین نے ان پر طعنہ زنی کی اور کہا کہ اللہ اور رسول کو ایک صاع کی کیا ضرورت ہے۔ جس طرح یہ منافقین یہاں غریب مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں اسی طرح قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان منافقوں کا مذاق اڑائے گا اور ان کو دردناک عذاب سے دوچار کرے گا۔

لہٰذا ان تمسخر کرنے والے منافقوں کے حق میں آپ دعائے مغفرت نہ کریں، کیونکہ اگر آپ ان کے حق میں ستر دفعہ بھی مغفرت طلب کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا، اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور مومنوں کا تمسخر اڑایا۔ اللہ تعالیٰ ایسے بدکاروں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔

(ابن کثیر ۳۷۵، ۳۷۶/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۴ / ۳)

متخلفین منافقین کا دردناک انجام

۸۱-۸۲۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

رسول اللہ کے (غزوۂ تبوک کے لئے) جانے کے بعد پیچھے رہ جانے والے اپنے (بہانہ کرکے) بیٹھے رہنے پر خوش ہوگئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان

سے جہاد کرنا ان کو ناگوار ہوا اور (دوسروں کو بھی) کہنے لگے کہ تم گرمی میں مت نکلو۔ آپ کہہ دیجئے کہ دوزخ کی آگ تو (اس سے) بہت زیادہ گرم ہے۔ کاش وہ (اس بات کو) سمجھتے۔ سو وہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور ان کاموں کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے (آخرت میں) بہت رونا ہو گا۔

فَلْيَضْحَكُوْا: پس ان کو ہنسنا چاہئے۔ ضَحِکٌ سے امر غائب۔

لِيَبْكُوْا: ان کو چاہئے کہ وہ روئیں۔ بُکَاءٌ سے امر غائب۔

جَزَاءٌ: جزا دینا۔ بدلہ دینا۔ سزا دینا۔ مصدر ہے۔

تشریح: غزوۂ تبوک کے موقع پر، کچھ لوگ سخت گرم موسم کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ انہوں نے جھوٹے عذر بنا کر آپؐ سے رخصت لے لی تھی۔ پھر وہ اپنے گھروں میں ہی بیٹھے رہنے پر خوش تھے۔ وہ اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے سے نہ صرف یہ کہ خود پہلو تہی کر رہے تھے بلکہ وہ دوسروں کو بھی موسم کی شدت اور سفر کی طوالت کا خوف دلا کر جہاد سے روک رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ تم اپنی بدکرداری اور بدباطنی سے جہنم کی جس آگ کے مستحق ہو رہے ہو وہ موسم کی شدت و حرارت سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ اگر یہ لوگ اس بات کو سمجھ لیتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور نافرمانی کے نتیجہ میں دوزخ کی جس آگ میں جلنا پڑے گا وہ موسم کی گرمی اور دنیا کی آگ سے بہت زیادہ گرم ہو گی تو وہ دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے خوشی خوشی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلتے اور اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں فدا کرتے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری یہ آگ دوزخ کے ستر اجزا میں سے ایک جزو ہے۔ پھر بھی یہ سمندر کے پانی میں دو دفعہ بجھائی ہوئی ہے ورنہ تم اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکتے۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اہل دوزخ میں سب سے کم عذاب والا وہ ہو گا جس کے دونوں پاؤں میں تسمے سمیت آگ کی دو جوتیاں ہوں گی، جس سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح کھول رہا ہو گا اور وہ سمجھ رہا ہو گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اسی کو ہو رہا ہے، حالانکہ حقیقت میں سب سے ہلکا عذاب اسی کا

ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ دنیاوی زندگی تو بہت تھوڑی سی ہے، لہٰذا اس میں یہ لوگ جتنا چاہیں ہنس لیں، پھر آخرت کی زندگی میں تو ان کے لئے رونا ہی رونا ہے جو کبھی ختم نہ ہو گا۔ یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا ہے۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو دنیا میں کم ہنسنا چاہئے، کیونکہ زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے اور دنیا میں اللہ کے خوف سے زیادہ رونا چاہئے تاکہ گناہوں کی تلافی ہو جائے۔ کیونکہ رونے سے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مومن بندہ اللہ کے خوف سے اپنی آنکھوں سے آنسو نکالتا ہے خواہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر آنسو نکلنے سے اس کو دکھ پہنچتا ہے تو اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔

(ابن کثیر ۳۷۷ / ۲، مظہری ۲۷۵ / ۴)

منافقوں کو جہاد میں لے جانے کی ممانعت

۸۳۔ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ○

سو (اے رسول) اگر اللہ تعالیٰ آپ کو ان (منافقین) کے کسی گروہ کی طرف پھر لے جائے اور یہ لوگ (کسی جہاد میں) چلنے کی اجازت مانگیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلو گے اور نہ میرے ساتھ مل کر کبھی کسی دشمن سے لڑو گے تم نے تو پہلے بھی بیٹھے رہنے کو ہی پسند کیا تھا۔ سو تم اب بھی پیچھے رہ جانے والوں ہی کے ساتھ بیٹھے رہو۔

تشریح: اس آیت میں منافقوں کو آئندہ کسی جہاد میں لے جانے کی ممانعت فرما دی گئی۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ ؐ کو اس غزوہ سے امن و سلامتی اور خیر و عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ واپس پہنچا دے اور اس کے بعد کوئی دوسرا امر پیش آجائے اور ان منافقوں میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آکر اس دوسرے غزوے میں جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان کو سزا دینے کے لئے صاف صاف بتا دیجئے کہ تم لوگ نہ تو میرے ساتھ جہاد کے لئے نکل سکتے ہو اور نہ میرے ساتھ رہ کر دشمنوں سے لڑ سکتے ہو۔ جب تم پہلی دفعہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش رہے تو اب بھی بلاعذر پیچھے رہنے والوں کے ساتھ عورتوں کی طرح گھر میں ہی بیٹھے رہو۔ اب تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں۔

منافقوں کی نمازِ جنازہ کی ممانعت

۸۴-۸۵ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ○ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○

اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھئے اور نہ اس کی قبر پر (جاکر) کھڑے ہونا۔ (کیونکہ) بیشک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ نافرمانی کرتے کرتے مر گئے اور ان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہی چاہتا ہے کہ (ان چیزوں سے) ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کا دم بھی کفر کی حالت میں نکلے۔

تُصَلِّ: تو نماز پڑھ۔ تو دعا کر۔ تَصْلِیَۃٌ سے مضارع۔

تَقُمْ: تو کھڑا ہو۔ قِیَامٌ سے مضارع۔

تَزْهَقَ: وہ نکل جائے۔ وہ مٹ جائے۔ زُھُوْقٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہو کر اپنے باپ کے کفن کے لئے ایک کرتہ عطا فرمانے کی درخواست کی۔ آپ نے اس کو عطا فرمادیا۔ پھر انھوں نے (اپنے باپ کی) نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوگئے۔ پھر حضرت عمرؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ نے تو آپ کو اس کی نماز پڑھانے سے منع فرمادیا ہے۔ آپ نے فرمایا، اللہ نے مجھے اختیار دے دیا ہے۔ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً.....

اور میں ستر دفعہ سے زیادہ اس کے لئے دعاء مغفرت کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ تو منافق تھا مگر آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھادی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۵۳، ۱۵۴/ ۱۰، مظہری ۲۷۶/ ۴)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں سے بالکل بے تعلق ہو جانے کا حکم دیا ہے۔ چونکہ یہ لوگ کفر و فسق اور نافرمانی و سرکشی کی حالت پر زندہ رہے اور اسی حالت میں مرے، اس لئے ان کا معاملہ مسلمانوں جیسا نہیں۔ گو ظاہری اعتبار سے وہ مسلمان تھے۔ ان کی قبریں اللہ کے غضب اور قہر کا محل ہیں۔ اس لئے مومن کے لئے جائز نہیں کہ وہ ایسی جگہ جہاں اللہ کا قہر نازل ہو رہا ہو وہاں ایک منٹ کے لئے بھی کھڑا ہو۔ لہذا نہ تو ایسے بدبختوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ ان کی قبروں پر جا کر ان کے لئے مغفرت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد منافق کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہو گیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

ان منافقوں کا مال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے کہ مغضوب خدا ہونے کے باوجود ان کو یہ نعمتیں کیسے عطا ہوئیں۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو مال و اولاد میں جو ترقی دے رکھی ہے وہ اس لئے نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مقبول و منتخب بندے ہیں بلکہ یہ تو ان کے لئے محض ایک ڈھیل اور مہلت ہے جو حقیقت میں وبال ہے۔ یہ لوگ دولت جمع کرنے اور اولاد کی دیکھ بھال کے لئے طرح طرح کی فریب کاریاں کرتے ہیں، دکھ اٹھاتے ہیں اور سختیاں جھیلتے ہیں۔ اس لئے اس مال کو خرچ کرنا انہیں ناگوار ہوتا ہے۔ اور جس کے پاس مال نہیں وہ حسرت و افسوس کرتا ہے۔ غرض مال و اولاد کا ہونا یا نہ ہونا دونوں صورتوں میں ان پر عذاب ہی عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و محبوب ہونے کا ذریعہ صرف اس کی کامل اطاعت ہے

نہ کہ مال و دولت۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۸۷، ۲۸۹ / ۳، مواہب الرحمن ۱۸۵، ۱۸۶ / ۱۰)

جہاد سے جی چرانے والے

۸۶-۸۹ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ؗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ (کافروں سے) جہاد کرو تو ان میں سے مقدور والے آپ سے (جہاد میں شرکت سے) رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجئے تاکہ ہم بھی یہاں بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں۔ وہ لوگ خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور ان کے دلوں پر مہر کردی گئی سو وہ سمجھتے ہی نہیں۔ لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے، انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا اور انہی کے لئے سب بھلائیاں ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

الطَّوْلِ: مال۔ دولت۔ مہر۔ وسعت

ذَرْنَا: تو ہم کو چھوڑ دے۔ وَذْرٌ سے امر۔

الْخَوَالِفِ: پیچھے رہنے والیاں۔ واحد خَالِفَۃٌ

طُبِعَ: مہر کر دی گئی ۔ بندش کر دی گئی ۔ طَبْعٌ سے ماضی مجہول ۔

اَعَدَّ: اس نے تیار کیا ۔ اِعْدَادٌ سے ماضی ۔

تشریح: ان آیتوں میں بھی ان منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے جو غزوۂ تبوک میں شریک ہونے سے حیلے بہانے کر کے رک گئے تھے ۔ جو لوگ طاقت وقوت اور وسعت ہونے کے باوجود جہاد کے لئے نکلنے سے جی چراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم سننے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ہمیں تو گھر میں بیٹھے رہنے والوں ہی کے ساتھ چھوڑ دیجئے ۔ یہ لوگ راحت پسندی کی بنا پر گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر خوش ہیں ۔ اگر یہ لوگ اطاعت گزار ہوتے اور جہاد کی برکات وسعادت کو سمجھتے تو جہاد کے لئے ضرور نکلتے ۔ یہی ان کے لئے بہتر تھا ۔ مگر ان کے دلوں پر تو بد اعمالیوں کی مہر لگ چکی ہے ۔ اب ان میں اپنے نفع ونقصان کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی ۔ ان کے گھروں میں بیٹھے رہنے اور جہاد کے لئے نہ نکلنے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوا، اس لئے کہ ان سے بہتر اور افضل لوگوں نے اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا ۔ انہی لوگوں کے لئے دونوں جہان میں ہر قسم کی خیر وخوبی اور بھلائی ہے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔ انہی کے لئے ایسے باغات تیار کئے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ یہی بڑی کامیابی ہے ۔ (ابن کثیر ۲/۳۸۰)

منافقین کا عذرِ کاذب

۹۰۔ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اور صحرانشینوں میں سے بھی کچھ بہانہ کرنے والے آئے تاکہ ان کو بھی (گھر میں رہنے کی) اجازت مل جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ تو بالکل ہی بیٹھے رہے (آئے تک نہیں) سو ان میں سے کافروں کو دردناک عذاب ہوگا ۔

تشریح: غزوۂ تبوک کے وقت کچھ لوگ دیہاتوں سے آئے جنہوں نے قلتِ مال اور کثرتِ عیال کا عذر پیش کیا، تاکہ ان کو جہاد سے پیچھے رہنے کی اجازت مل جائے۔ یہ قبیلہ بنو غفار کے لوگ تھے۔ ان دیہاتیوں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو اپنے گھروں پر ہی بیٹھے رہے۔ انہوں نے آپؐ کے پاس آکر اپنے نہ جانے کا عذر بھی پیش نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اسلام کا جھوٹا دعویٰ کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھوٹ بولا تھا۔ ان میں سے جو لوگ آخر تک اپنے کفر پر قائم رہے ان کو آخرت میں دردناک عذاب ہوگا اور جو لوگ توبہ کرلیں گے وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ (روح المعانی ۱۵۷/ ۱۰)

مومنین کا عذرِ صادق

۹۱-۹۳۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ
لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ
مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ وَّلَا
عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ
اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا
اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ
وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ضعیفوں اور مریضوں پر کوئی الزام نہیں اور نہ ان پر (کوئی الزام ہے) جن کو سفر خرچ میسر نہیں۔ بشرطیکہ وہ گھر بیٹھ کر اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کرتے ہوں۔ ان نیکو کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور نہ ان پر کچھ الزام ہے جو آپ کے پاس سواری لینے کے لئے آئے تھے اور آپ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ میرے پاس تمہیں سوار کرانے کے لئے کچھ نہیں تو وہ آنکھوں سے اس غم میں آنسو بہاتے ہوئے واپس لوٹ گئے کہ ان کو سفر خرچ میسر نہیں۔ الزام تو صرف ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہونے کے باوجود آپ

سے رخصت مانگتے ہیں۔ وہ لوگ تو خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی سو وہ جانتے ہی نہیں۔

لِتَحْمِلَهُمْ: تاکہ تو ان کو سوار کردے۔ حَمْلٌ سے مضارع۔

اَجِدُ: میں پاتا ہوں۔ وِجْدَانٌ سے مضارع۔

تَفِيْضُ: وہ بہتی ہے۔ وہ جاری ہوتی ہے۔ فَيْضٌ سے مضارع۔

الدَّمْعِ: آنسو۔ جمع دُمُوْعٌ۔

حَزَنًا: رنج دینے والا۔ غم دینے والا۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتمؒ اور دار قطنیؒ نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابتؓ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتب تھا اور سورۂ برأت لکھ رہا تھا۔ پس (اس وقت) میں نے قلم کو اپنے کان پر رکھا ہوا تھا جب ہمارے لئے قتال کا حکم نازل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے منتظر تھے کہ آگے کیا حکم نازل ہوتا ہے کہ اتنے میں ایک نابینا شخص آپ کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نابینا ہوں۔ میرے بارے میں کیا حکم ہے۔ اس وقت یہ آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ..... نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۵۸/ ۱۰، مظہری ۲۷۹/ ۴)

بغویؒ نے لکھا ہے کہ قتادہؒ نے کہا کہ اس آیت کا نزول حضرت عابد بن عمروؓ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں ہوا تھا۔ ضحاکؒ نے کہا کہ یہ آیت حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ کے بارے میں نازل ہوئی جو نابینا تھے۔ (مظہری ۲۷۹/ ۴)

تشریح: ان آیتوں میں شرعی عذروں کا بیان ہے۔ اگر کوئی شخص ان عذروں کے ہوتے ہوئے جہاد میں نہ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اس آیت کی رو سے جو لوگ کسی شرعی عذر کی بنا پر جہاد میں شرکت سے مستثنیٰ ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ کمزور و ناتواں لوگ۔ یعنی بوڑھے بچے، عورتیں اور نحیف و کمزور لوگ جو جہاد کی مشقت کو برداشت نہیں کرسکتے۔

۲۔ بیمار، معذور۔ اس میں اندھے، لنگڑے اور لولے بھی داخل ہیں۔

۳۔ غریب و نادار۔ جن کے پاس سواری اور ہتھیار نہ ہوں اور نہ ان کے پاس اتنے پیسے ہوں کہ وہ ان سے سامان جہاد مہیا کرسکیں۔

ایسے لوگوں پر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ وہ دل و جان سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی کرتے رہیں، مجاہدین کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے رہیں اور دوسرے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے رہیں۔ ان لوگوں کو جہاد سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالیٰ معاف فرما دے گا۔ الزام و ملامت تو صرف ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں اور زادِ راہ اور سواری ہونے کے باوجود آپ سے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے ہیں۔ یہ لوگ تو گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے پر ہی خوش ہیں۔ اگر یہ لوگ جہاد کی برکات کو سمجھتے تو ضرور اس کے لئے نکلتے، مگر اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اب ان میں اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔

ابن جریرؒ اور ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے نیز ابن جریرؒ نے محمد بن کعب قرظیؒ کی روایت سے اور ابن اسحاقؒ اور ابن المنذرؒ نے زہری بن یزید رومانؒ، عبداللہ بن ابی بکرؒ اور قتادہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ صحابہ کی ایک جماعت (غزوۂ تبوک کے موقع پر) سواریاں طلب کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی یہ سب تنگ دست اور محتاج تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی سے رہ جانا بھی نہیں چاہتے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سواریاں نہیں ہیں کہ سوار ہونے کے لئے تمہیں دے سکوں۔ یہ لوگ روتے ہوئے اس رنج کے ساتھ واپس چلے گئے کہ ان کے پاس خرچ کے لئے کچھ بھی نہیں ہے (اور رسول اللہ کے پاس بھی کوئی زائد سواری نہیں ہے)۔ مظہری ۲۸۰ / ۴۔

منافقین کا عذر قبول کرنے کی ممانعت

۹۴-۹۶ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ز وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ يَحْلِفُوْنَ

لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝

جب تم (جہاد سے لوٹ کر) ان کے پاس جاؤ گے تو یہ لوگ تم سب کے سامنے عذر پیش کریں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم عذر پیش نہ کرو۔ ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سب حالات ہمیں بتا چکا ہے اور ابھی تو اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا۔ پھر تم اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر سب کا جاننے والا ہے۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ جب تم ان کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ سو تم ان سے منہ پھیر لینا کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (یہ) ان کاموں کا بدلہ ہے جو وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔ تمہیں راضی کرنے کے لئے وہ قسمیں کھائیں گے۔ پھر اگر تم ان سے خوش ہو بھی جاؤ تو اللہ تعالیٰ تو نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

تُرَدُّوْنَ: تم لوٹائے جاؤ گے۔ تمہیں پھیرا جائے گا۔ رَدٌّ سے مضارع مجہول۔

اِنْقَلَبْتُمْ: تم لوٹ گئے۔ تم پھر گئے۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی۔

لِتُعْرِضُوْا: تاکہ تم اعراض کرو۔ تاکہ تم ان سے درگزر کرو۔ اِعْرَاضٌ سے مضارع۔

رِجْسٌ: ناپاک۔ گندہ۔ عذاب۔ جمع اَرْجَاسٌ

مَاْوٰهُمْ: ان کے رہنے کی جگہ۔ ان کا ٹھکانا۔ اُوِیٌّ سے اسم ظرف۔

تشریح: یہ آیتیں غزوۂ تبوک سے واپس آنے سے پہلے نازل ہوئیں۔ ان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ آپ کی واپسی کے بعد آپ کے پاس آکر غزوۂ تبوک میں اپنے شریک نہ ہونے کے بارے میں عذر پیش کریں گے اور قسمیں کھا کر آپ کو یقین دلائیں گے۔ مگر آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ اب کسی قسم کے عذر کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری باطنی حالت سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ لہٰذا اب ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے اور نہ تمہارا کوئی عذر قبول کریں گے۔

اگر تم اپنے سچا ہونے پر اصرار کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول آئندہ تمہارے طرز

عمل کو دیکھیں گے کہ آیا تم اپنے نفاق سے توبہ کر کے سچے مومن بنتے ہو یا اپنے نفاق پر قائم رہتے ہو اور اسی کے مطابق تمہارے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔ پھر قیامت کے روز تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو تمہارے اعمال اور تمام پوشیدہ خیالوں سے واقف ہے۔ پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال سے آگاہ کرے گا اور تمہارا نفاق ظاہر کر دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب آپ غزوہ سے لوٹ کر ان کے پاس جائیں گے تو وہ آپ کے پاس آکر قسمیں کھائیں گے اور اپنے عذر بیان کریں گے تاکہ آپ ان سے اعراض کر لیں اور ان پر غصہ نہ کریں۔ سو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ بلاشبہ وہ نہایت پلید اور گندے ہیں۔ ان کے راہِ راست پر آنے کی امید نہیں اس لئے ان کے کفر و نفاق کی سزا میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے سو ایسے لوگوں سے میل جول کی ضرورت نہیں۔

یہ لوگ تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان کی باتوں پر یقین کر کے ان سے راضی ہو جاؤ اور ان کے ساتھ پہلے جیسا سلوک کرنے لگو۔ اگر بالفرض تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تب بھی اللہ تعالیٰ ان بدکاروں سے راضی نہ ہو گا کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ نہیں دے سکتے اور نہ اس سے اپنی حالت چھپا سکتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی ناراضگی کے ہوتے ہوئے تمہاری رضا مندی ان کو کچھ فائدہ نہ دے گی۔ ان پر دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ضرور آئے گا۔

(معارف القرآن ۴۴۴، ۴۴۵ / ۴، مواہب الرحمٰن ۱، ۳ / ۱۱)

دیہات کے منافقین کی مذمت

۹۷۔۹۸ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ
مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَمِنَ
الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ
عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

دیہات کے لوگ کفر و نفاق میں بہت سخت ہیں اور ان کو ایسا ہونا ہی چاہئے کہ وہ ان احکام کو نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اور اللہ تعالیٰ خبردار (اور) حکمت والا ہے۔ اور دیہات کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو

کچھ وہ خرچ کرتے ہیں تو اس کو تاوان سمجھتے ہیں۔ اور تمہارے لئے زمانے کی گردشوں کے منتظر رہتے ہیں۔ اور برا وقت انہی (منافقین) پر پڑنے والا ہے اور اللہ خوب سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

اَعْرَابٌ: یہ لفظ عرب کی جمع نہیں بلکہ یہ اسم جمع ہے جو دیہات کے باشندوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کا مفرد اَعْرَابِیٌّ ہے۔

اَجْدَرُ: زیادہ اہل۔ زیادہ لائق۔ جَدَارَۃٌ سے اسم تفضیل۔

مَغْرَمًا: جرمانہ۔ تاوان۔ غرم سے مصدر میمی۔ جمع مَغَارِمُ۔

یَتَرَبَّصُ: وہ راہ دیکھتا ہے۔ وہ انتظار کرتا ہے۔ تَرَبُّصٌ سے مضارع۔

الدَّوَآئِرَ: گردشیں۔ مصائب۔ دائرے۔ واحد دَائِرَۃٌ۔

السَّوْءِ: برا ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: مدینہ کے مضافات و دیہات کے رہنے والوں میں منافقین بھی تھے اور مومنین بھی ان آیتوں میں دیہات کے منافقین کا ذکر ہے کہ ان کا کفر و نفاق دوسروں کے مقابلے میں بہت زیادہ اور شدید ہوتا ہے۔ وہ لوگ علم سے بھی دور ہوتے ہیں اور علماء کرام کی صحبت بھی ان کو میسر نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے دل سخت ہوتے ہیں اور وہ اللہ کی نازل کردہ حدود اور احکام سے بے خبر رہتے ہیں۔

اگر یہ لوگ اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرتے ہیں تو اس کو تاوان اور نقصان سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں۔ یہ لوگ محض اپنے کفر و نفاق کو چھپانے کے لئے نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں۔ مگر دل میں کڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ مال ضائع ہو گیا۔ اس لئے یہ لوگ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ کسی طرح مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے یا وہ کسی حادثے سے دوچار ہو جائیں اور دشمن ان پر غلبہ پالے تاکہ وہ اس تاوان سے نجات حاصل کر لیں۔ لیکن یہ حوادث و مصائب گھوم پھر کر انہی پر نازل ہوں گے اور یہ اپنے افعال و اقوال کی بنا پر اور زیادہ ذلیل و رسوا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی پکار کو سننے والا ہے۔ وہ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ ذلت و نامرادی کا مستحق کون ہے اور نصرت و کامیابی کا سزاوار کون۔

(معارف القرآن ۴۴۲ / ۴، ابن کثیر ۳۸۳ / ۲)

بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت بنی اسد، بنی غطفان اور بنی تمیم کے صحرا نشینوں کے حق میں

نازل ہوئی۔ ابو الشیخؒ نے کلبیؒ کا یہی بیان نقل کیا ہے، مگر اس میں بنی تمیم کا ذکر نہیں۔
(مظہری ۲۸۴/ ۴)

رحمتِ خداوندی کی بشارت

۹۹۔ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور دیہات کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے خرچ کرنے کو اللہ کا قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعاء کا وسیلہ شمار کرتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! ان کا یہ خرچ کرنا ان کے لئے موجبِ تقرب ہے۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

تشریح: دیہات کے تمام باشندے ایک جیسے نہیں ہوتے ان میں مخلص مسلمان اور کچھ دار لوگ بھی ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور زکوٰۃ و صدقات اس امید پر دیتے ہیں کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں حاصل کریں۔ ان لوگوں کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یقیناً قربِ خداوندی کا سبب ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

یہ آیت قبائل مزینہ، اسلم، غفار اور جہینہ کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے اور ثواب کی نیت سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۹۸/ ۳)

سبقت والے مہاجرین و انصار

۱۰۰۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ

اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ○

اور جو مہاجرین اور انصار (ایمان لانے میں سب سے) مقدم ہیں اور (باقی امت میں سے) جو لوگ نیکی میں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو گیا اور وہ اس (اللہ) سے راضی ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ میں اکثر مفسرین نے حرف "من" کو تبعیض کے لئے قرار دیا ہے۔ جس سے صحابہ کرام کے دو طبقے ہو گئے ؛ ایک سابقین اولین کا طبقہ جو پہلے درجے میں ہیں اور دوسرا باقی صحابہ کرام کا جو دوسرے درجے میں ہیں سابقین اولین کے بارے میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ سعید بن مسیب، قتادہ اور ابن سیرین وغیرہ کے نزدیک مہاجرین میں سے سابقین اولین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ یعنی جو لوگ تحویل قبلہ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ وہ سابقین اولین ہیں ان کے علاوہ باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

عطا بن ابی رباحؒ کے نزدیک سابقین اولین سے وہ صحابہ مراد ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔ ان کے بعد باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

علامہ شعبیؒ فرماتے ہیں کہ جو صحابہ واقعہ حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے وہ سابقین اولین ہیں۔ باقی لوگ دوسرے درجے میں ہیں۔

بعض کے نزدیک صرف وہ آٹھ صحابی مراد ہیں جو سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یعنی حضرت ابو بکر، حضرت زید بن حارثہ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر بن عوام، حضرت علی، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم

اسحاق بن ابراہیم حنظلیؒ نے ان مختلف اقوال میں اس طرح تطبیق کی ہے کہ مردوں میں سابق الاسلام حضرت ابو بکرؓ تھے، عورتوں میں حضرت خدیجہؓ، لڑکوں میں حضرت علیؓ اور (آزاد کردہ)

غلاموں میں حضرت زید بن حارثہؓ ۔ مذکورہ بالا تمام اقوال مہاجرین صحابہ کے بارے میں ہیں ۔ جہاں تک سابقین انصار کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے لیلتہ العقبہ (گھاٹی والی رات) میں آپؐ سے بیعت کی، یہ چھ یا سات آدمی تھے ۔

(معارف القرآن ۴۴۹ / ۴، مظہری ۲۸۵، ۲۸۶ / ۴)

تفسیر مظہری میں ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت میں حرف " من " تبعیض کے لئے نہیں بلکہ بیان کے لئے ہے ۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ تمام صحابہ کرام باقی امت کے مقابلے میں سابقین اولین ہیں کیونکہ ان کا ایمان باقی امت سے اول اور سابق ہے ۔ (مظہری ۲۸۷ / ۴)

والذین اتبعوھم باحسان سے وہ لوگ مراد ہیں جو سابقین اولین کے بعد آئے اور ان کے نقش قدم پر چلے، خواہ وہ صحابہ ہوں یا تابعین ہوں یا تبع تابعین یا ان سے بھی بعد کے لوگ یعنی وہ تمام لوگ مراد ہیں جو مہاجرین و انصار کی پیروی کریں، خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں، وہ سب جنت کے مستحق ہیں ۔ وہ اللہ سے خوش اور اللہ ان سے خوش ۔

پس یہ آیت قیامت تک جملہ مسلمانوں کو شامل ہے جو صحابہ کرام کے طریقے پر ہوں اور اپنے تمام اقوال و افعال میں ان کی پوری پوری اتباع کرتے ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے اپنی رضا، مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا ہے ۔ یہی عظیم کامیابی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ نہیں ۔ صحابہ کرام کی اتباع اور پیروی کے بغیر اللہ کی رضا اور جنت نہیں مل سکتی ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۰ / ۳)

کامل منافقین کا ذکر

۱۰۱۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ

اور کچھ تمہارے گرد و پیش والے دیہاتی بھی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں ۔ آپ ان کو نہیں جانتے ۔ ہم ان کو جانتے ہیں ۔ جلد ہم ان کو دہری سزا دیں گے ۔ پھر (آخرت میں) وہ بڑے عذاب کی طرف

لوٹائے جائیں گے۔

مَرَدُوْا: انہوں نے ضد کی۔ انہوں نے سرکشی کی۔ مَرَدٌ سے ماضی۔

مَرَّتَیْنِ: دو مرتبہ۔ دو بار۔ واحد مَرَّۃٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے حال سے مطلع فرمایا کہ مدینے کے اطراف میں رہنے والے قبائل میں سے بعض لوگ منافق ہیں۔ اسی طرح کچھ مدینے کے رہنے والے مسلمان بھی حقیقت میں منافق ہیں۔ یہ لوگ اپنے نفاق میں نہایت پختہ اور کامل ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال فراست سے منافقوں کو ان کے اندازِ گفتگو سے پہچان لیا کرتے تھے۔ مگر یہ منافق ایسے چال باز تھے کہ ان کا نفاق آپؐ پر ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان کے بارے میں مطلع فرمایا۔ پھر فرمایا کہ بہت جلد ہم ان کو دو مرتبہ عذاب دیں گے، ایک مرتبہ دنیا میں ذلیل و رسوا کر کے اور دوسری مرتبہ عذابِ قبر سے دوچار کریں گے۔

ابن ابی حاتمؒ اور طبرانیؒ نے اپنی اوسط میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ذکر کی ہے کہ ایک روز جمعہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے فلاں! کھڑے ہو اور نکل جاؤ، اس لئے کہ تم بلاشبہ منافق ہو۔ اے فلاں! تم نکل جاؤ کیونکہ تم منافق ہو۔ سو آپؐ نے ان منافقین کو ان کے ناموں سے پکار پکار کر نکالا اور ان کو رسوا کیا۔

حضرت عمرؓ اس جمعہ میں اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے (اس وقت تک) حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ وہ منافقین کو (راستے میں) ملے، جب وہ مسجد سے نکل کر آرہے تھے۔ سو حضرت عمرؓ اس بات پر شرم محسوس کرتے ہوئے کہ وہ جمعہ میں حاضر نہیں ہو سکے ان منافقین سے چھپنے لگے اور ان کا خیال تھا کہ وہ (منافقین نماز سے) لوٹ رہے ہیں (اور نماز ہو چکی ہے) اور منافقین بھی یہ گمان کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے چھپنے لگے کہ ان کو ان کے معاملے کا علم ہو گیا ہے۔

پھر جب حضرت عمرؓ مسجد میں داخل ہوئے تو (دیکھا کہ) لوگ واپس نہیں لوٹے تھے، یعنی ابھی جمعہ کی نماز ادا نہیں کی تھی۔ پس انہیں (دیکھ کر) ایک شخص نے کہا کہ اے عمرؓ! تمہیں خوش خبری ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آج منافقین کو رسوا کر دیا۔ یہ پہلا عذاب ہے اور عذابِ ثانی قبر کا عذاب ہو گا۔

ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس روز جب آپؐ منبر پر تھے تو آپ نے چھتیس آدمیوں (منافقوں) کو نکالا تھا۔ (روح المعانی ۱۱/ ۱۱، ابن کثیر ۲/۳۸۴)

مومنین متخلفین کا ایک گروہ

۱۰۲۔ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

اور بعض لوگ اور بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں۔ کچھ نیک اور کچھ بد۔ کچھ عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے کیونکہ وہ بڑا بخشنے والا (نہایت) مہربان ہے۔

شانِ نزول: ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی رحمہم اللہ نے دلائل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نیز بیہقی نے سعید بن مسیبؒ کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ان لوگوں کی تعداد دس تھی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک پر نہیں گئے تھے۔ انہیں میں سے ابو لبابہؓ بھی تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو ان میں سے سات آدمیوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے بندھوا دیا۔ مسجد سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گزر گاہ اسی طرف تھی۔

جب آپؐ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ یہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو باندھا ہوا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ ابو لبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ انھوں نے عہد کر رکھا ہے کہ جب تک آپؐ ان سے راضی نہیں ہو جائیں گے اور ان کو اپنے دستِ مبارک سے نہ کھولیں گے، یہ خود کھلنے پر تیار نہ ہوں گے۔ انہوں نے اپنی خطاء کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں ان کو نہیں کھولوں گا اور نہ ان کا عذر قبول کروں گا، یہاں تک کہ اللہ ہی ان کو کھولے۔ یہ لوگ مجھ سے منحرف ہو کر مسلمانوں

کے ساتھ جہاد پر نہیں گئے۔ جب ان لوگوں کو آپ کا یہ فرمان پہنچا تو کہنے لگے کہ ہم بھی اپنے آپ کو نہیں کھولیں گے جب تک کہ اللہ ہی نہ کھولے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۲/۱۱، مظہری ۲۹۰/۴)

ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں کی تعداد تین تھی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت زید کی روایت سے بیان کیا کہ وہ آٹھ آدمی تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ان کی تعداد پانچ تھی۔ اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ ابو لبابہ بن عبد المنذر ان میں شامل تھے۔ (روح المعانی ۱۲/۱۱)

تشریح: مسلمانوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو کاہلی اور سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے، مگر اپنی غیر حاضری پر نہایت نادم تھے۔ ان لوگوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوہ تبوک سے واپسی کے بارے میں سنا تو شرم و ندامت کی وجہ سے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا۔ منافقوں کی طرح جھوٹے عذر پیش کرنے کی بجائے انہوں نے صاف اقرار کر لیا کہ وہ سستی اور غفلت کی وجہ سے غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے۔ انہوں نے ملا جلا کام کیا، ایک نیک عمل اور دوسرا برا عمل۔ برے عمل سے مراد غزوہ تبوک سے پیچھے رہنا ہے جو منافقوں سے مشابہ تھا اور نیک عمل سے مراد ان کے دیگر اعمال صالحہ ہیں۔ مثلاً ان میں ایمان بھی تھا، یہ لوگ نماز، روزے کے بھی پابند تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں بھی شرکت کرتے رہے۔ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے میں جو غفلت و سستی ان سے ہوئی اس کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔ بلاشبہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

مومنین متخلفین کا صدقہ قبول کرنے کا حکم

۱۰۳۔۱۰۵۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ
عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○
اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ
الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ وَقُلِ اعْمَلُوْا
فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ
اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○

آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ آپ ان کو (گناہوں سے) پاک و صاف کر دیں گے اور ان کے لئے دعاء خیر کیجئے ۔ بلاشبہ آپ کی دعاء ان کے لئے باعث تسکین (قلب) ہے اور اللہ خوب سنتا (اور) جانتا ہے ۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی تو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور ان سے صدقہ لیتا ہے اور یہ کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے اور آپ کہہ دیجئے تم عمل کئے جاؤ، پھر بہت جلد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور اہل ایمان تمہارا عمل دیکھ لیں گے اور تم بہت جلد اس کے پاس لوٹائے جاؤ گے، جو چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے ۔ پھر وہ تمہیں بتا دے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے ۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کو کھولا اور قبولِ توبہ کی بشارت سنائی ۔ ستونوں سے کھلنے کے بعد یہ لوگ اپنا کچھ مال لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مالوں ہی نے ہمیں غزوہ میں جانے سے روکا تھا ۔ اب ہم توبہ قبول ہونے کے شکریہ میں اپنا یہ مال اللہ کی راہ میں صدقہ کرتے ہیں ۔ آپؐ اس کو قبول فرمائیے اور اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مغفرت طلب کیجئے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے تمہارے مال لینے کی اجازت نہیں ۔ اس پر آیت **خذ من اموالھم** ..... نازل ہوئی ۔ (روح المعانی ۱۱/۱۴)

تشریح: پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مومنین متخلفین، اپنے گناہوں کے کفارے میں جو مال اور صدقہ و خیرات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں وہ آپ لے لیجئے تاکہ وہ گناہوں کی نجاست سے پاک و صاف ہو جائیں اور آپ ان کے حق میں دعاء خیر کیجئے ۔ بلاشبہ آپ کی دعاء سے ان کے دلوں کا اضطراب دور ہو کر ان کو سکون و طمانیت حاصل ہو گی کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی ۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعاء کو سننے والا اور ان کی توبہ اور ندامت کو جاننے والا ہے ۔ اس آیت کے نزول کے بعد آپؐ نے ان کا ایک تہائی مال قبول فرما لیا اور دو تہائی مال ان کو واپس فرما دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ان کے مال میں سے کچھ لے لیجئے اور یہ نہیں فرمایا کہ صدقہ میں ان کا تمام مال لے لیجئے ۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور

جو لوگ توبہ کے بعد صدق دل سے صدقہ و خیرات دیتے ہیں وہ اس کو قبول فرما لیتا ہے۔ پس اگر کوئی خطاء سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرنی چاہئے اور حسبِ توفیق اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات دینا چاہئے۔ منافقوں کو بھی چاہئے کہ وہ بھی ان مخلص مومنوں کی طرح صدق دل سے توبہ کریں اور اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کریں۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ خوب توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم جو چاہو عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ، اس کا رسولؐ اور مومنین تمہارے عمل کو دیکھ لیں گے۔ جو چیز تم چھپاؤ گے، اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ اس کو اپنے رسول پر ظاہر فرما دے گا۔ پھر مسلمان بھی اس سے واقف ہو جائیں گے۔ پھر قیامت کے روز تمہیں ایسی ذات کے پاس لے جایا جائے گا جو تمہارے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں سزا دے گا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۳۔۴۰۵ / ۳)

مومنین متخلفین کا دوسرا گروہ

۱۰۶۔ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۝

اور بعض وہ لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی ہے۔ یا تو وہ ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول کر لے گا اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔

اٰخَرُوْنَ: دوسرے لوگ۔ واحد آخرؔ۔

مُرْجَوْنَ: ڈھیل دئے ہوئے۔ مہلت دیئے ہوئے۔ ارْجَاءٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اس آیت میں اہل مدینہ کی ایک چھوٹی سی جماعت کا ذکر ہے۔ اصل میں غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے والے تین قسم کے لوگ تھے: ۱۔ منافقین جو شک اور نفاق کی وجہ سے علیحدہ رہے۔ ۲۔ بعض مومنین جو محض سستی اور تن آسانی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہوئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کی اطلاع پاکر اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ ان کا بیان پچھلی آیت میں گزر چکا۔ ۳۔ سستی اور تن آسانی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہونے والے تین آدمی عبد اللہ بن کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع عمری اور بلال

بن امیہ واقفی ایسے تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا تھا اور نہ ہی کوئی عذر تراشا تھا بلکہ جو بھی بات تھی وہ صاف صاف آپ سے بیان کر دی تھی ۔ یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی کہ ان کا معاملہ ابھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے انتظار میں التوا میں رکھا گیا ہے چاہے تو وہ ان کو جہاد سے پیچھے رہ جانے کی سزا دے اور چاہے وہ اپنی رحمت سے ان کو معاف کر دے ۔ وہ چاہے تو صغیرہ گناہ پر گرفت فرمالے اور چاہے تو کبیرہ گناہ بھی معاف فرما دے ۔ کوئی چیز اس پر لازم نہیں ۔ لہذا بندوں کو امید بھی رکھنی چاہئے اور اس سے ڈرتے بھی رہنا چاہئے کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے ۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غضب و ناراضگی کا مستحق کون ہے اور معافی و درگزر کا مستحق کون ۔ وہ اپنے تمام افعال و اقوال میں حکیم ہے ۔

(ابن کثیر ۳۸۷ / ۲، عثمانی ۵۷۹، ۵۸۰ / ۱)

مسجدِ ضرار

۱۰۷-۱۰۸ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ○

اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے (مدینے میں) ایک مسجد بنائی ہے (تاکہ) اسلام کو ضرر پہنچائیں اور (اس میں بیٹھ کر) کفر کی باتیں کریں اور مومنوں میں پھوٹ ڈالیں اور اس شخص کے لئے پناہ کا سامان کریں جو پہلے ہی سے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کر رہا ہے ۔ اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو محض خیر کا ارادہ کیا تھا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں آپ اس مسجد میں (نماز کے لئے) کبھی کھڑے نہ ہوں ۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کے

لئے) کھڑے ہوں اور اس میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک رہنا پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

ضِرَارًا: ضرر پہنچانا۔ ایذا دینا۔ تکلیف دینا۔ مصدر ہے۔

اِرْصَادًا: گھات لگانا۔ پناہ دینا۔ مصدر ہے۔

حَارَبَ: اس نے جنگ کی۔ اس نے لڑائی کی۔ اس نے مخالفت کی۔ مُحَارَبَۃٌ سے ماضی۔

اُسِّسَ: اس کی بنیاد رکھی گئی۔ تَاسِیْسٌ سے ماضی مجہول۔

شانِ نزول: ابن اسحاق اور ابن مردویہ نے (حضرت) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مسجد ضرار بنانے والے افراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اس وقت آپ تبوک کی طرف جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ پس وہ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے ان لوگوں کے لئے مسجد بنائی ہے جو کسی بیماری اور ضرورت کی وجہ سے یا بارش کی راتوں اور سرد راتوں میں مسجد نبوی میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس آئیں اور اس میں نماز پڑھیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تو ابھی سفر درپیش ہے اور میں اب مصروف ہوں یا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر اللہ نے چاہا تو واپسی پر تمہارے پاس آکر تمہارے ساتھ اس میں نماز پڑھوں گا۔ پھر جب آپ سفر سے واپس ہوئے اور مقام ذی اوان پر قیام فرمایا جو مدینے سے کچھ فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے تو آپ کو اس مسجد کے بارے میں معلوم ہوا آپ نے مالک بن الدخشم اور معن بن عدیؓ کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اس مسجد میں جاؤ جس کے بنانے والے ظالم ہیں، اس کو منہدم کر دو اور جلا ڈالو۔ چنانچہ وہ تیزی سے اس کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب وہ بنی سالم بن عوف میں پہنچے جو مالک کا قبیلہ تھا تو مالک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ ٹھہرو میں اپنے گھر سے آگ لے کر آتا ہوں۔ سو وہ اپنے گھر میں داخل ہوئے اور کھجور کی ایک خشک شاخ لے کر اس کو جلایا۔ پھر وہ دونوں تیزی سے نکلے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہو گئے اور مسجد میں منافقین موجود تھے۔ پھر انہوں نے اس کو جلا دیا اور منہدم کر دیا اور منافق وہاں سے منتشر ہو گئے انہی منافقوں کے بارے میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اس مسجد کو بنانے والے بارہ آدمی تھے۔
(روح المعانی ۱۱/۱۸)

ابن جریر نے (حضرت) ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ابو عامر نے انصار کے ایک

گروہ سے کہا کہ تم ایک مسجد بناؤ اور جس قدر ممکن ہو سکے اس میں اسلحہ جمع کر لو۔ میں روم کے بادشاہ قیصر کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لا کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کروں گا۔

پھر جب وہ لوگ مسجد بنا کر فارغ ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اپنی مسجد بنا کر فارغ ہو گئے ہیں۔ سو ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس میں نماز ادا کریں اور برکت کی دعاء کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۸/۱۱)

تشریح: جن لوگوں نے مسجد ضرار کو بنایا تھا وہ قسمیں کھا کر کہہ رہے تھے کہ انہوں نے تو نیک ارادے سے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ ان کے پیش نظر تو صرف لوگوں کی خیر خواہی تھی۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ انہوں نے تو یہ مسجد اس لئے تعمیر کی ہے تاکہ اس سے مسجد قباء کی اہمیت کم کر کے اس کو نقصان پہنچائیں اس میں بیٹھ کر کفر کی اشاعت کریں، مسلمانوں میں تفرقہ ڈالیں اور اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے اس کو کمیں گاہ کے طور پر استعمال کریں اور اس میں بیٹھ کر مشورے کریں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس مسجد میں کبھی جا کر بھی کھڑے نہ ہوں چہ جائیکہ آپ اس میں نماز پڑھیں۔ البتہ جس مسجد کی بنیاد پہلے ہی روز سے تقویٰ و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اور اس میں نماز پڑھیں۔ اس سے مراد مسجد قباء ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز کبھی پیدل اور کبھی سواری پر مسجد قبا تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد قباء میں نماز پڑھنا ایک عمرے کے ثواب کے برابر ہے۔ (ابن کثیر ۳۸۸، ۳۸۹/ ۲)

پھر فرمایا کہ اس مسجد میں ایسے لوگ ہیں جو خوب پاک و صاف رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی پاک و صاف رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے جو اپنے ظاہر و باطن کی طہارت و پاکی میں لگے رہتے ہیں۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم مہاجرین کو ساتھ لے کر پیدل روانہ ہوئے اور مسجد قباء کے دروازے پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے۔ مسجد کے اندر انصار بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ مومن ہو؟ انصار خاموش رہے۔ آپؐ نے پھر یہی فرمایا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم قضاء (الٰہی) پر راضی ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم مصیبت پر صبر کرتے ہو؟ انہوں نے جواباً کہا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا کیا تم راحت پر شکر کرتے ہو؟ انہوں نے کہا۔ جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم تم مومن ہو۔ پھر آپؐ (ان کے پاس) بیٹھ گئے اور فرمایا اے انصار کے لوگو! اللہ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے۔ تم وضو اور رفع حاجت کے وقت کیا کرتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے بعد ہم تین پتھر استعمال کرتے ہیں پھر پتھروں کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔ اس پر آپ نے آیت **فیہ رجال یحبون ان یتطھروا** تلاوت فرمائی۔ (مظہری ۲۹۹ / ۴)

اہلِ ضرار کا انجام

۱۰۹۔۱۱۰ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ○ لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ○

بھلا جو اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضا پر رکھے وہ بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی کھائی کے کنارے پر رکھی جو گرنے ہی والی ہے۔ پھر وہ (عمارت) اس (بنانے والے) کو لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑے اور اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔ جو عمارت انہوں نے بنائی ہے وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی۔ یہاں تک کہ ان کے دل ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ بڑے علم والا (اور) حکمت والا ہے۔

شَفَا: کنارہ۔ آخری حصہ۔ جمع اَشْفَاءٌ۔

جُرُفٍ: غار۔ کھائی۔ کھو کھلی جگہ۔ واحد جُرُفَۃٌ۔
هَارٍ: گرنے والی۔ گرنے کے قریب۔ هَوْرٌ سے اسم فاعل۔
رِيْبَةٌ: شک۔ شبہ۔ کھٹک۔ جمع رِيَبٌ

تشریح: مسجد ضرار اپنی ناپائیداری اور انہدام کے لحاظ سے ایسی ہی ہے جیسے کوئی عمارت پانی کی کمزور کھائی کے کنارے پر بنائی گئی ہو کہ جب پانی کا تھپیڑا لگے تو ساری عمارت ایک دم سے گر پڑے اور اس کے رہنے والے سب تباہ و برباد اور ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح مسجدِ ضرار کی بنیاد جہنم کے کنارے پر ہے۔ وہ ان منافقوں کو جنہوں نے اس کو بنایا اپنے ساتھ لے کر جہنم میں جا گرے گی۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو نجات کا راستہ نہیں دکھاتا جس کے ذریعہ وہ منزل مقصود تک پہنچ جائیں یا کم از کم ہلاکت و بربادی ہی سے محفوظ ہو جائیں۔ جب تک وہ زندہ رہیں گے ان کی بنائی ہوئی مسجد ہمیشہ ان کے دلوں میں شک و شبہ اور حسرت و اضطراب پیدا کرتی رہے گی۔ ان کی حسرت اور اضطراب مرنے کے بعد ہی ختم ہو گا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ انہوں نے کس نیت سے یہ عمارت بنائی تھی۔ وہ خیر و شر کا بدلہ دینے میں بڑا حکیم ہے۔ (ابن کثیر ۳۹۱/ ۲)

مجاہدین کے فضائل

۱۱۱۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہیں۔ وہ (کافروں کو بھی) قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوتے ہیں۔ اس نے اپنے اوپر سچا وعدہ قائم کر لیا ہے جو توریت اور انجیل اور قرآن میں (لکھا گیا) ہے۔ اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے۔ سو تم اپنے اس سودے پر جو تم نے کیا ہے خوشی

منانا ؤ اور یہی بڑی کامیابی ہے ۔

شانِ نزول: اکثر مفسرین کے مطابق یہ آیتیں بیعتِ عقبی کے شرکاء کے بارے میں نازل ہوئیں ۔ یہ بیعت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں مدینے کے انصار سے لی گئی تھی ۔ عقبہ ، پہاڑی حصے کو کہتے ہیں ۔ یہاں وہ جگہ مراد ہے جو منیٰ میں جمرہ عقبی کے ساتھ پہاڑ کا حصہ ہے ۔ آج کل پہاڑ کا یہ حصہ صاف کر کے میدان بنا دیا گیا ہے اور اب یہاں صرف جمرہ باقی رہ گیا ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گھاٹی میں مدینے کے انصار سے تین مرتبہ بیعت لی ۔ پہلی بیعت بعثتِ نبوی کے گیارہویں سال ہوئی جس میں چھ آدمی بیعت و اسلام سے مشرف ہوئے جب یہ لوگ مدینے واپس گئے تو وہاں گھر گھر اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا ہونے لگا ۔ اگلے سال جو بعثتِ نبوی کا بارہواں سال تھا ، حج کے موسم میں انصار مدینہ کے بارہ آدمی پھر اسی جگہ جمع ہوئے ۔ ان میں سے پانچ تو وہی تھے جو گزشتہ سال بیعت کر چکے تھے اور سات نئے تھے ۔ جب یہ لوگ مدینے جانے لگے تو انہوں نے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کسی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم اس سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کر سکیں ۔ چنانچہ آپ نے حضرت معصب بن عمیرؓ کو ان کے ہمراہ مدینے بھیج دیا ۔ انہوں نے مسلمانوں کو قرآن بھی پڑھایا اور تبلیغِ اسلام بھی کرتے رہے جس کے نتیجہ میں مدینے کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا ۔

پھر بعثتِ نبوی کے تیرہویں سال تہتر مرد اور دو عورتیں اسی گھاٹی میں جمع ہوئے ۔ یہ تیسرا اور آخری موقع تھا کہ مدینے کے لوگوں نے آپؐ کے دستِ مبارک پر بیعت کی ۔ عموماً بیعت عقبی سے یہی بیعت مراد ہوتی ہے ۔ اس بیعت کے موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت معاہدہ ہو رہا ہے ، آپؐ اپنے رب کے متعلق یا اپنے بارے میں ، ہم سے جو چاہیں شرائط طے کر لیں (ہم سب کو ماننے کے لئے تیار ہیں) ۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ شرط رکھتا ہوں کہ تم سب اسی کی عبادت کرنا ، کسی کو اس کا شریک قرار نہ دینا اور اپنے لئے یہ شرط رکھتا ہوں کہ جس طرح تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح میری بھی حفاظت کرنا ۔ انصار کے لوگوں نے کہا کہ اگر ہم یہ دونوں شرطیں پوری کر دیں تو اس کے بدلے میں ، ہمیں کیا ملے گا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ جنت ملے گی ۔ انصار نے کہا کہ یہ نفع کا سودا ہے ۔ اب ہم اس سودے کو نہ تو خود فسخ کریں گے اور نہ اس کو فسخ کرنے دیں گے ۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں ۔ (مظہری ۳۰۱ ، ۳۰۲ / ۴ ، ابن کثیر ۳۹۱ / ۲)

تشریح: اللہ تعالیٰ تمام عالم دنیا اور آخرت کا خالق و مالک ہے۔ اس نے روئے زمین کے تمام مومنوں سے قیامت تک جنت کے بدلے میں ان کی جانوں اور اموال کو خرید لیا ہے۔ یہ خریداری محض نفع اور سراسر فائدہ ہے۔

مومن اپنی جانوں اور اموال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کریں گے اور اللہ تعالیٰ اس کی جزا کے طور پر ان کو جنت عطا فرمائے گا۔ یہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو مومنوں سمیت تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے۔ مومن کی نہ جان اپنی ہے اور نہ مال، بلکہ جان بھی اسی کی دی ہوئی ہے اور مال بھی اسی نے عطا فرمایا ہے۔ اس لئے مومن کا اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال فدا کرنا بہت ہی حقیر فدیہ ہے۔ اس لئے اس حقیر جان و مال کو اللہ کی راہ میں فدا کرنے کا بدلہ جنت نہیں ہو سکتی۔ یہ تو محض اللہ کا فضل و انعام ہے کہ اس نے مومن کو اس کی راہ میں جان و مال کا نذرانہ دینے پر جنت کا مستحق قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس خرید و فروخت پر مومنوں سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ سچا اور پکا وعدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کا یہ وعدہ اپنی بڑی بڑی کتابوں مثلاً توریت، انجیل اور قرآن مجید وغیرہ میں لکھ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کوئی نہیں۔ لہٰذا اے اہل ایمان، تم اس بات پر خوش ہو جاؤ کہ تم نے نفع کی تجارت کی ہے کہ ایک بے قیمت اور فانی چیز دے کر ایک قیمتی اور باقی رہنے والی چیز حاصل کر لی۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۳۰۔۳۲\۱۱)

مجاہدین کی صفاتِ فاضلہ

۱۱۲۔ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

وہ (گناہوں سے) توبہ کرنے والے، (اللہ کی) عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے، برائی روکنے والے اور حدود اللہ (احکام الٰہی)

کی حفاظت کرنے والے ہیں اور آپ (ان صفات کے حامل مومنوں کو)
خوشخبری سنا دیجئے۔

تشریح: اس آیت میں ان مومنوں کی صفات کا بیان ہے جن کے جان و اموال کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے۔ ان اوصاف کے بیان سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جنت کے اہل لوگ ان اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔

۱۔ **اَلتَّائِبُوْنَ:** (شرک سے) توبہ کرنے والے۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کر لی اور رسول اللہ کے تمام احکام کی تعمیل کا عہد کر لیا وہ ان تمام اوصاف کے حامل ہیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے۔

۲۔ **اَلْعَابِدُوْنَ:** شرک جلی و خفی کو چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرنے والے۔

۳۔ **اَلْحَامِدُوْنَ:** راحت ہو یا تکلیف ہر حال میں اللہ کی تعریف کرنے والے۔

طبرانی، حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں صحیح سند کے ساتھ حضرت عباسؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ (تکلیف و راحت ہر حال میں) اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ تعریف کرتے ہیں سب سے پہلے ان کو جنت کی طرف بلایا جائے گا۔

۴۔ **اَلسَّائِحُوْنَ:** سیاحت کرنے والے، روزے رکھنے والے۔ اصل میں یہ لفظ سیاحت سے ماخوذ ہے۔

اسلام سے پہلے نصرانیت میں سیاحت ایک عبادت سمجھی جاتی تھی کہ انسان اپنا گھر بار چھوڑ کر عبادت کے لئے نکل کھڑا ہو۔ اسلام نے اس کو رہبانیت قرار دے کر اس سے منع کر دیا اور اس کے بدلے میں روزے کی عبادت مقرر کر دی کیونکہ سیاحت کا مقصد ترکِ دنیا تھا اور روزے کی حالت میں اپنے گھر میں رہتے ہوئے بھی ایک خاص وقت میں تمام دنیاوی خواہشات کو ترک کر دینا ہوتا ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں سائحون سے مراد روزے رکھنے والے ہیں۔ ابن جریر نے حضرت عبید بن عمیر اور بغویؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سائحون کے معنی دریافت کئے گئے تو آپؐ نے فرمایا کہ روزے رکھنے والے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا کہ آدم زاد کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے ۔ سوائے روزے کے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا ۔ بندہ میرے لئے ہی اپنی خواہش صنفی اور کھانا پینا ترک کرتا ہے ۔ متفق علیہ ۔

بعض نے کہا کہ سائحون سے مراد غازی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ۔ جیسا کہ ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے

حضرت عکرمہؓ نے کہا کہ سیاحت کرنے والوں سے مراد طالب علم ہیں جو طلبِ علم میں ملکوں میں پھرتے ہیں ۔

۵۔ **الرّٰکِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ :** رکوع و سجود کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے ۔

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ کو کون سا عمل سب سے زیادہ پسند ہے ؟ آپؐ نے فرمایا کہ وقت پر نماز پڑھنا ۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا ؟ آپؐ نے فرمایا کہ ماں باپ کی فرماں برداری کرنا ۔ میں نے عرض کیا کہ اس کے بعد کون سا ؟ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ۔ (بخاری و مسلم)

مسلم، ابو داؤد اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے سب حالتوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے ۔ سو تم سجدے کی حالت میں دعا زیادہ کیا کرو ۔

۶۔ **اٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ :** بھلائی کا حکم دینے والے یعنی ایمان و اطاعت کا حکم دینے والے ۔

۷۔ **النَّاھُوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ :** برے کاموں سے روکنے والے ۔

۸۔ **الْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰہِ :** اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے ۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں کے اندر یہ صفات موجود ہوں ان کے لئے ایسی نعمتوں کی خوشخبری ہے جن کو نہ تو الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے اور نہ کسی دماغ میں ان کا تصور آسکتا ہے اور نہ کسی کان نے ان کو سنا ہے ایسی نعمتوں سے مراد جنت ہے ۔

(مظہری ۳۰۴، ۳۰۵ \ ۴، معارف القرآن ۴۶۸، ۴۶۹ \ ۴)

مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کی ممانعت

۱۱۳-۱۱۴۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ○ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ○

نبی اور مومنوں کو زیب نہیں کہ مشرکوں کے لئے بخشش طلب کریں اگرچہ وہ ان کے قرابت داری ہوں، جبکہ ان پر یہ ظاہر ہو چکا ہو کہ یہ لوگ دوزخی ہیں اور (حضرت) ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے بخشش طلب کرنا صرف ایک وعدہ کی بنا پر تھا جو انہوں نے اس سے کر لیا تھا۔ پھر جب ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گئے۔ بیشک (حضرت) ابراہیم بڑے نرم دل اور تحمل والے تھے۔

تَبَرَّاَ: وہ بری ہوا۔ وہ الگ ہوا۔ وہ بیزار ہوا۔ تَبَرُّءٌ سے ماضی۔

لَاَوَّاهٌ: البتہ بہت آہ کرنے والا۔ دردمند۔ نرم دل۔ اَوْہٌ سے مبالغہ۔

شانِ نزول: مسندِ امام احمد میں سعید ابن المسیبؒ سے روایت ہے کہ جب ابو طالب بستر مرگ پر تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے ابو طالب سے فرمایا کہ اے چچا! آپ **لا الہ الا اللہ** کہہ دیجئے۔ میں اس جملے کی وجہ سے اللہ کے پاس آپ کی بخشش کے لئے حجت پیش کروں گا۔ ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا کہ اے ابو طالب کیا تم ملت عبد المطلب سے روگردانی کرو گے؟ تھوڑی دیر ان کے درمیان (اسی طرح) گفتگو ہوتی رہی۔ پھر ابو طالب نے ان سے سب سے آخر میں جو بات کی وہ یہ تھی کہ میں ملت عبد المطلب پر جان دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس وقت تک آپ کی مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے منع نہ کر دے۔ چنانچہ آیت **ما کان للنبی.....** تا آخر نازل ہوئی۔ (مسند احمد ۶/۴۰۳)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہوئے سنا تو میں نے اس سے کہا کہ کیا تم اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعاء کرتے ہو۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم نے بھی تو اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعاء مغفرت کی تھی۔ میں نے یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اس پر آیت مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ ..... نازل ہوئی۔ (ابن کثیر ۳۹۳\۲)

تشریح: کفر و شرک کسی حال میں بھی قابل مغفرت نہیں۔ اس لئے مرنے کے بعد نہ تو کسی کافر کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اس کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا جائز ہے۔ خواہ وہ کسی مسلمان کا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے برخلاف مسلمان خواہ کتنا ہی گنہگار ہو، اس کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے۔

حضرت ابراہیم کا اپنے مشرک باپ کے لئے دعاء مغفرت کرنا ایک وعدہ کی بنا پر ان کی زندگی میں تھا۔ جیسا کہ قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

قَالَ سَلَامٌ عَلَیْکَ سَاَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ۔ (سورہ مریم، آیت ۴۷)

ابراہیمؑ نے کہا: اے باپ! تم پر سلام ہو، میں تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا۔

حضرت ابراہیم اس امید میں تھے کہ شاید میرا باپ ایمان لے آئے۔ اسی بنا پر انہوں نے اس کے لئے دعاء کی تھی۔ زندہ مشرک کے لئے مغفرت کی دعاء کے معنی دعاء ہدایت کے ہیں کہ اللہ اس کو ہدایت دے۔ پھر جب حضرت ابراہیمؑ پر ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ حالت کفر میں مرا اور اس کو ایمان کی توفیق نہیں ملی یا وحی کے ذریعہ ان کو بتا دیا گیا کہ ان کا باپ آزر ایمان نہیں لائے گا تو حضرت ابراہیمؑ اس سے بیزار ہو گئے اور اس کے لئے مغفرت کی دعاء موقوف کر دی۔

مومنوں کو تسلی

۱۱۵-۱۱۶ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ ھَدٰھُمْ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَھُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ○ اِنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ○
اور اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ ان کو صاف صاف بتا دے وہ چیزیں جن سے ان کو بچنا چاہئے ۔ بیشک اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے ۔ بیشک آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے ۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار ۔

تشریح: جب آیت مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ نازل ہوئی تو ان مسلمانوں کو جو اس سے پہلے مشرکوں کے لئے استغفار کر چکے تھے، اللہ کی طرف سے اپنے مواخذہ کا ڈر ہوا ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی اور اطمینان کے لئے مَاكَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ نازل فرمائی اور ان کو بتا دیا کہ تم گمراہی پر نہیں ہو اور نہ تمہارا مواخذہ ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا جب تک کہ وہ اس کو اس چیز سے آگاہ نہ کر دے جس سے اس کو پرہیز کرنا ہے ۔ چونکہ اب تک مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت نہیں کی گئی تھی اس لئے ان کا مواخذہ نہ ہوگا ۔ البتہ اب ممانعت کے بعد، مشرکوں کے لئے دعاء استغفار کرنا گمراہی اور قابل مواخذہ ہے ۔ بلاشبہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے کہ کس نے ناواقفیت اور عدم صلح کی بنا پر ایسا کیا اور کس نے سرکشی کے تحت ایسا کیا ۔ وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، زندگی اور موت بھی وہی دیتا ہے ۔ لہٰذا تم اسی کے احکام کی پیروی کرو ۔ اس کے سوا نہ تمہارا کوئی کارساز ہے اور نہ کوئی یار و مددگار جو تمہیں اس کے قہر کے بچا سکے ۔ اس لئے تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم مشرکوں سے قلبی دوستی کرو یا ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو ۔

مومنین مخلصین کا ذکر

۱۱۷۔ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○
البتہ اللہ تعالیٰ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مہاجروں اور انصار پر مہربان ہوا جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ ان میں سے

بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے ۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی ۔
بلاشبہ اللہ ان پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہے ۔

سَاعَةِ: گھڑی ۔ وقت ۔ قیامت

الْعُسْرَةِ: تنگی ۔ مفلسی ۔ اسم ہے ۔

يَزِيْغُ: وہ منحرف ہوتے ہیں ۔ وہ پھر جاتے ہیں ۔ زَيْغٌ سے مضارع ۔

كَادَ: وہ قریب ہے ۔ كَوْدٌ سے ماضی ۔

تشریح: اس آیت میں مومنین مخلصین کے دو گروہ بتائے گئے ہیں ۔ ایک وہ جو جہاد کا حکم ملتے ہی فوراً جہاد کے لئے تیار ہو گئے ۔ آیت میں اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ سے یہی لوگ مراد ہیں ۔ دوسرے وہ جو جہاد کا حکم ملنے کے بعد پہلے تو کچھ تردد میں پڑے ۔ مگر پھر سنبھل گئے اور سب کے ساتھ جہاد کے لئے نکل کھڑے ہوئے ۔ آیات میں مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ انہیں کے لئے آیا ہے ۔

یہاں توبہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب مہاجرین و انصار کو گناہ سے بچا دیا جو جہاد کا حکم ملتے ہی فوراً جہاد کے لئے تیار ہو گئے یا کچھ تردد کے بعد اس میں شریک ہو گئے ۔ قرآن کریم نے اس جہاد کے موقع کو ساعۃ العسرت کہا ہے کیونکہ مسلمان اس وقت افلاس و تنگی میں تھے مسلمانوں کے پاس نہ تو سواری تھی اور نہ زادِ راہ، ادھر سخت گرمی کے دن تھے اور راستہ میں پانی بھی بہت کم دستیاب تھا ۔

توبہ مؤخر کئے جانے والے انصار کا مقاطعہ

۱۱۸- وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

اور اس نے ان تینوں پر بھی (مہربانی کی) جو پیچھے رہ گئے تھے ۔ یہاں تک کہ کشادہ ہونے کے باوجود ان پر زمین تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جانوں سے بھی

تنگ ہوگئے اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں۔ پھر اللہ نے ان پر بھی مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

ضَاقَتْ: وہ تنگ ہو گئی۔ ضَیْقٌ وضِیْقٌ سے ماضی

رَحُبَتْ: وہ کشادہ ہوئی۔ وہ فراخ ہوئی۔ رُحْبٌ سے ماضی۔

مَلْجَاً: پناہ کی جگہ۔ لَجَأٌ سے اسم ظرف۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ کعب بن مالک نے تبوک میں شریک نہ ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ غزوہ تبوک کے سوا کسی غزوہ میں ایسا نہیں ہوا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نہ ہوا ہوں۔ البتہ غزوہ بدر میں بھی میں شریک نہیں ہوا تھا مگر جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا تھا، کیونکہ آپ اس وقت قریش کے قافلے کی تلاش میں نکلے تھے (جنگ کے ارادے سے نہیں)۔ مگر اللہ تعالیٰ نے دشمن سے آپؐ کا آمنا سامنا کرادیا اور میں لیلۂ عقبہ میں بھی (انصار کے لوگوں کے ساتھ) آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ اسی رات میں، ہم نے (مکہ میں) اسلام کے لئے عہد کیا تھا اور وہ رات مجھے غزوہ بدر سے بھی زیادہ عزیز ہے اگرچہ لوگوں میں بدر کا چرچا بہت ہے۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا قوی اور اتنا صاحبِ مال نہیں ہوا تھا جتنا اس غزوہ کے موقع پر تھا۔ میں پیچھے رہ گیا تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو اونٹ جمع نہیں ہوئے تھے مگر اس غزوہ کے موقع پر میرے پاس دو اونٹ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ اس کو مبہم الفاظ میں بیان فرماتے (تاکہ معاملہ راز میں رہے) مگر جب اس غزوہ کا موقع آیا تو گرمی بڑی شدید تھی، سفر طویل تھا، دشمن کی کثیر تعداد اور دیگر تمام مشکلات کے پیش نظر آپؐ نے مسلمانوں کو صاف الفاظ میں خبر دی تھی اور سمت کی بھی تعیین کردی تھی جس کی طرف جانے کا ارادہ تھا تاکہ لوگ پوری طرح تیاری کرلیں۔ مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد آپؐ کے ساتھ تھی کہ کسی رجسٹر میں ان سب ناموں کا اندراج مشکل تھا۔ حضرت کعبؓ نے بیان کیا کہ اگر کوئی شخص اس غزوہ میں شریک نہ ہونا چاہتا تو یہ خیال کر سکتا تھا کہ (لشکر کی کثرت کی وجہ سے) اس کی غیر حاضری کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا،

سوائے اس کے کہ اس کے متعلق وحی نازل ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس غزوہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو اس وقت پھل پکنے کا زمانہ تھا اور سائے میں بیٹھنے کے دن تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمان (جنگ کی) تیاریوں میں مصروف تھے، لیکن میں روزانہ یہ سوچتا تھا کہ کل سے تیاری کروں گا۔ اس طرح میں ہر روز اسے ٹالتا رہا۔ مجھے یقین تھا کہ میں تیاری کر لوں گا اور مجھے اس کے ذرائع بھی میسر تھے۔ یونہی وقت گزرتا رہا آخر لوگوں نے اپنی تیاریاں مکمل کر لیں اور آپؐ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ اس وقت تک میں نے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ پھر میں نے اپنے دل میں سوچا کہ کل پرسوں تک تیاری کر لوں گا اور لشکر سے جا ملوں گا۔ پھر دوسرے دن میں نے تیاری کا ارادہ کیا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی۔ پھر میں نے تیسرے دن کے لئے سوچا اور اس دن بھی کوئی تیاری نہیں کی۔ وقت یونہی گزرتا رہا اور اسلامی لشکر بہت آگے نکل گیا اور میرے لئے غزوہ میں شرکت بہت مشکل ہو گئی اور میں یہی سوچتا رہا کہ میں یہاں سے روانہ ہو کر ان کو پالوں گا۔ کاش میں نے ایسا کر لیا ہوتا لیکن یہ میرے مقدر میں نہیں تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد کبھی میں باہر نکل کر لوگوں میں جاتا تو مجھے بڑا رنج ہوتا کیونکہ مجھے یا تو وہ لوگ نظر آتے جن کے چہروں سے نفاق ظاہر ہوتا تھا یا پھر وہ لوگ ملتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور اور ضعیف قرار دے دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق کسی سے کچھ نہیں پوچھا یہاں تک کہ آپ تبوک پہنچ گئے۔ تبوک میں آپؐ نے ایک مجلس میں فرمایا کہ کعب نے کیا کیا۔ پھر بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو اس کے کبر اور غرور نے آنے سے روک دیا۔ (یہ سن کر) حضرت معاذ بن جبل نے (بنو سلمہ کے اس شخص سے) کہا کہ تم نے بری بات کہی۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کی قسم ہمیں ان کے متعلق بھلائی کے سوا اور کچھ معلوم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو مجھے تشویش ہوئی اور میرا ذہن کوئی ایسا جھوٹا بہانہ تلاش کرنے لگا جس سے میں آپؐ کی ناراضگی سے بچ سکوں۔ میں نے اپنے گھر کے ہر ذی رائے سے اس کے متعلق مشورہ لیا۔ پھر جب مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینے سے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں تو میرے

ذہن سے تمام باطل خیالات دور ہوگئے اور میں سمجھ گیا کہ اس معاملے میں جھوٹ بول کر میں اپنے آپ کو کبھی نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ میں نے سچ بات کہنے کا ارادہ کر لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت تشریف لائے۔ آپ کی عادت تھی کہ جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھتے۔ چنانچہ حسبِ عادت جب آپؐ (نماز سے) فارغ ہو چکے تو وہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ لوگ قسمیں کھا کھا کر اپنے عذر بیان کرنے لگے۔ ان لوگوں کی تعداد تقریباً اسی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کو قبول فرمایا اور ان سے بیعت کی اور ان کے لئے مغفرت کی دعاء کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ پھر میں حاضر ہوا۔ جب میں نے سلام کیا تو آپؐ مسکرائے اور آپ کی مسکراہٹ میں غصہ تھا۔ پھر فرمایا "آؤ"۔ میں چند قدم چل کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپؐ نے فرمایا: "تجھے کس چیز نے روکے رکھا؟ کیا تو نے سواری نہیں خریدی تھی؟" میں نے عرض کیا کہ میرے پاس سواری موجود تھی۔ خدا کی قسم اگر میں آپ کے سوا دنیا کے کسی اور شخص کے سامنے بیٹھا ہوا ہوتا تو میں کوئی عذر پیش کر کے اس کی ناراضگی سے بچ سکتا تھا۔ مجھے اچھی گفتگو کا سلیقہ حاصل ہے۔ لیکن خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ اگر آج میں آپ کے سامنے کوئی جھوٹا عذر بیان کر کے آپ کو راضی کر لوں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچی بات کر دوں تو یقیناً آپ کو میری طرف سے ملال ہو گا مگر مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے معاف فرمائے گا۔ خدا کی قسم مجھے کوئی عذر نہیں تھا۔ خدا کی قسم اس سے پہلے میں کبھی اتنا قوی اور صاحبِ مال نہیں تھا۔ پھر بھی میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہو سکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے (اور فرمایا کہ) اچھا اب جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ فرما دے۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں اٹھ گیا اور میرے پیچھے پیچھے بنی سلمہ کے کچھ لوگ بھی آئے اور مجھ سے کہنے لگے خدا کی قسم ہمیں تمہارے بارے میں یہ معلوم نہیں تھا کہ تم نے اس سے پہلے کوئی گناہ کیا ہے اور تم نے بڑی کوتاہی کی کہ تم نے ویسا ہی کوئی عذر بیان نہیں کیا جیسا دوسرے پیچھے رہ جانے والوں نے بیان کیا تھا۔ تمہارے گناہ کی معافی کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمہارے لئے طلبِ مغفرت ہی کافی تھی۔ خدا کی قسم مجھے ان لوگوں نے اتنی ملامت کی

کہ مجھے خیال آیا کہ میں واپس جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی جھوٹا عذر پیش کروں پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا میرے علاوہ کسی اور نے بھی مجھ جیسا عذر بیان کیا ہے ؟ انہوں نے کہا ہاں دو اور آدمیوں نے بھی اسی طرح بیان کیا جس طرح تم نے بیان کیا اور ان کو بھی وہی جواب ملا جو تمہیں ملا ۔ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ دونوں کون ہیں ؟ انہوں نے بتایا کہ مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی ہیں ۔ انہوں نے ایسے دو نیک آدمیوں کا نام لیا تھا جو بدر کی جنگ میں شریک ہوئے تھے ۔ چنانچہ ان کا طرزِ عمل میرے لئے نمونہ بن گیا اور میں ان کا نام سن کر اپنے گھر چلا گیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع فرما دیا ۔ لوگ ہم سے الگ رہنے لگے اور سب لوگ بھول گئے ۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ساری کائنات بدل گئی ۔ پچاس دن تک ہم اسی طرح رہے ۔ میرے دو ساتھی مرارہ اور ہلال تو اپنے گھروں سے ہی نہیں نکلتے تھے، بس روتے رہتے تھے ۔ مگر میں ہمت کرکے باہر نکلتا تھا، مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا اور مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا ۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا تھا ۔ جب آپؐ نماز کے بعد مجلس میں بیٹھتے تھے تو میں آپ کو سلام کرتا تھا اور اپنے دل میں سوچتا کہ میرے سلام کے جواب میں کیا آپ کے ہونٹ مبارک ہلے ۔ پھر میں آپؐ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگ جاتا اور آپ کو کنکھیوں سے دیکھنے لگتا ۔ جب میں نماز میں مشغول ہو جاتا تو آپ میری طرف دیکھتے مگر جونہی میں آپ کی طرف دیکھتا آپ رخ انور پھیر لیتے ۔

آخر جب لوگوں کی بے رخی بڑھتی ہی گئی تو (ایک دن) میں ابو قتادہ کے باغ میں دیوار پر چڑھ گیا ۔ وہ میرے چچازاد بھائی تھے اور مجھے بہت عزیز تھے ۔ میں نے انہیں سلام کیا مگر خدا کی قسم انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب نہیں دیا ۔ میں نے کہا اے ابو قتادہ ! میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ سے کتنی محبت کرتا ہوں ۔ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ میں نے خدا کا واسطہ دے کر دوبارہ یہی سوال کیا مگر وہ اب بھی خاموش تھے میں نے پھر اللہ کا واسطہ دے کر ان سے یہی سوال کیا انہوں نے (جواب میں) صرف اتنا کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے ۔ اس پر میرے آنسو نکل آئے اور میں دیوار پر سے اتر کر واپس چلا آیا ۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز میں مدینے کے بازار میں جارہا

تھا کہ شام کا ایک کاشتکار جو غلہ فروخت کرنے مدینے آیا تھا وہ لوگوں سے پوچھ رہا تھا کہ کعب بن مالک کہاں رہتے ہیں ۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کر کے اس کو بتایا تو وہ میرے پاس آیا اور غسان کے بادشاہ کا ایک خط مجھے دیا جس میں تحریر تھا ۔

" اما بعد ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے صاحب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ذلیل پیدا نہیں کیا ہے کہ تمہارا حق ضائع کیا جائے ۔ تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہارے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کریں گے ۔ "

میں نے خط پڑھ کر اپنے آپ سے کہا کہ یہ ایک اور مصیبت آگئی ۔ پھر میں نے اس خط کو تنور میں جلا دیا ۔ ان پچاس دنوں میں سے جب چالیس دن گزر چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد میرے پاس آیا اور کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی کے بھی قریب نہ جاؤ ۔ میں نے پوچھا کہ میں اسے طلاق دے دوں یا پھر کیا کروں ۔ اس نے بتایا کہ نہیں صرف اس سے جدا رہو ۔ اس کے قریب نہ جاؤ ۔ آپؐ نے میرے ان دونوں ساتھیوں کو بھی (جنہوں نے میری طرح معذرت کی تھی) یہی حکم بھیجا ۔ چنانچہ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اب تم اپنے میکے چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس معاملہ کا فیصلہ فرمائیں ۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ (میرے دوسرے ساتھیوں میں سے) ہلال بن امیہ کی بیوی نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال بن امیہ بہت بوڑھے اور کمزور ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے ۔ اگر میں ان کی خدمت کروں تو کیا آپ ناپسند فرمائیں گے ؟ آپؐ نے فرمایا کہ صرف ان سے صحبت نہ کرنا ۔ اس نے عرض کیا خدا کی قسم وہ تو کسی چیز کے لئے حرکت بھی نہیں کر سکتے ۔ جب سے ان پر یہ عتاب ہوا ہے اس وقت سے آج تک ان کے آنسو نہیں رکے ۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ میرے گھر کے بعض افراد نے مجھ سے کہا کہ جس طرح آپؐ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کی اجازت عطا فرما دی ہے، آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح کی اجازت لے لیجئے ۔ میں نے کہا نہیں، خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی اجازت نہیں لوں گا ۔ میں جوان ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ جب میں آپؐ سے اجازت لینے جاؤں تو آپ کیا فرمائیں ۔ اس طرح دس راتیں اور گزر گئیں اور ممانعت کی پچاس راتیں پوری ہو گئیں ۔

پھر جب میں نے پچاسویں رات کی صبح کی نماز پڑھی اور میں اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا ہوا تھا اور میرا حال یہ تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ میرا دم گھٹا جا رہا تھا اور زمین میرے لئے تنگ ہوتی جا رہی تھی ۔ اس وقت میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو جبلِ سلع پر چڑھ کر بلند آواز سے کہہ رہا تھا ۔ اے کعب بن مالک! تمہیں بشارت ہو ۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سن کر میں سجدے میں گر پڑا اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب معاملہ آسان ہو جائے گا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد اللہ کی بارگاہ میں ہماری توبہ کی قبولیت کا اعلان فرما دیا تھا ۔ لوگ ہمیں بشارت دینے کے لئے آنے لگے اور انہوں نے میرے دونوں ساتھیوں کو بھی جاکر بشارت دی ۔ ایک صاحب اپنا گھوڑا دوڑاتے ہوئے آ رہے تھے ۔ ادھر قبیلہ اسلم کے ایک صحابی نے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی تھی ۔ جب وہ بشارت دینے کے لئے میرے پاس آئے تو میں نے بشارت کی خوشی میں اپنے دونوں کپڑے اتار کر انہیں دے دیئے خدا کی قسم اس وقت ان دو کپڑوں کے سوا میری ملکیت میں اور کوئی چیز نہیں تھی ۔ پھر میں نے (ابو قتادہ سے) دو کپڑے مانگ کر پہنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا ۔ لوگ جوق در جوق مجھ سے ملاقات کر رہے تھے اور مجھے توبہ کی قبولیت پر بشارت دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی قبولیت مبارک ہو ۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ آخر میں مسجد میں داخل ہوا ۔ آنحضرتؐ تشریف رکھتے تھے ۔ چاروں طرف صحابہ کا مجمع تھا ۔ طلحہ بن عبید اللہؓ دوڑ کر میری طرف آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی ۔ خدا کی قسم میرے آنے پر ان کے سوا مہاجرین میں سے کوئی بھی کھڑا نہیں ہوا ۔ میں طلحہ کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا ۔

حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو اس وقت آپؐ کا چہرہ انور خوشی سے دمک رہا تھا ۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس مبارک دن کے لئے تمہیں بشارت ہو جو تمہاری عمر کا سب سے بہترین دن ہے ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے ۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات پر خوش ہوتے تو چہرہ انور منور ہو جاتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو ۔ آپؐ کی مسرت ہم آپ کے چہرہ مبارک سے سمجھ جاتے تھے ۔ پھر جب میں آپؐ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں اپنا مال اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

راہ میں صدقہ کر دوں؟ آپ نے فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس بھی رکھ لو، یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا پھر میں خیبر کا حصہ اپنے پاس رکھ لوں گا۔ حضرت کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے سچ بولنے کی وجہ سے نجات دی۔ اب میں اپنی توبہ کی قبولیت کی خوشی میں یہ عہد کرتا ہوں کہ اپنی بقیہ زندگی میں سچ کے سوا کوئی اور بات زبان پر نہیں لاؤں گا۔ خدا کی قسم جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کا عہد کیا ہے۔ میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس پر اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ سے اتنے انعام فرمائے ہوں جتنے سچ بولنے کی وجہ سے اس نے مجھ پر فرمائے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے اس سے محفوظ رکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیت نازل کی۔ (بخاری شریف ۶۲۔ ۶۴ / ۳)

تشریح: غزوہ تبوک کے موقع پر بعض لوگ کاہلی وسستی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے مگر بعد میں نادم و تائب ہوئے اور بالآخر ان سب کی توبہ قبول ہو گئی۔ یہ کل دس آدمی تھے جن میں سے سات آدمیوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے بعد فوراً اپنی ندامت و توبہ کا اظہار اس طرح کیا کہ اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا کہ جب تک توبہ قبول نہ ہو گی اسی طرح بندھے رہیں گے۔ ان کی توبہ کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ان میں سے تین آدمی وہ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے نہیں باندھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ان کے مقاطعہ کا حکم دیا کہ کوئی ان کے ساتھ سلام و کلام نہ کرے۔ اس سے یہ حضرات سخت پریشان ہو گئے۔ اس آیت میں انہی کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے۔

جن لوگوں کا معاملہ وحی کے انتظار میں موقوف اور ملتوی رکھا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی۔ جب ان تینوں کے ساتھ مسلمانوں کے مقاطعہ کے پچاس دن پورے ہو گئے اور ان کے اضطراب کی حالت یہ ہو گئی کہ کشادہ و فراخ ہونے کے باوجود زمین ان پر تنگ ہو گئی اور انتظار کی شدت اور غم کی وحشت سے ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں، ان کا باہر آنا جانا تک رک گیا۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں، سوائے اس کے کہ صبر کریں اور اپنی ذلت و رسوائی پر راضی رہیں اور ان کو یقین ہو گیا کہ مغفرت کی دعا کے سوا اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر بھی توجہ فرمائی اور ان کی توبہ قبول فرما

ن تاکہ وہ آئندہ بھی اسی طرح اللہ کی طرف رجوع کرتے رہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ جو شخص ان توبہ کرنے والوں کے طریقے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرمالے گا۔ (ابن کثیر ۳۹۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۸ / ۳)

صادقین کی معیت کا حکم

۱۱۹۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ○

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان کے بعد تقویٰ و پرہیزگاری اور سچے لوگوں کی صحبت ضروری ہے۔ جس طرح علم حاصل کرنے کے لئے کتاب کا مطالعہ کافی نہیں بلکہ کسی عالم کی صحبت میں رہ کر علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح اعمال و افعال میں اخلاص و پرہیزگاری کے لئے کسی سچے اور پرہیزگار کی صحبت ضروری ہے۔ چونکہ حضرت کعب بن مالکؓ وغیرہ کی معافی پرہیزگاری اور سچ بولنے کی وجہ سے ہوئی، اس لئے مسلمانوں کو منافقوں کی صحبت سے بچتے رہنا چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی معیت و صحبت اختیار کرنی چاہئے۔

متخلفین کو ملامت

۱۲۰-۱۲۱۔ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

اہلِ مدینہ اور ان کے آس پاس کے دیہاتیوں کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے تھا اور نہ یہ کہ وہ اپنی جانوں کو رسول کی جان سے زیادہ عزیز جانیں ۔ یہ اس لئے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی اور محنت کی اور بھوک کی اور یا ان کا ایسی جگہ جانا جو کفار کو ناگوار گزرتا ہو اور ان کا دشمنوں سے کوئی چیز چھین لینا ۔ ان سب باتوں پر ان کے لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے ۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا اور جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اور جو میدان وہ طے کرتے ہیں تو سب کچھ ان کے لئے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کام کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا کرے ۔

یَرْغَبُوْا: وہ رغبت کریں گے ۔ وہ عزیز سمجھیں گے ۔ رَغْبٌ و رُغْبَۃٌ سے مضارع ۔

ظَمَاٌ: پیاسا ہونا ۔ تشنگی ۔ مصدر ہے ۔

نَصَبٌ: محنت ۔ تکلیف ۔ مشقت ۔ جمع اَنْصَابٌ ۔

مَخْمَصَۃٌ: سخت بھوک ۔ اسم ہے ۔

یَطَؤُنَ: وہ پامال کریں گے ۔ وہ چلیں گے ۔ وہ جائیں گے ۔ وَطْأٌ سے مضارع ۔

یَنَالُوْنَ: وہ لیتے ہیں ۔ وہ پاتے ہیں ۔ وہ پہنچتے ہیں ۔ نَیْلٌ سے مضارع ۔

یَقْطَعُوْنَ: وہ قطع کرتے ہیں ۔ وہ کاٹتے ہیں ۔ وہ طے کرتے ہیں ۔ قَطْعٌ سے مضارع ۔

نَیْلًا: پانا ۔ کامیاب ہونا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: جو اہل مدینہ اور اعراب، غزوہ تبوک میں آرام طلبی اور سستی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے وہ ان برکات اور اجر و ثواب سے محروم رہے ۔ جو آپ کے ساتھ جانے والوں کو نصیب ہوا کیونکہ متخلفین کو نہ تو بھوک و پیاس سے سابقہ پڑا، اور نہ انہیں رنج و تکلیف پہنچی اور نہ وہ مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو کر کافروں کو خوف زدہ کرنے کا باعث بنے اور نہ ان کو کافروں پر غلبہ اور کامیابی کا شرف حاصل ہوا ۔ جبکہ مجاہدین کو ان کے ہر عمل پر اجر و ثواب ملتا ہے خواہ وہ بھوک پیاس کی تکلیف ہو یا رنج اور محنت و مشقت یا ان کا دشمن کی سرزمین پر چلنا پھرنا جس سے کافروں کو غصہ اور طیش آئے یا وہ دشمن سے کوئی چیز چھین لیں یا ان کو قتل و گرفتار کر کے تکلیف دیں ۔ ان سب کاموں پر مجاہدین کو اجر و ثواب ملتا ہے ۔ متخلفین اس اجر و ثواب سے محروم رہے ۔

مسلمانوں کے لئے یہ مناسب نہیں کہ جب کوئی جانثاری کا موقع آئے تو وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو کر اپنی راحت و حفاظت کو رسول کی راحت و حفاظت پر مقدم رکھیں بلکہ ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ کر مشقتوں اور سختیوں کو برداشت کرنا ضروری تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا رسول تمام عالم سے افضل و اکرم اور بہت عزت اور قدر و منزلت والے ہیں۔ پس جب آپؐ نے یہ سختیاں برداشت کیں تو ان لوگوں کو چاہئے تھا کہ ان سخت حالات میں یہ اپنی جانوں کو نہایت ہلکا اور خفیف جانتے ہوئے رسول اللہ کے سامنے جانبازی کرتے۔ اللہ تعالیٰ کسی حالت میں بھی نیک لوگوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔

پھر فرمایا کہ مجاہدین اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی کرتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ یا سفر جہاد میں، وہ وادی کا تھوڑا سا حصہ بھی طے کریں تو انہیں اس کا بہترین اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔

(مواہب الرحمن ۶۲۔ ۶۴ / ۱۱، ابن کثیر ۴۰۰ / ۲)۔

دین کی سمجھ پیدا کرنے کی ضرورت

۱۲۲۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

اور مومنوں کے لئے ضروری نہیں کہ وہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں۔ مگر ایسا کیوں نہیں کیا کہ ان کی ہر جماعت میں سے کچھ لوگ نکلتے تاکہ وہ دین کی سمجھ پیدا کرتے اور واپس جاکر اپنی قوم کو خبردار کرتے تاکہ وہ (برے کاموں سے) بچتے رہیں۔

لِيَنْفِرُوْا: تاکہ وہ فرار ہوں۔ تاکہ وہ بھاگیں۔ نَفْرٌ سے مضارع۔

كَآفَّةً: سب۔ تمام۔ کَفٌّ بمعنی روکنا سے اسم فاعل۔

طَآئِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔ طَوْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں پر جو ملامت کی گئی اس سے بعض مسلمانوں کو یہ شبہ ہوا کہ مسلمانوں پر جہاد کے لئے نکلنا فرض عین ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس

آیت میں یہ بات واضح فرمادی کہ ہر جہاد میں جانا فرض نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ جہاد کی طرح دین کا علم حاصل کرنا بھی فرضِ کفایہ ہے۔ جب کوئی لشکر جہاد کے لئے روانہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہی قیام فرما رہیں تو کچھ لوگوں کا آپؐ کے پاس رہنا ضروری ہے تاکہ وہ آپ کی خدمت میں رہ کر دین کا علم حاصل کریں اور دین میں سمجھ پیدا کریں اور جب مجاہدین کا لشکر جہاد سے واپس آئے تو یہ لوگ ان کو احکام خداوندی سے آگاہ کریں اور اللہ کی معصیت سے ڈرائیں تاکہ وہ ان احکام سے واقف ہو کر جو ان کی عدم موجودگی میں اللہ کے رسول پر نازل ہوئے ان میں اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔

آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ علم کے حصول کے لئے سب لوگ اپنے گھروں سے نہ نکل جائیں بلکہ تھوڑے سے لوگ جایا کریں۔ پھر وہ تحصیلِ علم کے بعد اپنی قوم میں واپس آکر ان کو تعلیم دیں اور وعظ و تلقین کریں۔

فقہ سے مراد احکامِ شریعت کا علم ہے جس میں عقائد اور اعمالِ ظاہر اور اعمالِ باطنہ سب داخل ہیں اور سب ہی کا جاننا فرض ہے۔ لغت میں فقاہت کے معنی فہم اور سمجھ کے ہیں۔ لغت اور شریعت کے اعتبار سے فقیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو شریعت کے حقائق اور دقائق اور اس کے اصول و فروع کو سمجھتا ہو۔ محض الفاظ یاد کرلینے کا نام فقاہت نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۲۔ ۴۲۴ / ۳)

جہاد و قتال کی ترتیب

۱۲۳۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ○

اے ایمان والو! اپنے آس پاس کے کافروں سے قتال کرو اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔

تشریح: اس آیت میں جہاد و قتال کی ترتیب بیان کی گئی ہے کہ سب سے پہلے ان کفار سے جہاد ہونا چاہئے جو مسلمانوں سے قریب تر ہوں۔ پھر جو ان کے قریب رہنے والوں کے قریب ہوں علیٰ ہٰذا۔ جہاد کو اسی طرح درجہ بدرجہ وسیع کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے

راشدین کے جہاد اسی ترتیب سے ہوئے۔ "دفاعی جہاد" میں بھی فقہاء نے یہی ترتیب رکھی ہے کہ جس اسلامی ملک پر کفار حملہ آور ہوں، وہاں کے مسلمانوں پر دفاع واجب ہے۔ اگر وہ کافی نہ ہوں یا سستی کریں تو ان کے متصل رہنے والوں پر دفاع واجب ہو گا۔ اگر وہ بھی کافی نہ ہوں تو پھر جو ان سے متصل ہیں ان پر واجب ہو گا۔ اسی طرح اگر ضرورت پڑے تو درجہ بدرجہ مشرق سے مغرب تک جہاد فرض ہوتا چلا جائے گا۔

مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی کے حق میں نرم اور دشمنان خدا اور رسول کے حق میں سخت اور شدید ہو تاکہ دشمن اس کی نرمی اور ڈھیلے پن سے بے خوف نہ ہو جائے۔ اللہ سے ڈرنے والوں کو کسی کافر قوم سے ڈرنے اور دبنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کی حفاظت و نصرت اور اعانت و معیت پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ جب تک تم پرہیزگاری اختیار کئے رہو گے اللہ کی نصرت و اعانت تمہارے ساتھ رہے گی۔ (عثمانی ۵۸۹/۱)

منافقین کی کج فہمی

١٢٤-١٢٧۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ
اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ
۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى
رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ
فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝
وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ۗ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ
اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ۗ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا
يَفْقَهُوْنَ ۝

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان (منافقوں میں سے) بعض لوگ کہتے ہیں اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کر دیا۔ پس جو اہل ایمان ہیں ان کا ایمان تو اس نے زیادہ کر دیا اور وہی خوش بھی ہوتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تو اس سورت نے ان کی پہلی گندگی

پر ایک اور گندگی بڑھادی اور وہ مرتے دم تک کافری رہے ۔ کیا وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ ہر سال ایک یا دو دفعہ کسی نہ کسی آزمائش میں جتلا رہتے ہیں (مگر) پھر بھی نہ توبہ کرتے ہیں اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں ۔ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں کہ کہیں کوئی (مسلمان تمہیں) دیکھ تو نہیں رہا ۔ پھر وہ رسول کی مجلس سے اٹھ کر چل دیتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں ہی کو پھیر دیا اس لئے کہ وہ تو ہیں ہی نا سمجھ ۔

رِجْسًا: نجاست ۔ گندگی ۔ پھٹکار ۔ جمع اَرْجَاسٌ ۔

اِنْصَرَفُوْا: وہ پھر گئے ۔ وہ پلٹ گئے ۔ وہ چل دیئے ۔ اِنْصِرَافٌ سے ماضی ۔

تشریح: جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو منافقوں میں سے کچھ لوگ مذاق کے طور پر اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان و یقین میں اضافہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ نازل شدہ سورت کے ذریعہ مومنوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ مومن تو پہلے ہی سے ایمان و تقویٰ کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں ۔ اس سورت کے دلائل اور براہینِ قطعیہ نے ان کے ایمان و ایقان میں اور اضافہ کر دیا ۔ اس لئے وہ اس سورت کے نازل ہونے سے غایت درجہ خوش ہوتے ہیں ۔

جن لوگوں کے دلوں میں شک اور نفاق کا مرض ہے اور ان کے دل مکر و حیلہ کی گندگی سے آلودہ ہیں، وہ تو پہلے ہی قرآن کے منکر تھے ۔ اب نئی سورت کے نازل ہونے پر اس کے بھی منکر ہو گئے ۔ اس طرح ان کی سابقہ پلیدی و گندگی پر ایک نئی پلیدی اور گندگی کا اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت دن بدن ترقی کرتی جاتی ہے حتیٰ کہ کفر و نفاق ان میں پوری طرح رچ بس جاتا ہے اور پھر حالتِ کفری میں ان کی جان نکلتی ہے ۔

یہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ ہر سال طرح طرح کے مصائب و امراض میں بار بار جتلا کر کے ان کو آزمایا جاتا ہے پھر بھی وہ عہد شکنی، گناہوں اور نفاق سے توبہ نہیں کرتے، جو تمام مصائب و رسوائیوں کا سبب ہے اور نہ وہ اس بات سے نصیحت پکڑتے ہیں کہ اللہ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں سے فتح و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا ۔

جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں ان کے عیوب کا بیان اور رسوائی کا سامان ہو تو یہ لوگ مجلس سے اٹھ کر بھاگ جانے کے لئے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے

ہیں۔ پھر اگر کوئی مسلمان ان کو نہ دیکھتا ہو تو وہ مسجد سے کھسک جاتے ہیں اور اگر ان کو یقین ہو جائے کہ کوئی ان کو دیکھ رہا ہے تو وہ جمے بیٹھے رہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کرتوتوں کی سزا میں ان کے دلوں کو اسلام سے پھیر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ حق و باطل اور نفع و نقصان کو نہیں سمجھتے۔

(مظہری ۳۲۶۔ ۳۲۷ / ۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۷۔ ۴۲۸ / ۳)

آپؐ کا کمالِ شفقت و رافت

۱۲۸۔ ۱۲۹۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○

بیشک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک ایسا رسول آگیا ہے جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے، جو تمہاری بھلائی کا بڑا خواہش مند ہے۔ وہ مومنوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے لئے تو اللہ کافی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں نے تو اسی پر بھروسہ کر لیا ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

عَزِيْزٌ: سخت۔ گراں۔ شاق۔ عزت والا۔

عَنِتُّمْ: تم کو تکلیف پہنچی۔ تم کو ایذا پہنچی۔ عَنَتٌ سے ماضی۔

تشریح: انبیاء کرام علیہم السلام کا کام یہ ہے کہ شفقت و رحمت اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کی طرف آنے کی دعوت دیں۔ اگر مخلوق کی طرف سے ان کو کوئی تکلیف پیش آئے تو اس کو اللہ کے سپرد کر دیں اور اسی پر بھروسہ کریں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے تمہیں میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے۔ جس طرح تم انسان ہو وہ بھی انسان ہے۔ وہ تمہارے درمیان تمہاری ہی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ تم اس کے حسب و نسب، اس کی عفت و پاکیزگی، اخلاق سے واقف ہو۔

تم اس کے اٹھنے بیٹھنے، آنے جانے اور صدق و امانت، سب ہی باتوں کو جانتے ہو ۔ جاہلیت کے زمانے میں اس کے خاندان پر کوئی دھبہ نہیں ۔ وہ تمہارا ہم جنس ہونے کے علاوہ، تمہارا غایت درجہ ہمدرد و شفیق اور مہربان ہے ۔ امت کی تکلیف ان کو نہایت شاق گزرتی ہے ۔ یہ تم پر اللہ کا بہت بڑا احسان ہے ورنہ اگر وہ کسی جن یا فرشتے کو رسول بنا کر تمہارے پاس بھیج دیتا تو تم نہ تو اس سے مانوس ہوتے اور نہ وہ تمہارا اس درجہ ہمدرد و خیر خواہ ہوتا ۔ لہذا تمہارے لئے اس سے پوری طرح استفادہ کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ۔

ایسے شفیق و مہربان کی بات نہ ماننا اور اس کے ساتھ ضد و عناد کا معاملہ کرنا سراسر عقل و فطرت کے خلاف ہے ۔ سو اگر یہ لوگ اس قدر شفقت و مہربانی کے مشاہدے کے بعد بھی آپ سے روگردانی کریں اور اپنے بغض و عناد پر قائم رہیں تو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور کہہ دیجئے کہ مجھے تو بس اللہ کافی ہے ۔ وہی تمہارے شر سے میری حفاظت کرے گا اور مجھے تم پر غالب کرے گا ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو نفع و ضرر کا مالک ہو ۔ میں نے اپنے سب کام اسی کے سپرد کر دیئے ہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۰ / ۳)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق قرآن کریم کی یہ آخری آیتیں ہیں ۔ ان کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے ۔

حدیث میں ان دو آیتوں کے بڑے فضائل مذکور ہیں ۔ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح و شام سات مرتبہ یہ آیتیں پڑھ لیا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دنیا و آخرت کے سارے کام بنا دے گا اور وہ جو ارادہ کر رہا ہو اس کو پورا کرے گا ۔

(ابن کثیر ۴۰۳ ۔ ۴۰۵ / ۲، روح المعانی ۵۳ / ۱۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الیونس

وجہ تسمیہ: اس سورت میں چونکہ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام میں یہ سورت سورہ یونس کے نام سے مشہور ہوئی۔

تعارف: اس میں گیارہ رکوع، ایک سو نو آیتیں، ۱۸۶۱ کلمات اور ۷۷۳۳ حروف ہیں۔

یہ سورت مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سورت کی تین آیتیں مدنی ہیں جن کی ابتدا **فان کنت فی شک** سے ہوتی ہے۔

اس سورت میں زیادہ تر توحید و رسالت اور آخرت وغیرہ کو کائناتِ عالم اور اس میں ہونے والے تغیرات و مشاہدات سے استدلال کر کے ثابت کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کچھ عبرت انگیز واقعات کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی عظمت و جلالتِ شان بیان کی گئی ہے۔ پھر رسالتِ محمدیہ اور توحید کا اثبات اور آخرت کی زندگی اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔ آخر میں منکرینِ آخرت کا انجام اور مومنین صالحین کا انعام مذکور ہے۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم، سابقہ کافروں کی ہلاکت اور مشرکینِ مکہ کی ہرزہ سرائی کا بیان ہے۔ پھر شرک کا ابطال اور مشرکین کی ہٹ دھرمی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: توحید کا مزید اثبات اور حیاتِ دنیا کی مثال بیان کی گئی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو دار السلام یعنی جنت کی طرف بلانا۔ آخر میں اعمال کا بدلہ اور قیامت کے روز کافروں کی ذلت و رسوائی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: توحید کے کچھ اور دلائل اور کفار کو قرآن کا چیلنج کہ تم بھی اہلِ زبان ہو، فصاحت و بلاغت میں کمال رکھنے کے دعویدار ہو، غیر عرب کو عجمی کہتے ہو۔ اگر تمہارے خیال میں یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا ہے جو محض امی ہیں، تو تم اس قرآن جیسی صرف ایک سورت ہی بنالاؤ۔

رکوع ۵: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، معاندین کو ان کے حال پر چھوڑنے کا حکم۔ پھر قیامت کے روز مکذبین کی حسرت و ندامت اور انہماک کا بیان۔ آخر میں کفار کا تکذیب و تمسخر کے طور پر بے خوفی کے ساتھ عذاب طلب کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۶: عذاب و قیامت کا یقینی طور پر آنا۔ پھر قرآن کے محاسن و صفات کا بیان اور آخر میں مشرکین کے قبیح اعمال کا بیان ہے۔

رکوع ۷: اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے پھر اولیاء اللہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ نہ تو قیامت کے روز ان کو کسی قسم کا خوف دامن گیر ہو گا اور نہ دنیا میں ان کو کوئی رنج و ملال ہو گا۔ آخر میں آپ کو تسلی و بشارت اور توحید کے کچھ دلائل کا بیان ہے۔

رکوع ۸: شروع میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کا بیان اور فرعون کا جادوگروں کو جمع کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۹: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توکل اور کثرتِ صلوۃ کی تاکید اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا بیان ہے۔ آخر میں فرعون کے لشکر کی غرقابی کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۰: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلانا اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے۔ پھر قوم یونس کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں مکذبین کو قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع ۱۱: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دینِ اسلام کی حقانیت اور توحید کی تعلیم و تاکید بیان کی گئی ہے۔ آخر میں آپ کو تسلی و تشفی دی گئی ہے۔

حروفِ مقطعات

۱۔ آلرٰ یہ حروفِ مقطعات ہیں جو قرآن مجید کی بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ جیسے آلم، حم عسق وغیرہ۔ اس قسم کے حروف کے بارے میں صحابۂ کرام، تابعین اور جمہور سلف کا مسلک یہ ہے کہ یہ خاص رموز ہیں۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ان الفاظ کو کلامِ خداوندی سمجھیں اور ان کے معنی اور تاویل میں نہ پڑیں۔

قرآن کی عظمت و جلالتِ شان

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○

یہ حکمت والی کتاب (قرآن) کی آیتیں ہیں۔

تشریح: یہ کتاب سراپا نور حکمت اور چشمۂ ہدایت ہے۔ اس کے دلائل و براہین نہایت قوی اور واضح ہیں۔ یہ ہر قسم کے عیب اور خلل سے پاک ہے۔ اس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں اس کے الفاظ تحریف و تبدل سے محفوظ اور اس کے علوم و معارف عقل و حکمت کے مطابق ہیں اور اس کے احکام نسخ سے محفوظ ہیں، اس لئے کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی جو اس کی ناسخ ہو۔

(حقانی ۵۲۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۴ / ۳)

اثباتِ رسالتِ محمدیہ

۲۔ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○

کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص پر وحی
بھیجی کہ وہ لوگوں کو خبردار کرے اور مومنوں کو بشارت دے کہ ان کے رب
کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔ کافر کہنے لگے کہ (نعوذ باللہ) یہ تو
بلاشبہ صریح جادوگر ہے۔

تشریح۔ کیا لوگوں کے لئے یہ بات باعثِ تعجب و حیرت ہے کہ ہم نے ان کی اصلاح و ہدایت کے لئے انہیں میں کے ایک ایسے شخص پر وحی بھیجی جس کے حسب و نسب اور صدق و دیانت سے یہ لوگ خوب واقف ہیں تاکہ وہ اللہ کی نافرمانی کرنے والوں کو ان کے برے اعمال اور برے عقائد کے برے نتائج سے جو دنیا میں اور مرنے کے بعد آخرت میں پیش آتے ہیں خبردار کرے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ اللہ تعالیٰ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو خوش خبری سنایئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بلند مرتبہ اور اجرِ عظیم کے مستحق ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے کسی برگزیدہ بندے پر لوگوں کی ہدایت و اصلاح اور بشارت و نذارت کے لئے وحی کا نزول کوئی تعجب کی بات نہیں بلکہ باعثِ تعجب تو یہ ہوتا کہ لوگوں کو آگاہی و رہنمائی کے بغیر یونہی بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا، مگر یہ کافر تو تعجب سے بھی آگے بڑھ کر طعن و تشنیع پر اتر آئے اور آپ کے معجزات کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ شخص تو کھلا جادوگر ہے۔ قرآن تو سراپا موعظت و حکمت ہے۔ اس کا جادو ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسے صاحبِ کرامات و معجزات کو جادوگر کہنا ناممکن اور محال ہے۔ آپ تو اللہ کے سچے رسول ہیں اور اس کی صفات و کمالات کو بیان کرتے ہیں۔

(حقانی ۵۲۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۴، ۴۳۵ / ۳)

اثباتِ توحید

۳۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ
اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

بیشک تمہارا رب تو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں
پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے۔ (اس کے
سامنے) اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کر سکتا۔ وہی اللہ تمہارا
(حقیقی) رب ہے۔ سو تم اس کی عبادت کرو۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

اِسْتَویٰ: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہو۔ وہ قائم ہوا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

یُدَبِّرُ: وہ تدبیر کرتا ہے۔ وہ انتظام کرتا ہے۔ تَدْبِیْرٌ سے مضارع۔

شَفِیْع: سفارش کرنے والا۔ شَفَاعَۃٌ سے فاعل کے معنی میں۔

تشریح: تمہارا رب تو وہ ہے جس نے چھ روز کے مختصر سے عرصے میں آسمانوں اور زمین اور سیاروں اور تمام کائنات پر مشتمل اتنے بڑے جہان کو بنا دیا اور پھر عرشِ عظیم پر ممکن ہو گیا اور عرش سب مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اور سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے۔ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ جسم اور اس کی تمام صفات و خصوصیات سے بالا و برتر ہے۔ پس نہ اس کا جسم ہے اور نہ اس کے لئے کوئی سمت ہے اور نہ اس کا کسی مکان میں اس طرح کا قیام ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ پھر عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت میں ہے، اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔ یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کو عقل نہیں پا سکتی اور اللہ کے سوا ان کو کوئی نہیں جانتا۔

وہ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اس کو اپنی تخلیق کے لئے نہ تو کسی خام مال کی ضرورت ہے اور نہ عملے اور خدام کی۔ بلکہ اس کی قدرتِ کاملہ کا مقام تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو کسی قسم کے سامان اور کسی کی امداد کے بغیر ایک آن سے بھی پہلے بنا دیتا ہے۔ اس آیت میں چھ دن کا ذکر کسی خاص مصلحت و حکمت کی بنا پر ہے، ورنہ اس کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ وہ تمام آسمانوں اور زمین وغیرہ کو ایک آن سے بھی کم میں پیدا فرما دے۔ یہاں آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنانے کا ذکر کرنے میں ممکن ہے بندوں کو تعلیم دینا مقصود ہو کہ قدرت کے باوجود ہر کام کو سوچ سمجھ کر متانت و سنجیدگی سے کرنا چاہئے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۰۱ / ۴، تفسیر حقانی ۵۲۸، ۵۲۹ / ۲)

پس جو ذات ایسی قدرتِ کاملہ، تقدیر و تدبیر اور عظمت و حکمت جیسی صفات کے ساتھ متصف ہے، وہی اللہ تعالیٰ ہے جو تمہارا پروردگار ہے۔ اور تم جانتے ہو کہ ان صفات میں اس کا

کوئی شریک نہیں، سو تم اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک نہ کرو۔ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ عبادت صرف اسی ذات کا حق ہے جو کامل قدرت اور حکمت و عظمت جیسی صفات کے ساتھ موصوف ہو۔

(معارف القران از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۲۳ / ۳)

آخرت کی زندگی

۴۔ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ، وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ، اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ○

تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ بیشک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر (قیامت کے روز) وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا، تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے پینے کا کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب ہے ان کے کفر کے بدلے میں۔

يَبْدَؤُا: اس نے ابتدائی تخلیق کی۔ وہ عدم سے وجود میں لایا۔ بَدْءٌ سے مضارع بمعنی ماضی۔

اَلْقِسْطِ: انصاف۔ عدل۔ برابری۔ اسم ہے۔ جمع اَقْسَاطٌ۔

حَمِيْمٍ: کھولتا ہوا پانی۔ نہایت گرم پانی۔ جمع حَمَائِمُ۔

تشریح: قیامت کے روز تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے، جس نے سب کو پیدا کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔ اگر تمہارے خیال میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا محال ہے، تو یہ تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ بلاشبہ اسی نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا اور وہی اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کو دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ انصاف کے ساتھ ان کو بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کیا، قیامت کے روز ان کو ان کے کفر کے

سبب مختلف عذاب دے ۔ مثلاً بادِ سموم اور آبِ حمیم وغیرہ ۔ یہ لوگ دن رات اسی عذاب میں مبتلا رہیں گے ۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ آخرت کی زندگی کے لئے کچھ تیاری کر لے ۔ (ابن کثیر ۴۰۷/۲)

عجائبِ قدرت

۱۰۵۔ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ○ اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ○

(اللہ) وہی تو ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو روشن کر دیا اور اس (اللہ) نے اس کی منزلیں مقرر کر دیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ تدبیر سے بنایا ہے ۔ وہ سمجھدار لوگوں کے لئے کھول کھول نشانیاں بیان کرتا ہے ۔ بیشک رات اور دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اس نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کر رکھا ہے ان سب میں البتہ پرہیز گاروں کے لئے (توحید کی بڑی) نشانیاں ہیں ۔

قَدَّرَ: اس نے اس کا اندازہ کیا ۔ اس نے اس کو مقرر کیا ۔ تَقْدِیْرٌ سے ماضی ۔

السِّنِیْنَ: سال ۔ برس ۔ واحد سَنَةٌ

یُفَصِّلُ: وہ تفصیل سے بیان کرتا ہے ۔ وہ کھولتا ہے ۔ تَفْصِیْلٌ سے مضارع ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس کی الوہیت و ربوبیت کے دلائل تم سن چکے ہو ۔ اسی نے سورج کو روشن اور چاند کو پر نور بنایا ۔ سورج کی روشنی الگ قسم کی ہے اور چاند کی روشنی علیحدہ نوعیت کی ہے ۔ دن میں سورج کی بادشاہت ہے تو رات میں چاند کی ۔ پھر چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں ۔ پہلی تاریخ کو جب چاند افق پر نمودار ہوتا ہے تو بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے ۔ پھر اس کی روشنی اور سائز بڑھتے جاتے ہیں ۔ یہاں تک کہ وہ ایک کامل دائرہ بن جاتا ہے ۔ اس کے بعد پھر

گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور ایک مہینہ پورا ہونے پر اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۔
(یٰسٓ آیت۔ ۳۹)

اور ہم نے چاند کے لئے منزلیں مقرر کر دیں، یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح (باریک، زرد اور خمدار) ہو جاتا ہے۔

نہ تو سورج چاند کو جا پکڑتا ہے اور نہ رات ہی دن سے آگے بڑھتی ہے۔ ہر ایک اپنے اپنے ضابطے اور قانون کی رو سے اپنے اپنے مدار پر گھوم رہا ہے۔ پھر سورج کے ذریعہ دن پہچانے جاتے ہیں اور چاند کی گردش سے مہینوں اور سالوں کا حساب لگایا جاتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا (سورۃ انعام۔ آیت ۹۶)

اور سورج اور چاند کا اپنا اپنا حساب ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں فرمایا بلکہ ان کے پیدا کرنے کا مقصد اپنی قدرتِ کاملہ اور وحدانیت کے دلائل کا اظہار ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝ (سورۃ صٓ۔ آیت ۔۲۷)

اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے وہ سب باطل طور پر پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے (کہ یہ سب بیکار پیدا کئے گئے) سو کافروں کے لئے دوزخ کی ہلاکت ہے۔

اہلِ علم کے لئے تو ہم دلائل و براہین کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں۔ دن رات کے اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ جب دن چلا جاتا ہے تو رات آجاتی ہے اور جب رات چلی جاتی ہے تو دن آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے وہ سب اس کی عظمت، اس کے علم و قدرتِ کاملہ اور اس کے تمام عیوب و نقائص سے پاک ہونے کی عظیم نشانیاں ہیں۔ جن لوگوں کو آخرت کا خوف ہوتا ہے وہی اللہ کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں۔
(ابن کثیر، ۴۰۷/ ۲)

منکرینِ آخرت کا انجام

۸،۷۔ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَاَنُّوْا بِھَا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ اٰیٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ مَاْوٰھُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ ۝

جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ان کے اعمال کی وجہ سے۔

یَرْجُوْنَ: وہ امید کرتے ہیں۔ رَجَاءٌ سے مضارع۔
لِقَآءَنَا: ہماری ملاقات۔ ہمارا ملنا۔
اِطْمَاَنُّوْا: وہ مطمئن ہو گئے۔ انہوں نے آرام پایا۔
مَاْوٰھُمْ: ان کے رہنے کی جگہ۔ ان کا ٹھکانا۔
یَکْسِبُوْنَ: وہ کمائی کرتے ہیں۔ کَسْبٌ سے مضارع۔

تشریح: جن بدبختوں کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ذرا بھی یقین نہیں اور وہ دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی زندگی پر جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، ترجیح دیتے ہیں اور اسی پر راضی و مطمئن اور اسی میں مگن ہیں۔ وہی لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت کی نشانیوں سے غافل ہیں۔ اپنے برے کرتوتوں اور کفر و معاصی پر جمے رہنے کی وجہ سے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں پہنچ کر وہ اپنی تمام مرغوب و محبوب چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔ ان کے اعمالِ بد کا یہ صحیح بدلہ ہے۔
(ابن کثیر ۴۰۷/۲)

مومنینِ صالحین کا انعام

۱۰،۹۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَھْدِیْھِمْ رَبُّھُمْ بِاِیْمَانِھِمْ ۚ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھِمُ الْاَنْھٰرُ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ دَعْوٰھُمْ فِیْھَا سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَتَحِیَّتُھُمْ فِیْھَا سَلٰمٌ ۚ

وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ٥

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب (جنت تک) ان کی رہنمائی کرے گا، جن کے نیچے نعمتوں والے باغوں میں نہریں بہتی ہوں گی۔ جہاں ان کی گفتگو سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ (اے اللہ تیری ذات پاک ہے) اور ان کی باہمی دعاء سلام (اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ) ہو گی اور ان کی (اس وقت کی باتوں میں) آخری بات اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ہو گی۔

تشریح: جو لوگ ایمان لائے، نیک اعمال کئے اور انہوں نے پیغمبروں کی تصدیق کی اور اطاعت گزاریاں کیں تو ان کے ایمان و یقین کے سبب قیامت کے روز، اللہ تعالیٰ جنت میں پہنچانے والے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرے گا، جہاں ان کے مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر یہ لوگ نعمتوں اور عیش و آرام کے باغوں میں رہیں گے اور اس کی حمد و شکر کے طور پر کہیں گے کہ اے اللہ تو وعدہ خلافی اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ تو نے ہی اپنے فضل سے یہ نعمتیں عطا کیں۔ جنت میں اہلِ جنت کی ابتدائی دعاء سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ اور آخری دعا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہو گی۔

چونکہ جنت میں اہلِ جنت کو ہر چیز خود بخود حاصل ہو جائے گی اور کسی کو مانگنے کی درخواست کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس لئے ان کی دعاء کا مطلب یہ ہو گا کہ دعاء کے بدلے میں ان کی زبان پر صرف اللہ کی تسبیح ہو گی۔ اسی میں ان کو لذت آئے گی اور کوئی لغو اور بیہودہ بات ان کی زبانوں سے نہیں نکلے گی۔

امام ابن جریرؒ اور ابن منذرؒ وغیرہ نے اور ابو الشیخؒ نے ابن جریجؒ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جب اہلِ جنت کے پاس سے کوئی (ایسا) پرندہ اڑتا ہوا گزرے گا جس کی انہیں خواہش پیدا ہو گی تو وہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کہیں گے اور یہی ان کا پکارنا ہو گا۔ پس اسی وقت ایک فرشتہ ان کی خواہش کی چیز ان کے پاس لے آئے گا اور ان کو سلام کرے گا۔ پھر وہ اس فرشتے کے سلام کا جواب دیں گے۔ پھر وہ کھا چکیں گے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہیں گے۔

(روح المعانی ۷۷/۱۱)

مقاتل بن حیانؒ کہتے ہیں کہ اہل جنت کوئی کھانے کی چیز منگوانا چاہیں گے تو

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کہیں گے۔ سو اس کے پاس دس ہزار خادم سونے کے خوان لئے ہوئے حاضر ہو جائیں گے کہ ہر خوان میں ایک تازہ کھانا ہو گا۔ وہ ہر ایک میں سے کچھ نہ کچھ کھائے گا۔
(ابن کثیر ۴۰۸/ ۲)

اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم

۱۱۔ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اور اگر اللہ تعالیٰ بھی سزا دینے میں ویسی ہی جلدی کیا کرتا جیسا کہ لوگ اپنے فوائد کے لئے جلدی کیا کرتے ہیں تو ان کی (عمر کی) میعاد کبھی کی پوری ہو چکی ہوتی۔ سو ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے، ان کے حال پر چھوڑے رکھتے ہیں کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

يُعَجِّلُ: وہ عجلت کرتا ہے۔ وہ جلدی کرتا ہے۔ تَعْجِيْلٌ سے مضارع

اسْتِعْجَالَهُمْ: ان کا عجلت کرنا۔ ان کا جلدی کرنا۔ مصدر ہے۔

لَقُضِيَ: البتہ وہ پورا کر دیا گیا۔ البتہ اس کا فیصلہ کر دیا گیا۔ قُضَاءٌ سے ماضی مجہول۔

أَجَلُهُمْ: ان کا وقت۔ ان کی مہلت۔ جمع آجَالٌ۔

فَنَذَرُ: سو ہم چھوڑ دیں گے۔ سو ہم پڑا رہنے دیں گے۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

طُغْيَانِهِمْ: ان کی سرکشی۔ ان کی گمراہی۔

يَعْمَهُوْنَ: وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ عَمْہٌ سے مضارع۔

تشریح: جب لوگ بیباک و بے خوف ہو کر اپنے اوپر جلد عذاب آنے کا مطالبہ کرتے ہیں یا حوادثِ زمانے سے تنگ آکر اپنے یا اپنی اولاد کے حق میں بد دعائیں کرنے لگتے ہیں تو اس وقت اگر اللہ تعالیٰ بھی ان کی بد دعاء کو قبول کرنے میں اسی عجلت سے کام لے جس عجلت سے وہ لوگوں کی نیک دعاؤں کو قبول کرتا ہے تو ان کی موت کبھی کی واقع ہو چکی ہوتی اور ان کا نام و نشان بھی نہ

رہتا۔ مگر ہمارا لطف و حلم، جلد بازی کا متقاضی نہیں، اس لئے ہم ان لوگوں کو ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کرتے جن کو ہمارے پاس آنے کا ذرا بھی خوف نہیں بلکہ ہم ڈھیل دے کر ان کو ان کی سرکشی اور گمراہی میں چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اسی میں سرگرداں رہیں اور اللہ کی حجت پوری ہو جائے۔ (عثمانی ۵۹۵، ۵۹۶/ ۱، مواہب الرحمن ۱۰۵/ ۱۱)

انسان کی احسان فراموشی

۱۲۔ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹے، بیٹھے، کھڑے (ہر حال میں) ہم کو پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا کہ اس نے کسی تکلیف کے پہنچنے پر کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح حد سے بڑھنے والوں کو ان کے اعمال (بد) بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

اَلضُّرُّ: ضرر۔ تکلیف۔ مصدر ہے۔

لِجَنْۢبِهٖ: اس کا پہلو۔ اس کی کروٹ۔ جمع جُنُوْبٌ۔

كَشَفْنَا: ہم نے کھول دیا۔ ہم نے دور کر دیا۔ ہم نے ٹال دیا۔ كَشْفٌ سے ماضی۔

مَرَّ: وہ گزر گیا۔ وہ (پہلی حالت پر) آ گیا۔ مُرُوْرٌ سے ماضی۔

تشریح: جب انسان کسی مصیبت و تنگی سے دوچار ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں بے تاب و بے قرار ہو کر، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، غرض ہر وقت اور ہر حال میں، اللہ تعالیٰ سے مصیبتوں کے بادل ہٹ جانے کی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو پریشانیوں اور مصیبتوں سے نجات دے دیتا ہے تو وہ ایسا غافل و بے خبر ہو جاتا ہے جیسے کبھی اس پر مصیبت آئی ہی نہیں تھی اور نہ اس نے مصیبت و دکھ کی حالت میں کبھی اللہ سے دعا کی تھی۔ پھر وہ اپنی سابقہ روش پر چلتے ہوئے کفر و ناشکری کرنے لگتا ہے۔ ایسے حد سے گزرنے والوں کی نظر میں ان کے اعمالِ بد مستحسن و محبوب بنا دیئے جاتے ہیں اور وہ کفر، شرک اور بدعت کو اچھا سمجھنے لگتے ہیں اور

توحید و اخلاص اور دعاء و عبادات سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

(مظہری ۱۲، ۱۳ / ۵، مواہب الرحمٰن ۱۰۵، ۱۰۶ / ۱۱)

سابقہ مجرمین کی ہلاکت

۱۳، ۱۴۔ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے تم سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا جبکہ انہوں نے ظلم (کفر و شرک) اختیار کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لے آتے۔ ہم نافرمانوں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔ پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین پر ان کا جانشین بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کس طرح کام کرتے ہو۔

اَلْقُرُوْنَ: گروہ۔ امتیں۔ زمانے۔ واحد قَرْنٌ۔

خَلٰٓئِفَ: جانشین۔ صاحبِ اختیار۔ واحد خَلِیْفَۃٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کے جرم میں سابقہ کافروں کی ہلاکت و تباہی کا ذکر کیا ہے تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے لوگ ان کے حالات سے عبرت حاصل کریں اور آپ کی تکذیب و مخالفت سے باز آجائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے واضح دلائل (معجزے) اور نشانیاں دیکھ کر بھی ان کی تکذیب کریں تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل کر کے، ان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اے اہلِ مکہ! اگر تم بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے باز نہ آئے اور ان پر ایمان نہ لائے تو تم بھی عذابِ الٰہی میں مبتلا ہو سکتے ہو۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

پھر ان منکرین و مکذبین کے ہلاک و برباد ہونے کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا اور ان کی جگہ تمہیں آباد کیا اور تمہارے پاس ہم نے رسول بھیجا ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے

عمل کرتے ہو، اپنے رسول پر ایمان لاتے ہو یا اس کی تکذیب کرتے ہو۔ پھر ہم تمہارے اعمال کے مطابق معاملہ کریں گے۔

(مظہری ۱۳، ۱۴/ ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۵۰، ۴۵۱/ ۳)

مشرکینِ مکہ کی ہرزہ سرائی

۱۵، ۱۷۔ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ قُلْ لَّوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ڮ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ○

اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں تو وہ (آپ سے) کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ تبدیلی کر دیجئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے تبدیلی کر دوں بلکہ میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا گیا۔ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ تو میں تمہارے سامنے اس کی تلاوت کرتا اور نہ وہ (اللہ) تمہیں اس کی خبر کرتا کیونکہ میں تو اس سے پہلے تم میں ایک عمر (طویل) گزار چکا ہوں۔ سو کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک نافرمان فلاح نہیں پائیں گے۔

تُتْلٰى: اس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ وہ پڑھی جاتی ہے۔ تِلَاوَۃٌ سے مضارع مجہول۔

تِلْقَاۗئِ: اپنی طرف سے۔ اپنی جانب سے۔

اَدْرٰىکُمْ : اس نے تم کو خبر دی ۔ اس نے تم کو واقف کیا ۔ اِدْرَاءٌ سے ماضی ۔

لَبِثْتُ : میں رہا ۔ میں ٹھہرا ۔ لُبْثٌ سے ماضی ۔

اِفْتَرٰی : اس نے تہمت لگائی ۔ اس نے بہتان تراشا ۔ اِفْتِرَاءٌ سے ماضی ۔

تشریح : مشرکینِ مکہ میں سے جو لوگ نہایت سرکش اور شریر تھے اور ہر بات سے انکار اور اعراض کرتے تھے، ان آیتوں میں انہیں کا ذکر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھ کر سناتے اور اللہ کی وحدانیت کے واضح دلائل پیش کرتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لاؤ جو دوسرے انداز سے لکھا ہوا ہو ۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھے کوئی حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں، میں تو صرف ایک بندہ اور اللہ کا پیغام پہنچانے والا قاصد ہوں ۔ میں تو وہی کہتا ہوں جو مجھ پر وحی اترتی ہے ۔ اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی قیامت کے عذاب کا سخت خوف ہے ۔

یہ قرآن میری طرف سے بنایا ہوا نہیں، اگر میں بنا سکتا تو تم بھی بنا سکتے، حالانکہ تم بھی اس کے بنانے سے عاجز ہو ۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام نہیں ہو سکتا پھر یہ کہ تم تو میری صداقت و امانت کو اس وقت سے جانتے ہو جب سے میں تمہاری قوم میں پیدا ہوا ہوں اور میں تمہارے اندر اپنی زندگی کا ایک طویل حصہ گزار چکا ہوں ۔ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں کہ تم سچ اور غلط میں فرق کر سکو ۔

ہرقل شاہِ روم نے جب ابو سفیان سے آپ کے بارے میں پوچھا کہ کیا کبھی آپ کا جھوٹ بھی تم پر ظاہر ہوا ہے تو ابو سفیان نے کہا کہ نہیں ۔ حالانکہ ابو سفیان اس وقت مشرکینِ مکہ کا سردار تھا ۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ جس شخص نے کبھی انسانوں کے معاملے میں جھوٹ نہ کہا ہو وہ خدا کے معاملے میں کیسے جھوٹ کہے گا ۔

پھر فرمایا کہ اس سے بڑھ کر ظالم اور سرکش کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر بہتان باندھتا ہے ۔ اس کے بارے میں جھوٹی باتیں بناتا ہے ۔ اس کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھ پر وحی اترتی ہے ۔ ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی مجرم اور گنہگار نہیں ہو سکتا ۔ بلاشبہ مجرم فلاح نہیں پائیں گے بلکہ عذابِ ابدی میں گرفتار ہوں گے ۔

(مواہب الرحمٰن ۱۱۲ ۔ ۱۱۵ / ۱۱ ۔ ابن کثیر ۴۱۰ / ۲)

ابطالِ شرک

۱۸، ۱۹۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ
هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو پوجتے ہیں جو نہ ان کو ضرر دے سکتی ہیں اور نہ نفع اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (بت) تو اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو۔ جس کا وجود ہی نہ ہو وہ نہ آسمانوں میں پاتا ہے اور نہ زمین میں۔ وہ (اللہ) پاک ہے اور اس سے بہت برتر ہے جس کو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اور (شروع میں) لوگ ایک ہی امت (گروہ) تھے۔ پھر ان میں اختلاف پیدا ہو گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات نہ ہوتی جو پہلے سے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ (دنیا ہی میں) ہو چکا ہوتا۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتمؒ نے عکرمہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نضر بن حرث کہا کرتا تھا کہ قیامت کے روز لات اور عزیٰ میری شفاعت کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

علامہ آلوسیؒ کہتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ قول "لات و عزیٰ قیامت کے روز ان کی شفاعت کریں گے" محض نضر بن حرث ہی کا نہیں تھا بلکہ اول تو تمام مشرکین یہی کہتے تھے اور یہ بات فرضِ محال کے طور پر تھی کہ ایسا ہو گا نہیں۔ اگر بالفرض قیامت کے روز ہمیں زندہ کر کے اٹھایا بھی گیا تو یہ بت ہماری شفاعت کریں گے۔ (روح المعانی ۱۸۸ / ۱۱)

تشریح: ان آیتوں میں مشرکین کی جہالت و گمراہی بیان کی گئی ہے۔ یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیوی امور میں ان کی سفارش کریں گے اور اگر قیامت ہوئی تو یہ وہاں بھی شفاعت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں فرمایا کہ ان کا یہ دعویٰ کہ یہ بت اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے بالکل غلط اور بے دلیل ہے۔ یہ لوگ اللہ کو

چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں جو نہ تو عبادت کے صلے میں ان کو کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ عبادت ترک کرنے پر ان کو کسی قسم کا نقصان دے سکتی ہیں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اس کے شریک کے بارے میں بتا رہے ہو، جس کو وہ نہیں جانتا۔ آسمانوں اور زمین میں اس کے شریک کا کہیں وجود نہیں۔ وہ اس چیز سے پاک اور بلند و برتر ہے جس کو یہ اس کا شریک ٹھہرا رہے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے میں سب لوگ ایک ہی امت اور ایک ہی گروہ تھے۔ سب توحید اور دین اسلام پر تھے اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام بھی موحد تھے۔ پھر ایک زمانہ گزرنے کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہونے لگے اور آہستہ آہستہ وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے بعض توحید پر قائم رہے اور بعض توحید کو چھوڑ کر شرک و بدعت اور گمراہی میں جا پڑے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (البقرہ۔ آیت ۲۱۳)

پھر اللہ نے انبیاء مبشرین و منذرین کو بھیجا۔

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ ازلی فیصلہ جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، دار الجزا نہیں تو جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ دنیا ہی میں کر دیا جاتا۔

(روح المعانی ۸۸، ۹۰ / ۱۱)

مشرکین کی ہٹ دھرمی

۲۰۔ وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ؀

اور وہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی۔ سو آپ کہہ دیجئے کہ غیب کی خبر تو اللہ ہی کو ہے، پس تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

تشریح: مشرکینِ مکہ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو

بھی ان کی نبوت کی دلیل کے طور پر، ایسا معجزہ کیوں نہیں دیا گیا جیسے قومِ ثمود کو ناقہ ملی یا کوہِ صفا سونے کا بن جاتا یا مکہ کے پہاڑوں کی جگہ باغ اور نہریں بن جاتیں وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے افعال میں بڑا ہی قادر و حکیم ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا:

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝

(الفرقان۔ آیات ۱۰،۱۱)

اللہ تعالیٰ کی مبارک ذات اگر چاہے تو تمہارے لئے اس سے بھی اچھے باغات پیدا کر دے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں اور ان کے اندر محل ہوں لیکن انہوں نے تو قیامت ہی کو جھٹلا دیا اور قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے تو ہم نے دوزخ کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔

مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر وہ اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھ کر ایمان لے آئیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قیامت تک کی مہلت نہیں دی جاتی بلکہ ان پر عذاب نازل کر دیا جاتا ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں تو ہر چیز ہے۔ تمام امور کے عواقب و نتائج کو وہی جانتا ہے۔ اگر تم اپنا مطلوبہ معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان نہیں لانا چاہتے تو میرے اور اپنے بارے میں اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ اس لئے فرمایا کہ اللہ کو علم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

(یونس آیت ۹۶)

بیشک ان پر اللہ کی دلیل متحقق ہو چکی ہے۔ خواہ کیسی ہی نشانی کیوں نہ پیش کی جائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا (الانعام۔ آیت ۱۱۱)

اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی لا کھڑے کر دیں اور مردے بھی ان سے بات کرنے لگیں اور ہر چیز ان کے پاس جمع کر دی جائے تب بھی یہ کبھی ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ (الانعام - آیت ۷)

اور اگر ان پر کوئی ایسی آسمانی کتاب نازل کی جائے جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہو جس کو وہ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی سکتے ہوں، تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

پس ایسے سرکش اور معاندین کے مطالبات قبول کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ جن بدبختوں کے حصہ میں ہدایت نہیں ہوتی ان کے شکوک و شبہات کبھی نہیں مٹتے۔ سو ایسے لوگوں سے ایمان کی توقع نہیں۔ (ابن کثیر ۴۱۲/ ۲)

توحید کا مزید اثبات

۲۱۔ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ○

اور جب کوئی تکلیف پہنچنے کے بعد ہم لوگوں کو اپنی کسی نعمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ فوراً ہماری قدرتوں میں حیلے بنانے لگتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اس شرارت کی سزا بہت جلد دے گا۔ بلاشبہ ہمارے فرشتے تمہاری شرارتوں کو لکھ رہے ہیں۔

مَكْرٌ: مکر کرنا۔ تدبیر کرنا۔ حیلہ کرنا مصدر ہے۔

اَسْرَعُ: بہت جلدی کرنے والا۔ بہت سرعت کرنے والا۔ سُرْعَةٌ سے اسم تفضیل۔

رُسُلَنَا: ہمارے فرشتے۔

تشریح: جب ہم لوگوں کو خشک سالی، بد حالی، افلاس اور بیماری وغیرہ جیسی پریشانیوں اور تکلیفوں سے نجات دے کر، سرسبزی، خوشحالی، فراخدستی اور صحت وغیرہ سے ہمکنار کرتے ہیں تو وہ فوراً ہماری آیتوں کے بارے میں شرارتیں کرنے لگتے ہیں اور ان کا تمسخر اور تکذیب کرنے لگتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ اہلِ مکہ قحط میں مبتلا ہو گئے۔ پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا اور قحط دور کر دیا۔ قحط دور ہوتے ہی وہ اللہ کا شکر کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرنے لگے اور اس کی آیتوں کا استہزا کرنے لگے۔

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھائی۔ اس رات کو بارش ہوئی تھی۔ (نماز کے بعد) آپ نے فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ آج میرے مومن بندے بھی صبح کو اٹھے اور کافر بھی، لیکن جس نے یہ کہا کہ یہ بارش اللہ کے فضل و مہربانی سے ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے ستاروں کا انکار کیا اور جس نے یہ عقیدہ رکھا کہ یہ بارش ستاروں کے سبب ہوئی تو اس نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔

پھر فرمایا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میری حکمت عملی بڑی کارگر ہوتی ہے۔ جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں ان کو ان کے کفر کے سبب عذاب نہیں دیا گیا تو یہ ان کی نا سمجھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عذاب نہ دے کر ان کو ڈھیل دی گئی ہے۔ جب وہ اپنی انتہائی غفلت میں ہو جائیں گے تو ایک دم سے دھر لئے جائیں گے۔ ہمارے فرشتے ان کے اعمال لکھ رہے ہیں۔ پھر ان کو ان کے ہر چھوٹے بڑے گناہ کی سزا دی جائے گی۔

(روح المعانی ۹۳، ۹۴ / ۱۱، مظہری ۱۸ / ۵)

انسانی فطرت

۲۲، ۲۳۔ هُوَ الَّذِىْ يُسَيِّرُكُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِى الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ

أُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

وہ (اللہ) وہی تو ہے جو تمہیں خشکی اور سمندر میں سفر کراتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ کشتیاں موافق ہوا کے ذریعہ ان کو لے جاری ہوں اور (اس سفر سے) وہ خوش ہو رہے ہوں کہ دفعتاً ان (کشتیوں) پر تند و تیز ہوا چلنے لگے اور ان پر ہر طرف سے (پانی کی) لہریں بھی آنے لگیں اور وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اب وہ گھر گئے تو اس وقت وہ صرف اللہ کو پکارنے لگتے ہیں کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گزار رہیں گے۔ پھر جب وہ ان کو نجات دیتا ہے تو وہ زمین پر اترتے ہی ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی تمہارے لئے ہی وبال (جان) ہونے والی ہے۔ (بس) دنیاوی زندگی میں تم اس سے نفع اٹھالو۔ پھر لوٹ کر تمہیں ہمارے پاس آنا ہے۔ پھر ہم تمہیں بتادیں گے کہ تم (دنیا میں) کیا کرتے تھے۔

اَلْفُلْکِ: کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث اور واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

جَرَیْنَ: وہ جاری ہوئیں۔ وہ بہہ نکلیں۔ جَرْیَانٌ و جَرْیٌ سے ماضی۔

عَاصِفٌ: آندھی۔ تیز و تند ہوا۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے تمہارے بری اور بحری سفر کے لئے آسانیاں پیدا کر دیں اور اس نے پانی کے اندر بھی تمہیں اپنی حفاظت میں رکھا۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں اور جہازوں میں ہوتے ہو اور ہوائیں ان کو چلانے لگتی ہیں تو ان کی خوش رفتاری پر تم خوش ہوتے ہو عین اس خوشی کے وقت ان کشتیوں کو تیز و تند طوفان گھیر لیتا ہے اور ہر طرف سے موجیں ان کشتیوں پر ٹوٹ پڑتی ہیں اور تمہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو جاتا ہے تو اس وقت تم خالص اعتقاد اور خلوصِ دل کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہو۔ اس وقت تمہیں نہ کوئی صنم یاد آتا ہے اور

نہ کوئی بت۔ اور کہتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں اس طوفان سے بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بن جائیں گے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کر لیتا ہے اور تمہیں اس شدید طوفان سے بچا کر صحیح و سالم کنارے پر پہنچا دیتا ہے تو تم فوراً ہی زمین پر ناحق سرکشی کرنے لگتے ہو گویا تم پر کبھی مصیبت آئی ہی نہ تھی۔ اے لوگو! تمہاری بغاوت و سرکشی کا وبال تمہیں پر پڑے گا۔ آخر کار تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ یہ تمہارے فلاں فلاں اعمال کا بدلہ ہے۔ (مظہری ۱۹، ۲۰ / ۵، ابن کثیر ۴۱۲، ۴۱۳ / ۲)

حیاتِ دنیا کی مثال

۲۴۔ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

پس دنیا کی زندگی کی مثال تو اس پانی کی مانند ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا (برسایا)۔ پھر اس (پانی) سے مل کر زمین کی جڑی بوٹیاں نکلیں جن کو انسان اور چوپائے کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین اپنی تازگی پر آگئی اور وہ مزین ہو گئی (خوب ہری بھری ہو گئی) اور زمین والوں نے خیال کیا کہ اب وہ پوری طرح اس پر دسترس رکھتے ہیں تو (ایسی حالت میں) دن میں یا رات کے وقت اس پر ہمارا حکم (کوئی حادثہ) آپہنچا۔ سو ہم نے اس کو کاٹ کر ایسا ڈھیر کر دیا گویا کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں، ہم ان کے سامنے اپنی (قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔

فَاخْتَلَطَ : پس وہ لپٹ گیا۔ پس وہ مل گیا۔ اِخْتِلَاطٌ سے ماضی۔

نَبَاتُ: گھاس۔ زمین سے لگنے والی ہر چیز۔

اَنْعَامُ: مویشی، چوپائے۔ واحد نَعَمٌ۔

زُخْرُفَهَا: اس کی رونق، اس کی چمک۔ اس کا ابھرا ابھرا ہونا۔

حَصِیْدًا: کٹی ہوئی کھیتی۔ جڑ سے کٹا ہوا۔

اَمْسِ: گزشتہ کل۔ ظرف زمان ہے۔

تشریح: اس آیت میں حیاتِ دنیا کی مثال بیان کی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی ایسی ہے جیسے آسمان سے پانی برستا ہے پھر اس پانی سے زمین کے نباتات خوب لگتے ہیں جن کو انسان اور مویشی کھاتے ہیں، جیسے غلہ مختلف قسم کے پھل، پھول اور گھاس پھوس وغیرہ۔ کسان اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ اب کھیتی تیار ہو گئی ہے۔ اب اسے کاٹ کر اس سے پھل اور غلہ وغیرہ حاصل کر کے خوب کھائیں گے۔ پھر ناگہاں دن یا رات میں اس پر آسمان سے کوئی آفت آجاتی ہے جیسے بجلی، اولے، سخت آندھی وغیرہ اور کھیتی ایسی نیست و نابود ہو جاتی ہے جیسے وہاں کبھی کچھ تھا ہی نہیں اور کسان کی امیدیں حسرت سے بدل جاتی ہیں۔ سوائے افسوس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا۔ ہم اپنی نشانیوں کو اسی طرح تفصیل کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ غور و فکر کرنے والے ان سے عبرت حاصل کریں اور سمجھ لیں کہ دنیا فانی اور بے وفا ہے۔ جو اس کی طرف بڑھتا ہے یہ اس سے بھاگتی ہے اور جو اس سے بھاگتا ہے یہ اس کے پیروں پر آگرتی ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۶۱ / ۳، ابن کثیر ۴۱۳ / ۲)

دارالسّلام

۲۵۔ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

اور اللہ تمہیں سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کو ایسے گھر (جنت) کی طرف بلا رہا ہے جو ہمیشہ باقی اور ہر قسم کی تباہی اور ہلاکت سے محفوظ ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اس

دار السلام تک پہنچنے کے راستے پر چلا دیتا ہے اور یہ راستہ اسلام، ایمان اور تقویٰ و پرہیزگاری کا راستہ ہے۔ پس جس شخص نے حیاتِ دنیوی اور اس کی چیزوں کو فانی سمجھا اور اللہ کی توفیق سے اس کے احکام اور رسول اللہ کی اتباع پر اس دنیا کی زندگی میں مضبوطی سے قائم رہا تو بفضلِ الٰہی وہ دار السلام کو پہنچ گیا۔

بیضاوی رحمۃ اللہ نے کہا کہ دعوت میں تعمیم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دار السلام کی طرف بلاتا ہے پھر ہدایت میں یہ تخصیص فرما دی کہ وہ جس کو چاہتا ہے اسی کو ہدایت فرماتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ امر دعوت اور ارادہ الٰہی دونوں ایک نہیں بلکہ علیحدہ علیحدہ ہیں۔ نیز یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو بندہ مرتے دم تک برابر گمراہی پر اڑا رہا اور مر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ہدایت نہیں چاہی کیونکہ اگر وہ (اللہ) چاہتا تو ضرور ایمان لاتا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے، کچھ فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ تمہارے اس ساتھی کی ایک خاص حالت ہے۔ مثال دے کر اس کی حالت بیان کرو۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہ سو رہا ہے، دوسرے نے کہا کہ اس کی آنکھیں سو رہی ہیں، دل بیدار ہے۔ پھر فرشتوں نے کہا کہ اس کی حالت ایسی ہے جیسے کسی شخص نے مکان بنایا اور (مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لئے) دسترخوان بچھایا اور لوگوں کو بلانے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا۔ جن لوگوں نے دعوت قبول کر لی تو وہ اس گھر میں آگئے اور دسترخوان سے کچھ کھا لیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر کے اندر نہیں آیا اور نہ اس نے دسترخوان سے کچھ کھایا۔ فرشتوں نے کہا کہ اس مثال کی تشریح کرو تاکہ یہ شخص سمجھ جائے۔ ایک فرشتے نے کہا کہ یہ تو سو رہا ہے، دوسرے نے کہا کہ اس کی آنکھ سو رہی ہے دل بیدار ہے۔ فرشتوں نے کہا کہ (اس کی تشریح یہ ہے) مکان جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ جس نے محمد کا کہا مانا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

(مواہب الرحمن ۱۲۸،۱۲۹ / ۱۱۔ مظہری ۲۱ / ۵۔ بیضاوی ۱۷۲)

اعمال کا بدلہ

۲۶،۲۷۔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۭ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ

قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۗ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

نیکوں کے لئے نیک بدلہ ہے اور کچھ زیادہ بھی اور نہ ان کے چہروں پر سیاہی چڑھے گی اور نہ ذلت ۔ وہی لوگ اہلِ جنت ہیں ۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور جن لوگوں نے برے کام کئے ان کو برائی کا بدلہ اس (برائی) کے برابر ملے گا اور ان پر ذلت طاری ہو گی ۔ ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی نہ بچا سکے گا ۔ (ان کے چہرے ایسے سیاہ ہوں گے) گویا کہ ان کے چہروں پر سیاہ رات کا ایک ٹکڑا اوڑھا دیا گیا ہے ۔ یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

یَرْهَقُ: وہ ڈھانکتا ہے ۔ وہ چھپاتا ہے ۔ رَهْقٌ سے مضارع ۔

قَتَرٌ: سیاہی (غم کی) کدورت ۔ مصدر ہے ۔

عَاصِمٍ: بچانے والا ۔ حفاظت کرنے والا ۔ عِصْمَةٌ سے اسم فاعل ۔

اُغْشِيَتْ: وہ اوڑھادیئے گئے ۔ وہ ڈھانپ دی گئی ۔ اِغْشَاءٌ سے ماضی ۔

مُظْلِمًا: تاریکی میں پڑے ہوئے ۔ اندھیرے میں پڑے ہوئے ۔ اِظْلَامٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: جو لوگ ایمان لائے، انہوں نے اوامر کی پابندی کی اور مناہی سے اجتناب کرتے رہے یا ایمان سے بڑھ کر مرتبہ ۔ احسان کے موافق اللہ تعالیٰ کی بندگی پر قائم رہے، ان کو آخرت میں بھی اچھی جزا ملے گی کیونکہ نیکی کا بدلہ نیکی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ بھی یعنی کم سے کم دس گناہ، زیادہ سے زیادہ سات سو گنا یا اس سے بھی زیادہ ۔ اس آیت میں زیادہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جس قدر وعدہ فرمایا ہے اس پر اور بھی زیادہ کوئی چیز اور اللہ کا وعدہ جنت ہے سو جنت سے بڑھ کر جو کچھ ہے وہ زیادت ہے ۔ پس آیت میں حسنیٰ سے مراد جنت اور زیادہ سے مراد دیدارِ الٰہی ہے جو سارے لطف و کرم سے بڑھ کر ہو گا ۔ اللہ تعالیٰ کا دیدار اپنے اعمال کی بنا پر نہیں ہو گا بلکہ یہ محض اس کے فضل و کرم اور مہربانی کی بنا پر ہو گا ۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَزِیَادَۃٌ والی آیت تلاوت فرمانے کے بعد فرمایا کہ جب جنتی اور دوزخی اپنے اپنے ٹھکانوں میں چلے جائیں گے تو ایک منادی پکارے گا کہ اے اہلِ جنت تمہارے اللہ کا وعدہ ہے وہ پورا کرنا چاہتا ہے۔ اہل جنت کہیں گے کہ اب اور کون سا وعدہ؟ کیا ترازو میں ہمارے وزن ثقیل نہیں ہے؟ کیا ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے گئے؟ کیا ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی گئی؟ پھر ان سے حجاب اٹھا دیا جائے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے۔ خدا کی قسم اہلِ جنت کے لئے اس سے بڑی اور کوئی عطا نہ ہو گی۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی تسکین کے لئے سب سے بڑی چیز ہو گی۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز ان کے چہرے بے رونق نہ ہوں گے۔ نہ ان پر پھٹکار ہو گی اور نہ سیاہی بلکہ ان کے چہرے روشن ہوں گے۔ جن لوگوں نے کفر و شرک کیا، ان کے ساتھ عدل کیا جائے گا کہ ان کے گناہوں کی سزا دو گنی، چوگنی نہیں کی جائے گی بلکہ برابر ہو گی۔ ان کے چہروں پر سیاہی اور ذلت و رسوائی چھائی ہوئی ہو گی۔ کوئی بھی ایسا نہ ہو گا جو ان کو اللہ کے عذاب سے بچالے۔ مشرکوں کا گمان ہے کہ ان کے بت ان کو چھڑا لیں گے۔ نصاریٰ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ ہوں گے۔ یہ سب ان کے باطل خیالات ہیں جن کا کوئی وجود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا کفر و شرک کبھی نہیں بخشا جائے گا، جب تک کہ وہ دنیا سے ایمان و توحید نہ لے جائیں۔ ان کے چہرے اس قدر کالے ہوں گے گویا کہ ایک کالی چادر ان کے چہروں پر ڈھانک دی گئی ہے۔ یہی لوگ اہلِ دوزخ ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

(روح المعانی ۱۰۳ / ۱۱، مواہب الرحمٰن ۱۳۰، ۱۳۱ / ۱۱)

کافروں کی ذلت و رسوائی

۲۸، ۳۰ وَیَوْمَ نَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا مَکَانَکُمْ اَنْتُمْ وَشُرَکَآؤُکُمْ ۚ فَزَیَّلْنَا بَیْنَھُمْ وَقَالَ شُرَکَآؤُھُمْ مَّا کُنْتُمْ اِیَّانَا تَعْبُدُوْنَ ○ فَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اِنْ کُنَّا عَنْ عِبَادَتِکُمْ لَغٰفِلِیْنَ ○ ھُنَالِکَ تَبْلُوْا کُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَی اللّٰہِ مَوْلٰھُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْھُمْ

مَاكَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ٥

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم شرک کرنے والوں سے کہیں گے کہ تم اور جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو ۔ پھر ہم ان میں جدائی کر دیں گے اور ان کے معبود کہیں گے کہ تم ہماری تو بندگی نہیں کرتے تھے ۔ پس ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ ہمیں تو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی ۔ وہاں ہر شخص اپنے پہلے کئے ہوئے کاموں کو آزمائے گا اور سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے اور جو کچھ جھوٹ وہ باندھا کرتے تھے وہ سب ان کے پاس سے جاتا رہے گا ۔

فَزَيَّلْنَا: پس ہم نے جدا کر دیا ۔ پس ہم نے پھوٹ ڈال دی ۔ پس ہم نے تفریق کر دی ۔ تَزْيِيْلٌ سے ماضی ۔

هُنَالِكَ: وہاں ۔ اس جگہ ۔ اس وقت ۔ اسم ظرف زمان و مکان ۔

أَسْلَفَتْ: وہ پہلے کر چکی ۔ اس نے آگے بھیجا ۔ إِسْلَافٌ سے ماضی ۔

تشریح: قیامت کے روز جن و انس اور نیک و بد سب کو لا حاضر کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ مشرکوں سے کہے گا کہ تم اور تمہارے شرکاء اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو اور دیکھو کہ ہم تمہارے ساتھ کیا کرتے ہیں ۔ پھر ہم ان کے اور ان کے شرکاء کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے اور کافروں سے پوچھیں گے کہ تم ان کی پرستش کیوں کرتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ان بتوں نے ہمیں اپنی عبادت کا حکم دیا تھا ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان بتوں کو قوتِ گویائی عطا فرما دے گا اور ان سے ان کی عبادت کے بارے میں سوال کرے گا ۔ وہ بت جن کو وہ اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے ان سے کہیں گے کہ تم دنیا میں ہمیں نہیں پوجتے تھے ۔ ہمیں تو تمہارے پوجنے کی خبر بھی نہ تھی ۔ سو اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے ۔ وہاں ہر شخص اپنے کئے ہوئے اعمال کا نفع و نقصان اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا ۔ سو جیسے اس کے اعمال ہوں گے وہ اس کو ویسے ہی مقام پر لے جائیں گے ۔ اچھے اعمال جنت میں لے جائیں گے اور بد اعمال دوزخ میں لے جائیں گے ۔ اس وقت کافروں کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کفر و شرک کر کے انہوں نے بڑی غلطی کی کیونکہ اللہ تو وحدہ لاشریک ہے ۔ پھر سب مالکِ حقیقی کے فیصلے کی طرف یا اللہ کے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ۔ حقیقت میں اللہ ہی ان کا مالک اور ان کے امور کا ذمہ دار ہے ۔ وہ باطل معبود مالک نہیں

جن کو کافروں نے دنیا میں اپنے معبود بنا رکھا تھا۔ اس وقت وہ سب باطل معبود ان کو ان کے حال پر چھوڑ کر غائب ہو جائیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۶۴ / ۳، مواہب الرحمن ۱۳۳، ۱۳۶ / ۱۱)

توحید کے دلائل

۳۱، ۳۳۔ قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ○ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

آپ (ان سے) پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے۔ سو وہ عنقریب یہی کہیں گے کہ (ان سب کاموں کا کرنے والا) اللہ ہے۔ سو آپ (ان سے) کہئے کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔ پس اللہ ہی تو تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے۔ سو تم (حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف) کہاں لوٹے جا رہے ہو۔ اسی طرح ان نافرمانوں کے حق میں آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

فَاَنّٰى: سو جب۔ سو کیوں کر۔ سو جہاں۔ اسم ظرف ہے۔ زمان و مکان دونوں کے لئے آتا ہے۔

تُصْرَفُوْنَ: تم پھیرے جاتے ہو۔ تم لوٹے جا رہے ہو۔ صَرْفٌ سے مضارع مجہول۔

فَسَقُوْا: انہوں نے گناہ کیا۔ انہوں نے بدکاری کی۔ فِسْقٌ سے ماضی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو آسمان سے پانی برسا کر اور زمین سے سبزہ اگا کر تمہیں رزق دیتا ہے یا وہ کون ہے جس نے تمہیں سننے اور دیکھنے کی طاقت دی اور کس نے شنوائی اور بینائی تخلیق کی اور ان کو ٹھیک رکھا اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے یعنی پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے جو زندہ ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے یعنی انڈے کو پرندے سے نکالتا ہے جو مردہ ہے۔ اسی طرح مومن زندہ ہے اور کافر مردہ اللہ تعالیٰ کافر سے مومن کو نکالتا ہے اور مومن سے کافر کو نکالتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین کے تمام امور کی تدبیر اور سارے عالم کا انتظام کرتا ہے۔ پس مشرکین ان سوالوں کے جواب میں یہی کہیں گے کہ ایسی صفات اور قدرتِ کاملہ والا تو اللہ ہی ہے۔ وہ ان امور کی نسبت اپنے خود ساختہ شریکوں کی طرف نہیں کر سکیں گے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ جب تم یہ اقرار کرتے ہو کہ ایسی صفات والا صرف اللہ ہے تو پھر تم اس کے قہر و عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے۔ خوب سمجھ لو کہ جس نے تمہیں پیدا کیا، رزق دیا اور تمہارے سارے امور کا انتظام کیا وہی تمہارا حقیقی پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی تمہارا رب نہیں ہو سکتا۔ پھر حق کو سمجھ لینے کے بعد یہ گمراہی کیسی۔ پس حق کو ترک کرنے والا اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرنے والا گمراہ ہے۔ سو تم معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر باطل معبودوں کی طرف کہاں بھٹکے جا رہے ہو۔

جس طرح اللہ کی ربوبیت ثابت شدہ ہے اور جس طرح حق کے بعد محض گمراہی کا ہونا طے شدہ ہے اسی طرح آپ کے رب کی یہ ازلی بات کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، تمام سرکش لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی۔

(مظہری ۲۵ / ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۶۶، ۲۶۷ / ۳)

توحید کی حقیقت

۶،۳۴۔ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ
يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ قُلْ هَلْ مِنْ
شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۚ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔـا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝

آپ (ان سے) پوچھئے کہ تمہارے معبودوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو مخلوق کو ابتداءً بھی پیدا کرے، پھر دوبارہ بھی اس کو زندہ کرے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ سو تم کدھر بہکے جا رہے ہو۔ آپ (ان سے) پوچھئے کہ تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کر سکے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ بھلا جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اتباع کے لائق ہے یا وہ جو دوسروں کی رہنمائی تو کیا کرتا خود ہی رہنمائی کا محتاج ہو، پھر تمہیں کیا ہو گیا۔ تم کیسا انصاف کرتے ہو اور ان میں سے اکثر لوگ بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں حالانکہ بے اصل خیالات حق کے مقابلے میں ذرا کام نہیں آتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔

تُؤْفَكُوْنَ: تم پلٹائے جاتے ہو۔ تم پھیرے جاتے ہو۔ اَفْكٌ سے مضارع مجہول۔

تَحْكُمُوْنَ: تم حکم دیتے ہو۔ تم فیصلہ کرتے ہو۔ حُكْمٌ سے مضارع۔

ظَنًّا: گمان۔ خیال۔ اٹکل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مکذبین سے پوچھئے کہ جن کو تم اللہ کا شریک قرار دیتے ہو، ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہو اور ان میں جو مخلوقات ہیں ان کو وجود میں لایا ہو یا وہ اجرام فلکی کو اپنی جگہ سے ہٹا دے، یا ان کو بدل دے یا انہیں فنا کر کے پھر از سر نو دوسری مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم کسی کو پیش نہیں کر سکتے جو مذکورہ بالا امور کو انجام دے سکے۔ ان امور پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے۔ پھر تم اس خالق عزوجل سے منہ موڑ کر مخلوق کو اس کی عبادت کا مستحق کیوں ٹھہراتے ہو۔

آپ ان سے پوچھئے کہ تمہارے شرکاء میں سے کون ہے جو حق کی طرف تمہاری رہنمائی کر سکے۔ تم خوب جانتے ہو کہ تمہارے شرکاء میں سے کوئی بھی کسی گمراہ کو راہِ راست پر لانے پر قادر

نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھٹکے ہوئے اور گمراہ لوگوں کو ہدایت دیتا ہے۔ جو شخص دوسروں کو حق کا راستہ دکھاتا ہو وہ پیروی کے قابل ہے یا وہ شخص جو خود دوسروں سے رہنمائی لینے کا محتاج ہو وہ اتباع کے قابل ہے؟ تمہارے عقلوں کو کیا ہو گیا کہ تم نے تو اللہ اور اس کی مخلوق کو برابر بنا دیا تم اللہ کو بھی مانتے ہو اور بتوں کو بھی اس کی عبادت میں شریک کرتے ہو!

پھر فرمایا کہ ان میں سے اکثر اٹکل اور بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں یہ بلا دلیل حق کو جھٹلا رہے ہیں۔ پس جو بات حق ہے اس کے حاصل ہو جانے میں گمان ذرا بھی کار آمد نہیں۔ اس لئے ان کا یہ گمان کہ یہ بت ان کی شفاعت کریں گے، انہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔ بلاشبہ اللہ ان کے اعمال و افعال سے خوب واقف ہے۔

(ابن کثیر ۴۱۷ / ۲، مواہب الرحمن ۱۳۹، ۱۴۳ / ۱۱)

اعجازِ قرآن

۸،۳۷۔ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اور یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور یہ احکام (ضروریہ) کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ پروردگارِ عالم کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو آپ نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اس کی مانند ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو (مدد کے لئے) بلا لو۔

تشریح: ان آیات میں قرآن کریم کے اعجاز کا بیان ہے کہ اس کی فصاحت و بلاغت اور کم الفاظ میں بے انتہا معنی اور اس کی حلاوت وہ شیرینی اس درجہ کی ہے کہ مخلوق میں سے کوئی اس پر قادر نہیں کہ وہ اس کی ایک سورت کے مثل بنا سکے۔

بیضاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ گزشتہ آیت میں گمان کی پیروی سے ممانعت کے بعد اب اس چیز کا بیان ہے جس کی پیروی کرنا فرض ہے ۔ مشرکین قرآن کریم کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا گمان تھا کہ یہ قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے بناتے ہیں ۔ اسی لئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی آپ اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن بنالائیے یا اس کو بدل دیجئے ۔ آپ نے ان کو جواب دیا کہ میں اس کو نہیں بدل سکتا ۔ یہ میرا یا کسی اور بشر کا کلام نہیں کہ میں اس کو بدل دوں ۔ یہ تو اللہ کا کلام ہے ۔ وہی اس میں رد و بدل کر سکتا ہے ۔ کسی بندے کی مجال نہیں کہ وہ اس میں کمی بیشی کرے یا اپنی طرف سے کوئی کلام بنا کر اس کو اللہ کی طرف منسوب کردے ۔ حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ عزوجل کی طرف سے خاص وحی ہے ۔ یہ ان آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں جیسے توریت اور انجیل وغیرہ ۔ اس میں ایسے احکام کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے فرض کئے ہیں اور یہ گزشتہ انبیاء کے واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتا ہے ۔

اگر اب بھی تمہارا یہی خیال ہے کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے تو اپنے دعوے کی سچائی ثابت کرنے کے لئے تم بھی اس کی مثل کلام بنالاؤ کیونکہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انسان ہو، اہلِ زبان ہو، تمہیں اپنی زبان دانی اور فصاحت و بلاغت پر بڑا ناز ہے ۔ تم تو مجلسوں اور میلوں میں جا کر اپنی زبان دانی کے جوہر دکھاتے ہو ۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کلام بنا سکتے ہیں تو تمہیں بھی ایسا کلام پیش کرنے کی قدرت ہونی چاہئے ۔ لہٰذا تم سب مل کر بلکہ اللہ کے سوا تمام جہاں سے اپنے معاون و مددگار بھی جمع کر لو اور اپنے ان معبودوں سے بھی اس کام میں مدد لے لو جن کو تم ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو ۔ اگر پھر بھی تم سے ایک سورت کے برابر کلام نہ بن سکا اور تم ہرگز نہیں بنا سکو گے تو یقین کر لو کہ یہ اس ذاتِ واحد اور قادرِ مطلق کا کلام ہے جو تمام لوگوں اور تمام باطل معبودوں سے بڑھ کر ہے اور وہی اللہ تعالیٰ عزوجل ہے ۔

(بیضاوی ۲۴۰/ ، روح المعانی ۱۱۸، ۱۱۹/ ۱۱، مواہب الرحمن ۱۴۶، ۱۴۸/ ۱۱)

مکذبینِ قرآن کا انجام

۳۹، ۴۰۔ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ط ۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

بلکہ جس چیز کو وہ سمجھ نہ سکے اس کو جھٹلانے لگے اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں انہوں نے بھی اسی طرح تکذیب کی تھی دیکھو ان ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا اور ان میں سے بعض تو اس قرآن کا یقین کریں گے اور بعض یقین نہ کریں گے اور آپ کا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔

يُحِيْطُوْا: انہوں نے احاطہ کیا۔ انہوں نے گھیر لیا۔ انہوں نے سمجھ لیا۔ اِحَاطَةٌ سے مضارع بمعنی ماضی۔

تَاْوِيْلُهٗ: اس کی تاویل۔ اس کی تعبیر۔

عَاقِبَةُ: عاقبت۔ آخرت۔ انجام۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تشریح: قرآن مجید اپنے الفاظ و معانی اور اس میں بیان ہونے والی غیب کی خبروں کے اعتبار سے معجزہ ہے۔ الفاظ کے اعتبار سے تو ظاہر ہے کہ مشرکین کو اس کے معجزہ ہونے کا اقرار تھا کیونکہ وہ قرآن کے بار بار چیلنج کے باوجود اس کی مثال بنا کر لانے سے عاجز و بے بس تھے اور معنی سے وہ واقف ہی نہیں ہو سکے جو اس کی بلند شان اور اعلیٰ کلام ہونے کی دلیل ہے۔ رہے امور غیب تو اس سے مراد غیب کی وہ خبریں ہیں جو ابھی واقع نہیں ہوئیں۔ ظاہر ہے قبل از وقت ان کا بیان کھلا معجزہ ہے۔ مشرکین اس کے الفاظ میں تدبر کرنے، اس کے معنی میں غور و فکر کرنے اور اس میں بیان ہونے والے مستقبل کے امور کے بارے میں اس بات کا انتظار کرنے سے قبل ہی کہ آیا وہ سچ ثابت ہوتے ہیں یا جھوٹ، ان کی تکذیب کرنے لگے۔

گزشتہ امتوں نے بھی اپنے انبیاء کو اسی طرح بلا سوچے سمجھے جھٹلایا تھا سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا برا انجام ہوا۔ پس ان کے انجام سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ اہل مکہ میں سے فی الحال بعض تو ایسے ہیں جو دل سے اس قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ حق ہے مگر عداوت کی وجہ سے تصدیق کا اظہار نہیں کرتے۔ اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے اپنی جہالت کی بنا پر اس میں غور نہیں کیا۔ اسی لئے وہ اس کی تصدیق نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان معاندین کو خوب

جانتا ہے جو تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں۔

ومنھم من یؤمن بہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں جب قرآن کی تاویل اپنے مقررہ وقت پر آئے گی تو اس وقت مکذبین میں سے بعض تو ایمان لے آئیں گے اور بعض پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ اپنے کفر پر مصر رہیں گے اور کفر پر ہی ان کا خاتمہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنہ و فساد اور شر و عناد سے خوب واقف ہے۔ وہ ان کو ان کے فعل بد کی سزا دے گا۔ (روح المعانی ۱۲۰/۱۱، مواہب الرحمٰن ۱۴۹، ۱۵۰/۱۱)

معاندین سے اعراض کا حکم

۴۱، ۴۴ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ
مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ وَمِنْهُمْ مَّنْ
يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ
○ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ
كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ○ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔـا وَّلٰكِنَّ
النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ جو کچھ میں کرتا ہوں تم اس کے ذمہ دار نہیں اور نہ میں اس کا ذمہ دار ہوں جو تم کرتے ہو۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں۔ کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں، گو ان کو کچھ بھی نہ ہو۔ اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو (ظاہر میں) آپ کو (معجزات و کمالات کے ساتھ) دیکھ رہے ہیں۔ کیا آپ ایسے اندھوں کو بھی راہ دکھا سکتے ہیں، جن میں ذرا بھی بصیرت نہ ہو۔ بیشک اللہ تو لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔

بَرِیْٓـُٔوْنَ: بری۔ بے تعلق۔ واحد بَرِیْٓءٌ۔
اَلصُّمَّ: بہرے۔ واحد اَصَمُّ۔

اَلْعُمْیُ: اندھے۔ واحد اَعْمٰی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ مشرکین حجت قائم ہو جانے کے بعد بھی آپ کی تکذیب پر قائم رہیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس قدر سمجھانا میری قدرت میں تھا وہ میں تمہیں سمجھا چکا۔ اگر تم نہیں ملتنے تو نہ مانو۔ میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم میرے عمل سے بری الذمہ ہو اور میں تمہارے عمل سے بری الذمہ ہوں۔

ان مشرکین میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو بظاہر آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور آپ کی باتوں کو توجہ سے سنتے ہیں، مگر ان کے سینے آپ کی عداوت اور بغض سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا سننا اور نہ سننا برابر ہے۔ کیونکہ یہ لوگ بہروں کی مانند ہیں اور آپ بہروں کو سنانے پر قادر نہیں۔ یہ لوگ بہرے ہونے کے ساتھ ساتھ بے عقل بھی ہیں۔ اگر عقل ہو تو بہرا بھی انگل سے کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہے۔ یہ لوگ تو قوتِ سماعت اور عقل دونوں سے محروم ہیں اس لئے ان کے راہِ راست پر آنے کی امید نہیں۔

ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو آپ کی طرف گہری نظر سے دیکھتے ہیں، آپ کے پاکیزہ اخلاق اور معجزات و کمالات کا اپنی کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے ہیں، مگر پھر بھی قرآنی ہدایات سے فیضیاب نہیں ہوتے جیسا کہ اہلِ علم اور اہلِ بصیرت مستفید ہوتے ہیں۔ ظاہری اعتبار سے تو ان کی آنکھیں ہیں، مگر یہ لوگ دل کے اندھے ہیں۔ ان میں بصارت موجود ہے مگر بصیرت مفقود ہے۔ اس لئے بینا ہونے کے باوجود یہ لوگ اندھوں کی مانند ہیں۔ کیا آپ ایسے اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں۔ اب آپ کو ان کے راہِ راست پر آنے کی امید نہیں رکھنی چاہئے اور نہ ان کی گمراہی پر افسوس کرنے کی ضرورت ہے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ بھی دی، دل بھی دیا اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت بھی دی۔ مگر انہوں نے ان سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔

(ابن کثیر ۴۱۸ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲، ۴، ۳، ۴ / ۳)

مکذبین کی حسرت و ندامت

۴۵۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبَثُوٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ
يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا
كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝

اور جس دن اللہ ان کو (دوبارہ زندہ کرکے) جمع کرے گا (تو وہ دنیا کے بارے میں خیال کریں گے) گویا کہ وہ دنیا میں ایک گھڑی بھر دن سے زیادہ نہیں رہے اور وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ بیشک جن لوگوں نے اللہ کے سامنے حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے۔

يَلْبَثُوْا: وہ ٹھہرتے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ لُبْثٌ سے مضارع۔

سَاعَةٌ: گھڑی۔ وقت۔ قیامت

بِلِقَآءِ: ملاقات کرنے سے۔ ملنے سے۔

تشریح: یہ مشرکین و معاندین اب تو دنیا کی چند روزہ زندگی اور اس میں حاصل شدہ ناز و نعم پر اترا رہے ہیں اور اس کے نشہ میں آخرت کے عیش و آرام کو، جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، ٹھکرا رہے ہیں۔ قیامت کے روز جب یہ لوگ اپنی اپنی قبروں سے اٹھ کر حشر میں جمع ہو جائیں گے تو اس وقت ان کو اپنا خسارہ نظر آئے گا، جس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہیں۔ قیامت کے ہولناک منظر کی وجہ سے اس روز ان کو اپنا دنیا کا قیام ایک گھڑی بھر یا اس سے بھی کم معلوم ہوگا اور حسرت و ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ جب وہ قبروں سے اٹھیں گے تو ابتداء میں ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جیسے دنیا میں ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ ماں، باپ بچوں کو اور بچے ماں، باپ کو اور اہلِ قرابت اپنے رشتے داروں کو پہچان لیں گے، گویا تھوڑی دیر کے لئے جدا ہوئے تھے، پھر جمع ہو گئے اور کوئی کسی کو نہیں بھولا۔ پھر اس کے بعد قیامت کی دہشت اور شدت کی وجہ سے یہ پہچان جاتی رہے گی اور ایک دوسرے کو بھول جائیں گے۔ بلاشبہ وہ لوگ نقصان میں رہیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا انکار کیا اور انہوں نے دنیا کی تھوڑی سی زندگی کے بدلے آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی کی مصیبت مول لے لی۔ اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہوگا۔

(ابن کثیر ۲/۴۱۹، مظہری ۵/۳۱)

مکذبین کا انجام

۴۶، ۴۷۔ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ○ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

اور جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اگر اس میں سے تھوڑا سا ہم آپ کو دکھا دیں یا اس (کے آنے) سے پہلے ہم آپ کو وفات دے دیں تو ان کو لوٹ کر تو ہمارے پاس ہی آنا ہے۔ پھر جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔ پھر جب ان کا رسول آچکا (اور اس نے ان کو احکام پہنچا دیئے) اس کے بعد تو ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جاتا ہے اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا جاتا۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے ان کافروں سے عذاب کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور واقع ہو گا۔ اس عذاب کا کچھ حصہ تو آپ کی زندگی میں واقع ہو گا اور کچھ حصہ آپ کے بعد اور باقی عذاب آخرت میں واقع ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فتوحات اور غلبۂ اسلام کی شکل میں ان معاندین و مکذبین پر اپنا عذاب نازل فرمایا۔ ان میں سے بعض فتوحات تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوئیں جیسے بدر، خیبر، فتح مکہ اور حنین وغیرہ میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ذلت و رسوائی آپ کو دکھا دی۔ بعض فتوحات آپ کے بعد آپ کے خلفاءؓ اور صحابہؓ کے ہاتھ پر واقع ہوئیں۔ اس طرح بتدریج اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔

پھر فرمایا کہ ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے جو ان کو اللہ کے احکام پہنچاتا ہے۔ سو جب اللہ کا رسول معجزات و دلائل اور اس کے احکام لے کر ان کے پاس آچکا اور پھر بھی انہوں نے نہ مانا اور رسول کو جھوٹا قرار دیا تو اللہ نے اپنے رسول اور اس کی امت کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا۔ تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور مومنوں اور رسول کو محفوظ رکھا اور اللہ کا یہ فیصلہ انصاف پر مبنی تھا۔ اس سے کسی پر ظلم و زیادتی نہیں ہوئی۔ کیونکہ حجت پوری ہونے کے بعد مواخذہ ظلم نہیں بلکہ عین عدل ہے۔ (مظہری ۳۱، ۳۲/ ۵)

عذاب کا مطالبہ

۴۸، ۵۲ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ قُلْ لَّآ
اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ
اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ○
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ
الْمُجْرِمُوْنَ ○ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ
تَسْتَعْجِلُوْنَ ○ ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ
هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ○

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو وہ (عذاب کا) وعدہ کب پورا ہو گا؟ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اپنے نفع اور نقصان کا کچھ اختیار نہیں، مگر جس قدر اللہ چاہے۔ ہر امت کا ایک وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کا مقررہ وقت آجائے گا تو نہ وہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ ایک ساعت آگے بڑھ سکیں گے آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب راتوں رات یا دن کو آپڑے (تو کون اس کو روک سکتا ہے) پھر گنہگار لوگ اس کے لئے کیوں جلدی کر رہے ہیں۔ کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو ہی جائے گا تب اس پر ایمان لاؤ گے۔ (اس وقت کہا جائے گا) اب قائل ہوئے حالانکہ تم تو اس کے آنے کا تقاضا کرتے تھے۔ پھر ظالموں کو کہا جائے گا کہ اب تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں تمہارے کئے ہی کا بدلہ ملا ہے۔

بَيَاتًا: شب خون مارنا۔ رات کے وقت۔ تَبْيِيْتٌ سے اسم مصدر۔

آٰلْـٰٔنَ: کیا اب۔ یہ ہمزہ استفہامیہ اور اَلْاٰنَ سے مرکب ہے۔

اَلْخُلْدِ: ہمیشہ رہنا۔ دوام۔ بقا۔

ذُوْقُوْا: تم چکھو۔ ذَوْقٌ سے امر۔

تشریح: یہ لوگ عذاب کی وعیدیں سن کر، عذاب آنے سے پہلے ہی تکذیب و تمسخر کے طور پر بے خوفی کے ساتھ عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں، حالانکہ مومن اس عذاب سے ڈرتے ہیں اور

انہیں اس کے آنے کا یقین ہے، اگرچہ ان کو اس کا مقررہ وقت معلوم نہیں۔

اس کے جواب میں اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ میں تو تمہاری ہی طرح انسان ہوں۔ مجھ میں یہ قدرت نہیں کہ اپنے لئے کسی قسم کا نفع حاصل کر سکوں یا کسی نقصان سے اپنے آپ کو محفوظ کر سکوں۔ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اس لئے میں تم پر عذاب کیسے نازل کر سکتا ہوں۔ میں تو اس کا بندہ ہوں اور تمہارے لئے اس کا قاصد ہوں۔ میں صرف وہی کہتا ہوں جو مجھے بتایا جاتا ہے۔ لہذا میں نے تمہیں خبر دے دی ہے کہ قیامت ضرور ہو گی مگر اس کا وقت مجھے نہیں بتایا گیا۔ اللہ کے علم میں ہر امت کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر ہے۔ تمہاری ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر ہے، پھر تم جلدی کیوں کرتے ہو۔ جب تمہیں عذاب دینے کا مقررہ وقت آئے گا تو اس میں ذرا سی بھی تقدیم و تاخیر نہ ہو گی۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ تم جو جلد عذاب آنے کی تمنا کر رہے ہو، اگر وہ عذاب رات کے وقت جب کہ تم سوئے ہوئے ہو یا دن کے وقت جب تم اپنے کاروبار میں مصروف ہو، تم پر اچانک آجائے تو اس وقت تم کیا کرو گے۔ کیا تم اس وقت ایمان لے آؤ گے وہ ایمان لانے کا وقت نہیں ہو گا۔ پھر تم جلد عذاب آنے کی تمنا کیوں کرتے ہو۔ پھر جب وہ مطلوبہ عذاب آجائے گا اور تم اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے، تب تم اس پر ایمان لاؤ گے اور کہو گے کہ اب ہم خدائے واحد و یکتا کو مانتے ہیں اور باقی معبودوں سے منہ موڑتے ہیں۔ لیکن اس وقت کا ایمان لانا ذرا کام نہ آئے گا۔ اس وقت تم سے کہا جائے گا کہ اب تم عذاب کو دیکھ کر ایمان لائے ہو۔ حالانکہ اس سے پہلے تو تم تکذیب و تمسخر کے طور پر اس کے جلد آنے کی تمنا کرتے تھے۔ سو اب تم دائمی عذاب کا مزہ چکھو جو تمہارے ہی اعمال کا بدلہ ہے۔

(مظہری ۳۲،۳۳ / ۵، ابن کثیر ۴۲۰ / ۲)

عذاب و قیامت کا یقینی ہونا

۵۳،۵۴۔ وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِىْ وَرَبِّىْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِىَ

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ (عذاب کا) وعدہ حق ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں! قسم ہے میرے رب کی۔ البتہ وہ (عذاب کا واقع ہونا) سچ ہے اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور اگر ہر (نافرمان) شخص کے پاس وہ سب ہو جو کچھ کہ زمین میں ہے تو عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب اپنے فدیہ میں دینا چاہے گا۔ اور جب وہ عذاب دیکھیں گے تو دل میں بڑے نادم ہوں گے اور ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جائے گا اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہ ہوگا۔ یاد رکھو! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ دیکھو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے ہی نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

يَسْتَنْبِئُوْنَكَ: وہ آپ سے خبر معلوم کرتے ہیں۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں۔ اِسْتِنْبَاءٌ سے مضارع۔

اِیْ: ہاں۔ البتہ۔ حرفِ جواب ہے اور ہمیشہ قسم سے پہلے آتا ہے۔

اِفْتَدَتْ: اس نے فدیہ دیا۔ اس نے اپنے چھڑانے کا بدلہ دیا۔ اِفْتِدَاءٌ سے ماضی۔

اَسَرُّوْا: انہوں نے چھپا کر کیا۔ اِسْرَارٌ سے ماضی۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ جس عذاب سے آپ ان کو ڈراتے ہیں کیا وہ واقعی آنے والا ہے یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور قیامت کا قائم ہونا۔ کیا یہ سب امور یقینی طور پر ہونے والے ہیں یا آپ مذاق کے طور پر ایسا کہتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں! میرے رب کی قسم یہ سب سچ اور حق ہیں اور تم ان امور کے واقع ہونے کو روک نہیں سکتے۔ تمہارا مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جانا، اللہ تعالیٰ کو اس بات سے عاجز نہیں کر سکتا کہ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کر کے تمہیں کفر و شرک کے عذاب کا مزہ چکھائے۔ جس طرح اس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اسی طرح وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ جب وہ کسی چیز کو وجود میں لانا چاہتا ہے تو وہ اس کو کہہ دیتا ہے کہ "ہو جا"۔ پس وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے۔

اگر بالفرض قیامت کے روز کسی ایسے شخص کو، جس نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، زمین کے تمام دفینے مل جائیں تو وہ عذاب سے رہائی پانے کے لئے یہ سب فدیہ میں دینے کے لئے تیار ہو جائے گا، مگر اس کا یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ پھر جب قیامت کے روز وہ عذاب کو دیکھیں گے تو وہ اظہارِ ندامت کریں گے کہ شاید اظہارِ ندامت ہی سے کچھ کام چل جائے لیکن ان کے ساتھ جو بھی برتاؤ ہوگا وہ انصاف کے ساتھ ہوگا۔ اس میں ذرا بھی زیادتی نہ ہوگی۔

خوب سن لو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک اللہ ہی ہے۔ وہ عذاب و ثواب دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں۔ خوب سن لو! ثواب و عذاب کے بارے میں اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ مگر بہت سے لوگ اس کو نہیں جانتے اسی لئے وہ دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہیں اور آخرت کو بھلائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ اپنی نا سمجھی سے دنیا کو ہی حیات سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ وہی دنیا میں زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ اسی طرح وہ قیامت میں دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مرنے کے بعد قبروں سے اٹھ کر سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، جہاں اعمال کا حساب و کتاب ہوگا۔ (مواہب الرحمن ۱۶۱/۱۱، ۱۶۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳/۴۷۸،۴۷۷)

محاسنِ قرآن

۵۷، ۵۸۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ○ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ○

اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس ایک چیز آچکی جو (برائی سے بچنے کے لئے) نصیحت ہے اور دلوں کے امراض کے لئے شفاء اور مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور مہربانی پر خوش ہونا چاہئے۔ یہ اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔

تشریح: اے لوگو! قرآن کریم وعظ و نصیحت کا ایک دفتر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے

ذریعہ تمہارے پاس بھیجا ہے ۔ یہ دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا بخش دوا ہے ۔ یہ شک و شبہ اور دلوں کی گندگی و ناپاکی کو دور کرتا ہے ۔ یہ برے کاموں سے روکتا ہے اور ان کے انجام سے خبردار کرتا ہے اور اچھے کاموں کی ترغیب دیتا ہے ۔ یہ قرآن مومنوں کو صحیح عقائد و افکار، جنت اور اللہ کے قرب کے درجات کا راستہ دکھاتا ہے ۔ اہل ایمان ہی اس کو پڑھ کر اور اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے سینے کا دکھ ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ قرآن پڑھا کرو ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں **وشفاء لما فی الصدور** فرمایا ہے ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (قیامت کے روز) قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا کہ پڑھ اور چڑھتا جا ۔ جس طرح دنیا میں تو ترتیل سے پڑھا کرتا تھا اسی طرح ترتیل سے پڑھ کیونکہ تیرا درجہ وہاں ہے جہاں تک تو آخری آیت پڑھنے پر پہنچے گا ۔

آپؐ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اللہ کے اس فضل و رحمت پر خوش ہو جائیں کیونکہ یہ اس مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جس کو وہ جمع کر رہے ہیں ۔ دنیا اور اس کا نفع قلیل اور فانی ہے جبکہ قرآن اور اس کا نفع کثیر اور باقی رہنے والا ہے ۔ (مظہری ۳۴، ۳۵ / ۵، روح المعانی ۱۳۹، ۱۴۱ / ۱۱، مسند احمد ۳۹۵ / ۲، ترمذی ابواب فضائل قرآن)

مشرکین کے قبیح اعمال

۵۹، ۶۰۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ۭ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَھُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل کیا ہے تم نے اس میں سے بعض کو حرام اور بعض کو حلال قرار دے دیا ہے ۔ آپ (ان سے)

پوچھئے کہ کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا یا تم یونہی اللہ پر افترا کرتے ہو اور جو اللہ پر افترا کرتے ہیں ان کا قیامت کے بارے میں کیا گمان ہے۔ بیشک اللہ تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین سے پوچھئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے فائدے کے لئے جو رزق نازل کیا تھا انہوں نے اس کا کچھ حصہ اپنے لئے حلال قرار دے لیا اور کچھ حصے کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ یہاں رزق سے مراد کھیتی یا دودھ والے مویشی ہیں۔ اللہ نے یہ سب چیزیں حلال بنائی تھیں، مگر انہوں نے اپنی طرف سے کسی کو حلال بنا لیا اور کسی کو حرام۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّ حَرۡثٌ حِجۡرٌ (الانعام آیت ۱۳۸)

یہ چوپائے ہیں اور کھیتیاں ہیں جو ممنوع ہیں۔

مَا فِیۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰۤی اَزۡوَاجِنَا۔ (الانعام آیت ۱۳۹)

ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے وہ صرف مردوں کے لئے (حلال) ہے اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہے۔

اسی طرح انہوں نے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو بھی حرام قرار دے رکھا تھا۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے پوچھئے کہ کیا بعض حلال اور بعض کو حرام کرنے کی اجازت تمہیں اللہ نے دی ہے یا تم اس خود ساختہ تحلیل و تحریم کی نسبت اللہ کی طرف کر کے اس پر افتراء باندھ رہے ہو جو نہایت سخت گناہ ہے اور جو لوگ اللہ پر تہمت لگاتے ہیں، قیامت کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے روز ان کو اس افترا پردازی کی سزا نہیں دی جائے گی۔ یہ ضرور اپنے اعمال بد کی سزا پائیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بہت فضل و مہربانی کرنے والا ہے کہ اس نے ان کو عقل کی نعمت عطا کی۔ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کتابیں نازل کیں اور پیغمبر بھیجے۔ لیکن اکثر لوگ ان انعامات کا شکر ادا نہیں کرتے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۱/۱۷۱، ۱۷۲، مظہری ۵/۳۶)

اللہ تعالیٰ کا احاطہ ء علمی

۶۱- وَمَا تَكُوْنُ فِي شَأْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ
عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ
عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ
اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○

اور آپ جس حال میں بھی ہوں اور قرآن میں سے کچھ بھی تلاوت کر رہے ہوں اور لوگ کسی بھی کام میں مصروف ہوں، ہم تمہیں (ہر حال میں) دیکھتے رہتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو اور آپ کے رب پر ذرہ بھر بھی کوئی چیز مخفی نہیں رہتی خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے اور نہ بڑی مگر یہ کہ وہ کتاب مبین (لوح محفوظ) میں درج ہے۔

شَأْنٍ: حالت۔ مشغلہ۔ کام۔ جمع شُئُوْنٌ

تُفِيْضُوْنَ: تم شروع کرتے ہو۔ تم (باتوں میں) مشغول ہوتے ہو۔

يَعْزُبُ: وہ غائب ہوتا ہے۔ وہ چھپتا ہے۔ عُزُوْبٌ سے مضارع۔

مِثْقَالِ: برابر۔ ہم وزن۔ بھاری ہونا۔ ثِقْلٌ و ثَقَالَةٌ سے فعل بھی اسم بھی۔

تشریح: اس آیت میں پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے کیونکہ آپ تمام انسانوں کے سرگروہ ہیں۔ اس کے بعد آپؐ کے عظیم الشان عمل کا ذکر ہے کہ آپ قرآن کا جو حصہ بھی پڑھتے ہیں وہ اللہ کو معلوم ہے۔ پھر سب لوگوں کو خطاب ہے اور ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کا ذکر ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ جس شان و حال میں ہوتے ہیں اور جو کچھ قرآن آپ پڑھتے اور تبلیغ و نصیحت فرماتے ہیں اور جو کچھ کام تم لوگ کرتے ہو وہ سب ہمیں معلوم ہیں۔ ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام امت اور مخلوق کے تمام احوال سے ہر لحہ اور ہر آن واقف ہے۔ آسمانوں اور زمین کے اندر کوئی چھوٹی سے چھوٹی اور حقیر سے حقیر چیز ایسی نہیں جس کا علم اللہ تعالیٰ کو نہ ہو۔ بحر و بر کے غیب وہی جانتا ہے۔ ایک پتہ بھی ٹوٹ کر کہیں گرتا ہے یا رات کی تاریکیوں میں کہیں کوئی ذرہ بھی پڑا رہتا ہے اور کوئی چیز خشک ہو یا تر، اچھی ہو یا بری، اس کو سب

کا علم ہے۔ وہ اشجار و جمادات اور حیوانات کی ہر حرکت کو جانتا ہے۔ زمین پر جتنے جاندار ہیں، ہوا میں جتنے پرندے اڑتے ہیں، سب کے رزق کا ضامن اللہ تعالیٰ ہے۔ (ابن کثیر ۴۲۲/ ۲)

اولیاء اللہ کا حال

۶۲، ۶۳۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَاهُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَاتَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ○

دیکھو! اللہ کے دوستوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔ انہی لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

تشریح: خوب سن لو کہ اللہ کا ولی وہ ہے جو ایمان لانے کے بعد پرہیزگاری اختیار کرے۔ چنانچہ جو پرہیزگار ہے وہ اللہ کا ولی ہے۔ جب ان کو احوالِ آخرت سے سابقہ پڑے گا تو ان کو کسی قسم کا خوف دامن گیر نہ ہوگا اور نہ دنیا میں ان کو کوئی رنج و ملال ہوگا۔ انہی لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت کی زندگیوں میں بشارتیں ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اولیاء اللہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ کہ جب دیکھو کہ اللہ کی یاد میں مصروف ہیں۔ یعنی اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایسے بندے بھی ہیں کہ انبیاء و شہداء بھی ان پر رشک کرتے ہیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ کون لوگ ہیں؟ ہم بھی ان سے محبت رکھیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کے لئے بھی قابلِ رشک لوگ وہ ہیں کہ نہ مال کا کوئی تعلق، نہ نسب کا لگاؤ، مگر وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کے چہرے نورانی ہیں۔ وہ نور کے منبروں پر

ہیں، جہاں لوگ خوف سے تھرائیں گے۔ وہاں ان پر ذرا بھی خوف کے آثار نہیں ہوں گے۔

بیہقیؒ نے حضرت رزین رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رزین سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو۔ وہ (اصول) یہ ہے کہ اہلِ ذکر کی مجلس و صحبت کو لازم پکڑو اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو۔ جس سے محبت کرو، اللہ کے لئے کرو، جس سے نفرت کرو اللہ کے لئے کرو۔

پس انہیں لوگوں کی صحبت و مجالست مفید ہے جو خود ولی اللہ اور متبع سنت ہوں۔ جو لوگ سنتِ رسول کے تابع نہیں وہ درجہ ولایت سے محروم ہیں، خواہ ان سے کتنے ہی کشف و کرامات صادر ہوتے ہوں اور جو شخص مذکورہ صفات کا حامل ہے وہ اللہ کا ولی ہے خواہ اس سے کبھی بھی کوئی کشف و کرامت ظاہر نہ ہوتی ہو۔

ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء اللہ کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

خلاصہ یہ کہ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر ان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو وہی اولیاء اللہ ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔ اس کے سب وعدے اٹل ہیں اور پورے ہو کر رہیں گے۔ مومنوں کے لئے دونوں جہان میں بشارت یافتہ ہونا ہی عظیم کامیابی ہے۔ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ نہیں۔ (مظہری ۴۰ / ۵، ابن کثیر ۴۲۲، ۴۲۳ / ۲)

آپ کو تسلی و بشارت

۶۵، ۶۶ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِقَوْمٍ

يَسْمَعُوْنَ ○

اور آپ کو ان کی باتوں سے غمگین ہونے کی ضرورت نہیں ۔ بلاشبہ عزت (غلبہ) تو سب اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے ۔ وہی خوب سنتا (اور) جانتا ہے ۔ دیکھو! آسمانوں اور زمین والے سب اللہ کے (محکوم) ہیں اور یہ جو اللہ کو چھوڑ کر اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو پوجتے ہیں یہ محض خیالات کی پیروی کرتے ہیں اور محض انکلیں دوڑاتے ہیں ۔ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے آرام کے لئے رات بنائی اور دیکھنے کے لئے دن بنایا ۔ بیشک اس میں اس قوم کے لئے (اللہ کی قدرت کی) بڑی نشانیاں ہیں جو سن سکتی ہیں ۔

يَخْرُصُوْنَ: وہ انکل دوڑاتے ہیں ۔ وہ قیاسی باتیں کرتے ہیں ۔ خَرْصٌ سے مضارع ۔

مُبْصِرًا: دکھانے والا ۔ روشنی والا ۔ اِبْصَارٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: آپ مشرکین کی باتوں سے غمگین نہ ہوں کیونکہ عزت و غلبہ تو سب اللہ تعالیٰ، اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں ہی کو حاصل ہے ۔ کسی کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں ۔ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے ۔ وہی آپ کی مدد کرے گا اور آپ کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے گا ۔ وہ اپنے بندوں کی باتوں کو سنتا اور ان کے احوال کو جانتا ہے ۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے ۔ مشرکین جن بتوں کی عبادت کرتے ہیں وہ نہ تو نقصان پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ نفع دینے پر مشرکین کے پاس کوئی معقول دلیل نہیں وہ تو محض جھوٹ اور قیاس آرائیوں کی پیروی کر رہے ہیں ۔

اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے بندوں کے لئے رات بنائی تاکہ وہ دن بھر کی تکان سے سکون اور راحت حاصل کریں اسی نے حصول معاش کے لئے دن کو روشن بنایا ۔ ایسے دلائل کو سن کر عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے ان آیتوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ۔ (ابن کثیر ۴۲۴/ ۲)

توحید کے دلائل

۶۸۔ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ الْغَنِيُّ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ۭ اَتَقُوْلُوْنَ

عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنالیا۔ وہ پاک ہے۔ وہ (اولاد سے) بے نیاز ہے۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (وہ سب) اسی کا ہے۔ تمہارے پاس اس (قول باطل) کی کوئی دلیل نہیں۔ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں جو لوگ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ یہ دنیا میں تھوڑا سا نفع اٹھالینا ہے پھر ان کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم ان کے کفر کے سبب ان کو شدید عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

تشریح: مشرکین مکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے تھے۔ ان آیتوں میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے عقائد کی تردید کی گئی ہے کہ یہ سب ان نادانوں کی افترا پردازی ہے۔ ایسے لوگ کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔

وہ اس سے پاک اور منزہ ہے کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ بیٹے کا محتاج تو وہ ہوتا ہے جس کو بقا اور دوام نہ ہو تاکہ اس کی فنا اور زوال کے بعد بیٹا اس کا قائم مقام ہو، یا اولاد کی ضرورت ضعیف کو ہوتی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ قوت حاصل کرے، یا ذلیل کو ہوتی ہے کہ اولاد کے ذریعہ عزت و شرف حاصل کرے، یا گمنام کو ہوتی ہے کہ اولاد کے ذریعہ نام پیدا کرے۔ غرض یہ سب محتاجی کی باتیں ہیں اور اللہ احتیاج سے پاک ہے۔ وہ غنی مطلق ہے اور سب مخلوق محتاج مطلق ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں اور سب اس کے محتاج ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کی ملکیت ہے اور اولاد باپ کی مملوک نہیں ہوتی۔ لہٰذا مشرکین کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، بلا دلیل ہے۔ کیا یہ لوگ اللہ کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جس کا ان کو علم ہی نہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں وہ دین و دنیا میں کہیں فلاح نہیں پائیں گے۔ دنیا میں خوب عیش و آرام اور صحت و سلامتی کے ساتھ رہنا ان کے لئے عذاب کا پیش خیمہ اور ڈھیل و مہلت ہے۔ یہ دنیا کی زندگی تو ان کے لئے چند روزہ آرام و راحت ہے۔ اس کے بعد

تو ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھا دیں گے۔ اس لئے کہ وہ دنیا میں کفر کرتے تھے اور اللہ کے لئے اولاد ٹھہرا کر اس کی شان، عزت اور بے نیازی میں طعن کرتے تھے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۸، ۴۸۹/ ۳، ابن کثیر ۴۲۴، ۴۲۵/ ۲)

حضرت نوحؑ کا واقعہ

۷۱، ۷۳۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُم مَّقَامِى وَتَذْكِيرِى بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَعَلَى ٱللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوٓا۟ أَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ ٱقْضُوٓا۟ إِلَىَّ وَلَا تُنظِرُونِ ۝ فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُم مِّنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَٰهُ وَمَن مَّعَهُۥ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَعَلْنَٰهُمْ خَلَٰٓئِفَ وَأَغْرَقْنَا ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا ۖ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلْمُنذَرِينَ ۝

اور آپ ان کو (حضرت) نوحؑ کا حال سنا دیجئے جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تمہیں میرا قیام اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا گراں گزرتا ہے تو میرا تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہے۔ پھر تم اور تمہارے معبود (مجھے نقصان پہنچانے کے لئے) اپنی پختہ تدبیر کر لو۔ پھر تمہارا وہ ارادہ تم میں سے کسی پر پوشیدہ نہ رہے۔ پھر جو کچھ تم میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو اس کو کر گزرو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ پھر بھی اگر تم نہ مانو تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کیا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے۔ اور مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں بردار ہو کر رہوں۔ پس وہ لوگ ان کو جھٹلاتے رہے سو ہم نے ان (حضرت نوحؑ) کو اور جو لوگ ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے، ان کو تو نجات دی اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بھی بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری

آیتوں کو جھٹلایا، ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ سو دیکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں کو (عذاب الہٰی سے) خبردار کر دیا گیا تھا ان کا کیسا (برا) انجام ہوا۔

کَبُرَ: وہ (مرتبہ میں) بڑا ہوا۔ وہ بزرگ ہوا۔ وہ گراں ہوا۔ کِبَرٌ و کُبْرٌ سے ماضی۔

غُمَّةً: رنج و غم۔ چھپا ہوا۔ جمع غُمَمٌ۔

اِقْضُوْا: تم فیصلہ کر لو۔ تم کر گزرو۔ قَضَاءٌ سے امر۔

ربط: اصولِ دین، توحید و رسالت اور قیامت کے دلائل کے بیان کے بعد اب مشرکین و منکرین نبوت کی تہدید و عبرت کے لئے سابقہ امتوں کے چند واقعات کا بیان ہے تاکہ کفار و مشرکین عرب ان واقعات سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ اللہ کے نبیوں کے مقابلے میں قوت و شوکت کام نہیں آتی۔

تشریح: سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد جب کفر پھیل گیا تو حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا گیا تاکہ وہ کافروں کو دعوتِ ایمان دیں۔ جب قوم نے ان کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے سب کو طوفان کے ذریعہ غرق کر دیا۔ قومِ نوح دنیا میں پہلی قوم تھی جو عذابِ خداوندی سے ہلاک ہوئی۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کفارِ مکہ جو آپ کی مخالفت و تکذیب کرتے ہیں۔ آپ ان کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات سنا دیجئے تاکہ وہ قومِ نوح کے افسوسناک انجام کو دیکھ کر ہوشیار ہو جائیں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر میرا تم میں رہنا اور احکامِ خداوندی کی نصیحت کرنا تمہیں گراں گزرتا ہے اور تم میری نصیحت سے تنگ ہو تو مجھے بھی تمہاری پرواہ نہیں۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ میں تو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں جو تمہارے مکر و فریب کو دور کرنے پر قادر ہے۔ تمہیں اچھا لگے یا نہ لگے، میں تو تبلیغِ دین کرتا رہوں گا۔ سو تم اور تمہارے باطل معبود، جن کو تم اللہ کی عبادت میں شریک کرتے ہو، سب مل کر اپنی سی کوشش کر لو۔ اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو، تم جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو۔ مجھے نہ تو تمہاری پرواہ ہے اور نہ تم سے کچھ خوف۔ میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی۔ اب اگر تم نے تکذیب کی اور میری نصیحت سے منہ موڑا تو میں نے اس نصیحت اور دعوتِ ایمان پر تم سے کوئی

اجرت تو نہیں مانگی جس کے ضائع ہونے کا مجھے افسوس ہو۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جو بہرحال مجھے ملے گا۔ خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں اسلام کے احکام کی تعمیل کرتا رہوں کیونکہ تمام انبیاء کا دین اسلام ہی تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو اور ان کے دین پر چلنے والوں کو کشتی میں بٹھا کر نجات دے دی اور ان کو زمین پر خلیفہ مقرر کر دیا۔ جن لوگوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا تھا، ہم نے ان کو غرق کر دیا۔ دیکھو ان بد نصیبوں کا کیسا برا حشر ہوا اور اللہ کے نبی کے مقابلے میں، مال و دولت اور غرور و نخوت، کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۹۰، ۳۹۱ / ۳، مواہب الرحمٰن ۱۸۹، ۱۹۰ / ۱۱)

قومِ عاد و ثمود وغیرہ کے واقعات

۷۴۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ○

پھر ہم نے حضرت نوحؑ کے بعد ان کی قوم کی طرف اور رسول بھیجے۔ پس وہ ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آئے لیکن وہ اس پر ایمان نہ لائے۔ جس کی وہ پہلے تکذیب کر چکے تھے۔ ہم اسی طرح سرکشوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے دوسرے رسولوں کو بھی ان کی قوموں کی طرف واضح دلائل و معجزات کے ساتھ بھیجا۔ مثلاً حضرت ہود علیہ السلام کو قومِ عاد کی طرف، حضرت صالحؑ کو قومِ ثمود کی طرف، حضرت ابراہیم، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا۔

وہ چونکہ انبیاء کے آنے سے پہلے ہی حق کے منکر تھے اس لئے انبیا کے آنے کے بعد بھی وہ اپنے انکار پر قائم رہے۔ جس طرح سابقہ امتوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی تو ہم نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تھی۔ اسی طرح ہم حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں کہ وہ عزت کو ذلت سمجھنے لگتے ہیں اگرچہ اللہ کی مہر نظر نہیں آتی۔ مگر جن کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے وہ

دین کی باتوں کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا واقعہ

۷۵۔۸۰۔ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى وَ هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ○ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ○

پھر ان کے بعد ہم نے (حضرت) موسیٰ اور (حضرت) ہارون (علیہما السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ سو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تو تھی ہی نافرمان قوم۔ پھر جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق (بات) پہنچ گئی تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس پہنچ گیا۔ کیا یہ جادو ہے حالانکہ جادوگروں کو کامیابی نہیں ہوتی۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقہ سے برگشتہ کر دے جس پر ہم نے اپنے باپ، دادا کو پایا ہے اور تم دونوں کو اس ملک کی سرداری مل جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں۔

مَلَا۠ئِهٖ: اس کے سرداروں کی جماعت۔

تَلْفِتَنَا: تو ہم کو ہٹاتا ہے۔ تو ہم کو پھیرتا ہے۔ لَفْتٌ سے مضارع۔

وَجَدْنَا: ہم نے پایا۔ ہم نے تلاش کیا۔ وَجْدٌ، وُجُوْدٌ سے ماضی۔

اَلْكِبْرِيَآءُ: بڑائی۔ سرداری۔ بزرگی۔ عظمت۔ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت۔

تشریح: پھر ان رسولوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام

کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف بھیجا مگر وہ لوگ اطاعت و فرماں برداری کی بجائے اپنی ظاہری عزت و جاہت پر تکبر کرنے لگے کیونکہ وہ تو تھے ہی مجرم لوگ۔ پھر جب اللہ کی طرف سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے ذریعہ ان کے پاس امرِ حق آگیا تو وہ بلا تامل کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ حضرت موسیٰ نے ان کے جواب میں کہا کہ کیا تم اس صریح اور واضح حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ جادوگر فلاح نہیں پاتے اور جادو معجزے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

جب فرعون اور اس کے سرداروں سے حضرت موسیٰ کی بات کا جواب نہ بن پڑا تو وہ کہنے لگے کہ اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو ہمیں اس طریقہ سے ہٹا دے جس پر ہم نے اپنے باپ، دادا کو پایا ہے اور تو ہمیں اپنا مطیع و فرماں بردار بنا لے اور ہماری عزت و غلبہ کو ختم کر کے مصر پر اپنا تسلط جمالے۔ خوب سن لو ہم تم پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔

فرعون کا جادوگروں کو جمع کرنا

۷۹، ۸۲ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

اور فرعون نے (اپنے سرداروں سے) کہا کہ تم میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو لاؤ۔ پھر جب جادوگر آگئے تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا کہ تم ڈالو کیا ڈالتے ہو۔ پھر جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو) ڈال دیا تو (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ جو کچھ تم لائے ہو وہ جادو ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد اس کو باطل (درہم برہم) کر دے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ شریروں کے کام نہیں سنوارتا اور اللہ اپنے حکم سے حق کو سچا کر کے رہے گا، اگرچہ مجرم برا ہی مانیں۔

تشریح: فرعون کا گمان تھا کہ وہ جادوگروں سے مدد لے کر اللہ تعالیٰ کے رسول پر غالب

آجائے گا مگر اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ چنانچہ جب فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء اور یدِ بیضاء کے معجزوں کو دیکھ کر گھبرا گیا تو اپنی عزت و ناموس کے تحفظ کے لئے اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لئے ملک کے ہر گوشے سے ماہر اور تجربہ کار ساحروں کو جمع کیا جائے تاکہ وہ حضرت موسیٰ کا مقابلہ کریں اور حضرت موسیٰ کا جادوگر ہونا ظاہر ہو جائے ۔

پھر جب وہ جادوگر آ جمع ہوئے اور مقابلہ کے لئے میدان میں پہنچ گئے تو حضرت موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو کچھ تم ڈالنا چاہتے ہو ڈالو ۔ سو جب انہوں نے لاٹھیوں اور رسیوں کو جن سے وہ جادو کیا کرتے تھے، زمین پر ڈالا اور وہ لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر زمین پر چلنے لگیں تو حضرت موسیٰ نے وحیِ الٰہی سے مطمئن ہو کر جادوگروں سے کہا کہ تم جو کچھ لائے ہو وہ جادو کا کھیل ہے اور جو میں لایا ہوں وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہارے جادو کو ملیامیٹ کر دے گا اور تم میرے مقابلے میں ذلیل و خوار ہو کر رہو گے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مفسدوں کے عمل کو قائم نہیں رکھتا ۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کے مطابق حق کو ثابت کر کے رہے گا اور اس نے اپنے پیغمبر سے غلبہ و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا ۔ خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو ۔

چنانچہ جب ساحروں کی لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر زمین پر چلنے لگیں تو حضرت موسیٰ نے اپنا عصاء زمین پر ڈال دیا جس نے اژدھا بن کر سب رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل لیا ۔ پھر وہ مجمع کی طرف بڑھنے لگا جس سے مجمع میں بھگدڑ پڑ گئی ۔ بہت سے لوگ کچلے گئے اور نیچے دب کر اور گر کر مر گئے ۔ ساحرین چونکہ فنِ سحر سے خوب واقف تھے اس لئے ان کو یقین تھا کہ یہ سحر نہیں لہٰذا وہ ایمان لے آئے ۔ (مظہری ۴۸، ۴۹ / ۵)

بیضاوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جادو بھی افساد ہے اور جادو نظر بندی ہے حقیقت نہیں ۔ اہلِ سنت کے نزدیک جادو واقعی امر ہے، اگرچہ اس کا کرنا کفر ہے ۔ (بیضاوی ۱۷۸)

توکل اور کثرتِ صلوۃ کی تاکید

۸۳۔۸۶۔ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

پھر (حضرت) موسیٰ کی قوم کے چند لوگوں کے سوا کوئی بھی ان پر ایمان نہ لایا اور وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں وہ ان کو تکلیف نہ دیں اور بیشک فرعون تو اس ملک میں بڑا زور رکھتا تھا اور بیشک وہ حد سے بڑھا ہوا تھا اور (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے اور اگر تم فرماں بردار ہو تو اسی پر بھروسہ بھی رکھو۔ سو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اللہ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں ظالم قوم کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈال اور ہمیں اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات دے۔

عَالٍ: بلند۔ غالب۔ سرکش۔ جابر۔ عُلُوٌّ سے اسم فاعل۔

مُسْرِفِيْنَ: اسراف کرنے والے۔ بیجا خرچ کرنے والے۔

تشریح: باوجودیکہ حضرت موسیٰ نے جادوگروں کے جادو کو ملیامیٹ کر کے اپنی صداقت کی نشانیاں اور معجزات پیش کئے، قوم فرعون میں سے چند آدمیوں کے سوا کسی نے ان کی تصدیق نہیں کی۔ یہ چند لوگ بھی فرعون اور اس کے اراکین سلطنت سے ڈرتے ڈرتے ایمان لائے کہ کہیں یہ لوگ ان کو مصیبت میں نہ ڈال دیں۔ بعض مفسرین نے کہا کہ **قومه** کی ضمیر حضرت موسیٰ کی طرف راجع ہے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ فرعون کے خوف کے سبب بنی اسرائیل میں سے بوڑھے لوگ ایمان نہ لائے بلکہ نوجوان ذریت، حضرت موسیٰ پر ایمان لائی۔ بلاشبہ فرعون بڑا عیار اور سرکش تھا اور حد سے بڑھا ہوا تھا، اسی لئے اس کی قوم اس سے بہت ڈرتی تھی۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ نفع و نقصان کا مالک وہی ہے تو تم اسی پر بھروسہ رکھو ۔ وہ تمہیں دشمن کے فتنے سے ضرور بچائے گا ۔ فرعون اور اس کے آدمیوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ۔ چونکہ یہ لوگ مخلص تھے اور اللہ کے پیغمبر کے سچے پیرو کار تھے، اس لئے انہوں نے جواب میں کہا کہ ہم تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں ۔ پھر انہوں نے دعاء کی کہ اے اللہ! ہم پر ان ظالموں کو مسلط نہ کر اور نہ ہمیں اپنے عذاب میں مبتلا کر، ورنہ فرعون کی قوم کہے گی کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اور نہ ہم ان پر غالب آتے ۔ اے اللہ! ہمیں اپنی رحمت و مہربانی سے اس کافر قوم سے نجات دے ۔
(مواہب الرحمٰن ۱۹۴، ۱۹۵ / ۱۱)

مومنوں کو بشارت

۸۷ - وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ رو بناؤ اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی دعاء قبول کی اور حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ تم دونوں اپنے لوگوں کی سکونت و عبادت کے لئے شہر میں کچھ مکان مقرر کر لو اور ان مکانوں کو قبلہ رخ بناؤ تاکہ تم ان میں رہ بھی سکو اور عبادت بھی کر سکو اور جب فرعون کی طرف سے کوئی مصیبت آئے تو اپنے انہیں مکانوں میں کثرت سے نماز پڑھو ۔ اللہ تعالیٰ نماز کی برکت سے تمہاری مصیبت دور کر دے گا ۔

فرعون کے لوگ بنی اسرائیل کو مساجد میں نماز پڑھنے سے روکتے تھے، اس لئے ان کو یہ اجازت دی گئی کہ تم اپنے گھروں کو قبلہ رخ بنا کر انہیں میں نماز پڑھ لیا کرو تاکہ فرعون والوں کو تمہاری نماز اور عبادت کی خبر نہ ہو ۔

پھر فرمایا کہ اے موسیٰ تم مومنوں کو بشارت دے دو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور تمہیں ان کا جانشین بنا دے گا اور آخرت میں تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔

حضرت موسیٰ کی دعاء

۸۸، ۸۹۔ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○

اور (حضرت) موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے رب! تو نے تو فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں سامان تجمل اور مال (و زر) دے رکھا ہے۔ اے ہمارے رب! (کیا یہ سب اسی لئے دیا ہے) کہ وہ لوگوں کو تیری راہ سے گمراہ کریں۔ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو ملیامیٹ کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ پس وہ ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعاء قبول کر لی گئی۔ سو تم ثابت قدم رہو اور نادانوں کی اتباع نہ کرو۔

مَلَاَهٗ: اس کے سرداروں کو۔

اُطْمِسْ: تو مٹا دے۔ تو نیست و نابود کر دے۔ طَمْسٌ سے امر۔

اُشْدُدْ: تو سخت کر دے۔ تو مضبوط کر۔ شَدٌّ و شِدَّةٌ سے امر۔

تشریح: جب فرعون اور اس کی جماعت نے قبولِ حق سے انکار کر دیا، وہ اپنے ظلم و سرکشی اور گمراہی پر قائم رہے تو حضرت موسیٰ نے ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو کر اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں یہ بددعاء کی کہ اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کی جماعت کو اس دنیا میں سامان آرائش اور کثیر اموال اس لئے عطا کیا تھا کہ یہ لوگ تیری نعمت کا شکر ادا کریں اور اس کو آخرت کی نجات کا ذریعہ بنائیں مگر ان لوگوں نے تیری ناشکری اور نافرمانی کی اور تیرے دیئے ہوئے مال پر

لتنے مغرور و سرکش ہوئے کہ خود تو گمراہ تھے ہی، دوسروں کو بھی تیرے راستے سے بہکانے لگے۔ اس لئے یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان کے اموال کو باقی رکھا جائے۔ سوائے ہمارے پروردگار! ان کے اموال کو نیست و نابود کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے کہ یہ عذابِ الیم دیکھنے تک ایمان ہی نہ لائیں۔

اس آیت میں لفظ **لیضلو** کی " ی " کو بعض نے زبر کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں خود بھٹکنا اور گمراہ ہونا اور بعض نے " ی " کو پیش کے ساتھ پڑھا ہے جس کے معنی ہیں دوسروں کو بھٹکانا اور گمراہ کرنا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا کہ تم دونوں کی دعاء قبول ہو گئی۔ ہم عنقریب ان کو اور ان کے اموال کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ دعاء صرف حضرت موسیٰ نے مانگی تھی اور حضرت ہارون اس پر آمین کہتے جاتے تھے، اس لئے آیت میں دعاء کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی۔

پھر فرمایا کہ تم دونوں بے فکر ہو کر دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہو اور نادانوں کے طریقے کی پیروی نہ کرنا کہ نزولِ عذاب میں جلدی کرنے لگو یا اللہ کے وعدے پر بھروسہ نہ رکھو۔ جو کچھ تم نے مانگا وہ ضرور ہونے والا ہے، مگر وہ اپنے وقت پر ہو گا۔ (ابن کثیر ۲/۴۲۹)

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی

۹۰، ۹۲۔ **وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓي اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَاۗءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ اٰۗلْــٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ۝**

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا اور فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم و زیادتی کے ارادے سے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے کو ہوا تو

کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ اس خدا کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور کوئی معبود نہیں اور میں بھی فرماں برداروں میں سے ہوں ۔ (فرشتوں نے کہا کہ) اب ایمان لاتا ہے، اس سے پہلے تو نافرمان اور مفسد تھا ۔ سو آج ہم تیری لاش کو بچا دیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لئے نشانِ عبرت رہے اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی تو ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں ۔

جٰوَزْنَا: ہم نے پار اتارا ۔ مجاوزۃ سے ماضی ۔

بَغْیًا: بغاوت ۔ سرکشی ۔ مصدر ہے ۔

اَدْرَکَہٗ: اس نے اس کو پالیا ۔ ادراک سے ماضی ۔

تشریح: جب فرعون کی ہلاکت کا وقت قریب آگیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے جائیں ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے ۔ فرعون کو پتہ چلا تو اس نے اپنے لشکر سمیت ان کا پیچھا کیا ۔ بنی اسرائیل جب بحرِ قلزم پر پہنچے تو فرعون بھی ان کا پیچھا کرتا ہوا اپنے لشکر سمیت وہاں پہنچ گیا ۔ اب آگے سمندر اور پیچھے دشمن، عجیب پریشانی کا عالم تھا ۔ جب مایوسی کی انتہا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اپنا عصاء سمندر پر مارنے کا حکم دیا ۔ حضرت موسیٰ نے اپنا عصاء سمندر پر مارا تو وہ پھٹ پڑا اور سمندر میں سات راستے بن گئے ۔ اس طرح ہر قبیلے کے لئے علیحدہ راستہ بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے سمندر کے اندر کی گیلی زمین کو خشک ہواؤں کے ذریعہ فوراً سکھا دیا اور راستہ لوگوں کے چلنے کے قابل ہو گیا ۔ چنانچہ بنی اسرائیل ان راستوں کے ذریعہ سمندر سے پار ہو گئے ۔

بنی اسرائیل کو سمندر سے پار ہوتے دیکھ کر فرعون بھی ان کے پیچھے پیچھے ظلم و زیادتی کے ارادے سے اپنے لشکر سمیت سمندر میں داخل ہو گیا ۔ پھر جب بنی اسرائیل کے تمام لوگ سمندر پار ہو گئے اور فرعون کے لشکر کا آخری آدمی بھی سمندر میں داخل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو برابر ہو جانے کا حکم دے دیا ۔ اس طرح سمندر پھر سے اپنی پہلی حالت پر رواں ہو گیا اور موجیں مارنے لگا اور کوئی فرعونی بھی نہ بچ سکا، سب کے سب غرق ہو گئے ۔ یہاں تک کہ جب فرعون ڈوبنے لگا اور اس کو اپنی موت کا یقین ہو گیا تو بول اٹھا کہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ سوائے اس اللہ تعالیٰ کے جس کو بنی اسرائیل مانتے ہیں، کوئی معبود نہیں ۔ میں بھی اس کے فرماں برادروں میں سے ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا تجھے اب یقین آیا ہے ۔ جب ایمان لانے کا وقت تھا، اس وقت

تو نافرمانی اور سرکشی میں پڑا رہا، لوگوں کو گمراہ کرتا رہا اور فتنے پھیلاتا رہا۔ اب ایمان لانے سے کیا فائدہ۔ موت کو سامنے دیکھ کر ایمان لانا قابلِ قبول اور معتبر نہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم تیری روح کو نہیں، تیرے جسم کو محفوظ کر دیں گے تاکہ بعد والوں کے لئے نشانِ عبرت بن جائے۔ اکثر لوگ ہماری نشانیوں سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون کی موت کے بارے میں شک کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ فرعون کی لاش کو جس پر لباس بھی موجود ہے زمین کے ایک ٹیلے پر پھینک دے تاکہ (لاش کو دیکھ کر) ان کو فرعون کی موت کا یقین ہو جائے۔

(ابن کثیر ۴۳۰/ ۲)

انعاماتِ خداوندی

۹۳۔ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيْٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کے لئے بہت اچھا ٹھکانا دیا اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ پس بنی اسرائیل نے (دین میں) اختلاف کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم پہنچ گیا۔ بیشک آپ کا رب قیامت کے روز ان امور کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے وہ انعامات یاد دلائے ہیں جو اس نے بنی اسرائیل پر کئے تھے کہ اس نے رہنے کے لئے ان کو بلاد مصر و شام اور اردن میں عمدہ جگہ دی جو بیت المقدس کے قریب ہے اور ان کو کھانے کے لئے پاکیزہ چیزیں دیں اور ان کو قوم فرعون کے باغوں، چشموں اور خزائن کا وارث بنا دیا۔ گویا قوم بنی اسرائیل جو نہایت کمزور اور عاجز تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی ذلت کو عزت اور فقر و تنگدستی کو مال و دولت اور فراخدستی سے بدل دیا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے ساتھ اللہ کا وعدہ پورا ہوا کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا۔ ان انعاماتِ خداوندی کے بعد چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے لیکن یہ لوگ شکر کی بجائے دین حق کے بارے میں اختلاف کرنے لگے

حالانکہ مذہب میں اختلاف کی کوئی وجہ نہیں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام احکام صاف صاف بیان کر دیئے تھے۔ بلاشبہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔

ایک حدیث میں ہے کہ یہود نے اکہتر (۷۱) فرقے بنائے تھے اور نصاریٰ نے بہتر (۷۲) بنائے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقے بنائے گی جن میں سے صرف ایک ناجی (نجات پانے والا) ہو گا اور باقی سب ناری (دوزخ میں جانے والے) ہوں گے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ وہ ایک کون ہے۔ آپؐ نے فرمایا جس (طریقے) پر میں اور میرے اصحاب چل رہے ہیں۔ (ابن کثیر ۴۳۱، ۴۳۲/ ۲)

قرآن کی حقانیت

۹۴، ۹۷ فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخٰسِرِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝

پھر اگر (بالفرض) آپ اس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، شک میں ہوں تو آپ ان لوگوں سے پوچھ لیجئے جو آپ سے پہلے کی (نازل شدہ) کتاب پڑھتے ہیں۔ البتہ آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آچکا ہے سو آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ ہونا۔ اور نہ ان لوگوں میں سے ہونا جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا۔ کہیں آپ بھی خسارہ میں نہ پڑ جائیں۔ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے (ازل میں) جن لوگوں کے (ایمان نہ لانے کا فیصلہ ہو چکا وہ کبھی) ایمان نہیں لائیں گے گو ان کے پاس ہر طرح کے معجزے بھی آجائیں۔ جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

تشریح: بعض مفسرین نے یہاں کنت کا مخاطب انسان (یعنی کفار قریش) کو قرار دیا ہے،

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کسی قسم کا شک وشبہ تھا ہی نہیں۔ آپ کے پاس تو وحی آئی تھی، آپ پر قرآن نازل ہوا، اس لئے آپ کا یقین اور ایمان ایسا پختہ اور اٹل تھا کہ اس میں کسی وہم اور شک وشبہ کی گنجائش ہی نہ تھی۔

پس اے انسان اگر تجھے اس قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ ہے جو ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تیری طرف بھیجا ہے تو اپنے شک کو رفع کرنے کے لئے ان لوگوں سے اس کی تحقیق کرلے جو توریت وانجیل کے منصف مزاج عالم ہیں۔ وہ اس قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے کی تصدیق کر دیں گے اور شہادت دیں گے کہ جس کتاب اور رسول کا وعدہ توریت وانجیل میں کیا تھا وہی قرآن ہے۔ اس میں بیان کئے ہوئے واقعات کسی کے اپنے بنائے ہوئے قصے کہانیاں نہیں ہیں بلکہ یہ توریت وانجیل سے ثابت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ نے فرمایا کہ یہاں اہلِ کتاب سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو ایمان لے آئے تھے، جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی وغیرہ۔

بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک کنت سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ اگر بالفرض آپ کو ان واقعات کے بارے میں کسی قسم کا شک وشبہ ہے جو ہم نے آپ پر نازل فرمائے ہیں تو آپ ان کے بارے میں اہلِ کتاب سے تصدیق کرلیں یہ واقعات ان کی کتابوں سے ثابت ہیں اور ان کے نزدیک محقق ہیں۔

اس آیت میں اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی کو دین کی صداقت میں کوئی شک وشبہ پیدا ہو جائے تو اس کو علماءِ حق کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ بلاشبہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس دینِ حق آچکا ہے جو سابقہ کتب کے مطابق ہے اور اس کا منجانب اللہ ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے۔ لہٰذا آپ کو شک کرنے اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں۔ بالفرض اگر آپ نے اللہ کی آیتوں کی تکذیب کی تو آپ بھی خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

بلاشبہ جن لوگوں کی تقدیر میں شقاوت لکھی جاچکی ہے اور علمِ الٰہی میں دوزخی ٹھہر چکے ہیں وہ کسی صورت ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو دوزخ ہی کے لئے پیدا کیا ہے اگر ان کے پاس ایسی تمام نشانیاں بھی آجائیں جو آپ کی صداقت پر دلالت کر رہی ہوں اور ایمان کی مقتضی ہوں، تب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے، یہاں تک کہ اپنی آنکھوں سے دردناک

عذاب نہ دیکھ لیں، لیکن اس وقت ان کا ایمان لانا مفید نہیں ہو گا۔

(ابن کثیر ۲/۴۳۲، مظہری ۵/۵۵،۵۴)

قومِ یونس کا واقعہ

۹۸۔ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ○

پھر (حضرت) یونس کی قوم کے سوا کوئی بستی بھی ایمان نہ لائی کہ اس کا ایمان لانا اس کو نفع دیتا۔ جب (حضرت یونس کی قوم) ایمان لائی تو دنیا کی زندگی میں ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب ہٹا لیا اور ایک مدت تک ہم نے ان کو فائدہ دیا۔

تشریح: سابقہ امتوں میں جن کی طرف سے ہم نے پیغمبر بھیجے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی امت ساری کی ساری ایمان نہیں لائی، سوائے حضرت یونس کی قوم کے۔ صرف حضرت یونس کی قوم ہی ایسی تھی جو عذابِ دنیوی کو دیکھ کر اس کے ڈر سے ایمان لائی اور اس کو اس کے ایمان نے فائدہ پہنچایا۔ فائدہ پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور ان پر آئے ہوئے عذاب کو ٹال دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام سرزمینِ موصل میں اہلِ نینوی کی طرف مبعوث ہوئے تھے، جو کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو کفر و شرک ترک کرنے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا اور ان کی تکذیب کی۔ جب ان کا کفر و سرکشی حد سے بڑھ گیا اور حضرت یونس ان کے ایمان سے ناامید ہو گئے تو انہوں نے ان کو خبردار کر دیا کہ اگر تم باز نہ آئے تو تین دن کے اندر تم پر عذابِ الٰہی نازل ہو گا۔ تیسری شب کو حضرت یونسؑ بستی سے نکل کر چلے گئے۔ صبح ہوتے ہی عذابِ الٰہی کے آثار نمودار ہونے لگے آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے۔ پھر وہ شدید کالے اور دھوئیں کی مانند ہو گئے پھر ان دھواں دھار بادلوں نے ان کی بستی کو ڈھانپ لیا۔

عذاب کے آثار دیکھ کر ان کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ حضرت یونس کو تلاش کیا تو ان کا

کہیں پتہ نہ چلا۔ آخر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کا خیال ڈال دیا۔ سب لوگ پھٹے پرانے کپڑے پہن کر عورتوں، بچوں اور مویشیوں کو اپنے ساتھ لے کر باہر میدان میں جمع ہو گئے۔ پھر سب نے صدق دل سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے عذاب دور فرمانے کی درخواست کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا، ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب جو سامنے آچکا تھا وہ ہٹ گیا۔ اس دن عاشورہ اور جمعہ کا دن تھا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا صرف دنیوی عذاب ہٹا یا عذابِ آخرت بھی ہٹ گیا بعض کہتے ہیں کہ ابھی عذابِ الٰہی نازل نہیں ہوا تھا بلکہ صرف اس کے ابتدائی آثار نمودار ہوئے تھے جن کو دیکھ کر قومِ یونس نے صدق دل سے توبہ کی اور ایمان لے آئی۔ ایسے وقت کا ایمان شرعاً معتبر اور نافع ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ قومِ یونس عذابِ الٰہی کو دیکھ کر ایمان لائی، جیسے فرعون غرق ہونے کے وقت ایمان لایا۔ عام قاعدے کے مطابق ایسے وقت کا ایمان معتبر نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے قومِ یونس کو اس عام قاعدے سے مستثنیٰ کر دیا اور ان کے ایمان کو معتبر قرار دیا۔ یہ قومِ یونس کی خصوصیت تھی۔ مگر محققین کے نزدیک پہلا قول راجح ہے۔

(روح المعانی ۱۹۱، ۱۹۳ / ۱۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۰۸، ۵۰۹ / ۳)

مشیتِ الٰہی

۹۹، ۱۰۰۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا ۭ اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ۭ وَیَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے۔ کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔ حالانکہ کسی کو قدرت نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ بے عقل لوگوں پر (کفر و ذلت کی) نجاست ڈالتا ہے۔

تُکْرِہُ: تو جبر کرتا ہے۔ تو زبردستی کرتا ہے۔ اِکْرَاہٌ سے مضارع۔

اَلرِّجْسَ : گندگی ۔ ناپاکی ۔ پھٹکار ۔ جمع اَرْجَاسٌ ۔

تشریح : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں اور لوگوں کے ایمان نہ لانے پر آپ غمگین ہوتے تھے ۔ اس لئے آپ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو روئے زمین کے تمام لوگ مومن ہو جاتے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت یہ ہے کہ کچھ لوگ ایمان لائیں اور کچھ لوگ اپنے کفر و الحاد پر قائم رہیں ۔ آپ کا کام تو صرف تبلیغ دین کر دینا ہے ۔ اگر یہ ایمان نہیں لائیں گے تو ان کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے ۔ آپ جبراً کسی کے دل میں ایمان نہیں اتار سکتے بلکہ وہی شخص ایمان لائے گا جس کے نصیب میں یہ سعادت ہوگی اور جو شخص شقی ہے وہ ایمان نہیں لائے گا ۔ لہٰذا آپ اس کی کچھ پرواہ نہ کیجئے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ۔

اللہ تعالیٰ اپنی توفیق سے ان لوگوں کو نوازتا ہے جو عقل و شعور سے کام لیتے اور اس کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں جو لوگ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے بلکہ ہوائے نفسانی کی پیروی کرتے ہیں، اللہ ان کو کفر و شرک کی گندگی میں پڑا رہنے دیتا ہے ۔

قدرت کی نشانیوں میں غور کا حکم

۱۰۱، ۱۰۳ ۔ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ
وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ط قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ج
حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ تم غور تو کرو کہ آسمان و زمین میں کیا کیا چیزیں ہیں اور جو لوگ نہیں مانتے ان کو معجزے اور ڈراوے کچھ فائدہ نہیں دیتے ۔ پھر کیا یہ لوگ ان لوگوں کے واقعات کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں ۔ پھر ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو (عذاب سے) بچا لیتے تھے ۔ اسی طرح اہل

ایمان کو بچالینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ معاندین سے کہہ دیجئے کہ کائنات ہماری نشانیوں سے بھری پڑی ہے۔ جیسے شمس و قمر اور ستارے، ان کی بناوٹ اور مربوط و منظم رفتار، پہاڑ اور ان کی استقامت، بحر و بر اور ان کی وسعتیں، لیل و نہار، ان کا کم و بیش ہونا اور ایک کے بعد دوسرے کا آنا۔ آسمان سے پانی برسنا، سوکھی اور مردہ زمین کا پھر سے زندہ اور سرسبز ہو جانا، درختوں میں پھلوں اور پھولوں کا پیدا ہونا وغیرہ۔ یہ سب اس خدا کی عظمت و قدرت کی نشانیاں ہیں جس کے سوا دوسرا خدا نہیں۔ مگر یہ معاندین ان میں ذرا بھی غور نہیں کرتے۔ حالانکہ غور و فکر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل عطا کی اور اعمالِ خیر بجا لانے کے لئے قدرت و اختیار عطا کیا۔ ایسے لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے قدرت کی نشانیاں اور انبیاء و رسل کی ہدایات کچھ نفع نہیں دیتیں۔ یہ لوگ تو ویسے ہی عذاب کے منتظر ہیں جیسے عذاب سے قومِ نوح، قومِ عاد اور قومِ صالح وغیرہ کو سابقہ پڑا اور اپنے کفر و شرک کا جو مزہ ان سابقہ اقوام نے چکھا، یہ بھی چاہتے ہیں کہ اپنے کفر کا ویسا ہی مزہ چکھیں۔

پس آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم وقت کا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں پھر جب انتظار کا وقت ختم ہونے پر عذابِ الٰہی آئے گا تو اس سے صرف منکرین ہلاک ہوں گے اور ہم اپنے پیغمبروں اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیں گے، جیسا کہ ہم نے گزشتہ زمانے میں سابقہ امتوں کے ساتھ کیا تھا تاکہ دنیا دیکھ لے کہ انبیاء کی پیروی اور ایمان کی برکت سے لوگوں کو نجات ملی۔ (ابن کثیر ۴۳۳، ۴۳۴ / ۲، مواہب الرحمٰن ۲۱۶، ۲۱۹ / ۱۱)

دینِ اسلام کی حقانیت

۱۰۴، ۱۰۷۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ

فَاِنَّکَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ○ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗٓ اِلَّا ھُوَ ۚ وَاِنْ یُّرِدْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ ۔ یُصِیْبُ بِہٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ۚ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں شک ہے تو خدا کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو، میں ان کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومن ہو کر رہوں اور یہ کہ اپنے آپ کو یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ رکھنا اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہونا اور اللہ کے سوا ان چیزوں کو ہرگز نہ پکارنا جو نہ تجھے نفع دے سکتی ہوں اور نہ نقصان ۔ پھر اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو بیشک آپ بھی اس وقت ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچادے تو اس کے سوا کوئی اس کو دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ آپ کے لئے کوئی بھلائی چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرما دیتا ہے اور وہی بہت مغفرت کرنے والا مہربان ہے ۔

وَجْھَکَ: تیرا چہرہ ۔ تیرا رخ ۔

حَنِیْفًا: ایک طرف ہونے والا ۔ یکسو ہونے والا ۔ حَنْفٌ سے صفت مشبہ ۔

یَمْسَسْکَ: وہ تجھ کو مس کرے گا ۔ وہ تجھ کو چھوئے گا ۔ وہ تجھ کو پہنچائے گا ۔ مَسٌّ سے مضارع ۔

کَاشِفَ: کھولنے والا ۔ دور کرنے والا ۔ کَشْفٌ سے اسم فاعل ۔

رَآدَّ: رد کرنے والا ۔ ہٹانے والا ۔ رَدٌّ سے اسم فاعل ۔

ربط: سورت کی ابتداء سے یہاں تک اصولِ دین، توحید و رسالت، حشر و نشر، قیامت اور دینِ اسلام کی حقانیت کو روشن دلائل سے واضح اور ثابت کیا گیا ۔ اہل مکہ کی نظر میں نبوت بہت ہی بعید از فہم چیز تھی ۔ اگرچہ وہ لوگ آیاتِ بینات کو دیکھ کر ماننے پر مجبور تھے، مگر فطری شقاوت و بدبختی کی وجہ سے شک و تردد میں پڑے ہوئے تھے ۔

تشریح: یہاں آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکین مکہ سے علی الاعلان فرما دیجئے کہ

اگر تمہیں میرے اس روشن دین کی صحت کے بارے میں اب بھی شک اور تردد ہے تو تم اس میں غور و فکر کر کے اپنا شک و تردد دور کر لو۔ مگر تم اس خیالِ خام میں نہ رہنا کہ میں تمہارے باطل اور مہمل دین کو قبول کر لوں گا۔ میں تو تمہارے دین اور ان فرضی معبودوں سے سخت بیزار ہوں جو کسی نفع اور ضرر کے مالک نہیں۔ میں تو اس خدائے واحد اور قادرِ مطلق کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری موت و حیات کا مالک ہے۔ مجھے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ:

۱۔ میں اس خدا کے ماننے والوں میں شامل رہوں جو نفع و نقصان اور موت و حیات کا مالک ہے۔

۲۔ میں دینِ اسلام اور توحیدِ خالص پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہوں۔

۳۔ میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ بنوں۔

۴۔ میں اللہ کے سوا کسی ایسی چیز کو نہ پکاروں جو نہ مجھے نفع دے سکے اور نہ نقصان اگر میں نے ایسا کیا تو بلاشبہ میں بھی ظالموں یعنی اللہ کی حق تلفی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

پھر فرمایا کہ خوب جان لو کہ نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر وہ کسی کو تکلیف یا بیماری یا محتاجی میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا کوئی اس تکلیف یا بیماری کو دور کرنے والا نہیں۔ اگر وہ کسی کو فائدہ پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے۔ وہی خطاؤں کو بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ بندوں کی کوتاہیوں کی وجہ سے فضل کو نہیں روکتا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۳/۳)

اتمامِ حجت

۱۰۸، ۱۰۹۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ
اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۞ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى
يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۞

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آچکا ہے۔ پس جو کوئی ہدایت قبول کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے کرتا ہے اور جو شخص گمراہ رہے گا تو اس کا گمراہ رہنا (گمراہی کا وبال) اسی پر پڑے گا اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں اور جو کچھ آپ پر وحی کیا گیا ہے آپ اسی کی اتباع کیجئے اور صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کافروں کو بتا دیجئے کہ اللہ کے نبی کے ذریعہ دینِ حق ان کے پاس پہنچ چکا ہے اور اللہ کی حجت ان پر پوری ہو چکی ہے۔ اب وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی گمراہی کا کوئی عذر اور حیلہ بہانہ پیش نہیں کر سکتے۔ اگر وہ اس دینِ حق کی اتباع کریں اور اس پر عمل کریں تو اس میں انہیں کا فائدہ ہے اور اگر وہ اپنے کفر پر اڑے رہیں، اللہ اور اس کے رسول کی اتباع نہ کریں تو اس گمراہی کا خمیازہ بھی وہی بھگتیں گے۔ رسول کا کام تو خبردار کر دینا ہے وہ کوئی خدائی فوجدار نہیں کہ ان کو زبردستی مومن بنا دے، ہدایت دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

پھر آپ کی تسلی اور اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ آپ تو اس کی پیروی کرتے رہئے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہئے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ اگر یہ معاندین آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں اور آپ کی عداوت اور ایذا رسانی پر قائم رہیں تو آپ اس پر صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ فرما دے کہ حق کو غالب کر دے اور کفر کو ذلیل و خوار کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے کیونکہ وہ ظاہر و باطن، ماضی و حال اور استقبال سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کے فیصلے میں بھول چوک یا کمی بیشی اور غلطی کا امکان نہیں۔ (معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی ۵۱۴، ۵۱۵ / ۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ ہود

وجہ تسمیہ: اس سورت میں دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات کے ساتھ ساتھ ، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ نہایت عبرت انگیز ہے، اسی لئے یہ ان کے نام سے موسوم ہوئی ۔

تعارف: اس میں دس رکوع، ایک سو تیئیس آیتیں، ۱۹۳۶ کلمات اور ۷۹۲۴ حروف ہیں

یہ سورت مکہ معظمہ میں اس زمانے میں نازل ہوئی جب جہالت و بت پرستی کا بازار گرم تھا۔ اللہ کی عبادت کرنے والوں پر نہ صرف انگلیاں اٹھتی تھیں بلکہ ان کو تشدد کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا۔ بعض دوسری سورتوں کی طرح اس میں بھی گزشتہ قوموں پر نازل ہونے والے قہرِ الٰہی، مختلف قسم کے عذابوں، قیامت کے ہولناک واقعات اور جزاو سزا کا ذکر خاص انداز میں آیا ہے ۔

ترمذی، ابن المنذر، حاکم اور بیہقی رحمہم اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک میں کچھ بال سفید ہو گئے تو (حضرت) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (اظہارِ رنج کے طور پر) عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بوڑھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے سورۂ ہود و واقعہ، والمرسلت و عم یتسائلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر بڑھاپا جلد آ گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں مجھے سورۂ ہود اور اس کی بہنوں الواقعہ، القارعہ، الحاقہ، اذا الشمس کورت، سال سائل نے بوڑھا کر دیا۔ (روح المعانی ۲۰۲ / ۱۱)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اس رکوع میں پہلے قرآن کی حقانیت اور عظمت و شرف بیان کیا گیا ہے۔ پھر یہ بتایا گیا کہ اللہ کا علم کامل اور ہمہ گیر ہے۔ وہ تمام مخلوق کے رزق کا ذمہ دار ہے، خواہ وہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی، خشکی میں رہتی ہو یا تری میں، وہ سب کے ٹھکانوں سے واقف ہے۔ آخر میں اس کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔

رکوع ۲: پہلے انسانی فطرت، کفار کی ناشائستہ باتوں اور ان کے باطل زعم کا بیان ہے۔ اس کے بعد اہلِ دنیا اور اہلِ آخرت کا موازنہ اور مفتریوں کی فضیحت و رسوائی کا بیان ہے۔ آخر میں اہلِ ایمان کا حال و مآل بتایا گیا ہے۔

رکوع ۳: حضرت نوحؑ کے واقعہ میں منکرین کی جہالت آمیز گفتگو اور حضرت نوحؑ کا جواب، آخر میں قومِ نوح کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم اور قوم کی طرف سے ان کا تمسخر اڑانے کا بیان ہے۔ پھر عذابِ الٰہی کی آمد اور حضرت نوحؑ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوحؑ کا اپنے بیٹے کو سمجھانا اور اللہ کی طرف سے زمین کا پانی نگلنے کا حکم مذکور ہے۔ آخر میں حضرت نوحؑ کی دعا، اور ان کو کشتی سے اترنے کا حکم ہے۔

رکوع ۵: حضرت ہودؑ کے واقعہ میں، قوم کو حضرت ہود کی نصیحت اور قوم کا جواب۔ قومِ عاد پر عذاب کا آنا اور آخر میں اہلِ عرب کو قومِ عاد کے حال سے عبرت پکڑنے کی نصیحت مذکور ہے۔

رکوع ۶: حضرت صالحؑ کے واقعہ میں حضرت صالحؑ اور قوم کے درمیان گفتگو۔ پھر حضرت صالحؑ کی دعا سے معجزے کے طور پر پتھر سے اونٹنی کا پیدا ہونا۔ پھر قوم کی نافرمانی اور ان پر عذاب کا ذکر ہے۔

رکوع ۷: حضرت ابراہیمؑ کے مہمان فرشتوں کا کھانے سے انکار، پھر قومِ لوط کا واقعہ اور قوم کو حضرت لوطؑ کی دھمکی۔ آخر میں حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی تسلی اور قوم پر عذاب کا آنا

بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۸: حضرت شعیبؑ کا واقعہ۔ حضرت شعیب کو قوم کا جواب۔ آخر میں قوم کی ہٹ دھرمی اور ان پر عذابِ الٰہی کا بیان ہے۔

رکوع ۹: فرعون کا انجام اور انبیاء کے واقعات بیان کرنے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ آخر میں کفر و تکذیب کا انجام اور اہلِ محشر کی قسمیں مذکور ہیں۔

رکوع ۱۰: شروع میں احکامِ شریعت میں اختلاف بیان کیا گیا ہے۔ پھر احکامِ الٰہی پر استقامت اور اقامتِ صلوٰۃ کی تاکید ہے۔ آخر میں سابقہ امم کی ہلاکت کے ظاہری اور باطنی اسباب کا بیان ہے۔

قرآن کی حقانیت

۱،۴ - الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

الرٰ۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں ایک حکیم (اور) باخبر کی طرف سے مستحکم کی گئی ہیں اور پھر مفصل بیان کی گئی ہیں۔ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں اس اللہ کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی مانگو، پھر اسی کی طرف متوجہ رہو تاکہ وہ تمہیں ایک مقررہ مدت تک ایک اچھا فائدہ پہنچائے اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے اور اگر تم نہ مانو گے تو مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہی ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اُحْكِمَتْ: مضبوط کی گئی۔ ثابت کی گئی۔ اِحْکَامٌ سے ماضی مجہول۔ یہاں یہ معنی ہیں کہ کلام کو ایسا درست کرنا جس میں کسی لفظی اور معنوی غلطی یا فساد کا احتمال نہ رہے

لَدُنْ: نزدیک۔ طرف۔ پاس۔ ظرف مکان ہے۔

نَذِيْرٌ: یہ لفظ ڈرانے والے دشمن یا درندے یا دوسرے نقصان پہنچانے والوں کے لئے نہیں بولا جاتا بلکہ یہ اس شخص کے لئے بولا جاتا ہے جو اپنے کسی عزیز کو شفقت و محبت کی بنا پر ایسی چیزوں سے ڈرائے اور بچائے جو اس کے لئے دنیا یا آخرت یا دونوں میں نقصان پہنچانے والی ہوں۔ (معارف القرآن ۵۸۵ / ۴)

يُمَتِّعْكُمْ: وہ تمہیں فائدہ پہنچائے گا۔ تَمْتِيْعٌ سے مضارع۔

مُسَمًّى: معین۔ مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِيَةٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: الٓرٰ۔ اس طرح کے حروف قرآن مجید کی بعض سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ جیسے الٓمّٓ، حٰمٓ، صٓ، عٓسٓقٓ وغیرہ۔ ان کو حروفِ مقطعات کہتے ہیں۔ یہ خاص رموز ہیں۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم ان الفاظ کو کلام خداوندی سمجھیں اور ان کے معنی اور تاویل میں نہ پڑیں۔

یہ قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو ایسا محکم و مضبوط بنایا گیا ہے کہ ان میں کسی لفظی اور معنوی نقص، غلطی یا فساد کا احتمال نہیں۔ اس کے امور ایسے ہیں کہ ہر عقل سلیم اور فہم مستقیم ان کو تسلیم کرتی ہے۔ مجموعی حالت کے اعتبار سے تو یہ کتاب مستحکم تھی ہی، تفصیلی اعتبار سے بھی اس کے احکام کو اچھی طرح کھول کر واضح اور صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ایک ایسی ہستی کی طرف سے آئی ہے جو حکیم بھی ہے اور باخبر بھی۔ وہ ذات ایسی ہے جس کے ہر فعل میں اتنی حکمتیں ہیں کہ انسان کے لئے ان کا احاطہ کرنا محال ہے۔ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ کے موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ان سب پر نظر کر کے احکام نازل فرماتا ہے۔

قرآن حکیم میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں ان میں سب سے اہم اور مقدم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت و پرستش نہ کی جائے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب

کرکے فرمایا کہ آپ سارے جہان کے لوگوں کو کہہ دیجئے کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں ڈرانے والا بشارت دینے والا ہوں۔ میں نافرمانی اور اپنی ناجائز خواہشات کا اتباع کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنے والوں کو آخرت کی نعمتوں اور دونوں عالم کی راحتوں کی خوشخبری دیتا ہوں۔

اس کتاب محکم کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم اپنے پروردگار سے مغفرت اور معافی مانگو اور توبہ کرو۔ مغفرت کا تعلق گزشتہ گناہوں سے ہے اور توبہ کا تعلق آئندہ ان کے پاس نہ جانے کے عہد سے ہے۔ حقیقت میں توبہ یہی ہے کہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ سے ان کی معافی مانگے اور آئندہ ان کے نہ کرنے کا پختہ عزم و ارادہ کرے اور ہمہ تن اس کی اطاعت اور اعمال صالحہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔

ایمان اور عمل صالح کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایک مقررہ وقت تک تمہیں سکون و اطمینان بھی عطا فرمائے گا اور تمہارے رزق میں برکت بھی عطا فرمائے گا۔ بعض علماء نے فرمایا يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نعمت پر شکر کی اور بلا پر صبر کی توفیق عطا فرمائے گا، جس سے تم ہر حال میں خوش رہو گے اور دنیا والوں کی طرح دنیا کے دیوانے نہیں بنو گے۔ یہ مرتبہ ایمان اور عمل صالح کی برکت سے ہی میسر آتا ہے۔ پھر فرمایا کہ وہ ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر عطا کرے گا اور ہر حال میں اس کا فضل اور انعام بندے کے عمل سے زیادہ رہے گا۔

اور اگر تم نے اس نصیحت و خیر خواہی سے منہ موڑا اور پچھلے گناہوں سے استغفار اور آئندہ ان سے بچنے کا اہتمام نہ کیا تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ تم ایک بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ دنیا میں تم کچھ بھی کرو اور کسی طرح بھی زندگی بسر کرو مگر آخر کار مرنے کے بعد تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرنے اور ثواب و عتاب دینے پر قادر ہے۔ اس کے لئے کچھ مشکل نہیں کہ مرنے اور خاک ہو جانے کے بعد وہ تمہارے ذرات کو جمع کر کے تمہیں از سر نو انسان بنا کر کھڑا کر دے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۸۶،۵۸۴ / ۴، روح المعانی ۲۰۸،۲۰۳ / ۱۱)

اللہ تعالیٰ کا علمِ محیط

۵۔ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

دیکھو وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ (اپنی باتیں) اس سے چھپائیں۔ یاد رکھو! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (اس وقت بھی) وہ سب جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا کر کرتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کر کے کرتے ہیں۔ بیشک وہ دلوں کے بھیدوں سے بھی خوب واقف ہے۔

يَثْنُوْنَ: وہ لپیٹتے ہیں۔ وہ دہرا کرتے ہیں۔ ثَنْیٌ سے مضارع۔

يَسْتَخْفُوْا: وہ چھپ جاتے ہیں۔ وہ آڑ کرتے ہیں۔ اِسْتِخْفَافٌ سے مضارع۔

يَسْتَغْشُوْنَ: وہ لپیٹتے ہیں۔ وہ ڈھانپتے ہیں۔ اِسْتِغْشَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ چیز بھی اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں۔ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ اور اس کے گزشتہ، موجودہ اور آئندہ حالات و کیفیات سے باخبر ہے۔

مشرکین اور بعض منافقین یہ کہتے تھے کہ ہم اپنے گھر کے دروازے بند کر کے ان پر پردے ڈال لیں اور اپنے کپڑوں میں اپنے آپ کو چھپا لیں اور اپنے سینے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت رکھیں تو ہمارے اس راز کو کون جان سکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ اور خوب سن لو! تحقیق یہ کافر اپنے سینوں کو دہرا کرتے ہیں، یعنی حق سے انحراف کرتے ہیں، تاکہ اپنے دلوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کو چھپا لیں اور پھر اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں۔ آگاہ ہو جاؤ! جب وہ تاریک رات میں اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ لیتے ہیں تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس کو جو کچھ وہ سینوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ زبانوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ اس کے علم میں ظاہر و باطن یکساں ہے۔ بلاشبہ وہ سینوں میں پوشیدہ بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ پس جس خدا پر تمہارے سینے کی بات مخفی نہیں اس پر تمہاری زبانوں کی باتیں کیسے مخفی رہ سکتی ہیں۔ وہ تو تمہیں پیدا کرنے اور اظہار کرنے سے پہلے ہی تم سے خوب آگاہ تھا۔ پس کفار و مشرکین کو چاہئے کہ وہ اپنے خالق و

مالک کو پہچانیں اور اس کے احکام پر عمل کریں اور اپنے کفر پر اصرار نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ہمہ گیر علم

۶۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○

اور زمین پر چلنے والا کوئی بھی جاندار ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو اور وہ ان کے رہنے اور سونپے جانے کی جگہ (بھی) جانتا ہے۔ سب کچھ کتاب مبین میں ہے۔

دَآبَّةٍ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ دَبٌّ و دَوَابٌّ سے اسم فاعل۔ یہ ہر اس جانور کے لئے بولا جاتا ہے جو زمین پر چلے۔ پرندے جانور بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ ان کا آشیانہ بھی کہیں زمین پر ہی ہوتا ہے۔ دریائی جانوروں کا تعلق زمین سے ہونا کچھ مخفی نہیں۔

مُسْتَقَرَّهَا: اس کے ٹھہرنے کی جگہ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم ظرف مکان۔

مُسْتَوْدَعَهَا: اس کی پناہ کی جگہ۔ اس کے سونپنے کی جگہ۔ اِسْتِيْدَاعٌ سے اسم ظرف مکان۔

رِزْقُهَا: اس کا رزق۔ اس کی روزی۔ لغت میں اس چیز کو رزق کہا جاتا ہے جس سے جاندار اپنی غذا حاصل کرے اور جس کے ذریعہ اس کی روح کی بقا اور جسم میں فربہی اور بڑھوتری ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ۵۹۰ / ۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جتنی مخلوق پیدا کی ہے وہ سب کے رزق کا ذمہ دار ہے۔ خواہ وہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی، خشکی میں رہتی ہو یا تری میں، وہ سب کو رزق پہنچاتا ہے اور سب کے چلنے پھرنے، آنے جانے اور ٹھہرنے، رہنے بسنے اور مرنے کے وقت اور مقام کو جانتا ہے۔ جو کچھ دریاؤں کی تہوں اور زمین کی تاریکیوں میں ہے ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کے علم میں نہ ہو۔ اگر کوئی پتہ کہیں جھڑتا ہے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مستقر سے مراد وہ جگہ ہے جہاں دن رات جاندار رہتا ہے اور ادھر ادھر گھوم پھر کر اسی جگہ آکر ٹھہرتا ہے اور مستودع سے مراد دفن

ہونے کی جگہ ہے۔ (مظہری ۶ / ۵)

حاکمؒ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کی موت کسی زمین میں مقدر ہو گی تو کوئی ضرورت اس کو وہاں جانے پر مجبور کر دے گی یہاں تک کہ جب وہ انتہائے مقام پر پہنچ جائے گا تو اس کی روح وہاں قبض کر لی جائے گی۔ پس قیامت کے روز زمین عرض کرے گی کہ یہ ہے وہ جو تو نے مجھے سونپا تھا۔ (مواہب الرحمن ۱،۲ / ۱۲)

ہر جاندار کا حال اور اس کا رزق کتٰب مبین یعنی لوحِ محفوظ یا اعمال لکھنے والے فرشتوں کے کتابچوں میں لکھا ہوا ہے۔ حضرت ابو درداء کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ہر بندے کی پانچ باتیں لکھ چکا ہے۔ ۱۔ مدتِ زندگی، ۲۔ اعمال، ۱۔ مقامِ موت، ۴۔ آثار، ۵۔ رزق۔ (مظہری ۶،۷ / ۵)

قدرتِ کاملہ

۸۰۷۔ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ط وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلٰٓى أُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ط أَلَا يَوْمَ يَأْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

اور اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنا دیا اور (اس وقت) اس کا عرش پانی پر تھا۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے۔ اور اگر آپ ان سے کہیں کہ یقیناً تم لوگ مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے تو البتہ کافر کہنے لگیں گے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور ایک مقررہ مدت تک ہم ان سے عذاب روکے رکھیں تو وہ کہنے لگیں گے کہ اس کو کس نے روک رکھا ہے۔ دیکھو جس دن وہ (عذاب) ان پر آپڑے گا تو پھر کسی

کے ٹالے نہ ٹلے گا اور وہی چیز ان کو گھیر لے گی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

اُمَّۃٌ: قرآن و حدیث میں امت کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہے۔

۱۔ یہاں اس سے مراد مدت ہے۔ سورۂ یوسف کی آیت ۴۵ وَادَّکَرَ بَعْدَ اُمَّۃٍ (اور یاد کیا مدت کے بعد) میں بھی امت کے معنی مدت کے ہیں۔

۲۔ یہ لفظ امام اور مقتداء کے معنی میں بھی آیا ہے، جیسے حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں آیا ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ کَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا بیشک ابراہیم یکسو ہو کر اللہ کی فرماں برداری کرنے والا پیشوا تھا۔ (سورۂ نحل۔ آیت ۱۲۰)۔

یہ لفظ دین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسے:

۳۔ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ٥

(سورۂ زخرف، آیت ۲۳)

بیشک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا اور ہم انہیں کے نقوش قدم پر چل رہے ہیں۔

یہ ملت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

۴۔ وَلِکُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ۔ ہر امت کا ایک رسول ہے (سورۂ یونس، آیت ۴۷)

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا۔ اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں۔ (سورۂ نحل، آیت ۳۶)

۵۔ یہ لفظ فرقے اور گروہ کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓی اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ (سورۂ اعراف، آیت ۱۵۹)

اور موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کی راہ بتاتے ہیں۔

مِنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ یَّتْلُوْنَ اٰیٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّیْلِ۔

(سورۂ ال عمران، آیت ۱۱۳)

اہلِ کتاب میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راتوں کو کھڑے ہوئے اللہ کی آیتیں پڑھتے رہتے ہیں۔

یَحْبِسُهٗ: وہ اس کو محبوس کرتا ہے۔ وہ اس کو روکتا ہے۔ حَبْسٌ سے مضارع۔

مَصْرُوْفًا: لوٹایا ہوا۔ پھیرا ہوا۔ صَرْفٌ سے اسم مفعول۔
حَاقَ: اس نے گھیر لیا۔ وہ نازل ہوا۔ حَیْقٌ و حُیُوْقٌ سے ماضی۔
تشریح: اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ تم اس کے رزاق ہونے کا کیسے انکار کر سکتے ہو، اسی نے تو آسمانوں اور زمین کو ان کی تمام موجودات کے ساتھ چھ روز میں پیدا کیا۔ وہی آسمان سے پانی برساتا اور اس کے ذریعہ مخلوق کے لئے زمین سے روزی پیدا کرتا ہے۔ پھر آفتاب کی گرمی سے کھیتیاں پکتی ہیں۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے اس کا عرش عظیم پانی پر تھا۔

ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے قبل کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ اس وقت ابر میں تھا جس کے نیچے بھی ہوا تھی اور اوپر بھی ہوا تھی۔ پھر اس نے اپنا عرش پانی پر بنایا۔ (مسند احمد ۵۸۳ / ۴)

اس روایت کو ابن ماجہ، ابن جریر، ابن منذر، بیہقی اور ابو داؤد طیالسی نے بھی روایت کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ (روح المعانی ۵ / ۱۲)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہلِ یمن نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اس بارے میں بتایئے کہ اس دنیا کی تخلیق کیسے ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی تخلیق سے قبل بھی موجود تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے۔ (مسند احمد ۵۹۶ / ۵)

اس روایت کو بخاری، ترمذی اور نسائی وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔
(روح المعانی ۹ / ۱۲)

آسمان و زمین اور عرش و پانی پیدا کرنے کے بعد اس نے تمہیں پیدا کیا تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے اعمال والا ہے۔ عمل احسن وہ ہوتا ہے جس میں خلوص اور شریعت محمدیہ کی تابعداری ہو۔ ان دونوں باتوں میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل بے کار اور غارت ہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان کافروں سے کہیں کہ مرنے کے بعد قیامت کے روز تم دوبارہ زندہ کرکے اٹھائے جاؤ گے تو یہ جواب دیں گے کہ دوبارہ زندہ کیا جانا تو جادو کی مانند دھوکہ اور فریب ہے، جس کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ حالانکہ جس نے ان کو پہلی بار

پیدا کیا وہی ان کو دو بارہ بھی پیدا کرے گا، کیونکہ پہلی دفعہ پیدا کرنے کے مقابلے میں دو بارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ۔

(سورۃ الروم۔ آیت ۲۷)

اسی نے شروع میں پہلی بار پیدا کیا، وہی دو بارہ پیدا کرے گا اور یہ تو اس پر نہایت ہی آسان ہے۔

اگر ہم ان منکروں سے اس عذاب و مواخذہ میں کچھ دیر لگا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے اور اس عذابِ موعود کو کسی حکمت و مصلحت کی بنا پر ایک مقررہ مدت کے لئے ملتوی رکھیں تو یہ لوگ تمسخر کے طور پر کہیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال میں جس عذاب کے ہم مستحق ہیں اس کو نازل ہونے سے کس چیز نے روک رکھا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! جب وہ عذابِ موعود ان پر آجائے گا تو پھر وہ کسی طرح بھی ان سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ جس عذاب کا یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں وہ لامحالہ ان پر واقع ہو کر رہے گا، کیونکہ یہ لوگ اس کے مستحق ہیں۔

(ابن کثیر، ۲/۴۳۳)

انسانی فطرت

۱۱۰۹۔ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھا کر پھر اس سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ ناامید اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان مصیبتوں کے بعد جو اس پر واقع ہوتی ہیں، ہم اس کو نعمتوں کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میری سختیاں جاتی رہیں۔ بیشک وہ اترانے والا شیخی خورہ ہے۔ مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور وہ اچھے کام کرتے رہے، انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

نَزَعْنٰهَا: ہم نے اس کو باہر نکالا۔ نَزْعٌ سے ماضی۔

لَيَئُوْسٌ: البتہ ناامید۔ البتہ مایوس۔ يَأْسٌ سے صفت شبہ۔

نَعْمَاءَ: نعمتیں۔ انعام۔ مراد راحت و آسائش۔

صَبَرُوْا: انہوں نے صبر کیا۔ صبر کے معنی ہیں باندھنا۔ روکنا۔ قرآن و سنت کی اصطلاح میں نفس کو اس کی ناجائز خواہشات سے روکنے کا نام صبر ہے۔ (معارف القرآن ۵۹۸ / ۴)۔

تشریح: انسان فطرتاً جلد باز اور موجودہ حالت کو سب کچھ سمجھنے کا عادی ہے۔ وہ سابقہ حالت میں غور و فکر نہیں کرتا اور نہ ان کو یاد رکھنے کا عادی ہے۔ اسی لئے اگر نعمت کے بعد تکلیف آجائے تو وہ رحمت سے ناامید ہو کر ناشکری کرنے لگتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ جس ذات نے پہلے نعمت دی تھی وہ پھر بھی دے سکتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کو مصیبت و تکلیف کے بعد کوئی راحت و نعمت مل جائے تو اس پر اللہ کی طرف رجوع ہونے اور اس کا شکر کرنے کی بجائے اور زیادہ اکڑنے اور اترانے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نعمت تو اس کا حق ہے جو اسے ملنا ہی چاہئے اور یہ نہیں سوچتا کہ جس طرح پہلی حالت یعنی تکلیف و مصیبت کی حالت باقی نہیں رہی اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ یہ نعمت و راحت کی حالت بھی باقی نہ رہے۔

انسان کے ماضی و مستقبل کو بھول جانے کا عالم یہ ہے کہ ایک صاحبِ اقتدار کے خاک و خون پر دوسرا شخص اپنے اقتدار کی بنیاد استوار کرتا ہے اور کبھی اس پر غور نہیں کرتا کہ اس سے پہلے والا صاحبِ اقتدار بھی اسی طرح رہا کرتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی اسی حالت کی اصلاح کے لئے کتابیں نازل فرمائیں اور اپنے پیغمبر بھیجے جو انسان کو ماضی کے عبرتناک واقعات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ عقل مند کا کام یہ ہے کہ فانی اور ناپائیدار مادی اسباب پر فریفتہ نہ ہو بلکہ اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب کی طرف نظر کرے اور اسی سے اپنا رشتہ مضبوط کرے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ مصیبت میں بے صبرے اور نعمت میں ناشکرے ہو جاتے ہیں۔ اس عام کمزوری سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو مصیبت اور زوالِ نعمت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور عطائے نعمت کے وقت شکر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور روزِ قیامت کے خوف سے ہر اس چیز سے پرہیز کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو ناپسند ہو اور ایسے عمل کی طرف

دوڑتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کا باعث ہو۔ ایسے ہی لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خطائیں بخش دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ قیامت کے روز ان کو اپنے نیک اعمال کا بہت بڑا بدلہ ملے گا۔ (معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع ۵۹۷، ۵۹۸ / ۴)

کفار کی ناشائستہ باتیں

۱۲، ۱۴۔ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○

پھر کیا جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ آپ اس میں سے کچھ ترک کر دیں گے اور کیا ان کے یہ کہنے سے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہ اترا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ آیا، آپ کا دل تنگ ہو گا۔ آپ تو محض خبردار کرنے والے ہیں اور ہر شئے پر پورا اختیار تو اللہ ہی کا ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے اس (قرآن) کو خود بنا لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم بھی ایسی دس سورتیں بنا کر لے آؤ اور (اس کام میں) اللہ کے سوا جس سے چاہو مدد بھی لے لو اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ پھر اگر (یہ کفار) تم لوگوں کا کہنا پورا نہ کر سکیں تو جان لو کہ (یہ قرآن) اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ تو پھر اب بھی تم مسلمان ہوتے ہو یا نہیں۔

لَعَلَّكَ: شاید تو۔
ضَآئِقٌ: تنگ ہونے والا۔ ضَيْقٌ و ضِيْقٌ سے اسم فاعل۔
صَدْرُكَ: تیرا سینہ۔ جمع صُدُوْرٌ

کُنُوزٌ: خزانہ۔ جمع کرنا۔ ذخیرہ کرنا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

مَلَکٌ: فرشتہ۔ اسم جنس۔ جمع مَلَائِکَۃٌ۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ مشرکوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کوئی ایسا قرآن پیش کریں جس میں ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا گیا ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵/۹)

تشریح: مشرکینِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے۔ کبھی کہتے کہ اگر یہ رسول ہے تو کھانے پینے کا محتاج کیوں ہے؟ کبھی کہتے کہ یہ بازاروں میں کیوں آتا جاتا ہے؟ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا جو اس کے نبی ہونے کی تصدیق کرتا؟ اسے کوئی خزانہ کیوں نہیں دیا گیا؟ اس کے کھانے کے لئے کوئی خاص باغ کیوں نہیں بنایا گیا؟ یہ منکرین مسلمانوں سے کہتے کہ تم ایسے شخص کے پیچھے ہولئے جس پر جادو کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کی ناشائستہ باتوں سے ملولِ خاطر اور آزردہ دل نہ ہوں بلکہ آپ اپنے کام سے کام رکھئے۔ ان کو دعوتِ حق دیتے رہیئے، آپ کے ذمہ تو صرف خبردار کرنا اور احکامِ خداوندی پہنچانا ہے۔ آپ سے پہلے رسول بھی اسی طرح جھٹلائے گئے اور ستائے گئے پھر بھی وہ ثابت قدم رہے یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد آگئی۔ آپ بھی ان کی بدزبانی اور ناشائستہ باتوں کی پرواہ نہ کیجئے اور اپنا کام اللہ کے سپرد کر دیجئے۔ وہی کارساز اور ہر کام بنانے والا ہے۔

مشرکینِ مکہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی وحی نہیں بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا کلام ہے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم بھی تو اہلِ زبان ہو، فصاحت و بلاغت میں کوئی تمہاری برابری نہیں کر سکتا۔ تمہیں بھی ایسا کلام بنانے پر قدرت حاصل ہونی چاہئے۔ سو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم اس قرآن جیسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو چاہو اس کام میں مدد کے لئے اپنے ساتھ شامل کر لو۔ مگر تم تو کیا ساری دنیا مل کر بھی ایسا نہیں کر سکتی اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ جس طرح اس کی ذات مثال سے پاک ہے، اسی طرح اس کی صفتیں بھی بے مثال ہیں۔ لہٰذا مخلوق کے کلام کا اس کے کلام کی مانند ہونا محال ہے۔ سو تم یقین کر لو کہ یہ حقیقت میں اللہ ہی کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پس کیا تم مسلمان ہوتے ہو یا اب بھی اپنی سرکشی پر قائم رہو گے۔ (ابن کثیر ۲/۴۳۹)

اہلِ دنیا کا زعمِ باطل

۱۵، ۱۶۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم ان کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا کر دیتے ہیں اور ان کو اس میں کچھ نقصان نہیں دیا جاتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا وہ سب برباد ہوا اور (حقیقت میں) جو کچھ وہ کر رہے ہیں (اب بھی) وہ بے اثر ہے۔

نُوَفِّ: ہم پورا پورا دیں گے۔ تَوْفِیَۃٌ سے مضارع۔

یُبْخَسُوْنَ: وہ کم کئے جائیں گے۔ بَخْسٌ سے مضارع۔

حَبِطَ: وہ کھو گیا۔ وہ غارت ہوا۔ وہ ضائع ہوا۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

صَنَعُوْا: انہوں نے بنایا۔ انہوں نے کیا۔ صُنْعٌ سے ماضی۔

تشریح: جب منکرینِ اسلام کو عذاب کی وعیدیں سنائی جاتیں تو وہ جواب میں کہتے کہ ہم تو بڑے بڑے کام کرتے ہیں مثلاً خیرات و صدقات، خدمتِ خلق و رفاہِ عام، غریب پروری، صلہ رحمی اور مہمان نوازی وغیرہ اس لئے قیامت کے روز ہمیں کوئی عذاب نہیں ہوگا بلکہ ان نیک کاموں کا ثواب ملے گا۔

ان کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ جو شخص صرف دنیا کی زندگی اور اس کی رونق کا متمنی ہو اور آخرت پر نظر نہ کرے تو ہم اس کو دنیا ہی میں اس کے نیک اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیتے ہیں، جو مال و دولت، عزت و شرف اور کثرتِ اولاد کی شکل میں ہوتا ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں دوزخ کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ انہوں نے دنیا میں جو اعمال کئے تھے وہ چونکہ حصولِ دنیا اور نام و نمود کے لئے کئے تھے اس لئے آخرت کے اعتبار سے وہ سب برباد اور اکارت ہو گئے۔ اس کے برعکس مومن چونکہ آخرت کا طلب گار ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کو اس کے اعمال

کا بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے اور دنیا میں بھی اس کی نیکیاں اس کے کام آتی ہیں۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ

(سورۂ شوریٰ۔ آیت ۲۰)

جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہو تو ہم اس کے لئے اس کی کھیتی میں برکت عطا فرما دیتے ہیں اور جس کا ارادہ دنیا کی کھیتی کا ہو تو اگرچہ ہم اس کو دنیا میں کچھ حصہ دے دیں گے، لیکن اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں ہو۔

ایک اور مقام پر فرمایا:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل۔ آیت ۱۸-۲۱)

جو شخص دنیا کا طالب ہو ہم اس کو اسی میں جلد دے دیتے ہیں، جتنا چاہیں اور جسے چاہیں۔ پھر اس کا ٹھکانا دوزخ ہوتا ہے جہاں وہ ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوتا ہے اور جو آخرت کا طالب ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے پوری کوشش کرتا ہے اور وہ ایماندار بھی ہو تو ایسے لوگوں کی کوشش بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوتی ہے۔ ہم تیرے رب کی بخشش سے ہر ایک کی مدد کرتے ہیں (طالبِ دنیا کی بھی اور طالبِ آخرت کی بھی)۔ تیرے پروردگار کا انعام کسی سے رکا ہوا نہیں۔ دیکھو! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر (دنیا میں) فضیلت دے رکھی ہے (اسی پر آخرت کی فضیلتوں کو قیاس کرو)۔ آخرت تو درجات میں بہت بڑی

اور فضل میں بہت اعلیٰ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ریاکاروں کی نیکیوں کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیا جاتا ہے۔ اس میں ذرا سی بھی کمی نہیں کی جاتی۔ پس جو شخص دکھاوے کے لئے نماز پڑھے یا روزے رکھے یا تہجد پڑھے تو اس کا اجر اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ آخرت میں وہ خالی ہاتھ اور محض بے عمل اٹھتا ہے۔ (ابن کثیر ۴۳۹ / ۲، روح المعانی ۲۵،۲۴ / ۱۲)

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ مومن جو نیک کام کرتا ہے اس کو دنیا میں بھی (اس نیک کام کا) کچھ بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں ثواب ملتا ہے اور کافر (چونکہ آخرت کی فکر ہی نہیں رکھتا اس لئے اس) کا حساب دنیا ہی میں بھگتا دیا جاتا ہے۔ اس کے نیک اعمال کے بدلے میں دنیا کی دولت و عزت اور صحت و راحت اس کو دے دی جاتی ہے یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا جس کا معاوضہ وہاں پائے۔

جامع ترمذی اور مسند احمد میں حضرت انسؓ کی روایت سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کی نیت اپنے اعمال میں طلب آخرت کی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے۔ اور اس کی ضروریات کو پورا فرما دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس شخص کی نیت طلبِ دنیا کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ محتاجی اس کے سامنے کر دیتا ہے کہ اس کی حاجت کبھی پوری نہیں ہوتی، کیونکہ دنیا کی ہوس اس کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ ایک حاجت پوری ہونے سے پہلے دوسری حاجت سامنے آجاتی ہے اور بے شمار فکریں اس کو لگ جاتی ہیں اور ملتا صرف وہی ہے جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۰۵،۶۰۴ / ۴)

اہلِ دنیا و اہلِ آخرت کا موازنہ

۱۷۔ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

مِّنۡهُ ۚ اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ○

کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو اور وہ اس کی طرف سے آئے ہوئے شاہد (قرآن) کی تلاوت بھی کرتا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی (شاہد) ہو جو امام (رستہ بتانے والی) و رحمت (بخشوانے والی) تھی (کیا وہ منکر ہو سکتا ہے) ۔ یہی لوگ قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور دوسرے فرقوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے گا تو اس کا ٹھکانا دوزخ کی آگ ہے ۔ سو آپ اس (قرآن) کی طرف سے شک میں نہ رہیں ۔ بیشک یہ آپ کے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ۔

بَيِّنَةٍ: ایسی دلیل جو حق اور صحیح بات کی طرف راہنمائی کرتی ہے ۔ جس کی روشنی میں وہ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرتا ہے اور دنیا کی فانی لذتوں کو ترک کر کے آخرت کی دوامی راحت کو پسند کرتا ہے ۔

مَنْ كَانَ: اس سے مخلص مومن مراد ہیں ۔ بعض علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں ۔ یعنی آپ کی ذات مع متبعین ۔

شَاهِدٌ: اس سے مراد قرآن یا حضرت جبرائیل یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔

ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ اور ابن حاتمؒ وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہاں شاہد سے مراد حضرت جبرائیلؑ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے ۔ جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن تلاوت کیا اسی طرح وہ اس سے پہلے حضرت موسیٰؑ پر توریت تلاوت کرتے تھے ۔

حسنؒ اور قتادہؒ کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہے ۔ یعنی اللہ کی طرف سے ایک شہادت دینے والا، جو محمد رسول اللہ تھے، قرآن کی تلاوت کرے گا اور قرآن کی صداقت کی شہادت حضرت موسیٰؑ کی کتاب توریت بھی دے رہی ہے جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکی ہے ۔

ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ اور ابو الشیخؒ نے مجاہد کا قول نقل

کیا ہے کہ من کان علی بینۃ رسول اللہ تھے اور شاہد ایک فرشتہ تھا جو آپ کی حفاظت پر مامور تھا۔ (مظہری ۱۲ - ۱۴ / ۵)

اَحْزَابِ: گروہ۔ جماعتیں۔ واحد حزبٌ۔

مِرْیَۃٍ: شک۔ تردد۔

تشریح: جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ منور اور روشن دین پر قائم ہو اور اس کا روشن ہونا وحی آسمانی سے ثابت ہو تو وہ اس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جو محض دنیا کا طلب گار ہو اور اسے کوئی صحیح راستہ نظر نہ آتا ہو۔

جو لوگ اللہ کے نازل کردہ دین پر عمل پیرا ہیں اور توریت و انجیل کے عالم و فاضل ہیں وہی مخلص مومن ہیں۔ مومنین مخلصین کے علاوہ دوسرے گروہوں میں سے جو شخص اس دین حق کا انکار کرتا ہے تو اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ سو قرآن کے بارے میں کسی کو شک وشبہ میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بلاشبہ وہ اللہ کی سچی کتاب ہے۔ اگرچہ بہت سے لوگ واضح دلائل کے باوجود اس پر یقین نہیں رکھتے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے۔ اس امت میں سے جو کوئی کافر مشرک اور یہودی و عیسائی ایسی حالت میں مرے گا کہ جو (ہدایت) مجھے دے کر بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان نہ لایا ہو، تو وہ ضرور دوزخیوں میں سے ہوگا۔
(مظہری ۱۳ - ۱۵ / ۵)

مکذبین کے عیوب

۱۸، ۲۲۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ط اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ
عَلٰی رَبِّھِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْھَادُ ھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی
رَبِّھِمْ ج اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ o الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ
سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ط وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ o
اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ یہ لوگ اپنے رب کے روبرو پیش ہوں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی تو ہیں وہ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ دیکھو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ اور جو لوگ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی تلاش کرتے ہیں، وہی آخرت کے بھی منکر ہیں۔ یہ لوگ زمین پر بھی اللہ کے قابو سے باہر نہ تھے اور نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی تھا۔ ان کو دوگنا عذاب دیا جائے گا۔ وہ نہ (حق بات) سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور جو کچھ وہ جھوٹ باندھتے تھے وہ کھو یا گیا۔ بے شک یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں ہوں گے۔

يَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ منع کرتے ہیں۔ صَدٌّ سے مضارع۔

عِوَجًا: کجی۔ ٹیڑھا پن۔ مصدر ہے۔

يُضٰعَفُ: وہ دوگنا کیا جائے گا۔ مُضَاعَفَۃٌ سے مضارع مجہول۔

جَرَمَ: شک۔ شبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مکذبین کے چند عیوب بیان فرمائے ہیں۔

۱۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں افتراء اور دروغ گوئی کرے۔ مکذبین کا افتراء یہ ہے کہ وہ بتوں کو اپنا شفیع بتاتے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کا انکار کرتے تھے۔ کسی چیز کی تحریم کو اللہ کی طرف منسوب کرتے حالانکہ اللہ کی طرف سے اس چیز کی تحریم نہیں کی گئی۔ اسی طرح کسی چیز کی تحلیل کو اللہ کی طرف منسوب کرتے حالانکہ اللہ نے اس کو حرام قرار دیا۔

۲۔ اُولٰٓئِکَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ ۔ قیامت کے روز یہ لوگ اللہ کے سامنے ذلت و رسوائی کے ساتھ پیش ہوں گے ۔ پھر وہ ان سے ان کے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

۳۔ وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۔ قیامت کے روز شہادت دینے والے یعنی پیغمبر، اعمال لکھنے والے فرشتے اور جسمانی اعضاء، کافروں اور منافقوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لئے پکار کر کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ باندھا۔ منجملہ دوسرے شاہدوں کے زمانہ اور مقام بھی شہادت دے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی ۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ جس بندے اور بندی نے زمین کے اوپر جو کچھ کیا ہوگا زمین اس پر شہادت دے گی اور کہے گی کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا کیا تھا ۔ یہی زمین کی خبریں ہوگی ۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ مؤذن کی آواز جتنی مسافت پر پہنچے گی اور جہاں تک جن و انس اس کو سنیں گے، قیامت کے دن اس کی شہادت دیں گے ۔

ابن خزیمہؒ کی روایت میں ہے کہ مؤذن کی آواز جو پتھر، ڈھیلا، جن و انس سنے گا، مؤذن کے لئے شہادت دے گا ۔

۴۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۔ آگاہ ہو جاؤ کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ۔

۵۔ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۔ یہ ایسے ملعون ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے دین پر چلنے سے روکتے ہیں ۔

۶۔ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۔ یہ لوگ اللہ کے دین پر عمل کرنے کی بجائے اس کو اپنی نفسانی خواہشات کے مطابق بنانا چاہتے ہیں ۔ ان کی یہ خواہش سراسر ظلم اور برائی کا راستہ ہے ۔

۷۔ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَ ۔ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ لوگ آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں ۔

۸۔ اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عذاب

دینا چاہتا تو تمام زمین پر کہیں بھی یہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے کہ کہیں بھاگ کر عذاب سے بچ جاتے۔ کیونکہ بندے کے لئے عذاب الٰہی سے چھٹکارا پانا محال ہے۔

۹۔ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ۔ اور دنیا میں ان کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی ان کا حمایتی نہیں۔ اللہ ہی نے ان کے عذاب کو آخرت پر ٹال رکھا ہے تاکہ ان کو سخت اور کبھی ختم نہ ہونے والے عذاب میں مبتلا کرے۔

صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب پکڑ لیتا ہے تو پھر اس کو چھٹکارا نہیں ملتا۔

۱۰۔ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ۔ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں ان کو دوگنی سزا ملے گی۔ بعض مفسرین کے نزدیک دوگنا عذاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ بعض نے کہا کہ دوگنا عذاب کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کفر کیا اور اس پر افتراء باندھا۔

۱۱۔ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں حق کو سننے کی استعداد ہی پیدا نہیں کی، اس لئے وہ حق کو نہیں سنتے۔ قتادہؒ نے کہا کہ یہ لوگ حق کو سننے سے بہرے تھے اس لئے بھلائی کو سن کر اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے۔

۱۲۔ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں بصیرت پیدا ہی نہیں کی۔ اس لئے وہ آیاتِ خداوندی کو دیکھنے سے بھی بے بہرہ ہیں۔

۱۳۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا کیونکہ انہوں نے اللہ کی عبادت چھوڑ کر پتھروں کی پوجا اختیار کی اور جنت دے کر دوزخ خرید لی۔

۱۴۔ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ جن کو یہ اللہ کا شریک بناتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کے ہاں یہ ان کی سفارش کریں گے اور حضرت مسیح ان کے گناہوں کا کفارہ ہو گئے ہیں۔ یہ اور ایسے تمام باطل دعوے گم ہو جائیں گے۔

۱۵۔ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔ لامحالہ آخرت کے اعتبار سے یہی لوگ سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ (مظہری ۱۵۔۱۷/ ۵)

اہلِ ایمان کا حال و مآل

۲۳،۲۴ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور وہ اپنے رب کے سامنے عاجزی کرتے رہے وہی لوگ اہل جنت ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے (ایک) اندھا اور ایک بہرہ ہو (کافر) اور (دوسرا) دیکھنے والا اور سننے والا ہو (مومن)۔ کیا دونوں کا حال برابر ہے پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

اَخْبَتُوْا: انہوں نے عاجزی کی۔ وہ جھکے۔ اِخْبَاتٌ سے ماضی۔

اَصَمّ: بہرا۔ صَمَمٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے قول و فعل سے اپنے رب کے احکام پوری طرح بجالاتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہتے ہیں وہی لوگ جنت کے وارث ہیں۔ جہاں بلند بالاخانے، نفیس بچھائے اور بچے سجائے تخت ہیں، جھکے ہوئے خوشوں اور میووں کے درخت ہیں۔ قسم قسم کے خوش ذائقہ پھل، پسندیدہ اور لذیذ کھانے ہیں اور سب سے بڑھ کر دیدار خداوندی کی نعمت ملے گی۔ اہل جنت کو یہ نعمتیں ہمیشہ حاصل رہیں گی۔ نہ کبھی انہیں موت آئے گی اور نہ بڑھاپا، نہ بیماری، نہ غفلت۔

جن شقی القلب کافروں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے ان کو مومن و متقی اہلِ ایمان سے بالکل وہی نسبت ہے جو اندھے اور بہرے کو بینا اور سننے والے سے ہے۔ کافر دنیا میں نہ تو راہِ حق کو دیکھتے تھے اور نہ حق بات کو سنتے تھے، اس لئے وہ اندھے اور بہرے کی مانند ہیں۔ سو قیامت کے روز بھی وہ خیر کی طرف راہ نہیں پائیں گے۔ ان کے برخلاف مومن عاقل و عالم تھے، سمجھدار تھے، پیامِ حق سنتے اور اس کو قبول کرتے تھے، حق و باطل میں تمیز کرتے تھے، بھلائی کو اختیار کرتے اور برائی کو چھوڑتے تھے۔ یہ دونوں گروہ کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا تم ایسی مثالوں کو سننے اور ان پر غور و فکر

کرنے کے بعد بھی نصیحت قبول نہیں کرو گے۔ (ابن کثیر ۲/۲۲۲)

حضرت نوح ؑ کا واقعہ

۲۵، ۲۶۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝

اور بیشک ہم نے (حضرت) نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ (ان سے کہو) میں تمہیں صاف صاف خبردار کرتا ہوں (اور) یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

تشریح: منکرین کو بت پرستی سے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر دنیا میں بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے صاف صاف خبردار کرتا ہوں۔ سو تم بت پرستی چھوڑ کر ہمہ تن اس معبودِ حقیقی کی عبادت میں لگ جاؤ جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اگر تم نے میری بات پر توجہ نہ دی تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارے اوپر ایک دردناک دن کا عذاب نہ آجائے۔

منکرین کی جہالت آمیز گفتگو

۲۷۔ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝

پس (حضرت) نوح کی قوم کے سردار کہنے لگے کہ ہم تو آپ کو اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمہاری اتباع ان لوگوں نے بلا تامل کی ہے جو ہم میں بالکل رذیل ہیں اور ہم تمہارے لئے اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ ہم تو تمہیں (بالکل) جھوٹا سمجھتے ہیں۔

اَلْمَلَاُ: سرداروں کی جماعت۔

بَادِیَ: ظاہری۔ کھلا ہوا۔ بَدْوٌ و بَدَاوَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کی بات سن کر ان کی قوم کے کافر سردار اور رؤساو امراء کہنے لگے کہ آپ کوئی فرشتے تو ہیں نہیں بلکہ آپ تو ہماری ہی طرح کے آدمی ہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ صرف آپ ہی کے پاس اللہ کی وحی آئے اور ہمارے پاس نہ آئے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے آپ کی اتباع اختیار کی ہے وہ ہم میں بہت کم درجے کے لوگ ہیں۔ کسی رئیس اور سردار نے آپ کی فرماں برداری اختیار نہیں کی۔ یہ لوگ تو سوچے سمجھے بغیر ہی اپنی سادہ لوحی کی بنا پر آپ کے ساتھ لگ گئے ہیں۔ ہم جیسے معززین کے لئے تو ایسے رذیل، جاہل اور بے عقل لوگوں کے ساتھ بیٹھنا بھی باعثِ ننگ و عار ہے۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی غور و فکر کرتے تو کبھی آپ کی پیروی نہ کرتے۔ ایسے حقیر و فقیر اور بے عقل لوگوں کا آپ کی اتباع کرنا آپ کی صداقت کی دلیل کیسے ہو سکتا ہے۔ پھر آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو مال و دولت یا عزت و شرف کے اعتبار سے بھی ہم پر کوئی فضیلت و برتری حاصل نہیں۔ ایسی صورت میں ہم آپ کی اتباع کیوں کریں بلکہ ہمارا گمان تو یہ ہے کہ آپ سب جھوٹے ہیں۔

حضرت نوح ؑ کا جواب

۲۸-۳۱ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِہٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ ؕ اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ ○ وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ وَلٰکِنِّیْٓ اَرٰىکُمْ قَوْمًا تَجْھَلُوْنَ ○ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰہِ اِنْ طَرَدْتُّھُمْ ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ ○ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَکٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا ؕ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ۚ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ○

(حضرت) نوح نے کہا: اے میری قوم! بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت (نبوت) عطا فرمائی ہے پھر وہ تمہیں دکھائی نہ دیتی ہو تو کیا ہم اس (رحمت) کو تمہارے سر منڈھ دیں جبکہ تم اس سے نفرت کرتے ہو اور اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی مال تو نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ہے اور میں تو ان ایمان والوں کو دھتکار نہیں سکتا کیونکہ وہ تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تو دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت کر رہے ہو اور اے میری قوم! اگر میں انہیں دھتکار دوں تو مجھے اللہ تعالیٰ سے کون چھڑا سکتا ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ تمہاری نگاہوں میں حقیر ہیں اللہ ان کو کوئی بھلائی نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے دل کا حال خوب جانتا ہے۔ بے شک ایسا کروں تو میں بھی ناانصافی کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اَنُلْزِمُكُمُوْهَا: ہم اس کو تم سے لازم کریں گے۔ ہم اس کو تم پر مسلط کریں گے۔ اِلْزَامٌ سے مضارع۔

بِطَارِدِ: دور کرنے والا۔ نکالنے والا۔ طَرْدٌ سے اسم فاعل۔

طَرَدْتُّهُمْ: میں نے ان کو دور کر دیا۔ میں نے ان کو نکال دیا۔ طَرْدٌ سے ماضی۔

تَزْدَرِیْ: وہ کمتر جانتی ہے۔ وہ حقیر دیکھتی ہے۔ اِزْدِرَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ اے میری قوم! بیشک انسان ہونے میں ہم سب برابر ہیں مگر انسان اور بشر ہونا، نبوت و رسالت کے منافی نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنی نبوت و رسالت کے روشن دلائل لے کر آیا ہوں۔ اگرچہ صورتِ بشریہ کے اعتبار سے میں تمہارے ہی جیسا انسان ہوں مگر باطنی فضائل و کمالات اور آیاتِ بینات کے اعتبار سے میں تم سے ممتاز ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے کسی استحقاق کے بغیر محض اپنے فضل سے مجھے اپنی نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے۔ پھر یہ روشن حقیقت تم پر پوشیدہ اور مخفی کر دی گئی۔ کیونکہ تکبر و غرور نے تمہیں اندھا کر رکھا ہے اس لئے میری نبوت تمہیں نظر نہیں آتی۔ اللہ نے میرے ذریعہ

جو رحمت تمہیں دی ہے تم نے اس کی قدر نہیں کی بلکہ تم اس کو جھٹلانے لگے، تمہاری اس کراہت و نفرت کے باوجود کیا میں اللہ کی ہدایت و رحمت کو تمہارے گلے باندھ دوں۔

اے میری قوم! میں جو تمہیں وعظ و نصیحت اور تبلیغ دین کر رہا ہوں، میں تم سے اس کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا جس کا دینا تم پر شاق ہو اور نہ دینا مجھے ناگوار ہو۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے جس نے مجھے نبوت و رسالت دے کر بھیجا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ میں تمہارے کہنے پر ان ضعیف مومنوں کو اپنی مجلس سے نہیں ہٹا سکتا۔ ان کا مرتبہ تو یہ ہے کہ قیامت کے روز یہ درویشانِ اسلام، عزت و کرامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے ایمان اور نیکیوں کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ تم واقعی ایک جاہل قوم ہو کہ اپنے مال و دولت کو عزت و ناموری کا ذریعہ سمجھتے ہو اور اہلِ ایمان جو اللہ کے نزدیک معزز و مقرب ہیں، ان کو حقیر و ذلیل کہتے ہو۔ تمہاری جہالت کی انتہا یہ ہے کہ تمہیں عزت و ذلت کے معنی بھی معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق (ایمان) کا نام عزت اور اس سے بغاوت اور قطع تعلق (کفر) کا نام ذلت ہے۔

اے میری قوم! اگر بالفرض میں تمہارے کہنے پر ان غریب اور خدا کے مخلص بندوں کو اپنے پاس سے ہٹا دوں تو بتاؤ اللہ کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا اور میرے اوپر سے اس کے عذاب کو کون دفع کرے گا۔ ایسے مخلص بندوں کو اپنی مجلس سے نکالنا سراسر بے انصافی اور ظلم ہے۔ لہٰذا تمہارے کہنے پر میں ان کے ساتھ بے انصافی نہیں کر سکتا۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ بندہ ایمان و اطاعت کے ذریعہ اللہ کے نزدیک مقبول ہو جاتا ہے ایسے لوگوں کو رد کرنے کی کسی کو مجال نہیں۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میرے پاس مال و دولت کے خزانے ہیں جن کو تم عزت و شرف کا ذریعہ سمجھتے ہو۔ تمہیں دعوتِ حق سے میری غرض مال سمیٹنا نہیں۔ میرے نزدیک مال و دولت کا ہونا یا نہ ہونا سب برابر ہے کیونکہ یہ سب فانی ہیں اور ان کے ہونے سے کسی کی عزت و شرف میں اضافہ نہیں ہوتا اور ان کے نہ ہونے سے کوئی حقیر و کم تر نہیں ہو جاتا۔ عزت و شرف کا دار و مدار تو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی اطاعت پر ہے اسی لئے میں تم سب کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت اور توحید کی طرف بلاتا ہوں۔ میری دعوت ہر چھوٹے بڑے کے لئے عام ہے جو اسے قبول کرے گا وہ نجات پائے گا۔

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں غیب کی باتوں سے واقف ہوں۔ مجھے تو صرف وہی کچھ معلوم

ہے جو مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتادیا جاتا ہے اور میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا بلکہ میں تو ایک انسان اور اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ جن لوگوں کو تم ان کی مفلسی کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتے ہو میں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے ہاں ان کو کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا ان کے باطن کا حال بھی اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اگر وہ ظاہر کی طرح باطن میں بھی ایماندار ہیں تو ان کو اللہ کے ہاں ضرور اجر و ثواب ملے گا۔ میں تو ان کے ظاہر کو دیکھ کر ان سے معاملہ کرتا ہوں۔ لہٰذا اگر میں محض شبہ اور گمان کی بنا پر ان کو اپنے پاس سے نکال دوں تو بلاشبہ میں ظالموں میں سے ہوں گا۔ (ابن کثیر ۴۴۳/ ۲، مواہب الرحمٰن ۲۶۔ ۲۸/ ۱۲)

قومِ نوح کی ہٹ دھرمی

۳۲۔۵ قَالُوا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ○ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ○

وہ کہنے لگے کہ اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا۔ پس تو ہم سے بہت جھگڑا کر چکا سو جس چیز سے تو ہمیں دھمکا رہا ہے اس کو لے آ، اگر تو سچا ہے۔ (حضرت) نوح نے کہا کہ اس کو تو اللہ ہی لائے گا اگر وہ چاہے گا اور تم اس کو روک نہ سکو گے اور میری خیر خواہی تمہارے کام نہیں آ سکتی گو میں تمہاری کیسی ہی خیر خواہی کرنا چاہوں اگر اللہ کو تمہارا گمراہ رکھنا ہی منظور ہے۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے (قرآن) خود بنالیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے خود بنالیا ہے تو اس کا گناہ مجھ پر ہے اور میں تمہارے گناہوں سے بری ہوں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کی گفتگو سن کر ان کی قوم نے کج فہمی اور ہٹ دھرمی کا

مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا کہ آپ ہمارے ساتھ خوب بحث و مباحثہ کر چکے، اگر آپ اپنے نبوت کے دعوے اور عذاب کی وعید میں سچے ہیں تو وہ عذاب لے آئیے جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ میرے اختیار میں تو دعوت و نصیحت تھی جو میں نے کردی۔ رہا عذاب کا لانا تو وہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ جب اس کو منظور ہو گا عذاب آجائے گا۔ اس وقت تم اس عذاب سے نہیں بچ سکو گے اور نہ اس کو ٹال سکو گے۔ اگر اللہ نے ازل میں تمہاری گمراہی کا ارادہ فرمالیا ہے تو میں اس کو نہیں بدل سکتا۔ اس صورت میں میری نصیحت و خیر خواہی تمہارے لئے فائدہ مند نہ ہو گی اور تم ہلاکت سے نہ بچ سکو گے۔ اللہ ہی تمہارا رب اور پروردگار ہے، تمہیں اس کے احکام پر عمل کرنا چاہئے تھا مگر تم تو اپنے عناد کی بنا پر ان کو جھٹلاتے رہے۔ ایک دن تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں تم اپنے اعمال کا بدلہ پاؤ گے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! کیا کافر یہ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں آپ نے اپنی طرف سے گھڑلی ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ پیغام میں نے خود گھڑلیا ہے تو میرے اس جرم کا وبال بھی مجھ پر ہی ہو گا اور جن جرائم کا ارتکاب تم کرتے ہو میں ان سے بری ہوں۔

(مواہب الرحمٰن ۲۸،۲۹ / ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۴۴ / ۳)

حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم

۳۶، ۳۹۔ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَیَصْنَعُ الْفُلْکَ ۟ وَکُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝

اور (حضرت) نوح کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم میں سے اب کوئی ایمان

نہ لائے گا مگر جو لا چکا۔ سو جو کچھ یہ لوگ کر رہے ہیں آپ اس پر غمگین نہ ہوں اور (اے نوح) تم ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بناؤ اور ظالموں کے حق میں مجھ سے بات نہ کرنا کیونکہ وہ غرق کئے جائیں گے اور (حضرت) نوح تو کشتی بنانے لگے اور جب ان کی قوم کا کوئی سردار ان کے پاس سے گزرتا تو وہ ان (حضرت نوح) کا مذاق اڑاتا۔ (حضرت) نوح کہتے کہ اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی اسی طرح تم پر ہنسیں گے۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون ہے وہ جس پر عذاب آئے گا اور اس کو رسوا کر دے گا اور کس پر دائمی عذاب اترتا ہے۔

تَبْتَئِسْ: تو غمگین ہوتا ہے۔ تو ناامید ہوتا ہے۔ اِبْتِئَاسٌ سے مضارع۔

اَلْفُلْكَ: کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مونث، واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

كُلَّمَا: جب کبھی۔ جس وقت۔ اکثر

يَحِلُّ: وہ نازل ہو گا۔ وہ واقع ہو گا۔ حُلُوْلٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام ایک زمانے تک اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے رہے مگر ان پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر جب قوم نوح نے حضرت نوح علیہ السلام سے اس عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کیا جس کی وہ ان کو وعید سناتے رہتے تھے تو حضرت نوح نے عاجز آکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت نوح کو آگاہ کیا کہ اب اس قوم میں سے ان لوگوں کے سوا جو اب تک ایمان لا چکے ہیں مزید کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا۔ آپ کو ان پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ جس عذاب کا یہ لوگ مذاق اڑا رہے ہیں اس کا وقت نزدیک آگیا ہے۔ اب یہ اس سے نہیں بچ سکتے۔

اے نوح! اب آپ ہماری تعلیم کے مطابق ہماری نگرانی میں ایک کشتی تعمیر کیجئے اور ان کافروں میں سے کسی کو بچانے کے لئے مجھ سے عذاب دور کرنے کی درخواست نہ کرنا۔ بلاشبہ یہ لوگ غرق کئے جائیں گے۔ ان کی غرقابی کا حکم قطعی ہے۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے حکم کے مطابق کشتی بنانے میں مشغول ہو گئے۔ جب ان کی قوم کے سرداروں میں سے کچھ لوگ ان کے پاس سے گزرتے تو از راہِ تمسخر کہتے کہ اے نوح! پہلے تو تم پیغمبر تھے اب بڑھئی ہو گئے ہو۔ دریا سے دور خشکی میں اتنی بڑی کشتی چلے گی۔ کیا تم

دیوانے ہو گئے ہو ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ جس طرح جاہل و نادان قرار دے کر آج تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو آئندہ ہم بھی تمہیں طوفان میں ڈوبتے دیکھ کر تمہارا مذاق اڑائیں گے اور تمہیں جاہل قرار دیں گے ۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر آخرت میں ہمیشہ قائم رہنے والا عذاب نازل ہو گا ۔ چنانچہ جب قوم نوح پر طوفان کی شکل میں اللہ کا عذاب آیا تو سب غرق ہو گئے اور عالمِ برزخ میں پہنچ گئے، جہاں قیامت تک ان پر عذاب ہوتا رہے گا ۔ پھر قیامت کے روز ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا ۔ جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے ۔ (مواہب الرحمن ۳۰، ۳۳ / ۱۲)

عذابِ الٰہی کی آمد

۴۰۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ؀

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور (غضبِ الٰہی) جوش میں آگیا تو ہم نے کہا کہ (اے نوح) اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لو اور اپنے گھر والوں کو بھی (اس میں سوار کر لو) سوائے ان کے جن کے بارے میں ہمارا فیصلہ ہو چکا اور جو لوگ ایمان لے آئے (ان کو بھی سوار کر لو) اور اس کے ساتھ تو بہت تھوڑے سے لوگ ایمان لائے تھے ۔

فَارَ: اس (پانی) نے جوش مارا ۔ وہ ابلنے لگا ۔ فَوْرٌ و فَوَرَانٌ سے ماضی ۔

اَلتَّنُّوْرُ: تنور ۔ نان پکانے کا چولہا ۔

تشریح: پھر جب عذاب کے متعلق اللہ کا حکم آپہنچا تو آسمان سے موسلا دھار بارش برسنے لگی، زمین بھی پانی اگلنے لگی اور روٹی پکانے کا تنور جوش مارنے لگا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ جب اس تنور سے پانی ابلنے لگے تو اہل ایمان کو لے کر کشتی میں سوار ہو جانا ۔ ابن عباسؓ کے مطابق تنور کے ابلنے کا مطلب یہ ہے کہ روئے زمین سے چشمے پھوٹ پڑے یہاں تک کہ آگ کی جگہ تنور میں سے پانی ابل پڑا ۔ جمہور سلف و خلف کا بھی یہی قول ہے ۔

جب عذاب کی علامت ظاہر ہو گئی اور تنور سے پانی ابلنے لگا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کو حکم دیا کہ ہر قسم کے جانوروں میں سے جو انسان کے لئے کار آمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے، ایک ایک جوڑا (ایک نر اور ایک مادہ) کشتی میں اپنے ساتھ لے لو۔ اپنے اہل و عیال اور مومنوں کو بھی اس کشتی میں سوار کر لو، سوائے ان لوگوں کے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی واہلہ اور حضرت نوح کا بیٹا کنعان، دونوں کافر تھے۔ من سبق علیہ القول سے یہی دونوں مراد ہیں۔ (ابن کثیر ۴۴۵/ ۲)

کشتی پر سوار ہونے کا حکم

۴۱، ۴۳۔ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝

اور (حضرت) نوح نے کہا کہ اس کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ ہی کے نام سے ہے۔ بیشک میرا رب معاف کرنے والا مہربان ہے اور وہ کشتی ان لوگوں کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں میں چلنے لگی اور (حضرت) نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا جبکہ وہ کنارے پر (کھڑا) تھا کہ اے میرے بیٹے تو ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ اس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں، جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ (حضرت) نوح نے کہا کہ آج اللہ کے حکم (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر اللہ ہی مہربانی فرما دے (تو بچ جائے گا) اور دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی۔ سو وہ بھی غرق ہو گیا۔

اِرْكَبُوْا: تم سوار ہو جاؤ۔ رُكُوْبٌ سے امر۔

مَجْرٖىهَا: اس کو جاری کرنا۔ اس کا چلنا۔ جَرَیَانٌ سے اسم ظرف۔

مُرْسٰىهَا: اس کا رکنا۔ اس کا ٹھہرنا۔ اِرْسَاءٌ سے مصدر میمی۔

مَعْزِلٍ: کنارہ۔ الگ جگہ۔ عَزْلٌ سے اسم ظرف و مصدر میمی۔

یَعْصِمُنِیْ: وہ میری حفاظت کرے گا۔ وہ مجھے بچائے گا۔ عِصْمَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے ساتھیوں کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا اور کہا کہ تم اس کے غرق ہونے کا اندیشہ مت کرو کیونکہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا سب اللہ ہی کے نام کی برکت سے ہے۔ بلاشبہ میرا پروردگار بخشنے والا اور مہربان ہے۔ نجات کا دارومدار اسی کی رحمت پر ہے۔ یہ کشتی تو نجات کا ظاہری سبب ہے۔ لہٰذا تم اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھتے ہوئے کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ لوگ اس کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی ان کو لے کر پہاڑ جیسی بلند موجوں میں چل رہی تھی۔

کشتی روانہ ہونے سے پہلے حضرت نوح نے اپنے بیٹے کنعان کو جو کشتی سے علیحدہ تھا، آواز دے کر کہا کہ اے میرے بیٹے اللہ پر ایمان لے آ اور ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا اور کافروں کا ساتھ چھوڑ دے تاکہ اس مصیبتِ عظمیٰ سے نجات پا سکے۔ بیٹے نے جواب دیا کہ مجھے کشتی کی ضرورت نہیں میں تو کسی بلند پہاڑ پر ٹھکانا بنا لوں گا، جو مجھے پانی میں غرق ہونے سے بچا لے گا۔ اس وقت تک پانی پہاڑوں پر نہیں پہنچا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کو جواب دیا کہ یہ کوئی معمولی سیلاب نہیں، یہ تو اللہ کا قہر ہے۔ آج اللہ کے قہر سے بچانے والا کوئی نہیں، سوائے اس کے جس پر اللہ رحم فرمادے۔ پہاڑ بھی اسی کے حکم کے تابع ہے وہ اس کے حکم کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ پانی کی ایک بڑی موج ان دونوں کے درمیان حائل ہو گئی اور کافروں کے ساتھ حضرت نوح کا بیٹا بھی غرق ہو گیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۰، ۵۵۱ / ۳)

زمین کو پانی نگلنے کا حکم

۴۴۔ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ

وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ٥

اور حکم ہوا اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام تمام ہو گیا اور کشتی جودی (پہاڑ) پر آٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالموں پر پھٹکار ہے۔

اِبْلَعِيْ : تو نگل جا۔ بَلْعٌ سے امر۔
اَقْلِعِيْ : تو تھم جا۔ تو بند ہو جا۔ اِقْلَاعٌ سے امر۔
غِيْضَ : وہ زمین میں جذب کر دیا گیا۔ وہ خشک کر دیا گیا۔ غَيْضٌ سے ماضی مجہول۔
اِسْتَوَتْ : وہ ٹھہر گئی۔ وہ (کشتی) لگ گئی۔
اَلْجُوْدِيِّ : ایک پہاڑ کا نام ہے جس پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی طوفان کے بعد ٹھہری تھی۔

تشریح: جب سب کافر طوفان کے سبب غرق آب ہو گئے اور مسلمان صحیح و سلامت رہے تو اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اپنا اگلا ہوا اور آسمان کا برسایا ہوا تمام پانی نگل لے اور آسمان کو حکم دیا کہ وہ پانی برسانا بند کر دے۔ اس طرح پانی کم ہونے لگا اور اللہ کے حکم سے کشتی جودی پہاڑ پر آکر رک گئی۔ لوگ زمین پر اتر گئے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ہلاک و برباد کرنے اور مومنوں کو بچانے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی کر دی گئی کہ اللہ نے ظالم قوم کو نیست و نابود اور اپنی رحمت سے دور کر دیا کیونکہ انہوں نے اہلِ حق کے ساتھ ناانصافی کی تھی۔

حضرت نوحؑ کی دعاء

۴۵، ۴۷۔ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ
الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ٥ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ
اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ
عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ٥ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ

اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَالَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

اور (حضرت) نوح نے اپنے رب کو پکار کر کہا کہ اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھر والوں میں سے تھا اور تیرا وعدہ برحق ہے اور تو سب سے بڑا حاکم ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! بیشک وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے ۔ سو تو مجھ سے ایسی بات کی درخواست نہ کر جس کا تجھے علم ہی نہیں ۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ (آئندہ) تو جاہلوں میں سے نہ ہونا ۔ حضرت نوح نے کہا کہ اے میرے رب! میں ایسی بات کا سوال کرنے سے جس کا مجھے علم نہیں میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور اگر تو مجھے معاف نہ فرمائے گا اور مجھ پر مہربانی نہ فرمائے گا تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے کفر کا حال صحیح طور پر معلوم نہ تھا ۔ انہوں نے ظاہری اور نسبی قرابت کی بنا پر یہ خیال کیا کہ ان کا بیٹا بھی ان کے اہل میں سے ہے ۔ اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے میرے پروردگار یہ میرا لڑکا تو میرے اہل میں سے ہے اور تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا ہے ۔ بلاشبہ تیرا وعدہ حق ہے اس لئے تو میرے بیٹے کو ڈوبنے سے بچالے ۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بیٹے کے ڈوبنے کے بعد دعاء کی ہو کہ میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا اور تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا اور تو سب سے زیادہ علم والا اور سب سے زیادہ انصاف کرنے والا ہے ۔ تیرے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا ۔ پھر میرا بیٹا کیوں ہلاک ہو گیا ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے نوح! تیرا بیٹا ان لوگوں میں سے نہیں تھا جن کی نجات کا میں نے وعدہ کیا تھا ۔ اگرچہ قرابت کے اعتبار سے یہ تیرا بیٹا ہے، مگر اس کے اعمال صالح نہیں تھے، اس لئے وہ تیرے اہل میں سے نہیں بلکہ کافر ہے ۔ اہل ہونے کا دارومدار نسبی قرابت پر نہیں بلکہ دین کی قرابت پر ہے جو کفر کی وجہ سے منقطع ہو گئی ۔ مسلم و کافر کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہوتا اسی لئے وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے ۔ پس نبی کے اصل اہل تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو نبی

پر ایمان لائیں اور اس کی کامل اتباع کریں ۔ سو تو مجھ سے ایسی بات کا سوال نہ کر جس کے صحیح یا غلط ہونے کا تجھے علم نہیں ۔ تحقیق میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ آئندہ ایسا سوال کر کے تم ان نادانوں میں سے نہ ہو جانا جو جہالت و نا سمجھی کی بنا پر ایسی چیز کا سوال کرتے ہیں جس کا ان کو علم نہیں ۔

جب حضرت نوح علیہ السلام کو اپنے سوال کا رضائے الٰہی کے خلاف ہونا معلوم ہو گیا تو فوراً تضرع و عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مغفرت و رحمت کی درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! جس چیز کا مجھے علم نہ ہو آئندہ اس کے بارے میں سوال کرنے سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور شفقتِ پدری کی بنا پر اپنے کافر لڑکے کی نجات کی درخواست کی شکل میں مجھ سے جو خطا و لغزش سرزد ہوئی اگر تو میری اس خطاء کو معاف نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ فرمائے تو میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ۔ (مواہب الرحمن ۳۲، ۳۵ / ۱۲، روح المعانی ۶۸، ۷۲ / ۱۲)

حضرت نوحؑ کو کشتی سے اترنے کا حکم

۴۸۔ قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

حکم ہوا، اے نوح! (کشتی سے) اترو ۔ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہیں تم پر اور تمہارے ساتھ والوں پر اور (بعد میں) بہت سی جماعتیں ایسی بھی ہوں گی جن کو ہم (دنیا میں) کچھ دن تک فائدہ دیں گے پھر (آخرت میں) ان کو ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا ۔

اِهْبِطْ: تو اتر ۔ ہُبُوْطٌ سے امر ۔

اُمَمٌ: امتیں ۔ گروہ ۔ یہاں اُمَمٌ سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے ۔ وہ خود بھی جماعتوں کی شکل میں تھے اور تمام اقوام انہیں کی نسل سے پیدا ہونے والی تھیں اس لئے ان کو اُمَم فرمایا ۔

تشریح: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی تو حضرت نوح اور ان کے ساتھی کچھ دنوں تک جب تک اللہ نے چاہا کشتی میں ہی ٹھہرے رہے ۔ پھر

اللہ تعالیٰ نے ان کو کشتی سے اترنے کا حکم دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اب تم ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر اترو جو تم پر اور ان جماعتوں پر نازل ہوں گی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ آپ کے ساتھیوں کی مسلمان نسل کو بھی اس سلامتی اور برکت سے حصہ ملے گا۔

پھر فرمایا کہ تمہارے ساتھیوں کی نسل سے کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم ان کو دنیا میں کچھ روز تک عیش و آرام دیں گے۔ پھر اپنے کفر و شرک کی وجہ سے آخرت میں یہ لوگ دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے۔ کافر دنیا میں جو فلاحی کام کرتے ہیں ان کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے۔ آخرت میں ان کے لئے عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

غیب کی خبریں

۴۹۔ تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ○

یہ (باتیں) غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، اس سے پہلے نہ تو ان (باتوں) کو آپ جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔ سو آپ صبر کیجئے۔ اچھا انجام تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ طوفان نوح کے یہ واقعات غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے وحی کے ذریعہ آپ پر القاء کی ہیں۔ آپ ان کو پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ اور نہ آپ کی قوم کو ان کی خبر تھی۔ آپ ہی کے ذریعہ ان کو ان واقعات کا علم ہوا آپ ان کو ٹھیک اسی طرح بیان کرتے ہیں جس طرح یہ واقعات سابقہ آسمانی کتب میں موجود ہیں۔ اگر آپ کی قوم کے لوگ پڑھے لکھے اور تاریخ عالم سے واقف ہوتے تو پھر یہ کہا جا سکتا تھا کہ آپ نے یہ واقعات ان لوگوں سے سن کر بیان کر دیئے۔ لیکن جب پوری قوم ہی ان سے بے خبر ہو اور آپ بھی حصولِ علم کے لئے کسی دوسرے ملک نہ گئے ہوں تو پھر ایسی خبر کا ذریعہ وحی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہی آپ کے پیغمبر برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔

اگر ایسے روشن دلائل کے بعد بھی یہ بدبخت آپ کی نبوت و رسالت کو نہ مانیں تو آپ

بھی ان کی ایذاء اور تکلیف دہ باتوں پر اسی طرح صبر سے کام لیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام نے صبر کیا تھا۔ آخر کار پرہیز گار ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

حضرت ہودؑ کا واقعہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو قوم عاد میں مبعوث فرمایا جو اپنے ڈیل ڈول اور قوت و شجاعت کے اعتبار سے پوری دنیا میں ممتاز تھی۔ ان کے شہر نہایت سرسبز و شاداب تھے۔ کھیتی، باغوں اور مویشی کی کثرت تھی۔ پھر جب انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت کو ٹھکرایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قحط میں مبتلا کر دیا اور تین سال تک ان پر بارش نہ ہوئی۔ حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم کے فرد تھے۔ یہ لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا اور دولت و ثروت کی کثرت کے سبب نہایت مغرور اور خودسر تھے اور انبیاء اور ان کی اتباع کرنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔

حضرت ہودؑ کی نصیحت

۵۰-۵۲ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ○ يَٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱلَّذِى فَطَرَنِىٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ وَيَٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا۟ رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا۟ إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا۟ مُجْرِمِينَ ○

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف ان کے بھائی ھود کو بھیجا۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم تو محض افتراء کرنے والے ہو۔ اے میری قوم! میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (یہ) نہیں سمجھتے۔ اے میری قوم! تم اپنے رب سے معافی مانگو۔ پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ وہ

تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور (ایمان و عمل کی برکت سے) تمہیں قوت دے کر تمہاری موجودہ قوت کو بڑھا دے گا اور تم نافرمان ہو کر روگردانی نہ کرو۔

فَطَرَنِیْ: اس نے مجھے پیدا کیا۔ فَطْرٌ سے ماضی۔

مِدْرَارًا: بہت برسنے والا۔ دَرٌّ سے مبالغہ۔

تشریح: حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ تم نے محض اپنے گمان سے بتوں کو اپنا معبود اور اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے۔ میں تم سے اس نصیحت کا کوئی بدلہ اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ میرا اجر و ثواب تو اس اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ وہی مجھے دنیا میں روزی دیتا ہے اور وہی مجھے آخرت میں ثواب دے گا۔ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ تم جھوٹ سچ اور حق و باطل میں فرق کر سکو۔

اے میری قوم! میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم کفر و معصیت کو ترک کر کے توبہ و استغفار میں لگ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ سے اپنے سابقہ گناہوں کی معافی طلب کرو اور آئندہ کے لئے گناہوں سے رک جاؤ۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تم پر بارش نازل کرے گا، تمہارے کھیتوں کو پھر سے سرسبز و شاداب کر دے گا اور تمہاری موجودہ قوت میں اضافہ کر دے گا۔ سو تم مجرم و ہٹ دھرم بن کر اللہ کے پیغام سے انحراف نہ کرو۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص استغفار کو لازم پکڑ لے، اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل سے نجات دیتا ہے، ہر تنگی سے کشادگی عطا فرماتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتا ہے جو خود اس کے بھی خواب و خیال میں نہیں ہوتی۔

(ابن کثیر ۴۴۹ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۶۰ / ۳)

قوم کا جواب

۵۳۔ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ

وہ کہنے لگے اے ہود! تو نے ہمارے سامنے کوئی دلیل (معجزہ) پیش نہیں کی (لہٰذا) ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں (کی عبادت) کو ترک کرنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لائیں گے۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تمہیں کسی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔

تشریح: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ان کی نصیحت کے جواب میں کہنے لگی کہ آپ جس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہیں اس کی کوئی روشن دلیل تو ہمارے پاس لائے نہیں۔ اس لئے نہ تو ہم آپ کو سچا مانتے ہیں اور نہ آپ کے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑیں گے اور نہ آپ پر ایمان لائیں گے بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ چونکہ آپ ہمارے معبودوں کو عیب لگاتے ہیں اور ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہیں، اس لئے آپ پر ان میں سے کسی کی مار پڑی ہے اور اس نے آپ کو کسی دماغی خرابی میں مبتلا کر دیا ہے جس کی وجہ سے آپ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں اور آپ کا یہ بہکی بہکی باتیں کرنا ہمارے بتوں کو عیب لگانے کی سزا ہے۔

حضرت ہودؑ کی پیغمبرانہ جرأت

٥٤، ٥٧۔ قَالَ إِنِّيٓ أُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوٓا أَنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝
مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ إِنِّيْ تَوَكَّلْتُ
عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ
إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ
أُرْسِلْتُ بِهٖٓ إِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا
تَضُرُّوْنَهٗ شَيْئًا ؕ إِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝

(حضرت ہود نے) کہا کہ میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم اس کے سوا شریک ٹھہراتے ہو۔ سو تم سب مل کر میرے ساتھ (ہر طرح کی) تدبیر کر لو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ کوئی بھی زمین پر چلنے والا ایسا نہیں جس کی چوٹی اس نے نہ پکڑ رکھی ہو۔ بے شک میرا رب ہی

سیدھی راہ پر ہے ۔ پھر اگر تم نے نہ مانا تو جو پیغام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے وہ تو
میں نے پہنچا دیا اور میرا رب دوسری قوم کو تمہارا قائم مقام کر دے گا اور تم اس
کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے ۔ بیشک میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے ۔

دَآبَّۃٍ: چلنے والا ۔ چوپایہ ۔ دَبٌّ و دَوَابٌّ سے اسم فاعل ۔

اٰخِذٌ: اخذ کرنے والا ۔ پکڑنے والا ۔ اَخْذٌ سے اسم فاعل ۔

نَاصِیَتِھَا: اس کی پیشانی کے بال ۔ اس کی چوٹی ۔ جمع نَوَاصِیْ ۔

تشریح: قوم کی گفتگو سن کر حضرت ہودؑ نے کہا کہ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو سنو! میں نہ صرف تمہیں بلکہ اللہ کو بھی گواہ بنا کر اعلان کرتا ہوں کہ میں اللہ کے سوا تمہارے سب معبودوں سے بیزار ہوں ۔ اب تم اور تمہارے سب معبود مل کر میرے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو ۔ میں یہ بات اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میں نے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ۔ اس کی منشا کے بغیر کوئی بھی مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا دنیا بھر کے جاندار اس کے قبضہ، قدرت اور اس کی ملکیت میں ہیں ۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم سے باہر اور اس کی بادشاہت سے الگ ہو ۔ بندوں کی چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں ۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم اور مشیت کے بغیر کسی کو ذرہ برابر نقصان یا تکلیف پہنچا سکے ۔ ماں، باپ اپنی اولاد پر جس قدر مہربان ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے ۔ وہ کریم ہے ۔ اس کے کرم کی کوئی حد نہیں اسی لئے بعض لوگ بہک جاتے ہیں اور غافل ہو جاتے ہیں ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اسی کو ملتا ہے اور اسی کی مدد کرتا ہے جو صراطِ مستقیم پر چلتا ہے ۔

پھر فرمایا کہ اگر تم اسی طرح حق سے برگشتہ رہے تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جو پیغام دے کر مجھے تمہارے پاس بھیجا تھا وہ تو میں تمہیں پہنچا چکا ہوں ۔ اگر تم اب بھی منہ موڑتے ہو تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہو گا کہ تم پر اللہ کا قہر اور غضب آجائے اور تم نیست و نابود ہو جاؤ اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو اس زمین پر آباد کر دے ۔ اس معاملے میں تم اپنا ہی نقصان کر رہے ہو ۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں ۔ یقیناً میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے ۔ وہ تمہارے ہر کام اور ہر خیال سے باخبر ہے ۔ (ابن کثیر ۴۴۹، ۴۵۰ / ۲)

قومِ عاد پر عذاب کا آنا

۵۸۔ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝

اور جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا تو ہم نے (حضرت) ھود اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان کو ایک بھاری عذاب سے نجات دی۔

تشریح: قومِ عاد کے لوگ جب کسی طرح بھی اپنی کج روی اور ہٹ دھرمی سے باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو آلیا۔ خیر و برکت سے خالی اور عذاب و سزا سے بھری ہوئی آندھیاں ان پر چلنے لگیں۔ عذاب کی یہ آندھی متواتر آٹھ دن اور سات رات تک چلتی رہی، جس سے قومِ عاد کے لوگوں کے اعضائے جسمانی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو حضرت ہود پر ایمان لائے تھے، محض اپنے لطف و کرم اور فضل و رحمت سے اس خوفناک آندھی کے عذاب سے محفوظ رکھا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عذابِ دنیوی ہو یا عذابِ اخروی، ایمان کے بغیر اس سے نجات نہیں ملتی۔ (تفسیر عثمانی ۶۴۴ / ۱)

اہلِ عرب کو خطاب

۶۰،۵۹۔ وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝

اور یہ تھی (قوم) عاد جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر ایک سرکش و ظالم کے کہنے پر چلتے رہے۔ دنیا میں لعنت ان کے ساتھ رہی اور آخرت میں بھی۔ سن لو! (قوم) عاد نے اپنے رب کا انکار کیا۔ خوب سن لو! (دونوں جہان میں) رحمت سے دور ہو گئی (قوم) عاد جو (حضرت) ہود کی قوم تھی۔

جَحَدُوا: انہوں نے انکار کیا۔ جَحْدٌ سے ماضی۔
عَنِيْدٍ: عناد رکھنے والا۔ مخالف۔ عُنُوْدٌ سے صفت شبہ۔
تشریح: اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اہلِ عرب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ تھی قومِ عاد جس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا، اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور ہر سرکش و عناد رکھنے والے سردار کے حکم کی پیروی کی۔ ان کے اجڑے ہوئے مکانات اور ان کی بربادی کے نشانات و کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں۔ ہر پیغمبر توحید کی دعوت دیتا ہے اور اپنے سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی تصدیق کرتا ہے، اس لئے ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کا انکار ہے اور ایک کی نافرمانی سب کی نافرمانی ہے۔ قومِ عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی رسالت کا انکار کیا تو گویا انہوں نے تمام پیغمبروں کا انکار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و شرک اور ضد و عناد کی بنا پر ان کو دنیا میں بھی ملعون کر دیا اور قیامت کے روز بھی میدانِ حشر میں سب کے سامنے ان پر اللہ کی لعنت ہوگی اور پکار کر کہا جائے گا کہ آگاہ ہو جاؤ! بلاشبہ قومِ عاد کے لوگ اپنے رب کے منکر ہیں۔ خوب سن لو! قومِ عاد پر اللہ کی طرف سے ہلاکت و بربادی ہے جو حضرت ہود کی قوم تھی۔ سو اے اہلِ عرب تم قومِ عاد کے حال سے عبرت پکڑو۔ (ابن کثیر ۴۵۲/۲، مظہری ۹۵، ۹۶/۵)

حضرت صالحؑ کا واقعہ

۶۱۔ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝

اور ہم نے (قوم) ثمود کی طرف ان کے بھائی (حضرت) صالح کو بھیجا۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس میں آباد کیا سو تم اسی سے مغفرت طلب کرو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب قریب ہے اور (دعاء) قبول کرنے والا ہے۔

اَنْشَاَکُمْ: اس نے تمہیں پیدا کیا۔ اس نے تمہاری پرورش کی۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی۔
اِسْتَعْمَرَکُمْ: اس نے تمہیں آباد کیا۔ اس نے تمہیں بسایا اِسْتِعْمَارٌ سے ماضی۔
تشریح: حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کے درمیان سو برس کا فاصلہ ہے۔ حضرت ہود کی امت کو عادِ اولیٰ کہتے ہیں اور حضرت صالح کی امت کو جس کا نام ثمود ہے عادِ ثانیہ کہتے ہیں۔ قومِ ثمود کے لوگ حجر میں رہا کرتے تھے جو شام اور مدینہ کے درمیان ہے۔

حضرت صالح قومِ ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنی قوم کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دی۔ قوم نے حسبِ عادت ان کو جھٹلایا اور کہا کہ ہم تو آپ کو اس وقت نبی مانیں گے جب ہمارے سامنے اس پہاڑی چٹان سے ایک ایسی اونٹنی نکل آئے جس میں فلاں فلاں صفات ہوں۔ حضرت صالح نے اپنی قوم کو اس بات سے ڈرایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارا مطلوبہ معجزہ ظاہر فرما دیا اور تم پھر بھی ایمان نہ لائے تو تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا اور تم سب ہلاک و برباد ہو جاؤ گے۔ مگر وہ لوگ اپنی ضد سے باز نہ آئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان کا مطلوبہ معجزہ ظاہر فرما دیا اور پہاڑی چٹان میں سے ان کے بتائے ہوئے اوصاف کی اونٹنی برآمد ہو گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس اونٹنی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، ورنہ ان پر عذاب آجائے گا۔ مگر انہوں نے اللہ کے حکم کو پس پشت ڈالتے ہوئے اونٹنی کو ہلاک کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کر دیا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۴۳ / ۳)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے قومِ ثمود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ حضرت صالح نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی خالق و مالک اور منعم و معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں حضرت آدم کی نسل سے پیدا کیا اور حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے تمہاری عمریں دراز کیں۔ قومِ ثمود کی عمریں ۳۰۰ سے ۱۰۰۰ برس تک ہوتی تھیں۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرو اور ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ کیونکہ تم نے جہالت کی بنا پر خالق کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کی۔ بلاشبہ میرا رب توبہ و استغفار کرنے والوں کے قریب ہے اور ان کی توبہ و استغفار کو جلد قبول کرتا ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۵۲، ۵۳ / ۱۲)

حضرت صالحؑ اور قوم کے درمیان گفتگو

۶۲، ۶۳ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ○ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۔ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ○

وہ کہنے لگے اے صالح! اس سے پہلے تو ہمیں تجھ سے بڑی امیدیں تھیں ۔ کیا تم ہمیں ان معبودوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے اور جس (دین) کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کی طرف سے تو ہم بڑے شبہ میں ہیں ۔ (حضرت) صالح نے کہا ۔ اے میری قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت (نبوت) بھی عطا فرما دی ہو، پھر بھی اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے اس (کے عذاب) سے کون بچائے گا ۔ تم مجھے نقصان کے سوا اور کیا دے سکو گے ۔

مَرْجُوًّا: امید کیا ہوا ۔ رَجَاءٌ سے اسم مفعول ۔

مُرِيْبٍ: شک میں ڈالنے والا ۔ اِرَابَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ جب تک آپ نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا اور ہمیں توحید کی دعوت اور بت پرستی سے منع نہیں کیا تھا اس وقت تک ہمیں آپ کی نیکی اور سچائی کی وجہ سے آپ سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں ۔ ہمارا خیال تھا کہ دنیا حاصل کرنے میں آپ ہمارے لئے بڑے مددگار اور رہنما ثابت ہوں گے، کیونکہ اعلانِ نبوت سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام اپنی قوم کے ضعیفوں کی خبر گیری کرتے تھے اور ضرورت مندوں کی حاجتیں پوری کرتے تھے ۔ مگر آپ کی ان باتوں نے ہماری سب امیدوں پر پانی پھیر دیا ۔ آپ ہمیں باپ، دادا کے طریقہ عبادت سے روکتے ہیں، ہمارے بتوں کی مذمت کرتے ہیں اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیتے ہیں ۔ ہم تو آپ کے اعلانِ توحید سے اس دین کے بارے میں شک و شبہ میں پڑ گئے جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں ۔

حضرت صالحؑ نے جواب دیا کہ اے میری قوم! میرے پاس میرے رب کی واضح دلیل اور نشانی ہے اور اس نے مجھے اپنی نبوت سے سرفراز فرمایا ہے۔ مجھے اپنی سچائی پر دلی اطمینان ہے۔ اگر میں اللہ کا پیغام اس کی مخلوق کو نہ پہنچاؤں، ان کو شرک سے منع نہ کروں اور تمہارے کہنے پر اس کی نافرمانی میں تمہارا ساتھ دوں تو مجھے عذابِ الٰہی سے کون بچائے گا۔ میرا ایمان و یقین ہے کہ مخلوق میرے ذرا بھی کام نہیں آسکتی۔ تم مجھے نافرمانی کا مشورہ دے کر محض میرا نقصان اور خسارہ ہی بڑھا سکتے ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تمہاری تکذیب سے مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تم بہت نقصان اٹھاؤ گے اور بڑے خسارے میں رہو گے۔

(مواہب الرحمٰن ۵۲، ۵۳ / ۱۲، روح المعانی ۸۹، ۹۰ / ۱۲)

اونٹنی کا معجزہ

۶۴، ۶۵ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے۔ سو تم اس کو چھوڑ دو کہ یہ اللہ کی زمین پر کھاتی پھرے اور اس کو برائی کے ساتھ ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم فوراً عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ پھر انہوں نے اس کی کونچیں (پاؤں) کاٹ ڈالیں۔ تب (حضرت) صالح نے کہا کہ (اچھا) اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھا لو۔ یہ (ایسا) وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہو گا۔

نَاقَةٌ: اونٹنی۔ جمع نُوْقٌ

فَذَرُوْهَا: سو تم اس کو چھوڑ دو۔ وَذْرٌ سے امر۔

فَعَقَرُوْهَا: سو انہوں نے اس (اونٹنی) کے پاؤں کاٹ دیئے۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

تشریح: مذکورہ بالا بحث و مباحثہ کے بعد حضرت صالحؑ کی قوم نے ان سے نبوت و رسالت کے ثبوت میں معجزہ طلب کیا کہ اگر آپ اپنے نبوت کے دعوے میں سچے ہیں تو اس پتھر سے اونٹنی

نکال کر دکھائیں۔ حضرت صالح نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی۔ پھر اللہ کے حکم سے پتھر سے اونٹنی پیدا ہو گئی۔ اس واقعہ کی تفصیل سورہ اعراف میں گزر چکی ہے۔

پتھر سے صحیح و سالم اونٹنی نکلنے کے بعد حضرت صالح نے نصیحت کے طور پر قوم سے فرمایا کہ یہ اللہ کی اونٹنی ہے جو دفعتاً پتھر سے نمودار ہوئی ہے اور بے حساب دودھ دیتی ہے۔ یہ اللہ کی قدرت اور میری نبوت و رسالت کی نشانی ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق میری صداقت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی ظاہری سبب کے بغیر ایک دم پتھر سے نکلی ہے۔ یہی اونٹنی آگے چل کر تمہاری ہلاکت اور عذاب کا پیش خیمہ بنے گی۔

پس تم اس کو کھلا چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں جہاں چاہے چرتی پھرے۔ اسی طرح پانی کے بارے میں اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہ جتنا چاہے پئے۔ تم اس میں رکاوٹ نہ بنو کیونکہ اللہ کی اونٹنی کا حق سب پر مقدم ہے۔ یہ اونٹنی اس قدر فربہ اور دراز تھی کہ دوسرے جانور اس کو دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم اس کو بری نیت سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمہیں مہلت بھی نہ ملے گی۔

حضرت صالح کی قوم نے ان کی نصیحت کے باوجود اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ یہ دیکھ کر حضرت صالح نے اپنی قوم سے کہا کہ اچھا اب تم لوگ تین دن اپنے گھروں میں اور گزار لو، اس کے بعد تم پر اللہ کا عذاب آجائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا وعدہ ہے کہ اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ تین دن کے بعد تم غارت ہو جاؤ گے۔ چنانچہ بدھ کے روز جو تین روزہ مہلت میں سے پہلا دن تھا، ان کے چہرے زرد ہو گئے، پھر جمعرات کے روز سرخ اور جمعہ کو سیاہ ہو گئے اور ہفتہ کے دن ان پر عذاب نازل ہوا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۶۶،۵۶۵ / ۳)

قومِ صالح پر عذاب

۶۸،۶۶ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ
مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝
وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ

جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے (حضرت) صالح اور ان کے ساتھیوں کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان کو اس دن کی رسوائی سے نجات دی ۔ بیشک آپ کا رب ہی قوت (اور) غلبہ والا ہے اور ان ظالموں کو ایک ہولناک آواز نے آلیا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ۔ گویا کہ وہ کبھی وہاں آباد ہی نہ ہوئے تھے، دیکھو ! (قوم) ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا ۔ دیکھو ! (قوم) ثمود پر پھٹکار ہوئی ۔

تشریح: پھر جب مہلت کا وقت گزرنے کے بعد ہمارے عذاب نے ان کو آلیا تو اس وقت ہم نے حضرت صالح علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، محض اپنے فضل و مہربانی سے اس عذاب سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی اور ہلاکت سے محفوظ رکھا ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت قوت اور غلبہ والا ہے ۔ وہ جسے چاہے ہلاک و برباد کر دے اور جسے چاہے محفوظ و مامون کر دے ۔ یہ ظالم لوگ سب کے سب ایک چنگھاڑ سے ہی اپنے گھروں میں ایسے اوندھے پڑے رہ گئے گویا کہ وہ ان گھروں میں رہتے ہی نہ تھے ۔ خوب سن لو ! یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اپنے پروردگار کا کفر کیا ۔ خوب سن لو ! ان کے کفر کے سبب ان کو اللہ کی رحمت سے دور پھینک دیا گیا اور وہ ایسے ہلاک و برباد ہوئے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ رہا ۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت صالح کی قوم ایک سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کی گئی ۔ لیکن سورہ اعراف میں یہ آیا ہے کہ ان کو زلزلے نے آپکڑا ۔ قرطبی نے اس بارے میں فرمایا کہ اس میں کوئی تضاد نہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے زلزلہ آیا ہو، پھر سخت آواز سے سب ہلاک کر دیئے گئے ہوں ۔ علامہ شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ شاید نیچے سے زلزلہ اور اوپر سے ہولناک آواز آئی ہو ۔

(روح المعانی ۹۰، ۹۳ / ۱۲، عثمانی ۱/۴۷۱)

حضرت ابراہیم ؑ کے مہمان

۶۹، ۷۰۔ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ

سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَآ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝

اور ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (حضرت) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے سلام کیا۔ (حضرت) ابراہیم نے بھی سلام کیا۔ پھر دیر نہ کی کہ (حضرت) ابراہیم (کھانے کے لئے) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔ پھر جب (حضرت) ابراہیم نے دیکھا کہ ان (فرشتوں) کے ہاتھ کھانے پر نہیں پہنچتے تو وہ ان کو اجنبی سمجھے اور ان سے ڈرے۔ وہ کہنے لگے کہ ڈرو نہیں، ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

عِجْلٍ: بچھڑا۔ گائے کا بچہ۔ جمع عُجُوْلٌ۔

حَنِيْذٍ: بھنا ہوا۔ تلا ہوا۔ حَنْذٌ سے صفت شبہ بمعنی مفعول۔

لَبِثَ: وہ رہا۔ وہ ٹھہرا۔ لَبْثٌ سے ماضی۔

نَكِرَ: وہ انجان ہوا۔ اس نے ان کو نہیں پہچانا۔ نَكَارَةٌ سے ماضی۔

اَوْجَسَ: اس نے دل میں محسوس کیا۔ وہ جی میں گھبرایا۔ اِيْجَاسٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند فرشتوں کو اولاد کی بشارت دینے کے لئے حضرت ابراہیم کے پاس بھیجا، جو انسانی شکل میں تھے۔ حضرت ابراہیم نے انہیں انسان سمجھ کر ان کی مہمان نوازی شروع کر دی اور نہایت فربہ بچھڑے کا بھونا ہوا گوشت لاکر ان کے سامنے رکھا۔ مگر وہ چونکہ فرشتے تھے اور کھانے پینے سے پاک اس لئے انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ اس زمانے کے دستور کے موافق جو مہمان کھانے سے انکار کرتا اس کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا کہ وہ کسی اچھے خیال سے نہیں آیا۔ جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے، ممکن ہے کسی فساد کی نیت سے آئے ہوں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں، ہم تو فرشتے ہیں جو قوم لوط کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

طبریؒ نے نقل کیا ہے کہ فرشتوں نے یہ کہہ کر کھانے سے انکار کیا تھا کہ ہم مفت کا کھانا نہیں کھاتے۔ اگر آپ قیمت لے لیں تو ہم کھانا کھالیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں فرمایا

کہ ہاں اس کھانے کی ایک قیمت ہے وہ ادا کر دو ۔ وہ قیمت یہ ہے کہ شروع میں اللہ کا نام لو اور آخر میں اس کی حمد کرو ۔ حضرت جبرائیل نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو خلیل بنایا ہے یہ اسی کے مستحق ہیں ۔

(عثمانی ۶۴۶، ۶۴۷ / ۱، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۴۶ / ۴)

حضرت سارہ کو بشارت

۷۱، ۷۳۔ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

اور (حضرت) ابراہیم کی بیوی (حضرت سارہ کہیں) کھڑی ہوئی (یہ گفتگو سن رہی تھیں) تب وہ (خوشی میں آکر) ہنس پڑیں ۔ پھر ہم نے ان کو (حضرت) اسحاق اور ان کے بعد (حضرت) یعقوب کے (پیدا ہونے کی) بشارت دی ۔ (حضرت) سارہ کہنے لگیں کہ ہائے خرابی ہو ۔ کیا میں بڑھیا ہو کر بچہ جنوں گی اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے ۔ یہ تو ایک عجیب بات ہے ۔ فرشتوں نے (حضرت سارہ سے) کہا کہ کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو ۔ اے ابراہیم کے گھر والو! تم پر اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں ۔ بیشک وہ حمد کے قابل (اور) بڑی شان والا ہے ۔

ضَحِكَتْ: وہ ہنسی ۔ ضحک سے ماضی ۔

وَّرَآءِ: پس پشت ۔ پیٹھ پیچھے ۔

يٰوَيْلَتٰى: ہائے میری شامت ۔ ہائے خرابی ہو ۔

عَجُوْزٌ: بوڑھی عورت ۔ جمع عجائز ۔

بَعْلِيْ: میرا خاوند ۔ میرا شوہر ۔

تشریح: حضرت سارہ وہاں کھڑی ہوئی فرشتوں کی گفتگو سن رہی تھیں۔ بڑھاپے میں اولاد کی خوش خبری سن کر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں اس بڑھاپے میں اولاد جنوں گی اور میرے یہ شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ یہ تو بہت ہی اچنبھے کی بات ہے۔ حضرت سارہ کی عمر بقول ابن اسحاق ۹۰ سال اور بقول مجاہد ۹۹ سال تھی جبکہ حضرت ابراہیم کی عمر بقول ابن اسحاق ۱۲۰ سال اور بقول مجاہد ۱۰۰ سال تھی اور بشارت کے ایک سال بعد لڑکا پیدا ہوا۔ یہ بشارت حضرت سارہ کو شاید اسی لئے سنائی گئی کہ حضرت ابراہیم کی پہلی بیوی حضرت ہاجرہ کے بطن سے ایک بیٹا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پہلے ہی موجود تھا۔ حضرت سارہ کو بھی بیٹے کی تمنا تھی مگر وہ بوڑھی ہو کر مایوس ہو چکی تھیں۔

فرشتوں نے کہا کہ جس گھرانے پر اللہ کی اس قدر رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی رہی ہوں اور جنہیں ہمیشہ معجزات و خوارق دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا ہو انہیں اللہ کی قدرت پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرلیتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا۔ پس وہ چیز ہو جاتی ہے بلاشبہ وہ نہایت قابلِ ستائش اور بڑی شان والا ہے۔

(عثمانی، ۶۲۴/ ۱، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۲۸،۶۲۶/ ۴)

حضرت ابراہیمؑ کا فرشتوں سے مکالمہ

۷۶،۷۴۔ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

پھر جب (حضرت) ابراہیم کے دل سے خوف دور ہو گیا اور ان کے پاس (بیٹا ہونے کی) بشارت آچکی تو وہ ہم سے قومِ لوط کے معاملے میں جھگڑنے لگے۔ بیشک (حضرت) ابراہیم بڑے حلیم، رحم دل اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرنے والے تھے۔ (فرشتوں نے کہا) اے ابراہیم اس بات کو چھوڑ دو (کیونکہ) آپ کے رب کا حکم آچکا ہے اور اب تو ان پر عذاب آکر ہی رہے گا۔ اب وہ ٹلنے والا نہیں۔

اَلرَّوْعُ: ڈر۔ خوف۔ مصدر ہے۔

یُجَادِلُنَا: وہ ہم سے جھگڑا کرتا ہے۔ مُجَادَلَۃٌ سے مضارع۔

اَوَّاہٌ: بہت آہ کرنے والا۔ درد مند۔ رحم دل۔ اَوْہٌ سے مبالغہ۔

مُّنِیْبٌ: رجوع کرنے والا۔ گڑگڑانے والا۔ اِنَابَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب حضرت ابراہیمؑ کے دل سے وہ خوف جاتا رہا جو مہمانوں کے کھانا نہ کھانے سے طاری تھا اور ان کو مہمانوں کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ وہ فرشتے ہیں اور خوف کی جگہ حضرت اسحاق و یعقوب کی پیدائش کی بشارت نے لے لی تو حضرت ابراہیم ہمارے قاصدوں سے قومِ لوط کے بارے میں بحث مباحثہ کرنے لگے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں سے کہا کہ اگر (حضرت) لوط کی بستیوں میں پچاس مومن ہوں گے تو کیا تم ان کو ہلاک کر دو گے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں پھر فرمایا کہ اگر چالیس مومن ہوں؟ فرشتوں نے کہا کہ نہیں۔ اگر تیس ہوں، فرشتوں نے کہا نہیں۔ اسی طرح آپ پانچ تک پہنچے اور فرشتے نہیں کہتے رہے۔ آخر آپ نے فرمایا کہ اگر وہاں ایک مسلمان ہو گا تو کیا تم اس کو ہلاک کر دو گے۔ فرشتوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا وہاں (حضرت) لوط موجود ہیں (اس لئے ان بستیوں کو ہلاک نہ کرو)۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ وہاں کون کون (مومن) موجود ہے۔ (حضرت) لوط کو اور ان کی بیوی کے سوا ان کے دیگر گھر والوں کو بچا لیں گے۔ ان کی بیوی پیچھے رہ جانے والوں (اور ہلاک ہو جانے والوں میں) شامل ہو گی۔

حضرت ابراہیمؑ نے قومِ لوط کو ہلاک نہ کرنے کے متعلق فرشتوں سے جو بحث و مباحثہ کیا تھا۔ اس کی وجہ آپ کی فطری شفقت، نرم خوئی اور رحم دلی تھی۔ حضرت ابراہیم اس قوم پر ترس کھا کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کچھ سفارش کرنا چاہتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اس خیال کو چھوڑ دیجئے۔ آپ کے رب کی طرف سے قضاءِ ازلی کے موافق قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کا حکم ہو چکا ہے۔ اب عذاب آکر رہے گا جو کسی سفارش یا دعاء وغیرہ سے نہیں ٹل سکتا۔ (عثمانی ۶۴۸ / ۱، مظہری ۳۹، ۴۰ / ۵)

قومِ لوط کی بے حیائی

۷۷۔۸۰۔ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ○ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ○

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے حضرت) لوط کے پاس آئے تو وہ ان کے آنے سے رنجیدہ اور تنگدل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج تو بڑی مصیبت کا دن ہے اور ان کی قوم ان کے پاس دوڑی ہوئی آئی اور یہ لوگ پہلے ہی سے برے کام کیا کرتے تھے۔ (حضرت) لوط نے کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں (موجود) ہیں وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں (ان سے نکاح کر لو) پس اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں۔

سِیْٓءَ: وہ غمگین ہوا۔ وہ ناخوش ہوا۔ سُوْءٌ سے ماضی مجہول۔

ضَاقَ: وہ تنگ دل ہوا۔ ضَیْقٌ و ضِیْقٌ سے ماضی۔

ذَرْعًا: دل۔ طاقت۔ مصدر ہے۔

عَصِیْبٌ: کٹھن۔ سخت۔ بھاری۔ عَصْبٌ سے صفت شبہ بمعنی مفعول۔

یُهْرَعُوْنَ: وہ بے تحاشا دوڑائے جاتے ہیں۔ اِهْرَاعٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: یہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے گفتگو کرنے کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ یہ نہایت حسین و جمیل، بے ریش، لڑکوں کی شکل میں تھے تاکہ قوم لوط کی پوری طرح آزمائش ہو جائے۔ حضرت لوط ان کو نہ پہچان سکے۔ وہ ان کو عام مہمان سمجھ کر اپنی قوم کی بے حیائی و بدخوئی سے فکر مند ہو گئے۔ انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ اس نامعقول قوم کے ہاتھ نہ پڑ جائیں اور زبان سے بھی نکل گیا کہ آج کا دن بڑا سخت ہے۔ پھر جب بدبخت قوم کو ان خوبصورت لڑکوں کے بارے میں پتہ چلا تو وہ حضرت لوط کے مکان پر چڑھ دوڑے اور ان سے مہمانوں کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ وہ پہلے بھی بری حرکتیں کرتے رہتے تھے۔

اس وقت حضرت لوط علیہ السلام ان کو نصیحت کرنے لگے کہ تم اللہ سے ڈرو اور اس بد خصلت کو چھوڑ دو، اپنی خواہش عورتوں سے نکاح کر کے حلال طریقے پر پوری کیا کرو۔ یہ میری لڑکیاں ہیں تم ان سے نکاح کر لو۔ یہی شائستہ اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ یہ میرے مہمان ہیں۔ تم کم از کم میری عزت کا ہی خیال کر لو اور مجھے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں ایک بھی سمجھ دار آدمی نہیں۔ (عثمانی ۶۴۸، ۶۴۹/ ۱، ابن کثیر ۴۵۳/ ۲)

اس وقت کافر کا نکاح مسلمان عورت سے جائز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کافر و مومن کے درمیان ازدواجی رشتہ جائز تھا۔ بعد میں شریعتِ اسلامیہ میں کافروں سے نکاح کو حرام قرار دے دیا گیا۔

قومِ لوط کا جواب

۸۰،۷۹ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ○ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ○

وہ کہنے لگے کہ تجھے معلوم ہے ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں اور تم ہمارے ارادے سے خوب واقف ہو۔ (حضرت) لوط نے کہا۔ کاش مجھ میں تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا میں کسی مستحکم پناہ میں جا بیٹھتا۔

تشریح: حضرت لوط کی قوم کے لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ تو جانتے ہیں کہ آپ کی لڑکیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں، ان سے ہمارا نکاح نہیں ہوا، اس لئے ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ آپ یقیناً ہمارے ارادے سے واقف ہیں۔ لہٰذا اب جھگڑے اور نصیحت کا کوئی فائدہ نہیں۔

جب حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی نصیحت کا قوم پر کوئی اثر نہیں تو انہوں نے ان کو دھمکایا کہ اگر مجھ میں تمہارے مقابلے کی قوت ہوتی یا کوئی میرا مضبوط اور زور دار کنبہ قبیلہ ہوتا تو میں تمہیں تمہاری اس شرارت کا مزہ چکھا دیتا۔

حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی تسلی

۸۱۔ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَهْلِکَ
بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ؕ اِنَّهٗ
مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ
بِقَرِیْبٍ ۝

(فرشتوں نے) کہا کہ اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں۔ یہ لوگ تم تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ سو جب رات کا کچھ حصہ باقی رہ جائے تو تم اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے، مگر تمہاری بیوی (ساتھ نہ جائے گی) بیشک اس پر بھی وہی مصیبت آنے والی ہے جو ان لوگوں پر آئے گی۔ بیشک ان کی تباہی کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ کیا صبح قریب نہیں۔

تشریح: حضرت لوطؑ نے اندر سے دروازہ بند کر رکھا تھا اور اندر ہی سے قوم کے بدبختوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ جب لوگوں نے دروازہ توڑ کر اندر گھسنا چاہا تو حضرت لوط کا اضطراب و قلق انتہا کو پہنچ گیا۔ اس وقت فرشتوں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور کہا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور اس قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ یہ خبیث ہمارا تو کیا بگاڑیں گے یہ تو آپ تک بھی ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے۔ اس لئے آپ بالکل پریشان اور فکرمند نہ ہوں۔ آپ رات کے آخری حصہ میں اپنے اہل و عیال کو لے کر یہاں سے نکل جائیے اور سیدھے اپنے راستے پر چلتے جائیے۔ قوم کے لوگوں کی آہ و بکا اور ان کے چیخنے چلانے پر کسی کو پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھنا چاہئے۔ پھر حضرت لوط کی بیوی کا پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے سے استثنا کر دیا کہ وہ اس حکم کی پابندی نہیں کر سکے گی اور وہ عذاب کے وقت قوم کی ہائے دہائی سن کر پیچھے مڑ کر دیکھے گی، کیونکہ اللہ کے ہاں اس کا بھی اس کی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا طے ہو چکا ہے۔ چنانچہ عذاب نازل ہونے پر وہ قوم کا شور سن کر صبر نہ کر سکی۔ اس نے مڑ کر قوم کی طرف دیکھا اور زبان سے نکل گیا کہ ہائے میری قوم۔ اسی وقت آسمان سے ایک پتھر اس پر آگرا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گئی۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی تسلی کے لئے ان کو بتایا کہ اس خبیث قوم کی ہلاکت صبح ہوتے ہی ہو جائے گی اور صبح اب

بالکل قریب ہے۔ (ابن کثیر ۴۵۴/ ۲، عثمانی ۶۵۰/ ۱)

قومِ لوط پر عذاب

۸۲، ۸۳۔ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝

پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے اس بستی کو اوپر نیچے کر دیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے جو تہ بہ تہ تھے۔ جن پر آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے تھے اور یہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور نہیں ہے۔

سِجِّیْلٍ: کنکر۔ کھنگر۔ سنگِ گل۔ سخت چیز۔

مَنْضُوْدٍ: تہ بہ تہ۔ جمایا ہوا۔ گھنا۔ نَضْدٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: صبح ہوتے ہی اللہ کا عذاب آگیا۔ حضرت جبرائیلؑ نے ان کی بستیوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر نیچے پٹخ دیا۔ اس طرح سب بستیاں تہ و بالا ہو گئیں۔ پھر ان کی ذلت و رسوائی کی تکمیل کے لئے آسمان سے پکی مٹی کے پتھر اور جھانوے برسنے لگے، جو پے در پے اور ایک کے بعد ایک برس رہے تھے۔ ان پتھروں پر قدرتی طور پر ان لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ جس پتھر پر جس کا نام لکھا ہوا تھا وہ اسی پر گرتا تھا۔ جو لوگ شہر کی آبادی سے الگ دوسرے مقامات پر تھے وہ انہیں مقامات پر ہلاک کر دیئے گئے جہاں وہ تھے۔ اگر کوئی شخص کسی جگہ کھڑا ہوا کسی سے باتیں کر رہا تھا تو وہیں آسمان سے پتھر آیا اور اس کو ہلاک کر گیا۔ غرض جو جہاں تھا، وہیں پتھر سے ہلاک کر دیا گیا اور ان میں سے ایک بھی نہ بچا۔ پھر فرمایا کہ اس طرح کا عذاب ایسے ظالموں سے اب بھی کچھ دور نہیں اس لئے ہمیشہ اللہ کے غضب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ (روح المعانی ۱۱۲، ۱۱۳/ ۱۲)

تفسیر نسفی میں ہے کہ آیت کے آخری حصہ میں اہلِ مکہ کے لئے وعید ہے اور بیضاوی میں ہے کہ ہر ظالم کے لئے وعید ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ یہاں آپ کی امت کے ظالم مراد ہیں۔ ان میں سے کوئی ظالم ایسا نہیں کہ وہ پتھر کے نشانے پر نہ ہو جو کسی وقت بھی اس پر گر سکتا ہے۔ بعض کے نزدیک ضمیر ھی۔ بستیوں کے

لئے ہے ۔ یعنی یہ بستیاں مکہ کے ظالموں سے بہت قریب ہیں ۔ اہلِ مکہ اپنے شام کے سفروں میں ان بستیوں کے پاس سے گزرتے ہیں ۔ (بیضاوی ۱۹۰، تفسیر نسفی ۲۰۰ / ۲)

اہلِ مَدْیَنْ کا واقعہ

۸۴۔۸۶ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝

اور ہم نے مدین کی طرف ان کے بھائی (حضرت) شعیب کو بھیجا ۔ انہوں نے کہا اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو کیونکہ میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے متعلق ایسے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو سب کو گھیر لے گا اور اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کر کے دیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں کمی کر کے نہ دیا کرو اور نہ زمین میں فساد مچاتے پھرو ۔ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ (حلال مال) بچ جائے وہ تمہارے لئے (حرام کمائی سے) بہتر ہے اگر تم مومن ہو ۔ اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں ۔

اَلْمِكْيَالَ: غلہ ناپنے کا پیمانہ ۔ کَیْلٌ سے اسم آلہ ۔

تَبْخَسُوْا: تم کم دینے لگو ۔ تم گھٹانے لگو ۔ بَخْسٌ سے مضارع ۔

تَعْثَوْا: تم فساد مچاؤ ۔ تم پھرو ۔ عَثْیٌ سے مضارع ۔

تشریح: عرب کے شمال مغربی حصہ کے بیابانوں میں ایک بستی کا نام مدین ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام بحرِ قلزم عبور کر کے کوہِ سینا اور اس کے اطراف میں بنی اسرائیل کو لئے پھرتے تھے ۔ مدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو عرب میں آکر آباد ہو گئے تھے ۔ ان

کی نسل کے لوگ یہاں رہتے تھے۔ اس لئے اس بستی یا قبیلے کو مدین کہا جاتا ہے۔ مدین کا اطلاق قبیلہ اور شہر دونوں پر ہوتا ہے۔ اہلِ مدین میں سے ایک شخص (حضرت شعیب) کا لقب خطیب الانبیاء ہے کیونکہ آپ نہایت فصیح و بلیغ گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر اہلِ مدین کی طرف بھیجا جو نہایت شریر اور بت پرست تھے۔ ناپ تول میں کمی کرتے تھے، رہزن تھے اور کھوٹے سکے چلاتے تھے اور بڑے سرمایہ دار تھے۔ آج کل کے سرمایہ داروں کی طرح یہ لوگ بھی اپنے اموال کے بارے میں یہی کہتے تھے کہ ہم ان کے تصرف میں آزاد و خود مختار ہیں۔ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں۔

حضرت شعیبؑ شریف النسب اور اعلیٰ خاندان کے تھے اور اسی قوم میں سے تھے۔ اسی لئے قرآن کریم نے ان کے لئے "اخاھم" (ان کا بھائی) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ آپ نے بھی انبیاء علیہم السلام کے طریقے کے مطابق اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کا حکم دیا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہی دعوتِ توحید تمام عقائد اور اعمال کی روح ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا کہ کسی کا حق نہ مارو اور اللہ کا یہ احسان یاد رکھو کہ اس نے تمہیں فارغ البال اور آسودہ حال کیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری مشرکانہ روش اور ظالمانہ حرکتوں کی وجہ سے تمہاری خوشحالی بد حالی سے بدل جائے۔ لہٰذا تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ۔ ناپ تول میں کمی نہ کرو، لین دین میں پورا پورا عدل و انصاف کرو اور زمین میں فساد اور تباہی نہ پھیلاؤ۔ اگر تم مومن ہو تو یقین رکھو کہ صحیح صحیح ناپ تول کر دینے کے بعد جو کچھ اللہ کا دیا ہوا حلال مال تمہارے پاس بچ جائے وہ تمہارے لئے اس حرام مال سے بہتر ہے جو تم ناپ تول میں کمی کر کے حاصل کرتے ہو۔ میں کوئی تمہارا نگہبان نہیں کہ زبردستی تمہیں برائیوں سے بچا لوں اور نیک راہ پر چلا دوں۔ میں تو صرف نصیحت کرنے اور اللہ کا حکم پہنچانے والا ہوں۔ تم مانو یا نہ مانو، میرا کام تو حکم پہنچانے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔

(روح المعانی ۱۱۴، ۱۱۶ / ۱۲، مظہری ۴۶، ۴۸ / ۵)

قومِ مُردود کا جواب

۸۷۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ

اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ط اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ٥

وہ کہنے لگے ۔ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم ان چیزوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے یا ہم اپنے مالوں میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں ۔ بس تو ہی تو بڑا باوقار اور نیک چلن رہ گیا ہے ۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کثرت سے نماز پڑھتے تھے ۔ ان کی قوم ان کو نماز پڑھتا دیکھتی تو تمسخر کے طور پر ان سے یہ کہتی کہ اے شعیب! ہم نے آپ کا وعظ و نصیحت سن لی ۔ کیا آپ کی نماز اور عبادت آپ کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباء واجداد پوجتے تھے اور کیا ہم آپ کے کہنے سے سب بتوں کو چھوڑ کر صرف ایک معبود کے ہو جائیں یا ہم اپنے مالوں میں سے حسبِ منشا تصرف کرنا چھوڑ دیں ۔ ہم تو اپنے مالوں کے مالک و مختار ہیں ۔ جس طرح چاہیں ان میں تصرف کریں ۔ ہمارے خیال میں تو آپ بڑے سنجیدہ اور ہدایت یافتہ ہیں ہم تو گمان بھی نہیں کرتے تھے کہ آپ ایسی بات کہیں گے ۔

آج کل کے سرمایہ دار بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم اپنے سرمایہ کے مالک اور مختار ہیں اور اس کے کمانے اور خرچ کرنے میں آزاد ہیں ۔ ان کے نزدیک حلال و حرام اور جائز و ناجائز کے کوئی معنی نہیں ۔ شریعت یہ کہتی ہے کہ تم اپنے اموال کے مالک تو ہو مگر مطلق اور حقیقی مالک نہیں ۔ تمہارے وجود اور تمہارے اموال کا حقیقی اور مطلق مالک تو اللہ تعالیٰ ہے ۔ تم سب اس کے بندے اور غلام ہو ۔ تم اپنے تمام امور میں اس کے نازل کردہ قوانین و احکام کے پابند ہو ۔ تم نے یہ مال و دولت اس کے عطا کردہ اعضاء اور قدرت سے کمائی ہے ۔ اس لئے تمہیں اس کے احکام کے سامنے دم مارنے کی مجال نہیں ۔ اگرچہ اس نے اپنے فضل و رحمت سے تمہیں ان اموال کی عارضی ملکیت عطا فرما دی ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم قانونِ شریعت کی حدود و قیود اور اس کے اوامر و نواہی سے آزاد ہو کر جو چاہو تصرف کرو ۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷۹ / ۳)

قوم کو حضرت شعیبؑ کا جواب

۸۸، ۹۰ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ

رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ۚ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۚ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۚ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝

(حضرت) شعیب نے کہا کہ اے میری قوم! اگر میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اچھا رزق عطا فرمایا (تو پھر میں تمہاری بات کیسے مان لوں) اور میں نہیں چاہتا کہ جن کاموں سے میں تمہیں منع کروں، میں خود ان کو کرنے لگوں۔ جہاں تک میری استطاعت میں ہے میں تو اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے جو توفیق ہوتی ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اے میری قوم! میرے ساتھ تمہاری ضد اس کا سبب نہ بن جائے کہ تم پر بھی وہی مصیبت آپڑے جو قوم نوح، قومِ ہود اور قومِ صالح پر پڑ چکی ہے اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ زیادہ دور بھی نہیں۔ اور تم اپنے رب سے استغفار کرو۔ پھر اسی کی طرف رجوع کرو۔ بیشک میرا رب بہت مہربان (اور) محبت والا ہے۔

اُنِيْبُ: میں رجوع کرتا ہوں۔ اِنَابَۃٌ سے مضارع۔

يَجْرِمَنَّكُمْ: وہ ضرور تمہیں آمادہ کرتا ہے۔ وہ ضرور تمہارا باعث بنے گا۔ جُرْمٌ سے مضارع بانون تاکید۔

شِقَاقِيْ: میری مخالفت۔ میری عداوت۔

تشریح: حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے مجھے فہم و بصیرت دے کر وہ صاف اور سیدھا راستہ دکھا دیا جو تمہیں نظر نہیں آتا، میں تمہیں اسی کی طرف بلا رہا ہوں۔ اس نے مجھے اپنی مہربانی سے بہترین روزی دے رکھی ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ان انعامات کے باوجود حق کی طرف سے آنکھیں بند کر لوں اور اللہ کے احکام سے روگردانی کرنے لگوں یا تمہارے استہزاء اور تمسخر سے گھبرا کر تمہیں نصیحت کرنا چھوڑ دوں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ

تمہاری خام خیالی ہے کہ میں ایسا کروں گا۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ جن بری باتوں سے تمہیں روکتا ہوں، تم لوگوں سے علیحدہ ہو کر میں خود ان کو کرنے لگوں۔ میں تمہارے لئے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لئے وہی بات ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں۔ میرا مقصد تو محض اپنی طاقت کے مطابق اصلاح کرنا ہے۔ البتہ میرے ارادے کی کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور میں تمام مصائب و حوادث میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

پھر فرمایا کہ میری عداوت اور بغض میں آکر ایسی حرکتیں نہ کرو جو تمہیں گزشتہ اقوام کی طرح سخت عذاب کا مستحق بنادیں۔ مثلاً حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی امتوں پر تکذیب و عداوت کی بدولت جو عذاب آئے وہ تم سے پوشیدہ نہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ تو ان سب کے بعد ماضی قریب میں ہوا ہے۔ اس کی یاد تو تمہارے حافظہ میں تازہ ہوگی۔ ان سب واقعات کو فراموش نہ کرو۔

پس تم اپنے رب سے گزشتہ شرک و معاصی کی معافی مانگو، اسی کی طرف رجوع کرو، آئندہ اس کے احکام کی تعمیل کرو اور ممنوعات سے پرہیز کرو۔ بلاشبہ میرا رب توبہ کرنے والے مومنوں پر بڑا مہربان اور ان سے بڑی محبت کرنے والا ہے۔ (عثمانی ۶۵۲/۱، ابن کثیر ۴۵۶، ۴۵۷/۲)

قوم کی ہٹ دھرمی

۹۱۔ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۖ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ○

انہوں نے کہا اے شعیب! تیری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ اور اپنے درمیان ہم تو تجھے کمزور دیکھ رہے ہیں اور اگر تیرے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نگاہ میں تیری کچھ عزت نہیں۔

نَفْقَهُ: ہم سمجھتے ہیں۔ فِقْہٌ سے مضارع۔

رَهْطُكَ: تیری برادری۔ تیرا قبیلہ۔ دس افراد سے کم کی جماعت۔

رَجَمْنٰكَ: ہم نے تجھ پر پتھراؤ کیا۔ ہم نے تجھ کو سنگسار کیا۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان کی وعظ و نصیحت کے بعد ہٹ دھرمی اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آپ کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں حالانکہ وہ سب سمجھتے تھے۔ آپ کا یہ کہنا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، شرک و بت پرستی چھوڑ دو اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، یہ سب آپ کے خیالاتِ فاسدہ ہیں۔ یہ قابل توجہ نہیں۔ یوں بھی ہم تو آپ کو اپنے درمیان کمزور و ناتواں اور بے حقیقت آدمی دیکھتے ہیں۔ اگر ہم آپ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو آپ کے اندر اپنے دفاع کی بھی طاقت نہیں۔ ہمیں تو آپ کے قبیلے کے ان لوگوں کا خیال آتا ہے جو ہمارے ساتھ ہیں ورنہ اب تک تو ہم آپ کو سنگسار کر چکے ہوتے کیونکہ ہماری نظر میں آپ کی کوئی عزت و توقیر نہیں جو ہمیں سنگساری سے روک سکتی۔

قوم کو عذاب کی خبر

۹۲، ۹۳۔ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝ وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ۝

(حضرت) شعیب نے کہا کہ اے میری قوم! کیا میرے خاندان کا دباؤ تم پر اللہ سے بھی زیادہ ہے۔ اس کو تو تم نے پس پشت ڈال رکھا ہے۔ بیشک میرا رب تمہارے سب اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اے قوم! تم اپنی جگہ کام کرتے رہو، میں بھی کام کرتا ہوں۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

یُخْزِیْهِ: وہ اس کو ذلیل کرے گا۔ وہ اس کو رسوا کرے گا۔ اِخْزَاءٌ سے مضارع۔

اِرْتَقِبُوْا: تم انتظار کرو۔ اِرْتِقَابٌ سے امر۔

تشریح: قوم کی ہٹ دھرمی کے جواب میں حضرت شعیبؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! تعجب اور افسوس ہے تمہاری حالت پر کہ میری نبوت و رسالت تو تمہیں میری سنگساری سے

نہیں رو کتی بلکہ میرے قبیلے اور خاندان کی قوت تمہیں میری سنگساری سے رو کتی ہے۔ کیا میرا کنبہ اور برادری تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ عزت والا ہے کہ تم نے اس کا لحاظ کیا اور جس اللہ نے مجھے واضح دلائل کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا ہے اس کا لحاظ نہیں کرتے اور نہ اس کے احکام کی پرواہ کرتے ہو۔ یاد رکھو! بہت جلد تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا کیونکہ تمہارا کوئی عمل میرے رب سے پوشیدہ نہیں۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا دے گا۔

پھر اپنی قوم کی طرف سے مایوس و ناامید ہو کر قوم سے کہا کہ اچھا تم اپنا کام کئے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں۔ بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ذلت و خواری کا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے۔ اب تم بھی اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۲ / ۳)

قومِ شعیب پر عذاب

۹۴، ۹۵ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝

اور جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے (حضرت) شعیب اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے بچالیا اور ان ظالموں کو ایک سخت کڑک نے آپکڑا، سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کہ وہ وہاں کبھی آباد ہی نہ تھے۔ دیکھو! مدین پر پھٹکار پڑی۔ جیسی پھٹکار ثمود پر پڑی تھی۔

اَلصَّيْحَةُ: چیخ۔ کڑک۔ ہولناک آواز۔

اَصْبَحُوْا: وہ ہو گئے۔ اِصْبَاحٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

جٰثِمِيْنَ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثُوْمٌ سے اسم فاعل۔

يَغْنَوْا: وہ قیام کرتے ہیں۔ وہ بستے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ غِنًی سے مضارع۔

تشریح: پھر جب عذاب کے لئے ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے دونوں فریقوں میں سے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی خاص رحمت سے آسمانی

عذاب سے بچالیا اور ان ظالموں کو جنہوں نے شرک و معصیت سے اپنے اوپر ظلم کر رکھا تھا ایک سخت آواز نے آپکڑا، جس سے ایک دم سب کے دل پھٹ گئے اور سب ایک ساتھ ہلاک ہو گئے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے گویا کہ وہ کبھی ان گھروں میں آباد ہی نہ تھے خوب سن لو کہ قومِ مدین کی ہلاکت اسی طرح ذلت و رسوائی کے ساتھ ہوئی، جس طرح قومِ ثمود ہلاک ہوئی تھی۔ (مواہب الرحمن ۸۳، ۸۴ / ۱۲)

فرعون کا انجام

۹۶، ۹۹۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور روشن دلیل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ سو وہ لوگ تو فرعون ہی کی اتباع کرتے رہے اور فرعون کا حکم درست نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا پھر وہ ان کو آگ (دوزخ) میں پہنچائے گا۔ اور وہ (دوزخ) بہت ہی بری جگہ ہے جس میں وہ اتارے جائیں گے۔ اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی۔ برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا۔

اَوْرَدَ: اس نے داخل کیا۔ اس نے پہنچایا۔ اِیْرَادٌ سے ماضی۔

وِرْدٌ: گھاٹ۔ اترنے کی جگہ۔ اسم ہے۔ جمع اَوْرَادٌ۔

رِفْدٌ: انعام۔ عطا۔ بخشش۔

تشریح: ہم نے حضرت موسیٰ کو بہت سے واضح معجزے دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ تب بھی انہوں نے ان کا حکم نہ مانا۔ یہاں آیات سے توریت کی آیات مراد نہیں کیونکہ توریت کا نزول تو فرعون کے ڈوبنے کے بعد ہوا تھا بلکہ ان سے معجزات مراد ہیں

سلطٰن مبین سے مراد یا تو صرف عصاء کا معجزہ ہے جو سب سے زیادہ واضح اور غالب تھا یا آیات و سلطٰن، دونوں سے ایک ہی چیز مراد ہے یعنی معجزہ۔

• پس وہ لوگ فرعون کے طریقہ پر ہی چلتے رہے جو کفر و سرکشی اور حد سے بڑھی ہوئی گمراہی پر مبنی تھا۔ قیامت کے روز فرعون اپنی قوم کا پیشوا ہوگا اور سب کو جہنم میں لے جائے گا۔ اگرچہ دنیا میں اس کی پیروی کرنے سے ان کو مال و متاع اور پسند کی چیزیں ملتی تھیں مگر آخرت میں اس کی پیشوائی میں چلتے ہوئے دوزخ میں جا گریں گے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ دنیا میں لعنت ان کے ساتھ رہی اور قیامت کے روز بھی وہ ملعون ہوں گے جہاں اہلِ محشر، حتیٰ کہ کافر بھی ان پر لعنت کریں گے۔ یہ بہت برا انعام ہے جو ان کو دیا جائے گا۔ (مظہری ۵۲،۵۳ / ۵)

انبیاء کے واقعات بیان کرنے کی حکمت

۱۰۰، ۱۰۱۔ ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْکَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِیْدٌ
○ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰکِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ
اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ
رَبِّکَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ○ وَکَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ
اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَهِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ○

یہ چند بستیوں کے حالات ہیں جو ہم آپ سے بیان کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں تو اب تک قائم ہیں اور بعض بالکل ختم ہو گئیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب آپ کے رب کا حکم آپہنچا تو ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے، کچھ بھی کام نہ آئے اور ان معبودوں نے ہلاکت کے سوا ان کو کچھ فائدہ نہ دیا۔ اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے۔ بیشک اس کی گرفت سخت تکلیف دینے والی ہے۔

اَنْۢبَآءِ: خبریں۔ واحد نَبَاٌ۔

حَصِیْدٌ: کٹی ہوئی کھیتی۔ جڑ سے کٹا ہوا۔

تَتْبِیْب: نقصان پہنچانا۔ ہلاک کرنا۔ تباہ و برباد کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: گزشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے واقعات کے بیان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ ان بستیوں کے رہنے والوں کے چند واقعات ہیں جو ہم نے آپ کے سامنے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے بعض بستیاں تو اب تک قائم ہیں اور بعض مٹ چکی ہیں۔ آپ یہ واقعات لوگوں کو سنا دیجئے تاکہ لوگ ان کو سن کر عبرت پکڑیں۔ ایک امی کے لئے جس نے کہیں تعلیم حاصل نہ کی ہو ایسے عجیب و غریب واقعات کا بیان کرنا اس کی نبوت و رسالت کی کافی و شافی دلیل ہے کیونکہ ایسا علم وحی کے بغیر ناممکن اور محال ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ان لوگوں کو ہلاک و برباد کر کے ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا بلکہ پہلے ان کو نصیحت کی، پھر نافرمانی میں مہلت دی، پھر بھی کفر و معصیت پر قائم رہ کر انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ پھر جب تیرے رب کا حکم آگیا تو ان کے وہ معبود جن کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے، ان کے ذرا کام نہ آئے۔ یہی نہیں کہ یہ معبود ان کو ہمارے عذاب سے نہیں بچا سکے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ معبود ہی ان کی ہلاکت و تباہی کا باعث بنے۔

آپ کے رب کی پکڑ ایسی دردناک اور سخت ہوتی ہے کہ جب وہ کسی بستی والوں کو ان کے گناہوں اور بداعمالیوں کے سبب پکڑ لیتا ہے تو ان کو رہائی دلانے کی کسی میں مجال نہیں ہوتی۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ **وکذلک اخذ ربک ....**

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۵ / ۳، مواہب الرحمٰن ۹۰، ۹۱ / ۱۲)

کفر و تکذیب کا انجام

۱۰۳، ۱۰۵۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِکَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ یَوْمَ یَاْتِ لَا تَکَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ ۝

بیشک ان واقعات میں اس شخص کے لئے بڑی نشانی (عبرت) ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے ۔ یہ (آخرت کا دن) ایک ایسا دن ہو گا جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ سب کے پیش ہونے کا دن ہے اور ہم نے اس کو ایک مقررہ مدت کے لئے ملتوی کیا ہوا ہے ۔ جب وہ دن آجائے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات بھی نہ کر سکے گا ۔ پھر ان میں سے کچھ بدبخت اور کچھ نیک ہوں گے ۔

تشریح: جو لوگ آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے اللہ کی پکڑ میں یا گزشتہ اقوام کے واقعات میں بڑی عبرت ہے ۔ وہ جانتے ہیں کہ جب اس دنیا میں اس کی پکڑ اور عذاب ایسا شدید ہے تو آخرت میں تو اس کی پکڑ اور بھی زیادہ سخت ہو گی ۔ قیامت کے روز تمام لوگوں کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے جمع کیا جائے گا ۔ اس دن اس کی گھبراہٹ دیکھنے کے لئے سب حاضر ہوں گے ، کسی کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ حاضر نہ ہو ۔ قیامت کا دن مقرر ہو چکا ہے ۔ جب وہ مقررہ دن آجائے گا تو قیامت قائم ہو جائے گی ۔ اگرچہ بظاہر دنیا کی مدت طویل ہے ۔ مگر آخرت کے مقابلے میں بہت قلیل ہے ۔ قیامت کے روز اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کی مجال نہ ہو گی ۔ اس روز کچھ لوگ تو نیک بخت ہوں گے اور کچھ لوگ بدبخت ۔ نیک بخت وہ لوگ ہیں جو ازلی برگزیدہ و محبوب بندے ہیں ، اور بدبخت اور بداعمال وہ ہیں جن کے حق میں ازلی شقاوت مقدر ہو چکی ہے ۔ (مواہب الرحمٰن ۹۱، ۹۴ / ۱۲)

اہلِ محشر کی قسمیں

۱۰۶-۱۰۹- فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ○
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ط
اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَاشَآءَ رَبُّكَ ط
عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ○ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ط مَا
يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ط وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ

نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ○

پھر جو بد بخت ہوں گے وہ تو دوزخ میں چیختے چلاتے رہیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں۔ مگر یہ کہ آپ کا رب ہی (ان کو نکالنا) چاہے۔ بیشک آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے اور جو لوگ نیک بخت ہیں سو وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں مگر یہ کہ آپ کا رب (نکالنا) چاہے (یہ) بے انتہا عنایت ہے۔ سو یہ لوگ جن چیزوں کی پرستش کرتے ہیں، ان کے بارے میں ذرا بھی شک نہ کرنا۔ یہ لوگ بھی اسی طرح (بلادلیل غیر اللہ کی) پرستش کرتے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے اور ہم یقیناً ان کو عذاب کا پورا پورا حصہ دیں گے۔

زَفِيْرٌ: چیخ و پکار کرنا۔ مصدر ہے۔

شَهِيْقٌ: چیخنا۔ چلانا۔ مصدر ہے۔

مَجْذُوْذٍ: کاٹا ہوا۔ منقطع کیا ہوا۔ جَذٌّ سے اسم مفعول۔

مِرْيَةٍ: شک۔ تردد

لَمُوَفُّوْهُمْ: البتہ ان کو پورا پورا دینے والے۔ تَوْفِيَةٌ سے اسم فاعل۔

نَصِيْبَهُمْ: ان کا حصہ۔ جمع نُصُبٌ۔

تشریح: اہلِ محشر دو قسم کے ہوں گے۔ ایک شقی اور دوسرے نیک بخت۔ پس جو لوگ بد بخت ہیں وہ دوزخ میں جائیں گے، جہاں وہ تکلیف اور غم و الم کی شدت سے چیخیں چلائیں گے۔ وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے، جب تک کہ آسمان و زمین قائم رہیں۔ یہاں آسمان و زمین سے دنیاوی آسمان و زمین مراد نہیں بلکہ آخرت کے آسمان و زمین مراد ہیں۔ سو کفار کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ وہ جہنم سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان کو وہاں موت آئے گی۔ وہ اس وقت تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی ہیں یا اس سے بھی زیادہ جب تک اللہ چاہے۔ بلاشبہ آپ کا رب جو چاہے اس کے کرنے پر خوب قادر ہے۔

جو لوگ نیک بخت ہیں یعنی ابتداء میں اگر کوئی آدمی کافر ہو یا کسی گناہ میں مبتلا ہو، پھر اس کے بعد وہ توبہ کر کے ایمان لے آئے اور پھر ایمان ہی کی حالت میں اسے موت آجائے تو وہ نیک بخت اور سعید ہے۔ ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جب تک

کہ جب تک آسمان و زمین باقی رہیں گے یا اس قدر زائد جو مشیتِ الٰہی میں ہے ۔ یعنی ان بندوں کو ایسی نعمت دی گئی جو کبھی ختم نہ ہوگی۔

آپ کو ان معبودوں کے باطل ہونے میں، جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں، شک کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ان لوگوں کے پاس اپنے معبودوں کی عبادت کے لئے جہالت کے سوا کوئی قطعی دلیل نہیں کہ ہم تو وہی کریں گے جو ہمارے باپ دادا پہلے سے بلا دلیل بلکہ خلافِ دلیل کرتے چلے آئے ہیں ۔ ہم ان کو ان کے جرم کے مطابق پوری پوری سزا دیں گے اور اس میں ذرا بھی کمی نہیں کریں گے ۔ اگر کوئی نیکی ہوگی تو اس کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں دے دیں گے ۔ (مواہب الرحمن ۹۵، ۱۱۰ / ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸۸، ۵۹۴ / ۳)

احکامِ شریعت میں اختلاف کرنا

۱۱۰، ۱۱۱۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات مقرر نہ ہو چکی ہوتی (کہ یہ فیصلہ قیامت میں ہوگا) تو ان میں فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ اس (قرآن) کی طرف سے ایسے شک میں پڑے ہوئے ہیں جو ان کو مطمئن نہیں ہونے دیتا ۔ اور بے شک آپ کا رب سب کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا ۔ بلاشبہ اس کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کر رہے ہیں ۔

سَبَقَتْ وہ سبقت کر چکی ۔ وہ پہلے ہو چکی ۔ سَبْقٌ سے ماضی ۔

مُرِيْبٍ شک میں ڈالنے والا ۔ اِرَابَةٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جو لوگ آپ کی نبوت و رسالت اور قرآن کریم کے بارے اختلاف کرتے ہیں اور کوئی ایمان لاتا ہے اور کوئی انکار

کرتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ یہ تو سابقہ انبیاء کے ساتھ بھی ہوتا چلا آیا ہے۔ بلاشبہ جب ہم نے اپنے فضل و رحمت سے حضرت موسیٰ کو اس زمانے کے لوگوں کی ہدایت کے لئے توریت دی تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ بعض نے اس کو مانا اور اس کی تصدیق کی اور بعض نے اس کا انکار اور تکذیب کی۔ اگر ہم ازل میں بندوں کے درمیان فیصلے کے لئے ایک وقت مقرر نہ کر چکے ہوتے تو حق پرستوں اور باطل پرستوں کا فیصلہ ہم اسی دنیا میں کر دیتے کہ حق پرستوں کو بچا لیتے اور باطل پرستوں کو عذاب دے دیتے۔ مشرکین مکہ قرآن یا عذاب کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہیں۔ یقیناً قیامت کے روز سب لوگ اللہ کے سامنے جمع کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دے گا کیونکہ لوگ جو کچھ اعمال کرتے ہیں وہ اچھے ہوں یا برے وہ سب اللہ کو معلوم ہیں۔ ان کا کوئی عمل بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ (مظہری ۵۹،۶۰ / ۵)

احکامِ الٰہی پر استقامت کا حکم

۱۱۲، ۱۱۳۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

پھر آپ بھی اس پر قائم رہئے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ کفر چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع ہوئے ہیں (وہ بھی)۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ بلاشبہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ سب دیکھ رہا ہے اور ان ظالموں کی طرف ذرا بھی نہ جھکنا ورنہ تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہو گا اور نہ تمہاری مدد کی جائے گی۔

اِسْتَقِمْ: تو قائم رہ۔ تو ثابت قدم رہ۔ اِسْتِقَامَۃٌ سے امر۔

تَطْغَوْا: تم سرکشی کرو۔ تم زیادتی کرو۔ تم حد سے بڑھو۔ طُغْیَانٌ سے مضارع۔

تَرْکَنُوْا: تم جھک جاؤ۔ تم مائل ہو جاؤ۔ تَرْکٌ سے ماضی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی دین کے راستہ پر اسی طرح مستقیم رہئے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ کفر سے توبہ کر کے آپ پر ایمان لے آئے ہیں وہ بھی اس پر

مستقیم رہیں اور اللہ تعالیٰ کی مقررہ کردہ حدود سے تجاوز نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو اپنے ہر کام اور ہر حال میں استقامت پر رہنے کا حکم فرمایا ہے۔ استقامت لفظ تو چھوٹا سا ہے مگر اس کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسب معاش اور اس کی آمد و صرف کے تمام ابواب میں اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود کے اندر اس کے بتائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے۔ اگر ان میں سے کسی عمل اور کسی حال میں کسی ایک طرف جھکاؤ یا کمی یا زیادتی ہو جائے تو استقامت باقی نہیں رہتی۔

دنیا میں جتنی گمراہیاں اور خرابیاں آتی ہیں وہ سب اسی استقامت سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ مثلاً عقائد میں استقامت نہ رہے تو بدعات سے شروع ہو کر کفر و شرک تک نوبت پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی ذات و صفات کے متعلق جو معتدل اور صحیح اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، ان میں افراط و تفریط یا کمی بیشی کرنے والے خواہ نیک نیتی ہی سے اس میں مبتلا ہوں وہ گمراہ کہلائیں گے۔ جس طرح انبیاء علیہم السلام کی عظمت و محبت کی مقررہ حدود میں کمی کرنے والے گمراہ اور گستاخ ہیں اسی طرح ان میں زیادتی اور غلو کر کے رسول کو خدائی صفات و اختیارات کا مالک بنا دینا بھی گمراہی ہے۔ یہود و نصاریٰ اسی گمراہی میں کھوئے ہوئے تھے۔
جس طرح عبادات اور تقرب الی اللہ کے لئے جو طریقے قرآن کریم اور اللہ کے رسول نے متعین فرما دیئے، ان میں ذرا سی کمی یا کوتاہی انسان کو استقامت سے گرا دیتی ہے۔ اسی طرح ان میں اپنی طرف سے کوئی زیادتی بھی استقامت کو برباد کر کے ان کو بدعات میں مبتلا کر دیتی ہے۔

اسی طرح معاملات و اخلاق و معاشرت کے تمام ابواب میں قرآن کریم کے بتائے ہوئے اصولوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عملی تعلیم کے ذریعہ ایک معتدل اور صحیح راستہ قائم کر دیا ہے، جس میں دوستی، دشمنی، نرمی، گرمی، غصہ اور بردباری، کنجوسی اور سخاوت، کسب معاش اور ترک دنیا، اللہ پر توکل اور امکانی تدبیر، اسباب ضروریہ کی فراہمی اور مسبب الاسباب پر نظر۔ ان سب چیزوں میں مسلمانوں کو ایک ایسا معتدل صراط مستقیم دیا ہے کہ عالم میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ ان کو اختیار کرنے سے ہی انسان، انسان کامل بنتا ہے اور استقامت سے ذرا گرنے ہی کے نتیجہ میں معاشرہ کے اندر خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۷۰،۲۷۱/۴)

پھر فرمایا کہ ظالموں کی طرف ادنیٰ میلان بھی نہ رکھو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے ساتھ

تمہیں بھی جہنم کی آگ چھو جائے، اس وقت اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا اور نہ اللہ کی طرف سے تمہیں کچھ مدد ملے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ادنیٰ میلان سے مراد محبت اور دل کا جھکاؤ ہے۔ بیضاوی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جب ظالموں کی طرف ادنیٰ جھکاؤ کا نتیجہ دوزخ ہے تو سمجھ لو کہ خود ظلم کرنے اور ظلم میں منہمک رہنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مغبوض وہ عالم ہے جو ظالم کی ملاقات کو جاتا ہے۔

حضرت اوسؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ظالم کو ظالم جانتے ہوئے قوت پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ جاتا ہے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے ساتھ مومنوں کو اس آیت میں خطاب کی غرض یہ ہے کہ وہ استقامت یعنی عدل پر ثابت قدم رہیں۔ افراط و تفریط کی طرف جھکاؤ سے اپنے اوپر ظلم ہو یا دوسرے پر وہ فی نفسہ ظلم ہی ہے۔

(مظہری ۶۰۔ ۶۲ / ۵۔ بیضاوی ۱۹۲)

اقامتِ صلوٰۃ کی تاکید

۱۱۴، ۱۱۵۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۞ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞

اور دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصہ میں نماز قائم کیجئے۔ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ یہ یاد رکھنے والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اور صبر کرو کیونکہ اللہ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

طَرَفَيِ: دونوں طرف۔ دونوں کنارے۔

زُلَفًا: گھڑیاں۔ ساعتیں۔ حصے۔ واحد زُلْفَۃٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے آپ کی پوری امت کو اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ علماء تفسیر، صحابہ و تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں

"صلوۃ" سے مراد فرض نمازیں ہیں اور صلوۃ کی اقامت سے مراد ان کی پوری پابندی اور مداومت ہے۔ بعض کے نزدیک نماز کو اس کے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔ اقم الصلوۃ کی تفسیر میں یہی تین قول منقول ہیں۔ ان میں باہم کوئی اختلاف نہیں۔ اقامتِ صلوۃ کے مفہوم میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں۔

اقامتِ صلوۃ کے حکم کے بعد، نماز کے اوقات کا اجمالی بیان ہے کہ دن کے دونوں سروں یعنی شروع اور آخر میں اور رات کے کچھ حصوں میں نماز قائم کرو۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ پہلے سرے کی نماز، نماز فجر ہے۔ البتہ آخری سرے کی نماز کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ بعض نے مغرب کی نماز کو آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے کیونکہ وہ دن کے بالکل ختم پر ہے۔ اور بعض نے عصر کی نماز کو دن کے آخری سرے کی نماز قرار دیا ہے کیونکہ دن کی آخری نماز وہی ہے اور مغرب کا وقت دن گزرنے کے بعد آتا ہے۔ جمہور مفسرین نے رات کے حصوں کی نماز مغرب و عشاء کی نماز کو قرار دیا ہے۔ اس طرح اس آیت میں چار نمازوں کے اوقات کا بیان ہے۔ یعنی فجر، عصر، مغرب اور عشاء۔ البتہ یہاں ظہر کی نماز کا وقت بیان نہیں کیا گیا جو قرآن کریم کی دوسری آیت اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوۡکِ الشَّمۡسِ میں آیا ہے۔

اس آیت میں مقررہ اوقات میں اقامتِ صلوۃ کے حکم کا ایک عظیم فائدہ بھی بتادیا گیا ہے کہ نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔ نیک کام سے تمام نیک کام مراد ہیں جن میں نماز، روزہ، زکوۃ، صدقات، حسن خلق، حسن معاملہ وغیرہ سب داخل ہیں، مگر نماز کو ان سب میں اولیت حاصل ہے۔ اسی طرح برے کام سے تمام برے کام یعنی صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبٰٓئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ نُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَيِّاٰتِکُمۡ ۔

(النساء۔ آیت ۳۱)

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کو خود کفارہ کر دیں گے۔

پھر فرمایا کہ یہ قرآن یا اس کے مذکورہ احکام امر و نہی، ان لوگوں کے لئے ہدایت و نصیحت ہیں جو نصیحت سنتے اور مانتے ہیں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہٹ دھرم اور ضدی آدمی جو کسی چیز پر غور ہی نہ کرے وہ ہر ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ آپ صبر و ثابت قدمی کے ساتھ

اقامت صلوۃ وغیرہ پر قائم رہئے ۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آپ مخالفین کی مخالفت اور ایذاؤں پر صابر و ثابت قدم رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۷۶، ۶۷۸ / ۴، روح المعانی ۱۵۶، ۱۵۷ / ۱۲)

مسند احمد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حارث سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت عثمانؓ آکر بیٹھے اور ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے ۔ پھر مؤذن آیا تو حضرت عثمانؓ نے ایک برتن میں پانی منگوایا ۔ راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ اس برتن میں ایک مد کی مقدار پانی ہو گا پھر انہوں نے وضو کیا، پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس وضو کی طرح وضو کرتے ہوئے دیکھا ۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے اور کھڑے ہو کر ظہر کی نماز ادا کرے تو اس کے فجر کی نماز سے لے کر اس وقت تک کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ۔ پھر عصر کی نماز پڑھے تو ظہر سے عصر تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۔ پھر مغرب کی نماز ادا کرے تو عصر سے لے کر مغرب تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں پھر عشاء کی نماز سے مغرب سے عشاء تک کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۔ پھر یہ سوتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے ۔ پھر صبح کو اٹھ کر فجر کی نماز پڑھ لینے سے عشاء سے لے کر صبح کی نماز تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں ۔ یہی ہیں وہ بھلائیاں جو برائیوں کو دور کر دیتی ہیں ۔ (مسند احمد ۱۱۴ / ۱)

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ہی نہر جاری ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو تمہارا کیا خیال ہے کہ کیا اس کے جسم پر ذرا سا بھی میل باقی رہے گا ۔ لوگوں نے کہا ہرگز نہیں ۔ آپ نے فرمایا بس یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے کہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خطائیں اور گناہ معاف فرما دیتا ہے ۔ (بخاری ۷۴ / ۱)

سابقہ امتوں کی ہلاکت کا ظاہری سبب

۱۱۶، ۱۱۷۔ فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ

رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ○

پھر تم سے پہلے زمانوں میں ایسے سمجھدار لوگ کیوں نہ ہوئے جو (دوسروں کو) ملک میں فساد پھیلانے (کفر و شرک) سے منع کرتے۔ تھوڑے سے لوگوں کے سوا ان میں سے جن کو ہم نے (عذاب) سے بچا لیا تھا۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی تھی وہ جس ناز و نعمت میں تھے، وہ اسی میں پڑے رہے اور وہ تو تھے ہی بدکردار، اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ناحق ہلاک کر دے جبکہ وہاں کے باشندے (اپنی اور دوسروں) کی اصلاح میں لگے ہوئے ہوں۔

اُولُوْا: والے۔ جمع ہے اس کا واحد نہیں آتا۔

اُتْرِفُوْا: ان کو عیش و آرام دیا گیا۔ اِتْرَافٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: سابقہ امتوں کے احوال بیان کرنے کا مقصد امت محمدیہ کو اس کی ترغیب دینا ہے کہ ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے کثرت سے موجود رہنے چاہئیں۔ سابقہ قومیں اسی لئے تباہ و ہلاک ہوئیں کہ ان میں سے چند لوگوں کے سوا ان کی پوری قوم دنیا کی لذتوں میں پھنس کر جرائم پیشہ بن گئی اور ان کے بڑے اور بااثر لوگ جن میں کچھ تھوڑا بہت خیر کا اثر باقی تھا، انہوں نے قوم کو برائی سے روکنا ترک کر دیا۔ اس طرح کفر و عصیان اور ظلم و طغیان عام ہوتا چلا گیا اور اس کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ رہا۔ معدود چند آدمیوں نے اصلاح احوال کی کوشش بھی کی تو نقار خانے میں طوطی کی آواز کے مصداق بے اثر رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ منع کرنے والے چند آدمی تو محفوظ رہے باقی تمام قوم تباہ و ہلاک ہو گئی۔ اگر نیک لوگ غالب ہوتے تو قوم ہلاک نہ ہوتی۔

اگر کسی بستی کے لوگ اپنی حالت درست کرنے کی طرف متوجہ ہوں، نیکی کو رواج دیں، ظلم و فساد کو روکیں تو اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کسی کو ہلاک نہیں کرتا۔ اللہ کا عذاب اسی وقت آتا ہے جب لوگ کفر و عصیان اور ظلم و طغیان میں حد سے نکل جائیں۔ (عثمانی ۱/۶۵۹)

سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باطنی سبب

۱۱۸، ۱۱۹۔ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ

مُخْتَلِفِيْنَ ○ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۚ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بنا دیتا اور وہ ہمیشہ مختلف طریقوں پر رہیں گے۔ مگر یہ کہ جس پر تیرے رب کی رحمت ہو اور اس نے ان کو اسی لئے پیدا بھی کیا ہے اور آپ کے رب کی (یہ) بات پوری ہو گئی کہ وہ جہنم کو جنوں اور انسانوں سے بھر دے گا۔

تشریح: سابقہ امتوں کی ہلاکت کا باطنی سبب اس کی مشیت و ارادہ تھا۔ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت و ملت بنا دیتا مگر بتقاضائے حکمت اس نے دنیا میں انسان کو ایک قسم کا اختیار دے دیا ہے کہ وہ اچھا یا برا جو عمل چاہے کر سکتا ہے۔ چونکہ انسانوں کی طبائع مختلف ہیں، اس لئے ان کی راہیں بھی مختلف ہوتی ہیں اور اعمال بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اسی لئے کچھ لوگ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں اور کچھ اس کا انکار کرتے ہیں۔ پس جس پر اللہ کی مہربانی ہو گی وہ دینِ حق اور صراطِ مستقیم پر قائم رہے گا اور باقی لوگ گمراہ اور اس کے منکر رہیں گے کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور بعض کو جنت کے لئے۔ اور اللہ کی بات پوری ہو گئی کہ وہ جہنم کو نافرمان جنوں اور انسانوں سے ضرور بھر دے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶۸۰ / ۴، مواہب الرحمن ۱۳۵۔ ۱۳۸/۱۲)

مذکورہ واقعات کے بیان کی حکمت

۱۲۰۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○

اور پیغمبروں کے یہ قصے ہم اس لئے آپ سے بیان کرتے ہیں تاکہ ہم ان سے آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کے ساتھ ساتھ آپ کے پاس حق بات بھی پہنچ جائے گی اور ایمانداروں کے لئے نصیحت و یاد دہانی بھی ہو جائے گی۔

نُثَبِّتُ: ہم تقویت دیں گے۔ ہم مطمئن کریں گے۔ تَثْبِیْتٌ سے مضارع۔

فُؤَادَ: دل۔ قلب۔ جمع اَفْئِدَةٌ۔

ذِکْرٰی: ذکر کرنا۔ نصیحت کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سابقہ امتوں کا اپنے بندوں کو جھٹلانا، انبیاء کا ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا، پھر اللہ کے عذاب کا آنا، کافروں کا برباد ہونا، انبیاء، رسولوں اور مومنوں کا نجات پانا، یہ سب واقعات، ہم آپ کو اس لئے سنا رہے ہیں تاکہ ہم آپ کے دل کو مضبوط کر دیں اور ان واقعات کو سن کر آپ کو کامل سکون و اطمینان ہو جائے کہ دعوت و تبلیغ دین میں انبیاء کرام علیہم السلام کو ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان واقعات کے ضمن میں آپ کو پتہ چل گیا کہ ابتداء میں حق ضعیف و ناتواں ہوتا ہے اور آخر میں ایسا قوی ہوتا ہے کہ بڑے بڑے متکبر اور سرکش اس کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ نیز ان واقعات میں اہلِ ایمان کے لئے نصیحت و عبرت ہے۔ نصیحت تو یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ کریں اور عبرت یہ ہے کہ ان واقعات کو سن کر اللہ سے ڈریں اور اس سے پناہ مانگیں۔ (ابن کثیر ۴۶۵/ ۲)

کافروں کو تنبیہ

۱۲۱، ۱۲۳۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنی جگہ عمل کرتے رہو، ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ بات اللہ ہی جانتا ہے اور سب امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ سو تم اسی کی عبادت کرو اور اسی پر توکل کرتے رہو اور آپ کا رب ان باتوں سے غافل نہیں جو تم کر رہے ہو۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حق آگیا اور حجت پوری ہو گئی تو اگر کوئی اس پر بھی نہ

مانے اور اپنے عناد و ضد پر قائم رہے تو آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم اپنی حالت پر رہو اور نتیجہ کا انتظار کرو، ہم بھی نتیجہ کا انتظار کرتے ہیں۔ بہت جلد تمہیں اپنی ہٹ دھرمی کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔ دنیا نے ان کافروں کا انجام دیکھ لیا اور ان مسلمانوں کا بھی جو اللہ کے فضل و کرم سے دنیا پر چھا گئے اور مخالفین پر کامیابی کے ساتھ غلبہ حاصل کر لیا۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اس کو ذرہ ذرہ کا علم ہے۔ زمین و آسمان کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ دنیا اور آخرت کے تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ لہٰذا آپ ہمہ تن اس کی عبادت میں لگے رہیئے، اسی پر بھروسہ رکھئے اور آپ ان کافروں اور منافقوں کی عداوت سے دلگیر نہ ہوں۔ ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے نتیجہ کا انتظار کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں۔

(ابن کثیر ۴۶۶ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۳، ۶۰۴ / ۳)

کامل ایمان

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! بندے کا اللہ پر ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس میں پانچ خصلتیں پیدا نہ ہو جائیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا۔ (۲) ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آزمائشوں پر صبر کرنا۔ (۴) اللہ تعالیٰ کا حکم قبول کرنا۔ (۵) اور اللہ تعالیٰ کے ہر فیصلے پر راضی رہنا۔ جو شخص اللہ کی رضا کے لئے محبت کرے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بغض رکھے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے منع کرے تو اس کا ایمان مکمل ہو گیا۔ (خطب الرسول۔ مطبوعہ قاہرہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ یوسف

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کا تفصیلی بیان ہے، اس لئے یہ سورت سورۂ یوسف کے نام سے موسوم ہو گئی۔

تعارف: اس میں بارہ رکوع، ایک سو گیارہ آیتیں، ۱۸۰۸ کلمات اور ۷۴۱۱ حروف ہیں۔

ارجح اور اصح یہ ہے کہ یہ پوری سورت مکیہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ تسلسل اور ترتیب کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے۔ قرآن کریم میں دوبارہ اس کا کہیں ذکر نہیں، جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے قصص و واقعات خاص حکمت کے تحت پورے قرآن میں اجزاء اجزاء کرکے بار بار بیان کئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ لوگوں کی فرمائش پر نازل ہوا اس لئے یکجا اور مسلسل بیان کیا گیا۔ اسی طرح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعے بھی لوگوں کی فرمائش پر نازل ہوئے۔ اس لئے وہ بھی یکجا بیان ہوئے اور مکرر نہیں لائے گئے۔

حضرت یوسفؑ کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حال سے بہت مشابہت رکھتا ہے حضرت یوسفؑ کی طرح آپ کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صالحہ سے ہوا۔ جس طرح حضرت یوسف کے بھائیوں نے ان پر حسد کیا اور ان کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، اسی طرح آپؐ کو بھی قریش سے بہت سی تکلیفیں پہنچیں۔ جس طرح حضرت یوسف کو ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر و استقامت کی برکت سے عزت و غلبہ نصیب ہوا اور انہوں نے بھائیوں سے کوئی انتقام نہ لیا بلکہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر سب کو معاف کر دیا، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر و استقامت سے کام لیا۔ بالآخر جب مکہ فتح ہوا تو اس وقت آپؐ نے بھی قریش پر کوئی ملامت نہیں کی بلکہ حضرت یوسف کی طرح لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر سب کو معاف فرما دیا۔ جس طرح حضرت یوسف نے بھائیوں کو معاف فرمانے کے بعد ان کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش کو حنین کے مالِ غنیمت میں سے تالیفِ قلب کے طور پر سو سو اونٹ عطا

فرمائے تاکہ اسلام کی کراہت و نفرت، الفت سے بدل جائے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱/ ۴)

ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے سورۂ یونس نازل ہوئی۔ پھر سورۂ ہود اور اس کے بعد سورۂ یوسف نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۷۰/ ۱۲)

سورۂ یوسف کا سببِ نزول

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تو آپؐ (اس کو) صحابہ کے سامنے تلاوت فرماتے۔ پس صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے سامنے کوئی قصہ بیان فرماتے (جس میں سابقہ امتوں کے مفید حالات بیان ہوتے)۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کہ آپ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کا قصہ بیان کریں۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

ایک قول یہ ہے کہ یہود نے کفار مکہ سے کہا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کی وجہ دریافت کریں۔ اس پر اس سورت کا نزول ہوا۔

(روح المعانی ۱۷۰/ ۱۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی حقانیت اور حضرت یوسفؑ کے خواب کا ذکر ہے۔ آخر میں حضرت یوسف کے لئے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت یوسفؑ کے عبرت انگیز واقعہ کا آغاز۔ حضرت یوسف کو ساتھ لیجانے کے لئے ان کے بھائیوں کی اپنے باپ حضرت یعقوبؑ سے درخواست۔ حضرت یعقوب کا اندیشہ اور بھائیوں کا حضرت یوسف کو لیجا کر کنوئیں میں ڈالنا۔ آخر میں حضرت یوسف کا اہلِ قافلہ کے ہاتھوں فروخت ہونا مذکور ہے۔

رکوع ۳: عزیزِ مصر کا حضرت یوسفؑ کو خریدنا۔ پھر عزیزِ مصر کی بیوی کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے حضرت یوسف کا دروازے کی طرف بھاگنا۔ آخر میں عزیزِ مصر کی صاف گوئی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: شہر کی عورتوں میں حضرت یوسف کا چرچا اور ان کو قید میں ڈالنے کا ذکر ہے۔

رکوع ۵: حضرت یوسفؑ کا اعلان توحید، پھر حضرت یوسف کا اپنے دونوں قیدی ساتھیوں کے خوابوں کی تعبیر دینا۔

رکوع ۶: بادشاہ کے خواب اور اس کی تعبیر کا بیان ہے۔

رکوع ۷: حضرت یوسفؑ کی رہائی اور زلیخا کا اقبالِ جرم، پھر حضرت یوسف کا اعلان برأت مذکور ہے۔ آخر میں مالیات کے سربراہ کی حیثیت سے حضرت یوسف کی تقرری بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۸ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا غلہ کے لئے حضرت یوسف کے پاس آنا اور غلہ لے کر واپس جانا۔ بھائیوں کی طرف سے اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو ساتھ لے جانے کے لئے اصرار پر حضرت یعقوب کا اپنے بیٹوں سے عہد و پیمان لینا اور ان کو نصیحت کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۹ حضرت یوسفؑ کا بنیامین سے خصوصی معاملہ اور چوری کے الزام میں بھائیوں کے سامان کی تلاشی۔ چوری برآمد ہونے پر حضرت یوسف کا بنیامین کو اپنے پاس روکنا اور بھائیوں کا حضرت یوسف سے اس کی رہائی کے لئے درخواست کرنا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۱۰: رکوع کے شروع میں بنیامین کے بارے میں بھائیوں کا آپس میں مشورہ کرنا اور اس معاملے میں حضرت یعقوبؑ کے صبر و استقامت کا بیان ہے۔ پھر حضرت یعقوب کی طرف سے بیٹوں کو حضرت یوسفؑ کی تلاش کا حکم مذکور ہے۔ آخر میں حضرت یوسف کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا اور ان کے عفو و درگزر کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱: کنعان میں حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہونا اور پھر ان کی بینائی بحال ہونے کا بیان ہے۔ اس کے بعد باپ بیٹوں کا سجدۂ تعظیمی اور حضرت یوسف کی دعا مذکور ہے۔ آخر میں بتایا گیا کہ یہ واقعات غیب کی خبریں ہیں جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی گئیں تاکہ لوگوں پر حجت قائم ہو جائے اور وہ ان سے نصیحت حاصل کریں۔

رکوع ۱۲: شروع میں وحدانیت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔ پھر تمام انبیاء کا انسان ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ یہ واقعات سمجھ بوجھ اور عقل و دانش والوں کے لئے بڑی عبرت و نصیحت کے حامل ہیں۔

قرآنِ کریم کی حقانیت

۱، ۲، ۳۔ الٓرٰ ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ○ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ○

الر۔ یہ ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس کو تمہارے سمجھنے کے لئے عربی زبان میں نازل کیا۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اس قرآن کے ذریعہ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے، ہم آپ سے ایک نہایت عمدہ قصہ بیان کرتے ہیں اور (ہمارے) اس (بیان کرنے) سے پہلے آپ کو اس کی بالکل خبر نہ تھی۔

تشریح: الر۔ یہ متشابہات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اس کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور کے نزدیک یہی قول راجح اور مختار ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں۔ رسول کے سوا کسی کا مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔

یہ ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو بالکل واضح اور روشن ہے، حق و باطل کو خوب واضح کرتی ہے۔ احکامِ حلال و حرام اور ہر کام کی حدود و قیود بیان کر کے انسان کو ہر شعبہ زندگی میں ایک معتدل اور سیدھا سادہ نظامِ حیات بخشتی ہے۔ یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اہلِ عرب اس کے مطالب و معانی کو خوب اچھی طرح سمجھ سکیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کو تسلیم کریں۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس قرآن کے ذریعہ، جو ہم نے آپ پر وحی کیا ہے، آپ کے سامنے ایک بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سورت کے نازل ہونے سے پہلے آپ اس قصے کے بارے میں بالکل بے خبر تھے۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اور احکام و مسائل موجود ہیں۔ اس میں بہت سی عبرتیں، نصیحتیں اور حکمتیں ہیں، عجائباتِ قدرت اور دقائق و فوائد ہیں کہ جس بچے کو بھائیوں نے ہلاکت کے غار میں ڈال دیا تھا، اللہ نے اس کی کس طرح حفاظت فرمائی اور اسے کہاں سے کہاں پہنچادیا اور کس طرح مخالفین کو اس کے قدموں میں لاکر ڈال دیا۔ اس میں بادشاہوں اور رعایا کی سیرتیں ہیں، عورتوں کے مکر و فریب اور دشمنوں کی ایذاء پر صبر کرنے کا بیان ہے۔ غلبہ پانے کے باوجود دشمنوں سے درگزر کی تعلیم ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳، ۴ ۴، مظہری ۵ ۱۳۵ ، ۵)

حضرت یوسف کا خواب

۴، ۵۔ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰبُنَىَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

(یہ اس وقت کا ذکر ہے) جب (حضرت) یوسف نے اپنے باپ (حضرت یعقوب) سے کہا کہ اے میرے باپ! میں نے (خواب میں) گیارہ ستارے اور سورج اور چاند دیکھے ہیں۔ میں نے ان کو دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں (حضرت) یعقوب نے کہا۔ اے میرے بیٹے! تم اپنا (یہ) خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا (ورنہ) وہ تمہارے (ایذا رسانی کے) لئے کوئی خاص تدبیر کریں گے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

كَوْكَبًا: ستارہ۔ جمع کَوَاکِبْ

كَيْدًا: خفیہ تدبیر۔ مکر۔ فریب

تشریح: حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور سورج اور چاند سے مراد (ان کے) ماں باپ ہیں۔

قرطبی میں ہے کہ حضرت یوسف کی والدہ اس واقعہ سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ مگر ان کی خالہ ان کے والد ماجد کے نکاح میں آگئی تھیں۔ ویسے بھی خالہ ماں کے قائم مقام سمجھی جاتی ہے۔
(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/ ۶)

حضرت یوسفؑ کا خواب سن کر ان کے والد حضرت یعقوبؑ نے ان سے کہا کہ یہ سچا خواب ہے، یہ پورا ہو کر رہے گا۔ تم اس کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔ بہت ممکن ہے کہ وہ اس خواب کو سن کر اور شیطان کے بہکاوے میں آکر ابھی سے تمہاری دشمنی میں لگ جائیں اور حسد کی وجہ سے کوئی نامعقول فریب کاری اور حیلہ سازی کر کے تجھے پست کرنے کی فکر میں لگ جائیں۔ (ابن کثیر ۴۶۶، ۴۶۷/ ۲)

اللہ کی طرف سے انعامات کا وعدہ

۶۔ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اسی (خواب کی) طرح (بڑے ہونے پر) تمہارا رب تمہیں برگزیدہ کرے گا اور تمہیں خوابوں کی تعبیر دینا سکھائے گا اور تمہیں اور آل یعقوب کو اپنی نعمتوں سے نواز کر اپنا انعام اسی طرح کامل کرے گا جس طرح اس سے پہلے وہ تمہارے دادا ابراہیم و اسحٰق پر کامل کر چکا ہے۔ بیشک تمہارا پروردگار بڑے علم والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔

يَجْتَبِيْكَ: وہ تجھ کو منتخب کرتا ہے۔ اِجْتِبَاءٌ سے مضارع۔

تَاْوِيْل: تعبیر بتانا۔ حقیقت بیان کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے چند انعامات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے

۱۔ اللہ تعالیٰ اپنے انعامات و احسانات کے لئے آپ کو منتخب فرمائے گا۔ اس کا ظہور مصر میں حکومت اور عزت و دولت ملنے سے ہوا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خواب کی تعبیر کا علم سکھا دے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعبیر خواب ایک مستقل فن ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرماتا ہے۔ ہر شخص اس کا اہل نہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھرپور نعمت یعنی نبوت عطا فرمائے گا، جیسا کہ اس سے پہلے اس نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی تھی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑے علم و حکمت والا ہے اور خوب جانتا ہے کہ نبوت کے لائق کون ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۱۲/۵)

عبرت انگیز واقعات

۷۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ○

البتہ (حضرت) یوسف اور ان کے بھائیوں کے قصے میں سوال کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے اس قصے میں ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس کے بارے میں سوال کیا ہے۔ بہت سی عبرتیں اور نصیحتیں ہیں اور جن لوگوں نے اس واقعے کے بارے میں سوال نہیں کیا ان کے لئے بھی اس میں اللہ کی قدرت کاملہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔

لیا بنت لیان کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے چھ لڑکے اور دینہ نام کی ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں میں سب سے بڑے لڑکے کا نام روبیل تھا۔ ان کے علاوہ چار لڑکے دو باندیوں کے بطن سے تھے۔ ان باندیوں کے نام زلفہ اور بلہہ تھے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ لیا کے مرنے کے بعد حضرت یعقوب نے اس کی بہن راحیل سے نکاح کر لیا تھا۔ جس کے بطن سے دو بیٹے یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔ اس طرح کل بارہ لڑکے ہو

گئے۔ ہر لڑ کا صاحبِ اولاد ہوا اور سب کے خاندان پھیلے۔ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا اس لئے ان بارہ لڑکوں کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور ہر لڑکے کی اولاد ایک خاندان تھی۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ شریعتِ اسرائیل میں ایک وقت میں دو بہنوں سے نکاح درست تھا۔ حضرت یعقوب کے نکاح میں ایک ہی زمانے میں دو بہنیں لیاؔ اور راحیل تھیں۔

(مظہری ۱۴۲، ۱۴۳ / ۵، بیضاوی ۱۹۲)

قصہ کا آغاز

۱۰،۸۔ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚۖ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝

(وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب (حضرت یوسف کے سوتیلے بھائیوں نے آپس میں) کہا کہ یوسف اور ان کا (حقیقی) بھائی ہمارے باپ کو بہت پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔ بیشک ہمارا باپ کھلی غلطی پر ہے۔ (اب ایک ہی صورت ہے کہ) یا تو یوسف کو قتل کر ڈالو یا اس کو کہیں (دور دراز ملک میں) پھینک آؤ، تاکہ باپ کی توجہ خاص تمہاری ہی طرف ہو جائے اور اس کے بعد پھر نیک جماعت بن کر رہنا (یعنی توبہ کر لینا)۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اگر تم کو یہی کرنا ہے تو یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ اس کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دو تاکہ کوئی راہ گیر (قافلے والا) اس کو نکال کر لے جائے۔

عُصْبَةٌ: عصبہ اور اور عصابہ دونوں اسم جمع ہیں۔ ان کا واحد نہیں آتا اور یہ دس سے چالیس تک کی جماعت پر بولے جاتے ہیں۔ (لسان العرب ۶۰۵ / ۱)

اِطْرَحُوْهُ: تم اس کو ڈال دو۔ تم اس کو پھینک دو۔ طَرْحٌ سے امر۔

غَيٰبَتِ: کنوئیں کی گہرائی۔ ہر اس چیز کو غَیَابَہ کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپا لے اور غائب کر

دے۔ اسی لئے قبر کو بھی غیابہ کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۱۹ / ۵)

اَلْجُبِّ: گہرا کنواں۔ ایسا کنواں جس کی من بنی ہوئی نہ ہو۔

یَلْتَقِطْهُ: وہ اس کو نکال لے جائے گا۔ وہ اس کو اٹھالے گا۔ یہ لقطہ سے بنا ہے۔ لقطہ اس گری پڑی چیز کو کہتے ہیں جو کسی کو طلب کے بغیر مل جائے

سَیَّارَۃِ: کاروان۔ قافلہ۔ سَیْرٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: حضرت یوسف کے بھائی آپس میں کہنے لگے کہ ہمارے والد، ہم لوگوں کے مقابلے میں یوسف اور بنیامین سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں حالانکہ ہم تعداد میں دس ہیں اور ان سے بڑے ہیں، گھر کے کام کاج سنبھالنے کی طاقت و قدرت رکھتے ہیں، جبکہ یہ دونوں تو ابھی بچے اور ناسمجھ ہیں اور کوئی کام بھی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان کے مقابلے میں والد صاحب کو ہم سے زیادہ محبت کرنی چاہیئے تھی۔ مگر وہ تو صریح غلطی اور ناانصافی کر رہے ہیں۔ بس اب ایک کام کرنا چاہیئے کہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری، حضرت یوسف کا قصہ ہی تمام کر دو، نہ یہ ہوگا اور نہ ہماری راہ کا کانٹا بنے گا۔ پھر باپ کی پوری محبت و توجہ ہماری طرف ہو جائے گی۔

یوسف کو راستے سے ہٹانے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اسے قتل کر ڈالو یا کہیں دور دراز جگہ پھینک آؤ، جہاں سے واپس نہ آسکے۔ یہ کام کر کے توبہ کے ذریعہ نیک و صالح بن جانا۔ اللہ معاف کرنے والا ہے۔ یہ سن کر ان میں سے ایک (غالباً سب سے بڑے بھائی) نے مشورہ دیا کہ یہ تو سراسر ناانصافی ہے۔ کسی وجہ اور قصور کے بغیر صرف عداوت کی بنا پر خونِ ناحق گردن پر لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

اللہ کی مرضی اور حکمت یہ تھی کہ حضرت یوسفؑ قتل نہ ہوں، ان کو نبوت و بادشاہت عطا کی جائے اور ان کے بھائیوں کو حضرت یوسف کے سامنے عاجز و بے بس کر کے لائے۔ چنانچہ بھائی کی گفتگو سن کر ان کے دل نرم ہو گئے اور طے یہ ہوا کہ ان کو قتل کرنے کے بجائے کسی غیر آباد کنوئیں کی تہہ میں ایسی جگہ ڈال دیا جائے جہاں وہ زندہ رہے تاکہ کوئی گزرنے والا قافلہ جب وہاں آئے تو اسے نکال کر اپنے ساتھ لے جائے۔ اس طرح اس کا باپ ہی کٹ جائے گا اور تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ (ابن کثیر ۴۶۹، ۴۷۰ / ۲)

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی درخواست

۱۱، ۱۲۔ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مَا لَکَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝

انہوں نے کہا کہ اے ہمارے باپ! کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ ہم (دل و جان سے) اس کے خیر خواہ ہیں۔ کل آپ اس کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ وہ خوب کھائے اور کھیلے اور البتہ ہم اس کے محافظ ہیں۔

تَاْمَنَّا: تو ہمیں امین بناتا ہے۔ تو ہمارا اعتبار کرتا ہے۔ اَمْنٌ و اَمَانَۃٌ سے مضارع۔

یَرْتَعْ: وہ خوب کھاتا ہے۔ وہ مزے اڑاتا ہے۔ رَتْعٌ و رُتُوْعٌ سے مضارع۔

تشریح: بھائی کے مشورہ کو قبول کرتے ہوئے سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ حضرت یوسف کو لیجا کر کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال آئیں۔ چنانچہ وہ اپنی سازش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے باپ کے پاس آنے اور کہنے لگے کہ آخر کیا بات ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمیں امین نہیں جانتے؟ ہم تو اس کے بھائی ہیں۔ ہم سے زیادہ اس کا خیر خواہ کون ہو سکتا ہے۔ کل اس کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے بھیج دیجئے تاکہ وہ بھی ہمارے ساتھ خوب کھائے پئے، دو گھڑی کھیل کود لے اور ہنس بول لے۔ آپ اطمینان رکھئے، ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جائز حدود کے اندر رہتے ہوئے کھیل کود اور سیر و تفریح جائز و مباح ہے۔ صحیح احادیث سے بھی اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ اس کھیل کود میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے اور نہ کسی ناجائز فعل کو اس کے ساتھ ملایا جائے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۱ / ۵)

حضرت یعقوبؑ کا اندیشہ

۱۳، ۱۴۔ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ

اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ○

حضرت یعقوب نے کہا کہ مجھے یہ بات (ہی) غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور مجھے (یہ بھی) خوف ہے کہ کہیں تم اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، اگر پھر بھی اس کو بھیڑیا کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی گئے گزرے ہوئے۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو جواب میں دو باتیں کہیں۔ ایک بات تو یہ کہی کہ اگر تم یوسف کو لے جاؤ گے تو مجھے اس کی اتنی دیر کی جدائی بھی شاق گزرے گی اور مجھے صبر و قرار نہ آئے گا۔ یہاں حزن سے وہ قلبی دکھ مراد ہے جو محب کو محبوب کے فراق سے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہی کہ مجھے اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ تم تو کھانے پینے، کھیل کود اور سیر و تفریح میں مشغول ہو کر اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ گے۔ اس کی حفاظت نہ کر سکو گے اور بھیڑیا آکر اس کو کھا جائے گا۔ انہوں نے حضرت یعقوبؑ کی اس بات کو لے لیا اور دماغ میں بسا لیا کہ یہی ٹھیک عذر ہے۔

حضرت یعقوب کو بھیڑیئے کا اندیشہ یا تو اس وجہ سے ہوا کہ کنعان میں بھیڑیوں کی کثرت تھی یا اس وجہ سے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ کسی پہاڑی کے اوپر ہیں اور یوسف علیہ السلام نیچے اس کے دامن میں ہیں۔ اچانک دس بھیڑیوں نے ان کو گھیر لیا اور ان پر حملہ کرنا چاہا مگر ایک بھیڑیئے نے مدافعت کر کے چھڑا دیا۔ پھر حضرت یوسفؑ زمین کے اندر چھپ گئے۔

اس خواب کی تعبیر بعد میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ دس بھیڑیئے تو ان کے دس بھائی تھے جنہوں نے سازش کی تھی۔ جس بھیڑیئے نے ان کو ہلاکت سے بچایا وہ ان کا بڑا بھائی تھا اور زمین میں چھپ جانے سے مراد کنوئیں کی گہرائی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت یعقوب کو اس خواب کی بنا پر خود ان کے بھائیوں سے خطرہ تھا، انہی کو بھیڑیا کہا تھا مگر مصلحت کی بنا پر پوری بات ظاہر نہیں فرمائی۔

بیٹوں نے حضرت یعقوب کے اندیشے کے جواب میں کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم دس کے دس یوسف سے غافل ہو جائیں۔ اگر ہم دس آدمی بھی یوسف کی حفاظت نہ کر سکیں اور ہمارے ہوتے ہوئے بھیڑیا ان کو کھا جائے تو ہم تو بالکل ہی بدنصیب اور نامراد و ناکارہ ہوئے۔

(مظہری ۱۴۶/ ۵، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۱، ۲۲/ ۵)

حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالنا

۱۵۔ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

پھر جب وہ اس (حضرت یوسف) کو اپنے ساتھ لے گئے اور انہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ اس کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے (یوسف کی تسلی کے لئے) اس کی طرف وحی کی کہ البتہ ایک دن تو ضرور ان کو ان کے اس کام (بد سلوکی) کی خبر دے گا۔ اور ان کو (اس بات کا) شعور بھی نہ ہو گا۔

تشریح: آخر انہوں نے باپ کو راضی کر لیا اور وہ حضرت یوسف کو لے کر چلے گئے جنگل میں جا کر انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ وہ حضرت یوسف کو کسی غیر آباد کنوئیں میں ڈال دیں حالانکہ وہ حضرت یوسف کو باپ سے یہ کہہ کر لائے تھے کہ وہ اس کا دل بہلائیں گے، اس کو خوش رکھیں گے اور اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ پھر خود ہی ان کے حق میں بھیڑیے بن گئے۔

پھر انہوں نے حضرت یوسفؑ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو کنوئیں میں لٹکا دیا۔ وہ بھائیوں سے فریاد کرتے رہے مگر کسی نے ان کی فریاد پر کان نہیں دھرا۔ جب وہ کنوئیں کے درمیان میں آدھے فاصلے پر پہنچے تو انہوں نے رسی کاٹ دی تاکہ حضرت یوسف گر کر ہلاک ہو جائیں۔ حضرت یوسف پانی میں گرے اور پھر ایک پتھر پر آکر کھڑے ہو گئے جو کنوئیں کے درمیان میں پڑا ہوا تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے اطمینانِ قلب کے لئے ان کو وحی کے ذریعہ اطلاع دی کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ آپ اپنے بھائیوں پر غالب آجائیں گے اور ان کو ان کے اس کرتوت پر تنبیہ کریں گے اور ان کو کچھ بھی خبر نہ ہو گی۔

ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا جب حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے بھائیوں کو پہچان لیا مگر بھائی حضرت یوسف کو نہ پہچان سکے۔ حضرت یوسف نے ایک پیالہ منگوایا اور اس کو اپنے ہاتھ پر رکھ کر اسے انگلی سے ٹھونکا۔ پھر کہا کہ یہ پیالہ تمہارے بارے میں کچھ بتا رہا ہے کہ تمہارا ایک سوتیلا بھائی تھا جس کا نام یوسف تھا۔ تمہارے مقابلے میں وہ باپ کے زیادہ قریب تھا۔ تم اسے

باپ کے پاس سے لے گئے اور اسے کنوئیں میں پھینک دیا۔ پھر تم اس کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر اپنے باپ کے پاس گئے اور اس کو کہا کہ تیرے لڑکے کو بھیڑیئے نے کھالیا ہے۔ پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ اس پیالے نے تو ہماری تمام باتیں بادشاہ کو بتادیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہی ہے وہ وحی جو آپ کو کنوئیں میں ہوئی تھی کہ تو ان کے اس کرتوت سے انہیں ان کی بے شعوری میں بتائے گا۔ (روح المعانی ۱۹۶، ۱۹۸ / ۱۲)

حضرت یعقوبؑ کے سامنے بھائیوں کا رونا

۱۶، ۱۸۔ وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۗ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۗ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۗ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

اور وہ سب عشاء کے وقت روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔ وہ کہنے لگے، اے ہمارے باپ! بیشک ہم سب تو ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے دوڑنے لگے اور ہم نے یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا سو اس کو ایک بھیڑیئے نے (آکر) کھالیا۔ اور آپ ہماری بات کا یقین کبھی نہیں کریں گے خواہ ہم کیسے ہی سچے (کیوں نہ) ہوں اور وہ اس کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لائے تھے۔ (حضرت یعقوب نے) کہا بلکہ تم نے اپنے دل سے یہ بات بنائی ہے۔ سو (اب) صبر ہی بہتر ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو ان پر اللہ ہی سے مدد کا طالب ہوں۔

يَبْكُوْنَ: وہ روتے ہیں۔ وہ آہ و زاری کرتے ہیں۔ بُکَاءٌ سے مضارع۔

اَلذِّئْبُ: بھیڑیا۔ جمع ذِئَابٌ۔

دَمٍ: لہو۔ خون۔ جمع دِمَاءٌ۔

سَوَّلَتْ: اس نے چکمہ دیا۔ اس نے فریب دیا۔ تَسْوِيْلٌ سے ماضی۔

تَصِفُوْنَ: تم بیان کرتے ہو۔ تم بناتے ہو۔ وَصْفٌ سے مضارع۔
صَبْرٌ جَمِیْلٌ: ایسا صبر جو خالص اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی ہونے کے لئے ہو۔
تشریح: عشاء کے وقت حضرت یوسفؑ کے بھائی روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے۔ عشاء کے وقت اندھیرے میں اس لئے آئے تاکہ حضرت یعقوب پر ان کا مکر و فریب ان کے چہروں سے ظاہر نہ ہو سکے۔ ان کی چیخ و پکار سن کر حضرت یعقوب نے باہر نکل کر ان سے پوچھا کہ کیا بکریوں پر کوئی افتادہ پڑ گئی ہے۔ پھر پوچھا کہ یوسف کا کیا حال ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہم تو آپس میں دوڑ لگانے لگ گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ سو ہماری غفلت کی وجہ سے اس کو بھیڑیئے نے آکر کھا لیا اور آپ کو چونکہ حضرت یوسف سے انتہائی محبت ہے اور ہم لوگوں سے بدگمانی ہے، اس لئے اگر ہم اپنی بات میں سچے بھی ہوں تب بھی یوسف کی محبت آپ کو یقین نہیں ہونے دے گی۔ یوں بھی آپ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شاید تم غافل ہو جاؤ اور اس کو بھیڑیا کھا جائے اور اتفاق سے ایسا ہی ہو گیا۔

وہ لوگ اپنی بات کو سچ ثابت کرنے کے لئے ایک بکری کے بچے کو ذبح کر کے حضرت یوسف کی قمیض کو اس کے خون میں رنگ کر لائے تھے۔ حضرت یعقوب نے اس قمیض کو دیکھ کر فرمایا کہ وہ بھیڑیا بڑا ہی دانا اور حکیم تھا کہ یوسف کو تو کھا گیا اور اس کے کرتے کو صحیح و سالم چھوڑ دیا۔ پھر فرمایا کہ بھیڑیئے نے تو یوسف کو نہیں کھایا بلکہ تم نے اپنی طرف سے یہ بات بنائی ہے۔ حقیقت میں یوسف ابھی زندہ ہے سو میرا کام تو اب صبرِ جمیل ہے۔ میں اپنے خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس صبر کرنے میں میری مدد فرمائے۔ (مواہب الرحمن ۱۸۶، ۱۸۹ / ۱۲)

حضرت یوسفؑ کو فروخت کرنا

۱۹، ۲۰۔ وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ○

اور ایک قافلہ (کنوئیں کی طرف) آنکلا سو انہوں نے پانی لانے کے لئے اپنا آدمی

(کنوئیں پر) بھیجا اور اس نے اپنا ڈول (کنوئیں میں) ڈالا ۔ وہ (حضرت یوسف کو دیکھ کر) کہنے لگا کہ کیا خوشی کی بات ہے ۔ یہ تو ایک لڑکا (نکل آیا) ہے اور اس نے (حضرت) یوسف کو تجارت کا مال سمجھ کر چھپا لیا اور اللہ خوب جانتا تھا جو کچھ وہ کر رہے تھے اور ان کو ان کے بھائیوں نے بہت ہی کم قیمت (یعنی) چند درہم کے بدلے بیچ دیا کیونکہ وہ سب ان (بھائی) سے بیزار تھے ۔

وَارِدٌ: وارد ہونے والا ۔ آنے والا ۔ وُرُوْدٌ سے اسم فاعل ۔

اَدْلٰی: اس نے ڈالا ۔ اس نے لٹکایا ۔ اِدْلَاءٌ سے ماضی ۔

دَلْوَہٗ: اس کا ڈول ۔ جمع دِلَاءٌ ۔

بِضَاعَۃٌ: سرمایہ ۔ پونجی ۔ تجارت کا مال ۔

ثَمَنٍ: دام ۔ قیمت ۔ مول ۔

بَخْسٍ: بہت کم ۔ ناقص ۔

تشریح: حضرت یوسف کے بھائی ان کو ایک گہرے کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے ۔ کہتے ہیں کہ حضرت یوسف تین روز تک کنوئیں میں پڑے رہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی ۔ ان کا بڑا بھائی روزانہ ان کو کنوئیں میں کھانا پہنچاتا تھا ۔ آخر ایک روز مدین سے مصر کو جانے والا ایک قافلہ ادھر سے گزرا ۔ انہوں نے کنواں دیکھ کر اپنے ایک آدمی کو پانی بھرنے کے لئے بھیجا ۔ اس آدمی نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو حضرت یوسف ڈول میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے اسے پکڑ لیا ۔ ڈول کھینچنے والا ان کو دیکھ کر خوشی سے پکار اٹھا کہ یہ تو نہایت حسین لڑکا ہے ۔ اچھی قیمت میں بکے گا ۔ پھر اس نے مالِ تجارت کے طور پر حضرت یوسف کو دوسرے قافلے والوں سے چھپا لیا کہ کہیں وہ اس میں شرکت کے دعویدار نہ بن جائیں ۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت یوسف کے معاملے کو چھپا لیا اور دوسرے لوگوں سے کہا کہ کنوئیں پر رہنے والوں نے ہمیں یہ لڑکا دیا ہے تاکہ مصر لیجا کر ہم ان کی طرف سے اسے فروخت کر دیں ۔ یہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے ، اللہ اس سے خوب واقف تھا ۔ ان کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں تھی ۔

پھر جب بھائیوں کو معلوم ہوا کہ قافلے والے حضرت یوسف کو نکال کر لے گئے تو انہوں نے قافلے والوں کے پاس پہنچ کر ان پر ظاہر کیا کہ وہ ان کا غلام ہے جو بھاگ کر آگیا ہے ۔ اس کو بھاگنے کی عادت ہے ۔ اس لئے ہم اسے رکھنا نہیں چاہتے ۔ تم چاہو تو اسے خرید سکتے ہو ۔ لیکن اس

کی سخت نگرانی رکھنا، کہیں بھاگ نہ جائے۔ پھر بھائیوں نے بہت تھوڑے سے داموں کے عوض ان کو فروخت کر دیا کیونکہ وہ ان سے اس قدر بیزار تھے کہ ان کو مفت بھی دے ڈالتے تو ان سے بعید نہ تھا۔ جو کچھ مل گیا اسی کو غنیمت جانا۔ (عثمانی ۶۶۷/۱، مواہب الرحمن ۱۹۱، ۱۹۳/ ۱۲)

عزیزِ مصر کا حضرت یوسف کو خریدنا

۲۱، ۲۲۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى
اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ۭ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي
الْاَرْضِ ۡ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۭ وَاللّٰهُ غَالِبٌ
عَلٰٓي اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ
اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور جس شخص نے ان کو مصر میں (اہلِ قافلہ) سے خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت سے رکھنا شاید (آگے چل کر) ہمارے کام آئے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر دینا سکھادیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے اور جب وہ (حضرت یوسف) اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گیا تو ہم نے اس کو علم و حکمت عطا کیا اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔

تشریح: حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کو اہلِ قافلہ کے ہاتھوں فروخت کر کے مطمئن ہو گئے اور یہ سمجھنے لگے کہ اب باپ کی تمام تر توجہ انہی کی طرف ہو گی۔ لیکن حضرت یعقوب، حضرت یوسف کے فراق میں روتے رہتے تھے۔ اس لئے ان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ ادھر حضرت یوسف جب اہلِ قافلہ کے ساتھ مصر پہنچے تو ان کو عزیزِ مصر نے خرید لیا۔ اللہ نے اس کے دل میں حضرت یوسف کی عزت و وقعت ڈال دی۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو غلاموں کی طرح نہ رکھنا بلکہ اچھی طرح عزت و احترام اور آرام و سکون سے رکھنا۔ یہ ہونہار ہے شاید ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اس کو حقیقت میں بیٹا بنالیں۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے حضرت یوسف کو بھائیوں کے ہاتھوں قتل ہونے سے بچا لیا اور کنوئیں سے صحیح و سالم نکلوایا اور عزیزِ مصر کو اس پر مہربان بنایا، اسی طرح ہم نے ملک مصر کی زمین پر ان کا قدم جما دیا اور مصر کی ساری پیداوار پر ان کو حاکم مقرر کر دیا تاکہ وہ وہاں عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرے اور اللہ کے احکام جاری کرے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نہیں روک سکتا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کی حکمت کی باریکیوں کو نہیں جانتے۔

پھر جب آپ کی عقل کامل ہو گئی اور جسمانی نشو و نما تمام ہو گئی اور آپ شباب کی انتہا اور قوت و شدت پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں، ہم نیک اور ہدایت یافتہ لوگوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں جیسے حضرت یوسف کو ایذا پر صبر و ثبات کے عوض دیا۔ (مظہری ۱۵۱، ۱۵۲ / ۵)

حضرت یوسفؑ کا امتحان

۲۳، ۲۴۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ○ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ○

اور جس عورت کے گھر میں (حضرت) یوسف رہتے تھے اس نے ان کو اپنے نفس کے بارے میں پھسلایا اور دروازہ بند کر کے کہنے لگی کہ بس آجاؤ۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی پناہ۔ بیشک وہ (تیرا شوہر) تو میرا آقا ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔ بے شک بے انصاف لوگ فلاح نہیں پاتے اور البتہ اس عورت نے اس حضرت یوسف سے ارادہ (بد) کر لیا تھا اور وہ (یوسف) بھی اس (عورت) سے ارادہ کر ہی لیتا اگر اس نے اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لی ہوتی۔ اسی طرح ہوا (ہم نے ان کو بچا لیا) تاکہ ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو دور

رکھیں۔ بیشک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھا۔

رَاوَدَتْهُ: اس (عورت) نے اس کو برائی کی ترغیب دی۔ اس نے اس کو پھسلایا۔ مُرَاوَدَةٌ سے ماضی۔

غَلَّقَتِ: اس (عورت) نے بند کر دیا۔ تَغْلِيْقٌ سے ماضی۔

هَيْتَ لَكَ: تو آجا۔ تو جلدی کر۔

هَمَّتْ: اس (عورت) نے ارادہ کیا۔ هَمٌّ سے ماضی۔

نَصْرِفَ: ہم دور کر دیں۔ ہم پھیر دیں۔ صَرْفٌ سے مضارع۔

تشریح: عزیزِ مصر نے آپ کو اپنی اولاد کی مانند رکھا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو بھی کہہ دیا تھا کہ ان کو نہایت عزت و اکرام سے رکھنا۔ لیکن اس عورت کی نیت میں فتور آگیا، وہ حضرت یوسف کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی۔ اس نے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے بناؤ سنگھار کر کے ان کو پھسلایا اور دروازہ بند کر کے حضرت یوسف کو اپنے قریب بلایا۔ حضرت یوسف نے جواب دیا کہ اس بری حرکت سے میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ بلاشبہ تیرا خاوند میرا سردار ہے۔ اس نے مجھ پر مہربانی کی ہے، مجھے اچھی طرح رکھا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اس کی خیانت کروں۔ بلاشبہ ظالم و بے انصاف لوگ فلاح نہیں پاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت نے تو حضرت یوسف کو پھانسنے کی کوشش کی مگر انہوں نے عورت کا داؤ نہیں چلنے دیا، اگر حضرت یوسف نے اپنے رب کی روشن دلیل کو نہ دیکھا ہوتا تو ثابت قدم رہنا مشکل تھا۔ بعض مفسرین نے "وَهَمَّ بِهَا" کو "وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ" سے علیحدہ کر کے "لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ" سے متعلق کیا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ عورت نے تو حضرت یوسف کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف بھی عورت کا ارادہ کر لیتے، اگر وہ اپنے پروردگار کی قدرت و حجت کو نہ دیکھ لیتے۔ بعض نے لفظ "وَهَمَّ" کو میلان و رغبت کے معنی میں لیا ہے، یعنی حضرت یوسف کے دل میں کچھ فطری رغبت و میلان بے اختیار پیدا ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اس کو اپنے عزم سے روکا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے اس وقت اسے ایک دلیل دکھا کر برائی سے بچا لیا، اسی طرح اس کے دوسرے کاموں میں بھی اس کی مدد کرتے رہے اور اسے برائیوں اور بے حیائیوں سے

بچاتے رہے کیونکہ وہ ہمارا برگزیدہ اور مخلص بندہ تھا۔

(ابن کثیر ۴۷۳،۵۰۴/ ۲، عثمانی ۶۶۹ / ۱)

حضرت یوسف ؑ کا دروازے کی طرف بھاگنا

۲۵، ۲۶۔ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا
الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ
اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ
شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○

اور (جب یوسف بھاگ کر جانے لگے) وہ دونوں دروازے تک دوڑتے گئے اور عورت نے پیچھے سے اس کا کرتہ پھاڑ ڈالا اور دونوں نے (اتفاقاً) اس عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس (کھڑا) پایا۔ (پیش بندی کے طور پر) وہ عورت کہنے لگی کہ جو شخص تیرے اہل کے ساتھ برا ارادہ کرے، اس کی تو یہی سزا ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے یا دردناک عذاب دیا جائے۔ (حضرت) یوسف نے کہا کہ یہ خود ہی مجھے پھسلا رہی تھی اور (اس موقع پر) اس عورت کے خاندان میں سے ایک دیکھنے والے نے یہ شہادت دی کہ اگر اس کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو وہ سچی اور یہ (یوسف) جھوٹا۔ اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی اور وہ (یوسف) سچا۔

قَدَّتْ: اس (عورت) نے پھاڑ دیا۔ قَدٌّ سے ماضی۔

اَلْفَيَا: ان دونوں نے پایا۔ اِلْفَاءٌ سے ماضی۔

لَدَا: پاس۔ نزدیک۔ طرف۔ اسم ظرف ہے۔

تشریح: پھر حضرت یوسفؑ اپنے آپ کو بچانے کے لئے دروازے کی طرف دوڑے اور وہ عورت ان کو پکڑنے کے ارادے سے ان کے پیچھے پیچھے بھاگی۔ حضرت یوسف کے کرتے کا کچھ حصہ

اس کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے زور سے اپنی طرف کھینچا۔ جس سے حضرت یوسف کا توازن خراب ہو گیا لیکن انہوں نے بھی آگے کی طرف زور لگا کر دوڑ جاری رکھی، جس کے نتیجہ میں کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا۔ اس دوران دونوں دروازے پر پہنچ گئے جہاں عورت کا خاوند موجود تھا۔ جس کو دیکھتے ہی عورت نے سارا الزام حضرت یوسف کے سر تھوپ دیا اور اپنی پاکبزگی بیان کرنے لگی۔ اپنے شوہر کو حضرت یوسف کے خلاف بھڑکانے کے لئے اس نے کہا کہ جس شخص نے آپ کی بیوی سے برے کام کا ارادہ کیا ہو اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ یا تو اس کو قید کر دیا جائے یا اس کو کوئی دردناک سزا دی جائے۔

حضرت یوسفؑ نے اپنی آبرو خطرے میں دیکھ کر خیانت کی بدترین تہمت سے بچنے کے لئے صاف صاف کہہ دیا کہ حقیقت یہ ہے کہ یہی میرے پیچھے پڑی تھی۔ میرے بھاگنے پر بھی مجھے پکڑ رہی تھی یہاں تک کہ میرا کرتہ بھی پھاڑ دیا۔ پھر عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اور ثبوت اور دلیل کے ساتھ ان سے کہا کہ پھٹے ہوئے پیرہن کو دیکھ لو کہ اگر وہ سامنے کی طرف سے پھٹا ہوا ہے تو ظاہر ہے کہ عورت سچی ہے اور یہ جھوٹا ہے۔ کرتے کا آگے سے پھٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ (معاذ اللہ) یوسف نے دست درازی کی تھی اور زلیخا نے اس کو دفع کرنے کی کوشش کی۔ اسی کشمکش میں کرتہ سامنے سے پھٹ گیا اور اگر یوسف کا کہنا صحیح ہے کہ عورت اس کو اپنی طرف بلاتی تھی اور وہ دروازے کی طرف بھاگا اور زلیخا نے اس کا تعاقب کیا تو ظاہر ہے وہ کرتہ پیچھے سے پکڑ کر کھینچے گی جس کے نتیجہ میں کرتہ پیچھے ہی سے پھٹے گا۔

(ابن کثیر ۲/۴۷۵، عثمانی ۱/۶۷۱)

عزیز مصر کی صاف گوئی

۲۸، ۲۹۔ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ○ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ○

پھر جب (عزیز مصر نے) اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو (عورت سے) کہنے لگا کہ بیشک یہ تم عورتوں کا مکر ہے۔ بیشک تمہارا مکر بہت عظیم ہے۔ اے

یوسف! اس معاملے کو جانے دو اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ بے شک تو ہی خطا کار ہے۔

تشریح: مذکورہ بالا تجویز کے مطابق جب زلیخا کے شوہر نے حضرت یوسف کے کرتے کو دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ یوسف سچا ہے اور اس کی بیوی جھوٹی ہے اور وہ یوسف پر تہمت لگا رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی بیوی کو مخاطب کر کے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ تو تیرا مکر و فریب ہے۔ عموماً عورتیں ایسا ہی کیا کرتی ہیں۔ تم اس نوجوان پر تہمت باندھ رہی ہو اور اس پر جھوٹا الزام رکھ رہی ہو۔ پھر اس نے حضرت یوسف سے کہا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب اس واقعہ کو بھول جائیے۔ آئندہ کبھی اس کا ذکر نہ کرنا کہ یہ سخت رسوائی اور بدنامی کا موجب ہے۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ یقیناً تو ہی قصور وار ہے۔

(ابن کثیر ۶ ۴ ۲)

شہر کی عورتوں کی حیلہ جوئی

۳۰-۳۲۔ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ز وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۞ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۞

اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیزِ مصر کی بیوی اپنے غلام (یوسف) کو اپنی خواہش نفس کی طرف مائل کرنا چاہتی ہے، اس کا دل اس کی محبت میں فریفتہ ہو گیا ہے۔ بیشک ہم تو اس کو صریح غلطی پر دیکھتے ہیں۔ پھر جب عزیز کی بیوی نے ان عورتوں کی مکاری کی باتیں سنیں تو ان کو بلا بھیجا اور ان کے واسطے

مسندیں تیار کیں اور (پھل تراشنے کے لئے) ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی اور (یوسف کو) کہا کہ (ذرا) نکل کر ان کے سامنے آجاؤ۔ پھر جب عورتوں نے اس (یوسف) کو دیکھا تو (اس کے جمال سے) حیران رہ گئیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہا کہ اللہ کی پناہ! یہ بشر نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ وہ عورت کہنے لگی کہ یہی تو (یوسف) ہے جس کے لئے تم نے مجھے ملامت کی تھی اور بیشک میں نے اس کو اس کے نفس کے بارے میں پھسلایا لیکن وہ بچا رہا اور اگر وہ میرا کہنا نہ مانے گا تو ضرور اس کو قید کر دیا جائے گا اور یہ ضرور بے عزت ہوگا۔

تُرَاوِدُ: وہ پھسلاتی ہے۔ وہ بہلاتی ہے۔ وہ اکساتی ہے۔ مُرَاوَدَۃٌ سے مضارع۔

فَتٰھَا: اس (عورت) کا خادم۔ اس کا غلام۔ جمع فِتْیَانٌ۔

حَاشَ لِلّٰہِ: اللہ کی پاکی، اللہ کی پناہ۔ توبہ توبہ، سبحن اللہ، کلمہ تعجب ہے۔ تنزیہ و براءت کے لئے آتا ہے (نسفی ۲۲۰/۱)

شَغَفَھَا: اس نے اس کے دل میں جگہ کر لی۔ وہ اس کے دل میں اتر گیا۔ شَغْفٌ سے ماضی۔

مُتَّکَاً: تکیہ لگانے کی جگہ۔ سہارا لگانے کی جگہ۔ اِتِّکَاءٌ سے اسم ظرف۔

سِکِّیْنًا: چھری۔ چاقو۔ جمع سَکَاکِیْنُ۔

اَکْبَرْنَهٗ: ان (عورتوں) نے اس کو بہت بڑا سمجھا۔ وہ حیران رہ گئیں۔ اِکْبَارٌ سے ماضی۔

لُمْتُنَّنِیْ: تم (عورتوں) نے مجھے ملامت کی۔ لَوْمٌ سے ماضی۔

اِسْتَعْصَمَ: اس نے تھامے رکھا۔ اس نے بچائے رکھا۔ اِسْتِعْصَامٌ سے ماضی۔

یُسْجَنَنَّ: وہ ضرور قید کیا جائے گا۔ سَجْنٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: جب زلیخا کے مکر و فریب کی خبر شہر میں پھیلی تو کچھ عورتوں نے کہنا شروع کر دیا کہ دیکھو عزیزِ مصر کی بیوی ہوتے ہوئے ایک غلام پر جان دے رہی ہے اور یوسف کی محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔ بلاشبہ زلیخا صریح غلطی میں پڑی ہوئی ہے۔ وہ سیدھے راستے سے بھٹک گئی ہے اور اس نے پاک دامنی کو چھوڑ دیا ہے۔

پھر زلیخا کو ان کی پر فریب باتوں کا پتہ چل گیا۔ بظاہر عورتوں کی گفتگو کو مکر اس لئے کہا

گیا کہ وہ مکاروں کی طرح چھپ چھپ کر باتیں کرتی تھیں اور زلیخا پر طعن کرنے سے ان کا مقصد اپنی پارسائی جتانا تھا حالانکہ حضرت یوسف کے دیدار کا شوق ان کے دل میں چٹکیاں لے رہا تھا۔ اس مکر و فریب اور حیلہ جوئی سے ان کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح زلیخا ان کو بلوا کر حضرت یوسف کا دیدار کرادے۔ چنانچہ اس نے اپنی مجبوری اور مصلحت کے پیش نظر اور ان کے حیلے اور چال کو سمجھتے ہوئے اسی وقت ان کو بلاوا بھیجا کہ فلاں وقت میرے ہاں دعوت ہے۔

پھر اس نے ان کے لئے کھانے پینے کی ایک مجلس مرتب کی جس میں بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں۔ جب وہ عورتیں اس کے پاس آگئیں تو زلیخا نے ہر ایک کو ایک ایک تیز چھری دے دی تاکہ کھانے کی چیزوں کو کاٹنے میں کسی کو انتظار نہ کرنا پڑے۔ پھر زلیخا نے حضرت یوسف کو آواز دے کر وہاں بلایا جو اس وقت دوسرے کمرے میں تھے۔ حضرت یوسف کا نکلنا تھا کہ بجلی سی کوند گئی اور تمام عورتیں حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھتے ہی ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور مدہوشی کے عالم میں چھریوں سے پھلوں کی جگہ اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور ان کو تکلیف کا بھی احساس نہیں ہوا اس پر زلیخا نے کہا کہ دیکھا حضرت یوسف کی ایک ہی جھلک نے تمہیں ایسا از خود رفتہ کر دیا تو بتاؤ میرا کیا حال ہو گا۔ عورتوں نے جواب دیا کہ واللہ یہ انسان نہیں بلکہ فرشتہ ہے اور وہ بھی بڑے رتبے والا۔ آج کے بعد ہم تمہیں کبھی ملامت نہیں کریں گے۔

ابن جریر، حاکم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس رات مجھے آسمان کی طرف لیجایا گیا (شب معراج میں) میں نے دیکھا کہ یوسف چودھویں کے چاند کی طرح تھے۔ عکرمہؒ کا قول ہے کہ حسن میں یوسف کی دوسرے لوگوں پر برتری ایسی تھی جیسے ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کی۔

پھر زلیخا نے ان عورتوں سے کہا کہ یہی وہ کنعانی غلام ہے جس کی محبت کے بارے میں تم نے مجھے برا بھلا کہا تھا ہر چند میں نے اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا لیکن یہ میرے قبضے میں نہیں آیا۔ جہاں اس میں بے مثال ظاہری حسن و جمال ہے وہیں اس میں عصمت و عفت کی باطنی خوبی بھی بے نظیر ہے۔ اگر یہ میری بات نہ مانے گا تو یقیناً اسے قید کر دیا جائے گا۔ اور یہ ضرور ذلیل و خوار ہو گا

(عثمانی ۲/۲۷، مظہری ۵/۱۵۹،۱۵۷)

حضرت یوسف کی دعاء

۳۳، ۳۴قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ○ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ○

(حضرت) یوسف نے دعاء کی، اے میرے رب! مجھے تو اس (واہیات) کام سے قید بہتر ہے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اور اگر تو ان کا فریب مجھ سے دور نہ کرے گا تو (مجھے خوف ہے) کہیں میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور میں نادانوں میں سے ہو جاؤں۔ سو اللہ نے اس کی دعاء قبول کر لی اور اس سے ان کا فریب دور کر دیا۔ بیشک وہ (دعاؤں کا) بڑا سننے والا (اور ان کے احوال کا) خوب جاننے والا ہے۔

تَصْرِفْ: تو پھیرے گا۔ تو دفع کرے گا۔ صَرْفٌ سے مضارع۔

اَصْبُ: میں جھک جاؤں گا۔ میں مائل ہو جاؤں گا۔ صُبُوٌّ و صَبْوَةٌ سے مضارع

تشریح: پھر حضرت یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے اللہ! جس بات کی طرف یہ عورتیں مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل جانا پسند ہے۔ اگر تو نے مجھے ان کے بد ارادوں اور مکر و فریب سے محفوظ نہ رکھا تو ایسا نہ ہو کہ میں کسی برائی میں پھنس جاؤں۔ اے اللہ! مجھے اپنے کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ تیری مدد اور تیرے رحم و کرم کے بغیر نہ تو میں کسی گناہ سے رک سکتا ہوں اور نہ کوئی نیک عمل کر سکتا ہوں۔ اے اللہ تو مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کرنا کہ میں ان عورتوں کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمالی اور ان کو عورتوں کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا۔ بلاشبہ وہ دعاؤں کو سننے والا اور لوگوں کے احوال و مصالح کو خوب جاننے والا ہے۔ (ابن کثیر ۴۷۷/ ۲)

حضرت یوسفؑ کو قید کرنا

۳۵، ۳۶۔ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ٥
وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ
خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا
تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ
٥

پھر (یوسف کی پاکی کی) نشانیاں دیکھنے کے باوجود ان کو یہی بہتر معلوم ہوا کہ ان کو ایک مدت تک قید میں رکھیں اور ان کے ساتھ دو جوان (بھی) قید خانہ میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک کہنے لگا کہ میں (خواب میں) دیکھتا ہوں کہ میں (انگور سے) شربت نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں جس میں سے پرندے کھا رہے ہیں (اے یوسف) تو ہمیں اس کی تعبیر بتا۔ بیشک ہم تمہیں نیک سمجھتے ہیں۔

بَدَا لَهُمْ: وہ ان پر ظاہر ہو گیا۔ وہ ان پر کھل گیا۔ بَدْوٌ سے ماضی۔

حِيْنٍ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

اَعْصِرُ: میں نچوڑتا ہوں۔ عَصْرٌ سے مضارع۔

خُبْزًا: روٹی۔ نان۔

تشریح: پھر جب حضرت یوسفؑ کی پاک دامنی کا راز سب پر کھل گیا تو ان لوگوں نے حضرت یوسف کی برأت کی تمام نشانیاں دیکھنے کے باوجود یہی طے کیا کہ ان کو کچھ دن کے لئے قید کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ حضرت یوسف ہی قصور وار تھے، عورت کی اس میں کوئی خطا نہ تھی۔ اس طرح زلیخا نے حضرت یوسف کو قید کرنے کی جو دھمکی دی تھی اسے پورا کر کے چھوڑا۔

حضرت یوسفؑ کے ساتھ قید خانے میں دو نوجوان اور بھی داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک بادشاہ کا باورچی اور دوسرا ساقی تھا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو کھانے پینے میں زہر دینے کی سازش کی تھی۔ قید خانے میں حضرت یوسف کی راست گوئی، حسنِ خلق، کثرتِ

عبادت، تلاوت و حسنِ سلوک اور خواب کی صحیح تعبیر دینے کا چرچا تھا۔ یہ دونوں شاہی ملازم بھی حضرت یوسف سے بہت مانوس ہو گئے اور اظہارِ محبت کرنے لگے۔ ایک دن دونوں نے حضرت یوسف سے اپنا اپنا خواب بیان کیا۔ ان میں سے ایک نے جو بادشاہ کو پانی پلاتا تھا کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں نے انگور نچوڑ کر پیالہ بھرا اور بادشاہ کو پلا دیا۔ دوسرے نے جو باورچی تھا کہا کہ میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے ان میں سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ آپ ہم میں سے ہر ایک کے خواب کی تعبیر بتلایئے کیونکہ ہمارے خیال میں آپ صحیح تعبیر دینے والے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں ہم پر بھی احسان کیجئے اور ہمیں صحیح تعبیر بتا دیجئے۔

(عثمانی ۳۷،۶۷۴ ،۱/۶۷، مظہری ۱۶۰، ۱۶۲ /۵)

حضرت یوسف کا اعلانِ توحید

۳۷، ۳۸۔ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

(حضرت یوسف نے) کہا کہ جو کھانا تمہیں دیا جاتا ہے وہ آنے نہ پائے گا کہ میں اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا۔ یہ تعبیر دینا بھی اس علم کی بدولت ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔ بیشک میں نے اس قوم کا مذہب ترک کر دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں اور میں نے تو اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کے دین کو اختیار کر رکھا ہے۔ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں یہ ہم پر اور عام لوگوں پر اللہ کا ایک فضل ہے لیکن اکثر لوگ (اس نعمت کا)

شکر (ادا) نہیں کرتے۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے خوابوں کی صحیح تعبیر میں جانتا ہوں اور بہت جلد میں تمہیں بتا دوں گا۔ روزمرہ کا جو کھانا تمہارے لئے تمہارے گھروں یا جیل خانے کے مطبخ سے آتا ہے، اس کے آنے سے پہلے ہی تمہیں اپنے خوابوں کی حقیقت اور کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اس سے پہلے میں تمہیں ایک ضروری بات بتاتا ہوں۔ یاد رکھو! میں کوئی کاہن یا منجم نہیں بلکہ میرے علم کا سرچشمہ وحی اور الہامِ ربانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وجہ سے عطا فرمایا ہے کہ میں نے ان لوگوں کا دین اختیار نہیں کیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور خصوصیت کے ساتھ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ میں تو اپنے باپ دادا حضرت ابراہیم واسحاق و یعقوب علیہم السلام کے دین کی اتباع کرتا ہوں۔ ہمیں کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ یہ توحید اور خدا کی وحدانیت کی گواہی اللہ کا خاص فضل و مہربانی ہے جس میں ہم تنہا نہیں بلکہ اللہ کی اور مخلوق بھی شامل ہے۔ البتہ ہمیں یہ فضیلت حاصل ہے کہ ہمارے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے جو ہم دوسرے لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں لیکن اکثر لوگ اللہ کی اس نعمت کی ناشکری اور ناقدری کرتے ہیں جو اس نے ان کے پاس اپنا رسول بھیج کر ان پر انعام فرمائی۔ (ابن کثیر ۴۷۸ / ۲، مظہری ۱۶۲، ۱۶۳ / ۵)

حضرت یوسفؑ کی تبلیغ

۳۹، ۴۰۔ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا چند متفرق معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ (بہتر ہے) جو زبردست ہے۔ تم اللہ کو چھوڑ کر محض چند ناموں کی عبادت کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی

سند نازل نہیں کی۔ اللہ کے سوا کسی کو حکم دینے کا اختیار نہیں۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اَرْبَابٌ: بہت سے رب۔ بہت سے معبود۔ واحد رَبٌّ۔

اَلْقَیِّمُ: درست۔ سیدھا۔

تشریح: اے میرے قید خانے کے ساتھیو! ایک ایسا خدا جو سب پر غالب اور ہر چیز پر قادر ہے۔ جس کے سامنے تمام مخلوق عاجز و بے بس ہے اور جس کا کوئی شریک و ساتھی نہیں، وہ بہتر ہے یا تمہارے وہ خیالی معبود بہتر ہیں جن کو تم پوجتے ہو اور جو ہر طرح سے عاجز و بے بس ہیں۔ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر جن بے حقیقت معبودوں کو پوجتے ہو وہ تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے گھڑے ہوئے ہیں۔ اللہ نے ان کے وجود یا ان کے عبادت کے لائق ہونے کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا۔ اسی نے یہ حکم دیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو سو تم بھی اسی حکم پر عمل کرو۔ یہ توحید ہی سیدھا دین ہے۔ اس میں کسی قسم کی کجی نہیں لیکن اکثر لوگ توحید و شرک کا فرق نہیں جانتے اسی لئے وہ شرک کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں۔

دونوں قیدیوں کے خواب کی تعبیر

۴۱، ۴۲۔ **يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝**

اے میرے قید خانے کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو (جرم سے بری ہو کر) اپنے آقا کو (بدستور) شراب پلایا کرے گا اور دوسرا (مجرم قرار پاکر) سولی پر لٹکایا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر سے کھائیں گے۔ جس امر کے بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقدر ہو چکا ہے۔ اور ان دونوں شخصوں میں سے جس

کے بارے میں یوسف نے گمان کیا تھا کہ وہ رہائی پائے گا، اس سے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کرنا، سو اس کو شیطان نے اپنے آقا کے سامنے ذکر کرنے سے غافل کر دیا۔ پھر چند برس تک یوسف قید خانے میں بند رہے۔

نَاجٍ: نجات پانے والا۔ رہائی پانے والا۔ نَجَاۃٌ سے اسم فاعل۔

لَبِثَ: وہ رہا۔ وہ ٹھہرا۔ لَبْثٌ سے ماضی۔

بِضْعَ: چند۔ کئی۔ یہ لفظ تین سے نو تک کے عددوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

سِنِيْنَ: سال۔ برس۔ واحد سَنَۃٌ۔

تشریح: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دونوں ساتھی قیدیوں کو تبلیغ دین کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر واضح طور پر بتانے کی بجائے قدرے مبہم انداز میں بتائی تاکہ ان میں سے ایک رنجیدہ نہ ہو جائے اور موت سے پہلے اس پر موت کا بوجھ نہ پڑ جائے۔ چنانچہ حضرت یوسف نے فرمایا کہ تم دونوں میں سے ایک تو بادشاہ کو شراب پلانے پر مقرر ہو جائے گا۔ (یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے جس نے اپنے آپ کو انگور نچوڑ کر بادشاہ کو پلاتے ہوئے دیکھا تھا) اور دوسرے کو سولی دے دی جائے گی یعنی جس نے اپنے سر پر روٹیاں دیکھی تھیں اس کو سولی دے دی جائے گی اور پرندے اس کا گوشت نوچ کر کھائیں گے۔ پھر فرمایا کہ اب یہ ہو کر ہی رہے گا کیونکہ جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ کی جائے وہ معلق رہتا ہے اور جب تعبیر ہو جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے۔

خواب کی تعبیر کے مطابق حضرت یوسف نے جس آدمی کو یہ سمجھا کہ وہ جیل سے آزاد ہونے والا ہے، اس کو اس کے ساتھی سے پوشیدہ طور پر فرمایا کہ بادشاہ کے سامنے ذرا میرا بھی ذکر کر دینا، لیکن شیطان نے اس کو وہ بات بھلا دی اور وہ بادشاہ کے سامنے اس کا ذکر کرنا بھول گیا۔ سو حضرت یوسف کو کئی سال تک قید خانہ ہی میں رہنا پڑا۔ (ابن کثیر ۴۷۹/ ۲)

بادشاہ کا خواب

۴۳، ۴۶۔ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ

اَحۡلَامٍ ۚ وَمَا نَحۡنُ بِتَاۡوِيۡلِ الۡاَحۡلَامِ بِعٰلِمِيۡنَ ۝ وَقَالَ الَّذِىۡ نَجَا مِنۡهُمَا وَادَّكَرَ بَعۡدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمۡ بِتَاۡوِيۡلِهٖ فَاَرۡسِلُوۡنِ ۝ يُوۡسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيۡقُ اَفۡتِنَا فِىۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاۡكُلُهُنَّ سَبۡعٌ عِجَافٌ وَّسَبۡعِ سُنۡۢبُلٰتٍ خُضۡرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّىۡۤ اَرۡجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ۝

اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور سات خشک۔ اے سردارو! اگر تمہیں (خواب کی) تعبیر دینی آتی ہے تو تم میرے خواب کے بارے میں مجھے بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ (یہ تو) پریشان خیالات ہیں اور ہم ایسے خیالات کی تعبیر نہیں بتاتے اور وہ شخص جو ان (مذکورہ) دو قیدیوں میں سے بچ گیا تھا اور جس کو ایک مدت کے بعد (اپنا وعدہ) یاد آیا وہ کہنے لگا کہ میں تمہیں اس کی تعبیر بتاتا ہوں پس تم مجھے ذرا (قید خانے تک) جانے دو۔ (اس نے قید خانے میں جاکر کہا) اے سچے یوسف، ہمیں اس کی تعبیر بتا کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز بالیں ہیں اور سات خشک۔ تاکہ میں لوگوں کے پاس لوٹ کر جاؤں کہ انہیں بھی (یہ تعبیر) معلوم ہو جائے۔

سِمَانٍ: موٹی۔ واحد سَمِيۡنٌ۔
عِجَافٌ: لاغر۔ دبلی۔ واحد اَعۡجَفُ۔
سُنۡۢبُلٰتٍ: بالیں۔ خوشے۔ واحد سُنۡبُلَةٌ۔
خُضۡرٍ: سبز۔ ہرا۔ واحد اَخۡضَرُ و خَضۡرَاءُ۔
يٰبِسٰتٍ: خشک۔ سوکھی ہوئی۔ واحد يَابِسَةٌ۔
اَضۡغَاثُ: پریشان۔ پراگندہ۔ واحد ضِغۡثٌ۔
اَحۡلَامٍ: خواب۔ خیالات۔ واحد حُلُمٌ۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب بھی پیدا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ جب حضرت یوسف کو قید سے نجات دلانا منظور ہوا تو اللہ نے بادشاہ کو ایک خواب دکھایا جو ان کی رہائی کا سبب بنا۔ بادشاہ نے ایک ایسا عجیب و غریب خواب دیکھا کہ کوئی بھی اس کی تعبیر نہ بتا

سکا۔

بادشاہ نے بتایا کہ اس نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھی ہیں جن کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور اس نے دیکھا کہ سات سرسبز بالیں ہیں اور ان کے علاوہ سات خشک بالیں ہیں جو ان سات سرسبز بالوں پر لپٹ کر ان کو خشک کر رہی ہیں۔ بادشاہ نے خواب بیان کرنے کے بعد اہل دربار سے اس کی تعبیر مانگی۔ اہل دربار نے کہا کہ اول تو یہ کوئی خواب ہی نہیں، محض پریشان خیالات اور دماغی بخارات ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ سلطنت کے امور سے تو واقف ہیں، مگر خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔ بادشاہ ان کے جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔

اس وقت وہ شخص جس نے دونوں قیدیوں میں سے رہائی پائی تھی مجلس میں موجود تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد اس کو حضرت یوسف کی بات یاد آئی۔ اس نے بادشاہ اور اہلِ دربار سے کہا کہ مجھے قید خانے جانے کی اجازت دو تو میں تمہیں اس کی تعبیر سے آگاہ کر دوں گا۔ بادشاہ نے اس کو اجازت دے دی تو اس نے جیل میں جا کر کہا۔ اے یوسف! اے بڑے سچے! مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ جو بادشاہ نے دیکھا ہے تاکہ میں جا کر ان کو بتاؤں۔ پھر اس نے حضرت یوسفؑ کے سامنے بادشاہ کا خواب بیان کیا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر

۴۷،۴۹ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ۝

(حضرت) یوسف نے جواب دیا کہ تم سات برس تک متواتر (خوب محنت سے) کھیتی کرنا۔ پھر جو فصل کاٹو تو اس کو بالوں میں ہی رہنے دینا (تاکہ گھن نہ لگے) سوائے تھوڑی سی مقدار کے جو تمہارے کھانے میں آئے۔ پھر اس کے بعد سات سال سخت (قحط کے) آئیں گے۔ جو اس (ذخیرے) کو کھا جائیں گے۔ جو تم نے پہلے (جمع کر کے) رکھا ہو گا۔ ان (قحط کے سالوں) کے لئے سوائے اس

تھوڑے سے (غلہ کے) جو تم نے (بیج کے واسطے) روک لیا ہوگا۔ پھر اس (قحط کے سات برس) کے بعد ایک ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اور وہ اس میں خوب رس نچوڑیں گے۔

دَاَبًا: جم کر۔ متواتر محنت کرنا۔ مصدر ہے۔

حَصَدْتُّمْ: تم نے درانتی سے کاٹا۔ تم نے فصل کو کاٹا۔ حَصْدٌ سے ماضی۔

تُحْصِنُوْنَ: تم (بیج کے لئے) روکے رکھو۔ تم بچائے رکھو۔ اِحْصَانٌ سے مضارع۔

يُغَاثُ: خوب بارش ہوگی۔ غَيْثٌ سے مضارع مجہول۔

يَعْصِرُوْنَ: وہ نچوڑیں گے۔ عَصْرٌ سے مضارع۔

تشریح: خواب سن کر حضرت یوسف نے کہا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم لوگ اپنی عادت کے مطابق سات سال تک متواتر کھیتی باڑی کروگے۔ ان میں خوب غلہ پیدا ہوگا۔ یہی سات سال سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں ہیں۔ اس کے بعد سات سال تک سخت قحط رہے گا۔ یہی سات دبلی گائیں اور سات خشک بالیں ہیں۔ ان قحط کے سالوں میں لوگ گزشتہ سات سال کی تمام پیداوار کھاجائیں گے۔ صرف تھوڑا سا غلہ بچے گا اس کو بیج کے لئے محفوظ کرلینا۔

پھر فرمایا کہ قحط سے پہلے کے سات سالوں میں جو کھیتی تم کاٹو اس میں سے اپنی ضرورت کے مطابق غلہ صاف کرلینا، باقی غلے کو ان کے پودوں سمیت بالوں ہی میں چھوڑ دینا تاکہ وہ کیڑے سے محفوظ رہے یعنی اس فصل کے پودوں کو بالوں سمیت ذخیرہ کردینا تاکہ وہ آفتوں سے محفوظ رہے اور قحط کے دنوں میں ان کے پودوں کا بھوسہ جانوروں کی خوراک کے طور پر استعمال ہو سکے۔

پھر قحط کے سالوں کے بعد ایک سال ایسا آئے گا جس میں خوب بارش ہوگی اور پھل اور انگور کثرت سے پیدا ہوں گے اور لوگ ان کا شیرا نچوڑ کر پئیں گے۔

(مواہب الرحمن ۲۴۶، ۲۴۷/ ۱۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۵/ ۴)

حضرت یوسف ؑ کی رہائی

۵۰۔ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ

اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِىْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّىْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ۝

اور (تعبیر سننے کے بعد) بادشاہ نے کہا کہ اس (یوسف) کو میرے پاس لے آؤ۔ پھر جب (حضرت) یوسف کے پاس قاصد پہنچا تو انہوں نے قاصد سے کہا کہ اپنے آقا کے پاس لوٹ جا پھر اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ بیشک میرا رب تو ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔

تشریح: ساقی حضرت یوسفؑ سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر معلوم کر کے بادشاہ کے پاس واپس پہنچا اور اس کو تعبیر سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ حضرت یوسف نے آنے والے قحط سے بچاؤ کی یہ تدبیر بتائی ہے تو بادشاہ سن کر حیران رہ گیا۔ اس حسنِ تعبیر اور حسنِ تدبیر سے بادشاہ کے دل پر حضرت یوسف کے علم و فضل، عقل و دانش اور حسنِ اخلاق کا سکہ بیٹھ گیا۔ اس نے فوراً حکم دیا کہ ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس کی زیارت کروں اور اس کے مرتبے اور قابلیت کے موافق اس کا اعزاز و اکرام کروں۔ چنانچہ قاصد شاہی پیغام لے کر حضرت یوسفؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں جیل سے اس وقت تک نہیں نکلوں گا جب تک کہ لوگوں کے سامنے میری برأت اور بے گناہی ظاہر نہ ہو جائے اور لوگوں کو پتہ نہ چل جائے کہ مجھے بے قصور قید میں رکھا گیا ہے۔ پہلے ان عورتوں سے تحقیق کی جائے جنہوں نے زلیخا کی مجلس میں مجھے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔

تحقیق کے بعد جب میری برأت ثابت ہو جائے گی تب میں یہاں سے نکلوں گا۔ بلاشبہ میرا پروردگار عورتوں کے مکر و فریب کو خوب جانتا ہے۔ اب تم بھی تحقیق کر لو تاکہ تمہیں بھی معلوم ہو جائے کہ خطاوار کون ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۵۰، ۲۵۲ / ۱۲)

زُلیخا کا اقبالِ جرم

۵۱، ۵۲۔ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ

حَصْحَصَ الْحَقُّ ز اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ٥ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ٥

(بادشاہ نے) پوچھا اس وقت تمہارا کیا حال تھا جب تم نے یوسف کو اس کے نفس کے بارے میں پھسلانا چاہا تھا۔ انہوں نے جواب دیا حَاشَا لِلّٰہِ۔ ہمیں اس میں کوئی برائی نہیں معلوم۔ عزیز کی بیوی کہنے لگی کہ اب تو حق بات (سب پر) ظاہر ہو ہی گئی۔ (بات یہ تھی کہ) میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور بیشک وہی سچا ہے۔ (حضرت یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ اس لئے کیا ہے تاکہ عزیز جان لے کہ اس کی عدم موجودگی میں، میں نے اس کی خیانت نہیں کی تھی۔ اور یہ کہ اللہ خیانت کرنے والوں کا فریب نہیں چلنے دیتا۔

خَطْبُكُنَّ: تمہارا حال۔ تمہاری حقیقت۔

حَصْحَصَ: وہ ظاہر ہو گیا۔ وہ کھل گیا۔ حَصْحَصَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: ایلچی نے واپس آکر حضرت یوسف کا منشا ظاہر کیا۔ بادشاہ نے زلیخا سمیت ان تمام عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے طلب کیا۔ جب سب حاضر ہو گئیں تو بادشاہ نے کہا کہ اے عورتو! اس وقت تمہارا کیا حال تھا جب تم نے حضرت یوسف کو ان کے نفس کے بارے میں پھسلایا تھا۔ کیا اس نے تمہاری طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھا تھا۔ عورتوں نے فوراً کہا حَاشَا لِلّٰہِ۔ ہمیں تو اس میں کوئی برائی معلوم نہیں۔ زلیخا بھی اس وقت وہاں موجود تھی۔ اس نے کہا کہ اب حق بات سب کے سامنے ظاہر ہو گئی ہے، لہٰذا اب اس کا چھپانا بے کار ہے۔ بے شک حق یہی ہے کہ میں نے ہی یوسف کو اس کے نفس کے بارے میں پھسلایا تھا، میں نے ہی اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا۔ وہ تو مجھ سے بیزار ہو کر بھاگا جا رہا تھا۔ بلاشبہ وہ سچا ہے۔

پھر بادشاہ نے حضرت یوسف کو پیغام بھیجا کہ ان عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کر لیا ہے چنانچہ حضرت یوسف نے آکر فرمایا کہ اس سارے اہتمام سے میری غرض صرف یہ تھی کہ عزیزِ مصر کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و ناموس میں کوئی خیانت نہیں کی۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے حیلے اور فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

تحدیثِ نعمت

۵۳۔ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

اور میں اپنے نفس کو (برائی سے) بری نہیں بتاتا۔ بیشک نفس تو برائی سکھاتا ہی رہتا ہے۔ (ہاں) مگر جس پر میرا رب ہی رحم کرے۔ بیشک میرا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اَمَّارَۃٌ: بڑا حکم دینے والا۔ اَمْرٌ سے مبالغہ ہے۔

تشریح: جب زلیخا نے حضرت یوسف کو بے قصور قرار دے کر اپنے جرم کو تسلیم کر لیا تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ اس اظہارِ برأت سے میرا مقصود خود ستائی اور اپنی تعریف نہیں بلکہ میری عصمت و عفت محض اللہ کے فضل، اس کی رحمت اور توفیق سے ہے۔ میں اس بات کا دعویٰ نہیں کرتا کہ مجھ سے گناہ اور برائی کا صدور ناممکن اور محال ہے اور نہ میری غرض یہ ہے کہ میں اپنے نفس کی پاکیزگی ظاہر کر دوں کیونکہ نفس تو سب سے بڑھ کر بدی کی راہ دکھانے والا ہے، سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل اور رحمت فرما دے۔ سو جس پر اللہ کا فضل اور مہربانی ہو جاتی ہے وہ نفس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس کا مقابلہ کرتا ہے۔ اسی جہادِ نفس کی وجہ سے اس کو فرشتوں پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ میرا رب نفس کے ارادوں اور تصورات کو بخشنے والا ہے اور جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے گناہوں سے محفوظ رکھتا ہے۔

مالیات کے سربراہ کی حیثیت سے تقرر

۵۴، ۵۵۔ وَقَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖٓ اَسْتَخْلِصْہُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ ○ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ○

اور بادشاہ نے کہا کہ اس (حضرت یوسف) کو میرے پاس لے آؤ تاکہ میں اس کو خالص اپنے (کام) کے لئے رکھوں۔ پھر جب بادشاہ نے اس سے بات چیت

کی (اور اس کو ان کی اہلیت کا اندازہ ہوا) تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ آج سے تو ہمارے نزدیک بڑا معزز (اور) اعتبار والا ہے۔ (حضرت) یوسف نے کہا کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے۔ بیشک میں حفاظت کرنے والا (اور ان کا صحیح مصرف) جاننے والا ہوں۔

لَدَیْنَا: ہمارے پاس۔

مَکِیْنٌ: عزت والا۔ مرتبہ والا۔ مَکَانَۃٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: بادشاہ پر جب حضرت یوسفؑ کی بے گناہی ظاہر ہو گئی اور آپ کے علم و امانت کا مرتبہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تو کہنے لگا کہ اس شخص کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ۔ ایسے شخص کو تو میں خاص اپنے لئے مقرر کروں گا۔ عزیزِ مصر سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو گا۔ چنانچہ حضرت یوسف کو بادشاہ کے پاس لایا گیا اور بادشاہ نے ان سے بالمشافہ گفتگو کی تو وہ ان کی فہم و فراست دیکھ کر بالکل ہی گرویدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ آج سے تو ہمارے نزدیک بڑے مرتبہ والا اور امانت دار ہے پھر خواب کی تعبیر کا ذکر آیا تو بادشاہ نے کہا کہ اتنے بڑے قحط کا انتظام بڑا بھاری کام ہے۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کو اس کے انتظام و انصرام کا طریقہ بتایا تو بادشاہ نے کہا کہ اس کا کفیل و ذمہ دار کون ہو گا؟ یہ انتظام کس کے سپرد کیا جائے؟ میرا دل تو تمہاری طرف مائل ہے کیونکہ تم مجسم صدق امانت ہو اور تمہاری فہم و فراست تمہارے چہرے سے عیاں ہے۔

حضرت یوسفؑ نے کہا کہ اچھا تو پھر مجھے ملک کے خزانوں یعنی ملکی پیداوار اور اس کی آمد و خرچ پر مقرر کر دیجئے تاکہ یہ خزانے صحیح حقداروں کو پہنچا سکوں۔ بلاشبہ میں خداداد علم و فہم سے بڑا حفاظت کرنے والا اور بڑا واقف کار ہوں۔ اللہ نے میرے اندر انتظام کی صلاحیت رکھی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اس بات کو منظور کر لیا اور حضرت یوسف کو اپنا وزیر بنا لیا۔

(مظہری ۱۷۱، ۱۷۲ / ۵)

حضرت یوسفؑ کی حکومت

۵۶، ۵۷۔ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ

الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○

اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں جگہ (اور قدرت) دی کہ جہاں چاہتے قیام کرتے۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے ہیں اور ہم بھلائی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر ان لوگوں کے لئے اس سے بہتر ہے، جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

مَكَّنَّا: ہم نے قائم کیا۔ ہم نے قوت دی۔ تَمْكِيْنٌ سے ماضی۔

نُصِيْبُ: ہم پہنچاتے ہیں۔ ہم متوجہ کرتے ہیں۔ اِصَابَةٌ سے مضارع۔

تشریح: اس طرح طویل قید اور تکلیف کے بعد ہم نے حضرت یوسف کو مصر میں حکومت اور اقتدار و اختیار دیا۔ وہ مصر میں جہاں پہنچتے جاتے اور جو چاہتے تصرف کرتے۔ ملک کا بادشاہ تو برائے نام بادشاہ تھا، حقیقت میں تو حضرت یوسف ہی بادشاہت کر رہے تھے اور عزیز مصر کہہ کر پکارے جاتے تھے۔ یہ سب اللہ کی رحمت کا نتیجہ تھا، وہ جس کو چاہے اپنی رحمت سے نوازے کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ایک پرہیزگار اور ایماندار کے لئے آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے کہیں بہتر ہے سو حضرت یوسف کو جو دنیاوی سلطنت ملی وہ اس کی رحمت کا ایک حصہ ہے ورنہ آخرت میں جو اجر و ثواب ان کو ملے گا وہ وہم و گمان سے بڑھ کر ہے۔

بھائیوں کا غلے کے لئے آنا

۵۸، ۶۲- وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ○ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ○ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ

اِذَا انۡقَلَبُوۡۤا اِلٰۤی اَهۡلِهِمۡ لَعَلَّهُمۡ يَرۡجِعُوۡنَ ○

اور (جب کنعان میں بھی قحط پڑا تو حضرت) یوسف کے بھائی (مصر میں) اس کے پاس آئے ۔ سو اس نے تو ان کو پہچان لیا اور وہ اس کو نہ پہچان سکے اور جب (یوسف نے) ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (جب تم دوبارہ آؤ تو) اپنے سوتیلے بھائی کو بھی میرے پاس لانا (اس کا حصہ بھی دوں گا) کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں پیمانہ پورا (بھر کر) دیتا ہوں اور میں بڑا مہمان نواز ہوں ۔ اگر تم اس کو میرے پاس نہ لائے تو میرے پاس تمہارے لئے پیمانہ (غلہ) نہیں ہے اور تم میرے قریب بھی نہ آنا ۔ وہ کہنے لگے کہ بہت جلد ہم اس کی طرف سے اس کے باپ کو پھسلائیں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے ۔ اور یوسف نے اپنے ملازموں سے کہہ دیا کہ ان کی پونجی (رقم) ان کے سامان میں (چھپا کر) رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جائیں تو اس کو پہچان لیں ۔ (اس طرح) شاید وہ دوبارہ آئیں ۔

جَهَّزَ : اس نے تیار کیا ۔ تَجْهِيْزٌ سے ماضی

اَلْكَيْلَ : پیمانے سے غلہ وغیرہ ناپنا ۔ پیمانہ ۔

اَلْمُنْزِلِيْنَ : اتارنے والے ۔ مہمان نواز ۔ اِنْزَالٌ سے اسم فاعل ۔

سَنُرَاوِدُ : بہت جلد ہم بہلائیں گے ۔ بہت جلد ہم پھسلائیں گے ۔ مُرَاوَدَةٌ سے مضارع ۔

فِتْيٰنِهٖ : اس کے خادم ۔ اس کے غلام ۔ واحد فَتًی ۔

بِضَاعَتَهُمْ : ان کا سرمایہ ۔ ان کی پونجی ۔

رِحَالِهِمْ : ان کا سامان ۔ ان کے کجاوے ۔ واحد رَحْلٌ ۔

اِنْقَلَبُوْا : وہ لوٹ کر آئے ۔ وہ پھر گئے ۔ اِنْقِلَابٌ سے ماضی ۔

تشریح : مصر کا وزیر بننے کے بعد حضرت یوسفؑ نے سات سال تک غلہ کو بہترین طریقے سے ذخیرہ کیا ۔ پھر جب قحط سالی شروع ہوئی اور لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے تو ضرورت مندوں میں غلہ تقسیم کرنا شروع کر دیا ۔ باہر سے آنے والے ہر شخص کو ایک اونٹ بھر غلہ دیتے تھے ۔

قحط مصر سے باہر دوسرے علاقوں میں بھی پھیلا ہوا تھا ۔ چنانچہ لوگ دور دور سے غلے کے

حصول کے لئے مصر آرہے تھے۔ ان میں حضرت یوسفؑ کے بھائی بھی تھے جن کو ان کے والد حضرت یعقوبؑ نے غلہ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت یعقوب نے بنیامین کو، جو حضرت یوسف کے بھائی تھے، اپنے پاس روک لیا اور باقی دس بیٹوں کو غلہ لینے کے لئے مصر بھیج دیا تھا۔ جب یہ لوگ حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو فوراً پہچان لیا لیکن بھائیوں میں سے کوئی بھی حضرت یوسف کو نہ پہچان سکا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف ان سے بچپن ہی میں جدا ہو گئے تھے اور انہی بھائیوں نے ان کو اہلِ قافلہ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس بچہ کو انہوں نے غلام کی حیثیت سے فروخت کیا تھا وہ آج عزیزِ مصر بنا بیٹھا تھا۔

حضرت یوسف نے بھائیوں کو دیکھ کر ان سے عبرانی زبان میں گفتگو کی اور ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو اور یہاں کیا کرنے آئے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ملکِ شام کے چرواہے ہیں۔ قحط کی تکلیف میں مبتلا ہو کر غلہ لینے آئے ہیں۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ شاید تم لوگ یہاں جاسوسی کے لئے آئے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ واللہ! ہم جاسوس نہیں ہیں بلکہ ایک ایسے باپ کی اولاد ہیں جس کو اللہ کے پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم بارہ بھائی تھے۔ ہم میں جو سب سے چھوٹا تھا اور ہمارے باپ کی آنکھوں کا تارا تھا وہ تو ہلاک ہو گیا۔ اس کا ایک بھائی اور ہے جس کو باپ نے اپنے پاس روک لیا ہے۔ اگر آپ اس کے حصہ کا غلہ بھی ہمیں دے دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ اس طرح غائب کا حصہ دینا خلافِ قاعدہ ہے۔ جب دوبارہ آؤ تو اپنے بھائی کو ساتھ لانا تب ہی اس کا حصہ ملے گا۔

اس کے بعد حضرت یوسف نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو سرکاری مہمان رکھا جائے اور ان کی ہر طرح خاطر و مدارت کی جائے۔ پھر ہر ایک کو ایک ایک اونٹ غلہ دے دیا اور سب کا سامان درست کرا دیا اور کہا کہ دیکھو آئندہ جب آؤ تو اپنے علاتی (باپ شریک) بھائی کو ساتھ لے کر آنا اگر تم اپنی بات میں سچے ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں غلے کا ناپ پورا دیتا ہوں، کسی کو کم نہیں دیتا۔ اور میں بہترین میزبان ہوں۔ پھر تمہیں اپنے بھائی کو لانے میں کیا تردد ہے۔ اگر تم اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میں سمجھوں گا کہ تم جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر ایک اونٹ غلہ زیادہ لینا چاہتے تھے اور میں تمہیں اناج کا ایک دانہ بھی نہ دوں گا بلکہ میں تمہیں اپنے نزدیک بھی نہ آنے دوں گا۔

پھر انہوں نے وعدہ کیا کہ اگرچہ اس کو باپ سے جدا کرنا بہت مشکل ہے تاہم ہم کہہ سن

کر اور ہر طرح سے باپ کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ اپنے بھائی کو ساتھ لے کر آئیں اور بادشاہ کے سامنے جھوٹے نہ پڑیں۔ ادھر حضرت یوسفؑ نے اپنے غلہ ناپنے والے خادموں سے کہا کہ ان لوگوں نے غلہ کی قیمت میں جو کچھ مال و اسباب دیا ہے وہ بھی ان کے سامان میں اس خوبصورتی سے رکھ دو کہ ان کو معلوم تک نہ ہو۔ تاکہ گھر جا کر جب اپنی پونجی دیکھیں تو امید ہے کہ ہماری چیزیں ہمیں واپس کرنے ضرور آئیں گے۔

(ابن کثیر ۴۸۳/ ۲، مواہب الرحمٰن ۲۱، ۲۸/ ۱۲، عثمانی ۶۸۱، ۶۸۲/ ۱)

بھائیوں کا واپس جانا

۶۳، ۶۴۔ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۠ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس پہنچے تو کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! ہمارے لئے پیمانہ (غلہ) بند کر دیا گیا ہے۔ سو آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم پیمانہ (غلہ) بھر کر لے آئیں اور ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے (حضرت) یعقوب نے کہا کہ کیا میں اس بارے میں بھی تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ ہی خوب حفاظت کرنے والا ہے۔ اور وہی سب سے زیادہ مہربان ہے۔

تشریح: پھر جب وہ لوٹ کر اپنے والد کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے والد کو بتایا کہ جس شخص کے پاس ہم غلہ لینے گئے تھے اس نے ہماری خوب خاطر و مدارت کی اور وہ ہمارے ساتھ نہایت اعزاز و اکرام سے پیش آیا، لیکن اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ آئندہ تمہیں اس وقت تک غلہ نہیں ملے گا جب تک کہ تم اپنے بھائی کو ساتھ نہیں لاؤ گے۔ سو آئندہ آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو بھی بھیج دیں تاکہ ہمیں غلہ مل جائے۔ آپ بے فکر رہئے، ہم اس کی پوری

حفاظت کریں گے۔ حضرت یعقوب نے فرمایا کہ تم اس کے ساتھ بھی وہی کرو گے جو اس سے پہلے اس کے بھائی یوسف کے ساتھ کر چکے ہو۔ سو اللہ ہی بہترین حافظ اور نگہبان ہے، وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ امید ہے وہی اس کی حفاظت کرے گا اور مجھ پر رحم فرمائے گا۔ میرا رنج و غم دور کر دے گا اور مجھے اس کی ذات سے امید ہے کہ وہ یوسف کو مجھ سے پھر ملا دے گا

(ابن کثیر ۲/۴۸۴)

بیٹوں سے عہد و پیمان لینا

۶۵، ۶۶۔ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ط قَالُوْا يٰاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ط هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ج وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ط ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ج فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو انہوں نے اس میں سے اپنی پونجی (رقم) پائی جو ان کو واپس کر دی گئی تھی۔ وہ کہنے لگے کہ اے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے۔ یہ ہے ہماری پونجی (رقم) جو ہمیں لوٹا دی گئی ہے اور ہم اپنے گھر والوں کے لئے (اور) غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لے آئیں گے۔ یہ پیمانہ بھر دینا (بادشاہ کے لئے) آسان ہے۔ (حضرت) یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں (یوسف کے بھائی کو) تمہارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم مجھے اللہ کا پختہ عہد نہ دو گے کہ تم اس کو میرے پاس ضرور لاؤ گے۔ بجز اس کے کہ تم سب گھیرے میں آجاؤ پھر جب انہوں نے اس کو پختہ عہد دے دیا تو (حضرت یعقوب نے) کہا کہ ہماری اس گفتگو پر اللہ نگہبان ہے۔

نَمِیْرُ : ہم غلہ لائیں گے۔ ہم خوراک لائیں گے۔ مَیْرٌ سے مضارع۔

بَعِیْرٍ : اونٹ۔ شتر۔ اسم جنس ہے۔ واحد و جمع۔ مذکر و مؤنث سب پر بولا جاتا ہے۔

مَوْثِقًا : مضبوط عہد۔ وثوق سے مصدر میمی۔

تشریح گھر پہنچ کر حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے جب اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اس میں اپنا وہ تمام سرمایہ جو انہوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر عزیزِ مصر کو دیا تھا، موجود پایا جو ان کو لوٹا دیا گیا تھا۔ اپنی ادا شدہ رقم کو اپنے سامان میں موجود پاکر وہ حضرت یعقوب سے کہنے لگے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہوگا کہ شاہ مصر نے ہماری مہمان نوازی کی، خاطر مدارت کی، ہمیں اچھی طرح رکھا۔ پھر ہمارے ہاتھ غلہ فروخت کیا اور ہماری دی ہوئی قیمت بھی لوٹا دی۔ لہٰذا اب آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ ضرور بھیج دیں تاکہ ہم مزید غلہ لے کر آئیں۔ بھائی کی وجہ سے ہم سب کو بھی غلہ مل جائے گا اور بھائی کے نام سے ایک اونٹ کا بوجھ مزید ملے گا۔ کیونکہ عزیزِ مصر ہر شخص کو ایک اونٹ کا بوجھ دیتا ہے۔ اس وقت مزید غلہ کا حصول نہایت آسان ہے۔

بیٹوں کی گفتگو سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں تمہارے بھائی کو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک تم حلفیہ اقرار نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے کر آؤ گے سوائے اس کے کہ تم سب ہی کہیں پھنس جاؤ۔ جب بیٹوں نے حلفیہ اقرار کر لیا تو حضرت یعقوب نے یہ فرمایا کہ ہماری اس گفتگو کا اللہ تعالیٰ وکیل ہے اور پھر اپنے پیارے بیٹے کو ان کے ساتھ کر دیا۔ اس لئے کہ قحط کے سبب غلہ کی ضرورت تھی اور بیٹے کو بھیجے بغیر چارہ نہ تھا۔

حضرت یعقوبؑ کی بیٹوں کو نصیحت

۶۸،۶۷۔ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور (چلتے وقت حضرت) یعقوب نے کہا کہ اے میرے بیٹو! تم سب (شہر میں) ایک دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور میں تمہیں اللہ کی مشیت سے نہیں بچا سکتا۔ حکم تو بس اللہ ہی کا (چلتا) ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور ہر بھروسہ کرنے والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور جب وہ (شہر میں) اس طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا تو یہ تدبیر اللہ کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی مگر یہ یعقوب کے دل کی ایک خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کیا اور بلاشبہ وہ تو صاحبِ علم تھے کیونکہ ہم نے انہیں علم دیا تھا لیکن اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ کے بیٹے نہایت حسین و جمیل، سرو قامت اور تنومند تھے۔ اس لئے ان کو خیال ہوا کہ کہیں اجتماعی طور پر شہر میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کو کسی کی نظر نہ لگ جائے کیونکہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ یہ گھوڑے سوار کو گرا دیتی ہے۔ لہٰذا انہوں نے بیٹوں کو رخصت کرتے وقت نصیحت کی کہ تم لوگ شہر کے ایک ہی دروازے سے ایک ساتھ شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ ایک ایک، دو دو، کرکے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ میں جانتا ہوں اور میرا ایمان ہے کہ خدا کی قضا کو کوئی شخص کسی تدبیر سے بدل نہیں سکتا۔ خدا کا چاہا پورا ہو کر رہتا ہے، اسی کا حکم چلتا ہے، کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو بدل سکے، اس کے فرمان کو ٹال سکے اور اس کی قضاء کو لوٹا سکے۔ میں تو اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور میں ہی کیا ہر توکل کرنے والے کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔

حضرت یوسفؑ کے بھائی مصر پہنچ کر اپنے والد کی نصیحت کے مطابق مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوئے۔ مگر یہ تدبیر بھی اس چیز کو دفع نہ کر سکی جو اللہ کی طرف سے ہونے والی تھی۔ لیکن یہ حضرت یعقوب کے دل کی خواہش تھی، جس کو انہوں نے اولاد کو نصیحت کرکے پورا کر لیا بلاشبہ حضرت یعقوب اس چیز کو خوب جانتے تھے جو ہم نے ان کو سکھائی تھی۔ لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں کہ تدبیر تقدیر کو دفع نہیں کر سکتی۔ (مظہری ۱۸۰،۱۷۹/ ۵، ابن کثیر ۴۸۴/ ۲)

بنیامین سے خصوصی معاملہ

۶۹۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○

اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی (اور تنہائی میں اس سے) کہا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں۔ سو جو کچھ یہ (تیرے ساتھ) کرتے رہے اس پر غم نہ کر۔

تَبْتَئِسْ: تو غمگین ہوتا ہے۔ تو ناامید ہوتا ہے۔ اِبْتِئَاسٌ سے مضارع۔

تشریح: بنیامین حضرت یوسفؑ کے سگے بھائی تھے۔ جب وہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے سب کو سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرایا اور ان کو بڑی عزت و اکرام کے ساتھ رکھا۔ پھر اپنے بھائی بنیامین کو تنہائی میں بتا دیا کہ میں تیرا حقیقی بھائی یوسف ہوں۔ اللہ نے ہم پر انعام فرمایا ہے۔ ان لوگوں نے ہمارے اوپر جو مظالم کئے کہ مجھے باپ سے جدا کر کے کنوئیں میں ڈالا، مجھے غلام بنا کر بیچا اور ہمارے باپ بھائی کو جدائی کے صدمے میں مبتلا کیا، ان سب باتوں پر تمہیں رنج کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ وقت نہ رنج و غم کا ہے اور نہ شکوہ وشکایت کا بلکہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا وقت ہے۔ یہ بات ان کو نہ بتانا۔ میں کوشش کروں گا کہ کسی طرح تمہیں اپنے پاس روک لوں۔ (عثمانی ۶۸۴/۱)

بھائیوں پر چوری کا الزام

۷۰،۷۵۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ
اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ○ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا
عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ○ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ
جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ○ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ
مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ○ قَالُوْا فَمَا
جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ○ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ

رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَاۤؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ○

پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے اسباب میں پینے کا پیالہ رکھ دیا۔ پھر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! تم یقیناً چور ہو۔ (یوسف کے بھائی) ان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں بادشاہ کا پیالہ نہیں ملتا اور جو شخص اس کو لے کر آئے گا اس کو ایک اونٹ کا بوجھ (غلہ انعام کے طور پر) ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔ (یوسف کے بھائی) کہنے لگے کہ واللہ تم خوب جان چکے ہو کہ ہم ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلو تو اس (چور) کی کیا سزا ہے۔ (یوسف کے بھائیوں نے) جواب دیا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان سے وہ (پیالہ) نکلے وہی (شخص) اس کا بدلہ ہوگا۔ ہم ظالموں (چوروں) کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔

اَلسِّقَایَةَ: پینے کا برتن۔ پانی پلانے کی جگہ۔ پانی پلانا۔

تَفْقِدُوْنَ: تم کھوتے ہو۔ تم گم کرتے ہو۔ فَقْدٌ سے مضارع۔

صُوَاعَ: پیالہ۔ بادشاہی پیمانہ۔ جمع صِیْعَانٌ۔

زَعِیْمٌ: سردار۔ ضامن۔ کہنے والا۔ زَعْمٌ و زَعَامَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت یوسف نے حسب عادت اپنے بھائیوں کو ایک ایک اونٹ غلہ دے دیا اور ان کا سامان روانگی کے لئے تیار ہونے لگا تو چپکے سے اپنا پانی پینے اور غلہ ناپنے کا پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں رکھوا دیا اور کسی کو خبر نہ ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ پیالہ چاندی کا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سونے کا تھا۔ اس میں پانی پیا جاتا تھا اور اسی سے غلہ بھر کر دیا جاتا تھا۔

سب بھائی غلہ لے کر خوش و خرم روانہ ہو گئے۔ جب شہر سے باہر نکلے تو ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا کہ اے قافلے والو! ہمارے گمان میں تم چور معلوم ہوتے ہو۔ چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا قیام خاص مہمان خانے میں تھا جہاں شاہی پیمانہ رکھا ہوا تھا، اس لئے قافلے کی روانگی کے بعد شاہی ملازمین نے سامان کی پڑتال کے دوران شاہی پیمانہ گم پایا۔ جب تلاش کے باوجود نہ ملا تو ان کو خیال ہوا کہ مہمان خانے میں اس قافلے کے سوا کوئی نہ تھا اس لئے منادی کرنے والے نے جا کر آواز دی۔

حضرت یوسف کے بھائی منادی کی آواز سن کر گھبرا گئے اور ان کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کہ تمہاری کیا چیز کھو گئی۔ تلاش کرنے والوں نے بتایا کہ شاہی پیمانہ جس سے اناج ناپا تھا گم ہو گیا ہے۔ جو اس کو تلاش کر کے دے گا اس کو ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس وعدے کا ضامن ہوں حضرت یوسف کے بھائیوں نے جواب دیا کہ تم ہماری عادات اور خصلتوں سے واقف ہو چکے ہو۔ ہم نہ تو فساد پھیلانے آئے ہیں اور نہ ہم چور ہیں۔ ان کی بات سن کر منادی کرنے والوں نے کہا کہ اگر تم جھوٹے نکلے اور تم میں سے کسی کے سامان میں سے شاہی پیالہ برآمد ہوا تو اس کی کیا سزا ہو گی۔ وہ کہنے لگے کہ ہماری شریعت میں اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں سے تمہارا مال برآمد ہو اس کو ایک سال کے لئے اپنا غلام بنا لینا۔ ہم ظالموں یعنی چوری کرنے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱، ۵۳ / ۴، ابن کثیر ۴۸۵ / ۲)

بھائیوں کے سامان کی تلاشی

٧٦، ٧٧۔ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاۤءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۤءِ
اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ
دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۤءُ ؕ
وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ
لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ
اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝

سو یوسف نے اپنے (حقیقی) بھائی کے اسباب سے پہلے ان کے سامان کی تلاشی لینی شروع کی۔ پھر اس نے اپنے بھائی کے سامان میں سے اس کو برآمد کر لیا۔ یوں ہم نے یوسف کو تدبیر بتائی (ورنہ مصر کے) بادشاہ کے قانون کی رو سے وہ اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور تمام علم والوں سے بڑھ کر ایک بڑا علم والا ہے۔ (یوسف کے بھائی) کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی تو اس سے پہلے اس کا بھائی

بھی چوری کر چکا ہے ۔ پس یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھا اور اس کو ان کے سامنے ظاہر نہیں کیا (اور اپنے دل میں) کہا کہ تم بڑے بد اطوار ہو ۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کہہ رہے ہو ۔

اَوْعِيَتِهِمْ: ان کی خرجیں ۔ ان کے برتن ۔ ان کی محفوظ رکھنے والی چیزیں ۔ واحد وِعَاءٌ ۔

يُبْدِهَا: اس نے اس کو ظاہر کیا ۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع ۔

تَصِفُوْنَ: تم بیان کرتے ہو ۔ تم بتاتے ہو ۔ وَصْفٌ سے مضارع ۔

تشریح: چوری کی سزا طے پانے کے بعد حضرت یوسفؑ نے حکم دیا کہ ان کے سامان کی تلاشی لی جائے ۔ چنانچہ پہلے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی گئی تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو ۔ آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی شروع ہوئی ۔ چونکہ پیالہ اسی کے سامان میں رکھوایا گیا تھا، اس لئے وہ اسی کے سامان سے برآمد ہوا ۔ پیالہ برآمد ہوتے ہی حضرت یوسف نے حکم دیا کہ بنیامین کو روک لیا جائے ۔ یہ تھی وہ ترکیب جو بنیامین کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سکھائی تھی ۔ شاہ مصر کے قانون کے مطابق چوری ثابت ہونے کے باوجود حضرت یوسف بنیامین کو اپنے پاس نہیں روک سکتے تھے مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے علم و حکمت دے کر اس کے درجے بلند کر دیتا ہے ۔ کسی عالم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے علم پر ناز کرے ۔ علم کے اعتبار سے ایک سے ایک بڑھ کر ہے، یہاں تک کہ اس کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے ۔

بنیامین کے سامان سے پیالہ برآمد ہونے پر حضرت یوسف کے بھائی شرمندہ ہوئے اور غصے میں آکر کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے ۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا ۔ بالآخر یہ بھی اپنے بھائی کی طرح نکلا ۔ ایسی سخت بات سن کر بھی حضرت یوسف بے قابو نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس بات کو اپنے دل میں رکھا، پھر ان کو مخاطب کر کے کہا کہ تم بہت ہی گھٹیا درجے کے ہو ۔ ابھی تو کہہ رہے تھے کہ ہم چوروں میں سے نہیں ۔ جب ایک بھائی کے سامان میں سے مال برآمد ہو گیا تو اس کے ساتھ دوسرے غیر حاضر بھائی کو بھی ملوث کرنے لگے ۔ گویا تم چوری کے عادی ہو ۔

(عثمانی ۶۸۶، ۶۸۷ / ۱)

بھائیوں کی درخواست

۷۸، ۷۹۔ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝

وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا ہے سو آپ اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیں۔ بیشک ہم آپ کو بہت احسان کرنے والا پاتے ہیں۔ (حضرت) یوسف نے کہا اللہ کی پناہ (اس بات سے) کہ جس کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا دوسرے شخص کو پکڑ کر رکھیں۔ تب تو ہم بڑے بے انصاف ٹھہریں گے۔

تشریح: جب بنیامین کے سامان سے شاہی پیالہ برآمد ہو گیا اور وہ ان کے اپنے اقرار کے مطابق شاہی قیدی قرار پائے تو انہیں بہت فکر ہوئی کہ اب باپ کو جا کر کیا جواب دیں گے۔ وہ عزیزِ مصر کی منت خوشامد کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ اس کے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں۔ ان کا ایک بھائی پہلے ہی گم ہو چکا ہے جس کا انہیں بہت صدمہ ہے۔ سو اس کے بوڑھے باپ کا خیال کر کے اس کے بدلے آپ ہم میں سے کسی کو اپنے پاس رکھ لیں۔ بیشک آپ بڑے محسن ہیں۔ ہم آپ سے احسان کی امید رکھتے ہیں۔ حضرت یوسفؑ نے جواب دیا کہ اللہ کی پناہ، اللہ تعالیٰ بے انصافی سے بچائے۔ بھلا یہ ظلم و بے انصافی کیسے ہو سکتی ہے کہ کرے کوئی اور بھرے کوئی۔ اگر میں ایسا کروں تو اللہ کے نزدیک ظالم ٹھہروں گا۔

بھائیوں کا باہم مشورہ کرنا

۸۰، ۸۲۔ فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى

اَبِیْکُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ○ وَسْئَلِ الْقَرْیَةَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْهَا وَالْعِیْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ○

پھر جب وہ اس (یوسف) سے ناامید ہو گئے تو علیحدہ ہو کر مشورہ کرنے لگے ان میں سے بڑے نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا پختہ عہد لیا ہے اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں بھی قصور کر چکے ہو سو میں تو اس زمین سے نہیں نکلوں گا۔ جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا اللہ تعالیٰ ہی میرے حق میں کوئی فیصلہ کر دے اور وہ بہتر فیصلہ دینے والا ہے۔ تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہو کہ اے ہمارے باپ! بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کر لی اور ہم نے تو وہی کہا جو ہمیں معلوم تھا اور ہمیں غیب کی خبر نہ تھی (کہ وہ چوری کرے گا) اور آپ اس بستی والوں سے بھی پوچھ لیجئے جہاں ہم تھے اور اس قافلے والوں سے بھی پوچھ لیجئے جن کے ساتھ ہم (یہاں) آئے ہیں اور بیشک ہم سچے ہیں۔

اِسْتَیْئَسُوْا وہ مایوس ہو گئے۔ وہ ناامید ہو گئے۔ اِسْتِیْئَاسٌ سے ماضی۔

فَرَّطْتُمْ تم نے کوتاہی کی۔ تم نے قصور کیا۔ تَفْرِیْطٌ سے ماضی۔

اَبْرَحُ میں نکلوں گا۔ میں چھوڑوں گا۔ بَرْحٌ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت یوسف کا جواب سن کر ان کے بھائی، بنیامین کی رہائی کے بارے میں بالکل ناامید ہو گئے اور سمجھ گئے کہ اب وہ بنیامین کو ان کے حوالے نہیں کریں گے تو وہ ایک طرف کو ہٹ کر تنہائی میں باہم مشورہ کرنے لگے۔ ان میں سے اکثر کی رائے یہ تھی کہ وطن واپس جانا چاہیئے لیکن بڑے بھائی نے کہا کہ باپ کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤ گے۔ جو عہد تم ان سے کر کے آئے ہو اس کا کیا جواب دو گے۔ ایک قصور تو تم پہلے ہی یوسف کے بارے میں کر چکے ہو جس کا اثر آج تک موجود ہے۔ میں تو اب کسی صورت یہاں سے نہیں نکلوں گا۔ یہاں تک کہ میرا باپ مجھے یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے یا اللہ میرے لئے کوئی حکم اور فیصلہ فرما دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ سو تم مجھے تو یہاں چھوڑ دو اور واپس جا کر باپ سے کہہ دو کہ تمہارے بیٹے بنیامین نے چوری کی اس لئے اس کو وہاں روک لیا گیا۔ ہم آپ سے وہی بیان کر رہے

میں جو ہمیں معلوم ہے۔ ہمیں غیب کی خبر نہیں۔ اگر آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ کسی معتبر آدمی کو بھیج کر بستی والوں سے تحقیق کرالیں جہاں یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ نیز اہلِ قافلہ سے دریافت کرلیں جو ہمارے ساتھ واپس آئے ہیں۔ بلاشبہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں۔

حضرت یعقوب کا صبر و استقامت

۸۳۔۸۶ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّىْ وَحُزْنِىْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

(حضرت) یعقوب نے کہا (نہیں) بلکہ تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑلی ہے سو اب صبر ہی بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ان سب کو میرے پاس لے آئے گا۔ بیشک وہی جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور (حضرت) یعقوب نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا اور کہنے لگے، ہائے افسوس یوسف پر! ان کی آنکھیں غم سے سفید (بے نور) ہو گئیں۔ پس وہ سخت غمگین ہو گئے۔ بیٹے کہنے لگے خدا کی قسم تم تو سدا یوسف کو یاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ مضمحل ہو جاؤ یا ہلاک ہی ہو جاؤ گے۔ (حضرت) یعقوب نے جواب دیا کہ میں تو اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ ہی سے کرتا ہوں اور میں اللہ ہی کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

سَوَّلَتْ: اس نے چکر دیا۔ اس نے فریب دیا۔ تَسْوِيْلٌ سے ماضی۔

اِبْيَضَّتْ: وہ سفید ہو گئیں۔ وہ بے نور ہو گئیں۔ اِبْيِضَاضٌ سے ماضی۔

كَظِيْمٌ: سخت غمگین۔ كَظْمٌ، كُظُوْمٌ سے صفت شبہ۔

تَفْتَؤُا: تو ہمیشہ رہے گا۔ فعل ناقص ہے۔

حَرَضًا: مضمحل۔ بیمار۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

بَثِّیْ: میری بے قراری۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ نے پہلے کی طرح بیٹوں کی بات کا اعتبار نہ کیا بلکہ تمام حال سن کر فرمایا کہ بنیامین چوری میں نہیں پکڑا گیا بلکہ یہ تو تم نے اپنی طرف سے کوئی بات بنائی ہے۔ خیر جو ہوا سو ہوا، میں تو اب صبر ہی کروں گا اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاؤں گا۔ میں اپنے خدا سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ اس صبر کرنے میں میری مدد فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ بہت جلد اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھ سے ملا دے گا۔ بیشک وہ علیم ہے میری حالت کو خوب جانتا ہے وہ حکیم ہے اس کی قضاء و قدر اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

اس واقعہ سے حضرت یوسفؑ کا غم پھر سے تازہ ہو گیا اور حضرت یعقوبؑ شدتِ غم کے باعث بیٹوں کی طرف سے منہ موڑ کر کہنے لگے ہائے افسوس یوسف! حضرت یوسف کی جدائی کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں بے رونق یا بے نور ہو گئیں۔ جس قدر بصارت گھٹتی جاتی تھی بصیرت بڑھتی جاتی تھی وہ کسی سے اپنے صدمے کی شکایت نہیں کرتے تھے۔

پھر بیٹوں نے باپ کا حال دیکھ کر انہیں کھانا شروع کیا، اگر آپ کا یہی حال رہا تو کہیں زندگی سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔ حضرت یعقوبؑ نے ان کو جواب دیا کہ میں تو اپنی پریشانی اور رنج کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں، تم سے کچھ نہیں کہتا۔ مجھے یقین ہے کہ یوسف ابھی زندہ ہے کیونکہ اس کا خواب ابھی پورا نہیں ہوا۔ بہت جلد وہ مجھ سے آملے گا اور جو خواب اللہ نے اس کو دکھایا ہے وہ حرف بحرف پورا ہو گا اور مجھے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ مضطر کی دعاء قبول کرتا ہے۔

(ابن کثیر ۴۸۷/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸، ۵۹/ ۴)

بیٹوں کو حضرت یوسفؑ کی تلاش کا حکم

۸۷، ۸۸۔ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ
○ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا
الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ

عَلَيْنَا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ○

اے میرے بیٹو! جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ بیشک اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں۔ پھر جب وہ اس (یوسف) کے پاس پہنچ تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر (قحط کی وجہ سے) بڑی مصیبت پڑی ہے اور ہم ناقص پونجی لے کر آئے ہیں سو ہمیں پورا پیمانہ بھر دیجئے اور ہم پر صدقہ کر دیجئے بیشک اللہ صدقہ دینے والوں کو (جزائے خیر) دیتا ہے۔

رَوْحٌ: آرام۔ رحمت۔ فیض۔ مصدر ہے۔

مُزْجٰۃٍ: تھوڑی۔ ناقص۔ حقیر۔ اِزْجَاءٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے فرمایا کہ اے میرے بیٹو! میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ ظاہری تدبیر کو ترک نہ کرو۔ لہٰذا تم بھی ایک بار پھر مصر جاؤ۔ حضرت یوسف اور بنیامین کو تلاش کرو۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ صرف وہی لوگ اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں جن کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔ تم بھی تلاش جاری رکھو اور اللہ سے اچھی امید رکھو۔

چنانچہ یہ لوگ وہاں سے چل کر پھر حضرت یوسفؑ کے پاس مصر پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ قحط کی وجہ سے ہمارے گھر والوں کو سخت تکلیف پہنچی ہے، ہم مصیبت میں مبتلا ہیں اور غلہ خریدنے کے لئے ہمارے پاس پوری قیمت نہیں اس لئے ناقص اور ناقابل قبول پونجی لے کر آئے ہیں۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ ہمیں اسی طرح پورا غلہ دے دیجئے جس طرح اس سے پہلے پوری قیمت پر ہمیں غلہ دیتے رہے اور ہم پر صدقہ کیجئے اور ہمارے بھائی کو رہا کر دیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔

حضرت یوسفؑ کا اپنے آپ کو ظاہر کرنا

۸۹۔۹۱ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۖ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِىْ ز

قَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا ؕ اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝ قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَاِنۡ كُنَّا لَخٰطِــِٕيۡنَ ۝

(حضرت) یوسف نے کہا کیا تم جانتے ہو جو کچھ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ (برتاؤ) کیا تھا جب تمہیں سمجھ نہیں تھی۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم واقعی یوسف ہو؟ اس نے کہا کہ میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ بیشک جو شخص گناہوں سے بچتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ کہنے لگے خدا کی قسم! بیشک اللہ نے تمہیں ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بیشک ہم ہی خطاوار تھے۔

مَنَّ: اس نے احسان کیا۔ اس نے مہربانی کی۔ مَنٌّ سے ماضی۔

اٰثَرَکَ: اس نے تجھ کو ترجیح دی۔ اس نے تجھ کو پسند کیا۔ اِیۡثَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت یوسف نے جب اپنے بھائیوں کی عاجزی اور بے بسی دیکھی اور ان سے اپنے گھر والوں کی مصیبتیں سنیں تو ان کا دل بھر آیا اور کہا کہ کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے اپنے زمانہ جہالت میں یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا۔ اس وقت تمہیں برے بھلے کی خبر نہ تھی۔ حضرت یوسف کی بات سن کر بھائی چونک پڑے اور انہیں خیال آیا کہ کہیں یہ وہی یوسف تو نہیں جس کو ہم نے مصری قافلے کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ لہٰذا انہوں نے فوراً سوال کیا کہ کیا تو ہی یوسف ہے۔ حضرت یوسف نے صاف صاف کہہ دیا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل و کرم کیا کہ بچھڑنے کے بعد ملا دیا اور ہماری مصیبت کو راحت میں بدل دیا۔ بلاشبہ جو شخص گناہوں سے پرہیز کرتا اور مصائب پر صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیک لوگوں کے اجر و ثواب کو ضائع نہیں کرتا۔ حضرت یوسف کے بھائی کہنے لگے واللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر جو فضیلت عطا کی ہے وہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ بے شک ہم خطاوار ہیں۔

حضرت یوسف ؑ کا عفو و درگزر

۹۳،۹۲۔ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

(حضرت) یوسف نے کہا کہ آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں۔ اللہ تمہاری مغفرت فرمائے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ تم میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو۔ (اس سے) وہ بینا ہو جائے گا اور تم اپنے سب گھر والوں کو میرے پاس لے آؤ۔

تَثْرِيْبَ: الزام۔ ملامت۔ سزا۔ مصدر ہے۔

اَلْقُوْهُ: تم اس کو ڈال دو۔ اِلْقَاءٌ سے امر۔

تشریح: جب بھائیوں نے اپنا عذر پیش کیا تو حضرت یوسفؑ نے اسے قبول فرمالیا اور کہا کہ یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں۔ آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ تمہاری سب خطائیں اور قصور معاف ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے۔ وہ سب مہربانوں سے بڑا مہربان ہے۔ پھر حضرت یوسف نے اپنے باپ کا حال معلوم کیا۔ انہوں نے کہا کہ روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی۔ یہ سن کر حضرت یوسف نے ان کو اپنا کرتہ دیا اور کہا کہ یہ کرتہ لے جا کر میرے باپ کی آنکھوں پر ڈال دو۔ اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔ پھر انہیں اور گھر کے تمام لوگوں کے لے کر میرے پاس آجاؤ۔

حضرت یوسف ؑ کی خوشبو

۹۵،۹۴۔ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝

اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (شام میں اپنے گھر والوں سے) کہا کہ اگر تم مجھے (بڑھاپے کی وجہ سے) بہکا ہوا نہ سمجھو تو مجھے یوسف کی بو

آرہی ہے۔ وہ (گھر والے) کہنے لگے کہ واللہ تم (اب تک) اپنے پرانے خیال میں مبتلا ہو۔

رِیْحَ: ہوا۔ بو۔ جمع اَرْوَاحٌ و رِیَاحٌ۔
تُفَنِّدُوْنَ: تم مجھے بہکا ہوا کہتے ہو۔ تم مجھے مخبوط الحواس کہتے ہو۔ تَفْنِیْدٌ سے مضارع۔
تشریح: ادھر حضرت یوسفؑ کے بھائی کرتہ لے کر مصر سے کنعان کے لئے نکلے ادھر اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی خوشبو پہنچادی اور انہوں نے اپنے گھر والوں سے جو اس وقت ان کے پاس تھے کہا کہ بیشک میں یوسف کی خوشبو محسوس کرتا ہوں اگر تم مجھے کم عقل اور مخبوط الحواس نہ کہو۔ گھر والوں نے جواب دیا کہ آپ تو اب تک اسی پرانے خیال اور غلطی میں مبتلا ہیں کہ یوسف ابھی زندہ ہے اور آپ سے آملے گا۔ اسی خیال کے غلبہ سے آپ کو خوشبو کا وہم ہو گیا ہے ورنہ حقیقت میں کوئی خوشبو نہیں۔

بینائی کی بحالی

۹۶، ۹۸۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ○ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○

پھر جب خوش خبری دینے والے نے آکر قمیص اس (یعقوب) کے منہ پر ڈالی تو وہ بینا ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ وہ (یوسف کے بھائی) کہنے لگے کہ اے ہمارے باپ! (اللہ سے) ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کر۔ بیشک ہم خطاوار تھے۔ (حضرت) یعقوب نے کہا کہ میں بہت جلد اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت طلب کروں گا۔ بیشک وہ غفور رحیم ہے۔

تشریح: جب بشارت دینے والے نے مصر سے آکر یہ خوشخبری سنائی کہ حضرت یوسف علیہ السلام زندہ اور صحیح و سالم ہیں اور انہوں نے یہ کرتہ دے کر مجھے بھیجا ہے اور اس نے وہ کرتہ

حضرت یعقوب کے منہ پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی بحال ہو گئی۔ حضرت یعقوب نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ مجھے پہلے ہی روز سے یقین تھا کہ یوسف زندہ ہے اور ایک روز مجھے ضرور ملے گا۔ باپ کی گفتگو سن کر بیٹے کہنے لگے کہ ہمارے لئے مغفرت کی دعاء کیجئے۔ بیشک ہم خطاوار ہیں۔ ہم نے یوسف کے معاملے میں آپ کو جو تکلیف پہنچائی اس پر نادم ہیں۔ حضرت یعقوب نے جواب میں فرمایا کہ میں بہت جلد اپنے رب سے تمہاری مغفرت کی دعاء کروں گا۔ بے شک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت یعقوب نے دعاء مغفرت کو صبح تک مؤخر رکھا کیونکہ رات کے آخری حصہ میں دعاء قبول ہوتی ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر خصوصی تجلی فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہے کوئی جو مجھے پکارے اور میں اس کی دعاء کو قبول کروں، ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں، ہے کوئی جو مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اس کی مغفرت کروں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے جمعہ کی رات تک دعاء کو مؤخر کیا۔ (روح المعانی ۵۵ / ۱۳، مظہری ۲۰۰ / ۵)

باپ بیٹوں کا سجدہء تعظیمی

۹۹، ۱۰۰۔ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی

اور کہا کہ مصر میں داخل ہو جاؤ۔ اللہ نے چاہا تو امن سے رہو گے۔ اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے اور یوسف نے کہا کہ اے میرے باپ! یہ ہے میرے پہلے خواب کی تعبیر بیشک میرے رب نے اس کو سچا کر دکھایا ہے اور بیشک اس نے مجھ پر احسان کیا جبکہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا اور تم سب کو باہر سے (گاؤں سے یہاں) لے آیا۔ (اور مجھ سے ملا دیا یہ سب کچھ) اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا۔ بیشک میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے بڑی مہربانی فرما دیتا ہے۔ (اس کا کام بنا دیتا ہے) بلاشبہ وہ بڑے علم و حکمت والا ہے۔

خَرُّوْا: وہ گر پڑے۔ خَرٌّ خُرُوْرٌ سے ماضی۔

الْبَدْوِ: جنگل۔ صحرا۔

نَزَغَ: اس نے وسوسہ ڈال دیا۔ اس نے فساد ڈال دیا۔ نَزْغٌ سے ماضی۔

تشریح: پھر حضرت یعقوبؑ اپنے اہلِ خانہ کے ہمراہ کنعان سے مصر کے لئے روانہ ہو گئے اور حضرت یوسف نے ان کی خبر سن کر شہر سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور اپنے ماں باپ کو اپنے قریب جگہ دی۔ حضرت یوسف کی والدہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ پہلے ہی وفات پا چکی تھیں، یہاں خالہ کا ذکر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ والدہ حیات تھیں اور حضرت یعقوب کے ساتھ مصر آئی تھیں۔ واللہ اعلم۔

پھر حضرت یوسفؑ نے اپنے والد سے فرمایا کہ اب شہر میں چلو۔ انشاء اللہ وہاں قحط وغیرہ کی مصیبتوں سے محفوظ ہو کر بالکل راحت و اطمینان سے رہو گے۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد حضرت یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس ایک اونچے تخت پر بٹھایا۔ اس وقت ماں باپ اور گیارہ بھائی آپ کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ حضرت یوسف نے کہا کہ یہ میرے گزشتہ خواب کی تعبیر ہے، جس کو میرے رب نے سچ کر دکھایا۔ یہ سب اس کا فضل ہے۔ اس میں میرا کچھ دخل نہیں اور یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے قید سے رہائی دی اور مجھے اس مرتبہ پر پہنچایا اور تم سب کو صحرا سے یہاں لا کر مجھ سے ملا دیا حالانکہ شیطان نے تو میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔ بے شک میرا رب جس کام کا ارادہ کرتا ہے، اس کے ویسے ہی اسباب

مہیا کر دیتا ہے اور وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔

(عثمانی ۱/۶۹۳، ابن کثیر ۴۹۰۔ ۲/۴۹۲)

حضرت یوسف ؑ کی دعاء

۱۰۱۔ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

اے رب تو نے مجھے سلطنت میں بھی ایک حصہ دیا اور خواب کی تعبیر دینے کا علم بھی سکھایا۔ (اے) آسمانوں اور زمین کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ مجھے فرماں برداری کی حالت میں موت دے اور مجھے صالحین میں شامل کر دے۔

تشریح: جب نبوت و سلطنت مل چکی، ماں باپ اور بھائی سب سے ملاقات ہو گئی اور سب رنج و غم دور ہو گئے تو حضرت یوسفؑ نے اللہ سے دعا کی: اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا و آخرت میں تو ہی میرا کارساز ہے۔ جس طرح تو نے دنیا میں مجھ پر انعام فرمائے ہیں اسی طرح تو میری آخرت کو بھی درست فرما دے۔ مجھے اسلام کی حالت میں موت دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل

۱۰۲، ۱۰۴۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی

کرتے ہیں اور آپ وہاں موجود نہیں تھے، جبکہ (یوسف کے بھائیوں نے) اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا (کہ ان کو کنوئیں میں ڈال دیں) اور وہ تدبیریں کر رہے تھے اور آپ کتنا ہی چاہیں (لیکن) اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور آپ اس پر ان سے کچھ معاوضہ بھی تو نہیں مانگتے۔ یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لئے صرف ایک نصیحت ہے۔

لَدَيْهِمْ : ان کے پاس۔

حَرَصْتَ : تو نے حرص کی۔ تو نے لالچ کیا۔ حِرْصٌ سے ماضی۔

تشریح : حضرت یوسف کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ حضرت یوسف کا یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو بتایا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں، آپ کے مخالفین کی آنکھیں کھل جائیں اور ان پر ہماری حجت قائم ہو جائے، کیونکہ حضرت یعقوب کی اولاد میں سے نہ تو کسی سے آپ کی ملاقات ہوئی کہ آپ نے ان کی زبانی سن لیا ہو، نہ آپ خود وہاں موجود تھے۔ جب وہ حضرت یوسف کے ساتھ کھلا مکر و فریب کر رہے تھے اور انہیں کنوئیں میں ڈالنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے اور نہ آپ کی قوم والوں کو یہ قصہ معلوم تھا کہ کسی سے پوچھ کر آپ نے بیان کر دیا ہو۔ یہ واقعات نصیحت و عبرت اور حکمت و موعظت سے پر ہیں۔ ان سے لوگوں کی دین و دنیا سنور سکتی ہے۔ اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ گو آپ ان کے مومن ہونے کی کتنی ہی خواہش کریں اور کتنے ہی معجزات ظاہر کریں، چونکہ اللہ نے ان کے کافر رہنے کا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آپ مخلوقِ خدا کو راہِ راست دکھانے کے لئے جو کچھ بھی مشقت برداشت کر رہے ہیں اس میں آپ کا اپنا دنیوی نفع نہیں اور نہ آپ ان سے کوئی اجرت اور بدلہ چاہتے ہیں بلکہ آپ کی تمام تر محنت اللہ کی رضا اور مخلوق کے نفع کے لئے ہے اور یہ قرآن تو تمام دنیا کے لئے نصیحت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ (مظہری ۲۰۵ / ۵، ابن کثیر ۴۹۳ / ۲)

وحدانیت کی نشانیاں

۱۰۵، ۱۰۶۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ

عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

اور آسمان اور زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر ان (مشرکین) کا گزر ہوتا رہتا ہے اور ان پر دھیان نہیں کرتے اور ان میں سے اکثر لوگ جو اللہ کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ وہ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ کیا وہ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کو عذاب الٰہی آ ڈھانکے یا یکایک ان پر قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔

کَاَیِّنْ: بہت۔ کتنی۔ اسم تکثیر ہے۔

غَاشِیَۃٌ: ڈھانک لینے والی۔ (قیامت)۔ چھا جانے والی۔ غَشْیٌ سے اسم فاعل۔

بَغْتَۃً: یکایک۔ ایک دم۔ اچانک۔

تشریح: آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور وحدانیت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ پھر بھی اکثر لوگ نہایت بے پرواہ اور غافل ہیں کہ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔ کیا یہ اتنا وسیع آسمان جو بغیر ستونوں کے قائم ہے۔ کیا یہ اس قدر پھیلی ہوئی زمین، کیا یہ روشن ستارے، کیا یہ سورج و چاند، یہ درخت اور پہاڑ، یہ کھیتیاں اور سبزیاں، یہ طلاطم برپا کرنے والے سمندر، یہ تند و تیز ہوائیں، یہ مختلف قسم کے رنگا رنگ میوے یہ الگ الگ غلے، یہ سب قدرت کی نشانیاں ایک عقل مند کے لئے کافی نہیں کہ وہ ان سے اپنے خدا کو پہچان سکے جو واحد و یکتا اور لاشریک لہ ہے، جو قادر و قیوم ہے اور جو باقی و کافی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ ان نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی بجائے ان سے منہ موڑ کر گزر جاتے ہیں۔ جو لوگ اللہ کو مانتے بھی ہیں تو وہ اس طرح مانتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اللہ کے ساتھ شریک گردانتے ہیں۔ (ابن کثیر ۴۹۴/ ۲)

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے نام کی قسم کھائی وہ مشرک ہو گیا۔

مسند احمد اور ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھاڑ پھونک۔ ڈورے۔ دھاگے اور جھوٹے تعویذ شرک ہیں۔

اللہ تعالیٰ توکل کے باعث اپنے بندوں کو مصیبتوں سے دور کر دیتا ہے۔

(مسند احمد ۶۲۹ / ۱، ابو داؤد کتاب الطب)

پھر فرمایا کہ کیا توحید و رسالت کے ان منکروں کو اس بات کا خوف نہیں کہ اللہ کے عذاب کی کوئی آفت ان پر آپڑے جو لحاف کی طرح ہر طرف سے ان کو ڈھانپ لے یا اچانک ان پر قیامت کی گھڑی آجائے۔ جس کی ان کو پہلے سے خبر بھی نہ ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمی (خریدنے اور بیچنے والا) کپڑا پھیلائے ہوئے (سودا کرنے میں مشغول) ہوں گے کہ قیامت آجائے گی۔ نہ خرید و فروخت کر سکیں گے اور نہ کپڑے کو لپیٹ سکیں گے۔ (مظہری ۲۰۶،۲۰۵ / ۵)

خالص توحید کا راستہ

۱۰۸۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں (لوگوں کو توحید) خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی (حق و صداقت کی پوری) بصیرت پر ہوں اور میری اتباع کرنے والے بھی اور اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ دین اسلام اور توحید ہی میرا راستہ ہے۔ میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو ہر عیب سے پاک ہے۔ میں تو تمام اہلِ دنیا کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ سب خیالات و اوہام کو چھوڑ کر ایک خدا کی طرف آئیں۔ اس کی صفات و کمالات اور اس کے احکام وغیرہ کی صحیح معرفت صحیح راستے سے حاصل کریں۔ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے راستے پر دلیل و حجت اور بصیرت کی روشنی میں چل رہے ہیں۔ اللہ نے مجھے ایک نور دیا ہے جس سے میرے سب ساتھیوں کے دماغ روشن ہو گئے ہیں۔ میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں کہ لوگوں کو اپنا بندہ بناؤں۔ اللہ تعالیٰ

شرک سے پاک ہے، نہ اس کی نظیر ہے اور نہ اس کا کوئی مشیر، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ اس کی بیوی، وہ ان تمام باتوں سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ کائنات کی ساری مخلوق اس کی حمد و تسبیح کرتی ہے۔ (عثمانی ۶۹۵ / ۱، ابن کثیر ۴۹۶ / ۲)

تمام انبیاء کا انسان ہونا

۱۰۹، ۱۱۰۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝

اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے بھی ہم نے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی (نبی بنا کر) بھیجے تھے، جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ کیا یہ لوگ زمین پر چلے پھرے نہیں کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیسا (برا) انجام ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور البتہ آخرت کا گھر تو ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو پرہیز گاری کرتے ہیں۔ کیا تم اب بھی نہیں سمجھتے۔ (منکروں کو ہم نے) یہاں تک (ڈھیل دی تھی) کہ رسول بھی ناامید ہو چکے تھے اور گمان کرنے لگے تھے کہ ان سے (نصرت کے بارے میں) جھوٹ کہا گیا تھا۔ (تب) ان کو فوراً ہماری مدد آپہنچی۔ پھر (اس عذاب سے) ہم نے جس کو چاہا بچالیا اور ہمارا عذاب نافرمان لوگوں سے ہٹایا نہیں جاتا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے پہلے جتنے نبی اور رسول ہم نے دنیا میں بھیجے وہ سب کے سب انسان تھے۔ ان میں سے کوئی بھی فرشتہ نہیں تھا اور نہ کوئی عورت نبی بنا کر بھیجی گئی۔ ہم ان انبیاء کی طرف وحی بھیجتے تھے۔ وہ سب انبیاء بستیوں ہی میں رہتے تھے۔ اور سب صاحبِ علم و فہم اور حلم والے تھے۔ سو تم زمین میں گھوم پھر کر دیکھ لو کہ انبیاء کو

جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ جب انہوں نے ہمارے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے ان سب کو عذاب سے ہلاک کر دیا۔ لہٰذا کافروں کو چاہئے کہ ان کے حال سے عبرت پکڑیں۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور گناہوں سے بچتے رہے ان کے لئے آخرت کا گھر بہتر ہے۔

جب مہلت کی مدت طویل ہو گئی اور جس عذاب کا وعدہ کیا گیا تھا اس کے آنے میں دیر ہوئی تو پیغمبر مایوس ہونے لگے اور گمان کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے جو ہماری نصرت اور ہمارے دشمنوں کی ہلاکت کا وعدہ کیا تھا شاید وہ ہماری زندگی میں نہ آئے۔ رسولوں کی ناامیدی اور پریشانی اس حد تک پہنچ جانے پر یکایک ان کو ہماری مدد پہنچ گئی کہ کافر عذاب میں گرفتار ہوئے اور پیغمبروں کا سچ ظاہر ہو گیا۔ جب ہمارا عذاب آتا ہے تو ٹلتا نہیں بلکہ وہ واقع ہو کر رہتا ہے۔

اہلِ عقل کے لئے عبرت

۱۱۱۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

البتہ ان لوگوں کے حالات میں عقل والوں کے لئے (بڑی) عبرت ہے۔ یہ قرآن کوئی (انسان کی اپنی) بنائی ہوئی بات نہیں بلکہ اس سے پہلے جو (آسمانی) کتابیں ہو چکی ہیں یہ ان کی تصدیق کرنے والا اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے۔

تشریح: انبیاء علیہم السلام کے واقعات، مسلمانوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت کے قصے، یہ سب تاریخی حقائق ہیں اور سمجھ بوجھ اور عقل و دانش والوں کے لئے بڑی عبرت و نصیحت کے حامل ہیں۔ جس طرح حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے مقابلے میں ناکام و نامراد رہے اسی طرح قریش بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ناکام رہیں گے۔ یہ قرآن کسی کا اپنی طرف سے گھڑا ہوا کلام نہیں۔ یہ تو ساری آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ یہ ہر ضروری چیز کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ مبداء و معاد، حلال و حرام اور محبوب و مکروہ کو صاف صاف بیان کرتا ہے۔ واجبات و مکروہات و محرمات کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ گزشتہ

واقعات کو حکمت کے تحت کہیں تفصیل اور کہیں اجمال کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ سو یہ قرآن مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت کا ذریعہ ہے کیونکہ ان کے دل اس کے ذریعہ گمراہی سے ہدایت، جھوٹ سے سچ اور برائی سے بھلائی کی راہ پاتے ہیں۔

چار ملعون افراد

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! چار افراد پر اللہ تعالٰی اپنے عرش کے اوپر لعنت کرتے ہیں اور اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔

۱۔ وہ شخص جو اپنے آپ کو عورتوں سے بچاتا ہے اور نکاح نہیں کرتا تاکہ اس کی اولاد ہو۔

۲۔ وہ شخص جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے حالانکہ اللہ نے اسے مرد پیدا کیا تھا۔

۳۔ وہ عورت جو مردوں سے مشابہت اختیار کرتی ہے حالانکہ اللہ تعالٰی نے اسے عورت بنایا ہے۔

۴۔ مسکینوں کو گمراہ کرنے والا۔

خالد بن زرقان (حدیث کے راوی) کہتے ہیں کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو مساکین کا مذاق اڑاتا ہے یعنی انہیں کہتا ہے کہ میرے پاس آؤ میں تمہیں کچھ دوں گا اور جب وہ اس کے پاس آتے ہیں تو کہتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ (رواہ طبرانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ رعد

وجہ تسمیہ: اس سورت میں رعد (بادل کی گرج) کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ سورۂ رعد کے نام سے موسوم و مشہور ہو گئی۔

تعارف: اس میں ۶ رکوع، تینتالیس آیتیں، ۸۶۳ کلمات اور ۳۶۱۴ حروف ہیں۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباس اور علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ سعید بن جبیر، حسن بصری، عکرمہ و عطاء و جابر تابعی اور عبد الرحمٰن بن زید رحمہم اللہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے۔

ابن الزبیر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عطاء سے روایت ہے کہ یہ مدنی ہے۔ ابو الشیخ نے بھی قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ سورت مدنی ہے۔ سوائے آیت **وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ** کے جو مکی ہے۔

(روح المعانی ۸۴ / ۱۳، مواہب الرحمٰن ۱۵۱ / ۱۳)

اس میں قرآن کریم کی حقانیت، توحید و رسالت اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔ پھر اثباتِ معاد اور منکرینِ نبوت کے چند شبہات کے جوابات مذکور ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی حقانیت اور توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ پھر بعث بعد الموت کے منکروں کا انجام اور منکرین کا معجزے طلب کرنا مذکور ہے۔ مثلاً صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دینا یا مکہ کے پہاڑ وہاں سے ہٹ جائیں۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کا بے حد و حساب ہونا اور اس کی قدرت کی نشانیاں بیان

کی گئی ہیں۔ اس کے بعد باطل معبودوں سے مانگنے اور حق و باطل کے فرق کی مثالوں کا بیان ہے۔

رکوع ۳: اہلِ عقل کی صفات اور کافروں کی بداعمالیوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: منکرین کا معجزات طلب کرنا اور ان کی فطرت بتائی گئی ہے۔

رکوع ۵: مشرکین کی فرمائش اور ان کے باطل عقائد کا بیان ہے۔ اس کے بعد پرہیزگاروں سے جس جنت کا وعدہ ہے اس کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۶: اللہ تعالیٰ کا مالک و مختار ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر اللہ کی گواہی کا بیان ہے۔

قرآن کی حقانیت

۱۔ الٓمّٓرٰ ۔

تشریح: یہ حروف مقطعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہی قول راجح اور مختار ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان راز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کا مرتبہ ایسا نہیں کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آیتیں ایک خاص کتاب (قرآن) کی ہیں اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا وہی حق ہے اور لیکن بہت سے لوگ (اس پر) ایمان نہیں لاتے۔

تشریح: جو کچھ اس سورت میں پڑھا جانے والا ہے وہ ایک عظیم الشان کتاب (قرآن مجید) کی آیتیں ہیں جو کچھ قرآن آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ بالکل سچ اور حق ہے لیکن چونکہ اکثر لوگ اس میں غور و فکر نہیں کرتے اس لئے وہ قرآن کی حقانیت کا انکار کرتے ہیں۔

توحید کے دلائل

۲۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ ○

اللہ تو وہی ہے جس نے آسمان کو ستونوں کے بغیر بلند کیا (جیسا کہ) تم دیکھتے ہو۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا (زمین و آسمان میں احکام جاری کرنے لگا) اور سورج اور چاند کو (اپنے اپنے) کام پر لگا دیا۔ ہر ایک اپنے وقتِ مقرر پر چلتا رہتا ہے۔ وہ (اللہ) ہر کام کا انتظام (تدبیر) کرتا ہے۔ دلائل کو تفصیل سے بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کر لو۔

عَمَدٍ: ستون۔ کھمبے۔ واحد عُمُوْدٌ۔

اِسْتَوٰی: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہوا۔ وہ سیدھا ہوا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

لِقَآءِ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ وہی تو ہے جس نے اپنے کمالِ قدرت اور حکم سے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر بلند و بالا اور قائم کر رکھا ہے۔ کوئی انسان ایک ذرے کو بھی اس طرح معلق نہیں رکھ سکتا۔ یہ سب کچھ تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ پھر وہ عرشِ عظیم پر متمکن ہو گیا جو سب مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اور سرخ یاقوت سے بنا ہوا ہے۔ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ جسم اور اس کے تمام صفات و خصوصیات سے بالا و برتر ہے۔ نہ اس کا وجود ہے اور نہ اس کے لئے کوئی سمت ہے۔ نہ اس کا کسی مکان میں اس طرح کا قیام ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ پر ہوتا ہے۔ اس کا عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت میں ہے اس کا علم کسی کو نہیں۔ یہ ان متشابہات میں سے ہے جن کو عقل نہیں پا سکتی ان کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس نے اپنے حکم سے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ وہ دونوں اس کے حکم سے ایک خاص مقدار اور انداز کے مطابق رواں دواں ہیں، جس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دونوں قیامت تک اسی طرح چلتے رہیں گے۔ ہر کام کی تدبیر و انتظام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے اور وہی

زندگی اور موت دیتا ہے، وہی تمام عالم کا رب ہے۔ وہ اپنی وحدانیت کی دلیلوں کو اسی طرح کھول کھول کر اور صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تمہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ مرنے کے بعد جزاو سزا کے لئے ایک روز ضرور تمہیں اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔

(روح المعانی ۸۶، ۹۰/ ۱۳، مواہب الرحمٰن ۱۵۲، ۱۵۷/ ۱۳)

اللہ کی قدرتِ کاملہ

۳،۴۔ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے زمین کو پھیلا دیا اور اس (زمین) میں پہاڑ اور نہریں بنا دیں اور اس میں ہر پھل کے دو دو قسم کے جوڑے پیدا کئے۔ وہ چھپا دیتا ہے، رات (کی تاریکی) سے دن (کی روشنی) کو۔ بیشک سوچنے والوں کے لئے ان امور میں (توحید کے) دلائل ہیں اور زمین میں ایک دوسرے سے نزدیک (متصل) مختلف قطعے ہیں اور انگور کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، ایک کی جڑیں دوسرے سے ملی ہوئی (اور تنے علیحدہ علیحدہ جھنڈ کے جھنڈ) اور بعض درخت بغیر ملے ہوئے (علیحدہ علیحدہ)۔ سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو بعض پر (ذائقے، بو، شکل اور مقدار وغیرہ میں) فوقیت دیتے ہیں۔ بیشک ان امور میں سمجھدار لوگوں کے لئے (توحید کے) دلائل ہیں۔

مَدَّ: اس نے کھینچا۔ اس نے دراز کیا۔ اس نے پھیلایا۔ مَدٌّ سے ماضی۔

رَوَاسِیَ: پہاڑ۔ بوجھ۔ واحد رَاسِیَۃٌ۔

مُتَجٰوِرٰتٌ: ایک دوسرے کے نزدیک۔ برابر برابر۔ تَجَاوُرٌ سے اسم فاعل۔

صِنْوَانٌ: ایک جڑ والے۔ ایک جڑ سے نکلی ہوئی دو یا زیادہ شاخیں۔ واحد صِنْوٌ۔

اُکُلٌ: پھل۔ جو کھایا جائے۔ جمع اٰکَالٌ۔ صحاح میں ہے کہ اکل کھجور کے پھل اور درخت دونوں کو کہتے ہیں اور جو چیز بھی کھائی جائے وہ اکل ہے۔ (لسان العرب ۲۲ / ۱۱)

اکل کاف کے ضمہ اور سکون دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ یہاں اس سے پھل اور دانے (کھجور و انگور وغیرہ کے) مراد ہیں۔ (روح المعانی ۱۰۲، ۱۰۳ / ۱۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ وہی تو ہے جس نے زمین کو اس طرح پھیلا اور بچھا دیا کہ انسان اور دوسری مخلوقات اس پر آسانی سے چل پھر سکیں۔ اسی نے اس زمین میں مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں نہریں اور چشمے جاری کئے اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کی دو دو قسمیں بنائیں۔ مثلاً سرخ اور زرد، شیریں اور ترش اور خشک اور تر وغیرہ۔ وہی رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔ بیشک ان تمام امور میں سوچنے سمجھنے والوں کے لئے توحید کے بے شمار دلائل موجود ہیں۔ کیونکہ یہ سب امور کسی خالق کے بغیر انجام نہیں پا سکتے۔

اس کی توحید کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ زمین کے مختلف قطعے پاس پاس اور ملے ہوئے ہیں۔ کسی قطعے میں تو نہایت عمدہ پیداوار ہوتی ہے اور اسی سے متصل دوسرے ٹکڑے میں برائے نام پیداوار ہے اور کوئی ٹکڑا بالکل ناقابلِ زراعت اور بنجر ہے، حالانکہ سب کو ایک ہی ہوا اور ایک ہی پانی مل رہا ہے اور سب پر ایک ہی سورج کی شعاعیں پڑ رہی ہیں۔ پھر اسی زمین میں کہیں انگور کے باغ ہیں اور کہیں کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ایک تنے والے ہیں اور کچھ ایک سے زیادہ تنوں والے ہیں۔ پھر ہم نے بعض پھلوں کو مزے، بو، شکل اور مقدار وغیرہ کے اعتبار سے بعض پر فضیلت دی ہے۔ کوئی ان میں سے شیریں ہے، کوئی ترش اور کوئی پھیکا، کوئی سرخ ہے، کوئی زرد، کوئی سبز ہے تو کوئی سفید وغیرہ۔ بلاشبہ ان سب امور میں عقل والوں کے لئے توحید کے بہت سے دلائل موجود ہیں۔

(مواہب الرحمٰن ۱۵۷، ۱۶۵ / ۱۳، روح المعانی ۹۰، ۱۰۳ / ۱۳)

بعث بعد الموت کے منکروں کا انجام

۱۰۵- وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کو (ان کافروں کے انکار پر) تعجب ہے تو (واقعی) ان کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم مٹی ہو گئے تو کیا ہم (قیامت کے روز) نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب سے منکر ہو گئے اور انہی کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی اہلِ دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ لوگ عافیت سے پہلے ہی مصیبت (کے نزول) کی جلدی کر رہے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے (منکرین پر) بہت سے (عبرتناک) عذاب گزر چکے ہیں اور بیشک آپ کا رب تو لوگوں کو ان کے گناہ پر بھی معاف کرنے والا ہے اور یقیناً آپ کے رب کا عذاب بھی سخت ہے۔

اَغْلٰلٌ: طوق۔ ہتھکڑیاں۔ واحد غُلٌّ۔

اَعْنَاقِهِمْ: ان کی گردنیں۔ واحد عُنُقٌ۔

اَلْمَثُلٰتُ: عبرتناک سزائیں۔ کہاوتیں۔ واحد مَثُلَةٌ۔

اَلْعِقَابِ: عقوبت۔ عذاب۔ سزا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی تکذیب پر کوئی تعجب نہ کریں۔ یہ تو اللہ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھنے کے باوجود قیامت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا اس سے زیادہ عجیب بھی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ جس نے پہلے ایک چیز کو بنایا وہ دوبارہ بنانے پر قادر نہ ہو (العیاذ باللہ)، حالانکہ ہر عقل مند آدمی جان سکتا ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش انسان کی پیدائش سے بہت بڑی ہے اور دوبارہ پیدا کرنا پہلی بار پیدا کرنے کی

نسبت بہت آسان ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْىَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْىِۦَ الْمَوْتٰى ۚ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ○ (الاحقاف ۔ آیت ۳۳)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر تھکے پیدا کر دیا تو کیا وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے بلکہ ہر چیز اس کی قدرت میں ہے۔

پس یہ کافر ہی ہیں جو بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ قیامت کے دن دوزخ کے اندر ایسے لوگوں کی گردنوں میں آگ کے طوق ہوں گے اور یہی اہل دوزخ ہیں جو اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔

یہ منکرین قیامت بھلائی اور عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے ہی عذاب کے نازل ہونے کا تقاضا کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ اپنے نبوت و رسالت کے دعوے میں سچے ہیں تو وہ عذاب جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں، ہم پر جلد کیوں نہیں لے آتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ○

(ص ۔ آیت ۱۶)

اور وہ کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! قیامت سے پہلے ہی ہمارا معاملہ نمٹا دے۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○

(انفال ۔ آیت ۳۲)

اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور المناک عذاب نازل فرما۔

حقیقت یہ ہے کہ ان سے پہلے سابقہ امتوں پر ان کے کفر و تکذیب کی بنا پر طرح طرح کے عذاب نازل ہو چکے ہیں۔ ان کو ان سے عبرت پکڑنی چاہئے اور اللہ سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں ایسا نہ ہو

کہ ان پر بھی ان کے کفر و عناد کی بنا پر سابقہ امتوں جیسا عذاب نازل ہو جائے ۔ کسی کو اس خیال میں نہیں رہنا چاہئے کہ وہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لے آئے گا۔ اول تو عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا اللہ کے ہاں معتبر نہیں ۔ دوسرے یہ کہ جب عذاب کی گھڑی آجائے گی تو اس وقت ایمان لانے یا توبہ کرنے یا نیک عمل کرنے کی فرصت و مہلت نہیں ملے گی ۔

یہ تو اللہ تعالیٰ کا محض فضل و کرم ہے کہ وہ دن رات بندوں کو گناہوں میں مبتلا دیکھتا ہے اور فوراً سزا (عذاب) نہیں دیتا بلکہ درگزر فرماتا ہے ۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ عذاب پر قدرت نہیں رکھتا ۔ اس کا عذاب بہت سخت تکلیف دہ ہوتا ہے ۔ جب اس کا عذاب آجاتا ہے تو کوئی نہیں اس کو ٹال سکتا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے گناہوں پر معاف بھی کرتا ہے اور اگر مجرم حد سے گزر جائے تو پھر اس کو سخت عذاب بھی دیتا ہے ۔ (ابن کثیر ۵۰۱ / ۲)

منکرین کا معجزہ طلب کرنا

۷۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ٥

اور کافر کہتے ہیں کہ اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی (ان کی مطلوبہ) نشانی کیوں نہ نازل کی گئی ۔ بیشک آپ کا کام تو خبردار کر دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے ۔

تشریح: کافر لوگ اعتراض کے طور پر یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح گزشتہ پیغمبر معجزے اور نشانیاں لے کر آئے اسی طرح یہ پیغمبر ایسی نشانیاں اور معجزے لے کر کیوں نہیں آئے ۔ جن سے ہمیں تسلی اور اطمینان ہوتا ۔ مثلاً صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیتے یا مکہ کے پہاڑ یہاں سے ہٹ جاتے اور یہ جگہ سرسبز و شاداب ہو جاتی ۔ ان کے جواب میں فرمایا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ أَن نُّرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّآ أَن كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ٥

(الاسراء آیت ۔ ۵۹)

ہم یہ معجزے بھی ان کو دکھا دیتے مگر اگلے لوگوں کی طرح ان معجزوں کو جھٹلانے پر اگلے لوگوں جیسے ہی عذاب ان پر آجاتے ۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ان کی باتوں پر مغموم اور فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ۔ آپ معجزوں کے مالک و مختار نہیں، آپ کا کام تو صرف تبلیغ دین اور ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے خبردار کرنا ہے ۔ پہلے ہی بہت سے معجزے آپ سے ظاہر ہو چکے ہیں یہ بدبخت تو شق القمر جیسے معجزے کا بھی انکار کر چکے ہیں ۔ اب مزید معجزے دکھانے سے کیا فائدہ ۔ پھر فرمایا کہ ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے ۔ آپ بھی اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے ہادی بنا کر بھیجے گئے ہیں، اس لئے آپ کا کام تو بس لوگوں کی راہنمائی کرنا اور ان کو اللہ کی نافرمانی کے انجام سے ڈرانا ہے ۔

(ابن کثیر ۱/۵۰۱، ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۷/ ۴)

اللہ تعالیٰ کا علمِ کامل

۱۱۰۸۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۗ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

اللہ کو معلوم ہے جو کچھ ہر مؤنث (اپنے پیٹ میں) اٹھاتی ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے ہاں ایک اندازے سے ہے ۔ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے ۔ سب سے بڑا اور بلند مرتبہ ہے ۔ خواہ تم میں سے کوئی چپکے سے (کوئی بات) کہے یا پکار کر کہے، خواہ کوئی رات (کی تاریکی) میں چھپنے والا ہو یا دن (کی روشنی) میں چلنے پھرنے والا ہو (اس کے علم کے اعتبار سے) سب برابر ہے ۔ ہر شخص کے لئے اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے مقرر کئے ہوئے پہرے دار ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں ۔ بیشک اللہ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا، جب تک کہ وہ لوگ

خود اپنی حالت کو نہ بگاڑ لیں ۔ اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنے کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ (مصیبت) ٹل نہیں سکتی اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ۔

تَغِیْضُ: وہ کمی کرتے ہیں ۔ ان میں کمی بیشی ہوتی ہے ۔ غَیْضٌ سے مضارع ۔

اَرْحَامُ: بچہ دانیاں ۔ رشتہ داری ۔ قرابت ۔ واحد رَحِمٌ ۔ وِرحْمٌ ۔

مُتَعَالِ: بلند ۔ عالی شان ۔ بہت غالب ۔ تَعَالِیٌ سے اسم فاعل ۔

جَھَرَ: اس نے ظاہر کیا ۔ اس نے زور سے کہا ۔ جَھْرٌ سے ماضی ۔

مُسْتَخْفٍ: چھپنے والا ۔ اِسْتِخْفَاءٌ سے اسم فاعل ۔

سَارِبٌ: گلیوں میں پھرنے والا ۔ راہ میں چلنے والا ۔ ظاہر ہونے والا ۔ سُرُوْبٌ سے اسم فاعل ۔

مُعَقِّبٰتٌ: چوکیدار ۔ دن اور رات میں باری باری آنے والے فرشتے ۔ تَعْقِیْبٌ ۔ سے اسم فاعل ۔

وَالٍ: والی ۔ مددگار ۔ کارساز ۔ وِلَایَۃٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کی کوئی حد نہیں ۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمام مادائیں (مؤنث) اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوئے ہیں، خواہ وہ مادائیں انسان ہوں یا حیوان ۔ وہ جانتا ہے کہ اس کے پیٹ میں کیا ہے، مذکر یا مؤنث، اچھا ہے یا برا، نیک ہے یا بد، عمر والا ہے یا بے عمر کا، ایک ہے یا دو یا اس سے زیادہ، ناقص ہے یا کامل ۔ رحموں کے گھٹنے بڑھنے کو بھی وہ خوب جانتا ہے کہ رحم میں کتنے بچے ہیں یا بچہ کتنے دنوں میں پیدا ہو گا ۔ اللہ کے علم میں ہر چیز کی ایک حد معین ہے ۔ اس مقررہ حد سے کوئی چیز نہ گھٹ سکتی ہے اور نہ بڑھ سکتی ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے خواہ وہ بندوں سے پوشیدہ ہو یا بندوں پر ظاہر ہو ۔ وہ سب سے بڑا اور ہر ایک سے بلند ہے ۔ اس کے مقابلے میں ہر شئے حقیر و صغیر ہے ۔ کسی خیال و قیاس کی بھی اس تک رسائی نہیں ۔ اگر کوئی شخص چھپا کر اپنے دل میں کوئی بات کہے یا بلند آواز سے کہے اور جو اپنے گھر کے تہہ خانے میں رات کے اندھیرے میں چھپا ہوا ہو اور جو دن کے وقت آباد راستوں میں چلا جارہا ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں برابر اور یکساں ہیں کیونکہ اس کا علم تمام کائنات کو محیط ہے ۔ وہ تمام عالم کا محافظ و نگہبان ہے ۔ اس کے فرشتے بندوں کے ارد گرد مقرر ہیں جو اللہ کے

حکم سے انہیں آفتوں اور بلاؤں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ یہ فرشتے یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں۔

بیشک اللہ تعالیٰ اپنے فضل، مہربانیوں اور نعمتوں سے کسی قوم کو اس وقت تک محروم نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی روش بدل کر کفرانِ نعمت اور غفلت میں نہ پڑ جائے۔ پھر جب کوئی قوم غفلت میں پڑ جاتی ہے، شکر کی بجائے کفرانِ نعمت اور اطاعت کی بجائے معصیت کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اپنے فضل اور عنایت کو اٹھا لیتا ہے اور ان کو مصیبت و آفت میں مبتلا کر دیتا ہے جو کسی کے ٹالے نہیں ٹلتی۔ ایسے وقت میں اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوتا جو اس مصیبت کو دور کر سکے۔

(ابن کثیر ۲/۵۰۴،۵۰۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۹۲،۹۰)

قدرتِ الٰہی کی نشانیاں

۱۲، ۱۳۔ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝

(اللہ) وہی تو ہے جو تمہیں خوف و امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے ڈر سے (تسبیح و تحمید کرتے ہیں) اور وہ گرنے والی بجلیاں بھیجتا ہے۔ سو وہ جس پر چاہتا ہے ان (بجلیوں) کو گرا دیتا ہے اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ بڑی شدید قوت والا ہے۔

يُنْشِئُ: وہ اٹھائے گا۔ وہ پیدا کرے گا۔ اِنْشَاءٌ سے مضارع۔

اَلرَّعْدُ: گرج۔ (بادل کی) اسم بھی ہے مصدر بھی۔

اَلصَّوَاعِقُ: کڑک۔ بجلیاں۔ واحد صَاعِقَةٌ۔

اَلْمِحَالُ: حیلہ کرنا۔ گرفت کرنا۔ عذاب دینا۔ مصدر ہے۔

تشریح: خالق و مالکِ حقیقی وہی اللہ تو ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے۔ جب بجلی چمکتی ہے تو لوگ اس سے بارش کی امید کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی بجلی گرنے سے ڈرتے بھی ہیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ سفر میں ہوتے ہیں وہ بارش کے ضرر کا خوف کرتے ہیں، بعض لوگوں کو کھیتی تباہ ہونے کا خوف ہوتا ہے اور بعض مکانوں کے گرنے سے ڈرتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ بارش آنے سے گرمی اور موسم کی شدت دور ہو جائے گی۔ کھیتی اور پھلوں کو فائدہ پہنچے گا۔ گویا ایک ہی شئے ایک ہی وقت میں نعمت بھی ہے اور عذاب و مصیبت بھی اور یہ اس کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے۔

پھر فرمایا کہ وہی اللہ اپنی قدرتِ کاملہ سے بھاری بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے جو لاکھوں کروڑوں من پانی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بادل اللہ کے حکم کے بغیر کہیں نہیں برستے۔ یہ صرف ایسی جگہ اور اتنی ہی مقدار میں برستے ہیں جس مقام اور مقدار کے لئے اللہ کی طرف سے ان کو حکم دیا جاتا ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ ان بادلوں میں سے اپنی ضرورت کے لئے پانی کا ایک قطرہ بھی لے سکے۔

اس کے بعد فرمایا کہ بادل کی گرج حمد و ثنا کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے اور فرشتے بھی اس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں۔ غرض یہ رعد و برق اس کے قہر کی نشانیاں ہیں جن سے وہ بندوں کو ڈراتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ ٹوٹ کر گرنے والی بجلیاں بھیج کر جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ جلا کر ہلاک کر دیتا ہے۔ یہ منکرین حق اللہ کے قہر کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ وہ اس کی توحید، قدرت کاملہ، علم محیط، لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنے اور جزا و سزا دیئے جانے کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ (اللہ) بڑی سخت قوت و قدرت والا ہے۔ یہ منکرین و معاندین اس کے قبضہ، قدرت سے نہیں نکل سکتے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب تیز ہوا چلتی یا کڑک کی آواز سنتے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرۂ انور کا رنگ بدل جاتا پھر آپ رعد (بادل کی گرج) کے لئے فرماتے:

سُبْحَانَ مَنْ سَبَّحْتَ لَهُ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی تسبیح کی گئی۔

اور ریح کے لئے فرماتے

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا

اے اللہ اس کو باعث رحمت بنا اور اس کو باعث عذاب نہ بنا۔

بخاری، ترمذی، نسائی، احمد وغیرہ نے ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صواعق اور رعد کی آواز سنتے تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ لَاتَقْتُلْنَا بِغَضَبِکَ وَلَا تُھْلِکْنَا بِعَذَابِکَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِکَ۔

اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کرنا اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کرنا اور اس سے پہلے ہی ہمیں عافیت دینا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رعد سنتے تو فرماتے:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

ابن مردویہ اور ابن جریر نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رعد کی آواز سنتے تو کہتے:

سُبْحَانَ مَنْ یُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ۔

(مظہری ۲۲۳، ۲۲۵ / ۵، روح المعانی ۱۲۰ / ۱۳)

باطل معبودوں سے دعاء کی مثال

۱۴، ۱۵۔ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝

اسی کو پکارنا حق ہے اور اللہ کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کے کچھ بھی کام نہیں آتے مگر جیسے کوئی اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ وہ اس کے منہ میں آجائے حالانکہ وہ اس کے منہ تک (از خود کبھی) نہیں پہنچتا اور

کافروں کا (باطل معبودوں کو پکارنا) محض گمراہی ہے اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ چار و ناچار اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سائے بھی صبح و شام (سجدہ کرتے ہیں)

بَاسِطِ۔ کھولنے والا۔ پھیلانے والا۔ فراخ کرنے والا۔ بَسْطٌ سے اسم فاعل۔

کَفَّیْهِ۔ اس کا ہاتھ ملنا۔ اس کی ہتھیلیاں۔ واحد کَفٌّ۔ جمع اکف۔

فَاهُ۔ اس کا منہ۔

طَوْعًا۔ اطاعت کرنا۔ فرماں برداری کرنا۔ مصدر ہے۔

اٰصَالِ۔ شام کو۔ واحد اَصِیْلٌ۔

تشریح: حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے جو ہر قسم کے نفع و نقصان کا مالک ہے کسی عاجز و بے بس مخلوق کو پکارنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو اپنی مدد کے لئے پکارنا ایسا ہے جیسا کوئی پیاسا کنویں کی من پر کھڑا ہو کر اس امید کے ساتھ پانی کی طرف ہاتھ پھیلائے کہ وہ پانی خود بخود اس کے منہ تک آجائے۔ ظاہر ہے کہ وہ پانی قیامت تک از خود اس کے منہ تک نہیں آئے گا۔ یہی نہیں بلکہ اگر پانی اس کی چلو میں ہو تب بھی وہ خود بخود منہ میں نہیں جاسکتا تاوقتیکہ وہ اپنی چلو کو منہ تک نہ لے جائے کیونکہ پانی تو بے جان اور بے شعور چیز ہے۔ اس کو تو معلوم ہی نہیں کہ کون اس کو پکار رہا ہے۔ کافروں کے معبودوں کا بھی یہی حال ہے۔ کافر اپنے بتوں کو پکارتے ہیں مگر ان بتوں کو ان کی پکار کا پتہ بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ بے شعور و بے جان ہیں اس لئے وہ ان کی دعاء قبول نہیں کر سکتے۔

ہر چیز اللہ کے سامنے پست ہے اس لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں، خواہ خوشی سے کریں جیسے فرشتے اور اللہ کے مومن بندے یا مجبوری سے کریں جیسے منافق اور کافر جو مصائب کی شدت یا کسی اور مجبوری سے سر جھکاتے ہیں اگرچہ وہ اس کو پسند نہیں کرتے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ تمام مخلوق صبح و شام اللہ کے سامنے دائیں بائیں جھک کر اللہ کو سجدہ کرتی ہے اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتی ہے۔

(عثمانی ۷۰۲/۱، مظہری ۲۲۸،۲۲۷/۵)

مشرکین و منکرین سے سوالات

۱۶۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ (ان مشرکین سے) پوچھئے کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے۔ آپ (ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہے۔ (پھر) آپ ان سے کہئے کہ کیا پھر بھی تم نے اللہ کے سوا دوسرے مددگار قرار دے رکھے ہیں جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔ آپ ان سے (یہ بھی) پوچھئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہیں یا کہیں تاریکی اور نور برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا جن کو انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے انہوں نے بھی (کسی چیز کو) پیدا کیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ پھر ان کی نظر میں پیدائش مشتبہ ہو گئی۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر چیز کا خالق تو اللہ ہی ہے۔ وہی واحد ہے (اور) زبردست ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ یہ مشرکین بھی اسی کے قائل ہیں کہ زمین و آسمان کا رب اور مدبر اللہ ہی ہے۔ اس کے باوجود یہ غیر اللہ کو پوجتے ہیں جو ان کے اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے اور ہر طرح سے عاجز و بے بس ہیں۔ وہ ان کافروں کو تو کیا نفع پہنچائیں گے، وہ اپنے نفع و نقصان کا بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے مشرکین و منکرین سے درج ذیل چار سوال کئے ہیں:

۱۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ آسمان اور زمین کا مالک و رب کون ہے۔ جس نے ان کو بنایا اور قائم رکھا ہوا ہے۔ اگر یہ لوگ آپ کو کوئی جواب نہ دیں تو ان کی طرف سے آپ ہی جواب دے دیجئے کہ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا خالق و

مالک اور رب ہے۔ کیونکہ یہ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اگر یہ جواب دیں گے تو ان کا جواب بھی یہی ہو گا۔

۲۔ پھر فرمایا کہ آپ ان سے پوچھئے کہ تم اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنے کے بعد دوسروں کو اپنا کارساز و مددگار کیوں بناتے ہو۔ ان کو تو اپنے لئے بھی کوئی نفع حاصل کرنے کی قدرت نہیں اور نہ وہ اپنے آپ کو کسی نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ پھر وہ تمہارے کیا کام آئیں گے

۳۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ کیا نابینا (مشرک) اور بینا (مومن) برابر ہیں یا تاریکیاں (کفر) اور روشنی (ایمان) برابر ہو سکتے ہیں۔ پس جس طرح نابینا اور بینا۔ اندھیرا اور اجالا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح مومن و کافر اور ایمان و کفر بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ مومن بینا ہے جو راہِ حق کو دیکھتا ہے اور کافر اندھا ہے جو راہِ حق کی طرف التفات نہیں کرتا۔

۴۔ کیا ان مشرکوں نے جن بتوں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا ہوا ہے انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین، چاند و سورج، پہاڑ و سمندر، انسان و حیوان اور دیگر مخلوقات وغیرہ کو پیدا کیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اس جیسا اس کے برابر کا یا اس کے مثل کوئی نہیں۔ وہ وزیر و مشیر اور اولاد و بیوی سے پاک ہے۔ اس کی ذات ان سب سے بلند و بالا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، وہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے، وہی اپنی ذات و صفات میں واحد و یکتا ہے اور ہر چیز پر غالب و قادر ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ سب مغلوب ہے اور جو مغلوب ہو وہ خدا اور معبود نہیں ہو سکتا۔

(روح المعانی ۱۲۷، ۱۲۸ / ۱۳، ابن کثیر ۵۰۷، ۵۰۸ / ۲)

حق و باطل کا فرق

۱۷، ۱۸۔ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ

حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝

اس (اللہ) نے آسمان سے پانی اتارا پھر (اس سے) ندی نالے اپنی اپنی مقدار کے موافق بہنے لگے۔ پھر پانی کے ریلے نے پھولا ہوا جھاگ اٹھالیا اور جس چیز کو زیور یا کوئی سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے (پگھلاتے) ہیں (اس میں بھی) ویسا ہی جھاگ (میل کچیل) اوپر آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔ سو وہ جھاگ تو سوکھ کر جاتا رہتا ہے اور وہ (پانی) جو لوگوں کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح (حق و باطل کی) مثالیں بیان کرتا ہے۔ جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مان لیا ان کے لئے نیکی (فلاح دارین) ہے اور جن لوگوں نے اس کا حکم نہ مانا ان کے پاس اگر وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اتنا ہی اس کے ساتھ اور ہو تو (قیامت کے روز نجات حاصل کرنے کے لئے) سب کچھ اپنے فدیہ میں دے دیں (مگر وہ قبول نہ ہوگا) اور انہیں کا حساب برا ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ (بہت ہی) برا ٹھکانا ہے۔

سَالَتْ: وہ جاری ہوئی۔ وہ بہی۔ سَیَلَانٌ سے ماضی۔

اَوْدِیَۃٌ: نالے۔ وادیاں۔ واحد وَادِیٌ۔

زَبَدًا: جھاگ۔ میل کچیل۔ جمع اَزْبَادٌ۔

رَّابِیًا: چڑھنے والا۔ بلند ہونے والا۔ بڑھنے والا۔ رَبْوٌ سے اسم فاعل۔

یُوْقِدُوْنَ: وہ گرم کرتے ہیں۔ وہ دھونکتے ہیں۔ اِیْقَادٌ سے مضارع۔

حِلْیَۃٍ: زیور۔ گہنے۔ آرائش۔ جمع حُلًی۔

جُفَاءً: کوڑا کرکٹ۔ بے کار چیز۔ باطل اسم ہے۔

یَمْکُثُ: وہ ٹھہرتا ہے۔ وہ باقی رہتا ہے۔ مُکْثٌ سے مضارع۔

اَلْمِھَادُ: ٹھکانا۔ فرش، بچھونا

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں حق و باطل کے فرق، حق کی پائداری اور باطل کی بے ثباتی کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بادلوں سے مینہ برساتا ہے۔ پھر یہ بارش کا پانی دریاؤں اور ندی نالوں میں ان کی وسعت اور گہرائی کے مطابق بہنے لگتا ہے، کسی میں کم کسی میں زیادہ۔ جب یہ ندی نالوں کا پانی زمین پر بہتا ہے تو اس میں مٹی اور کوڑا کرکٹ ملنے سے پہلے تو یہ پانی گدلا ہو جاتا ہے پھر میل کچیل اور جھاگ پھول کر پانی کی سطح پر آجاتا ہے اور خالص پانی جس پر زندگی کا دارومدار ہے نیچے دبا اور چھپا رہتا ہے۔

اسی طرح زیورات، برتن اور ہتھیار وغیرہ بنانے کے لئے جب تیز آگ میں سونا، چاندی، تانبا، لوہا اور دوسری معدنیات پگھلائی جاتی ہیں تو ان میں بھی جھاگ اٹھتا ہے اور اصل دھات نیچے رہ جاتی ہے۔ پھر وہ جھاگ کچھ دیر بعد خشک ہو جاتا ہے یا ادھر ادھر پھیل کر ختم ہو جاتا ہے اور وہ چیز جو لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہوتی ہے جیسے صاف پانی اور خالص دھات وغیرہ، وہ باقی رہ جاتی ہے۔

یہی مثال حق و باطل کی ہے۔ جب وحی آسمانی دین حق کو لے کر نازل ہوتی ہے تو بنی آدم کے قلوب اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے موافق فیض حاصل کرتے ہیں۔ پھر کبھی کبھی حق و باطل باہم مل جاتے ہیں اور بظاہر باطل، جھاگ کی طرح حق پر چھا جاتا ہے، لیکن اس کا یہ غلبہ عارضی اور بے بنیاد ہوتا ہے جو بہت جلد ختم ہو جاتا ہے اور حق نتھر آتا ہے جیسے جھاگ بیٹھ جانے کے بعد پانی نتھر کر صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ عجیب عجیب مثالوں کے ذریعہ لوگوں کو مؤثر انداز میں سمجھاتا ہے۔

اسی طرح جب کسی کے دل میں حق اتر جائے اور پھر کسی وقت اوہام و وساوس غلبہ پانے کی کوشش کریں تو اس کو گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ کچھ دیر بعد یہ اوہام و وساوس خود ہی ختم ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت کو اچھی طرح قبول کر لیا اور اس کے احکام کی تعمیل کی تو ان کے لئے اچھا بدلہ ہے اور جن لوگوں نے دعوتِ الٰہیہ کو قبول نہیں کیا، ان کو اگر

دنیا بھر کی دولت مل جائے اور اتنی ہی اور بھی مل جائے، پھر وہ یہ تمام دولت دوزخ سے اپنی رہائی کے فدیہ میں دے دیں تب بھی ان کو دوزخ سے رہائی نہیں ملے گی۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کا حساب و کتاب نہایت سختی کے ساتھ ہو گا اور ان کا کوئی گناہ معاف نہیں کیا جائے گا اور ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔ (عثمانی ۰۳، ۰۴/ ۱، مظہری ۲۲۹، ۲۳۰/ ۵)

اہلِ عقل کی صفات

۱۹، ۲۴۔ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ط
اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا
يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ
يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝
وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا
وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ
فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝

جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے وہ سب حق ہے، کیا ایسا شخص اس کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔ بیشک نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔ وہ سمجھدار لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہ عہد کو توڑتے نہیں اور وہ ایسے ہیں کہ اللہ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے کا حکم دیا ہے وہ ان کو قائم رکھتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے خوف کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ طور پر بھی خرچ کرتے ہیں اور ظاہر کر کے بھی اور

برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے۔
ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ خود بھی رہیں گے اور ان کے باپ دادا اور
بیویوں اور اولاد میں سے وہ لوگ بھی (رہیں گے) جو نیک ہوں گے اور فرشتے
ہر (سمت کے) دروازے سے داخل ہو کر ان سے کہیں گے کہ تمہارے صبر
کرنے کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو۔ سو کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر (جو تمہیں ملا
ہے)۔

يَدْرَءُوْنَ: وہ دفع کرتے ہیں۔ وہ ٹلاتے ہیں۔ دَرْءٌ سے مضارع۔
عُقْبٰى: عاقبت۔ آخرت۔ بدلہ۔
عَدْنٍ: ہمیشہ رہنا۔ بسنا۔ کسی جگہ مقیم ہونا۔ مصدر ہے۔
نِعْمَ: اچھا ہے۔ خوب ہے۔ کلمہ مدح ہے۔

تشریح: کیا ان مشرکین کو ہدایت و گمراہی کا فرق نظر نہیں آتا؟ کیا ایسا شخص جو اس بات پر یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ سراسر حق ہے اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اندھا اور بے بصیرت ہو اور جو حق و باطل میں تمیز نہ کر سکتا ہو۔ بیشک نصیحت تو سمجھدار لوگ ہی قبول کرتے ہیں۔

سمجھدار لوگ وہ ہیں جنہوں نے یومِ میثاق میں اللہ کی ربوبیت کا جو اقرار کیا تھا اور "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کے جواب میں "بَلٰى" کہا تھا۔ وہ اپنے اس عہد کو پورا کرتے ہیں اور وہی لوگ اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد اور بندوں کے ساتھ کئے ہوئے وعدوں کو نہیں توڑتے۔

یہی وہ لوگ ہیں جو تمام انبیاء اور ساری آسمانی کتابوں پر کسی تفریق کے بغیر ایمان رکھتے ہیں اور تمام مومنوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور عزیز و اقارب سے حسن سلوک کرتے ہیں۔ اکثر علماء کے نزدیک یہاں "مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ" سے مراد صرف صلہ رحم ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں درازی عطا کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ قرابت داروں کو جوڑے رکھے۔ متفق علیہ۔

بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رشتہ قرابت کو جوڑنے والا وہ نہیں جو برابر کا بدلہ

دے بلکہ قرابت کو جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر رشتہ۔ قرابت (کسی عزیز کی طرف سے) ٹوٹ گیا تو وہ اس کو جوڑ دے، یعنی جو شخص تجھ سے عزیز داری اور قرابت ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا ختم کر چکا ہو تو، تو اس سے قرابت پیدا کر اور رشتہ کو جوڑ۔

پھر فرمایا کہ وہ عقل مند لوگ اپنے رب کی وعید سے ڈرتے ہیں اور قیامت کے روز حساب کی سختی سے ڈرتے ہیں۔ یہی لوگ محض اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لئے خواہشات کی مخالفت پر قائم اور جمے رہے اور نماز قائم کی اور اللہ کے عطا کئے ہوئے مال میں سے کبھی ظاہر کر کے اور کبھی چھپا کر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور یہی لوگ بدی کو نیکی کے ذریعہ ختم کرتے ہیں۔ یعنی نیک کام کر کے برے کاموں کی تلافی کر دیتے ہیں۔ جیسے کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ (سورۂ ھود۔ آیت ۱۱۴)

بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔

مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی بھی کر۔ یہ اس کو مٹا دے گی۔

(مسند احمد ۲۱۳ / ۶)

پھر فرمایا کہ ایسے ہی عقل مند لوگوں کے لئے آخرت کا گھر ہے جہاں ان کے قیام اور رہنے کے لئے باغ ہیں۔ یہی لوگ ان باغوں میں داخل ہوں گے اور ان کے نیک آباواجداد اور ان کی نیک بیویاں اور نیک اولاد بھی ان میں داخل ہوگی اور ان کو مبارک باد دینے کے لئے جنت کے ہر دروازے سے فرشتے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ تمہارے صبر و استقامت کے بدلے تم پر سلامتی ہو۔ پس کیا ہی اچھا ہے آخرت کا گھر جو تمام آفاتِ ظاہری و باطنی سے محفوظ و مامون ہے۔

(مظہری ۲۳۰، ۲۳۴ / ۵، روح المعانی ۱۳۹، ۱۴۵ / ۱۳)

کافروں کی بداعمالیوں کا نتیجہ

۲۵، ۲۶۔ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ

اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ○

اور جو لوگ مضبوط کرنے کے بعد اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے لئے لعنت ہے اور انہی کے لئے برا گھر (دوزخ) ہے اللہ جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کرتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور یہ (کافر) دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہیں اور آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی ایک متاع حقیر کے سوا کچھ نہیں۔

تشریح: جو لوگ نادان اور عقل سے کورے ہیں وہ اللہ کے ساتھ اس کی وحدانیت اور عبادت کا پختہ عہد کرنے کے بعد اس کو توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے، یہ لوگ ان کو بھی توڑ دیتے ہیں اور کفر و شرک، لوٹ مار اور قتل و غارت کے ذریعہ دنیا میں فساد پھیلاتے ہیں۔ ایسے ہی بدبختوں اور بدعقلوں پر اللہ کی لعنت ہے اور آخرت میں ان کے لئے برا گھر ہے جو دائمی ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو تنگ کر دیتا ہے۔ رزق میں تنگی اور کشادگی اس کی حکمتِ بالغہ کے تحت ہے نہ کہ کسی کی اپنی ہوشیاری اور لیاقت و اہلیت کے سبب۔ یہ اہلِ مکہ اس دنیاوی زندگی پر فریفتہ ہیں۔ اللہ نے ان کے رزق میں جو کشادگی فرمادی ہے یہ اس پر مغرور ہیں اور اتراتے ہیں اور اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے حالانکہ دنیا کی زندگی اور اس کے عیش و عشرت پر ان کا اترانا بالکل بے معنی ہے اس لئے کہ دنیا کی زندگی تو آخرت کے مقابلے میں صرف ایک حقیر سی متاع ہے جو دنیا کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔ (مظہری ۲۳۵ / ۵)

مسند احمد میں مستورد بن شداد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا ایسی ہی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے اور دیکھے کہ کیا لائی۔ (مسند احمد ۲۷۰ / ۵)

منکرین کا معجزے طلب کرنا

۲۷۔۲۹۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْٓ إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ ان کے رب کی طرف سے ان پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ آپ کہہ دیجئے کہ بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کرتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جن کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو (حقیقی) اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ان کے لئے خوشحالی (خوبی) اور اچھا ٹھکانا ہے۔

اَنَابَ: وہ متوجہ ہوا۔ وہ رجوع ہوا۔ اَنَابَۃٌ سے ماضی۔

طُوبٰی: خوشحالی۔ جنت کا ایک درخت۔

مَاٰب: واپس ہونے کی جگہ۔ لوٹنے کی جگہ۔ اَوْبٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: مشرکینِ مکہ سیکڑوں معجزے دیکھنے کے بعد بھی مرغے کی ایک ٹانگ پکڑے ہوئے تھے کہ جو ہم طلب کریں وہ معجزہ دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے سرکا کر کھیتی باڑی کے لئے زمین وسیع کر دو یا زمین کو پھاڑ کر چشمے اور نہریں نکال دو یا ہمارے پرانے بزرگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ہم سے بات چیت کرا دو۔ غرض کوئی ایسا معجزہ دکھاؤ جو ہمیں ایمان لانے پر مجبور کر دے۔ اس قسم کے مطالبات مشرکین مکہ نے متعدد مواقع پر کئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اگر یہ لوگ اپنے مطلوبہ معجزات دیکھنے کے بعد بھی ٹس سے مس نہ ہوئے تو پھر ان کو تہس نہس کر دیا جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی کہ

ان کی خواہش کے مطابق میں صفا پہاڑ کو سونے کا کر دیتا ہوں ۔ عرب کی زمین میں میٹھے پانی کی ریل پیل کر دیتا ہوں پہاڑی زمین کو زرعی زمین سے بدل دیتا ہوں، اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو انہیں وہ سزا دوں گا جو کسی کو نہ دی ہوگی ۔ اگر چاہو تو یہ کر دوں اور اگر چاہو تو ان کے لئے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھلا رہنے دوں ۔ تو آپ نے دوسری صورت پسند فرمائی ۔ چنانچہ انہیں مشرکین میں سے بعد میں بہت سے لوگ ایمان لائے ۔

پھر فرمایا کہ اللہ نے نشانیاں تو بہت اتاری ہیں مگر گمراہی کے سبب تمہیں نظر نہیں آتیں ۔ جو شخص ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی راہِ راست پر نہ آئے تو سمجھ لو کہ اللہ کی مشیت یہی ہے کہ وہ راہِ راست پر نہ آئے ۔ اللہ کی ہدایت و توفیق تو اسی کو نصیب ہوتی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور حق کا طالب ہو ۔ ایسا شخص تو معجزہ دیکھے بغیر ہی ایمان لے آتا ہے ۔

اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تو وہ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی یاد سے ان کے دلوں کو اطمینان و سکون حاصل ہوتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے ذکر کی یہی خاصیت ہے کہ اس سے دلوں کو اطمینان و سکون حاصل ہو ۔ سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک صالح اعمال کئے تو ان کے لئے پاکیزہ زندگی اور اچھا ٹھکانا ہے ۔ اطمینانِ قلب دنیاوی مال و دولت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ تعلق مع اللہ سے حاصل ہوتا ہے ۔

(عثمانی ۷۰۷، ۷۰۸ / ۱، ابن کثیر ۵۱۲، ۵۱۴ / ۲)

منکرین کی فطرت

۳۰۔ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح ہم نے آپ کو ایک ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا ہے کہ جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ ان کو وہ (کتاب) پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور یہ لوگ رحمن سے منکر ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تو وہ ہے جس کے سوا اور کوئی

معبود نہیں ۔ میں نے تو اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف مجھے رجوع کرنا ہے ۔

قَدْ: ہے ۔ کافی ۔ تحقیق ۔ کبھی، اسم بھی ہے، حرف بھی ۔ ماضی اور مضارع دونوں پر آتا ہے ۔

خَلَتْ: وہ گزر گئی ۔ خُلُوٌّ سے ماضی ۔

مَتَابِ: توبہ کرنا ۔ رجوع کرنا ۔ تَوْبٌ سے مصدر میمی بھی ہے اور اسم ظرف بھی ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی نبوت و رسالت کوئی انوکھی چیز نہیں ۔ جس طرح آپ سے پہلے دوسرے پیغمبروں کو ہم نے ان کی امتوں کی طرف بھیجا تھا اسی طرح ہم نے آپ کو بھی ایک امت میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے ۔ آپ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں جن کی طرف دوسرے پیغمبروں کو بھیجا گیا تھا ۔ ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے تاکہ آپ ان کو وہ قرآن پڑھ کر سنا دیں جو ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ دیا ہے ۔ یہ قرآن آپ کی نبوت و رسالت کی سب سے بڑی نشانی اور اللہ کی عظیم رحمت اور نعمت ہے ۔

ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں اور قرآن پر ایمان نہیں لاتے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جس رحمن کا تم انکار کرتے ہو وہی میرا خالق اور کارساز ہے ۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ اسی پر میرا بھروسہ ہے، وہی تمہارے مقابلے میں میری مدد کرے گا ۔ اسی کی طرف میری تمام تر توجہ اور رجوع ہے ۔ (مظہری ۲۳۹ / ۵)

مشرکین کی فرمائش

۳۱، ۳۲ - وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ
بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا
اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ
حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝ وَلَقَدِ

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ۔ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ○

اور اگر کوئی ایسا قرآن (نازل) ہوتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے یا زمین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی یا اس کے ذریعہ مردے بولنے لگتے (تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے) بلکہ سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ کیا پھر بھی ایمان والوں کو اس پر خاطر جمعی نہیں ہوئی کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت دے دے اور کافروں کو تو ان کی بد اعمالی کے سبب ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی یا وہ بلا ان کے گھر کے دروازے پر آترے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اور البتہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کے ساتھ استہزاء ہو چکا ہے۔ سو ہم نے منکروں کو مہلت دی پھر ان کو پکڑ لیا۔ سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا۔

يَايْئَسِ: وہ مایوس ہوتا ہے۔ وہ ناامید ہوتا ہے۔ يَأْسٌ سے مضارع۔

قَارِعَةٌ: کھڑ کھڑا دینے والی قیامت۔ سخت مصیبت قَرْعٌ سے اسم فاعل۔

تَحُلُّ: وہ نازل ہوگی۔ وہ اترے گی۔ حُلُوْلٌ سے مضارع

اَمْلَيْتُ: میں نے ڈھیل دی۔ میں نے مہلت دی۔ اِمْلَاءٌ سے ماضی۔

عِقَابِ: عقوبت، عذاب، سزا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے لکھا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اگر وہ صحیح ہے تو آپ ہمارے مردہ اسلاف کو ہم سے ملا دیں تاکہ ہم ان کو دیکھیں اور ان سے باتیں کریں (اور وہ آپ کی تصدیق کریں) اور مکہ کے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے ہٹا کر) پھیلا دیں اور اس زمین کو کشادہ کر دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۳۹/ ۵)

ابو نعیم نے دلائل النبوہ میں زبیر بن العوام کی حدیث سے بیان کیا کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی قبیس پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے پکارا: اے آل عبد مناف! بیشک میں خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر جب قریش کے لوگ آپ کے پاس آئے تو آپ نے ان کو (آخرت کے بارے میں) ڈرایا اور ان کو خبردار کیا۔ پس

انہوں نے کہا کہ آپ کا گمان ہے کہ آپ نبی ہیں، آپ پر وحی کی جاتی ہے اور یہ کہ (حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا اور پہاڑوں کو مسخر کر دیا گیا تھا۔ اور (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) کے لئے سمندروں کو مطیع کر دیا گیا تھا اور یہ کہ (حضرت) عیسیٰ (علیہ السلام) مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ سو آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان پہاڑوں کو چلا کر ہمارے پاس سے دور لیجائے۔ اور زمین کو پھاڑ کر ہمارے لئے نہریں جاری کر دے تاکہ ہم کھیتی باڑی کر کے خوراک حاصل کریں اور یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ ہمارے مردوں کو زندہ کر دے تاکہ ہم ان سے باتیں کریں اور وہ ہم سے باتیں کریں اور یا یہ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اس پہاڑ کو جو آپ کے نیچے ہے (جبل ابی قبیس) سونے کا بنا دے تاکہ ہم اس کو کھود (کر نفع حاصل کر) لیں اور ہم سردی و گرمی کے سفروں سے بے نیاز ہو جائیں۔ کیونکہ آپ کا گمان ہے کہ آپ بھی انہیں (پیغمبروں) کی مانند (پیغمبر) ہیں۔ اس کے بارے میں وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ..... تین آیات تک اور آیت وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۱۵۸ / ۱۳)

تشریح: یہاں قرآن سے مراد عام کتاب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسی کتاب اتاری جاتی جس سے تمہارے یہ فرمائشی معجزے پورے ہو جاتے تو اس قرآن کے سوا اور کون سی کتاب ہو سکتی تھی۔ یہی قرآن ہے جس نے پہاڑوں کی طرح جمے ہوئے لوگوں کو روحانی طور پر ان کی جگہ سے ہٹا دیا، بنی آدم کے قلوب کی زمینوں کو پھاڑ کر معرفتِ الٰہی کے چشمے جاری کر دیئے۔ اللہ تک پہنچنے کے راستے برسوں کی جگہ منٹوں میں طے کرا دیئے، مردہ قوموں اور دلوں میں ابدی زندگی کی روح پھونک دی۔ جب ایسے قرآن سے تمہیں ہدایت و شفاء نصیب نہ ہوئی تو اگر تمہارے طلب کردہ معجزے مادی طور پر بھی تمہیں دکھا دیئے جاتے تب بھی کیا امید تھی کہ تم ایمان لے آتے اور نئی کج بحثیاں شروع نہ کر دیتے۔ تم تو ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہو۔ تم کسی معجزے کو دیکھ کر ایمان لانے والے نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور ہدایت اسی کو حاصل ہوتی ہے جو قبول حق کی خواہش و تڑپ رکھتا ہو۔

بعض مسلمانوں کو از راہِ شفقت یہ خیال ہوا کہ کاش کوئی بڑی نشانی ظاہر ہو جاتی تو شاید یہ لوگ ایمان لے آتے۔ اس لئے ان کی تسلی و اطمینان کے لئے فرمایا کہ تم اطمینان رکھو، اگر اللہ چاہے تو کوئی معجزہ دکھائے بغیر ہی سب کو راہِ راست پر لے آئے۔ لیکن یہ اس کی عادت و حکمت

کے خلاف ہے ۔ ان کافروں کو ان کے کرتوتوں کی سزا میں ایک نہ ایک مصیبت ہمیشہ پہنچتی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب، ان کے آس پاس والوں پر کوئی نہ کوئی مصیبت نازل ہوتی رہے گی جسے دیکھ کر یہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے اور مکہ فتح ہو جائے اور جزیرۃ العرب شرک کی نجاست سے پاک و صاف ہو جائے اور اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے جس کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے ۔ بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔

جس طرح یہ کافر آپ سے استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے پیغمبروں سے بھی استہزاء کیا جاتا تھا ۔ سو آپ اس پر رنجیدہ نہ ہوں ۔ پس میں نے ان مسخروں کو فوراً نہیں پکڑا بلکہ میں نے ان کو مہلت دے رکھی تھی، تاکہ وہ دل کھول کر انبیاء کا مذاق اڑالیں ۔ پھر جب وہ حد سے بڑھ گئے تو میں نے ان کو اچانک عذاب میں پکڑ لیا ۔ سو دیکھو میرا عذاب کیسا برمحل واقع ہوتا ہے ۔ جو لوگ آپ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرتے ہیں میں ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کروں گا ۔

(عثمانی ۷۰۸، ۷۰۹/ ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۴/ ۴)

مشرکین کے باطل عقائد

۳۳، ۳۴ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝

بھلا کیا وہ ذات جو ہر ایک کے عمل سے باخبر ہے (بتوں کے برابر ہے) اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں ۔ آپ ان سے کہئے کہ تم ان (بتوں) کے نام تو لو یا تم اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا یا تم یونہی باتیں بناتے ہو بلکہ ان کافروں کو اپنی فریب کی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور (اسی وجہ سے) یہ لوگ راہ (راست) سے محروم رہ گئے اور جس کو اللہ گمراہ کر

دے پھر اس کو ہدایت دینے والا کون ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور البتہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی نہیں ان کو اللہ سے بچانے والا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہر انسان کا حافظ و نگہبان ہے اور ہر ایک کے اچھے اور برے اعمال سے باخبر ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ کوئی کام اس کی بے خبری میں نہیں ہوتا۔ ہر جاندار کی روزی اس کے ذمہ ہے، ہر ایک کے ٹھکانے کا اسے علم ہے۔ ہر بات اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے وہ ہر کھلی اور چھپی بات کو جانتا ہے۔ وہ ہر ایک کے ساتھ ہے اور اس کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ کیا ایسی صفات والا خدا اتبار ے باطل معبودوں جیسا ہو سکتا ہے جو محض عاجز و بے خبر ہیں۔ نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ وہ اپنے لئے کسی چیز کے مالک ہیں نہ کسی اور کے نفع و نقصان کا انہیں اختیار ہے۔

ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرا رکھا ہے اور وہ ان عاجز و بے بس معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ذرا ان معبودوں کے نام تو بتاؤ اور ان کے حالات تو بیان کرو تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ وہ کیسے عاجز و بے حقیقت ہیں۔ کیا ان میں اللہ تعالیٰ کی مذکورہ صفات میں سے کوئی صفت پائی جاتی ہے۔ کیا تم اللہ کو ایسی باتیں بتاتے ہو جن کا وجود ہی نہیں۔ بفرض محال اگر زمین میں اس کا کوئی شریک ہوتا تو وہ اللہ کے علم میں ضرور ہوتا کیونکہ کوئی چیز اس سے مخفی نہیں یا تم صرف انکل پچو باتیں بنا رہے ہو اور گپ مار رہے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کو ان کا مکر و فریب بھلا دکھائی دے رہا ہے، وہ اپنے کفر و شرک پر نازاں ہیں۔ دن رات اسی میں مگن ہیں اور دوسروں کو بھی اسی طرف بلا رہے ہیں۔ ان کے مکر و فریب کی وجہ سے ان لوگوں کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا ہے۔ سو جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کون راہِ راست پر لا سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی عذاب ہے جیسے مومنوں کے ہاتھوں قتل و غارت ہونا اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے کیونکہ وہ شدید ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی بھی ہے۔ کوئی نہیں جو ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

(ابن کثیر ۵۱۶ / ۲)

پرہیزگاری کا بدلہ

۳۵، ۳۷ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖ
وَّعُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ○ وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ
یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ
قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَاِلَیْهِ
مَاٰبِ ○ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ
اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ
وَّلَا وَاقٍ ○

جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا حال (یہ ہے) کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس کا پھل اور اس کا سایہ دائمی ہے۔ یہ تو پرہیزگاروں کا انجام ہے اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اس (کتاب) سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور ان جماعتوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف مجھے جانا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا اور اگر آپ اپنے پاس علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں پر چلیں گے تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی آپ کا مددگار ہوگا اور نہ بچانے والا۔

تشریح: پرہیزگاروں سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی ایک صفت تو یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف نہریں جاری ہیں جن کا پانی خراب نہیں ہوتا۔ پھر دودھ کی نہریں ہیں جن کے دودھ کا مزہ کبھی نہیں بگڑتا۔ شراب کی نہریں ہیں، جس میں صرف لذت ہی لذت ہے۔ اس میں نہ بدمزگی ہے اور نہ بیہودہ نشہ۔ اور اس میں صاف شہد کی نہریں ہیں اور ہر قسم کے پھل ہیں، جو ہمیشہ رہیں گے۔ اس کی کھانے پینے کی چیزیں کبھی فنا نہیں ہوں گی۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ

ارشاد ہے:

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ لَّا مَقْطُوعَةٍ وَّلَا مَمْنُوعَةٍ

(سورۃ واقعہ۔ آیت ۳۳)

وہاں بکثرت میوے ہوں گے، نہ کبھی کٹیں گے اور ٹوٹیں گے اور نہ کبھی ختم ہوں گے۔

قرآن کریم میں جنت اور دوزخ کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے تاکہ لوگوں کو جنت کا شوق ہو اور دوزخ کا خوف۔ یہاں بھی جنت اور اس کی چند نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہ پرہیز گاروں کا انجام ہے اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔

پھر فرمایا جن لوگوں کو اس سے پہلے آسمانی کتاب (توریت و انجیل وغیرہ) دی گئی تھی اور وہ اس پر عمل بھی کرتے رہے، جیسے عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی اور حبش کے عیسائی مسلمان وغیرہ، تو ایسے لوگ اس کتاب سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر نازل کی گئی کیونکہ آپ کی بشارت و صداقت ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ البتہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اس قرآن کی بعض باتوں کو نہیں مانتے جو ان کی دنیوی اغراض و منافع میں رکاوٹ بنتی ہیں یا ان کی شریعتوں کے موافق نہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہیں اپنا اختیار ہے کہ تم اپنے احمقانہ عقائد پر قائم رہو۔ مجھے تو اللہ کی طرف سے یہی حکم ہے کہ میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں۔ میں لوگوں کو بھی اسی خدائے واحد کی طرف بلاتا ہوں اور اسی خدا کی طرف مجھے واپس جانا ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح ہم نے آپ سے پہلے نبی بھیجے، ان پر انہیں کی زبانوں میں کتابیں نازل فرمائیں ہیں، اسی طرح ہم نے اس قرآن کو آپ پر نازل فرمایا۔ یہ قرآن محکم و مضبوط ہے اور عربی زبان میں ہے جو آپ کی اور آپ کی قوم کی زبان ہے تاکہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اس کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہو۔ یہ آپ پر اللہ کا خاص احسان و انعام ہے۔ اگر بفرض محال آپ نے اس خدائی علم اور وحیِ الٰہی کے آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو آپ کو اللہ کے عذاب و گرفت سے بچانے والا اور آپ کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہوگا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۶، ۱۰۹ / ۴، ابن کثیر ۵۱۷، ۵۱۸ / ۲)

اللہ تعالیٰ کا مالک و مختار ہونا

۲۱،۳۸۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ سے پہلے بھی ہم (بہت سے) رسول بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان کو بیویاں اور اولاد دی تھی اور کسی بھی رسول کے اختیار میں نہ تھا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لاتا۔ ہر مدت کے لئے ایک تحریر ہے۔ (اس میں سے) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے۔ اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) خواہ ہم آپ کو (آپ کی زندگی میں) ان وعدوں میں سے بعض وعدے دکھا دیں جو ہم نے ان سے کئے ہیں یا (اس سے پہلے) ہم آپ کو وفات دے دیں۔ بہر حال آپ کے ذمہ تو صرف (پیغامِ حق) پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔ کیا وہ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ (جو چاہتا ہے) حکم کرتا ہے۔ اس کے حکم کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔

اَجَلٍ: کسی چیز کی مدت۔ وقت۔ موت کا وقت۔ مہلت۔ جمع اٰجَالٌ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ہر ایک وقت کا ایک حکم ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنی حکمت کے مطابق فرض کیا ہے۔ (تفسیر نسفی ۲/۲۵۲)

اُمُّ الْكِتٰبِ: ہر کتاب کی اصل۔ اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے کیونکہ ہر بات جو ہونے والی ہے وہ اس میں تحریر ہے۔ (تفسیر نسفی ۲/۲۵۲)

اس سے مراد سورۂ فاتحہ بھی ہے ۔ حدیث میں آتا ہے کہ بلاشبہ ام الکتب سورۂ فاتحہ ہے کیونکہ وہ تمام نمازوں میں ہر سورت سے پہلے پڑھی جاتی ہے ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اُمُّ الْكِتٰبِ سے مراد شروع سے آخر تک پورا قرآن کریم ہے ۔ (لسان العرب ۱۲/۳۱)

يَمْحُوْا: وہ محو کرتا ہے ۔ وہ مٹاتا ہے ۔ مَحْوٌ سے مضارع ۔

مُعَقِّبَ: ہٹانے والا ۔ رد کرنے والا ۔ تَعْقِيْبٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح: حقیقت یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی ہم نے بہت سے پیغمبر بھیجے ۔ جس طرح آپ انسان ہونے کے باوجود اللہ کے رسول ہیں اسی طرح وہ بھی فرشتے نہیں تھے بلکہ عام انسانوں کی طرح انسان تھے ۔ آپ بھی کھاتے پیتے ہیں، بیوی بچوں والے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں، اسی طرح وہ بھی کھاتے پیتے تھے اور بیوی بچوں والے تھے ۔

پھر فرمایا کہ نبی کے اختیار میں نہیں کہ وہ اپنی مرضی سے ایسا معجزہ ظاہر کر دے جو اس سے طلب کیا جائے کیونکہ سب پیغمبر بندے ہیں، رب نہیں ۔ معجزے کا ظاہر ہونا صرف اللہ کے ارادے اور مشیت اور اس کی حکمت و مصلحت پر موقوف ہے ۔ وہ جب چاہتا ہے ظاہر کر دیتا ہے ہر چیز کا مقررہ وقت اللہ نے تحریر کر دیا ہے ۔ اس تحریر میں ہر چیز کی ابتداء اور انتہاء لکھی ہوئی ہے ۔ مثلاً اللہ نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ زید فلاں وقت پیدا ہو گا اور اتنی مدت تک زندہ رہے گا ۔ کافر ہو گا یا مومن وغیرہ وغیرہ ۔ اسی طرح اللہ نے ہر معجزے کے ظہور کا وقت بھی لکھ دیا ہے کہ فلاں معجزہ فلاں وقت ظاہر ہو گا ۔ لوگ اس کی طلب میں خواہ کتنی ہی عجلت کریں، وہ مقررہ وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہو سکتا ۔

اللہ تعالیٰ مالک و مختار ہے ۔ اس نے اپنی حکمت، ارادہ اور مشیت سے ہر چیز کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے مگر وہ اس پر لازم نہیں ۔ وہ اس میں جس طرح چاہتا ہے تغیر و تبدل کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اپنی قدرت و حکمت سے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ثابت و برقرار رکھتا ہے ۔ اسی کے پاس ام الکتب ہے ۔ حضرت کعب نے فرمایا کہ اس سے مراد اللہ کا علم ہے ۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ کی زندگی ہی میں ان پر کوئی عذاب نازل ہو جائے اور کافروں کی ذلت و خواری آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یا ہم ان وعدوں کے واقع ہونے سے پہلے آپ کو وفات دے دیں اور آپ کی زندگی میں ان کو کامل شکست نہ ہو تو آپ اس کی فکر نہ کریں ۔

آپ کے ذمہ تو ہمارا پیغام پہنچا دینا ہے ۔ ان سے حساب لینا اور ان کو سزا دینا ہمارے ذمہ ہے ۔ قیامت کے روز جب یہ ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق سزا دیں گے ۔

کیا مکہ کے کافر یہ نہیں دیکھتے کہ مسلمان کافروں کے علاقے فتح کرتے چلے جا رہے ہیں ۔ کیا ان کی عبرت کے لئے یہ مشاہدہ کافی نہیں ۔ بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک زمین کی کمی سے مراد ویرانی اور تباہی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ کیا ان کافروں کو یہ نظر نہیں آتا کہ ہم ان کی آبادیوں کو اجاڑ رہے ہیں اور ان آبادیوں میں رہنے والوں کو ہلاک کر رہے ہیں ۔ اللہ اپنی مخلوق کے معاملات میں جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے ۔ کوئی اس کے حکم کو ٹالنے اور توڑنے والا نہیں ۔ وہ بہت جلد ان سے حساب لینے والا ہے ۔

(مظہری ۲۲۵، ۲۲۴، ۸ / ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۵۰، ۹ / ۴)

آپؐ کی صداقت پر اللہ کی گواہی

۴۲، ۴۳ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ
مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ
بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

اور ان سے پہلے لوگ (کافر) بھی تدبیریں کر چکے ہیں ۔ سو سب تدبیریں اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۔ جو شخص جو کچھ بھی کرتا ہے اللہ کو سب خبر رہتی ہے ۔ کافروں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے ۔ اور کافر کہتے ہیں کہ آپ رسول نہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری نبوت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے اور اس شخص کی گواہی کافی ہے جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے ۔

تشریح: جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں وہ خوب سمجھ لیں کہ گزشتہ اقوام میں سے جو کافر تھے انہوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء اور مومنوں سے مکر و فریب کئے تھے لیکن ان کے سب مکر و فریب بے کار گئے ۔ اللہ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا کیونکہ سب مکر

و قریب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہر عمل سے باخبر ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ کافروں کو بہت معلوم ہو جائے گا کہ کس کا انجام اچھا ہوا ان کافروں کا یا مومنوں کا۔

مشرکین مکہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور آپ کی رسالت کا انکار کر رہے ہیں۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارے جھٹلانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کیونکہ اس نے میری رسالت کی صداقت ایسے دلائل سے واضح کر دی ہے جن کے بعد کسی اور شاہد کی ضرورت نہیں۔ وہ قیامت کے روز اس کا فیصلہ کر دے گا۔ اس وقت ان منکروں کے پاس کوئی عذر نہ ہو گا۔ نیز جس کے پاس کتاب الٰہی کا صحیح علم ہے وہ بھی میری نبوت و رسالت کا کافی گواہ ہے یعنی اہلِ کتاب میں سے معتبر لوگ آپؐ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نبوت کی شہادت دیں گے۔ (مظہری ۲۴۹ / ۵)

جنت کی ضمانت

حضرت انس رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا! تم مجھے چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

۱۔ جب تم میں سے کوئی بات کرے تو جھوٹ نہ بولے۔
۲۔ جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف نہ کرے۔
۳۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت نہ کرے۔
۴۔ اپنی نگاہ نیچی رکھو۔
۵۔ اپنے ہاتھوں کو (ظلم کرنے سے) روک لو۔
۶۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو۔ (رواہ ابو یعلی)

مقالاتِ زواریہ

ترتیب: سید فضل الرحمٰن

- فقیہ العصر حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریباً ۱۴۰ نشری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔
- طلباء، علماء، مقررین اور واعظین کے لئے ایک بیش بہا تحفہ، اور عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔
- تمام تقاریر اور مضامین کی زبان نہایت سادہ، اندازِ بیاں عام فہم اور قرآنی آیات واحادیث کی دلنشیں تشریح ہے۔
- تمام قرآنی آیات کی اصل عربی عبارت اور اسکا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔
- بعض ایسے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو اہلِ علم کے ہاں اختلافی رہے ہیں۔
- روزمرہ پیش آنے والے مسائل و مشکلات پر تبصرہ اور سماجی و معاشرتی برائیوں کے انسداد و سدباب کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئی ہیں۔
- اس مجموعہ کو درج ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) قرآنی تعلیمات، (۲) ایمان و دعوتِ اسلام، (۳) احکامِ دین،

(۴) تجارت و معیشت، (۵) اخلاق و حقوق، (۶) تصوف و سلوک،

(۷) سیرت و سوانح

- خوبصورت اور دلکش رنگین سرِورق، اعلیٰ کمپیوٹر کمپوزنگ، نہایت نفیس آفسٹ طباعت اور مضبوط جلد بندی کی اضافی خوبیوں کے ساتھ۔ اہلِ علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ۔

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز کی اہم اور مفید مطبوعات

۱۔ احسن البیان فی تفسیر القرآن: قرآن کریم کی عام فہم تفسیر جو عوام الناس کے لئے بے حد مفید ہے' از سید فضل الرحمٰن' جلد اول سورۃ فاتحہ و بقرہ صفحات ۴۴۸' جلد دوم سورہ آل عمران و نساء صفحات ۴۰۸' جلد سوم سورہ مائدہ' انعام' اعراف صفحات ۴۶۴ جلد چہارم سورہ انفال تا سورہ رعد صفحات ۴۶۴۔

۲۔ استحکام پاکستان' سیرت طیبہ کی روشنی میں' سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ' سید عزیز الرحمٰن صفحات ۶۰

۳۔ افکار زواریہ' حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ کے افکار و معارف کا گرانقدر مجموعہ ترتیب سید فضل الرحمٰن صفحات ۲۸۰۔

۴۔ تاریخ خط و خطاطین۔ خط اور خطاطی کی پوری تاریخ' اردو میں اپنی نوعیت کی منفرد کتاب' از پروفیسر سید محمد سلیم۔

۵۔ تحریک پاکستان کے فکری محرکات' سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ' از سید فضل الرحمٰن' صفحات ۹۶

۶۔ تحفہ ابراہیمہ' سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ حضرت مولانا دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ کے مکاتیب۔

۷۔ تعمیر شخصیت و فلاح انسانیت' سیرت ایوارڈ یافتہ مقالہ' از سید عزیز الرحمٰن' صفحات ۶۰

۸۔ خطبہ حجۃ الوداع' اردو ترجمے کے ساتھ' از سید فضل الرحمٰن' صفحات ۴۴۔

۹۔ خطوط ہادی اعظمؐ' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستیاب شدہ ۶ مکتوبات کا عکس مع متعلقہ تفصیل' از سید فضل الرحمٰن' صفحات ۲۷

۱۰۔ رہبر حج' حج و عمرے کے احکام کی مکمل تفصیل' از سید فضل الرحمٰن جیبی سائز' صفحات ۱۹۲

۱۱۔ عمدۃ السلوک' (جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن) تصوف و سلوک پر مشہور و مقبول کتاب جس کے دسیوں ایڈیشن نکل چکے ہیں' از حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۲۔ مقالات زواریہ' حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحبؒ کی نشری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔ جسمیں آپؒ کے ۱۳۹ مضامین اور تقاریر شامل ہیں۔

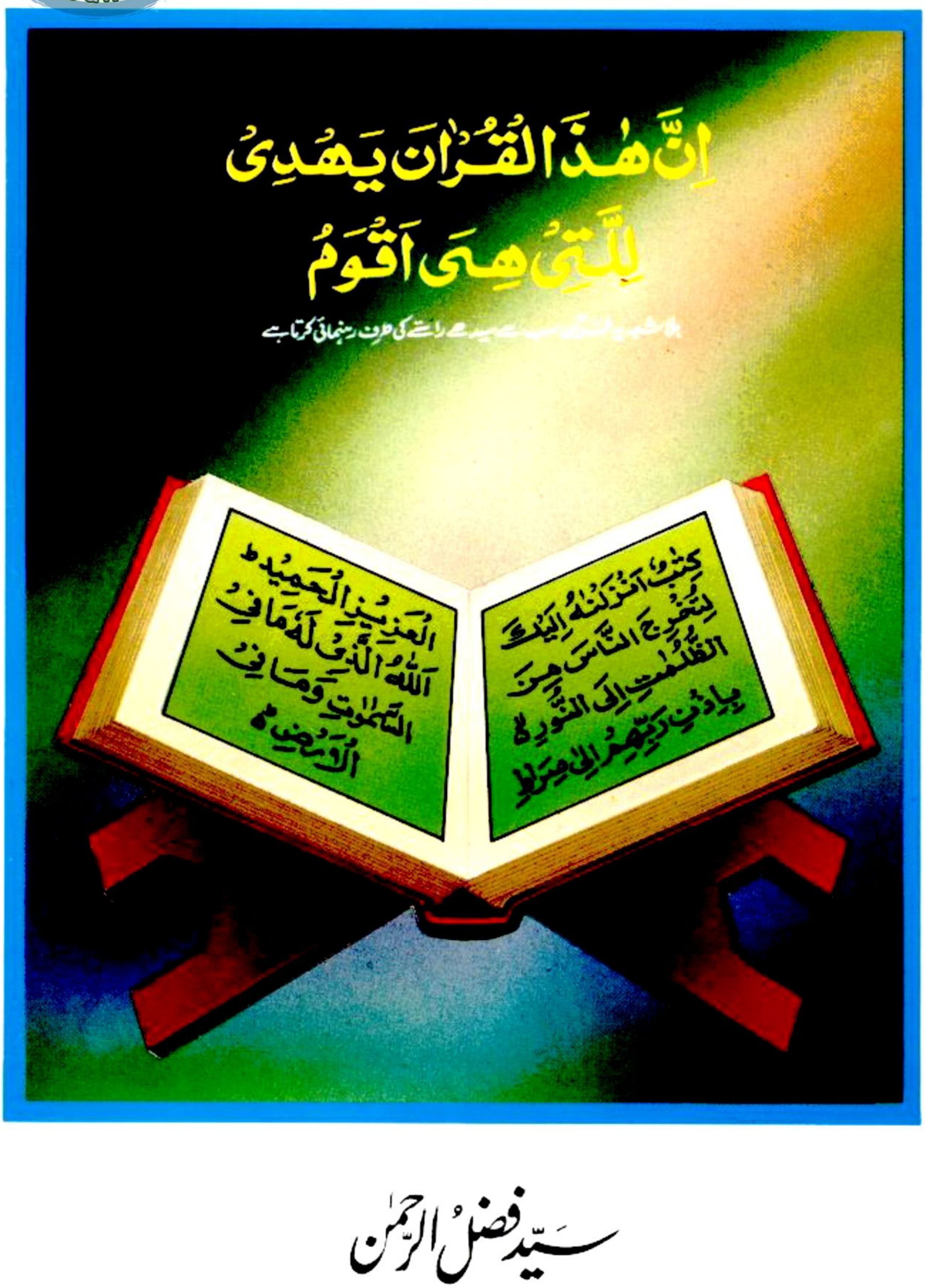
۱۳۔ موسیقی کی حقیقت' قرآن کریم اور فقہا کے اقوال کی روشنی میں موسیقی کا حکم مع چہل احادیث صفحات ۴۰

۱۴۔ ہادی اعظمؐ' سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع اور مستند ترین مجموعہ' صفحات ۹۱۲ از سید فضل ارحمٰن'

۱۵۔ ہادی اعظم کا شجرہ طیبہ' (چارٹ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکمل سلسلہ نسب تحقیق اور حوالوں کے ساتھ' چار رنگوں کے خوبصورت و دیدہ زیب آرٹ پیپر پر۔

احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

سید فضل الرحمن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب	:	احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ پنجم	:	تفسیر سورۂ ابراہیم تا سورۂ انبیا
تعداد	:	گیارہ سو
اشاعت اوّل	:	شعبان ۱۴۲۱ھ / نومبر ۲۰۰۰ء
صفحات	:	۴۶۴
کمپوزنگ	:	عبدالماجد پراچہ (پراچہ پرنٹ)
ناشر	:	زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اے۔ ۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔ ۱۸، پوسٹ کوڈ: ۷۴۶۰۰، فون: ۶۶۸۴۷۹۰،

۲۔ فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار کراچی،

۳۔ زوار اسٹیشنرز، دکان نمبر ۴۴، اردو بازار کراچی،

۴۔ مکتبہ قاسمیہ، نیو ٹاؤن کراچی،

۵۔ اسلامی کتب خانہ، نیو ٹاؤن کراچی

۶۔ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور،

۷۔ مکتبہ صدیقیہ، نور محل روڈ بہاولپور

فہرست مضامین

سورۂ انبیا ۴۰۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ ابراہیم

وجہ تسمیہ: اس سورت کے آخر میں خانہ کعبہ اور حج بیت اللہ کے متعلق حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعاؤں کا ذکر ہے جو خانہ کعبہ کی عظمت اور فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لئے یہ سورت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام سے موسوم ہو گئی۔

تعارف: اس میں سات رکوع، باون آیتیں، ۸۳۱ کلمات اور ۳۴۳۴ حروف ہیں۔

یہ سورت مکی ہے۔ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں بھی توحید ورسالت اور قیامت کے مضامین کا بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم کی عظمت وحکمت کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اپنے انعامات یاد دلائے ہیں۔

رکوع ۲: بنی اسرائیل کی آزمائش، گزشتہ امتوں کے احوال اور پیغامِ حق کے بارے میں منکرین کا شک وشبہ کرنا اور انبیاء علیہم السلام کا ان کو جواب دینا۔

رکوع ۳: عاجز ولاجواب ہو جانے کے بعد کافروں کا انبیاء علیہم السلام کو ملک سے نکال دینے کی دھمکی دینا۔ کافروں کے ایمان سے مایوس ہو کر انبیاء علیہم السلام کا ان کے لئے عذاب کی دعا کرنا مذکور ہے۔ پھر کافروں کے اعمال کی مثال، اللہ کی قدرتِ کاملہ اور قیامت کے روز کافروں کی باہم گفتگو کا بیان ہے۔

رکوع ۴: شیطان سے کافروں کا مخاصمہ اور کلمۂ ایمان اور کلمۂ کفر کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع ۵: کفار و مشرکین کی مذمت اور مومنین و صالحین کی مدح کا بیان ہے۔ آخر میں منعم حقیقی (اللہ تعالیٰ) کی دس صفات مذکور ہیں۔

رکوع ۶: اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مختلف دعائیں مذکور ہیں جو انہوں نے مکہ شہر، اپنی اولاد اور اپنے والدین کے لئے کیں۔

رکوع ۷: شروع میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے اعمال سے غافل نہیں، ان کا دنیا میں پھلنا پھولنا اللہ کے ہاں مقبولیت کی بنا پر نہیں بلکہ مہلت اور ڈھیل کی وجہ سے ہے۔ آخر میں قیامت کے روز زمین و آسمان کا تبدیل ہونا بیان کیا گیا ہے۔

بعثِ رسول کا مقصد

۱۔　الٓرٰ ○

یہ حروف مقطعات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو ان کی مراد معلوم نہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہی قول راجح اور مختار ہے۔

۱-۳۔　كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۨ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ○

(یہ قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کی اجازت سے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں (اور) غالب و قابل تعریف (خدا کے) راستے

کی طرف (لے جائیں)۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ
ہی کا ہے اور افسوس ہے کافروں پر سخت عذاب سے۔ (یہ وہ لوگ ہیں)
جو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کرتے ہیں اور (لوگوں
کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور دین حق میں کجی تلاش کرتے
ہیں۔ یہی لوگ بڑی دور کی گمراہی میں (پڑے ہوئے) ہیں۔

تشریح: گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کا آغاز بھی قرآن کریم کی عظمت سے کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی بتادیا کہ اس عظیم قرآن کو آپ پر نازل کرنے اور آپ کو نبی بنا کر دنیا میں بھیجنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ آپ اس کتاب کے ذریعے اپنے رب کے حکم سے لوگوں کو کفر و شرک اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت و ایمان کی روشنی میں لے آئیں، جو اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔ اسی کی ذات غالب اور حمد و ستائش کی مستحق ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی تعریف کے لائق نہیں۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ کافروں کے لئے بڑی خرابی اور بربادی ہے اور بڑا سخت عذاب ہے کیونکہ وہ لوگ اپنی جہالت کی بنا پر دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں۔ ان کی تمام تر جدوجہد صرف حصول دنیا کے لئے ہے۔ انہوں نے آخرت کو بالکل بھلا رکھا ہے۔ یہی نہیں کہ خود تو آخرت سے بالکل غافل ہیں بلکہ یہ دوسروں کو بھی اللہ کا راستہ اختیار کرنے سے روکتے ہیں اور اس میں کجی اور عیب تلاش کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ ایسی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں جو حق سے بہت دور ہے۔ بظاہر اب ان کے ہدایت پانے کی کوئی امید نہیں۔ (مظہری ۲۵۲/۵، مواہب الرحمن ۲۸۰، ۲۸۴/۱۳)

تمام انبیاء کا اپنی قوم کی زبان بولنا

۴۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ
اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

اور ہم نے تمام (پہلے) رسولوں کو (بھی) ان کی قوم ہی کی زبان
میں پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کو (ہمارے احکام آسانی سے) بیان کر
سکیں۔ پھر (بھی) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا
ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ زبردست، حکمت والا ہے۔

تشریح: کفار آنحضرت ﷺ سے یہ کہا کرتے تھے کہ یہ قرآن چونکہ آپ کی زبان میں نازل ہوا ہے اس لئے اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید اس کو آپ نے خود ہی بنایا ہو۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ہر پیغمبر کو اسی کی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ وہ پیغمبر اللہ کے احکام کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کردے اور اس کی قوم کے لوگ ان احکام کو آسانی کے ساتھ سمجھ لیں۔ اگر اللہ تعالیٰ جن یا فرشتے کو یا کسی ایسی زبان بولنے والے انسان کو جس کی زبان اس کی قوم سے مختلف ہوتی، پیغمبر بنا کر بھیجتا تو لوگوں کے لئے اس کی بات کو سمجھنا دشوار ہوتا۔ یہ اللہ کا بڑا احسان وانعام ہے کہ اس نے ہر قوم میں انہیں میں سے کسی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔

پھر جب لوگوں پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے تو وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور ایمان کی توفیق نہیں دیتا اور جس کو چاہتا ہے ایمان کی توفیق دے دیتا ہے اور اس کے دل میں حق کا یقین پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ایسا غالب اور زبردست ہے کہ کوئی اس کی مشیت کو روک نہیں سکتا۔ وہ جس کو ہدایت کر دے اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہ بڑی حکمت والا ہے وہ اپنی حکمت و مصلحت کے تحت ہدایت یاب یا گمراہ کرتا ہے۔ (مظہری ۲۵۳، ۲۵۴/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۸۵، ۲۸۸/ ۱۳)

حضرت موسیٰؑ کے معجزے

۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَی النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝

اور البتہ ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر (اس لئے) بھیجا تھا کہ وہ اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لے جائے اور ان کو اللہ کے دنوں کی یاد دلائے۔ بیشک اس میں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اَیّٰمِ اللّٰهِ: اللہ کے دن۔ اس سے مراد وہ ایام ہیں جن میں بنی اسرائیل پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ نے ان کو ان مصائب سے نجات دی اور ان پر اپنی رحمت فرمائی۔

تشریح: اے نبی ﷺ! جس طرح ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے اور لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آپ پر اپنی کتاب نازل کی ہے۔ بلا شبہ اسی طرح ہم نے حضرت موسیٰ کو بہت سی نشانیاں (معجزے) دے کر بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا۔ ان کو بھی یہی حکم تھا کہ وہ لوگوں کو نیکیوں کی دعوت دیں اور ان کو کفر و شرک اور جہالت و گمراہی کی تاریکی سے نکال کر علم و ہدایت اور ایمان کی روشنی میں لے آئیں اور ان کو وہ ایام یاد دلائیں جن میں وقتاً فوقتاً بنی اسرائیل پر مصائب و شدائد کے پہاڑ ٹوٹے پھر اللہ نے ان کو ان مصائب سے نجات دی اور ان پر اپنے انعامات فرمائے اور طرح طرح کے معجزات ظاہر کر کے ان کے دشمنوں کو زیر کیا، جیسے سمندر کے اندر ان کے لئے خشک راستہ بنانا، ان پر ابر کا سایہ کرنا، من و سلویٰ اتارنا، عصائے موسیٰ سے فرعون کا مغلوب ہونا، ساحروں کا ایمان لانا، طوفان، جوؤں، مینڈکوں اور خون وغیرہ کے عذابوں سے فرعونیوں کا مقہور ہونا وغیرہ وغیرہ۔ بیشک ان احوال و واقعات میں ہر صبر و شکر کرنے والے بندے کے لئے، جو سختی اور مصیبت میں ایمان و توحید پر اسی طرح ثابت رہے جیسے بنی اسرائیل اپنی اولاد کے قتل اور رزق میں تنگی اور دوسرے طرح طرح کے مصائب پر صابر و ثابت رہے، بڑی عبرت و نصیحت ہے۔

(مظہری ۲۵۵،۲۵۴ / مواہب الرحمٰن ۲۹۰،۲۸۹ / ۱۳)

امام احمد اور مسلم نے حضرت صہیب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کا بھی عجیب معاملہ ہے۔ بیشک مومن کا ہر کام اس کے لئے خیر ہی خیر ہے۔

مومن کے علاوہ کسی اور کو یہ بات نصیب نہیں۔ اگر اس کو راحت و آرام پہنچتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے اور اگر اس کو ضرر (تکلیف) پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد ۴/۳۳۳)

بنی اسرائیل کی آزمائش

۶-۸۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْاَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب (حضرت) موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ کا وہ احسان یاد کرو جو اس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دے کر، تم پر کیا۔ وہ (فرعون والے) تمہیں سخت تکلیفیں دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تمہارے پروردگار نے اعلان کر دیا کہ اگر تم (میرا) شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ (نعمت) دوں گا اور اگر تم کفر (ناشکری) کرو گے تو (سمجھ لو کہ) میرا عذاب (بھی) بہت سخت ہے اور (حضرت) موسیٰ نے کہہ دیا تھا کہ اگر تم اور دنیا بھر کے تمام آدمی سب اللہ کی ناشکری کرو گے تو (اس کو کچھ بھی پروا نہیں کیونکہ) وہ بے نیاز (اور) قابل ستائش ہے۔

تشریح: یہاں حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے سابقہ دور کی یاد دہانی کرائی ہے کہ تم ایسے مجبور و بے بس تھے کہ فرعون تمہیں سخت تکلیفیں دیتا تھا، تمہارے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا اور تمہاری لڑکیوں کو اپنی اور اپنی قوم کی خدمت کے لئے زندہ رکھتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری دعا کی برکت سے فرعونیوں سے نجات دی جو تم پر طرح طرح کے مظالم ڈھارہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دشمنوں کو تمہارے سامنے ذلت و رسوائی کے ساتھ ہلاک کیا اور تمہیں فرعونیوں کے ملک و مال کا مالک بنادیا۔ تم پر یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم انعام تھا یا یہ مطلب ہے کہ اس فرعونی ایذار سانی میں اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کی بڑی آزمائش تھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں معنی مراد ہوں واللہ اعلم۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ وہ وقت بھی یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے تمہیں آگاہ کیا کہ اگر تم میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہاں شکر کا مطلب اطاعت ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم نے ناشکری کی تو پھر بے شک میرا عذاب بہت سخت ہے۔ میں دنیا میں تمہیں اپنی نعمتوں سے محروم کردوں گا اور آخرت میں شدید عذاب میں مبتلا کروں گا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم سب اور روئے زمین کی تمام مخلوقات بھی اللہ کی ناشکری کرنے لگے تو خوب سمجھ لو کہ وہ بندوں کی شکر گزاری سے بے نیاز اور بے پرواہ ہے۔ اسے کسی کے شکر کی ذرہ برابر ضرورت نہیں۔ وہی حمد کا مستحق اور محمود ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد میں مشغول ہے۔

(ابن کثیر ۵۲۳، ۵۲۴ / ۲، روح المعانی ۱۸۹، ۱۹۱ / ۱۳)

گزشتہ امتوں کے احوال

۹۔ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ ۛ
وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ
اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ O

(اے کفار مکہ) کیا تمہیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) قوم نوح اور عاد و ثمود اور وہ جو ان کے بعد ہوئے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کے رسول ان کے پاس دلائل (معجزات) لے کر آئے سو انہوں نے (حیرت سے) اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے لئے اور کہنے لگے کہ جو کچھ تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے بیشک ہم اس کے منکر ہیں اور جس امر (دین) کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم تو اس کے بارے میں بہت بڑے شبہ میں ہیں جو ہمیں تردد میں ڈالے ہوئے ہے۔

تشریح: جو بے شمار قومیں پہلے گزر چکیں ان کے تفصیلی احوال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ البتہ چند قومیں جو اہلِ عرب کے ہاں زیادہ مشہور تھیں مثلاً قوم نوح، قوم عاد و ثمود وغیرہ۔ اللہ نے ان کے نام لے کر اہل عرب کو متنبہ فرمایا کہ ان اقوام کا جو کچھ حشر ہوا کیا تمہیں اس کی خبر نہیں ملی۔ تعجب ہے، اتنی قومیں پہلے تباہ ہو چکی ہیں اور تم نے اب تک ان کے حال سے عبرت حاصل نہیں کی حالانکہ تم نے ان بستیوں کے نشان بارہا دیکھے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کا عبرتناک حال اس طرح بیان کیا ہے کہ جب ان کے رسول اپنی رسالت کے کھلے ثبوت لے کر ان کے پاس آئے جس سے راہِ حق خوب واضح اور روشن ہو گئی اور باطل راہ بھی خوب صاف اور واضح ہو گئی تو ان بد بختوں نے اپنے ہاتھ ان پیغمبروں کے منہ میں ڈال کر ان کو چپ رہنے کے لئے کہا یا یہ مطلب ہے کہ ان قوموں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے لئے یعنی انگشت بدنداں ہو گئے کہ یہ پیغمبر کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ جس کو تم اپنے گمان کے مطابق پیغام خداوندی کہہ رہے ہو ہم اسے نہیں مانتے اور جس راہ کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو اس کے بارے میں ہمیں قوی شک و شبہ ہے۔ جس نے ہمیں تردد میں ڈالا ہوا ہے اس لئے ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے۔

(عثمانی ۱/۱۷۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۱۲۴)

رسولوں کا جواب

۱۰،۱۲۔ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا
عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ
رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ
اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَ
كَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا (تمہیں) اللہ (کے بارے) میں شک ہے جو آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے کچھ گناہ معاف کر دے اور تمہیں ایک وقت مقرر تک ڈھیل دے۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم بھی تو ہمارے جیسے ہی انسان ہو۔ تم ہمیں ان چیزوں کی عبادت سے روک دینا چاہتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے۔ سو تم ہمارے پاس کوئی کھلا معجزہ لاؤ۔ ان کے رسولوں نے ان سے کہا کہ بے شک ہم تمہارے جیسے ہی آدمی ہیں۔ لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت دے کر) احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار میں نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر ہم کوئی معجزہ تمہارے پاس لے آئیں اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور ہم اللہ پر بھروسہ کیوں نہ کریں۔ حالانکہ اسی نے ہمیں (فلاح

دارین کے) راستے دکھائے اور البتہ تم نے جو ایذا ہمیں دی ہے ہم تو اس
پر صبر ہی کریں گے اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

تشریح: گزشتہ انبیا کی امتوں نے اپنے انبیا کی گفتگو سن کر کہا تھا کہ جس امر کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس کے بارے میں تو ہمیں بڑا شک و شبہ ہے۔ اس پر رسولوں نے جواب دیا کہ کیا تم اللہ کے بارے میں شک و شبہ کرتے ہو۔ ہم تو تمہیں اللہ کی توحید کی طرف بلا رہے ہیں۔ جس کے بارے میں ذرا بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ تمام محسوسات و موجودات پکار پکار کر اللہ کی توحید کو ظاہر کر رہے ہیں۔ عقلِ سلیم اس کے ماننے پر مجبور ہے۔ کیا یہ آسمان و زمین یونہی پیدا ہو گئے۔ موجود کے لئے تو موجد کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے آسمان و زمین اور کائنات کو نمونے کے بغیر پیدا کرنے والا ضرور کوئی ہے۔ وہی اللہ ہے اور ہر چیز کا خالق و مالک اور معبود برحق ہے۔ ہم اپنی مرضی سے تمہیں دعوت نہیں دے رہے بلکہ ہمارے ذریعے اللہ تمہیں اس بات کی دعوت دے رہا ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور توحید کے راستے پر چل کر اس کے مقامِ قرب تک پہنچو۔ اگر تم اپنی حرکتوں سے باز آکر ایمان و توحید کا راستہ اختیار کر لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گزشتہ گناہ معاف فرما دے گا۔ پھر ایمان لانے کے بعد جیسا عمل کرو گے اس کا ویسا ہی بدلہ پاؤ گے۔ اس کے ساتھ ہی کفر و شرک پر قائم رہنے کی صورت میں جو تباہی و ہلاکت تم پر آتی اس سے محفوظ ہو جاؤ گے اور جب تک دنیا میں رہو گے سکون و اطمینان کی زندگی گزارو گے۔

کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ تم کوئی فرشتے تو ہو نہیں۔ تمہاری حقیقت و صورت تو دوسرے انسانوں جیسی ہی ہے اس لئے تمہیں ہم پر کسی قسم کی برتری حاصل نہیں، سو ہم تمہاری باتوں پر کیوں یقین کریں۔ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو ایسی مخلوق میں سے بھیجتا جو انسان سے افضل ہوتی۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے قدیم اور آبائی مذہب سے ہٹ کر آپ کی اتباع کر لیں تو آپ ایسا معجزہ اور دلیل پیش کریں جس سے آپ کی فضیلت اور نبوت کا استحقاق ثابت ہو۔

پیغمبروں نے ان کے جواب میں کہا کہ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ ہم تم جیسے ہی انسان ہیں لیکن نبوت و رسالت تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور انعام ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔

جہاں تک تمہاری خواہش کے مطابق معجزات پیش کرنے کا تعلق ہے تو یہ ہمارے اختیار اور قدرت میں نہیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر ہم اپنی مرضی سے تمہارے سامنے کوئی معجزہ پیش کر سکیں۔ اس کا مدار تو اللہ کی مشیت اور ارادے پر ہے۔ وہی انبیاء کو ایسے معجزات عطا فرماتا ہے جن سے ان کی نبوت کا ثبوت ہو جائے اور کافروں کے مقابلے میں مومنوں کو تو ہر معاملے میں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ہم تو خاص طور پر اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اس نے تمام راہوں میں سے بہترین راہ ہمیں دکھائی۔ اب تم ہمیں کتنی ہی تکلیفیں پہنچاؤ ہمارے توکل میں فرق نہیں آ سکتا۔ (عثمانی ۱۸ ۷، ۱۹ ۷/۱، روح المعانی ۱۹۵، ۱۹۹/ ۱۳)

انبیا کو کفار کی دھمکیاں

۱۳، ۱۴۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ O وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ط ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ O

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے یا تم ہماری ملت (مذہب) میں لوٹ آؤ۔ پھر ان کے رب نے (تسلی کے لئے) ان (رسولوں) کی طرف وحی کی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے اور ان (کی ہلاکت) کے بعد ہم تمہیں زمین پر آباد کر دیں گے۔ یہ (وعدہ انعام) اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور جس نے میرے عذاب سے خوف کھایا۔

تشریح: جب کافر عاجز ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ انبیا علیہم السلام کو دھمکانے اور دیس سے نکالنے کا خوف دلانے لگے۔ حضرت شعیب اور حضرت لوط علیہما السلام کی قوموں نے بھی اپنے نبیوں اور مومنوں سے یہ کہا تھا کہ تم ہماری ملت میں واپس آ جاؤ ورنہ ہم

تمہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ مشرکین مکہ نے بھی آنحضرت ﷺ کے لئے ایسا ہی منصوبہ بنایا تھا کہ آپ کو قید کر لو یا قتل کر دو یا ملک سے باہر نکال دو۔ لیکن اللہ کی تدبیر کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو امن و سلامتی کے ساتھ مکہ سے نکال کر مدینے لے گیا اور اہل مدینہ کو آپ کا مددگار بنا دیا۔ وہ آپ کے جھنڈے تلے کافروں کے ساتھ لڑے یہاں تک کہ آپ نے مکہ بھی فتح کر لیا۔ اس طرح دین کے دشمنوں کے منصوبے خاک میں مل گئے۔ ان کی امیدوں پر اوس پڑ گئی، ان کی آرزوئیں پامال ہو گئیں، دینِ خدا لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے لگا اور جماعتوں کی جماعتیں دین میں داخل ہونے لگیں۔ بالآخر اللہ کا کلمہ بلند و بالا ہوا اور دین اسلام روئے زمین کے تمام دینوں پر چھا گیا۔

کفار کی دھمکیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا علیہم السلام کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہی لوگ ہلاک و برباد ہوں گے اور ان کی ہلاکت کے بعد تم ہی زمین کے مالک بنو گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ O (سورۂ مجادلہ، آیت ۲۱)

اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے۔ بیشک اللہ ہی قوت و غلبے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ وعدے ان لوگوں کے لئے ہیں جو قیامت کے روز حساب کتاب کے لئے میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتے ہیں اور میرے عذاب سے خوف کھاتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى O وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا O فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى O وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى O فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى O

(سورۂ النزعات، آیت ۳۷۔۴۱)

پس جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف کھایا اور اپنے

نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے۔

(روح المعانی ۱۹۹، ۲۰۰ / ۱۳، ابن کثیر ۵۲۵، ۵۲۶ / ۲)

انبیاء کی دعاء

۱۵، ۱۷۔ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ○ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ○ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ○

اور پیغمبروں نے (اللہ سے) فیصلہ (فتح) طلب کیا اور ہر ایک سرکش اور عناد رکھنے والا غارت ہوا۔ اس کے آگے دوزخ ہے اور اس کو (دوزخ میں) پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پئے گا اور اس کو گلے سے نہ اتار سکے گا اور ہر طرف سے اس پر موت (کی اذیت) آئے گی اور وہ کسی طرح مرے گا نہیں (کہ اس اذیت سے نجات پائے) اور اس کو سخت عذاب کا سامنا ہو گا۔

خَابَ : وہ ناکام ہوا۔ وہ نامراد ہوا۔ خَيْبَةٌ سے ماضی۔

عَنِيْدٍ : عناد رکھنے والا۔ مخالف۔ عُنُوْدٌ سے صفت شبہ۔

صَدِيْدٍ : وہ پانی جو دوزخیوں کے خون اور کھالوں سے بہے گا اور اس میں پیپ اور خون ملا ہوا ہو گا۔ کچ لہو۔

يَتَجَرَّعُهٗ : وہ اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتا ہے۔ وہ اس کو آہستہ آہستہ پیتا ہے۔ تَجَرُّعٌ سے مضارع۔

يَكَادُ : وہ نزدیک ہے۔ وہ قریب ہے۔ امید ہے۔ كَوْدٌ سے مضارع۔

يُسِيْغُهٗ : وہ اس کو آسانی سے نگلے گا۔ اِسَاغَةٌ سے مضارع۔

تشریح: پھر جب اللہ کے پیغمبر قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے فتح پانے اور کافروں پر عذاب نازل ہونے کی دعا کی۔ یہ قول ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور قتادہ رحمہم اللہ کا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ استفتحوا کی ضمیر کافروں کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس لئے کافروں نے اللہ سے مدد وفیصلہ طلب کیا جیسے مشرکین مکہ نے کہا تھا:

اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ ط (سورۂ انفال۔ آیت ۳۲)

اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے۔

بعض اہل تفسیر کا خیال ہے کہ استفتحوا کی ضمیر دونوں فریقوں کی جانب راجع ہے۔ یعنی اہل حق اور اہل باطل دونوں نے دعا کی کہ سچے کو فتح دے اور باطل پرست کو تباہ کر دے۔

پھر فرمایا کہ مومن تو کامیاب وکامران ہوئے اور تمام ظالم وسرکش ناکام ونامراد ہوئے۔ قیامت کے روز اللہ فرمائے گا کہ ہر کافر وسرکش کو جہنم میں داخل کرو۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے ان کو سخت عذاب میں ڈالو۔ ان کو پانی کی جگہ کچ لہو پلایا جائے گا۔ بدبو اور ناگواری کی وجہ سے وہ اس پانی کو گھونٹ گھونٹ کر کے پئیں گے اور آسانی کے ساتھ اس کو نگل بھی نہ سکیں گے۔ اسی طرح تکلیفیں اور قسم قسم کے عذاب ان پر ہر طرف سے آئیں گے۔ لیکن ان کو موت نہیں آئے گی کہ اس عذاب سے نجات مل جائے بلکہ وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ (ابن کثیر ۵۲۶، ۵۲۷/ ۲، روح المعانی ۲۰۰۔ ۲۰۳/ ۱۳)

امام احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم وغیرہ نے حضرت امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ (کچ لہو) اس کے پاس لایا جائے گا تو اسے سخت ناگوار ہو گا پھر جب وہ اس کے زیادہ قریب کیا جائے گا تو وہ اس کے چہرہ کو جھلس دے گا اور اس کے سر کی کھال (جھلس کر) اس میں گر پڑے گی۔ جب وہ اس میں سے ایک گھونٹ پیئے گا تو وہ اس کی آنتوں کو کاٹ دے گا۔ یہاں تک وہ (آنتیں) پیخانے کے راستے خارج ہو جائیں گی۔ (مسند احمد ۳۵۵/۶)

کافروں کے اعمال کی مثال

۱۸۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ کَرَمَادِ نِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ
فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ
هُوَالضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ O

جن لوگوں نے اللہ کا انکار کیا ان کی مثال اس راکھ کی مانند ہے جس پر آندھی کے دن تیز ہوا چلے (ہوا اڑا لے جائے) ان کو (دنیا کی) کمائی میں سے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ بہک کر (سیدھی راہ سے) دور جا پڑنا یہی ہے۔

رَمَادٍ : راکھ۔ خاکستر۔ جمع اَرْمِدَۃٌ۔

عَاصِفٍ : آندھی۔ تیز و تند ہوا۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اکثر کافر اپنی رائے اور رواج کے مطابق کچھ نیک کام کر کے اپنے آپ کو اہل توحید سے افضل سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ جس نے خالق سے کفر کیا اس کے اعمال اس کے نفس کے پسندیدہ ہیں۔ وہ اجر و ثواب کے لائق نہیں۔ اجر و ثواب تو انہیں اعمال کا دیا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ جل و علا نے پسند فرمایا ہو۔ کافروں کے اعمال چونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو اس راکھ سے تشبیہ دی جس کو تیز ہوا اڑا لے جائے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، قیامت کے روز ان کے نیک اعمال کی مثال جو انہوں نے کفر کی حالت میں کئے ہوں گے۔ اس راکھ کی مانند ہو گی جس کو تیز آندھی نے اڑا کر ادھر ادھر منتشر کر دیا ہو۔ قیامت کے روز ان کے کفر کی تیز آندھی ان کے تمام اچھے اعمال کو اڑا کر لے جائے گی اور ان کے کسی نیک عمل کا کہیں نام و نشان نہیں ملے گا۔ جس طرح کوئی شخص اس پراگندہ راکھ کو دوبارہ جمع نہیں کر سکتا اسی طرح قیامت کے روز یہ کافر بھی اپنے اعمال کو جمع کرنے پر قادر نہ ہوں گے۔ سب اعمال راکھ کی طرح اڑ چکے ہوں گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۲۷)

قادرِ مطلق

۱۹،۲۰۔ اَلَمْ تَرَاَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْ
هِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک ٹھیک پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے (فنا کر دے) اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق لے آئے۔ (پیدا کر دے) اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں۔

تشریح: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بہترین تدبیر اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ آسمان کی اونچائی اور وسعت کو دیکھو۔ پھر اس میں ٹھہرے ہوئے اور چلتے پھرتے ستاروں میں غور کرو، یہ زمین اور اس پر قائم پہاڑ، جنگل، درخت اور حیوان یہ سب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں۔ جس ذات نے ان سب کو پیدا کیا ہے وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تمام بنی آدم کو فنا کر کے تمہاری جگہ زمین پر دوسری مخلوق لے آئے، جو تمہاری طرح مشرک و نافرمان نہ ہو بلکہ مطیع و فرماں بردار ہو۔ یہ بات اس پر ذرا مشکل نہیں۔ وہ ایسا نہیں کہ ایک چیز پر تو قادر ہو اور دوسری چیز اس کی قدرت سے خارج ہو۔ جب وہ ایسا قادر مطلق ہے تو اس کے لئے قیامت قائم کرنا اور اس دن تمہیں دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔

پس جو ایسا قادر مطلق ہو وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کے ہر حکم پر عمل کیا جائے، اس کی ناراضگی سے بچا جائے اور اسی سے ثواب کی امید رکھی جائے۔ (ابن کثیر ۵۲۸،۵۲۷/۲، مظہری ۲۶۳/۵)

قیامت کے دن کافروں کی باہم گفتگو

۲۱۔ وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوٓا اِنَّا كُنَّا
لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ
قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ
صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝

اور (قیامت کے روز) سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس وقت ضعیف لوگ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ ہم (دنیا میں) تمہارے تابع تھے۔ سو کیا تم اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ ہم سے ہٹا سکتے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں کوئی راستہ دکھاتا تو البتہ ہم تمہیں بھی بتا دیتے۔ اب ہمارے حق میں برابر ہے کہ خواہ ہم بیقراری کریں یا صبر کریں، ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

بَرَزُوْا : وہ سب نکلے۔ بُرُوْزٌ سے ماضی۔
اَجَزِعْنَآ : ہم پریشان ہوئے۔ ہم مضطرب ہوئے۔ جَزْعٌ سے ماضی۔
مَحِيْصٍ : پناہ گاہ۔ بھاگنے کی جگہ۔ حَيْصٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: قیامت کے روز جب سب لوگوں کو قبروں سے نکال کر حساب و کتاب کے لئے اللہ کے سامنے پیش کیا جائے گا تو کمزور اور کم درجے کے کافر ان لوگوں سے کہیں گے جو دنیا میں بڑے سمجھے جاتے تھے اور لوگوں کو پیغمبروں کی اتباع سے روکتے تھے کہ دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے، تمہارے ہی کہنے سے ہم نے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی اور ان کی بات نہیں مانی تھی تو کیا اب تم ہمارے لئے اللہ کے عذاب میں کچھ کمی کرا سکتے ہو اور اس مصیبت کی گھڑی میں ہمارے کچھ کام آ سکتے ہو۔ وہ کفر کے سردار جواب دیں گے کہ اگر اللہ ہمیں ایمان کی توفیق دیتا تو ہم تمہیں بھی سیدھے راستے پر لے چلتے۔ ہم تو خود گمراہ تھے۔ اس لئے ہم نے تمہیں بھی گمراہی کی طرف بلایا، مگر تم کیوں آنکھیں بند کر کے ہمارے کہنے پر چلتے رہے۔ اب ہمارے لئے

دونوں باتیں برابر ہیں، نہ ہائے وائے اور بیقراری نفع دے اور نہ صبر و سہار۔ اب عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ (روح المعانی ۲۰۵، ۲۰۷/ ۱۳)

شیطان سے کافروں کا مخاصمہ

۲۲، ۲۳۔ وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝

اور (قیامت کے روز) جب ہر کام کا فیصلہ ہو جائے گا تو (اس وقت) شیطان کہے گا کہ بیشک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا۔ پھر میں نے تم سے وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کچھ زور نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تھا۔ سو تم نے (اپنے اختیار سے) میرا کہنا مان لیا۔ پس تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ نہ میں تمہارا مددگار ہوں اور نہ تم میرے مددگار۔ میں تو مانتا ہی نہیں کہ تم نے مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہرایا تھا پہلے۔ بیشک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، ان کو ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کی (باہم ملاقات) سلام ہے۔

تَلُوْمُوْنِیْ : تم مجھے ملامت کرو۔ تم مجھے الزام دو۔ لَوْمٌ سے مضارع۔
مُصْرِخِکُمْ : تمہاری فریاد کو پہنچنے والا۔ تمہارا مددگار۔ اِصْرَاخٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جب حساب و کتاب کے بعد اہل جنت، جنت میں داخل ہو جائیں گے اور اہل دوزخ، دوزخ میں تو تمام اہل دوزخ جمع ہو کر ابلیس کو لعنت و ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ تو نے ہی ہمیں راہِ حق سے ہٹا کر تباہ و برباد کیا۔ اس وقت ابلیس ملعون جہنم میں کھڑا ہو کر، ان سے کہے گا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا کہ قیامت کے روز حشر و نشر، حساب و کتاب اور جزا و سزا سب حق ہے، جو اللہ کا کفر و انکار کرے گا وہ ہلاک و برباد ہو گا اور جو اللہ پر ایمان لائے گا وہ فلاح پائے گا۔ سو تم نے اللہ کے اس سچے وعدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، میں نے تم سے غلط وعدہ کیا تھا کہ نہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور نہ حساب و کتاب ہو گا۔ اگر ایسا ہوا بھی تو بت تمہاری سفارش کر کے تمہیں بچا لیں گے۔ لیکن آج معاملہ میرے وعدے کے برعکس نکلا، میں تو تمہیں سبز باغ دکھاتا تھا، میری باتیں تو بے دلیل تھیں، پھر تم پر میرا کوئی زور بھی نہ تھا کہ زبردستی تمہیں کفر کی طرف کھینچ لیتا۔ اگر تم میرا کہنا نہ مانتے تو میں تمہارا کیا کر سکتا تھا اب تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو کہ تم نے اپنے رب کی اطاعت چھوڑ کر میری بات مانی جبکہ میرے پاس اپنی بات کی کوئی دلیل بھی نہ تھی۔ سو اب نہ تو میں تمہیں عذاب سے بچا سکتا ہوں اور نہ تم مجھے عذاب سے بچا سکتے ہو۔ اب تو ہم سب کو دائمی عذاب میں رہنا پڑے گا۔ بیشک تم جو دنیا میں مجھے اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے، آج میں تمہارے اس اعتقاد سے بری اور بیزار ہوں۔ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں۔ بیشک ظالموں کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کو یقیناً ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے درختوں اور مکانوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت میں جب وہ آپس میں ملاقات کریں گے تو ایک دوسرے پر سلامتی بھیجیں گے اور فرشتے بھی ان پر سلامتی بھیجیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۳۱، ۱۳۲/ ۴، مظہری ۲۶۴، ۲۶۶/ ۵)

کلمۂ ایمان کی مثال

۲۴، ۲۵۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمۂ طیبہ (توحید و ایمان کی) کیسی مثال بیان کی ہے۔ گویا کہ وہ ایک پاکیزہ درخت ہے، جس کی جڑ مستحکم اور اس کی شاخ آسمان میں ہے۔ وہ (کلمۂ طیبہ) اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے (ایسی) مثالیں اس لئے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔

اَصْلُهَا : اس کی جڑ۔ جمع اُصُوْلٌ۔

فَرْعُهَا : اس کی شاخ۔ اس کا بالائی حصہ۔ اس کا نفع۔ جمع فُرُوْعٌ۔

حِيْنٍ : وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

تشریح: کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ توحید و ایمان اور کلمۂ کفر و شرک کی کیسی عمدہ، عجیب اور باموقع مثال بیان کی ہے۔ کلمۂ توحید و ایمان ایک پاکیزہ درخت کی مانند ہے، جس کی جڑ زمین میں خوب مضبوطی سے جمی ہوئی ہے اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند و بالا ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں شجر طیبہ سے مراد کھجور کا درخت ہے جو اپنے بے شمار منافع کی وجہ سے اطیب الاشجار ہے۔ اسی طرح کلمۂ توحید و ایمان کی جڑ مومن کے قلب میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہے۔ سو مومن کا قلب بمنزلہ زمین کے ہے اور توحید کے اعتقاد کا اس میں راسخ ہونا کلمۂ ایمان کی جڑ ہے۔ اور اعمال صالحہ اس شجرہ طیبہ کی شاخیں ہیں جو آسمان قبولیت تک پہنچ رہی ہیں۔

یہ پاکیزہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے۔ اس کا پھل کبھی منقطع نہیں ہوتا اسی طرح مومن کا عمل قبول ہوتا ہے اور اس کی برکتیں ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں اور اس کا اجر و ثواب کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایسی عام مثالیں لوگوں کے فائدے کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ ہر درجہ کا آدمی معمولی غور و فکر سے ان کو با آسانی سمجھ لے اور ان سے نصیحت حاصل کرے۔ (مواہب الرحمٰن ۳۱۴، ۳۱۵/ ۱۳)

کلمۂ کفر کی مثال

۲۶، ۲۷۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِنِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝

اور ناپاک کلمہ (کفر و شرک) کی مثال ایک ناپاک درخت کی سی ہے جو زمیں کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے۔ اس کو ذرا بھی قرار (ثبات) نہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو دنیا اور آخرت کی زندگی میں قول ثابت (سچی بات) پر ثابت قدم رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

تشریح: کلمہ خبیثہ یعنی کفر کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت خراب، غیر مفید اور ناکارہ درخت ہو اور اس کی جڑ زمین کے اندر مضبوطی سے پیوست نہ ہو اور نہ اس کے پتے ہوں بلکہ وہ ایسا کمزور ہو کہ اس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا جائے اور زمین کے اندر اس کا جماؤ نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جس درخت کی اصل (جڑ) ہی نہ ہونے کے برابر ہو اس کی شاخ کا کیا ذکر۔

پھر فرمایا کہ مومن دنیا کی زندگی سے لے کر حشر تک کلمۂ توحید و ایمان کے ذریعہ مضبوط و ثابت قدم رہیں گے۔ دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں، کتنا ہی سخت امتحان

ہو یا قبر میں منکرین سے سوال وجواب ہوں، ہر موقع پر یہی کلمۂ توحید وایمان ان کی استقامت کا ذریعہ بنے گا۔ جہاں تک کفار و مشرکین کا معاملہ ہے تو وہ قیامت تک بھٹکتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کسی کو ایمان کی توفیق دیتا ہے اور کسی کو ایمان کی توفیق سے محروم رکھتا ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۳۱۳،۷ ۳۲ / ۱۳، عثمانی ۴۲۴ /۱)

کفار و مشرکین کی مذمت

۲۸، ۳۰۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَالْبَوَارِ O جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۖ وَبِئْسَ الْقَرَارُ O وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ O

کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (جہنم) میں پہنچا دیا، جو دوزخ ہے، جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بہکائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں چند روز مزے اڑالو، بالآخر تمہیں دوزخ ہی کی طرف جانا ہے۔

اَحَلُّوْا : انہوں نے اتار۔ اِحْلَالٌ سے ماضی۔

اَلْبَوَارِ : تباہی۔ ہلاکت۔ مصدر ہے۔

تشریح: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے انعام کو ناشکری سے بدل دیا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس آیت سے مشرکین مکہ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جس نے ان کو ایمان و توحید کی دعوت دی اور کفر وشرک سے منع کیا مگر ان ظالموں نے ایمان کی نعمت کے

بدلے کفر و شرک کو اختیار کیا جس کے نتیجے میں خود بھی تباہ و برباد ہوئے اور اپنی قوم کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔ وہ خود بھی جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلتے رہے اور جہنم بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ پھر انہوں نے دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹانے کے لئے اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہرایا، حالانکہ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ تو واحد و یکتا اور قادر مطلق ہے۔ اے نبی ﷺ! آپ ان کو بتا دیجئے کہ اب تم چند روز دنیوی فائدہ اٹھالو اور اس کے مزے اڑالو اس کے بعد تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ جہاں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔ (مظہری ۲۷۰،۲۷۲/۵،ابن کثیر ۵۳۸،۵۳۹/۲)

مومنین کی حوصلہ افزائی

۳۱۔ قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰـهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰـلٌ ○

(اے نبی ﷺ!) آپ میرے مومن بندوں سے کہہ دیجئے کہ وہ نماز قائم رکھیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں، اس دن کے آنے سے پہلے جس میں نہ خرید و فروخت ہو گی اور نہ دوستی ہو گی۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ میرے ان بندوں سے جو ایمان لے آئے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ نماز قائم کریں جو الله وحده لاشریك له کی عبادت ہے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر اللہ کی خوشنودی کے لئے، اس کی راہ میں خرچ کرتے رہیں تاکہ اس دن ان کو گناہوں اور خطاؤں سے نجات ملے، جس دن نہ کوئی خرید و فروخت ہو گی جو ان کے قصور کا بدلہ ہو سکے اور نہ کوئی دوستی ہو گی جو کسی کے کام آسکے۔ وہاں تو صرف عدل و انصاف ہو گا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مومنوں کو اپنے بندے کہہ کر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔

منعم حقیقی کی دس صفات

۳۲، ۳۴۔ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَخْرَجَ بِہٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ
لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِہٖ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْہٰرَ O وَسَخَّرَ
لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الَّیْلَ
وَالنَّہَارَ O وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْہُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ O

اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس پانی سے پھل پیدا کئے، جو تمہاری روزی ہے اور (تمہارے نفع کے) لئے کشتیوں کو مسخر کر دیا تاکہ وہ اللہ کے حکم سے سمندر میں چلیں اور تمہارے (نفع کے) لئے نہریں مسخر کر دیں اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو مسخر کر دیا جو برابر چکر لگاتے رہتے ہیں اور تمہارے لئے رات اور دن کو محکوم کیا اور اس نے تمہیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ان کو شمار نہ کر سکو گے۔ بے شک انسان بڑا بے انصاف (اور) ناشکرا ہے۔

دَآئِبَیْنِ: پھرنے والے۔ ایک دستور پر چلنے والے۔ دَاْبٌ سے اسم فاعل۔
تُحْصُوْھَا: تم شمار کرو گے۔ تم گنو گے۔ اِحْصَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی دس صفات کا بیان ہے:

۱۔ اللہ تو وہ ہے جس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور ان کو تمہارے لئے چھت بنایا۔
۲۔ اس نے زمین کو پیدا کیا اور اس کو تمہارے لئے بہترین فرش بنایا۔
۳۔ اسی نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا جو تمہاری زندگی کے لئے ضروری

ہے۔ پھر اس پانی سے تمہارے کھانے کے لئے پھل اور غلہ پیدا کیا۔

۴۔ اسی نے تمہاری سواری اور بار برداری کے لئے جہازوں اور کشتیوں کو تمہارے کام پر لگادیا تاکہ وہ اللہ کی مشیت کے مطابق سمندر اور دریاؤں میں چلیں اور تمہیں دریا کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے اور ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچائیں اور تم یہاں کا مال وہاں اور وہاں کا مال یہاں لاؤ لے جاؤ اور اس سے نفع حاصل کرو۔

۵۔ اس نے دریاؤں کو بھی تمہارا خدمت گار بنادیا۔ تم جہاں چاہتے ہو ان کا رخ موڑ کر ان کو لے جاتے ہو اور ان کے پانی سے فائدہ حاصل کرتے ہو۔ تم ان کا پانی پیتے پلاتے ہو، نہاتے دھوتے ہو اور اپنی کھیتیاں سیراب کرتے ہو۔

۶۔ اسی نے تمہارے کام کے لئے سورج کو سرگرم کردیا۔

۷۔ اسی نے تمہارے منافع کے لئے چاند کو سرگرم عمل کردیا۔ تم سورج اور چاند دونوں سے بے شمار فوائد حاصل کرتے ہو۔ کھیتیوں اور پھلوں کا پکنا اور دن اور رات اور ماہ وسال کا حساب اور راستوں کا تعین وغیرہ کا انحصار انہی دونوں پر ہے۔

۸۔ اس نے رات کو تمہارے لئے مسخر کردیا تاکہ تم آرام کرو۔

۹۔ اس نے دن کو بھی تمہاری خدمت پر لگادیا تاکہ تم اس کے اجالے میں کسبِ معاش کرسکو۔

۱۰۔ مذکورہ بالا نعمتوں کے علاوہ جو کچھ تم نے اس سے مانگا وہ بھی اس نے بقدرِ ضرورت وحاجت تمہیں دیا۔

اس نے بے شمار چیزیں بغیر مانگے بھی تمہیں دیں۔ اگر تم اس کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم شمار نہیں کرسکتے۔ بے شک انسان بڑا ظالم اور ناشکرا ہے۔ سختی اور مصیبت پر بے صبری اور بے قراری کا مظاہرہ کرتا ہے اور آسائش ونعمت پر شکر ادا نہیں کرتا۔

مسندِ بزار کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز انسان کے تین دیوان نکلیں گے۔ ایک میں نیکیاں لکھیں ہوئی ہوں گی دوسرے میں گناہ ہوں گے۔ تیسرے میں اللہ کی نعمتیں ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں میں سے سب سے چھوٹی نعمت سے

فرمائے گا کہ اٹھ اور اپنا معاوضہ اس کے نیک اعمال میں سے لے لے۔ اس سے اس کے سارے ہی (نیک) اعمال ختم ہو جائیں گے۔ پھر وہ یکسو ہو کر کہے گی کہ اے اللہ میری پوری قیمت وصول نہیں ہوئی۔ (ابن کثیر ۵۳۹، ۵۴۰ / ۲)

مکہ شہر کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا

۳۵، ۳۶۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور جب (حضرت) ابراہیم نے کہا (دعا کی) اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو اس سے دور رکھ کہ ہم بتوں کی عبادت کرنے لگیں۔ اے میرے رب! ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا، پس جو میری پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: یہاں مشرکین مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم جن کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے بیت اللہ کے مجاور و متولی بنے بیٹھے ہو، انہوں نے اس گھر کی بنیاد خالص توحید پر رکھی تھی۔ ان ہی کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اس شہر مکہ کو آباد کیا اور اس پتھریلے ریگستان میں ظاہری و باطنی نعمتوں کے انبار لگا دیئے۔ وہ دنیا سے یہی دعائیں اور وصیتیں کرتے ہوئے رخصت ہوئے کہ ان کی اولاد شرک سے اجتناب کرتی رہے۔ اب تم خود سوچو کو تم نے ان کی وصیتوں کا کہاں تک خیال رکھا اور ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں تم پر جو اللہ کے انعامات و احسانات ہوئے ان کا کس قدر شکر ادا کیا۔ (عثمانی ۷۲۶ / ۱)

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ وقت یاد کرو جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا کی کہ اے میرے رب! اس مکہ شہر کو امن وامان والا شہر بنا دے۔ جو شخص یہاں رہے یا آئے وہ ظاہری و باطنی

آفات سے محفوظ و مامون ہو جائے۔ مجھے اور میری صلبی اولاد کو شرک و بت پرستی سے دور رکھ خواہ وہ شرک جلی ہو یا خفی۔ اے اللہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میری اولاد شیطانی چکروں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائے۔ اے میرے پروردگار! بلاشبہ ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ پس جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے وہ میری ملت میں داخل نہ ہو۔ بلاشبہ تو مغفرت و رحمت پر قادر ہے کہ ان کو توبہ کی توفیق دے دے اور ان کو کفر و شرک سے نکال کر اسلام میں داخل کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا قبول فرمائی اور ان کے صلبی بیٹوں میں سے کسی نے بت کو نہیں پوجا۔ اس دعا میں ذریت سے حضرت ابراہیم کی نسل مراد نہیں بلکہ ان کے خاص صلبی فرزند مراد ہیں اور وہ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام ہیں جو اکابر انبیاء میں سے ہیں۔ (مظہری ۵/۲۷۴)

اپنی اولاد کے لئے دعا

۳۷۔ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ○

اے ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے معزز گھر کے قریب ایک ایسی وادی (میدان) میں آباد کیا ہے جہاں کھیتی (تک) نہیں۔ اے ہمارے رب! یہ اس لئے تاکہ یہ لوگ نماز قائم کریں۔ سو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں کی روزی دے تاکہ وہ شکر کیا کریں۔

اَفْئِدَةً : دل۔ قلوب۔ واحد فؤادٌ۔

تَهْوِیْ : وہ (اوپر سے نیچے) گراتی ہے۔ وہ پھینک دیتی ہے۔ هُوِیٌّ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کی حالت میں اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو ایک چٹیل میدان میں، جہاں بعد میں اللہ کے حکم سے زمزم کا چشمہ جاری ہوا، چھوڑ کر ملک شام چلے گئے۔ بعد میں وہاں قبیلہ جرہم کے کچھ لوگ پہنچے اور پانی دیکھ کر وہاں ٹھہر گئے اور حضرت ہاجرہ کی اجازت سے وہیں آباد ہوگئے۔ حضرت اسمٰعیل جب بڑے ہوئے تو اسی قبیلے میں ان کی شادی ہوئی۔ اس طرح جہاں آج مکہ ہے وہاں ایک بستی آباد ہوگئی۔ حضرت ابراہیمؑ کبھی کبھی شام سے یہاں تشریف لاتے تھے اور اس بستی اور بستی والوں کے لئے دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ! میں نے اپنی ایک اولاد کو اس بنجر اور چٹیل جگہ میں تیرے حکم سے تیرے محترم گھر کے پاس لاکر بسا دیا ہے تاکہ یہ تیرا اور تیرے گھر کا حق ادا کریں تو اپنے فضل سے کچھ لوگوں کے دل ادھر متوجہ کردے کہ وہ یہاں آئیں اور تیری عبادت کریں۔ اے اللہ! تو ان کی روزی کے لئے غیب سے ایسا سامان فرمادے کہ غلہ، پانی، عمدہ میوے اور پھلوں کی یہاں افراط ہو جائے تاکہ یہ لوگ اطمینان قلب کے ساتھ تیری عبادت اور شکر گزاری میں لگے رہیں۔ (عثمانی ۷۲۷/۱)

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی اور اس وادی کو پرامن حرم بنا دیا۔ یہاں ہر طرف سے پھل لائے جانے لگے۔ یہاں تک کہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زمانے میں یہاں گرمی، سردی اور ربیع و خریف کے پھل ملتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی ایک اور دعا

۳۸، ۳۹۔ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَانُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ○ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○

اے ہمارے رب! بیشک تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ

ظاہر کرتے ہیں اور اللہ سے تو کوئی چیز مخفی نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ تمام حمد (وثنا) اللہ کے لئے (سزاوار) ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عنایت کئے۔ بیشک میرا رب دعا کا بڑا سننے والا ہے۔

تشریح: اے اللہ: تو ہمارے تمام احوال و مصالح سے واقف ہے اور ہم سے زیادہ ہم پر رحم اور مہربانی کرنے والا ہے۔ تو ہمارے مقصود کو ہم سے زیادہ جانتا ہے۔ ہمیں دعا کی ضرورت بھی نہیں لیکن ہم اپنی عبدیت اور بندگی کا اظہار کرنے کے لئے تجھ سے دعا کرتے ہیں، اپنی حاجتوں کا اظہار کرنے اور تیری رحمت کی طلب میں تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ، تجھ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ تجھے ہر چیز معلوم ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز تو تجھے معلوم ہو اور کوئی نامعلوم۔

بڑھاپے کی وجہ سے میں تو مایوس ہو گیا تھا لیکن اے اللہ یہ تیرا احسان اور عظیم الشان نعمت اور شان قدرت ہے کہ تو نے بڑھاپے کے باوجود مجھے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق جیسے فرزند عطا فرمائے۔ بیشک تو دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے۔ تو نے میری دعا قبول فرمائی اور ناامیدی کی حالت میں نرینہ اولاد عطا فرمائی۔ اے اللہ ہر قسم کی حمد و شکر تیرے ہی لئے سزاوار ہے۔ (مظہری ۵/۲۷۸)

اپنے والدین کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا

۴۰، ۴۱۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

اے میرے رب! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا دے اور میری اولاد میں سے بھی (نماز قائم کرنے والے ہوں)۔ اے ہمارے رب! اور میری (یہ) دعا (بھی) قبول فرما۔ اے ہمارے رب! جس دن حساب قائم ہو گا

اس دن مجھے اور میرے ماں باپ اور مومنوں کو بخش دینا۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی کہ مجھے اور میری نسل کے کچھ لوگوں کو نماز قائم کرنے والا بنا دے۔ انہوں نے اپنی تمام اولاد کے لئے اس لئے دعا نہیں کہ ان کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی سب اولاد مسلمان نہ ہو گی یا مسلمان تو ہو گی مگر نماز کی پابند نہ ہو گی۔ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو ارکان و آداب اور پابندیٔ اوقات و شرائط کے ساتھ ہمیشہ ادا کیا جائے۔

پھر دعا کی کہ تو اپنے جود و کرم اور فضل و مہربانی سے میری دعا قبول فرما اور جس دن حساب قائم ہو گا اس دن تو میری، میرے والدین اور تمام اہل ایمان کی مغفرت فرما دینا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والدین کے لئے مغفرت کی دعا اس وقت کی تھی جب وہ زندہ تھے کہ شاید وہ ایمان لے آئیں اور اللہ کی مغفرت و رحمت میں داخل ہو جائیں۔ پھر جب ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہوا تو حضرت ابراہیمؑ ان سے بری اور بیزار ہو گئے۔

(مظہری ۲۷۹،۲۷۸/۵، عثمانی ۲۷۸/۱)

اللہ کافروں کے اعمال سے غافل نہیں

۴۲، ۴۳۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غٰفِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ط اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ O مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ج وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ O

اور (اے مخاطب) ہرگز خیال نہ کرنا کہ ظالم جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس سے بے خبر ہے۔ ان کو تو محض اس دن تک ڈھیل دے رکھی ہے جس دن (عذاب کی دہشت سے) آنکھیں پتھرا جائیں گی۔ (قیامت کے روز) وہ اپنے سروں کو اوپر اٹھائے ہوئے (میدان حشر کی طرف) دوڑتے چلے جا رہے ہوں گے۔ ان کی نظر خود اپنی طرف بھی لوٹ کر نہیں آئے گی اور ان کے دل دھک دھک کر رہے ہوں گے۔

تشخص: وہ پھٹی رہ جائے گی۔ وہ کھلی رہ جائے گی۔ شُخُوْصٌ سے مضارع۔

مُهْطِعِيْن: دوڑ کر آنے والے۔ امنڈ کر آنے والے۔ اِهْطَاعٌ سے اسم فاعل۔

مُقْنِعِی: اٹھانے والے (سروں کو) اونچا کرنے والے۔ اِقْنَاعٌ سے اسم فاعل۔

هَوَآءٌ: گرے ہوئے۔ بدحواس۔ خالی۔

تشریح: کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو ظالموں کے اعمال کا علم نہیں، اسی لئے وہ دنیا میں پھل پھول رہے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ڈھیل اور مہلت دے رکھی ہے اور ان کو کھلے بندوں چھوڑ رکھا ہے تاکہ وہ یا تو توبہ کرلیں، راہ راست پر آجائیں یا پھر گناہوں میں بڑھتے رہیں یہاں تک کہ قیامت کا دن آجائے جس کی ہولناکیاں آنکھیں پتھرا دیں گی اور لوگوں کی نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس دن جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو ان کا حال یہ ہوگا کہ وہ حیرت و دہشت کی شدت سے سر اوپر کو اٹھائے ہوئے پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے۔ کوئی کسی طرف نہیں دیکھے گا۔ ان کی نگاہ ان کی طرف واپس نہیں لوٹے گی، یعنی خوف و دہشت کی وجہ سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ ان کی پلک بھی نہ جھپکے گی اور ان کے دل بالکل بدحواس ہوں گے۔ (ابن کثیر ۵۴۱/۲)

کافروں کا مہلت مانگنا

۴۴،۴۵۔ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ
اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ
اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَالَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝
وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ
كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝

اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائے جس دن ان پر عذاب آئے

گا۔ پھر ظالم کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی مدت تک مہلت دے دے تاکہ ہم تیری دعوت کو قبول کر لیں اور رسولوں کی اتباع کر لیں۔ ان کو جواب ملے گا کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے کہ تمہیں کسی طرح کا زوال نہیں حالانکہ تم انہیں لوگوں کی بستیوں میں رہتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا اور تمہارے لئے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔

تشریح: یہاں کافروں کی طرف سے مہلت مانگنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دنیا میں عذابِ الٰہی یا موت کی شدت دیکھ کر چند روز کی مہلت طلب کریں کہ آئندہ اپنا رویہ درست کر لیں گے اور حق کی دعوت قبول کر کے انبیاء علیہم السلام کی پیروی اختیار کر لیں گے۔ دوسرا مطلب یہ کہ وہ قیامت کے روز یہ تمنا کریں گے کہ ان کو تھوڑی سی مدت کے لئے دنیا میں لوٹا دیا جائے تاکہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئیں اور اس کی دعوت کو قبول کر لیں۔

مہلت طلب کرنے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کافروں سے کہے گا کہ کیا ہم نے دنیا میں تمہیں مہلت نہیں دی تھی۔ کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسمیں کھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ ہم تو دنیا میں ہمیشہ رہیں گے، ہم کبھی نہیں مریں گے اور نہ اللہ تعالیٰ ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ سو اب تم اس قیامت کا مزہ چکھو جس کا تم انکار کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تم ان لوگوں کے گھروں میں رہے ہو جنہوں نے کفر و معصیت کر کے اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور رسولوں کا مقابلہ کیا تھا، جیسے قوم نوح و عاد و ثمود وغیرہ۔ کیا ان کے آثار قدیمہ کا مشاہدہ کر کے اور ان کی تباہی و بربادی کی خبریں سن کر تم پر ظاہر نہیں ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا اور کیا تمہاری عبرت کے لئے ہم نے ان کے احوال کی مثالیں بیان نہیں کیں۔ مگر تم نے کوئی سبق نہیں حاصل کیا۔ (ابن کثیر ۵۴۲/ ۲)

کافروں کے داؤ پیچ

۴۶، ۴۷۔ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ط وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ
لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ O فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ
رُسُلَهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ O

اور انہوں نے اپنی بڑی تدبیریں کی تھیں اور ان کی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاتے۔ پس ہرگز نہ خیال کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔ بیشک اللہ بڑا زبردست ہے، پورا بدلہ لینے والا ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کو جلا وطن کرنے یا قید کرنے یا قتل کرنے کے لئے مشرکین مکہ نے اپنے داؤ پیچ کئے یا یہ مطلب ہے کہ کفارِ مکہ نے حق کو مٹانے اور باطل کو ابھارنے کی اپنی سی ہر تدبیر اور ہر کوشش جو وہ کر سکتے تھے کرلی۔ ان کے داؤ پیچ اللہ کے پاس لکھے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو اس فریب کاری کی سزا دے گا۔ ظاہری طور پر ان کی تدبیریں واقعی ایسی تھیں کہ عجب نہیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ لیکن حق تو ان پہاڑوں سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ وہ ان ظالموں کے مکر و فریب سے نہیں ٹل سکتا۔ اللہ اپنے دین کا حافظ و ناصر ہے۔ سو آپ یہ گمان نہ کریں کہ وہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے، رسولوں کی تکذیب کرنے والوں اور آخرت کا انکار کرنے والوں کو عذاب دینے کا جو وعدہ کیا ہے وہ اس کو ضرور پورا کرے گا۔ بلاشبہ اللہ غالب ہے۔ سب کچھ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ اپنے دوستوں کا بدلہ ان کے دشمنوں سے لیتا ہے۔ اس کو بدلہ لینے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

(مظہری ۲۸۱، ۲۸۳/ ۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۷، ۱۴۸/ ۴)

قیامت کے روز زمین و آسمان کا تبدیل ہونا

۴۸۔۵۱۔ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ
الْقَھَّارِ ○ وَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ○
سَرَابِیْلُھُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْھَھُمُ النَّارُ ○ لِیَجْزِیَ
اللّٰہُ کُلَّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ ط اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ○

جس دن (قیامت کے دن) یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (اور آسمان سے بدل دیا جائے گا) اور لوگ (قبروں سے) نکل کر اللہ واحد و غالب کے سامنے پیش ہوں گے اور اس دن تو مجرموں (کافروں) کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا۔ ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور ان کے چہروں پر آگ لپٹی ہو گی تاکہ اللہ ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے۔ بیشک اللہ سرعت کے ساتھ حساب لینے والا ہے۔

بَرَزُوْا: وہ سب نکلے۔ بُرُوْزٌ سے ماضی۔

مُقَرَّنِیْنَ: قوت والے۔ قابو میں لانے والے۔ اِقْرَانٌ سے اسم فاعل۔

اَصْفَادِ: زنجیریں۔ واحد صَفَدٌ و صَفَادٌ۔

سَرَابِیْلُھُم: ان کے لباس۔ ان کے کرتے۔ واحد سِرْبَالٌ۔

قَطِرَانٍ: گندھک۔ تیل کی طرح ایک سیال مادہ۔

تشریح: جس دن اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا اور آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے اس روز سب لوگ قبروں سے نکل کر حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے جو واحد و یکتا ہے اور سب پر غالب ہے۔ اس دن مجرم ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ان کے

لباس سیاہ گندھک کے ہوں گے جو تیزی سے آگ پکڑ لیتی ہے اور ان کے چہروں پر آگ لپٹی ہوئی ہو گی، ظاہری اعضا میں چہرہ ممتاز حیثیت رکھتا ہے اسی لئے خصوصیت کے ساتھ چہروں کا ذکر کیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہو گا تاکہ اللہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دے دے۔ بیشک اللہ بہت سرعت کے ساتھ حساب لینے والا ہے۔ (مظہری ۲۸۵،۲۸۷/ ۵،ابن کثیر ۵۴۵/ ۲)

مسند احمد میں حضرت ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہوں گے جن کو وہ نہیں چھوڑیں گے۔ ۱۔ حسب پر فخر، ۲۔ نسب میں طعنہ زنی، ۳۔ ستاروں سے بارش کی طلبی، ۴۔ میت پر نوحہ۔ اور اگر نوحہ کرنے والی (عورت) نے اپنی موت سے پہلے توبہ نہ کی تو قیامت کے روز اسے سیاہ گندھک کا لباس اور کھجلی کا دوپٹہ پہنایا جائے گا۔ مسلم میں بھی یہ حدیث آئی ہے۔ (مسند احمد ۲۷۴/ ۶)

اللہ کا پیغام

۵۲۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

یہ (قرآن) ایک پیغام ہے لوگوں کے لئے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو (قہر الٰہی سے) ڈرایا جائے اور تاکہ لوگ جان لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت پکڑیں۔

تشریح: یہ قرآن لوگوں کے لئے اللہ کا کھلا پیغام ہے تاکہ لوگ سعادت و شقاوت کو پہچانیں اور ظلمتوں سے نکل کر نور کی طرف آئیں اور تاکہ اس کے ذریعے لوگوں کو خبردار کر دیا جائے اور لوگ اس بات کا یقین کر لیں کہ معبودِ برحق وہی ذاتِ واحد و یکتا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت و عبرت حاصل کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ حجر

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حجر کے رہنے والوں کی تباہی و ہلاکت کا بیان ہے۔ اس لیے اس سورت کا نام سورۂ حجر رکھا گیا ہے۔ حجر شام اور مدینے کے درمیان ایک وادی ہے جہاں سابقہ امتوں میں سے ایک کافر امت آباد تھی۔

تعارف: اس میں ۶ رکوع، ۹۹ آیتیں، ۶۶۳ کلمات اور ۲۹۰۷ حروف ہیں۔

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ ہجرت مدینہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں زیادہ تر منکرین نبوت اور مکذبین رسالت کی عقوبت و ہلاکت کے واقعات اور توحید و قیامت کا ذکر ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱ قرآن کی حقانیت، قیامت کے روز اہل غفلت کی حسرت اور کافروں کی سرکشی مذکور ہے۔ آخر میں اللہ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کا ذمہ لینا اور کافروں کی طرف سے آنحضرت ﷺ کی تکذیب پر آپ کو تسلی دی گئی ہے۔

رکوع ۲ توحید کے دلائل اور عجائبات قدرت بیان کیے گئے ہیں۔

رکوع ۳ آدم و ابلیس کی تخلیق، فرشتوں کے سامنے تخلیق آدم کا اعلان اور ابلیس کے غرور و تکبر کا بیان ہے۔ اس کے بعد ابلیس مردود پر ابدی لعنت اور ابلیس کا اعلان انتقام مذکور ہے۔

رکوع ۴ اہل جنت کا ثواب اور نعمتیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

رکوع۵: قوم لوط اور اصحاب ایکہ (قوم شعیب) کا عذاب الٰہی کے نتیجے میں ہلاک ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع۶: شروع میں اصحاب حجر کا ذکر ہے پھر تخلیق کائنات کی حکمت، مصلحت اور آنحضرت ﷺ کے لئے سبع مثانی اور قرآن عظیم کے تحفوں کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت ﷺ کو اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچانے کا حکم ہے۔

قرآن کی حقانیت

۱۔ الٓرٰ ۝

یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے اسرار و معانی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے درمیان ایک بھید ہیں۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

یہ کتاب (الٰہی) اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں۔

تشریح: یہ آیتیں جن کی تلاوت محمد ﷺ کرتے ہیں ایک عظیم الشان اور مکمل کتاب کی آیتیں ہیں جو قرآن مبین ہے اور جس کے اصول واحکام صاف اور روشن ہیں اور عقل ونقل سے ثابت ہیں۔ یہ قرآن حلال کو حرام سے جدا کرنے والا اور ہدایت وگمراہی کو کھول کر اور واضح طور پر بیان کرنے والا ہے۔ لہٰذا لوگوں کو چاہئے کہ وہ اس کتاب کو توجہ سے سنیں اور اس پر ایمان لائیں۔

قیامت کے روز اہلِ غفلت کی حسرت

۲۔۵۔ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا

وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَ ملُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ O ومَآ اهْلَكْنا مِنْ قَرْيةٍ الَّا وَلَها كتابٌ مَّعْلُومٌ O ما تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجلها وَمَا يَسْتَاْ خِرُوْنَ O

کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی (دنیا میں) مسلمان ہوتے۔ (اے پیغمبر ﷺ) ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کہ وہ (خوب) کھالیں اور فائدہ اٹھالیں اور خیالی منصوبے ان کو غفلت میں ڈالے رکھیں بہت جلد ان کو (حقیقت) معلوم ہو جائے گی۔ ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر (اس کی تباہی سے پہلے) اس کا وقت لکھا ہوا (اور) مقرر تھا۔ کوئی قوم نہ اپنے مقررہ وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

رُبَما : کسی وقت، بسا اوقات، اکثر اوقات۔

يَوَدُّ : وہ چاہتا ہے۔ وہ پسند کرتا ہے۔ وہ خواہش کرتا ہے۔ مودّۃٌ سے مضارع۔

يُلْهِهِمُ : وہ ان کو غافل بناتا ہے۔ وہ ان کو مشغول رکھتا ہے۔ اِلْهاءٌ سے مضارع۔

اَمَلُ : آرزو، امید، توقع، جمع 'امالٌ'۔

تشریح: قیامت کے روز کافر اپنے کفر و انکار پر نادم و پشیمان ہوں گے اور جب اپنے کفر و انکار کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو بار بار تمنا کریں گے کہ کاش ہم دنیا میں مسلمان ہوتے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ہر کافر اپنی موت کو دیکھ کر اپنے مسلمان ہونے کی تمنا کرتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے روز بھی ہر کافر کی یہی تمنا ہوگی۔ وہ جہنم کے پاس کھڑے ہو کر کہیں گے کہ کاش اب ہم دنیا میں واپس بھیج دیئے جائیں تو نہ تو ہم اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں گے اور نہ ترکِ ایمان کریں گے۔

ابن المبارک، ابن ابی شیبہ اور بیہقی وغیرہ نے حضرت ابن عباس اور حضرت انس رضی اللہ عنہم کے متعلق بیان کیا کہ ان دونوں نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ دوزخ کے اندر گنہگار مسلمانوں اور مشرکوں کو جمع کر دے گا تو مشرک لوگ مسلمانوں سے

کہیں گے کہ تمہاری عبادت نے تمہیں کیا فائدہ پہنچایا؟ سو اللہ تعالیٰ ان (کافروں) پر ناراض ہو گا اور اپنے فضل و رحمت سے مسلمانوں کو دوزخ سے باہر نکال دے گا۔ (روح المعانی ۴/ ۱۴)

طبرانی، ابن عاصم اور بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب دوزخی دوزخ میں جمع ہو جائیں گے اور اللہ کی مشیت کے تحت کچھ اہل قبلہ (گنہگار مسلمان) بھی ان کے ساتھ ہوں گے تو کافر لوگ مسلمانوں سے کہیں گے کہ کیا تم مسلمان نہ تھے؟ مسلمان کہیں گے: "ہاں تھے"۔ کافر کہیں گے تو پھر اسلام سے تمہیں کیا فائدہ ہوا؟ تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں آگئے۔ مسلمان کہیں گے کہ ہمارے کچھ گناہ تھے جن کی وجہ سے اللہ نے ہمیں پکڑ لیا۔ یہ گفتگو اللہ تعالیٰ سنے گا تو حکم دے گا کہ اہل قبلہ میں سے جو بھی دوزخ کے اندر ہو اس کو نکال لیا جائے۔ چنانچہ سب مسلمان نکال لئے جائیں گے۔ دوزخی کافر جب یہ دیکھیں گے تو کہیں گے کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی ان (مسلمانوں) کی طرح نکال لیا جاتا۔ پھر آپ نے آیت **رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ** تلاوت فرمائی۔ (مظہری ۵/ ۲۹۰، ۲۹۲)

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے کہ یہ لوگ خوب کھائیں پئیں اور دنیا کے مزے اڑائیں اور طویل آرزوئیں ان کو آخرت سے غفلت میں ڈالے رکھیں۔ یہ لوگ بہت جلد حقیقتِ حال کو جان لیں گے۔ ہم نے جتنی بستیاں بھی ہلاک کی ہیں ان کے لئے پہلے سے ان کی ہلاکت کا ایک وقت مقرر تھا۔ کوئی قوم نہ تو اپنی مقررہ مدت سے پہلے ہلاک ہو سکتی ہے اور نہ وہ پیچھے رہ سکتی ہے۔ بس جب اللہ کی حجت پوری ہو جاتی ہے اور عذر ختم ہو جاتا ہے تو وہ مقررہ وقت آپہنچتا ہے اور وہ قوم ہلاک ہو جاتی ہے۔

کافروں کی سرکشی

۸،۶۔ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ○ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰۤئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰۤئِكَةَ

اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ○

اور کفارِ (مکہ) نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے، بیشک تو ضرور دیوانہ ہے (نعوذ باللہ)۔ اگر تو (اپنے نبوت کے دعوے میں) سچا ہے تو ہمارے پاس (عذاب دینے والے) فرشتے کیوں نہیں لے آتا۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ہم فرشتے تو فیصلے ہی کے لئے نازل کرتے ہیں اور اس وقت ان کو مہلت بھی نہ ملے گی۔

تشریح: یہاں کافروں کے کفر، ان کی سرکشی اور ضد و عناد کا بیان ہے۔ وہ لوگ مذاق اور ہنسی کے طور پر آپ کو مخاطب کر کے کہتے تھے کہ آپ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ پر قرآن نازل کیا گیا ہے، آپ دوسروں کو احمق اور جاہل بتاتے ہیں اور آپ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ آخر کار آپ ہی غالب ہوں گے، یہ عقل و ہوش کی باتیں نہیں۔ یہ تو بلاشبہ دیوانوں جیسی باتیں ہیں۔ اگر آپ اپنے دعوئ نبوت میں سچے ہیں تو ہمارے سامنے شہادت دینے کے لئے آپ فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتے جو آپ کی تائید و تصدیق کرتے، ہمیں آپ کی بات ماننے پر مجبور کرتے، اگر ہم نہ مانتے تو ہمیں فوراً سزا دیتے۔

ماننے والوں کے لئے تو اب بھی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔ لیکن جو لوگ راہِ راست پر آنا ہی نہ چاہیں وہ تو فرشتوں کے آنے پر بھی نہ مانیں گے۔ اس لئے ان کے نازل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ عام طور پر اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ جب کسی قوم کی سرکشی انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیج دیتا ہے اور پھر اس کو ذرا بھی مہلت نہیں دیتا۔ (عثمانی ۷۳۳/۱)

حفاظتِ قرآن کا ذمہ

۹۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○

بیشک ہم ہی نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت

کرنے والے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کافروں کا قرآن لانے والے کی طرف جنون کی نسبت کرنا قرآن و حاملِ قرآن پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بلاشبہ اس قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی نے اس کی ہر قسم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ یہ قیامت تک ہر طرح کی لفظی و معنوی تحریف سے محفوظ رہے گا۔ زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر اس کے اصول و احکام کبھی نہیں بدلیں گے۔ قرآن مجید کی حفاظت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم الشان وعدہ ایسے حیرت انگیز طریقے سے پورا ہو رہا ہے کہ جسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے۔ "میور" کہتا ہے "جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی کتاب ایسی نہیں جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو"۔ ایک اور یورپین محقق لکھتا ہے کہ "ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد (ﷺ) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں"۔

نزولِ قرآن کے وقت سے آج تک ایک زبر زیر تبدیل نہ ہو سکا۔ کسی نے قرآن کے رکوع گن لئے، کسی نے آیتیں شمار کر ڈالیں۔ کسی نے حروف کی تعداد بتائی، حتیٰ کہ بعض نے ایک ایک اعراب (زبر، زیر) اور ایک ایک نقطہ کو شمار کر ڈالا۔ آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک سے آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت ایسی نہیں بتائی جا سکتی جس میں قرآن کے حافظوں کی تعداد ہزاروں لاکھوں میں موجود نہ رہی ہو، ذرا غور کرو! ایک آٹھ دس سال کا یا اس سے بھی کم عمر ہندوستانی بچہ جسے اپنی مادری زبان میں ایک نہایت چھوٹا سا رسالہ یاد کرنا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب جو متشابہات سے پر ہے۔ کس طرح فر فر سنا دیتا ہے۔ پھر اگر کسی مجلس میں ایک بڑے عالم فاضل اور جید حافظ سے کوئی حرف یا لفظ چھوٹ جائے یا زبر زیر کی غلطی ہو جائے تو ایک بچہ اس کو ٹوک دیتا ہے اور تصحیح کرنے والے چاروں طرف سے اسے للکارتے ہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ پڑھنے والے کو غلطی پر قائم رہنے دیں۔ قرآن مجید کی حفاظت کا یہ سب انتظام و اہتمام اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اسی کی توفیق سے ہے۔

(عثمانی ۷۳۳، ۷۳۴/۱)

رسول اللہ ﷺ کو تسلی

۱۰۔۱۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ O وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ O كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ
قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ O لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ
الْاَوَّلِیْنَ O وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ
یَعْرُجُوْنَ O لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ
مَّسْحُوْرُوْنَ O

اور ہم آپ سے قبل پہلے لوگوں کے گروہوں میں بھی رسول بھیج چکے ہیں اور ان کے پاس کوئی رسول ایسا نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔ اسی طرح ہم (یہ مذاق اڑانا) مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں۔ (جس کی وجہ سے) یہ لوگ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور تحقیق قدیم لوگوں کا بھی یہی طریقہ رہا ہے اور اگر ہم ان (کافروں) پر آسمان سے کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور یہ سارا دن اس میں چڑھتے رہیں تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظربندی کر دی گئی ہے۔ نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا گیا ہے۔

نَسْلُكُهٗ: ہم اس کو ڈال دیتے ہیں۔ ہم اس کو داخل کر دیتے ہیں۔ سَلْكٌ سے مضارع۔

فَظَلُّوْا: وہ ہو گئے۔ ظَلٌّ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

یَعْرُجُوْنَ: وہ چڑھتے ہیں عُرُوْجٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ ان کی تکذیب واستہزاء سے دلگیر نہ ہوں۔ جس طرح یہ لوگ آپ کو جھٹلا رہے ہیں اسی طرح آپ سے پہلے جو

نبی گزر چکے ہیں ان کو بھی اس وقت کے منکرین و مکذبین جھٹلاتے رہے۔ ان کی بھی ہنسی اڑائی گئی۔ ضدی اور متکبر لوگ جب گناہوں میں حد سے بڑھ جاتے ہیں تو ان کے دلوں میں رسولوں کی تکذیب رچا بسا دی جاتی ہے۔ یہاں مجرموں سے مراد مشرکین ہیں۔ وہ حق کو قبول نہیں کرتے۔ گزشتہ لوگوں کا حال ان کے سامنے ہے۔ جس طرح اپنے کفر و عناد کی بنا پر وہ لوگ ہلاک و برباد ہوئے اسی طرح یہ بھی تباہ و برباد ہوں گے۔ جس طرح سابقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والے امن و عافیت پا گئے اسی طرح رسول اللہ ﷺ اور ان کے بتائے ہوئے طریقے اور راستے پر چلنے والے مومنین بھی فلاح و عافیت پائیں گے۔ پس دنیا و آخرت کی بھلائی رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہے اور دونوں جہاں کی رسوائی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ہے۔

پھر فرمایا کہ ان کے عناد و ضد کی حالت یہ ہے کہ اگر ہم آسمان سے فرشتے اتارنے کی بجائے آسمان کا دروازہ کھول کر خود ان کو آسمان پر پہنچا دیں اور پھر وہاں یہ لوگ فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے۔ اس لئے ہم اپنے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا تو دیکھتے ہیں مگر حقیقت میں ہم آسمان پر نہیں چڑھ رہے ہیں کیونکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

(ابن کثیر ۷۳۵/۲، عثمانی ۷۳۴، ۷۳۵/۱)

توحید کے دلائل

۱۶-۲۰۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ O وَ
حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ O اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ
فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ O وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا
رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ O وَجَعَلْنَا لَكُمْ
فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ O

اور البتہ ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کے لئے

اس کو مزین کر دیا ہے اور ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا۔ مگر جو کوئی (شیطان) چوری سے سن بھاگا تو اس کے پیچھے لگ جاتا ہے ایک دہکتا ہوا انگارہ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا اور ہم نے اس پر بوجھ (پہاڑ) ڈال دیئے اور ہم نے اس میں ہر چیز اندازے (مناسبت) سے اگائی اور ہم نے تمہارے لئے اس میں معاش کے سامان بنا دیئے اور ان کے لئے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔

اسْترق : اس نے چرایا، اِسْتِراقٌ سے ماضی۔

شِهابٌ : شعلہ، انگارا۔ آسمان پر جو تارا ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔

رَوَاسِی : پہاڑ، بوجھ، واحد رَاسِیَةٌ

تشریح: ہم نے دیکھنے والوں کے لئے اس بلند و بالا آسمان کو ستاروں سے زینت دی ہے۔ رات کے وقت جب بادل اور گرد و غبار نہ ہو تو آسمان بے شمار چمکدار ستاروں سے جگمگاتا ہوا نظر آتا ہے اور غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی صنعتِ کاملہ، حکمت عظیمہ اور وحدانیتِ مطلقہ کے بے شمار نشانات پائے جاتے ہیں۔ سو آسمان سے فرشتے اتارنے یا ان لوگوں کو آسمان پر چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ لوگ ماننا چاہیں تو آسمان و زمین میں قدرت کے نشانات کیا کم ہیں جنہیں دیکھ کر سمجھدار آدمی توحید کا اقرار با آسانی کر سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں پر شیطانوں کا کچھ عمل دخل نہیں۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت سے تو وہاں ان کا گزر بھی نہیں۔ اب ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح آسمان کے قریب پہنچ جائیں اور عالم ملکوت سے نزدیک ہو کر غیب کی خبریں معلوم کریں۔ اس وقت ان پر شہاب ثاقب یعنی آگ کا انگارا مارا جاتا ہے جو غیب کی خبر سننے والے کو مجروح یا ہلاک کر کے چھوڑتا ہے۔

ہم نے زمین کو پھیلا کر اتنا وسیع کر دیا کہ بے شمار مخلوق اس پر آباد ہو سکے اور ہم نے اس پر پہاڑ کے بوجھ رکھ دیئے تاکہ وہ جنبش نہ کر سکے اور ہم نے اپنے علم و حکم سے ایک مناسب اندازے کے ساتھ ہر چیز کو اس زمین میں پیدا کیا۔ کوئی چیز عبث اور بے فائدہ نہیں بنائی۔ ہم

نے تمہارے لئے بھی سامانِ زندگی پیدا کیا اور تمہارے اہل و عیال اور خادموں کے لئے بھی سامان زندگی پیدا کیا۔

(عثمانی ۷۳۵، ۷۳۶/ ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۶۵، ۱۶۶/ ۴)

عجائباتِ قدرت

۲۱-۲۵۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ
مَّعْلُوْمٍ ○ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ○ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَ
نُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ○ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ○ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ یَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ
حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ○

اور ایسی کوئی بھی چیز نہیں جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں اور ہم اس (چیز) کو ایک مقررہ مقدار سے اتارتے رہتے ہیں اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادل کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر ہم ہی آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ پھر ہم نے وہ (پانی) تمہیں پلایا اور تم اس (قدر پانی) کو جمع کر کے نہیں رکھ سکتے تھے اور تحقیق ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہم ہی (سب کے) وارث ہیں اور یقیناً ہم تمہارے اگلوں کو بھی (خوب) جانتے ہیں اور تمہارے بعد والوں سے بھی خوب واقف ہیں اور بیشک آپ کا رب ہی (قیامت کے روز) سب کو جمع کرے گا۔ بلاشبہ وہ حکمت والا (اور) علم والا ہے۔

قَدَرٍ : اندازہ، مقدار۔ اللہ تعالیٰ کا حکم۔

لَوَاقِحَ : بادل کو پانی سے بھرنے والیاں، بوجھل کر دینے والیاں، لَقْحٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: انسانوں کے سامان معاش و رزق میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ہوں۔ وہ ان میں سے جتنا چاہتا ہے جب اور جہاں چاہتا ہے نازل فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تمام چیزوں کا تنہا مالک ہے۔ ہر کام اس پر آسان ہے۔ وہی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ پھر وہ تمہارے لئے آسمان سے میٹھا پانی برساتا ہے۔ جس کو تم پیتے بھی ہو اور اس سے دوسرے کام بھی کرتے ہو۔ اگر وہ چاہے تو اس پانی کو کھارا اور کڑوا کر دے۔ پھر فرمایا کہ اس بارش کا خزانہ ہمارے پاس ہے۔ تمہارے پاس نہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ چشموں، تالابوں اور کنوؤں وغیرہ میں پانی جمع رکھنا تمہارا کام نہیں۔ یہ ہمارے ہی اختیار میں ہے۔

ہم مخلوق کی ابتداء اور پھر اس کے اعادے پر قادر ہیں۔ بلاشک وشبہ ہم ہی زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں۔ زمین اور اہل زمین میں سب کے ہم ہی وارث ہیں۔ سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے ہمارے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ اوّل و آخر سب ہمارے علم میں ہے۔ تمہاری کوئی حالت ہم سے پوشیدہ نہیں۔ ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے پچھلوں سے بھی واقف ہیں۔ تمہارا رب وہی ہے جس کو ایک ایک ذرہ کا علم ہے۔ جب اس کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوگی کہ سب کو حساب و کتاب اور انصاف کے لئے جمع کیا جائے تو اس میں اس کو ذرا بھی دشواری نہ ہوگی۔ (ابن کثیر ۵۴۸،۵۵۰/ ۲)

آدم و ابلیس کی تخلیق

۲۶، ۲۷۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝
وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝

اور بیشک ہم نے انسان کو کھنکھناتی ہوئی (خشک) مٹی سے پیدا کیا جو کہ سڑے ہوئے کیچڑ سے بنی تھی اور اس (انسان) سے پہلے ہم نے جنوں کو لو والی آگ سے پیدا کیا۔

انسان انسان، آدمی، مذکر ومونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ انسٌ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ظہور کے ہیں، کیونکہ انسان ظاہری آنکھ سے دکھائی دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اُنس (دلی وابستگی) سے مشتق ہے کیونکہ انسان باہم مانوس ہوتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ انسان، نسیانٌ (بھولنا) سے مشتق ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو ایک حکم دیا گیا تھا۔ مگر وہ اس کو بھول گئے۔

صلصالٍ: وہ خشک مٹی جو آگ میں نہ پکائی گئی ہو اور کھن کھن بولتی ہو یعنی بجانے سے کھنکھناتی ہو۔

حمإ: دلدلی کیچڑ جو زیادہ پانی سے قریب ہونے سے کالی پڑ جاتی ہے۔ گارا، گیلی مٹی۔

مَّسْنُوْنٍ: متغیر سڑا ہوا۔ جس کا رنگ و بو بدل جائے۔ سَنٌّ سے اسم مفعول۔

السَّمُوْم: گرم ہوا، لو۔ تیز بھاپ، وہ سخت گرمی جو مسامات کے اندر گھس جائے۔

تشریح: بلاشبہ ہم نے انسان کو یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو جو انسان کی اصل ہیں، کھنکھناتی ہوئی خشک مٹی سے پیدا کیا جو سڑے ہوئے گارے سے تیار کی گئی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے ہم نے جنات کو نہایت تیز لو والی آگ سے پیدا کیا۔ سموم آگ کی تیز لو کو کہتے ہیں اور حَرُوْرٌ دن کی گرمی کو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جن آگ کے شعلوں سے بنائے گئے ہیں یعنی بہت تیز آگ سے۔ صحیح میں وارد ہے کہ فرشتے نور سے پیدا کئے گئے اور جن شعلے والی آگ سے اور آدم اس سے جو تمہارے سامنے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس آیت سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی فضیلت وشرافت اور ان کے تخلیقی عنصر کی پاکیزگی اور طہارت کا بیان ہے۔ (ابن کثیر ۲/۵۵۰)

فرشتوں کے سامنے تخلیق آدم کا اعلان .

۲۸، ۲۹۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ

سٰجِدِیْنَ ○

اور (وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے کیچڑ سے بنی تھی، ایک بشر بنانے والا ہوں۔ سو جب میں اس کو پوری طرح بنا چکوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم اس کے لئے سجدے میں گر پڑنا۔

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ان کی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں کھنکھناتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہوئی ہوگی، ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں۔ سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی خاص روح پھونک دوں جس سے وہ زندہ ہو جائے گا تو تم سب اس کی طرف رخ کر کے سجدے میں گر پڑنا۔

حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کوئی مخلوق مٹی سے نہیں بنائی گئی۔ چونکہ مٹی کی خاصیت تذلل اور خاکساری ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا تاکہ لوگ اللہ کے خشوع و خضوع کرنے والے بندے بنیں اور ان کو کمال درجے کا مقام عبدیت و عبودیت حاصل ہو۔

ابلیس کا غرور و تکبر

۳۰، ۳۳۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ○ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَالَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ○ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○

پھر سب فرشتوں نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے اس سے انکار کیا کہ وہ سجدے کرنے والوں کے ساتھ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدے کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ اس نے کہا کہ میں ایسا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کر چکا تو تمام فرشتوں نے اس کی طرف رخ کر کے اس کو سجدہ کیا سوائے ابلیس ملعون کے جس نے غرور و تکبر کی بنا پر اپنے آپ کو بڑا اور افضل سمجھتے ہوئے، حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اللہ کے حکم کی پرواہ نہ کی اور نہ اس نے یہ خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے اس لئے اس کا حکم حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ فرشتوں میں سے نہ تھا بلکہ وہ جنوں میں سے تھا اور جنوں کی تخلیق آگ سے ہوئی ہے اور آگ کی اصل علو اور استکبار ہے۔ اس لئے اس نے اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل و برتر سمجھا جو مٹی سے بنائے گئے تھے۔ اور یہ نہ سوچا کہ گو حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے ہیں مگر ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا ہے۔ یہ شرف و فضیلت کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ نہیں دیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں انسان کو سجدہ نہیں کروں گا، جس کو تو نے کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا جو سڑے ہوئے گارے سے بنائی گئی تھی۔ مٹی کا درجہ تو تمام عناصر سے کم ہے۔ مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے جو تمام عناصر سے لطیف اور اعلیٰ و اشرف ہے۔ اس لئے میں حضرت آدم علیہ السلام سے افضل و اشرف ہوں۔ لہٰذا افضل و اشرف مخلوق، ادنیٰ اور کثیف مخلوق کو سجدہ کیوں کرے۔

ابلیس مردود پر ابدی لعنت

۳۴،۳۸۔ قال فاخرج منها فانك رجيم O و ان عليك اللعنة الى يوم الدين O قال رب فانظرني الى يوم يبعثون O قال فانك من المنظرين O الى يوم الوقت المعلوم O

اللہ تعالیٰ نے (شیطان سے) فرمایا تو یہاں سے نکل جا۔ بے شک تو مردود ہے اور بیشک تجھ پر فیصلے کے دن (قیامت) تک لعنت ہے۔ اس نے کہا! اے رب تو مجھے اس دن (قیامت) تک مہلت دے جس دن مردے زندہ کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، سو بے شک تجھے مہلت ہے مقرر وقت کے دن (قیامت) تک۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ چونکہ تو نے میرا حکم نہیں مانا اس لئے اب تو جنت اور آسمان سے نکل جا۔ بلاشبہ تو مردود ہے۔ اب بلاشبہ تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔ اس کے بعد جو بے شمار قسم کے عذاب ہوں گے وہ لعنت سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہ سن کر ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب! جب تو نے مجھے جنت سے نکال ہی دیا اور مجھ پر لعنت کر دی تو میری زندگی کو اس دن تک طویل کر دے جس دن لوگ قبروں سے دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اچھا تجھے ایک خاص وقت تک زندگی کی مہلت ہو گی جو اللہ کو معلوم ہے۔

ابلیس کا اعلانِ انتقام

۳۹،۴۴۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُ زَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ O اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ O قال هذا صراط

عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ O اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ O وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ O لَهَا
سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ O

اس نے کہا اے رب! جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا البتہ میں بھی دنیا میں ان کے لئے (گناہوں کو) ضرور مزین کروں گا اور البتہ ان سب کو گمراہ کروں گا ان میں سے سوائے تیرے منتخب بندوں کے۔ اللہ نے فرمایا مجھ تک پہنچنے کا یہی (اطاعت) سیدھا راستہ ہے۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا بس نہیں چلے گا، سوائے ان گمراہ لوگوں کے جو تیری پیروی کریں اور یقیناً ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے (سب کا ٹھکانا جہنم ہے) اس جہنم کے سات دروازے ہیں ہر دروازے (میں سے) جانے کے لئے ان (کافروں) کے حصے تقسیم کئے ہوئے ہیں۔ (ہر گروہ) اپنے خاص دروازے سے اس میں داخل ہوگا۔

تشریح: ابلیس نے کہا کہ اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر دیا ہے اس لئے میں بھی دنیا میں اولاد آدم کو گناہ کے کام مزین و آراستہ کر کے دکھاؤں گا اور انہیں رغبت دلا دلا کر نافرمانیوں میں مبتلا کر دوں گا۔ جہاں تک ہو سکے گا میں سب کو بہکانے اور گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ البتہ ان میں سے جو تیرے منتخب و مخلص بندے ہوں گے اور جن کو تو نے ہدایت کر دی ہو گی ان کو میں نہیں بہکا سکوں گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اخلاص و بندگی ہی مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں۔ بیشک جو میرے منتخب و مخلص بندے ہیں ان پر تیرا بس نہیں چلے گا۔ البتہ تیرا بس ان لوگوں پر چلے گا جو گمراہ ہوں گے اور تیری اتباع کریں گے۔ تیرے لئے اور جو لوگ تیرے طریقے پر چلیں گے، ان سب کے لئے جہنم کا وعدہ ہے، جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے میں سے وہی گمراہ لوگ داخل ہوں گے جو اس کے لئے معین و مقرر ہیں۔

(ابن کثیر ۵۵۱،۵۵۲/۲، مظہری ۳۰۲،۳۰۳/۵)

اہلِ جنت کا ثواب وانعام

۴۵۔۵۰۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ ۝
وَنَزَعْنَا مَافِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ
مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا
بِمُخْرَجِیْنَ ۝ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ وَاَنَّ
عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۝

بیشک پرہیز گار لوگ (جنت کے) باغوں اور چشموں میں رہیں گے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تم ان باغوں میں سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ اور جو کچھ ان کے دلوں میں رنجش ہو گی ہم اس کو دور کر دیں گے۔ وہ تختوں پر آمنے سامنے بھائی بھائی بنے بیٹھے ہوں گے۔ نہ وہاں انہیں کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔ (اے نبی! ﷺ) آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں ہی بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں اور یہ کہ میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے۔

نَزَعْنَا: ہم نے باہر نکالا۔ نَزْعٌ سے ماضی۔
غِلٌّ: کینہ، برائی، رنجش۔ مصدر ہے۔
نَصَبٌ: محنت، مشقت، تکلیف۔

شانِ نزول: ثعلبی سے روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے جب آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ سنی تو بدحواس ہو کر بھاگے اور اسی حالت میں تین روز تک بھاگتے رہے۔ آخر (پکڑ کر) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ آپ نے (فرار کا سبب)

دریافت کیا تو حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ نازل ہوئی تو قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کا حامل بنا کر بھیجا ہے میرا دل اس سے پارہ پارہ ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵/۳۰۵)

تشریح: بلاشبہ پرہیز گار لوگ باغوں، نہروں اور چشموں میں ہوں گے اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ ان جنتوں اور چشموں کے اندر امن و سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ اب تم ہر آفت و مصیبت سے محفوظ اور ہر خوف و گھبراہٹ سے مامون ہو گئے۔ نہ یہاں نعمتوں کے زوال کا ڈر ہے اور نہ یہاں سے نکالے جانے کا خوف و خطر اور موت کا غم۔

پھر فرمایا کہ اگر اہل جنت کے دلوں میں کوئی دنیوی رنجش و کینہ باقی ہو گا تو ہم ان کے جنت میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس کو ختم کر دیں گے اور وہ سب بھائی بھائی کی طرح ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے اور محبت والفت سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ وہاں نہ ان کو کبھی کوئی تکلیف چھو سکتی ہے اور نہ وہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے کیونکہ جنت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ میرے بندوں سے کہہ دیجئے کہ میں بہت بخشنے والا مہربان ہوں۔ کسی گنہگار کو میری مغفرت و رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ آپ ان کو یہ بتا دیجئے کہ میرا عذاب بھی نہایت سخت ہے۔ اس لئے کسی وقت بھی عذاب سے بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔

ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ اگر بندے اللہ تعالیٰ کی معافی کو معلوم کر لیں تو حرام سے بچنا چھوڑ دیں اور اگر اللہ تعالیٰ کے عذابوں کو معلوم کر لیں تو اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالیں۔ (ابن کثیر ۵۵۲،۵۵۳/۲)

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ

۵۱،۵۶۔ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ط

قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ O قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ
عَلِيْمٍ O قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ
تُبَشِّرُوْنَ O قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ O
قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ O

اور ان کو (حضرت) ابراہیم کے مہمانوں کا حال بھی سنا دیجئے۔ جب وہ (فرشتے) ان کے پاس آئے تو انہوں نے کہا سلامتی ہو۔ (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ خائف نہ ہوں، ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے (اسحاق) کی بشارت دیتے ہیں۔ (حضرت) ابراہیم نے کہا کیا تم مجھے خوش خبری دیتے ہو باوجودیکہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا۔ سو تم کیسے بشارت دے رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو بالکل سچی بشارت دی سو آپ ناامید نہ ہوں۔ (حضرت) ابراہیم نے کہا کہ اپنے رب کی رحمت سے کون ناامید ہوتا ہے سوائے گمراہوں کے۔

وَجِلُوْنَ ڈرنے والے۔ وَجَلٌ سے صفت شبہ۔

الْقٰنِطِيْنَ فرماں بردار، عبادت گزار، خاموش۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ لوگوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کے بارے میں بتا دیجئے جو فرشتے تھے اور انسانی صورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی بشارت دینے کے لئے ان فرشتوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ ان مہمان فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر ان کو سلام کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت بھون کر ان کے سامنے لا کر رکھا۔ انہوں نے کھانے سے انکار کیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہ دشمن ہیں، اسی لئے فرمایا کہ ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تو آپ کو ایک ایسے لڑکے کے پیدا ہونے کی بشارت دینے آئے ہیں جو بڑا ہو کر بڑا عالم بنے گا۔ یہ بشارت حضرت اسحاق علیہ السلام کی تھی۔ اس واقعہ کی تفصیل سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی بھی بوڑھی تھیں اس لئے انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا اس حالت میں ہمارے ہاں بچہ ہو گا۔ فرشتوں نے دوبارہ زور دے کر اپنی بشارت کو دہرایا اور کہا کہ یہ اللہ کا سچا قول اور حکم ہے جس کو کوئی ٹالنے والا نہیں۔ سو آپ ظاہری اسباب پر نظر کر کے ناامید نہ ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ ماں باپ کے بغیر پیدا کر سکتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ بڑھاپے میں اولاد عطا فرما دے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کی ذات سے ناامید نہیں، اللہ سے ناامید تو گمراہ لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ کی قدرت میں مجھے کچھ شبہ نہیں البتہ اپنے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب ہوا۔

مہمانوں کی آمد کا مقصد

۵۷-۶۰۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ O قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ O اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ O اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ O

(حضرت) ابراہیم نے پوچھا کہ اے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتو! تمہارا کیا قصد ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک نافرمان قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ سوائے لوط کے گھر والوں کے۔ بیشک ہم ان سب (آل لوط) کو بچا لیں گے سوائے اس کی عورت کے کہ ہم (اللہ) نے اس کے لئے طے کر لیا ہے کہ وہ (ہلاک ہونے والوں کے ساتھ) پیچھے رہ جائے گی۔

خَطْبُكُمْ : تمہارا معاملہ، تمہارا حال، تمہارا قصد۔

قَدَّرْنَا : ہم نے مقدر کر دیا۔ ہم نے مقرر کر دیا۔ ہم نے طے کر دیا۔ تَقْدِیْرٌ سے ماضی۔

الْغٰبِرِیْنَ: پیچھے رہنے والے۔ باقی رہنے والے۔ غَبْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوف دور ہو گیا تو انہوں نے فرشتوں سے ان کے آنے کی غرض دریافت کی۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہمیں ایک مجرم قوم کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ہم ان کی بستیوں کو الٹ دیں اور حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی اتباع کرنے والوں کو بچالیں۔ بلاشبہ ہم حضرت لوط کی بیوی کے سوا تمام آل لوط کو عذاب سے بچالیں گے۔ سو آپ اپنے بھتیجے لوط کی طرف سے پریشان نہ ہوں۔ البتہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اس عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکتی۔ وہ اپنی قوم کے ساتھ پیچھے رہ جائے گی اور انہیں کے ساتھ عذاب سے ہلاک ہو گی۔

قومِ لوط کا واقعہ

۶۱، ۶۴۔ فَلَمَّا جَاءَ اٰلَ لُوْطِ نِ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝

پھر جب وہ فرشتے لوط کے گھر پہنچے تو (حضرت) لوط نے کہا کہ بیشک تم تو اجنبی لوگ ہو۔ انہوں نے کہا بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ چیز لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک کر رہے تھے اور ہم آپ کے پاس بالکل سچا وعدہ لائے ہیں اور یقیناً ہم سچ کہتے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو کر نوجوان، حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو دیکھ کر کہا کہ تم تو بالکل اجنبی معلوم ہوتے ہو، میں تو تمہیں بالکل نہیں پہچانتا۔ نہ تو تم اس بستی کے رہنے والے ہو اور نہ تم پر سفر کی کوئی علامت ہے کہ میں

تمہیں مسافر سمجھوں۔

فرشتوں نے اپنا راز کھولتے ہوئے کہا کہ ہم سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور اللہ کی طرف سے وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ مجرم لوگ شک و شبہ کیا کرتے تھے۔ ہم حق بات اور قطعی حکم لے کر آئے ہیں اور اپنی بات میں یقیناً سچے ہیں۔

حضرت لوطؑ کو بستی سے چلے جانے کا مشورہ

۶۵،۶۶۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ○ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ○

سو کچھ رات رہے آپ اپنے گھر والوں کو لے کر (یہاں سے) چلے جایئے اور آپ ان سب کے پیچھے رہیئے اور تم میں سے کوئی مڑ کر بھی نہ دیکھے اور جہاں کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے وہاں چلے جاؤ اور ہم نے قطعی طور پر (حضرت) لوط کو یہ بتادیا کہ صبح ہوتے ہی ان کی جڑ کٹ جائے گی

اَسْرِ: تو رات کے وقت لے کر چل۔ اِسْرَاءٌ سے امر۔

قَضَيْنَآ: ہم نے حکم دیا۔ ہم نے فیصلہ کیا۔

دَابِرَ: جڑ، بنیاد، پچھاڑی۔ جمع دوابرٌ۔

تشریح: فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے خاندان سمیت اپنی اتباع کرنے والوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں یہاں سے تیزی سے نکل جائیں اور آپ سب کے پیچھے پیچھے رہیں تاکہ آپ کو ان کے حال کی خبر رہے۔ جب قوم پر عذاب آئے اور ان کا شور و غل سنائی دے تو کوئی بھی پیچھے مڑ کر ان کی طرف نہ دیکھے انہیں عذاب و سزا میں مبتلا چھوڑ کر سیدھے اسی طرف چلتے رہیں جس طرف جانے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے پہلے ہی حضرت لوط علیہ السلام کو بتادیا تھا کہ صبح ہوتے ہی ان سب کو ہلاک کر دیا جائے گا اور ان کی بالکل جڑ ہی کٹ جائے گی۔

قوم کا بدنیتی سے حضرت لوطؑ کے گھر آنا

۶۷۔۷۲۔ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ O قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ
فَلَا تَفْضَحُوْنِ O وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ O قَالُوْٓا اَوَلَمْ
نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ O قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ O
لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ O

اور (یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آ پہنچے۔ (حضرت) لوط نے (ان لوگوں سے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں سو تم میری فضیحت نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوا نہ کرو۔ انہوں نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے دنیا بھر (کے لوگوں) کی حمایت سے منع نہیں کر دیا تھا۔ (حضرت) لوط نے کہا کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں (تم ان سے شادی کر سکتے ہو۔ اے محمد ﷺ) آپ کی جان کی قسم۔ بیشک وہ اپنے نشے میں اندھے ہو رہے تھے۔ (حضرت لوط کی کیا سنتے)

تشریح: جب قوم لوط کو یہ خبر ملی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان آئے ہوئے ہیں اور بہت ہی حسین و جمیل نوجوان لڑکے ہیں تو وہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو ان کی آمد کی اطلاع دینے لگے۔ پھر وہ جمع ہو کر خوشیاں مناتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر آئے۔ حضرت لوط اس وقت تک فرشتوں کو اپنا مہمان سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے قوم کے بدکرداروں کو دیکھ کر ان سے کہنے لگے کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، مجھے ان کے سامنے رسوا نہ کرو۔ کیونکہ مہمان کی رسوائی میزبان کی رسوائی ہے۔ اس لئے تم اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ انہوں

نے جواب دیا کہ جب آپ کو یہ خیال تھا تو آپ نے ان کو مہمان کیوں بنایا۔ ہم تو آپ کو پہلے ہی اس سے منع کر چکے ہیں۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام نے ان بدبختوں کو مزید سمجھاتے ہوئے کہا کہ یہ میری لڑکیاں ہیں، تم ان سے نکاح کر کے اپنی خواہش پوری کر لو۔ چونکہ یہ بدبخت اپنی بدکرداری کے نشہ میں مدہوش تھے اور جو قضا اور عذابِ الٰہی ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا اس سے غافل تھے اس لئے انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی ایک نہ سنی۔

قومِ لوط کی ہلاکت

۷۳،۷۷۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ○ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ○ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ○ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○

پھر دن نکلتے ہی ان کو ہولناک آواز نے آلیا۔ پھر ہم نے ان بستیوں کو زیروزبر کر دیا اور ہم نے ان پر کھنگر کے پتھر برسائے۔ بیشک عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں اور بیشک یہ بستی ایک آباد سڑک پر واقع ہے۔ بلاشبہ اس میں مومنوں کے لئے بڑی نشانی (عبرت) ہے۔

اَمْطَرْنَا : ہم نے برسایا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی۔

سِجِّيْلٍ : کنکر، کھنگر، سنگ گل سے معرب۔

مُتَوَسِّمِيْن : اہل بصیرت، اہل فراست، تَوَسُّمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام نے جب قوم کا یہ حال دیکھا تو وہ اللہ کے حکم سے اپنے

خاندان اور اہل ایمان کو لے کر رات ہی کو وہاں سے نکل گئے۔ پھر سورج نکلنے کے وقت ناگاہ ایک ہولناک آواز نے ان کو آلیا اور ساتھ ہی ان کی بستیاں اوپر کو اٹھ کر آسمان کے قریب پہنچ گئیں اور وہاں سے الٹ دی گئیں۔ اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر ہو گیا۔ پھر آسمان سے ان پر کنکریلے پتھر برسائے جس سے وہ سب بالکل تباہ ہو گئے۔ بلاشبہ ان بستیوں کی بربادی میں اہل بصیرت کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور نصیحت و عبرت ہے۔ بیشک قوم لوط کی الٹی ہوئی بستیوں کے نشانات اب بھی آباد سڑک پر واقع ہیں۔ اے اہل مکہ تم رات دن وہاں سے آتے جاتے ہو پھر بھی عقل سے کام نہیں لیتے۔ بلاشبہ اس واقعہ میں ایمان والوں کے لئے اللہ کی قدرت کی بڑی نشانیاں ہیں۔

اصحابِ ایکہ کا واقعہ

۷۸، ۸۹۔ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ O فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَ اِنَّهُما لَبِاِمامٍ مُّبِيْنٍ O

اور ایکہ (بستی) والے بھی بڑے ظالم تھے۔ سو ہم نے ان سے (بھی) انتقام لیا اور بیشک وہ دونوں بستیاں کھلے اور عام راستے پر ہیں۔

تشریح: اصحابِ ایکہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم مراد ہے۔ ایکہ درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ ایکہ والوں نے حضرت شعیب کی تکذیب، اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار اور ناپ تول میں کمی کر کے خود ہی اپنے ساتھ زیادتی کی اور دوزخ کے مستحق بنے۔ ان کی بستی بھی قوم لوط کی بستی کے قریب تھی اور ان کی پیہم شرارتوں کی وجہ سے ان پر بھی اللہ کا عذاب آیا۔ ان بستیوں کے آثار شارع عام پر واقع ہیں۔ جن کو لوگ آتے جاتے دیکھتے ہیں۔ سو ہم نے ان کو ان کے جرم کی سزا دے کر ان سے انتقام لیا۔

اللہ نے سات روز تک ان پر سخت گرمی کو مسلط رکھا۔ سات روز کے بعد بادل کا ایک ٹکڑا آیا۔ لوگ آرام و سکون پانے کے لئے اس کے سایہ میں آگئے۔ لیکن اللہ نے اس بادل

سے ان پر آگ برسائی جس سے سب کے سب جل بھن کر خاک ہو گئے۔ اس عذاب کو ''عذاب یوم الظلہ'' یعنی سائے کے دن کا عذاب بھی کہا گیا ہے۔

(مظہری ۳۱۱/ ۵، ابن کثیر ی۵۵۶/ ۲)

اصحابِ حجر کا واقعہ

۸۰، ۸۴۔ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ O وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ O وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ O فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ O فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ O

اور البتہ حجر کے باشندوں نے بھی (ہمارے) رسولوں کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں بھی دی تھیں۔ پھر بھی وہ ان سے روگردانی کرتے رہے اور یہ لوگ اطمینان کے ساتھ پہاڑوں میں گھر تراشا کرتے تھے۔ سو ان کو بھی صبح ہوتے ہی ہولناک آواز نے آلیا، پھر ان کے کچھ بھی کام نہ آیا جو کچھ کہ وہ (اپنی حفاظت کے لئے) کرتے تھے۔

يَنْحِتُوْنَ: وہ تراشتے ہیں، وہ پتھر کاٹتے ہیں۔ نَحْتٌ سے مضارع۔

صَيْحَةٌ: چیخ، کڑک، ہولناک آواز۔

تشریح: مدینہ اور شام کے درمیان واقع ایک میدان کا نام حجر ہے، جہاں قوم ثمود آباد تھی۔ جنہوں نے اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو جھوٹا قرار دیا تھا۔ اگرچہ انہوں نے صرف حضرت صالح کی تکذیب کی تھی مگر چونکہ ایک نبی کا انکار تمام انبیاء کا انکار ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حجر والوں نے سب رسولوں کو جھٹلایا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت صالح علیہ السلام کو ایسے معجزے دیئے تھے جن سے ان پر اللہ کی وحدانیت اور حضرت صالح کی سچائی ثابت ہو گئی تھی۔ جیسے ایک سخت پتھر کی چٹان سے

اونٹنی کا نکلنا (پیدا کرنا)۔ ایک دن وہ اونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک دن اہل شہر کے جانور۔ اس اونٹنی کا دودھ بکثرت تھا۔ پھر بھی یہ لوگ ان نشانیوں سے منہ پھیرے رہے۔ یہ لوگ اپنی قوت جتاتے اور تکبر و تجبر کے طور پر پہاڑ تراش تراش کر نہایت مضبوط مکان بناتے تھے اور ان مکانوں کی وجہ سے اپنے آپ کو مامون اور بے خوف سمجھتے تھے۔ نہ ان کو ان مکانات کے گرنے کا اندیشہ تھا اور نہ نقب زنی کا خوف۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی انتہائی غفلت کی وجہ سے اللہ کے عذاب کی طرف سے بالکل بے خوف تھے ان کا خیال تھا کہ وہ ان پہاڑی مکانوں کے اندر ہر قسم کے عذاب سے محفوظ و مامون ہیں۔

جب انہوں نے اونٹنی کو مار ڈالا تو حضرت صالح علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ اب تین دن کے اندر اندر تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا۔ یہ بالکل سچا وعدہ اور اٹل عذاب ہے۔ چنانچہ چوتھے روز علی الصبح ایک تند و تیز آواز نے ان کو آ پکڑا اور ان کے دنیوی ہنر، پتھروں کے مکان اور مال و اولاد کی کثرت وغیرہ عذاب الٰہی سے بچانے میں ان کے ذرا کام نہ آئی۔

(مظہری ۳۱۲/ ۵، ابن کثیر ۵۵۶/ ۲)

اس واقعہ کی مزید تفصیل سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

تخلیق کائنات کی حکمت

۸۶،۸۵۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ○ اِنَّ رَبَّكَ هُوَالْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان کے اندر کی چیزوں کو حکمت کے بغیر نہیں بنایا اور بیشک قیامت ضرور آنے والی ہے۔ سو آپ ان سے خوبی کے ساتھ درگزر کیجئے۔ بلا شبہ آپ کا پروردگار ہی پیدا کرنے والا (اور) جاننے والا ہے۔

اضفح : تو در گزر کر، تو منہ پھیر لے۔ صَفْحٌ سے امر۔

جَمِیْلَ : خوبصورت، بہتر نیک، جمالٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان سب کو حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ ان سے صانع کے وجود، اس کی وحدانیت اور اس کی عظمت و قدرت پر استدلال کیا جا سکے اور منکروں کے خلاف دلیل قائم ہو سکے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کی حکمت تخلیق کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں شر و فساد کرنے والوں کو ہلاک و برباد کر کے ان کی فساد انگیزی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

بلاشبہ قیامت آنے والی ہے۔ اس روز اللہ تعالیٰ منکرین و مکذبین کو ان کے کفر و تکذیب کی سزا دے گا۔ سو آپ ان معاندین کی ایذار سانی اور تکذیب سے چشم پوشی کیجئے اور ان کے حال کو مشیتِ الٰہی پر چھوڑ دیجئے وہ خود ان سے بدلہ لے لے گا۔ آپ کا رب ہی بہت بڑا خالق ہے۔ تمام امور اسی کے ہاتھ میں ہیں وہ مارنے کے بعد پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور کسی کام سے عاجز نہیں۔ وہ نیکوں اور بدکاروں کو خوب جانتا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

سبع مثانی اور قرآن عظیم کا تحفہ

۸۷، ۹۳۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ O لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰی مَامَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ O وَقُلْ اِنِّیْٓ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ O كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ O الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ O فَوَ رَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ O عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ O

اور بیشک ہم نے آپ کو سات آیتیں (سورۂ فاتحہ) دیں جو (نماز میں)
مکرر پڑھی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن دیا۔ آپ اپنی آنکھ اٹھا کر بھی
ان چیزوں کی طرف نہ دیکھئے جو ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے
کے لئے دے رکھی ہیں اور نہ ان کے (حال) پر غم کھائیے اور مومنوں
کے لئے اپنے بازو جھکائے رکھیئے اور (کافروں سے) کہہ دیجئے کہ میں تو
کھلم کھلا (عذاب سے) ڈرانے والا ہوں۔ جس طرح ہم نے وہ
(عذاب) تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا۔ جنہوں نے قرآن کو ٹکڑے
ٹکڑے کر دیا۔ سو قسم ہے تیرے رب کی ہم ان سب سے ضرور باز پرس
کریں گے ہر اس چیز کی جو وہ کرتے تھے۔

تَمُدَّنَّ : تو لمبی کر، تو اٹھا، تو پھیلا۔ مدٌّ سے مضارع۔

اخْفِضْ : تو جھکا دے۔ تو شفقت کر۔ خَفْضٌ سے امر۔

جناحك : تیرا بازو، تیرا ہاتھ، تیرا پہلو۔ جمع اَجْنِحَةٌ۔

عِضِيْن : پارہ، پارہ۔ ٹکڑے ٹکڑے۔ واحد عِضَةٌ

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ اس عظیم نعمت کی طرف توجہ کریں جو ہم نے آپ کو عطا کی ہے۔ وہ یہ کہ ہم نے آپ کو نماز میں بار بار پڑھی جانے والی سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں اور قرآن عظیم عطا کیا ہے۔ یہ قرآن عظیم تمام کتبِ الٰہیہ اور صحفِ سماویہ کا خلاصہ اور لبِ لباب ہے اور سورۂ فاتحہ اس تمام قرآن کا خلاصہ ہے۔ سو یہ ایسی دولتِ عظمٰی ہے کہ اس کے مقابلے میں دنیا کی تمام دولتیں ہیچ ہیں۔ پس آپ اس نعمتِ عظمٰی پر نظر رکھئے اور اس دنیوی مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے کافروں کو دنیا کی چند روزہ زندگی کے لئے دی ہے۔

جمہورِ مفسرین کے نزدیک اس آیت میں سبع مثانی سے مراد سورۂ فاتحہ ہے۔ بعض احادیثِ مرفوعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی یہی ہے۔ عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ سبع مثانی سے سبع طوال یعنی سات لمبی سورتیں مراد ہیں، جو سورۂ بقرہ سے سورۂ

اعراف تک ۶ سورتیں ہیں۔ ساتویں سورت کے بارے میں دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سورۂ انفال اور سورۂ توبہ مل کر ایک سورت ہے اسی لئے ان کے درمیان میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ بعض علما کہتے ہیں کہ سبع طوال کی ساتویں سورت سورۂ یونس ہے اور ان سورتوں کو مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں فرائض، حدود، قصص اور احکام اور امثال عبرت کو مکرر بیان کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ ان مشرکین و منکرین کے ایمان نہ لانے پر آپ کو رنجیدہ اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں، البتہ آپ مومنوں کے ساتھ نرمی، خوش خلقی اور تواضع کے ساتھ پیش آتے رہئے جو لوگ اپنے عناد اور مال و دولت کے نشہ میں قرآن کی دولت سے اعراض کریں تو آپ بھی ان سے اعراض کیجئے اور ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو صاف صاف ڈرانے والا اور خبردار کرنے والا ہوں۔ جو لوگ میری تکذیب کریں گے وہ بھی سابقہ انبیاء کو جھٹلانے والوں کی طرح عذاب خدا کا شکار ہوں گے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سب سے ان کے اعمال کی باز پرس ضرور کرے گا۔ یہاں مقتسمین سے مراد قسمیں کھانے والے ہیں جو انبیاء کی تکذیب اور ایذا دہی پر قسما قسمی کر لیتے تھے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۹، ۱۸۰/ ۴، ابن کثیر ۵۵۹،۵۵ / ۲)

اللہ کا پیغام صاف صاف پہنچانے کا حکم

۹۴، ۹۹۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ
الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ
فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا
يَقُوْلُوْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ
رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

سو جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس کو صاف صاف سنا دیجئے اور

مشرکوں سے کنارہ کشی کر لیجئے۔ ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں۔ تمسخر کرنے والوں (کی خبر لینے) کے لئے، جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں۔ ان کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا (کہ ہم ان کو کیسی سخت سزا دیتے ہیں) اور ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ تنگدل ہوتے ہیں سو آپ تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہئے اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہئے یہاں تک کہ آپ کو (موت کا) یقین آ جائے۔

اصْدَعْ : تو صاف صاف کہہ، تو کھول کر سنا دے۔ صَدْعٌ سے امر۔

یَضِیْقُ : وہ تنگ ہوتا ہے۔ وہ گھٹتا ہے۔ ضَیْقٌ سے مضارع۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے احکام لوگوں کو صاف صاف اور بلا جھجک پہنچا دیجئے اور مشرکوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کیجئے۔ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ پوشیدہ طور پر تبلیغ دین فرماتے تھے، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ اور آپ کے اصحاب علانیہ طور پر اشاعت دین کرنے لگ گئے۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ آپ کا مذاق اڑاتے ہیں اور جنہوں نے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کر رکھے ہیں ان کو ہم پر چھوڑ دیجئے، ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔ ان کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ شرک اور استہزا کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ ان کی تمسخر آمیز باتوں سے آپ کو کوفت ہوتی ہے۔ سو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے دل کو ہر چیز سے خالی کر کے اللہ کی حمد و تسبیح میں لگ جائیے اور صلوٰۃ و سجود میں مشغول رہئے۔ جب تک آپ زندہ رہیں اس وقت تک آپ دل و جان سے اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہئے۔ اس سے آپ کے دل کی کوفت اور سینے کے تمام رنج و غم دور ہو جائیں گے۔

(ابن کثیر ۵۵۹، ۵۶۰ / ۲، مظہری ۳۱۸، ۳۲۱ / ۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ نحل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں شہد کی مکھی (نحل) کا ذکر قدرت کی ایک عجیب وغریب صنعت کے بیان کے سلسلے میں ہوا ہے اس لئے اس کو سورۂ نحل کہتے ہیں۔

ابن ابی حاتمؒ نے کہا اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی بہت سی عظیم نعمتوں کا شمار فرمایا ہے۔ اس لئے اس کو سورۂ نِعَم بھی کہتے ہیں۔ نِعَم نون کی زیر کے ساتھ نعمت کی جمع ہے۔

تعارف: اس میں سولہ رکوع، ایک سو اٹھائیس آیتیں، ۱۸۷۱ کلمات اور ۷۷۹۴ حروف ہیں۔

ابن مردویہؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، وابن الزبیر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ نحاسؒ نے مجاہدؒ کے طریق سے حبر سے روایت کیا کہ آخری تین آیتوں کے سوا تمام سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ آخری تین آیتیں مکہ اور مدینہ کے درمیان اس وقت نازل ہوئیں جب آپ جنگِ احد سے واپس آرہے تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے۔ سوائے آیت:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَناً قَلِيْلاً بِاَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ - (روح المعانی ۸۹ ۱۴)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں زیادہ تر اپنی نعمتوں کو بیان کر کے توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین کے بعض شبہوں کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ نیز نبوت ورسالت اور قرآن کی حقانیت بیان کی گئی ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع۱: مشرکین کے لئے وعید و تہدید ہے جو آنحضرت ﷺ سے عذاب جلد منگوانے کا تقاضا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا انبیا پر وحی نازل کرنا تاکہ وہ لوگوں کو خبردار کر دیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس لئے اسی سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ پھر زمین و آسمان کے بنانے، تخلیق انسان اور چوپایوں کے پیدا کرنے میں توحید کے دلائل کا بیان ہے۔ آخر میں بتایا گیا ہے کہ توحید و تقویٰ ہی اللہ تک پہنچنے کا سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔

رکوع۲: ابتداء میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیوں اور نظامِ کائنات کا بیان ہے۔ پھر انسان کے لئے سمندر کی تسخیر اور پہاڑوں کی تخلیق کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں باطل معبودوں کی بے بسی اور عاجزی کا ذکر ہے۔

رکوع۳: شروع میں اللہ کی وحدانیت کا بیان کہ اس کے سوا کوئی خالق و معبود نہیں۔ وہ واحد و یکتا اور وہی عالم الغیب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر منکرین نبوت کا انجام بتایا گیا ہے کہ قیامت کے روز وہ اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جو ان کی باتوں سے گمراہ ہوں گے۔

رکوع۴: سابقہ قوموں کا انجام اور جانکنی کے وقت مشرکین کی حالت کا بیان ہے۔ پھر پرہیز گاروں کا انجام اور کفار کو تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع۵: مشرکین کے دلائل کا رد اور انبیا کی بعثت کا مقصد بیان کرنے کے بعد مشرکین کی پختہ قسموں کا ذکر ہے۔ جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔

رکوع۶: ہجرت کے منافع کا بیان اور اہل ذکر سے استفادے کا حکم مذکور ہے۔ پھر منکرین و مشرکین کی تہدید اور انسان کی غفلت پر تنبیہ ہے۔

رکوع ۷: شروع میں خالص توحید کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر مشرکوں کی بے عقلی اور سنگدلی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۸: اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور حلم و مہربانی کا بیان ہے پھر آپ کو اطمینان دلانے کے لئے فرمایا کہ آپ قوم کی تکذیب سے دلگیر اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ سابقہ انبیا بھی اسی قسم کے حالات سے دوچار ہوتے رہے۔

رکوع ۹: چوپایوں میں عبرت کے نشان اور پھر شہد کی مکھی میں قدرتِ الٰہی کی نشانیوں کا بیان ہے۔ آخر میں انسانی وجود میں قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۰: اللہ کا لوگوں کو رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت دینا اور کافروں کا باطل معبودوں پر ایمان رکھنا اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنا مذکور ہے۔ آخر میں دو مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک آقا اور غلام کی اور دوسری گونگے اور سمجھدار آدمی کی۔

رکوع ۱۱: اللہ کے کمالِ علم وقدرت اور لوگوں کی جائے سکونت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۲: کفر وشرک کا انجام، قیامت کے روز جب امتیں اپنے پیغمبروں کی تکذیب کریں گی تو اس وقت آنحضرت ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ منکرین جھوٹے ہیں۔

رکوع ۱۳: جامع ترین آیت، بدعہدی کی مثال اور پھر مشیت خداوندی کا بیان ہے۔ آخر میں تلاوت قرآن کا ادب بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۱۴: مشرکین کی کم عقلی اور بے یقینی اور پھر مشرکین کے ایک احمقانہ اعتراض کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کے انجام اور مرتد کے لئے عذاب عظیم کی خبر دی گئی ہے۔

رکوع ۱۵: شروع میں ایک بستی کی مثال بیان کی گئی ہے پھر اکل حلال کا حکم اور یہود پر حرام کی گئی اشیا کا ذکر ہے۔

رکوع ۱۶: حضرت ابراہیم کے اوصاف بیان کرنے کے بعد ہفتے کے دن کی تعظیم کے حکم کا بیان ہے۔ اس کے بعد تبلیغ دین کے آداب بیان کئے گئے ہیں۔

مشرکین کے لئے وعید وتہدید

۱۔ اَتٰی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ط سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ O

(اے منکرو) اللہ کا حکم آ پہنچا۔ اب تم اس کی جلدی نہ کرو۔ وہ پاک اور بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت اقتربت السّاعۃُ نازل ہوئی تو بعض کافروں نے کہا کہ یہ شخص کہتا ہے کہ قیامت قریب آ گئی سو تم (کچھ دنوں کے لئے) اپنے بعض کام ترک کر دو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے۔ جب کچھ مدت تک انتظار کرنے کے بعد کچھ نہ ہوا (قیامت نہ آئی) تو کہنے لگے کہ آپ جس چیز سے ہمیں ڈرا رہے ہیں. ہم نے تو ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ اس پر آیت اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ نازل ہوئی جس کو سن کر کافر خوفزدہ ہوگئے اور کچھ مدت تک مزید انتظار کیا۔ جب طویل انتظار کے بعد بھی کچھ نہ ہوا تو کہنے لگے اے محمد (ﷺ) آپ جس کے بارے میں ہمیں ڈراتے ہیں، ہم نے تو ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، اس وقت اَتٰی اَمْرُاللّٰہِ نازل ہوئی۔ اس جملے کے نزول پر رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور لوگوں نے اپنے سر اوپر اٹھا کر دیکھا اور خیال کیا کہ قیامت حقیقت میں آ ہی گئی۔ اس پر (آیت کا اگلا حصہ) فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ نازل ہوا۔ اس وقت لوگوں کو اطمینان ہوا (اور گھبراہٹ دور ہوئی)۔ (روح المعانی ۱۴/۹۱، مظہری ۵/۳۲۴)

تشریح: آنحضرت ﷺ مشرکین مکہ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اور ان کو کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے منکروں پر غالب کرنے اور ان کو سزا دینے کا وعدہ کیا ہے۔ جواب میں منکرین کہتے کہ اگر آپ سچے ہیں تو جس عذاب سے آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں اس کو جلد منگوا لیجئے۔ ہمیں تو ایسی کوئی بات ہوتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی

دلیری اور جلد بازی کے جواب میں فرمایا کہ اَمْرُ اللّٰہ یعنی اللہ کا عذاب عالم غیب میں تو تم پر مقرر ہو چکا اور تم پر آچکا گو اس کا ظہور کسی حکمت کے تحت وقت مقرر پر ہو گا۔ یہ امر یقینی ہے کہ کافروں کو دنیا میں مسلمانوں کے ہاتھوں سزا ملے گی اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ دنیا میں کفر ذلیل و خوار اور مغلوب ہو گا اور اسلام سر بلند ہو گا۔ پھر اے منکرو تم جلدی کیوں کر رہے ہو۔ تم بہت جلد اس عذاب کو دیکھ لو گے۔ جب وہ عذاب الٰہی آئے گا تو تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔ سو تم عذاب آنے سے پہلے پہلے کفر و شرک سے توبہ کر لو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔

مشرکین یہ بھی کہتے تھے کہ اگر دنیا یا آخرت میں ان پر کوئی مصیبت آ بھی گئی تو وہ فرشتے اور دیوتا جن کو وہ پوجتے ہیں اور جو ان کے گمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قضا و قدر اور دوسرے امور میں شریک ہیں وہ ان کی مصیبت کو دور کر دیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو تم اللہ کا شریک کہتے ہو وہ تمہارے ذرا کام نہ آئیں گے۔ ان میں سے نہ تو کوئی اللہ کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ اس کے عذاب کو روک سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بری ہے۔ وہ پاک اور بلند و بالا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا۔ (حقانی ۶۳ / ۳، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۳۰۴/ ۵)

فرشتوں کا وحی لے کر نازل ہونا

۲۔ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ O

وہ فرشتوں کو وحی دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل فرماتا ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) خبردار کر دیں کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

الْمَلٰٓئِکَۃَ: فرشتے، اسم جنس، واحد مَلَکٌ ابن عباس کا قول ہے کہ یہاں فرشتوں سے مراد ایک

فرشتہ (جبرائیل) ہے۔ عرب محاورے میں سردار اور رئیس کو جمع کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

الرُّوْح: روح، جان، بھید کی بات۔ وہ لطیف شئے جو کسی کو نظر تو نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی زندگی کا مدار اسی پر ہے۔ یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہے جو اللہ کی طرف سے پیغمبروں کی طرف غیر مرئی طریق پر ایک بھید کے طور پر آتی ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ آیا ہے۔

یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (المؤمن آیت ۱۵)

وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ (شوریٰ آیت ۵۲)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے قرآن نازل کیا۔

(عثمانی ۴۹/۱۰)

تشریح: مشرکین کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارے اعمال وافعال اور عقائد باطل ہیں تو اللہ تعالیٰ کسی فرشتے کے ذریعہ ہمیں کیوں نہیں مطلع کر دیتا۔ محمد ﷺ میں کیا خصوصیت ہے کہ ان کے پاس فرشتہ وحی لے کر آتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بات تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے اپنی نبوت ورسالت کے لئے چن لیتا ہے اور فرشتے کو وحی دے کر اس کے پاس بھیج دیتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو مطلع کر دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس لئے اسی کی عبادت کرنی چاہئے اور ہر معاملے میں اسی سے ڈرنا چاہئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام آیت ۱۲۴)

اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کس (قلب) میں جگہ دے۔

اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (الحج آیت ۷۵)

اللہ فرشتوں میں سے اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو چن

لیتا ہے۔

زمین و آسمان میں توحید کے دلائل

۳۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○
(اے لوگو!) اسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک بنایا۔ وہ بلند ہے
اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو خاص مقدار، خاص شکل و وضع اور مختلف صفات کے ساتھ حکمت سے پیدا کیا۔ ان کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان کو بنانے والا واحد و بے مثال، قادر مطلق اور حکیم کامل ہے۔ تمام کائنات کا نظام ایک ہی مالک و مختار کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ایک سے زیادہ خداؤں کے ہاتھ میں ہوتا تو اول تو یہ کائنات وجود ہی میں نہ آتی اور اگر یہ کائنات قائم ہو بھی جاتی تو بہت پہلے ہی درہم برہم ہو کر اس کا سارا نظام ختم ہو چکا ہوتا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَوْ کَانَ فِیْھِمَآ اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۚ (انبیاء آیت ۲۲)
اگر ان دونوں (آسمان و زمین) میں اللہ کے علاوہ اور معبود ہوتے تو وہ
(آسمان و زمین) ضرور تباہ ہو جاتے۔

اللہ تعالیٰ اس سے بلند و بالا ہے کہ وہ اپنی ہستی یا بقاء ہستی میں زمین و آسمان میں سے کسی چیز کا محتاج ہو یا کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے۔ آسمان و زمین تو خود مخلوق ہیں۔ وہ اپنی تخلیق پر بھی قادر نہیں اس لئے وہ اللہ کے ساتھ کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

(مظہری ۳۲۶/۵، عثمانی ۷۴۹/۱)

تخلیق انسان میں توحید کے دلائل

۴۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝

اسی نے انسان کو (پانی کی) ایک بوند سے پیدا کیا۔ پھر یکایک وہ کھلم کھلا (خالق کے بارے میں) جھگڑنے لگا۔

نُطْفَة: صاف پانی، منی کا قطرہ، جمع نطفٌ۔

خَصِيْمٌ: سخت جھگڑالو، خصْمٌ سے فعیل کے وزن پر مبالغہ۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور ان کا نظام درست کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک قطرۂ بے جان سے پیدا کیا جس میں نہ حس و حرکت تھی، نہ شعور وارادہ، نہ وہ بات کرنے کے قابل تھا اور نہ کسی معاملے میں جھگڑ کر اپنا حق منوا سکتا تھا اور نہ دوسروں پر غالب آسکتا تھا۔ پھر اسی قطرۂ ناچیز کو اللہ تعالیٰ نے کیا سے کیا بنا دیا۔ کیسی عجیب اور حسین و جمیل صورت بنائی۔ کیسی اعلیٰ قوتیں اور کمالات اس کو عطا فرمائے۔ جب اس ضعیف الخلقت انسان کو جو ایک حرف بولنے کے قابل نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے طاقت اور قوت گویائی عطا فرمائی تو خوب لیکچر دینے لگا اور بات بات میں جھگڑے اور حجتیں کرنے لگا، یہاں تک کہ بعض اوقات اپنے خالق کے مقابلے میں بھی خم ٹھونک کر کھڑا ہو جاتا ہے اور اپنی اصل کو بھول جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظٰمَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝ (یٰسٓ آیات ۷۷ تا ۷۹)

کیا انسان نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو منی کے ایک قطرے سے پیدا کیا۔

پھر وہ کھلم کھلا دشمن بن کر جھگڑنے لگا اور ہماری نسبت باتیں بنانے لگا اور اپنا پیدا ہونا بھول گیا اور کہنے لگا بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو اول بار پیدا کیا تھا اور وہ سب کچھ بنانا جانتا ہے۔ (ابن کثیر ۲۶۱ د ۲، عثمانی ۴۹ ے ۱)

چوپایوں کی تخلیق میں توحید کی نشانیاں

د۔۸ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّ الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور چوپایوں کو بھی اسی نے پیدا کیا۔ ان میں تمہارے گرم لباس کا بھی سامان ہے اور دوسرے فائدے بھی اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور ان کی وجہ سے تمہاری عزت وشان بھی ہے جب تم ان کو شام کے وقت چرا کر لاتے ہو اور صبح کو چرانے لے جاتے ہو اور وہ تمہارے بوجھ بھی اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم اپنے آپ کو انتہائی مشقت میں ڈالے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ بیشک تمہارا رب تم پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہے اور اسی نے تمہاری سواری اور زیبائش کے لئے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم جانتے بھی نہیں۔

اَنْعَامَ: مویشی، چوپائے، اونٹ، گائے، بکری کو کہا جاتا ہے۔ (مفردات امام راغب ۴۹۹)

دِفْءٌ: گرمی اور گرمائی حاصل کرنے کی چیز۔ مراد اُون ہے جس سے گرم کپڑے بنائے

جاتے ہیں۔ جاڑے کا لباس، جمع اَدْفَاءٌ۔

تُرِیْحُوْنَ : تم چوپاؤں کو شام کو چراگاہ سے واپس لاتے ہو۔ اِرَاحَۃٌ سے مضارع۔

تَسْرَحُوْنَ : تم صبح کو چوپاؤں کو چرانے لے جاتے ہو۔ سَرْحٌ سے مضارع۔

تشریح: انسان کے بعد اب ان اشیا کی تخلیق کا ذکر ہے۔ جو خاص طور پر انسان کے فائدے کے لئے بنائی گئی ہیں۔ قرآن مجید کے سب سے پہلے مخاطب چونکہ عرب تھے اور ان کی معیشت کا دارومدار پالتو چوپاؤں، اونٹ، گائے اور بکریوں پر تھا اس لئے پہلے ان کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بھینس اور بھیڑ بکری وغیرہ سب تمہارے فائدے کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے بالوں اور اُون سے تم اپنی ضرورت کی مختلف چیزیں مثلاً کمبل، چادریں، سردی سے بچاؤ کے لئے مختلف قسم کے لباس، خیمے اور رسیاں وغیرہ تیار کرتے ہو۔ ان میں سے بعض کا دودھ پیا جاتا ہے اور گوشت کھایا جاتا ہے یا دودھ سے گھی اور مکھن وغیرہ تیار کیا جاتا ہے۔ جیسے گائے، بھینس اور بکری وغیرہ۔ ان کا دودھ بھی پیا جاتا ہے اور گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور بعض سے کھیتی باڑی اور بار برداری کا کام لیا جاتا ہے۔ جیسے اونٹ اور بیل وغیرہ۔ ان کی کھال سے نہایت عمدہ اور بیش قیمت لباس اور ضرورت کی دیگر چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ غرض انسان ان چوپایوں سے بے شمار منافع حاصل کرتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ؕ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ○ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْہُ سَکَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

(النحل آیات ۶۶ تا ۶۷)

اور تمہارے لئے چوپاؤں میں بھی ایک سبق ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو خون اور گوبر ہے اس کے درمیان میں سے خالص دودھ ہم تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں بھی (تمہارے لئے عبرت ہے) جن سے تم نشہ بھی بناتے

ہو اور جن کو تم عمدہ روزی بھی قرار دیتے ہو۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اللّٰهُ الَّذِی جَعَلَ لَکُمُ الْاَنْعٰمَ لِتَرْکَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْکُلُوْنَ ۝ وَلَکُمْ فِیْهَا مَنٰفِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْکِ تُحْمَلُوْنَ ۝ وَیُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْکِرُوْنَ ۝ (المؤمن آیات ۷۹ تا ۸۱)

اللہ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں تاکہ تم ان پر سواری کرو، اور انہیں کھاؤ اور ان میں تمہارے لئے بہت سے فائدے ہیں تاکہ تم اپنی دلی حاجتیں پوری کرو اور تمہیں کشتیوں پر بھی سوار کرایا اور تمہیں بہت سی نشانیاں دکھائیں سو تم کس کس نشانی کا انکار کرو گے۔

جب ڈھور، ڈنگر گھر میں بندھے ہوئے کھڑے ہوں یا جنگل میں ہوں اس وقت انعام الٰہی کا ایسا صاف مظاہرہ نہیں ہوتا جیسا اس وقت ہوتا ہے جب وہ صبح کے وقت گھر سے نکل کر چرنے کے لئے چراہ گاہ یا جنگل کی طرف جاتے ہیں یا شکم سیر ہو کر شام کو جنگل سے گھر کی طرف لوٹتے ہیں۔ اس وقت ایک عجیب رونق اور چہل پہل ہوتی ہے۔ وہ تروتازہ اور خوبصورت ہوتے ہیں ان کے تھن دودھ سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس وقت مالک ان کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں کو کیسا دھن دولت دیا ہے۔ اس طرح دیکھنے والوں کی نظر میں تمہاری عزت اور ساکھ قائم ہو جاتی ہے۔

اپنی نعمتیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارا رب جس نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع بنادیا ہے وہ تم پر بہت ہی شفیق اور مہربان ہے۔ یہی جانور تمہارے بھاری بھاری بوجھ یعنی اموال تجارت، تمہارا زاد راہ اور خود تمہیں اپنی کمر پر لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہیں جہاں تم سخت محنت و مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ حج، جہاد وغیرہ اور ایسے ہی دوسرے سفر ان جانوروں پر ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی شفقت و مہربانی ہے کہ اس نے حیوانات کو تمہاری خدمت میں لگادیا اور سخت مشکل مہمات کو ان جانوروں کے ذریعے تمہارے لئے آسان کر دیا۔

پھر فرمایا کہ اس نے تمہاری سواری اور شان بڑھانے کے لئے گھوڑے، خچر اور گدھے پیدا فرما دیئے تاکہ تمہارے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا اور اپنا سامان واسباب مختلف مقامات پر منتقل کرنا آسان ہو جائے۔ عرب میں گدھے کی سواری معیوب نہیں۔ وہاں گدھے نہایت قیمتی، خوبصورت اور تیز رفتار ہوتے ہیں۔ بعض گدھوں کے سامنے تو گھوڑوں کی بھی کچھ حقیقت نہیں رہتی۔

جن حیوانات کا اوپر ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ تمہارے فائدے کے لئے وہ چیزیں پیدا کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا جن کی فی الحال تمہیں خبر بھی نہیں۔ اس میں وہ سب سواریاں داخل ہیں جن کا زمانۂ قدیم میں نہ وجود تھا اور نہ کوئی تصور مثلاً ریل، موٹر اور ہوائی جہاز وغیرہ اور جو سواریاں آئندہ زمانے میں قیامت تک ایجاد ہوں گی وہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ تخلیق کے لئے یہاں مستقبل کا صیغہ تخلق استعمال ہوا ہے۔

(ابن کثیر ۵۶۲ / ۲، عثمانی ۷۴۹، ۷۵۰ / ۱)

باطنی سیاحت

۹۔ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے اور ان میں سے بعض راستے ٹیڑھے بھی ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو سیدھی راہ دکھا دیتا۔

قَصْدُ السَّبِيْلِ: اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ یعنی سنت کا راستہ جو شخص اس راستے پر چلے گا وہ اللہ تک پہنچ جائے گا۔

جَآئِرٌ: ٹیڑھا، ظالم، راہِ مستقیم سے ہٹا ہوا، کفر و بدعات اور خواہشات نفس کا راستہ۔ جَوْرٌ سے اسم فعال۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ تم حیوانات کی پیٹھ پر سوار ہو کر خود بھی دور

دراز شہروں اور ملکوں کا سفر کرتے ہو اور اپنا مال واسباب اور سامان تجارت بھی لے جاتے ہو۔ یہ گویا بدنی سیر وسیاحت کا حال تھا۔

اس آیت میں روحانی اور معنوی سیر وسیاحت کو بیان کیا گیا ہے کہ جس طرح زمینی راستے طے کر کے تم منزل مقصود تک پہنچتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بھی واضح اور کھلا ہوا ہے۔ جس شخص کی سمجھ سیدھی اور صحیح ہوگی وہ توحید کے مذکورہ بالا دلائل میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت وعظمت پر ایمان لے آئے گا اور توحید و تقویٰ کے سیدھے راستے پر چل کر کسی اندیشے اور خطرے کے بغیر اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا لیکن جس کی عقل وفہم سلیم نہیں وہ اس سیدھے راستے کو چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرے گا۔ ظاہر ہے وہ منزل تک نہیں پہنچ سکتا وہ تو ہمیشہ ہوا وہوس اور نفسانی خواہشات کی پگڈنڈیوں میں بھٹکتا رہے گا۔

پھر فرمایا کہ خواہ کوئی سیدھی راہ پر چلے یا ٹیڑھی راہ پر وہ سب اللہ کی قدرت، اس کے علم اور اس کی مشیت کے ساتھ ہے اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے کر منزل مقصود پر پہنچا دیتا مگر اس نے اپنی مشیت کے تحت دونوں راستے لوگوں کے سامنے کر دیئے اور ان کو اختیار دے دیا کہ جو چاہو راستہ اختیار کرلو۔ صراط مستقیم پر چلو گے تو جنت میں پہنچ جاؤ گے اور صراط مستقیم چھوڑ کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو گے تو جہنم میں پہنچ جاؤ گے۔

(عثمانی ۷۵۰،۷۵۱/ ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۵/ ۴)

قدرتِ کاملہ کی نشانیاں

۱۰،۱۱۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ○ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○

وہی تو ہے جس نے تمہارے (فائدے کے) لئے آسمان سے پانی اتارا جس میں سے تم پیتے ہو اور اسی کے سبب درخت (پیدا) ہوتے ہیں جن

میں تم (مویشی) چراتے ہو۔ اسی (پانی) سے اللہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ بیشک اس میں اس قوم کے لئے (توحید کی) ایک (بڑی) دلیل ہے، جو غور کرتی ہے۔

تُسِیْمُوْنَ : تم چراتے ہو، اِسامۃٌ سے مضارع۔

یُنْبِتُ : وہ زمین سے پیدا کرتا ہے۔ وہ اگاتا ہے۔ اِنْبَاتٌ سے مضارع۔

وَالنَّخِیْلَ : کھجور کے درخت۔

اَعْنَابَ : انگور، واحد عِنَبٌ۔

تشریح: چوپایوں اور دوسرے حیوانات کی پیدائش اور ان سے حاصل ہونے والے منافع کے ذکر کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے نشانات بیان کئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہی قادر مطلق تمہارے لئے آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے تم خود بھی فائدہ اٹھاتے ہو اور تمہارے جانور بھی۔ اسی نے اس پانی کو صاف و شفاف اور خوش ذائقہ بنایا جو تمہارے پینے کے کام آتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو اس کو کھاری اور کڑوا بنا دیتا اور وہ تمہارے کسی کام نہ آتا۔ اسی بارش کے پانی سے درخت اور دوسرے پودے اگتے ہیں جن کو تمہارے جانور چارے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

پھر اس کی قدرت دیکھو کہ وہ تمہارے لئے ایک ہی زمین اور ایک ہی طرح کی آب و ہوا سے مختلف شکل و صورت، مختلف مزے اور مختلف خوشبو کے طرح طرح کے پھل اور پھول پیدا کرتا ہے۔ یہ نشانیاں اس کی قدرت کاملہ کے اقرار اور اس کی معرفت کے لئے کافی ہیں۔ بلاشبہ غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں اس کی قدرت کاملہ کی بڑی دلیل ہے کہ ایک دانہ زمین میں گرتا ہے پھر زمین کی نمی سے دانہ پھٹ کر اس میں سے باریک سا تنا نکلتا ہے اور اس کے نیچے کے حصے میں جو زمین کے اندر ہوتا ہے، باریک باریک جڑیں بن جاتی ہیں جو زمین سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ یہ تنا اسی طرح بڑھتا رہتا ہے اس میں شاخیں، پتیاں، پھول اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک قادر مطلق اور وحدہ لاشریک ذات کی کرشمہ سازی ہے۔ وہی جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ (ابن کثیر ۵۶۳، ۵۶۴/ ۲، مظہری ۳۲۸، ۳۲۹/ ۵)

نظام کائنات

۱۲،۱۳۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ
مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا ذَرَاَ
لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّذَّكَّرُوْنَ ۝

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بھی تمہارے کام میں لگا دیا اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ بیشک اس (تسخیر) میں (بھی) عقل مند قوم کے لئے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور اس نے تمہارے لئے زمین میں جو رنگ برنگ کی چیزیں پیدا کی ہیں، بیشک ان میں بھی نصیحت حاصل کرنے والی قوم کے لئے ایک (بڑی) نشانی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے حکم سے تمہارے فائدے کے لئے رات و دن، سورج و چاند اور ستاروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا اور ان کو تمہارے کام میں لگا دیا۔ دن اور رات کے باری باری آنے اور چاند و سورج کے طلوع و غروب سے اور اوقات کے بدلنے سے نظام کائنات چل رہا ہے اور سب اس کے حکم سے اپنے اپنے مقررہ راستے پر اور مقررہ رفتار سے چل رہے ہیں۔ بیشک اہل عقل کے لئے اس میں توحید و قدرت الٰہی کی بہت سی نشانیاں ہیں کہ آفتاب و مہتاب اور کواکب و نجوم سب اجسام ہیں اور سب ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پس جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم اور فہم مستقیم عطا فرمائی ہے وہ سمجھتا ہے کہ چاند و سورج اور ستارے خود بخود حرکت نہیں کر رہے بلکہ جو ذات ان کو حرکت دے رہی ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

پھر فرمایا کہ جس بلند و برتر ہستی نے کائنات کی چیزوں کو تمہارے کام میں لگا دیا، اسی نے تمہارے فائدے کے لئے زمین میں مختلف قسم کی چیزیں پیدا کیں جو ماہیت، شکل و صورت،

رنگ وبو اور منافع وخواص میں ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ اور ممتاز ہیں۔ اس میں سب حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ شامل ہیں۔ بلاشبہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ طبیعت، ہیئت، صورت اور رنگ وبو وغیرہ کا اختلاف دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ محض ایک صانع حکیم کی کرشمہ سازی ہے۔
(مظہری ۳۲۹ / ۵، عثمانی ۱/ ۷۴۰)

سمندر کی تسخیر

۱۴۔ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ
تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے سمندر کو (تمہارے) بس میں کر دیا تاکہ تم اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس میں سے زیور (موتی، مونگا وغیرہ) نکالو جس کو تم پہنتے ہو اور (اے انسان) تو کشتیوں کو دیکھتا ہے جو اس (پانی) کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں اور (یہ سب اس لئے) تاکہ تم اس کا فضل (روزی) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

طَرِيًّا : تروتازہ۔ طراوةٌ سے صفت مشبہ۔

حِلْيَةً : زیور، گہنے، آرائش۔ جمع حُلِیٌّ۔

مَوَاخِر : پانی کو چیرنے والیاں۔ پانی کو پھاڑنے والیاں، مَخْرٌ ومُخُوْرٌ سے اسم فاعل۔ واحد مَاخِرَةٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت ثابت کرنے کے لئے سمندر کی تسخیر سے استدلال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے جس نے تمہارے فائدے کے لئے سمندر بھی تمہارے قبضے میں دے دیا۔ وہ اپنی گہرائی اور موجوں کے باوجود تمہارے تابع ہے۔ تم اس

میں سے قسم قسم کی مچھلیاں نکال کر ان کا تازہ گوشت کھاتے ہو۔ سمندر کا پانی حد درجہ نمکین اور تلخ ہے۔ مگر اس سے جو مچھلی نکلتی ہے اس کا گوشت نمکین نہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال کی دلیل ہے کہ اس نے نمکین پانی سے ایک لذیذ چیز تمہاری خوراک کے لئے پیدا کر دی۔ اسی نے تمہارے لئے سمندر میں موتی اور مرجان پیدا کر دیئے۔ تم ان کو نکال کر اپنے پہننے کے لئے زیور بناتے ہو۔ اگرچہ تَلْبَسُوْنَهَا جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ مگر یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ تمہاری عورتیں زینت حاصل کرنے کے لئے ایسے زیور پہنتی ہیں جو موتی اور مرجان سے بنائے جاتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو حسین و جمیل دکھائی دیں۔

پھر فرمایا کہ تمہاری کشتیاں اس سمندر میں ہواؤں کو ہٹاتی اور پانی کو چیرتی ہوئی تیرتی چلی جاتی ہیں۔ ایک ہی ہوا سے کشتی کا ایک جانب سے دوسری جانب پار ہو جانا اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی نشانی ہے۔ کشتیوں کا سمندر میں چلانا اس لئے ہے تاکہ ان پر سوار ہو کر تجارت کے لئے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرو اور فضل الٰہی سے نفع کماؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت و احسان کا شکر ادا کرو۔ (روح المعانی ۱۱، ۱۱۴ / ۱۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۶ / ۴)

پہاڑوں کی تخلیق کا مقصد

۱۵، ۱۸۔ وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا
لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝
اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعُدُّوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور اسی نے زمین پر پہاڑ رکھ دیئے تاکہ وہ تمہیں لے کر جھکنے (اور ہلنے) نہ لگے اور (اس نے ان پہاڑوں میں) نہریں اور راستے (بنا دیئے) تاکہ تم راہ پاؤ۔ اور (راہ ہدایت کی) بہت سی نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔ کیا وہ جو (ان سب کو) پیدا

کرتا ہے اس کی مانند ہے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتا کیا تم اتنا بھی نہیں
سمجھتے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو (کبھی) نہ گن سکو گے۔ بیشک
اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

اَلْقٰی : اس نے ڈالا۔ اِلْقَاءٌ سے ماضی۔

رَوَاسِیَ : جمے ہوئے پہاڑ، بوجھ۔ واحد رَاسِیَۃٌ۔

تَمِیْدَ : وہ ہلتی ہے۔ وہ ڈگمگاتی ہے۔ وہ جھکتی ہے۔ مَیْدٌ سے مضارع۔

تَعُدُّوْا : تم شمار کرنے لگو، تم گننے لگو۔ عَدٌّ سے مضارع۔

تُحْصُوْھَا : تم اس کا شمار کرو گے۔ تم اس کو گنو گے۔ اِحْصَاءٌ سے مضارع

تشریح: اللہ تعالیٰ نے زمین کو ہلنے جلنے سے بچانے کے لئے اس پر مضبوط اور وزنی پہاڑوں کو جمادیا تاکہ زمین پر رہنے والوں کو زندگی گزارنے میں کسی قسم کی تکلیف اور پریشانی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی نے اس میں ہر طرف چشمے، نہریں اور دریا بہادیئے۔ ان میں سے کوئی تندو تیز ہے اور کوئی ست، کوئی طویل ہے اور کوئی مختصر۔ کبھی ان میں پانی زیادہ ہوتا ہے اور کبھی کم اور کبھی یہ بالکل خشک ہو جاتے ہیں۔ یہ سب اس کا فضل و کرم اور لطف و رحم ہے۔ اس لئے اس کے سوا کوئی پروردگار ہے اور نہ کوئی عبادت کے لائق ہے۔ وہی رب ہے وہی معبود برحق ہے۔ اسی نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے ادھر سے ادھر جانے کے لئے خشکی اور تری میں، پہاڑوں اور بیابانوں میں، بستیوں اور ویرانوں میں غرض سب جگہ راستے بنادیئے۔ کوئی راستہ تنگ ہے تو کوئی کشادہ، کوئی آسان ہے تو کوئی دشوار۔ اس نے کچھ علامتیں بھی مقرر کردی ہیں جن سے خشکی اور تری کے مسافر راستہ معلوم کر لیتے ہیں۔ ستارے بھی رہنمائی کے لئے ہیں۔ تاریک راتوں میں انہی کے ذریعہ راستہ اور سمت معلوم کی جاتی ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ اللہ کے سوا جن لوگوں کی عبادت کرتے ہیں وہ محض بے بس ہیں۔ وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔ ظاہر ہے کہ خالق اور غیر خالق یکساں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دونوں معبود بھی نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سزاوار ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس کی نعمتیں اتنی کثیر اور لاتعداد ہیں کہ تم ان کو شمار بھی نہیں کر سکتے اور نہ تم اس کی کسی نعمت کا شکر ادا کر سکتے ہو۔ تمہاری خطاؤں اور نافرمانیوں کے باوجود وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے محروم نہیں کرتا بلکہ وہ تمہاری خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے اور تمہارے گناہوں سے چشم پوشی کر لیتا ہے کیونکہ وہ بہت ہی مغفرت کرنے والا اور بڑا رحیم ہے وہ توبہ کے بعد عذاب نہیں دیتا۔ (ابن کثیر ۵۶۵،۵۶۴ / ۲)

عاجز و بے بس معبود

۱۹،۲۱۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝

اور وہ (خوب) جانتا ہے کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور یہ (کافر) اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے حالانکہ وہ خود پیدا کئے جاتے ہیں اور وہ (بت تو) مردے ہیں۔ جن میں جان نہیں اور انہیں ذرا بھی شعور نہیں کہ (حساب و کتاب کے لئے) لوگ کب زندہ کئے جائیں گے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اور پوشیدہ افعال و احوال کو خوب جانتا ہے اس لئے قیامت کے روز وہ تمہیں تمہارے ظاہری و باطنی تمام اعمال کی جزا و سزا دے گا، جو لوگ اللہ کے سوا باطل معبودوں سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں وہ تو کسی چیز کے بھی خالق نہیں۔ وہ آسمان و زمین جیسی بڑی چیز تو کیا وہ تو ایک تنکہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ ان کی اپنی ہستی بھی اپنی نہیں۔ وہ تو خود بھی دوسروں کے ہاتھوں نے بنائے ہوئے ہیں۔ ایسے مجبور و بے بس خدائی میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔ اور ان کو کیسے معبود قرار دیا جا سکتا ہے؟

یہ بت تو بے جان ہیں ان میں کبھی زندگی پیدا نہیں ہوئی۔ یہ جمادات اور بے روح

چیزیں ہیں۔ نہ یہ سنتے دیکھتے ہیں اور نہ انہیں کسی قسم کا شعور ہے۔ ان کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ قیامت کب ہوگی اور ان کو اور ان کی پوجا کرنے والوں کو حساب وکتاب کے لئے دوبارہ زندہ کر کے کب اٹھایا جائے گا۔ ایسی بے جان اور بے خبر چیزوں کو خدا کہنا اور ان سے نفع کی امید اور ثواب کی توقع رکھنا حماقت اور جہالت ہے۔ (مظہری ۳۳۳/۵)

حقیقی معبود

۲۲، ۲۳۔ اِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝

تمہارا معبود (یقیناً) ایک ہی معبود ہے سو جو لوگ قیامت پر یقین نہیں رکھتے ان کے دل (اس حقیقت کو) نہیں مانتے اور وہ تکبر کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (خوب) جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق ہے اور نہ کوئی عالم الغیب ہے۔ اس لئے تمہارا خدا ایک اور یگانہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ واحد وصمد ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے دل اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی بے شمار نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور قبول حق سے تکبر کرتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں اس لئے وہ ہر عمل پر جزا اور سزا دے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے۔

منکرین نبوت کا انجام

۲۵،۲۴۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا ذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ○ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ○

اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے (محمد ﷺ پر) کیا چیز نازل فرمائی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو (محض) پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں تاکہ قیامت کے روز وہ اپنا (گناہوں کا) پورا بوجھ بھی اٹھائیں اور ان لوگوں (کے گناہوں) کا بوجھ بھی جن کو وہ بے علمی کی وجہ سے گمراہ کرتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ! برا ہے وہ بوجھ جو وہ اٹھاتے ہیں۔

اَسَاطِيْرُ : کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ وحد اُسْطُوْرَةٌ۔

اَوْزَارَهُمْ : ان کے بوجھ۔ ان کے گناہ۔ واحد وِزْرٌ۔

سَآءَ : وہ برا ہے۔ سَوْءٌ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے جب اپنی نبوت و رسالت پر قرآن کریم سے استدلال کیا اور منکرین نبوت کو بتایا کہ یہ اللہ کا کلام اور معجزہ ہے تو وہ کہنے لگے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ گزرے ہوئے لوگوں کے قصے کہانیاں اور بے سند باتیں ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ دوسروں کو گمراہ کرنے کے لئے ایسی باتیں کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے روز یہ لوگ اپنی گمراہی کے گناہوں کا تو پورا پورا بوجھ اٹھائیں گے ہی اس کے ساتھ ہی کچھ بوجھ یہ ان لوگوں کے گناہوں کا بھی اٹھائیں گے جو ان کے بہکانے سے گمراہ ہوئے۔ آگاہ ہو جاؤ وہ بہت برا (تکلیف دہ) بوجھ ہوگا۔ جس کو یہ لوگ قیامت کے روز اپنی پیٹھوں پر اٹھائیں گے۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اس کو ان

سب لوگوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا جنہوں نے اس کی پیروی کی اور ان لوگوں کے ثواب میں سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور جس نے لوگوں کو گمراہی کی طرف بلایا اس کو ان سب لوگوں کے گناہ کے برابر گناہ ہو گا جنہوں نے اس کی پیروی کی اور ان پیروی کرنے والوں کے گناہ سے کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

(روح المعانی ۱۲۲، ۱۲۴ / ۱۴، معارف القرآن ان مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۹ / ۴)

گزشتہ قوموں کا انجام

۲۶، ۲۷۔ قَدْمَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰـهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِ يَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ط قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ و السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○

ان سے پہلے لوگ بھی مکر (دغا بازی) کر چکے ہیں سو اللہ (کا عذاب) ان کی عمارتوں پر بنیادوں کی طرف سے آ پہنچا پھر اوپر سے ان پر چھت گر پڑی اور ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا جس کا انہیں خیال بھی نہ تھا۔ پھر قیامت کے دن (اللہ) انہیں رسوا کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم (میرے پیغمبروں سے) جھگڑتے تھے۔ (اس وقت) وہ لوگ جن کو علم دیا گیا تھا کہیں گے کہ بیشک آج کے دن تمام رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔

مَکَرَ : اس نے مکر کیا۔ اس نے تدبیر کی۔ اس نے حیلہ کیا۔ مَکْرٌ سے ماضی۔

بُنْيَانَهُمْ : ان کی عمارت۔

الْقَوَاعِدِ : بنیادیں۔ دیواریں، واحد قاعِدَۃٌ۔

تُشَآقُّوْنَ : تم مخالفت کرتے ہو۔ تم جھگڑتے ہو،۔مُشَاقَةٌ سے مضارع۔

تشریح: جو کافر و منکر ان مشرکین مکہ سے پہلے گزر چکے، انہوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے، حق کو پست کرنے اور اللہ کے پیغمبروں کے ساتھ فریب کرنے کی عجیب وغریب تدبیریں کیں۔ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں نمرود بادشاہ تھا جو نہایت سرکش، ظالم اور متکبر تھا۔ اس کا مکر یہ تھا کہ اس نے بابل میں ایک بہت اونچا محل بنوایا تھا جو پانچ ہزار گز بلند تھا اور بعض کہتے ہیں کہ دو فرسخ یعنی چھ میل اونچا منارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زلزلے کے ذریعے ان کا بنا بنایا گھر جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیا اور اوپر سے ان پر چھت آگری اور اللہ کا عذاب ایسی جگہ سے ان پر آ پہنچا جہاں سے اس کے آنے کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ انہوں نے عمارت کی بنیادیں ایسی مستحکم اور مضبوط بنائی تھیں کہ ان کے سان و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہ اس طرح جڑ بنیاد سے اکھڑ جائیں گی اس طرح سب لوگ چھتوں کے نیچے دب کر مر گئے۔

منکرین کا یہ انجام تو دنیا میں ہوا۔ اس دنیاوی عذاب کے علاوہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو مزید ذلیل ورسوا کرے گا۔ قیامت کے روز کی رسوائیوں میں سے ایک رسوائی یہ ہو گی کہ اس دن اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم انبیا کرام اور اہل ایمان سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔ آج وہ تمہیں ذلت و مصیبت سے بچانے کے لئے تمہارے ساتھ کیوں نہیں آئے۔

منکرین کی یہ حالت دیکھ کر وہ اہل علم جو دنیا میں ان کو نصیحت کیا کرتے تھے، منکرین کی ذلت میں اضافے اور ان کی مصیبت پر اظہار مسرت کے لئے ان سے کہیں گے کہ بلاشبہ آج تمام ذلت ورسوائی کافروں پر ہے۔ دنیا میں کافر مومنوں کو ذلیل سمجھتے تھے۔ قیامت کے دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ درحقیقت وہی (منکرین) ذلیل ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۱، ۲۰۲/ ۴)

منکرین کی جانکنی کے وقت کا حال

۲۸، ۲۹۔ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۖ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جن کی روح فرشتے ایسی حالت میں قبض کریں گے کہ وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے (وہ کفر پر قائم تھے) پھر وہ اپنی اطاعت کا اظہار کریں گے کہ ہم تو کچھ بھی برائی نہ کیا کرتے تھے۔ کیوں نہیں۔ بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے۔ سو تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ۔ اس (جہنم) میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے سو کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔ تکبر کرنے والوں کا۔

تشریح: یہاں ان کافروں کی موت کا حال بیان کیا گیا ہے جو مرتے دم تک اپنے کفر و شرک میں مبتلا رہے اور خواب غفلت میں سوتے رہے۔ اگر مرنے سے پہلے کفر و شرک سے توبہ کر لیتے تو اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے جس کا سامنا ان کو قیامت کے روز کرنا پڑے گا۔ جب فرشتے ان کی جان لینے کے لئے ان کے پاس آئیں گے تو اس وقت یہ ظالم صلح کا پیغام دیں گے اور مخاصمہ اور جھگڑا چھوڑ کر اطاعت کی طرف مائل ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم دنیا میں کوئی برا کام اور کفر و شرک نہیں کرتے تھے۔ یہ گفتگو روح قبض ہونے سے ذرا پہلے ہو گی۔ یہ لوگ قیامت کے روز بھی قسمیں کھا کھا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا مشرک نہ ہونا بیان کریں گے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

واللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ۔ (سورۂ انعام، آیت ۲۳)

ہمیں ہمارے رب کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

فرشتے کہیں کے کیوں نہیں تم یقیناً مشرک تھے تم جھوٹے ہو۔ تم اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ بلا شبہ وہ تمہارے اعمال بد سے خوب واقف ہے۔ اب تمہارا انکار تمہیں کچھ بھی فائدہ نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ کو ذرے ذرے کا علم ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا ضرور دے گا۔ سو اب تم اپنے کرتوتوں کا خمیازہ بھگتو اور جہنم کے دروازوں میں سے داخل ہو کر جہنم میں چلے جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو۔ پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا جو اپنے غرور کی وجہ سے اللہ جل شانہ کی عبادت و بندگی اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا انکار کرتے رہے اور اپنے کفر و شرک پر قائم رہے۔ (یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بلی سے آخر تک اللہ کا قول ہو، فرشتوں کا نہ ہو)۔ (مظہری ۳۳۶ / ۵، مواہب الرحمٰن ۱۰۴ / ۱۴)

پرہیزگاروں کا انجام

۳۰، ۳۲۔ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور (جب) پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہتے ہیں کہ بھلائی (نازل کی) جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی بہتر ہے اور کیا ہی خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا۔ وہ (گھر) ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں یہ داخل ہوں گے۔ ان (باغوں) کے نیچے

سے نہریں جاری ہوں گی۔ وہاں ان کے لئے ہر وہ چیز ہو گی جو وہ چاہیں
گے۔ اللہ پرہیز گاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی
روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک و معصیت
سے) پاک ہوتے ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں کہ سلامتی ہو تم پر۔ تم جنت
میں داخل ہو جاؤ (اپنے نیک اعمال کے سبب) جن کو تم (دنیا میں)
کرتے تھے۔

تشریح: بد بختوں کی حالت اور انجام کے بیان کے بعد ان آیتوں میں نیک بختوں کے انجام کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں بد بختوں کا جواب تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب تو محض سابقہ قوموں کے بے اصل قصے ہیں جبکہ نیک لوگوں نے جواب دیا کہ وہ سراسر خیر و برکت ہے۔ جو بھی اس پر ایمان لائے گا اور اس پر عمل کرے گا وہ خیر و برکت سے مالا مال ہو جائے گا۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک اعمال کئے ان کو دونوں جہان کی بھلائی حاصل ہو گی۔ یہاں دنیا کی بھلائی سے مراد فتح و نصرت اور غلبہ و خلافت ہے اور آخرت کی بھلائی سے جنت مراد ہے۔

پرہیز گاروں کے لئے آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔ ان کے لئے آخرت میں جنت عدن ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اور جس کے محلوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ پرہیز گاروں کو اس جنت میں ہر وہ چیز میسر ہو گی جس کی وہ خواہش کریں گے۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو ایسے ہی اجر و ثواب اور بدلے دیتا ہے۔ فرشتے ان لوگوں کی جانیں اس حال میں قبض کریں گے کہ وہ شرک کی گندگی سے پاک و صاف ہوں گے۔ فرشتے ان کو سلام کریں گے اور جنت کی خوشخبری سنائیں گے اور کہیں گے کہ تم اپنے ان اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ، جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ (ابن کثیر ۵۶۷، ۵۶۸ / ۲، مواہب الرحمٰن ۱۰۶، ۱۰۸ / ۱۴)

کفار کو تنبیہ

۳۳،۳۴۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْيَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰـكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

کیا یہ (منکرین) اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس (موت کے) فرشتے آجائیں یا آپ کے رب کا حکم آجائے۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسے ہی کہا تھا اور اللہ نے تو ان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ آخر ان کے اعمال بد کی سزائیں ان کو ملیں اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔

حَاقَ : اس نے گھیر لیا۔ وہ نازل ہوا۔ حَيْقٌ و حُيُوْقٌ سے ماضی۔

يَسْتَهْزِءُوْنَ : وہ مذاق کرتے ہیں۔ اِسْتِهْزَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو تنبیہ کے لئے فرمایا کہ کیا یہ لوگ اس وقت تک راہ راست پر نہیں آئیں گے جب تک کہ فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے کے لئے نہ پہنچیں یا ان پر کوئی مہلک عذاب آجائے اور سب ایک دم ہلاک ہو جائیں۔ تب عذاب کو دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں امر ربی سے قیامت کا آنا مراد ہو اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ کیا یہ لوگ قیامت یا موت کے منتظر ہیں کہ اس وقت ایمان لائیں گے حالانکہ اس وقت کا ایمان لانا معتبر نہ ہو گا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے آکر سب کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دیں جو ناممکن اور محال ہے کیونکہ فرشتوں کو اصل صورت میں دیکھنا عام بشری طاقت سے باہر ہے۔

جس طرح ان لوگوں نے کفر و شرک اختیار کر رکھا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا انکار

کرتے ہیں اسی طرح ان سے پہلے لوگ بھی اپنے کفر و عناد پر قائم رہے یہاں تک کہ اللہ کے عذاب نے ان کو آلیا۔ ان کو عذاب سے ہلاک کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ کفر و شرک پر قائم رہ کر اور معاصی کا ارتکاب کر کے انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ سو ان کو ان کے اعمال بد کی سزا ملی اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑاتے تھے اسی نے ان کو آگھیرا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۴ / ۴)

مشرکین کے دلائل کا رد

۳۵۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْشَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِه مِنْ شَیْءٍ
نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِه مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ
فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○

اور مشرکوں نے کہا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (کسی اور کی پرستش کرتے) اور نہ ہم اس (کے حکم) کے بغیر کسی چیز کو حرام قرار دیتے۔ جو (کافر) ان سے پہلے ہوئے ہیں انہوں نے بھی اسی طرح کہا تھا۔ سو رسولوں کے ذمے تو محض صاف صاف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔

تشریح: گزشتہ زمانے کے کافروں کی مانند مکہ و عرب کے کفار و مشرکین بھی طعن کے طور پر کہتے ہیں کہ جب ہر کام اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرتے اور نہ ہم اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کے سوا کسی چیز کو حرام کرتے۔ یہ سب کچھ تو رسول (ﷺ) سے بہت پہلے ہمارے باپ دادا سے چلا آرہا ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اس لئے ہمیں رسول کی حاجت نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جو لوگ ان مشرکین عرب سے پہلے تھے

انہوں نے بھی شرک کرنے اور حلال کو حرام کرنے کی یہی علت بیان کی تھی۔ سو پیغمبروں پر تو اسی قدر فرض ہے کہ وہ لوگوں کو صاف صاف احکام پہنچادیں۔ اس کے سواان کا کوئی کام نہیں۔ ہدایت یاب کرنا تو اللہ کے قبضۂ قدرت میں اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے۔ اللہ کے پیغمبروں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کی خوشنودی کا راستہ بتادیں۔ (روح المعانی ۱۳۵، ۱۳۶ / ۱۴)

انبیا کی بعثت کا مقصد

۳۶، ۳۷۔ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلاً اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ط فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ O اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ O

اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجے ہیں (اسی تبلیغ کے لئے) کہ تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اور بتوں (کی عبادت) سے بچو۔ پھر ان میں سے بعض کو تو اللہ نے ہدات دی اور بعض پر گمراہی ثابت (مسلط) ہو گئی۔ سو تم زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ اگر آپ ان کو راہ راست پر لانے کی تمنا کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت نہیں دیتا جس کو وہ گمراہی پر رکھنا چاہتا ہے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہو سکتا ہے۔

الطَّاغُوْتَ: شیطان۔ سرکش۔ نافرمان۔ جمع طَوَاغِیتُ۔

حَقَّتْ: ثابت ہوئی۔ پوری ہوئی۔ مطابق ہوئی۔ حَقٌّ سے ماضی۔

تشریح: پیغمبر کی بعثت کوئی نئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی رہا ہے کہ اس نے ہر

زمانے اور ہر قوم میں اپنے پیغمبر بھیجے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کی عبادت کا حکم دیں اور شیطان سے بچنے کی تاکید کریں۔ سو ان سابقہ امتوں میں سے جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت یاب بنانا چاہا ان کو پیغمبروں کی رہنمائی سے ایمان کی توفیق دے دی اور جن کو اللہ نے بقضائے ازلی گمراہ بنانا چاہا تو پیغمبر کی تعلیم کا انکار ان کی گمراہی میں اضافے کا سبب بن گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منکرین کو کفر ہی کی حالت میں ہلاک کر دیا اور ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا اور ان کے محل ویران ہو گئے۔ اے مشرکین مکہ تم دنیا میں گھوم پھر کر ذرا دیکھو تو سہی کہ پیغمبروں کو جھٹلانے والوں کا کیسا برا انجام ہوا۔ قوم عاد و ثمود، قوم لوط اور قوم شعیب کی بستیاں دیکھو کہ کیسے کیسے عبرت کے نشانات ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ علم الٰہی میں جن لوگوں کے حق میں گمراہی ہے۔ آپ ان کے راہ راست پر آنے کی خواہ کتنی ہی تمنا کریں وہ لوگ راہ راست پر نہیں آئیں گے۔ جن کو اللہ ہی گمراہ کر دے ان کی مدد کرنے والا کوئی نہیں کہ اللہ کی مشیت کو دور کر کے ان کو عذاب سے بچا دے یا ان کو ہدایت یافتہ کر دے۔

(روح المعانی ۱۳،۱۴۰/ ۱۴، مظہری ۳۳۹،۳۴۰/ ۵)

مشرکین کی قسمیں

۳۸، ۴۰۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ
بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ
لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا
كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ۝

اور وہ (کافر) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ (قیامت کے روز) اس کو زندہ نہیں کرے گا۔ اس نے اپنے اوپر پختہ

وعدہ کر رکھا ہے۔ (وہ اس کو ضرور پورا کرے گا) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (وہ ضرور زندہ کرے گا) تاکہ اللہ ان پر یہ بات ظاہر کر دے جس میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اور تاکہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ (واقعی) وہ جھوٹے تھے۔ بیشک جب ہم کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہمارا اس کو اتنا کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ ہو، پس وہ ہو جاتی ہے۔

جَھْدَ : زوردار کوشش، پختہ۔ سخت۔ تاکید۔ مصدر ہے۔

اَیْمَانِھِمْ : ان کی قسمیں۔ واحد یَمِیْنٌ۔

شانِ نزول: ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے ابوالعالیہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک مسلمان کا کسی مشرک پر کچھ قرض تھا۔ مسلمان اس مشرک کے پاس تقاضا کرنے گیا اور اس سے قرض کے بارے میں کچھ بات چیت کی۔ گفتگو کے دوران مسلمان نے یہ بھی کہہ دیا کہ مرنے کے بعد مجھے اللہ سے یہ یہ امیدیں ہیں۔ اس پر مشرک نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں مرنے کے بعد زندہ ہونے کا یقین ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو مر گیا اس کو اللہ دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۴۰/۵، مواہب الرحمٰن ۱۱۳/۱۴)

تشریح: کافر چونکہ قیامت کے قائل نہیں اس لئے وہ دوسروں کو بھی اس عقیدے سے ہٹانے کے لئے پوری کوشش کرتے ہیں اور پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد کسی کو زندہ نہیں کرے گا۔ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اللہ کا یہ وعدہ برحق ہے۔ لیکن بہت سے لوگ جہالت اور لاعلمی کی بنا پر یہ نہیں جانتے کہ اللہ کے وعدے کے خلاف ہونا محال ہے۔

قیامت آنے اور لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جن امور میں یہ لوگ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔ ان میں سے حق کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا ملے گی اور منکرین و مکذبین کو سزا ملے گی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ کافروں کا ان کی قسم میں جھوٹا ہونا ظاہر کر دیا جائے گا اور ان کو جہنم میں دھکیل کر جتا دیا جائے گا

کہ یہی وہ دوزخ ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ کوئی کام اسے عاجز نہیں کر سکتا اور کوئی چیز اس کے اختیار سے خارج نہیں۔ وہ جو کام بھی کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ کام اسی وقت ہو جاتا ہے۔ اس کے نزدیک ہم سب کا پیدا کرنا اور پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے کُنْ کہتے ہی کسی چیز کا وجود میں آ جانا ہے۔ اسے دوبارہ کہنے اور تاکید کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم کے خلاف کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آپ کو مخاطب کر کے دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط (یٰسٓ آیت ۷۹)

آپ کہہ دیجئے کہ گلی سڑی ہڈیوں کو (دوبارہ) وہی پیدا کرے گا جس نے ان کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

حالانکہ اس وقت تو ہڈی بھی نہ تھی۔ لہٰذا دوبارہ پیدا کرنا تو پہلے کے مقابلے میں بہت آسان ہے۔ (ابن کثیر ۵۶۹/۲، مواہب الرحمٰن ۱۱۲/۵-۱۱۴)

ہجرت کے منافع

۴۱، ۴۲۔ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○

اور جن لوگوں نے ظلم کئے جانے کے بعد اللہ کے لئے ہجرت کی تو ہم ان کو دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش ان (کافروں) کو بھی (یہ بات) معلوم ہوتی۔ (یہ انعام ان کے لئے ہے) جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

شانِ نزول: عبد الرزاقؒ، ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ نے حضرت ابن عباسؓ اور داؤد بن ہند کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابو جندل بن سہلؓ کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے ان کو مکہ میں قید کر رکھا تھا اور ان کو تکلیفیں دیتے تھے۔ (مظہری ۵/۳۴۱)

ابن المنذرؒ، ابن ابی حاتمؒ اور عبد بن حمیدؒ نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول چند صحابہ کے بارے میں ہوا جن پر اہل مکہ نے مظالم کئے تھے اور ان کو گھروں سے نکال باہر کیا تھا۔ انہی مظلوموں میں سے ایک گروہ ملک حبش کو چلا گیا تھا۔ پھر اللہ نے ان کو مدینہ میں ٹھکانا دیا۔ (روح المعانی ۱۴/۱۴۵، مظہری ۵/۳۴۱)

تشریح: جو لوگ اللہ کے لئے ترک وطن کر کے اور دوست احباب کنبہ، قرابت اور اپنی تجارت کو ترک کر کے اللہ کے دین کے لئے ہجرت کرتے ہیں وہ اللہ کے نزدیک دونوں جہاں میں معزز و محترم ہیں۔ ان کو دنیا میں بہترین ٹھکانا دیا جائے گا۔ جیسے مدینہ منورہ اور آخرت کا اجر تو بہت ہی عظیم الشان ہے۔ کاش ان کافروں کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آخرت کا اجر وثواب بہت عظیم ہے تو یہ کافر و ظالم لوگ کبھی ظلم نہ کرتے اور ہزار جان سے رسول کی اتباع پر فدا ہوتے۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ہجرت سے جان چرانے والے، مہاجرین کے اجر و ثواب سے واقف ہوتے تو ہجرت میں سبقت کرتے۔ یہی پاک باز لوگ اللہ کی راہ میں پہنچنے والی تکلیفوں پر صبر سے کام لیتے ہیں اور اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے ہیں اور اس میں ذرا فرق نہیں آنے دیتے۔ اس لئے دونوں جہاں کی بھلائیاں انہی لوگوں کے لئے ہیں۔

(روح المعانی ۱۴/۱۴۶،۱۴۴، مواہب الرحمٰن ۱۴/۱۱۹،۱۱۶)

اہلِ ذکر سے استفادے کا حکم

۴۳،۴۴۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ O بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ط وَاَنْزَلْنَآ

اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ O
اور ہم نے آپ سے پہلے بھی تو انسان ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے۔ سو اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو تم اہل ذکر (اہل علم) سے پوچھ لو۔ ہم نے ان کو معجزے اور کتابیں دے کر (بھیجا تھا) اور (اے رسول) ہم نے آپ پر بھی قرآن نازل کیا ہے تاکہ جو کچھ ان کے لئے نازل کیا گیا ہے آپ اس کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر دیں اور تاکہ لوگ (اس میں) غور کریں۔

تشریح: لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے آپ سے پہلے بھی ہم نے مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے تھے۔ کسی فرشتے کو کبھی بھی پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ ہم ان پیغمبروں کے پاس فرشتوں کے ذریعہ وحی بھیجتے تھے۔ اے مشرکینِ مکہ اگر تم نہیں جانتے کہ اس سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا جاتا رہا ہے اور تمہیں آدمیوں کے پیغمبر ہونے میں شک و شبہ ہے تو تم ان اہل علم سے معلوم کر لو جن کے پاس سابقہ آسمانی کتابوں کا علم ہے۔ ہم نے کھلے معجزے اور کتابیں دے کر مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اہلِ ذکر سے مراد اہلِ کتاب ہیں۔ مجاہدؒ کا بھی یہی قول ہے۔

اے محمد ﷺ جس طرح ہم نے پہلے رسولوں کو معجزے اور کتابیں اور صحیفے دے کر بھیجا تھا اسی طرح ہم نے آپ پر بھی قرآن مجید نازل کیا ہے، جو غافلوں کو ذاکر بناتا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کا واضح طور پر بیان کر دیں جو آپ کے ذریعہ ان کے پاس بھیجا گیا ہے اور وہ توحید اور معرفت الٰہی ہے، تاکہ یہ لوگ غور و فکر کریں، سوچیں سمجھیں اور جان لیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں۔ آیت میں مَا نُزِّلَ سے مراد ثواب کا وعدہ، عذاب کی وعید، احکام اور مجمل قوانین ہیں۔ (ابن کثیر ۵۷۰،۵۷۱ /۲، عثانی ۷۵۹ /۱)

منکرین و مشرکین کی تہدید

۴۵،۴۷۔ اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِھِمُ الْاَرْضَ
اَوْیَاْتِیَھُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ O اَوْیَاْخُذَھُمْ فِیْ
تَقَلُّبِھِمْ فَمَا ھُمْ بِمُعْجِزِیْنَ O اَوْیَاْخُذَھُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ط فَاِنَّ
رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ O

کیا ان لوگوں کو جو بری تدبیریں کیا کرتے تھے اس بات کا (ذرا بھی) خوف نہیں رہا کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر ایسی جگہ سے عذاب آ جائے جو ان کے گمان میں بھی نہ ہو یا وہ ان کو چلتے پھرتے (اچانک کسی آفت میں) پکڑ لے سو وہ اس کو عاجز نہیں کر سکتے یا وہ ان کو خوف کی حالت میں پکڑ لے۔ سو تمہارا رب بڑا شفیق (اور) مہربان ہے،

یُخْسِفَ : وہ دھنسا دے گا۔ خَسْفٌ سے مضارع۔

حَیْثُ : جہاں، جس جگہ۔

تَقَلُّبِھِمْ : ان کا چلنا پھرنا۔ تَقَلِّیْبٌ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ بری بری تدبیریں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر اچانک کوئی عذاب اس طرح آ جائے کہ ان کے گمان میں بھی نہ ہو جیسے قوم لوط اور قوم شعیب پر آیا تھا یا اللہ ان مکار و بدکار لوگوں کو چلتے پھرتے آتے جاتے اور کھاتے کماتے ہی عذاب میں پکڑ لے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی شخص اور کوئی کام عاجز و بے بس نہیں کر سکتا۔ وہ ہارنے والا، تھکنے والا اور ناکام ہونے والا نہیں اور وہ یہ بھی کر سکتا ہے کہ خوف میں مبتلا کر کے کسی کو آج، کسی کو کل اور کسی کو پرسوں ہلاک کر دے اور اسی طرح سب کو ختم کر دے لیکن تمہارا رب بہت مہربان اور رحیم ہے اس لئے وہ فوراً عذاب نہیں دیتا۔

انسان کی غفلت پر تنبیہ

۴۸۔۵۰۔ اولم یروا الی ماخلق اللّٰہ من شیءٍ یتفیّؤا ظللہٗ عن الیمین والشمآئل سجدا للہ وھم دٰخرون ○ وللہ یسجد مافی السمٰوٰت وما فی الارض من دآبۃ والملٰئکۃ وھم لا یستکبرون ○ یخافون ربھم من فوقھم ویفعلون مایؤمرون ○

کیا وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے (کبھی) دائیں طرف اور (کبھی) بائیں طرف جھکتے رہتے ہیں۔ (گویا کہ) وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور جتنے چلنے والے آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ سب اور فرشتے بھی اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو ان کے اوپر (بالادست) ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کو بجا لاتے ہیں۔

یَتفیّؤا: وہ جھکتے ہیں۔ وہ ڈھلتے ہیں۔ تفیُّءٌ سے مضارع۔

ظللہٗ: اس کے سائے۔ واحد ظِلٌّ۔

دٰخرون: ذلیل ہونے والے۔ جھکنے والے، دَخْرٌ و دُخُوْرٌ سے اسم فاعل۔ واحد داخِرٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اس کی ذات بابرکات کی عظمت وجلال کا یہ عالم ہے کہ ہر چیز جو اس نے پیدا کی ہے وہ اس کے سامنے سربسجود ہے اور اسی کے حکم پر سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ کیا انسان اللہ کے قہر اور غضب سے بالکل بے خوف ہو گیا کہ اشرف المخلوقات ہو کر بھی اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے منہ موڑتا ہے اور غیروں کی

عبادت میں سرگرداں ہے حالانکہ جو کچھ آسمانوں میں ہے مثلاً چاند، سورج، ستارے اور جو زمین پر چلنے والی چیزیں ہیں وہ سب اور فرشتے اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ اللہ کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ غرض یہ سب چیزیں اللہ ہی کے زیر حکم ہیں اس نے جس کو جس کام کے لئے بنایا ہے وہ بلا چوں و چرا اس کام میں لگا ہوا ہے اور اپنے رب سے ڈرتا ہے جو غالب و قاہر ہے اور جو کچھ اس کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتا ہے۔ سو یہ تمام چیزیں جس ذات واحد و یکتا کی مطیع و فرماں بردار ہیں اس قادر و قاہر کے عذاب سے انسان کیوں بے خوف ہو گیا؟

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۱۶ / ۴)

خالص توحید کا حکم

۵۱، ۵۵۔ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْـنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ○ وَلَهٗ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ○ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ○ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ○ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۪ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○

اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے کہ دو خدا نہ بناؤ۔ خدا تو (بس) ایک ہی ہے۔ سو تم مجھ ہی سے ڈرو اور اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور عبادت ہمیشہ اسی کے لئے سزاوار ہے۔ پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو؟ اور تمہارے پاس جو کچھ (بھی) نعمت ہے تو وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب تم پر سختی آتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو۔ پھر جب وہ تمہاری مصیبت دور کر دیتا ہے تو فوراً تم میں سے ایک جماعت اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتی ہے تاکہ جو نعمتیں

ہم نے ان کو دی تھیں وہ ان کی ناشکری کریں سو (دنیا میں چند روز)
فائدہ اٹھالو پھر بہت جلد (آخرت میں) تمہیں (اپنا انجام) معلوم ہو
جائے گا۔

فَارْهَبُوْنِ : پس تم مجھ سے ڈرو۔ رَهْبَةٌ سے امر۔

وَاصِبًا : لازوال۔ دائمی۔ مستقل۔ وُصُوْبٌ سے اسم فاعل۔

تَجْئَرُوْنَ : تم زاری کرتے ہو۔ تم فریاد کرتے ہو۔ جُوءارٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک اور ہر چیز کا خالق و مالک ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی کی عبادت خالص، دائمی اور واجب ہے۔ آسمان و زمین کی تمام مخلوق خوشی یا ناخوشی اسی کے ماتحت ہے۔ سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ لہٰذا اس کی عبادت خلوص دل کے ساتھ کرو۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ آسمان و زمین کی ہر چیز کا مالک تنہا وہی ہے۔ ہر قسم کا نفع و نقصان اسی کے اختیار میں ہے۔ بندوں کو جو کچھ نعمتیں حاصل ہیں وہ سب اسی کی طرف سے ہیں۔ رزق صحت و عافیت، فتح و نصرت اور دولت و خوشحالی سب اسی کی طرف سے ہے۔ اس کے احسان و انعام بے شمار ہیں۔ ان انعامات و احسانات کے پا لینے کے باوجود بندے اس کے ویسے ہی محتاج ہیں۔ لہٰذا پورے عجز و انکسار کے ساتھ اس کی عبادت میں لگے رہنا چاہیئے۔ اس سے خوف کرنا چاہیئے اس کے سوا کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ اس کے سوا کوئی کسی قسم کا نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جس طرح مصیبت کے وقت اس سے نالہ و فریاد کرتے ہیں اسی طرح امن و عافیت میں بھی اس کو یاد رکھنا چاہیئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت دور ہوتے ہی اس خالق و مالک حقیقی کو چھوڑ کر باطل معبودوں کی پوجا میں لگ جاتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر کفرانِ نعمت اور ناشکری کیا ہو سکتی ہے۔ سو تم دنیا میں چند روز اور مزے اڑالو پھر بہت جلد تمہیں اس ناشکری کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

(روح المعانی ۱۶۱، ۱۶۶ / ۱۴، ابن کثیر ۵۷۲ / ۲)

مشرکوں کی بے عقلی

۵۶۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝

اور وہ ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے ان (بتوں) کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو وہ جانتے بھی نہیں۔ قسم ہے اللہ کی تمہاری افترا پردازی پر تم سے باز پرس ضرور ہوگی۔

نَصِيْبًا : حصہ، ٹکڑا، قسمت جمع نُصُبٌ۔

تَفْتَرُوْنَ : تم افترا کرتے ہو۔ تم بہتان لگاتے ہو۔ اِفْتِرَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ مشرک لوگ ہماری دی ہوئی روزی میں بھی اپنے باطل معبودوں کے لئے حصہ مقرر کرتے ہیں۔ جن کے معبود ہونے کا نہ تو انہیں کچھ علم ہے اور نہ ان کے پاس اس بارے میں کوئی سند اور دلیل ہے۔ بعض علما کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ بت بے جان ہیں، ہر قسم کے علم وشعور سے عاری ہیں اس لئے ان کو کسی چیز کا علم نہیں اور نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ کون ان کی عبادت کرتا ہے۔ اس کے باوجود یہ احمق اور نادان، ان بے جان پتھروں کے لئے اللہ کی دی ہوئی روزی میں حصہ مقرر کرتے ہیں اور ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ پس جو لوگ ان بتوں کو معبود بنا رہے ہیں ان سے افترا پردازی کی باز پرس ضرور کی جائے گی۔ (عثمانی ۷۶۲/۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۲۰/۴)

مشرکین کی سنگدلی

۵۷، ۶۰۔ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور یہ (کافر) اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں۔ وہ اس سے پاک ہے (کہ اس کے لئے اولاد ثابت کی جائے) اور اپنے لئے وہ جو دل چاہتا ہے (یعنی بیٹے پسند کرتے ہیں) اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا ہونے) کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور دل ہی میں گھٹتا رہتا ہے۔ بیٹی کی خبر کی عار کے سبب وہ (قوم کے) لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے یا تو وہ اس ذلت کو لئے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے۔ دیکھو کیا ہی برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے انہی کا حال برا ہے اور اللہ تو بڑی شان والا ہے اور وہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

ظَلَّ : وہ ہو گیا۔ وہ ہو جاتا ہے۔ ظَلٌّ و ظُلُوْلٌ سے ماضی۔ فعل ناقص ہے۔

كَظِيْمٌ : سخت غمگین، كَظْمٌ و كُظُوْمٌ سے صفت مشبہ۔

يَتَوَارٰى : وہ چھپا چھپا پھرتا ہے۔ تَوَارِیٌ سے مضارع۔

هُوْنٌ : ذلت، رسوائی، خواری۔

يَدُسُّهٗ : وہ اس کو گاڑتا ہے۔ وہ اس کو دفن کرتا ہے۔ دَسٌّ سے مضارع۔ مصدر رواسم۔

تشریح: یہ لوگ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اپنے لئے اپنی پسند کی چیزیں یعنی بیٹے حالانکہ اللہ تو ان کے اس بہتان سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے نہ بیوی ہے اور نہ بیٹی اور بیٹا وہ تو لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہے۔ یہ قول بنو خزانہ و کنانہ کا تھا۔

پھر فرمایا کہ جب ان احمقوں میں سے کسی کو لڑکی کے پیدا ہونے کی خوش خبری دی

جاتی ہے تو غم سے اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے اور وہ رنج و غم میں گھٹتا رہتا ہے اور جس لڑکی کی اس کو اطلاع دی جاتی ہے اس کی عار سے اپنی قوم کے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔

عربوں میں جب کسی کی بیوی کے ہاں پیدائش ہونے والی ہوتی ہے تو مرد پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ہی اپنے قوم کے لوگوں سے چھپ جاتا اور بچے کی پیدائش کا انتظار کرتا ہے۔ اگر لڑکا پیدا ہوتا تو خوش ہو کر اپنے آپ کو لوگوں پر ظاہر کر دیتا ورنہ چھپا رہتا اور رنج و غم کے عالم میں سوچتا رہتا کہ اس لڑکی کو کیا کرے۔ اکثر لوگ لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اسلام نے جاہلیت کی اس رسم بد کا خاتمہ کیا اور ان کی شقاوت قلبی کو شفقت و رحم دلی سے بدل دیا۔

پھر فرمایا کہ خوب سن لو کہ تمہاری تجویز بہت ہی بری ہے کہ جس خدا نے ان کو پیدا کیا اس کے لئے لڑکیاں تجویز کرتے ہو اور خود لڑکیوں کو باعث نفرت و عار سمجھتے ہو اور لڑکوں کو پسند کرتے ہو۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی حالت بہت بری ہے کہ لڑکوں کو چاہتے ہیں اور لڑکیوں سے نفرت کرتے ہیں اور یہ ایسے سنگدل ہیں کہ ان کو زندہ درگور کر دیتے ہیں حالانکہ جو کچھ اللہ نے عطا فرما دیا خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی وہ باعث خیر و برکت ہے۔ اللہ کی شان سب سے اونچی ہے۔ وہ سب سے بے نیاز ہے۔ وہ بیوی اور اولاد کا محتاج نہیں وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ (روح المعانی ۱۶۷، ۱۷۰/ ۱۴، مواہب الرحمٰن ۱۳۱، ۱۳۴/ ۱۴)

اللہ تعالیٰ کا لطف و حلم

۶۱، ۶۲۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝

اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم (بے انصافی) پر پکڑنے لگتا تو کسی

جاندار کو زمین پر نہ چھوڑتا لیکن اللہ ان کو ایک مقررہ مدت تک ڈھیل دیتا ہے۔ پھر جب وہ مقررہ وقت آجائے گا تو اس وقت وہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے اور یہ کافر اللہ کے لئے وہ چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود پسند نہیں کرتے اور وہ زبان سے جھوٹ کہتے ہیں کہ ان کے لئے بھلائی ہے یقیناً ان کے لئے (دوزخ کی) آگ ہے۔ جس میں سب سے پہلے وہی داخل ہوں گے۔

اجلِ: وقت۔ مدت۔ موت۔ مہلت۔ جمع 'اٰجالٌ'۔

مُسَمًّی: معین۔ مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِیَۃٌ سے اسم مفعول۔

جَرَمَ: شک، شبہ۔

مُفْرَطُوْن: آگے بھیجے ہوئے۔ پہلے بھیجے ہوئے۔ اِفْرَاطٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور حلم و مہربانی کا بیان ہے کہ اگر وہ لوگوں کے گناہوں، نافرمانیوں اور بے جا حرکتوں پر ان کی فوری گرفت کرنے لگے اور ان کو فوری سزا دینا شروع کر دے تو زمین پر کوئی بھی جاندار چلتا پھرتا نظر نہ آئے۔ سب ہلاک ہو جائیں کیونکہ دنیا کا بڑا حصہ ظالموں اور بدکاروں کا ہے۔ جبکہ، چھوٹی موٹی خطاؤں اور قصوروں سے تو شاید ہی کوئی بچا ہو۔ سو خطاکاروں اور بدکاروں کو ہلاک کر دینے کے بعد انبیا کرام علیہم السلام کو دنیا میں بھیجنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لہذا جب نیک و بد دونوں زمین پر باقی نہ رہے تو دوسرے حیوانات کا زمین پر باقی رکھنا بھی بے سود ہو گا کیونکہ وہ سب بنی آدم کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔

بہر حال اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں بات بات پر گرفت کرنے لگے اور فوراً سزا دے تو اس دنیا کا تمام قصہ منٹوں میں پاک ہو جائے مگر وہ اپنے حلم و حکمت سے ایسا نہیں کرتا بلکہ مجرموں کو توبہ اور اصلاح کا موقع دیتا ہے۔ اس نے وقت مقررہ تک ان ظالموں کو ڈھیل اور مہلت دے رکھی ہے تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے گناہوں سے توبہ کر لیں۔ جب وہ مقررہ وقت آجائے گا تو اس میں ذرا بھی تاخیر نہ ہو گی۔

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسی باتیں تجویز کرتے ہیں جن کو وہ خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے لئے بیٹیاں پسند نہیں کرتے اور نہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک کرنا پسند کرتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں اور اس کے کاموں اور عبادت میں بتوں کو شریک بناتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ اپنی زبانوں سے جھوٹے دعوے بھی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں ہر طرح کی بھلائی انہی کے لئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بدکرداری کے سبب ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے اور بلاشبہ سب سے پہلے یہی لوگ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ (عثمانی ۷۶۳/۱، مظہری ۳۴۹، ۳۵۰/۵)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

۶۳، ۶۵ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ○

(اے رسول) اللہ کی قسم ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف قوموں میں رسول بھیجے تھے مگر شیطان نے ان کے اعمال (بد) ان کو عمدہ کر کے دکھائے۔ سو وہ آج بھی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور ہم نے آپ پر اس لئے کتاب اتاری ہے تاکہ جن چیزوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں آپ ان کو صاف صاف بیان کر دیں اور (نیز یہ کتاب) مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت (کا ذریعہ) ہے اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس نے اس (بارش کے پانی) سے مردہ ہو جانے کے بعد زمین کو زندہ کر دیا۔ بیشک اس میں سننے

والوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔

تشریح: یہاں آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ کی قوم کا آپ کو جھٹلانا کوئی انوکھی بات نہیں۔ لہٰذا آپ ان کی حرکتوں سے دلگیر اور رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی مختلف امتوں کی طرف رسول بھیجے ہیں لیکن ہمیشہ یہی ہوا کہ شیطان ملعون نے ان کے کفریہ اعمال کو ان کی نظر میں خوبصورت اور پسندیدہ بنا دیا اس لئے وہ اپنے برے اعمال کو ترک کرنے کی بجائے ان پر جمے رہے۔ مسلمانوں کی دشمنی میں شیطان آج بھی ان کفار و مشرکین کا رفیق و مددگار بنا ہوا ہے۔ وہ مشرکین کو ان کے اعمال بد اچھے اور خوبصورت بنا کر دکھا رہا ہے۔ اسی لئے وہ اپنی شرارتوں پر قائم ہیں سو جو حشر ان سے پہلے لوگوں کا ہوا وہی ان مشرکین کا ہوگا۔ یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں ان سب کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ قرآن مجید تو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ آپ دین کے ان اصول و ضوابط کو لوگوں پر پوری طرح واضح کر دیں، جن میں وہ اختلاف اور جھگڑے ڈال رہے ہیں اور بندوں پر اللہ کی حجت تمام کر دیں۔ پھر ماننا اور نہ ماننا لوگوں کا کام ہے۔ آپ کو ان کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہدایت و رہنمائی سے فائدہ اٹھانا اور رحمتِ الٰہی میں آنا صرف انہی لوگوں کا حصہ ہے جن کو ایمان کی توفیق ملے گی۔

اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ مردہ ہونے کے بعد زمین کو زندہ اور سرسبز کر دیا۔ بلاشبہ آسمان سے پانی برسانے اور اس کے ذریعہ زمین پر سبزہ اگانے میں ایسے لوگوں کے لئے جو نہایت توجہ اور انصاف سے سنتے ہیں، اس کی قدرت اور توحید کی بڑی دلیل ہے۔ (روح المعانی ۱۷۳،۱۷۵ / ۱۴، عثمانی ۷۶۵ / ۱)

چوپایوں میں عبرت کے نشان

۶۶، ۶۷۔ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ○ وَمِنْ ثَمَرٰتِ

النَّخِیۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ○

اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی ایک سبق ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو خون اور گوبر ہے اس کے درمیان میں سے خالص دودھ ہم تمہیں پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں میں بھی (تمہارے لئے عبرت ہے) جن سے تم نشہ بھی بناتے ہو اور جن کو تم عمدہ روزی بھی قرار دیتے ہو۔ بے شک عقل مندوں کے لئے اس میں بھی ایک بڑی نشانی ہے۔

فَرۡثٍ : وہ گوبر جو جانور کے پیٹ میں ہو۔ جمع فُرُوۡثٌ۔

دم : لہو، خون، جمع دِماءٌ۔

سَآئِغًا : خوش ذائقہ۔ مزے دار۔ آسانی سے حلق میں اترنے والا۔ سَوۡغٌ سے اسم فاعل۔

سَكَرًا : نشہ کی چیز۔ نیند۔ جمع اَسۡكَارٌ۔

تشریح: چوپائے جانور بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کی نشانیاں ہیں۔ ان جانوروں کے پیٹ میں جو الابلا بھری ہوئی ہوتی ہے اسی میں سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہایت خوش ذائقہ اور لطیف دودھ پلاتا ہے۔ جانوروں کے باطن میں جو خون اور گوبر وغیرہ ہے وہ اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ ان سے بچا کر تمہارے لئے نہایت خوشگوار دودھ نکالتا ہے۔ نہ اس کی سفیدی میں فرق آتا ہے اور نہ حلاوت اور ذائقے میں۔ جب جانور کا کھایا ہوا چارہ معدے میں پہنچتا ہے تو وہاں مختلف شکلیں اختیار کرتا ہے مثلاً اس کا کچھ حصہ خون بن جاتا ہے کچھ حصہ پیشاب بن کر مثانے کا راستہ اختیار کر لیتا ہے اور گوبر اپنے مخرج کی طرف جمع ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتا اور نہ وہ ایک دوسرے کو خراب اور متغیر کرتے ہیں۔ اس طرح جانور سے جو خالص دودھ حاصل ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت ہے۔

اس کے بعد ایک اور نعمت بیان فرمائی کہ تم کھجور اور انگور کے شیرے سے شراب بنا لیتے ہو اور حلال و عمدہ روزی بھی حاصل کرتے ہو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم ان

(کھجوروں اور انگور) سے شراب بناتے ہو جو حرام ہے اور دوسرے طریقوں سے ان (پھلوں) کو کھاتے پیتے ہو جو حلال ہیں۔ مثلاً کھجوروں اور انگوروں کو خشک کر کے کھانا، نبیذ اور شربت بنا کر پینا اور سرکہ بنا کر استعمال کرنا وغیرہ۔ سو جن لوگوں کو عقل جیسی نعمت دی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کو ان چیزوں اور نعمتوں سے پہچان سکتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(سورۃ یٰسٓ آیات ۳۴ تا ۳۶)

اور ہم نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ لگا دیئے اور ان میں پانی کے چشمے بنا دیئے تاکہ لوگ اس کا پھل کھائیں اور یہ ان کے اپنے بنائے ہوئے نہیں۔ کیا پھر بھی یہ لوگ شکر گزاری نہیں کریں گے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے زمین کی پیداوار میں اور خود انسانوں میں اور اس مخلوق میں جسے یہ جانتے ہی نہیں جوڑے جوڑے (مذکر و مؤنث) پیدا کر دیئے ہیں۔ (ابن کثیر ۵۷۴، ۲/۵۷۵)

شہد کی مکھی میں قدرتِ الٰہی کی نشانیاں

۶۸، ۶۹۔ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ پہاڑوں اور درختوں اور ان ٹٹیوں پر جن کو لوگ بناتے ہیں، اپنے چھتے بنائے۔ پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھائے اور اپنے رب کے راستوں میں چلے جو آسان ہیں۔ ان کے پیٹوں میں سے ایک ایسا شربت نکلتا ہے جس کے مختلف رنگ ہیں۔ اس (مشروب) میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بیشک اس میں بھی غور کرنے والوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔

اَوْحٰی: یہاں وحی کے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں کہ بات کرنے والا اپنے مخاطب کو کوئی خاص بات مخفی طور پر اس طرح سمجھا دے کہ دوسرا شخص اس بات کو نہ سمجھ سکے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۳۵۰)

النَّحْلِ: شہد کی مکھیاں، اسم جنس۔ واحد نَحْلَةٌ۔

الْجِبَالِ: پہاڑ۔ واحد جَبَلٌ۔

يَعْرِشُوْنَ: وہ چھت بناتے ہیں۔ وہ اونچا بناتے ہیں۔ عَرْشٌ سے مضارع۔

فَاسْلُكِيْ: سو تو (مونث) چل۔ سُلُوْكٌ سے امر۔

ذُلُلًا: آسان کی ہوئی۔ مسخر کی ہوئی۔ واحد ذَلُوْلٌ۔

بُطُوْنِهَا: اس (مؤنث) کے پیٹ۔ واحد بَطْنٌ۔

اَلْوَانُهٗ: اس کے رنگ، واحد لَوْنٌ۔

تشریح: شہد کی مکھی اپنی عقل و فراست اور حسنِ تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز ہے۔ اس کی فہم و فراست کا اندازہ اس کے نظام زندگی سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے جو انسانی سیاست و حکمرانی کے اصول پر چلتا ہے۔ تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے۔ ان کے عجیب و غریب نظام اور مستحکم قوانین و ضوابط کو دیکھ کر

عقل حیران رہ جاتی ہے۔

بڑی مکھی یا ملکہ اپنے قد و قامت اور وضع و قطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے اور دوسری مکھیوں کو مختلف امور پر مامور کرتی ہے۔ یہ تین ہفتوں کے عرصے میں ۶ ہزار سے ۱۲ ہزار تک انڈے دیتی ہے۔ بعض مکھیاں دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ کسی نامعلوم اور خارجی چیز کو اندر داخل نہیں ہونے دیتیں۔ بعض مکھیاں انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں اور بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں۔ بعض معماری اور انجینئرنگ کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی ہیں۔ جس سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتے ہیں۔ بعض مختلف پھلوں اور پھولوں پر بیٹھ کر ان کا رس چوستی ہیں جو ان کے پیٹ میں جاکر شہد میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ شہد ان کی اور ان کے بچوں کی غذا ہے۔ یہی شہد ہمارے لئے بھی لذت، غذا اور بیماریوں سے شفا کا ذریعہ ہے۔ مکھیوں کی یہ مختلف پارٹیاں اپنی ملکہ کے حکم پر دل وجان سے عمل کرتی ہیں۔ کوئی مکھی گندگی پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اسے باہر روک لیتے ہیں اور ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے۔ یہ ان کی حسن کارکردگی کا حیرت انگیز نظام ہے۔ جسے دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

اس آیت میں شہد کی مکھی کو تین کاموں کی ہدایت دی گئی ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مکھیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر پہاڑوں، درختوں اور بلند عمارتوں پر بنائیں تاکہ ان کے تیار کردہ شہد کو تازہ اور صاف ستھری ہوا ملتی رہے اور وہ محفوظ رہے۔

۲۔ اپنی رغبت اور پسند کے مطابق جن پھلوں اور پھولوں تک اس کی رسائی ہو ان سے رس چوسے۔ شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں سے ایسے قیمتی اجزا چوستی ہے کہ آج کے نہایت ترقی یافتہ سائنسی دور میں جدید ترین مشینوں سے بھی وہ جوہر نہیں نکالا جاسکتا،

۳۔ مکھی کو تیسری ہدایت یہ دی گئی کہ وہ پھلوں اور پھولوں کی تلاش میں اپنے رب کی آسان راہوں میں بلاخوف وخطر چلتی پھرتی رہے۔ پھلوں اور پھولوں کی تلاش میں جب یہ اپنے چھتے سے نکل کر دور دراز مقامات پر چلی جاتی ہے تو بظاہر اس کا اپنے چھتے میں واپس آنا محال لگتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے راستوں کو نہایت

آسان بنادیا ہے۔ چنانچہ وہ میلوں دور سے بغیر بھولے بھٹکے اپنے چھتے پر واپس آجاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اس کے پیٹ سے مختلف رنگ کا مشروب (شہد) نکلتا ہے جس میں لوگوں کے لے شفا ہے۔ رنگ کا اختلاف پھلوں و پھولوں اور موسم کے اختلاف کی بنا پر ہوتا ہے۔ اسی لئے کسی خاص علاقے کے شہد میں وہاں کے پھلوں اور پھولوں کا اثر و ذائقہ ہوتا ہے۔ شہد چونکہ سیال شکل میں ہوتا ہے اس لئے یہاں اس کو شراب (پینے کی چیز) کہا گیا۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ کی قطعی دلیل موجود ہے کہ ایک چھوٹے سے کیڑے کے پیٹ سے کیسا نفع بخش اور لذیذ مشروب نکلتا ہے حالانکہ وہ کیڑا خود زہریلا ہے۔
(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۳۵۰،۳۵۲ /۵)

انسانی وجود میں قدرت کی نشانیاں

۷۰۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں سے کچھ (لوگ) ایسے بھی ہیں جو نکمی عمر تک پہنچ جاتے ہیں تاکہ جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانے۔ بے شک اللہ بڑے علم (اور) قدرت والا ہے۔

تشریح: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے پانی، نباتات، چوپائے اور شہد کی مکھی کے احوال بیان فرما کر انسان کو اپنی قدرتِ کاملہ اور مخلوق کے لئے اپنے انعامات پر متنبہ کیا۔ ان آیات میں انسان کو اپنے اندرونی حالات پر غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ انسان کچھ نہ تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو وجود کی نعمت عطا فرمائی۔ پھر جب چاہا تو اس کو موت دے کر وہ (وجود کی) نعمت ختم کر دی اور بعض لوگوں کو تو موت سے پہلے ہی پیرانہ سالی کے ایسے درجے میں پہنچا دیتا ہے کہ اس کے

ہوش وحواس ٹھکانے نہیں رہتے۔ اس کے ہاتھ پاؤں کی طاقت ختم ہو جاتی ہے۔ نہ وہ کوئی بات سمجھ سکتا ہے اور نہ کوئی بات یاد رکھ سکتا ہے اور وہ ویسا ہی کمزور وناتواں ہو جاتا ہے جیسا کہ بچپن میں تھا جبکہ اس کو نہ کسی چیز کا علم اور خبر تھی اور نہ ہی فہم وفراست۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھنے والے کی یہ حالت نہیں ہوگی۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے علمِ کامل سے ہر شخص کی عمر کو جانتا اور اپنی قدرت سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اگر چاہے تو طاقت ور نوجوان پر ارذل العمر کے آثار طاری کردے اور چاہے تو سو سال کا عمر رسیدہ انسان بھی طاقتور جوان رہے۔ یہ سب کچھ اسی کے دستِ قدرت میں ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔　　　(معارف از مفتی محمد شفیع ۵۶، ۳۵۷، ۳ ۵)

ایک دوسرے کو رزق میں فضیلت

۷۱۔ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۗ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝

اور اللہ ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے سو جن لوگوں کو فضیلت دی گئی ہے وہ اپنے رزق میں سے اپنے غلاموں کو نہیں دے ڈالتے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں۔ کیا پھر بھی اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت اور ان کے کفر کو بیان فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے سب انسانوں کو رزق میں برابر نہیں کیا بلکہ بعض کو بعض پر برتری دی ہے۔ یہاں فضیلت سے مراد زیادتی ہے۔ یعنی وہ بعض کو زیادہ رزق دیتا ہے اور بعض کو کم۔ کسی کو اس نے ایسا غنی بنادیا کہ اس کے پاس ہر قسم کا ساز وسامان ہے۔ غلام اور خادم ہیں وہ خود بھی اپنی خواہش کے مطابق خرچ کرتا ہے اور اس کے غلاموں اور خدمت گاروں کو

بھی اس کے ذریعہ رزق پہنچتا ہے۔ کسی کو اتنا فقیر و محتاج بنا دیا کہ وہ اپنی ضروریات میں بھی دوسروں کا دست نگر ہے۔ کسی کو درمیانے حال میں رکھا کہ وہ اتنا غنی بھی نہیں کہ دوسروں پر خرچ کرے اور اتنا محتاج بھی نہیں کہ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کی طرف دیکھے۔

اس قدرتی تقسیم کا ایک اثر یہ ہے کہ کوئی بھی غنی آدمی اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ وہ اپنے مال کو اپنے غلاموں اور خادموں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ اس کے خادم اور غلام بھی مال کے اعتبار سے اس کے برابر ہو جائیں۔

مشرکین بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بت اور دوسری مخلوقات جن کی وہ پرستش کرتے ہیں سب اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں سو جب یہ مشرکین اپنے مملوک غلاموں اور خادموں کو اپنے برابر کرنا پسند نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کیوں پسند کرتے ہیں کہ اس کی مخلوق و مملوک چیزیں اس کے برابر ہو جائیں۔ کیا یہ اللہ کی نعمتوں کا انکار نہیں؟

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۳۵۹/ ۵، مواہب الرحمن ۱۵۳، ۱۵۴/ ۱۴)

اللہ کی ایک اور نعمت

۷۲۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝

اور اللہ نے تمہیں میں سے تمہارے لئے جوڑے (بیویاں) بنائے اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ کیا پھر بھی وہ جھوٹے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔

حَفَدَةً: پوتے۔ خدمت میں سرگرم ہونا۔ واحد حَافِدٌ۔

تشریح: اللہ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری راحت و آرام کے لئے

تمہاری ہی جنس سے تمہاری ہم شکل و ہم وضع عورتیں پیدا کر دیں اور ان عورتوں سے تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کر دیئے تاکہ تمہاری نسل باقی رہے۔ پھر اس نے پاکیزہ اور لذیذ چیزوں میں سے تمہیں رزق دیا تاکہ تمہاری زندگی قائم رہے۔ کیا توحید کے ان دلائل کے بعد بھی یہ لوگ بے حقیقت اور بے بنیاد چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں کہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ (مواہب الرحمٰن ۱۵۵،۱۵۶/ ۱۴)

بے مثال ذات

۷۳، ۷۴۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۞ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞

اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو نہ آسمان سے ان کو رزق پہنچانے کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں سے، اور نہ کچھ قدرت رکھتے ہیں۔ سو تم اللہ کے لئے مثالیں نہ گھڑو۔ بلاشبہ اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تشریح: طرح طرح کی نعمتیں اور حلال وطیب روزی دینے والی صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہے اور یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کو پوجتے ہیں جو ان کو آسمان اور زمین سے ذرہ برابر بھی رزق نہیں پہنچا سکتے اور نہ وہ آسمان سے بارش برسا سکتے ہیں اور نہ وہ کسی قسم کی قدرت رکھتے ہیں۔ پس تم اللہ کے لئے مثالیں بیان نہ کرو اور نہ کسی کو اس کا شریک و سہیم اور اس جیسا سمجھو۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ مخلوق میں اس کی مثل کوئی نہیں اور یہ کہ مثالیں کیسے بیان کی جاتی ہیں۔ تمہیں اس کا علم نہیں۔ اگر تمہیں اپنی غلطی کا علم ہوتا تو تمہیں اللہ کے لئے مثالیں بیان کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ (ابن کثیر ۵۷۸/ ۲، نسفی ۲۹۴/ ۲)

آقا اور غلام کی مثال

۷۵۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے۔ وہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب رزق دیا سو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا دونوں برابر ہیں۔ سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں آقا اور غلام کی مثال سے شرک کا ابطال فرمایا ہے کہ ایک ایسا غلام ہے جو دوسرے کا مملوک ہے اور کسی قسم کے تصرف پر قادر نہیں اور ایک وہ شخص ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے محض اپنے فضل و مہربانی سے عمدہ اور حلال روزی عطا کی ہے اور اس کو اس کا مالک اور مختار بنا دیا۔ پھر وہ ہمارے دیئے ہوئے اس خاص رزق میں سے علانیہ اور پوشیدہ طور پر ہماری راہ میں جس طرح اور جتنا چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ کیا یہ دونوں شخص برابر ہو سکتے ہیں۔ جس طرح بے اختیار غلام اپنے آقا کے برابر نہیں ہو سکتا جو صاحب اختیار ہے۔ اسی طرح بت جو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ عاجز و بے بس ہیں وہ قادر مطلق کے شریک کیسے ہو سکتے ہیں۔

اللہ ہی تمام نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے۔ اس لئے سب تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ وہی سب کا خالق و مالک اور مختار ہے۔ اس کے سوا کوئی نعمت دینے والا نہیں اس لئے کوئی دوسرا تعریف و توصیف کا مستحق نہیں۔ اکثر لوگ نادانی کی وجہ سے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو بتوں کی طرف منسوب کر کے ان کی عبادت کرنے لگتے ہیں۔ یہ نری جہالت ہے۔

دوسری مثال

۷۶۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰـهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِىْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

اور اللہ ایک اور مثال بیان کرتا ہے دو آدمیوں کی۔ان میں سے ایک تو گونگا ہے (اور) کوئی کام نہیں کر سکتا (اس لئے) وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے۔ وہ اس کو جہاں بھیجتا ہے کوئی بھلائی لے کر نہیں آتا۔ کیا وہ (گونگا) اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ خود بھی سیدھے راستے پر قائم ہے۔

اَبْكَمُ : گونگا۔بکمٌ سے صفت مشبہ۔

كَلٌّ : بوجھ،وبال۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ دو شخص ہیں۔ان میں سے ایک گونگا ہے وہ کسی بات پر قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ اپنے مالک کے لئے وبال جان ہے۔ کوئی بھی کام ٹھیک طرح نہیں کر سکتا۔ ایسا ناکارہ شخص اس مبارک اور سمجھدار آدمی کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔ جو خوب روانی سے بول سکتا ہے۔ ہر کام ٹھیک اور پورا پورا کرتا ہے۔ وہ خود سیدھی راہ پر ہے اور لوگوں کو عدل وانصاف کا حکم کرتا ہے۔ سو جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہو سکتے تو یہ گونگے بہرے بت اس مالک وحدہٗ لاشریك لہٗ کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔

کمالِ علم وقدرت

۷۷۔۷۹۔ وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا
كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○
وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ
وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ ○ اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ
مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○

اور آسمانوں اور زمین کے بھید اللہ ہی کے پاس ہیں اور قیامت کا معاملہ تو بس ایسا ہے جیسے پلک کا جھپکنا یا اس سے بھی قریب تر۔ بیشک اللہ ہی ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حالت میں) نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم شکر کرو۔ کیا انہوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا جو آسمان کی فضا میں مسخر ہیں۔ ان کو اللہ کے سوا کسی نے نہیں تھام رکھا ہے۔ بیشک اس میں بھی مومنوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

كَلَمْحِ : پلک جھپکنے کی مانند۔

جَوِّ : فضا، خلا، آسمان اور زمین کا درمیانی حصہ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور کمال قدرت کو بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں۔ خواہ وہ آسمانوں میں ہو یا زمین میں۔ قیامت بھی پوشیدہ چیزوں میں سے ہے۔ اس کا قائم کرنا اس پر ایسا

ہی آسان ہے جیسے پلک جھپکانا یا اس سے بھی آسان۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ فوراً ہو جاتا ہے اور اس میں پلک جھپکنے کے برابر بھی وقت نہیں لگتا۔

اسی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حالت میں پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں علم کے ذرائع یعنی آنکھ، کان اور سمجھنے والے دل دیئے جو بذات خود بڑی نعمتیں ہیں اور لاکھوں نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کے ذرائع ہیں۔ اگر انسان کو آنکھ، کان اور عقل وغیرہ نہ دیئے جاتے تو دنیا میں کوئی ترقیاتی کام نہ ہوتا۔ جوں جوں بچہ بڑا ہوتا ہے اس کی علمی اور عملی قوتیں بھی بتدریج بڑھتی جاتی ہیں۔ ان سب نعمتوں کا شکر یہ تھا کہ انسان ان قوتوں کو اللہ کی رضا اور اطاعت میں خرچ کرتا مگر وہ بغاوت پر کمربستہ ہو گیا اور منعم حقیقی کو چھوڑ کر اینٹ پتھروں کی پرستش کرنے لگ گیا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح انسان کو علم اور سمجھ کے ذرائع عطا کئے اسی طرح اس نے پرندوں میں بھی ان کے حالات کے مناسب فطری قوتیں ودیعت کیں جو اللہ کے حکم سے ہوا میں معلق ہیں۔ ان پرندوں کو اڑنے کی تعلیم کسی درسگاہ میں نہیں دی گئی۔ اللہ نے ان کے پر اور بازو اور دم وغیرہ کی بناوٹ ایسی رکھی ہے کہ وہ نہایت آسانی سے فضا میں اڑتے رہتے ہیں۔ ان کے بھاری جسم یا زمین کی کشش ان کے اڑنے میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ اللہ ہی نے ان کو فضا میں تھام رکھا ہے۔ بے شک اس تسخیر میں ان لوگوں کے لئے اللہ کی قدرت کی واضح نشانیاں ہیں جو ان کو دیکھ کر اس کی قدرت اور وحدانیت پر ایمان لاتے ہیں اور جو مومن نہیں وہ ان نشانیوں پر نظر نہیں کرتے۔ (عثمانی ۷۷۰، ۷۷۱/۱، مواہب الرحمٰن ۱۶۵۔ ۱۶۷/ ۱۴)

تمہاری جائے سکونت

۸۰، ۸۳۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ
جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ
وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

اور اللہ ہی نے تمہارے گھروں کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور تمہارے لئے چوپایوں کی کھال کے گھر بنائے جنہیں تم اپنے سفر اور قیام (دونوں حالتوں) میں ہلکا پاتے ہو اور ان کی اُون اور ان کے رووں اور ان کے بالوں سے بہت سا، سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مقررہ وقت تک کے لئے بنائیں اور اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے بعض کو تمہارے لئے سایہ دار بنا دیا اور تمہارے لئے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں اور تمہارے لئے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں اور کرتے (زرہیں) جو تمہیں جنگ میں محفوظ رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تاکہ تم سرِ تسلیم خم کراو۔ پھر اگر وہ اعراض کریں تو (اے رسول) آپ کے ذمے تو بس صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے۔ وہ اللہ کی نعمت پہچانتے ہیں پھر (بھی) اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔

جُلُوْدِ : جلدیں۔ کھالیں۔ چمڑے۔ واحد جِلْدٌ

تَسْتَخِفُّوْنَهَا : تم اس کو خفیف (معمولی) خیال کرتے ہو۔ تم اس کو ہلکا جانتے ہو۔ اسْتِخْفَافٌ سے مضارع۔

ظَعْنِكُمْ : تمہارا سفر کرنا۔ تمہارا کوچ کرنا۔ مصدر ہے۔

اَوْبَارِهَا : اس کی اُون۔ اس کی پشم۔ اس کی روئیں۔ اونٹ کے بال۔ واحد وَبَرٌ۔

وَاَشْعَارِهَا : ان کے بال۔ واحد شَعْرٌ۔

اَکْنَانًا : پناہ گاہیں۔ چھپنے کی جگہیں۔ واحد کِنٌّ۔

بَاْسَکُمْ : تمہاری لڑائی۔ تمہاری سختی

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا اظہار فرمایا ہے کہ اس نے بنی آدم کے رہنے سہنے اور ان کے آرام وراحت کے لئے انہیں مکان دے رکھے ہیں۔ اسی نے ان کو جانوروں کی کھال کے بنے ہوئے خیمے عطا کئے جو ہلکے پھلکے ہونے کی بنا پر سفر و قیام میں ایک جگہ سے دوسری جگہ آسانی کے ساتھ منتقل کئے جا سکتے ہیں۔ گویا نہ ان کا نصب کرنا مشکل اور نہ ان کو اکھاڑ کر دوسری جگہ لے جانا مشکل۔ پھر وہ لوگ جانوروں کی اون اور بالوں وغیرہ سے گھریلو استعمال کی چیزیں بھی بناتے ہیں۔ مثلاً مختلف قسم کی رسیاں، کپڑے، دریاں اور قالین وغیرہ۔

اللہ ہی نے تمہارے آرام وراحت اور فائدے کے لئے درختوں کے سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں مثلاً غار اور قلعے وغیرہ بنائے اور تمہارے لئے سوت، اُون اور ریشم وغیرہ کے ایسے کرتے بنائے جو تمہیں گرمی اور سردی سے اور جنگ کے دوران دشمن کے وار سے محفوظ رکھتے ہیں۔ تمہارے لے ستر پوشی اور زیب و زینت کا ذریعہ ہیں۔ جس طرح اس نے تمہیں مذکورہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے۔ اسی نے تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے اپنے رسول کو بھیجا اور اس کی تصدیق کے لئے اس کو معجزے عطا کئے اور اس پر اپنی کتاب نازل کی اور اسلام کو عزت دی تاکہ لوگوں کی اکثریت مطیع و فرماں بردار ہو جائے۔

اگر یہ لوگ قدرت کے اتنے دلائل اور نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان سے منہ پھریں تو آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ کا کام تو صرف اللہ کا پیغام واضح طور پر پہنچا دینا ہے۔ ان کے ماننے اور نہ ماننے سے آپ کا تعلق نہیں۔ یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر ان کا اقرار تو کرتے ہیں مگر پھر بھی جان بوجھ کر ان کا انکار کرتے ہیں اور اس کی نعمتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اللہ کی عبادت میں اوروں کو شریک بنا لیتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ تو ہیں ہی ناشکرے۔

(مظہری ۳۶۰، ۵/۳۶۲)

کفر و شرک کا انجام

۸۴۔۸۸۔ وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا
هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ
عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ
قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ
فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ
يَوْمَئِذِنِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ
بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝

اور (اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ہر قوم میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے۔ پھر نہ تو کافروں کو (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھیں گے تو وہ (عذاب) نہ تو ان سے ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو (کسی قسم کی) مہلت دی جائے گی اور جب مشرک اپنے شرکا کو دیکھیں گے تو کہیں گے۔ اے ہمارے رب! یہی وہ ہمارے شرکا ہیں جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پوجتے تھے۔ پھر وہ شرکا ان پر بات ڈال دیں گے کہ بلاشبہ تم جھوٹے ہو اور اس دن وہ اللہ کے سامنے سر جھکا دیں گے اور وہ (دنیا میں) جو افترا کرتے تھے وہ سب گم ہو جائیں گے اور جو لوگ (دنیا میں) خود بھی کفر کرتے تھے اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ ان کے لئے ہم عذاب پر عذاب بڑھائیں گے اس فساد کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

یُسْتَعْتَبُوْنَ: ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔ اسْتِعْتَابٌ سے مضارع مجہول۔

صَدُّوْا: انہوں نے روکا، صَدٌّ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اس حالت کا بیان ہے جو قیامت کے روز مشرکوں کو پیش آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے جو ان منکرین نعمت کے انکار کا پردہ چاک کرے گا اور ان کے کفر و شرک پر گواہی دے گا کہ اس نے ان کو اللہ کا حکم پہنچا دیا تھا۔ یہ گواہ انبیاء کرام ہوں گے جو اپنی اپنی امت کے اچھے اور برے اعمال کی گواہی دیں گے۔ انبیاء کی گواہی کے مطابق ہی ان کے بارے میں فیصلہ ہو گا اور اس وقت (گواہی کے بعد) ان کو عذر و معذرت تک کی اجازت نہ ملے گی کیونکہ ان کے پاس کوئی عذر موجود ہی نہ ہو گا اور ان کا بطلان اور جھوٹ ان پر ظاہر ہو چکا ہو گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ O وَلَا یُؤْذَنُ لَهُمْ فَیَعْتَذِرُوْنَ O

(مرسلات آیات ۳۵، ۳۶)

یہ ہے وہ دن کہ نہ وہ (کافر) بات کریں گے اور نہ ان کو عذر پیش کرنے کی اجازت دی جائے گی۔

انبیاء کرام کی گواہی کے بعد جب ان ظالم کفار و مشرکین کے حق میں عذاب کا فیصلہ ہو جائے گا اور یہ لوگ جہنم کے عذاب کو دیکھیں گے تو اس میں داخل ہونے کے بعد عذاب سے بلبلائیں گے اور عذاب میں تخفیف کی درخواست کریں گے۔ مگر ان کے عذاب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو یہ مہلت دی جائے گی کہ ان کا عذاب چند روز کی تاخیر سے شروع ہو۔ اس دن ان کے باطل معبود جن کی وہ عمر بھر عبادت اور نذر و نیاز کرتے رہے ان سے بالکل بے زار ہو جائیں گے اور ان کے ذرا کام نہ آئیں گے۔ اس وقت مشرکین ان بتوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ یہی ہیں ہمارے فرضی معبود جن کو ہم تیرے سوا پوجتے تھے۔ انہی کی وجہ سے ہم گمراہ ہوئے ورنہ ہم تو بالکل بے قصور ہیں۔ ان کے باطل معبود جواب میں کہیں گے کہ تم قطعاً جھوٹے ہو، ہم نے کب تمہیں اپنی عبادت کی دعوت دی تھی۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ہم خدا

کے شریک اور تمہارے حاجت روا ہیں اور تم ہماری پرستش کرو۔ تم تو خود ہی اپنی خواہشات کے تحت ہماری پوجا کرتے تھے۔

پھر جب یہ مشرکین اپنے معبودوں کی شفاعت سے ناامید ہو جائیں گے تو اپنے گناہ کا اقرار کر کے اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔ مگر اس وقت کی اطاعت ان کو کچھ نفع نہ دے گی اور ان کی ساری افترا پردازی جاتی رہے گی۔

یہ کفار و مشرکین دنیا میں لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے اور کفر و شرک پر آمادہ کرتے تھے۔ اس لئے یہ دوہرے عذاب کے مستحق ہیں۔ ایک عذاب تو ان کے ذاتی کفر و شرک کی بنا پر اور دوسرا عذاب ان کی اس فساد انگیزی کی پاداش میں دیا جائے گا کہ وہ دوسروں کو اسلام لانے سے روکتے تھے۔

(روح المعانی ۲۰۷۔ ۲۱۲/ ۱۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴۱، ۲۴۲/ ۴)

قیامت کے روز آنحضرت ﷺ کی گواہی

۸۹۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلَى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○

اور (وہ دن یاد کرو) جب ہم ہر امت میں سے ان کے اوپر انہی میں کا ایک گواہ لا کھڑا کریں گے اور (اے نبی) ہم آپ کو ان پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر ایک ایسی کتاب (قرآن) نازل کی ہے جو ہر چیز کو صاف صاف بیان کرتی ہے اور وہ مسلمانوں کے لے ہدایت و رحمت اور بشارت ہے۔

تشریح: قیامت کے دن جب امتیں اپنے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کریں گی اور کہیں گی کہ ہمیں اللہ کا پیغام نہیں پہنچا تو اس وقت آنحضرت ﷺ گواہی دیں گے کہ یہ کفار و منکرین

جھوٹے ہیں کیونکہ تمام انبیاء نے احکام کو صاف صاف اور اچھی طرح پہنچایا۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی فضیلت ظاہر ہو گی اور منکرین کی فضیحت ہو گی۔ اس کے علاوہ آپ کی نبوت و رسالت اور آپ کی سیادت و افضلیت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید نازل کیا جس میں تمام علوم و اصول دین صراحتاً اشارتاً یا کنایۃً موجود ہیں۔ جو چیزیں قرآن مجید میں صراحتاً مذکور نہیں ان کی تفصیل و تشریح اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے فرما دی۔ پھر فرمایا کہ یہ کتاب سارے جہان کے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھاتی ہے اور فرماں برداروں کے لے جنت کی بشارت ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴۲ / ۴)

جامع ترین آیت

۹۰۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

بیشک اللہ تمہیں عدل کرنے، احسان کرنے اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور بری بات اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

تشریح: یہ قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے۔ اسی لئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آرہا ہے کہ جمعہ و عیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا حکم دیا ہے اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ جن تین چیزوں کا حکم دیا ہے وہ یہ ہیں: ا۔ عدل، ۲۔ احسان، ۳۔ اہل قرابت کو بخشش۔

جن تین چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں۔ ا۔ فحش کام، ۲۔ ہر برا کام، ۳۔ ظلم و تعدی۔

ان سب کا شرعی مفہوم اور ان کی حدود کی تشریح یہ ہے۔

۱۔ عدل: اس کے لغوی معنی آپس کے حقوق میں برابری کرنے کے ہیں یعنی آپس کے حقوق ادا کرتے وقت ظلم کو چھوڑ دینا اور حقدار کو اس کا حق پہنچا دینا۔ اسی لئے لوگوں کے نزاعی معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا عدل کہلاتا ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (نساء، آیت ۵۸)

یہ کہ تم لوگوں کے معاملات میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

مثلاً: ابن عربی نے فرمایا کہ لفظ عدل کے اصل معنی برابری کرنے کے ہیں۔ پھر مختلف نسبتوں سے اس کا مفہوم مختلف ہو جاتا ہے۔

۱۔ اگر انسان اپنے نفس اور اپنے رب کے درمیان عدل کرے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے حق کو اپنی خواہشات پر مقدم جانے اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی ممنوعات و محرمات سے مکمل اجتناب کرے۔

۲۔ آدمی خود اپنے نفس کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے۔ یعنی اپنے نفس کو ایسی تمام چیزوں سے بچائے جن میں اس کی جسمانی یا روحانی ہلاکت ہو۔

۳۔ تمام مخلوق کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی کا معاملہ کرے۔

۴۔ جب دو فریق اپنے کسی معاملے کا محاکمہ اس کے پاس لائیں تو کسی کی طرف میلان کے بغیر حق کے مطابق فیصلہ کرے۔

۵۔ ہر معاملے میں افراط و تفریط چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرے۔

ابو عبداللہ رازی نے فرمایا کہ لفظ عدل میں عقیدے کا اعتدال، عمل کا اعتدال اور اخلاق کا اعتدال سب شامل ہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۳،۸۰۷ /۵، نسفی ۲۹۷/۲)

۲۔ احسان: اس کے لغوی معنی اچھا کرنے کے ہیں۔ مثلاً عبادت کو اچھا کرنا، اعمال و اخلاق کو اچھا کرنا، معاملات کو اچھا کرنا وغیرہ۔ احسان کا درجہ عدل سے اوپر ہے کیونکہ عدل یہ ہے کہ جس قدر دوسرے شخص کا حق کسی کے ذمے ہو وہ پورا پورا ادا کر دیا جائے اور جس قدر اس کا حق کسی کے ذمے ہو وہ پورا پورا لے لیا جائے اور احسان یہ ہے کہ دوسرے شخص کو اس کے اصل

حق سے کچھ زیادہ دے اور اس سے اپنے حق سے کچھ کم لے۔ (المفردات ۱۱۹)

حدیثِ جبریل میں رسول اللہ ﷺ نے احسان کے جو معنی بیان فرمائے ہیں وہ کیفیت کے اعتبار سے ہیں کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے، گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے یقیناً دیکھ رہا ہے۔

کمیت کے اعتبار سے احسان یہ ہے کہ فرائض کی ادائیگی میں ہونے والی کوتاہی کی تلافی نوافل وغیرہ کے ذریعہ کرے۔

احسان کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تو دوسرے شخص کے ساتھ اچھا سلوک اور عمدہ معاملہ کرے۔ اس معنی کے لئے لفظ احسان کے ساتھ حرف الی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ (سورۃ القصص آیت ۷۷)

ابن ابی حاتم نے شعبی کی روایت سے بیان کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو اس سے حسن سلوک سے پیش آئے جو تجھ سے اچھا سلوک کرے بلکہ احسان تو یہ ہے کہ تو اس سے حسن سلوک کرے جو تجھ سے بد سلوکی کرے۔ (روح المعانی ۲۱۷ ۱۴)

۳۔ اہلِ قرابت کو بخشش: رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرنا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ جو قرابت دار ضرورت مند ہوں ان کی ضرورت پوری کرنا۔ جو ان میں سے بیمار ہوں ان کی خبر گیری کرنا اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرنا۔

۴۔ فواحش کی ممانعت: جس برے فعل یا قول کی برائی واضح اور ظاہر ہو اور ہر شخص اس کو برا سمجھتا ہو اس کو فحش کہتے ہیں۔

۵۔ منکر: وہ قول و فعل جس کے حرام و ناجائز ہونے پر اہل شرع کا اتفاق ہو، منکر کہلاتا ہے۔ اس میں تمام ظاہری، باطنی، عملی اور اخلاقی گناہ داخل ہیں۔

۶۔ بغی: اس کے اصل معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد ظلم و عدوان ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اسی آیت کے سبب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایمان

لائے اور لکھا ہے کہ اگر قرآن مجید میں اس آیت کے سوا کوئی اور آیت نہ بھی ہوتی تب بھی قرآن کو تبیانا لکل شیء وھدی ورحمۃ وبشری للمحسنین کہنا صحیح ہوتا۔

(بیضاوی ۲۲۹)

بغوی نے نقل کیا ہے کہ عکرمہ نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت ولید کو سنائی تو ولید نے کہا کہ بھتیجے ذرا اس کو دوبارہ پڑھو۔ آپ نے یہ آیت دوبارہ تلاوت فرمائی تو ولید کہنے لگا کہ خدا کی قسم اس میں عجیب شیرینی اور ایک خاص حسن ہے۔ اس کا بالائی حصہ (ظاہر) ثمر آفریں اور نچلا حصہ (باطن) خوشوں سے بھرا ہوا ہے۔ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

(مظہری ۳۶۵/۵)

بد عہدی کی مثال

۹۱، ۹۲۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور جب تم اللہ سے عہد کرو تو اسے پورا کرو اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد توڑا نہ کرو حالانکہ تم اللہ کو اپنا ضامن بھی بنا چکے ہو۔ بلا شبہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جانا جس نے اپنا محنت سے کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ (اس کی طرح) تم (بھی) اپنی قسموں کو فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو تاکہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔ بیشک اللہ اس سے تمہاری آزمائش کرتا

ہے اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو، قیامت کے روز اس کو ضرور ظاہر کرے گا۔

اَوْفُوْا: تم پورا کرو۔ اِیْفَاءٌ سے امر۔

تَنْقُضُوا: تم توڑتے ہو۔ نَقْضٌ سے مضارع۔

غَزْلَهَا: اس عورت کا کاتا ہوا۔ اس کا سوت۔ مصدر بمعنی مفعول۔

اَنْكَاثًا: ریزہ ریزہ۔ ٹکڑے ٹکڑے۔ واحد نِكْثٌ۔

اَرْبٰى: زیادہ بڑھی ہوئی۔ زیادہ چڑھی ہوئی۔ رَبَاءٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: ان آیتوں میں عہد پورا کرنے کی تاکید اور بد عہدی کی ممانعت بیان کی گئی ہے کہ تم اللہ کا نام لے کر اور قسمیں کھا کر جو معاہدے کرتے ہو ان کو اللہ کے نام کی حرمت کا لحاظ رکھتے ہوئے پورا کرو بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہوں۔ جب کوئی مسلمان اللہ کے نام اور قسم سے معاہدے کو پختہ کرتا ہے تو گویا وہ اس معاملے میں اللہ کو گواہ یا ضامن بناتا ہے۔ اس لئے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عہد کو ہر حال میں پورا کرے۔ خواہ اس کو اس میں کتنی ہی مشکلات اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اگر کسی مسلمان نے خیانت اور بد عہدی کی تو اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط کی بنا پر اس کو اس کی پوری پوری سزا دے گا کیونکہ اس کی کھلی یا پوشیدہ دغابازی اور بد عہدی اس سے مخفی نہیں۔

عہد پختہ کرنے کے بعد توڑ ڈالنا ایسی حماقت ہے جیسے کوئی عورت دن بھر سوت کاتے، پھر شام کے وقت اپنا کتا کتایا سوت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ مکہ میں ایک دیوانی عورت ایسا ہی کیا کرتی تھی۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدوں کو محض کچے دھاگے کی طرح سمجھ لینا کہ جب چاہا کات لیا اور جب چاہا بے تکلفی سے توڑ ڈالا، سخت ناعاقبت اندیشی اور دیوانگی ہے۔

پھر فرمایا کہ تم اہل جاہلیت کی طرح اپنی قسموں اور معاہدوں کو دغا، فریب، مکاری اور حیلہ سازی کا آلہ مت بناؤ۔ اہل جاہلیت اپنے سے طاقتور جماعت کو دیکھ کر اس سے معاہدہ کر لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد اگر پہلی جماعت سے زیادہ معزز اور طاقتور کوئی دوسری جماعت سامنے آتی تو فوراً پہلی جماعت سے معاہدہ توڑ کر دوسری جماعت سے معاہدہ کر لیتے۔ پھر فرمایا

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری آزمائش اور امتحان کے لئے بعض قوموں کو قوی اور بعض کو ضعیف بنایا ہے۔ وہ بعض کو بلند کرتا ہے اور بعض کو نیچے گراتا ہے۔ اسی طرح عہد پورا کرنے کا حکم دینے میں بھی تمہاری آزمائش ہے تاکہ پتہ چل جائے کہ اپنا عہد پورا کرنے میں کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون عہد شکنی کرتا ہے۔

جن امور میں تم دنیا میں اختلاف کرتے ہو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کا فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ جن لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا ان کو ثواب اور جن لوگوں نے عہد شکنی کی ہوگی ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

(عثمانی ۶۷۷/۱، مواہب الرحمٰن ۱۸۷۔۱۹۱/۱۴)

مشیتِ خداوندی

۹۳، ۹۶۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے (ہدایت سے محروم کر دیتا ہے) اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم سے تمہارے اعمال کی ضرور باز پرس ہوگی اور تم اپنی قسموں کو آپس میں دھوکہ دینے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ کہیں جمنے کے بعد

قدم اکھڑ نہ جائیں اور تمہیں اللہ کی راہ سے روکنے کا مزہ چکھنا پڑے اور
تمہیں سخت عذاب ہو اور تم اللہ کے عہد کے بدلے (دنیا کا) تھوڑا سا
فائدہ حاصل نہ کرو۔ بیشک جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے حق
میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا
اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور ہم صبر کرنے والوں
کو ان کے اچھے کاموں کا ضرور بدلہ دیں گے۔

دخلاً: دخل دینے کا بہانہ، دھوکا، فساد۔ مصدر ہے۔

صددتُم: تم نے روک لیا۔ تم نے باز رکھا۔ صدٌّ سے ماضی۔

ینفدُ: وہ ختم ہو جائے گا۔ وہ تمام ہو جائے گا۔ نفادٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اگر وہ چاہے تو سب لوگوں کو ایک ہی دین یعنی اسلام پر متفق کرے اور ان میں آپس میں کوئی اختلاف نہ رہے مگر وہ اپنی حکمت و مشیت سے جس کو چاہتا ہے ہدایت سے محروم کر دیتا اور جس کو چاہتا ہے ایمان وخیر کی توفیق دے کر سیدھے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ ہدایت و گمراہی سب اسی کے اختیار میں ہے۔ قیامت کے روز وہ سب لوگوں سے ان کے ہر چھوٹے بڑے اور نیک و بد عمل کے بارے میں پوچھے گا اور ان کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا۔

پھر مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم اپنی قسموں اور عہد و پیمان کو آپس میں فریب دہی اور فساد ڈالنے کا ذریعہ بنا کر راہِ راست سے نہ ہٹو کیونکہ استقامت کے بعد سیدھی راہ سے ہٹنا بہت برا ہے۔ تمہاری عہد شکنی کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کو دین پر اعتماد نہیں رہے گا اور وہ اسلام قبول کرنے سے رک جائیں گے اور تمہارا یہ عمل لوگوں کو راہِ خدا سے روکنے کا سبب بنے گا۔ جس کے نتیجے میں دنیا میں بھی تمہیں مصیبت اٹھانی پڑے گی اور آخرت میں بھی بہت بڑے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

تم دنیا کے تھوڑے سے مال کے لالچ میں اللہ اور اس کے رسول سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو نہ توڑو۔ بلاشبہ جو اجر و ثواب عہد پورا کرنے کی صورت میں تمہیں ملے گا وہ اس مال

ومتاع سے کہیں بہتر ہے جو عہد شکنی پر تمہیں حاصل ہو گا۔ جو کچھ دنیاوی مال ومتاع تمہارے پاس ہے خواہ وہ کتنی ہی بڑی مقدار میں ہو وہ سب فنا ہو جائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔

جن لوگوں نے ایفائے عہد اور دوسرے احکام دین کی بجا آوری میں دنیا میں تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں اور ان پر صبر کیا اور ثابت قدم رہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے صبر کی بنا پر ان کے اعمال کا نہایت اعلیٰ صلہ عطا فرمائے گا جو ان کے اعمال کے مقررہ اجر سے بہت زیادہ ہو گا۔ (ابن کثیر ۵۸۵/ ۲، مظہری ۳۶۷، ۳۶۸/ ۵)

حیاتِ طیبہ

۹۷۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○

جو شخص بھی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم (دنیا میں بھی) اس کی اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) ان کے کاموں کا ضرور عمدہ بدلہ (پورا پورا بدلہ) دیں گے۔

تشریح: اگر کوئی مومن نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تو ہم اس کو دنیا میں بالطف زندگی عطا کریں گے۔ اس آیت میں ایمان کی شرط اس لئے لگائی کہ کافر کسی ثواب کے مستحق نہیں خواہ وہ خالص نیت کے ساتھ کتنے ہی اچھے اعمال کریں۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک ثواب کا مدار رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اچھے عمل پر ہے اور کافروں کی نیکیوں میں اللہ کی رضا کا تصور ہی نہیں ہوتا۔

یہاں حیات طیبہ سے مراد دنیا کی پاکیزہ اور بالطف زندگی ہے۔ سعید بن جبیر کے نزدیک حیات طیبہ سے مراد رزقِ حلال ہے اور حسنؒ کے نزدیک قناعت ہے۔ مقاتل بن حبانؒ نے کہا کہ طاعت میں زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے۔ (مظہری ۳۶۸، ۳۶۹/ ۵)

بیضاوی نے کہا کہ پاکیزہ زندگی گزارنا حیات طیبہ ہے کیونکہ پاکیزہ زندگی گزارنے والا اگر مالدار اور فراخ حال ہے تو ظاہر ہے اس کی دنیوی زندگی پاکیزہ ہوگی اور اگر تنگدست ہے تو ظاہر ہے قناعت سے کام لے گا۔ تقسیم خداوندی پر راضی ہوگا اور آخرت میں اجر عظیم ملنے کا امیدوار ہوگا۔ اس طرح اس کی زندگی خوش عیشی کے ساتھ گزرے گی۔ کافر کی زندگی اس کے برعکس ہوتی ہے۔ اگر وہ تنگدست ہے تو اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور اگر وہ مالدار ہے تو اس کو اپنی موجودہ دولت کے زوال کا اندیشہ رہتا ہے اور ہر وقت حرص میں گرفتار رہتا ہے اور اس کی وجہ سے خوش عیش زندگی نہیں گزار سکتا۔ (بیضاوی ۲۳۰)

پھر فرمایا کہ آخرت میں بھی ہم ان کو ان کے اچھے اعمال کا بہترین اجر و ثواب عطا کریں گے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر ظلم نہیں کرتا بلکہ اس کی نیکی کا بدلہ دنیا میں عطا فرماتا ہے اور آخرت کی نیکیاں بھی اسے عطا فرماتا ہے۔ البتہ کافر اپنی نیکیاں دنیا میں ہی کھا لیتا ہے۔ آخرت کے لئے اس کے ہاتھ کوئی نیکی باقی نہیں رہتی۔ (ابن کثیر ۵۸۵/۲)

تلاوتِ قرآن کا ادب

۹۸، ۱۰۰۔ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ O اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ O اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ O

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ قرآن پڑھنا چاہیں تو شیطان مردود (کے شر) سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ یقیناً شیطان کا زور ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ یقیناً اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو دوست رکھتے ہیں

اور اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

اِسْتَعِذْ : تو پناہ مانگ۔اِسْتِعَاذَۃٌ سے امر۔

الرَّجِیْمِ : دھتکارا ہوا۔ مردود۔ ملعون۔ رَجْمٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

سُلْطٰنٌ : اقتدار۔ قوت۔ دلیل۔ غلبہ۔ جمع سلاطین

تشریح: مومن کے لئے تلاوت قرآن کریم بہترین کام ہے۔ شیطان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح لوگوں کو نیک کاموں سے روکنے میں کامیاب رہے خاص طور پر قرآن مجید کی تلاوت جیسے کام کو جو تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے وہ کب گوارا کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فرمایا کہ تم تلاوت قرآن کرنے سے پہلے اعوذ باللّٰہ پڑھ لیا کرو یعنی تلاوت قرآن مجید سے پہلے شیطان مردود کے شر سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو کیونکہ استعاذہ (طلب پناہ) عمل صالح بھی ہے اور شیطان سے محفوظ رہنے کا ذریعہ بھی۔ استعاذہ کا یہ حکم فرضیت کے طور پر نہیں ہے۔ ابن جریر وغیرہ نے اسی پر اجماع نقل کیا ہے۔ اس حکم کی مصلحت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا خلط ملط ہو جانے، غور وفکر سے رک جانے اور شیطانی وسوسوں کے آنے سے بچ جائے۔

پھر فرمایا کہ اللہ پر کامل بھروسہ کرنے والے مومنوں کو شیطان ایسے گناہوں میں مبتلا نہیں کر سکتا جن سے وہ توبہ ہی نہ کریں۔ ان کے سامنے شیطان مردود کی کوئی حجت نہیں چل سکتی۔ بلاشبہ شیطان کا زور تو صرف انہی لوگوں پر چلتا ہے جو از خود اسے اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کے کہنے پر چلتے ہیں اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی عبادتوں میں شریک کرنے لگتے ہیں۔ (ابن کثیر ۵۸۶/ ۲، عثمانی ۷۷۸/ ۱)

مشرکین کی کم عقلی اور بے یقینی

۱۰۱،۱۰۲۔ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ
اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ

مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں حالانکہ اللہ جو کچھ نازل کرتا ہے اس (کی مصلحتوں) کو وہی خوب جانتا ہے۔ (تو اے رسول ﷺ) وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ افترا کرنے والے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اس کو تو روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق (سچائی) کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ جو لوگ ایمان لاچکے ان کو ثابت (قدم) رکھے اور فرماں برداروں کے حق میں ہدایت و خوش خبری (ثابت) ہو،

تشریح: یہاں مشرکوں کی کم عقلی اور بے یقینی بیان کی گئی ہے کہ ان کو ایمان نہیں نصیب ہو سکتا۔ یہ تو ازلی بدنصیب ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت یا ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم نازل کرتا ہے تو یہ کافر آنحضرت ﷺ کو مفتری بتاتے اور کہتے ہیں کہ یہ تو اپنی طرف سے حکم بنا کر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے وہ ایک حکم نازل کرے اور پھر اسے منسوخ کر دے۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جو حکم نازل کرتا ہے وہ اس کی حکمت و مصلحت سے خوب واقف ہے۔ جس وقت جس حکم کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس وقت وہی حکم دیتا ہے، جیسے طبیب مریض کے حال کے مطابق نسخہ تجویز کرتا ہے۔ مثلاً طبیب ایک مریض کو منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ چند روز کے استعمال کے بعد اگر طبیب منضج بند کر کے مسہل تجویز کرے تو اسے طبیب کی کم علمی یا بے خبری پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ جو شخص طبیب کو کم علم سمجھے گا وہ خود جاہل اور بے خبر کہلائے گا۔

پھر فرمایا کہ آپ ہرگز مفتری نہیں بلکہ ان کافروں میں سے اکثر جاہل اور نادان ہیں جو احکام منسوخ کرنے کی حکمت و مصلحت کو نہیں سمجھتے۔ آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ یہ میرا کلام نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا کلام اور اس کا پیغام ہے جس کو حضرت جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ

کی طرف سے حقانیت و صداقت اور عدل و انصاف کے ساتھ لے کر آپ کی طرف آتے ہیں تاکہ ایماندار لوگ ثابت قدم رہیں اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و خوش خبری کا ذریعہ ہو جائے۔ اس میں افترا اور کذب کو دخل نہیں۔ یہ ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ تم اس کی مثل ایک چھوٹی سی آیت لانے سے بھی عاجز ہو۔

(ابن کثیر ۵۸۶/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۳/ ۴)

مشرکین کا ایک احمقانہ اعتراض

۱۰۳۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ط لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ O

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو تو ایک آدمی سکھاتا ہے حالانکہ جس کی طرف یہ (منکرین) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ (قرآن) صاف (فصیح) عربی ہے۔

يُلْحِدُوْنَ : وہ توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں۔ وہ حق سے پھرتے ہیں۔ وہ نسبت کرتے ہیں۔ اِلْحَادٌ سے مضارع۔

اَعْجَمِيٌّ : عجمی۔ غیر عرب۔

تشریح: تحقیق ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قرآن نہ تو اللہ کا کلام ہے اور نہ کوئی فرشتہ اس کو لے کر نازل ہوا بلکہ محمد ﷺ کو قرآن تو ایک آدمی سکھاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جس شخص کے بارے میں مشرکین یہ کہتے تھے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو قرآن مجید سکھاتا ہے اس کی تعین میں علما کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مکہ میں ایک عیسائی عجمی غلام تھا جو لوہار تھا اور اس کا نام بلعام تھا۔ آپ اس کے پاس آتے جاتے تھے۔ اس لئے مشرکوں نے اس کے بارے میں مشہور کر دیا کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ عکرمہؒ نے کہا کہ

بنی مغیرہ کا یعیش نامی ایک غلام تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو قرآن سکھاتے تھے۔ قریش نے یعیش کی طرف منسوب کر دیا کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے۔ عبداللہ بن مسلم حضرمیؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دو نصرانی غلام تھے جو یمن کے رہنے والے تھے ان میں سے ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جبر تھا۔ یسار کی کنیت ابو فکیہہ تھی دونوں مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے۔ اور انجیل پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ ان کی طرف سے گزرتے تو آپ وہاں ٹھہر کر ان کو انجیل پڑھتے ہوئے سنتے اس پر شرکوں نے کہا کہ آپ ان سے سیکھتے ہیں۔ یہ دونوں صحیح عربی بولنے پر بھی قادر نہ تھے اور ٹوٹی پھوٹی زبان میں بہت مشکل سے اپنا مطلب ادا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ جس شخص کی طرف یہ منکرین نسبت کرتے ہیں کہ وہ آپ کو قرآن سکھاتا ہے، وہ تو عجمی آدمی ہے۔ وہ تو خود عربی زبان میں گفتگو بھی نہیں کر سکتا وہ کسی کو کیا سکھائے گا۔ قرآن تو نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے کوئی عجمی اس کی تعلیم کیسے دے سکتا ہے۔ اگر مشرکوں کو ذرا سی بھی عقل ہوتی تو وہ ایسا جھوٹ کبھی نہ بکتے۔ جس پر کوئی بیوقوف آدمی بھی یقین نہ کرے۔ (روح المعانی ۲۳۳ / ۱۴، مظہری ۳۷۴ / ۵)

منکرین کا انجام

۱۰۴، ۱۰۵۔ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○

بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اللہ بھی ان کو ہدایت نہیں دیتا اور (آخرت میں) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بیشک افترا کرنے والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور (درحقیقت) وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور واضح دلائل کے باوجود ان کی تصدیق نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کو دنیا میں سیدھا راستہ نہیں دکھاتا اور نہ ان کو دین حق کی توفیق دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں نہایت دردناک عذاب دیا جائے گا۔ بیشک آپ اللہ پر جھوٹ اور افترا باندھنے والے نہیں بلکہ مفتری اور جھوٹ بولنے والے وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ حقیقت میں یہی لوگ جھوٹے اور کاذب ہیں۔ روم کے بادشاہ ہرقل نے آنحضرت ﷺ کے بارے میں ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے (آپ کے اسلام لانے سے قبل) بہت سے سوال کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ نبوت کے دعوے سے پہلے کبھی تم نے ان کا جھوٹ بھی دیکھا ہے۔ ابو سفیان نے جواب دیا کہ کبھی نہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا کہ جس شخص نے دنیوی معاملات میں لوگوں کے بارے میں کبھی جھوٹ کی گندگی سے اپنی زبان کو آلودہ نہ کیا ہو وہ خدا پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے۔ (بخاری ۷/۱)

مرتد کا انجام

۱۰۹،۱۰۶۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ○ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○

جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کا انکار کرے، سوائے اس کے کہ جس پر زبردستی کی گئی ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ وہ جو دل کھول کر کفر کرے تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب

ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا اور یہ کہ اللہ (ایسی) کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور یہی لوگ (انجام سے) غافل ہیں۔ ظاہر ہے آخرت میں (بھی) یہی لوگ خسارہ میں رہیں گے۔

اُکْرِہَ: اس پر جبر کیا گیا۔ اس پر زبردستی کی گئی۔ اِکْرَاہٌ سے ماضی مجہول۔

طَبَعَ: اس نے مہر کی۔ اس نے بندش لگائی۔ طَبْعٌ سے ماضی۔

جَرَمَ: شک۔ شبہ

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول عمار بن یاسرؓ کے حق میں ہوا۔ مشرکوں نے عمارؓ کو، ان کے باپ یاسرؓ کو، ان کی ماں سمیہؓ کو اور صہیبؓ وبلالؓ وخبیبؓ وسالمؓ کو پکڑ کر سخت ترین جسمانی دکھ دیئے۔ حضرت سمیہؓ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا۔ (ایک ٹانگ ایک اونٹ سے اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے) اور شرم گاہ میں ایک چھوٹا نیزہ مار دیا۔ حضرت یاسرؓ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اسلام میں سب سے پہلے یہی دونوں شہید ہوئے۔ عمارؓ نے بحالت مجبوری زبان سے وہ بات کہدی جو مشرکین چاہتے تھے۔ مگر ان کے دل کو یہ گوارا نہ تھا۔ کسی نے جاکر رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع کر دی کہ عمار کافر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ عمارؓ کے اندر تو چوٹی سے قدم تک ایمان بھرا ہوا ہے۔ اس کے خون اور گوشت میں ایمان سرایت کر گیا ہے۔

پھر عمارؓ روتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عمارؓ کی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے فرمایا کہ کیا ہوا تجھے۔ اگر وہ تمہارے ساتھ دوبارہ ایسی حرکت کریں تو تم بھی ان کے لئے (یہ الفاظ) دوبارہ لوٹا سکتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۲۳۷/ ۱۴، مظہری ۳۷۶/ ۵)

تشریح: ان آیتوں میں مرتد کے عذاب اور اس کی سزا کا بیان ہے۔ مگر اس عذاب سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو مجبوری کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے محض زبان سے کلمۂ کفر کہہ

دے اور اس کا دل ایمان پر قائم و ثابت رہے۔ ایسے شخص پر کوئی گناہ نہیں۔ صحابہ کرام کے بارے میں کچھ ایسے واقعات ملتے ہیں کہ بعض نے تو جان دے دی مگر زبان سے کفر کا کلمہ نہ نکالا اور عزیمت پر عمل کیا۔ بعض نے رخصت پر عمل کرتے ہوئے زبان سے تو کفر کا کلمہ کہہ دیا مگر دل سے ایمان پر قائم رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد دل کھول کر اللہ کا کفر کرے اور دل سے اس پر راضی ہو جائے تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہو گا اور ان کے لئے عذاب عظیم تیار ہے۔ البتہ جن لوگوں پر کفر کرنے کے لئے جبر اور زبردستی کی جائے اور وہ مجبوری کی حالت میں زبان سے تو کفریہ کلمات کہدیں اور دل ایمان پر ثابت و قائم ہو اور اس میں کسی قسم کا تذبذب و تردد نہ ہو تو ایسے لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔

جو لوگ اللہ پر ایمان لانے کے بعد مرتد ہو گئے ان پر اللہ کا غضب اور عذاب اس لئے ہو گا کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دینوی زندگی کو پسند کیا اور محبوب رکھا۔ چونکہ یہ لوگ دیدہ و دانستہ گمراہی کے راستے پر چلے اس لئے اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی بلکہ اس نے ایسے لوگوں کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر کر دی۔ اب یہ لوگ نہ تو حق کو حق سمجھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں۔ سو یہ لوگ حق سے بالکل غافل اور بے خبر ہیں۔ لامحالہ یہی لوگ آخرت میں بھی بڑے خسارے میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی عمروں کو ضائع کر دیا اور کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو ان کو عذاب الٰہی سے بچا سکے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۵ / ۴)

مغفرت و رحمت کے مستحق

۱۱۰، ۱۱۱۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

پھر بیشک آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے مصیبت اٹھانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور (مصائب پر) صبر سے کام لیا۔ بیشک آپ کا رب ان (اعمال) کے بعد بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔ جس دن ہر شخص اپنے ہی لئے جھگڑتا ہوا آئے گا اور (اس دن) ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کیا جائے گا۔

شانِ نزول: اس آیت کے شان نزول میں مختلف روایتیں ہیں مثلاً:

ابن سعدؒ نے طبقات میں عمران بن حاکم کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ایسی شدید تکلیفیں دی جاتی تھیں کہ وہ بالکل حواس باختہ ہو جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں اور کیا کریں۔ یہی حال حضرت صہیب، حضرت ابو فکیہہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہم وغیرہ کا تھا۔ انہی حضرات کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۳۸۲/۵)

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول ابو جہل کے رضاعی بھائی عیاش بن ابی ربیعہ، ابو جندل بن سہل بن عمرو، ولید بن ولید بن مغیرہ، سلمہ بن ہشام اور عبید اللہ بن اسید ثقفی رضی اللہ عنہم کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے ان کو سخت تکلیفیں دی تھیں۔ پھر یہ لوگ ہجرت کر کے مدینے چلے گئے۔　　(روح المعانی ۲۴۰/۱۴، مظہری ۳۸۲/۵)

حسن بصریؒ اور عکرمہؒ نے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق ہوا جو رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا۔ پھر مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور کافر [illegible]۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ عبداللہ چونکہ حضرت عثمان بن عفانؓ کا اخیافی (ماں شریک بھائی) تھا۔ اس لئے اس نے حضرت عثمانؓ سے پناہ کی درخواست کی۔ حضرت عثمان نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کر دی اور آپ نے اس کو پناہ دے دی۔ اس کے بعد وہ پکا مسلمان ہو گیا۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۲۴۰/۱۴، مظہری ۳۸۲/۵)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں غافلین کا انجام بیان کیا گیا۔ ان آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے غضب اور عذاب کی بجائے اس کی رضا ورحمت کی مستحق بنے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کو مکہ میں ان کی قوم اسلام سے روکنے کے لئے طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں مبتلا رکھتی تھی اور ان کو زنجیروں میں باندھ کر عین دوپہر کے وقت تپتے ہوئے پتھروں اور دہکتے ہوئے انگاروں پر لیٹا دیتی تھی۔ پھر ظلم وستم سے مجبور ہو کر انہوں نے اپنا ایمان بچانے کے لئے اپنا گھر بار، مال ومتاع اور اہل وعیال سب کچھ چھوڑ کر نہ صرف ہجرت کی بلکہ اللہ کی راہ میں اپنی قوم کے کافروں سے جہاد بھی کیا تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر ذلیل وخوار ہو۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اللہ کی راہ میں پیش آنے والی تکلیفوں اور مصیبتوں پر صبر کیا اور اسلام پر ثابت قدم رہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے بخش دیا۔

اس بخشش ورحمت کا ظہور اگرچہ آدمی کی موت کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا تھا۔ مگر حقیقی طور پر قیامت کے دن ہوگا جب کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا۔ باپ، بیٹا، بیوی، بیٹی سب اپنی اپنی فکر میں ہوں گے۔ ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی ہی پڑی ہوگی اور اپنی رہائی کے لئے جھوٹے سچے عذر کرے گا۔ لیکن اس کی یہ ساری عذر ومعذرت بے سود ہوگی اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ذرا بھی ظلم وزیادتی نہ ہوگی۔

(مواہب الرحمٰن ۲۱۳، ۲۱۴ / ۱۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۶ / ۴)

ابن جریرؒ نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کہ ساتویں زمین سے لایا جائے گا۔ اس کی ایک ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے پکڑ کر کھینچیں گے۔ جب دوزخ لوگوں سے ایک ہزار سال کی مسافت پر رہ جائے گی تو ایک سانس کھینچے گی جس کی وجہ سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانوں بیٹھ کر عرض کرے گا۔ اے میرے مالک! میری جان (بچادے)۔　　(مظہری ۳۸۲، ۳۸۳ / ۵)

ایک بستی کی مثال

۱۱۲، ۱۱۳۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ○ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ○

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن واطمینان سے تھی۔ اس کا رزق بھی فراغت کے ساتھ ہر طرف سے اس کے پاس پہنچ رہا تھا، پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی سو اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھادیا اور ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول (بھی) آیا مگر انہوں نے اس کو بھی جھٹلایا سو ان کو عذاب الٰہی نے آپکڑا اور وہ واقعی ظالم تھے۔

قَرْيَةً: بستی، آبادی۔ یہاں اس سے مراد ایک مفروضہ بستی ہے جس کو مثال کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی بستی گزری بھی ہو۔ جس کا ذکر اللہ نے مکہ کی تشبیہ دینے کے لئے کیا ہے تاکہ اہل مکہ کو ان کے برے انجام کا تذکرہ پڑھ کر عبرت حاصل ہو۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ قریہ سے مراد مکہ کی بستی ہے۔ (مظہری ۳۸۴ / ۵)

رَغَدًا: جی بھر کر۔ خوب اچھی طرح۔ بافراغت۔ مصدر ہے۔

تشریح: جمہور مفسرین کے نزدیک آیت کا نزول اہل مکہ کے حق میں ہوا ہے کیونکہ مکہ شہر مامون ومطمئن تھا۔ حتیٰ کہ لوگ اس کے گرد وپیش سے پکڑے جاتے تھے۔ مگر جو حرم میں داخل ہو جاتا اس کو کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔

عام عرب آبادی کو ہر وقت دشمن کے حملے کا خطرہ رہتا تھا اور ان کے پاس غذائی

اشیاء کی قلت رہتی تھی۔ اس لئے وہ زیادہ تر خانہ بدوش رہتے تھے۔ مگر اہل مکہ کی یہ حالت نہ تھی۔ وہ ہر قسم کی لوٹ مار اور غارت گری سے محفوظ تھے اور آسودہ حال تھے۔ ان کے پاس ہر طرف اور ہر جگہ سے کھانے پینے کی اشیاء پہنچتی رہتی تھیں پھر جب اس بستی کے رہنے والوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے امن اور رزق کی وسعت کو بھوک اور خوف سے بدل دیا۔ بھوک اور خوف ان کو ہر طرف سے اس طرح لپٹ گئے جیسے آدمی کا لباس اس کو ہر طرف سے ڈھانپ لیتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہوا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ پر بہت سے انعاموں میں سے ایک عظیم انعام یہ فرمایا کہ ان کے پاس انہی میں سے اللہ کا ایک رسول آیا جس کے حسب و نسب اور امانت و صداقت سے وہ خوب واقف تھے۔ سو انہوں نے اس رسول کو بھی جھٹلایا۔ تب ان کو بھوک اور خوف کے عذاب نے اس حال میں آ پکڑا کہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمربستہ تھے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۱۵، ۲۱۶/ ۱۴، روح المعانی ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴/ ۱۴)

اکلِ حلال کا حکم

۱۱۴۔۱۱۷۔ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلاً طَيِّبًا ۖ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ○ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ
وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ
وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ
اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ
الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○
مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

سو اللہ نے جو تمہیں حلال و طیب روزی دی ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔ بیشک اللہ نے تم پر

(صرف) مُردار اور خون اور سُور کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ چیز بھی جن پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ پھر اگر کوئی بھوک کے مارے بے تاب ہو جائے اور وہ حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو اور نہ وہ زیادتی کرنے والا ہو (ایسی حالت میں اگر وہ ان چیزوں کو کھا بھی لے) تو اللہ بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے، اور اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر نہ کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے۔ کہ (اس طرح) تم اللہ پر بہتان باندھنے لگو۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (ان افترا پردازیوں کا) تھوڑا سا فائدہ (دنیا میں) اٹھا لیں اور (مرنے کے بعد) ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

الدَّمَ: لہو، خون، جمع دِمَاءٌ۔

اضْطُرَّ: وہ بے بس ہو گیا۔ وہ بے تاب ہو گیا۔ اِضْطِرَارٌ سے ماضی مجہول۔

عَادٍ: حد سے تجاوز کرنے والا۔ زیادتی کرنے والا۔ عَدْوٌ و عُدْوَانٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جمہور مفسرین کے مطابق اللہ نے یہاں اہل ایمان کو مخاطب کر کے حلال و طیب چیزوں کو کھانے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ جن لوگوں کو سابقہ آیت میں خطاب کیا تھا۔ اس آیت میں بھی انہیں کو خطاب ہے۔

پس اے مسلمانو! تم کفر و شرک سے دور رہو اور ان معاندین و منکرین کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہم نے جو حلال اور پاک روزی تمہیں دی ہے اسے خوب شوق سے کھاؤ پیو اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو جس کے نتیجے میں اللہ تمہیں اور زیادہ نعمتیں دے گا۔ اگر تم خالص اللہ کا بندہ بننا چاہتے ہو تو اسی کے حکموں پر چلو، اس نے جس چیز کو تمہارے لئے حلال کر دیا اس کو خوب ذوق و شوق سے کھاؤ اور جس چیز کو اس نے حرام قرار دے دیا اس کے قریب بھی نہ جاؤ اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہ ٹھہراؤ۔

پھر فرمایا کہ اللہ نے تمہارے لئے چار چیزیں حرام کی ہیں ان کو نہ کھاؤ۔ ۱۔ مردار، ۲۔ خون، ۳۔ سور کا گوشت اور ۴۔ وہ جانور جو غیر اللہ یعنی بتوں وغیرہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ جو

شخص بھوک اور فاقے سے مجبور و بے قرار ہو کر ان چاروں حرام چیزوں میں سے بقدر حاجت (اپنی جان بچانے کے لئے) کھالے بشرطیکہ وہ حد سے تجاوز نہ کرے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور سرکشی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

کسی شرعی سند کے بغیر کسی چیز کے بارے میں بغیر سوچے سمجھے یہ کہہ دینا کہ یہ حلال ہے یا حرام بڑی سخت جسارت اور کذب وافتراء ہے۔ حلال و حرام تو وہی ہے جسے اللہ نے حلال یا حرام کیا ہے۔ اگر کوئی شخص محض اپنی رائے سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتا ہے اور پھر اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتا ہے تو حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتا ہے۔ بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہ پائیں گے۔ نہ دنیا میں نہ دین میں۔ یہ لوگ تھوڑے دن اور دنیا کے مزے اڑا لیں۔ اس کے بعد آخرت میں تو ان کے لئے دردناک عذاب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ (مواہب الرحمٰن ۲۱۹، ۲۲۲ / ۱۴، عثمانی ۷۸۴ /۱)

یہود پر حرام کی گئی اشیا کا ذکر

۱۱۸، ۱۱۹۔ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

اور ہم نے (صرف) یہودیوں پر وہ چیزیں حرام کی تھیں جو ہم اس سے پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ پھر بے شک جو لوگ جہالت کی بنا پر برے کام کرتے رہے پھر اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی اور انہوں نے (اپنی) اصلاح کر لی تو بیشک اس کے بعد آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا (اور) بڑا رحمت کرنے والا ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے جو پاکیزہ چیزیں یہود کی سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر ان پر حرام کر دی تھیں وہ ہم آپ کو پہلے ہی بتا چکے ہیں۔ سورۂ انعام کی آیت وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ (آیت ۱۴۶) میں ان حرام چیزوں کا ذکر ہو چکا ہے۔ یعنی یہود کی شرارتوں کی وجہ سے ہم نے ان پر تمام ناخن والے جانور جن کی انگلیاں کٹی کٹی اور جدا جدا ہوں جیسے اونٹ، شتر مرغ، بطخ اور مرغابی حرام کر دیئے تھے۔ نیز گائے اور بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی سوائے اس چربی کے جو ان جانوروں کی پشت پر لگی ہوئی ہو یا ان کی آنتوں پر لگی ہوئی ہو یا ان کی ہڈیوں سے لگی ہوئی ہو۔ یہ چیزیں اپنی ذات میں حلال و طیب ہیں۔ لیکن یہود پر تنگی کر کے ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ناانصاف تھے۔ ان کے ظلم و عدوان اور سرکشی کی وجہ سے سزا کے طور پر پاکیزہ اور حلال چیزیں بھی ہم نے ان کے لئے حرام کر دی تھیں تاکہ وہ اپنی بداعمالیوں سے تائب ہو جائیں۔

بلاشبہ جن لوگوں نے لاعلمی اور نادانی سے برے کام کئے پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال و حال کی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ اس توبہ اور صلاح کے بعد ان کا قصور معاف کرنے والا اور ان پر رحمت و مہربانی کرنے والا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اوصاف

۱۲۰، ۱۲۳۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ
لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

بیشک ابراہیم (علیہ السلام) بڑے پیشوا تھے۔ اللہ کے بڑے فرماں بردار

اور یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔ اس کی نعمتوں کے بڑے شکر گزار تھے۔ اللہ نے ان کو منتخب کر لیا تھا اور ان کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی صالحین میں سے ہوں گے۔ (اے نبی ﷺ) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ابراہیم کے طریقے کی پیروی کریں جو بالکل یکسو تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔

تشریح: ان آیتوں میں امامِ حنفا، والدِ انبیا، خلیلِ خدا، رسولِ جل وعلا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چند اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ **اُمَّةً:** امام جس کی اقتدا کی جائے۔ صاحب قاموس نے امت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ وہ شخص جس میں ہر طرح کی اچھائی اور خوبی ہو۔ قاموس ہی نے لمۃ کے ایک معنی یہ بیان کئے کہ جو شخص تمام ادیان کی مخالفت کرتے ہوئے دینِ حق کو اختیار کرے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس زمانے کے اعتبار سے ان کے انفرادی ایمان کی وجہ سے اُمَّةً کہا گیا یعنی وہ اپنے زمانے میں تنہا موحد مومن تھے۔ باقی تمام لوگ اس وقت کافر تھے۔

حضرت ابراہیمؑ کے اندر اتنے فضائل اور محاسن جمع تھے کہ ان کا متعدد لوگوں میں پایا جانا بھی دشوار ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (اپنی بیوی) حضرت سارہ سے کہا کہ آج روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن نہیں۔
(روح المعانی ۲۴۹ / ۱۴، مظہری ۳۸۷ / ۵)

۲۔ **قَانِتًا:** اللہ کا طاعت گزار، اللہ کا فرماں بردار یعنی حضرت ابراہیم اللہ کے احکام پر چلنے والے تھے۔ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے والے نہ تھے۔

۳۔ **حَنِیْفًا:** ہر قسم کے شرک سے ہٹ کر خالص توحید کی طرف آجانے والا۔ باطل

سے پھر جانے والا۔ اسلام پر قائم رہنے والا۔

۴۔ وَلَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ : وہ شرک سے پاک اور منزہ تھے۔ خالص موحد تھے۔ بچپن سے لے کر اخیر عمر تک توحید پر قائم رہے۔

۵۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ : اللہ کی نعمتوں کے قدر دان اور شکر گزار تھے وہ سر تاپا شکر تھے۔

۶۔ اِجْتَبٰهُ : اللہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ اللہ نے ان کو اپنے لئے منتخب کر لیا تھا۔

۷۔ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ : اللہ نے دین اسلام کی طرف ان کی رہنمائی کی تھی۔ وہ صرف خدائے واحد ولاشریک لہ کی عبادت واطاعت کرتے تھے۔

۸۔ اٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً : اللہ نے دینا کی عزت وبزرگی عطا فرمائی۔ سارا عالم ان کو خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے۔ یہاں حسنہ سے مراد پیغمبری اور خالص دوستی ہے۔

۹۔ اِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ: بلاشبہ وہ آخرت میں بھی نیکوں میں سے ہوں گے۔

۱۰۔ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا : خاتم الانبیا احمد مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا۔

یہ بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک فضیلت ہے کہ نبی رحمت، شافع محشر، خاتم الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا۔ یہ فضیلت مذکورہ تمام فضائل سے بڑھ کر ہے۔ نیز مشرکین عرب کا یہ سمجھنا کہ وہ (مشرکین) ملت ابراہیمی پر ہیں غلط ہے۔ حقیقت میں ملت ابراہیمی پر تو آنحضرت ﷺ ہیں جن کو ملتِ ابراہیمی کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہذا جو شخص ملت ابراہیمی کی پیروی کا دعویٰ کرے اس کو چاہئے کہ وہ ملتِ محمدیہ کی اتباع کرے کیونکہ ملتِ ابراہیمی اور ملت محمدیہ ایک ہی ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۶۲، ۲۶۳/ ۴، ابن کثیر ۵۹۰، ۵۹۱/ ۲)

ہفتے کے دن کی تعظیم کا حکم

۱۲۴۔ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ○

ہفتے کا دن تو (صرف) انہی لوگوں پر مقرر ہوا تھا جو اس میں اختلاف کرتے تھے اور بیشک قیامت کے روز آپ کا رب ہی ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

جُعِلَ : مقرر کیا گیا۔ ٹھہرایا گیا۔ لازم کیا گیا۔ جَعْلٌ سے ماضی مجہول۔

السَّبْتُ : سنیچر کا دن۔ ہفتے کا دن۔

تشریح: سنیچر کے دن کی تعظیم ان لوگوں پر فرض کی گئی تھی جنہوں نے ہفتے کے دن کے معاملے میں اپنے پیغمبر کی مخالفت کی تھی۔ ملت ابراہیمی میں ہفتہ کی تعظیم کا حکم نہ تھا اور نہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام پر ہے۔ البتہ یہود نے حضرت موسیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اپنے لئے ہفتے کا دن مقرر کر لیا۔ اس پر اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ اچھا اس کی تعظیم کرو اور اس روز مچھلی کا شکار نہ کیا کرو۔ یہود میں سے بعض نے اس حکم کو مانا اور بعض نے نہ مانا۔ جن لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی ان کو دنیا میں ہی بندر اور سور بنا دیا گیا۔ آخرت میں جو سزا ملے گی وہ الگ ہے۔ پھر فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس چیز کا فیصلہ کر دے گا، جس میں وہ دنیا میں اختلاف کیا کرتے تھے اور ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ کون غلطی پر تھا اور کون راستی پر۔ (عثمانی ۷۸۶/۱)

تبلیغ دین کے آداب

۱۲۸،۱۲۵۔ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِ

لَهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ
سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ O وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا
عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ O وَاصْبِرْ
وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا
يَمْكُرُوْنَ O اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ
مُّحْسِنُوْنَ O

(اے نبی!) آپ اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ وعظ کے ذریعہ بلایئے اور ان کے ساتھ بحث پسندیدہ طریقے سے کیجئے۔ بیشک آپ کے رب کو خوب معلوم ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہیں اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنی کہ تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور ان لوگوں پر رنج نہ کیجئے اور ان کے مکروں سے تنگدل نہ ہوں۔ بیشک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ نیکی کرتے ہیں۔

عَاقَبْتُمْ : تم نے بدلہ لیا۔ تم نے تکلیف پہنچائی۔ مُعَاقَبَۃٌ سے ماضی۔

تَكُ : وہ ہوتی ہے۔ کَوْنٌ سے مضارع۔

ضَيْقٍ : تنگدل ہونا۔ مصدر ہے۔

يَمْكُرُوْنَ : وہ مکر کرتے ہیں۔ وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں۔ مَکْرٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دعوت اسلام اور تبلیغ دین کے آداب بتائے ہیں۔

۱۔ حِکْمَت: اس سے مراد یہ ہے کہ نہایت پختہ اور اٹل مضامین اور مضبوط دلائل

و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز سے لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔

۲۔ مَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ: مؤثر، رقت انگیز نصیحتوں، نرم خوئی، اخلاص، ہمدردی، شفقت اور حسنِ اخلاق سے نہایت خوبصورت اور معتدل پیرائے میں نصیحت کی جائے۔ اس سے اکثر پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔ لوگ ترغیب و ترہیب کے مضامین سن کر بے تابی کے ساتھ دینِ حق کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

۳۔ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ: اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو بہترین طریقے سے تہذیب، شائستگی، حق شناسی اور انصاف کے ساتھ بحث کرو، ایسی دل آزار باتیں نہ کرو جن سے قضیہ بڑھے اور معاملہ طول کھینچے۔ بحث کا مقصد خالص اللہ کے لئے معاملے کو سلجھانا اور اللہ کا کلمہ بلند کرنا ہو۔

پھر فرمایا کہ آپ کے ذمہ تو صرف تبلیغ دین ہے۔ آپ کو اس فکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ کس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کس نے رد کیا۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون حسنِ موعظت اور حسن مجادلت کے باوجود حق سے دور رہا اور کس نے حق و ہدایت کو قبول کیا۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔

اگر تبلیغ دین کی راہ میں تمہیں سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور تم بدلہ لینے پر بھی قادر ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچی ہے اور عدل و انصاف کی حد سے تجاوز نہ کرو اور اگر تم صبر کرو اور بدلہ نہ لو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔

کفار کی طرف سے آپ کو جو ایذا پہنچے، آپ اس پر صبر کیجئے اور مصائب و مظالم پر صبر کرنا آسان نہیں بلکہ اللہ ہی کی مدد سے مصائب پر صبر کرنا آسان ہوتا ہے۔ آپ ان کی مخالفت اور ان کے مکر و فریب سے تنگدل نہ ہوں۔ یہ لوگ نہ تو آپ کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور نہ اسلام کا۔ جو شخص جس قدر اللہ سے ڈر کر تقوی و پرہیزگاری اور نیکی اختیار کرتا ہے اسی قدر اللہ کی مدد اس کے شامل حال ہوتی ہے۔

(عثمانی ۷۸۶، ۷۸۷/ ۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۷/ ۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ بنی اسرائیل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں بنی اسرائیل کا ذکر خاصی تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ اس لئے یہ بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اس کا ایک نام الاسراء بھی ہے کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ کے اسراء و معراج کا بیان ہے۔

تعارف: اس میں بارہ رکوع، ایک سو گیارہ آیتیں، ۱۵۸۲ کلمات اور ۶۷۱۰ حروف ہیں۔

جمہور علما کے نزدیک یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔

اس کا آغاز تسبیح سے ہوا اور اختتام تحمید سے ہوا ہے۔ ابتدا میں آنحضرت ﷺ کی معراج کا بیان ہے، پھر بنی اسرائیل کے فساد اور فتنہ پردازی اور ان کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے تاکہ مکے کے لوگ بنی اسرائیل کے حالات کو سن کر عبرت حاصل کریں اور اپنے انجام کی فکر کریں۔ جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب کو مصر سے نکالنے کا قصد کیا۔ اسی طرح اہل مکہ بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب کو مکہ سے نکالنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ جس طرح فرعون اور اس کا لشکر غرق ہوا اور بنی اسرائیل آل فرعون کے مکانات و محلات کے وارث ہو گئے۔ اسی طرح اللہ نے مکہ کے نامور سرداروں کو معرکۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرادیا اور پھر مسلمانوں کو مکہ اور سرزمین عرب کا وارث و مالک بنا دیا۔

(روح المعانی ۲/۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲/۴۷)

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف اور سورۂ مریم سب سے پہلی سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں۔

(ابن کثیر ۲/۳)

ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، مریم، طٰہٰ اور الانبیاء یہ سب سے پہلی، سب سے بہتر اور بڑی فضیلت والی ہیں۔ (روح المعانی ۱۵/۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی تو روزے (نفلی) اس طرح (لگاتار) رکھتے کہ ہم اپنے دل میں کہتے کہ آپ (پورا مہینہ روزے رکھیں گے) افطار نہیں کریں گے اور کبھی بالکل ہی نہ رکھتے یہاں تک کہ ہم دل میں سوچتے کہ آپ (اس مہینے میں) روزے نہیں رکھیں گے اور آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر پڑھا کرتے تھے۔ (مسند احمد ۱۰۰/۷، ۶۷/۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: ابتداء میں سفر معراج کے اس حصے کا بیان ہے جو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک براق پر ہوا۔ پھر حضرت موسیٰ کو توریت دینے اور بنی اسرائیل کی سرکشی کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں قرآن مجید کی فضیلت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قدرتِ الٰہی کی دو نشانیوں کے بیان کے بعد بتایا گیا ہے کہ آدمی خواہ مومن ہو یا کافر اس کا نیک و بد عمل اس کے گلے کا ہار بنادیا گیا ہے۔ پھر بستیوں کی تباہی کے اسباب کا بیان ہے۔ آخر میں طالب دنیا کا انجام اور مومنوں کا انعام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: والدین کے ساتھ حسن سلوک، قرابت داروں کے حقوق اور مال خرچ کرنے میں میانہ روی کی تاکید ہے۔

رکوع ۴: چند ممنوعہ امور کا بیان اور آخر میں مشرکین کی ایک بڑی گستاخی مذکور ہے۔

رکوع ۵: توحید کی تاکید اور شرک کی تردید اور پھر مشرکین کی ازلی گمراہی کے پردوں کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کا حیات اخروی پر تعجب کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۶: مسلمانوں کو نصیحت اور مشرکین کے باطل معبودوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔ پھر مشرکین کی فرمائشوں کا بیان ہے۔ آخر میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔

رکوع ۷: ابتدا میں مشرکین مکہ اور آدم و ابلیس کا واقعہ اور شیطان اور اس کے متبعین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ پھر بنی آدم کی دیگر تمام مخلوق پر فضیلت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۸: قیامت کے روز لوگوں کو ان کے اعمال نامے دیئے جانے کا بیان ہے۔ پھر مشرکین مکہ کی حماقت اور کفار کی عداوت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۹: نماز قائم کرنے کی تاکید، غلبۂ حق کی پیش گوئی اور انسانی فطرت کا بیان ہے۔

رکوع ۱۰: روح کی حقیقت، اعجاز قرآن اور مشرکین کے شبہات کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱: کافروں کو عذاب کی تہدید اور ان کے انجام کا بیان ہے۔ پھر حیات بعدُ الممات کے دلائل بیان کئے گئے ہیں۔

رکوع ۱۲: حضرت موسیٰ کے نو معجزے، قرآن کا حق ہونا اور پھر قرآن کی تاثیر بیان کی گئی ہے۔ آخر میں اللہ کے اسماء الحسنٰی کا بیان ہے۔

واقعۂ اسرا

۱۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِالْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے (محمد ﷺ) کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہی اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

سُبْحٰنَ: وہ پاک ہے، یہ اسم مصدر ہے بمعنی تسبیح اور تسبیح کے معنی ہیں پاک جاننا، پاکی کا اقرار کرنا، یہاں کلام کے شروع میں لانے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ اس پر اللہ کے سوا کسی کو قدرت نہیں۔ وہ ہر قسم کے

عیب و نقص اور عجز سے پاک ہے۔ اس کو ایک رات میں اپنے بندے کا مکے سے بیت المقدس لے جانا کچھ مشکل نہیں۔ وہ قادر مطلق اور ہر چیز کا خالق ہے۔

اَسْریٰ : وہ رات کو لے کر گیا، اَسْرَاءٌ سے ماضی، اس آیت میں اسریٰ کے بعد لَیْلاً کو نکرہ لا کر یہ بتادیا گیا کہ اس واقعے میں تمام رات صرف نہیں ہوئی بلکہ صرف رات کا کچھ حصہ صرف ہوا۔

بِعَبْدِہٖ : اپنے بندے کو، جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں بِعَبْدِہٖ سے مراد آنحضرت ﷺ ہیں۔ یہاں اس لفظ میں ایک خاص محبوبیت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کے بارے میں خود یہ فرمادے کہ یہ میرا بندہ ہے تو کسی بشر کا اس سے بڑا کوئی اور اعزاز نہیں ہو سکتا۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵/۴۲۶)

اَقْصیٰ : انتہائی، آخری، پرے کنارے کی، اس زمانے میں مسجد الحرام سے بیت المقدس تک کوئی اور مسجد نہ تھی اور اس سے آگے بھی کوئی مسجد نہ تھی۔ اس لئے اس کو مسجد اقصیٰ کہا گیا۔ ایک رات میں مسجد اقصیٰ تک پہنچنے پر قریش کو تعجب ہوا کیونکہ مسجد اقصیٰ بہت دور تھی۔ ان کے خیال میں اتنی طویل مسافت کر کے ایک ہی رات میں واپس آجانا محال تھا۔

تشریح: اس آیت میں واقعہ معراج کا بیان ہے جو رسول اللہ ﷺ کا ایک خاص اعزاز اور امتیازی معجزہ ہے۔ پہلے آپ کو مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے جایا گیا۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے اور اسی کو اسرا کہتے ہیں۔ یہ سفر بُراق پر ہوا۔ پھر مسجد اقصیٰ سے آپ کو ساتوں آسمانوں پر اور سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ اس سفر کا نام معراج ہے اور اس کا بیان سورۂ نجم کی آیات ۱۳، ۱۸ میں ہے۔ معراج کے معنی سیڑھی کے ہیں۔ مسجد اقصیٰ سے آسمان پر جانے کے لئے پہلے آپ کو سیڑھی کے ذریعہ پہلے آسمان پر لے جایا گیا۔ اس کے بعد آپ باقی آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ اسرا اور معراج نص قطعی اور احادیث متواترہ سے ثابت ہیں۔

بیت المقدس ایسی جگہ ہے جس کے ماحول کو اللہ تعالیٰ نے برکت والا بنادیا ہے اور اس میں بکثرت دریا، نہریں، درخت اور پھل پیدا کر دیئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو مسجد الحرام

سے مسجد اقصیٰ تک لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی قدرت کی کچھ عجیب نشانیاں دکھادے۔ مثلاً چالیس دن کی مسافت کو رات کے تھوڑے سے حصے میں طے کرا دینا۔ پھر بیت المقدس سے آسمانوں تک لے جانا اور آسمانوں کی سیر کرانا، انبیا کو مجسم بنا کر دکھانا اور ان کی امامت کرانا اور دوسرے عجائبات قدرت کی سیر کرانا وغیرہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی وہ آیات تھیں جن کا مشاہدہ کرانا مقصود تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے نبی کی دعا اور کلام کو خوب سننے والا اور آپ کے احوال و افعال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (روح المعانی ۹۔ ۱۳، ۱۵)

حضرت موسیٰؑ اور توریت

۲،۳۔ وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝

اور ہم نے موسیٰ کو (بھی) کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) بنایا کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ بنانا۔ تم ان لوگوں کی اولاد ہو جن کو ہم نے نوح (علیہ السلام) کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا۔ تحقیق وہ (نوح) شکرگزار بندے تھے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ کی بزرگی اور معراج کا ذکر کر کے فرمایا کہ ہم انبیا کے ساتھ اسی طرح انعام و اکرام کا معاملہ کرتے آئے ہیں۔ اس سے پہلے ہم نے حضرت موسیٰ کو کتاب (توریت) دی تھی جو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ تھی۔ اس کتاب میں تاکیدی حکم یہ تھا کہ اے نوح اور اس کے ساتھ کشتی میں سوار ہونے والوں کی نسل! میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز اور حاجت روا نہ بنانا، مگر بنی اسرائیل نے اس حکم کی خلاف ورزی کر کے بت پرستی اختیار کر لی اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار کر کے ڈوبنے سے محفوظ رکھا تھا۔ تم ذرا اپنے بزرگوں کا تو

خیال کرو کہ وہ کیسے شکر گزار بندے تھے اور تم کیا کر رہے ہو۔ بلا شبہ حضرت نوح علیہ السلام اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ تم ان کی اولاد ہو کر کفر کرتے ہو۔ حالانکہ تمہیں بھی اپنے بڑوں کی طرح اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ (حقانی ۳/۱۱۶)

ابن جریر، ابن المنذر، بیہقی نے شعب الایمان میں اور حاکم نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ نوح (علیہ السلام) جب کپڑا پہنتے یا کھانا کھاتے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو شکر گزار بندہ کہا۔

ابن مردویہ نے معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نوح (علیہ السلام) کو شکر گزار بندہ اس لئے کہا کہ وہ صبح و شام یہ (آیت) پڑھتے تھے۔

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ○

(الروم آیات ۱۷، ۱۸)

اللہ کی پاکی بیان کیا کرو جب (صبح سے) شام کرو اور جب (شام سے) صبح کرو اور آسمانوں اور زمین میں سب تعریف اسی کی ہے اور تیسرے پہر اور ظہر کے وقت (بھی اس کی حمد کیا کرو) (روح المعانی ۱۵، ۱۶/ ۱۵)

بنی اسرائیل کی سرکشی

۴۔ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ○

اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل کو یہ بات بتا دی تھی کہ تم زمین پر دوبارہ فساد برپا کرو گے اور بڑی ہی سرکشی کرو گے۔

وَقَضَيْنَآ: ہم نے فیصلہ کیا۔ ہم نے بتادیا۔ قَضَا سے ماضی۔

لتعلُنّ: البتہ تم ضرور سرکشی کرو گے۔ عُلوٌ سے مضارع۔

عُلُوًّا: اللہ کی اطاعت سے سرکشی کرنا اور لوگوں پر ظلم کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرنے والوں کے برے انجام کو بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ جو شخص یا قوم اللہ سے باغی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اس کے دشمنوں کو اس پر مسلط کر دیتا ہے۔ یہاں دو واقعوں کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت یا کسی دوسری آسمانی کتاب میں یہ پیشگوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل سرزمین شام میں دو مرتبہ فتنہ و فساد برپا کریں گے، حدود شرعیہ کو پامال اور احکام توریت کی خلاف ورزی کریں گے اور لوگوں پر ظلم و ستم ڈھائیں گے۔ دونوں مرتبہ یہ لوگ سخت قتل و غارت اور ذلت و مصیبت میں مبتلا ہوں گے۔

پہلی سرکشی کا انجام

۵،۷۔ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰـهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّـنَآ اُولِىْ بَاْسٍ
شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّ يَارِ ط وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلاً O ثُمَّ
رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰـكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ
وَجَعَلْنٰـكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا O اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف
وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط

پھر جب ان میں سے پہلی (سرکشی) کا موقع آیا تو ہم نے تم (بنی اسرائیل) پر اپنے ایسے بندے کھڑے کر دیئے جو بڑے لڑنے والے تھے سو وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے تمہیں ان پر دوبارہ غلبہ دے دیا اور تمہیں مال اور اولاد سے قوت دی اور تمہیں بڑی جماعت والا بنا دیا۔ اگر تم نے بھلائی کی تو

اپنے ہی نفع کے لئے کی اور اگر تم نے برائی کی تو وہ بھی اپنے ہی لئے کی۔

بَاْسٍ : قتال، لڑائی، جنگ، آفت۔

خِلٰلَ : بیچ، درمیان، واحد خَلَلٌ

الْـكَرَّةَ : لوٹ جانا، پھر جانا، سلطنت، طاقت، مصدر مرۃ ہے۔

تشریح: سو جب ان دونوں وعدوں میں سے پہلے وعدے (سزا) کا وقت آیا تو ہم تمہاری سرکوبی کے لئے تم پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیئے جو سخت لڑنے والے اور نہایت جنگجو تھے وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑے اور انہوں نے تمہیں چن چن کر قتل کیا۔ اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا اس لئے ہو کر رہا۔

سعید بن جبیرؒ نے کہا کہ یہاں عِبَادًا لَّنَا سے مراد سخاریب بادشاہ جو اہل نینوا میں سے تھا اور اس کے ساتھی ہیں۔ قتادہؒ نے کہا کہ اس سے مراد جالوت اور اس کا لشکر ہے۔ جس کو داؤد علیہ السلام نے قتل کیا تھا۔ ابن اسحاقؒ کے نزدیک بخت نصر بابلی مراد ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ (مظہری ۴۰۴/۵)

پھر جب تم اپنی شرارتوں سے باز آگئے اور تم نے توبہ کر لی تو ہم نے تمہیں طاقت اور غلبہ عطا کر دیا اور تمہیں خوب مال و اولاد دی اور تمہاری قلت کو کثرت سے بدل دیا۔

اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اگر تم آئندہ اللہ کی اطاعت کرو گے اور اس کے احکام پر چلتے رہو گے تو اس کا اجر و ثواب تمہیں ہی ملے گا۔ اللہ کو تمہاری اطاعت و فرماں برداری کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر تم نافرمانی اور برائی کرو گے تو اس کی سزا بھی تمہیں ہی بھگتنا پڑے گی۔ سو جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

دوسری سرکشی کا انجام

۷، ۸۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ○

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَ جَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا O

پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے دوسرے لوگوں کو مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور تاکہ وہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو جائیں جیسا کہ وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر ان کا بس چلے اس کو پوری طرح برباد کر ڈالیں۔ کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمادے اور اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی وہی کریں گے اور ہم نے کافروں کے لئے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔

لِیَسُوْٓءٗا: تاکہ وہ بگاڑ دیں، سَوْءٌ سے مضارع۔

لِیُتَبِّرُوْا: تاکہ وہ ہلاک کر دیں، تاکہ وہ تباہ کر دیں، تَتْبِیْرٌ سے مضارع۔

عَلَوْا: وہ بلند ہوئے، انہوں نے سرکشی کی، وہ غالب آئے، عُلُوٌّ سے ماضی۔

حَصِیْرًا: قید خانہ، جیل خانہ، حَصْرٌ سے صفت مشبہ۔ فاعل و مفعول دونوں کے معنی دیتا ہے،

تشریح: پھر جب دوسرے وعدے (سزا) کا وقت آئے گا یعنی تم دوبارہ فتنہ و فساد برپا کرو گے اور شرعی احکام کو پامال کرو گے تو حسب سابق ہم پھر اپنے ظالم بندوں کو تم پر مسلط کر دیں گے جو مار مار کر تمہارا حلیہ بگاڑ دیں گے اور پہلے کی طرح مسجد بیت المقدس میں گھس کر اس کو تہس نہس اور نیست نابود کر دیں گے۔

اس دوسری ذلت و رسوائی کے بعد جب شریعت محمدیہ کا زمانہ آئے تو اس وقت کوئی شرارت نہ کرنا بلکہ شریعت محمدیہ کی اتباع کرنا۔ امید ہے تمہارا رب بہت جلد تم سے مہربانی کا برتاؤ کرے گا اور تم پر رحم و کرم فرمائے گا۔ تمہیں عزت و نعمت دے کر ذلت و مصیبت سے محفوظ رکھے گا۔ اگر تم نے تیسری بار شریعت محمدیہ کے دور میں بھی، جو قیامت تک جاری رہے گا شرعی احکام کو پامال کیا اور شر و فساد برپا کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی تو ہم تیسری بار بھی تمہیں ذلیل و رسوا کریں گے اور ہم نے کافروں کے لئے دوزخ کو دائمی جیل خانہ

بتادیا ہے۔ (مظہری ۱۰۹، ۲۱/ ۵)

مذکورہ واقعات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فیصلہ فرمادیا کہ جب تک وہ اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے رہیں گے۔ دین و دنیا میں کامیاب رہیں گے۔ جب بھی وہ دین سے انحراف کریں گے ذلیل وخوار ہوں گے اور دشمنوں کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ بنی اسرائیل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک ضابطہ بیان فرمادیا وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ یعنی اگر تم پھر نافرمانی اور سرکشی کرو گے تو ہم بھی تمہیں اسی طرح سزا اور عذاب دیں گے۔ یہ ضابطہ قیامت تک کے لئے ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۳۸،۴۳۷/ ۵)

قرآن کی فضیلت

۹۔۱۱۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ○ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ○ وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ○

بیشک یہ قرآن ایسا راستہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور ایمان والوں کو جو نیک کام کرتے ہیں خوشخبری سناتا ہے کہ بیشک ان کے لئے (اللہ کے ہاں) بہت بڑا اجر ہے اور یہ کہ جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور انسان (اللہ سے) برائی بھی اسی طرح مانگنے لگتا ہے جس طرح وہ بھلائی مانگتا ہے اور انسان تو ہے ہی بہت جلد باز۔

اَقْوَمُ : سب سے سیدھا، قِیَامٌ سے اسم تفضیل۔

اَعْتَدْنَا : ہم نے تیار کیا، اِعْتَادٌ سے ماضی۔

عَجُوْلاً : بہت جلد باز، عجلٌ سے مبالغہ۔

تشریح: بلاشبہ یہ قرآن ایسے طریقے اور راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو منزل مقصود تک پہنچانے میں قریب ہو، آسان اور خطرات سے خالی ہو۔ جو مومن نیک کام کرتے ہیں ان کو یہ قرآن بڑے اجر یعنی جنت کی بشارت دیتا ہے۔ یہ قرآن اس بات کی بھی خبر دیتا ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ کبھی کبھی یہ عذاب و سزا دنیا میں بھی واقع ہوتی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر واقع ہوئی اور آخرت میں تو اس کا واقع ہونا یقینی اور لازمی ہے مگر انسان جلد باز ہے وہ دیر میں نیک نتیجہ برآمد ہونے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ ہو فوراً ہو۔ اس لئے آخرت کی نعمتوں کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ دنیاوی لذتوں پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ اس کا حال یہ ہے کہ اجر و ثواب کی بشارتوں اور شر و فساد کے مہلک نتائج سے باخبر ہونے کے باوجود کبھی کبھی غصے، جھنجھلاہٹ اور ناامیدی کی حالت میں اپنے لئے یا اپنے اہل و عیال اور مال کے لئے بددعا کرنے لگتا ہے کبھی موت و ہلاکت کی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ کبھی کسی چیز کو اپنے حق میں بہتر سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کو حاصل کرنے کی دعا کرتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی ایسی دعاؤں کو فوراً قبول فرمالے تو یہ ہلاک و برباد ہو جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس پر خود اس سے بھی زیادہ مہربان ہے اور اس کی ان بددعاؤں کو فوراً قبول نہیں فرماتا۔ یہاں تک کہ اس کو احساس ہو جاتا ہے کہ اس کی دعا اس کے لئے نقصان دہ تھی اور انسان تو ہے ہی جلد باز، سرسری نفع پر نظر رکھتا ہے، انجام پر غور نہیں کرتا۔ فوری راحت خواہ تھوڑی ہی ہو اس کو دائمی راحت پر ترجیح دینے لگتا ہے۔ (حقانی ۱۴۸۔۱۴۹/۳، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۴۱/۵)

قدرت کی دو نشانیاں

۱۲۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ

السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ○

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا۔ سو رات کی نشانی کو تو ہم نے دھندلا کر دیا اور دن کی نشانی کو ہم نے روشن بنادیا تاکہ تم اپنے رب کے فضل (روزی) کو تلاش کرو اور تاکہ تمہیں برسوں کی گنتی اور حساب معلوم ہو جائے اور ہم نے ہر چیز کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

فَمَحَوْنَآ: پس ہم نے محو کر دیا، پس ہم نے مٹادی، مَحْوٌ سے ماضی۔

مُبْصِرَةً: دکھانے والی، روشن کرنے والی، یہ اسم فاعل ہے مفعول کے معنی میں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے دو نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ ایک دن، دوسری رات۔ دن کو روشن اور رات کو تاریک بنایا۔ دن کو تلاش معاش کے لئے بنایا۔ لوگ اس میں اپنے کام کاج کرتے ہیں۔ صنعت و حرفت اور سیر و سفر کرتے ہیں۔ رات کو اللہ تعالیٰ نے آرام و سکون کے لئے بنایا تاکہ دن کو کام کاج کرنے والے تھکے ہارے لوگ آرام و سکون کے لئے سو سکیں اور صبح کو تازہ دم ہو کر اٹھیں اور دوبارہ اپنے کام کاج میں لگ جائیں۔ دونوں ایک کے بعد ایک باری باری آتے ہیں۔ یہ اس لئے کیا تاکہ لوگ دنوں، ہفتوں، مہینوں اور برسوں کی گنتی معلوم کر سکیں تاکہ لین دین اور دوسرے معاملات میں اور عبادت کے کاموں میں سہولت ہو اور ہم نے تمہارے لئے دین و دنیا کی ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ واضح طور پر بیان کر دیا۔ (ابن کثیر ۲۶، ۲۷/ ۳)

نامۂ اعمال

۱۳، ۱۴۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ○ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ○

اور ہم نے ہر آدمی کے عمل کو اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے اور قیامت
کے دن ہم اس (نامۂ اعمال) کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی
ہوئی پائے گا (اور ہم اس سے کہیں گے کہ) اپنی کتاب (نامۂ اعمال)
پڑھ۔ آج اپنا حساب لینے کے لئے تو ہی کافی ہے۔

اَلْزَمْنٰهُ : ہم نے اس کے لئے لازم کر دیا، ہم نے اس کو لگا دیا، اِلْزَامٌ سے ماضی۔

طٰٓئِرَهٗ : اس کی نحوست، اس کی بری قسمت، واحد طَیْرٌ۔

عُنُقِهٖ : اس کی گردن، جمع اَعْنَاقٌ۔

یَّلْقٰهُ : وہ اس کو دیکھے گا، وہ اس کو پائے گا، لَقْیٌ سے مضارع۔

مَنْشُوْرًا : کھلا ہوا، پھیلا ہوا، نَشْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: گزشتہ آیت میں زمانے کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں اس کی آنے والی حالت کا بیان ہے کہ ہر آدمی خواہ وہ مومن ہو یا کافر اس کے نیک و بد عمل کو اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے۔ انسان جہاں جاتا ہے اس کا عمل اور مقدر اس کے ساتھ رہتا ہے۔ گویا اللہ نے جو چیز اس کے لئے مقدر کر دی وہ اس کو اڑ کر پہنچے گی۔ قیامت کے روز ہم اس کے گلے کے ہار کو نامۂ اعمال کی شکل میں ظاہر کریں گے جس میں اس کے تمام نیک و بد احوال درج ہوں گے پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو اپنا نامۂ اعمال خود پڑھ لے اور دیکھ لے کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے اور خود ہی فیصلہ کر لے کہ تو کس چیز کا مستحق ہے۔ اس میں تیرے تمام عمر کے اعمال درج ہیں۔ آج تجھ پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ○ (سورۂ قیامہ آیت ۱۳)

اس دن انسان کو اس کے تمام اگلے پچھلے اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا۔

ابن جریر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص دنیا میں پڑھا ہوا نہیں ہو گا، قیامت کے روز وہ بھی اپنا اعمال نامہ پڑھ لے گا۔

اصبہانی نے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

آدمی کے سامنے اس کا اعمال نامہ کھلا ہوا لایا جائے گا تو وہ پڑھ کر کہے گا کہ میں نے فلاں فلاں نیکیاں کی تھیں وہ اس میں درج نہیں ہیں۔ اللہ فرمائے گا کہ چونکہ تو لوگوں کی غیبت کرتا تھا اس لئے میں نے وہ تیری نیکیاں مٹا دیں۔ (ابن کثیر ۲۸،۲۷/۳، مظہری ۴۲۱،۴۲۰/۵)

اپنی کرنی آپ بھرنی

۱۵۔ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝

جو کوئی ہدایت پر چلتا ہے تو وہ اپنے ہی لئے ہدایت پر چلتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوا تو وہ اپنے ہی (نقصان کے) لئے گمراہ ہوا اور کوئی شخص کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔

تشریح: اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر ایک کو ہدایت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ دنیا میں کسی شخص کا سیدھے راستے پر چلنا اور اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کرنا خود اسی کے لئے فائدہ مند ہے۔ اسی طرح گمراہ ہونا حق کا راستہ چھوڑ کر نافرمانوں کے طریقے پر چلنا بھی خود اسی کے لئے نقصان دہ ہے۔ کسی کی گمراہی کا وبال دوسرے پر نہیں پڑے گا اور نہ کوئی کسی کے گناہوں کا بوجھ اٹھائے گا۔ ہر شخص کو اپنے اپنے گناہوں کا بار اٹھانا ہوگا۔

پھر فرمایا کہ ہم کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ان کے پاس اپنا کوئی رسول نہ بھیج دیں جو ان کو سیدھا اور روشن حق کا راستہ دکھا دے۔ اگر دعوت و تبلیغ دین کے بعد بھی لوگ کفر و معصیت اور فسق و فجور سے باز نہ آئیں اور حد سے بڑھ جائیں تب ان پر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔

بستی کی تباہی

۱۶،۱۷۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ○

اور جب ہم کسی بستی کو (اہل بستی کی بد اعمالیوں کے سبب) ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو (کوئی) حکم دیتے ہیں۔ پھر (جب) وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ پھر ہم اس بستی کو تباہ کر ڈالتے ہیں اور ہم نے نوح (کی بعثت) کے بعد (کفر و معصیت کے سبب) بہت سی امتوں کو ہلاک کیا ہے اور آپ کا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھنے والا (اور) دیکھنے والا۔

مُتْرَفِيْهَا : اس (بستی) کے دولت مند، اس کے خوشحال، اِتْرَافٌ سے اسم مفعول۔

فَدَمَّرْنٰهَا: پس ہم نے اس کو ہلاک کر دیا، پس ہم نے اس کو تباہ کر دیا، تَدْمِيْرٌ سے ماضی۔

تشریح: جب ہم کسی بستی کو اس کے رہنے والوں کی بد اعمالیوں کے سبب ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان کو یونہی اچانک ہلاک نہیں کر دیتے بلکہ ہلاکت سے پہلے وہاں کے دولت مندوں اور راحت پسندوں کو اپنے پیغمبر یا اس کے نائبین کے ذریعے اپنے احکام پہنچاتے ہیں۔ جو ان کو رد کر دیتے ہیں اور کھلے بندوں فسق و فجور کرنے لگتے ہیں اور شریعت کی حدود و قیود کو پامال کرتے ہیں۔ اس طرح جب ان کا کفر و نافرمانی حد سے بڑھ جاتا ہے تو ان پر اللہ کی حجت قائم ہو جاتی ہے اور وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ پھر ہم اس بستی کو تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

اے قریش کے لوگو! ہم نے حضرت نوحؑ کے بعد اسی قانون کے تحت کتنی ہی قومیں اور بستیاں ہلاک و برباد کر دیں۔ تمہارے پاس ان سے زیادہ ساز و سامان اور قوت و تعداد نہیں

لہذا تم ان سے عبرت پکڑو۔ اللہ تعالیٰ پر کسی بندے کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ اچھا یا برا، کھلا یا چھپا ہوا سب اس پر ظاہر ہے۔ وہ کسی کو بے قصور سزا نہیں دیتا بلکہ ہر ایک کو اس کے گناہ دیکھ کر ان کے مطابق سزا دیتا ہے۔ (عثمانی ۷۹۵/ ۱، مواہب الرحمٰن ۶۳،۶۵/ ۱۵)

طالبِ دنیا کا انجام اور مومنین کا انعام

۱۸،۲۰۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَ سَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○

جو شخص دنیا (کے نفع) کا ارادہ کرتا ہے تو ہم دنیا میں سے بھی جس کو جتنا دینا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ وہ اس میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوگا اور جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے ہی لوگوں کی سعی مقبول ہوگی۔ ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں۔ ان (طالب دنیا) کی بھی اور ان (طالب آخرت) کی بھی اپنی عنایت سے اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں ہے۔

اَلْعَاجِلَةَ: جلد ملنے والی چیز، یہاں دنیا کی خوشحالی مراد ہے، عَجَلٌ و عَجْلَةٌ سے اسم فاعل۔

مَدْحُوْرًا: مردود کیا ہوا، رحمت سے دور کیا ہوا، دَحْرٌ و دُحُوْرٌ سے اسم مفعول۔

مَحْظُوْرًا: بند کی ہوئی، روکی ہوئی، حَظْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: جو شخص صرف دنیا کو طلب کرتا ہے اور آخرت پر یقین نہیں رکھتا تو ضروری نہیں کہ اس کی ہر چاہت پوری ہو جائے بلکہ ہم جس کے لئے مناسب سمجھتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں اس کو فوراً دنیا ہی میں دے دیتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ آخرت میں خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔ چونکہ اس نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اس لئے ہم نے آخرت میں اس کا ٹھکانا جہنم میں بنا دیا جس میں وہ ذلت و خواری کے ساتھ داخل ہوگا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو، یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو، اسے وہی جمع کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔

جو شخص آخرت کو طلب کرتا ہے اور ایمان کی حالت میں آخرت کے لئے مناسب کوشش کرتا ہے اور امر و نواہی کی پابندی اور اعمال صالحہ کرتا ہے تو ایسے لوگوں کی یہ کوشش اللہ کے ہاں قبول ہوگی۔ ان کو ان کے اعمال صالحہ کا پورا پورا اجر و ثواب دیا جائے گا۔ ہر ایک کو خواہ وہ طالب دنیا ہو یا طالب آخرت۔ ہم اپنی عطا سے بڑھاتے رہتے ہیں۔ وہ ایسا حاکم عادل ہے جو کبھی ظلم نہیں کرتا۔ وہ سب کا رب ہے کافر کا بھی اور مومن کا بھی۔ کوئی بھی فریق اس کی دین سے محروم نہیں اس کی نعمتیں عام ہیں۔

(مظہری ۴۲۹، ۴۳۰/ ۵، مواہب الرحمٰن ۶۶، ۶۸/ ۱۵)

آخرت کے درجات

۲۱، ۲۲۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّ اَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ○ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○

دیکھو! ہم نے ایک کو دوسرے پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت کے تو بڑے درجے ہیں اور بڑی فضیلت ہے۔ اللہ کے ساتھ

کوئی اور معبود نہ بناؤ ورنہ تو بد حال و بے بس ہو کر بیٹھ رہے گا۔

تشریح: دیکھ لو! ہم نے دنیا میں بھی انسانوں کے مختلف درجے رکھے ہیں۔ ان میں امیر بھی ہیں فقیر بھی، دولت مند بھی ہیں اور نادار بھی، نیک بھی ہیں بد بھی، ضعیف بھی ہیں توانا بھی، جوان بھی ہیں بوڑھے بھی، صحت مند بھی ہیں بیمار بھی، درجات کے اعتبار سے آخرت دنیا سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔ بعض لوگ جنت میں ہوں گے اور بعض دوزخ میں۔ پھر جنت اور دوزخ کے اندر بھی بہت سے درجات ہیں جہاں اعمال کے اعتبار سے اہلِ جنت و اہلِ دوزخ کو رکھا جائے گا۔ سو درجوں اور فضیلتوں کے اعتبار سے آخرت بہت بڑی ہے۔

پھر امت محمدیہ کو خطاب ہے کہ تم اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ اللہ کی مدد سے محروم ہو جاؤ گے اور تم اللہ کے سوا جس کی عبادت کرو گے اسی کے سپرد کر دیئے جاؤ گے۔ چونکہ اللہ کے سوا کوئی نفع و نقصان کا مالک نہیں اس لئے تم ہر نفع سے محروم اور نقصان سے دوچار ہو جاؤ گے۔

(ابن کثیر ۳۴،۳۳/۳، مواہب الرحمٰن ۶۸،۲۷/۱۵)

والدین کے ساتھ حسن سلوک

۲۵،۲۳۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّـهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْ هُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝

اور آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا

اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ اگر تیرے سامنے ان (والدین) میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا اور ان کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا اور ان کے لئے دعا کرتے رہنا کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اسی طرح تو بھی ان پر رحم کر۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اگر تم (واقعی) نیک ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

تَنْهَرْ : تو ڈانتا ہے، تو جھڑکتا ہے، نَهْرٌ سے مضارع۔

اخْفِضْ: تو جھکا دے، تو شفقت کر، خَفْضٌ سے امر۔

جَنَاحَ : بازو، ہاتھ، جمع اَجْنِحَةٌ ۔

الذُّلِّ : ذلت، عاجزی، تواضع، مصدر ہے۔

اَوَّابِیْنَ : بہت رجوع کرنے والا، بہت توبہ کرنے والا، واحد اَوَّابٌ

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاکیدی حکم جو کبھی ٹلنے والا نہیں یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور والدین کی اطاعت میں ذرا فرق نہ آنے دو، خاص طور پر جب ان کے بڑھاپے کا زمانہ آئے تو ان کا پورا ادب و احترام کرو۔ ان کے لئے کوئی بری بات زبان سے نہ نکالو یہاں تک کہ ان کے سامنے "ہوں" بھی نہ کرو۔ کوئی ایسا کام نہ کرو جو ان کو پسند نہ ہو اور ان کے لئے تکلیف کا باعث ہو۔ ان کے ساتھ بے ادبی سے بات نہ کرو بلکہ ان کے ساتھ عزت و احترام اور نرمی سے بات چیت کرو۔ ان کے سامنے تواضع اور عاجزی و انکساری سے رہو۔ ان کے بڑھاپے میں اور ان کے انتقال کے بعد ان کے لئے دعائیں کرتے رہو خاص طور پر ان کے لئے یہ دعا کرو کہ اے اللہ ان پر رحم کر جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں رحم اور مہربانی سے میری پرورش کی۔ البتہ اولاد کو کافر والدین کے لئے (بخشش کی) دعا کرنا منع ہے۔

(ابن کثیر ۳۴۔۳۶/ ۳)

پھر فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ کون کیسے دل سے ماں باپ کی خدمت کرتا ہے۔ اگر تم دل سے نیک اور سعادت مند ہو گے اور اللہ کی طرف رجوع ہو کر اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت کرو گے تو وہ تمہاری کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔ اگر نیک نیتی کے باوجود کسی وقت تنگدلی یا تنگ مزاجی سے کوئی کوتاہی ہو گئی اور پھر توبہ کر لی تو اللہ بہت بخشنے والا ہے۔ (عثمانی ۱/۷۹۷)

قرابت داروں کے حقوق

۲۶،۲۸۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ○ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ○

اور اہل قرابت اور محتاج اور مسافر کا حق ادا کرتے رہنا اور (مال کو) فضول نہ اڑانا۔ بلاشبہ فضول اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اگر تمہیں اپنے پروردگار کی طرف سے رحمت (فراخی) کے انتظار میں جس کی تجھے امید ہو ان (حاجت مندوں) سے پہلو تہی کرنا پڑے تو ان سے نرم بات کہنا۔

تُبَذِّرْ : تم فضول خرچی کرتے ہو، تم بیجا خرچ کرتے ہو، تَبْذِيْرٌ سے مضارع۔

تُعْرِضَنَّ : تو ضرور اعراض کرے گا، تو ضرور منہ پھیرے گا، اِعْرَاضٌ سے مضارع۔

ابْتِغَآءَ : چاہنا، تلاش کرنا مصدر ہے۔

مَيْسُوْرًا : نرمی، آسانی، يُسْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ماں باپ کے ساتھ سلوک واحسان کے حکم کے بعد ان آیتوں میں قرابت داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔ قرابت دار خواہ ماں کی جانب سے

ہو یا باپ کی جانب سے یا دونوں جانب سے ہو اگرچہ دور کے رشتے کا ہو، اس کو اس کا حق ضرور ادا کرنا چاہیئے اور حق کا لفظ عام ہے۔ اس میں ہر قسم کا حق آ گیا کہ اگر وہ قرابت دار محتاج ہیں تو ان کی مال سے مدد کرنا چاہیئے۔ اگر وہ محتاج نہیں ہیں تو ان کے ساتھ ادب و احترام، اخلاص و ہمدردی اور صلۂ رحمی کا معاملہ کرنا چاہیئے۔

اسی طرح مسکین کے ساتھ بھی حسن سلوک کرنا چاہیئے خواہ وہ قرابت دار ہو یا کوئی غیر ہو۔ قرابت دار مسکین کے ساتھ نیک سلوک کرنے میں دوہرا ثواب ہے ایک صلۂ رحمی اور دوسرا مسکین کی امداد کا۔ مسافر کا بھی حق ادا کرنا چاہیئے۔ اگر وہ ضرورت مند ہے تو اس کی ضرورت پوری کرنی چاہیئے اگرچہ وہ اپنے گھر میں بہت مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ مسافر کو کھانا کھلانا چاہیئے اس کو ٹھہرنے کی جگہ دینی چاہیئے۔ اس کے ساتھ نرمی اور عزت واحترام کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنے رزق میں اور عمر میں ترقی چاہتا ہو اسے صلۂ رحمی کرنا چاہیئے۔

آیت کے آخری حصے میں اسراف سے منع کیا گیا ہے کہ اپنے مال کو لغویات میں برباد نہ کرو۔ بلا ضرورت مکانات بنوانا، غیر ضروری سامان بنوانا، شادی بیاہ کی دعوت میں اعتدال سے بڑھنا بھی تبذیر ہے۔ ان سب سے بچنا ضروری ہے۔ بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں یعنی وہ شیطانوں کے طریقے پر ہیں یا ان کے دوست ہیں اور ان کی اطاعت و فرماں برداری میں بیہودہ جگہوں پر خرچ کرتے ہیں اور شیطان تو ہے ہی اپنے رب کا نافرمان اس لئے اس کی باتوں میں نہیں آنا چاہیئے، مال و دولت اللہ کی نعمت ہے۔ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اس کا شکر ادا کرنا ہے اور ناحق خرچ کرنا اس کی ناشکری ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۸۰۔ ۸۲/ ۱۵، حقانی ۱۵۴، ۱۵۵/ ۳)

مجاہد نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنا سارا مال حق کے راستے میں خرچ کر دے تو اس کو تبذیر نہیں کہا جائے گا اور اگر گناہ کے راستے میں ایک سیر غلہ بھی خرچ کیا تو اس کو تبذیر کہا جائے گا۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ مال کو حق کے راستہ کے علاوہ ناحق (باطل راستہ میں) خرچ کرنا

تبذیر ہے۔ (روح المعانی ۱۵/۶۳)

جب تمہارے پاس اللہ کی راہ میں دینے کے لئے کچھ نہ ہو اور تمہیں اپنے رب کی طرف سے رزق آنے کی امید ہو اور اس رزق کے انتظار میں ان کی طرف سے رخ بھی پھیرنا پڑے تو ان سے نرمی کے ساتھ معذرت کرو۔ جب تم ان پر رحم کرو گے اور ان کے ساتھ نرمی سے بات کرو گے تو اللہ بھی تم پر رحم فرمائے گا۔

خرچ میں میانہ روی

۲۹، ۳۰۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ
فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ○ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ
وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ○

اور تو اپنے ہاتھ کو سکیڑ کر گردن میں نہ باندھ اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو ملامت زدہ اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہے۔ (اے نبی!) بیشک آپ کا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور وہی تنگی کر دیتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا ہے (اور ان کے حال کو) دیکھ رہا ہے۔

مَغْلُوْلَةً : بندھی ہوئی، بخیل، غَلٌّ سے اسم مفعول۔

عُنُقِكَ : تیری گردن جمع اَعْنَاقٌ۔

تَبْسُطْهَا : تو اس کو کشادہ کر دے، تو اس کو کھول دے، بَسْطٌ سے مضارع۔

مَّحْسُوْرًا: پچھتایا ہوا۔ حسرت زدہ۔ عاجز۔ حَسْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: یہاں مال خرچ کرنے میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنے کی تاکید ہے کہ نہ تو انتہائی بخل اور کنجوسی کی وجہ سے اپنا ہاتھ بالکل روک لو گویا کہ وہ گردن سے بندھا ہوا ہے، کسی کو کچھ دینے کے لئے کھلتا ہی نہیں اور نہ ہاتھ کو اتنا کھول دو کہ جوش میں آکر سب کچھ دے دو اور

پھر خالی ہاتھ ہو کر گھر میں بیٹھ جاؤ۔

پس بخل کی وجہ سے انسان برا بن جاتا ہے اور لوگوں کی نظروں سے گر جاتا ہے۔ ہر ایک اسے ملامت کرنے لگتا ہے اور جو حد سے زیادہ خرچ کر دیتا ہے وہ تھک کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔ وہ ضعیف اور عاجز ہو جاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ سے فرمایا کہ تو اللہ کی راہ میں خرچ کیا کر اللہ تعالیٰ تجھے دیتا رہے گا۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ درمیانہ خرچ رکھنے والا کبھی فقیر نہیں ہوتا۔

پھر فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ اس تنگی اور کشادگی میں حکمتیں اور مصلحتیں ہیں وہ خوب جانتا اور دیکھتا ہے کہ رزق میں کشادگی کا مستحق کون ہے اور غربت و مفلسی کا مستحق کون۔ تم بندے ہو تمہیں مصلحتوں اور حکمتوں کا علم نہیں لہٰذا تمہیں جو میانہ روی کا حکم دیا گیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔ (ابن کثیر ۳/۴۷)

اولاد کے قتل کی ممانعت

۳۱۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ○

اور مفلسی کے ڈر سے تم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی ان کو رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی۔ بیشک ان کا قتل کرنا بڑی خطا (گناہ) ہے۔

اِمْلَاقٍ: افلاس، ناداری، تنگدستی، مصدر ہے۔

خِطْاً: خطا، گناہ، چوک، مصدر ہے۔

تشریح: اہل جاہلیت کی ایک ظالمانہ عادت تھی کہ وہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیا کرتے تھے۔ ایک تو اس خیال سے کہ لڑکیاں کچھ کما نہیں سکتیں جبکہ لڑکے لوٹ مار کر کے بھی

کچھ نہ کچھ مال حاصل کر لیتے تھے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ جب وہ بڑی ہوں گی تو خاندان والے مفلسی کی بنا پر اس لڑکی سے نکاح نہیں کریں گے اس لئے اس کا نکاح خاندان سے باہر کے لوگوں میں کرنا پڑے گا۔ جوان کے نزدیک بڑی عار کی بات تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو افلاس و تنگدستی کے خوف سے قتل نہ کرو۔ جہاں تک ان کے رزق کا تعلق ہے تو تمہیں اس کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کی روزی تمہارے ذمے نہیں۔ سب کا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے۔ تمہیں بھی وہی روزی دیتا ہے اور تمہارے رزق میں کمی کئے بغیر ان کے رزق کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ ہی نے لیا ہوا ہے۔ لہٰذا بھوک اور افلاس کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو۔ ان کا قتل جرمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ ہے۔ سو تم اس سے بچتے رہو۔

(روح المعانی ۶۶، ۶۷/ ۱۵، حقانی ۱۵۶/ ۳)

صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے حالانکہ اس اکیلے نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالے کہ وہ تیرے ساتھ کھائیں گے، میں نے کہا کہ اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کرے۔ (ابن کثیر ۳۸/ ۳)

زنا کی ممانعت

۳۲۔ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ط وَسَآءَ سَبِيْلًا O

اور تم زنا کے قریب (بھی) نہ جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی (کا کام) ہے اور وہ بری راہ ہے۔

تشریح: زنا کرنا تو بہت دور کی بات ہے تم اس کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی اور واضح طور پر برائی کا کام ہے اور بہت برا طریقہ ہے۔ اس سے حسب و نسب میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ طرح طرح کی دشمنیاں، لڑائیاں اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور قتل ہوتے

ہیں۔ لہٰذا تم اس کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

قتلِ ناحق کی ممانعت

۳۳۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝

اور جس جان کا قتل کرنا اللہ نے حرام کر دیا ہے، تم اس کو ناحق قتل نہ کرو اور جو شخص ناحق (مظلوم) قتل کیا جائے تو بیشک ہم نے اس کے وارث کو (قصاص لینے یا معاف کرنے کا) اختیار دے دیا ہے۔ سو اس کو چاہئے کہ وہ قتل کرنے (قصاص لینے) میں زیادتی نہ کرے۔ بیشک اس (وارث کے مقتول) کو مدد دی جاتی ہے۔

تشریح: جس شخص کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔ مگر حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ قتل کرنے کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ قاتل کو قتل کی سزا میں قصاص کے طور پر قتل کیا جائے۔

۲۔ نکاح کرنے کے بعد بھی زنا کرے تو اس کو زنا کی سزا میں قتل (سنگسار) کیا جائے۔

۳۔ دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔ ان تینوں صورتوں میں انسان کی حرمت جاتی رہتی ہے۔

نسائی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کے نزدیک (ساری) دنیا کا فنا ہو جانا مومن کے قتل سے حقیر ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص ناحق قتل کر دیا جائے تو اس کے وارث کو اختیار ہے کہ وہ قاتل کو بالکل معاف کر دے یا دیت لے لے۔ قصاص لینے میں یعنی قاتل کو قتل کرنے میں اسراف نہ ہو یعنی قاتل کی قوم کے کسی اور شخص کو قتل نہ کرے، نہ قاتل کو جلا کر مارے اور نہ

اس کا مثلہ کرے، یعنی اس کے اعضاء ناک، کان وغیرہ نہ کاٹے جو اس کے وارثوں میں اشتعال کا باعث ہو۔ (روح المعانی ۶۹۔۷۰/۱۵، مظہری ۴۲،۴۳۸/۵)

یتیموں کے مال سے اجتناب

۳۴۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ بجز ایک احسن طریقے کے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو۔ بیشک (اللہ کے ہاں) عہد کی باز پرس ہوگی۔

تشریح: یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ البتہ تم یتیم کے مال میں ایسے طریقے سے تصرف کر سکتے ہو جو یتیم کے لئے بہتر اور مفید ہو۔ جس سے اس کے مال کی حفاظت مقصود ہو یا اس کا مقصد مال کو بڑھانے کی غرض سے تجارت میں لگانا ہو وغیرہ۔ پھر جب وہ یتیم بالغ ہو جائے اور اس میں سوجھ بوجھ پیدا ہو جائے جو صحیح تصرف کے لئے ضروری ہے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دو۔

اگر وہ شخص جس کی پرورش میں یتیم بچے ہوں، وہ خود مالدار ہے تو اسے ان کے مال سے بالکل الگ اور دور رہنا چاہئے۔ البتہ اگر وہ غریب و محتاج ہے تو یتیم کے مال کی نگرانی کی اُجرت کے طور پر اس میں سے دستور کے موافق لے سکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے احکام پر عمل کرانے کا جو تم سے وعدہ لیا ہے اس کو پورا کرو اور لوگوں سے جو تم جائز معاملات کا وعدہ کرو اس کو بھی پورا کرو۔ جو شخص عہد کی پابندی نہیں کرتا اس سے ہر عہد توڑنے کے بارے میں پوچھا جائے گا اور اس کو عہد شکنی کی سزا دی جائے گی۔ (ابن کثیر ۳۹/۳)

ناپ تول میں کمی کی ممانعت

۳۵۔ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ط
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا O

اور جب ناپ کر دینا ہو تو پورا پیمانہ دیا کرو اور صحیح ترازو سے تولو۔
(کیونکہ) یہی بہتر ہے اور (اس کا) انجام بھی اچھا ہے۔

وَاَوْفُوا: تم پورا کرو، اِیْفَاءٌ سے امر۔

اَلْكَيْلَ: غلہ ناپنے کا پیمانہ، پیمانے سے غلہ ناپنا۔

بِالْقِسْطَاسِ: ترازو، میزان، جمع قَسَاطِيْسُ۔

تشریح: ناپ کر دیتے وقت پیمانے کو پورا بھر کر دیا کرو اور تولتے وقت صحیح ترازو سے ڈنڈی مارے بغیر تولا کرو۔ یہ پورا ناپنا اور تولنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر ناپ تول میں کمی کرو گے تو یہ دھوکہ اور خیانت ہے اس میں برکت نہیں، تمہارے لئے دونوں جہان کی بہتری اسی میں ہے کہ تم ناپ اور تول میں کسی قسم کی کمی اور خیانت سے بچو، پورا ناپنا اور تولنا دنیا میں بھی نیک نامی کا باعث ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی نہایت عمدہ ہے۔

قرآن کریم میں دوسرے مقام پر ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کے لئے سخت وعید بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ O الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ
يَسْتَوْفُوْنَ O وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ O
(مطففین آیت ۱۔۳)

ہلاکت ہے (ناپ تول میں) کمی بیشی کرنے والوں کے لئے وہ لوگ کہ جب ناپ کر لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

بلا تحقیق بات کہنے کی ممانعت

۳۶۔ وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا O

اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہ ہو۔ بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کی اس سے پوچھ کچھ ہو گی۔

تَقْفُ : تو پیروی کر، تو پیچھے چل، تو عمل کر، قَفْوٌ سے مضارع۔

اَلْفُؤَادَ : دل، قلب، جمع اَفْئِدَةٌ۔

تشریح: کسی شخص کے بارے میں ایسی بات نہ کہو جس کا تمہیں قطعی اور یقینی علم نہ ہو۔ آدمی کو چاہئے کہ پہلے وہ اپنے کان، آنکھ اور دل ودماغ سے کام لے کر بقدر کفایت تحقیق کر کے پورا اطمینان حاصل کرے پھر اس کے بعد کسی کے بارے میں کوئی بات کہے۔ محض سنی سنائی باتوں پر سوچے سمجھے بغیر عمل نہ کرے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، کسی پر بہتان لگانا، سنی سنائی باتوں پر کسی کے درپے آزار ہونا یا اس سے بغض وعداوت رکھنا یا رسم ورواج کی پابندی میں خلاف شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا وغیرہ سب داخل ہیں۔ بلاشبہ قیامت کے روز ایسی تمام باتوں کے بارے میں تمہارے کانوں، آنکھوں اور دلوں سے ضرور باز پرس کی جائے گی۔ یعنی جو شخص سننے دیکھنے اور جاننے کا دعویٰ کرتا ہے اس کے اعضا سے اس کی تصدیق طلب کی جائے گی۔ آنکھ سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔ کان سے سوال کیا جائے گا کہ اس نے کیا سنا تھا اور دل سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا جانا تھا۔ (عثمانی ۱/۸۰۱، مظہری ۵/۴۴۰)

اکڑ کر چلنے کی ممانعت

۳۷، ۳۸۔ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ج اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ

وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً O كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا O

اور تو زمین پر اکڑ کر نہ چل۔ تحقیق نہ تو تو زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ بلندی میں پہاڑوں کو پہنچے گا۔ ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک (سخت) ناپسندیدہ ہے۔

مَرَحًا : اکڑتا ہوا، اتراتا ہوا، مصدر ہے۔

تَخْرِقَ: تو پھاڑ دے گا، تو چلنے میں زمین کو قطع کرے گا، خَرْقٌ' سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں اکڑ کر، اترا کر اور تکبر کے ساتھ چلنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ کیونکہ یہ روش اور طریقہ سرکش اور مغرور لوگوں کا ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ آدمی چلنے میں تواضع اختیار کرے کیونکہ وہ کھٹ پٹ، کھٹ پٹ اور زور زور سے زمین پر پاؤں مار کر چلنے سے نہ تو زمین کو پھاڑ کر اس کو دو ٹکڑے کر سکتا ہے اور نہ گردن اکڑا کر چلنے سے وہ پہاڑ کی بلندی کو چھو سکتا ہے۔ بلکہ وہ جیسا پست ہے ویسا ہی پست رہے گا۔ پھر فرمایا کہ مذکورہ تمام برے کام اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ اور قابل نفرت ہیں۔

ایک روز حضرت عمرؓ نے منبر پر فرمایا کہ لوگو! میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا کہ جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو اٹھا کر اونچا کر دیتا ہے گو وہ اپنی نظر میں تو نیچا ہی ہوتا ہے مگر لوگوں کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہے اور جو خود بڑا بنتا ہے اللہ اس کو پست کر دیتا ہے۔ سو وہ لوگوں کی نظر میں چھوٹا ہو جاتا ہے اور خود اپنی نظر میں بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک وہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ (مظہری ۴۴۱/۵)

علم و حکمت کی باتیں

۳۹، ۴۰۔ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ

اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○
اَفَاَصْفٰـكُمْ رَبُّـكُم بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓـئِكَةِ اِنَا ثًا ط
اِنَّـكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ○

(اے رسول ﷺ) یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں اور (اے انسان) اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ ٹھہرا ورنہ تو ملامت زدہ اور راندہ درگاہ ہو جائے گا اور تجھے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (اے مشرکو!) کیا تمہارے رب نے تمہیں بیٹوں کے لئے مخصوص کر لیا ہے اور اپنے لئے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے۔ بیشک تم بہت ہی بڑی بات کہتے ہو۔

مَدْحُوْرًا : مردود کیا ہوا، رحمت سے دور کیا ہوا، دَحَرٌ و دُحُوْرٌ سے اسم مفعول۔
اَفَاَصْفٰـكُمْ : اس نے تم کو خاص کیا، اس نے تم کو پسند کیا، اِصْفَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: گزشتہ آیات میں جو ہدایتیں اور نصیحتیں کی گئی ہیں وہ ایسی علم و حکمت کی باتیں ہیں جو اللہ نے وحی کے ذریعہ آپ کے پاس بھیجی ہیں اور جن کو ہر عقل سلیم قبول کرتی ہے۔ یہ تمام ادیان اور ملتوں میں چلی آتی ہیں۔ بلاشبہ یہ تمام امور مکارم اخلاق اور محاسن اعمال میں سراپا حکمت ہیں۔ ان کی بجا آوری میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ ان احکام حکمت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے حکم اور شرک کی ممانعت سے شروع فرمایا۔ (آیت ۲۳) اور اسی پر ختم فرمایا (آیت ۳۹) جس سے مقصود یہ ہے کہ یہی حکم اول ہے اور یہی حکم آخر ہے۔ اس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں۔ اس لئے جہاں تک ممکن ہو کلمۂ توحید پڑھتے رہو تاکہ تمہاری زندگی اسی پر ختم ہو کیونکہ اسی پر تمام اعمال کی صحت کا مدار ہے۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور تمہارا یہ حال ہوگا کہ تم اپنے آپ کو ملامت کرنے لگو گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی ساری مخلوق بھی تمہیں ملامت کرے گی اور تمہیں ہر بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ کیا تمہارے رب نے تمہارے لئے لڑکے مخصوص کر دیئے ہیں اور اپنے لئے لڑکیاں جو تمہیں سخت ناپسند ہیں اور جن کو تم زندہ درگور کرتے ہو۔ بلاشبہ تمہاری یہ بات

اللہ تعالیٰ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔ تمہاری یہ بات کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں بہت ہی بری ہے۔ تم اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہو حالانکہ وہ واحد و یکتا اور اولاد سے بے نیاز ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۱۶،۷،۳۱۷، ۴، مظہری ۴۴۲، ۵)

توحید کی تاکید اور شرک کی تردید

۴۱، ۴۴۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا
نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّا بْتَغَوْا اِلٰی
ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا
كَبِیْرًا ۝ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ
وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ۝

اور ہم نے اس قرآن میں (اہم امور کو) طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ وہ (لوگ) نصیحت حاصل کریں حالانکہ ان کو تو اس سے نفرت ہی بڑھتی جاتی ہے۔ (اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اس کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ وہ (مشرکین) کہتے ہیں تب تو انہوں نے عرش کے مالک تک (پہنچنے کا) کوئی راستہ ڈھونڈ لیا ہوتا۔ وہ (اللہ) پاک ہے اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے (اس کی ذات) بہت ہی بلند ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے وہ سب اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بیشک وہ بڑا تحمل کرنے والا (اور) بڑا ہی بخشنے والا ہے۔

نُفُوْرًا : نفرت کرنا، فرار ہونا، بھاگنا، مصدر ہے۔

اِبْتَغَوْا : انہوں نے تلاش کیا، اِبْتِغَاءٌ سے ماضی۔

تَفْقَهُوْنَ : تم سمجھتے ہو، فِقْهٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم نے قرآن میں متعدد مقامات پر عبرتیں، حکمتیں، احکام، امثال، دلائل اور نصیحتیں صاف صاف اور واضح طور پر بیان کر دی ہیں تاکہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کریں اور برائیوں اور اللہ کی ناراضی سے بچیں۔ لیکن یہ بدبخت لوگ نصیحت حاصل کرنے کی بجائے حق سے نفرت میں بڑھتے ہی چلے گئے۔

اے محمد ﷺ آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے جو لوگ اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور بھی معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو وہ معبود بھی اللہ ہی کی عبادت کرتے اور اسی کا قرب حاصل کرتے، سوائے کافرو تمہیں بھی اسی ذات واحد کی عبادت کرنی چاہئے نہ کہ باطل معبودوں کی۔

وہ ذات واحد وصمد اس سے پاک و منزہ ہے کہ کوئی اس کا شریک وہمسر ہو اور وہ ان سب باتوں سے بلند و برتر ہے جو یہ ظالم اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ ساتوں آسمانوں اور زمین کی ہر مخلوق اللہ کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے۔ لیکن اکثر لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہایت حلم والا ہے اور گناہوں کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور جو توبہ کرتا ہے اس کو بخش دیتا ہے۔ (مظہری ۴۴۲، ۴۴۳/۵)

ازلی گمراہی کے پردے

۴۵، ۴۸۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ○ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ
يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ
وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ○ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ

بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ○

اور (اے نبی ﷺ) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا (نظر نہ آنے والا) پردہ حائل کر دیتے ہیں اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ تاکہ وہ اس (قرآن) کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادیتے ہیں (تاکہ وہ اس کو سن نہ سکیں) اور جب آپ قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس وقت یہ لوگ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو جس نیت سے یہ سنتے ہیں ہم اسے خوب جانتے ہیں اور (ہم اس سے بھی واقف ہیں) جب وہ سرگوشی کرتے ہیں (اور) جب یہ ظالم کہتے ہیں کہ (بس) تم تو ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جو سحر زدہ ہے۔ آپ ذرا دیکھئے تو کہ یہ لوگ کیسی کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں۔ سو وہ تو گمراہ ہو گئے اس لئے وہ راستہ نہیں پا سکتے۔

مَّسْتُوْرًا: چھپانے والا، ستر سے اسم مفعول بمعنی اسم فاعل۔

اَكِنَّةً: حجاب، پردے، واحد کنان۔

وَقْرًا: بوجھ، بہرا پن، ڈاٹ، اسم مصدر۔

اَدْبَارِهِمْ: ان کے بعد، ان کی پیٹھیں، ان کی پشتیں، واحد دبر۔

نُفُوْرًا: نفرت کرنا، فرار ہونا، بھاگنا، مصدر ہے۔

نَجْوٰى: سرگوشی کرنا، مشورہ کرنا، باتیں کرنا، راز بھید، اسم بھی ہے مصدر بھی۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی چیزوں کی تسبیح تو یہ مشرکین کیا سمجھتے یہ تو قرآن مجید

بھی نہیں سمجھتے جو خاص انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ اے نبی ﷺ ان مشرکین کے قرآن نہ سمجھنے کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کی ازلی گمراہی کے پردے، قرآن کریم اور ان کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ لوگ قرآن کریم کے مضامین میں غور و فکر نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ان کو قرآن سمجھانا چاہے تو یہ اس کی بھی نہیں سنتے کیونکہ ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی گئی ہے تاکہ وہ سن نہ سکیں۔ جب آپ قرآن کریم میں صرف اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں اور ان کے معبودوں کا ذکر نہیں کرتے تو وہ توحید کے ذکر سے نفرت کرتے ہوئے پشت پھیر کر چل دیتے ہیں۔

ہم خوب جانتے ہیں کہ جب آپ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تو یہ لوگ آپ کی طرف کان کیوں لگاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا مقصد قرآن کریم کی تلاوت سننا نہیں ہوتا بلکہ یہ آپ کا اور قرآن کریم کا مذاق اڑانے کے لئے آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور ہم اس سے بھی خوب واقف ہیں جب یہ لوگ آپس میں سرگوشیاں کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم محض ایسے شخص کی اتباع کر رہے ہو جو سحر زدہ ہے۔ دیکھو ان لوگوں نے آپ کے لئے کیسے کیسے القاب تجویز کئے ہیں۔ کوئی شاعر کہتا ہے، کوئی جادوگر، کوئی سحر زدہ، کوئی کاہن۔ ایسی بے اصل باتیں کہنے کی بنا پر یہ لوگ حق سے بھٹک گئے۔ پس اب یہ حق و ہدایت کے راستے پر نہیں آ سکتے کیونکہ اللہ نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں۔ (مظہری ۴۴۴، ۵/۴۴۵)

حیاتِ اخروی پر تعجب

۴۹، ۵۲۔ وَ قَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ○ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ○ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا
يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ج فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ط قُلِ الَّذِيْ
فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ج فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ
يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ط قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ○ يَوْمَ

يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلاً O

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا جب ہم (مر کر) ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو ہم نئے سرے سے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ خواہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور مخلوق (ہو جاؤ) جس کو تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھتے ہو (تب بھی زندہ کر کے اس کے سامنے پیش کئے جاؤ گے) اس پر وہ کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔ پھر وہ آپ کے آگے سر ہلا ہلا کر یہ کہیں گے کہ وہ کب ہو گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ عجب نہیں کہ وہ وقت قریب ہی آ پہنچا ہو۔ جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم (خوف کے مارے) اس کی حمد کرتے ہوئے چلے آؤ گے اور تم یہ گمان کرو گے کہ (دنیا میں) تم بہت تھوڑی دیر رہے۔

عِظَامًا : ہڈیاں، واحد عَظْمٌ۔

رُفَاتًا : ٹوٹا ہوا، ریزہ ریزہ، بوسیدہ، رَفْتٌ سے فاعل بمعنی مفعول۔

حِجَارَةً : پتھر، کنکریاں، واحد حَجَرٌ۔

حَدِيْدًا : لوہا۔

فَطَرَكُمْ : اس نے تم کو بنایا۔ اس نے تم کو پیدا کیا۔ فَطْرٌ سے ماضی۔

فَسَيُنْغِضُوْنَ : پس جھکادیں گے، پس وہ مٹائیں گے، پس وہ ہلائیں گے، اِنْغَاضٌ سے مضارع۔

رُءُ وْسَهُمْ : ان کے سر، واحد رَأْسٌ۔

مَتٰى : کب۔ جب۔ اسم ظرف بھی ہے اور حرف بھی۔

تشریح: مشرکین و منکرین قیامت کے قائل نہ تھے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کو محال سمجھتے تھے۔ اسی لئے کہا کرتے تھے کہ جب ہم ہڈیاں مٹی بن کر بالکل ناپید ہو جائیں گے تب کون ہمیں نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے

فرمایا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت چیز بن جاؤ پھر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ کر کے اٹھائے گا۔ پہلی بار بھی جب تم کچھ بھی نہ تھے، اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا۔ لہٰذا تمہیں دوبارہ پیدا کرنا اس پر ذرا بھی مشکل نہیں۔ یہ سن کر وہ کافر تعجب یا استہزا کے طور پر اپنے سر مٹکا کر کہیں گے کہ اگر ہم یہ مان لیں کہ دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے اور جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے تو پھر یہ دوبارہ پیدا ہونا کب ہوگا اور اس میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے۔ اے محمد ﷺ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ امید ہے کہ یہ دوسری زندگی بہت ہی قریب ہے۔ بس اس کو آئی ہوئی ہی سمجھو۔

قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ تمہیں پکارے گا تو تم اللہ کی آواز کے ساتھ ہی بے اختیار اس کی حمد کرتے ہوئے زمین سے نکل پڑو گے اور حساب و کتاب کے لئے میدان حشر میں جمع ہو جاؤ گے۔ اس وقت تم خیال کرو گے کہ تم بہت ہی کم مدت دنیا میں رہے۔ قتادہ نے کہا کہ وہ قیامت کے مقابلے میں دنیا کی مدت کو حقیر سمجھیں گے۔

(ابن کثیر ۴۴، ۴۵/ ۳، روح المعانی ۹۰، ۹۴/ ۱۵)

مسلمانوں کو نصیحت

۵۳، ۵۵۔ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ
بَیْنَھُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ○ رَبُّکُمْ
اَعْلَمُ بِکُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْکُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْکُمْ ؕ وَمَآ
اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ وَکِیْلًا ○ وَرَبُّکَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّ اٰتَیْنَا
دَاوٗدَ زَبُوْرًا ○

اور (اے رسول ﷺ) آپ میرے بندوں کو کہہ دیجئے کہ وہ ایسی بات کہا کریں جو بہتر ہو کیونکہ شیطان لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے۔ بلاشبہ

شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم پر رحمت فرمادے یا اگر وہ چاہے تو تمہیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا ہے اور آپ کا رب ان کو خوب جانتا ہے۔ جو آسمانوں اور زمین میں (رہتے) ہیں اور البتہ ہم نے بعض انبیا کو بعض پر فضیلت دی ہے اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی ہے۔

یَنْزَغُ: وہ ورغلاتا ہے، وہ وسوسہ ڈالتا ہے، نَزْغٌ سے مضارع۔

عَدُوًّا: دشمن، جمع اعداءٌ۔

وَكِيلًا: وکیل، کارساز، وَکْلٌ سے صفت مشبہ۔

فَضَّلْنَا: ہم نے فضیلت دی، ہم نے بزرگی دی، تَفْضِيْلٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں آنحضرت ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کافروں کو دعوت اسلام اور کلمہ توحید کی تبلیغ نرمی اور حسنِ گفتار کے ساتھ کیا کریں کیونکہ سخت کلامی سے شیطان باہم فساد ڈلوا دیتا ہے۔ بلاشبہ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔ وہ گھات میں لگا رہتا ہے اس لئے مسلمانوں کو کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہئے جس سے شیطان لعین کو شر اور بگاڑ پیدا کرنے کا موقع مل جائے۔

اللہ تعالیٰ تمہارے احوال سے خوب واقف ہے اور ہدایت کے مستحق لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ وہ جس کے ساتھ چاہتا ہے ایمان کی توفیق دے کر رحم کا معاملہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بداعمالیوں پر پکڑ لیتا ہے۔ اور عذاب دیتا ہے۔ اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار نہیں بنایا۔ آپ کا کام تو صرف بشارت دینا اور خبردار کر دینا ہے جو لوگ آپ کی بات مانیں گے اور آپ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں گے ان کو اس کے بدلے جنت ملے گی اور جو لوگ آپ کا انکار کریں گے اور آپ کے طریقے سے روگردانی کریں گے ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

ہر کام کی مصلحت و حکمت اللہ خوب جانتا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کوئی بات اس سے مخفی نہیں۔ وہ تمہارے احوال سے بھی واقف ہے۔ وہ مختار کل ہے جس کو چاہے فضیلت

دے۔ انبیا میں بھی درجے ہیں۔ بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہے۔ داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور عطا کی ہے۔ کسی کو خلیل بنایا، کسی کو کلیم بنایا، کسی کو گہوارے میں قوت گویائی دی، پھر آخر میں آنحضرت ﷺ کو تمام انبیا سے برگزیدہ بنایا اور آپ پر نبوت ختم کر دی اور آپ کی امت کو خیر الامم قرار دیا۔

زبور اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر سے یہود کو یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ وہی نبی ہے جس کی خبر حضرت داؤد علیہ السلام نے دی تھی کہ اس کو شوکت و سلطنت بھی دی جائے گی۔ (حقانی ۱۶۳/ ۳، ابن کثیر ۴۵، ۴۶/ ۳)

باطل معبودوں کی حقیقت

۵۶، ۵۸۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے سوا جن کو (معبود) قرار دے رہے ہو ذرا ان کو بلاؤ تو سہی۔ وہ یہ قدرت نہیں رکھتے کہ تمہاری تکلیف دور کر سکیں اور یا اس کو بدل دیں۔ جن کو یہ لوگ (مشرکین) پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب تک وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بیشک آپ کے رب کے عذاب سے ڈرنا ہی چاہئے اور ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں

یا اس کو کسی شدید عذاب میں مبتلا نہ کریں۔ یہ (بات) کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

تَحْوِيْلًا : تبدیلی، تغیر، مصدر ہے۔

مَحْذُوْرًا : بند کی ہوئی، روکی ہوئی، حَظْرٌ سے اسم مفعول۔

مَسْطُوْرًا : لکھا ہوا، سَطْرٌ سے اسم مفعول۔

شانِ نزول: بخاری، عبدالرازق، ابن ابی شیبہ، نسائی اور طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کچھ آدمی کچھ جنوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ جب وہ جن مسلمان ہو گئے تب بھی یہ مشرک لوگ انہی جنات سے چمٹے رہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۵/۹۷، مظہری ۵/۴۵۰،۴۴۹)

تشریح: مشرکین دلائل توحید سن کر اپنے معبودوں کے فضائل بیان کیا کرتے تھے کہ وہ یوں کر سکتے ہیں اور یہ دے سکتے ہیں ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ جن معبودوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ کسی مصیبت میں بھی تمہارے کام نہیں آ سکتے اور نہ وہ تمہارا دکھ درد دور کرنے یا اس کو تمہارے اوپر سے ٹال کر دوسروں کو اس میں مبتلا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں اور نہ وہ تمہارا افلاس اور قحط سالی دور کر سکتے ہیں۔ وہ تو محض بے بس اور بے اختیار ہیں۔ قدرت و اختیار تو صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جو تمام مخلوق کا خالق اور سب کا حکمران ہے۔

مشرکین بعض فرشتوں، انبیا علیہم السلام اور صالحین کی مورتیں بنا کر ان کو پوجتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ مشرک جن کو پکارتے ہیں وہ تو خود ایمان واطاعت کے ذریعہ اللہ کے قرب کا وسیلہ تلاش کرتے رہے ہیں۔ ان میں جو سب سے زیادہ قربت رکھنے والے ہیں وہ بھی وسیلے کے طلب گار ہیں اور جو قربت نہیں رکھتے ان کا تو ذکر ہی کیا۔ جب یہ معبود خود ہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں تو مشرک کس بنیاد پر ان کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔ بلاشبہ اللہ کا عذاب تو ہے ہی ڈرنے کے قابل۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم معبود خیال کرتے ہو جیسے فرشتے حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر وغیرہ ان میں سے بھی کوئی تمہارا دکھ درد دور نہیں کر سکتا۔ یہ تو خود اطاعت و فرماں برداری کے ذریعہ اللہ کا مقرب ترین بندہ بننے کے لئے وسیلے کے طلبگار اور اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ تم کس طرح ان کو عبادت کے لائق سمجھتے ہو۔

پھر فرمایا کہ کافروں کی ایسی کوئی بستی نہیں جس کو ہم ان کے گناہوں کے سبب قیامت سے پہلے ہی ہلاک و برباد نہ کر دیں یا قیامت کے روز ان کو عذاب نہ دیں۔ اس میں ہماری طرف سے ذرا بھی ظلم و زیاتی نہ ہو گی بلکہ یہ سب ان کے اپنے اعمال بد کا وبال اور اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے سرکشی کا انجام ہو گا۔ یہ سب باتیں لوح محفوظ میں درج ہیں۔

(حقانی ۱۶۳، بیضاوی ۲۳۸)

مشرکین کی فرمائشیں

۵۹۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ○

اور ہم نے معجزے بھیجنا اس لئے موقوف کر دیا کہ پہلے لوگ ان کی تکذیب کر چکے ہیں اور ہم نے (قوم) ثمود کو (ان کی فرمائش پر) اونٹنی دی تھی۔ (یعنی اونٹنی کا معجزہ دیا تھا) جو بصیرت کا ذریعہ تھی۔ سو انہوں نے اس کے ساتھ ظلم کیا اور ہم (اپنی) نشانیاں (معجزے) ڈرانے ہی کے لئے تو بھیجتے ہیں۔

النَّاقَةَ: اونٹنی جمع نُوْق۔

مُبْصِرَةً: دکھانے والی، واضح کرنے والی، اِبْصَارٌ سے اسم فاعل بمعنی مفعول۔

تخویفا: خوف دلانا، ڈرانا، مصدر ہے۔

شان نزول: احمد، نسائی، حاکم اور طبرانی وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ اہل مکہ نے رسول ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیجئے اور ان پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ ہم یہاں کھیتی باڑی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ رسول ﷺ کو بتایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کی درخواست پوری کرنے میں ڈھیل کردوں اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کا سوال پورا کردوں۔ پھر اگر سوال پورا ہونے کے بعد ان لوگوں نے کفر کیا تو ان کو بھی اسی طرح ہلاک کردیا جائے گا جس طرح ان سے پہلی امتوں کو ہلاک کیا گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کہا۔ نہیں۔ تو ان کو ڈھیل دے دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔ (مسند احمد ۲۶۴/۱، روح المعانی ۱۰۳/۱۵)

تشریح: مشرکین نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ آپ سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں ان میں سے بعض کے تابع ہوا تھی اور بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے، بعض پر من وسلویٰ اترتا تھا وغیرہ۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو آپ اس صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دیجئے۔ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو بتایا کہ پہلی امتوں میں بھی لوگوں نے انبیاء سے سوال کر کے اپنی پسند کے معجزے طلب کئے تھے اور کہا تھا کہ اگر ہماری خواہش کے مطابق معجزہ آئے گا تو ہم ایمان لے آئیں گے مگر وہ اپنی خواہش کے مطابق معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ اس لئے ہم نے ان کو ہلاک کردیا۔ یہ منکرین بھی انہی لوگوں کی طرح ہیں اگر آپ چاہیں تو میں ان کی خواہش پر صفا پہاڑ کو سونے کا بنادوں گا۔ اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان کو فوراً ہلاک کردیا جائے گا اور ہم ان کو تباہ کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم ان کو مہلت دینا چاہتے ہیں۔

قومِ ثمود کو دیکھو کہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ آپ معجزے کے طور پر اس خاص پتھر میں سے اونٹنی نکال دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح کی دعا پر ان کا مطالبہ پورا کردیا۔ لیکن وہ ایمان نہ لائے بلکہ وہ رسول

کو جھٹلاتے رہے اور انہوں نے اونٹنی کی بھی کونچیں کاٹ ڈالی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو تین دن کی مہلت دی اور پھر ہلاک کر دیا۔ پھر فرمایا کہ ہم ایسے معجزات صرف ڈرانے کے لئے بھیجا کرتے ہیں۔ (حقانی ۱۶۴، ۳)

آپ کو تسلی

۶۰۔ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ۝

اور (اے رسول! وہ وقت یاد کیجئے) جب ہم نے آپ سے کہا تھا کہ آپ کے رب نے ان لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے اور وہ خواب جو ہم نے آپ کو دکھایا تھا اور وہ ملعون درخت جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ ان سب کو ہم نے ان لوگوں کے لئے آزمائش بنایا اور ہم ان کو خوف دلاتے رہتے ہیں۔ سو اس سے ان کی سرکشی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

تشریح: ممکن ہے آپ کو یہ خیال ہوا ہو کہ مشرکین کو ان کی خواہش کے مطابق معجزہ نہ دکھانے پر شاید وہ تمسخر اور طعن کرنے لگیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اطمینان خاطر کے لئے فرمایا کہ سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے گھیر رکھا ہے۔ نہ کوئی اس کے علم سے باہر ہے اور نہ قدرت سے۔ سب اس کے قبضے میں ہیں۔ لہذا آپ ﷺ کو ان کے طعن و تشنیع کی طرف التفات کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ آپ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی خواہش کے مطابق معجزہ دیکھ کر بھی آپ پر ایمان لانے والے نہیں تھے اور پھر ہماری سزا سے بچ نکلنا بھی ان کے لئے ممکن نہ ہوتا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ فی الحال ان میں سے کون کون تباہ کئے جانے کے لائق ہیں۔ لہذا آپ ان کی طرف سے فکر مند نہ ہوں ہم ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ شب معراج میں ہم نے آپ کو اپنی قدرت کی نشانیوں کا نظارہ اور مشاہدہ کرایا اور عجائب ملکوت ہم نے آپ کو بیداری کی حالت اور اسی چشم سر کے ساتھ دکھائے وہ آپ کے لئے تو کرامت عظیمہ ہے اور لوگوں کے لئے آزمائش کہ دیکھیں کون مانتا ہے اور کون اس کا انکار کرتا ہے۔ واقعہ معراج کا کافروں نے تو انکار کیا ہی تھا، بہت سے کمزور ایمان والے بھی اس وقت ایمان سے پھر گئے۔

شجرۂ ملعونہ سے مراد زقوم کا پیڑ ہے چونکہ قرآن کریم میں آچکا تھا کہ یہ جہنمیوں کی غذا ہوگی اس لئے قریش مکہ بہت تمسخر کیا کرتے تھے۔ ان کے خیال میں آگ کے اندر کسی پیڑ کا ہونا بالکل محال تھا۔ اس لئے یہ بھی ان کے لئے فتنہ کا باعث ہو گیا۔ پھر فرمایا کہ ہم ان کو ڈراتے ہیں اور ہمارا یہ ڈرانا بھی ان کی سرکشی میں اضافہ کرتا ہے۔ (عثمانی ۸۰۸/۱، حقانی ۱۶۵/۳)

مشرکین مکہ اور آدم وابلیس کا واقعہ

۶۱، ۶۲۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۡ لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے کہا کہ کیا میں اس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا۔ وہ (شیطان) کہنے لگا کہ ذرا دیکھ تو اس شخص کو جس کو تو نے مجھ پر فوقیت دی اگر تو نے مجھ کو قیامت تک ڈھیل دے دی تو میں بھی بجز تھوڑے سے لوگوں کے اس کی نسل کو اپنے قابو میں کرلوں گا۔

طِيْنًا : گارا، مٹی، خاک۔

اَحْتَنِكَنَّ : میں ضرور بہکاؤں گا، میں ضرور قابو میں کروں گا، اِحْتِنَاكٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں انسان کو ابلیس کی قدیمی عداوت سے آگاہ کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا کھلا دشمن تھا۔ اسی طرح تمہارا بھی دشمن ہے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کا حکم دیا تو ابلیس کے سوا سب فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ ابلیس نے حضرت آدم کو اپنے سے کمتر سمجھ کر سجدے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ کیا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے بنایا ہے۔ حالانکہ میں اس سے کہیں افضل ہوں کیونکہ میں آگ سے بنا ہوں۔ پھر نہایت ڈھٹائی سے کہنے لگا کہ اچھا اگر تو نے اس کو مجھ پر فضیلت دے دی ہے تو میں بھی ان میں سے چند لوگوں کے سوا، اس کی اولاد کو برباد کر کے چھوڑوں گا۔ میں ان سب کو اپنے تابع کر کے ان پر اپنا تسلط قائم رکھوں گا۔

شیطان اور اس کے متبعین کا انجام

۶۳، ۶۵۔ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝

اللہ نے فرمایا۔ جا (تجھے مہلت ہے) ان میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا تو بیشک تم سب کی سزا جہنم ہے۔ (اور وہ) پوری سزا ہے۔ اور تو اپنی آواز سے، ان میں سے جس کو ڈگمگانا چاہے ڈگمگا دینا اور ان پر اپنے سوار اور پیادے بھی چڑھا دینا اور ان کے مال اور اولاد میں بھی ان کا شریک ہو جانا اور ان سے وعدے بھی کرنا اور شیطان تو بس ان سے جھوٹے وعدے ہی کرتا ہے۔ بیشک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی قابو نہیں چلے گا۔ (اے پیغمبر ﷺ) آپ کا رب کافی کارساز ہے۔

مَوْفُوْرًا: پورا کیا ہوا، مکمل کیا ہوا، وفُوْرٌ سے اسم مفعول۔

وَاسْتَفْزِزْ: تو بہکا دے، تو لغزش دے، تو پریشان کردے، اِسْتِفْزَازٌ سے امر۔

وَاَجْلِبْ: تو کھینچ کرلے آ، تو جمع کرلے، اِجْلَابٌ سے امر۔

بِخَيْلِكَ: اپنے گھوڑوں کے ساتھ، جمع خُيُوْلٌ واخْيَالٌ۔

شَارِكْهُمْ: تو ان کے ساتھ شریک ہو جا۔ تو ان کے ساتھ شامل ہو جا۔ مُشَارِكَةٌ سے امر۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی مہلت مانگنے کی درخواست منظور فرمائی اور فرمایا کہ تجھے ایک وقتِ معلوم تک مہلت ہے اب جو تیرا دل چاہے کر، ان میں سے جو لوگ تیری اتباع کریں گے تو ان کی اور تیری برائیوں کا بدلہ جہنم ہے جو تمہارے اعمال کی پوری سزا ہے۔ ان میں سے جس جس کو تو اپنی آواز یعنی گانے بجانے اور تماشوں سے بہکا سکے تو بہکا لے اور جس قدر تو ان پر اپنا تسلط جما سکتا ہے تو جما لے اور ان کے مالوں اور اولاد میں ان کا شریک ہو جا اور جیسے تیرا دل چاہے ان سے جھوٹے وعدے کر کہ جنت اور جہنم کچھ نہیں۔ شیطان جب کسی کو گناہ کی طرف بلاتا ہے تو اس کے دل میں یہ بات ڈال دیتا ہے کہ جنت و دوزخ حشر و نشر سب غلط ہے۔ جو کچھ ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے اس لئے اس سے خوب فائدہ اٹھاؤ۔ اس طرح بہت سے لوگ شیطان کے بہکائے میں آجاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف بلانے والی ہر صدا شیطانی آواز ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ کی نافرمانی میں سواری پر ہو یا پیدل وہ شیطانی لشکر میں ہے اور جو مال اور اولاد معصیت کا باعث ہوں اس میں شیطان ان کا شریک ہے۔ مثلاً مال کو فضول خرچ کرنا، اچھی باتوں میں صرف کرنے سے روکنا، غلط طریقے سے مال حاصل کرنا، جیسے چوری سے، زنا سے، غصب سے، سود سے، فریب سے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح ناجائز طریقے سے اولاد حاصل کرنا بھی شیطانی شرکت ہے۔ یعنی زنا سے، یا اولاد کے برے نام رکھنا۔ اس کے ناک کان چھیدنا۔ اس کے سر پر غیر اللہ کے نام کی چوٹی رکھنا وغیرہ سب شیطانی شرکت ہے۔

اس کے بعد شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا قابو نہیں

چلے گا۔ اے محمد ﷺ! ان کی کارسازی کے لئے آپ کا رب کافی ہے۔ وہ اپنے خاص بندوں کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ (حقانی ۱۶۶، ۱۶۷/ ۳، ابن کثیر ۴۹، ۵۰/ ۳)

انسان کی ناشکری

۶۶، ۶۹۔ رَبُّكُمُ الَّذِىْ يُزْجِىْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِى الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ○ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ○ اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ○ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ○

تمہارا رب تو وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتی چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو۔ بیشک وہ تم پر بڑا مہربان ہے اور جب سمندر میں تم پر کوئی مصیبت آجاتی ہے تو اللہ کے سوا جن (معبودوں) کو تم پکارتے ہو وہ سب غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر جب وہ تمہیں بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو تم (اس سے) منہ پھیر لیتے ہو اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ وہ تمہیں خشکی کی طرف لا کر زمین میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھی بھیج دے پھر (اس وقت) تم کسی کو بھی اپنا مددگار نہ پاؤ۔ کیا تمہیں اس کا بھی خوف نہیں رہا کہ وہ پھر دوسری بار تمہیں سمندر میں

لے جائے اور تم پر ہوا کا سخت طوفان بھیج دے۔ پھر تمہیں تمہاری
ناشکری کے بدلے میں غرق کر دے۔ پھر تمہیں اس بات پر ہم سے باز
پرس کرنے والا کوئی نہ ملے۔

یُزْجِیْ : وہ ہنکاتا ہے۔ وہ چلاتا ہے، وہ اٹھاتا ہے، اِزْجَاءٌ سے مضارع۔

یُخْسِفَ : وہ دھنسادے گا، خَسْفٌ سے مضارع۔

حَاصِبًا : پتھروں کی بارش کرنے والی تیز ہوا، سخت آندھی، حَصْبٌ سے اسم فاعل۔

تَارَۃً : ایک بار، ایک مرتبہ، جمع تِیَرٌ۔

قَاصِفًا : سخت طوفان، سخت آندھی، قَصْفٌ سے اسم فاعل۔

تَبِیْعًا : پیروی کرنے والا، مددگار، انتقام لینے والا، تَبَعٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمہاری آسانی و سہولت اور تجارت و سفر کے لئے دریاؤں میں کشتیاں چلادیں تاکہ تم دور دراز ملکوں میں جاکر اس کا فضل و کرم اور لطف و رحم تلاش کرو۔ پھر جب دریا میں تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے جیسے طوفان باد و باراں کی وجہ سے کشتی ڈوب جانے کا خوف، تو اس وقت تم خلوص دل سے اللہ کی طرف جھکتے ہو اور اس سے دعائیں کرنے لگتے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں صحیح و سالم خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم پھر خدائے برحق سے منہ موڑ لیتے ہو اور باطل معبودوں کو پوجنے لگ جاتے ہو۔ حقیقت میں انسان تو ہے ہی ناشکرا۔

پھر فرمایا کہ اگر تم سمندر میں غرق ہونے سے بچ گئے تو تمہیں مطمئن اور بے خوف نہیں ہونا چاہئے۔ جس طرح ہم سمندر میں غرق کر دینے پر قادر ہیں اسی طرح خشک زمین کے اندر دھنسا دینے پر بھی قادر ہیں۔ ہمارے لئے بحر و بر سب یکساں ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہم تو پتھر برسا کر بھی تمہیں ہلاک کر سکتے ہیں۔ اس وقت تمہیں نہ کوئی مددگار ملے گا اور نہ نگہبان جو تمہیں زمین میں دھنسنے سے یا پتھروں سے بچا سکے۔

اے منکرو! سمندر میں تو تم میری توحید کے قائل ہو جاتے ہو اور باہر آکر پھر انکار کرنے لگتے ہو۔ کیا تم اس سے بالکل مطمئن اور بے خوف ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں

پھر اسی سمندر کا خیال پیدا کر دے اور تم دوبارہ بحری سفر کے لئے نکل پڑو اور تیز ہواؤں کے تھپیڑے تمہاری کشتی کو ڈگمگادیں اور آخر کار تمہارے کفر اور ناشکری کی وجہ سے تمہیں غرق کر دے۔ پھر تمہیں کوئی نہیں ملے گا جو ہم سے تمہارا بدلہ لے لے یا ہم سے باز پرس کر سکے۔

تکریمِ آدم

۷۰۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰـهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰـهُمْ مِّنَ الطَّـيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰـهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور اس کو خشکی اور سمندر میں سوار کیا اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت عطا کی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو تمام مخلوق پر بزرگی دی۔ اس کو ایسی خصوصیات سے نوازا جو دوسری مخلوق میں نہیں پائی جاتیں اور اس کو اچھی شکل و صورت پر جملہ کمالات کے ساتھ پیدا کیا جیسا کہ ارشاد ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التین آیت ۴)

ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

اس کو حسنِ صورت، عقل و حواس اور فہم و فراست عطا فرمائی۔ نطق و گویائی اور لکھنا پڑھنا سکھایا۔ یہ واحد مخلوق ہے جو مستقیم القامت ہے۔ پاؤں پر چلتی اور اپنے ہاتھوں سے کھانا کھاتی ہے۔ جبکہ دوسرے حیوانات منہ کے ذریعہ زمین سے غذا اٹھا کر کھاتے ہیں اور چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ کھانے کی چیزوں کو مختلف اشیاء سے مرکب کر کے لذیذ و مفید بنانا بھی انسان ہی کا طرۂ امتیاز ہے۔ تمام جانور مفرد چیزیں کھاتے ہیں مثلاً کچا گوشت، پھل اور گھاس وغیرہ۔ افہام و تفہیم کا جو ملکہ اس کو عطا ہوا ہے وہ کسی دوسرے حیوان میں نہیں۔ گفتگو، اشارات اور تحریر و تقریر کے ذریعہ اپنے دل کی بات دوسروں تک پہنچا دینا بھی انسان ہی کی خصوصیت ہے۔ اس

کو سب سے بڑا شرف جو عطا ہوا ہے وہ عقل و فہم اور حواس کا ہے جن سے جہاز، کشتیاں وغیرہ بنا کر فضاؤں اور سمندر میں سفر کرتا ہے۔

زمین کی تمام موجودات پر اس کو تسلط عطا کیا کہ یہ دوسری مخلوقات کو قابو میں لا کر ان سے اپنے کام لیتا ہے۔ مثلاً خشکی پر سفر کرنے کے لئے بعض جانوروں کو سواری کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ بعض سے بار برداری کا کام لیتا ہے۔ بعض کھیتی باڑی میں کام آتے ہیں۔ انہی انسانوں کے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مسجود ملائک اور آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کو تمام مخلوقات کا سردار بنایا۔ (عثمانی ۸۰۹، ۸۱۰/۱)

آخرت میں فرق مراتب

۷۱، ۷۲۔ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

(اور وہ دن یاد رکھنے کے قابل ہے) جس دن ہم ہر ایک شخص کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر جس کو اس کی کتاب (اعمال نامہ) دائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو وہ لوگ اپنی کتاب کو پڑھیں گے اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا اور جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور وہ بہت ہی بڑا گمراہ ثابت ہوگا۔

اُوْتِيَ : اس کو دیا گیا، اسے ملا، اِیْتَاءٌ سے ماضی۔

بِيَمِيْنِهٖ : اس کی دائیں طرف۔

فَتِيْلًا : کھجور کی گٹھلی کا ریشہ یا جھلی، ذرا بھی، تاگہ۔

تشریح: وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر امت اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ بلائی جائے گی اور جو لوگ نبی کو نہیں مانتے وہ اپنے سرداروں کے ساتھ بلائے جائیں گے جن کو

وہ اپنا پیشوا اور مقتدا مانتے ہیں۔ اس کے بعد تمام آدمیوں کو ان کے اعمال نامے دے دیئے جائیں گے سو جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنے اعمال نامے کو خوشی سے بار بار پڑھے گا اور دوسروں کو دکھاتا اور پڑھواتا پھرے گا۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کے ایمان اور اعمال صالحہ کے اجر میں ذرا بھی کمی نہیں کی جائے گی۔ جس شخص نے دنیا میں اللہ کی آیتوں، اس کی کتاب اور اس کے طریقے سے چشم پوشی کی وہ آخرت میں دنیا سے بھی زیادہ گم کردۂ راہ ہوگا۔ (روح المعانی ۱۲۰،۱۲۱/ ۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۵/ ۴)

• مسند بزار میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ایک شخص کو بلوا کر اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا، چہرہ چمکنے لگے گا، سر پر چمکتے ہوئے ہیروں کا تاج رکھ دیا جائے گا۔ وہ اپنے گروہ کی طرف بڑھے گا۔ اسے اس حال میں آتا دیکھ کر وہ سب آرزو کرنے لگیں گے کہ اے اللہ ہمیں بھی یہ عطا فرما اور ہمیں اس میں برکت دے وہ آتے ہی کہے گا کہ خوش ہو جاؤ تم میں سے ہر ایک کو یہی ملنا ہے لیکن کافر کا چہرہ سیاہ ہو جائے گا اس کا جسم بڑھ جائے گا۔ اسے دیکھ کر اس کے ساتھی کہیں گے کہ اس سے خدا کی پناہ یا اس کی برائی سے پناہ۔ اے اللہ! اس کو ہمارے پاس نہ لا۔ وہ وہیں آجائے گا۔ وہ کہیں گے کہ اے اللہ! اسے رسوا کر۔ وہ جواب دے گا کہ خدا تمہیں غارت کرے، تم میں سے ہر شخص کے لئے یہی خدائی مار ہے۔ (ابن کثیر ۵۲/ ۳)

مشرکین مکہ کی حماقت

۷۳۔۷۵۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّا تَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ○ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ○

اور (اے رسول ﷺ) یہ لوگ (کافر) تو چاہتے تھے کہ جو وحی ہم نے

آپ کی طرف بھیجی ہے اس سے آپ کو پھسلا دیں تاکہ آپ اس (وحی) کے سوا ہماری طرف غلط بات کی نسبت کر دیں اور اس وقت وہ آپ کو دلی دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ کیا ہوتا تو آپ شاید کسی قدر ان کی طرف جھک ہی جاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کو زندگی میں بھی دوہرے عذاب کا اور موت کے بعد بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے۔ پھر ہمارے مقابلے میں آپ کو کوئی مددگار بھی نہ ملتا۔

کَادُوْا : وہ قریب ہوئے۔ کَوْدٌ سے ماضی۔

کِدْتَّ : تو نزدیک تھا۔ تو قریب تھا۔ کَوْدٌ سے ماضی۔

تَرْکَنُ : تو جھک جائے۔ تو مائل ہو جائے۔ رُکُوْنٌ سے مضارع۔

ضِعْفَ : دوگنا۔ دوچند۔ جمع اَضْعَافٌ

شانِ نزول: ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے ابن اسحاق کے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ امیہ بن خلف اور ابو جہل بن ہشام اور کچھ دوسرے قریش جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کو (تعظیماً ذرا) ہاتھ لگا دیجئے۔ ہم سب آپ کے مذہب میں داخل ہو جائیں گے۔ آپ کو اپنی قوم کا مسلمان ہو جانا دل سے مطلوب تھا۔ اس لئے آپ کے دل میں کچھ نرمی پیدا ہونے لگی تھی اس پر یہ آیتیں نَصِیْراً تک نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۱۲۸/۱۵، مظہری ۴۶۱/۵)

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ حجر اسود کو چومتے تھے۔ مشرکوں نے کہا کہ ہم آپ کو سنگ اسود کو چومنے نہیں دیں گے جب تک کہ آپ ہمارے معبودوں کی طرف نہ جھکیں۔ آپ نے خیال کیا کہ اگر میں ایسا کر لوں تو کیا حرج ہے جبکہ اللہ جانتا ہے کہ میں دل سے اس کے خلاف ہوں۔ (مظہری ۴۶۱/۵)

ابن ابی حاتم ہی نے جبیر بن نفیر کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر آپ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے تو یہ

نچلے کمین لوگ اور غلام جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں ان کو اپنے پاس سے نکال دیجئے۔ اس وقت ہم آپ کے ساتھی ہو جائیں گے۔ اس پر آیتیں نازل ہوئیں۔

(روح المعانی ۱۲۸، ۱۵، مظہری ۴۶۱، ۵)

تشریح: یہ مشرکین اس کوشش میں ہیں کہ آپ کو فریب دے کر فتنے کی طرف مائل کر دیں تاکہ آپ اس وحی کے سوا کوئی دوسری بات ہم پر افترا کر دیں۔ جب آپ ان کے فریب اور دھوکے میں آجاتے تو وہ آپ کو اپنا دلی دوست بنا لیتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و مہربانی سے آپ کو ان کی طرف التفات کرنے سے محفوظ رکھا۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو حق پر ثابت قدم نہ رکھتا تو قریب تھا کہ آپ ان کی ہدایت کی حرص میں ان کی طرف قدرے مائل ہو جاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا۔ اگر بالفرض آپ ان کی طرف تھوڑا سا بھی جھک جاتے تو ہم آپ کو اس دنیا میں بھی دوہرا عذاب دیتے اور آخرت میں بھی دوہرا عذاب دیتے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۴۶، ۴۴۷، ۴)

کفار کی عداوت

۷۶، ۷۷۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ○

اور وہ تو سر زمین (مکہ) سے آپ کے قدم اکھاڑ ہی دینے کو تھے تاکہ آپ کو وہاں سے نکال دیں اور اگر ایسا ہو جاتا تو آپ کے بعد وہ بھی (وہاں) بہت ہی کم ٹھہر پاتے۔ آپ سے پہلے ہم نے جس قدر نبی بھیجے ان کے بارے میں ہمارا یہی دستور چلا آرہا ہے اور آپ ہمارے دستور میں ذرا بھی فرق نہ پائیں گے۔

يَسْتَفِزُّوْنَكَ : البتہ وہ تیرے قدم اکھاڑ دیں گے۔ البتہ وہ تیرے قدم ڈگمگا دیں گے۔

اِسْتِفْزَازٌ سے مضارع۔

يَلْبَثُوْنَ : وہ ٹھہرتے ہیں۔ وہ رہتے ہیں۔ لَبْثٌ سے مضارع۔

خِلٰفَكَ : تیرے خلاف۔ تیرے پیچھے۔

تَحْوِيْلًا : تبدیلی۔ تغیر۔ مصدر ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں کفار کی عداوت اور ان کی طرف سے پیش آنے والی جسمانی تکلیف و مضرت سے حفاظت کا ذکر ہے کہ مشرکین مکہ آپ کو وہاں سے نکالنا چاہتے تھے مگر وہ ایسا نہ کر سکے بلکہ آپ نے خود ہی اللہ کے حکم سے مکہ سے مدینہ ہجرت کی چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو ستا ستا کر سرزمین مکہ سے دل برداشتہ کر دیتے اور آپ کو اس زمین سے نکال دیتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو آپ کے بعد وہ خود بھی وہاں چند روز سے زیادہ نہ ٹھہر پاتے۔ پھر جب مشرکین مکہ کے ظلم حد سے بڑھے تو آپ اللہ کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے۔ آپ کا مکہ سے تشریف لے جانا تھا کہ ڈیڑھ سال کے قلیل عرصے میں مکہ کے بڑے بڑے نامور سردار اپنے گھروں سے نکل کر میدان بدر میں نہایت ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے اور اس کے چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا اور کفار کی حکومت و شوکت تباہ ہو گئی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں پورے جزیرۃ العرب میں پیغمبر اسلام ﷺ کا ایک بھی مخالف باقی نہ رہا۔

پھر فرمایا کہ جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کے ساتھ بھی ہمارا یہی طریقہ رہا کہ جب کسی امت نے اپنے رسول کو نکالا تو اس کے بعد وہ امت بھی وہاں نہ رہی بلکہ ہلاک کر دی گئی۔ اے محمد ﷺ آپ ہمارے اس طریقے میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۳/۴، عثمانی ۱/۸۱۲)

نماز قائم کرنے کی تاکید

۷۸، ۷۹۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ

الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ○ وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○

آفتاب کے ڈھلنے کے بعد سے رات کے اندھیرے تک نماز ادا کریں اور فجر کی نماز بھی۔ بے شک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے اور رات کے ایک حصے میں تہجد پڑھا کرو جو آپ کے لئے فائدہ مند ہے۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔

لِدُلُوْكِ : وقت ڈھلنے سے۔ زوال کے وقت، مصدر ہے۔

غَسَقِ : سخت تاریکی۔ مصدر ہے۔

مَشْهُوْدًا : شہادت دیا ہوا۔ حاضر کیا ہوا۔ **شُهُوْدٌ** و **شَهَادَةٌ** سے اسم مفعول۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آفتاب کے زوال کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک نماز کو اس کے پورے ارکان و شرائط کے ساتھ ادا کیجئے۔ اس میں چار نمازیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء آگئیں۔ اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک دلوکِ شمس سے مراد آفتاب کا زوال ہے۔ ابو مسعود عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زوال کے وقت جب سورج ڈھل گیا تو جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور میرے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ بعض صحابہ و تابعین کہتے ہیں کہ "دلوکِ شمس" سے غروب آفتاب یعنی مغرب کی نماز مراد ہے اور جب رات کی سیاہی افق پر پھیل جائے تو اس وقت عشاء کی نماز پڑھو۔ پھر فرمایا کہ فجر کی نماز میں اور نمازوں کے مقابلے میں زیادہ قرآن پڑھا کرو۔ اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فجر اور عصر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ اگر تم اس کا ثبوت قرآن سے چاہتے ہو تو پڑھو۔ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا چونکہ صبح کی نماز کے وقت نیند سے اٹھنے کا وقت ہے۔ اس لئے فجر کی نماز کا حکم الگ سے بیان

فرمایا۔ پھر اسی کے متصل نماز تہجد کو بیان فرمایا کہ اے نبی ﷺ رات کے کچھ حصے میں خواب سے بیدار ہو کر نماز میں قرآن پڑھا کرو آپ کے لئے تہجد کی نماز کا حکم پانچ وقت کی فرض نماز کے علاوہ ہے۔ آپ یہ نماز ضرور پڑھا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو سب سے زیادہ بلند مقام عطا کرنا چاہتا ہے۔ (روح المعانی ۱۳۱، ۱۴۰/ ۱۵)

غلبۂ حق کی پیشگوئی

۸۰، ۸۲۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

اور آپ دعا کیجئے کہ اے رب مجھے خوبی کے ساتھ (مدینے میں) داخل کر اور خیر و خوبی کے ساتھ ہی (مکہ سے) نکال اور اپنی طرف سے مجھے ایسا غلبہ عطا فرما جس کے ساتھ (تری) نصرت ہو اور (اے رسول) آپ (ان مشرکوں سے) کہہ دیجئے کہ حق (اسلام) آگیا اور باطل (کفر) مٹ گیا۔ بیشک باطل تو مٹنے ہی والا تھا اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہیں اور ظالموں کو تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے۔

لَدُنْكَ : تیری طرف سے۔ اپنے پاس سے۔ ظرف مکان ہے۔

زَهَقَ : وہ مٹ گیا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ زَهُوْق سے ماضی۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ مشرکین مکہ کی عداوت سے پریشان نہ ہوں بلکہ آپ تو یہ

دعا مانگیں کہ اے میرے پروردگار! آپ مجھے مکہ سے نکال کر جہاں (مدینے میں) پہنچانا چاہتے ہیں وہاں نہایت عزت ووقار اور خیر وخوبی سے پہنچا دیجئے اور میری پوری مدد واعانت کیجئے تاکہ حق کا بول بالا ہو اور مکہ سے نکلنا بھی عزت ووقار کے ساتھ ہو تاکہ دشمن ذلیل وخوار ہو، حق کی فتح اور باطل کا سر نیچا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور آپ کو نہایت خیر وخوبی اور عزت وآبرو کے ساتھ مکہ سے نکال کر مدینے پہنچادیا اور دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور مدینے کے لوگوں کو آپ کا مددگار بنا کر وہاں اسلامی حکومت وسلطنت قائم کرادی۔ پھر تھوڑے ہی عرصے میں مکہ بھی فتح کرادیا۔

پھر جب مکہ فتح ہو جائے اور آپ اللہ کی فتح ونصرت کو دیکھ لیں تو دوست ودشمن سب سے علی الاعلان کہہ دیجئے کہ حق یعنی خالص اللہ کی عبادت کا وقت آگیا اور کفر وشرک سرزمین عرب سے نکل بھاگا۔ بلاشبہ باطل تو تھا ہی مٹنے کے لئے یہ عظیم الشان پیشگوئی مکہ ہی میں کی گئی جہاں بظاہر غلبۂ حق کے کوئی امکانات نہ تھے۔

پھر فرمایا کہ ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور رحمت ہیں یعنی جو لوگ اس قرآن کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں ان کو اس سے دنیا وآخرت دونوں کے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور جو لوگ اس قرآن کا انکار کرتے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں تو ان کے کفر وتکذیب کے سبب یہ ان ظالموں کے خسارے کو بڑھاتا ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۷۱، ۱۷۵/۱۵، مظہری ۴۸۱، ۴۸۳/۵)

انسانی فطرت

۸۳، ۸۴۔ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ○ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ۭ فَرَبُّكُمْ
اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ○

اور جب ہم انسان کو نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنا پہلو بچاتا ہے اور جب اس کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک اپنے اپنے طریقے پر عمل کر رہا ہے۔ سو آپ کے رب ہی کو معلوم ہے کہ کون راہ راست پر ہے۔

نَـا : اس نے اس سے منہ موڑ لیا۔ وہ دور ہو گیا۔ نَاْیٌ سے ماضی۔

یَئُوْسًا : مایوس۔ ناامید۔ یَاْسٌ سے صفت مشبہ۔

شَاکِلَتِہٖ : اس کی روش۔ اس کا طریقہ۔ اس کی عادت۔ شَکْلٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قرآن کریم سے ان ظالموں کو زیادہ خسارہ ہونے کا سبب یہ نہیں کہ قرآن میں کوئی نقص ہے بلکہ اس کا سبب انسان کی فطرت ہے کہ جب ہم اس کو اپنے انعامات سے نوازتے ہیں اس کو صحت و تندرستی، مال و دولت اور رزق و اولاد وغیرہ عطا کرتے ہیں تاکہ وہ ان انعامات پر ہمارا شکر ادا کرے اور ان کو ہمارے قرب کا ذریعہ بنائے تو وہ ہمارے قریب ہونے کی بجائے ہماری اطاعت و بندگی سے منہ موڑ لیتا ہے اور کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ جب اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پہنچتی ہے جیسے ناداری و تنگدستی یا کوئی بیماری وغیرہ تو وہ اس پر صبر کرنے کی بجائے اللہ کی رحمت سے بالکل ناامید ہو جاتا ہے۔

اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک اپنی طبیعت اور فطرت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ شکر کرنے والا اور کفر کرنے والا جو بھی عمل کرتا ہے وہ اس کی روح کے ہم شکل ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی حکمت سے بعض کی فطرت میں نیکی ودیعت کر دی اور بعض کی فطرت میں برائی رکھ دی اس لئے ہر شخص اپنی فطرت اور رجبلت کے مطابق عمل کرتا ہے۔ سو آدمی کے اعمال اس کے بارے میں بتا دیتے ہیں کہ وہ نیک ہے یا بد اور اللہ تعالیٰ تو پہلے ہی سے خوب جانتا ہے کہ ان دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ صحیح راستے پر ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۷۵، ۱۵/۱۷۸، مظہری ۸۳، ۵/۸۴، ۸۳)

روح کے بارے میں سوال

۸۵۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اور وہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں (سو) آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور (اس کے بارے میں) تمہیں بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

شانِ نزول: بخاری نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مدینے کے کھیتوں میں جا رہے تھے میں بھی ساتھ تھا۔ آپ کے پاس کھجور کی ایک شاخ تھی۔ آپ اس پر ٹیک لگائے چل رہے تھے، چلتے چلتے یہودیوں کی ایک جماعت کی طرف سے گزرے آپ کو دیکھ کر یہودی آپس میں کہنے لگے کہ ان سے روح کے بارے میں دریافت کرو۔ ایک شخص کہنے لگا کہ مت پوچھو۔ کہیں وہ ایسا جواب نہ دے دیں جو تمہیں ناگوار ہو۔ دوسرے نے کہا کہ ہم ضرور پوچھیں گے۔ چنانچہ ایک یہودی نے کھڑے ہو کر آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا۔ آپ کچھ دیر خاموش رہے۔ میں سمجھ گیا کہ وحی آنے والی ہے میں بھی کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر میں جب وحی کی حالت دور ہو گئی تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(بخاری کتاب التفسیر سورہ بنی اسرائیل)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ قریش نے جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) ہم میں پلے بڑھے ہیں اور ہمیشہ امانت و سچائی کے حامل رہے ہیں۔ ہم نے کبھی ان پر کسی جھوٹ کا شبہ بھی نہیں کیا لیکن اب انہوں نے وہ دعویٰ کیا جو تم لوگ جانتے ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو مدینے کے یہودیوں کے پاس بھیج کر معلوم کراؤ کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں۔ چنانچہ کچھ آدمیوں کو یہودیوں کے پاس مدینے بھیجا گیا۔ ان لوگوں نے مدینے جا کر یہودیوں سے معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ جا کر محمد (ﷺ) سے تین باتیں (یعنی اصحاب

کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں) پوچھو۔ اگر وہ تینوں کا جواب دے دیں یا کسی کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ نبی نہیں ہیں اور اگر وہ دو باتوں کا جواب دے دیں اور تیسری (روح) کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں۔ (روح المعانی ۱۵۲/۱۵، مظہری ۴۸۶/۵)

آیت کی شان نزول کے بارے میں مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں تعارض ہے۔ ابن مسعود کی روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے اور ابن عباس کی روایت سے یہ آیت مکی ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ممکن ہے اس آیت کا نزول مدینے میں دوسری مرتبہ ہوا ہو جیسا کہ بہت سی دوسری آیات کا مکرر نازل ہونا سب علما کے نزدیک مسلم ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دیا ہے اور اس کی دو وجوہ بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ صحیحین کی روایت ہے اور اس کی سند ابن عباس کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ دوسرے ابن مسعود خود صاحب واقعہ ہیں۔ (مظہری ۴۸۶/۵، ابن کثیر ۶۰/۳)

تشریح: اس آیت میں کفار کی طرف سے روح کے متعلق ایک سوال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے۔ کفار نے سوال کیا تھا کہ روح کیا چیز ہے وہ انسان کے بدن میں کس طرح آتی جاتی ہے اور حیوان اور انسان اس سے کس طرح زندہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اے محمد ﷺ! آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ وہ اعضائے جسم اور عام مخلوقات کی طرح مادے سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ وہ مادہ کے بغیر بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کے حکم کن سے پیدا ہوئی ہے، حادث ہے، قدیم نہیں، نہ وہ خدا ہے اور نہ اس کا جز ہے۔ بلکہ وہ از قسم مخلوق ہے جس پر مخلوق کی طرح اللہ تعالیٰ کو اختیار و قدرت ہے۔

اس جواب سے یہ واضح ہو گیا کہ روح کو عام مادی اشیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ مادے کے بغیر اللہ کے حکم سے پیدا ہوئی ہے۔ انسان کے لئے روح کے بارے میں اتنا جان لینا ہی کافی ہے اس سے زیادہ علم نہ ہونے سے نہ تو اس کا کوئی دینی کام رکتا ہے اور نہ دنیوی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روح کے بارے میں اسی قدر وضاحت فرمائی جس قدر کہ انسان کے لئے ضروری ہے۔ جہاں تک اس کی حقیقت کا تعلق ہے تو اس کو سمجھنا عام آدمی کے لئے تو کیا بڑے بڑے حکما اور عقلا کے لئے بھی آسان نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت کو بیان نہیں

فرمایا۔ روح کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کی حقیقت کو انسان نہیں جانتا۔ مثلاً پانی، مٹی وغیرہ کی بھی پوری حقیقت کوئی نہیں جانتا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۱۳، ۵۱۵/ ۵، حقانی ۱۷۵، ۱۷۶/ ۳)

اعجازِ قرآن

۸۶، ۸۹۔ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ○ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ○ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ○

اور اگر ہم چاہیں تو جو کچھ (قرآن) ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اس کو لے جائیں (سلب کر لیں) پھر اس کے لئے آپ ہمارے مقابلے میں کوئی حمایتی نہ پائیں گے۔ مگر یہ صرف آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے ایسا نہیں کیا) بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی اس قران کی مانند لانا چاہیں تب بھی اس جیسا (قرآن) نہ لا سکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے کی (کتنی ہی) مدد کیوں نہ کریں اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثال کھول کھول کر بیان کی ہے۔ پھر بھی اکثر لوگ ناشکری کئے بغیر نہ رہے۔

شِئْنَا : ہم نے چاہا۔ ہم نے ارادہ کیا۔ مَشِیْئَۃٌ سے ماضی۔

ظَهِيْرًا: پشت پناہی کرنے والا۔ مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

صَرَّفْنَا: ہم نے طرح طرح سے بیان کیا۔ ہم نے کھول کھول کر بیان کیا۔ تَصْرِیْفٌ سے ماضی۔

فَاَبٰی: سو اس نے انکار کیا۔ سو اس نے حکم نہ مانا۔ اِبَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک عظیم الشان انعام بیان فرمایا ہے جو اس نے اپنے حبیب ﷺ پر فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جس میں کہیں سے بھی کسی وقت باطل کا شامل ہونا ناممکن ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس وحی کو سلب بھی کر سکتا ہے مگر یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔

کفار و مشرکین قرآن کریم کے بارے میں یہ بھی کہا کرتے تھے کہ اس قرآن میں کون سی خوبی ہے؟ اگر چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پوری دنیائے جن و انسان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم قرآن کو اللہ کا کلام نہیں مانتے بلکہ اس کو کسی انسان کا بنایا ہوا سمجھتے ہو تو پھر تم بھی تو انسان ہو۔ تم اس جیسا بنا کر دکھادو اور اس کام میں جنوں کو بھی شامل کر لو۔ تم سب مل کر بھی اس قرآن کی ایک سورت تو کیا اس کی ایک آیت کی مثل نہ بنا سکو گے۔ لہذا تم روح وغیرہ کے چکر میں پڑنے کے بجائے قرآن کریم میں غور و خوض کرو کہ جب جن و انس اس کی ایک آیت بنانے سے عاجز ہیں تو اس کے کلام الٰہی ہونے میں کیا شبہ ہے؟ جب قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو گیا تو آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت میں شبہے کی گنجائش کہاں؟

پھر فرمایا کہ ہم نے لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کا مضمون طرح طرح سے بیان کیا ہے پھر بھی اکثر لوگوں نے کفر و انکار کے سوا قرآنی ہدایت میں سے کسی بات کو قبول نہیں کیا۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۱۸/۵، حقانی ۱۷۶، ۱۷۷/۳)

مشرکین کی فرمائشیں

۹۰، ۹۳۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَلَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝

اَوْتَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ○ اَوْتُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْتَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ○ اَوْيَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپ ہماری زمین سے ایک چشمہ جاری نہ کردیں یا آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ (پیدا) ہو جائے پھر اس باغ کے بیچ میں جگہ جگہ بہت سی نہریں جاری کر دیں یا جیسا کہ آپ کا گمان ہے آپ آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرادیں یا آپ اللہ اور اس کے فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آئیں۔ یا آپ کے لئے سونے کا ایک گھر ہو جائے یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں اور ہم آپ کے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ہرگز یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ آپ ہم پر ایسی کتاب نازل کرادیں جس کو ہم خود پڑھ لیا کریں۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک آدمی ہوں اس کا بھیجا ہوا۔

تُفَجِّرَ : تو پھاڑ ڈالے۔ تو بہا ڈالے۔ فَجْرٌ سے مضارع۔

يَنْبُوْعًا : چشمہ۔ جمع يَنَابِيْعُ ۔

خِلٰلَهَا : اس (مونث) کے درمیان۔ واحد خَلَلٌ۔

كِسَفًا : ٹکڑے۔ واحد كِسْفَةٌ ۔

قَبِيْلًا : مقابل۔ سامنے۔

زُخْرُفٍ : سونا۔ سونا کرنا۔

ترقی: تو ترقی کرے۔ تو چڑھ جائے۔ رُقِیٌّ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں مشرکین کے ان شبہات و مطالبات کا بیان ہے جو ان کو آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ قرآن کریم کا معجزہ ہونا ثابت ہونے کے باوجود اپنے بغض و عناد کی بنا پر ایمان نہیں لاتے۔ بلکہ ڈھٹائی کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ:

۱۔ آپ ہمارے لئے سرزمینِ مکہ سے جہاں پانی کی قلت ہے، چشمہ جاری کردیں جو کبھی خشک نہ ہو اور جس سے تمام اہل مکہ سیراب ہو جائیں۔

۲۔ یا خاص آپ کے لئے کھجوروں یا انگوروں کا کوئی باغ ہو اور پھر آپ اس باغ میں جگہ جگہ نہریں جاری کردیں۔

۳۔ یا جیسا کہ آپ کہا کرتے ہیں ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں۔

۴۔ یا آپ اللہ اور فرشتوں کو لا کر ہمارے سامنے کھڑا کردیں ہم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور وہ ہمارے سامنے یہ شہادت دیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

۵۔ یا آپ کے پاس سونے کا گھر ہو جس سے آپ کی شان و شوکت ظاہر ہو۔

۶۔ یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم اپنی آنکھوں سے آپ کو آسمان پر چڑھتا ہوا دیکھ لیں۔

۷۔ ہم آپ کے آسمان پر چڑھ جانے کے باوجود آپ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ہمارے لئے آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب اتار کر لائیں جس کو ہم پڑھ لیں۔ اس میں یہ بات لکھی ہوئی ہو کہ یہ ہمارا رسول ہے تم اس کی اتباع کرو۔

اگر آپ ہماری ان باتوں کو پورا کردیں گے تو ہم آپ کو سچا مان لیں گے اور جان لیں گے کہ اللہ کے ہاں آپ کا بڑا مرتبہ ہے اور اس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد ﷺ آپ ان کی خرافات کے جواب میں کہہ دیجئے کہ یہ فرمائشیں ایسے شخص سے ہو سکتی ہیں جو اپنے لئے کمال قدرت کا دعویدار ہو۔ میرا پروردگار اس سے پاک ہے کہ اس کی قدرتِ کاملہ میں کوئی اس کا شریک ہو۔

میں تو بس ایک انسان ہوں جس کو اللہ نے تمہاری ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ میرا کام تو اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانا اور اس کے عذاب سے خبردار کرنا ہے۔ میری نبوت و رسالت کی تصدیق کے لئے تو اللہ تعالیٰ پہلے ہی بہت سے معجزے دکھا چکا ہے۔ جیسے شق القمر وغیرہ جو ان فرمائشی معجزوں سے کسی طرح کم نہیں۔

(روح المعانی ۱۶۸،۱۶۹/۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷۰،۱۷۳/۴)

کافروں کو عذاب کی تہدید

۹۴،۹۶۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا
اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ
يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○
قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ
خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ○

اور جب بھی لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی تو ان کو ایمان لانے سے صرف یہ بات مانع ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے اور وہ اس پر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان (حق کی) گواہی کے لئے اللہ کافی ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا (اور) دیکھتا ہے۔

تشریح: اکثر لوگ ایمان لانے اور رسولوں کی اتباع سے اس بنا پر رک گئے کہ ان کو انسان کا پیغمبر ہونا عجیب لگا اسی لئے انہوں نے نبوت بشری کا انکار کر دیا۔ لیکن ان کا یہ تعجب و انکار بیجا ہے۔ عقل و حکمت کا تقاضا ہے کہ رسول انہی لوگوں میں سے ہو جن کی طرف اس کو

بھیجا گیا ہے تاکہ وہ رسول کی بات کو سمجھ سکیں، اس کے پاس اٹھ بیٹھ سکیں اور اس سے اپنا حال بیان کر سکیں۔ اگر کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا تو لوگ نہ تو اس سے مانوس ہو سکتے تھے اور نہ اس کے پاس اٹھ بیٹھ کر اس کو اپنے احوال بیان کر سکتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر زمین پر فرشتے آباد ہوتے تو بلاشبہ ہم کسی آسمانی فرشتے ہی کو ان میں رسول بنا کر بھیجتے۔ چونکہ تم انسان ہو اس لئے ہم نے تمہارے پاس انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

اے محمد ﷺ! آپ ان کو بتا دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان تو بس اللہ ہی کی شہادت کافی ہے کہ میں نے رسالت کا فرض ادا کر دیا اور تمہیں اس کا پیغام پہنچا دیا۔ میرا اور تمہارا فیصلہ اللہ ہی کرے گا۔ ہم میں سے جو حق پر ہو گا وہ اس کو اجر و ثواب دے گا اور جو باطل پر ہو گا اس کو سزا دے گا۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے تمام ظاہری اور باطنی احوال سے واقف ہے۔

(ابن کثیر ۶۳ / ۳، مظہری ۴۹۳، ۴۹۴ / ۵)

کافروں کا انجام

۹۷، ۹۸۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝

اور جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پر ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو آپ اللہ کے سوا کسی کو بھی ان کا مددگار نہ پائیں گے اور قیامت کے دن ہم ان کو اندھے، گونگے اور بہرے (بنا کر) منہ کے بل اٹھائیں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب (آگ) ذرا دھیمی ہونے لگے گی تو ہم اس کو اور زیادہ بھڑکا دیں گے۔ یہ ہے ان کی سزا اس لئے کہ انہوں نے

ہماری آیتوں کا انکار کیا تھا اور کہا تھا کہ جب ہم ہڈیاں ہو کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔

عُمْیًا : اندھے۔ واحد اعمی

بُکْمًا : گونگے۔ واحد اَبْکَمْ۔

صُمًّا : بہرے۔ بہرا ہونا۔ واحد اَصَمّْ۔

خَبَتْ : وہ دھیمی ہوئی۔ وہ بجھی۔ خَبْوٌ سے ماضی۔

سَعِیْرًا : دہکتی ہوئی آگ، دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

رُفَاتًا : ٹوٹا ہوا۔ ریزہ ریزہ۔ بوسیدہ۔ رَفْتٌ سے فاعل بمعنی مفعول۔

تشریح: ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ چھوڑ دے اور اس کو کج راہی سے محفوظ نہ رکھے تو ایسے لوگوں کو کوئی فرشتہ یا انسان، کوئی بھی حمایتی نہیں ملے گا جو ان کو راہ راست پر ڈال سکے۔ قیامت کے روز اللہ ان کو اندھا، گونگا اور بہرا اٹھائے گا۔ حشر میں وہ منہ کے بل چل کر آئیں گے یعنی سر نگوں اور ذلیل ہو کر آئیں گے پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جہنم کی آگ جب بھی ذرا دھیمی ہونے لگے گی تو اللہ تعالیٰ فوراً ہی اس کو اور زیادہ بھڑکا دے گا۔ یہ سزا ان کو اس لئے دی جائے گی کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا تھا۔ اس کی دلیلوں کو غلط جانتے تھے اور قیامت کے قائل نہ تھے اور کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے اور مٹی کے ریزوں سے مل جانے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہو جائیں گے۔

نسائی، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز لوگوں کی تین جماعتیں (بنا کر) اٹھائی جائیں گی۔ ایک جماعت کپڑے پہنے ہوئے، کھائے پیئے ہوئے اور سواریوں پر سوار ہوگی اور ایک جماعت پیدل چلے گی اور ایک جماعت کو فرشتے منہ کے بل گھسیٹیں گے۔

آیت میں اندھے، گونگے اور بہرے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے کوئی ایسی صورت نہیں آئے گی جس کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ وہ کوئی ایسا عذر بیان نہ

کر سکیں گے جو قابل قبول ہو۔ کوئی خوش کن بات ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی کیونکہ دنیا میں قدرت کی نشانیاں دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی تھیں۔ کلام حق سننے سے ان کے کان بہرے تھے اور کلمۂ حق بولنے سے ان کی زبانیں گونگی تھیں۔

بعض اہل تفسیر نے کہا کہ مطلب یہ ہے حشر کے وقت تو واقعی سب کافر اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے لیکن دوزخ کے سامنے جانے اور حساب کے لئے پیش ہوتے وقت وہ دیکھ بھی سکیں گے، سن بھی سکیں گے اور بول بھی سکیں گے۔

(مظہری ۴۹۴، ۴۹۵/ ۵، حقانی ۱۷۸، ۱۷۹/ ۳)

حیات بعد الممات کے دلائل

۹۹، ۱۰۰۔ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَھُمْ وَجَعَلَ لَھُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْہِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا کُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِکُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَۃِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَکْتُمْ خَشْیَۃَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَکَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے وہ ان جیسے اور بھی پیدا کرنے پر قادر ہے اور اس نے ان کے لئے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے۔ اس میں ذرا بھی شک (کی گنجائش) نہیں۔ اس پر بھی کافر انکار کئے بغیر نہ رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے ڈر سے ان کو روک کر رکھتے اور انسان بڑا تنگ دل واقع ہوا ہے۔

اَجَلًا: وقت۔ موت۔ مہلت۔ مدت جمع اٰجَالٌ۔

اَمْسَکْتُمْ: تم نے روک کر رکھا۔ تم نے بند رکھا۔ اِمْسَاکٌ سے ماضی۔

اِنْفَاقِ: خرچ کرنا۔ مصدر ہے۔

قَتُوْرًا : کنجوس۔ بخیل۔ تنگدل۔ قَتَرٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: منکرین حشر تعجب سے کہتے تھے کہ بوسیدہ ہڈیاں ہو جانے اور ریزہ ریزہ ہو کر مٹی میں مل جانے کے بعد ہم دوبارہ کیسے زندہ ہو جائیں گے۔ قرآن کریم نے اس کا جواب مختلف مقامات پر مختلف طریقے سے دیا ہے۔ یہاں فرمایا کہ کیا تم نہیں جانتے کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین جیسے بڑے بڑے اجسام بغیر نمونے کے پیدا کئے ہیں۔ اس کے لئے تم جیسی چھوٹی چیز کا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ بلاشبہ وہ تمہیں اور تمہارے جیسے سب آدمیوں کو بے تکلف پیدا کر سکتا ہے۔ البتہ سب کے لئے قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کا ایک وقت مقرر ہے جو آکر رہے گا۔ ایسے واضح مضامین اور دلائل سن کر بھی یہ ظالم اپنے کفر و گمراہی پر قائم ہیں۔

اے محمد ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہاری فطرت میں تو بخل ہے۔ اگر تمہارے ہاتھ میں رحمت کے خزانے آجاتے تو تم کسی مستحق کو دینے سے اس لئے گھبراتے کہ کہیں سارا خرچ نہ ہو جائے اور میں خالی ہاتھ رہ جاؤں یا جس پر میں آج خرچ کرتا ہوں کہیں کل وہ میری ہمسری نہ کرنے لگے سو تم کہاں گوارا کر سکتے تھے کہ مکہ و طائف کے بڑے متکبر اور دولت مند سرداروں کو چھوڑ کر وحی و نبوت کی یہ بیش بہا دولت بنی ہاشم کے ایک در یتیم کو مل جائے یہ اللہ تعالیٰ کا فیض ہے کہ وہ جس میں جیسی استعداد اور قابلیت دیکھتا ہے اس کو ویسے ہی کمالات و انعامات سے نواز دیتا ہے۔ تمہارے تعصب اور عناد سے اللہ کا فضل نہیں رک سکتا۔ محمد ﷺ کی اتباع کرنے والوں کو ان کے طفیل جو انعامات ملنے والے ہیں وہ مل کر رہیں گے۔

(عثمانی ۸۲۱، ۸۲۲/ ۱، حقانی ۱۸۰/ ۳)

حضرت موسیٰ کے نو معجزے

۱۰۱، ۱۰۴۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْئَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

اِذْ جَآءَ هُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی

مَسْحُوْرًا O قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا O فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا O وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا O

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں دی تھیں۔ سو تم بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ اے موسیٰ میرے خیال میں تو تم پر جادو کیا گیا ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ البتہ تو جانتا ہے کہ ان (نشانیوں) کو جو بصیرت کے لئے ہیں، آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا کسی نے نازل نہیں کیا اور اے فرعون میرے خیال میں تو تیری ہلاکت کا وقت آگیا ہے، پھر فرعون نے چاہا کہ اس سرزمین سے بنی اسرائیل کے قدم اکھاڑ دے تو ہم نے اس کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو غرق کر دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس سرزمین پر رہو سہو۔ پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ کر لے آئیں گے۔

مَثْبُوْرًا : ملعون۔ ہلاک کیا ہوا۔ ثَبْرٌ و ثُبُوْرٌ سے اسم مفعول۔

یَسْتَفِزَّهُمْ : ان کے قدم اکھاڑ دینا۔ ان کو بہکا دینا۔ اِسْتِفْزَازٌ سے مضارع بمعنی مصدر۔

لَفِیْفًا : لپیٹ کر۔ جمع کر کے۔ لَفٌّ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون اور اس کی قوم کی تہدید کے لئے عطا فرمائے تھے۔ اس کے باوجود وہ ایمان نہیں لائے بالآخر وہ ہلاک اور غرق ہوئے۔ یہی حال مشرکین مکہ کا ہے۔ اگر ان کی خواہش کے مطابق معجزات ظاہر بھی کر دیئے جائیں تب بھی یہ آنحضرت ﷺ کی تکذیب کریں گے۔

جس طرح متکبر و سرکش فرعون اور اس کی قوم حضرت موسیٰ کا مقابلہ نہ کر سکی اسی طرح مشرکین مکہ بھی رسول اللہ کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ جس طرح فرعون اور اس کی قوم کے غرق ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو سرزمین مصر کا وارث بنایا اسی طرح عنقریب مکہ فتح ہوگا اور محمد رسول اللہ ﷺ کے اصحاب پہلے سرزمین عرب کے وارث ہوں گے۔ پھر سرزمین شام کے وارث بنیں گے جو بنی اسرائیل کا آبائی مسکن ہے۔

آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نو آیات بینات عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ آیت کا لفظ معجزے کے معنی میں بھی آتا ہے اور احکام الٰہیہ کے معنی میں بھی۔ یہاں دونوں معنوں کا احتمال ہے۔

عبدالرزاق، سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس کے طرق سے یہ نو معجزے اس طرح شمار کئے ہیں۔

۱۔ حضرت موسیٰ کا عصا جو اژدھا بن جاتا تھا۔

۲۔ ید بیضاء جب حضرت موسیٰ اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکالتے تو وہ چمکنے لگتا تھا۔

۳۔ طوفان کا عذاب

۴۔ ٹڈی دل کا عذاب

۵۔ بدن کے کپڑوں میں بے حد جوئیں پیدا کر دی گئیں جن سے بچنے کی کوئی صورت نہ رہی۔

۶۔ مینڈکوں کا عذاب، ہر کھانے پینے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے۔

۷۔ خون کا عذاب، ہر برتن اور کھانے پینے کی چیزوں میں خون مل جاتا تھا۔

۸۔ قحط۔

۹۔ پھلوں کا نقصان۔ (روح المعانی ۱۸۲/۱۵)

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ایک دوسری روایت میں حضرت موسیٰ کے نو معجزے اس طرح بیان کئے۔

۱۔ ید بیضاء، ۲۔ زبان کی لکنت کا دور ہونا، ۳۔ عصا، ۴۔ بحر، ۵۔ طوفان کا عذاب،

۶۔ ٹڈی کا عذاب، ۷۔ جوؤں کا عذاب، ۸۔ مینڈک کا عذاب اور ۹۔ خون کا عذاب۔

(روح المعانی ۱۸۲/ ۱۵)

احمد، بیہقی، طبرانی، نسائی، ابن ماجہ اور ترمذی کی ایک صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آیات سے مراد احکام الٰہیہ ہیں چنانچہ حضرت صفوان بن عسال فرماتے ہیں ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چلو۔ اس نے کہا کہ نبی نہ کہو اگر ان کو خبر ہو گئی کہ ہم بھی ان کو نبی کہتے ہیں تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی یعنی ان کو فخر و مسرت کا موقع مل جائے گا۔ پھر وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو نو آیات بینات دی گئی تھیں وہ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا:

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، ۲۔ زنا نہ کرو، ۳۔ جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، ۴۔ چوری نہ کرو، ۵۔ جادو نہ کرو، ۶۔ سود نہ کھاؤ، ۷۔ کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگا کر قتل و سزا کے لئے اس کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ، ۸۔ پاک دامن عورت پر بدکاری کی تہمت نہ لگاؤ ۹۔ میدان جنگ سے جان بچا کر نہ بھاگو۔ اے یہود! خاص تمہارے لئے یہ حکم بھی ہے کہ یوم سبت (سنیچر) کے احکام جو خاص طور پر تمہیں دیئے گئے ہیں ان میں حد سے تجاوز نہ کرو۔ یہ باتیں سن کر دونوں یہودیوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ (روح المعانی ۱۸۳/ ۱۵)

قرآن کا حق ہونا

۱۰۵، ۱۰۶۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝

اور ہم نے اس (قرآن) کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور وہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا اور ہم نے آپ کو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر

بھیجا ہے اور ہم نے قرآن کو جزو جزو کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں اور اسی لئے ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے۔

فَرَقْنٰهُ : ہم نے اس (قرآن) کو جدا جدا کیا۔ ہم نے اس کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا۔ فَرْقٌ سے ماضی۔

مُكْثٍ : ٹھہر ٹھہر کر۔ آہستہ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کریم حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور یہ سراسر حق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اس کی حقانیت پر وہ خود بھی شاہد ہے اور فرشتے بھی گواہ ہیں۔ جس طرح حق والے نے اس کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اسی طرح حق کے ساتھ یہ آپ تک پہنچا ہے۔ نہ راستے میں کوئی باطل اس میں شامل ہوا اور نہ باطل کی یہ شان کہ وہ اس کے ساتھ مخلوط ہو سکے۔ یہ کمی و بیشی سے بالکل محفوظ ہے اور پوری طاقت والے امانت دار فرشتے کی معرفت نازل ہوا ہے۔ جو آسمان میں عزت والا اور سردار ہے۔

اے محمد ﷺ آپ کا کام تو مومنوں کو خوشخبری سنانا اور کافروں کو ڈرانا ہے۔ اس قرآن کو پہلے ہم نے لوح محفوظ سے بیت العزت پر نازل کیا جو پہلے آسمان میں ہے۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق تیئیس سال میں آنحضرت ﷺ کے قلبِ مبارک پر نازل ہوا تاکہ آپ سہولت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کر کے لوگوں کو سنا دیں۔ ہم نے بھی اس کو تھوڑا تھوڑا کر کے ہی نازل کیا ہے۔ (ابن کثیر ۶۸/ ۳)

قرآن کی تاثیر

۱۰۹،۱۰۷ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا O وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا O

آپ کہہ دیجئے کہ تم اس (قرآن) پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا تو جب ان کے سامنے اس قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کا خشوع اور بڑھا دیتا ہے۔

يَخِرُّوْنَ: وہ گرتے ہیں۔ خرٌّ وخُرُوْرٌ سے مضارع۔

اَذْقَان: ٹھوڑیاں۔ واحد۔ ذَقَنٌ۔

يَبْكُوْنَ: وہ روتے ہیں۔ وہ آہ وزاری کرتے ہیں۔ بكَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: قرآن کی صداقت و حقانیت کا انحصار تمہارے ایمان لانے پر موقوف نہیں۔ تم مانو یا نہ مانو قرآن اپنی ذات میں اللہ کا کلام ہے اور بلا شبہ برحق ہے۔ اس کا ذکر سابقہ آسمانی کتابوں میں چلا آرہا ہے جو اہل کتاب نیک و صالح ہیں اور اللہ کی کتاب پر عمل کرتے ہیں اور انہوں نے اگلی کتابوں میں کوئی تحریف نہیں کی وہ تو اس قرآن کو سنتے ہی بے چین ہو کر ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب وعدہ خلافی سے پاک ہے اس نے سابقہ کتب میں محمد ﷺ کو بھیجنے اور قرآن نازل کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ سچا ہے۔ آج اس کو پورا ہوتا دیکھ کر خوشی سے اپنے رب کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور اس کے وعدے کی سچائی کا اقرار کرتے ہیں۔ خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ گڑگڑاتے ہوئے اللہ کے سامنے ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔

حضرت حکیم بن حزام کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تین (طرح کی) آنکھوں پر آگ حرام کر دی گئی۔ (ایک) وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی، (دوسری) وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں بیدار رہی۔ (تیسری) وہ آنکھ جو ممنوعات

خداوندی سے بند رکھی گئی۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس مومن بندے کی آنکھ سے اللہ کے خوف سے آنسو نکلتے ہیں خواہ مکھی کے سر کے برابر ہوں، اللہ نے آگ کو اس پر حرام کر دیا ہے۔ (ابن کثیر ۶۸/۳، مظہری ۴۹۹،۵۰۰/۵)

اللہ کے اسماء حسنیٰ

۱۱۰،۱۱۱۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ○ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ○

آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو۔ جس نام سے بھی تم پکارو، سو تمام اچھے نام اسی کے ہیں اور اپنی نماز میں نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھیئے اور نہ بالکل چپکے سے بلکہ درمیانی راہ اختیار کیجئے اور کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ کمزور و عاجز ہے کہ کوئی اس کا مددگار ہو اور اس کی خوب بڑائی بیان کر۔

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ مکہ میں ایک رات کو (نماز کے دوران) سجدے میں آپ نے فرمایا یا اللہ، یا رحمٰن۔ (یہ سن کر) ابو جہل کہنے لگا کہ محمد (ﷺ) ہمیں تو ہمارے معبودوں (کو پکارنے) سے منع کرتے ہیں اور خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵۰۱/۵)

تشریح: مشرکین مکہ اللہ کی رحمت کی صفت کا انکار کرتے تھے اور رحمٰن کو اللہ کا نام نہیں سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکوں کو بتا دیجئے کہ تم اللہ کو، اللہ کہہ کر پکار دیا رحمٰن کہہ کر، دونوں طرح صحیح ہے کیونکہ اس کے اچھے اچھے نام بہت سارے ہیں۔ جن سے اس کی صفات جلال و جمال کا ظہور اور ہر عیب و نقص سے پاکی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اپنی نماز کو نہ تو بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل خاموشی سے بلکہ درمیانی آواز سے پڑھو۔ یہاں الصلوۃ سے مراد رات کی نماز ہے خواہ وہ فرض ہو جیسے مغرب، عشاء یا نفل جیسے تہجد وغیرہ کیونکہ دن کی نماز میں (ظہر، عصر) تو باجماع امت سرّی ہیں۔ ان میں جہر کے ساتھ قرأت نہیں کی جاتی۔

اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ تمام خوبیاں اس اللہ کے لئے خاص ہیں جو واحد احد اور صمد ہے۔ نہ اس کے ماں باپ، نہ اولاد۔ نہ وہ ایسا حقیر کہ کسی کی حمایت کا محتاج ہو یا اسے وزیر و مشیر کی حاجت ہو بلکہ تمام چیزوں کا خالق و مالک صرف وہی ہے۔ اس لئے آپ ہر وقت اس کی عظمت و جلالت، کبریائی اور بزرگی بیان کرتے رہیئے۔

(ابن کثیر ۳/۶۸، مظہری ۵/۵۰۱،۵۰۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ کہف

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کو سورۂ کہف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ان لوگوں کے حیرت انگیز حالات کا بیان ہے جو کہف یعنی غار میں تین سو نو برس تک سو کر جاگے تھے۔
(حقانی ۱۸۶؍۳)

تعارف: اس میں بارہ رکوع، ایک سو دس آیتیں، ۱۲۰۱ کلمات اور ۶۶۲۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کا آغاز تحمید سے ہوا اور اختتام توحید و رسالت پر۔ شروع میں اصحابِ کہف کا واقعہ ہے اس کے بعد فنا و زوال اور قیامت و آخرت کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بندے کو جو علم دیا گیا ہے وہ قلیل ہے۔ کسی کو اللہ نے کوئی علم دیا اور کسی کو کوئی دوسرا علم دیا۔ پیغمبر خواہ کتنا ہی الوالعزم کیوں نہ ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ تمام علوم سے واقف ہو۔ آخر میں ذوالقرنین کا حال بیان ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ہی قیامت اور عالم آخرت کا دوبارہ ذکر ہے۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۳؍۴)

فضائل: دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو ستر ہزار فرشتے اس کے ہمراہ آئے۔
(روح المعانی ۱۹۹؍۱۵)

ایک اور روایت میں، جس کو احمد، مسلم، نسائی اور ابن حبان نے روایت کیا، ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں پڑھیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ (روح المعانی ۲۰۰؍۱۵)

مسند احمد، مسلم، مستدرک، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن حبان میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں حفظ کر لیں وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ (روح المعانی ۲۰۰/۱۵، مسند احمد ۲۵۳/۶، مستدرک ۳۹۹/۲)

مسند احمد میں معاذ بن انس الجھنی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۂ کہف کا اول اور آخر پڑھ لے اس کے لئے اس کے پاؤں سے سر تک نور ہو گا اور جو اس ساری سورت کو پڑھے اسے زمین سے آسمان تک کا نور ملے گا۔
(ابن کثیر ۷۰/۳)

مستدرک حاکم میں مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھی اس کے لئے دو جمعوں کے درمیان تک نور کی روشنی رہتی ہے۔ (مستدرک ۳۹۹/۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی فضیلت اور آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی۔ پھر اصحاب کہف کے واقعہ کا اجمالی بیان ہے۔

رکوع ۲: اصحاب کہف کا مفصل واقعہ اور غار کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: اصحاب کہف کی ظاہری حالت اور جاگنے کے بعد ان کا آپس میں گفتگو کرنا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں اہل شہر کو اصحاب کہف کے حال پر آگاہ کرنا اور اصحاب کہف کی تعداد مذکور ہے۔

رکوع ۴: انشاء اللہ کہنے کی اہمیت۔ واقعہ کہف کا تتمہ اور آپ ﷺ کو تلاوت قرآن کا حکم مذکور ہے۔ پھر سرداران کفر کی مذمت اور ظالموں کا انجام اور مومنین صالحین کا انعام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: ایک مالدار شخص کا حال، مومن مفلس کا جواب اور باغ کی تباہی کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۶: حیات دنیا کی بے ثباتی اور قیامت کے روز پہاڑوں اور زمین کا چلنا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۷: غرور کا انجام۔ کافروں کی سرکشی اور ان کے دلوں پر پردوں کا پڑنا مذکور ہے۔

رکوع ۸: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعے کا بیان ہے۔ پھر حضرت موسیٰ کی درخواست مذکور ہے۔

رکوع ۹: کشتی کا واقعہ۔ ایک لڑکے کا قتل اور ایک بستی کا واقعہ مذکور ہے۔ پھر تینوں واقعات کی حقیقت بتائی گئی ہے۔

رکوع ۱۰: ذوالقرنین کا واقعہ اور یاجوج ماجوج کا دیوار توڑنے سے عاجز ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت بتایا گیا ہے۔

رکوع ۱۱: سب سے زیادہ خسارے والے لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر نیک لوگوں کے انعامات اور اللہ تعالیٰ کے بیشمار کلمات کا بیان ہے۔

قرآن کی فضیلت

۱،۵۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ
عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ
الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مّٰكِثِیْنَ فِیْهِ
اَبَدًا ۝ وَّ یُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ
عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ اِنْ
یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۝

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر کتاب نازل کی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔ بالکل ٹھیک اتاری تاکہ وہ (کفار و مشرکین کو) اس سخت عذاب سے ڈرائے جو منجانب اللہ (ان پر) ہوگا اور مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں یہ خوش خبری دے کہ ان کے لئے اچھا اجر ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ تاکہ ان لوگوں کو بھی خوف دلائے جو (یہ) کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ نہ

ان کو اس بات کا علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو۔ بڑی بھاری بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے۔ وہ بالکل ہی جھوٹ کہتے ہیں۔

عِوَجًا : کجی، ٹیڑھا پن۔ مصدر ہے۔

قَیِّمًا : قائم رکھنے والا۔ درست۔ سیدھا۔ قِیَامٌ سے صفت مشبہ۔

بَاْسًا : قتال۔ لڑائی۔ جنگ۔ آفت۔

مَّاكِثِيْنَ : ٹھہرنے والی۔ رہنے والی۔ مَكْثٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ہر قسم کی تعریف اور سب خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے اپنے خاص بندے محمد ﷺ پر ایسی کتاب (قرآن) نازل کی جو سب سے اعلیٰ واکمل ہے اور جس میں ذرا بھی کجی اور ٹیڑھا پن نہیں۔ اس کی ہر بات اور ہر حکم عقل سلیم کے مطابق ہے۔ اس کی عبارت نہایت سلیس اور فصیح ہے۔ اس کا اسلوب بیان نہایت مؤثر ہے اور اس کی تعلیم نہایت متوسط ومعتدل ہے جو ہر زمانے اور ہر طبیعت کے مناسب ہے۔ اس میں کسی قسم کی افراط و تفریط کا شائبہ تک نہیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب اور اس کے نبی کو جھٹلاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو سخت آفت آنے والی ہے یہ کتاب اس سے آگاہ کرتی ہے اور جو لوگ اس کتاب پر ایمان ویقین رکھتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں انہیں یہ کتاب اجر عظیم کی خوشخبری سناتی ہے جو جنت کی شکل میں ہوگا۔ جس کی نعمتیں غیر فانی ہیں۔

مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی اولاد سمجھ کر ان کی پرستش کیا کرتے تھے اور نذر ونیاز کرتے تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے بلکہ اب تک کہتے ہیں اور بعض یہود حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس باطل اعتقاد پر ان کے پاس تو کیا ان کے باپ، دادا کے پاس بھی کوئی سند اور دلیل نہیں تھی۔ یہ لوگ بہت بڑی اور سخت بات منہ سے نکال رہے ہیں بلکہ بالکل ہی جھوٹ بکتے ہیں۔ ان آیتوں میں ان سب کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب ان سب لوگوں کو عذاب سے خبردار کرتی ہے جو اللہ کے لئے اولاد تجویز کرتے ہیں۔

(حقانی ۱۸۶،۱۸۷/ ۳، عثمانی ۸۲۶،۸۲۷/ ۱)

آنحضرت ﷺ کو تسلی

۶،۸۔ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا O اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا O وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا O

سو شاید اس افسوس میں کہ وہ اس بات پر ایمان نہیں لاتے، آپ اپنے آپ کو ہلاک ہی کر ڈالیں گے۔ بیشک جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کی زینت بنا دیا تاکہ ہم ان کو آزمائیں کہ ان میں سے کون اچھے کام کرتا ہے اور بیشک جو کچھ اس (زمین) پر ہے ہم اس کو چٹیل میدان (فنا) کر دیں گے۔

بَاخِعٌ : غم کے سبب جان دینے والا۔ ہلاک کرنے والا۔ بَخُوْعٌ و بَخْعٌ سے اسم فاعل۔

صَعِيْدًا : مٹی۔ خاک۔ زمین۔ صاف میدان۔ صُعُوْدٌ سے صفت مشبہ۔

جُرُزًا: بالکل ہموار جس میں کوئی درخت وغیرہ نہ ہو۔ بنجر۔ چٹیل میدان۔ جَرْزٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: مشرکین آپ سے اعراض کرتے تھے اور ایمان نہ لاتے تھے۔ اس پر آپ کو رنج و افسوس ہوتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ اگر یہ کافر اس قرآن پر ایمان نہ لائیں تو آپ اپنے آپ کو ان کے غم میں نہ گھلائیے بلکہ آپ تو دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہئے۔ کوئی نہ مانے تو اس پر آپ کو غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ دعوت و تبلیغ اور شفقت و ہمدردی کے جو کام آپ کرتے ہیں وہ آپ کے رفع مراتب اور ترقیٔ مدارج کا ذریعہ ہیں۔ اگر یہ بد بخت آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو اس میں ان ہی کا نقصان ہے۔

پھر فرمایا کہ جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اس کو دنیا کی زینت کے لئے بنایا ہے۔ دنیا فانی ہے، بہت جلد اجڑنے اور غارت ہونے والی ہے۔ اس کی زینت زائل ہونے والی ہے جبکہ

آخرت اور اس کی نعمت دوامی ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس فانی دنیا اور اس کی زینت پر فریفتہ ہوتا ہے اور کون ہمیشہ رہنے والی آخرت کو اختیار کرتا ہے۔

قتادہ نے ابو سعیدؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ دنیا میٹھی اور سرسبز ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ سو تم دنیا اور عورتوں سے بچو۔ بنو اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کا تھا۔ (ابن کثیر ۷۲/۳)

اصحابِ کہف کے واقعہ کا اجمالی بیان

۹، ۱۲۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝

کیا آپ غار اور کھوہ کے رہنے والوں کو ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے تعجب کی چیز سمجھتے ہیں۔ جبکہ چند نوجوان اس غار میں آ بیٹھے تھے پھر وہ دعا مانگنے لگے اے ہمارے رب ہمیں اپنی خاص رحمت سے نواز اور ہمارے کام کی درستی کا سامان مہیا کر دے۔ پھر ہم نے اسی غار میں گنتی کے چند سال تک ان کے کان تھپک دیئے۔ (سلا دیا) پھر ہم نے ان کو جگا دیا تاکہ ہم معلوم کر لیں کہ دونوں جماعتوں میں سے کس (جماعت) کو ان کے رہنے کی مدت خوب یاد ہے۔

الکھف: اس وسیع غار کو کہتے ہیں جو پہاڑ کے اندر ہو۔

الرّقیم: لکھی ہوئی چیز۔ لوگوں نے اصحابِ کہف کے نام اور ان کا واقعہ ایک پتھر یا رانگ کی

تختی پر کندہ کر کے غار کے منہ پر نصب کر دیا تھا۔ اسی لئے ان کو اصحاب کہف ورقیم کہتے ہیں یہ ایک ہی جماعت کے دو لقب ہیں۔

هَيِّئْ : تو تیار کر۔ تو درست کر۔ تَهْيِئَةٌ سے امر۔

اَحْصٰى : خوب واقف۔ خوف گننے والا۔ اِحْصَاءٌ سے تفضیل۔

اَمَدًا : مدت۔ زمانۂ دراز۔

تشریح: قریش نے یہود کے کہنے پر آپ کی آزمائش کی غرض سے آپ سے تین سوال کئے تھے۔ ایک سوال روح کے بارے میں تھا جو گزشتہ سورت میں گزر چکا۔ دوسرے سوال کے جواب میں یہاں اصحابِ کہف کے واقعہ کا بیان ہے۔ تیسرا سوال ذوالقرنین کے بارے میں تھا۔ اس کا بیان بھی اسی سورت کے آخر میں ہے۔

اصحابِ کہف کا واقعہ آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت کی دلیل ہے کہ سیکڑوں سال پہلے کے واقعات کا صحیح صحیح علم اللہ تعالیٰ کی وحی کے بغیر ممکن نہیں۔ ظاہر ہے آپ نے یہ واقعات نہ کسی سے سنے اور نہ کسی کتاب میں دیکھے اور پڑھے کیونکہ آپ امی تھے۔ اس کے باوجود ان واقعات کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا، آپ کی نبوت ورسالت کی کافی وشافی دلیل ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے گمان کرنے والے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ اصحابِ کہف اور رقیم ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے کوئی عجیب چیز تھے۔ بے شک یہ قصہ عجیب ہے مگر ہماری قدرت کی نشانیوں کے سامنے کوئی چیز عجیب نہیں۔ آسمان وزمین اور چاند وسورج کی پیدائش کے عجائبات اصحابِ کہف کے حال سے کہیں زیادہ عجیب ہیں۔ غارِ ثور میں آنحضرت ﷺ اور آپ کے یارِ غار حضرت ابو بکر کی حفاظت کرنا اور دشمنوں کو اندھا بنا دینا کہ وہ غار کے منہ پر کھڑے ہو کر بھی آپ کو نہ دیکھ سکیں۔ یہ اصحابِ کہف کے واقعہ سے کم عجیب نہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب ان لوگوں نے دنیا سے منہ موڑ لیا اور کفر وشرک کے فتنے سے بچنے کے لئے شہر سے بھاگ کر ایک غار میں جا کر پناہ لی اور وہاں اللہ سے دعا کی کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرما اور ہمیں ہمارے مقصد میں کامیاب فرما۔ یہاں رحمت سے مراد حق اور ہدایت پر استقامت اور دشمنوں سے امن

وحفاظت ہے۔

سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو غار میں ایسی گہری نیند سلا دیا کہ گویا ان کے کانوں پر (نیند کے) پردے پڑے ہوئے ہیں اور وہ برسوں تک بے فکر سوتے رہے۔ پھر ہم نے ان کو نیند سے بیدار کر دیا تاکہ ہم دیکھ لیں اور لوگوں کو بھی دکھادیں کہ دونوں فریقوں میں سے کس نے ان کے غار میں رہنے کی مدت کو خوب یاد رکھا ہے۔ جب وہ جاگے تو ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کس قدر سوئے؟ کسی نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم، کسی نے کہا کہ تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے۔ اس آیت میں دو گروہوں کا جو ذکر آیا ہے اس کے بارے میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ خود اصحابِ کہف میں دو گروہ بن گئے جنہوں نے غار میں سونے اور ٹھہرنے کی مدت کے بارے میں اختلاف کیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دو گروہ سے اس زمانے کے مومن اور کافر مراد ہوں جنہوں نے ان کی مدت قیام میں اختلاف کیا تھا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۳۲/۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۸۸، ۳۸۹/۴، روح المعانی ۲۰۸، ۲۱۳/۱۵)

اصحابِ کہف کا مفصل واقعہ

۱۳۔۱۶، نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ○ وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْقَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ○ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ○ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ○

ہم آپ کو ان کا حقیقی حال سناتے ہیں۔ وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی دی تھی اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے۔ جب وہ (ظالم بادشاہ کے سامنے) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی اور کو ہرگز معبود نہ پکاریں گے اور اگر ایسا کریں تو یہ بہت ہی بے جا بات ہو گی۔ یہ ہماری قوم ہے جنہوں نے اس (اللہ) کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں یہ لوگ ان کے معبود ہونے پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے پھر اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور (باہر آ کر آپس میں کہنے لگے کہ) جب تم نے ان لوگوں سے اور ان معبودوں سے جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کنارہ کشی اختیار کر لی تو اب اس غار میں چل کر پناہ لو۔ تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت وسیع کرے گا اور تمہارے کام کو آسان کر دے گا۔

رَبَطْنَا : ہم نے مضبوط کر دیا۔ ہم نے باندھ دیا۔ رَبْطٌ سے ماضی۔

شَطَطًا : زیادتی۔ ناحق۔ جھوٹ۔ حد سے تجاوز کرنا۔ مصدر ہے۔

اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ : تم ان لوگوں سے الگ ہو گئے۔ تم نے ان سے کنارہ کر لیا۔ اِعْتِزَالٌ سے ماضی۔

یَنْشُرْ : وہ پھیلاتا ہے۔ نَشْرٌ سے مضارع۔

مِّرْفَقًا : سہولت۔ آرام۔ کامیابی کا ذریعہ۔ رِفْقٌ سے مصدر میمی۔

تشریح: یہاں سے اصحابِ کہف کا مفصل واقعہ شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم آپ سے اصحابِ کہف کا واقعہ ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہیں کہ بیشک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے حالانکہ ان کی قوم شرک و بت پرستی میں مبتلا تھی۔ ایمان لانے کے بعد ہم نے ان کی ہدایت میں اور اضافہ کر دیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا اور وہ ایسے صابر و ثابت ہو گئے کہ ان کو اللہ کی راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں کی کوئی پرواہ نہ رہی یہاں تک کہ جب وہ

دقیانوس جیسے ظالم وجابر بادشاہ کے سامنے لائے گئے اور اس نے ان کو بت پرستی پر مجبور کیا تو وہ جواب میں بادشاہ کو کہنے لگے کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ ہم اس کے سوا ہرگز کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً یہ بے جا اور حد سے بڑھی ہوئی بات ہوگی۔ ہماری قوم کے ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے جو سراسر باطل ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ ان لوگوں نے محض اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کو معبود اور خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے۔ یہ لوگ ڈرا دھمکا کر دوسروں کو بت پرستی پر مجبور کرتے ہیں۔ جو شخص اللہ پر افترا کرے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں۔

جب ان نوجوانوں نے دقیانوس کو دوٹوک جواب دے دیا اور اس نے ان کو سوچنے اور غور کرنے کی مہلت دے کر رخصت کر دیا تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ جب تم اللہ کے سوا، ان کے معبودوں سے جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں علیحدہ اور کنارہ کش ہو گئے تو اب چل کر غار میں اپنا ٹھکانا بنانا چاہیئے جہاں کسی کافر کی رسائی نہ ہو سکے تاکہ کافروں کے ساتھ رہنے سے بھی بچ جائیں اور دین وایمان بھی سلامت رہے۔ جہاں تک غار میں پیش آنے والی زحمت ومشقت کا تعلق ہے تو اس سے ڈرنے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ تمہارا رب اپنی رحمت سے تمہارے لئے تمام امور میں راحت وآسانی کا سامان پیدا فرمادے گا اور تمہارے رزق میں فراخی کر دے گا۔

چنانچہ جب یہ لوگ عزم وہمت کے ساتھ غار میں داخل ہو گئے اور اللہ کی رحمت پر بھروسہ کر کے غار کے اندر بیٹھ گئے اور اللہ کے ذکر اور تسبیح وتحمید میں مشغول ہو گئے۔ تو وہاں ان کو ایسی نیند آئی کہ تین سو سال تک سوتے رہے۔ بادشاہ نے ان کو بہت تلاش کرایا، جب وہ تلاش میں ناکام ہو گیا تو اس نے غار کے منہ پر ایک مضبوط دیوار بنوادی تاکہ وہ لوگ باہر نہ نکل سکیں اور غار کے اندر ہی مر جائیں۔ ادھر جس امید ویقین کے ساتھ وہ غار میں داخل ہوئے تھے، اللہ نے ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمایا اور ان پر اللہ کی مہربانیوں اور رحمتوں کا نزول ہونے لگا۔

(روح المعانی ۲۱۶، ۲۲۱ر۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۹۸، ۴۰۰ر۴)

غار کی کیفیت

۱۷۔ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ
ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ
فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝

اور (اے مخاطب) تو دیکھے گا کہ جب سورج نکلتا ہے تو وہ ان کے غار سے داہنی طرف کو ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں طرف سے کتراتا ہوا گزر جاتا ہے اور وہ اس (غار) کے ایک کشادہ حصے میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو اس کے لئے کوئی مددگار اور راہ پر لانے والا نہیں ملے گا۔

تَزٰوَرُ : وہ جھک جاتی ہے۔ وہ مڑ جاتی ہے۔ وہ پھر جاتی ہے۔ تَزَاوُرٌ سے مضارع۔

تَقْرِضُهُمْ : وہ کتراجاتی ہے۔ وہ ان کو چھوڑ دیتی ہے۔ قَرْضٌ سے مضارع۔

فَجْوَةٍ : کشادہ جگہ۔ وسیع میدان۔ غار کے اندر کشادہ زمین۔

تشریح: غار کے اندر اللہ تعالیٰ کی جو رحمتیں، اصحابِ کہف پر نازل ہو رہی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب سورج طلوع ہوتا تو دھوپ ان کے غار کے دائیں طرف جھکی رہتی تھی اور جب غروب ہوتا تو دھوپ ان کے بائیں جانب کتراجاتی (بائیں جانب ہٹی رہتی) تھی اور وہ اس کے اندر ایک فراخ اور وسیع مقام پر تھے۔ جہاں ہر وقت اللہ کی رحمت سے ان پر سایہ رہتا تھا۔ وہ دھوپ سے محفوظ تھے اور ان کو خوشگوار ہوا پہنچتی رہتی تھی۔

یہ بھی اللہ کی قدرت کی ایک نشانی ہے کہ اس نے ان کو غار میں زندہ رکھا، دھوپ اور ہر قسم کے نقصان سے بچائے رکھا۔ ان نوجوان موحدوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے ہدایت و توفیق

دی تھی۔ کوئی ان کو راہ راست سے گمراہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس جس کو وہ راہ نہ دکھائے اور ہدایت کی توفیق نہ دے تو اس کا کوئی ہادی ہے اور نہ مددگار۔

اصحابِ کہف کی ظاہری حالت

۱۸۔ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۭ
لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ○

اور تم خیال کرتے ہو کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے ہیں اور ہم ہی ان کو دائیں اور بائیں کروٹیں بدلواتے رہتے ہیں اور ان کا کتا (غار کے) دروازے پر اپنے بازو پھیلائے ہوئے پڑا ہے۔ اگر تو ان کو دیکھ لیتا تو الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہوتا اور تجھ پر ان کی دہشت بیٹھ جاتی۔

اَيْقَاظًا : جاگنے والے۔ بیدار۔ واحد یقظٌ،

رُقُوْدٌ : سونے والے۔ واحد رَقُوْدٌ۔

ذِرَاعَيْهِ : اس کے دونوں ہاتھ۔ اس کے دونوں بازو۔

الْوَصِيْدِ : چوکھٹ۔ دہلیز۔ جمع وُصُدٌ۔

لَمُلِئْتَ : تو بھر جائے گا۔ تیرے اندر بیٹھ جائے گا۔ ملاءٌ سے ماضی مجہول۔

رُعْبًا: رعب۔ دہشت۔ ہیبت۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جانوروں، کیڑے مکوڑوں اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کا ایک ظاہری سبب یہ بھی بنادیا کہ گہری نیند کے باوجود ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ نیند کی حالت میں ہی دائیں بائیں کروٹیں بدلتے رہتے تھے جس سے دیکھنے والا یہ سمجھتا گویا کہ وہ جاگ رہے ہیں۔ ان کا کتا بھی غار کے دہانے کے اندر اپنے دونوں بازو پھیلائے پڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر بھی نیند طاری کر دی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بھلے لوگوں کی صحبت میں رہنے والے کے

اندر بھی بھلائی آجاتی ہے۔ دیکھئے اصحابِ کہف کے ساتھ رہنے سے اس کتے کی کتنی شان ہو گئی کہ کلام اللہ میں اس کا ذکر آگیا۔

پھر غار سے باہر کے دشمنوں سے ان کی حفاظت اس طرح فرمائی کہ غار کے اندر ہیبت اور رعب کی کیفیت پیدا کر دی اگر کوئی غار کے اندر جھانک کر دیکھ لے تو وہ خوفزدہ ہو کر فوراً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو۔

بیداری کے بعد اصحاب کہف کا باہم گفتگو کرنا

۱۹، ۲۰۔ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ
لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا
لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ
اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ
بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْ
كُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝

اور اسی طرح (ایک عرصے کے بعد) ہم نے ان کو جگا دیا تا کہ وہ آپس میں پوچھیں (کہ ہم کتنی مدت سوتے رہے) ان میں سے ایک نے کہا کہ تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے رہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم رہے ہوں گے (پھر) وہ کہنے لگے کہ تمہارا رب ہی جانتا ہے کہ تم یہاں کتنی دیر ٹھہرے۔ اب تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو۔ پھر وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے سو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے اور چاہئے کہ وہ چپکے سے آئے جائے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔ کیونکہ اگر وہ تمہاری خبر پالیں تو یا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں (جبراً) اپنے

دین میں لوٹا لیں گے۔ اور تب تم کبھی فلاح نہ پاؤ گے۔

بِوَرِقِكُمْ: تمہارے سکے۔ تمہارے روپے۔

لْيَتَلَطَّفْ: وہ نرمی برتے۔ وہ حسن تدبیر سے کام لے۔ وہ آہستگی سے جائے۔ وہ چپکے سے جائے۔ تَلَطُّفٌ سے امر غائب۔

يَرْجُمُوْكُمْ: وہ تم کو سنگسار کرتا ہے۔ وہ تم کو پتھر مار کر ہلاک کرتا ہے۔ رَجْمٌ سے مضارع۔

تشریح: جس طرح ہم نے ان کو نشانِ قدرت بنا کر ایک طویل مدت تک غار کے اندر سلایا اور ان کے جسموں کو گلنے سڑنے سے محفوظ رکھا، اسی طرح ہم نے ان کو نیند سے بیدار کر دیا تاکہ ان کو اپنی حالت کا علم ہو جائے اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں اور اپنے ساتھ اللہ کے سلوک کو پہچان کر اس کی قدرت کا یقین کریں اور اس نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

بیدار ہونے کے بعد ان کو یہ محسوس ہوا جیسے وہ معمول سے زیادہ سوئے۔ اس لئے ان میں سے ایک نے سوال کیا کہ تم کتنی مدت سوتے رہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ایک دن یا اس سے کچھ کم سوتے رہے۔ ایک دن یا اس سے کچھ کم سونے کا خیال اس لئے آیا کہ جب وہ غار میں داخل ہوئے تھے تو صبح کا وقت تھا اور جب بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا۔ اس لئے وہ یہی سمجھے جیسے ایک دن یا اس سے کچھ کم سوئے ہوں۔ پھر جب قرائن اور آثار سے ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ طویل عرصے تک سوتے رہے تو کہنے لگے کہ تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے کہ تم کتنی مدت سوئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ اب اس جھگڑے کو چھوڑ دو اور اپنے میں سے کسی کو پیسے دے کر شہر کی طرف بھیجو جو وہاں جا کر دیکھے کہ کس دوکاندار کے پاس حلال اور پاکیزہ کھانا ہے۔ پھر وہ حلال اور پاکیزہ کھانا خرید کر تمہارے پاس لائے اور وہ خوش تدبیری سے کام لے۔ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھے اور کسی کو پتہ نہ ہونے پائے۔ اگر لوگوں کو تمہارا پتہ چل گیا اور انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو وہ تمہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں گے یا وہ تمہیں اپنے مذہب میں لوٹا لیں گے۔ اگر تم نے ان کے مذہب میں داخل ہونا قبول کر لیا تو تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔ یعنی عذاب سے نجات نہیں پاؤ گے۔

زمانۂ جاہلیت میں اس شہر کا نام افسوس تھا۔ عہد اسلامی میں اس کا نام افسوس کے بجائے طرطوس ہو گیا۔ (مظہری ۲۱، ۲۲/۶)

اہلِ شہر کو اصحابِ کہف کے حال پر مطلع کرنا

۲۱۔ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَارَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝

اور اسی طرح ہم نے ان لوگوں پر ظاہر کر دیا تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں۔ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اس زمانے کے لوگ ان کے معاملے میں باہم جھگڑنے لگے۔ سو بعض نے کہا کہ ان کے غار پر ایک عمارت بنا دو۔ ان کا رب ہی ان کے حال سے خوب واقف ہے۔ جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔

اَعْثَرْنَا: ہم نے مطلع کیا۔ ہم نے بتا دیا۔ اِعْثَارٌ سے ماضی۔

بُنْيَانًا: ایک عمارت۔ ایک دیوار۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جیسے ہم نے اصحابِ کہف کو انوکھی طرز پر سلایا اور بالکل انوکھے طور پر ان کو جگایا، اسی طرح بالکل انوکھے طرز پر اپنی قدرتِ کاملہ سے اہلِ شہر کو اصحابِ کہف کے حالات سے مطلع فرمایا تاکہ ان کو اللہ کے وعدوں کی حقانیت کا علم ہو جائے اور قیامت کے قائم ہونے اور اس کے برحق ہونے میں انہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ جس خدا نے اصحابِ کہف کی روحوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا اور اتنی طویل مدت تک ان کے جسموں کو سڑنے نہیں دیا۔ پھر ان کی روحیں ان کے جسموں میں واپس کر دیں اور ان کو نیند سے بیدار کر

دیا۔ وہی خدا اس پر بھی قادر ہے کہ سب انسانوں کی روحوں کو اپنے پاس روک لے اور پھر قیامت کے دن سب کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھادے۔ اس وقت وہ اصحابِ کہف کے بارے میں آپس میں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ بعض قیامت کے قائل تھے اور بعض اس کے منکر تھے۔ پس اصحاب کہف کا ظہور منکروں پر حجت اور ماننے والوں کے لئے دلیل بن گیا۔

سو ان لوگوں نے کہا کہ ان کے پاس کوئی عمارت بنوادو۔ پھر جب کوئی تحقیقی بات معلوم نہ ہوئی تو کہنے لگے کہ ان کا پروردگار ہی ان کا حال خوب جانتا ہے۔ ان میں سے جو لوگ اپنی بات میں غالب رہے انہوں نے کہا کہ ان (اصحابِ کہف) کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ہم ان کے پاس ایک مسجد یعنی عبادت خانہ بنائیں گے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ مشرک نہ تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے تھے۔ (مظہری ۶/۲۳)

اصحابِ کہف کی تعداد

۲۲۔ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۫ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ○

اب وہ کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا ان کا کتا ہے اور بعض کہیں گے وہ پانچ تھے چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب بن دیکھے نشانے پر پتھر چلانا ہے اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے، آٹھواں ان کا کتا تھا۔ (اے نبی ﷺ) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کی تعداد کو میرا رب ہی خوب جانتا ہے۔ ان کا اصل حال تو بہت ہی کم لوگ جانتے ہیں۔ سو آپ ان کے بارے میں بجز سرسری بات کے زیادہ بحث نہ کیجئے اور ان کے بارے میں ان

لوگوں میں سے کسی سے بھی نہ پوچھئے۔

تُمَارِ : تو گفتگو کرتا ہے۔ تو بحث (جھگڑا) کرتا۔ ہے مُمَارَۃٌ سے مضارع۔

مِرَآءٌ : بحث کرنا۔ جھگڑا کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: لوگ اصحابِ کہف کا قصہ سن کر حسب عادت اٹکل کے تیر چلائیں گے۔ کوئی کہے گا وہ تین تھے، چوتھا کتا تھا۔ کوئی کہے گا وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا۔ لیکن سب اقوال ایسے ہیں جیسے کوئی نشانے کے بغیر تیر چلاتا رہے اور بعض کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے صرف تین اقوال بیان فرمائے ہیں۔ کوئی چوتھا قول نقل نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول تھا ہی نہیں۔ پہلے دونوں قولوں کی رجماً بالغیب کا لفظ کہہ کر تردید کر دی اور تیسرے قول کی تردید نہیں کی تو معلوم ہوا کہ تیسرا قول ہی برحق ہے۔ (بیضاوی ۲۴۶)

پھر فرمایا کہ اصحابِ کہف کے بارے میں اگر لوگ اختلاف سے باز نہ آئیں تو آپ ان کے بارے میں سطحی گفتگو کے سوا اہل کتاب سے بحث و مباحثہ نہ کیجئے۔ اس لئے کہ اوّل تو ان کی تعداد کے تعین پر کوئی دلیل نہیں اور اگر بالفرض ہو بھی تو اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اہلِ کتاب سے بھی اس بارے میں کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ اس سلسلے میں جس قدر ضروری تھا وہ ہم نے آپ کو بتا دیا۔ اس لئے بے کار باتوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔

انشاء اللہ کہنے کی اہمیت

۲۳، ۲۴۔ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ○ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ز وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ○

اور آپ کسی کام کے بارے میں یہ نہ کہا کریں کہ میں اس کو کل کروں گا

مگر یہ کہ اگر اللہ چاہے گا (تو کروں گا) اور جب آپ (یہ کہنا) بھول جائیں تو (یاد آنے پر) فوراً اپنے رب کو یاد کیجئے اور کہیئے امید ہے کہ میرا رب مجھے بھلائی کی اس سے بھی قریب راہ دکھادے۔

غَدًا: آنے والا کل۔ روز قیامت۔

نَسِیْتَ: تو بھول گیا۔ تو غافل ہو گیا۔ نِسْیَانٌ سے ماضی۔

رَشَدًا: بھلائی۔ ہدایت۔ سیدھی راہ۔

شانِ نزول: مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب قریش نے آنحضرت ﷺ سے اصحابِ کہف وذوالقرنین اور روح کا حال دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ کل بیان کروں گا اور اس کے ساتھ انشاءاللہ نہ کہا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس بنا پر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ (حقانی ۱۹۸/ ۳، ابن کثیر ۷۹/ ۳)

تشریح: (اے نبی ﷺ) جس کام کو کل کرنا ہو اس کے بارے میں یہ نہ کہا کیجئے کہ میں اس کو کل کروں گا بلکہ اس کے ساتھ انشاءاللہ کہہ لیا کیجئے کیونکہ کل کیا ہو گا اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ وہی عالم الغیب اور تمام چیزوں پر قادر و متصرف ہے۔ لہٰذا اپنے تمام امور میں اسی سے مدد طلب کرنی چاہئے اگر موقع پر انشاءاللہ کہنا یاد نہ رہے تو بعد میں جب بھی یاد آجائے اسی وقت کہہ لینا چاہئے۔ خواہ اس میں کتنی ہی مدت گزر چکی ہو۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بات بھول جاؤ تو اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ بھول شیطانی حرکت ہے اور اللہ کا ذکر یاد کا ذریعہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے قریش! تم اصحابِ کہف کے قصے سے تعجب نہ کرو مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے اس سے بھی زیادہ عجیب خبریں بتائے گا جو میری نبوت ورسالت کی واضح اور بین دلیل ہوں گی۔

(ابن کثیر ۷۹/ ۳، حقانی ۱۹۸/ ۳)

واقعۂ کہف کا تتمہ

۲۵، ۲۶۔ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ○ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ○

اور وہ اپنے غار میں تین سو نو برس رہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے دن ٹھہرے۔ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں اسی کو معلوم ہیں اور وہ کیا ہی خوب دیکھنے والا اور کیا ہی خوب سننے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی ان کا کارساز نہیں اور نہ وہ (اللہ) کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔

تشریح: یہ لوگ آپ سے اصحابِ کہف کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ کتنی مدت غار میں رہے تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ شمسی اعتبار سے وہ اپنے غار میں تین سو برس تک سوتے رہے اور چاند کے حساب سے یہ مدت تین سو نو سال تھی۔ کیونکہ شمسی اور قمری سال میں ہر سو سال پر تین سال کا فرق پڑتا ہے۔ اسی لئے آیت میں تین سو بیان کر کے نو الگ بیان کئے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ جتنی مدت غار میں رہے اس کو تو اللہ ہی خوب جانتا ہے کیونکہ آسمانوں اور زمین کا غیب وہی جانتا ہے۔ اس پر اصحابِ کہف کا حال کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ وہ ہر موجود چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر آواز کو سن رہا ہے۔ ظاہر و باطن قریب و بعید، اس کے سامنے سب یکساں ہے۔ اس کے سوا ارض و سماں والوں کا کوئی کارساز اور مددگار نہیں اور نہ وہ ان میں سے کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے یعنی وہ اپنے علم غیب میں سے کسی کو شریک نہیں کرتا۔　(ابن کثیر ۸۹، ۸۰/ ۳، مواہب الرحمٰن ۱۷، ۲، ۳، ۲۷/ ۱۵)

اصحابِ کہف کے غار کی دریافت

محقق تیسیر ظبیان کے مطابق ۱۹۵۳ء میں یہ غار عمان کے قریب ایک پہاڑ پر دریافت ہوا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں حضرت ابن عباس کی روایت سے مروی ہے کہ اصحاب کہف کا غار ایلہ (خلیج عقبہ) کے قریب (اردن میں) واقع ہے۔ بہت سے محققین نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ غار اردن میں واقع ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے قصص القرآن میں تاریخی وجغرافیائی شواہد کی بنیاد پر اسی کو درست قرار دیا ہے کہ یہ غار اردن میں ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی ارض القرآن میں اردن کے قدیم شہر پیڑا کو رقیم قرار دیا ہے۔

مذکورہ تمام حضرات کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ اردن کے تاریخی شہر پیڑا کا اصل نام رقیم تھا۔ جسے رومی حکومت نے بدل کر پیڑا کر دیا۔ یہ غار اسی کے قریب کسی جگہ واقع تھا۔ ۱۹۶۱ء میں جب غار کی کھدائی کا کام شروع ہوا تو مذکورہ رائے کی تائید میں قرائن وشواہد ملتے گئے۔ ان میں چند درج ذیل ہیں۔

۱۔ غار کا دہانہ جنوب کی طرف ہے۔ اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ
وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِىْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ط

(سورۂ کہف آیت ۱۷)

اور تو دیکھے گا کہ جب سورج نکلتا ہے تو وہ ان کے غار سے دائیں طرف ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب وہ غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں طرف سے کتراتا ہو گزر جاتا ہے اور وہ اس (غار) کے ایک کشادہ حصے میں پڑے ہوئے ہیں۔

پس غار کی صورت حال یہ ہے کہ دھوپ کسی وقت غار کے اندر نہیں آتی بلکہ طلوع

وغروب کے وقت دائیں بائیں سے گزر جاتی ہے۔

۲۔ غار کے دائیں جانب اوپر کی طرف ایک بڑا سا سوراخ ہے جس سے روشنی چھن چھن کر غار کے اندر آتی ہے۔ اس سوراخ سے غار کے اندر ہوا بھی آتی ہے جو اصحابِ کہف کے لئے ضروری تھی۔

۳۔ قرآن کریم میں یہ بھی ہے:

قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝

(سورۂ کہف آیت ۲۱)

جو لوگ اپنے کام پر غالب تھے انہوں نے کہا کہ ہم ان پر ضرور ایک مسجد بنائیں گے۔

چنانچہ کھدائی کرنے اور ملبہ ہٹانے کے بعد غار کے اوپر ایک مسجد برآمد ہوئی ہے جو قدیم رومی طرز کے پتھروں سے بنی ہوئی ہے۔

۴۔ بیشتر محققین کا خیال ہے کہ وہ مشرک بادشاہ جس کے ظلم و ستم سے تنگ آکر اصحابِ کہف نے غار میں پناہ لی تھی وہ ٹراجان تھا جو ۹۸ء سے ۱۱۷ء تک حکمران رہا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ بت پرستی سے انکار کرنے والوں پر سخت ظلم کرتا تھا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ ٹراجان نے ۱۰۶ء میں شرق اردن کا علاقہ فتح کر لیا تھا۔ جس بادشاہ کے عہد میں اصحابِ کہف بیدار ہوئے اس کا نام جدید محققین کے مطابق تھیوڈ سیس تھا جو پانچویں صدی کے آغاز میں گزرا ہے۔

۵۔ قرآن کریم میں ہے:

فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

(سورۂ کہف آیت ۱۹)

سو تم اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر کی طرف بھیجو پھر وہ دیکھے کہ کون سا کھانا پاکیزہ ہے سو اس میں سے کچھ کھانا تمہارے پاس لے آئے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحابِ کہف کا غار ایسی جگہ واقع تھا جہاں سے وہ شہر زیادہ دور نہیں تھا جہاں وہ اپنے ایک ساتھی کو کھانا لانے کے لئے بھیج رہے تھے۔ عمان کے قریب جو غار دریافت ہوا ہے وہ شہر سے دس میل کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے پہاڑ کی ترائی میں واقع ہے۔

۶۔ غار کے اندر سے جو سکے ملے ہیں ان میں سے کچھ ٹراجان کے زمانے کے ہیں۔

۷۔ قرآن کریم نے اصحابِ کہف کو اصحاب الکہف والرقیم (غار اور رقیم والے) کہا ہے۔
بیشتر محققین کہتے ہیں کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جہاں یہ لوگ شروع میں آباد تھے۔
اس وقت غار سے صرف سو میٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹی سی بستی ہے جس کو رجیب کہتے ہیں۔
ماہر اثریات رفیق دجانی صاحب کا خیال ہے کہ یہ رقیم کی بگڑی ہوئی شکل ہے کیونکہ یہاں کے بدو اکثر قاف کو جیم اور میم کو با سے بدل کر بولتے ہیں۔ چنانچہ اب حکومت اردون نے اس بستی کا نام سرکاری طور پر رقیم ہی کر دیا ہے۔ (موقع اصحاب کہف صفحہ ۱۸۸)

۸۔ بعض قدیم جغرافیہ دانوں نے بھی رقیم کی بستی کو عمان کے قریب بتایا ہے۔ چنانچہ معروف جغرافیہ دان ابو عبداللہ البشاری المقدسی نے لکھا ہے۔
رقیم شرق اردن میں عمان کے قریب ایک شہر ہے جہاں ایک غار پایا گیا ہے جس میں کچھ انسانی ڈھانچے بھی ہیں جو زیادہ بوسیدہ نہیں ہوئے۔ (موقع اصحاب کہف صفحہ ۴۹)

۹۔ علامہ یاقوت حموی نے رقیم کی تشریح کرتے ہوئے یہ قول نقل کیا ہے کہ:
دمشق کے مضافات میں جو عربی سرزمین بلقا کہلاتی ہے اس میں شہر عمان کے قریب ایک جگہ ہے جس کے بارے میں ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہی الکہف اور رقیم ہے۔
(معجم البلدان للحموی ۳/۶۰)

۱۰۔ غار کے اندر پتھر سے بنی ہوئی سات قبریں ہیں۔ تین غار کے دائیں جانب ہیں اور چار قبریں غار کے بائیں جانب ہیں۔ درمیان میں خالی جگہ ہے جو خاصی کشادہ ہے۔
زائرین اسی درمیانی جگہ میں کھڑے ہو کر قبروں کا معائنہ کرتے ہیں۔
بہرحال اتنے قدیم واقعے کے محل وقوع کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا تو مشکل ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ اب تک جن جن مقامات کے بارے میں اصحاب کہف کے غار

ہونے کا خیال ظاہر کیا گیا ہے۔ ان سب میں جتنے زیادہ قرائن و شواہد اس غار کے حق میں ہیں، کسی اور غار کے حق میں موجود نہیں۔

یہ غار عمان شہر سے ۷ کلو میٹر جنوب میں واقع ہے اور اردن کی مرکزی شاہراہ سے جو عقبہ سے عمان تک گئی ہے اس کا فاصلہ ۳ کلو میٹر ہے۔

(ماخوذ از جہان دیدہ از مولانا محمد تقی عثمانی صفحات ۲۱۸، ۲۲۲، ماہنامہ الفاروق کراچی۔ شوال ۱۴۱۸ھ/ فروری ۱۹۹۸ء صفحات ۴۳، ۴۵)

آپ کو تلاوت قرآن کا حکم

۲۷۔ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ط لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وقف
وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ○

اور (اے نبی ﷺ) آپ کے رب کی کتاب میں سے جو کچھ آپ پر وحی کیا گیا ہے، آپ اس کو تلاوت کرتے رہیئے اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور اس کے سوا آپ کو کہیں پناہ کی جگہ نہ ملے گی۔

مُبَدِّلَ : تبدیل کرنے والا۔ تَبْدِيْلٌ سے اسم فاعل۔

تَجِدَ : تو پائے گا۔ وُجُوْدٌ سے مضارع۔

مُلْتَحَدًا : پناہ کی جگہ۔ اِلْتِحَادٌ سے مصدر میمی و اسم ظرف۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ کو بیکار باتوں میں الجھنے اور اور بحث و مباحثے کی ضرورت نہیں۔ آپ تو اپنے فرض منصبی کی انجام دہی میں لگے رہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے جو کتاب آپ پر نازل کی ہے اس کو خود بھی پڑھتے رہئے اور دوسروں کو بھی پڑھ کر سنایئے اور اس کو لوگوں تک پہنچایئے۔ یہی آپ کی نبوت و رسالت کی کافی و شافی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو احکام اور واقعات اس کتاب میں بیان کئے ہیں انہیں نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ غلط ثابت کر سکتا ہے۔ اگر کوئی اس کے احکام کو بدلنے کے درپے ہوگا یا اس کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے

گا تو وہ خوب سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کے مجرم کے لئے کہیں پناہ نہیں البتہ اطاعت گزاروں کے لئے اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے۔ جیسے اصحاب کہف جو اللہ کی باتوں پر ثابت قدم رہے۔ اللہ نے ان کو اپنے فضل و رحمت سے کیسی عمدہ جگہ اور ٹھکانا عطا فرمایا۔

(عثانی ۸۳۴/۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۴۱۲)

سردارانِ کفر کی مذمت

۲۸۔ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○

اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کی معیت میں رکھئے جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگی کی رونق کے خیال سے ان سے آنکھیں نہ پھیر لیجئے اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیئے جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا ہے اور اس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے۔

تَعْدُ: وہ پھرے۔ انہوں نے زیادتی کی۔ وہ بڑھے۔ عدْوٌ سے مضارع۔

فُرُطًا: حد سے تجاوز کرنا۔ ظلم کرنا۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہ آیت عیینہ بن حصین فزاری رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ اسلام لانے سے پہلے عیینہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت کچھ نادار مسلمان آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جن میں سلمان فارسیؓ بھی تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایک چھوٹی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے اور ان کو پسینہ بھی آرہا تھا۔ عیینہ کہنے لگا اے محمد ﷺ! کیا آپ کو ان لوگوں کی بدبو سے تکلیف نہیں پہنچتی۔ ہم قبائل مضر کے سردار اور بڑے

لوگ ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہو گئے تو ہمارے سب لوگ مسلمان ہو جائیں گے لیکن آپ کے پاس ایسے لوگوں کی موجودگی ہمیں آپ کی اتباع سے روکتی ہے۔ آپ ان کو ہٹا دیں تو ہم آپ کی اتباع کرنے لگیں گے یا آپ ہمارے بیٹھنے کے لئے کوئی علیحدہ جگہ مقرر کر دیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۲۶۲/۱۵، مظہری ۶/۲۹)

ابن مردویہ نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت امیہ بن خلف جمحی کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ امیہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان فقیروں کو اپنے پاس سے نکال دیجئے اور مکہ کے سرداروں کو اپنے پاس بٹھائیے۔ اللہ کو یہ درخواست پسند نہ تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۹، ۶/۳۰)

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ ان اہل دنیا کی ذرا پرواہ نہ کیجئے بلکہ آپ اپنی نشست و برخاست ہر وقت ان لوگوں کے ساتھ رکھیئے جو صبح و شام اپنے رب کی یاد میں لگے رہتے ہیں اور اس ذکر و عبادت سے ان کا مقصد صرف اپنے رب کی خوشنودی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اور کوئی دنیاوی غرض نہیں۔

پھر فرمایا کہ آپ کی نظر التفات کسی وقت بھی ان غریب مسلمانوں کی طرف سے ہٹ کر اہل دنیا کی طرف نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ یہ منکرین ایمان لانے والے نہیں اس لئے مخلصین مومنین کے اخلاص اور ان کی دلجوئی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ غریب و درویش مسلمانوں کی پہلے سے زیادہ خاطر داری کرنے لگے اور ان کے پاس آکر بیٹھتے اور فرماتے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے پاکیزہ لوگ بنائے جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم دیا۔ میری زندگی اور موت انہی کے ساتھ ہے۔

جن لوگوں کے دل ہماری یاد سے غافل ہیں اور وہ اس دنیا پر فریفتہ ہیں اور ہمہ تن اپنی خواہشات نفس کے تابع ہیں تو آپ ایسے لوگوں کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیے خواہ وہ بظاہر کیسے ہی دولت مند ہوں۔ یہ لوگ حد اعتدال سے بڑھے ہوئے ہیں۔

(عثمانی ۸۳۴، ۱/۸۳۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۲، ۴/۴۱۳)

ظالموں کا انجام

۲۹۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۟ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

اور آپ کہہ دیجئے کہ حق تو تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر رہے۔ بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو پیپ کی مانند ہو گا (اور) منہ کو جھلس ڈالے گا۔ کیا ہی برا پانی ہو گا اور کیا ہی بری آرام کی جگہ ملے گی۔

سُرَادِقُهَا: اس کے پردے۔ اس کی قناتیں۔ اس کے خیمے۔ جمع سُرَادِقَاتٌ۔

يَسْتَغِيْثُوْا: وہ فریاد کرتے ہیں۔ وہ مانگتے ہیں۔ اِسْتِغَاثَۃٌ سے مضارع۔

مُهْلِ: تیل کی تلچھٹ۔ پیپ۔ پگھلا ہوا تانبا۔ اسم ہے۔

يَشْوِي: وہ جھلس دے گا۔ وہ بھون دے گا۔ شَیٌّ سے مضارع۔

مُرْتَفَقًا: آرام کرنے کی جگہ۔ منزل۔ ٹھکانا۔ اِرْتِفَاقٌ سے ظرف مکان۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ میں اپنے رب کے پاس سے لایا ہوں وہی حق اور سچ ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اب جس کا دل چاہے اسے مانے اور جس کا دل نہ چاہے نہ مانے اور نہ ماننے والے اپنا انجام سوچ لیں۔ بلا شبہ ان ظالموں کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔ وہ ان کی منتظر ہے۔ اس کی قناتیں اور پردے ہر طرف سے ان کو گھیر لیں

گے۔ جب وہ پیاس کی شدت سے چلائیں گے اور پانی کے لئے فریاد کریں گے تو ان کو ایسا پانی دیا جائے گا جو پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہو گا یا تیل کی تلچھٹ یا پیپ کی طرح کا پانی ہو گا جو بے حد گرم ہو گا اور منہ کے قریب آتے ہی کھال جھلس دے گا۔ وہ بہت ہی برا پانی ہے۔ ان کا ٹھکانا اور ان کی آرام گاہ بھی نہایت بری ہے۔ (ابن کثیر ۸۱،۸۲/۳، عثمانی ۳۸۶/۱)

مومنین صالحین کا انعام

۳۰،۳۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ○ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے تو ہم بھی ایسے لوگوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جنہوں نے نیک عمل کئے۔ انہیں لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ سبز رنگ کے باریک اور دبیز ریشم کے کپڑے پہنیں گے، وہ وہاں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور کیا ہی خوب آرام گاہ ہے۔

يُحَلَّوْنَ: ان کو آراستہ کیا جائے گا۔ ان کو زیور پہنایا جائے گا۔ تَحْلِيَةٌ سے مضارع۔

اَسَاوِرَ: کنگن۔ واحد سِوَارٌ۔

خُضْرًا: سبز۔ ہرے۔ واحد اَخْضَرُ و خَضْرَاءُ۔

سُنْدُسٍ: باریک کپڑا۔ باریک ریشمی کپڑا۔

اِسْتَبْرَق : دبیز ریشمی کپڑا۔ دیبا۔

اَرَآئِكِ : بہت سے تخت۔ مسہریاں۔ واحد اَرِیْکَۃٌ۔

تشریح: جو لوگ اس حق (قرآن) پر ایمان لائے جو آپ لے کر آئے اور انہوں نے اس کے احکام اور ہدایات کے مطابق نیک اعمال کئے تو بلاشبہ ہم ان نیک لوگوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں کریں گے۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے ہمیشہ باقی رہنے والے باغات ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ ان باغوں میں اہل جنت کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کو خاص ریشم کا لباس پہنایا جائے گا جو نرم، باریک اور موٹے ریشم سے بنا ہوا ہوگا اور سبز رنگ کا ہوگا۔ یہ لوگ شاہانہ شان سے مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ یہ ایمان و عمل صالح کا کیسا اچھا صلہ ہے اور جنت کیسی عمدہ اور آرام دہ جگہ ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴، ۱۳/ ۴)

ایک مالدار شخص کا حال

۳۲۔۳۶۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ
وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ؑ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ
اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ؑ
وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ
مَالًا وَّ اَعَزُّ نَفَرًا ؑ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ
اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ؑ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنْ
رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ؑ

آپ ان لوگوں کے لئے دو شخصوں کی مثال بیان کر دیجئے۔ ہم نے ان میں سے ایک کے لئے انگور کے دو باغ تیار کئے اور ان کے گرداگرد

کھجور کے درخت لگائے اور ان کے درمیان کھیتی لگائی۔ دونوں باغ اپنے پورے پھل دیتے تھے اور کسی کے پھل میں ذرا بھی کمی نہیں رہتی تھی اور ہم نے ان دونوں (باغوں) کے درمیان ایک نہر بھی جاری کی اور اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان تھا سو وہ اپنے ساتھی سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے کہنے لگا کہ میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور آدمیوں کے اعتبار سے بھی زیادہ عزت دار ہوں اور وہ اپنے اوپر ظلم کرتا ہوا (یعنی متکبرانہ انداز میں) اپنے باغ میں داخل ہوا (اور) کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ باغ کبھی برباد ہوگا اور نہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر مجھے کبھی اپنے رب کے پاس پہنچایا بھی گیا تو وہاں یقیناً اس سے بھی بہتر جگہ پاؤں گا۔

حَفَفْنٰـهُمَا : ہم نے ان دونوں کو گھیر لیا۔ حَفٌّ سے ماضی۔

فَجَّرْنَا : ہم نے پھاڑا۔ ہم نے جاری کیا۔ تَفْجِیْرٌ سے ماضی۔

خِلٰلَهُمَا : ان دونوں کے درمیان۔ واحد خَلَلٌ

یُحَاوِرُهٗ : وہ اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا ہے۔ مُحَاوَرَةٌ سے۔

تَبِیْدَ : وہ برباد ہوگی۔ وہ خراب ہوگی۔ بَیَادٌ سے مضارع۔

مُنْقَلَبًا : لوٹنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ اِنْقِلَابٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: اے نبی ﷺ! دنیا کی بے ثباتی اور ناپائیداری ظاہر کرنے کے لئے آپ ان منکرین سے دو آدمیوں کا حال بیان کر دیجئے جن میں سے ایک مالدار تھا، اس کے پاس انگور کے دو باغ تھے جن کے گرداگرد کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے۔ انگور کے دونوں باغوں کے درمیان کھیتی پیدا ہوتی تھی۔ کوئی جگہ خالی نہ تھی۔ تمام زمین مختلف قسم کی پیداوار دیتی تھی۔ دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے۔ کسی کی پیداوار میں ذرا بھی کمی نہیں ہوتی تھی۔ جیسے عموماً باغوں میں ہوتی ہے کہ کسی سال تو پھل خوب آیا اور پھر دوسرے سال بہت کم۔ ان دونوں باغوں کے درمیان نہر بھی جاری تھی جس کا پانی کبھی منقطع نہیں ہوتا تھا اور وہ نہر دونوں

باغوں کو ہمیشہ سیراب کرتی رہتی تھی۔ اس پیداوار کے علاوہ اس شخص کے پاس اور بھی تمول کا سامان اور طرح طرح کا کثیر مال تھا۔

ایک دن دوران گفتگو اس باغوں والے کافر نے اپنے نادار مومن ساتھی سے کہا کہ میرے پاس مال بھی تجھ سے زیادہ ہے اور نوکروں چاکروں کے اعتبار سے بھی میں تجھ سے زیادہ باعزت ہوں۔ پھر یہ مال دار کافر اپنے غریب مسلمان ساتھی کا ہاتھ پکڑ کر اپنا مال و دولت دکھاتا ہوا اور اس پر فخر کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا اور کفر و فخر کے سبب اپنے اوپر ظلم کرتے ہوئے کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ ہری بھری لہلہاتی کھیتیاں، یہ پھل دار درخت، یہ نہریں اور یہ سرسبز بیلیں کبھی فنا ہو جائیں گی۔ میرا خیال ہے کہ قیامت کبھی قائم نہیں ہو گی اور اگر بفرض محال مجھے لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہی پڑا جیسا کہ تم کہتے ہو تو چونکہ میں اللہ کا پیارا ہوں اس لئے اللہ مجھے وہاں اس سے بھی بہتر عطا فرمائے گا۔

(مظہری ۳۳، ۳۴/۶، ابن کثیر ۸۳/۳)

مومن مفلس کا جواب

۳۷۔۴۱۔ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝

اس وقت اس کے ساتھی نے گفتگو کے دوران اس سے کہا کہ کیا تو اس (ذات) کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے، پھر

تجھے صحیح وسالم آدمی بنادیا۔ لیکن میرا رب تو وہی اللہ ہے اور میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا تو تو نے کیوں نہیں کہا کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور اللہ کی مدد کے بغیر (کسی میں) کوئی قوت نہیں۔ اگرچہ مال واولاد میں تو مجھے، اپنے سے کم دیکھتا ہے۔ سو امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بھی بہتر باغ دے دے اور (تیرے) اس باغ پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس سے وہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا اس کا پانی خشک ہو جائے پھر تو اسے ہرگز نہ پا سکے گا۔

سَوّٰىكَ : اس نے تجھ کو تندرست کیا۔ اس نے تجھ کو صحیح سالم بنایا۔

تَرَنِ : تو مجھے دیکھتا ہے۔ رَأْیٌ و رُؤْيَةٌ سے مضارع۔

حُسْبَانًا : آفت۔ عذاب۔

صَعِيْدًا : مٹی۔ خاک۔ صاف میدان۔ صُعُوْدٌ سے صفت مشبہ۔

زَلَقًا : چٹیل میدان۔ ایسا صاف کہ جس پر پاؤں پھسلنے لگے۔ مصدر ہے۔

غَوْرًا : خشک ہونا۔ جذب ہونا۔ نیچے چلا جانا۔ مصدر بمعنی فاعل۔

تشریح: اس مالدار کافر کو اس کے مومن ساتھی نے اس سے باتیں کرتے ہوئے جواب دیا کہ کیا تو اپنے خدا کو نہیں مانتا جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پیدا کیا پھر خدا نے اپنی قدرت سے تجھے پورا مرد بنادیا۔ پھر تجھے اس کی قدرت میں شک ہو گیا کہ مرنے کے بعد جب تو مٹی ہو جائے گا تو وہ تجھے کیسے دوبارہ زندہ کرے گا۔ جس خدا نے پہلی بار تجھے مٹی سے پیدا کیا وہ تجھے دوبارہ مٹی سے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

اب تو مان یا نہ مان، میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ میرا پروردگار تو وہی اللہ ہے۔ میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا جب تو باغ میں داخل ہوا تھا تو باغ کو دیکھ کر تجھے اپنی عاجزی کا اقرار کرنا چاہئے تھا کہ یہ سب اللہ کے فضل اور اس کی مشیت سے ہے وہ چاہے تو اس کو آباد رکھے اور چاہے اس کو اجاڑ دے۔ وہ ہر طرح سے قادر ہے۔

اگر آج تو مجھے مال و اولاد کے اعتبار سے کمتر دیکھتا ہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد مجھے تیرے باغ سے بہتر چیز عنایت فرمادے اور تیرے کفر و غرور کے سبب تیرے باغ پر کوئی آسمانی آفت یا عذاب بھیج دے۔ جس کے نتیجے میں یہ باغ چٹیل اور چکنا میدان بن جائے یا اس کا پانی زمین کے اندر اتنی گہرائی میں چلا جائے کہ اس کا ملنا تو در کنار، تو اس کو تلاش بھی نہ کر سکے۔ (مظہری ۳۴،۳۶/۶)

باغ کی تباہی

۴۲۔۴۴۔ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ
خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝
وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝
هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ خَيْرٌ عُقْبًا ۝

اور اس شخص کے پھلوں کو آفت نے آگھیرا سو اس نے جو کچھ باغ پر خرچ کیا تھا وہ اس پر ہاتھ ملتا رہ گیا اور وہ باغ اپنی ٹٹیوں پر گرا ہوا پڑا تھا اور وہ کہنے لگا کاش میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا اور اس کے پاس کوئی ایسی جماعت بھی نہ تھی جو اللہ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ خود (ہم سے) بدلہ لے سکا۔ یہاں سب اختیار اللہ برحق کا ہے۔ اسی کا انعام بہتر ہے اور وہی عمدہ بدلہ دیتا ہے۔

يُقَلِّبُ: وہ ملتا ہے۔ تَقْلِيْبٌ سے مضارع۔

كَفَّيْهِ: اس کی دونوں ہتھیلیاں۔ اس کے ہاتھ ملنا۔ واحد كَفٌّ۔

خَاوِيَةٌ: گری ہوئی۔ خالی۔ کھوکھلی۔ بے روح۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

عُرُوْشِهَا: اس کی چھتیں۔ واحد عَرْشٌ۔

وَلَايَةٌ: مدد۔ ذمہ داری۔ حکومت۔ اختیار مصدر ہے۔

عُقْبًا : عاقبت۔ بدلہ۔ انجام۔

تشریح: وہ کافر اپنے باغ کے پھلوں اور دیگر اموال پر فخر و غرور کرتا اور اتر اتا تھا اور اپنے مومن ساتھی کو ذلیل و حقیر سمجھتا تھا۔ پھر اس کے باغ کے پھلوں اور دیگر اموال کو ایک آفت نے آگھیرا اور خلاف امید ان کو تباہ کر دیا اور وہ کافر اس پر کف افسوس ملتا رہ گیا جو کچھ اس نے اپنے باغ پر خرچ کیا تھا کیونکہ اس کے باغ کے انگوروں کی تمام بیلیں ٹٹیوں کے ٹوٹنے سے زمین پر گر پڑی تھیں۔ وہ اس حال کو دیکھتا جاتا تھا اور کف افسوس ملتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔ گویا باغ کی تباہی کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہ اس کے کفر و شرک کی سزا تھی۔ پھر اللہ کے سوا نہ تو لوگ اس کے کچھ کام آئے، نہ اولاد اور نہ وہ فرضی معبود جنہیں وہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا تھا اور نہ خود اس میں اتنی طاقت و قدرت تھی کہ وہ اللہ کے عذاب کو روک دیتا۔

پھر فرمایا کہ انجام اور عاقبت کے اعتبار سے اہل ایمان اور اہل اطاعت سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ وہ اپنے اطاعت گزاروں کو سب سے اچھا بدلہ دیتا ہے۔ کیونکہ دوسرے لوگ جو اطاعت کا بدلہ دنیا میں دیتے ہیں وہ حقیر اور فنا پذیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ دنیا میں تو اپنی حکمت کے مطابق اچھا بدلہ دیتا ہی ہے۔ آخرت میں بھی وہ عظیم الشان اور لازوال ثواب عطا فرمائے گا،

(مظہری ۳۶، ۷/۶، ۳، مواہب الرحمٰن ۲۹۶، ۲۹۷/۱۵)

حیاتِ دنیا کی بے ثباتی

۴۵۔۴۶، وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّ

خَيْرٌ اَمَلًا O

اور آپ ان سے دنیوی زندگی کی یہ مثال بیان کر دیجئے کہ وہ اس پانی کی مانند ہے جس کو ہم نے آسمان سے نازل کیا پھر اس کے ذریعے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہو گیا پھر وہ چورا چورا ہو کر رہ گیا جس کو ہوائیں اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ مال واولاد تو دنیوی زندگی کی رونق ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب کے اعتبار سے بھی اور (آخرت کی) امید کے اعتبار سے بھی بہت ہی بہتر ہیں۔

اخْتَلَطَ : وہ لپٹ گیا۔ وہ مل گیا۔ وہ گھنا ہو گیا۔ اِخْتِلَاطٌ سے ماضی۔

هَشِيْمًا : بھس۔ روندا ہوا۔ ریزہ ریزہ۔ هَشْمٌ سے صفت مشبہ۔

تَذْرُوْهُ : وہ اس کو اڑاتی ہے۔ وہ اس کو بکھیرتی ہے۔

اَمَلًا : امید رکھنا۔ آرزو رکھنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آپ ان لوگوں سے حیات دنیا کی حالت بیان کر دیجئے کہ زوال وفنا کے اعتبار سے دنیا آسمانی بارش کی مانند ہے۔ جس سے زمین میں ہزار ہا پودے لہلہانے لگتے ہیں۔ ہر چیز پر ترو تازگی اور زندگی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ پھر کچھ عرصے کے بعد وہ پودے سوکھ ساکھ کر چورا چورا ہو جاتے ہیں اور ہوائیں ان کو ادھر ادھر اڑا دیتی ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

جس مال واولاد پر لوگ فخر کرتے ہیں وہ تو دنیاوی زندگی کی رونق ہیں۔ بہت جلد یہ سب فنا ہو جائیں گے۔ لیکن وہ اعمال صالحہ جن کا اچھا نتیجہ غیر فانی ہے اور ہمیشہ باقی رہے گا وہ اللہ کے نزدیک اس مال واولاد سے ہزار ہا درجہ بہتر ہیں اور تمنا کرنے کے قابل ہیں۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا مال واولاد دنیا کی کھیتی ہے اور اعمالِ صالحہ آخرت کی کھیتی ہیں۔ بعض لوگوں کے لے اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کر دیتا ہے۔ سعید بن منصور واحمد وابو یعلیٰ وابن جریر وابن ابی حاتم وابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ

سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باقیات الصالحات کو زیادہ (پڑھا) کرو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! باقیات الصالحات کیا ہیں۔ فرمایا،

سُبْحَانَ اللّٰهِ ، لاَ اِلٰـهَ اِلاَّ للّٰه، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرْ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰه پڑھنا۔ (مظھری ۳۷،۶/۳۸، روح المعانی ۲۸۷/۱۵)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ باقیات الصالحات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰه ، وَالْحَمْدُلِلّٰه وَلاَ اِلٰـهَ اِلَّا للّٰه وَاللّٰهُ اَكْبَرْ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰه۔ (ابن کثیر ۸۵،۸۶/۱۵)

پہاڑوں اور زمین کا چلنا

۴۷۔۴۹، وَ يَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ○ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ○ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○

اور جس روز ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور (اے مخاطب) تو زمین کو صاف میدان دیکھے گا اور ہم ان سب کو جمع کر لیں گے، پھر ہم ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑیں گے اور سب تیرے رب کے سامنے صف در صف پیش کئے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) اب تو تم اس حال میں ہمارے پاس آپہنچے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور

تم تو یہی سمجھ رہے تھے کہ ہم تمہارے لئے (قیام کا) کوئی وقت مقرر ہی نہیں کریں گے اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا پھر تو گنہگاروں کو دیکھے گا کہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہوگا وہ اس سے ڈر رہے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے ہائے ہماری خرابی۔ یہ کیسا اعمال نامہ ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتا ہے اور نہ بڑی کو جو اس میں نہ آگئی ہو اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے موجود پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔

بَارِزَۃً : ظاہر۔ کھلی ہوئی۔ نمودار ہونا۔ صاف میدان۔ بُرُوْزٌ سے اسم فاعل۔

نُغَادِرْ : ہم چھوڑ دیں گے۔ مُغَادَرَۃٌ سے مضارع۔

مُشْفِقِیْن : ڈرنے والے، اِشْفَاقٌ سے اسم فاعل۔

یٰوَیْلَتَنَا : ہائے ہماری شامت۔ ہائے ہماری ہلاکت۔

اَحْصٰھَا : اس نے اس کو محفوظ کر لیا۔ اس نے اس کو گن لیا۔ اِحْصَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے کہ قیامت کے روز آسمان پھٹ جائے گا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر بادلوں کی طرح تیزی سے چل رہے ہوں گے۔ آخر روئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے اور زمین صاف چٹیل میدان ہو جائے گی اور اس میں کوئی نشیب و فراز نہیں رہے گا۔ پھر ساری مخلوق کو اللہ کے سامنے جمع کر دیا جائے گا۔ اس دن کہیں کوئی جائے پناہ یا سر چھپانے کی جگہ نہ ہوگی۔ تمام لوگ اللہ کے سامنے صف بستہ ہوں گے۔ روح اور فرشتے صفیں باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے کسی کو بات کرنے کی تاب نہ ہوگی۔ سوائے ان لوگوں کو جن کو اللہ تعالیٰ اجازت دے دے اور وہ بات بھی معقول کہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس طرح ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوسری بار پیدا کر کے تمہیں اپنے سامنے لا کھڑا کیا حالانکہ تم اس کو مانتے ہی نہ تھے۔ پھر ہر ایک کا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا جس میں ہر چھوٹا، بڑا اور ظاہر و پوشیدہ عمل لکھا ہوا ہوگا۔ گنہگار اپنی بداعمالیوں کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائیں گے اور افسوس و رنج سے کہیں گے کہ

ہم تمام عمر بد کرداریوں میں لگے رہے اور اب دیکھو تو اس کتاب (اعمال نامہ) نے ایک معاملہ بھی ایسا نہ چھوڑا جسے لکھا نہ ہو۔ جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کیا ہو گا وہ سب کچھ اپنے اعمال ناموں میں لکھا ہوا پائیں گے اور اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ وہ کسی کو بے قصور پکڑتا ہے اور نہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے۔ (ابن کثیر ۸۷، ۸۸/ ۳)

غرور کا انجام

۵۰۔۵۳۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝
مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠
وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا
شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا
بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا
وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ وہ جنوں میں سے تھا۔ سو اس نے اپنے رب کی حکم عدولی کی کیا پھر بھی تم مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ظالموں کے لئے بہت ہی برا بدلہ ہے۔ میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کا بنانا دکھایا اور نہ خود ان کو بنانا اور میں گمراہوں کو اپنا مددگار نہیں بناتا اور جس دن اللہ مشرکوں سے فرمائے گا کہ جن کو تم میرا شریک سمجھا کرتے تھے ان کو پکارو سو وہ

ان کو پکاریں گے پھر وہ ان کو جواب بھی نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک مہلک جگہ بنا دیں گے اور (اس وقت) گنہگار لوگ آگ (دوزخ) کو دیکھیں گے پھر وہ سمجھ لیں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔

عَضُدًا : بازو۔ قوت۔ جمع اَعْضَادٌ۔

مَّوْبِقًا : ہلاکت کی جگہ۔ جہنم کا ایک خاص درجہ۔ وُبُوْقٌ سے اسم ظرف۔

مُّوَاقِعُوْهَا : اس میں گرنے والے۔ مُوَاقِعَةٌ سے اسم فاعل۔

مَصْرِفًا : لوٹنے کی جگہ۔ بچنے کا راستہ۔ صَرْفٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ تعظیم وتکریم کے طور پر حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو اس وقت ابلیس کے سوا سب نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ابلیس نے اس لئے سجدہ نہیں کیا کہ وہ جنوں میں سے تھا۔ وہ اپنے عنصر ناری کے غلبے کے تحت غرور وتکبر کی طرف مائل ہو گیا۔ سو وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل اور اطاعت سے باہر ہو گیا۔ کیا تم لوگ اس کے بعد بھی مجھے چھوڑ کر اس کو اور اس کی ذریت کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو۔ حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ یہ تو ظالموں کے لئے بہت ہی برا بدل ہے کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ابلیس اور اس کی ذریت کو اپنا دوست بنا لیا۔

پھر فرمایا کہ میں نے آسمانوں اور زمین اور تمام مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا کیا ہے۔ ان کی پیدائش میں، میں نے کسی سے مدد نہیں لی اور نہ کسی سے صلاح اور مشورہ لیا اور نہ میں ایسا عاجز و بے بس تھا کہ گمراہ کرنے والوں (شیطانوں) کو اپنا مددگار بناتا۔ قیامت کے روز اس کی حقیقت کھل جائے گی جب کافروں کو سب کے سامنے شرمندہ کرنے کے لئے کہا جائے گا کہ تم اپنے زعم میں جن کو میرا شریک قرار دیتے تھے اب ان کو اپنی مدد کے لئے بلاؤ تاکہ وہ تمہیں آج کے دن کی مصیبت سے بچالیں سو وہ ان کو اپنی مدد کے لئے بلند آواز سے بلائیں گے۔ مگر وہ شرکا ان کو کوئی جواب نہ دیں گے اور نہ ان کی فریاد کو پہنچیں گے۔ ہم ان کے اور ان کے باطل معبودوں کے درمیان ایک آڑ اور ہلاکت کا گڑھا بنا دیں گے تاکہ یہ ان سے اور وہ ان سے نہ مل

سکیں۔

اس وقت مجرم لوگ آگ کو دور ہی سے دیکھ کر یقین کرلیں گے کہ وہ اس آگ میں ضرور گرنے والے ہیں اور وہ اس سے بچنے کی کوئی صورت نہ پائیں گے کیونکہ آگ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہوگی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۵، ۴۲۶/ ۴، مواہب الرحمٰن ۳۱۱، ۳۱۸/ ۱۵)

کافروں کی سرکشی

۵۴۔۵۶۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْيَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۝

اور البتہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں مگر انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آچکی تو پھر ان کو ایمان لانے اور اپنے رب سے مغفرت طلب کرنے سے اس کے سوا اور کس چیز نے روکا کہ یا تو ان کو بھی اگلوں جیسا معاملہ پیش آئے یا یہ کہ عذاب ان کے سامنے آموجود ہو اور ہم رسولوں کو تو صرف بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے بھیجتے ہیں اور کافر ناحق باتوں پر جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو ڈگمگادیں اور انہوں نے تو میری آیتوں کو اور جس سے ان کو ڈرایا گیا تھا دل لگی بنا رکھا ہے۔

جدلًا : سخت جھگڑا کرنا۔ مصدر ہے۔

قُبُلًا : مقابل۔ سامنے۔

یُدْحِضُوْا : وہ زائل کرتے ہیں۔ وہ ڈگمگاتے ہیں۔ اِدْحَاضٌ سے مضارع۔

هُزُوًا : ٹھٹھا۔ مسخرہ پن۔ مذاق کرنا۔ مصدر بمعنی اسم مفعول۔

تشریح: ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت و نصیحت کے لئے ہر بات کو مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ بار بار بیان کیا ہے تاکہ لوگ راہِ حق سے نہ ہٹیں لیکن اس تفصیلی اور واضح بیان کے باوجود لوگ حق کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں کیونکہ انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے۔

جب لوگوں کے پاس قرآنی ہدایت آ پہنچی تو ان کو اس ہدایت پر ایمان لانے اور اس کے قبول کرنے سے اور اپنی سابقہ گمراہی سے توبہ و استغفار کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس بات کے منتظر ہوں کہ ان کو بھی سابقہ لوگوں کی طرح ہلاک کر دیا جائے یا اللہ کا عذاب ان کے سامنے آ کھڑا ہو تب یہ مانیں گے حالانکہ اس وقت کا ماننا قابلِ قبول نہیں۔ ہم رسولوں کو اس لئے بھیجتے ہیں تاکہ وہ مومنوں کو جنت کی بشارت سنا دیں اور کافروں کو دوزخ کے عذاب سے خبردار کر دیں۔ ان پر یہ لازم نہیں کہ وہ لوگوں سے زبردستی حق منوائیں اور جو لوگ کافر ہیں وہ بے ہودہ اور مہمل باتوں کے ذریعے ناحق حجتیں کرتے ہیں تاکہ حق کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا دیں۔ ان لوگوں نے میری آیتوں کو اور جس عذاب سے ان کو ڈرایا گیا تھا اس کو مذاق اور ٹھٹھا بنا لیا ہے۔ (مظہری ۴۴-۵،۴۳/۶، مواہب الرحمٰن ۳۱۹، ۳۲۰/۱۵)

کافروں کے دلوں پر پردے

۵۷۔۵۹۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا
قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ
اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا

اَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْيُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے پھر وہ اس سے روگردانی کرے اور جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکا ہے اس کو بھول جائے۔ بیشک ہم نے بھی ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ لگادی ہے اور اگر آپ ان کو ہدایت کی طرف بلائیں تب بھی وہ ہرگز کبھی راہ پر نہ آئیں گے اور آپ کا رب بڑا بخشنے والا (اور) رحمت والا ہے۔ اگر وہ ان کے کئے پر ان کو پکڑنا چاہتا تو فوراً ان پر عذاب بھیج دیتا بلکہ ان کے لئے ایک وقت مقرر ہے جس کے بعد ان کے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہیں۔ یہ ہیں وہ بستیاں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا، جبکہ انہوں نے ظلم کیا تھا اور ہم نے ان کی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

اَكِنَّةً: حجاب۔ پردے۔ واحد کِنَانٌ۔

وَقْرًا: بوجھ۔ بہراپن۔ ڈاٹ۔ اسم مصدر۔

مَوْئِلًا: پناہ کی جگہ۔ فرار کی جگہ۔ وَاْلٌ وؤُوْلٌ سے اسم ظرف۔

تشریح: اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی ہو اور اس نے نصیحت قبول کرنے کی بجائے اللہ کی آیتوں سے منہ پھیر لیا ہو اور جو گناہ وہ پہلے کر چکا ان کے انجام کو بھول گیا۔ ان کی اس بدبختی کا سبب یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال رکھے ہیں تاکہ یہ قرآنی ہدایت کو نہ سمجھ سکیں اور ان

کے کانوں میں ڈاٹ لگا رکھی ہے تاکہ یہ حق کو نہ سن سکیں۔ انسان جب حق کو نہیں مانتا اور دوسروں کے احوال سن کر ان سے عبرت و نصیحت نہیں پکڑتا تو ہم ان کے دلوں پر پردے اور کانوں میں ڈاٹ لگا دیتے ہیں۔ اے پیغمبر ﷺ ایسی حالت میں آپ ان کو ہدایت کی طرف کتنا ہی کیوں نہ بلائیں یہ کبھی بھی راہ راست پر نہیں آئیں گے۔

آپ کا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر وہ لوگوں کے گناہوں پر ان کی گرفت کرنے پر آئے تو فوراً ان پر عذاب واقع کر دے مگر وہ بڑا حلیم و کریم ہے۔ اس لئے عذاب میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اس نے ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے سو ان کی سزا کے لئے بھی اس نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آپہنچے گا تو اس وقت ان کو کہیں جائے پناہ نہ ملے گی۔

یہ اجڑی ہوئی بستیاں جن میں عاد و ثمود وغیرہ قومیں رہتی تھیں، تمہارے سامنے ہیں۔ جب ان بستیوں کے رہنے والوں نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر ظلم و زیادتی کی تو ہم نے ان کو بھی فوراً ہلاک و برباد نہیں کیا بلکہ ان کی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔ پھر اس مقررہ وقت پر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اسی طرح آپ کے زمانے کے سرکشوں اور معاندوں کے لئے بھی ہم نے ایک خاص وقت مقرر کر دیا ہے جو اٹل ہے۔ یہ بھی اپنے مقررہ وقت پر ہلاک ہوں گے۔ (حقانی ۲۰۷، ۳)

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا واقعہ

۶۰، ۶۵۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ○ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ○ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا

الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْکُرَہٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِیْلَہٗ فِی الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ○
قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ○
فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ
لَّدُنَّا عِلْمًا ○

اور جب موسیٰ نے اپنے جوان (خادم) سے کہا کہ میں اپنے ارادے سے نہ ٹلوں گا یہاں تک کہ میں دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچ جاؤں یا برسوں تک چلتا رہوں، پھر جب وہ دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچے تو دونوں اپنی مچھلی (وہیں) بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی راہ لی سرنگ بنا کر۔ پھر جب وہ دونوں آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ ہم نے اس سفر میں بڑی تکلیف اٹھائی ہے۔ اس نے کہا کہ آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے تو مچھلی کو میں وہیں بھول آیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کرتا اور اس نے عجیب طریقے سے دریا میں اپنا راستہ بنایا تھا۔ (موسیٰ نے) کہا یہی تو وہ جگہ تھی جس کی ہمیں تلاش تھی۔ سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے لوٹے۔ پھر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم سکھایا تھا۔

لِفَتٰهُ : اس کے خادم کے لئے۔

اَبْرَحُ : میں ٹلوں گا۔ میں چھوڑوں گا۔ بَرْحٌ سے مضارع۔

حُقُبًا : برسوں تک۔ طویل مدت تک۔ جمع اَحْقَابٌ۔

حُوْتَهُمَا : ان دونوں کی مچھلی۔

سَرَبًا : خشک۔ سراخ۔ سرنگ۔ جمع اَسْرَابٌ۔

نَصَبًا : رنج۔ تکلیف۔ جمع اَنْصَابٌ۔

صَخْرۃ: بڑا پتھر۔ سخت پتھر۔ جمع صُخُوْرٌ۔

قَصَصًا: پیچھے چلنا۔ نقوش قدم پر چلنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعہ کا اجمالی بیان صحیح بخاری و مسلم کی اس روایت کے مطابق جو ابی بن کعب سے مروی ہے۔ اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو وعظ کر رہے تھے کہ کسی نے پوچھا سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا "میں" اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کیونکہ سب میں زیادہ عالم ہونا اللہ کے لئے کہنا چاہئے تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ مجمع البحرین پر تمہیں ایک بندہ ملے گا جو تم سے بھی زیادہ عالم ہے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کی کہ ان تک پہنچنے کی کیا صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے تھیلے میں ایک تلی ہوئی مچھلی رکھ لو جہاں وہ مچھلی گم ہو جائے وہیں وہ ملیں گے۔ (بخاری ۱۰۹/۳، روح المعانی ۳۱۳/۱۵)

اے نبی ﷺ! وہ وقت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نوجوان خادم یوشع بن نون سے کہا تھا کہ میں اس سفر میں برابر چلتا رہوں گا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا جب تک اللہ کے اس نیک بندے سے ملاقات نہ ہوگی میں سفر سے منہ نہ موڑوں گا۔ جب وہ دونوں دریاؤں کے سنگم پر پہنچے تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام تو سو گئے اور یوشع بن نون جاگتے رہے۔ جو بھنی ہوئی مچھلی ان کے ساتھ تھی وہ اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر سمندر میں چلی گئی۔ یہ دیکھ کر یوشع کو بڑا تعجب ہوا اور انہوں نے قصد کیا کہ جب حضرت موسیٰ نیند سے بیدار ہوں گے تو ان سے اس کا ذکر کروں گا۔ جب حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو وہ ان سے مچھلی کا تذکرہ کرنا بھول گئے اور دونوں وہاں سے آگے چل دیئے اور اپنی مچھلی کو بھول گئے۔ یعنی حضرت موسیٰ مچھلی مانگنا اور اس کا حال دریافت کرنا بھول گئے اور یوشع حضرت موسیٰ سے مچھلی کے زندہ ہو کر سمندر میں جا گرنے کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

پھر جب وہ دونوں مجمع البحرین سے آگے بڑھے اور چلتے چلتے دور نکل گئے تو حضرت موسیٰ نے یوشع سے کہا کہ ہمارا صبح کا کھانا لاؤ۔ بلاشبہ اب ہم اس سفر میں بہت تھک گئے ہیں۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو بھوک کا احساس دلایا تا کہ مچھلی یاد آ جائے اور وہ اپنے مقصد کی طرف لوٹ آئیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جب تک حضرت موسیٰ مقررہ مقام سے آگے نہیں بڑھے تھے اس وقت تک آپ کو تھکان نہیں ہوئی تھی۔

حضرت موسیٰ کے مچھلی طلب کرنے پر یوشع کو مچھلی کا حال یاد آ گیا اور وہ کہنے لگے کہ بھلا آپ کو معلوم ہے کہ جب ہم اس پتھر کے پاس ٹھہرے تھے اور آپ وہاں سو گئے تھے تو یکایک مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی گئی تھی اور اس نے دریا کے اندر عجیب طرح سے اپنا راستہ بنایا۔ میرا ارادہ تھا کہ جب آپ بیدار ہوں گے تو میں آپ سے اس کا ذکر کروں گا مگر جب آپ بیدار ہوئے تو میں آپ سے اس مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا اور یہ شیطانی حرکت ہے اور اس نے مجھے بھلا دیا۔

یوشع کی بات سن کر حضرت موسیٰ نے کہا کہ یہی تو وہ مقام ہے جس کی ہمیں تلاش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیک بندے کا یہی پتہ بتایا تھا کہ جہاں مچھلی غائب ہو جائے وہیں اس سے ملاقات ہو گی پھر وہ دونوں اس مقام کی طرف لوٹ گئے جہاں مچھلی بھولے تھے۔ وہاں پہنچ کر ان دونوں نے ہمارے خاص بندے کو پا لیا جس کو ہم نے اپنے پاس سے ایسا علم سکھایا تھا جو ہماری توفیق کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ (روح المعانی ۱۵/۳۱۰)

حضرت موسیٰ کی درخواست

۶۶۔۷۰۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ○ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْــَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○

موسیٰ نے ان سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تا کہ آپ

مجھے بھی وہ مفید علم سکھادیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ تم میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کر سکو گے اور تم کیسے صبر کر سکتے ہو اس بات پر جو تمہاری سمجھ سے باہر ہے۔(موسیٰ نے) کہا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والا ہی پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔انہوں نے کہا کہ اچھا اگر تو میرے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہے تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی تجھ سے اس کا ذکر کروں۔

تُحِطْ : تو احاطہ کرے گا۔ تو گھیرے گا۔ اِحَاطَةٌ سے مضارع۔

خُبْرًا : خبر رکھنا۔ سمجھ رکھنا۔ واقفیت رکھنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کے پاس پہنچ کر ان کو سلام کیا اور کہا میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اس امید پر آپ کے ساتھ رہوں کہ جو خیر اور بھلائی کی باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم کی ہیں۔ان میں سے کچھ آپ مجھے بھی تعلیم کر دیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ اے موسیٰ! یقینی طور پر تم میرے ساتھ رہ کر میری باتوں پر ہرگز صبر نہ کر سکو گے کیونکہ آپ شریعت کے پابند ہیں اور احکام شریعت کا دارومدار ظاہر پر ہے۔ مجھ سے جو امور صادر ہوں گے وہ بظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور ان کی حقیقت کی آپ کو خبر نہ ہوگی۔ آپ ان کو دیکھ کر حیران ہوں گے اور صبر نہ کر سکیں گے اور جس بات کا آپ کو پورا علم نہ ہو اس پر آپ کیسے صبر کر سکتے ہیں۔

حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ اگرچہ میں شریعت کا مکلف ہوں مگر آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ میں آپ کی باتوں پر صبر کروں گا اور آپ کے کسی حکم کے خلاف نہیں کروں گا۔ حضرت خضر نے جواب دیا کہ اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس بات کا خیال رکھنا کہ جب تک میں خود کسی چیز کے بارے میں آپ کو نہ بتاؤں اس وقت تک اس کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہ کرنا۔

کشتی کا واقعہ

۷۱،۷۳۔ فَانْطَلَقَا وقفہ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ
اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ○ قَالَ اَلَمْ
اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا
نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ○

پھر وہ دونوں چلدئے یہاں تک کہ جب وہ دونوں کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے اس (کشتی) میں سوراخ کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ کیا تو نے کشتی کے لوگوں کو ڈبونے کے لئے اس میں چھید کیا ہے۔ البتہ تو نے بڑی بھاری (خطرے کی) بات کی۔ اس نے کہا کہ کیا میں نے تجھ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ تو میرے ساتھ (رہ کر) ہرگز صبر نہ کر سکے گا۔ موسیٰ نے کہا کہ آپ بھول چوک پر میرا مواخذہ نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالیئے۔

اِنْطَلَقَا : وہ دونوں چلے۔ اِنْطِلَاقٌ سے ماضی۔

خَرَقَهَا : اس نے اس کو پھاڑ ڈالا۔ اس نے اس میں چھید کر دیا۔ خَرْقٌ سے ماضی۔

تُرْهِقْنِیْ : تو مجھ پر مسلط کر۔ تو مجھ پر ڈال۔ اِرْهَاقٌ سے مضارع۔

تشریح: شرائط طے ہونے کے بعد دونوں ساحل سمندر کی طرف چل دیئے جہاں انہیں ایک کشتی مل گئی اور دونوں اس میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ کشتی والوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور ان سے کرایہ نہیں لیا۔ کچھ دور تک کشتی میں سفر کرنے کے بعد حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ کر اس میں سوراخ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر گھبرا گئے کہ اب کشتی میں پانی بھر جائے گا اور کشتی ڈوب جائے گی۔ اس لئے حضرت خضر سے کہنے لگے کہ کیا کشتی والوں کو ڈبونے کے لئے آپ نے کشتی کو پھاڑا ہے۔ انہوں نے تو ہمیں بلا کرایہ سوار کیا ہے

اور آپ نے ان کی کشتی کو ہی توڑ دیا۔ آپ نے یہ بڑی بری حرکت کی ہے۔

حضرت خضر نے جواب دیا کہ میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں معاہدہ بھول گیا تھا۔ اس لئے بھول چوک پر میری گرفت نہ کیجئے اور اس معاملے میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ ڈالئے۔

(روح المعانی ۳۳۵،۳۳۸/۱۵)

ایک لڑکے کا قتل

۷۴-۷۶۔ فَانْطَلَقَا ﵴ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ۝

پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک لڑکے سے ملے تو اس (خضر) نے اس (لڑکے) کو قتل کر دیا۔ موسیٰ نے کہا آپ نے ایک بے گناہ کو ناحق کیوں مار ڈالا۔ البتہ آپ نے بڑی بے جا حرکت کی۔ انہوں نے کہا کہ کیا میں تم سے نہیں کہہ چکا ہوں کہ تم میرے ساتھ (رہ کر) ہرگز صبر نہ کر سکو گے۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو مجھے ساتھ نہ رکھنا۔ بیشک آپ میری طرف سے عذر (کی انتہا) کو پہنچ چکے ہیں۔

تشریح: اس کے بعد دونوں کشتی سے اتر کر روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ چند لڑکوں کے پاس سے گزرے جو کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر نے ان میں سے ایک لڑکے کو پکڑ کر قتل کر دیا جو اپنے ساتھیوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا۔ حضرت موسیٰ سے نہ رہا گیا اور کہنے لگے کہ آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی جان کے عوض یونہی قتل کر دیا۔ بیشک آپ نے یہ بہت ہی

برا اور ناپسندیدہ کام کیا۔ حضرت خضر نے جواب دیا کہ میں نے آپ سے نہیں کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکیں گے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ اس کے بعد اگر میں آپ سے کچھ پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ بیشک آپ میری طرف سے عذر کی حد کو پہنچ چکے ہیں۔ تین مرتبہ موقع دینے سے حجت پوری ہو جائے گی۔ (روح المعانی ۱۵/۳۳۸،۳۳۹)

ایک بستی کا واقعہ

۷۷،۷۸۔ فَانْطَلَقَا وقف حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ط قَالَ لَوْشِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا O قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ج سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَالَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا O

پھر وہ دونوں آگے چلے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس آئے اور ان سے کھانا مانگا۔ سو انہوں نے ان کو ضیافت دینے سے انکار کر دیا۔ پھر ان کو وہاں ایک ایسی دیوار ملی جو گرنے ہی والی تھی سو اس (خضر) نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر تو چاہتا تو اس کام پر کچھ اجرت لے لیتا۔ اس (خضر) نے کہا کہ اب میرے اور تمہارے درمیان جدائی ہے۔ اب میں تمہیں ان باتوں کا راز بتاتا ہوں۔ جن پر تم صبر نہ کر سکے۔

جِدَارًا: دیوار۔ اسم ہے۔ جمع جُدُرٌ۔

يَنْقَضَّ: وہ ٹوٹ جائے گا۔ وہ گر پڑے گا۔ اِنْقِضَاضٌ سے مضارع۔

تشریح: پھر وہ دونوں وہاں سے چل دیئے یہاں تک کہ وہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچ گئے اور ان سے مہمان ہونے کی حیثیت سے کھانا طلب کیا سو بستی والوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے بستی میں ایک دیوار پائی جو ایک طرف کو بہت زیادہ جھکی ہوئی تھی

اور بالکل گرنے کے قریب تھی۔ پس حضرت خضر نے ہاتھ کے اشارے سے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ نے کہا کہ آپ نے ایسے سنگدل اور بخیل لوگوں کے ساتھ احسان کیا اور بلا معاوضہ ان کی دیوار سیدھی کر دی۔ اگر آپ چاہتے تو ان سے اجرت لے لیتے اور ہم اس سے کھانا کھا لیتے۔

حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ آپ کا تیسرا اعتراض ہے جو میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا سبب ہے۔ لیکن جدا ہونے سے پہلے میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

تینوں واقعات کی حقیقت

۷۹،۸۲۔ اَمَّا السَّفِیْنَۃُ فَکَانَتْ لِمَسٰکِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ
اَعِیْبَھَا وَکَانَ وَرَآءَھُمْ مَّلِکٌ یَّاْخُذُ کُلَّ سَفِیْنَۃٍ غَصْبًا O وَاَمَّا
الْغُلٰمُ فَکَانَ اَبَوٰہُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَآ اَنْ یُّرْھِقَھُمَا طُغْیَانًا
وَّکُفْرًا O فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَھُمَا رَبُّھُمَا خَیْرًا مِّنْہُ زَکٰوۃً وَّ اَقْرَبَ
رُحْمًا O وَاَمَّا الْجِدَارُ فَکَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَۃِ
وَکَانَ تَحْتَہٗ کَنْزٌ لَّھُمَا وَکَانَ اَبُوْھُمَا صَالِحًا ج فَاَرَادَ رَبُّکَ
اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّھُمَا وَیَسْتَخْرِجَا کَنْزَھُمَا ق رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ ج
وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ ط ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ صَبْرًا O

وہ جو کشتی تھی وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو دریا میں مزدوری کرتے تھے سو میں نے چاہا کہ میں اس میں عیب ڈال دوں کیونکہ ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی پکڑ رہا تھا اور وہ جو لڑکا تھا تو اس کے ماں باپ ایمان دار تھے سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے ان دونوں (ماں باپ) کو بھی کفر و ظلم میں مبتلا نہ کر دے۔ پھر ہم

نے چاہا کہ اس کا خدا اس کے بدلے میں ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی
میں بھی اس سے بہتر ہو اور محبت میں بھی اس سے اقرب (بہتر) ہو،
اور وہ جو دیوار تھی وہ (اس شہر کے) دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے
نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔ پس آپ کے رب نے
چاہا کہ وہ دونوں جوان ہو کر آپ کے رب کی مہربانی سے اپنا دفینہ نکال
لیں اور یہ میں نے از خود نہیں کیا تھا۔ یہ ہے ان باتوں کی حقیقت جن
پر آپ صبر نہ کر سکے۔

غَصْبًا : غصب کرنا۔ چھیننا۔ زبردستی لینا۔ مصدر ہے۔

يُرْهِقَهُمَا : وہ ان دونوں پر اثر ڈالے گی۔ وہ ان دونوں کو مبتلا کرے گی۔ اِرْهَاقٌ سے مضارع۔

مَدِيْنَةِ : شہر۔ جمع مُدُنٌ۔

تَحْتَهٗ : اس کے نیچے۔ اسم ظرف مکان۔

كَنْزٌ : جمع کرنا۔ ذخیرہ کرنا۔ خزانہ۔ دفینہ۔

تشریح: ۱۔ وہ کشتی چند غریب لوگوں کی ملکیت تھی جو اس کو دریا میں کرائے پر چلاتے تھے۔ ان لوگوں کی گزر بسر اسی کشتی سے حاصل ہونے والی آمدنی پر تھی۔ ان کے آگے راستے میں ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح وسالم اور عمدہ کشتی کو چھین لیتا تھا۔ اس لئے میں نے اس کشتی کو عیب دار کر دیا تاکہ وہ اس کے عیب کو دیکھ کر اس کو غصب کرنے سے باز رہے اور بعد میں یہ غریب لوگ تختہ لگا کر اپنی کشتی کو درست کر لیں۔

۲۔ رہا وہ لڑکا جس کو میں نے قتل کر دیا تھا تو اس کے ماں باپ ایماندار تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان کی حفاظت مقصود تھی اور یہ لڑکا بڑا ہوتا تو کافر ہوتا سو ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لڑکا بڑا ہو کر اپنے ماں باپ کو بھی کفر پر مجبور نہ کر دے اور وہ اس کے حسن و جمال اور محبت کی وجہ سے اس سے جدا ہونا گوارا نہ کریں اور کفر اختیار کر کے دائمی ہلاکت میں نہ گرفتار ہو جائیں۔ اس طرح اس لڑکے کا مارا جانا ظاہر میں تو ان کے حق میں مصیبت بنا اور باطن میں باعث رحمت بنا۔ سو ہم نے ارادہ کیا کہ اس لڑکے کا قصہ تمام کر دیا جائے

اور اللہ تعالیٰ ان کو ایسی اولاد دے جو کفر و شرک اور معصیت سے پاک ہو اور ایمان و توحید اور عمدہ اخلاق سے آراستہ ہو اور از راہ شفقت و محبت والدین سے زیادہ قریب ہو۔

۳۔ جہاں تک اس دیوار کا تعلق ہے جو گرنے کے قریب تھی اور جس کو میں نے بلا معاوضہ سیدھا کر دیا تھا، تو وہ اس شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی۔ اس دیوار کے نیچے ان دونوں کے لئے ایک خزانہ چھپا ہوا تھا۔ اگر دیوار گر جاتی تو خزانہ ظاہر ہو جاتا اور لوگ اس کو لوٹ کر لے جاتے۔ ان لڑکوں کو ان کی کم سنی اور کمزوری کے سبب کچھ بھی نہ ملتا۔

ان کا باپ ایک نیک صالح آدمی تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی نیکی کے صلے میں اس کی اولاد کی حفاظت منظور تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ دونوں لڑکے جب بڑے ہو کر اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ جائیں تو اپنا دفینہ نکال لیں۔ ان پر مہربانی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس دیوار کی اصلاح کا حکم دیا۔ اس لئے میں نے اللہ کے حکم سے دیوار کو بلا معاوضہ سیدھا کیا تھا۔ ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام بھی میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم سے کیا۔

یہ تھی ان چیزوں کی باطنی حقیقت جن کے ظاہر کو دیکھ کر آپ صبر نہ کر سکے۔ آپ شریعت کے ظاہر احکام کی وجہ سے مجبور و معذور تھے اور میں باطنی احکام کی وجہ سے مجبور و معذور تھا۔　(معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی ۴۳۸، ۴۴۰/۴)

ذوالقرنین کا واقعہ

۸۳-۸۸۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ○ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ○ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ۬ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ○ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ○ وَاَمَّا

مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝

اور وہ آپ سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اب میں تمہیں اس کا کچھ حال سناتا ہوں۔ بیشک ہم نے اس کو زمین میں اقتدار بخشا تھا اور ہم نے اس کو ہر طرح کا سامان دیا تھا۔ سو اس نے ایک منزل کی راہ لی۔ یہاں تک جب وہ سورج غروب ہونے کی جگہ پہنچا۔ (یعنی مغرب میں) تو اس کو وہ (سورج) ایک سیاہ رنگ کے پانی میں ڈوبتا ہوا دکھائی دیا اور وہاں اس نے ایک قوم کو پایا۔ ہم نے کہا کہ اے ذوالقرنین (تجھے اختیار ہے کہ) خواہ تو ان کو سزا دے یا ان سے حسن سلوک کر۔ اس نے کہا کہ جو ان میں ظالم ہے اس کو تو میں سزا ہی دوں گا۔ پھر اس (ظالم آدمی) کو اس کے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ (اللہ) اسے اور بھی سخت سزا دے گا۔ اور (ان میں سے) جو کوئی ایمان لائے گا اور نیک اعمال کرے گا تو اس کو (اللہ کے پاس بھی) نیک بدلہ ملے گا اور ہم بھی اپنے معاملے میں اس کو آسان ہی حکم دیں گے۔

سَبَبًا: سبب۔ ذریعہ۔ سامان۔ جمع اَسْبَابٌ۔

حَمِئَةٍ: کیچڑ والا۔ سیاہ رنگ کا پانی۔ دلدل والا۔ حَمَأٌ سے صفت مشبہ۔

نُكْرًا: برا۔ ہولناک۔ انجان۔ نُكْرٌ و نَكَارَةٌ۔ صفت۔

تشریح: یہ تیسرا واقعہ ذوالقرنین کا ہے جو مشرکین مکہ نے اہل کتاب کے کہنے پر، امتحان کے طور پر آپ سے پوچھا تھا۔ ذوالقرنین کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی تھا، بعض کا خیال ہے کہ وہ بادشاہ تھا۔ ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ذوالقرنین نبی تھا؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ذوالقرنین اللہ کا مخلص اور فرماں بردار بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے خلوص کی قدر دانی کی۔ (روح المعانی ۳۰/۱۶)

مغرب کا سفر

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں اس واقعہ کا حال تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہم نے اس کو زمین میں اقتدار عطا کیا تھا وہ جس طرح چاہتا تھا حکم چلاتا تھا۔ اس کو ہر طرح کی سواری میسر تھی، رات دن یا موسم کا اختلاف اس کی رفتار پر اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ ہم نے اس کو ہر قسم کا سامان عطا کیا تھا۔ پھر وہ ایک راہ پر چل دیا یہاں تک کہ وہ سورج غروب ہونے کے مقام پر پہنچ گیا۔ اس نے وہاں سورج کو سیاہ دلدلی چشمے میں ڈوبتا ہوا محسوس کیا اور اس چشمے کے پاس اس نے ایک قوم کو پایا۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ وہ لوگ کافر تھے اور کھال کا لباس پہنتے تھے اور سمندر جن مردہ مچھلیوں یا دوسرے جانوروں کو کنارے پر پھینک دیتا تھا وہی ان کی غذا تھی۔

پھر ہم نے ذوالقرنین کو کہا کہ پہلے تم اس قوم کو توحید کی دعوت دو اگر یہ لوگ نہ مانیں اور اپنے کفر پر قائم رہیں تو ان کو سزا دو اور اگر ایمان لے آئیں تو ان کی عزت کرو اور ہدایت کرو۔ ذوالقرنین نے کہا کہ ان میں سے جو لوگ ظالم اور سرکش ہیں میں ان کو سزا دوں گا پھر جب ان کو اس کے رب کے پاس لوٹایا جائے گا تو وہ ان کو اور بھی سخت سزا دے گا۔ ان میں سے جو لوگ ایماندار اور نیک ہو جائیں گے تو ان کو اچھا بدلہ اور انعام و اکرام دوں گا اور اپنی حکومت کے معاملات میں بھی ان سے نرمی برتوں گا۔

(مظہری ۶۲، ۶/۶۴، بیضاوی ۴۰۳، حقانی ۳/۲۱۷)

مشرق کا سفر

۸۹، ۹۱۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ○ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ
عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ○ كَذٰلِكَ ط وَقَدْ

اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا O

پھر وہ ایک اور مہم کے لئے روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ جا پہنچا (یعنی مشرق میں) تو اس نے سورج کو ایک ایسی قوم پر طلوع ہوتے ہوئے پایا جن کے لئے ہم نے سورج سے بچنے کے لئے کوئی آڑ نہیں بنائی تھی۔ (یہ قصہ) اسی طرح ہے اور اس (ذوالقرنین) کے حال کی پوری خبر ہمارے ہی پاس ہے۔

تشریح: مغربی ممالک کو فتح کر لینے کے بعد ذوالقرنین مشرق کی جانب چل دیئے تاکہ مشرقی ممالک کو بھی فتح کر لیں اور ان کو دینِ حق کی دعوت دیں جو اس کو قبول نہ کرے اس کو ذلیل و خوار کر دیں۔ چنانچہ راستہ میں جو قومیں ملتی رہیں وہ ان کو اللہ کی عبادت اور اس کی توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اگر وہ قبول کر لیتے تو ٹھیک ورنہ ان سے قتال کرتے اور اللہ کے فضل سے ان پر غلبہ پاتے۔

پھر وہ چلتے چلتے انتہائی مشرق میں پہنچ گئے جہاں انہوں نے ایک ایسی بستی دیکھی جس کے لوگ نیم وحشی تھے، نہ مکانات بناتے تھے اور نہ سائے کے لئے وہاں کوئی درخت تھا۔ وہ زیر زمین سرنگیں بنا کر رہتے تھے۔ جب سورج طلوع ہوتا تو ان سرنگوں میں داخل ہو جاتے اور زوال کے بعد طلب معاش میں باہر نکلتے۔ الغرض ذوالقرنین کا قصہ اسی طرح ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ اہل تاریخ لکھتے ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں اور ذوالقرنین کے پاس کس قدر مال و اسباب اور فوجی لشکر وغیرہ تھا یہ بھی کسی کو معلوم نہیں۔ اس سے صرف ہم ہی واقف ہیں کیونکہ ہمارا علم زمین و آسمان پر حاوی ہے۔ ہم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

(ابن کثیر ۱۰۲/۳، مظہری ۶۵/۶)

تیسرا سفر

۹۲، ۹۶۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا O حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا

قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓي اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓي اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝

پھر وہ ایک اور مہم کے لئے روانہ ہو گیا یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں (دو دیواروں) کے درمیان پہنچا تو ان پہاڑوں کے پار اس نے ایک ایسی قوم پائی جو کوئی بات نہیں سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اے ذوالقرنین بیشک یاجوج وماجوج نے تو ملک میں فساد ڈال رکھا ہے تو کیا ہم آپ کے لئے ایک محصول (ٹیکس) قائم کریں (یعنی مال جمع کر دیں) اس کام کے لئے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی مستحکم دیوار بنا دیں۔ ذوالقرنین نے کہا کہ جو کچھ میرے رب نے مجھے دے رکھا ہے۔ وہی کافی ہے۔ سو تم ہاتھ پاؤں سے میری مدد کرو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم مجھے لوہے کے تختے لادو۔ یہاں تک کہ جب دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو (دیوار چن کر) برابر کر دیا تو کہا کہ اس کو دھونکو (چنانچہ لوگ دھونکنے لگے) یہاں تک کہ جب اس کو سرخ انگارا کر دیا تو اس نے کہا کہ اب تم میرے پاس تانبا لاؤ کہ میں اس کو پگھلا کر اس (دیوار) پر ڈال دوں۔

السَّدَّيْنِ : دو پہاڑ۔ دو رکاوٹیں۔ دو دیواریں۔

رَدْمًا : موٹی دیوار۔ مضبوط دیوار۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

زُبَر : لوہے کے تختے۔ لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے۔ واحد زُبْرَةٌ۔

سَاوٰى : اس نے برابر کر دیا۔ وہ برابر ہو گیا۔ مُسَاوَاةٌ سے ماضی۔

صَدفَین : پہاڑ کی دو پھانکیں۔ دونوں پہاڑوں کے درمیان کا خلا۔ واحد صدَفٌ۔

اُفرِغ : میں ڈال دوں گا۔ اِفرَاغٌ سے مضارع۔

قِطرًا : پگھلا ہوا تانبہ۔

تشریح: پھر ذوالقرنین ایک تیسرے راستے پر چل دئے جو مشرق و مغرب کے درمیان جنوب سے شمال کی طرف تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک گھاٹی میں پہنچے جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع تھی جہاں ان کو ایک ایسی قوم ملی جو بات نہیں سمجھ سکتی تھی۔ انہوں نے ایک ترجمان کے ذریعہ ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی سرکشی اور فساد کا حال بیان کیا کہ وہ ہمارے علاقے میں آکر قتل و غارت کرتے ہیں۔ بال بچوں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور ہماری کھیتیوں کو اجاڑ دیتے ہیں۔ بخاری و مسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ یاجوج و ماجوج بھی انسان ہیں۔

پھر ان لوگوں نے ذوالقرنین کی طاقت و قوت اور عقل و ہنر کو دیکھ کر ان سے درخواست کی کہ اگر آپ رضامند ہوں تو ہم اس شرط پر آپ کے لئے بہت مال جمع کر دیں کہ آپ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان کوئی روک یا دیوار بنا دیں تاکہ وہ ہماری طرف نہ آسکیں اور ہم ان کی سرکشی اور فساد سے بچ جائیں۔

ذوالقرنین نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے اور وہ تمہارے مال سے بہت بہتر ہے۔ اس لئے مجھے مال کی ضرورت نہیں البتہ تم اپنی قوت و طاقت اور جسمانی محنت سے میری مدد کرو تاکہ میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں۔ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر دو۔ پھر جب انہوں نے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے لا کر جمع کر دیئے تو ذوالقرنین نے درے کو پہاڑوں کی چوٹیوں تک لوہے اور پتھروں سے چن دیا۔ پھر تانبہ یا سیسہ پگھلا کر اس دیوار پر ڈال دیا جس سے وہ بہت مضبوط اور پختہ ہو گئی اور دیکھنے میں ایسی معلوم ہونے لگی جیسے کوئی دھاری دار چادر ہو۔

(حقانی ۲۱۹/ ۳، مظہری ۶۵، ۶۹/ ۶)

یاجوج ماجوج کا دیوار توڑنے سے عاجز ہونا

۹۸،۹۷۔ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ○ قَالَ هٰذَا
رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ج فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ج وَكَانَ
وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ○

پس (ایسی مستحکم اور بلند دیوار تیار ہو گئی کہ) یاجوج و ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب لگا سکتے تھے (دیوار کو دیکھ کر) ذوالقرنین نے کہا کہ یہ میرے رب کی عنایت ہے۔ پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا تو اس کو ڈھا کر برابر کر دے گا اور میرے رب کا وعدہ برحق ہے۔

یَظْهَرُوْهُ : وہ اس پر چڑھیں گے۔ وہ اس پر غالب آئیں گے۔ ظُهُوْرٌ سے مضارع۔

دَكَّآءَ : ریزہ ریزہ کرنا۔ برابر کرنا۔ جمع دَكَأْوَاةٌ۔

نَقْبًا : نقب دینا۔ شگاف دینا۔ سوراخ کرنا۔

تشریح: جب دیوار تیار ہو گئی تو اس کی بلندی اور مضبوطی کی وجہ سے یاجوج و ماجوج نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس کو توڑ سکتے تھے کہ وہاں سے نکل آئیں۔

دیوار کی تعمیر سے فارغ ہو کر ذوالقرنین نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہ بھی اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے مخلوق کو ان شریروں کی شرارت سے محفوظ کر دیا۔ البتہ اللہ نے اس کے گرنے کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جب وہ وقت آ جائے گا تو یہ دیوار گر جائے گی اور یاجوج و ماجوج باہر نکل پڑیں گے۔

یاجوج ماجوج کے نکلنے کا وقت

۱۰۱،۹۹ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ
فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ
عَرْضًا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا
لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝

اور اس روز ہم ان کی یہ حالت کر دیں گے کہ وہ ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا۔ پھر ہم سب کو ایک ایک کر کے جمع کر لیں گے اور اس روز ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے۔ جن کی آنکھوں پر میری یاد سے پردہ پڑا ہوا تھا اور وہ کچھ بھی نہ سنتے تھے۔

يَمُوْجُ : وہ موج مارے گا۔ وہ لہر مارے گا۔ وہ گڈمڈ ہو گا۔

غِطَآءٍ : (غفلت کا) پردہ۔ جمع اَغْطِيَةٌ۔

تشریح: اپنے مقررہ وقت پر جب دیوار ٹوٹ جائے گی یاجوج و ماجوج دھکم پیل کرتے، ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ٹڈی دل کی طرح امڈے چلے آئیں گے اور زمین پر پھیل کر فساد کریں گے۔ قتل و غارت کریں گے اور کھیتوں کو اجاڑ دیں گے۔

پھر فرمایا کہ قیامت برپا ہونے کے وقت مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لئے صور پھونکا جائے گا اور حساب و کتاب اور جزا اور سزا کے لئے تمام مخلوق کو جمع کر دیا جائے گا۔ پھر اس روز ہم جہنم کو کافروں کے بالکل سامنے لا کھڑا کریں گے۔ اس وقت وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کریں گے۔ یہ کافر لوگ وہ ہیں جنہوں نے دنیا میں اپنی آنکھوں پر غفلت اور جہالت کا پردہ ڈال رکھا تھا۔ ان کو اللہ کی ذات و صفات اور توحید و عظمت دکھائی نہیں دیتی تھی۔ وہ اس کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کو یاد نہیں کرتے تھے اور نہ وہ کسی وعظ

و نصیحت پر دھیان دیتے تھے کیونکہ ان کے کانوں میں ڈاٹیں لگی ہوئی تھیں۔

(مظہری ۷۱/۶، حقانی ۲۱۹، ۲۲۰/ ۳)

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز جہنم کو گھسیٹ کر لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔ (ابن کثیر ۱۰۵، ۱۰۶/ ۳)

سب سے زیادہ خسارے والے

۱۰۲۔۱۰۶۔ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا O قُلْ هَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا O اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا O اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا O ذٰلِکَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا O

تو کیا کافر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں ہی کو اپنا کارساز بنالیں گے۔ ہم نے بھی کافروں کے اترنے کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے کون لوگ خسارے میں پڑے ہوئے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیوی زندگی میں کی کرائی محنت سب گئی گزری ہو گئی اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا اور اس سے ملنے کا انکار کیا سو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ پس قیامت کے روز ہم ان (کے اعمال) کا کچھ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔ یہی جہنم ان کی سزا ہو گی اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری

آیتوں اور رسولوں کا مذاق اڑایا تھا۔

اَعْتَدْنَا : ہم نے تیار کیا۔اِعْتَادٌ سے ماضی۔

صُنْعًا : کاری گری۔ بنانا۔ کام کرنا۔

لِقَآئِہٖ : اس کی ملاقات۔

حَبِطَتْ : وہ ناپید ہو گئے۔ وہ ضائع ہو گئے۔ حَبْطٌ سے ماضی۔

تشریح: کیا ان کافروں کا خیال یہ ہے کہ انہوں نے مجھے چھوڑ کر مخلوق میں سے جن کو اپنا کار ساز اور حاجت روا بنا رکھا ہے وہ ان کو نفع پہنچائیں گے یا ان کی حمایت و شفاعت کریں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہو گا۔ ایسا سوچنا ہی بڑی نادانی ہے کیونکہ مالک کے مقابلے میں اس کی مخلوق جو خود اس کی محتاج ہے وہ کسی کے کیا کام آ سکتی ہے۔ بلا شبہ ہم نے کافروں کی مہمانی اور ضیافت کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! آپ ان کو کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں خبر دوں جو قیامت کے روز اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان میں ہوں گے اور ان کی دنیوی زندگی میں کی ہوئی تمام کوششیں اکارت گئیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کو اچھا سمجھ کر کرتے ہیں اور یہ امید رکھتے ہیں کہ ان کو ان کے اعمال کا ثواب ملے گا۔ لیکن ان کا یہ گمان غلط ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو جھٹلایا سو ان کے کفر کی وجہ سے ان کے تمام اعمال اکارت گئے اور وہ خالی ہاتھ رہ گئے۔ یہی نہیں کہ قیامت کے روز ان کے اعمال کی ذرا بھی قدر و قیمت نہ ہو گی بلکہ ان کا ٹھکانا جہنم ہو گا کیونکہ انہوں نے دنیا میں کفر کیا تھا۔ ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کا مذاق اڑایا تھا۔

نیک لوگوں کے انعامات

۱۰۸،۱۰۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ○

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ان کی مہمانی
کے لئے فردوس کے باغ ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں
سے کہیں اور جانا نہ چاہیں گے۔

الفِردَوس : جنت کا نام۔ جنت کا افضل مقام۔

حِوَلاً : جگہ بدلنا۔ پلٹنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ہمارے رسولوں کو سچا مانا اور ان کی اتباع کرتے ہوئے نیک اعمال کئے تو ایسے لوگوں کے لئے جنت الفردوس ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے اور نہ ان کو کبھی وہاں سے باہر نکلنے کا خیال آئے گا۔ اس سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں۔

ترمذی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے سو درجات ہیں۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان اور زمین کے درمیان۔ فردوس جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ اسی سے جنت کی چار نہریں نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ سے (جنت کی) دعا مانگو تو فردوس کی دعا کیا کرو۔ (مظہری ۴۷/۶)

اللہ کے بے شمار کلمات

۱۰۹، ۱۱۰۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ
اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا
لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن
جائے تو میرے رب کی باتیں پوری ہونے سے پہلے سمندر خرچ ہو جائے
اگرچہ اس سمندر کی مثل ہم ایک دوسرا سمندر مدد کے لئے لے آئیں۔

آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک آدمی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے تو اس کو چاہئے کہ وہ نیک کام کرتا رہے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

مَدَدًا : روشنائی۔ سیاہی۔ اسم ہے۔

نَفِدَ : وہ (لکھتے لکھتے) ختم ہو جائے۔ نفدٌ و نفادٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ کے علوم کا لامحدود و لامتناہی ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر لکھنے کے لئے سمندر کو روشنائی بنادیا جائے اور پھر اس روشنائی سے اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کی باتیں لکھنی شروع کی جائیں تو روشنائی کا یہ سمندر ختم ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی ایک اور سمندر لے آئیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے کلمات غیر متناہی ہیں اور متناہی غیر متناہی کو نہیں لکھ سکتا۔

پھر فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں فرشتہ نہیں بلکہ تمہارے ہی جیسا انسان ہوں۔ میں غیب سے واقف نہیں البتہ میں انسان ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ کا نبی ہوں۔ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ تمہارے سوال کرنے پر میں نے جو اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے واقعے بیان کئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی نے وحی کے ذریعے مجھے بتائے۔ ان واقعات کا صحیح صحیح بیان کرنا بھی میری نبوت و رسالت کی دلیل ہے۔ لہٰذا تم مجھ پر ایمان لاؤ اور شرک و بت پرستی سے توبہ کرو۔ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ جس طرح تم اس کے بندے ہو میں بھی اسی کا بندہ ہوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت کا منصب عطا کیا ہے۔ اس لئے تم مجھے اس کا رسول مانو۔ میں تمہیں اللہ کا حکم سناتا ہوں کہ جس شخص کو اللہ سے ملنے کی توقع اور امید ہو اور اس کی رضا مطلوب ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اللہ کے رسول کی اطاعت کرے اور شریعت کے مطابق نیک کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۴۶۲، ۴/۴۶۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ مریم

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حضرت مریمؑ کا قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔ اس لئے یہ سورت انہی کے نام سے یعنی سورۂ مریم مشہور ہو گئی۔

تعارف : اس میں ۶ رکوع، ۹۸ آیتیں، ۹۶۸ کلمات اور ۳۹۸۶ حروف ہیں۔

یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ سورۂ کہف کی طرح اس میں بھی عجیب عجیب واقعات کا ذکر ہے۔ سب سے پہلے حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کی ولادت کا بیان ہے۔ اس کے بعد توحید و رسالت اور مبدا و معاد کے اثبات کے لئے حضرت مریم اور بعض انبیا علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

امام احمدؒ اور ابن اسحاق نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا کہ جب صحابہؓ ہجرت کر کے حبشہ گئے اور شاہ نجاشی سے ملے تو اس نے حضرت جعفر بن طالب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ جو کچھ ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اس میں سے تمہیں کچھ یاد ہے۔ حضرت جعفر نے کہا کہ ہاں۔ نجاشی نے کہا کہ میرے سامنے تلاوت کرو۔ پھر حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں، جن کو سن کر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی اور اس کے اساقفہ بھی اس قدر روئے کہ ان کے سامنے جو کتابیں تھیں وہ تر ہو گئیں۔ نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ پیغام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے ایک ہی مشکوۃ کے نور ہیں۔

(مسند احمد ۳۳۳ ۱، ابن ہشام ۸۸ ۲)

ان سب تذکروں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے نیک بندوں پر دنیا و آخرت

دونوں میں اس کی عنایتیں اور مہربانیاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے مخلص اور وفادار بندوں کی ہر موقع پر دستگیری کرتا ہے، اس لئے ان کے نقش قدم پر چلنا چاہئے اور اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حضرت ذکریا کی دعا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت اور پھر بشارت پوری ہونے کی علامت اور حضرت یحییٰ کے اوصاف حمیدہ کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت مریمؑ کا واقعہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے خطاب اور حضرت عیسیٰ کی حقیقت کا بیان ہے۔ آخر میں کافروں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا غصہ اور حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت کا بیان ہے۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔ حضرت اسمٰعیل و حضرت ادریسؑ کے واقعات اور انعام یافتہ لوگوں کا بیان ہے۔ پھر اہل سعادت و اہل شقاوت کا انجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: مرنے کے بعد زندہ ہونے، منکرین کے شبہات، کفار کا استہزا اور ایک کافر کا بے بنیاد دعویٰ کہ اس کو آخرت میں مال و اولاد ملیں گے، مذکور ہیں۔

رکوع ۶: کافروں کے لئے بتوں کا باعثِ ذلت ہونا۔ قیامت کے روز کافروں کی حالت اور اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔
آخر میں مومنین صالحین کا حال مذکور ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ کٓھٰیٰعٓصٓ

یہ حروف مقطعات ہیں جو قرآن کریم کی بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ یہ خاص رموز ہیں جن کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ لوگوں کو نہیں بتائے گئے۔ اس لئے عوام الناس کو ان

کے معنی اور تاویل میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس ان حروف کو اللہ کا کلام سمجھنا چاہئے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

۲-۶، ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝

(یہ) ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی تھی۔ جبکہ اس نے اپنے رب کو پوشیدہ طور پر پکارا۔ (اس نے) کہا اے میرے رب بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور سر میں بڑھاپا چمکنے لگا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے رشتہ داروں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے، سو تو اپنی طرف سے مجھے ایک وارث عطا فرما۔ جو میرا وارث ہو اور یعقوب کے خاندان کا بھی اور اے میرے رب اس کو پسندیدہ بنا۔

وَهَنَ : وہ کمزور ہو گئی۔ وھنٌ سے ماضی۔

اشْتَعَلَ : اس نے شعلہ مارا۔ اس کے بالوں کی سفیدی پھیل گئی۔ وہ چمک اٹھی۔ اشْتِعَالٌ سے ماضی۔

شَيْبًا : بڑھاپا، بالوں کی سفیدی، مصدر ہے۔

عَاقِرًا : بہت بوڑھی، بانجھ، عُقْرٌ و عَقَارَۃٌ سے اسم فاعل،

تشریح: حضرت زکریا علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک زبردست پیغمبر تھے۔ بخاری شریف میں ہے کہ آپ بڑھئی کا کام کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ حضرت زکریا بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کی بیوی جو حضرت مریم کی خالہ تھیں، بانجھ تھیں۔ ان کے اولاد نہیں تھی اور ان کو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ ان کے بعد دین میں تغیر و تبدل اور تحریف نہ کر ڈالیں، اس لئے ایک روز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و زاری کے ساتھ دعا کی اے میرے رب! میرے قویٰ کمزور ہو گئے ہیں۔ میری ہڈیاں کھوکھلی ہو چکی ہیں، میرے سر کے بالوں کی سیاہی سفیدی کے ساتھ بدل گئی ہے۔ مجھے اندرونی اور بیرونی ضعف نے گھیر لیا ہے۔ میں تیرے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں گیا۔ جب بھی تجھ سے کچھ مانگا تو نے اپنے کرم سے عطا فرمادیا۔

میں اپنی موت کے بعد اپنے رشتہ داروں اور وارثوں سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ میرے بعد دین کی حفاظت میں سستی نہ کریں یا دنیوی اغراض کے لئے اس میں تحریف کر دیں، جیسا کہ بنی اسرائیل کرتے رہے ہیں۔ اے میرے پروردگار! میں تیرے دین کی حفاظت اور خدمت کی غرض سے یہ دعا کر رہا ہوں۔ میری بیوی تو شروع ہی سے بانجھ ہے۔ ظاہری اسباب میں اولاد کا کوئی امکان نہیں۔ اس لئے اے میرے رب! تو مجھے خاص اپنی طرف سے بلا اسباب عادیہ ایک ایسا فرزند عطا کر جو میرے بعد میری نبوت کا وارث اور دین کا نگہبان ہو اور اولاد یعقوب کا بھی وارث ہو اور اے اللہ! تو اسے اپنا مقبول اور پسندیدہ بنا لے۔

(ابن کثیر ۱۱۰، ۱۱۱/ ۳، حقانی ۲۴۰، ۲۴۱/ ۳)

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت

۷۔۹۔ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ

هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا O

(ہم نے کہا) اے زکریا، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہوگا۔ اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی بھی پیدا نہیں کیا، (زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اسی طرح ہوگا۔ تیرے رب کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور اس سے پہلے میں نے تجھے بھی پیدا کیا ہے حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھا۔

عِتِيًّا : انتہائی بڑھاپا، حد سے تجاوز کرنا۔ مصدر ہے۔

هَيِّنٌ : آسان۔ هَوْنٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح : فرشتے نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت زکریا علیہ السلام کو خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمالی اور آپ کو ایک نیک فرزند عطا ہوگا جس کا نام یحیٰ (یوحنا) ہوگا۔ اس سے پہلے اس نام کا کوئی اور انسان نہیں ہوا بعض مفسرین نے یہاں سمیٌّ کے معنی تشبیہ کے لئے ہیں یعنی ان سے پہلے اس شان اور صفت کا کوئی شخص نہیں ہوا۔ بعض نے یہ معنی بیان کئے کہ اس سے پہلے کسی بانجھ عورت کے ایسی اولاد نہیں ہوئی۔

یہ خوشخبری سن کر حضرت زکریا علیہ السلام کو اپنی پیرانہ سالی اور بیوی کے بانجھ ہونے کا خیال کر کے تعجب ہوا۔ فرشتے نے کہا کہ تعجب کی کیا بات ہے اسی حالت میں تمہارے لڑکا پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری قدرتِ عظیمہ کے سامنے سب آسان ہے، اس سے زیادہ تعجب اور قدرت والا کام تو خود تمہاری پیدائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت پیدا کیا جب وہ کچھ نہ تھا، پس جو خدا تمہاری پیدائش پر قادر ہے وہ تمہیں بلا اسباب اولاد دینے پر بھی قادر ہے کیونکہ اسباب بھی وہی پیدا کرتا ہے۔

(حقانی ۲۴۱۔ ۲۴۲ / ۳، ابن کثیر ۱۱۲ / ۳)

بشارت پوری ہونے کی علامت

۱۰-۱۱- قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ۝

(زکریا نے) کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دے۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو لوگوں سے تین رات تک بات نہ کر سکے گا حالانکہ تو تندرست ہوگا۔ پھر حضرت زکریا محراب سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارے سے کہا کہ صبح و شام (اللہ کی) تسبیح کیا کرو۔

تشریح: جب حضرت زکریا علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں اس وعدے سے مطمئن تو ہو گیا ہوں لیکن میرے لئے اس کی کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے جس سے معلوم ہو جائے کہ تیرے وعدے کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے تاکہ میں تیرے شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو تیری زبان کسی مرض یا عذر کے بغیر خود بخود تین دن اور تین رات کے لئے بند ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زکریاؑ کچھ بات نہ کر سکتے تھے صرف اشاروں سے اپنا مطلب سمجھاتے تھے البتہ تسبیح و استغفار اور حمد و ثنا پر زبان چلتی تھی۔

پھر حضرت زکریاؑ اپنی محراب یعنی خاص عبادت گاہ سے نکل کر باہر آئے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم صبح و شام اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیا کرو۔ اس علامت کے کچھ عرصے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

(حقانی ۲۴۲/ ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷۴/ ۴)

حضرت یحییٰ کے اوصاف حمیدہ

۱۲-۱۵۔ یٰیَحْییٰ خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ زَکٰوةً ؕ وَکَانَ تَقِیًّا ۝ وَّبَرًّا ۢ بِوَالِدَیْهِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ۝

اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے تھام لو اور ہم نے ان کو لڑکپن میں ہی سمجھ عطا کر دی۔ اور اس کو اپنی طرف سے رحم دلی اور پاکیزگی عنایت کی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور اپنے والدین کے ساتھ بہت نیکی کرنے والے تھے۔ اور وہ سرکش اور نافرمان نہ تھے۔ اور اس پر سلام ہو، جس دن وہ پیدا ہوئے، جس دن ان کو موت آئے گی اور جس دن وہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔

صَبِیًّا : بچہ، لڑکا، جمع صِبْیَانٌ۔

حنانا : مہربانی، رقت قلب، رحمت، شفقت، مصدر ہے۔

برًّا : نیکی کرنے والا، بھلائی کرنے والا، برٌّ سے صفت مشبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت یحییٰ کے اوصاف حمیدہ بیان کئے گئے ہیں۔ جو ان کو لڑکپن ہی میں دیئے گئے تھے۔

۱۔ بچپن ہی میں ان کو حکمت اور کتاب کی سمجھ عطا کر دی تھی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے تین سال کی عمر میں توریت پڑھ لی تھی اور سمجھ لی تھی۔ جب بچے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیلنے کے لئے بلاتے تھے تو وہ ان کو جواب دیتے تھے کہ ہمیں اس کھیل کود کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔

۲۔ وہ نہایت مہربان اور رقیق القلب تھے۔

۳۔ ظاہر و باطن میں پاکدامن تھے۔

۴۔ نہایت پرہیزگار، خداترس اور اطاعت گزار تھے۔ نہ کبھی گناہ کیا اور نہ گناہ کا ارادہ کیا۔

۵۔ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے اور مہربان تھے۔

۶۔ سرکش و خودسر اور اللہ کے نافرمان نہ تھے۔

انہی خوبیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ سلامتی اور رحمت ہو ان پر، پیدا ہونے اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے دن۔

(مظہری ۸۶، ۸۷/ ۶، حقانی ۲۴۳/ ۳)

حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ

۱۶-۲۱۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝
فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۣ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا
فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ
كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا
زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ
اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ
اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝

اور اس کتاب میں آپ مریم کا ذکر بھی کیجئے جبکہ وہ اپنے گھر والوں سے کنارہ کر کے ایک ایسے مکان میں جا بیٹھی جو مشرق کی جانب تھا۔ پھر ان لوگوں کے سامنے انہوں نے پردہ ڈال لیا۔ پھر ہم نے ان کے پاس اپنا فرشتہ بھیجا سو وہ ان کے سامنے ایک پورا آدمی بن کر ظاہر ہوا۔ (مریم نے) کہا میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو پرہیزگار ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تمہیں پاکیزہ لڑکا دوں۔

(مریم نے کہا) میرے کہاں سے لڑکا ہوگا حالانکہ مجھے کسی آدمی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا اسی طرح ہوگا۔ تیرے رب کا قول ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور (ہم یہ اس لئے کریں گے) تاکہ ہم اس لڑکے کو لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنادیں اور باعث رحمت بنادیں اور یہ ایک طے شدہ بات ہے (جو ضرور ہوگی)۔

اِنْتَبَذَتْ : وہ علیحدہ ہوئی، اِنْتِبَاذٌ سے ماضی۔

سَوِيًّا : سیدھا، درست، بالکل ٹھیک ٹھاک، سواءٌ سے صفت مشبہ۔

اَهَبَ : میں بخشوں، میں دیدوں، وَهْبٌ سے مضارع۔

بَغِيًّا : زناکار، بدکار، بَغْيٌ سے صفت مشبہ۔

مَقْضِيًّا : فیصلہ شدہ، طے شدہ، قَضَاءٌ سے اسم مفعول۔

تشریح : ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا ہے کہ حضرت مریم علیہاالسلام کنواری تھیں انہیں کسی مرد کا ہاتھ تک نہیں لگا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے انہیں حضرت عیسیٰ جیسا فرزند عطا فرمایا جو اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قرآن کے اس خاص حصے کو پڑھ کر سنایئے جس میں حضرت مریمؑ کا قصہ مذکور ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر غسل کے لئے ایک ایسے مکان میں گئیں جو مشرق کی جانب تھا، تو انہوں نے اپنے اور ان کے درمیان ایک پردہ ڈال لیا تاکہ اس کی آڑ میں غسل کرلیں۔ جب وہ غسل کر کے کپڑے پہن چکیں تو اس وقت ہم نے اس کے پاس اپنا فرشتہ یعنی جبرائیل امینؑ کو بھیجا۔ سو وہ پورا آدمی بن کر حضرت مریمؑ کے سامنے نمودار ہوا، وہ آدمی کی شکل میں اس لئے نظر آئے تاکہ حضرت مریمؑ ان کو دیکھ کر خوف زدہ نہ ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے حضرت مریم کی پاکبازی کا امتحان مقصود ہو۔

حضرت مریمؑ نے حضرت جبرائیلؑ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر دور ہی سے پکار کر کہنے

لگیں کہ میں تجھ سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تو متقی و پرہیزگار ہے تو یہاں سے ہٹ جا اور مجھ سے تعرض نہ کر۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ میں کوئی بشر اور آدمی نہیں ہوں اس لئے مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں تاکہ میں اللہ کے حکم سے تجھے ایک ایسا لڑکا عطا کروں جو گناہوں سے پاک اور معصوم ہوگا۔

حضرت مریمؑ نے حیرت و تعجب سے جواب دیا کہ میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ مجھے تو کسی بشر نے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور نہ میں نے کبھی بدکاری کی۔ حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ اسی طرح ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تجھے بغیر باپ کے ہی لڑکا عطا فرمائے گا کیونکہ تیرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ بغیر باپ کے بیٹا عطا کرنا مجھ پر آسان ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لئے اپنی قدرت کی نشانی اور رحمت کا نشان بنادیں تاکہ جو اس پر ایمان لائے وہ ہدایت پائے۔ اور اس بچے کا باپ کے بغیر پیدا ہونا طے شدہ امر ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۴۸۰، ۴۸۱ / ۴، مظہری ۸۷۔ ۸۹ / ۶)

حضرت مریم کا حمل اور درد کی تکلیف

۲۲-۲۶۔ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۝

سو مریم کو (خود بخود) حمل رہ گیا پھر وہ اس (حمل) کو لے کر دور کسی گوشہ میں رہنے لگی۔ پھر دردِ زہ کے مارے کھجور کے پیڑ کی طرف آئی،

کہنے لگی کہ کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔ پھر (فرشتے نے) اس کو نیچے سے آواز دی کہ تو غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ اور کھجور کے پیڑ کو اپنی طرف جھکاؤ۔ تیرے اوپر پکی ہوئی تازہ کھجوریں گر پڑیں گی۔ سو تو کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر۔ پھر اگر تو کسی آدمی کو (اعتراض کرتا ہوا) دیکھے تو کہہ دینا کہ میں نے تو اللہ کے واسطے روزے کی منت مان رکھی ہے۔ سو آج میں ہرگز کسی سے بات نہیں کروں گی۔

قصیًا: دور، الگ، قُصُوٌّ سے صفت مشبہ،

المخاضُ: دردزہ ہونا۔ دردِ ولادت، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

جذْع: درخت، تنا، دھڑ، جمع جُذُوْعٌ،

سریًا: پانی کا چشمہ، چھوٹی نہر، جمع سرْیانٌ

هُزّی: تو حرکت دے۔ تو جھاڑ۔ تو ہلا۔ هزٌّ سے امر،

رُطَبًا: کھجوریں۔ واحد رُطَبۃٌ۔

جنیًا: تروتازہ، جَنْیٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

اِنْسیًا: انسان، آدمی، جمع اَناسِی۔

تشریح: مذکورہ بالا گفتگو کے بعد حضرت جبرائیل نے حضرت مریم کے گریبان میں پھونک ماری جس سے وہ اسی وقت حاملہ ہو گئیں۔ جب ولادت کا وقت قریب آیا تو وہ مضطرب اور مجبور ہو کر کسی دور دراز مقام پر کھجور کے ایک درخت کے تنے کے پاس چلی گئیں جو بالکل خشک ہو گیا تھا تاکہ اس کی آڑ لے کر پردہ بھی ہو جائے اور سہارا بھی مل جائے۔ پھر گھبرا کر کہنے لگیں کہ کاش میں اس حالت سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی کہ کوئی میرا نام و نشان تک نہ جانتا۔

حضرت مریمؑ نے فضیحت و رسوائی کے خوف سے موت کی تمنا کی حالانکہ مصیبت و تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا جائز نہیں۔ مفسرین نے اس کا ایک جواب تو اس طرح دیا

ہے کہ شریعت بنی اسرائیل میں اس وقت تک موت کی تمنا کی ممانعت نہیں ہوئی تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حالت اضطرار میں ان کی زبان سے بلاارادہ یہ الفاظ نکل گئے، یا ان کو اپنے دین کی تباہی کا خیال پیدا ہو گیا اور انہوں نے یہ الفاظ دینی تحفظ کے پیش نظر کہہ دیئے۔

وہ مقام جہاں حضرت مریمؑ کھجور کے درخت کے نیچے تشریف رکھتی تھیں قدرے بلند تھا۔ فرشتے نے مریمؑ کو وادی کے نیچے کی جانب سے آواز دی کہ غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ تیرے پروردگار نے غیب سے تیرے نیچے وادی میں ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور اس سوکھے درخت کو ہرا بھرا اور پھل دار کر دیا ہے۔ اس طرح اس نے تیرے کھانے پینے کا انتظام کر دیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کو حکم دیا کہ وہ کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف کو ہلائے اس سے اس کے اوپر پختہ اور تر و تازہ کھجوریں جھڑیں گی۔ سو اے مریم تو اس پھل کو کھا اور نہر کے پانی کو پی اور اس فرزند دلپسند سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ اے مریمؑ یہ تو تیری راحت کا سامان ہوا اور جس بدنامی کا تجھے خوف ہے اس کا انتظام یہ ہے کہ اگر اس کے بعد تو کسی آدمی کو دیکھے اور وہ تجھ سے تیرے بیٹے کا حال پوچھے تو اس سے کہہ دینا کہ میں نے آج اللہ کے لئے خاموش رہنے کی نذر مانی ہے۔ اس لئے آج میں کسی آدمی سے بات نہیں کروں گی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴/۴۸۱۔ ۴۸۲، مظہری ۶/۸۹۔ ۹۲)

حضرت عیسیٰؑ کا قوم سے خطاب

۲۷-۳۳۔ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ○ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَاكَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَاكَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ○ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ قف اٰتٰنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ○ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَاكُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ

وَالزَّكٰوةِ مَادُمْتُ حَيًّا ○ وَبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○

پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں۔ وہ کہنے لگے کہ اے مریمؑ تو تو ایک عجیب چیز لائی ہے، اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ ہی بُرا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی، پھر مریمؑ نے اس (لڑکے) کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم گود کے بچے سے کیسے بات کر سکتے ہیں۔ بچہ بول اٹھا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔ اور مجھے بابرکت بنایا، جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک کہ میں زندہ رہوں۔ اور مجھے اپنی ماں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا بنایا اور مجھے سرکش اور بدبخت نہیں بنایا اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

فَرِيًّا : جھوٹ، بہتان،

اُخْتَ : بہن، جمع اَخَوَاتٌ

سَوْءٍ : برائی، گناہ، آفت

الْمَهْدِ : گود، گہوارہ، جھولا

مَادُمْتُ: جب تک تو رہے۔ دَوْمٌ و دَوَامٌ سے ماضی، فعل ناقص ہے۔

تشریح: پھر حضرت مریمؑ حضرت عیسیٰؑ کو گود میں اٹھائے ہوئے اپنی قوم والوں کے پاس آئیں۔ ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت مریم حضرت عیسیٰ کی ولادت کے چالیس روز بعد اپنے گھر والوں کے پاس آئیں جب نفاس سے فراغت و طہارت ہو چکی تھی۔ وہ لوگ بڑے دیندار اور نیکوکار تھے۔ حضرت مریم کے ساتھ بچے کو دیکھ

کر کہنے لگے کہ اے مریم تو نے یہ بہت ہی برا کام کیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی پھر تو نے یہ کیا کیا۔

حدیث میں ہے کہ مریم کے بھائی کا نام ہارون تھا جن کا زہد و عبادت بنی اسرائیل میں ضرب المثل تھی۔ زہد و عبادت کے اعتبار سے حضرت مریم بھی اپنے بھائی کی مانند تھیں اس لئے ان کو ہارون کی بہن کہا گیا۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ حضرت ہارونؑ کی نسل سے تھیں اس لئے ہارون کی بہن کہا گیا۔

قوم کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر حضرت مریم نے اپنے بچے کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اسی سے پوچھ لو۔ اس پر لوگوں کو مزید غصہ آیا اور کہنے لگے کہ ایک تو تو نے جرم کیا اور پھر ہم سے مذاق بھی کر رہی ہو۔ بھلا ہم گود کے بچے سے کیا پوچھیں وہ ہمیں کیا بتائے گا۔ اتنے میں حضرت عیسیٰ قوم کی طرف رخ کر کے بول اٹھے کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں یعنی خود اللہ یا اس کا بیٹا نہیں جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔ یعنی میں جھوٹا اور افترا کرنے والا نہیں۔ اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے۔ میں جہاں بھی رہوں اور جس جگہ بھی جاؤں خیر و برکت میرے ساتھ رہے گی۔ جب تک میں دنیا میں زندہ ہوں اللہ نے مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید فرمائی ہے اور اس نے مجھے اپنی والدہ کا فرماں بردار بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا کہ اس کا حکم نہ مانوں مجھ پر اللہ کی طرف سے سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن میں قبر سے زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

(روح المعانی ۸۷۔ ۱۶/۹۰، مظہری ۹۲۔ ۶/۹۴)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت

۳۴۔ ۳۷، ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○
مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا
يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ

یہ ہے مریم کا بیٹا عیسیٰ (یہ ہے) سچی بات جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں۔
اللہ ایسا نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے۔ جب وہ کوئی کام
کرنا چاہتا ہے تو بس اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے اور بیشک
اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، سو تم اسی کی عبادت کرو۔ یہی
سیدھا راستہ ہے۔ پھر مختلف گروہ آپس میں اختلاف کرنے لگے۔

يَمْتَرُوْنَ: وہ شک کرتے ہیں۔ اِمْتِرَاءٌ سے مضارع۔

اَحْزَابٌ: گروہ، جماعتیں، واحد حِزْبٌ

تشریح: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہود و نصاریٰ کے بیہودہ خیالات و اعتقادات میں افراط و تفریط کا یہ عالم تھا کہ نصاریٰ نے تو ان کی تعظیم میں اتنا غلو کیا کہ ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا اور یہود نے ان کو اتنا گرایا کہ یوسف نجار کی ناجائز اولاد کہہ دیا۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ دونوں کو غلط بتا کر حضرت عیسیٰؑ کی حقیقت واضح فرما دی کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ یہی حق اور سچ ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے لئے کسی طرح زیبا نہیں کہ وہ اپنے لئے اولاد اختیار کرے۔ اس کی ذات ان ظالموں کے اعتقادات اور خیالات سے پاک ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو اس کام کے لئے کسی قسم کے سامان و اسباب کی ضرورت نہیں پڑتی، بلکہ اس کے صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ہو جا وہ کام ہو جاتا ہے۔ پس جو خدا ایسا قادر مطلق ہے اس کو اولاد کی حاجت نہیں۔

حضرت عیسیٰؑ نے اپنی ماں کی گود میں سے لوگوں کے ساتھ جو باتیں کی تھیں ان میں سے یہ بھی تھی کہ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا کہ بیشک میرا اور تمہارا رب اللہ ہے سو تم سب اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا اور توحید کا راستہ ہے جو میں اللہ کی طرف سے لے کر آیا ہوں۔ جو اس راستے پر چلے گا وہی ہدایت پائے گا اور جو اس کے خلاف کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

پس حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں حقیقت واضح ہونے کے باوجود لوگ مختلف

گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ کسی نے کہا یہ خدا ہے۔ کسی نے کہا کہ خدا کا بیٹا ہے۔ کسی نے کہا کہ ان کا کلام وغیرہ سب جادو کا کرشمہ ہے، البتہ ایک گروہ نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ یہی بات صحیح ہے۔ حضرت عیسیٰ کے بارے میں اہل اسلام کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ یہی تعلیمات خداوندی ہیں۔ (ابن کثیر ۱۲۰، ۱۲۱/ ۳، روح المعانی ۹۱، ۹۲/ ۱۶)

کفار کا انجام

۳۷۔۴۰۔ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ○

سو کافروں کے لئے ایک بڑے دن میں جب انہیں (اللہ کے سامنے) حاضر ہونا پڑے گا، بڑی خرابی ہے۔ جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے اس دن تو وہ کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے، لیکن آج یہ ظالم صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور آپ ان کو حسرت کے دن سے ڈرائیے جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں۔ بیشک تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث ہوں گے اور سب ہمارے ہی پاس لوٹائے جائیں گے۔

وَيْلٌ: ہلاکت ہے، بڑی خرابی ہے، کلمۂ زجر و عذاب ہے۔

مَشْهَدٍ: شہادت دینا، حاضر ہونا، گواہی دینے کی جگہ۔ شُهُوْدٌ و شَهَادَةٌ سے اسم ظرف۔

تشریح : سو جو لوگ توحید کا انکار کر رہے ہیں ان کے لئے قیامت کے دن بڑی ہلاکت و بربادی اور شدید عذاب ہے۔ یہ کافر جو آج دنیا میں بہرے اور اندھے بنے ہوئے ہیں، نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور صریح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں، قیامت کے روز جب یہ ہمارے سامنے آئیں گے تو اس وقت یہ خوب سننے اور دیکھنے والے ہوں گے، لیکن اس وقت کا سننا اور دیکھنا ان کو کچھ نفع نہ دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں کو اس حسرت کے دن سے ڈرایئے جب تمام اعمال کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے اور موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر اہل جنت، جنت کے اندر اور اہل دوزخ، دوزخ کے اندر کبھی نہیں مریں گے۔ اس حسرت و ندامت سے آج یہ غافل ہیں بلکہ اس پر یقین بھی نہیں رکھتے کہ واقعی ایسا دن آنے والا ہے۔

بخاری، مسلم اور ترمذی میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت کو ایک بڑے مینڈھے کی شکل میں (قیامت کے دن سب کے سامنے) لایا جائے گا، پھر ایک منادی پکارے گا۔ اے اہل جنت، جنت والے سر اٹھا کر جھانک کر دیکھیں گے، منادی کہے گا کیا اس کو پہچانتے ہو۔ اہل جنت کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ پھر وہ منادی پکارے گا اے اہل دوزخ تو وہ سر اٹھا کر اور جھانک کر دیکھیں گے۔ پھر وہ منادی کہے گا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو۔ اہل دوزخ کہیں گے کہ ہاں یہ موت ہے۔ پھر سب کی نظروں کے سامنے جنت اور دوزخ کے درمیان موت کو ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر وہ منادی کہے گا کہ اے اہل جنت یہاں ہمیشہ رہنا ہے اب موت نہیں آئے گی اور اے اہل دوزخ (تمہیں بھی) یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ اب موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

پھر فرمایا کہ بیشک جب سب زمین والے فنا ہو جائیں گے اور کسی کا ملک و ملک باقی نہ ہوگی تو ہم ہی باقی رہیں گے اور ہم ہی ان کے مال و متاع کے وارث ہوں گے اور آخرت میں سب ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس وقت ہم ان کو ان کے اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے۔ (روح المعانی ۹۳۔ ۹۴/ ۱۶، عثمانی ۶۵/ ۲)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

۴۱-۴۵، وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ
لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ
شَيْـــًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ
اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ
مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝

اور اس کتاب میں آپ ابراہیمؑ کا ذکر بھی کیجئے۔ بیشک وہ نہایت سچے نبی تھے۔ جب اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ آپ اس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہیں جو نہ سن سکتی ہے اور نہ دیکھ سکتی ہے اور نہ تمہارے کچھ کام آسکتی ہے۔ اے میرے باپ! بیشک میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا سو تم میرے کہنے پر چلو تاکہ میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرو۔ بیشک شیطان تو اللہ کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر اللہ کا عذاب نہ آپڑے۔ پھر تم (بھی) شیطان کے ساتھی ہو جاؤ۔

تشریح : اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکین کے سامنے جو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا متبع خیال کرتے ہیں، حضرت خلیل اللہ کا واقعہ بیان کر دیجئے کہ اس سچے نبی نے اپنے باپ کی بھی پرواہ نہ کی اور اس کے سامنے حق کا اعلان کیا اور اس کو بت پرستی سے روکا کہ تو ان بتوں کی پوجا کیوں کرتا ہے۔ عبادت کے وقت جب تو ان بتوں کی ثنا کرتا

ہے۔ اس وقت یہ بت نہ تیری ثنا کو سنتے ہیں اور نہ تیرے خشوع و خضوع کو دیکھتے ہیں اور نہ ان کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ تجھے کسی قسم کا نفع یا ضرر پہنچا سکیں۔

اے میرے باپ! اللہ کی طرف سے جو علم مجھے عطا ہوا ہے وہ تیرے پاس نہیں ہے اس لئے تو میری اتباع کر میں تجھے راہ راست دکھاؤں گا، برائیوں سے نکال کر بھلائیوں کے راستے پر لگادوں گا۔ تو شیطان کی عبادت چھوڑ دے، کیونکہ وہ اللہ کا بڑا نافرمان ہے۔ اس نے اللہ کی فرماں برداری سے تکبر کیا، اسی لئے راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اگر تو نے اس کی عبادت کی تو وہ تجھے بھی اپنی حالت پر پہنچادے گا۔ اے میرے باپ! تیرے شرک و عصیان سے تو مجھے خوف ہے کہ کہیں تجھ پر اللہ کا کوئی عذاب نہ آ جائے اور تو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں شیطان کا دوست اور اس کا ساتھی نہ بن جائے۔

(روح المعانی ۹۶، ۹۷/ ۱۶، ابن کثیر ۱۲۳/ ۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا غصہ

۴۲-۴۶۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِیْ یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ
لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ
رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ۝

اس نے کہا، اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے پھرا ہوا ہے۔ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور سنگسار کردوں گا اور ایک مدت کے لئے میرے پاس سے دور ہو جا۔ ابراہیم نے کہا تو میرا تمہیں سلام ہے۔ میں تمہارے لئے اپنے رب سے مغفرت کی دعا کروں گا کیونکہ وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے۔ اور میں نے تمہیں بھی چھوڑا اور تمہارے ان معبودوں کو بھی جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو اور میں تو اپنے ہی رب کی

عبادت کروں گا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا۔

رَاغِبٌ: رغبت کرنے والا، منہ پھیرنے والا، رَغْبَۃٌ سے اسم فاعل،

اَرْجُمَنَّکَ: میں تجھے ضرور سنگسار کروں گا، رَجْمٌ سے مضارع،

مَلِیًّا: مدت، عرصہ،

حفِیّاً: بڑا مہربان، بحث کرنے والا، حَفَاوَۃٌ سے صفت مشبہ،

اعتزلکم: میں تم سے کنارہ کرتا ہوں، اِعْتِزَالٌ سے مضارع،

تشریح: حضرت ابراہیمؑ کے باپ نے اپنے کفر و جہالت کی وجہ سے نہایت درشتی، بد خلقی اور سخت کلامی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے نفرت کرتا ہے اس لئے ان کی مذمت کر رہا ہے۔ اگر تو میرے معبودوں کو برا کہنے سے باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور سنگسار کردوں گا۔ تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دور ہو جا۔ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ اچھا اللہ تعالیٰ تجھے ظاہری و باطنی آفتوں سے سلامتی عطا فرمائے میں اب جاتا ہوں اور تجھ سے رخصت ہوتا ہوں۔ البتہ میں تیرے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگتا رہوں گا۔ بے شک وہ مجھ پر بہت ہی مہربان ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے رہے۔ جب اس کا خاتمہ کفر پر ہو گیا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ میں اپنے دین کو لے کر تم سب عزیز و اقارب اور اہل وطن سے علیحدہ ہو کر اور ان بتوں کو جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، چھوڑ کر ملک شام کی طرف ہجرت کرتا ہوں۔ میں وہاں اپنے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا جو مجھے دیکھتا ہے اور میری دعا کو سنتا ہے۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کی عبادت کر کے محروم نہ رہوں گا، جس طرح تم اپنے معبودوں کی پوجا کر کے محروم اور ناکام رہتے ہو۔

(مظہری ۹۹،۱۰۰/۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت

۴۹-۵۰۔ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ○ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَ
جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ○

پھر جب ابراہیمؑ نے ان کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے تو ہم نے ان کو اسحٰق اور یعقوب عطا کیا اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (بہت کچھ) عطا کیا اور ان کا ذکر خیر بلند کیا۔

تشریح : جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے عزیز و اقارب اور اہل وطن اور ان بتوں کو چھوڑ کر جن کو وہ پوجتے تھے، ملک شام ہجرت کر گئے اور ان سے اپنی برأت اور علیحدگی کا اعلان کر دیا تو ہم نے ان کو کنبہ قبیلہ اور عزیز و اقارب چھوڑنے کے صلے میں اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا فرمایا۔ پھر ان دونوں کو ہم نے نبوت عطا کی۔ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور تینوں کو اپنی رحمت اور برکت سے خاص حصہ دیا اور دنیا میں ان کا نام بلند کیا کہ ہر ایک ان کو خیر اور بھلائی کے ساتھ یاد کرتا ہے اور تمام اہل ملت و دین ان کی مدح و ثنا کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

۵۱-۵۳۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا
نَّبِيًّا ○ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ○
وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ○

اور اس کتاب میں آپ موسیٰ کا ذکر کیجئے۔ بلاشبہ وہ اللہ کے خاص کئے

ہوئے (بندے) تھے اور وہ رسول بھی تھے نبی بھی تھے اور ہم نے ان کو کوہ طور کے دائیں جانب سے پکارا اور راز کی باتیں کرنے کے لئے ان کو نزدیک کیا اور ہم نے اپنی رحمت سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر انہیں عطا کیا۔

تشریح: یہ چوتھا قصہ ہے جس میں حضرت موسیٰ کی پانچ صفتیں مذکور ہیں۔

۱۔ وہ اللہ کے منتخب اور برگزیدہ بندے تھے۔ ۲۔ رسول اور نبی تھے۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام فرمایا۔ ۴۔ ان کو اپنا مقرب بنایا۔ ۵۔ ان کی فرمائش سے ان کے بھائی ہارون کو نبی بنایا۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو حضرت موسیٰ کا قصہ پڑھ کر سنائیے۔ بلاشبہ حضرت موسیٰ خالص اللہ کے لئے منتخب ہوئے تھے۔ وہ اللہ کے فرستادہ اور مخلوق کو احکام خداوندی سے آگاہ کرنے والے تھے۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک "نبی" کا لفظ عام ہے اور "رسول" خاص ہے۔ رسول وہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خاص امتیاز حاصل ہو مثلاً کوئی مستقل کتاب یا کوئی مستقل شریعت عطا ہوئی ہو۔ وغیرہ۔ نبی وہ ہے جو اللہ کی طرف سے خبر دے گو اس کے ساتھ کوئی مستقل کتاب یا مستقل شریعت نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت موسیٰ کو مبارک پہاڑ طور کی دائیں جانب سے آواز دی اور ان کو راز کی باتیں سنانے کے لئے اپنے قریب کر لیا۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ آگ کی تلاش میں تھے اور دور سے آگ دیکھ کر کوہ طور کی طرف بڑھے تھے، ہم نے حضرت موسیٰ پر ایک مہربانی یہ بھی کی تھی کہ ہم نے ان کے بھائی حضرت ہارون کو بھی نبی بنا کر ان کی مدد کے لئے ان کے ساتھ کر دیا۔

(ابن کثیر ۱۲۴، ۱۲۵/ ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۰۳، ۵۰۴/ ۴)

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ

۵۴۔۵۵۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلاً نَّبِيًّا ○ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ○

اور اس کتاب میں آپ اسمٰعیل کا بھی ذکر کیجئے۔ بیشک وہ وعدے کے سچے تھے اور وہ رسول بھی تھے اور نبی بھی تھے۔ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے نزدیک بہت پسندیدہ تھے۔

تشریح: یہاں حضرت اسمٰعیل کا وعدے کا سچا ہونا ایک خاص امتیاز کے طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ سے یا کسی بندے سے جس چیز کا بھی وعدہ کیا اس کو نہایت اہتمام اور مضبوطی سے پورا کیا۔ انہوں نے اپنے والد حضرت ابراہیمؑ کے خواب کے بعد اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ذبح کرنے کے لئے پیش کر دیں گے اور اس پر صبر کریں گے۔ وہ اس وعدے میں پورے اترے۔ ایک شخص نے ان سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا۔ حسب وعدہ حضرت اسمٰعیلؑ وہاں پہنچ گئے۔ لیکن وہ شخص نہیں آیا آپ اس کے انتظار میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ پورا ایک دن رات گزر گیا۔ پھر جب اس شخص کو یاد آیا تو اس نے آکر دیکھا کہ آپ اس کے انتظار میں وہیں کھڑے ہیں۔ اس نے معذرت کی اور کہا کہ میں بھول گیا تھا۔

پس حضرت اسمٰعیلؑ ہر حق ادا کرتے تھے اور ہر وعدہ پورا کرتے تھے کیونکہ وعدہ خلافی بہت بری چیز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا اور امانت میں خیانت کرنا۔ مومن ان آفتوں سے بچتے رہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ حضرت اسمٰعیل خصوصیت کے ساتھ اپنے گھر والوں کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے ہاں برگزیدہ اور نہایت پسندیدہ تھے۔

(روح المعانی ۱۰۴/ ۱۶،۱ابن کثیر ۱۲۵، ۱۲۶/ ۳)

حضرت ادریس علیہ السلام کا واقعہ

۵۶۔۵۷۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ○
وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○

اور اس کتاب میں آپ ادریس کا بھی ذکر کیجئے۔ بیشک وہ بڑے سچے (اور) نبی تھے۔ اور ہم نے ان کو بلند مقام پر پہنچایا۔

تشریح : یہ حضرت آدم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت نوح علیہ السلام کے جدامجد تھے۔ آپ کا اصل نام اخنوخ اور ادریس لقب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد سب سے پہلے آپ ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آپ درزی کا کام کرتے تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے کپڑا سیا اور پہنا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ادریس قلم سے لکھنے، کپڑا سینے اور سیا ہوا کپڑا پہننے کے موجد ہیں۔ آپ سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالوں کو لباس کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے ہتھیار بنائے اور کافروں سے جنگ کی۔ کتاب، قلم، ترازو اور پیمانہ بھی آپ ہی کی ایجاد ہیں۔ علم نجوم اور حساب کے بھی آپ ہی موجد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس قرآن میں سے لوگوں کو حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر پڑھ کر سنائیے۔ بلاشبہ وہ بڑے سچے اور سر تا پا صدق تھے۔ وہ نبی تھے۔ اللہ نے ان پر تیس صحیفے نازل فرمائے تھے۔ ہم نے ان کو نبوت و رسالت اور قرب و معرفتِ الٰہی کا خاص مقام عطا فرمایا۔ بعض مفسرین کے نزدیک مکانا علیا سے مراد حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان پر اٹھالینا ہے۔

(مظہری ۱۰۲، ۶، روح المعانی ۱۰۵، ۱۶)

انعام یافتہ انبیا

۵۸- اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۙ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۩

آدم کی نسل میں سے یہ وہ انبیا ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور یہ ان (لوگوں کی نسل) میں سے ہیں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل (یعقوب) کی نسل سے ہیں اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کو ہم نے ہدایت فرمائی اور برگزیدہ کیا۔ جب ان کے سامنے اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے تھے۔

تشریح: جن انبیا کا ذکر اس سورت میں ہے یا اس سے پہلے ہو چکا ہے یا بعد میں ہوگا وہ سب وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص انعام فرمایا۔ ان انبیاؑ میں بعض حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں جیسے ادریس علیہ السلام، بعض ان لوگوں کی نسل سے ہیں جن کو ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام جو سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں اور سام بن نوح کشتی میں سوار تھے۔ ان میں سے بعض حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں جیسے اسمٰعیل، اسحٰق اور یعقوب علیہم السلام اور بعض اسرائیل یعنی حضرت یعقوبؑ کی نسل سے ہیں۔ جیسے موسیٰ و ہارون و زکریا و یحییٰ علیہم السلام۔ یہ سب وہ لوگ تھے جن کو ہم نے ہدایت دی اور منصبِ نبوت کے لئے منتخب کیا۔ یہ ایسے برگزیدہ بندے تھے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو وہ خوف و خشیت اور شوق و محبت سے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے زمین پر گر جاتے تھے۔

(روح المعانی ۱۰۷، ۱۶/۱۰۸، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۴/۵۰۷)

اہلِ سعادت واہلِ شقاوت کا انجام

۵۹-۶۳۔ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا
الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صٰلِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝ جَنّٰتِ
عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ
مَاْتِيًّا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا
بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ
تَقِيًّا ۝

پھر ان کی جگہ ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی پھر ان کی گمراہی بھی بہت جلد ان کے آگے آئے گی۔ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کئے سو یہی وہ لوگ ہیں جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے۔ وہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے غائبانہ وعدہ فرمایا ہے۔ بیشک اس کا وعدہ ہو کر رہے گا۔ وہ لوگ اس (بہشت) میں سلام کے سوا کوئی بیہودہ بات نہ سنیں گے اور وہاں صبح و شام ان کو ان کا رزق ملے گا۔ یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اس کو بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔

غَيًّا : گمراہی، عذاب، ہلاکت، یہاں عذاب مراد ہے۔

مَاْتِيًّا : لایا ہوا، حتمی، یقینی، اِتْيَانٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: انبیا علیہم السلام حدود خداوندی کے محافظ اور نیک اعمال کے نمونے تھے۔ ان

کے تذکرے کے بعد اب بدعمالوں کا ذکر ہے کہ ان انبیا کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نماز جیسے فریضے کو بھی ضائع کر دیا اور ناجائز نفسانی خواہشوں کے پیچھے لگ گئے۔ سو بہت جلد قیامت کے دن، ایسے لوگ سخت خسارے میں رہیں گے یہاں نماز ضائع کرنے سے مراد یا تو اسے بالکل ترک کر دینا ہے یا نماز ترک کرنے سے مراد نماز کے وقتوں کی صحیح طور پر پابندی نہ کرنا ہے کیونکہ نماز کا انکار تو کفر ہے۔

البتہ جن لوگوں نے توبہ کر لی اور کفر چھوڑ کر ایمان لے آئے اور نیک کام کرنے لگے۔ تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی بالکل حق تلفی نہیں کی جائے گی بلکہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ دائمی باغ ایسے ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے ان سے غائبانہ وعدہ کر رکھا ہے۔ بیشک وہ لوگ وہاں ضرور پہنچائے جائیں گے اور وہ اسے ضرور پائیں گے جس کا اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ وہ لوگ ان باغوں میں سلام کے سوا کوئی فضول اور خراب بات نہیں سنیں گے وہاں ان کو کشادگی کے ساتھ صبح و شام ہر طرح کا کھانا ملا کرے گا۔ جن جنتوں کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ ہم اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو ان کا وارث بنائیں گے جو متقی اور پرہیزگار ہوں گے۔

(ابن کثیر ۳/ ۱۲۰۔ ۱۳۰، مظہری ۶/ ۱۰۴۔ ۱۰۶)

نزولِ جبرائیل، حکم الٰہی کے تابع ہونا

۶۴-۶۵- وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلاَّ بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَابَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وما بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَاكَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ○ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ○

(فرشتوں نے کہا) اور ہم آپ کے رب کے حکم کے بغیر اتر کر نہیں آتے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے۔ اور جو کچھ اس کے درمیان ہے وہ سب اسی (اللہ) کا ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں، وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور ان چیزوں کا بھی جو ان

کے درمیان میں ہیں۔ سو اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی کی عبادت پر
قائم رہو۔ کیا تمہارے علم میں اس جیسا کوئی اور ہے۔

اصْطَبِرْ : تو صبر کر، تو قائم رہ، اِصْطِبَارٌ سے امر،

سَوِیًّا : سیدھا، درست، بالکل ٹھیک ٹھاک، سَوَاءٌ سے صفت مشبہ،

شانِ نزول: روایت کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے متعلق سوال کیا گیا تو جبرائیل (علیہ السلام) کچھ عرصے تک آپ کے پاس نہیں آئے۔ اس لئے آپ کو فکر لاحق ہوئی کہ ان سوالات کا جواب کیسے دیا جائے اور اس صورت حال پر آپ غمگین ہو گئے اور مشرکین بھی کہنے لگے کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ پھر جب جبرائیل (علیہ السلام) آئے تو آپ نے فرمایا کہ اے جبرائیل تم آئے نہیں اور مجھ پر یہ عرصہ بھاری گزرا۔ جبرائیلؑ نے کہا کہ میں تو خود آنے کا اشتیاق رکھتا تھا لیکن میں تو حکم کا پابند ہوں۔ جب بھیجا جاتا ہے تو آجاتا ہوں، جب روک لیا جاتا ہے تو رک جاتا ہوں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اور سورۂ والضحیٰ نازل کیں۔

(روح المعانی ۱۱۳/۱۶)

تشریح: حضرت جبرائیلؑ نے کہا کہ ہمارا زمین پر اترنا اور وقتاً فوقتاً آپ کے پاس آنا اپنے اختیار اور مرضی سے نہیں بلکہ جب اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے تب ہی اترتے ہیں۔ دنیا و آخرت کے تمام امور اسی کے قبضے اور ملکیت میں ہیں۔ آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔ وہ آپ کے حال سے واقف ہے وہ جب چاہتا ہے ہمیں آپ کے پاس بھیج دیتا ہے۔ سو ہمارا آنا اور نہ آنا اسی کے علم و حکم سے ہے۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمین کے درمیان کی تمام مخلوق کا خالق و مالک اور مدبر و متصرف وہی اللہ تعالیٰ کی ذات واحد و یکتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے حکم کو ٹال سکے، لہٰذا اسی کی عبادت میں لگے رہئے اور اس پر جمے رہئے۔ کوئی اس کا ہم نام، ہم صفت اور مثیل و شبیہ نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفات میں واحد و یکتا ہے۔ اس لئے آپ اسی کی عبادت میں لگے رہئے۔

(مظہری ۱۰۷، ۱۰۸/ ۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۰، ۵۱۱/ ۴)

مرنے کے بعد زندہ ہونے پر شبہات

۶۶۔۷۲۔ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَامِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ اَوَلَا
يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ
لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝
ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝
ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا
وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ
اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝

اور انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا پھر زندہ کر کے (قبر سے باہر) نکالا جاؤں گا۔ کیا وہ انسان یاد نہیں کرتا کہ پہلے بھی ہم ہی نے اس کو پیدا کیا تھا اور وہ (اس وقت) کچھ بھی نہ تھا۔ سو (اے پیغمبر) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب کو اور شیطانوں کو ضرور جمع کریں گے۔ پھر ہم ان کو دوزخ کے گرد اس حالت میں لائیں گے کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ پھر (ان کفار کے) ہر گروہ میں سے ہم ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سب سے زیادہ اللہ سے سرکشی کرتا تھا۔ پھر ہم خوب جانتے ہیں ان لوگوں کو جو جہنم میں جانے کے زیادہ لائق ہیں اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ ہوگا جو اس (جہنم) کے اوپر سے گزرنے والا نہ ہو۔ آپ کے رب نے یہ اپنے اوپر لازم کر لیا ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔ پھر جو اللہ سے ڈرتے ہیں انہیں ہم (دوزخ سے) بچالیں گے اور ہم گنہگاروں کو اس میں اوندھے منہ گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

جثیًا : زانوؤں پر گرے ہوئے، اوندھے گرے ہوئے، واحد جاثیٌ۔

لَنَنْزِعَنَّ : ہم ضرور کھینچ لیں گے، ہم ضرور الگ کر دیں گے۔

شِيْعَةٍ : فرقہ، گروہ، جمع شِيَعٌ و اَشْيَاعٌ

عِتِيًّا : انتہائی بڑھاپا، حد سے تجاوز کرنا، بہت سرکشی کرنا، مصدر ہے۔

تشریح: منکرینِ قیامت کے نزدیک، قیامت کا آنا محال تھا۔ ان کے خیال میں موت کے بعد زندہ ہونا ناممکن تھا۔ وہ قیامت اور موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا حال سن کر تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی بن جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو کر نابود ہو جائیں گی تو پھر ہمیں دوبارہ زندہ کر کے کیسے قبروں سے نکالا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ منکرینِ حشر، یہ نہیں سوچتے کہ جس خالقِ حقیقی نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھے، وہی قادرِ مطلق ان کو دوبارہ زندہ کرے گا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ انسان پہلی پیدائش کا تو قائل ہے اور دوسری دفعہ پیدا کرنے کا انکار کرتا ہے حالانکہ جس قادر مطلق نے اس کو پہلی دفعہ پیدا کر دیا جبکہ یہ کچھ بھی نہ تھا، اس کے لئے اس کو دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے۔

پھر فرمایا کہ تیرے رب کی قسم! قیامت کے روز ہم ان منکرینِ حشر کو زندہ کر کے میدان حشر میں ضرور جمع کریں گے اور ان کے ساتھ ان شیطانوں کو بھی جمع کر دیں گے جو دنیا میں ان کو بہکایا کرتے تھے۔ پھر ہم ان کو جہنم کے سامنے لا حاضر کریں گے۔ اس وقت یہ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ہوں گے۔ جب سب جمع ہو جائیں گے تو ہم ان میں سے ان بڑے بڑے مجرموں اور سرکشوں کو الگ کر لیں گے جو دنیا میں سب سے زیادہ سرکشی کرتے تھے۔ تحقیق ہم ان لوگوں کو خوب جانتے ہیں جو دوزخ میں داخل ہونے کے زیادہ مستحق ہیں۔

تم میں سے ہر ایک خواہ مومن ہو یا کافر دوزخ کے اوپر (پل صراط) سے گزرنے والا ہے کیونکہ جنت میں جانے کا راستہ یہی ہے۔ اہل ایمان و تقویٰ اس پر سے صحیح و سالم گزر جائیں گے اور کافر سر اور گھٹنوں کے بل اس میں اوندھے جا گریں گے۔ گنہگار مسلمان بھی الجھ کر دوزخ میں گر پڑیں گے لیکن کچھ مدت کے بعد ان کو ان کے نیک اعمال اور انبیاء اور نیک لوگوں کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ آخر میں جہنم میں صرف کافر رہ جائیں گے اور پھر

دوزخ کا منہ بند کر دیا جائے گا یہ آپ کے رب کے وعدے کے مطابق ضروری ہے اور اللہ کا یہ وعدہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

(ابن کثیر ۱۳۱/ ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۱۴/ ۴)

کفار کا استہزا

۷۳-۷۵۔ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِیًّا ○ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْیًا ○ قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ○

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ دونوں فریقوں میں سے کس کا مقام (مرتبہ) بہتر اور کس کی مجلس زیادہ اچھی ہے اور ان سے پہلے ہم بہت سے ایسے گروہ ہلاک کر چکے ہیں جو سامان اور نمود میں ان سے کہیں بہتر تھے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی گمراہی میں پڑا ہوا ہے تو اللہ بھی اس کو ڈھیل دیتا چلا جا رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ اس کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ خواہ عذاب کو یا قیامت کو۔ تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس کی جگہ بری ہے اور کس کی فوج کمزور ہے۔

نَدِیًّا: مجلس، محفل،

رِءْیًا: نمود، منظر،

تشریح: جب ان کافروں کے سامنے ہماری واضح اور روشن آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں جن میں قیامت کے دلائل اور ان کافروں کے ذلت آمیز انجام کا ذکر ہوتا ہے تو وہ ان کے جواب سے عاجز آکر تمسخر و استہزا کے طور پر غریب مسلمانوں سے یہ کہتے ہیں کہ اگر بالفرض قیامت قائم بھی ہوئی تو جس طرح مال و دولت اور عزو شرف کے اعتبار سے ہم دنیا میں تم سے اچھے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی ہم تم سے اچھے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ اس بات کو نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی امتیں اور قومیں ہلاک کر چکے ہیں جو مال و دولت اور عزت و شوکت میں ان سے کہیں بڑھ کر تھیں۔ جب انہوں نے انبیا کی تکذیب کی اور ان کی شرارت و سرکشی حد سے بڑھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جو کافر اپنے مال و دولت کے نشے میں مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ حکیم و کریم ہے۔ وہ سرکشوں کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ گمراہوں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے اور ان کی رسی کو دراز کرتا رہتا ہے۔ پھر جب ان کی سرکشی حد سے تجاوز کر جاتی ہے تو یکایک ان کو دنیوی یا اخروی عذاب میں پکڑ لیتا ہے۔ اس وقت ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ عزت و منزلت والا کون ہے اور ذلیل و حقیر کون؟

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۱۸، ۵۱۹ / ۴)

مومنوں کے مراتبِ قرب میں اضافہ

۷۶۔ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ۝

اور جو راہِ راست پر ہیں، اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا رہتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں آپ کے رب کے نزدیک ثواب اور انجام کے اعتبار سے بہت ہی بہتر ہیں۔

عِنْد: نزدیک، قریب، پاس، اسم ظرف ہے۔

مَرَدًّا: لوٹا یا جانا، مراد انجام۔

تشریح: جس طرح گمراہوں کی گمراہی بڑھتی رہتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ ہدایت یافتہ لوگوں کے ایمان و یقین کو بڑھاتا رہتا ہے۔ اور ان کے مراتب قرب میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ جہاں تک اعمال صالحہ اور نیک اعتقادات کا تعلق ہے تو یہی پائیدار اور باقی رہنے والی نیکیاں ہیں۔ یہ اجر و ثواب کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں اور انجام و ثمر کے اعتبار سے بھی بہتر ہیں۔

باقیاتِ صالحات سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو مرنے کے بعد انسان کے کام آئیں گے۔

ایک حدیث میں ان کلمات سُبْحَانَ اللّٰه وَالْحَمْدُلِلّٰه وَلاَ اِلٰهَ اِلَّا للّٰه وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلاَّ بِاللّٰه، کو باقیات صالحات فرمایا گیا ہے۔

(مظہری ۱۱۵۔۱۱۶/ ۶)

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خشک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ نے اس کی شاخ پکڑ کر ہلائی تو خشک پتے جھڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو لاَ اِلٰـهَ اِلَّا للّٰه وَاللّٰهُ اَكْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰه وَالْحَمْدُلِلّٰه، کہنے سے اسی طرح گناہ جھڑ جاتے ہیں۔ اے ابو درداان (کلمات) کاورد رکھو اس سے پہلے کہ وہ وقت آئے کہ تو ان کو کہہ نہ سکے۔ یہی باقیاتِ صالحات ہیں۔ یہی جنت کے خزانے ہیں۔

(ابن کثیر ۱۳۵/ ۳)

کافروں کا بے بنیاد دعویٰ

۷۷-۸۰-اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ○
اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ○ كَلَّا ط
سَنَكْتُبُ مَايَقُولُ وَنَمُدُّلَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ○ وَنَرِثُهٗ مَا يَقُولُ

وَيَأْتِيْنَا فَرْدًا ○

بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو ہماری آیتوں کا منکر ہو گیا اور کہتا ہے کہ مجھے مال اور اولاد مل کر رہے گا۔ کیا وہ غیب پر مطلع ہو گیا یا اس نے اللہ سے کوئی عہد لے رکھا ہے۔ ہر گز نہیں جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اسے لکھتے جاتے ہیں اور اس کے لئے عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے ہم اس کے وارث ہو جائیں گے اور وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔

شانِ نزول: شیخین نے حضرت خباب بن ارت کا بیان نقل کیا ہے، حضرت خباب کہتے ہیں میں لوہار کا کام کرتا تھا۔ میں نے عاص بن وائل کا کچھ کام کیا اور میری مزدوری اس کے پاس جمع ہو گئی۔ ایک روز میں اپنی مزدوری مانگنے اس کے پاس گیا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم جب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار نہیں کرے گا میں (تیرا قرض) ادا نہیں کروں گا، میں نے کہا خوب سن لے۔ خدا کی قسم جب تو مر کر دوبارہ زندہ ہو کر اٹھے گا اس وقت تک بھی میں کفر نہیں کروں گا۔ عاص کہنے لگا کہ کیا میں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔ میں نے کہا ہاں۔ عاص نے کہا تو پھر میرے پاس وہاں مال بھی ہو گا اور اولاد بھی، میں وہیں تیرا قرض چکا دوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۱۱۶/۶)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے اس شخص یعنی عاص بن وائل کو دیکھا ہے جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور تمسخر کے طور پر کہتا ہے کہ بالفرض اگر قیامت ہوئی بھی تو مجھے وہاں بھی مال و اولاد دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ کیا اس کافر کو غیب کا علم حاصل ہو گیا کہ وہ آخرت میں مال و دولت حاصل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے یا اس نے اللہ سے کوئی عہد و قرار لے لیا ہے کہ وہ اس کو جنت میں ضرور داخل کرے گا۔ ہر گز نہیں۔ یہ سب غلط ہے وہاں اس کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہ جھوٹا اور سخت گستاخ ہے۔ ہم اس کی یہ گستاخانہ بات اس کے اعمال نامے میں ضرور لکھ لیں گے۔ اور اس گستاخی کی وجہ سے ہم اس کے لئے عذاب ضرور بڑھاتے چلے جائیں گے اور جس مال و اولاد کا وہ ذکر کرتا ہے اس روز ہم

ہی اس کے وارث ہوں گے اور قیامت کے روز وہ ہمارے پاس تنہا آئے گا۔
(مظہری ۱۱۰، ۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۲۱، ۴)

بتوں کا باعث ذلت ہونا

۸۱-۸۴۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ كَلَّا ط
سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ
اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ○ فَلَا تَعْجَلْ
عَلَيْهِمْ ط اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ○

اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا معبود بنا رکھے ہیں تاکہ وہ (اللہ کے ہاں) ان کے لئے باعث عزت ہوں۔ ہرگز نہیں۔ وہ تو بہت جلد ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور وہ ان کے مخالف ہو جائیں گے۔ (اے نبی) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے جو ان کو خوب ابھارتے رہتے ہیں۔ سو آپ ان کے لئے (عذاب کی) جلدی نہ کیجئے۔ بیشک ہم ان کی مدت گن رہے ہیں۔

ضِدًّا : مخالف، دشمن، جمع اَضْدَادٌ

تَؤُزُّهُمْ : وہ وہ (شیطانوں کی جماعت) ان کو ابھارتے ہیں۔ وہ ان کو ورغلاتے ہیں۔ ازٌّ سے مضارع۔

عَدًّا : شمار کرنا، حساب کرنا، مصدر ہے۔

تشریح : یہ نادان لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ معبود اللہ کے ہاں ان کے لئے عزت کا سبب بنیں اور ان کی شفاعت کریں۔ یہ ان کا غلط خیال ہے۔ قیامت کے روز ان کے معبود ان کی حمایت و مدد کرنے کی بجائے الٹا ان کے دشمن بن جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے لئے ذلت و رسوائی کا سبب بنیں گے۔ کیا آپ کو معلوم

نہیں کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر مسلط کر رکھا ہے وہ ہر وقت ان کافروں کو نافرمانیوں پر آمادہ کرتے رہتے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے ہیں۔ آپ ان کے لئے جلد عذاب نازل ہونے کی دعا نہ کیجئے ہم نے خود ان کو ڈھیل دے رکھی ہے تاکہ یہ اپنے گناہوں میں بڑھتے چلے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔ ان کے ایام زندگی محدود و معدود ہیں۔ ہم ان کے سال، مہینے دن اور وقت شمار کر رہے ہیں۔ مقررہ وقت پورا ہوتے ہی ان کو عذاب میں پکڑ لیا جائے گا۔

(ابن کثیر ۱۳۶، ۱۳۷/ ۳، مظہری ۱۱۷/ ۶)

کافروں کی ذلت و رسوائی

۸۵-۸۷۔ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا O وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا O لاَ يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا O

جس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمان کے پاس مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گنہگاروں کو جہنم کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ وہ شفاعت کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمٰن سے اجازت لے لی ہو۔

نَسُوْقُ : ہم پہنچاتے ہیں۔ ہم چلاتے ہیں۔ سَوْقٌ سے مضارع۔

وِرْدًا : پیاسے، واحد وَارِدٌ

تشریح: قیامت کے روز متقی اور پرہیزگار لوگوں کو اللہ کا مہمان بنا کر نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں پہنچایا جائے گا جبکہ کافروں کو نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ پیاس کی حالت میں دوزخ کی طرف ہنکایا جائے گا۔ اس روز کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا۔ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ نے شفاعت کی اجازت دی ہو۔ جیسے انبیاء صلحا، انبیا و صلحا بھی انہی لوگوں کی شفاعت کریں گے جن کے لئے اللہ کی طرف سے ان کو اجازت ہوگی جیسے گنہگار

مسلمان، کافروں کے لئے کسی کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی۔

(مظہری ۱۱۸۔۱۲۰/ ۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۲۵/ ۴)

اللہ کے لئے اولاد تجویز کرنے والوں کا انجام

۸۸-۹۵۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۞ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۞
تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَ تَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ
هَدًّا ۞ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۞ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ
يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۞ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي
الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۞ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۞ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۞

اور وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن نے بیٹا بنالیا ہے۔ بیشک تم بہت بھاری (بری) بات (زبان پر) لائے ہو۔ کچھ بعید نہیں اس (گستاخی) پر ابھی آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں، اس بات پر کہ وہ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں، اور رحمٰن کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ آسمانوں اور زمین میں ایسا کوئی نہیں جو رحمٰن کے روبرو غلام ہو کر نہ آئے۔ بیشک اللہ نے ان سب کا احاطہ کر رکھا ہے اور سب کی گنتی گن رکھی ہے اور قیامت کے دن ان میں سے ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔

اِدًّا : بھاری، بوجھل، بہت بھیانک معاملہ، ناپسندیدہ (بات)

تَكَادُ : قریب ہے، نزدیک ہے۔ كَوْدٌ سے مضارع۔

هَدًّا : کانپ کر، ٹوٹ کر، مصدر بمعنی مفعول۔

تشریح: کافر یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اولاد اختیار کر لی، جیسے یہود عزیز علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے ایسی سخت بات کہی ہے جس سے آسمان پھٹ پڑیں اور ان کہنے والوں پر گر پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور یہ لوگ اس میں دھنس جائیں اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں کیونکہ یہ اس کی شان نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ یہ اس کے تقدس اور وجود کے سراسر خلاف ہے اس لئے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اس کے آگے غلاموں کی طرح دست بستہ ہے۔ پھر اس کو بیٹے کی کیا حاجت؟ اللہ تعالیٰ نے سب کا احاطہ کر رکھا ہے۔ کوئی بھی اس کے دائرہ علم و قدرت سے باہر نہیں۔ اس نے سب کو گن رکھا ہے۔ قیامت کے دن ہر ایک اس کے پاس تنہا آئے گا۔ اس وقت نہ اس کے پاس مال ہو گا اور نہ اس کے ساتھ اولاد ہو گی اور نہ اس کے معبود اس کے کام آئیں گے۔

(حقانی ۳/ ۲۵۸، مظہری ۱۲۰-۱۲۲/ ۶)

مومنین صالحین کا حال

۹۶-۹۸۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ
وُدًّا ۝ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِیْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ
قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ
مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو اللہ ان کے لئے محبت پیدا کر دے گا۔ سو ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان پر اس لئے آسان کر دیا تاکہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری سنائیں اور جھگڑالو قوم کو خوف دلائیں۔ اور ان سے پہلے ہم بہت سے گروہ ہلاک کر چکے ہیں۔ کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا کسی کی

آہٹ سنتے ہیں۔

وُدًّا : محبت، چاہت، دوستی، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

لُدًّا : سخت جھگڑالو، مراد کفار و مشرکین، واحد الدُّ۔

رِکْزًا : کھٹکا، بھنک، پوشیدہ آواز، آہٹ،

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے لئے مومنوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دے گا اور کافروں کے دلوں میں ان کی ہیبت ڈال دے گا۔ پھر فرمایا کہ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کو ہم نے آپ کی زبان پر اس لئے آسان اور سہل کر دیا تاکہ اس کے ذریعے آپ ان لوگوں کو بشارت سنائیں جو متقی، پرہیزگار ہیں اور انہوں نے کفر و شرک سے اجتناب کیا اور نیک اعمال کئے، اور اس جھگڑالو قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیے اور ان کو بتا دیجئے کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی جھگڑالو قوموں کو ہلاک و برباد کر دیا۔ سو کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا ان کی آہٹ سنتے ہیں۔ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ کسی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ لہٰذا مشرکین مکہ اپنے انجام کو سوچ لیں اور پہلی قوموں کی تباہی و بربادی سے عبرت حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو مہلت دیتا ہے پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۶،۔ ۵۳ / ۴، مظہری ۱۲۲ / ۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ طٰہٰ

وجہ تسمیہ: سورت کی ابتداء لفظ طٰہٰ سے ہوئی ہے۔ یہ سورت اسی لفظ سے موسوم و مشہور ہو گئی۔ اس کا ایک نام الکلیم بھی ہے۔ جیسا کہ سخاوی نے جمال القرآن میں ذکر کیا ہے۔
(روح المعانی ۱۴/۷ ۱۶)

تعارف: اس میں آٹھ رکوع، ایک سو پینتیس آیتیں، ۱۲۵۱ کلمات اور ۵۴۶۲ حروف ہیں۔

یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ نبوت کے ابتدائی دور میں جن سورتوں کا نزول ہوا، یہ سورت بھی انہی میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ مریم میں بعض انبیا کے جو واقعات ذکر کئے تھے، ان میں سے بعض تفصیل کے ساتھ تھے جیسے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے واقعات اور بعض اختصار کے ساتھ تھے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ۔

اس سورت کے شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور آخر میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصے کی کچھ تفصیل ہے۔

ابن مردویہ نے ابو امامہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت سے تمام قرآن رکھ لیا جائے گا۔ سو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ پڑھیں گے۔ سوائے سورۂ طٰہٰ و یٰسٓ۔ وہ ان دونوں سورتوں کو جنت میں پڑھیں گے۔

دارمی، ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں، طبرانی نے اوسط میں، بیہقی نے شعب الایمان میں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے

سورۂ طٰہٰ و یٰسین کو پڑھا۔ پھر جب فرشتوں نے قرآن کو سنا تو کہا کہ مبارک ہے وہ امت جس پر یہ (قرآن) نازل گا اور مبارک ہیں وہ سینے جو اس کو اٹھائیں گے اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو اس کے ساتھ گویا ہوں گی۔

دیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مرفوعاً روایت کی ہے۔

(روح المعانی ۱۴/۱۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن نازل کرنے کی حکمت، حضرت موسیٰ کا واقعہ پھر مقدس وادیٔ طویٰ میں اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہونے کا بیان ہے۔ آخر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا کے معجزے عطاء کئے جانے کا احوال ہے۔

رکوع ۲: حضرت موسیٰ کی دعا اور اس کی قبولیت اور پھر حضرت موسیٰ و ہارون کو تبلیغ دین کے لئے فرعون کی طرف جانے کا حکم اور دونوں حضرات کا اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری کی شکایت کرنا مذکور ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان سوال و جواب کا بیان ہے۔

رکوع ۳: انسان کا آغاز و انجام اور حضرت موسیٰ کا فرعون سے مناظرہ بیان کیا گیا ہے، پھر حضرت موسیٰ کا ساحروں کو خطاب، ساحروں کی مبارزت اور حضرت موسیٰ کو عصا زمین پر ڈالنے کا حکم مذکور ہے۔ اس کے بعد ساحروں کا ایمان لانا۔ فرعون کا بے بسی میں ساحروں پر غصے ہونا اور ساحروں کی استقامت کا بیان ہے۔ آخر میں فرعون کو نصیحت کی گئی ہے۔

رکوع ۴: بنی اسرائیل کا مصر سے خروج، فرعون کا بنی اسرائیل کے تعاقب میں جانا اور غرق ہونا اور بنی اسرائیل کو نصیحت کی گئی ہے۔ پھر حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر جانا، ان کے بعد سامری کا قوم کو گمراہ کرنا، مذکور ہے۔ آخر میں حضرت موسیٰ کا طور سے واپس آکر قوم پر برہم ہونے کا بیان ہے۔

رکوع۵: بنی اسرائیل کی حماقت، حضرت موسیٰ کا حضرت ہارون اور سامری سے باز پرس کرنا اور سابقہ امتوں کے واقعات سنانے کی حکمت کا بیان ہے۔ پھر حشر میں مجرموں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع۶: قیامت کے روز پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہونا اور کسی کے لئے کسی کی سفارش کام نہ آنا مذکور ہے۔ آخر میں منکرین کو ان کے کفر و شرک پر تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع۷: حضرت آدم کو بھول، شیطان کا حضرت آدم کو بہکانا اور حضرت آدم کو زمین پر اترنے کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

رکوع۸: منکرین کو تنبیہ و تہدید پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسباب عیش پر نظر نہ کرنے کی تاکید ہے۔ آخر میں کفار کی جانب سے معجزات طلب کرنے کا بیان ہے۔

حروفِ مقطعات

طٰہٰ ۞: اس کی تشریح میں مختلف اقوال ہیں۔

بعض کے نزدیک یہ حروف مقطعات ہیں۔ جن کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ اللہ کا نام ہے اور یہاں قسم کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ یعنی طٰہٰ کی قسم۔

مقاتل بن حیان نے کہا کہ طٰہٰ کے معنی ہیں کہ زمین کو اپنے دونوں قدموں سے پامال کرو یعنی تہجد کی نماز میں اپنے دونوں پاؤں زمین پر قائم رکھو۔

بزار نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب یٰٓاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلاَّ قَلِیْلاً نازل ہوئی تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات (نماز میں) کھڑے رہنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں سوج گئے۔ آپ ایک پاؤں ٹیکتے تھے تو دوسرا اٹھا لیتے تھے۔ اس پر جبرئیل اترے اور کہا طٰہٰ یعنی اے محمد اپنے دونوں پاؤں زمین پر رکھو۔ مجاہد، عطا اور ضحاک نے کہا کہ طٰہٰ کا معنی ہے۔ اے مرد۔

کلبی نے کہا کہ عکل قبیلے کے محاورے میں طٰہٰ کا ترجمہ ہے۔ اے انسان۔
(مظہری ۱۲۴،۱۲۵ : ۶)

قادرِ مطلق کا کلام

۲۔۸۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى O اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى O
تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى O اَلرَّحْمٰنُ
عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى O لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ
وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى O وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ
يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى O اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى O

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں بلکہ وہ تو ایک نصیحت ہے اس کے لئے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے (اور اس قرآن کا) اتارنا اس (ذات) کی طرف سے ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا جو رحمٰن ہے (اور) جو عرش پر قائم ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ میں ہے اور (اس کے علم کی یہ شان ہے کہ) اگر تو پکار کر بات کہے (تو اس کو تو وہ جانتا ہی ہے) بیشک وہ تو چھپی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب اچھے نام اسی کے ہیں۔

تَشْقٰى : تو مشقت اٹھائے۔ تاکہ تو مصیبت میں پڑے۔ شقاوۃٌ سے مضارع۔

اِسْتَوٰى : اس نے قصد کیا، وہ قائم ہوا۔ وہ ٹھہرا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

الثَّرٰی : گیلی مٹی، زمین کا سب سے نچلا حصہ، اسم ہے۔
تَجْھَرْ : تو جہر کرتا ہے۔ تو پکارتا ہے تو آواز بلند کرتا ہے۔ جَھْرٌ سے مضارع۔
السِّرّ : وہ خفیہ بات جو آدمی چپکے سے دوسرے سے کہہ دیتا ہے۔ جمع اَسْرَارٌ
اَخْفٰی : وہ پوشیدہ بات جو آدمی اپنے دل میں چھپائے رکھتا ہے۔ اِخْفَاءٌ سے اسم تفضیل۔

شانِ نزول: بغوی نے کلبی کا قول ذکر کیا ہے کہ مکہ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ عبادت میں زیادہ سرگرم رہنے لگے۔ نماز میں طویل قیام کی وجہ سے کبھی ایک پاؤں زمین پر ٹیکتے تو دوسرا اٹھا لیتے اور دوسرا ٹیکتے تو پہلا اٹھا لیتے تھے اور آپ رات بھر نماز میں مشغول رہتے تھے اس پر آیت ۲ نازل ہوئی۔

حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ کفار آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ "یہ شخص اپنے رب کی وجہ سے بدنصیب ہو گیا" اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔
(مظہری ۶/۱۲۵)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اور مصیبت میں پڑ جائیں بلکہ یہ تو نرم دل اور اللہ کا خوف رکھنے والوں کے لئے روحانی فیوض و برکات اور نصیحت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ یہ کسی ایسے ویسے کا نازل کیا ہوا نہیں بلکہ اس کو اس ذاتِ قادر و کامل نے نازل کیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق و رازق ہے۔ وہ بڑی رحمت والا ہے۔ اس نے تختِ حکومت پر بیٹھ کر تمام عالم کی تدبیر کی اور سب کا پورا پورا انتظام و بندوبست کیا۔

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ گیلی مٹی کے نیچے ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے۔ سب کا خالق و مالک اور رب وہی ہے اور کوئی اس کا کسی درجے میں بھی شریک نہیں۔ اس کے علم کی شان یہ ہے کہ اگر تم پکار کر کوئی بات کہو تو اس کو تو وہ سنتا ہی ہے، وہ تو چپکے سے کہی ہوئی بات کو اور اس سے بھی زیادہ پوشیدہ بات کو خوب جانتا ہے۔ وہ دل میں گزرنے والے خیالات کو بھی جانتا ہے۔ وہ ان خیالات سے بھی واقف ہے جو آئندہ دل میں گزریں گے۔ وہ سننے کے لئے کسی آواز کا محتاج نہیں۔ سو اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق

نہیں۔ تمام اچھے نام اور تمام عمدہ صفات و کمالات اسی کے لئے مخصوص ہیں۔ اس شان و صفت کی حامل کوئی اور ہستی اس کائنات میں موجود نہیں جو معبود بننے کے لائق ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

۹۔۱۰۔ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۞

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کو موسیٰ کی بات بھی پہنچی؟ جب انہوں نے۔ (مدین سے آتے ہوئے) ایک آگ دیکھی تو اپنی گھر والی سے کہا تم (یہاں) ٹھہرو۔ تحقیق میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ شاید میں اس میں سے تمہارے پاس کوئی انگارا لے آؤں یا (وہاں) آگ کے پاس مجھے کوئی رستہ بتانے والا مل جائے۔

امْكُثُوْٓا : تم ٹھہرے رہو۔ مَکْثٌ سے امر۔

اٰنَسْتُ : میں نے دیکھا۔ میں نے محسوس کیا۔ اِیْنَاسٌ سے ماضی۔

قَبَسٍ : انگارا، آگ کا شعلہ، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ حضرت موسیٰ کا واقعہ آپ کے واقعے سے ملتا جلتا ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کو دعوت و تبلیغ دین میں مشقتیں اور تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں اسی طرح آپ کو بھی تبلیغ اسلام میں مصیبتوں اور دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان مصیبتوں پر صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا اور اللہ نے فرعون اور اس کی قوم پر ان کو غلبہ عطا فرمایا، اسی طرح آپ بھی صبر و استقلال سے کام لیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو بھی ان کفار و مشرکین پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کی ظاہری شان و شوکت کو خاک میں ملا دے گا۔

(عثمانی ۸ / ۲)

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مدت کو پورا کر چکے تھے جو ان کے اور ان کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان طے ہوئی تھی اور حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کو لے کر مدین سے اپنے وطن مصر جا رہے تھے۔ سردی کی رات تھی، راستہ بھول گئے تھے، پہاڑوں کی گھاٹیوں کے درمیان تھے، اندھیرا تھا اور ابر چھایا ہوا تھا۔ چقماق سے آگ نکالنا چاہی مگر نہ نکلی۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دور دائیں جانب کوہ طور کی طرف کچھ آگ دکھائی دی اور اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ اس طرف آگ سی نظر آ رہی ہے، میں وہاں سے کچھ انگارے لے کر آتا ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہاں کوئی راستہ بتانے والا مل جائے۔
(ابن کثیر ۳/۱۴۳)

اللہ تعالیٰ کا خطاب

۱۱۔۱۶۔ فَلَمَّآ اَتٰـهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیؕ O اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی O وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی O اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ O اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰی O فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰی O

پھر جب وہ اس کے پاس آئے تو آواز آئی اے موسیٰ، بیشک میں ہی تیرا پروردگار ہوں، سو تو اپنی جوتیاں اتار دے بیشک تو مقدس وادی طویٰ میں ہے، اور میں نے تجھے (نبی بنانے کے لئے) منتخب کر لیا ہے سو (اب) جو وحی کی جا رہی ہے اس کو (غور سے) سنو۔ بیشک میں ہی اللہ ہوں۔ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو۔ تحقیق قیامت آنے والی

ہے جسے میں پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ پس ایسا نہ ہو کہ جو شخص اس (قیامت) کا یقین نہیں رکھتا اور وہ اپنی خواہش پر چلتا ہے وہ تم کو اس (راہِ حق) سے نہ روک دے پھر تم (بھی) ہلاک ہو جاؤ۔

نَعْلَیْكَ : اپنے دونوں جوتوں کو، جمع نعال،

اَلْوَادِیْ : وادی، میدان، مراد مقدس وادیٔ طویٰ جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو شرف ہمکلامی بخشا،

اِخْتَرْتُكَ : میں نے تجھ کو منتخب کر لیا، میں نے تجھ کو پسند کر لیا، اِخْتِیَارٌ سے ماضی،

اَكَادُ : میں چاہتا ہوں، میں ارادہ کرتا ہوں، کَوْدٌ سے مضارع،

تَرْدٰی : تو تباہ ہو جائے، تو ہلاک ہو جائے، رَدٰی سے مضارع،

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس پاک جگہ پہنچے تو دیکھا کہ ایک درخت میں خوب زور شور سے آگ لگی ہوئی ہے۔ جس قدر زور سے آگ بھڑکتی ہے وہ درخت اسی قدر زیادہ سرسبز ہو کر لہلہاتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے درخت کے قریب جانے کا قصد کیا تاکہ جب درخت کی کوئی شاخ جل کر نیچے گرے تو اس کو اٹھالیں لیکن جتنا وہ آگ کے نزدیک ہوتے آگ اتنی ہی دور ہٹتی جاتی اور جب گھبرا کر آگ سے دور ہٹنے لگتے تو آگ قریب آ جاتی۔ دراصل وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ تو نورِ الٰہی کی تجلی تھی۔ (عثمانی ۷۹ ۲)

اسی حیرت و دہشت کی حالت میں آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں تیرا رب ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دے کیونکہ تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے ہم نے نبوت و رسالت اور شرف مکالمے کے لئے تمام جہان میں سے تجھے منتخب کر لیا ہے لہٰذا اب جو احکام بیان کئے جائیں گے انہیں خوب توجہ سے سنو۔

جوتیاں اتارنے کا حکم یا تو ادب کے لئے دیا گیا یا بعض کے خیال میں اس لئے دیا گیا کہ ان میں نجاست لگی ہوئی تھی یا وہ گدھے کے کچے چمڑے سے بنی ہوئی تھیں۔

پھر فرمایا کہ اب جو کچھ وحی کی جاتی ہے اس کو خوب توجہ اور دھیان سے سنو کہ میں

ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو۔ یہاں عبادت سے مراد عام عبادت ہے مثلاً دعا ہو، حاجات میں اللہ کو پکارنا ہو، مدد مانگنا ہو، زکوٰۃ و خیرات ادا کرنا ہو، ذکر ہو، مراقبہ ہو یہ سب عبادت میں داخل ہیں۔ نیز فرمایا کہ میری ہی یاد کے لئے نماز قائم کرنا۔ جو میری یاد کا بہتر اور افضل ترین طریقہ ہے۔

ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔

شیخین نے صحیحین میں بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کو کونسا عمل سب سے زیادہ پیارا ہے۔ آپ نے فرمایا نماز۔

پھر فرمایا کہ قیامت اپنے مقررہ وقت پر ضرور قائم ہونے والی ہے، اس دن عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کو ان کی عبادت اور اطاعت کا اجر و ثواب ملے گا۔ میں اس وقت کو مخفی رکھنا چاہتا ہوں۔ پس روئے زمین پر کوئی ایسا نہیں جسے قیامت قائم ہونے کا مقررہ وقت معلوم ہو، سو وہ اچانک آ جائے گی، اس کے آنے کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جو شخص قیامت کو نہیں مانتا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے وہ تمہیں بھی قیامت پر ایمان لانے اور نماز قائم کرنے سے روک دے، اے موسیٰ! اگر تم کافروں کے کہنے میں آ گئے تو آخرت میں تم بھی ان کی طرح تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو مر گیا اس کی قیامت قائم ہو گئی۔ موت قیامت صغریٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وقت بھی پوشیدہ رکھا ہے۔

(حقانی ۲۶۱، ۲۶۲ / ۳، ابن کثیر ۱۴۳، ۱۴۴ / ۳، مظہری ۱۲۹، ۱۳۳ / ۶)

حضرت موسیٰؑ کو لاٹھی کا معجزہ عطا ہونا

۱۷۔۲۱۔ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝ قَالَ

اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ○ فَاَلْقٰـهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّـةٌ تَسْعٰى ○ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ وقفہ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ○

اور اے موسیٰ! تمہارے دائیں ہاتھ میں یہ کیا چیز ہے۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا یہ میرا عصا ہے، میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے واسطے پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لئے اس میں اور بھی فائدے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا اے موسیٰ! اس لاٹھی کو زمین پر ڈال دو، سو موسیٰ نے اس کو (زمین پر) ڈال دیا تو فوراً ہی وہ (اللہ کی قدرت سے) ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گئی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کو پکڑ لو اور ذرو نہیں، ہم اس کو ابھی پہلی حالت پر کر دیں گے۔

اَتَوَكَّؤُا : میں ٹیک لگاتا ہوں۔ تَوَكُّوءٌ سے مضارع۔

اَهُشُّ : میں پتے جھاڑتا ہوں۔ هَشٌّ سے مضارع۔

غَنَمِیْ : میری بکریاں۔

مَاٰرِبُ : فائدے، کام، ضرورتیں، واحد مَاْرَبَةٌ

حَيَّةٌ : سانپ، اژدھا، جمع حَيَّاةٌ۔

سِيْرَتَهَا : اس کی سیرت، اس کی چال، اس کی حالت،

تشریح: یہاں سے منصب رسالت کی تمہید شروع ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کے پاس بھیجنے سے پہلے ان سے لاٹھی کے بارے میں سوال کیا جو اس وقت ان کے دائیں ہاتھ میں تھی تاکہ وہ اپنی لاٹھی کی حقیقت اور منافع کو خوب سمجھ لیں اور اس کو دیکھ بھال لیں اور ان کو اس کے لاٹھی ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے اور جو معجزہ ان کو عطا ہونے والا ہے وہ پوری طرح واضح اور مستحکم ہو جائے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ میری وہی لاٹھی ہے جسے میں ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہوں، اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں، دشمن اور موذی جانوروں کو دفع کرتا ہوں اور اس سے دوسرے بہت سے کام لیتا ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو لاٹھی کا لکڑی ہونا جتا کر اور ان کو خوب ہوشیار کر کے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو۔ جونہی حضرت موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی زمین پر ڈالی، اللہ کے حکم سے پہلے وہ سانپ بنی، پھر اژدہا بن کر تیزی سے ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ چونکہ ابھی تک حضرت موسیٰؑ پر حقیقت حال منکشف نہیں ہوئی تھی اس لئے وہ اس ہولناک منظر کو دیکھ کر خوفزدہ ہوگئے۔ حضرت موسیٰ کا یہ خوف طبعی اور بشری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں، اس کو ہاتھ میں پکڑلو، ہم اس کو فوراً اس کی پہلی حالت پر کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اژدہے کو پکڑا تو فوراً لاٹھی بن گئی۔

(عثمانی ۸۰ / ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۸، ۳۳۹ / ۴)

یدِ بیضا کا معجزہ

۲۲، ۲۴۔ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰى ۝ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى ۝ اذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝

اور تم اپنا ہاتھ اپنی بغل میں دبالو۔ وہ کسی عیب یا مرض کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ دوسرا معجزہ ہے تاکہ ہم اپنی (قدرت کی) بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں تمہیں دکھائیں۔ اب (یہ نشانیاں لے کر) تم فرعون کے پاس جاؤ۔ بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے۔

اُضْمُمْ : تو دبالے۔ تو ملالے۔ ضَمٌّ سے امر۔

جناحِكَ : تیرا بازو، تیرا ہاتھ تیرا پہلو، جمع اَجْنِحَةٌ

سُوْٓءٍ : برائی، گناہ، آفت،

تشریح: اے موسیٰ اپنے دائیں ہاتھ کو اپنی بائیں بغل میں ڈال کر نکال لو۔ ایسا کرنے سے آپ کا ہاتھ کسی خرابی اور عیب کے بغیر نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا۔ چنانچہ جب

حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو وہ نہایت چمکتا ہوا اور روشن تھا۔ اور یہ چمک اور سفیدی کسی مرض یا عیب کی بنا پر نہ تھی جیسے برص کے مرض سے بدن پر سفید داغ پڑ جاتے ہیں بلکہ یہ معجزۂ عصا کے علاوہ آپ کی نبوت و رسالت کی ایک اور نشانی تھی۔

پھر فرمایا کہ یہ سب اس لئے ہے تاکہ ہم آپ کو اپنی قدرت کی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دکھادیں۔ سو اب تم یہ دونوں معجزے لے کر فرعون کے پاس جاؤ، جو نافرمانی اور سرکشی میں حد سے بڑھ چکا ہے۔ وہ دنیا پر فریفتہ ہو کر آخرت کو فراموش کر بیٹھا ہے اور اپنے خالق کو بھول گیا ہے۔ سو تم اس کو سمجھاؤ اور اللہ کی عبادت کی دعوت دو، میری نعمتیں یاد دلاؤ، میرے عذاب سے ڈراؤ اور اس سے کہو وہ کسی کو اللہ کا شریک نہ بنائے، بنی اسرائیل کے ساتھ حسن سلوک کرے، انہیں تکلیف و ایذا نہ دے۔ اگر وہ تمہاری نبوت و رسالت میں شبہ کرے تو اس کو یہ دونوں معجزے دکھاؤ۔ (مظہری ۱۳۵/۶، ابن کثیر ۱۴۵، ۱۴۶/۳)

حضرت موسیٰ کی دعا

۲۵۔۳۵۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ○ وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ ○ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ○ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ○ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ○ هٰرُوْنَ اَخِی ○ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ○ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ○ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ○ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ○ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ○

حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرے لئے میرا کام آسان فرمادے اور میری زبان سے گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں اور میرے کنبے میں سے کسی کو میرا وزیر بھی بنا دے، ہارونؑ کو جو میرا بھائی ہے، اس سے میری کمر مضبوط (میری قوت مستحکم) کردے اور اس کو میرے کام میں شریک کردے

تاکہ ہم تیری تسبیح کثرت سے کیا کریں اور تجھ کو کثرت سے یاد کیا کریں۔ بیشک تو ہمیں خوب دیکھتا ہے۔

عُقْدَةً : عقدہ، گرہ، بندش۔

اشْدُدْ : تو سخت کردے۔ شِدَّةٌ وشَدٌّ سے امر۔

اَزْرِیْ : میری قوت، میری کمر۔

وَزِیْرٌ : یہ وِزْرٌ سے مشتق ہے جس کے معنی بوجھ کے ہیں۔ بادشاہ کی طرف سے وزیر پر بھی بارِ حکومت ہوتا ہے۔ یا یہ وَزَرٌ سے مشتق ہے جو پہاڑی پناہ گاہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بادشاہ بھی وزیر کی رائے سے مدد لیتا ہے اور اپنی حکومت کے معاملات میں اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ موازرت (باب مفاعلۃ) باہم مدد کرنا بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ بعض اہلِ لغت کہتے ہیں کہ وزیر اصل میں اَزِیْر تھا جو اَزْرٌ سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اَزْرٌ کے معنی قوت کے ہیں۔ اَزِیْر قوی بمعنی مآزِرٌ ہے۔ اَزِیْر کے ہمزہ کو واؤ سے بدل دیا گیا۔ (مظہری ۶/۱۳۶)

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی کے بعد نبوت و رسالت سے بھی سرفراز فرما دیئے گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے چار چیزیں طلب کیں۔

۱۔ اِشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ : میرے سینے کو کھول دے تاکہ میں اس بوجھ کو اٹھا سکوں اور تیرے حکم کی تبلیغ اور دعوت بے خوفی سے کر سکوں۔ دعا کا یہ حصہ باطنی اصلاح سے متعلق ہے۔ انبیا علیہم السلام کو لوگوں کی اصلاح کے کام میں طرح طرح کی سختیاں اور تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ وہ لوگوں کو احکامِ خداوندی کی تعلیم اور اخلاقِ حمیدہ کی ترغیب دیتے ہیں اور دنیا کی دلفریبیوں سے لوگوں کو نفرت دلاتے ہیں۔ یہ سب باتیں اس وقت ہوتی ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کے دل کو کھول دے اور اس سے ظلمت کے حجابات اٹھا دے جو اس کی بستگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی کو شرح صدر کہتے ہیں۔ وَیَسِّرْلِیْٓ اَمْرِیْ (اور میرے کام کو آسان کر دے) اسی کی تشریح ہے یعنی میرے کام میں ایسی سہولت پیدا کر دے اور مجھے ایسی توفیق دیدے کہ میں تبلیغ رسالت کر سکوں اور فرض کی ادائیگی میں مجھے کوئی دشواری اور بار محسوس نہ ہو بلکہ فرض کی ادائیگی میں

جو تکالیف اور دشواریاں پیش آئیں ان کو برداشت کرنے میں مجھے لذت محسوس ہونے لگے۔

۲۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي : اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ وہ میری بات سمجھ لیں۔ یہ ظاہری اصلاح کی دعا تھی۔ حضرت موسیٰ کی زبان میں لکنت تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ پیدائشی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ لڑکپن میں جب انہوں نے فرعون کو لکڑی مار دی تھی یا اس کی ڈاڑھی نوچ لی تھی تو اس نے ان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس وقت اس کی بیوی آسیا نے کہا تھا کہ یہ نادان بچہ ہے، اس نے نادانی میں یہ حرکت کی فرعون نے امتحان کے لئے ایک طرف انگارے اور ایک طرف یاقوت رکھدیئے۔ حضرت موسیٰ نے انگارا اٹھا کر منہ میں ڈال لیا، جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس میں لکنت پیدا ہو گئی۔

۳۔ وَاجْعَل لِّي وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِي O هٰرُوْنَ اَخِي : اور میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا مددگار بنادے جو میرا بوجھ اٹھا سکے اور میرا شریک کار ہو کر میری مدد کر سکے۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ سے بڑے اور فصیح اللسان تھے۔ اس وقت ان کے سوا کوئی اس منصب کا اہل نہ تھا۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ اپنے بھائی کو وزیر بنانے کی درخواست کی۔

۴۔ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِي : اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے یعنی نبوت اور تبلیغ رسالت میں ہارون کو میرا ساتھی بنادے تاکہ ہم کثرت سے تیری تسبیح کریں اور کثرت ہی سے تیرا ذکر کریں بلاشبہ تو ہمارے احوال سے خوب واقف ہے۔

(حقانی ۲۶۳/۳، مظہری ۱۳۵۔۷/۱۳/۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۴۱، ۵۴۲/۴)

دعا کی قبولیت

۳۶۔۴۱۔ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى O وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى O اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى O اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ

عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ۝ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤی اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۫ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوْسٰی ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ! تمہاری درخواست منظور کی گئی اور بیشک ہم تو ایک دفعہ اور بھی تم پر احسان کر چکے ہیں۔ جب کہ ہم نے تمہاری ماں کو الہام سے وہ بات بتائی جو الہام سے بتانے کی تھی، وہ یہ کہ اس (موسیٰ) کو صندوق میں بند کر کے دریا میں چھوڑ دے۔ پھر دریا اس کو کنارے تک لے آئے گا (جہاں) اس کو میرا اور اس کا دشمن پکڑ لے گا اور میں نے اپنی طرف سے تجھ پر (ایک ایسی) محبت ڈالدی (کہ جو دیکھتا تجھے پیار کرنے لگتا) اور تاکہ تو میرے سامنے پرورش پائے۔ جبکہ تمہاری بہن چل رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ تم کہو تو میں تمہیں ایسی انا بتاؤں جو اس کی اچھی طرح کفالت کرے۔ پھر (اے موسیٰ! اس طرح) ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچادیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غم نہ کھائے اور تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا پھر ہم نے تمہیں اس غم سے نجات دی اور ہم نے تمہیں خوب آزمایا۔ پھر تم برسوں اہل مدین میں رہے۔ اے موسیٰ پھر تم ایک خاص وقت پر (یہاں) آئے۔ اور میں نے تمہیں خاص اپنے لئے منتخب کیا۔

اِقْذِفِیْهِ : تو اس کو پھینک دے، تو اس کو ڈالدے۔ "قَذْف" سے امر،

التَّابُوْتِ : صندوق۔

الْیَمِّ : دریا، سمندر، گہرا پانی، جمع "یُمُوْم"

اَدُلُّکُمْ : میں تمہیں پتا بتاؤں، میں تمہیں بتاؤں، **دَلَالَۃٌ** سے مضارع۔

تَقَرَّ : وہ قرار پکڑے، وہ ٹھنڈی رہے۔ **قُرَّۃٌ** و **قُرُوْرٌ** سے مضارع۔

قَدَرٍ : اللہ تعالیٰ کا حکم، اندازہ، مقدار۔

تشریح: حضرت موسیٰؑ نے اپنی دعا میں جو چار چیزیں مانگی تھیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم نے تمہاری درخواست منظو کرلی اور جو کچھ تم نے مانگا وہ تمہیں عطا کیا۔ اس سے پہلے بھی ہم بار بار آپ پر احسان کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں آٹھ احسان ذکر فرمائے ہیں۔

۱۔ ہم نے تیرے بچپن کے وقت تیری ماں کی طرف وحی بھیجی (وحیٔ الہام مراد ہے، وحی نبوت مراد نہیں) جس کا ذکر اب تم سے ہو رہا ہے۔ تم اس وقت دودھ پیتے بچے تھے۔ تمہاری والدہ کو فرعون کا کھٹکا تھا کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر دیتا تھا سو ہم نے وحی کے ذریعے اس کو بتا دیا کہ تم ایک صندوق بنالو پھر بچے کو دودھ پلا کر اس صندوق میں لٹا دو اور صندوق کو دریائے نیل میں چھوڑ دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور صندوق بہتا ہوا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔ اس وقت فرعون اپنی بیوی آسیا کے ساتھ دریا کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ جب اس کی نظر صندوق پر پڑی تو اس نے اس کو دریا سے نکلوا کر کھلوایا اور ان کو اس میں ایک خوبصورت لڑکا لیٹا ہوا ملا۔ فرعون اور اس کی بیوی کو اس سے محبت ہو گئی چنانچہ انہوں نے اس کو بیٹا بنا کر پالا۔

۲۔ اور اے موسیٰ! میں نے تجھ پر ایک احسان یہ کیا کہ میں نے اپنی طرف سے لوگوں کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی یا یہ مطلب کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈال دی یعنی تجھے محبوب بنالیا۔ ظاہر ہے جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنا محبوب بنالیا تو لوگوں کے دلوں میں بھی ان کی محبت پیدا ہو گئی۔

حضرت ابن عباس نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ میں نے اس سے محبت کی سو مخلوق کی نظر میں بھی اس کو محبوب بنا دیا۔ عکرمہ نے کہا کہ جو بھی اس بچے کو دیکھتا تھا پیار کرنے لگتا

تھا۔ قتادہ نے کہا موسیٰ کی آنکھوں میں عجیب ملاحت تھی۔ جو بھی دیکھتا فریفتہ ہو جاتا۔

۳۔ تیسرا احسان یہ کہ تم میری نگرانی اور نگہبانی میں پرورش پاؤ۔

۴۔ چوتھا احسان یہ کہ جب تیری بہن مریم بنت عمران تیری تلاش میں جا رہی تھی اور فرعون کے گھر پہنچ کر کہہ رہی تھی کہ کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ بتاؤں جو اس بچے کی اچھی طرح دیکھ بھال کر سکے۔ اے موسیٰ! اس طرح ہم نے تمہیں ماں کی طرف لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور جدائی کا غم دور ہو۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ کی والدہ نے اللہ کے حکم سے ان کو صندوق میں لٹا کر دریا میں ڈال دیا تو وہ بمقتضائے بشریت بچے کی طرف سے رنجیدہ اور غمگین ہوئیں۔ ادھر حضرت موسیٰ کی بہن ان کو تلاش کرتی ہوئی فرعون کے گھر جا پہنچی جہاں حضرت موسیٰ کو صندوق سے نکال کر اپنا بیٹا بنالینے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ اور فرعون اور اس کی بیوی کو حضرت موسیٰ کو دودھ پلانے کے لئے دائیوں کی تلاش تھی۔ حضرت موسیٰ کسی دائی کا دودھ نہ پیتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کی بہن نے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسی عورت کا پتہ نہ بتادوں جو اس کی پرورش کی کفالت بھی کرے اور اس کی خیر خواہ بھی ہو۔ فرعون کے گھر والوں نے یہ بات منظور کر لی اور حضرت موسیٰ کی بہن جا کر اپنی والدہ کو لے آئی۔ حضرت موسیٰ نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا۔

۵۔ اے موسیٰ! ہم نے تم پر ایک احسان یہ کیا کہ جب ایک قبطی ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا تو تم نے اس کے ایک گھونسا مارا جس سے وہ قبطی مر گیا۔ پس اس وقت ہم نے تمہیں مصر سے مدین پہنچا کر قصاص کے غم سے نجات دی۔

۶۔ ایک احسان یہ ہے کہ ہم نے تمہیں خوب آزمائشوں میں ڈالا بالآخر اللہ نے تمہیں نجات عطا فرمادی۔

۷۔ پھر تم کئی سال تک امن و امان کے ساتھ مدین والوں میں رہے۔ مدین حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر تھا اور مصر سے آٹھ منزل کی مسافت پر تھا۔ مدین میں ہی حضرت شعیب کی صاحبزادی سے حضرت موسیٰ کا نکاح ہوا اور مہر کے عوض دس سال تک حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرائیں۔ پھر واپس آئے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا

انعام تھا۔

۸۔ اے موسیٰ پھر ایک خاص وقت پر جو میں نے تمہارے آنے کے لئے مقدر کر دیا تھا، تم وادیٔ مقدس کی طرف آئے جہاں ہم نے تم سے کلام کیا اور تمہیں نبوت و رسالت اور کلام و وحی کے لئے منتخب کر لیا اور تمہیں اپنا محب و مخلص بنالیا تاکہ تم میرے علاوہ کسی اور سے دل نہ لگاؤ۔ نہ ظاہر میں نہ باطن میں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۴۴۔۵۴۷/ ۴، مظہری ۱۳۷۔۱۴۲/ ۶، روح المعانی ۱۸۷۔۱۹۱/ ۱۶)

حضرت موسیٰ وہارون کو فرعون کی طرف بھیجنا

۴۲۔۴۴، اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ O اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى O فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى O

تم اور تمہارا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا، تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ بیشک اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ پس (جاکر) اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔ شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (اللہ سے) ڈرے۔

تَنِيَا : تم دونوں سستی کرو، وَنْیٌ سے مضارع۔

لَيِّنًا : نرم۔ لِيْنٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: اے موسیٰ تم اپنے بھائی ہارون کو ہمراہ لے کر فرعون کے پاس جاؤ جو بہت سرکش اور نافرمان ہو گیا ہے اور میرے عطا کئے ہوئے معجزے اور نشانیاں دکھا کر اس کو اور اس کی قوم کو سیدھے راستے کی طرف بلاؤ اور دیکھو تبلیغ دین کے اس کام میں میری یاد سے غفلت اور سستی نہ کرنا۔ میری یاد کی کثرت ہی کامیابی کا بڑا ذریعہ اور دشمن کے مقابلے میں بہترین

ہتھیار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیات سے مراد وہ نو معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ کو دیئے گئے تھے۔

اگرچہ فرعون کی سرکشی اور نافرمانی کے پیش نظر اس سے یہ امید نہیں کہ وہ تمہاری دعوت قبول کرلے تاہم تم دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کے وقت اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو کرنا تاکہ تمہاری بات اس کے دل میں بیٹھ جائے اور تمہاری بات پر غور و فکر کر کے وہ اپنی گمراہی و ہلاکت سے بچ جائے اور نصیحت حاصل کرلے یا وہ اللہ کے عذاب سے ڈر کر راہ راست پر آجائے۔

حضرت وہب فرماتے ہیں کہ نرم گفتگو سے مراد یہ ہے کہ اس سے کہنا کہ میرے غضب و غصے سے میری مغفرت و رحمت بہت بڑھی ہوئی ہے۔

حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ نرم بات کہنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف دعوت دینا ہے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بات کرنے میں درشتی نہ کرنا۔ (عثمانی ۸۳/ ۲، ابن کثیر ۱۵۳/ ۳، روح المعانی ۱۹۳۔۱۹۵/ ۱۶)

حضرت موسیٰ و ہارون کا اندیشہ

۴۵۔۴۸۔ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى O قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى O فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى O اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى O

ان دونوں نے عرض کی اے ہمارے رب ہمیں یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ ہم پر زیادتی نہ کرے یا اپنی سرکشی میں بڑھ جائے۔ (اللہ تعالیٰ نے، فرمایا

کہ تم بالکل خوف نہ کرو، میں تم دونوں کے ساتھ ہوں، سنتا اور دیکھتا ہوں، سو تم دونوں اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں پس تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو تکلیف نہ دے۔ تحقیق ہم تو تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور سلامتی اس کے لئے ہے جو (سیدھے) راستے پر چلے۔ بیشک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اللہ کا عذاب اسی کے لئے ہے جو (حق کی) تکذیب کرے اور (اس سے) روگردانی کرے۔

یَفْرُطَ: وہ حد سے بڑھتا ہے، وہ زیادتی کرتا ہے۔ فَرْطٌ سے مضارع،

یَطْغٰی: وہ حد سے تجاوز کرتا ہے۔ وہ سرکشی کرتا ہے۔ طُغْیَانٌ سے مضارع۔

تشریح : حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنی کمزوری کی شکایت کرتے ہوئے عرض کیا کہیں ایسا نہ ہو کہ فرعون ہماری پوری بات سننے سے پہلے ہی غصے میں بھر کر تیری شان میں زیادہ گستاخی کرنے لگے یا ہم پر دست درازی کرنے لگے جس سے اصل مقصد فوت ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تمہیں کچھ خوف کھانے کی ضرورت نہیں۔ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میری حفاظت اور مدد ہر وقت تمہیں حاصل رہے گی۔ جو باتیں تمہارے اور ان کے درمیان ہوں گی اور جو معاملات و واقعات پیش آئیں گے میں ان سب کو سنتا اور دیکھتا رہوں گا۔ کوئی بات مجھ پر مخفی نہیں۔ اس کی چوٹی میرے ہاتھ میں ہے وہ میرے قبضے سے باہر نہیں نکل سکتا، لہٰذا گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سو اب تم دونوں جا کر اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ اس کا پیغام لے کر تیرے پاس آئے ہیں۔ پس پہلے تو تو ہم پر ایمان لا تاکہ تو اپنے رب کے غضب سے محفوظ ہو جائے پھر اپنے ظلم سے باز آجا اور بنی اسرائیل کو اپنی قید سے رہا کر کے ہمارے ساتھ بھیجدے تاکہ ہم ان کو لے کر ارض مقدس چلے جائیں، جو ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ ہم تیرے پاس

اپنے رب کی طرف سے نبوت و رسالت کی نشانیاں لے کر آئے ہیں۔ پس جو سیدھی راہ پر چلے گا اس کے لئے دونوں جہان میں عذابِ الٰہی سے سلامتی ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا یہ حکم وحی کے ذریعے پہنچا ہے کہ جو شخص حق کو جھٹلائے گا اور اس سے روگردانی کرے گا اسی کو اللہ کا عذاب پہنچے گا۔ (ابن کثیر ۱۵۴۔۱۵۵ / ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۴۷۔۵۴۸ / ۴)

فرعون کا سوال اور حضرت موسیٰ کا جواب

۴۹۔۵۴۔ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ○ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ○ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ○ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ○

(فرعون نے) کہا اے موسیٰ! پھر تم دونوں کا رب کون ہے؟ (موسیٰ نے) کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خاص صورت عطا کی پھر رہنمائی فرمائی۔ (فرعون نے) کہا پھر پہلے زمانے کے لوگوں کا کیا حال ہوا؟ (موسیٰ نے) کہا اس کا علم تو میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے، نہ میرا رب غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔ اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس (زمین) میں تمہارے (چلنے کے) لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعے مختلف قسم کی نباتات پیدا کیں۔ تم خود کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی چراؤ، بیشک اس میں عقلمندوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

مَهْدًا : بچھونا، فرش، راستہ ہموار کرنا، مصدر بمعنی مفعول۔

سَلَكَ : اس نے چلایا، سُلُوْكٌ سے ماضی۔

سُبُلًا : راستے، راہیں، واحد سَبِيْلٌ

شَتّٰى : جدا جدا، مختلف، متفرق، واحد شَتِيْتٌ

اِرْعَوا : تم نگہبانی کرو، تم چراؤ، تم کھلاؤ، رَعْیٌ و رِعَايَةٌ سے امر۔

اَنْعَامَكُمْ : تمہارے مویشی۔ تمہارے چوپائے۔

النُّهٰى : عقلیں، واحد نُهْيَةٌ

تشریح: فرعون وجود باری کا پہلے ہی منکر تھا۔ حضرت موسیٰ کی زبانی اللہ کا پیغام سن کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ! تمہارا رب کون ہے۔ میں تو اسے نہیں جانتا اور نہ اسے مانتا ہوں۔ میرے خیال میں تو تم سب کا رب میرے سوا اور کوئی نہیں۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جس نے اپنی مخلوق کو ہر وہ چیز عطا فرمائی جس کی اس کو ضرورت تھی اور جو اس کے کام آسکتی تھی۔

یہ سن کر فرعون نے پوچھا کہ اقوام سابقہ کا کیا حال ہوا جو ہم سے پہلے تھے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منکر تھے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ سابقہ قوموں کے تمام اعمال لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ جزا اور سزا کا دن مقرر ہے۔ میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ کسی چیز کو بھولتا ہے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ فلاں فلاں چیز فلاں جگہ ہے۔ میرا رب وہی ہے جس نے تمہارے رہنے کے لئے زمین کو فرش کی مانند بنادیا جس پر تم سوتے بیٹھتے اور رہتے بستے ہو اور اللہ نے پہاڑوں، وادیوں اور صحراؤں کے اندر زمین پر تمہارے لئے راستے بنادیئے جن پر تم چلتے ہو اور زمین کے ایک حصے سے دوسرے حصے کی طرف جاتے ہو۔ میرا رب ہی آسمان سے بارش برساتا ہے اور اس کے ذریعے زمین سے ہر قسم کی پیداوار اگاتا ہے۔ مثلاً کھیتیاں، باغات اور مختلف قسم کے پھل۔ ان میں سے تم خود بھی کھاتے ہو اور جو تمہارے کام کے نہیں ان کو تم اپنے جانوروں کو چارے کے طور پر کھلاتے ہو۔ بیشک زمین کو فرش کی طرح بنانے میں، بادلوں سے پانی برسانے میں اور پانی سے طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں عقل والوں کے لئے اللہ کی

واحدانیت، اس کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ کی بہت سی نشانیاں ہیں۔
(ابن کثیر ۱۵۵/ ۳، روح المعانی ۲۰۳۔۲۰۵/ ۱۶)

انسان کا آغاز و انجام

۵۵- مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ○

ہم نے تمہیں اس (زمین) سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں واپس لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

نُعِيْدُكُمْ : ہم تم کو لوٹائیں گے۔ ہم تم کو دوبارہ کریں گے۔ اِعَادَةٌ سے مضارع،

تَارَةً : ایک بار، ایک مرتبہ، جمع تِيَرٌ۔

تشریح : جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین سے نباتات کو پیدا کیا اسی طرح اس نے سب انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو بھی مٹی سے پیدا کیا جو (مٹی) سب انسانوں کا مبدا ہے۔ جن غذاؤں سے آدمی کا جسم پرورش پاتا ہے۔ وہ بھی مٹی ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ مرنے کے بعد بھی بعض لوگ تو قبروں کے اندر اور بعض قبروں کے بغیر ہی مٹی میں مل جاتے ہیں۔ قیامت کے روز آدمی کے جسم کے ان تمام اجزا کو جو اس کے مرنے کے بعد مٹی بن گئے تھے دوبارہ جمع کر کے اس کو از سر نو پیدا کر دیا جائے گا۔ اور جو لوگ قبروں میں مدفون تھے ان کو بھی از سر نو زندہ کر کے قبروں سے نکالا جائے گا۔ پس مٹی ہی انسان کی اصل ہے، لہٰذا انسان کو مٹی میں غور و فکر کرتے رہنا چاہئے کہ وہ اسی سے پیدا ہوا۔ مرنے کے بعد اس کو پھر اسی مٹی میں لوٹا دیا جائے گا۔ پھر قیامت کے روز اعمال کے بدلے کے لئے اس کو اسی مٹی سے نکالا جائے گا۔ اس لئے یوم حساب کے لئے اس کو نیک اعمال کا کچھ ذخیرہ ضرور جمع کر لینا چاہئے۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۴/ ۴، عثمانی ۸۶/ ۲)

فرعون سے مناظرہ

۵۶۔۵۹، وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ○ قَالَ اَجِئْتَنَا
لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ○ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ
مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ
مَكَانًا سُوًى ○ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ
ضُحًى ○

اور البتہ ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں سو وہ جھٹلاتا اور انکار ہی کرتا رہا۔ (فرعون) کہنے لگا کہ اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو اپنے جادو کے ذریعے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دے۔ پھر ہم بھی تیرے مقابلے میں ویسا ہی جادو لائیں گے۔ سو تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک صاف میدان میں (مقابلے کا) ایک وقت مقرر کرلے نہ ہم اس کے خلاف کریں اور نہ تم۔ (موسیٰ نے) کہا تم سے تمہارے جشن کے دن کا وعدہ (طے) ہے اور یہ کہ لوگوں کو دن چڑھے جمع کیا جائے۔

سُوًى : ہموار، جس کی دونوں طرفین برابر ہوں۔

يَوْمُ الزِّيْنَةِ : جشن کا دن، عید کا دن،

يُحْشَرَ : وہ جمع کیا جائے گا، وہ اکٹھا کیا جائے گا۔

ضُحًى : دن کی روشنی، دن چڑھے، چاشت کا وقت۔

تشریح : جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بحکم خداوندی فرعون کے پاس گئے اور اس کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا اور عصاء اور ید بیضاء کے معجزے دکھائے تو وہ سمجھ گیا کہ یہ اللہ کے برحق

نبی اور رسول ہیں اور یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں خواب دیکھا تھا کہ میری سلطنت کا خاتمہ اس شخص کے ہاتھ پر ہوگا اور اسی ڈر کے مارے بنی اسرائیل کی اولاد کو قتل کراتا تھا مگر وہ ان پر ایمان لانے کی بجائے، اپنی بدحواسی اور اس خوف کو چھپانے کے لئے جو اس پر عصائے موسیٰ کی ہیبت سے طاری تھا، حضرت موسیٰ کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ کیا تو جادو کے زور سے ہمارا ملک چھیننا چاہتا ہے، سو ہم بھی تیرے مقابلے میں ایسا ہی جادو لائیں گے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ شخص پیغمبر نہیں جادوگر ہے۔ پس تم مقابلے کے لئے کوئی دن اور جگہ مقرر کرلو۔ اس دن ہم بھی وہاں آجائیں گے اور تم بھی آجاؤ۔ کوئی فریق بھی وعدہ خلافی نہ کرے اور وہ مقررہ جگہ شہر کے وسط میں ہونی چاہئے تاکہ آنے والوں کو کوئی دشواری نہ ہو اور سب کے لئے مسافت بھی برابر ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی تجویز کو منظور کرتے ہوئے کہا کہ اس مقابلے کے لئے تمہاری عید کا دن اور چاشت کا وقت مناسب ہے تاکہ فرصت کی بنا پر سب آ جائیں اور روزِ روشن میں مقابلہ دیکھ کر خود حق و باطل میں تمیز کرلیں۔

(ابن کثیر ۱۵۶/ ۳، روح المعانی ۲۱۶۔۲۱۹/ ۱۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۷،۵۵۸/ ۴)

حضرت موسیٰ کا ساحروں کو خطاب

۶۰۔۶۱۔ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ○ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ○

پھر فرعون لوٹ گیا پھر اس نے اپنے تمام داؤ جمع کئے او (مقررہ وقت پر سب کو لے کر) آگیا۔ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا کہ کمبختو اللہ پر جھوٹ افترنہ باندھو ورنہ وہ تمہیں کسی عذاب سے

ملیا میٹ کر دے گا اور بیشک جس نے جھوٹ بنایا وہ غارت ہوا۔

كَيْدَهٗ : اس کا مکر، اس کا فریب، اس کی چلاکی۔

فَيُسْحِتَكُمْ :پس وہ تم کو فنا کرے گا، پس وہ تم کو ہلاک کرے گا۔ اِسْحَاتٌ سے مضارع،

خَابَ : وہ ناکام ہوا۔ وہ نامراد ہوا۔ خَيْبَةٌ سے ماضی۔

تشریح: اس زمانے میں جادو کا بڑا زور تھا۔ بڑے بڑے نامور جادوگر موجود تھے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مقابلے کے دن اور جگہ کا تعین ہو گیا تو فرعون نے مقابلے کی حکمت عملی طے کی اور ایک فرمان کے ذریعے تمام نامور اور ہوشیار جادوگروں کو اپنے پاس طلب کر لیا۔ جب سب انتظامات ہو چکے اور مقابلے کا معینہ دن اور وقت آ گیا تو وہ اپنی پوری طاقت اور جمعیت کے ساتھ وقت معین پر مقابلے کے میدان میں آیا۔ ساحروں کی ایک بڑی فوج اس کے ہمراہ تھی۔ پھر وہ تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ تمام امراو وزرا اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ جادوگروں کی صفیں کی صفیں فرعون کے سامنے کھڑی تھیں اور وہ ان کو طرح طرح کے انعامات کی امیدیں دلا رہا تھا۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی حضرت ہارون کے ہمراہ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے جادوگروں کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو تم میرے معجزے کو جو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے، جادو قرار دے کر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ شامت اعمال تمہیں برباد کر دے گی۔ افترا کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ لوگوں کی آنکھوں میں خاک نہ جھونکو کہ حقیقت میں تو کچھ نہ ہو اور تم اپنے جادو سے ان کو بہت کچھ دکھا دو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں جو واقعتاً کسی چیز کو پیدا کر سکے۔ (روح المعانی ۲۲۰/۱۶، ابن کثیر ۱۵۷/۳)

ساحروں میں اختلاف رائے ہونا

۶۲۔۶۴۔ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ○ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْ

هَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝

پس جادوگروں میں اپنے کام کے بارے میں باہم اختلاف ہوا اور وہ خفیہ مشورہ کرنے لگے۔ وہ کہنے لگے کہ بیشک یہ دونوں جادوگر ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہاری سرزمین سے نکال باہر کریں اور تمہارے بہترین مذہب کو برباد کر دیں۔ سو تم بھی اپنی تدبیریں جمع کر کے (میدان میں) صف بند کر کے آؤ اور آج جو غالب آ گیا وہی کامیاب رہا۔

اَسَرُّوا : انہوں نے چھپا کر کہا۔ اِسْرَار" سے ماضی۔

النَّجْوٰى : سرگوشی کرنا، مشورہ کرنا، باتیں کرنا، راز، بھید، اسم بھی مصدر بھی۔

الْمُثْلٰى : پسندیدہ، بہترین، مَثَالَةٌ" سے اسم تفضیل۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ سن کر وہ آپس میں اختلاف اور جھگڑا کرنے لگے۔ ان میں سے بعض کہنے لگے کہ یہ جادوگروں کا کلام نہیں یہ تو اللہ کے سچے رسول ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہیں ان سے مقابلہ کرنا چاہئے، ہم ان پر غالب آ جائیں گے۔ یہ سب باتیں وہ پوشیدہ اور خفیہ طور پر کر رہے تھے تاکہ فرعون کو پتہ نہ چل سکے۔ بالآخر انہوں نے متفقہ طور پر قرار دیا کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں اور اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دینا چاہتے ہیں تاکہ اس پر قبضہ کر کے اس کو اپنے تصرف میں لائیں اور تمہارے مذہب و تہذیب کو ختم کر کے بنی اسرائیل کا دین و تہذیب ملک میں رائج کریں۔ سو تم متحد و متفق ہو کر ان کا مقابلہ کرو تاکہ تمہارا رعب پڑ جائے اور ان کے دل میں ہیبت بیٹھ جائے۔ بیشک آج جس نے غلبہ پالیا وہی کامیاب ہے۔

(روح المعانی ۲۲۱۔۲۲۶ /۱۶، ابن کثیر ۱۵۷/۳)

ساحروں کی مبارزت

۶۵۔۶۶ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى O
قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ
سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى O

وہ (جادوگر) کہنے لگے۔ اے موسیٰ یا تو آپ پہلے ڈالیں یا ہم پہلے ڈالنے والے بنیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تم ہی ڈالو۔ پس یکایک ان کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے سبب (حضرت) موسیٰ کو دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔

حِبَالُهُمْ ان کی رسیاں، واحد حَبْلٌ

عِصِيُّهُمْ : ان کی لاٹھیاں، ان کے عصا۔

تشریح : جادوگر اپنے فنِ سحر پر ایسے مطمئن تھے کہ جب وہ مقابلے کے دن مقررہ جگہ پہنچے تو انہوں نے اپنی بڑائی مارتے ہوئے حضرت موسیٰ سے کہا کہ آپ پہلے ڈالیں گے یا ہم ڈالیں۔ دل سے بھی وہ یہی چاہتے تھے کہ ان کو پہل کا موقع ملے تاکہ جب تمام ساحر بیک وقت اپنی لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں تو حضرت موسیٰ ان کو دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ حضرت موسیٰ نے ان کے منشا کو محسوس کرتے ہوئے اور اپنی اولوالعزمی کے اظہار کے لئے انہیں پہل کرنے کا موقع دیا اور فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو۔

پھر جب انہوں نے لاٹھیاں اور رسیاں ڈالیں اور لوگوں کی نظر بندی کر دی تو دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ گویا وہ سانپ بن کر چل پھر رہی ہیں اور میدان میں ادھر ادھر بھاگ رہی ہیں۔ تمام میدان سانپوں سے بھر گیا تھا۔ ایک کے اوپر ایک رینگ رہا تھا حالانکہ حقیقت میں وہ اس وقت بھی لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔ جس طرح اس نظر بندی سے پہلے تھیں۔ (ابن کثیر ۱۵۷/ ۳، روح المعانی ۲۲۶، ۲۲۷/ ۱۶)

حضرت موسیٰ کو عصا ڈالنے کا حکم

۶۷۔۶۹۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰی ○

پھر (حضرت) موسیٰ کو دل میں خوف محسوس ہونے لگا۔ ہم (اللہ تعالیٰ) نے کہا ڈرو نہیں، تم ہی غالب رہو گے اور جو کچھ تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے اسے (زمین پر) ڈال دو۔ ان لوگوں نے جو کچھ بنایا ہے یہ (عصا) سب کو نگل جائے گا۔ بیشک جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ تو صرف جادوگروں کا شعبدہ ہے اور جادوگر کہیں بھی فلاح نہیں پاتا۔

اَوْجَسَ : اس نے دل میں محسوس کیا۔ وہ جی میں گھبرایا۔ وہ ہڑبڑایا۔ اِیْجَاسٌ سے ماضی۔
تَلْقَفْ : وہ نگل جائے گا۔ لَقْفٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام جادو کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے اس منظر کو دیکھ کر انہوں نے اپنے دل میں کچھ خوف محسوس کیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ خوف کھانے کی ضرورت نہیں تم ہی غالب رہو گے۔ معجزے کے سامنے کسی جادو اور شعبدے کی کوئی حقیقت نہیں لہٰذا تم بھی اس چیز کو زمین پر ڈال دو جو تمہارے دائیں ہاتھ میں ہے۔ آپ کے پاس جو کچھ ہے وہ کوئی خیالی شعبدہ اور فریب نہیں بلکہ وہ قدرت الٰہی کا کرشمہ ہے۔ خیالی شعبدہ کبھی کرشمۂ قدرت پر غالب نہیں آسکتا اور جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پھر حضرت موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا۔ وہ فوراً ایک بڑا اژدھا بن گیا جس کے پیر بھی تھے اور سر کچلیاں اور دانت بھی۔ اس نے دیکھتے ہی دیکھتے جادوگروں کے جتنے کرتب تھے سب کو ہڑپ کر لیا، اور کسی چیز کو باقی نہ چھوڑا، لوگ ڈر کے مارے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس

کے بعد یہ اژدہا فرعون کی طرف بڑھا تو اس نے چلا کر حضرت موسیٰ سے فریاد کی تو انہوں نے اس کو پکڑ لیا اور وہ پہلے کی طرح عصا بن گیا۔

(مواہب الرحمٰن، ۲۶۰۔۲۶۱/ ۱۶، ابن کثیر ۱۵۷۔۱۵۸/ ۳)

ساحروں کا ایمان لانا

۷۰۔ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ○
پھر جادوگر سجدے میں گر کر کہنے لگے کہ ہم ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب پر ایمان لائے۔

تشریح: جادوگر چونکہ خود فن سحر کے ماہر تھے، اس کے اصول و فروع سے باخبر تھے اس لئے دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ واقعی یہ اس خدا کا کام ہے جس کے فرامین اٹل ہیں، ہر کام اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ سحر نہیں، ایک سحر دوسرے سحر پر غالب تو آ سکتا ہے مگر اس کو نیست و نابود نہیں کر سکتا۔ اگر حضرت موسیٰ کی لاٹھی جادو کی لاٹھی ہوتی تو ہماری لاٹھیاں اور رسیاں تو اصل حالت پر باقی رہتیں۔ ہماری لاٹھیوں اور رسیوں کا سرے سے غائب ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ کی لاٹھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ اگر حضرت موسیٰ نبی نہ ہوتے تو وہ ہم پر کبھی غالب نہیں آ سکتے تھے۔ ان ساحروں کو اللہ تعالیٰ پر ایسا کامل یقین ہو گیا کہ وہ اسی وقت اسی میدان میں سب کے سامنے اور بادشاہ کی موجودگی میں اللہ کے سامنے سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے کہ ہم حضرت ہارونؑ اور موسیٰؑ کے پروردگار پر ایمان لائے۔ کیسی بلند شان ہے اللہ کی کہ صبح کے وقت یہ لوگ کافر اور ساحر تھے اور شام کو پاکباز مومن اور راہ خدا کے شہید۔

(مظہری ۲۴۴/ ۳، مواہب الرحمٰن ۲۶۱۔۲۶۳/ ۱۶)

فرعون کی بے بسی اور غصہ

۷۱۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَاۤ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ○

(فرعون نے) کہا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے۔ بیشک وہی تمہارا بڑا (استاد) ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ سو اب میں ضرور تمہارے ایک طرف کے ہاتھ کٹواؤں گا اور دوسرے طرف کے پاؤں اور تمہیں کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔ اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کس کا عذاب شدید اور دیرپا ہے۔

وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ : میں تمہیں ضرور سولی پر چڑھاؤں گا۔ تَصْلِيْبٌ سے مضارع،

جُذُوْعِ : درخت، تنے، واحد جِذْعٌ

النَّخْلِ : کھجور کے درخت، اسم جنس ہے۔ واحد نَخْلَةٌ

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کے سرداروں کے مشورے سے جن جادوگروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لئے پورے ملک سے جمع کیا تھا وہ نہ صرف مقابلہ ہار گئے بلکہ وہ حضرت موسیٰ پر ایمان بھی لے آئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جادوگروں کو ایمان لاتے دیکھ کر فرعون کی قوم کے لاکھوں افراد حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ اس طرح مسلمانوں کی ایک بڑی طاقت فرعون کے مقابلے پر آ گئی۔

اس وقت فرعون نے اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے ایک چالاک و ہوشیار سیاستدان کی طرح پہلے تو ساحروں کو ڈانٹا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی حضرت موسیٰ پر ایمان لے

آنے پھر یہ الزام لگایا کہ تم نے مقابلے پر آنے سے پہلے ہی حضرت موسیٰ کے ساتھ مل کر ملک و قوم کے خلاف سازش کر رکھی تھی تاکہ حکومت پر غلبہ پاکر اہل وطن کو ملک سے نکال دیا جائے۔ یقیناً موسیٰ تم سب کے استاد ہیں۔ تم لوگوں نے انہیں سے جادو سیکھا ہے اور تم سب آپس میں ایک ہی ہو۔ باہمی مشورے سے، پہلے تو تم نے ان کو بھیجا پھر اس کے مقابلے میں خود آ گئے اور پروگرام کے مطابق اس کو جتوادیا اور خود ہار گئے۔ پھر اس کا دین قبول کر لیا تاکہ تمہاری دیکھا دیکھی میری رعایا بھی اس کے چکر میں پھنس جائے۔ بہت جلد تمہیں اپنی سازش کا نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ کر تم سب کو کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا اور اس بری طرح تمہاری جان لوں گا کہ دوسرے لوگ عبرت پکڑیں اور تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ دائمی عذاب کس پر آتا ہے۔

(روح المعانی ۲۳۱۔ ۲۳۲/ ۱۶، مواہب الرحمٰن ۲۶۳۔ ۲۶۴/ ۱۶)

ساحروں کی استقامت

۷۲۔۷۳۔ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا
فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ اِنَّا
اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ
وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○

وہ کہنے لگے کہ ہم تجھے ہرگز ترجیح نہ دیں گے ان کھلی نشانیوں پر جو ہمارے پاس آ چکی ہیں اور نہ اس خدا پر (ترجیح دیں گے) جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ پس جو تجھے کرنا ہے کر لے۔ بیشک تو تو صرف اسی دنیا کی زندگی پر حکم چلا سکتا ہے۔ بلاشبہ ہم تو اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہماری خطاؤں کو بخش دے اور اس جادو کو بھی جو تو نے ہم سے زبردستی کرایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔

نُؤْثِرَكَ : ہم تجھے ترجیح دیں گے۔ ایثارٌ سے مضارع۔

فاقْضِ : پس تو فیصلہ کر، پس تو کر گزر۔ قضاءٌ سے امر۔

تشریح: اسلام و ایمان ایک ایسی زبردست قوت ہے کہ جب وہ کسی کے دل میں گھر کر لیتی ہے تو پھر انسان اپنی جان و مال سب کچھ قربان کرتے ہوئے ساری دنیا کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اسی لئے یہ جادوگر جو ابھی ذرا دیر پہلے فرعون کو اپنا خدا مانتے تھے، کلمۂ حق پڑھتے ہی ان میں ایسی تبدیلی پیدا ہوئی کہ فرعون کی ساری دھمکیوں کے جواب میں کہنے لگے کہ اب تو ہم اللہ تعالیٰ کے ہو چکے اور اسی کی طرف رجوع کر چکے۔ جو ہدایت و یقین ہمیں اللہ کی طرف سے حاصل ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہم تیرا مذہب کسی طرح قبول نہیں کریں گے۔ اس خدا کی قسم جس نے ہمیں اولاً پیدا کیا، ہم تیری گمراہی کو اللہ کی طرف سے حاصل شدہ ہدایت و توفیق پر ترجیح نہیں دے سکتے۔ تجھے جو کچھ کرنا ہے وہ کر لے۔ نہ ہمیں تیری سزاؤں کا خوف ہے اور نہ تیرے انعام کا لالچ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس لائق ہے کہ اس کی عبادت و اطاعت کی جائے۔ تو تو ہمیں اسی وقت تک سزا دے سکتا ہے جب تک ہم اس دنیا میں زندہ ہیں۔ ہم تو اب اپنے رب پر ایمان لا چکے ہیں اس لئے ہمیں یقین ہے کہ مرنے کے بعد ہمیں ابدی راحت اور غیر فانی خوشی و مسرت نصیب ہو گی اور اللہ ہمارے قصور معاف فرما دے گا۔ خاص طور پر وہ ہمارے ان گناہوں کو بخش دے گا جو تو نے ہم سے زبردستی اور زور دے کر حضرت موسیٰ کے مقابلے میں کرائے۔

قرآن کریم میں اس کا ذکر نہیں کہ فرعون نے ان ایمان لانے والے ساحروں کو وہ سزا دی یا نہیں جس کی اس نے ان کو دھمکی دی تھی۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ فرعون نے جوان کے قتل اور سولی کا پختہ ارادہ کیا تھا وہ کر گزرا۔ حضرت ابن عباسؓ اور دیگر سلف سے یہی مروی ہے کہ وہ جماعت جو سورج نکلنے کے وقت کافر اور جادوگر تھی وہی جماعت سورج غروب ہونے سے پہلے مومن اور شہید تھی۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

(روح المعانی ۲۳۲، ۲۳۳/ ۱۶، مواہب الرحمٰن ۳۶۵، ۳۶۶/ ۱۶، ابن کثیر ۱۵۹/ ۳)

فرعون کو نصیحتیں

۷۴۔۷۶۔ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا
وَلَا يَحْيٰى O وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ
لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى O جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى O

بیشک جو کوئی اپنے رب کے پاس مجرم ہو کر آئے گا سو اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ ہی رہے گا۔ اور جو کوئی اس کے پاس مومن ہو کر آئے گا اور اس نے نیک اعمال بھی کئے ہوں گے تو ان کے لئے بلند درجات ہیں۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان (باغوں) میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی انعام ہے ہر اس شخص کا جو پاکیزگی اختیار کرے۔

تشریح: قیامت کے دن جو شخص مجرم اور باغی ہو کر اپنے رب کے سامنے پیش ہو گا بلاشبہ اس کے لئے دوزخ کا دائمی عذاب ہے۔ وہاں اس کو کبھی موت نہیں آئے گی کہ عذاب سے چھوٹ جائے۔ اور نہ اس کو کوئی راحت نصیب ہو گی بلکہ اس کی زندگی بڑی مشقت والی اور موت سے بدتر ہو گی۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان کی حالت میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے ہوں گے تو ان کے لئے بلند درجات اور ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ جزا ان لوگوں کے لئے ہے جو کفر و معصیت کی نجاستوں سے پاک و صاف ہوں گے۔

امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابن احبان نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیچے کے درجات والے اونچے درجات والوں کو اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم چمکتے ستاروں کو

آسمان کے کنارے پر دیکھتے ہو اور ابو بکرؓ انہیں میں سے ہوں گے اور عمرؓ (بھی)۔

یہ حدیث طبرانی نے حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت سے اور ابن عساکر نے حضرت ابن عمرؓ و حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

ترمذی میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے سو درجے ہیں۔ تمام درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان۔ سب سے اوپر جنت الفردوس ہے۔ اسی سے چار نہریں نکلتی ہیں اسی کے اوپر عرش ہے۔ جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس کی دعا کیا کرو۔

(مظہری ۱۵۳۔ ۶/۱۵۴، ابن کثیر ۱۵۹، ۱۶۰/ ۳)

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج

۷۷۔ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ○

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ۔ پھر دریا پر عصا مار کر ان کے لئے سوکھا راستہ بنا دو کہ جس سے نہ تو تمہیں تعاقب کا اندیشہ رہے گا اور نہ ڈوبنے کا۔

اَسْرِ : تورات کے وقت لے کر چل، اِسْرَاءٌ سے امر۔

يَبَسًا : خشک، سوکھا ہوا، یُبْسٌ سے صفت مشبہ۔

دَرَكًا : تعاقب کرنا۔ پالینا۔ برا نتیجہ۔ مصدر ہے۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک و برباد کرنا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دینے کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ۔ اس طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ چونکہ فرعون کے تعاقب اور راستے میں دریا کے حائل

ہونے کا اندیشہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے اطمینان کے لئے فرمایا کہ دریا پر پہنچ کر اس میں اپنی لاٹھی مار دینا۔ اس سے دریا میں خشک راستہ بن جائے گا اور فرعون کے تعاقب اور پکڑے جانے کا خطرہ نہ رہے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی اور بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل گئے، دریا پر پہنچ کر اپنی لاٹھی دریا میں ماری۔ پانی پھٹ کر دونوں طرف پہاڑ کی طرح رک گیا اور درمیان میں خشک زمین نکل آئی۔ بنی اسرائیل اس خشک زمین پر چل کر دریا پار کر گئے۔ (مظہری ۱۵۴، ۲)

فرعون کا تعاقب اور غرقابی

۷۸۔۷۹۔ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ○
وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ○

پھر فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا تو دریا نے ان سب کو ڈھانپ لیا جیسا کہ ان کو ڈھانپنا تھا۔ اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور ان کو سیدھا راستہ نہ دکھایا۔

غَشِيَهُمْ : اس نے ان کو ڈھانک لیا۔ اس نے ان کو گھیر لیا۔ **غَشْيَانٌ وغِشَاوَةٌ** سے امر۔

اَلْيَمّ : دریا، سمندر، گہرا پانی، جمع **يُمُوْمٌ**

تشریح: صبح کو جب فرعون اور اس کی قوم کو پتہ چلا کہ شہر میں بنی اسرائیل کا کوئی بھی آدمی موجود نہیں ہے، سب حضرت موسیٰ کے ساتھ جا چکے ہیں تو فرعون اپنے لشکر کو لے کر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکل پڑا۔ دریا پر پہنچ کر اس نے یہ عجیب و غریب منظر دیکھا کہ دریا کا پانی رکا ہوا ہے اور بنی اسرائیل دریا میں بنے ہوئے خشک راستے سے گزر رہے ہیں۔

فرعون نے اپنے لشکر والوں کو حکم دیا کہ تم بھی اسی راستے سے دریا کو پار کرو جس سے بنی اسرائیل والے گزر رہے ہیں اور خود بھی دریا میں اتر گیا۔ جب تمام بنی اسرائیل دریا سے

صحیح و سالم نکل گئے اور فرعون اور تمام اہل فرعون دریا میں داخل ہو کر اس کے عین درمیان میں پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے دریا کے پانی کو رواں کر دیا اور دریا کی موجوں نے ان سب کو ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیا اور فرعون بمع اپنی قوم کے غرق ہو گیا۔

پھر فرمایا کہ دین کے معاملے میں فرعون نے اپنی قوم کو بے راہ کر دیا۔ دنیا میں ان کو دین کا راستہ دکھانے کی بجائے الٹا دین کا مذاق اڑاتا رہا۔ سو ان کا جو حال دنیا میں ہوا وہی آخرت میں ہو گا۔ یہاں وہ (فرعون) سب کو لے کر سمندر میں ڈوبا وہاں سب کو ساتھ لے کر جہنم میں جا گرے گا۔ (مظہری ۱۵۵،۱۵۴/۶، عثمانی ۹۰/۲)

بنی اسرائیل کو نصیحت

۸۰۔۸۲۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّ کُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ○ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰکُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ ۚ وَمَنْ یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰی ○ وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صٰلِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ○

اے بنی اسرائیل! البتہ ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور ہم نے تم سے (یعنی تمہارے پیغمبر سے) کوہ طور کی داہنی جانب (آنے) کا وعدہ کیا اور (وادیٔ تیہ میں) تم پر من و سلویٰ اتارا۔ تمہاری دی ہوئی پاکیزہ چیزوں میں سے خوب کھاؤ اور اس میں حد سے نہ بڑھو ورنہ تم پر میرا غضب نازل ہو گا۔ اور جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ یقیناً تباہ ہوا۔ اور بیشک میں اس کے لئے غفار بھی ہوں جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کرے پھر ہدایت پر قائم رہے۔

یَحْلِلْ : وہ نازل ہو گا۔ وہ واقع ہو گا۔ حُلُوْلٌ سے مضارع۔

هَوٰی : وہ گر پڑا۔ وہ غروب ہو گیا۔ وہ ہلاک ہو گیا۔ هُوِیٌّ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر فرمائے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اس نے ان کو ایک نہایت جابر و قاہر دشمن کے ظلم سے نجات دی اور اس کو ان کی نظروں کے سامنے عبرتناک انجام سے دوچار کیا، جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۵۰)

اور ہم نے تمہاری آنکھوں کے سامنے اہلِ فرعون کو غرق کر دیا۔

پھر ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے مصر سے شام کی طرف جاتے ہوئے تم کو کوہ طور کے اس مبارک حصے پر بلایا جو دائیں طرف پڑتا ہے تاکہ تمہیں توریت عطا کی جائے۔ کوہ طور پر بلا کر توریت دینے کا وعدہ حقیقت میں حضرت موسیٰ سے تھا لیکن اس کا تعلق چونکہ بنی اسرائیل سے بھی تھا اس لئے مجازاً فرمادیا کہ ہم نے تم کو (بنی اسرائیل کو) وعدہ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے تیہ کے لق و دق میدان میں تمہارے کھانے کے لئے من و سلوٰی اتارا جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت ۵۷ کے ذیل میں گزر چکی ہے۔ ان احسانات کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حلال و طیب، صاف ستھری اور لذیذ چیزیں تمہیں عنایت فرمائی ہیں انہیں خوب استعمال کرو لیکن حد سے تجاوز اور ناشکری نہ کرو۔ مثلاً فضول خرچ کرنا۔ ان فانی انعامات پر اترانا، مستحق کو نہ دینا، مغرور ہو جانا، اللہ کی دی ہوئی دولت کو گناہ کے کاموں میں خرچ کرنا وغیرہ۔ اگر تم حد سے تجاوز کرو گے تو تم پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ اور تمہیں ذلت و رسوائی کے تاریک غار میں دھکیل دیا جائے گا۔

غرض بنی اسرائیل نے ناشکری کر کے اپنا ہی نقصان کیا کیونکہ ناشکری کے سبب وہ آخرت میں اللہ کے عذاب کے مستحق ہوئے اور دنیا میں انہوں نے اپنا رزق کھویا جو بلا مشقت اور بلا حساب اخروی ان کو ملتا تھا۔

پھر فرمایا کہ کوئی کتنا ہی بڑا مجرم کیوں نہ ہو، اگر وہ سچے دل سے توبہ کر کے ایمان و

عملِ صالح کا راستہ اختیار کر لے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو بخشدے گا کیونکہ اس کے ہاں بخشش و رحمت کی کمی نہیں۔

(روح المعانی ۲۳۸۔۲۴۱ / ۱۶، عثمانی ۹۰ / ۲)

حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر جانا

۸۳۔۸۴۔ وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ۝ قَالَ هُمۡ اُولَاۤءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ۝

اور اے موسیٰ! تم کس لئے جلدی کر کے اپنی قوم سے پہلے آ گئے؟ (موسیٰ نے) کہا وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ اور میں جلدی کر کے اس لئے آپ کے پاس آیا کہ آپ خوش ہوں۔

اَعۡجَلَكَ : اس نے تجھ سے جلدی کرائی، اِعۡجَالٌ سے ماضی۔

اَثَرِىۡ : میرے پیچھے پیچھے۔ میرا نقشِ قدم۔

تشریح: فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے ایک دستورِ ہدایت اور قانونِ شریعت کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اس کے مطابق زندگی گزاریں۔ حضرت موسیٰ کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کو توریت عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا اور حکم دیا کہ ستر علما کو اپنے ہمراہ لے کر کوہ طور پر پہنچ جاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ستر علما کو لے کر کوہ طور کی طرف روانہ ہو گئے۔ جب کوہ طور کے قریب پہنچے تو شدتِ شوق سے بیتاب ہو کر تیز تیز چل کر سب سے پہلے طور پر پہنچ گئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی پہاڑ پر پہنچنے کے لئے کہہ گئے۔

جب حضرت موسیٰ پہاڑ پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ایسی جلدی کیوں کی کہ قوم کو پیچھے چھوڑ آئے۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے پروردگار! قوم کے لوگ بھی پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ میں تو محض تیری خوشنودی اور رضا کے لئے جلد حاضر ہوا ہوں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷ / ۴، عثمانی ۹۱ / ۲)

سامری کا قوم کو گمراہ کرنا

۸۵۔ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ○

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے بعد تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے اور (وہ یہ کہ) سامری نے ان کو گمراہ کردیا ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ کوہ طور پر جاتے وقت اپنے بھائی حضرت ہارونؑ کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے اور ان کو تاکید کر گئے تھے کہ ان لوگوں کو توحید اور ہدایت پر قائم رکھنا۔ حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد سامری نامی ایک شخص نے سونے چاندی کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنایا اور اس میں ہوا کے آنے جانے کے لئے ایک ایسا رستہ رکھا جس سے بیل جیسی آواز پیدا ہوتی تھی۔ یہ دیکھ کر بنی اسرائیل جو مصر میں مصریوں کو گائے بیل پوجتے دیکھا کرتے تھے اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کی عبادت کرنے لگے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم تو یہاں آ گئے اور ہم نے تمہاری قوم کو ایک سخت آزمائش میں ڈال دیا۔ یعنی اصل فتنہ تو من جانب اللہ ہے لیکن اس کا ظاہری سبب اور واسطہ سامری بنا ہے کیونکہ اسی کے گمراہ کرنے سے لوگوں نے بچھڑے کی پوجا شروع کی تھی۔ جمہور کی رائے میں سامری حضرت موسیٰ کے عہد کا منافق تھا اور منافقوں کی طرح فریب اور چالبازی سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۷۳ / ۴، حقانی ۲۷۲ / ۳)

حضرت موسیٰ کا قوم پر برہم ہونا

۸۶۔۸۸، فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ

يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ط اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ O قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ O فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلاً جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ O

پس حضرت موسیٰ سخت غصے اور افسوس کی حالت میں اپنی قوم کی طرف لوٹے اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم کیا تمہارے رب نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا تم پر بہت طویل زمانہ گزر گیا تھا یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو؟ پھر تم نے (کیوں) مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے وعدے کے خلاف نہیں کیا بلکہ قوم (قبط) کے جو زیورات ہم پر لاد دیئے گئے تھے (سامری کے کہنے سے) ہم نے ان کو (آگ میں) پھینک دیا۔ پھر اسی طرح سامری نے (بھی اپنا زیور) ڈال دیا پھر اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا (بنا) نکالا۔ (یعنی) ایک دھڑ جس میں سے ایک آواز نکلتی تھی سو (ان میں سے بعض) کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا اور موسیٰ کا خدا ہے لیکن موسیٰ بھول گیا ہے۔

فقذفنٰھا : پس ہم نے اس کو ڈال دیا، پس ہم نے اس کو پھینک دیا۔ قَذْفٌ سے ماضی۔

اَلْقٰی : اس نے ڈالا، اِلْقَاءٌ سے ماضی۔

عِجْلاً : بچھڑا، گائے کا بچہ، گوسالہ،

جسدًا : بدن، دھڑ، قالب، جمع اَجْسَادٌ ۔

خُوارٌ : گائے کی آواز۔

تشریح: حضرت موسیٰ فتنے کی خبر سن کر چالیس دن کی مدت پوری ہونے پر توریت لے کر، اپنی قوم کے فعل پر انتہائی رنج و غم اور غصے میں بھرے ہوئے قوم کی طرف لوٹے اور ان سے کہا کہ اے میری قوم کیا اللہ تعالیٰ نے مجھے کوہِ طور پر بلا کر تمہارے لئے توریت عطا کرنے کا وعدہ نہیں کیا تھا۔ تم نے نہ توریت کا انتظار کیا اور نہ میری واپسی کا بلکہ جلد بازی کر کے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا۔ کیا یہ چالیس روزہ مدت اتنی طویل تھی کہ تم صبر نہ کر سکے یا تم نے جان بوجھ کر مجھ سے وعدہ خلافی کی اور میری عدم موجودگی میں ایسا کام کیا جو موجبِ غضب الٰہی ہو۔ اَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِیۡ سے مراد وہ وعدہ ہے جو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کیا تھا کہ آپ ہمیں اللہ کی کتاب لا دیجئے ہم اس پر عمل کریں گے اور آپ کی پیروی پر قائم رہیں گے۔

حضرت موسیٰ کی قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنی قدرت و اختیار سے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ سامری نے اپنے مکر و فریب سے ہمیں اپنے قابو میں لے لیا، اسی نے ہم سے یہ حرکت کرائی۔ اگر ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور سامری ہمیں اپنے مکر و فریب میں نہ پھنساتا تو ہم آپ کے وعدے کے خلاف کبھی نہ کرتے۔ ہم اس کے جال میں ایسے پھنسے کہ اپنے آپ کو نہ روک سکے۔ ہوا یہ کہ ہم پر قوم فرعون کے زیوروں کا بوجھ لدا ہوا تھا اور ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا کیا کریں۔ پھر باہمی مشورے سے ہم نے اسے اتار پھینکا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ زیورات ان پر کسی نے نہیں لادے تھے بلکہ انہوں نے حیلہ کر کے یہ کہہ کر خود فرعونیوں سے مستعار لئے تھے کہ ہم عید منانے جا رہے ہیں، عید کے بعد زیورات تمہیں لوٹا دیں گے۔ یہ حیلہ انہوں نے اس لئے کیا تھا کہ اس کے بغیر وہ مصر سے نہیں نکل سکتے تھے۔ یہ زیورات چونکہ ان کے لئے حلال نہ تھے اس لئے وہ ان کو اپنے اوپر گناہ اور بوجھ سمجھتے تھے۔

پھر سامری کے کہنے پر انہوں نے وہ زیورات آگ کے گڑھے میں ڈال دیئے اور سامری نے بھی اپنے زیورات گڑھے میں ڈال دئے۔ پھر سامری نے اس سونے چاندی کو ڈھال کر ایک بچھڑا بنا دیا۔ جس میں سے گائے کی آواز آتی تھی۔ سونے چاندی کے بچھڑے میں

سے گائے کی آواز سن کر کہنے لگے کہ اے بنی اسرائیل تمہارا اور موسیٰ کا خدا تو یہ ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو۔ موسیٰ تو اپنے معبود کو بھول گئے اور اس کی تلاش میں کوہ طور پر گئے ہیں۔
(روح المعانی ۲۴۴۔۲۴۸/۱۶، مواہب الرحمٰن ۲۸۰۔۲۸۴/۱۶، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۷۲۔۵۷۴/۴)

بنی اسرائیل کی حماقت

۸۹۔۹۱، اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝

کیا وہ یہ بھی نہیں دیکھتے کہ وہ (بچھڑا) تو ان کی بات کا جواب بھی نہیں دے سکتا اور نہ ان کے لئے کسی نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ حالانکہ (حضرت) ہارونؑ پہلے ہی ان سے کہہ چکے تھے کہ اے قوم اس (بچھڑے) سے تو صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور بیشک تمہارا حقیقی رب تو رحمٰن ہی ہے سو تم میری اتباع کرو اور میری بات مانو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو اسی (بچھڑے کی عبادت) پر جمے رہیں گے۔ یہاں تک کہ (حضرت) موسیٰ لوٹ کر ہمارے پاس آئیں۔

نَبْرَحَ : ہم ہمیشہ رہیں گے۔ ہم جمے رہیں گے۔ بَرْحٌ سے مضارع۔

عٰکِفِیْنَ : اعتکاف کرنے والے، گوشہ نشین ہونے والے، جم کر بیٹھنے والے، عُکُوْفٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: یہ لوگ پرلے درجے کے احمق تھے کہ محض ایک حیوان کی آواز پر ایمان لے آئے جو نہ ان کی کسی بات کا جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی نفع یا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہاں

تک کہ یہ از خود حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تو فرعون سے زیادہ عاجز و بے بس ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو بہت سمجھایا کہ دیکھو تم اس فتنے میں نہ پڑو۔ یہ سراسر گمراہی ہے۔ بلاشبہ تمہارا رب تو رحمٰن ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ تم اس کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکو، صرف اسی کی عبادت کرو، وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے وہی جو چاہتا ہے کرتا ہے سو تم اس کی عبادت میں میری اتباع کرو اور میرا حکم مانو۔ حضرت ہارونؑ کی گفتگو سن کر قوم کے لوگوں نے جواب دیا کہ جب تک حضرت موسیٰ ہمارے پاس نہیں آ جاتے ہم اس وقت تک اس بچھڑے کی پوجا کرتے رہیں گے۔ غرض حضرت ہارون نے ان کو بہت سمجھایا، مگر وہ نہ مانے بالآخر انہوں نے قوم کے ان لوگوں سے جو بچھڑے کی پوجا پر قائم رہے، کنارہ کشی اختیار کر لی۔ حضرت ہارونؑ کے ساتھ بہت تھوڑے سے لوگ تھے۔ جنہوں نے بچھڑے کو معبود نہیں بنایا تھا۔

(مواہب الرحمٰن، ۲۸۵۔۲۸۷/ ۱۶، ابن کثیر ۱۶۳/ ۳)

حضرت موسیٰ کا باز پرس کرنا

۹۲۔۹۴۔ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَامَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَ لاَّ تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِی ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَاتَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ وَلَابِرَاْسِیْ ۚ اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ۝

(حضرت موسیٰ نے آکر) کہا اے ہارون! جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو تمہیں کس چیز نے روکا تھا کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ کیا تو نے (بھی) میری نافرمانی کی۔ (حضرت ہارونؑ نے) کہا اے میری ماں کے بیٹے تو میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ پکڑ۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری

بات یاد نہ رکھی۔

بِلِحیتی : میری ڈاڑھی کو۔

ترْقُبْ : تو نے نگاہ رکھی۔ تو نے ملحوظ رکھا۔ تو نے انتظار کیا۔ رُقُوْبٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے غصے میں بھرے ہوئے واپس آئے تو توریت کی تختیاں زمین پر رکھ کر حضرت ہاروں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ان کو سر اور ڈاڑھی کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور ملامت کرتے ہوئے کہا کہ اس بت پرستی کے شروع ہوتے ہی تم نے مجھے خبر کیوں نہ دی۔ تم نے اپنے ہم خیال لوگوں کو ساتھ لے کر بچھڑے کی پوجا کرنے والوں سے مقابلہ و مقاتلہ کیوں نہ کیا۔ تمہیں میری پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا۔ حضرت ہارونؑ نے جواب دیا کہ اے میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی اور میرے سر کو نہ پکڑ۔ میں نے ان کو سمجھانے، نصیحت کرنے اور راہ راست پر لانے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، لیکن میری نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے، یہ لوگ مجھے کمزور سمجھ کر میرے قتل کے در پے ہوگئے۔ پھر میں نے یہی مناسب سمجھا کہ تمہارے آنے کا انتظار کروں اور تمہاری عدم موجودگی میں کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے بنی اسرائیل میں پھوٹ پڑ جائے۔ اس لئے میں نے ان سے مقاتلہ نہ کیا بلکہ ان کو صرف زبانی نصیحت کرتا رہا۔ حضرت موسیٰ کو حضرت ہارون کے جواب سے ان کی بے گناہی کا یقین ہوگیا۔ (مواہب الرحمٰن ۲۸۸۔۲۸۹/۱۶)

سامری سے باز پرس

۹۵۔۹۸۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ○ قَالَ بَصُرْتُ بِمَالَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ
فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ
لِیْ نَفْسِیْ ○ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا
مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ

الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ۝

(حضرت موسیٰ نے) کہا اے سامری تجھے کیا ہوا تھا؟ (سامری نے) کہا میں نے وہ چیز دیکھی جو اوروں کو دکھائی نہیں دی سو میں نے اللہ کے بھیجے ہوئے کے نقشِ قدم سے ایک مٹھی بھر خاک اٹھالی۔ پھر میں نے وہی (اس بچھڑے میں) ڈال دی اور میرے دل میں اسی طرح آیا تھا۔ (حضرت موسیٰ نے) کہا جاد ور ہو۔ دنیا کی زندگی میں تو تیری یہی سزا ہے کہ تو کہتا پھرے کہ مجھے کوئی نہ چھوئے۔ اور تیرے لئے (عذاب کا) ایک اور بھی وعدہ ہے جو تجھ سے ہرگز نہیں ٹلے گا۔ اور اب تو اپنے اس معبود کو بھی دیکھ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا ہم اسے جلا دیں گے پھر ہم اس (کی راکھ) کو دریا میں بکھیر کر بہا دیں گے (اے لوگو!) بیشک تمہارا معبود تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

خَطْبُكَ : تیرا معاملہ، تیرا حال، تیری منگنی، جمع خُطُوْبٌ

اَثَر : نقشِ قدم، پیچھے پیچھے، جمع اٰثَارٌ

فَنَبَذْتُهَا : پس میں نے اس کو پس پشت ڈال دیا، پس میں نے اس کو پھینک دیا۔ نَبْذٌ سے ماضی۔

سَوَّلَتْ : اس نے حکم دیا۔ اس نے زینت دلائی۔ وہ دل میں آیا۔

مِسَاس : مالش، ہاتھ لگانا، چھونا، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ : البتہ ہم ضرور اس کو خوب جلائیں گے۔ تَحْرِیْقٌ سے مضارع۔

لَنَنْسِفَنَّهٗ : البتہ ہم ضرور اس (راکھ) کو بکھیر کر بہا دیں گے۔ ہم ضرور اس کو اڑا دیں گے۔ نَسْفٌ سے مضارع۔

تشریح: پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو ڈانٹ پلائی اور کہا کہ اب تو اپنی حقیقت بیان کر کہ تو نے یہ نامعقول حرکت کیوں کی۔ سامری نے جواب دیا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔ سو میں نے اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا اور ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ پھر میں نے اس مٹی کو اس آگ میں ڈال دیا جس میں بنی اسرائیل والوں نے اپنے زیورات ڈالے تھے۔ اس مٹی کے ڈالنے سے زیورات پگھل کر ایک بچھڑا بن گئے اور اس میں سے آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل اس کرشمے کو دیکھ کر مفتون ہوگئے۔ اس کو میرے دل نے پسند کیا۔ اور مجھے اس کام پر آمادہ کیا۔ اس لئے میں نے یہ کام کر ڈالا۔ اس کے سوا اس کا کوئی اور سبب نہیں۔

حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تو ہمارے درمیان سے نکل جا۔ اب دنیوی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ نہ تو تو کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے گا اور نہ کوئی تجھے ہاتھ لگا سکے گا۔ آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہوگی، جس سے چھٹکارا محال ہے۔ اب تو اپنے معبود کا حشر دیکھ جس کی عبادت پر تو جما ہوا تھا۔ ہم اسے جلا کر راکھ کئے دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ سونے کا بچھڑا اس طرح جل گیا جیسے کوئی گوشت پوست کا بچھڑا جل کر راکھ ہو جائے۔ پھر اس کی راکھ کو جمع کر کے دریا میں بہا دیا تاکہ اس کے پوجنے والوں پر خوب واضح ہو جائے کہ یہ بچھڑا دوسروں کو تو کیا نفع پہنچاتا یہ تو اپنے وجود کی بھی حفاظت نہ کر سکا۔

بلاشبہ تمہارا معبود تو صرف اللہ ہے جو تمام صفات کمال کا جامع ہے۔ تم سب کا مالک و خالق ہے۔ وہ قیاس و گمان سے پاک و برتر ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کا علم نہایت وسیع، لامحدود اور ذرے ذرے کو محیط ہے۔

(عثمانی ۹۴/ ۲، ابن کثیر ۱۶۳، ۱۶۴/ ۳)

سابقہ امتوں کے واقعات سنانے کی حکمت

۹۹-۱۰۱۔ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۤءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اسی طرح ہم آپ کو ان لوگوں کی خبریں سناتے ہیں جو پہلے گزر چکے۔ اور ہم نے آپ کو اپنے پاس سے ایک نصیحت نامہ (یعنی قرآن) دیا ہے۔ جس نے اس سے اعراض کیا تو قیامت کے روز وہ یقیناً (اس گناہ کا) بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہوگا۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور قیامت کے دن ان کے لئے بڑا برا بوجھ ہے۔

لَّدُنَّا : ہماری طرف سے۔

وِزْرًا : بوجھ۔

سَاۤءَ : وہ بڑا ہے، سَوْءٌ سے ماضی فعل ذم ہے۔

حِمْلًا : بوجھ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہم نے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ سنایا اسی طرح ہم آپ کے سامنے گزشتہ حوادث کی کچھ خبریں بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کو تسلی ہو اور آپ کی امت کے لئے عبرت و نصیحت ہو۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو ایسا قرآن عطا کیا ہے جس میں ماضی کی اقوام کے حالات و واقعات درج ہیں۔ جو شخص اس قرآن سے اعراض کرے گا، اس پر ایمان نہیں لائے گا اور اس کے مطابق عمل نہیں کرے گا تو بلاشبہ قیامت کے روز وہ کفر و معصیت کا بھاری بوجھ اپنے اوپر لاد کر لائے گا جو کبھی ہلکا نہ ہوگا۔ پھر گناہوں کے اس بوجھ کا اٹھانا کوئی آسان نہیں۔ جب یہ لوگ اس بوجھ کو اٹھائیں گے تب ان کو پتہ چلے گا کہ ان پر

کیسا بُرا اور سخت بوجھ لدا ہوا ہے۔

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو شخص قرآن سے روگردانی کرے گا وہ قیامت کے روز اپنے کندھے پر اس مال کا بار اٹھائے گا جو اس نے دنیا میں ناجائز طور پر استحقاق کے بغیر لیا ہوگا۔

امام احمد اور طبرانی نے حضرت یعلیٰ بن مرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے بالشت بھر زمین ناحق لی، اللہ تعالیٰ اس کو اس بات کا مکلف کرے گا کہ وہ بالشت بھر کا گڑھا ساتوں زمینوں میں (یعنی اوپر سے ساتویں زمین تک) کھودے پھر قیامت کے دن ساتوں زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا، اور لوگوں کا فیصلہ ہونے تک یہ طوق اس کے گلے میں پڑا رہے گا۔

امام احمد اور شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ (ایک روز) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (خطاب کے لئے) کھڑے ہوئے اور مال غنیمت میں خیانت کرنے کی بڑی برائی کی۔ پھر فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ میں قیامت کے روز تم میں سے کسی کو ایسی حالت میں پاؤں کہ وہ بلبلاتے ہوئے اونٹ کو اپنی گردن پر سوار کئے ہوئے آرہا ہو اور مجھ سے کہہ رہا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری مدد کیجئے۔ میں کہدوں گا کہ اللہ کے مقابلے میں (اب) میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے تجھے پیغام پہنچا دیا۔ آپ نے اس حدیث میں اسی طرح گردن پر ہنہناتے ہوئے گھوڑے اور منمناتی ہوئی بکری کے سوار ہونے کا ذکر بھی فرمایا۔

(روح المعانی ۲۵۸، ۲۵۹/ ۱۶، عثمانی ۹۴/ ۲، مظہری ۱۶۱۔ ۱۶۳/ ۶)

حشر میں مجرموں کا حال

۱۰۲۔۱۰۴۔ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۝
یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا
یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ۝

جس دن صور میں پھونکا جائے گا اور اس دن ہم سب مجرموں کو اس
حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہوں گی۔ وہ آپس
میں چپکے چپکے کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے
ہو گے۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ کہیں گے جبکہ ان میں سب
سے زیادہ صائب الرائے یہ کہے گا کہ تم تو صرف ایک ہی روز ٹھہرے۔

زُرْقًا : کیری آنکھ، نیلی آنکھ، اندھا واحد اَزْرَقُ

یَوْمَئِذٍ : اس روز، اس دن یہ یَوْم اور اِذْ سے مرکب ہے۔

یَتَخَفَتُوْنَ : وہ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں۔ تَخَافُتٌ سے مضارع۔

تشریح: قیامت کے دن جب صور پھونکا جائے گا تو ہم مجرموں کو اس حال میں جمع کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی ہوں گی اور چہرے سیاہ ہوں گے، ان پر پیاس غالب ہوگی اور وہ بدحواس ہوں گے۔ اس وقت وہ خوف کے مارے چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم تو دنیا میں صرف دس روز رہے یعنی آخرت کے طول اور وہاں کے ہولناک احوال کی شدت کو دیکھ کر وہ دنیا کے طویل قیام کو صرف دس دن کے برابر خیال کریں گے۔

صور ایک سینگ کی طرح کی چیز ہے جس میں پھونک مار کر لوگوں کو حشر کے لئے بلایا جائے گا۔ صور دو دفعہ پھونکا جائے گا۔ پہلی دفعہ میں تمام دنیا فنا ہو جائے گی، کوئی زندہ نہیں بچے گا دوسری دفعہ پھونکنے سے ابتداء سے انتہا تک سب زندہ ہو جائیں گے اور سب کو حشر میں جمع کیا جائے گا۔ دونوں نفخوں کے درمیان ۴۰ سال کا فاصلہ ہوگا۔ یہاں نفخہ سے مراد نفخۂ دوم ہے۔

پھر فرمایا کہ جس مدت کے بارے میں وہ باہم سرگوشیاں کریں گے وہ ہمیں خوب معلوم ہے۔ ان میں سے جو زیادہ عقلمند، صائب الرائے اور ہوشیار ہوگا وہ کہے گا کہ دس بھی کہاں، صرف ایک ہی دن سمجھو، دنیوی قیام کو ایک دن کے برابر کہنے والے کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ صائب الرائے اس لئے قرار دیا کہ اس نے آخرت کی بقا اور دوام کے مقابلے میں دنیوی قیام کو

دوسروں کے مقابلے میں کم ظاہر کیا۔
(عثمانی ۹۵/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵۸۶،۵۸۵/ ۴، مواہب الرحمٰن ۲۹۸، ۳۰۰/ ۱۶)

قیامت کے روز پہاڑوں کا حال

۱۰۵۔۱۰۸۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں سو آپ کہہ دیجئے کہ ان کو تو میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا۔ پھر وہ زمین کو ایک ہموار میدان کرے گا۔ جس میں نہ تو تُو کہیں ناہموار ی دیکھے گا اور نہ ٹیلا۔ اس دن وہ پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے جس میں کوئی کجی نہ ہو گی اور (دہشت سے) رحمٰن کے سامنے سب (کی) آوازیں پست ہو جائیں گی، پھر کھسر پھسر کے سوا تجھے کچھ بھی سنائی نہ دے گا۔

يَذَرُهَا : وہ اس (زمین) کو چھوڑ دے گا۔ وَذْرٌ سے مضارع۔
قَاعًا : ہموار میدان۔ چٹیل میدان۔ جمع قِيْعٌ
اَمْتًا : ٹیلہ، بلندی۔
خَشَعَتِ : وہ نیچی ہو گئی، وہ دب گئی، خُشُوْعٌ سے ماضی۔
هَمْسًا : قدم کی چاپ، آہٹ، کھسر پھسر، اسم مصدر۔

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ کسی ثقفی آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کے روز ان پہاڑوں کا کیا ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن المنذر نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے سوال کیا تھا کہ قیامت کے دن آپ کا رب ان پہاڑوں کا کیا کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۱۶۴/۶)

تشریح: منکرینِ آخرت تمسخر کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے تھے کہ اگر قیامت قائم ہوگئی تو ان پہاڑوں کا کیا ہوگا اور اس دن یہ پہاڑ کہاں ہوں گے۔ ان کے خیال میں پہاڑوں کا نیست و نابود ہونا محال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ میرا رب اپنی قدرتِ کاملہ سے ان پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے پوری طرح ہوا میں اڑا دے گا۔ پھر ان کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ ان کے نیچے کی زمین ایسی ہموار کر دی جائے گی کہ اس میں اونچائی اور نیچائی کا نام و نشان بھی نہ ہوگا۔

ان دہشت ناک امور کے ساتھ ہی ایک آواز دینے والا آواز دے گا۔ ساری مخلوق اس کی آواز پر لگ جائے گی۔ کوئی بھی اس آواز کی پیروی سے انحراف نہ کر سکے گا۔ سب سیدھے دوڑے چلے آئیں گے۔ نہ کوئی ادھر اُدھر ہوگا اور نہ کوئی ٹیڑھا ترچھا چلے گا۔ سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔ اس روز ہیبت کی وجہ سے تمام آوازیں رحمٰن کے سامنے پست ہو جائیں گی۔ سوائے پیروں کی چاپ کے کچھ سنائی نہ دے گا۔ (مظہری ۱۶۴/۶، ابن کثیر ۱۶۵/۳)

کسی سفارش کا کام نہ آنا

۱۰۹۔۱۱۲۔ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ○ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ

عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنْ
حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا
يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝

اس دن سفارش کچھ نفع نہ دے گی مگر اس کی جس کو رحمٰن اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔ وہ ان کے اگلے پچھلے احوال جانتا ہے اور ان کا علم اس (اللہ تعالیٰ) پر حاوی نہیں ہو سکتا اور تمام چہرے اس حی و قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے اور یقیناً وہ برباد ہوا جو ظلم لے کر آیا اور جس نے اچھے کام کئے ہوں گے اور وہ مومن بھی ہو گا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہو گا اور نہ حق تلفی کا۔

عَنَتِ : وہ جھک گئے۔ وہ ذلیل ہو گئے۔ عُنُوٌّ سے ماضی۔

خَابَ : وہ ناکام ہوا۔ وہ نامراد ہوا۔ خَيْبَةٌ سے ماضی۔

هَضْمًا : کم کرنا۔ توڑنا، حق تلفی کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: قیامت کے روز کسی کو بھی دوسرے کے لئے شفاعت کی مجال نہ ہو گی۔ اللہ کی اجازت کے بغیر نہ آسمان کے فرشتے کسی کی سفارش کر سکیں گے اور نہ کوئی بزرگ و نیک بندہ کسی کی سفارش کر سکے گا۔ سب پر خوف طاری ہو گا۔ روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے۔ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی شفاعت تو کیا لب بھی نہ کھول سکے گا۔ خود سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوں گے۔

صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عرش کے نیچے آؤں گا اور اللہ کے حضور سجدے میں چلا جاؤں گا اور مجھ پر اللہ کی تعریف کے ایسے کلمات کھول دیئے جائیں گے جن کو میں آج بیان نہیں کر سکتا۔ پھر جو اللہ چاہے گا میں اس سے مانگوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنا سر اٹھایئے اور اپنی بات کہیئے۔ آپ کی بات سنی جائے گی۔ آپ شفاعت کیجئے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ

تعالیٰ میرے لئے ایک حد مقرر کرے گا۔ جن کو میں (اپنی سفارش کے ذریعے) جنت میں داخل کرادوں گا۔ پھر میں لوٹوں گا پھر یہی عمل دہرایا جائے گا۔ آپ نے اسی طرح چار مرتبہ فرمایا، اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جہنم سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں ایک مثقال ایمان ہو گا سو آپ بہت سے لوگوں کو جہنم سے نکال لائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس کے دل میں آدھا مثقال ایمان ہو اسے بھی آگ سے نکال لاؤ۔ جس کے دل میں ایک ذرے کے برابر ایمان ہو اسے بھی نکال لاؤ۔ جس کے دل میں اس سے بھی کم، اس سے بھی کم، اس سے بھی کم ایمان ہو اس کو بھی آگ سے نکال لاؤ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے تمام مخلوق کا احاطہ کر رکھا ہے۔ وہ سب کے اگلے پچھلے احوال کو جانتا ہے۔ مخلوق اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ قیامت کے روز تمام مخلوق کے چہرے عاجزی و پستی اور ذلت و نرمی کے ساتھ اس حیّ و قیوم کے سامنے جھکے ہوئے ہوں گے، کیونکہ وہ موت و فوت سے پاک ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ہی رہنے والا ہے۔ نہ اس کو نیند آتی ہے اور نہ اونگھ، وہ اپنے آپ قائم رہنے والا اور ہر چیز کو اپنی تدبیر سے قائم رکھنے والا ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے، نہ اپنی مرضی سے پیدا ہو سکے اور نہ باقی رہ سکے۔ جس نے دنیا میں ظلم کیا ہو گا وہ قیامت کے روز تباہ و برباد ہو گا۔ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ شخص نقصان میں رہے گا جس نے کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا۔

جس نے ایمان کی حالت میں نیک کام کئے ہوں گے قیامت کے دن اس کو نہ تو نیکیوں کا ثواب کم ہونے کا اندیشہ ہو گا اور نہ اس بات کا خوف ہو گا کہ دوسروں کے گناہ اس پر لاد دئے جائیں گے بلکہ ہر ظالم کو اس کے ظلم کی سزا ملے گی اور مومن صالح کو اس کے عمل صالح کی جزا ملے گی۔ (روح المعانی ۲۶۴، ۲۶۶/ ۱۶، ابن کثیر ۱۶۶/ ۳)

منکرین کو تنبیہ

۱۱۳۔ ۱۱۴۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ

يَتَّقُوْنَ اَوْيُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ
وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۫ وَقُل
رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ○

اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح کی خوف دلانے والی باتیں بیان کی ہیں تاکہ وہ لوگ ڈریں یا یہ (قرآن) ان میں سمجھ پیدا کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ بڑی شان والا حقیقی بادشاہ ہے اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک اس کی پوری وحی آپ کی طرف نازل نہ ہو جائے آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے اور دعا کرتے رہئے کہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم دے۔

صَرَّفْنَا : ہم نے طرح طرح سے بیان کیا، ہم نے پھیر پھیر کر سمجھایا۔ تَصْرِيْفٌ سے ماضی۔

يُقْضٰى : اس کی قضا (موت) آئے گی۔ وہ پورا کیا جائے گا۔ قَضَاءٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہم نے گزشتہ امتوں کے حالات و واقعات آپ پر نازل کئے اسی طرح یہ قرآن بھی عربی زبان میں نازل کیا تاکہ اہل عرب اس کے اعجاز کو دیکھ کر اس کے وعدہ وعید پر ایمان لے آئیں اور سعادت ابدی حاصل کریں۔ ہم نے اس قرآن میں عذاب سے ڈرانے والی چیزوں کو بار بار بیان کیا ہے تاکہ لوگ پرہیزگار بن جائیں۔

اللہ تعالیٰ حقیقی بادشاہ اور بڑی اعلیٰ شان والا ہے۔ جس طرح وہ اپنی ذات و صفات میں مخلوق کی مشابہت سے پاک ہے اسی طرح اس کا کلام بھی مخلوق کے کلام کی مماثلت سے اعلیٰ و بالا ہے۔ سو وہ مشرکوں کے شرکیہ اقوال سے بلند و برتر ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس مفید و عجیب قرآن کو ہم بتدریج نازل کرتے ہیں۔ آپ بھی اس کو جبرائیل سے لینے میں جلدی نہ کیا کریں۔ جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے اس کو دہرانے میں جلدی نہ کیا کریں۔ قرآن کریم کو آپ کے سینے میں محفوظ رکھنے کا ذمہ ہم لے چکے ہیں۔ اس لئے اس کو یاد رکھنے کی فکر میں پڑنے

کی ضرورت نہیں۔ بلکہ آپ یہ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی اور زیادہ سمجھ اور بیش از بیش علوم و معارف عطا فرمائے۔ (مظہری ۱۶۶،۱۶۷/۶، عثمانی ۹۷/۲)

حضرت آدم کی بھول

۱۱۵۔۱۱۹۔ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ
اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا
يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا
وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝

اور اس سے پہلے ہم نے آدم سے بھی عہد لیا تھا پھر وہ بھول گئے اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا۔ پھر ہم نے کہا اے آدم یہ (شیطان) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے سو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو جنت سے نکلوا دے۔ پھر تو مشقت میں پڑ جائے۔ بیشک اس (جنت) میں تو نہ بھوکا رہے گا اور نہ ننگا۔ اور یہ کہ نہ تو تُو یہاں پیاسا رہے گا اور نہ دھوپ سے تکلیف اٹھائے گا۔

تَجُوْعَ: تو بھوکا رہتا ہے۔ جُوْعٌ سے مضارع۔

تَعْرٰى: تو ننگا ہوگا۔ عُرْیٌ سے مضارع۔

تَظْمَؤُا: تجھے پیاس لگے گی۔ تو تشنہ رہے گا۔ ظَمْأٌ سے مضارع۔

تَضْحٰى: تو دھوپ کھائے گا۔ ضُحیً سے مضارع۔

تشریح: ہم نے اس سے بہت زمانہ پہلے آدمؑ کو بھی حکم دیا تھا اور نصیحت کر دی تھی کہ

اس خاص درخت میں سے نہ کھانا اور یہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ لیکن وہ ہماری نصیحت کو بھول گئے اور ان سے چوک ہوگئی اور وہ شیطان کے قسم کھانے سے دھوکہ کھا گئے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ ہم نے آدم کو اپنا خلیفہ بنایا ہے سو تم اس کو سجدہ کرو۔ پس ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان نہیں ہیں۔ اور نہ ان میں کسی سے عداوت کا مادہ ہے مگر ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ حاسد تھا۔ جب اس نے حضرت آدم کے حق میں اللہ کی نعمت کے آثار دیکھے تو وہ حسد کی بنا پر ان کا دشمن ہوگیا۔ پھر ہم نے آدم سے کہا کہ بلاشبہ یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے سو تم اس سے ہوشیار رہنا۔ یہ ہر وقت تمہیں جنت سے نکلوانے کی فکر میں لگا ہوا ہے پس تم اس کے بہکانے سے ایسا کام نہ کر بیٹھنا جس کی وجہ سے جنت سے نکلنا پڑے اور دنیا کی مشقت اٹھانی پڑے۔

جنت میں تو بلا مشقت اور بلا محنت اللہ کی طرف سے تمام ضروریات زندگی فراہم ہیں مثلاً بھوک دور کرنے کے لئے کھانا، پیاس کے لئے پانی، برہنگی کے لئے لباس اور رہنے کے لئے سایہ دار مکان وغیرہ۔ اگر تجھے یہاں سے نکالا گیا تو دنیا میں تو حصول رزق اور دیگر سامان زندگی فراہم کرنے کے لئے بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ بھوکا ہونا باطنی ذلت ہے اور ننگا ہونا ظاہری ذلت ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو آگاہ کر دیا کہ یہاں تجھے ظاہری و باطنی کوئی ذلت و محتاجی نہیں جبکہ جنت سے نکل کر دنیا میں پہنچتے ہی ان سب سے سابقہ پڑے گا۔

(مظہری ۱۶۷۔۱۶۹/۶، مواہب الرحمٰن، ۳۱۰۔۳۱۲/۱۶، ابن کثیر ۱۶۷، ۱۶۸/۳)

شیطان کا حضرت آدم کو پھسلانا

۱۲۰۔۱۲۲۔ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ○ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ

فَغَوٰی O ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ وَھَدٰی O

پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال دیا اور کہنے لگا اے آدم کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت اور ایسی بادشاہت بتاؤں جس میں کبھی ضعف نہ آئے۔ سو ان دونوں (آدم و حوا) نے اس درخت میں سے کچھ کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا بدن ڈھانپنے کے لئے) دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے (نادانستہ) اپنے رب کی نافرمانی کی سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔ پھر ان کے رب نے ان کو نواز دیا۔ سو ان کی طرف توجہ فرمائی اور ان کی رہنمائی فرمائی۔

یَبْلٰی : وہ پرانا ہوگا۔ وہ زائل وہ کمزور ہوگا۔ بِلیٰ سے مضارع۔

فَبَدَتْ : پس وہ ظاہر ہوئی۔ بَدْوٌ سے ماضی۔

سَوْاٰتُھُمَا : ان دونوں کی شرمگاہیں۔

طَفِقَا : وہ دونوں کرنے لگے۔ ان دونوں نے شروع کیا۔ طَفَقٌ وُ طُفُوْقٌ سے ماضی۔

یَخْصِفٰنِ : وہ دونوں ٹانکتے ہیں۔ وہ دونوں چپکانے لگے۔ خَصْفٌ سے مضارع۔

تشریح : آخر شیطان نے مکاری سے انہیں اپنے جال میں پھانس لیا۔ وہ قسمیں کھا کھا کر انہیں اپنی خیر خواہی کا یقین دلانے لگا کہ جو اس درخت میں سے کھالیتا ہے وہ ہمیشہ یہیں یعنی جنت میں رہتا ہے اور اس کی سلطنت کبھی زائل نہیں ہوتی۔ جب شیطان نے اللہ کی قسم کھا کر حضرت آدم سے کہا تو ان کو شبہ بھی نہ ہوا کہ کوئی اللہ کا نام لے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔

پس جب شیطان کے بہکائے میں آکر دونوں نے یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا نے اس درخت سے کھالیا جس کے کھانے کی ان کو ممانعت کی گئی تھی۔ تو فوراً دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے ظاہر ہوگئے اور وہ گھبرا کر اپنے اوپر جنت کے درختوں کے پتے چپکانے لگے۔ اس طرح حضرت آدم سے اپنے رب کا قصور ہوگیا اور وہ راہِ راست سے ہٹ گئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو برگزیدہ کیا اور ان کو اپنے خاص بندوں میں شامل فرمالیا اور

ان کو توبہ کی توفیق دی چنانچہ حضرت آدم نے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، پھر ان کو اس توبہ پر ثابت و مستقیم کر دیا کہ یہ توبہ پھر کبھی نہ ٹوٹی، اس طرح حضرت آدم اپنی گریہ وزاری اور ندامت و شرمساری اور توبہ و معذرت کی بنا پر پہلے سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بن گئے۔ اور شیطان مردود کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

(مواہب الرحمٰن ۳۱۲۔۳۱۶/۱۶)

حضرت آدم کو زمین پر اترنے کا حکم

۱۲۳۔۱۲۷ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَإِمَّا
يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا
يَشْقَىٰ ۝ وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنكًا
وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَىٰ ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ
وَقَدْ كُنتُ بَصِيرًا ۝ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ
وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ ۝ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ
يُؤْمِن بِآيَاتِ رَبِّهِ ۚ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ ۝

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے اکٹھے اترو۔ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہو گے۔ پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت پہنچے تو جو شخص میری اس ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور جو میری اس نصیحت سے روگردانی کرے گا تو اس کی زندگی تنگی میں رہے گی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا؟ اور تحقیق میں تو دیکھنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اسی طرح تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں۔ پھر تو نے ان کو

فراموش کر دیا تھا اور اسی طرح آج تجھے بھلا دیا جائے گا اور جو کوئی حد سے گزر جائے اور اب اپنے رب کی آیتوں کو نہ مانے تو ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور البتہ آخرت کا عذاب نہایت ہی سخت اور بہت دیرپا ہے۔

اهْبِطَا: تم دونوں اترو، هُبُوْطٌ سے امر۔

يَشْقٰى: وہ مشقت میں پڑتا ہے۔ وہ بدبخت ہوتا ہے۔ شَقَاوَةٌ سے مضارع۔

ضَنْكًا: تنگی، تنگ ہونا، مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و حوا اور ابلیس لعین و مردود کو فوراً زمین پر اترنے کا حکم دیا۔ بظاہر یہ خطابِ عتاب ہے مگر حقیقت میں یہ خطاب تکمیلِ شرف و تکریم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ ان کو روئے زمین کا خلیفہ بنایا جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت سے زمین پر اترنے کا حکم دیا تاکہ وہ دنیا میں منصب خلافت پر فائز ہوں اور جو لغزش سہواً یا نسیاناً ان سے سرزد ہو گئی تھی وہ توبہ و استغفار سے معاف ہو گئی۔

پس تم دنیا میں اس حال میں اترو کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہو یعنی آدم کی اولاد اور ابلیس میں دشمنی ہو گی اور دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔ اس کا علاج آسمانی ہدایت اور حکمِ خداوندی کی پیروی کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ ایسی حالت میں تمہارے پاس میرے رسول اور میری کتابیں آئیں تو تم ان کی پوری طرح اتباع کرنا کیونکہ میری بتائی ہوئی راہ کی اتباع کرنے والے نہ تو دنیا میں رسوا ہوں گے اور نہ آخرت میں ذلیل و خوار ہوں گے۔ البتہ میرے احکام کے خلاف کرنے والے اور میرے رسولوں کے طریقے کو ترک کرنے والے دنیا میں بھی اپنی گمراہی کے سبب تنگی اور مشقت میں رہیں گے اور آخرت کی نعمتوں میں بھی ان کا کوئی حصہ نہ ہو گا۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کو ہم اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ اس وقت کافر کہے گا کہ اے میرے پروردگار! میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا، خوب دیکھتا تھا پھر مجھے اندھا کیوں کر دیا گیا؟ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرمائے گا کہ یہ ہماری آیتوں سے منہ موڑ لینے کا بدلہ ہے۔ دنیا میں تیرے پاس ہماری ہدایت کی واضح اور خوب روشن نشانیاں پہنچیں۔ تو نے ان کو

بھلا دیا اور ان سے منہ موڑ لیا اور تو دنیا میں ان کے بارے میں اندھا بنا رہا۔ اس لئے آج ہم نے بھی تیرے ساتھ وہی معاملہ کیا جو تو نے دنیا میں ہماری آیتوں کے ساتھ کیا تھا۔

جو شخص حدودِ خداوندی کی پرواہ نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتا ہے ہم اس کو اسی طرح دنیا و آخرت کے عذابوں میں مبتلا کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی شدید اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ وہاں کوئی نہ ہوگا جو اس کو اس عذاب سے بچالے یا اس میں کمی کردے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۹۸۔۵۹۹ / ۴، ابن کثیر ۱۶۸، ۱۶۹ / ۳)

مشرکین کو تنبیہ و تہدید

۱۲۸۔۱۳۰۔ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝

کیا اس بات نے بھی ان کی رہنمائی نہیں کی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنے ہی گروہ ہلاک کر دیئے، جن کے رہنے بسنے کی جگہ یہ چل پھر رہے ہیں۔ بیشک اس میں تو عقلمندوں کے لئے (بڑی بڑی) نشانیاں ہیں اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی اور ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو عذاب لازم ہو چکا ہوتا۔ پھر جو کچھ وہ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی تسبیح اور تعریف بیان کرتے رہئے سورج طلوع ہونے سے پہلے

اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اور رات کے اوقات میں بھی اور
دن کے ابتدائی اور آخری حصوں میں بھی تسبیح کرتے رہئے تاکہ آپ
راضی ہوں۔

اَلْقُرُوْن : گروہ، امتیں، زمانے۔

النُّھٰی : عقلیں۔ واحد نُھْیَۃٌ

اٰنَآئِ : اوقات، گھڑیاں۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ آپ کو اللہ کا رسول نہیں مانتے اور آپ کی شریعت کا انکار کرتے ہیں وہ اس بات سے عبرت کیوں نہیں پکڑتے کہ ان سے پہلے جن لوگوں یعنی عاد و ثمود وغیرہ نے انبیا سے سرکشی اور اعراض کیا تھا ہم ان کی کتنی ہی بستیاں تباہ و برباد کر چکے ہیں۔ آج ان سرکشوں میں سے ایک آدمی بھی زندہ نہیں۔ ان کے بلند و بالا اور خوبصورت و کشادہ محل ویران کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ منکرین ملک شام جاتے ہوئے ان کھنڈروں پر گزرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ عقلمند ہوتے تو ان کھنڈرات کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرتے۔ کیا ان اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر بھی ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔ یہ لوگ آنکھوں ہی کے اندھے نہیں بلکہ دل کے بھی اندھے ہیں۔ اسی لئے یہ ان میں غور و فکر نہیں کرتے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ بڑے سخت مجرم ہیں۔ اگر آپ کے رب کی طرف سے یہ بات طے نہ ہو چکی ہوتی کہ وہ اتمام حجت سے پہلے کسی کو عذاب نہیں دیتا اور ان کے عذاب کا وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر فوراً ناگہانی طور پر عذاب آجاتا۔ ان کے عذاب کا وقت مقرر ہو چکا ہے اس لئے ان کو بداعمالیوں کی سزا اسی مقررہ وقت پر ملے گی۔ سو آپ ان کی تکذیب اور بیہودہ باتوں پر صبر کیجئے اور صبح و شام اپنے رب کی حمد و ثنا کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہئے، اور رات کے اوقات میں بھی اس کی تسبیح اور حمد و ثنا کرتے رہئے۔ امید ہے کہ قیامت کے روز آپ اس کے اجر و ثواب کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۳، ۶۰۴ / ۴، ابن کثیر ۱۷۰ / ۳)

اسبابِ عیش پر نظر نہ کرنے کی تاکید

۱۳۱۔۱۳۲۔ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○
وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۭ لَا نَسْــَٔــلُكَ رِزْقًا ۭ
نَحْنُ نَرْزُقُكَ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھئے جو ہم نے مختلف گروہوں کو استعمال کے لئے دے رکھی ہیں تاکہ اس میں ہم ان کی آزمائش کریں (کیونکہ) وہ (محض) دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے رب کا دیا ہوا رزق ہی بہتر اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ اور اپنے گھر کے لوگوں کو بھی نماز کا حکم کرتے رہئے اور خود بھی اس پر قائم رہئے۔ ہم آپ سے رزق نہیں مانگتے بلکہ ہم خود آپ کو روزی دیتے ہیں اور بہتر انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے کافروں کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لئے جو عیش و آسائش کے سامان دے رکھے ہیں آپ ان کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھئے۔ یہ محض چند روزہ بہار ہے جس کے ذریعے ہم ان کافروں کو آزماتے ہیں کہ کون ان میں سے احسان مانتا ہے اور کون سرکشی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو عظیم الشان دولت آپ کو دے رکھی ہے مثلاً قرآن کریم، منصبِ رسالت، فتوحاتِ عظیمہ، رفعِ ذکر اور آخرت کے اعلیٰ ترین مراتب، ان کے سامنے ان فانی اور حقیر چیزوں کی کیا حقیقت ہے۔ جو دولت آپ کو عطا کی گئی ہے، وہ اس دولت سے جو ان کو حاصل ہے کہیں بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

آپ اپنے متعلقین و متبعین کو نماز کا حکم دیتے رہئے اور خود بھی اس پر عمل پیرا رہئے۔ ہم نے آپ کو اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ آپ ہماری مخلوق میں سے کسی کو رزق مہیا

کریں یا اپنا رزق خود پیدا کریں۔ رزق تو ہم دیں گے آپ کو بھی اور ان کو بھی، آپ تو عمل صالح کرتے رہئے اور نماز پڑھتے رہئے اس کے نتیجے میں اللہ آپ کو ایسی جگہ سے روزی دے گا جہاں سے روزی کا ملنا آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ

(سورۂ طلاق آیات ۲، ۳)

اور جو شخص اللہ سے ڈرتا رہے تو اللہ اس کے لئے نجات کی سبیل پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کو گمان بھی نہ ہوگا۔ (عثمانی ۱۰۱/۲، مظہری ۱۷۷۔۱۷۸/۶)

کفار کا مطالبۂ معجزات

۱۳۳۔۱۳۵، وَقَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ۝ قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۝

وہ کہتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس اپنے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں لے آتے۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں میں کی نشانیاں نہیں پہنچ چکیں اور اگر اس سے پہلے ہی ہم ان کو کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ ضرور کہتے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمارے پاس اپنا رسول کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم رسوا اور ذلیل ہونے سے پہلے ہی تیری آیتوں کی اتباع کرتے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہر ایک انجام کا منتظر ہے سو

تم بھی انتظار کرو۔ پھر بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ سیدھے راستے والے کون ہیں اور ہدایت پانے والا کون ہے۔

مُتَرَبِّصٌ: انتظار کرنے والا، راہ دیکھنے والا، مراد اعمال کے نتائج کا منتظر۔ تَرَبُّصٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: منکرین و مشرکین ہٹ دھرمی سے یہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر کوئی نشانی کیوں نہیں لایا۔ کیا دوسری بہت سی نشانیوں کے علاوہ سب سے بڑا عظیم الشان یہ قرآن ان کے پاس نہیں آچکا جو سابقہ امتوں کے حال بیان کرتا ہے اور سابقہ کتب کے ضروری مضامین کا محافظ اور ان کی صداقت کے لئے حجت و گواہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن کریم کا اعجاز آفتاب سے زیادہ روشن ہے۔ کیا یہ روشن نشانی آپ کی نبوت و رسالت کے اثبات کے لئے کافی نہیں۔ یہ لوگ اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ ایسی عظیم الشان نشانی دیکھنے کے بعد تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ کوئی نشانی کیوں نہیں لایا۔ بالفرض اگر ہم قرآن نازل نہ کرتے اور کتاب اور رسول کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان کو عذاب میں پکڑ لیتے تو قیامت کے روز یہ کہتے کہ سزا دینے سے پہلے ہمارے پاس کوئی کتاب اور سمجھانے والا کیوں نہیں بھیجا جو ہمیں ذلت و رسوائی اٹھانے سے پہلے توحید کی طرف بلاتا اور ہم تیرے احکام کی پیروی کر لیتے۔ غرض قرآن نہ آتا تو یوں کہتے۔ آگیا تو اسے چھوڑ کر دوسری من گھڑت نشانیوں کا مطالبہ کرنے لگے۔ ان کا مقصد ہدایت حاصل کرنا نہیں بلکہ حیلے بہانے تراشنا ہے۔ خیر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہم اور تم دونوں انتظار کرتے ہیں۔ عنقریب یعنی مرنے کے بعد قیامت کے روز معلوم ہو جائے گا کہ کون راہِ راست پر تھا اور کون ہدایت پا کر منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔

(عثمانی ۱۰۱، ۱۰۲/ ۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۵، ۶۰۶/ ۴)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ انبیاء

وجہ تسمیہ: اس سورت کو سورۂ انبیاء اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں کثرت سے انبیا کا ذکر ہے۔

تعارف: اس میں سات رکوع، ایک سو بارہ آیتیں، ۱۱۸۷ کلمات اور ۵۱۵۴ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاجماع مکی ہے۔ اس بارے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس میں توحید و نبوت، عالم آخرت کا ثبوت، سترہ پیغمبروں کا ذکر اور ان کی نافرمان امتوں کا انجام بد اور انسان کا بارگاہ الٰہی میں حساب دینے کے لئے حاضر ہونا مذکور ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ بنی اسرائیل، سورۂ کہف، سورۂ مریم، سورۂ طٰہٰ اور سورۂ انبیاء عتاق اوّل سے ہیں اور یہی تلادی ہیں (عتاق اوّل یعنی نزول کے اعتبار سے مکی اور تلاد یعنی حفظ ہیں) یعنی یہ چاروں سورتیں نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں ہیں جو مکہ میں نازل ہوئیں اور یہ میری قدیم دولت اور کمائی ہیں جن کی میں ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔ (ابن کثیر ۳/۱۷۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: ابتدا میں قرب قیامت کی خبر دی گئی ہے۔ پھر تمام سابقہ انبیا کا انسان ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲: منکرینِ خدا کا عذاب سے بچنا محال بیان کیا گیا ہے، پھر حق کا باطل پر غالب آنا، شرک کا ابطال اور توحید کا اثبات ہے۔ آخر میں مشرکین کا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں

قرار دینا مذکور ہے۔

رکوع ۳: اثبات وحدانیت، تمام جانداروں کا فانی ہونا مذکور ہے۔ پھر کفار کے استہزا کا جواب اور ان کا آگ کی حقیقت سے بے خبر ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: باطل معبودوں کی حقیقت، کفار کی غفلت و غرور اور ان کا حق سے بے بہرہ ہونے کا بیان ہے۔ پھر قیامت کے روز عدل وانصاف کی ترازو قائم کرنے اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا واقعہ مذکور ہے۔

رکوع ۵: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ، ان کا بتوں کو توڑنا۔ کفار کی ندامت اور ان کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلانے کا فیصلہ مذکور ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کی ہجرت کا بیان ہے۔

رکوع ٦: حضرت نوحؑ و حضرت داؤد علیہما السلام کے واقعات اور حضرت داؤد علیہما السلام کا زرہیں بنانا بیان کیا گیا ہے۔ پھر حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت اسمٰعیل و ادریس، حضرت یونس، حضرت زکریا اور حضرت مریم علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں توحیدِ خداوندی پر انبیا کا اجماع مذکور ہے۔

رکوع ۷: معذب قوموں کی محرومی، مشرکین اور ان کے بتوں کا جہنم کا ایندھن ہونا بیان کیا گیا ہے۔ پھر مومنوں کا حال، قیامت کے روز آسمانوں کا لپیٹا جانا مذکور ہے۔ آخر میں مومنین سے اللہ کے وعدے اور دعوتِ توحید کا بیان ہے۔

یومِ حساب سے غافل ہونا

۱۔٦۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ

تُبۡصِرُوۡنَ ۝ قٰلَ رَبِّیۡ یَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِی السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۫ وَهُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ۝ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۭ بَلِ افۡتَرٰىهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلۡیَاۡتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ ۝ مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا ۚ اَفَهُمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ ۝

لوگوں کے حساب کا وقت نزدیک آ پہنچا، پھر بھی وہ غفلت میں (پڑے ہوئے) منہ پھیر رہے ہیں۔ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے جو بھی تازہ نصیحت آتی ہے وہ اس کو کھیل کود میں لگے ہوئے ہی سنتے ہیں۔ ان کے دل بالکل غافل ہوتے ہیں اور وہ ظالم چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے ہیں کہ یہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم جیسے ہی ایک انسان ہیں۔ تو پھر کیا تم دیدہ و دانستہ جادو کی باتیں سننے جایا کرتے ہو۔ پیغمبر نے کہا میرا پروردگار ہر اس بات کو جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے اور وہ بہت سننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔ بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ (یہ قرآن) پراگندہ خیالات ہیں بلکہ یہ اس نے از خود گھڑ لیا ہے۔ بلکہ یہ تو ایک شاعر ہے۔ پس اس کو چاہئے کہ وہ ہمارے پاس کوئی ایسی نشانی لائے جیسی پہلے رسول لائے تھے۔ ان سے پہلے جتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں وہ بھی ایمان نہیں لائے تھے تو کیا اب یہ ایمان لائیں گے؟

مُحۡدَثٍ : تازہ، نیا، اِحۡدَاثٌ سے اسم مفعول۔

لَاهِیَةً : لہو میں پڑی ہوئی، غفلت میں پڑی ہوئی۔ لَهۡوٌ سے اسم فاعل۔

اَسَرُّوا : انہوں نے چھپا کر کہا۔ اِسۡرَارٌ سے ماضی۔

النَّجۡوٰی : سرگوشی کرنا۔ مشورہ کرنا، باتیں کرنا، مصدر بھی ہے اسم بھی۔

اَضۡغَاثُ : پریشان۔ پراگندہ، واحد ضِغۡثٌ۔

اَحۡلَامٍ : خواب، خیالات، عقلیں، واحد حِلۡمٌ و حُلُمٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ قیامت قریب آ گئی ہے۔ پھر بھی لوگوں کی غفلت میں کمی نہیں آئی۔ نہ وہ اس کے لئے کوئی تیاری کر رہے ہیں، جو ان کے کام آئے بلکہ وہ دنیا میں مشغول و منہمک ہو کر یوم حساب کو بالکل بھلا بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے کلام اور وحی کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ جب ان کے سامنے کوئی ایسی آیت پڑھی جاتی ہے جو نزول کے اعتبار سے تازہ اور نئی ہو تو یہ اس کو دل لگا کر اور توجہ سے نہیں سنتے بلکہ اس وقت بھی ان کے دل ہنسی کھیل میں مشغول رہتے ہیں۔ یہ لوگ آپس میں سرگوشی کرتے ہیں کہ یہ جو اپنے آپ کو نبی اور رسول کہتے ہیں یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں یہ کوئی فرشتے تو ہیں نہیں کہ ہم ان کی بات مان لیں۔ یہ تو بالکل ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہم جیسے آدمی کو رسالت و وحی کے ساتھ مختص کر دے۔

ان بد کرداروں کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ﷺ ان کو بتا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تمام باتیں جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں وہ تمہاری سب باتوں کا سننے والا اور تمہارے حالات کا علم رکھنے والا ہے، سو تمہیں تو اس سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے۔

یہ منکرین اس قرآن کو کبھی جادو کہتے ہیں، کبھی پریشان خواب کہتے ہیں اور کبھی اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہنے لگتے ہیں کہ اس کو اللہ کا کلام کہنا تو اللہ پر افترا اور بہتان ہے، پھر کبھی کہتے ہیں یہ تو کوئی شاعر آدمی ہے اس کے کلام میں شاعرانہ خیالات ہوتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ اگر واقعی یہ کوئی نبی اور رسول ہیں تو ان کو ہمارے مطلوبہ معجزے دکھانے چاہئیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سابقہ امتوں میں اس کا تجربہ و مشاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ منہ مانگے معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ ان کو دنیا ہی میں عذاب نازل کر کے ختم کر دیا جاتا ہے، یہ لوگ بھی مطلوبہ معجزے دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے ان کو ان کا مطلوبہ معجزہ نہیں دکھایا جائے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۱۷۰،۱۷۱/ ۶، ابن کثیر ۱۷۲،۱۷۳/ ۳)

انبیا کا انسان ہونا

۷۔۱۰ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ
اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ
الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ○ ثُمَّ صَدَقْنٰـهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰـهُمْ
وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ○ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا
فِیْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ سے پہلے بھی تو ہم نے آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے۔ سو اگر خود تمہیں علم نہ ہو تو تم اہل کتاب سے پوچھ لو، اور ہم نے ان کے ایسے بدن بھی نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔ پھر ہم نے ان سے کئے ہوئے وعدے کو سچ کر دیا۔ پھر ہم نے ان کو اور جس کو چاہا نجات عطا فرمادی اور حد سے گزرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔ یقیناً ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

تشریح: منکرین اس کو نہیں مانتے تھے کہ کوئی انسان اللہ کا رسول ہو اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ سے پہلے جتنے رسول آئے وہ سب انسان ہی تھے، ان میں سے ایک بھی فرشتہ نہیں تھا۔ ان کافروں سے پہلے جو کافر گزرے ہیں انہوں نے بھی انبیا کو نہ ماننے کا یہی حیلہ کیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ۔ (سورۂ التغابن آیت ٦)

کیا ایک انسان ہمارا رہنما ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تمہیں سابقہ انبیا کا حال معلوم نہیں کہ وہ انسان تھے یا فرشتے تو تم اہل علم یعنی یہود و نصاریٰ سے پوچھ لو کہ ان کے پاس انسان ہی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے یا فرشتے۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے کہ وہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ان کے پاس انہی جیسے انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے تاکہ لوگ ان کی صحبت میں رہ کر ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں اور ان کی باتوں کو سمجھ کر ان پر عمل کر سکیں۔

مشرکین کے خیال کے برخلاف سابقہ انبیا بھی کھانے پینے کے محتاج تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۔ (سورۃ الفرقان، آیت ۲۰)

اور آپ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے۔

ہم نے کوئی نبی ایسا نہیں پیدا کیا جس کو موت ہی نہ آئے۔ جس طرح اور لوگوں کو موت سے دوچار ہونا پڑتا ہے اسی طرح انبیا پر موت طاری ہوتی ہے۔ دنیا میں کسی بھی بشر کے لئے بقا اور دوام نہیں خواہ وہ پیغمبر ہو یا عام آدمی، تمام پیغمبر انسانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث ہوئے۔ کوئی ان پر ایمان لایا اور کسی نے کفر و انکار کیا۔ پس جن لوگوں نے انبیا کی پیروی کی ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ان کو عذاب سے بچالیں گے اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کر دیں گے۔ سو اس وعدے کے مطابق ہم نے مومنوں کو نجات دی اور کفر و معصیت میں حد سے بڑھنے والوں کو دنیاوی عذاب سے ہلاک کیا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف نازل کی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے اور یاد دہانی ہے۔ اس میں تمہارے لئے فضیلت و شرف ہے کہ اس کو تمہاری زبان میں نازل کیا گیا۔ تعجب ہے تم پھر بھی اس نعمت کی قدر نہیں کرتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ۝ (سورۃ الزخرف، آیت ۴۴)

اور بیشک وہ تیرے لئے اور تیری قوم کے لئے نصیحت ہے اور بہت

جلد تم سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

(ابن کثیر ۱۷۴/۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی،۶۱۱-۶۱۲ :۴)

عذابِ الٰہی سے بچنا ممکن نہیں

۱۱-۱۵ وَ كَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا
اٰخَرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ○ لَا
تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تُسْئَلُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ
دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ○

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو، جہاں کے لوگ ظالم تھے تباہ کر دیا اور ان کے بعد ہم نے اور قومیں پیدا کر دیں۔ پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کر لیا (آتا دیکھا) تو اس (بستی) سے بھاگنے لگے۔ (ان سے کہا گیا) مت بھاگو! اور لوٹ جاؤ جہاں تم نے عیش کیا تھا اور اپنے مکانوں کی طرف، تاکہ تم سے سوال تو کر لیا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ ہائے ہماری کمبختی۔ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر وہ یہی فریاد کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے انہیں ایسا کر دیا جیسے کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ۔

قَصَمْنَا: ہم نے غارت کر دیا۔ ہم نے ریزہ ریزہ کر دیا یعنی ہلاک کر دیا۔ قَصْمٌ سے ماضی۔

اَنْشَاْنَا: ہم نے پیدا کیا، ہم نے پرورش کی، اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

بَاْسَنَآ: ہمارا عذاب۔

يَرْكُضُوْنَ: وہ بھاگنے لگے، رَكْضٌ سے مضارع۔

اُتْرِفْتُمْ: تم کو خوشحالی دی گئی، اِتْرَافٌ سے ماضی مجہول۔

حصیدًا : کٹی ہوئی کھیتی، جڑ سے کٹا ہوا۔

خٰمِدِیْن : بجھنے والے، بجھی ہوئی۔ خَمْدٌ و خُمُوْدٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اور ہم نے کتنی ہی بستیوں کو ان کے ظلم واسراف کی سزا میں تباہ و برباد کر دیا۔ پہلے یہ بستیاں خوب آباد اور بارونق تھیں۔ پھر جب وہاں کے لوگ ظلم و تعدی میں حد سے بڑھ گئے تو ہم نے ان بستیوں کو توڑ پھوڑ کر ان کا بھس اڑادیا اور ان کی تمام چہل پہل اور رونق کو سنسان اور ویران کر دیا پھر دوسری قوم کو ان کی جگہ آباد کر دیا اور ان کا جانشین بنادیا۔ اسی طرح ایک کے بعد دوسری اور تیسری قومیں آتی رہیں۔ اے مشرکین مکہ اگر تم بھی اپنے کفر و ظلم اور بغض و عناد سے باز نہ آئے تو کہیں تمہیں بھی اسی طرح ہلاک و برباد نہ کر دیا جائے۔

جب حد سے گزرنے والے ان ظالموں نے ہمارے عذاب کو آتا ہوا دیکھا تو راہِ نجات کے لئے ادھر اُدھر بھاگنے لگے، حالانکہ پہلے یہ لوگ انبیاء اور مومنین کا مذاق اڑاتے تھے۔ پھر تمسخر کے طور پر فرشتوں نے ان سے کہا کہ اب بھاگو نہیں بلکہ اپنے محلات اور اپنے عیش و عشرت کے سامانوں میں واپس آجاؤ، جس میں تم مست و مدہوش تھے اور جہاں بیٹھ کر تم اتراتے اور فخر کرتے تھے اور غلاموں، خادموں اور نوکروں چاکروں پر حکم چلاتے تھے۔ شاید وہاں تمہاری خیریت اور حال احوال دریافت کیا جائے یا حسب سابق اہم امور و معاملات میں تم سے مشورہ لیا جائے۔

اس وقت یہ لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے اور کہیں گے کہ بیشک ہم ظالم تھے، ہم نے رسول کو جھٹلایا، قتل کیا اور ہر طرح سے ایذا رسانی کی۔ چونکہ انہوں نے عذاب کو دیکھ کر اقرار ندامت کیا تھا۔ اس لئے یہ اقرار ندامت ان کے لئے فائدہ مند نہ ہوا۔ پھر وہ اسی طرح اپنے گناہوں کا اقرار کرتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے ان کو کٹی ہوئی کھیتی اور بجھی ہوئی آگ کی مانند کر دیا، یعنی ہلاک و برباد کر دیا۔

(مواہب الرحمٰن ۱۰۱،۱۱/ ۱۷، ابن کثیر ۱۷۴/ ۳)

حق کا باطل پر غالب آنا

۱۶۔۲۰ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ O لَوْ اَرَدْنَآ
اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ٭ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ O بَلْ
نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ وَلَكُمُ
الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ O وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ O
يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ O

اور ہم نے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو کھیلنے کے لئے نہیں بنایا۔ اگر ہم یونہی کھیل تماشے کا ارادہ کرتے تو اپنے پاس کی چیزوں کو (کھیل تماشا) بناتے اگر ہمیں یہی کرنا ہوتا۔ بلکہ ہم حق کو باطل پر (پتھر کی طرح) پھینک مارتے ہیں پس حق باطل کا سر توڑ دیتا ہے، پھر وہ باطل اسی وقت مٹ جاتا ہے اور تمہارے لئے ان باتوں کی وجہ سے بڑی خرابی ہے جو تم بناتے ہو، اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی (خدا) کا تو ہے اور جو اس کے پاس رہتے ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ کاہلی کرتے ہیں۔ وہ رات دن تسبیح کرتے ہیں۔ وہ کسی وقت سستی نہیں کرتے۔

نَقْذِفُ : ہم پھینک دیں گے، قَذْفٌ سے مضارع۔

فَيَدْمَغُهٗ : پس وہ اس کا دماغ توڑتا ہے، پس وہ اس کا بھیجا نکالتا ہے۔

زَاهِقٌ : فنا ہونے والا، زُهُوْقٌ سے اسم فاعل۔

تَصِفُوْنَ : تم بیان کرتے ہو، تم بتاتے ہو، وَصْفٌ سے مضارع، یہاں باطل وصف مراد ہے۔

يَسْتَحْسِرُوْنَ : وہ تھکتے ہیں وہ عاجز ہوتے ہیں، اِسْتِحْسَارٌ سے مضارع۔

یفتُرُوْنَ : وہ موقوف ہوتے ہیں۔ وہ رکتے ہیں، وہ تھمتے ہیں۔ فتر سے مضارع۔

تشریح: مشرکینِ مکہ کا خیال تھا کہ انسان اور دیگر چیزیں خود بخود پیدا ہوتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں۔ اللہ کو انسان کے نیک و بد سے کیا غرض اور رسولوں کے بھیجنے سے کیا مطلب۔ پھر اگر کوئی قوم یا شہر برباد ہوتا ہے تو اس میں ان کے گناہ و ثواب کو کیا دخل یہ سب کچھ ارضی اور سماوی اسباب کے تحت ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان سب کو صرف لہو و لعب، کھیل تماشا اور دل بہلانے کے لئے نہیں بنایا، بلکہ ہم نے ان کو عدل و توازن کے ساتھ بنایا ہے تاکہ لوگ ان میں غور و فکر کر کے خالق کی معرفت حاصل کریں اور دنیا کی ظاہری آرائش و رونق سے دھوکہ نہ کھائیں۔ بلکہ اپنے مالک و خالق کی کامل اطاعت و فرماں برداری کریں اور جان لیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ آدمی جو کچھ بھی اچھا یا برا عمل یہاں کرے گا اس کا اچھا یا برا بدلہ اس کو آخرت میں ضرور ملے گا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلاً ذٰلِكَ ظَنُّ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَوَيْلٌ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ O

(سورۂ ص، آیت ۲۷)

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے کار (باطل) پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے، جن کے لئے جہنم کی آگ تیار ہے۔

اگر ہمیں اس کو کھیل تماشا ہی بنانا ہوتا، جس سے آدمی کا دل خوش ہوتا ہے جیسے بیوی اور اولاد وغیرہ تو یہ چیزیں تو ہم اپنے پاس ہی سے بنالیتے، جو ہماری شان کے لائق ہوتیں۔ کیونکہ ایسا کرنے کے لئے ہمارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں لیکن ہم ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہیں۔ ہمیں بیوی بچوں کی کوئی حاجت نہیں اور نہ یہ چیزیں ہماری شان کے لائق ہیں۔ اس لئے ہم نے ان کو نہیں چاہا۔

ہم کھیل تماشا کرنے والے نہیں، ہماری ذات لہو و لعب سے پاک اور منزہ ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم حق کو باطل پر پتھر کی طرح پھینک مارتے ہیں جو باطل کا بھیجا نکال دیتا ہے۔ اے باطل پرستو تمہارے لئے کمبختی اور بربادی ہے ان باتوں کے سبب جو تم اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہو۔

جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ سب اللہ کی ملک ہیں اور سب اس کی عبادت اور بندگی میں لگی ہوئی ہیں، خاص طور پر وہ فرشتے جو اللہ کے پاس ہیں اور جن کو تم پوجتے ہو وہ تو ہر وقت اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہتے ہیں۔ ان کا حال تو یہ ہے کہ نہ تو وہ اس کی عبادت سے تھکتے ہیں اور نہ اس سے ذرہ برابر تکبر کرتے ہیں۔

(معارف القرآن، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۶۱۵، ۶۱۶ / ۴، حقانی ۲۸۶، ۲۸۷ / ۳)

شرک کا ابطال

۲۱۔۲۳ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝

کیا انہوں نے زمین (کی مٹی) سے ایسے معبود بنا رکھے ہیں جو (مردوں کو) اٹھا کھڑا کر دیں گے۔ اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔ پس اللہ جو عرش کا رب ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ (مشرک) بیان کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کرتا ہے (اس کے بارے میں) اس سے کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا اور وہ سب (اس کو) جواب دہ ہیں۔

يُنْشِرُوْنَ : وہ پیدا کریں گے۔ وہ زندہ کریں گے۔ اِنْشَارٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں مشرکین کی جہالت و حماقت کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے زمین کی

چیزوں یعنی اینٹ پتھر وغیرہ کو معبود بنا رکھا ہے۔ کیا یہ بت مُردوں کو زندہ کر سکتے ہیں۔ حالانکہ معبود تو وہ ہے جو زندہ کرنے، پیدا کرنے اور نعمتیں عطا کرنے پر قادر ہو۔ یہ صفت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ اس لئے بتوں کو معبود ٹھہرانا بڑی حماقت اور نادانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا زمین و آسمان میں کوئی خدا نہیں۔ اگر زمین و آسمان میں اور بھی خدا ہوتے تو ان کے باہمی فساد سے آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ بلکہ آسمان و زمین کا وجود ہی نہ ہوتا۔ چونکہ یہ دونوں قائم ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے معبود کا وجود نہیں۔ سو اللہ تعالیٰ جو رب العرش ہے، ان باتوں سے پاک و منزہ ہے۔ جو یہ لوگ اس کی شان میں کہتے ہیں۔ اس کی عظمت و جلال اور کبریائی کی شان تو یہ ہے کہ کوئی بھی اس سے سوال نہیں کر سکتا کہ یہ کیوں کیا اور کیوں نہیں کیا۔ وہ شہنشاہ حقیقی ہے، اس پر کوئی حاکم نہیں، کسی کو اس کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں، اس کے آگے سب عاجز و بے بس ہیں، وہ سب پر غالب و قادر ہے۔ اس لئے وہ ہر ایک سے مواخذہ اور باز پرس کر سکتا ہے۔

(مواہب الرحمٰن، ۱۳۔ ۱۷/۱۷، حقانی ۲۸۷/۳)

توحید کا اثبات

۲۴۔۲۵۔ اَمِ اتَّخَذُوْامِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِہَۃً ؕ قُلْ ھَا تُوْا بُرْھَانَکُمْ ۚ ھٰذَا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝

کیا ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود بنا رکھے ہیں۔ آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ (اس دعوے پر) تم اپنی دلیل لاؤ۔ یہی بات میرے ساتھ والوں کی ہے اور یہی بات ہے مجھ سے پہلے والوں کی ہے۔ بلکہ ان (لوگوں) میں زیادہ وہی ہیں جو حق کو نہیں جانتے اسی لئے

وہ حق سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو۔

تشریح: کافروں نے اللہ کو چھوڑ کر مخلوقات میں سے بعض کو معبود بنا رکھا ہے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہئے کہ اگر تم اپنے باطل عقیدے میں سچے ہو تو اس دعوے پر کوئی قطعی عقلی اور نقلی دلیل لاؤ۔ یہ قرآن اور توریت وانجیل وغیرہ سب اس پر شاہد ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ ہر کتاب میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت موجود ہے۔ پھر حضرت عیسیٰ کا خدا ہونا یا خدا کا بیٹا ہونا یا فرشتوں اور دوسری چیزوں کا خدائی میں شریک ہونا کیسے ثابت ہو گیا۔ یہ لوگ حق واضح ہو جانے کے باوجود حق کو نہیں جانتے اور حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے اسی لئے یہ لوگ توحید خداوندی اور اتباع رسول ﷺ سے گریز کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ توحید کا حکم صرف اس قرآن، توریت اور انجیل ہی میں نہیں بلکہ ہم نے جتنے بھی پیغمبر بھیجے سب کے ذریعے یہی پیغام دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لئے تم سب اسی کی عبادت کرو۔ (مظہری ۱۹۱/۶)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ج (سورۂ نحل آیت ۳۶)

اور البتہ ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا جس نے لوگوں میں اعلان کیا کہ تم سب ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے اجتناب کرو۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ○ (الزخرف، آیت ۴۵)

اور آپ ان سے پوچھئے کہ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے، کیا ہم
نے ان کے لئے رحمٰن کے سوا کوئی اور معبود مقرر کیا تھا۔

فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں خیال کرنا

۲۶۔۲۹۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ
اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ
خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ
فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝

وہ (مشرک) کہتے ہیں کہ رحمٰن نے (فرشتوں کو) اولاد بنا رکھی ہے (اللہ تعالیٰ اس سے) پاک ہے بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں۔ وہ بات کرنے میں سبقت نہیں کرتے اور وہ اسی کے حکم پر کام کرتے ہیں۔ وہ ان کے آگے اور پیچھے کے تمام امور سے واقف ہے اور وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے سوائے اس کے جس سے اللہ راضی ہو اور وہ تو اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور (ان میں سے) جو کوئی یہ کہے کہ اس کے سوا میں عبادت کے لائق ہوں تو ہم اسے دوزخ کی سزا دیں گے۔ ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کے حق میں ہوا جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ (مظہری ۱۹۲، ۶)

تشریح: عرب میں قبیلہ خزاعہ کے لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ ان کے قول کی تردید میں فرمایا کہ مشرکین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولاد ہے۔ وہ ایسی باتوں سے

پاک و منزہ ہے۔ جن کے بارے میں ان کا یہ گمان ہے کہ وہ اللہ کی اولاد ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کے معزز اور محترم بندے ہیں۔ ان کا ہر وقت اللہ کی عبادت اور اس کی تسبیح و تقدیس میں لگے رہنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں نہ کہ اس کی اولاد (معاذ اللہ)۔ وہ تو اس کے ایسے فرماں بردار اور مطیع ہیں کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی حرف بھی زبان سے نہیں نکالتے اور نہ وہ اپنی خواہش اور ارادے سے کوئی کام کرتے ہیں۔ وہ اللہ کے حکم کے پابند ہیں، وہ خلاف حکم کچھ نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا ظاہر و باطن معلوم ہے، اللہ تعالیٰ کو ان کے گزشتہ اور آئندہ کے سب اعمال و احوال خوب معلوم ہیں۔ اسی لئے وہ کسی کی سفارش نہیں کرتے سوائے اس شخص کے جس کو اللہ تعالیٰ پسند کرے یعنی جو مومن ہو اور اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو اسی کی سفارش کرتے ہیں اور وہ بھی ڈرتے ڈرتے۔

وہ کافروں اور جاہلوں کی طرح نڈر نہیں بلکہ وہ اللہ کی زیادہ معرفت رکھنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے ہیں اور ہر وقت اس کے خوف و خشیت اور ہیبت سے کانپتے رہتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ سے جس قدر ڈرتا ہے اس کا مرتبہ بھی اسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ (فاطر آیت ۲۸)

بیشک اللہ کے بندوں میں سے اس سے ڈرنے والے علما ہیں۔

ایک حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

پھر فرمایا اگر بالفرض ان میں سے کوئی یہ کہے کہ میں معبود ہوں سو تم اللہ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو تو اس کی سزا جہنم ہے اور ان پر کیا موقوف، جو بھی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے ہم اس کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

(مظہری ۱۹۲/ ۶، روح المعانی ۳۲، ۳۳/ ۱۷، مواہب الرحمٰن ۱۸، ۱۹/ ۱۷)

اثبات وحدانیت

۳۰۔۳۳۔ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا
فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا
يُؤْمِنُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ص
وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ
سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ج وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ
خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ
يَّسْبَحُوْنَ ○

کیا کافروں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمان و زمین (پہلے) ملے ہوئے تھے پھر ہم نے (اپنی قدرت سے) دونوں کو جدا کر دیا اور ہم نے ہر جاندار چیز کو پانی سے بنایا۔ کیا یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنا دیئے کہ وہ ان کو لے کر جھک نہ جائے اور ہم نے اس میں کشادہ راستے بنا دیئے تاکہ وہ راہ پائیں، اور ہم نے آسمان کو ایک محفوظ چھت بنا دیا اور وہ آسمان کی نشانیوں سے اعراض کئے ہوئے ہیں اور وہ اللہ ہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ہر ایک آسمان میں تیر تا ہے۔

رَتْقًا : منہ بند، ملا ہوا، باندھنا، یہاں بند ہونا سے مراد آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار کا بند ہونا ہے۔

فَفَتَقْنٰهُمَا : پس ہم نے ان دونوں کو جدا کیا۔ پس ہم نے ان دونوں کو پھاڑ دیا، پس ہم نے ان دونوں کو کھولدیا، فَتْقٌ سے ماضی، یہاں کھولدینے سے مراد آسمان کی بارش اور زمین کی پیداوار کھولنا ہے۔

رواسیَ: تنے ہوئے پہاڑ۔ بوجھ، واحد راسِیۃٌ

تمِیْد: وہ ہلتی ہے، وہ ڈگمگاتی ہے۔ وہ جھکتی ہے۔ مَیْدٌ سے مضارع۔

فجاجا: دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے۔ واحد فَجٌّ۔

سَقفا: چھت، مراد آسمان جمع سُقُوْفٌ۔

تشریح: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے منکر ہیں اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں کیا وہ نہیں جانتے کہ آسمان اور زمین پہلے آپس میں متصل اور بالکل ملے ہوئے تھے، سو ہم نے ان کو شق کر کے علیحدہ کر دیا اور سات آسمان اور سات زمینیں بنا دیں۔

ایک شخص نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کرو اور وہ جو جواب دیں تو مجھے بھی بتانا۔ اس شخص نے حضرت ابن عباسؓ کے پاس جا کر ان سے اس آیت کے معنی دریافت کئے تو انہوں نے فرمایا کہ زمین اور آسمان سب بند تھے۔ نہ آسمان سے بارش برستی تھی اور نہ زمین سے کچھ اگتا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو آباد کیا تو اس نے آسمان کی بارش کھولدی یعنی آسمان سے بارش ہونے لگی، جس سے زمین میں نباتات اگنے لگیں، جو پہلے بند تھیں۔ پھر وہ شخص حضرت ابن عمرؓ کی طرف لوٹ گیا اور ان کو حضرت ابن عباسؓ کے جواب سے مطلع کیا۔ حضرت ابن عمرؓ سن کر کہنے لگے کہ انہوں نے صحیح کہا۔ آج مجھے معلوم ہو گیا کہ ابن عباسؓ کو قرآن کے علم سے بہت بڑا حصہ ملا ہے۔

ابو مسلم اصفہانیؒ سے منقول ہے کہ رتق سے مراد حالتِ عدم یعنی آسمان اور زمین کا نہ ہونا ہے کیونکہ اس وقت تک زمین اور آسمان ایک ہی تھے۔ آپس میں متصل اور ایک دوسرے کے مشابہ تھے۔ اس وقت تک ان میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو انہیں ممتاز کرتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا، یعنی انہیں پیدا فرما دیا اور وہ نمایاں اور ممتاز ہو گئے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا **فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** (الشوریٰ آیت ۱۱) اس لئے کہ فطر شق کرنے کو کہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ہر زندہ چیز کو جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے، پانی سے پیدا کیا۔ کیا کافر لوگ ایسے عظیم الشان دلائل دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم نے

زمین پر پہاڑ بنا دئے تاکہ زمین مخلوق کو لے کر ہلنے اور حرکت نہ کرنے لگے اور ہم نے ان پہاڑوں اور زمین میں ایسے کشادہ راستے بنائے جن پر چل کر لوگ اپنی منزل مقصود کو پہنچ جاتے ہیں اور ہم ہی نے آسمان کو محفوظ چھت بنا دیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (الحج آیت ۶۵)

اور اللہ تعالیٰ آسمان کو اس بات سے روکتا ہے کہ وہ زمین پر گر پڑے مگر اس کے حکم سے۔

چاند، سورج، ستارے اور ان کے مختلف احوال جو آسمان و زمین اور دیگر سیاروں وغیرہ کے بنانے والے کے وجود، وحدت، کمال قدرت اور وسعت حکمت پر دلالت کر رہے ہیں، وہ لوگ ان سب کی طرف سے غافل اور روگرداں ہیں اور ان میں غور نہیں کرتے۔ اسی نے رات اور دن کو پیدا کیا تاکہ رات میں سکون و راحت پائیں اور دن میں روزی تلاش کریں۔ اسی نے سورج اور چاند کو پیدا کیا۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں تیر رہا ہے۔ سورج دن کی علامت ہے اور چاند رات کی نشانی ہے۔ ان میں سے ہر چیز کا وجود اور اس کی ہیئت اور اس کی حرکت و سکون سب اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی واحدانیت کی دلیل ہے۔

(روح المعانی ۳۴۔۳۹/۱۷، مظہری ۱۹۳۔۱۹۵/۶، مواہب الرحمٰن ۲۰۔۲۴/۱۷)

ہر جاندار کو موت آنا

۳۴۔۳۵۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○

اور (اے نبی) آپ سے پہلے بھی ہم نے کسی بشر کو ہمیشگی (ہمیشہ زندہ رہنا) نہیں دی تو پھر کیا اگر آپ مر گئے تو وہ (کافر دنیا میں) ہمیشہ رہیں گے۔ ہر جاندار موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور ہم تمہیں بری اور بھلی (حالتوں) سے آزمائیں گے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

شانِ نزول: ا۔ ابن المنذر نے ابو جریج کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی وفات کی اطلاع دی گئی تو آپ نے عرض کیا اے میرے رب (میرے بعد) میری امت کا کون (نگران) ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۹۵/۶)

۲۔ اس آیت کا ایک شان نزول یہ ہے کہ کفار یہ کہتے تھے کہ نَتَرَبَّصُ بِہٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ O (الطور آیت ۳۰) یعنی ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۲۶۳ / ۴)

تشریح: گزشتہ آیات میں زمین و آسمان اور آفتاب و ماہتاب وغیرہ کا بیان تھا۔ جن میں غور و فکر کرنے سے ان کے بنانے والے کا وجود ثابت ہوتا تھا اور کفار کے مشرکانہ عقائد کا واضح دلائل کے ساتھ ابطال تھا۔ اب ان آیتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس دنیا میں کسی کو بھی ہمیشہ نہیں رہنا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی کو ہمیشہ رہنے والا نہیں بنایا، خواہ کوئی نبی ہو یا ولی اس دنیا میں کسی کو بھی بقا اور دوام نہیں۔ اس لئے آپ ﷺ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ آپ کے بعد وہ لوگ بھی ہمیشہ زندہ نہیں رہیں گے جو آپ ﷺ کی وفات کی تمنا کرتے ہیں۔ جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور مرے گا۔ موت کا وقت مقرر ہے اس لئے ہر شخص اپنے اپنے مقررہ وقت پر موت کا مزہ ضرور چکھے گا۔

یہ دنیا امتحان گاہ ہے جہاں ہم شر (ہر خلاف طبع چیز جیسے بیماری، رنج و غم، فقر و فاقہ وغیرہ) اور خیر (ہر مرغوب طبع چیز جیسے صحت و عافیت، خوشی و راحت اور غنا و فراخ دستی وغیرہ) دونوں کے ذریعے انسان کی آزمائش کرتے ہیں، یہاں سب امتحان کے لئے آتے ہیں تاکہ وہ نیکی کر کے دار آخرت کی خوبیوں کے مستحق بن جائیں۔ آخر کار سب کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے۔ پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی، اس لئے انسان کو چند روزہ دنیوی زندگی کی بجائے آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔

(حقانی ۲۹۲ / ۳، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۱۸۷۔۱۸۸/۶)

کفار کے استہزا کا جواب

۳۶۔۳۷۔ وَ اِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا
الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَ هُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○
خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنَ ○

اور یہ منکر جب آپ (ﷺ) کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑانے لگتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ کیا یہ وہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کرتا ہے حالانکہ وہ خود رحمٰن کے ذکر سے منکر ہیں۔ انسان کو جلد باز بنایا گیا ہے۔ میں تمہیں اپنی نشانیاں بہت جلد دکھاؤں گا۔ سو تم جلدی نہ کرو۔

هُزُوًا : ٹھٹھا، مسخرہ پن، مصدر بمعنی اسم مفعول۔

عَجَلٍ : عجلت کرنا، جلدی کرنا، مصدر ہے۔

تشریح: مشرکینِ قریش آپ ﷺ کو دیکھ کر آپ کا مذاق اڑانے لگتے اور آپ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے لگتے اور ایک دوسرے سے پوچھتے کہ کیا یہ وہی ہیں جو تمہارے معبودوں کو برا کہتے اور تمہارے بزرگوں کو بیوقوف بتاتے ہیں۔ یہ مشرکین ایک تو سرکش ہیں کہ اللہ کی سچی کتاب اور اس کے رسول (ﷺ) کا انکار کرتے ہیں، دوسرے یہ لوگ اپنے باطل معبودوں پر تو ناز کرتے ہیں اور حقیقی معبود کے ذکر اور رحمان کے نام تک سے چڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو رحمٰن یمامہ (مسیلمہ) کے سوا کسی رحمان کو نہیں جانتے سو ایسے لوگ ہی اس امر کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کا استہزا اور تمسخر کیا جائے۔

پھر فرمایا کہ انسان بڑا ہی جلد باز ہے۔ عجلت پسندی اس کی سرشت میں داخل ہے۔ وہ انجام پر غور کئے بغیر ہر معاملے میں جلدی کرتا ہے۔ اس لئے یہ کافر بھی عذابِ الٰہی کے لئے جلدی کرتے ہیں، مگر عادتِ خداوندی یہ ہے کہ وہ ظالموں اور نافرمانوں کی فوراً گرفت نہیں

کرتا بلکہ وہ ان کو ڈھیل دیتا ہے، پھر جب پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں، اسی لئے ان کافروں کے جواب میں فرمایا کہ تم جلدی مت کرو، میں بہت جلد تمہیں اپنے قہر کی نشانیاں دکھاؤں گا کہ گنہگاروں پر کس طرح سختی ہوتی ہے اور نبی کا مذاق اڑانے والوں کی کس طرح کھال ادھڑتی ہے۔ (ابن کثیر ۱۷۸، ۱۷۹/ ۳، عثمانی ۱۱۱/ ۲)

آگ کی حقیقت سے کفار کی بے خبری

۳۸۔۴۱۔ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○

اور وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو بتاؤ وہ (عذاب واقع ہونے کا) وعدہ کب پورا ہوگا۔ کاش کافر جانتے کہ اس وقت نہ تو یہ اپنے چہروں (آگے) سے آگ کو ہٹا سکیں گے اور نہ اپنی کمروں (پیچھے) سے اور نہ ان کی مدد کی جائے گی بلکہ وعدے کی گھڑی ان کے پاس اچانک آ جائے گی۔ پھر وہ ان کو حواس باختہ کر دے گی پھر نہ تو وہ اس کو ٹال سکیں گے اور نہ ان کو مہلت ملے گی۔ اور (اے نبی) آپ ﷺ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا گیا ہے، پھر جس عذاب کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی ان پر آ پڑا۔

يَكُفُّوْنَ : وہ دفع کریں گے۔ وہ روکیں گے۔ کَفٌّ سے مضارع۔

بَغْتَةً : یکایک، ایک دم، اچانک۔

فَتَبْهَتُهُمْ : سو وہ ان کو مبہوت کر دے گی۔ پس وہ ان کے ہوش کھو دے گی۔ بَهْتٌ سے

مضارع۔

فحاق : پس اس نے گھیر لیا، پس وہ نازل ہو گیا۔ حَیْقٌ و حُیُوْقٌ سے ماضی۔

سخِرُوْا : انہوں نے مذاق اڑایا۔ انہوں نے ٹھٹھا کیا۔ سُخْرٌ سے ماضی۔

تشریح: مشرکین اللہ کے عذاب اور قیامت کے بارے میں تمسخر اور انکار کے طور پر نہایت بے خوفی سے کہتے تھے کہ عذاب اور قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو اس کو جلدی سے لے آؤ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ جہالت کی بنا پر عذاب جلد لانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر یہ کافر اس ہولناک وقت کو جانتے تو اس کے مانگنے میں کبھی جلدی نہ کرتے۔ اس وقت اللہ کا عذاب ان کو ہر طرف سے گھیر لے گا۔ نہ یہ لوگ اپنے چہروں کو عذاب سے بچا سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھ کی طرف سے آنے والے عذاب کو دفع کر سکیں گے اور نہ اس وقت ان کو کہیں سے کوئی مدد مل سکے گی۔

اللہ کا عذاب ان کافروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ وہ ان کو بتا کر اور ان کے مطالبے پر نازل نہیں ہوگا بلکہ وہ عذاب کی گھڑی اور قیامت ان پر اچانک آ پڑے گی۔ پھر یہ لوگ اس عذاب کو دیکھ کر حیران و مبہوت ہو جائیں گے اور ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اس وقت نہ یہ اس کو لوٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے استہزا اور تمسخر سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کے ساتھ تمسخر کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ان پر وہی عذاب نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پس اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اطمینان رکھئے جس طرح گزشتہ پیغمبروں کے ساتھ تمسخر کرنے والوں پر اللہ کا عذاب اچانک آیا اسی طرح ان کو بھی عذاب الٰہی اچانک آ پکڑے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۴۰،۶۳۹ / ۴، روح المعانی ۵۰،۴۹ / ۱۷)

باطل معبودوں کی حقیقت

۴۲۔۴۳۔ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝

(اے نبی!) آپ ان سے پوچھئے کہ وہ کون ہے جو رات اور دن میں تمہاری حفاظت کرتا ہے رحمٰن (کے عذاب) سے بلکہ وہ تو اپنے رب کے ذکر سے بھی منہ موڑے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود بھی ہیں جو ان کو (عذاب مذکور سے) بچائے رکھتے ہیں۔ وہ تو خود اپنی مدد کی بھی استطاعت نہیں رکھتے، اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی اور ان کا ساتھ دے گا۔

يَكْلَؤُكُمْ : وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ وہ تمہیں بچائے گا۔ كِلَاءَةٌ سے مضارع۔

يُصْحَبُوْنَ : ان کی صحبت اختیار کی جائے گی۔ ان کا ساتھ دیا جائے گا۔ اِصْحَابٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان تمسخر کرنے والوں سے پوچھئے کہ اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں ان پر عذاب نازل کرنا چاہے تو اس عذاب سے ان کو کون بچائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ محض اللہ کی رحمت کی بنا پر اس کے ناگہانی عذاب سے بچے ہوئے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس مہربانی پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتے مگر شکر تو کیا وہ تو اس کی یاد ہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور اس کی نعمت و احسان کا اقرار تک نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانا بیکار ہے۔ ان کے دل میں تو رحمٰن کا خیال ہی نہیں آتا، وہ اس کے عذاب سے کیا ڈریں گے۔

پھر فرمایا کہ کیا ان کے پاس ہمارے سوا ایسے معبود ہیں جو ان کو ہمارے مذکورہ عذاب

سے بچالیں گے۔ حالانکہ جن کو یہ پوجتے ہیں وہ بیچارے ان کو تو ہمارے عذاب سے کیا بچائیں گے وہ تو اپنی حفاظت کی بھی قدرت نہیں رکھتے۔ اگر ان پر کوئی بیٹھ جائے تو وہ اس کو اڑا بھی نہیں سکتے۔ اور نہ ہمارے مقابلے میں ان کے پاس کوئی ایسا ساتھی ہے جو مصیبت کے وقت ان کا ساتھ دے سکے۔ (مظہری ۱۹۸/۶، مواہب الرحمٰن ۲۹۔۳۱/۱۷)

کفار کی غفلت و غرور

۴۴۔ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَ هُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

بلکہ ہم نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو (دنیا کا) خوب سامان دیا یہاں تک کہ ان پر (اسی حالت میں) ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے کم کرتے چلے آرہے ہیں۔ سو کیا وہی لوگ غالب رہیں گے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنے انعامات سے جو نوازا اور ان کو طویل عمریں دیں تو اس سے انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے کرتوت پسند ہیں اور وہ ہمیشہ اسی حال میں رہیں گے۔ ان کے اس خیال کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہ تو ان کے اعمال و افعال پسندیدہ ہیں اور نہ اس میں ان کے بتوں کا کوئی عمل دخل ہے بلکہ یہ تو ہماری طرف سے ڈھیل اور مہلت ہے۔ وہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیشہ وہ شتر بے مہار کی طرح آزاد پھریں گے اور اللہ کی طرف سے ان کی کوئی گرفت نہ ہو گی۔

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے کافروں کی کتنی ہی بستیاں ان کے کفر و شرک کے سبب ملیامیٹ کر دیں اور زمین کفر یعنی دارالحرب کو ہر طرف سے کم کرتے چلے آرہے ہیں اور اسلام کو کفر پر غلبہ دے رہے ہیں۔ کیا وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو اپنے دشمنوں پر غالب کر رہا ہے۔ کیا یہ لوگ اب بھی اپنے آپ کو غالب سمجھتے

ہیں۔ (ابن کثیر ۱۸۰ / ۳، مظہری ۱۹۸، ۱۹۹ / ۶)

کفار کا حق سے بہرہ ہونا

۴۵۔۴۶۔ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ○ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں وحی کے ذریعے آگاہ کر رہا ہوں۔ بہرے لوگ بات نہیں سنتے جب ان کو آگاہ کیا جائے، اور اگر ان کو آپ کے رب کے عذاب کا ایک جھونکا بھی لگ جائے تو پکار اٹھتے ہیں ہائے ہماری کمبختی۔ بے شک ہم ہی ظالم تھے۔

الصُّمُّ : بہرے، بہرا ہونا، واحد اَصَمُّ.

نَفْحَةٌ : ایک جھونکا، بھاپ، معمولی سا، مصدر مرۃ، جمع نَفَحَاتٌ

تشریح: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں عذاب کی خبر اپنی طرف سے نہیں دیتا بلکہ مجھ پر جو قرآن نازل ہوا ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے عذاب کی اطلاع دی ہے۔ عذاب کا نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں میرا کام تو خبر دار کرنا ہے۔ سو میں نے تمہیں عذاب الٰہی سے خبر دار کر دیا ہے۔ اب تم اپنا انجام سوچ لو۔ لیکن یہ کافر حق کی طرف سے ایسے بہرے ہو گئے ہیں کہ اب کچھ نہیں سنتے۔ اس لئے ان کو خبر دار کرنا بے سود ہے۔

پورے عذاب میں مبتلا ہونا تو بہت دور کی بات ہے، اگر ان نافرمانوں کو عذاب الٰہی کی ذرا سی ہوا بھی لگ جائے تو ان کے آنکھ کان سب کھل جائیں گے اور یہ بدحواس ہو کر چلائیں گے، موت کو پکاریں گے اور بے ساختہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے اور کہیں گے کہ بلاشبہ ہم ہی ظالم تھے جو ایسی کمبختی آئی۔ ہم نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک کر کے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

عدل و انصاف کی ترازو

۴۷۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط
وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ط وَكَفٰى بِنَا
حٰسِبِيْنَ O
قیامت کے روز ہم انصاف کی میزانیں قائم کریں گے۔ پھر کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو بھی لا حاضر کریں گے اور ہم کافی ہیں حساب لینے کے لئے۔

وَنَضَعُ : ہم رکھیں گے۔ ہم قائم کریں گے۔ وَضْعٌ سے مضارع۔

الْمَوَازِيْنَ : بہت سے ترازو۔ وزن کرنے والے آلات۔ وَزْنٌ سے اسم آلہ، واحد مِيْزَانٌ۔

الْقِسْطَ : انصاف، عدل، برابری، اسم ہے۔ جمع اَقْسَاطٌ۔

مِثْقَالَ : برابر۔ ہموزن، بھاری ہونا، ثِقْلٌ و ثِقَالَةٌ سے فعل بھی ہے اسم بھی۔

حَبَّةٍ : دانہ۔

خَرْدَل: رائی۔ واحد خَرْدَلَةٌ۔

تشریح: قیامت کے روز ہم عدل و انصاف کی ترازو قائم کریں گے اور عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں کے اعمال کا فیصلہ کریں گے۔ جس کی نیکیاں بدیوں پر غالب ہوں گی وہ نجات پا جائے گا اور جس کی بدیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اسے ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اس روز کسی پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ نہ کسی کا ادنیٰ سا حق تلف ہوگا اور نہ کسی کی برائیوں میں اضافہ ہوگا۔ اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کسی کا کوئی نیک یا بد عمل ہوگا تو ہم اسے ضرور لا حاضر کریں گے، خواہ وہ عمل کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمان و زمین میں۔ ہم حساب کے لئے کافی ہیں۔ ہمیں کسی ترازو کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمیں ہر چیز کا علم ہے، کوئی چیز

بھی ہم سے چھپی ہوئی نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۱۴۱/ ۴، مظہری ۱۹۹۔۲۰۱ /۶)

حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کا واقعہ

۴۸۔۵۰۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے (حضرت) موسیٰ اور ہارونؑ کو (حق و باطل میں) فیصلہ کرنے والی اور روشنی دینے والی اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت والی کتاب دی تھی۔ (پرہیزگار وہ لوگ ہیں) جو بن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور وہ قیامت کا بھی خوف کرتے ہیں۔ اور یہ ایک برکت والی نصیحت (قرآن) ہے جو ہم نے نازل کی۔ پھر کیا تم اس کے بھی منکر ہو۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو ایسی چیز عطا کی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی اور ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے والی تھی۔ اس سے مراد توریت ہے جس کی تین صفات بیان کی گئی ہیں۔ ۱۔ جو حق و باطل اور حلال و حرام اور ہدایت و گمراہی کے فرق کو واضح کرتی تھی۔ ۲۔ ان لوگوں کو عظیم الشان روشنی عطا کرنے والی تھی جو حیرت اور جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے تھے۔ ۳۔ پرہیزگاروں کے لئے یہ کتاب نصیحت کی چیز تھی۔ متقی اور پرہیزگار وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے پروردگار سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور یہی لوگ قیامت سے بھی خوف کھاتے ہیں اور اس کی ہولناکیوں سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں۔

پھر فرمایا اس قرآن عظیم کو بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے۔ جو ایک عظیم برکت والی نصیحت ہے۔ انوار و برکات کے اعتبار سے یہ کتاب تمام کتبِ سماویہ سے بڑھ کر ہے۔ باطل اس کے قریب بھی نہیں آسکتا۔ سوائے اہلِ مکہ کیا تم اس قدر وضاحت و حقانیت اور صداقت و نورانیت اور خیر و برکت والے قرآن کا بھی انکار کرتے ہو۔ یہ تو اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے نہیں بنایا اس لئے تمہیں اس کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۴۲ / ۴، مواہب الرحمٰن ۳۵۔۳۶ / ۱۷)

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ

۵۱۔۵۶۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝
اِذْقَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاهٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا
عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ
كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ
اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

اور یقیناً ہم نے (حضرت) ابراہیمؑ کو (ابتدا ہی سے) اس کی نیک راہ عطا فرمائی اور ہم ان کے احوال سے خوب واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن (کی عبادت) پر تم جمے بیٹھے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) فرمایا البتہ تم اور تمہارے باپ دادا یقیناً صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے سامنے حق بات پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو۔

(حضرت ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ تم سب کا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اور میں بھی اس کا گواہ ہوں۔

التماثیل : بت۔ مجسمے۔ تصویریں۔ واحد تِمْثَالٌ

عٰکِفُوْنَ : اعتکاف کرنے والے۔ جم کر بیٹھنے والے۔ عُکُوْفٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: بلاشبہ ہم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے بہت عرصہ پہلے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی شان کے لائق خاص ہدایت اور خاص صلاحیت عطا کر دی تھی۔ یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطائے نبوت سے پہلے ہی حق کی معرفت عطا کر دی تھی۔ مفسرین نے آیت کے یہ معنی بھی بیان کئے ہیں کہ ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی جب کہ حضرت ابراہیمؑ ابھی بچے ہی تھے۔ ہم نے ان کو نبوت عطا کر دی تھی کیونکہ ہم جانتے تھے کہ وہ ہدایت و نبوت کے اہل ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ یہ مورتیاں کیا ہیں جن کو تم پوجتے ہو۔ یہ تو بے جان ہیں نہ تمہیں نفع پہنچا سکتی ہیں اور نہ نقصان۔ پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ زمانہ قدیم سے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔ کیا وہ سب بیوقوف تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ یقیناً تمہارے باپ دادا بھی گمراہ اور کھلی غلطی پر تھے اور تم ان کی اتباع میں ان بے جان پتھروں کو پوجتے ہو اس لئے تم بھی کھلی گمراہی میں ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کی بات سن کر قوم کے لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا واقعی تم کوئی حق بات لے کر آئے ہو یا ایسے ہی ہم سے دل لگی کر رہے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ یہ کوئی دل لگی کی بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا مالک و حاکم ہے جس نے ان کو نیست سے ہست کیا اور میں اس کی شہادت دینے والوں میں سے ہوں کہ میرا اور تمہارا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہی عبادت کے لائق ہے اس کے سوا نہ کوئی رب ہے نہ معبود، تمہارے یہ معبود تو کسی ادنیٰ چیز کے بھی خالق ہیں نہ مالک، پھر یہ معبود و مسجود کیسے ہو گئے۔ (مظہری ۲۰۲/۶، روح المعانی ۵۸-۶۱/۱۷)

حضرت ابراہیمؑ کا بتوں کو توڑنا

۵۷۔۶۳۔ وَ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ○
فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا
مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى
يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ
النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا
يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا
يَنْطِقُوْنَ ○

اور اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کی ضرور گت بناؤں گا جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ پھر (حضرت) ابراہیمؑ نے بڑے بت کے سوا سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تاکہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں (بتوں کا حال دیکھ کر) وہ کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ (حرکت) کس نے کی۔ بیشک وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو جسے ابراہیمؑ کہا جاتا ہے ان (بتوں) کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا۔ سب نے کہا کہ اچھا اسے سب کے سامنے لاؤ تاکہ سب دیکھیں۔ وہ کہنے لگے۔ اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) کہا بلکہ یہ تو ان کے اس بڑے نے کی ہے سو تم ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔

جُذٰذًا : ٹکڑے ٹکڑے۔ ریزہ ریزہ، جَذٌّ سے مشتق ہے۔ مفعول کے معنی ہیں۔

فَتًى : نوجوان آدمی۔ خادم۔ غلام۔ جمع فِتْيَانٌ۔

يَنْطِقُوْنَ : وہ کہتے ہیں۔ وہ بات کرتے ہیں۔ نُطْقٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ نے کہا خدا کی قسم! جب تم پیٹھ پھیر کر ان بتوں کے پاس سے کہیں چلے جاؤ گے تو میں تمہارے ان بتوں کی خوب گت بناؤں گا۔

بغوی نے مجاہد اور قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات چپکے سے کہی تھی۔ بعض نے سنی اور بعض نے نہ سنی، جنہوں نے سنی انہوں نے بھی اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر جب ان کا سالانہ تہوار آیا تو سب چھوٹے بڑے اور ضعیف و قوی اس میں شرکت کے لئے چلے گئے اور حضرت ابراہیمؑ بت خانے میں پہنچ گئے جہاں تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار میں رکھے ہوئے تھے۔ بت خانے کے دروازے کے سامنے سب سے بڑا بت تھا۔ اس کے برابر میں اس سے چھوٹا پھر اس سے چھوٹا، اسی طرح سب قطار میں رکھے ہوئے تھے۔

پس حضرت ابراہیمؑ نے بڑے بت کو چھوڑ کر دوسرے تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بڑے بت کو باقی رکھنے میں یہ حکمت و مصلحت تھی کہ ان کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ شاید اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑا ہوگا کیونکہ اسے غیرت معلوم ہوئی ہوگی کہ اس کے ہوتے ہوئے یہ چھوٹے بت خدائی کے لائق کیسے ہو گئے۔ اسی لئے حضرت ابراہیمؑ نے کلہاڑا بھی اسی کی گردن میں اٹکا دیا۔

جب وہ مشرکین اپنے میلے سے واپس آئے اور بت خانے میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بتوں کا حالِ زار دیکھا اور کہنے لگے کہ یہ کون ظالم شخص تھا جس نے ہمارے معبودوں کی ایسی اہانت کی۔ جن لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کی قسم والا جملہ سنا تھا وہ کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو ان بتوں کی برائی کرتے ہوئے سنا تھا۔ اس کا نام ابراہیمؑ بتایا جاتا ہے۔ یہ اسی کا کام ہے۔

جب یہ بات نمرود اور اس کے ارکان حکومت کو پہنچی تو وہ کہنے لگے اگر اس نے ایسا کیا ہے تو اس کو لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ اس کے قول و فعل کی شہادت دیں۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے اور حضرت ابراہیمؑ بھی آ گئے تو لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ اے ابراہیمؑ کیا تو نے ہی ہمارے معبودوں کا یہ حشر کیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ ان کے اس بڑے نے یہ کام کیا ہے جو صحیح و سالم کھڑا ہے۔ جب اس بڑے کا معبود ہونا ممکن ہے تو کیا یہ ممکن نہیں

کہ یہ کام بھی اسی نے کیا ہو۔ اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ کام میں نے کیا ہے تو تم ان چھوٹے بتوں سے پوچھ لو۔ اگر یہ بول سکتے ہیں تو خود ہی بتا دیں گے کہ یہ کس کا کام ہے۔ تمہارے اعتقاد کے مطابق جب یہ تمہاری حاجت روائی کر سکتے ہیں تو یقیناً یہ تمہارے سوال کا جواب بھی دے سکتے ہیں۔ (مظہری ۲۰۳۔۲۰۵/۶، روح المعانی ۶۱۔۶۵/۱۷)

کفار کی شرمندگی

۶۴۔۶۷۔ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

پھر وہ اپنے دل میں سوچنے لگے اور کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی ظالم ہو۔ پھر وہ (ندامت سے) سر جھکا کر کہنے لگے (اے ابراہیمؑ) بیشک تم خوب جانتے ہو کہ یہ (بت) بولتے نہیں۔ (حضرت ابراہیمؑ نے) کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ نفع دے سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔

نُكِسُوْا : وہ اوندھے ڈالے گئے۔ ان کے سروں کو جھکا دیا گیا۔ نَکْسٌ سے ماضی مجہول۔

رُءُوْسِهِمْ : ان کے سر۔ واحد رَاْسٌ۔

تشریح: پھر حضرت ابراہیمؑ کی باتوں سے ان کو اپنی غلطی کا احساس پیدا ہوا اور اپنی بیوقوفی پر اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ تم ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے ہو کہ جو بت بول نہیں سکتے اور جو اپنے آپ کو نفع نہیں پہنچا سکتے اور نہ اپنا کوئی دکھ دفع

کر سکتے ہیں، ان کی پوجا کرتے ہو۔ پھر شرم کے مارے انہوں نے اپنے سر جھکا لئے اور کچھ غور و فکر کر کے بات بنائی کہ اے ابراہیمؑ آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ یہ بت بے زبان ہیں۔ کچھ بولتے نہیں تو ہم ان سے کیا دریافت کریں۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا اس حقیقت کے بعد بھی کہ یہ بت نہ بولتے ہیں نہ نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں، تم ان کی عبادت کرتے ہو۔ تف ہے تم پر اور اس چیز پر جس کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جو چیز توڑی اور پھوڑی جا سکتی ہے وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے۔ (روح المعانی ۶۶۔ ۶۸ / ۱۷، مظہری ۲۰۵۔ ۲۰۶ / ۶)

حضرت ابراہیمؑ کو زندہ جلانے کا فیصلہ

۶۸۔۷۰۔ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ O قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ O وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ O

وہ (آپس میں) کہنے لگے کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اس (ابراہیمؑ) کو آگ میں جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ (جب انہوں نے ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالدیا تو) ہم نے (آگ کو) حکم دیا۔ اے آگ تو (حضرت) ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن جا۔ اور انہوں نے تو ابراہیمؑ کے ساتھ برا کرنا چاہا تھا مگر ہم نے ان کو ناکام کر دیا۔

حَرِّقُوْهُ: اس کو جلاؤ۔ تَحْرِيْقٌ سے امر۔

بَرْدًا: ٹھنڈا ہونا، مصدر ہے۔

كَيْدًا: خفیہ تدبیر۔ مکر۔ فریب۔

تشریح: مشرکین جب دلیل سے عاجز آگئے اور ان سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو آپس میں کہنے لگے کہ ابراہیمؑ کو آگ میں جلا دو جو ہولناک سزا

ہے۔ اپنے معبودوں کی مدد کی صرف یہی ایک صورت ہے ورنہ جب تک یہ زندہ رہے گا ان کی بے حرمتی کرتا رہے گا۔ پھر جب وہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں جلانے پر متفق ہو گئے تو انہوں نے ایک ہولناک آگ کا سامان کر کے حضرت ابراہیمؑ کو اس میں ڈالدیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈک اور سلامتی والی ہو جائے تاکہ ان کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

ان کفار و مشرکین نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کا معاملہ کرنا چاہا یعنی ان کو آگ میں جلانا چاہا، سو ہم نے ان کو سب سے زیادہ خسارہ اٹھانے والا بنادیا۔ اس طرح آگ کا ٹھنڈا اور سلامتی والا ہو جانا حضرت ابراہیمؑ کے لئے باعثِ صد عزت و رفعت ہوا اور کافروں کے لئے باعث صد ذلت واہانت ہوا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۶۴۸۔۶۴۹ / ۴، روح المعانی ۶۸۔۷۰ / ۱۷)

حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کی ہجرت

۷۱۔۷۳۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَ
وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۝
وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ
وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۝

اور ہم ابراہیمؑ اور لوطؑ کو بچاکر اس سرزمین کی طرف لے آئے، جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لئے برکت رکھی تھی۔ اور ہم نے اسے اسحٰق عطا فرمایا اور یعقوبؑ اور زیادہ دیا اور ہم نے سب کو نیک بنایا اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا وہ ہمارے حکم سے لوگوں کو راہِ ہدایت بتاتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کے کرنے اور نمازوں کے قائم رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہماری ہی عبادت کیا کرتے تھے۔

وَهَبْنَا : ہم نے بخشا۔ ہم نے ہبہ کیا۔ وَهْبٌ وَهْبَةٌ سے ماضی۔

نَافِلَةً : نفل، زیادہ نَفْلٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت ابراہیمؑ کے آگ سے صحیح و سالم نکلنے کے بعد ہم نے ان کو اور حضرت لوطؑ کو کافروں سے بچا کر شام کے مقدس ملک میں پہنچا دیا۔ جس میں ہم نے اہلِ جہان کے لئے برکت رکھی ہے۔ ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ تمام میٹھا پانی شام کے صخرہ کے نیچے سے نکلتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ہجرت کے بعد ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو ان کی درخواست پر ایک بیٹا اسحٰق دیا اور ایک پوتا یعقوب بطور نفل (زیادہ) دیا یعنی بغیر درخواست اور بغیر مانگے دیا۔ ان سب کو یعنی باپ، بیٹے اور پوتے کو نیک بخت بنایا اور سب کو دنیا کا مقتدا و پیشوا بنا دیا تاکہ وہ ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کو صحیح راستہ دکھائیں۔ ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے کی وحی کی خاص طور پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی۔ یہ سب خاص ہماری عبادت کرنے والے تھے اور ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔

حضرت لوطؑ کا واقعہ

۷۴۔۷۵۔ وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ
كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۝
وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور ہم نے لوط کو حکمت و علم عطا کیا تھا اور ہم نے ان کو اس بستی سے نجات دی جس کے رہنے والے گندے کاموں میں مبتلا تھے۔ بیشک وہ بری قوم (اور) بدکار تھے اور ہم نے اس (لوطؑ) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بیشک وہ نیک لوگوں میں سے تھے۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے اور ان پر

ایمان لائے تھے۔ بہت نیک و صالح اور عابد وزاہد تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی اتباع میں انہوں نے بھی حضرت ابراہیم کے ساتھ ہجرت کی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بستی سے نجات دی جہاں کے باشندے نہایت خبیث اور گندے کام کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم و حکمت عطا فرمائی اور ان کی طرف وحی نازل فرمائی اور ان کو نبیوں کے زمرے میں داخل فرما کر سدوم اور آس پاس کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ اہلِ بستی ان کی بات ماننے کی بجائے الٹا ان کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے، جس کے نتیجے میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور فنا کر دیئے گئے۔ ان کی بربادی کے واقعات قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان ہوئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان بدذاتوں کی بستی سے نکال کر اپنی رحمت میں داخل کر لیا کیونکہ بلاشبہ وہ نیک بختوں اور صالح لوگوں میں سے تھے۔

حضرت نوحؑ کا واقعہ

۷۶۔۷۷۔ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور نوح (کا واقعہ یاد کرو) جب اس نے اس سے پہلے دعا کی سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور اس کو اور اس کے گھر والوں کو بڑی سخت مصیبت (طوفان) سے نجات دی۔ اور ہم نے ان لوگوں کے مقابلے میں (حضرت) نوح کی مدد کی جو ہماری آیتوں کو جھٹلا رہے تھے۔ یقیناً وہ برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تک تبلیغ دین کرتے رہے۔ اس طویل عرصے میں سوائے چند لوگوں کے جو ایمان لے آئے تھے باقی تمام لوگ نہ صرف اپنے کفر و شرک پر قائم رہے بلکہ وہ حضرت نوحؑ کو ہر قسم کی تکلیفیں اور ایذائیں دیتے رہے اور

دوسروں کو بھی آپ کی ایذار سانی پر اکساتے رہے یہاں تک کہ جب حضرت نوحؑ عاجز و بے بس اور ان کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی کہ اب ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ رکھ ورنہ یہ تیرے بندوں کو بہکاتے رہیں گے۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝ (سورۂ قمر آیت ۱۰)

پس حضرت نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا۔ اے میرے پروردگار میں مغلوب اور عاجز ہوں سو تو میرا بدلہ لے لے۔

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ دَیَّارًا ۝ (سورۂ نوح آیت ۲۶)

اے میرے رب تو روئے زمین پر بسنے والے کافروں میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کی دعا قبول فرمائی اور ان لوگوں کو جو ان کی اتباع کرتے تھے اور ان کے ساتھ ان کی کشتی میں سوار تھے، ان کو ڈوبنے کی بڑی مصیبت سے نجات دی اور قوم کے ان لوگوں کے مقابلے میں جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے، ان کی مدد کی۔ بلاشبہ وہ منکرین و مکذبین بہت ہی برے لوگ تھے سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا۔ (عثمانی ۱۱۸/ ۲، ابن کثیر ۱۸۴، ۱۸۵/ ۳)

حضرت داؤدؑ کا واقعہ

۷۸۔۷۹۔ وَدَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِیْنَ ۝ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ ۝

اور داؤدؑ اور سلیمانؑ کو بھی یاد کیجئے، جبکہ وہ دونوں کھیت کے معاملے میں فیصلہ کر رہے تھے جبکہ کچھ لوگوں کی بکریاں اس (کھیت) کو رات میں چر

گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکمت اور علم دے رکھا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤدؑ کے تابع کر دیا تھا جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کیا) اور (یہ سب کچھ) ہم ہی کیا کرتے تھے۔

اَلْحَرْثِ : کھیتی،

اِذْ نَفَشَتْ :انہوں نے روند دیا۔ انہوں نے چر لیا۔ نَفْشٌ سے ماضی۔

غَنَمُ : بکریاں۔ اسم جنس۔

تشریح: حضرت داؤد علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ نہایت عادل اور منصف تھے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما قتادہ اور زہری نے بیان کیا کہ دو آدمی حضرت داؤدؑ کے پاس ایک مقدمہ لائے۔ ان میں سے ایک تو کھیت کا مالک تھا اور دوسرا بکریوں کا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس فیصلے کے وقت ہم موجود تھے۔ ہمارے روبرو یہ فیصلہ ہوا۔ کھیت والے نے کہا کہ اس کی بکریاں رات کو میرا تمام کھیت چر گئیں اور کچھ باقی نہیں چھوڑا۔ حضرت داؤدؑ نے اندازہ لگایا کہ تمام بکریوں کی کل قیمت کھیت کی قیمت کے برابر ہے اس لئے آپ نے حکم دیا کہ تمام بکریاں کھیت کے مالک کو دیدی جائیں۔

حضرت داؤدؑ کے پاس سے دونوں حضرت سلیمانؑ کے پاس آئے۔ حضرت سلیمانؑ نے پوچھا کہ تم دونوں کے مقدمے کا کیا فیصلہ ہوا۔ انہوں نے حضرت داؤدؑ کا فیصلہ بیان کر دیا۔ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ اگر تمہارا مقدمہ میرے پاس ہوتا تو میں دوسرا فیصلہ کرتا۔ جب حضرت داؤدؑ کو حضرت سلیمانؑ کی بات کا پتہ چلا تو انہوں نے حضرت سلیمانؑ کو بلوا کر کہا کہ تم فیصلہ کرو۔ حضرت سلیمانؑ نے کہا کہ بکریاں کھیت والے کو دیدو اور کھیت بکریوں کے مالک کے سپرد کر دیا جائے۔ کھیت والا بکریوں کے دودھ، اُون اور ان کے بچوں سے اس وقت تک فائدہ اٹھاتا رہے جب تک کھیت بکریوں والے کے پاس رہے۔ بکریوں کا مالک کھیت کو درست کر کے اس میں بیج ڈالدے اور جب کھیتی تیار ہو کر اصلی حالت پر آجائے تو تیار کھیت، کھیت والے کو لوٹا دیا جائے اور بکریوں والا اپنی بکریاں واپس لے لے۔ حضرت داؤدؑ نے اس فیصلے کو بہت پسند کیا

اور اسی کو جاری کر دیا۔ اس وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے فیصلے کا یہ طریقہ حضرت سلیمانؑ کو سمجھا دیا جو فریقین کے حق میں مفید ہو گیا اور ہم نے باپ اور بیٹے دونوں کو علم و حکمت عطا کیا تھا۔ ہر ایک نے اپنے علم کے مطابق فیصلہ کیا۔ دونوں فیصلے حق تھے اور دونوں کا مقصد نقصان کی تلافی تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ ظاہری قیاس کے مطابق تھا کہ رات کے وقت بکریوں کو بند رکھنا اور ان کی نگرانی کرنا بکریوں کے مالک کی ذمے داری تھی مگر چونکہ اس نے بکریوں کی نگہداشت میں کوتاہی کی جس کے نتیجے میں دوسرے کا کھیت برباد ہوا، اس لئے حضرت داؤدؑ نے کھیت والے کو بکریوں کا مالک بنا دیا کیونکہ ان کے نزدیک کھیت کا نقصان اور بکریوں کی قیمت برابر تھی، فقہا کی اصطلاح میں ایسے فیصلے کو قیاس جلی کہتے ہیں۔ حضرت سلیمانؑ نے جو فیصلہ فرمایا اس میں ہر ایک کی ملکیت کو اسی طرح برقرار رکھا اور کھیتی کے نقصان کی تلافی بکریوں کے نفع سے کر دی۔ ایسے قیاس کو فقہا کی اصطلاح میں استحسان کہتے ہیں۔ دونوں فیصلے حق تھے مگر حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ زیادہ بہتر تھا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے علم و حکمت کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر دیا تھا کہ جب وہ خوش آوازی سے زبور پڑھتے تو ان کے ساتھ شجر و حجر اور پہاڑ و پرند سب آواز کے ساتھ تسبیح کرنے لگتے تھے۔ حضرت داؤدؑ نہایت خوش آواز تھے اور یہ خوش آوازی ان کا معجزہ تھا۔ پھر فرمایا کہ علم و حکمت کا عطا ہونا اور پرندوں اور پہاڑوں کی تسخیر یہ سب ہمارا کام ہے، ہم ہی اس کے فاعل ہیں اس لئے ہماری قدرت کے اعتبار سے یہ کوئی عجیب چیز نہیں۔ (روح المعانی ۷۳۔۷۶/۱۷، مظہری ۲۱۱۔۲۱۵/۶)

حضرت داؤدؑ کا زرہیں بنانا

۸۰۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ
فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ۝

اور ہم نے ان کو تمہارے لئے لباس (زرہ) بنانے کی صنعت سکھائی تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہیں بچائے۔ (محفوظ رکھے) سو کیا تم (اس نعمت کا) شکر کرتے ہو۔

لِتُحْصِنَكُمْ: تاکہ وہ تم کو بچالے، تاکہ وہ تم کو محفوظ رکھے۔ اِحْصَانٌ سے مضارع۔
بَأْسِكُمْ: تمہاری لڑائی۔ تمہاری سختی۔

تشریح: ہم نے تمہارے فائدے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک خاص قسم کا لباس یعنی زرہ بنانا سکھایا تاکہ وہ لباس جنگ اور دشمن کے مقابلے کے وقت تمہارا بچاؤ اور حفاظت کر سکے اور اس کو پہن کر تم دشمن کے وار سے محفوظ ہو جاؤ۔ کنڈے دار اور حلقوں والی زرہیں سب سے پہلے حضرت داؤدؑ ہی نے بنائیں۔ ان سے پہلے کنڈوں اور حلقوں کے بغیر زرہ بنتی تھی۔

قتادہؒ نے کہا کہ حضرت داؤدؑ سے پہلے زرہ سپاٹ ہوتی تھی۔ سب سے پہلے آپ ہی نے جال دار زرہ بنائی اور کڑیاں جوڑ کر جھول کی شکل دی۔

اللہ تعالیٰ نے لوہے کو حضرت داؤدؑ کے لئے نرم کر دیا تھا۔ آگ میں گرم کئے بغیر ہی، لوہا ان کے ہاتھوں میں موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور وہ اس سے بہت آسانی سے زرہ بنا لیا کرتے تھے۔ یہ بھی ان کا معجزہ تھا۔ پس یہ ایسی نعمت تھی جس پر لوگوں کو اللہ کی شکر گزاری کرنی چاہئے۔ (روح المعانی ۷۶، ۷۷/۱۷)

حضرت سلیمانؑ کا واقعہ

۸۱۔۸۲۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ
بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ
يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ۝

اور ہم نے تیز و تند ہوا کو سلیمانؑ کے تابع کر دیا جو اس کے حکم سے اس

زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی ہے اور ہم ہر چیز
کو جانتے تھے، اور بہت سے شیاطین بھی ہم نے اس کے تابع کئے تھے۔
جو اس کے حکم سے غوطہ لگاتے تھے۔ اور اس کے سوا اور بھی کام کرتے
تھے اور ان کی حفاظت ہم ہی کیا کرتے تھے۔

عَاصِفَةً: آندھی، زور کی ہوا۔ تند و تیز ہوا۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل۔
يَغُوْصُوْنَ: وہ ڈبکی لگاتے ہیں۔ وہ غوطہ مارتے ہیں۔ غَوْصٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ جب ہوا کو تیز چلنے کا حکم دیتے تو وہ تیز چلنے لگتی اور جب آہستہ چلنے کا حکم دیتے تو وہ آہستہ چلنے لگتی۔ ہوا حضرت سلیمانؑ اور ان کے اصحاب کو ایک ہی دن میں یمن سے شام اور شام سے یمن پہنچا دیتی تھی۔ پھر فرمایا کہ یہ بات ہمیں معلوم تھی کہ حضرت سلیمانؑ اس نعمت کے اہل ہیں اور ہمیں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اس نعمت پر مغرور و متکبر نہ ہوں گے، بلکہ اس سے ان کی تواضع میں اور اضافہ ہوگا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سرکش جنوں کو بھی حضرت سلیمانؑ کے تابع کر دیا تھا جو سمندروں میں غوطے لگا کر موتی اور جواہر نکال کر لایا کرتے تھے۔ یہ جن اور بھی بہت سے کام کرتے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاءٍ وَّ غَوَّاصٍ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي
الْاَصْفَادِ ○ (سورۂ ص، آیت ۳۷، ۳۸)
اور ہم نے سرکش جنوں کو ان کا ماتحت کر دیا تھا جو معمار تھے اور غوطہ
خور تھے اور ان کے علاوہ اور شیاطین بھی ان کے ماتحت تھے جو زنجیروں
میں بندھے رہتے تھے۔

پھر فرمایا کہ ہم ہی سلیمانؑ کے محافظ و نگہبان تھے۔ کوئی شیطان انہیں برائی نہیں پہنچا سکتا تھا۔ بلکہ سب ان کے ماتحت اور فرماں بردار تھے۔ کوئی ان کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا تھا۔ وہ (حضرت سلیمانؑ) ان پر پوری طرح حاوی تھے۔ جسے چاہتے قید کر لیتے تھے اور جسے

چاہتے آزاد کر دیتے۔

بغوی نے بیان کیا کہ جب حضرت سلیمانؑ کسی جن کو کسی آدمی کے ساتھ کسی کام پر بھیجتے تو آدمی سے فرمادیتے کہ جب یہ اس کام سے فارغ ہو جائے تو اس کو کسی اور کام پر لگا دینا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کئے ہوئے کام کو برباد کر دے۔ جنات کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی کام سے فارغ ہو جاتے اور دوسرے کام میں مشغول نہ ہوتے تو بنے ہوئے کام ہی کو تباہ کر دیتے۔

(ابن کثیر ۱۸۷۔۱۸۸/ ۳، مظہری ۲۱۶۔۲۱۸/ ۶)

حضرت ایوبؑ کا واقعہ

۸۳۔۸۴۔ وَ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝

اور (یاد کرو) ایوبؑ کو جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا تھا کہ تحقیق مجھے یہ تکلیف پہنچ رہی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی۔ پھر جو کچھ تکلیف ان کو تھی وہ دور کر دی اور ان کو ان کے اہل و عیال عطا فرمائے اور ان کے ساتھ ویسے ہی اپنی خاص رحمت کے طور پر ان کو (مزید اہل و عیال) دیئے تاکہ عابدوں کے لئے نصیحت کا سبب ہو۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت ایوبؑ کی تکلیفوں کا بیان ہے جو طرح طرح کے مصائب سے آزمائے گئے۔ انہوں نے تمام مصائب پر بے مثال صبر کیا۔

حضرت ایوب بڑے خوشحال پیغمبر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو طرح طرح کے جانور، کھیتیاں، باغات، مال و دولت، اولاد، بیویاں، باندی غلام، غرض سب کچھ خوب دیا تھا۔ اس قدر خوشحالی اور آسائش میں وہ اللہ کے شکر گزار بندے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش

آئی۔ مال و اولاد اور باغ و کھیت وغیرہ سب فنا ہو گئے۔ یہاں تک کہ جسم میں جذام پھوٹ پڑا اور زبان کے سوا جسم کا کوئی حصہ اس مرض سے محفوظ نہ رہا۔ آس پاس والے ان سے گھن کرنے لگے۔ شہر کے ایک ویران حصے میں ان کو سکونت اختیار کرنی پڑی۔ دوست واحباب الگ ہو گئے۔ صرف ایک بیوی ساتھ رہ گئی۔ بس یہی ان کی خدمت کرتی تھیں اور محنت و مزدوری کر کے پیٹ پالنے کا سامان کرتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت امتحان نبیوں کا ہوتا ہے، پھر صالح لوگوں کا پھر ان سے نیچے کے درجے والوں کا، پھر ان سے کم درجے والوں کا،

حضرت ایوبؑ جس طرح نعمت میں اللہ تعالیٰ کے شکر گزار رہے اسی طرح مصیبت میں بھی نہایت صابر و شاکر رہے۔ نہ زبان پر کوئی حرف شکایت، نہ دل میں کبھی شکایت کا خیال گزرا۔ جب بیماری حد سے بڑھ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور ان کو صحت و عافیت عطا کر دی۔ جو اولاد مر گئی تھی اس کو بھی دوبارہ زندہ کر دیا اور اتنی ہی اولاد اور عطا کر دی اور اپنے فضل و مہربانی سے پہلے جیسی خوشحالی بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا فرما دی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے جو کچھ ایوبؑ کے ساتھ کیا وہ اپنی خاص رحمت اور مہربانی سے کیا تاکہ عبادت گزاروں کے لئے نصیحت و عبرت ہو۔

(ابن کثیر ۱۸۸۔ ۱۹۰ / ۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۲۶۳۔ ۲۶۴ / ۴)

حضرت ذوالکفلؑ کا واقعہ

۸۵۔۸۶۔ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور اسمٰعیل اور ادریسؑ اور ذوالکفلؑ کو بھی (یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ بیشک وہ نیک لوگوں میں سے تھے۔

تشریح: حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ادریسؑ کا ذکر سورۂ مریم میں گزر چکا۔ حضرت ذوالکفلؑ بظاہر تو نبی ہی معلوم ہوتے ہیں کیونکہ ان کا نام نبیوں کے ساتھ آیا ہے اکثر محققین کے نزدیک وہ نبی تھے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ نبی نہ تھے بلکہ ایک نیک و صالح شخص اور اپنے زمانے کے بہت عادل بادشاہ تھے۔

صبر و تحمل کے اعتبار سے یہ تینوں حضرات اپنے اپنے زمانے میں بے مثال تھے۔ تینوں نے بڑی بڑی تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کیا۔ حضرت ذوالکفل کو ذوالکفل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قوم میں عدل وانصاف کے کفیل تھے۔ دن میں روزہ رکھتے تھے اور رات میں تہجد کے کفیل تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے فقیروں اور مسکینوں کی پرورش کی کفالت اپنے ذمہ لی تھی۔ واللہ اعلم! (مواہب الرحمٰن ۸۹۔ ۹۳/۱۷)

حضرت یونسؑ کا واقعہ

۸۷۔۸۸۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى
فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ
نُـْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور مچھلی والے (حضرت یونسؑ) کو (بھی یاد کرو) جبکہ وہ (قوم کی حرکتوں پر) غصے ہو کر (اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر) چلد یئے اور انہوں نے سمجھا کہ ہم ان پر قابو نہ پاسکیں گے آخر وہ اندھیروں میں سے پکار اٹھے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ہی قصوروار ہوں۔ سو ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو غم سے نجات دی اور ہم ایمان والوں کو اسی طرح بچا لیتے ہیں۔

مُغَاضِبًا: خفا ہونے والا۔ غصہ کرنے والا۔ مُغَاضَبَةٌ سے اسم فاعل۔

النُّوْنِ : مچھلی کا نام۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو نینویٰ کی طرف مبعوث فرمایا تھا جو موصل کے مضافات میں ہے۔ حضرت یونسؑ نے ان کو شرک و بت پرستی سے روکا اور حق کی طرف بلایا مگر وہ حق قبول کرنے کی بجائے اپنے کفر و عناد میں پختہ ہوتے گئے۔ آخر انہوں نے قوم کے لئے بد دعا کی اور ان کی حرکتوں سے خفا ہو کر اللہ کے حکم کا انتظار کئے بغیر غصے کی حالت میں شہر سے نکل گئے۔ جاتے وقت قوم کو کہہ گئے کہ تین دن کے اندر عذاب آئے گا۔ ان کے چلے جانے کے بعد قوم کو یقین ہو گیا کہ نبی کی بد دعا ضرور قبول ہو گی اس لئے گھبرا کر سب لوگ بچوں اور جانوروں سمیت جنگل میں چلے گئے۔ ماؤں کو بچوں سے جدا کر دیا۔ جب میدان میں پہنچے تو سب نے رونا چلانا شروع کر دیا۔ بچے، مائیں، آدمی اور جانور سب شور مچا رہے تھے، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

پھر تمام بستی والوں نے سچے دل سے توبہ کی، تمام بت توڑ ڈالے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عہد کیا اور حضرت یونسؑ کو تلاش کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان پر سے عذاب کو اٹھالیا۔ ادھر حضرت یونس بستی سے نکل کر ایک کشتی پر سوار ہو گئے۔ پھر طوفان کی وجہ سے کشتی کے غرق ہونے کا احتمال پیدا ہو گیا، تو کشتی والوں نے بوجھ کم کرنے کے لئے ایک آدمی کو سمندر میں پھینک دینے کا فیصلہ کیا اور اس آدمی کے تعین کے لئے قرعہ ڈالا، جو حضرت یونسؑ کے نام پر نکلا۔ تین دفعہ قرعہ اندازی کی گئی مگر تینوں دفعہ قرعہ حضرت یونسؑ کے نام پر نکلا۔ یہ دیکھ کر حضرت یونسؑ خود ہی دریا میں کود پڑے۔ فوراً ایک مچھلی نے آکر ان کو نگل لیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونسؑ کو اپنے پیٹ کے اندر حفاظت سے رکھے اور ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچے۔

اس وقت حضرت یونسؑ نے اللہ کو پکارا اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کیا کہ بیشک میں تیرے حکم کا انتظار کئے بغیر بستی والوں کو چھوڑ کر بستی سے نکل کھڑا ہوا۔ حقیقت میں، میں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں جو پناہ دے سکے تو ہر عیب سے پاک ہے۔ پھر اللہ نے ان کی دعا کو قبول فرمالیا اور ان کو مچھلی کا لقمہ بن جانے کے غم سے نجات دیدی۔ چنانچہ

مچھلی نے سمندر کے کنارے پر آکر ان کو اگل دیا اور اللہ کی امانت صحیح و سالم واپس کر دی۔ پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے حضرت یونسؑ کو اس غم سے نجات دی اسی طرح ہم ایمان والوں کو غم سے نجات دیتے ہیں بشرطیکہ وہ اخلاص کے ساتھ ہم کو پکاریں۔

(عثمانی ۱۲۱۔ ۱۲۲ / ۲، مظہری ۲۳۱۔ ۲۳۴ / ۲)

حضرت زکریاؑ کا واقعہ

۸۹۔۹۰۔ وَ زَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ○ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ز وَ وَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ط وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○

اور زکریا کو (بھی یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب مجھے تنہا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے۔ پھر ہم نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو یحییٰ عطا فرمایا اور ان کے لئے ان کی بیوی کو درست (اولاد کے قابل) کر دیا۔ بیشک یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑتے تھے اور ہمیں امید و خوف کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور ہم ہی سے ڈرتے رہتے تھے۔

تَذَرْ : تو چھوڑ۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

رَغَبًا : رغبت۔ خواہش۔ توقع، مصدر ہے۔

رَهَبًا : ڈر۔ خوف۔ مصدر ہے۔

تشریح: حضرت زکریا بوڑھے ہوگئے تھے اور ان کی بیوی بھی بانجھ تھیں اس لئے بڑھاپے تک ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، حضرت زکریا کو اپنے رشتہ داروں کی طرف سے دین میں تحریف کر دینے کا اندیشہ تھا اس لئے ایک روز انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نہایت عجز و زاری

کے ساتھ دعا کی کہ تو اپنے خاص کرم اور مہربانی سے مجھے ایسی اولاد عطا فرما جو میرے بعد قوم کی خدمت کر سکے اور میری تعلیم کو پھیلا سکے۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا کر ان کو حضرت یحییٰ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ یہ تمام انبیا جن کا اوپر ذکر ہوا، سب نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے۔ وہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے تھے۔ جب کوئی مصیبت آتی یا کوئی حاجت و خواہش ہوتی تو رغبت و خوف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے اور وہ اللہ ہی سے ڈرتے رہتے تھے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۷)

حضرت مریمؑ کا واقعہ

۹۱۔ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○

اور اس عورت (مریمؑ) کو بھی یاد کرو جس نے اپنی عصمت کو محفوظ رکھا۔ پھر اس عورت میں ہم نے اپنی روح پھونک دی۔ اور اس کو اور اس کے بیٹے (حضرت عیسیٰؑ) کو جہان والوں کے لئے نشانِ قدرت بنا دیا

تشریح: حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کے واقعات میں نہایت درجہ مناسبت ہے۔ حضرت زکریا کے واقعے میں بوڑھے مرد اور بوڑھی اور بانجھ عورت سے بچہ پیدا ہونے کا ذکر ہے، جبکہ حضرت مریمؑ کے واقعے میں کنواری لڑکی سے شوہر کے بغیر لڑکا پیدا ہونے کا ذکر ہے جو پہلے واقعے سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اس عورت یعنی حضرت مریم کے واقعے کو یاد کرو جس نے اپنی شرمگاہ کو حلال و حرام دونوں سے محفوظ رکھا، سو جبرائیلؑ نے ہمارے حکم سے حضرت مریمؑ کے گریبان کے اندر ہماری ایک خاص پھونک ماری جو حضرت مریمؑ کے جسم کے اندر پہنچ گئی جس سے وہ بغیر شوہر کے حاملہ ہو گئیں اور ان سے کے ایک برگزیدہ نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ہم نے حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے کے

واقعے کو دنیا والوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ کی ایک نشانی بنا دیا۔ اس سے سمجھ بوجھ رکھنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے صرف عورت کے بطن سے لڑکا پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔　　(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۶۹، ۴، مظہری ۲۲۳، ۶)

توحیدِ خداوندی پر انبیاؑ کا اجماع

۹۲۔۹۴۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ○ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ○ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ○

بیشک تم سب کا دین (دینِ اسلام) ایک ہی دین ہے اور میں تم سب کا پروردگار ہوں، سو تم میری ہی عبادت کرو اور لوگوں نے اپنے دین میں اختلاف پیدا کر لیا۔ سب ہماری ہی طرف لوٹنے والے ہیں۔ پھر جو کوئی اچھے کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہو گا تو اس کی کوشش رائیگاں نہیں جائے گی اور ہم اس کو لکھ لیتے ہیں۔

تشریح: بیشک اصول کے اعتبار سے تمام انبیا علیہم السلام کا دین ایک ہے اور ان سب کی ایک ہی ملت ہے۔ سب توحید پر متفق ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس لئے تم بھی اسی ملت کو اختیار کرو اور اسی پر قائم رہو اور توحید کے بارے میں اختلاف نہ کرو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ۔ (آل عمران، آیت ۸۵)

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین اختیار کرے گا تو اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

پھر فرمایا کہ میں ہی تم سب کا رب ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، سو تم صرف میری عبادت کرو۔ کسی اور کی نہ کرو۔ ہم نے تو اصول کے اعتبار سے سب کو ایک ہی دین دیا تھا۔ مگر لوگوں نے اس میں اختلاف پیدا کر لیا۔ چنانچہ بعض اپنے نبیوں پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے۔ قیامت کے روز سب کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے اس وقت تمام اختلافات کا فیصلہ ہو جائے گا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ نیکوں کو نیک بدلہ اور بروں کو بری سزا۔ پس اگر کوئی شخص ایمان و یقین کی حالت میں نیک عمل کرے تو ہم اس کے اعمال ضائع نہیں کرتے بلکہ ان کی قدر کرتے ہیں۔ ہم کسی پر ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتے بلکہ ہم ہر ایک کے اعمال لکھ لیتے ہیں۔ اس لئے ان میں کسی ردو بدل اور کمی بیشی کا امکان نہیں۔ (روح المعانی ۹۰،۸۹ / ۱۷، ابن کثیر ۱۹۴ / ۳)

معذّب قوموں کی محرومی

۹۵۔۹۷۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ O حَتّٰٓی اِذَا
فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ O
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا ؕ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ O

اور جس بستی کو ہم نے (عذاب سے) ہلاک کر دیا ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ (دنیا میں) پھر لوٹ کر آئیں یہاں تک کہ یاجوج و ماجوج کو کھول دیا جائے اور وہ ہر بلندی سے دوڑے چلے آئیں۔ اور سچا وعدہ نزدیک آ پہنچے گا۔ اس وقت کافروں کی آنکھیں یکایک اوپر لگی رہ جائیں گی اور وہ کہیں گے ہائے افسوس۔ بیشک ہم تو اس سے غافل تھے۔ بلکہ ہم ہی ظالم تھے۔

حَدَبٍ: اونچی جگہ۔ بلندی۔ ٹیلہ۔ مصدر ہے۔

یَنۡسِلُوۡنَ: وہ نکل پڑیں گے۔ وہ دوڑ پڑیں گے۔ نَسۡلٌ سے مضارع۔
شَاخِصَةٌ: پھٹی کی پھٹی رہ جانے والی (آنکھیں)۔ کھلی کی کھلی رہ جانے والی۔ شُخُوۡصٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کافروں کا یہ خیال کہ وہ مر کر خاک میں مل جائیں گے اور نیست و نابود ہو جائیں گے بالکل غلط ہے۔ جس بستی والوں کو ہم نے عذاب یا موت کے ذریعے ہلاک کر دیا تو ایک روز وہ دوبارہ زندہ ہو کر ہماری طرف ضرور لوٹیں گے۔ اس روز قیامت قائم ہوگی اور ان کا حساب و کتاب ہوگا۔ بعض مفسرین یہ مطلب بھی بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ ہلاک ہو چکے ان کا اپنے اعمال کی درستی کے لئے دنیا میں دوبارہ واپس آنا ناممکن اور محال ہے۔ ایک دفعہ جب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے تو دوبارہ واپس آکر ایمان لانا اور عمل صالح کرنا تاکہ ان کے پہلے دور کی برائیوں کا کفارہ ہو سکے۔ محال ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ ہلاک ہونے والے اپنی ہلاکت و بربادی اور کفر و شرک کی حالت پر اسی طرح قائم رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہو جائیں اور یاجوج ماجوج کھول دیئے جائیں، جن کی تعداد کی کوئی حد نہیں۔ اس وقت وہ ذوالقرنین کی بنائی ہوئی دیوار کے پیچھے محصور ہیں۔ اور اللہ کی مخلوق ان کے فتنے سے محفوظ ہے۔ قیامت کے قریب اس دیوار کو توڑ کر یہ مفسد قوم وہاں سے ٹڈی دل کی طرح نکل پڑے گی اور ہر طرف پھیل جائے گی۔ یہ لوگ شہروں کو روند ڈالیں گے اور جہاں سے گزریں گے اس کو تباہ کر دیں گے، کوئی طاقت ان کو روک نہ سکے گی۔ اس وقت قیامت کا سچا وعدہ قریب آپہنچے گا۔ پھر خوف و دہشت کی وجہ سے کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ وہ دہشت کے مارے پلک بھی نہ جھپک سکیں گے۔ اور حسرت سے کہیں گے ہائے ہماری تباہی و بربادی ہم دنیا میں اس دن کے بارے میں غفلت میں پڑے رہے اور ہم خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔ کاش دنیا میں ہم اس آفت سے بچنے کی فکر کرتے کیونکہ رسولوں نے تو ہمیں آگاہ کر دیا تھا۔ مگر ہم نے ان کی بات نہ مانی۔

(عثمانی ۱۲۴/ ۲، مواہب الرحمٰن ۱۰۷۔ ۱۱۲/ ۱۷)

جہنم کا ایندھن

۹۸۔۱۰۰۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

(اللہ تعالیٰ فرمائے گا) بلاشبہ تم اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے، سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ تم سب دوزخ میں جانے والے ہو۔ اگر یہ (سچے) معبود ہوتے تو جہنم میں داخل نہ ہوتے۔ سب کے سب ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔ وہ اس (جہنم) میں چیخ و پکار کریں گے اور (اپنے شور و غل میں) وہاں کچھ بھی نہ سن سکیں گے۔

حَصَبُ : پتھر، ایندھن۔

زَفِيْرٌ : چیخ و پکار کرنا۔ چلانا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے مشرکین مکہ بلاشبہ تم اور تمہارے یہ بے جان و بے عقل بت جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ (سورۂ بقرہ آیت ۲۴)

اور اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں۔

تم سب کو اپنے معبودوں سمیت جہنم میں اتار دیا جائے گا۔ بتوں کا جہنم میں ڈالا جانا ان کو عذاب دینے کے لئے نہیں بلکہ مشرکوں پر حجت قائم کرنے کے لئے ہوگا کہ یہ بت اس قدر عاجز و بے بس ہیں کہ تمہاری حفاظت تو کیا کرتے یہ تو خود اپنے آپ کو بھی جہنم سے نہیں بچا سکے۔

اگر یہ بت اور بے جان مورتیں سچے معبود ہوتے تو آگ میں کیوں جلتے۔ حقیقت یہ

ہے کہ عابد (مشرک) اور معبود (بت) دونوں ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ جہنم میں مشرکوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ شدت ہول اور عذاب کی سختی سے وہاں خوب چیخیں چلائیں گے۔ اور اپنے چلانے اور شور کے سوا کچھ نہ سنیں گے۔ (عثمانی ۱۲۴/۲، ابن کثیر ۱۹۷، ۳/۱۹۸)

مومنوں کا حال

۱۰۱۔۱۰۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

بیشک ہماری طرف سے جن کے لئے بھلائی مقدر ہو چکی ہوگی وہی لوگ اس سے دور رکھے جائیں گے۔ وہ تو دوزخ کی آہٹ تک نہ سنیں گے اور وہ اپنی من پسند چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ بڑی گھبراہٹ بھی انہیں رنجیدہ نہ کرے گی اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے (اور کہیں گے) یہی تمہارا وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

مُبْعَدُوْنَ : دور کئے ہوئے۔ اِبْعَادٌ سے اسم مفعول۔

حَسِيْسَهَا : اس کی آہٹ، اس کا کھٹکا۔

فَزَعٌ : گھبراہٹ۔ خوف۔ ڈر۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: حاکم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا کہ اللہ کے سوا، عیسیٰ، عزیر اور فرشتوں کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ کیا یہ بھی جہنمی قرار پائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۲۳۹)

تشریح: بلاشبہ جو لوگ ایماندار تھے اور انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے تھے ان کو آخرت میں ثواب اور نیک بدلہ ملے گا۔ وہ عذاب سے محفوظ اور اللہ کی رحمت سے سرفراز ہوں گے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو جہنم سے اس قدر دور رکھے جائیں گے کہ وہ جہنم میں کافروں کے چیخنے اور چلانے کی آواز بھی نہ سنیں گے اور وہ اپنی مرغوب اور پسندیدہ چیزوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان لوگوں کو نہ موت کی گھبراہٹ ہوگی، نہ نفخے کی، نہ اس وقت کی گھبراہٹ جب جہنم پر ڈھکن ڈھک دیا جائے گا اور نہ ان کو اس وقت کسی قسم کا اندیشہ ہوگا جب موت کو دوزخ اور جنت کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ وہ ہر طرح سے مسرور و خوش ہوں گے۔ جب وہ قبروں سے نکل کر جنت کی طرف جائیں گے تو جنت کے دروازوں پر فرشتے ان کا استقبال کریں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی مسرت و راحت کا وعدہ آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کی زبانی تم سے کیا گیا تھا، یہ اسی کے پورا ہونے کا وقت ہے۔

(ابن کثیر ۱۹۸، ۱۹۹/ ۳، مظہری ۲۳۹۔ ۲۴۲، ۳)

آسمانوں کا لپیٹا جانا

۱۰۴۔ يَوْمَ نَطْوِى السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَآ
اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ○

جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ لیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ ہے۔ بیشک ہم اس کو ضرور پورا کریں گے۔

نَطْوِى: ہم تہ کریں گے۔ ہم لپیٹ دیں گے۔ طَیٌّ سے مضارع۔

السِّجِلِّ: کاغذ کا طومار۔ صحیفہ۔ نوشتہ۔ جمع سِجِلَّاتٌ

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں قیامت کے روز آسمانوں کے فنا ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے کہ قیامت کے روز نفخۂ اولیٰ کے وقت ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دیں گے جس طرح لکھے ہوئے مضمون کا کاغذ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس سے تم ہماری قدرت و عظمت کا اندازہ کر سکتے ہو۔

ابن ابی حاتم نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کو ان کے اندر کی مخلوقات کے ساتھ اور ساتوں زمینوں کو ان کی تمام مخلوقات کے ساتھ اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ایک رائی کے دانے کی مثل ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم نے اپنی قدرتِ کاملہ سے بلا کسی اصل اور مادے کے پہلی بار مخلوق کو پیدا کیا تھا اسی طرح ہم دوبارہ نئے سرے سے اس کو پیدا کر دیں گے۔ جو خدا پہلی بار پیدا کرنے پر قادر تھا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اس کے وعدے اٹل ہوتے ہیں اور یقیناً پورے ہو کر رہتے ہیں۔ اس کے خلاف ہونا محال ہے۔

(ابن کثیر ۱۹۹، ۲۰۰ / ۳)

مومنوں سے اللہ کا وعدہ

۱۰۵۔۱۰۷۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

اور ہم نصیحت کے بعد زبور میں لکھ چکے ہیں کہ بیشک زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔ بیشک اس (قرآن) میں عبادت کرنے والوں کے لئے (ہدایت کا) کافی مضمون ہے۔ اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

تشریح: لوح محفوظ کے بعد ہم نے تمام آسانی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ کامل اطاعت گزار بندوں کو دنیا و آخرت کی کامیابی اور دنیاوی زمین اور جنت کی زمین کا وارث بنایا جائے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۤءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۲۸)

بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ بیشک اس قرآن میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے، جنت میں داخل ہونے کا پورا سامان ہے۔ جس طرح مسافر کے لئے زادِ راہ منزل تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے اسی طرح پورا قرآن ان مومنوں کے لئے جو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، جنت کا توشہ ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ تو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں جو مخلوق کے لئے نعمتِ عظمیٰ ہے۔ پس اس نعمت کی شکر گزاری کرنے والا دنیا و آخرت میں شادمان ہے اور ناقدری کرنے والا دونوں جہان میں ذلیل و رسوا ہے، اگر کوئی بدبخت اس رحمتِ عامہ سے خود ہی نفع نہ اٹھائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ آفتابِ عالم سے روشنی اور حرارت کا فیض ہر طرح پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے اوپر تمام دروازے اور سوراخ بند کر لے تو یہ اس کی دیوانگی ہوگی۔ رحمۃ للعلمین کا حلقۂ فیض تو اس قدر وسیع ہے کہ اگر کوئی شخص اس سے مستفید نہ ہونا چاہے تب بھی اِس کو کسی نہ کسی شکل میں بلا اختیار رحمت کا حصہ پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا میں علومِ نبوت کی عام اشاعت سے ہر مسلمان و کافر اپنے ذوق کے موافق فائدہ اٹھاتا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ ایک موقع پر صحابہ کرامؓ نے عرض کی کہ آپ ﷺ ان کافروں کے لئے بددعا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ میں تو صرف رحمت و ہدایت ہوں۔

ابن جریر میں حضرت ابن عباسؓ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ مومنوں کے لئے تو آپ ﷺ دنیا و آخرت میں رحمت تھے۔ اور غیر مومنوں کے لئے آپ ﷺ دنیا میں رحمت تھے کہ وہ زمین میں دھنسائے جانے سے اور آسمان سے پتھر برسائے جانے سے بچ

گئے جیسا کہ اگلی امتوں کے منکروں پر یہ عذاب آئے۔ (عثمانی ۱۲۶/۲، ابن کثیر ۲۰۱، ۲۰۲/۳)

دعوت توحید

۱۰۸۔۱۱۲۔ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ
مُّسْلِمُوْنَ ○ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ
اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ○ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ
الْقَوْلِ وَ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ○ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَ
مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ○ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ
الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○

آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو یہی وحی آئی ہے کہ تمہارا معبود تو صرف خدائے واحد ہے تو کیا تم بھی اس کو تسلیم کرنے والے ہو پھر اگر یہ نہ مانیں تو (ان سے) کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں صاف صاف اطلاع دے چکا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ جو تم سے وعدہ ہوا ہے وہ دور ہے یا قریب۔ البتہ اللہ تعالیٰ پکار کر کہی ہوئی بات کو بھی جانتا ہے اور جو تم چھپاتے ہو اسے بھی جانتا ہے اور مجھے اس کا بھی علم نہیں، ممکن ہے (اس مہلت میں) تمہاری آزمائش ہو اور ایک مقررہ وقت تک فائدہ اٹھانا ہو۔ (آخر) نبی نے کہہ دیا اے رب (مجھ میں اور ان کافروں میں) انصاف کے ساتھ فیصلہ فرما اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے جس سے ان باتوں پر مدد طلب کی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

حِیْن : وقت۔ زمانہ۔ مدت۔ جمع اَحْیَانٌ

مُسْتَعَانٌ: وہ جس سے مدد طلب کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم صفت۔ اِسْتِعَانَۃٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین و منکرین سے کہہ دیجئے کہ میرے پاس تو یہی وحی آئی ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی معبود برحق ہے۔ سو تم بھی اسی کو تسلیم کرو اور اسی کا حکم مانو۔ اگر یہ لوگ پھر بھی اسلام سے روگردانی کریں اور توحید کا انکار کریں تو آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میں نے تو تم سب کو وہ وحی اور وہ اطلاع پہنچا دی جو مجھے ملی تھی اور میں نہیں جانتا کہ جس چیز (قیامت) کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ وہ قریب کے زمانے میں پورا ہوگا یا بعید کے زمانے میں لیکن یقین جانو کہ وہ پورا ہو کر رہے گا۔

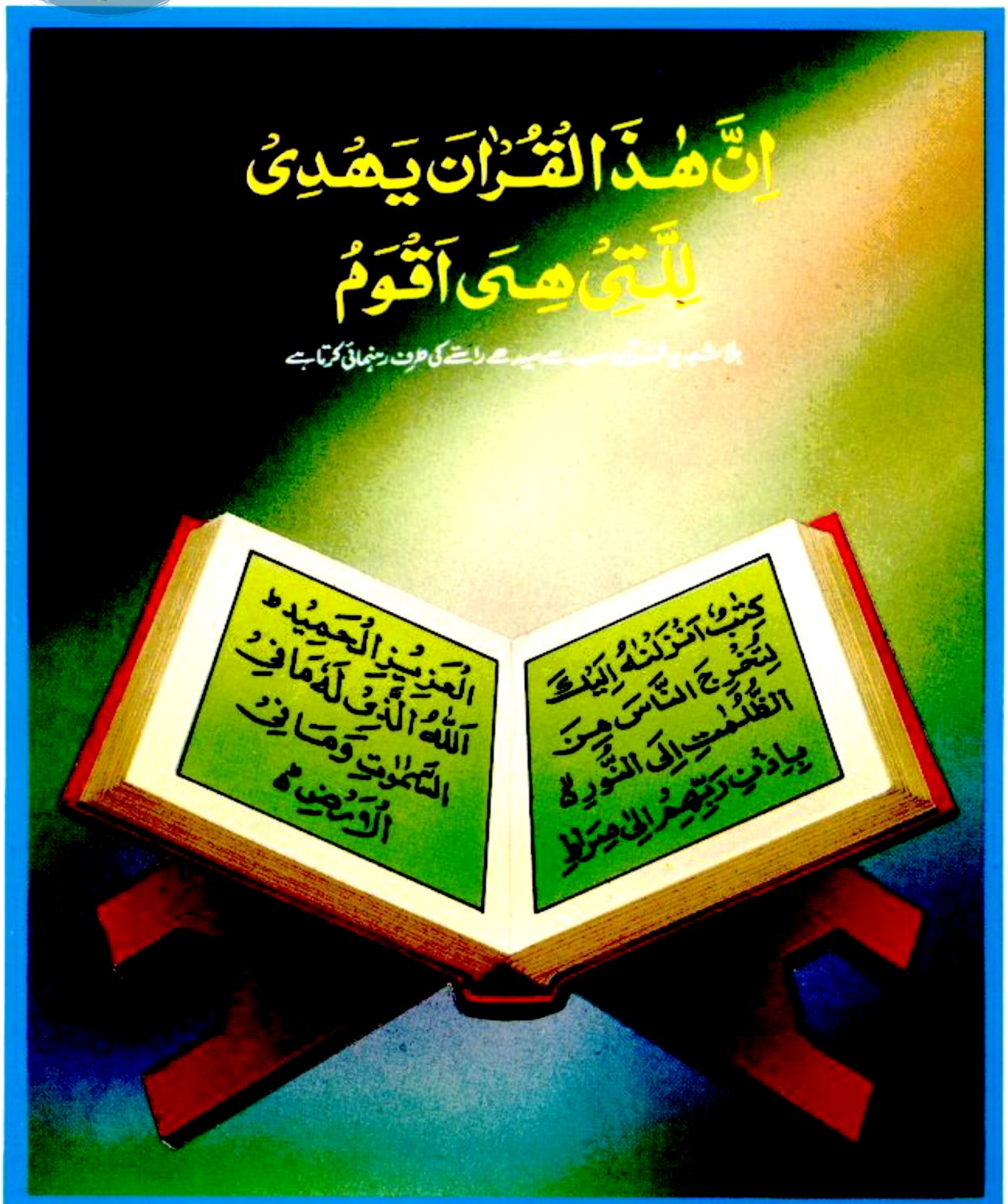
بیشک ظاہر و باطن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ جو کچھ تم علانیہ طور پر اسلام پر طعن و تشنیع کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بھی خوب واقف ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جو کچھ بغض و عناد تم اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بھی پوری طرح باخبر ہے۔ تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا نہیں کرتا، اس تاخیر کی وجہ مجھے معلوم نہیں۔ ممکن ہے عذاب میں یہ تاخیر تمہارے لئے ڈھیل و مہلت ہو کہ تم مزید فتنے اور آزمائش میں پھنس جاؤ یا اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر تم نصیحت پکڑ لو اور ایمان لے آؤ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے اور میرے جھٹلانے والوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دے یعنی حق کو باطل پر اور صادق کو کاذب پر فتح اور غلبہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بدر کے دن کافروں کی کمر توڑ دی اور مسلمانوں کو فتح عظیم سے سرفراز و سربلند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے ہم اس سے فیصلہ چاہتے ہیں اور کافروں کی خرافات کے مقابلے میں اسی سے مدد مانگتے ہیں۔

(مظہری ۲۴۴۔۲۴۶/۶، عثمانی ۱۲/۷/۲)

احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ ششم

سورۃ الحج، سورۃ المؤمنون، سورۃ النور، سورۃ الفرقان،

سورۃ الشعراء، سورۃ النمل، سورۃ القصص، سورۃ العنکبوت،

سورۃ الروم، سورۃ لقمان، سورۃ السجدہ، سورۃ الاحزاب

سید فضل الرحمٰن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب		احسن البیان فی تفسیر القرآن
حصہ ششم	:	تفسیر سورۃ الحج تا سورۃ الاحزاب
تعداد		ایک ہزار
اشاعت اوّل	:	شعبان ۱۴۲۳ھ / اکتوبر ۲۰۰۲ء
صفحات	:	۴۷۲
کمپوزنگ	:	سید قادر معین بابر
اسکیننگ۔قرآنی آیات	:	سید عاطف علی
ناشر	:	زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی

ملنے کے پتے

۱۔ فضلی بک سپر مارکیٹ، اردو بازار، کراچی،

۲۔ دارالکتاب، عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور،

۳۔ زوّار اسٹیشنرز، دکان نمبر ۴۴، اردو بازار، کراچی،

۴۔ مکتبہ قاسمیہ، نیوٹاؤن، کراچی،

۵۔ اسلامی کتب خانہ، نیوٹاؤن، کراچی،

۶۔ درخواستی کتب خانہ، نیوٹاؤن، کراچی،

۷۔ بیت الکتب گلشن اقبال نمبر ۲، بالمقابل اشرف المدارس، کراچی

۹۔ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار، لاہور،

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الحج

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حج کے احکام کا ذکر ہے اس لئے یہ سورۂ حج کے نام سے مشہور ہوگئی۔

تعارف: اس میں دس رکوع ستتر یا اٹھتر آیتیں، ۱۲۸۲ کلمات اور ۵۴۳۲ حروف ہیں اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ضحاک کہتے ہیں یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ تین آیتوں ھٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا مِنْ حَدِیْد (آیات ۱۹۔۲۱) کے سوا پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ یہ تین آیتیں مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن المنذر نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ چار آیتوں (آیت ۵۲۔۵۵) کے سوا جو مکہ میں نازل ہوئیں، یہ پوری سورت مدنی ہے۔ جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ اس سورت میں مکی اور مدنی دونوں طرح کی آیتیں ہیں۔ قرطبی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے اور فرمایا کہ اس سورت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ اس کی بعض آیات کا نزول رات میں، بعض کا دن میں، بعض کا سفر میں، بعض کا حضر میں، بعض کا مکے میں، بعض کا مدینے میں، بعض کا جنگ و جہاد کے وقت اور بعض کا صلح اور امن کی حالت میں ہوا ہے۔ اس میں بعض آیتیں ناسخ ہیں اور بعض منسوخ، بعض محکم ہیں اور بعض متشابہ۔

صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ امام شافعیؒ، امام احمدؒ، اسحٰق بن راہویہؒ اور عبد اللہ بن مبارکؒ کا یہی مذہب ہے۔ بعض صحابہ کے نزدیک اس میں صرف ایک سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں ہے امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ اور علمائے کوفہ کا یہی مذہب ہے کہ اس سورت میں ایک سجدہ ہے جو دوسرے رکوع میں آیا ہے۔ (روح المعانی ۱۰۹، ۱۱۰/ ۱۷، مواہب الرحمٰن ۱۳۰، ۱۳۱/ ۱۷ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۳۶/ ۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیامت کے زلزلے اور اس کی ہولناکی کا بیان ہے جس سے دنیا کی ہر چیز تہس نہس ہو جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں مشرکین کی کج بحثی اور تخلیق انسانی کے مختلف مراحل کا ذکر ہے۔ آخر میں کج فہموں کی دنیا میں رسوائی اور آخرت کے عذاب کا ذکر ہے۔

رکوع ۲: اہل شک ونفاق کی حالت کا بیان ہے پھر مومنوں کے حال اور فیصلے کے دن یعنی قیامت کا احوال مذکور ہے۔ آخر میں اہل دوزخ اور ان کی سزاؤں کا بیان ہے۔

رکوع ۳: اہل جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان اور اللہ کی راہ سے روکنے والے گمراہوں کا حال مذکور ہے

رکوع ۴: حج کی فرضیت کا اعلان عام اور بیت اللہ کی عظمت وفضائل کا بیان ہے۔ پھر اللہ کی حرمتوں اور شعائر اللہ کی تعظیم کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۵: قربانی کی اہمیت، نحر کا طریقہ اور قربانی کی روح کا مفصل ذکر ہے۔

رکوع ۶: مشرکین سے جہاد وقتال کی اجازت اور کفار کو تنبیہہ کی گئی ہے کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ ان کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب حجت پوری ہو جاتی ہے تو انکو عذاب سے دوچار کر دیا جاتا ہے اور اللہ کی گرفت سے کوئی نہیں نکل سکتا۔ منکرین پر اللہ کا عذاب ضرور آئے گا کیونکہ اللہ کا وعدہ اٹل ہے۔

رکوع ۷: رسولوں کا فرضِ منصبی، شیطان کا فتنہ اور منکرین کا قیامت تک دھوکے میں رہنا مذکور ہے۔

رکوع ۸: اللہ کی راہ میں ہجرت کا انعام اور ذاتی ومعاشرتی معاملات میں معاف کر دینے کی ترغیب ہے۔ آخر میں اللہ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے

رکوع ۹: اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت اور زبردست غلبے کا بیان۔ مجادلین کو تہدید اور مشرکین و منکرین کی اندھی تقلید مذکور ہے۔

رکوع ۱۰: شرک کی ایک مثال کا بیان ہے پھر اللہ کا پیغام پہنچانے والوں کا ذکر ہے۔ آخر میں مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قیامت کا زلزلہ

۱،۲۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمْ ۚ إِنَّ زَلْزَلَةَ ٱلسَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى ٱلنَّاسَ سُكَٰرَىٰ وَمَا هُم بِسُكَٰرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ ٱللَّهِ شَدِيدٌ ۝

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کیونکہ بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے۔ جس دن تم اس (زلزلے) کو دیکھو گے تو (اس روز) ہر دودھ پلانے والی (ماں) اپنے دودھ پیتے (بچے) کو بھول جائے گی اور ہر حمل والی (پورے دن ہونے سے پہلے) اپنا حمل ڈال دے گی اور (اے مخاطب اس دن) لوگ تجھے نشے (کی سی حالت) میں نظر آئیں گے حالانکہ وہ نشے میں نہ ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب بہت سخت ہے (جس کے خوف سے ان کے ہوش گم ہوں گے)

تَذْهَلُ: وہ غافل ہو جائے گی۔ وہ بھول جائے گی۔ ذُهُولٌ سے مضارع

مُرْضِعَةٍ: دودھ پلانے والی۔ اِرْضَاعٌ سے اسم فاعل۔

تَضَعُ: وہ رکھتی ہے۔ وہ ڈالتی ہے۔ وہ جنتی ہے۔ وَضْعٌ سے مضارع۔

سُكَارَىٰ: نشے میں مست۔ بے ہوش۔ واحد سَكْرَانٌ۔

تشریح: اے لوگو! اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہو، اس کی فرماں برداری اور اطاعت گزاری میں لگے رہو۔ اس کی نافرمانی میں مبتلا ہو کر اس کے قہر کے مستحق نہ بنو۔ بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی ہولناک چیز ہے۔ اس سے دنیا تہس نہس ہو جائے گی۔ یہ ایسا سنگین حادثہ ہوگا کہ اس سے بڑھ کر کوئی حادثہ نہیں۔ پس تقویٰ اور اللہ کی فرماں برداری کے سوا کوئی چیز اس سے محفوظ رکھنے والی نہیں، اس لئے تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کے احکام پر چلو۔

قیامت کے دو عظیم زلزلے ہیں۔ ایک تو قیامت سے کچھ پہلے ہوگا اور وہ علاماتِ قیامت میں سے ہے اور دوسرا قیامت کے وقت یا نفخۂ ثانیہ کے بعد ہوگا۔ اگر یہاں پہلا زلزلہ مراد ہے تو آیت اپنے ظاہری معنی پر رہے گی کہ جس روز یہ زلزلہ آئے گا اس روز خوف و دہشت کے مارے لوگوں کا یہ

حال ہوگا کہ ہر دودھ پلانے والی عورت اپنے اس بچے سے غافل ہوجائے گی جس کو وہ دودھ پلا رہی ہوگی، اور ہر حمل والی عورت حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی اپنے حمل کو گرا دے گی۔ اگر آیت میں دوسرا زلزلہ مراد ہوتو دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حقیقتاً زلزلہ آئے اور دودھ پلانے والی یا حاملہ عورتوں کا اسی حالت میں حشر ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ زلزلے سے مراد قیامت کے احوال و شدائد ہوں اور یوم ترونها تذهل الخ کو تمثیل پر محمول کیا جائے، یعنی وہاں اس قدر گھبراہٹ ہوگی کہ اگر دودھ پلانے والی عورتیں موجود ہوں تو گھبراہٹ اور شدت ہول کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کو بھول جائیں اور حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہوجائیں۔

علقمہ اور شعبی کے نزدیک یہ زلزلہ قیامت سے پہلے آئے گا اور قیامت کی خصوصی نشانی ہوگا۔ جلال الدین محلی نے لکھا ہے کہ یہ زلزلہ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے سے پہلے آئے گا، ابن عربی اور قرطبی نے اسی قول کو پسند کیا ہے کیونکہ آئندہ آیات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اس روز تم لوگوں کو نشے کی سی حالت میں دیکھو گے۔ حالانکہ نہ انہوں نے شراب پی ہوگی اور نہ وہ نشے میں ہوں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہی ایسا سخت ہوگا جس سے لوگوں کی یہ حالت ہوجائے گی۔　　(مظہری ۱۶،۱۵/ ۶، روح المعانی ۱۱۰۔۱۱۳/ ۱۷، عثمانی ۲/۱۲۸)

یہاں جس زلزلے کا ذکر ہے وہ قیامت سے پہلے ہوگا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے، اور قیامت کی طرف اس کی اضافت قرب کی وجہ سے ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی تخلیق کر چکا تو اس نے صور کو پیدا کیا اور حضرت اسرافیل کو دے دیا۔ وہ اس کو اپنے منہ میں لئے ہوئے، اپنی آنکھوں کو اوپر اٹھائے ہوئے عرش کی جانب دیکھ رہے ہیں کہ کب اللہ کا حکم ہو اور وہ صور میں پھونک ماریں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ صور کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ایک پھونکنے کی بہت بڑی چیز ہے جس میں تین مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلا نفخہ گھبراہٹ کا ہوگا۔ دوسرا بیہوشی کا اور تیسرا اللہ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ حضرت اسرافیل کو نفخۂ اولیٰ کا حکم دے گا اور کہے گا کہ گھبراہٹ کی پھونک مار۔ پس انکے پھونک مارتے ہی تمام زمین و آسمان والے گھبرا اٹھیں گے، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ چاہے۔ حضرت اسرافیل بغیر رکے اور بغیر سانس لئے بہت دیر تک اس میں پھونک مارتے رہیں گے۔ اسی پہلے نفخہ کا

ذکر: وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ (ص آیت ۱۵) میں ہے۔

''اور یہ لوگ بس ایک زور کی چنگھاڑ کے منتظر ہیں جس میں کوئی وقفہ نہ ہوگا۔''

اس سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر مٹی بن جائیں گے، زمین کپکپانے لگے گی جیسے فرمایا:

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝

(النّٰزعٰت آیات ۶، ۸)

''جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی جس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آجائے گی۔ اس دن بہت سے دل دھڑک رہے ہوں گے''۔

جب زمین لرزنے لگے گی اور یکے بعد دیگرے زبردست جھٹکے لگیں گے، اس دن دل دھڑکنے لگیں گے، زمین کی حالت ایسی ہو جائے گی جیسے طوفان اور گرداب میں کشتی کی ہوتی ہے یا جیسے کوئی قندیل چھت میں لٹک رہی ہو اور ہوائیں چاروں طرف سے اس کو جھلا رہی ہوں۔ یہی وقت ہوگا جب دودھ پلانے والی عورتیں اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے اور بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور شیاطین بھاگنے لگیں گے یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں تک پہنچ جائیں گے اور وہاں ان کو فرشتے ملیں گے جو ان کے چہروں پر ماریں گے۔ پھر وہ وہاں سے لوٹ آئیں گے، لوگ ادھر ادھر پریشان بھاگنے دوڑنے لگیں گے اور ایک دوسرے کو آوازیں دینے لگیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

يَوْمَ التَّنَادِ ۝ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝　　(المؤمن: ۳۲-۳۳)

فریاد کا دن، جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے، تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جس کو اللہ گمراہی میں ڈال دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اس وقت زمین ایک طرف سے دوسری طرف تک پھٹ جائے گی، اس وقت کی گھبراہٹ کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ پھر آسمان میں انقلابات ظاہر ہوں گے، سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے اور ستارے جھڑنے لگیں گے اور کھال ادھڑنے لگے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مُردے اس سب کچھ سے بے خبر ہوں گے۔ (البتہ زندہ لوگ سب کچھ دیکھ رہے ہوں گے)۔ یہ حدیث طبرانی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ میں بہت طویل ہے۔　　(ابن کثیر ۳/۲۰۳،۲۰۴)

مشرکین کی کج بحثی

۳،۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّیَتَّبِعُ کُلَّ شَیْطٰنٍ مَّرِیْدٍ ۙ کُتِبَ عَلَیْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَیَهْدِیْهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ ۝

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں بغیر علم کے جھگڑا کرتے ہیں اور ہر سرکش شیطان کی پیروی کرتے ہیں جس (شیطان) کے حق میں لکھ دیا گیا ہے کہ جو کوئی اس کو دوست بنائے گا تو وہ اس کو گمراہ کر دے گا اور اس کو دوزخ کے عذاب تک لے جائے گا۔

مَرِیْد: سرکش۔ اللہ تعالیٰ کا نافرمان۔

تولّاہُ: اس نے اس سے دوستی کی۔ تَوَلِّیٌ سے ماضی۔

السّعیر: دہکتی ہوئی آگ۔ دوزخ۔ سعرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے ابی مالک سے روایت کی کہ یہ آیت نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی جو دین کے معاملے میں بڑا جھگڑالو تھا اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور قرآن کریم کو سابقہ قوموں کی داستانیں اور افسانے کہتا تھا، قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے کا منکر تھا۔

(مظہری ۲۵۳/ ٦، روح المعانی ۱۱۴/ ۱۷)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ابو جہل کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ اُبی بن خلف کے بارے میں نازل ہوئی اور بلکہ یہ ہر اس شخص کے بارے میں ہے جو اللہ کی ذات و صفات اور افعال کے بارے میں جائز و ناجائز جھگڑا کرے۔ (روح المعانی ۱۱۴/ ۱۷)

تشریح: لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی جہالت اور بے علمی کی بنا پر اللہ کی ذات و صفات اور احکام کے بارے میں جھگڑتے ہیں، موت کے بعد کی زندگی کا انکار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کو اس پر قادر نہیں مانتے اور اللہ اور اس کے رسولوں کی اتباع چھوڑ کر سرکش شیطانوں کی پیروی کرتے ہیں جو ان کو راہ حق سے گمراہ کر کے جہنم کی راہ پر لگا دیتے ہیں۔ شیطان کی سرشت اور فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے پیچھے چلنے والوں کو سیدھے راستے سے بہکا کر ایسے راستے پر چلنے کے لئے آمادہ کرتا ہے جو ان کو دوزخ کے عذاب تک لے جاتا ہے۔

تخلیقِ انسانی کے مراحل

۵۔ يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَـيْـــًٔا ۭ

اے لوگو! اگر تمہیں (قیامت کے روز) دوبارہ زندہ ہونے میں شک ہے (تو تم اس کو سوچو کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو شکل والی بھی ہوتی ہے اور بغیر شکل کے بھی، تا کہ ہم تم پر (اپنی قدرت) ظاہر کر دیں، اور جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ مدت تک رحم (مادر) میں ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر ہم تمہیں بچہ بنا کر نکال لیتے ہیں پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تا کہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے بعض (تو پہلے ہی) مر جاتے ہیں اور تم میں سے بعض کو ناکارہ عمر (بڑھاپے) کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے، تا کہ وہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جائے۔

اَلْبَعْثِ: زندہ کرنا۔ اٹھانا۔ قیامت۔ مصدر ہے۔

تُراب: مٹی۔ خاک۔

عَلَقَة: جمے ہوئے خون کی ایک پھٹکی۔ خون کا جما ہوا لوتھڑا۔

مُضْغَة: بوٹی۔ گوشت کا ٹکڑا۔ گوشت کا لوتھڑا۔ اصل میں مُضْغَة کسی چیز کے اتنے حصے کو کہتے ہیں جو چبایا جاتا ہے۔

مُخَلَّقَة: تخلیق کی ہوئی۔ بنی ہوئی۔ پورے وقت پر پیدا ہونے والا۔ بعض علما نے کہا کہ وہ بچہ جو اپنی پوری مدت حمل گزار کر اپنے وقت پر پیدا ہوتا ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ بچہ جو ٹھیک اور

درست حالت میں پیدا ہو، اس کے اعضا میں کوئی کمی ہو اور نہ کوئی عیب۔

غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ: اس سے مراد وہ بچہ ہے جو وقت سے پہلے ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ بچہ جو ناقص الخلقت یا عیب دار ہو۔

نُقِرُّ: ہم ٹھہراتے ہیں افرار سے مضارع ہے۔

اَرْذَل: بہت خراب۔ بہت نکما۔ رذالۃ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اے لوگو! اگر قیامت کے روز مر کر زندہ ہونے میں تمہیں شک وشبہ ہے تو اس بات کو دیکھو کہ ہم نے تمہاری جنس کو مٹی سے پیدا کیا، پھر تم سب کو حقیر پانی کے ایک قطرے سے پیدا کیا، جس نے پہلے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کی، پھر وہ گوشت کا ایک لوتھڑا بن گیا جس میں کوئی شکل وصورت نہیں ہوتی۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے صورت عنایت فرماتا ہے، سر، ہاتھ، سینہ، پیٹ، رانیں، پاؤں اور تمام اعضا بنتے ہیں۔ کبھی اس سے پہلے ہی حمل ساقط ہو جاتا ہے اور کبھی اس کے بعد اور کبھی ٹھہر جاتا ہے۔ یہ سب تمہارے مشاہدے کی باتیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اسے ٹھیک ٹھاک اور درست کر کے اس میں روح پھونک دیتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے خوبصورت یا بدصورت، مرد یا عورت بنا دیا جاتا ہے، رزق، زندگی، نیکی، بدی وغیرہ اسی وقت لکھ دی جاتی ہے تاکہ تم پر اللہ کی قدرت وحکمت کا کمال ظاہر ہو جائے اور تمہیں یقین ہو جائے کہ جو اللہ کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے، وہ اس کو دوبارہ زندہ کر کے بھی اٹھا سکتا ہے۔

پھر ایک کمزور بچے کی شکل میں ہم تمہیں بطنِ مادر سے نکالتے ہیں جس کی سماعت و بصارت، اس کی عقل وحواس، اس کی پکڑنے اور حرکت کرنے کی قوت، غرض تمام اعضا اور قوتیں نہایت ضعیف اور کمزور ہوتی ہیں۔ پھر بتدریج ہم ان کو ترقی دیتے ہیں اور پروان چڑھاتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ جاتے ہیں پھر تم میں سے کسی کو لڑکپن میں، کسی کو جوانی میں وفات دیتے ہیں اور کسی کو انتہائی پیری اور بالکل ناکارہ عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے، وہ عقل وخرد کھو بیٹھتا ہے اور بچوں کی طرح ضعیف ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ سمجھدار بننے کے بعد ناسمجھ اور کارآمد ہونے کے بعد نکما ہو جاتا ہے۔ پس جو خدا ان سب باتوں پر قادر ہے کیا وہ انسان کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا۔ بلا شبہ وہ ایسا کر سکتا ہے اور ضرور کرے گا۔

قرطبی میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ انسان کا مادہ چالیس روز تک رحم میں جمع رہتا ہے۔ پھر چالیس دن کے بعد علقہ یعنی منجمد خون بن جاتا ہے، پھر چالیس ہی دن میں وہ مضغہ یعنی گوشت بن جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس میں روح پھونک دیتا ہے اور اس کے متعلق چار باتیں اسی وقت فرشتے کو لکھوا دی جاتی ہیں۔ اول یہ کہ اس کی عمر کتنی ہے، دوسرے رزق کتنا ہے، تیسرے عمل کیا کیا کرے گا۔ چوتھے یہ کہ انجام کار شقی اور بد بخت ہوگا یا سعید و خوش نصیب ہوگا۔

(معارف القرآن از مولانا مفتی محمد شفیع ۲/۳۴۰)

اللہ کی قدرت کاملہ

۵-۷، وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ
وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۭ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ
وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ
اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝

اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خراب (بنجر) پڑی ہوئی ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی خوشنما جڑی بوٹیاں اگاتی ہے۔ یہ سب اس لئے کہ اللہ ہی برحق ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ (بھی حق ہے) کہ قیامت آنے والی ہے (جس کے آنے میں) کچھ بھی شک نہیں اور یہ بھی (حقیقت ہے) کہ جو قبروں میں ہیں (قیامت کے روز) اللہ ان کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔

هَامِدَةً: خشک۔ بنجر، بغیر سبزے کے۔ هَمْدٌ وهُمُودٌ سے۔ اسم فاعل

اِهْتَزَّتْ: وہ حرکت کرتی ہے۔ وہ جھومتی ہے۔ وہ ابھرتی ہے۔ اِهْتِزَازٌ۔ ماضی

رَبَتْ: وہ پھولی۔ وہ بڑھی۔ رَبْوٌ و رُبُوٌّ سے ماضی

بَهِيْج: بارونق۔ خوش منظر، تر و تازہ۔ بَهْجٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: مردہ زمین جو بالکل چٹیل، سخت اور خشک ہوتی ہے اور اس پر کہیں سبزے کا نام و نشان نہیں ہوتا، ہم اپنی قدرت سے اس پر آسمان سے پانی برسا کر اسے لہلہاتی اور تر و تازہ کر دیتے ہیں اور اس

سے ہر قسم کے خوشنما نباتات اگاتے ہیں۔ پس جو خدا اس طرح مردہ زمین کے زندہ کرنے پر قادر ہے تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کے متفرق اجزا کو جمع کر کے پھر اسی حال پر لے آئے جس پر وہ پہلے تھے۔ یہ سب کچھ اسی کی قدرت کاملہ سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ہستی کامل اور حق ہے، وہی بے جانوں میں جان ڈالتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ بلا شبہ قیامت آنے والی ہے اور یہ بات قطعی ہے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا کیونکہ اس نے اس کا وعدہ فرما رکھا ہے اور اس کے وعدے کے خلاف ہونا محال ہے۔ (مظہری ۲۵۳۔۲۵۶/۶، حقانی ۳۱۳،۳۱۴/۳)

دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب

۸۔۱۰۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۙ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو علم و ہدایت اور کسی روشن کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں تکبر سے گردن موڑتے ہوئے تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں۔ ایسے شخص کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے روز ہم اس کو دہکتی ہوئی آگ کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ یہ تیرے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہے اور یہ کہ اللہ اپنے بندوں پر (ذرا بھی) ظلم نہیں کرتا۔

ثانی: موڑنے والا۔ پھرانے والا۔ ثَنْیٌ سے اسم فاعل

عطفه: اس کا شانہ۔ اس کا بازو۔ اس کا پہلو۔

خزیٌ: ذلت۔ خواری۔ رسوائی۔

الحریق: جلتی ہوئی آگ۔ بھڑکتی ہوئی آگ۔ حَرْقٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: حشر و نشر کے اثبات اور منکرین قیامت کے شبہات کے ابطال کے بعد فرمایا کہ بعض لوگ ایسے کج فہم اور ضدی ہیں کہ واضح اور روشن دلائل سننے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ، قدرت کاملہ

اور حکمت باہرہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس نہ تو علم و عقل ہے اور نہ کوئی نقلی یا عقلی دلیل ہے جس کو کسی آسمانی کتاب سے پیش کر سکیں۔ ان کی کج روی اور بے عقلی کا یہ حال ہے کہ جب ان کو حق کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ غرور و تکبر سے سے اپنی گردن اکڑا لیتے ہیں اور اپنی بے سرو پا باتوں کے ذریعے لوگوں کو اللہ کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور جس طرح خود گمراہ ہیں اسی طرح دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، سو ایسے لوگوں کے لئے ان کے غرور و تکبر کی سزا کے طور پر دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کو جلتی ہوئی آگ کا مزہ چکھایا جائے گا۔

قیامت کے دن جب ان کو عذاب دیا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا کہ کسی کو جرم کے بغیر سزا دے۔ وہ تو عدل و انصاف کرنے والا ہے اور عدل کا تقاضا یہ ہے کہ کفر و نافرمانی کی سزا دی جائے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸/ ۵، مظہری ۲۵۶، ۲۵۷/ ۶)۔

اہل شک و نفاق کی حالت

۱۱-۱۳۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو ایک کنارے ہو کر عبادت کرتا ہے، پھر اگر اس کو کچھ (دینوی) فائدہ پہنچ گیا تو اس عبادت پر قائم ہو گیا اور اگر اس پر کچھ آزمائش آ گئی تو منہ کے بل الٹا پھر گیا۔ اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا، یہی ہے صریح خسارہ۔ وہ اللہ کو چھوڑ کر اس کو پکارتا ہے جو نہ اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے وہ اس

کو پکارتا ہے جس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔ ایسا دوست بھی
برا ہے اور ایسا رفیق بھی برا ہے۔

حَرْف: کنارہ۔ دھار۔ طرف۔ جمع حروف و حُرُوْف۔

اِنْقَلَبَ: وہ لوٹ کر آیا۔ وہ پھر گیا۔ انقلابٌ سے ماضی

بِئْسَ برا۔ خراب۔ فعل ذم ہے۔

اَلْعَشِيْرُ: رشتہ دار۔ دوست۔ ساتھی۔ جمع عُشَرَاءُ۔

شانِ نزول: بخاری، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان نقل کیا ہے کہ بعض لوگ مدینے میں آکر مسلمان ہو جاتے تھے۔ اسلام کے بعد اگر اس کی بیوی کے لڑکا پیدا ہوتا اور گھوڑوں کے بچے پیدا ہوتے تو کہتا کہ یہ مذہب اچھا ہے اور اگر عورت کے لڑکا نہ ہوتا گھوڑوں کے بچے پیدا نہ ہوتے تو کہتا کہ یہ دین برا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۲۵۸،۲۵۷/ ۶، ابن کثیر ۲۱۰،۲۰۹/ ۳)

تشریح: بعض لوگ محض دنیاوی غرض سے دین کو اختیار کرتے ہیں، ان کے دل شک و شبہ میں مبتلا رہتے ہیں اگر دین میں داخل ہونے کے بعد ان کو دنیا کی بھلائی حاصل ہو جاتی۔ جیسے رزق میں وسعت، صحت و عافیت، مال و اولاد کی کثرت وغیرہ تو دین پر قائم رہتے ہیں، اور اگر کوئی مصیبت و تکلیف پاتے ہیں، جیسے بیماری، رزق میں تنگی، مال میں خسارہ وغیرہ تو دین کو چھوڑ دیتے ہیں، ایسا شخص گویا کہ کنارے پر کھڑا ہے اُدھر دنیا گئی ادھر دین گیا، یہ بڑی بدنصیبی اور دنیا و آخرت کی بربادی ہے کہ یہ لوگ دنیا کی بھلائی نہ ملنے کی وجہ سے اللہ کی بندگی چھوڑ کر بتوں کو پوجنے لگے۔ حالانکہ جن بتوں کو یہ پوجتے ہیں جن سے یہ مدد مانگتے ہیں، جن سے فریاد کرتے ہیں اور جن سے روزیاں مانگتے ہیں وہ تو محض عاجز و بے بس ہیں ان کے ہاتھ میں کسی قسم کا نفع و نقصان نہیں۔ ایسی بے بس و عاجز اور بے ضرر چیز سے روزی اور مدد مانگنا اور اس کی عبادت کرنا ہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ قیامت کے روز یہ بت، ان کے نہایت برے ولی اور نہایت برے ساتھی ثابت ہوں گے۔ (عثمانی ۱۳۱۔۱۳۲/ ۲، مواہب الرحمٰن ۱۴۹، ۱۵۱/ ۱۷)

مومنین کی فلاح اور منکرین کی نامرادی

۱۴۔۱۶،
إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ
كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ
بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ
مَا يَغِيظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۙ وَأَنَّ اللّٰهَ يَهْدِي
مَنْ يُرِيدُ ﴿۱۶﴾

بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے، ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ بے شک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس کو (مایوسی کی حالت میں) یہ گمان ہو کہ اللہ دنیا و آخرت میں اس (رسول اللہ ﷺ) کی مدد نہ کرے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ ایک رسی آسمان تک تان لے پھر اس (رسی کے ذریعے آسمان پر پہنچ کر اس وحی) کو موقوف کرا دے۔ پھر دیکھے کہ کیا اس کی اس تدبیر سے اس کا غصہ جاتا رہا۔ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو واضح آیتیں بنا کر نازل کیا ہے اور یہ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت نصیب فرماتا ہے۔

یَمْدُدْ: وہ ڈھیل دیتا ہے۔ وہ دراز کرتا ہے مَدٌّ سے امر غائب بمعنی مضارع۔

سَبَبًا: سبب، ذریعہ۔ حیلہ۔ رسی۔ سامان۔ جمع اَسْبَاب۔

كَيْدُهُ: اس کا مکر۔ اس کا فریب۔ اس کی چالاکی۔

يَغِيظُ: وہ غصہ دلاتا ہے، وہ ناراض کرتا ہے۔ غَیْظٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی اسد اور بنی غطفان کے حق میں ہوا۔ ان دونوں قبیلوں کا یہودیوں سے باہم امداد کا معاہدہ تھا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے جب ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے مسلمان ہونا ممکن نہیں کیونکہ ہمیں اندیشہ ہے کہ اللہ محمد (ﷺ)

کی مدد نہیں کرے گا اور مسلمان ہونے کے بعد ہمارا یہودیوں سے معاہدہ ٹوٹ جائے گا، وہ ہمیں غلہ دیں گے نہ ٹھہرنے کی جگہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۶۰،۲۵۹/۶)

تشریح: بیشک اللہ تعالیٰ جو معبودِ حقیقی اور قادرِ مطلق ہے اپنے مومن اور نیکوکار بندوں کو مرنے کے بعد ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ اپنے دوستوں کو عزت دیتا اور ان کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور منکرین و منافقین کو ذلیل و رسوا کرتا ہے کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے جبکہ ان بتوں کو جن کو یہ کافر پوجتے ہیں، نفع و نقصان کا ذرا بھی اختیار نہیں۔

پھر فرمایا کہ منکرین کا یہ گمان غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کی دنیا اور آخرت میں کوئی مدد نہیں کرے گا اور دینِ اسلام بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ منکرین کے دلوں میں اسلام کے بارے میں غیظ و غضب بھرا ہوا ہے۔ وہ جتنی چاہیں تدبیریں کر لیں مگر اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد ضرور فرمائے گا خواہ یہ منکرین اپنے غصے میں مر ہی جائیں۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی مدد نہیں فرمائے گا تو اس کو چاہئے کہ وہ ایک رسی کے ذریعے آسمان تک پہنچ جائے اور اس اترتی ہوئی آسمانی مدد کو کاٹ دے، اگر وہ اس پر قادر ہے۔ کیونکہ آسمان پر پہنچے بغیر آسمانی مدد کو روکنا ممکن نہیں لہٰذا اس کو چاہئے کہ کسی بھی ذریعے سے آسمان پر پہنچ جائے اور وہاں سے آپ کی مدد و نصرت کو قطع کر دے۔ مگر کوئی حیلہ اور تدبیر آسمانی مدد کو نہیں روک سکتا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے یہ قرآن واضح اور روشن آیتوں کے ساتھ نازل کیا ہے جن میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ جو شخص ان میں غور و فکر کرتا ہے اس پر صاف صاف حق واضح ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے۔ سیدھے راستے پر لگا دیتا ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰، ۵/۱۱، حقانی ۳۱۶، ۳/۳۱۷)

فیصلے کا دن

۱۷، ۱۸
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ
وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ
عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝

بیشک جولوگ ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور جو صابئین اور نصاریٰ اور مجوس اور مشرک ہیں۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ضرور فیصلہ کردے گا۔ بیشک اللہ ہر شے سے واقف ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی، سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے بھی ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ہے اور جس کو اللہ ذلیل کرتا ہے تو اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

الدَّوَابُّ: چلنے والے۔ چوپائے۔ خلائق۔ واحد دابَّۃٌ۔

یُھِن: وہ اہانت کرتا ہے۔ وہ ذلیل کرتا ہے۔ اھانۃٌ سے مضارع۔

مُکْرِم: اکرام کرنے والا۔ عزت دینے والا۔ نوازنے والا۔ اِکْرامٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مذاہب کے تنازعات کا دوٹوک فیصلہ فرمادے گا یعنی وہ مومنوں، یہودیوں، صابیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور مشرکوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا اور حق پرستوں کو باطل پرستوں سے جدا کر کے جنت میں داخل کردے گا، اور تمام کافروں کو خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا مجوس یا صابی یا مشرک، وہ سب کو جہنم میں داخل کردے گا کیونکہ وہ سب کے احوال کا نگراں ہے۔ سب کے ظاہری و باطنی حالات کا اس کو علم ہے، اس سے کسی کا عمل مخفی نہیں۔

عبادت کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی عظمت کے سامنے ہر چیز سر جھکائے ہوئے ہے۔ خواہ وہ آسمانوں کے فرشتے ہوں یا زمین کے حیوان، انسان، جنات، چرند، پرند، وغیرہ، سب اپنی اپنی حالت کے مطابق اس کے سامنے سربسجود ہیں اور اس کی تسبیح اور حمد کررہے ہیں۔

سورج ، چانداور ستارے بھی اللہ کوسجدہ کرتے ہیں۔اگرچہ سورج چانداور ستارے مـن فـي الســمـوت میں داخل تھے مگر یہاں ان کا ذکر خاص طور پر اس لئے فرمایا کہ جاہل لوگ ان میں سے ہر چیز کوسجدہ اوراس کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں تو خود اپنے خالق و مالک عزوجل کوسجدہ کرتی ہیں،سو یہ سجدے کے لائق نہیں اسلئے فرمایا۔

لاتَسْجُدُوْا للشَّمْسِ ولا لِلقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا للهِ الَّذِیْ خلقهُنَّ

(سورۃ حم سجدہ آیت ۳۷)

''تم سورج اور چاند کوسجدہ نہ کرو بلکہ اس کوسجدہ کرو جوان کا خالق ہے''۔

چاند سورج کا سجدہ ان کا غروب ہونا ہے۔ پہاڑوں اور درختوں کا سجدہ،ان کے سائے کا دائیں بائیں پڑنا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

اَوَلَمْ یروا الی ماخلق اللّٰهُ من شَیْءٍ یَتفیَّؤُا ظِللُهٗ عن الْیمِیْن و الشَّمائل سُجَّدًا لِّلّٰه وهُمْ دٰخِرُوْن ٥ (سورۃ نحل آیت ۴۸)

کیا وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کونہیں دیکھتے کہ ان کے سائے (کبھی) دائیں طرف اور (کبھی) بائیں طرف جھکتے رہتے ہیں۔(گویا کہ) وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور وہ اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں،

بہت سے لوگ اللہ تعالٰی کوعبادت کے طور پر نہایت رغبت اور ذوق وشوق کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں اوران کواس کا اجر وثواب دیا جاتا ہے۔یہی لوگ مومن اور اہل طاعت ہیں اور بہت سے لوگوں نے اسی سجدے کا انکار کر کے اپنے آپ کوعذاب کا مستحق بنالیا ہے۔یہ منکرین ہی کافر ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو جانوروں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

جس کواللہ تعالٰی ذلیل وخوار کرے اس کا اکرام کرنے والا کوئی نہیں اور وہ قادر ومختار ہے۔جو چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے اس نے اپنی مشیت سے جیسی مخلوق چاہی پیدا کردی،اس سے کوئی سوال نہیں کر سکتا کہ اس نے اپنی مخلوق کی اہانت کیوں کی (مواہب الرحمٰن ۱۵۴۔۱۶۳ /۱۷،مظہری ۲۶۱،۲۶۲/ ۲)

مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان سجدے کی آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو شیطان الگ ہٹ کر رونے لگتا ہے کہ افسوس!ابن آدم کوسجدے کا حکم فرمایا۔اس نے سجدہ کرلیا اور جنتی ہوگیا اور میں انکار کر کے جہنمی بن گیا۔ (ابن کثیر ۲۱۰،۲۱۱/ ۳)

کافروں کا حال

۱۹۔۲۲، هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ز فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ق وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ﴿۲۲﴾

یہ دو فریق مخالف ہیں جو اللہ کے مقابلے میں جھگڑتے ہیں۔ پھر جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے تو آگ کے کپڑے قطع کئے گئے ہیں۔ اور ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔ اس سے جو کچھ ان کے پیٹ میں (آنتیں وغیرہ) ہوگا وہ سب گلا دیا جائے گا۔ اور ان (کو مارنے) کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔ جب بھی وہ غم کے سبب اس (دوزخ) سے نکلنا چاہیں گے تو ان کو پھر اسی میں دھکیل دیا جائے گا۔ اور (ان سے کہا جائے گا کہ) دہکتی ہوئی آگ کا عذاب چکھتے رہو۔

خَصْمٰنِ: دو جھگڑنے والے۔

یُصَبُّ: وہ ٹپکایا جائے گا۔ وہ اوپر سے ڈالا جائے گا۔ صَبٌّ سے مضارع مجہول۔

اَلْحَمِیْمُ: کھولتا ہوا پانی، نہایت گرم پانی۔

یُصْهَرُ: وہ پگھلا دیا جائے گا۔ وہ گلا دیا جائے گا۔ صہرٌ سے مضارع مجہول۔

اَلْجُلُوْدُ: جلدیں۔ کھالیں۔ چمڑے۔ واحد جلْدٌ۔

مقامِعُ: گرز۔ بڑے بڑے ہتھوڑے۔ اِنْقِمَاعٌ۔ اسم آلہ سے واحد مِقْمَعٌ۔

حَدِیْدٌ: لوہا۔

الحریق: جلتی ہوئی آگ۔ بھڑکتی ہوئی آگ۔ حَرْقٌ سے صفت مشبہ۔

شانِ نزول: شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ذر کی روایت سے بیان کیا کہ آیت هٰذٰنِ خصمٰنِ اختصمُوْا فِیْ ربِّهِمْ کا نزول حضرت حمزہؓ، حضرت عبیدہؓ، حضرت علیؓ اور عتبہ، شیبہ اور ولید

بن عتبہ کے متعلق ہوا۔ پہلے تینوں حضرات مومن تھے اور باقی تینوں اشخاص کافر تھے۔

ابن جریر نے بروایت عوفی حضرت ابن عباسؓ کا قول اور ابن المنذر و ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں اور اہل کتاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ اہل کتاب کہتے تھے کہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے اور ہماری کتاب تمہاری کتاب سے مقدم ہے اس لئے ہم تمہارے مقابلے میں اللہ سے زیادہ قریب ہیں۔ اور مسلمان کہتے تھے کہ ہم اپنے نبی ﷺ پر اور تمہارے نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے ہم قرب الٰہی کے زیادہ مستحق ہیں۔ اللہ کے معاملے میں فریقین کا یہی جھگڑا تھا۔ مجاہد اور عطا بن رباح نے کہا کہ ھذن خصمن سے تمام مسلمان اور کافر مراد ہیں۔ یہی دو فریق ہیں (مظہری ۲۶۲، ۲۶۳/ ۶، ابن کثیر ۲۱۲، ۲۱۳/ ۳)

تشریح: گزشتہ آیت یعنی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا میں جن فرقوں کا ذکر ہوا ان سب کو حق اور باطل پر ہونے کی بنا پر دو فریق کہہ سکتے ہیں۔ ایک مومنین کا گروہ جو اپنے رب کے تمام احکام کو مانتے اور اس کے دین کا غلبہ چاہتے تھے۔ دوسرے کفار جس میں یہود و نصاریٰ، مجوس، مشرکین، صابئین وغیرہ سب شامل ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کو قبول کرنے کے بجائے اللہ کے دین کو پست کرنے اور باطل کو ابھارنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافروں کو آگ کا لباس پہنائے گا۔ ان کافروں کے سر کے اوپر انتہائی گرم پانی ڈالا جائے گا جو دماغ کے راستے سے پیٹ میں پہنچے گا جس سے ان کے پیٹوں کے اندر کی چربی، آنتیں، جگر اور تلی وغیرہ سب کٹ کٹ کر نکل پڑیں گے اور ان کے بدن کی بیرونی کھال بھی گل گل کر گر پڑے گی۔ پھر فوراً ہی وہ اصلی حالت پر کر دیئے جائیں گے اور بار بار یہی عمل ہوتا رہے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَیْرَھَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۝

(سورۂ نساء آیت ۵۶)

جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں پیدا کر دیں گے تا کہ وہ خوب عذاب چکھیں۔

پھر فرمایا کہ ان کو مارنے کے لئے لوہے کے گرز ہوں گے۔ حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ دوزخیوں کو گرزوں سے مارا جائے گا اور گرز کی ضرب مستقل طور پر ہر ہر عضو پر پڑے گی اور (ہر ضرب پر) وہ موت کو پکاریں گے۔

ابو یعلی، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوہے کا وہ گرز زمین پر رکھ دیا جائے اور سارے جن وانس اس کو اٹھانا چاہیں تو اٹھا نہ سکیں اور اگر اس کی ایک ضرب پہاڑ پر پڑ جائے تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جائے۔

اہل دوزخ جب بھی عذاب سے بچنے کے لئے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو فوراً ان کو دوزخ میں لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا مزہ چکھتے رہو۔ اب اس عذاب سے کبھی نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

بیہقی نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے کہ جب دوزخ میں کسی کافر کو پھینکا جائے گا تو وہ گڑھے کی تہ تک پہنچے بغیر کہیں نہیں رکے گا۔ پھر جہنم کی آگ کا جوش اس کو اٹھا کر جہنم کے بالائی کنارے تک لے جائے گا۔ اس وقت اس کی ہڈیوں پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی پھر فرشتے اس کو گرزوں سے ماریں گے اور وہ لڑھکتا ہوا تہ تک پہنچ جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہے گا۔

(عثمانی ۲/۱۳۴، مظہری ۲۶۴، ۶/۲۶۶)

اہل جنت کا حال

۲۳، ۲۴۔ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۞ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ۞

بیشک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کئے، ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا، اور ان کو پاکیزہ بات کی ہدایت کی گئی اور ان کو اس (خدا) کے راستے کی ہدایت ہوگئی جو حمد کے لائق ہے۔

يُحَلَّوْنَ: ان کو آراستہ کیا جائے گا۔ ان کو زیور پہنایا جائے گا۔ تَحْلِيَةٌ سے مضارع۔

اَسَاوِرَ: کنگن۔ واحد سِوَارٌ۔

لُؤْلُؤًا: موتی۔ جمع لآلی۔

حَرِیْرٌ: ریشم۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں اہل دوزخ، ان کی سزاؤں، آگ کے لباس اور آگ میں جلنے وغیرہ کا بیان تھا۔ ان آیتوں میں اہل جنت اور اس کی نعمتوں کا بیان ہے کہ جو لوگ مومن ہیں اور ان کے اعمال بھی نیک ہیں تو ان کو اعمال صالحہ کے بدلے میں جنت ملے گی جس کے باغوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جنت میں ان لوگوں کو سونے کے کنگن اور موتیوں کا زیور پہنایا جائے گا۔ اور ان کا لباس ریشم سے بنا ہوا ہوگا۔

طبرانی نے الاوسط میں اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ادنیٰ جنتی کے زیور کا دنیا والوں کے زیور سے موازنہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ادنیٰ جنتی کو جس زیور سے آراستہ کرے گا وہ ساری دنیا والوں کے زیور سے اعلیٰ ہوگا۔

شیخین نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کہ مومن کا زیور (اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں) اس حد تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

شیخین نے بیان کیا کہ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے تم لوگ نہ ریشم پہنو نہ دیبا، نہ سونے چاندی کے برتنوں میں پیو، نہ ان کے پیالوں، رکابیوں میں کھاؤ۔ یہ چیزیں ان (کافروں) کے لئے دنیا میں ہیں اور تم لوگوں کے لئے آخرت میں ہوں گی۔

ابو داؤد طیالسی نے صحیح سند سے اور نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے دنیا میں ریشم پہنا وہ آخرت میں ریشم نہیں پہنے گا اور اگر جنت میں پہنچ بھی گیا تب بھی دوسرے اہل جنت ریشم پہنیں گے، یہ نہیں پہن سکے گا۔

پھر فرمایا کہ ان کو جنت میں یہ نعمتیں اس لئے ملیں گی کہ ان کو دنیا میں کلمہ طیبہ یعنی لا الہ الا اللہ پر ایمان کی توفیق ملی تھی اور اس خدا کے راستے یعنی دین اسلام پر چلنے کی ہدایت مل گئی تھی جو حمد کا مستحق ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ پاکیزہ قول سے جنت میں اللہ کی حمد وثنا اور تسبیح و تقدیس مراد ہے اور صراط حمید سے جنت کا راستہ مراد ہے۔ (مظہری ۲۶۶۔۲۶۸/۶)

اللہ کی راہ سے روکنے والے

۲۵۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ﰳ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَ
الْبَادِ ؕ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۠

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے اور اس مسجد حرام سے روکتے ہیں جس کو ہم نے تمام آدمیوں کے لئے بنایا ہے۔ اس میں رہنے والا اور باہر سے آنے والا سب (کے حقوق) برابر ہیں اور جو اس میں کج روی کا ناحق ارادہ کرے گا تو ہم اس کو دردناک عذاب چکھائیں گے۔

یَصُدُّوْنَ: وہ روکتے ہیں۔ وہ باز رکھتے ہیں۔ صَدٌّ سے مضارع۔

اَلْعَاكِفُ: اعتکاف کرنے والا۔ ٹھہرنا۔ جم کر بیٹھنا۔ عُکُوْفٌ سے اسم فاعل۔

اَلْبَادِ: بادیہ نشین، جنگل کے رہنے والے، بَدْوٌ اور بدَاوۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جو لوگ خود گمراہ ہیں وہ دوسروں کو اللہ کے راستے پر چلنے سے روکتے ہیں حتیٰ کہ ان لوگوں نے ان مسلمانوں کا راستہ بھی روک دیا جو اپنے پیغمبر کے ہمراہ عمرہ ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ جا رہے تھے اور ان کو عمرے کے ارکان ادا کرنے نہیں دیئے حالانکہ وہ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کا دعوٰی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ٥ (سورۃ انفال آیت ۳۴)

(یہ کافر مشرک تو کبھی بھی اس کے متولی نہ تھے) اس کے اولیا تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں۔

پھر فرمایا کہ مسجد حرام تو وہ جگہ ہے جس سے لوگوں کی عبادات و مناسک کا تعلق ہے۔ یہاں ہر شخص کو قیام کرنے اور عبادت کرنے کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر اور شہری ہو یا پردیسی سب کو عبادت کرنے کا حق حاصل ہے، کوئی کسی کو نہیں روک سکتا۔ پس جو شخص جان بوجھ کر یہاں بے دینی اور شرارت کی بات کرے گا اس کے لئے سخت عذاب ہے۔

اگرچہ ہر خلاف دین کام خصوصاً کفر و شرک ہر جگہ، ہر زمانے میں حرام اور انتہائی سخت گناہ اور موجب عذاب ہے مگر جو شخص ایسے کام حرم محترم کے اندر کرے گا اس کا جرم دوگنا ہوگا اسی لئے یہ بات یہاں حرم کی تخصیص کر کے بیان کی گئی ہے۔

(مظہری ۲۶۸۔۶/۲۷۳، عثمانی ۲/۱۳۶)

فرضیتِ حج کا اعلانِ عام

۲۶۔۲۹۔ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝

اور جب ہم نے ابرہیم کے لئے کعبہ کی جگہ مقرر کردی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کردے۔لوگ تیرے پاس پیدل چل کر بھی آئیں گے اور دبلے پتلے اونٹوں پر بھی دور دراز کے تمام راستوں سے آئیں گے تاکہ اپنے فائدے حاصل کرنے کے لئے آجائیں اور (تاکہ) جو چوپائے اللہ نے ان کو دے رکھے ہیں (قربانی کے) مقررہ ایام میں (ذبح کرتے وقت) ان پر وہ اللہ کا نام لیں۔پھر اس (قربانی کے گوشت) میں سے تم (خود) بھی کھاؤ اور محتاج فقیر کو بھی کھلاؤ، پھر چاہئے کہ وہ اپنا میل کچیل دور کریں اور (احرام کھول کر) اپنی نذریں (مناسک) پوری کریں اور (خدا کے) قدیم گھر (کعبہ) کا طواف کریں۔

بوّأنا: ہم نے جگہ دی۔ہم نے ٹھکانا، تَبْوِیَۃٌ سے ماضی۔

ضامِرٍ: کمزور (اونٹ یا سواری کا جانور)، لاغر، دبلا۔ضُمْرۃٌ سے اسم فاعل۔

فجّ: دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستہ۔جمع فِجاجاً۔

عَمِیْقٍ: گہرا۔دور۔بعید۔عُمْقٌ سے صفت مشبہ۔

بَھِیْمَۃ: چوپائے۔(اونٹ۔بکری۔گائے وغیرہ)۔جمع بہائم۔

الْبَآئِسَ: بدحال بھوکا۔مصیبت زدہ۔بُؤْسٌ سے اسم فاعل۔

یقْضُوْا: ان کو دور کرنا چاہئے۔ان کو صاف کرنا چاہئے۔قَضَاءٌ سے امر غائب۔

تَفَثَهُمْ : ان کا میل کچیل۔ان کے ناخن،ان کے بال۔

نُذُوْرَ هُمْ: ان کی نذریں،ان کی منتیں،واحد نَذْرٌ ۔ایسی بات کو اپنے اوپر واجب کر لینے کا نام ''نذر'' ہے جو اللہ نے واجب نہ کی ہو۔

اَلْعَتِیْقِ: قدیم۔بلند مرتبہ۔آزاد،مراد خانہ کعبہ۔عِتْــقٌ سے صفت مشبہ۔جمع عُتُــقٌ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کا نام بیت العتیق اس لئے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کافروں اور جابروں کے غلبے اور قبضے سے آزاد کر دیا ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع،۲۶۰/۶)

کسی کافر کو مجال نہیں کہ اس پر قبضہ اور غلبہ کر سکے اصحاب فیل کا واقعہ اس پر شاہد ہے۔

تشریح: یہ بات قابل ذکر اور یاد رکھنے کی ہے کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو اس جگہ ٹھکانا دیا جہاں بیت اللہ ہے۔حضرت ابرہیم علیہ السّلام پہلے سے یہاں آباد نہ تھے بلکہ ان کو ملک شام سے ہجرت کرا کر یہاں لایا گیا تھا۔معتبر روایات میں ہے کہ بیت اللہ حضرت ابراہیم کی آمد سے پہلے موجود تھا۔حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے سے پہلے یا اس کے ساتھ ہی پہلی مرتبہ اس کی بنیاد رکھی گئی تھی۔حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیا بیت اللہ کا طواف کرتے تھے حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت بیت اللہ کی تعمیر اٹھالی گئی تھی البتہ اس کی بنیادیں اور مقررہ جگہ موجود تھی حضرت ابرہیم علیہ السّلام کو اسی جگہ لا کر ٹھہرایا گیا تھا اور ان کو تین حکم دیئے گئے تھے۔

۱۔ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْئًا ۔ یہ کہ میری عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔

بظاہر تو یہ شرک سے پرہیز کا حکم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیا گیا ہے مگر اس سے مراد عام لوگوں کو سنانا ہے کہ وہ شرک سے پرہیز کریں کیونکہ حضرت ابرہیم کی بت شکنی اور شرک کرنے والوں سے مقابلہ اور اس میں سخت ترین آزمائش کے واقعات تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں آنے سے پہلے ہو چکے تھے۔

۲۔ وَ طَهِّرْ بَیْتِیَ ۔ میرے گھر کو ان لوگوں کے لئے پاک کیجئے جو قیام کرتے ہیں اور رکوع و سجود کرتے ہیں۔بیت اللہ در و دیوار اور تعمیر کا نام نہیں بلکہ اس بقعہ مقدس اور مکان (جگہ) کا نام ہے جس پر پہلی مرتبہ بیت اللہ تعمیر ہوا تھا۔چونکہ وہ بقعہ اور مکان موجود تھا اور اس جگہ

قوم جرہم اور عمالقہ نے کچھ بت رکھے ہوئے تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس لئے گھر کو پاک کرنے کا حکم دیا گیا جیسا کہ قرطبی نے بیان کیا۔

۳۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ. آپ لوگوں میں اعلان کر دیجئے کہ تم پر اس بیت اللہ کا حج فرض کر دیا گیا۔

بغوی، ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم کو حج کی فرضیت کے اعلان کا حکم ہوا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ (یہاں تو جنگل اور میدان ہے کوئی سننے والا نہیں) جہاں آبادی ہے وہاں میری آواز کیسے پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ کے ذمے صرف اعلان کرنا ہے اس کو ساری دنیا میں پہنچانا اور پھیلانا میرا کام ہے۔ آپ نے مقام ابراہیم پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے جبل ابی قبیس پر چڑھ کر اعلان کیا۔ کانوں میں انگلیاں دیکر دائیں اور بائیں اور شرقاً وغرباً یہ ندا دی کہ اے لوگو! تمہارے رب نے اپنا بیت (گھر) بنایا ہے اور تم پر اس کا حج فرض کیا ہے، سو تم سب اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرو۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی اس آواز کو ساری دنیا میں پہنچا دیا، صرف اس وقت کے زندہ لوگوں تک ہی نہیں بلکہ جو لوگ قیامت تک پیدا ہونے والے تھے بطور معجزہ ان سب کو یہ آواز پہنچا دی گئی اللہ تعالیٰ نے جس جس کی قسمت میں حج کرنا لکھ دیا ہے ان میں سے ہر ایک نے اس آواز کے جواب میں حاضر ہونے کا اقرار کیا یعنی لبیک اللّٰھم لبیک کہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حج کے تلبیے کی اصل بنیاد اسی اعلان ابراہیمی کا جواب ہے۔

یَاْتُوْکَ رِجَالًا ..... عَمِیْقٍ. اطرافِ عالم سے لوگ بیت اللہ کی طرف چلے آئیں گے کوئی پیدل، کوئی سوار ہو کر۔ سوار ہو کر آنے والے بھی دور دراز ملکوں سے آئیں گے جس سے ان کی سواریاں بھی کمزور اور دبلی ہو جائیں گی۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک بیت اللہ کی طرف حج کے لئے آنے والوں کی یہی کیفیت ہے۔

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ. لوگوں کی یہ حاضری اپنے ہی منافع کے لئے ہے، دینی منافع کے ساتھ ساتھ بہت سے دینوی منافع بھی مشاہدے میں آتے ہیں۔ حج و عمرے میں یہ خصوصیت ہے کہ اس سے کوئی شخص دنیوی فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا بلکہ بعض روایات میں ہے کہ حج و عمرے میں خرچ کرنا افلاس و محتاجی کو دور کر دیتا ہے۔ حج کے دینی منافع بھی بہت ہیں۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ کے لئے حج کیا اور اس میں بے حیائی کی باتوں اور گناہ کے کاموں سے بچتا رہا تو وہ حج سے ایسی حالت میں واپس آئے گا کہ گویا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے آج ہی پیدا ہوا ہے۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ .....الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ. وہ لوگ چند معلوم دنوں میں ان چوپائے جانوروں پر اللہ کا نام ذکر کرتے ہیں۔ جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے ہیں کفار بتوں کے نام پر قربانی کرتے تھے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھاتے تھے اس لئے اللہ نے حکم دیا کہ تم ذبح کے وقت اللہ کا نام لو، پھر اس قربانی کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ اگر چہ ایام حج میں قربانی کا گوشت ان کے لئے حلال کر دیا گیا ہے لیکن قربانی کے گوشت پر نظر نہیں ہونی چاہئے بلکہ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے جو ایام حج میں جانوروں کو قربان کرتے وقت کیا جاتا ہے، اللہ کا ذکر ہی اس کی روح ہے۔

پھر فرمایا کہ حج میں قربانی سے فارغ ہو کر احرام کھول دو اور سر منڈ والو۔ ناخن تر شواؤ اور موچھیں کتر واؤ، اس آیت میں قربانی کا ذکر پہلے آیا ہے اور احرام کھولنے کا بعد میں اس لئے یہ افعال اس ترتیب سے کرنے چاہئیں یعنی پہلے قربانی کرے پھر حلق کرا کے احرام کھولے۔ اگر کسی نے قربانی سے پہلے حلق کرایا تو اس پر دم جنایت واجب ہوگا۔

اور فرمایا کہ تم اپنی مانی ہوئی نذر پوری کرو۔ جمہور کے نزدیک نذر پوری کرنے سے ان امور کی ادائیگی مراد ہے جو اللہ کی طرف سے واجب نہیں ہوئے بلکہ بندے نے خود اپنے اوپر واجب کر لئے ہیں۔

اور اس بیت عتیق کا طواف کرو۔ یہاں طواف سے مراد طواف زیارت ہے جو حج کا دوسرا رکن اور فرض ہے۔ حج کا پہلا رکن وقوف عرفات ہے جو طواف زیارت سے پہلے ادا ہوتا ہے طواف زیارت ادا کرنے کے بعد احرام کے سب احکام مکمل ہو جاتے ہیں اور پورا احرام کھل جاتا ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۵۵۔۲۶۰/۶)

اللہ کی حرمتیں

۳۰، ۳۱۔ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ

مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ
السَّمَاۗءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝

یہ بات تو ہو چکی اور جو کوئی اللہ کی محترم چیزوں کی تعظیم کرے گا تو یہ اس کے رب کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے چوپائے حلال کر دیئے گئے ہیں سوائے ان کے جو تم کو پڑھ کر سنا دیئے گئے ہیں (یعنی جن کا حرام ہونا وقتاً فوقتاً بتایا جا چکا ہے) سو تم بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی بات سے بھی اجتناب کرو۔ خالص ایک اللہ کو مانتے ہوئے، اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے والے نہ بنو اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا، سو یا تو پرندے اسے اچک لے جائیں گے یا ہوا کسی دور دراز جگہ میں اسے پھینک دے گی۔

الرِّجْسَ: گندگی۔ ناپاکی، پھٹکار۔ جمع اَرْجَاسٌ۔

اَلْاَوْثَانِ: بت۔ اللہ کے سوا پرستش کی جانے والی ہر چیز۔ مثلاً پتھر۔ قبر۔ جھنڈا وغیرہ۔ واحد وَثَنٌ۔

اَلزُّوْرِ: جھوٹ۔ کفر۔ شرک۔ انحراف۔

خَرَّ: وہ گر پڑا۔ خَرٌّ و خُرُوْرٌ سے ماضی۔

تَخْطَفُهُ: وہ (پرندوں کا غول) اس کو اچک لیتی ہے۔ وہ اس کو جھپٹ لیتی ہے۔ خَطْفٌ سے مضارع۔ تَخْطَفُهُ الطَّيْرُ سے یہاں وہ تباہ کن خواہشات نفس مراد ہیں جو انسان کی یکسوئی اور اطمینان خاطر کو چھین لیتی ہیں۔

تَهْوِيْ: وہ (اوپر سے نیچے) گراتی ہے۔ وہ پھینک دیتی ہے۔ هَوِيَانٌ سے مضارع۔ تهوی به الريح سے مراد شیطان ہے جو انسان کو پرلے درجے کی گمراہی کے مقام پر پھینکتا ہے۔

سَحِيْقٍ: بہت دور۔ بعید۔ سُحْقٌ سے فَعِيْلٌ کے وزن پر صفت مشبہ۔ مکان سحیق سے مراد حق سے دوری کا مقام ہے۔

تشریح: جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم و تکریم کرے گا یعنی گناہوں اور حرام کاموں سے کامل اجتناب کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ جس طرح نیکیوں کے کرنے پر اجر و ثواب ملتا ہے اسی طرح برائیوں کے چھوڑنے پر بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ حرمت والا شہر (یعنی مکہ)

بیت الحرام (حرمت والا گھر یعنی کعبہ) ماہ حرام (حرمت والے مہینے جن میں لڑنا حرام ہے) حج، عمرہ صفا، مروہ، منیٰ، عرفات، قربانی کے جانور یہ سب اللہ کی حرمتیں ہیں، ان سب کا ادب وتعظیم بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے۔

پھر فرمایا کہ حالت احرام اور بلد حرام میں تمہارے کھانے کے لئے چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بکری، بھیڑ وغیرہ جانور حلال ہیں البتہ جو جانور حرام تھے وہ پہلے ہی بیان ہو چکے جیسے مردار جانور۔ بہتا ہوا خون، خنزیر،، اللہ کے سوا کسی اور نام کا ذبیحہ، گلا گھونٹ کر مارا ہوا وغیرہ، سوتم بت پرستی کی گندگی اور بتوں کے نام پر ذبح کرنے کو چھوڑ دو اور جھوٹی باتوں سے بچتے رہو۔

زور کا لفظ عام ہے اور ہر قسم کی جھوٹی بات اس میں شامل ہے لیکن یہاں کافروں کے مشرکانہ مقولے مراد ہیں مثلاً ان کا یہ کہنا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، بت اللہ کے دربار میں ان کی سفارش کریں گے وغیرہ۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبے میں تین بار فرمایا جھوٹی گواہی خدا کے ساتھ شرک کرنے کے برابر کر دی گئی پھر آپ نے مندرجہ بالا فقرہ یعنی **واجتنبوا قول الزور** تلاوت فرمایا۔

اے مسلمانو! تمہارا حقیقی معبود ایک ہی خدا ہے سو تم بت پرستی کی گندگی اور جھوٹ وغیرہ سب برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے خالص اللہ کی طرف جھکنے والے اور شرک نہ کرنے والے بن جاؤ۔ جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو وہ گویا آسمان سے گر پڑتا ہے پھر پرندے اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں یا ہوا اس کو دور لے جا کر پھینک دیتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خالص اللہ کی عبادت کمال رفعت ہے اس سے اعلیٰ اور بالا کوئی اور چیز نہیں۔ جب کوئی شخص اللہ کی عبادت کے ساتھ کسی مخلوق کی عبادت کو شریک کر دیتا ہے تو وہ کمالِ رفعت کی چوٹی سے نیچے گر پڑتا ہے، جیسے آسمان پر چڑھا ہوا پستی کے غار میں گر پڑے۔ پس شرک کرنے والے پر نفس اور شیطان غالب آجاتے ہیں اور شیطان آدمی کو ایمان کی بلندی سے گمراہی کی پستی میں پھینک دیتا ہے۔ (ابن کثیر ۲۱۸، ۳/۲۱۹، مظہری ۳۱۷-۶/۳۱۹)

شعائر اللہ کی تعظیم

۳۲، ۳۳۔ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝

لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۳۳﴾

یہ (سن چکے) اور جو کوئی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ دل کی پرہیز گاری کی بات ہے۔ تمہارے لئے (قربانی کے جانوروں میں) ایک مقررہ وقت تک فائدے حاصل کرنا (جائز) ہے۔ پھر ان کے حلال (ذبح) ہونے کی جگہ اس قدیم گھر کے قریب ہے۔

تشریح: شعائر اللہ کی تعظیم دلوں کی پرہیزگاری سے پیدا ہوتی ہے۔ دل میں جس درجہ کا تقویٰ اور اللہ کی عظمت ہوگی اس سے اسی درجہ کی تعظیم کا ظہور ہوگا۔ پس شعائر اللہ کی تعظیم شرک نہیں بلکہ تقویٰ اور پرہیزگاری کی علامت ہے۔ ان کی تعظیم وہی کرتا ہے جس کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا ہو،

یہاں شعائر سے کیا مراد ہے تو بعض نے کہا کہ اس سے تمام اعمال حج مراد ہیں جیسے وقوف عرفہ، رمی جمار وغیرہ ابن کثیر نے بھی شعائر کو عام لیا ہے۔ ان میں بدنے بھی داخل ہیں۔ ابن عباس کی روایت میں ہے کہ تعظیم شعائر یہ ہے کہ ان (قربانی کے جانوروں) کو موٹا تازہ کرے اور خوبصورت خریدے۔ ابن ابی حاتم اور خطیب نے لکھا ہے کہ شعائر کی تعظیم یہ ہے کہ جو بدنے (قربانی کے جانور اونٹ، گائے وغیرہ) حرم کو بھیجے جائیں وہ خوب موٹے تازے اور خوبصورت چھانٹ کر لئے جائیں۔

پھر فرمایا کہ قربانی کے ان نامزد جانوروں سے دودھ، سواری، بار برداری اور دوسرے منافع حاصل کرنا اس وقت تک حلال ہے جب تک ان کو حرم مکہ میں ذبح کرنے لئے نامزد کر کے ہدی نہ بنالیا جائے۔ جب کسی جانور کو حرم کی ہدی کے لئے نامزد کر دیا جائے تو پھر کسی خاص مجبوری کے بغیر اس سے کسی قسم کا نفع اٹھانا جائز نہیں مثلاً ایک شخص اونٹ کو ہدی بنا کر لے جا رہا ہے اور خود پیدل چل رہا ہے۔ اگر سواری کیلئے اس کے پاس دوسرا کوئی جانور نہ ہو اور پیدل چلنا بھی اس کے لئے دشوار ہو جائے تو مجبوری اور ضرورت کے تحت اس کے لئے اس اونٹ پر سوار ہونا جائز ہے۔ البتہ قربانی کے بعد ہدی کے جانوروں کے گوشت اور کھال وغیرہ سے نفع اٹھانا جائز ہے

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے خود سنا ہے رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ جب تو اس کی سواری پر مجبور ہے تو اس پر دستور کے مطابق سوار ہو جا، جب تک

تجھے دوسری سواری نہ ملے۔

اس کے بعد فرمایا کہ قربانی کے جانوروں کے حلال ہونے کی جگہ قدیم گھر (بیت اللہ) کے قریب ہے، یعنی ہدی کے جانور کو منیٰ اور حدودِ حرم کے اندر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ حدودِ حرم سے باہر ہدی کے جانور کی قربانی جائز نہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۶۳/ ۶، مواہب الرحمٰن ۲۰/ ۱۷، مظہری ۳۱۹۔ ۳۲۱/ ۶)

قربانی کی اہمیت

۳۴، ۳۵۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝

اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا مقرر کیا تھا تاکہ وہ ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو دیئے ہیں (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیں۔ پھر تم سب کا خدا تو ایک ہی خدا ہے سو تم اس کا حکم مانو اور (اے رسول ﷺ) آپ عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور جب ان پر مصیبت آپڑتی ہے تو وہ اس پر صبر کرتے ہیں اور وہ نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے (اللہ کی رضا کے لئے) خرچ کرتے ہیں۔

مَنْسَكًا: قربانی عبادت کا طریقہ۔ حج کا کام۔ جمع مَنَاسِک۔

الْمُخْبِتِيْنَ: عاجزی کرنے والے۔ خشوع کرنے والے۔ اِخْبَاتٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُخْبِتٌ۔

وَجِلَتْ: وہ (دل) ڈر گئے۔ وہ لرز گئے۔ وَجَلٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: آیت میں جو لفظ نسک آیا ہے وہ کئی معنی میں بولا جاتا ہے۔ ایک معنی جانور کی قربانی کے ہیں، دوسرے معنی تمام افعال حج کے اور تیسرے معنی مطلق عبادات کے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ

مختلف مواقع پر مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے، یہاں تینوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

۱۔ مجاہد وغیرہ نے اس کو یہاں قربانی کے معنی میں لیا ہے۔اس لئے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ قربانی کا جو حکم اس امت کے لوگوں کو دیا گیا ہے وہ کوئی نیا حکم نہیں بلکہ قربانی کی یہ عبادت سابقہ تمام امتوں کے لئے بھی ضروری قرار دی گئی تھی۔

۲۔ قتادہ نے اس کو دوسرے معنی میں لیا ہے۔سو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح حج کے افعال اس امت پر عائد کئے گئے ہیں اسی طرح سابقہ امتوں پر بھی حج فرض کیا گیا تھا۔

۳۔ ابن عرفہ نے تیسرے معنی لئے ہیں۔اس اعتبار سے آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اللہ کی عبادت گزاری پچھلی تمام امتوں پر بھی فرض کی تھی۔عبادت کے طریقے میں تو کچھ فرق رہا ہے مگر اصل عبادت سب امتوں میں مشترک رہی ہے۔

اللہ تعالی نے تمام سابقہ امتوں اور گروہوں کو قربانی کا حکم دیا تھا۔وہ سب اللہ کے نام پر ان چوپایوں کی قربانی کرتے تھے جو اللہ نے ان کو دیئے تھے، اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کرنا اور اس کی نذر و نیاز کرنا ہر ملت وامت میں شرک رہا ہے، پھر فرمایا کہ تمہارا معبود حقیقی ایک ہی خدا ہے سو تم اپنے آپ کو اسی کے حوالے اور سپرد کر دو اور خالص اسی کی اطاعت کرو اور اسی پر قائم رہو۔

مسند احمد میں زید بن ارقمؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ قربانیاں کیا ہیں۔آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہے۔صحابہ نے عرض کیا ہمارے لئے اس میں کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ہر بال کے بدلے ایک نیکی، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ صوف (اون) کے بارے میں کیا ہے۔آپ نے فرمایا اون کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے۔ (مسند احمد ۴۹۵/۵)

اے نبی ﷺ آپ اللہ کے سامنے پست ہونے والوں، اس کے احکام پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے والوں اور اس کی بندگی میں عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں۔وہ خاص طور پر مصیبت کے وقت صبر واستقلال سے کام لیتے ہیں اور وہ پابندی اوقات وشرائط کے ساتھ نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کا قرب حاصل ہو۔

(روح المعانی ۱۵۳، ۱۵۴/ ۱۷، ابن کثیر ۲۲۱/۳)

نحر کا طریقہ

۳۶۔ وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِیْهَا خَیْرٌ ۖۗ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَ الْمُعْتَرَّ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور ہم نے تمہارے لئے قربانی کے اونٹوں (اور گائے، بھینس وغیرہ) کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنادیا ہے۔ تمہارے لئے ان میں خیر (بھلائی) ہے سو تم (قربانی کرتے وقت) ان کو قطار میں کھڑا کر کے (ذبح کی نیت سے) ان پر اللہ کا نام لو (یعنی ان کو نحر کرو) پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں تو اس میں سے خود بھی کھاؤ اور صبر سے بیٹھنے والے کو بھی کھلاؤ اور سوال کرنے والے کو بھی کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ تم شکر گزار بنو۔

اَلْبُدْنَ: یہ بَدَنَةٌ کی جمع ہے۔ بدنہ کا اطلاق اونٹ، گائے۔ بھینس وغیرہ پر ہوتا ہے۔ اس کا زیادہ استعمال اونٹوں کے لئے کیا جاتا ہے۔ بدن کی جسامت بڑی ہونے کی بنا پر ان جانوروں کو بدنہ کہا جاتا ہے۔ بکریوں اور بھیڑوں کو بدنہ نہیں کہا جاتا۔

صَوَآفَّ: صف بستہ۔ صف باندھنے والیاں۔ صَفٌّ سے اسم فاعل۔ واحد صَافَّةٌ۔

وَجَبَتْ: وہ گر پڑی۔ وہ آ پڑی۔ وَجْبَةٌ و وُجُوْبٌ سے ماضی۔

اَلْمُعْتَرَّ: سوال کرنے والا۔ مانگنے والا۔ محتاج۔ اِعْتِرَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: پہلے شعائر اللہ کی تعظیم کا عام حکم دیا گیا تھا۔ یہاں صراحت کے ساتھ بتایا گیا کہ اونٹ وغیرہ قربانی کے جانور بھی شعائر اللہ میں سے ہیں۔ ان میں تمہارے لئے دینی اور دنیوی فوائد ہیں سو تم ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام لیا کرو اور اونٹ کے ذبح کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو قبلہ رخ کھڑا کر کے اور بایاں ہاتھ باندھ کر سینے پر زخم لگایا جائے۔ جب سارا خون نکل جائے اور وہ اونٹ گر پڑے تب ٹکڑے کر کے استعمال میں لایا جائے۔ اگر اونٹوں کی تعداد زیادہ ہو تو ان کو قطار باندھ کر کھڑا کر دیں۔

مستدرک میں حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا کہ اگر اونٹ ہو تو

اس کو کھڑا کر کے کہئے ۔ اللّٰہ اکبر ، اللہ اکبر ، اللہ اکبر ، اللھم منک و لک ۔ اس کے بعد بسم اللہ کہہ کر اونٹ کے گلے میں ہنسلی کے پاس زور سے نیزہ چبھو دے ۔ (مستدرک حاکم ۴۲۲ / ۲)

بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک شخص اونٹ کو بٹھا کر حلقوم میں نیزہ مار رہا تھا ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ادھر سے گزرے تو یہ حالت دیکھ کر فرمایا ۔ اس کو کھڑا کر دے اور پاؤں باندھ دے محمد ﷺ کا یہی طریقہ ہے ۔

پھر جب ان قربانی کے جانوروں کے پہلو زمین پر گر پڑیں اور ان کی جان نکل جائے تو تم خود بھی اس کا گوشت کھاؤ اور بے سوال اور سوالی محتاج کو بھی کھانے کے لئے دو ۔ قانع اس شخص کو کہتے ہیں جو سوال سے بچتا ہو اور جو کچھ اس کو مل جائے اسی پر قناعت کرتا ہو ۔ معتر وہ مسکین ہے جو سوال کرتا اور مانگتا ہے ۔

یہ تم پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے تمہیں اونٹ کو کھڑا کر کے نحر کرنے کی طاقت عطا کی اور عظیم الجثہ اور طاقتور ہونے کے باوجود اس (اللہ) نے اس کو تمہارے قابو میں دیدیا کہ تم اس کو تین ٹانگوں پر کھڑا کر کے نحر کرتے ہو ۔ سو تمہیں اس انعام کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اخلاص کے ساتھ قربانی پیش کرنی چاہئے ، نہ یہ کہ شرک کر کے الٹا اس کی ناشکری کرو ۔ (مظہری ۳۲۳، ۳۲۴ / ۶، عثمانی ۱۳۹، ۱۴۰ / ۲)

قربانی کی روح

۳۷ ۔ ۳۸ ، لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ ؕ کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰىکُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ ۝

اللہ کے ہاں نہ تو ان کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون بلکہ اس کے پاس تو تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے ۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا ہے ، تاکہ تم اس کی بڑائی بیان کرو ، اس بات پر کہ اس نے تمہیں (کارِ خیر کی) ہدایت کی اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجئے ، بلا شبہ اللہ مومنوں سے (دشمنوں کو) ہٹا دے گا ۔

بلاشبہ اللہ کسی خیانت کرنے والے ناشکرے کو پسند نہیں کرتا۔۔

یَنَالَ: وہ پہنچتا ہے۔ وہ پاتا ہے۔ نَیْلٌ سے مضارع۔

لُحُوْمُهَا: اس (قربانی) کے گوشت۔ واحد لَحْمٌ۔

دِمَاؤُهَا: اس کے لہو۔ اس کے خون۔ واحد دَمٌ۔

خَوَّان: بڑا خیانت کرنے والا۔ بڑا دغاباز۔ خِیَانَةٌ سے مبالغہ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم، ابن جریر اور ابن المنذر نے ابن جریج کا بیان نقل کیا ہے کہ دور جاہلیت میں لوگ قربانی کا خون کعبہ میں چھڑکتے اور گوشت (کے پارچے) وہاں بکھیرتے تھے۔ (جب اسلامی دور آیا تو) صحابہ نے کہا ہم اس عمل کے زیادہ مستحق ہیں (ہم بھی کعبہ میں خون چھڑکا کریں گے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ مشرکین مکہ قربانی کے بعد ذبیحہ کا خون کعبہ کے سامنے لے جاتے اور کعبہ کی طرف چھینٹیں مارتے تھے۔ مسلمانوں نے یہ عمل کرنے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۳۲۵)

تشریح: اللہ تعالیٰ قربانیوں کے گوشت اور خون کو اٹھا کر اپنے پاس نہیں لے جاتا اور نہ ان قربانیوں کے گوشت اور خون سے اس کو کوئی نفع ہوتا ہے۔ وہ ساری مخلوق سے غنی اور تمام بندوں سے بے نیاز ہے۔ اس کے پاس صرف نیک اعمال پہنچتے ہیں جنکی بنیاد اخلاص اور تقویٰ پر ہو اور جو محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے شرک کی آمیزش کے بغیر کئے گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ تقوے کو دیکھتا ہے، اسی کو قبول فرماتا ہے اور اسی پر اجر وثواب عنایت فرماتا ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا اور نہ وہ تمہارے اموال کی طرف نظر کرتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ صدقہ وخیرات سائل کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اللہ کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح قربانی کے جانور کے خون کا قطرہ زمین پر گرنے سے پہلے ہی قربانی مقبول ہو جاتی ہے۔

پھر فرمایا کہ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تا کہ تم اللہ کی راہ میں ان کی قربانی کر کے ان پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمہیں قربانی کرنے کی توفیق دی اور جاہلیت کی مشرکانہ رسموں سے تمہیں آگاہ کیا اور اے نبی ﷺ آپ ان اخلاص سے قربانی کرنے والوں کو

ہمارے قرب اور رضا کی بشارت سنا دیجئے۔

بلا شبہ اللہ ان مشرکوں کے شر اور فتنوں کو مومنوں سے ہٹا دے گا۔ بیشک جو لوگ کفر و شرک کرتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ دغا بازی کرتے ہیں اور طرح طرح سے ان کو ستاتے ہیں اور ان کو مسجد حرام کی زیارت سے روکتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کے تحت ان کو ایک خاص مدت تک مہلت دی ہے۔ آخر کار اہل حق ہی غالب ہوں گے۔

(ابن کثیر ۲۲۴/۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۴/۵)

مسلمانوں کو قتال کی اجازت

۳۹۔۴۱، أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقٰتَلُونَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۚ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۞ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۞

ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دیدی گئی جن سے کافر قتال کرتے ہیں کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور بیشک اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے محض یہ کہنے پر کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ ایک دوسرے کو نہ ہٹاتا رہتا تو خانقاہیں اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہود کے) عبادت خانے اور وہ مسجدیں جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، سب منہدم ہو چکے ہوتے۔ اور بیشک اللہ بھی اسی کی مدد کرے گا جو اللہ کی مدد کرے گا۔ بلا شبہ اللہ بڑی قوت والا (اور) بڑے غلبے والا ہے۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

هُدِّمَتْ: وہ منہدم کی گئی۔ وہ گرادی گئی۔ تَھْدِیْمٌ سے ماضی مجہول۔

صَوَامِعُ: عیسائی راہبوں کے عبادت خانے۔ چھوٹے گرجے۔ واحد صَوْمَعَةٌ ۔

بِيَعٌ: عیسائیوں کے عبادت خانے۔ بڑے گرجے۔ چرچ۔ واحد بِيْعَةٌ۔

صَلَوٰتٌ: یہود کے عبادت خانے۔

مَكَّنّٰهُمْ: ہم نے ان کو فائز کیا۔ ہم نے ان کو قوت دی۔ تَمْكِيْنٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: امام احمد، ترمذی، سدی اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اہلِ تفسیر کا بیان ہے کہ مکہ کے مشرک، صحابہ کو بہت زیادہ ایذائیں دیتے تھے، صحابہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو کسی کا سر پھٹا ہوا ہوتا، کوئی زخمی ہوتا، کوئی پٹ کر آتا، سب لوگ آپ سے شکایت کرتے کہ ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا جا رہا ہے۔ آپ ان کو تسلی دیتے اور فرماتے صبر کرو ابھی مجھے لڑنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد یہ آیت مدینے میں (ہجرت کے بعد) نازل ہوئی۔

تشریح: عبدالرزاق، عبد بن حمید، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بزار، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم ابن حبان، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح قرار دیا کہ کچھ اوپر ستر آیات میں قتال کی ممانعت کے بعد قتال کی اجازت میں یہ سب سے پہلی آیت نازل ہوئی۔

قتال کا حکم کوئی نیا حکم نہیں تھا۔ سابقہ انبیا اور ان کی امتوں کو بھی کفار کے ساتھ قتال کے احکام دیئے گئے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ بعض کو بعض کے ذریعہ دفع کرتا رہا ہے اور اگر وہ ایسا نہ کرتا تو کسی زمانے میں بھی کسی مذہب وملت کے لئے امن کی جگہ نہ ہوتی اور درویشوں کی خانقاہیں اور عیسائیوں کے گرجے اور یہود کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ڈھا دیئے جاتے۔

چونکہ کافروں نے مسلمانوں پر زیادتیاں کی ہیں اور انہیں ناحق ایذائیں پہنچائی ہیں اس لئے ان کو جہاد کرنے اور کافروں سے قتال کرنے کی اجازت دیدی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان بے سروسامان مظلوموں

کی امداد و اعانت پر پوری طرح قادر ہے۔ قتال کی اجازت اس لئے دی گئی کہ مسلمان مظلوم ہیں ان کے گھر باران سے چھین لئے گئے ہیں، ان کو ناحق بے گھر کر کے مکہ سے خارج کر دیا گیا اور وہ بے سروسامانی کے عالم میں مدینے پہنچے۔ ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ صرف ایک خدا کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ ہمارا رب ہے۔ ظاہر ہے اللہ کو رب کہنا کوئی جرم نہیں جس کی پاداش میں ان کو جلا وطن کیا جاتا مگر مشرکین کے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا۔ اگر اللہ تعالی شریر و بدکاروں کو مومنوں اور نیک لوگوں کے ذریعہ دفع نہ کرتا اور کافروں پر مسلمانوں کو اقتدار و تسلط عطا نہ کرتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا۔ اللہ تعالی ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس کے دین کی مدد کرے گا کیونکہ اللہ ہی فتحیاب کرنے کی قوت رکھتا ہے اور وہ ایسا غالب ہے کہ اس کے غلبے کو روکا نہیں جا سکتا۔

یہ مومن ایسے لوگ ہیں کہ جب ہم ان کو زمین پر اقتدار عطا کریں گے تو یہ لوگ ہماری یاد سے غافل نہیں ہوں گے بلکہ نماز قائم کریں گے اور زکواۃ ادا کریں گے اور لوگوں کو بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ چونکہ ہر کام کا نتیجہ اللہ ہی کے دست قدرت میں ہے اس لئے وہ مذکورہ مظلوم مہاجروں کو ضرور کامیاب فرمائے گا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۲۸۔۲۳۷/ ۱۷، ابن کثیر ۲۲۵، ۲۲۶/ ۳، روح المعانی ۱۶۳، ۱۶۵/ ۱۷)

کفار کو تنبیہ

۴۲۔۴۶، وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿﴾ وَقَوْمُ إِبْرٰهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿﴾ وَأَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوسٰى فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿﴾ فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ ﴿﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

اور (اے نبی ﷺ) اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو ان سے پہلے قوم نوح اور عاد اور ثمود (بھی تکذیب کر چکے ہیں) اور قوم ابراہیم اور قوم لوط بھی اور

فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۝

اہل مدین (بھی تکذیب کر چکے ہیں) اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا پھر ہم نے کافروں کو (چندے) مہلت دی۔ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا سو کیسا سخت تھا میرا عذاب سو کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر دیا اور وہ نافرمان تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنوئیں بیکار اور بہت سے محل بلند کئے ہوئے (ویران پڑے ہیں) کیا ان لوگوں نے زمین کی سیر نہیں کی کہ (تباہ شدہ بستیوں کو دیکھ کر) ان کے دل ایسے ہو جاتے جن سے یہ سمجھتے یا ان کے کان ایسے ہوتے جن سے یہ سنتے۔ پس (نہ سمجھے والوں کی) آنکھیں ہی اندھی نہیں ہو جایا کرتیں بلکہ (وہ) دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

اَمْلَيْتُ: میں نے ڈھیل دی، اِمْلاءٌ سے ماضی۔

نَكِيْرِ: میرا عذاب۔

خَاوِيَةٌ: گری ہوئی۔ خالی۔ کھوکھلی۔ بے روح۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

بِئْرٍ: کنواں۔

مَشِيْدٍ: بلند کئے ہوئے۔ مضبوط بنائے ہوئے۔ تَشْيِيْدٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ آپ ان کافروں کی تکذیب، مخالفت اور عداوت سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ منکرین کا انکار و تکذیب صرف آپ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ یہ تو نوح علیہ السلام سے لیکر موسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیا کا انکار کرتے چلے آئے ہیں۔ کسی زمانے میں بھی انہوں نے حق کو تسلیم نہیں کیا۔ مگر میں نے منکروں کو فوراً سزا نہیں دی بلکہ میں ان کو مہلت دیتا رہا کہ یہ خوب سوچ سمجھ لیں اور اپنے انجام پر غور کر لیں۔ پھر جب وہ حد سے گزر گئے، کسی طرح باز نہ آئے اور ان پر حجت پوری ہو گئی تو میں نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا اور میری گرفت ایسی سخت تھی کہ کوئی اس سے نکل نہ سکا۔

ابن کثیر میں ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں کو کہا کہ میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ اس کے بعد بھی اس کو چالیس سال تک مہلت دی گئی۔ پھر عذاب میں گرفتار کیا۔

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے۔ پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَ کَذٰلِکَ اَخْذُ رَبِّکَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰی وَ ھِیَ ظَالِمَۃٌ اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ۔ (سورۃ ہود آیت ۱۰۲)

اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے۔ بیشک اس کی گرفت سخت تکلیف دینے والی ہے۔

پھر فرمایا۔ ہم نے بہت سی بستیوں کو تہ و بالا کر دیا کیونکہ ان کے رہنے والوں نے کفر و شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، وہ رسولوں کی تکذیب کرتے تھے، اللہ کا انکار کرتے اور بتوں کو مانتے تھے۔ سو اب ان کے مکان اپنے چھتوں پر گرے پڑے ہیں اور ان کے کنوئیں بیکار پڑے ہیں، کوئی ان سے پانی کھینچے والا نہیں اور کتنے ہی اونچے اونچے پختہ اور مضبوط محل اجڑے پڑے ہیں۔ اب کوئی ان میں آباد نہیں۔ نہ ان کی مضبوطی اور پختگی انہیں بچا سکی اور نہ ان کی خوبصورتی کسی کام آئی۔ اللہ کے عذاب نے سب کو تہس نہس کر دیا۔

کیا اہل مکہ ملک میں گھومے پھرے نہیں اور عبرت کے مقامات ان کی نظروں سے نہیں گزرے۔ یہ مکذبین نہ تو گزشتہ مکذبین کی بستیوں کا حال دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں اور نہ سابقہ امتوں کے واقعات سن کر راہ راست پر آتے ہیں۔ گویا یہ لوگ دل کے اندھے ہیں کہ بصارت تو رکھتے ہیں مگر بصیرت نہیں رکھتے۔ حقیقت میں اندھا وہی ہے جو دل اور عقل کا اندھا ہو۔ ایسے شخص کو نہ تو عزت حاصل ہوتی ہے اور نہ خیر و شر کی تمیز۔ (مواہب الرحمٰن ۲۳۸۔۲۴۳/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔۳۱، ۳۲/ ۵ ابن کثیر ۲۲۷/ ۳)

اللہ کا اٹل وعدہ

۴۷، ۴۸۔ وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَ اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ

وَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا، وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾

(اے نبی ﷺ) وہ آپ سے عذاب مانگنے میں جلدی کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا اور بیشک تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے ہزار برس کے برابر ہے۔ اور کتنی ہی بستیاں ایسی ہیں جن کو میں نے مہلت دی اور وہ نافرمان تھیں۔ پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور (سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ قریش کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے اور ان کو اس کے آنے کا وعدہ دیتے تھے مگر مشرکین مکہ اس کا انکار کرتے تھے اور استہزاءً اس کو جلدی طلب کرتے تھے حالانکہ عذاب اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گا کہ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اس لئے اللہ کا عذاب آ کر رہے گا خواہ کچھ مدت کے بعد آئے۔ کسی کے استہزا اور تکذیب سے نہ یہ ٹلے گا اور نہ اس کے آنے میں کوئی تاخیر یا جلدی ہوگی۔

پھر فرمایا کہ آپ کے رب کے پاس کا ایک دن دنیا کی گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ اگر اس نے تمہیں ایک ہزار سال تک بھی مہلت دی تب بھی اس کیلئے یہ عرصہ ایک دن کی مانند ہے۔ وہ قادر مطلق ہے جب چاہے گا پکڑ لے گا، تاخیر کی وجہ سے کوئی چیز اس کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں ہو سکتی۔ عذاب فوراً نازل کر دینا یا اس کو کچھ مدت کے لئے مؤخر کر دینا، اس کی قدرت کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں۔

بعض مفسرین نے یہ مطلب بیان کیا کہ مشرکین جس عذاب موعود کے فوری طلب گار ہیں، تکلیف کی شدت اور طول کے اعتبار اس کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہے۔ بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ اللہ کے حلم کی انتہا کا اظہار ہے۔ مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہیں کرے گا لیکن اس نے عذاب کو اس دن تک مؤخر کر رکھا ہے جو تمہارے ہزار سال کے برابر ہوگا یعنی قیامت کے دن تک۔

عذاب کے معاملے میں ڈھیل دینے سے کسی قوم کو بے فکر نہیں ہو جانا چاہئے کیونکہ ڈھیل ملنے سے کوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اس کی طرف سے جو ڈھیل مل رہی ہے وہ اس کا حلم اور

فضل ہے۔ ان سے پہلے بھی بہت سی بستیوں کو مہلت دی گئی، وہ بھی مہلت ملنے پر کہیں نکل کر نہ بھاگ سکے۔ آخر سب کو لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔ (عثمانی ۲/۱۴۳، مظہری ۳۳۴، ۶/۳۳۵)

رسول کا فرضِ منصبی

۴۹۔۵۱، قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! بیشک میں تو تمہیں صاف صاف خبر دار کرنے والا ہوں۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ان کے لئے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو پست کرنے میں کوشش کی وہی دوزخی ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ مشرکین مکہ جو عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں، آپ ان کو بتا دیجئے کہ میں تو تمہیں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔ عذاب نازل کرنا میرے اختیار میں نہیں وہ اللہ کے اختیار میں ہے خواہ وہ فوراً لے آئے خواہ تاخیر سے لائے۔ اس کا علم اسی کو ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کے لئے گناہوں سے مغفرت اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ہماری آیتوں کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کو عاجز کر دیں گے اور اس کی گرفت اور عذاب سے بچ نکلیں گے تو وہی لوگ اہل دوزخ ہیں ان کے لئے نہ مغفرت ہے اور نہ رزق کریم۔

شیطان کا فتنہ

۵۲۔۵۴، وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ لِّيَجْعَلَ

مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۙ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾

اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ سے پہلے بھی کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں بھیجا کہ اس نے جب کوئی تمنا کی ہو تو شیطان نے اس کی تمنا میں کچھ آمیزش نہ کی ہو۔ سو اللہ شیطان کی آمیزش کو دور کر دیتا ہے پھر وہ اپنی آیتوں کو مستحکم کر دیتا ہے اور اللہ خبردار (اور) (حکمت والا ہے) تا کہ اللہ شیطان کی آمیزش کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں (شک کا) مرض ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بیشک یہ ظالم تو بڑی مخالفت میں ہیں اور تا کہ علم والے لوگ اس کو اپنے رب کی طرف سے حق جان کر اس پر ایمان لے آئیں۔ پھر ان کے دل بھی اسی کی طرف جھک جائیں اور اللہ ہی مومنوں کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے

اُمْنِيَّتِهٖ: اس کی آرزو۔ اس کی تمنا۔ اس کا خیال۔ جمع اَمَانِي ۔

فَيَنْسَخُ: پس وہ منسوخ کرتا ہے۔ پس وہ مٹا دیتا ہے۔ نَسْخٌ سے مضارع۔

اَلْقَاسِيَةِ: سخت ہونے والی۔ سیاہ ہونے والی۔ قَسَاوَةٌ سے اسم فاعل۔

فَتُخْبِتَ: پس وہ عاجزی کرے۔ پس وہ جھکے۔ اِخْبَاتٌ سے مضارع۔

تشریح: بغوی نے لکھا ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جس کے سامنے رو در رو ہو کر جبرائیل آئے اور نبی وہ ہوتا ہے جس کی نبوت بصورت الہام یا بصورت خواب ہو۔ بعض علما کا کہنا ہے کہ رسول وہ ہے جسکو نئی شریعت دیکر بھیجا گیا ہو اور نبی کا لفظ عام ہے۔ رسول بھی نبی ہوتا ہے اور وہ شخص بھی نبی ہوتا ہے جس کو سابقہ شریعت کی دعوت دینے اور اس کی تائید کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو۔ اس قول پر ہر رسول کا نبی ہونا تو لازم ہے اور ہر نبی کا رسول ہونا ضروری نہیں۔

آپ سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں ہوا جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آیا ہو کہ جب بھی اس نے لوگوں کو کوئی حکم خداوندی پڑھ کر سنایا تو شیطان نے اس کے تلاوت کردہ حکم خداوندی کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات ڈال دیئے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ جب پیغمبر اپنے دل میں غلط مرغوبات پیدا کر لیتا ہے تو شیطان اسی کے دل پسند خیال میں ایسی بات ڈال دیتا ہے جو دنیا میں انہماک کا موجب ہوتی ہے۔

پھر اللہ شیطان کے ڈالے ہوئے خیال کو نیست و نابود کر دیتا ہے اور پیغمبر کو اس کے خیال کی طرف جھکنے سے محفوظ رکھتا ہے اور ایسا راستہ بتا دیتا ہے کہ شیطانی وسوسہ دور ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو اور مضبوط اور محکم کر دیتا ہے جو آخرت کے امور میں پیغمبر کے انہاک کو موجب ہوتی ہیں اور اللہ لوگوں کے احوال اور صلاحیتوں کو خوب جانتا ہے۔ جو ہدایت کا مستحق ہوتا ہے اس کو ہدایت یاب کرتا ہے اور جو گمراہی کا مستحق ہوتا ہے اس کو گمراہ کر دیتا ہے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے حکمت سے کرتا ہے۔ کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں۔

یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تا کہ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسے کو اللہ ایسے لوگوں کے لئے آزمائش کا ذریعہ بنا دے جن کے دلوں میں شک کا مرض ہے اور جن کے دل بالکل ہی سخت ہیں۔ واقعی یہ ظالم لوگ بڑی مخالفت میں ہیں، یہ حق سے بہت دور نکل گئے ہیں، ظاہری اسباب میں ان کا حق کی طرف آنا بہت مشکل ہے، القائے شیطانی میں ایک حکمت یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صحیح علم اور صحیح فہم عطا کی گئی ہے وہ جان لیں اور یقین کر لیں کہ حق وہی ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا اور جو کچھ نبی نے پڑھا ہے، اور اس یقین کی وجہ سے وہ لوگ ایمان پر اور زیادہ قائم ہو جائیں اور ان کے دل اس کی طرف اور بھی عاجزی کے ساتھ جھک جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی راہِ راست دکھاتا ہے۔ (مظہری ۳۳۷۔۳۴۱/۶، بیضاوی ۳۶۶)

منکرین کا قیامت تک دھوکے میں رہنا

۵۵، ۵۷۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا

الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۝ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝

اور کافر تو اس (قرآن کی طرف سے) ہمیشہ شک ہی میں رہیں گے یہاں تک کہ یکایک ان پر قیامت آجائے یا ان پر کسی منحوس دن کا عذاب آپہنچے۔ اس روز اللہ ہی کی حکومت ہوگی۔ وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے وہی نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو انہیں کے لئے ذلت کا عذاب ہوگا۔

مِرْیَةٍ: شک۔تردد۔وہ شک جس سے تردد پیدا ہو۔

بَغْتَةً: یکا یک۔ایک دم۔اچانک۔

عَقِیْمٍ: بے اولاد۔بانجھ،بے اثر۔منحوس۔مراد قیامت کا دن۔

مُهِیْنٌ: ذلیل کرنے والا۔بے عزت کرنے والا۔اِهَانَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کافر لوگ تو شک ہی میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کا ہولناک حادثہ ان پر اچانک آجائے یا اسی قیامت کے دن کا عذاب ان کے سامنے آجائے۔ پھر فرمایا کہ جس روز کافروں کا شک وشبہ دور ہو جائے گا اس روز صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوگی۔ وہ ہی ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو وہ اللہ کی مہربانی سے نعمتوں والے باغوں میں رہیں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو انہی کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔

شیخین نے صحیحین میں روایت بیان کی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دے گا، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے اعمال بھی (موجب نجات نہ ہوں گے) آپ نے فرمایا نہ میں (اپنے اعمال کی وجہ سے نجات کا مستحق ہوں گا) مگر یہ کہ اللہ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے۔ (مظہری ۶/۳۴۲)

اللہ کی راہ میں ہجرت کا انعام

۵۸۔۵۹۔ وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا
لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ
الرّٰزِقِيْنَ ۞ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ
لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۞

اور جن لوگوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، پھر وہ قتل کئے گئے یا (اپنی موت) مر گئے تو یقیناً اللہ ان کو بہترین رزق دے گا اور بیشک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ البتہ اللہ ان (مومنوں) کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور بیشک اللہ خوب جاننے والا (اور) بخشنے والا ہے۔

تشریح: جن لوگوں نے اپنا وطن، اپنے اہل و عیال اور اپنے دوست احباب کو چھوڑ کر اللہ کی رضا کے لئے اس کی راہ میں ہجرت کی، پھر وہ میدانِ جہاد میں دشمن کے ہاتھوں شہید ہو گئے یا اپنی طبعی موت مر گئے تو دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ اور ان کو ضرور رزقِ حسن دیا جائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں پہنچائے گا جہاں وہ خوش ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ وہ لوگ کس چیز سے راضی ہوں گے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کن لوگوں نے خالص اس کے راستے میں اپنا گھر بار ترک کیا ہے اور کون لوگ اس کی نعمتوں کے مستحق ہیں وہ بڑے حلم والا ہے، بندوں کے گناہ معاف فرماتا ہے، ان کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے اور ان کی ہجرت کو قبول فرماتا ہے۔

معاف کر دینے کی ترغیب

۶۰۔ ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ
عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۞

بات یہی ہے۔ اور جو کوئی اسی قدر بدلہ لے جس قدر اس کو تکلیف دی گئی تھی پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ

معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔

عَاقَبَ: اس نے بدلہ لیا۔اس نے تکلیف پہنچائی۔مُعَاقَبَةٌ سے ماضی۔

بُغِیَ: اس پر زیادتی کی گئی۔بَغْیٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ ظالم سے اتنا ہی بدلہ لے جتنا اس پر ظلم ہوا۔اگر ظالم پھر از سرنو اس پر زیادتی کرے تو وہ پھر مظلوم ٹھہرے گا اور یقیناً اللہ تعالیٰ مظلوم کی مدد کرے گا۔اگر مظلوم اپنا بدلہ لے لے تو اللہ اس کی گرفت نہیں کرے گا کیونکہ اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اس آیت میں معاف کر دینے کی ترغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہونے کے باوجود بندوں کو معاف فرما دیتا ہے تو جس بندے کے ساتھ زیادتی کی گئی ہو وہ تو انتقام لینے کی پوری قدرت بھی نہیں رکھتا اس لئے اس کو معاف ہی کر دینا چاہئے۔پس بندوں کو بھی اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفو و درگزر سے کام لینا چاہئے۔ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہیں رہنا چاہئے۔

ایک حدیث میں ہے کہ مظلوم کی دعا سے بچو کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔ (مسند احمد،۶۲۳/۳،رقم ۲۱۱۴۰)

قدرتِ کاملہ

۶۱۔۶۲۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور بیشک اللہ خوب سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔یہ اسی لئے کہ اللہ ہی حق ہے اور جس کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہی باطل ہے۔اور بیشک اللہ ہی عالیشان (اور سب سے) بڑا ہے۔

یُوْلِجُ: وہ پیدا کرتا ہے۔وہ داخل کرتا ہے۔اِیْلَاجٌ سے مضارع۔

الْعَلِیُّ: بلند مرتبہ۔عالیشان۔برتر۔عَلَاءٌ و عُلُوٌّ سے صفت مشبہ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہی خالق و متصرف کامل ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوق میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ وہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ دن اور رات کو ایک دوسرے میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک کو کم کر دیتا ہے اور دوسرے کو بڑھا دیتا ہے جیسے سردیوں میں دن چھوٹے ہوتے ہیں اور راتیں بڑی، اسی طرح گرمیوں میں دن بڑے ہوتے ہیں اور راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ بندوں کی تمام باتیں سنتا ہے اور ان کی تمام حرکات و سکنات کو دیکھتا ہے۔ بندوں کا کوئی حال اس پر پوشیدہ نہیں۔ اس کا کوئی حاکم نہیں وہ سب کا حاکم و مالک ہے۔ کوئی اس کے سامنے چون و چرا نہیں کر سکتا۔ وہی حقیقی معبود ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اس کے سوا جس کو یہ کافر لوگ پوجتے ہیں وہ سب باطل ہے۔ باطل معبود کسی کو نفع نہیں پہنچا سکتے۔ ہر قسم کا نفع و نقصان اسی قادرِ مطلق اور مالکِ حقیقی کے قبضے و اختیار میں ہے۔ وہ بہت بلند اور بہت بڑی شان والا ہے۔

تسخیرِ بحر و بر

۶۳۔۶۶۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؗ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۚ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ۠ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ
مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَیُمْسِكُ
السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ
لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۚ وَهُوَ الَّذِیْۤ اَحْیَاكُمْ ؗ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ؕ
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۚ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا پھر (اس سے) زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ بیشک اللہ باریک بین (اور) باخبر ہے۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بیشک اللہ ہی بے نیاز (اور) ہر طرح کی تعریف کے لائق ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر رکھا ہے اور کشتی کو بھی جو دریا میں

اس کے حکم سے چلتی ہے اور اسی نے آسمان کو تھام رکھا ہے اس سے کہ وہ اس کے حکم کے بغیر زمین پر گر پڑے، بیشک اللہ لوگوں پر نرمی کرنے والا (اور مہربان) ہے۔ اور (اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں زندگی دی۔ پھر وہی تمہیں مارے گا، پھر وہی (قیامت کے دن) تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ بیشک انسان البتہ ناشکرا ہے۔

فَتُصْبِحُ: پس وہ ہو جاتی ہے۔ اِصْبَاحٌ سے مضارع۔

مُخْضَرَّةً: سرسبز۔ سیاہی مائل۔ اِخْضِرَارٌ سے اسم فاعل۔

یُمْسِکُ: وہ روکتا ہے۔ وہ تھامتا ہے۔ اِمْسَاکٌ سے مضارع۔

تَقَعَ: وہ گر پڑے۔ وُقُوْعٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم الشان قدرت اور زبردست غلبے کو بیان فرمایا ہے کہ اس کے حکم سے ہوائیں ابر کو گھیر کر لاتی ہیں پھر اس ابر سے بارش برستی ہے جس سے مردہ اور بنجر زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ زمین کے اندر جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ وہ ایک ایک دانے سے واقف ہے اور بارش کے پانی کو وہیں پہنچا دیتا ہے اور وہ دانہ اگ آتا ہے۔ بیشک وہ بندوں کا حال اور ان کی ضرورتوں کو خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کی ملک ہے۔ وہی تمام کائنات کا مالک و خالق ہے۔ وہ ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اسے کسی کی حاجت نہیں۔ سب اس کے سامنے فقیر اور اس کی بارگاہ عالی کے محتاج ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے تمام حیوانات و جمادات، کھیتوں اور باغات کو تمہارے فائدے کے لئے تمہاری ماتحتی میں دے رکھا ہے۔ آسمان و زمین کی چیزیں تمہارے ہی لئے سرگرداں ہیں۔ یہ اس کا احسان اور فضل و کرم ہے کہ اس کے حکم سے کشتیاں پانی چیرتی ہوئی اور موجوں کو کاٹتی ہوئی ہواؤں کے ساتھ سمندروں میں چلتی ہیں اور تمہیں اور تمہارے مال و متاع کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچاتی ہیں۔ اور اس کی قدرت کے دلائل میں سے یہ بھی ہے کہ وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ زمین پر نہ گر پڑے ورنہ اگر وہ حکم دے تو ابھی آسمان زمین پر آ رہے اور تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ انسانوں کے گناہوں کے باوجود یقیناً اللہ ان پر نہایت شفیق و مہربان ہے۔

پھر فرمایا کہ اسی نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی تمہیں موت دے گا۔ تم دن رات دیکھتے ہو کہ

اس عالم میں کوئی آ رہا ہے اور کوئی جا رہا ہے ۔ وہی قیامت کے روز تمہیں جزا و سزا کے لئے دوبارہ زندہ کرے گا ۔ پس تم خوب سمجھ لو کہ وہی موت و حیات اور وجود و عدم کا مالک و خالق ہے سو تم جہالت اور حماقت سے قیامت کا انکار نہ کرو ۔ یقیناً انسان بڑا ناشکرا ہے کہ اس قدر کثیر نعمتیں پا کر بھی ان کا شکر ادا نہیں کرتا ۔ (ابن کثیر ۳/۲۳۳)

مجادلین کو تہدید

۶۷-۷۰۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۚ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ فِىْ كِتٰبٍ ۚ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے جس پر وہ عمل کرتے ہیں سو اس کام میں انہیں آپ سے جھگڑا نہیں کرنا چاہئے ۔ اور آپ (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلائیے ۔ بلاشبہ آپ سیدھے راستے پر ہیں اور اگر وہ آپ سے جھگڑیں بھی تو آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے ۔ قیامت کے روز اللہ ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں تم اختلاف کرتے رہتے ہو ۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے ۔ بیشک یہ سب کتاب میں (درج) ہے ۔ بیشک یہ (بات) اللہ پر آسان ہے ۔

مَنسکًا: قربانی ۔ عبادت ۔ حج کا طریقہ ۔ امام رازی نے اس آیت میں منسک سے شریعت اور طریقہ عبادت کے معنی لئے ہیں ۔ بعض نے منسک کا ترجمہ تہوار کیا ہے ۔ مجاہد اور قتادہ نے قربانی کا مقام اور بعض نے اس سے مراد عبادت گاہ لی ہے ۔

عربی میں منسک اس مقام کو کہتے ہیں جہاں لوگ کسی اچھے یا برے کام کے لئے

جمع ہونے کے عادی ہوں۔ مناسک حج کو مناسک اسی لئے کہا جاتا ہے کہ
لوگ حج کے مقامات پر ہر سال آتے اور جمع ہوتے ہیں۔ راجح قول یہ ہے کہ
منسک سے شریعت اور مطلق طریقہ عبادت مراد ہے۔ (مظہری ۶/۳۴۶)

نَاسِکُوْهُ: اس کی عبادت کرنے والے۔ اس کی قربانی کرنے والے۔ نُسُکٌ سے اسم فاعل۔

یُنَازِعُنَّکَ: وہ تجھ سے جھگڑا کرتا ہے۔ مُنَازَعَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: تمام انبیا اصولِ دین میں متفق رہے ہیں البتہ مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لئے بندگی کے مختلف طریقے مقرر کئے ہیں جن کے موافق وہ امتیں اللہ کی عبادت کرتی رہیں۔ اس امت محمدیہ کے لئے بھی ایک خاص شریعت بھیجی گئی جس کی پیروی قیامت تک سب پر لازم ہے لیکن اصل دین ہمیشہ سے ایک ہی رہا ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت مقرر نہیں کی گئی۔ یہی سیدھی راہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ اس لئے توحید جیسی متفق علیہ عبادت میں جھگڑا کرنا کسی کو زیب نہیں دیتا۔

جب ایسی واضح باتوں میں بھی حجتیں نکالی جائیں تو آپ کچھ پرواہ نہ کریں، آپ حق پر ہیں اور آپ سے منازعت کرنے والے باطل پر ہیں۔ آپ جس سیدھے راستے پر چل رہے ہیں اس پر قائم رہئے اور لوگوں کو اسی کی طرف بلاتے رہئے اور خوامخواہ کے جھگڑے نکالنے والوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیجئے وہ ان کی تمام حرکات وسکنات اور ان کے تمام اعمال سے خوب واقف ہے۔ قیامت کے روز وہ ان کے تمام اختلافات کا فیصلہ کر دے گا۔ اس روز انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ اس روز مومنوں کو ثواب ملے گا اور کافروں کو عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا علم تو زمین وآسمان کی تمام چیزوں کو محیط ہے، اور بعض مصالح اور حکمتوں کی بنا پر اس نے تمام واقعات لوحِ محفوظ میں اور بنی آدم کے تمام اعمال ان کے اعمال ناموں میں لکھ دیئے ہیں۔ اسی کے موافق قیامت کے دن فیصلہ ہوگا۔ اتنی بے شمار چیزوں کا ٹھیک ٹھیک جاننا اور لکھ دینا اور اس کے مطابق ہر ایک کا فیصلہ کرنا اللہ کے لئے ذرا مشکل نہیں۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بہت آسان ہے۔
(عثمانی ۲/۱۴۹، مظہری ۳۴۵۔ ۶/۳۴۷)

اندھی تقلید

۷۱،۷۲۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ
لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا
بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ
بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ
اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اور یہ اللہ کے سوا اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور نہ خود ان کے پاس اس کا کوئی علم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۔ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو آپ ان منکروں کے چہروں پر ناخوشی (کے آثار) پہچان لیں گے ۔ قریب ہے کہ یہ ان لوگوں پر حملہ کر بیٹھیں جو ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کرتے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ ناگوار (چیز) کی خبر دوں ۔ وہ آگ (دوزخ) ہے اللہ نے کافروں سے اس کا وعدہ کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ۔

سُلْطٰنًا: دلیل ۔ قوت ۔ غلبہ ۔ اقتدار ۔ جمع سَلَاطِیْنُ ۔

اَلْمُنْکَر: برائی ۔ ناخوشی ۔ خلاف شرع ۔ اِنْکَارٌ سے اسم مفعول ۔

یَکَادُوْنَ: وہ نزدیک ہیں ۔ وہ قریب ہیں ۔ کَوْدٌ سے مضارع ۔

یَسْطُوْنَ: وہ حملہ کریں گے ۔ وہ جھپٹ پڑیں گے ۔ سَطْوَۃٌ سے مضارع ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا حال بیان فرمایا ہے کہ وہ اللہ کی معرفت سے بے خبر ہیں اور ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جس کی اللہ نے کوئی سند نہیں اتاری اور نہ اس کے بارے میں ان کو کچھ علم ہے سوائے اس کے کہ یہ بت پرستی یا تو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے لی اور اسی پر عمل کرتے آرہے ہیں یا اپنی رائے اور رانکل سے اختیار کر لی اور اب اسی پر جمے ہوئے ہیں ۔ ان کافروں کے ساتھ الٹا معاملہ ہے کہ جو حق اور صحیح ہے اس کو یہ ناحق اور باطل سمجھتے ہیں اور جو باطل اور غلط ہے اس کو صحیح اور سچ

سمجھتے ہیں۔ان ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو قیامت کے روز ان کو عذابِ الٰہی سے بچالے۔

ان کے ظلم وعناد کا حال یہ ہے کہ جب ان کے سامنے ہماری صاف اور واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو اس کی وحدانیت کی روشن دلیل ہوتی ہیں تو ان کو سنتے ہی ان کے تیور بدل جاتے ہیں اور غصے و ناگواری کے جذبات ان کے چہروں سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔اس وقت ان کے غصے اور نفرت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ گویا وہ ان لوگوں پر حملہ کر دیں گے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنا رہے ہیں۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں تمہارے غصے اور ناگواری سے بھی اور بدتر چیز کی خبر دوں اور وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۷/۲۷۲۔۲۷۱)

مشرک کی مثال

۷۴،۷۳۔ يَاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جارہی ہے سو تم اس کو کان لگا کر سنو (وہ یہ کہ) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ وہ اس کے لئے سب کے سب جمع ہو جائیں اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو یہ اس سے واپس بھی نہیں لے سکتے۔طالب ومطلوب (عابد ومعبود) دونوں ہی کمزور ہیں۔انہوں نے اللہ کے مرتبے کے مطابق اس کی قدر نہیں کی۔بیشک اللہ تو بڑا قوی (اور) زبردست ہے۔

ذُبَابًا: مکھی۔جمع اَذِبَّۃٌ۔

يَسْتَنْقِذُوْهُ: وہ اس کو چھڑاتے ہیں۔وہ اس کو نجات دلاتے ہیں۔اِسْتِنْقَاذٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جس سے مشرکوں کی کم عقلی اور ان کے معبودوں کی عاجزی و بے بسی ظاہر ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری ہے کہ جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر

بتوں کو پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں، وہ ان کافروں کی حاجت روائی تو کیا کریں گے وہ تو سب مل کر بھی ایک حقیر مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اس چیز کو مکھی سے واپس نہیں لے سکتے۔ گو ان بتوں کو مکھی سے مقابلے اور اس سے انتقام کی بھی طاقت نہیں حالانکہ مکھی خود نہایت کمزور وضعیف ہے مگر ان بتوں سے بہتر ہے کہ یہ ان سے چھین لے جاتی ہے لیکن وہ بت اس سے کچھ نہیں چھین سکتے۔ پس طالب و مطلوب دونوں کمزور ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ طالب سے مراد مکھی ہے جو اس چیز کی طلب گار ہوتی ہے جس کو وہ بت سے چھینتی ہے اور مطلوب سے مراد بت ہے جس سے مکھی طلب کرتی ہے۔ پس طالب کمزور ہے اور مطلوب بالکل ہی بے بس۔ ضحاک نے کہا کہ طالب سے مراد بت پرست اور مطلوب سے مراد بت ہے۔

پھر فرمایا کہ ان مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی ویسی تعظیم و تکریم نہیں کی جیسی ان کو کرنی چاہئے تھی۔ اسی لئے انہوں نے حقیر ترین چیزوں کو اس کی عبادت میں شریک قرار دے لیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے اس پر کوئی غالب نہیں۔ ان مشرکین کے معبود عاجز و بے بس ہیں۔ مکھی جیسی حقیر ترین مخلوق بھی ان پر غالب ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۷/۲۷۶۲۷۳، مظہری ۶/۳۴۹،۳۴۸)

اللہ کا پیغام پہنچانے والے

۷۵، ۷۶۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے پیغام پہنچانے کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ بیشک اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکوں نے کہا تھا۔

ءَ اُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا (سورۂ ص آیت ۸)

کیا ہماری جماعت میں سے اس (معمولی) شخص پر قرآن اتارا گیا (اور اس کو نبی بنایا گیا حالانکہ ہم میں بڑے بڑے سردار اور عزت والے موجود ہیں)

(مظہری ۶/۳۴۹)

تشریح: اختیار کامل اللہ ہی کے پاس ہے۔ وہ ملائکہ اور انسانوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنا پیغمبر منتخب کر لیتا ہے۔ فرشتے بھی اللہ کے قاصد ہیں جو اللہ کے احکام انبیا تک پہنچاتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ملائکہ میں سے پیغام پہنچانے والے، جبرائیل میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام وغیرہ ہیں، یہ فرشتے اللہ کا پیغام انبیا تک پہنچاتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے لئے منتخب کرتا ہے وہ لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے جو احکام ان پر نازل ہوتے ہیں وہ دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔ سب سے پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام تھے اور سب سے آخری رسول حضرت محمد مصطفٰے ﷺ ہیں۔ بیشک اللہ تمہارے اقوال کو سننے والا اور تمہارے افعال کو دیکھنے والا ہے۔ تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ان کے ماضی حال اور مستقبل سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رسالت کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔ (مظہری ۳۴۹، ۶/۳۵۰، ابن کثیر ۳/۲۳۵)

مومنوں کو عبادت کا حکم

۷۷، ۷۸ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

اے ایمان والو! رکوع اور سجود کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور بھلائی کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اللہ کے کام میں کوشش کرو جیسا کہ کوشش کرنے کا حق

ہے۔ اسی نے تمہیں منتخب کیا ہے اور اس نے تم پر دین میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی (یہی) تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اسی (اللہ) نے تمہارا نام پہلے سے مسلمان رکھا اور اس قرآن میں بھی تاکہ رسول تم پر گواہ بنے اور تم لوگوں پر گواہ بنو۔ سو تم نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ وہی تمہارا مولا ہے۔ پھر کیا ہی خوب مولا و مالک اور کیا ہی خوب مددگار ہے۔

تشریح: اے مومنو! اگر تم ہماری رضا اور خوشی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہمارے آگے جھکو، ہمارے ہی حضور میں پیشانی ٹیکو اور ہماری عبادت میں لگے رہو اور ہمارے ہی لئے بھلائی کے کام کرتے رہو تاکہ تم دنیا و آخرت میں فلاح پاؤ۔

اگر تم قرب اور رضا کے بلند مقام پر پہنچنا چاہتے ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کرو کہ جہاد کا حق ادا ہو جائے۔ اللہ نے تمہیں برگزیدہ اور منتخب کر لیا ہے اور دوسری امتوں پر تمہیں عزت و شرافت اور بزرگی و کرامت عطا فرمائی ہے۔ کامل رسول اور کامل شریعت سے تمہیں سرفراز فرمایا ہے۔ دین کے بارے میں اللہ نے تم پر کوئی تنگی اور سختی نہیں رکھی۔ اس نے تمہیں کوئی ایسا حکم نہیں دیا جو تمہاری طاقت سے باہر ہو۔ فرائض اور واجبات میں تمہیں طرح طرح کی رخصتیں اور سہولتیں دیں لہٰذا تم اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کو لازم پکڑو جو نہایت آسان ہے۔ اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے گذشتہ کتابوں میں بھی اور اس قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا جس کے معنی فرماں بردار کے ہیں۔ سو تم بھی فرماں بردار بندے بن کر دکھاؤ۔

دنیا میں یہ شرف و امتیاز اللہ نے تمہیں اس لئے عطا کیا تاکہ قیامت کے روز اللہ کا رسول تم پر گواہ ہو اور تم تمام امتوں پر گواہ بنو، سو تم نماز کو ٹھیک ٹھیک قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ وہی تمہارا آقا ہے لہٰذا اسی پر بھروسہ رکھو اور کسی پر نظر نہ کرو۔ فلاحِ دارین کا دارومدار اسی سے وابستگی اور تعلق پر ہے

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۸، ۵۹/ ۵، ابن کثیر ۲۳۶، ۲۳۷/ ۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ المؤمنون

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا مومنوں کے اوصاف سے ہوئی اس لئے اس سورت کا نام مؤمنون ہو گیا۔

تعارف: اس میں چھ رکوع ایک سو اٹھارہ آیتیں ۱۰۷۰ کلمات اور ۴۵۳۸ حروف ہیں۔

یہ سورہ بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ سورت کے شروع میں مومنوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ یہی اوصاف حقیقت میں ایمان کے اہم شعبے ہیں۔ اس کے بعد انسان کے مبدا اور معاد کا بیان اور سابقہ امم کے واقعات مذکور ہیں۔

یزید بن بابنوس سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ اے ام المؤمنین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق (اخلاق) کیسا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق تو قرآن ہے پھر حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تم سورۃ المؤمنون پڑھتے ہو؟ پھر خود فرمایا کہ پڑھ: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ. یہاں تک کہ جب وہ دس (آیتوں) تک پہنچے تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق یہ تھا۔

(الادب المفرد، حدیث نمبر ۳۰۸ مستدرک حاکم ۲/۴۲۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: رکوع کے شروع میں مومنون کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد تخلیق انسان کے مراحل اور آسمانوں کی تخلیق کا بیان ہے آخر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کے انعامات مذکور ہیں۔

رکوع ۲: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی حالت اور طوفان نوح کا بیان ہے۔

رکوع ۳: قوم عاد یا ثمود کا واقعہ، دیگر امم سابقہ کا ذکر اور آخر میں موسیٰ و ہارون اور ابن مریم علیہم السلام کے واقعات مذکور ہیں۔

رکوع ۴: اکلِ حلال اور عملِ صالح کی تاکید کے بعد مومنوں کی صفات کا ذکر ہے۔ پھر آخرت سے غفلت کا انجام اور متکبرین کی جہالت وگمراہی کا بیان ہے۔

رکوع ۵: اللہ کے انعامات اور اس کی حاکمیت کے بیان کے بعد توحید کے دلائل مذکور ہیں۔

رکوع ٦: آنحضرت ﷺ کو دعا کی تلقین، قیامت کا حال اور کفار کا اعتراف گناہ مذکور ہے۔ پھر کفار کی عذاب جہنم سے نجات پانے کی تمام امیدیں ٹوٹ جانے کا ذکر ہے۔ دنیا کی زندگی کی حقیقت اور کافروں کے باطل گمان کا بیان ہے۔

مومنوں کے اوصاف

۱-۱۱۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

بیشک ایمان والوں نے فلاح پالی۔ (یہ وہ ہیں) جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں اور جو لغو باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جو زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں بجز اپنی بیویوں یا لونڈیوں کے سو یقیناً ان پر کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو کوئی اس کے علاوہ (لذت نفس کے لئے) کچھ اور چاہے تو وہی (حد شرعی) سے تجاوز کرنے والے ہیں اور (مومن وہ ہیں) جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور (وہ بھی مومن

ہیں) جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ وارث ہیں جو فردوس کے وارث ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اَیمَانُھُمْ: ان کے داہنے ہاتھ۔

مَلُوْمِیْنَ: ملامت کئے ہوئے۔ لَوْمٌ سے اسم مفعول۔

العٰدُوْنَ: حد سے نکلنے والے۔ سرکش۔ عُدْوَانٌ سے اسم فاعل۔

رٰعُوْنَ: رعایت کرنے والے۔ خیال رکھنے والے۔ رِعایَۃٌ سے اسم فاعل۔

شانِ نزول: بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی نماز کے اندر اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھالیا کرتے تھے جب آیت مذکورہ نازل ہوئی (یعنی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ خٰشِعُوْنَ) تو وہ سجدہ گاہ پر نظر جمانے لگے۔ ابن ابی حاتم نے ابن سیرین کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نماز کے اندر آسمان کی طرف نظریں اٹھا لیتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۳۶۰)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے سات اوصاف بیان فرمائے ہیں کہ وہ مومن فلاح پا گئے جو:

۱۔ اپنی نمازوں کو خشوع وخضوع، یکسوئی اور نہایت سکون کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

۲۔ لغو اور بیکار باتوں سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

۳۔ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یعنی مالی حقوق میں کوتاہی نہیں کرتے۔

۴۔ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کسی اور جگہ اپنی شرمگاہوں کو استعمال نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں پر کسی قسم کا الزام اور ملامت نہیں۔ جو لوگ اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا کوئی اور راہ ڈھونڈتے ہیں تو وہی لوگ حد سے گزر جانے والے ہیں اور یہی لوگ قابلِ ملامت ہیں۔

۵۔ وہ اپنی امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں خواہ ان امانتوں کا تعلق اللہ سے ہو یا بندوں سے۔

۶۔ وہ اپنے عہدوں کی پوری پوری حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں۔ عہد کر کے اسے توڑتے نہیں بلکہ اس پر قائم رہتے ہیں۔ یہ لوگ امانت میں خیانت نہیں کرتے۔ آنکھ، کان اور دیگر اعضا سب اللہ کی امانتیں ہیں ان کو اللہ کے حکم کے خلاف استعمال کرنا امانت میں

خیانت کرنا ہے۔ اسی طرح شرمگاہوں کو بیوی اور شرعی باندی کے سوا دوسری جگہ استعمال کرنا بھی امانت میں خیانت ہے۔

۷۔ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ نمازوں سے غفلت نہیں کرتے بلکہ وہ ان پر قائم و ثابت رہتے ہیں اور ان کو پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

ایسے مومن جن میں یہ تمام صفات موجود ہوں فردوس کے وارث ہوں گے جو جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہاں موت آئے گی۔ اور نہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے۔ فلاح و کامیابی کا یہی بلند ترین مقام ہے۔

(روح المعانی ۲۔۱۲/ ۱۸، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۱۔۶۳/ ۵)

تخلیقِ انسانی کے مراحل

۱۲۔۱۶، وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا۝ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۝

یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر (خلاصے) سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو عَلَقَہْ (جما ہوا خون) بنا دیا۔ پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا بنا دیا۔ پھر اس گوشت کے ٹکڑے سے ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں کو گوشت پہنایا۔ پھر اس کو ایک نئی صورت میں (یعنی انسان) بنا دیا۔ سو بڑی برکت والا ہے اللہ جو سب سے بہتر پیدا کرنے والا ہے۔ پھر اس کے بعد تم سب کو یقیناً مرنا ہے۔ پھر یقیناً تم سب قیامت کے روز اٹھائے جاؤ گے۔

سُلٰلَةٍ: خلاصہ۔ سَتِ ہوئی۔ نچوڑی ہوئی۔

عَلَقَةً: جمے ہوئے خون کی ایک پھٹکی۔ گاڑھا خون۔

مُضْغَۃً : بوٹی۔ گوشت کا لوتھڑا۔ گوشت کا ٹکڑا۔

عِظٰماً : ہڈیاں۔ واحد عَظْمٌ۔

کَسَوْنَا: ہم نے پہنایا۔ کَسْوٌ سے ماضی۔

اَنْشَاْنٰہُ: ہم نے اس کو پیدا کیا۔ ہم نے اس کی پرورش کی اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں انسانی تخلیق کے مختلف مراحل بیان فرمائے ہیں کہ آدم کی اصل مٹی سے ہے۔ جو کیچڑ اور بجنے والی مٹی کی صورت میں تھی۔ سو اللہ نے آدم علیہ السلام کو روئے زمین کے خلاصے سے پیدا کیا اور باقی انسانوں کو نطفے سے۔ پھر ہم نے اس کو نطفہ بنا کر ایک محفوظ قرارگاہ (رحم) میں رکھا۔ پھر ہم نے اس نطفے کو جما ہوا خون بنا دیا اور پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا جس میں کوئی شکل اور بناوٹ نہیں ہوتی۔ پھر اس لوتھڑے کو سخت کر کے ہڈیاں بنا دیں اور سر، ہاتھ، پاؤں، رگ، پٹھے اور پیٹھ کی ہڈی وغیرہ بنا دیئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انسان کا تمام جسم گل سڑ جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے۔

پھر ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا جاتا ہے تاکہ وہ پوشیدہ اور قوی رہیں۔ پھر اس میں روح پھونک کر اس کو نئی صورت میں کھڑا کر دیا جاتا ہے جس سے وہ چلنے پھرنے اور حرکت کرنے کے قابل ہو جاتا ہے اور جاندار انسان بن جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ بہت بڑا بزرگ ہے اور سب خالقوں (صناعوں) سے بہتر ہے کہ کسی صناع کی صنعت اور کاری گری اس کی صنعت اور کاری گری کو نہیں پہنچ سکتی۔

پھر اس پیدائش کے کچھ عرصے بعد تم مر جاتے ہو۔ پھر قیامت کے دن حساب و کتاب کے لئے تمہیں اس مٹی سے زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ تمہاری پہلی پیدائش بھی مٹی سے ہوئی تھی پھر دوسری پیدائش بھی اسی مٹی سے ہوگی۔ پس جو ذات اجزائے نطفہ کو انسان بنانے پر قادر ہے وہ منتشر اجزا کو جمع کر کے اس میں دوبارہ جان ڈالنے پر بھی قادر ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۵، ۶۶/ ۵، ابن کثیر ۲۴۰، ۲۴۱/ ۳)

آسمانوں کی تخلیق

۱۷۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝

اور البتہ ہم نے تمہارے اوپر سات رستے بنائے اور ہم خلق (بنانے)

سے غافل نہ تھے۔

تشریح: انسان کی تخلیق کے مختلف مرحلے بیان کرنے کے بعد اس آیت میں آسمانوں کی تخلیق کا بیان ہے کہ اس نے تمہارے اوپر راستوں والے سات آسمان بنائے جو ایک دوسرے کے اوپر چڑھے ہوئے ہیں۔ اس میں فرشتوں کی آمد کے لئے راستے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے غافل اور بے خبر نہیں خواہ وہ زمین میں ہو یا آسمانوں میں۔ آسمانوں اور زمین کا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ جو چیز زمین میں جائے یا زمین سے نکلے اس کو سب کا علم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چیز آسمان سے اترے یا آسمان کی طرف چڑھے اس سے بھی وہ پوری طرح باخبر ہے۔ وہ ہر وقت اور ہر جگہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری ہر حرکت و سکون اور ایک ایک عمل کو دیکھ رہا ہے۔ آسمان کی بلند و بالا چیزیں، زمین کی پوشیدہ اشیا، پہاڑوں کی چوٹیاں، سمندروں کی تہ، سب اس کے سامنے ہے یہاں تک کہ کسی درخت کا کوئی پتہ بھی اگر گرتا ہے تو وہ بھی اس کے علم میں ہے۔ اور زمین کی تاریکیوں میں اگر کہیں کوئی دانہ چھپا ہوا ہے تو وہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ (ابن کثیر ۳/۲۴۲، روح المعانی ۱۸، ۱۸)

اللہ کی قدرتِ کاملہ اور انعامات

۱۸۔۲۲۔ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى
ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ
اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ
مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ
لَعِبْرَةً ۗ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

اور ہم نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کو زمین پر ٹھہرائے رکھا اور ہم اس کے لے جانے پر یقیناً قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس پانی سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے جن میں تمہارے لئے بہت سے میوے ہیں اور تم ان میں سے کھاتے (بھی) ہو۔

اور (زیتون کا) وہ درخت (بھی) جو طور سینا میں (بکثرت) پیدا ہوتا ہے۔
(ہم ہی نے پیدا کیا)۔ جو کھانے والوں کے لئے روغن اور سالن لئے ہوئے
اگتا ہے۔ اور تمہارے لئے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔ ہم تمہیں ان کے
پیٹ کی چیزوں میں سے (جدا کر کے دودھ) پلاتے ہیں اور تمہارے لئے
اس میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے (بعض کو) تم کھاتے
بھی ہو۔ اور تم ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی کئے جاتے ہو۔

نَخِیْلٍ: کھجور کے درخت۔

اَعْنَابٍ: انگور۔ واحد عِنَبٌ۔

الدُّھْنِ: تیل۔ چکنائی۔ جمع اِدْھَانٌ۔

صِبْغٍ: سالن۔ روٹی ڈبونا۔ جمع صِبَاغٌ۔

تشریح: یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت تام اور اس کا انعام عام ہے کہ وہ مخلوق کے لئے بقدر ضرورت آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے انسانوں اور حیوانوں کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ پھر وہ اس پانی کو زمین میں ٹھہرا دیتا ہے۔ بعض مقامات پر تو یہ پانی سطح زمین پر تالابوں اور جھیلوں کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے اور بعض جگہ یہ زمین کے اندر جذب ہو جاتا ہے، لوگ دونوں سے نفع اٹھاتے ہیں،

پھر فرمایا کہ جس طرح ہم اس پانی کے نازل کرنے پر قادر ہیں بلاشبہ اسی طرح ہم اس کو زائل کرنے پر بھی قادر ہیں۔ زائل کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہم اس کو خراب بھی کر سکتے ہیں کہ کسی کام نہ آئے اور بھاپ بنا کر اڑا بھی سکتے ہیں یا زمین کے اندر اتنی گہرائی تک پہنچا سکتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ نہ آئے۔

پھر ہم نے تمہارے لئے اس بارش کے پانی سے کھجوروں، انگوروں اور دیگر پھلوں کے باغات پیدا کر دیئے جن سے تمہیں بکثرت پھل حاصل ہوتے ہیں اور تم ان کو کھاتے ہو اور اسی پانی سے ہم نے تمہارے لئے زیتون کا درخت پیدا کیا جو طور سینا سے بکثرت اگتا ہے اسی درخت سے تیل حاصل ہوتا ہے جو کھانے والوں کے لئے سالن کا کام بھی دیتا ہے۔ یہ بڑا مبارک درخت ہے اور اس کے بے شمار فوائد ہیں۔

چوپائے جانوروں میں بھی تمہارے لئے عبرت اور نصیحت کا بڑا سامان ہے۔ اگر تم ان میں غور و فکر کرو تو اللہ کی قدرت اور اس کی نعمت کو سمجھ سکتے ہو۔ یہ اس کی عجیب قدرت ہے کہ وہ گوبر اور

خون کے درمیان سے تمہارے لئے ایک نہایت خوش ذائقہ اور لذیذ غذا نکالتا ہے جس میں گوبر اور خون کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوتی۔ ذرا غور تو کرو کہ اللہ کے سوا کون ایسا کر سکتا ہے۔ ان چوپایوں میں تمہارے لئے اور بھی فائدے ہیں مثلاً تم ان پر سواری کرتے ہو۔ ان سے بار برداری اور زراعت کا کام لیتے ہو اور ان سے گھی، گوشت اور اون حاصل کرتے ہو۔ اسی طرح تم کشتیوں پر چڑھے پھرتے ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ سو تم اپنے منعم حقیقی کو پہچانو۔
(مواہب الرحمٰن ۲۹، ۳۲/ ۱۸، مظہری ۳۷۳۔ ۶/۳۷۶)

حضرت نوح کا واقعہ

۲۳۔ ۲۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝

اور البتہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، سو اس نے (اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں۔ پھر اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا یہ تو تمہارے جیسا ہی انسان ہے۔ یہ تم پر فضیلت حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ (رسول بھیجنا) چاہتا تو یقیناً فرشتوں کو بھیجتا۔ ہم نے یہ بات اپنے باپ دادا سے کبھی نہیں سنی۔ پس یہ ایک دیوانہ آدمی ہے سو اس کا ایک (مقررہ) وقت تک انتظار کرو۔

جِنَّةٌ: جنون۔ سودا۔ دیوانگی۔

تَرَبَّصُوْا: تم انتظار کرو۔ تَرَبُّصٌ سے امر۔

حِيْنٍ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کو قوم کی طرف بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم میں جا کر اللہ کا پیغام پہنچایا کہ اے میری قوم تم اس اللہ کی عبادت کرو جو تمہارا خالق و مالک ہے اور وہی

عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو جو پوجتے ہو تو کہیں وہ اس شرک کی وجہ سے تمہیں دنیا و آخرت میں عذاب میں مبتلا نہ کر دے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی بات سن کو ان کی قوم کے کافر سردار کہنے لگے کہ یہ تو تم ہی جیسا ایک انسان ہے۔ نبوت کا دعویٰ کر کے یہ تم پر فضیلت اور برتری حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اللہ کو رسول بنانا منظور ہوتا تو وہ کسی فرشتے کو اتار دیتا۔ یہ تو عجیب بات ہے۔ ہم نے ایسی بات تو کبھی اپنے آباو اجداد سے بھی نہیں سنی۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس کو جنون ہو گیا ہے۔ اسی لئے کہتا ہے کہ صرف ایک معبود ہے۔ سو تم کچھ عرصے کے لئے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو اور انتظار کرو کہ یا تو یہ خود ہی مر جائے یا اس کا جنون دور ہو جائے۔ (مواہب الرحمٰن ۳۳،۳۴/ ۱۸، روح المعانی ۲۴۔ ۲۶/ ۱۸)

طوفانِ نوح

۲۶، ۳۰۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ فَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ ... سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ۝

(نوح نے) دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے اس (نوح) کی طرف وحی کی کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ پھر جب ہمارا حکم آئے اور تنور (زمین) سے پانی ابلنے لگے تو ہر قسم کا ایک ایک جوڑا اس (کشتی) میں رکھ لے اور اپنے اہل کو بھی مگر ان میں سے جس کے لئے (ڈوبنے کا) حکم ہو چکا ہے۔ اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات بھی نہ کرنا۔ بیشک وہ سب غرق ہونے والے ہیں۔ پھر جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر اطمینان سے بیٹھ جائیں تو کہنا کہ سب تعریف اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات دی

اور دعا کرنا اے میرے رب مجھے (کشتی سے) برکت کے ساتھ اتارنا اور تو
بہتر اتارنے والا ہے۔ یقیناً اس (قصے) میں بڑی نشانیاں ہیں اور بیشک ہم
آزمائش کرنے والے ہیں۔

فَارَ: اس (پانی) نے جوش مارا۔ وہ ابلنے لگا۔ فَوْرٌ سے ماضی۔

فَاسْلُکْ: پس تو داخل کر۔ تو ڈال۔ تو رکھ لے۔ سُلُوْکٌ سے امر۔

اِسْتَوَیْتَ: تو بیٹھ جائے، تو سوار ہو جائے۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: جب حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں اللہ تعالی سے دعا کی کہ اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر اور مجھے ان پر غالب کر اور ان پر وہ عذاب نازل فرما دے جس سے میں نے ان کو ڈرایا تھا۔

پس اللہ تعالی نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان پر وحی نازل کی کہ اب عنقریب طوفان آنے والا ہے اس لئے تم ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ تاکہ تم اور تمہاری اتباع کرنے والے اس کشتی میں سوار ہو کر غرق ہونے سے بچ جائیں۔ پھر جب ہمارا حکم یعنی عذاب آ جائے اور تنور سے پانی ابلنے لگے تو ہر جاندار کا ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لینا اور اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کر لینا سوائے ان لوگوں کے جن کی ہلاکت ان کے کفر کے باعث پہلے ہی طے ہو چکی ہے۔ اس میں نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان اور اس کی بیوی کی طرف اشارہ ہے جو سمجھانے کے باوجود کفر پر قائم رہے۔ نیز فرمایا کہ مجھ سے ان لوگوں کے بارے میں کوئی بات نہ کرنا جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا یقیناً وہ غرق کئے جانے والے ہیں۔ چنانچہ جب تنور سے پانی پھوٹ نکلا تو بیوی نے آ کر فوراً اطلاع دی اور آپ فوراً کشتی پر سوار ہو گئے۔

پھر جب تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ کشتی پر سوار ہو جاؤ تو کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالموں سے نجات دی جب کشتی سے اترنے لگو تو یہ کہنا کہ اے میرے رب! مجھے کشتی سے زمین پر بابرکت طریقے سے اتار اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا اور ٹھکانا دینے والا ہے۔ یقیناً حضرت نوح علیہ السلام کے اس واقعے میں بھی عبرت کی بڑی نشانیاں ہیں اور یہ نشانیاں بیان کر کے ہم تو اپنے بندوں کو آزمانے والے ہیں۔ (روح المعانی ۲۶۔ ۲۸/ ۱۸، مواہب الرحمٰن ۳۴۔ ۳۲/ ۱۸)

قومِ عاد یا ثمود کا واقعہ

۳۱۔۴۱، ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ
اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝
وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا
مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا
تُوْعَدُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ
بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ِۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ
بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ
لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ
فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر ان (نوح) کے بعد ہم نے دوسرا گروہ پیدا کیا۔ پھر ان میں بھی ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا کہ تم سب اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ کیا تم (شرک سے) نہیں ڈرتے۔ اور ان کی قوم کے سردار جو کفر کرتے تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے ان کو دنیوی زندگی میں خوشحالی (بھی) دی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تم جیسا ہی انسان ہے، وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کی تو بیشک تم خسارہ پانے والے ہو۔ کیا یہ (شخص) تم کو وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاؤ گے تو تم (پھر زندہ کر کے قبروں) سے نکالے جاؤ گے۔ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے وہ دور بہت دور ہے۔ بس زندگی تو ہماری دنیوی زندگی ہے کہ ہم مرتے اور جیتے

رہتے ہیں اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔ یہ تو وہ شخص ہے جس نے اللہ پر بہتان باندھا ہے اور ہم اس پر ایمان نہیں لائیں گے۔ رسول نے دعا کی اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر میری مدد کر، اللہ نے کہا یہ لوگ بہت جلد نادم ہوں گے۔ پھر ایک سخت آواز (عذاب) نے ان کو وعدہ برحق کے مطابق آ پکڑا۔ سو ہم نے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ سو ظالموں کے لئے (اللہ کی رحمت سے) دوری ہے۔

اَتْرَفْنٰا: ہم نے آسودگی دی۔ ہم نے عیش و آرام دیا، اِتْرَاف سے ماضی۔

هَيْهَاتَ: دور ہے۔ ناممکن ہے۔ کلمہ بعد ہے۔

غُثَآءً: خس و خاشاک۔ ریزہ ریزہ۔ وہ کوڑا کرکٹ جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جمع اَغْثَاءٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں بھی امم سابقہ کے ایک واقعے کا بیان ہے مگر یہ صراحت نہیں کہ یہ کس نبی یا کس قوم کا واقعہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ قوم ثمود کا واقعہ ہے۔ بغوی لکھتے ہیں اس واقعے سے قومِ عاد مراد لینا زیادہ مناسب ہے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد قومِ عاد ہی پیدا ہوئی جس کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا مگر واقعے سے اخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ (ان کو آ پکڑا ایک سخت چیخ نے) کے الفاظ آئے ہیں جن سے ظاہراً یہ قوم ثمود کا واقعہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ سخت چیخ سے وہی لوگ ہلاک ہوئے تھے۔ پس اگر یہاں قوم ثمود مراد لی جائے تو رسول سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہوں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قوم نوح کے بعد ہم نے آزمائش کے لئے دوسری قوم کو پیدا کیا۔ پھر ہم نے ان ہی میں سے ایک شخص کو پیغمبر بنا کر ان میں بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔ کیا تم اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے کہ بتوں کو پوجتے ہو۔ ان کی قوم کے کافر سردار جو قیامت کے آنے کو جھٹلاتے تھے اور جن کو دنیوی زندگی میں ہم نے خوشحال کر رکھا تھا، کہنے لگے کہ یہ شخص تمہارے جیسا ہی ایک آدمی ہے۔ جو تم کھاتے ہو یہ بھی وہی کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو یہ بھی وہی پیتا ہے۔ اگر تم اپنے جیسے آدمی کے کہنے پر چلے اور اس کے فرماں بردار بن گئے تو یقیناً تم خسارے میں رہو گے۔ کیا یہ تمہیں اس بات کا وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد خاک ہو جاؤ گے اور گوشت پوست کے بغیر تمہاری خالی ہڈیاں رہ جائیں گی تو تمہیں حساب و کتاب کے لئے دوبارہ زندہ

کر کے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ جو بات تم سے کہی جا رہی ہے اور جس چیز سے تمہیں ڈرایا جا رہا ہے۔ وہ تو عقل وفہم سے بہت ہی بعید ہے۔

عقل وفہم سے تو کچھ بھی دور نہیں حقیقت یہ ہے کہ جس نے ان کو پہلی دفعہ پیدا کیا وہ قیامت کے روز ان کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِىٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ (سورۂ یٰسٓ آیت ۷۹)۔

آپ کہہ دیجئے کہ ان مردہ ہڈیوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو اول مرتبہ پیدا کیا تھا۔

پھر وہ کہنے لگے کہ اس دنیوی زندگی کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سلسلہ زمانہ قدیم سے اسی طرح چلا آرہا ہے کہ ہم سب مرتے جیتے رہتے ہیں۔ اسی لئے ہم دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ شخص جو اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتا ہے محض جھوٹا ہے۔ اس نے اللہ پر جھوٹ بہتان باندھا ہے ہم اس کی بات کا یقین نہیں کریں گے۔

ان کی گفتگو سن کر اللہ کا پیغمبر ان کے ایمان لانے سے بالکل نا امید ہو گیا اور اللہ سے دعا کی کہ اے میرے رب! ان کے جھٹلانے پر تو میری مدد کر اور مجھے ان پر غالب کر۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اپنے پیغمبر کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بہت جلد اپنے کفر وتکذیب پر نادم ہوں گے۔ پھر مہلت پوری ہونے پر ایک زبردست چیخ نے ان کو آ پکڑا اور ہم نے ان کو خس وخاشاک کی طرح پامال کر دیا۔ جس طرح سیلاب خس وخاشاک کو بہا کر لے جاتا ہے اسی طرح عذاب الٰہی کا سیلاب ان نافرمانوں کو بہا کر لے گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے۔

(روح المعانی ۲۸۔۳۴/ ۱۸، مواہب الرحمٰن ۳۶۔۳۹/ ۱۸)

دیگر امم سابقہ کا واقعہ

۴۲۔۴۴۔ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝

پھر ان کے بعد ہم نے اور امتوں کو پیدا کیا۔ کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے

نہ آگے بڑھتی اور نہ وہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ پھر ہم پے در پے اپنے رسول بھیجتے
رہے۔ جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کو
جھٹلایا سو ہم بھی ایک کے بعد دوسرے کو (ہلاک) کرتے چلے گئے۔ اور ہم
نے ان کو (دنیا کے لئے سبق آموز) کہانیاں بنا دیا۔ پس (اللہ کی رحمت
سے) دوری ہے اس قوم کے لئے جو ایمان نہیں لاتی۔

تَسْبِقُ: وہ سبقت کرتی ہے۔ وہ آگے نکلتی ہے۔ سَبْقٌ سے مضارع۔

تَتْرَا: پے در پے۔ یکے بعد دیگرے۔ لگاتار۔

اَحَادِیْثُ: باتیں۔ قصے۔ واحد حدیثٌ۔

تشریح: پھر ان کے بعد ہم نے دوسری قومیں پیدا کیں۔ انہوں نے بھی رسولوں کی تکذیب کی اور مقررہ مدت پر ہلاک ہوئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ جس میں نہ کوئی تقدیم ہوئی اور نہ تاخیر۔ پھر ان کی ہدایت رہنمائی کے لئے ہم نے ان کے پاس پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے ہم نے کچھ قوموں کو پیدا کیا پھر ان کے پاس یکے بعد دیگرے پیغمبروں کو بھیجا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم نے ایک قوم کو پیدا کیا پھر اس کی ہدایت کے لئے ایک رسول کو بھیجا۔ پھر دوسری قوم پیدا کی اور اس کی ہدایت کے لئے ایک دوسرا نبی بھیجا۔ اسی طرح بہت سی قومیں اور ان کے نبی بھیجے۔

جب بھی کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ سو ہم نے بھی ہلاکت و بربادی میں ان امتوں کو ایک ایک کر کے ہلاک کر دیا اور ان کے واقعات کو بعد والوں کے لئے قصے کہانیاں بنا دیا۔ وہ لوگ تو ختم ہو گئے اور عبرت کے لئے ان کی داستانیں باقی رہ گئیں۔ پس ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوئے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان نہیں لائے۔

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا واقعہ

۴۵۔۴۹، ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۝ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ
لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ
الْمُهْلَكِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے طرف بھیجا۔ پس انہوں نے تکبر کیا اور وہ تو تھی ہی ایک سرکش قوم۔ پھر انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنے جیسے دو شخصوں پر ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہماری غلام ہے۔ پس وہ (قوم فرعون) بھی ان کی تکذیب ہی کرتے رہے سو وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے۔ اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی تا کہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔

تشریح: پھر ہم نے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام کو اپنی نشانیاں اور واضح دلائل دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انہوں نے بھی اپنے نبیوں کی تکذیب اور مخالفت کی اور ایمان لانے سے تکبر کیا۔ وہ سرکش لوگ تھے اس لئے حق کے سامنے جھکنے پر تیار نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں حالانکہ ان کی قوم کے تمام لوگ ہمارے غلام اور خدمت گزار ہیں۔ اس غرور کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو جھوٹا قرار دیا اور وہ ہلاک شدہ لوگوں میں سے ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ایک ہی دن بحر قلزم میں غرق کر دیا۔

پھر فرمایا اہل فرعون کی غرقابی کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کی تا کہ بنی اسرئیل احکام شریعت میں اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کریں اور اس پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ تک پہنچیں۔

ابن مریم کا واقعہ

۵۰۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے مریم کے بیٹے اور اس کی ماں کو (قدرت کی) نشانی بنا دیا تھا۔ اور ان دونوں کو ایک ایسی بلند زمین پر لے جا کر پناہ دی جو ٹھہرنے کے قابل تھی اور جس میں پانی کا چشمہ تھا۔

رَبْوَةٍ : بلندی۔ ٹیلا۔ جمع رُبیٰ و رُبیٌّ۔

مَعِينٍ : بہتا ہوا۔ آب رواں۔ جاری چشمہ۔ عَیْنٌ و مَعْنٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کو اپنی قدرت کاملہ کے اظہار کی ایک زبردست نشانی بنایا۔ نشانی سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو باپ کے بغیر پیدا کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے ابن مریم کو نشانی بنایا کہ انہوں نے شیر خوارگی میں جب کہ وہ پالنے میں تھے بات کی اور ماں کی پاک دامنی ظاہر کی اور ان سے دوسرے معجزے ظاہر ہوئے۔ ان کی ماں حضرت مریم کو بھی نشانی بنایا کہ مرد کی قربت کے بغیر ان سے بچہ پیدا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ حضرت آدم کو مرد اور عورت کے بغیر پیدا کیا۔ حضرت حوا کو عورت کے بغیر صرف مرد سے پیدا کیا۔ حضرت عیسیٰ کو مرد کے بغیر صرف عورت سے پیدا کیا۔ باقی تمام انسانوں کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ان دونوں کو ایک بلند اور اونچی زمین پر ٹھکانہ دیا جو سرسبز و شاداب اور ٹھہرنے کے قابل تھی، جہاں پانی کے چشمے جاری تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ربوۃ سے مراد رملہ ہے جو فلسطین میں ہے۔
حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ربوۃ سے مراد بیت المقدس ہے۔ قتادہ اور کعب کا بھی یہی قول ہے۔
سدی کے نزدیک فلسطین کی سرزمین ہے۔ ابن زید کے نزدیک مصر مراد ہے۔ تاریخی حیثیت سے یہ قول زیادہ قوی ہے کہ بادشاہ ہیرودوس جب حضرت عیسیٰ کے قتل کے در پے ہوا تو حضرت مریم ان کو لے کر مصر چلی گئی تھیں۔ (مظہری ۳۸۴/۶، روح المعانی ۳۷۔۳۹/۱۸)

اکل حلال اور عمل صالح کی تاکید

۵۱۔۵۶۔ یٰٓاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلِیْمٌ ۝ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ فَتَقَطَّعُوْٓا
اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ
حَتّٰی حِیْنٍ ۝ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِیْنَ ۝ نُسَارِعُ
لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ۝

اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور نیک عمل کرتے رہو۔ جو کچھ تم (نیک کام) کرتے ہو، میں اس سے بخوبی واقف ہوں اور البتہ تمہارا یہ گروہ ایک ہی (خدائی) گروہ ہے۔ اور میں ہی تم سب کا رب ہوں، سو تم مجھ ہی

سے ڈرو۔ پھر لوگوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا۔ ہر گروہ اسی پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔ پس آپ بھی ایک مدت تک ان کو ان کی غفلت میں پڑا رہنے دیجئے۔ کیا وہ گمان کر رہے ہیں کہ ہم انکے مال اور اولاد کو بڑھا رہے ہیں۔ ہم ان کے لئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (ہرگز نہیں) بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔

زُبُراً : ٹکڑے ٹکڑے۔ پارہ پارہ۔

حِزْبٍ : گروہ۔ جماعت۔ جمع اَحْزَابٌ۔

لَدَیْھِمْ : ان کے پاس۔

غَمْرَتِھِمْ: ان کی جہالت۔ ان کی غفلت۔

نُمِدُّھُمْ: ہم ان کو کھینچتے ہیں۔ ہم ان کی امداد کرتے ہیں۔ اِمْدَادٌ سے مضارع۔

تشریح: ہر زمانے کے پیغمبروں اور ان کے ذریعے ان کی امتوں کو حلال و پاکیزہ چیزیں کھانے اور شریعت کے مطابق اعمال بجالانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ بیشک میں تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہوں۔ اس حکم میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ کھانا پینا نبوت کے منافی نہیں۔ جیسا کہ کفار عام طور پر انبیا کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ تو ہماری ہی طرح کا انسان ہے ہماری ہی طرح کھاتا پیتا ہے۔ اس کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں، ہم اس پر ایمان کیوں لائیں اور اس کی اطاعت کیوں کریں۔

پھر فرمایا اے پیغمبرو! یقیناً تمہاری ملت ایک ہی ملت ہے۔ تمہارا دین بھی ایک ہی دین ہے۔ ہر ملت میں توحید، تقوٰی، اکل حلال اور نیک اعمال ہی کا حکم ہے۔ میں ہی تمہارا رب ہوں سو تم مجھ ہی سے ڈرو اور میری ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ کرو اور نہ میری نافرمانی کرو۔

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے پاس انبیا کو بھیجا تھا۔ انہوں نے پیغمبروں کے بعد دین میں تفرقہ ڈال کر اللہ کے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور ہر ایک نے اپنا دین الگ بنالیا، ہر فرقہ اس دین پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے اور سمجھتا ہے کہ وہی حق پر ہے باقی سب گمراہ ہیں۔

اے نبی ﷺ! آپ کو ان جاہلوں سے جھگڑنے کی ضرورت نہیں، آپ تو ایک خاص وقت تک، جو ان کی تباہی و بربادی کے لئے مقرر ہے، ان کو اسی جہالت میں رہنے دیجئے۔ کیا یہ منکرین یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مال و اولاد ان کو دے رہے ہیں وہ ان کے اعمال کا بدلہ ہے اور ان کی بھلائی

اور نیکی کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہے۔ ہر گز ایسا نہیں ہے۔ جو کچھ ہم ان کو دنیا میں دے رہے ہیں وہ بہت تھوڑی سی مہلت ہے۔ لیکن یہ لوگ بے شعور ہیں، سمجھتے ہی نہیں۔

(ابن کثیر ۲۴۶، ۲۴۷/۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷۵،۷۶/۵)

مومنوں کی صفات

۵۷۔۶۱، إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝

بیشک وہ اپنے رب کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ جو کچھ دے سکتے ہیں (اللہ کی راہ میں) دیتے رہتے ہیں اور ان کے دل (اس بات سے) خوف زدہ رہتے ہیں کہ ان کو لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہے۔ یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہی ان (اعمال صالحہ کی طرف) سبقت کرنے والے ہیں۔

مُشْفِقُوْنَ: ڈرنے والے۔ اشفاق سے اسم فاعل۔

وَجِلَةٌ: ڈرنے والی۔ خوف زدہ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے خیرات اور اعمال صالحہ میں مسارعت و مسابقت کرنے والوں کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔

۱۔ وہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کے باوجود ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں۔ حسن بصری کہتے ہیں کہ مومن نیکی کرتا اور ڈرتا رہتا ہے۔ اور منافق بدی کر کے بے فکر ہوتا ہے۔

۲۔ وہ اپنے رب کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں یعنی خالص ایمان و توحید پر قائم رہتے ہیں۔

۳۔ وہ اتنے مخلص ہیں کہ اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے۔ وہ ہر عمل صدق و اخلاص سے کرتے ہیں۔

۴۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ کی راہ میں دینے کے بعد بھی اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں نامقبول نہ ہو جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے: والذین یؤ تون ما اتو وقلوبھم وجلۃ کے متعلق دریافت کیا اور عرض کیا، کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں۔ اے صدیق کی بیٹی بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے ہیں۔ نماز یں پڑھتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں اور پھر بھی ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کی اطاعت نامقبول نہ ہو جائے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو بھلائیوں میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔
(ترمذی ۵/۱۱۸، رقم ۳۱۸۶، ابن ماجہ ۴/۴۹۷، رقم ۴۱۹۸)

آخرت سے غفلت کا انجام

۶۲۔۶۷، وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ۝ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝

اور ہم کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے۔ جو حق کے ساتھ بولتی ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ان (کافروں) کے دل اس (دین حق کی) طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور اس کے علاوہ بھی ان کے اعمال (بد) ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے مالداروں کو عذاب میں پکڑ لیا تو فوراً چلا اٹھیں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) آج مت چلاؤ۔ یقیناً ہمارے مقابلے پر تمہاری (کوئی) مدد نہ کی جائے گی۔ البتہ میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں پھر بھی تم الٹے پاؤں بھاگتے تھے۔ تکبر کرتے ہوئے اس کو (قصہ) کہانی سمجھ کر (چھوڑ کر) چلے جاتے تھے۔

مُتْرَفِیْهِمْ: ان کے خوشحال۔ اِتْرَاف سے اسم مفعول۔
یَجْئَرُوْن: وہ گڑگڑاتے ہیں وہ چلاتے ہیں۔ جُؤَارٌ سے مضارع۔

اعقابکُمْ: تمہاری ایڑیاں۔ واحد عقبٌ۔

تنکصُوْن: تم پھر جاتے ہو۔ تو بھاگتے ہو۔ نُکُوْصٌ سے مضارع۔

سمِرًا: افسانہ گو۔ کہانی کہنے والا۔ سمْرٌ وسُمُوْرٌ سے اسم فاعل۔

تھجُرُوْن: تم ہجرت کرتے ہو۔ تم چھوڑتے ہو۔ ھَجْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے شریعت آسان رکھی ہے۔ اس نے ایسے احکام نہیں دیئے جو انسان کی برداشت سے باہر ہوں۔ تمام شرعی احکام انسان کی وسعت کے مطابق ہیں۔ قیامت کے روز وہ ان کے اعمال کا حساب لے گا جو سب کے سب ایک کتاب میں لکھے ہوئے ہیں، یہ کتاب ایک ایک عمل کے بارے میں صحیح صحیح بتائے گی۔ کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔ نہ کسی کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی اور نہ کسی کے گناہوں میں زیادتی۔ یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے یا اعمال ناموں کا رجسٹر۔

کفار و مشرکین دین کی طرف سے غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ کفر و شرک اور قرآن کے انکار کے علاوہ بھی ان کے برے اعمال ہیں جن کو یہ کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اسی طرح شک و غفلت میں پڑے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے مالدار اور خوشحال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو وہ فوراً چلا اٹھیں گے اور گریہ وزاری کریں گے۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ آج چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں۔ اب ہماری طرف سے تمہاری کوئی مدد نہ ہوگی اور ہماری مدد کے بغیر تم عذاب سے چھٹکارا بھی نہیں پا سکتے، جب تمہیں میری آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو تم اظہار نفرت کرتے ہوئے الٹے پاؤں بھاگ جاتے تھے، تکبر کرتے تھے۔ قرآن اور صاحب قرآن کی شان میں بیہودہ بکتے تھے۔ ایسے لوگوں کا عذاب سے بچنا محال ہے۔ (ابن کثیر ۲۴۸۔ ۳/۲۴۹، مواہب الرحمٰن ۵۰، ۱۸/۵۱)

متکبرین کی جہالت و گمراہی

۶۸۔۷۷ اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ یَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۶۸﴾
اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ
بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ
لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ
ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیْرٌ ۖۗ وَّ هُوَ خَیْرُ

الرّٰزِقِیْنَ ۝ وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ
لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ
مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا
اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا یَتَضَرَّعُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ
شَدِیْدٍ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝

کیا انہوں نے اس بات میں تدبر نہیں کیا۔ کیا ان کے پاس کوئی ایسی (نئی) بات پہنچی تھی جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہ پہنچی تھی۔ کیا انہوں نے اپنے رسولوں کو نہیں پہچانا تھا، اس لئے وہ ان کے منکر ہو گئے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس (نبی ﷺ) کو جنون ہے؟ (ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی) بلکہ وہ (رسول) تو ان کے پاس حق (بات) لایا تھا۔ اور ان میں سے اکثر (لوگ) تو حق سے نفرت ہی رکھتے تھے۔ اور اگر حق ان کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز درہم برہم ہو جاتی، بلکہ ہم نے تو ان کو ان کی نصیحت پہنچا دی۔ پھر بھی وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑتے رہے۔ (اے نبی ﷺ) کیا تو ان سے کوئی اجرت چاہتا ہے۔ پس تیرے رب کی اجرت بہت بہتر ہے اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔ یقیناً آپ تو انہیں سیدھے راستے کی طرف بلا رہے ہیں اور بے شک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور ان کی تکلیف کو دور کر دیں تب بھی وہ بہکے ہوئے اپنی سرکشی میں لگے رہیں گے، اور البتہ ہم نے ان کو عذاب میں بھی پکڑا پھر بھی نہ تو وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیا تو وہ فوراً اس میں ناامید ہو گئے۔

خَرْجًا: آمدنی۔ معاوضہ۔ محصول۔ مال۔ جمع خَرَاجٌ۔

لَنٰكِبُوْنَ: البتہ پھر جانے والے۔ البتہ مڑ جانے والے۔ نَكْبٌ سے اسم فاعل۔

لَجُّوْا: انہوں نے اصرار کیا۔ وہ اڑے رہے۔ وہ جمے رہے۔ لجاجٌ ولجۃٌ سے ماضی۔
یعمھُوْن: وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ عَمْہٌ سے مضارع۔
استکانُوْا: وہ دب گئے۔ انہوں نے عاجزی کی۔ اِسْتِکَانَۃٌ سے ماضی۔
یتضرَّعُوْن: وہ تضرع کرتے ہیں۔ وہ عاجزی کرتے ہیں۔ وہ گڑگڑاتے ہیں۔ تضَرُّعٌ سے مضارع۔
مُبْلِسُوْن: حیرت زدہ۔ ناامید۔ مایوس۔ اَبْلَاسٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کیا ان لوگوں نے کلام الٰہی میں غور و فکر نہیں کیا جو محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے۔ اور آپ ﷺ کی نبوت و رسالت کی روشن دلیل ہے۔ یہ سب سے اکمل و اشرف اور افضل کتاب ہے۔ ان کے باپ دادا جاہلیت میں مرے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نہ کوئی اللہ کی کتاب تھی اور نہ ان کے پاس کوئی پیغمبر آیا تھا۔ ایسے حالات میں ان کو چاہئے تھا کہ اللہ کی کتاب کی قدر کرتے اور دن رات اس پر عمل کرتے جیسا کہ ان میں سے کچھ سمجھدار لوگوں نے کیا کہ وہ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے اپنے اعمال سے اللہ کو راضی کر لیا۔

کیا یہ لوگ محمد ﷺ کو نہیں جانتے۔ کیا ان کو آپ کی صداقت، امانت اور دیانت معلوم نہیں حالانکہ آپ ان ہی میں پیدا ہوئے، ان ہی میں پلے اور بڑے ہوئے۔ آج یہ آپ کو جھوٹا کیوں کہتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے یہ آپ کو سچا کہتے تھے اور انہوں نے آپ کو صادق و امین کے القاب دیئے تھے۔

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو جنون ہے یا انہوں نے قرآن اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ آپ کو جنون ہے اور نہ آپ نے قرآن اپنی طرف سے گھڑا بلکہ ان کے دل ایمان سے خالی ہیں اسی لئے یہ ایسی باتیں کہتے ہیں۔ قرآن تو ایسا بے مثال کلام ہے کہ ساری دنیا اس کی نظیر سے عاجز ہے۔ آج تک کوئی تنہا آدمی یا کوئی جماعت بلکہ سارے کافر مل کر بھی اس کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل نہیں بنا سکے اور نہ قیام قیامت تک کوئی ایسا کر سکے گا۔ یہی اس کے سچ اور حق ہونے کی کافی دلیل ہے۔ یہ مشرکین و منکرین حق سے اس لئے متنفر اور بیزار ہیں کہ وہ ان کی نفسانی خواہشوں اور طبعی آرزوؤں کے خلاف ہے۔ اگر بالفرض حق ان کی مرضی کے تابع ہو جائے تو آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب تباہ و برباد ہو جائیں۔

ہم نے ان کو ایسی کوئی چیز نہیں دی جو ان کی تباہی اور بربادی، کا سبب بنے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی نصیحت کی چیز لائے ہیں مگر وہ اس سے بھی منہ موڑ رہے ہیں۔ آپ ان سے کسی معاوضے

کے طلب گار نہیں کہ یہ لوگ تاوان ادا کرنے کے ڈر سے ایمان لانے میں تامل کریں یا تبلیغ رسالت پر آپ سے اجرت چاہتے ہیں۔ ان کو جان لینا چاہئے کہ ان کی اجرت اور ان کے مال و دولت کی کوئی وقعت نہیں۔ آسمان و زمین کے خزانے اللہ کے اختیار میں ہیں۔ اس کی عطا کردہ اجرت اور معاوضہ سب سے بہتر ہے اور وہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

یقیناً آپ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلاتے ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سیدھے راستے سے انحراف کر کے گمراہی کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اگر ہم ان پر مہربانی کر دیتے اور ان کی قحط کی تکالیف کو دور کر دیتے، تب بھی یہ احسان مند ہونے کی بجائے سرکشی میں بڑھتے رہتے۔ البتہ بعض اوقات ہم نے ان کو مصیبتوں اور سختیوں میں بھی پکڑا پھر بھی وہ سرکش اپنے رب کی طرف نہ جھکے اور نہ انہوں نے عاجزی اختیار کی بلکہ وہ اپنے کفر و عناد پر جمے رہے یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر ایک سخت عذاب کا دروازہ کھولا تو وہ فوراً بھلائی سے مایوس ہو گئے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۰۔۸۲/ ۵، مواہب الرحمٰن ۵۲۔۵۸/ ۱۸)

دلائلِ قدرت

۷۸۔۸۳۔ وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۝ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے (پھر بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور (قیامت کے روز) تم اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے اور وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور وہی رات اور دن کا بدلنے والا ہے۔ کیا تمہیں عقل نہیں؟ بلکہ انہوں نے بھی ویسی ہی بات کہی جو پہلے لوگوں نے

کہی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا پھر بھی ہم زندہ کئے جائیں گے البتہ یہ وعدہ (حشر کچھ نہیں) یہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے ہی سے ہوتا چلا آیا ہے، یہ تو محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

اَفْئِدَة: دل، قلوب۔ واحد فُؤاد۔

ذَرَاَكُمْ: اس نے تم کو پیدا کیا۔ اس نے تم کو پھیلایا۔ ذرءٌ سے ماضی۔

تُحْشَرُوْنَ: تم جمع کئے جاؤ گے۔ تم اکٹھے کئے جاؤ گے۔ حشرٌ سے مضارع مجہول۔

تُرَابًا: مٹی۔ خاک۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھو کہ اس نے تمہیں کان دیئے، آنکھیں دیں۔ دل دیئے اور عقل و فہم عطا کی تاکہ تم اس کی وحدانیت اور اختیار و قدرت میں فکر کر سکو اور دینی و دنیوی منافع حاصل کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں یہ اعضا عطا نہ فرماتا تو تم نہ تو سن سکتے اور نہ دیکھ سکتے اور نہ سمجھ سکتے۔ ایسی عجیب و غریب نعمتیں ملنے کے باوجود تم اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

پھر فرمایا کہ اس نے مخلوق کو پیدا کر کے وسیع و عریض زمین پر پھیلا دیا۔ قیامت کے روز وہ ادھر ادھر پھیلے ہوئے لوگوں کو سمیٹ کر اپنے پاس جمع کرے گا۔ اب بھی اسی نے پیدا کیا ہے اور قیامت کے روز بھی وہی زندہ کرے گا۔ اس لئے کہ زندگی اور موت سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے زندگی عطا کر دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے زندگی واپس لے لیتا ہے۔ اسی کے حکم سے دن اور رات کا گھٹنا اور بڑھنا ہے اور اسی کے ارادے اور اختیار سے دن اور رات کا روشن اور تاریک ہونا ہے۔ کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ اتنی بڑی بڑی اور واضح نشانیوں کو دیکھ کر بھی قیامت اور حشر ونشر کا انکار کرتے ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے بھی عقل و فہم سے کام نہیں لیا بلکہ وہی بات کہی جو ان سے پہلے گزشتہ اقوام کے کافروں نے کہیں تھی کہ جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ پھر کافر کہنے لگے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا سے بھی کیا جاتا رہا مگر وہ اب تک پورا نہیں ہوا۔ ہم نے آج تک کسی کو مرنے کے بعد زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ سو ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ تو گزشتہ لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں۔ (مظہری ۳۹۶، ۶/۳۹۷، ابن کثیر ۲۵۲/۳)

اللہ کی حاکمیت

۸۴۔۹۰۔ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ
الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۚ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ
لِلّٰهِ ۚ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

(اے نبی ﷺ) آپ ان سے پوچھئے کہ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ کہ) یہ زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ وہ فوراً کہیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ آپ ان سے پوچھئے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟۔ وہ فوراً کہیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ آپ (ان سے) پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔ وہی پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ فوراً کہیں گے کہ (یہ سب) اللہ کا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ پھر تم کہاں سے سحر کئے جاتے ہو؟ بلکہ ہم نے تو ان کے پاس حق بات پہنچا دی اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔

ملکُوتْ: اختیار کامل۔ حقیقی حکومت۔

یُجِیْرُ: وہ حفاظت کرتا ہے۔ وہ پناہ دیتا ہے۔ اِجارَۃٌ سے مضارع۔

تُسْحَرُوْن: تم سحر کئے جاتے ہو۔ سحرٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آپ ان مشرکوں سے پوچھئے کہ یہ زمین اور جو مخلوق اس میں آباد ہے وہ کس کی ملک ہے۔ کون اس کا خالق و مالک اور اس کا بنانے والا ہے اگر تم جانتے ہو۔ وہ مجبور ہو کر اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ زمین اور اس کی تمام مخلوق اللہ ہی کی ملک ہے۔ اسی نے اس کو پیدا کیا ہے۔ جب وہ یہ اقرار کرلیں تو پھر آپ ان سے کہیے کہ جب سب کچھ اللہ ہی کا ہے تو پھر تم اس بات پر

غور کیوں نہیں کرتے کہ جس نے زمین اور اس کی تمام مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا وہ ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگا۔

اے نبی ﷺ! آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ سات آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے۔ وہ اس کے جواب میں بھی یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے۔ آپ ان سے کہئے کہ جب تم اقرار کرتے ہو کہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک و خالق اللہ تعالیٰ ہے تو پھر تم اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے اور اس کو دوبارہ زندہ کرنے سے عاجز کیوں سمجھتے ہو۔ جس کی قدرت کی یہ شان ہو اس کے لئے دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہے۔

آپ ان سے یہ بھی پوچھئے کہ ہر چیز کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔ اور وہی جس کو چاہتا ہے پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا، اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ۔ اس کے جواب میں بھی وہ یہی کہیں گے کہ یہ سب قدرت و حکمت اللہ ہی کی ہے۔ پھر آپ ان سے پوچھئے کہ جب تم ان سب باتوں کا اقرار کرتے ہو تو ان واضح دلائل کے بعد تمہاری عقلیں کہاں چلی گئیں کہ تم اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۸۴، ۸۵/ ۵، مظہری ۹۸، ۹۹/ ۶)

توحید کے دلائل

۹۱، ۹۲۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

اللہ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی مخلوق کو لئے لئے پھرتا اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنا چاہتا۔ جو جو باتیں یہ بناتے ہیں اللہ ان سب سے پاک ہے۔ وہ غائب اور حاضر سب کا جاننے والا ہے پس یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں وہ اس سے بالاتر ہے

تشریح: خوب سمجھ لو کہ اللہ ایک ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا حق ہے اور یہ سابقہ لوگوں کے من گھڑت قصے نہیں بلکہ ہم نے ان کو سچی بات پہنچائی ہے اور یہ مشرکین یقیناً جھوٹے ہیں جو اللہ کے

لئے شریک اور اولاد ٹھیراتے ہیں حالانکہ نہ کوئی اس کا بیٹا ہے اور نہ بیٹی اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے۔ اگر بالفرض کوئی دوسرا خدا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو جدا کر لیتا اور ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے پاک ہے جو یہ مشرکین اس کی شان میں کرتے ہیں۔ وہ تو غیب اور حاضر سب کو جاننے والا ہے۔ کوئی ذرہ تک اس سے پوشیدہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے جس کو وہ اس کا شریک بتاتے ہیں۔ (معارف القرآن از مولانا ادریس کاندھلوی ۵/۸۶، مظہری ۶/۳۹۹)

دعا کی تلقین

۹۳۔۱۰۰ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝

وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ

وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝

(اے نبی ﷺ) آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب اگر تو مجھے وہ عذاب دکھا دے جس کا ان (منکروں) سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اے میرے رب مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے اور یقیناً جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں ہم (اس پر) قادر ہیں (کہ وہ آپ کو بھی دکھا دیں) آپ ﷺ برائی کو ایسے برتاؤ سے دور کیجئے جو سراسر اچھا ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ (آپ کے بارے میں) بیان کرتے ہیں۔ اور آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے میرے رب میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (شیاطین) میرے پاس آئیں۔ (وہ تو اسی حال میں رہیں گے) یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آ جائے تو کہنے لگے کہ اے میرے رب مجھے (دنیا میں) پھر بھیج دے تا کہ میں اپنی چھوڑی ہوئی دنیا میں جا کر نیک اعمال کروں۔ ہر گز

نہیں ۔ یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہے ہیں اور ان کے پس پشت تو ایک حجاب ہے ان کے دوبارہ زندہ ہونے کے دن تک۔

همزات: وسوسے۔ برے خیالات۔

ورائهم ان کے آگے۔ان کے سامنے۔

برزخ: پردہ۔آڑ۔ جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو اس کو برزخ کہتے ہیں۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! اگر تو میری زندگی میں مجھے وہ عذاب دکھائے جس کا ان کافروں سے وعدہ کیا جارہا ہے تو مجھے اس عذاب سے محفوظ رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یقیناً ہم اس پر قادر ہیں کہ جس عذاب کا ہم ان کافروں سے وعدہ کر رہے ہیں وہ آپ کو آپ کی زندگی میں دکھا دیں لیکن جب تک ان پر عذاب نہ آئے اس وقت تک آپ ان کی بدی اور برائی کا بہت اچھے طریقے سے مقابلہ کیجئے یعنی برائی کرنے والے کے ساتھ بھلائی کیجئے اور ان کی ایذا کو صبر و تحمل سے برداشت کیجئے۔ ہم خوب جانتے ہیں وہ بیہودہ باتیں جو یہ لوگ آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ شیطان کے ضرر سے بچنے کے لئے آپ یہ دعا کریں کہ اے میرے رب میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ لیتا ہوں اور اس بات سے بھی کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے کوئی نقصان پہنچائیں۔

کافر اسی طرح اپنے کفر و عناد پر قائم رہیں گے یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آجاتی ہے تو اس وقت وہ نادم ہو کر کہتا ہے کہ اے میرے رب! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں وہاں جا کر نیک کام کروں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا یہ تو ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ اگر بالفرض اس کو دنیا میں واپس بھیج بھی دیا جائے تب بھی وہ وہی کرے گا جو اب تک کرتا رہا۔

اس کے بعد ایک عالم برزخ ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان ایک آڑ ہے۔ برزخ میں پہنچ کر ان پر عذاب شروع ہوگا۔ جو آخرت کے عذاب کا ایک نمونہ ہوگا اور برزخ کا عذاب قیامت تک جاری رہے گا۔

(مواہب الرحمٰن ۶۸۔۳/۱۸،۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۸۸، ۵/۸۹)۔

قیامت کا احوال

۱۰۴،۱۰۱۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ۝
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ۝

پھر جب پھونکا جائے گا تو اس (قیامت کے روز) نہ تو آپس کے رشتے رہیں گے اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔ پھر جن کا وزن ا(اعمال) بھاری ہوگا تو وہی فلاح پانے والے ہوں گے۔ اور جن کا وزنِ (اعمال) ہلکا ہوگا تو وہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا۔ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان کے چہروں کو آگ جھلستی رہے گی اور وہ اس میں بدشکل ہو رہے ہوں گے۔

نُفِخَ: وہ پھونکا گیا۔ نَفْخٌ سے ماضی مجہول۔

اَلصُّوْرِ: صور۔ سینگ۔

ثَقُلَتْ: وہ بھاری ہوئی۔ ثِقَلٌ سے ماضی۔

تَلْفَحُ: وہ جلا دے گا۔ وہ جھلس دے گا۔ لَفْحٌ سے مضارع۔

كٰلِحُوْنَ: بدشکل و بدوضع لوگ۔ منہ بسورنے والے۔ كَلَاحٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: عالم برزخ کے بعد جب قیامت قائم ہوگی اور دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو مردے قبروں سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہو جائیں گے، اس دن لوگوں کے درمیان کسی قسم کا رشتہ باقی نہیں رہے گا اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔ نہ باپ کو اولاد پر شفقت ہوگی اور نہ اولاد کو باپ کا غم ہوگا۔ عجیب نفسانفسی کا عالم ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ۝ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ

(سورۃ عبس آیات ۳۴، ۳۶)

اس دن آدمی اپنے بھائی سے، اپنی ماں سے، اپنے باپ سے، اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے بھاگتا پھرے گا۔

عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول آیا ہے کہ یہاں نفخہ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔

ابن المنذر، ابن المبارک، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابونعیم اور ابن عساکر نے ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالی اگلوں اور پچھلوں کو جمع کرے گا۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا کہ یہ فلاں ابن فلاں ہے۔ پس جس کسی کا کوئی حق اس کی طرف ہو تو وہ اپنا حق لینے آ جائے، اس وقت جس شخص کا اپنے باپ یا بیٹے یا بھائی پر کوئی حق ہوگا اور اگر چہ وہ تھوڑا سا ہو تو وہ خوش ہوگا۔ اس کے بعد ابن مسعود نے آیت فَلَا اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ ...... پڑھی۔

قیامت کے روز میزان (ترازو) قائم کی جائے گی۔ وزن کی کیفیت اور اس کی تفصیل میں علما کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ بندے کو اعمال سمیت تولا جائے گا۔ مومن کا وزن اس کی نیکیوں کے موافق ہوگا اور کافر کا کوئی وزن ہی نہیں نکلے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اعمال نامے تولے جائیں گے۔ سو جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا وہی کامیاب ہوں گے۔ یہی اہل ایمان کا گروہ ہوگا۔ اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہوگا جیسے کفار و مشرکین تو یہی وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں رکھا کیونکہ یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ ان کے چہروں کو جہنم کی آگ جھلس کر رکھ دے گی اور وہ اس میں نہایت بدشکل ہوں گے۔

ابن مردویہ اور ضیا نے حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ کے متعلق پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو آگ کی ایک لپٹ لگے گی تو ان کے گوشت بہہ کر ایڑیوں پر جا گریں گے۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا جب دوزخیوں کو جہنم کی طرف ہنکا کر لے جایا جائے گا تو ان کو آگ کی ایک ایسی لپٹ لگے گی کہ وہ ہڈیوں پر گوشت لگا ہوا نہ چھوڑے گی۔ سارا گوشت (بہا کر) ایڑیوں پر ڈال دے گی۔

مسلم نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس امت کے کچھ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور ان کو آگ جلائے گی لیکن ان کے چہروں کے گھیرے کو نہیں جلائے گی، پھر کچھ مدت کے بعد ان کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔

(روح المعانی ۶۴۔۶۷/ ۱۸، مظہری ۴۰۲ سے ۴۰۷/ ۶)

کفار کا اعتراف گناہ

۱۰۵، ۱۰۷ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَا
غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا
فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝

کیا تم پر میری آیتیں تلاوت نہیں کی جاتی تھیں ۔ پھر بھی تم ان کو جھٹلاتے تھے ۔ وہ کہیں گے ۔ اے ہمارے رب ہم پر ہماری شقاوت غالب تھی ۔ واقعی ہم لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے تھے ۔ اے ہمارے رب ہمیں اس (آگ) سے نجات دے ۔ اگر پھر بھی ایسا کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں ۔

تشریح: قیامت کے روز جب کافروں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور آگ سے ان کے چہرے جھلس جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ کیا دنیا میں تمہیں میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں مگر تم تو ان کو جھٹلاتے ہی رہے اور ان کا مذاق اڑاتے رہے اور کہتے رہے کہ یہ تو گزشتہ زمانے کے لوگوں کے من گھڑت قصے کہانیاں ہیں ۔ تم تو یہ مانتے ہی نہ تھے کہ مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اعمال کے مطابق جزا و سزا دی جائے گی ۔ پس تم اپنے اسی کفر و انکار اور تکذیب و استہزا کی بنا پر اس عذاب کے مستحق بنے ۔ یہ سن کر کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب ! ہماری بدبختی نے ہم پر قابو پالیا تھا ۔ ہم راہِ حق سے بھٹکے ہوئے تھے کہ تیرے پیغمبروں پر ایمان نہ لائے ۔ سو اب تو ہمیں اس آگ سے نکال دے اور ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج دے ۔ اگر ہم دنیا میں واپس جا کر کفر و تکذیب کریں تو بیشک ہم ظالم ہوں گے اور سزا کے مستحق ہوں گے ۔ اس وقت عذاب سے رہائی نہ دینا ۔

کفار کو اللہ کا جواب

۱۰۸۔ ۱۱۱، قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ۝ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ فَاتَّخَذْ
تُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ۝ اِنِّيْ
جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

(اللہ تعالیٰ) فرمائے گا اس (دوزخ) میں پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اور مجھ سے بات (بھی) نہ کرو۔ بیشک میرے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے سو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ لیکن (اے کافرو) تم ان کا مذاق ہی اڑاتے رہے یہاں تک کہ (اس تمسخر میں) تم نے میری یاد بھی بھلا دی اور تم ان کی ہنسی ہی اڑاتے رہے۔ بیشک آج میں نے ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہی کامیاب ہوئے۔

اِخْسَئُوْا: تم راندے ہوئے رہو۔ تم پھٹکارے ہوئے رہو۔

اتَّخَذْتُمُوْهُمْ: تم نے ان کو اختیار کیا۔ اتّخاذٌ سے ماضی۔

تَضْحَكُوْنَ: تم ہنسی اڑاتے ہو۔ ضِحْكٌ سے مضارع۔

فَائِزُوْنَ: مقصد حاصل کرنے والے۔ کامیاب ہونے والے۔ فَوْزٌ سے اسم فعل۔

تشریح: کافر جب جہنم سے نکلنے کی آرزو کریں گے تو ان کو جواب دیا جائے گا کہ اب تم اسی جہنم میں ذلت اور رسوائی کے ساتھ پڑے رہو۔ اور عذاب دور کرنے کے بارے میں مجھ سے بات بھی نہ کرو۔ اس جواب کے بعد ان کی تمام امیدیں ٹوٹ جائیں گی اور وہ ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جائیں گے۔ حسن نے کہا کہ یہ دوزخیوں سے آخری کلام ہوگا اس کے بعد وہ کلام نہ کرسکیں گے سوائے دم گھٹنے اور آہیں بھرنے کے اور کوئی بات نہ کرسکیں گے وہ کتوں کی طرح بھونکیں گے۔ نہ خود بات سمجھیں گے اور نہ اپنی بات سمجھا سکیں گے۔ قرطبی نے کہا جب ان سے اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ کہہ دیا جائے گا تو ان کی ساری امیدیں ختم ہو جائیں گی وہ بالکل مایوس ہو جائیں گے اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے بھونکیں گے۔ اس وقت دوزخ اوپر سے بند کر دی جائے گی اور وہ وہیں سڑتے رہیں گے۔

پھر ان کو شرمندہ اور پشیمان کرنے کے لئے ان کا ایک زبردست گناہ پیش کیا جائے گا کہ بیشک میرے بندوں میں سے اہل ایمان کا ایک گروہ تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو ہماری مغفرت فرما دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ لیکن تم ان کا مذاق اڑاتے تھے اور ان کے بغض میں اللہ کو بھلا بیٹھے تھے اور ان کی

عبادتوں اور دعاؤں پر ہنستے تھے۔ اہل ایمان نے تمہارے تمسخر پر صبر کیا سو آج میں نے اپنے مومن بندوں کو ان کے صبر کا بدلہ دے دیا اور وہ نجات و فلاح پا چکے۔

(ابن کثیر ۳/۲۵۸، مظہری ۶/۴۰۷۔۴۰۹، روح المعانی ۱۸/۶۸۔۶۹)

دنیا کی زندگی کی حقیقت

۱۱۲۔۱۱۴۔ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ۝ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَادِّينَ ۝ قٰلَ إِنْ لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ گنتی کے اعتبار سے تم زمین پر کتنے برس رہے وہ کہیں گے کہ ایک دن یا اس کا کچھ حصہ۔ پس تو گنتی کرنے والوں (فرشتوں) سے پوچھ لے۔ اللہ فرمائے گا (واقعی) تم دنیا میں بہت کم رہے کاش یہ بات تم (دنیا میں) جان لیتے۔

لَبِثْتُمْ: تم رہے۔ تم ٹھہرے۔ لَبْثٌ سے ماضی۔

اَلْعَادِّيْنَ: شمار کرنے والے۔ گننے والے۔ عَدٌّ سے اسم فاعل۔

تشریح: قیامت کے روز کافروں سے ملامت کے طور پر پوچھا جائے گا تا کہ ان کی ذلت و حسرت میں اضافہ ہو کہ تم تو یہ کہتے تھے کہ دنیا ہمیشہ رہے گی اور کبھی فنا نہ ہوگی اور جو لوگ دنیا کو فانی بتاتے تھے تو تم ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ سو اب بتاؤ کہ برسوں کے اعتبار سے تم دنیا میں کتنے برس زندہ رہے۔ جواب میں کافر کہیں گے کہ ہم تو دنیا میں ایک دن یا اس سے کم رہے۔ ہمیں تو اچھی طرح یاد نہیں سو آپ شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ واقعی تم دنیا میں بہت تھوڑا عرصہ رہے کیونکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی بہت قلیل ہے، کاش تم اس بات کو جانتے اور دنیا کی فانی زندگی کو آخرت کی ہمیشہ رہنے والی زندگی پر ترجیح نہ دیتے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں اپنی اپنی جگہ پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ جنتیوں سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے وہ کہیں گے کہ یہی کوئی ایک آدھ دن۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر تو تم بہت اچھے رہے کہ اتنی سی دیر کی نیکیوں کے بدلے میں

میری رحمت، رضامندی اور جنت حاصل کر لی جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ پھر جہنمیوں سے پوچھے گا کہ تم دنیا میں کتنی مدت رہے وہ کہیں گے کہ یہی کوئی ایک آدھ دن، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ پھر تو تم نے بہت ہی نقصان والی تجارت کی کہ اتنی سی مدت میں تم نے میری ناراضگی، غصہ اور جہنم کو خرید لیا جہاں تم ہمیشہ پڑے رہو گے۔ (ابن کثیر ۲۵۸، ۲۵۹/۳)

کافروں کا باطل گمان

۱۱۵۔۱۱۸، اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۝ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ۝ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۝

کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا اور تم ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جاؤ گے۔ سو اللہ ہی بہت بلند اور حقیقی بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگ عرش کا مالک ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارا (اور) اس کے پاس اس کی دلیل بھی نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہوگا۔ بیشک کافر فلاح نہ پائیں گے۔ اور (اے نبی) آپ دعا کیجئے کہ اے میرے رب تو بخش دے اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

تشریح: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں یونہی بے کار اور بے مقصد پیدا کر دیا گیا؟ تمہاری پیدائش میں کوئی حکمت و مصلحت نہیں۔ بس یونہی کھیل تماشے کے لئے تمہیں دنیا میں بھیج دیا گیا ہے۔ کیا تم نے یہ خیال کر لیا ہے کہ مرنے کے بعد تم ہمارے پاس نہیں آؤ گے اور تمہیں اچھے اور برے اعمال کا بدلہ نہیں ملے گا۔ تمہارے یہ دونوں خیال غلط ہیں۔ تمہیں تو اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تم اپنے خالق و مالک اور اپنے رب کو پہچانو۔ اس کی عبادت کرو، اسکے فرمان بردار بنو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو حساب و کتاب اور اعمال کی جزا و سزا کے لئے قیامت کے روز تمہیں ضرور اس کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بلند و برتر ہے کہ وہ کوئی عبث کام کرے۔ وہ حقیقی بادشاہ ہے۔ وہ سلطنت کے وفاداروں کو انعام اور باغیوں اور مجرموں سزا دیتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی بزرگی

والے عرش کا مالک ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی بھی عبادت کرے جس کے معبود ہونے کی اس کی پاس کوئی دلیل نہیں تو اللہ کے ہاں ایسے مشرک کا حساب و کتاب ضرور ہوگا۔ اور اس کو اس کی سزا ضرور ملے گی۔ یقیناً کافر فلاح نہیں پائیں گے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

اے نبی ﷺ! آپ یہ دعا مانگا کریں۔ اے میرے رب! تو میری تمام خطاؤں کو معاف فرما دے اور میرے حال پر اپنی خاص رحمت فرما اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ایک مجنون کو حضرت ابن مسعود کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اس کے دونوں کانوں میں آیت اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ پڑھ کر دم کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اچھا کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم نے اس کے کانوں میں کیا دم کیا۔ حضرت ابن مسعود نے واقعہ عرض کر دیا۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اگر کوئی شخص اس کو پڑھ کر پہاڑ پر دم کر دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے۔　(مظہری ۴۱۰۔۶/۴۱۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سُورۃ النوُّر

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حد سے گزرنے والوں کی سزا کا بیان ہے اور یہ بتایا گیا کہ جب بندہ عفت کی حد سے نکل جاتا ہے تو اس کے دل سے نور نکل جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان (کا نور) نکل جاتا ہے۔ اس لئے اس سورت کا کا نام سورۂ نور ہو گیا کہ عفت و پاک دامنی سے نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔ اسی نور سے آدمی میں دنیا سے نفرت اور آخرت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ قیامت کے دن یہی نور ایمانی پل صراط پر اس کی رہنمائی کرے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۹۳، ۵/۹۴)

تعارف: اس میں نو رکوع چونسٹھ آیتیں ۱۱۴۲ کلمات اور ۲۶۴۱ حروف ہیں۔

ابن مردویہ نے ابن عباس اور ابن الزبیر سے روایت کی کہ یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس کی ایک آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمْ ..... الخ مکی ہے۔ اس میں زیادہ تر عفت و پاک دامنی اور ستر و نظر کے احکام کا بیان ہے۔

حضرت عمر نے اپنے دورِ خلافت میں اہلِ کوفہ کے نام یہ فرمان جاری کیا تھا۔

تم اپنی عورتوں کو، النساء، احزاب اور نور سکھاؤ (تا کہ عورتوں کو معلوم ہو جائے عفت و پاک دامنی نور ہے اور بدکاری ظلمت و تاریکی ہے)۔

بیہقی، حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مرفوع روایت بیان کی کہ عورتوں کو بالا خانوں میں اتارو اور نہ ان کو لکھنا سکھاؤ۔ ان کو سورۃ نور سکھاؤ اور ان کو سوت کاتنا سکھاؤ۔

سوت کاتنے سے مراد یہ ہے کے ان کو ایسا کام سکھاؤ جوان کے لائق ہو جیسے سینا پرونا۔ اور کاڑھنا وغیرہ اور ایسا کام نہ سکھاؤ جس میں معاصی ہو جیسے کپڑوں پر تصویریں کاڑھنا وغیرہ۔

مجاہد نے بیہقی اور ابن المنذر کی یہ مرفوع روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مردوں کو سورۂ مائدہ سکھاؤ اور اپنی عورتوں کو سورۃ نور سکھاؤ۔

(روح المعانی ۸۴/ ۱۸، مواہب الرحمٰن ۵۸/ ۱۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: زنا کی سزا، زانی، زانیہ کے نکاح کا بیان ہے۔ پھر پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا اور بیوی پر تہمت یا لعان کا حکم مذکور ہے۔

رکوع ۲: واقعہ افک، مومنوں کو نصیحت اور بے حیائی پھیلانے والوں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: شیطان کی پیروی کی ممانعت، تہمت لگانے والوں کا انجام اور بدکار مردوں اور عورتوں کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۴: غیر گھر میں بلا اجازت داخل ہونے کی ممانعت۔ اجازت سے مستثنیٰ مکان اور نظریں نیچی رکھنے حکم بیان کیا گیا ہے۔ پھر ستر کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں افلاس کی بنا پر نکاح ترک کرنے کی ممانعت۔ مکاتبت اور اعانت مملوک کا بیان ہے۔

رکوع ۵: زمین و آسمان کا نور، صبح و شام اللہ کی تسبیح کرنے والوں کو ذکر پھر کافروں کی مثالیں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع ۶: کائنات کی تسبیح، اولوں کے پہاڑ، مظاہر قدرت اور منافقین کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۷: مومنین مخلصین کا حال اور منافقوں کی قسموں کا بیان۔ پھر مومنوں سے خلافت ارضی کا وعدہ اور کفار کے ٹھکانے کا بیان ہے۔

رکوع ۸: گھر میں اجازت لے کے داخل ہونا اور معذوروں کے احکام کا بیان ہے۔

رکوع ۹: مجلس نبوی کے آداب اور آپ کا خاص ادب بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کے علم کامل کا بیان ہے۔

زنا کی سزا

۱۔۲، سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

(یہ) ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور (اس کے احکام) ہم ہی نے فرض کئے ہیں اور ہم ہی نے اس میں کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں تا کہ تم یاد رکھو۔ زنا کار عورت اور مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ اور اللہ کا حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر ترس نہیں آنا چاہئے، اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ اور چاہئے کہ ان دونوں کے عذاب کو مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھے۔

اِجْلِدُوْا: تم کوڑے مارو۔ جَلْدٌ سے امر۔

رَاْفَةٌ: رحم کرنا۔ ترس کھانا۔ نرمی کرنا۔ مصدر ہے۔

طَائِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سورت ہم نے نازل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی طرف سے نہیں گھڑی، جو احکام ہم نے بذریعہ وحی بھیجے ہیں ان پر عمل کرنا ہم نے تمہارے لئے لازمی کر دیا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ فَرَضْنٰهَا کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اس کے اندر کھلے کھلے اور صاف صاف احکام بیان کئے ہیں تا کہ تم نصیحت و عبرت حاصل کرو اور احکام خدا کو یاد رکھو اور پھر ان پر عمل کرو۔

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے۔ کسی قاضی یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا۔ ان مقررہ سزاؤں کو شرعی اصطلاح میں ''حدود'' کہتے ہیں۔ شرعی حدود چار ہیں، ۱۔ چوری، ۲۔ کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانا، ۳۔ شراب پینا، ۴۔ زنا کرنا، ان کے علاوہ باقی جرائم کی سزا، امیر یا قاضی، مجرم کی حالت اور جرم کی نوعیت اور ماحول وغیرہ پر نظر کر کے جس قدر سزا کو انسداد جرم کے لئے کافی سمجھے وہ دے سکتا ہے۔ ایسی سزاؤں کو شریعت کی

اصطلاح میں تعزیرات کہتے ہیں۔

شراب کی حرمت کی طرح زنا کی سزا کے احکام بھی بتدریج آئے ہیں۔اس بارے میں سب سے پہلے سورۂ النساء کی آیات ۱۵اور ۱۶نازل ہوئیں۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفٰحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں،تو ان پر اپنے لوگوں میں سے چار(معتبر) گواہ لاؤ۔پھر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھر میں بند رکھو یہاں تک کہ وہ مر جائیں یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی راستہ نکالے اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کریں تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ۔پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور اپنی حالت کی اصلاح کرلیں تو ان سے کچھ تعرض نہ کرو۔بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔

ان آیتوں میں ایک تو زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کے شہادت کا ہونا ضروری قرار دیا گیا۔دوسرے زنا کی سزا میں عورت کو تو گھر میں قید رکھنا اور بدکاری کرنے والے دونوں مردوں کو ایذا دینا مذکور ہے۔

پھر یہ حکم بدل گیا اور سورۃ نور کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۂ نساء میں جو وعدہ کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی سبیل بتادے گا تو سورۂ نور کی آیت نے وہ سبیل بتادی۔

احادیث صریحہ متواترہ اور خلفائے راشدین اور صحابہ کے اجماع سے ثابت ہے کہ اگر غیر شادی شدہ مرد یا عورت زنا کرے تو اس کو لوگوں کے سامنے سو کوڑے مارو تا کہ لوگوں کو عبرت و نصیحت ہو۔اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو حکم الٰہی کو پوری طرح جاری کرو اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں تمہیں ان دونوں پر رحم اور ترس نہیں آنا چاہئے۔دنیا کی سزا آخرت کی سزا سے آسان ہے۔ یہ سزا آزاد،عاقل اور بالغ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی ہے اور شادی شدہ لوگوں کی سزا سنگساری

ہے۔ جو مرد یا عورت آزاد نہ ہو اس کی سزا پچاس کوڑے ہے اور جو عاقل یا بالغ نہ ہو وہ مکلف ہی نہیں۔

اس آیت میں لفظ فاجلدوا آیا اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ کوڑا صرف بدن کی جلد پر مارو۔ ایسا نہ مارو جو کھال کو ادھیڑ کر گوشت تک پہنچ جائے۔ اسی لئے فقہا نے فرمایا کہ ایسے درمیانے کوڑے سے مارا جائے جس کے سرے پر گھنڈی (گانٹھ) نہ ہو اور ضرب بھی درمیانے درجے کی ماری جائے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۳۴۱۔۳۵۰/۶)

حضرت ابوعبیدہ ابن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ مجھ سے لے لو مجھ سے لے لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے وہ راستہ (جس کا وعدہ سورۂ نسا کی آیت ۱۵ میں ہوا تھا اب سورہ نور میں) نکال دیا کہ کنوارا کنواری کے ساتھ (زنا کرے) تو سو کوڑے اور سال بھر کی جلاوطنی اور شادی شدہ شادی شدہ کے ساتھ (زنا کرے) تو سو کوڑے اور سنگساری کی سزا ہے۔
(مسلم ۱۰۳/۳ رقم حدیث ۱۶۹۰، ابن ماجہ ۳۸۲/۲ رقم ۲۵۵۰، ترمذی ۱۲۲/۳ رقم ۱۴۳۹، ابوداود ۱۳۵/۴ رقم ۴۴۱۵، مسند احمد ۴۳۸/۶ رقم ۲۲۲۲۸)

زانی اور زانیہ کا نکاح

۳۔ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

زانی مرد تو (فطرتاً) بجز زانیہ یا مشرکہ کے کسی اور سے نکاح نہیں کرتا اور زانیہ عورت (بھی فطرتاً) زانی یا مشرک مرد ہی سے نکاح کرتی ہے اور مومنوں پر تو یہ (زنا) حرام کر دیا گیا۔

شانِ نزول: ابوداود، ترمذی، نسائی اور حاکم نے عمرو بن شعیب کی روایت سے بیان کیا کہ مرثد نام کا ایک آدمی تھا جو مکہ سے قیدیوں کو سوار کر کے لا رہا تھا تاکہ ان کو مدینے پہنچا دے۔ مکہ میں ایک عورت اس کی دوست تھی جس کا نام عناق تھا۔ مرثد نے رسول اللہ ﷺ سے عناق کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اس وقت اس کو جواب نہیں دیا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ نزول آیت کے بعد آپ نے مرثد کے سامنے یہ آیت وحُرِّم ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ تک تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ تم اس سے نکاح نہ کرو۔

نسائی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ ایک عورت تھی جس کو ام مہزول کہا جاتا تھا وہ پیشہ ور بدکار عورت تھی ۔ کسی صحابی نے اس سے نکاح کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی ۔

سعید بن منصور نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جس وقت اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ۔ اس زمانے میں کچھ زنا کار عورتیں تھیں جو خوبصورت تھیں ۔ کچھ لوگوں نے ان سے نکاح کا ارادہ کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ۔ (مظہری ۶/۴۴۲)

تشریح: جو مرد یا عورت اس خبیث عادت میں مبتلا ہوں حقیقت میں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ وہ کسی پاک دامن مسلمان مرد یا عورت سے ازدواجی تعلقات قائم کریں ۔ ایسے بدکار مردوں اور عورتوں کو تو بدکار یا مشرک مرد اور عورتوں ہی سے نکاح کرنا چاہئے ۔ سو زانی مرد یا عورت سے نکاح کرنا پاک باز مردوں اور عورتوں پر حرام کر دیا گیا ہے ۔

اس آیت میں زانی اور زانیہ سے مراد وہ ہیں جو زنا سے توبہ نہ کریں اور اپنی اس بری عادت پر قائم رہیں ۔ اگر کوئی زانی کسی پاک دامن عورت سے نکاح کرلے یا کوئی زانیہ کسی نیک مرد سے نکاح کرلے تو شرعاً یہ نکاح درست ہو جائے گا ۔ جمہور فقہائے امت ، امام اعظم ابوحنیفہ ، امام مالک اور امام شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے ۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۶/۳۵۲۔۳۵۱)

حدِ قذف یا زنا کی تہمت

۴، ۵۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں پھر وہ چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی اسی کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو ۔ اور یہی لوگ فاسق ہیں ۔ سوائے ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں ۔ تو بیشک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے ۔

يَرْمُوْنَ : وہ تہمت لگاتے ہیں ۔ وہ عیب لگاتے ہیں ۔

الْمُحْصَنٰتِ : پاک دامن عورتیں ۔ شوہر والی عورتیں ۔ مسلمان عورتیں ۔ اِحْصَانٌ سے اسم مفعول ۔

ثَمٰنِیْنَ: اسّی۔

تشریح: جو لوگ کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائیں اور زنا کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی کوڑے لگائے جائیں اور آئندہ کبھی ان کی گواہی قبول نہ کی جائے کیونکہ اب وہ عادل نہیں بلکہ فاسق سمجھے جائیں گے۔ اللہ کے نزدیک یہی لوگ فاسق ہیں کیونکہ انہوں نے ایک پاک دامن کو بے عزت اور رسوا کیا اور بلا ثبوت اس پر زنا کی تہمت لگائی۔ البتہ جن لوگوں نے تہمت لگانے کے بعد توبہ کر لی اور اپنی حالت کی اصلاح کر لی تو بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ، تو اپنا حق معاف کر دیتا ہے کہ اب اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا مگر بندے کا حق یعنی حد معاف نہیں ہوتی۔ اسلئے توبہ کرنے سے تہمت لگانے کا گناہ تو معاف ہو جائے گا مگر حد ساقط نہ ہوگی۔ پس کسی پاک دامن عورت پر بلا ثبوت تہمت لگانے کی سزا میں اس کو اسّی کوڑے لگائے جائیں گے یہ اس جرم کی دنیوی سزا ہے۔ جس کا مقصد دوسروں کو عبرت دلانا ہے۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا کا استثنا دونوں جملوں کے لئے ہے کہ توبہ کرنے سے اس کی گواہی بھی قبول ہوگی اور فاسق کا حکم بھی اس سے دور ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک استثنا کا تعلق صرف آخری جملے سے ہے اس لئے توبہ کرنے سے اس کا فسق تو دور ہو جائے گا مگر اس کی شہادت ہمیشہ کے لئے مردود رہے گی۔ سفیان ثوری کا بھی یہی مذہب ہے۔

عربی قواعد کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اگر تین جملوں کے بعد کوئی استثنا آئے تو اس کا تعلق یا تو تینوں جملوں کے ساتھ ہوگا یا آخری جملے کے ساتھ۔ یہاں اس استثنا کا تعلق پہلے جملے سے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ توبہ کر لینے سے بالاجماع حد ساقط نہیں ہوتی۔ پس استثنا کا تعلق آخری جملے سے ہے جو اس کے قریب اور متصل ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۱، ۵/۱۰۲)

بیوی پر تہمت یا لعان کا حکم

۶۔۱۰۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ
اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ
اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ
شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ

اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ۝

اور جولوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں اوران کے پاس خود اپنی ذات کے سوا کوئی اور گواہ نہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی کی صورت یہ ہے کہ وہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بیشک وہ سچا ہے اور پانچویں بار وہ یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔اور عورت سے (زنا کی) سزا اس طرح ٹل سکتی ہے کہ وہ بھی چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بیشک یہ مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار کہے کہ بیشک اس (مجھ) پر اللہ کا غضب ہو اگر وہ (اس کا خاوند) سچا ہے۔اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور (یہ بات نہ ہوتی) کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) حکمت والا ہے (تو تم بڑی مضرتوں میں پڑ جاتے)۔

يَدْرَءُ : وہ دفع کرتا ہے۔وہ ٹالتا ہے۔دَرْءٌ سے مضارع۔

تشریح: لعان اور ملاعنت کے معنی ایک دوسرے پر لعنت اور غضب الٰہی کی بددعا کرنے کے ہیں۔جولوگ اپنی بیوں پر زنا کی تہمت لگائیں اوران کے پاس اپنی ذات کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں تو ان دونوں میں لعان کرایا جائے گا۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مرد سے کہا جائے گا کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ شہادت دے کہ بلاشبہ وہ اس الزام میں سچا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔اس لعان سے مرد سے حد قذف ساقط ہو جائے گی۔اگر وہ یہ الفاظ نہ کہے تو اس کو قید کر دیا جائے گا۔اب یا تو وہ اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کرے،یا مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسم کھائے۔جب تک وہ ان دونوں میں سے کوئی ایک کام نہ کرے اس وقت تک اس کو قید رکھا جائے۔اگر وہ اپنے جھوٹا ہونے کا اقرار کرلے تو اس پر حد قذف جاری ہوگی۔

اگر وہ مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ مرتبہ قسم کھالے تو پھر اس کے بعد عورت سے ان الفاظ میں پانچ قسمیں لی جائیں گی جو قرآن میں عورت کے لئے مذکور ہیں یعنی عورت کا لعان یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دے کہ بیشک اس کا شوہر جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ کہے کہ اگر میرا خاوند سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب ہو۔مرد اور عورت کے اس طرح کہنے کو لعان کہتے ہیں۔اگر وہ عورت پانچ

قسمیں کھانے سے انکار کرے تو اس کو بھی قید رکھا جائے یہاں تک کہ وہ یا تو شوہر کی تصدیق کرے اور اپنے جرم کا اقرار کرے یا پھر مذکورہ الفاظ کے ساتھ پانچ قسمیں کھائے۔

اگر عورت اپنے جرم کا اقرار کر لے تو اس پر حد زنا جاری کی جائے گی۔ اس کے برعکس اگر وہ پانچ قسمیں کھا لے تو اب لعان پورا ہو گیا اس کے نتیجے میں دونوں دنیا کی سزا سے بچ گئے۔ رہا آخرت کا معاملہ تو اللہ خوب جانتا ہے کہ ان میں سے کون جھوٹا ہے اور جھوٹے کو آخرت میں سزا ملے گی۔ لعان کے بعد دنیا میں بھی دونوں میاں بیوی ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتے ہیں۔ اس لئے شوہر کو چاہئے کہ اس کو طلاق دیکر آزاد کر دے۔ اگر وہ طلاق نہ دے تو حاکم دونوں میں تفریق کر سکتا ہے۔ جو طلاق کے حکم میں ہو گی۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۳۵۷، ابن کثیر ۳/۲۶۵)

پھر فرمایا کہ اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو تمہارے لئے ایسی آسانی نہ فرماتا جیسی اس نے لعان کا حکم نازل کر کے فرمائی، یہ اس کا فضل و کرم ہے کہ اس نے لعان کا حکم نازل کر کے مرد سے قذف کی حد کو اور عورت سے زنا کی حد کو ساقط کر دیا۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ خواہ کیسا ہی گناہ ہو اور کسی وقت بھی توبہ کی جائے۔

واقعۂ افک

۱۱۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ جَآءُوۡ بِالۡاِفۡکِ عُصۡبَۃٌ مِّنۡکُمۡ ؕ لَا تَحۡسَبُوۡہُ شَرًّا لَّکُمۡ ؕ بَلۡ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ مَّا اکۡتَسَبَ مِنَ الۡاِثۡمِ ۚ وَ الَّذِیۡ تَوَلّٰی کِبۡرَہٗ مِنۡہُمۡ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ ۞

بیشک جن لوگوں نے یہ طوفان برپا کیا ہے وہ بھی تم ہی میں سے ایک گروہ ہے تم اس (واقعے) کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ ان میں سے ہر مرد کو اس کے عمل کے بقدر گناہ ہوا اور ان میں سے جس نے اس میں بڑا حصہ لیا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔

افک: جھوٹ۔ بہتان۔

عُصۡبَۃٌ: جماعت (دس سے چالیس افراد تک)۔ گروہ۔

تشریح: اس آیت سمیت اگلی دس آیتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برات میں نازل

ہوئی ہیں۔منافقین نے حضرت عائشہ پر بہتان باندھا تھا۔اس مردود کام میں منافقوں کا گروگھنٹال عبد اللہ بن ابی بن سلول پیش پیش تھا۔اس کے ساتھ منافقوں کی ایک جماعت تھی۔ان سب نے مل کر خوب باتیں بنائیں۔اس سارے معاملے میں اصل فتنہ پرداز تو منافق ہی تھے لیکن بعض سیدھے سادے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ان مسلمانوں میں حضرت حسان بن ثابت، مِسْطَحْ اور حَمْنَہ بنت جحش بھی تھے۔حمنہ بنت جحش ام المؤمنین، زینب بنت جحش کی بہن تھیں۔

بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ (ام المؤمنین حضرت) زینب بنت جحش کو اللہ نے ان کی دینداری کی وجہ سے (اس تہمت تراشی سے) بچائے رکھا۔انہوں نے کلمۂ خیر کے سوا اور کچھ نہیں کہا لیکن ان کی بہن حَمْنَہُ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوگئی۔ یعنی تہمت تراشی کرنے والوں کی ہمنوا بن گئی۔ (مظہری ۴۷۳/۶)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ اس بہتان کو بنا کر لائے وہ تم ہی میں سے ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔تمام اہل اسلام اس خبر سے بہت رنجیدہ اور ملول تھے اس لئے اللہ تعالی نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا۔اے مسلمانو! تم اس بہتان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو اگرچہ بظاہر یہ برا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں برا نہیں بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی برات میں، اہل ایمان کی مدح اور منافقوں کی فضیحت و مذمت میں اٹھارہ آیتیں نازل کیں۔ یہ آیتیں قیامت تک اہل علم کے سینوں میں محفوظ رہیں گی اور لوگ ان کی تلاوت کرتے رہیں گے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۰۸/۵)

پھر فرمایا کہ ان میں سے ہر شخص کو اسی قدر سزا ملے گی جس قدر اس نے اس فتنے میں حصہ لیا۔ اس لئے کہ بعض لوگ اس خبر کو سن کر ہنستے تھے، بعض نے اپنی زبان سے اس کو آگے پھیلایا۔بعض سن کر خاموش رہے مگر کہنے والوں کو منع نہیں کیا۔غرض جس نے جتنا گناہ کیا اس کو اتنی ہی سزا ملے گی البتہ جس شخص نے اس میں نمایاں حصہ لیا اس کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔یہاں نمایاں حصہ لینے والے سے مراد عبداللہ بن ابی منافق ہے۔وہ دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت میں بھی ذلیل وخوار ہوگا۔

واقعے کی حقیقت

واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ۶ ھ میں غزوۂ بنی مصطلق سے واپس مدینے تشریف لا رہے

تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں۔ ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا۔ معمول یہ تھا کہ پردہ لٹکا کر وہ ہودہ میں بیٹھ جاتیں۔ جمال ہودے کو اونٹ پر باندھ دیتے تھے۔ ایک منزل پر قافلہ ٹھہرا ہوا تھا۔ شب کے آخری حصے میں اعلان کیا گیا کہ قافلہ روانہ ہونے والا ہے تا کہ لوگ اپنی اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر تیار ہو جائیں۔ حضرت عائشہ کو قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی تو وہ قافلے سے علیحدہ ہو کر جنگل کی طرف تشریف لے گئیں وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اس کی تلاش میں دیر لگ گئی۔ ادھر قافلہ روانہ ہو گیا۔ قافلہ کی روانگی سے پہلے حسب عادت جب جمال اونٹ پر ہودہ باندھنے آئے تو اس کے پردہ لٹکے ہوئے دیکھ کر ان کو گمان ہوا کہ حضرت عائشہ ہودے کے اندر تشریف رکھتی ہیں۔ ہودہ اٹھاتے وقت بھی ان کو شبہ نہ ہوا کیوں ان کی عمر بہت کم تھی اور بدن بھی ہلکا پھلکا تھا۔ غرض جمالوں نے ہودہ باندھ کر اونٹ کو ہانک دیا۔ ادھر جب حضرت عائشہ واپس آئیں تو قافلہ جا چکا تھا۔ انہوں نے نہایت استقلال سے کام لیا کہ قافلے کے پیچھے دوڑنے کی بجائے اپنی جگہ چادر اوڑھ کر بیٹھ گئیں اور خیال کیا کہ جب وہ مجھے ہودے میں نہیں پائیں گے تو میری تلاش میں یہیں آئیں گے اس لئے وہیں قیام کیا۔ رات کا وقت تھا۔ جب نیند کا غلبہ ہوا تو وہیں لیٹ گئیں۔

حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ گرے پڑے سامان وغیرہ کی خبر گیری کے لئے قافلے کے پیچھے کچھ فاصلے پر رہا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو اسی خدمت کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ اس جگہ صبح کے وقت پہنچے تو دیکھا کہ کوئی آدمی سویا ہوا ہے۔ قریب آئے تو حضرت عائشہ کو پہچان لیا کیونکہ پردے کا حکم آنے سے پہلے انہوں نے ان کو دیکھا تھا۔ وہ دیکھ کر گھبرا گئے اور ان کی زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون نکلا۔ اس کلمے سے حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی۔ فوراً چہرے کو چادر سے ڈھانپ لیا۔ حضرت صفوان نے اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا۔ حضرت عائشہ پردے کے ساتھ اس پر سوار ہو گئیں۔ حضرت صفوان اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیدل چلتے رہے اور دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملے۔ (عثمانی ۲/۱۷۶)

صریح بہتان

۱۲، ۱۳۔ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۝ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

(اے مسلمانو!) اس کو سنتے ہی مومن مردوں اور عورتوں نے اپنے دلوں میں نیک گمان کیوں نہ کیا اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو صریح بہتان ہے۔ وہ اس بہتان پر چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ نے مومنوں کو ادب سکھانے کے لئے فرمایا کہ مومنوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شان میں جو کلمات منہ سے نکالے وہ ان کے شایانِ شان نہ تھے۔ بلکہ ان کو چاہیے تھا کہ وہ اپنے بھائی بہنوں کے متعلق نیک گمان رکھتے اور ان کو اپنے جیسا سمجھتے اور صاف صاف کہہ دیتے کہ یہ تو صریح جھوٹ ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس بات کا ذکر آیا تو انہوں نے سنتے ہی کہہ دیا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ صدیق کی بیٹی اور نبی کی بیوی کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

پھر فرمایا کہ اس گناہ کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کا ہونا شرط ہے۔ اس لئے یہ بہتان باز جو کچھ کہتے ہیں وہ اس پر چار گواہ کیوں نہیں پیش کرتے تاکہ ان کی شہادت پر حدِ زنا جاری کی جائے۔ اگر یہ لوگ چار گواہ پیش نہ کر سکیں تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق اور ضابطۂ شریعت کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک یقیناً وہی لوگ جھوٹے ہیں۔

مومنین کو نصیحت

۱۴، ۱۵۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَا
اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ
بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝

اور اگر دنیا اور آخرت میں تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو اس چرچا کرنے کی پاداش میں تم پر سخت عذاب واقع ہوتا۔ جب تم اس (جھوٹ) کو اپنی زبانوں سے نقل کر رہے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں (ذرا بھی) علم نہ تھا اور تم اسے ہلکی بات سمجھ رہے تھے۔ حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات تھی

اَفَضْتُمْ: تم نے پھیلایا۔ تم واپس آؤ۔ تم کوچ کرنے لگو۔ اِفَاضَةٌ سے ماضی۔

تلقّونہ: تم اس کو لینے لگے۔ تلقّی سے مضارع۔

ھَیِّنًا: آسان۔ ھونٌ صفت مشبہ۔

تشریح: جن لوگوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا پر لگائے جانے والے بہتان میں حصہ لیا اور اپنی زبانوں کو اس برے کام میں استعمال کیا، اگر ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی رحمت نہ ہوتی کہ وہ دنیا میں ان کی توبہ قبول کر لے اور ان کے ایمان کی وجہ سے آخرت میں ان کو معاف فرما دے تو ان کو بڑا سخت عذاب ہوتا۔ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جن کے دلوں میں ایمان تھا مگر سوچے سمجھے بغیر اپنی زبانوں سے کچھ کہہ بیٹھے تھے۔ جیسے حضرت حسّان، حضرت مسطح اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہم۔ البتہ جن لوگوں کے دل ایمان سے خالی تھے اور جو اس طوفان کے اٹھانے والے تھے جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول اور دیگر منافقین وغیرہ تو وہ اس آیت کے مخاطب نہیں کیونکہ نہ انکے پاس ایمان تھا اور نہ عمل صالح۔

پھر فرمایا کہ یہ عذاب عظیم تمہیں اس وقت پہنچتا جب تم اپنی زبانوں سے اس بات کو پھیلا رہے تھے۔ اور تم وہ بات کہہ رہے تھے جس کا تمہیں بالکل علم نہ تھا۔ تم اس کو معمولی بات سمجھتے تھے اور یہ خیال کرتے تھے کہ اس میں کچھ گناہ نہیں حالانکہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات تھی

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۰/ ۵، ابن کثیر ۳/۲۷۴)

بہتانِ عظیم

۱۶۔۱۸۔ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور تم نے ایسی بات کو سنتے ہی کیوں نہ کہہ دیا کہ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ایسی (گستاخانہ) بات منہ پر لائیں۔ (اے اللہ) تو پاک ہے۔ یہ تو بہتانِ عظیم ہے۔ (اے ایمان والو!) اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ پھر کبھی ایسا نہ کرنا اگر تم مومن ہو۔ اور اللہ تم سے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تو علم (اور) حکمت والا ہے۔

تشریح: کسی مسلمان عورت کے بارے میں ایسی تہمت بہت بڑا گناہ ہے لیکن اللہ کے رسول کی

زوجہ محترمہ کے بارے میں ایسی غلط بیانی کا جرم عظیم ہونا تو بالکل واضح ہے۔ سوتمہیں تو سنتے ہی کہہ دینا چاہئے تھا کہ یہ تو بہتان عظیم ہے۔ اس میں تو غور وفکر کی بھی گنجائش نہیں ہم ایسی لغو بات زبان پر لا کر اللہ کے رسول ﷺ کی زوجہ محترمہ کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسی حرکت کبھی نہ کرنا اگر تم سچے مومن ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیات کو صاف صاف اور کھول کر بیان کرتا ہے۔ وہ اچھے اور برے امور سے خوب واقف ہے اس لئے بھلائیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے منع فرماتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات سے باخبر ہے، وہ حضرت عائشہ کی پاک دامنی کو بھی جانتا ہے اور بہتان طرازوں کے جھوٹ کو بھی۔ (ابن کثیر ۲۷۴، ۲۷۵/۳ مظہری ۴۷۸، ۴۷۹/۶)

بے حیائی پھیلانے والوں کا انجام

۱۹، ۲۰۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

بیشک جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے تو ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ بڑا شفیق (اور) بڑا مہربان ہے (تو تم بھی وعید سے نہ بچتے)

تَشِيْعَ: وہ پھیلے۔ وہ فاش ہو۔ اس کا چرچا ہو۔ شُيُوْعٌ سے مضارع۔

رَءُوْفٌ: بہت شفقت کرنے والا۔ بڑا مہربان۔ رَاْفَةٌ سے مبالغہ۔

تشریح: جو شخص کوئی ایسی بات سنے تو اسے اس کا پھیلانا جائز نہیں۔ جو لوگ ایسی باتوں کو سن کر دوسروں تک پہنچاتے ہیں تو ان کو دنیا میں بھی سزا ملے گی۔ یعنی ان پر حد قذف جاری ہوگی۔ اور آخرت میں ان کو جہنم کا عذاب ہوگا۔ ایسے فتنہ پردازوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ وہ ان کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں سے بھی واقف ہے، اس کو ان کی نیت اور غرض کا بھی علم ہے، اگرچہ تم نہیں جانتے۔ اس لئے تمہیں

ظاہری امور کو دیکھنا چاہئے تھا۔ اگر کوئی زنا کے الزام کے ثبوت میں چار شرعی شہادتیں پیش کر دے تو اس کے متعلق اچھا گمان رکھو اور سمجھ لو کہ اس نے ثواب کی نیت سے ایسا کیا ہے، کسی مسلمان کو بے عزت کرنے کے لئے نہیں۔ لیکن اگر وہ شرعی گواہ پیش نہ کر سکے تو سمجھ لو کہ اس کی نیت اچھی نہیں۔ اس کا مقصد مسلمانوں کو بے عزت کرنا ہے۔ اس لئے اس پر حد قذف جاری کرو۔ وہ اللہ کے حکم کے مطابق جھوٹا ہے۔

یہ ایسا شدید طوفان تھا کہ نہ جانے کون کون اس کی نذر ہو جاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت اور شفقت و مہربانی سے تمہیں توبہ و استغفار کا موقع دیا اور تمہاری توبہ قبول کی اور شرعی حد جاری کر کے تمہیں پاک وصاف کر دیا اور جو لوگ تم سے زیادہ خبیث تھے، ان کو نہ تو توبہ کی توفیق دی اور نہ حد جاری کر کے ان کو پاک وصاف کیا بلکہ ان کو مہلت دی۔ (عثمانی ۹۷۱/۲، مظہری ۹۷۴/۶)

شیطان کی پیروی کی ممانعت

۲۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ
فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى
مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ

اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو اور جو کوئی شیطان کے نقش قدم پر چلے گا تو بیشک وہ تو اس کو بے حیائی اور برے کام ہی کا حکم کرے گا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی نہ سدھرتا۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے سنوارتا ہے اور اللہ ہی سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

خُطُوٰتِ: قدم۔ واحد خُطْوَۃٌ۔

لِيَصْفَحُوْا: ان کو درگزر کرنا چاہئے۔ صَفْحٌ سے امر غائب۔

تشریح: ان آیتوں میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔ اگر تم اس کے نقش قدم پر چلو گے تو وہ تو ہمیشہ تمہیں بے حیائی، بدکاری اور نامعقول کام کرنے ہی کو کہے گا جو تمہاری تباہی اور بربادی کا سامان ہوگا۔ سو تم اس کی باتوں سے بچتے رہو۔ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو کفر و شرک، برائی اور بدی سے نہ بچا سکتا۔ یہ اس کا احسان ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے، پھر تمہاری توبہ قبول فرماتا ہے اور تمہیں پاک وصاف بنا دیتا ہے۔ اور

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے گناہوں سے پاک اور صاف کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہلاکت کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے اور ان کے احوال کو خوب جانتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کو تنبیہ

۲۲۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

اور تم میں سے جو بزرگی اور وسعت والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہئے بلکہ معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: حضرت مسطح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی تھے اور نادار تھے۔ واقعۂ افک سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ ان کو خرچ دیا کرتے تھے۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ کو حضرت مسطح کی طرف سے رنج ہوا، اس لئے انہوں نے آئندہ حضرت مسطح کی مدد نہ کرنے کی قسم کھالی۔ اس آیت میں اسی واقعے کا ذکر ہے کہ تم میں سے جو لوگ دینی بزرگی اور دنیوی وسعت والے ہیں، صدقہ اور احسان کرنے والے ہیں، ان کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو، مسکینوں اور مہاجروں کو کچھ نہیں دیں گے۔ اگر ان سے کوئی خطا ہوگئی ہو تو انہیں معاف کر دینا چاہئے۔ اے دنیوی وسعت والو! کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تمہارے حسن سلوک اور معاف کر دینے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرما دے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ بدلہ لینے پر پوری پوری قدرت رکھنے کے باوجود محض اپنے فضل و مہربانی سے بندوں کے قصور معاف فرما دیتا ہے، تم بھی ان کو معاف کر دو۔

شیخین کی روایت میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تو دل سے چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے قصور بخش دے اس کے بعد آپ نے دوبارہ حضرت مسطح کے مصارف جاری کر دیئے اور فرمایا واللہ آئندہ کبھی میں یہ مصارف نہیں روکوں گا۔

بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو برابر کا بدلہ لے لے، بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص ہے کہ اگر کوئی اس سے اپنا رشتہ توڑ لے تو اس کو جوڑے رکھے۔　　(ابن کثیر ۳/۲۷۵ مظہری ۶/۴۸۰)

تہمت لگانے والوں کا انجام

۲۵-۲۳۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾

بے شک جو لوگ پاک دامن، بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لئے عذاب عظیم ہے۔ جس دن ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے، اس دن اللہ ان کو حق و انصاف کے ساتھ پورا پورا بدلہ دے گا اور وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی برحق (اور) ہر بات کو ظاہر کرنے والا ہے۔

اَلْسِنَتُهُمْ: ان کی زبانیں۔ واحد لِسَانٌ۔

اَرْجُلُهُمْ: ان کے پاؤں۔ واحد رِجْلٌ۔

یُوَفِّیْهِمْ: وہ ان کو پورا پورا دے گا۔ تَوَفِّیَةٌ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ ایسی بھولی بھالی اور پاک دامن مومن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں جن کو ایسی باتوں کی خبر بھی نہیں تو ایسے لوگ دنیا و آخرت دونوں جگہ ملعون ہیں اور ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔ قیامت کے روز ایسے لوگوں کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کی ٹانگیں، ان کی بداعمالیوں پر ان کے خلاف گواہی دیں گی۔ اس دن اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا اور ٹھیک ٹھیک بدلہ دے گا۔ اس وقت وہ جان لیں گے کہ اللہ ہی ٹھیک فیصلہ کرنے والا اور بات کی حقیقت کو کھول دینے والا ہے۔ وہ ثواب اور عذاب دینے پر پوری طرح قادر ہے۔ اس کی الوہیت اور قدرت میں کوئی اس کا شریک نہیں، ایک حدیث میں ہے کہ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والے کی سو سال کی نیکیاں غارت ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مشرکین دیکھیں گے کہ جنت میں نمازیوں کے سوا اور کسی کو نہیں بھیجا جاتا تو وہ کہیں گے کہ آؤ ہم بھی انکار کر دیں۔ چنانچہ وہ اپنے شرک کا انکار کر دیں گے۔ اسی وقت ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہی دینے لگیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ہنس دیئے اور فرمانے لگے کہ جانتے ہو کہ میں کیوں ہنسا؟ ہم نے کہا کہ اللہ ہی جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے روز بندہ اپنے رب سے حجت بازی کرتے ہوئے کہے گا کہ اے اللہ کیا تو نے مجھے ظلم سے نہیں روکا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں۔ وہ کہے گا کہ آج میں جس گواہ کو سچا مانوں میرے بارے میں اسی کی شہادت معتبر مانی جائے اور وہ گواہ سوائے میرے اور کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا تو ہی اپنا گواہ رہ۔ اب اس کے منہ پر مہر لگ جائے گی اور اس کے اعضا سے سوال ہوگا تو وہ سب کچھ بیان کر دیں گے۔ اس وقت بندہ کہے گا کہ تم غارت ہو جاؤ۔ تم ہلاک ہو جاؤ۔ تمہاری ہی طرف سے تو میں لڑ جھگڑ رہا تھا۔ (ابن کثیر ۲۷۶۔۲۷۷/۳)

خبیث مرد اور عورتیں

۲۶۔ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ۖ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

خبیث (گندی) عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔ وہ لوگ بری ہیں ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں۔ ان لئے کے مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔

خَبِیْثٰتُ: خبیث عورتیں۔ ناپاک عورتیں۔ گندی عورتیں۔

مُبَرَّءُ وْنَ: بری کئے ہوئے۔ پاک کئے ہوئے۔ تَبْرِئَۃٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: بدکار اور گندی عورتیں، بدکار اور گندے مردوں کے پاس رہتی ہیں اور پاک باز اور ستھری عورتیں پاک باز مردوں کے پاس رہتی ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک الخبیثٰتُ اور الطیبت سے

یہاں عورتیں مراد نہیں بلکہ اقوال وکلمات مراد ہیں، سو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ گندی اور توہین آمیز باتیں گندوں کے لائق ہیں اور پاکیزہ باتیں پاکیزہ لوگوں کے لائق ہیں پاکباز اور صاف ستھرے مرد اور عورتیں ایسی گندی تہمتوں سے بری ہوتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان جیسے لوگ، بہتان طرازوں کی ان بیہودہ باتوں سے پاک اور بری ہیں۔ ان ہی لوگوں کے لئے گناہوں کی مغفرت اور بزرگی والا رزق ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اگر پورے قرآن میں تلاش کیا جائے تو کسی کے لئے بھی اتنی سخت وعید نازل نہیں ہوئی جتنی حضرت عائشہ پر تہمت تراشنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔

بیضاوی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کو چار کے ذریعے سے پاکی (تہمت سے برات) عنایت کی۔

۱۔ حضرت یوسف کو زلیخا کے ایک گھر والے (بچے) کی شہادت کی وجہ سے۔

۲۔ حضرت موسیٰ کو یہودیوں کی تہمت سے اس پتھر کے ذریعے جوان کے کپڑے لے بھاگا تھا۔

۳۔ حضرت مریم کو اپنے بچے (حضرت عیسیٰ) کی شہادت کی وجہ سے۔

۴۔ حضرت عائشہ کو ان مذکورہ آیات کریمہ کے ذریعہ اور مختلف پرزور طریقوں سے۔

حضرت عائشہ کی پاک دامنی کا اظہار اتنی موکد عبارتوں میں محض منصب رسول کی عظمت کو بیان کرنے اور آپ کے مرتبے کو بالا واعلیٰ بنانے کے لئے کیا گیا ہے۔　　　(بیضاوی ۴۸۰)

غیر گھر میں بلا اجازت داخل ہونا

۲۷، ۲۸۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَدْخُلُوا۟ بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا۟ وَتُسَلِّمُوا۟ عَلَىٰٓ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا۟ فِيهَآ أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ وَإِن قِيلَ لَكُمُ ٱرْجِعُوا۟ فَٱرْجِعُوا۟ ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں (بے دھڑک) داخل نہ ہو جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور وہاں رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو۔ پھر اگر تم وہاں کسی کو نہ پاؤ تو

اندر نہ جاؤ جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تمہیں لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ آیا کرو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔

تَسْتَاْنِسُوْا: تم انسیت پیدا کرتے ہو۔ تو اجازت لے لو۔ اِسْتِیْنَاسٌ سے مضارع۔

یُؤْذَنَ: اس کو اجازت دی جائے گی۔ اِذْنٌ سے مضارع مجہول۔

اَزْکٰی: بہت پاکیزہ۔ بہت ستھرا۔ زَکَاءٌ سے اسم تفضیل۔

شانِ نزول: فریابی اور ابن جریر نے حضرت عدی بن ثابت کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری عورت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ (بعض اوقات) میں اپنے گھر کے اندر ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ میں نہیں چاہتی کہ اس حالت میں کوئی مجھے دیکھے لیکن گھر کے آدمیوں میں سے کوئی نہ کوئی آدمی (بلا روک ٹوک) اندر آ جاتا ہے اور اس حالت میں مجھے دیکھ لیتا ہے۔ میں کیا کروں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۸۶/۶)

تشریح: یہاں شرعی ادب بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی گھر جاؤ تو گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت مانگو۔ جب اجازت مل جائے تو پہلے اہل خانہ کو سلام کرو اگر پہلی دفعہ میں اجازت نہ ملے تو تین دفعہ ایسا کرو۔ اگر پھر بھی اجازت نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ ان مکانوں کے علاوہ جن میں تم رہتے ہو خواہ ان غیر مکانوں کے تم ہی مالک ہو۔ مثلاً کسی شخص نے اپنا مملوکہ مکان کسی دوسرے شخص کو کرائے پر یا مفت رہنے کے لئے دے دیا وہ اگرچہ اس مکان کا مالک ہے مگر اس کو اس میں رہنے والے کی اجازت کے بغیر داخل ہونا منع ہے۔ تمہارے لئے کسی کے گھر میں بلا اجازت اچانک گھس جانے سے بہتر یہ ہے کہ تم پہلے اہل خانہ کو سلام کرو اور ان سے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کرو اگر وہ اندر آنے کی اجازت دے دیں تو داخل ہو جاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تو گھر والوں کے پاس جائے تو ان کو سلام کر، تیرے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت حاصل ہوگی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے پہلے سلام نہ کیا ہو اس کو (داخل ہونے کی) اجازت نہ دو۔

اگر گھر کے اندر کوئی نہ ہو جو تمہیں اجازت دے تو جب تک گھر والا آ کر تمہیں اجازت نہ

دے اس وقت تک تم اندر نہ جاؤ اگر گھر والوں کی طرف سے تمہیں واپس جانے کو کہا جائے تو تم گھر میں داخل ہونے پر اصرار نہ کرو بلکہ واپس چلے جاؤ۔ یہی تمہارے لئے پاکیزہ فعل ہے۔

حضرت عبداللہ بن بسر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے دروازے پر جاتے تو دروازے کے بالکل سامنے منہ کر کے نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ دائیں یا بائیں بازو کے پاس کھڑے ہو کر فرماتے۔ السلام علیکم۔ السلام علیکم (مظہری ۴۸۷۔۴۹۰/۶)

اجازت سے مستثنیٰ لوگ

۲۹۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝

اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ایسے غیر آباد مکانوں میں (بغیر اجازت) جاؤ جہاں تمہارا سامان (رکھا ہوا) ہو اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو (دل میں) چھپاتے ہو۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ جب گھروں میں داخل ہونے کے لئے اجازت طلب کرنے کا حکم نازل ہوا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ قریش کے جو تاجر کے، مدینے اور شام کے درمیان آتے جاتے ہیں ان کا کیا ہوگا۔ سرِ راہ (ان کے اترنے اور قیام کرنے کے) مکان مقرر ہوتے ہیں جن کے اندر کوئی نہیں رہتا وہاں داخلے کی اجازت کس سے مانگیں اور کس کو سلام کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۹۰/۶)

تشریح: کسی ایسے مکان میں داخل ہونے کے لئے جس میں کسی کی سکونت نہ ہو اور اس میں تمہارا کچھ سامان رکھا ہوا ہو یا اس سے تمہارا کوئی مفاد وابستہ ہو تو ایسے مکان میں تم بلا اجازت داخل ہو سکتے ہو۔ اس صورت میں متاع کا مطلب یہ ہوگا کہ وہاں لوگ اترتے ہیں اور اپنا سامان رکھتے ہیں اور سردی گرمی سے بچتے ہیں۔

ابن زید نے کہا کہ ان سے مراد وہ تجارتی مکان اور دکانیں ہیں جو بازاروں میں ہوتی ہیں جہاں لوگ خرید و فروخت کے لئے داخل ہوتے ہیں۔ یہی منفعت ہے۔

ابراہیم نخعی نے کہا کہ بازار کی دکانوں میں داخل ہونے کی اجازت لینی ضروری نہیں۔

بعض نے کہا اس سے وہ تمام مکان مراد ہیں جہاں کوئی باشندہ نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ (مظہری ۴۹۰، ۶/۴۹۱)

نظریں نیچی رکھنے کا حکم

۳۰۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

(اے نبی ﷺ) آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ یہی ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ جو کچھ وہ لوگ کرتے ہیں بلاشبہ اللہ اس سے باخبر ہے۔

يَغُضُّوْا: وہ نیچی رکھیں۔ وہ بند رکھیں۔ غَضٌّ سے مضارع۔

فُرُوْجَهُمْ: ان کی شرمگاہیں۔ واحد فَرْجٌ۔

تشریح: اس آیت میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ جن چیزوں کو دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف بالکل نظر نہ اٹھائیں، اور جن چیزوں کو فی نفسہ دیکھنا جائز ہے مگر ان کو بری نظر دیکھنا جائز نہیں تو ان کو بری نظر سے نہ دیکھیں۔ اگر اتفاقاً نظر پڑ جائے تو فوراً نظر دوسری طرف کر لیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کریں۔ ابوالعالیہ نے کہا کہ یہاں شرمگاہ کی حفاظت سے مراد پردہ کرنا اور چھپائے رکھنا ہے تاکہ غیر کی نظر نہ پڑے۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں جہاں جہاں شرمگاہ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے وہاں زنا اور حرام سے حفاظت مراد ہے۔

پھر فرمایا کہ نگاہوں کا نیچی رکھنا اور ستر کی حفاظت کرنا ان کے حق میں پاکیزہ ترین خصلت ہے اور جو ان کے ظاہر و باطن کو زنا کی نجاست اور گندگی سے پاک رکھنے والی چیز ہے۔ بیشک اللہ ان کے ہر کام سے باخبر ہے۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پہلی (بلا ارادہ) نظر کے پیچھے (دوسری بالا رادہ) نظر نہ کرنا۔ پہلی نظر (جو اچانک پڑ گئی وہ) تو معاف ہے۔ دوسری (جو قصداً ذاتی) معاف نہیں۔

مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کی روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے

اچانک نظر پڑ جانے کا مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ نظر پھیر لیا کروں۔

(ابن کثیر ۲۸۱، ۲۸۲/۳، روح المعانی ۱۳۸، ۱۳۹/ ۱۸)

ستر کے احکام

۳۱۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ
وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى
جُيُوْبِهِنَّ ۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ
اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ
بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ
اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۔ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۔
وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور مومن عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ وہ (بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو ظاہر ہے اور اپنے ڈوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں۔ اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ یا خاوند کے باپ یا اپنے بیٹوں یا خاوند کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی (میل جول کی) عورتوں پر یا اپنے مملوک (باندی وغلام) پر یا ان خدمت گاروں پر جن کو عورتوں کی حاجت نہ رہی ہو یا ان لڑکوں پر جو عورتوں کی پردے کی چیزوں سے واقف نہیں، اور اپنے پاؤں زور زور سے مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے اور اے مومنو! تم سب کے سب اللہ سے توبہ کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

يُبْدِيْنَ : وہ ظاہر کرتی ہیں۔ اِبْدَاءٌ سے مضارع۔

يَضْرِبْنَ: وہ (پاؤں) مارتی ہیں۔ وہ (پاؤں) زور سے رکھتی ہیں۔ ضَرْبٌ سے مضارع۔

خُمُرِ هِنَّ: ان کے ڈوپٹے۔ان کی اوڑھنیاں۔ان کی چادریں۔واحد خِمَارٌ۔

جُیُوْبِهِنَّ: انکے گریبان۔واحد جَیْبٌ۔

بُعُوْلَتِهِنَّ: ان کے شوہر۔ان کے خاوند۔واحد بَعْلٌ۔

اِرْبَة: حاجت۔غرض۔جمع اِرَبٌ۔

عَوْرٰتِ: شرمگاہیں۔پردہ کی باتیں۔واحد عَوْرَةٌ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے مقاتل کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا (ایک بار) حضرت اسماء بنت مرثد اپنے نخلستان میں تھیں۔کچھ عورتیں ان کے پاس آئیں جو ازار پہنے ہوئے نہ تھیں،اس لئے جو کچھ وہ پاؤں میں پہنے ہوئے تھیں (پازیب وغیرہ) وہ کھلا نظر آرہا تھا۔ان کے سینے اور سر کی لٹیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔حضرت اسماء نے فرمایا یہ کیسی بری ہیئت ہے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۹۲/۶)

تشریح: اس آیت میں عورتوں کو بھی وہی حکم دیا گیا جو اس سے پہلی آیت میں مردوں کو دیا گیا تھا کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں خواہ کوئی مرد ان کو دیکھے یا نہ دیکھے۔جن چیزوں کو دیکھنا حلال نہیں ان کی طرف بالکل نظر نہ اٹھائیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کریں اور اپنا جسم کسی کو نہ دکھائیں۔اگر چہ پہلی آیت کے حکم میں مرد مخاطب ہیں مگر اس میں عورتیں بھی داخل ہیں۔دوسری آیت میں تاکید کے لئے عورتوں کو خاص طور پر مخاطب کر کے حکم دیا گیا کہ مردوں کی طرح وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔اس کے بعد خاص عورتوں کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنی زینت کو کسی پر ظاہر نہ کریں سوائے اس زینت کے جو ظاہر ہے اور ان کو چاہئے کہ اپنی چادریں اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔

زینت دو طرح کی ہوتی ہے۔ایک محاسنِ خلقت جو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے اندر پیدا کئے ہیں۔دوسرے غیر خلقی زینت جس کو عورتیں بناؤ سنگھار کے ذریعے حاصل کرتی ہے۔جیسے ہر قسم کے کپڑے،سرمہ،ہاتھ پیر میں مہندی۔انگوٹھی۔چوڑیاں۔بندے اور پازیب وغیرہ۔

اس کے بعد فرمایا کہ مومن عورتیں زیبائش کو یعنی مواضع زینت چہرے،ہاتھ اور پاؤں کو ۱۲ قسم کے اشخاص کے سوا کسی کے سامنے ظاہر نہ ہونے دیں۔وہ بارہ اشخاص یہ ہیں،۱۔اپنے شوہروں کے سامنے،۲۔باپ اور دادا پردادا وغیرہ کے سامنے،۳۔اپنے شوہروں کے باپوں کے سامنے کہ وہ تمہارے باپ کی مانند ہیں۔اس میں دادا اور پردادا سب داخل ہیں،۴۔اپنے بیٹوں کے سامنے،

۵۔اپنے شوہروں کے بیٹوں کے سامنے جو دوسری بیوی سے ہوں،٦۔اپنے بھائیوں کے سامنے۔اس میں حقیقی بھی ہیں اور باپ شریک یعنی علاتی اور ماں شریک یعنی اخیافی بھی،لیکن ماموں خالہ یا چچا، تایا اور پھوپھی کے لڑکے جن کو عرف عام میں بھائی کہا جاتا ہے وہ اس میں داخل نہیں وہ غیر محرم ہیں،٧۔اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے سامنے۔یہاں بھی صرف حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائی کے لڑکے مراد ہیں۔دوسرے عرفی بھائیوں کے لڑکے اس میں شامل نہیں،٨۔اپنی بہنوں کے بیٹوں کے سامنے۔یہاں بھی حقیقی،علاتی اور اخیافی بہنیں مراد ہیں۔ماموں زاد چچازاد بہنیں اس میں شامل نہیں، ٩۔یا اپنی عورتوں کے سامنے۔یعنی ایک عورت دوسری عورت کے سامنے اپنی زینت کا اظہار کرسکتی ہے خواہ وہ عورت مومنہ ہو یا غیر مومنہ،آزاد ہو یا باندی کیونکہ ہر عورت دوسری عورت کی ہم جنس ہے البتہ ناف سے زانوں تک کا حصہ ایک عورت دوسری عورت کے سامنے بھی ظاہر نہیں کرسکتی سوائے خاص ضرورت کے،١٠۔اپنی مملوکہ باندیوں کے سامنے،١١۔ایسے مردوں کے سامنے آنا جو خود کچھ نہیں کما سکتے بلکہ گھر والوں کے تابع رہتے ہوں اور اتنے بوڑھے ہوں کہ ان کی عورتوں کی طرف رغبت نہ رہی ہو،١٢۔وہ چھوٹے لڑکے جو ابھی عورتوں کے حال اور بھید سے واقف نہیں۔

یہ سب محارم ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ایک طبعی نفرت رکھدی ہے کہ مرد اپنی ماں۔خالہ اور بہن کو دیکھتا ہے مگر دل میں برا خیال نہیں آتا۔فقہا نے تصریح کر دی ہے کہ محرم کے سامنے آنا بھی اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

پھر فرمایا کہ مومن عورتوں کو پردے کا اس درجہ اہتمام کرنا چاہئے کہ وہ چلتے ہوئے اپنے پیر زمین پر زور سے نہ ماریں کہ ان کے پوشیدہ زیور لوگوں کو معلوم ہو جائیں۔زمانۂ جاہلیت میں جب عورتیں گھر سے باہر نکلتیں اور ان کے پاؤں میں پازیب وغیرہ ہوتی تو وہ اپنے پاؤں زمین پر زور زور سے مار کر چلتیں تاکہ مرد اس کی آواز سن لیں۔اللہ تعالیٰ نے مومن عورتوں کو ایسی چال سے منع فرمادیا جس سے ان کے زیور کی آواز مردوں تک پہنچے اور مرد اس کو سن کر ان کی طرف راغب ہو جائیں۔آخر میں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر ان احکام پر عمل کرنے میں تم سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

عورتوں کے پردے کے بارے میں سب سے پہلے سورۂ احزاب کی آیت ۵۳ نازل ہوئی۔یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب ذیقعدہ ۵ ہجری میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

آپ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پردے کی پہلی آیت اس موقع پر نازل ہوئی۔سورۂ نور کی آیات ۳۰، ۳۱ واقعہ افک کے ساتھ نازل ہوئیں جو ۶ ھ میں غزوہ نبی مصطلق یا مریسیع سے واپسی میں پیش آیا۔

مذکورہ بالا آیت میں مردوں سے حجاب کرنے یا نہ کرنے کا کوئی حکم نہیں ہے۔البتہ اس میں ستر کے احکام بیان کئے گئے ہیں کہ چہرے اور دونوں ہاتھوں کے سوا عورت کا تمام بدن ستر ہے اور اس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے۔شریعت نے چہرے اور ہاتھوں کو ستر میں اس لئے شامل نہیں کیا کہ ان کو ہر وقت چھپائے رکھنا ممکن نہیں ہے۔ضروریاتِ زندگی ان اعضا کو کھلا رکھنے پر مجبور کرتی ہیں، کیونکہ نہ تو عورت منہ کھولے بغیر گھر میں چل پھر سکتی ہے اور نہ ہاتھوں کو چھپا کر گھر کا کام کاج کر سکتی ہے۔

آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت نامحرموں کے سامنے اپنے حسن و جمال کی نمائش کرے اور نہ اجنبی مردوں کو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کا نظارہ کریں عورت کے لئے اپنی زیبائش کا اظہار، ان بارہ محارم کے سوا جن کا اوپر ذکر ہو چکا، کسی اور کے سامنے جائز نہیں اور محارم کے سامنے آنے کی بھی یہی شرط ہے کہ کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک چہرہ اور پہنچے تک دونوں ہاتھ ستر کے حکم سے مستثنیٰ ہیں بیضاوی نے لکھا ہے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں جس ستر کا حکم ہے اس کا تعلق صرف نماز سے ہے پردے سے نہیں، کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے۔ سوائے شوہر اور محرم کے عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں، ہاں اگر مجبوری ہو تو اور بات ہے۔جیسے بیماری کا علاج اور ادائے شہادت وغیرہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سال قبیلہ خثعم کی ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ نے بندوں پر جو حج فرض کیا ہے وہ میرے بوڑھے باپ پر (بھی عائد ہوتا ہے اور ایسے وقت میں اس پر یہ فرض) عائد ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے سواری پر ٹھیک طرح سے بیٹھ بھی نہیں سکتا۔اگر میں اس کے بدل میں حج کر لوں تو کیا اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا۔آپ نے فرمایا ہاں۔حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ فضل (جو اس وقت رسول اللہ کے پیچھے سوار تھے) اس عورت کی طرف دیکھنے لگے۔وہ عورت بھی فضل کی طرف دیکھ رہی تھی، آپ نے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فضل کے چہرے کو عورت کی

طرف سے پھیر دینا بتا رہا ہے کہ نامحرم عورت کے چہرے کی طرف دیکھنا مردوں کے لئے جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن ستر ہے۔ اپنے گھر میں بھی اس کو مستور رکھنا فرض اور لازم ہے۔مگر چہرے اور دونوں ہاتھوں کو ہر وقت چھپائے رکھنا بہت دشوار ہے اس لئے یہ اعضا ستر سے خارج ہیں، اور اپنے گھر میں ان کو کھلا رکھنا جائز ہے۔ اگر مطلقاً ان کو چھپانے کا حکم دیا جاتا تو عورتوں کے لئے اپنے کام کاج میں سخت تنگی اور دشواری ہو جاتی۔ اس لئے شریعت نے ان کو ستر سے خارج کر دیا۔ ان اعضا کے علاوہ عورت کا تمام بدن ستر ہے جس کا ہر وقت پوشیدہ رکھنا واجب ہے۔ اس کی تفصیلی بحث سورہ احزاب آیت ۵۳ کے ذیل میں آئے گی۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۳۹۸، بیضاوی ۲۹۵، عثمانی ۲/۱۸۴ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۱۷۷ مظہری ۶/۴۹۲-۵۰۲)

افلاس کی بنا پر نکاح ترک کرنے کی ممانعت

۳۲، ۳۳۔ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ

اور تم میں سے جو مجرد ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اور تمہارے غلام اور باندیاں جو نیک ہوں ان کے بھی (نکاح کر دیا کرو) اگر وہ مفلس بھی ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی بنا دے گا اور اللہ وسعت والا (اور) علم والا ہے۔ اور جن لوگوں کو نکاح کی قدرت نہیں ان کو پاک دامن رہنا چاہئے یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے۔

اَیَامیٰ: بغیر بیوی والے مرد۔ بغیر شوہر والی عورت۔ واحد اَیِّم۔

اَیِّم۔ ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو یا ایسا مرد جس کی بیوی نہ ہو خواہ اس نے پہلے نکاح کر کے جدا کر دیا ہو یا اس نے اب تک شادی ہی نہ کی ہو۔ اس کا طلاق اکثر عورت پر ہوتا ہے لیکن مردوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔　　(ابن کثیر ۳/۲۸۶)

اماۤئکُم: تمہاری لونڈیاں۔ واحد امۃٌ

لِیَسْتَعْفِف: تاکہ وہ بچتا رہے۔ تاکہ وہ (زنا سے) پرہیز کرتا رہے۔ تاکہ وہ پاک دامن رہے۔

تشریح: یہاں آزاد عورتوں کے سرپرستوں اور کنیزوں و غلاموں کے آقاؤں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم میں سے جو غیر شادی شدہ ہو خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ ابتدا سے مجرد ہو یا بیوی کی وفات اور طلاق سے مجرد ہو گیا ہو تو تم مناسب موقع پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اسی طرح اگر غلاموں اور کنیزوں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں ان کا بھی نکاح کر دیا کرو تا کہ نکاح سے ان کو طہارت اور پاکیزگی حاصل ہو جائے۔ اگر تم تنگ دستی کے باوجود طہارت و پاکیزگی کی نیت سے نکاح کرو گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے تمہاری تنگ دستی کو فراخی دستی سے بدل دے گا، اس لئے کہ وہ اس پر قادر ہے اور سب کے رزق کا ذمہ دار ہے، اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے، جس کو چاہے مال دار بنا دے، اور جس کو چاہے محتاج و فقیر ہی رہنے دے، جن لوگوں کو نکاح کے اسباب میسر نہیں ان کو صبر و ضبط سے کام لیتے ہوئے اپنی عفت و پاک دامنی کی حفاظت کرنی چاہئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و رحمت سے غنی کر دے۔ اس وقت وہ لوگ نکاح کر لیں۔

مکاتبت و اعانتِ مملوک

۳۳، ۳۴۔ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِھْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

اور تمہارے غلاموں میں سے جو کوئی آزادی کی تحریر لکھوانا چاہے تو ان کو (ایسی تحریر) لکھ دو بشرطے کہ تمہیں ان میں بھلائی نظر آتی ہو۔ اور اللہ نے جو مال تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے انہیں بھی دو اور تمہاری جو باندیاں پاک دامن رہنا چاہتی ہوں تو تم دنیوی زندگی کے کچھ فائدے کے لئے ان کو بدکاری پر مجبور نہ کرو اور جو ان کو مجبور کرے گا تو اللہ ان پر جبر کے بعد بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اور البتہ ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل کی ہیں اور ان لوگوں کی مثالیں بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بھی۔

فَتَیٰتِکُمْ: تمہاری نو جوان عورتیں۔تمہاری باندیاں۔واحد فَتَاۃٌ۔

البِغَاءِ: بدکاری۔زناکاری۔مصدر ہے۔

تَحَصُّناً: پاک دامن رہنا۔پرہیزگار رہنا۔مصدر ہے۔

عَرَضَ: مال ومتاع۔سامان۔جمع عُرُوْضٌ۔

تشریح: تمہارے مملوک غلام یا کنیزوں میں سے جو بھی اپنے آقاؤں سے مکاتبت کرنا چاہیں تو آقاؤں کو چاہئے کہ وہ ان کی خواہش پوری کریں۔اس میں ان کے لئے بہت بڑا اجر وثواب ہے۔ مکاتبت یہ ہے کہ کوئی مملوک اپنے آقا سے یہ کہے کہ آپ مجھ پر کچھ رقم مقرر کردیں۔اگر وہ رقم میں اپنی محنت ومزدوری سے کما کر آپ کو ادا کردوں تو میں آزاد ہو جاؤں گا۔آقا اگر اس کو قبول کرلے تو اسی کا نام مکاتبت ہے۔دوسری صورت یہ کہ آقا خود غلام سے کہے اگر تو اتنی رقم کما کر ادا کردے تو تو آزاد ہے،اگر غلام اس کو قبول کرلے تو یہ بھی مکاتبت ہے۔

مکاتبت طے ہو جانے کے بعد شرعاً لازم ہو جاتی ہے۔پھر آقا کو اس کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رہتا۔جس وقت بھی غلام معینہ رقم کما کر اپنے آقا کو دے دے گا وہ خود بخود آزاد ہو جائے گا شریعت نے مکاتبت کی رقم کی حد مقرر نہیں فرمائی یہ غلام کی قیمت کے برابر بھی ہو سکتی ہے اور کم یا زیادہ بھی۔جو بھی فریقین میں طے ہو جائے۔جب ایک غلام کی آزادی ایک مقررہ رقم کما کر آقا کو دینے پر موقوف ہے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس معاملے میں اس کی مالی مدد کریں۔اس کو زکوۃ بھی دے سکتے ہیں۔خود آقا کو بھی اس کی مالی مدد کرنی چاہئے۔یا وہ بدل کتابت میں کمی کرے۔

پھر فرمایا کہ تم اپنی کنیزوں کو اس پر مجبور نہ کرو کہ وہ زناکاری کے ذریعے مال کما کر تمہیں دیا کریں خاص طور پر جبکہ وہ کنیزیں زنا سے بچنا اور پاک دامن رہنا چاہیں۔زمانہ جاہلیت میں لوگ کنیزوں کو اس کام کے لئے استعمال کرتے تھے۔سو اللہ تعالیٰ نے اس سے سختی سے منع فرمادیا۔اگر کسی نے اس کو اس کام پر مجبور کیا اور وہ آقا کے جبر سے مغلوب ہو کر زنا میں مبتلا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو معاف فرمادے گا اور اس کا سارا گناہ مجبور کرنے والے پر ہوگا۔

اور ہم نے اپنے کلام یعنی قرآن کی واضح اور روشن آیات نازل کیں جن کی تصدیق سابقہ آسمانی کتابوں سے بھی ہوتی ہے اور سلیم عقلیں بھی ان کو مانتی ہیں۔جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں ہم نے ان کی مثالیں اور واقعات بھی بیان کردیئے ہیں۔جن سابقہ امتوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی

مخالفت کی اور بے حیائی کا ارتکاب کیا، ان کا حال اور انجام بھی تمہارے سامنے ہے تاکہ تم اس سے عبرت پکڑو اور ہم نے پرہیزگاروں کے لئے نصیحت اتاری تاکہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۰۸۔۶/۴۱۷)

زمین و آسمان کا نور

۳۵۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ
فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ
لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ
يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ
شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایک طاق کی مانند ہے جس میں چراغ ہو (اور) چراغ شیشے کی قندیل میں ہو (اور) شیشہ گویا کہ ایک چمکتا ہوا تارا ہو۔ (وہ چراغ) ایک بابرکت درخت زیتون سے روشن کیا جاتا ہو۔ وہ درخت نہ مشرقی (رخ) ہے اور نہ مغربی (رخ) ہے۔ قریب ہے کہ اس کا تیل روشن ہو جائے گو اس کو ابھی آگ نے مَس (بھی) نہ کیا ہو۔ نور پر نور ہے، اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے راہنمائی کر دیتا ہے اور لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

مِشْكٰوةٍ: چراغ رکھنے کا طاق۔

مِصْبَاحٌ: چراغ۔ قندیل۔ صُبْحٌ سے اسم آلہ۔

زُجَاجَةٍ: شیشہ۔ شیشے کا قندیل۔ جمع زُجَاجٌ۔

كَوْكَبٌ: ستارہ۔ جمع كَوَاكِبُ۔

دُرِّىٌّ: چمکتا ہوا۔ موتی کی مانند۔ جمع دَرَارِىٌّ۔

يُوْقَدُ: وہ روشن کیا جاتا ہے۔ وہ جلایا جاتا ہے۔ اِيْقَادٌ سے مضارع مجہول۔

زَيْتُهَا: اس کا تیل۔ زیتون کا تیل۔

یُضِیْئُ: وہ روشن ہوتا ہے۔ وہ چمکتا ہے۔ وہ جلتا ہے۔ اِضَائَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: تمام کائنات کو جو نور ملا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے نور کا عکس اور پرتو ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نور مطلق ہے اور آسمان و زمین کے تمام انوارِ حسیہ و عقلیہ پر غالب ہے، آسمان و زمین کی حدود میں جو ظاہری اور باطنی اور حسی و معنوی روشنی ہے وہ سب نور مطلق کا فیض اور عطیہ ہے۔ آسمان و زمین کے تمام انوار محدود اور متناہی ہیں اور اللہ جل شانہ، نور الانوار ہے اس کا نور غیر محدود و غیر متناہی ہے۔ مخلوق کا نور عارضی اور اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور اس کا پیدا کیا ہوا ہے اور اگر وہ مخلوق کے نور کو پیدا نہ کرتا تو دنیا کی کوئی چیز دکھائی نہ دیتی۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عطا کردہ نورِ ہدایت اور نورِ توفیق کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اس کی طرف سے مومن کے دل میں جو نورِ ہدایت ڈالا گیا ہے اس کی شان ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، وہ چراغ براہ راست طاق میں نہیں بلکہ شیشے کے ایک صاف و شفاف قندیل میں بند کر کے طاق میں رکھا ہوا ہے جس سے اس کی روشنی دوبالا ہو جاتی ہے وہ قندیل ایسا صاف و شفاف ہے گویا کہ ایک روشن اور چمکدار ستارہ۔ وہ چراغ زیتون کے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہے۔ یہ مبارک درخت نہ مشرقی سمت میں ہے نہ مغربی سمت میں بلکہ ایک کھلے میدان میں ہے جس کو ہر طرف سے دھوپ پہنچ رہی ہے۔ اس کے اور آفتاب کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں۔ ایسے درخت کا روغن نہایت صاف و شفاف اور روشن ہوتا ہے۔ اس کا تیل ایسا صاف و شفاف ہے کہ آگ دکھانے بغیر ہی جلتا ہوا نظر آتا ہے اور جب اس کو جلا دیا جائے تو پھر وہ نور علیٰ نور ہے

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۲۸۔۱۳۱/ ۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے آیت مثل نورہ کمشکوٰۃ کے معنی کی تشریح کے لئے فرمایا۔ کعب احبار نے کہا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حالت بطور تمثیل بیان کی ہے۔ مشکوٰۃ سے مراد رسول اللہ ﷺ کا مبارک سینہ اور شیشے سے مراد آپ کا دل اور مصباح سے مراد ہے نبوت اور یکاد زیتھا یُضِیْئُی کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے نبوت کا دعویٰ نہ بھی کیا ہوتا تب بھی قریب تھا کہ آپ کا نور جگمگانے لگتا اور آپ کا نبی ہونا خود بخود لوگوں کے سامنے آجاتا۔ (مظہری۔ ۶/۵۲۵)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے نور کے ذریعے ہدایت دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت اور فائدے کے لئے ایسی مثالیں بیان کرتا ہے کہ ان پر حق و باطل کا فرق واضح ہو جائے اور

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے خوب واقف ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون اس نور ہدایت کے لائق ہے اور کون نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر اس نے اپنے نور کا کچھ حصہ (پرتو) ڈالا۔ پس جس شخص نے اس نور کا کچھ حصہ پالیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس نے نور کا حصہ نہ پایا وہ گمراہ ہو گیا۔
(مظہری ۵۳۷/۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ اللہ کے نور کی مثال ہے جو مومن کے دل میں ہوتا ہے۔ اس طرح مومن کا دل فطری طور پر ہدایت پر عمل کرنے لگتا ہے۔ جب اس کے پاس (شریعت کے ذریعہ) علم آجاتا ہے تو اس کی ہدایت میں اور زیادتی ہو جاتی ہے (اور ایک ہدایت پر دوسری ہدایت ہو جاتی ہے یعنی اول تو مومن کا دل خود روشن تھا جب اوپر سے اس کو نور ہدایت آ لگا) تو وہ نور علیٰ نور ہو گیا۔　(مظہری ۵۳۱/۶)

صبح شام اللہ کی تسبیح کرنے والے

۳۶۔۳۸۔ فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ يُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

وہ ایسے گھروں میں (جا کر عبادت کرتے ہیں) جن کی نسبت اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ وہ لوگ ان (مسجدوں) میں صبح شام (نمازوں میں) اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ (یہ) ایسے لوگ (ہیں) جنہیں تجارت اور خرید و فروخت نہ ذکر الٰہی سے روکتی ہے اور نہ نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے۔ وہ لوگ اس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے اور ان کو اپنے فضل سے اور بھی دے اور اللہ

جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔

الغُدُوِّ: صبح کے اوقات۔ واحد غُدْوَۃٌ.

الْآصَالِ: شام کے اوقات۔ واحد اَصِیْلٌ۔

تُلْهِیْهِمْ: وہ ان کو غافل کرتی ہے۔ اِلْهَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ نور ہدایت مسجدوں اور خانقاہوں میں ان لوگوں کو ملتا ہے جو ان کی تعظیم و احترام کرتے ہیں اور صبح و شام اللہ کی تسبیح اور ذکر میں لگے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر تو دنیا کی تجارت اور کام کاج میں لگے رہتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ آخرت کی تجارت یعنی اللہ کے ذکر اور تسبیح و تہلیل میں منہمک رہتے ہیں۔ دنیوی تجارت اور خرید و فروخت ان کو اللہ کی یاد اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں انہی کے دل نور ہدایت سے منور ہیں۔

یہی وہ لوگ ہیں جو اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی، ان پر آخرت کا خوف غالب ہے اس لئے وہ لہو لعب میں نہیں پڑتے بلکہ ہمہ تن آخرت کی طرف متوجہ رہتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے اس کو اتنا بڑھا دے جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ ہو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۳۲، ۱۳۳/۵)

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مسجدیں زمین پر اللہ کے گھر ہیں۔ یہ آسمان والوں کی نظر میں ایسی روشن دکھائی دیتی ہیں جیسے زمین والوں کو (آسمان پر) ستارے۔ (مظہری ۶/۵۳۹)

کافروں کے اعمال کی مثالیں

۳۹، ۴۰۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَاؕ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے چٹیل میدان میں چمکتی ہوئی ریت جس کو پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور اللہ ہی کو اپنے پاس پایا۔ پس اللہ نے اس کا حساب پورا پورا چکا دیا اور اللہ بہت سرعت سے حساب لینے والا ہے۔ یا ایسی مثال ہے جیسے گہرے سمندر کی تاریکیاں جسے اوپر تلے موجوں نے ڈھانپ رکھا ہو پھر اوپر سے بادل چھائے ہوئے ہوں۔ اوپر تلے بہت سی تاریکیاں ہیں کہ اگر اپنا ہاتھ نکالے تو اس کو دیکھنے کا بھی احتمال نہیں۔ اور جس کو اللہ ہی نے نور نہ دیا ہو تو اس کے لئے کہیں بھی نور نہیں۔

کَسَرَابٍ: سراب کی مانند۔ چمکدار ریت کی مانند۔

بِقِيْعَةٍ: چٹیل میدان کے ساتھ۔ زمین کے نشیبی حصے کے ساتھ۔ وسیع میدان۔ واحد قَاعٌ۔

الظَّمْاٰنُ: پیاسا۔ تشنہ۔ ظَمَأٌ سے صفت مشبہ۔

لُجِّيٍّ: گہرا دریا۔ پانی سے بھرا ہوا۔

يَكَدْ: وہ نزدیک تھا۔ وہ قریب تھا۔ كَوْدٌ سے مضارع۔

تشریح: کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے گمان اور عقیدے کے موافق اچھے کام کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد وہ ان کے کام آئیں گے۔ حالانکہ کوئی بھی اچھا کام کفر و شرک کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔ ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے دوپہر کے وقت ایک پیاسے کو دور صحرا میں پانی دکھائی دے۔ حقیقت میں وہ پانی نہیں بلکہ سراب یعنی پانی کی طرح چمکتی ہوئی ریت ہے۔ پیاس کی شدت سے بے تاب ہو کر جب کوئی پیاسا اس سراب کو پانی سمجھ کر جان توڑ کوشش کر کے وہاں پہنچتا ہے تو وہ وہاں پانی کا نام ونشان نہیں پاتا۔

یہی حال کافروں کا ہے جو اپنے دل میں یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں بہت اچھے کام کئے ہیں اور ان کی بہت سی نیکیاں جمع ہیں۔ آخرت میں ان کو ان کا اجر و ثواب ملے گا، قیامت کے روز وہ اللہ کے پاس اپنی کوئی نیکی نہ پائیں گے بلکہ بالکل خالی ہاتھ ہوں گے۔ پھر اللہ ان کو ان کے اعمال کا پوری طرح حساب چکا دے گا کیونکہ اللہ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو سراپا دنیا کے مزوں میں غرق ہیں اور اپنے کفر و ظلم اور

گناہوں کی تاریکیوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس روشنی کی اتنی بھی چمک نہیں جتنی سراب پر دھوکہ کھانے والوں کو نظر آتی تھی۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سمندر کی تہ کی تاریکی ہو اور اس کو تہ بہ تہ موجوں اور ابر نے ڈھانکا ہوا ہو، یہاں تک کہ ہاتھ بھی بجھائی نہ دیتا ہو۔ اسی طرح کافر کے دل پر، اس کی آنکھوں پر اور اس کے کانوں پر کفر و عصیان کی سیاہی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ سو جس کو اللہ تعالیٰ توفیق کا نور نہ دے اس کو کون ہدایت کی روشنی پہنچا سکتا ہے۔

(عثمانی ۱۸۹، ۲/۱۹۰، ابن کثیر ۳/۲۹۶)

کائنات کی تسبیح

۴۲،۴۱۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۚ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور پرندے جو پر پھیلائے اڑتے ہیں سب اللہ ہی کی تسبیح کرتے ہیں، تحقیق سب کو اپنی اپنی دعا اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی حکومت ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تشریح: تمام مخلوق خواہ وہ آسمانوں میں ہو جیسے فرشتے یا زمین میں جیسے انسان، جنات، حیوانات اور جمادات وغیرہ، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مشغول رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ پرندے بھی اللہ کی تسبیح میں مشغول ہیں جو پر پھیلائے ہوئے ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو عبادت اور تسبیح کے طریقے سکھا دیئے۔ اور اس نے جس کو جو طریقہ الہام کیا وہ اس کے مطابق تسبیح کرتا ہے۔ جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔ اس پر کوئی کام مخفی نہیں، وہی آسمانوں اور زمین کا مالک و خالق اور بادشاہ ہے، وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ کوئی اس کے حکموں کو ٹالنے والا نہیں۔ قیامت کے دن سب کو اسی کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ اچھے اعمال کا بدلہ جنت اور برے اعمال کا بدلہ دوزخ ہے۔

اولوں کے پہاڑ

۴۳، ۴۴۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ اَنَّ اللّٰهَ
يُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ
مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ
بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝
يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ بادلوں کو چلاتا ہے، پھر وہ ان کو ملا دیتا ہے، پھر وہ ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے، پھر تو دیکھتا ہے کہ ان کے درمیان سے مینہ برستا ہے۔ وہی اللہ آسمان میں پہاڑ جیسے بادلوں میں سے اولے برساتا ہے، پھر جس پر چاہتا ہے ان (اولوں) کو گرا دیتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ اس کی بجلی کی چمک ایسی ہے کہ گویا آنکھوں کی بینائی لے جائے اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے۔

یُزْجِیْ: وہ ہنکاتا ہے۔ وہ چلاتا ہے۔ وہ اٹھاتا ہے۔ اِزْجَاءٌ سے مضارع۔

سَحَابًا: بادل۔ ابر۔ جمع سُحُبٌ۔

یُؤَلِّفُ: وہ تالیف کرتا ہے۔ وہ اکٹھا کرتا ہے۔ تَاْلِیْفٌ سے مضارع۔

رُکَامًا: تہ بہ تہ۔ ڈھیر۔

الوَدْقَ: مینہ۔ بارش۔ اسم ہے۔

خِلٰلِہٖ: اس کے درمیان۔

بَرَدٍ: اولے۔

سَنَا: چمک، روشنی، بجلی کی کوند،

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی بادلوں کو ادھر سے ادھر ہنکاتا ہے۔ پھر وہ بادل کے چھوٹے چھوٹے اور منتشر ٹکڑوں کو یکجا اور ایک دوسرے کے اوپر کر کے ان کو تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔ اس طرح ایک گہرا بادل بن جاتا ہے۔ پھر اس بادل میں سے بارش نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے جو زمین پر گر کر اس کو سیراب کر

دیتی ہے۔ آسمان یا بادل میں جو اولوں کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں، اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت کاملہ سے، ان میں سے اولے برساتا ہے۔ وہی جس پر چاہتا ہے اس بارش اور اولوں کو گرا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان اولوں سے جن کے جان و مال، کھیتوں اور باغوں کو چاہتا ہے، ہلاک و برباد کر دیتا ہے اور جن پر وہ مہربان ہو ان کو بچا لیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ قریب ہے کہ بجلی کی چمک آنکھوں کو اچک لے جائے۔ اللہ تعالیٰ ہی رات اور دن میں تصرف کرتا ہے۔ وہ جب چاہتا ہے رات کو چھوٹا اور دن کو بڑا کر دیتا ہے اور جب چاہتا ہے دن کو چھوٹا اور رات کو بڑا کر دیتا ہے۔ یہ سب اس کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں، بلاشبہ ان نشانیوں میں اہل بصیرت کے لئے عبرت ہے۔

مظاہر قدرت

۴۵۔۴۶، وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ
مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ
مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ
وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

تمام چلنے پھرنے والے جانداروں کو اللہ ہی نے پانی سے پیدا کیا ہے۔ پھر بعض تو ان میں وہ ہیں جو اپنے پیٹ پر چلتے ہیں اور ان میں سے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں اور ان میں سے بعض چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ بلاشبہ ہم نے واضح آیتیں نازل کی ہیں۔ اور اللہ ہی جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر دیتا ہے۔

دَآبَّةٍ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ مخلوق۔ دَوَابٌّ سے اسم فاعل۔

يَمْشِيْ: وہ چلتا ہے۔ وہ پھرتا ہے۔ مَشْيٌ سے مضارع۔

بَطْنِهٖ: اس کا پیٹ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے کہ اس نے ایک ہی پانی سے طرح

طرح کی مخلوق پیدا فرمادی۔ سو ان میں سے بعض تو وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں، جیسے سانپ اور مچھلی وغیرہ۔ اور ان میں سے کچھ دو ٹانگوں پر چلتے ہیں۔ جیسے انسان اور پرندے اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں، جیسے اونٹ، گائے، بھینس و بکری شیر، ہاتھی وغیرہ۔ سو اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کے اعتبار سے سب برابر ہیں۔ قرآن کریم میں روشن مثالیں اور واضح دلائل اللہ تعالیٰ ہی بیان فرماتے ہیں، تاکہ لوگ ان کو دیکھ کر راہِ راست پر آئیں۔ لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔

منافقین کا حال

۴۷۔۵۰۔ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم مُّعْرِضُونَ ۝ وَإِن يَكُن لَّهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ۝ أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝

وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے (ان کی) اطاعت کی۔ پھر اس کے بعد بھی ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور وہ تو ایمان لائے ہی نہ تھے۔ اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ فرمادے تو ان کا ایک گروہ پہلو تہی کرتا ہے۔ اور اگر ان کا حق (کسی کی طرف واجب) ہو تو سرِ تسلیم خم کئے ہوئے اس (رسول) کی طرف چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں یا وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کی حق تلفی نہ کر دیں (نہیں) بلکہ یہ خود ہی بے انصاف ہیں۔

مُذْعِنِيْنَ: اطاعت کرنے والے۔ فرمان بردار۔ اقرار کرنے والے۔ اِذْعَانٌ سے اسم فاعل۔

اِرْتَابُوْا: وہ شبہ میں پڑے۔ انہوں نے دھوکہ کھایا۔ اِرْتِيَابٌ سے ماضی۔

یحیف: وہ ظلم کرے گا۔ وہ زیادتی کرے گا۔ وہ حق تلفی کرے گا۔ حَیف سے مضارع۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کسی زمین کے متعلق جھگڑا تھا۔ یہودی چاہتا تھا کہ جھگڑے کا فیصلہ رسول اللہ ﷺ سے کرائے (کیونکہ اسے یقین تھا کہ محمد ﷺ ظلم اور حق تلفی نہیں کرتے) منافق نے کہا کہ اس کا تصفیہ کعب بن اشرف یہودی سے کراؤ۔ محمد ﷺ ہماری حق تلفی کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (مظہری ۵۷۴/۶)

تشریح: ان آیات میں منافقوں کی مذمت ہے کہ زبان سے تو وہ ایمان و اطاعت کا اقرار کرتے ہیں لیکن دل سے وہ اس کے خلاف ہیں، اسی لئے جب عمل کا وقت آتا ہے تو یہ لوگ منہ موڑ لیتے ہیں۔ چونکہ ان کے دلوں میں شروع ہی سے ایمان نہیں تھا اس لئے وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔ اگر ان لوگوں کا کسی سے کوئی تنازع ہوا اور یہ حق پر بھی نہ ہوں تو اس وقت اگر دوسرا فریق یہ کہے کہ رسول اللہ کی خدمت میں چل کر اس کا فیصلہ کرالو تو یہ منافق اس پر راضی نہیں ہوتے اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ آنحضرت بلا رو رعایت حق کے موافق فیصلہ فرمائیں گے جو ان کے مفاد کے خلاف پڑے گا، حالانکہ اس سے پہلے وہ آپ پر ایمان لانے، آپ کا حکم ماننے اور آپ کی کامل اتباع کے دعوے کر رہے تھے۔ اگر بالفرض کسی تنازع میں وہ لوگ حق پر ہوں تو اس صورت میں وہ فرماں برداری اور اطاعت کا اظہار کرتے ہوئے فوراً گردن جھکا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو جائیں گے اور اپنا معاملہ آپ کے سپرد کر دیں گے تاکہ اپنا مفاد حاصل کرلیں۔

ان کی یہ حالت اس لئے ہے کہ یا تو ان کو اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں کوئی دھوکہ لگا ہوا ہے اور ان کے دلوں میں بے ایمانی گھر کر گئی ہے یا ان کو دین اسلام کی صداقت میں شک وشبہ ہے، یا یہ گمان ہے کہ کہیں اللہ اور اس کا رسول بے انصافی کر کے ان کا حق نہ مار لیں اس لئے وہ ان کی عدالت میں مقدمہ لے جانے سے کتراتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ باتوں میں سے کسی بات کا بھی احتمال نہیں بلکہ یہی لوگ ظالم و بے انصاف ہیں اور انہی کے دلوں میں کھوٹ ہے کہ نہ اللہ پر دل سے ایمان لاتے ہیں اور نہ اس کے رسول کا حکم مانتے ہیں۔ (عثمانی ۱۹۲/۲، ابن کثیر ۲۹۹،۲۹۸/۶)

مومنین مخلصین کا حال

۵۲،۵۱۔ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝

مومنوں کی بات تو یہی تھی کہ جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف اس لئے بلایا گیا تا کہ وہ (رسول) ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس (کی نافرمانی) سے بچتا ہے تو وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں منافقین کا حال بیان کیا گیا تھا۔ اب ان آیتوں میں مخلص مومنوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی معاملے میں ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اپنا نفع ونقصان دیکھے بغیر بلا توقف فوراً اللہ اور اس کے رسول کا حکم سنتے ہی ''ہم نے سنا اور (دل سے) مان لیا'' کہتے ہوئے اس کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہی لوگ آخرت میں فلاح پانے والے ہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا مطیع وفرمان بردار بن جائے اور ان کے احکام کو بجالائے اور گناہوں پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرتا رہے اور آئندہ ممنوعات سے اجتناب کرتا رہے تو ایسے لوگ ہی دنیا اور آخرت میں فلاح پانے والے اور کامیاب ہیں۔

منافقوں کی قسمیں

۵۴،۵۳۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ، قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا، طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ، اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ، وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا، وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر آپ حکم دیں تو ہم ضرور (جہاد کے لئے) نکل پڑیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرماں برداری کا حال معلوم ہے۔ بیشک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ پھر بھی اگر تم نے روگردانی کی تو

رسول کے ذمے تو وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے۔ اور تمہارے ذمے
وہ ہے جو تم پر بار رکھا گیا ہے۔ اور اگر تم اس (رسول) کی اطاعت کرو گے تو
ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمے تو صرف صاف طور پر پہنچا دینا ہے۔

جھد: زوردار کوشش۔ سخت۔ پختہ۔ تاکید۔ مصدر ہے۔

ایمانھم: ان کی قسمیں۔ واحد یمینٌ۔

حُمِّلَ: اس پر بار رکھا گیا۔ وہ لادا گیا۔ تَحْمِیلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: ان آیتوں میں اہل نفاق کا حال بیان کیا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اپنی خیر خواہی کا یقین دلاتے ہوئے پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ جہاد کے لئے تیار ہیں۔ آپ کا حکم ہوتے ہی گھر بار اور اہل و عیال کو چھوڑ کر فوراً میدان جنگ میں پہنچ جائیں گے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کو لمبی چوڑی قسمیں کھانے کی ضرورت نہیں۔ ان کی اطاعت کی حقیقت کھل چکی ہے کہ زبان سے تو بہت دعوے کرتے ہیں مگر عملاً صفر ہیں۔ جس قدر ان کی زبان مومن ہے اسی قدر دل کافر ہے۔ ان کی قسمیں صرف مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی فعل مخفی نہیں۔ وہ اپنے بندوں کے ایک ایک عمل سے باخبر ہے۔، ہر ایک کے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اتباع کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے روگردانی کے گناہ کا وبال بھی تم ہی پر ہوگا کیونکہ رسول کے ذمے تو صرف اللہ پیغام کا واضح طور پر پہنچا دینا اور امانت کو ادا کر دینا ہے۔ اللہ کے پیغام کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا تمہارے ذمے ہے۔ اگر تم شوق رغبت کے ساتھ رسول اللہ کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے۔

خلافتِ ارضی کا وعدہ

۵۵۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي
الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي
ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ
بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو اللہ نے ان
کیلئے وعدہ کرلیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں حکومت عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ان
سے پہلے لوگوں کو عطا فرمائی تھی اور یقیناً جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند
کیا ہے وہ اس کو ان کے لئے قوت دے گا۔ اور البتہ ان کے خوف کو امن سے
بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کرتے رہیں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ
ٹھہرائیں گے اور جو لوگ اس کے بعد بھی کفر کریں تو وہ یقیناً فاسق ہیں۔

شانِ نزول: طبرانی اور حاکم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام (ہجرت کرکے) مدینے تشریف لے آئے تو تمام عرب ان کا دشمن ہوگیا۔ مسلمان خوف کے مارے ہر وقت ہتھیار بند رہتے تھے۔ ان کو خیال ہوتا تھا کہ کاش (کبھی) ایسی زندگی بھی ہمیں میسر ہو جائے کہ ہماری راتیں امن و چین کے ساتھ گزریں اور اللہ کے سوا ہمیں کسی کا خوف نہ ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۵۵۰)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کی امت کو زمین کا حکمران بنائے گا۔ گو آج یہ لوگ لرزاں و ترساں ہیں۔ کل یہی لوگ امن و اطمینان کے ساتھ حکومت کریں گے۔ دشمنانِ اسلام مغلوب ہوں گے اور مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوں گے۔ چنانچہ بحمد اللہ اسی طرح ہوا کہ مکہ، خیبر، بحرین، جزیرۂ عرب اور یمن تو خود آپ ﷺ کی موجودگی میں فتح ہوئے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حکومت کو مضبوط و مستحکم بنایا۔ اس کے ساتھ ہی ایک لشکرِ جرار حضرت خالد بن ولیدؓ کی سپہ سالاری میں بلاد فارس کی طرف بھیجا جس نے وہاں فتوحات کے ساتھ ساتھ کفر کے درختوں کو کاٹ چھانٹ کر ہر طرف اسلام کے پودے لگا دیئے۔ اسی طرح حضرت عبیدہ بن جراحؓ وغیرہ کے ماتحت شام کے علاقوں میں اسلام کے جانبازوں کو روانہ فرمایا۔ انہوں نے بھی اسلامی جھنڈا بلند کیا اور صلیبی نشان مٹائے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں مجاہدین کا ایک اور لشکر مصر کی طرف روانہ فرمایا۔

پھر حضرت ابوبکر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے۔ اور تمام ملک شام، مصر کا پورا علاقہ اور فارس کا اکثر حصہ آپ کی خلافت کے زمانے میں فتح ہوا۔ کسریٰ کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔ خود کسریٰ کو منہ چھپانے کی جگہ نہ ملی، کامل ذلت اور اہانت کے ساتھ بھاگتا پھرا۔ قیصر کا نام و نشان مٹ گیا۔ اس کو روم کی سلطنت سے دستبردار ہونا پڑا۔ ان سلطنتوں کی صدیوں کی جمع کردہ دولت

اور خزانے اللہ کے ان نیک بندوں نے غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کئے اور اللہ کے وہ وعدے پورے ہوئے جو اس نے اپنے حبیب ﷺ کی زبانی کئے تھے۔

پھر حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اللہ کا دین مشرق و مغرب کی انتہا تک پھیل گیا، اندلس قبرص، قیروان وسبتہ یہاں تک کہ چین تک آپ کے زمانے میں فتح ہوئے۔ دوسری جانب مدائن، عراق، خراسان، اھواز سب فتح ہو گئے ترکوں سے جنگ عظیم ہوئی۔ آخر ان کا بڑا بادشاہ خاقان ذلیل وخوار ہوا۔

آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعمال صالحہ کرنے والے مومنوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ان کو زمین پر خلیفہ اور حاکم ضرور بنائے گا۔ جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو بنادیا تھا۔ پہلے لوگوں سے مراد حضرت داؤد حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ ہیں۔ قتادہ نے آیت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ آیت میں پہلے لوگوں سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس طرح تم سے پہلے اس نے بنی اسرائیل کو مصر اور شام کی حکومتیں دیں اور ان کے ملک و مال کا وارث بنادیا اسی طرح وہ تمہیں بھی دشمنانِ اسلام پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ایسی عظیم سلطنت عطا فرمائے گا جو قوت وشوکت میں ضرب المثل ہوگی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے وہ ان کے لئے اس دین (اسلام) کو ضرور مستحکم ومضبوط کرے گا اور دنیا کی کوئی طاقت دین اسلام کو ہلا نہ سکے گی، اور یہ لوگ بے خوف وخطر اپنے دین پر عمل کریں گے، جو تمام دینوں پر غالب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے خوف کو امن وسکون سے بدل دے گا۔ اللہ تعالیٰ کے یہ تمام وعدے صبح کی سفیدی کی طرح پورے ہوئے اور آپ کی نبوت ورسالت کی دلیل بنے۔

پھر فرمایا سلطنت وحکومت مل جانے کے بعد یہ لوگ دنیوی حکمرانوں کی طرح اپنے رب سے غافل نہیں ہوں گے، بلکہ اس کی عبادت و بندگی میں لگے رہیں گے اور اس کے ساتھ کسی کو ذرہ برابر بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ پس ایسی حکومت اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ لہٰذا جو شخص اس عظیم انعام کے بعد ناشکری کرے تو ایسے ہی لوگ اعلیٰ درجے کے فاسق ہیں، اس ناشکری کا آغاز حضرت عثمان کے زمانے میں باغیوں سے ہوا۔

(ابن کثیر ۲۰۰۔۳/۲۰۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۴۳، ۵/۱۴۴)

کفار کا ٹھکانا

۵۶، ۵۷۔ وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۝ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْاَرْضِ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ۝

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ (اے نبی) یہ خیال بھی نہ کرنا کہ کافر زمین میں (اللہ کو) عاجز کر دیں گے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

تشریح: اے مسلمانو! جب تمہیں ایمان و عمل صالح کے ثمرات و برکات معلوم ہو گئے تو اب تمہیں نماز قائم کرنی چاہئے اور زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اتباع اور فرماں برداری کرنی چاہئے تا کہ تم پر اللہ کی خاص رحمت ہو۔

اے نبی ﷺ آپ کو یہ گمان بھی نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کو جھٹلانے والے اور آپ کو نہ ماننے والے ادھر ادھر بھاگ کر ہمیں عاجز کر دیں گے اور ہمارے بے پناہ عذابوں سے بچ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر لحہ ان کو پکڑنے پر قادر ہے۔ اس نے کسی حکمت کے تحت ان کو مہلت دے رکھی ہے۔ آخر کار ان کا اصل ٹھکانا جہنم ہے جو بلا شبہ نہایت بری جگہ ہے۔ دنیا میں جو عیش و راحت ان کو ملی ہوئی ہے وہ چند روزہ ہے۔ اس پر فخر و غرور کرنے کی بجائے آخرت کے انجام اور دوزخ سے بچنے کی فکر کرنی چاہئے۔

اجازت لیکر گھر میں داخل ہونا

۵۸۔۶۰، يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِينَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۭ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَاۗءِ ۣ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۭ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۭ طَوّٰفُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰي بَعْضٍ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ۝ وَالْقَوَاعِدُ

مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

اے ایمان والوں! تمہارے غلام اور تمہارے وہ لڑکے جو حد بلوغ کو نہیں پہنچے ان تین وقتوں میں تم سے اجازت لے کر تمہارے پاس آیا کریں۔ نماز فجر سے پہلے اور ظہر کے وقت جبکہ تم اپنے کپڑے اتار کر رکھ دیتے ہو اور نماز عشا کے بعد، یہ تینوں وقت تمہارے پردے کے ہیں۔ ان (وقتوں) کے بعد (بلا اجازت آنے پر) نہ تم پر کچھ گناہ ہے اور نہ ان پر، تم سب آپس میں بکثرت ایک دوسرے کے پاس آنے جانے والے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ (خوب) جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور جب تمہارے لڑکے حد بلوغ کو پہنچ جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہئے جس طرح ان سے اگلے لوگ (ان کے بڑے) اجازت لیتے رہے۔ اللہ اسی طرح اپنے احکام تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے۔ اور بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید ہی نہ رہی ہو تو ان پر بھی کچھ گناہ نہیں کہ وہ اپنے (گھروں میں) اپنے کپڑے (چادریں) اتار دیا کریں بشرطیکہ وہ اپنی زینت (بناؤ سنگھار) ظاہر کرنے والی نہ ہوں اور اگر وہ اس (چادریں اتانے) سے بھی بچیں تو ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اور اللہ خوب سنتا (اور) خوب جانتا ہے۔

اَلْحُلُمَ: بلوغ۔ عقل۔ خوب دیکھنا۔ جمع اَحْلَامٌ۔

تَضَعُوْنَ: تم رکھتے ہو۔ وضعٌ سے مضارع۔

عَوْرٰتٍ: شرمگاہیں۔ پردے کی باتیں۔ واحد عَوْرَةٌ۔

جُنَاحٌ: گناہ۔

قَوَاعِدُ: عمر رسیدہ عوتیں جو نکاح حمل اور حیض کے قابل نہ رہی ہوں۔ واحد قاعِدٌ۔

مُتَبَرِّجٰتٍ: اپنا بناؤ سنگھار ظاہر کرنے والی عورتیں۔ آراستہ ہونے والی عوتیں۔ تَبَرُّج سے اسم فاعل۔

یَسۡتَعۡفِفۡنَ: ان کا (چادر کے بغیر پھرنے سے) پرہیز کرنا۔ ان کا بچتے رہنا۔ اسۡتِعۡفَاف سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے مقاتل بن حبان کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت اسماء بنت مرثد کا ایک غلام تھا جو اکثر حضرت اسماء کے پاس ایسے وقت میں (بلا اجازت) آجاتا تھا کہ اس وقت کا آنا ان کو ناگوار گزرتا تھا۔ حضرت اسماء رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے خادم اور غلام ایسے وقت میں ہمارے پاس آجاتے ہیں کہ اس وقت ان کا آنا ہمیں ناگوار ہوتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۶/۵۵۴، ابن کثیر ۳/۳۰۲)

تشریح: اس سورت میں زیادہ تر احکام بے حیائی اور فواحش کے انسداد کے لئے آئے ہیں۔ اسی مناسبت سے کچھ آداب معاشرت اور ملاقات باہمی کے احکام بھی بیان ہوئے ہیں۔ آداب معاشرت اور ملاقات باہمی کے سلسلے میں اسی سورت کی آیات ۲۷۔۲۹ میں بتایا گیا ہے کہ جب تم کسی سے ملاقات کے لئے جاؤ تو اجازت لئے بغیر اس کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو، خواہ گھر زنانہ ہو یا مردانہ اور ملاقات کے لئے آنے والا مرد ہو یا عورت۔ گھر میں جانے سے پہلے سب کے لئے اجازت لینا ضروری ہے۔

ان آیتوں میں جس اجازت کا بیان ہے اس کا تعلق غلاموں اور کنیزوں اور چھوٹے بچوں سے ہے، جو عموماً ایک ہی گھر میں رہتے ہیں اور ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے حکم ہے کہ وہ صبح کی نماز سے پہلے اور دوپہر کو آرام کرنے کے وقت جب تم اپنے زائد کپڑے اتار کر رکھتے ہو اور عشا کی نماز کے بعد کے اوقات میں اجازت لے کر آئیں، کیونکہ یہ تینوں اوقات پردے اور خلوت کے اوقات ہیں۔ ان میں آدمی آزاد اور بے تکلف رہنا چاہتا ہے اور عموماً آدمی اپنے زائد کپڑے اتار دیتا ہے یا سونے جاگنے کا لباس تبدیل کرتا ہے۔ اس لئے کنیزیں یا غلام یا وہ لڑکے جو جوانی کے قریب بھی نہ پہنچے ہوں وہ ان اوقات میں تمہاری خلوت گاہوں میں بلا اجازت داخل نہ ہوں تا کہ تمہاری بے تکلفی اور آرام میں خلل نہ پڑے۔ آیت میں ملکت ایمانکم سے کنیزیں اور نابالغ غلام دونوں مراد ہیں، جو ہر وقت گھر میں آنے جانے کے عادی ہوں۔ ان میں سے جو غلام بالغ ہو وہ تو شرعاً اجنبی، غیر محرم کے حکم میں ہے۔ اس کی آقا اور مالک عورت کو بھی اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

ان ممنوعہ اوقات کے علاوہ باقی اوقات میں غلاموں، کنیزوں اور چھوٹے بچوں کے تمہارے پاس بلا روک ٹوک آنے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کو ہر بار اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ بلا اجازت تمہارے پاس آ جا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے حالات کو خوب جانتا ہے اور شرعی قوانین کو نافذ کرنے میں بڑا حکمت والا ہے۔ البتہ جب بچے بالغ ہو جائیں تو پھر انہیں مذکورہ تین اوقات کے علاوہ دوسرے وقتوں میں بھی اجازت لینی چاہئے جس طرح وہ بالغ لوگ اجازت لیتے ہیں جن کا حکم اسی سورت کی آیت ۲۷ میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنے احکام بیان فرماتا ہے اور وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جاننے والا ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

جو بوڑھی عورتیں ایسی عمر کو پہنچ جائیں کہ ان کو نکاح کی حاجت نہ رہے اور وہ گھر میں ہی بیٹھی رہتی ہیں تو ایسی حالت میں اگر وہ اپنے گھر میں وہ زائد کپڑے جن کو پردے کے طور پر اوپر پہنے ہوئے تھی اتار کر تھوڑے کپڑوں میں رہیں تو بھی درست ہے۔ اور گھر سے باہر نکلتے وقت بھی زائد کپڑے مثلاً برقع وغیرہ اتار کر جانے میں کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس سے اظہار زینت مقصود نہ ہو یعنی مردوں کو اپنے محاسن دکھانا مقصود نہ ہو۔ لیکن ان کے لئے بھی افضل یہی ہے کہ گھر میں بھی وہ اپنے زائد کپڑے نہ اتاریں اور پورے پردے کے ساتھ رہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے قول کو خوب سننے والا اور ان کی نیتوں کو خوب جاننے والا ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۴۴۔۴۴۷/ ۶، مواہب الرحمٰن ۲۴۴، ۲۳۹/ ۱۸)

کھانا کھانے کے آداب

۶۱۔ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا
عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ لَيْسَ
عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا
عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

نہ اندھے پر کچھ تنگی ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ مریض پر اور نہ خود تم پر، اس بات میں کہ تم اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی کنجیوں کے مالک تم ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں سے۔ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم مل کر کھاؤ یا الگ الگ۔ پھر جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو سلام کرلیا کرو جو اللہ کی طرف سے مبارک اور عمدہ دعا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح (کھول کھول کر) تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔

مَلَكْتُمْ: تم مالک ہو۔ مِلْكٌ سے ماضی۔

مَفَاتِحَهٗ: اس کی کنجیاں۔ اس کے خزانے۔ واحد مِفْتَاحٌ۔

اَشْتَاتًا: الگ الگ۔ جدا جدا۔ واحد شَتٌّ و شَتَاتٌ۔

شانِ نزول: آیت کے شانِ نزول میں مختلف روایتیں ہیں۔ بغوی نے سعید بن جبیر اور ضحاک وغیرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ لنگڑے، اندھے اور بیمار لوگ تندرست لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے سے خود گریز کرتے تھے کیونکہ تندرست لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے ساتھ کھانے کو برا سمجھتے تھے۔ اندھا کہتا تھا کہ ممکن ہے میں زیادہ کھا جاؤں (اور دوسروں کے لئے کھانا کم پڑ جائے) لنگڑا کہتا تھا مجھے بیٹھنے کے لئے دو آدمیوں کی جگہ گھیرنا پڑے گی (اس سے دوسروں کو تنگی ہوگی) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ نازل ہوئی تو بیماروں، لنگڑوں اور اندھوں کے ساتھ کھانے سے مسلمانوں پر دشواری آ پڑی۔ مسلمانوں نے کہا کہ کھانے کا درجہ تو ہر مال سے اونچا ہے اور اللہ نے خلاف حق کھانے سے منع فرمایا ہے۔ نابینا آدمی تو عمدہ کھانے کو دیکھ ہی نہیں سکتا اور لنگڑا ٹھیک طرح بیٹھ نہیں سکتا اور مزاحمت نہیں کرسکتا اور بیمار کھانا اٹھانے ہی سے کمزور ہوتا ہے (تو ہم ان کے ساتھ کیسے کھا سکتے ہیں) اس پر یہ آیت مَفَاتِحَہ تک نازل ہوئی۔

سعید بن میسب کہتے ہیں کہ مسلمان جب جہاد کو جاتے تھے تو کچھ اپاہج لوگوں کو اپنے گھروں میں چھوڑ کر اپنے گھروں کی کنجیاں ان کو دے جاتے تھے اور کہہ دیتے تھے کہ تمہیں ہماری طرف سے اجازت ہے۔ جو کچھ ہمارے گھر میں ہے، تم اس میں سے کھا سکتے ہو لیکن ان لوگوں کو (اس میں) دشواری پیش آتی تھی اور کہتے تھے کہ جب گھر والے یہاں موجود نہیں تو ہم ان کے گھروں کے اندر داخل نہیں ہوں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے اجازت عطا فرمادی۔

(مظہری ۵۵۹۔۵۶۰/ ۶ روح المعانی ۲۱۸/ ۱۸، ابن کثیر ۳۰۰/ ۳)

تشریح: زمانۂ جاہلیت میں محتاج و معذور لوگ مال داروں اور تندرست لوگوں کے ساتھ کھانے سے احتراز کرتے تھے کیونکہ انہیں یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید لوگوں کو ہمارے ساتھ کھانے سے نفرت ہو یا ہماری بعض حرکتوں سے ان کو ایذا پہنچتی ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نابینا، لنگڑے اور بیمار لوگوں کو تندرست لوگوں کے ساتھ مل کر کھانے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ معذوروں اور بیماروں کے ساتھ مل کر نے کھانے میں کوئی حرج نہیں۔

پھر فرمایا کہ تم پر اس میں بھی کوئی تنگی اور حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں میں رکھی ہوئی چیزوں میں سے کھاؤ یا اپنے باپوں یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں اور بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں اور پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموؤں اور خالاؤں کے گھروں سے کھاؤ۔ یا اس مال میں سے کھاؤ جس کی کنجیاں تمہیں دے دی گئی ہیں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے کھاؤ۔ اپنے گھروں سے مراد وہ گھر ہیں جن میں بیوی بچے ہوں۔ اس میں اولاد کے گھر بھی شامل ہیں، اولاد کا گھر بھی اپنا ہی گھر ہوتا ہے۔

ابوداؤد، دارمی، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، پاکیزہ ترین مال وہ ہے جو آدمی اپنی کمائی سے کمائے اور آدمی کی اولاد بھی اس کی کمائی سے ہے۔

پھر فرمایا کہ اس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ساتھ مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ۔ اس آیت میں اجازت دی گئی ہے کہ تم مہمان کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ یا الگ کھاؤ دونوں طرح جائز ہے۔ اس بارے میں تم پر کوئی تنگی نہیں۔ پھر جب تم اپنے گھروں میں داخل ہو تو تم آپس میں سلام کیا کرو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کی ہوئی دعا ہے جو نہایت عمدہ اور بابرکت ہے۔ اس کو سنتے ہی گھر والوں کے دل خوش ہو جاتے ہیں کہ داخل ہونے والا ہماری سلامتی اور بھلائی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس طرح

صاف صاف احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم ان کو سمجھ کر ان پر عمل کرو۔

ترمذی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھ سے) فرمایا بیٹے جب تو گھر والوں کے پاس (گھر کے اندر) داخل ہو تو ان کو سلام کیا کر تیرے لئے اور تیرے گھر والوں کے لئے برکت ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اسلام (میں) کونسا (عمل) سب سے اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور (ہر شخص کو) سلام کرو خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ سوار پیدل کو سلام کرے اور پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے (آدمی) بہت (آدمیوں) کو۔ (روح المعانی ۲۱۷۔۲۲۲/ ۱۸، مظہری ۵۶۴، ۵۶۵/ ۶)

مجلسِ نبوی کے آداب

۶۲۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور جب وہ کسی ایسے معاملے میں جس میں لوگوں کے جمع ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، رسول کے ساتھ ہوتے ہیں تو جب تک وہ اس (رسول) سے اجازت نہ لے لیں وہ کہیں نہیں جاتے۔ (اے رسول) جو لوگ آپ سے اجازت لیتے ہیں حقیقت میں یہی لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) پھر جب ایسے لوگ اپنے کسی کام کے لئے آپ سے اجازت مانگیں تو ان میں جس کو آپ چاہیں اجازت دے دیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا بھی کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

شَاْنِهِمْ: ان کا حال۔ ان کا کام۔ ان کا معاملہ۔

شئت: تو نے چاہا۔ تو نے ارادہ کیا۔ مَشِیْئَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں مسجد نبوی کے آداب کا بیان ہے کہ جس طرح آتے وقت اجازت لے کر آتے ہو اس طرح جاتے وقت بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے کر جانا چاہئے خاص طور پر جب وہ آپ کے ساتھ ایسے کام پر ہوں جس کے لئے ان کو جمع کیا گیا ہے۔ مثلاً نماز جمعہ یا عیدین، جہاد یا غزوہ یا کسی معاملے میں مشورہ وغیرہ۔ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو بلائیں تو اس پر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا واجب ہے اور مجلس سے بلا اجازت اٹھ کر چلے جانا یا آپ کے بلانے پر حاضر خدمت نہ ہونا منافقین کا طریقہ ہے، اس لئے مومنوں کو آنحضرت ﷺ کی تعظیم اور ادب واحترام کا ہر حال میں لحاظ رکھنا چاہئے۔

بے شک جو لوگ اپنی ضروریات کے باوجود آپ کی اجازت کے بغیر آپ کی مجلس سے اٹھنا گوارا نہیں کرتے تو یہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر صمیم قلب سے کامل ایمان رکھنے والے ہیں اور تمام احکام میں ان کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ پس جب یہ اہل ایمان آپ سے اپنی کسی ضرورت کے لئے جانے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جس کو مناسب سمجھیں اجازت دے دیا کریں۔ اجازت لینے کے بعد بھی اجتماعی کام کو چھوڑ کر جانا ایک قسم کی خطا ہے اور امر دین پر دنیوی کام کو ترجیح دینا یقیناً ایک قسم کی کوتاہی ہے۔ اس لئے آپ ان کے لئے مغفرت کی دعا کیجئے تا کہ ان کی خطا اور کوتاہی کی تلافی ہو جائے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بندوں کی خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کرنے والا ہے اور ان پر مہربان ہے۔ (روح المعانی ۲۲۳/ ۱۸، عثمانی ۱۹۸/ ۲)

آپ ﷺ کا خاص ادب

۶۳۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا، قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا، فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝

تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ بیشک اللہ ان کو جانتا ہے جو تم میں سے آنکھ بچا کر نکل جاتے ہیں۔ پس جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ

ان پر کوئی آفت آ جائے یا ان کو کوئی اور دردناک عذاب پہنچے۔

یَتَسَلَّلُوْنَ: وہ آڑ میں ہو کر (مجلس نبوی سے) کھسک جاتے ہیں۔ وہ چھپ کر نکل جاتے ہیں۔ تَسَلُّلٌ سے مضارع۔

لِوَاذًا: نظر بچا کر۔ آڑ میں ہو کر۔ مصدر ہے۔

فَلْيَحْذَرِ: پس اس کو ڈرنا چاہئے۔ پس اس کو بچنا چاہئے۔ حَذْرٌ۔ سے امر غائب۔

تشریح: لوگ جب آپ ﷺ کو بلاتے تو آپ کا نام لے کر اس طرح پکارتے جیسے آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گستاخی سے منع فرمایا کہ نام نہ لو بلکہ یا نبی اللہ، یا رسول اللہ کہہ کر پکارو تا کہ آپ کا ادب واحترام برقرار رہے۔ ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابونعیم نے اپنی دلائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ وہ لوگ آپ کو یا محمد یا ابوالقاسم کہہ کر پکارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے ان کو منع فرمایا۔ آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم آنحضرت ﷺ کی دعا کو اپنی دعاؤں کی طرح نہ سمجھو آپ کی دعا تو مقبول ومستجاب ہے اس لئے آپ کو کبھی تکلیف نہ دینا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے منہ سے کوئی کلمہ نکل جائے اور تم تباہ وبرباد ہو جاؤ۔

آیت کا ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ کسی اجتماعی معاملے کے موقع پر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلائیں تو تم فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کرو اور یہ نہ سمجھو کہ رسول اللہ ﷺ کا بلانا بھی ایسا ہی ہے جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو کہ اگر اس کا دل چاہا تو چلا گیا اور دل نہ چاہا تو نہ گیا۔ اور اگر چلا بھی گیا تو جب دل چاہا بغیر اجازت اٹھ کر چلا آیا۔ یاد رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر لبیک کہنا فرض ہے اور اجازت لئے بغیر چلے آنا حرام ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو آنحضرت ﷺ کی مجلس سے دوسروں کی آڑ لے کر چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔ یہاں منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ کسی مجمع میں یا جمعہ کی نماز میں آپ کے ساتھ ہوتے تو موقع پاتے ہی ایک دوسرے کی آڑ لے کر خاموشی سے نکل جاتے۔ سو ایسے لوگوں کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ کہیں پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی پر دنیا ہی میں ان پر کوئی مصیبت نہ آ پڑے یا آخرت میں ان کو دردناک عذاب سے سابقہ پڑے۔

(روح المعانی ۲۲۴۔۲۲۶/ ۱۸، ابن کثیر ۳۰۶، ۳۰۷/ ۳)۔

اللہ تعالیٰ کا علم محیط

۶۴۔ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہے۔ اللہ (خوب) جانتا ہے جس حال پر تم ہو اور جس دن وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ پھر وہ ان کو بتا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے۔

تشریح: آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے وہی سب کا مالک و خالق ہے۔ وہ بندوں کے کھلے اور چھپے ہوئے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ ان کا ہر حال اس پر عیاں ہے۔ آسمانوں اور زمین کا ایک ذرہ بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہی تمام جان داروں کے حال کو جاننے والا اور وہی سب کا روزی رساں ہے۔ وہ خشکی اور تری کی ہر چیز کو جانتا ہے، نہ کسی پتے کا جھڑنا اس کے علم سے باہر ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں کے اندر کوئی دانہ اس کے علم سے باہر ہے۔

جس دن مخلوق اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹائی جائے گی اس دن ان کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی اور بدی ان کے سامنے پیش کر دی جائے گی اس وقت ہر شخص اپنے اگلے پچھلے تمام اعمال دیکھ لے گا اور حیران ہو کر کہے گا کہ یہ کیسی کتاب ہے جس نے نہ چھوٹی چیز چھوڑی اور نہ بڑی، جو کچھ اس نے کیا تھا وہ سب اس میں پائے گا اور اللہ تو ہر چیز کو جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ (ابن کثیر ۳۰۸،۳۰۷/۳)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الفرقان

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کا نام فرقان اس لئے ہوا کہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔اس میں ایسے مضامین ہیں جن سے حق و باطل کے آخری فیصلے کا علم ہوجاتا ہے۔

تعارف: اس میں چھ رکوع، ۷۷ آیتیں، ۸۷۲ کلمات اور ۳۷۸۰ حروف ہیں۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کہتے ہیں کہ تین آیتوں کے سوا یہ سورت مکی ہے اور وہ تین آیتیں وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ سے غَفُوْرًا رَّحِيْماً تک مدینے میں نازل ہوئیں۔

ضحاک کہتے ہیں کہ اس کی ابتدائی تین آیتیں (ولا نشــــورًا تک) مکی ہیں اور باقی سورت مدنی ہے۔ (روح المعانی ۲۳۰/ ۱۸)

اس میں توحید و رسالت اور قیامت کے مضامین کے علاوہ منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

پہلے توحید کا مضمون ہے پھر منکرین رسالت کا ایک ایک اعتراض نقل کرکے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

پھر مختصر طور پر چند انبیا کے واقعات بیان کئے گئے ہیں تا کہ منکرین نبوت ان سے عبرت پکڑیں اور ایمان لے آئیں۔اس کے بعد توحید کے چند دلائل کا بیان ہے تا کہ مشرکین شرک سے باز آجائیں۔

آخر میں اہل ایمان و اہل اطاعت کی صفات و خصائل کا بیان ہے تا کہ منکرین ان کو دیکھ کر اپنے برے اعمال سے تائب ہوجائیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔۱۶۶،۱۶۷/ ۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱　فیصلے کی کتاب کا بیان اور مشرکین کی جہالت مذکور ہے۔ پھر منکرین نبوت کے شبہات اور منکرین کی ابدی گمراہی کا بیان ہے۔

رکوع ۲　منکرین کا انجام بد، مؤمنین کے انعامات، قیامت کے روز مشرکوں کی رسوائی اور بعض کا بعض کے لئے باعث آزمائش ہونا مذکور ہے۔

رکوع ۳　کفار کے اعمال کی حقیقت اور رحمان کی بادشاہی کا بیان ہے۔ منکرین کی طرف سے انبیا کی عداوت اور قرآن کے بارے میں ان کے شبہات کا ذکر ہے۔

رکوع ۴　اقوام سابقہ کے واقعات اور منکرین نبوت کا چوپایوں سے بدتر ہونا مذکور ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات، پانی کی حکیمانہ تقسیم اور آنحضرت ﷺ کی علو شان کا بیان ہے۔ آخر میں میٹھے اور نمکین پانی کے دریاؤں کا ذکر اور منکرین نبوت کی جہالت و گمراہی کا بیان ہے۔

رکوع ۵　عجائبات قدرت، مومنوں کے اوصاف اور جہنم کی وادیٔ آثام کا بیان ہے۔ آخر میں مقربین کا انعام مذکور ہے۔

فیصلے کی کتاب

۱، ۲۔　تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝

بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فیصلے کی کتاب (یعنی قرآن) نازل کی تاکہ وہ تمام جہانوں کو خبردار کرنے والا بن جائے۔ اسی ذات کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے، اور اس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اسی نے ہر چیز کو پیدا کر کے ایک انداز سے پر ٹھہرا دیا۔

تشریح: ہر خیر و برکت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ اسی نے اپنے بندے محمد ﷺ پر فرقان

(قرآن مجید) تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا جو اپنے واضح ارشادات کے ذریعے حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور بھلائی و برائی میں تمیز اور فرق بتاتا ہے۔ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا اور ۲۳ سال کے عرصے میں مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کامل رحمت اور انتہائی مہربانی فرمائی کہ ان پر پوری کتاب ایک دفعہ میں نازل کر کے تمام معارف و احکام کا جاننا اور سب پر عمل کرنا ان پر ایک دم نہیں ڈالا۔ بلکہ معارف و احکام آہستہ آہستہ سکھائے اور فرائض و واجبات تھوڑے تھوڑے کر کے اتارے تا کہ ان پر عمل کرنے کی آسانی کے ساتھ مشق ہو جائے۔ اسی لئے قرآنی احکام سے نہ تو امت محمدیہ پر کچھ گرانی ہوئی اور نہ وہ گھبرائے۔ اس کے برعکس سابقہ کتابیں ایک بار نازل ہو جاتی تھیں چنانچہ بنی اسرائیل پر جب توریت نازل ہوئی تو انہوں نے بہت سے احکام فرائض وغیرہ دیکھ کر ان پر عمل کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ جب ان کے اوپر پہاڑ معلق کر دیا گیا تب جان کے خطرے کے باعث احکام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے۔

پھر فرمایا کہ یہ کتاب آپ پر اس لئے نازل فرمائی گئی تا کہ آپ تمام جہان کے لئے خبردار کرنے والے بن جائیں اور ہر سرخ و سفید اور دور و نزدیک والے کو اللہ تعالیٰ کے عذابوں سے ڈرا دیں اور اس کتاب مبین کو جو سراسر حکمت و ہدایت والی ہے اور باطل جس کے آس پاس بھی نہیں پھٹک سکتا، آپ اس کو دنیا بھر میں پہنچا دیں۔ آپ کی رسالت ہر اس شخص کے لئے ہے جو آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (اعراف آیت ۱۵۸)

اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں۔

اے لوگو! جس ذات نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور تم پر یہ قرآن نازل کیا ہے وہی اللہ تعالیٰ ہے، وہی آسمان و زمین کا تنہا مالک ہے۔ وہ جس کام کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ اس کے کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی شریک ہے۔ ہر چیز اسی کی مخلوق اور اسی کے زیر پرورش ہے۔ وہ سب کا خالق وہ مالک، رازق و معبود اور رب ہے۔ اور وہی ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۵۹۔۲۶۳/ ۱۸، ابن کثیر ۳/۳۰۸)

مشرکین کی جہالت

۳۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝

اور لوگوں نے تو اس کے سوا اور معبود مقرر کر رکھے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو خود پیدا شدہ (مخلوق) ہیں اور وہ خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی ضرر اور نفع کا اختیار نہیں رکھتے اور نہ وہ موت و حیات کے مالک ہیں اور نہ مر کر دوبارہ زندہ ہونے کے۔

تشریح: اس آیت میں مشرکوں کی جہالت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک اور قادر و مختار کو چھوڑ کر، ان کی عبادت کرتے ہیں۔ جو ایسے عاجز و بے بس ہیں کہ ایک مچھر بھی نہیں بنا سکتے بلکہ خود ان کو پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ خود مخلوق ہیں خالق نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کا خالق ہے۔ وہ دوسروں کو تو کیا نفع یا نقصان پہنچائیں گے، وہ تو خود اپنے کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، اگر مکھی ان سے کوئی چیز اڑا کر لے جائے تو وہ اس سے اپنی چیز بھی نہیں چھڑا سکتے۔ ان میں یہ قدرت بھی نہیں ہے کہ کسی پر موت طاری کر سکیں یا کسی کو ابتداءً زندگی دے سکیں یا مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھا سکیں۔ یہ تمام امور الوہیت کے لئے ضروری ہیں۔ جس کے اندر یہ لوازم نہیں ہے وہ الٰہ اور معبود نہیں ہو سکتا۔

پس ان تمام امور کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہی اپنی تمام مخلوق کو قیامت کے دن نئے سرے سے پیدا کرے گا۔ اس پر یہ کام مشکل نہیں۔ صرف ایک آواز کے ساتھ تمام مری ہوئی مخلوق زندہ ہو کر اس کے سامنے ایک چٹیل میدان میں کھڑی ہو جائے گی۔ سو وہی معبود برحق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ (عثمانی ۲/۲۰۰، ابن کثیر ۳/۳۰۹)

منکرین نبوت کے شبہات

۴۔۶۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۚۛ وَقَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ

السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اور کافروں نے کہا کہ یہ (قرآن) تو ایک بہتان کے سوا کچھ نہیں جو اس (رسول) نے خود ہی بنالیا ہے اور دوسرے لوگوں نے بھی اس میں اس کی اعانت کی ہے پس وہ منکر تو بڑے ظلم اور جھوٹ پر اتر آئے ہیں اور وہ کہنے لگے کہ یہ (قرآن) تو اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے کسی سے لکھوا لیا۔ سو یہی اس پر صبح وشام پڑھی جاتی ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو تو اس ذات نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی مخفی باتیں جانتی ہے۔ بیشک وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

اِفْکٌ: بڑا جھوٹ۔ بڑا بہتان۔

زُوْرًا: جھوٹ۔ انحراف۔

تُمْلٰی: وہ املا کرائی جاتی ہے۔ وہ لکھوائی جاتی ہے۔ اَمْلَاءٌ سے مضارع مجہول۔

بُکْرَۃً: صبح۔ دن کا ابتدائی حصہ۔

اَصِیْلًا: شام۔ عصر و مغرب کا درمیانی وقت۔ جمع اَصَائِلُ۔

تشریح: ان آیتوں میں منکرین نبوت کے شبہات اور ان کے جواب دیئے گئے ہیں۔ ان کا پہلا شبہ یہ تھا کہ جو قرآن محمد ﷺ پیش کر رہے ہیں وہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ یہ نرا جھوٹ ہے۔ اس قرآن کو آپ نے اہل کتاب سے مدد لیکر خود تیار کیا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بلا شبہ انہوں نے بہت ہی بے جا باتیں کی اور جھوٹ کہا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان مشرکین کے کہنے کے مطابق جن اہل کتاب کی مدد سے آپ نے یہ قرآن گھڑا ہے وہ تو ان کے دلی دوست ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے جانی دشمن ہیں۔ پھر یہ کلام تیار کر کے انہوں نے آپ ﷺ کو کیسے دے دیا اور ان کافروں کو کیوں نہ دیا حالانکہ وہ ان کے غلام ہیں وہ ان کو کیسے انکار کر سکتے ہیں۔

منکرین نبوت کا دوسرا شبہ یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں بلکہ یہ اگلے لوگوں کے قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ چونکہ یہ نبی امی ہیں، خود پڑھ لکھ نہیں سکتے اس لئے یہ قصے انہوں نے دوسروں سے لکھوا لئے ہیں۔ یہ تحریریں صبح وشام اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جب بار بار سننے سے ان کو

یاد ہو جاتی ہیں تو وہ ان کو پڑھ کر ہمیں سنا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ وہ قرآن کسی انسان کا کلام نہیں ہے اور نہ اس کو کسی انسان نے بنایا اور تحریر کیا ہے بلکہ اس کو اس ذات نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے بھیدوں کو خوب جانتی ہے۔ منکرین کی گستاخی اور بے باکی کا تقاضا یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ بیہودہ باتوں پر ان کو فوراً ہلاک کر دیتا لیکن وہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے اور عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس لئے کامل قدرت کے باوجود اس نے اب تک ان کو عذاب نہیں دیا حالانکہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۰،۱۷۱/۵، مواہب الرحمٰن ۲۶۸۔۲۷۰/۱۸)

منکرین کی ابدی گمراہی

۷۔۹۔ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ، لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا، وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے۔ اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل کیا گیا کہ اس کے ساتھ رہ کر وہ بھی ڈراتا یا اس کے پاس کوئی خزانہ ہی ڈال دیا جاتا یا اس کے لئے اس کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ کھایا کرتا اور ظالم (یہ بھی) کہنے لگے کہ تم تو ایسے آدمی کے تابع ہو گئے جس پر جادو کیا گیا ہے۔ (اے نبی) دیکھو یہ آپ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں بناتے ہیں۔ پس وہ ایسے گمراہ ہوئے کہ کسی طرح راہ نہیں پا سکتے۔

تشریح: یہاں منکرین نبوت کے تیسرے شبہ کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے جو ہماری طرح کھاتا ہے اور ہماری ہی طرح بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ اس لئے اس کو ہم پر کوئی

فضیلت حاصل نہیں۔ یہ ہمارا نبی نہیں ہو سکتا۔ رسول تو وہ ہوتا ہے جو نہ تو کھاتا پیتا ہے اور نہ بازاروں میں آتا جاتا ہے۔ یہ کیسا رسول ہے کہ نہ آپ ﷺ کو اپنی کوئی ذاتی قوت حاصل ہے اور نہ آپ کے ساتھ کوئی تائید کرنے والا فرشتہ ہے کہ ہم اس کی تصدیق سے آپ کی سچائی کا یقین کر لیتے۔ نہ آپ کی طرف آسمان سے کوئی خزانہ ڈالا گیا کہ آپ خود بھی آرام و راحت کی زندگی بسر کرتے اور دوسرے لوگوں پر خرچ کر کے ان کو اپنی طرف مائل کرتے اور اپنے پیروکاروں کو بھوک اور افلاس سے بچاتے یا پھر آپ کے پاس کوئی باغ ہوتا کہ آپ بے فکری سے اس سے کھایا کرتے اور کسب معاش کے محتاج نہ رہتے۔ جب آپ میں ایسی کوئی امتیازی شان نہیں تو ہم کیسے یقین کر لیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ پر یہ سب کچھ آسان ہے لیکن سردست ان چیزوں کے نہ دینے میں بھی حکمت ہے۔

پھر فرمایا کہ ان ظالموں نے تو حد ہی کر دی کہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جو سحر زدہ ہے اور بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، یہ لوگ کسی بات پر قائم نہیں رہتے۔ کبھی آپ کو ساحر کہتے ہیں۔ کبھی سحر زدہ بتاتے ہیں، کبھی شاعر کبھی جن کا سکھایا ہوا کہتے ہیں، کبھی کذاب اور کبھی مجنون کہتے ہیں۔ یہ سب باتیں بے بنیاد اور محض لغو ہیں۔ اے نبی ﷺ آپ دیکھئے تو سہی کہ یہ احمق آپ کے لئے کیسی عجیب عجیب باتیں بیان کر رہے ہیں۔ سو یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں، اب ان کو ہدایت کا راستہ نہیں مل سکتا۔

منکرین کا انجامِ بد

۱۰-۱۴۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۟ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّزَفِیْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِیْرًا ۝

وہ ذات تو ایسی بابرکت ہے کہ اگر وہ چاہے تو آپ کے لئے (دنیا میں) اس سے بھی بہتر باغات پیدا فرما دے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور آپ کو بہت سے محل بھی دیدے۔ بلکہ وہ قیامت کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والے کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ جب وہ (آگ) ان (منکروں) کو دور سے دیکھے گی (تو جوش میں آئے گی اور) وہ لوگ (دور ہی سے) اس کا جوش وخروش سنیں گے۔ اور جب وہ اس کے کسی تنگ مکان (حصے) میں (ہاتھ پاؤں) جکڑ کر ڈال دیئے جائیں گے تو وہ وہاں موت کو پکاریں گے (ان سے کہا جائے گا) کہ آج ایک موت کو نہ پکارو (بلکہ) بہت سی موتوں کو پکارو۔

قُصُوْرًا: محلات۔ واحد قصرٌ۔

سعِیْرًا: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ، سعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

زفِیْرًا: چیخ وپکار کرنا۔ چلانا۔ لمبا سانس لینا۔ مصدر ہے۔

مُقَرَّنِیْنَ: جکڑے ہوئے۔ کس کر باندھے ہوئے۔ تَقْرِیْنٌ سے اسم مفعول۔

ثُبُوْرًا: ہلاکت۔ تباہی۔ موت۔ مصدر ہے۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں کافروں نے آپ کے بارے میں جن شکوک وشبہات کا اظہار کیا تھا ان کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اپنے نبی کو دنیا ہی میں اس سے بہت بہتر عطا فرما دے جو یہ کافر کہتے ہیں اور ان کو ایسے باغات عطا فرما دے جو ان باغات سے بہت بہتر ہوں اور ان کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں۔ جن کا یہ کافر مطالبہ کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو اپنے نبی کو بہت سے پختہ محل عطا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی سے پہلے ہی یہ بات فرما چکا کہ اگر آپ چاہیں تو زمین کے خزانے اور ان کی کنجیاں آپ کو دے دی جائیں اور آپ کو اس قدر دنیا کا مالک کر دیا جائے کہ کسی اور کو اتنی نہ ملی ہو اس کے ساتھ ہی آپ کے لئے آخرت کی نعمتیں جوں کی توں برقرار ہیں لیکن آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا اور کہا کہ میرے لئے تو سب کچھ آخرت میں ہی جمع ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کافر قیامت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں یہ خیال جما ہوا ہے کہ قیامت نہیں آئے گی۔ حالانکہ قیامت آ کر رہے گی۔ ہم نے قیامت کو جھٹلانے والوں کے لئے دہکتی

ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ابھی دوزخ بہت دور ہوگی کہ وہ ان کافروں کو دیکھ کر دور ہی سے پیچ وتاب کھائے گی اور جوش وخروش سے آوازیں نکالے گی۔ دوزخ کی آوازوں کو سن کر ان کافروں کے اوسان خطا ہو جائیں گے اور ہوش جاتے رہیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب جہنمی کو جہنم کی طرف گھسیٹا جائے گا تو جہنم چیخے گی اور ایک ایسی جھرجھری لے گی کہ تمام اہل محشر خوفزدہ ہو جائیں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس طرح دیوار میں کیل مشکل سے گاڑی جاتی ہے اسی طرح ان دوزخیوں کو ٹھونسا جائے گا۔ یہ اس وقت خوب جکڑے ہوئے ہوں گے اور ان کا بال بال بندھا ہوا ہوگا۔ یہ لوگ وہاں موت، ہلاکت اور حسرت کو پکاریں گے۔قیامت کے روز جب منکرین جہنم وقیامت کو زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کی تنگ وتاریک جگہ میں ڈال دیا جائے گا تو اس وقت وہ موت و ہلاکت کو پکاریں گے۔

احمد بزار، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے ابلیس کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ وہ اس لباس کو اپنی دونوں بھنووں پر رکھ کر کھینچے گا اور یا ثبور (ہائے میری ہلاکت) پکارے گا اس کے پیچھے اس کی ذریات (اسی طرح کا لباس پہنے ہوئے) یا ثبور پکارتی ہوں گی۔آخر سب دوزخ پر جا کر ٹھہریں گے۔اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب ایک موت کو کیوں پکارتے ہو۔اب بے شمار موتوں کو پکارو۔ایک موت کو پکارنے سے تمہاری مصیبتیں ختم نہ ہوں گی کیونکہ وہاں عذابوں کا تو کوئی شمار نہیں جو ایک موت اور ایک ہلاکت سے ختم ہو جائیں، لہٰذا تمہارا موت کو پکانا بے معنی ہے۔اب تم عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ (ابن کثیر ۳۱۰، ۳۱۱/۳، روح المعانی ۲۳۹_۲۴۴/ ۱۸)

مومنین کے انعامات

۱۵۔۱۶۔ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا ۝ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ۝

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا یہ بہتر ہے یا وہ ہمیشگی والی جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے جو ان کا بدلہ اور ٹھکانا ہوگی۔ان کو اس میں وہ سب ملے گا جو

وہ چاہیں گے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) یہ ایک وعدہ ہے جو آپ کے رب کے ذمے ہے، اس کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ ان منکرینِ قیامت کو دوزخ کا یہ حال سنا کر پوچھئے کہ ذلت اور مصیبت بہتر ہے جو تمہارے انکار و تکذیب کا نتیجہ ہے، یا ہمیشہ رہنے والی وہ جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ ہو چکا ہے۔ یہ ہمیشہ کی جنت ان کے اعمال کا صلہ، ان کی نیکوں کاری و فرمانبرداری کا ثواب اور ان کا عظیم الشان ٹھکانا ہے۔ وہاں ان کے لئے وہ سب کچھ ہے جس کی وہ خواہش کریں گے۔ یعنی جنت کے اندر ہر مومن اپنے مرتبے کے لائق نعمتیں حاصل کرے گا کھانا، پینا، لباس و سواری اور دیکھنے کی چیزیں وغیرہ۔ اس کے علاوہ وہاں وہ چیزیں بھی ملیں گی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک گزرا۔ وہ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں نہ موت آئے گی نہ کوئی نعمت فنا ہوگی اور نہ وہ ان نعمتوں سے اکتائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی ہر اہل جنت اپنے درجے میں نہایت مسرور ہوگا۔ اعلیٰ درجات والوں کو دیکھ کر ان کے حصول کا خیال تک نہیں آئے گا۔

اے نبی ﷺ! یہ آپ کے رب کا ایک وعدہ ہے جو اس کے ذمے ہے اور قابل درخواست ہے یعنی وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور طلب و دعا کی جائے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ وعدۂ سوال فوراً پورا ہوگا۔ (مواہب الرحمٰن ۲۷۹-۲۸۲/ ۱۸)

مشرکوں کی رسوائی

۱۷-۱۹۔ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰٓؤُلَآءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَآ أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَتَّعْتَهُمْ وَآبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿۱۸﴾ فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَظْلِمْ مِنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿۱۹﴾

اور جس دن اللہ ان کو اور ان کے (ان) معبودوں کو جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں جمع کر کے پوچھے گا کہ کیا تم ہی نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا

تھا یا وہ خود ہی راہ بھول گئے تھے۔ (تو ان کے معبود) کہیں گے تو پاک ہے۔
ہماری کیا مجال تھی کہ تیرے سوا اوروں کو اپنا کارساز بناتے لیکن تو نے ان کو
اور ان کے باپ دادا کو (دنیا میں) آسودگی دی یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھلا
بیٹھے اور یہ لوگ تو تھے ہی ہلاک ہونے والے۔ پس تمہارے معبودوں نے تو
تمہیں تمہاری باتوں میں جھوٹا ٹھہرا دیا سو اب تم نہ تو عذاب کو ٹال سکتے ہو اور
نہ (کسی سے) مدد لے سکتے ہو اور تم میں سے جس جس نے ظلم کیا ہے ہم اس
کو سخت عذاب چکھائیں گے۔

يَنْبَغِيْ: وہ لائق ہوتا ہے۔ وہ درست ہوتا ہے۔ اِنْبِغَاءٌ سے مضارع۔

مَتَّعْتَهُمْ: تو نے ان کو فائدہ پہنچایا۔ تَمْتِيْعٌ ماضی۔

بُوْرًا: برباد ہونے والے۔ ہلاک ہونے والے۔ واحد بَائِرٌ۔

صَرْفًا: پھرنا۔ ٹالنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: قیامت کے روز اللہ مشرکوں اور گمراہوں کے سامنے ان کے باطل معبودوں سے باز پرس فرمائے گا کہ کیا تمہیں نے ان گمراہوں کو میرے سوا اپنی عبادت پر لگایا تھا یا یہ لوگ خود ہی تمہاری عبادت کر کے گمراہ ہوئے۔ اس باز پرس کا مقصد یہ ہے کہ یہ باطل معبود مشرکوں کے سامنے انکار کریں اور ان سے برأت کا اظہار کریں تاکہ مشرکوں کو ندامت ہو اور ان کی خوب رسوائی ہو۔

باطل معبود جواب دیں گے کہ اے ہمارے رب تو شرک سے پاک ہے۔ ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیرے سوا کسی اور کو اپنا ولی اور مددگار بناتے۔ ہم نے ان لوگوں کو گمراہ نہیں کیا بلکہ یہ خود ہی گمراہ ہوئے۔ اے ہمارے رب تو نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا اور ان کو صحت اور طویل عمریں دیں یہاں تک کہ یہ لوگ دنیوی نعمتوں اور لذتوں میں پڑ کر تیری یاد سے غافل ہوتے گئے اور بھول گئے کہ وہ تیرے محتاج ہیں۔ اے پروردگار تیرے ازلی علم میں تو یہ لوگ پہلے ہی ہلاک ہونے والے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ مشرکوں کو مخاطب کر کے کہے گا کہ تمہارے معبودوں نے تمہارے قول کی تکذیب کر دی سو اب تم نہ تو عذاب کو اپنے اوپر سے دفع کر سکتے ہو اور نہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہو۔ اب تو تمہیں سزا کا مزا چکھنا ہی پڑے گا اور تم میں سے جس نے شرک کیا ہم اس کو بہت بڑا

عذاب چکھائیں گے۔ کوئی شخص مشرکوں پر سے اس عذاب کو دفع نہ کر سکے گا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۸۳۔ ۲۸۶/ ۱۸، مظہری ۹۔ ۱۱/ ۷)

ایک دوسرے کی آزمائش

۲۰۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا

اور (اے نبی ﷺ) آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔ اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے۔ کیا تم صبر کرو گے اور آپ کا رب سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ کھانا پینا اور ضرورت کے لئے بازاروں میں جانا منصب نبوت کے منافی نہیں۔ اے رسول ﷺ! ہم نے آپ سے پہلے بھی لوگوں کی رہنمائی کے لئے بہت سے رسول بھیجے۔ وہ سب جنس بشر ہی سے تھے، کھانا کھاتے تھے اور اپنی ضروریات کے لئے بازارروں میں جاتے تھے اور کاروبار کرتے تھے، اس لئے مشرکوں کا اعتراض بے جا ہے۔

پھر فرمایا کہ ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لئے آزمائش بنا دیا۔ مالدار غریبوں کے لئے اور غریب مالداروں کے لئے باعث آزمائش ہیں۔ مالدار غریبوں کو حقارت سے نہ دیکھیں اور غریب مالداروں پر حسد نہ کریں۔ اے مسلمانو! کافروں کی یہ طعن و تشنیع اور ایذا رسانی تمہارے لئے آزمائش ہے۔ کیا تم اس طعن و تشنیع اور ایذا رسانی پر صبر کرو گے اور آپ کا رب صبر کرنے والوں اور صبر نہ کرنے والوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے مطابق اجر دے گا۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی مال اور جسم کے لحاظ سے اپنے سے اونچے کو دیکھے تو (اس وقت وہ) اپنے سے نیچے کو بھی دیکھے۔ (یعنی اپنے سے اونچے کو مت دیکھو کہ اس سے حسرت ہوگی بلکہ نیچے کو دیکھو، اس سے تسلی ہوگی اور شکر کی توفیق ملے گی)۔

(مظہری ۱۱۔ ۱۲/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۶/ ۵)

کفار کے اعمال کی حقیقت

۲۱۔۲۴، وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ
لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ۝ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى
يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ
فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝

اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ، انہوں نے کہا کہ ہم پر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے یا ہم اپنے رب کو دیکھ لیتے ۔ البتہ انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے اور انہوں نے بہت بڑی سرکشی کی ہے ۔ جس دن وہ فرشتوں کو دیکھیں گے تو اس دن مجرموں کے لئے کوئی خوشی نہ ہوگی اور وہ (اللہ سے) کہیں گے کہ (ہمارے اور فرشتوں کے درمیان) کوئی آڑ بنا دے اور جو اعمال انہوں نے کئے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو اڑتی ہوئی خاک بنا دیں گے ۔ اس روز جنت والوں کا ٹھکانا ہی بہتر ہوگا اور (ان کی) خواب گاہ بھی عمدہ ہوگی ۔

عتوا: انہوں نے سرکشی کی ۔ انہوں نے نافرمانی کی ۔

حِجْرًا: رکاوٹ ۔ پناہ ۔

هَبَاءً: گرد و غبار ۔ وہ باریک ذرے جو کسی سوراخ سے اندر داخل ہونے والی سورج کی کرن سے اڑتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں ۔

مَنْثُوْرًا: بکھرا ہوا ۔ غیر منظوم ۔ نَثْرٌ سے اسم مفعول ۔

مَقِيْلًا: دوپہر کی خواب گاہیں ۔ آرام گاہ مراد جنت ۔ قَيْلُوْلَةٌ سے اسم ظرف ۔

تشریح: جو لوگ یہ امید نہیں رکھتے کہ ایک روز ان کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا ہے، وہ سزا سے بالکل بے فکر ہو کر زبان سے احمقانہ اور گستاخانہ کلمات کہتے رہتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہمارے پاس وحی لے کر فرشتے کیوں نہیں آتے یا ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھتے اور ہم خود اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیتے اور اللہ تعالیٰ ہمیں بتا دیتا کہ یہ شخص میرا نبی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان

جاہلانہ احمقانہ اور گستاخانہ سوالوں کے جواب میں فرمایا کہ یہ بڑے سرکش اور متکبر ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھ رکھا ہے کہ وہ اللہ کو دیکھنے اور اللہ سے آپ ﷺ کے بارے میں دریافت کرنے اور وحی اور فرشتوں کے آنے کی تمنا کرتے ہیں۔ ان کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ فرشتہ ان کے پاس اللہ کا پیغام لے کر نہیں آئے گا بلکہ عذاب الٰہی لے کر آئے گا۔ اس وقت ان کا سارا غرور کافور ہو جائے گا۔

قیامت کے روز جب ان کو عذاب کے فرشتے نظر آئیں گے تو اس سے ان کو کوئی خوشی حاصل نہ ہوگی بلکہ اس وقت ان کو سخت ہولناک مصائب کا سامنا ہوگا اور وہ پناہ طلب کریں گے اور چاہیں گے کہ ان کے اور فرشتوں کے درمیان کوئی سخت رکاوٹ قائم کر دی جائے تاکہ وہ فرشتے ان تک نہ پہنچ سکیں۔ لیکن ان کو پناہ نہیں ملے گی۔ پھر ہم ان اعمال کی طرف متوجہ ہوں گے جن کو وہ دنیا میں نیک اور اچھا سمجھ کر کرتے تھے جیسے صلہ رحمی، مہمان داری اور یتیموں کی خبر گیری وغیرہ۔ چونکہ یہ اعمال ایمان و اخلاص سے خالی تھے اس لئے آخرت میں ان کا کوئی اجر و ثواب نہیں۔ سو کفار آخرت میں خالی ہاتھ ہوں گے اور ان کے تمام اعمال نیست و نابود اور ملیامیٹ کر دیئے جائیں گے۔ اس کے برخلاف مومنوں کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا اور ان کو عیش و راحت کے تمام سامان حاصل ہوں گے۔

(عثمانی ۲۰۴، ۲/۲۰۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۷۸، ۵/۱۷۹)

رحمان کی بادشاہی

۲۵۔۲۹۔ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۚ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۚ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝

اور جس دن آسمان بادل سے پھٹ جائے گا اور فرشتے لگا تار اترنے لگیں گے تو اس دن حقیقی سلطنت رحمٰن کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہوگا اور اس دن ظالم آدمی اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا (اور) کہے گا اے کاش میں نے رسول کے ساتھ (دین حق کی) راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس، کاش

میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے تو نصیحت آنے کے بعد بھی مجھے
گمراہ کر دیا اور شیطان تو تھا ہی انسان کو رسوا کرنے والا۔

الْغَمام: بادل۔ سفید ابر۔ واحد غمامۃ۔

عَسِیْرًا: سخت۔ مشکل۔ بھاری۔ عُسْرٌ سے صفت مشبہ۔

یَعَضُّ: وہ دانت سے کاٹے گا۔ وہ انتہائی نادم ہوگا۔ عضٌّ سے مضارع۔

یٰلَیْتَنِیْ: اے کاش میں۔

یٰوَیْلَتٰی: ہائے افسوس۔

خَذُوْلًا: وقت پر دھوکہ دینے والا۔ مصیبت میں تنہا چھوڑ دینے والا۔ خَذْلٌ سے فَعُوْلٌ کے وزن پر مبالغہ۔

تشریح: قیامت کے دن جو ہولناک امور ہوں گے ان میں سے آسمان کا پھٹ جانا اور ایک نورانی ابر کا نمودار ہونا بھی ہے، جس کی روشنی سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی۔ پھر فرشتے اتریں گے اور میدان حشر میں تمام انسانوں کو گھیر لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ فیصلے کے لئے اپنے بندوں میں تشریف لائے گا۔ اس دن صرف اللہ تعالیٰ ہی کی بادشاہت ہوگی جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. (سورۃ مومن آیت ۱۶)

آج کس کی بادشاہی ہے۔ صرف اللہ واحد وقہار کی۔

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو اپنے داہنے ہاتھ سے لپیٹ لے گا اور زمینوں کو اپنے دوسرے ہات میں لے لے گا۔ پھر فرمائے گا میں مالک ہوں، میں دیان ہوں۔ زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ تکبر کرنے والے کہاں ہیں؟

وہ دن کافروں پر بڑا بھاری ہوگا۔ البتہ مومنوں پر اس دن مطلق گھبراہٹ یا پریشانی نہ ہوگی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس دن کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس کے برابر ہوگی (اور عرض کیا گیا) کیسا طویل دن ہوگا۔ (اتنا لمبا وقت کیسے کٹے گا۔) آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، مومن کے لئے وہ بہت ہلکا ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کے لئے ایک وقت کی فرض نماز سے بھی زیادہ آسان (اور چھوٹا) ہوگا۔

اس دن ظالم کو اپنی بداعمالیاں یاد آئیں گی اور وہ حسرت و ندامت سے اپنے دونوں

ہاتھوں کو چبائے گا جیسے حسرت کرنے والا کرتا ہے اور آہ وزاری کرے گا اور کہے گا کاش میں نے رسول اللہ ﷺ کا دین اختیار کیا ہوتا کاش میں دنیا میں فلاں شخص کو دوست نہ بناتا۔ بلاشبہ اس نے مجھے نصیحت اور ہدایت سے بہکایا جبکہ وہ نصیحت و ہدایت میرے پاس آ چکی تھی اور شیطان تو ہے ہی انسان کو وقت پر دھوکہ دینے والا۔

حضرت ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، سوائے مومن کے کسی کے ساتھ نہ رہو، اور سوائے پرہیز گاروں کے تمہارا کھانا اور کوئی نہ کھائے۔ یعنی صرف نیک لوگوں کی دعوت کرو۔ (احمد، ترمذی، ابن حبان حاکم)

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (عام طور پر) آدمی اپنے دوست کے مسلک پر ہوتا ہے اس لئے اس کو (پہلے سے) دیکھ لینا چاہئے کہ وہ کس سے دوستی کر رہا ہے۔
(ابن کثیر ۳۱۵۔ ۳۱۷/۳، مظہری ۱۴۔ ۱۷/۷)

انبیا کی عداوت

۳۰، ۳۱۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۗ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّ نَصِيْرًا ۝

اور رسول کہے گا۔ اے میرے رب بیشک میری قوم نے تو اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا اور اسی طرح ہم مجرموں میں سے ہر نبی کے دشمن بناتے رہے اور (لوگوں کی) رہنمائی کے لئے اور (انبیا کی) مدد کے لئے آپ کا رب کافی ہے۔

اِتَّخَذُوْا: انہوں نے اختیار کیا۔ انہوں نے لیا۔ اِتِّخَاذ سے ماضی

مَهْجُوْرًا: نظر انداز کیا ہوا۔ چھوڑا ہوا۔ ترک کیا ہوا۔ هَجْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ سے اپنی قوم کی سرکشی اور بیہودہ کلامی کی شکایت کریں گے کہ یہ لوگ خود بھی اس قرآن پر ایمان نہیں لائے اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا اور یہ لوگ دوسروں کو بھی اس پر ایمان لانے اور عمل کرنے سے روکتے رہے اور کہتے رہے۔

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ. (سورۂ حٰم السجدہ آیت ۲۶)

اس قرآن کو نہ سنو اور اس کے پڑھے جانے کے وقت شور و غل کرو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ جس طرح آپ کی قوم میں قرآن کو نظر انداز کر دینے والے لوگ ہیں اسی طرح اگلی امتوں میں بھی ایسے لوگ تھے جو خود بھی کفر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اپنے کفر میں شریک کرتے تھے اور گمراہی پھیلانے کی فکر میں لگے رہتے تھے، پس جس طرح سابقہ انبیا نے صبر کیا، آپ بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا ہادی و ناصر ہے جو اللہ اس کے رسول پر ایمان لائے۔

کفار کے شبہات

۳۲۔۳۴۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ۝

اور کافر کہنے لگے کہ اس (نبی) پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ نازل کر دیا گیا۔ اسی طرح (نازل ہونا چاہئے تھا) تاکہ ہم اس سے آپ کے دل کو تسکین دیتے رہیں، اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سنایا (بتدریج اتارا)۔ اور یہ لوگ آپ کے پاس کیسا ہی سوال لائیں ہم آپ کو اس کا ٹھیک جواب اور عمدہ توجیہ دیں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اوندھے منہ جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ انہی لوگوں کا ٹھکانا برا ہے اور وہی راہ راست سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

تشریح: مشرکین مکہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ایک اعتراض یہ بھی کرتے تھے کہ جس طرح دوسری آسمانی کتابیں ایک ہی دفعہ میں پوری کی پوری نازل ہوتی رہیں اسی طرح یہ قرآن بھی ایک ہی دفعہ میں پورا نازل کیوں نہیں ہوا۔ یہ ۲۳ برسوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوا۔ اس سے تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ محمد ﷺ خود سوچ سوچ کر اس قرآن کو بناتے رہتے ہیں اور موقع کی مناسبت سے تھوڑا تھوڑا سناتے رہتے ہیں۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرنے کا جو سبب ان کافروں نے سمجھا ہے وہ صحیح نہیں بلکہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

۱۔ تھوڑا تھوڑا نازل کرنے سے قرآن کے حفظ کرنے اور سمجھنے میں آسانی ہو۔

۲۔ ضرورت اور موقع کے لحاظ سے ٹھہر ٹھہر کر (احکام) اتارے تاکہ عمل کرنے میں آسانی

رہے ورنہ ایک دم سب احکام پر عمل کرنا بہت دشوار ہوتا۔

۳۔ اس سے مقصود اپنے رسول کے قلب کی تقویت ہے۔

۴۔ روح القدس کی بار بار آمد تائید وتقویت اور خیر و برکت کی موجب ہے۔

کافر جب کوئی عجیب سوال آپ سے کرتے ہیں تو ہم اس سوال کا ٹھیک ٹھیک اور صاف صاف جواب آپ کو بتا دیتے ہیں۔ جس سے ان کا اعتراض دور ہو جاتا ہے اور ان کے لئے بولنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی البتہ جن لوگوں کی عقل اوندھی ہوگئی ہو وہ سیدھی، صاف اور واضح بات کو بھی نیڑھی سمجھتے ہیں۔ قیامت کے روز یہی لوگ جہنم کی طرف اوندھے منہ گھسیٹے جائیں گے۔ یہی لوگ برے ٹھکانے والے اور سب سے بڑھ کر گمراہ ہیں۔

ابوداؤد اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں کو تین طرح چلایا جائے گا۔ کچھ سوار، کچھ پیدل اور کچھ منہ کے بل چلنے والے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ اپنے چہروں کے بل کیسے چلیں گے؟ آپ نے فرمایا جس نے انہیں پاؤں کے بل چلایا ہے وہ انہیں منہ کے بل چلانے پر بھی قادر ہے۔

(عثمانی ۲/۲۰۷، روح المعانی ۱۵۔۱۷/۱۹)

اقوامِ سابقہ کے واقعات

۳۵۔۴۰۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۚۖ فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ؕ وَ قَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۚۖ وَّعَادًا وَّ ثَمُوْدَا۠ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝ وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۫ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝ وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو

بھی وزیر بنایا۔ سو ہم نے کہا کہ تم دونوں ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ پھر ہم نے ان (جھٹلانے والوں کو) جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اور قوم نوح کو جب انہوں نے رسول کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو (بھی) غرق کر دیا اور ہم نے ان کو لوگوں کے لئے (عبرت کا) ایک نشان بنا دیا۔ اور ہم نے ظالموں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو (بھی ہلاک کیا) اور ان کے درمیانی زمانوں میں بہت سی امتوں کو (ہلاک کیا) اور ہم نے ہر ایک کے سامنے مثالیں بیان کیں اور (آخر) ہم نے سب کو بالکل برباد کر دیا۔ اور یقیناً (کفار مکہ) اس بستی پر سے بھی گزرے ہیں جس پر بُری بارش برسائی گئی۔ سو کیا وہ اس کو دیکھتے نہیں بلکہ وہ (تو) مر کر زندہ ہونے کی امید ہی نہیں رکھتے۔

دَمَّرْنٰهُمْ: ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ تَدْمِیْرٌ سے ماضی۔

اَعْتَدْنَا: ہم نے تیار کیا۔ اِعْتَادٌ سے ماضی۔

تَبَّرْنَا: ہم نے ہلاک کیا، تَتْبِیْرٌ سے ماضی۔

اُمْطِرَتْ: اس (بستی) پر برسایا گیا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی مجہول۔

نُشُوْرًا: زندہ ہونا۔ منتشر ہونا مصدر ہے۔

تشریح: منکرین نبوت کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات کے بعد بعض سابقہ انبیا کے واقعات کا مختصر ذکر ہے تاکہ مشرکین مکہ سابقہ قوموں کے انجام سے عبرت پکڑیں اور آنحضرت ﷺ کی تکذیب و نافرمانی سے باز رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ فرعون کے غرق ہونے کے بعد ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر اور مددگار بنایا تھا تاکہ وہ دعوت و تبلیغ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کریں۔ پھر ہم نے ان دونوں کو حکم دیا کہ تم ان لوگوں کی طرف جاؤ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔ جب ان دونوں نے جا کر قوم فرعون کو دعوت دی تو انہوں نے دونوں کو جھٹلایا جس کے نتیجے میں وہ سب ہلاک کر دیئے گئے۔

موسیٰ علیہ السلام سے پہلے قوم نوح نے بھی ہمارے رسول کو جھٹلایا سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا اور روئے زمین پر سوائے ان کے جو حضرت نوح کی کشتی میں سوار تھے کوئی نہ بچا۔ اسی طرح

ہم نے اس واقعے کونشان عبرت بنا دیا تا کہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں۔ آخرت میں ہم نے ان ظالموں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ چونکہ ایک رسول کا جھٹلانا تمام انبیا کا جھٹلانا ہے اس لئے یہاں رُسُلْ کہا گیا۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کی طرف بہت سے رسول بھیجے گئے تھے۔ ان کی طرف صرف نوح علیہ السلام ہی بھیجے گئے تھے جو ساڑھے نو سو سال تک ان میں رہے اور ان کو تبلیغ دین کرتے رہے لیکن ان میں سے چند ایک کے سوا کوئی ایمان نہیں لایا۔

پھر فرمایا کہ اسی تکذیب کی وجہ سے ہم نے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کی قوموں، عاد و ثمود کو ہلاک کیا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے کنوئیں والوں کو ہلاک کیا۔ رَس ایک کنوئیں کا نام ہے یا کسی بستی کا نام ہے جس کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ اہل رس کسی اور نبی کی قوم تھے، جنہوں نے اپنے نبی کو کنوئیں میں بند کر دیا تھا۔ پھر ان پر اللہ کا عذاب آیا اور وہ ہلاک ہو گئے اور ان کے رسول کو خلاصی ملی۔

پھر ان قوموں کے درمیان اور بھی بہت سی امتیں آئیں جن کو اسی تکذیب کی وجہ سے ہلاک و برباد کر دیا گیا۔ ہر ایک کی نصیحت و ہدایت کے لئے ہم نے مثالیں بیان کیں، دلیلیں پیش کیں اور معجزے دکھائے تا کہ منکرین حق کو خوب سمجھ لیں اور انہیں کسی قسم کا شبہ اور عذر باقی نہ رہے مگر وہ پھر بھی تکذیب و انکار پر قائم رہے، اس لئے ہم نے ان کو اچھی طرح غارت کر کے ان کا قصہ تمام کر دیا۔

یہ اہل مکہ اپنی تجارت کے لئے ملک شام تو آتے جاتے رہتے ہیں اور سدوم کی بستی کے پاس سے بھی گزرتے رہتے ہیں جہاں قوم لوط آباد تھی، جس پر زمین الٹ دی گئی تھی اور آسمان سے پتھر برسائے گئے تھے۔ کیا انہوں نے ان بستیوں کو نہیں دیکھا۔ دوران سفر یہ لوگ یقیناً ان بستیوں کو دیکھتے ہیں مگر ان سے عبرت نہیں پکڑتے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد زندہ ہونے پر یقین نہیں رکھتے اسی لئے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

(معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸۳۔۱۸۵/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۰۔۲۵/ ۱۹)

چوپایوں سے بدتر

۴۱۔۴۴۔ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝
اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَآ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ

حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ
اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ
اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

اور (اے نبی ﷺ) جب یہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ سے تمسخر کرنے لگتے ہیں کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے تو ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر ہی دیا ہوتا اگر ہم ان پر جمے نہ رہتے، اور بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے گا جب یہ عذاب کو دیکھیں گے کہ کون راہ راست سے دور تھا۔ (اے نبی ﷺ) کیا آپ نے اس کو بھی دیکھا جس نے اپنی خواہشاتِ نفسانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔ تو کیا آپ اس کے ذمے دار ہو سکتے ہیں۔ (اے نبی ﷺ) کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے اور سمجھتے ہیں۔ وہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

کَادَ: وہ قریب ہے۔ کَوْدٌ سے ماضی۔

هَوٰىهُ: اس کی (نفسانی) خواہش۔ اس کی (ناجائز) خواہش۔

حِیْنَ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔ جمع اَحْیَانٌ۔

اَنْعَامِ: مویشی۔ چوپائے۔ واحد نَعَمٌ۔

تشریح: مشرکینِ مکہ آپ کی تکذیب و انکار میں اس حد تک بڑھ گئے تھے کہ جب وہ آپ کو دیکھتے تو ہنسی اڑانے لگتے اور تمسخر کے طور پر کہتے کہ کیا یہ وہی شخص ہے جس کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کیا ساری مخلوق میں یہی رسول بننے کے لئے رہ گئے تھے۔ البتہ ان کی تقریر جادو کا اثر رکھتی ہے۔ قریب تھا کہ اس کا زورِ بیان اور تقریر کی اثر آفرینی ہمیں ہمارے معبودوں سے برگشتہ کر دیتی اگر ہم اپنے معبودوں کی عبادت پر مضبوطی سے نہ جمے رہتے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ بہت جلد جب عذاب کو دیکھیں گے تو جان لیں گے کہ حقیقت میں کون گمراہی پر تھا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو ہی معبود بنا رکھا ہے اور جدھر خواہش لے جاتی ہے اسی طرف چل

پڑتا ہے، جو بات خواہش نفس کے مطابق ہوئی قبول کر لی اور جو مخالف ہوئی رد کر دی۔ آج ایک پتھر اچھا لگا تو اسے پوجنے لگے کل دوسرا اس سے خوبصورت مل گیا تو پہلے کو چھوڑ کر اس دوسرے کے آگے سر جھکا دیا۔ پس جو شخص اپنے نفس کی خواہش کے تابع ہوا سے کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہ سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اس لئے ان کو نہ کسی نصیحت سے فائدہ پہنچتا ہے اور نہ دلیل سے۔ چونکہ یہ لوگ دلائل اور معجزات کو آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود ان میں غور نہیں کرتے اس لئے یہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ جانور تو اپنے مالک کو پہچانتے ہیں اور اس کے سامنے گردن جھکا دیتے ہیں اور اپنے نفع اور نقصان کی چیزوں کو جانتے اور سمجھتے ہیں مگر یہ بدبخت اپنے مالک کے سامنے جھکنے کے لئے تیار نہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۸۶۔۱۸۷/ ۵، مواہب الرحمٰن ۲۹،۲۶/ ۱۹)

اللہ تعالیٰ کے عظیم انعامات

۴۵۔۴۷۔ اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝

کیا تو نے اپنے رب کی طرف نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو بڑھاتا ہے۔ اور اگر وہ چاہتا تو اس کو ٹھہرائے رکھتا، پھر ہم نے آفتاب کو اس (سائے) کا راہنما بنا دیا۔ پھر ہم نے اس (سائے) کو آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیا اور اسی نے تو تمہارے لئے رات کو لباس اور نیند کو راحت بنایا اور دن کو منتشر ہونے (چلنے پھرنے) کے لئے بنایا۔

مدّ: اس نے کھینچا۔ اس نے دراز کیا۔ مَدٌّ سے ماضی۔

النّوم: نیند۔ سونا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

سُباتًا: آرام۔ راحت۔ تکان دور کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: دھوپ اور چھاؤں انسان کے لئے عظیم نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے

پیدا فرمائیں اور ان کو انسانوں کے لئے موجب راحت وسکون بنایا۔ اگر ہر وقت اور ہر جگہ دھوپ ہی دھوپ ہو جائے تو انسان اور ہر جاندار کے لئے اس کو برداشت کرنا مشکل ہو جائے۔ اسی طرح اگر ہر وقت اور ہر جگہ سایہ ہو اور کبھی دھوپ نہ آئے تو انسان کی صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح دوسرے بہت سے کاموں میں خلل واقع ہوتا۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے غافل انسان کو متنبہ فرمایا ہے کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ صبح کے وقت ہر چیز کا سایہ مغرب کی جانب دراز ہوتا ہے۔ پھر وہ کم ہونا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ نصف النہار کے وقت ختم ہو جاتا ہے۔ پھر زوال کے بعد یہی سایہ بتدریج مشرق کی جانب پھیلنے لگتا ہے۔ پھر انسان روزانہ اس دھوپ اور چھاؤں کے فوائد حاصل کرتا ہے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ یہ سب کچھ آفتاب کے طلوع ہونے، پھر بلند ہونے اور پھر ڈھلنے کے نتیجے میں ہوتا ہے مگر وہ کرۂ آفتاب کی تخلیق اور ایک خاص نظام کے تحت اس کے گردش کرنے میں غور نہیں کرتا۔

جس خالق و مالک نے آفتاب کی تخلیق فرمائی اور ایک خاص نظام کے تحت اس کی گردش کو قائم رکھا ہوا ہے وہی قادر مطلق اور سب کا رب ہے، وہی دھوپ اور چھاؤں کی نعمتوں کو عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ چاہتا تو دھوپ اور چھاؤں کو ایک ہی حالت پر قائم کر دیتا۔ جہاں دھوپ ہے وہاں ہمیشہ دھوپ ہی رہتی اور جہاں چھاؤں ہے وہاں ہمیشہ چھاؤں ہی رہتی اس سے مخلوق نہایت مشقت میں پڑ جاتی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے ایسا نہیں کیا یعنی سایہ کو غیر متحرک نہیں بنایا بلکہ متحرک بنایا ہے۔

پھر فرمایا کہ جس طرح لباس انسان کے بدن کو چھپاتا ہے۔ اسی طرح رات کی تاریکی ایک قدرتی پردے کی چادر ہے جو پوری کائنات پر ڈال دی جاتی ہے اور وہ اس کو اپنے اندر چھپا لیتی ہے۔ پھر اس رات میں تمام انسانوں اور جان داروں پر نیند مسلط کر دی جاتی ہے جس سے وہ آرام و راحت حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ نیند موت کی مانند ہوتی ہے اس لئے دن نکلنے پر نیند سے بیدار ہونا گویا موت کے بعد زندہ ہونا ہے۔ اسی لئے آیت میں دن کو زندہ ہونے کا وقت فرمایا۔ پس رات کی نیند بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور صبح کی بیداری بھی اس کی نعمت ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۸۱۔۴۸۴/۶)

پانی کی حکیمانہ تقسیم

۴۸۔۵۰۔ وَهُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ

السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ۙ لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّ نُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّ اَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ۝ وَ لَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

اور وہی تو ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا تاکہ اس سے مردہ شہر کو زندہ کریں اور ہم اس کو اپنی مخلوقات میں سے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو پلائیں اور بیشک ہم نے اس (پانی) کو ان کے درمیان تقسیم کردیا تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ پھر بھی بہت سے لوگ ناشکری کئے بغیر نہیں رہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی بارش سے پہلے ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بارش کی امید دلا کر لوگوں کے دل خوش کردیتی ہیں اور ہم نے اپنی رحمت سے آسمان سے ایسا پانی نازل کیا جو خود بھی پاک ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک وصاف کرنے والا ہے۔ اسی پانی سے ہم خشک زمینوں میں قسم قسم کی نباتات اگاتے ہیں اور اسی سے ہم حیوانوں اور بہت سے انسانوں کو سیراب کرتے ہیں۔ اس آیت میں اناسیّ سے مراد صحرا نشین اور خانہ بدوش ہیں۔ انہی کی زندگی بارش کے پانی سے وابستہ ہے۔ شہروں والے اور دیہات کے باشندے تو دریاؤں کنوؤں اور چشموں کے پاس آباد ہوتے ہیں۔ ان کو بارش کے پانی سے سیراب ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

پھر فرمایا کہ ہم بقدر مصلحت اس پانی کو لوگوں کے درمیان تقسیم کردیتے ہیں۔ کبھی ایک شہر میں برساتے ہیں اور کبھی دوسری بستی میں برسا تے دیتے ہیں۔ یہ تقسیم باران اس لئے ہے تاکہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت پکڑیں کہ بارش کا رخ کبھی ان کی طرف ہوتا ہے اور کبھی دوسروں کی طرف۔ پس جب اللہ نے بارش کی تو اکثر لوگ ناشکری کرنے لگے کہ یہ بارش تو فلاں ستارے کی تاثیر سے ہوئی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ جو لوگوں میں مشہور ہوتا ہے کہ اس سال زیادہ بارش ہوئی اور اس سال کم حقیقت کے اعتبار سے صحیح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش کا پانی تو ہر سال یکساں نازل ہوتا ہے البتہ اللہ کے حکم سے یہ ہوتا رہتا ہے اس کی مقدار کسی شہر یا بستی

میں زیادہ کردی اور کسی میں کم کردی۔ بعض اوقات بارش کی مقدار میں کمی کر کے کسی بستی کے لوگوں کو سزادی جاتی ہے اور بعض اوقات بارش کی مقدار میں اضافہ کر کے لوگوں کو سزادی جاتی ہے۔ پس اسی پانی کو جو خالص رحمت ہے، ناشکری اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے عذاب اور سزا بنادیا جاتا ہے۔
(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۸۴، ۶/۴۸۵ روح المعانی ۲۹۔۱۹/۳۲)

آپ ﷺ کی عُلوِ شان

۵۱۔۵۲۔ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے۔ پس (اے نبی ﷺ) آپ کافروں کا کہنا نہ مانئے اور ان سے جہاد کیجئے پوری قوت سے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کے کفر و تکذیب سے ہمت نہ ہاریئے اور تن تنہا دعوت و تبلیغ میں لگے رہئے۔ اگر ہم چاہتے تو آپ کے علاوہ ہر بستی میں ایک خبردار کرنے والا یعنی پیغمبر بھیج دیتے مگر ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ ہم نے آپ ﷺ کو عظمت عطا کرنے اور آپ کی شان اور مرتبہ بلند کرنے کے لئے آپ کو قیامت تک کے لئے سارے جہان کا پیغمبر بنادیا اور نبوت کو آپ پر ختم کردیا۔ آپ کے بعد اب کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ ﷺ ہی آخری نبی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

(سورۃ الاعراف آیت ۱۵۸)

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں تم سب کی طرف رسول بن کر آیا ہوں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۝

(سورۃ السبا آیت ۲۸)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ میں سرخ و سیاہ سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ صحیحین کی ایک اور حدیث میں ہے کہ تمام انبیا اپنی اپنی قوموں کی طرف بھیجے جاتے رہے اور میں تمام لوگوں کی طرف

مبعوث کیا گیا ہوں۔

پھر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فضیلت اور شان عطا کی ہے تو آپ کافروں کی پرواہ نہ کیجئے اور نہ کسی بات میں ان کا کہنا مانئے بلکہ آپ اپنی دعوت اور اظہار حق پر ثابت قدم رہیئے اور اللہ کی مدد و توفیق اور قرآنی دلائل کے ذریعے کافروں کا مقابلہ کیجئے اور ان سے جہاد عظیم کیجئے۔ دل سے بھی، زبان سے بھی اور تلوار سے بھی۔ (ابن کثیر ۳/۳۲۱)

میٹھے اور نمکین پانی کے دریا

۵۳، ۵۴۔ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝

اور (اللہ) وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو باہم ملا دیا۔ یہ ایک تو (ان میں سے) میٹھا (اور) مزیدار ہے اور یہ کھاری (اور) کڑوا ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک حجاب اور ایک مضبوط رکاوٹ بنادی اور اسی نے انسان کو پانی سے پیدا کیا پھر اس کے لئے رشتہ نسب و دامادی قائم کیا اور آپ کا رب ہر چیز پر قادر ہے۔

مَرَجَ: اس نے ایک دوسرے سے ملایا۔ اس نے آزاد چھوڑ دیا۔ مَرْجٌ سے ماضی۔

عَذْبٌ: میٹھا۔ شیریں۔ خوشگوار۔ جمع عُذُوْبٌ۔

فُرَاتٌ: بہت شیریں اور ٹھنڈا پانی۔ تسکین بخش۔

مِلْحٌ: نمکین۔

اُجَاجٌ: تلخ۔ کڑوا۔ کھاری پانی۔

بَرْزَخًا: پردہ۔ آڑ۔

حِجْرًا: رکاوٹ۔ پناہ۔ منع کرنا۔

صِهْرًا: سسرال۔ داماد۔ خسر۔ بہنوئی۔ جمع اَصْهَارٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے دو طرح کا پانی بنایا ہے۔ میٹھا اور نمکین۔ نہروں، چشموں اور کنوؤں کا پانی

عموماً صاف، شیریں اورخوش ذائقہ ہوتا ہے۔ جبکہ سمندروں میں ٹھہرا ہوا پانی کھاری اور بدمزہ ہوتا ہے۔بعض چشموں اور کنوؤں کا پانی بھی کھاری ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ اس نے میٹھے پانی کو وافر مقدار میں فراہم کردیا تاکہ لوگوں کو نہانے دھونے اوراپنے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کرنے میں آسانی رہے۔

اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی قدرت کاملہ اوراپنے حکم سے میٹھے اورکھاری پانی کو ایک دوسرے سے جدا کررکھا ہے۔ نہ کھاری پانی میٹھے پانی میں مل سکتا ہےاور نہ میٹھا پانی کھاری پانی میں مل سکتا ہے۔ دونوں کے درمیان سخت رکاوٹ ہےکوئی اپنی حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ○ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ○

(سورۃ الرحمٰن آیات ۱۹، ۲۰)

اس نے دونوں سمندر جاری کردیئے کہ دونوں مل جائیں اوران دونوں کے درمیان ایک حجاب قائم کردیا ہے کہ حد سے نہ بڑھیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ میٹھے سمندر سے بڑے دریا مراد ہیں جیسے نیل وفرات وغیرہ اورکھاری سمندر سے یہی بڑا سمندر مراد ہے جونہایت نمکین اور تلخ ہےاور برزخ سے مراد زمین کا وہ حصہ ہے جوسمندراور بڑے دریاؤں کے وسط میں واقع اور حائل ہے۔

آیت میں جوکھارے اور میٹھے پانی کو جدار کھنے کا ذکر ہے وہ دجلہ وفرات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ بات ان دریاؤں کے لئے بھی ہے جوسمندر میں بہہ کرآگے تک جاتے ہیں جیسے مسی سپی اور یانگ ٹسی کیانگ۔ان کا میٹھا پانی سمندر کے کھاری پانی سے اس وقت تک مخلوط نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بہت آگے تک سمندر میں نہ پہنچ جائے۔(بائبل، قرآن اور سائنس۔موریس بکائیے، ترجمہ ثناء الحق صدیقی، ص ۲۲۶)

اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اوراسے ٹھیک ٹھاک اور برابر بنایا اوراچھی پیدائش میں پیدا کر کے اسے مرد یا عورت بنادیا۔ پھراس کے لئے نسب کے رشتے اور سسرالی رشتے قائم کردیئے۔اور آپ کا رب بڑی قدرت والا ہے۔ وہ اپنی مشیت کے تحت جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ بہرحال دوقسم کے دریاؤں کا پیدا کرنا بھی اس کی قدرت کا کرشمہ ہےاور دو مختلف قسم کے پانیوں میں قدرتی طور پرایک غیرمحسوس حد فاصل بنادینا بھی اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

(روح المعانی ۳۳۔۳۶/ ۱۹، ابن کثیر ۳۲۱، ۳۲۲/ ۳)

منکرینِ نبوت کی جہالت

۵۵-۶۰۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ
ظَهِيرًا ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ
أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي
لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ۚ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ۝ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمَٰنُ
فَاسْأَلْ بِهِ خَبِيرًا ۝ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ
أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ۩ ۝

اور وہ اللہ کو چھوڑ کر ان معبودوں کو پوجتے ہیں جو ان کو نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان اور کافر اپنے رب سے پیٹھ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو بس ایک خوشخبری دینے والا اور ڈرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں اس (کام) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ جس کا دل چاہے اپنے رب کا راستہ اختیار کرے۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ اس زندہ (خدا) پر بھروسہ رکھئے جس کو کبھی موت نہیں اور اس کی تسبیح وتحمید کرتے رہیے اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار ہے۔ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر قائم ہوا۔ وہ رحمٰن ہے سو اس کی شان کسی جاننے والے سے پوچھنی چاہئے۔ اور جب ان (منکروں) سے کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کیا ہے۔ کیا ہم اس کو سجدہ کریں جس کا تو ہمیں حکم دے اور اس سے ان کی نفرت میں اور زیادہ اضافہ ہوتا ہے۔

ظَهِيرًا : پشت پناہی کرنے والا، پیٹھ پھیرنے والا۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

اِسْتَوٰی: اس نے قصد کیا۔ وہ متوجہ ہوا۔ وہ ٹھہرا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔

نُفُوْرًا: نفرت کرنا۔ فرار ہونا۔ بھاگنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: یہاں مشرکین کی جہالت کا بیان ہے کہ وہ بلا دلیل ان بتوں کو پوجتے ہیں جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ یہ احمق لوگ ان بتوں سے یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ قیامت کے روز یہ باطل معبود ان کی مدد کریں گے۔ یہ ان کی خام خیالی ہے۔ یہ باطل معبود نہ تو دنیا میں ان کے کام آئیں گے اور نہ آخرت میں۔

پھر آپ کو مخاطب کر کے فرمایا اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو نبی بنا کر اس لئے بھیجا ہے تا کہ آپ مومنوں کو تو خوشخبری سنا دیں اور کافروں کو جہنم کے عذاب سے خبردار کر دیں اور آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ میں اپنے وعظ و تبلیغ کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔ میں تو صرف اللہ کی رضا کیلئے تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے جو کوئی راہ راست پر آنا چاہے اس کو واضح طور پر صحیح راستہ بتا دوں۔ اگر پھر بھی یہ لوگ آپ کے ساتھ دشمنی کریں تو آپ اپنے رب پر بھروسہ رکھئے جو موت و فوت سے پاک ہے، جو ہمیشگی اور دوام والا ہے، جو اول و آخر، ظاہر و باطن، ہر چیز کو جانتا ہے، اور ہر چیز کا خالق و مالک اور رب ہے۔ اسی کی ذات اس لائق ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جائے اور ہر خوشی اور ہر غم میں اس کو یاد رکھا جائے۔ سو آپ بھی اسی کی تسبیح و تحمید بیان کرتے رہئے اور ان احمقوں کی پرواہ نہ کیجئے اور اللہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب واقف ہے۔ نہ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ ہے اور نہ کوئی بھید اس سے مخفی ہے اس لئے وہ مجرموں کو ان کے گناہوں کی سزا دے گا۔ وہی تمام چیزوں کا خالق اور مالک ہے اسی نے اپنی قدرت و عظمت سے آسمانوں اور زمین جیسی زبردست مخلوق اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو چھ دن میں پیدا کر دیا، پھر وہ اس عرش پر جلوہ فرما ہوا جو تمام مخلوقات میں بڑی مخلوق ہے اور تمام آسمانوں سے بلند و برتر اور تمام عالم کو محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی رحمان ہے، جس کی رحمت تمام مخلوق کے لئے ہے۔ اس کی ذات و صفات کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھنا چاہئے کہ وہ کیسا ہے۔ کافر اور مشرک اس کی شان کیا جانیں۔ ان کی جہالت کا حال تو یہ ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے رحمٰن کو سجدہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ رحمٰن کون ہے۔ ہم رحمٰن کو نہیں جانتے۔ کیا ہم آپ کے کہنے سے رحمٰن کو سجدہ کر لیں۔ پس رحمٰن کو سجدے کا حکم ان کی نفرت میں اور اضافہ کر دیتا ہے اور رحمٰن کا نام سن کر وہ ایمان اور راہ حق سے بھاگنے لگتے ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۹۶، ۱۹۷/ ۵، ابن کثیر ۳۲۲، ۳۲۳/ ۳)

عجائباتِ قدرت

۶۱، ۶۲۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا۝
وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا۝

بابرکت ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں چراغ (سورج) اور چمکتا ہوا چاند بنایا۔ اور (اللہ) وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے بنایا، اس شخص کے لئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہے، یا شکر گزاری کا ارادہ رکھتا ہو۔

بُرُوْجًا: برجیں۔ محلات۔ تارے　واحد بُرُجٌ۔

سِرٰجًا: چراغ۔ دیا۔ جمع سُرُجٌ۔

مُنِیْرًا: روشنی والا۔ چمکنے والا۔ اِنَارَةٌ سے اسم فاعل۔

خِلْفَةً: پے در پے آنے والے۔ آگے پیچھے آنے والے۔

تشریح: ان آیتوں میں بعض عجائباتِ قدرت کا ذکر ہے کہ وہ ذات بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنی قدرت سے آسمان میں برج بنائے اور اس میں سورج اور روشن چاند بنائے، مجاہد، سعید بن جبیر، ابو صالح، حسن اور قتادہ سے مروی ہے کہ برج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ برج سے آسمانی قلعے مراد ہیں، جہاں فرشتے پہرہ دیتے ہیں۔ حضرت علی، ابن عباس، محمد بن کعب ابرہیم نخعی وغیرہ سے مروی ہے کہ یہ محافظ فرشتوں کے ٹھکانے ہیں۔

آیت میں سراج سے مراد سورج ہے جو چراغ کی مانند روشن ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا. (سورۃ انبیاء آیت ۱۳)

اور ہم نے روشن چراغ یعنی سورج بنایا۔

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّ جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ (سورۃ نوح آیت ۱۶)

اور اس میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا۔

پھر فرمایا کہ اس نے دن اور رات کو ایک دوسرے کا خلیفہ اور جانشین بنایا کہ ایک کے جانے کے بعد دوسرا آتا ہے یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے۔ پس دن اور رات کا آگے

پیچھے آنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت اور اس کی رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔ اس لئے انسان کو اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔ (مواہب الرحمٰن ۴۷، ۱۹/۴۸، مظہری ۳۹، ۷/۴۰)

مومنوں کی صفات

۶۳ ـ ۶۷، وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا
سَلٰمًا ○ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ○ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ
عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ○ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ وَ
الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ○

اور رحمٰن کے (خاص) بندے تو وہی ہیں جو زمین پر عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے بے علم لوگ بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں (اور الگ ہو جاتے ہیں) اور وہ جو اپنے رب کے لئے سجدے اور قیام میں رات گزارتے ہیں، اور وہ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! جہنم کو ہم سے دور رکھ۔ یقیناً اس کا عذاب پوری تباہی ہے، بیشک وہ تو بہت برا ٹھکانا اور بہت برا مقام ہے، اور وہ جو خرچ کرتے وقت نہ تو اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل اور ان کا خرچ کرنا اعتدال پر ہوتا ہے۔

هَوْنًا: آہستہ۔ عاجزی کے ساتھ۔ وقار کے ساتھ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

غَرَامًا: مسلسل تکلیف۔ ہلاکت۔ عذاب۔

سَاءَتْ: وہ بری ہے۔ سَوْءٌ سے ماضی۔

يَقْتُرُوْا: وہ تنگی کرتے ہیں۔ وہ بخل کرتے ہیں، وہ کنجوسی کرتے ہیں، قَتْرٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں رحمٰن سے نفرت کرنے والوں کا ذکر تھا۔ ان آیتوں میں رحمٰن کے خاص اور مقبول بندوں کی تیرہ صفات وعلامات کا ذکر ہے۔

۱۔ عباد ہونا۔ عباد عبد کی جمع ہے۔ عبد غلام کو کہتے ہیں جو اپنے آقا کا مملوک ہو۔ اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد و خیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور

خواہش کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے۔ یہ لوگ رحمٰن کا نام سن کر ناک بھنویں نہیں چڑھاتے بلکہ اپنے ہر قول و فعل سے بندگی کا اظہار کرتے ہیں۔

۲۔ **یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا**: وہ لوگ زمین پر وقار و متانت، تواضع اور عجز و انکسار کے ساتھ چلتے ہیں۔ متکبروں کی طرح زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے، زمین پر آہستہ اور سکون سے قدم رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ سست رفتاری سے چلا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ متکبرانہ چال سے نہ چلے اگرچہ تیز رفتاری سے چلے۔

۳۔ **وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا**: جب نادان لوگ ان سے ناشائستہ بات کہتے ہیں یا کوئی جہالت اور نادانی کی بات کرتے ہیں تو یہ لوگ اس کے جواب میں نرم اور ملائم بات کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

۴۔ **وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا**: یہ لوگ اپنے رب کے سامنے رکوع اور سجود کی حالت میں رات گزارتے ہیں۔ حدیث میں نمازِ تہجد کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوامامہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیام اللیل، تہجد کی نماز کی پابندی کرو کیونکہ وہ تم سے پہلے بھی سب نیک بندوں کی عادت رہی ہے اور وہ تمہیں اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی ہے اور برائیوں کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے۔ مسند احمد اور مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشا کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو وہ آدھی رات عبادت میں گزارنے کے حکم میں ہو گیا، اور جس نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کر لی وہ باقی آدھی رات بھی عبادت میں گزارنے والا ہو جائے گا۔

۵۔ **وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ**: اللہ تعالیٰ کے یہ مقبول بندے دن رات عبادت و طاعت میں مصروف رہنے کے باوجود خوفِ خدا کے سبب یہ دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم سے عذابِ جہنم کو پھیر دے، بے شک عذابِ جہنم دائمی اور لازمی ہے۔

۶۔ **وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا**: اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے مال خرچ کرنے میں نہ تو اسراف و فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل و تنگی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر رہتے ہیں۔

اسراف کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں، شرعی اصطلاح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ابن جریج کے نزدیک، اللہ کی معصیت میں خرچ کرنے کا نام اسراف ہے، اگر چہ ایک پیسہ ہی ہو۔

اقتار کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ اور رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی کرنا، مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے راویت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا،

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۵۰۴،۵۰۲، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۰۲،۲۰۱)

جہنم کی وادیٔ آثام

۶۸،۷۱۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝

اور وہ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ اس جان کو حق کے سوا قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کام کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ قیامت کے روز اس کو دوہرا عذاب ہوگا اور وہ اس میں ہمیشہ ذلت کے ساتھ رہے گا۔ سوائے اس کے جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک اعمال کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے، اور جس نے توبہ کی اور نیک کام کئے تو تحقیق اس نے اللہ سے سچی توبہ کی۔

يَلْقَ: وہ ملاقات کرے گا۔ وہ ملے گا۔ وہ پائے گا۔ لَقْیٌ سے مضارع۔

اَثَامًا: گناہ۔ سزا، اِثْمٌ کا اسم مصدر۔

مُهَانًا: توہین کیا ہوا۔ ذلیل کیا ہوا۔ رسوا کیا ہوا۔ اِهَانَةٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ۷۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ: پہلی چھ صفات میں اطاعت وفرماں برداری کے اصولوں کا بیان تھا۔ آئندہ آیتوں میں معصیت و نافرمانی کے اصولوں کا بیان ہے۔ ان میں سے پہلی چیز عقیدے سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے، صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں، شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور توحید اور اخلاص سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں۔

۸۔ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ: اللہ تعالیٰ کے یہ خاص بندے کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے بلکہ حق کے مطابق قتل کرتے ہیں۔ حق کے مطابق قتل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس قتل کی شریعت نے اجازت دی ہے وہ حق ہے۔ جیسے مرتد کا قتل کرنا۔ قصاص کے طور پر قتل کرنا۔ رہزنوں اور فتنہ پردازوں کو قتل کرنا۔ شادی شدہ زانی کو قتل کرنا اور جہاد میں کافروں کو قتل کرنا وغیرہ۔

۹۔ لَا يَزْنُوْنَ: یہ لوگ زنا نہیں کرتے۔ کسی عورت سے زنا کرنا گناہ کبیرہ ہے اور ہمسائے کی عورت سے زنا کرنا تو بدترین گناہ ہے۔

جو شخص ان مذکورہ بالا گناہوں کا ارتکاب کرے گا وہ ان کی سزا پائے گا۔ (بعض مفسرین کے نزدیک اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو سخت وشدید عذابوں سے بھری ہوئی ہے) قیامت کے دن اس کو دوہرا عذاب دیا جائے گا اور وہ ذلیل ہو کر ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا۔ اگر مذکورہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے ان گناہوں سے توبہ کر لیں اور ایمان لا کر نیک عمل کرنے لگیں تو ان کو جہنم کا دائمی عذاب نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۵۰۵ از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۲، ۵/۳۰۲)

لغو کاموں سے اعراض

۷۲۔۷۴۔ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝

اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے او جب وہ لغویات کے پاس سے گزرتے

ہیں تو بزرگانہ طور پر (بغیر التفات کے) گزر جاتے ہیں اور جب ان کو ان کے رب کی آیات یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ ان میں غور کرتے ہیں) اور وہ جو دعا کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں ہماری بیویوں اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔

الزُّوْرَ: جھوٹ۔ کفر۔ شرک۔ انحراف۔

مَرُّوْا: وہ گزرے۔ مُرُوْرٌ سے ماضی۔

یَخِرُّوْا: وہ گرے۔ خَرٌّ سے مضارع بمعنی ماضی۔

قُرَّۃَ: آنکھ کی خنکی۔ ٹھنڈک۔

تشریح: ۱۰۔ **لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ:** اللہ کے مقبول بندے جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے، یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بیہودہ اور خلاف شرع کام کی مجلسوں میں نہیں جاتے۔

۱۱۔ **وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا:** اگر یہ نیک بندے اتفاقاً کبھی کسی لغو اور بیہودہ مجلس کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہاں ٹھہرتے نہیں بلکہ اس سے اعراض کرتے ہوئے سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

۱۲۔ **اِذَا ذُکِّرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْھَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا:** ان نیک بندوں کی شان یہ ہے یہ جب ان کو اللہ کی آیتوں کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان آیتوں کی طرف اندھے اور بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے بلکہ سمیع و بصیر لوگوں کی طرح ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔

۱۳۔ **وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ھَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعْیُنٍ:** اللہ کے یہ مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمالِ صالحہ پر قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ اپنی اولاد اور بیویوں کے اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لئے بھی فکر مند رہتے ہیں اور ان کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہتے ہیں۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۵۰۶۔۵۰۹/۶ و از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۳، ۲۰۴/۵)

مقربین کا انعام

۷۵، ۷۷۔ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ۝

یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے صبر کے بدلے جنت کے بالا خانہ دیئے جائیں گے جہاں ان کو دعا وسلام پہنچایا جائے گا۔ وہ اس (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ بہت ہی اچھا ٹھکانا اور مقام ہے۔ (اے نبی) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اس کو نہ پکارو تو میرے رب کو تمہاری (ذرا بھی) پرواہ نہیں۔ البتہ تم جھٹلا تو چکے سو بہت جلد سزا لازم ہوگی۔

یعبؤا: وہ اختیار دیتا ہے۔ وہ پرواہ کرے گا۔ عَبْوءٌ سے مضارع۔

لزاماً: لازمی۔ ہمیشہ۔ ساتھ رہنے والا۔ چمٹ جانے والا۔ مصدر ہے

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مقربین کی صفات اور ان کے عمدہ اقوال وافعال کے بیان کے بعد، ان آیتوں میں ان کی حسنِ جزا اور درجات عالیہ کو بیان فرمایا، اللہ کے دین اور اس کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے اور اطاعت کی مشقتوں پر صبر کرنے کے صلے میں ان کو جنت میں عالی شان محل اور بالا خانے ملیں گے۔ جنت کی دوسری نعمتوں کے ساتھ ساتھ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوگا کہ فرشتے ان کو مبارکباد دیں گے اور سلام کریں گے۔ یہ لوگ وہاں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے، نہ کبھی وہاں کی نعمتیں کم ہوں گی اور نہ راحتیں فنا ہوں گی۔ بلاشبہ ان کے آرام وقیام کی جگہ نہایت عمدہ ہے۔

اے پیغمبر ﷺ! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کی عبادت نہ کرو گے تو میرا رب تمہاری ذرا بھی پرواہ نہ کرے گا کیونکہ اللہ نے مخلوق کو اپنی عبادت اور تسبیح وتہلیل کے لئے پیدا کیا ہے، اگر مخلوق اس کی عبادت اور تسبیح وتہلیل نہ کرے تو وہ اللہ کے نزدیک نہایت حقیر ہے۔ پس اے کافرو تم تو رسول اور احکام الٰہیہ کی تکذیب کر چکے، سو عنقریب یہ تکذیب تمہارے لئے وبال جان بنے گی اور تمہیں اس کی سزا مل کر رہے گی۔ خواہ اس دنیا میں ملے یا آخرت میں۔ ظاہر ہے آخرت کی سزا سے تو کسی طرح چھٹکارا نہ ملے گا۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۶/۵۱۰، از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۰۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الشعراء

وجہ تسمیہ: چونکہ اس سورت میں شعراء کا ذکر ہے اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوگئی۔ امام مالکؒ سے جو تفسیر مروی ہے اس میں اس کا نام سورۃ جامع ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۶/ ۵، مواہب الرحمٰن ۶۴/ ۱۹)

تعارف: اس میں گیارہ رکوع، ۲۲۷ آیات، ۱۳۷۴ کلمات اور ۵۶۸۹ حروف ہیں۔

جمہور علما کے نزدیک یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے ابن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکی ہے۔ نحاس نے ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکی ہے، آخری پانچ آیتوں کے سوا (جو وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ سے آخر تک ہیں اور) جو مدینے میں نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۵۷/۱۹)

اس کے شروع میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ کو اس کا غم نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ کی مشیت اور ارادہ یہ نہیں کہ سب لوگ ایمان لے آئیں۔ پھر آپ کی تسلی کے لئے سات الوالعزم انبیا اور ان کی سرکش امتوں کا حال بیان کر کے بتایا کہ ان سرکشوں کی معاندانہ باتیں نئی نہیں۔ سابقہ انبیا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ سورت کے آخر میں قرآن کی حقانیت کا ذکر ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوئی۔ پھر اس کی حقانیت پر یہ دلیل بیان فرمائی کہ اہل کتاب کے علما اس کتاب کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ اس کا ذکر زُبُر اولین اور سابقہ انبیا کے صحیفوں میں موجود ہے۔ یہ قرآن وحی

ربانی ہے جو حق و باطل میں فرق واضح کرتی ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۶۴، ۶۵/ ۱۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۰۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: آسمانی کتابوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی نصیحت کی باتوں سے اعراض کرنے والوں کا بیان ہے

رکوع ۲: حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اور فرعون اور حضرت موسیٰ میں گفتگو مذکور ہے۔

رکوع ۳: فرعون اور اس کے سرداروں میں گفتگو۔ جادوگروں کا فرعون سے مطالبہ اور ساحرین کی استقامت کا بیان ہے۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کا حکم اور فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۵: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ، حضرت ابراہیم کی دعا اور کافروں کے اعتراف گناہ کا بیان ہے،

رکوع ۶: حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ۔ قوم نوح کا جواب اور حضرت نوح کی دعا مذکور ہے۔

رکوع ۷: حضرت ہود علیہ السلام کی وعظ و نصیحت اور قوم ہود کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۸: حضرت صالح علیہ السلام کی نصیحت اور قوم ثمود کا معجزہ طلب کرنا۔

رکوع ۹: حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب اور قوم لوط کی ہلاکت کا بیان۔

رکوع ۱۰: حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت اور قوم شعیب کی بدبختی کا بیان ہے۔

رکوع ۱۱: قرآن کی حقانیت، کفار کا مہلت طلب کرنا اور اقارب کو عذاب سے ڈرانے کا حکم بیان کیا گیا، پھر شیاطین کا جھوٹی خبریں لانا، گمراہ شاعری کا ابطال اور مذمت سے مستثنیٰ شاعروں کا بیان ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ طٰسٓمٓ ﴿۱﴾ : یہ حروف مقطعات ہیں جن کے معنی و مراد اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔

نصیحت سے اعراض

۲۔۹۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا
مُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ
لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا
عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ
كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

یہ ایک روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ اپنی جان کھو دیں گے۔اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر ایک ایسی نشانی نازل کر دیں جس کے سامنے ان کی گردنیں جھک جائیں اور رحمٰن کی طرف سے ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ایسی نہیں آئی جس سے وہ منہ نہ موڑ لیتے ہوں۔سو یہ جھٹلا تو چکے۔اب بہت جلد ان کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی جس کا وہ تمسخر اڑایا کرتے تھے۔کیا انہوں نے زمین کو نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں کس قدر عمدہ عمدہ قسم کی نباتات اگائی ہیں، بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

بَاخِعٌ: غم کے سبب جان دینے والا۔ہلاک کرنے والا۔بَخُوْعٌ سے اسم فاعل۔

ظَلَّتْ: تو ہو گیا۔یہاں دوام کے معنی مراد ہیں۔ظِلًّا و ظُلُوْلاً سے ماضی۔

اَعْنَاقُهُمْ: ان کی گردنیں۔واحد عُنُقٌ۔

خٰضِعِيْنَ: خضوع کرنے والے، عاجزی کرنے والے۔جھکنے والے۔خُضُوْعٌ سے اسم فاعل۔

مُحْدَثٍ: تازہ۔نیا۔اِحْدَاث سے اسم مفعول۔

تشریح: یہ قرآن مبین کی آیتیں ہیں جو بہت واضح، حق و باطل اور بھلائی و برائی کے درمیان فیصلہ

اور فرق کرنے والا ہے آپ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ خاطر اور غمگین نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نہیں چاہتے کہ یہ لوگ ایمان لائیں۔ اگر ہم ان کا مومن ہو جانا چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی نازل کر دیتے کہ وہ اس کو دیکھ کر ایمان لانے پر مجبور ہو جاتے یا ان پر کوئی ایسی مصیبت نازل کر دیتے جو ان کو ایمان لانے پر مجبور کر دیتی اور یہ سب فرماں بردار ہو جاتے۔ ہم یہ زبردستی والا ایمان نہیں چاہتے بلکہ ہم تو ان کا اختیاری ایمان طلب کرتے ہیں۔ دین و مذہب کا اختلاف بھی اسی کی طرف سے ہے۔ اس نے لوگوں کی ہدایت و راہنمائی کے لئے رسول بھیج دیئے، کتابیں نازل کر دیں اور انسان کو ایمان لانے اور نہ لانے کا اختیار دے دیا۔ اب یہ ان پر ہے کہ وہ کون سی راہ اختیار کرتے ہیں۔

جب بھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوتی ہے یا اللہ کی طرف سے ان کے پاس کوئی نصیحت آتی ہے تو یہ اس سے اعراض کر لیتے ہیں۔ سابقہ انبیا کی امتوں کی طرح آنحضرت ﷺ کی قوم نے بھی اس نصیحت کو جھٹلایا۔ دوسری قوموں کی طرح ان کو بھی عنقریب اس کا بدلہ مل جائے گا اور ان ظالموں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ وہ ذکر اور نصیحت جس کی یہ لوگ ہنسی اڑاتے تھے حق تھی یا باطل، اور تصدیق و تعظیم کی مستحق تھی یا تکذیب و تحقیر و استہزا کے لائق تھی۔

کیا ان ہنسی اڑانے والوں نے زمین کی طرف نظر نہیں کی کہ ہم نے اس میں ہر قسم کا کس قدر عمدہ سبزہ اگایا ہے، کسی مادے یا ایتھر (ایک قسم کا مادہ) میں یہ قوت نہیں کہ وہ زمین سے مختلف قسم کے سبزہ جات اگا سکے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ اس نے زمین میں قسم قسم کی نباتات پیدا کر دیں۔

بلاشبہ طرح طرح کا سبزہ پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت و حکمت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ اللہ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ بلاشبہ آپ کا رب ہی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے۔

(ابن کثیر ۳۳۱/۳، مظہری ۵۴۔۵۶/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۰۸/ ۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

۱۰۔۲۲، وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ

اَلَا یَتَّقُوْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ
وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی ھٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَھُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ
اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ کَلَّا ۚ فَاذْھَبَا بِاٰیٰتِنَآ اِنَّا مَعَکُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾
فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا
بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّلَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ
عُمُرِکَ سِنِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَکَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾
قَالَ فَعَلْتُھَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْکُمْ لَمَّا خِفْتُکُمْ
فَوَھَبَ لِیْ رَبِّیْ حُکْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْکَ نِعْمَۃٌ
تَمُنُّھَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۲﴾

اور جب تیرے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تم ظالم قوم کے پاس جاؤ (یعنی) قوم فرعون کے پاس۔ کیا وہ ڈرتے نہیں۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلانے لگیں اور میرا سینہ تنگ ہو جائے اور میری زبان (اچھی طرح) نہ چلے۔ پس تو ہارون کی طرف بھی وحی بھیج دے اور مجھ پر ان کا ایک جرم بھی ہے سو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا، ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ پس تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ تم دونوں فرعون کے پاس جا کر کہو کہ بلاشبہ ہم رب العالمین کے بھیجے ہوئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ فرعون نے کہا کہ کیا ہم نے تجھے اپنے گھر میں بچپن سے نہیں پالا اور تو نے اپنی عمر کے بہت سے سال ہم میں گزارے ہیں۔ اور تو اپنی وہ حرکت کہ جو تو نے کی تھی کر چکا ہے اور تو ناشکروں میں سے ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ جب میں نے وہ کام کیا تھا تو میں بے خبر تھا، پھر میں تم سے خوف کھا کر بھاگ گیا۔ پھر میرے رب نے دانائی عطا کی اور مجھے رسول بنایا۔ اور کیا مجھ پر تیرا یہی وہ

احسان ہے کہ (جس کے بدلے میں) تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔

یَضِیْقُ: وہ تنگ ہوتا ہے۔ وہ گھٹتا ہے۔ ضِیْقٌ مضارع۔

یَنْطَلِقُ: وہ (زبان) چلتی ہے۔ وہ بولتی ہے اِنْطِلَاقٌ سے مضارع۔

لِسَانِیْ: میری زبان۔ میری قوت گویائی۔

لَبِثْتَ: تو رہا۔ تو ٹھہرا۔ لَبث سے ماضی۔

تشریح: وہ واقعہ یاد کرو جب آپ کے رب نے موسیٰ کو ندا کی تھی اور ان کو قوم فرعون کے پاس جا کر ان کو پیغام الٰہی پہنچانے کا حکم دیا تھا، آیت میں ظالمین سے مراد قوم فرعون ہے جنہوں نے کفر کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔ یہ لوگ بنی اسرائیل کو غلام بناتے تھے، ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے اور ان کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دیتے تھے۔ اَلَا یَتَّقُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ قوم فرعون کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کر کے اپنی جانوں کو اللہ کے عذاب سے محفوظ کر لیں۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ تم قوم فرعون کے پاس جا کر ان کو اللہ سے ڈراؤ۔

اللہ تعالیٰ کا حکم سن کر حضرت موسیٰ نے اپنی چند کمزوریاں اللہ تعالیٰ کی سامنے بیان کیں جو اللہ نے اپنی مہربانی سے دور کر دیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنے عذر بیان کرتے ہوئے کہا، ۱۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے، ۲۔ میرا سینہ تنگ ہے، ۳۔ میری زبان میں لکنت ہے، ۴۔ ہارون کو میرا مددگار بنا دے کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے، ۵۔ ان میں سے ایک قبطی کو میں نے قتل کر دیا تھا، اسی لئے میں نے مصر چھوڑا تھا۔ اب مجھ خوف ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ وہ تمہیں قتل نہیں کر سکتے۔ سو اب تم دونوں میری نشانیوں کے ساتھ قوم فرعون کے پاس جاؤ۔ میں اپنی نصرت وامداد کے ساتھ تمہارے ساتھ ہوں اور تمہاری اور ان کی سب باتیں سنتا رہوں گا۔ یہاں نشانیوں سے مراد عصا اور ید بیضا کے معجزے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمائے تھے۔ پس تم دونوں بے خوف وخطر فرعون کے پاس جاؤ اور اس پر اپنی رسالت کا اظہار کرو اور اس کو بتاؤ کہ ہم تجھے اللہ کا یہ پیغام پہنچانے آئے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مومن بندے ہیں۔ تو نے ان کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اب تو انہیں آزاد کر کے ہمارے ساتھ بھیج دے۔

حضرت موسیٰ نے چونکہ فرعون کے گھر میں پرورش پائی تھی اس لئے وہ ان کو دیکھتے ہی

پہچان گیا اور حضرت موسیٰ کے پیغام کے جواب میں کہنے لگا کیا ہم نے تجھے اس وقت اپنے گھر میں نہیں پالا تھا جب تو دودھ پیتا بچہ تھا اور تو برسوں ہمارے پاس رہا، تو تو بڑا ناشکرا ہے تو نے اس احسان کا بدلہ یہ دیا کہ تو میرے خاص لوگوں کو قتل کرنے لگا اور تو ہمارے احسانات بھلا کر پیغمبری کا دعویٰ کرنے لگا ہے اور تو چاہتا ہے کہ ہم تجھ پر ایمان لا کر تیرے فرماں بردار بن جائیں۔

حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ سب باتیں نبوت سے پہلے کی ہیں۔ اس وقت تک میرے پاس اللہ کی طرف سے کوئی ہدایت نہیں آئی تھی۔ میں نے اس قبطی کو قصداً قتل نہیں کیا تھا۔ میں نے تو محض تنبیہ کی غرض سے اس کے ایک مکہ مارا تھا جس سے وہ فوراً مر گیا۔ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ہٹا کٹا ایک مکہ لگتے ہی مر جائے گا۔ سو میں تم سے ڈر کر مدین بھاگ گیا۔ پھر اللہ نے مجھے علم و حکمت عطا فرمائی اور مجھے اپنا رسول بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔ اب اگر تو میرا کہا مانے گا تو سلامتی پائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ جہاں تک تیرے احسان کا تعلق ہے تو حقیقت میں یہ احسان نہ تھا بلکہ مجھ پر تیرا احسان اس بات کا نتیجہ تھا کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا کر رکھا تھا، ان کے لڑکوں کو قتل کراتا تھا اسی لئے مجھے تیرے پاس پہنچا دیا گیا اور تو نے میری پرورش وکفالت کی۔ اگر تو بنی اسرائیل کو ذلیل نہ کرتا اور ان کے لڑکوں کو قتل نہ کرتا تو میرے گھر والے میری پرورش کرتے اور مجھے دریا میں نہ پھینکتے اور مجھے تیرے مکان میں نہ لایا جاتا۔ (مظہری ۶۰،۵۶/ ۷، ابن کثیر ۳۳۲/ ۳)

فرعون اور حضرت موسیٰؑ میں گفتگو

۲۳۔۳۳۔ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ۝ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ۝ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ۚ ۝ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۚۖ ۝ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۚ ۝

فرعون نے کہا کہ (وہ) رب العالمین کون ہے۔ موسیٰ نے کہا کہ وہ آسمانوں اور زمین اوران کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ فرعون نے ان (درباریوں) سے جو اس کے اردگرد تھے کہا کہ کیا تم (موسیٰ کی باتیں) سنتے ہو۔ موسیٰ نے کہا کہ وہ تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ فرعون نے کہا لوگو! بیشک تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یقیناً دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا وہی مشرق ومغرب اوران کے درمیان کی تمام چیزوں کا رب ہے اگر تم عقل رکھتے ہو۔ فرعون نے کہا اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں سے کردوں گا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر میں تیرے سامنے ایک واضح دلیل پیش کروں۔ فرعون نے کہا کہ اگر تو سچا ہے تو پیش کر۔ سو موسیٰ نے اپنا عصا (زمین پر) ڈال دیا تو وہ فوراً ایک صریح اژدہا بن گیا اور اپنا ہاتھ (گریبان سے باہر) نکالا تو اسی وقت وہ بھی دیکھنے والوں کو (چمکتا ہوا) سفید نظر آنے لگا۔

اَلْمَسْجُوْنِیْنَ: قیدی۔ باز رکھنا۔ سَجْنٌ سے اسم مفعول۔

ثُعْبَانٌ: اژدہا۔ بڑا سانپ۔ جمع ثعابِیْنَ۔

نَزَعَ: اس نے باہر نکالا۔ نزْعٌ سے ماضی۔

بَیْضَاءُ: سفید۔ بیاضٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کو بہکا رکھا تھا اوران کے دماغ میں یہ بات بٹھا رکھی تھی کہ ان کا معبود اور رب صرف فرعون ہے۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ فرعون دہریہ تھا، اللہ تعالیٰ کے وجود کا منکر تھا اور کہتا تھا کہ **مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِىْ** یعنی میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں جانتا۔ اور **اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى** میں ہی تمہارا سب سے بڑا پروردگار ہوں۔ چنانچہ اس نے حضرت موسیٰ سے سوال کیا کہ وہ رب العالمین کیا چیز ہے جس کے رسول ہونے کا تم دعویٰ کرتے ہو۔ حضرت موسیٰ نے اس کے جواب میں کہا کہ جس رب العالمین نے مجھے رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا ہے، وہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین اوران کے درمیان کی تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ وہی سب کا خالق، سب

کا مالک اور سب پر قادر ہے، وہی سب کا معبود حقیقی ہے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اگر تمہارے دل یقین کی دولت سے خالی نہیں ہوئے اگر تمہاری نگاہیں روشن ہیں تو رب العالمین کے یہ اوصاف اس کی ذات کے ماننے کے لئے کافی ہیں۔

فرعون سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کا کوئی جواب نہ بن سکا تو وہ تمسخر کے طور پر اپنے ساتھ والوں سے کہنے لگا۔ کہ کیا تم سن رہے ہو یہ تو میرے سوا کسی اور کو خدا مانتا ہے فرعون کی بات سن کر حضرت موسیٰ نے مزید دلائل بیان کرنے شروع کئے کہ وہ تم سب اور تمہارے اگلے باپ داداؤں کا بھی مالک اور پروردگار ہے۔ اگر آج تم فرعون کو خدا مانتے ہو تو ذرا سوچو تو سہی کہ فرعون سے پہلے والے لوگوں کا خدا کون تھا۔ آسمانوں اور زمین کا وجود تو فرعون سے پہلے بھی تھا تو بتاؤ ان کا موجد کون تھا سو وہی میرا اور تمام جہانوں کا رب ہے۔ میں اسی کا بھیجا ہوا ہوں۔

فرعون حضرت موسیٰ کے دلائل کی تاب نہ لا سکا اور بے بس ہو کر کہنے لگا، اسے چھوڑ دو یہ تو کوئی پاگل آدمی ہے۔ میں اس سے اس کے رب کی حقیقت پوچھتا ہوں تو یہ دوسرے جواب دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے اپنی دلائل جاری رکھتے ہوئے کہا کہ سنو! مشرق و مغرب اور ان کے درمیان کی چیزوں کا جو مالک اور پروردگار ہے وہی میرا رب ہے۔ وہ سورج اور چاند اور ستاروں کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں پہنچا دیتا ہے۔ اگر فرعون اپنی خدائی کے دعوے میں سچا ہے تو ایک دن اس کے خلاف کر کے دکھا دے کہ سورج کو مغرب سے نکالے اور مشرق کی طرف لے جائے۔

حضرت موسیٰ کی واضح اور روشن دلیلیں سن کر فرعون کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ حضرت موسیٰ کو دھمکاتے ہوئے کہنے لگا کہ اے موسیٰ اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تجھے قیدیوں میں شامل کر دوں گا جن کا حال تجھے معلوم ہے۔

حضرت موسیٰ نے فرعون کی دھمکی کے جواب میں کہا، کیا تو اس حالت میں بھی مجھے قید کر دے گا جبکہ میں اپنی سچائی اور تیری غلطی کی کوئی واضح نشانی تیرے سامنے لے آؤں۔ فرعون مجبوراً کہنے لگا کہ اگر تو اپنی رسالت کے دعوے میں سچا ہے تو وہ نشانی پیش کر۔ پس حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو فوراً زمین پر ڈال دیا جو زمین پر گرتے ہی ایک بہت بڑا اژدہا بن گئی۔ یہ اژدہا بہت ہیبت ناک اور ڈراؤنی شکل کا تھا اور خوفناک منہ پھاڑے ہوئے پھن پھنا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ خوب چمکتا ہوا اور روشن تھا۔　　(مظہری ۶۰، ۶۱/ ۷، ابن کثیر ۳۳۲، ۳۳۳/ ۳)

فرعون اور سرداروں میں گفتگو

۳۴ ۔ ۴۰۔ يُرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ
وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝
فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ
مُّجْتَمِعُوْنَ ۝ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝

فرعون نے آس پاس کے سرداروں سے کہا کہ بیشک یہ بڑا ماہر جادوگر ہے، یہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے۔ سو اب تم کیا حکم (مشورہ) دیتے ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس کو اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور تمام شہروں میں جمع کرنے والے (ہرکارے) بھیج دے کہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو تیرے پاس لے آئیں۔ پھر تمام جادوگر ایک مقررہ دن (اور) مقررہ وقت پر جمع کئے گئے اور لوگوں سے کہا گیا کہ کیا تم سب (بھی) جمع ہو جاؤ گے؟ تا کہ اگر جادوگر غالب آ جائیں تو ہم (بھی) ان ہی کی پیروی کریں۔

تَاْمُرُوْنَ: تم حکم دیتے ہو۔ تم مشورہ دیتے ہو۔ اَمْرٌ سے مضارع۔

اَرْجِهْ: تو اس کو مہلت دے۔ تو اس کو ڈھیل دے۔ اِرْجَاءٌ سے امر۔

حٰشِرِيْنَ: اکٹھا کرنے والے۔ جمع کرنے والے۔ حَشْرٌ سے اسم فاعل۔

مِيْقَاتِ: مقررہ وقت۔ جمع مَوَاقِيْتُ۔

تشریح: حضرت موسیٰ کے معجزے دیکھ کر جب فرعون سے کچھ بن نہ پڑا تو اپنے پاس بیٹھے ہوئے سرداروں سے کہنے لگا کہ یہ تو بڑا فنکار اور ماہر جادوگر معلوم ہوتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے ذریعہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے۔ اب تم بتاؤ کہ اس کے جادو کو بے اثر کرنے اور اس کے نبوت و رسالت کے دعوے کو غلط ثابت کرنے کے لئے کیا تدبیر کی جائے۔ سرداروں نے فرعون کو مشورہ دیا کہ اگر یہ شخص جادوگر ہے اور جادو کے ذریعے ہمارا ملک فتح کرنا چاہتا ہے تو ہمارے لئے اس سے مقابلہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے جادوگر موجود ہیں جو اپنے جادو سے اسے شکست دے دیں گے۔ لہٰذا سرکاری کارندوں کو ملک کے تمام شہروں میں بھیج دیا جائے جو وہاں

سے مشہور اور ماہر جادوگروں کو جمع کر کے یہاں لے آئیں۔

چنانچہ سرکاری کارندے تمام شہروں میں بھیج دیئے گئے اور بڑے بڑے نامی گرامی اور کامل فنکار جادوگر مختلف شہروں سے آکر مقررہ وقت پر جمع ہو گئے، جن کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ عام لوگوں کو بھی مقررہ وقت پر پہنچنے کے لئے کہہ دیا گیا۔ چونکہ رعایا بادشاہ کے مذہب پر ہوتی ہے اس لئے سب لوگ یہی کہتے تھے کہ جادوگروں کے غلبے کے بعد ہم تو ان ہی کی پیروی کریں گے۔

ساحرین کا فرعون سے مطالبہ

۴۱۔۴۸، فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ۝ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۝ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ۝ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ۝

پھر جب جادوگر آ گئے تو انہوں نے فرعون سے کہا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو ہمیں کچھ انعام بھی ملے گا؟ اس نے کہا کہ ہاں اور بیشک اس وقت تم مقرب لوگوں میں داخل ہو جاؤ گے۔ موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا کہ جو کچھ تم ڈالنے والے ہو، ڈالو۔ پھر انہوں نے اپنی رسیاں لاٹھیاں ڈال دیں اور کہنے لگے کہ فرعون کی عزت کی قسم یقیناً ہم ہی غالب رہیں گے۔ پھر موسیٰ نے بھی لاٹھی ڈال دی تو وہ فوراً (اژدہا بن کر) ان کے بنائے ہوئے ڈھونگ کو نگلنے لگا۔ سو سب جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ کہنے لگے کہ ہم رب العلمین پر ایمان لائے۔ موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔

حِبَالَهُمْ: ان کی رسیاں۔ واحد حَبْلٌ۔

عِصِيَّهُمْ: ان کے عصا۔ ان کی لاٹھیاں۔

تَلْقَفُ: وہ (اژدہا) نگل جاتا ہے۔ لَقْفٌ سے مضارع۔

يَاْفِكُوْنَ: وہ لوٹتے ہیں۔ وہ تہمت لاتے ہیں۔ وہ ڈھونگ کرتے ہیں۔ اُفْکٌ سے مضارع۔

تشریح: جب ملک کے نامور جادوگروں کی ایک بڑی تعداد فرعون کے پاس پہنچ گئی تو انہوں نے فرعون سے سوال کیا کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آ گئے تو کیا اس پر ہمیں اجر وانعام بھی ملے گا۔ فرعون نے جواب دیا کہ اجر وانعام کے علاوہ تم سب کو ہمارے قرب شاہی کا اعزاز بھی ملے گا۔ پھر جادوگر خوشی خوشی مقابلے کی جگہ کی طرف چل دیئے اور وہاں پہنچ کر حضرت موسیٰ سے کہنے لگے کہ پہلے تم اپنی استادی دکھاتے ہو یا ہم دکھائیں۔ حضرت موسیٰ نے کہا جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو۔ حضرت موسیٰ کا جواب سنتے ہی انہوں نے یہ کہتے ہوئے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں میدان میں ڈال دیں کہ فرعون کی عزت اور وسیلے سے ہم ہی غالب رہیں گے۔ سورۃ اعراف میں ہے کہ جادوگروں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور انہیں ہیبت زدہ کر دیا اور دیکھنے والوں کو محسوس ہوا جیسے لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن کر دوڑ رہی ہیں اور سارا میدان سانپوں سے بھرا ہوا ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ لاٹھیاں اور رسیاں ہی تھیں۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دی جو فوراً ایک بہت بڑا اژدہا بن کر جادوگروں کے سانپوں کو نگلنے لگا اور ان کا ایک سانپ بھی نہ بچ سکا۔ سو حق ظاہر ہو گیا اور باطل مٹ گیا اور ان کا کیا کرایا سب غارت ہو گیا۔ جادوگر اسے دیکھتے ہی کہنے لگے کہ ہمارا جادو تو جادو ہے لیکن حضرت موسیٰ کی لاٹھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے اور حضرت موسیٰ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ چنانچہ وہ اسی وقت سجدے میں گر گئے اور پھر سب کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کیا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا رب ہے اور جس نے ان کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے

ساحرین کی استقامت

۴۹۔۵۱۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۥ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۖ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

فرعون نے کہا کہ کیا تم میری اجازت سے پہلے ہی اس پر ایمان لے آئے۔ یقیناً یہی تمہارا استاد ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے۔ سو بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ میں تمہارا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں

کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں۔ بیشک ہم اپنے رب ہی کے پاس جا پہنچیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارا رب ہمارے گناہ معاف فرما دے گا اس بنا پر کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

اُوصَلِّبَنَّکُمْ: میں تمہیں ضرور سولی پر چڑھاؤں گا۔ تَصْلِیْبٌ سے مضارع۔

ضَیْرَ: ضرر۔ نقصان۔ ہرج۔ مصدر ہے۔

تشریح: فرعون اپنی پریشانی کو چھپاتے ہوئے ساحروں کو ڈانٹنے لگا کہ تم میری اجازت سے پہلے ہی حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔ تم سب اس کے شاگرد ہو اور یہ تمہارا استاد ہے اور تمہارا بزرگ ہے۔ بہت جلد تمہیں اپنے کئے کا نتیجہ مل جائے گا۔ میں تم سب کے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹ کر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔

جادوگر فرعون کی دھمکیوں کے جواب میں کہنے لگے کہ اس میں کوئی حرج نہیں، جو تم سے ہو سکے کر گزرو ہمیں اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں۔ ہمیں تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور اسی سے صلہ لینا ہے۔ تو جتنی تکلیف ہمیں دے گا۔ ہمارا رب ہمیں اتنا ہی اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ ہماری تو اب یہی آرزو ہے کہ ہمارا رب ہمیں معاف فرما دے اور سابقہ گناہوں پر ہماری گرفت نہ کرے۔ کیونکہ ہم فرعون کے ساتھیوں میں سے سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔ ساحروں کا جواب سن کر فرعون اور بھی بگڑا۔ پھر اس نے ان سب کو قتل کر دیا۔

حضرت موسیٰ کو ہجرت کا حکم

۵۲۔۵۹، وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْٓ اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾

اور ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ۔ بیشک تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔ پھر فرعون نے شہروں میں جمع کرنے والوں کو

بھیج دیا۔ بیشک یہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے اور یقیناً انہوں نے ہمیں بہت غصہ دلایا ہے۔ اور یقیناً ہم سب ان سے خطرہ رکھتے ہیں پس ہم نے ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور عمدہ مقام سے (نکال باہر کیا ان کے ساتھ) اسی طرح ہوا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا۔

اَسْرِ: تورات کے وقت لے کر چل۔ اِسْرَاءٌ سے امر۔

شِرْذِمَۃٌ: تھوڑے سے آدمی، قلیل جماعت۔ جمع شَرَاذِمْ۔

حٰذِرُوْنَ: ڈرنے والے۔ محتاط۔ خطرہ رکھنے والے۔ حَذْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو ہلاک و برباد کرنا چاہا اور بنی اسرائیل کو ان کے ظلم سے نجات دینے کا ارادہ کیا تو حضرت موسیٰ کو وحی کے ذریعہ حکم دیا کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل جاؤ۔ اسی طرح بنی اسرائیل کی مظلومیت اور غلامی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ البتہ فرعون تمہارے نکل جانے کی خبر پا کر تمہارا تعاقب کرے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی اور بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات مصر سے نکل گئے۔

جب صبح کو فرعون کو اس کا علم ہوا تو اس نے بنی اسرائیل کے تعاقب کا ارادہ کر لیا اور ملک کے مختلف شہروں میں لشکر جمع کرنے کے لئے آدمی بھیج دیئے۔ جب لشکر جمع ہو گیا تو یہ منادی کرا دی کہ بلاشبہ یہ ایک چھوٹی سی جماعت ہے۔ ان کی تعداد بہت کم ہے اور ان کے پاس ساز و سامان بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ انہوں نے ہماری مخالفت کر کے ہمیں غصہ دلایا ہے۔ یقیناً ہم ہتھیار بند لوگ ہیں۔ یہ لوگ ہماری گرفت سے نہیں نکل سکتے۔

پھر ہم نے ان کے دلوں میں نکلنے کی خواہش پیدا کر دی کہ وہ خود بخود اپنے باغوں، چشموں، خزانوں اور عمدہ مکانوں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا نکالنا ایسا ہی ہوتا ہے۔ پھر ہم نے اسرائیل کو ان نعمتوں کا وارث بنا دیا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۲۴، ۲۲۵/ ۵، مواہب الرحمٰن ۸۱، ۸۳/ ۱۹)

فرعون اور اس کے لشکر کی غرقابی

۶۰۔۶۸، فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝
قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ
الْبَحْرَ ۭ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَ
اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

پھر سورج نکلتے ہی انہوں نے ان (بنی اسرائیل) کو جالیا۔ جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے یقیناً ہم پکڑ لئے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں۔ بیشک میرے ساتھ میرا رب ہے جو مجھے بھی راہ بتادے گا۔ پھر ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مار۔ اسی وقت دریا پھٹ گیا اور پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کے مانند ہوگیا اور ہم نے دوسروں (فرعون کے لشکر) کو بھی وہاں پہنچادیا۔ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے سب ساتھیوں کو بچالیا۔ پھر ان دوسروں کو غرق کر دیا۔ بیشک اس (واقعہ) میں البتہ ایک بڑی نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب اور مہربان ہے۔

مُشْرِقِیْنَ: صبح کے وقت۔ سورج نکلنے کے وقت۔ اِشْرَاق سے اسم فاعل۔

مُدْرَکُوْنَ: ہاتھ آئے ہوئے۔ پکڑے ہوئے اِدْرَاک سے اسم مفعول۔

اِنْفَلَقَ: وہ پھٹ گیا۔ اِنْفِلَاق سے ماضی۔

فِرْقٍ: حصہ۔ ایک ٹکڑا۔ مراد سمندر کا حصہ۔ جمع اَفْرَاق۔

طَوْدِ: پہاڑ۔ مراد یہ ہے کہ پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح کھڑا ہوگیا۔ جمع اَطْوَادٌ۔

اَزْلَفْنَا: ہم نے قریب کر دیا۔ ہم نے نزدیک کر دیا۔ اِزْلَاف سے ماضی۔

تشریح: صبح ہوتے ہی جب فرعون اور اس کی قوم کو پتہ چلا کہ شہر میں بنی اسرائیل کا کوئی بھی آدمی موجود نہیں ہے، سب موسیٰ کے ساتھ جاچکے ہیں تو فرعون اپنے لشکر کو لے کر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل

کے تعاقب میں نکل پڑا۔ پھر جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو حضرت موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے کہ اب تو یہ لوگ ہمیں پکڑ لیں گے اور ہم میں ان سے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ وہ تمہیں ہرگز نہیں پکڑ سکتے۔ بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے۔ بہت جلد وہ مجھے نجات کا راستہ دکھا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس اضطراب و پریشانی کے وقت ہم نے حضرت موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ تم سمندر پر لاٹھی مارو۔ پھر جب حضرت موسیٰ نے اللہ کے حکم سے اپنی لاٹھی سمندر پر ماری تو وہ فوراً پھٹ گیا اور اس میں خشک راستہ نکل آیا اور پانی کا ہر حصہ اپنی جگہ رک کر ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا اور بنی اسرائیل کے تمام لوگ اطمینان سے دریا کو پار کر گئے۔

پھر فرمایا کہ اس کے بعد ہم نے فرعون کے لوگوں کو اس جگہ کے قریب پہنچا دیا چنانچہ سمندر میں خشک راستہ دیکھ کر وہ بھی خوشی خوشی اس پر چل پڑے۔ جب تمام لوگ سمندر کے اندر پہنچ گئے تو راستے کے دونوں طرف کا پانی مل کر برابر ہو گیا اور تمام فرعونی غرق ہو گئے۔ بلاشبہ اس واقعے میں حضرت موسیٰ کی سچائی کی ایک واضح اور کھلی دلیل ہے، اور اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ فرعون کے لوگوں میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ بلاشبہ آپ کا رب کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے۔ (مظہری ۶۵/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۲۵/ ۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

۶۹۔۷۴۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ
اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ۝
اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ۝

اور ان لوگوں کو ابراہیم کا واقعہ بھی سنا دیجئے۔ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں سو ہم ان ہی کے گرد رہتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات سنتے ہیں یا وہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں۔ انہوں نے کہا (ہم کچھ نہیں جانتے) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی

طرح کرتے پایا ہے۔

نَظَلُّ: ہم رہتے ہیں۔ ظَلَّ سے مضارع۔ فعل ناقص ہے۔

عٰکِفِیْنَ: اعتکاف کرنے والے۔ گوشہ نشین ہونے والے۔ جم کر بیٹھنے والے۔ عُکُوْفٌ اسم فاعل۔

تشریح: حضرت ابراہیم کی قوم بابل کے اطراف میں آباد تھی۔ مذہباً وہ ستارہ پرست اور بت پرست تھے۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکوں کو حضرت ابراہیم کا واقعہ پڑھ کر سنائیے تاکہ یہ لوگ جو حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں، توحید میں ان کی اقتدا کریں اور شرک سے اجتناب کریں۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم کس بے حقیقت چیز کو پوجتے ہو تو انہوں نے کہا کہ ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں اور اسی پر جمے ہوئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے ان سے پوچھا کہ جب تم اپنی حاجتوں کے وقت ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں یا وہ تمہیں کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ اگر تم ان کو پوجنا چھوڑ دو تو کیا وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ پس جو چیز تمہاری پکار بھی نہ سنتی ہو اور تمہیں کسی قسم کا نفع یا ضرر دینے پر بھی قادر نہ ہو تو وہ عبادت کے قابل کیسے ہو سکتی ہے۔ حضرت ابراہیم کی قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوالوں کے جواب میں کہا کہ جو باتیں تم کہتے ہو وہ تو ہم نے ان میں نہیں پائیں البتہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا۔ سو ہم تمہارے کہنے سے اپنے آباو اجداد کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔

معبود برحق کی صفات

۷۵۔۸۲۔ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝
فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝
وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝
وَ الَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ
يَوْمَ الدِّيْنِ ۝

ابراہیم نے کہا کہ کیا تم نے ان کو دیکھا بھی ہے جن کو تم پوجتے ہو۔ تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا (بھی جن کو پوجتے رہے) وہ سب میرے دشمن ہیں

سوائے رب العالمین کے، جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہ میری راہنمائی کرتا
ہے۔ اور وہی مجھ کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے
شفا دیتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا، پھر زندہ کرے گا اور وہ جس سے مجھے
امید ہے کہ قیامت کے روز میری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

تشریح: کیا تم نے غور کیا اور دیکھا کہ تم اور تمہارے باپ دادا کس چیز کو پوجتے چلے آرہے ہیں۔ وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے۔ میں صرف اللہ رب العالمین کی عبادت کرتا ہوں۔ میں تمہیں بھی اسی کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں۔ وہی حقیقی معبود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی مجھے ہدایت کرتا ہے اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مجھ کھلاتا اور پلاتا ہے۔ میرا وجود اور میری بقا سب اسی کے اختیار میں ہے سو جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے کیونکہ بیماری اور شفا دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے ایک مقررہ وقت پر موت دے گا اور پھر قیامت کے روز مجھے دوبارہ زندہ کرے گا۔ میں اسی سے امید لگائے ہوئے ہوں کہ قیامت کے روز وہ میری خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا

۸۳، ۸۹۔ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّأَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ۝ وَاغْفِرْ لِأَبِيْٓ إِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ۝ وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ۝

اے میرے رب مجھے حکمت عطا کر اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے اور بعد
میں آنے والے لوگوں میں میرا ذکرِ خیر باقی رکھ۔ اور مجھے نعمتوں والی جنت
کے وارثوں میں سے بنا دے اور میرے باپ کو بخش دے کیونکہ وہ یقیناً
گمراہوں میں سے تھا۔ اور مجھے اس دن رسوا نہ کر جس دن لوگ دوبارہ زندہ

ہوں گے۔ اس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ اولاد مگر جو اللہ کے پاس پاک
دل لے کر آئے گا۔

تشریح: قوم کے سامنے معبود حقیقی کے اوصاف بیان کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے میرے پروردگار تو مجھے علم وحکمت عطا فرما اور مجھے اپنے خاص نیک بندوں میں شامل فرما۔ اور فرمایا کہ میرا ذکر خیر آئندہ لوگوں کی زبانوں پر کر دے کہ وہ مجھے اچھائی سے یاد کریں اور میرے طریقے پر چلیں اور مجھے بھی ان کی نیکیوں سے حصہ ملے۔ اے اللہ مجھے جنت النعیم کے وارثوں میں سے بنا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، ان کو علم وحکمت اور نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا اور صالحین یعنی انبیا میں سے بنایا۔

آیت میں حکم سے علم وعمل کا کمال مراد ہے اور صالحین سے انبیا مراد ہیں جن کے اندر کسی علمی و عملی کدورت کا شائبہ تک نہیں ہوتا، مطلب یہ ہے کہ مجھے علمی و عملی کمال عطا فرما دے تاکہ انبیا کے مسلک سے منسلک ہوسکوں اور اللہ کی صحیح خلافت اور خلق خدا کی قیادت کی میرے اندر استعداد ہو جائے۔

اس کے بعد آپ نے دعا کی اے اللہ تو میرے باپ کی مغفرت فرما دے یقیناً وہ راہ حق سے بھٹکا ہوا ہے۔ یعنی اے اللہ اس کو ایمان وہدایت کی توفیق نصیب فرما تاکہ وہ تیری مغفرت کا مستحق ہو سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امید تھی کہ شاید وہ ایمان لے آئے لیکن جب اللہ کی طرف سے ان کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

پھر اپنی دعا جاری رکھتے ہوئے عرض کی۔ اے میرے پروردگار، جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس روز تو مجھے ذلیل ورسوا نہ کرنا۔ وہ دن بڑا ہولناک ہوگا۔ اس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ اولاد کسی کام آئے گی۔ اس دن ذلت ورسوائی سے صرف وہ شخص بچے گا جو اللہ کے سامنے کفر وشرک سے پاک وصاف ہو کر آئے گا۔ (مظہری ۶۸۔۳۰/۷)

کافروں کا اعترافِ گناہ

۹۰۔۱۰۴، وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ۝ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ۝ فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ۝
وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ۝ قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ۝ تَاللّٰهِ اِنْ

كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا
الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ۝ فَلَوْ اَنَّ لَنَا
كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

اور اس دن پرہیز گاروں کے لئے جنت قریب لائی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے سامنے کردی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے، کیا وہ تمہاری مدد کرتے ہیں یا کوئی بدلہ لے سکتے ہیں۔ پھر وہ بھی اور گمراہ لوگ اور سب شیطانی لشکر بھی، جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔ وہ وہاں باہم جھگڑتے ہوں گے (اپنے معبودوں سے) کہیں گے خدا کی قسم ہم ضرور صریح گمراہی میں تھے جبکہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر کرتے تھے۔ اور ہمیں ان بدکاروں کے سوا کسی نے گمراہ نہیں کیا تھا سو ہماری کوئی شفاعت کرنے والا نہیں اور نہ کوئی دوست و غم خوار۔ کاش ایک مرتبہ پھر ہمیں (دنیا میں) جانا ملتا تو ہم بھی مومن بن جاتے۔ بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔ اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

اُزْلِفَت: وہ قریب کی جائے گی۔ وہ نزدیک کی جائے گی۔ اِزْلَاق سے ماضی مجہول۔

بُرِّزَت: وہ ظاہر کردی گئی۔ وہ سامنے کردی گئی۔ تَبْرِیْزٌ سے ماضی مجہول۔

الْغٰوِیْن: گمراہ: بے راہ۔ غَیٌّ سے اسم فاعل۔

کُبْکِبُوْا: وہ اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔ وہ الٹے ڈالے جائیں گے۔ کَبْکَبَۃٌ سے ماضی مجہول

حَمِیْم: دلی دوست۔ غم کھانے والا مہربان۔ جمع اَحِمَّاءُ۔

کَرَّۃً: لوٹ جانا (دنیا میں)۔ پھر جانا۔ مصدر مرۃ ہے۔

تشریح: قیامت کا دن بڑا ہیبت ناک ہوگا۔ اس دن میدان حشر میں، جنت پرہیز گاروں کے

قریب کر دی جائے گی تا کہ اہل ایمان جنت میں جانے سے پہلے ہی اپنا دائمی ٹھکانا دیکھ کر خوش ہو جائیں۔اسی طرح جہنم گمراہوں کے سامنے کر دی جائے گی تا کہ اپنا دائمی ٹھکانا دیکھ کر ان کا خوف و ناامیدی بڑھ جائے۔پھر مشرکوں سے کہا جائے گا کہ آج تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے اور جن کی شفاعت کے تم امیدوار تھے۔کیا وہ آج تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟ کیا وہ آج تمہیں عذاب سے بچا سکتے ہیں یا وہ اپنے آپ کو عذاب سے بچا سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اس دن وہ مشرکین اور ان کے معبود جن کو وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔پھر اس کے بعد ان مشرکوں، ان کے باطل معبودوں اور ابلیس کے تمام گروہوں یعنی جنوں اور انسانوں میں سے اس کی اتباع کرنے والوں کو جہنم میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا۔جہنم میں پہنچ کر عابد اور معبود یعنی مشرکین اور ان کے بت آپس میں جھگڑیں گے اور عابد اپنے معبودوں سے کہیں گے کہ خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی اور صریح غلطی پر تھے کہ ہم تمہاری عبادت کرتے تھے اور تمہیں رب العالمین کے برابر قرار دیتے تھے۔ہمیں ان مجرموں نے ہی گمراہ کیا اور غلط کاموں پر لگائے رکھا۔اب ہمارا کوئی سفارشی بھی نہیں ہے جیسے فرشتے اور انبیا مومنوں کے سفارشی ہیں۔اور نہ کوئی سچا اور مہربان دوست اور نہ کوئی قرابت دار جو ہماری سفارش کر دے۔کاش ہم ایک بار پھر دنیا میں جائیں اور پکے مومن بن کر واپس آئیں۔بلاشبہ حضرت ابراہیم کے اس واقعے میں اہل عقل کے لئے ایک بڑی دلیل ہے اور اللہ کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے بلاشبہ آپ کا رب ہی کافروں سے انتقام لینے پر قادر ہے اور وہ اپنے دوستوں پر بڑا مہربان ہے۔

حضرت نوح کی تکذیب

۱۰۵۔۱۱۰، كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۚ إِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ
رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ
اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ

نوح کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا۔جب کہ ان کے بھائی نوح نے کہا کہ کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں۔میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اتباع کرو۔اور اس پر میں تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔میرا

اجرتو رب العالمین ہی کے ذمے ہے سواللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام ایک طویل عرصے تک اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کرتے رہے۔ پہلے تو انہوں نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈراتے ہوئے سوال کیا کہ کیا تم شرک و بت پرستی کرتے ہوئے اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔ پھر ان کو اپنی رسالت اور امانت کے بارے میں بتایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میرے پاس جو وحی آتی ہے میں اس کا امین ہوں اور تم لوگوں میں بھی میری امانت و صداقت مشہور ہے۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیتا ہوں اس کو مانو۔ اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ میں تو صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چوں و چرا میری اطاعت کرو تاکہ تم عذاب جہنم سے بچ سکو اور جنت پا سکو۔

قومِ نوح کا جواب

۱۱۱۔۱۱۶۔ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ۞ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۞ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۞

وہ کہنے لگے کہ کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں حالانکہ تیری اتباع تو ذلیل لوگوں نے کی ہے۔ نوح نے کہا مجھے نہیں معلوم وہ کیا کرتے تھے۔ ان کا حساب تو میرے رب ہی کے ذمے ہے۔ کاش تمہیں (اس کا) شعور ہوتا اور میں مومنوں کو دور کرنے والا نہیں ہوں۔ میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا اے نوح اگر تو باز نہ آیا تو یقیناً تجھے سنگسار کیا جائے گا۔

طَارِد: ہانکنے والا۔ دور کرنے والا۔ طَرْدٌ سے اسم فاعل۔

مَرْجُوْمِیْن: سنگسار کئے ہوئے۔ پتھر مار کر ہلاک کئے ہوئے۔ رَجْمٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: حضرت نوح کی قوم بڑی بد بخت اور سنگدل تھی۔ حضرت نوح کی نصیحت کو قبول کرنے اور

ان پر ایمان لانے کی بجائے کہنے لگے کہ کیا ہم ایسی صورت میں تجھ پر ایمان لے آئیں جبکہ تیری اتباع ذلیل کمینے کم عزت اور نچلے طبقے کے لوگوں نے کی ہے۔ اگر تیرے پاس کوئی اچھی بات ہوتی تو ہمارے سردار اور شریف لوگ پہلے تجھ پر ایمان لاتے اور ہم ان کی اتباع کرتے۔ ہم ان بیوقوفوں کے تجھ پر ایمان لانے سے تیری تصدیق نہیں کریں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس غرض سے میری نصیحت کے مطابق عمل کرتے ہیں، خالص اللہ کے لئے یا دنیاوی لالچ کے لئے۔ میرا کام باطن کی تحقیق کرنا نہیں۔ میرے ذمے تو صرف ظاہر کا اعتبار کرنا ہے۔ جو ظاہر میں ایمان لے آئے وہ میرے نزدیک مقبول ہے۔ رہا ان کے باطن کا معاملہ تو وہ میرے رب کا کام ہے جو ان کی باطنی حالت سے واقف ہے۔ افسوس تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ان لوگوں کو حضرت نوح کے پاس سے نکلوانا چاہتے تھے جو ان پر ایمان لے آئے تھے، اس لئے حضرت نوح نے دوٹوک الفاظ میں کہا کہ خواہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میں ان مومنوں کو اپنے پاس سے نہیں ہٹا سکتا۔ میں تو صرف عذاب الٰہی سے خبردار کرنے والا اور حق کو واضح کرنے والا ہوں۔ حضرت نوح کی گفتگو سن کر ان کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ اے نوح اگر تو اپنی دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت سے باز نہ آیا تو یقیناً ہم تجھے سنگسار کر دیں گے۔ (مواہب الرحمٰن ۹۷۔۹۸/ ۱۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۳۳/ ۵)

حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

۱۱۷۔۱۲۲۔ قَالَ رَبِّ إِنَّ قَوْمِي كَذَّبُونِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَأَنجَيْنَاهُ وَمَن مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبَاقِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

نوح نے دعا کی! اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا سو تو میرے اور ان کے درمیان کوئی قطعی فیصلہ کر دے اور مجھے اور میرے مومن ساتھیوں کو نجات دے۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو جو بھری کشتی میں تھے بچالیا پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا بیشک اس (واقعے) میں البتہ

ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔اور بلا شبہ آپ کا
رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

اَلْفُلْكِ: کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

اَلْمَشْحُوْن: بھرا ہوا۔ شحنٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام قوم کی دھمکی سن کر ان کے ایمان سے نا امید ہو گئے۔اور اللہ سے دعا کرنے لگے۔اے میرے رب! میری قوم نے مجھے جھوٹا قرار دیا ہے سو تو میرے اور ان کے درمیان قطعی فیصلہ فرما دے مجھے اور جو مسلمان میرے ساتھ ہیں ان کو اپنے قہر و عذاب سے نجات دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، ان کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ کشتی میں سوار تھے غرق ہونے سے بچالیا۔ پھر باقی تمام لوگوں کو جو کشتی میں سوار نہیں تھے غرق کر دیا۔

بیشک اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک زبردست نشانی ہے اور قوم نوح میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔اے نبی ﷺ بیشک آپ کا پروردگار وہی ہے جو زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا اور اپنی رحمت سے مسلمانوں کو غرق ہونے سے بچالیا۔

حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب

۱۲۳۔۱۲۷۔ كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ۚ
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ۚ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۭ

قوم عاد نے (بھی) رسولوں کو جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی ہود نے کہا کہ کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔

تشریح: قوم عاد، حضرت نوح کے بعد ہوئی۔ ان کا مسکن بلاد یمن کی جانب حضر موت کے قریب احقاف میں تھا۔ احقاف، حقف کی جمع ہے اور حقف ریت کے لمبے اور پیچ دار قطع کو کہتے ہیں۔ یہ

لوگ بہت قوی اور لمبے چوڑے تھے۔ خوب مالدار تھے اور بڑی بڑی عمارتیں بناتے تھے۔ اس کے باوجود وہ پتھروں وغیرہ کے سامنے سر جھکاتے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری پر آگاہ کیا اور شرک و بت پرستی سے منع کیا مگر دولت کا نشہ حق قبول کرنے میں مانع رہا۔ (مواہب الرحمٰن ۱۰۰/۱۹)

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم کفر و شرک کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میرے پاس وحی آتی ہے۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ مری امانت وصداقت سے خوب واقف ہو، سو تم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیتا ہوں، اس پر عمل کرو۔ اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو صرف اللہ ذمے ہے۔ میں تو صرف تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون و چرا میری اطاعت کرو تا کہ تم عذاب جہنم سے بچ سکو اور جنت کو حاصل کر سکو۔

حضرت ہود علیہ السلام کا وعظ و نصیحت

۱۲۸، ۱۳۵۔ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

کیا تم ہر اونچی زمین پر ایک فضول عمارت بناتے ہو اور تم بڑے بڑے محل بناتے ہو گویا کہ تم ہمیشہ یہیں رہو گے۔ اور جب تم کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو تو بالکل ظالم بن کر ڈالتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس (اللہ) سے ڈرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری مدد کی جن کو تم جانتے ہو۔ اس نے چوپایوں اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور باغوں اور چشموں سے۔ تحقیق مجھے تم پر ایک عظیم دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔

رِیْع: بلند جگہ۔ ٹیلہ۔ نرم زمین۔ جمع رِیَاعٌ۔

بطشتم: تم نے پکڑا۔تم نے گرفت کی۔ بَطْشٌ سے ماضی۔

تشریح: کیا تم ہر بلند جگہ پر اپنی شان و شوکت کے نشان کے طور پر ایک عمارت بناتے ہو جو محض عبث اور بے کار کام ہے۔آخرت میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اور تم بڑے بڑے عالیشان محل، مضبوط قلعے، حوض اور تالاب بناتے ہو گویا کہ تم اس دنیا میں اور اپنے ان عالیشان محلات میں ہمیشہ رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔تمہارے تکبر کا یہ حال ہے کہ جب تم کسی کی گرفت کرتے ہو تو جباروں اور ظالموں کی طرح سختی سے پکڑتے ہو، جس میں رحم دلی کا نام و نشان نہیں ہوتا، سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور ان حرکتوں کو چھوڑ دو۔میرے کہنے پر چلو اور اس اللہ سے ڈرو جس نے تمہیں مویشی، باغات، چشمے اور بیٹوں جیسی نعمتیں دیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے اپنی نعمتیں واپس لے لے۔اگر تم میرے کہنے پر نہ چلے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں تمہاری بداعمالیوں کے نتیجے میں تم پر ایک بڑے سخت دن کا عذاب نہ آجائے۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابوالبشر انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔اللہ جب کسی بندے کی ذلت چاہتا ہے تو وہ بندہ اپنا مال عمارت بنانے میں خرچ کرتا ہے۔

امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ہر عمارت اپنے مالک کے لئے وبال ہوگی سوائے مسجد اور (سکونت کے) گھر کے۔ (مظہری ۸۳۔۸۵/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۰۰۔۱۰۱/ ۱۹)

قومِ عاد کی ہٹ دھرمی

۱۳۶، ۱۴۰۔ قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

انہوں نے کہا کہ تم ہمیں وعظ کرو یا نہ کرو ہمارے لئے (سب) برابر ہے۔یہ تو بس پہلے لوگوں کی ایک عادت ہے۔اور ہم پر کوئی آفت آنے والی نہیں

ہے۔غرض انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ بیشک اس
(واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔اور
بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

تشریح: حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ ہم جس حال پر ہیں وہی صحیح ہے سو آپ ہمیں وعظ نصیحت کریں یا نہ کریں ہمارے لئے برابر ہے۔ ہم جس طریقے پر چل رہے ہیں اس کو ترک نہیں کریں گے۔ یہ تو پہلے لوگوں کی عادت ہے کہ وہ اس طرح کی جھوٹی باتیں بناتے ہیں۔ پہلے بھی لوگ پیدا ہوتے اور مرتے رہے ہیں اور ہم بھی پیدا ہوتے اور مرتے ہیں۔ جس طرح وہ مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوئے اور ان کا حساب نہیں ہوا، اسی طرح ہم بھی مر کر دوبارہ زندہ نہیں ہوں گے اور نہ ہمارے اعمال کا حساب ہوگا۔ سو ہم جس طریقے پر چل رہے ہیں اس پر ہمیں کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ غرض جب ان لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی بات نہ مانی اور ان کو جھٹلاتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی بھیج کر ان کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ ان کا اور ان کے محلوں اور قلعوں کا نام و نشان تک نہ رہا۔ اس واقعے میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے اور قوم عاد میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اے نبی ﷺ یقیناً آپ کا رب وہی ہے جو زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب

۱۴۱۔۱۴۵، كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ اِنِّيْ
لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۚ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ

ثمود کی قوم نے بھی رسولوں کو جھٹلایا تھا جبکہ ان کے بھائی صالح نے ان سے
کہا کہ کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول
ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اس پر میں تم سے کوئی صلہ
نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔

تشریح: قوم ثمود عرب کے شمالی علاقے میں آباد تھی۔ ان کے خاص شہر کا نام حِجر تھا جو وادی

القرای میں مدینے اور شام کے درمیان تبوک سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں چشمے اور باغات کثرت سے تھے۔ یہ مقام اب تک ویران موجود ہے۔قوم ثمود کے لوگ بت پرست اور رہزن تھے۔ قیامت اور جزاوسزا کے منکر تھے اور خوب آسودہ حال تھے۔

جب حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم کفر وشرک کر کے اللہ تعالیٰ کے قہر وعذاب سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لئے مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، میرے پاس وحی آتی ہے۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ میری امانت وصداقت سے خوب واقف ہو، سوتم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو، اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں تو اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔ اس دعوت ونصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر وثواب تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ میں تو محض تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں سوتم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون وچرا میری اطاعت کرو تاکہ تم عذاب جہنم سے بچ سکو اور جنت کو حاصل کرسکو۔

حضرت صالح علیہ السلام کی نصیحت

۱۴۶۔۱۵۲۔ اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝

کیا تم یہاں کی نعمتوں میں امن سے چھوڑ دیئے جاؤ گے (یعنی) باغوں اور چشموں میں اور کھیتوں میں اور ایسی کھجوروں میں جن کے خوشے خوب گندھے ہوئے ہیں اور تم پہاڑوں کو تراش کر پرتکلف مکانات بناتے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور حد سے نکلنے والوں کی بات نہ مانو، جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

طَلْعُهَا: اس کا خوشہ۔ اس کا سر۔ اس کا پھول۔

هَضِيْم: ٹوٹا ہوا۔ گندھا ہوا۔ تہ بہ تہ۔ خوب بھرا ہوا۔ هَضْمٌ سے صفت مشبہ بمعنی اسم مفعول۔

تَنْحِتُوْنَ: تم تراشتے ہو۔ نَحْتٌ سے مضارع۔

فٰرِهِيْنَ: اترانے والے۔ فخر کرنے والے۔ سمجھدار ماہر۔ فَرَاهَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے تمہیں ان دنیاوی نعمتوں میں جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں جیسے باغات، چشمے۔ کھیتیاں اور کھجور کے درخت جن کے خوشے کھجوروں سے خوب گندھے ہوئے ہیں وغیرہ، میں یونہی بے فکری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا۔ اور تم پر نہ کوئی آفت آئے گی اور نہ تمہیں موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم ان پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔ کیا تم اس لئے بے فکر ہو کہ تم پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ یہ مضبوط اور پتھروں کے مکانات تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ وہ اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہارے امن و امان کو خاک میں ملا دے۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور تم اپنے ان سرداروں کی بات نہ مانو جو بندگی کی حد سے تجاوز کر گئے ہیں، یہ لوگ صلاح کی بجائے زمین میں فساد اور تباہی مچاتے ہیں۔

قومِ ثمود کی ہٹ دھرمی

۱۵۳، ۱۵۹ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۚ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۚ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۞ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۞ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۞

وہ کہنے لگے یقیناً تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔ تو تو ہم جیسا ہی ایک انسان ہے۔ اگر تو سچا ہے تو کوئی نشان لے کر آ۔ صالح نے کہا یہ ایک اونٹنی ہے۔ پانی پینے کے لئے ایک باری اس کی ہے اور ایک مقررہ دن میں ایک باری تمہاری ہے۔ اور اس کو برائی سے ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں ایک بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا۔ سو انہوں اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔ پھر وہ بھی پچھتاتے رہ گئے۔ پھر انہیں عذاب نے آ لیا۔ بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے اور بلاشبہ آپ

کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

ناقَةٌ: اونٹنی ۔ جمع نُوق ۔

عقروها: انہوں نے اس (اونٹنی) کے پاؤں کاٹ دیئے ۔ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ دیں ۔ عقرٌ سے ماضی ۔

تشریح: حضرت صالح علیہ السلام کا وعظ اور نصیحت سن کر قوم کے لوگ کہنے لگے کہ تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے، اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ تم اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتے ہو حالانکہ تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ ہم میں سے تو کسی پر وحی نہیں آتی، پھر تم پر کیسے آتی ہے۔ اللہ کا رسول تو فرشتے کو ہونا چاہئے تم ہم جیسے ہو کر رسول ہونے دعویٰ کا کرتے ہو۔ یہ تو بے عقلی کی دلیل ہے۔ سو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس کی کوئی دلیل لاؤ۔ پھر انہوں نے کہا کہ اچھا ہماری آنکھوں کے سامنے اس خاص چٹان میں سے ایک اونٹنی پیدا کر کے دکھاؤ جو ایسی ایسی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعا سے اسی وقت پتھر کی چٹان کے اندر سے ان کو مطلوبہ اونٹنی برآمد کر دی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے قوم سے کہا کہ یہ ہے تمہاری مطلوبہ اونٹنی اور اس کے کچھ حقوق ہیں۔ ان حقوق میں سے یہ ہے کہ پانی کا حصہ مقرر ہے۔ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیے گی اور ایک دن تمہارے جانور پیں گے۔ تم اس کی باری کے دن اپنے جانوروں کو پانی نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ اونٹنی پانی نہیں پیئے گی۔ اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے کی نیت سے تم اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں یوم عظیم کا عذاب آ پکڑے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائی اور نہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کے حقوق ادا کئے بلکہ انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں ۔ پھر جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو اپنے کئے پر نادم ہوئے لیکن اس ندامت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ آخر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس نے ان کو آ پکڑا اور وہ سب مر گئے ۔ بیشک قوم ثمود کے واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے ان کے اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اے نبی یقیناً آپ کا پروردگار ہی زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا۔

حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب

۱۶۰،۱۶۶۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ۝ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ۚ
اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ۚ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ
مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ؕ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ
الْعٰلَمِيْنَ ۝ۙ وَ تَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ
قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝

قوم لوط نے بھی نبیوں کو جھٹلایا جبکہ ان کے بھائی لوط نے کہا کیا تمہیں (اللہ کا) خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔ کیا تم دنیا کی مخلوق میں سے مردوں کے پاس جاتے ہو اور تمہارے رب نے تمہارے لئے جو بیویاں پیدا کی ہیں تم ان کو چھوڑ کر اس قبیح فعل کا ارتکاب کرتے ہو اور حدودِ انسانیت سے تجاوز کرتے ہو۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے جو سدوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے۔ سدوم قومِ لوط کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے جو شام کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ یہ لوگ بت پرست ہونے کے علاوہ شہوت پرستی میں غرق تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم کفر و شرک کر کے اللہ کے قہر و عذاب سے نہیں ڈرتے، سارے جہاں میں تم ہی مردوں سے بدفعلی کرتے ہو، دنیا میں کوئی مخلوق بھی ایسی حرکت نہیں کرتی، سو تم اس سے اجتناب کرو۔ ان بدبختوں نے اپنے پیغمبر کی بات ماننے کی بجائے ان کی تکذیب کی۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کہ اے میری قوم۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ میرے پاس وحی آتی ہے۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ میری امانت و صداقت سے خوب واقف ہو سو تم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں تو اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو۔ اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو

صرف اللہ کے ذمے ہے۔ میں تو محض تمہاری خیرخواہی چاہتا ہوں۔ سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون و چرا میری اطاعت کرو تاکہ تم عذاب الٰہی سے بچ سکو اور جنت کو حاصل کر سکو۔

قومِ لوط کی ہلاکت

۱۶۷، ۱۵۷ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِیْنَ ۝ قَالَ اِنِّیْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِیْنَ ۝ رَبِّ نَجِّنِیْ وَ اَهْلِیْ مِمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝ فَنَجَّیْنٰهُ وَ اَهْلَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ۝ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

انہوں کہا کہ اے لوط اگر تو (ان باتوں سے) باز نہ آیا تو ضرور نکال دیا جائے گا۔ (لوط نے) کہا میں تو تمہارے کام سے سخت بیزار ہوں۔ (اور دعا کی) اے میرے رب مجھے اور میرے گھر والوں کو اس سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔ پھر ہم نے اس کو اور اس کے سب گھر والوں کو بچالیا سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر ہم نے ان دوسروں کو ہلاک کر دیا اور ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا۔ سو کیا ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر کی گئی جن کو ڈرایا گیا تھا۔ بیشک اس (واقعہ) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں سے اکثر لوگ مومن نہیں تھے، اور بلاشبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

قَالِیْنَ: بیزار ہونے والے۔ سخت نفرت کرنے والے۔ قَلْوٌ و قِلیً سے اسم فاعل۔ واحد قَالٍ۔

عَجُوْزًا: بڑھیا۔ جمع عَجَائِزُ و عُجُزٌ۔

الغٰبِرِیْنَ: پیچھے رہنے والے۔ باقی رہنے والے۔ غَبْرٌ سے اسم فاعل۔

دَمَّرْنَا: ہم نے تباہ کر ڈالا۔ ہم نے اکھاڑ ڈالا۔ تَدْمِیْرٌ سے ماضی۔

اَمْطَرْنَا: ہم نے برسایا۔ اِمْطَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت لوط کی نصیحت کے جواب میں ان کی قوم کے لوگ کہنے لگے کہ اے لوط اگر تو ہمیں منع کرنے اور برا کہنے سے باز نہ آیا اور اپنے توحید و اطاعت کے دعوے پر اصرار کرتا رہا تو ہم تجھے

اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ حضرت لوط نے ان کے جواب میں کہا کہ مجھے تمہارے عمل سے سخت نفرت ہے اس لئے میں تمہاری اس دھمکی کی پرواہ نہیں کرتا کہ تم مجھے بستی سے نکال دو گے۔

حضرت لوط علیہ السلام جب قوم سے بالکل مایوس ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اے میرے پروردگار مجھے اور میرے لوگوں کو ان کے برے کام کے وبال اور عذاب سے بچالے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کی دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ ہم نے لوط اور ان کے سب متعلقین کو نجات دی سوائے ایک بڑھیا کے، جو حضرت لوط علیہ السلام کی بدقسمت بیوی تھی اور پیچھے رہ گئی تھی۔ پھر جب حضرت لوط اپنے ساتھیوں کو لے کر باہر نکل گئے تو ہم نے دوسرے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ ان کی بستیوں کو زمین سے اوپر لے جا کر الٹ دیا اور ان پر پتھروں کی بارش کر دی۔ (مفصل واقعہ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے)۔

بیشک اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ اس کے باوجود قوم لوط کے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔ اے نبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردگار یقیناً زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب

۱۷۶، ۱۸۰ كَذَّبَ اَصۡحٰبُ لۡئَيۡكَةِ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝ۖ اِذۡ قَالَ لَهُمۡ شُعَيۡبٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ۚ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۝ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝ۚ وَمَاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ‌ۚ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ؕ

اَیکہ والوں نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جبکہ شعیب نے ان سے کہا کہ کیا تمہیں (اللہ) کا خوف نہیں۔ میں تمہارے لئے امانت دار رسول ہوں۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔

تشریح: اصحاب اَیکہ اور اصحاب مدین ایک ہی قوم ہے۔ ایکہ ایک درخت تھا جسے یہ لوگ پوجتے تھے۔ اسی نسبت سے ان کو ایکہ کہا گیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام اسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔
(ابن کثیر ۳/۳۴۵)

یہ لوگ شرک کے علاوہ ناپ تول میں بھی کمی کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کیا تم کفر و شرک اور ناپ تول میں کمی کر کے اللہ کے قہر سے نہیں ڈرتے۔

ان بدبختوں نے اپنے پیغمبر کی بات ماننے کی بجائے ان کی تکذیب کی۔ پھر حضرت شعیب نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری ہدایت و راہنمائی کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، میرے پاس وحی آتی ہے۔ میں اس کا امین ہوں اور تم لوگ میری امانت و صداقت سے خوب واقف ہو، سو تم میرا کہا مانو اور اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میں جو تمہیں شرک و بت پرستی چھوڑ کر ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں تو اس کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو اور ناپ تول میں کمی کرنا چھوڑ دو۔

اس دعوت و نصیحت پر میں تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا اجر و ثواب تو صرف اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ میں تو محض تمہاری خیر خواہی چاہتا ہوں سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور بلا چون و چرا میری اطاعت کرو تاکہ تم عذاب الٰہی سے بچ سکو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت

۱۸۱۔۱۸۴۔ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝

پیمانہ بھر کر دیا کرو اور نقصان دینے والوں میں سے نہ بنو اور سیدھی ترازو سے تولا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم کر کے نہ دیا کرو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی مخلوق کو پیدا کیا۔

اَلْكَيْل: پیمانے سے غلہ وغیرہ ناپنا۔ مصدر ہے۔

زِنُوْا: تم وزن کرو۔ تم تولو۔ وَزْنٌ سے امر۔

قِسْطَاس: ترازو۔ میزان۔ اسم ہے۔ جمع قَسَاطِيْسٌ۔

تَبْخَسُوْا: تم کم دینے لگو۔ تم گھٹانے لگو۔ بَخْسٌ سے مضارع۔

تَعْثَوْا: تم پھرو۔ تم فساد مچاؤ۔ تم پھیلاؤ۔ عِثِيٌّ وعُثِيٌّ سے مضارع۔

الجبلّة: خلقت۔ مخلوقات۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول درست کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا کہ ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو۔ جب کسی کو کوئی چیز ناپ کر دو تو اس کے حق سے کم نہ کرو۔ اسی طرح

جب کسی سے کوئی چیز ناپ کر تولو تو زیادہ لینے کی کوشش اور تدبیر نہ کرو۔ یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ تم لیتے وقت تو پورا لو اور دیتے وقت کم دو۔ پس لینا اور دینا دونوں کو صاف ستھرا اور صحیح رکھو۔ سیدھی ترازو سے تولو۔ ڈنڈی نہ مارو اور پیمانہ پورا بھر کر دو۔ زمین میں فساد کرتے نہ پھرو۔ ناپ تول میں کمی کرنا بھی ایک طرح کا فساد ہے بلکہ یہ بھی ایک طرح کی چوری ہے۔ اس اللہ سے ڈرتے رہو جس نے اپنی قدرت کاملہ سے تمہیں اور تم سے پہلی امتوں کو پیدا کیا۔ جو تمہیں عدم سے وجود میں لایا وہ تمہیں فنا کرنے پر بھی قادر ہے لہذا تم اسی سے ڈرو اور اسی کی فرماں برداری کرتے رہو۔ (ابن کثیر ۳۴۵۔۳۴۶ ۔۳)

قومِ شعیب کی بدبختی

۱۸۵،۱۹۱۔ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

وہ کہنے لگے یقیناً تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اور تو تو ہمارے جیسا ہی ایک انسان ہے اور ہم تو تجھے جھوٹوں میں سے ہی سمجھتے ہیں۔ اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔ شعیب نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ غرض انہوں اس (شعیب) کو جھٹلایا تو سائے کے دن کے عذاب نے ان کو آلیا۔ یقیناً وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔ بیشک اس (واقعے) میں البتہ ایک نشانی ہے اور ان میں اکثر لوگ مومن نہیں تھے۔ اور بلا شبہ آپ کا رب ہی یقیناً غالب (اور) مہربان ہے۔

اَسْقِطْ: تو گرا دے۔ تو ڈال دے۔ اِسْقَاطٌ سے امر۔

کِسَفًا: ٹکڑے۔ روئی کا گالا۔ بادل کا ٹکڑا۔ واحد کِسْفَةٌ۔

الظُّلَّةِ: ابر، عذاب کا بادل۔ سایہ۔ جمع ظُلَلٌ۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت کے جواب میں ان کی قوم کے لوگ حقارت کے طور پر کہنے لگے کہ تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے تیری عقل ٹھکانے نہیں رہی۔ تو تو ہم جیسا ہی ایک آدمی ہے۔ تجھے ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ پھر تو رسول کیسے ہوسکتا ہے۔ بلاشبہ ہم تو تجھے جھوٹا سمجھتے ہیں۔ اگر تو نبوت کے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ میرا رب تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اگر تم آسمانی عذاب کے مستحق ہو تو وہ تم پر ضرور آسمانی عذاب بھیجے گا مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ تمہیں کیا سزا دے گا اور کب دے گا۔ آخر کار جو عذاب وہ مانگ رہے تھے اسی نے انہیں آ پکڑا۔ بیشک وہ بڑے سخت دن کا عذاب تھا۔

قوم شعیب پر سات دن تک سخت گرمی پڑی کسی جگہ بھی ٹھنڈک یا راحت میسر نہ تھی۔ سات دن کے بعد اللہ تعالیٰ نے سیاہ بادل کا ایک ٹکڑا بھیجا جو ان کے سروں پر چھا گیا۔ یہ لوگ گرمی اور حرارت کی شدت سے بے قرار تھے اس لئے بادل کو غنیمت سمجھ کر سب کے سب اس کے سائے میں آ گئے۔ پھر آسمان سے آگ برسنی شروع ہوئی، ساتھ ہی زمین زور زور سے جھٹکے لینے لگی اور ایک سخت آواز پیدا ہوئی جس سے ان کے دل پھٹ گئے اور سب لوگ ہلاک ہو گئے۔

(ابن کثیر ۳۴۶، ۳۴۷/۳، مواہب الرحمٰن ۱۱۶، ۱۱۷/ ۱۹)۔

بیشک قوم ایکہ کے اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ ایمان نہیں لائے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ کا پروردگار وہی ہے جو زبردست اور مہربان ہے کہ اس نے کافروں سے اپنے پیغمبر کا انتقام لے لیا۔

قرآن کی حقانیت

۱۹۲، ۱۹۹۔ وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَؕ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُۙ عَلٰى
قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَۙ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍؕ وَاِنَّهٗ
لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ اَوَلَمۡ يَكُنۡ لَّهُمۡ اٰيَةً اَنۡ يَّعۡلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِىۡۤ
اِسۡرَآءِيۡلَؕ وَلَوۡ نَزَّلۡنٰهُ عَلٰى بَعۡضِ الۡاَعۡجَمِيۡنَۙ فَقَرَاَهٗ عَلَيۡهِمۡ مَّا
كَانُوۡا بِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَؕ

اور یہ قرآن تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس کو روح الامین لے کر

آپ کے دل پر اترا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ (یہ قرآن) صاف عربی زبان میں ہے اور اس کا ذکر پہلے امتوں کی کتابوں میں (بھی) ہے۔ کیا ان کے لئے (یہ) نشانی کافی نہیں کہ اس (قرآن کی حقانیت) کو بنی اسرائیل کے علما بھی جانتے ہیں۔ اگر ہم اس کو کسی عجمی پر نازل کرتے، پھر وہ اس کو ان کے سامنے پڑھتا تب بھی وہ ایمان لانے والے نہ ہوتے۔

تشریح: سورت کی ابتدا میں قرآن کریم کا مجمل ذکر تھا۔ اب یہاں اس کا تفصیلی بیان ہے کہ یہ قرآن وہ مبارک اور عظیم الشان کتاب ہے جس کو رب العالمین نے جبرائیل امین کے ذریعے صاف اور واضح عربی زبان میں الفاظ و معانی کے ساتھ، آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر پر اتارا کہ آپ لوگوں کو اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں۔ یعنی جس طرح سابقہ انبیا نے منکرین و مکذبین کو اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب سے ڈرایا تھا اسی طرح آپ بھی منکرین و مکذبین کو ڈرائیں۔ جبرئیل امین اللہ کا امانت دار فرشتہ ہے۔ جس طرح اس نے اللہ کے کلام کو سنا، اس طرح بلاکم وکاست آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر پر اتار دیا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں آپ کا قلب ہی اس بھاری امانت کو اٹھانے اور سنبھالنے کے لائق تھا۔ چنانچہ قرآنی وحی آئی اور آپ کے دل میں اترتی چلی گئی اور آپ نے اس کو دل سے سنا، سمجھا اور محفوظ رکھا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا آنحضرت ﷺ کے قلب اطہر پر نازل ہونا آپ کی خاص فضیلت ہے کیونکہ دوسرے انبیا ورسل کی کتابیں الواح وصحف کی شکل میں نازل ہوئی تھیں۔

غرض اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل کیا تا کہ عرب کے فصحا قرآن کے اعجاز کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں بلکہ یہ رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی بد باطن قرآن کی حقانیت اور اس کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرے تو آپ اس کو بتا دیجئے کہ بلاشبہ سابقہ انبیا کی کتابوں میں بھی اس قرآن اور اس کے لانے والے کی خبر موجود ہے کہ یہ قرآن آخری زمانہ میں پیغمبر آخر الزماں پر نازل ہوگا۔ پس صدیوں پہلے گزرے ہوئے انبیا کی کتابوں میں اس قرآن کا مذکور ہونا اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ کسی انسان کا بنایا ہوا کلام نہیں۔

بنی اسرائیل کے علما خوب جانتے ہیں کہ یہ وہی کتاب ہے اور یہ وہی پیغمبر ہے جس کی خبر سابقہ آسمانی کتابوں میں دی گئی تھی۔ چنانچہ ان یہودی علما میں سے بعض نے علانیہ طور پر اس کے حق ہونے کا اقرار کیا اور مسلمان ہو گئے۔ مثلاً عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ آپ فصحائے عرب میں سے ہیں اس لئے ممکن ہے مشرکین یہ کہہ دیں کہ قرآن آپ نے خود تصنیف کرلیا ہے حالانکہ اس کا مثل تمام جن و انس مل کر بھی نہیں بنا سکتے۔ اگر بالفرض ہم یہ قرآن کسی غیر فصیح عرب یا عجمی انسان پر نازل کر دیتے جو عربی زبان کا ایک حرف بولنے پر بھی قادر نہ ہوتا تب بھی یہ لوگ اس کو نہ مانتے اور کوئی دوسرا بہانہ تراش لیتے۔ (عثمانی ۲۳۲، ۲۳۳/۲، مواہب الرحمٰن ۱۱۸۔۱۲۱/ ۱۹)

کفار کا مہلت طلب کرنا

۲۰۰، ۲۰۹۔ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

اسی طرح ہم نے اس (انکار) کو مجرموں کے دلوں میں ڈال رکھا ہے۔ وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ پھر وہ ان پر اچانک آجائے گا اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ اس وقت وہ کہیں گے کہ کیا ہمیں کچھ مہلت دی جائے گی۔ کیا وہ ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ (اے رسول ﷺ) بھلا دیکھ تو اگر ہم ان کو برسوں فائدہ پہنچاتے رہیں۔ پھر ان کے پاس وہ (عذاب) آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا تو جو کچھ انہوں نے فائدے اٹھائے ہیں ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور ہم نے ایسی کوئی بستی ہلاک نہیں کی جس کے لئے خبردار کرنے والے نہ آئے ہوں۔ (یہ قرآن) نصیحت کرنے کے لئے ہے اور ہم ظلم کرنے والے نہیں تھے۔

سَلَکْنٰہُ: ہم نے اس کو چلایا۔ ہم نے اس کو داخل کیا۔ ہم نے اس کو ڈالا۔ سُلُوْکٌ سے ماضی۔

بَغْتَۃً: یکا یک۔ ایک دم۔ اچانک۔

مُنْظَرُوْنَ: مہلت دیئے ہوئے۔ اِنْظَارٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: جو شخص جرائم اور گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے اور سرکشی میں لگا رہتا ہے تو اللہ بھی اس کو ڈھیل دے دیتا ہے اور کفر و تکذیب کو اس کے دل میں بٹھا دیتا ہے۔ آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو مجرموں کے دل میں اس طرح اتار دیا ہے کہ وہ دل سے تو خوب سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ہو سکتا پھر بھی ہٹ دھرمی کی بنا پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اس کی تکذیب ہی کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اس وقت تک قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک سابقہ امتوں کی طرح دردناک عذاب کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ پھر جب عذاب الٰہی ان پر اچانک آ جائے گا اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہوگی تو اس وقت اقرار کریں گے کہ اللہ کے رسول بھی سچے تھے اور جو کتاب وہ لائے تھے وہ بھی سچی تھی مگر اس وقت کا اقرار اور ماننا ان کو کچھ نفع نہ دے گا۔

یہ لوگ عذاب الٰہی کو دیکھ کر حسرت افسوس کے ساتھ کہیں گے کہ کیا ہمیں تھوڑی سے مہلت مل سکتی ہے کہ ہم ایمان لے آئیں اور توبہ کر کے اپنا چال چلن درست کر لیں حالانکہ پہلے یہ مجرمین اپنے رسولوں سے کہا کرتے تھے کہ ہم آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں نازل ہوتا اور اب عذاب کو دیکھ کر مہلت مانگ رہے ہیں۔ اے نبی ﷺ اگر ہم ان کو مدت دراز تک ڈھیل اور مہلت دیدیں اور یہ دنیا کے مزے اڑاتے رہیں اور اس کے بعد ان پر وہ عذاب آ جائے جس سے ان کو ڈرایا جاتا تھا تو یہ سالہا سال کی مہلت اور مزے اڑانا بھی ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو عذاب سے بچا سکے گا۔

ہم نے کسی قوم کو ایک دم ہلاک نہیں کیا بلکہ ان پر عذاب بھیجنے سے پہلے ان کو کافی مہلت دی گئی اور ان کے پاس خبردار کرنے والے رسول بھیجے تاکہ یہ لوگ غفلت میں نہ رہیں۔ پھر جب حجت پوری ہو گئی اور یہ لوگ کسی طرح نہ مانے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ہم ظالم نہیں کہ ڈرانے سے پہلے یکا یک عذاب نازل کر دیں۔ (عثمانی ۲۳۳، ۲/۲۳۴)

نورِ ہدایت سے لبریز کتاب

۲۱۰۔۲۱۲، وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝

اور اس (قرآن) کو شیاطین لے کر نہیں اترے اور نہ یہ ان کا کام ہے اور نہ وہ اس کی استطاعت رکھتے ہیں۔ یقیناً وہ تو سننے سے بھی محروم کر دیئے گئے۔

تشریح: اس قرآن عزیز کو روح الامین لے کر آئے ہیں جو قوت اور طاقت والے ہیں۔ یہ حکیم و حمید اور علیم و خبیر کا طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ باطل اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا۔ یہ کتاب شیطان نہیں لائے کیونکہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ایسی کتاب لائیں جو شروع سے آخر تک رشد و صلاح اور نور ہدایت سے بھری ہوئی ہو، جس کی تعلیم سے ایسی جماعت تیار ہوئی کہ آسمان کے نیچے انبیا کے سوا کوئی پاک باز، سچی، خدا ترس اور خدا پرست جماعت نہیں۔ شیاطین اس لائق نہیں کہ وہ اس عظیم الشان بار امانت کو اٹھا سکیں۔ ان کا کام تو مخلوق کو گمراہ کرنا ہے نہ کہ راہِ راست پر لانا۔

پھر فرمایا کہ اس قرآن کے نزول کے وقت ان شیاطین کو ہٹا دیا گیا تھا۔ ان کو تو اس کے سننے کا بھی موقع نہیں ملا۔ تمام آسمانوں پر سخت پہرہ تھا جب یہ سننے کے لئے آسمان پر چڑھتے تھے تو ان پر آگ برسائی جاتی تھی۔ اس کا ایک حرف سن لینا بھی ان کی طاقت سے باہر تھا تاکہ اللہ کا کلام محفوظ طریقے سے اس کے نبی ﷺ کو پہنچے اور آپ کے توسط سے مخلوق خدا کو پہنچے۔

روایات میں آیا ہے کہ بعض مشرکین کا خیال تھا کہ محمد ﷺ کے پاس کوئی جن آکر ان کو یہ قرآن سکھاتا ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ وحی آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کو کہا کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا (نعوذ باللہ)۔ ان آیات میں اسی خیال کی تردید ہے۔ (عثمانی ۲۴۴، ۲۴۵/ ۱۳/ ابن کثیر ۳۴۹/ ۳)

اقارب کو عذاب سے ڈرانے کا حکم

۲۱۳۔۲۲۰، فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَتَوَكَّلْ

عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ۝ الَّذِىْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝

پس (اے نبی ﷺ) آپ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریے ورنہ آپ بھی عذاب پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اور اپنے نزدیکی قرابت داروں کو ڈرائیے اور جو ایمان والے آپ کے تابع ہیں ان کے ساتھ تواضع سے پیش آیئے۔ پھر اگر یہ (مشرک) آپ کی نافرمانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے اعمال سے بیزار ہوں۔ اور (اے نبی ﷺ) آپ (اس اللہ پر) بھروسہ رکھیئے جو غالب (اور) مہربان ہے جو آپ کو دیکھتا رہتا ہے جب آپ (نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہیں۔ اور نمازیوں میں آپ کی نشست و برخاست کو (دیکھتا ہے)۔ بیشک وہی خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

عَشِيْرَتَكَ: تیرا کنبہ۔ تیرا قبیلہ۔ تیری برادری۔ جمع عَشَائِرُ۔

اِخْفِضْ: تو جھکا دے۔ تو شفقت کر۔ تو بچھا دے۔ خَفْضٌ سے امر۔

جَنَاحَكَ: تیرا بازو۔ تیرا ہاتھ۔ تیرا پہلو۔ جمع اَجْنِحَةٌ۔

تشریح: اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے مومنوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے سو تم اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو ورنہ تم بھی ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جن کو عذاب دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بظاہر خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے مگر حقیقت میں اس سے دوسروں کو ڈرانا مقصود ہے۔

پھر فرمایا اے نبی ﷺ! سب سے پہلے آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو آخرت کے عذاب سے ڈرایئے کیونکہ خیر خواہی میں سب سے پہلے ان کا حق ہے۔ چنانچہ آیت کے نزول کے بعد آپ نے اپنے سب سے قریبی رشتہ داروں کو کھانے پر بلا کر عذاب الٰہی سے ڈرایا اور ان کو صاف صاف بتا دیا کہ تم اللہ کے ہاں اپنی فکر کرو۔ میں وہاں تمہاری کچھ مدد نہیں کر سکتا۔

آپ ان لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آیئے جو خلوص کے ساتھ آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اگر یہ لوگ بعض امور میں آپ کی نافرمانی کریں تو آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میں

تمہارے گناہوں کے اعمال سے بری ہوں۔ آپ تو اسی عزیز و رحیم پر بھروسہ کیجئے جو ہر چیز پر غالب ہے۔ کوئی کام اس کی مشیت کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ وہ مومنوں کے حق میں بہت مہربان ہے اس لئے وہ اپنی رحمت سے مومنوں کو ہدایت و نصرت دے گا اور مشرکوں کو ہلاک کر کے انتقام لے گا۔ وہی رب ذوالجلال آپ کو دیکھتا ہے جب آپ تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے ہیں اور متوسلین کی خبر لیتے ہیں کہ وہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل، یا یہ مطلب کہ جب آپ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور جماعت کی نماز میں رکوع و سجود کرتے ہیں اور مقتدیوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (عثمانی ۲/۲۳۵، مظہری ۸۳۔۷/۸۷)

شیاطین کا جھوٹی خبریں لانا

۲۲۱، ۲۲۳۔ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَ اَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کس پر شیاطین اترتے ہیں، وہ ہر جھوٹے، گنہگار پر اترتے ہیں۔ وہ سنی سنائی باتیں (دلوں میں) ڈالتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

اَفَّاكٍ: بہت جھوٹا۔ بہتان تراش۔ اِفْکٌ سے مبالغہ۔

اَثِيْمٍ: گنہگار۔ اِثْمٌ سے صفت مشبہ۔

يُلْقُوْنَ: وہ ڈالتے ہیں۔ اِلْقَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: کفار یہ کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ پر شیطان آتا ہے اور وہی ان کو یہ قرآن تعلیم کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ قرآن تو وحی الٰہی ہے۔ اس میں شیاطین کا کوئی دخل نہیں۔ شیاطین تو جھوٹے اور بدکاروں پر آتے ہیں جو امورِ غیبیہ سے متعلق کوئی ناتمام بات فرشتوں سے سن کر اور اس میں جھوٹ ملا کر ان کاہنوں کو القا کر دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف انبیا کی وحی کا ایک حرف اور ایک شوشہ بھی جھوٹ نہیں ہوسکتا۔ شیطان سچے اور نیک لوگوں سے بیزار ہے کیونکہ یہ لوگ اس کو برا جانتے ہیں۔ وہ جھوٹے اور دغا بازوں سے خوش ہوتا ہے جو اس کی مرضی کے مطابق چلتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو شیطانی وحی سے کیا نسبت۔ آپ تو سب سچوں سے زیادہ سچے اور تمام نیکوں سے

بڑھ کر نیک انسان ہیں۔ آپ کا صدق و امانت اور تقویٰ و پاک بازی تو ایسے اوصاف ہیں جن کو آپ کی ساری قوم تسلیم کرتی تھی یہاں تک کہ الصادق اور الامین آپ کا لقب پڑ گیا۔

(عثمانی ۲۳۵،۲۳۶/۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۲۴۹/۵)۔

گمراہ شاعری کا ابطال

۲۲۴، ۲۲۶ وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝

اور شاعروں کی پیروی تو وہی کرتے ہیں جو بھٹکے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ (شعرا) ہر وادی (سخن) میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ (ایسی باتیں) کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں۔

اَلْغَاوٗنَ: گمراہ۔ بے راہ۔ غَیٌّ وغَوَایَۃٌ سے اسم فاعل۔

يَهِيْمُوْنَ: وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔ هَيْمٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں آنحضرت ﷺ کے کاہن ہونے کی تردید تھی۔ ان آیتوں میں آپ کے شاعر ہونے کی تردید ہے کہ قرآن مجید کو شعر کہنا اور آپ ﷺ کو شاعر کہنا مشرکین کی کھلی ہٹ دھرمی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کافر شاعروں کی اتباع گمراہ لوگ کرتے ہیں جو خیالی اور نفسانی خواہشوں کے دلدادہ ہوتے ہیں جبکہ آنحضرت ﷺ کی پیروی کرنے والے نہایت متقی اور پرہیزگار ہیں۔ وہ آخرت کے طلب گار اور دنیا سے بیزار ہیں۔

شاعر لوگ جو مضمون پکڑتے ہیں اس کو بڑھاتے جاتے ہیں۔ کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا اور مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیئے۔ غرض جھوٹ، مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھتے۔ یہ لوگ زبانی باتیں بناتے ہیں۔ عمل میں کورے ہوتے ہیں۔ ان کی پشت پناہی اوباش لوگ کرتے ہیں۔

(عثمانی ۲۳۶/۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۴۹/۵)۔

مذمت سے مستثنیٰ شاعر

۲۲۷۔ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۟

سوائے ان (شاعروں) کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے اور (اپنے کلام میں) انہوں نے اللہ کا بہت ذکر کیا اور انہوں نے اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا اور ظالموں کو تو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ان کو کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے،

شانِ نزول: ابن ابی حاتم، ابن جریر اور حاکم نے ابوالحسن سالم البراد کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ .... الخ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت کعب بن مالک اور حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں۔ اب ہم تو غارت ہو گئے۔ اس پر اللہ نے آیت اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ... الخ نازل فرمائی۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (مظہری ۹۰/۷، ابن کثیر ۳۵۴/۳)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ سابقہ آیت میں کافر اور گمراہ شاعروں کی حالت بیان کی گئی تھی۔ اس سے وہ شاعر مستثنیٰ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اور نیکی کام کرتے ہیں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں اللہ کی حمد وثنا بیان کرتے ہیں، نیکی کی ترغیب دیتے ہیں۔ کفر کی مذمت اور گناہ کی برائی کرتے ہیں، کافر شاعر اسلام کی ہجو میں جو شعر کہتے ہیں ان کا جواب دیتے ہیں کسی نے ان کو ایذا پہنچائی ہو تو اعتدال کی حد کے اندر رہتے ہوئے اس کا جواب دیتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت وغیرہ ایسے ہی اشعار کہتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان کو فرمایا ان کافروں کا جواب دے اور روح القدس تیرے ساتھ ہے۔

پھر فرمایا کہ عنقریب ان ظالموں کو اپنے ظلم وستم کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتابوں اور پیغمبروں کو کاہن اور شاعر کہہ کر جھٹلایا۔ (عثمانی ۲۳۶، ۲۳۷/۲)

سورۃ النمل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں چیونٹی کا قصہ مذکور ہے اس لئے یہ سورت، سورۃ النمل کے نام سے مشہور ہو گئی، عربی زبان میں چیونٹی کو نمل کہتے ہیں۔ درمنثور میں ہے کہ اس کو سورۃ سلیمان بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۱۵۴/۱۹)

تعارف: اس سورت میں سات رکوع، ۹۳ آیتیں ہیں۔ بعض کے نزدیک ۹۴ یا ۹۵ آیات ہیں۔ اس میں ۱۲۴۹ کلمات اور ۴۷۹۹ حروف ہیں۔

ابن عباس، ابن الزبیر وغیرہ سے منقول ہے کہ یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ گزشتہ سورت کی طرح اس کا آغاز بھی حقیقت قرآن و اثبات وحی و رسالت سے ہوا۔ اس میں بھی آپ کی تسلی کے لئے بعض ابنیا کے واقعات کا بیان ہے۔ اثبات رسالت کے بعد توحید اور اس کے دلائل کا بیان ہے۔ آخر میں علامات قیامت اور آخرت کی جزا و سزا کا بیان ہے۔

ابن عباس اور جابر بن زید رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ پہلے سورۂ شعراء نازل ہوئی، پھر سورہ طٰسٓ اور پھر سورۂ قصص۔ (روح المعانی ۱۵۴/۱۹، مواہب الرحمٰن ۱۴۲/۱۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۴/۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: عظیم الشان کتاب، حضرت موسٰی کا آگ لینے جانا اور تجلیٔ الٰہی کی روشنی کو دیکھنا۔ پھر حضرت موسیٰ کو لاٹھی اور ید بیضا کے معجزے عطا ہونے کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا واقعہ، جنوں اور انسانوں کے لشکر، ہد ہد کی غیر حاضری اور قومِ سبا کا قصہ مذکور ہے۔ آخر میں ملکہ بلقیس کے نام حضرت سلیمان کے خط کا بیان ہے۔

رکوع ۳: بلقیس کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کے بارے میں اہل دربار سے مشورہ اور بلقیس کی آزمائش کے لئے اس کے آنے سے پہلے اس کا تخت منگوا کر اس میں کچھ تغیر کرانا مذکور ہے۔

رکوع ۴: حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت اور فساد پھیلانے والوں کے انجام کا بیان ہے۔ پھر قومِ لوط کا احوال وانجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: قدرت الٰہی کے مظاہر، زمین کو جائے قرار بنانا۔ مضطر کی دعا قبول کرنے اور ستاروں کے ذریعے راہنمائی کا بیان ہے۔ پھر مبدا و معاد اور حشر و نشر کا بیان ہے

رکوع ۶: مکذبین کا انجام، منکرین قیامت کا عذاب طلب کرنا۔ بنی اسرائیل کے اختلافات کا فیصلہ اور علامات قیامت کا بیان ہے۔

رکوع ۷: قیامت کے روز مکذبین سے باز پرس اور روز حشر کے احوال کا بیان ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کو عبادت وتلاوتِ قرآن کا حکم دیا گیا ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ طٰسٓ ۔ یہ حروف مقطعات ہیں، جن کے معنی و مراد اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔

عظیم الشان کتاب

۱-۶، تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى
الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝

یہ آیتیں ہیں قرآن اور واضح کتاب کی (یہ) مومنوں کے لئے ہدایت و
خوشخبری (ہے، مومن وہ ہیں جو) نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور
آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ تحقیق جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے
انکے اعمال ان کی نظر میں خوشنما کر دیئے، سو وہ بھٹکے پھرتے ہیں۔ یہی وہ
لوگ ہیں جن کے لئے بڑا عذاب ہے اور وہ آخرت میں بھی بڑے خسارے
میں ہوں گے۔ اور (اے رسول ﷺ) بیشک آپ کو تو ایک حکیم اور علم
والے کی طرف سے قرآن سکھایا جا رہا ہے۔

سُوْءُ: برائی۔ گناہ۔ آفت۔

تُلَقّٰی: تجھے تلقین کیا جاتا ہے۔ تجھے سکھایا جاتا ہے۔ تَلَقِّیٌ سے مضارع مجہول۔

لَدُنْ: نزدیک۔ طرف پاس۔ ظرف مکان ہے۔

تشریح: یہ کسی شاعر کا کلام نہیں بلکہ یہ اسی قرآن کریم کی آیتیں جو ایک واضح اور روشن کتاب ہے۔ کتاب مبین سے مراد بھی قرآن کریم ہے مگر کتاب مبین کہنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید میں کوئی بات بعید از عقل نہیں۔ اس کی سب باتیں صاف اور ظاہر ہیں جن کو ہر عقل سلیم والا انسان تسلیم کرنے میں ذرا بھی تردد نہیں کرسکتا۔

یہ قرآن سب کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے مگر اس سے نفع وہی لوگ اٹھاتے ہیں جن میں راستی و سچائی کا مادہ رکھا ہوا ہے۔ اسی لئے بشریٰ کو مومنین کے ساتھ مخصوص کیا کہ یہ قرآن مومنوں کے لئے بشارت ہے کیونکہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں، اس کی اتباع کرتے ہیں، اسے سچا جانتے ہیں اور اس میں جو احکام ہیں ان پر عمل کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں یعنی نماز کو اہتمام اور اس کی ساری شرطوں اور قاعدوں کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ پس جو شخص نماز قائم نہ کرے وہ کامل مومن نہیں۔ یہ لوگ نماز کی طرح فرض زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں۔ شرع میں مال کا چالیسواں حصہ اللہ کے نام پر دینے کا نام زکواۃ ہے۔ یہ لوگ آخرت پر بھی کامل یقین رکھتے ہیں یعنی موت کے بعد کی زندگی اور جزا اور سزا کو بھی مانتے ہیں اور جنت و دوزخ کو بھی حق جانتے ہیں۔

جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور اس کو جھٹلاتے ہیں، ہم بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں، پھر ان کو اپنی برائیاں اچھی لگنے لگتی ہیں اور وہ اپنی سرکشی و گمراہی میں بڑھتے رہتے

ہیں۔ پس وہ نتائج اور انجام سے بے خبر اپنی بداعمالیوں میں سرگرداں ہیں۔ ان لوگوں کو دنیا و آخرت میں بدترین سزا ملے گی۔ قیامت کے روز یہی لوگ سب سے زیادہ خسارے میں رہیں گے۔

اے رسول ﷺ! بلاشبہ آپ کو ایک بڑی حکمت والے اور علم والے کی طرف سے قرآن دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حکیم و علیم ہے کیونکہ اس کی کوئی بات بھی علم و حکمت سے خالی نہیں۔ اسی علیم و حکیم نے آپ پر قرآن نازل کیا ہے۔ (حقانی ۴۵۴، ۴۵۵/۳، ابن کثیر ۳۵۶/۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آگ لینے جانا

۷۔ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝

(وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ میں ابھی وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر یا کوئی سلگتا ہوا انگارا لاتا ہوں تاکہ تم سینکو۔

اٰنَسْتُ: میں نے دیکھا۔ میں نے محسوس کیا۔ اِیْنَاسٌ سے ماضی۔

شِهَابٍ: انگارا۔ شعلہ۔ رات کے وقت آسمان پر جو تارا ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ جمع شُهُبٌ۔

قَبَسٍ: انگارا۔ آگ کا شعلہ۔ مصدر بھی اسم بھی۔

تَصْطَلُوْنَ: تم سینکو۔ تم تاپو۔ اِصْطِلَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اس مدت کو پورا کر چکے تھے جو ان کے اور ان کے خسر حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان طے ہوئی تھی، اور حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کو لے کر مدین سے اپنے وطن مصر جا رہے تھے۔ سردی کی رات تھی، راستہ بھول گئے تھے۔ پہاڑوں کی گھاٹیوں کے درمیان تھے، اندھیرا تھا۔ چقماق سے آگ نکالنا چاہی مگر نہ نکلی۔ ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو دور دائیں جانب کوہ طور کی طرف کچھ آگ دکھائی دی۔ حضرت موسیٰ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرو مجھے اس طرف آگ سی نظر آ رہی ہے میں وہاں جا کر راستے کی کوئی خبر لاتا ہوں یا کوئی دہکتا ہوا انگارا لے آؤں گا کہ تم سردی دور کرنے کے لئے آگ سے تاپو۔ (ابن کثیر ۳/۱۴۳)

تجلیٔ الٰہی کی روشنی

۸۔ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

پھر جب موسیٰ (آگ) کے پاس آئے تو آواز آئی کہ بابرکت ہے جو اس آگ
میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور پاک ہے اللہ جو تمام جہان کا رب ہے۔

نُوْدِیَ: اس کو ندا دی گئی۔ اس کو پکارا گیا۔ نِدَاءٌ سے ماضی مجہول۔

بُوْرِکَ: اس کو برکت دی گئی۔ مُبَارَکَةٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام روشنی کے قریب پہنچے تو اس منظر کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ایک سرسبز درخت آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ جیسے جیسے شعلوں میں تیزی آ رہی ہے درخت کی سرسبزی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اوپر نگاہ کی تو دیکھا کہ وہ نور آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ حقیقت میں وہ آگ نہ تھی بلکہ وہ رب العالمین وحدہ لاشریک لہ کا نور تھا۔ حضرت موسیٰ بڑے حیران و متعجب تھے اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ یکا یک ایک آواز آئی کہ جو اس نور میں ہے وہ پاکی اور بزرگی والا ہے اور اس کے پاس جو فرشتے ہیں وہ بھی مقدس ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دور سے اس کو آگ خیال کیا تھا اسلئے لفظ نار کہا تھا۔ غرض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کچھ دیکھا تھا وہ نور الٰہی کی ایک تجلی تھی، دنیا کی آگ نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے وہ مخلوقات کی مشابہت، سمت و جہت اور کسی مکان و محل میں نزول و حلول کرنے سے پاک و منزہ ہے۔ (ابن کثیر ۳/۳۵۶، روح المعانی ۲۰/۱۶۰)

لاٹھی کا معجزہ

۹۔۱۱۔ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا
تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ
اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا
بَعْدَ سُوْۗءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے موسیٰ! یہ میں ہوں اللہ زبردست (اور) حکمت والا۔ اور تو اپنی لاٹھی ڈال دے۔ پھر جب اس نے اس (لاٹھی) کو سانپ کی طرح پھنپھناتے ہوئے دیکھا تو (موسیٰ) پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (اللہ نے کہا) اے موسیٰ! خوف نہ کھا۔ بے شک میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے۔ لیکن جس نے ظلم (گناہ) کیا ہو پھر برائی کے بعد اس نے اس (گناہ) کو نیکی سے بدل دیا ہو تو بلا شبہ میں بخشنے والا مہربان ہوں۔

عَصَاکَ: تیرا عصا۔ تیری لاٹھی۔ جمع اَعْصَاءٌ۔

تَھْتَزُّ: وہ بل کھاتی ہے۔ وہ ہلتی ہے وہ لہراتی ہے۔ اِھْتِزَازٌ سے مضارع۔

جَانٌّ: جن۔ سانپ۔ واحد جِنٌّ۔

وَلّٰی: اس نے منہ موڑا۔ تَوْلِیَۃٌ سے مضارع۔

مُدْبِرًا: پشت پھیرنے والا۔ پیچھے چلنے والا۔ اِدْبَارٌ سے اسم فاعل۔

یُعَقِّبْ: وہ پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے۔ وہ پیچھے پھرتا ہے۔ تَعْقِیْبٌ سے مضارع۔

تشریح: اے موسیٰ حقیقت میں یہ ندا کرنے والا اور تجھ سے خطاب وکلام کرنے والا میں ہی ہوں۔ میں اللہ ہوں، میں تیرا پروردگار، ہوں اور میں غالب اور رحمت والا ہوں۔ میں نے تجھے اپنے کلام سے عزت بخشی اور تجھے اپنا نبی و رسول بنایا اور میں چاہتا ہوں کہ تجھے کچھ معجزے عطا کروں جو تیری نبوت و رسالت کی دلیل بنیں۔ سو اے موسیٰ اب تم اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیسا قادر مطلق ہے۔

حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کا حکم سنتے ہی اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔ اسی وقت وہ ایک پھن پھنا تا ہوا سانپ بن گئی۔ جب حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو سانپ کی طرح تیزی سے ادھر ادھر دوڑتے ہوئے دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے اور دہشت کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے موسیٰ! اس سانپ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تمہیں پیغمبری دی ہے اور تمہیں اپنا برگزیدہ رسول بنایا ہے۔ ہمارا قرب مل جانے کے بعد پیغمبر کسی چیز سے نہیں ڈرا کرتے۔ یہ معجزہ ہم نے تمہیں اس لئے دیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تم فرعون کو ڈراؤ۔

پھر فرمایا کہ جو شخص کوئی برائی کا کام کرلے، پھر وہ اس پر نادم ہو جائے، تو بہ کرلے اور اللہ

کی طرف جھک جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔ (مظہری ۹۷،۹۸/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۵۸، ۲۵۹/ ۵)

یدِ بیضا کا معجزہ

۱۲، ۱۴۔ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَٰذَا سِحْرٌ مُبِينٌ ۝ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝

اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو وہ بغیر کسی عیب کے سفید ہو کر نکلے گا۔ (غرض یہ) نو معجزات میں سے دو ہیں (ان کو لے کر) فرعون اور اس کی قوم کی طرف جاؤ)۔ بے شک وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں، پھر جب ان کے پاس ہماری نہایت واضح نشانیاں پہنچیں (تو) وہ کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے اور ان لوگوں نے ظلم و تکبر کی بنا پر ان (نشانیوں) کا انکار کیا حالانکہ وہ اپنے دل میں ان کا یقین کر چکے تھے، سو دیکھو مفسدوں کا کیسا (برا) انجام ہوا۔

بَيْضَاءَ: سفید۔ بَيَاضٌ سے صفت مشبہ۔

مُبْصِرَةً: دکھانے والی۔ روشن کرنے والی۔ واضح کرنے والی۔ اسم فاعل ہے، مفعول کے معنی میں۔

جَحَدُوا: انہوں نے انکار کیا۔ جَحْدٌ وجُحُودٌ سے ماضی۔

اِسْتَيْقَنَتْهَا: اس نے اس کا یقین کیا۔ اِسْتِيْقَانٌ سے ماضی۔

تشریح: لاٹھی کے سانپ بننے کے معجزے کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یدِ بیضا کا معجزہ بھی دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر نکال لے۔ وہ کسی عیب اور بیماری کے بغیر نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو وہ نہایت دلکش اور منور تھا۔ یہ دو معجزے ملا کر نو معجزے ہو گئے جو ہم نے تمہیں عطا کئے ہیں۔ (۹ معجزوں کی تفصیل سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۰۱ میں گزر چکی ہے)

اے موسیٰ ان معجزوں کو لیکر فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ۔ بلا شبہ وہ بڑے بدکار لوگ

ہیں اور حد سے نکلے ہوئے ہیں۔ جب ان کے پاس ہمارے احکام واضح طور پر پہنچ گئے یا معجزوں کی شکل میں ہماری نشانیاں ان کے پاس پہنچ گئیں تو فرعون اور اس کی قوم کے لوگ ضد میں آ کر کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے گو ان کے دلوں میں ان معجزات کی حقانیت جم چکی تھی مگر وہ ظلم و تکبر کی بنا پر حق کو جھٹلاتے رہے۔ سو دیکھ لو ان مفسدوں کا انجام کیسا برا ہوا کہ سب بحر قلزم میں غرق ہو گئے۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا واقعہ

۱۵، ۱۶۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ وَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝

اور البتہ ہم نے داؤد اور سلیمان کو ایک علم دیا۔ ان دونوں نے (خوش ہو کر) کہا کہ سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے ایماندار بندوں پر فضیلت عطا کی۔ اور سلیمان داؤد کے وارث ہوئے اور کہنے لگے کہ اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی بھی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر قسم کی چیزیں دی گئی۔ بیشک یہ (اس کا) کھلا فضل ہے۔

تشریح: یہ دوسرا قصہ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ہے جو اس تفصیل کے ساتھ یہود و نصاریٰ کو بھی معلوم نہ تھا۔ اسی علیم و خبیر نے آنحضرت ﷺ کو اس واقعے کی تفصیلات بتائیں۔ اس قصے میں ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام پر انعام فرمائی تھیں اور کس طرح اس نے دونوں جہاں کی دولت سے انہیں مالا مال فرمایا اور ان نعمتوں پر ان کو شکر کی بھی توفیق عطا فرمائی۔ دونوں باپ بیٹے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے رہتے تھے اور اس کی تعریف بیان کرتے رہتے تھے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے وارث ہوئے۔ یہاں مال کی وراثت مراد نہیں بلکہ وہ نبوت، علم اور حکومت کے وارث ہوئے۔ اگر مال کی میراث مراد ہوتی تو صرف حضرت سلیمان ہی کا نام نہ آتا بلکہ حضرت داؤد کے دوسرے بیٹوں کو بھی حصہ ملتا۔

ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابو درداء سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بیشک علما انبیا کے وارث ہیں اور انبیا وراثت میں درہم اور دینار نہیں چھوڑتے بلکہ وہ علم کی وراثت چھوڑتے ہیں سو جس نے اس علم کو حاصل کر لیا اس نے وافر حصہ پایا۔

وراثت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شئے دوسرے کی طرف بغیر کسی بیع، شرا، ہبہ اور عاریت کے منتقل ہو جائے، خواہ دونوں آپس میں قرابت دار ہوں یا نہ ہوں، جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْ اِسْرَآءِیْلَ (الشعراء آیت ۵۹)

اور ہم نے اس سرزمین کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔

یعنی اسکی ملکیت بغیر کسی عقد کے بنی اسرائیل کی طرف منتقل کر دی۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِیَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ (الاحزاب آیت ۲۷)

اور ہم نے تمہیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور اموال کا وارث یعنی قابض و مالک بنا دیا۔

ظاہر ہے ان دونوں آیتوں میں مورث اور وارث میں قرابت نہیں تھی اس لئے یہاں شرعی میراث مراد نہیں بلکہ صرف تملیک اور قبضہ مراد ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داود علیہ السلام کو جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں وہ سب حضرت سلیمان علیہ السلام کو عطا فرما دیں، اور دو چیزیں، تسخیر ہوا اور تسخیر شیاطین، زیادہ عطا فرمائیں۔

پھر حضرت سلیمان نے تحدیث نعمت کے طور پر لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے پرندے جو کچھ آپس میں بولتے ہیں ہم اسے خوب سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارے علاوہ کسی اور کو میسر نہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہمیں ہر قسم کی نعمت دی گئی ہے۔ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوا فضل ہے۔ (مظہری ۱۰۰، ۱۰۲، حقانی ۴۵۸/۳، روح المعانی ۱۶۹۔ ۲۰/۱۷۱)

جنوں اور انسانوں کے لشکر

۱۷۔۱۹۔ وَحُشِرَ لِسُلَیْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّیْرِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ

اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِىۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَىَّ وَعَلٰى وَالِدَىَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰٮهُ وَاَدۡخِلۡنِىۡ بِرَحۡمَتِكَ فِىۡ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝

اور سلیمان کے سامنے ان کے تمام لشکر جنات اور انسان اور پرند جمع کئے گئے ۔ پھر ہر قسم الگ الگ کھڑی کردی گئی یہاں تک کہ جب وہ لشکر چیونٹیوں کی وادی میں آئے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے اور ان کو خبر بھی نہ ہو ۔ پھر سلیمان اس کی بات سے مسکرا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس انعام کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا اور یہ کہ میں نیک کام کروں جس سے تو خوش ہو اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک بندوں میں داخل کرلے ۔

حُشِرَ: وہ اکٹھا کیا گیا ۔ وہ جمع کیا گیا ۔ حَشۡرٌ سے ماضی مجہول ۔

یُوۡزَعُوۡنَ: ان کو روکا جاتا ہے اور ان کی ٹولیاں بنائی جاتی ہیں ۔ وَزۡعٌ سے مضارع مجہول ۔

النَّمۡلِ: چیونٹیاں ۔ واحد نَمۡلَۃٌ ۔

یَحۡطِمَنَّکُمۡ: وہ تم کو ضرور روندے گا ۔ وہ تم کو ضرور کچلے گا ۔ حَطۡمٌ سے مضارع ۔

ضاحِکًا: ہنستے ہوئے ۔ ضِحۡکٌ سے اسم فاعل ۔

اَوۡزِعۡنِیۡ: مجھے توفیق عطا فرما ۔ مجھے نصیب کر ۔ اِیۡزَاعٌ سے امر ۔

تشریح: حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس مختلف قسم کے لشکر تھے مثلاً انسانوں کا لشکر، جنوں کا لشکر اور پرندوں کا لشکر ۔ دنیا میں اس قسم کی سلطنت نہ کسی نے دیکھی اور نہ سنی ۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکروں کو لے کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ وہ ایک ایسے مقام سے گزرے جہاں چیونٹیوں کے بل تھے اور وہ زمین پر چل رہی تھیں ۔ ان میں سے ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹیوں سے کہا اے چیونٹو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ ۔ ایسا نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں تمہیں کچل دے ۔ حضرت سلیمان اس چیونٹی کی بات سن کر خوش ہوئے اور مسکراتے ہوئے ہنسے کہ چیونٹی نے آپ کو اور آپ کی فوج کو عادل سمجھا ۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے

دعا کی۔ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہے اور میں ایسے نیک اعمال کروں جس سے تو راضی ہو، اور اپنی رحمت سے مجھے اپنے نیک صالح لوگوں کے گروہ میں شامل کر دے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا صالح بندوں سے مراد حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب اور ان کے بعد آنے والے انبیا علیہم السلام ہیں۔ (مظہری ۱۰۵،۱۰۲/ ۷حقانی)

ہدہد کی غیر حاضری

۲۱،۲۰۔ وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝
لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗٓ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝

اور سلیمان نے پرندوں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کہ یہ کیا بات ہے میں ہُد ہُد کو نہیں دیکھتا، کیا (واقعی) وہ غائب ہے یقیناً میں اسے سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا وہ مرے سامنے کوئی واضح دلیل پیش کرے۔

تَفَقَّدَ: اس نے حاضری لی۔ اس نے خبر لی۔ اس نے تلاش کیا۔ تَفَقُّدٌ سے ماضی۔

اَذْبَحَنَّهٗ: میں اس کو ضرور ذبح کا ڈالوں گا۔ ذَبْحٌ سے مضارع با نون تاکید۔

تشریح: ہُد ہُد، حضرت سلیمان علیہ السلام کی فوج میں مہندس کا کام کرتا تھا، وہ بتاتا تھا کہ پانی کہاں ہے۔ اس کو زمین کے اندر پانی اس طرح نظر آتا تھا جس طرح لوگوں کو زمین کے اوپر کی چیزیں نظر آتی ہیں۔ جب حضرت سلیمان جنگل میں ہوتے تو اس سے معلوم کرتے کہ پانی کہاں ہے۔ وہ بتا دیتا تھا کہ پانی فلاں جگہ ہے۔ اتنا نیچے ہے اور اتنی مقدار میں ہے وغیرہ۔ حضرت سلیمان اسی وقت جنات کو کنواں کھودنے کا حکم دیتے تھے۔

ایک دن اسی طرح کسی ضرورت سے، حضرت سلیمان نے پرندوں کے لشکر کا جائزہ لیا تو ان کو ہدہد نظر نہ آیا۔ حضرت سلیمان کہنے لگے کہ آج مجھے ہدہد نظر نہیں آ رہا۔ کیا وہ پرندوں میں کہیں چھپا ہوا ہے یا واقعی غائب ہے۔ حضرت سلیمان پرندوں سے مختلف کام لیتے تھے۔ مثلاً ہوائی سفر میں ان کا پرے باندھ کر اوپر سایہ کرتے ہوئے چلنا۔ ضرورت کے وقت پانی وغیرہ کا کھوج لگانا یا نامہ بری کرنا وغیرہ۔ ممکن ہے اس وقت ہدہد کی کوئی خاص ضرورت پیش آئی ہو، اس لئے اس کی تفتیش کی۔ پھر حضرت سلیمان

نے فرمایا کہ اگر وہ واقعی غیر حاضر ہے تو میں اسے سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر ڈالوں گا یا یہ کہ وہ اپنے غیر حاضر ہونے کی معقول وجہ بیان کرے۔ (عثمانی ۲/۲۴۳، ابن کثیر ۳۵۹، ۳/۳۶۰)

قومِ سبا کا قصہ

۲۲۔۲۶۔ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ ۝ إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ۝ وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ۝ أَلَّا يَسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۩

سو تھوڑی ہی دیر میں وہ (ہد ہد) آ گیا۔ پھر اس نے کہا کہ میں ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں اور میں آپ کے پاس سبا (قبیلے) کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ ایک عورت ان پر حکمرانی کرتی ہے اور اس کو ہر چیز دی گئی ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ میں نے اس کو اور اس کی قوم کو اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نظروں میں زینت دے کر ان کو راہِ راست سے روک رکھا ہے۔ سو وہ راہِ راست نہیں پاتے، یہ کہ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو نکالتا ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو وہ سب جانتا ہے، اللہ ہی (معبودِ حقیقی) ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

مَكَثَ: اس نے دیر کی۔ مُکْثٌ سے ماضی۔

اَحَطْتُ: میں نے احاطہ کیا۔ میں نے گھیرا۔ اِحَاطَةٌ سے ماضی۔

صَدَّهُمْ: اس نے ان کو روکا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

خبء: پوشیدہ۔ چھپا ہوا۔ مصدر ہے۔
تشریح: ہدہد کی غیر حاضری کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ وہ آ گیا۔ اس نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ میں وہ بات معلوم کر کے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں، میں ایک یقینی خبر لے کر سبا سے آ رہا ہوں۔ میں نے قومِ سبا میں ایک عورت کو لوگوں پر بادشاہت کرتے ہوئے پایا۔ اس کو سلطنت سے متعلق ہر چیز دی گئی ہے اور اس کا تخت بڑا عظیم الشان ہے جس پر وہ بیٹھتی ہے۔ میں نے اس ملکہ اور اس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ بلقیس اور اس کی قوم مجوس تھی جو سورج کو پوجتی تھی۔ شیطان نے ان کے اعمال بد ان کی نظروں میں اچھے کر رکھے تھے۔ اس طرح شیطان نے ان کو راہ حق سے روکا ہوا تھا۔ اس لئے وہ راہ راست پر نہیں آتے تھے اور اللہ کو سجدہ نہیں کرتے تھے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو بر آمد کرتا ہے اور ان تمام باتوں کو جانتا ہے جن کو تم دلوں میں چھپاتے ہو اور وہ ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو تم ظاہر کرتے ہو اس لئے ضروری ہے کہ تم ظاہر و باطن میں اس کے ساتھ شرک کرنے سے اجتناب کرو۔ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ بلقیس کے تخت کو اس کے عرش عظیم سے کچھ نسبت نہیں۔ (حقانی ۳/۴۶۱، مواہب الرحمٰن ۱۶۸-۱۷۳/۱۹)

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط

۲۷-۳۱۔ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۝ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ۝ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَ اْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ۝

سلیمان نے کہا کہ میں ابھی دیکھتا ہوں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ میرا یہ خط لے جا کر ان کی طرف ڈال دے، پھر ان کے پاس سے ہٹ جانا اور دیکھنا کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اس خط کو پڑھ کر بلقیس نے کہا اے دربار والو! تحقیق میری طرف ایک محترم خط ڈالا گیا ہے۔ اور وہ سلیمان کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ یہ کہ تم میرے سامنے سرکشی نہ کرو اور مسلمان بن کر میرے پاس آ جاؤ۔

اَلْقِهْ: تو ڈال دے۔ اَلْقَاءٌ سے امر۔

تَعْلُوْا: تم چڑ ھنے لگو۔ تم سرکشی کرو۔

تشریح: حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد سے بلقیس کا حال سن کر فرمایا کہ اچھا ہم دیکھیں گے اور اس بات کی تحقیق کریں گے کہ تو اپنی بات میں سچا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے۔ فی الحال تو میرا یہ خط لے جا کر اس کے سامنے ڈال دو۔ خط ڈال کر ان سے ذرا علیحدہ ہو جانا اور دیکھنا کہ وہ آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں۔ چنانچہ ہدہد حضرت سلیمان کا خط لے کر بلقیس کے پاس پہنچا اور خط اس کے سینے پر ڈال کر پیچھے ہٹ گیا۔ بلقیس خط پڑھ کر تخت پر جا بیٹھی۔ پھر اس نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کیا۔ جب سب لوگ آ کر اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے تو اس نے ان کو مخاطب کر کے کہا کہ میرے پاس ایک معزز خط ڈالا گیا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس سے آیا ہے اور خط کا مضمون یہ ہے۔

''شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ میرے سامنے غرور نہ کرو اور اطاعت گزار ہو کر میرے پاس آؤ'' یہ خط کمال فصاحت اور بلاغت کے ساتھ نہایت مختصر تھا مگر اس کے باوجود اس سے لکھنے والے کا مقصد بالکل واضح تھا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۶۸/۵، مواہب الرحمٰن ۱۷۴، ۱۷۵/۱۹)

اہلِ دربار سے مشورہ

۳۲-۳۵ قَالَتْ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْٓ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا
حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ۝ قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ۬
وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ۝ قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا
قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝
وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

(بلقیس نے) کہا اے دربار والو! میرے معاملے میں مجھے مشورہ دو۔ میں اپنے پاس تمہاری موجودگی کے بغیر کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگ قوت والے اور سخت لڑنے والے ہیں اور فیصلہ تیرے اختیار میں ہے سو تو جو حکم دینا چاہے اس پر غور کر لے۔ (بلقیس نے) کہا کہ جب بادشاہ کسی بستی

میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو
ذلیل کر ڈالتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے۔ اور تحقیق میں انہیں ایک
ہدیہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا (جواب) لے کر لوٹتے ہیں۔

تشریح: خط ملنے کے بعد بلقیس نے امراو سرداروں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ اس معاملے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ میں حضرت سلیمان کے پاس جاؤں یا نہ جاؤں۔ تمہیں میری عادت معلوم ہے کہ میں کسی معمولی کام میں بھی تمہاری رائے کے بغیر کوئی قطعی فیصلہ نہیں کرتی اور یہ تو بہت اہم معاملہ ہے۔ اس لئے تم مجھے کوئی محکم رائے دو جس سے یہ مشکل حل ہو جائے۔

ارکان سلطنت نے جواب دیا کہ ہم بڑے قوی اور بڑے لڑنے والے لوگ ہیں۔ ہمیں سلیمان سے کچھ خطرہ نہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم اس سے لڑنے کے لئے مستعد اور تیار ہیں۔ آپ سوچ لیں، ہم آپ کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ ملکہ بلقیس بڑی عقلمند عورت تھی۔ اس نے ارکان سلطنت کو جنگ پر آمادہ دیکھ کر کہا کہ فی الحال لڑنا مناسب نہیں کیونکہ بادشاہوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب وہ کسی بستی میں جنگ کے ارادے سے داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ و برباد کر ڈالتے ہیں اور اس کے معززین کو ذلیل و خوار کرتے ہیں۔ بستی کو لوٹتے اور رعایا کو قید کرتے ہیں تاکہ وہاں ان کی حکومت قائم ہو۔ اگر تم نے سلیمان سے جنگ کی تو ممکن ہے وہ بھی ایسا ہی کریں اس لئے بلاضرورت لڑائی میں پڑنا مناسب نہیں۔ میرے پاس ان سے زیادہ مال و دولت ہے مجھے فوراً ان کی اطاعت قبول کرنے کی ضرورت نہیں سردست میں ان کو تحفے اور ہدیئے بھجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لے کر آتے ہیں۔

(حقانی ۳/۴۶۳، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۷۰)۔

بلقیس کا ہدیہ

۳۶۔۳۷، فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ
اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ۞ اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ
بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۞

پھر جب (بلقیس کا) قاصد سلیمان (علیہ السلام) کے پاس پہنچا تو آپ نے
فرمایا کہ کیا تم مال سے اعانت کرنا چاہتے ہو۔ سو اللہ نے جو کچھ مجھے دے رکھا

ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے بلکہ تم ہی اپنے ہدیئے سے خوش رہو۔ تم ان کی طرف واپس جاؤ (جنہوں نے تمہیں بھیجا ہے) اب ہم ان کے پاس ایسے لشکروں کے ساتھ پہنچیں گے جن کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے اور ہم ان کو وہاں سے ذلیل کر کے نکال دیں گے۔

تُمِدُّوْنَنِ: تم میری مدد کرتے ہو۔ اِمْدَادٌ سے مضارع۔

هَدِيَّتِكُمْ: تمہارا ہدیہ۔ تمہارا تحفہ۔

تَفْرَحُوْنَ: تم فرحت پاؤ۔ تم خوش ہو جاؤ۔ فَرْحٌ سے مضارع۔

تشریح: بلقیس نے بڑے بیش قیمت ہدیئے دے کر اپنے ایلچیوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے حضرت سلیمان کی خدمت میں حاضر ہو کر تحفے پیش کئے۔ حضرت سلیمان چونکہ اس بت پرست ملکہ کو اسلام میں لانا اور برائی سے بچانا چاہتے تھے اس لئے اس کے تحفوں کو خاطر میں نہ لا کر فرمایا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو اس نے تم کو دیا ہے۔ تمہارے پاس صرف تھوڑی سی دنیا ہے، اور بحمد اللہ میرے پاس دین اور دنیا سب کچھ ہے۔ اپنے ہدیئے پر تم ہی خوش رہو۔ جا کر اپنی ملکہ اور ارکان سلطنت سے کہہ دو کہ اگر وہ ایمان نہ لائے تو ہم ان پر ایسا لشکر بھیجیں گے جس کا وہ مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ پھر ہم ان کو وہاں سے ذلیل و خوار کر کے نکال دیں گے۔

بلقیس کا تخت منگوانا

۳۸۔۴۰۔ قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ۝ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۣ لِيَبْلُوَنِيْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

(سلیمان نے) کہا۔ اے سردارو! تم میں سے کون ہے جو اس کے مسلمان ہو کر میرے پاس پہنچنے سے پہلے مجھے اس کا تخت لا دے۔ ایک سرکش جن کہنے لگا

کہ میں آپ کو اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی اس کو آپ کے پاس لا حاضر کرتا ہوں اور میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں (اور) امانت دار بھی ہوں۔ اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اس کو آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لا حاضر کرتا ہوں۔ پھر جب سلیمان نے اس کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ میرے رب کا فضل ہے تاکہ وہ مجھے آزمالے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔ اور جو کوئی شکر کرتا ہے۔ اپنے لئے ہی (کرتا ہے) اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بھی غنی اور کریم ہے۔

عِفْرِیْتٌ: دیو۔ بڑا جن۔ قوی ہیکل۔ جمع عَفَارِیْتٌ۔

یَرْتَدُّ: وہ مرتد ہو جائے گا۔ وہ لوٹے گا۔ اِرْتِدَادٌ سے مضارع۔

طَرْفُکَ: تیری نگاہ۔ تیری نظر۔ تیرا پلک جھپکنا۔

مُسْتَقِرًّا: قرار پکڑنے والا۔ ٹھہرنے والا۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قاصدوں نے واپس جا کر ملکہ کو بتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تمام ہدیئے واپس کر دیئے ہیں اور پیغام دیا ہے کہ تم اسلام لے آؤ، ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ملکہ اور اس کے ارکان سلطنت کو یقین ہو گیا کہ یہ شخص کوئی بادشاہ نہیں بلکہ کوئی اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قوت سے بول رہا ہے۔ اس کے مقابلے پر کوئی نہیں ٹھہر سکتا۔ لہٰذا اس کی فرماں برداری قبول کر لینی چاہئے۔ چنانچہ ملکہ حضرت سلیمان کی فرماں برداری کے لئے روانہ ہو گئی۔

ادھر حضرت سلیمان نے چاہا کہ بلقیس کا تخت اس کے آنے سے پہلے ان کے پاس آ جائے۔ پھر انہوں نے اہل دربار کو مخاطب کر کے کہا کہ تم میں سے کون ہے جو بلقیس کا تخت اس کے آنے سے پہلے میرے سامنے لا حاضر کرے۔ بلقیس کا تخت اس وقت یمن میں تھا اور حضرت سلیمان بیت المقدس میں تھے۔ حضرت سلیمان کی بات سن کر ایک بڑے قوی جن نے کہا کہ میں آپ کا دربار برخاست ہونے سے پہلے اس کا تخت آپ کے پاس لے آتا ہوں۔ بیشک میں اس پر قادر بھی ہوں اور امین بھی یعنی جو جواہرات اس میں لگے ہوئے ہیں ان میں خیانت نہیں کروں گا۔ اسی وقت ایک شخص جس کے پاس کتاب الٰہی کا علم تھا اور وہ اسم اعظم بھی جانتا تھا کہنے لگا کہ میں پلک جھپکنے سے بھی پہلے اس کو آپ کے پاس لے آؤں گا۔

پھر حضرت سلیمان نے پلک جھپکنے کے اندر ہی اس کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھ کر کہا کہ یہ محض اللہ کا فضل ہے تاکہ وہ میری آزمائش کر لے کہ میں اس کی نعمت کا شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں۔ جو کوئی اللہ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اور زیادہ نعمتیں عطا کرتا ہے اور آخرت میں اس (شکر کا) کا صلہ جنت ہے۔ اس کے برعکس جو شخص ناشکری کرتا ہے تو اللہ کو کچھ پرواہ نہیں۔ وہ بے نیاز ہے اسے کسی کے شکر کی حاجت نہیں۔

(حقانی ۳/۴۶۳، روح المعانی ۲۰۱۔ ۲۰۶، ۲۰/)

بلقیس کی آزمائش

۱۴۔۴۴، قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا
يَهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ
اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ ۝ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ
فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ
مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

سلیمان نے کہا کہ اس کے تخت کی صورت بدل دو۔ ہم دیکھیں گے کہ وہ صحیح راہ پاتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ پھر جب وہ آ گئی اس سے کہا گیا کہ کیا تیرا تخت بھی ایسا ہی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ گویا وہی ہے، اور ہمیں تو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا (کہ آپ برگزیدہ نبی ہیں) اور ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور (سلیمان نے) اس کو ان چیزوں سے روک دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی۔ یقیناً وہ کافروں میں سے تھی۔ اس سے کہا گیا کہ محل میں چلے۔ پھر جب اس نے اس کو دیکھا تو وہ اس (کے بلوری صحن) کو پانی (سے بھرا ہوا۔) سمجھی اور اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں (پائنچے اٹھائے) سلیمان نے کہا کہ یہ تو شیشے سے جڑی ہوئی عمارت ہے۔ وہ کہنے

لگی اے مرے رب! میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں بردار بنتی ہوں۔

نَكِّرُوْا: تم شکل بدل دو۔ تم روپ بدل دو۔ تَنْكِيْرٌ سے امر۔

صَدَّهَا: اس نے اس کو روکا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

الصَّرْحِ: محل۔ بلند مکان۔ برج۔ ظاہر کرنا۔

لُجَّةً: گہرا بادل۔ گہرا پانی۔ پانی سے بھرا ہو۔ حوض۔

سَاقَيْهَا: اس کی دونوں پنڈلیاں۔

مُمَرَّدٌ: چکنا کیا ہوا۔ شیشوں کا بنا ہوا۔ تَمْرِيْدٌ سے اسم مفعول۔

قَوَارِيْرَ: شیشے کے برتن۔ واحد قَارُوْرَةٌ۔

تشریح: جب بلقیس کا تخت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچ گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ اس میں کچھ تغیر و تبدل کر دیا جائے تاکہ میں اس کی عقل کا امتحان کرلوں کہ وہ اپنے تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں۔ سو جب وہ آ گئی تو حضرت سلیمان نے اس سے پوچھا کے تیرا تخت ایسا ہی ہے۔ وہ اس کو پہچان نہ سکی اور جواباً کہا گویا کہ یہ وہی ہے اور ہمیں تو اس معجزے سے پہلے ہی آپ کی نبوت و حقانیت اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا علم ہو چکا تھا اور ہم دل سے مسلمان ہو چکے تھے۔ پھر حضرت سلیمان نے اس کو ان معبودوں کی عبادت سے منع کر دیا جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتی تھی۔ اسلام لانے سے پہلے بلاشبہ وہ کافر قوم میں سے تھی۔

حضرت سلیمان نے ایک ایسا محل بنایا تھا جس کا صحن پانی کا حوض تھا۔ اس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں تھیں۔ اس حوض کو اوپر سے صاف بلور یا سفید شیشے سے بند کر دیا گیا تھا جس کے اوپر سے چل کر محل میں آتے جاتے تھے مگر دیکھنے والوں کو صحن میں پانی ہی پانی معلوم ہوتا تھا۔ حضرت سلیمان صحن کے درمیان میں اپنا تخت بچھوا کر اس پر بیٹھ گئے پھر بلقیس کو محل کے اندر بلوایا گیا۔ جب وہ محل میں داخل ہو کر اندر آ گئی تو اس نے صحن کو پانی کا تالاب سمجھا۔ اور پھر پانی میں داخل ہونے کے لئے اپنے کپڑوں کو پنڈلیوں سے اوپر کر لیا۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان نے کہا کہ یہ پانی نہیں ہے بلکہ یہ صحن سفید شیشوں سے جڑا ہوا ہے۔ اس لئے کپڑے اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ آفتاب اور ستاروں کی چمک کو دیکھ کر ان کو خدا سمجھ لینا ایسا ہی فریب نظر ہے جیسا کہ آدمی شیشے کی چمک کو دیکھ کر پانی کا گمان کرے۔

شیشہ خود پانی نہیں تھا بلکہ پانی کا مظہر تھا اسی طرح سورج اور چاند نور الٰہی کا مظہر اور آئینہ ہیں۔ خدا نہیں (معاذ اللہ)

یہ دیکھ کر بلقیس فوراً بول اٹھی کہ اے میرے پروردگار اب تک میں بڑی خطاوار تھی کہ سورج کی پوجا کرتی رہی۔ اب میں کفر و شرک سے توبہ کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ہدایت و راہنمائی سے اللہ رب العالمین کی فرماں بردار ہوگئی ہوں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۷۳،۲۷۲/۵، روح المعانی ۲۰۶۔۲۱۰/۲۰)

حضرت صالح علیہ السلام کی بعثت

۴۵۔۴۷۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے قوم ثمود کی طرف بھی ان کے بھائی صالح کو (یہ حکم دے کر) بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو پھر بھی وہ دو فریق بن کر آپس میں جھگڑنے لگے۔ صالح نے کہا اے میری قوم تم نیکی سے پہلے برائی کی جلدی کیوں کرتے ہو۔ تم اللہ سے استغفار کیوں نہیں کرتے تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تو تم کو اور تمہارے ساتھ والوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ صالح نے کہا کہ تمہاری نحوست اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم تو فتنے میں پڑے ہوئے لوگ ہو۔

اِطَّيَّرْنَا: ہم نے منحوس سمجھا۔ ہم نے بدشگوں دیکھا۔ تَطَيُّرٌ سے ماضی۔

تُفْتَنُوْنَ: تم مبتلا کئے جاتے ہو۔ تم آزمائے جاتے ہو۔ فِتْنَةٌ وفُتُوْنٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر قوم ثمود کی طرف بھیجا گیا۔ قوم ثمود کو عاد دوم بھی کہتے ہیں۔ یہ لوگ عرب کے شمال مغربی حصے میں آباد تھے۔ عاد اول قوم ہود کو کہتے ہیں جو یمن کی جانب رہتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے لئے جاتے ہوئے آنحضرت ﷺ کا گزر قوم ثمود کے کھنڈرات پر ہوا۔

حضرت صالح نے اپنی قوم کو دعوت دی کہ وہ کفر و شرک چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت

کریں تو دین کے معاملے میں ان میں دو گروہ ہو گئے۔ ایک کافروں کا گروہ اور دوسرا مومنوں کا گروہ۔ یہ دونوں گروہ دین کے معاملے میں آپس میں جھگڑنے لگے۔

سورۂ اعراف میں ارشاد ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ○

(اعراف آیات ۷۵،۷۶)

متکبروں نے ضعیف لوگوں سے، جو ایمان لے آئے تھے، پوچھا کیا تم صالح کو اللہ کا رسول مانتے ہو؟ انہوں نے کہا بے شک ہم تو اس پر ایمان رکھتے ہیں جو کچھ وہ لیکر آئے ہیں۔ جو لوگ متکبر تھے وہ کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔

حضرت صالح نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے رحمت طلب کرنے کی بجائے عذاب مانگ رہے ہو۔ اللہ کا عذاب آنے سے پہلے تم اپنے کفر و شرک سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی کیوں نہیں طلب کرتے کہ تم پر رحم کیا جائے اور تمہاری توبہ قبول کر لی جائے۔ پھر جب عذاب آنکھوں کے سامنے آجائے گا۔ تو توبہ قبول نہیں ہوگی۔

قوم کے متکبرین و منکرین نے جواب دیا کہ ہمیں یقین ہے کہ ہماری تمام مصیبتوں اور پریشانیوں کا سبب آپ اور آپ کے ساتھی ہیں۔ جب سے آپ لوگوں نے یہ نیا مذہب نکالا ہے اسی وقت سے ہمارے اندر تفریق پیدا ہو گئی اور ہم پر پے در پے مصیبتیں نازل ہونے لگیں اور ہم بارش سے محروم ہو کر قحط میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے جواب میں حضرت صالح نے کہا کہ تمہاری ہر نیکی اور بدی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقدر ہے، کسی شگون سے کچھ نہیں ہوتا۔ میری اور میرے ساتھیوں کی وجہ سے تم پر کوئی مصیبت نہیں آئی بلکہ تم اپنے کفر و شرک کی بنا پر عذاب الٰہی میں مبتلا ہو۔ (ابن کثیر ۳/۳۶۷، مظہری ۱۲۰۔۱۲۱/۷)

نو فساد پھیلانے والے

۴۸۔۵۳۔ وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝
قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا

مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

اور شہر میں نو شخص تھے جو زمین میں فساد مچایا کرتے تھے اور اصلاح (کا کام) نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ باہم اللہ کی قسمیں کھاؤ کہ صالح اور اس کے گھر والوں پر ضرور شب خون ماریں گے۔ پھر ہم اس کے ولی سے کہہ دیں گے کہ ہم تو اس کے اہل کی ہلاکت کے وقت موجود ہی نہ تھے اور بیشک ہم سچے ہیں۔ اور انہوں نے ایک تدبیر کی تھی اور ہم نے بھی ایک ایسی تدبیر کی کہ ان کو خبر ہی نہ ہوئی۔ سو دیکھو کہ ان کے مکر کا کیسا (برا) انجام ہوا کہ ہم نے ان کو اور ان کی تمام قوم کو غارت کر دیا۔ پس یہ ہیں ان کے گھر جو ان کے ظلم کے سبب اجڑے پڑے ہیں۔ بلاشبہ اس میں ان کے لئے ایک بڑی نشانی ہے جو علم رکھتے ہیں اور ہم نے ان کو بچا لیا جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے۔

رَهْطٍ: شخص۔ آدمی۔ قوم۔ دس افراد سے کم کی جماعت۔ جمع رَهُوْطٌ۔
تَقَاسَمُوْا: تم آپس میں قسم کھاؤ۔ تَقَاسُمٌ سے امر۔
نُبَيِّتَنَّهٗ: ہم اس پر رات کے وقت حملہ کریں گے۔ تَبْيِيْتٌ سے مضارع۔
مَكَرُوْا: انہوں نے مکر کیا۔ انہوں نے تدبیر کی۔ مَكْرٌ سے ماضی۔
دَمَّرْنٰهُمْ: ہم نے ان کو ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ تَدْمِيْرٌ سے ماضی۔
خَاوِيَةً: گرے ہوئے۔ خالی۔ کھوکھلے۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قومِ ثمود کے شہر میں نو آدمیوں کا ایک گروہ تھا جو اس سرزمین پر فساد کرتا تھا۔ انہی لوگوں کے مشورے اور حکم سے حضرت صالح کی اونٹنی کی کونچیں کاٹی گئی تھیں۔ یہ لوگ صرف فساد اور تخریب کاری کرتے تھے۔ اصلاح کا کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ ان ہی لوگوں نے جمع ہو کر مشورہ کیا اور اللہ کی قسمیں کھا کر عہد کیا کہ رات کے وقت حضرت صالح اور ان کے گھر والوں کو قتل کر دو۔ پھر ہم ان کے وارثوں سے کہہ دیں گے کہ ہم تو جائے واردات پر موجود ہی نہ تھے ہمیں ان کے بارے میں کچھ بھی

معلوم نہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔ یہ حضرت صالح اور ان کے اہل خانہ کو قتل کرنے کے لئے مفسدین کی ایک خفیہ تدبیر تھی۔ اسی طرح ایک خفیہ تدبیر اللہ تعالیٰ نے کی جس کی ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ سو دیکھ لو کہ ان کی خفیہ تدبیر کا کیا انجام ہوا۔ ہم نے آسمان سے عذاب بھیج کر ان سب کو تباہ کر دیا۔

پس فساد پھیلانے والوں کے گھر ان کے ظلم کی وجہ سے اب خالی کھنڈر پڑے ہیں۔ بلاشبہ اہل علم کے لئے اس واقعے میں عبرت عظیمہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے پیغمبروں کی صداقت کی ایک بڑی نشانی ہے۔ ان میں سے جو لوگ کفر و معصیت ترک کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تھے ہم نے ان کو عذاب سے بچالیا۔ (مظہری ۱۲۰۔۱۲۲/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۹۲۔۱۹۵/ ۱۹)

قومِ لوط کا انجام

۵۴، ۵۸۔ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ اَىِٕنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۡ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَاۗءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

اور (ہم نے) لوط کو بھی (بھیجا تھا) جب لوط نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم بے حیائی کے کام کرتے ہو حالانکہ تم دیکھتے ہو۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو بلکہ تم تو جاہل قوم ہو۔ پھر اس کی قوم کا اور کوئی جواب نہ تھا سوائے یہ کہنے کے کہ آل لوط کو اپنی بستی سے نکال دو کیونکہ یہ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ پھر ہم نے لوط اور اس کے گھر والوں کو تو بچالیا سوائے اس کی بیوی کے۔ ہم اس کو پیچھے رہ جانے والوں میں سے ٹھہرا چکے تھے۔ اور ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسایا سو کیا ہی بری بارش تھی جو ان لوگوں پر ہوئی تھی جو خبردار کر دیئے گئے تھے۔

تشریح: ان آیتوں میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے بھی اپنی قوم کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا لیکن جب وہ اپنی بدفعلیوں سے باز نہ آئے تو ان کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ حضرت لوط، حضرت

ابراہیم کے بھتیجے اور ان کی نبوت کے تابع اور اہل سدوم کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تم دیدہ ودانستہ انتہائی بے حیائی کا کام کرتے ہو۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں میں رغبت رکھتے ہو۔ تم تو بالکل جاہل اور جانوروں سے بھی بدتر ہو۔ ایسی حرکات تو جانور بھی نہیں کرتے۔ حضرت لوط کی قوم کے پاس ان کی بات کا کوئی جواب نہ تھا اس لئے طنز یہ کہنے لگے کہ حضرت لوط اور ان کے کنبے والوں کو جو بڑے پاکیزہ بنتے ہیں اپنی بستی سے نکال دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط اور ان کے گھر والوں کو عذاب سے بچالیا سوائے ان کی بیوی کے جو ایمان نہیں لائی تھی وہ اپنی قوم کے ساتھ عذاب میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئی۔ سو ہم نے اس قوم پر پتھروں کی ایسی بارش برسائی جن پر ان کے نام کندہ تھے۔ پس ان لوگوں پر بہت ہی بری بارش ہوئی جن کو اللہ کے عذاب سے پہلے ہی خبردار کر دیا گیا تھا مگر وہ اپنی جہالت اور بے عقلی کی وجہ سے نبی کے خبردار کرنے کو خاطر میں نہ لائے۔ (مظہری ۱۲۲، ۱۲۳/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۹۶، ۱۹۷/ ۱۹)

توحید کا بیان

۵۹۔ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

(اے رسول ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہے۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جس نے اپنی قدرت سے کافروں کا قصہ تمام کر دیا اور اس کے نیک بندوں پر سلامتی ہو جن کو اس نے منتخب کر لیا اور جنہوں نے اس کی راہ میں تکلیفیں اٹھائیں۔

پھر فرمایا کہ مذکورہ واقعات میں غور کر کے بتاؤ کہ وہ خدا بہتر ہے جس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ اس نے اپنے انبیا و مرسلین کے دشمنوں کو عذاب بھیج کر ہلاک و برباد کر دیا اور اپنے انبیا اور ان کے متبعین کو اس عذاب سے محفوظ رکھا یا وہ بے جان بت جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور جو کسی قسم کے نفع و ضرر پر قادر نہیں۔

قدرتِ الٰہی کے مظاہر

۶۰۔ اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَاَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمۡ اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ؕ

بھلا کس نے آسمان وزمین بنائے اور (کس نے) تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر اس سے ہم نے پر رونق (تروتازہ) باغ اگائے۔تمہارے لئے (ممکن) نہ تھا کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگاتے ۔کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔ بلکہ وہی لوگ کج روی کر رہے ہیں

حَدَائِقَ: باغات۔وہ باغ جس کی چاردیواری بنی ہوئی ہو۔واحد حَدِیْقَةٌ۔

بَهْجَةٌ: خوبی۔رونق۔تازگی۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں مشرکین ومنکرین نبوت کے انجام بد کا ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قہر کی نشانی تھی۔آئندہ آیتوں میں مشرکین کی تہدید کے لئے آثار قدرت اور دلائل توحید کا ذکر ہے۔

جس ذات نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ہمارے لئے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس پانی سے خوشنما اور بارونق باغ اگائے،صرف وہی ذات عبادت کے لائق ہے۔ یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کو پوجتے ہیں وہ تو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ یہ تو سب مل کر بھی ایک مکھی پیدا نہیں کر سکتے۔یہی نہیں بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے تو یہ اس کو مکھی سے واپس بھی نہیں لے سکتے۔ ایسے مجبور و عاجز بت عبادت کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں۔عبادت انتہائی تذلل کا نام ہے۔اس لئے عبادت صرف اس ذات کی ہونی چاہئے جو انتہائی درجہ میں کامل اور بااختیار ہو۔کسی ناقص یا عاجز مخلوق کو معبودیت میں خالق کے برابر کردینا انتہائی ظلم اور ہٹ دھرمی ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہاری قدرت میں تو صرف یہ ہے کہ تم زمین میں بیج ڈال دو۔اس بیج سے درخت کو اگانا اور اس کی نشو نما پر تمہیں ایک ذرہ برابر بھی قدرت نہیں۔درختوں، پھلوں اور پھولوں میں جو عجیب عجیب صنعتیں ہیں ان کا تو تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔پس جس اللہ کی یہ شان ہے اس کی الوہیت میں کوئی اور شریک نہیں ہوسکتا۔

زمین کو جائے قرار بنانا

۶۱۔ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ
وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

بھلا وہ کون ہے جس نے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ بنایا اور اس میں نہریں جاری کیں اور اس (زمین) کے (ٹھہرانے) کے لئے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان ایک حد فاصل بنائی۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے بلکہ ان میں سے اکثر (کچھ) جانتے ہی نہیں۔

خِلٰلَهَا: اس کے درمیان۔

رَوَاسِيَ: جمے ہوئے۔ پہاڑ۔ بوجھ۔ واحد رَاسِيَةٌ۔

حَاجِزًا: روکنے والا۔ پردہ۔ حَجْزٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے زمین کو ٹھہری ہوئی، ساکن اور جمے ہوئے فرش کی مانند بنا دیا تاکہ انسان، چوپائے اور دوسری مخلوق آرام وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکے۔ یہ نہ کسی طرف جھکتی ہے اور نہ ہلتی اور کانپتی ہے۔ اگر یہ ہلتی اور کانپتی رہتی تو اس پر کوئی جاندار زندگی نہ بسر کر سکتا۔ پھر اس نے زمین کے اندر پانی کے دریا جاری کر دیئے جو ادھر سے ادھر بہتے رہتے ہیں اور ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچ کر زمین کو سیراب کرتے رہتے ہیں تاکہ زمین سے کھیت اور باغ وغیرہ اگیں۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو ساکن رکھنے کے لئے اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ وہ اپنی جگہ پر قائم اور ٹھہری رہے۔

اسی نے دو دریاؤں کے درمیان ایک حد فاصل بنا دی تاکہ ایک کا پانی دوسرے کے پانی سے نہ ملنے پائے حالانکہ ایک کا پانی میٹھا اور دوسرے کا کھاری ہے۔ مگر دونوں آپس میں نہیں ملتے۔ ہر ایک اپنے اپنے فوائد دے رہا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہے جس نے یہ کام کئے ہوں یا کر سکتا ہو۔ جب کوئی اور ایسا نہیں ہے تو پھر اللہ کے سوا عبادت کے لائق بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ اکثر لوگ محض بے علمی سے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ عبادت کے لائق صرف وہی ایک ذات ہے۔ (ابن کثیر ۳/۳۷۰)

مضطر کی دعا قبول کرنے والا

۶۲۔ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

بھلا کون ہے جو بیقرار کی دعا قبول کرتا ہے اور (اس کی) مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔ تم لوگ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

مُضْطَرٌّ: مضطر۔ بیقرار۔ بے بس۔ اِضْطِرَارٌ سے اسم مفعول۔ مضطر اس شخص کو کہتے ہیں جو ایسی شدید مصیبت میں مبتلا ہو جس سے بظاہر نہ نکل سکتا ہو اور نہ اس پر صبر کر سکتا ہو۔

يَكْشِفُ: وہ کھولتا ہے۔ وہ دور کرتا ہے وہ ہٹاتا ہے۔ كَشْفٌ سے مضارع۔

السُّوْءَ: برائی۔ گناہ۔ آفت۔ مصیبت

تشریح: جب ظاہری اسباب تمہیں جواب دے دیتے ہیں اور تم بالکل عاجز و بے بس ہو جاتے ہو تو اس وقت تم اپنی سختیوں اور مصیبتوں میں جس ذات کو پکارتے ہو وہی تمہارا حقیقی خدا ہے، وہی تمہاری سختیوں اور پریشانیوں کو دور کرتا ہے، وہی تمہیں اسلاف کا جانشین بناتا ہے اور ان کے بعد زمین کو تمہارے تصرف میں دے دیتا ہے۔ اس طرح ایک قوم کے بعد دوسری قوم پیدا کرتا رہتا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہے جو کسی کی بیماری، پریشانی، سختی اور تنگی وغیرہ دور کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ جب کوئی اور ایسا نہیں ہے تو پھر عبادت کے لائق بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا مگر تم لوگ بہت ہی کم یاد رکھتے ہو۔

ستاروں کے ذریعے راہنمائی کرنے والا

۶۳۔ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

وہ کون ہے جو تمہیں خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور کون اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری (دینے والی) ہوائیں بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے۔ اللہ بہت بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین میں ایسی نشانیاں رکھ دی ہیں کہ جب کوئی شخص رات کے وقت خشکی یا سمندر میں راستہ بھول جاتا ہے تو وہ ان کو دیکھ کر صحیح راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وعلاماتٍ ط وَبالنَّجمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ٥ (النحل آیت ۱٦)

اور (راہ ہدایت کی) بہت سی نشانیاں بنائیں اور لوگ ستاروں سے بھی راستہ معلوم کرتے ہیں۔

وَهُوالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ٥ (الانعام ۹۷)

اور اسی نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم ان کے ذریعہ بحر و بر کی تاریکیوں میں راستہ پاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے سوا وہ کون ہے جو باران رحمت سے پہلے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلاتا ہے جو بارش کے آنے کی خوشخبری دیتی ہیں۔ ان کو دیکھ کر لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ اب اللہ تعالیٰ کی رحمت برسے گی۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی ایسا ہے جو سمندر کی تاریکیوں میں ستاروں کے ذریعے تمہاری راہنمائی کر کے یا ٹھنڈی ہوائیں چلا کر بارش کی آمد کے بارے میں تمہیں مطلع کرے۔ جب کوئی اور ایسا نہیں تو پھر عبادت کے لائق بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں پس اللہ تعالیٰ اس سے بلند و برتر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو۔

مبدا و معاد اور حشر و نشر

۶۴۔ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝

بھلا وہ کون ہے جو مخلوق کو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور کون تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔

تشریح: اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے مخلوقات کو نمونے کے بغیر پیدا کرتا ہے۔ وہی ان کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرے گا۔ جب تم اسے پہلی بار پیدا کرنے پر قادر مانتے ہو تو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر کیوں نہیں مانتے؟ دوسری دفعہ پیدا کرنا تو اس کے لئے بہت آسان ہے۔ آسمان سے پانی برسانا،

زمین سے اناج اگانا اور تمہاری روزی کا سامان کرنا یہ سب اسی کے کام ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ۝ (سبا آیت ۲)

وہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں جائے اور جو اس سے باہر آئے اور جو آسمان سے اترے اور جو اس پر چڑھے۔

یقیناً ان تمام چیزوں میں عقل والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود بنانے کے دعوے میں سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

غیب کا جاننے والا

۶۵۔۶۶۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ ۚ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا ۖ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ آسمانوں اور زمین میں رہنے والا اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کی بات نہیں جانتا اور ان کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ کب دوبارہ زندہ کئے جائیں گے بلکہ آخرت کے بارے میں تو ان کا علم تھک کر رہ گیا ہے بلکہ یہ لوگ تو اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ وہ تو اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں کو بتا دیجئے کہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نہ فرشتے جانتے ہیں اور نہ جن اور انسان۔ غیب سے مراد وہ چیز ہے جو حواس کی رسائی سے باہر ہو۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ إِلَّا هُوَ (الانعام آیت ۵۹)

غیب کی کنجیاں اسی کے پاس میں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کل کی بات جانتے تھے، اس نے اللہ تعالیٰ پر بہتان عظیم باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین و آسمان والوں میں سے کوئی بھی غیب کی بات جاننے والا نہیں۔

پھر فرمایا کہ مخلوق کو تو یہ بھی علم نہیں کہ ان کا حشر کب ہوگا اور قبروں سے مردے کب اٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم گم ہو چکا ہے یعنی ان کو تو یہی خبر نہیں کہ آخرت کیا ہے۔ وہ تو آخرت کے بارے میں شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں اور قیامت کی طرف سے بالکل اندھے بنے ہوئے ہیں۔ (ابن کثیر ۳/۳۷۲،۳۷۳)

مکذبین کا انجام

۶۷۔۷۰۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۝ لَقَدْ
وُعِدْنَا ھٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ ۙ اِنْ ھٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝
قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۝ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ۝

کافروں نے کہا کہ جب ہم اور ہمارے باپ دادا (مرکر) مٹی ہو گئے تو کیا پھر بھی ہم (قبروں سے) نکالے جائیں گے۔ تحقیق یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے بہت پہلے سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین پر چل کر پھر کر تو دیکھو کہ مجرموں کا کیا انجام ہوا۔ اور آپ ان (کے احوال) پر غمگین نہ ہوں اور نہ ان کی فریب کاریوں سے تنگ دل ہوں۔

تُرٰبًا: مٹی۔ خاک۔

اَسَاطِيْرُ کہانیاں۔ بے سند باتیں۔ من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَۃٌ۔

ضَيْقٍ: تنگ دل ہونا۔ تنگ ہونا۔ مصدر ہے۔

يَمْكُرُوْنَ: وہ مکر کرتے ہیں، وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں۔

تشریح: منکرین قیامت اب تک نہیں سمجھ سکے کہ مرنے کے بعد گلنے سڑنے اور مٹی ہو جانے پر ان کو دوبارہ کیسے پیدا کر دیا جائے گا۔ وہ اس پر سخت متعجب ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اگلے زمانوں سے یہ سنتے تو چلے آرہے ہیں لیکن ہم نے آج تک نہ دیکھا نہ سنا کہ کوئی مردہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہوا ہو اور اس کو سزا ملی ہو۔ یہ سب اگلے لوگوں کی داستانیں ہیں۔ ان سے جو وعدے کئے گئے

تھے وہی نقل ہوتے چلے آرہے ہیں۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لیں کہ رسولوں کی تکذیب کرنے والوں اور قیامت کا انکار کرنے والوں کا کیسا دردناک انجام ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے منکرین و مکذبین کو ہلاک و برباد کر دیا اور اپنے نبیوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچا لیا۔ یہی نبیوں کی سچائی کی دلیل ہے۔ اے نبی ﷺ یہ لوگ آپ کو اور آپ کے کلام کو جھٹلاتے ہیں سو آپ کو ان کی تکذیب اور مکروفریب اور انکار پر رنج و غم کرنے اور تنگ دل ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، آپ ان کو سمجھا کر برائی کے انجام سے خبردار کر کے الگ ہو جائیے۔ آپ کا رب ان ہٹ دھرم لوگوں سے خود نبٹ لے گا۔ جس طرح اس نے پہلے مجرموں کو سزائیں دی ہیں اسی طرح وہ ان کو بھی سزا دے گا۔ (عثمانی ۲/۲۵۵، مواہب الرحمٰن ۹، ۱۰/۲۰)

منکرین کا عذاب طلب کرنا

۷۱۔۷۵، وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ رَدِفَ لَكُم بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ۝ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ۝

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ کیا عجب ہے کہ جس (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو وہ قریب ہی آ پہنچا ہو۔ اور البتہ آپ کا رب تو لوگوں پر بڑا فضل کرتا ہے لیکن ان میں سے اکثر شکر (بھی) نہیں کرتے۔ اور البتہ آپ کا رب جانتا ہے جو کچھ ان کے سینوں میں چھپا ہوا ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں، اور آسمان اور زمین کی کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں نہ ہو۔

رَدِفَ: وہ پیچھے لگا۔ رَدْفٌ سے ماضی۔

تُكِنُّ: وہ پوشیدہ رکھتی ہے۔ وہ چھپاتی ہیں۔ اِكْنَانٌ سے مضارع۔

يُعْلِنُونَ: وہ علانیہ کرتے ہیں۔ وہ ظاہر کرتے ہیں اِعْلَانٌ سے مضارع۔

تشریح: منکرین چونکہ قیامت پر یقین نہیں رکھتے تھے اس لئے وہ جرأت اور دلیری کے ساتھ کہتے تھے کہ وہ عذاب کا وعدہ کہاں ہے اور قیامت کب آئے گی۔ اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو اس کو پورا کر کے دکھاؤ۔ اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ جس عذاب کو طلب کرنے میں تم جلدی کر رہے ہو وہ آ کر رہے گا اور کچھ بعید نہیں کہ اس کا کچھ حصہ بلا مہلت فوراً تمہیں پہنچ جائے۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عذاب میں تاخیر کرتا ہے تا کہ منکرین کو توبہ کا موقع مل جائے۔ اسی لئے اس نے اہل مکہ پر عذاب نازل کرنے میں جلدی نہیں کی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ منکرین اس مہلت کو غنیمت سمجھتے اور اس کی مہربانیوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کرتے۔ اس کے برعکس وہ ناشکری بھی کرتے ہیں اور اپنے منہ سے عذاب بھی مانگتے ہیں۔

اے محمد ﷺ آپ کا رب خوب جانتا ہے اس عداوت کو جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور وہ اس تکذیب و انکار کو بھی خوب جانتا ہے جو وہ ظاہر کرتے ہیں، وہ ان کو سزا ضرور دے گا۔ عذاب میں تاخیر کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپی ہوئی ہے بلکہ عذاب میں تاخیر حکمت و مصلحت کی بنا پر ہے۔ وہ حلیم و کریم ہے۔ وہ عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ اور آسمان و زمین کی کوئی چھپی ہوئی بات ایسی نہیں جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی نہ ہو۔ جو عذاب ابھی تک ان کی نظروں سے پوشیدہ ہے وہ بھی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر ضرور آئے گا۔ (روح المعانی ۱۶۔۱۷/۲۰، عثمانی ۲/۲۵۵)

بنی اسرائیل کے اختلافات کا فیصلہ

۷۶۔۷۹۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۝

یقیناً یہ قرآن بنی اسرئیل کو وہ باتیں سناتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور البتہ یہ (قرآن) مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ یقیناً آپ کا رب ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا اور وہ زبردست (اور) علم والا ہے۔ سو (اے نبی) آپ بھی اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے یقیناً آپ صریح حق پر ہیں،

تشریح: اس قرآن کے جو آنحضرت ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل پر ان اکثر باتوں کی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ کلبی کا بیان ہے کہ اہل کتاب کا بعض مذہبی باتوں میں باہم اختلاف تھا اس لئے ان کے مختلف فرقے بن گئے تھے اور ہر فرقہ دوسرے پر طعن کرتا تھا۔ قرآن کریم نے آکر ان کے اختلافی مسائل کو بیان کر دیا اور جو صحیح بات تھی وہ ظاہر کر دی ۔ چونکہ مومن اس قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اس لئے یہ مومنوں کے لئے ہدایت و رحمت اور موجب خیر و برکت ہے کہ اس پر ایمان لانے والے کو عذاب الٰہی سے نجات ملتی ہے۔

بیشک قیامت کے دن آپ کا رب بنی اسرائیل کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا۔ اور وہی غالب ہے۔ اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جس بات کا فیصلہ کرتا ہے اس کی حقیقت وحکمت سے خوب واقف ہے سو آپ اللہ ہی پر بھروسہ رکھئے اور ان کی عداوت ومخالفت کی پرواہ نہ کیجئے۔ یقیناً آپ واضح طور پر حق پر ہیں اور یہ لوگ صریح باطل پر ہیں۔ (مظہری ۱۲۹/ ۷)

کفار کی مثال

۸۰۔۸۱۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْىِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو، ان کی گمراہی دور کر کے ہدایت کر سکتے ہیں۔ آپ تو صرف ان ہی کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، سو وہی فرماں بردار ہیں۔

تشریح: اس آیت میں کافروں کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح مُردوں کو قرآن سنانے سے کوئی فائدہ نہیں ۔ اسی طرح ان کافروں کو قرآن سنانے سے کوئی فائدہ نہیں، اگر بالفرض یہ لوگ مردہ نہ بھی ہوں تو بہرے تو ضرور ہیں اور آپ کسی بہرے کو بھی نہیں سنا سکتے جب کہ وہ پشت پھیر کر چل دے۔ بہرا سنتا تو نہیں لیکن اشارے سے سمجھ سکتا ہے مگر جب وہ پیٹھ پھیر کر بھاگے تو اشارے سے بھی نہیں سمجھ سکتا۔ آپ اندھوں کو بھی ان کی گمراہی سے نکال کر سیدھا راستہ نہیں دکھا سکتے ۔ اللہ تعالیٰ نے

جس کے دل کو اندھا کر دیا ہے اس کو ایمان کا رستہ دکھائی نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کو آپ کا قرآن سنانا بھی کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ آپ کا قرآن سنانا تو صرف ان لوگوں کے لئے فائدہ مند ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔　　(مظہری ۱۳۰/۷، روح المعانی ۱۹۔۱۲/۲۰)

علاماتِ قیامت

۸۲۔ وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

اور جب ان پر (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا تو ان کے لئے ہم زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے کلام کرے گا۔ (اس لئے) کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور کمال علم کا بیان اور امکان حشر و امکان قیامت کا اثبات تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کا ذکر تھا۔ اس آیت میں قیامت کی بعض علامتوں کا ذکر ہے کہ قیامت کے قریب جب یہ منکرین اپنے عناد و سرکشی میں اس حد تک پہنچ جائیں گے کہ کوئی وعظ و نصیحت ان کے حق میں کارگر نہیں ہوگی اور ان پر حجت پوری ہو جائے گی تو اس وقت زمین سے ایک جانور نکلے گا جو ان لوگوں سے انسان کی طرح کلام کرے گا۔ جو بات یہ لوگ پیغمبروں کے کہنے سے نہیں مانتے تھے اب وہی بات ایک جانور کی زبانی ماننی پڑے گی مگر اس وقت کا ماننا کچھ نفع نہ دے گا۔

دابۃ الارض سے ایک جانور مراد ہے جو قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد مکہ مکرمہ کی سرزمین سے نکلے گا۔ اس کے پاس ایک مہر ہوگی جس سے وہ مومن کی پیشانی پر سفید نشان لگائے گا اور کافر کی پیشانی پر سیاہ داغ لگائے گا۔ اس نشان کے بعد مومن اور کافر ظاہر ہو جائیں گے۔

مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چھ چیزوں کے آنے سے پہلے نیک اعمال کرلو، ۱۔ دھوئیں کا آنا، ۲۔ دجال کا آنا، ۳۔ دابۃ الارض کا آنا، ۴۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، ۵۔ تم میں سے ہر ایک کا خاص امر، ۶۔ تم میں سے ہر ایک کا عام امر۔

(ابن کثیر ۳۷۴۔۳۷۶/۳، معارف القرآن مولانا کاندھلوی ۲۸۹۔۲۹۰/۵)

مکذبین سے باز پرس

۸۶،۸۳ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُكَذِّبُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ۝
حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوا قَالَ أَكَذَّبْتُم بِآيَاتِي وَلَمْ تُحِيطُوا بِهَا عِلْمًا أَمَّاذَا كُنتُمْ
تَعْمَلُونَ ۝ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنطِقُونَ ۝ أَلَمْ
يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان لوگوں کے ایک گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے۔ پھر وہ صف بستہ کھڑے کردے جائیے گے یہاں تک کہ جب سب حاضر ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا تم نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا؟ حالانکہ تمہیں ان کا پورا علم بھی نہ تھا بلکہ (یاد کرو کہ تم) اور کیا کیا کام کرتے رہے اور ان کے ظلم کے سبب ان پر الزام قائم ہو جائے گا۔ پھر وہ بات بھی نہ کر سکیں گے۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے سکون کے لئے رات اور دیکھنے کے لئے دن بنایا۔ یقیناً اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

یُوْزَعُوْنَ: ان کو روکا جاتا ہے۔ ان کی ٹولیاں بنائی جاتی ہیں۔ وضعٌ سے مضارع مجہول۔

مُبْصِرًا: دکھانے والا۔ روشنی والا۔ اِبْصَارٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب ہر امت میں سے ہم ان لوگوں کا ایک گروہ جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے۔ پھر ان سب تکذیب کرنے والوں کو روک کر ایک جگہ جمع کیا جائے گا تاکہ سب جماعتیں ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ جب سب گروہ میدان حشر کی طرف آجائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا کہ کیا تم نے سوچے سمجھے بغیر ہی میری آیتوں کو جھٹلانا شروع کر دیا تھا اور تم نے آیتوں کی حقیقت پر غور نہیں کیا تھا۔ اب بتاؤ تو تم کیا کرتے تھے۔ سوائے تکذیب کے تمہارا کام ہی کیا تھا۔ پھر ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب واقع ہو جائے گا اور وہ کچھ بول بھی نہیں سکیں گے۔

کیا ان منکرین نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا تاکہ لوگ اس میں آرام کریں اور

دن کو روشن بنایا تا کہ یہ لوگ اس میں اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کریں ۔ یہ رات میں سونا اور آرام کرنا موت کا نمونہ ہے اور صبح کو بیدار ہونا موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی مانند ہے ۔ یہ لوگ روزانہ حشر و نشر کا نمونہ دیکھنے کے بعد بھی حشر کا انکار کرتے ہیں ۔ پس جو خدا روشنی کے بعد اندھیرا اور اندھیرے کے بعد روشنی لانے پر قادر ہے وہ بلاشبہ مُردوں کے دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے ۔ بلا شبہ دن رات کے اس طرح آنے جانے میں ان لوگوں کے لئے حشر و نشر کی بڑی نشانیاں ہیں جو ایمان رکھتے ہیں ۔ (مظہری ۱۳۴،۱۳۵/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۸۔۲۰/ ۲۰)

روزِ حشر کے احوال

۸۷۔۹۰۔ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ۝ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جس روز صور پھونکا جائے گا تو وہ سب گھبرا جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اس کے جس کو اللہ (اس ہول سے بچانا) چاہے اور سب اس کے سامنے عاجزی سے حاضر ہو جائیں گے ۔ اور تو پہاڑوں کو اپنی جگہ جما ہوا خیال کر رہا ہے حالانکہ وہ بادلوں کی طرح اڑے اڑے پھریں گے ۔ اللہ کی صنعت (کاری گری) ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا ہے یقیناً وہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو ۔ جو شخص نیک اعمال لائے گا اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور وہ اس دن کی گھبراہٹ سے مامون رہیں گے ۔ اور جو برائی لے کر آئیں گے تو وہ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے ۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تمہیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے ۔

فَزِعَ: وہ گھبرا گیا ۔ وہ ڈر گیا ۔ فَزَعٌ سے ماضی ۔

دٰخِرِیْنَ : ذلیل ہونے والے۔جھکنے والے۔دُخُوْرٌ سے اسم فاعل۔

جَامِدَۃً : جمی ہوئی۔ٹھہری ہوئی۔جُمُوْدٌ سے اسم فاعل۔

اَتْقَنَ : اس نے مضبوط کیا۔اس نے درست کیا۔اِتْقَانٌ سے ماضی۔

کُبَّتْ : وہ اوندھی ڈالی گئی۔وہ منہ کے بل ڈالی گئی کَبٌّ سے ماضی مجہول۔

تشریح: آپ ان منکروں کو اس دن کے بارے میں بھی بتا دیجئے جس کا آغاز صور پھونکنے سے ہوگا جس کی شدت اور ہول سے آسمان کے فرشتے اور زمین کے باشندے گھبرا جائیں گے مگر جس کو اللہ چاہے گا وہ اس گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا۔

جمہور علما کہتے ہے کہ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔جب پہلی دفعہ پھونکا جائے گا تو ابتدا میں اس کی آواز آہستہ ہوگی۔پھر شدید ہوتی جائے گی اسی کا نام نفخۂ فزع ہے۔اس کا اثر آسمان و زمین کی تمام مخلوق پر ہوگا۔اس کی آواز سے سب گھبرا جائیں گے۔پھر جب یہ نفخہ دراز ہوگا تو ایسی شدت اختیار کرلے گا کہ جو زندہ ہوں گے وہ گھبرا کے مر جائیں گے اور جو مر چکے ہیں ان کی روحیں بے ہوش ہو جائیں گی۔اسی کا نام نفخۂ صعق ہے۔

کچھ عرصے کے بعد دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔اس سے تمام مردے زندہ ہو جائیں گے اور سب عاجزی کے ساتھ ایک ایک کر کے اللہ کے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔یہ حاضری حساب وکتاب کے لئے ہوگی۔اس دن نفخۂ فزع کے وقت انسان پہاڑوں کو دیکھ کر خیال کرے گا کہ وہ اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ بادلوں کی طرح تیز رفتاری سے چل رہے ہوں گے۔یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر چیز کو مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے پس جو خدا پہاڑوں کو مضبوط بنانے پر قادر ہے وہ ان کو اکھاڑنے پر بھی قادر ہے۔بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے۔وہ ہر فرماں بردار اور نافرمان کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

اس دن جو شخص ایمان و عمل صالح لے کر آئے گا اس کو اس کی نیکی سے بہتر اجر ملے گا اور وہ روز قیامت کی گھبراہٹ سے محفوظ و مامون ہوگا لیکن اس روز جو شخص کفر و شرک لے کر آئے گا تو اس کو اوندھے منہ آگ میں ڈال دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ تجھے ان ہی اعمال کی سزا دی جارہی ہے جو تو دنیا میں کرتا تھا۔

(مواہب الرحمٰن ۲۰،۲۴/۲۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۲۹۲، ۵/۲۹۳)

آپ ﷺ کو عبادت وتلاوت قرآن کا حکم

۹۱۔۹۳۔ إِنَّمَآ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ رَبَّ هَٰذِهِ ٱلْبَلْدَةِ ٱلَّذِى حَرَّمَهَا وَلَهُۥ كُلُّ شَىْءٍ
وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ۝ وَأَنْ أَتْلُوَا ٱلْقُرْءَانَ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا
يَهْتَدِى لِنَفْسِهِۦ ۖ وَمَن ضَلَّ فَقُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ ۝ وَقُلِ ٱلْحَمْدُ
لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ ءَايَٰتِهِۦ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے اس رب کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں۔ اور یہ کہ میں قرآن کی تلاوت کرتا رہوں۔ پھر جو کوئی راہِ راست پر آئے گا تو وہ اپنے ہی (فائدے کے) لئے راہِ راست پر آئے گا اور جو کوئی گمراہ رہے گا تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والوں میں سے ہوں اور آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ وہ عنقریب تمہیں اپنی نشانیاں دکھائے گا۔ سو تم ان کو پہچان لو گے اور آپ کا رب ان کاموں سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ میں تو اس مکہ شہر کے پروردگار کی عبادت کرتا رہوں گا، جس نے اس حرم کو محترم ٹھہرایا ہے۔ یہ مکمل طور پر امن کا مقام ہے۔ یہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، نہ کسی کا خون بہایا جاتا ہے، نہ کسی کو لوٹا جاتا ہے، نہ کسی جانور کا شکار کیا جاتا ہے۔ نہ یہاں کے درخت اور گھاس کاٹنے کی اجازت ہے۔ ہر چیز اسی کی مخلوق و مملوک ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ کا فرماں بردار بن کر رہوں اور برابر قرآن کی تلاوت کرتا رہوں اور میں مسلسل اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچاتا رہوں۔ پھر جو کوئی میری ہدایت و راہنمائی سے راہ راست پر آ جائے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کرے گا۔ اور جو شخص راہ ہدایت بتانے کے بعد بھی گمراہ رہے تو آپ اس کو بتا دیجئے کہ میں تو صرف خبردار کرنے والا ہوں۔ کسی کی گمراہی کا وبال مجھ پر نہیں پڑے گا۔

آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھے منصب رسالت پر فائز فرمایا اور اپنا پیغام پہنچانے کی توفیق دی۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد تمہیں اپنی قدرت اور میری نبوت کی

نشانیاں دکھا دے گا۔ اس وقت تم ان آیات کو پہچان لوگے جن کا تم اب انکار کر رہے ہو لیکن اس وقت پہچاننے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اے نبی ﷺ! آپ کا پروردگار ان کے کسی عمل سے بے خبر نہیں جو یہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ القصص

وجہ تسمیہ: اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مختلف واقعات اور قارون کا واقعہ مذکور ہے اس لئے اس کا نام سورۃ قصص ہوگیا۔ اس کا نام سورۃ موسیٰ بھی ہے۔

تعارف: اس سورت میں ۹ارکوع۔ ۸۸ آیتوں ۱۴۵۴ کلمات اور ۶۰۱۱ حروف ہیں۔

حسن، طاؤس، عطا اور عکرمہ کے مطابق پوری سورت مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت کے وقت نازل ہوئی۔ مقاتل کہتے ہے کہ **اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ** ..... **لَانَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ** تک چار آیات مدنی ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ مذکورہ آیتیں ہجرت کے موقع پر **جُحْفَةُ** میں نازل ہوئیں۔ اور جو آیت **جُحْفَةُ** میں نازل ہوئی وہ نہ مکیہ ہے اور نہ مدنیہ، شیخ جلال الدین محلی کہتے ہیں کہ آیت **اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ** اور مذکورہ بالا چار آیتیں ہجرت کے موقع پر جحفہ میں نازل ہوئیں۔

سورۃ کے شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ پہلے اجمالاً مذکور ہے۔ پھر اس کا تفصیلی بیان ہے، پھر توحید کے دلائل کا ذکر ہے۔ آخر میں قارون کا قصہ ہے تاکہ لوگ ان واقعات سے عبرت پکڑیں۔ (روح المعانی ۲۰/۱۴، مواہب الرحمٰن ۲۰/۲۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۹۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حضرت موسیٰ کے واقعے کا مفصل بیان۔ اللہ کے حکم سے حضرت موسیٰ کو صندوق میں رکھ کر

دریا میں بہا دینا اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی بے قراری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قبطی کا واقعہ اور حضرت موسیٰ کا مصر سے نکلنا مذکور ہے۔

رکوع ۳: حضرت موسیٰ کی مدین کی طرف روانگی اور حضرت شعیب کے ساتھ حضرت موسیٰ کا معاہدہ۔

رکوع ۴: معاہدہ کی تکمیل پر حضرت موسیٰ کی مدین سے مصر واپسی۔ راستے میں کوہ طور پر اللہ سے ہم کلامی اور لاٹھی اور ید بیضا کے معجزے عطا ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ سے غلبے و نصرت کا وعدہ، فرعون کا انکار اور اس کا اور اس کی قوم کا انجام مذکور ہے۔

رکوع ۵: حضرت موسیٰ کو توریت کا ملنا، رسالت محمد یہ کا اثبات اور مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔

رکوع ۶: مومنوں کے دہرے اجر اور ہدایت و توفیق کا بیان ہے۔ پھر تکبر کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۷: دنیا کے منافع، مشرکین کا انجام، اللہ کا اختیار و علم محیط اور اللہ کی نعمتوں کا بیان ہے۔ آخر میں مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

رکوع ۸: قارون کا واقعہ، اہل مال و قوت کا انجام اور قارون کے ٹھاٹھ باٹھ پر دنیا داروں کا رشک مذکور ہے۔ آخر میں قارون کے عبرتناک انجام کا بیان ہے۔

رکوع ۹: آخرت کی نعمتوں کے مستحق لوگ۔ اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ طٰسٓمّٓ ۝ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا اجمالی بیان

۲۔۳۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔ ہم آپ کے سامنے ایمان دار لوگوں کے (فائدے کے) لئے موسیٰ اور فرعون کا صحیح حال بیان کرتے ہیں۔

تشریح: یہ اس کتاب کی آیتیں ہیں جو واضح، جلی، صاف اور روشن ہے۔ حقائق و معارف کو ظاہر

کرنے والی ہے اور اس میں گزشتہ اور آئندہ کی خبریں ہیں۔

اے نبی ﷺ ہم آپ کے سامنے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا سچا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ یہ واقعہ ان لوگوں کی ہدایت وعبرت اور فائدے کے لئے ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔ اس واقعے کو سننے سے ایمانداروں کے ایمان میں پختگی پیدا ہوگی۔ البتہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کو اس کے سننے میں کوئی فائدہ نہیں۔ (ابن کثیر، ۳/۳۷۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا تفصیلی بیان

۴-۶۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَىِٕمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ۝

یقیناً فرعون زمین پر سرکش ہوگیا تھا اور اس نے وہاں کے لوگوں کے کئی گروہ بنا رکھے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کر رکھا تھا کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ یقیناً وہ تھا ہی مفسدوں میں سے۔ اور ہم یہ چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جن کو ملک میں کمزور کیا گیا تھا اور ان کو سردار بنادیں اور ان کو (ملک کا) وارث (مالک) بنادیں اور ان کو زمین میں حکومت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس کا ان کو خطرہ تھا۔

علا: اس نے چڑھائی کی۔ اس نے سرکشی کی۔ اس نے تکبر کیا۔ عُلُوٌّ سے ماضی۔

شیعًا: فرقے۔ گروہ۔ مددگار۔ واحد شِیْعَةٌ۔

طائفةٌ: گروہ۔ جماعت۔ طوف سے اسم فاعل۔

یستحیی: وہ زندہ رکھتا ہے۔ اِسْتِحْیَاءٌ سے مضارع۔

نمنّ: ہم احسان کریں گے۔ منٌّ سے مضارع۔

نُمَکِّنَ: ہم قدرت دیتے ہیں۔ہم جگہ دیتے ہیں۔ہم حکومت دیتے ہیں۔تَمْکِیْنٌ سے مضارع۔

یَحْذَرُوْنَ: وہ ڈرتے ہیں۔وہ بچتے ہیں۔حَذْرٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا نہایت اجمالی ذکر تھا۔اب یہاں سے اس واقعے کا تفصیلی بیان ہے کہ فرعون ایک متکبر، سرکش اور بد دماغ انسان تھا۔اس نے وہاں کے باشندوں پر اپنا تسلط جما رکھا تھا اور ان میں تفریق پیدا کر کے ان کے مختلف گروہ بنا دئیے تھے۔ان کے ایک گروہ بنی اسرائیل کو اس حد تک کمزور و بے بس کر رکھا تھا کہ وہ ان سے بے گار لیتا تھا اور ان کے لڑکوں کو ذبح کر دیتا تھا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا کہ ان سے خدمت لے۔واقعی وہ بد بخت بڑا مفسد تھا۔

غرض فرعون اسی فکر میں تھا کہ بنی اسرائیل کو فنا کر دے یہاں تک کہ ان کا نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ادھر ہمارا ارادہ یہ تھا کہ سرزمین مصر میں جن لوگوں کو کمزور سمجھا جا رہا تھا ہم ان پر اپنا فضل اور احسان کریں اور ان کو دین کا پیشوا بنائیں، دنیا میں ملک وسلطنت کا وارث بنائیں اور ان کو زمین میں قدرت واختیار دیدیں اور جس ایک بچے کی خاطر انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بے گناہ بچوں کا ناحق خون بہایا تھا اللہ تعالیٰ نے اس بچے کو اسی کی گود میں پروان چڑھایا اور اسی کے ہاتھوں اس کا اور اس کے لشکر کا اور اس کے ملک ومال کا خاتمہ کرا دیا۔　(ابن کثیر ۳۷۹، ۳۸۰/۳، مظہری ۱۴۲، ۱۴۳/۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا الہام

۷۔۹، وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۞ فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِیَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ۭ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕیْنَ ۞ وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَیْنٍ لِّیْ وَلَكَ ۭ لَا تَقْتُلُوْهُ ڰ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۞

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی کہ تم اس (بچے) کو دودھ پلاتی رہو۔پھر جب تجھے اس کی نسبت کوئی اندیشہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور کچھ خوف وغم نہ کرنا۔یقیناً ہم اس کو تیری طرف لوٹانے والے ہیں۔اور اس کو رسولوں میں سے بنائیں گے۔پھر آل فرعون نے اس (بچے) کو (دریا سے) اٹھا لیا

تا کہ وہ ان لوگوں کے لئے دشمن اور غم کا باعث بنے۔ بلا شبہ فرعون اور ہامان
اور ان کے لشکر خطا کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ لڑکا) میری اور
تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو۔ شاید یہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچا
دے یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں اور ان لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی۔

اَرْضِعِیْهِ: تو اس کو دودھ پلا۔ اِرْضَاعٌ سے امر

خفتِ: تجھے خوف ہے۔ تو ڈری۔ خَوْفٌ سے ماضی۔

الیَمّ: دریا۔ سمندر۔ گہرا پانی۔ جمع یُمُوْم۔

اُلْتَقَطَهٗ: اس نے اس کو اٹھا لیا۔ اِلْتِقَاطٌ سے ماضی۔

تشریح: انہی دنوں جب حضرت موسیٰ کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ پر خوف طاری ہو گیا کہ اب فرعون کے لوگ اس بچے کو لے کر ذبح کر دیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی والدہ کے دل میں ڈال دیا کہ جب تک تم اس کو چھپا سکتی ہو اس وقت تک اس کو دودھ پلاتی رہو تا کہ وہ تیرے دودھ سے ایسا مانوس ہو جائے کہ پھر کسی اور کا دودھ قبول ہی نہ کرے۔ پھر جب اس کے بارے میں کسی قسم کا اندیشہ لاحق ہو تو اس کو صندوق میں رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دینا اور اس کو ڈوبنے یا ضائع ہونے کا خوف نہ کرنا اور نہ اس کی جدائی کا غم کرنا۔ یقیناً ہم اس کو تیرے پاس لوٹا دیں گے اور آگے چل کر ہم اس کو پیغمبر بنا دیں گے۔

پھر حضرت موسیٰ کی والدہ نے ان کو ایک صندوق میں بند کر کے اللہ کے نام پر دریائے نیل میں ڈال دیا۔ صندوق پانی میں موجوں کے ساتھ بہتا بہتا فرعون کے محل کے پاس سے گزرا۔ فرعون کے لوگوں نے صندوق کو اٹھا لیا جب فرعون کی بیوی آسیہ کے سامنے صندق کھولا گیا تو اس میں ایک نہایت خوبصورت اور صحیح و سالم بچہ لیٹا ہوا تھا۔ بچے کو دیکھتے ہی اس کی محبت آسیہ کے دل میں گھر کر گئی۔

فرعون حضرت موسیٰ کو دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ تو عبرانی ہے، دشمنوں میں سے ہے۔ یہ کیسے بچ گیا۔ اس وقت فرعون کی بیوی آسیہ نے کہا کہ یہ لڑکا تو ایک سال سے زیادہ کا ہے اور آپ کا حکم ایک سال کے لڑکوں کو قتل کرنے کا ہے اس لئے اس کو قتل نہ کیجئے، بہت ممکن ہے کہ یہ آپ کی اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو۔ امید ہے یہ ہمارے کام آئے گا یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔ فرعون نے کہا کہ یہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو گا میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہے۔ اگر وہ یہ کہہ دیتا کہ جس طرح

تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اسی طرح میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا تو آسیہ کی طرح اس کو بھی ہدایت مل جاتی ۔ بہرحال فرعون اور اس کے اہل خانہ نے اس بچہ کو پالنے کا ارداہ کر لیا اور ان کو اس بات کا احساس بھی نہ تھا کہ آگے چل کر فرعون اور اس کے آدمیوں کی ہلاکت و تباہی اسی کے ہاتھوں سے ہوگی۔ (مظہری ۱۴۳۔۱۴۷/ ۷، ابن کثیر ۳۸۰، ۳۸۱/ ۳)

والدہ کی بیقراری

۱۰۔۱۳۔ وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَاۤ اَنْ
رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَ قَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّیْهِ ؗ
فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ وَ حَرَّمْنَا عَلَیْهِ الْمَرَاضِعَ
مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَیْتٍ یَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَ هُمْ
لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ
اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

اور موسیٰ کی ماں کا دل بیقرار ہوگیا۔ قریب تھا کہ وہ اپنی بے قراری ظاہر کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کئے رہتے تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے رہے۔ اور اس نے اس (موسیٰ) کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا۔ پھر وہ اس کو دور ہی سے دیکھتی رہی اور ان (فرعونیوں) کو خبر بھی نہ تھی۔ اور ہم نے پہلے ہی سے موسیٰ پر دودھ پلانے والیوں کا دودھ حرام کر دیا تھا۔ سو اس کی بہن نے کہا کہ کیا میں ایسا گھرانہ بتاؤں جو تمہارے لئے اس کی پرورش کرے اور وہ اس (بچے) کے خیر خواہ بھی ہوں۔ پھر ہم نے موسیٰ کو اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غمگین نہ ہو اور وہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں۔

فُؤَادُ: دل۔قلب۔جمع اَفْئِدَةٌ.

فٰرِغًا: فارغ۔خالی بے صبر۔فَرَاغَةٌ سے اسم فاعل۔

رَبَطْنَا: ہم نے مضبوط کر دیا۔ ہم نے باندھ دیا۔ رَبْطٌ سے ماضی۔

قُصِّيهِ: تو اس کے پیچھے پیچھے جا۔تو اس کا سراغ لگا۔**قصٌّ** سے امر۔

اَدُلُّكُمْ: میں تمہیں پتا بتاؤں۔**دلالةٌ** سے مضارع۔

يَكْفُلُوْنَ: وہ کفالت کریں گے۔وہ پرورش کریں گے۔**كَفالةٌ** سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ کی والدہ نے بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال تو آئیں مگر دل کا سکون جاتا رہا۔ رہ رہ کر حضرت موسیٰ کا خیال آتا تھا ان کی یاد کے سوا کوئی چیز دل میں باقی نہ رہی۔قریب تھا کہ بے قراری اور بے تابی کی وجہ سے راز فاش کر دیتیں مگر اللہ نے ان کی دل جمعی کر دی۔اور ان کے دل کو تسلی اور سکون دے دیا اور انہیں کامل یقین کرا دیا کہ اللہ نے بچے کو جو لوٹانے کا وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

حضرت موسیٰ کی والدہ نے اپنی لڑکی کو کہا کہ تم بھائی پر نظر رکھو اور دریا کے کنارے کنارے چلتی رہو اور دیکھو کہ کیا پیش آتا ہے۔چنانچہ وہ گھر سے نکلی اور دور ہی دور سے بھائی کو دیکھتی رہی۔اسی طرح وہ فرعون کے محل تک پہنچ گئی اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ حضرت موسیٰ کی بہن ہے۔

ادھر جب فرعون کی بیوی نے بچے کو اپنی پرورش میں لے لیا تو دودھ پلانے کی فکر ہوئی اور دائیاں طلب کی گئیں۔ہر ایک نے بڑی محبت اور پیار سے بچے کو دودھ پلانا چاہا مگر حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کسی کا بھی دودھ نہ پیا۔سخت تشویش تھی کہ دودھ پلانے والی کہاں سے لائی جائے حضرت موسیٰ کسی عورت کا دودھ نہ پیتے تھے۔حضرت موسیٰ کی بہن یہ کیفیت دیکھتی رہی۔پھر وہ کہنے لگی کہ میں تمہیں ایک دایا کا پتہ بتاتی ہوں ممکن ہے یہ بچہ ان کا دودھ پی لے۔بہت شریف گھرانہ ہے۔ بادشاہ کے گھر سے انعام و اکرام کی توقع میں وہ ضرور اس کی پرورش کریں گے اور اس کی خیر خواہی کریں گے۔چنانچہ حضرت موسیٰ کی بہن اپنی والدہ کو بلا کر لے آئیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں پہنچتے ہی دودھ پینا شروع کر دیا۔یہ دیکھ کر فرعون کی بیوی آسیہ بہت خوش ہوئی اور بہت انعام و اکرام کیا گیا اور حضرت موسیٰ کی والدہ سے کہا گیا کہ وہ محل میں ہی رہے۔انہوں نے عذر کیا کہ میرا گھر ہے،شوہر اور بچے ہیں۔میں دن رات یہاں نہیں رہ سکتی۔اگر آپ پسند کریں تو اپنے گھر رکھ کر اس کو دودھ پلا سکتی ہوں۔چنانچہ حضرت موسیٰ امن و سکون کے ساتھ اپنی ماں کی آغوش میں پہنچ گئے تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کو بیٹے کی جدائی کا غم نہ رہے اور جان لے کہ اللہ کا وعدہ حق ہے یعنی اللہ نے بچے کی واپسی کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا لیکن بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ اللہ کا وعدہ کس طرح پورا ہوتا ہے۔ (عثمانی ۲۶۳، ۲/۲۶۴، روح المعانی ۴۹۔۲۰/۵۱)

قبطی کا واقعہ

۱۴۔۱۷۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝
وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ
هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ
مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ
اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا
لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝

اور جب موسیٰ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچا اور پوری طرح توانا ہو گیا تو ہم نے اس کو حکمت اور علم عطا فرمادئے اور نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور موسیٰ شہر میں ایسے وقت داخل ہوا جب وہاں کے لوگ بے خبر (پڑے سو رہے) تھے۔ پھر اس نے وہاں دو آدمیوں کو لڑتے ہوئے پایا۔ ایک تو اس کے گروہ کا تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے تھا۔ سو جو اس کے گروہ کا تھا اس نے موسیٰ سے اس کے خلاف فریاد کی جو اس کے دشمنوں میں سے تھا۔ پھر موسیٰ نے اس (مخالف) کو مکا ر مارا جس سے وہ مر گیا۔ موسیٰ کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہو گئی یقیناً شیطان گمراہ کرنے والا صریح دشمن ہے۔ موسیٰ نے دعا کی کہ اے میرے رب میں نے اپنے اوپر ظلم کیا سو تو مجھے معاف فرمادے، پس اللہ نے اس کو معاف فرمادیا۔ بیشک وہی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ موسیٰ نے کہا اے میرے رب جیسا کہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے تو آئندہ میں کسی مجرم کی مدد نہ کروں گا۔

وَكَزَهٗ: اس نے اس کو گھونسہ مارا۔ اس نے اس کو مُکا مارا۔ وَكْزٌ سے ماضی۔

مُضِلٌّ: گمراہ کرنے والا۔ بہکانے والا۔ اِضْلَالٌ سے اسم فاعل۔

ظَهِيْرًا: پشت پناہی کرنے والا۔ مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ پرورش پاکر اپنی بھرپور جوانی کو پہنچ گئے اور پوری طرح توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو خاص علم وحکمت عطا فرمایا اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اب اس واقعہ کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰ کے مصر چھوڑنے کا سبب بنا۔ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ دوپہر کے وقت جو آرام کا وقت ہے یا رات کو جو سونے کا وقت ہے، شہر میں آئے، تو دو آدمیوں کو لڑائی جھگڑا کرتے ہوئے پایا۔ ان میں سے ایک آدمی تو حضرت موسیٰ کے گروہ یعنی بنی اسرائیل میں سے تھا اور دوسرا ان کے دشمنوں یعنی قبطیوں میں سے تھا۔ جو شخص حضرت موسیٰ کے گروہ سے تھا اس نے حضرت موسیٰ سے اس شخص کے مقابلے میں مدد طلب کی جو قبطیوں میں سے تھا۔

پھر حضرت موسیٰ نے قبطی کو ایک مکہ مارا جس سے وہ مر گیا۔ حضرت موسیٰ کا ارادہ قبطی کو قتل کرنے کا نہ تھا، صرف قبطی کے ظلم کو دفع کرنا مقصود تھا اس لئے قبطی کی موت پر پشیمان ہوئے اور کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی کام ہو گیا اور شیطان آدمی کو کھلم کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے۔ اس غفلت اور غیر اختیاری فعل پر حضرت موسیٰ نے استغفار کی اور کہا کہ اے میرے پروردگار! بیشک میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا سو تو مجھے معاف فرما دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بھول چوک کو معاف فرما دیا۔ بلا شبہ وہی بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اے میرے رب چونکہ تو نے مجھ پر انعام فرمایا ہے تو میں بھی آئندہ کسی کی ایسی مدد نہ کروں گا جو گناہ کا سبب بن جائے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۰۴،۳۰۳/۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے نکلنا

۱۸۔۲۱۔ فَاَصْبَحَ فِي الْمَدِيْنَةِ خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِي اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ
يَسْتَصْرِخُهٗ ۭ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓى اِنَّكَ لَغَوِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّآ اَنْ اَرَادَ اَنْ
يَّبْطِشَ بِالَّذِيْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اَتُرِيْدُ اَنْ تَقْتُلَنِيْ كَمَا
قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ڰ اِنْ تُرِيْدُ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِي الْاَرْضِ
وَمَا تُرِيْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ وَجَاۗءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ
يَسْعٰى ۡ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّىْ لَكَ
مِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ۝

پھر خوف اور انتظار کی حالت میں اس (موسیٰ) نے شہر میں صبح کی۔ پھر اچانک (دیکھا کہ) وہی شخص جس نے کل اس سے فریاد کی تھی وہ پھر اس (موسیٰ) کو پکار رہا ہے۔ موسیٰ نے اس سے کہا کہ بیشک تو تو صریح بے راہ ہے۔ پھر جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس کو پکڑے جو دونوں کا دشمن تھا تو وہ کہنے لگا اے موسیٰ کیا تو مجھے بھی قتل کرنا چاہتا ہے جیسا کہ تو نے کل ایک آدمی کو قتل کیا تھا بس تو تو چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو۔ اور ایک شخص جو شہر کے پرلے سرے سے دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا اے موسیٰ بیشک اہل دربار تیرے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں سو تو یہاں سے نکل جا۔ البتہ میں تیرا خیر خواہ ہوں۔ پھر موسیٰ وہاں سے ڈرتا ہوا (اور) دیکھتا بھالتا ہوا نکل گیا۔ کہنے لگا اے میرے رب مجھے ظالم قوم سے بچالے۔

يَتَرَقَّبُ: وہ راہ دیکھتا ہے۔ وہ دیکھتا بھالتا ہے۔ تَرَقُّبٌ سے مضارع۔

اَمسِ: گزشتہ کل۔ ظرف زمان ہے۔

يَسْتَصْرِخُهُ: وہ اس سے فریاد کرتا ہے۔ وہ اس کو چیخ کر بلاتا ہے اِسْتِصْرَاخٌ سے مضارع۔

يَبْطِشَ: وہ سختی سے پکڑے گا۔ بَطْشٌ سے مضارع۔

اَقْصَا: بہت دور۔ قَصَاءٌ سے اسم تفضیل۔

يَسْعٰى: وہ دوڑتا ہے۔ وہ کوشش کرتا ہے۔ سَعْیٌ سے مضارع۔

يَأْتَمِرُوْنَ: وہ باہم مشورہ کرتے ہیں۔ اِئْتِمَارٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گھونسے سے قبطی مر گیا تھا اس لئے ان کی طبیعت میں گھبراہٹ تھی شہر میں ڈرتے ڈرتے آئے کہ دیکھیں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ کہیں کل کے قتل کا راز کھل تو نہیں گیا پھر اچانک اس شخص پر نظر پڑی جس نے کل آپ سے مدد چاہی تھی آج وہ ایک اور قبطی سے لڑ رہا تھا۔ آپ کو دیکھتے ہی کل کی طرح فریاد کرنے لگا اور حضرت موسیٰ کو مدد کے لئے پکارنے لگا۔ حضرت موسیٰ نے کہا بیشک تو بڑا شریر اور کھلا گمراہ ہے اور کسی نہ کسی سے لڑتا رہتا ہے۔ یہ سن کر وہ گھبرا گیا۔

جب حضرت موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر اس ظالم قبطی کو پکڑنا چاہا جو دونوں کا دشمن تھا تو وہ

اسرائیلی یہ سمجھا کہ چونکہ حضرت موسیٰ نے ابھی اسے ڈانٹا ہے اس لئے وہ اسے مارنا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس نے اپنی جان بچانے کے لئے کہا کہ اے موسیٰ کیا تو آج میری جان لینا چاہتا ہے جیسے کل تو ایک آدمی کو قتل کر چکا ہے اور تو چاہتا ہے کہ ملک میں زبردستی کرتا پھرے اور تیرا ارادہ صلح کرانے کا نہیں ہے۔ اسرائیلی کی زبان سے کل کے قتل کے بارے میں سنتے ہی قبطی فوراً دوڑا ہوا فرعون کے پاس پہنچا اور اس کو کل کے قتل کے بارے میں بتایا وہاں مشورے ہوئے اور پھر فوراً سپاہی دوڑائے گئے کہ حضرت موسیٰ کو گرفتار کر کے لائیں۔

فرعون کے پاس جو لوگ جمع تھے ان میں سے ایک شخص کے دل میں اللہ نے حضرت موسیٰ کی خیر خواہی ڈال دی۔ وہ دوڑتا ہوا قریب کے راستے سے حضرت موسیٰ کے پاس پہنچا اور ان کو واقعے کی اطلاع دی اور کہا کہ فوراً شہر سے نکل جاؤ۔ بلاشبہ میں آپ کے خیر خواہوں میں سے ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ خوف و دہشت کی حالت میں فوراً وہاں سے نکل گئے۔ چونکہ راستہ معلوم نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے میرے پروردگار مجھے ظالموں کے گروہ سے نجات دے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کو مدین کی سیدھی سڑک پر ڈال دیا جہاں پہنچ کر ان کو امن و اطمینان نصیب ہوا، اور ظالموں سے نجات ملی۔ (روح المعانی، ۵۷۔۲۰/۵۸، ابن کثیر ۳/۳۸۳)

مدین کی طرف روانگی

۲۲۔۲۴۔ وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاۗءُ ۚ وَاَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ۝ فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ۝

اور جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو کہنے لگے۔ امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھی راہ پر لے جائے گا۔ اور جب مدین کے پانی پر پہنچا تو وہاں لوگوں کی ایک جماعت کو (مویشیوں کو) پانی پلاتے ہوئے پایا اور ان سے الگ دو عورتوں کو پایا جو (اپنے جانوروں کو) روکے ہوئے (کھڑی) تھیں۔ موسیٰ نے

کہا کہ تمہارا کیا کام ہے۔ ان دونوں نے کہا کہ جب تک چرواہے ہٹ نہیں جاتے ہم پانی نہیں پلاتے اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے۔ پھر موسیٰ نے ان (کے جانوروں) کو پانی پلادیا۔ پھر وہ سائے میں جا بیٹھے۔ پھر کہنے لگے اے میرے رب جو کچھ بھلائی تو میری طرف اتارے تو میں اس کا محتاج ہوں۔

تِلْقَاءَ: جانب۔ طرف۔ سمت

سَوَآءَ: برابر۔ پورا ٹھیک۔ اسم مصدر۔

تَذُوْدٰنِ: وہ دونوں ہانکتی ہیں۔ وہ دونوں روکتی ہیں۔ ذَوْدٌ سے مضارع۔

خَطْبُکُمَا: تم دونوں (عورتوں) کا معاملہ۔ تمہارا حال۔

یُصْدِرَ: وہ لوٹائے گا۔ وہ ہٹائے گا۔ اِصْدَارٌ سے مضارع۔

الرِّعَآءُ: چرواہے واحد رَاعِیٌ۔

تشریح: حضرت موسیٰ مصر سے چپ چاپ نکل کر ایک طرف کو چل پڑے۔ راستے سے واقف نہ تھے بس اللہ پر بھروسہ کر کے ایک سمت میں چل پڑے یہ راستہ سیدھا مدین جاتا تھا۔ مدین ایک بستی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صاحبزادے مدین کے نام پر آباد کی گئی تھی۔ یہ بستی مصر سے آٹھ منزل کے فاصلے پر تھی اور فرعون کی حکومت سے خارج تھی ادھر حضرت موسیٰ کے پاس نہ سواری تھی اور نہ کھانے پینے کا سامان تھا۔

حضرت موسیٰ چلتے چلتے مدین کے اس کنوئیں پر پہنچ گئے جو شہر کے ایک کنارے پر تھا۔ کنویں پر بہت سے لوگ جمع تھے جو اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، ان لوگوں سے علیحدہ ایک طرف دو عورتیں اپنی بکریوں کو روکے ہوئے کھڑی تھیں کہ ان کی بکریاں دوسرے لوگوں کی بکریوں میں نہ مل جائیں۔ یہ دونوں حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں تھیں، شرم و حیا کی وجہ سے ایک طرف کھڑی تھیں۔ ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ مردوں کی مزاحمت کر سکیں۔ حضرت موسیٰ کو ان کے حال پر رحم آیا تو انہوں نے ان لڑکیوں سے دریافت کیا کہ تم اپنے جانوروں کو اس پانی سے کیوں روک رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم پانی نہیں نکال سکتیں، جب یہ لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے جائیں گے تو بچا کھچا پانی ہم اپنی بکریوں کو پلا دیں گے۔ ہمارے والد بہت بوڑھے ہیں وہ خود آ کر ان جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتے۔ اس لئے مجبوراً ہمیں آنا پڑتا ہے۔

پھر حضرت موسیٰ نے کنوئیں سے پانی کھینچ کر ان کی بکریوں کو پلادیا اور پشت پھیر کر ایک درخت کے سائے کی طرف چلے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر یہ دعا کی۔ اے میرے پروردگار! میں آپ کی نازل کردہ خیر و برکت اور رزق و نعمت کا محتاج ہوں۔

(مظہری ۱۵۴۔۱۵۶/ ۷، ابن کثیر ۳۸۳، ۳۸۴ /۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاہدہ

۲۵۔۲۸، فَجَآءَتْهُ إِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ ؗ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ ۝ قَالَ إِنِّيْٓ أُرِيْدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓى أَنْ تَأْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ ۚ وَمَآ أُرِيْدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ؕ سَتَجِدُنِيْٓ إِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ؕ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝

پھر ان دونوں (لڑکیوں) میں ایک شرم و حیا سے چلتی ہوئی موسیٰ کے پاس آئی کہنے لگی میرے باپ نے تمہیں بلایا ہے تاکہ وہ تم کو (ہمارے جانوروں کو) پانی پلانے کی اجرت دے۔ پھر جب موسیٰ اس کے پاس آئے اور اس سے اپنا سارا حال بیان کیا تو وہ کہنے لگے کہ (اب) خوف مت کرو۔ تم نے ظالم لوگوں سے نجات پالی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ اے باپ اس کو اجرت پر رکھ لو۔ بیشک جس کو آپ اجرت پر رکھیں ان میں سب سے بہتر وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا تمہارے ساتھ نکاح کر دوں، اس شرط پر کہ تم آٹھ سال تک میری ملازمت کرو۔ پھر اگر تم دس (سال) پورے کر دو تو تمہاری طرف سے (احسان) ہے اور میں تجھ پر مشقت ڈالنا نہیں چاہتا۔ انشاء اللہ تم مجھے اچھے

لوگوں میں سے پاؤ گے۔ موسیٰ نے کہا یہ میرے اور تیرے درمیان (عہد)
ہے ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی پوری کردوں تو (اس کے بعد) مجھ پر
کوئی زیادتی نہ ہو اور اللہ ہماری بات پر گواہ ہے۔

حِجَجٍ: کئی حج۔ کئی برس۔ واحد حِجَّةٌ.

اَتْمَمْتَ: تو نے تمام کیا۔ تو نے پورا کیا۔ اِتْمَامٌ سے ماضی۔

اَشُقَّ: میں تکلیف دوں۔ میں مشقت میں ڈالوں۔ مُشَقَّةٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیاں اپنی بکریوں کو پانی پلا کر وقت سے پہلے گھر پہنچ گئیں تو حضرت شعیب نے ان سے پوچھا کہ آج جلدی کیسے آگئیں۔ انہوں نے باپ کو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ حضرت شعیب نے ان دونوں میں سے ایک لڑکی کو بھیجا کہ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ پس وہ لڑکی نہایت شرم وحیا سے اپنی چادر میں لپٹی ہوئی حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے والد آپ کی مزدوری دینے کے لئے اور اس احسان کا بدلہ اتارنے کے لئے آپ کو بلا رہے ہیں، جو آپ نے ہماری بکریوں کو پانی پلا کر ہمارے ساتھ کیا ہے۔

حضرت موسیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچ کر اپنا سارا حال بیان کر دیا تو حضرت شعیبؑ نے ان کی تسلی کے لئے فرمایا اب ڈرنے کی ضرورت نہیں تم نے ظالم قوم سے نجات پالی ہے۔ یہاں ان کی حکومت نہیں۔ پھر حضرت شعیب کی دو لڑکیوں میں سے ایک نے اپنے والد سے کہا کہ ان کو ملازم رکھ لیجئے۔ بیشک آپ کا اچھا ملازم وہی ہوگا جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔ اور ان میں یہ دونوں اوصاف موجود ہیں کیونکہ اس شخص نے کنویں کے منہ سے وہ پتھر جو دس آدمی نہیں اٹھا سکتے تھے تنہا آسانی سے اٹھا کر رکھ دیا اور ان کی امانت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے چلو اور زبان سے راستہ بتاتی رہنا۔

پھر حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک کو اس شرط پر تمہارے نکاح میں دیدوں کہ تم اس نکاح کے عوض آٹھ سال تک میری بکریاں چراؤ۔ اس کے بعد اگر تم دس سال پورے کردو گے تو تمہاری طرف سے حسن سلوک ہوگا اور میں تم پر کوئی دشواری نہیں ڈالنا چاہتا کہ دس سال پورے کرنے پر مجبور کروں۔ ان شاء اللہ تم مجھے صالحین میں سے پاؤ گے۔

حضرت موسیٰ نے جواب دیا کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہے، جو حق آپ نے

مقرر کیا ہے وہ میں ادا کردوں گا اور جو میرا حق مقرر کیا ہے وہ آپ ادا کریں ۔ ان دونوں مدتوں میں سے میں جو مدت بھی پوری کروں، اس کے بعد مجھ پر زیادتی نہیں ہونی چاہئے اور ہم باہم جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔ (مظہری ۱۵۶۔۱۶۱/ ۷، عثمانی ۲۶۷، ۲/۲۶۸)

مدین سے مصر واپسی

۲۹۔۳۱۔ فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۚ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ۝

پھر جب موسیٰ نے اپنی مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے تو کوہ طور کی طرف آگ دیکھی ۔ موسیٰ نے گھر والوں سے کہا تم ٹھہرو یقیناً میں نے ایک روشنی دیکھی ہے شاید میں تمہارے پاس وہاں سے کوئی خبر یا آگ کا کوئی انگارہ لے آؤں تاکہ تم سینک لو ۔ پھر جب وہ (موسیٰ) اس (آگ) کے پاس آئے تو اس مقدس وادی کے دائیں جانب سے ایک درخت میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں ہی اللہ ہوں تمام جہانوں کا رب اور یہ کہ تم اپنے عصا کو ڈال دو ۔ پھر جب موسیٰ نے اس کو دیکھا کہ وہ سانپ کی طرح لہرا رہا ہے تو پیٹھ پھیر کر واپس ہو گئے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا (ہم نے کہا) اے موسیٰ آگے آ اور خوف نہ کھا ۔ یقیناً تو ہر طرح امن میں ہے ۔

اَجَلَ: وقت ۔ مدت ۔ موت ۔ مہلت ۔ جمع اٰجالٌ ۔

سَارَ: اس نے سیر کی ۔ وہ چلا ۔ سَيْرٌ سے ماضی ۔

اِمْكُثُوْا: تم ٹھہرے رہو ۔ مَكْثٌ سے امر ۔

جَذْوَةٍ: چنگاری۔انگار۔جمع جُذیٰ۔

تَصْطَلُوْنَ: تم سینکو۔تاپو۔اِصْطِلَاءٌ سے مضارع۔

شَاطِیٌ: جانب۔کنارہ سرا۔جمع شَوَاطِئٌ۔

الْبُقْعَةِ: مقام۔زمین کا ٹکڑا جمع بِقَاعٌ۔

تَهْتَزُّ: وہ بل کھاتی ہے۔وہ ہلتی ہے۔وہ لہراتی ہے۔اِهْتِزَازٌ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت موسیٰ نے مقررہ مدت پوری کر دی تو حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی اہلیہ کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے جب کوہ طور کے پاس پہنچے تو رات کا وقت تھا، اندھیرا چھایا ہوا تھا۔سخت سردی تھی اور راستہ بھٹک گئے تھے، اپنی اہلیہ سے کہا کہ یہاں ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دی ہے۔میں وہاں جاتا ہوں۔شاید میں وہاں راستہ کی کوئی خبر لے آؤں یا کوئی جلتی ہوئی لکڑی لے آؤں تاکہ تم گرمی حاصل کرو۔

جب حضرت موسیٰ آگ کے پاس پہنچے تو اس وادی کے دائیں جانب بابرکت جگہ میں لگے ہوئے درخت سے آواز آئی، اے موسیٰ! بلاشبہ میں ہی رب العالمین ہو۔میں تیرا پروردگار ہوں۔میں نے تجھے اپنے کلام سے عزت بخشی اور تجھے اپنا نبی اور رسول بنایا اور میں چاہتا ہوں کہ تجھے کچھ معجزے عطا کروں جو تیر نبوت اور رسالت کی دلیل بنیں۔سو اے موسیٰ اب تم اپنی لاٹھی زمین پر ڈال دو اور دیکھو کہ اللہ تعالیٰ کیسا قادر مطلق ہے۔حضرت موسیٰؑ نے اللہ کا حکم سنتے ہی اپنی لاٹھی کو زمین پر ڈال دیا۔اسی وقت وہ ایک پھن پھنا تا ہوا سانپ بن گئی۔جب حضرت موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو سانپ کی طرح تیزی سے ادھر ادھر دوڑتے ہوئی دیکھا تو خوفزدہ ہو گئے اور دہشت کے مارے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔اس وقت اللہ تعالیٰ نے آواز دی اے موسیٰ ادھر آؤ۔ڈرنے کی ضرورت نہیں بلاشبہ تو امن والوں میں سے ہے۔

ید بیضاء کا معجزہ

۳۲۔ اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۝

اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈالئے، وہ کسی عیب کے بغیر چمکتا ہوا نکلے گا اور
خوف (دور کرنے) کے لئے اپنے بازو پہلو سے ملالیا کرو سو تیرے رب کے
طرف سے یہ دو دلیلیں ہیں فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف (جانے کے
لئے) یقیناً وہ بڑے نافرمان لوگ ہیں۔

اُضْمُمْ: تو دبا لے۔ تو ملا لے۔ ضَمٌّ سے امر۔

جَنَاحَکَ: تیرا بازو۔ تیرا ہاتھ۔ تیرا پہلو۔ جمع اَجْنِحَۃٌ۔

الرَّھْب: ڈر۔ خوف۔ اسم مصدر ہے۔

تشریح: لاٹھی کا سانپ بننے کے معجزے کے ساتھ حضرت موسیٰ کو ید بیضا کا معجزہ بھی دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا اے موسیٰ اپنے ہاتھ کو اپنے گریبان میں ڈال کر نکالئے وہ کسی عیب اور بیماری کے بغیر نہایت سفید اور روشن ہو کر نکلے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا کہ اپنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو وہ نہایت دلکش اور منور تھا۔ پھر فرمایا کہ خوف دور کرنے کے لئے اپنا ہاتھ سمیٹ کر گریبان میں ڈال لو۔ ہاتھ دوبارہ اپنی پہلی اور اصلی صورت پر آجائے گا۔ اور کوئی خوف باقی نہ رہے گا۔ پس یہ دونوں معجزے تیرے رب کی طرف سے تیری نبوت و رسالت کی دو روشن دلیلیں ہیں جو تجھے عطا کی گئی ہیں۔ سو تم ان کو لے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف جاؤ کیونکہ وہ بڑے بدکار لوگ ہیں،

غلبے و نصرت کا وعدہ

۳۳، ۳۵۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۞ وَاَخِیْ
هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ
اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۞ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا
سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۞

اے میرے رب! میں نے ان کے ایک آدمی کو قتل کر دیا تھا سو مجھے اندیشہ ہے
کہ کہیں وہ (اس کے بدلے میں) مجھے قتل نہ کر دیں اور میرا بھائی ہارون مجھ
سے بہت زیادہ فصیح زبان والا ہے سو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے
کہ وہ میری تصدیق کرے کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ تکذیب کریں گے۔ اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہم تیرے بھائی سے تیرا بازو قوی کردیں گے اور تم دونوں کو غلبہ
دیں گے پھر وہ تم دونوں تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ ہماری نشانیوں کے سبب تم
دونوں اور تمہاری تابعداری کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔

رِدْاً مدد دینے والا۔ تقویت پہنچانے والا۔ ردءٌ سے صفت مشبہ۔

سَنَشُدُّ بہت جلد ہم مضبوط کریں گے۔ بہت جلد ہم قوی کریں گے۔ شدٌّ سے مضارع۔

عَضُدَکَ: تیرا بازو۔ تیری قوت۔ جمع اعضادٌ۔

تشریح: حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ میرے پروردگار! میں نے ان کا ایک آدمی قتل کردیا تھا۔ اسی خوف سے بھاگ کر میں مدین آیا تھا۔ اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کردیں گے۔ ایسی صورت میں آپ کا پیغام کیسے پہنچا سکوں گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ میری زبان میں لکنت ہے شاید میں پیغام رسالت کو پوری طرح واضح نہ کرسکوں۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح زبان ہے سو اس کو میرا مددگار بنا کر میرے ساتھ بھیج دے تاکہ وہ حسن تقریر سے میری تصدیق اور تائید کرے، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہارے بھائی کو تمہارا قوت بازو بنادیں گے اور تم دونوں کو غلبہ عطا کریں گے سو فرعون والے تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ پس تم دونوں بے فکر ہو کر ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس جاؤ اور اس کو حق کی دعوت دو۔ تم دونوں اور تمہاری اتباع کرنے والے ہی غالب رہیں گے۔

فرعون کا انکار

۳۶، ۳۷۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰیٰتِنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی
وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْۤ اَعْلَمُ
بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ
اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر پہنچے تو وہ کہنے لگے کہ یہ
تو محض ایک بنایا ہوا جادو ہے اور ہم نے تو اس کو اپنے اگلے باپ دادا کے

وقت میں کبھی سنا بھی نہ تھا۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ
کون اس کے پاس سے (پیغام) ہدایت لے کر آیا ہے اور کس کے لئے
آخرت کا گھر ہوگا۔ یقیناً ظالم لوگ فلاح نہ پائیں گے۔

مفتری: افترا کرنے والا۔ بہتان تراشنے والا۔ افتراءٌ سے اسم فاعل۔

عاقبۃ: عاقبت۔ آخرت۔ انجام۔ سزا۔ مصدر ہے۔

الدار گھر۔ عالم۔ جمع دیارٌ۔

تشریح: پس جب حضرت موسیٰ ہماری کھلی نشانیاں لے کر فرعون کے پاس پہنچے اور اس کو توحید کی دعوت دی تو وہ کہنے لگا کہ یہ تو محض گھڑا گھڑایا جادو ہے۔ ایسی بات تو ہم نے کبھی اپنے باپ دادا سے بھی نہیں سنی کہ آسمان و زمین اور اس دنیا کا کوئی خالق بھی ہے جو اس جہان کو فنا کردے گا اور پھر سب کو زندہ کر کے حساب لے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میرا رب خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے پاس سے ہدایت اور دین حق لے کر آیا ہے اور وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جس کا انجام اچھا ہوگا۔ بلا شبہ ظالم کامیاب نہیں ہوتے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلائے گا وہی ظالم ہوگا اور ذلیل و خوار ہوگا۔

فرعون اور اس کی قوم کا انجام

۳۸۔۴۲۔ وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَا
مٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَطَّلِعُ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى ۙ وَاِنِّيْ
لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا لَا يُرْجَعُوْنَ ۝ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ
فِي الْيَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً
يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ۝

اور فرعون نے کہا کہ اے سردارو! میں نہیں جانتا کہ میرے سوا تمہارا کوئی اور
معبود ہے۔ سو اے ہامان تو میرے لئے مٹی کو آگ میں پکوا کر ایک بلند عمارت

تعمیر کرا تا کہ میں اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں اور میں تو اس (موسیٰ)
کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اور فرعون اور اس کے لشکروں نے ناحق ملک میں سر
اٹھا رکھا تھا اور انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ہماری طرف لوٹائے ہی نہ جائیں
گے۔ بالآخر ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک
دیا سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔ اور ہم نے ان کو (گمراہی میں) امام
بنایا تھا جو لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کا کوئی
مددگار نہ ہوگا۔ اور ہم نے اس دنیا میں ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور قیامت
کے دن بھی وہ بدحال لوگوں میں سے ہوں گے۔

اَوْقِدْ: تو آگ جلا۔ تو روشن کر۔ تو پکوا۔ اِیْقَادٌ سے امر۔

اَلطِّیْن: مٹی۔ گارا۔ خاک۔ لیپنا۔

صَرْحًا: محل۔ بلند مکان۔ برج۔

نَبَذْنٰھُمْ: ہم نے ان کو پھینک دیا۔ نَبْذٌ سے ماضی۔

اَلْیَمّ: دریا۔ سمندر۔ گہرا پانی۔ جمع یُمُوْمٌ۔

مَقْبُوْحِیْنَ: بُرے بنے ہوئے۔ بدحال لوگ۔ قَبْحٌ وقَبَاحَۃٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: فرعون نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اور میں ہی سب سے اعلیٰ اور بلندتر ہوں۔ پھر وہ اپنے ایک خبیث وزیر ہامان سے تمسخر کے طور پر کہنے لگا کہ تو میرے لئے پختہ اینٹیں بنوا کر ان سے ایک پختہ اونچی عمارت بنوا، تا کہ میں اس پر چڑھ کر آسمان کے قریب ہو جاؤں اور دیکھوں کہ موسیٰ کا خدا کہاں ہے اور کیسا ہے۔ زمین میں تو مجھے اپنے سوا کوئی خدا نظر نہیں آتا، شاید آسمان کی طرف جھانکنے سے موسیٰ کا خدا نظر آ جائے اور میں تو موسیٰ کو اس دعوے میں جھوٹا سمجھتا ہوں کہ آسمان و زمین کا کوئی رب ہے جس نے اس کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

پھر فرمایا کہ فرعون اور اس کے لشکر انجام سے غافل ہو کر تکبر اور سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور ملک میں ناحق فساد کرنے لگے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ ان کو ہمارے پاس لوٹا کر نہیں لایا جائے گا۔ آخر خداوند قہار نے اس کو لاؤ لشکر سمیت پکڑ کر بحر قلزم میں پھینک دیا اور سب غرق ہو گئے۔ سو دیکھ لو ظالموں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا اور ہم نے ان کو گمراہوں کا پیشوا بنا دیا جو لوگوں کو کفر و معصیت کے

ذریعہ دوزخ کی طرف بلا رہے تھے قیامت کے روز وہ اتنے بے بس ہوں گے کہ ان کو کہیں سے مدد نہ ملے گی اور نہ کوئی ان کو عذاب سے بچا سکے گا۔ دنیا میں بھی یہ ملعون ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کی، اس کے فرشتوں کی، اس کے نبیوں کی اور تمام نیک لوگوں کی ان پر لعنت ہے اور قیامت میں بھی وہ بدحال اور نہایت برے لوگوں میں سے ہوں گے۔ (روح المعانی ۸۰۔۲۰/۸۳، ابن کثیر ۳/۳۹۰)

نزولِ توریت

۴۳۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَاۗىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

اور اگلے زمانے والوں کو ہلاک کر دینے کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب (توریت) دی جو لوگوں کی آنکھیں کھولنے والی اور ہدایت اور رحمت والی تھی تاکہ وہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ تک رسولوں کا انکار اور شرک پر اصرار کرنے والی جتنی بھی امتیں گزری ہیں، مثلاً قوم نوح، قوم عاد، قوم لوط وغیرہ، سب کی ہلاکت اور فرعون کی غرقابی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا کی گئی، جو بنی اسرائیل کے لئے عقائد و احکامِ حق ظاہر کرنے والی اور باعث ہدایت و رحمت تھی تاکہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور راہ راست پر آ جائیں۔

اس آیت میں ایک لطیف بات یہ بیان کی گئی ہے کہ فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد جو امتیں آئیں، وہ فرعونیوں اور ان سے پہلے والی قوموں کی طرح عام آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک نہیں ہوئیں۔ سوائے اس بستی کے چند مجرموں کے، جنہوں نے اللہ کی حرمت کے خلاف ہفتے کے دن شکار کھیلا تھا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سور اور بندر بنا دیا تھا۔

ایک مرفوع حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ نے کسی قوم کو عذاب آسمانی یا زمینی سے ہلاک نہیں کیا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

ولقد اتینا موسی الکتاب　　　یتذکرون ٥

پس توریت نازل ہونے کے بعد جس امت نے بھی سرکشی کی اس کی سرکشی کا بدلہ اللہ تعالیٰ

نے اسی زمانے کے نیک لوگوں کے ہاتھوں اسے دلوادیا یعنی مومنین مشرکین سے جہاد کرتے رہے۔

(روح المعانی ۸۴،۸۵/۲۰، ابن کثیر ۳۹۰/۳)

رسالتِ محمدیہ کا اثبات

۴۴۔۴۷۔ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور (اے رسول ﷺ) آپ (کوہ طور کے) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کو احکام بھیجے تھے اور نہ آپ ان کو دیکھ رہے تھے اور لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) بہت سے نسلیں پیدا کیں۔ پھر ان پر زمانہ دراز گزر گیا اور نہ آپ مدین کے لوگوں میں رہتے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے، اور لیکن ہم ہی رسول بھیجنے والے ہیں اور نہ آپ اس وقت کوہ طور کے کنارے موجود تھے، جب ہم نے (موسیٰ کو) آواز دی لیکن یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا) تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ کیا عجب کہ وہ نصیحت حاصل کرلیں۔ اور (ہم نے آپ کو اس لئے بھیجا کہ) ایسا نہ ہو کہ اگر ان پر ان کے اپنے ہاتھوں آگے بھیجے ہوئے (اعمال) کی وجہ سے کوئی مصیبت آپڑے، تو یہ کہنے لگیں کہ ہمارے رب نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی اتباع کرتے اور مومنوں میں سے ہو جاتے۔

قضینا : ہم نے حکم دیا۔ ہم نے فیصلہ کیا، قضا سے ماضی۔

انشانا : ہم نے پیدا کیا۔ ہم نے پرورش کی۔ انشاء سے ماضی۔

ثاویا : رہنے والا۔ باشندہ۔ مقیم۔ ثواء سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی ﷺ! جب ہم نے حضرت موسیٰ کو احکام بھیجے اور توریت عطا کی تو آپ اس وقت کوہ طور کے مغربی جانب موجود نہ تھے جس سے یہ خیال کیا جا سکے کہ آپ اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ کے بعد بہت سی امتیں اور نسلیں پیدا کیں۔ پھر ان امتوں اور نسلوں پر زمانہ گزر گیا اور ان کے بارے میں جاننے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا تب ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا اور وحی کے ذریعے آپ کو ان حالات واقعات سے آگاہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ اہل مدین میں بھی قیام پذیر نہیں رہے کہ وہاں کے حالات اور ان کی خبریں پڑھ کر اہل مکہ کو سنا رہے ہوں بلکہ ہم ہی آپ کو معجزات اور غیب کی خبریں دے کر بھیجنے والے ہیں۔ اسی طرح جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی اور ان سے کلام کیا تو آپ اس وقت کوہ طور کے پاس موجود نہ تھے، بلکہ یہ آپ کے رب کی مہربانی ہے کہ اس نے آپ کو ان چیزوں کا علم دیا تاکہ ان آیات کے ذریعے آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے اللہ کی طرف سے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ شاید وہ نصیحت پکڑیں۔

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ ان کو جب ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو یہ کہہ دیتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا تھا کہ ہم بھی تیرے احکام کی پیروی کرتے اور مومنوں میں سے ہو جاتے، تو ہم ان کے پاس پیغمبر نہ بھیجتے۔

(مظہری ۱۶۹۔۱۷۱/ ۷ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۳۲۰، ۳۲۱/ ۵)

مشرکینِ مکہ کی ہٹ دھرمی

۴۸۔۵۰۔ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ
اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۟ۙ وَقَالُوْۤا
اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰی
مِنْهُمَاۤ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ

اَنَّمَا یَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَیْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

پھر ان کے پاس ہماری طرف سے (دین) حق آ گیا تو کہنے لگے کہ (اس رسول کو) ویسا (معجزہ) کیوں نہ دیا گیا جیسا موسیٰ کو دیا گیا تھا۔کیا وہ اس کا انکار نہیں کر چکے ہیں جو اس سے پہلے موسیٰ کو ملا تھا۔انہوں نے کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور وہ کہتے تھے کہ ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اللہ کے پاس سے ایسی کتاب لاؤ جو ان دونوں (توریت وقرآن) سے زیادہ ہدایت دینے والی ہو میں اس کی پیروی کروں گا۔پھر اگر یہ لوگ آپ کا مطالبہ پورا نہ کریں تو آپ سمجھ لیجئے کہ وہ محض اپنی خواہشوں کے تابع ہیں اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں پر چلتا ہو۔ بیشک اللہ (ایسے) ظالموں کو ہدایت (کی توفیق) نہیں دیتا۔

تشریح: گزشتہ آیت میں بیان تھا کہ اگر نبیوں کے بھیجنے سے پہلے ہی ہم ان پر عذاب بھیج دیتے تو ان کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ اگر ہمارے پاس رسول آتے تو ہم ضرور ان کی بات مانتے، اسی لئے رسول بھیجے اور سب سے آخر میں آنحضرت ﷺ کو بھیجا لیکن مشرکین مکہ آپ پر ایمان لانے کی بجائے ضد اور ہٹ دھرمی سے کہنے لگے کہ جیسے معجزے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے، مثلاً لاٹھی اور ید بیضا کے معجزے، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون کے معجزے، ویسے ہی معجزے محمد ﷺ کو کیوں نہیں دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ حضرت موسیٰ کو جو معجزے دیئے گئے تھے کیا انہوں نے ان کا انکار نہیں کیا تھا۔کیا انہوں نے نہیں کہا تھا کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں، جو ایک دوسرے کے مددگار ہو گئے ہیں، ہم ہرگز ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔اے محمد ﷺ آپ مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ یہ قرآن اور توریت دونوں ہی جادو ہیں تو تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی کتاب پیش کرو جو ہدایت میں ان دونوں سے بڑھ کر ہو، تاکہ میں اس پر چلوں اور اس کی پیروی

کردوں۔ پس اگر یہ لوگ توریت اور قرآن سے بہتر کوئی کتاب نہ لا سکیں اور نہ توریت و قرآن کو مانیں تو سمجھ لیجئے کہ یہ لوگ ہٹ دھرم، ضدی اور خواہش پرست ہیں۔ اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی خواہش پر چلے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

(ابن کثیر ۳۹۲-۳۹۳/۳، مظہری ۱۷۱-۱۷۲/۷)

مومنین کے لئے دوہرا اجر

۵۱-۵۵۔ وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝

اور ہم لوگوں کے لئے اپنا کلام پے در پے بھیجتے رہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ جن لوگوں کو ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب یہ (قرآن) ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے (بالکل) حق ہے ہم تو اس سے پہلے بھی فرماں بردار تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو دگنا بدلہ ملے گا، ان کے صبر کی وجہ سے اور وہ نیکی سے بدی کو دور کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اور جب وہ بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے کنارہ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے، تم پر سلام ہو۔ ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔

وَصَّلْنَا: ہم نے ملایا۔ ہم نے پے در پے بھیجا۔ توصِیلٌ سے ماضی۔

یَدْرَءُوْنَ: وہ دفع کرتے ہیں۔ وہ ٹالتے ہیں۔ درْءٌ سے مضارع۔

تشریح: ہماری وحی کا سلسلہ پہلے سے چلا آتا ہے۔ہم ایک وحی کی تصدیق و تائید میں دوسری وحی برابر بھیجتے رہے اور قرآن کو بھی ہم نے بتدریج اور مسلسل نازل کیا ہے۔ایک آیت کے پیچھے دوسری آیت نازل ہوتی رہی،تاکہ لوگوں کو سمجھنے اور غور کرنے کا خوب موقع ملے اور یاد رکھنے میں سہولت ہو۔

جاہل مشرکین کا حال تو یہ ہے کہ نہ اگلی کتابوں کو مانتے ہیں نہ پچھلی کو۔ان کے برعکس انصاف پسند اہل کتاب ہیں،جو دونوں کتابوں کو تسلیم کرتے ہیں پہلے توریت و انجیل پر ایمان رکھتے تھے۔پھر جب قرآن آیا تو بول اٹھے کہ بلاشبہ یہ کتاب برحق ہے،ہمارے رب کی اتاری ہوئی ہے۔ہم اس پر یقین رکھتے ہیں۔ہم پہلے بھی اللہ کی باتوں کو مانتے تھے اور آج بھی قبول کرتے ہیں۔حقیقت میں ہم پہلے سے مسلمان ہیں کیونکہ سابقہ کتب پر ہمارا ایمان تھا جن میں پیغمبر آخر الزماں اور قرآن کریم کے متعلق صاف صاف بشارتیں تھیں۔یہی وہ لوگ ہیں جن کو دوہرا اجر دیا جائے گا۔

شیخ اکبر نے فتوحات میں لکھا ہے کہ ان اہل کتاب کا ایمان اپنے پیغمبر پر دو مرتبہ ہوا۔اول بالاستقلال،دوبارہ آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے کے ضمن میں کیونکہ آپ ﷺ سابقہ انبیا کے تصدیق کرنے والے ہیں اور ان پر ایمان رکھنا ضروری قرار دیتے ہیں۔نبی کریم ﷺ پر بھی ان کا ایمان دو مرتبہ ہوا۔ایک اب بالذات اور بالاستقلال دوسرا پہلے اپنے پیغمبر پر ایمان لانے کے ضمن میں،کیونکہ ہر پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتے اور پیشگی تصدیق کرتے چلے آئے ہیں اس لئے ان لوگوں کو اجر بھی دو مرتبہ ملے گا۔

یہ لوگ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے ہیں۔اگر کوئی شخص ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ اس کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔اسی طرح جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔یہ لوگ جب کافروں اور مشرکوں سے کوئی لغو اور بیہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ بس ہمارے لئے ہمارے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں۔تم کو سلام،ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔(عثمانی ۲/۲۷۴،روح المعانی ۹۴،۲۰/۹۵)

ہدایت وتوفیق

۵۶،۵۷۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۞ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ

مِنْ اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَىْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

(اے رسول ﷺ) آپ جس کو چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ (اس دین کی ہدایت پر چلنے لگیں تو اپنے ملک سے نکال باہر کئے جائیں گے۔ کیا ہم نے ان کو حرم میں امن سے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں جو ہماری طرف سے روزی ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

نُتَخَطَّفُ: اچک لئے جائیں گے۔ ہم نکال باہر کئے جائیں گے۔ **تخطّفٌ** سے مضارع مجہول۔

يُجْبٰى: وہ کھینچا جاتا ہے۔ جبی سے مضارع مجہول۔

شانِ نزول: ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ قریش کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ اگر ہم آپ کی پیروی کریں گے تو لوگ ہمیں اچک لیں گے اس اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت **قالُوْا ان نَّتَّبِعِ الْهُدٰى** نازل فرمائی۔

مسلم وغیرہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے تاکہ قیامت کے دن میں آپ کے لئے شہادت دے سکوں۔ ابو طالب نے کہا کہ اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش کی عورتیں عار دلائیں گی اور کہیں گی کہ ابو طالب نے (موت کے) خوف سے کلمہ پڑھ لیا، تو میں یہ کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۱۷۶/۷)

تشریح: اے نبی ﷺ! ہدایت و توفیق آپ کی قدرت میں نہیں کہ آپ جس کو چاہیں ہدایت دے دیں۔ آپ کا کام تو لوگوں کو پیغام الٰہی پہنچا دینا ہے۔ اور ہدایت پانے والوں کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا کہ مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ اگر ہم آپ کے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں اندیشہ ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں سرزمین عرب سے نکال دیں گے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ ہم نے ان

کو حرم میں آباد کیا ہے جو امن و امان کی جگہ ہے جہاں کوئی لڑائی کا نام بھی نہیں لیتا اور ان کو ایسی جگہ بسایا ہے جہاں ہماری طرف سے ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں جانتے۔

تکبر کا انجام

۵۸۔۵۹۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ۞ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ۞

اور ہم نے بہت سی ایسی بستیاں تباہ کر دیں جن کے رہنے والے اپنی خوشحالی پر اتراتے تھے۔ سو یہ ان کے (اجڑے ہوئے) گھر ہیں جو ان کے بعد بہت ہی کم آباد ہوئے اور (آخر) ہم ہی (سب کچھ) لینے والے بنے۔ اور آپ کا رب کسی بستی کو بھی اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ ان کی کسی بڑی بستی میں اپنا کوئی رسول نہ بھیج دے، جو انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ہم تو بستیوں کو اسی وقت ہلاک کرتے ہیں جب وہاں کے لوگ نافرمان ہو جائیں۔

بطرتْ: وہ اترائی۔ وہ اکڑنے لگی۔ بَطرٌ سے ماضی۔

یبعثُ: وہ بھیجے گا۔ وہ اٹھائے گا۔ بعثٌ سے مضارع۔

تشریح: یہ مشرکینِ مکہ جو دنیاوی فوائد کے خیال سے ہدایت کی اتباع نہیں کرتے کیا یہ نہیں جانتے کہ ہم نے ہدایت کی اتباع نہ کرنے کے جرم میں کتنی ہی بستیاں ہلاک کر ڈالیں جو اپنے اسبابِ عیش پر اتراتے تھے۔ سو دیکھ لو یہ ان باغیوں کے گھر اور مسکن ہیں جو تمہاری نظروں کے سامنے خالی اور ویران پڑے ہیں۔ یہ بستیاں ایسی اجڑیں کہ کوئی ان کا نام لینے والا نہیں رہا۔ آخر ہم ہی ان کے مالک ہوئے۔ اے مشرکینِ مکہ تم بزعمِ خود کفر و ضلالت پر اصرار اور اسلام کا انکار کر کے اپنے ذرائع معاش اور وسائل و دولت کی حفاظت کر رہے ہو، حالانکہ یہی باتیں تمہاری ہلاکت کا موجب ہیں۔

اے محمد ﷺ آپ کا رب اس وقت تک بستیوں کو ہلاک و غارت نہیں کرتا جب تک کہ ان کے صدر مقام میں کوئی خبر دار کرنے والا پیغمبر نہ بھیج دے جو ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ ہم

ان بستیوں کو پھر بھی ہلاک نہیں کرتے یہاں تک کے وہاں کے باشندے کھلم کھلا ظلم وستم کرنے لگیں اور علانیہ طور پر حق سے انکار کرنے لگیں۔ مظہری ۱۷۷،۱۷۸/۷، عثمانی ۲/۲۷۶)

دنیا کے منافع

۶۰، ۶۱۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَزِیْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِیْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ثُمَّ هُوَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ۝

اور تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ صرف دنیا کی زندگی کا سامان اور آرائش ہے اور جو (نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ ان سے بہتر اور باقی رہنے والی ہیں۔ کیا تمہیں (اتنی بھی) عقل نہیں۔ کیا وہ شخص جس سے ہم نے (جنت کا) وعدہ کیا ہے پھر وہ اسے (یقیناً) پانے والا بھی ہے، اس کی مانند ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی کا (تھوڑا سا) فائدہ دے رکھا ہے، پھر قیامت کے دن وہ پکڑا ہوا آئے۔

تشریح: اے مشرکین مکہ جو کچھ مال و اسباب تمہیں دیا گیا ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ وہ دنیا کی چندروزہ زندگی کا تھوڑا سا سامان اور زینت ہے۔ تم اس مال و متاع کی خاطر جو محض چندروزہ زندگی کا سامان ہے اور فنا ہونے والا ہے، دین اسلام قبول نہیں کرتے۔ ایمان و ہدایت قبول کرنے والوں کے لئے جو اجر و ثواب اللہ کے ہاں ہے وہ اس دنیاوی سامان اور زینت سے بہت بہتر ہے اور لازوال ہے۔ کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے کہ ان دونوں میں سے کون اچھا رہا۔

پھر فرمایا کہ مومن اور کافر دونوں انجام کے اعتبار سے کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک کے لئے دائمی عیش کا وعدہ ہے۔ جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا اور دوسرے کے لئے چندروزہ دنیوی عیش کے بعد دائمی عذاب ہے۔

مشرکین کا انجام

۶۲۔ ۶۷، وَیَوْمَ یُنَادِیْهِمْ فَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝ قَالَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَغْوَیْنَا ۚ اَغْوَیْنٰهُمْ

فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ۝

جس دن وہ (اللہ) ان کو پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے۔ جن پر الزام ثابت ہو چکا ہوگا وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے بہکا رکھا تھا۔ ہم نے ان کو اسی طرح بہکایا جس طرح ہم بہکے تھے۔ ہم تیرے سامنے ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اور (مشرکوں سے) کہا جائے گا کہ تم (مدد کے لئے) اپنے شرکا کو بلاؤ سو وہ ان کو پکاریں گے تو وہ ان کو جواب بھی نہ دیں گے اور وہ عذاب کو دیکھیں گے (تو تمنا کریں گے کہ) کاش وہ راہِ راست پر ہوتے۔ اور اس دن (اللہ) ان کو پکار کر پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا، سو اس روز انہیں کوئی بات نہ سوجھے گی اور وہ ایک دوسرے سے سوال تک نہ کر سکیں گے۔ پھر جس نے (دنیا میں) توبہ کی ہوگی اور وہ ایمان بھی لایا ہوگا اور نیک کام کئے ہوں گے تو امید ہے کہ وہ فلاح پانے والوں میں سے ہوگا۔

اَغْوَیْنَا: ہم نے بے راہ کر دیا۔ ہم نے گمراہ کیا۔ اغْوَاءٌ سے ماضی۔

تَبَرَّأْنَا: ہم الگ ہوئے۔ ہم بیزار ہوئے۔ تَبَرُّءٌ سے ماضی۔

عَمِیَتْ: وہ (دماغ سے) نکل گئی۔ وہ نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ عَمًی سے ماضی۔

تشریح: وہ دن بھی یاد رکھنے کے قابل ہے جب مجرموں کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ پکار کر فرمائے گا کہ تم مجھے چھوڑ کر دنیا میں جن بتوں کو پوجتے تھے وہ کہاں ہیں۔ تم انہیں پکارو اور دیکھو کہ وہ تمہاری کیا کچھ مدد کرتے ہیں یا اپنی ہی کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ اس وقت مجرمین کی بجائے گمراہی کے سردار اور کفر کے امام جن پر دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہوگا، عذر کے طور پر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ وہی لوگ ہیں جن کو ہم نے دنیا میں راہ حق سے بہکایا تھا۔ جس طرح ہم خود اپنے اختیار سے بہک گئے تھے اور گمراہ ہو گئے تھے اور ہم پر کسی نے جبر نہیں کیا تھا،

اسی طرح یہ لوگ اپنے اختیار سے بہکے تھے۔ ہم نے ان پر زبردستی نہیں کی تھی اور نہ ہمیں زبردستی کا اختیار تھا۔ اپنی گمراہی کا الزام ہمارے سر لگانا ٹھیک نہیں۔ اگر ہم نے ان کو گمراہی کی طرف بلایا تھا تو تیرے پیغمبروں نے بھی تو ان کو ہدایت کی طرف بلایا تھا۔ یہ چاہتے تو ہدایت کو اختیار کر لیتے لیکن انہوں اپنی مرضی سے گمراہی اختیار کی اور اب الزام ہمیں دیتے ہیں۔ پس ہم تیرے سامنے ان سے دستبردار ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ لوگ ہماری پوجا نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی خواہشوں کی پرستش کرتے تھے۔

پھر ان کافروں سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں جن کو ہمارا شریک قرار دیتے تھے ان کو بلاؤ کہ وہ آ کر تمہیں عذاب سے بچائیں۔ سو یہ لوگ اپنے شرکا کو پکاریں گے لیکن ان کو کوئی جواب نہیں ملے گا۔ اب وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور تمنا کریں گے کاش ہم دنیا میں ہدایت قبول کرنے والوں میں سے ہوتے تو یہ روز بد نہ دیکھنا پڑتا۔

قیامت کے روز مشرکین کو پکار کر ان سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا تھا جب انہوں نے تمہیں حق کی طرف بلایا تھا۔ سو اس دن ان کے ذہن سے ساری باتیں گم ہو جائیں گی۔ پھر وہ دہشت کا وجہ سے ایسے بدحواس ہو جائیں گے کہ نہ تو وہ خود کوئی جواب دے سکیں گے اور نہ ایک دوسرے سے پوچھ سکیں گے کہ کیا جواب دیں۔ البتہ وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں کفر و شرک سے توبہ کی، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو امید ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک فلاح پانے والوں میں سے ہوں گے۔ (مظہری ۱۷۹-۱۸۰، مظہری ۱۷۹-۸۰/ ۷، مواہب الرحمٰن ۸۱-۸۳/ ۲۹)

اللہ کا اختیار و علم محیط

۶۸-۷۰۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور (اے رسول ﷺ) آپ کا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ ان میں سے کسی کو (اس میں) کوئی اختیار نہیں۔ اللہ پاک اور برتر ہے ان کے شرک کرنے سے۔ اور آپ کا رب خوب جانتا ہے جو کچھ ان

کے سینوں میں مخفی ہے اور جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ وہی ہے جس کے
سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تمام تعریف اسی
کے لئے ہے اور اسی کے لئے حکومت ہے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تشریح: ساری مخلوق کا خالق اور تمام اختیارات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی اس کا شریک اور ساجھی نہیں۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے پسند کرتا اور برگزیدہ بناتا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ تمام امور اور خیر و شر اسی کے اختیار میں ہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ پاک اور بلند و برتر ہے ہر اس چیز سے جس کو مشرکین اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ تیرے رب کے علم کی شان یہ ہے کہ ان کے سینوں میں جو باطل عقائد اور رسول اللہ ﷺ کی عداوت پوشیدہ ہے وہ ان کو خوب جانتا ہے اور وہ رسول اللہ ﷺ پر جو کچھ طعن و تشنیع علانیہ طور پر کرتے ہیں، وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے۔ وہی اللہ واحد و یکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی طرف مخلوق اپنی حاجتیں لے جائے اور جس سے مخلوق عاجزی کرے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ دنیا اور آخرت میں حمد و ثنا اسی کے لئے ہے کیونکہ وہی منعم حقیقی اور محسن حقیقی ہے اور وہی حاکم حقیقی ہے۔ قیامت کے روز تم سب اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (ابن کثیر ۳۹۸،۳۹۷/۳، روح المعانی ۱۰۳۔۱۰۶/۲۰)

اللہ کی نعمتیں

۷۱۔۷۳۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ
مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ
اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ
غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ
رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے رات کو

دراز کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں روشنی میں لا ئے ۔ کیا تم سنتے بھی نہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر قیامت تک ہمیشہ کے لئے دن کو دراز کر دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں رات لا دے جس میں تم آرام پاؤ ۔ کیا تم (اس نعمت کو) دیکھتے بھی نہیں ۔ اور اس نے اپنی رحمت ہی سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تا کہ تم اس میں آرام پاؤ اور (دن کو) اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ تم اس کا شکر کرو ۔

سرمدا: ہمیشہ ۔ دائم

النّھار: دن ۔ سورج طلوع ہونے سے غروب ہونے تک کا وقت ۔ اسم جنس ہے ۔

تشریح: اے محمد ﷺ آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر رات کو روز قیامت تک دراز کر دے کہ قیامت تک رات ہی رات رہے اور سورج بالکل نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کونسا معبود ہے جو رات کو ختم کر کے دن کو لے آئے تا کہ روشنی ہو جائے اور تم طلب معاش کر سکو ۔ کیا تم اس روشن دلیل کو ہوش کے کانوں سے نہیں سنتے ۔

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر دن کو روز قیامت تک دراز کر دے کہ قیامت تک دن ہی دن رہے اور سورج کبھی غروب نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو دن کو ختم کر کے رات کو لے آئے تا کہ تم اس میں آرام و سکون حاصل کرو ۔ کیا تم چشم بصیرت سے نہیں دیکھتے ۔

پس اللہ تعالیٰ ہی نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے تا کہ تم رات میں آرام و سکون حاصل کرو اور دن میں روزی تلاش کرو اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو ۔ ذرا غور تو کرو کہ یہ رات اور دن اللہ کی کتنی بڑی نعمتیں ہیں اور کیسی زبردست قدرت کی نشانیاں ہیں ۔ انسان کو کام کی بھی ضرورت ہے اور کام کے بعد آرام کی بھی ضرورت ہے ۔ یہ دونوں ضرورتیں دن اور رات سے پوری ہوتی ہیں ۔ تمہارے فرضی خداؤں میں یہ قدرت نہیں کہ وہ دن اور رات میں ذرہ برابر بھی تغیر و تبدل کر سکیں ۔ (مظہری ۱۸۱، ۱۸۲ / ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۳۵ / ۵)

مشرکین کو تنبیہ

۷۴، ۷۵۔ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ۝

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور جس دن وہ ان سے پکار کر پوچھے گا کہ جن کو تم میرا شریک خیال کرتے تھے، وہ کہاں ہیں۔ اور ہم ہر امت میں سے ایک گواہ الگ کرلیں گے پھر ہم کہیں گے تم اپنی دلیل لاؤ تب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ حق (بات) اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ وہ گھڑا کرتے تھے وہ سب ان سے جاتا رہے گا۔

تشریح: اے نبی ﷺ! آپ بت پرستوں کو وہ دن یاد دلایئے جب اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ندا دے گا اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو تم اپنے سفارشی اور عذاب خدا سے بچانے والے خیال کرتے تھے۔ ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو نکال کر لائیں گے جو ان منکرین کے قول وفعل پر گواہی دیں گے اور ہم ان کافروں سے کہیں گے کہ تم اپنی کوئی دلیل پیش کرو۔ تم نے کس دلیل سے میرے لئے شرکا ٹھہرائے اور کس بنا پر تم نے میرے پیغمبروں کی تکذیب کی۔

پس اس وقت وہ جان لیں گے کہ سچی بات اللہ تعالیٰ ہی کی تھی اور دنیا میں جو وہ جھوٹی باتیں بناتے تھے اور اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے تھے اس دن وہ سب کچھ غائب ہو جائے گا۔ یعنی قیامت کے روز حق ظاہر ہو جائے گا اور باطل گم ہو جائے گا اور سب جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

قارون کا واقعہ

۷۶، ۷۷۔ اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

بیشک قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا، پھر وہ ان پر سرکشی کرنے لگا اور ہم نے

اس کو اس قدر خزانے دئیے تھے کہ اس کی کنجیاں کئی طاقتور آدمی مشکل سے اٹھاتے تھے ۔ جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ تو (اس مال پر) اترا مت ۔ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا ۔ اور جو کچھ تجھے اللہ نے دیا ہے تو اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور دنیا سے اپنی حصہ فراموش نہ کر اور احسان کر جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ بن ۔ یقیناً اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا ۔

مفاتحہ: اس کی کنجیاں ۔ اس کے خزانے ۔ واحد مفتاح ۔

تنوأ: وہ بھاری پڑتی ہے ۔ وہ تھکا دیتی ہے ۔ نوءٌ سے مضارع ۔

العُصبة: جماعت (دس سے چالیس تک) گروہ ۔ جمع عُصَبٌ ۔

تفرح تو فرحت پائے ۔ تو اترائے ۔ تو خوش ہو جائے ، یہاں اترانا مراد ہے ۔

تبغ تو چاہے ۔ تو تلاش کرے ۔ تو خواہش کرے ۔ بغیٌ سے مضارع ۔

تشریح: بلا شبہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا ۔ اکثر مفسرین کے نزدیک قارون حضرت موسیٰ کا چچازاد بھائی تھا ۔ بہت خوش آواز تھا اور توریت نہایت خوش الحانی سے پڑھتا تھا لیکن سامری کی طرح یہ بھی منافق ہو گیا تھا ۔

پھر وہ کثرت مال کی وجہ سے بنی اسرائیل پر غرور و تکبر کرنے لگا ۔ جو مال و دولت ہم نے اس کو عطا کیا تھا اس کا حال یہ تھا کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانا بھاری پڑتی تھیں ۔ قوم کے نیک و صالح لوگوں نے جب اس کا غرور و تکبر حد سے بڑھتے دیکھا تو اس کو نصیحت کی ۔ اتنا نہ اترا اور اس قدر غرور نہ کر ورنہ اللہ کی محبت سے دور ہو جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ نے جو مال اور نعمتیں تجھے دے رکھی ہیں ۔ اس میں سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے کاموں میں بھی خرچ کر ، اچھا کھا ، اچھا پی ، اچھا پہن ، اچھا اوڑھ ، حلال چیزیں استعمال کر ۔ اس کے ساتھ ہی مسکینوں کا بھی خیال رکھ ۔ جہاں تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے ، تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے ، تیرے بال بچوں کا بھی تجھ پر حق ہے ، مسکین غریب کا بھی تیرے مال میں حصہ ہے ۔ ہر حقدار کا حق ادا کر ، جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی اوروں کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کر ۔ اپنے مفسدانہ رویہ کو تبدیل کر کے مخلوق خدا کی ایذا رسانی سے باز آ جا ۔ بیشک اللہ تعالیٰ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا ۔ (ابن کثیر ۳/۳۹۹،۳۹۸)

اہلِ مال وقوت کا انجام

۷۸۔ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ
اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ
جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

وہ (قارون) کہنے لگا کہ مجھے تو یہ (مال) ایک ہنر سے ملا ہے جو میرے پاس ہے۔ کیا اسے معلوم نہیں کہ اس سے پہلے اللہ کتنی ہی جماعتوں کو ہلاک کر چکا ہے۔ جو قوت میں بھی اس سے بڑھ کر تھیں اور جمع پونجی میں بھی۔ اور مجرموں سے ان کے گناہ نہیں پوچھے جاتے۔

تشریح: قارون نیک وصالح لوگوں کی گفتگو سن کر کہنے لگا کہ مجھے جو کچھ مال و دولت ملا ہے وہ میری فہم وفراست اور علمی قابلیت کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ کوئی احسان نہیں کیا۔ نہ اس کی کوئی مہربانی ہے جس کا شکر ادا کرنا مجھ پر لازم ہو۔ جو کچھ مجھے دیا گیا ہے اس کا مجھے استحقاق تھا۔

قارون کے جواب کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کیا اس نادان کو معلوم نہیں کہ میں اس سے پہلے بہت سی سابقہ امتوں کو غارت کر چکا ہوں، جو قوت وطاقت اور مال جمع کرنے میں اس سے کہیں زیادہ تھیں۔ ان کی قوت اور مال و دولت ان کو ہلاکت سے نہ بچا سکیں۔ جو لوگ میرا شکر ادا نہیں کرتے اور اپنے کفر پر جمے رہتے ہیں، ان کو انجام بد ہوتا ہے۔

پھر فرمایا کہ تحقیق کی غرض سے مجرموں سے ان کے قصوروں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی سے ان کے جرائم معلوم ہوں گے۔ اس کو پوچھنے اور دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔

دنیاداروں کا رشک

۷۹۔۸۰۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَقَالَ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ
صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝

پھر (ایک دن) وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی پوری آن بان سے نکلا تو حیاتِ دنیا

کے طالب کہنے لگے کاش ہمارے لئے بھی ویسا ہی ہوتا جیسا قارون کو دیا گیا
ہے۔ بیشک وہ بڑے نصیب والا ہے۔اور جن کو علم (دین) دیا گیا تھا وہ کہنے لگے
کہ تم پر افسوس! (جان لو کہ) جو ایمان لایا اور اس نے نیک اعمال کئے تو اس کے
لئے اللہ کے ہاں کہیں بہتر اجر ہے اور یہ (انعام) صبر والوں ہی کو ملتا ہے۔

یلیت: اے کاش۔حرف تمنا ہے۔

حظ. حصہ۔نصیب۔جمع حظوظ۔

تشریح: ایک دن قارون نہایت قیمتی پوشاک پہن کر، بن سنور کر اور نہایت زرق برق ہو کر اپنی قوم کے پاس آیا تا کہ لوگوں کے سامنے اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرے۔اس کی قوم میں سے جو لوگ صرف دنیوی زندگی کا طلب گار تھے وہ اس کی شان وشوکت کو دیکھ کر کہنے لگے کاش ہمیں بھی ایسی دولت و راحت ملتی جو قارون کو دی گئی ہے۔ یقیناً قارون بڑا خوش نصیب ہے۔جن لوگوں کو دین کا علم عطا کیا گیا تھا اور صبر و قناعت اور توکل کی حقیقت کو جانتے تھے انہوں نے ان جاہل اور دنیوی شان و شوکت کی تمنا کرنے والوں سے کہا کہ افسوس تم پر، تم اس فانی دنیا کی فانی زیب و زینت پر للچائے ہوئے ہو۔اللہ کے یہاں جو اجر و ثواب ہے وہ اس دنیوی شان وشوکت سے کہیں بہتر اور باقی رہنے والا ہے، یہ اجر و ثواب ان کو ملے گا جو ایمان کی حالت میں اعمال صالحہ کرتے ہیں اور اپنے آپ کو حرص و طمع سے روکتے ہیں۔ (روح المعانی ۱۲۱۔۱۲۲/۲۰)

قارون کا عبرتناک انجام

۸۱۔۸۲۔ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا
مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
الْكٰفِرُوْنَ ۝

پھر ہم نے قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، سو اس کے حامیوں کا
کوئی گروہ نہ تھا جو اللہ (کے عذاب) کے مقابلے میں اس کی مدد کرتا اور نہ وہ

خود بچ سکا۔ اور وہ لوگ جو کل اس کے مرتبے (کے حصول) کی تمنا کرتے
تھے کہنے لگے۔ افسوس ہے (ہم بھول گئے تھے) اللہ ہی اپنے بندوں میں
سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا
ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ نے ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو وہ ہمیں بھی زمین
میں دھنسا دیتا افسوس کافر فلاح نہیں پاتے۔

خَسَفْنَا: ہم نے دھنسایا۔ خَسْفٌ سے ماضی۔

فِئَة: گروہ۔ چھوٹی جماعت۔

یَبْسُطُ: وہ کشادہ کرتا ہے۔ وہ پھیلاتا ہے۔ بَسْطٌ سے مضارع۔

تشریح: جب قارون اپنی شان و شوکت اور زینت پر اترایا اور سرکشی میں حد سے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ اس کی ساری شان و شوکت اور سرکشی و اترابٹ ایک دم خاک میں مل گئی۔ پس جب قارون اس ذلت و خواری کے ساتھ زمین میں دھنسا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت ایسی نہ تھی جو اس کی مدد کرتی اور اس کو عذاب الٰہی سے بچاتی اور نہ وہ خود اپنے آپ کو بچا سکا۔

کل جو لوگ قارون جیسے مالدار ہونے کی تمنا کر رہے تھے آج قارون کا انجام دیکھتے ہی ان کی آنکھیں کھل گئیں اور آپس میں کہنے لگے کہ ہائے افسوس ہم نے جو سمجھا تھا وہ غلط تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہم پر احسان نہ کرتا تو قارون کی طرح ہمیں بھی زمین میں دھنسا دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے قارون جیسی شان و شوکت اور مرتبہ حاصل کرنے کی ہماری تمنا پوری نہیں کی اور ہمیں قارون جیسا نہیں بنایا۔ اس طرح اس نے ہمیں مال و دولت کے فتنے سے بچا لیا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۴۲۔۳۴۴/ ۵، روح المعانی ۱۲۲۔۱۴۵/ ۲۰)

آخرت کی نعمتوں کے مستحق

۸۳، ۸۴۔ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي
الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ
فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا
السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

آخرت کا یہ گھر ہم انہی لوگوں کو دیں گے جو دنیا میں نہ اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کا (اچھا) ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا اور جو برائی لے کر آئے گا تو برائی کرنے والوں کو اسی قدر سزا دی جائے گی جس قدر (برائی) وہ کرتے تھے۔

تشریح: آخرت کا گھر مخلوق کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ اس گھر کی نعمتوں کو کوئی نہیں جانتا بلکہ اس کی نعمتوں کا کسی کے دل میں خیال تک نہیں گزرا۔ یہ گھر اور اس کی نعمتیں صرف ان لوگوں کو ملیں گی جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہوگا اور وہ دنیا کی زندگی میں تواضع، عاجزی اور انکساری کے ساتھ رہیں گے۔ نہ کسی پر اپنی بڑائی جتائیں، نہ ادھر ادھر فساد پھیلائیں۔ نہ کسی کی برائی کریں اور نہ کسی کا مال ناحق لیں اور عاقبت تو پرہیزگاروں ہی کے لئے ہے۔ قیامت کے دن جو شخص ہمارے پاس نیکی لے کر آئے گا، اسکو بہت سی نیکیوں کا ثواب ملے گا یعنی دس گنا سے سات سو گنا تک اور اس سے بھی زیادہ جتنا اللہ چاہے۔ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا اس کو صرف برائی کے مطابق سزا ملے گی۔ (ابن کثیر ۳/۴۰۲)

تبلیغِ دین کی تاکید

۸۸،۸۵۔ اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلۡ رَّبِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَنۡ جَآءَ بِالۡہُدٰی وَ مَنۡ ہُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا کُنۡتَ تَرۡجُوۡۤا اَنۡ یُّلۡقٰۤی اِلَیۡکَ الۡکِتٰبُ اِلَّا رَحۡمَۃً مِّنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوۡنَنَّ ظَہِیۡرًا لِّلۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۫۸۶﴾ وَ لَا یَصُدُّنَّکَ عَنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ بَعۡدَ اِذۡ اُنۡزِلَتۡ اِلَیۡکَ وَ ادۡعُ اِلٰی رَبِّکَ وَ لَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿ۚ۸۷﴾ وَ لَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۟ کُلُّ شَیۡءٍ ہَالِکٌ اِلَّا وَجۡہَہٗ ؕ لَہُ الۡحُکۡمُ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۸﴾

(اے نبی ﷺ) بیشک جس نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹا لے جانے گا پہلی جگہ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب خوب جانتا ہے کہ کون دین حق لے کر آیا ہے اور کون صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔ اور آپ کو اس کا خیال بھی نہ تھا کہ آپ پر کتاب اتاری جائے گی مگر محض آپ کے رب کی مہربانی سے (اس کا نزول ہوا) سو آپ کافروں کی ذرا بھی طرف داری نہ کریں اور ایسا نہ

ہو کہ اللہ کی آیتیں نازل ہونے کے بعد لوگ آپ کو اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ)
سے روک دیں اور آپ لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے رہئے اور ان
مشرکوں میں ہرگز شامل نہ ہونا۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ پکارنا۔ اس
کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کی ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اسی
کے لئے حکومت ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔

رآدُّکَ: تجھ کو ہٹانے والا۔ تجھ کو پھیرنے والا۔

مَعَادٍ: لوٹ کر آنے کی جگہ۔ عالم آخرت۔ عَوْدٌ سے اسم ظرف۔

ظَهِيْرًا: پشت پناہی کرنے والا۔ مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ،

يَصُدُّنَّكَ: وہ آپ کو روکیں گے۔ وہ آپ کو باز رکھیں گے۔ صدٌّ سے مضارع۔

تشریح: تحقیق جس ذات نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا وہ آپ کو پھر پہلی جگہ یعنی ہجرت کے بعد مکہ واپس لے آئے گی، اس وقت دین حق بلند ہوگا اور مکہ دارالاسلام ہو جائے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا پروردگار اس بندے کو خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا ہے اور اس کو بھی وہ خوب جانتا ہے جو کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

آپ کو جو کتاب دی گئی ہے وہ آپ پر اللہ کا خاص فضل اور خاص رحمت ہے۔ آپ کو تو کوئی امید بھی نہ تھی کہ آپ کو قرآن دیا جائے گا اور آپ کے پاس وحی آئے گی مگر محض آپ کے رب کی رحمت اور عنایت سے آپ پر یہ کتاب نازل کی گئی تاکہ لوگوں کو آخرت کا راستہ معلوم ہو سو آپ کافروں کے مددگار نہ بنئے جو لوگوں کو اللہ کے راستے سے ہٹانے پر کمربستہ ہیں۔

کافروں کی مخالفت سے آپ ان احکام کی تبلیغ میں سست نہ پڑیئے جو آپ پر نازل ہو چکے ہیں۔ آپ اسی طرح تندہی سے تبلیغ دین میں لگے رہئے جس طرح آپ اب تک لگے رہے۔ کافروں کی مدد و پشت پناہی کر کے آپ ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو جایئے اور اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہ پکاریئے کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اس کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کا حکم مخلوق میں جاری ہے۔ آخرت میں تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جہاں وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا و سزا دے گا۔ (مظہری ۱۹۱، ۱۹۲ / ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۵۸ / ۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ العنکبوت

وجہ تسمیہ: اس کو سورۃ العنکبوت اس لئے کہتے ہیں کہ ابطالِ شرک کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں عنکبوت (مکڑی) کی مثال ذکر فرمائی ہے۔

تعارف: اس میں سات رکوع، ۶۹ آیتیں، ۹۸۱ کلمات اور ۴۵۹۵ حروف ہیں۔

ابن عباس، عبداللہ بن الزبیر، حسن، عکرمہ، عطا اور جابر بن زید کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے، یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہ آخری سورت ہے جو مکہ میں نازل ہوئی۔ شعبی کا قول یہ ہے کہ اس کی ابتدائی دس آیتیں مدنی ہیں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۰۱/ ۲۰، روح المعانی ۱۳۲/ ۲۰، مظہری ۱۹۴/ ۷)

گزشتہ سورت میں فرعون کے فتنہ وفساد کا ذکر تھا۔ اس سورت میں قریش کی طرف سے فتنہ اور ابتلا کا ذکر ہے، جس کا مقصد اہل ایمان کو تسلی دینا ہے۔ اس سورت کا تمام مضمون امتحان و ابتلا کے بیان میں ہے۔

دار قطنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ چاند گہن اور سورج گہن کے وقت آنحضرت ﷺ دو رکعت اس طرح پڑھتے کہ ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدے ہوتے۔ پہلی رکعت میں سورۂ عنکبوت یا سورۂ روم پڑھتے اور دوسری رکعت میں سورۂ یٰس پڑھتے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۰۱/ ۲۰، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۳۵۰/ ۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: ایمان کی کسوٹی اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملنے کی امید رکھنے والوں کا ذکر ہے۔ کچھ

والدین سے حسن سلوک اور ضعیف الایمان لوگوں کا حال بیان کیا گیا۔ آخر میں مسلمانوں کو کافروں کی ایک احمقانہ پیش کش مذکور ہے۔

رکوع ۲: شروع میں قوم نوح کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اور آخر میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا بیان ہے۔

رکوع ۳: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کا جواب اور حضرت لوط کی قوم کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا عذاب سے ہلاک ہونا، پھر قوم شعیب، عاد وثمود اور قارون وفرعون کا حال مذکور ہے۔ آخر میں شرک کا ابطال ہے۔

رکوع ۵: آنحضرت ﷺ کو تلاوت قرآن اور اہل کتاب سے مباحثے میں نرمی کا حکم ہے۔ پھر قرآن کی صداقت کی دلیل بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۶: کافروں کا عذاب الٰہی کے لئے جلدی کرنا اور مومنوں کے لئے آخرت کی نعمتیں مذکور ہیں۔

رکوع ۷: پہلے کفار کی ناشکری کا بیان ہے پھر اہل مکہ پر اللہ کا انعام مذکور ہے

حروف مقطعات

۱۔ الٓمّٓ ۝ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

ایمان کی کسوٹی

۲۔۴۔ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ وہ (محض) آمنّا (ہم ایمان لائے) کہہ کر چھوٹ جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا۔ اور بیشک ہم ان سے پہلے والوں کو بھی آزما چکے ہیں، سو اللہ ضرور معلوم کرے گا کہ کون سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔ کیا لوگوں نے جو برے کام کرتے ہیں، یہ سمجھ

رکھا ہے کہ وہ نکل بھاگیں گے۔ یہ لوگ نہایت بیہودہ بات طے کرتے ہیں۔

حسب: اس نے گمان کیا، اس نے خیال کیا، حسُبانٌ سے ماضی۔

یُفْتَنُوْنَ: ان کو فتنے میں ڈالا جائے گا، وہ مصیبت میں مبتلا کئے جائیں گے۔ فَتْنٌ سے مضارع مجہول۔

یسْبِقُوْنا: وہ ہم پر سبقت کرتے ہیں۔ وہ ہم سے آگے بڑھتے ہیں۔

ساء: وہ برا ہے۔ سوءٌ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

یحکمُوْنَ: وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ تجویز کرتے ہیں، حُکْمٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے شعبی کا بیان نقل کیا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکے میں رہ گئے تھے۔ جب ہجرت کی آیت نازل ہوئی تو مدینے سے صحابہ نے مکہ میں رہ جانے والے مسلمانوں کو لکھا کہ جب تک تم ہجرت نہ کرو گے تمہارا اقرارِ اسلام قبول نہ ہوگا۔ پس مکے سے مسلمان مدینے کے ارادے سے نکل پڑے۔ کافروں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کو لوٹا کر (زبردستی) مکے لے گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۳۴/۲۰، مظہری ۱۹۴۔۱۹۵/۷)۔

تشریح: لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ مصیبتوں اور آفتوں کے ذریعے ان کی آزمائش نہ ہوگی بلکہ محض زبان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ وہ ایمان لے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر مومن کو امتحان اور ابتلا کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ یہی ایمان پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ اسی سے ایمان کی حقیقت کھلتی اور دلوں کا نفاق اور اخلاص ظاہر ہوتا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ سب سے زیادہ سخت امتحان انبیا کا ہوتا ہے، پھر نیک و صالح لوگوں کا، پھر ان سے کم درجے والے، پھر ان سے کم درجے والے۔

پس ہر آدمی کا امتحان اس کی دینی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ جو شخص جس قدر دین میں مضبوط اور سخت ہوگا اس کے ساتھ امتحان میں اسی قدر سختی کی جائے گی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اس سے پہلے انبیا کے متبعین کو بھی بڑے بڑے امتحانوں میں ڈالا تھا، تاکہ جو لوگ اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہیں، ان میں اور جو صرف زبانی دعوے کرتے ہیں ان میں تمیز ہو جائے۔ اگر لوگوں کو آزمائش اور امتحان میں نہ ڈالا جائے تو جھوٹے اور سچے سب برابر ہو

جائیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۝

(سورۂ بقرہ آیت ۲۱۴)

کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تم یونہی جنت میں چلے جاؤ گے اور تم پر اگلے لوگوں جیسے امتحان نہیں آئیں گے۔ ان پر ایسی سختیاں اور مصیبتیں پڑی تھیں کہ وہ ہلا دیئے گئے تھے یہاں تک کہ خود رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے پکار اٹھے کہ خدا کی مدد کب آئے گی۔ آگاہ ہو جاؤ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مدد بہت ہی قریب ہے۔

بخاری، ابوداؤد اور نسائی میں خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے کافروں کے ظلم وستم کی شکایت کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے مدد طلب کیجئے اور دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم سے پہلے ایک (زندہ) آدمی کو زمین کھود کر گاڑ دیا جاتا تھا۔ پھر اس کے سر پر آرا چلا کر بیچ سے دو ٹکڑے کر دیتے تھے۔ بعضوں کے بدن میں لوہے کی کنگھیاں پھرا کر چمڑا اور گوشت ادھیڑ دیا جاتا تھا۔ مگر یہ سختیاں ان کو دین سے نہ ہٹا سکیں۔۔

پھر فرمایا کہ جو لوگ برائی یعنی کفر ومعاصی کرنے والے ہیں وہ بھی یہ گمان نہ کریں کہ وہ ہماری گرفت سے نکل جائیں گے اور ہمارے قابو میں نہیں آئیں گے بڑے بڑے عذاب اور سخت سزائیں ان کی تاک میں ہیں، یہ ہمارے ہاتھ سے نہیں نکل سکتے۔ ان کے یہ گمان بہت برے ہیں کہ وہ ہمارے عذاب سے بچ جائیں گے اور ہم ان سے انتقام نہ لے سکیں گے۔ وہ اپنے گمان کا برا نتیجہ عنقریب دیکھ لیں گے، (ابن کثیر ۳/۴۰۴، روح المعانی ۲۰/۱۳۵ عثمانی ۲۸۶، ۲/۲۸۷)

قیامت کا یقین رکھنے کا صلہ

۵۔۷، مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝ وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ

الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ
سَیِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِیْ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝

جس کو اللہ سے ملنے کی توقع ہو تو اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے اور وہی سب کچھ سنتا (اور) سب کچھ جانتا ہے۔ اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو وہ اپنے ہی لئے کوشش کرتا ہے، بیشک اللہ تو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ہم ان سے ان کی برائیاں ضرور مٹا ڈالیں گے اور ہم ان کو ان کے اعمال کا بہت ہی اچھا بدلہ دیں گے۔

تشریح: جس شخص کو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے ملنے کا اشتیاق اور امید ہو یا اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا خوف ہو تو اس کو دشمنوں کی ایذا رسانی سے رنجیدہ اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ٹلتا نہیں، وہ ضرور آ کر رہے گا اور اس کی توقعات اور امیدیں پوری ہو کر رہیں گی اور اللہ کی راہ میں تکلیفیں اور سختیاں اٹھانے کا صلہ اس کو ضرور ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سنتا اور جانتا ہے وہ کسی کی محنت رائیگاں نہیں کرتا۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے کام میں محنت و مشقت اٹھاتا ہے تو اس کا پھل، دنیا و آخرت میں، اس کو ملے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے وہ مخلوق میں سے کسی کی اطاعت کا محتاج نہیں اور نہ ان کی نیکیاں اس کے کچھ کام آتی ہیں پھر بھی اس کی یہ مہربانی ہے کہ وہ ان کو نیکیوں پر بدلہ دیتا ہے اور برائیوں پر معاف فرما دیتا ہے۔ وہ بندے کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کی قدر کرتا ہے اور اس پر بڑے سے بڑا اجر دیتا ہے۔ ایک ایک نیکی کا سات سات سو گنا تک بدلہ دیتا ہے اور بدی کو یا تو بالکل معاف فرما دیتا ہے یا اسی کے برابر سزا دیتا ہے۔

والدین سے حسن سلوک

۸۔۹۔ وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْهِ حُسْنًا ؕ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِیْ مَا
لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ۝

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی نصیحت کی ہے اور اگر وہ کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک کرلے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا۔ تم سب کو میری ہی طرف لوٹنا ہے پھر میں تم کو بتادوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے تو ان کو ہم ضرور نیک لوگوں میں داخل کریں گے۔

شانِ نزول: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ماں اپنی اولاد میں سے ان کو سب سے زیادہ چاہتی تھی۔ جب حضرت سعد اسلام لائے تو ان کی والدہ رحمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ بن عبدشمس نے حضرت سعد سے کہا کہ اے سعد مجھے خبر ملی ہے کہ تو صابی ہو گیا ہے خدا کی قسم جب تک تو محمد ﷺ کا انکار نہ کرے گا اس وقت تک میں چھت کے نیچے سایہ میں نہیں بیٹھوں گی اور نہ کھانا کھاؤں گی اور نہ پانی پیوں گی۔ حضرت سعد نے ماں کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ تین دن اس طرح گزر گئے پھر حضرت سعد نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حال عرض کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۲۰/۱۳۹، مظہری ۷/۱۹۷)

تشریح: ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا ہے، اگرچہ والدین کافر اور مشرک ہی ہوں۔ جب تک کہ وہ کفر و شرک اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں اس وقت تک ان کی بات مانتے رہنا چاہئے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرتے رہنا چاہئے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًاؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ○

(الاسراء آیات ۲۳، ۲۴)

اور آپ کا رب فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ اگر تیرے سامنے ان (والدین) میں

سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے ادب سے بات کرنا اور ان کے آگے مہربانی سے جھکے رہنا اور ان کے لئے دعا کرتے رہنا کہ اے میرے رب! جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹے سے کو پالا ہے اس طرح تو بھی ان پر رحم کر۔

اگر وہ تمہیں مجبور کریں کہ تم ان چیزوں کو میرے ساتھ شریک قرار دو جن کی الوہیت کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا کیونکہ خالق کے مقابلے میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ ایک دن تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہیں وہ سب کچھ بتا دوں گا جو کچھ تم دنیا میں کرتے تھے، جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد نیک اعمال کئے اور اللہ کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہیں کی اور مرتے دم تک وہ اس پر قائم رہے تو میں ان کو صالحین میں شامل کر دوں گا اور ایمان وعمل صالح کی برکت سے ان کے گناہ معاف کر دوں گا۔ (ابن کثیر ۴۰۵/۳، مظہری ۱۹۸،۱۹۷/۷)

ضعیف الایمان لوگوں کا حال

۱۰، ۱۱۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ پھر جب اللہ کی راہ میں ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ لوگوں کی ایذا رسانی کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھنے لگتے ہیں اور اگر آپ کے رب کی طرف سے کوئی مدد آجائے تو کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے۔

کیا اللہ کو دنیا جہاں والوں کے دلوں کا حال معلوم نہیں اور البتہ اللہ تو مومنوں کو جان کر رہے گا اور وہ منافقوں کو بھی جان کر ہی رہے گا۔

اُوْذِيَ: ان کو ایذا دی گئی۔ ان کو تکلیف دی گئی۔ اِیْذَاءٌ سے ماضی مجہول۔

جَعَلَ: اس نے بنایا۔ اس نے کیا جَعْلٌ سے ماضی۔

فِتْنَةَ: فتنہ۔فساد۔مصدر ہے۔

لَيْسَ: نہیں ہے۔فعل ناقص ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں منافقوں کی حالت بیان کی گئی ہے کہ وہ زبان سے تو اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں مگر ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہیں ہوا ہے۔ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کو اللہ کے راستے میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا ایمان لانے کی وجہ سے کافر ان کو ستاتے ہیں تو اس آزمائش پر وہ صبر نہیں کرتے بلکہ اس کو اللہ کا عذاب سمجھنے لگتے ہیں اور بیتاب ہو کر کافروں کی بات مان لیتے ہیں اور اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اے نبی ﷺ! جب آپ کو جہاد میں اللہ کی طرف سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے اور مال غنیمت ملتا ہے تو اس وقت یہ لوگ مسلمانوں سے کہنے لگتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ تھے، ہم بھی کلمہ گو ہیں اس لئے ہمیں بھی مال غنیمت میں شریک کرو۔کیا اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں میں چھپے ہوئے اخلاص اور نفاق سے واقف نہیں ہے۔اس قسم کی آزمائش کے ذریعے وہ مومنوں کے اخلاص اور منافقوں کے نفاق کو ظاہر کرتا رہتا ہے تاکہ دنیا والوں کو بھی مومنوں اور منافقوں میں فرق اور امتیاز کا علم ہو جائے۔

کافروں کی احمقانہ پیشکش

۱۲،۱۳۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ۡ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ تم ہماری راہ پر چلو اور ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے حالانکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں۔ وہ بالکل جھوٹے ہیں اور البتہ وہ اپنے (گناہوں کا) بار اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ بھی اٹھائیں گے اور قیامت کے روز ان کی افترا پردازیوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔

تشریح: مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو راہِ حق سے ہٹانے کے لئے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ کہتے تھے کہ تم ہمارے اور ہمارے باپ دادا کے طریقے پر چلو۔آخرت کی فکر نہ کرو۔جنت و دوزخ کچھ نہیں۔اگر

بالغرض قیامت ہوئی بھی تو ہم تمہارے گناہ اپنے اوپر اٹھالیں گے۔ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔قیامت کے روز یہ کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔البتہ یہ لوگ اپنے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔اور جن لوگوں کو انہوں نے دنیا میں گمراہ کیا ہوگا ان کو گمراہ کرنے کا گناہ بھی ان پر ہوگا،مگر گمراہ ہونے والے لوگوں کے بوجھ میں کمی نہیں آنے کی وہ بدستور اپنے تمام گناہوں کا بوجھ اٹھانے ہوئے ہوں گے۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیمۃ (النحل آیت ۲۵)

قیامت کے روز وہ اپنے کامل بوجھ اٹھائیں گے۔

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کافروں سے ان کی افتراپردازیوں کی بازپرس ضرور کرے گا اور ان کو جرم کے مطابق ضرور سزا دے گا۔

صحیح حدیث میں ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو دعوت دے تو قیامت تک جو لوگ اس ہدایت پر چلیں گے ان سب کو جتنا ثواب ملے گا اتنا ہی ثواب اس اکیلے کو ملے گا مگر ان کے ثوابوں میں کمی نہیں ہوگی۔اسی طرح جس نے برائی پھیلائی،جو بھی اس پر عمل کرے گا ان سب کو جتنا گناہ ملے گا اتنا ہی گناہ اس اکیلے کو ہوگا لیکن ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔(مواہب الرحمٰن ۱۱۲، ۱۱۳/ ۲۰)

قومِ نوح علیہ السلام کا انجام

۱۴، ۱۵۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

اور البتہ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔پھر وہ نو سو پچاس برس ان میں رہے پھر ان لوگوں کو طوفان نے آلیا (کیونکہ) وہ ظالم تھے۔پھر ہم نے اس (نوح) اور کشتی والوں کو نجات دی،اور ہم نے اس واقعے کو تمام جہان والوں کے لئے نشانِ عبرت بنادیا۔

لَبِثَ: وہ رہا۔وہ ٹھہرا۔لبث سے ماضی۔

اَلْفَ: ایک ہزار۔جمع الف۔

عَامًا: سال۔ برس جمع اَعْوَامٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ اور مومنوں کی تسلی کے لئے حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کو مختصراً بیان کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ۹۵۰ سال تک تبلیغ دین کرتے رہے۔ وہ دن رات ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے توحید کی طرف بلاتے رہے اور کفر و شرک سے منع کرتے رہے، مگر سوائے چند آدمیوں کے جو ایمان لے آئے تھے ان کی قوم کے لوگ اپنی سرکشی اور گمراہی میں بڑھتے ہی گئے۔ وہ حضرت نوح اور ان کے ساتھ جو مومن تھے، ان کو ایسی ایسی تکلیفیں دیتے تھے کہ بیان سے باہر ہیں۔ بالآخر ان ظالموں پر طوفان کی شکل میں اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ تہس نہس ہو گئے۔

پھر ہم نے حضرت نوح کو اور ان کے ساتھ جو مومن کشتی میں سوار تھے ان کو اس عذاب سے بچا لیا اور ہم نے اس واقعے کو دنیا کے لئے نشانِ عبرت بنا دیا تا کہ دنیا والے حق کی مخالفت کرنے والوں کا انجام دیکھ لیں اور اس سے عبرت پکڑیں اور سرکشی سے باز آجائیں۔ واقعے کی تفصیل سوۂ ہود اور سوۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

اے نبی ﷺ! آپ اپنی قوم کی تکذیب کا خیال نہ کریں۔ آپ کو رنجیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جن لوگوں کے لئے جہنم طے ہو چکی ہے انہیں کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات ملی اور ان کی قوم کو غرق کر دیا گیا اسی طرح آخر میں غلبہ آپ ہی کو ہوگا اور یہ کفار و مشرکین مغلوب ہو کر رہیں گے۔ (حقانی ۵۱۶، ۲/۱۵۷، عثمانی ۲/۲۹۰)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

۱۶۔۱۸۔ وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور ابراہیم کو (ہم نے بھیجا) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت

کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔ یقیناً تم اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہو اور جھوٹی باتیں گھڑتے ہو۔ بیشک تم اللہ کو چھوڑ کر جن کو پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں سو تم رزق بھی اللہ ہی سے مانگو اور عبادت بھی اسی کی کرو اور اسی کا شکر ادا کرتے رہو۔ اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور اگر تم جھٹلاؤ تو تم سے پہلی امتوں نے بھی جھٹلایا ہے اور رسول کے ذمے تو صرف صاف صاف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔

اَوْثَانًا : بت۔ اللہ تعالیٰ کے سوا پرستش کی جانیوالی ہر چیز مثلاً پتھر۔ قبر جھنڈا وغیرہ۔ واحد وَثَنٌ۔

اِفْکًا: صریح جھوٹ۔ بہتان۔

اِبْتَغُوْا: تم تلاش کرو۔ اِبْتِغَاءٌ سے امر۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد تک سیکڑوں برس کا فاصلہ ہے اس عرصے میں لوگوں میں بت پرستی بہت بڑھ گئی تھی یہ لوگ صابی مذہب کے تھے۔ عناصر۔ کواکب اور دیگر روحانیات کی مورتیں بنا کر پوجتے تھے اور ان کو اپنے رزق اور دنیا کی راحت کا مالک جانتے تھے۔ یہ لوگ آخرت کے منکر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قوم کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ انہوں نے قوم کو وعظ و نصیحت کی کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے قہر و عذاب سے ڈرو اگر تم کچھ علم و فہم رکھتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کو چھوڑ اگر تم جن بتوں کو پوجتے ہو ان کو تمہاری روزی کا ذرا بھی اختیار نہیں۔ یہ سب جھوٹے خیالات ہیں کہ وہ تمہیں روزی دیتے ہیں۔ جو خود کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ دوسرے کو کیا دے گا۔ سو تم اللہ تعالیٰ ہی سے رزق مانگو جو زمین و آسمان کے خزانوں کا مالک ہے۔ تم اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کیں۔ آخر کار تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے جہاں اس کی عبادت اور شکر کا صلہ ملے گا اور کفر و شرک کی سزا ملے گی۔ حضرت ابراہیم نے قوم سے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہیں اس کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ اگر تم مجھ پر ایمان لاؤ گے اور میری تصدیق کرو گے تو تمہیں دنیا و آخرت کی فلاح حاصل ہوگی اور اگر تم میری تکذیب کرو گے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ تم سے پہلے بھی بہت سے گروہ اور فرقے سابقہ انبیا کو جھٹلا چکے ہیں۔ حضرت نوح اور شیث اور ادریس علیہم السلام کو بھی ان کے لوگوں نے جھٹلایا تھا۔ رسول کا کام تو صاف صاف حکم پہنچا دینا ہے۔ سو وہ میں نے پہنچا دیا۔ اب تم مانو نہ مانو۔ (حقانی ۳/۵۱۸)

قدرتِ کاملہ کی نشانیاں

۱۹۔۲۳۔ اَوَلَمْ یَرَوْا كَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى
اللّٰهِ یَسِیْرٌ ۝ قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ
اللّٰهُ یُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝
یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَرْحَمُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاِلَیْهِ تُقْلَبُوْنَ ۝ وَمَاۤ اَنْتُمْ
بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ؗ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ
وَّلَا نَصِیْرٍ ۝ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖۤ اُولٰٓئِكَ یَئِسُوْا مِنْ
رَّحْمَتِیْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے تخلیق کس طرح شروع کی۔ پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ بیشک یہ کام اللہ پر آسان ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ اللہ نے کس طرح ابتدا میں پیدا کیا۔ پھر وہ اس کو دوسری بار (قیامت کے دن) پیدا کرے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور تم اللہ کو نہ تو زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں (اڑ کر) اور نہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی حمایتی ہے اور نہ مددگار اور جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں وہی مری رحمت سے ناامید ہوں گے اور انہیں کے لئے عذابِ الیم ہے۔

یُنْشِئُ: وہ اٹھائے گا۔ وہ پیدا کرے گا۔ اِنْشَاءٌ سے مضارع۔

تُقْلَبُوْنَ: تم پھیرے جاؤ گے۔ قَلْبٌ سے مضارع مجہول۔

لِقَآئِہٖ: اس کی ملاقات۔

یَئِسُوْا: وہ مایوس ہو گئے۔ وہ ناامید ہو گئے۔ یَأْسٌ سے ماضی۔

تشریح: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے اور حشر ونشر کے منکر ہیں کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو کس طرح پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے۔ جو خدا مخلوق کو پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے وہی

اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور یہ بات اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہے۔

اے ابراہیم! آپ اپنی قوم سے کہہ دیجئے کہ اگر دوبارہ زندہ کرنے میں تمہیں کچھ تردد ہے تو تم زمین پر چل پھر کر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں قسم قسم کی مخلوق کو کس طرح پہلی بار پیدا کیا ہے۔ تم دن رات مشاہدہ کرتے ہو کہ مختلف قسم کے درخت فنا ہو جاتے ہیں اور پھر دوسری بار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی سے سمجھ لو کہ مرنے کے بعد وہ تمہیں بھی دوبارہ پیدا کرے گا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کی قدرت کاملہ کے اعتبار سے پہلی بار پیدا کرنا اور دوسری بار پیدا کرنا سب برابر ہے پھر دوبارہ زندہ کرنے کے بعد وہ جس کو چاہے گا عذاب دے گا اور جس پر چاہے گا مہربانی کرے گا۔ چونکہ وہ مالک ومختار ہے اس لئے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔ کوئی اس کے ارادے کو بدل نہیں سکتا۔ کسی کو اس سے پوچھنے کی مجال نہیں۔ وہ سب پر غالب ہے۔ تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ تمہاری عاجزی اور بے بسی کا یہ حال ہے کہ تم خواہ زمین پر ہو یا آسمان میں، تم اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے۔ تمام مخلوق اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی حامی ہے اور نہ مددگار۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور قیامت کے دن کی پیشی کو نہیں مانتے تو ایسے لوگ ہی اللہ کی رحمت سے محروم ہیں۔ انہیں کے لئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۶۱، ۳۶۲/ ۵)

قوم کا جواب

۲۴۔۲۵۔ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۞ وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَیْنِكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّیَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ؗ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۞

پھر اس قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا کہ کہنے لگے کہ اسے قتل کر دو یا اسے جلا دو۔ پھر اللہ نے اس (ابراہیم) کو آگ سے بچا لیا۔ بیشک اس میں بھی ایمان لانے والی قوم کے لئے البتہ نشانیاں ہیں۔ اور اس نے

اپنی قوم سے کہا کہ تم نے اللہ کے سوا جو بت بنا رکھے ہیں تم نے انہیں دنیا کی زندگی میں آپس کی دوستی کی بنا پر بنایا ہے۔ پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) کا انکار کرو گے۔ اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور (اس وقت) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

حَرِّقُوْهُ: اس کو جلاؤ۔ تَحْرِيْقٌ سے امر۔

مَوَدَّةً: محبت۔ دوستی۔

مَاْوٰىكُمْ: تمہارے رہنے کی جگہ۔ تمہارا ٹھکانا۔ اُوِیٌّ سے اسم ظرف۔

تشریح: حضرت ابراہیم کی قوم کے پاس ان کی نصیحت کا کوئی جواب نہ تھا اس لئے وہ اپنی قوت سے حق کو دبانے لگے اور کہنے لگے کہ ابراہیم کو قتل کر دو یا آگ میں جلا دو اور دیکھو کہ اس کا معبود اس کو جلانے سے ہمیں کیسے روکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک عظیم آگ تیار کی اور منجنیق کے ذریعے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو آگ سے نجات دی اور ان کو آگ کے ضرر سے محفوظ رکھا کہ آگ ان کے حق میں ٹھنڈی سلامتی والی اور باغ و بہار ہو گئی۔ بیشک مومنوں کے لئے اس واقعے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں میں سے ایک نشانی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا قادر ہے کہ اپنے بندے کو آگ میں سے بھی صحیح سلامت نکال لیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے صحیح سلامت نکلنے کے بعد قوم کو پھر نصیحت فرمائی کہ اے قوم کے لوگو! تم نے آپس کے دنیوی تعلقات کی وجہ سے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو معبود بنا رکھا ہے۔ تمہاری یہ باہمی محبت دنیوی زندگی تک ہی محدود ہے۔ پھر قیامت کے روز تمہاری محبت عداوت میں تبدیل ہو جائے گی۔ اور تم ایک دوسرے کے مخالف ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرنے لگو گے اور تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا یعنی بتوں کا بھی اور بت پرستوں کا بھی۔ وہاں تمہارا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا جو تمہیں دوزخ سے رہائی دلا سکے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۶۲، ۳۶۳/ ۵، مظہری ۲۰۴، ۲۰۵/ ۷)

حضرت لوط علیہ السلام کا ایمان

۲۶، ۲۷۔ فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ م وَقَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ

الْحَكِيمُ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

پھر لوط اس (ابراہیم) پر ایمان لائے اور (ابراہیم نے) کہا کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں۔ بے شک وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کئے اور اس کی نسل میں نبوت اور کتاب (کا سلسلہ) قائم رکھا۔ اور ہم نے دنیا میں بھی اس کو اس کا بدلہ دیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوں گے۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ سے نکلنے کے بعد پھر قوم کو وعظ ونصیحت کی تو ان کی قوم میں سے صرف حضرت لوط علیہ السلام ایمان لائے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اب میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا، بلکہ ہجرت کر کے اپنے رب کی بتائی ہوئی جگہ کی طرف چلا جاؤں گا بیشک میرا رب عزت وحکمت والا ہے۔ وہی ہجرت کے بعد مجھے عزت دے گا اور دشمنوں سے میری حفاظت فرمائے گا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کر کے شام کی طرف چلے گئے آپ کی بیوی سارہ اور حضرت لوط علیہ السلام دونوں آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سے پہلے شخص تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں ترک وطن کیا۔ پھر حضرت ابرہیم نے فلسطین میں اور حضرت لوط نے سدوم میں قیام اختیار کیا۔ مفسرین کہتے ہیں کہ ہجرت کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچھتر سال تھی۔

ابویعلیٰ، ابن مردویہ، ابن عساکر، طبرانی اور حاکم وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے جس شخص نے سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ پس آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اس کے ساتھ ہو کہ لوط (علیہ السلام) کے بعد یہ پہلا شخص ہے جس نے اللہ کی جانب ہجرت کی۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے کفر وشرک کی وجہ سے اپنی قوم کو اور عزیز واقارب کو چھوڑ کر ہجرت کر لی تو اس کے صلے میں ہم نے حضرت ابراہیم کو بڑھاپے کی حالت میں جبکہ وہ اولاد سے ناامید ہو چکے

تھے اسحاق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا تاکہ اولادِ صالح سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ نیز ہم نے ابراہیم کی نسل میں نبوت اور آسمانی کتاب کا سلسلہ قائم کیا کہ آئندہ جس کو نبوت اور کتاب ملے گی وہ حضرت ابراہیم ہی کی والاد میں سے ہوگا۔ چنانچہ نبوت پہلے بنی اسرائیل میں رہی پھر آخر میں بنی اسماعیل میں رسول خدا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ خاتم الانبیا ﷺ مبعوث ہوئے اور آپ پر نبوت ختم ہوگئی۔ اس طرح توریت، انجیل، زبور اور قرآن مجید تمام آسمانی کتابیں حضرت ابراہیم کی اولاد پر اتریں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ابرہیم کو ان کے اخلاص کا صلہ دنیا میں بھی دیا اور وہ یقیناً آخرت میں بھی نیک لوگوں میں شامل ہوں گے۔ (مظہری ۲۰۶،۲۰۵/ ۷، مواہب الرحمٰن ۱۲۱، ۱۲۴/ ۲۰)

قوم لوط کا حال

۲۸۔۳۰۔ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۡ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ ۙ وَتَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرَ ۭ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

اور لوط (کا حال بھی بیان کرو) جب کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ یقیناً تم ایسی بے حیائی (کا کام) کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا بھر میں کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور رہ زنی کرتے ہو اور اپنی بھری مجلس میں برا کام کرتے ہو۔ پھر اس کی قوم کے پاس اس کے سوا کوئی جواب نہ تھا اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔ لوط نے کہا اے میرے رب! اس مفسد قوم کے مقابلے میں میری مدد فرما۔

تَقْطَعُوْنَ: تم کاٹتے ہو۔ تم توڑتے ہو۔ تم روکتے ہو۔

نَادِيْكُمْ: تمہاری مجلس۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام کو اہل سدوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کی۔ کفر و شرک، رسولوں

کی تکذیب اور احکام خداوندی کی مخالفت تو دوسری امتیں بھی کرتی رہیں، مگر مردوں سے حاجت روائی کسی نے بھی نہیں کی۔ اس کے علاوہ وہ راستے روکتے تھے۔ ڈاکے ڈالتے تھے۔ قتل وفساد کرتے تھے مجلسوں میں علی الاعلان بری باتیں اور لغو حرکتیں کرتے تھے۔ کوئی کسی کو نہیں روکتا تھا۔ ان کی سرکشی کفر و عناد، ضد اور ہٹ دھرمی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے سمجھانے پر کہنے لگے کہ اگر تم عذاب کی دھمکی اور ہمارے افعال کو برا کہنے میں سچے ہو تو اس عذاب کو لے آؤ۔ چنانچہ حضرت لوط ان کی دلیری اور بے باکی کو دیکھ کر ان کے ایمان لانے سے ناامید ہو گئے اور انہوں نے اللہ کے آگے ہاتھ پھیلا کر عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اس مفسد قوم کے مقابلے میں مجھے غلبہ دے کر میری مدد فرما اور ان پر اپنا عذاب اور قہر نازل فرما۔ (ابن کثیر ۴۱۱، ۳/۴۱۲)

عذاب کے فرشتوں کی آمد

۳۱۔۳۵، وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓي اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور جب ہمارے (بھیجے ہوئے) فرشتے ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس بشارت لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ یقیناً اس کے رہنے والے بڑے ظالم ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس (بستی) میں تو لوط بھی ہیں۔ (فرشتوں نے) کہا ہم خوب جانتے ہیں جو اس میں ہے۔ ہم لوط اور اس کے گھر والوں کو بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ اور جب ہمارے (بھیجے ہوئے) فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے مغموم ہوئے اور ان کے (آنے) سے تنگ دل ہوئے اور فرشتوں نے کہا کہ آپ اندیشہ نہ کریں اور نہ مغموم ہوں۔ یقیناً ہم آپ کو اور آپ کی بیوی کے سوا تمام گھر والوں کو

بچالیں گے کیونکہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہوگی۔ ہم اس بستی والوں
پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں، اور البتہ اس بستی کا ایک کھلا
نشان ان لوگوں کے لئے چھوڑ رکھا ہے جو عقل رکھتے ہیں۔

غٰبِرِیْنَ: پیچھے رہنے والے۔ باقی رہنے والے۔ غُبُرٌ سے اسم فاعل۔

سِیْءَ: وہ غمگین ہوا۔ وہ ناخوش ہوا۔ وہ بری لگی۔ وہ ڈر گئے۔ سُوْءٌ سے ماضی مجہول۔

ضَاقَ: وہ تنگ دل ہوا۔ وہ تنگ ہوا۔ ضَیْقٌ وضِیْقٌ سے ماضی۔

ذَرْعًا: دل۔ طاقت۔ پیمائش۔ مصدر ہے۔

رِجْزًا: عذاب، آفت۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی دعا قبول کی اور عذاب کے فرشتوں کو اس مفسد قوم کو ہلاک کرنے کا حکم دے دیا۔ پہلے یہ فرشتے حضرت اسحاق کی خوشخبری لے کر مہمان کے طور پر انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ حضرت ابراہیم نے ان کے لئے کھانا تیار کرا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو حضرت ابراہیم دل میں خوفزدہ ہو گئے۔ اس وقت فرشتوں نے کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں، ہم فرشتے ہیں۔ ہم اس بستی کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ اس کے رہنے والے اپنے کفر اور بیجا حرکتوں پر جمے ہوئے ہیں۔ حضرت ابرہیم نے کہا کہ وہاں تو لوط اور دوسرے لوگ بھی ہیں جو ظالم نہیں ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ بستی میں کون ظالم ہے اور کون مومن و صالح ہے۔ ہم حضرت لوط اور ان کے خاندان والوں کو ضرور بچالیں گے، سوائے ان کی بیوی کے جو کفر اور بیجا حرکتوں میں قوم کا ساتھ دیتی رہی۔ ہم عذاب سے پہلے ہی ان کو بستی سے نکال لیں گے، البتہ ان کی بیوی ان کے ساتھ نہیں آئے گی۔ وہ پیچھے رہ جائے گی اور بستی والوں کے ساتھ وہ بھی عذاب سے ہلاک ہوگی۔

پھر یہ فرشتے حسین وجمیل لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط کے پاس پہنچے۔ حضرت لوط ان کو پہچانے نہیں اس لئے قوم کی طرف سے مہمانوں کے ساتھ متوقع بدسلوکی پر مغموم اور رنجیدہ ہوئے۔ فرشتوں نے حضرت لوط کی پریشانی دیکھ کر ان کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم انسان نہیں بلکہ عذاب کے فرشتے ہیں اور ان کو ہلاک کرنے آئے ہیں۔ ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو

عذاب سے بچالیں گے مگر آپ کی بیوی پیچھے رہ کر ہلاک ہونے والوں میں سے ہوگی۔ یقیناً ہم اہل بستی پر ان کے فسق و فجور اور بدکاریوں کی وجہ سے آسمان سے ایک خاص قسم کا عذاب نازل کرنے والے ہیں۔ آپ راتوں رات اپنے متعلقین کو لے کر بستی سے نکل جائیے صبح کے قریب ان پر عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ حضرت لوط علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد بستی الٹ دی گئی اور اوپر سے پتھر برسا کر ان کو ہلاک کر دیا گیا۔ اور ہم نے قوم لوط کی بستیوں کے واضح نشانات لوگوں کی عبرت کے لئے چھوڑ دیئے ہیں تاکہ عقلمند لوگ ان میں غور فکر کر کے ان سے عبرت حاصل کریں۔ مزید تفصیل کے لئے دیکھئے سورہ ہود آیات ۷۷۔۸۳، اور سورۂ حجر کی آیات ۶۱، ۷۷۔ (ابن کثیر ۴۱۲/۳، مواہب الرحمٰن ۱۲۶/۲۰)

قومِ شعیب کا حال

۳۶۔۳۷۔ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۙ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿﴾

اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا تو انہوں نے کہا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اور قیامت کے دن کی امید رکھو اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ سو انہوں نے اس کو جھٹلایا تو ان کو زلزلے (کے عذاب) نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

تَعْثَوْا: تم پھرو۔ تم فساد مچاؤ۔ تم پھیلاؤ۔ عِثِیٌّ سے مضارع۔

الرَّجْفَةُ: زلزلہ۔ کپکپاہٹ۔

جٰثِمِیْنَ: زانو کے بل گرے ہوئے۔ اوندھے پڑے ہوئے۔ جُثُوْمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: حضرت شعیب علیہ السلام نے اہل مدین کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سمجھایا کہ تم ایک اللہ کی عبادت کرو۔ قیامت کا آنا یقینی ہے اس دن ہر ایک کو اس کے اچھے یا برے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اس لئے تم اس دن کے لئے کچھ تیاری کر لو کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ زمین پر فساد برپا نہ کرو۔ ناپ تول میں کمی کر کے لوگوں کا حق نہ مارو۔ رہزنی نہ کرو ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی اتباع کرو۔

اہل مدین نے حضرت شعیب کی نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے ان کی تکذیب کی، فتنہ اور

فساد جاری رکھا اور لوگوں کے حقوق مارتے رہے، اس لئے اللہ کے عذاب نے ان کو آلیا۔ سو ان کو ایک سخت زلزلے اور تند و تیز چیخ سے ہلاک کر دیا وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر مر گئے۔ واقعے کی تفصیل سورۂ اعراف اور سورۂ شعراء میں گزر چکی ہے۔

عاد و ثمود و قارون و فرعون کا حال

۳۸۔۴۰۔ وَعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۛ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ۝ وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۛ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ۝ فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اور ہم نے عاد و ثمود کو (بھی غارت کیا) اور البتہ ان کے بعض مکانات تمہارے سامنے ظاہر ہیں اور شیطان نے ان کو ان کے اعمال (بد) آراستہ کر کے دکھائے تھے۔ پھر ان کو راہِ (راست) سے روک دیا تھا حالانکہ وہ ہوشیار لوگ تھے۔ اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کیا) اور البتہ ان کے پاس موسیٰ کھلی دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر بھی انہوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ (ہم سے) بھاگ نہ سکے۔ پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ پر پکڑ لیا سو ان میں سے کسی پر تو ہم نے پتھراؤ کرنے والی آندھی بھیجی اور ان میں سے کسی کو کڑک (ہولناک آواز) نے آلیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن یہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

صَدَّ : اسنے روکا۔ اس نے باز رکھا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

مُسْتَبْصِرِیْنَ: سب کچھ دیکھنے والے۔ ہوشیار۔ اِسْتِبْصَارٌ سے اسم فاعل۔

سٰبِقِیْنَ: سبقت لیجانے والے۔ آگے بڑھنے والے۔ سَباقٌ سے اسم فاعل۔

حَاصِبًا: پتھروں کی بارش کرنے والی تیز ہوا۔ سخت آندھی۔ حَصْبٌ سے اسم فاعل۔

الصَّیْحَۃُ: چیخ۔ کڑک۔ ہولناک آواز۔

خَسَفْنَا: ہم نے دھنسایا۔ خَسْفٌ سے ماضی۔

تشریح: عاد، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی، یہ لوگ احقاف میں رہتے تھے، جو یمن میں حضر موت کے قریب ہے۔ ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی۔ یہ لوگ وادیٔ القریٰ کے قریب حجر میں بستے تھے۔ اہل عرب ان سے خوب واقف تھے کیونکہ ان کی بستی ان کے راستے میں پڑتی تھی۔ ان دونوں قوموں کو بھی انبیا کی تکذیب اور عناد کے جرم میں ہلاک کیا گیا۔ ان کی تباہی ان کے مکانوں سے ظاہر ہے جو اجاڑ کھنڈر پڑے ہوئے ہیں۔ عرب کے لوگ یمن جاتے ہوئے ان کو راستے میں دیکھتے ہیں۔ شیطان نے ان کے کفر و تکذیب کو ان کی نظر میں مزین کر کے ان کو راہ حق سے روک دیا تھا حالانکہ یہ لوگ دنیوی کاموں میں بڑے ہوشیار تھے لیکن شیطان کے فریب کو نہ سمجھ سکے۔

اسی طرح قارون ایک دولت مند شخص تھا جس کے خزانوں کی کنجیاں لوگوں کی ایک بڑی جماعت اٹھاتی تھی اور فرعون مصر کا بادشاہ تھا اور ہامان اس کا وزیر اعظم تھا۔ حضرت موسیٰ اسی کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ وہ ایسی واضح اور روشن نشانیاں لے کر آئے تھے جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ پھر بھی انہوں نے تکبر کیا لیکن وہ ہماری گرفت سے نہ نکل سکے۔

پھر ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے وبال میں پکڑ لیا اور کوئی ہماری گرفت سے نہ نکل سکا۔ ان کافروں میں سے بعض پر تو ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا جیسے قومِ لوط، بعض کو ایک سخت چیخ نے آ پکڑا جیسے قومِ ثمود اور اہلِ مدین اور ان میں سے بعض کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا جیسے قارون اور ان میں سے کچھ وہ تھے جن کو ہم نے غرق کر دیا جیسے قوم نوح، فرعون اور اس کی قوم۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ کفر و معصیت کر کے وہ خود ہی اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنا رہے تھے۔

شرک کا ابطال

۴۱۔۴۴۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَوْلِیَآءَ کَمَثَلِ الْعَنْکَبُوْتِ ۚ

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۞ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۞ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۞

جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو دوست بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی کی سی ہے جس نے ایک گھر بنایا اور بلاشبہ سب گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔ بیشک اللہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن کو وہ اس کے سوا پکارتے ہیں وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہیں جن کو ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں اور ان کو صرف علم والے ہی جانتے ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو مناسب طور پر بنایا ہے۔ بیشک اس میں مومنوں کے لئے ایک بڑی نشانی (دلیل) ہے۔

عَنْكَبُوْتِ: مکڑی۔ جمع عَنَاكِبُ۔

اَوْهَنَ: سب سے بودا، سب سے کمزور، وَهْنٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: جو لوگ اللہ کے سوا باطل معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مکڑی اپنا گھر بنالیتی ہے اور مکڑی کا گھر تمام گھروں سے زیادہ کمزور ہے۔ مکڑی کا جالا تو پھر بھی کچھ حقیقت رکھتا ہے اور اس سے مکڑی کو کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے۔ بت پرستوں کی حالت تو مکڑی سے بھی گئی گزری ہے کہ بت نہ ان کو کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ کوئی پناہ اور سہارا دے سکتے ہیں کیونکہ ان کے پاس تو مکڑی کے برابر بھی قوت و اختیار نہیں۔ کاش وہ جانتے کہ ان کا مذہب مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور اور بے حقیقت ہے اگر ان کو ذرا بھی سمجھ بوجھ ہوتی تو وہ کبھی بھی شرک و بت پرستی کو اختیار نہ کرتے۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے ان چیزوں کی حقیقت جن کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں اور

اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ ایسی مثالیں لوگوں کو سمجھانے کے لئے بیان کرتا ہے اور صرف اہل علم ہی ان کو سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو مصلحت اور حق کے ساتھ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی تخلیق میں اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی توحید کی ایک بڑی نشانی ہے۔

تلاوتِ قرآن کا حکم

۴۵۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝

(اے رسول ﷺ) جو کتاب آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ اس کی تلاوت کرتے رہئے اور نماز ادا کرتے رہئے بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ کی یاد سب سے بڑی (چیز) ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تشریح: اے نبی ﷺ آپ منکرین و متکبرین کے انکار کی پرواہ نہ کیجئے۔ آپ اپنے دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہئے اور جو کتاب وحی کے ذریعے آپ کو دی گئی ہے آپ اس کی تلاوت کرتے رہئے تاکہ اس سے آپ کا دل قوی اور مضبوط رہے اور تلاوت کا اجر و ثواب بھی ملتا رہے۔ دوسرے لوگ بھی کلام الٰہی کو سن کر اس کے مواعظ اور علوم و برکات سے نفع اٹھاتے رہیں، جو لوگ نہ مانیں ان پر اللہ کی حجت تمام ہو اور دعوت و اصلاح کا فرض بحسن و خوبی انجام پاتا رہے۔

آپ نماز کو قائم کیجئے جو افضل ترین عبادت ہے اور تمام عباداتِ قولیہ و فعلیہ کا لب لباب ہے۔ بلاشبہ اپنی شرائط و آداب کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز جیسی عظیم عبادت بے حیائی اور ناپسندیدہ افعال سے روکتی ہے۔ جو شخص نماز سے جتنا قریب ہوتا جائے گا وہ فواحش و منکرات سے اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔

بہت سے لوگ نماز بھی پابندی سے پڑھتے ہیں اور برے کام بھی کرتے ہیں، اس سے بعض لوگوں کو نماز کی اس خاصیت کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ فواحش و منکرات سے روکتی ہے۔ قرآن کریم نے نماز کی جو خاصیت بیان کی ہے وہ بالکل ایسی ہی ہے جسے ایک طبیب کہتا ہے کہ فلاں دوا کی خاصیت یہ ہے کہ وہ فلاں مرض کو روک دیتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر دوائی

اپنے صحیح اور پورے اجزا پر مشتمل ہو اور پابندی سے ایک خاص مدت تک مناسب پرہیز اور صحیح مقدار خوراک کے ساتھ استعمال کی جائے تو وہ فلاں مرض کے روکنے میں مؤثر ہوگی۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوائی کی پہلی ہی خوراک سے مرض رک جائے گا۔

(عثمانی ۲۹۸، ۲/۲۹۹، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۳۷۴)

بغوی نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ ایک انصاری جوان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پانچوں نمازیں پڑھتا تھا لیکن اس کے باوجود کوئی کھلا گناہ ایسا نہ تھا جس کا وہ ارتکاب نہ کرتا ہو۔ اس کی یہ حالت رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی تو آپ نے فرمایا کسی دن اس کی نماز اس کو (ان گناہوں سے) روک دے گی۔ چنانچہ کچھ ہی مدت کے بعد اس نے توبہ کر لی اور اس کی حالت ٹھیک ہوگئی۔ (مظہری ۷/۲۱۱، روح المعانی ۲۰/۱۶۴)

مسند اسحاق اور بزار و ابو یعلیٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ فلاں شخص رات کو نماز (تہجد) پڑھتا ہے، پھر صبح کو چوری کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی نماز اس کو روک دے گی۔

(مظہری ۷/۲۱۱، روح المعانی ۲۰/۱۶۴)

اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی یاد جو نماز کا رکن اعظم ہے وہی سب سے بڑھ کر ہے۔ قلب کے زنگ و ظلمات اور کدورتوں کو دور کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی دوا نہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔

ترمذی و ابن ماجہ میں حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ اللہ کے ذکر سے زیادہ کوئی عمل آدمی کو اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا نہیں۔ (مظہری ۷/۲۱۱ روح المعانی ۲۰/۱۶۵)

مسلم نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو لوگ بیٹھے ہوئے اللہ کا ذکر کرتے ہیں (یعنی ان کے بیٹھنے کی غرض یاد الٰہی کے سوا کچھ نہیں ہوتی) تو ان پر فرشتے چھا جاتے ہیں اور رحمت ان کو ڈھانک لیتی ہے اور ان پر سکینہ (دل اور روح کا سکون) نازل ہوتا ہے اور اللہ ان (ملائکہ) میں جو اس کے مقرب ہوتے ہیں ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے۔ (مظہری ۷/۲۱۳)

اہل کتاب سے مباحثے میں نرمی کا حکم

۴۶۔ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ڰ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

اور (اے مسلمانو!) تم اہل کتاب سے بحث و مباحثہ بہت عمدہ طریقے سے کیا کرو مگر ان میں سے جو ظالم ہیں (ان سے پورا مقابلہ کرو) اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تمہاری طرف نازل کیا گیا اور ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

تشریح: اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تم دعوت تبلیغ میں اہل کتاب سے مجادلہ و مباحثہ نہ کیا کرو۔ اگر کسی وقت ایسا کرنا ضروری ہو جائے تو نرمی اور احسن طریقے سے بات کیا کرو۔ ان کی بداخلاقی کے مقابلے میں نرمی سے کام لو۔ اگر وہ مباحثے کے وقت غصہ کریں تو تم تحمل سے کام لو، وہ شور و غل کریں تو تم ان کی خیر خواہی ظاہر کرو۔ البتہ جن لوگوں نے معاہدے کو توڑ دیا ہو یا جزیہ ادا کرنا قبول نہ کیا ہو تو ان سے بحث و مباحثہ کرنے کی بجائے قتال کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں اور کافروں کو بتادو کہ ہم اس کتاب پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتاری گئی ہے اور ہم اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف اتاری گئی تھی۔ جو توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی وہ دونوں کتابیں حرف بحرف حق تھیں اور ان پر ہمارا ایمان ہے لیکن وہ آسمانی کتابیں اب اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں ہیں۔ ان میں بہت سا تغیر و تبدل واقع ہو چکا ہے اس لئے نہ تو ہم موجودہ توریت و انجیل کی تصدیق کرتے ہیں اور نہ تکذیب۔

ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہم صرف اسی ایک خدا کا حکم مانتے ہیں اور اسی پر عمل کرتے ہیں اور تم نے اس ایک خدائے برحق کے ساتھ اوروں کو بھی خدائی کے حقوق دے رکھے ہیں۔ مثلاً حضرت مسیح اور حضرت عزیز علیہما السلام وغیرہ۔ ہم اس کے تمام احکام کو مانتے ہیں، اس کے سب پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں اور سب آسمانی کتابوں کو برحق سمجھتے ہیں جبکہ تم بعض کو مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔　(عثمانی ۳۰۰/۲، مظہری ۲۱۴، ۲۱۵/۷)

قرآن کی صداقت کی دلیل

۴۷۔۴۹، وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ
وَ مِنْ هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ۝ وَ مَا
كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ
الْمُبْطِلُوْنَ۝ بَلْ هُوَ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ
وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۝

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف بھی کتاب نازل کی ہے۔ پس جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ان (مشرکین مکہ) میں سے بھی کچھ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار تو کافر ہی کرتے ہیں۔ اور (اے نبی ﷺ) اس سے پہلے نہ تو آپ کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے کہ یہ جھوٹے لوگ دھوکہ کھاتے۔ بلکہ یہ (قرآن) تو روشن آیتیں ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں اور ظالم لوگ ہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

تَخُطُّهٗ: تو اس کو لکھتا ہے۔ خَطٌّ سے مضارع۔

اِرْتَابَ: وہ شبہ میں پڑا۔ اس نے دھوکہ کھایا۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی۔

مُبْطِلُوْنَ: اہل باطل۔ جھوٹ کہنے والے۔ اِبْطَالٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی ﷺ! جس طرح ہم نے سابقہ انبیا پر اپنی کتابیں نازل فرمائی تھیں اسی طرح ہم نے آپ پر بھی اپنی کتاب نازل فرمائی ہے جو تمام کتب سماویہ کی جامع ہے۔ پس جن اہل کتاب نے توریت وانجیل کو ٹھیک سمجھا وہ کسی ضد اور عناد کے بغیر اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ہماری آیتوں کا انکار تو صرف وہ لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور اس کی ساری کتابوں کے منکر ہیں کیونکہ جو شخص قرآن کی تکذیب کرتا ہے وہ حقیقت میں توریت وانجیل کی بھی تکذیب کرتا ہے اس لئے کہ توریت وانجیل نے قرآن کی تصدیق کی ہے۔ پس جو شخص قرآن کا منکر ہے اور توریت یا انجیل پر ایمان رکھنے کا مدعی ہے تو

اس کا دعویٰ غلط ہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی ﷺ! قرآن نازل ہونے سے پہلے آپ نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ ان میں گزارا ہے۔ یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ آپ پڑھے لکھے نہیں بلکہ محض امی ہیں۔ نہ آپ لکھنا جانتے ہیں اور نہ پڑھنا۔ ایسی صورت میں آپ کوئی کتاب تصنیف یا تالیف نہیں کر سکتے۔ آپ کی یہ صفت سابقہ آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں جو فصیح و بلیغ اور حکمت سے پر کلام آپ تلاوت کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ قرآنی آیات کھلے ہوئے معجزے ہیں اور ہر قسم کی تحریف و تبدل سے محفوظ ہیں۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ○ (الحجر آیت ۹)

بیشک ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ قرآن اہل ایمان کے سینوں میں محفوظ ہے۔ دنیا کے ہر خطے میں بے شمار حافظ موجود ہیں اس لئے بالفرض اگر دنیا کے تمام قرآن گم ہو جائیں تو اس کو حافظوں کے سینوں سے دوبارہ لکھا جا سکتا ہے۔ اس کے برخلاف سابقہ آسمانی کتب میں لوگوں نے آیات اور الفاظ کو تبدیل کر دیا تھا اور ان کو زبانی یعنی یادداشت کی بنا پر نہیں پڑھا جاتا تھا بلکہ کتاب میں دیکھ کر پڑھا جاتا تھا۔ پس ہٹ دھرم اور بے انصاف لوگ ہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ (مظہری ۲۱۶،۲۱۵/۷، عثمانی ۳۰۱،۳۰۰/۲)

سب سے بڑا معجزہ

۵۰۔۵۲۔ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّہٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَوَلَمْ یَکْفِھِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْھِمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَرَحْمَۃً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ شَھِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَکَفَرُوْا بِاللّٰہِ ۙ اُولٰۗئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اور وہ کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر کچھ نشانیاں کیوں نہیں نازل ہوئیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے اختیار میں ہیں اور میں

تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں ۔ کیا ان کو یہ کافی نہیں کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی جو ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے البتہ اس میں رحمت اور نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو ایماندار ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے اللہ کافی ہے ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اور جو لوگ باطل پر ایمان لائے اور اللہ کے منکر ہیں وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں ۔

تشریح: منکرین نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر آنحضرت ﷺ سے ایسی ہی نشانی طلب کی جیسی حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر سے مانگی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان معاندین کو کہہ دیجئے کہ معجزے اور نشانیاں دکھانا میرا کام نہیں کہ میں تمہاری خواہش وفرمائش کے مطابق تمہیں معجزے دکھاؤں ۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے میرا کام تو صرف صاف صاف آگاہ کر دینا ہے سو میں نے تمہیں تمہارا برا بھلا سمجھا دیا ۔ اب تم جانو تمہارا کام ۔

کیا منکرین کے لئے یہ نشانی کافی نہیں کہ آپ کے امی ہونے کا باوجود ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی جو دن رات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے ۔ عرب وعجم کے لوگ اس کی ایک آیت کا مثل لانے سے عاجز ہیں ۔ قرآن کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا ۔ بلاشبہ اس قرآن میں مومنوں کے لئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی ۔

اے نبی ﷺ ! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری رسالت کی گواہی کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے سو جس نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اس پر میری رسالت پوشیدہ نہیں ۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب سے واقف ہے ۔ اس سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ۔ وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو حق کا انکار کرتے ہیں اور باطل کا اقرار کرتے ہیں ۔ جو لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں وہی لوگ خسارہ میں پڑنے والے ہیں، کیونکہ انہوں نے حق کے بدلے میں باطل کو اختیار کیا ۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۳۷۸، مظہری ۷/۲۱۷،۲۱۶)

عذاب کے لئے جلدی کرنا

۵۵،۵۳ ۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ، وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ، وَلَيَا

بَيْنَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور یہ لوگ آپ سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور اگر میری طرف سے وقت مقرر نہیں ہو چکا ہوتا تو ان کے پاس عذاب آ چکا ہوتا اور البتہ وہ ان پر اچانک آئے گا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوگی۔ وہ آپ سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور بیشک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس دن عذاب ان پر چھا جائے گا۔ ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ کہے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو (اب اس کا مزہ) چکھو۔

اَجَلٌ: وقت۔ مدت۔ موت۔ مہلت۔ جمع اٰجالٌ۔

مُسَمًّى: معین، مقرر کیا ہوا۔ نام رکھا ہوا۔ تَسْمِيَةٌ سے اسم مفعول۔

بَغْتَةً: یکا یک۔ ایک دم۔ اچانک۔

يَغْشٰهُمْ: وہ ان پر چھا جائے گا۔ وہ ان کو ڈھانک لے گا۔ غَشْیٌ سے مضارع۔

تشریح: اے نبی ﷺ! ان مشرکین کی بے باکی کا یہ حال ہے کہ جب آپ ان کو ہمارے عذاب سے ڈراتے ہیں تو یہ لوگ تکذیب و تمسخر کے طور پر آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ اس عذاب کو فوراً لے آیئے جس سے آپ ہمیں ڈراتے رہتے ہیں۔ اگر ہماری طرف سے عذاب کے آنے کا وقت مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو ان پر فوراً عذاب آ جاتا۔ ہمارے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ اس لئے وہ اپنے وقت پر آتی ہے۔ جو عذاب ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے وہ یقیناً ان پر آ کر رہے گا بلکہ ان کی بے خبری میں اچانک اور یک بیک آئے گا۔ یہ لوگ آپ سے جلد عذاب لانے کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ دوزخ ان کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے۔

قیامت کے روز مشرکوں کو آگ اوپر اور نیچے سے ڈھانک لے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ط (الاعراف آیت ۴۱)

ان کے لئے جہنم ہی اوڑھنا اور بچھونا ہے۔

لَهُمْ مِنْ فَوقِهِمْ ظُلَلٌ مِن النَّارِ ومِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ (الزمر آیت ۱۶)

ان کے اوپر اور نیچے سے آگ ہی کا فرش اور سائبان ہوگا۔

غرض کافروں کو ہر طرف سے آگ جلائے گی۔ آگے سے، پیچھے سے، اوپر سے، نیچے سے، دائیں سے، بائیں سے۔ پھر اللہ تعالیٰ یا اس کے حکم سے کوئی فرشتہ ان سے کہے گا کہ اب تم اپنے کئے کی سزا میں آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ اس دن ان کو دھکیل کر جہنم میں ڈالا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی جہنم ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔ (ابن کثیر ۴۱۸۔۳/۴۱۹، مواہب الرحمٰن ۱۲۔۲۱/۱۳)

مومنوں پر انعام

۵۶۔۵۹۔ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! بے شک مری زمین بہت وسیع ہے سو تم میری ہی عبادت کرو۔ ہر شخص موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔ پھر تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ہم ان کو جنت کے بالا خانوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ کیا ہی خوب اجر ہے عمل کرنے والوں کا۔ جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا ہے کہ اگر کافر تمہیں تنگ کرتے ہیں اور اسلام ظاہر کرنے پر تکلیفیں دیتے ہیں تو میری زمین تنگ نہیں اس لئے تم دوسری جگہ جا کر خالص میری ہی عبادت کرو۔ اگر تم اہل وعیال کی محبت میں اپنا شہر نہیں چھوڑ سکتے تو یاد رکھو تم میں سے ہر ایک مرنے والا اور میرے سامنے حاضر ہونے والا ہے۔ خواہ تم کہیں ہو موت کے پنجے سے نجات نہیں پا سکتے اس لئے تم ابھی سے آخرت کی فکر کرو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رضا میں لگے رہو تا کہ آخرت کے عذاب سے بچ سکو۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کو جنت کے بلند و بالا محلوں میں جگہ دے گا جن کے نیچے قسم قسم کی نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ کہیں صاف و شفاف پانی کی، کہیں شراب طہور کی اور کہیں شہد اور دودھ کی۔ یہ لوگ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں گے اور نہ وہاں کی نعمتیں ختم یا کم ہوں گی۔ کتنا اچھا بدلہ ہے یہ نیک کام کرنے والوں کا جنہوں نے کافروں کی اذیت رسانی، ہجرت اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں پر محض اللہ کی خوشنودی کے لئے صبر کیا اور رزق کے معاملے میں اپنے رب ہی پر بھروسہ کیا کہ وہ ان کو ایسی جگہوں سے رزق عطا فرمائے گا جو ان کے گمان میں بھی نہ ہوں گی۔ (ابن کثیر ۴۱۹، ۳/۴۲۰)

رزق کا وعدہ

۶۰۔ وَكَأَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اور بہت سے ایسے جانور ہیں جو اپنی روزی اٹھائے نہیں پھرتے۔ اللہ ان کو بھی رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ خوب سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

كَأَيِّنْ: بہت سے۔ کتنے ہی۔ اسم تکثیر ہے۔

دَآبَّةٍ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ مخلوق۔ دَبٌّ سے اسم فاعل۔

تَحْمِلُ: تو اٹھاتا ہے۔ وہ اٹھاتی ہے۔ حَمْلٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ مومن مکہ میں رہ گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہاں نہ ہمارا گھر ہے نہ مال، ہمارے کھانے پینے کا انتظام وہاں کون کرے گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح: بہت سے چوپائے اور پرندے جو غذا کے محتاج ہیں وہ اپنا رزق اپنے ساتھ اٹھائے اٹھائے نہیں پھرتے اور نہ وہ اگلے روز کے لئے جمع کرتے ہیں۔ ان کا رزق بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔ تمہیں بھی وہی روزی دیتا ہے۔ روزی ملنے کے معاملے میں تم، جانور اور پرندے سب برابر ہیں۔ زندگی برقرار رکھنے کے لئے تمہیں بھی غذا کی ضرورت ہے اور چوپایوں، پرندوں وغیرہ کو بھی۔ آخر کار تم بھی مر جاتے ہو اور وہ بھی مر جاتے ہیں اس لئے ہجرت کرنے کی صورت میں معاش کی طرف سے تمہیں کوئی اندیشہ نہیں

ہونا چاہیے وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اس نے تمہاری یہ گفتگو سن لی کہ ہجرت کریں گے تو کھائیں گے کہاں سے۔ وہ تمہارے دلوں کے اندر یقین و ایمان کے ضعف کو خوب جانتا ہے۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دوسرے دن کے لئے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے تھے۔

ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ وسلم فرما رہے تھے کہ اگر تم اللہ پر پورا پورا بھروسہ رکھتے تو وہ تم کو اس طرح رزق عطا فرماتا جس طرح پرندوں کو عطا فرماتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔　　　　(مظہری ۲۱۹، ۲۲۰/ ۷)

حقیقی زندگی

۶۱-۶۳۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور (اے نبی ﷺ) اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور (کس نے) سورج اور چاند کو مسخر کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے پھر (اللہ کو چھوڑ کر) کہاں بھٹکے جا رہے ہو، اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ بیشک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمان سے کس نے پانی اتارا پھر اس (پانی) سے مردہ زمین کو زندگی بخشی (سرسبز کر دیا) تو یہ کہیں گے کہ اللہ نے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمام تعریف، اللہ ہی کے لئے ہے بلکہ ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔

یُؤْفَکُوْنَ: وہ لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ پھیرے جاتے ہیں۔ وہ بھٹکے جاتے ہیں۔ اَفْکٌ سے مضارع۔

یَقْدِرُ: وہ (رزق) تنگ کرتا ہے۔ وہ کم کرتا ہے۔ قَدْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اے نبی ﷺ! اگر آپ اہل مکہ سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے کام پر لگا رکھا ہے تو وہ ضرور اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اسی نے چاند و سورج کو کام پر لگا رکھا ہے۔ وہ یہ بھی اقرار کریں گے کہ اللہ ہی آسمان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور اس سے غلہ پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ رزق کی فراخی اور تنگی اس کی مشیت اور حکمت کے تحت ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کی حکمت سے خوب واقف ہے۔

اگر چاند و سورج ایک ہی جگہ پر ٹھہرے رہتے اور حرکت نہ کرتے تو نہ دن ہوتا اور نہ رات ہوتی۔ نہ موسم بدلتا اور نہ گرمی اور سردی ہوتی۔ دن اور رات کا اختلاف اور موسموں کا تغیر یہ سب سورج اور چاند کی حرکت سے ہوتا ہے جو اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ یہ سب کچھ اقرار کرنے کے بعد یہ لوگ کفر و شرک میں کیوں مبتلا ہیں۔ اور اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہیں اور اس کے سوا دوسروں پر توکل کیوں کرتے ہیں۔ جب وہ آسمانوں اور زمین کا، سورج و چاند کا، موت و حیات کا تنہا خالق و مالک ہے تو عبادت کے لائق بھی وہ اکیلا ہی ہے اس لئے خالص اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

کفار کی ناشکری

۶۴۔۶۶۔ وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۝ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور اس دنیا کی زندگی لہو و لعب کے سوا کچھ نہیں اور بیشک آخرت کا گھر ہی زندگی (کی جگہ) ہے کاش وہ جانتے۔ پھر جب یہ لوگ کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ پر خالص اعتقاد رکھ کر اس کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو وہ اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ ہماری دی ہوئی (نعمتوں) کا انکار کریں اور مزے اڑاتے رہیں۔ پھر بہت جلد وہ جان لیں گے۔

لَھْوٌ : کھیل۔ تماشا۔ غفلت کرنا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

لَعِبٌ : کھیلنا۔ مشغلہ۔ مصدر اور اسم۔

حَیَوَانُ : زندگی۔ جینا۔ مصدر ہے۔

رَکِبُوْا : وہ سوار ہوئے۔ رُکُوْبٌ سے ماضی۔

فُلْکِ : کشتی۔ جہاز۔ مذکر و مؤنث، واحد و جمع سب کے لئے آتا ہے۔

تشریح: دنیا کی زندگی تو صرف لہو ولعب ہے۔ آخرت کی زندگی ہی ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اگر ان منکرین کو علم ہوتا کہ دنیا فانی ہے اور آخرت لازوال ہے تو وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے۔ پس آدمی کو چاہئے کہ اس دنیا کی فانی اور چندروزہ زندگی سے زیادہ آخرت کی فکر کرے۔ اصلی اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی وہی ہے اس لئے تمام کوششیں آخرت کی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے ہونی چاہئیں۔

مشرکین جب کشتی میں سفر کرتے ہیں اور ان کو کشتی کے ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے تو اس وقت وہ اپنے کفر و شرک کے باوجود نہایت خلوص سے صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کو اس مصیبت سے بچانے والا نہیں۔ جونہی اللہ تعالیٰ ان کی مصیبت کو دور کرتا ہے اور وہ سلامتی کے ساتھ خشکی پر پہنچ جاتے ہیں تو کشتی سے اترتے ہی پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ پس کفر و شرک سے ان کی غرض یہ ہے کہ وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کرتے رہیں اور دنیا کے مزے اڑاتے رہیں۔ سو یہ لوگ چندروز اور دنیا کے مزے اڑا لیں۔ پھر بہت جلد ان کو ناشکری کا انجام معلوم ہو جائے گا۔　(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۳۸۵، ابن کثیر ۳/۴۲۱)

اہلِ مکہ پر اللہ کا انعام

۶۷۔۶۹، اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۚ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۚ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا حالانکہ ان (اہل مکہ) کے اردگرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔ پھر کیا وہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کا کفر کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو

اللہ پر جھوٹ افترا کرے یا جب سچی بات اس کے پاس پہنچے تو اس کو جھٹلائے۔ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم نہ ہوگا اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے۔ بلاشبہ اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یُتَخَطَّفُ: وہ اچک لئے جاتے ہیں۔ وہ جھپٹ لئے جاتے ہیں۔ تَخَطُّفٌ سے مضارع مجہول۔

مَثْوًی: رہنے کی جگہ۔ ٹھکانا۔ ثُوِیًّا سے ظرف مکان۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اپنا احسان یاد دلاتے ہوئے فرمایا کہ کیا ان مشرکوں کو یہ معلوم نہیں کہ ہم نے حرم کو ان کے لئے امن کی جگہ بنا رکھا ہے۔ مکہ کے اندر نہ کوئی ان کو لوٹتا ہے اور نہ وہاں کسی قسم کی غارت گری ہوتی ہے اور نہ کوئی قید ہوتا ہے۔ غرض یہ لوگ ہر طرح مامون و محفوظ ہیں جبکہ اس کے قرب و جوار میں لوگ لوٹ لئے جاتے ہیں اور قتل کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ کیسے لوگ ہیں کہ اللہ ان پر احسان کرتا ہے اور یہ اس کھلی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔

سب سے بڑی ناانصافی یہ ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرایا جائے یا اس کی طرف وہ باتیں منسوب کی جائیں جو اس کی شان کے لائق نہیں یا پیغمبر جو سچا پیغام لے کر آئے ہیں اس کو سنتے ہی جھٹلانا شروع کر دیا جائے۔ کیا ان ظالموں کو معلوم نہیں کہ منکروں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے ہماری راہ میں جان و مال سے جہاد کیا اور طرح طرح کی مشقتیں اٹھائیں اور ہمارے اوامر و نواہی کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی تو ہم ان کو اپنے راستے کی طرف راہنمائی کر دیتے ہیں، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(عثمانی ۲/۳۰۴، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۳۸۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ روم

وجہ تسمیہ: سورۃ کے شروع میں روم کے غلبے کی پیش گوئی ہے۔ اسی لئے یہ سورۃ سورۂ روم کے نام سے مشہور ہوگئی۔

تعارف: اس میں چھ رکوع ۶۰ یا ۵۹ آیتیں۔ ۸۱۹ کلمات اور ۳۵۳۴ حروف ہیں۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ ابن عباس اور ابن الزبیر سے بھی یہی روایت ہے کہ یہ سورت مکیہ ہے۔ (روح المعانی ۱۶/۲۱)

سورۃ کے شروع میں آپ ﷺ کی نبوت کی ایک دلیل کا بیان ہے کہ آپ نے غلبۂ روم کی پیش گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل اسی طرح پوری ہوئی جس طرح آپ نے خبر دی تھی۔ پھر سورت کے آخر تک دلائلِ قدرت کا بیان ہے تاکہ لوگ ان میں غور وفکر کریں اور سمجھ لیں کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور اختیار میں ہے۔ وہی فتح ونصرت کا مالک ہے اور اسی کے اختیار میں عزت وذلت ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن مجید کی حیرت انگیز پیش گوئی اور سابقہ قوموں کے عبرت انگیز حالات کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مومنوں اور کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پھر مومنوں کو صبح وشام اللہ کی حمد اور پاکی بیان کرنے کی تاکید مذکور ہے۔

رکوع ۳: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں۔

رکوع ۴: مشرکین کی گمراہی کی مثال بیان کی گئی ہے۔ پھر انسانی فطرت اور انسان کی ناشکری کا بیان

ہے۔آخرت میں قرابت داروں مسکینوں اور مسافروں کو ان کا حق دینے کی تاکید ہے۔

رکوع ۵: بحر و بر میں فساد کا سبب بیان کیا گیا ہے۔ پھر انعام الٰہی کی بشارت اور سماع موتٰی کا بیان ہے۔

رکوع ۶: حیات انسانی کے مراحل اور کفار کو اہل علم کی ملامت مذکور ہے۔

حروف مقطعات

۱۔ الٓمّٓ ۝ یہ حروف مقطعات ہیں۔ان کی تفصیل پہلی گزر چکی ہے۔

حیرت انگیز پیش گوئی

۲۔۷، غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝
فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۥ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ
اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ
ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

روم والے مغلوب ہو گئے، قریب کے ملک میں، اور وہ مغلوب ہونے کے بعد بہت جلد غالب ہوں گے۔ چند سال میں، اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی اختیار اللہ ہی کا ہے اور اس روز (جس روز رومی غالب ہوں گے) مسلمان خوش ہوں گے۔ اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہی زبردست (اور) رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ جانتے ہی نہیں وہ تو صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو ہی جانتے ہیں۔ اور وہ آخرت سے تو بالکل غافل ہیں۔

اَدْنٰی: بہت چھوٹا۔ بہت نزدیک۔ دَنِیٌّ سے اسم تفضیل۔

بِضْعٍ: چند۔ کئی۔ یہاں مفسرین نے تین برس سے نو برس کی مدت بتائی ہے۔

تشریح: ان آیات میں قرآن کریم نے ایک عجیب و غریب پیش گوئی کی ہے، جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے۔ اس زمانے کی دو بڑی طاقتیں فارس اور روم ایک زمانے سے نبرد آزما چلی آ رہی تھیں۔ ۵۷۰ء میں نبی کریم ﷺ کی ولادت ہوئی اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء میں آپ کی بعثت ہوئی۔ مشرکین مکہ فارس کے آتش پرست مجوس کو مذہباً اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے۔ اسی طرح روم

کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے قریبی دوست قرار دیئے جاتے تھے۔اس لئے جب فارس کے غلبہ کی خبر آئی تو مشرکین خوب مسرور ہوئے اور اس سے مسلمانوں کے مقابلے میں اپنے غلبے کی فال لیتے، اس سے بہت سی توقعات قائم کرتے مسلمانوں پر طعن کرتے اور ان کی ہنسی اڑاتے۔

جب قمری حساب سے آنحضرت ﷺ کی بعثت کے پانچ سال گزر چکے تو خسرو پرویز کے عہد میں فارس نے روم کو فیصلہ کن شکست دی۔ شام، مصر، ایشائے کوچک وغیرہ تمام ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ قیصر قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور ہوگیا اور روم کا دارالسلطنت بھی خطرے میں پڑ گیا۔ بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہوگئے۔ بظاہر روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ان حالات میں مشرکین نے خوب خوشیاں منائیں۔بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے، کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا دیں گے۔اس وقت قرآن کریم نے ظاہری اسباب کے بالکل خلاف اعلان کیا کہ بیشک اس وقت رومی فارس سے مغلوب ہوگئے ہیں لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب ہو جائیں گے۔

اس پیش گوئی کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے مشرکین کے ساتھ سو سو اونٹ کی شرط باندھ لی اور نو سال کی مدت ٹھہری۔اس وقت تک ایسی شرط لگانا حرام نہیں ہوا تھا۔قرآن کی پیش گوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر عین بدر کے دن جبکہ مسلمان مشرکین پر عظیم الشان فتح حاصل ہونے پر خوش تھے، رومیوں کے غلبے کی خبر سے اور زیادہ مسرور ہوئے۔اس عظیم الشان پیش گوئی کی صداقت کا مشاہدہ کر کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرکین سے سو اونٹ وصول کئے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان اونٹوں کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔

پھر فرمایا کہ پہلے فارس کو روم پر غالب کرنا اور پھر روم کو فارس پر غالب کرنا سب اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہے۔جس دن رومیوں کو اہل فارس پر غلبہ حاصل ہوگا اس دن اللہ کی عنایت کردہ فتح سے مومن خوش ہوں گے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے فتح یاب کرتا ہے، کبھی ایک فریق کو اور کبھی دوسرے فریق کو۔ وہی غالب اور وہی رحمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا پختہ وعدہ ہے کہ مغلوب ہونے کے بعد رومی غالب آجائیں گے۔ اللہ اپنے

وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن بہت سے لوگ اللہ کی حکمتوں کو نہیں جان سکتے۔ اکثر لوگ دنیا کا تو خوب علم رکھتے ہیں۔ اس کے برے بھلے اور نفع ونقصان کو پہچان لیتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں آخرت کا خیال تک نہیں آتا۔ (عثمانی ۲/۳۰۵،۳۰۶)

سابقہ قوموں کے حالات سے عبرت

۸۔۱۰۔ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗاٰۗى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اور کیا وہ اپنے دل میں (یہ بھی) غور نہیں کرتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کو بہترین قرینے سے اور مقررہ وقت ہی کے لئے پیدا کیا ہے اور یقیناً اکثر لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔ کیا انہوں نے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا۔ وہ ان سے بھی بڑھ کر قوت والے تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا تھا اور انہوں نے اس کو اس سے کہیں زیادہ آباد کیا تھا، جس قدر انہوں نے اس کو آباد کیا ہے۔ اور ان کے پاس بھی ان کے رسول معجزے لے کر آئے تھے۔ سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔ پھر برا کرنے والوں کا انجام بھی برا ہی ہوا۔ اس لئے انہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان کی ہنسی اڑائی۔

اَثَارُوْا: انہوں نے جوتا (زمین کو) انہوں نے برانگیختہ کیا۔ اِثَارَۃٌ سے ماضی۔

عَمَرُوْا: انہوں نے خدمت کی۔ انہوں نے آباد کیا۔ عِمَارَۃٌ سے ماضی۔

اَسَاءُوْا: انہوں نے برا کام کیا۔ انہوں نے برائی کی۔ اِسَاءَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: چونکہ کائنات کا ذرہ ذرہ حق جل وعلا کی قدرت کا نشان ہے اور اس کی توحید و ربوبیت پر دلالت کرتا ہے اسلئے ارشاد فرمایا کہ موجودات میں غور و فکر کیا کرو اور قدرت کی ان نشانیوں سے ان کے خالق و مالک کو پہچانو اور غور کرو کہ اس نے یہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں، بے کار پیدا نہیں کیں۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے۔ جس کے بعد ان کو فنا کر دیا جائے گا لیکن اکثر لوگ اس فنا اور قیامت کو نہیں مانتے۔

اس کے بعد نبیوں کی صداقت کو بیان فرمایا کہ تم زمین میں چل پھر کر اگلے لوگوں کے حالات معلوم کرو کہ گزشتہ امتیں جو تم سے زیادہ طاقت ور تھیں، تم سے زیادہ مال دار تھیں، تم سے زیادہ کنبے قبیلے والی تھیں اور وہ لوگ تم سے زیادہ عمر والے تھے، تم سے زیادہ کھیتیوں اور باغات والے تھے لیکن جب ان کے پاس ہمارے رسول آئے اور انہوں نے ہماری نشانیاں اور معجزے دکھائے تو ان بدبختوں نے انبیا کی تکذیب کی اور وہ اپنے کفر و شرک اور سیاہ کاریوں پر قائم رہے بالآخر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو ہلاک و برباد کر کے ان کو عبرت کا نشان بنا دیا۔ سو ان لوگوں کو ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے۔ یہ عذاب تو ان کے اپنے کرتوتوں کا وبال تھا کہ وہ اس کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے اور ان کا تمسخر اڑاتے تھے۔ (ابن کثیر ۴۳۷/۳)

نیک و بد میں تفریق

۱۱۔۱۶، اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ
السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا
بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ۝ وَاَمَّا
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ
مُحْضَرُوْنَ ۝

اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہ اس کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی گناہ گار ناامید ہو جائیں گے۔ اور ان کے معبودوں میں سے کوئی بھی ان کا سفارشی نہ ہوگا اور وہ لوگ خود بھی اپنے معبودوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس دن قیامت

قائم ہوگی اس روز (نیک و بد) لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو وہ جنت میں (انعامات سے) نوازے جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور آخرت کے پیش آنے کو جھٹلایا تو وہ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

یُبۡلِسُ: وہ نا امید ہوگا۔ وہ مایوس ہوگا۔ اِبۡلَاسٌ سے مضارع۔

رَوۡضَۃٍ: باغ۔ سبزہ زار۔ جمع رِیَاضٌ ۔

یُحۡبَرُوۡنَ: وہ مسرور ہوں گے۔ ان کو خوش کیا جائے گا۔ ان کو نوازا جائے گا۔ حَبۡرٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ہی نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا۔ جس طرح وہ اس کے پیدا کرنے پر اس وقت قادر تھا، اس کو فنا کرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے پر بھی وہ اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ قادر ہے۔ قیامت کے روز تم سب اسی کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے جہاں وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز تمام مجرم اور گناہ گار ناامید ہوں گے۔ جن بتوں کو وہ دنیا میں اللہ کی عبادت میں شریک ٹھہراتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بت اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کریں گے اور ان کو عذاب سے بچالیں گے تو اس دن ان میں سے کوئی بھی ان کی شفاعت کے لئے کھڑا نہ ہوگا بلکہ اس وقت یہ مشرکین خود اپنے شرکا کے منکر ہو جائیں گے، جس روز قیامت قائم ہوگی تو اس دن اہل جنت، اہل دوزخ سے اس طرح جدا جدا ہو جائیں گے کہ اس کے بعد ملاپ ہی نہیں ہوگا۔ پس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو وہ جنت میں خوش و خرم کر دیئے جائیں گے اور جن لوگوں نے کفر و شرک کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی پیشی کو جھٹلایا تو وہ لوگ عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ (ابن کثیر ۴۲۸/۳، مظہری ۲۳۶،۲۳۳/۷)

ذکر اللہ کی تاکید

۱۷۔۱۹۔ فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ ۞ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظۡہِرُوۡنَ ۞ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ یُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ وَ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ۞

پھر تم اللہ کی تسبیح کیا کرو، جب تم شام کرو اور جب تم صبح کرو۔ اور آسمانوں اور زمین میں سب تعریف اسی کی ہے۔ تیسرے پہر کو اور ظہر کے وقت بھی (اسی کی تسبیح کرو)۔ وہی زندہ کو مُردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہی زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ (سرسبز و شاداب) کرتا ہے اور اسی طرح تم بھی نکالے جاؤ گے۔

حِیْنَ: وقت۔ زمانہ۔ مدت۔

تُمْسُوْنَ: تم شام کرتے ہو۔ یہاں مغرب و عشا کے اوقات مراد ہیں۔ اِمْسَاءٌ سے مضارع۔

عَشِیًّا: شام۔ سہ پہر سورج ڈھلے۔ زوال کے بعد۔ مراد عصر کا وقت۔

تُظْهِرُوْنَ: تم ظہر کا وقت پاؤ۔ تم دوپہر کا وقت پاؤ۔ اِظْهَارٌ سے مضارع۔

تشریح: تم ایمان کی نعمت کے شکر میں صبح و شام، دن کے آخری حصے اور ظہر کے وقت اللہ کی شان کے مطابق، اس کی پاکی بیان کرتے رہو جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور ہمیں ایمان و عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی۔ وہ تمام عیبوں سے پاک و منزہ ہے۔ اور تمام آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رات دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھے گا اس کے (سارے) گناہ ساقط کر دیے جائیں گے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص دن رات میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پڑھے گا قیامت کے روز اس سے بڑھ کر عمل اور کوئی نہیں لائے گا سوائے اس شخص کے جس نے اسی کی طرح پڑھا ہو یا اس سے زیادہ پڑھا ہو۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں (آسانی سے ادا ہو جاتے ہیں) میزان میں بھاری ہوں گے، رحمٰن کو پسند ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ (متفق علیہ)

اس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے جیسے انڈے سے چوزے کو اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے جیسے انڈے کو مرغی سے۔ اسی طرح ہزاروں حشرات الارض کا ایک دم زمین

سے وجود میں آنا اور مٹی میں مل کر خاک ہو جانا، عام مشاہدہ ہے۔ وہی زمین کو اس کے مردہ یعنی خشک ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے یعنی سبزہ پیدا کر کے اس کو ہرا بھرا کر دیتا ہے۔ سو قیامت کے روز بھی یہی ہوگا کہ تمہیں زندہ کر کے زمین سے نکال لیا جائے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۳۹۹۔۴۰۱/ ۵، مظہری ۲۳۷/ ۷)

اللہ کی قدرت کی نشانیاں

۲۰۔۲۱۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تم انسان بن کر چلتے پھرتے ہو۔ اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہیں میں سے بیویاں پیدا کیں تا کہ تم ان سے آرام پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان محبت و مہربانی پیدا کر دی۔ بیشک اس میں بڑی نشانیاں ہیں غور کرنے والوں کے لئے۔

تراب: مٹی۔ خاک۔

تَنْتَشِرُوْنَ: تم منتشر ہوتے ہو۔ تم پھیلتے ہو۔ تم چلتے ہو۔ اِنْتِشَارٌ سے مضارع۔

موَدَّةً: محبت۔ دوستی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بے شمار نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا اور انسان بنا کر زمین پر پھیلا دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام زمین سے مٹی کی ایک مٹھی لے کر اس سے حضرت آدم کو پیدا کیا۔ پس زمین کے مختلف حصوں کی طرح اولادِ آدم کی مختلف رنگتیں ہوئیں، کوئی سفید، کوئی سرخ، کوئی سیاہ، کوئی خبیث، کوئی طیّب، کوئی حسن خلق، کوئی بدخلق وغیرہ۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ وہ بیویاں بنتی ہیں اور تم ان کے خاوند ہوتے ہو۔ یہ سب اس لئے ہے تا کہ

تمہیں ان کے پاس آرام وراحت ملے اور تم (میاں بیوی) میں محبت والفت اور اخلاص وہمدردی اور رحمت ومہربانی پیدا کردی۔ بلاشبہ اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ (ابن کثیر ۴۲۹/۳)

زبان ورنگ کا اختلاف

۲۲،۲۳۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے۔ بیشک اس میں علم والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اور اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن کو سونا اور اس کے فضل (روزی) کا تلاش کرنا بھی ہے۔ بیشک اس میں سننے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

اَلْسِنَتِكُمْ: تمہاری زبانیں۔ تمہاری بولیاں۔ واحد لِسَانٌ۔

اَلْوَانِكُمْ: تمہارے رنگ۔ واحد لَوْنٌ۔

مَنَامُكُمْ: تمہارا سونا۔ تمہاری نیند۔

اِبْتِغَاءٌ: چاہنا۔ تلاش کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق بھی ہے کہ آسمان کو تو نہایت بلند اور زمین کو نہایت پست بنایا۔ آسمانوں کو چاند اور ستاروں سے منور کردیا اور زمین میں پہاڑ، دریا، سمندر اور مختلف قسم کے درخت وغیرہ اگا دیئے۔ اس کی نشانیوں میں سے تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی ہے کہ سب انسان ایک ماں باپ سے پیدا کئے روئے زمین پر پھیلا دیئے اور سب کی بولیاں جدا جدا کردیں۔ ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں جا کر محض زبان کے اعتبار سے اجنبی ہوگیا۔ جب سے دنیا قائم ہے اس وقت سے آج تک بے حساب آدمی پیدا ہوئے مگر کوئی دو آدمی ایسے نہ ملیں گے جن کا طرز تکلم اور لب ولہجہ بالکل یکساں ہو، کوئی دو شخص ایسے نہیں ملیں گے جن کی آواز اور رنگ روپ میں کوئی امتیاز نہ ہو۔ پس ہر آدمی کی شکل وصورت

اور رنگت وغیرہ دوسرے سے ممتاز اور بالکل جدا ہے۔ سو اس میں بھی ہر ذی عقل وفہم کے لئے اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کی بڑی نشانیاں ہیں۔ (عثمانی ۲/۳۱۰)

برق و باران

۲۴۔۲۷۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۚ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ ۖ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۚ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ تم کو خوف اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اس سے مردہ زمین کو زندہ (تر و تازہ) کرتا ہے۔ بیشک اس میں بھی عقلمندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔ پھر جب وہ تمہیں پکار کر زمین سے بلائے گا تو تم اسی وقت نکل پڑو گے۔ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اسی کے تابع ہیں اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ (پیدا) کرے گا۔ اور یہ اس کے لئے نہایت آسان ہے اور آسمانوں اور زمین میں اس کی شان اعلیٰ ہے اور وہ (بڑا) زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

طَمَعاً: طمع۔ لالچ۔ توقع۔ امید۔ مصدر ہے۔

قٰنِتُوْن: فرماں بردار۔ اطاعت کرنے والے۔ عبادت گزار۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل۔

اَهْوَن: بہت آسان۔ بہت سہل۔ هَوْنٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اس کے حکم سے آسمانوں پر بجلی کا کوندنا بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے۔ جس کو دیکھ کر تم خوفزدہ ہو جاتے ہو کہ کہیں یہ بجلی ہمارے اوپر گر کر ہمیں ہلاک نہ کر دے اور کبھی تم اس کو دیکھ کر پر امید

بھی ہوتے ہو کہ اب بارش برسے گی، خشک سالی دور ہو جائے گی، پانی اور غلے کی فراوانی ہوگی وہی آسمان سے پانی برسا کر اس کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے یعنی خشک اور ویران پڑی ہوئی زمین بارش سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ اس برق و باراں میں بھی اہل عقل کے لئے اللہ کی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہیں۔

• یہ بھی اس کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان ستونوں کے بغیر قائم ہے اور وہ اس کو زمین پر گرنے نہیں دیتا اور زمین پانی پر ٹھہری ہوئی ہے۔ پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمہیں پکار کر بلائے گا تو اس کی ایک ہی آواز پر مردے اپنی قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے اور اس کے سامنے حاضر ہو جائیں گے۔ یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

تمام آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ سب اسی کے فرماں بردار ہیں اور سب اس کے سامنے عاجز و بے بس ہیں۔ ابتدائی تخلیق بھی وہی کرتا ہے، پھر وہ مار ڈالے گا۔ اور اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا ابتدائی تخلیق سے زیادہ آسان ہے۔ پھر تم دوبارہ پیدا کرنے کے منکر کیوں ہو۔ اس کی صفات اتنی عالی ہیں کہ کسی دوسرے کی کوئی صفت نہ اس کی کسی صفت کی ہم پلہ ہے اور نہ برابری کے قریب۔ آسمانوں اور زمین میں وہی غالب ہے اور وہی حکیم ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (مظہری ۲۳۹۔۲۴۱/ ۷، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۳/ ۵)

مشرکین کی گمراہی کی مثال

۲۸۔۲۹، ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝

اللہ نے تمہارے لئے ایک تمہاری ہی مثال بیان فرمائی ہے۔ جو کچھ رزق ہم نے تمہیں دے رکھا ہے کیا اس میں تمہارے غلاموں میں سے بھی کوئی تمہارا شریک ہے کہ تم (اور وہ) اس میں برابر ہو جاؤ (اور) تم ان سے ڈرنے لگو جیسا کہ اپنوں سے ڈرتے ہو عقل مندوں کے لئے ہم اسی طرح کھول کر

نشانیاں بیان کرتے ہیں۔ بلکہ جن لوگوں نے ظلم کیا وہ علم کے بغیر (یعنی بغیر سمجھے) اپنی خواہشوں پر چلنے لگے۔ پھر جس کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہو اس کو کون ہدایت کر سکتا ہے اور ان کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی جہالت اور گمراہی بتانے کے لئے خود انہی کے احوال میں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کیا تم میں سے کوئی اس امر پر راضی ہوگا کہ اس مال و دولت اور رزق میں جو اس کا اپنا پیدا کردہ نہیں بلکہ ہم نے اس کو عطا کیا ہے، اس کے غلام اس کے برابر شریک ہوں یعنی اس مال و دولت کے تصرف میں آقا اور غلام یکساں ہو جائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تم میں سے کوئی بھی اس پر راضی نہ ہوگا بلکہ تم اس کو اپنے لئے عار سمجھتے ہو حالانکہ تم بھی آدمی ہو اور تمہارا غلام بھی تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ پھر تم ان پتھروں کو جو تم نے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہیں اور عاجز ترین مخلوق ہیں اللہ کا شریک کیوں قرار دیتے ہو جو آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک ہے۔

ہم اسی طرح تفصیل کے ساتھ قدرت کے دلائل بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو عقل و فہم سے کام لیتے ہیں، مگر ظالم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اور سوچے سمجھے بغیر اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ سو جب وہ اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو بھلا کر نفس کی خواہشات کی اتباع کرنے لگ گئے تو اب کون ان کو ہدایت کر سکتا ہے۔ ان کا کوئی مددگار بھی نہیں جو ان کو نفس کی خواہشات اور دوزخ کے عذاب سے بچا سکے۔ (عثمانی ۲/۳۱۲، مظہری ۲۴۱، ۲۴۲/ ۷)

انسانی فطرت

۳۰۔۳۲۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا، فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝

پھر آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف رکھئے۔ اللہ کی دی ہوئی فطرت پر (قائم ہو جائیے) جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی بنائی ہوئی

(فطرت) میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ یہی سیدھا طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں نہ مل جاؤ، جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی مختلف فرقے ہو گئے۔ ہر گروہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

اَلْقَیِّمُ: قائم رکھنے والا۔ درست۔ سیدھا۔ قِیَامٌ سے صفت مشبہ۔

مُنِیْبِیْنَ: رجوع کرنے والے۔ گڑگڑانے والے۔ اِنَابَۃٌ سے اسم فاعل۔

شِیَعًا: فرقے۔ گروہ۔ مددگار۔ واحد شِیْعَۃٌ۔

لَدَیْھِمْ: ان کے پاس، ان کی طرف، اسم ظرف ہے۔

تشریح: یہاں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ذیل میں ساری امت کو خطاب ہے کہ جب اللہ کی وحدانیت ثابت ہو گئی اور ظاہر ہو گیا کہ مشرکین اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں تو آپ بھی اپنا رخ خالص دین اسلام کی طرف کر لیجئے اور دینِ اسلام کو اپنے اوپر لازم کر لیجئے۔ آیت میں فطرت سے مراد فطری استعداد ہے جو ہر شخص میں پیدائشی طور پر ہے۔ بعض علما کے نزدیک فطرت سے مراد وہ وعدہ ہے جو ازل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور آپ کی نسل سے لیا تھا اور فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے جواب دیا تھا کیوں نہیں (تو ہی ہمارا رب ہے) ہر بچہ اسی ازلی اقرار پر پیدا ہوتا ہے۔ یہی حنیفیت ہے۔ جس پر سارے انسانوں کی تخلیق ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر بچہ فطرت ہی پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے چوپائے سے سالم چوپایا پیدا ہوتا ہے۔ کیا تم کسی کو پیدائشی نکٹا یا بوچا پاتے ہو۔ پھر آپ نے آیت فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ تلاوت فرمائی۔ متفق علیہ۔

اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی فطرت اور پیدائش میں کوئی تبدیلی نہیں یعنی جس سعادت و شقاوت پر انسان کی فطری تخلیق ہوئی ہے وہ بدل نہیں سکتی اور شقی سعید نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا اور صحیح دین ہے۔ اس میں کسی طرح کی کجی نہیں۔ یہ سیدھا اللہ کی طرف پہنچانے والا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کہ یہ دین مستقیم ہے۔

مسند احمد میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تذکرہ کر رہے تھے کہ کیا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو سچ مان لینا اور اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جبلت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو سچ نہ ماننا کیونکہ (آخر کار ہر) آدمی اسی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔

اے لوگو تم سب طرف سے منہ موڑ کر پوری طرح اللہ کی طرف رجوع کرنے والے اور متوجہ ہونے والے ہو جاؤ۔ اس کے عذاب سے ڈرتے رہو اور اس کی نافرمانی سے بچتے رہو اور نماز قائم رکھو جو دین کا ستون ہے۔ جن لوگوں نے اپنی خواہشات کے زیر اثر اپنے اپنے معبود الگ الگ بنا لئے اور دین کو بدل ڈالا تو تم ان مشرکوں میں سے مت ہو۔ ان لوگوں نے اپنے اصل دین (دین فطرت) کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور بہت سے گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور ہر گروہ اپنے طریقے پر خوش ہے سو تم ہر عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کرو۔ اعتقاداً اور عملاً کسی کو اس میں شریک نہ کرو، ورنہ وہ فطرت سلیمہ جس پر اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے، خراب یا ضائع ہو جائے گی۔ (مظہری ۲۴۲۔۲۴۴/ ۷، روح المعانی ۳۹۔۴۱/ ۲۱، مسند احمد ۵۹۶/ ۷ رقم ۲۶۹۵۳)

انسان کی ناشکری

۳۷،۳۳۔ وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا أَذَاقَهُمْ
مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا
آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ أَمْ أَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا فَهُوَ
يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ۝ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا
وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ۝ أَوَلَمْ
يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ
لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

اور جب لوگوں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ پوری طرح رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ پھر جب وہ ان کو اپنی رحمت کا ذائقہ چکھاتا (آسانی فرماتا) ہے تو ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔ تاکہ ہماری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کریں۔ سو تم (دنیا میں چند

روز) فائدہ اٹھالو۔ پھر جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کیا ہم نے ان پر
کوئی دلیل نازل کی ہے جو انہیں شرک کرنے کو کہہ رہی ہے اور جب ہم
لوگوں کو رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کو
اپنے کئے کی پاداش میں کوئی تکلیف پہنچے تو فوراً نا امید ہو جاتے ہیں کیا وہ نہیں
دیکھتے کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی کرتا ہے اور (جس کے
لئے چاہتا ہے) تنگی کرتا ہے البتہ اس میں مومنوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

تشریح: جب لوگوں کو کوئی سختی اور مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اپنے باطل معبودوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے کسی مہربانی کا مزہ چکھا دیتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ شکر و اطاعت کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دینے لگتا ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں چند روز اور مزے اڑالیں، پھر بہت جلدی ان کو اس کا برا انجام معلوم ہو جائے گا۔ کیا یہ لوگ کسی دلیل کے بغیر شرک کر رہے ہیں یا اللہ تعالیٰ نے شرک کی کوئی سند نازل کی ہے جو ان کو شرک کی تعلیم دیتی ہے۔

کفار کی حالت بھی عجیب ہے کہ جب یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور احسان سے عیش و آرام میں ہوتے ہیں تو پھولے نہیں سماتے اور خوب اترانے لگتے ہیں اور اگر کسی وقت اپنی شامت اعمال سے کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں تو فوراً نا امید ہو جاتے ہیں۔ جبکہ مومن کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے۔ وہ عیش و راحت میں اپنے منعم حقیقی کو یاد رکھتا ہے، اس کے فضل و رحمت پر خوش ہو کر زبان و دل سے اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ اگر کسی مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو صبر و تحمل سے کام لیتا ہے اور اللہ سے مصیبت دور ہونے کی درخواست کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہے کہ اس کے فضل و مہربانی سے اس کی مصیبت دور ہو جائے گی۔

ایمان و یقین والے سمجھتے ہیں کہ دنیا کی سختی، نرمی، روزی میں فراخی و تنگی سب قادر مطلق کے ہاتھ میں ہے، لہٰذا بندے کو ہر حال میں صبر و شکر سے کام لینا چاہئے۔ نعمت کے وقت شکر گزار رہے اور ڈرتا رہے کہ کہیں یہ نعمت چھن نہ جائے اور سختی کے وقت صبر کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و عنایت سے سختیوں کو دور فرما دے گا، بے شک رزق کی تنگی اور فراخی میں بھی اہل ایمان کیلئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں۔ (عثمانی ۳۱۴، ۲/۳۱۵، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۲۰۹)

مال کا گھٹنا اور بڑھنا

۳۸-۴۰۔ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا
لِّيَرْبُوَا۟ فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ
تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ
رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ
ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

پھر (تو) قرابت دار کو اور مسکین کو اور مسافر کو اس کا حق دے۔ یہ ان کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو کچھ تم سود پر دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مال میں مل کر بڑھتا رہے تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور جو کچھ تم اللہ کی رضا کے لئے زکوٰۃ دیتے ہو تو وہی لوگ (اپنی خیرات کو) دوگنا کرنے والے ہیں۔ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر اس نے تمہیں رزق دیا، پھر وہ تمہیں موت دے گا، پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے معبودوں میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکتا ہو۔ وہ (اللہ) پاک اور بلند ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اٰتِ: تو دے۔ اِیْتَاءٌ سے امر۔

الْقُرْبٰی: رشتہ داری۔ قرابت۔ نزدیکی۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

رِبًا: سود۔ زیادتی۔ مصدر ہے۔

مُضْعِفُوْنَ: دوگنا کروالے۔ اِضْعَافٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: چونکہ رزق کی تنگی و فراخی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے تو اس کے دیئے ہوئے رزق اور مال کو اس کے حکم کے مطابق درج ذیل لوگوں میں خرچ کرتے رہنا چاہئے۔

۱۔ قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک اور صلہ رحمی کرتے رہنا چاہئے اور ان کا جو حق واجب ہے وہ بھی ادا کرتے رہنا چاہئے۔

۲۔ مسکین کے ساتھ بھی حسن سلوک اور احسان کرنا چاہئے۔ مسکین اس کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو، یا کچھ ہو لیکن بقدر کفایت نہ ہو۔

۳۔ جس مسافر کے پاس پردیس میں سفر خرچ نہ رہا ہو اگرچہ وطن میں اس کے پاس مال ہو، اس کے ساتھ بھی بھلائی کرو اور اس کو سفر خرچ دو۔

یہ ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں جو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔ مشرکین چونکہ سودی کاروبار کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سود سے مال میں زیادتی ہوتی ہے اور صدقہ وخیرات سے مال میں کمی آجاتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو متنبہ فرمایا تم جو سود پر مال اس غرض سے دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مال میں مل کر زیادہ ہو جائے گا تو وہ اللہ کے نزدیک نہیں بڑھتا۔ حرام کے ذریعے جو مال آتا ہے وہ ظاہر میں بڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ کم ہوتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس آیت میں ربٰی سے سود مراد نہیں بلکہ اس سے وہ ہدیہ مراد ہے جو کسی کو اس ارادے سے دیا جائے کہ لوگ اسے اس سے زیادہ دیں تو ایسا احسان اللہ کے نزدیک موجب خیر و برکت نہیں کیونکہ نیت اور ارادے کے اعتبار سے یہ بھی ایک قسم کا ربٰی ہے۔ جو زکوٰۃ تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دیتے ہو اس سے مال میں برکت، ترقی اور زیادتی ہوتی ہے۔ یہی لوگ اپنے مال کو کئی گنا تک بڑھانے والے ہیں۔

اللہ تو وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں رزق دیا تاکہ تم اس سے زندہ رہ سکو۔ پھر وہ تمہیں موت دے گا اور قیامت کے روز وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے شرکا میں سے بھی کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے۔ یعنی روزی دے، موت دے سکے یا زندہ کر سکے۔ ظاہر ہے ان بتوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اور بلند ہے ان کے شریک ٹھہرانے سے۔ اس کا کوئی شریک نہیں وہ واحد و یکتا ہے۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۰۹، ۴۱۰/ ۵ مظہری ۲۴۶، ۲۵۷/ ۷)

بحر و بر میں فساد کا سبب

۴۱۔۴۵، ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ۝ فَأَقِمْ

وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ
يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾ مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَ
نْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ
فَضْلِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

لوگوں کی بد اعمالیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد برپا ہوگیا تاکہ اللہ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کا کچھ مزہ چکھائے، تاکہ وہ باز آجائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ملک میں چل پھر کر تو دیکھو کہ تم سے پہلے لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ ان میں سے اکثر تو مشرک ہی تھے۔ پھر تم اس دن کے آنے سے پہلے جو کہ ٹالے نہ ٹلے گا اپنا رخ سیدھے دین کی طرف رکھو۔ اس دن سب لوگ جدا جدا ہو جائیں گے۔ جس نے کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہے اور جو لوگ نیک کام کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے ہی لئے (راحت کا) سامان کرتے ہیں تاکہ جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے، اللہ ان کو اپنے فضل سے بدلہ عطا کرے۔ بیشک وہ ناشکروں کو پسند نہیں کرتا۔

مَرَدٌّ: لوٹانا۔ پھیرنا۔ رَدٌّ سے مصدر میمی۔

يَصَّدَّعُوْنَ: وہ متفرق ہوں گے۔ وہ جدا جدا ہوں گے۔ تَصَدُّعٌ سے مضارع۔

يَمْهَدُوْنَ: وہ جگہ بناتے ہیں۔ وہ سامان کرتے ہیں۔ مَهْدٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں کفر و معصیت کی نحوست کا بیان ہے کہ یہ ایسی منحوس چیزیں ہیں کہ بسا اوقات ان کی وجہ سے دنیا ہی میں طرح طرح کی آفتیں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں جیسے قحط، سیلاب، طوفان، آندھیاں، جنگ و جدال، مار دھاڑ، اموات کی کثرت اور وبائی امراض وغیرہ اور آخرت سے پہلے اس دنیا ہی میں سزا کا مزہ چکھا دیا جاتا ہے اگرچہ پوری سزا آخرت ہی میں ملے گی۔ ان آفتوں اور مصیبتوں کے نازل کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی بداعمالی پر متنبہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔

آپ ان مشرکین و منکرین سے کہہ دیجئے کہ تم دنیا میں چل پھر کر دیکھ لو کہ تم سے پہلے لوگ کفر و معصیت کے جرم میں کیسے تباہ و برباد ہوئے کہ آج روئے زمین پر ان کا کہیں نام و نشان نظر نہیں آتا۔ ان

ہلاک ہونے والوں میں اکثر مشرک ہی تھے۔ سو آپ اپنا رخ دین اسلام کی طرف کر لیجئے، قبل اس کے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جو کسی طرح نہیں ٹل سکتا۔ اس روز یعنی قیامت کے روز ہر فریق دوسرے فریق سے جدا ہوگا۔ ایک فریق جنت میں ہوگا اور دوسرا فریق جہنم میں۔

جس نے دنیا میں کفر کیا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر ہوگا، اور جس نے دنیا میں نیک اعمال کئے تو وہ اپنی ہی راحت کا سامان کر رہا ہے۔ قیامت کے روز دونوں فریقوں کو اس لئے جدا جدا کیا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور مہربانی سے ان لوگوں کو اچھا بدلہ دے، جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ دن رات اللہ کی قدرتوں اور نعمتوں کا مشاہدے کرنے کے باوجود ایمان نہیں لائے۔ اس لئے وہ اللہ کے فضل کے مستحق نہیں۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

بزار نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن آدمی کے تین رجسٹر سامنے لائے جائیں گے۔ ایک رجسٹر میں ساری نیکیاں درج ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ نعمت کے رجسٹر سے سب سے چھوٹی نعمت کو لے کر فرمائے گا اس بندے کے تمام نیک اعمال کا مقابلہ کر۔ چنانچہ ایک چھوٹی نعمت تمام اعمال کو گھیر لے گی۔ نعمتوں کا رجسٹر کہے گا تیری عزت کی قسم میں نے ابھی پورا پورا احاطہ بھی نہیں کیا ہے کہ سارے نیک اعمال ختم ہو گئے اور گناہ باقی ہیں۔ لیکن جب اللہ کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا تو فرمائے گا، میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند در چند کر دیں یعنی ہزاروں گنا کر دیں اور تیری گناہوں سے درگزر کیا اور اپنی نعمتیں تجھے بخش دیں۔ (مواہب الرحمٰن ۵۳۔۵۵/۱۲، روح المعانی ۴۷، مظہری ۲۴۸۔۲۵۰/۷)

انعامِ الٰہی کی بشارت

۴۶۔۴۷۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ۭ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ خوشخبری دینے والی ہواؤں کو چلاتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت کا ذائقہ چکھائے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔ اور البتہ آپ سے پہلے بھی ہم نے

ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے ہیں۔ پھر وہ ان کے پاس دلائل (معجزے) لے کر آئے۔ پھر ہم نے مجرموں سے انتقام لیا اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر ضروری تھا۔

تشریح: اس کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ بارش سے پہلے بارش کی خوشخبری دینے والی ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور وہ تمہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھائے۔ تمہاری کھیتیاں اور باغات سرسبز و شاداب ہو جائیں اور تم ان کا پھل کھاؤ اور اللہ کے حکم سے دریاؤں اور سمندروں میں کشتیاں اور جہاز رواں دواں ہو جائیں اور تم آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا کر اللہ کا فضل تلاش کر سکو یعنی کشتیوں کے ذریعے تم تجارت کر سکو تاکہ تم ان نعمتوں پر اللہ کا شکر کرو اور شرک و معاصی کو ترک کر دو۔

اے نبی ﷺ! آپ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسولوں کو اپنی واضح نشانیاں دے کر ان کی قوموں کے پاس بھیج چکے ہیں۔ رسولوں نے ان کو اللہ کا پیغام پہنچایا تو بعض ان میں سے ایمان لے آئے اور بعض اپنے کفر و انکار پر قائم رہے۔ پھر ہم نے مجرموں سے رسولوں کا اور اہلِ ایمان کا انتقام لیا اور ان کو ہلاک کر دیا اور مومنوں کی مدد و اعانت ہم پر لازم ہے۔

اللہ کی رحمت کے آثار

۴۸-۵۱۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ كَیْفَ یَشَآءُ وَیَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ۝ فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ۝

اللہ وہی ہے جو ہوائیں چلاتا ہے۔ پھر وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلاتا ہے اور اس کو تہ بہ تہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس (بادل) کے اندر سے نکلتی ہے۔ پھر جب اس (بارش) کو وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہونے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان پر برسنے سے پہلے وہ ناامید تھے۔ پھر تو اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھ کہ خشک

ہونے کے بعد کس طرح وہ زمین کو سرسبز کرتا ہے۔ بیشک وہی مردوں کو زندہ
کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اگر ہم ایک ہوا بھیجیں پھر وہ ان
کھیتوں کو دیکھیں کہ زرد پڑ گئے ہیں تو یقیناً یہ اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں۔

تُثِیْرُ: وہ جوتتی ہے۔ وہ برانگیختہ کرتی ہے۔ وہ ابھارتی ہے۔ اِثَارَۃٌ سے مضارع۔

یَبْسُطُ: وہ کشادہ کرتا ہے۔ وہ پھیلاتا ہے۔ بَسْطٌ سے مضارع۔

کِسَفًا: ٹکڑے۔ بادل کا ٹکڑا۔ روئی کا گالا۔ واحد کِسْفَۃٌ۔

وَدْقٌ: مینہ۔ بارش۔ اسم ہے۔

خِلٰلِہٖ: اس کے درمیان۔ واحد خَلَلٌ۔

تشریح: اللہ وہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھاتی ہیں۔ یہ ہوائیں بادلوں کو سمندروں پر سے اٹھاتی ہیں یا جہاں سے اللہ کا حکم ہوتا ہے وہاں سے اٹھاتی ہیں۔ پھر وہ اس ابر کو آسمان پر پھیلا دیتا ہے اور اسے بڑھا دیتا ہے۔ پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور تہ بہ تہ کر دیتا ہے اور وہ پانی سے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ بادل زمین کے قریب ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان سے بارش برسنے لگتی ہے۔ پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کی بستی پر چاہتا ہے بارش برسا دیتا ہے اور وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں حالانکہ یہی لوگ اس سے پہلے بارش سے ناامید ہو چکے تھے۔ سو تم دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ بارش کے ذریعے کس طرح مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے۔ بیشک وہی ایک دن مردوں کو بھی زندہ کر کے قبروں سے نکالنے والا ہے جبکہ ان کے جسم گل سڑ چکے ہوں گے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں جو کھیتوں کو ہلاک کرنے والی ہو اور ان کی لہلہاتی کھیتی خشک ہو جائے اور یہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں تو یہ لوگ پھر سے کفر کرنے لگ جائیں گے۔ (ابن کثیر ۴۳۶، ۴۳۷/۳)

سماعِ موتیٰ

۵۲، ۵۳۔ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝
وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا
فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

بیشک آپ نہ تو مردوں کو سنا سکتے ہیں اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتے ہیں۔ جبکہ وہ

پیٹھ پھیر کر چل دیں اور نہ آپ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لا سکتے ہیں۔
آپ تو بس ان کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر یقین رکھتے ہیں سو وہی
مسلمان ہوتے ہیں۔

تشریح: دنیا میں کوئی کام اللہ کی مشیت اور اس کے ارادے کے بغیر نہیں ہو سکتا مگر آدمی جو کام عام اسباب کے دائرے میں رہ کر اپنے اختیار سے کرے تو وہ اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جو کام عام عادت کے خلاف غیر معمولی طریقے سے ہو جائے اسے براہ راست اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً کسی نے گولی مار کر کسی کو ہلاک کر دیا تو یہ اس قاتل کا فعل کہلائے گا۔ اور فرض کیجئے کہ ایک مٹھی بھر کنکریاں پھینکیں جس سے لشکر تباہ ہو گیا تو اسے کہیں گے کہ اللہ نے اپنی قدرت سے لشکر کو تباہ کر دیا جبکہ گولی سے ہلاک کرنا بھی اسی کی قدرت کا کام ہے ورنہ اس کی مشیت کے بغیر گولی یا گولہ کچھ بھی اثر نہیں کر سکتا۔

اسی طرح مردوں کا معاملہ ہے کہ آپ مُردوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکتے کیونکہ یہ چیز ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ظاہری اسباب کے خلاف مُردہ کوئی بات سن لے تو اس کا انکار کوئی مومن نہیں کر سکتا یہاں موتی سے مراد کفار ہیں۔ مردہ دل ہونے کی بنا پر ان کو مردہ کہا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ آپ ان مُردوں کو نہیں سنا سکتے کیونکہ انہوں نے حق کی طرف سے اپنے باطنی حواس اور آلاتِ شعور معطل کر رکھے ہیں۔ اس لئے یہ بھی مُردوں کی مانند ہیں۔ اسی طرح آپ بہروں کو بھی اپنی آواز اور پکار نہیں سنا سکتے خاص طور پر جب وہ پیٹھ پھر کر چل دیں کیونکہ بہرہ کانوں سے تو سن نہیں سکتا اگر وہ پیٹھ پھیر کر چل دے تو ہاتھ منہ یا سر کا اشارہ بھی نہیں دیکھ سکے گا۔ اسی طرح آپ اندھوں کو بھی راہ نہیں دکھا سکتے اور ان کو گمراہی سے نہیں نکال سکتے۔ سوائے نبی ﷺ! آپ تو صرف انہی لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں اور ہمارے فرماں بردار ہیں۔ (عثمانی ۲/۳۱۹، مظہری ۷/۲۵۴)

حیاتِ انسانی کے مراحل

۵۴۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ
جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ
الْقَدِیْرُ ۝

اللہ ہی ہے جس نے کمزوری کی حالت میں تمہاری تخلیق کی۔ پھر کمزوری کے بعد

قوت عطا فرمائی، پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی علم (اور) قدرت والا ہے۔

ضُعف: ضعف۔ ناتوانی۔ کمزوری۔

شَیْبَةً: بڑھاپا۔ بالوں کا سفید ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: پیدائش کے وقت بچہ بے حد کمزور ہوتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ قوت آنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ جوانی کے وقت اس کی قوت انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اس وقت اس کی تمام قوتیں شباب پر ہوتی ہیں۔ پھر اس کی عمر ڈھلنے لگتی ہے اور کمزوری کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ آخر کار بڑھاپا آ جاتا ہے۔ اس وقت تمام اعضا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور قویٰ معطل ہونے لگتے ہیں۔ قوت و ضعف کا یہ اتار چڑھاؤ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اسی کو قدرت حاصل ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس چیز کو کس وقت تک کن حالات میں رکھنا مناسب ہے۔ سو اللہ تعالیٰ ہر وقت ضعف کو قوت سے اور قوت کو ضعف سے تبدیل کرنے پر قادر ہے۔ اگر یہ مشرکین و منکرین اپنے جسمانی تغیرات میں غور و فکر کریں تو وحدانیت بھی ان کی سمجھ میں آ جائے اور یہ قیامت کے بھی قائل ہو جائیں (عثمانی ۲/۳۱۹)

کفار کو اہلِ علم کی ملامت

۵۵۔۵۷، وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ ۙ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ ۝ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتٰبِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۖ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝

اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو گناہ گار قسمیں کھائیں گے کہ ہم (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ اسی طرح یہ لوگ (دنیا میں بھی راہ حق چھوڑ کر) الٹے چلتے تھے اور جن لوگوں کو علم و ایمان دیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ کتاب الٰہی کے مطابق تو تم قیامت تک (دنیا میں) ٹھہرے رہے، سو یہ ہے قیامت کا دن لیکن تم جانتے ہی نہ تھے۔ پس اس دن ظالموں کا عذر کرنا ان کو کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔

یُؤ ْفَکُوْن: وہ لوٹائے جاتے ہیں۔ وہ پھیرے جاتے ہیں۔ اَفْکٌ سے مضارع مجہول۔

یُسْتَعْتَبُوْن: ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔ اِسْتِعْتَابٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: جس دن قیامت قائم ہوگی اس روز مجرم (مشرک) قسمیں کھا کر کہیں گے کہ وہ دنیا میں یا عالم برزخ میں ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ قیامت میں جب ان کو مصیبت سر پر کھڑی نظر آئے گی تو کہیں گے کہ افسوس دنیا اور برزخ کی زندگی بہت جلد ختم ہوگئی کچھ بھی مہلت نہ ملی کہ اس عذاب سے بچے رہتے۔ جس طرح یہ اس وقت جھوٹ بول رہے ہیں۔ اسی طرح یہ دنیا میں بھی جھوٹ کہتے تھے۔، دوسروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے اور قیامت کا انکار کرتے تھے۔

جن لوگوں کو علم اور ایمان کی دولت دی گئی ہے وہ ان مجرموں سے کہیں گے کہ اللہ کی کتاب (یا لوحِ محفوظ) میں جتنی مدت تمہارے قیام کی لکھی ہوئی تھی تم اتنی مدت تک رہے سو یہی وہ قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے کا دن ہے جس کا تم انکار کرتے تھے۔ قیامت کے روز ان ظالموں کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور نہ ان کو اللہ کی رضا جوئی کا کوئی موقع دیا جائے گا۔ اب تو ہمیشہ کی سزا بھگتنا ہوگی۔

منکرین کے دلوں پر مہر

۵۸۔۶۰۔ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۭ وَلَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں اور اگر آپ ان کے پاس کوئی نشانی لے آئیں تب بھی جو لوگ کافر ہیں یہی کہیں گے کہ تم سب باطل پر ہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر، جو سمجھ نہیں رکھتے، اسی طرح مہر کر دیتا ہے۔ سو آپ صبر کیجئے۔ یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے اور وہ لوگ کہیں آپ کو ڈگمگا نہ دیں، جو یقین نہیں رکھتے۔

تشریح: ہم نے اتمام حجت اور حق کو واضح کرنے کے لئے اس قرآن میں لوگوں کے واسطے جگہ جگہ ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں۔ ان کی ہدایت کے لئے یہ قرآن کافی تھا مگر بغض و عناد کی وجہ سے ان

لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ اے نبی ﷺ! ان کا حال تو یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی بھی معجزہ آ جائے اور یہ لوگ کیسا ہی نشان حق دیکھ لیں پھر بھی اپنی سرکشی اور عداوت کے باعث یہی کہیں گے کہ آپ (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں۔ جو لوگ بے عقلی اور جہالت کی بنا پر حق کا انکار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔ پس اے نبی ﷺ! آپ ان معاندین کی ایذا رسانی پر صبر و سہار سے کام لیجئے۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا اور آپ کے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ سچا ہے اور ضرور پورا ہوگا۔ یہ منکرین آپ کو ایذا پہنچا کر اور آپ کی تکذیب کر کے کہیں آپ کو مضطرب نہ کریں۔ سو آپ امر حق پر ثابت رہئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۂ لقمان

وجہ تسمیہ: اس سورت میں لقمان حکیم کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اس لئے یہ سورۂ لقمان کے نام سے موسوم ہوگئی۔

تعارف: اس میں چار رکوع۔ چونتیس آیتیں، ۵۴۸ کلمات اور ۲۱۱۰ حروف ہیں۔

ابن مردویہ اور بیہقی نے اپنی دلائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ نحاس کی روایت میں ہے کہ تین آیتیں مستثنیٰ ہیں جو مدینے میں نازل ہوئیں اور وہ یہ ہیں۔ وَلَوْاَنَّ مَافِی الْاَرْضِ ..... تین آیات تک یعنی آیت ۲۷۔۲۹ (روح المعانی ۲۱/۶۴)

اس سورت میں لقمان کی حکیمانہ اور عاقلانہ نصیحتوں کا ذکر ہے جو توحید کی دعوت، شرک کی مذمت، اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اخلاق قبیحہ کی ترہیب پر مشتمل ہیں۔ نیز اس سورت میں مبدا و معاد اور دلائل قدرت کا ذکر ہے

جمہور علما اور سلف صالحین کا متفقہ قول یہ ہے کہ لقمان۔ حکیم اور دانا تھے مگر نبی نہ تھے۔ یہ سوڈان کے رہنے والے تھے۔ نجاری ان کا پیشہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ خطاط تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بکریاں چرایا کرتے تھے واللہ اعلم۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ حضرت ایوب کے بھانجے تھے اور بعض کے نزدیک وہ ان کے خالہ زاد بھائی تھے اور انہوں نے حضرت ایوب سے علم حاصل کیا تھا۔ انہوں نے طویل عمر پائی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۱۹، ۵/۴۲۰)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کریم فلاح پانے والوں کے لئے ہدایت ورحمت کا ذریعہ ہے۔ پھر نضر بن حارث کی قرآن دشمنی کا بیان ہے۔ آخر میں مومنوں کے لئے جنت کی بشارت مذکور ہے۔

رکوع ۲: حضرت لقمان کی حکمت و وصیت اور بیٹے کو نصیحت کا بیان ہے۔

رکوع ۳: انسان کے لئے تسخیر کائنات کا بیان ہے۔ پھر اللہ کو خالق ماننے کے باوجود منکرین کا انکار و تکذیب مذکور ہے۔ آخر میں تسخیر شمس و قمر کا بیان ہے۔

رکوع ۴: کشتیوں کا سمندر میں چلنا، قیامت میں نفسانفسی اور غیب کی باتوں کو جاننے کا بیان ہے۔

حروفِ مقطعات

۱۔ الٓمّٓ ۝ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

سراپا ہدایت ورحمت

۲۔۵، تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ نیکی کرنے والوں کے لئے (یہ آیات) ہدایت ورحمت (کا ذریعہ) ہیں۔ (نیکی کرنے والے وہ ہیں) جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تشریح: یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں جو نیکوکاروں کے لئے ہدایت ورحمت کا ذریعہ ہیں۔ نیکوکاروں میں جو نماز قائم کرتے ہیں۔ یعنی ارکان اور اوقات کی حفاظت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، صلہ رحمی، سلوک و احسان اور سخاوت کرتے رہتے ہیں اور آخرت پر پورا پورا یقین رکھتے ہیں۔ ہر وقت آخرت ان کے پیش نظر رہتی ہے اسی لئے ثواب کے کام کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے نازل شدہ ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ دین و دنیا میں کامل طور پر فلاح اور نجات پانے والے ہیں کیونکہ ان کے عقائد بھی صحیح ہیں اور ان کے اعمال بھی صالح ہیں۔

نضر بن حارث کی قرآن دشمنی

۶۔۷، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِىْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِىْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (غفلت میں ڈالنے والی) لغو باتیں خریدتے ہیں تا کہ علم کے بغیر لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں اور اس (دین) کا مذاق اڑائیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ تکبر کرتا ہوا اس طرح منہ پھیر لیتا ہے گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں، گویا کہ اس کے دونوں کانوں میں بوجھ ہے۔ سو آپ اس کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔

مُّهِيْنٌ: ذلیل کرنے والا۔ بے عزت کرنے والا۔ اِهَانَةٌ سے اسم فاعل۔

وَقْرًا: بوجھ۔ بہرا پن۔ ذات۔ اسم مصدر۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نضر بن حارث نے ایک مغنیہ خریدی تھی۔ جب اس کو معلوم ہوتا کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کا خواہش مند ہے تو اس کو مغنیہ کے پاس لے آتا اور اس سے کہتا کہ اس کو کھلا پلا اور گانا سنا۔ پھر اس شخص سے کہتا محمد (ﷺ) تو تمہیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور اپنی ہمراہی میں لڑنے (جہاد) کا حکم دیتے ہیں اور اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ چیزیں (جن کی دعوت میں تمہیں دے رہا ہوں) ان کی دعوت سے بہتر ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔　(مظہری ۲۵۸/ ۷، روح المعانی ۶۷/ ۲۱)

تشریح: لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن سے اعراض کر کے اللہ سے غافل بنا دینے والی باتوں کو خریدتے ہیں تا کہ وہ سوچے سمجھے بغیر لوگوں کو اس کے دین سے گمراہ کریں اور اس کی آیتوں کو مذاق بنائیں۔ یہ لوگ خود تو گمراہ ہیں، دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لئے ذلیل و رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

اس شخص کی حالت یہ ہے کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ شخص غرور سے پشت پھیر کر چل دیتا ہے۔ اور ان کی طرف توجہ نہیں دیتا اور ایسا بن جاتا ہے کہ گویا اس نے آیات کو سنا ہی نہیں اور گویا کہ اس کے کانوں میں گرانی اور بہرہ پن ہے جو اس کو سننے سے روکتا ہے۔ سو آپ ایسے شخص کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے۔ (مظہری ۲۵۹۔۲۶۴/۷)

اہلِ ایمان کے لئے بشارت

۸۔۱۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَاۗبَّةٍ ۭ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام بھی کئے تو ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ حق ہے اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بنایا جن کو تم دیکھتے ہو اور زمین میں پہاڑوں کو ڈال دیا تاکہ وہ تمہیں لے کر (ادھر ادھر) نہ جھکے اور اس (زمین) میں ہر قسم کی عمدہ چیزیں اگائیں۔ یہ (سب کچھ) اللہ کا بنایا ہوا ہے سو اب تم مجھے دکھاؤ کہ جو اس کے سوا ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا۔ بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

عَمَدٍ: ستون۔ کھمبے۔ واحد عَمُوْدٌ۔

تَمِیْدَ: وہ ہلتی ہے۔ وہ ڈگمگاتی ہے۔ وہ جھکتی ہے۔ مَیْدٌ سے مضارع۔

رَوَاسِیَ جمے ہوئے۔ پہاڑ۔ بوجھ۔ واحد رَاسِیَۃٌ۔

بَثَّ اس نے اڑایا۔ اس نے بکھیرا۔ اس نے پھیلایا۔ بَثٌّ سے ماضی۔

دَآبَّۃٍ: چلنے والا۔ چوپایہ۔ دبٌّ سے اسم فاعل۔

اَنۡۢبَتۡنَا: ہم نے اگایا۔ انبات سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں نیک لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور شریعت کے احکام کے تحت نیک کام کرتے رہے تو ان کے لئے نعمتوں والی جنتیں ہیں جہاں طرح طرح کی لذیذ غذائیں، بہترین پوشاکیں اور عمدہ سواریاں وغیرہ ملیں گی۔ یہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ جہاں نہ تو ان کو موت یا فنا سے سابقہ پڑے گا اور نہ ان کی نعمتیں کبھی فنا یا کم ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پکا اور سچا ہے اور وہی غالب اور حکمت والا ہے۔

اگر تم اس کی شان عزت و حکمت پہچاننا چاہتے ہو تو اس کے عجائبات قدرت میں غور کرو۔ اسی نے آسمانوں کو ستونوں اور سہارے کے بغیر قائم کیا ہوا ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو۔ یہ اس کی صنعت کے کمال کی دلیل ہے کہ اس نے اتنا بلند اور طویل جسم ستونوں کے بغیر قائم کر رکھا ہے اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ ڈال دیئے، تاکہ وہ تمہیں لے کر ادھر ادھر نہ جھکے اگر زمین میں اضطراب اور تزلزل ہوتا تو اس پر ٹھہرنا اور چلنا پھرنا مشکل ہو جاتا۔ اسی نے اپنی قدرت سے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلا رکھے ہیں جن کے اجسام، اعضا، صورتیں، رنگتیں، آواز اور خوراک وغیرہ مختلف ہیں۔ اسی نے اپنے قدرت سے آسمان سے پانی اتارا، جس پر تمہاری اور دیگر مخلوقات کی زندگی کا دار و مدار ہے پھر اس پانی سے زمین میں عمدہ عمدہ نباتات اگائے جن کے فوائد و منافع کو کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ یہ سب کچھ جو دکھائی دے رہا ہے وہ تو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں پس اے مشرکو! جن کو تم اللہ کے سوا معبود مانتے ہو انہوں نے کیا چیز پیدا کی یہ لوگ ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتے جو ان کے باطل معبودوں نے بنائی ہو بلکہ یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۲۴، ۴۲۵/ ۵، مظہری ۲۶۴، ۲۶۵/ ۷)

حضرت لقمان کی حکمت

۱۲۔ وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِكۡمَةَ اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ۞

اور البتہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی (اور کہا) کہ اللہ کا شکر کرتے رہو اور جو شکر کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہی شکر کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو اللہ بے نیاز ہے (اور) سب تعریفوں والا ہے۔

تشریح: اے لقمان اس اللہ کا شکر ادا کر جس نے تجھے علم و حکمت اور فہم و فراست جیسی عظیم نعمت عطا کی۔ حضرت قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہاں حکمت سے مراد اسلام کی سمجھ ہے۔ پھر فرمایا کہ خوب سمجھ لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرتا ہے کیونکہ شکر سے نعمت باقی بھی رہتی ہے اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ سو جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے شکر و حمد کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں۔ اگر ساری زمین والے بھی کافر ہو جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ پس تحقیق اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے بالکل بے نیاز ہے اور وہ اپنی صفات اور افعال میں ہر وقت حمید اور پسندیدہ ہے۔

ایک مرتبہ حضرت لقمان کسی مجلس میں وعظ فرما رہے تھے تو ایک چرواہے نے ان کو دیکھ کر کہا کہ کیا تو وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں فلاں جگہ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں میں وہی ہوں۔ اس نے کہا کہ پھر تجھے یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوا۔؟ حضرت لقمان نے کہا، سچ بولنے اور بے کار کلام نہ کرنے سے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بلندی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور امانت کی ادائیگی اور کلام کی سچائی اور بے نفع کاموں کو چھوڑ دینا۔

کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت لقمان سے کہا کیا تو بنی حسحاس کا غلام نہیں؟ انہوں نے کہا ہاں ہوں۔ اس نے کہا کیا تو بکریوں کا چرواہا نہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ہوں۔ اس نے کہا کیا تو سیاہ رنگ نہیں؟ انہوں نے کہا ظاہر ہے میں سیاہ رنگ ہوں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا یہی کہ پھر کیا وجہ ہے کہ تیری مجلس پُر رہتی ہے۔ لوگ تیرے دروازے پر آتے رہتے ہیں اور تیری باتیں شوق سے سنتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ جو باتیں میں تمہیں کہتا ہوں ان پر عمل کرلو تم بھی مجھ جیسے ہو جاؤ گے۔ آنکھیں حرام چیزوں سے بند کرلو۔ زبان بیہودہ باتوں سے روک لو۔ حلال مال کھایا کرو۔ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو، زبان سے سچ بات بولا کرو۔ وعدے کو پورا کیا کرو۔ مہمان کی عزت کرو۔ پڑوسی کا خیال رکھو، بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دو۔ انہی عادتوں کی وجہ سے میری بزرگی ہوئی ہے۔ (ابن کثیر ۴۴۳، ۳/۴۴۴)

حضرت لقمان کی وصیت

۱۳۔۱۵۔ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰي وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ز وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ۚ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اے بیٹے! اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ کرنا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق (نیکی کا) حکم دیا۔ اس کی ماں نے تکلیف پر تکلیف اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹنا ہے (اس لئے ہم نے حکم دیا) کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کر (آخر تم سب کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ دونوں تجھے اس بات پر مجبور کریں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کا تجھے علم بھی نہیں تو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آنا اور اس کی راہ پر چل جو میری طرف رجوع ہوا۔ پھر تم سب کو لوٹ کر میری ہی طرف آنا ہے۔ پھر میں تم کو بتا دوں گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

وَهْنًا: ضعف۔ کمزوری۔ مصدر ہے۔

فِصٰلُهٗ: اس کا دودھ چھڑانا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

اَنَابَ: وہ متوجہ ہوا۔ وہ رجوع ہوا۔ اِنَابَةٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں میں اس بہترین وعظ اور عمدہ نصیحتوں کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے لڑکے کو کی تھیں۔ سب سے پہلے انہوں نے یہ نصیحت کی کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا کیونکہ اس سے بڑا ظلم اور اس سے بڑی بے حیائی اور اس سے زیادہ برا کام اور کوئی نہیں۔

ہم نے والدین کے ساتھ حسن سلوک و احسان کرنے کا حکم دیا ہے اور ماں کا حق باپ سے زیادہ ہے کیونکہ وہ ضعف پر ضعف برداشت کرتے ہوئے مہینوں تک اس کا بوجھ اٹھائے پھری اور وضع حمل کے بعد اس نے دو سال تک اس کو دودھ پلایا اور بے شمار تکلیفیں اور سختیاں جھیل کر اس نے بچے کی تربیت کی، اس لئے ضروری ہے کہ آدمی پہلے اللہ کا پھر اپنے والدین کا خصوصاً ماں کا حق پہچانے۔ ایک

دن سب کو اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے اس لئے آدمی سوچ لے کہ وہاں کیا منہ لے کر جائے گا۔

اگر چہ ہم نے تمہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت واطاعت کا حکم دیا ہے لیکن اگر والدین تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میری عبادت میں باطل معبودوں کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو ایسی صورت میں ماں باپ کا کہنا نہ ماننا، کیونکہ خالق کے مقابلے میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ البتہ دنیوی زندگی میں والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو حتی کہ اگر والدین کافر ہوں تب بھی ان کی ضروریات کا خیال رکھو اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ اور دین کے معاملے میں ان انبیا اور صالحین کی اتباع کرو جو ہمہ تن میری طرف جھکے ہوئے ہیں۔ اس دنیا کی زندگی کے بعد تم سب لوٹ کر میرے ہی پاس آؤ گے۔ اس وقت میں تم سب کو تمہارے اعمال کے بارے میں بتادوں گا اور تمہیں اسلام کی جزا اور تمہارے والدین کو کفر کی سزا دوں گا۔ (ابن کثیر ۳/۴۴۴، عثمانی ۲/۳۲۵)

دوسری نصیحت

۱۶۔۱۹۔ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِیْ صَخْرَةٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ۝ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ ۝

اے بیٹے اگر کوئی (عمل) رائی کے دانے کے برابر ہو۔ پھر وہ کسی پتھر میں (چھپا ہوا) ہو یا آسمانوں میں یا زمین میں تو (قیامت کے روز) اللہ اس کو بھی لے آئے گا۔ بیشک اللہ باریک بین (اور) خبردار ہے۔ اے بیٹے! نماز اور اچھے کاموں کا حکم کیا کر اور برے کاموں سے منع کیا کر اور جو مصیبت تجھ پر آجائے اس پر صبر کر۔ یقیناً یہ بڑی ہمت کے کام ہیں اور لوگوں سے بے رخی نہ کیا کر اور زمین پر اترا کر نہ چل بیشک اللہ کسی تکبر کرنے والے اور شیخی کرنے

والے کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال سے اعتدال اختیار کر اور اپنی آواز کو پست رکھ کیونکہ آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

خَرْدَلٍ: رائی۔ واحد خَرْدَلَةٌ۔

صَخْرَةٍ: بڑا پتھر۔ سخت پتھر۔ جمع صَخْرٌ۔

تُصَعِّرْ: تو پھیر۔ تو موڑ۔ تَصْعِيْرٌ سے مضارع۔

خَدَّکَ: تیرا گال۔ تیرا رخسار۔ جمع خُدُوْدٌ۔

مَرَحاً: اکڑتا ہوا۔ اتراتا ہوا۔ مصدر ہے۔

مُخْتَالٍ: تکبر کرنے والا۔ غرور کرنے والا۔ اِخْتِيَالٌ سے اسم فاعل۔

اقْصِدْ: تو قصد کر۔ تو اعتدال اختیار کر۔ قَصْدٌ سے امر۔

اُغْضُضْ: پست کر۔ تو نرم کر۔ غَضٌّ سے امر۔

اَنْکَرَ: بہت ناپسندیدہ۔ بہت برا۔ نَکَارَةٌ سے اسم تفضیل۔

الْحَمِيْرُ: گدھے۔ واحد حِمَارٌ۔

تشریح: جب لقمان نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تو اس نے باپ سے پوچھا کہ اگر میں کسی ایسے مقام پر گناہ کروں جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو تو کیا اللہ تعالیٰ اس کو بھی جان لے گا اور اس پر مواخذہ کرے گا حضرت لقمان نے کہا اے بیٹے! اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہو خواہ وہ نیک ہو یا بد اور وہ عمل کسی پتھر اندر چھپا ہوا ہو اور پتھر میں کوئی سوراخ بھی نہ ہو یا وہ عمل آسمانوں میں جہاں عام طور پر کسی کی رسائی نہیں یا وہ عمل زمین کی تہہ میں چھپا ہوا ہو تو قیامت کے دن حساب و کتاب کے وقت اللہ تعالیٰ اس کو ضرور لا حاضر کرے گا۔ اور اس کا حساب لے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور باخبر ہے اس کا علم ذرے ذرے کو محیط ہے۔ وہ ہر چیز کی حقیقت سے خوب باخبر ہے

اے بیٹے نماز کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہنا کیونکہ یہ دین کا ستون ہے۔ اس کے قائم رہنے سے دین قائم رہتا ہے اور دوسروں کی اصلاح کے لئے ان کو نیک اور پسندیدہ باتوں کا حکم دیتے رہنا اور بری اور ناپسندہ باتوں سے منع کرتے رہنا۔ اس امر و نہی کے راستے میں تجھے جو تکلیفیں پہنچیں ان پر صبر کرنا۔ بیشک ایذاؤں اور تکلیفوں پر صبر کرنا بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اے بیٹے جب تو لوگوں سے ملاقات کرے تو ان کو حقیر سمجھ کر ان سے رخ نہ موڑنا۔ جیسا کہ

متکبرین کا طریقہ ہے اور اے بیٹے! زمین پر اتراتے ہوئے اکڑ کر نہ چلنا کیونکہ اترانے اور شیخیاں مارنے سے آدمی کی عزت نہیں بڑھتی بلکہ وہ ذلیل و حقیر ہو جاتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے اور شیخی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں متانت، تواضع اور میانہ روی اختیار کرو اور بات کرتے وقت اپنی آواز کو نرم اور پست کرو کیونکہ سخت اور کرخت آواز لوگوں پر گراں ہوتی ہے اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ بلا شبہ تمام آوازوں میں سب سے بری آواز گدھے کی ہوتی ہے اگر اونچی آواز سے بولنا کوئی کمال ہوتا تو گدھے کی آواز پر خیال کرو کہ وہ بہت زور سے آواز نکالتا ہے مگر اس کی آواز کس قدر کریہہ اور کرخت ہوتی ہے　　(عثمانی ۳۲۶/۲ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۴۳۰/۵)

آبا و اجداد کی اندھی تقلید

۲۰، ۲۱۔ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا ۭ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے لئے مسخر کر دیا اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری کر دیں اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اسی کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا اگر شیطان ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)؟

اَسْبَغَ:　اس نے پورا کیا۔ اِسْبَاغٌ سے ماضی۔

السَّعِيْر:　دہکتی ہوئی آگ۔ دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اللہ تعالیٰ

نے تمہارے کام پر لگا رکھا ہے مثلاً چاند، ستارے، بادل، بارش، خشکی، سمندر، دریا، پہاڑ، درخت، کھیتی، پھل، پھول وغیرہ۔ یہ سب نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں۔ پھر ان ظاہری نعمتوں کے علاوہ اس نے اور بھی ظاہری نعمتیں تمہیں دے رکھی ہیں، مثلاً اسلام، رسول، قرآن، اتباع رسول کی توفیق، خوبصورتی، اعضا کی درستی، رزق۔ عافیت، دشمن پر غلبہ، وغیرہ۔ باطنی نعمتوں سے مراد ہے عقل، حسن اخلاق، دل میں صحیح اعتقاد ڈال دینا۔ گناہوں پر فوری پکڑ نہ ہونا۔ ملائکہ کے ذریعے مدد پہنچانا۔ اللہ اور اسکے رسول سے محبت وغیرہ۔ ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس ذات نے اتنی بڑی بڑی اور اتنی ساری نعمتیں دے رکھی ہیں اس پر سب لوگ ایمان لاتے لیکن افسوس، بہت سے لوگ اب تک اللہ تعالیٰ کے بارے میں الجھ رہے ہیں اور محض جہالت، گمراہی، کسی سند دلیل اور روشن کتاب کے بغیر الجھ رہے ہیں۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی کی اتباع کرو تو وہ نری بے حیائی سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو چلتے پایا۔ کیا اگر شیطان ان کے باپ دادا کو بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو تب بھی یہ لوگ باپ دادا کے پیچھے چلیں گے۔

(ابن کثیر، ۴۵۰/۳، مظہری ۲۷۳،۲۷۴/۷)

منکرین کا انکار و تکذیب

۲۲۔۲۴، وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۚ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ۝

اور جس نے اپنا رخ اللہ کی طرف کر لیا اور وہ نیک بھی ہو تو یقیناً اس نے مضبوط حلقہ تھام لیا اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے، اور جس نے کفر کیا تو اس کے کفر سے آپ کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے۔ ان کو ہمارے پاس ہی لوٹنا ہے پھر ہم ان کو بتا دیں گے کہ وہ (دنیا میں) کیا کیا کرتے تھے۔ بیشک اللہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔

عُرْوَۃ: حلقہ۔ کڑا۔ آبخورے کا دستہ۔ جمع عُرٰی۔

وُثْقٰی: بہت مستحکم۔ بہت مضبوط۔ وَثُوْق سے اسم تفضیل۔

نَضْطَرُّ: ہم کھینچ کر لائیں گے۔ ہم مجبور کریں گے۔ اِضْطِرَارٌ سے مضارع۔

تشریح: جو شخص اپنے عمل میں اخلاص پیدا کرے، جو اللہ کا سچا فرماں بردار بن جائے، اس کے احکام پر پوری طرح عمل کرے اور اس کے منع کردہ کاموں سے رک جائے تو گویا اس نے بہت مضبوط حلقے اور رسی کو پکڑ لیا۔ آخر کار سب کو اللہ ہی کے پاس جانا ہے اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف نہ کرے اور انکار کردے تو اس کے انکار سے آپ کو رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے۔ ان کا معاملہ آپ ہمارے اوپر چھوڑ دیجئے، ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم ان کو ان کے اعمال کے بارے میں بتادیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ ہم ان کو دنیا میں چند روز تک فائدہ اٹھانے دیں گے پھر ہم ان کو مجبور کرکے بھاری عذاب کی طرف لے جائیں گے۔

اللہ کی خالقیت

۲۵۔۲۸۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا ہے) آپ کہہ دیجئے کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہیں بلکہ ان میں سے اکثر اتنا بھی نہیں جانتے۔ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اللہ بے نیاز (اور) لائق حمد ہے۔ جو کچھ زمین میں درخت ہیں، اگر وہ سب قلم ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی (بن جائیں اور) اس کے بعد اس میں (سیاہی کے) سات سمندر اور آملیں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں بیشک اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

تم سب کو پیدا کرنا اور مرنے کے بعد زندہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا ایک شخص کا
(پیدا یا زندہ کرنا) بیشک اللہ سنتا (اور) دیکھتا ہے۔

یَمُدُّهٗ: وہ اس کو کھینچتا ہے۔ وہ اس کو دراز کرتا ہے، وہ اس کو ڈھیل دیتا ہے۔ وہ اس کی سیاہی میں اضافہ کرتا ہے مدٌّ سے مضارع واحد۔

نَفِدَتْ: وہ ختم ہوگئی۔ نفدٌ سے ماضی۔

تشریح: یہ مشرکین اس بات کو تو مانتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین کا خالق ایک اللہ ہے لیکن پھر بھی باطل معبودوں کی عبادت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے تمہیں تمہارے عقیدے کے خلاف اقرار کرنے پر مجبور کر دیا بلکہ اکثر مشرکین بے علم ہوتے ہیں اور نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار ان پر لازم ہے۔ اور جب ان کو اس بارے میں متنبہ کیا جاتا ہے تو متنبہ بھی نہیں ہوتے۔ آسمانوں اور زمین کی ہر چھوٹی بڑی، چھپی، کھلی چیز، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اور اسی کی ملکیت ہے۔ بے شک وہ سب سے بے نیاز ہے اور سب اس کے محتاج ہیں۔ وہی سزاوارِ حمد ہے، وہی خوبیوں والا اور قابل تعریف ہے۔ اگرچہ زمین و آسمان محدود و متناہی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا علم اور اس کی قدرت لامحدود اور لامتناہی ہے۔ اگر بالفرض روئے زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور تمام سمندروں کے پانی سیاہی بن جائیں اور ان کے ساتھ سات سمندر اور ملائے جائیں اور پھر ان سے اللہ کی عظمت و صفات اور جلالت و بزرگی کے کلمات لکھے جائیں تو وہ تمام قلم گھس جائیں گے اور سیاہی کے تمام سمندر ختم ہو جائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی تعریفیں ختم نہ ہوں گی بلاشبہ اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ کوئی طاقت اس کو مغلوب نہیں کر سکتی۔ وہ حکمت والا ہے کوئی چیز اس کے علم و حکمت سے باہر نہیں۔

تم سب کو پیدا کرنا اور قیامت کے روز سب کو زندہ کر کے اٹھانا اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص کو پیدا کرنا اور اٹھانا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔
(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۳۷/۵، مظہری ۲۷۴/۷)

تسخیر شمس و قمر

۲۹، ۳۰۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

خَبِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ
الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ حق ہے اور اس کے سوا جس کو وہ پکارتے ہیں باطل ہے اور یقیناً اللہ ہی بہت بلند (اور) بڑی شان والا ہے۔

تشریح: اے اللہ کی قدرت کا انکار کرنے والے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں، گرمیوں میں رات دونوں طرف سے کم ہو کر دن میں داخل ہو جاتی ہے اور سردیوں میں دن دونوں طرف سے کم ہو کر رات میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ ہر وقت اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ ہر ایک مقررہ وقت تک یعنی قیامت کے روز تک اسی طرح چلتا رہے گا۔ جو کچھ تم کرتے ہو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے۔

یہ سب عجائبات قدرت اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی موجود برحق ہے۔ اسی کے حکم سے یہ سارا کارخانہ چل رہا ہے۔ اس کے سوا جن معبودوں کو وہ پکارتے ہیں وہ باطل ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب سے بالا اور سب سے بڑا ہے اس سے بڑا کوئی نہیں۔

کشتیوں کا سمندر میں چلنا

۳۱، ۳۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ
كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ
فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی عنایت سے کشتیاں سمندر میں چلتی ہیں تاکہ وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھا دے۔ البتہ اس میں ہر صبر کرنے والے (اور) شکر کرنے والے کے لئے (قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ اور جب

پہاڑ جیسی موجیں ان کو ڈھانک لیتی ہیں تو نہایت خلوص کے ساتھ وہ اللہ کو پکارتے ہیں۔ پھر جب اللہ ان کو بچا کر خشکی کی طرف لے آتا ہے تو ان میں سے بعض تو اعتدال پر رہتے ہیں اور جو بدعہد اور ناشکرے ہوتے ہیں وہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

غشیھم: اس نے ان کو ڈھانک لیا۔ اس نے ان کو گھیر لیا۔ غشیانٌ سے ماضی۔

ظلل: سائبان۔ بادل۔ مراد عذاب الٰہی۔

مُقتصدٌ: متوسط درجہ کا۔ درمیانی راہ چلنے والا۔ عہد کو پورا کرنے والا۔ اقتصادٌ سے اسم فاعل۔

یجحدُ: وہ انکار کرتا ہے۔ جحدٌ سے مضارع۔

ختّار: بڑا دھوکہ باز۔ عہد توڑنے والا۔ بہت جھوٹا۔ غدار ختَرٌ سے مبالغہ۔

تشریح: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ سمندر میں کشتیاں اللہ کے فضل و احسان سے چلتی ہیں تا کہ وہ تمہیں اپنی قدرت کی کچھ نشانیاں دکھادے کہ اس نے پانی میں ایسی قوت رکھی ہے کہ وہ بڑے بڑے جہازوں کو اٹھائے پھرتا ہے۔ بیشک ان کشتیوں اور جہازوں کے سمندروں کے اندر چلنے میں صابر و شاکر لوگوں کے لئے اللہ کی قدرت و نعمت کی نشانیاں ہیں کیونکہ سمندر کا سفر سخت دشوار ہوتا ہے۔ اس لئے جو لوگ بحری سفر کی سختیوں کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرتے ہیں اور آسانیوں میں شکر کرتے ہیں تو وہ سفر کے دوران قدرت الٰہی کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

جب ان کشتی والوں کو دریا کی کوئی بڑی موج سائبان کی طرح ڈھانک لیتی ہے تو اس وقت وہ تمام شرک بھول کر خالص اللہ کو پکارتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں ہولناک موج سے نجات دے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو بچا کر صحیح و سالم خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو اس وقت ان میں سے کچھ لوگ تو اعتدال پر رہتے ہیں اور اکثر منکر ہو جاتے ہیں۔ جو لوگ بدعہد اور ناشکرے ہوتے ہیں وہی ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

قیامت میں نفسا نفسی

۳۳۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ٘ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن نہ باپ اپنے
بیٹے کے کام آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آئے گا۔ بیشک اللہ کا
وعدہ حق ہے۔ سو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ شیطان تمہیں
اللہ سے دھوکے میں رکھے۔

یَجْزِیْ: وہ جزا دے گا۔ وہ بدلہ دے گا۔ وہ کام آئے گا۔ جَزَاءٌ سے مضارع۔

تَغُرَّنَّکُمْ: وہ تم کو ضرور دھوکہ دے گی۔ وہ تم کو ضرور بہکائے گی۔ غُرُوْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اے لوگو! اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے اور اس کی نافرمانی سے بچو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کے کام نہ آئے گا۔ اور نہ کوئی بیٹا اپنے باپ کے کام آ سکے گا۔ قیامت کے روز اگر بالفرض باپ یہ چاہے کہ اپنے بچے کے بدلے اپنی جان کا فدیہ دے دے تو یہ ہرگز قبول نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر بچہ یہ چاہے کہ وہ اپنے آپ کو باپ کی جگہ فدیہ کر دے تو یہ بھی قبول نہ ہوگا، وہ ایسا ہولناک اور وہ شر بادن ہوگا کہ اولاد اور والدین میں سے کوئی ایثار کر کے دوسرے کی مصیبت اپنے سر لینے کو تیار نہ ہوگا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔

بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے قیامت کا دن ضرور آ کر رہے گا۔ کوئی اس کو ٹال نہیں سکتا۔ سو دنیا کی چند روزہ بہار اور چہل پہل سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے کہ زندگی ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ یہاں آرام سے ہیں تو وہاں بھی آرام ملے گا۔ اس دغاباز شیطان کے دھوکے سے بچو جو اللہ کا نام لے کر دھوکہ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا میں خوب مزے اڑالو، بڑھاپے میں توبہ کر لینا اللہ بڑا غفور الرحیم ہے۔ یہ سب دھوکہ ہے کسی کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کب پکڑ لے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۰۶، ۲۱/۱۰۷، عثمانی ۲/۲۳۰)

مفاتیح الغیب

۳۴۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ
وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌۢ بِاَيِّ
اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے اور وہی بارش برساتا ہے اور وہی جانتا
ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کرے

گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔ البتہ اللہ علیم (اور) خبیر ہے۔

الغیث: بارش۔ جمع غُیُوث۔

غدًا: آنے والا کل۔ روز قیامت۔

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مجاہد کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ صحرا نشین لوگوں میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ قیامت کب ہوگی۔ اس شخص نے یہ بھی کہا کہ میری بیوی حاملہ ہے بتائیں کیا پیدا ہوگا، اور ہمارا ملک خشک سالی میں مبتلا ہے بتائیں بارش کب ہوگی، اور جس زمین پر میں پیدا ہوا تھا وہ تو مجھے معلوم ہے لیکن کس جگہ مروں گا یہ آپ بتائیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۲/۲۷۹، روح المعانی ۲۱/۱۰۹)

تشریح: بیشک اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ اس کا علم نہ کسی پیغمبر کو ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کو۔ اللہ تعالیٰ ہی بارش نازل کرتا ہے جس پر لوگوں کی حیات اور بقا کا مدار ہے۔ اس کے نازل ہونے کا وقت بھی پہلے سے کسی کو معلوم نہیں ہوتا یہاں تک کہ آسمان پر گھرے بادل چھا جانے کے بعد بھی کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ بادل یہاں برسے گا یا کہیں اور اگر یہاں برسے گا تو کتنا پانی برسائے گا اور کس طرح برسائے گا۔ بارش تیز ہوگی یا ہلکی یا کتنی دیر تک ہوگی۔ دن کو ہوگی یا رات کو ہوگی اور کس وقت ہوگی۔ یہ سب تفصیلات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ ہی کو معلوم ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے لڑکا ہے یا لڑکی ناقص ہے یا کامل۔ کالا ہے یا گورا، نیک ہے یا بد، عاقل ہے مجنون۔ اس کی عمر کتنی ہوگی وغیرہ۔ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کل کو کیا کرے گا۔ بھلائی کرے گا یا برائی وغیرہ۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کہاں کب اور کس حال میں واقع ہوگی۔ بسا اوقات ایسی جگہ جا کر مرتا ہے جو وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب چیزوں کو جاننے والا ہے اور وہی ہر چیز کے ظاہر و باطن سے باخبر ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۱/۱۰۸۔۱۱۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۵/۴۴۰، ۴۴۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ السجدہ

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کو سورۂ سجدہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی آیت ۱۵ میں سجدہ تلاوت آیا ہے۔ اس کو المضاجع بھی کہتے ہیں جیسا کہ اتقان میں ہے۔ مجمع البیان میں اس کو سورۃ السجدہ کا نام دیا گیا ہے تاکہ حم سجدہ کے ساتھ التباس نہ ہو۔ (روح المعانی ۲۱/۱۱۵)

تعارف: اس میں ۳ رکوع، تیس آیتیں، ۳۷۴ کلمات اور ۱۵۷۷ حروف ہیں۔

ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ یہی ابن الزبیر کا قول ہے۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا سے تین آیات تک مدنی ہیں۔ کلبی اور مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔ بعض نے تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ سے كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ تک پانچ آیت کا استثنیٰ کیا ہے۔ (روح المعانی ۲۱/۱۱۵، مواہب الرحمٰن ۲۱/۱۱۱)

اس سورت میں بھی توحید کے دلائل اور حشر ونشر کا بیان ہے۔

فضائل: احمد، ترمذی، نسائی، عبد بن حمید، دارمی، ابن مردویہ وغیرہ نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے سورۂ الم تنزیل السجدہ اور **تبٰرک الذی بیدہ الملک** پڑھا کرتے تھے۔

ابن ابی شیبہ، بخاری، مسلم نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز فجر کی نماز میں سورۂ الم تنزیل (الم سجدہ) اور **ھل اتی علی الانسان** پڑھا کرتے تھے۔ ابوداؤد، ابن ابی شیبہ، مسلم، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس

سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

ابن مردویہ نے ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مغرب اور عشا کے درمیان تبارک الذی بیدہ الملک اور الم سجدہ پڑھی تو گویا اس نے لیلۃ القدر میں قیام کیا۔　　(روح المعانی ۱۱۶/ ۲۱، مواہب الرحمٰن ۱۱۱/ ۲۱)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی حقانیت اور توحید کے دلائل کا بیان ہے۔

رکوع ۲: منکرین و مومنین کا حال بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں جہنم میں کافروں کی حالت مذکور ہے۔

رکوع ۳: قیامت کے روز اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک فیصلہ ہونا مذکور ہے۔ پھر مکذبین کی تہدید اور قیامت پر ان کے شبہ کا ذکر ہے۔

حروفِ مقطعات

۱۔ الٓمّٓ ۞ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

قرآن کی حقانیت

۲۔۳۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۞

بلا شبہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔ (یہ اس لئے نازل کی گئی) تاکہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ شاید وہ راہِ راست پر آ جائیں۔

تشریح: اس میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں کہ یہ کتاب (یعنی قرآن مجید) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ مشرکین کا یہ قول غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے بلکہ یہ سچی کتاب ہے جو آپ کے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے تاکہ آپ

اس کتاب کے ذریعے ایک ایسی قوم کو اللہ کے عذاب سے خبردار کریں جن کے پاس اس سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا، شاید آپ کے خبردار کرنے سے وہ لوگ راہِ راست پر آ جائیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک عرب میں کوئی پیغمبر نہیں آیا۔ یہ دورِ فترت کا دور کہلاتا ہے۔

توحید کے دلائل

۴۔۵۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ تمہارے لئے اس کے سوا کوئی مددگار اور سفارشی نہیں۔ کیا تم پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ آسمان سے زمین تک وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر وہ کام ایک ہی دن میں اس (اللہ) کی طرف چڑھ جاتا ہے۔ جس کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ہزار برس ہوگی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، دنیا کے اعتبار سے چھ دن کی مقدار میں پیدا کر دیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا۔ پس عرش سے لے کر فرش تک سب اسی کی مخلوق اور مملوک ہے اور اوپر سے لے کر نیچے تک ہر کون و مکان اور ہر زمین و زمان میں اسی کا حکم جاری ہے۔ ہر چیز پر اسی کا غلبہ ہے۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسروں پر بھروسہ کرتے ہیں کیا وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اتنی بڑی قدرتوں والا کسی کو اپنا شریک کار کیوں بنانے لگا۔ وہ برابری سے اور وزیر و مشیر اور شریک و سہیم سے پاک و منزہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سوائے مشرکو! جب تمہیں اللہ کی شان معلوم ہوگئی تو سمجھ لو کہ تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی کار ساز ہے اور نہ کوئی سفارشی۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے لے کر زمین تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے۔ پھر قیامت کے روز جس

ں مقدار تمہارے گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار برس کے برابر ہوگی تمام امور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور وہ ان کا فیصلہ کرے گا۔ لہٰذا تم اپنی سرکشی سے باز آ جاؤ اور اس دن کے آنے سے ڈرو۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۴۴۵، ۴۴۶/ ۵، ابن کثیر ۴۵۶، ۴۵۷/ ۳)

انسانوں کی تخلیق

۶۔۱۱۔ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۙ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ مَّهِيْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۝

وہی پوشیدہ اور ظاہر (چیزوں) کا جاننے والا ہے۔ زبردست (اور) مہربان ہے جس نے نہایت خوب بنائی جو چیز بھی بنائی اور انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی۔ پھر اس کی اولاد ایک بے وقعت پانی کے خلاصے سے پیدا کی۔ پھر اس (انسان) کو ٹھیک کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے (اس پر بھی) تم بہت کم شکر کرتے ہو۔ اور وہ (کافر) کہتے ہیں کہ جب ہم مٹی میں مل گئے تو کیا پھر نئے سرے سے پیدا ہوں گے بلکہ وہ اپنے رب سے ملنے کے منکر ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ (ایک روز) موت کا وہ فرشتہ جو تم پر متعین ہے تمہاری جان قبض کرے گا۔ پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

طِیْنٍ: گارا۔ مٹی۔ خاک۔

سُلٰلَۃٍ: خلاصہ۔ ستی ہوئی۔ نچوڑی ہوئی۔

مَھِیْنٍ: ذلیل۔ حقیر۔ بے عزت۔ ھَوْنٌ سے صفت مشبہ۔

سَوّٰہُ: اس نے اس کو تندرست کیا۔ اس نے اس کو صحیح سالم بنایا۔ تَسْوِیَۃٌ سے ماضی۔

لِقَاءِ: ملاقات کرنا۔ ملنا۔ مصدر ہے۔

وُکِّلَ: وہ مقرر کر دیا گیا۔ وہ ذمہ دار بنا دیا گیا۔ تَوْکِیْلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: وہی ذات جس کا حکم اور جس کی تدبیر عرش سے لے کر فرش تک جاری ہے پوشیدہ اور ظاہر کی جاننے والی اور غالب اور مہربان ہے، اس کی تخلیق آسمانوں اور زمین تک محدود نہیں بلکہ ہر چیز کو اسی نے بنایا اور اس نے انسان کی تخلیق کو گارے مٹی سے شروع کیا پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی کے خلاصے سے بنایا۔ اس کو اعضا کی شکل دیکر اس کے اعضا میں خاص تناسب رکھا اور اس میں اپنی روح پھونکی۔ پھر اس نے تمہارے فائدے کے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے، تا کہ تم کانوں سے کلامِ توحید اور حمدِ الٰہی سنو اور آنکھوں سے آیاتِ قدرت کا مشاہدہ کرو اور دل سے معرفتِ الٰہی پہچانو! افسوس تم ایسی عظیم نعمتوں کی بھی برائے نام قدر کرتے ہو۔

جو لوگ قیامت کے روز قبروں سے زندہ ہو کر اٹھنے کے منکر ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر زمین میں اس طرح مل جائیں گے کہ ہمارے جسم کے مختلف اعضا اور زمین کے ذرات ایک ہو جائیں گے اور دونوں میں کوئی تمیز باقی نہیں رہے گی تو کیا پھر بھی ہمیں دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ صرف دوسری زندگی ہی کا انکار نہیں کرتے بلکہ یہ لوگ تو اپنے رب کے سامنے پیش ہونے ہی کے منکر ہیں۔

آپ کہہ دیجئے کہ مرنے کے وقت موت کا وہ فرشتہ جو تمہارے لئے مقرر ہے تمہاری روح اور جان کو تمہارے بدن اور اعضا سے پوری طرح نکال کر دوسرے عالم میں لے جائے گا اور تمہارے جسم کو یہیں اس دنیا میں چھوڑ دے گا جو مٹی بن جائے گا۔ پھر جب قیامت آئے گی تو تمہاری اس مٹی میں روح ڈال دی جائے گی اور تم دوبارہ زندہ ہو جاؤ گے اور اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اس کے سامنے حاضر کر دیئے جاؤ گے۔ جس خدا نے پہلی بار تمہیں مٹی سے پیدا کیا تھا اور تم میں روح ڈالی تھی وہی خدا پھر تمہارے خاکی اجزا کو جمع کر کے دوبارہ ان میں روح ڈال دے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۴۸۔۴۵۱/ ۵، مواہب الرحمٰن ۱۱۶۔۱۱۹/ ۲۱)

منکرین کا حال

۱۲۔۱۴۔ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ
اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا

لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

کاش آپ دیکھتے جب گناہ گار لوگ اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہوں گے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا سو تو ہمیں (دنیا میں) لوٹا دے تو ہم نیک اعمال کریں گے (اب) ہمیں پورا یقین آ گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت پر لے آتے لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں انسانوں اور جنوں سے جہنم کو ضرور بھر کر رہوں گا۔ سو تم اپنے اس دن کی ملاقات کے فراموش کر دینے کا مزہ چکھو۔ ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا اور اپنے کئے کے بدلے میں دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔

نَاكِسُوْا: سر جھکانے والے۔ سرنگوں۔ نَكْسٌ سے اسم فاعل۔

اَمْلَئَنَّ: میں ضرور بھر دوں گا۔ مَلْأٌ سے مضارع۔

تشریح: اے محمد ﷺ! آپ کو وہ منظر بڑا ہیبت ناک دکھائی دے گا جب یہ گناہ گار لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور نہایت ذلت و ندامت کے ساتھ اپنے سر جھکائے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے۔ اور کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہماری آنکھیں روشن ہو گئیں اور کان کھل گئے۔ اب ہم تیرے احکام کی بجا آوری کے لئے ہر طرح تیار ہیں سو تو ہمیں پھر سے دنیا کی طرف لوٹا دے تاکہ ہم وہاں جا کر نیک اعمال کریں۔ اب ہمیں یقین آ گیا ہے۔ دنیا میں جو شکوک و شبہات تھے وہ سب دور ہو گئے۔

اگر ہم چاہتے تو سب کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں دوزخ کو کافروں سے بھر دوں گا خواہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔ اے کافرو! چونکہ تم قیامت کے روز اللہ کے سامنے حاضر ہونا بھول گئے تھے اس لئے اب عذاب کا مزہ چکھو۔ بیشک آج ہم نے بھی تمہیں فراموش کر دیا۔ اب تم اپنے کفر و تکذیب کی وجہ سے دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ (ابن کثیر ۴۵۸/۳)

مومنوں کا حال

۱۵۔۱۷، اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ
يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ
اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ہماری آیتوں پر تو وہی ایمان لاتے ہیں (جو خوف خدا رکھتے ہیں) جب ان کو وہ (آیتیں) یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہیں اور وہ تکبر نہیں کرتے (رات کو) اپنے بستروں سے اٹھ کر اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں اور ہمارے دئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی شخص کو معلوم نہیں کہ ان کے لئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔ یہ (اس کا) بدلہ ہے جو کچھ وہ دنیا میں) کرتے تھے۔

خرُّوا: وہ گر پڑے خرٌّ سے ماضی

تَتَجَافٰی: وہ الگ رہتی ہے۔ وہ دور ہوتی ہے۔ تَجَافِیٌ سے مضارع۔

جُنُوْبُھُمْ: ان کے پہلو۔ واحد جَنْبٌ.

اَلْمَضَاجِعِ: بستر۔ بچھونے۔ خوابگاہیں۔ ضَجْعٌ سے اسم ظرف۔ واحد مضجعٌ

تشریح: جس طرح دنیا میں مومن و کافر کا حال مختلف ہے اسی طرح آخرت میں دونوں کا حال مختلف ہوگا۔ بلاشبہ ہماری آیتوں پر وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جو ان کو سچا سمجھتے ہیں۔ جب ان کو ہماری آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرنے لگتے ہیں۔ وہ لوگ ایمان لانے سے تکبر کرتے ہیں اور نہ اطاعت سے منہ موڑتے ہیں۔ ان سچے مومنوں کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ راتوں کو ان کے پہلو خواب گاہوں سے دور رہتے ہیں وہ لوگ خوف اور امید کے ساتھ اپنے رب سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے ان کو عطا کر رکھا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ سو کوئی نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا۔

جہنم میں کفار کی حالت

۱۸۔۲۲۔ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۔لَا يَسْتَوٗنَ ۞ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۔نُزُلًا ۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞
وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۔كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ
اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تُكَذِّبُوْنَ ۞ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۞ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ
عَنْهَا ۔ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۞

کیا مومن اس کے برابر ہو جائے گا جو فاسق ہے۔ وہ برابر نہیں ہو سکتے۔ لیکن جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو ان کے لئے ہمیشہ رہنے کی جنتیں ہیں (یہ) مہمان داری ہے ان (نیک) اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور جن لوگوں نے نافرمانی کی تو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب بھی وہ اس سے باہر نکلنا چاہیں گے تو اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان کو کہا جائے گا کہ آگ کے اس عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے، اور البتہ اس بڑے عذاب سے پہلے ہم (دنیا میں آنے والا) قریب کا عذاب بھی ان کو چکھا دیں گے تاکہ وہ باز آئیں۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اللہ کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جائے پھر بھی وہ ان سے منہ پھیر لے۔ یقیناً ہم ایسے مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

تشریح: کیا مومن و فاسق برابر ہو سکتے ہیں۔ مومن و فاسق کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے تو ان کا ٹھکانا دائمی باغوں میں ہوگا۔ یہ ان کے دنیا میں کئے ہوئے نیک اعمال کے بدلے میں مہمانداری ہوگی البتہ جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا دائمی ٹھکانا دوزخ ہے۔ جب بھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے تو دوبارہ ذلت وخواری کے ساتھ اس میں دھکیل دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اب تم آگ کے اس عذاب کا مزہ چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ یہ عذاب تو ان کو آخرت میں ہوگا البتہ اس بڑے عذاب یعنی آخرت کے عذاب سے پہلے ہم دنیا ہی میں ان کو کچھ

عذاب کا مزہ چکھائیں گے تاکہ وہ اس ہلکے عذاب کو دیکھ کر ایمان کی طرف لوٹ آئیں اور کفر وتکذیب سے باز آجائیں مگر یہ ظالم باز آنے والے نہیں۔ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس کو اس کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی گئی پھر بھی اس نے ان سے منہ موڑ لیا۔ ایسے شخص کے مجرم ہونے میں کیا شبہ ہے، بیشک ہم مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے اور ان کو ان کے جرم کی سزا ضرور دیں گے۔

حق و باطل کا فیصلہ

۲۳۔۲۵۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۣ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اور البتہ ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی تھی سو (اے رسول ﷺ) آپ اس کے ملنے میں کچھ شک نہ کریں اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ بنایا اور جب تک وہ (بنی اسرائیل) صبر سے کام لیتے رہے تو ہم نے ان میں سے بہت سے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے راہنمائی کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین (بھی) رکھتے تھے۔

مِرْيَةٍ: شک۔ تردد۔ وہ شک جس سے تردد پیدا ہو۔

لِقَآئِهٖ: اس کی ملاقات۔ اس کا ملنا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں آنحضرت ﷺ کی تسلی کے لئے فرمایا کہ قرآن کریم کا نزول کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی کتابیں نازل ہوتی رہی ہیں۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں گمراہی بڑھ گئی تھی تو بنی اسرائیل کی ہدایت وراہنمائی کے لئے ہم نے توریت نازل کی۔ اسی طرح آپ کے زمانے میں تمام عالم گمراہ ہو گیا تھا تو ان کی ہدایت کے لئے ہم نے آپ کو نبی بنایا اور آپ پر قرآن عظیم جیسی کتاب نازل فرمائی۔ سو آپ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملنے کے بارے میں کسی قسم کا شک اور تردد نہ کریں۔ اگرچہ بظاہر یہاں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کہ آپ شک میں نہ پڑیں لیکن مقصود دوسروں کو سنانا ہے کہ وہ آپ کی نبوت میں شک وشبہ نہ کریں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے اس کتاب کو جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی تھی بنی اسرائیل کے لئے ہادی اور راہنما بنا دیا۔ اسی طرح ہم نے آپ کی کتاب یعنی قرآن مجید کو بھی لوگوں کے لئے ذریعۂ ہدایت بنا دیا۔ پھر ہم نے بنی اسرائیل میں ہادی اور راہنما بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا جو لوگوں کو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے، ان کو بھلائی کی طرف بلاتے اور برائی سے روکتے تھے۔ اس کام میں ان کو جو تکلیفیں اور مشقتیں پہنچتی تھیں ان کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

بیشک اہل حق اور منکرین کے درمیان دوٹوک اور عملی فیصلہ قیامت کے دن ہوگا یعنی قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اہل حق کو اہل باطل سے جدا کر دے گا اور جن امور میں وہ باہم اختلاف کیا کرتے تھے ان کا فیصلہ فرما دے گا اور ہر ایک کو اس کے حال کے مطابق جزا دے گا۔ (حقانی ۹۴۔۵۹۵ ۳)

مکذبین کی تہدید

۲۶۔۲۷۔ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِىْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ۝

کیا اس بات نے بھی ان کو ہدایت نہیں دی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے گھروں میں یہ (چلتے) پھرتے ہیں البتہ اس میں بڑی نشانیاں ہیں۔ سو کیا وہ سنتے بھی نہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا کر لے جاتے ہیں پھر اس کے ذریعے کھیتی پیدا کرتے ہیں کہ اس میں سے ان کے مویشی اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔ تو کیا یہ لوگ دیکھتے بھی نہیں۔

نَسُوْقُ: ہم پہنچاتے ہیں۔ ہم چلاتے ہیں۔ سَوْقٌ سے مضارع۔

الْجُرُزِ: بنجر زمین: چٹیل میدان۔

اَنْعَامٌ: مویشی، چوپائے۔ واحد نَعَمٌ۔

تشریح: کیا یہ مکذبین یہ دیکھنے کے بعد بھی راہِ راست پر نہیں آتے کہ ان سے پہلے گزری ہوئی کتنی ہی امتوں کو ہم نے ان کے کفر و عصیان کی وجہ سے آسمانی اور زمینی عذابوں سے ہلاک کر دیا۔ حالانکہ یہ اہل مکہ اپنے شام کے سفر کے دوران ان لوگوں کی تباہ شدہ بستیوں کے کھنڈرات کے پاس سے گزرتے ہیں مگر عبرت نہیں پکڑتے۔ بیشک گزشتہ امتوں کی تباہی میں ہمارے قہر و غضب کی نشانیاں موجود ہیں کیا یہ لوگ ان معذب قوموں کے حالات بھی نہیں سنتے۔

کیا یہ لوگ بنجر اور خشک زمین کو نہیں دیکھتے کہ ہم پانی (بارش) کے ذریعے اس کو کس طرح سرسبز و شاداب کر دیتے ہیں اور اس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس کو ان کے جانور بھی (بھوسا، پتے وغیرہ) کھاتے ہیں اور وہ خود بھی (غلہ، پھل وغیرہ) کھاتے ہیں۔ سو کیا یہ لوگ قدرت کی ان نشانیوں کو بھی نہیں دیکھتے۔ پس جو خدا خشک زمین سے گھاس اگانے پر قادر ہے وہ انسانوں کو مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ (حقانی ۳/۵۹۵)

قیامت پر منکرین کا شبہ

۲۸۔۳۰۔ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ إِنَّهُمْ مُنْتَظِرُونَ ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ)۔ آپ کہہ دیجئے کہ فیصلے کے دن ایمان لانا کافروں کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اور نہ انہیں ڈھیل دی جائے گی۔ سو آپ ان سے کنارہ کر لیجئے اور (ان کی ہلاکت کا) انتظار کیجئے۔ بیشک وہ بھی منتظر ہیں۔

تشریح: مشرکین مکہ تمسخر کے طور پر کہتے تھے کہ تمہاری فتح اور غلبہ کب ہوگا۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو صاف صاف بتاؤ کہ وہ دن کب آئے گا۔ اس آیت میں فتح سے مراد قیامت یعنی فیصلے کا دن ہے۔

اے نبی ﷺ! آپ ان کے جواب میں کہہ دیجئے کہ ابھی موقع ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لا کر اس دن کے عذاب سے بچنے کی تیاری کر لو ورنہ جب وہ دن آ جائے گا تو اس وقت کافروں کو ایمان لانا بالکل نفع نہ دے گا اور نہ اس روز ان کو کسی قسم کی مہلت ملے

گی ۔ سو اس مہلت کو غنیمت سمجھو اور اس کو تکذیب و تمسخر میں ضائع نہ کرو ۔ جو گھڑی آنے والی ہے وہ یقیناً آ کر رہے گی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی ۔

اے نبی ﷺ ! آپ ان ہنسی اور تمسخر کرنے والوں سے منہ پھیر لیجئے اور ان کی باتوں اور تکذیب کا خیال نہ کیجئے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو وعدہ کیا ہے وہ حق ہے ۔ آپ ہمارے عذاب کا انتظار کیجئے ۔ تحقیق وہ بھی عذاب ہی کے منتظر ہیں ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الاحزاب

وجہ تسمیہ: احزاب، حزبؔ کی جمع ہے جس کے معنی جماعت اور گروہ کے ہیں۔ اس سورۃ میں غزوۂ احزاب کا خاصی تفصیل کے ساتھ ذکر ہے، اس غزوے میں مشرکین کی جماعتیں ہر طرف سے جمع ہو کر مدینے پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس لئے اس کا نام سورۃ الاحزاب ہو گیا۔

تعارف: اس میں نو رکوع، ۷۳ آیتیں، ۱۲۸۰ کلمات اور ۵۹۹۰ حروف ہیں۔

بیہقی نے دلائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابن مردویہ نے ابن الزبیرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ یہ (سورت) مدینے میں نازل ہوئی۔

(روح المعانی ۱۴۲/۲۱، مواہب الرحمٰن ۱۳۸، ۱۳۹/۲۱)

اس سورت میں صادقین اور مخلصین کی تعریف اور منافقین کی مذمت ہے اور آپ کو تسلی دی گئی کہ آپ مخالفین کی ایذا رسانی اور دھمکیوں کی پرواہ نہ کیجئے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھئے۔ اس کے علاوہ اس میں غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ کا حال خاصی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور پردے کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسے کی تعلیم اور متبنّیٰ کی شرعی حیثیت مذکور ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات کی تعظیم اور میثاقِ انبیا کا بیان ہے۔

رکوع ۲: غزوۂ احزاب کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: غزوۂ احزاب کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: ازواج مطہرات کا مطالبہ اور اللہ کا حکم مذکور ہے۔ پھر ازواج مطہرات کے خصائص کا بیان اور عورتوں کو گھروں میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع ۵: قرآن کریم میں عورتوں کا تذکرہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کا بیان ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے آپ کے نکاح کی حکمت اور آپ ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہونے کا اعلان ہے۔

رکوع ۶: مومنوں کو کثرت ذکر کی تاکید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ پھر نکاح کے خاص احکام بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک حکم عام مسلمانوں کے لئے ہے اور سات احکام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہیں۔

رکوع ۷: پردے کے احکام اور آپ کی عظمت شان کا بیان ہے۔ آخر میں آپ کو ایذا دینے والوں کا انجام مذکور ہے۔

رکوع ۸: پردے کے مزید احکام اور قیامت کا قریب ہونا بیان کیا گیا ہے۔ آخر میں کافروں کا انجام بتایا گیا ہے۔

رکوع ۹: مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذا نہ دیں۔ تقویٰ اختیار کریں اور ہمیشہ درست اور انصاف کی بات کریں۔ پھر اللہ کی امانت کا ذکر ہے جس کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے معذرت کی مگر انسان نے اپنے ضعف و ناتوانی کے باوجود اس کو اٹھانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

اللہ پر کامل بھروسے کی تعلیم

۱۔۳، يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ۙ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ۙ وَّتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

اے نبی! (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کی باتوں میں نہ آنا۔ بیشک اللہ بڑا علم والا (اور بڑی حکمت) والا ہے۔ اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جاتی ہے اسی کی پیروی

کرتے رہئے۔ بیشک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور آپ اللہ پر
بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی ہے کارسازی کے لئے۔

شانِ نزول: اس سورت کے سبب نزول میں کئی روایتیں ہیں۔

۱۔ ابن جریر نے ضحاک کی وساطت سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ اہل مکہ نے جن میں ولید بن مغیرہ اور شیبہ بن ربیعہ بھی شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے قول سے باز آجائیں، ہم آپ کو اپنے مال میں سے ایک حصہ دیدیں گے۔ مدینے میں منافقوں اور یہودیوں نے آپ کو دھمکی دی تھی کہ اگر آپ باز نہ آئے تو ہم آپ کو (نعوذ باللہ) قتل کر دیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔
(روح المعانی ۲۱/۱۴۳)

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینے کے آس پاس یہود کے قبائل بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع وغیرہ آباد تھے۔ آپ کی خواہش اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو دوسروں کو دعوت (اسلام) دینا آسان ہو جائے گا۔ اس لئے آپ ﷺ ان کے ساتھ خاص مدارات کا معاملہ فرماتے اور ان میں سے جو چھوٹے بڑے لوگ آتے تھے ان کا اکرام کرتے تھے۔ اگر ان سے کوئی بری بات صادر ہو جاتی تو دینی مصلحت سمجھ کر اس سے چشم پوشی فرماتے تھے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۷/۸۷)

۳۔ ثعلبی اور واحدی نے بغیر سند یہ نقل کیا کہ ابوسفیان اور عکرمہ بن ابی جہل اور ابوالاعور سلمی، معاہدۂ حدیبیہ کے بعد مدینہ منورہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔ صرف اتنا کہہ دیں کہ یہ بھی شفاعت کریں گے اور نفع پہنچائیں گے تو ہم آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے رب کو چھوڑ دیں گے اور جھگڑا ختم ہو جائے گا۔ ان کی بات آپ ﷺ کو اور سب مسلمانوں کو سخت ناگوار ہوئی۔ مسلمانوں نے ان کے قتل کا ارادہ کیا مگر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ان سے صلح کا معاہدہ کر چکا ہوں اس لئے ان کو قتل نہیں کیا جا سکتا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح المعانی ۲۱/۱۴۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں اگرچہ آپ کو مخاطب کر کے چند باتوں کی تاکید فرمائی ہے مگر

حقیقت میں اس سے مقصود امت کی تعلیم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جس طرح اب تک آپ ﷺ نے خشیت وتقویٰ اختیار کئے رکھا اسی طرح آئندہ بھی ہمیشہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے رہئے۔ کافر اور منافق سب مکار ہیں۔ یہ لوگ چالاکی اور عیاری سے آپ کو نرم کرنا چاہتے ہیں۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ آپ ﷺ ہمارے معبودوں کا برائی سے ذکر نہ کیا کریں تو ہم آپ سے تعرض کرنا چھوڑ دیں گے یا آپ ہماری فلاں فلاں باتیں مان لیں تو ہم آپ ﷺ کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔ یہ سب اسلام کے دشمن ہیں اور آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں سو آپ ان کی چالوں میں نہ آیئے اور نہ ان کی دھمکیوں کی پرواہ کیجئے اور نہ آپ کو ان کی قوت وشوکت سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی تمام سازشوں کو خوب جانتا ہے اور وہ حکمت والا ہے اس لئے اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا ہے، آپ اس کی پوری پوری اتباع کرتے رہئے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں اور تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ تمہارا ظاہر و باطن اور کوئی بھی عمل اس سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے اسی کے کہنے پر چلو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ وہی بہترین کارساز ہے وہ تمہارے سب کام بنا دے گا۔

متبنیٰ کی شرعی حیثیت

۵،۴۔ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ۭ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اللہ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور اپنی جن بیویوں کو تم ماں کہہ بیٹھتے ہو اللہ نے انہیں تمہاری مائیں نہیں بنایا اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنایا ہے۔ یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ حق بات فرماتا

ہے اور وہی سیدھا راستہ بتاتا ہے تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اصلی باپوں کے ناموں سے پکارا کرو۔ یہی اللہ کے نزدیک بہتر ہے۔ پھر اگر تمہیں ان کے حقیقی باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں اور اس میں کچھ بھول چوک ہو جائے تو اس کا تم پر گناہ نہیں لیکن گناہ وہ ہے، جس کا دلوں سے ارادہ کرو اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

جَوْفِهٖ: اس کا پیٹ۔ اس کے اندر۔ اندرونی حصہ جو خالی ہو۔ جمع اَجْوَاف

تُظٰهِرُوْنَ: تم اپنی بیوی کو ماں کے ساتھ تشبیہ دیتے ہو یعنی خود پر حرام کرتے ہو۔

مَوَالِيْ: دوست۔ وارث۔ رشتہ دار۔ واحد مَوْلیٰ۔

تَعَمَّدَتْ: اس نے جان بوجھ کر کیا۔ اس نے ارادتاً کیا۔ تَعَمُّدٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم، اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے کہ آپ کے دل میں کوئی خیال گزرا۔ اس پر جو منافق نماز میں شامل تھے کہنے لگے کہ دیکھو ان کے دو دل ہیں۔ ایک تمہارے ساتھ ایک ان کے ساتھ۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔ (روح المعانی ۲۱/۱۴۴، ابن کثیر ۳/۴۶۶)

بغوی اور ابن ابی حاتم نے سدی اور ابن نجیح کی روایت سے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک شخص ابو معمر جمیل بن معمر فہری تھا۔ اس کی سمجھ بھی تیز تھی اور حافظہ بھی اتنا قوی تھا کہ جو کچھ سنتا تھا یاد کر لیتا تھا۔ قریش کے لوگ کہتے تھے کہ معمر کا حافظہ اتنا قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے دو دل ہیں۔ وہ خود بھی کہتا تھا کہ میرے دو دل ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ سمجھتے ہیں اس سے زیادہ تو میرے ہر ایک دل میں ہے۔ میں ایک دل سے بھی ان سے زیادہ جانتا اور سمجھتا ہوں۔ اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۲۱/۱۴۴، مظہری ۷/۳۰۴)

تشریح: زمانہ جاہلیت میں عربوں میں تین باتیں عام تھیں۔

۱۔ عرب کے لوگ غیر معمولی ذہین شخص کو یہ کہا کرتے تھے کہ اس کے سینے میں دو دل ہیں۔

۲۔ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پیٹھ یا کسی اور عضو سے تشبیہ دے کر یہ کہہ دیا کہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسی میری ماں کی پیٹھ، تو اس سے بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی تھی

یعنی بیوی کو طلاق ہو جاتی تھی۔

۳۔ کسی دوسرے کے بیٹے کو اپنا متبنیٰ (منہ بولا بیٹا) بنا لیتے تھے۔ پھر وہ منہ بولا بیٹا اس کا بیٹا مشہور ہو جاتا تھا اور عام احکام میں اصلی بیٹے کی طرح مانا جاتا تھا مثلاً میراث میں بھی وہ حقیقی اولاد کی طرح حصہ پاتا تھا اور نسبی رشتے کے تحت جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوتا ہے منہ بولے بیٹے کے لئے بھی ویسا ہی سمجھتے تھے۔

قرآن کریم نے ان تینوں باتوں کی یہ کہہ کر نفی کر دی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے، اسی طرح بیوی کو ماں کی پیٹھ کہہ دینے سے کسی کی بیوی ماں کا درجہ نہیں پا لیتی۔ تمہاری ماں تو وہی ہے جس سے تم پیدا ہوئے ہو۔ اس لئے بیوی کو ماں کی پیٹھ کہہ دینے سے بیوی خاوند پر حرام نہیں ہو جاتی۔ اس کا مفصل حکم سورۃ مجادلہ میں آئے گا۔ اسی طرح منہ بولا بیٹا بھی حقیقی بیٹے کی مانند نہیں ہو سکتا۔ نہ وہ میراث کا حقدار ہوگا اور نہ اس پر حرمت نکاح کے مسائل کا اطلاق ہوگا۔

یہ سب لوگوں کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ اس سے حقیقت نہیں بدل سکتی۔ حقیقی اور سچی بات تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ لہٰذا جو ٹھیک ٹھیک اور صاف بات اس نے کہی ہے۔ تم اسی کو اختیار کرو اور منہ بولے بیٹوں کو ان کے حقیقی باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ اللہ کے نزدیک یہی بہتر اور انصاف کی بات ہے۔ اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو پھر ان کو بھائی اور دوست کہہ کر پکارو کیونکہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ اگر اس حکم کے بعد تم اپنی پرانی عادت کی بنا پر بھولے سے کسی کو اس کے فرضی باپ کی طرف نسبت کر کے پکار لو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ البتہ اگر تم اپنے قصد اور ارادے سے اصلی باپ کے سوا کسی دوسرے کی جانب نسبت کر کے پکارو گے تو گناہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بڑا معاف کرنے والا اور بہت مہربان ہے۔ وہ قصداً کہنے والے کو بھی توبہ و استغفار کے بعد معاف فرما دیتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہم (حضرت) زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے (کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متبنیٰ بنا لیا تھا) لیکن اس آیت کے نزول کے بعد ہم نے یہ کہنا چھوڑ دیا۔

(ابن کثیر ۳/۴۶۶،۴۶۵)

صحیحین، احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت ابوبکرہؓ سے

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جانتے ہوئے (اپنے باپ کو چھوڑ کر) کسی دوسرے کو اپنا باپ ظاہر کیا اس پر جنت حرام ہے۔ (مظہری ۳۰۶/۷)

رسول اللہ ﷺ اور ازواج مطہراتؓ کی تعظیم

۶۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝

نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھنے والے ہیں اور (نبی) کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں اور کتاب اللہ کی رو سے اہل قرابت آپس میں ایک دوسرے (کے ترکے) کے زیادہ حق دار ہیں بہ نسبت دوسرے مومنوں اور مہاجروں کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر احسان کرنا چاہو (تو کر سکتے ہو)۔ یہ حکم لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

تشریح: لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات کی تعظیم واحترام ان کے ماں باپ اور خود ان کی اپنی جان سے بھی زیادہ فرض ہے۔ لوگوں کا اپنی جان و مال میں اتنا تصرف نہیں چلتا جتنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چلتا ہے۔ لوگ خود اپنے اتنے خیر خواہ نہیں جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خیر خواہ ہیں۔ لوگوں کے نفوس شر اور فساد کا حکم دیتے ہیں اور خیر اور صلاح سے روکتے ہیں اور اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ہر خیر کا حکم دیتے ہیں اور ہر شر سے منع کرتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔ (بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول من الایمان)

پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مسلمانوں کی روحانی مائیں ہیں۔ ان کی تعظیم اپنی حقیقی ماؤں سے بھی زیادہ فرض ہے یہ حکم ادب واحترام اور حرمت نکاح کے اعتبار سے ہے، پردہ و میراث کے اعتبار سے نہیں۔ میراث تو نسبی اور قرابتی رشتوں ہی کی بنیاد پر تقسیم کی جائے گی۔ لہذا

جس طرح اپنی نسبی ماؤں سے نکاح حرام ہے اس سے بھی زیادہ ان روحانی ماؤں سے نکاح حرام ہے۔

ابتدائے اسلام میں ہجرت اور بھائی چارے (مواخاۃ) کی بنیاد پر میراث تقسیم ہوتی تھی یعنی مرنے کے بعد مہاجر اور انصاری ایک دوسرے کی میراث پاتے تھے۔ بعد میں جب مہاجرین کے رشتہ دار مسلمان ہو گئے تو یہ حکم منسوخ ہو گیا اور قرابتی اور نسبی رشتہ داروں کو میراث وغیرہ میں مواخاۃ کے رشتے پر مقدم کر دیا گیا کہ اب آئندہ سے میراث کا دارومدار قدرتی رشتے پر ہوگا نہ کہ اسلامی برادری اور بھائی چارے پر۔ پس اب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دوسرے مومنین کے مقابلے میں قرابت دار میراث میں ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔ البتہ اگر کوئی مسلمان اپنے رشتے داروں کے علاوہ کسی اور مسلمان مہاجر یا انصاری کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہے اور اپنے مال میں سے کچھ دینا چاہے تو ایک تہائی مال تک دے سکتا ہے۔ یہ حکم لوحِ محفوظ یا قرآن مجید میں لکھا جا چکا ہے کہ اب میراث کا دارومدار قرابت اور رشتہ داری پر ہے اور قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۶۶، ۴۶۷/ ۵ مظہری ۳۰۸، ۳۰۹/ ۷)

میثاقِ انبیا

۷، ۸۔ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۖ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝ لِّيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ ۚ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ۝

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ ﷺ سے اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ سے (بھی) اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا تاکہ (قیامت کے دن) اللہ سچوں سے ان کے سچ کے بارے میں پوچھے اور کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

غَلِيظًا: سخت۔ پختہ۔ بے رحم۔ گاڑھا۔

أَعَدَّ: اس نے تیار کیا۔ اِعْدَادٌ سے ماضی۔

أَلِيمًا: دردناک۔ تکلیف دہ۔ اَلَمٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: ان آیتوں میں جس عہد و اقرار کا ذکر ہے وہ اس اقرارِ عام کے علاوہ ہے جو ازل میں

ساری مخلوق سے لیا گیا تھا۔ یہ عہد انبیا علیہم السلام سے لیا گیا تھا۔ اس میں نبوت و رسالت کے فرائض ادا کرنے اور ایک دوسرے کی تصدیق اور مدد کرنے کا عہد تھا۔ یہ عہد بھی ازل میں اسی وقت لیا گیا تھا جب عام مخلوق سے الست بربکم کا عہد لیا گیا تھا۔

یہاں انبیا علیہم السلام کا عام ذکر کرنے کے بعد ان میں سے پانچ انبیا کا خصوصی ذکر ان کے خاص امتیاز و شرف کی بنا پر کیا گیا جو ان کو دیگر انبیاء پر حاصل ہے۔ ان میں بھی لفظ "مِنْکَ" کے ذریعے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو دیگر چار انبیا پر مقدم کیا گیا، اگرچہ آپ بعثت کے اعتبار سے تمام انبیا کے آخر میں ہیں۔ یہ آپ کا خاص امتیاز و شرف ہے (معارف القرآن، از مفتی محمد شفیع ۸۹، ۹۰/ ۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تخلیق میں تمام انبیا سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب سے آخر میں ہوں۔ (روح المعانی ۱۵۴/ ۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیا سے یہ عہد اس لئے لیا تھا تاکہ قیامت کے روز انبیا سے معلوم کیا جائے کہ انہوں نے اپنی اپنی امتوں کو کیا کہا تھا۔ یا کافروں کو ذلیل اور لاجواب کرنے کے لئے ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے انبیا کی تصدیق کی تھی یا انبیا کی تصدیق کرنے والوں سے ان کی تصدیق کے بارے میں پوچھا جائے گا کیونکہ سچے کی تصدیق کرنے والا بھی سچا ہوتا ہے۔ جن لوگوں نے انبیا کی تکذیب کی اور ان کی صداقت کا انکار کیا، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ قیامت کے روز صادقین کو ان کے صدق کی جزا اور کاذبین کو ان کے کذب کی سزا ملے گی۔ (روح المعانی ۱۵۴/ ۲۱، مظہری ۳۱۰/ ۷)

غزوۂ احزاب

یہاں سے ستائیسویں آیت تک غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جو پانچ ہجری میں ماہ شوال یا ذیقعدہ میں ہوا تھا۔ اس غزوے میں کفار کی مختلف جماعتیں متحد ہو کر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے مدینے پر حملہ آور ہوئی تھیں۔ اس لئے قرآن نے اس کو غزوۂ احزاب کا نام دیا ہے۔ اسی غزوے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے دشمن کے راستے میں خندق کھودی گئی تھی۔ اس لئے اس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں۔

بنی نضیر یہود کا ایک بڑا قبیلہ تھا۔ یہ لوگ مسجد قبا کے قریب عوالی کی طرف مدینے سے ۶ میل پر رہتے تھے۔ غزوۂ احد کے بعد یہ لوگ علی الاعلان مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ ربیع الاول ۴ ہجری میں آپ ﷺ نے ان کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا تو انہوں نے جانے سے انکار کر دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا۔ چھٹے دن یہود قلعے سے اتر آئے اور شام کی طرف چلے گئے۔ ان کے دو خاندان آل حُقیق اور حُیَیْ بن اخطب کا خاندان شام کی بجائے خیبر چلے گئے۔ اس کا مفصل ذکر سورۂ حشر میں آئے گا۔

بنی نضیر کے سرکردہ لوگوں نے جن میں سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن ربیع، ہوذہ بن قیس اور ابو عامر لوائی شامل تھے۔ قریش اور عرب کے مختلف قبائل کی مدد سے مدینے پر اجتماعی حملے کی سازش تیار کی اور قریش مکہ، قبیلہ اسلم، قبیلہ اشجع، بنو مرہ، بنو کنانہ، بنو فزارہ اور غطفان وغیرہ قبائل کو اکسا، بھڑکا کر مدینے پر چڑھالانے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۲ سے ۱۵ ہزار کا یہ لشکرِ جرار پورے ساز و سامان سے آراستہ اور طاقت کے نشے میں چور تھا۔ یہود کا ایک اور قبیلہ "بنی قریظہ" مدینے کی مشرقی جانب آباد تھا۔ انہوں نے بھی مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا تھا۔ بنی نضیر کی ترغیب و تربیت پر وہ بھی معاہدہ توڑ کر حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

مسلمانوں کی تعداد کل تین ہزار تھی۔ ان میں بھی ایک بڑی تعداد منافقوں کی تھی جو حیلے بہانے کر کے میدان جنگ سے کھسکتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے سرداروں کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا۔ آخر حضرت سلمان فارسی کے مشورے سے شہر کے گرد خندق کھودنا طے ہوا۔ خندق کے طول و عرض کا خط خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا تھا۔ خندق کی لمبائی تقریباً تین میل تھی سخت سردی کا موسم تھا اور قحط سالی تھی۔ بھوک کی وجہ سے صحابہ کرام اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ یہ طویل و عریض اور خوب گہری خندق چھ روز میں مکمل ہوئی۔

خندق تیار ہوتے ہی کفار کا لشکر جرار بھی مدینے پہنچ گیا اور خندق کے ایک طرف رک گیا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ سَلع کو پشت پر رکھ کر خندق اور کوہ سَلع کے درمیان اپنی لشکر گاہ بنائی۔ اس طرح اسلامی لشکر اور کفار کے لشکر کے درمیان خندق حائل تھی۔ تقریبا ۲۰، ۲۵ روز تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ کثرت تعداد کے باوجود کفار شہر پر بڑا حملہ نہ کر سکے۔ آخر کار نعیم

ابن مسعود الاشجعی رضی اللہ عنہ کی ایک عاقلانہ تدبیر سے مشرکین اور بنی قریظہ کے یہود میں پھوٹ پڑ گئی۔ ادھر فرشتوں کے لشکر تکبیر کہہ کر کافروں کے دلوں کو مرعوب کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں ایک رات کو اللہ تعالیٰ نے سخت برفانی ہوا چلا دی جس سے ریت اور سنگریزے اڑ کر کفار کے منہ پر لگنے لگے۔ ان کے چولھے بجھ گئے، دیگچے زمین پر جا پڑے، خیمے اکھڑ گئے اور اہل لشکر پریشان ہو گئے۔ آخر ابوسفیان نے حالات سے پریشان ہو کر واپسی کا اعلان کر دیا اور سب بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔

فرشتوں کا نزول

۱۰،۹۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝ اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا ہے اس کو یاد کرو، جب کہ لشکر کے لشکر تم پر چڑھ آئے۔ پھر ہم نے ان پر (تیز و تند) آندھی بھیجی اور ایسا لشکر بھیجا جو تمہیں دکھائی نہیں دیتا تھا اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ لوگ تم پر تمہارے اوپر اور نیچے کی جانب سے چڑھ آئے اور جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

جُنُوْدٌ: لشکر۔ فوجیں۔ واحد جُنْدٌ۔

رِيْحًا: ہوا۔ جمع اَرْوَاحٌ و رِيَاحٌ

اَسْفَلَ: سب سے نیچا۔ سُفُوْلٌ سے اسم تفضیل

زَاغَتِ: وہ کھلی کی کھلی رہ گئی۔ وہ چوک گئی۔ زَيْغٌ سے ماضی۔

الْحَنَاجِرَ: گلے۔ نرخرے۔ حلق۔ واحد حَنْجَرَةٌ۔

تشریح: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو یاد کرو جو اس نے غزوۂ احزاب کے موقع پر تم پر کیا کہ تمہیں قتال کے بغیر ہی کافروں پر غلبہ عطا فرما دیا اور کافروں کو جو پورے ساز و سامان کے ساتھ

آئے تھے، ذلیل وخوار ہو کر میدان جنگ سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ایسا عظیم انعام انہی لوگوں پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھتے ہیں، صرف اسی سے ڈرتے ہیں اور اسی کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔

اس وقت جب دشمن کی فوجیں تمہارے سر پر آ پہنچی تھیں، یعنی قریش مکہ، بنو مرہ، بنو کنانہ، بنو فزارہ، غطفان اور اشجع وغیرہ قبائل کے لوگ جن کی تعداد ۱۲ سے ۱۵ ہزار تھی، مدینے پر چڑھ دوڑے تھے، تو ہم نے ان پر یخ بستہ ہوا کا ایک طوفان بھیج دیا جس سے ان کے خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں، رسیاں ٹوٹ گئیں، آگ بجھ گئی، ہانڈیاں الٹ گئیں اور گھوڑے رسیاں تڑوا کر بھاگ نکلے اور کافر فوجیں گھبرا کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اپنی شدت اور زور کے باوجود ہوا کا طوفان صرف کفار کے لشکر تک محدود رہا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی مدد کے لئے ہم نے فرشتوں کے لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ یہ فرشتے کفار کے لشکر کے گرد تکبیر کی آوازیں بلند کر رہے تھے جس سے ان پر رعب چھا گیا اور وہ خوفزدہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا تھا۔ غزوہ بدر کی طرح اس روز فرشتوں نے کافروں سے قتال نہیں کیا بلکہ وہ مسلمانوں کو اطمینان دلانے اور کافروں کے دلوں میں رعب ڈالنے کے لئے آئے تھے۔ (روح المعانی ۱۵۵، ۱۵۶/ ۲۱، مظہری ۳۱۱/ ۷)

یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب کافروں کی مختلف جماعتیں ہر طرف سے مسلمانوں پر چڑھ آئی تھیں یعنی وادی کے بالائی جانب سے جو مشرق کی طرف واقع تھی بنی اسد، بنی غطفان وغیرہ کے لوگ آئے اور بطن وادی سے جو مغرب کی طرف واقع تھا بنی کنانہ اور قریش وغیرہ آئے۔ اس طرح دشمن نے ہر طرف سے مسلمانوں کو محاصرے میں لے لیا اور دشمن کی کثرت اور ہیبت کو دیکھ کر خوف سے لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے، اس وقت لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کر رہے تھے۔ منافق کہہ رہے تھے کہ اب مسلمانوں کی جڑ ہی کٹ جائے گی جب کہ پختہ ایمان والوں کو اللہ کے وعدے پر یقین تھا اور وہ فتح کے لئے پرامید تھے۔ اس وقت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ ہمیں اس پریشانی سے بچنے کے لئے کوئی دعا بتایئے۔ آپ نے فرمایا یہ دعا مانگو:

اَللّٰھُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَاٰمِنْ رَوْعَاتِنَا۔

اے اللہ ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمارے خوف کو امن سے بدل دے۔

ادھر مسلمانوں کی دعائیں بلند ہوئیں ادھر غیبی مدد نے آکر کافروں کو تتر بتر کر دیا۔
(روح المعانی ۱۵۷/۲۱، ابن کثیر ۴۷۰/۳)۔

مومنوں کی آزمائش

۱۱-۱۳۔ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۚ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝

اس موقع پر مومنوں کا امتحان لیا گیا اور وہ پوری طرح جھنجوڑ دیئے گئے اور جب منافق اور جن کے دلوں میں شک تھا کہنے لگے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکہ تھا اور جب ان میں سے ایک جماعت کہنے لگی کہ اے اہل یثرب یہ تمہارے ٹھہرنے کا مقام نہیں سو تم لوٹ چلو اور ان میں سے کچھ لوگ نبی سے اجازت مانگنے لگے (اور) کہنے لگے کہ ہمارے گھر خالی ہیں اور حالانکہ وہ خالی نہ تھے۔ لیکن وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔

هُنَالِكَ: وہاں۔ اس جگہ۔ اس وقت۔ اسم ظرف زمان ومکان۔

ابْتُلِيَ: وہ آزمایا گیا۔ اِبْتِلَاءٌ سے ماضی مجہول۔

زُلْزِلُوْا: وہ زلزلے میں آگئے۔ وہ ہلائے گئے۔ وہ جھنجھوڑے گئے۔ زَلْزَلَةٌ سے ماضی مجہول۔

غُرُوْرًا: فریب۔ جھوٹا وعدہ۔ دھوکہ مصدر ہے۔

طَآئِفَةٌ: گروہ۔ جماعت۔

عَوْرَةٌ: شکستہ۔ کھلے۔ خالی، غیر محفوظ۔

تشریح: غزوۂ احزاب میں شدید گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں اہل ایمان کا امتحان لیا گیا اور ان کو خوب جھنجوڑا گیا تاکہ مومنین مخلصین کے اخلاص اور ایمان کی پختگی ظاہر ہو جائے اور منافقین کا نفاق کھل

جائے۔ اس طرح منافق اور کمزور ایمان والے، پختہ ایمان والوں سے علیحدہ اور ممتاز ہو جائیں گے۔

حالات کی شدت اور سختی کو دیکھ کر منافق اور ضعیف ایمان والے کہنے لگے کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمانوں کی مدد اور غلبہ کا وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکہ اور فریب تھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ یہ قول اہل نفاق کا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ملک شام و فارس کے محلات کی فتح کا وعدہ دے رہے ہیں، حالانکہ ہماری حالت یہ ہے کہ ڈر کے مارے ہم میں سے کوئی بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتا۔ خدا کی قسم یہ وعدہ محض فریب ہے۔ اس وقت منافقوں میں سے ایک گروہ کہنے لگا۔ اے اہل یثرب یعنی اے اہل مدینہ یہ میدان جنگ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ نہیں ہے سو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ ایک دوسرا گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہہ کر گھر جانے کی اجازت مانگ رہا تھا کہ ان کے گھر خالی اور غیر محفوظ ہیں، دشمن ان پر حملہ کر سکتا ہے حالانکہ ان کے گھر نہ تو خالی تھے اور نہ غیر محفوظ بلکہ وہ تو محض لڑائی سے جی چرا کر راہ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے۔ (روح المعانی ۲۱/۱۵۹۔ ابن کثیر ۳/۴۷۳)

منافقین کی عہد شکنی

۱۴-۱۷۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۚ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۝ قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۚ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝

اور اگر کسی طرح سے (دشمن کی) فوجیں ان پر داخل ہو جائیں، پھر ان سے فساد پھیلانے کے لئے کہا جائے تو (فوراً فساد پر) آمادہ ہو جائیں گے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اور اللہ سے کئے ہوئے عہد کی باز پرس ہوگی۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم موت یا قتل (کے خوف) سے بھاگو گے تو یہ بھاگنا تمہیں کچھ بھی نفع نہ دے گا اور اس

حالت میں بھی بہت تھوڑے دنوں سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ آپ (ان
سے) پوچھئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے۔ اگر وہ تمہیں کوئی برائی
پہنچانا چاہے یا تم پر مہربانی کرنا چاہے۔ اور ان کو اپنے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی
حمایتی ملے گا اور نہ مددگار۔

اَقْطَارِ هَا: اس کے کنارے۔ واحد قُطْرٌ۔

تَلَبَّثُوْا: وہ ٹھہریں گے۔ تَلَبُّثٌ سے ماضی

یَعْصِمُکُمْ: وہ تمہاری حفاظت کرے گا۔ وہ تمہیں بچائے گا۔ عِصْمَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے حیلے بہانے کر کے لڑائی سے راہِ فرار اختیار کی تھی۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں مزید فرمایا کہ ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر کفار کا لشکر دفعتاً ہر طرف سے مدینے میں داخل ہو جائے اور یہ لوگ اپنے گھروں میں محفوظ ہوں اور ان کو مسلمانوں سے مقابلے کے لئے کہا جائے تو یہ سنتے ہی بلا تاخیر مسلمانوں سے مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ غزوۂ احزاب سے پہلے ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے پختہ اور مضبوط عہد کیا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے آئندہ ہم میدان جنگ سے ہرگز پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس کے بارے میں باز پرس ضرور ہوگی اور ان کو عہد شکنی کی سزا دی جائے گی۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ یہ جواب دیں کہ ہم نے موت کے ڈر سے ایسا کیا تھا تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ اگر تم موت کے خوف سے میدان جنگ سے بھاگو گے تو موت سے نہیں بچ سکتے کیونکہ موت کا وقت، جگہ اور کیفیت تو مقرر ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو تمہاری موت واقع ہو جائے گی خواہ تم اس وقت کہیں بھی ہو اور کسی بھی حال میں ہو۔ اگر مقررہ وقت نہیں آیا تو میدان جنگ میں بھی نہیں مرو گے۔ اگر بالفرض میدان جنگ سے فرار تمہارے لئے مفید بھی ہوا تو یہ فائدہ زیادہ مدت تک باقی نہیں رہے گا۔ آخر کار موت تو آنی ہی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے فرار کے بعد اللہ کی پکڑ جلد آ جائے اور تمہیں دنیا کا تھوڑا سا نفع بھی حاصل نہ ہو سکے۔ حالانکہ آخرت کے مقابلے میں دنیا تو بالکل حقیر اور محض ناچیز ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو بتا دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قتل یا شکست کا ارادہ

کرے تو تمہارا کوئی قلعہ یا محل یا محافظ ونگہبان اس کو نہیں روک سکتا۔ یا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحمت ومہربانی کا ارادہ کرے تو اس کو رحمت ومہربانی کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جو ان کو نفع پہنچا سکے یا ان کے ضرر کو رفع کر سکے۔ (ابن کثیر ۳/۴۷۳، مظہری ۳۳۳، ۳۳۴/ ۷)

منافقین کا حال

۱۸، ۱۹۔ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَلَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝

اور اللہ تم میں سے ان کو خوب جانتا ہے جو دوسروں کو روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ اور خود جنگ میں بہت کم آتے ہیں۔ وہ تمہارا ساتھ دینے میں بہت بخیل ہیں۔ پھر جب خوف کا موقع آ جائے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو ایسے تکتے ہیں اور ان کی آنکھیں اس شخص کی طرح گھومتی ہیں جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خوف دور ہو جائے تو پھر تمہیں اپنی تیز زبانوں سے طعنے دیتے ہیں مال کے لالچ میں۔ یہ لوگ ایمان بھی نہیں لائے سو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے اور یہ اللہ پر بہت ہی آسان ہے۔

اَلْمُعَوِّقِيْنَ: منع کرنے والے۔ روکنے والے۔ تَعْوِيْقٌ سے اسم فاعل۔
اَلْبَاْسَ: قتال۔ لڑائی۔ جنگ۔ آفت۔
اَشِحَّةً: کنجوس۔ حریص لوگ۔ کسی چیز پر ٹوٹ پڑنے والے۔ واحد شَحِيْحٌ۔
تَدُوْرُ: وہ دور کرتی ہے۔ وہ پھرتی ہے۔ وہ گردش کرتی ہے۔ دَوْرٌ سے مضارع۔
سَلَقُوْا: وہ بڑھ بڑھ کر بولے۔ انہوں نے تم سے زبان درازی کی۔ سَلْقٌ سے ماضی۔
حِدَادٍ: غضبناک۔ تیز۔ واحد حَدِيْدٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ اپنے علم محیط کی بنا پر منافقوں کو خوب جانتا ہے جو خود بھی جہاد سے کتراتے ہیں اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر روکتے ہیں کہ تم مسلمانوں کی طرف جا کر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو بلکہ ہماری طرف آ جاؤ، اسی میں سلامتی ہے، ان کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ یہ لڑائی میں شریک ہی نہیں ہوتے البتہ کبھی کبھی دکھاوے اور نام کے لئے حصہ لیتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کی جانی و مالی مدد کرنے میں بھی پرلے درجے کے بخیل ہیں، ان کے دل حرص اور طمع سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر کبھی یہ لڑائی میں شریک ہوتے ہیں تو وہ بھی اس حرص و طمع کی بنیاد پر کہ ان کو مال غنیمت میں حصہ مل جائے۔

پھر جب خوف کا موقع پیش آیا اور احزاب نے مدینے کو گھیر لیا تو یہ آپ کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے کہ گویا موت ان کی آنکھوں میں پھر رہی تھی، کیونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے پر یقین کرنے کی بجائے دنیاوی اسباب پر یقین رکھتے تھے، حالانکہ خوف کے یہ اسباب اللہ تعالیٰ نے ان کا نفاق ظاہر کرنے ہی کے لئے جمع کئے تھے، ورنہ اہلِ اسلام کو غلبہ دینا تو وہ مقدر فرما چکا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے تمام گروہوں کو آن کی آن میں تتر بتر کر دیا۔

جب احزاب کی طرف سے ان منافقوں کو اطمینان ہو گیا اور ان کا خوف جاتا رہا تو پھر ڈھٹائی اور بے حیائی کے ساتھ اپنی بہادری جتانے لگے اور بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے لگے کہ ہماری ہی پشت پناہی سے تمہیں فتح حاصل ہوئی ہے، لہٰذا مال غنیمت میں سے ہمیں بھی حصہ دو۔ یہ لوگ چونکہ اللہ تعالیٰ کی باتوں پر یقین نہیں رکھتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو ملیا میٹ کر دیا۔ ان کا کوئی عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں اور یہ بات اللہ پر بہت آسان ہے کہ وہ جس کو چاہے جہاد کی توفیق دے اور جس کو چاہے جہاد سے محروم کر دے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۷۴، ۱۷۵/ ۲۱، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۵، ۴۷۶/ ۵)

منافقوں کی بزدلی

۲۰۔ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآىِٕكُمْ ۭ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝

وہ سمجھتے ہیں کہ (حملہ آور) گروہ گئے نہیں اور اگر (پھر) وہ لشکر آ جائیں تو یہ

آرزو کریں گے کہ کاش وہ باہر دیہاتوں میں جا کر رہتے، تمہاری خبریں
دریافت کرتے رہتے۔ اور اگر (کسی مجبوری سے) تم ہی میں رہنا پڑے تو
برائے نام لڑیں۔

یودُّوا: وہ خواہش کریں گے۔ وہ پسند کریں گے۔ مَوَدَّةٌ سے مضارع۔

بَادُوْن: بادیہ نشین۔ جنگل کے رہنے والے۔ بَدْوٌ وبداوۃٌ سے اسم فاعل۔

اَعْرَاب: عرب کے دیہاتی۔ بدُو۔ واحد اَعْرَابِیٌّ۔

انباء: خبریں۔ واحد نبأ۔

تشریح: ان منافقوں کی بزدلی کا حال یہ ہے کہ کفار کی جماعتوں کے ناکام و نامراد واپس چلے جانے کے بعد بھی ان کو ان کے جانے کا یقین نہیں اور وہ خوف و دہشت کے مارے یہی گمان کئے ہوئے ہیں کہ کفار کی فوجیں ابھی واپس نہیں گئیں بلکہ وہ واپس آنے والی ہیں۔

اگر بالفرض کافر فوجیں دوبارہ مجتمع ہو کر مدینے پر حملہ آور ہو جائیں تو یہ منافق خوف و دہشت کے سبب مدینہ چھوڑ کر بدویوں کی طرح صحرانشین ہو جائیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے مدینے سے آنے والوں سے مسلمان کا حال پوچھتے رہیں۔ اور اگر یہ لوگ صحرانشینی نہ بھی اختیار کریں اور مدینے ہی میں رہیں اور دشمن سے مقابلے کی نوبت آجائے تب بھی یہ محض دکھاوے اور عار سے بچنے کے لئے برائے نام قتال میں حصہ لیتے، تا کہ لوگوں کو باور کرا سکیں کہ ہم بھی قتال میں شریک تھے۔

آپ کا اسوۂ حسنہ

۲۱، ۲۲۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ
الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا
هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا
زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۝

البتہ تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی) میں عمدہ نمونہ
ہے، اس کے لئے جو اللہ اور قیامت کی امید رکھتا اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے۔
اور جب مومنوں نے فوجوں کو دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ وہی ہے جس کا اللہ اور

اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس
سے ان کا ایمان اور فرماں برداری اور زیادہ ہوگئی۔

تشریح: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہو اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات میں ہر شعبۂ زندگی کے لئے نمونہ عمل موجود ہے۔ اس کو چاہئے کہ وہ ہر معاملے، ہر حرکت و سکون، ہر نشست و برخاست اور ہمت و استقلال وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ جس طرح آپ ﷺ نے پیغام الٰہی کے پہنچانے میں مشرکین کی ایذاؤں پر صبر فرمایا، خویش و اقارب اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت فرمائی۔ دشمنانِ خدا سے جہاد و قتال کیا، بھوک، پیاس اور طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کیں۔ اسی طرح ہر شخص کو اپنے ہر معاملے میں آپ کی کامل اتباع کرنی چاہئے۔ اس میں دین و دنیا دونوں کی فلاح ہے۔

جب مومنین مخلصین نے دیکھا کہ کفار کی فوجیں اکٹھی ہو کر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑی ہیں تو پریشان ہونے کی بجائے کہنے لگے کہ یہ تو وہی چیز ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پہلے ہی خبر دے دی تھی اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا۔ کافروں کی اس لشکر کشی نے اللہ اور اس کے رسول کے وعدوں پر مومنوں کے ایمان و یقین کو اور پختہ کر دیا اور اس سے ان کی فرماں برداری اور جاں نثاری بھی بڑھ گئی۔

صحابہ کرام کا ایمان و عزم

۲۳، ۲۴ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

مومنوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ ان میں سے بعض نے اپنا کام پورا کر دیا (شہید ہو گئے) اور بعض موقع (شہادت) کے منتظر ہیں اور (اپنے عہد و پیمان میں) ذرا نہیں بدلے۔ تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا بدلہ دے اور اگر چاہے تو منافقوں کو عذاب

دے یا ان کو توبہ کی توفیق دے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قَضٰی: اس نے فیصلہ کیا۔ اس نے پورا کیا۔ قضاءٌ سے ماضی۔

نَحْبَہٗ: اس کا کام۔ اس کا عہد۔ اس کی منت۔ مصدر و اسم۔

شانِ نزول: شیخین، ترمذی، ابن ابی شیبہ، ابوداود، ابن سعد اور بغوی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ ان پر یہ بات بڑی شاق گزری تھی اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ یہ پہلا معرکہ تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے اور میں غیر حاضر تھا۔ آئندہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے ساتھ جہاد کا موقع دیا تو اللہ میری کارگزاری دیکھ لے گا۔ چنانچہ احد کے دن جب مسلمانوں نے میدان چھوڑ دیا تو حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور کہا اے اللہ میں اپنے ساتھیوں کی اس حرکت سے جو ان سے سرزد ہوئی ہے تیری بارگاہ میں عذر خواہ ہوں اور ان مشرکوں نے جو کچھ کیا اس سے میں تیرے سامنے اظہار بیزاری کرتا ہوں۔

کچھ انصار و مہاجرین نے اپنے ہتھیار اپنے ہاتھوں سے پھینک دیئے تھے۔ (اور رنج والم میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔) حضرت انس بن نضر ان کے پاس پہنچے اور کہا آپ لوگ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ صحابہ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ ابن نضر نے کہا رسول اللہ کے بعد جی کر کیا کرو گے، اٹھو اور جس دین کی خاطر رسول اللہ شہید ہوئے تم بھی اسی پر جان دے دو۔ اس کے بعد ابن نضر مشرکوں کی جانب بڑھے۔ احد سے پہلے حضرت سعدؓ بن معاذ ملے اور ان سے کہا اے ابو عمرو تم کہاں جا رہے ہو۔ واللہ مجھے تو احد کے ادھر سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ سبحان اللہ واہ واہ! کیا خوشبو ہے، پھر مشرکین سے اتنا قتال کیا کہ شہید ہو گئے اور ان کے جسم پر تلوار، تیر اور نیزے کی ضربوں کے اسی سے زیادہ زخم تھے۔ کافروں نے ان کی لاش کو مثلہ کر دیا تھا (ناک، کان، وغیرہ اعضا کاٹ لئے تھے) اس لئے لوگ ان کی لاش کو شناخت نہ کر سکے صرف ان کی بہن نے انگلیوں کے پور دیکھ کر ان کو پہچانا تھا۔ حضرت انسؓ بن مالک نے کہا کہ اکابر صحابہ کہا کرتے تھے کہ یہ آیت انس بن نضر اور ان جیسے لوگوں کے حق میں نازل ہوئی تھی۔ (روح المعانی ۲۱/۱۷۰، ابن کثیر ۳/۴۴۵)

ابن ابی حاتم، ترمذی، ابن جریر، طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت طلحہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد سے مدینے واپس آئے تو منبر پر چڑھ کر آپ نے اللہ کی

حمد وثنا بیان کی اور مسلمانوں سے ہمدردی ظاہر کی، ان میں سے جو شہید ہو گئے تھے ان کے درجوں کی خبر دی پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ایک مسلمان نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جن لوگوں کا اس آیت میں ذکر ہے وہ کون ہیں؟ (حضرت طلحہؓ نے فرمایا) اس وقت میں سامنے سے آ رہا تھا، اور سبز رنگ کے دو کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے میری طرف اشارہ کر کے فرمایا، اے پوچھنے والے، یہ بھی انہی میں سے ہیں۔　　(روح المعانی ۱۷۰،۱۷۱/۲۱)

تشریح: گزشتہ آیات میں منافقین کی حالت کا تفصیلی بیان تھا کہ وقت سے پہلے تو جاں نثاری کے لمبے چوڑے دعوے کرتے تھے لیکن وقت آنے پر نہایت بزدل اور کمزور ثابت ہوئے اور ان کے سارے دعوے اور وعدے رکھے کے رکھے رہ گئے، اور بجائے ثابت قدمی کے پیٹھ موڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

ان آیتوں میں مومنوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کی راہ میں جاں نثاری کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا ان میں سے بعض نے تو جام شہادت نوش کر کے اپنی سچائی اور وفاداری ثابت کر دی جیسے حضرت انس بن نضر، حضرت حمزہ اور حضرت مصعب بن عمیر وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ اور بعض اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے اس دن کے منتظر ہیں کہ پھر لڑائی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنی کارگزاری دکھائیں اور جام شہادت نوش کریں۔ جیسے حضرت طلحہ کہ ابھی شہید نہیں ہوئے تھے لیکن شہادت کے مشتاق تھے۔ ان لوگوں نے ذرہ برابر بھی اپنا عہد نہیں بدلا اور نہ کبھی ان کو اپنی نذر پوری نہ کرنے کا خیال گزرا بلکہ وہ اپنے عہد اور وعدے پر صدق دل سے قائم رہے۔

یہ غزوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش و امتحان تھا تاکہ خبیث اور طیب میں تمیز ہو جائے اور اچھے اور برے کا حال سب پر کھل جائے۔ پھر سچوں کو ان کی سچائی کا بدلہ دے اور منافقوں اور جھوٹوں کو ان کی عہد شکنی کی سزا دے یا انہیں توبہ کی توفیق دے کر ان کی خطائیں معاف فرما دے۔ بلاشبہ وہ اپنی مخلوق کی خطائیں معاف فرمانے والا اور ان پر مہربانی فرمانے والا ہے۔ اس کی رحمت و مہربانی اس کے غضب اور غصے سے بڑھی ہوئی ہے۔　　(ابن کثیر ۴۴۵، ۳/۴۴۶)

غزوے کا انجام

۲۵۔ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۚ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۝

اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں بھرا ہوا ہی (نامراد) لوٹا دیا۔ ان کی کچھ بھی مراد پوری نہ ہوئی اور مومنوں کے لئے جنگ میں اللہ ہی کافی ہو گیا اور اللہ بڑی قوت والا (اور) غالب ہے۔

رَدَّ: اس نے ہٹا دیا۔ اس نے لوٹا دیا۔ رَدٌّ سے ماضی۔

یَنَالُوْا: وہ پہنچتے ہیں۔ وہ پاتے ہیں۔ نَیْلٌ سے مضارع۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنا احسان بیان فرمایا ہے کہ اس نے طوفان باد و باراں بھیج کر اور اپنے نظر نہ آنے والے لشکر اتار کر کافروں کی کمر توڑ دی اور ان کو بے نیل ومرام واپس کر دیا۔ وہ جس طرح غصے میں بھرے ہوئے آئے تھے اسی طرح غصے میں بھرے ہوئے ناکام و نامراد واپس جانا پڑا۔ جو کچھ سوچ کر آئے تھے وہ سب خاک میں مل گیا۔ کہاں کی غنیمت، کہاں کی فتح، اپنی ہی جان کے لالے پڑ گئے اور ہاتھ ملتے، دانت پیستے، پیچ و تاب کھاتے، ذلت و رسوائی کے ساتھ ناکام و نامراد واپس ہوئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا تھا کہ جب تک رحمۃ للعالمین ان کے اندر موجود ہیں وہ ان کو عام عذاب نہیں دے گا اس لئے اس نے صرف ان کی شرارت کا مزہ چکھایا اور ان کو منتشر کر کے ان پر سے اپنا عذاب ہٹا لیا، ورنہ یہ ہوائیں ان کے ساتھ وہی سلوک کرتیں جو عادیوں (قوم عاد) کے ساتھ کیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہوا اور فرشتوں کے ذریعے مومنوں کی طرف سے ان کا مقابلہ کیا اور اہل ایمان کو بلا قتال فتح و کامرانی سے ہمکنار کیا۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی، اپنے لشکر کی عزت کی، تمام دشمنوں سے آپ ہی نبٹ لیا اور سب کو شکست دیدی اس کے بعد اور کوئی بھی نہیں۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ احزاب کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی تھی۔

اَللّٰھُمَّ مُنَزِّلُ الْکِتَابِ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اھْزِمِ الْاَحْزَابَ وَ زَلْزِلْھُمْ۔

اے اللہ! اس کتاب کے نازل کرنے والے، جلد حساب لینے والے، ان لشکروں کو شکست دے اور انہیں ہلا ڈال۔

جب کافر میدان جنگ سے ناکام و نامراد لوٹ گئے تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیش گوئی فرمایا کہ اس سال کے بعد قریش ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے بلکہ ہم ان پر حملہ آور ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ان پر حملہ آور ہوئے اور مکہ فتح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی قوت کا مقابلہ بندے کے بس کا نہیں۔ اس کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ اسی نے اپنی قوت سے ہر طرح کے سامانِ حرب وضرب سے لیس کافروں کے ٹڈی دل لشکروں کو پسپا کیا۔ انہیں برائے نام بھی کچھ فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔ اس نے اسلام اور اہل اسلام کو کافروں پر غلبہ دے کر اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ (ابن کثیر ۴۴۶، ۳/۴۴۷)

بنو قریظہ کا حال

۲۶-۲۷- وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

اور جن اہل کتاب نے ان (حملہ آوروں) کی پشت پناہی کی تھی اللہ نے ان کو ان کے قلعوں سے نیچے اتار دیا اور ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈال دیا کہ ان کے ایک گروہ کو تو تم قتل کرنے لگے اور ایک گروہ کو قید۔ اور اللہ نے تمہیں ان کی زمین کا اور ان کے گھروں کا اور ان کے مالوں اور زمین کا بھی وارث کر دیا جس پر تمہارے قدم بھی نہ پہنچے تھے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ظَاهَرُوْا: انہوں نے مدد کی۔ انہوں نے پشت پناہی کی۔ مُظَاهَرَةٌ سے ماضی۔

صَيَاصِيْهِمْ: ان کے قلعے۔ ان کی پناہ گاہیں۔ واحد صِيْصِيَةٌ اور صِيْصَةٌ۔

قَذَفَ: اس نے ڈالا۔ اس نے پھینکا۔ اس نے زنا کی تہمت لگائی۔ قَذْفٌ سے ماضی۔

تَطَـُٔوْا: تم نے کچلا۔ تم نے روندا۔ تم نے پامال کیا۔ وَطْأٌ سے مضارع۔

تشریح: بنو قریظہ مدینے کے قریب آباد تھے اور ان کا مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ تھا۔ جنگ احزاب کے موقع پر بنو قریظہ، حیی بن اخطب کے اصرار پر مشرکین کی مدد کے لئے آمادہ ہو گئے تھے۔ جب قریش اور دوسرے قبائل ناکام و نامراد لوٹ گئے تو بنو قریظہ قلعہ بند ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

معرکہ احزاب سے فارغ ہو کر غسل وغیرہ میں مشغول تھے کہ حضرت جبریل تشریف لائے، چہرے پر گرد وغبار کا اثر تھا۔ انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے ہتھیار اتار دیئے حالانکہ فرشتے ابھی تک ہتھیار بند ہیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ بنوقریظہ پر حملہ کیا جائے اور مجھے حکم ہے کہ میں جا کر ان کو متزلزل کروں اور ان کے دلوں میں رعب ڈالوں۔ آپ نے فوراً منادی کرادی اور اسلامی لشکر نے جا کر ان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا جو چوبیس پچیس روز جاری رہا۔ آخر محصورین نے تاب نہ لا کر پیغام بھیجنے شروع کئے حالانکہ ان کے آٹھ سو نو سو جنگجو ہر طرح سے مسلح تھے۔

آخر بنوقریظہ کے یہود حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم ٹھہرا کر جو ان کے حلیف تھے، قلعوں سے باہر آنے پر آمادہ ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت سعدؓ جو فیصلہ کریں گے وہ انہیں منظور ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے منظور فرمالیا۔ پھر حضرت سعدؓ نے آکر فیصلہ فرمایا کہ ان کے مرد قتل کر دیئے جائیں اور عورتوں اور لڑکوں کو کنیز اور غلام بنایا جائے اور ان کے اموال و جائداد کا مالک مسلمانوں کو بنایا جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی مرضی اور ان کی بدعہدی کی یہی سزا تھی اور یہ فیصلہ ان کی مسلمہ آسمانی کتاب ''توریت'' کے عین مطابق تھا۔

جب حضرت سعدؓ کے فیصلے کے بعد ان کی مشکیں کسی جانے لگیں اور ان کی گردنیں مارنے کے لئے کھائیاں اور گڑھے کھودے گئے تو اللہ نے ان کے دلوں میں ایسا رعب ڈالا کہ کسی کو سرکشی کی مجال نہ ہوئی اور مسلمان ان کے ایک فریق کو قتل کر رہے تھے اور دوسرے فریق کو قید کر رہے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کی زمینوں اور ان کے اموال کا وارث بنادیا کہ اب جس طرح چاہو ان میں تصرف کرو۔ پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ازلی علم میں تمہیں ایسی سرزمین کا وارث بنا رکھا ہے جس کو تمہارے قدموں نے ابھی نہیں روندا ہے۔ اس میں آئندہ فتوحات کی طرف اشارہ ہے۔ (عثمانی ۳۴۹/۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۷، ۴۷۸/۵)

ازواجِ مطہراتؓ کا مطالبہ اور اللہ کا حکم

۲۸، ۲۹۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ (دنیوی مال و) متاع دیکر اچھائی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کے لئے اجرعظیم تیار کر رکھا ہے۔

اُسَرِّحْکُنَّ: میں تم کو رخصت کروں۔ تسریح سے مضارع۔

اَعَدَّ: اس نے تیار کیا۔ اِعْدَادٌ سے ماضی۔

تشریح: غزوۂ بنی قریظہ کے بعد جب ازواجِ مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ حال ہو گئے ہیں تو انہوں نے بھی چاہا کہ وہ بھی عیش و آرام کی زندگی بسر کریں۔ اس لئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نان نفقے میں اضافے کا مطالبہ کیا۔ اگر چہ یہ امیرانہ عیش و عشرت نہ تھی بلکہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا اور اس سے ان کا مقصد آپ کو ایذا دینا نہ تھا لیکن آپ کو یہ بھی ناگوار گزرا اور قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالا خانے میں رہنے لگے۔ صحابہ کرام سخت مضطرب تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ کسی طرح معاملہ طے ہو جائے۔ ان کو اپنی صاحبزادیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کی فکر تھی کہ کہیں وہ اللہ کے پیغمبر کو رنجیدہ کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر لیں۔ اس لئے ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں۔ پھر انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ کو قدرے فرحت و انبساط ہوئی۔

ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر نازل ہوئی جس میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ دو راستوں میں سے ایک کو اختیار کر لیں۔ اگر وہ دنیا کی عیش اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا اور میں تمہیں کپڑا، جوڑا دیکر، جو مطلقہ کو دیا جاتا ہے، اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اگر تم آخرت اور اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کی طالب ہو تو پھر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ سکتی ہو۔ تم میں سے جو اس کے لئے تیار ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے اجرعظیم تیار ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد آپ گھر میں تشریف لائے اور سب سے پہلے حضرت عائشہؓ

کو یہ آیت سنائی۔ انہوں نے کسی تردد کے بغیر اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کیا جس سے آپ کا ملال جاتا رہا۔ اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور سب نے دنیا کی رغبت کا خیال دل سے نکال ڈالا۔ (عثمانی ۳۵۰/۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۷۹۔۴۸۲/۵)

ازواجؓ مطہرات کو تنبیہ

۳۰۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنۡ یَّاۡتِ مِنۡکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ یُّضٰعَفۡ لَہَا الۡعَذَابُ
ضِعۡفَیۡنِ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرًا ۝

اے نبی کی عورتو! تم میں سے جو کوئی صریح بے حیائی کا کام کرے گی تو اس کو دوگنا عذاب دیا جائے گا اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو براہِ راست مخاطب کر کے فرمایا کہ اے نبی کی عورتو! تمہارا مقام دنیا کی تمام عورتوں سے بلند تر ہے کیونکہ تم ایسے نبی کی ازواج ہو جو تمام اولین و آخرین سے افضل واکمل ہے۔ لہٰذا اگر تم میں سے کوئی عورت ظاہری معصیت اور کھلی بے حیائی کا کام کرے گی جو خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا باعث بنے تو اس عورت کو دوسری عورتوں کے مقابلے میں دوہرا عذاب دیا جائے گا کیونکہ نبی کی ازواج سے گناہ کا سرزد ہونا بہت ہی برا اور دوہرا گناہ ہے۔ ایک اللہ کی نافرمانی کا اور دوسرا نبی کی دل آزاری کا۔ یہ دوہری سزا دینا اللہ پر بہت آسان ہے۔ تمہاری عزت واحترام اور نبی سے نسبتِ زوجیت، اللہ کو سزا دینے سے نہیں روک سکتی۔

ازواجؓ مطہرات کے خصائص

۳۱، ۳۲۔ وَ مَنۡ یَّقۡنُتۡ مِنۡکُنَّ لِلّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ تَعۡمَلۡ صَالِحًا نُّؤۡتِہَاۤ اَجۡرَہَا مَرَّتَیۡنِ ۙ
وَ اَعۡتَدۡنَا لَہَا رِزۡقًا کَرِیۡمًا ۝ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسۡتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ
اِنِ اتَّقَیۡتُنَّ فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَیَطۡمَعَ الَّذِیۡ فِیۡ قَلۡبِہٖ مَرَضٌ
وَّ قُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝

اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے گی اور نیک کام کرے گی تو ہم اس کو دوبار اس کا اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم

نے بہترین رزق تیار کر رکھا ہے۔ اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح
نہیں ہو، اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے میں بات نہ کیا کرو کہ اس سے
اس شخص کو (فاسد) خیال پیدا ہونے لگتا ہے جس کے دل میں مرض ہے۔
اور تم صاف اور سیدھی بات کرو۔

یَقْنُتْ: وہ فرماں برداری کرے گا۔ وہ اطاعت کرے گا۔ قُنُوْطٌ سے مضارع۔

تَخْضَعْنَ: تم نزاکت کرو۔ تم نرمی کرو۔ تم تواضع اختیار کرو۔ خُضُوْعٌ سے مضارع۔

یَطْمَعُ: وہ حرص کرتا ہے۔ وہ طمع کرتا ہے۔ وہ لالچ کرتا ہے۔ طَمَعٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی نہایت خلوص اور لگن کے ساتھ ہمیشہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں لگی رہے گی اور نیک کام کرتی رہے گی تو ہم دوسروں کے مقابلے میں اس کو اس کی اطاعت اور نیک کاموں کا دوہرا اجر دیں گے۔ ایک تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا، دوسرا اس بات کا کہ وہ قناعت اور حسنِ معاشرت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور خوشنودی کی طلب گار ہوئیں۔ چونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کے لئے دنیاوی آسائش کے مقابلے میں آخرت کو اختیار کیا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا جو آخرت میں ان کے لئے بطور ذخیرہ محفوظ ہے۔

پھر فرمایا کہ اے نبی کی عورتو! تم مرتبے اور حیثیت کے اعتبار سے عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تمہاری شان تمام عورتوں سے ممتاز ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے منتخب فرمایا اور تمہیں امہات المؤمنین بنایا۔ لہٰذا تقویٰ و طہارت کے خلاف تم سے کوئی حرکت سرزد نہیں ہونی چاہئے۔ اگر تم تقویٰ اور خوفِ خدا دل میں رکھتی ہو تو نامحرم مردوں سے نرم اور دل کش لہجے میں بات نہ کرنا۔ بلا شبہ عورت کی آواز میں اللہ تعالیٰ نے طبعی طور پر نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکیزہ عورتوں کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے وہ غیر مردوں سے بات کرنے میں ایسا لب لہجہ اختیار کریں جس میں قدرے درشتی اور روکھا پن ہو، تاکہ کسی بد باطن کا قلب ان کی طرف مائل نہ ہو۔

طبرانی نے اپنی سند سے حضرت عمروؓ بن عاص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو شوہروں کی اجازت کے بغیر (غیر مردوں سے) بات کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

دار قطنی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی مرد نماز میں یا اپنی بیوی اور کنیزوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے سامنے انگڑائی لے۔ (عثمانی ۲/۳۵۱،مظہری ۷/۳۶۸)

عورتوں کو گھر میں بیٹھنے کا حکم

۳۳،۳۴۔ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝

اور اپنے گھروں میں بیٹھی رہا کرو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کی طرح اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ بیشک اللہ یہی چاہتا ہے کہ وہ تم سے گندی باتیں دور کرے اور تمہیں خوب پاک وصاف کر دے۔ اور تم اللہ کی ان آیتوں اور حکمت کی باتوں کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ یقیناً اللہ بڑا باریک بین (اور) بہت باخبر ہے۔

قَرْنَ: تم قرار پکڑو۔ تم سکون سے رہو۔ تم ٹھہری رہو۔ قَرَارٌ سے امر

تَبَرَّجْنَ: اپنی زیب وزینت ظاہر نہ کرو۔ بن سنور کر نہ نکلو۔ بے پردہ نہ نکلو۔ تَبَرُّجٌ سے نہی جمع مؤنث۔

اَلرِّجْسَ: گندگی۔ ناپاکی۔ پھٹکار۔ جمع اَرْجَاسٌ۔

تشریح: اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی تھیں اور اپنے بناؤ سنگھار کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں اسلام نے اس بداخلاقی اور بے حیائی کو تمام عورتوں کے لئے عموماً اور ازواج مطہرات کے لئے خصوصاً حرام وممنوع قرار دیا، گویا ان آیات کا نزول اگرچہ ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا، مگر حکم عام ہے۔ اس لئے بلاضرورت گھروں سے باہر نکلنا، اپنی زیب وزینت، بناؤ سنگھار اور حسن وجمال دوسروں کے سامنے ظاہر کرنا اور کھلے منہ باہر پھرنا اور غیروں سے بات کرنا بلاشبہ مسلمان عورتوں پر حرام ہے۔ لہٰذا عورتوں کو گھروں میں ٹھہرنا چاہئے اور زمانۂ جاہلیت کی طرح بن سنور کر بے پردہ باہر نہیں نکلنا چاہئے البتہ شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر زیب وزینت اور بناؤ سنگھار

کے بغیر عام لباس میں پردے کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے ضرورت کی حد تک باہر جا سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ یہی ہے کہ عورت اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔

مسند بزار اور ترمذی وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت سرتا پا پردے کی چیز ہے۔ جب یہ گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ اللہ کے قریب اس وقت ہوتی ہے جب یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔

بزار اور ابوداؤد نے جید اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر کی اندرونی کوٹھڑی میں عورت کی نماز گھر کے اندر نماز پڑھنے سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے افضل ہے۔ (ابن کثیر ۴۸۲/۳)

بزار میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے۔ آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیے جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پا سکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے کے ساتھ بیٹھی رہے گی وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔ (روح المعانی ۲۲/۶، ابن کثیر ۴۸۲/۳)

پھر فرمایا کہ اے نبی کی عورتو! تم نماز قائم کرو اور اس کی پوری پوری پابندی کرو۔ زکوٰۃ ادا کرتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرتی رہو۔ یہی تقویٰ ہے جو تمہارے فضیلت یاب ہونے کی شرط ہے۔ ان احکام و ہدایات سے اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے کہ تم سے ظاہری اور باطنی گندگی دور ہو جائے اور تمہارا لباسِ تقویٰ میلا اور خراب نہ ہو اور تم کو ایسا پاک و صاف کردے کہ معصیت کے میل و کچیل کا نام و نشان بھی نہ رہے۔ یہ تطہیر تمہیں اسی وقت حاصل ہوگی جب تم ہمارے احکام و ہدایات پر پوری طرح عمل کرو گی اور اللہ تعالیٰ کی ان آیتوں اور حکمت کی باتوں کو یاد رکھو گی جو دن رات تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ یہ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ تمہارے گھروں میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے کہ وہ تمہیں دینی اصلاح کی تعلیم دے رہا ہے اور وہ خوب واقف ہے کہ کون نبی کا اہلِ بیت ہونے اور ان کی محبت میں رہنے کا اہل ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۴۸۵۔۴۸۴/۵، مظہری ۳۷۳۔۳۶۹/۷)

قرآن میں عورتوں کا تذکرہ

۳۵۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۵﴾

بیشک اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں، اور فرماں بردار مردوں اور فرماں بردار عورتوں، اور سچ بولنے والے مردوں اور اور سچ بولنے والی عورتوں، اور صبر کرنے والے مردوں اور صبر کرنے والی عورتوں، اور خشوع کرنے والے مردوں اور خشوع کرنے والی عورتوں، اور صدقہ کرنے والے مردوں اور صدقہ کرنے والی عورتوں، اور روزہ دار مردوں اور روزے دار عورتوں، اور پاک دامن مردوں اور پاک دامن عورتوں، اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مردوں اور اللہ کی بہت یاد کرنے والی عورتوں کے لئے اللہ نے بخشش اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وسلم! قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مردوں کا ذکر تو اچھائی کے ساتھ کیا ہے، عورتوں کا ذکر اچھائی کے ساتھ نہیں، تو کیا ہمارے اندر کوئی قابلِ ذکر بھلائی نہیں ہمیں اندیشہ ہے کہ اللہ ہماری اطاعت کو بھی قبول نہیں کرتا۔ اس پر آیت۔ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ و الْمُسْلِمٰتِ الخ نازل ہوئی۔

(ابن کثیر ۴۸۷/ ۳، مظہری ۳۷۴/ ۷)

ایک مرتبہ ام المومنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن میں مردوں کا تو ذکر آتا رہتا ہے۔ لیکن ہم عورتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا۔ ایک دن میں اپنے گھر میں بیٹھی اپنا سر سلجھا رہی تھی کہ میں نے منبر پر آپ کی آواز سنی۔ میں نے اپنے بالوں کو تو یونہی لپیٹ لیا اور حجرے میں آکر آپ کی بات سننے لگی تو اس وقت آپ یہی آیت

تلاوت فرما رہے تھے۔ (ابن کثیر ۷ ۴۸/۳، روح المعانی ۲۱/۲۲)

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت عمیس جب اپنے شوہر حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کے ہمراہ حبشہ سے واپس آئیں اور رسول اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے پاس گئیں تو ان سے دریافت کیا، کیا ہمارے معاملے میں قرآن کی کوئی آیت اتری ہے۔ امہات المؤمنین نے جواب دیا نہیں۔ اسماءؓ فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عورتیں بڑے خسارے میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کس وجہ سے۔ انہوں نے عرض کیا (قرآن میں) جس طرح مردوں کا ذکر کیا جاتا ہے عورتوں کا اچھائی کے ساتھ کہیں ذکر نہیں ہوتا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۷ ۳۴۷/۷)

تشریح: بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار، اپنے سارے کام اللہ کے سپرد کر دینے والے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھنے والے مرد اور عورتیں، اللہ کی اطاعت اور فرماں برداری پر قائم اور ثابت رہنے والے مرد اور عورتیں، اپنے قول و عمل اور نیت میں سچے مرد اور عورتیں، اللہ کی راہ میں پیش آنے والے مصائب پر صبر کرنے والے اور طاعتوں پر جمے رہنے والے اور تمام گناہوں سے رک جانے والے مرد اور عورتیں، تواضع اور عاجزی کرنے والے مرد اور عورتیں، محض اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کے عطا کئے ہوئے رزق میں سے اس کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں، فرض و نفل روزے رکھنے والے مرد اور عورتیں، جنہوں نے اللہ کی محبت میں اپنی جائز خواہشات کو ترک کر دیا، ممنوع کام سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور عورتیں اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔ ان سب مردوں اور عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو ان کی طاعت سے کہیں زیادہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا صراحت کے ساتھ ذکر کر کے عورتوں کے اس رنج و افسوس کا ازالہ کر دیا کہ قرآن میں کہیں بھی ان کا ذکر بھلائی کے ساتھ نہیں آیا۔

مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افراد والے (سب سے) آگے بڑھ گئے۔ عرض کیا گیا افراد والے کون ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کو بکثرت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کونسا مجاہد سب سے بڑے ثواب کا مستحق ہے۔ آپ نے فرمایا جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرنے والا ہو۔ اس نے عرض کیا کس روزے دار کو سب سے بڑا ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا جو اللہ کو سب سے زیادہ یاد کرتا ہو۔ پھر اس شخص نے نماز، زکوٰۃ، حج اور خیرات کا ذکر کیا اور آپ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ جو اللہ کی یاد سب سے زیادہ کرتا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا ابوحفص اللہ کا ذکر کرنے والے ہر بھلائی کو لے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک۔ (مظہری ۳۷۵/۷)

حضرت زید کا نکاح

۳۶۔ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

کسی مومن مرد اور مومن عورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

شانِ نزول: طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب بنت جحش کو نکاح کا پیغام بھیجا جو حضرت زید بن حارثہ کے لئے تھا مگر حضرت زینب نے خیال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت زید کے لئے پیغام بھیجا ہے تو انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب اللہ اور اس کے رسول نے کسی بات کا قطعی حکم دے دیا ہو تو پھر کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو اپنے کسی امر کا اختیار نہیں رہتا۔ نزول آیت کے بعد حضرت زینب راضی ہو گئیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت زینب نے کہا کہ میں حضرت زید سے نسب میں بہتر اور اعلیٰ ہوں۔ ان کے بھائی عبداللہ بن جحش نے بھی اس معاملے میں ان کی موافقت کی۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو دونوں راضی ہو گئے اور دونوں نے مان لیا۔ سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے ان کا نکاح کر دیا اور آپ نے حضرت زید کی طرف سے زینب کو دس دینار اور ساٹھ درہم مہر، ایک اوڑھنی، ایک کرتہ، ایک تہ بند، ایک چادر، پچاس سیر غلہ اور تقریباً ۴ من کھجور دی۔ (روح المعانی ۲۲،۲۳، مظہری ۳۷۶، ۳۷۷/۷)

ابن ابی حاتم نے ابن زید کے حوالے سے بیان کیا کہ یہ آیت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ سب سے پہلی عورت تھیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی تھی۔انہیں نے اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کردی تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کردیا،اس پر وہ اوران کے بھائی ناراض ہوگئے اور کہا کہ ہماری مراد تو یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ نکاح کرلیں اور آپ نے اپنے غلام سے نکاح کردیا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۲۲،۲۳،مظہری ۳۷۷/۷)

تشریح: ایمان لانے کے بعد کسی مومن مرد اور عورت کو کسی ایسے امر میں کوئی اختیار نہیں رہتا،جس کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول فرمادیں۔اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد نہ تو کوئی اس فیصلے کی مخالفت کرسکتا ہے،نہ اس کو ماننے سے انکار کرسکتا ہے اور نہ اس بارے میں کسی کو رائے اور قیاس کا حق ہے بلکہ آپ کے فیصلے کو بسر وچشم قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَلا وَ رَبِّکَ لایُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً ٥(النساء ۶۵)

قسم ہے تیرے رب کی وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک کہ وہ آپس کے جھگڑوں میں آپ کو حکم (منصف) نہ بنائیں۔پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس سے کسی طرح اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اسے خوشی سے قبول کرلیں۔

پھر فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد ان کی نافرمانی اور حکم عدولی کرے گا اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرے گا تو وہ یقیناً حق سے بھٹک کر کھلی گمراہی میں جا پڑا۔

حضرت زینبؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح

۳۷۔ وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم)! جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام فرمایا اور آپ نے بھی، کہ تو اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ (بات) چھپائے ہوئے تھے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور آپ لوگوں سے ڈر رہے تھے اور اللہ زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔ پھر جب زید اس (عورت) سے اپنی غرض پوری کر چکا تو ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا، تاکہ مومنوں کے لئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے کی ممانعت نہ رہے، جبکہ وہ ان سے قطع تعلق کر چکیں اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے۔

مُبْدِیْهِ: اس کو ظاہر کرنے والا۔ اس کو ایجاد کرنے والا۔ اِبْدَاءٌ سے اسم فاعل۔

وَطَرًا: حاجت۔ ضرورت۔ خواہش۔ اسم ہے۔ جمع اَوْطَارٌ۔

شانِ نزول: مسند احمد میں ہے کہ جب حضرت زینب کی عدت پوری ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ سے کہا کہ تم جا کر حضرت زینب کو مجھ سے نکاح کا پیغام دو۔ جب حضرت زید وہاں پہنچے تو حضرت زینب آٹا گوندھ رہی تھیں۔ حضرت زید نے کہا کہ اس وقت میرے دل میں ان کی اتنی عظمت پیدا ہوئی کہ میں سامنے سے ان کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا اور میں نے پشت پھیر کر ان کو رسول اللہ صلی اللہ کا پیغام پہنچایا، حضرت زینب نے کہا کہ جب تک میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ نہ کرلوں کچھ نہیں کروں گی۔ یہ تو اپنے گھر میں اس جگہ کھڑی ہو کر نماز پڑھنے لگیں جو انہوں نے اس کے لئے مقرر کر رکھی تھی، ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتری جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میں نے اس کا نکاح تجھ سے کر دیا۔ چنانچہ اسی وقت آپ بغیر اطلاع حضرت زینب کے گھر چلے آئے۔

(روح المعانی ۲۶/۲۲، ابن کثیر ۴۹۱/۳)

تشریح: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ انعام فرمایا کہ ان کو ابتدائے نبوت ہی میں اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انعام واحسان کیا کہ ان کی پرورش کی، ان کو غلامی سے آزاد کیا، اپنا متبنّیٰ یعنی منہ بولا بیٹا بنایا اور اپنی پھوپھی زاد بہن سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت زینب ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ عرصہ حضرت زید کے ساتھ رہیں۔ پھر جب دونوں میں نباہ نہ ہوا اور رنجش زیادہ بڑھی تو حضرت زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ زینب کو طلاق دے دوں تو آپ نے بطور مشورہ فرمایا کہ زینب کو اپنی زوجیت میں رہنے دو۔ اس معاملے میں اللہ سے ڈرو اور طلاق دینے میں جلدی نہ کرو، شاید آگے چل کر منافرت موانست میں بدل جائے۔ زوجین کی خیر خواہی اور حسن معاشرت کے اعتبار سے آپ کا مشورہ بالکل درست تھا لیکن حقیقت میں بات دوسری تھی جس کا اظہار اس وقت مناسب نہ تھا، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو بتا دیا تھا کہ حضرت زید بہت جلد حضرت زینب کو طلاق دیدیں گے، اس کے بعد بعض حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت ہم خود حضرت زینب کو آپ کے نکاح میں دیدیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعے دی گئی اس خبر کو آپ نے اس خوف سے دل میں پوشیدہ رکھا اور کسی کو مطلع نہ کیا کہ لوگ ملامت کریں گے اور کہیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا۔ اس لئے آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ کو لوگوں سے خوف کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اس لائق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔

پھر جب حضرت زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی اور عدت بھی پوری ہوگئی تو ہم نے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی میں حضرت زینب سے آپ کا نکاح کر دیا جس کی ہم نے بذریعہ وحی آپ کو پہلے ہی خبر دے دی تھی۔ یہ نکاح ہم نے اس لئے کیا تاکہ مسلمانوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی تنگی نہ رہے اور جاہلیت کی اس رسم کا قلع قمع ہو جائے کہ متبنیٰ کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور لوگوں کو صاف طور پر معلوم ہو جائے کہ منہ بولا بیٹا نسبی بیٹے کے حکم میں نہیں۔ اس لئے طلاق و عدت کے بعد متبنیٰ کی بیوی سے نکاح درست ہے۔ اسی لئے متبنیٰ کی بیوی سے پردہ واجب ہے اور نسبی بیٹے کی بیوی سے پردہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ جس امر کو چاہتا ہے وہ قطعی طور پر واقع ہوتا ہے۔ اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔

صحیح بخاری، مسلم اور نسائی وغیرہ میں حضرت انس سے روایت ہے کہ حضرت زینب ازواج مطہرات سے کہا کرتی تھیں کہ تم سب کے نکاح تمہارے والی وارثوں نے کئے اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے ساتویں آسمان پر کرادیا۔

شعبی نے بیان کیا ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ مجھ میں اللہ تعالیٰ نے تین خصوصیتیں رکھی ہیں جو آپ کی اور بیویوں میں نہیں، ا۔ میرا اور

آپ کا دادا ایک ہے یعنی عبدالمطلب ۲۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان ۔ ت آپ کے نکاح میں دیا ۳۔ میرے معاملے میں درمیانی شخص جبریل علیہ السلام ہیں۔ (ابن کثیر ۴۹۱، ۴۹۲/۳، مواہب الرحمٰن ۳۷/۲۲)

متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح کا حکم

۳۸، ۳۹ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۚ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي
الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا ۝ الَّذِيْنَ
يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۗ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

نبی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ اللہ کا یہی دستور اُن میں بھی رہا جو پہلے ہوئے اور اللہ کا حکم مقرر ہو چکا تھا۔ وہ (پہلے) لوگ اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے اور اسی سے ڈرتے رہے اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کا حکم اٹل ہے۔ جو بات اس کے ہاں طے ہو چکی وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ سو جو کچھ اللہ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مقرر اور مقدر کر دیا تھا اس کے کرنے میں کوئی حرج اور مضائقہ نہیں۔ سابقہ انبیا میں بھی اللہ تعالیٰ کا طریقہ اسی طرح جاری رہا کہ وہ لوگوں کی ملامت اور طعن و تشنیع کو خاطر میں لائے بغیر اللہ تعالیٰ کے پیغام اور احکام اپنی امتوں کو ٹھیک ٹھیک پہنچایا کرتے تھے کیونکہ وہ صرف اللہ سے ڈرتے تھے اور پیغام رسالت پہنچانے میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ لہٰذا آپ ﷺ بھی مخالفین کے طعن و تشنیع کی پرواہ نہ کریں اور نہ کسی کی ایذا سے ڈریں۔ ان کو سزا دینے کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

ختمِ نبوت

۴۰۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۗ
وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں (اس

لئے زید کے بھی نہیں) لیکن وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے (سلسلے کے) ختم پر ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

خَاتَمْ: آخر۔مہر۔

خَاتِمْ: ختم کرنے والا۔مہر۔قرآن کریم میں اس لفظ کی دو قرأتیں ہیں یعنی یہ زبر اور زیر دونوں طرح پڑھا جاتا ہے اور دونوں کے معنی کا حاصل ایک ہی ہے یعنی سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے۔مہر کے معنی بھی آخر کے ہوتے ہیں کیونکہ بند کرنے کے لئے کسی چیز پر مہر بھی آخر ہی میں لگائی جاتی ہے۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں متبنیٰ کی مطلقہ سے نکاح اور اس کی حکمت کا بیان تھا۔اس آیت میں منافقین کے اس طعن اور اعتراض کا جواب ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے نکاح کرلیا۔منافقین کا یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ ہوتے لیکن یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے تین لڑکے حضرت قاسمؓ اور طیبؓ و طاہرؓ اور چار لڑکیاں حضرت زینبؓ، رقیہؓ، کلثومؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔تینوں لڑکے صغر سنی میں وفات پاگئے۔چوتھے لڑکے حضرت ابراہیمؓ ماریہ قبطیہ سے ۸ ہجری میں پیدا ہوئے جو شیر خوارگی ہی میں وفات پاگئے۔پس آپ کا کوئی لڑکا زندہ ہی نہیں بچا جو رجل یعنی عاقل و بالغ مرد ہوتا۔اس لئے آپ حضرت زید کے باپ کیسے ہو سکتے ہیں؟

نسبی اعتبار سے آپ ﷺ کا کسی کے ساتھ پدری رشتہ نہیں بلکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔آپ پر نبوت ختم ہوگئی۔اللہ کے علم میں جن لوگوں کو نبوت عطا ہونی تھی وہ ہوچکی۔اب کسی کو منصب نبوت عطا نہیں ہوگا۔آپ کی نبوت قیامت تک قائم رہے گی۔آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آپ کے امتی کی حیثیت سے آئیں گے۔

حضرت جبیر بن مطعمؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ میرے بہت سے نام ہیں، میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔میں حاشر ہوں، لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا، میں عاقب (سب سے پیچھے آنے والا) ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (ابن کثیر ۴۹۴/۳)

کثرتِ ذکر کی تاکید

۴۱۔۴۴۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًاۙ۝ وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً
وَّ اَصِیْلًا۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَ مَلٰٓىِٕكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا۝ تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ
سَلٰمٌۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِیْمًا۝

اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔ (اللہ) وہی جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تاکہ وہ تمہیں (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی کی طرف لائے اور وہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے۔ جس دن وہ اللہ سے ملیں گے (اس دن) ان کی دعا سلام ہوگی اور اس نے ان کے لئے عمدہ اجر تیار کر رکھا ہے۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس نے تم پر اتنا بڑا احسان و انعام فرمایا ہے کہ اس نے تمہاری ہدایت و رہنمائی کے لئے امام الانبیا، سید الاولین والآخرین، خاتم النبیین، محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے اس عظیم انعام پر تم اس کا شکر ادا کرتے رہو اور اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، دن رات، صبح شام ہمہ وقت اس کو یاد کرتے رہو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہنے لگیں (مسند احمد ۳/۷۹، رسم ۱۱۲۵۶)

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے جماعت میں یاد کرتا ہوں جو اس کی جماعت سے بہتر ہوتی ہے۔ (ابن کثیر ۳/۴۵۹)

اللہ تعالیٰ خود بھی تم پر اپنی رحمت بھیجتا ہے اور اس کے حکم سے اس کے فرشتے بھی تمہارے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ سب اس لئے تاکہ تم اس کی رحمت و عنایت اور فرشتوں کی دعا کی برکت سے جہالت و معصیت کی تاریکیوں سے نکل کر طاعت و ہدایت کے نور کی طرف آجاؤ۔ اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا مہربان ہے کہ خود بھی ان پر رحمت و مہربانی کرتا ہے اور

فرشتوں کو بھی ان کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا کا حکم دیتا ہے۔ پھر جب قیامت کے دن مومن اللہ سے ملیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو سلام کیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ

مہربان پروردگار کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔ (یٰسٓ آیت ۵۸)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں عمدہ بدلہ تیار کر رکھا ہے جو ان کو وہاں پہنچتے ہی مل جائے گا۔

آپ ﷺ کی پانچ صفات

۴۵۔۴۸۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًاۙ وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِیْرًا۝ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا۝

اے نبی (ﷺ)! ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے (لوگوں کو) اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے اور (اے نبی ﷺ) مومنوں کو خوشخبری دیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ مانئے اور ان (طرف سے پہنچنے والی) ایذا سے درگزر کرتے رہئے اور اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ کافی کارساز ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں جن کی بدولت یہ مومنین جہالت و گمراہی کی تاریکی سے نکل کر ہدایت کی روشنی سے منور ہوئے اور جن کی اتباع و فرماں برداری سے آخرت کی نعمتوں کے مستحق ہوئے ورنہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے وہ قیامت کے روز سب کے سامنے ذلیل و خوار ہوں گے۔

۱۔ شَاهِدًا: اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو آپ کی امت پر گواہ بنا کر بھیجا ہے۔ قیامت کے روز آپ شہادت دیں گے کہ یہ لوگ ایمان لائے اور ان لوگوں نے کفر کیا۔ جو لوگ ایمان لائے

اورانہوں نے میری اتباع کی وہی میری امت کے لوگ ہیں۔

بخاری ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز (حضرت) نوح (علیہ السلام) کو بلوا کر پوچھا جائے گا کیا تم نے (میرا پیغام) پہنچا دیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کہیں گے۔ جی ہاں۔ پھر ان کی امت کو طلب کر کے پوچھا جائے گا کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں میرا پیغام پہنچادیا تھا، وہ کہیں کے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا۔ اس پر نوح علیہ السلام سے کہا جائے گا تمہارا شاہد کون ہے۔ کون تمہاری گواہی دے سکتا ہے۔ حضرت نوح جواب دیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔ (مظہری ۳۸۶/ ۷)

۲۔ وَمُبَشِّراً: اور انبیا پر ایمان لانے والوں کو جنت کی بشارت دینے والا۔

۳۔ وَنَذِیْراً: اور انبیا کی تکذیب کرنے والوں کو دوزخ کے شدید عذاب سے ڈرانے والا۔

۴۔ وَدَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ: اور اللہ کے حکم اور اس کی توفیق سے لوگوں کو اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت کی طرف بلانے والا۔

۵۔ وَسِرَاجاً مُّنِیْراً: اور آپ کو روشن چراغ بنا کر بھیجا۔ جس طرح سورج کی روشنی سے کل عالم منور ہوتا ہے اسی طرح آپ کے آفتاب ہدایت سے تمام عالم میں روشنی پھیل گئی اور حق و باطل میں فرق واضح ہو گیا۔

ان مومنوں کو جنہوں نے اس نور ہدایت کو قبول کیا خوشخبری سنا دیجئے کہ اللہ کی طرف سے ان پر بڑا فضل ہونے والا ہے۔ آپ دین کے معاملے میں ان کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانئے اور نہ اس ایذا کی پرواہ کیجئے جو آپ کو ان لوگوں کی طرف سے پہنچے آپ تو بس اللہ ہی پر بھروسہ رکھیئے۔ تمام امور میں وہی آپ کے لئے کافی ہے۔

طلاق کا ایک خاص حکم

۴۹۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝

اے ایمان والو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم ان کو ہاتھ لگانے
سے پہلے طلاق دیدو تو تمہاری طرف سے ان پر کوئی عدت لازم نہیں کہ تم گنتی
پوری کراؤ۔ سو تم ان کو کچھ دیدو اور خوش اسلوبی سے ان کو رخصت کر دو۔

مَتِّعُوْهُنَّ: تم ان عورتوں کو فائدہ پہنچاؤ۔ تَمْتِيْعٌ سے امر۔

سَرِّحُوْهُنَّ: تم ان عورتوں کو رخصت کرو۔ تم ان کو چھوڑ دو۔ تَسْرِيْحٌ سے امر۔

تشریح: یہاں نکاح و طلاق کے بارے میں جو حکم بیان کیا گیا ہے اس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے، اے ایمان والو! ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح اور طلاق کے بارے میں جو احکام تمہیں دیئے ہیں ان کی تعمیل کرو۔ انہی میں سے ایک حکم یہ ہے کہ جب تم مومنہ عورتوں کو اپنے نکاح میں لاؤ اور کسی وجہ سے ان کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو تو تمہارے لئے ان عورتوں پر کوئی عدت واجب نہیں کہ تم گنتی پوری کراؤ، ایسی عورت پر تمہارا کوئی حق نہیں، وہ فوراً دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ سو طلاق کے بعد تم ان کو کچھ مالی فائدہ یعنی کپڑوں کا ایک جوڑا دے کر اچھے طریقے سے رخصت کرو، جس میں ان کو کسی قسم کا نقصان نہ ہو اور رخصت کرتے وقت زبان سے بھی ان کو کوئی سخت بات نہ کہو اور نہ ان پر طعن و تشنیع کرو، (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی، ۵/۵۳۲)

آپ ﷺ کو بلا مہر نکاح کی اجازت

۵۰۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ
يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ
خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۫ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ
اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ
قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ
عَلَيْكَ حَرَجٌ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اے نبی ﷺ! ہم نے آپ کے لئے آپ کی وہ بیویاں حلال کر دیں جن کو
آپ نے ان کا مہر دے دیا اور وہ کنیزیں بھی جو اللہ نے آپ کو غنیمت میں
دی ہیں اور آپ کے چچا کی وہ بیٹیاں اور آپ کی پھوپھیوں کی وہ بیٹیاں اور

آپ کے ماموں کی وہ بیٹیاں اور آپ کی خالاؤں کی وہ بیٹیاں جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ مومن عورت بھی جو اپنی جان نبی کو ہبہ کردے بشرطیکہ نبی بھی اس سے نکاح کرنا چاہے۔ یہ صرف آپ کے لئے ہے اور مومنوں کے لئے نہیں۔ ہمیں خوب معلوم ہے جو ہم نے ان پر ان کی بیویوں اور کنیزوں کے حق میں مقرر کر دیا ہے تاکہ آپ پر کوئی تنگی نہ رہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

تشریح: آئندہ تین آیتوں میں نکاح کے ان سات احکام کا بیان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۱۔ اگرچہ آپ کی موجودہ بیویوں کی تعداد چار سے زیادہ ہے مگر ہم نے آپ کے لئے خاص طور پر ان کی زوجیت کو برقرار رکھا ہے کیونکہ آپ ان کو مہر بھی ادا کر چکے ہیں اور انہوں نے دنیا کے مقابلے میں آخرت کو اختیار کیا اور فقر و فاقے کے باوجود نبی کی زوجیت میں رہنا قبول کیا۔ یہ حکم صرف آپ کے لئے ہے۔ آپ کے سوا کسی اور کے لئے چار سے زیادہ بیویاں رکھنا حلال نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جس چیز کا دینا آپ کے ذمے ہوتو آپ اس کو فوراً ادا کر دیتے۔ بلا ضرورت اس میں تاخیر نہ فرماتے۔ اسی طرح آپ نے ازواجِ مطہرات میں سے ہر ایک کا مہر فوراً ادا کیا۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے ان کنیزوں کو بھی حلال کر دیا جو آپ کی ملکیت ہیں اور مال غنیمت میں آپ کو ملیں خواہ وہ کسی بھی قوم کی ہوں وہ سب آپ کے لئے حلال ہیں۔ خریدی ہوئی چیز میں شک و شبہ ہوسکتا ہے لیکن مالِ غنیمت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کیونکہ دنیا کے اموال میں سے کوئی بھی مالِ غنیمت سے بڑھ کر حلال و طیب نہیں۔

اس حکم میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات میں سے کسی کا نکاح کسی امتی کے ساتھ حلال نہیں اسی طرح جو کنیز آپ کے لئے حلال کی گئی وہ بھی آپ کے بعد کسی کے لئے حلال نہ ہوگی۔

۳۔ آپ کے چچا اور پھوپھیوں کی لڑکیاں اور ماموں اور خالاؤں کی لڑکیاں جنہوں نے آپ

کے ساتھ ہجرت کی آپ کے لئے حلال کردی گئیں۔ چچا، پھوپھی میں باپ کے خاندان
کی سب لڑکیاں اور ماموں خالہ میں ماں کے خاندان کی سب لڑکیاں شامل ہیں۔ ان
سے نکاح حلال ہونا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب مسلمانوں
کے لئے یہی حکم ہے۔ آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے لئے ان میں سے صرف وہ
لڑکیاں حلال ہیں جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی ہو۔ ساتھ ہجرت کرنے کا مطلب یہ نہیں
کہ سفر میں آپ کے ساتھ ہی ہوں بلکہ اس سے مراد ہجرت میں موافقت ہے یعنی فعل
ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ ہوں خواہ انہوں نے آپ سے پہلے ہجرت کی ہو یا بعد میں۔

۴۔ وہ مسلمان عورت بھی آپ کے لئے حلال کردی گئی جو نبی کی زوجیت اور خدمت کا شرف
حاصل کرنے کے لئے بغیر معاوضے اور مہر کے اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے
ہبہ کردے بشرطیکہ آپ بھی اپنے نکاح میں لینا چاہیں۔ یہ حکم خاص آپ کے لئے ہے۔
دوسرے مومنوں کے لئے نہیں۔ آپ کے سوا کسی اور مسلمان کے لئے مہر کے بغیر کسی
عورت کو اپنے نکاح میں لینا حلال نہیں۔

اللہ ان احکام اور نکاح کی شرائط کو خوب جانتا ہے جو اس نے مومنوں پر ان کی بیویوں اور
کنیزوں کے بارے میں فرض کئے ہیں۔ اس سلسلے میں جو حقوق و فرائض اور شرائط و قیود اس نے مومنین
کے لئے مقرر کی ہیں وہ آپ پر اس لئے نہیں لگائیں تاکہ آپ کے لئے تنگی نہ ہو بلکہ وسعت اور سہولت ہو۔
اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے، جن باتوں سے بچنا دشوار ہوتا ہے وہ ان کو معاف کردیتا ہے اور اپنی مہربانی سے
جس پر چاہتا ہے وسعت کردیتا ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۲۔۵۳۴/۵)۔

ازواج میں مساوات سے استثنا

۵۱۔ تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ
عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ
وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ۝

آپ ان بیویوں میں سے جس کو چاہیں الگ رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے

پاس رکھیں اور جس کو آپ نے الگ کر دیا تھا اس کو اپنے پاس بلاؤ تو بھی آپ
پر کچھ گناہ نہیں۔ یہ اس لئے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ رنج نہ کریں
اور جو کچھ آپ ان کو دیں اس پر سب خوش رہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ
تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا (اور) حلم والا ہے۔

تُؤْوِیْ: تو جگہ دیتا ہے تو اپنے پاس بلاتا ہے۔ اِیْوَاءٌ سے مضارع۔

عَزَلْتَ: تو نے دور کر دیا۔ تو نے ایک طرف کر دیا۔ عَزْلٌ سے ماضی۔

تَقَرَّ: وہ قرار پکڑے۔ وہ ٹھنڈی رہے۔ قُرَّۃٌ سے مضارع۔

۵۔ **تشریح**: عام مومنوں پر جن کی متعدد بیویاں ہوں، سب کے پاس باری باری سے رہنا واجب ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب ازواج کے پاس باری باری سے رہنا واجب نہ تھا اس کے باوجود آپ نے ہمیشہ برابری اور عدل ومساوات کو ملحوظ رکھا۔ آپ کو اختیار تھا کہ آپ جس کو چاہیں باری دیں اور جس کو چاہیں باری نہ دیں۔ جن بیویوں سے آپ طلاق کے بغیر کنارہ کش ہو گئے ان میں سے اگر کسی کو دوبارہ بلانا چاہیں تو اس میں بھی آپ پر کوئی گناہ اور تنگی نہیں۔

پھر فرمایا کہ جب ازواج مطہرات کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ باری دینا آپ پر واجب نہیں تو اس کے بعد آپ ان کے ساتھ جو بھی عدل واحسان اور برابری کا معاملہ فرمائیں گے وہ اس پر راضی اور خوش رہیں گی اور اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے جو لوگ ان احکام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرتے ہیں یا ان کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں تو اللہ کو اس کا علم ہے مگر وہ اپنے حلم کی وجہ سے ان کو جلد سزا نہیں دیتا۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۵/ ۵)

مزید عورتوں سے نکاح کی ممانعت

۵۲۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۟

اس کے بعد آپ کے لئے (موجودہ ازواج کے علاوہ) دوسری عورتیں
حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کو بدل کر اور عورتیں کر لو اگرچہ آپ کو ان کا حسن اچھا

معلوم ہو مگر جو آپ کی مملوکہ (کنیز) ہوں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

اَعْجَبَکَ: وہ تجھ کو اچھا لگا۔ وہ تجھے کو بھلا لگا۔ وہ تجھ کو بھایا۔ اِعْجَابٌ سے ماضی۔

رَقِیْبًا: نگران۔ نگہبان۔ خبر رکھنے والا۔ رُقُوْبٌ سے صفت مشبہ۔

۶۔ **تشریح:** آیت تخییر کے نزول کے بعد جب ازواج مطہرات نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا تو اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے موجودہ ازواج کے علاوہ دوسری عورتوں کو حرام کر دیا یعنی اب آپ کے لئے مزید کسی عورت سے نکاح حلال نہیں۔ یہی موجودہ بیویاں دنیا و آخرت دونوں میں آپ کی ازواج ہیں۔

۷۔ آپ کے لئے یہ بھی حلال نہیں کہ آپ ان موجودہ بیویوں میں سے کسی ایک یا ایک سے زیادہ بیویوں کو طلاق دیکر اس کے بدلے میں کسی دوسری عورت یا عورتوں سے نکاح کر لیں خواہ آپ کو ان کا حسن و جمال پسند ہو۔ البتہ وہ کنیزیں جو آپ کی ملکیت میں ہے ان میں کمی اور زیادتی اور تغیر و تبدل کا آپ کو اختیار ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۳۵۔۵۳۶/۵)

پردے کا حکم

۵۳۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ

اے ایمان والو! تم نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر یہ کہ جب تمہیں کھانے کی اجازت دی جائے (اور) نہ اس (کھانے) کی تیاری کے انتظار میں رہو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تب جایا کرو۔ پھر جب کھانا کھا چکو تو اٹھ جایا کرو اور باتوں میں نہ لگے رہا کرو۔ اس سے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف ہوتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں اور اللہ

حق بات کہنے میں شرم نہیں کرتا۔ اور جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگوتو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو۔ اس میں تمہارے اور ان کے دلوں کے لئے بہت پاکیزگی ہے۔

نٰظِرِیْنَ: دیکھنے والے۔ انتظار کرنے والے۔ نَظْرٌ سے اسم فاعل۔

اِنٰهُ: اس کا پکنا۔ اس کا تیار ہونا۔ مصدر ہے۔

مُسْتَاْنِسِیْنَ: اُنس کرنے والے۔ جی لگانے والے۔ اِسْتِیْنَاسٌ سے اسم فاعل۔

وَرَاءِ: پیچھے۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم میں ہے کہ آپ کے کسی نکاح (کے موقع) پر حضرت ام سلیم نے حیس (مالیدہ) بنا کر ایک لگن میں رکھ کر حضرت انس سے کہا کہ اسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دو اور کہہ دینا کہ یہ تھوڑا سا تحفہ ہماری طرف سے قبول فرمایئے اور میرا سلام بھی کہہ دینا اس وقت لوگ تھے بھی تنگی میں۔ میں نے جا کر آپ کو سلام کیا، مائی صاحبہ کا سلام اور پیغام بھی پہنچایا۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا، اچھا اسے رکھ دو۔ میں نے گھر کے ایک کونے میں رکھ دیا۔ پھر فرمایا کہ جاؤ فلاں اور فلاں کو بلالاؤ۔ بہت سے لوگوں کے نام لئے اور فرمایا کہ ان کے علاوہ جو مسلمان مل جائے۔ میں نے یہی کیا جو ملا اسے آپ کے ہاں کھانے کے لئے بھیجتا رہا۔ واپس لوٹا تو دیکھا گھر، حجرہ اور صفہ سب لوگوں سے پر ہیں۔ تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے تھے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا جاؤ وہ پیالا اٹھا لاؤ۔ میں لایا تو آپ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر دعا کی اور جو اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ نے اپنی زبان سے کہا۔ پھر فرمایا چلو دس دس آدمی حلقہ کر کے بیٹھ جاؤ اور بسم اللہ کہہ کہہ کر اپنے اپنے آگے سے کھانا شروع کرو۔ اسی طرح کھانا شروع ہوا اور سب کے سب کھا چکے تو آپ نے فرمایا پیالہ اٹھا لو۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں نے پیالہ اٹھا کر دیکھا تو میں نہیں کہہ سکتا کہ جس وقت رکھا تھا اُس وقت اس میں زیادہ کھانا تھا یا اب؟

چند لوگ آپ کے گھر میں ٹھہر گئے اور باتیں کرتے رہے اور ام المؤمنین دیوار کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں کا اتنی دیر تک نہ ہٹنا آپ پر شاق گزر رہا تھا لیکن شرم ولحاظ کی وجہ سے کچھ نہیں فرما رہے تھے۔ اگر ان لوگوں کو اس بات کا علم ہو جاتا تو وہ نکل جاتے لیکن وہ بےفکری سے بیٹھے رہے۔ آپ گھر سے نکل کر دوسری ازواج مطہرات کے حجروں کے پاس چلے گئے۔ پھر واپس آئے تو دیکھا کہ وہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب وہ بھی سمجھ گئے، بڑے نادم ہوئے اور جلدی سے نکل کر چلے

گئے۔آپ اندر داخل ہوئے اور پردہ لٹکا دیا۔ میں بھی حجرے ہی میں تھا جو یہ آیت اتری اور آپ اس کی تلاوت کرتے ہوئے باہر آئے۔سب سے پہلے اس آیت کو عورتوں نے سنا اور میں تو سب سے پہلے اس کا سننے والا ہوں۔ (ابن کثیر ۳/۵۰۴)

تشریح: اس آیت اور اگلی دو آیتوں کو آیات حجاب کہتے ہیں کیونکہ ان میں عورتوں پر پردہ فرض ہونے کا حکم نازل ہوا۔انہی میں مسلمانوں کو آداب طعام اور حقوق معاشرت بتائے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس عادت سے روکا جو ان میں زمانۂ جاہلیت سے چلی آ رہی تھی کہ وہ دوسرے کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جایا کرتے تھے اور جب کوئی دعوت ولیمہ ہوتی تو سویرے ہی سے آجاتے اور کھانا پکنے کا انتظار کرنے لگتے ،اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ان کا یہی معمول تھا۔اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اول تو تم دعوت کے بغیر جایا نہ کرو اور اگر دعوت بھی ہو تو پہلے سے جا کر نہ بیٹھا کرو اور جب کھانا کھا چکو تو وہاں نہ ٹھہرو بلکہ وہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔بلاشبہ تمہارا بلا اجازت آ جانا اور پھر کھانا پکنے سے پہلے آکر بیٹھ جانا اور پھر کھانا کھانے کے بعد بھی بیٹھے باتیں کرتے رہنا اللہ کے پیغمبر کے لئے تکلیف کا باعث ہے وہ شرم و لحاظ کی وجہ سے تمہیں چلے جانے کے لئے نہیں کہتے۔اللہ تعالیٰ حق بات بیان کرنے اور ادب سکھانے سے نہیں شرماتا۔وہ تمہاری اصلاح کے لئے حق بات کو صاف صاف بیان کر دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر تمہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے یا مسلمان عورتوں سے کوئی چیز لینی دینی ہو تو باہر پردہ کے پیچھے کھڑے ہو کر ان سے مانگ سکتے ہو مگر ان کو دیکھنے اور پردے کے پیچھے سے جھانکنے کی اجازت نہیں۔ یہ پردہ دلوں کو شیطانی اور نفسانی خیالات سے پاک رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔پس جس طرح پردہ قلب کی طہارت اور پاکیزگی کا سبب ہے اسی طرح بے پردگی قلب کی نجاست اور گندگی کا سبب ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے بعد کسی کو اجازت نہیں تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے خواہ وہ نقاب پوش ہوں یا بغیر نقاب کے۔
(مظہری ۷/۴۰۷،۴۰۶)

آپ کو ایذا دینے کی ممانعت

۵۳۔۵۴۔ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ
بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝ اِنْ تُبْدُوْا شَيْئًا اَوْ تُخْفُوْهُ
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ تم ان کے بعد ان کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔ یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔ اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا چھپاؤ تو اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے ابن زید کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ کسی شخص نے کہا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو (آپ کے بعد) فلاں (بیوی) سے میں نکاح کرلوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۰۷/۷)

سدی کا بیان ہے کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ نے کہا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری چچا کی بیٹوں سے تو ہمارا پردہ کرارہے ہیں اور ہمارے بعد ہماری بیویوں سے خود نکاح کرلیتے ہیں۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوگئی تو ہم ان کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کریں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۰۷/۷)

تشریح: تمہارے لئے یہ بات کسی طرح جائز نہیں کہ تم کسی چیز میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاؤ۔ تم ہر معاملے میں رسول اللہ کے ادب کا لحاظ رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تم سے کوئی ایسا فعل سرزد ہو جائے جو آپ کو ناگوار گزرے۔ تمہارے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کی ازواج میں سے کسی کو اپنے نکاح میں لاؤ۔ تمہارا ایسا سوچنا اور کہنا بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہ عظیم ہے کیونکہ ازواج مطہرات دنیا و آخرت میں آپ کی بیویاں ہیں اور تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ جس طرح آپ کی زندگی میں آپ کو ایذا پہنچانا حرام ہے اسی طرح وفات کے بعد بھی آپ کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔ جس طرح آپ کی حیات میں آپ کی تعظیم اور احترام فرض اور لازم ہے اسی طرح وفات کے بعد بھی فرض اور لازم ہے۔ اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا یا ان کی ازواج

سے نکاح کا ارادہ ظاہر کرو گے یا دلوں میں چھپاؤ گے تو اللہ تعالیٰ پر سب ظاہر ہے اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ وہ آنکھوں کی خیانت، سینے میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے ارادوں کو خوب جانتا ہے۔اس لئے وہ تمہیں اس ظاہر و پوشیدہ گناہ کی سزا دے گا۔

قریبی رشتہ داروں سے پردے کا حکم

۵۵۔ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝

ان عورتوں پر کچھ گناہ نہیں اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں، نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اپنے غلاموں کے اور اللہ سے ڈرتی رہا کرو یقیناً ہر چیز اللہ کے سامنے حاضر ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ جب پردے کی آیت نازل ہوگئی تو امہات المومنین کے باپوں، بھائیوں اور دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے کہا کہ آئندہ ہم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی سے پردے کی آڑ سے بات کریں گے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۰۸ ۷)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کا بیان تھا۔اس آیت میں ان قریبی رشتہ داروں کا بیان ہے جو پردے سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ان عورتوں پر اپنے باپوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں کے سامنے آنے میں اور نہ اپنے بھتیجوں اور بھانجوں کے سامنے آنے میں اور نہ اپنی مسلمان عورتوں اور اپنی کنیزوں کے سامنے آنے میں کوئی گناہ ہے۔یعنی ان سب کے سامنے آنا جائز ہے۔آیت میں اپنی عورتوں سے مراد آزاد مسلمان عورتیں ہیں خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا غیر پھر فرمایا کہ عورتوں کو بے پردہ ہو کر غیروں کے سامنے آنے اور جو احکام ان کو دئے گئے ہیں ان کی خلاف ورزی سے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے کیونکہ وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے تمام پوشیدہ اور علانیہ کام اور دلوں میں آنے والے خیالات اور ارادے سب اس کو معلوم ہیں۔

آپ کی عظمتِ شان

۵۶ ۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۞

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود وسلام بھیجا کرو۔

صلوٰۃ: رحمت۔ دعا، مدح و ثنا۔ یہاں صلوٰۃ کی جو نسبت اللہ کی طرف ہے اس سے مراد رحمت نازل کرنا ہے اور فرشتوں کی طرف سے صلوٰۃ کا مطلب ہے، ان کا آپ کے لئے دعا کرنا اور عام مومنین کا طرف سے صلوٰۃ کا مفہوم دعا اور مدح و ثنا کا مجموعہ ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۲۱/ ۷)

تشریح: گزشتہ آیتوں میں آپ کے علو مقام، شرف و عظمت اور ازواج مطہرات کے ادب و احترام کو بیان کیا گیا۔ اس آیت میں بھی آپ کی قدر و منزلت اور عزت و مرتبہ ظاہر کرنے کے لئے مومنوں کو صلوٰۃ وسلام کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح خود اللہ تعالیٰ آپ کا ثنا خواہ ہے اور اس کے فرشتے آپ پر درود بھیجتے رہتے ہیں، مومنوں کو بھی چاہئے کہ وہ آپ پر درود وسلام بھیجتے رہیں کیونکہ یہ مومنوں پر آپ کا حق ہے۔

بخاری شریف میں حضرت ابو العالیہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی پر درود بھیجنا یہ ہے کہ وہ اپنے فرشتوں کے سامنے آپ کی ثنا و صفت بیان کرتا ہے اور فرشتوں کا درود بھیجنا یہ ہے کہ وہ آپ کے لئے دعا کرتے ہیں۔

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن خزیمہ وغیرہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ کی تعریفیں بیان کرے، پھر درود پڑھے، پھر جو چاہے دعا مانگے۔

(ابن کثیر ۳/۵۰۸)

حضرت جابرؓ سے مرفوعاً مروی ہے، آپ نے فرمایا جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھے پر درود نہیں پڑھا تو وہ بدنصیب ہو گیا۔ (مظہری ۴۱۲/ ۷)

بخاری، احمد، نسائی اور حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا اور دس خطائیں ساقط کرے گا اور دس درجے بلند کرے گا۔ (مظہری ۴۱۲/ ۷)

ترمذی میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھتا ہوگا۔ (مظہری ۴۱۳/ ۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھتا ہے اس کے لئے ایک قیراط (ثواب) لکھ دیا جاتا ہے، اور ایک قیراط احد پہاڑ کے برابر ہوتا ہے۔ (مظہری ۴۱۴/ ۷)

آپ کو ایذا دینے والوں کا انجام

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝

۵۸،۵۷۔ بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں، اللہ نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کو ان کے کچھ کئے کے بغیر ایذا دیتے ہیں تو وہ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں مسلمانوں کو ان چیزوں پر صرف تنبیہ کی گئی تھی جن میں وہ بلا قصد اور ناواقفیت کی بنا پر مبتلا ہو جاتے تھے اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی۔ کیونکہ وہ ایذا رسانی بلا قصد تھی جیسے آپ کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو جانا، بلا دعوت اور وقت سے بہت پہلے آکر بیٹھ جانا۔ یا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہنا اور واپس نہ جانا وغیرہ۔ ان آیتوں میں اس ایذا اور تکلیف کا ذکر ہے جو کفار و منافقین کی طرف سے قصداً آپ کو پہنچائی جاتی تھی۔ اسی لئے ایذا پہنچانے والوں پر لعنت اور عذاب شدید کی وعید مذکور ہے۔

آیت کے شروع میں جو اللہ کو ایذا پہنچانے کا ذکر ہے اس سے مراد بھی آپ ہی کی ایذا رسانی ہے کیونکہ آپ کو ایذا پہنچانا حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کو ایذا پہنچانا ہے۔ پس جو شخص رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو کسی بھی قسم کی تکلیف پہنچائے گا وہ اس آیت کے تحت ملعون اور معذب ہے اس لئے کہ جس طرح آپ کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے اسی طرح آپ کو ایذا دینا بھی گویا اللہ ہی کو ایذا دینا ہے۔ علما کے نزدیک اذیت سے مراد گناہوں کا ارتکاب اور اللہ کے احکام کی مخالفت ہے۔ حقیقی معنی مراد نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر تکلیف سے پاک ہے۔

جو لوگ مومن مردوں اور عورتوں کی طرف ان برائیوں کو منسوب کرتے ہیں جن سے وہ بری ہیں تو وہ بڑے بہتان تراش اور زبردست گناہ گار ہیں۔ پس ہر وہ شخص جو کسی مسلمان مرد یا عورت کو بلا وجہ تکلیف پہنچائے اس آیت کے حکم میں داخل ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۲۲۷، ۲۲۸/ ۷، ابن کثیر ۵۱۷، ۳/۵۱۸)

ترمذی ونسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلم وہ ہے جس کی زبان (کی ایذا) اور ہاتھ (کے ظلم) سے مسلمان محفوظ رہیں۔ اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے لوگوں کو اپنے جان و مال کا اندیشہ نہ ہو۔ (مظہری ۷/۳۱۷)

ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ سے غیبت کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا تیرا اپنے بھائی کا اس طرح ذکر کرنا جسے اگر وہ سنے تو اسے برا معلوم ہو۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اگر وہ بات اس میں ہو تب بھی؟ آپ نے فرمایا تب ہی تو غیبت ہے ورنہ بہتان ہے۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۸)

پردے کے مزید احکام

۵۹۔ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ۚ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹوں سے اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر لٹکا لیا کریں۔ اس سے وہ جلد پہچانی جایا کریں گی اس لئے ان کو ستایا نہ جائے گا اور اللہ بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

يُدْنِيْنَ : وہ نزدیک کر لیا کریں۔ وہ لٹکا لیا کریں۔ اِدْنَاءٌ سے مضارع۔

جلا بیبھنّ: ان کی بڑی چادریں۔ وہ کپڑا جو اوڑھنی سے بڑا ہو۔ اوڑھنے کا کپڑا۔ واحد جلباب۔
جلباب اس چادر کو کہتے ہیں جس کو عورت پردے کے طور پر دوپٹے اور کرتے کے اوپر سے لپیٹ لیتی ہے۔

اَدْنٰی: بہت چھوٹا۔ بہت نزدیک۔ دُنُوٌّ سے اسم تفضیل۔

شانِ نزول: ضحاک اور کلبی کا بیان ہے کہ آیت کا نزول ان زنا کاروں کے حق میں ہوا جو منافق تھے اور راتوں کو مدینے کے راستوں میں گھوما کرتے تھے۔ جب رات کو عورتیں قضائے حاجت کے لئے گھروں سے باہر نکلتیں تو راستے میں یہ ان کو ستاتے تھے۔ اگر عورتیں خاموش رہتی تھیں تو یہ ان کے پیچھے لگ جاتے تھے اور اگر وہ جھڑک دیتی تھیں تو یہ رک جاتے تھے۔ حقیقت میں ان کا مقصد کنیزوں کو چھیڑنا ہوتا تھا مگر چونکہ کنیزوں اور آزاد عورتوں کا لباس ایک ہی جیسا ہوتا تھا اور سب ہی اوڑھنی اور کرتہ پہن کر نکلتی تھیں اس لئے کنیزوں اور آزاد عورتوں میں تمیز نہیں ہوتی تھی اور آزاد عورتیں ان کی زد میں آ جاتی تھیں۔ عورتوں نے اس کی شکایت اپنے شوہروں سے کی اور شوہروں نے جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن سعد نے طبقات میں حضرت ابو مالک کی روایت سے لکھا ہے کہ اور اسی کی مانند حدیث، حسن اور محمد بن کعب قرظی کی روایت سے بھی آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج قضائے حاجت کے لئے رات کو نکلتی تھیں۔ کچھ منافق ان کو چھیڑتے اور ستاتے تھے۔ ازواج مطہرات نے اس کی شکایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی۔ جب منافقوں سے اس کی باز پرس ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو یہ حرکت کنیزوں سے کرتے ہیں یعنی ہم تو ان کو کنیزیں سمجھ کر چھیڑتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۴۱۸/۷)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اپنی ازواج سے اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ جب وہ کسی ضرورت کے تحت اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے اوپر بڑی چادر کا کچھ حصہ لٹکا لیا کریں تاکہ ان کا سر، چہرہ اور بدن کسی کو نظر نہ آئے۔ اس طرح بڑی چادر کا لٹکانا اور گھونگٹ نکالنا چونکہ آزاد اور پاک دامن عورتوں کی علامت ہے اس لئے ان کو پردے کی اس وضع اور حالت میں دیکھ کر لوگ ان سے چھیڑ چھاڑ اور تعرض نہیں کریں گے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کو اپنا سر، چہرہ اور بدن

چھپانا فرض ہے۔ یہی شرعی پردہ ہے جو پردے کے احکام نازل ہونے کے بعد سے اب تک مسلمانوں میں رائج ہے۔ پھر فرمایا کہ جو بے پردگی زمانۂ جاہلیت میں ہو چکی اور جو سر اور چہرے کو چھپانے میں کوتاہی یا بے احتیاطی بلا ارادہ اور بلا قصد اب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ایسی کوتاہی اور بے احتیاطی کو معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا کہ جب وہ کسی ضرورت کے لئے اپنے گھروں سے باہر نکلیں تو اپنے سروں اور چہروں کو بڑی چادروں سے ڈھانک لیں، صرف ایک آنکھ کھلی رکھیں جس سے ان کو راستہ نظر آ سکے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت کے اترنے کے بعد انصار کی عورتیں جب (گھر سے باہر) نکلتی تھیں تو وہ اپنے اوپر سیاہ چادریں ڈال کر اس طرح لپٹی اور چھپی ہوئی چلتی تھیں کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۸، مظہری ۷/۴۱۹)

ستر اور حجاب

ستر: مرد و عورت کے بدن کے اس حصے کو جس کو عربی میں "عورت" اور اردو و فارسی میں ستر کہتے ہیں، سب سے چھپانا، شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے۔ ایمان کے بعد یہ سب سے پہلا فرض ہے جس پر عمل ضروری ہے۔ اعضائے مستورہ یا ستر کا چھپانا تمام انبیا کی شریعتوں میں فرض رہا ہے اور ہر مرد و عورت پر فی نفسہ عائد ہے خواہ کوئی دوسرا دیکھنے والا ہو یا نہ ہو۔ اسی لئے اگر کوئی شخص اندھیری رات میں ننگا نماز پڑھے جبکہ ستر چھپانے کے قابل کپڑا اس کے پاس موجود ہو تو اس کی نماز بالاتفاق ناجائز ہے، حالانکہ اس کو کسی نے ننگا نہیں دیکھا۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے ایسی جگہ نماز پڑھی جہاں کوئی دیکھنے والا نہیں تو اس صورت میں بھی اگر نماز کے دوران ستر کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ نماز کے علاوہ لوگوں کے سامنے ستر پوشی کے فرض ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں لیکن تنہائی میں جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو وہاں بھی شرعی یا طبعی ضرورت کے بغیر ستر کھولنا یا ننگا بیٹھنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۷/۲۱۱)

ہر انسان فطری طور پر اپنے ستر کو چھپاتا ہے۔ اسی لئے حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے جب شجر ممنوعہ کو کھا لیا اور اس کے نتیجے میں ان کا ستر کھل گیا تو ان دونوں نے فوراً جنت کے پتوں سے

اپنی اپنی پردہ پوشی شروع کر دی جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔ (طٰهٰ آیت ۱۲۱)

پھر دونوں (آدم و حوا) نے اس درخت میں سے کچھ کھالیا تو ان دونوں کے ستر ایک دوسرے کے سامنے کھل گئے اور (اپنا ستر ڈھانپنے کے لئے) دونوں اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے۔

اسی لئے ہر زمانے میں بلا امتیازِ رنگ و نسل اور مذہب و ملت، لوگ ستر پوشی کو ضروری سمجھتے رہے۔

عورت کا تمام بدن ستر ہے سوائے چہرے اور ہاتھوں کے، چہرہ اور ہاتھ ستر میں داخل نہیں۔ اسی لئے عورت کے لئے نماز میں چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنا بالاتفاق جائز ہے۔

عورت کے دونوں قدم یعنی ٹخنے سمیت دونوں پاؤں ستر میں شامل ہیں جبکہ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے۔ یعنی اس پر ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کو ہر وقت چھپانا فرض ہے۔ ستر ہر مرد و عورت پر فرض ہے۔

حجاب یا پردہ: پردہ تمام امتوں میں فرض نہیں رہا۔ اسلام میں بھی ابتداءً فرض نہیں تھا بلکہ پانچ ہجری میں جب آپ نے حضرت زینب بنت جحش سے نکاح کیا تو ولیمے کے موقع پر پردے کا حکم نازل ہوا۔ پردہ صرف عورت پر فرض ہے اور صرف نامحرموں سے ہوتا ہے۔

اوپر بیان ہوا کہ چہرہ اور ہاتھ چونکہ ستر میں داخل نہیں اس لئے ان اعضا کو نماز میں کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس سے اکثر لوگوں کو یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کا پردہ واجب نہیں اس لئے عورتوں کے لئے محرم یا نامحرم سب کے سامنے چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنا جائز ہے۔ یہ خیال صحیح نہیں۔ اس کی وضاحت کے لئے ذیل میں چند آیات قرآنی اور احادیث نبوی درج کی جاتی ہیں۔

۱۔ سورۃ احزاب کی آیت ۵۳ میں ہے۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ۔

اور جب تم پیغمبر کی بیویوں سے ضرورت کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔

اس آیت میں جن لوگوں کو پردے کے پیچھے سے لینے دینے کا حکم دیا گیا ہے وہ صحابہ کرام

ہیں ۔ جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ۔ تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاجاؤ گے ۔ اور جن کے بارے میں حکم دیا گیا ہے وہ ازواج مطہرات اور امت کی مائیں ہیں ۔ جب ان حضرات کو سامنے آکر بات کرنا منع ہے تو عام خواتین کے لئے تو چہرہ کا چھپانا بطریق اولیٰ ضروری ہوگا ۔

۲ ۔　پھر اسی آیت میں اس حکم کی علت یہ بیان فرمائی :

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

یہ حجاب تمہارے اور ان کے قلوب کے لئے طہارت و پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے ۔

اس کا صریح اور صاف مطلب یہ ہے کہ جس طرح پردہ دونوں کی طہارت قلبی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے اسی طرح بے پردگی دلوں کی نجاست اور گندگی کا ذریعہ ہے ۔

۳ ۔　ولاتخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض .

(الاحزاب آیت۳۲)

سو تم نرم لہجے میں بات نہ کیا کرو کہ اس سے اس شخص کو (فاسد) خیال پیدا ہونے لگتا ہے جس کے دل میں مرض ہے ۔

اس آیت میں آواز کی طبعی نزاکت کو چھپا کر بات کرنے کا حکم ہے ۔ جب عورت کی آواز ایسی قابل اخفا ہے تو صورت یعنی چہرہ کیوں نہ قابلِ اخفا ہوگا جو فتنے کا اصل مبدا ہے ۔

۴ ۔　اگر یہ مان لیا جائے کہ سورۂ احزاب کی اسی آیت میں ازواج مطہرات سے ضرورت کی چیز پردے کے پیچھے سے مانگنے کا جو حکم دیا گیا تھا وہ ازواج مطہرات کے لئے خاص تھا تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ عام مسلمان عورتوں کے لئے پردے کا کوئی حکم نازل ہی نہیں ہوا ۔ پردے کا جو حکم امہات المؤمنین کے لئے نازل ہوا تھا وہ ان کے ساتھ ہی ختم ہوگیا حالانکہ اس پر سب سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ پردے کا حکم مسلمان عورتوں کے لئے ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ صحابیات پردے کے حکم سے مامور تھیں ۔

۵ ۔　سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ میں عورتوں کے متعلق یہ حکم ہے ۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الاولیٰ

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنی زیب وزینت کا اظہار نہ کرو۔

اگر عورتوں کو کھلے منہ پھرنے کی اجازت ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کو گھروں میں قرار پکڑنے کا حکم نہ دیتا اور نہ زمانۂ جاہلیت کی طرح زیب وزینت کے اظہار سے منع فرماتا۔

۶۔ سورۂ احزاب کی آیت ۵۹ میں ہے۔

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جلا بیْبِهِنَّ

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اپنی بیویوں اور اپنی بیٹوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی چادروں کو اپنے اوپر لٹکالیا کریں یعنی ان سے گھونگٹ نکال لیا کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے اپنے گھروں سے نکلیں تو اپنے سروں کے اوپر سے چادر لٹکا کر منہ ڈھانک لیا کریں اور صرف ایک آنکھ (راستہ دیکھنے کے لئے) کھلی رکھیں۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۸)

۷۔ سورۂ نور کی آیت ۲۷ میں ہے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَدْ خُلُوْا بُیُوْتاً غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْ نِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰیٓ اَهْلِهَا .

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں (بے دھڑک) نہ داخل ہو جایا کرو جب تک کہ اجازت نہ لےلو اور وہاں رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔

اگر عورتوں کو عام طور پر چہرہ کھول کر پھرنا جائز ہوتا تو پھر کسی کے گھر میں داخل ہونے کے لئے اجازت لینا فرض اور واجب نہ ہوتا جیسا کہ اس آیت میں صراحتاً مذکور ہے۔

۸۔ سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں ہے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِ هِنَّ.

آپ مومن عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

اگر عورتوں کو عام مردوں کے سامنے چہرہ کھلا رکھنے کی اجازت ہے تو پھر ان کو نظریں نیچی رکھنے کا حکم دینے کی کیا ضرورت تھی۔

۹۔ اسی آیت میں ہے۔

ولا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَاظَھَرَ مِنْھَا.

اور عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں مگر جو اس میں سے ظاہر ہو جائے۔

اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ عورتوں کو مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہے تو اسی آیت میں آگے چل کر محارم کے استثنٰی کی کیا ضرورت تھی۔ اس لئے کہ جب عورتوں کو غیر مردوں کے سامنے چہرہ کھولنے کی اجازت ہوگئی تو باپ، بیٹا اور بھائی وغیرہ کے سامنے کھولنے کی اجازت بدرجۂ اولیٰ ہو جائے گی۔ پس اس آیت میں اس امر کی تصریح ہے کہ سوائے ان محارم کے جن کا آیت میں ذکر ہے، کسی اور کے سامنے عورت کو چہرہ کھولنے کی اجازت نہیں۔

۱۰۔ بیضاوی کہتے ہیں کہ سورۂ نور کی آیت ۳۱ میں جس ستر کا ذکر ہے اس کا تعلق صرف نماز سے ہے، پردے سے نہیں کیونکہ آزاد عورت کا سارا بدن واجب الستر ہے۔ شوہر اور محرم کے سوا عورت کے بدن کا کوئی حصہ دیکھنا کسی مرد کے لئے جائز نہیں سوائے حالتِ مجبوری کے۔

(بیضاوی ۲۹۵)

۱۱۔ سورۂ نور کی آیت ۳۱ ہی میں ہے۔

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِھِنَّ لِیُعْلَمَ مَایُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِھِنَّ.

اور عورتیں اپنے پاؤں (زمین پر) زور زور سے مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ عورت کے لئے ہر ایسی حرکت ممنوع ہے جس سے اس کی چھپی ہوئی زینت کا اظہار ہو یہاں تک کہ اسے عطر اور خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنا بھی منع ہے۔ (ابن کثیر ۲/۲۸۵)

پس مذکورہ آیت سے ظاہر ہے کہ جس طرح زینت کا اظہار موجب فتنہ ہے اسی طرح زینت کی آواز کا اظہار بھی موجب فتنہ اور ممنوع ہے۔ ظاہر ہے عورت کی آواز زیور کی آواز سے زیادہ موجب فتنہ ہے۔ اس لئے عورت کی آواز زینت کی آواز سے زیادہ حرام ہوگی۔ ایسی صورت میں چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔

نوٹ: جس طرح عورت کے لئے اپنے زیور کی آواز کا نکالنا ناجائز اور حرام ہے اسی طرح عورت کا اپنی آواز نکالنا مثلاً کسی اجنبی مرد سے بلاضرورت بے تکلفی سے باتیں کرنا یا گانا گانا وغیرہ بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔ لہٰذا عورت کی آواز کا بھی پردہ واجب ہے۔

۱۳۔ سورۂ نور کی آیت ۶۰ اس طرح ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِیْنَةٍ ط وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ.

اور بڑی بوڑھی عورتیں جنہیں نکاح کی امید ہی نہ رہی ہو تو ان پر بھی کچھ گناہ نہیں کہ وہ اپنے (زائد) کپڑے (چادریں) اتار دیا کریں۔ بشرطیکہ وہ اپنی زینت ظاہر کرنے والی نہ ہوں۔ اور اگر وہ اس (چادریں اتارنے) سے بھی بچیں تو ان کے لئے زیادہ بہتر ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی بوڑھی عورت جس کی طرف رغبت کا کوئی احتمال ہی نہ رہے، برقع کے بغیر باہر نکل سکتی ہے۔ مگر اس کے لئے بھی بہتر یہی ہے کہ چہرہ نہ کھولے۔ پس جب بوڑھی عورت کے لئے بھی بہتر اسی کو قرار دیا گیا کہ وہ چہرہ ڈھانپ کر رکھے تو نوجوان عورت کے لئے چہرہ کھولنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

۱۴۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازار کا ذکر فرمایا تو انہوں نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! عورت کے لئے کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا عورت ایک بالشت لٹکالے۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا ایسی صورت میں تو اس کے پاؤں نظر آئیں گے۔ آپ نے فرمایا تو پھر اسے چاہئے کہ وہ ایک ہاتھ کی مقدار تک چادر لٹکالے۔ (ابوداؤد ۴/۳۳، رقم ۴۱۷، دارمی ۳/۳۶۱)

اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب گھر سے باہر نکلتے وقت عورت کے لئے پاؤں چھپانے کا اتنا اہتمام ہے تو چہرہ چھپانے کا کتنا اہتمام ہوگا جو حسن و جمال کا اصل مظہر اور جذبات کو برانگیختہ کرنے میں پاؤں سے کہیں زیادہ مؤثر ہے۔

۱۵۔ ابوداؤد میں حضرت ابو اسید انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کو راستے میں باہم مخلوط ہو کر چلتے ہوئے دیکھا تو عورتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم ادھر ادھر ہو جاؤ۔ تمہیں راستے کے درمیان میں نہیں چلنا چاہئے۔ یہ سن

کر عورتیں دیواروں سے لگی لگی چلنے لگیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے دیواروں سے رگڑتے تھے۔ (ابن کثیر ۳/۲۸۶)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب عورتوں کو راستہ چلتے وقت مردوں کے ساتھ مخلوط ہو کر چلنے کی اجازت نہیں تو ان کو کھلے منہ مردوں کے سامنے آنے جانے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

۱۶۔ مسند احمد، سنن ابی داؤد اور ترمذی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن وہ اور حضرت میمونہؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھیں کہ اتنے میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم (جو نابینا تھے) آ گئے۔ اس وقت پردے کی آیت نازل ہو چکی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں پردے میں چلی جاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ تو نابینا ہیں، نہ ہمیں دیکھ سکتے ہیں اور نہ پہچان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم دونوں بھی نابینا ہو اور اسے نہیں دیکھ سکتیں۔

(ترمذی ۴/۳۵۷، رقم ۲۷۸۷، ابوداؤد ۴/۳۱، رقم ۴۱۱۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو مرد عورت کا چہرہ دیکھ سکتا ہے اور نہ عورت مرد کا چہرہ دیکھ سکتی ہے۔

۱۷۔ ایک عورت جس کو ام خلاد کہتے تھے کسی غزوے (احد) کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اس نے نقاب ڈالا ہوا تھا۔ اس کا بیٹا غزوے میں شہید ہو گیا تھا اس لئے وہ اپنے بیٹے کے اجر و ثواب کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ تم اپنے مقتول بیٹے کے بارے میں پوچھنے آئی ہو اور نقاب بھی ڈالا ہوا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر میں نے بیٹا گم کر دیا ہے تو حیا تو ہرگز گم نہ کروں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بشارت دی کہ تیرے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملا ہے اس لئے اس کو عیسائیوں نے قتل کیا ہے۔ (ابوداود کتاب الجہاد)

اس واقعے میں چند غور طلب باتیں ہیں۔

۱۔ شدید صدمے کے موقع پر بھی وہ نقاب ڈال کر مردوں کے سامنے آئی۔ اگر اسلام میں چہرے کا پردہ فرض نہ ہوتا تو اس شدید صدمے کے موقع پر نقاب کی کیا ضرورت تھی؟

۲۔ صحابہ کرام نے اس سے یہ نہیں کہا کہ اسلام میں تو چہرے کا پردہ نہیں ہے، تم نے نقاب کیوں ڈالا ہوا ہے۔ ایسے موقع پر تمہارا ہوش و حواس میں ہونا ہی بڑی ہمت کی بات ہے۔

۳۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ چہرے کا پردہ نہیں ہے یا چہرہ کھولنا حیا کے خلاف نہیں۔

۱۸۔ ایک مرتبہ رسول اللہ علیہ وسلم نے کفار پر مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے، عورتوں کو بھی عید کی نماز کے لئے نکلنے کا حکم فرمایا تو ایک عورت نے سوال کیا کہ اگر کسی کے پاس چہرہ ڈھانپنے کے لئے بڑی چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی ساتھی عورت کو چاہئے کہ وہ اپنی چادر عاریتاً اسے دیدے۔ (ترمذی ۶۵ /۲، رقم ۵۳۹ بخاری کتاب الحیض باب شہود الحائض العیدین، مسلم ۲۴/۲ رقم ۱۲، ۸۹۰)

اگر اسلام میں عورت کو بے پردہ نکلنے کی اجازت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاریتاً دینے کی بات نہ فرماتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چہرے کے پردے کی اتنی تاکید ہے کہ اگر دوسری عورت سے چادر لینی پڑے تو لے لے مگر بے پردہ مردوں کے سامنے نہ آئے۔

۱۹۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ اے علی! عورت پر اچانک نظر پڑ جانے کے بعد دوسری مرتبہ (قصداً) نگاہ مت ڈالو۔ پہلی اچانک نظر تو معاف ہے مگر دوسری (بالارادہ) جائز نہیں۔

(ترمذی ۳۵۶/۴، رقم ۲۷۸۶، ابوداود ۲۱۴/۲، رقم ۲۱۴۰)

۲۰۔ حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کسی نامحرم عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ (فوراً) نظر کو ہٹالو۔ (ابوداود، ۲۱۴/۲، رقم ۲۱۴۸)۔

۲۱۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے باوثوق ذریعے سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے والے پر بھی لعنت فرمائی ہے اور اس پر بھی جس کو دیکھا جائے۔ (مشکوٰۃ، کتاب النکاح، باب النظر الی المخطوبہ و بیان العورات)

۲۲۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان کسی عورت کے محاسن یعنی حسن و جمال کو پہلی مرتبہ دیکھ کر اپنی آنکھ بند کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی عبادت نصیب فرمائے گا جس کی حلاوت (شیرینی) وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ (مسند احمد ۳۵۴/۶، رقم ۲۱۷۷۵)

۲۳۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ (بتاؤ) عورت کے لئے کونسا کام سب سے بہتر ہے۔ اس پر صحابہ خاموش ہو گئے۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے واپس آ کر حضرت فاطمہؓ سے دریافت کیا کہ عورتوں کے لئے سب سے بہتر کام کونسا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے فرمایا کہ وہ مردوں کو دیکھے اور نہ مرد اس کو دیکھیں۔ میں نے یہ جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہ میری ہی لخت جگر ہے (اس لئے وہ صحیح سمجھیں) (مسند بزار، دارقطنی)

۲۴۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع کے سال قبیلہ خشعم کی ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے بندوں پر جو حج فرض کیا ہے وہ میرے باپ پر ایسے وقت میں عائد ہوا ہے کہ وہ بہت بوڑھا ہے۔ سواری پر ٹھیک طرح بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ اگر میں اس کے بدل میں حج کرلوں کو تو کیا اس کی طرف سے ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ فضل (جو اس وقت آپ کے پیچھے سوار تھے) اس عورت کی طرف دیکھنے لگے اور وہ عورت بھی فضل کی طرف دیکھ رہی تھی۔ آپ نے فضل کا منہ دوسری طرف پھیر دیا۔ (مظہری بحوالہ بخاری ۴۹۲، ۴۹۳/ ۶)

۲۵ شیخین نے صحیحین میں حضرت صفیہ کے قصے میں بیان کیا ہے کہ لوگوں نے حضرت صفیہ کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو پردہ کرائیں تو سمجھ لو کہ وہ بیوی ہیں اور اگر پردہ نہ کرائیں تو سمجھ لو ام الولد ہیں۔ (مظہری ۴۹۶/ ۶)

۲۶۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خط دینے کے لئے پردے کے پیچھے سے آپ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ (ابوداود، نسائی، مشکوٰۃ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی عورتیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پردہ کرتی تھیں۔

۲۷۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محرمہ (احرام والی) عورت (چہرے پر) نقاب نہ ڈالے اور نہ (ہاتھوں میں) دستانے پہنے۔ (ابوداود ۱۰۵/ ۲، رقم ۱۸۲۵)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے زمانے میں بھی عورتوں کو چہرہ چھپانے کا حکم تھا اور عورتیں

چہرے پر نقاب ڈال کر نکلتی تھیں۔

نوٹ: اس کا مطلب یہ نہیں کہ حج کے دوران حالتِ احرام میں عورت پر غیر مردوں سے چہرے کو چھپانا اور پردہ کرنا فرض نہیں بلکہ حج کے دنوں میں حالت احرام میں بھی غیر مردوں سے چہرہ چھپانا اسی طرح فرض اور ضروری ہے جس طرح عام دنوں میں فرض ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ احرام کی حالت میں چہرے پر نقاب اس طرح ڈالنا ہے کہ وہ چہرے کو مس بھی نہ کرے اور پردہ بھی ہو جائے۔ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ چہرے اور نقاب کے درمیان ہاتھ رکھ کر نقاب کو چہرے سے علیحدہ رکھے۔ دوسری صورت یہ کہ چھجے والی ٹوپی سر پر رکھ کر نقاب اس کے اوپر سے ڈالی جائے۔ یہ صورت زیادہ سہل ہے۔ اور بھی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اصل مقصود پردہ کرنا اور نقاب کو چہرے سے علیحدہ رکھنا ہے۔

۲۸۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ہم (ازواج مطہرات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو جاتے ہوئے احرام کی حالت میں تھے۔ جب ہمارے پاس سے کوئی سوار گزرتا تو ہم اپنی چادر اپنے سر کے اوپر کھینچ کر اپنے چہروں پر لے آتے اور جب ہم آگے بڑھ جاتے تو ہم اپنے چہروں کو کھول دیتے تھے۔

(ابوداؤد کتاب المناسک باب فی المُحرمۃ تغطی وجھھا)

۲۹۔ ابن عباس کی روایت میں ہے کہ عورت اپنی زینت صرف اپنے گھر میں ان لوگوں کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جن کو اس کے سامنے آنے اور گھر میں داخل ہونے کی شرعاً اجازت ہے۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۱۱۹)

اس کا مطلب محارم کے سامنے آنا ہے۔ بے پردہ پھرنا مراد نہیں۔

۳۰۔ حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے پردہ عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس جاتی ہے۔

(مسلم ۲/۳۲۹، رقم ۳۴۰۴۳، ترمذی ۲/۳۸۵، رقم ۱۱۶۱، ابوداود ۲/۲۱۵، رقم ۲۱۵۱)

۳۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت گویا ستر ہے۔ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو اپنی نظر کا نشانہ بناتے ہیں۔

(ترمذی ۲/۳۹۲، رقم ۱۱۷۶)

جس طرح ستر کو چھپانا ضروری ہے اسی طرح عورت کے لئے پردے میں رہنا ضروری ہے۔

۳۲۔ ترمذی، ابوداود اور نسائی کی روایت میں ہے کہ ہر آنکھ زانیہ ہے۔ عورت جب عطر لگا کر پھول پہن کر مہکتی ہوئی مردوں کی کسی مجلس کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی اور ایسی ہے۔ (یعنی زانیہ) (ترمذی ۳۶۰/۴، رقم ۹۵۲۷، ابوداود ۵۱/۴، رقم ۴۱۷۳، نسائی کتاب الزینہ، باب ما یکون للناس من الطیب)

۳۳۔ حضرت عائشہ نے اپنی وفات کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ انہیں رات کے وقت دفن کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کی تدفین رات کے وقت عمل میں آئی (طبقات ابن سعد ۶۱/۸)

منافقین کا انجام

۶۰۔۶۲۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۚ مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝

اگر یہ منافق اور جن کے دلوں میں بیماری ہے اور وہ جو مدینے میں افواہیں اڑاتے ہیں (اب بھی) باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔ پھر یہ لوگ آپ کے ساتھ اس شہر میں بہت کم رہ سکیں گے۔ (وہ بھی) پھٹکارے ہوئے، جہاں بھی پائے گئے، پکڑے گئے اور خوب قتل کئے گئے۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے معاملے میں بھی اللہ کا یہی دستور جاری رہا اور آپ اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے۔

مُرْجِفُوْنَ: فساد کرنے والے۔ افواہیں پھیلانے والے۔ اِرْجَاف سے اسم فاعل۔

نُغْرِيَنَّكَ: ہم تجھے ضرور مسلط کریں گے۔ ہم تجھے ضرور پیچھے لگا دیں گے۔ اِغْرَاءٌ سے مضارع۔

يُجَاوِرُوْنَكَ: وہ تمہارے ہمسائے ہوں گے۔ وہ تمہارے نزدیک ہوں گے۔ مُجَاوَرَةٌ سے مضارع۔

تشریح: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف قبائل کے خلاف جہادی دستے بھیجتے تو کچھ منافق مدینے میں جھوٹی اور سنسنی خیز خبریں پھیلانے لگتے اور کہتے کہ جن لوگوں کو جہاد کے لئے بھیجا گیا تھا وہ

مارے گئے یا کہتے کہ وہ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کبھی کہتے کہ دشمن عنقریب مدینے پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس سے ان کا مقصد لوگوں میں بے چینی اور بے دلی پھیلانا ہوتا تھا۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں ضعف ایمان کی بیماری ہے، اپنی بدکاریوں، مدینے میں سنسنی خیز جھوٹی خبریں پھیلانے اور عورتوں کو چھیڑنے سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان سب پر غالب اور مسلط کر دیں گے۔ پھر وہ زیادہ عرصے مدینے میں رہ بھی نہ سکیں گے اور بہت جلد تباہ و برباد کر دیئے جائیں گے اور جو تھوڑا بہت وقت وہ مدینے میں گزاریں گے وہ بھی لعنت اور پھٹکار کے ساتھ گزاریں گے۔ وہ ہر طرح سے دھتکارے جائیں گے۔ جہاں بھی بھاگ کر جائیں گے، گرفتار کئے جائیں گے اور بری طرح قتل کئے جائیں گے۔ ان کو کہیں پناہ نہ ملے گی۔

جو لوگ انبیا سے منافقانہ سلوک کرتے تھے اور سنسنی خیز خبریں پھیلا کر انبیا کے مشن کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنی سرکشی سے باز نہیں آتے تھے تو ان کو مغلوب کر کے خوب قتل کرانا ہمارا قدیمی طریقہ ہے جو گزشتہ اقوام میں بھی جاری رہا۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ اگر مدینے کے یہ منافقین اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کا بھی یہی انجام ہوگا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۴۵، ۵۴۶/ ۵، مظہری ۴۱۹، ۴۲۰/ ۷)

قیامت کا قریب ہونا

۶۳۔ يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝

لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تجھے کیا خبر شاید قیامت بالکل ہی قریب ہو۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مشرکین و منکرین کو آنے والے عذاب اور قیامت سے ڈراتے تو وہ تمسخر کے طور پر آپ سے پوچھتے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس سے ان کا مقصد آپ کو پریشان کرنا اور تکلیف دینا ہوتا تھا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ﷺ ان کو بتا دیجئے کہ قیامت کے آنے کا صحیح وقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ نے کسی مقرب فرشتے کو دیا اور نہ کسی نبی اور رسول کو۔ پس تم تو اس کو آیا ہی سمجھو۔

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنی شہادت کی اور درمیان کی انگلی اٹھا کر فرمایا۔

انا والساعة کھاتین.

میں اور قیامت ان دونوں انگلیوں کی طرح ہیں یعنی جس قدر بیچ کی انگلی آگے نکلی ہوئی ہے، میں قیامت سے اتنا ہی پہلے آگیا ہوں۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ.

قیامت بہت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا۔

اور ارشاد ہے۔

اَتٰی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ.

بس قیامت آہی گئی سو تم اس کے لئے جلدی مت کرو۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۹، عثمانی ۲/۳۶۶)

کفار کا انجام

۶۴۔۶۸، اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۝ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ۝ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝

بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لئے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہ (وہاں) کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔ جس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے تو وہ کہیں گے کہ کاش! ہم نے اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کی ہوتی اور وہ کہیں گے۔ اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی، سو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے رب! (اب) تو ان کو دو گنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

سَعِیْرٌ: دہکتی ہوئی آگ۔ دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ۔

تُقَلَّبُ: وہ پھیرا جائے گا۔ وہ الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ تَقْلِیْبٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان پر اپنی ابدی لعنت نازل فرمائی ہے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قیامت کے منکر ہیں ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ کبھی وہ وہاں سے نکل سکیں گے اور نہ چھوٹ سکیں گے اور نہ وہاں ان کو کوئی فریادرس ملے گا اور نہ کوئی دوست و مددگار جو انہیں چھڑا لے یا اس عذاب سے بچا سکے۔ جس طرح گوشت بھوننے کے وقت گوشت کو الٹ پلٹ کیا جاتا ہے اسی طرح قیامت کے دن آگ کے اندر کافروں کے چہروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ اس وقت وہ تمنا کریں گے کاش انہوں نے دنیا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ہوتی۔ کاش وہ مسلمان ہوتے۔ پھر وہ کہیں گے اسے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کو حق پر سمجھ کر ان کی اطاعت کی اور ان کے کہنے پر چلتے رہے۔ ہمیں تو اب پتہ چلا کہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور انہوں نے ہمیں بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹکایا۔ اے ہمارے پروردگار! اب تو بھی ان کو دوگنا عذاب دے۔ ایک تو ان کے گمراہ ہونے کا اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے کا، اور ان پر بدترین لعنت برسا۔ (ابن کثیر ۳/۵۱۹)

مسلمانوں کو نصیحت

۶۹۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا ۟

اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی۔ پھر اللہ نے موسیٰ کو ان کی باتوں سے بری کر دیا، اور وہ اللہ کے نزدیک بہت عزت دار تھے۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو کافروں پر غلبہ دیا تو عبداللہ بن ابی بن سلول منافق اور اس کے ساتھی اور قبائل عرب میں سے بہت سے لوگ آپ کے مطیع و فرماں بردار ہو گئے لیکن چونکہ ان کے دلوں میں حقیقی نور ایمان نہ تھا اس لئے ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ ان کی منافقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تو عیاں تھی ہی، صحابہ کرام میں بھی یہ لوگ منافق ہی مشہور تھے۔ اس لئے کوئی بھی ان کی باتوں پر اعتماد نہیں کرتا تھا خواہ وہ سچی بات ہی نقل کریں۔ جہاد میں بھی یہ لوگ ظاہری طور پر شریک ہوتے تھے، اس سے ان کا اصل

مقصد مال غنیمت میں حصہ لینا ہوتا تھا۔ چونکہ ان لوگوں نے ظاہری طور پر مسلمانوں کی سی شکل و شباہت اختیار کی ہوئی تھی اس لئے جو پردیسی اعراب دور دور سے آتے تھے اور صدق دل سے ایمان لاتے تھے، ان کے حق میں ان منافقوں کی بدزبانی سے ضرر کا خوف تھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس طرح بنی اسرائیل میں سے بعض لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دی تھی، تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا، نہ زبان سے اور نہ اپنے عمل سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی وجاہت اور مرتبے والے اور مستجاب الدعوات تھے۔ وہ جو دعا کرتے تھے قبول ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی ہارون کے لئے نبوت مانگی تو اللہ تعالیٰ نے وہ بھی عطا فرمادی جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا اَخَاهُ هَارُوْنَ نَبِيًّا. (طٰہٰ آیت)

اور ہم نے اپنی رحمت سے اس کو اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قول سے بری اور پاک وصاف کر دیا۔

جس طرح موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت والے تھے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اکرم اور وجاہت والے ہیں اس لئے کسی کے اذیت دینے سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طہارت و پاکیزگی میں تو کچھ فرق نہیں آئے گا لیکن اذیت دینے والا ہلاک و برباد ہو جائے گا۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ لوگوں میں کچھ مال تقسیم کیا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کہ اس تقسیم سے اللہ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا کہ اے خدا کے دشمن میں تیری بات کی خبر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں نے جا کر آپ کو خبر کر دی۔ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر فرمایا اللہ کی رحمت ہو حضرت موسیٰ پر وہ اس سے بہت زیادہ ایذا دیئے گئے لیکن انہوں نے صبر کیا۔ (مواہب الرحمٰن ۱۲۰۔۱۲۱/۲۲، ابن کثیر ۵۲۰، ۵۲۱/۳)

تقویٰ اور قولِ سدید

۷۰، ۷۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو تا کہ وہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے اور تمہارے گناہ معاف کر دے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تو وہ بڑی کامیابی کو پہنچا۔

سَدِیْدًا: سیدھا۔ سَدَادٌ سے صفت مشبہ۔

فَازَ: وہ مراد کو پہنچا۔ وہ کامیاب ہوا۔ فَوْزٌ ومَفَازَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک تقوی اختیار کرنے کا جس کا تعلق قلب سے ہے۔ اور دوسرے صحیح اور انصاف کی بات کہنے کا۔ اس کا تعلق زبان سے ہے۔ پس مومنوں کو اپنے تمام امور خواہ وہ عبادت و معاملات ہوں یا دوسرے امور سب کی انجام دہی کے وقت دل میں خوف وخشیت الٰہی ہونی چاہئے۔ زبان سے بھی ہمیشہ درست اور انصاف کی بات کہنی چاہئے اور زبان سے کوئی لفظ ایسا نہیں نکلنا چاہئے جو خلاف شرع ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا کا باعث ہو۔ جب قلب اور زبان درست ہو جائیں گے تو باقی اعمال بھی درست ہو جائیں گے کیونکہ اعمال کا دارومدار زیادہ تر انہی دونوں پر ہے، سو ان دونوں باتوں کو اختیار کر لینے سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ خوب سمجھ لو کہ کامیابی کا دارومدار اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری میں ہے۔ سو جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرماں برداری کی اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ (معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۵۴۸)

اللہ کی امانت

۷۲،۷۳۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۠

بیشک ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے (اپنی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے مگر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بیشک وہ بڑا ظالم اور نادان ہے۔ تا کہ اللہ منافق

مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور مومن مردو اور مومن عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ معاف کرنے والا (اور) مہربان ہے۔

عرضنا: ہم نے سامنے کیا۔ ہم نے پیش کیا۔ عَرْضٌ سے ماضی۔

اَشْفَقْنَ: وہ ڈر گئیں۔ اِشْفَاق سے ماضی۔

ابَیْنَ: انہوں نے انکار کیا۔ اِبَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: بلاشبہ ہم نے آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے احکام شریعت کی اطاعت و بجا آوری کو پیش کیا اور ان میں شعور وادراک بھی پیدا کر دیا اور ان کو ماننے اور نہ ماننے کا اختیار بھی دے دیا اور ان کو بتا بھی دیا کہ اگر تم اس ذمہ داری کو قبول کرو گے، اور ہمارے احکام کی پابندی کرو گے تو اس پر تمہیں اجر و ثواب ملے گا اور اگر ان کی خلاف ورزی کرو گے تو عذاب اور سزا ملے گی۔ لیکن ان سب نے اس امانت کو اٹھانے اور اس ذمہ داری کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ ہم میں اتنی قوت و طاقت نہیں کہ تیری امانت کے بوجھ کو اٹھا سکیں۔ اگر خدانخواستہ یہ امانت ہمارے ہاتھ سے ضائع ہوگئی یا ہم اس کی حفاظت نہ کر سکے یا ہم اس میں خیانت کر بیٹھے تو نہ جانے ہم پر کیا مصیبت نازل ہو، سوائے خدا جس کام کے لئے آپ نے ہمیں پیدا کیا ہے اور جس کام پر آپ نے ہمیں لگا رکھا ہے ہم اس پر راضی ہیں اور ہم ہر طرح سے تیرے مطیع و فرمان بردار ہیں۔

آسمان و زمین کے عذر و انکار کے بعد جب یہ امانت کمزور و ناتواں انسان پر پیش کی گئی تو اس نے اپنے ضعف و ناتوانی کے باوجود اس امانت کا بوجھ اٹھا لیا اور اس کی پیش کردہ ذمہ داری کو قبول کرلیا۔ بلاشبہ انسان بڑا ہی ظالم اور ناتجربہ کار تھا کہ اس نے اپنی جان پر بھی ترس نہ کھایا اور جس بوجھ کو اٹھانے سے آسمان و زمین جیسے عظیم اجسام نے پہلوتہی کی اس بوجھ کو اس نے اٹھا لیا۔ چونکہ انسان نے اپنی رضا و رغبت سے اس کو قبول کیا ہے اس لئے اس کو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں اس امانت میں خیانت نہ ہو جائے۔ اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں لگے رہنا چاہئے، تاکہ امانت کا حق ادا ہو جا سکے۔

ہم نے یہ امانت انسان پر اس لئے پیش کی تاکہ اس کی طبیعت اور فطرت میں جو امانت و خیانت کا مادہ چھپا ہوا ہے وہ ظاہر ہو جائے اور منافقوں کا نفاق اور مشرکوں کا شرک اور مومنوں کا اخلاص

ظاہر ہو جائے۔ پس جو لوگ اس امانت میں خیانت کریں گے اور اس سے انحراف و انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اس کی سزا اور عذاب دے گا اور جو مومن مرد و عورت اس کی حفاظت اور اس کا حق ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو انعام و اکرام اور اجر و ثواب بھی دے گا اور ان پر نظر رحمت بھی فرمائے گا۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۵۰۔۵۵۴/۵)

مقالاتِ زواریہ

ترتیب: سید فضل الرحمٰن　　　　صفحات: ۵٦۸

- فقیہ العصر حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ۱۳۹ نثری تقاریر اور علمی مقالات کا ضخیم مجموعہ۔
- طلباء، علماء، مقررین اور واعظین کے لئے ایک بیش بہا تحفہ اور عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔
- تمام تقاریر اور مضامین کی زبان نہایت سادہ، اندازِ بیاں عام فہم اور قرآنی آیات واحادیث کی دلنشین تشریح ہے۔
- تمام قرآنی آیات کی اصل عربی عبارت اور اس کا مکمل حوالہ دیا گیا ہے۔
بعض ایسے جدید مسائل پر محققانہ بحث کی گئی ہے جو اہلِ علم کے ہاں اختلافی رہے ہیں۔
- روز مرہ پیش آنے والے مسائل و مشکلات پر تبصرہ اور ساجی و معاشرتی برائیوں کے انسداد و سدباب کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

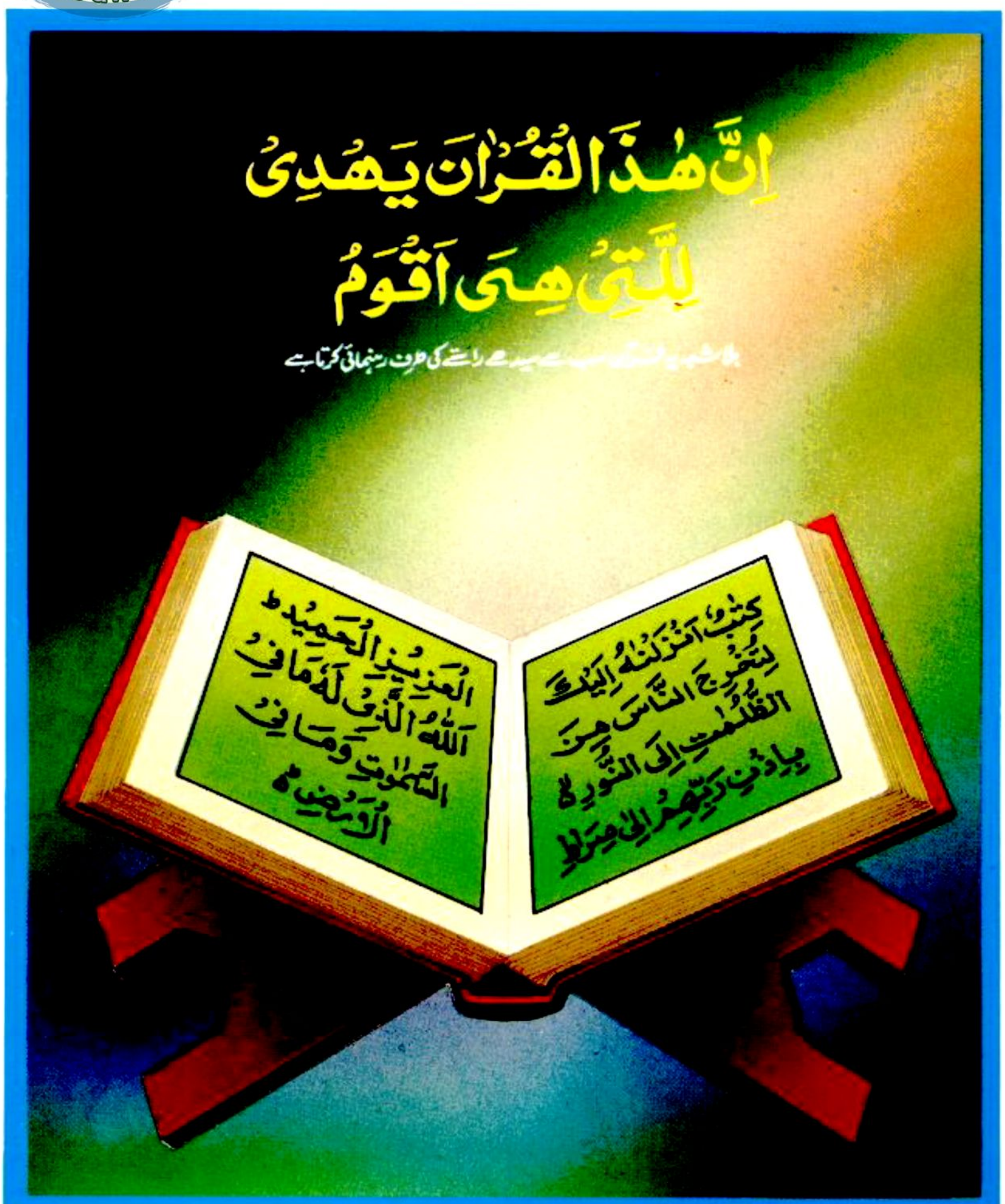
اس مجموعہ کو درج ذیل سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے

(۱) قرآنی تعلیمات، (۲) ایمان ودعوت اسلام، (۳) احکامِ دین، (۴) تجارت و معیشت، (۵) اخلاق و حقوق، (٦) تصوف و سلوک، (۷) سیرت و سوانح

- خوبصورت اور دلکش رنگین سرورق، اعلیٰ کمپیوٹر کمپوزنگ، نہایت نفیس آفسٹ طباعت اور مضبوط جلد بندی کی اضافی خوبیوں کے ساتھ۔ اہلِ علم کے لئے ایک گرانقدر تحفہ۔

احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ ہفتم

سورۃ السبا، سورۃ الفاطر، سورۃ یٰسین، سورۃ الصّٰفّٰت، سورۃ صٓ، سورۃ الزمر، سورۃ المؤمن
سورۃ حٰم السجدہ، سورۃ الشوریٰ، سورۃ الزخرف، سورۃ الدخان، سورۃ الجاثیہ،
سورۃ الاحقاف، سورۃ محمد، سورۃ الفتح، سورۃ الحجرات، سورۃ قٓ، سورۃ الذٰریٰت، سورۃ طور

سید فضل الرحمٰن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب: احسن البیان فی تفسیر القرآن

حصہ ہفتم: تفسیر سورۃ الذاریات تا سورۃ الطور

مؤلف: سید فضل الرحمن

کتابت قرآن کریم: سید اشرف علی

تعداد: ایک ہزار

اشاعت اول: جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ / جون ۲۰۰۶ء

صفحات: ۴۷۲

کمپوزنگ: سید نصر ابوالحیدر

اسکیننگ۔ قرآنی آیات: شاہد آفریدی

﴿ملنے کے پتے﴾

دارالاشاعت: اُردو بازار، کراچی

فضلی بک سپر مارکیٹ: اردو بازار، کراچی، فون: ۲۲۱۲۹۹۱

اسلامی کتب خانہ: بنوری ٹاؤن، کراچی، فون ۴۹۲۷۱۵۹

مکتبۃ الانور: بنوری ٹاؤن، کراچی

مکتبہ انعامیہ: اُردو بازار، کراچی، فون: ۲۲۱۶۸۱۴

بیت الکتب: گلشن اقبال، بالمقابل اشرف المدارس، کراچی

کتاب سرائے: فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۳۲۰۳۱۸

ادارۂ اسلامیات: ۱۹۰، انارکلی۔ لاہور، فون: ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵

مکتبۃ البخاری: نزد صابری مسجد، گلستان کالونی مرزا آدم خان روڈ، لیاری، کراچی۔ فون: ۲۱۴۰۸۶۵-۰۳۰۰

مکتبہ فیض القرآن: قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی، ۲۲۱۷۷۷۶

مکتبۃ القادر: نزد جامعہ خیر العلوم، خیر پور ٹامیوالی۔ بہاولپور

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر۴، کراچی۔ فون: ۶۶۸۴۷۹۰

www.zawwaracademy.org

فہرستِ عنوانات

سورۃ المؤمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ السبا

وجہ تسمیہ: اس سورت میں ملک سبا کی سرسبزی وشادابی اور پھر اس کی تباہی اور بربادی کا ذکر ہے اس لیے اس سورت کا نام السبا ہو گیا۔

تعارف: اس میں ۶ رکوع، ۵۴ آیتیں، ۸۸۳ کلمات اور ۴۵۱۲ حروف ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی، قتادہ اور ابن عطیہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ سورت سب کے نزدیک مکی ہے سوائے ویرى الذين اوتو العلم۔ (آیت:۶) کے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۲/۱۳۱، روح المعانی ۲۲/۱۰۲)

قوم سبا کو اللہ تعالیٰ نے قسم قسم کی نعمتوں سے نوازا تھا۔ مگر وہ دنیاوی عیش وعشرت میں مست ہو کر کفران نعمت کر بیٹھے، جس کا انجام تباہی و بربادی ہوا۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: سورت کی ابتدا میں بیان کیا گیا ہے کہ حمد وثناء صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لائق ہے، پھر قیامت کا یقینی طور پر آنا اور اس کے دلائل کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی فضیلت کا بیان ہے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے احوال اور قوم سبا پر اللہ تعالیٰ کا انعام مذکور ہے۔ اس کے بعد قوم سبا کی بربادی اور بنی آدم کے بارے میں شیطان کا گمان بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: شروع میں مشرکین کی جہالت بیان کی گئی ہے۔ پھر اثبات رسالت اور منکرین کی جہالت و بے عقلی کا بیان ہے۔

رکوع ۴: کافروں کی سرکشی اور ہٹ دھرمی کا بیان ہے۔ پھر ان کے اس دعوے کی تردید ہے کہ مال

و دولت کی کثرت اللہ کے ہاں ان کے مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

رکوع ۵: ابتدا میں اعمال کے دوہرے اجر اور کفر و شرک کے انجام کا بیان ہے، پھر مشرکین کی طرف سے قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا بیان ہے۔

رکوع ۶: اس میں حق کا یقینی طور پر باطل پر غالب آنا اور آخرت میں کفار کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

حمد و ثناء کی سزاوار ذات

۱۔۲: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ۝

تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے جس کی ملکیت میں وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور آخرت میں بھی اسی کی حمد ہے اور وہی حکمتوں والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے۔ اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے اور وہ انتہائی رحم کرنے والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔

یلجُ: وہ داخل ہوتا ہے، وہ گھستا ہے۔ وُلُوْجٌ سے مضارع۔

یعرُجُ: وہ چڑھتا ہے۔ عُرُوْجٌ سے مضارع۔

تشریح: دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں۔ وہی تمام آسمانی و زمینی چیزوں کا بلا شرکت غیرے حقیقی خالق و مالک اور حاکم ہے۔ وہ نہایت حکمت و خبرداری کے ساتھ ان کی تدبیر کرتا ہے۔ اس لیے ہر قسم کی تعریف اور حمد و ثناء کا تنہا وہی سزاوار ہے اور وہی معبودِ حقیقی ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کے قبضۂ قدرت اور اسی کے تصرف میں ہے۔ اس کا علم اتنا وسیع اور بے پایاں ہے کہ اس سے کوئی چیز مخفی اور کوئی ذرہ پوشیدہ نہیں۔ وہ خوب جانتا ہے ہر اس چیز کو جو زمین میں داخل ہوتی ہے جیسے بارش کا پانی، مُردے مختلف قسم کے بیج وغیرہ، اور جو زمین سے نکلتی ہے جیسے چشموں کا پانی، نباتات، جواہر اور معدنیات

وغیرہ۔ وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو آسمان سے اترتا ہے، جیسے وحی، فرشتے، بارش، کڑک، برف اور رزق وغیرہ، اور جو آسمان میں چڑھتا ہے جیسے بندوں کے اعمال، دعائیہ کلمات اور روح وغیرہ۔ وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے کہ ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی خبر رکھنے کے باوجود ان کو فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ وہ گناہوں سے توبہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیں۔ وہ ایسا بخشنے والا ہے کہ بندہ جب بھی خلوص دل سے اس کے آگے جھکتا ہے اور اپنے گناہوں اور کوتاہیوں کی معافی طلب کرتا ہے تو وہ فوراً معاف فرما دیتا ہے۔

(ابن کثیر ۳/۵۲۵، روح المعانی ۱۰۳، ۲۲/۱۰۴)

قیامت کا یقینی طور پر آنا

۳۔۶: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۳﴾ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾ وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۶﴾

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ قسم ہے میرے رب کی جو عالم الغیب ہے وہ تم پر ضرور آئے گی۔ ایک ذرے کے برابر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں۔ نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور کوئی چیز اس (ذرے) سے چھوٹی اور بڑی ایسی نہیں جو کتاب میں (درج) نہ ہو تاکہ (اللہ) ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو بدلہ دے۔ انہی لوگوں کے لیے (اللہ کی طرف سے) مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے میں لگے رہے انہی کے

لیے سخت دردناک عذاب ہے، اور جن کو علم دیا گیا ہے وہ دیکھ لیں گے کہ (یہ قرآن) جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، سراسر حق ہے، اور وہ خدائے غالب وحمید تک (پہنچنے والے) راستے کی راہنمائی کرتا ہے۔

یَعْزُبُ: وہ غائب ہوتا ہے، وہ چھپتا ہے۔ عُزُوْبٌ سے مضارع۔

مِثْقَالُ: برابر، ہم وزن، بھاری ہونا۔ ثِقْلٌ و ثَقَالَةٌ سے اسم بھی اور فعل بھی۔ جمع مَثَاقِيْلُ۔

مُعٰجِزِيْنَ: عاجز کرنے والے، ہرانے والے، نیچا دکھانے والے۔ مُعَاجَزَةٌ سے اسم فاعل۔

رِجْزٍ: سخت، عذاب، آفت۔

تشریح: قرآن کریم میں تین مقامات ایسے ہیں جہاں قیامت کے آنے کو قسم کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک تو یہی سورۂ سبا کی آیت نمبر ۳ ہے جس میں کافروں کے انکارِ قیامت کا ذکر کر کے قسم کے ذریعے اس کا جواب دیا گیا ہے۔

وَ يَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَ رَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚؕ وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝

۲۔ اور لوگ آپ سے معلوم کرتے ہیں کہ کیا قیامت کا آنا واقعی حق ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں میرے رب کی قسم اس کا آنا یقیناً حق ہے اور تم اللہ کو (قیامت کے لانے سے) عاجز نہیں کر سکتے۔ (یونس: ۵۳)

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

۳۔ کافروں کا خیال ہے کہ قیامت کے روز وہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں میرے رب کی قسم تم ضرور زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔ پھر تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں بتایا جائے گا اور اللہ پر یہ بہت ہی آسان ہے۔ (التغابن: ۷)

مشرکین ومنکرین دنیاوی زندگی پر بھروسہ کر کے یہ کہتے ہیں کہ ان پر قیامت نہیں آئے گی اس لیے ان کو کسی قسم کے عذاب وحساب کا خوف اور اندیشہ نہیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان منکرین قیامت کو بتا دیجئے کہ قیامت ضرور آئے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت لانے پر پوری طرح قادر

ہے ۔اس کے آنے کا وقت اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں ۔ قیامت کے روز وہ مومن و کافر سب کو زندہ فرمائے گا خواہ ان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو کر خاک بن گئی ہوں ۔ وہ اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں ۔ وہ عالم الغیب ہے ۔ آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ یا کوئی چھوٹی بڑی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ۔ سب کچھ کتاب مبین یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ۔

یہ دنیا تو محنت اور تکلیف کی جگہ ہے ۔ بدلے کی جگہ نہیں ۔ بدلے اور جزا و سزا کے لیے تو قیامت کا دن مقرر ہے ۔اس لیے قیامت کے روز وہ سب کو زندہ کر کے جمع کرے گا، اور ان سے ان کے اعمال کا حساب لے گا ۔ پھر اعمال کے مطابق ان کو جزا یا سزا دے گا ۔ مومنوں کو ان کے اعمال صالحہ کا اجر و ثواب ملے گا ۔ انہی کے لیے مغفرت اور عزت کی روزی ہے جو ان کو جنت میں بلا محنت ملے گی ۔

جو لوگ ہماری آیتوں کے ابطال کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کو ان سے بے رغبت اور متنفر کرنے میں لگے رہتے ہیں ان کے لیے سخت تکلیف دہ اور دردناک عذاب ہے ۔ جن لوگوں کو آسمانی کتابوں کا علم دیا گیا یعنی علماء اہل کتاب، وہ خوب جانتے ہیں کہ جو قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ بلاشبہ حق ہے اور ایسے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اس اللہ کی طرف لے جاتا ہے جو بہت عزت اور غلبے والا ہے ۔ اس پر کسی کا بس اور زور نہیں ۔ اس کے سامنے ہر چیز عاجز و کمزور ہے ۔ وہی قابل تعریف ہے ۔ (ابن کثیر ۵۲۵/۳ مواہب الرحمٰن ۱۳۳،۱۳۵/ ۲۲) ۔

قیامت کے دلائل

۷۔۹۔ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنَبِّئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۞ أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِ جِنَّةٌ ۗ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ۞ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۚ إِن نَّشَأْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۞

اور کافر کہتے ہیں کہ (لوگو!) کیا ہم تمہیں ایک ایسا آدمی بتائیں جو تمہیں یہ خبر

دیتا ہے کہ جب تم (مرکر) بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر نئے سرے سے پیدا کئے جاؤ گے۔ (معلوم نہیں) اس نے (اپنی طرف سے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اسے جنون (دیوانگی) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہی عذاب میں (مبتلا) ہوں گے اور وہ بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا انہوں نے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے (موجود) ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں۔ بلاشبہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے بندے کے لیے اس میں (اس کی قدرت کی) نشانی ہے۔

نُدُلُّکُمْ : ہم تمہیں بتائیں۔ دَلَا لَۃٌ سے مضارع۔

مُزِّقْتُمْ : تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تم ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاؤ گے۔ تَمْزِیْقٌ سے ماضی مجہول۔

نَخْسِفْ : ہم دھنسا دیں گے۔ خَسْفٌ سے مضارع۔

نُسْقِطْ : ہم ڈال دیں گے، ہم گرا دیں گے۔ اِسْقَاطٌ سے مضارع۔

کِسَفًا: ٹکڑے۔ واحد کِسْفَۃٌ۔ ہر پھس پھسے اور ہلکے ٹکڑے کو کِسْفٌ کہتے ہیں، جیسے بادل کا ٹکڑا، روئی کا گالا وغیرہ۔

تشریح: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت قائم ہونے کے بارے میں مشرکین و منکرین کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے اس کو محال سمجھا اور آپ کی طرف اشارہ کر کے تمسخر کے طور پر ایک دوسرے کو کہتے کہ ہم تمہیں ایک ایسے آدمی کے بارے میں بتاتے ہیں جو یہ عجیب بات کہتا ہے کہ جب تم مرنے کے بعد گل سڑ کر اور ریزہ ریزہ ہو کر پراگندہ ہو جاؤ گے تو تمہیں پھر نئے سرے سے پیدا کر دیا جائے گا تاکہ تمہیں کفر و انکار کی سزا دی جائے۔ ان بدبختوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو محدود سمجھا اور یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات نہیں کہی ہوگی بلکہ یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹی بات اپنی طرف سے بنائی ہے کہ اس نے ان کو یہ خبر دی ہے یا پھر ان کو کسی قسم کا جنون اور دیوانگی ہے کہ دماغ ٹھکانے نہیں اس لیے دیوانوں کی سی بے تکی باتیں کرتے ہیں (العیاذ باللہ)۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بیشک محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو سچے اور اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ نہ افترا ہے اور نہ ان کو کسی قسم کا جنون بلکہ وہ سب حق اور سچ ہے۔

یہ منکرین ہی جہالت اور بے سمجھی سے کام لے رہے ہیں ۔ اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے ۔ یہ لوگ عقل و دانش اور صدق و صواب کے راستے سے بھٹک کر بہت دور جا پڑے ہیں اور بیہودہ گوئی کر کے اپنے آپ کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا رہے ہیں ۔ اس لیے یہی لوگ آخرت کے عذاب سے دوچار ہوں گے ۔

کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کوئی کمی نظر آ رہی ہے؟ کیا وہ اپنے آگے پیچھے آسمان و زمین کو نہیں دیکھتے جن میں ان کے لیے بڑی بھاری نشانی موجود ہے؟ کیا اتنی بڑی مخلوق کا خالق اور اتنی زبردست قدرت والا ان جیسی چھوٹی سی مخلوق کو فنا کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً وہ اس پر قادر ہے ۔ یہ لوگ اس کے آسمان کے نیچے اور زمین پر رہتے ہوئے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے گستاخانہ کلمات زبان سے نکالتے ہیں ۔ اگر وہ چاہے تو انہیں زمین میں دھنسا کر یا آسمان کا کوئی ٹکڑا ان پر گرا کر ان کو نیست و نابود کر دے اور قیامت کا چھوٹا نمونہ اسی دنیا میں دکھا دے ۔ بلاشبہ آسمان و زمین جیسے مناظر قدرت میں اس بندے کے لیے توحید کی نشانی ہے جو اپنے رب کی جانب رجوع کرنے والا ہے ۔ (عثمانی ۲۷۷،۳۷۳/۲، مواہب الرحمٰن ۱۳۶،۱۳۷/۲۲)

حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت

۱۰۔۱۱: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۚ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی تھی (ہم نے حکم دیا کہ) اے پہاڑو تم اس (داؤد) کے ساتھ خوش آوازی سے تسبیح کرو اور (یہی حکم) پرندوں کو (بھی دیا) اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا کہ تو پوری پوری زرہیں بنا اور (اس کی کڑیاں) مناسب انداز ے سے جوڑ اور نیک عمل کیا کرو ۔ بیشک میں تمہارے اعمال دیکھ رہا ہوں ۔

اَوِّبِیْ: تو رجوع ہو، تو تسبیح دہرا ۔ تَاوِیبٌ سے امر ۔

اَلَنَّا: ہم نے نرم کر دیا ۔ اِلَانَۃٌ سے ماضی ۔

سٰبِغٰتٍ: کشادہ اور پوری زرہیں ، لمبی زرہیں جو آدمی کے پورے جسم کو چھپالیں ۔ سُبُوغٌ سے اسم

فاعل ۔ واحد سَابِغَۃٌ

قَدِّرْ : تو (کڑیوں کو) حساب سے جوڑ، تو اندازے کے ساتھ بنا۔ تَقْدِیْرٌ سے امر۔

سَرْد : کڑیاں جوڑنا، زرہیں بنانا۔ مصدر ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خاص بندے حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے جن کو اللہ نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا فرمائیں اور نبوت و رسالت کے ساتھ ان کو بے مثال سلطنت بھی عطا فرمائی۔ اس کے باوجود وہ منعم حقیقی کے شکر سے غافل نہیں ہوئے۔ اگر کسی وقت غفلت ہوئی بھی تو فوراً توبہ و استغفار کرنے لگ گئے۔ جیسے ارشاد ہے:

فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ۩

سوانہوں نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑے اور (اللہ کی طرف) رجوع ہوئے۔ (ص: ۲۴)

چنانچہ ارشاد ہے بلاشبہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی طرف سے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ ان کو نبوت، آسمانی کتاب (زبور)، بادشاہت، طاقت و قوت اور لاؤ لشکر دیئے، ان کو حسن صوت یعنی خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا کہ دنیا کی کوئی آواز اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ان میں سے ہر نعمت ان کی فضیلت و کرامت اور نبوت کی دلیل کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی بھی دلیل تھی۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثنا کرتے تو اللہ کے حکم سے پہاڑ اور پرندے بھی حقیقتاً حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ آواز میں آواز ملا کر اس کی حمد و ثنا اور وحدانیت کے گیت گانے لگتے تھے۔ یہ تسبیح اور حمد و ثنا حقیقی تھی، زبان حال سے نہ تھی اور نہ ہی صدائے بازگشت تھی، بلکہ یہ داؤد علیہ السلام کا معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ تھا کہ اس کے حکم سے بے عقل مخلوق بھی سمجھ بوجھ والوں کی طرح اس کی مشیت کے موافق عمل کرتی ہے۔ پس جو خدا بے زبان اور بے جان چیزوں کو گویائی عطا کرسکتا ہے وہ مردوں کے بے جان اور بے زبان ذروں کو دوبارہ زندہ کیوں نہیں کرسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک فضیلت یہ بھی عطا فرمائی کہ کسی ظاہری سبب کے بغیر یعنی آگ اور ہتھوڑے وغیرہ کی مدد کے بغیر لوہے کو ان کے لیے موم کی طرح نرم کردیا اور ان کو اس نرم لوہے سے کشادہ زرہیں بنانے کا حکم دیا اور یہ کہ کڑیوں کو مناسب اندازے سے جوڑو کہ وہ نہ

زیادہ ہلکی ہوں اور نہ زیادہ بھاری۔ اور اس کی کڑیاں چھوٹی بڑی بھی نہ ہوں کہ دیکھنے میں بھدی معلوم ہوں۔ ان کی مضبوطی ایسی ہو کہ پہننے والا تیر اور تلوار سے بچ سکے۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ

حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت اللہ تعالیٰ نے خود سکھائی تھی، جیسے ارشاد ہے:

اور ہم نے ان کو زرہ بنانے کی صنعت سکھائی۔ (الانبیاء: ۸۰)

سب سے پہلے حضرت داؤد ہی نے کڑیاں جوڑ کر زرہ بنائی۔ ان سے پہلے کڑیوں کی زرہ کوئی نہیں بناتا تھا۔ اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام اپنی گزر بسر کے لیے بیت المال پر بوجھ بننے کی بجائے اپنے ہاتھ سے زرہیں تیار کر کے فروخت کرتے تھے اور ان کی آمدنی سے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے۔

پھر فرمایا کہ تم سب نیک عمل کرتے رہو میں تمہارے اعمال کو خوب دیکھتا ہوں۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲۶۰۔۲۶۳/ ۷، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵۶۱۔۵۶۳/ ۵)

حضرت سلیمان علیہ السلام کی فضیلت

۱۲۔۱۳: وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۗ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۗ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ۗ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ۗ وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۝

اور ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا کہ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی اور شام کی منزل (بھی) ایک ماہ کی ہوتی تھی (ایک ماہ کی مسافت آدھے دن میں ہوتی تھی) اور ہم نے ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے کتنے ایسے تھے جو اُن کے رب کے حکم سے ان کے سامنے کام کرتے تھے اور ان (جنوں) میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے

سرتابی کرے تو ہم اس کو دوزخ کا عذاب چکھا دیں گے۔ (حضرت)
سلیمان جو کچھ چاہتے وہ (جنات) ان کے لیے بنا دیتے مثلاً قلعے، مجسمے،
حوضوں کے برابر لگن اور ایک ہی جگہ جمی رہنے والی (بڑی بڑی) دیگیں۔
اے داؤد کے گھر والو! تم اس (انعام) کے شکر میں نیک کام کرو اور میرے
بندوں میں شکر کرنے والے بہت کم ہوتے ہیں۔

غُدُوُّھا: اس کی صبح کی سیر، اس کی صبح کی منزل۔

رَوَاحُھَا: اس کی شام کی سیر، اس کی شام کی منزل۔ مصدر ہے۔

اَسَلْنَا: ہم نے بہا دیا۔ اِسَالَۃٌ سے ماضی۔

القِطْرِ: پگھلا ہوا تانبا۔

یَزِغْ: وہ منحرف ہو جائے گا، وہ پھر جائے گا۔ زَیْغٌ سے مضارع۔

السَّعِیْرِ: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنیٰ مفعول۔

مَحَارِیْبَ: محرابیں، مسجد کے در، قلعے۔ واحد مِحْرَابٌ۔

تَمَاثِیْلَ: تصویریں، مجسمے۔ واحد تِمْثَالٌ۔

جِفَانٍ: بڑے پیالے، لگن۔ واحد جَفْنَۃٌ۔

جَوَابِ: بڑے حوض، بڑے تالاب۔ واحد جَابِیَۃٌ۔

قُدُوْرٍ: ہانڈیاں، دیگیں۔ واحد قِدْرٌ۔

رٰسِیٰتٍ: چولہوں پر جمی رہنے والی۔ رَسْوٌ و رُسُوٌّ سے اسم فاعل۔ واحد رَاسِیَۃٌ۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر اپنے فضل و انعام کا ذکر فرمایا تھا۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام پر اپنے فضل و انعام کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے ہوا کو ان کی سیر و سیاحت کے لیے مسخر کر دیا تھا اور ہوا ان کے حکم کے مطابق ان کو لیکر چلتی تھی۔ تخت سلیمانی ہوا کے کاندھوں پر صبح سے دوپہر تک کے وقت میں ایک مہینے کی مسافت طے کر لیتا تھا اور پھر شام سے رات تک مزید ایک مہینے کی مسافت طے کر لیتا تھا۔ اس طرح ایک دن میں دو مہینے کی مسافت طے ہو جاتی تھی۔ یہ ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو عطا کیا گیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اسی طرح یمن میں صنعا کے قریب ہم نے ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا ایک چشمہ جاری کر دیا جو گرم نہ تھا تا کہ وہ آسانی سے اس کو سانچوں میں ڈھال کر اس سے جو چاہیں بنائیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ایک فضیلت یہ بھی عطا فرمائی تھی کہ جنات کو ان کے تابع کر دیا تھا جو ان کے حکم کے مطابق نوکروں کی طرح کام کرتے تھے اور کسی جن کی مجال نہ تھی کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے سرتابی کرے۔

جن حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایسے مطیع و فرمان بردار تھے کہ جو کچھ وہ چاہتے ان سے بنواتے مثلاً قلعے، بڑی بڑی عمارتیں۔ پیتل اور تانبے کی طرح طرح کی مورتیں، تالاب جیسے بڑے بڑے لگن اور بڑی بڑی دیگیں جو اپنی جگہ جمی ہوئی رکھی رہتیں۔ حضرت سلیمان کی شریعت میں مورتیں بنانا جائز تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مورتیں جاندار کی نہ تھیں بلکہ درختوں وغیرہ کی تھیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ نیک لوگوں کی مورتیں تھیں تا کہ ان کو دیکھ کر لوگ آخرت کی تیاری میں زیادہ کوشش کریں۔

اے آل داؤد تم زبان اور عمل دونوں سے میری ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو کیونکہ شکر سے نعمت باقی بھی رہتی ہے اور زیادہ بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات تو سب ہی پر ہوتے ہیں خواہ کسی پر کم ہوں یا کسی پر زیادہ مگر پورے شکر گزار بندے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور ان کے خاندان والوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل اپنے قول و عمل سے اس طرح کی کہ ان کے گھر میں کوئی وقت ایسا نہ گزرتا تھا جس میں گھر کا کوئی فرد اللہ کی عبادت میں نہ لگا ہوا ہو۔ خاندان کے افراد پر عبادت کے اوقات تقسیم کر دیئے گئے تھے اس لیے حضرت داؤد علیہ السلام کا مصلی نماز پڑھنے والوں سے کسی وقت خالی نہ رہتا تھا۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نمازوں میں اللہ کے نزدیک محبوب ترین نماز داؤد علیہ السلام کی ہے۔ وہ نصف رات سوتے تھے پھر ایک تہائی رات عبادت میں کھڑے رہتے تھے۔ پھر آخری چھٹے حصے میں سوتے تھے اور سب روزوں میں محبوب تر اللہ کے نزدیک صیام داؤد علیہ السلام ہیں کہ وہ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔ معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲۶۴۔۲۷۲/۷، ابن کثیر ۵۲۸، ۳/۵۲۹)

حضرت سلیمانؑ کی وفات

۱۴: فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ
الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا
يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿١٤﴾

پھر جب ہم نے سلیمان پر موت کا حکم جاری کیا تو کسی چیز نے بھی ان (جنات) کوان کی موت کی خبر نہ دی سوائے گھن کے ایک کیڑے کے جوان کے عصا کو کھاتا رہا۔ پھر جب سلیمان گر پڑے تب جنوں کو (حقیقت) معلوم ہوئی کہ اگر وہ غیب داں ہوتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔

دَلَّهُمْ: اس نے ان کو خبر دی، اس نے ان کو پتہ بتایا۔ دَلَالَةٌ سے ماضی۔

مِنسَأَتَهُ: اس کا عصا، اس کی لاٹھی۔ نَسْأٌ سے اسم آلہ۔

خَرَّ: وہ گر پڑا، خَرٌّ و خُرُورٌ سے ماضی۔

الْمُهِيْن: ذلیل کرنے والا، اِهَانَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام نے شروع کی تھی اور تکمیل حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمائی۔ تعمیر کا کام جنوں کے سپرد تھا جو ہر وقت سرکشی پر آمادہ رہتے ہیں۔ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خوف سے کام کرتے تھے۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت آیا تو وہ اللہ کے حکم سے اپنی محراب میں داخل ہو گئے جو شفاف شیشے سے بنی ہوئی تھی۔ باہر سے محراب کے اندر کی سب چیزیں نظر آتی تھیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک عصا کا سہارا لے کر عبادت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اسی حالت میں ان کی روح پرواز کر گئی اور جسم عصا کے سہارے اپنی جگہ جما رہا۔ باہر سے دیکھنے والے یہ سمجھتے رہے کہ حضرت سلیمان عبادت میں مشغول ہیں۔ جنات میں بھی یہ مجال نہ تھی کہ قریب آکر دیکھ لیتے۔ وہ حضرت سلیمان کو زندہ سمجھ کر کام میں لگے رہے، یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا اور بیت المقدس کی تعمیر کا بقیہ کام مکمل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دیمک کے کیڑے کو حضرت سلیمان کے عصا پر مسلط کر دیا، جس نے عصا کی لکڑی کو اندر سے کھا کر کمزور کر دیا اور وہ ان کا وزن نہ سہار سکا اس لیے حضرت سلیمان علیہ السلام گر گئے۔ اس وقت جنوں کو ان کی موت کا علم ہوا۔

جنات کو اللہ تعالیٰ نے ایسی قوت عطا فرمائی ہے کہ وہ چند لمحات میں طویل مسافت طے کر لیتے ہیں اور وہ بہت سے ایسے حالات و واقعات سے واقف ہوتے ہیں جن کو انسان نہیں جانتے ۔ اس سے بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو علم غیب حاصل ہے ۔

حضرت سلیمان کی موت کے اس عجیب واقعے نے اس کی قلعی کھول دی اور جنوں اور انسانوں کو پتہ چل گیا کہ جنات کو علم غیب حاصل نہیں ۔ اگر ان کو علم غیب ہوتا تو ان کو ایک سال پہلے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا پتہ چل جاتا اور وہ اس محنت و مشقت سے بچ جاتے، جو وہ سال بھر تک ان کو زندہ سمجھ کر برداشت کرتے رہے ۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲۷۴/ ۷)

قومِ سبا پر اللہ کا انعام

۱۵: لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ۝

البتہ قوم سبا کے لیے ان کی بستی میں انعامات الٰہی کی ایک نشانی تھی ۔ ان کے دائیں اور بائیں دو باغ تھے ۔ اپنے رب کا دیا ہوا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو ۔ (کیا ہی) پاکیزہ شہر اور (کیسا) بخشنے والا رب ہے ۔

تشریح: قوم سبا کے لیے ان کی جائے سکونت میں ہی ہماری قدرت کاملہ کی ایک نشانی موجود تھی ۔ اگر وہ کچھ سمجھ بوجھ رکھتے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت کی یہی نشانی ایمان لانے اور شکر گزار بننے کے لیے کافی تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے قوم سبا پر اپنی نعمتوں اور رزق کے دروازے کھول دیئے تھے اور ان کے شہروں میں آرام و عیش کے تمام اسباب مہیا کر دیئے تھے ۔ ان کے شہر کے دائیں اور بائیں طرف دور تک باغ تھے ۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کے دو باغ تھے ایک اس کی جائے سکونت کے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ۔ ان کا شہر نہایت پاکیزہ، زمین زرخیز اور پھلوں کی کثرت تھی ۔ پھر رب غفور کہہ کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ تم اعمال صالحہ اور احکام الٰہی پر عمل کے ساتھ ساتھ اللہ کی ان نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے رہو ۔ اگر بہ تقاضائے بشریت شکر میں کچھ کوتاہی یا کمی ہو گئی تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے ۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر سخت گرفت نہیں فرماتا بلکہ وہ اپنی مہربانی سے

ان کو معاف فرما دیتا ہے۔

سدی اور مقاتل نے بیان کیا کہ اگر کوئی عورت سر پر ٹوکرا رکھ کر باغ کی قطاروں کی طرف سے گزرتی تھی تو درختوں سے خود بخود ٹوٹ کر گرنے والے پھلوں سے اس کا ٹوکرا بھر جاتا تھا۔ ہاتھ سے پھل توڑنے کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

سبا کے لوگ پہاڑوں اور وادیوں میں مناسب جگہوں پر بڑے بڑے بند باندھ کر پانی روک لیتے تھے اور پھر ضرورت کے مطابق اس کو زراعت کے کام میں استعمال کرتے تھے۔ انہوں نے ایسے سیکڑوں بند بنا رکھے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور سد مآرب ہے جو ان کے دارالحکومت مآرب میں واقع تھا۔ مآرب شہر کے جنوب میں دائیں اور بائیں دو پہاڑ ہیں۔ سبا کے لوگوں نے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان میں تقریباً ۱۵۰ فٹ لمبی اور پچاس فٹ چوڑی ایک دیوار بنا کر بند باندھا تھا۔ اس دیوار کا ایک تہائی حصہ اب بھی باقی ہے۔ اس دیوار (سد) میں اوپر نیچے بہت سی کھڑکیاں تھیں جو حسب ضرورت پانی کے لیے کھولی اور بند کی جا سکتی تھیں۔ پہلے اوپر کی کھڑکی کھول کر اس سے پانی لیا جاتا تھا۔ جب اوپر کا پانی ختم ہو جاتا تو اوپر والی کھڑکی سے نیچے والی کھڑکی کھول کر پانی لیا جاتا تھا، جب اس کا پانی بھی ختم ہو جاتا تو اس سے نیچے والی کھڑکی کھول لی جاتی تھی۔ اسی طرح سب سے آخر میں سب سے نیچے والی کھڑکی کھول کر پانی لیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ دوسرے سال کی بارشوں کا زمانہ آ کر پانی اوپر تک بھر جاتا۔ اس نظام آب رسانی سے سیکڑوں میل تک باغ ہی باغ تھے جن میں انواع واقسام کے پھل، میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ جنتن عن یمین و شمال میں اسی طرف اشارہ ہے۔ (عثمانی ۶،۳۷۵/۲/۳۷۷، معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲۷۹۔۲۸۲/۷)

قوم سبا کی بربادی

۱۶۔۱۷: فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝

لیکن انہوں نے (ان نعمتوں سے) روگردانی کی تو ہم نے ان پر ایک زور دار سیلاب چھوڑ دیا اور ہم نے ان کے دونوں (ہرے بھرے) باغوں کے

بدلے میں دو ایسے باغ دے دیئے جن میں بدمزہ اور جھاؤ کے درخت تھے
اور تھوڑے سے بیری کے درخت تھے ۔ یہ ہم نے ان کو ان کی ناشکری کا بدلہ
دیا اور ہم ایسا بدلہ ناشکروں ہی کو دیا کرتے ہیں ۔

العرم: تیز و تند، زور دار، سخت ۔ عرامۃ و غرام سے صفت مشبہ ۔

خمط: بدمزہ، کڑوا، کسیلا ۔

اثل: جھاؤ کا درخت ۔ جمع اثال ۔

سدر: بیری کے درخت ۔ واحد سدرۃ ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم نعمتوں اور انبیا علیہم السلام کی تنبیہات کے باوجود سبا کے لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام سے روگردانی کرتے رہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر پانی کا عذاب بھیج دیا جس کو سیل عرم کہتے ہیں ۔ قہر خداوندی سے بند ٹوٹ گیا، شہر تباہ ہو گیا، تمام مکانات منہدم ہو گئے اور وہ تمام باغ برباد ہو گئے جو پہلے اسی پانی سے سیراب ہوتے تھے ۔ بہت سے لوگ سیلاب کی نذر ہو گئے اور باقی دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئے ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے قیمتی پھلوں اور میووں کے درختوں کے بدلے میں وہاں جھاؤ، پیلو، تھوڑی سی جنگلی بیری اور جھاڑ جھنکاڑ اگا دیئے جو خاردار تھے اور ان کے پھل ایسے بدمزہ تھے کہ ان کا کھانا ممکن نہ تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ناشکری کی بنا پر ان سے اپنی نعمت چھین لی اور ان پریشانیوں میں مبتلا کر دیا کیونکہ کفر و شرک سے بڑھ کر کوئی ناشکری نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ایسی سزا بڑے ناشکروں ہی کو دیتا ہے ۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲۸۱ ۔ ۲۸۴/ ۷، عثمانی ۲۷۶، ۲۷۷/ ۲) ۔

قوم سبا کی حماقت

۱۸ ۔ ۱۹: وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا قُرًى
ظَاهِرَةً وَقَدَّرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سِيرُوا فِيهَا لَيَالِيَ وَأَيَّامًا
آمِنِينَ ۝ فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ
فَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝

اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی چند ایسی بستیاں بسا رکھی تھیں جو (مسافروں کو دور سے) نظر آتی تھیں اور ہم نے ان میں آنے جانے کی منزلیں مقرر کر دی تھیں کہ تم ان میں راتوں اور دنوں کو امن کے ساتھ چلتے پھرتے رہو۔ سو وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفروں کو دراز کر دے اور (یہ دعا کر کے) انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا تھا تو ہم نے بھی ان کو افسانہ بنا دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے۔ بے شک اس (واقعے) میں ہر صبر (اور) شکر کرنے والے کے لیے (عبرت کی) بڑی نشانیاں ہیں۔

بٰعِدْ: تو دور کر دے، تو دراز کر دے۔ مُبَاعَدَۃٌ سے امر۔

اَسْفَارِنَا: ہمارے سفر۔ واحد سَفَرٌ۔

مَزَّقْنٰهُمْ: ہم نے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا، ہم نے ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تَمْزِیْقٌ سے ماضی۔

تشریح: ہم نے اہل سبا اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی، ایسی بستیاں آباد کر دی تھیں جو سر راہ ہونے کی بنا پر نظر آتی تھیں۔ یہاں برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اہل سبا کے لیے ان کے ملک سے شام تک کا طویل سفر نہایت مامون و محفوظ تھا، چوروں وغیرہ کا کوئی خوف نہ تھا خواہ دن کو سفر کریں یا رات کو۔ راستے کے کنارے کنارے اس انداز اور تناسب سے بستیاں آباد تھیں کہ سفر کرنے والے کو ہر منزل پر کھانا پانی اور آرام کا موقع ملتا تھا۔ آبادیوں کے قریب قریب ہونے اور جلد جلد نظر آنے سے مسافر کا دل نہیں گھبراتا تھا۔ ان نعمتوں اور راحتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کرتے اور اس کے احکام بجالاتے، مگر ان کو یہ عیش و آرام اور انعام و راحت راس نہ آیا اور کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار! بستیاں اور آبادیاں قریب قریب ہونے سے سفر کا مزہ نہیں آتا اس لیے تو ہمارے سفر کی منزلوں میں دوری اور فاصلہ پیدا کر دے تاکہ ہمیں بھوک پیاس ستائے اور ہم سفر سے لطف اندوز ہوں۔ یہ درخواست کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

پھر ہم نے اہل سبا کو لوگوں کے لیے قصے کہانیاں بنا دیا اور ہم نے ان کو بالکل پارہ پارہ کر دیا اور ان کی آبادیوں کا نام و نشان نہ رہا۔ ان کے اکثر خاندان ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور ان کا عظیم

الشان تمدن اور شان وشوکت سب خاک میں مل گئی۔ اب ان کے صرف قصے اور کہانیاں باقی رہ گئیں کہ لوگ ان کو پڑھ کر اور سن کر ان سے عبرت حاصل کریں۔ بلاشبہ اس واقعے میں صبر وشکر کرنے والوں کے لیے بہت سی عبرتیں اور نشانیاں ہیں کہ اللہ جب چاہتا ہے نعمت و راحت کو ذلت و مصیبت سے بدل دیتا ہے اور عافیت کو ہٹا کر آفت کو لے آتا ہے اس لیے فراخی اور عیش میں اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرنا چاہئے اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور تنگی و مصیبت میں صبر وتحمل کے ساتھ اس سے مدد مانگنی چاہئے۔ (عثمانی ۲/۳۷۷، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۵٦۸)

بنی آدم کے بارے میں شیطانی گمان

۲۰۔۲۱: وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝

اور واقعی ابلیس نے ان (ناشکرے لوگوں کے بارے میں) اپنا خیال سچ کر دکھایا۔ سو تھوڑے سے مومنوں کے سوا سب اس کے پیچھے ہو لئے۔ اور ابلیس کا ان پر کچھ زور نہ تھا سوائے اس کے کہ ہم ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے تھے ان لوگوں سے جدا کرلیں جو آخرت کی طرف سے شک میں ہیں اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا رب ہر شئے پر نگہبان ہے۔

تشریح: قوم سبا کے قصے کے بعد شیطان اور اس کی اتباع کرنے والوں کا بیان ہے۔ جب شیطان بارگاہ خداوندی سے مردود ہوا تھا تو اس وقت اس نے کہا تھا کہ میں بنی آدم کو بہکانے اور ورغلانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا۔ اس کا گمان تھا کہ وہ بنی آدم میں غصہ اور شہوت کو بھڑکا کر ان پر قابو پالے گا۔ دنیا میں آنے کے بعد اس نے اپنا یہ گمان سچ پایا کیونکہ لوگوں کی اکثریت اس کی پیروی میں لگ گئی۔ صرف مومنوں کا گروہ اس کی پیروی سے بچا رہا۔

جن لوگوں کے بارے میں شیطان کا گمان سچ ثابت ہوا اُن پر بھی اس کا کچھ زور نہ تھا اور نہ اس نے ان کو کفر وشرک پر مجبور کیا تھا بلکہ اس نے تو محض ان کے دل میں وسوسہ ڈالا تھا اور ظاہری

اعتبار سے ان کے اعمال بد کو ان کی نظر میں خوبصورت کر کے دکھایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی قدرت اس لیے دی تھی تا کہ اس سے لوگوں کا امتحان اور آزمائش ہو جائے اور پتہ چل جائے کہ واضح اور روشن دلائل اور قوت وقدرت کے بعد کون ایمان کو اختیار کرتا ہے اور کون کفر و انکار پر قائم رہتا ہے۔ مومن و کافر غرض سب اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں وہ کسی کی طرف سے بھی غافل نہیں۔ اس لیے وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے موافق بدلہ دے گا۔

مشرکین کی جہالت

۲۲-۲۳: قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ۝ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝

آپ (ان کفار سے) کہہ دیجئے کہ تم اللہ کے سوا جن کو (اپنا معبود) گمان کرتے ہو ان کو پکارو۔ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ ان کی ان (آسمانوں اور زمین) میں شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مدد گار ہے اور اللہ کے پاس (کسی کی) سفارش کام نہیں آتی سوائے اس کے جس کو وہ خود (سفارش کے لیے) اجازت دیدے، یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ (فرشتے ایک دوسرے سے) پوچھتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ (اس وقت مقرب فرشتے) کہتے ہیں کہ وہی فرمایا جو حق ہے اور وہ بڑی شان والا اور سب سے بڑا ہے۔

ظَهِيْر　پشت پناہی کرنے والا، مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفت مشبہ۔

فُزِّعَ　گھبراہٹ دور کرنا، خوف دور کرنا، ہوش میں آنا۔ تفزیعٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: ان آیتوں میں مشرکین کی جہالت و نادانی کا بیان ہے کہ جن بتوں میں ذرا سی بھی قوت و قدرت نہیں اور جو ان کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے یہ کج فہم انہی کو معبود اور منعم حقیقی کا شریک ٹھہرائے

ہوئے ہیں، جن بتوں کو یہ لوگ معبود گمان کئے ہوئے ہیں وہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی کسی چیز کے ذرہ برابر بھی مالک نہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝

اورتم اللہ کے سوا جن (باطل معبودوں) کو پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں۔ (فاطر:۱۳)

ظاہر ہے جب وہ کسی چیز کے مالک ہی نہیں تو ان میں الوہیت کہاں سے آگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے خیالی اور فرضی معبودوں میں سے نہ تو کوئی آسمان وزمین کی تخلیق وتدبیر میں اللہ تعالیٰ کا شریک ہے اور نہ کوئی اس کا مددگار ہے اور نہ اللہ کو کسی کام میں ان کی مدد کی ضرورت، سوایسے بے بس اور لاچار معبود کس کام کے؟

اگر مشرکین یہ گمان رکھتے ہیں کہ ان کے معبود کسی چیز کے مالک نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے اور ان کی سفارش سے ان کو نفع پہنچے گا تو ان کا یہ گمان بھی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تو وہ ہے جہاں بڑے بڑے مقربین بھی اللہ تعالیٰ کی رضا اور اجازت کے بغیر کسی کے بارے میں سفارش کا ایک حرف بھی زبان پر نہیں لاسکتے۔ وہاں صرف وہی سفارش کرسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کی اجازت دے۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر وہاں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ

کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کسی کی شفاعت کرسکے۔ (البقرۃ:۲۵۵)

اور ارشاد ہے۔

وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى

اور وہ صرف ان کی شفاعت کرسکتے ہیں جن کے لیے اس کی رضامندی ہو۔ (الانبیاء:۲۸)

سو مشرکین جن معبودوں کو هــؤلاء شفعاؤنا عند الله کہتے ہیں، قیامت کے روز وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئیں گے، کیونکہ وہ بے جان اور ہر طرح سے عاجز و بے بس ہیں۔ وہ تو اس قابل ہی

نہیں کہ ان کو شفاعت کی اجازت دی جائے۔

پھر فرمایا کہ جب اوپر سے اللہ کا حکم اترتا ہے تو وہ فرشتے بھی جو ہر وقت بارگاہ الٰہی میں حاضر رہتے ہیں، دہشت، خوف اور رعب سے کانپ اٹھتے ہیں اور تسبیح و تمجید کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ جب یہ حالت دور ہو جاتی ہے تو ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ کیا حکم ہوا۔ پھر اوپر والے فرشتے نیچے والوں کو بتاتے ہیں کہ فلاں حکم ارشاد فرمایا۔

بخاری، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کوئی حکم جاری فرماتا ہے تو فرشتے عاجزی سے اپنے پر پھڑ پھڑاتے ہیں (اس کی آواز ایسی ہوتی ہے) جیسے پتھر کی چٹان پر کوئی زنجیر ماری جائے۔ پھر جب ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے تو وہ آپس میں پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ دوسرے فرشتے کہتے ہیں کہ حق فرمایا وہ بلند مرتبہ اور سب سے بڑا ہے۔ (روح المعانی ۲۲/۱۳۸)

بعض مفسرین نے آیت کی یہ تفسیر بیان فرمائی ہے کہ اس روز سب خوفزدہ اور گھبرائے ہوئے ہوں گے اور اللہ کے حکم کے منتظر ہوں گے۔ پھر ان کے دلوں سے گھبراہٹ اور پریشانی دور کر دی جائے گی اور وہ اپنی اصلی حالت پر آجائیں گے تو ایک دوسرے سے پوچھیں گے کہ شفاعت کے بارے میں اللہ نے کیا حکم دیا ہے۔ اس وقت ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کہیں گے کہ صرف اہل ایمان کے لیے شفاعت کی اجازت ہوئی ہے۔ کافروں کے لیے اجازت نہیں ہوئی اس لیے ہم کافروں اور مشرکوں کی شفاعت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فرشتوں کی شفاعت سے بھی ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہی سب سے بلند مرتبہ اور بزرگی والا ہے۔ اس کی عظمت و ہیبت کی کوئی انتہا نہیں۔ قیامت کے روز کوئی مقرب فرشتہ یا نبی اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ عالی میں کسی کی شفاعت تو کیا لب کشائی بھی نہ کر سکے گا۔

(عثمانی ۳۷۸، ۲/۳۷۹ معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۵۷۱،۵۷۰)

حقیقی رازق

۲۴۔۲۷: قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قُلْ لَّا تُسْـَٔــلُوْنَ

عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۞ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ۞ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

آپ ان (مشرکین) سے پوچھیے کہ آسمانوں اور زمین سے ان کو رزق کون دیتا ہے؟ آپ (ہی ان کو) بتا دیجئے کہ اللہ! اور ہم یا تم میں سے ایک ضرور راہ راست پر ہے یا صریح گمراہی میں۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہمارے گناہوں کے بارے میں تم سے باز پرس نہ ہوگی اور نہ تمہارے اعمال کے بارے میں ہم سے دریافت کیا جائے گا۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا۔ پھر وہ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا صاحب علم ہے۔ آپ ان سے کہئے کہ تم مجھے دکھاؤ تو سہی جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہرا کر اس سے ملاتے ہو۔ ہرگز (اس کا کوئی شریک) نہیں بلکہ وہی اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

تشریح: جس طرح مشرکین و منکرین اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں سے بارش برساتا ہے اور اس کے ذریعے زمینوں سے اناج اُگاتا ہے، اسی طرح انہیں یہ بھی تسلیم کر لینا چاہئے کہ عبادت کے لائق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کو بتا دیجئے کہ مسئلہ توحید میں ہم اور تم دونوں میں سے ایک گروہ یقیناً راست پر ہے اور دوسرا کھلی گمراہی میں یعنی یا تو اہل توحید راہ راست پر ہیں اور اہل شرک گمراہی میں یا اہل توحید گمراہی میں اور اہل شرک راہ راست پر ہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ دونوں گروہ گمراہ ہوں یا دونوں راہ راست پر ہوں۔ چونکہ توحید کا حق ہونا روز روشن کی طرح واضح ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رزاق نہیں، تنہا وہی سب کو رزق دیتا ہے اس لیے اہل توحید کا ہدایت پر ہونا یقینی ہے۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ چونکہ شرک کا باطل ہونا اور مشرک کا مجرم ہونا ثابت ہو گیا ہے اس لیے قیامت کے روز تم سے ہمارے اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا اور ہم سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا۔ اس روز اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سب کو جمع کر کے ہمارے اور تمہارے درمیان

حق کے ساتھ فیصلہ فرما دے گا۔ نیکوں کو ان کے اعمال کے مطابق جزا اور بدوں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا۔ وہی ٹھیک ٹھیک فیصلے کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس دن تمہیں ہماری صداقت وحقانیت معلوم ہو جائے گی۔

تم اپنے ان معبودوں کو جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، مجھے بھی تو دکھاؤ تاکہ میں دیکھ لوں کہ وہ کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں یا نہیں یا وہ کسی کو نفع یا ضرر پہنچا سکتے ہیں یا کسی کو روزی دے سکتے ہیں؟ جب ان اوصاف میں سے کوئی وصف ان کے اندر نہیں تو ان کو خدا کہنا یا اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا جائز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے، وہی عزت وحکمت والا ہے۔ اس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ (ابن کثیر ۵۳۸/۳، مظہری ۲۸، ۸/۲۹)

اثبات رسالت وقیامت

۲۸۔۳۰ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور (اعمال بد سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور یہ (گستاخ) لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا؟ (بتاؤ) اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ ان کے لیے ایک خاص دن کا وعدہ ہے جس سے یہ نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

كَافَّةً: سب، تمام۔ اسم جمع کے معنی میں آتا ہے۔

مِيْعَادُ: وعدہ، وعدے کا وقت۔ جمع مواعیدُ۔

تشریح: گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی رزاقیت کا بیان تھا۔ ان آیتوں میں رسالت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اثبات اور منکرین قیامت کا رد مذکور ہے کہ آپ سے پہلے جو انبیائے کرام بھیجے گئے تھے وہ خاص خاص قوموں اور خاص خاص مقامات کی طرف مبعوث ہوئے تھے

اس کے برعکس آپ کی بعثت صرف اہل عرب یا کسی ایک قوم کے لیے مخصوص نہیں بلکہ آپ کو تمام عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

(الاعراف:۱۵۸)

اور ارشاد ہے:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ①

بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہانوں کو خبردار کردے۔ (الفرقان:۱)

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلا رکھی ہو۔ جب چاروں طرف آگ کی روشنی پھیل گئی ہو تو پتنگے اور کیڑے مکوڑے اس میں گرنے لگے ہوں۔ وہ شخص کتنا ہی ان کو آگ میں گرنے سے روکتا ہو مگر پتنگے زبردستی اس میں گر رہے ہوں۔ میں بھی اسی طرح پیچھے سے تمہاری کمر پکڑ کر تمہیں آگ میں داخل ہونے سے روک رہا ہوں مگر تم آگ میں گرے جا رہے ہو۔

(مظہری:۸/۳۰)

پھر فرمایا کہ اکثر لوگ جانوروں کی طرح بے عقل و بے سمجھ ہیں۔ وہ ثواب و عذاب کو نہیں سمجھتے۔ ان کی جہالت کا یہ حال ہے کہ وہ آپ سے جزا و سزا اور قیامت کا ذکر سن کر تمسخر کے طور پر کہتے ہیں کہ یہ ثواب و عذاب یا قیامت کا وعدہ کب پورا ہوگا۔ اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہمیں قیامت کا ٹھیک ٹھیک وقت بتائیے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم سے ایک خاص دن کا پختہ وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے تحت قیامت کا مقررہ وقت مخلوق سے پوشیدہ رکھا ہے۔ جب وہ مقررہ وقت آجائے گا تو اس میں ایک لمحے کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوگی بعض علماء کے نزدیک آیت میں موت کا وقت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہ اس کی موت کا وقت بتایا ہے اور نہ قیامت کا۔ اس نے کسی حکمت کے تحت دونوں کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔

کافروں کی سرکشی اور ہٹ دھرمی

۳۱۔۳۳: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ
يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضِۨ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ
اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ
بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا
بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ
اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ
فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس سے پہلی کتابوں پر اور کاش آپ ان ظالموں کو اس وقت دیکھتے کہ جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوئے ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے۔ جو لوگ (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے وہ تکبر کرنے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے (تمہیں نے ہمیں بہکایا اور اس انجام کو پہنچایا)۔ متکبرین کمزوروں کو جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس ہدایت آ جانے کے بعد ہم نے تمہیں اس سے روکا تھا (نہیں) بلکہ تم خود ہی مجرم تھے اور کمزور لوگ (جواب میں) متکبرین سے کہیں گے کہ تمہاری دن رات کی فریب کاریوں نے ہی (ہمیں حق تسلیم کرنے سے روکا تھا) جبکہ تم ہمیں اللہ کا انکار کرنے اور اس کے لیے شریک بنانے کا حکم دیا کرتے تھے اور عذاب کو دیکھتے ہی وہ اپنی پشیمانی کو (ایک دوسرے سے) چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے۔ جو کچھ وہ (دنیا میں) کیا کرتے تھے اسی کا بدلہ پائیں گے۔

صَدَدْنٰکُمْ : ہم نے تم کو روکا، ہم نے تم کو بند کیا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

انداداً : شریک، ہم سفر، مقابل۔ واحد نِدٌّ۔

الاَغْلٰل : طوق، ہتھکڑیاں۔ واحد غلٌّ۔

اَعْنَاقِ : گردنیں۔ واحد عُنُقٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں کافروں کی سرکشی، ضد اور عناد کا بیان ہے کہ انہوں نے طے کرلیا ہے کہ قرآن چونکہ آخرت اور قیامت کی باتیں کرتا ہے اس لیے وہ کسی صورت اس پر ایمان نہیں لائیں گے خواہ وہ اس کی حقانیت کی ہزار دلیلیں ہی کیوں نہ دیکھ لیں۔ وہ ان کتابوں پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جو اس قرآن سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ کیونکہ ان میں جنت و دوزخ اور آخرت کے حساب و کتاب کا ذکر ہے۔ ان کی یہ ساری ضد اور ہٹ دھرمی اس دنیا ہی میں ہے۔ قیامت کے روز یہ سب ختم ہو جائیں گی۔ کاش آپ ان کی اس حالت کو دیکھتے جب قیامت کے روز ان کو حساب کے لیے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اس وقت ان پر سخت خوف طاری ہوگا۔ وہ ایک دوسرے کو الزام دیں گے اور چھوٹے بڑوں کو کہیں گے کہ اگر تم ہمیں نہ روکتے تو ہم ضرور ایمان لے آئے ہوتے۔

اس پر بڑے لوگ چھوٹوں کو جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے سے زبردستی روک دیا تھا۔ ہم نے تو ایک بات کہی تھی اور تم جانتے تھے کہ ہماری بات بے دلیل تھی جبکہ دوسری طرف تمہاری آنکھوں کے سامنے ہدایت کے ساتھ ساتھ دلیلوں کی بھی بھرمار تھی۔ پھر تم نے ہدایت کو چھوڑ کر ہماری بات کیوں مانی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا بلکہ محض بہکایا اور پھسلایا تھا۔ تم تو اپنے اختیار سے حق کو ٹھکرا کر مجرم بنے ہو۔ اب اس کا الزام ہمیں کیوں دیتے ہو۔

اس کے جواب میں کمزور اور چھوٹے لوگ اپنے سرداروں اور بڑوں سے کہیں گے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ تم نے ہم پر زبردستی کی تھی۔ بلکہ تمہاری ہی مکاریوں، چالاکیوں اور فریب کاریوں نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا۔ تم دن رات ہمیں یہ حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو نہ مانیں، اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرائیں اور باپ دادا کے دین پر قائم رہیں۔ دنیا ہمیشہ اسی طرح رہے گی۔ سب مر کر خاک ہو جائیں گے اور کوئی ثواب اور عذاب نہ ہوگا۔ تمہاری ان ہی باتوں نے ہمیں ایمان لانے سے باز رکھا۔ اس گفتگو کے بعد عذاب کو دیکھ کر دونوں گروہ دل ہی دل میں پشیمان ہوں گے اور اپنی

پشیمانی کو ایک دوسرے سے چھپائیں گے ۔ پھر ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے جائیں گے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق سزا ملے گی ۔ گمراہ کرنے والوں کو بھی اور گمراہ ہونے والوں کو بھی پورا پورا عذاب ہوگا ۔ (ابن کثیر ۵۳۹، ۵۴۰ :۳)

مال واولاد پر بھروسہ

۳۴-۳۶: وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا، وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ جو کچھ تم لے کر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے ۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہم مال واولاد میں تم سے زیادہ ہیں (اس لیے آخرت میں بھی) ہمیں عذاب نہیں ہوگا ۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے روزی کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ (یہ بات) نہیں جانتے ۔

مُتْرَفُوْهَا: اس (بستی) کے دولت مند، اس کے خوشحال ۔ اِتْرَاف سے اسم مفعول ۔

یَبْسُطُ: وہ کشادہ کرتا ہے، وہ پھیلاتا ہے ۔ بَسْطٌ سے مضارع ۔

یَقْدِرُ: وہ (رزق) تنگ کرتا ہے، وہ کم کرتا ہے ۔ قَدْرٌ سے مضارع ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ روسائے مکہ کی سرکشی اور انحراف سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں ۔ ہر زمانے میں پیغمبروں کی تعلیمات سے ایسے ہی لوگوں نے انحراف کیا ہے ۔ یہ لوگ دولت واقتدار کے نشے میں اندھے ہوتے ہیں اور چھوٹے آدمیوں کے برابر بیٹھنا گوارا نہیں کرتے ۔ اسی لیے ابتدا میں انبیا علیہم السلام کے متبعین عموماً ضعیف ومسکین لوگ ہوتے ہیں ۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ ہم نے جس بستی میں بھی اپنا رسول بھیجا وہاں کے سرکش لوگ کہنے لگے کہ تم جو پیغام لیکر آئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مال واولاد اور عزت ووجاہت دی ہے جو

اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اللہ کے مقبول بندے ہیں اور اس کے نزدیک بڑے مرتبے والے ہیں جب وہ ہم پر یہاں مہربان ہے تو آخرت میں بھی مہربان ہی رہے گا۔ اس لیے ہمیں عذاب کا اندیشہ نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے گناہ گار لوگ سردار بنادیئے، تاکہ وہ وہاں مکر وفریب کریں۔ (الانعام:۱۲۳)

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝

اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو کوئی حکم دیتے ہیں۔ پھر جب وہ نہیں مانتے تب ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے اور ہم انہیں ہلاک کردیتے ہیں۔ (بنی اسرائیل:۱۶)

پھر فرمایا کہ آپ ان کو بتادیجئے کہ اللہ تعالیٰ جس کا رزق کشادہ کرنا چاہتا ہے، اس کا رزق کشادہ کردیتا ہے اور جس کا رزق تنگ کرنا چاہتا ہے تو تنگ کردیتا ہے۔ دنیا میں تو وہ اپنے تابعداروں اور نافرمانوں سب کو دیتا ہے۔ اس لیے کسی کا غنی یا فقیر ہونا اس کی رضامندی اور ناراضی کی دلیل نہیں بلکہ یہ اس کی مشیت اور حکمت کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

(ابن کثیر ۵۴۱،۵۴۰/۳، عثمانی ۲/۳۸۲)

اعمال کا دوہرا اجر

۳۷۔۳۹: وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۡ فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَزَاۗءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ

اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾

اور تمہارے مال اور اولاد ایسے نہیں جو تمہیں درجے میں ہمارا مقرب بنادے ہاں مگر جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے۔ سو ایسے ہی لوگوں کے لیے ان کے اعمال کا دوہرا اجر ہے اور وہی جنت کے بالا خانوں میں اطمینان سے بیٹھے ہوں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں وہی عذاب میں گرفتار کر کے حاضر کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اور جو کچھ تم (اس کی راہ میں) خرچ کرتے ہو وہ اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

زُلْفٰی : درجہ، مرتبہ، نزدیکی۔ مصدر ہے۔

الغُرُفٰتِ: بالا خانے، اونچے مکان۔ واحد غُرْفَة۔

يُخْلِفُهٗ : وہ اس کا بدلہ دے گا، وہ اس کی وعدہ خلافی کرتا۔ اِخلاف سے مضارع۔

تشریح: دنیا میں مال و اولاد اور عزت و جان کی کمی بیشی اللہ کے نزدیک مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں بلکہ وہ اپنی مشیت و حکمت کے تحت دنیا میں جس کو چاہتا ہے مال و اولاد فراوانی کے ساتھ دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ مال و اولاد کی کثرت و بہتات کو اللہ کے نزدیک مقبولیت کی دلیل سمجھنا شیطانی دھوکہ اور فریب ہے اللہ کے نزدیک مقبولیت کا مدار صرف ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ جس کو یہ حاصل نہیں مال و اولاد کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ اس کو اللہ کے نزدیک مقبول نہیں بنا سکتا۔

جیسے ارشاد ہے:

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿٥٥﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

کیا یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے مال اور اولاد کو بڑھا رہے ہیں۔ ہم ان کے لیے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں نہیں۔ ۱

(المؤمنون ۵۵، ۵٦)

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ

لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

سوان کے مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں ۔ بیشک اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے ان کو دنیاوی زندگی میں عذاب میں مبتلا رکھے اور ان کی جانیں کفر کی حالت میں نکلیں ۔ (التوبہ: ۵۵)

جو لوگ حالت ایمان میں عمل صالح کرتے ہیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس دوہرا اجر ہے اور وہ جنت کے بالا خانوں میں بے خوف و خطر اور امن و سکون سے بیٹھیں گے ۔ وہاں ان کو نہ کسی عذاب کا خوف ہوگا اور نہ نعمت زائل ہونے کا ڈر ۔ جو لوگ ہماری آیتوں کے ابطال اور ہمارے پیغمبر کو نیچا دکھانے اور عاجز کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کو دائمی عذاب ہوگا ۔ ان کا مال و اولاد ان کو ہمارے عذاب سے نہ بچا سکیں گے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ ان کو بتا دیجئے کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے ۔ تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اپنے خزانے سے تمہیں اس کا بدل دے دے گا خواہ دنیا میں دے یا آخرت میں یا دونوں جگہ دے دے اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے ۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۲۹۹۔۳۰۲/ ۷)

کفر و شرک کا انجام

۴۰۔۴۲: وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰٓؤُلَآءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا ۔ پھر فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کیا کرتے تھے ۔؟ وہ (فرشتے) کہیں گے کہ تو پاک ہے ۔ تو ہی ہمارا ولی ہے نہ کہ یہ بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے ۔ ان میں

سے اکثر انہیں پر ایمان رکھتے تھے۔ سو آج تم میں سے نہ کوئی کسی کو نفع پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نقصان (پہنچانے کا) اور ہم کافروں سے کہیں گے کہ (آج) تم اس آگ کے عذاب کا مزہ چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے۔

تشریح: قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان سب منکرین و مشرکین کو جمع کر کے فرشتوں سے پوچھے گا کہ کیا یہ کافر تمہاری رضامندی سے تمہاری عبادت کیا کرتے تھے۔ فرشتے جواب میں عرض کریں گے کہ اے اللہ! تو اس سے پاک ہے کہ تیرے سوا کسی کو معبود بنایا جائے تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ یہ لوگ نہ ہمارے کارساز ہیں اور نہ ہمارا ان سے کوئی تعلق ہے۔ یہ لوگ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ حقیقت میں یہ شیاطین کی عبادت کرتے تھے اور وہی ان کو اس کی ترغیب دیتے تھے، ان میں سے اکثر لوگ ان شیاطین ہی کے معتقد تھے اور ان ہی کے کہنے پر چلتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج کے دن کسی کو کسی نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں۔ نہ کوئی باطل معبود اپنی پرستش کرنے والوں کو کسی قسم کا نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ کسی سے ضرر دور کرنے کی طاقت۔ ہم ظالم کافروں سے کہیں گے کہ جس دوزخ کے عذاب کی تم تکذیب کرتے تھے اور اس کو جھوٹا جانتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔ بلاشبہ یہ لوگ اس عذاب کے مستحق ہیں کیونکہ یہ دنیا میں ہمارے پیغمبروں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

قرآن اور رسول کی تکذیب

۴۳۔۴۵: وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا رَجُلٌ يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ ۚ وَقَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُفْتَرًى ۚ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٤٣﴾ وَمَا آتَيْنَاهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿٤٤﴾ وَكَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَاهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٥﴾

اور جب ان کے سامنے ہماری صاف صاف آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ شخص تو تمہیں ان چیزوں سے روک دینا چاہتا ہے جن کی تمہارے

باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور (وہ یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) محض گھڑا ہوا بہتان ہے اور کافر حق پہنچنے کے بعد بھی یہی کہتے رہے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ اور (اس سے پہلے) ہم نے ان (اہل مکہ) کو کتابیں نہیں دیں، جن کو یہ پڑھتے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ہم نے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا بھیجا۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ہماری باتوں کی تکذیب کی اور جو کچھ ہم نے ان کو دے رکھا تھا یہ (مشرکین مکہ) تو اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔ پھر (جب) انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا (ہولناک) ہوا۔

یَصُدَّکُمْ: وہ تم کو روکتا ہے، وہ تم کو منع کرتا ہے۔

اِفْکٌ: بڑا جھوٹ، بڑا بہتان۔

نَکِیْرِ: میرا عذاب، بدل ڈالنا۔

تشریح: یہاں کافروں کی اس سرکشی اور شرارت کا بیان ہے جس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کے عذابوں کے مستحق ہوئے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ مشرکین مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہماری واضح اور کھلی کھلی آیتیں سنتے تو ان پر ایمان لانے اور قبول کرنے کی بجائے یہ کہتے کہ یہ شخص جو تمہیں قرآن پڑھ کر سناتا ہے یہ تو تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں ان چیزوں کی عبادت سے روک دے جن کو تمہارے باپ دادا قدیم زمانے سے پوجتے چلے آئے ہیں۔ یہ تم سے اپنے باطل خیالات کی اتباع کرانا چاہتا ہے اور جو قرآن یہ پڑھتا ہے وہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ اس نے اپنی طرف سے بنا کر اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی ہے۔ یہ تو کھلا جھوٹ ہے اور اس کا جادو ہونا بالکل ظاہر ہے۔

اس سے پہلے ہم نے ان مشرکین کی طرف کوئی کتاب نہیں بھیجی جس کو یہ پڑھتے ہوں اور نہ آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی رسول آیا جو ان کو حق کی دعوت دیتا اور عذاب الٰہی سے ڈراتا۔ یہ لوگ مدتوں سے تمنا رکھتے تھے کہ ان میں کوئی اللہ کا رسول آئے اور اللہ کی کوئی کتاب نازل ہو تو وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مطیع و فرماں بردار بن جائیں۔ پھر جب اللہ نے ان کی دیرینہ آرزو پوری کر دی تو وہ اس کو قبول کرنے کی بجائے اس کے رسول اور اس کی کتاب کی

تکذیب میں لگ گئے ۔ سابقہ امتوں کا انجام ان کے سامنے ہے ۔ وہ قوت و طاقت اور دنیاوی مال و اسباب میں ان سے کہیں زیادہ تھے ۔ ان لوگوں کو تو ابھی اس کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں جو ہم نے سابقہ سرکشوں کو دیا تھا ۔ اس لیے ان کو سابقہ اقوام کے حالات و انجام بد سے عبرت حاصل کرنی چاہئے ۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی سو دیکھ لو کہ میں نے اپنے رسولوں کی کس طرح مدد و نصرت کی اور منکرین پر کیسا عذاب نازل کیا کہ بالکل نیست و نابود کر دیئے گئے ۔ نہ مال ان کے کام آیا نہ اولاد و کنبے قبیلے اور نہ قوت و طاقت نے کوئی فائدہ دیا ۔ (ابن کثیر ۳/۵۴۲، مظہری ۸/۳۵، ۳۶)

کافروں کو نصیحت

۴۶ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۟ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے کھڑے ہو جاؤ (خواہ) دو دو اور ایک ایک پھر سوچو (تم اس نتیجے پر پہنچو گے کہ) تمہارے اس رفیق کو ہرگز جنون نہیں ۔ یہ ایک شدید عذاب سے پہلے تمہیں خبردار کرنے والا ہے ۔

تشریح: اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کافر جو آپ کو مجنون کہتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایک چھوٹی سی نصیحت کرتا ہوں کہ تم تعصب، ضد اور عناد چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے محض اللہ کی رضا کے لیے اکیلے اکیلے یا دو دو مل کر سنجیدگی سے غور کرو تو تم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت و صداقت ظاہر ہو جائے گی ۔ ان کی عقل و دانش اور کردار و عمل سے تمام مشرکین مکہ واقف ہیں ۔ تم ان کی گزشتہ ۴۰ سالہ زندگی کو سامنے رکھو، جو ان کی قوم کے درمیان گزری ہے، ان کے احوال میں غور کرو، ان کے اقوال سنو تو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ ان کی ہر بات سے کمال عقل کا اظہار ہوتا ہے ۔ وہ نہ مفتری ہیں، نہ دروغ گو، نہ دیوانہ اور مجنون ۔ وہ تو محض اللہ کے رسول ہیں اور تمہاری خیر خواہی میں تمہیں آنے والے سخت عذاب اور مہلک خطرات سے خبردار کرتے ہیں جن سے تم بالکل بے خبر ہو ۔ وہ تمہیں دلائل و شواہد سے تمہارا برا بھلا سمجھاتے ہیں ۔ یہ کام دیوانوں کے نہیں اولوالعزم پیغمبروں کے

ہوتے ہیں جنہیں احمقوں اور معاندین نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے۔

حق کا یقینی غلبہ

۴۷۔۵۰: قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے تم سے کوئی معاوضہ مانگا ہو تو اسے تم ہی رکھو۔ میرا اجر تو اللہ کے ذمے ہے۔ وہ ہر چیز پر مطلع ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب حق نازل فرما رہا ہے۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل نہ پہلی بار اُبھرا اور نہ دوبارہ اُبھرے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میری گمراہی کا وبال مجھ ہی پر ہوگا اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی وجہ سے ہے جو میرے رب نے میری طرف بھیجی ہے۔ بیشک وہ سب کچھ سنتا ہے اور بہت قریب ہے۔

یَقْذِفُ : وہ غالب کرتا ہے، وہ نازل کرتا ہے، وہ پھینکتا ہے، وہ ڈالتا ہے۔ قَذْفٌ سے مضارع۔

یُبْدِءُ ی : وہ تخلیق اول کرتا ہے، وہ ایجاد کرتا ہے۔ اِبْداءٌ سے مضارع۔

یُعِیْدُ : وہ اعادہ کرے گا، وہ دوبارہ کرے گا، وہ لوٹائے گا۔ اِعادَۃٌ سے مضارع۔

تشریح: اے مشرکینِ مکہ! میں جو تمہیں احکام دین پہنچا کر تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں، تمہیں وعظ و نصیحت کر رہا ہوں، اس پر میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ تم اپنا اجر و عوض اپنے پاس رکھو۔ میرا اجر و ثواب تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے، وہی میرے کام کا بدلہ دے گا۔ وہ ہر چیز کی حقیقت سے باخبر ہے اور میری نبوت و صداقت اور میرے اخلاص پر گواہ ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب تو علام الغیوب ہے۔ حق کو باطل پر دے مارتا ہے جس سے باطل پاش پاش ہو جاتا ہے اور وہ حق کے مقابلے میں ایسا پست و ناکارہ ہو جاتا ہے کہ کسی چیز کی ابتدا یا اعادہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔

آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ جو دین میں نے اختیار کیا ہے اگر وہ گمراہی ہے تو اس گمراہی کا وبال مجھ پر ہی پڑے گا اور اگر یہ دین حق اور باعث ہدایت ہے تو یہ میری طرف سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ میرے پاس بھیجا ہے۔ اس لیے تمہیں بھی میرے طریقے پر چلنا چاہئے تا کہ جس طرح میں نے ہدایت پائی تم بھی ہدایت پا جاؤ۔ بلا شبہ اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور بہت قریب ہے۔ (مظہری ۳۷، ۸/۳۸، معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۳۱۰۔۳۱۲/ ۷)

کفار کا انجام

۵۱۔۵۴: وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝
وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝
وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ
بَعِيْدٍ ۝ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ
بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝

اور اگر آپ وہ وقت دیکھیں جب (حشر میں) یہ لوگ گھبرائے ہوئے پھریں گے اور کہیں بھاگ بھی نہ سکیں گے اور قریب ہی کی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اس وقت وہ کہیں گے کہ ہم اس (قرآن پر) ایمان لائے اور اتنی دور کی جگہ سے ان کا ہاتھ کہاں پہنچ سکتا ہے۔ اور اس سے پہلے ان لوگوں نے اس (قرآن) کا انکار کیا تھا اور دور ہی سے بلا تحقیق باتیں ہانکتے رہے اور (اس دن) ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک پردہ حائل کر دیا جائیگا جیسا کہ اس سے پہلے بھی ان جیسوں کے ساتھ کیا گیا تھا۔ بیشک یہ ایسے شک میں پڑے ہوئے تھے جس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا۔

فزعوا: وہ گھبرا گئے۔ وہ ڈر گئے۔ فزعٌ سے ماضی۔

اَلتَّنَاوُشُ: پکڑنا، لینا، ہاتھ آنا۔ مصدر ہے۔

اَشْيَاعِهِمْ: ان کے پیشوا، ان کے ہم مذہب۔ واحد شيعة۔

مُرِيْبٍ: شک میں ڈالنے والا۔ ارابة سے اسم فاعل۔

تشریح: قیامت کے روز یا موت کے وقت کافر نہایت گھبراہٹ کے عالم میں عذاب الٰہی سے بچ نکلنا چاہیں گے مگر اس وقت بچاؤ کی کوئی صورت نہ پائیں گے، نہ بھاگ کر، نہ چھپ کر، نہ کسی کی حمایت و پناہ سے اور نہ اپنی جان کا معاوضہ دے کر بلکہ فوراً ہی بہت آسانی سے پکڑ لیے جائیں گے۔ اس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ پس جس طرح کوئی شخص بہت دور کی چیز کو لینے کے لیے دور ہی سے ہاتھ بڑھائے اور وہ اس کے ہاتھ نہ آئے اسی طرح ان لوگوں کا آخرت میں ایمان لانا بے سود ہے۔ ایمان لانے کی قریبی جگہ تو دنیا تھی جہاں یہ حشر ونشر اور قیامت کا انکار کرتے رہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر، ساحر اور مجنون کہتے رہے۔ اب جبکہ دنیا سے چل کر آخرت میں آگئے ہیں تو اپنا انجام دیکھ کر ایمان کا اقرار کرتے ہیں۔ آخرت تو دارالجزا ہے اور دنیا کے مقابلے میں بہت دور ہے۔ اتنی دور سے ایمان تک ہاتھ پہنچنا محال ہے۔

آخرت میں پہنچ کر یہ لوگ جس چیز کی آرزو رکھتے تھے یعنی ایمان کا قبول ہونا یا نجات اخروی یا دنیا کی طرف واپس جانا، ان چیزوں اور ان کفار کے درمیان پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ قبول ایمان کے بارے میں ان کی آرزو اب کبھی پوری نہ ہوگی۔ اس سے پہلے جوان جیسے لوگ گزرے ہیں ان کے ساتھ بھی اسی طرح کیا گیا تھا کیونکہ وہ بھی سخت دھوکے میں پڑے ہوئے تھے۔

(ابن کثیر ۵۴۴۔۳/۵۴۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفاطر

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام سورۂ فاطر ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فاطر و قادر اور قاہر و خالق اور رازق ہونے کا بیان ہے۔ چونکہ اس میں ملائکہ کا ذکر ہے اس لیے اس کو سورۃ الملائکہ بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں پانچ رکوع ۴۵ آیتیں، ۷۹۲ کلمات اور ۳۲۸۹ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ جو پانچ سورتیں الحمد سے شروع ہوتی ہیں ان میں سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور سب سے آخر میں سورۂ فاطر نازل ہوئی۔ ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار نعمتوں کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور تمام نعمتوں کی اصل یہی چار نعمتیں ہیں۔ پہلی نعمت ایجادِ اول ہے، دوسری نعمت بقائے اول ہے۔ تیسری نعمت ایجاد دوم ہے اور چوتھی نعمت بقائے دوم ہے۔ ایجاد اول اور بقائے اول سے دنیاوی زندگی اور سامانِ حیات مراد ہے۔ ایجاد دوم اور بقائے دوم سے اخروی زندگی اور آخرت کا دوام مراد ہے جو سب سے اعلیٰ و ارفع نعمت ہے۔

گزشتہ سورت میں مشرکوں کی طرف سے فرشتوں کو اپنا معبود ٹھہرانا مذکور تھا۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کا مخلوق ہونا مذکور ہے۔ وہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں اور دن رات اس کی عبادت و بندگی میں لگے ہوئے ہیں لہٰذا وہ خدا نہیں ہو سکتے۔

(مواہب الرحمٰن ۲۲/۱۹۷، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۵/۵۸۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ تعالیٰ کی تحمید و اثباتِ رسالت کے بیان کے بعد انسان کو قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

رکوع ۲: نیکی و بدی میں امتیاز کا بیان ہے۔ پھر مرنے کے بعد زندہ ہونے اور قضا و قدر کا اثبات ہے۔ آخر میں اثبات توحید اور باطل معبودوں کی حقیقت کا بیان ہے۔

رکوع ۳: اللہ کی بے نیازی اور مومن و کافر کی مثال کا بیان ہے۔

رکوع ۴: منکرین توحید کی تہدید اور مومنین کی صفات کا بیان ہے۔ اس کے بعد قرآن کے وارثوں اور ان کا انعام مذکور ہے۔ آخر میں کافروں کا حال بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: اللہ تعالیٰ کا علم و حلم اور باطل معبودوں کی بے بسی مذکور ہے۔ پھر مشرکین کا مکر و فریب اور سابقہ سرکش قوموں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

اللہ کی تحمید و اثباتِ توحید

۱-۲: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۭ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور دو دو اور تین تین اور چار چار پروں والے فرشتوں کو اپنا پیغام رساں بنانے والا ہے۔ وہ اپنی تخلیق میں جیسی چاہتا ہے زیادتی کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں سے جو کچھ لوگوں کے لیے کھول دے اس کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اور جو کچھ وہ روک لے تو اس کے سوا اس کو کوئی جاری کرنے والا نہیں۔ وہی غالب (اور) حکمت والا ہے۔

اَجْنِحَة: پر، بازو، واحد جناحٌ۔

مُمْسِک: روکنے والا۔ امساک سے اسم فاعل۔

مُرْسِل: بھیجنے والا، مبعوث کرنے والا، جاری کرنے والا۔ اِرْسالٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ہر قسم کی حمد و ثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ابتدا کسی نمونے کے بغیر

محض اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا، تاکہ دنیا والے اس کی قدرت کا کرشمہ دیکھ کر اس کے خالق مطلق ہونے کا اقرار کریں۔ اسی نے فرشتوں کو پیغام رساں بنایا ہے جن کے دو دو، تین تین اور چار چار پر دار بازو ہیں۔ وہ ان پروں کی مدد سے زمین و آسمان کے درمیان تیزی سے آمد و رفت کرتے ہیں اور اللہ کا پیغام جلد سے جلد اس کے پیغمبروں کو پہنچاتے ہیں تاکہ دنیا سے گمراہی دور ہو۔ وہ مخلوق کی خلقت میں جس طرح چاہتا ہے زیادتی کر دیتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اس لیے وہ جس کو چاہے دو، تین یا چار پر دے اور جس کو چاہے اس سے زیادہ دے۔ اس پر کسی کو چنداں تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ کوئی اس کی قدرت میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔ وہ لوگوں کے لیے جس رحمت و نعمت کا چاہے دروازہ کھول دے، جیسے بارش، روزی، امن و عافیت، صحت و توانائی، علم و حکمت اور ایمان و ہدایت وغیرہ تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جس چیز کو وہ بند کر دے تو کوئی اسے کھولنے والا نہیں۔ سب خزانے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہی غالب اور حکمت والا ہے۔ اس کا کھولنا اور بند کرنا سب حکمتوں پر مبنی ہے۔

اثباتِ توحید و رسالت

۳۔۴: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖؗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۝ وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۝

اے لوگو! تم پر جو اللہ کے انعامات ہیں ان کو یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے جو تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو اور اگر یہ (مشرکین مکہ) آپ کی تکذیب کریں تو آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں اور تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

انّٰی: جب، کیونکہ، کہاں، جہاں۔ اسم ظرف ہے۔ زمان و مکان دونوں کے لیے آتا ہے۔

تؤفکون: تم لوٹائے جاتے ہو، تم پھیرے جاتے ہو۔ اُفکٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے مشرکین مکہ تم اللہ تعالیٰ کے ان انعامات و احسانات کو یاد کرو جو اس نے تم پر کئے ہیں کہ اس نے تمہیں حرم کا باشندہ بنایا جس کی وجہ سے تمہیں کوئی لوٹ نہیں سکتا، تم پر رزق کے دروازے کھول دیئے جن کو کوئی بند نہیں کر سکتا، تمہیں اللہ عدم سے وجود میں لایا، اسی نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور آسمان کو ستونوں کے بغیر چھت کے طور پر قائم کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے رزق دیتا ہو یعنی آسمان سے پانی برسا کر اس کے ذریعے زمین سے غلہ اور سبزہ اگاتا ہو۔ جب پیدا کرنا، روزی کے سامان بہم پہنچانا، سب اللہ تعالیٰ کے قبضے اور اختیار میں ہے، تو پھر کسی دوسرے کو معبودیت کا استحقاق کیسے ہو گیا، سو جو خالق اور رازق حقیقی ہے اسی کو معبود ہونا چاہئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پھر تم توحید کو چھوڑ کر شرک کی طرف کہاں جا رہے ہو۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ مشرکین مکہ اس قدر سمجھانے اور حجت تمام کرنے کے بعد بھی توحید، قیامت اور عذاب کے بارے میں آپ کو جھوٹا قرار دیں تو آپ اس سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ کوئی عجیب اور انوکھی بات نہیں، بلکہ آپ سے پہلے انبیائے سابقین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ ہو چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسالت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور نعمت کی ناشکری انسان کی عادت ہے۔ سو آپ ایسے لوگوں کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیجئے تمام امور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے لہٰذا وہاں پہنچ کر سب باتوں کا فیصلہ ہو جائیگا۔ وہی آپ کو اس تکذیب پر صبر کا اجر و ثواب عطا فرمائے گا اور ان کافروں کو دونوں جہان میں عذاب کی صورت میں سزا دے گا۔ (مظہری ۴۲، ۴۳/۸، عثمانی ۳۸۸/۲)

انسان کا ازلی دشمن

۵۔۷: يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ ۖ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَا ۖ وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِٱللَّهِ ٱلْغَرُورُ ۝ إِنَّ ٱلشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَٱتَّخِذُوهُ عَدُوًّا ۚ إِنَّمَا يَدْعُوا۟ حِزْبَهُۥ لِيَكُونُوا۟ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلسَّعِيرِ ۝ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۖ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝

اے لوگو! اللہ کا وعدہ یقیناً برحق ہے۔ سو دنیوی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ وہ دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں

ڈالے ۔ بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے سو تم بھی اسے دشمن ہی سمجھتے رہو ۔ وہ تو اپنے گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے تاکہ وہ سب دوزخیوں میں سے ہو جائیں ۔ جو لوگ کافر ہوئے ان کے لیے سخت عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے ۔

تغُرَّنَّکُمْ : وہ تمہیں ضرور فریب دے گی، وہ تمہیں ضرور بہکائے گی ۔ غُرُوْرٌ سے مضارع با نون تاکید

حزبہٗ : اس کا گروہ، اس کی جماعت ۔ جمع احزابٌ ۔

السّعیر : دہکتی ہوئی آگ، دوزخ ۔ سعْرٌ سے صفت مشبہ ۔

تشریح : اے لوگو! قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ بالکل حق اور صحیح ہے وہ پورا ہو کر رہے گا یعنی قیامت آ کر رہے گی اور اس کے نہ آنے کا کوئی احتمال نہیں ۔ اس دن سب کو اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو کر اپنے اچھے برے، چھوٹے بڑے اور ظاہر و پوشیدہ تمام اعمال کا حساب دینا ہے ۔ سو دنیا کی یہ فانی اور عارضی زندگی، اس کی زینت و آرائش اور اس کا عیش و آرام تمہیں آخرت کی طلب و سعی سے غافل نہ کر دے ۔ ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں ڈال دے، آخرت سے بے فکر کر دے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے روک دے ۔ بلا شبہ شیطان تمہارا دشمن ہے اور تمہاری تاک میں ہے، تم اس کو اپنا دشمن ہی سمجھو، اس سے ہوشیار رہو اور اس کی جھوٹی اور فریب دینے والی باتوں میں نہ آ جانا ۔ اپنے تمام احوال میں اس کے وسوسوں سے بچتے رہنا اور اللہ کی اطاعت میں لگے رہنا ۔ بیشک شیطان اپنی اتباع کرنے والوں کو گناہ اور دنیا کی طرف میلان رکھنے کی دعوت دیتا ہے تاکہ اس کے ساتھ وہ بھی اہل دوزخ میں سے ہو جائیں ۔ پس جو لوگ اللہ کی ہدایت کا انکار کر کے شیطان کی پیروی کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں سخت عذاب ہے اور جن لوگوں نے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا، اللہ کے احکام کی پیروی کی اور نیک کام کئے تو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں مغفرت اور بڑا اجر و ثواب ہے ۔ یہی لوگ اہل سعادت ہیں ان کو وہم و گمان سے بڑھ کر نعمتیں ملیں گی ۔

نیکی اور بدی میں امتیاز

۸ : اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ
یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖ٘ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ
حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝

تو کیا ایسا شخص جس کو اس کا عملِ بد اچھا کر کے دکھایا گیا اور وہ اس کو اچھا سمجھنے لگا (مومن کے برابر ہو سکتا ہے)۔ بیشک اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ سو ان پر افسوس کر کے کہیں آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ بیشک اللہ اس سے خوب واقف ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت ابوجہل اور دوسرے مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آیت کا نزول اس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی کہ اے اللہ اپنے دین کو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا ابوجہل بن ہشام (کے ایمان) سے غلبہ عطا فرما۔ چنانچہ اللہ نے (حضرت) عمر کو ایمان کی توفیق عطا کی اور ابوجہل کو چھوڑ دیا۔ ان ہی دونوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۸/۴۵،۴۴)

تشریح: کیا وہ شخص جس کو شیطان نے اس کے برے اعمال اچھے اور آراستہ کر کے دکھائے ہوں اور وہ ان کو اچھا بھی سمجھتا ہو، اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور مہربانی سے اچھے اور برے، غلط اور صحیح اور نیکی اور برائی میں تمیز رکھتا ہو۔ ظاہر ہے جب یہ دونوں ایک جیسے اور برابر نہیں ہو سکتے تو ان کا انجام ایک جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔

پس خوب سمجھ لو کہ حق اور باطل میں تمیز من جانب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کرتا ہے، پس جو شخص شیطان کے بہکانے سے برائی کو بھلائی اور بدی کو نیکی سمجھنے لگے تو اس کے راہِ راست پر آنے کی کیا توقع ہے؟ کسی انسان کے اختیار میں نہیں کہ وہ گمراہ کو ہدایت یافتہ بنا دے۔ اس لیے آپ کو ان گمراہوں پر حسرتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیجئے۔ وہ ان کے اعمالِ بد سے خوب واقف ہے اور جانتا ہے کہ کس بندے نے اپنے لیے گمراہی اختیار کی اور کس نے ہدایت کا راستہ اختیار کیا ہے۔

اثباتِ حشر

وَاللّٰهُ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَحْیَیْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝

اور اللہ ہی ہواؤں کو بھیجتا ہے جو بادل کو اٹھاتی ہیں ۔ پھر ہم اس بادل کو کسی
مردہ (خشک) زمین کی طرف لیجاتے ہیں اور اس سے اس زمین کو اس کی
موت کے بعد زندہ کر دیتے ہیں ۔ اسی طرح (قیامت کے روز مردے)
زندہ ہو کر اٹھیں گے ۔

تُثِیْرُ : وہ جوتتی ہے، وہ برانگیختہ کرتی ہے، وہ ابھارتی ہے ۔ اثارۃً سے ماضی ۔
سَحَابًا : بادل، ابر ۔ جمع سُحُبٌ ۔
سُقْنٰهُ : ہم نے اس کو ہانک دیا، ہم نے اس کو چلایا ۔ سوق سے ماضی ۔
اَلنُّشُوْرُ : زندہ ہونا، اٹھ کھڑا ہونا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : اللہ تعالیٰ جس طرح ہواؤں کے ذریعے بادلوں کو اٹھا کر اور ان سے پانی برسا کر مردہ زمین کو زندہ کر دیتا ہے اسی طرح قیامت کے روز وہ تمہیں زندہ کر کے قبروں سے اٹھائے گا ۔ یہاں زمین کو زندہ کرنے سے مراد اس کو سرسبز کر دینا اور زمین کی موت سے مراد اس کی سبزی و ہریالی کو ختم کر دینا ہے جب اللہ تعالیٰ بعث اور نشور (یعنی مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے) کا ارادہ فرمائے گا تو عرش کے نیچے سے ایک بارش نازل کرے گا جو تمام زمین پر برسے گی ۔ اس بارش سے تمام مردہ جسم سبزے کی مانند اپنی قبروں سے اگیں گے ۔ پس جس طرح زمین پانی سے زندہ ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے دن مردے بھی ایک بارش کے پانی سے زندہ ہوں گے ۔

شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں بار صور پھونکنے کے درمیان چالیس (کا فاصلہ) ہوگا ۔ (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چالیس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کا لفظ فرمایا تھا ۔ سال یا مہینوں یا دنوں کی تعیین نہیں فرمائی تھی ۔ اس لیے میں بھی کوئی تعیین نہیں کر سکتا) پھر اللہ آسمان سے پانی برسائے گا جس سے لوگ اس طرح اُگیں گے جس طرح سبزہ اُگتا ہے، سوائے ایک ہڈی کے انسان کے جسم کا ہر حصہ گل جاتا ہے اور وہ ریڑھ کی ہڈی ہے ۔ قیامت کے روز سارا جسم اسی سے جوڑا جائے گا ۔ (مظہری ۴۵، ۴۶ / ۸)

عزت کا انحصار

۱۰ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ

الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَ مَكْرُ أُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُورُ ۝

جو شخص عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو تمام عزت اللہ ہی کے لیے ہے۔ تمام کلمات طیبات اسی کی طرف چڑھتے ہیں اور نیک کام اسے اٹھا لیتا ہے اور جو لوگ بری چالوں میں لگے رہتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے اور ان کا یہ مکر برباد ہو کر رہے گا۔

یصعد　وہ چڑھتا ہے، وہ پہنچتا ہے۔ صعُوْدٌ سے مضارع

یبُورُ　وہ ہلاک ہو جائے گا، وہ تباہ ہو جائے گا۔ بَوْرٌ و بَوَارٌ سے مضارع۔

تشریح: جو شخص آخرت میں عزت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو قولاً وفعلاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور پرہیزگاری اختیار کرنی چاہئے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی دنیا و آخرت کا مالک اور عزیز مطلق ہے۔ ساری عزتیں اسی کی ملکیت میں ہیں۔ اسی کی اطاعت و فرماں برداری سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ جس درجہ کی اطاعت و فرماں برداری اور تقویٰ و پرہیزگاری ہوگی اسی درجہ کی عزت حاصل ہوگی۔ دنیا میں کافروں کو جو ظاہری عزت حاصل ہے وہ بھی اور حقیقی عزت نہیں بلکہ حقیقت اور انجام کے اعتبار سے وہ ذلت و رسوائی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَيَبْتَغُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيعًا

کیا وہ (منافقین) کافروں کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں پس عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ (النساء: ۱۳۹)

اور ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں ہی کے لیے ہے۔ (المنٰفقون: ۸)

پھر فرمایا کہ کلمات طیبہ جیسے اللہ کا ذکر، تلاوت قرآن، علم و نصیحت کی باتیں اور دعائیہ کلمات وغیرہ بارگاہ الٰہی میں قبول کئے جاتے ہیں۔ اگر ان کلمات طیبہ کے ساتھ ساتھ اعمال صالحہ بھی ہوں تو ان کلمات کا اجر و ثواب اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بری بری تدبیریں کرتے ہیں اور حق کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں جیسے قریش نے دارالندوہ میں بیٹھ کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید کرنے یا قتل کرنے یا وطن سے نکالنے کے مشورے کئے تھے، ان کو سخت عذاب دیا جائے گا اور ان کا مکر وفریب نیست و نابود ہو جائے گا۔ جیسا کہ بدر کے موقع پر قریش کے ساتھ ہوا۔ (ابن کثیر: ۳/۵۴۹، روح المعانی ۱۷۳۔ ۲۲/۱۷۶)

قضاوقدر کا اثبات

۱۱　وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝

اور اللہ نے تمہیں مٹی سے پھر نطفے سے پیدا کیا۔ پھر اس نے تمہیں جوڑے جوڑے بنا دیا۔ اور عورتوں کا حاملہ ہونا اور بچوں کا جننا سب اس کے علم میں ہوتا ہے اور نہ کسی کی عمر بڑھائی جاتی ہے اور نہ کم کی جاتی ہے مگر یہ سب کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ سب آسان ہے۔

تشریح: تمہاری ابتدائی پیدائش یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر آئندہ نسل کو ایک حقیر پانی سے نکالا کہ تم قوت کے ساتھ چلتے پھرتے ہو۔ پھر اس نے تمہیں جوڑے جوڑے بنایا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے تسکین پاتے ہو۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت وانعام ہے۔ پس جو خدا ایسی قدرت والا ہے وہ کائنات کے ذرے ذرے سے واقف ہے۔ استقرار حمل سے لیکر بچے کی پیدائش تک جو ادوار گزرتے ہیں وہ سب سے باخبر ہے۔ کسی مادہ کے جو بھی حمل ہوتا ہے خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی وہ سب اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے لڑکی مقدر کی ہے وہ کسی بت وغیرہ کی کوشش سے لڑکا پالے یا جو حمل ساقط ہونے والا ہے بچالے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہر ایک کی عمر مقرر ومقدر ہے۔ نہ کسی کی عمر زیادہ مقرر کی جاتی ہے اور نہ کسی کی عمر کم مقرر کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو طویل عمر عطا فرماتا ہے وہ پہلے ہی سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی لوح محفوظ میں پہلے سے درج ہے۔ جو کچھ مذکور ہوا یہ مخلوقات کے حق میں تو محال ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے تھے کہ جو شخص اپنی روزی میں کشادگی چاہتا ہو وہ (زندہ رہنے کی) مہلت چاہتا ہو تو اسے صلہ رحمی کرنی چاہئے۔ (بخاری ۴/۲، مسلم کتاب البر، باب صلۃ الرحم۔ ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی صلۃ الرحم۔ ابن حبان ۲/۱۵۸)

ابن ابی حاتم میں حضرت ابودرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کی مقررہ مدت (عمر) پوری ہو جاتی ہے تو اس کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی، بلکہ عمر میں زیادتی سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد صالحہ عطاء فرما دیتا ہے۔ وہ اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ شخص (دنیا میں) نہیں ہوتا مگر اس کو ان لوگوں کی دعائیں (قبر میں) ملتی رہتی ہیں۔ اس طرح گویا اس کی عمر بڑھ گئی۔ پس مذکورہ حدیث میں جو عمر بڑھنے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد عمر کی برکت کا بڑھ جانا ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۱۴، ۲۱۵/۲۲)

اثباتِ توحید

۱۲: وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور دو دریا برابر نہیں، ایک (کا پانی) شیریں، پیاس بجھانے والا اور پینے میں خوشگوار ہے اور دوسرے کا کھاری اور کڑوا ہے اور تم ان دونوں سے تازہ گوشت کھاتے ہو اور (وہ) زیورات نکالتے ہو جنہیں پہنتے ہو اور تو دیکھتا ہے کہ کشتیاں پانی کو پھاڑتی ہوئی چلتی ہیں تاکہ تم اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

فُرَاتٌ : بہت شیریں اور ٹھنڈا پانی، تسکین بخش، پیاس بجھانے والا۔

سَائِغٌ : خوش ذائقہ، مزے دار، آسانی سے حلق میں اترنے والا۔ سوغ سے اسم فاعل۔

اُجَاجٌ : تلخ، کڑوا، کھاری پانی۔

طریًا: تروتازہ، طراوۃٌ سے صفت مشبہ۔

حلیۃ: زیور، گہنے، آرائش۔ جمع حُلیٌ۔

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی زبردست قدرت کو ثابت فرمایا ہے کہ اس نے دو قسم کے دریا پیدا کئے۔ ایک کا پانی تو صاف ستھرا، میٹھا، خوش ذائقہ اور پیاس بجھانے والا ہے، آبادیوں اور جنگلوں میں برابر بہہ رہا ہے۔ دوسرے کا پانی ساکن ہے، سخت نمکین، کڑوا اور حلق کو جلانے والا ہے۔ دونوں قسم کے دریاؤں میں سے تم اپنے کھانے کے لیے تازہ گوشت یعنی مچھلیاں حاصل کرتے ہو اور پہننے کے لیے زیور یعنی موتی اور مرجان وغیرہ نکالتے ہو۔ تم یہ بھی دیکھتے ہو کہ اس تلخ اور ساکن دریا میں بڑی بڑی کشتیاں اور طرح طرح کے جہاز پانی کو چیرتے پھرتے ہیں، تاکہ تم تجارت کی غرض سے ان میں سفر کرتے ہوئے ایک ملک سے دوسرے ملک جا کر اللہ تعالیٰ کے فضل (رزق) کو تلاش کرو اور اس نعمت پر ہمارا شکر ادا کرو کہ ہم نے دریا جیسی ہولناک اور خطرناک چیز کو تمہارے لیے ایک نعمت اور نفع کا ذریعہ بنا دیا۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہاں مومن و کافر کی مثال بیان کی گئی ہے کہ دونوں میں برابری کی کوئی صورت نہیں، اس لیے کہ ایک حلاوت ایمانی کی وجہ سے آب شیریں ہے اور دوسرا کفر و معصیت کی تلخی کی بناء پر آب تلخ ہے۔ (روح المعانی: ۱۷۹، ۲۲/۱۸۰)

متصرفِ کامل

۱۳۔۱۴: يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاۗءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝

وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو (اپنے اپنے) کام میں لگا رکھا ہے۔ ہر ایک مقررہ وقت تک چلتا رہے

گا ۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی سلطنت ہے ۔ اس کے سوا جن کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے بھی مالک نہیں ۔ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار (بھی) نہیں سن سکتے اور اگر بالفرض سن لیں تو جواب نہیں دے سکتے اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور خدائے باخبر کی طرح تمہیں کوئی بھی خبر نہ دے گا ۔

یُوْلِجُ : وہ پیدا کرتا ہے، وہ داخل کرتا ہے ۔ اِیْلَاجٌ سے مضارع ۔

مُسَمًّى : معین، مقرر کیا ہوا، نام رکھا ہوا ۔ تَسْمِیَۃٌ سے اسم مفعول ۔

قِطْمِیْر : باریک جھلی جو کھجور کے گودے اور گٹھلی کے درمیان ہوتی ہے ۔ یہاں اس سے مراد حقیر چیز ہے ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے ۔ وہی خالق و متصرف کامل ہے ۔ وہ اپنی تمام مخلوق میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے ۔ وہی رات کو دن میں دن کو رات میں داخل کرتا ہے ۔ دن اور رات کو ایک دوسرے میں داخل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک کو کم کر دیتا ہے اور دوسرے کو بڑھا دیتا ہے ۔ جیسے موسم گرما میں رات دونوں طرف سے کم ہو کر دن میں داخل ہو جاتی ہے جس سے دن بڑا ہو جاتا ہے اور رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور موسم سرما میں دن دونوں طرف سے کم ہو کر رات میں داخل ہو جاتا ہے جس سے دن چھوٹا ہو جاتا ہے اور رات بڑی ہو جاتی ہے ۔ یہ سب اس کی قدرت کا کرشمہ ہے ۔

اسی نے سورج اور چاند کو اپنے حکم کے تابع بنایا کہ وہ ہر وقت اس کے حکم کے سامنے سر جھکائے رہتے ہیں ۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مقررہ وقت تک یعنی قیامت تک اسی طرح حرکت کرتا رہے گا اور اپنے مقررہ وقت پر طلوع اور غروب ہوتا رہے گا، یہی اللہ جس کی قدرت کے کرشمے تمہارے سامنے ہیں تمہارا رب اور خالق ہے ۔ اسی کا ملک اور اسی کی بادشاہت ہے ۔ اس کے سوا تم جن باطل معبودوں کو پکارتے ہو وہ تو ادنیٰ اختیار بھی نہیں رکھتے ۔ وہ ایسے حقیر و ذلیل ہیں کہ کھجور کی گٹھلی پر جو باریک سی جھلی ہوتی ہے وہ اس کے بھی مالک نہیں ۔ وہ تو ایسے عاجز و بے بس ہیں کہ اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار بھی نہیں سنیں گے، اور اگر بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری پکار کا جواب نہیں دے سکتے ۔ قیامت کے روز یہ باطل معبود تمہارے شرک کا صاف انکار کر دیں گے بلکہ یہ تمہارے دشمن ہو جائیں گے ۔ ظاہر ہے ایسے حقیر اور عاجز کو اپنا معبود نہیں بنایا جا سکتا ۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز سے باخبر ہے اس سے زیادہ سچی اور بہتر خبر کوئی اور نہیں دے سکتا ۔ اس لیے دنیا و آخرت کی فلاح کے لیے اسی پر ایمان لاؤ اور اسی کے احکام کی بجا آوری میں لگے رہو ۔

اللہ کی بے نیازی

۱۵۔۱۸: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ
الْحَمِیْدُ ۝ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ وَمَا
ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۝ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَ اِنْ تَدْعُ
مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ؕ
اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا
الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ۝

اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز (اور) خوبیوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کردے اور ایک نئی مخلوق پیدا کردے اور یہ بات اللہ کے لیے ذرا مشکل نہیں اور (قیامت کے روز) کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی (گناہوں کے) بوجھ سے لدا ہوا کسی کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے پکارے گا تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہ اٹھائے گا خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہو۔ (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ تو صرف انہی کو ڈرا سکتے ہیں جو اپنے رب کو دیکھے بغیر اس سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص (اپنے نفس کو) پاک کرتا ہے تو وہ اپنے لیے ہی پاک کرتا ہے۔ (سب کو) اللہ ہی کی طرف واپس جانا ہے۔

تَزِرُ : وہ بوجھ اٹھاتی ہے۔ وِزْرٌ سے مضارع۔

مُثْقَلَةٌ : بوجھ والی، لدی ہوئی۔ ثِقْلٌ و ثَقَالَةٌ سے اسم مفعول۔

الْمَصِیْرُ : لوٹنے کی جگہ، ٹھکانا۔ صَیْرٌ سے اسم ظرف مکان و مصدر میمی۔

تشریح: تمام مخلوق اپنے وجود اور اپنی بقا میں اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے اور انسان تمام مخلوق سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ اگر آسمان سے بارش نہ برسے، زمین سے نباتات نہ اگیں اور ہوا اور پانی وغیرہ معدوم ہو جائیں تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ غنی مطلق، بے پرواہ اور ہر طرح سے بے نیاز تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے۔ وہی اپنی تمام صفات میں حمید ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت و تعریف سے خالی

نہیں۔ وہ ہر طرح حمد و ثنا کے لائق ہے۔

اے لوگو! وہ ایسا غنی اور قادر مطلق ہے کہ اگر چاہے تو تمہیں صفحہ ہستی سے مٹا کر تمہاری جگہ دوسری مخلوق لے آئے جو اس کی اطاعت کرے اور تمہاری طرح نافرمانی نہ کرے۔ یہ کام اس پر ذرا بھی دشوار نہیں۔ وہ اس پر قادر ہے کہ جس مخلوق کو چاہے نیست و نابود کر دے اور جس کو چاہے پیدا کر دے۔ لہٰذا تم اس کے قہر و غضب سے ڈرتے رہو اور خوب سمجھ لو کہ قیامت کے روز تمہاری محتاجی اور بے بسی اور بڑھ جائے گی جب کوئی گناہوں کا بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اگر کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کو اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا تو وہ اس میں سے کچھ بھی نہیں اٹھائے گا اگرچہ وہ اس کا قرابت دار ہی ہو۔ اس روز ہر شخص کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ ماں باپ اولاد کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیں گے اور اولاد ماں باپ کو انکار کر دے گی۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی وعظ و نصیحت سے گمراہ، ضدی اور آخرت کے منکر لوگ فائدہ نہیں اٹھا سکتے، بلکہ یہ تو ان لوگوں کے حق میں مفید ہے جو غائبانہ طور پر اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور ٹھیک ٹھیک نماز ادا کرتے ہیں۔ جو شخص ایمان لا کر اور اعمال صالحہ کر کے پاکیزگی حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو غنی اور حمید ہے۔ اس کو کسی کے ایمان و اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں۔ آخر کار سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے اور اس کے سامنے پیش ہونا ہے۔ وہ سب کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ (ابن کثیر: ۵۵۲،۵۵۱/۳، روح المعانی: ۱۸۳۔۱۸۶/۲۲)

مومن و کافر کی مثال

۱۹۔۲۶: وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾
وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ ۚ
إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾
إِنْ أَنتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ
وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ
كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ
وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ
فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾

اور اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ۔ اور نہ تاریکی اور روشنی (یکساں ہیں) اور
نہ سایہ اور دھوپ (برابر ہیں) ۔ اور زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے بیشک اللہ
جسے چاہتا ہے سنا دیتا ہے اور آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں ۔
آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں ۔ بیشک ہم ہی نے آپ کو حق دے کر
بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی
جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو ۔ اور اگر یہ (منکرین) آپ کو جھٹلائیں تو
جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں انہوں نے بھی (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا ۔ ان
کے پیغمبر بھی ان کے پاس معجزے اور صحیفے اور روشن کتابیں لیکر آئے تھے پھر
میں نے کافروں کو پکڑ لیا سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا ۔

الحرور　گرم ہوا، لو، دھوپ ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

خلا　وہ گزرا، وہ ہو چکا ۔ خلوٌ سے ماضی ۔

نکیر　میرا عذاب، بدل ڈالنا ۔

تشریح: مومن و کافر ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے دونوں یکساں نہیں ہو سکتے ۔ جس طرح بینا اور نابینا، اندھیرا اور روشنی، سایہ اور دھوپ میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور وہ ایک دوسرے کی مانند نہیں ہو سکتے اسی طرح مومن اور کافر بھی ایک دوسرے کی مانند نہیں ہو سکتے ۔ مومن آنکھ والے، روشنی اور سایہ کی مانند ہے جبکہ کافر اندھے، تاریکی اور دھوپ کی مانند ہے ۔ مومن ایمان کی روح سے زندہ ہے جبکہ کافر ایمان سے خالی ہونے کی بنا پر مردہ کی مانند ہے ۔ مُردوں کو زندہ کرنا اور ان کو سنانا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے مگر بندوں میں یہ قدرت و طاقت نہیں ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سناتا ہے اور ہدایت دیتا ہے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح مردے کو قبر میں دفنانے کے بعد پکارنا بے سود ہے، اسی طرح ان کافروں کے دل کفر کی وجہ سے مردہ ہو چکے ہیں اس لیے آپ ان کو کلام حق نہیں سنا سکتے ۔ آپ کا کام تو ان کافروں کے کانوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا اور ان کو دوزخ کا خوف دلانا ہے ۔ بلاشبہ ہم نے آپ کو دین حق دے کر جنت کی خوشخبری سنانے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔ آپ سے پہلے کوئی امت ایسی نہیں گزری جس میں کوئی خبردار کرنے والا نہ گزرا ہو ۔ اس کے باوجود ان میں بھی بہت سے کافر گزرے ہیں ۔ اسی طرح آپ کی امت میں بھی جو

لوگ مردہ دل ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ مشرکین آپ کو جھٹلائیں تو آپ اس سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں بلکہ آپ بھی سابقہ انبیا کی طرح صبر کریں، کیونکہ ان سے پہلے کافر بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کرتے رہے اور اپنے کفر پر قائم رہے، حالانکہ ان کے رسول، اللہ کی طرف سے کھلے کھلے معجزات، صحیفے اور روشن کتاب کے ساتھ ان کے پاس آئے تھے۔ پھر میں نے ان کافروں کو عذاب میں پکڑ لیا، سو دیکھ لو میرا عذاب کیسا تھا اور وہ کس طرح تباہ و برباد ہوئے۔ سب سے آخر میں ہم نے آپ کو کتاب منیر (قرآن کریم) دیکر بھیجا ہے۔ اگر یہ مشرکین اس کی تکذیب سے باز نہ آئے تو ممکن ہے ان کا بھی وہی انجام ہو۔ (مواہب الرحمٰن ۲۲۵، ۲۲۶/ ۲۲، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶۰۳، ۶۰۴/ ۵)

منکرین توحید کی تہدید

۲۷۔۲۸: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَاۗبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ۭ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰۗؤُا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعے مختلف رنگوں کے پھل پیدا کئے، اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی رنگتیں بھی مختلف ہیں اور (بعض نہ سفید نہ سرخ بلکہ) بہت گہرے سیاہ ہیں۔ اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی (بعض) ایسے ہیں کہ ان کی رنگتیں مختلف ہیں۔ بیشک اس کے بندوں میں سے علم والے ہی اس سے ڈرتے ہیں۔ بیشک اللہ زبردست (اور) بڑا بخشنے والا ہے۔

جُدَدٌ: ٹکڑے، حصے، راستے، گھاٹیاں۔ واحد جُدَّةٌ۔

الدّوابّ: چوپائے، زمین پر چلنے والے جاندار۔ واحد دابّةٌ۔

انعام: مویشی، چوپائے۔ واحد نعم۔

تشریح: ان آیات میں منکرین کو خبردار کرنے اور ڈرانے کے لیے فرمایا کہ کیا یہ لوگ ان آثار قدرت کو نہیں دیکھتے جو ان کی نظروں کے سامنے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہی شئے سے مختلف قسم کی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ مثلاً وہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور اس پانی کے ذریعے مختلف قسم کے پھل پیدا کرتا ہے جو رنگ، بو، مزے، سائز اور بناوٹ میں مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح پہاڑ بھی مختلف قسم کے ہیں، کوئی سفید ہے، کوئی سرخ ہے، کوئی براؤن یا شدید کالا ہے، کسی میں راستے اور گھاٹیاں ہیں، کوئی لمبا ہے، کوئی بالکل سیدھا اور کوئی ناہموار ہے، کوئی نہایت بلند اور کوئی بہت پست ہے۔ ان بے جان چیزوں کے بعد انسانوں، جانوروں اور چوپایوں کو دیکھو۔ جس طرح انسانوں کی زبانیں اور رنگتیں مختلف ہیں اسی طرح جانوروں اور چوپایوں کی بھی مختلف رنگتیں ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ اسی طرح بندوں کے احوال بھی مختلف ہیں۔ کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور کوئی نہیں ڈرتا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صاحب علم اور صاحب فہم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں، کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت شان کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں جس قدر علم رکھے گا اسی قدر اس علیم وخبیر کی عظمت وہیبت اس کے دل میں بڑھے گی۔ جس کو یہ علم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ قدم قدم پر اس سے ڈرتا رہے گا۔ خشیت ایک قوت ہوتی ہے جو بندے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جاتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت سی باتیں کرنا کوئی علم نہیں بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ ہے کہ جس شخص میں خشیت نہ ہو وہ عالم نہیں۔ حضرت انس بن ربیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں۔ حضرت امام مالک کا قول ہے کہ کثرت روایات کا نام علم نہیں بلکہ علم تو ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

بیشک اللہ تعالیٰ بڑی عزت والا ہے۔ جو اس سے نہیں ڈرتا اس کو عذاب میں پکڑ لیتا ہے اور جو بندہ اس سے ڈرتا ہے اور اپنی خطاؤں پر شرمندہ ہوتا ہے اور معافی مانگتا ہے تو اسے معاف کر دیتا ہے۔ پس جس ذات کی یہ شان ہے اس سے خوف وخشیت ضروری ہے۔

(ابن کثیر ۵۵۳، ۵۵۴/ ۳، معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۳۳۷/ ۷)

مومنین کی صفات

۲۹۔۳۱: اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمْ
اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝
وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ۝

بیشک جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں کبھی خسارہ نہ ہوگا۔ تاکہ وہ ان کو پوری اجرت دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ دے۔ بیشک وہ بڑا بخشنے والا (اور) بڑا قدر دان ہے اور جو کتاب ہم نے آپ پر وحی کی ہے وہ بالکل برحق ہے۔ وہ اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے۔ بیشک اللہ اپنے بندوں (کے حال) سے باخبر (اور ان کے ظاہر و باطن کو) دیکھنے والا ہے۔

تَبُوْرَ: وہ ہلاک ہوگی، وہ مٹ جائے گی۔ بَوَارٌ سے مضارع۔

يُوَفِّيَهُمْ: وہ ان کو پورا پورا دیا جائے گا۔ تَوْفِيَةٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: جو لوگ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھ کر عقیدت کے ساتھ پابندی سے تلاوت کرتے ہیں اور اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں اور ارکان کی پوری رعایت کے ساتھ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو مال ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ ہر طرح اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے، تو ان لوگوں کی تجارت ایسی ہے جس میں خسارے کا احتمال نہیں۔ ظاہر ہے جب ان کے اعمال کا خریدار اللہ تعالیٰ ہے تو ایسی تجارت میں نفع ہی نفع ہے نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آیت میں چھپا کر دینے سے نفلی صدقہ کی طرف اشارہ ہو اور ظاہر کر کے دینے سے مراد زکوٰۃ ہو، کیونکہ زکوٰۃ ظاہر کر کے دی جاتی ہے۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کو پورا پورا اجر دے گا اور اپنے فضل سے ان کے

استحقاق سے زیادہ بھی عطا فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف کرنے والا اور طاعتوں کی قدر کرنے والا ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے وحی کے ذریعے جو کتاب آپ پر نازل کی ہے وہ برحق اور سچی کتاب ہے اور سابقہ آسمانی کتب یعنی توریت وانجیل کی تصدیق کرتی ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال خوب جانتا اور دیکھتا ہے کہ کون اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اور کون ان سے روگردانی کرتا ہے۔

قرآن کے وارث

۳۲۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝

پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ پھر ان میں سے کوئی تو اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہے اور ان میں سے کوئی متوسط درجے کا ہے اور ان میں سے کوئی اللہ کی توفیق سے نیکیوں میں آگے بڑھ گیا ہے۔ یہی بہت بڑا فضل ہے۔

اصْطَفَيْنَا: ہم نے چن لیا، ہم نے منتخب کرلیا، ہم نے پسند کرلیا۔ اِصْطِفَاءٌ سے ماضی۔

مُقْتَصِدٌ: متوسط درجے کا، درمیانی راہ چلنے والا۔ اِقْتِصَادٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قرآن خالص حق ہے اور تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ پہلے تو ہم نے اس کو وحی کے طور پر آپ کے پاس بھیجا۔ پھر ہم نے اپنے بندوں میں سے اپنے منتخب اور پسندیدہ لوگوں کو اس کا وارث بنادیا۔ یہاں وارث بنانے سے مراد عطا کرنا ہے۔ اس عطا کو میراث کے لفظ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح وارث کو میراث کا حصہ اس کے کسی عمل اور کوشش کے بغیر مل جاتا ہے اسی طرح قرآن کی دولت بھی ان منتخب بندوں کو کسی محنت اور مشقت کے بغیر دیدی گئی ہے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک آیت میں اِصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب قرار دیا) سے مراد امت محمدیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر اس کتاب کا وارث بنادیا جو اس نے

نازل کی۔اس کے علما بلا واسطہ اور دوسرے لوگ بواسطہ علما آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ یہ امت محمدیہ کی سب سے عظیم فضیلت ہے کیونکہ قرآن مجید میں لفظ اصطفا اکثر مقامات پر انبیا علیہم السلام کے لیے آیا ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اصطفا (انتخاب) میں انبیا و ملائکہ کے ساتھ شریک فرمادیا۔قرآن کریم تمام سابقہ کتب کی تصدیق وحفاظت کرنے والی کتاب ہونے کی حیثیت سے تمام آسمانی کتابوں کے مضامین کی جامع ہے۔اس کا وارث بننا گویا سب آسمانی کتابوں کا وارث بننا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے جن بندوں کو منتخب فرما کر قرآن کا وارث بنایا ہے وہ تین قسم کے ہیں۔

۱۔ظالم: اس سے مراد وہ شخص ہے جو بعض واجبات میں کوتاہی اور بعض محرمات کا ارتکاب کر لیتا ہے۔

۲۔مقتصد: ایسا شخص تمام واجبات شرعیہ کو ادا کرتا اور تمام مکروہات سے بچتا ہے۔ مگر کبھی کبھی بعض مستحبات کو چھوڑ دیتا اور بعض مکروہات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۳۔سابق: اس سے مراد وہ شخص ہے جو تمام مستحبات کو ادا کرتا اور تمام مکروہات سے بچتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل اور انعام ہے کہ اس نے ساری دنیا میں سے اس امت کو قرآن کا وارث بنایا۔

(ابن کثیر ۵۵۵،۵۵۴/۳، معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۳۴۵،۳۴۴/۷)

حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ انہوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے یہ آیت ثم اورثنا لکتب پڑھ کر فرمایا کہ ان تین قسموں میں سے جو سابق بالخیرات ہیں وہ تو بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ جو مقتصد ہیں ان سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور ظالم لنفسہ کو مقام حساب میں (حساب کے لیے) روک لیا جائے گا اور ان پر رنج و غم طاری ہو جائے گا۔ پھر ان کو بھی جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی الحمد لله الذی اذهب عن الحزن (شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا) روح المعانی ۱۹۷/۲۲۔

کتاب کے وارثوں کی نجات

۳۳۔۳۵: جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝

وہ ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔ اور وہ کہیں گے اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔ بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا (اور) بڑا قدر دان ہے جس نے اپنے فضل سے ہمیں ہمیشہ رہنے کے مقام میں لا اتارا جہاں ہمیں نہ کوئی مشقت ہوگی اور نہ تھکان۔

اَسَاوِرَ : کنگن۔ واحد سِوَارٌ۔

حَرِیْرٌ : ریشم۔

اَحَلَّنَا : اس نے ہمیں اتارا۔ اِحلالٌ سے ماضی۔

نَصَبٌ : محنت، تکلیف، مشقت۔

لُغُوْبٌ : تھکنا، ماندگی، خستگی۔ مصدر و اسم۔

تشریح: جن لوگوں کو ہم نے منتخب اور پسندیدہ بنا کر اپنی کتاب مبین کا وارث بنایا ہے قیامت کے روز ہم انہیں دائمی اور ابدی نعمتوں والی جنت میں داخل کریں گے، جہاں انہیں خالص سونے اور صاف و شفاف موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا۔ جنت میں پہنچ کر یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہیں گے کہ حمد ہے اس اللہ کی جس نے ہم سے غم کو دور کیا اور دنیا و آخرت کی پریشانیوں سے ہمیں نجات دی۔ اب یہاں کوئی غم و فکر نہیں۔ بیشک ہمارا پروردگار بہت مغفرت کرنے والا اور بڑا قدر دان ہے کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہمارے گناہوں کو معاف فرمایا اور معمولی نیکیوں پر وہم و گمان سے بڑھ کر اجر عطا فرمایا اور ہمیشہ رہنے کے لیے ہمیں یہ مقام عطا فرمایا جہاں نہ کوئی فکر و اندیشہ ہے اور نہ کوئی محنت و مشقت۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ مومن کا زیور (ہاتھ میں) وہاں تک پہنچے گا جہاں تک وضو کا پانی پہنچا ہوگا۔ ابن حاتم اور ابن ابی الدنیا نے حضرت کعب کی روایت سے بیان کیا کہ اگر جنت کا کوئی کپڑا دنیا میں پہن لیا جائے تو جس کی نظر اس پر پڑے گی وہ بیہوش ہو جائے گا۔ کسی کی نظر اس کو برداشت نہ کر سکے گی۔

(مظہری ٥٩، ٦٠ ، ٨)

کافروں کا حال

۳۶-۳۷: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا
وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝
وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ
الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ
وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝

اور کافروں کے لیے دوزخ کی آگ ہے۔ نہ تو ان کی قضا آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ ان کا عذاب ہلکا کیا جائے گا۔ ہم کافروں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں اور وہ (کافر) اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں یہاں سے نکال لے۔ ہم نیک اعمال کریں گے برخلاف ان کے جو ہم کیا کرتے تھے۔ کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ (اس میں) جس کو نصیحت حاصل کرنا ہوتی نصیحت حاصل کر لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا، سو اب (عذاب کا) مزہ چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

یُقضی: اس کی قضا (موت) آئے گی۔ وہ پورا کیا جائے گا۔ قضاءٌ سے مضارع مجہول۔

یصطرخون: وہ چیخیں گے، وہ فریاد کریں گے۔ اصطراخ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اہل کفر کی جزا و سزا کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور توبہ نہیں کی تو ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے جہاں نہ ان کی قضا آئے گی کہ مر جائیں اور سکون سے ہو جائیں اور نہ ان کے عذاب میں ایک پل کے لیے کمی ہوگی۔ ہم کفر کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ کافر دوزخ کے اندر چیخ چیخ کر اور پکار پکار کر فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار اب ہمیں جہنم سے نکال دے اور دوبارہ دنیا میں بھیج دے، تاکہ وہاں جا کر ہم نیک کام کریں برخلاف ان کاموں کے جو پہلے ہم وہاں کیا کرتے تھے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ کیا اس سے پہلے ہم نے تمہیں دنیا میں اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا۔ جن لوگوں نے دنیا میں ہدایت پائی ان کو بھی تمہارے برابر ہی عمر ملی تھی۔ تم بھی اس مدت میں بہت کچھ کر سکتے تھے مگر تم نے اپنی

عمر کو غفلت میں کھو دیا۔ یہی نہیں کہ ہم نے تمہیں صرف عمر اور وقت دیا تھا بلکہ ہم نے تمہارے پاس آخرت کے عذاب سے ڈرانے والا بھی بھیجا تھا مگر تم نے اس کی بات نہیں مانی۔ سو اب تم اس غفلت اور نافرمانی کا مزہ چکھو۔ یہاں ظالموں کا کوئی مددگار نہیں جو ان کو عذاب سے بچا سکے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی جنت میں چلے جائیں گے اور دوزخی دوزخ میں تو اس وقت موت کو لا کر جنت اور دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا اور منادی ندا دے گا اے اہل جنت (آئندہ) موت نہیں۔ اے دوزخ والو! (آئندہ) موت نہیں۔ یہ سن کر جنتیوں کو مسرت بالائے مسرت ہوگی اور دوزخیوں کو غم بالائے غم۔ (مظہری: ۶۰-۶۲/ ۸)

کفر کا وبال

۳۸-۳۹: اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝

بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا جاننے والا ہے۔ بیشک وہ دلوں کی باتوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ اسی نے تمہیں زمین پر آباد کیا۔ سو جو شخص کفر کرے گا اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا اور ان کے رب کے نزدیک کافروں کا کفر ناراضی ہی بڑھنے کا باعث ہے اور کافروں کے لیے ان کا کفر خسارہ ہی بڑھنے کا باعث ہے۔

خلٰئف : جانشین، صاحب اختیار۔ واحد خلیفۃ

مقتاً : ناپسند کرنا، نفرت کرنا، بیزار ہونا، سخت ناراض ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: دوزخ میں داخل ہونے کے بعد کافر کہیں گے کہ انہیں دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ وہاں جا کر اچھے کام کریں۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کا

جاننے والا ہے۔ وہ دلوں کے بھید، سینوں کی باتوں اور لوگوں کے احوال سے خوب واقف ہے، اسے اپنے علم کامل کی بنا پر پہلے ہی معلوم ہے کہ یہ لوگ دنیا میں واپس جانے کے بعد وہی کریں گے جو پہلے کیا کرتے تھے۔ اس لیے ان کا یہ کہنا کہ وہ دنیا میں واپس جا کر نیک عمل کریں گے غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عذاب سے بچانا چاہتے ہیں اسی لیے وہ یہ بات کہہ رہے ہیں ورنہ ایک دفعہ نہیں بلکہ اگر انہیں ستر دفعہ بھی لوٹایا جائے تو اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

اور اگر ان کو (دنیا میں) واپس بھیج دیا جائے تب بھی وہ وہی کام کریں گے جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں۔ (الانعام: ۲۸)

پھر فرمایا کہ اسی نے تمہیں زمین پر پہلی امتوں کا قائم مقام بنایا اور ان کی جگہ تمہیں تصرف و اختیار اور اقتدار دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام تھا لیکن تم پھر بھی ایمان نہ لائے اور اپنے کفر و شرک پر قائم رہے۔ تمہارے کفر و ناشکری اور اللہ کی آیات کے انکار سے اس کا کچھ نقصان نہیں وہ تمہاری حمد و شکر سے بے پرواہ ہے۔ پس جو شخص کفر کرے گا تو اس کے کفر کا وبال اسی پر پڑے گا۔ جیسے جیسے کافر اپنے کفر میں بڑھتے ہیں اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور آخرت کا خسارہ بھی بڑھتا رہتا ہے۔ اس کے برخلاف مومن کی عمر جس قدر بڑھتی ہے اسی قدر اس کی نیکیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں اور وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوتا جاتا ہے۔ (ابن کثیر ۳/۵۶۰، عثمانی ۳۹۶، ۲/۳۹۷)

باطل معبودوں کی بے بسی

۴۰۔۴۱: قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ
مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ
اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ
الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا
مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

(اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ ان سے کہیے کہ تم ذرا اپنے شریکوں کو تو

دیکھو جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ مجھے بتاؤ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ پیدا کیا ہے، یا آسمانوں میں ان کی کچھ شراکت ہے، یا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے کہ یہ اس کی دلیل پر قائم ہوں، بلکہ یہ ظالم ایک دوسرے سے بڑے دھوکے کی باتوں کا وعدہ کرتے آئے ہیں۔ بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ (اپنی جگہ سے) ہٹ نہ جائیں اور اگر یہ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا۔ بیشک وہ حلیم (اور) غفور ہے۔

غُرُوراً: فریب، جھوٹا وعدہ۔ مصدر ہے۔

یُمْسِکُ: وہ روکتا ہے، وہ تھامتا ہے، وہ سنبھالتا ہے۔ اِمْسَاکٌ سے مضارع۔

تَزُوْلاَ: وہ دونوں اپنے مقام سے ہٹ جائیں۔ زَوَالٌ سے مضارع۔

تشریح: اے پیغمبر! صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ تم جن باطل معبودوں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو اور اللہ کے سوا ان کو اپنی حاجتوں کے لیے پکارتے ہو، ذرا تم مجھے دکھاؤ تو کہ انہوں نے زمین کا کونسا حصہ بنایا ہے یا آسمان کے بنانے میں ان کا کتنا حصہ ہے۔ جب وہ کسی چیز کے خالق ہی نہیں، اور نہ اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں شریک وساجھی بلکہ وہ تو ایک دوسرے کے بھی مالک و خالق نہیں تو تم اللہ کو چھوڑ کر انہیں کیوں پکارتے ہو۔ کیا ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس میں شرک کا صحیح ہونا لکھا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں بلکہ وہ اپنی نفسانی خواہشوں اور اپنی رائے پر چل رہے ہیں اور ایک دوسرے کو فریب دے رہے ہیں کہ یہ بت تمہاری شفاعت کریں گے۔ یہ سب ان کی خام خیالی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے اور وہ اس کے حکم سے اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔ ان میں سے کسی کی مجال نہیں کہ وہ ایک ذرہ بھر بھی اپنی جگہ سے جنبش کر سکے۔ اگر یہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی نہیں جو ان کو روک سکے۔ یہ آسمان و زمین قیامت تک اسی طرح اپنی اپنی جگہ قائم رہیں گے۔ جب قیامت آئے گی تب اپنی اپنی جگہ سے ہٹیں گے۔ بلاشبہ ان کے کفر و معصیت اور سرکشی کا تقاضا تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا قہر و غضب نازل کرتا لیکن اس کے حلم کی وجہ سے ان کافروں کو ڈھیل ملی ہوئی ہے۔

مشرکین کی بدعہدی

۴۲۔۴۳: وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَىِٕنْ جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ
لَّیَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِیْرٌ
مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرَا ۟ اسْتِكْبَارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَكْرَ
السَّیِّئِ وَ لَا یَحِیْقُ الْمَكْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ
اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ۚ
وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا ۟

اوران کافروں نے بڑی زوردار قسم کھائی تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ ہر امت سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے ہوں گے۔ پھر جب (واقعی) ان کے پاس ڈرانے والا آیا تو اس سے ان کی نفرت ہی میں اضافہ ہوا کہ دنیا میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے اور بری تدبیریں کرنے لگ گئے اور بری تدبیروں کا وبال انہی پر پڑتا ہے جو یہ تدبیریں کرتے ہیں۔ سو کیا یہ اسی (برتاؤ) کے منتظر ہیں جو پہلے لوگوں (کافروں) کے ساتھ ہوتا رہا۔ پس آپ اللہ کے دستور میں کبھی تبدیلی نہیں پائیں گے اور نہ آپ اللہ کے دستور کو کبھی ٹلتا ہوا پائیں گے۔

نُفُوْرًا: نفرت کرنا، فرار ہونا، بھاگنا۔ مصدر ہے۔

یَحِیْقُ: وہ گھیرتا ہے، وہ پکڑتا ہے۔ حَیْقٌ و حَیَقَانٌ سے مضارع۔

تَحْوِیْلًا: تبدیلی، تغیر۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے ابن ابی ہلال کی روایت سے بیان کیا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے) قریش کہا کرتے تھے اگر اللہ ہم میں سے کسی کو نبی بنا دے گا تو ہم سے زیادہ اس نبی کی فرماں بردار، خالق کی اطاعت گزار اور کتاب اللہ کے احکام کی پابند کوئی اور امت نہیں گزری ہوگی۔ اس پر یہ آیت واقسمو باللہ نازل ہوئی۔ (مظہری ۶۴/ ۸)

تشریح: ان آیتوں میں مشرکین کے مکر و فریب اور بدعہدی کا بیان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی بعثت سے پہلے مشرکین عرب بڑی پختہ قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) آتا تو ہم یہود و نصاریٰ کی طرح اس کی تکذیب نہ کرتے، بلکہ ہم سابقہ امتوں سے بڑھ کر اپنے نبی کی اتباع کر کے اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا پیغمبر یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی آخری کتاب قرآن لے کر آ گئے تو وہ اپنی سب قسمیں اور عہد بھول گئے اور ہدایت کی بجائے ان کی نفرت میں اضافہ ہو گیا۔ نتیجتاً وہ زمین میں سرکشی کرنے لگے، اپنے پیغمبر کی دشمنی پر کمر بستہ اور اس کو ہلاک کرنے کے درپے ہو گئے۔

یہ لوگ کفر و عہد شکنی کے ساتھ ساتھ تکبر و سرکشی بھی کرتے ہیں خود بھی اللہ تعالیٰ کے احکام قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی اس سے روکتے ہیں اور دین کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ اگرچہ وقتی طور پر یہ لوگ اپنی چالاکیوں پر خوش ہوتے ہیں مگر انجام کار ان کی مکاری کا وبال انہی پر پڑے گا۔ سو کیا یہ لوگ اسی سلوک کے منتظر ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہوئے کافروں اور امتوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ کے دستور کو نہ تو کبھی بدلتا ہوا پائیں گے اور نہ کبھی ٹلتا ہوا پائیں گے۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کے دستور اور قانون عذاب کو کافروں اور مکاروں سے ہٹا کر دوسروں کی طرف کر دے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ضابطۂ ہلاکت تکذیب کرنے والوں کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف منتقل کر دیا جائے بلکہ جو عذاب جس قوم کے لیے مقرر ہوا ہے اسی پر واقع ہو گا۔ آیت میں لفظ تبدیلاً سے مراد عذاب کو رحمت سے بدل دینے کے ہیں اور تحویلاً سے مراد عذاب کو مجرموں سے ہٹا کر غیر مجرموں کی طرف منتقل کر دینے کے ہیں (ابن کثیر: ۳/۵۶۲)

سرکش قوموں کا انجام

۴۴۔۴۵: اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَمَا كَانَ
اللّٰهُ لِیُعْجِزَهٗ مِنْ شَیْءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ
كَانَ عَلِیْمًا قَدِیْرًا ﴿۴۴﴾ وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا
تَرَكَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ
مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِیْرًا ﴿۴۵﴾

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان لوگوں کا انجام دیکھ لیتے جو ان سے پہلے گزرے ہیں، حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ قوی تھے اور اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ بیشک وہ بڑے علم والا (اور) بڑی قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال (بد) پر فوراً پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک بھی چلنے پھرنے والا نہ چھوڑتا، لیکن وہ ان کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دے رہا ہے (تاکہ وہ اپنی اصلاح کر لیں) سو جب ان کی وہ مقررہ مدت پوری ہو جائے گی تو اللہ اپنے بندوں کو خود دیکھ لے گا۔

تشریح: کیا ان منکرین و مکذبین نے دنیا میں گھوم پھر کر گزشتہ سرکش اور مکار اقوام کا عبرت ناک انجام نہیں دیکھا کہ ان کی نعمتیں چھن گئیں۔ ان کے محلات اور مال تباہ کر دیئے گئے۔ وہ خود اور ان کی اولادیں ہلاک کر دی گئیں۔ کوئی بھی اللہ کے عذاب کو ان سے نہ ٹال سکا، حالانکہ وہ لوگ قوت، جسامت اور مال و دولت میں ان سے کہیں زیادہ تھے اس کے باوجود وہ اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے اور نہ اللہ کے مقابلے میں کوئی مکر اور تدبیر کام آئی۔ زمین و آسمان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کے ارادے میں حائل ہو سکے اور اس کے حکم کو ٹال سکے۔ کوئی چیز اس کے علم و قدرت سے باہر نہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی بنا پر پکڑنے لگے اور کفر و معصیت پر ان کو مہلت نہ دے تو زمین پر کوئی جاندار باقی نہ رہے۔ لیکن اللہ نے ان کو ایک مقررہ مدت تک مہلت دے رکھی ہے۔ پھر جب ان کے ہلاک ہونے کا مقررہ وقت آ جائے گا تو اس میں ذرا بھی تاخیر نہ ہوگی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کو دیکھ رہا ہے کہ کون ہلاکت کا مستحق ہے اور کون نجات کا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ یٰسٓ

وجہ تسمیہ: ابن مردویہ، خطیب اور بیہقی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ یٰسٓ کو معمہ بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ عموماً اپنے پڑھنے والے کو دونوں جہان کی بھلائی عطا کرتی ہے۔ اس کو دافعہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ اپنے پڑھنے والے سے ہر برائی کو دفع کرتی ہے۔ اس سورت کا نام قاضیہ بھی ہے کہ یہ اپنے پڑھنے والے کی ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ اس کا مشہور نام یٰسٓ ہے۔ خطیب کہتے ہیں کہ ایک نام القلب بھی ہے۔ (روح المعانی: ۲۲/۲۰۹، مواہب الرحمٰن: ۲۲/۲۵۴)

تعارف: اس میں ۵ رکوع، ۸۳ آیات ۷۲۹ کلمات اور تین ہزار حروف ہیں۔ یہ سورت بالا جماع مکہ میں نازل ہوئی۔ سورت کے آغاز میں رسالت کا بیان ہے۔ اس کے بعد توحید کے دلائل اور آخر میں حشر ونشر اور معاد جسمانی کا مفصل و مدلل بیان ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یٰسٓ قرآن کا دل ہے۔ (روح المعانی ۲۲/۲۰۸) ابو یعلیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جو شخص رات کو سورۂ یٰسٓ پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے اور جو سورۂ دخان پڑھے اسے بھی بخش دیا جاتا ہے۔ مسند بزار میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری خواہش ہے کہ میری امت کے ہر ہر فرد کو یہ سورت یاد ہو۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس سورت کو اپنے مرنے والوں کے پاس پڑھا کرو۔ (ابن کثیر: ۳/۵۶۳)

حضرت ابو سعید سے مروی ہے کہ جس نے ایک مرتبہ سورۃ یٰسٓ پڑھی تو گویا اس نے دو مرتبہ قرآن پڑھا۔ (روح المعانی: ۲۲/۲۱۰)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: رسالت محمدی کا اثبات اور مکذبین نبوت کی تہدید ہے۔

رکوع ۲: اصحاب قریہ کی مثال اور ایک مرد صالح کی نصیحت مذکور ہے۔

رکوع ۳: مظاہر قدرت سے حشر ونشر پر استدلال۔ پھر کافروں کی سنگدلی اور قیامت کا اچانک آنا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: نفخۂ ثانی، اہل جنت کا انعام اور اہل جہنم کی ذلت و رسوائی بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۵: اللہ کی نشانیوں، حشر ونشر کا اثبات اور اس کی قدرت کاملہ کا بیان ہے۔

۱۔ حروف مقطعات

۱: یٰسٓ ۝

یہ حروف مقطعات ہیں جو بعض سورتوں کے شروع میں آتے ہیں۔ ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ ان کا علم بندوں کو نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے کہ یہ اسمائے الٰہیہ میں سے ہے۔ ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں، اے انسان اور انسان سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (روح المعانی ۲۲/۲۱۰)

رسالتِ محمدیہ کا اثبات

۲۔۷: وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

قسم ہے قرآن حکیم کی۔ بیشک آپ رسولوں میں سے ہیں (اور) سیدھے راستے پر ہیں۔ یہ (قرآن) غالب (اور) مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا

ہے تا کہ آپ ایسے لوگوں کو ڈرائیں جن کے باپ دادا، ڈرائے نہیں گئے
تھے۔ سو یہ لوگ بے خبر ہیں۔ بیشک ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت
ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہ لائیں گے۔

تشریح: قسم ہے قرآن حکیم کی جس کا ہر ہر حرف علم وحکمت کا سرچشمہ ہے۔ اے منکرین اسلام! جس قرآن کو یہ نبی اُمی تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں وہ ایسا حق اور سچ ہے کہ باطل تو اس کے قریب سے بھی نہیں گزر سکتا۔ لہٰذا جو شخص اس قرآن کے راستے پر چلتا ہے وہ بھی یقیناً حق پر ہے۔ نقاش کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر کی رسالت پر قسم نہیں کھائی سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کے لیے کافروں کے اس قول کے جواب میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں، قسم کھا کر اور تاکیداً فرمایا کہ آپ یقیناً اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ نہ ساحر ہیں نہ مجنون جیسا کہ کافر گمان کرتے ہیں بلکہ آپ تو صاف اور سیدھے راستے پر ہیں جو اللہ تک پہنچانے والا ہے۔ یہاں صراط مستقیم سے مراد دین اسلام ہے۔

یہ قرآن تو زبردست مہربان کی طرف سے نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ ایک ایسی قوم کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں جو حق وہدایت سے بے خبر ہے اور جن کے آباواجداد کو زمانۂ فترت میں کسی رسول کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے قہر سے نہیں ڈرایا گیا۔ ان میں سے بہت سے افراد ایسے ہیں جو کسی قسم کی نصیحت پر کان دھرنے کے لیے تیار نہیں۔ اسی لیے شیطان ایسے لوگوں پر پوری طرح مسلط ہو جاتا ہے اور ان کی شرارتوں اور حماقتوں کو ان کی نگاہ میں خوشنما کر کے دکھاتا ہے جس کے نتیجے میں یہ لوگ آخرت سے منکر ہو کر اپنی فانی خواہشات کو اپنا مقصد حیات بنا لیتے ہیں۔ اس وقت شیطان کی یہ بات کہ میں اللہ کے مخلص بندوں کے سوا سب کو بہکا کر رہوں گا، سچ ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اللہ کا یہ کہنا کہ میں تجھ سے اور تیری اتباع کرنے والوں سے دوزخ بھر دوں گا، ان میں سے بہت سے لوگوں کے حق میں ثابت ہو جاتا ہے۔ سو ان میں سے بہت سے لوگ ایمان نہیں لائیں گے، اس لیے آپ کو ان کے ایمان نہ لانے سے غمگین ہونے کی ضرورت نہیں۔ (مواہب الرحمٰن ۲۶۰/۲۲، عثمانی ۳۹۹، ۲/۴۰۰)

مکذبین کی مثالیں

۸۔۱۲۔ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ
مُّقْمَحُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ

خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝

بیشک ہم نے ان کی گردنوں میں ٹھوڑیوں تک طوق ڈال دیئے جس سے ان کے سراوپر کو اٹھ گئے ہیں اور ہم نے ایک دیوار ان کے آگے کھڑی کر دی ہے اور ایک دیوار ان کے پیچھے۔ پھر ہم نے انہیں ڈھانک دیا سو ان کو کچھ نہیں سوجھتا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں۔ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ بیشک آپ تو ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور بغیر دیکھے اللہ سے ڈرے، سو آپ اس کو مغفرت اور عمدہ اجر کی خوشخبری سنا دیجئے۔ بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم وہ اعمال بھی لکھتے جاتے ہیں جن کو وہ آگے بھیج رہے ہیں اور ان کے وہ اعمال بھی جن کو وہ پیچھے چھوڑ جاتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں شمار کر رکھا ہے۔

اَعْنَاقِهِمْ: ان کی گردنیں۔ واحد عُنُقٌ۔

اَغلٰلاً: طوق، ہتھکڑیاں۔ واحد غُلٌّ۔

اَذْقَان: ٹھوڑیاں، واحد ذَقَنٌ۔

مُقْمَحُوْنَ: سراوپر کو کئے ہوئے، سرپشت کی طرف جھکے ہوئے۔ اِقْمَاحٌ سے اسم مفعول۔

سَدًّا: دیوار، آڑ، روک۔ مصدر ہے۔

تشریح: ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کی گردن میں اس طرح طوق ڈال دیا جائے کہ اس کا چہرہ اور آنکھیں اوپر اٹھ جائیں اور وہ نیچے راستے کی طرف دیکھ ہی نہ سکے۔ ظاہر ہے ایسا شخص اپنے آپ کو کسی کنوئیں یا کھائی میں گرنے سے نہیں بچا سکتا۔ یہ مثال ایسے کافر کی ہے جو حق کو خوب پہچان کر بھی اس سے منہ موڑے رہتا ہے۔ کافروں کے حال کی دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ جس طرح کسی

کے آگے اور پیچھے دیواریں کھڑی کر کے اس کو محصور کر دیا گیا ہو اور اوپر سے اس کی آنکھوں پر پردہ بھی ڈال دیا گیا ہو تو وہ باہر کی چیزوں سے بے خبر ہو گیا ہے۔ اب وہ ان کو دیکھ نہیں سکتا۔ اسی طرح ان کافروں کی جہالت اور ہٹ دھرمی نے ان کا محاصرہ کر رکھا ہے اور حق باتیں گویا ان تک پہنچتی ہی نہیں۔ لہٰذا ایسی حالت میں وہ کسی طرح بھی حق کو قبول نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ ان کے دلوں اور کانوں پر کفر کی مہر لگ چکی ہے اور آنکھوں پر عناد کا پردہ پڑ چکا ہے اب یہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان میں ایمان کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہی۔ اس لیے اب ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ازلی علم میں ان کا کفر پر مرنا ثابت ہو چکا ہے، اس لیے ان کو ڈرانا اور تبلیغ دین کرنا صرف اتمام حجت کے لیے ہے۔ البتہ آپ کا ڈرانا ایسے لوگوں کے لیے سودمند ہو سکتا ہے جن میں ایمان اور حق کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہو، وہ نصیحت کو سننے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہوں اور دیکھے بغیر غائبانہ طور پر اللہ سے ڈرتے ہوں سو آپ ایسے لوگوں کو مغفرت اور اچھے ثواب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

قیامت کے روز ہم یقیناً مردوں کو دوبارہ زندہ کریں گے۔ ہم ان کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں جو انہوں نے اپنی زندگی میں کئے اور ہم ان آثار و نشانات کو بھی لکھتے جاتے ہیں جو انہوں نے مرنے کے بعد اپنے پیچھے چھوڑے۔ آثار سے وہ اعمال مراد ہیں جن کا اثر مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے جیسے علم دین کے بارے میں کوئی کتاب لکھی ہو یا کوئی ناول افسانہ لکھا ہو۔ کوئی مسجد یا مدرسہ بنا کر چھوڑا یا سینما اور تھیٹر وغیرہ۔ غرض ان چیزوں کی جزا یا سزا ملے گی۔ ہمارا علم ایسا وسیع اور محیط ہے کہ ہم نے پہلے ہی سے ہر چیز کو لوح محفوظ میں شمار کر رکھا ہے۔ یہاں امام مبین سے لوح محفوظ مراد ہے جو اس اعمال نامے کے علاوہ ہے جس میں بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔

اصحابِ قریہ کی مثال

۱۳۔۱۷ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝
اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا
اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ
اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبُّنَا
يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۝ وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝

اور آپ ان کے سامنے ایک بستی والوں کی مثال بیان کیجئے جبکہ اس بستی میں کئی رسول آئے ۔ جب ہم نے ان کی طرف دو (رسول) بھیجے تو ان لوگوں نے ان دونوں کی تکذیب کی ۔ پھر ہم نے تیسرے رسول سے ان کو قوت دی تو ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو اور رحمان (اللہ) نے کوئی چیز نازل نہیں کی ۔ تم تو نرا جھوٹ بولتے ہو ۔ ان رسولوں نے کہا کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ یقیناً ہم تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمے تو صرف واضح طور پر پہنچا دینا ہے ۔

تشریح: ان آیتوں میں اصحاب قریہ کی مثال بیان کی گئی ہے جو مومنوں کے لیے بشارت اور مکذبین کے لیے عبرت ہے ۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس قریہ سے شام کی ایک بستی ''انطاکیہ'' مراد ہے ۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس سے انطاکیہ مراد نہیں بلکہ گزشتہ زمانے کی کوئی بستی مراد ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا ۔ یہ قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے زمانے کے مکذبین رسالت کا ہے جہاں پہلے اللہ تعالیٰ نے دو رسول بھیجے، پھر ان کی مدد کے لیے تیسرا رسول بھیجا ۔ پھر ان تینوں کی مدد کے لیے شہر کے کنارے سے ایک مرد صالح آیا جس نے رسولوں کی اطاعت و اتباع کے متعلق نہایت معقول و مدلل تقریر کی جس پر مکذبین نے اس مرد صالح کو قتل کر دیا ۔

قرآن کریم نے اس قصے کو تفصیلاً بیان نہیں کیا بلکہ نہایت اختصار و اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے تا کہ مکذبین رسالت اس سے عبرت پکڑیں اور جان لیں کہ متکبرین و مکذبین کا انجام کیا ہوتا ہے ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ ان مکذبین رسالت کے سامنے اس بستی والوں کا حال بیان کیجئے جس میں تین رسول آئے تھے تا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ان سے پہلے بھی جھٹلانے والے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے ۔ پہلے ہم نے ان کے پاس دو رسول بھیجے لیکن اہل بستی نے دونوں کو جھٹلا دیا ۔ پھر ہم نے ان کی تائید و تقویت کے لیے تیسرے رسول کو بھیجا ۔ پھر ان تینوں نے اہل بستی کو بتایا کہ ہم خود نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے پیغام ہدایت دے کر ہم تینوں کو تمہاری طرف بھیجا ہے تا کہ تم اس پیغام ہدایت پر عمل کر کے اپنے آپ کو عذاب جہنم سے بچا سکو ۔ لہٰذا تم بت پرستی کو چھوڑ کر توحید و رسالت پر ایمان لے آؤ ۔ اہل بستی نے جواب دیا کہ تم تو ہمارے ہی جیسے انسان ہو ۔ کوئی بشر اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں ہو سکتا ۔ ہم میں اور تم میں کوئی فرق نہیں اور نہ تمہیں ہم پر کسی طرح برتری حاصل ہے ۔

اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی ۔ تم محض جھوٹ کہتے ہو کیونکہ ہم بھی بشر ہیں اور تم سے زیادہ مال و دولت والے ہیں ۔ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی کتاب ہی نازل کرنا تھی یا کسی انسان کو رسول بنانا تھا تو ہم اس کے زیادہ لائق ہیں ۔ رسولوں نے جواب دیا کہ ہمارا رب خوب جانتا ہے کہ اس نے ہمیں ہی تمہاری جانب رسول بنا کر بھیجا ہے ۔ ہمارا کام تو صرف اللہ کا پیغام اور اس کے احکام کو ٹھیک ٹھیک پہنچا دینا ہے ۔ سو وہ ہم نے پہنچا کر اتمام حجت کر دیا ۔ ان کو ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے ۔

(ابن کثیر ۵۶۶، ۵۶۷/ ۳، مواہب الرحمٰن ۲۶۹ ۔ ۲۷۰/ ۲۲)

ایک مردِ صالح کی نصیحت

۱۸ ۔ ۲۱: قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ
لَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ قَالُوْا طَآىِٕرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَىِٕنْ
ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا
الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝
اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

وہ لوگ کہنے لگے کہ ہم تو تمہیں منحوس سمجھتے ہیں ۔ اگر تم (اپنی تبلیغ سے) باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں سخت تکلیف پہنچے گی ۔ ان رسولوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہی (لگی ہوئی) ہے ۔ کیا تم اس کو نحوست سمجھتے ہو کہ تمہیں نصیحت کی جائے بلکہ تم تو حد سے نکل جانے والے لوگ ہو ۔ اور ایک شخص شہر کے دور والے حصے سے دوڑتا ہوا آیا ۔ کہنے لگا اے میری قوم تم ان رسولوں کی پیروی کرو ۔ ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگتے اور وہ خود راہ راست پر بھی ہیں ۔

تَطَيَّرْنَا : ہم نے بدفالی کی ، ہم نے منحوس جانا ۔ تَطَيُّرٌ سے ماضی ۔

نَرْجُمَنَّكُمْ : ہم تم کو ضرور سنگسار کریں گے ۔ رَجْمٌ سے مضارع بانون تاکید ۔

اَقْصَا : بہت دور ۔ قَصَاءٌ و قُصُوٌّ سے اسم تفضیل ۔

تشریح: اہل قریہ اپنی بدکاریوں اور کفر و انکار کو نظر انداز کرتے ہوئے رسولوں کو الزام دینے لگے کہ

بیشک ہم تو تمہیں لوگوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔ جب سے تم آئے ہو ہم تو طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہیں۔ تمہارے آنے کے بعد سے بارش بند ہو گئی اور ہماری سب کھیتیاں خشک ہو گئیں۔ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں شدید تکلیف پہنچے گی۔ ان کے جواب میں انبیا نے فرمایا کہ بارش بند ہونے اور کھیتیاں سوکھنے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، یہ سب تمہارے اعمالِ بد کی نحوست ہے۔ کیا تم اس لیے ہمیں الزام دیتے ہو کہ ہماری طرف سے تمہیں نصیحت کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم ہی حد سے گزر جانے والے لوگ ہو اور یہ مصیبت و نحوست تمہارے ہی افعال و اعمالِ بد کا نتیجہ ہے۔

جب یہ لوگ رسولوں کے قتل پر آمادہ ہو گئے اور یہ خبر شہر میں پھیل گئی تو منتہائے شہر سے ایک شخص رسولوں کی مدد و اعانت کے لیے دوڑتا ہوا آیا اور لوگوں کو نصیحت کے طور پر کہنے لگا کہ تم ان رسولوں کی اتباع کرو۔ یہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نیک پیغام لیکر آئے ہیں اور تمہارے خیر خواہ ہیں۔ اے میری قوم کے لوگو! تم ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجرت و معاوضہ نہیں مانگتے۔ یہ لوگ مخلص اور بے لوث ہیں، ہدایت یافتہ ہیں اور تمہیں بھی سیدھے راستے پر چلانا چاہتے ہیں۔ ان بدبختوں نے اس کی ایک نہ سنی۔ آخر اس کو قتل کر دیا۔

قوم کی اصلاح کی کوشش

۲۲۔۲۵: وَمَالِيَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِيْ فَطَرَنِيْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ يُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَّلَا يُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّيْٓ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾ اِنِّيْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

اور مجھے کیا ہوا کہ میں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ کیا میں اس (اللہ) کے سوا ایسوں کو معبود بناؤں کہ اگر وہ رحمان مجھے تکلیف پہنچانا چاہے تو ان کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے اور نہ وہ مجھے (اس کی گرفت سے) بچا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو صریح گمراہی میں جا پڑوں۔ سو تم سب سن لو کہ میں تمہارے رب پر ایمان لا چکا۔

فَطَرَنِيْ: اس نے مجھے پیدا کیا۔ فَطْرٌ سے ماضی۔

یُنْقِذُوْنِ: وہ چھڑائیں گے، وہ بچائیں گے۔ اِنْقَاذٌ سے مضارع۔

تشریح: اس مرد صالح نے کہا کہ میرے پاس کونسا عذر ہے کہ میں اس معبود حقیقی کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور آخر کار تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ ضرور دے گا۔ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر ان بتوں کو معبود بنالوں جو کسی طرح عبادت کے لائق نہیں بلکہ ایسے عاجز و بے بس ہیں کہ اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی وقت مجھے کوئی تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے تو ان باطل معبودوں کی سفارش میرے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ یہ بت اپنی طاقت وقوت سے مجھے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکیں گے۔ بلاشبہ ایسی حالت میں اگر میں ان بتوں کی پوجا کروں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر تو میں کھلی گمراہی میں پڑ جاؤں گا۔ تم میری نصیحت کو گراں نہ جانو۔ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ یقیناً میں تمہارے معبود حقیقی پر ایمان لا چکا ہوں سو تم میری بات سنو اور اپنے خالق و معبود حقیقی پر ایمان لے آؤ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جب اس شخص نے یہ بات کہی تو اس کی قوم کے لوگوں نے اس پر ایک دم حملہ کر کے قتل کر دیا۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ قدموں سے ایسا روندا کہ اس کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ سدی نے کہا کہ لوگ اس کو پتھروں سے مار رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ میری قوم کو ہدایت کر۔ آخر اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مار ڈالا۔ (مظہری ۷۸، ۷۹/ ۸)

جنت میں داخلہ

۲۶۔۲۹: قِيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِيْ يَعْلَمُوْنَ ۝ بِمَا غَفَرَ لِيْ رَبِّيْ وَ جَعَلَنِيْ مِنَ الْمُكْرَمِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ ۝ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ۝

(اس سے) کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ اس نے کہا کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے اہل عزت میں شامل فرمایا۔ اور اس کے بعد ہم نے اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اس طرح اتارا کرتے ہیں۔ وہ تو صرف ایک چیخ تھی۔ پھر

یکا یک وہ بجھ (مر) گئے۔

جُند: لشکر، فوج۔ جمع جُنُوْدٌ۔

صَیْحَۃٌ: چیخ۔ کڑک۔ ہولناک آواز۔ مصدر ہے۔

خٰمِدُوْنَ: بجھے ہوئے۔ بجھنے والے۔ خُمُوْدٌ سے اسم فاعل۔ واحد خَامِدٌ۔

تشریح: جب قوم نے اس مردِ صالح کو شہید کر دیا جو ایک گوشۂ شہر سے رسولوں پر ایمان لانے کی تلقین کرنے کے لیے آیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ خاص اعزاز و اکرام کا معاملہ فرماتے ہوئے اس کو جنت میں داخل ہونے کا حکم فرمایا۔ جب اس نے انعام و اکرام اور جنت کی نعمتوں کا مشاہدہ کیا تو اس کو پھر اپنی قوم یاد آئی اور تمنا کی کہ کاش میری قوم کو میرا حال معلوم ہو جاتا کہ رسولوں پر ایمان لانے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا کیا انعامات فرمائے اور کیسی کیسی دائمی نعمتیں عطا فرمائیں تو شاید وہ بھی ایمان لے آئیں اور طاعت گزار ہو جائیں۔

اس کے بعد اس قوم پر آسمانی عذاب کا ذکر ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اس شخص کو شہید کر دیا جو ان کو نصیحت کرنے کے لیے آیا تھا تو ہم نے اس نافرمان قوم کو عذاب دینے کے لیے آسمان سے فرشتوں کا کوئی لشکر نہیں بھیجا اور نہ ہمیں ایسا کرنے کی ضرورت تھی بلکہ صرف اتنا ہوا کہ فرشتے نے ایک زور کی چیخ نکالی اور سب کے سب ٹھنڈے ہو گئے۔

سابقہ قوموں کے احوال سے عبرت

۳۰۔۳۲: يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ وَإِن كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝

افسوس ہے ان بندوں (کے حال) پر! کہ ان کے پاس (ایسا) کوئی رسول نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو۔ کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم بہت سی امتیں ہلاک کر چکے ہیں جو ان کی طرف واپس نہیں لوٹیں اور یہ سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں گے۔

تشریح: ایسے لوگوں کے حال پر حسرت وافسوس ہے۔ قیامت کے روز یہ لوگ عذاب الٰہی کو دیکھ کر اپنے اوپر نادم ہوں گے اور کف افسوس ملیں گے اور کہیں گے کہ ہائے افسوس! ہم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کر کے خود اپنا برا کیا۔ دنیا میں ان لوگوں کا حال یہ تھا کہ جب بھی ان کے پاس کوئی رسول آتا فوراً بلا تامل اس کی تکذیب کرتے اور اس کا تمسخر اڑاتے۔ جو لوگ ایسے مخلص اور خیر خواہوں کا مذاق اڑائیں جن کی نصیحت پر عمل پیرا ہونے سے دونوں جہان کی خیر و فلاح حاصل ہوتی ہو، وہ اس قابل ہیں کہ ان کی حالت پر حسرت وافسوس کیا جائے۔

یہ مشرکین مکہ تو گزشتہ امتوں کے احوال سے بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی امتوں کو اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور تمسخر کی سزا میں ہلاک و غارت کر دیا اور ہلاک شدہ قومیں انکے پاس کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گی کہ آ کر ان کو اپنا حال بتائیں۔ کسی مردے میں یہ قدرت نہیں کہ وہ مرنے کے بعد اپنے اختیار سے دو چار گھنٹے ہی کے لیے دنیا میں آ جائے۔ قیامت کے روز حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لیے سب کو جمع کر کے ہمارے سامنے حاضر کیا جائے گا۔

مظاہر قدرت سے حشر و نشر پر استدلال

۳۳۔۳۶: وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا
فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝ وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّ
فَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝ لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ
اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا
مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اور مردہ زمین ان کے لیے ایک نشانی ہے۔ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس سے غلہ نکالا۔ سو یہ لوگ اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور ہم نے اس میں کھجور اور انگور کے باغ پیدا کر دیے اور اس میں چشمے جاری کر دیے تاکہ لوگ اس کے پھل کھائیں اور انہوں نے اس (پھل اور غلے) کو اپنے ہاتھوں سے نہیں بنایا۔ پھر کیوں شکر نہیں کرتے۔ وہ ذات پاک ہے جس نے ہر چیز کے

جوڑے پیدا کئے خوہ وہ زمین سے اگتی ہوں یا خود ان کے نفوس ہوں یا وہ چیزیں ہوں جنہیں یہ جانتے بھی نہیں۔

تشریح: اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک مردہ زمین بھی ہے جس کو تم ہر وقت دیکھتے ہو۔ اس مردہ اور بنجر زمین میں کوئی روئیدگی، ہریالی اور گھاس وغیرہ نہیں ہوتی۔ پھر آسمان سے پانی برسا کر ہم اس مردہ زمین کو زندہ کر دیتے ہیں اور وہ لہلہانے لگتی ہے، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگتا ہے۔ ہم اس میں قسم قسم کے اناج پیدا کرتے ہیں جن کو تم خود بھی کھاتے ہو اور تمہارے بعض جانور بھی کھاتے ہیں۔ اس زمین میں ہم کھجوروں اور انگوروں کے باغات پیدا کر دیتے ہیں، نہریں اور چشمے جاری کر دیتے ہیں جن سے باغ اور کھیتیاں سیراب ہوتی رہتی ہیں۔ یہ سب اس لیے کہ لوگ ان باغوں، کھیتوں اور درختوں سے منافع حاصل کریں۔ یہ تمہارے ہاتھوں کی پیدا کردہ چیزیں نہیں اور نہ تم ان کو اگانے کی طاقت و قدرت رکھتے ہو بلکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت سے پیدا ہوتی ہیں۔ پھر لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں کو پالینے کے بعد بھی اس کا شکر نہیں کرتے اور نہ خالص اللہ کی عبادت کرتے ہیں جو ان تمام نعمتوں کا خالق ہے۔ سو پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے خواہ وہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہوں یا ان کی اپنی ذاتوں میں سے ہوں یا وہ چیزیں ہوں جن کو یہ نہیں جانتے۔

قدرتِ الٰہی کی نشانی

۳۷۔۴۰: وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ
وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ؕ
وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝
لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ
النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝

اور ان کے لیے رات بھی ایک نشانی ہے جس سے ہم دن کو الگ کر دیتے ہیں تو وہ یکایک اندھیرے میں رہ جاتے ہیں اور سورج اپنے مقرر راستے پر چلا جا رہا ہے۔ یہ اندازہ اس اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے جو زبردست (اور) علم والا

ہے اور ہم نے چاند کی بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں یہاں تک کہ وہ (ان سے گزر کر) ایسا ہو جاتا ہے جیسے (کھجور کی) پرانی ٹہنی۔ نہ سورج کی مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے آگے بڑھ سکتی ہے اور سب آسمان میں تیر رہے ہیں۔

نَسْلَخُ: ہم کھینچ لیتے ہیں، ہم اتار لیتے ہیں۔ نَسْلَخٌ سے مضارع۔

مُظْلِمُوْنَ: تاریکی میں پڑے ہوئے، اندھیرے میں داخل ہونے والے۔ اِظْلَامٌ سے اسم فاعل۔

مُسْتَقَر: ٹھہرایا ہوا، ٹھہرنے کی جگہ۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسم مفعول و اسم ظرف مکان۔

الْعُرْجُوْن: کھجور کی شاخ، کھجور کی ٹہنی۔ جمع عَرَاجِیْنُ۔

یَنْبَغِیْ: وہ لائق ہوتا ہے، وہ درست ہوتا ہے۔ اِنْبِغَاءٌ سے مضارع۔

یَسْبَحُوْنَ: وہ تیرتے ہیں، وہ تیزی سے چلتے ہیں۔ سَبْحٌ سے مضارع۔

تشریح: رات بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، جس میں سے ہم دن کو کھینچ کر الگ کر دیتے ہیں۔ اس طرح دن ختم ہو جاتا ہے اور رات کے چھا جانے سے ہر طرف اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ جس طرح جاندار کی کھال اس کے گوشت کو چھپائے رکھتی ہے اور کھال اتار لینے سے اندر کا گوشت ظاہر ہو جاتا ہے اسی طرح دن کی روشنی رات کو اپنے اندر چھپائے رکھتی ہے۔ جب خلا سے روشنی کھینچ لی جاتی ہے تو اندر سے ظلمت اور تاریکی ظاہر ہو جاتی ہے جو ہر طرف پھیل جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے سورج بھی ہے جو اس کے حکم سے اپنے مقررہ ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔ آفتاب کا یہ چلنا اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے۔ اس میں غلطی اور خطا کا امکان نہیں۔ آفتاب کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کے مقرر کردہ راستے سے ذرا بھی انحراف کر سکے۔ وہ اللہ کے حکم کے مطابق مقررہ وقت پر طلوع ہوتا ہے اور مقررہ وقت ہی پر غروب ہوتا ہے۔ قیامت تک وہ اسی طرح طلوع اور غروب ہوتا رہے گا۔ اسی طرح ہم نے چاند کے لیے منزلیں مقرر کر دی ہیں جن کو وہ طے کرتا رہتا ہے۔ چاند کی کل اٹھائیس منزلیں ہیں۔ وہ روزانہ ایک منزل طے کرتا ہے۔ نہ اس سے آگے بڑھتا ہے اور نہ اس سے پیچھے رہتا ہے۔ پہلی رات سے اس کا سائز اور روشنی بڑھنا شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ چودھویں رات کو اس کا سائز اور روشنی پوری ہو جاتی ہے۔ پھر پندرہویں رات سے اس میں پھر کمی شروع ہو جاتی ہے اور اٹھائیسویں رات کو کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح باریک اور پتلا

ہو جاتا ہے۔ پھر ایک یا دو رات پوشیدہ رہ کر مہینے کے شروع میں کمان کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ چاند کا اس طرح کم زیادہ ہونا بھی اس کی قدرت کی نشانی ہے۔ سورج اور چاند: دونوں کی رفتار اور طلوع و غروب کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک حد مقرر کر دی ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ لہٰذا نہ سورج کی مجال کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور اس کی منزل میں جا اترے اور نہ چاند کی مجال کہ وہ سورج کو پکڑ سکے دونوں کی رفتار اس کی قدرت کے تابع ہے۔ اسی طرح رات بھی دن پر سبقت نہیں کر سکتی، یعنی دن پورا ہونے سے پہلے رات نہیں آ سکتی چاند اور سورج سب اپنے اپنے آسمان اور اپنے اپنے دائرے میں تیرتے اور گھومتے ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے دائرے یا مدار سے باہر قدم نکال سکے۔

قدرتِ الٰہی کی ایک اور نشانی

۴۱-۴۴: وَاٰیَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّیَّتَهُمْ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا یَرْكَبُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِیْخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ یُنْقَذُوْنَ ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ ۝

ان کے لیے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو (حضرت نوح کے زمانے میں) بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا (اور اس کو زمین پر باقی رکھا) اور ہم نے ان کے لیے اس (کشتی) جیسی اور چیزیں (بھی) پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ ان کا مددگار ہو اور نہ وہ رہائی پا سکیں مگر یہ ہمارے مہربانی ہے کہ ہم ان کو ایک مدت تک فائدہ (اٹھانے کا موقع) دے رہے ہیں۔

الْمَشْحُوْنِ: بھرا ہوا۔ شَحْنٌ سے اسم مفعول۔

یَرْكَبُوْنَ: وہ سوار ہوتے ہیں۔ رَكْبٌ و رُكُوْبٌ سے مضارع۔

صَرِیْخَ: مددگار، فریادرس، مصدر بھی ہے اور صُرَاخٌ سے صفت مشبہ بھی۔

یُنْقَذُوْنَ: ان کو چھڑایا جائے گا، ان کو بچایا جائے گا۔ اِنْقَاذٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک بڑی نشانی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے گراں بار

کشتیوں اور جہازوں کو دریاؤں اور سمندروں میں چلاتا ہے جن پر ان کی اولاد اور وہ دور دراز کا سفر کرتے ہیں حالانکہ سمندر کے اندر بڑے سے بڑا جہاز بھی ایک تنکے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ اس کے علاوہ ہم نے ان کے لیے کشتی کی مانند اور چیزیں بھی پیدا کی ہیں جن پر وہ سواری کرتے ہیں، مثلاً اونٹ، گھوڑے وغیرہ۔ بعض مفسرین کے نزدیک خلقنالهم من مثله مایر کبون سے وہ تمام قسم کے جہاز اور کشتیاں مراد ہیں جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کے بعد اس کی مماثلت اور مشابہت میں بنائی گئیں۔ بہر حال لوگوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کریں کہ اس نے محض اپنی رحمت سے بحر و بر میں ان کی سواری اور بار برداری کا انتظام فرما دیا۔

پھر فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو کشتی کو دریا میں غرق کر دیں، اس وقت ان کا کوئی فریاد رس بھی نہ ہوگا جو ان کو بچا سکے اور نہ وہ ڈوبنے سے نجات پا سکیں گے یہ تو ہماری رحمت و مہربانی ہے کہ ہم ان کو اپنے مقرر کئے ہوئے وقت تک فائدہ پہنچاتے ہیں اور ہر طرح صحیح سلامت رکھتے ہیں اور ان کو غرق نہیں کرتے ورنہ وہ اپنے کرتوتوں اور کفر و شرک کی بناء پر غرق ہی کے مستحق تھے۔ (مظہری ۸۷/۸)

کافروں کی سنگدلی

۴۵۔۴۷: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗٓ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۷﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس (عذاب) سے بچو جو تمہارے سامنے اور تمہارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور ان کے سامنے ان کے رب کی آیتوں میں سے کوئی آیت بھی ایسی نہیں آتی جس سے وہ روگردانی نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس میں سے خرچ کرو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ کیا ہم ان کو کھلائیں جنہیں اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) تم تو ہو ہی کھلی گمراہی میں۔

تشریح: ان آیتوں میں کافروں کی سنگدلی، سرکشی اور عناد و تکبر کا بیان ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس عذاب الٰہی سے ڈرو جو تم سے پہلے سرکشی اور تکذیب کرنے والوں پر آچکا ہے اور اس عذاب سے بھی ڈرو جو قیامت میں آنے والا ہے اور اپنی بداعمالیوں سے تائب ہو کر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ تا کہ اللہ تم پر مہربان ہو جائے اور تمہیں اپنے عذاب سے بچالے، تو یہ سنگدل ایسی باتوں کو سنتے تک نہیں بلکہ جب بھی اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس آتی ہے تو یہ اس کی طرف التفات کرنے کی بجائے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

جب ان کافروں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے کچھ اس کے محتاج بندوں پر خرچ کر دو تو یہ لوگ اہل ایمان سے تمسخر کے طور پر کہتے ہیں کہ تم تو یہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی سب کو روزی دیتا ہے سو جب اللہ نے ان کو روزی نہیں دی تو ہم اللہ کے ارادے کے خلاف کیوں کریں۔ اے مسلمانوں! تم جو ہمیں غریبوں کی مدد کا مشورہ دے رہے ہو تو تم کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ بعض مفسرین کے نزدیک ان انتم الا فی ضلیل مبین کافروں کے قول کا تتمہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کافروں کو خطاب ہے کہ تم کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ کوئی جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس کے حق میں کیا چاہتا ہے۔ اپنے بخل کے سبب نیک کام نہ کرنے کے لیے اللہ کی تقدیر اور مشیت کو بہانہ بنانا صریح گمراہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے بعض کو مالدار بنایا اور بعض کو غریب و مسکین تا کہ غریب و مسکین صبر کریں اور مالدار شکر کریں۔ اللہ تعالیٰ نہ بخیل ہے اور نہ غنی کا محتاج ہے بلکہ اس نے بطور آزمائش مالداروں کو حکم دیا کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں سے غریبوں اور محتاجوں کو بھی دیں۔ پس خیرات کے بارے میں اللہ کے حکم کو چھوڑ دینا اور تقدیر کو بہانہ بنانا کھلی گمراہی ہے (مظہری ۸۷، ۸۸/ ۸، معارف القرآن ۲ تا ادریس کاندھلوی ۴۵۵۔ ۴۵۷/ ۶)

قیامت کا اچانک آنا

۴۸۔ ۵۰: وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ مَا يَنْظُرُوْنَ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُوْنَ ۝ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ إِلٰٓى أَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ (قیامت کا) وعدہ کب ہوگا اگر تم (اپنے دعوے

میں) سچے ہو ۔ یہ لوگ بس ایک سخت چیخ کے منتظر ہیں جو ان کو آ پکڑے گی اور یہ آپس میں ہی جھگڑ رہے ہوں گے ۔ سو اس وقت نہ تو یہ وصیت کر سکیں گے اور نہ لوٹ کر اپنے گھر والوں کے پاس جا سکیں گے ۔

یخصّمون وہ جھگڑتے ہیں ۔ اختصام سے مضارع ۔

توصیۃ وصیت کرنا ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تمام سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی قیامت اور آخرت کی جزا وسزا کے بارے میں بتاتے رہے ۔ قیامت کے آنے میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ، مگر مشرکین ومنکرین چونکہ قیامت کے قائل نہ تھے اس لیے وہ تمسخر اور انکار کے طور پر انبیائے کرام اور ان کے متبعین سے کہا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی ، کہاں ہے وہ قیامت جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو ۔ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو قیامت کو لاتے کیوں نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے منتظر ہیں ، اس کو لانے کے لیے ہمیں کسی تیاری کی ضرورت نہیں بلکہ وہ تو صرف ایک مرتبہ صور پھونک دینے ہی سے برپا ہو جائے گی ۔ صور کی آواز سب کو اس طرح اچانک آ پکڑے گی کہ لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول ہوں گے اور باہمی معاملات میں جھگڑ رہے ہوں گے ، صور کی آواز سنتے ہی جو جہاں اور جس حال میں ہوگا وہیں اسی وقت فنا ہو جائے گا ۔ نہ کوئی کسی کو وصیت کر سکے گا اور نہ اپنے گھر واپس جا سکے گا اور نہ اپنے اس کام کو مکمل کر سکے گا جس میں وہ اس وقت مشغول ہوگا ۔

نفخۂ ثانی

۵۱ ـ ۵۴ : وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ۜ هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اور جب (دوسری بار) صور میں پھونک ماری جائے گی تو سب یکا یک

قبروں سے (نکل کر) اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے اور کہیں گے ہائے ہماری شامت ۔ کس نے ہمیں ہماری خوابگاہوں سے اٹھا دیا۔ یہ وہی (قیامت) ہے جس کا رحمن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔ بس وہ ایک چیخ ہوگی جس سے سب یکایک ہمارے پاس حاضر کر دئے جائیں گے سو آج کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور تمہیں صرف ان ہی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔

تشریح: جب دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا تو سب زندہ ہوکر اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور فرشتے ان کو جلدی جلدی دھکیل کر میدان حشر میں لے جائیں گے۔ کفار اگر چہ اپنی قبروں میں بھی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور وہاں کچھ آرام نہ پائیں گے مگر وہ میدان حشر اور حساب وکتاب کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو اس کے مقابلے میں ان کو قبر کا عذاب بہت ہلکا معلوم ہوگا اس لیے پکار کر کہیں گے کہ ہائے افسوس! کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے جگا دیا اور ہمیں اس مصیبت کے میدان میں لا کھڑا کیا۔ اس وقت فرشتے یا مومن ان کو جواب دیں گے کہ یہ وہی قیامت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا تھا اور اس کے رسولوں نے تم سے سچ کہا تھا مگر اس وقت تم نے اس پر یقین نہیں کیا تھا بلکہ رسولوں کی تکذیب کرتے رہے۔

پھر فرمایا کہ یہ نفخۂ ثانیہ ایک سخت آواز ہوگی جس کے نتیجے میں ایک دم سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے اور کوئی بھی وہاں سے نہ بھاگ سکے گا اور نہ روپوش ہو سکے گا۔ پس آج قیامت کے دن کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔ آج تم سب کو تمہارے اعمال کے مطابق بدلہ ملے گا۔ کافروں کے ساتھ عدل کا معاملہ ہوگا اور اہل ایمان کے ساتھ فضل و مہربانی کا معاملہ ہوگا۔

(معارف القرآن ۴۰۲/۷، عثمانی ۲/۴۰۹)

اہل جنت کے انعام

۵۵-۵۸: اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِیْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝

بیشک آج کے دن اہل جنت (اپنے) مشاغل میں خوش ہوں گے۔ وہ اور اُن
کی بیویاں سایوں میں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ جنت میں ان
کے لیے (ہر قسم کے) میوے ہوں گے اور جو چاہیں گے وہ ان کو ملے گا۔
مہربان رب کی طرف سے ان کو سلام کہا جائے گا۔

فکِھُوْن : خوش ہونے والے، مزے اڑانے والے۔ **فَکَاھَۃ** سے اسم فاعل۔

اَرَائِک : بہت سے تخت، مسہریاں۔ وحد **اَرِیْکَۃ**۔

تشریح : اہل جنت اس روز یقیناً اپنے پسندیدہ اور مرغوب کاموں میں مشغول اور ہشاش بشاش ہوں گے۔ وہ جنت کی نعمتوں اور راحتوں میں ایسے مگن ہوں گے کہ ان کو کوئی دوسرا خیال تک نہ آئے گا اور ہر چیز سے بے خبر ہو جائیں گے۔ وہ اپنی بیویوں کے ہمراہ شاہانہ تختوں پر تکیے لگائے ہر قسم کے رنج و غم سے بے فکر درختوں کے ٹھنڈے اور گھنے سایوں میں بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ وہاں ان کے لیے ہر قسم کے میوے اور پھل ہوں گے جن کا دنیا میں تصور بھی محال ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہاں وہ جس چیز کی خواہش کریں گے فوراً اُن کو مل جائے گی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ان پر اللہ کی طرف سے سلام ہوگا۔

ابن ماجہ اور دار قطنی وغیرہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے عیش و آرام میں ہوں گے کہ اچانک ان پر ایک نور پھیل جائے گا۔ اہل جنت اپنے سر اٹھا کر دیکھیں گے تو ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تجلی فرمائی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے اہل جنت تم پر سلام ہو۔ **سلام قولا من رب الرحیم** میں یہی بیان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اپنے رب کی طرف دیکھیں گے اور کسی چیز کی طرف التفات نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرماتا رہے گا یہاں تک کہ وہ خود اوٹ کر لے گا لیکن اس کا نور اور برکت ان کے گھروں میں باقی رہے گی۔ (مظہری ۹۱۔۹۳/ ۸)

اہل جہنم کی ذلت و رسوائی

۵۹۔۶۴ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۞ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ
اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ وَّاَنِ
اعْبُدُوْنِيْ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۞ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ

جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ۝ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي
كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ۝

اور اے مجرمو! آج تم الگ ہو جاؤ۔ اے بنی آدم کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری عبادت کرتے رہنا۔ یہی سیدھا راستہ ہے اور البتہ وہ (شیطان) تم میں سے ایک کثیر مخلوق کو گمراہ کر چکا۔ کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ یہی وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ آج تم اپنے کفر کے بدلے اس میں داخل ہو جاؤ۔

جِبِلًّا: مخلوق، بڑی جماعت، بڑا گروہ۔

اِصْلَوْهَا: تم اس (آگ) میں داخل ہو جاؤ، تم اس میں گر جاؤ۔ صَلْیٌ سے امر۔

تشریح: حشر کے میدان میں جب اہلِ جنت کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا تو اس وقت اہلِ جہنم کو اہلِ جنت سے علیحدہ کر کے کہا جائے گا کہ جنت کے عیش و آرام میں تمہارا کوئی حصہ نہیں۔ اے بنی آدم! کیا میں نے تمہیں اسی دن کے لیے انبیا علیہم السلام کے ذریعے بار بار نہیں سمجھایا تھا کہ تم شیطان لعین کی اتباع نہ کرنا۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اس لیے وہ تمہیں جہنم میں پہنچائے بغیر نہیں چھوڑے گا۔ اگر تم نجاتِ اُخروی چاہتے ہو تو خدائے واحد کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ لیکن تم نے انبیا کی تکذیب کی، سیدھے راستے کو چھوڑ کر شیطان کا راستہ اختیار کیا جو یقیناً تم میں سے بہت سی گزشتہ مخلوق کو گمراہ کر چکا تھا۔ کیا تم اتنی عقل بھی نہیں رکھتے تھے کہ شیطان کی اس کھلی دشمنی کو سمجھتے، دوست اور دشمن میں تمیز کرتے اور اپنے نفع و نقصان کو پہچانتے حالانکہ دنیا کے کاموں میں تم نہایت ہوشیاری اور ذہانت سے کام لیتے تھے۔ اور آخرت کے بارے میں تم میں صاف اور صریح باتوں کے سمجھنے کی اہلیت نہ رہی۔ سو اب تم اپنی حماقتوں کا خمیازہ بھگتو، یہی ہے وہ جہنم جس سے انبیا علیہم السلام تمہیں دنیا میں ڈرایا کرتے تھے اور تم انہیں جھٹلاتے اور قیامت کا انکار کرتے تھے۔ اب تم اپنے کفر و معصیت کے بدلے اس میں داخل ہو جاؤ۔ یہی تمہارا ٹھکانا ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۳/۲۶، عثمانی ۲/۴۱۰)

کفر کا انجام

۶۵۔۶۷: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُم

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ۝

آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں بے نور کر دیں پھر یہ راستہ پانے کے لیے دوڑتے پھریں، پھر ان کو کہاں دکھائی دے گا۔ اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہ پر ہی ان کی صورتیں مسخ کر دیں۔ پھر نہ وہ آگے چل سکیں اور نہ پیچھے لوٹ سکیں۔

اَفْوَاهِهِمْ: ان کے منہ۔ واحد فَمٌ۔

اَرْجُلُهُمْ: ان کے پاؤں۔ واحد رِجْلٌ۔

طَمَسْنَا: ہم نے بے نور کر دیا، ہم نے مٹا دیا۔ طَمْسٌ سے ماضی۔

مُضِيًّا: گزر جانا، آگے چلنا۔ مصدر میمی۔

تشریح: قیامت کے روز جب کفار و منافقین اپنے گناہوں کا انکار کریں گے اور قسمیں کھا کر کہیں گے خدا کی قسم ہم بتوں کو نہیں پوجتے تھے (واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ انعام ۲۳) تو اس وقت اللہ تعالیٰ ان کی زبانوں کو بند کر دے گا تاکہ وہ جھوٹ نہ بول سکیں۔ پھر ان کے جسم کے اعضا کو بولنے کی قوت دے کر گواہی کا حکم دے گا۔ ان کے ہاتھ پیر، کان، آنکھ اور بدن کی کھال ان کے جرموں کی شہادت دیں گے۔ جیسے ارشاد ہے:

حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہاں تک کہ جب وہ اس (جہنم) پر پہنچیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی جلدیں (ان اعمال کی) گواہی دیں گی جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے۔ (حم السجدہ: ۲۰)

جس طرح انہوں نے ہماری آیتوں سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اگر ہم چاہتے تو دنیا ہی میں سزا کے طور پر ان کی بینائی ختم کر کے ان کو مطلق اندھا بنا دیتے کہ ان کو ادھر ادھر جانے کا راستہ بھی

سوجھائی نہ دیتا۔ اگر ہم چاہتے تو ان کے کفر و عناد کی بنا پر ان کی صورتیں مسخ کر کے ان کو بالکل اپاہج بنا دیتے۔ پھر وہ نہ آگے چلنے پر قادر ہوتے اور نہ پیچھے لوٹنے پر لیکن ہم نے اپنی رحمت سے ایسا نہیں کیا۔ یہ ہماری طرف سے مہلت اور ڈھیل تھی۔ آج وہی اعضا یعنی آنکھیں، کان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ (عثمانی ۲/۱۴۱۱)۔

قدرتِ الٰہی کی مثال

۶۸　وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور جسے ہم طویل عمر دیتے ہیں تو اسے پیدائشی حالت کی طرف لوٹا دیتے ہیں (کہ وہ شیرخوار کی طرح دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے)۔ کیا ان کو عقل نہیں۔

نُعَمِّرْهُ: ہم اس کی عمر زیادہ کرتے ہیں۔ تَعْمِیْرٌ سے مضارع۔

نُنَكِّسْهُ: ہم اس کو پلٹ دیتے ہیں، ہم اس کو الٹا کرتے ہیں۔ تَنْكِیْسٌ سے مضارع۔

تشریح: جوں جوں آدمی کی جوانی ڈھلتی ہے اس پر بڑھاپے کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں اور اس کے قویٰ کمزور ہو کر جواب دینے لگتے ہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝

اللہ ہی ہے جس نے کمزوری کی حالت میں تمہاری تخلیق کی۔ پھر کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی علم (اور) قدرت والا ہے۔ (الروم ۵۴)

اور ارشاد ہے:

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـــًٔا ۭ

اور تم میں سے بعض بہت بڑی عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تا کہ علم کے بعد وہ بے علم ہو جائیں۔ (النحل: ۷۰)

دنیا زوال اور تغیر کی جگہ ہے ۔ یہاں پائیداری اور قرار نہیں ۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ بینائی چھین لینا اور صورتیں مسخ کر کے اپاہج بنا دینا بعید اور محال ہے ۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ ایک مضبوط اور تندرست آدمی زیادہ بوڑھا ہو کر دیکھنے سننے اور چلنے پھرنے سے معذور ہو جاتا ہے، پس جو خدا پیرانہ سالی کی حالت میں انسان کی قوتیں سب کر لیتا ہے وہ جوانی میں بھی ایسا کر سکتا ہے ۔ کیا یہ کافر اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جو ذات واحد صورت بنانے پر قادر ہے وہ صورت بدلنے پر بھی قادر ہے ۔ (ابن کثیر ۵۷۸/ ۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور شاعری

۶۹ ـ ۷۰ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ
قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ
عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور ہم نے اس (پیغمبر) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور یہ (شاعری) ان کے شایان شان بھی نہیں ۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے تاکہ وہ ہر اس شخص کو آگاہ کر دے جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت قائم ہو جائے ۔

شانِ نزول: بغوی نے حسب قول کلبی بیان کیا کہ کفار مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ محمد جو کلام بناتے ہیں وہ شعر ہیں اس کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی ۔

تشریح: یہ کافر جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حکمت اور نصیحت کی باتیں سن کر لاجواب ہو جاتے ہیں تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ سب شاعرانہ خیالات ہیں حالانکہ ہم نے اپنے پیغمبر کو نہ تو شاعری سکھائی ہے اور نہ شاعری ان کے شایان شان ہے، نہ شعر و شاعری سے ان کو کوئی محبت ہے اور نہ اس طرف ان کی طبیعت کا میلان ۔ حقیقت میں ہم نے اپنے پیغمبر کو قرآن دیا ہے جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات سے معمور ہے ۔ باطل تو اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا ۔ یہ ایسی کتاب ہے جو دن رات پڑھی جاتی ہے اور حقائق و معارف اور احکام و حدود کو ظاہر کرتی ہے اور اس شخص کو آخرت کے انجام سے ڈراتی ہے جس کا دل زندہ اور حق و باطل کے فرق کو سمجھتا ہے اور کافروں پر عذاب کی حجت قائم کرتی ہے ۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ شعر گوئی سے آپ کو طبعاً نفرت تھی ۔ حضرت شعبی فرماتے ہیں کہ عبدالمطلب کی اولاد کا ہر مرد و عورت شعر کہنا جانتا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کوسوں دور

تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ کسی کا پیٹ پیپ سے بھر جانا اس کے لیے شعروں سے بھر لینے سے بہتر ہے۔

بغوی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مصرع بطور مثل پڑھا:

كَفٰى بِالاِسْلَامِ وَالشَّيْبِ لِلْمَرْءِ نَاهِيًا

اسلام اور بالوں کی سفیدی آدمی کو گناہوں سے روکنے کے لیے کافی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! شاعر نے تو اس طرح کہا ہے۔ **كفى الشيب و الاسلام بالمرء ناهيا**

آپ نے دوبارہ پڑھا تو پھر بھی پہلے ہی کی طرح پڑھا۔ اس پر حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے۔ **وما علمنه الشعر وما ينبغي له** ۔ (یٰس: ۶۹)۔ (ابن کثیر ۵۷۸۔ ۵۸۰/۳، مظہری ۹۷/۸)

اللہ کی نشانیاں

۷۱-۷۶: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لیے مویشی پیدا کئے پھر وہ ان کے مالک ہو گئے اور ہم نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کر دیا سو ان میں سے بعض ان کی سواریاں ہیں اور بعض کو وہ کھاتے ہیں۔ ان مویشیوں میں ان کے لیے اور بھی فوائد اور پینے کی چیزیں ہیں۔ سو کیا یہ پھر بھی شکر نہیں کرتے۔ اور انہوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنالیا ہے کہ شاید وہ ان منکرین کی مدد کریں۔ یقیناً ان میں ان کی مدد کی طاقت ہی نہیں اور وہ (باطل معبود) ان مشرکین کے لشکر بن کر

حاضر ہوں گے۔ سو آپ ان کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوں۔ ہم ان کی پوشیدہ اور علانیہ باتوں کو خوب جانتے ہیں۔

ذَلَّلْنَا : ہم نے فرماں بردار کر دیا، ہم نے تابع کر دیا۔ تَذْلِیْلٌ سے ماضی۔

جُنْدٌ : لشکر۔ فوج۔ جمع جُنُوْدٌ۔

یُسِرُّوْنَ : وہ چھپاتے ہیں۔ اِسْرَارٌ سے مضارع۔

تشریح: کیا ان منکرین و مکذبین نے اس پر نظر نہیں کی کہ ہم نے ان کے نفع کے لیے اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، گھوڑے، خچر وغیرہ جانوروں کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا ہے۔ کوئی دوسرا آدمی ان کے بنانے میں ہمارا شریک نہیں اور نہ کوئی معین و مددگار ہے۔ پھر محض اپنے فضل سے ہم نے ان کو ان چوپایوں کا مالک بنا دیا۔ ہم ہی نے ان مویشیوں کو ان کے تابع کیا ہے کہ جس طرح چاہیں ان سے کام لیں اور فائدہ اٹھائیں۔ سیکڑوں اونٹوں کی قطار کو ایک چھوٹا سا بچہ نکیل پکڑ کر جدھر چاہے لے جائے۔ ان جانوروں میں سے بعض پر تو یہ سواری کرتے ہیں اور بعض کا گوشت کھاتے ہیں اس کے علاوہ ان میں لوگوں کے لیے اور بھی منافع اور پینے کی چیزیں ہیں جیسے دودھ، اُون وغیرہ۔ پھر بھی یہ لوگ اللہ کا شکر نہیں کرتے جس نے ان کو یہ نعمتیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ شکر کی بجائے کفر و شرک میں مبتلا ہیں۔

انہوں نے اس امید پر اللہ کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں کہ شاید کسی مصیبت کے وقت یہ ان کے کام آئیں اور ان کی مدد کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ باطل معبود ان کی تو کیا خود اپنی بھی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ یہ تو ایسے عاجز و بے بس ہیں کہ جو چاہے ان کو توڑ پھوڑ دے۔ یہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہ نہ بولنے پر قادر ہیں اور نہ منکرین کی بات کو سمجھ سکتے ہیں۔ قیامت کے روز کافروں کے باطل معبودوں کو طلب کیا جائے گا، ان کے ساتھ ان کے پرستاروں کو بھی لایا جائے گا جو ایک لشکر کی مانند اپنے معبودوں کے پیچھے پیچھے ہوں گے۔ پھر ان سب کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مشرکین جو آپ کی تکذیب و توہین اور ملحدانہ باتیں کرتے ہیں، آپ ان سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ یقیناً ہم ان کے دلوں میں چھپے ہوئے بغض و عناد، غلط عقائد اور فاسد خیالات سے واقف ہیں اور جو کلمات کفر و شرک زبان سے کہتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں۔ ہم ان کو ان کے تمام اعمال بد کی سزا دیں گے۔

(مظہری ۹۸،۹۹/ ۸، معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی ۶۴۹۔۶۵۰/ ۵)

حشر ونشر کا اثبات

۷۷-۸۰: وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَ هِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝

کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا۔ پھر بھی وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا اور ہمارے لیے مثال دینے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہنے لگا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر طرح کی پیدائش کو خوب جانتا ہے۔ اسی نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ بنائی۔ پھر تم اس سے (مزید) آگ جلاتے ہو۔

عظام: ہڈیاں۔ واحد عظمٌ۔

رمیمٌ: بوسیدہ، ریزہ ریزہ، گلی ہوئی۔ رِمَّۃٌ سے صفت مشبہ۔

اَخْضَر: ہرا۔ سبز۔ خضرۃ سے صفت مشبہ۔

تُوْقِدُوْنَ: تم آگ سلگاتے ہو، تم آگ روشن کرتے ہو۔ اِیْقَادٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا اور اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ عاص بن وائل ایک بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! اس (ہڈی) کی حالت جو میں دیکھ رہا ہوں کیا اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اس کو زندہ کر کے اٹھائے گا۔ آپ نے فرمایا بیشک اللہ اس کو بھی زندہ کر کے اٹھائے گا۔ تجھے بھی ہلاک کرے گا پھر جہنم میں داخل کرے گا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں (سورت کے آخر تک)۔

ابن ابی حاتم نے متعدد اسناد سے مجاہد، عکرمہ اور عروہ بن زبیر کی روایت سے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو مالک کی روایت سے بیان کیا کہ ان آیات کا نزول ابی بن خلف جمحی کے حق میں ہوا۔ یہی ایک بوسیدہ ہڈی لیکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور بعث وحشر کا انکار کر

کے آپ سے جھگڑا کر رہا تھا۔ اسی نے کہا تھا کہ اس قدر بوسیدہ ہو جانے کے بعد اس کو کون زندہ کر سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھے بھی زندہ کر کے اٹھائے گا اور جہنم میں داخل کرے گا۔ اس پر یہ آیتیں سورت کے اختتام تک نازل ہوئیں۔ (مظہری ۹۹/ ۸)۔

تشریح: کیا انسان دوبارہ زندہ کرنے پر ہمارے قادر ہونے کا انکار کرتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ نے اس کو ایک حقیر و ذلیل قطرے سے پیدا کیا حالانکہ وہ اس سے پہلے کچھ بھی نہ تھا۔ پھر جب وہ اللہ کی قدرت سے پیدا اور زندہ ہو گیا تو ہمارے قدرت کے بارے میں علی الاعلان جھگڑنے لگا۔ اور ہمارے لیے ایک تعجب انگیز مثال بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ وہ ایک بوسیدہ ہڈی کو ہاتھ میں لے کر کہنے لگا کہ ان بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ان گلی سڑی ہڈیوں کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا وہی ان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ وہ ہر مخلوق کو اور ہر قسم کی پیدائش کو خوب جانتا ہے۔ کوئی مخلوق اپنی پیدائش سے اتنی آگاہ نہیں جتنا خالق اپنی مخلوق اور اس کی پیدائش سے آگاہ ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہ ہر چیز کے منتشر و پراگندہ اجزا سے خوب واقف ہے۔ جس طرح وہ ان اجزا کو متفرق و منتشر کرنے پر قادر ہے اسی طرح وہ ان منتشر اجزا کو جمع کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لیے وہ جب چاہے ان ذرات کو جمع کر کے زندہ کر سکتا ہے۔ اسی نے تمہارے لیے سرسبز اور ہرے بھرے درخت سے آگ پیدا کی سو تم اس درخت سے آگ جلاتے ہو۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد مرخ اور عفار کے درخت ہیں جو حجاز میں ہوتے ہیں۔ ان کی سبز ٹہنیوں کو آپس میں رگڑنے سے چقماق کی طرح آگ نکلتی ہے۔ (مظہری ۹۹۔۱۰۳/ ۸)

حاکم مطلق

۸۱۔۸۳: أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور جس نے آسمانوں اور زمین جیسے بڑے بڑے اجسام کو پیدا کیا کیا وہ ان

(انسان) جیسی چھوٹی مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ

البتہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش، انسانی پیدائش سے بہت بڑی اور اہم ہے۔ (المؤمن: ۵۷)

جو ذات کسی چیز کو ابتداءً پیدا کر سکتی ہے اس کے لیے اس کو دوبارہ پیدا کرنا بہت آسان ہے اس لیے وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے اس کو کسی قسم کے آلات اور مشینری وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ ہو جا تو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے یعنی کسی چیز کی ایجاد و تخلیق کے لیے صرف اس کا ارادہ اور مشیت کافی ہے۔ سو تم اس کی قدرت کاملہ پر ایمان لاؤ اور اسی کی تسبیح و تقدیس کرو جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی بادشاہی اور ملکیت ہے۔ آخر دوبارہ زندہ ہو کر تمہیں اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا۔ اس وقت تمہیں کفر و انکار کی پوری پوری سزا ملے گی۔ (ابن کثیر ۵۸۲، ۳/۵۸۳)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الصّٰٓفّٰت

وجہ تسمیہ: سورت کی ابتدا لفظ الصّفّت سے ہوئی ہے۔ اسی کی مناسبت سے اس کا نام الصفت ہے۔

تعارف: اس میں پانچ رکوع ۱۸۲ آیتیں ۸۶۰ کلمات اور ۳۸۲۶ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا بنیادی موضوع بھی ایمانیات ہے۔ اس میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد کو مختلف دلائل سے ثابت کیا گیا ہے، نیز مشرکین کے عقائد فاسدہ کا رد اور جنت و دوزخ کے حالات کی منظر کشی اور مشرکین و منکرین کے انجام بد کا بیان ہے۔ ضمناً بعض انبیا علیہم السلام کے واقعات کا بیان ہے۔

نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہلکی نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور آپ ہمیں سورۃ الصّفّت سے نماز پڑھایا کرتے تھے۔

(ابن کثیر ۲/۴، مواہب الرحمٰن ۲۳/۴۰)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: توحید کا اثبات، آسمان دنیا کی زینت اور منکرین حشر کی جہالت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: منکرین حشر کا انجام اور کفار کا ایک دوسرے کو الزام دینا بیان کیا گیا ہے۔ پھر اہل جنت اور اہل دوزخ کے احوال کا بیان ہے۔

رکوع ۳: شروع میں حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے واقعات مذکور ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم کو بیٹے کی قربانی کا حکم ہے اور اس قربانی کو ذبح عظیم قرار دیا گیا ہے۔

رکوع ۴: حضرت موسیٰ و ہارون، حضرت الیاس اور حضرت لوط علیہم السلام کے واقعات کا بیان ہے

رکوع ۵: حضرت یونس کا واقعہ، ملائکہ اور جنوں کا حال اور کفار کا تمسخر کے طور پر عذاب الٰہی کے لیے جلدی کرنا مذکور ہے۔

اثباتِ توحید

۱۔۵: وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝

قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی۔ پھر (قسم ہے) پوری طرح ڈانٹنے والوں کی، پھر یاد کرکے تلاوت کرنے والوں کی۔ بیشک تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا اور مشرقوں کا رب ہے۔

الزّٰجِرٰتِ: ڈانٹنے والیاں، بندش کرنے والیاں۔ یہاں فرشتے مراد ہیں جو شیطانوں کو ڈانٹ کر بھگاتے رہتے ہیں۔ زَجْرٌ سے اسم فاعل۔

التّٰلِيٰتِ: تلاوت کرنے والیاں، پڑھنے والیاں۔ تِلَاوَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے تین قسمیں کھائی ہیں۔

۱۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جو اپنے اپنے مقام پر آدابِ عبودیت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے نمازیوں کی صفوں کی طرح صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور حکم الٰہی کے منتظر رہتے ہیں۔

۲۔ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو بادلوں کو روکتے اور چلاتے ہیں یا شیاطین کو ڈانٹ کر بھگاتے رہتے ہیں۔

۳۔ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو ذکر اللہ کی تلاوت کرتے ہیں یا ان آیتوں کو پڑھتے ہیں جو آسمانی کتابوں میں انبیاء علیہم السلام پر نازل کی گئی ہیں۔

ان قسموں کے بعد فرمایا کہ اے اہل مکہ بلاشبہ تم سب کا معبودِ برحق اپنی ذات وصفات اور اپنے اقوال وافعال میں ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی آسمانوں اور زمین کا خالق اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کا مالک ومتصرف ہے اور وہی تمام قوموں کا رب ہے۔ اسی نے ستاروں، چاند اور سورج کو مسخر کر رکھا ہے جو مشرق سے طلوع ہوتے ہیں اور مغرب میں غروب۔ آیت میں لفظ مشارق سے مراد تمام ستاروں اور چاند وسورج کے طلوع ہونے کے مقامات ہیں۔ سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں، ہر

روز طلوع کا مقام بدلتا رہتا ہے۔ جس طرح مقام طلوع روزانہ بدلتا رہتا ہے اسی طرح مقام غروب بھی روزانہ بدلتا رہتا ہے۔

مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیں سب لوگوں پر تین باتوں میں فضیلت دی گئی ہے۔

۱۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی کی گئی ہیں۔

۲۔ ہمارے لے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے۔

۳۔ پانی نہ ملنے کے وقت زمین کی مٹی ہمارے لیے وضو کے قائم مقام کی گئی ہے۔

(مظہری ۱۰۵، ۱۰۶/ ۸، ابن کثیر ۲، ۳/ ۴)

آسمانِ دنیا کی زینت

۶۔۱۰: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ۨالْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

اور ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں سے رونق دی ہے اور ہم ہی نے ہر سرکش شیطان سے اس کی حفاظت کی ہے۔ عالم بالا کے فرشتوں کی باتیں سننے کے لیے وہ (شیاطین) کان بھی نہیں لگا سکتے اور ان پر ہر طرف سے (انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ (ان کو) بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے مگر جو (شیطان چھپ چھپا کر) کچھ (خبر) اُچک لے تو ایک دہکتا ہوا انگارا اس کا پیچھا کرتا ہے۔

مَارِدٍ: سرکش، شریر۔ مُرُوْدٌ سے اسم فاعل۔

يُقْذَفُوْنَ: ان پر انگارے پھینک کر مارے جاتے ہیں۔ قَذْفٌ سے مضارع مجہول۔

دُحُوْرًا: دور کرنا، دھتکارنا، ہانکنا۔ مصدر ہے۔

وَاصِبٌ: لازم، دائمی، مستقل۔ وُصُوْبٌ سے اسم فاعل۔

خَطِفَ: اس نے اچک لیا، اس نے جھپٹ لیا۔ خَطْفَةٌ سے ماضی۔

تشریح: یہاں آسمان دنیا سے مراد نزدیک ترین آسمان ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نزدیک والے آسمان کو جس کو آسمان دنیا کہتے ہیں، نہایت خوبصورت اور چمک دار ستاروں کے ذریعے زینت دی ہے جو رات کے وقت آسمان پر قندیلوں کی مانند روشن اور جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ تاروں بھرا آسمان خود بخود وجود میں نہیں آیا بلکہ اس کو کسی نے پیدا کیا ہے۔ پس جو ذات اتنی عظیم الشان چیزوں کو وجود میں لا سکتی ہے اسے کسی شریک اور ساجھی کی ضرورت نہیں۔

زینت و آرائش کے علاوہ ان ستاروں کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے آسمان کو ہر سرکش شیطان کی رسائی سے محفوظ کر دیا گیا ہے، اب آسمان دنیا سے اوپر کسی شیطان کی رسائی نہیں کہ عالم بالا کی باتیں سن سکے۔ اگر کوئی شیطان غیبی خبروں کی سن گن لینے کے لیے آسمان کے قریب جانے کی کوشش کرتا ہے یا کچھ سن گن پا لیتا ہے تو اس کو ایک دہلکتے ہوئے انگارے کے ذریعے سنگسار کیا جاتا ہے، تاکہ وہ دنیا میں پہنچ کر اپنے معتقد کاہنوں کو کچھ نہ بتا سکے۔ بعض اوقات آسمان پر کہیں کہیں تارے ٹوٹ کر گرتے ہوئے نظر آتے ہیں جو حقیقت میں دہکتے ہوئے انگارے ہوتے ہیں۔ اور شیاطین کو مارے جاتے ہیں۔ ان ہی کو شہاب ثاقب کہتے ہیں۔

منکرین حشر کی جہالت

۱۱۔۱۹: فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۞ بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ۞ وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۞ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۞ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۞ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۞ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ۞ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ۞

آپ ان کافروں سے پوچھیے کہ آیا ان کا پیدا کرنا دشوار ہے یا جنہیں ہم نے پیدا کیا ہے۔ ان کو تو ہم نے لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے بلکہ آپ تو (قدرت الٰہی پر) تعجب کر رہے ہیں اور یہ لوگ تمسخر کرتے ہیں اور جب انہیں نصیحت

کی جاتی ہے تو مانتے نہیں اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے ۔ بھلا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ۔ کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (زندہ کر کے) اُٹھائے جائیں گے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ ہاں! اور تم ذلیل (بھی) ہو گے ۔ وہ (قیامت) تو بس ایک زور کی آواز ہوگی پھر یکا یک سب دیکھنے لگیں گے ۔

لازب : لازم، چپکنے والا، چمٹنے والا ۔ لزبٌ سے اسم فاعل ۔

داخرون : ذلیل ہونے والے، جھکنے والے ۔ دُخُورٌ سے اسم فاعل ۔

تشریح : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور حشر ونشر کو محال بتاتے ہیں آپ ان سے معلوم تو کیجئے کہ ہم پر ان کا پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان وزمین، فرشتے اور جنات وغیرہ کا ۔ ظاہر ہے آسمان وزمین جیسے اجسام کے مقابلے میں انسان کی کیا حقیقت ہے ۔ انسان کو تو ہم نے لیس دار اور چپکنے والی مٹی سے پیدا کیا جو آسمان وزمین کی طرح مضبوط اور سخت نہیں ہو سکتی ۔ آپ کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ معجزات بھی آپ کی سچائی کے گواہ ہیں اور یہ لوگ خود بھی آپ کو صادق وامین کہتے ہیں اور اس کے باوجود آپ کی تکذیب کرتے ہیں ۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قدرت الٰہیہ کا ہمہ گیر ہونا ظاہر اور روشن ہے، اس کے باوجود یہ لوگ قدرت الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں اور دوبارہ زندہ ہونے و محال سمجھتے ہیں ۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ قیامت اور حشر ونشر کا مذاق اڑاتے ہیں ۔

جب قرآن کے ذریعے ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو وہ جان بوجھ کر اس سے اعراض کرتے ہیں اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو اس کو تمسخر میں اڑانے کی کوشش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح اور کھلا جادو ہے ۔ کیا جب ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے پھر بھی ہمیں دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا یا ہمارے باپ داد جو ہم سے برسہابرس پہلے مر چکے وہ بھی دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ۔ مشرکین اپنے گمان میں، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر سمجھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ یقیناً ان کو اور ان کے باپ داد کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا ۔ اس کی ذات تو ایسی قادر و قاہر ہے کہ اس کے سامنے کسی کی کوئی حقیقت نہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۝

اس کے سامنے ہر شخص عاجزی اور لاچاری سے حاضر ہونے والا ہے۔ (النمل ۸۷)

اور ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝

جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ (المؤمن: ۶۰)

جس قیامت کو یہ منکرین و مشرکین محال سمجھ رہے ہیں وہ تو اللہ پر بہت آسان ہے اور ان کا دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جانا بھی کسی مادی سبب کا محتاج نہ ہوگا، بلکہ وہ تو ایک ہولناک اور سخت آواز ہوگی جس کو سن کر سب لوگ قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور قیامت کے ہولناک منظر کو دیکھنے لگیں گے۔ (ابن کثیر ۳/۴، ۴/مظہری ۱۰۶۔۱۱۲/ ۸)

منکرینِ حشر کا انجام

۲۰۔۲۶: وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ۝ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝

وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری کم بختی۔ یہ تو جزا کا دن ہے۔ یہ تو وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ ظالموں، ان کے ہم مشربوں اور ان کے معبودوں کو جمع کرلو، اللہ کو چھوڑ کر (جن کی یہ عبادت کرتے تھے) ان سب کو دوزخ کی راہ دکھاؤ اور ان کو روکے رکھو۔ بیشک ان سے کچھ سوال کئے جائیں گے۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ بلکہ آج وہ سب کے سب فرماں بردار ہوں گے۔

تشریح: قیامت کے روز دہشت و ہولناکی دیکھ کر کفار حسرت و ناامیدی کے ساتھ کہیں گے کہ یہ تو وہی بدلے کا دن معلوم ہوتا ہے جس کا انبیاء نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ اس وقت فرشتے ان کی ندامت بڑھانے کے لیے ان سے کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جس کو تم سچا نہیں مانتے تھے اور جس کو تم محال بتایا کرتے تھے۔ اس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم ہوگا کہ تم ان ظالموں کو جنہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا کر اپنے اوپر ظلم کیا تھا، ان کے بھائی بندوں سمیت ایک جگہ جمع کرو اور ان کو بھی جمع کرو جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے تھے۔ پھر ان سب کو جہنم کا راستہ دکھاؤ۔ جیسے فرمایا:

وَ نَحۡشُرُهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ عُمۡیًا وَّ بُکۡمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاۡوٰىهُمۡ جَهَنَّمُ ؕ کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰهُمۡ سَعِیۡرًا ۝

اور ہم انہیں ان کے منہ کے بل اندھے، بہرے، گونگے کر کے جمع کریں گے۔ پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ جب بھی اس کی آگ ہلکی ہوگی ہم اسے بھڑکا دیں گے۔ (الاسراء۔ ۹۷)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ ان کو کچھ دیر جہنم کے پاس کھڑا کرو تاکہ ہم ان سے باز پرس کریں۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم دنیا میں ایک دوسرے کے حامی اور مددگار تھے آج ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ اس دن یہ سب گردن جھکائے دم بخود ہوں گے۔

کفار کا ایک دوسرے کو الزام دینا

۲۷۔۳۶: وَ اَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ۝ قَالُوۡۤا اِنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تَاۡتُوۡنَنَا عَنِ الۡیَمِیۡنِ ۝ قَالُوۡا بَلۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ۝ وَ مَا کَانَ لَنَا عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ ۚ بَلۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا طٰغِیۡنَ ۝ فَحَقَّ عَلَیۡنَا قَوۡلُ رَبِّنَاۤ ٭ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ ۝ فَاَغۡوَیۡنٰکُمۡ اِنَّا کُنَّا غٰوِیۡنَ ۝ فَاِنَّهُمۡ یَوۡمَئِذٍ فِی الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ ۝ اِنَّا کَذٰلِکَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝ اِنَّهُمۡ کَانُوۡۤا اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ یَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ۝ وَ یَقُوۡلُوۡنَ اَئِنَّا لَتَارِکُوۡۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجۡنُوۡنٍ ۝

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر سوال و جواب کریں گے اور (اپنے پیشواؤں سے) کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس دائیں طرف سے آیا کرتے تھے، وہ جواب دیں گے بلکہ تم ہی مومن نہ تھے۔ تم پر ہمارا کچھ زور نہ تھا بلکہ تم خود سرکش تھے۔ سو ہم پر ہمارے رب کی بات ثابت ہو چکی کہ ہم سب کو (عذاب کا) مزہ چکھنا ہے۔ سو ہم نے تمہیں گمراہ کیا بیشک ہم تو خود ہی گمراہ تھے۔ پس آج کے دن یہ سب عذاب میں شریک ہیں۔ بیشک ہم مجرموں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ تکبر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔

تشریح: قیامت کے روز کافر ایک دوسرے کو الزام دیں گے اور چھوٹے لوگ اپنے سرداروں کو الزام دیں گے کہ تمہارے ہی کہنے سے ہم گمراہ ہوئے اور تمہاری ہی وجہ سے ہمیں یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ تمہیں تو ہمیں حق سے روکتے تھے اور باطل کو اچھا کر کے دکھاتے تھے۔ اگر آیت میں یمین سے قوت و غلبہ کے معنیٰ مراد لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تم بزور قوت ہمیں راہ ہدایت سے روکتے تھے۔ ان کے جواب میں سردار کہیں گے کہ ہم نے تم پر کوئی زبردستی نہیں کی تھی بلکہ تم خود ہی مومن نہ تھے۔ تم نے اپنی مرضی سے گمراہی کو پسند کیا تھا اور تم کو خود ہی سرکشی کرتے تھے۔ اب ہمارے رب کی بات ہم سب پر ثابت ہوگئی۔ بلاشبہ اب ہم عذاب کا مزہ چکھنے والے ہیں۔ پھر سردار لوگ کہیں گے کہ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو خود ہی گمراہ تھے۔ ہم نے تو صرف اتنا کیا کہ تمہیں بھی گمراہی کی طرف بلایا تاکہ تم بھی ہماری طرح ہو جاؤ۔ تم ہماری باتوں میں کیوں آ گئے؟ تم نے سیدھی راہ دکھانے والوں کی بات پر عمل کیوں نہیں کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فیصلہ ہوگا کہ سردار اور ان کی اتباع کرنے والے دونوں مجرم ہیں اس لیے آج دونوں جہنم کے عذاب میں شریک ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے اعمال کی سزا پائے گا۔ بلا شبہ ہم کفر و شرک کرنے والوں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتے ہیں۔ بیشک ان لوگوں کا جرم یہ تھا کہ یہ لوگ توحید و رسالت کا انکار کرتے تھے۔ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو یہ تکبر اور غرور کے ساتھ منہ موڑ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔

اللہ کی طرف سے کافروں کی تکذیب

۳۷۔۳۹: بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

(وہ شاعر و مجنوں نہیں) بلکہ وہ تو ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور دوسرے رسولوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ یقیناً تم سب کو ایک دردناک عذاب کا مزہ چکھنا ہے اور تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کافروں کی تردید میں فرمایا کہ بیشک آپ نہ شاعر ہیں اور نہ دیوانے بلکہ آپ تو اللہ کے رسول ہیں اور سچا دین لیکر آئے ہیں۔ آپ سے پہلے جو پیغمبر اللہ کا دین اور احکام لیکر آتے رہے آپ ان سب کی تصدیق کرتے اور سب کو سچا بتاتے ہیں۔ ظاہر ہے جو شخص سابقہ انبیا کی تصدیق کرتا ہو اور جس کا لایا ہوا دین سراسر حق اور سچ ہو وہ شاعر اور مجنون نہیں ہو سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ کافروں کو مخاطب کر کے فرمائے گا کہ اب تم اللہ کے ساتھ شرک کرنے اور اللہ کے پیغمبروں کو جھٹلانے کی پاداش میں دردناک عذاب کا مزہ چکھو۔ یہ دردناک عذاب بطور ظلم نہیں بلکہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے لوگوں پر جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں پھر جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تو اس نے میری طرف سے اپنی جان اور مال کو محفوظ کر لیا سوائے اس حق کے جو کلمہ توحید کے متعلق ہے (یعنی شرعی حق زکوٰۃ و قصاص وغیرہ) اور ایسے شخص کا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۵/ ۲۳)

اہل جنت کے احوال

۴۰۔۴۹: اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

مگر جو اللہ کے مخلص بندے ہیں (ان پر اللہ کے انعامات ہوں گے) انہی
کے لیے رزق مقرر ہے (ان کے لیے) میوے ہیں اور وہ عزت والے ہیں،
نعمتوں والی جنتوں میں ہیں تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔ لطیف
شراب کا جام ان کے درمیان گردش کرے گا، جو سفید اور پینے میں لذیذ ہوگی
اور نہ اس سے سر چکرائے گا اور نہ وہ اس سے بہکیں گے اور ان کے پاس نیچی
نگاہ رکھنے والی اور خوبصورت آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی۔ گویا وہ
انڈے ہیں چھپائے ہوئے۔

فَوَاكِهُ: پھل، میوہ۔ واحد فَاكِهَةٌ۔ عربی میں فاکہہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بھوک کی ضرورت رفع کرنے کے لیے نہیں بلکہ لذت حاصل کرنے کے لیے کھائی جائے۔

سُرُرٍ: تخت۔ واحد سَرِيْرٌ۔

كَأْسٍ: ایسا جام جو لبالب بھرا ہوا ہو۔ جمع كُئُوسٌ۔

مَعِيْنٍ: بہتا ہوا، آبِ رواں، جاری چشمہ۔ معْنٌ سے اسم مفعول۔

غَوْلٌ: خرابی، دردسر، خمار، سر چکرانا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

يُنْزَفُوْنَ: وہ بہکائے جائیں گے، وہ مدہوش ہو جائیں گے۔ نَزْفٌ سے مضارع مجہول۔

قٰصِرٰتُ: نیچی نظر رکھنے والیاں، پاک دامن عورتیں۔ قَصْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اللہ کے مخلص اور پسندیدہ بندے جو دنیا میں کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک و صاف رہے وہ قیامت کی ذلت و رسوائی اور اس کے مصائب و آلام سے محفوظ رہیں گے۔ ان کے لیے قسم قسم کے میوہ جات سے پُر روزی مقرر ہے۔ جنت کا رزق بطورِ ضرورت نہیں بلکہ لذت و فرحت کے لیے ہوگا۔ جیسے ارشاد ہے:

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾

بیشک اس (جنت) میں نہ تو بھوکا رہے گا اور نہ ننگا اور یہ کہ نہ تو تو یہاں پیاسا رہے اور نہ دھوپ سے تکلیف اٹھائے گا۔ (طٰہٰ: ۱۱۸، ۱۱۹)

رزقِ معلوم کی تفسیر میں کئی اقوال ہیں:

۱۔اس میں جنتی غذاؤں کی ان تفصیلی صفات کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں مختلف مقامات پر بیان کی گئی ہیں۔

۲۔رزق کے اوقات معین اور معلوم ہیں یعنی وہ صبح شام دیا جائے گا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں غدووعشیا (صبح شام) کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

۳۔وہ یقینی اور دائمی رزق ہوگا۔دنیاوی رزق کی طرح غیر یقینی اور محدود نہیں ہوگا۔

اہل جنت اللہ کے ہاں بڑی عزت واکرام والے ہوں گے،ان کی خوب آؤ بھگت ہوگی اور وہ ناز ونعمت کے باغوں میں نہایت عیش وآرام کے ساتھ شاہی تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ان کے سامنے لطیف اور بہتی ہوئی شراب کے دور چل رہے ہوں گے یہ شراب دیکھنے میں سفید اور پینے میں لذیذ اور مزیدار ہوگی۔دنیاوی شراب کی طرح اس میں نہ کسی قسم کی خرابی ہوگی کہ پینے والے گرانی محسوس کریں اور نہ اس میں نشہ ہوگا کہ پی کر بدمست ہو جائیں اور بیہودہ گوئی کرنے لگیں۔ جن تختوں پر اہل جنت بیٹھے ہوئے ہوں گے انہی پر ان کے پاس نیچی نگاہ کئے ہوئے بڑی بڑی آنکھوں والی حسین وجمیل عورتیں ہوں گی جو اپنے شوہروں کے سوا کسی پر نظر نہیں ڈالیں گی۔ان کی رنگت محفوظ موتی یا انڈے کی مانند صاف وشفاف ہوگی۔ (معارف القرآن ۴۳۵/ ۷)

کافر دوست کا حال

۵۰۔۶۱: فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ۝ قَالَ قَائِلٌ
مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ۝ يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ
أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ۝ قَالَ هَلْ
أَنتُم مُّطَّلِعُونَ ۝ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ۝ قَالَ
تَاللَّهِ إِن كِدتَّ لَتُرْدِينِ ۝ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنتُ مِنَ
الْمُحْضَرِينَ ۝ أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ۝ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا
نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ لِمِثْلِ
هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ۝

پھر وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر بات چیت کریں گے۔ان میں سے

ایک کہنے والا کہے گا کہ (دنیا میں) میرا ایک ساتھی تھا، وہ مجھ سے کہا کرتا تھا
کہ کیا تو بھی (قیامت کے آنے کا) یقین رکھنے والوں میں سے ہے۔ جب
ہم مر کر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہم جزا دیئے جائیں گے۔
وہ کہے گا کہ کیا تم (اس کو) جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو۔ سو وہ شخص جھانکے گا تو
اس کو جہنم کے بیچوں بیچ (جلتا ہوا) دیکھے گا۔ (جھانکنے والا) کہے گا خدا کی قسم
تو نے تو مجھے برباد ہی کر دیا تھا اور اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی
ماخوذ لوگوں میں سے ہوتا۔ کیا اب ہم نہیں مریں گے سوائے پہلی بار مرنے
کے اور (اب تو) ہمیں عذاب بھی نہیں ہوگا۔ بیشک یہی عظیم کامیابی ہے۔
ایسی ہی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

قَرِیْنٌ : ساتھی، ہم نشین، مصاحب۔ جمع قُرَنَاء۔

مَدِیْنُوْنَ: جزا دیئے ہوئے، بدلہ دیئے ہوئے، تابعدار۔ دِیْنٌ سے اسم فاعل۔

مُطَّلِعُوْنَ : مطلع ہونے والے، جھانک کر دیکھنے والے۔ اِطِّلَاعٌ سے اسم فاعل۔

تُرْدِیْنِ: تو مجھے ہلاک کرے گا، تو مجھے گڑھے میں ڈالے گا۔ اِرْدَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اہل جنت نہایت بے فکری اور فارغ البالی کے ساتھ جنت کے بالا خانوں میں تختوں پر تکیے لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ پری جمال خدام خدمت پر مامور ہوں گے، قسم قسم کے کھانے اور طرح طرح کی لذتوں سے بہرہ مند ہوں گے۔ اس وقت وہ تفریح طبع کے لیے ایک دوسرے سے دنیا کے بعض واقعات کا تذکرہ کریں گے۔ اس وقت اہل جنت میں سے ایک شخص کہے گا کہ دنیا میں میرا ایک ساتھی تھا جو مرنے کے بعد زندہ ہونے کا منکر تھا اور مجھے آخرت پر یقین رکھنے کی وجہ سے ملامت کیا کرتا تھا اور احمق سمجھتا تھا۔ وہ تمسخر کے طور پر مجھ سے کہتا تھا کہ کیا تو اس بات کو مانتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی اور گلی سڑی ہڈیاں بن جائیں گے تو پھر بھی ہمیں دوبارہ زندہ کر کے ہمارے اعمال کی سزا دی جائے گی۔ ایسا ہونا تو بہت ہی عجیب اور بعید از عقل ہے۔ میرا یہ ساتھی مجھے بھی اپنے راستے پر چلانا چاہتا تھا۔ یقیناً وہ دوزخ میں پڑا ہوگا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں دیکھوں کہ وہ کس حال میں ہے۔ پھر وہ جنتی اپنے بالا خانے سے جھانک کر دوزخ میں دیکھے گا تو اس کا دوست اس کو جہنم کے وسط میں نظر آئے گا۔ یہ حال دیکھ کر جنتی کو عبرت ہوگی اور اللہ کا فضل و احسان یاد آئے گا اور کہے گا کہ

خدا کی قسم اگر مجھ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی اور وہ مجھے ہدایت نہ دیتا تو تو نے تو مجھے تباہ و برباد ہی کر دیا تھا کہ آج میں بھی تیری طرح دردناک عذاب میں گرفتار ہوتا۔

پھر وہ جنتی اپنے اس دنیوی ساتھی سے کہے گا جس کو اس نے جھانک کر دوزخ کے وسط میں دیکھا تھا کہ تو دنیا میں مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا منکر تھا اور اس کو محال بتاتا تھا۔ اب تو نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور جزا و سزا برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دوبارہ زندہ کر کے ہمیشہ کے لیے جنت عطا فرمائی ہے۔ اب اس پہلی موت کے سوا جو ایک بار دنیا میں ہم پر واقع ہو چکی ہے اب کبھی موت نہیں آئے گی اب یہاں نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ رنج و ملال اور نہ کبھی یہ عیش و آرام ختم ہوگا۔ اور نہ یہ نعمتیں فنا یا کم ہوں گی۔ بلاشبہ یہ ہمیشہ کی زندگی ہی بڑی کامیابی ہے۔ عمل کرنے والوں کو فنا پذیر دنیوی منافع کے حصول کے لیے کوششیں کرنے کی بجائے ایسی ہی جزا اور انعام کے لیے محنت اور عمل کرنا چاہئے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ (ابن کثیر ۱۰/۴ ۔ عثمانی ۲/۴۱۹)

کافروں کی آزمائش

۶۲-۶۳: اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ۝

بھلا یہ مہمانی اچھی ہے یا زقوم کا درخت (جو جہنمیوں کا کھانا ہوگا)۔ بیشک ہم نے اس (درخت) کو ظالموں کے لیے ایک آزمائش بنا دیا ہے۔

نُزُلاً: دعوت، مہمانی، آؤ بھگت، کھانے یا پینے کی وہ چیز جو مہمان کے آتے ہی اس کے سامنے لائی جاتی ہے۔

زَقُّوْم: تھوہر کا درخت جو سخت بدبودار اور کڑوا ہوتا ہے، جہنم کا ایک درخت جو دوزخیوں کو کھانے کے لیے دیا جائے گا۔

تشریح: جنت کی نعمتوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کی یہ راحت و نعمت اچھی مہمانی ہے یا زقوم کا درخت جو دوزخیوں کا کھانا ہے۔ زقوم ایک نہایت بدبودار، بدمزہ اور زہریلا درخت ہے۔ بھوک کے وقت اہل دوزخ کو یہی کھانے کے لیے دیا جائے گا اور وہ انتہائی طبعی کراہت کے باوجود اس کو کھانے پر مجبور ہوں گے، اگرچہ اپنی تلخی اور بو کی وجہ سے اس کو حلق سے نیچے اتارنا ممکن

نہ ہوگا۔ یہ بھی ایک عذاب ہوگا جس میں ان کو مبتلا کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کو دی جانے والی جن نعمتوں کا ذکر کیا ہے وہ ان کو بالکل ابتدائی طور پر دی جائیں گی۔ اس کے بعد ان کو کیا کیا عطا کیا جائے گا وہ عقل وفہم کی رسائی سے باہر ہے اسی طرح دوزخیوں کو ابتدائی طور پر زقوم دیا جائے گا۔ اس کے بعد کیسا کیسا عذاب ہوگا اس کو سمجھنا عقل کی رسائی میں نہیں۔ پھر فرمایا کہ ہم نے اس زقوم کے درخت کو کافروں کے لیے دنیا میں آزمائش اور آخرت میں عذاب بنا دیا۔ کفار نے جب زقوم کے بارے میں سنا تو تمسخر کے طور پر کہنے لگے کہ آگ میں درخت کیسے اُگے گا اور اگر اُگ آیا تو باقی کیسے رہے گا، آگ تو درخت کو جلانے والی ہے۔ غرض زقوم کا درخت بھی ایک آزمائش ہے۔ مومن تو اس کا حال سن کر ڈر گئے اور کافر اس کا تمسخر اڑانے لگے۔ (مظہری ۱۱۷، ۱۱۸/ ۸)

اہل دوزخ کا حال

۶۴۔۷۴: اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ
الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝
ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاۡ
اِلَى الْجَحِيْمِ ۝ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ۝ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ
يُهْرَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا
فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝

بیشک وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی تہہ میں سے نکلتا ہے۔ اس کے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں۔ بیشک (اہل جہنم) اسی کو کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر اس کے اوپر ان کو کھولتا ہوا پانی (پیپ میں) ملا کر دیا جائے گا۔ پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہی کی طرف ہوگا۔ بیشک انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ پایا اور یہ بھی انہی کے نقش قدم پر دوڑتے رہے اور ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے لوگ گمراہ ہو چکے ہیں اور بیشک ہم

نے ان میں بھی ڈرانے والے بھیجے تھے سو دیکھ لو ان کا کیسا برا انجام ہوا جن کو
ڈرایا گیا تھا، سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے۔

طَلْعُهَا : اس کا خوشہ، اس کا سر، اس کا پھول۔

ملِئُوْنَ : بھرنے والے۔ ملأ سے اسم فاعل۔

شَوْبًا : ملاوٹ، آمیزش۔ مصدر ہے۔

اَلْفَوْا : انہوں نے پایا۔ اِلْفَاءٌ سے ماضی۔

يُهْرَعُوْنَ : وہ بے تحاشا دوڑائے جاتے ہیں۔ اھْرَاعٌ سے مضارع مجہول۔

شانِ نزول : ابن جریر نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابو جہل نے کہا کہ تمہارا ساتھی کہتا ہے کہ آگ کے اندر ایک درخت ہوگا، حالانکہ آگ درخت کو کھا لیتی ہے پھر آگ میں درخت کیسے ہو سکتا ہے۔ خدا کی قسم ہم تو کھجوروں اور مکھن ہی کو زقوم سمجھتے ہیں۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (مظہری ۱۱۸: ۸)

تشریح : اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اس اعتراض کے جواب میں کہ درخت آگ میں کیسے پیدا ہو سکتا ہے، فرمایا کہ یقیناً وہ ایسا درخت ہے جو جہنم کی جڑ سے اُگتا ہے اور اس کے خوشے خباثت اور بدشکلی میں شیاطین کے سروں کی مانند ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے زقوم کے پھل کو شیاطین کے سروں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ کسی چیز کی انتہائی برائی ظاہر کرنے کے لیے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ اگرچہ شیاطین نظر نہیں آتے لیکن دماغ میں ان کی صورتوں کا تصور بری شکلوں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ دوزخی اپنا پیٹ بھرنے کے لیے اسی بدشکل، بد ذائقہ، بدمزہ اور بدبودار درخت کو کھائیں گے۔ زقوم کھانے کے بعد جب وہ پیاس سے بے تاب و بے قرار ہو کر پانی مانگیں گے تو ان کو پیپ ملا ہوا کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ پانی پینے کے بعد ان کو پھر جحیم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ بغوی کہتے ہیں کہ پہلے گرم پانی پلانے کے لیے ان کو کھولتے ہوئے پانی کے مقام پر لے جایا جائے گا، پھر واپس جحیم میں لایا جائے گا کیونکہ گرم پانی کا مقام جحیم سے باہر ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝۴۴

وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان چکر کاٹتے رہیں گے۔ (رحمٰن: ۴۴)

اس دردناک عذاب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بغیر سوچے سمجھے اپنے گمراہ باپ دادا کے نقش

قدم پر چلتے رہے۔ ان سے پہلی امتوں میں بھی اکثر لوگ گم کردہ راہ تھے۔ وہ بھی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ ان میں بھی رسول آئے تھے جو ان کو گمراہی کے انجام سے ڈراتے اور خبردار کرتے تھے مگر انہوں نے نہ تو حق کو قبول کیا اور نہ گمراہی سے باز آئے۔ سو دیکھ لو ان کا کیسا انجام ہوا اور وہ کیسے تباہ و برباد کر دیئے گئے۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے جو اپنے ایمان و اخلاص کی وجہ سے دنیوی عذاب اور برے انجام سے محفوظ رہے۔ (مظہری ۸/۱۱۹،۱۱۸)

حضرت نوحؑ کا واقعہ

۷۵۔۸۲: وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝

اور نوح نے ہمیں پکارا سو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں اور ہم نے اس کو اور اس کی پیروی کرنے والوں کو عظیم مصیبت سے بچا لیا اور ہم نے صرف انہی کی نسل کو باقی رہنے دیا اور بعد میں آنے والوں میں ہم نے ان کا (ذکر خیر) باقی رکھا۔ نوح پر تمام جہانوں میں سلام ہو۔ ہم محسنوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا۔

تشریح: گزشتہ آیات میں سابقہ امتوں کی گمراہی کا اجمالی ذکر تھا۔ آئندہ آیات میں ان کے بعض واقعات کی کچھ تفصیل ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ان کی قوم گمراہ ہو گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا جو ان میں ساڑھے نو سو سال تک رہے اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہے مگر قوم اپنی گمراہی پر قائم رہی اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو سخت ایذائیں دیتی رہی۔ ان میں سے چند لوگوں کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعے معلوم ہو گیا کہ جو لوگ ایمان لانے والے تھے وہ لا چکے، اب

آئندہ ان کافروں میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی:

رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَٰفِرِينَ دَيَّارًا

اے میرے رب! کافروں کا بسنے والا ایک گھر بھی زمین پر نہ چھوڑ۔ (نوح: ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور ان کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو قوم کے ہاتھوں پہنچنے والے دکھ اور تکالیف سے بچالیا۔ انہی کی اولاد سے دنیا کو آباد کیا اور ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والی امتوں میں باقی رکھا۔ لوگ ہمیشہ ان پر سلام بھیجتے رہیں گے اور ان کی تعریفیں بیان کرتے رہیں گے۔ جو لوگ خلوص کے ساتھ ہماری عبادت اور اطاعت پر جم جاتے ہیں ہم بھی اسی طرح بعد والوں میں ان کا ذکر خیر ہمیشہ کے لیے باقی رکھتے ہیں۔ یقیناً حضرت نوح علیہ السلام ہمارے مومن بندوں میں سے تھے اسی لیے وہ ہمارے قہر سے محفوظ رہے۔ پھر اہل ایمان کے سوا ہم نے تمام نافرمانوں کو غرق کر دیا۔ (ابن کثیر ۴/۱۲)

حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ

۸۳-۸۷: وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَٰهِيمَ ۝ إِذْ جَآءَ رَبَّهُۥ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكًا ءَالِهَةً دُونَ ٱللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ۝

اور اسی (نوح) کی راہ پر چلنے والوں میں سے ابراہیمؑ بھی تھے۔ جب وہ اپنے رب کے پاس قلب سلیم لیکر آئے اور اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ کیا تم اللہ کے سوا جھوٹ موٹ کے معبودوں کو چاہتے ہو پھر رب العالمین کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟

شِیْعَتِہٖ: اس کے رفیق، اس کے گروہ۔ جمع اَشْیَاعٌ۔ عربی میں اس گروہ یا جماعت کو شیعہ کہتے ہیں جس کے افراد کے بنیادی نظریات اور طور طریق یکساں ہوں۔

اِفْکًا: صریح جھوٹ، بہتان۔

تشریح: بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی حضرت نوح علیہ السلام کے دین اور ان کے طریقے پر تھے۔ انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی طرح مکذبین کی ایذاؤں پر صبر کیا اور توحید الٰہی پر ثابت

وقائم رہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو غرق ہونے سے بچایا اسی طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلنے سے بچالیا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین کے سامنے اس وقت کا حال بیان کیجئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دل کو اللہ کے سوا دوسروں کی محبت اور خیالات سے خالی کر کے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے تو انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے، جو بت پرست تھے پوچھا کہ تم کس واہیات چیز کی عبادت کرتے ہو؟ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر جھوٹے اور باطل معبودوں کو پوجتے ہو اور ان کی پرستش میں لگے ہوئے ہو؟ پھر جو ساری کائنات کا رب اور حقیقی مالک و خالق ہے اس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ تم نے جو اس کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کا شریک قرار دے رکھا ہے تو کیا تم اس کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

یہاں قلب کو قلب سلیم کہہ کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اللہ کی کوئی عبادت اس وقت تک قابل قبول نہیں جب تک کہ عبادت کرنے والے کا دل غلط عقائد اور فاسد خیالات سے پاک نہ ہو، خواہ عبادت کرنے والے نے اس میں کتنی ہی محنت و مشقت اٹھائی ہو۔ اسی طرح اگر عبادت کرنے والے کا مقصد اللہ کی خوشنودی کی بجائے دکھاوا یا کوئی مادی منفعت ہو تو وہ عبادت بھی قابل قبول نہیں۔ حضرت ابراہیم کا اللہ کی طرف متوجہ ہونا ان سب باتوں سے پاک تھا۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع ۴۴۷/ ۸)

حضرت ابراہیمؑ کا حیلہ

۸۸-۹۸: فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ
مُدْبِرِينَ ۝ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ مَا لَكُمْ
لَا تَنطِقُونَ ۝ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ
يَزِفُّونَ ۝ قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا
تَعْمَلُونَ ۝ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ فَأَرَادُوا
بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ ۝

پھر اس (ابراہیم) نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا کہ بیشک میں بیمار ہوں۔ پھر وہ سب اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔ پھر وہ ان بتوں کے پاس گئے اور

(ان کے سامنے رکھے ہوئے کھانے دیکھ کر) کہنے لگے کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ بولتے بھی نہیں۔ پھر دائیں ہاتھ سے ان کو مارنے (توڑنے) لگے۔ پھر وہ (بت پرست) دوڑتے ہوئے ان (ابراہیم) کے پاس آئے۔ ابراہیم نے کہا کہ کیا تم ان کو پوجتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ابراہیم کے لیے ایک عمارت بناؤ اور اس کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔ انہوں نے ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلنا چاہی سو ہم نے انہی کو نیچا دکھا دیا۔

سَقِیْمٌ: بیمار۔ سُقْمٌ سے صفت مشبہ

رَاغَ: وہ جا گھسا، وہ پوشیدہ طور سے گیا، وہ مارنے کے لیے ٹوٹ پڑا۔ رَوْغٌ سے ماضی۔

یَزِفُّوْنَ: وہ گھبراتے ہیں، وہ دوڑتے ہیں۔ زَفٌّ و زُفُوْفٌ سے مضارع۔

تَنْحِتُوْنَ: تم تراشتے ہو۔ نَحْتٌ سے مضارع۔

کَیْدًا: خفیہ تدبیر، مکر، فریب، چال۔ مصدر و اسم۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ بت پرست ہونے کے ساتھ ساتھ ستارہ پرست بھی تھے۔ وہ کواکب کو حوادثِ عالم میں متصرف سمجھتے تھے اور ایک خاص دن میں تہوار منایا کرتے تھے۔ جب وہ خاص دن آیا تو قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی جشن میں شرکت کی دعوت دی کہ شاید وہ جشن میں ان کے ساتھ رہ کر ان کے دین سے متاثر ہو جائیں اور اپنے دین کی دعوت و تبلیغ چھوڑ دیں، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ارادہ کچھ اور تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جب قوم جشن میں چلی جائے گی تو وہ ان کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے بتوں کو توڑ دیں گے۔ اس طرح جشن سے واپس آ کر جب وہ اپنے معبودوں کی بے بسی کا عملی مشاہدہ کریں گے تو شاید ان میں سے بعض کے دلوں میں ایمان پیدا ہو اور وہ شرک سے توبہ کر لیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ وہ لوگ چونکہ ستارہ پرست تھے اس لیے حضرت ابراہیم نے پہلے نگاہ بھر کر ستاروں کو دیکھا پھر کہا کہ میں بیمار ہوں۔ حضرت ابراہیم نے اپنی بیماری کے بارے میں بتاتے ہوئے ستاروں کی طرف اس لیے دیکھا تھا تاکہ قوم والے یقین کر لیں کہ وہ اپنی بیماری کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے

ہیں وہ کوئی حیلہ نہیں بلکہ وہ صحیح بات ہے اور ستاروں کے چلن پر غور کر کے کہہ رہے ہیں ۔ یہی طریقہ ان کے لیے زیادہ قابل اعتماد تھا۔ اسی لیے انہوں نے حضرت ابراہیم کی بات پر یقین کر کے ان کے ساتھ چلنے پر اصرار نہ کیا اور ان کو وہیں چھوڑ کر خود جشن میں چلے گئے ۔ جشن میں جاتے وقت وہ بتوں کے سامنے کھانے کی اشیا رکھ گئے تا کہ وہ متبرک ہو جائیں ۔

ان کے جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے بت خانے میں داخل ہو گئے اور ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہو کر تمسخر کے طور پر کہنے لگے کہ یہ کھانے جو تمہارے سامنے رکھے ہیں تم ان کو کھاتے کیوں نہیں؟ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم بولتے بھی نہیں ۔ پھر حضرت ابراہیم پوری قوت کے ساتھ بتوں کو توڑنے لگے یہاں تک کہ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ۔ جب قوم کے لوگ جشن سے واپس آکر بت خانے میں داخل ہوئے تو بتوں کا حشر دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ کام حضرت ابراہیم ہی کا ہے چنانچہ وہ فوراً غضبناک ہو کر دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور ان سے باز پرس کرنے لگے۔ حضرت ابراہم نے ان سے پوچھا کہ کیا تم ان بتوں کی عبادت کرتے ہو جن کو تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو۔ جو چیز تم اپنے ہاتھوں سے تراش کر بناتے ہو وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے ۔ پس جس طرح تمہاری ذات اللہ کی مخلوق ہے اسی طرح تمہارے ہاتھوں کی بنائی ہوئی چیزیں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں ۔ قوم کے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دلائل کا کوئی جواب نہ دے سکے اور حیران و پریشان ہو کر کہنے لگے کہ ایک بڑا آتش خانہ بنا کر اس کی دہکتی ہوئی آگ میں اس کو ڈال دو ۔ غرض حضرت ابراہیم کی قوم نے ان کے ساتھ جو برائی کرنی چاہی تھی اللہ تعالیٰ نے ان کو اس میں ناکام و نامراد اور ذلیل ورسوا کیا اور اپنے خلیل کی مدد فرما کر ان کی برائی اور شرارت سے بچالیا اور ان کی دہکائی آگ کو حضرت ابراہیم کے لیے باغ و بہار بنا دیا۔ واقعے کی مزید تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر سورۂ انبیا آیات ۵۱۔۷۰۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۴۴۸۔۴۴۹/ ۷، روح المعانی ۱۰۰، ۲۳/۱۲۶)

بیٹے کی قربانی کا حکم

۹۹۔۱۰۵: وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ
الصّٰلِحِیْنَ ○ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ
قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی

قَالَ يَٰٓأَبَتِ ٱفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِىٓ إِن شَآءَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝ فَلَمَّآ أَسْلَمَا وَتَلَّهُۥ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَٰدَيْنَٰهُ أَن يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ ٱلرُّءْيَآ ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِى ٱلْمُحْسِنِينَ ۝

ابراہیم نے کہا کہ میں تو اپنے رب کی طرف جاتا ہوں۔ وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اے میرے رب مجھے صالح اولاد عطا فرما، سو ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ پھر جب وہ (لڑکا) ایسی عمر کو پہنچا کہ ابراہیم کے ساتھ چلے پھرے تو ابراہیم نے کہا کہ اے میرے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں سو بتا تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ اے میرے باپ! آپ کو جو حکم ہوا ہے اسے بجا لایئے۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل گرا دیا تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔

غُلٰمٍ: لڑکا، بچہ۔ جمع غِلْمانٌ۔

تَلَّهٗ: اس نے اس کو لٹایا، اُس نے اس کو پچھاڑا۔ تَلٌّ سے مضارع۔

تشریح: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ سے صحیح و سالم نکل آئے اور قوم میں سے ان کے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کے سوا کوئی بھی ایمان نہ لایا تو انہوں نے قوم سے مایوس ہو کر کہا کہ اب میں اپنے رب کے حکم سے اس کفرستان سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کر سکوں گا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت سارہ اور اپنے بھانجے حضرت لوط علیہ السلام کو لیکر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ اب تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اے میرے پروردگار! مجھے ایک ایسا فرزند عطا فرما جو صالحین میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو ایک حلیم اور بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ اور حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ایسی عمر کو پہنچ گئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگے اور کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے تو ایک دن حضرت ابراہیم نے بیٹے سے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں سو تیری کیا رائے ہے۔ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خواب آپ کو متواتر تین روز تک دکھایا گیا۔ انبیاء علیہم السلام کا خواب چونکہ وحی ہوتا ہے اس لیے اس کی تعمیل واجب ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم کی بات سن کر حضرت اسماعیل نے جواب میں کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم دیا گیا ہے آپ اس کو بلا تامل کر گزریے، میں بسر و چشم اللہ کی راہ میں قربان ہونے کے لیے تیار ہوں۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے ذبح کرنے کے لیے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا اور حلق پر چھری پھیر دی تو اللہ تعالیٰ نے چھری کو ذبح کرنے سے روک دیا اور حضرت ابراہیم کو آواز دی کہ بلاشبہ تم نے خواب سچ کر دکھایا یعنی اللہ کے حکم کی تعمیل میں جو کام تمہارے کرنے کا تھا اس میں تم نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ جب کوئی شخص اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے اپنے جذبات کو قربان کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے تو ہم اسے دنیوی تکلیف سے بھی بچا لیتے ہیں اور اس کو آخرت کا اجر و ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔

(مظہری ۱۲۵۔۱۳۱/ ۸، روح المعانی ۱۲۷۔۱۳۱/ ۲۳)

ذبح عظیم

۱۰۶۔۱۱۳: إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۞ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۞
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۞ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۞ كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۞ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۞ وَ
بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۞ وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى
اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۞

درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا اور ہم نے اس کے بدلے میں ایک بڑا ذبیحہ دے دیا اور ہم نے ان کے بعد آنے والوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا کہ ابراہیم پر سلام ہو، نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ

ہمارے مومن بندوں میں سے تھے اور ہم نے ان (ابراہیم) کو اسحاق کی بشارت دی جو نبی اور صالح لوگوں میں سے ہوگا۔ ہم نے ابراہیم اور اسحٰق پر برکتیں نازل فرمائیں اور ان دونوں کی اولاد میں بعض تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے اوپر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔

تشریح: بیٹے کو ذبح کردینے کا یہ حکم بلاشبہ کھلا ہوا اور صریح امتحان تھا اور ہم نے حضرت اسمٰعیل کے فدیہ میں حضرت ابراہیم کو قربانی کا ایک عظیم جانور عطا کیا روایات میں ہے کہ یہ آواز سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مینڈھا لئے کھڑے تھے، پھر حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم سے اپنے بیٹے کی بجائے اس مینڈھے کو قربان کیا۔ اس قربانی کو عظیم اس لیے کہا گیا کہ یہ مینڈھا اللہ تعالی کی طرف سے آیا تھا اور اس کے مقبول ہونے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا۔ ہم نے حضرت ابراہیم کا ذکر خیر پچھلے لوگوں میں باقی رکھا تا کہ بعد میں آنے والی امتیں ان کو ذکر خیر کے ساتھ یاد کرتی رہیں۔ سلام ہو ابراہیم پر کہ ہم اپنے نیک بندوں کو ایسی ہی جزا دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ ابراہیم ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ پھر اسماعیل کے بعد ہم نے ابراہیم کو ایک دوسرے فرزند اسحاق کی بشارت دی کہ وہ نبی ہوگا اور صالحین میں سے ہوگا۔ ہم نے ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام پر دین و دنیا کی برکتیں نازل کیں۔ پھر ان دونوں یعنی حضرت ابراہیم و اسحاق یا حضرت اسماعیل و اسحاق کی نسل میں نیک لوگ بھی ہوں گے اور بدکار بھی جو اپنے اوپر صریح ظلم کریں گے۔

حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ پر اللہ کے انعام

۱۱۴۔۱۲۲: وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بڑا احسان کیا کہ انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے نجات دی اور ہم نے ان کی مدد کی تو وہی غالب رہے۔ ہم

نے ان دونوں کو واضح کتاب دی اور ان کو سیدھے راستے پر قائم رکھا۔ ہم
نے ان دونوں کے بعد آنے والوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا کہ موسیٰ اور
ہارون پر سلام ہو۔ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ دونوں
ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

الکَرْب: کرب، سختی، غم۔ جمع کُرُوْبٌ۔

المُسْتَبِیْن: بیان کرنے والی، واضح ہدایت والی، روشن۔ استبانۃ سے اسم فاعل۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر اپنے انعامات کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے حضرت موسیٰ و ہارون کو نبوت و رسالت کے علاوہ کمالات ظاہرہ اور باطنیہ سے سرفراز فرمایا۔ ان دونوں اور ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل کو نہ صرف فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و ستم سے نجات دی بلکہ ان کو دشمن پر غلبہ دیا اور قوم فرعون کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو ان کے اموال و املاک کا وارث بنادیا۔ پھر دونوں کو ایک واضح اور روشن کتاب یعنی تورات دی جس میں احکام الٰہی صاف صاف اور واضح طور پر بیان کئے گئے تھے دونوں کو سیدھا راستہ دکھایا جو منزل مقصود تک پہنچانے والا تھا اور ان کے بعد میں آنیوالی قوموں میں ان کا ذکر خیر قائم رکھا۔ سلام ہو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام پر۔ بلاشبہ ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں کہ ان کو تعریف و تحسین کا مستحق بنادیتے ہیں۔ یقیناً یہ دونوں ہمارے خاص الخاص مومن بندوں میں سے تھے۔

حضرت الیاسؑ کا واقعہ

۱۲۳۔۱۳۲: وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَلَا تَتَّقُونَ ۝
أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ ۝ اللَّهَ رَبَّكُمْ وَ
رَبَّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ ۝ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ۝ إِلَّا عِبَادَ
اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلَامٌ عَلَىٰ
إِلْ يَاسِينَ ۝ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا
الْمُؤْمِنِينَ ۝

بیشک الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ

کیا تم (اللہ سے) نہیں ڈرتے۔ کیا تم بعل (ایک بت کا نام) کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر خالق اللہ کو چھوڑے بیٹھے ہو جو تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔ سوان لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔ پس (قیامت کے دن) وہ (عذاب میں) پکڑے ہوئے آئیں گے سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے اور ہم نے الیاس کا (ذکر خیر) پچھلوں میں بھی باقی رکھا کہ الیاس پر سلام ہو۔ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

تشریح: جمہور علما کے نزدیک حضرت الیاس علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ حضرت موسیٰ کے بعد اور حضرت ذکریا اور یحییٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے ہیں۔ بلاشبہ حضرت الیاس علیہ السلام بھی رسولوں میں سے تھے جن کو ہم نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا جو بعل نامی بت کو پوجتے تھے۔ حضرت الیاس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم اللہ کے عذاب سے نہیں ڈرتے کہ بہترین خالق و مالک کو چھوڑ کر بعل بت کو پوجتے ہو اور اس سے اپنی حاجتیں مانگتے ہو حالانکہ وہ بالکل بے حس و حرکت اور بے جان چیز ہے۔ حقیقی خالق و مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہ تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے اگلے آباؤاجداد کا بھی رب ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

ان لوگوں نے حضرت الیاس علیہ السلام کی تکذیب کی اس لیے قیامت کے روز ان کو پکڑ کر عذاب جہنم کے لیے حاضر کیا جائے گا سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے جو توحید پر قائم تھے ان مخلص بندوں کو سواریوں پر سوار کر کے اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت میں پہنچا دیا جائے گا، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ہم نے ان کے بعد آنے والی قوموں میں بھی ان کا ذکر خیر قائم رکھا۔ سلام ہو الیاس پر۔ بلاشبہ ہم اپنے نیک بندوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً حضرت الیاس ہمارے خاص الخاص مومن بندوں میں سے تھے۔ الیاسین بھی حضرت الیاس ہی کا نام ہے۔

حضرت لوطؑ کا واقعہ

۱۳۳۔۱۳۸ وَإِنَّ لُوطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ إِذْ نَجَّيْنَٰهُ وَأَهْلَهُۥٓ أَجْمَعِينَ ۝
إِلَّا عَجُوزًا فِى الْغَٰبِرِينَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْءَاخَرِينَ ۝ وَإِنَّكُمْ لَتَمُرُّونَ
عَلَيْهِم مُّصْبِحِينَ ۝ وَبِالَّيْلِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

بیشک لوط بھی رسولوں میں سے تھے ۔ ہم نے انہیں اور ان کے تمام متعلقین کو نجات دی سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں سے تھی ۔ پھر ہم نے دوسرے لوگوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا (اے مشرکین مکہ) بیشک تم تو (شام جاتے ہوئے) صبح کے وقت ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہو اور رات کو بھی ۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے ۔

عَجُوْزًا: بڑھیا ۔ جمع عَجَائِزُ و عُجُزٌ ۔

غٰبِرِیْنَ: پیچھے رہنے والے، باقی رہنے والے، تباہ ہونے والے ۔ غَبْرٌ و غُبُوْرٌ سے اسم فاعل ۔

دَمَّرْنَا: ہم نے تباہ کر ڈالا، ہم نے اکھاڑ ڈالا ۔ تَدْمِیْرٌ سے ماضی ۔

تشریح: حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقیقی بھتیجے تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبر بنا کر اہل سدوم کی طرف بھیجا تھا جو بت پرست تھے اور بدفعلیوں اور بے حیائیوں میں مبتلا تھے ۔ جب قوم نے حضرت لوط کو جھٹلایا تو ان پر بھی اللہ کا عذاب آیا ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو ان کے گھر والوں سمیت عذاب سے بچالیا سوائے ایک بڑھیا کے جو اُن کی بیوی تھی اور قوم کے لوگوں کے ساتھ پیچھے رہ گئی تھی ۔ یہ بڑھیا بھی اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہوئی ۔

اے اہل مکہ ! یہ واقعہ تمہارے لیے خاص طور پر مقام عبرت ہے، کیونکہ تم تجارت کے لیے شام جاتے رہتے ہو اور سدوم کی بستی سر راہ واقع ہے اس لیے تم دن رات وہاں سے گزرتے ہوئے ان کی بستیوں کے کھنڈرات اور تباہی و بربادی کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو پھر بھی عبرت حاصل نہیں کرتے ۔ کیا تمہیں ذرا بھی عقل اور سمجھ نہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی کوئی ایسا ہی عذاب آ جائے ۔

حضرت یونس ؑ کا واقعہ

۱۳۹-۱۴۸۔ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ
الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ
وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ
اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا
عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ
يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝

تحقیق یونس بھی نبیوں میں سے تھے جب وہ بھاگ کر اس بھری کشتی پر پہنچے اور قرعہ ڈالا تو یہی خطاوار ٹھہرے ۔ پھر ان کو مچھلی نے نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے ۔ سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اسی کے پیٹ میں رہتے ۔ پھر ہم نے اسے ایک چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھے اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت اگا دیا ۔ ہم نے ان کو ایک لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا تھا پھر وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کو ایک وقت تک فائدہ اٹھانے دیا ۔

اَبَقَ : وہ بھاگا ۔ اِبَاقٌ سے ماضی ۔

فُلْک : کشتی، جہاز ۔ مذکر و مؤنث، واحد و جمع سب کے لیے آتا ہے ۔

مَشْحُوْن : بھرا ہوا ۔ شحنٌ سے اسم مفعول ۔

ساھم : اس نے قرعہ ڈالا ۔ مُساھمۃٌ سے ماضی ۔

مُدْحضِیْن : خطاوار، شکست خوردہ ۔ اِدْحاضٌ سے اسم مفعول ۔

اِلْتقمهٗ : اس نے اس کا لقمہ کر لیا، اس نے اس کو نگل لیا ۔ اِلْتِقَامٌ سے ماضی

الحُوْتُ : مچھلی ۔ جمع حِیْتَانٌ ۔

مُلِیْمٌ : قابل ملامت، قابل مذمت ۔ اِلامَۃٌ سے اسم فاعل ۔

نَبَذْنٰهُ : ہم نے اس کو پس پشت ڈال دیا، ہم نے اس کو پھینک دیا ۔ نَبْذٌ سے ماضی ۔

عراء : چٹیل میدان، بغیر گھاس کی زمین ۔ جمع اَعْراءٌ ۔

یقطین : کدو کا پودا، بیل دار پودا ۔ اسم جنس ہے ۔

تشریح : حضرت یونس علیہ السلام بھی یقیناً پیغمبروں میں سے تھے ۔ وہ اپنی قوم کی ایذا پر صبر نہ کر سکے اور قوم کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے ۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا ۔ جب قوم کے لوگ ایمان نہ لائے اور اپنے کفر و تکذیب پر ڈٹے رہے تو حضرت یونس سمجھ گئے کہ ان کا بھی وہی انجام ہوگا جو ان سے پہلے سرکشوں اور نافرمانوں کا ہوا ۔ ان کا خیال تھا کہ بہت جلد عذاب آنے والا ہے اس لیے وہ وحی کا انتظار کئے بغیر اور اللہ کا حکم آنے سے پہلے ہی اپنی قوم کے درمیان سے نکل کر دریا کے کنارے پہنچ گئے اور ایک کشتی پر سوار ہو گئے جو لوگوں اور سامان سے بھری

ہوئی تھی ۔ ان کے سوار ہونے کے بعد کشتی کچھ دور جا کر رک گئی اور کسی طرح نہ چلتی تھی ۔ بظاہر رکنے کا کوئی سبب بھی نہ تھا۔ ملاحوں نے اپنے عقیدے کے مطابق کہا کہ کشتی میں اپنے آقا سے بھاگا ہوا کوئی غلام ہے اس لیے کشتی نہیں چلتی ۔ پھر ملاحوں نے تین مرتبہ قرعہ ڈالا ۔ تینوں مرتبہ قرعے میں حضرت یونس کا نام نکلا ۔ یہ دیکھ کر حضرت یونس نے خود ہی اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ اسی وقت اللہ کے حکم سے ایک مچھلی نے ان کو نگل کر اپنے پیٹ میں محفوظ کرلیا۔ اس وقت حضرت یونس، اللہ کے حکم کے بغیر بستی سے نکلنے پر اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔

اگر حضرت یونس علیہ السلام اللہ کی تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں زندہ پڑے رہتے اور ان کو وہاں سے نکلنا نصیب نہ ہوتا۔ لیکن تسبیح کی برکت سے ان کو جلد رہائی مل گئی ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ حضرت یونس کو ایک چٹیل میدان میں اگل دے، مچھلی کے پیٹ میں مناسب غذا اور ہوا نہ ملنے کی وجہ سے اس وقت وہ مضمحل اور نہایت کمزور تھے جیسے بے بال و پر کا چوزہ ہوتا ہے ۔ پھر سائے کے لیے ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت اگا دیا تا کہ ان کا جسم مکھیوں وغیرہ سے محفوظ رہے ۔ پھر جب حضرت یونس صحت مند اور توانا ہو گئے تو ہم نے ان کو پیغمبر بنا کر ایک لاکھ یا اس سے زیادہ آدمیوں کے پاس بھیجا۔ جب وہ اپنی قوم کے پاس پہنچے تو سب لوگ ان پر ایمان لے آئے ۔ جب تک وہ زندہ رہے ان پر کوئی عذاب نہیں آیا۔ (مظہری ۱۴۳۔۱۴۶/ ۸)
مزید تفصیل کے لیے سورۂ یونس آیت ۹۸ کی تفسیر دیکھئے۔

مشرکین کی جہالت اور بیوقوفی

۱۴۹۔۱۶۰: فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنٰتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۚ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

سو آپ ذرا ان سے پوچھئے کہ آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہوں اور ان کے بیٹے
یا یہ اس وقت موجود تھے جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا۔ آگاہ رہو!
بیشک یہ لوگ بہتان باندھ کر کہہ رہے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے۔ یقیناً یہ لوگ
جھوٹے ہیں۔ کیا اللہ نے (اپنے لیے) بیٹوں کی بجائے بیٹیاں پسند کر لیں۔
تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟ یا
تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے۔ پس اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب لے آؤ۔
ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ داری ٹھہرائی ہے حالانکہ
جنوں کو معلوم ہے کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کئے جائیں گے۔ جو کچھ یہ
بیان کر رہے ہیں اللہ اس سے پاک ہے مگر جو اللہ کے مخلص بندے ہیں۔

اَصْطَفَی : کیا (اللہ تعالیٰ نے) پسند کر لیا ہے۔ اِصْطِفَاءٌ سے ماضی۔

سُلْطٰنٌ : اقتدار، قوت، دلیل، غلبہ۔ جمع سَلَاطِیْنُ۔

یَصِفُوْنَ : وہ بیان کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں۔ وَصْفٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی جہالت اور بیوقوفی بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں مقرر کرتے ہیں۔ اگر ان کے لڑکی پیدا ہو جائے تو ان کے چہرے سیاہ پڑ جاتے ہیں، لوگوں کے سامنے آنے سے کتراتے ہیں اور لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں تجویز کرتے ہیں۔ ان کی جہالت کی انتہا نہیں۔ اول تو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کرنا ہی بڑی گستاخی ہے پھر اولاد بھی نہایت کمزور۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان مشرکوں سے جو قسم قسم کے باطل عقائد اور مہمل خیالات میں مبتلا ہیں، پوچھئے کہ یہ کیسی تقسیم ہے کہ تمہارے لیے تو لڑکے ہوں اور اللہ تعالیٰ کے لیے لڑکیاں ہوں۔ یہ لوگ فرشتوں کو لڑکیاں کس بنا پر کہتے ہیں؟ کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے اور دیکھ رہے تھے کہ انہیں مؤنث بنایا گیا ہے۔

خوب سن لو! بلاشبہ یہ لوگ اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر ایسا کہہ رہے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ کے اولاد ہے۔ یقیناً یہ لوگ قطعی جھوٹے ہیں اور ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے۔ کیا اللہ نے بیٹوں کے مقابلے میں بیٹیاں پسند کیں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسی بات کہتے ہو؟ کیا تمہیں ذرا بھی خیال نہیں کہ

تم کیا کہہ رہے ہو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو اور اس عقیدے کے بارے میں تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے تو تم اپنی وہ کتاب پیش کرو جو اللہ نے اتاری ہو اور جس میں لکھا ہوا ہو کہ فرشتے مؤنث ہیں اور اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

ان لوگوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے تو اللہ تعالیٰ اور جنات میں بھی رشتہ داری قائم کر دی، حالانکہ جنات خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا کوئی رشتہ ناتا نہیں۔ وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور قیامت کے روز حساب و کتاب کے لیے دوسرے مجرموں کی طرح وہ بھی اللہ کے روبرو پکڑے ہوئے آئیں گے۔ سوائے اللہ کے مخلص بندوں کے اور کوئی اس پکڑ دھکڑ سے محفوظ نہیں ہوگا۔ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ سو وہاں رشتہ ناتا نہیں بلکہ صرف بندگی اور اخلاص کام آئے گا۔ پس اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے جو یہ مشرکین اس کے بارے میں افترا باندھتے ہیں۔

(ابن کثیر ۲۲، ۲۳/۴، مظہری ۱۴۶/۸ ـ ۱۴۸)

ہدایت و گمراہی کا اختیار

۱۶۱ ـ ۱۷۰: فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۝ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ۝ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۝ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

سو تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو وہ (اللہ کے خلاف) کسی کو بھی نہیں بہکا سکتے سوائے اس کے جو جہنم میں داخل ہونے والا ہے اور (فرشتے کہتے ہیں کہ) ہم میں سے ہر ایک کا مقام متعین ہے اور ہم تو (اللہ کی بندگی میں) صف بستہ رہتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں۔ یہ (منکرین) تو کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کی کوئی نصیحت ہوتی تو ہم بھی اللہ کے مخلص بندے ہوتے۔ پھر یہ لوگ اس (قرآن) کا انکار کرنے لگے، سو بہت جلد ان کو (انکار کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ سے فرمایا کہ تم اور جن باطل معبودوں کو تم پوجتے ہو سب مل کر بھی کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے برگشتہ اور کفر و شرک پر آمادہ نہیں کر سکتے، سوائے ان کے جن کو اللہ نے پیدا ہی جہنم کے لیے کیا ہے۔ پھر فرمایا کہ فرشتے خود کہتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک جگہ اور حد مقرر ہے اور عبادت مخصوص ہے۔ ہم نہ اپنے مقام سے آگے بڑھ سکتے ہیں اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ ہم اپنی مخصوص عبادت میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ جس کام کے لیے ہمیں مقرر کیا گیا ہے ہم اس میں ذرا بھی ردو بدل نہیں کر سکتے۔ ہم سب صف بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ کوئی اس کی بندگی کے لیے کھڑا ہے تو کوئی اس کے حکم کے انتظار میں۔ ہم ہر وقت اس کی تسبیح و تحمید، پاکی و بزرگی اور بڑائی بیان کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ ہم سب اس کے محتاج اور اس کے سامنے اپنی پستی و عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔

کفار مکہ آپ کی بعثت سے پہلے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمارے پاس بھی پہلے لوگوں کی طرح کوئی کتاب ہوتی تو ہم بھی اس سے نصیحت حاصل کر کے اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ پھر جب ان کے پاس نصیحت کے لیے اللہ کی کتاب آ گئی تو اس کا انکار کرنے لگ گئے اور اپنے سابقہ قول و قرار سے منحرف ہو گئے۔ اب بہت جلد ان کو اس انکار کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

عذابِ الٰہی میں عجلت کا مطالبہ

۱۷۱۔۱۸۲: وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۚ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۚ
وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۞ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۞ وَّأَبْصِرْهُمْ
فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۞ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۞ فَإِذَا نَزَلَ
بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ۞ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى
حِيْنٍ ۞ وَّأَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ۞ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ
عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۞ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

البتہ ہمارے رسولوں کے حق میں ہمارا حکم پہلے (صادر) ہو چکا کہ بیشک انہی کی مدد کی جائے گی اور ہمارا ہی لشکر غالب رہے گا۔ آپ کچھ عرصے کے لیے ان سے منہ موڑ لیجئے اور ان کو دیکھتے رہنے۔ سو بہت جلد یہ بھی (اپنا انجام) دیکھ لیں گے۔ کیا وہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں سو جب ہمارا

عذاب ان کے سامنے آئے گا تو جن لوگوں کو ڈرایا جا چکا ہے ان کے لیے وہ بہت ہی بری صبح ہوگی اور آپ کچھ عرصے تک ان کا خیال چھوڑ دیجئے اور آپ دیکھتے رہئے سو وہ بھی بہت جلد (اپنا انجام) دیکھ لیں گے۔ آپ کا رب، بڑی عزت والا رب، ان تمام باتوں سے پاک ہے جو یہ (مشرکین) بیان کرتے ہیں اور رسولوں پر سلام ہے اور تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

سَبَقَتْ : وہ سبقت کر چکی، وہ پہلے ہو چکی۔ سَبْقٌ سے ماضی۔

سَاحَتِهِمْ : ان کا آنگن، ان کی کشادہ جگہ، ان کا میدان، ان کے سامنے۔

سَاءَ : وہ برا ہے۔ سَوْءٌ سے ماضی۔ فعل ذم ہے۔

تشریح: ہم یہ بات پہلے ہی طے کر چکے ہیں کہ بلاشبہ ہمارے رسولوں اور ان کی اتباع کرنے والوں ہی کا انجام بہتر ہوگا وہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران رہیں گے اور اللہ کا لشکر ہی دشمنوں پر غالب رہے گا۔ یہاں اللہ کے لشکر سے انبیاء و مرسلین کی اتباع کرنے والے اور اہل حق مراد ہیں۔ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایک مقررہ وقت تک صبر و استقامت کے ساتھ ان کا معاملہ دیکھتے رہئے اور جو کچھ یہ کہتے اور کرتے ہیں ان کو کرنے دیجئے پھر ہم آپ کو ان سب پر غالب کر دیں گے۔ یہ لوگ خود بھی بہت جلد اپنی ذلت و خواری کو دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ کس طرح اسلام کو کفر پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔

کیا یہ لوگ تمسخر کے طور پر ہمارے عذاب کی جلدی کر رہے ہیں اور دلیری و بے باکی سے کہتے ہیں کہ وہ عذاب کب آئے گا۔ خوب سمجھ لو کہ جب وہ عذاب ان کے صحنوں اور میدانوں میں اترے گا تو وہ دن ان پر بہت ہی بھاری ہوگا، جن کو اس عذاب سے ڈرایا جاتا تھا اور وہ اس کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایک مقررہ وقت تک صبر و استقامت کے ساتھ ان سے اعراض کرتے رہیے اور دیکھتے رہیے کہ کس طرح اللہ کی مدد آتی ہے پھر یہ لوگ بھی اپنا انجام بد دیکھ لیں گے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک اور بری ہے جو یہ مشرکین اس کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً اولاد، باطل معبود اور فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں قرار دینا وغیرہ۔ وہ بڑی عزت و عظمت والا ہے اور ان مفتریوں کی بہتان تراشی سے پاک و منزہ ہے اور ان تمام پیغمبروں پر سلام ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفات بیان کی ہیں۔ تمام حمد و ثنا اور تعریف و توصیف اسی رب العالمین کے لیے سزاوار ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ صٓ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا حروف تہجی کے چودہویں حرف ''ص'' سے ہوئی ہے۔ یہی اس سورت کا نام ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا نام سورۂ داؤد بھی بیان کیا ہے کیونکہ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خاص عظمت و اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

تعارف: اس میں پانچ رکوع ۸۸ آیات، ۷۸۲ کلمات اور ۳۰۹۹ حروف ہیں۔ قرطبی کے مطابق یہ سورۃ بالاتفاق مکیہ ہے۔ ابن عباس وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کا آغاز قرآن کی حقانیت اور عظمت شان سے ہوا ہے جو آپ کی نبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی سابقہ انبیا حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت ایوب علیہم السلام کے بعض احوال کا بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۲۰، ۱۲۱/ ۲۳)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا سبب اور مشرکین کی طرف سے بہت سے خداؤں کی بجائے ایک خدا ہونے پر اظہار تعجب اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر اعتراض کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت داؤد علیہ السلام کے احوال اور خلافت کا بیان ہے۔

رکوع ۳: شروع میں تخلیق کائنات کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ پھر جہاد کے لیے پالے ہوئے گھوڑوں کا حال اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش مذکور ہے۔

رکوع ۴: حضرت ایوبؑ کا واقعہ اور ابراہیم و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کا تذکرہ ہے۔ پھر آخرت میں پرہیزگاروں کے انعام اور سرکشوں کے انجام کا بیان ہے۔

رکوع ۵: ابتدا میں اعلان توحید و رسالت ہے۔ پھر تخلیق آدم اور ابلیس پر لعنت کا بیان ہے۔

حروف مقطعات

صٓ: بعض علما کے نزدیک یہ قسم ہے اور بعض نے اس کو سورت کا نام قرار دیا۔
صحیح یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے۔ اس کے معنی و مراد اللہ اور اس کا
رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔

سابقہ قوموں کی ہلاکت کی وجہ

۱۔۳: صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝
كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝

قسم ہے نصیحت کرنے والے قرآن کی۔ یہ کفار تو تکبر اور ضد میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہم ان سے پہلے بھی بہت سی امتوں کو (ان کے کفر کے سبب) ہلاک کر چکے ہیں۔ سو انہوں نے (عذاب کے وقت) بہت چیخ و پکار کی لیکن وہ وقت چھٹکارے کا نہ تھا۔

شِقَاقٍ: مخالفت، ضد، مشقت میں ڈالنا۔

مناصٍ: بھاگنا، پناہ لینا۔ نَوْصٌ سے مصدر میمی۔

شان نزول: احمد، ترمذی، نسائی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب ابو طالب بیمار ہوئے تو قریش کے لوگ ان کی عیادت کے لیے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے۔ لوگوں نے ابو طالب سے آپ کی شکایت کی تو ابو طالب نے آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ میرے بھتیجے آپ قوم والوں سے کیا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان سے صرف ایک بات کا اقرار چاہتا ہوں جس سے سارے عرب ان کے تابع ہو جائیں گے اور عجمی بھی ان کو جزیہ ادا کریں گے۔ ابو طالب نے کہا کہ وہ بات کیا ہے آپ نے فرمایا لا الہ الا اللہ۔ قریش کہنے لگے کہ اس نے سب معبودوں کو ایک معبود بنا دیا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

تشریح: قسم ہے اس قرآن کی جو بڑی عزت و عظمت اور عبرت و نصیحت والا ہے۔ اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جن کے دل میں ایمان ہے۔ کافر اپنے تکبر، بغض و عناد اور سرکشی کی بنا پر اس

کے فائدے سے محروم ہیں۔ اہل مکہ کو چاہئے کہ وہ اپنے سے پہلے گزرے ہوئے منکرین کے انجام پر نظر ڈالیں، اور اپنے انجام کی فکر کریں۔ سابقہ قومیں قوت وشوکت میں ان سے بہت زیادہ تھیں، ہم نے ان کو اسی جرم میں تہہ و بالا کیا تھا۔ جب ان پر عذاب الٰہی آیا تو چیخ اٹھے، خوب روئے پیٹے، گڑ گڑائے اور آہ وزاری کی کہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچ جائے مگر سب بے سود رہا، کیونکہ عذاب سے نجات کا وقت نکل چکا تھا۔ اب ان کے لیے نہ کوئی جائے پناہ تھی اور نہ فرار کا مقام۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾

پھر جب انہوں نے ہمارے عذاب کو محسوس کرلیا (آتا دیکھا) تو اس (بستی) سے بھاگنے لگے۔ (حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ انبیا اور مومنین کا مذاق اڑاتے تھے)۔ (انبیا:۱۲)

کفار کا تعجب واعتراض

۴۔۷: وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۴﴾ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُّرَادُ ﴿۶﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ﴿۷﴾

کافروں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا اور وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر (اور) جھوٹا ہے۔ کیا اس نے اتنے سارے معبودوں کی جگہ ایک معبود بنا دیا۔ یقیناً یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے اور ان کے سردار یہ کہتے ہوئے چلائے کہ یہاں سے چلو۔ اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ بیشک اس بات میں آپ کی کوئی غرض ہے۔ ہم نے تو یہ بات پچھلے دین میں بھی نہیں سنی۔ یہ تو محض گھڑی ہوئی (بات) ہے۔

اِنْطَلَقَ: وہ چل کھڑا ہوا۔ اِنطِلاق سے ماضی۔

مَلَاٌ: سرداروں کی جماعت۔

یُرَادُ: اس کا ارادہ کیا جاتا ہے۔ اِرَادَةٌ سے مضارع مجہول۔

اِخْتِلاقٌ: اپنی طرف سے گھڑ لینا، بہتان۔ مصدر ہے۔

تشریح: مشرکین مکہ کو اس بات پر تعجب ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ان جیسا ایک خبردار کرنے والا (پیغمبر) آ گیا حالانکہ وہ پیغمبر ان کا خوب جانا پہچانا تھا۔ اس کے باوجود وہ کہنے لگے کہ یہ تو (نعوذ باللہ) جادوگر اور نبوت کے دعوے میں بڑا ہی جھوٹا ہے۔ اس کے معجزے تو جادو کے کرشمے ہیں۔ وہ شخص کیسے سچا ہو سکتا ہے جس نے بہت سے خداؤں کو ایک خدا بنا دیا۔ یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے کہ اتنی بڑی کائنات کا انتظام ایک ہی خدا چلائے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے یہ کہا کہ تم لا الہ الا اللہ کہہ دو تو عرب کے حاکم بن جاؤ گے اور عجمی بھی تمہارے فرماں بردار ہو جائیں گے، تو ان کے سردار متکبرانہ انداز میں یہ کہتے ہوئے ابو طالب کے پاس سے اٹھ کر چل دیئے کہ اپنے معبودوں پر مضبوطی سے جمے رہو۔ ان کی بات نہ مانو اور اپنے معبودوں کی عبادت کرتے رہو۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو اس قدر عزم و استقلال سے ہمارے معبودوں کے خلاف جہاد میں لگے ہوئے ہیں ضرور اس میں ان کی کوئی غرض ہے اور وہ یہ کہ اس طرح وہ ایک خدا کا نام لیکر ہم سب کو اپنا محکوم بنالیں اور دنیا کی حکومت حاصل کرلیں سو ان کو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دو۔ ہم نے یہ توحید کی بات تو پہلے کسی ملت میں بھی نہیں سنی۔ نصاریٰ بھی تو تین خدا مانتے ہیں۔ مجوس اور آتش پرست دو خدا یزداں اور اہرمن کے قائل ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد اور تمام قبائل قریش بہت سے خداؤں کے قائل تھے۔ پھر اس شخص نے کہاں سے یہ بات نکال لی کہ خدا ایک ہی ہے۔ ہو نہ ہو یہ تو اس شخص کی اپنی گھڑی ہوئی بات ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ (عثمانی ۴۳۱، ۴۳۲/۲، مواہب الرحمٰن ۱۲۴، ۱۲۵/۲۳)

آپ ؐ کی رسالت پر مشرکین کا اعتراض

۸۔۱۱: ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ
بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَاۗىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ
الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ
فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ

کیا ہم میں سے ان ہی پر نصیحت (کلام الٰہی) نازل کی گئی بلکہ یہ لوگ تو میری وحی کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے (ابھی تک) میرا عذاب چکھا ہی نہیں ۔ کیا ان کے پاس آپ کے زبردست فیاض رب کی رحمت کے خزانے ہیں؟ کیا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس پر ان کی حکومت ہے ۔ پس ان کو چاہئے کہ سیڑھیاں لگا کر (آسمان پر) چڑھ جائیں ۔ اس مقام پر یہ بھی گروہوں میں سے ایک شکست خوردہ لشکر ہے ۔

یَرْتَقُوْا : وہ چڑھتا ہے ۔ اِرْتقاءٌ سے مضارع ۔

اَسْبَاب : سیڑھیاں ، رسیاں ، راستے ۔ واحد سَبَبٌ ۔

مَھْزُوْمٌ : شکست خوردہ ، بھاگا ہوا ۔ ھَزْمٌ سے اسم مفعول ۔

تشریح: یہ شخص نہ ہمارا بزرگ اور شیخ ہے اور نہ مال و عزت میں ہم سے بڑھ کر ہے ۔ کیا نزول قرآن کے لیے اللہ تعالیٰ کو سارے ملک میں کوئی بڑا رئیس ، کوئی سردار یا کوئی مالدار نہیں مل رہا تھا کہ سب کو چھوڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

وہ کہنے لگے کہ یہ قرآن دو بڑے شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا ؟ کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں (یہ تو اس قدر محتاج ہیں کہ) دنیا میں بھی ان کی روزیاں اور درجے ہم ہی تقسیم کرتے ہیں ۔ اور آپ کے رب کی رحمت اس (دولت) سے بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں ۔ (الزخرف : ۳۱ ، ۳۲)

پھر فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں نے میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا ، اس لیے یہ لوگ

میری وحی کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہیں ۔ قیامت کے روز جب ان کو جہنم میں داخل کیا جائے گا تو اس وقت یہ اپنی سرکشی کا مزہ پائیں گے ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ان لوگوں کے قبضے میں ہیں ۔ اللہ تو بڑا غالب، زبردست اور خوب عطا کرنے والا ہے ۔ یہ لوگ تو محض بے بس، لاچار اور سراسر مجبور ہیں ۔ یہ اللہ کی رحمت اور انعام کو نہیں روک سکتے ۔ اللہ ہی اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے عطا فرماتا ہے ۔ عزت وذلت اسی کے اختیار میں ہے، ہدایت و گمراہی اسی کی طرف سے ہے ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نبوت ورسالت سے سرفراز کرتا ہے اور جس کے دل پر چاہتا ہے مہر لگا دیتا ہے ۔

کیا زمین وآسمان اور ان کے درمیان کی چیزوں پر ان کا اختیار ہے ۔ اگر ایسا ہے تو ان کو چاہئے کہ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں، عرش تک پہنچ کر اس پر بیٹھ جائیں اور وہاں سے کائنات کا نظام چلائیں اور جس کو چاہیں نبوت ورسالت عطا کریں، لیکن ایسا ہونا محال ہے ۔ یہ لوگ آسمان و زمین کی حکومت اور وہاں کے خزانوں کے مالک تو کیا ہوتے بلکہ یہ تو شکست خوردہ لشکروں میں سے ایک شکست خوردہ گروہ ہے ۔ یہ اللہ کے رسول کا کیا مقابلہ کریں گے ۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور کافروں کو تہدید ہے ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے دوسرے سال ہی ان کافروں کا ایک عظیم لشکر بری طرح شکست کھا کر بھاگا ۔ ابو جہل، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابو البختری، زمعہ بن الاسود اور امیہ بن خلف جیسے نامور سردار و سپہ سالار مارے گئے اور بہت سے قید ہوئے ۔ (مواہب الرحمٰن ۱۲۵،۱۲۶/۲۳، عثمانی ۲/۳۴۳) ۔

عاد وثمود اور فرعون وغیرہ کا حال

۱۲۔۱۶: كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ۝ وَ
ثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ ۚ أُولٰٓئِكَ الْأَحْزَابُ ۝ إِنْ
كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً
وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ۝ وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا
قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝

ان سے پہلے بھی قوم نوح و عاد اور میخوں والے فرعون نے تکذیب کی تھی اور

قوم ثمود ولوط اور ایکہ کے رہنے والوں نے بھی (تکذیب کی تھی)۔ وہ بڑے بڑے گروہ تھے۔ ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے رسولوں کی تکذیب نہ کی ہو۔ پھر (ان پر) میرا عذاب واقع ہوگیا اور یہ لوگ بس ایک چیخ کے منتظر ہیں جس میں کوئی وقفہ نہ ہوگا اور یہ لوگ (تمسخر کے طور پر) کہنے لگے کہ اے ہمارے رب ہمارا حصہ روز حساب سے پہلے ہمیں یہیں دیدے۔

اَوْتَادِ : میخیں، کھونٹیاں۔ واحد وَتَدٌ۔

اَیْکَۃ: گھنا جنگل، درختوں کا جھنڈ، بَن، حضرت شعیب کی قوم اور مدین بستی کے اطراف کے باشندے مراد ہیں۔

فواقِ : مہلت، ڈھیل، گنجائش۔

قِطَّنا : ہمارا اعمال نامہ، ہمارا حصہ۔ جمع قُطُوطٌ۔

تشریح: ان مشرکین مکہ سے پہلے قوم نوح، قوم ہود اور فرعون نے جس کی سلطنت کی میخیں گڑ گئی تھیں اور قوم صالح ولوط اور ایکہ والوں نے اپنے اپنے زمانے کے نبیوں کی تکذیب کی تھی۔ ان میں سے کوئی جماعت بھی ایسی نہ تھی جس نے پیغمبروں کو جھٹلایا ہو۔ ان سب پر اللہ تعالیٰ کا سخت ترین عذاب واقع ہوا۔ یہی وہ جماعتیں ہیں جو مال و اولاد، قوت و طاقت، زور و زر میں ان مشرکین مکہ سے بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ لیکن اللہ کا عذاب آنے کے بعد کوئی چیز بھی ان کے کام نہ آئی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اہل مکہ ان طاقتور قوموں کے عبرتناک انجام سے نصیحت حاصل کرتے اور اپنی سرکشی سے باز آجاتے، مگر یہ لوگ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں اور ایک چیخ یعنی صور پھونکے جانے کے منتظر ہیں، جو ایک ہی لمحے میں ان سب کو ہلاک و تباہ کر ڈالے گا۔ ان کی جہالت اور دلیری یہاں تک پہنچ گئی کہ قیامت کے عذاب سے ڈرنا تو درکنار یہ تو قیامت سے پہلے ہی جہنم میں سے اپنے عذاب کا حصہ مانگتے ہیں، اور تمسخر کے طور پر کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس عذاب آخرت سے ہمیں ڈراتے ہیں وہ ہمیں دنیا ہی میں دیدے۔ ظاہر ہے یہ گستاخی اور تمسخر اسی وقت تک ہے جب تک عذاب الٰہی نازل نہیں ہوتا۔ جب عذاب الٰہی آئے گا تو ان کو ایک لمحے کی بھی مہلت نہ ملے گی۔

حضرت داؤدؑ کا حال

۱۷-۲۰: اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ
اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَ الْاِشْرَاقِ ۙ وَالطَّيْرَ
مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ
وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝

آپ ان کی باتوں پر صبر کیجئے اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کیجئے جو بڑی قوت والے تھے۔ بیشک وہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والے تھے۔ بیشک ہم نے پہاڑوں کو ان کے تابع رکھا تھا کہ ان کے ساتھ شام اور صبح کو تسبیح کیا کریں اور پرندے بھی جمع ہو کر (تسبیح کرتے تھے) سب اس کے زیرِ فرمان رہے اور ہم نے ان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے ان کو حکمت اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا کی تھی۔

اَوَّابٌ: بہت رجوع کرنے والا، بہت توبہ کرنے والا۔ اَوْبٌ سے مبالغہ۔

مَحْشُوْرَةً: جمع کی ہوئی، اکٹھی کی ہوئی۔ حَشْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مشرکین جو تمسخر و استہزا اور تکذیب و تردید کرتے رہتے ہیں، آپ اس پر صبر کرتے رہئے اور ہمارے بندے حضرت داؤد علیہ السلام کو یاد کیجئے جو بڑی قوت و ہمت والے تھے۔ ان کے علم و حلم، عزم و حوصلہ اور سلطنت و حکومت کے رعب و دبدبے کی کوئی حد نہ تھی۔ اللہ نے ان کی حکومت کا خوف لوگوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا۔ بلاشبہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبادت کی خاص قدرت اور اسلام کی سمجھ عطا فرمائی تھی۔

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ حضرت داؤد کی رات کی نماز اور دن کے روزے پسند تھے۔ آپ آدھی رات سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور رات کا چھٹا حصہ پھر سو جاتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہ رکھتے اور دشمنانِ دین سے جہاد میں پیٹھ نہ دکھاتے اور اپنے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت و رجوع رکھتے۔

اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو آپ کے لیے مسخر کر دیا تھا۔ وہ آپ کے ساتھ سورج نکلنے کے وقت

اور غروب آفتاب کے وقت اللہ کی تسبیح بیان کرتے ۔ اسی طرح پرندے بھی آپ کی آواز سن کر آپ کے ساتھ اللہ کی تسبیح و تمجید کرنے لگ جاتے ۔ جب آپ زبور پڑھتے تو قریب سے گزرنے والے پرندے بھی اپنی پرواز روک کر آپ کے ساتھ تلاوت میں مشغول ہو جاتے ۔

بغوی نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤد کو تمام بادشاہوں سے بڑھ کر اقتدار عطا فرمایا تھا ۔ ان کے شاہی محل کی نگرانی ہر رات ۳۶ ہزار سپاہی کرتے تھے ۔

پھر فرمایا کہ ہم نے داؤد کو حکمت یعنی نبوت و معرفت عطا فرمائی اور ہم نے ان کو فیصلہ کن خطاب اور قوت گویائی عطا کی تھی کہ ان کی گفتگو نہایت فصیح و بلیغ اور جامع ہوتی تھی اور مضبوط دلائل کی بنا پر حق و باطل اور ظلم و انصاف کے درمیان فیصلہ کن ہوتی ۔

بغوی نے حضرت علی کا قول نقل کیا ہے کہ فصل الخطاب یہ ہے کہ **البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر** یعنی مدعی پر لازم ہے کہ وہ گواہ پیش کرے اور گواہ نہ ہوں تو مدعی علیہ سے حلف لیا جائے ۔ شعبی نے کہا کہ حمد و ثنا کے بعد جب آدمی اپنا مقصد بیان کرنا چاہتا ہے اور اس سے پہلے اما بعد کہتا ہے تو یہ فصل الخطاب ہے ۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ یہ فصل الخطاب اس لیے ہے کہ یہ لفظ حمد و ثنا کو بیان مقصد سے جدا کر دیتا ہے ۔ (مظہری ۱۵۹۔۱۶۱/ ۸، ابن کثیر ۲۹، ۳۰/ ۴)۔

ایک عجیب مقدمہ

۲۱۔۲۵: وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ
دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ
فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ۝
إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ
فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ
نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْخُلَطَاءِ لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ
عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ مَا
هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَ
أَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ
مَآبٍ ۝

کیا آپ کو جھگڑا کرنے والوں کی بھی خبر پہنچی جبکہ وہ دیوار پھاند کر عبادت کی جگہ آ گئے ۔ جب وہ (حضرت) داؤد کے پاس پہنچے تو وہ (حضرت داؤد) گھبرا گئے ۔ وہ کہنے لگے کہ آپ خوفزدہ نہ ہوں ۔ ہم دونوں آپس میں جھگڑا اور زیادتی کر رہے ہیں ۔ آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیجئے اور ناانصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے ۔ بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے پاس ایک بھیڑ ہے ۔ یہ کہتا ہے کہ اپنی ایک بھی مجھے دے دو اور (یہ) بات چیت میں مجھے دبالیتا ہے ۔ (حضرت) داؤد نے کہا کہ بیشک وہ اپنی بھیڑوں کے ساتھ تیری ایک بھیڑ ملا لینے کا سوال کر کے تجھ پر ظلم کرتا ہے، اور اکثر شرکا ایک دوسرے پر زیادتی کیا کرتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں اور (حضرت) داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے ان کی آزمائش کی ہے، سو انہوں نے اپنے رب سے معافی مانگی اور سجدے میں گر پڑے اور (اللہ کی طرف) رجوع ہوئے سو ہم نے انہیں معاف کر دیا اور بیشک ان کے لیے ہمارے پاس بڑا مرتبہ اور اچھا ٹھکانا ہے ۔

تَسَوَّرُوْا : انہوں نے دیوار کو پھاندا ۔ تَسَوُّرٌ سے ماضی ۔

فَزِعَ : وہ گھبرا گیا، وہ ڈر گیا ۔ فَزَعٌ سے ماضی ۔

تُشْطِطْ : تو بے انصافی کرتا ہے، تو زیادتی کرتا ہے ۔

نَعْجَۃٌ : ایک دنبی، ایک بھیڑ ۔ جمع نِعَاجٌ ۔

اَکْفِلْنِیْهَا : تو مجھ کو اس کا کفیل کر دے، تو مجھ کو وہ سونپ دے ۔ اِکْفَالٌ سے امر ۔

زُلْفٰی : درجہ، مرتبہ، نزدیکی ۔ مصدر ہے ۔

تشریح : ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام عبادت میں مشغول تھے کہ اچانک دو آدمی دیوار پھاند کر ان کے پاس پہنچ گئے ۔ حضرت داؤد اپنی قوت و شوکت کے باوجود یہ ناگہانی ماجرہ دیکھ کر گھبرا گئے کہ یہ انسان ہیں یا کوئی اور مخلوق، ان کو بے وقت آنے کی ہمت کیسے ہوئی ۔ نہ جانے یہ لوگ کس نیت اور کس غرض سے آئے ہیں ۔ جس یکسوئی کے ساتھ وہ عبادت میں مشغول تھے وہ اس واقعہ سے قائم نہ رہ سکی ۔ آنے والے

دونوں آدمیوں نے کہا کہ آپ کچھ اندیشہ نہ کریں، ہم ایک مقدمے کے دو فریق ہیں۔ اور اس کا فیصلہ کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ آپ انصاف کے ساتھ ہمارا فیصلہ کر دیجئے۔ ہم عدل و انصاف کی سیدھی راہ معلوم کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں کوئی ٹالنے کی بات نہ ہو۔

ان میں سے ایک کہنے لگا کہ یہ میرا دینی بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے پاس صرف ایک بھیڑ ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح میری ایک بھیڑ بھی مجھ سے چھین کر اپنی سو پوری کر لے۔ بات کرنے میں بھی یہ مجھ سے تیز ہے۔ جب بات کرتا ہے تو مجھ پر غالب آ جاتا ہے اس لیے لوگ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے ہیں حالانکہ میں حق پر ہوں۔ اس کی گفتگو سن کر حضرت داؤد نے فرمایا کہ اگر یہ تیرا بھائی ایسا کرتا ہے تو یہ زیادتی اور ناانصافی ہے۔ ہم اس کو ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ اکثر شرکا ایک دوسرے پر اسی طرح زیادتی کرتے ہیں مگر اللہ کے مومن اور نیک بندے ایسا نہیں کرتے لیکن وہ دنیا میں بہت کم ہیں۔ جب حضرت داؤد نے ان کا فیصلہ کر دیا تو وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسے، پھر آسمانوں کی طرف چڑھ کر غائب ہو گئے اور حضرت داؤد بھی سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مقدمے سے ان کا امتحان لیا ہے۔ اس لیے فوراً اپنے رب سے معافی مانگنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے سجدے میں گر پڑے اور پوری طرح اللہ کی طرف رجوع ہو گئے۔ پھر اللہ نے ان کی وہ خطا جس کی انہوں نے معافی مانگی تھی معاف کر دی اور فرمایا کہ بلاشبہ اس مغفرت کے بعد ان کے لیے ہماری بارگاہ میں قرب کا ایک بہت ہی عظیم مقام اور بہترین انجام و ٹھکانہ ہے۔

ان آیات میں حضرت داؤد کی جس خطا کی طرف اشارہ ہے اس کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات اور قصے بیان کئے ہیں۔ ابن کثیر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان میں اکثر اسرائیلیات ہیں۔ قرآنی الفاظ سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد نے ایک بات کی خواہش کی یعنی ایک عورت سے نکاح کی باوجود اس کے کہ ان کو اس جیسی ننانوے عورتیں حاصل تھیں۔ اس پر تنبیہ کے لیے اللہ نے مقدمہ کی شکل دیکر دو فرشتوں کو بھیجا۔ حضرت داؤد فوراً متنبہ ہو گئے اور توبہ و استغفار میں لگ گئے۔ (عثمانی ۶۳۵،۶۳۶ /۲، ابن کثیر ۳۱، ۳۲ /۴)۔

حضرت داؤدؑ کو زمین پر خلیفہ بنانا

۲۶: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ
وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اِنَّ الَّذِیْنَ یَضِلُّوْنَ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

اے داؤد ہم نے آپ کو زمین پر اپنا نائب بنایا سو تم لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلے کیا کرو اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی۔ بیشک جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اس لیے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے۔

تشریح: اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کو انعامات خداوندی میں سے خلافت ارضی کے انعام سے نوازنے کا ذکر ہے۔ نبوت و رسالت تو ان کو پہلے ہی عطا فرمادی گئی تھی۔ پھر مزید انعام یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سلطنت و حکومت بھی عطا فرمادی اور ان کی توجہ اس منصب کی دو اہم ذمہ داریوں کی طرف دلائی۔ ۱۔ اے داؤد لوگوں کے درمیان ہمیشہ حق و انصاف کے مطابق فیصلہ کرنا۔ ۲۔ خواہش نفس کی کبھی پیروی نہ کرنا۔ اگر خواہش نفس کی پیروی کی تو وہ تمہیں راہ حق سے بہکا دے گی اور جو راہ حق سے ہٹا وہ عدل قائم نہیں کرسکتا۔ بلاشبہ جو بھٹک کر اپنے حساب کے دن کو بھول جائے اس کے لیے سخت عذاب ہے۔ اس آیت کے مخاطب اگرچہ حضرت داؤد ہیں اس سے دوسرے بادشاہوں اور حاکموں کو متنبہ کرنا ہے کہ وہ عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کریں اور اپنے روز حساب کو فراموش نہ کریں ورنہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر نے حضرت طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ خلیفہ اور بادشاہ میں کیا فرق ہے۔ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر نے فرمایا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ حضرت سلمان فارسی نے کہا کہ خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں انصاف کرے۔ سب کو معاشی تقسیم ایک جیسی کرے اور رعایا پر ایسی شفقت کرے جیسے آدمی اپنے گھر والوں پر کرتا ہے اور اللہ کی کتاب کے موافق فیصلے کرے۔ حضرت کعب نے کہا کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ اس مجلس میں میرے سوا کوئی بھی خلیفہ کے معنی نہیں جانتا۔

سلیمان بن ابی العوجاء سے روایت ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا مجھے نہیں معلوم کہ میں بادشاہ ہوں یا خلیفہ۔ ایک شخص نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! ان دونوں میں فرق ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیا فرق ہے۔ اس شخص نے کہا خلیفہ حق پر لیتا اور حق پر دیتا ہے۔ الحمد اللہ آپ ایسے ہیں اور بادشاہ ظلم کرتا ہے (ظلماً) اس سے لیتا ہے اور اس کو دیتا ہے۔ حضرت عمر خاموش ہوگئے۔ بعض روایات میں ہے جب حضرت امیر

معاویہ منبر پر بیٹھتے تو یہ کہا کرتے کہ خلافت نہ مال جمع کرنے کا نام ہے نہ تقسیم کرنے کا بلکہ خلافت اس کا نام ہے کہ حق پر عمل کرے، فیصلے میں عدل کرے اور لوگوں کو حکم الٰہی پر قائم کرے۔ (مظہری ۱۷۳/ ۸)

تخلیق کائنات کی حکمت

۲۷۔۲۹: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۞ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۞ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞

ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ یہ خیال تو کافروں کا ہے سو افسوس ہے! کافروں کے لیے آگ (کی سزا) ہے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے اور نیک کام کئے ان کے برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد مچاتے رہے؟ کیا ہم پرہیز گاروں کو بدکاروں کی مانند کردیں گے؟ یہ (قرآن) ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں۔

تشریح: آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یہ سب ہم نے حکمت سے خالی، بیکار اور محض کھیل تماشے کے لیے پیدا نہیں کئے جیسا کہ کافروں کا خیال ہے کہ اس حیات دنیوی کے بعد نہ کوئی اور حیات ہے اور نہ حشر و نشر اور جزا و سزا ہے، بلکہ ان کی تخلیق میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔ پھر ایک وقت آئے گا جب اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کو سرفراز و سربلند کیا جائے گا اور نافرمانوں کو سخت سزا دی جائے گی۔ قیامت کے دن منکرین حشر و نشر اور جزا و سزا کے لیے بڑی خرابی ہوگی جب حساب و کتاب کے بعد انہیں اس آگ میں ڈال دیا جائے گا جو اللہ نے ان کے لیے تیار کر رکھی ہے۔

آسمان و زمین اور کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور کمال حکمت کی واضح دلیل

ہیں ۔ جو لوگ ان دلائل و حقائق پر ایمان رکھتے ہیں وہ مومن و پرہیزگار ہیں ۔ اور جو ان کا انکار و تکذیب کرتے ہیں وہ نافرمان و مفسد ہیں ۔ ان مومنوں اور نافرمانوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ یہ دونوں گروہ برابر اور ایک جیسے نہیں ہو سکتے ۔ اس لیے تخلیق کائنات کے مقصد اور حکمت خداوندی کا تقاضا یہ ہے کہ عدل و انصاف قائم کر کے نیکوں کو نیکیوں کی جزا اور نافرمانوں کو نافرمانی کی سزا دی جائے ۔ یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب جزا و سزا اور حساب و کتاب کا ایک وقت مقرر ہو ۔ اسی کا نام آخرت اور یوم قیامت ہے ۔ اسی قانون حکمت کا حامل یہ قرآن ہے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے ۔ یہ ایک بابرکت کتاب ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور سمجھدار لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں ۔ (مظہری ۱۷۳، ۱۷۴/ ۸)

جہاد کے گھوڑے

۳۰۔۳۳: وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ۝ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۭ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ۝

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا جو بہت اچھا بندہ تھا ۔ بیشک وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا ۔ جب ان کے سامنے شام کے وقت نہایت تیز رو اور عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے تو کہنے لگے کہ (افسوس) میں ان گھوڑوں کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا ، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا ۔ ان (گھوڑوں) کو میرے پاس واپس لاؤ ۔ پھر وہ (جہاد کے شوق میں) ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر (محبت سے) ہاتھ پھیرنے لگے ۔

الصّٰفِنٰتُ : نہایت تیز رو گھوڑے ۔ صُفُوْنٌ سے اسم فاعل ۔

الجِیَادُ : بہت اچھے ، عمدہ ، تیز رو ۔ واحد جَوَادٌ ۔

تَوَارَتْ : وہ پوشیدہ ہو گئی ، وہ چھپ گئی ۔ تَوَارِیٌ سے ماضی ۔

طفق وہ کرنے لگا، اس نے شروع کیا۔ طفقٌ و طفوقٌ سے ماضی۔

تشریح: سمجھدار اور عقلمند لوگوں پر اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اپنا فضل و انعام فرماتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بھی بڑے عقلمند اور اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت سلیمان جیسا بیٹا عطا فرمایا، جو نہایت عقلمند اور اللہ تعالیٰ کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔ حضرت سلیمان کا وہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے جب شام کے وقت جہاد وغیرہ کے لیے پالے ہوئے اصیل اور عمدہ گھوڑے پیش کئے گئے اور وہ ان کے معائنے میں ایسے مشغول ہوئے کہ سورج غروب ہو گیا اور ان کی نماز یا ایسا ہی کوئی اور معمول فوت ہو گیا۔ پھر جب خود ہی اس غفلت پر متنبہ ہوئے تو گھوڑے چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذاتی ملکیت میں تھے اور ان ہی سے یاد الٰہی میں خلل واقع ہوا تھا۔ اور ان کی شریعت میں اونٹ گائے اور بکری کی طرح گھوڑوں کی قربانی بھی جائز تھی اس لیے انہوں نے عبادت کے طور پر گھوڑوں کو اللہ کے نام پر قربان کر دیا۔ (روح المعانی ۱۹۳/ ۲۳)

ان آیات کی ایک اور تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس سے منقول ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جب وہ گھوڑے معائنے کے لیے پیش کئے گئے جو جہاد کے لیے پالے گئے تھے تو وہ انہیں دیکھ کر مسرور ہوئے اور فرمایا کہ مجھے ان گھوڑوں سے محبت دنیا کی محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے پروردگار کی یاد کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ جہاد کے لیے تیار کئے گئے ہیں اور جہاد ایک افضل عبادت ہے۔ اس دوران گھوڑے نگاہوں سے پوشیدہ ہو گئے تو آپ نے جذبۂ جہاد کے جوش میں حکم دیا کہ ان کو دوبارہ سامنے لایا جائے۔ جب وہ دوبارہ سامنے آ گئے تو فرط جذبات میں آپ ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ اس تفسیر کی رو سے عن ذکر ربی میں عن سببیہ ہے اور توارت کی ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے اور مسح سے مراد کاٹنا نہیں بلکہ محبت سے ہاتھ پھیرنا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۵۱۲، ۵۱۳/ ۷، عثمانی ۴۳۸/ ۲)۔

حضرت سلیمانؑ کی آزمائش

۳۴۔۴۰ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَاَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝
قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ

بیشک ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور ان کے تخت پر ایک جسم لا ڈالا۔ پھر وہ

اِنَّكَ اَنۡتَ الۡوَهَّابُ ۞ فَسَخَّرۡنَا لَهُ الرِّيۡحَ تَجۡرِىۡ بِاَمۡرِهٖ
رُخَآءً حَيۡثُ اَصَابَ ۞ وَالشَّيٰطِيۡنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۞
وَّاٰخَرِيۡنَ مُقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ ۞ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ
اَوۡ اَمۡسِكۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۞ وَاِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰى وَحُسۡنَ
مَاٰبٍ ۞

(ہماری طرف) رجوع ہوئے۔ (حضرت) سلیمان نے دعا مانگی کہ اے میرے رب مجھے معاف کردے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو۔ بیشک تو بہت ہی دینے والا ہے۔ سو ہم نے ہوا کو اس کے تابع کردیا۔ وہ آپ کے حکم سے جہاں آپ چاہتے آپ کو نرمی سے پہنچادیا کرتی تھی اور جنات کو، سارے عمارت بنانے والوں اور غوطہ خوروں کو بھی (ان کے تابع کردیا) اور دوسرے (جنات کو بھی) جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔ (ہم نے سلیمان سے کہا) یہ ہماری عطا ہے سو (جس پر چاہو) احسان کرو اور (جس سے چاہو) روک لو تم سے کچھ حساب نہ ہوگا اور بیشک ان کے لیے ہمارے پاس بڑا مرتبہ اور اچھا ٹھکانا ہے۔

بَنَّاءٍ : معمار، عمارت بنانے والا۔ بِنَاءٌ سے مبالغہ کے وزن پر اسم فاعل۔

غَوَّاصٍ : غوطہ خور، اچانک آجانا۔ غَوْصٌ و غِيَاصٌ سے مبالغہ۔

مُقَرَّنِيْنَ: جکڑے ہوئے، کس کر باندھے ہوئے۔ تَقْرِيْنٌ سے اسم فاعل۔

اَصْفَادِ : زنجیریں۔ واحد صَفَدٌ و صِفَادٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک آزمائش اور ایک دعا کا ذکر فرمایا ہے کہ اس آزمائش کے دوران ایک دھڑ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی پر ڈال دیا گیا تھا۔ وہ دھڑ کیا تھا؟ اس کے کرسی پر ڈالنے کا مطلب کیا ہے؟ اور اس سے آزمائش کیسے ہوگئی؟ یہ تمام تفصیلات نہ قرآن کریم میں موجود ہیں اور نہ کسی صحیح حدیث سے ثابت ہیں۔ قرآن کریم نے اس کو مجمل رکھا ہے اس لیے اس کی تفصیلات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اس بات پر ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی آزمائش کی تھی اور اس آزمائش کے بعد حضرت سلیمان میں

انابت الی اللہ کا جذبہ پہلے سے زیادہ پیدا ہوا۔قرآن کریم کا مقصود بھی یہی بتانا ہے کہ جب کوئی شخص کسی مصیبت یا آزمائش میں مبتلا ہو تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اس کو پہلے سے زیادہ رجوع الی اللہ کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۵۱۵، ۵۱۶/ ۷)

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرا قصور معاف فرمادے اور مجھے ایسی عظیم الشان حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ یقیناً تو ہی سب کچھ بخشنے والا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو ایسی حکومت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ویسی حکومت کسی کو نصیب نہ ہو سکی۔ سو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حضرت سلیمان کا فرماں بردار بنا دیا۔ وہ ان کے حکم سے ان کو نرمی کے ساتھ وہاں لے جاتی جہاں وہ جانا چاہتے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطانوں، عمارتیں بنانے والوں اور غوطہ خوروں کو ان کا تابع بنا دیا، نیز مفسد اور شریر جنات کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے، حضرت سلیمان کا فرماں بردار بنا دیا تھا تاکہ وہ کسی قسم کی سرکشی نہ کرسکیں۔

ہم نے سلیمان سے کہا کہ ایسی حکومت وسلطنت ہم نے کسی اور کو نہیں دی۔ یہ صرف تمہیں دی گئی ہے اور یہ ہمارا خاص عطیہ ہے۔ اب تم جس کو چاہو دو اور جس سے چاہو روک لو، تم سے کچھ حساب نہ ہوگا اس کے علاوہ آخرت میں حضرت سلیمان کو ہمارے پاس قرب کا ایک خاص مقام بھی حاصل ہوگا اور بہترین انجام کیونکہ دنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی آخرت کی معمولی نعمت کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

حضرت ایوبؑ کا واقعہ

۴۱-۴۳: وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝

آپ ہمارے بندے ایوب کا بھی ذکر کیجئے جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف پہنچائی ہے (ہم نے کہا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو، یہ ہے نہانے اور پینے کا ٹھنڈا پانی۔ ہم نے ان کا پورا کنبہ ان کو عطا فرمادیا

اور اپنی خاص رحمت سے ان کے برابر اور بھی اور اہل عقل کی نصیحت کے لیے

نُصُب : مصیبت، رنج، جسمانی تکلیف ۔ جمع اَنْصَابٌ ۔

اُرْکُضْ : تو لات مار، تو پاؤں مار، رَکْضٌ سے امر۔

تشریح: حضرت ایوب بڑے خوشحال پیغمبر تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں طرح طرح کے جانور، کھیتیاں، باغات، مال و اولاد اور باندی غلام غرض سب کچھ دیا تھا ۔ پھر اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش کے لیے مال و اولاد وغیرہ سب فنا ہو گئے، صحت و تندرستی جاتی رہی ۔ اپنے اور غیر سب نے منہ موڑ لیا، کوئی خیریت تک پوچھنے والا نہ تھا ۔ صرف بیوی ہی ساتھ رہ کر دن رات خدمت کرتی رہی ۔

ان آیتوں میں اسی آزمائش کا ذکر ہے کہ ان کو ایک شدید قسم کا مرض لاحق ہو گیا تھا، مگر اس مرض کی نوعیت نہیں بتائی گئی اور نہ احادیث میں اس کی کوئی تفصیل مذکور ہے ۔ سو جس طرح دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام مختلف آزمائشوں سے گزرے، اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام بھی ایک آزمائش سے گزرے، تاکہ اہل دنیا کے سامنے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے صبر کا نمونہ ظاہر ہو جائے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل

سب سے زیادہ شدید آزمائش انبیا کی ہوتی ہے پھر ان کے بعد وہ جو درجہ بدرجہ ان سے مشابہ اور قریب ہوں ۔

حضرت ایوب جس طرح نعمت و راحت میں اللہ کے شکر گزار رہے اسی طرح مصیبت میں بھی نہایت صابر و شاکر رہے ۔ آخر جب بیماری حد سے بڑھ گئی تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ۔ اس رحیم و کریم نے اسی وقت ان کی دعا قبول فرما کر ان کو زمین پر پاؤں مارنے کا حکم دیا ۔ حضرت ایوب نے زمین پر پاؤں مارا تو اس سے پانی کا ایک چشمہ جاری ہو گیا ۔ حضرت ایوب اس سے نہائے بھی اور اس کو پیا بھی ۔ اس طرح ان کو تمام اندرونی و بیرونی بیماریوں سے صحت کلی حاصل ہو گئی ۔

پھر فرمایا کہ ہم نے ان کو ان کے گھر والے بھی عطا کر دیئے جو حوادث میں ضائع ہو گئے تھے اور محض اپنی رحمت و مہربانی سے ان جیسے اور ان ہی کے برابر مزید عطا کئے تاکہ عقلمند اور سمجھدار لوگوں کے لیے یہ واقعات عبرت و نصیحت کا سامان ہو جائیں اور وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے صابر و شاکر بندوں کو کیسے کیسے انعامات سے نوازتا ہے ۔ (ابن کثیر ۳۹، ۴/۴۰)

حضرت ایوبؑ کی قسم

۴۴: وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۗ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۗ نِعْمَ الْعَبْدُ ۗ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

اور (ہم نے ایوب سے کہا کہ) اپنے ہاتھ میں سینکوں کا ایک مٹھا لے کر اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے (حضرت) ایوب کو صابر پایا۔ وہ بڑا نیک بندہ تھا۔ بیشک وہ (ہماری طرف) بہت ہی رجوع کرنے والا تھا۔

ضِغْثًا: جھاڑو، سینکوں کا مٹھا۔ جمع اَضغاث۔

تحنث: تو قسم توڑتا ہے۔ حِنْثٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ایوب علیہ السلام نے بیماری کے دوران اپنی بیوی سے کسی بات پر ناراض ہو کر یہ قسم کھائی تھی کہ شفا ہو جانے کے بعد ان کو سو کوڑے ماریں گے۔ بیماری کے دنوں میں جب سب لوگ ان سے دور ہو چکے تھے تو تنہا یہی بیوی ان کی خدمت کرتی تھی۔ ایسی نیک صفت خاتون اس سزا کے لائق نہ تھیں جو حضرت ایوب نے ان کے لیے طے کر رکھی تھی۔ پس جب حضرت ایوب علیہ السلام تندرست ہو گئے اور انہوں نے اپنی قسم کو پورا کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس خاتون پر رحم فرمایا اور حضرت ایوب کو حکم دیا کہ اپنی قسم پوری کرنے کے لیے سو سینکوں کا مٹھا بنا کر اپنی بیوی کو اس سے ایک دفعہ مار دو۔ اس سے سو کوڑے مارنے کی قسم پوری ہو جائے گی اور نیک صفت خاتون بھی سخت سزا سے بچ جائے گی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت ایوب کو مصائب و شدائد میں بڑا صابر و شاکر پایا۔ وہ بڑا نیک بندہ ثابت ہوا۔ اس کے دل میں ہماری سچی محبت تھی اس لیے وہ ہماری طرف جھکتا رہا اور ہم ہی سے لو لگائے رہا۔

ابراہیمؑ واسحٰقؑ و یعقوبؑ وغیرہ کا ذکر

۴۵۔۴۸: وَاذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِىْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾ اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۗ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾

آپ ہمارے بندوں، ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا بھی ذکر کیجئے جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے۔ بیشک ہم نے ان سب کو ایک خاص بات کی بنا پر امتیاز دیا تھا اور وہ آخرت کی یاد ہے اور ہمارے نزدیک وہ سب برگزیدہ اور بہترین لوگ تھے، اور آپ اسمٰعیل، یسع اور ذوالکفل کا بھی ذکر کیجئے۔ وہ سب بہترین لوگ تھے۔

تشریح: حضرت ایوب علیہ السلام کے ذکر کے بعد اب حضرت ابراہیم و اسحٰق و یعقوب علیہم السلام کے اخلاص اور رجوع الی اللہ اور ان کے دیگر فضائل کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بصیرت بھی عطا فرمائی تھی اور دین کی سمجھ بھی۔ یہ لوگ اللہ کی اطاعت میں نہایت مستقیم تھے۔ ان کے نزدیک دنیا کی کوئی اہمیت و وقعت نہ تھی بلکہ ان کے پیش نظر صرف آخرت تھی اور وہ ہمہ وقت اسی کی تیاری میں لگے رہتے تھے اور اپنی تمام عملی قوتوں اور فکری صلاحیتوں کو اسی کے لیے وقف کئے ہوئے تھے۔ وہ اپنے اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ میں کمال کے سبب اپنے نفس پر غالب تھے اور دوسروں کو اعمال صالحہ کی ترغیب دیتے تھے۔ یہ سب لوگ اللہ تعالیٰ کے منتخب کیے ہوئے اور خاص الخاص بندے تھے۔

دیگر برگزیدہ پیغمبروں کی طرح حضرت اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل نے بھی اپنی فکری صلاحیتوں اور عملی قوتوں کو آخرت کی بہتری کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ اس لیے یہ بھی اللہ کے خاص چنیدہ اور پسندیدہ بندوں میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے بھی ویسے ہی درجات ہیں جیسے دوسرے برگزیدہ انبیا کے۔ پس اگر کسی کو آخرت کے انعامات و فضائل کا شوق ہے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اللہ کے ان نیک اور برگزیدہ پیغمبروں کے نقوش قدم پر چلے اور ان کی تکذیب و انکار سے بچے کیونکہ انبیا کی تکذیب و انکار کرنے والوں کا انجام، ان کی ہلاکت و بربادی اور ذلت و رسوائی اہل دنیا کے سامنے ہے۔ قرآن کریم نے یہ واقعات عبرت و نصیحت کے لیے بیان کئے ہیں اس لیے ہر صاحب عقل کو ان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔

آخرت کا انعام

۴۹۔۵۴: هٰذَا ذِكْرٌ ۚ وَإِنَّ لِلْمُتَّقِينَ لَحُسْنَ مَآبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْأَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٔينَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ

كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾

یہ واقعات ایک نصیحت ہے اور بیشک پرہیزگاروں کے لیے بہت اچھا ٹھکانا ہے (ان کے لیے) ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ وہ ان میں تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے اور بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر (حوریں) ہوں گی۔ یہ وہی (نعمت) ہے جس کا تم سے روزِ حساب آنے پر وعدہ کیا گیا تھا۔ بیشک یہ ہمارا (عطا کیا ہوا) رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

مآب : واپس ہونے کی جگہ، لوٹنے کی جگہ۔ اَوْبٌ سے اسم ظرف مکان۔

قٰصِرٰتُ : نیچی نگاہ رکھنے والیاں، پاکدامن عورتیں۔ قَصْرٌ سے اسم فاعل۔

اَتْرَابٌ : ہم عمر عورتیں، ہمجولیاں۔ واحد تِرْبٌ۔

نفادٍ : کم ہونا، ختم ہو جانا۔ مصدر ہے۔

تشریح: بلاشبہ پرہیزگاروں کے لیے آخرت میں بہترین ٹھکانا ہے۔ وہاں ہمیشہ قائم رہنے والے باغات ہوں گے جن کے دروازے پرہیزگاروں کے لیے کھلے ہوئے ہوں گے۔ یعنی ان کے اعزاز و اکرام کا یہ حال ہوگا کہ جب بھی وہ اپنے باغات و محلات میں آئیں گے تو فرشتے ان محلات کے دروازے کھولے ہوئے ان کے استقبال کے منتظر ہوں گے۔ یہ پرہیزگار لوگ اپنے باغات و محلات میں سکون و اطمینان کے ساتھ تکیہ لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ ان محلات میں قسم قسم کے پھل اور میوے ہوں گے اور متعدد قسم کے مشروبات ہوں گے۔ جس پھل یا مشروب کو ان کا دل چاہے گا اس کو ان کے حکم کے ساتھ ہی باسلیقہ خدام حاضر کر دیں گے۔ ان کے پاس ان کی ہم عمر بیویاں ہوں گی جو پاکدامن، نیچی نگاہوں اور ان سے محبت رکھنے والی ہوں گی۔ ان کی نگاہیں کبھی دوسرے کی طرف نہ اٹھیں گی۔ یہ ہیں وہ انعامات و اکرامات جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے پرہیزگاروں سے فرمایا ہے۔ قیامت کے روز یہ لوگ حساب و کتاب سے فارغ ہو کر ایسی صفات والی جنت کے مالک و وارث ہوں گے۔ ہمارے اس انعام میں نہ کبھی کمی آئے گی اور نہ وہ کبھی فنا ہوگا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ (النحل:۹۶)

سرکشوں کا انجام

۵۵-۶۴: هٰذَا ۚ وَإِنَّ لِلطّٰغِينَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۙ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوقُوهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ۝ وَاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ أَزْوَاجٌ ۝ هٰذَا فَوْجٌ مُقْتَحِمٌ مَعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝ قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝ وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِنَ الْأَشْرَارِ ۝ أَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْأَبْصَارُ ۝ إِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ أَهْلِ النَّارِ ۝

بیشک سرکشوں کے لیے برا ٹھکانا ہے جو دوزخ ہے جس میں وہ داخل ہوں گے سو وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ یہ ہے (وہ) کھولتا ہوا پانی اور پیپ سو اس کا مزہ چکھو اور کچھ اسی شکل کی طرح طرح کی چیزیں۔ یہ ایک جماعت ہے جو تمہارے ساتھ (دوزخ میں) داخل ہونے والی ہے۔ ان کو خوشی نصیب نہ ہو ۔ بیشک یہ (بھی) جہنم میں جانے والے ہیں۔ وہ کہیں گے بلکہ تمہیں ہی خوشی نصیب نہ ہو۔ تم ہی تو یہ (مصیبت) ہمارے آگے لائے ہو۔ پس وہ (رہنے کے لیے) بہت بری جگہ ہے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! جو اس (عذاب) کو ہمارے آگے لایا ہے اس کو دوزخ میں دوگنا عذاب دے اور وہ (جہنمی آپس میں) کہیں گے کہ یہ کیا بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جن کو ہم برے لوگوں میں شمار کرتے تھے۔ کیا ہم (یونہی) ان کا مذاق اڑاتے رہتے تھے یا ہماری آنکھیں ان سے چوک گئی ہیں۔ (اہل دوزخ کا) آپس میں جھگڑنا یقیناً سچ ہے۔

غَسّاق : پیپ، کچ لہو۔ غَسَق سے مبالغہ۔

مُقتَحِمٌ: گھسنے والا، خطروں میں پڑنے والا، بیٹھنے والا۔ اقتحامٌ سے اسم فاعل۔

زاغتْ : وہ کھلی کی کھلی رہ گئی، وہ چوک گئی۔ زَیغٌ سے ماضی۔

تشریح: جو لوگ دنیا میں اللہ کے احکام کو نہیں مانتے تھے اور پیغمبروں کی تکذیب کرتے تھے، آخرت میں ان کے لیے جہنم ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ اور آرام کے لیے بہت ہی بری جگہ ہے۔ جب یہ جہنم میں داخل ہوں گے تو جہنم کی آگ ان کو چاروں طرف سے گھیر لے گی۔ ان کو پینے کے لیے پیپ اور کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا اور ان کے لیے اور بھی طرح طرح کے عذاب ہوں گے۔ سرکشوں کی ایک جماعت جہنم میں داخل ہو جانے کے بعد جہنم کے داروغہ کے ساتھ دوسری جماعت کو آتے ہوئے دیکھ کر ایک دوسرے سے کہے گی کہ تمہارے ساتھ عذاب میں شریک ہونے کے لیے یہ ایک اور جماعت بے تابی کے ساتھ جہنم میں گھس رہی ہے۔ ان پر خدا کی مار ان کو بھی یہیں آمرنا تھا۔ خدا کرے ان کو کہیں آرام کی جگہ نہ ملے۔ وہ بعد میں آنے والی جماعت پہلے سے موجود جماعت سے کہے گی کہ تم ہی پر خدا کی مار ہو، خدا تم ہی کو کہیں آرام کی جگہ نہ دے۔ تم ہی نے تو برے کاموں میں لگا کر ہمیں اس مصیبت سے دوچار کیا ہے سو یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

آپس کی لعن طعن کے بعد دوسرا گروہ جو بعد میں دوزخ میں داخل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ سے عرض کرے گا اے ہمارے پروردگار! انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا اس لیے تو ان کو دوگنا عذاب دے۔ پھر اسی حالت میں وہ تعجب کے طور پر کہیں گے کہ یہ کیا بات ہے کہ دوزخ میں ہمیں وہ مسلمان نظر نہیں آرہے جن کو ہم دنیا میں برا سمجھتے تھے اور ان کی تذلیل و تحقیر کرتے تھے اور ان کا تمسخر اڑاتے تھے یا ہماری نظر چوک رہی ہے کہ وہ ہمیں نظر نہیں آرہے۔ وہ بھی جہنم ہی میں ہوں گے لیکن کسی ایسی طرف ہیں کہ ہماری نگاہ ان پر نہیں پڑتی۔ پھر فرمایا کہ یہ بات بظاہر خلاف قیاس ہے کہ اس افراتفری میں یہ لوگ ایک دوسرے سے جھگڑا کریں کیونکہ عذاب کا ہولناک منظر کسی دوسری طرف کیسے متوجہ ہونے دے گا۔ لیکن ایسا ہو کر رہے گا، یہ بالکل یقینی بات ہے جس میں شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔

اعلانِ توحید و رسالت

۶۵۔۷۰۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾ قُلْ هُوَ

نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ﴿٦٧﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿٦٨﴾ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ
الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٦٩﴾ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧٠﴾

آپ کہہ دیجئے کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور اللہ واحد و غالب کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں کا رب ہے، زبردست (اور) بڑا بخشنے والا ہے ۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ ایک عظیم خبر ہے جس سے تم منہ موڑے ہوئے ہو ۔ مجھے عالم بالا کے (واقعات) کا علم نہ تھا جب وہ (فرشتے) جھگڑ رہے تھے ۔ مجھے تو (اللہ کی طرف سے) یہی وحی ہوئی ہے کہ میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اعلان کر دیجئے کہ میں ساحر و کذاب نہیں ہوں ۔ میں تو اللہ تعالیٰ واحد وقہار کی طرف سے مشرکین و منکرین کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے اور خبردار کرنے والا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ وہ اکیلا ہے اور ہر چیز پر غالب ہے ۔ وہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا رب اور مالک ہے ۔ ہر چیز اسی کے تصرف اور قبضے میں ہے ۔ وہ بڑا زبردست ہے اس کے باوجود گناہوں کو بڑا بخشنے والا ہے ۔

آپ ان منکرین کو بتا دیجئے کہ میرا رسول کی حیثیت سے تمہارے درمیان آنا، لوگوں کو توحید کی طرف بلانا، ان کو قیامت اور اس کے عذاب سے ڈرانا اور تمہارے سامنے اس کی صفات و کیفیات بیان کرنا بڑی عظیم الشان خبر ہے ۔ اس لیے تمہیں تو اس کو فوراً قبول کر لینا چاہئے تھا مگر افسوس کہ تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو ۔ نہ تم توحید و رسالت پر ایمان لاتے ہو اور نہ قرآن کو مانتے ہو حالانکہ جو کچھ میں بیان کرتا ہوں وہ سب اللہ کی طرف سے ہے ۔ میرے پاس اس لیے وحی آتی ہے کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں ۔ اگر اللہ تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعہ نہ بتاتا تو مجھے اس گفتگو کا ذرا بھی علم نہ ہوتا جو عالم بالا میں تخلیق آدم کے بارے میں ہو رہی تھی ۔ مجھے تو اللہ کی طرف سے یہی وحی کی گئی ہے کہ میں تمہیں آخرت کے عذاب سے صاف صاف خبردار کروں تا کہ تم موت سے پہلے راہ راست پر آ کر عذاب سے نجات پا سکو ۔

تخلیق آدم

۷۱۔۷۴: اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿٧١﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ

وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ
كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ۝ إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۝

جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اس کو پوری طرح بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اس نے تکبر کیا اور وہ تو تھا ہی کافروں میں سے۔

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اپنے ارادے سے مطلع فرمایا کہ میں آدم کو مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اس کو بنالوں اور اس کے اندر اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کو سجدہ کرنا تاکہ میری فرماں برداری کے ساتھ ساتھ حضرت آدم کی شرافت و بزرگی کا بھی اظہار ہو جائے۔ چنانچہ جب اللہ نے حضرت آدم کو بنالیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی تو سب فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا سوائے ابلیس لعین کے۔ اس وقت ابلیس نے غرور میں آ کر حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ فرشتوں میں سے تھا بھی نہیں بلکہ جنوں میں سے تھا۔ اس طرح اس کی طبعی خباثت اور جبلی سرکشی ظاہر ہوگئی۔

ابلیس پر لعنت

۷۵۔۸۵: قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ أَسْتَكْبَرْتَ
أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ۝ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَ
خَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ۝ وَإِنَّ
عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ۝ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ
يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ۝
قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ
الْمُخْلَصِينَ ۝ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ۝ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ
مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ۝

اللہ نے فرمایا اے ابلیس! تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس نے روکا جس کو میں

نے اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ کیا تو غرور میں آ گیا یا تو بڑے درجے والوں میں سے ہے۔ اس نے کہا میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا تو یہاں سے نکل جا بیشک تو مردود ہے اور بیشک قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے۔ اس نے کہا اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جب مردے زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے۔ اللہ نے فرمایا بیشک تجھے مہلت ہے۔ مقررہ وقت کے دن تک۔ ابلیس نے کہا کہ تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے، اللہ نے فرمایا کہ یہ سچ ہے اور میں سچ ہی کہا کرتا ہوں۔ میں تجھ سے اور ان میں سے تیری اتباع کرنے والے تمام لوگوں سے دوزخ کو بھر دوں گا۔

مُنظَرِیْنَ: مہلت دیئے ہوئے۔ اِنْظَارٌ سے اسم مفعول۔

اُغْوِیَنَّھُمْ: میں ان کو ضرور گمراہ کروں گا۔ اِغْوَاءٌ سے مضارع با نون تاکید۔

اَمْلَئَنَّ: میں ضرور بھر دوں گا۔ مَلْاٌ سے مضارع با نون تاکید۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ابلیس تو نے ایسی معزز مخلوق کو جسے میں نے اپنے ہاتھوں اور خاص قدرت سے بنایا تھا میرے فرمان کے باوجود سجدہ کیوں نہیں کیا۔ کیا تو غرور میں آ گیا یا تو واقعی بڑے درجے والوں میں سے ہے، حالانکہ یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ فرشتے میرے حکم کی تعمیل میں آدم کو سجدہ کر کے یقیناً تجھ سے افضل ہو گئے۔ ابلیس نے کہا کہ میں نے آدم کو اس لیے سجدہ نہیں کیا کہ میں اس سے افضل و اعلیٰ ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا کہ اب تو یہاں سے نکل جا۔ بلاشبہ تو مردود ہے اور تجھ پر ابدی لعنت ہے۔ یہ سن کر ابلیس کہنے لگا کہ اے میرے رب تو مجھے قیامت تک مہلت دے۔ اللہ تعالیٰ تو بے حد حلیم ہے اور گناہوں پر اپنی مخلوق کو فوراً نہیں پکڑتا اس لیے اس نے ابلیس کی درخواست پر اس کو قیامت تک مہلت دیدی۔ پھر ابلیس اللہ کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں آدم کی تمام اولاد کو گمراہ کر دوں گا سوائے تیرے مخلص اور منتخب بندوں کے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں خود حق ہوں اور میری یہ بات بھی حق اور اٹل ہے کہ میں جہنم کو ضرور تجھ سے اور تیری اتباع کرنے والوں سے بھر دوں گا۔

منکرین کو نصیحت

۸۶۔۸۸ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے (اپنی خیرخواہی کا) کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ یقیناً تھوڑی ہی مدت کے بعد تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

مُتکلِّفِیْنَ : تکلف کرنے والے، بناوٹ کرنے والے۔ تکلُّفٌ سے اسم فاعل۔

بناٰہٗ : اس کی خبر، اس کا حال۔ جمع انباءٌ

حِیْنٍ وقت، زمانہ، مدت۔ جمع احیانٌ۔

تشریح: منکرین و مکذبین کو مذکورہ بالا تمام باتوں کی صداقت اور حقانیت پر یقین کرنا چاہئے۔ اگر اس کے باوجود بھی کوئی بد باطن کسی قسم کا شک و تردد کرے یا یہ خیال کرے کہ آپ کسی طمع یا لالچ کے تحت ایسا کہتے اور کرتے ہیں تو آپ اتمام حجت کے طور پر اعلان کر دیجئے کہ میں تبلیغ دین اور احکام قرآن پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ اس تبلیغ دین سے میرا مقصد دنیوی نفع حاصل کرنا نہیں اور نہ میں تکلف و تصنع کرنے والا ہوں کہ میں نے قرآن اپنی طرف سے بنالیا ہو بلکہ میں واقعی نبی ہوں۔ میرا دعوائے نبوت جھوٹا نہیں اور یہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور دنیا جہان والوں کے لیے ایک عظیم پیغام نصیحت ہے۔ جو کچھ مجھ پر نازل ہوتا ہے وہ میں تمہیں بلا کم و کاست پہنچا دیتا ہوں۔ اس سے میرا مقصود صرف رضائے الٰہی ہے۔ میری باتوں کی حقیقت، میرے کلام کی صداقت، میرے بیان کی سچائی تمہیں مرنے کے بعد قیامت کے قائم ہوتے ہی معلوم ہو جائے گی۔ اس وقت تم اپنی آنکھوں سے میری بتائی ہوئی چیزوں کو دیکھ لو گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الزمر

وجہ تسمیہ: اس سورت کی اکہتر ویں آیت میں کافروں کے تذکرے میں اور تہتر ویں آیت میں مومنوں کے ذکر میں لفظ زُمَــرٌ (گروہ در گروہ) آیا ہے، یہی لفظ اس سورت کے نام کے طور پر مشہور ہو گیا اور اس کو سورۃ الزمر کہا جانے لگا۔ بعض نے اس کو سورۃ الغرف بھی کہا ہے مگر یہ عام نہیں ہے۔ لفظ غُــرَف (جنت کے بالا خانے) بھی اسی سورت کی آیت ٢٠ میں آیا ہے۔

تعارف: اس میں آٹھ رکوع، ٧٥ آیتیں، ١١٩٢ کلمات اور ٤٧٠٨ حروف ہیں۔ مفسرین کا اس کے مکی ہونے پر اتفاق ہے۔ نحاس نے ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی سوائے تین آیتوں کے جو حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل وحشی بن حرب کے قبول اسلام کے وقت مدینے میں نازل ہوئیں۔ وہ تین آیات یہ ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِىَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ..... وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ O

(آیات: ٥٣۔٥٥)

بعض کے نزدیک سات آیتیں مدینے میں نازل ہوئیں۔ اس سورت میں اکثر مضامین توحید سے متعلق ہیں۔ عقلی اور فطری دلائل سے شرک کا ابطال، مصدقین کی تعریف، ان کے اجر اور ان پر انعامات الٰہیہ کا ذکر اور مکذبین و منکرین پر وعید کا بیان ہے۔

نسائی میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات اہتمام کے ساتھ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ آپؐ اس وقت تک نہ سوتے جب تک کہ سورۂ زمر تلاوت نہ فرما لیتے۔

(مواہب الرحمٰن ٢١٣۔٢١٦/٢٣۔ ابن کثیر ٤٤/٤)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: شرک کا ابطال، قدرت الٰہی کے مظاہر، اللہ تعالیٰ کی بے نیازی اور انسان کی ناشکری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: ہجرت کے فضائل اور صریح خسارہ پانے والوں کا بیان ہے۔ پھر اہل طاعت کے لیے خوشخبری اور دنیوی حیات کی مثال بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: آیات قرآنی کی تاثیر، ظالموں کا انجام اور شرک وتوحید کی ایک مثال بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۴: اس میں مشرکین کی جہالت اور نیند کی حقیقت کا بیان ہے۔

رکوع ۵: باطل معبودوں کی سفارش کی حقیقت اور قیامت کے روز مشرکین کی بے بسی کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۶: اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت، کفار کی ندامت اور مکذبین کے انجام کا بیان ہے۔

رکوع ۷: مشرکین کی طرف سے آپ کو شرک کی دعوت، اللہ کی عظمت شان اور قیامت کی دہشت کا بیان ہے۔

رکوع ۸: کافروں کے انجام بد اور مومنوں کے انعام کا بیان ہے۔

شرک کا ابطال

۱۔۴ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ
وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى
اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ۝ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ
يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

یہ اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے جو غالب وحکمت والا ہے۔
یقیناً ہم نے اس کتاب کو حق کے ساتھ آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ سو آپ

دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اسی کی عبادت کرتے رہیے ۔ یاد رکھو!
خالص دین (عبادت) اللہ ہی کے لیے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا
اولیا بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے
کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں تو بیشک اللہ ان کے درمیان ان
باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ۔ بیشک اللہ اس کو راہ
راست پر نہیں لاتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو ۔ اگر اللہ کسی کو اولاد بنانے کا ارادہ
کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا ۔ وہ (ایسے تصورات سے)
پاک ہے ۔ وہ اللہ ایک اور زبردست ہے ۔

تشریح: یہ قرآن اس اللہ کا کلام ہے جو غالب وحکمت والا ہے اور اسی نے اس کو نازل کیا ہے ۔
اس کے حق ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ﴿۱۹۳﴾
عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۹۵﴾

یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے ۔ اس کو روح الامین لے کر
آئے ہیں ۔ آپ کے دل پر اتارا ہے تاکہ آپ آگاہ کرنے والے بن
جائیں ۔ یہ صاف فصیح عربی زبان میں ہے ۔ (الشعراء: ۱۹۲، ۱۹۵)

اور ارشاد ہے:

لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ تَنۡزِيۡلٌ
مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ ﴿۴۲﴾

یہ ایسی باعزت کتاب ہے جس کے آگے یا پیچھے سے باطل آ ہی نہیں سکتا ۔ یہ
حکمتوں والے اور تعریفوں والے خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے ۔
(حم السجدہ: ۴۲)

بلا شبہ ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ پر نازل فرمائی ہے، لہٰذا آپ خالص اللہ کی عبادت
کا اعتقاد رکھتے ہوئے اسی طرح اللہ کی عبادت کرتے رہیے، جس طرح آپ اب تک کرتے رہے ہیں،
اور لوگوں کو بھی اس کی عبادت کی طرف بلاتے رہیے، کیونکہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ وہ

لاشریک و بےمثال ہے اس لیے عبادت و بندگی بھی صرف اور صرف اسی کو سزاوار ہے۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق میں سے معبود تجویز کر رکھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ معبود ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں گے، تو ان کا یہ گمان اور عقیدہ بالکل لغو اور باطل ہے۔ بے شک قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے اور اہل ایمان کے درمیان اس معاملے میں فیصلہ کر دے گا اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔ اہل ایمان و توحید کو جنت میں داخل فرمائے گا اور اہل شرک کو ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں ڈال دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کو ان بدنصیبوں کی گمراہی اور ہلاکت پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہرگز راہ راست پر نہیں لاتا جو جھوٹا اور نافرمان ہو۔ اگر بالفرض محال اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی اولاد بنانے کا ارادہ کرتا تو ظاہر ہے وہ اپنی مخلوق ہی میں سے جس کو چاہتا چن لیتا۔ پھر وہ بھی مخلوق ہی ہوتا اور اللہ کی جنس سے نہ ہوتا اور مخلوق کا اس کی اولاد ہونا محال ہے، سو اللہ کی طرف سے ایسا ارادہ کرنا بھی محال ہے۔ اس لیے بیٹے کا مخلوق ہونا یعنی باپ کی جنس سے نہ ہونا ایک بہت بڑا عیب ہے اور اللہ ہر عیب سے پاک ہے۔ وہ واحد و یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک اور مثیل نہیں۔ وہ زبردست اور قوت والا ہے، لہٰذا نہ اس کی طرف اولاد کی نسبت کی جا سکتی ہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ ایسے شرک کرنے والے اس کی پکڑ اور عذاب سے بچ سکیں۔ (ابن کثیر ۴۴، ۴/۴۵، عثمانی ۶۴۴، ۲/۶۴۷)

قدرتِ الٰہی کے مظاہر

۵-۶: خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

اس نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے (ان میں سے)

ہر ایک مقررہ مدت تک چلتا رہے گا۔ آگاہ ہو جاؤ وہی زبردست (اور گناہوں کو) بخشنے والا ہے۔ اس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمہارے لیے مویشیوں میں سے آٹھ جوڑے اتارے (پیدا کیے) وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریکیوں کے اندر ایک کیفیت سے دوسری کیفیت پر بناتا رہتا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی حکومت ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ پھر تم کہاں (حق سے) پھرے جا رہے ہو۔

یُكَوِّرُ: وہ لپیٹتا ہے، وہ چڑھاتا ہے، وہ تہ کرتا ہے۔ تَكْوِيْرٌ سے مضارع۔

مُسَمًّى: معین، مقرر کیا ہوا، نام رکھا ہوا۔

تُصْرَفُوْنَ: تم پھرے جاتے ہو۔ صرْفٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: ہر چیز کا خالق و مالک اور ہر چیز پر حاکم و قابض صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی نے آسمان و زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ وہی رات کی تاریکی کو دن کی روشنی پر لپیٹ دیتا ہے جس سے دن غائب ہو جاتا ہے اور دن کی روشنی کو رات کی تاریکی پر لپیٹ دیتا ہے جس سے رات غائب ہو جاتی ہے۔ اسی نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے مقررہ وقت تک یعنی قیامت تک اسی طرح چلتا رہے گا اور اس نظام میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ آگاہ ہو جاؤ جو لوگ ان دلائل کے باوجود اس کی توحید پر ایمان نہیں لاتے وہ ان کو عذاب دینے کے لیے زبردست قدرت و طاقت والا ہے اور جو لوگ کفر و شرک کو چھوڑ کر اس پر ایمان لے آئے ہیں تو وہ ان کو بڑا بخشنے اور معاف کرنے والا ہے۔

اس نے تم سب کو ایک ہی جان یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔ پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا یعنی حضرت حوا کو پیدا کیا۔ اسی نے تمہارے لیے چوپایوں میں سے آٹھ نر و مادہ اتارے، یعنی بھیڑ، بکری، گائے اور اُونٹ۔ وہ اپنی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ سے تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تین اندھیروں میں تمہیں ایک حالت سے دوسری حالت میں بناتا رہتا ہے، پہلے نطفہ، پھر خون بستہ (علقہ)، پھر لوتھڑا (مضغہ)، پھر گوشت پوست اور ہڈیاں اور پھر روح پھونک کر زندہ انسان کی شکل میں تمہیں ان تین اندھیروں سے باہر لاتا ہے۔ سو جس نے آسمان و زمین کو اور خود تمہیں اور تمہارے اگلے پچھلوں کو پیدا کیا ہے وہی رب ہے۔ اسی کا ملک ہے، وہی ہر چیز میں متصرف ہے اور وہی عبادت

کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت میں کیوں لگے ہوئے ہو۔

اللہ کی بے نیازی اور انسان کی ناشکری

۷۔۸: اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝

اگر تم ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لیے پسند کرتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر تم سب کو اپنے رب ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تمہیں بتادے گا جو کچھ تم (دنیا میں) کرتے تھے یقیناً وہ دلوں کی باتوں سے واقف ہے۔ جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع ہو کر اسی کو پکارتا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس پر وہ پہلے (اللہ کو) پکار رہا تھا اور اللہ کے شریک بنانے لگتا ہے، تاکہ (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے گمراہ کرے۔ آپ کہہ دیجئے کہ (اے کافر) اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھالے (بالآخر) تو دوزخیوں میں سے ہوگا۔

مُنِیْبًا: رجوع کرنے والا، گڑگڑانے والا۔ اِنَابَةٌ سے اسم فاعل۔

خَوَّلَهٗ: اس نے اس کو دیا، اس نے اس کو عطا کیا۔ تَخْوِیْلٌ سے ماضی۔

اَنْدَادًا: شریک، ہمسر، مقابل۔ واحد نِد۔

تشریح: کسی کے ایمان واقرار سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نفع اور کسی کے کفر وانکار سے اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اس لیے کہ وہ سب سے بے نیاز ہے اس کو کسی کے ایمان وانکار اور طاعت وعبادت کی پرواہ نہیں البتہ وہ کفر و نافرمانی پسند نہیں کرتا اور نہ وہ تمہیں اس کا حکم دیتا ہے لیکن اگر تم شکر واطاعت کرو گے تو وہ تم سے خوش ہوگا اور تمہیں اپنی نعمتیں عطا فرمائے گا۔ قیامت کے روز کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور نہ کوئی کسی کے کام آئے گا۔ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ ملے گا۔ اس لیے تمہارے کئے کا وبال بھی تم پر ہی پڑے گا۔ تمہارے کافر رہنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نقصان نہیں وہ تو تمہارے ہی فائدے کے لیے تمہیں اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ آخر کار سب کو لوٹ کر اسی کی طرف جانا ہے اس وقت وہ تمہیں تمہارے تمام اعمال کے بارے میں بتا دے گا کیونکہ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے اور تم اس کے سامنے اپنے کسی عمل کا انکار نہ کر سکو گے۔

جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ نہایت عاجزی وانکساری اور تضرع وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس سے فریاد کرتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور فرما دیتا ہے اور اپنی طرف سے اس کو نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ اپنی گریہ وزاری اور دعا کو بھول کر ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا مصیبت کے وقت اس نے اللہ کو پکارا ہی نہ تھا۔ پھر وہ اللہ کے شریک ٹھہرانے لگتا ہے تاکہ اپنی گمراہی کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔ آپ ایسے شخص سے کہہ دیجئے کہ تو اپنے کفر کا فائدہ کچھ دن اور اٹھا لے کیونکہ دنیا کا آرام وآسائش اور لذت وراحت بہت قلیل اور فانی ہے۔ آخر کار تجھے جہنم میں جانا ہے جہاں کا عذاب شدید اور ابدی ہوگا۔ اور اس سے کبھی چھٹکارا نصیب نہ ہوگا۔ (مظہری ۱۹۸، ۱۹۹/ ۸)

فرماں بردار و نافرمان

۹: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآىِٕمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

بھلا جو شخص راتوں کو سجدے اور قیام کی حالت میں رہتا ہو، آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہو (وہ بہتر ہے یا کافر) آپ کہہ دیجئے

کہ علم والے اور بے علم کہیں برابر ہوتے ہیں ۔ بیشک اہل عقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔

قَانِتٌ : بندگی کرنے والا، عاجزی کرنے والا، مقررہ عبادت کو پورا پورا ادا کرنے والا ۔ قُنُوْتٌ سے اسم فاعل ۔

يَحْذَرُ : وہ ڈرتا ہے، وہ بچتا ہے ۔ حَذَرٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں متعدد روایتیں ہیں ۔ ممکن ہے یہ آیت ان سب حضرات کے حق میں نازل ہوئی ہو جن کا ذکر مندرجہ ذیل روایات میں آیا ہے ۔ ضحاک کی روایت میں ابن عباس کا قول آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ۔

کلبی نے بروایت ابو صالح بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اس آیت کا نزول حضرت عمار بن یاسر کے حق میں ہوا ۔

جو یبر نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابن مسعود، حضرت عمار اور حضرت سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے حق میں نازل ہوئی ۔ جو یبر نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول حضرت عمار کے حق میں ہوا ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک نے کہا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ اس کا نزول حضرت عثمان کے بارے میں ہوا ۔ ابن ابی حاتم نے بھی یہی قول نقل کیا ہے ۔ کلبی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابن مسعود، حضرت عمار اور حضرت سلمان فارسی کے حق میں نازل ہوئی ۔

(مظہری ۲۰۰/ ۸)

تشریح: جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی میں لگا ہوا ہے اور رات کے وقت جب عام طور پر دوسرے لوگ آرام و راحت کے ساتھ بستروں پر محو خواب ہوتے ہیں تو یہ شخص خواب و استراحت کی بجائے کبھی اللہ کی یاد میں سجدہ ریز ہوتا ہے، کبھی کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور دل میں آخرت کا خوف اور اس کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے، تو کیا ایسا شخص اس کے برابر ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل اور شرک و نافرمانی میں مبتلا ہے ۔ یقیناً یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ۔ سو جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور بندگی میں لگا ہوا ہے وہ اس کا محبوب اور پسندیدہ ہے ۔ اس کے برعکس جو شرک و نافرمانی میں مبتلا ہے اور اللہ کو بھولے ہوئے ہے وہ اللہ کے نزدیک مغضوب اور قابل نفرت ہے ۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کو بتادیجئے کہ جس طرح علم والے اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے اور دونوں کا درجہ یکساں نہیں ہوسکتا اسی طرح مومن وکافر بھی برابر نہیں ہو سکتے لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ان حقائق سے نصیحت نہیں پکڑتے ۔ ایسی باتوں سے تو صرف اہل عقل ہی عبرت حاصل کرتے ہیں۔

مسند احمد اور نسائی وغیرہ میں ہے کہ جس نے ایک رات میں سو آیتیں پڑھیں اس کے نامۂ اعمال میں ساری رات کی قنوت لکھی جاتی ہے۔ (ابن کثیر ۴۷/۴)

ہجرت کے فضائل

١٠-١٢: قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ قُلْ اِنِّىْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے مومن بندو! تم اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ جو لوگ اس دنیا میں نیکی کرتے ہیں ان کے لیے اچھا بدلہ ہے اور اللہ کی زمین بہت کشادہ ہے۔ بیشک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کروں، دین کو اسی کے لیے خالص کر کے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرماں بردار بن جاؤں۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میرے مومن بندوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دیجئے کہ تم اپنے رب سے اس طرح ڈرتے رہو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اس کی اطاعت پر جمے رہو۔ پس جس نے اس دنیا میں خشوع وخضوع کے ساتھ نیک اعمال کئے ان کے لیے بہترین بدلہ ہے۔ اگر کافروں کی مزاحمت کی بنا پر کسی ملک میں تم اللہ کی طاعت وعبادت اچھی طرح اور سکون واطمینان سے نہ کرسکو تو وہاں سے سکونت ترک کر کے دوسرے ملک ہجرت کرلو، جہاں آزادی سے اللہ کے احکام بجالاسکو۔ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ یقیناً اس طرح ترک وطن کرنے میں بہت سے مصائب برداشت کرنا پڑیں گے اور طرح طرح کے خلاف عادت وطبیعت امور پر صبر کرنا پڑے گا۔ ایسے لوگوں

کو اللہ تعالیٰ ناپ تول کے بغیر بے حساب اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

اصبہانی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ترازوئیں نصب کی جائیں گی اور نمازیوں کو لایا جائے گا اور وزن کے مطابق ان کو پورا پورا ثواب دیا جائے گا اور صدقہ (فرض و نفلی خیرات) دینے والوں کو لایا جائے گا۔ ان کو بھی وزن کے مطابق پورا پورا ثواب دیا جائے گا۔ حاجیوں کو لایا جائے گا۔ ان کو بھی وزن کر کے پورا ثواب دیا جائے گا اور جو لوگ اہل بلا یعنی دکھی اور دین کے لیے مصائب و شدائد اٹھانے والے ہوں گے ان کو بلایا جائیگا لیکن ان کے اعمال کے وزن کے لیے نہ کوئی ترازو کھڑی کی جائے گی اور نہ ان کے اعمال کا رجسٹر کھولا جائے گا بلکہ ان پر بے حساب ثواب کی بارش کی جائے گی یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو دنیا میں عافیت سے رہتے تھے تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں ان کے اجسام کو قینچیوں سے کاٹا جاتا۔ وہ لوگ اہل بلا کے ثواب کو دیکھ کر یہ تمنا کریں گے۔

آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ مجھے تو اللہ کی طرف سے یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں خالص اللہ کی عبادت کروں جس میں شرک کا ادنیٰ شائبہ بھی نہ ہو اور مجھے یہ بھی حکم ہوا ہے کہ میں طاعت کرنے والوں میں سب سے پہلا اطاعت گزار ہو جاؤں، یعنی اس امت میں سب سے پہلا فرماں بردار میں بنوں تاکہ اللہ کی اطاعت کرنے والا ہر بندہ میری فرماں برداری کو اپنے لیے نمونہ بنائے۔

(مواہب ۲۴۰،۲۳۹/۲۳ مظہری ۲۰۱۔۲۰۲/ ۸)

صریح خسارے والے

۱۳۔۱۶: قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ۝ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ۭ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ۝ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۭ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ۭ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے

خالص کر کے اسی کی عبادت کرتا ہوں ۔ سو تم اللہ کو چھوڑ کر جس کی چاہو
عبادت کرو۔ آپ کہہ دیجئے کہ حقیقی خسارے والے وہ ہیں جنہوں نے
قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا ۔ یاد رکھو
یہی صریح خسارہ ہے ۔ ان (منکرین) کے لیے ان کے اوپر سے بھی آگ
کے سائبان ہوں گے اور ان کے نیچے سے بھی ۔ اسی (عذاب) سے اللہ اپنے
بندوں کو ڈراتا ہے ۔ سوائے میرے بندو مجھ سے ڈرتے رہو ۔

شِئْتُمْ : تم نے چاہا، تو نے ارادہ کیا ۔ مشیئۃٌ سے ماضی ۔

ظُلَلٌ : سائبان، بادل، مراد عذاب الٰہی ۔ واحد ظُلَّۃٌ ۔

یُخَوِّفُ : وہ خوف دلاتا ہے ۔ وہ ڈراتا ہے ۔ تَخْوِیْفٌ سے مضارع ۔

شانِ نزول : بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب مشرکین کی طرف سے آپ کو باپ دادا کا دین اختیار کرنے کی دعوت دی گئی تھی ۔ (مظہری ۲۰۷ /۱۰)

تشریح : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض میں اخلاص و فرماں برداری ترک کر کے تمہاری طرح شرک و بداعمالیوں کی طرف مائل ہو جاؤں تو میں بھی قیامت کے دن کے عذاب سے نہیں بچ سکوں گا ۔ اگر یہ لوگ پھر بھی نافرمانیوں سے باز نہ آئیں اور اللہ کی طرف رجوع نہ کریں تو آپ ان کو صاف صاف بتا دیجئے کہ میں تو اسی طرح اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا اور اسی کے لیے اپنی عبادت خالص کرتا ہوں ۔ سو تم لوگ اللہ کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو تمہیں خود ہی اپنا انجام معلوم ہو جائیگا ۔ بیشک قیامت کے روز پورے نقصان اور خسارے میں وہی لوگ ہوں گے جو نہ تو خود عذاب الٰہی سے نجات پا سکیں گے اور نہ ان کے اہل و عیال اور متعلقین کو کسی قسم کی راحت ملے گی ۔ آگاہ ہو جاؤ یہی صریح خسارہ ہے جو کبھی دور نہ ہوگا ۔ جہنم میں ان کے اوپر تلے آگ ہی آگ ہوگی ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ۝

ان کے لیے دوزخ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر اسی کا اوڑھنا ہوگا اور ہم
ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں ۔ (اعراف : ۴۱)

اور ارشاد ہے :

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

قیامت کے دن انہیں نیچے اور اوپر سے عذاب ہو رہا ہوگا اور اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کا مزہ چکھو۔ (العنکبوت ۵۵)

پھر فرمایا کہ یہی وہ عذاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ سو اے میرے بندو! تم مجھ سے ڈرتے رہو اور میرے احکام کی بجا آوری میں لگے رہو ورنہ نافرمانوں کے لیے جو عذاب تیار ہے اس سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ (ابن کثیر ۴۸ / ۴)

اہل طاعت کو خوشخبری

۱۷۔۱۸: وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿﴾

اور جو لوگ شیاطین کی عبادت سے بچتے رہے اور ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہے ان کے لیے بشارت ہے۔ سو آپ میرے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے۔ جو لوگ بات کو (غور سے) سنتے ہیں پھر اس میں سے جو بہتر ہو اس پر عمل کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور یہی اہل عقل ہیں۔

شان نزول: حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آیت **لھا سبعة ابواب** (الحجر ۴۴) نازل ہوئی تو ایک انصاری نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے سات غلام ہیں۔ میں نے ایک ایک دروازے کے لیے ایک ایک غلام کو (علیحدہ علیحدہ) آزاد کر دیا۔ اس پر آیت **فبشر عباد** نازل ہوئی۔ عطاء نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب حضرت ابوبکر ایمان لائے تو حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ بن عبیداللہ۔ حضرت زبیر بن عوام، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آئے اور آپ کے اسلام کے بارے میں معلوم کیا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ ہاں میں ایمان لے آیا۔ اس پر یہ حضرات بھی مسلمان ہو گئے۔ ابن زید کا قول ہے کہ ان دونوں آیات کا نزول تین

آدمیوں کے متعلق ہوا جو عہد جاہلیت میں لا الہ الا اللہ کے قائل تھے ۱۔ زید بن عمرو بن نفیل یا سعید بن زید ۔۲۔ ابوذر غفاری ۳۔ سلمان فارسی ۔ (مظہری ۲۰۳، ۲۰۴/ ۸)

تشریح: جو لوگ شیطان یعنی غیر اللہ کی عبادت سے اجتناب کرتے ہیں اور نفس و شیطان سے منہ موڑ کر ہمہ تن اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں تو ایسے لوگ ہی بشارت کے مستحق ہیں ۔ یہ بشارت دنیا میں پیغمبروں کے ذریعے ہوتی ہے اور موت کے وقت فرشتے ان کو بشارت دیں گے ۔ پھر جب جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو بشارت دے گا ۔ سو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ میرے ایسے بندوں کو خوشخبری سنا دیجئے جو اس کلام الٰہی کو خوب توجہ سے سنتے ہیں اور اس کی بہترین باتوں پر عمل کرتے ہیں ، کیونکہ اس کی ساری باتیں بہتر ہی ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور یہی لوگ عقل والے ہیں ۔

جنت کے بالا خانے

۱۹۔۲۰: اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾
لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ﴿۲۰﴾

بھلا جس شخص پر عذاب کا حکم ثابت ہو چکا تو کیا آپ ایسے شخص کو بچا سکتے ہیں جو (علم الٰہی میں) دوزخ میں ہے ۔ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لیے (جنت میں) بالا خانے ہیں جن کے اوپر بھی بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان بالا خانوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔

تُنْقِذُ: تو رہا کرائے گا، تو چھڑائے گا، تو نجات دلائے گا ۔ اِنْقَاذٌ سے مضارع ۔

غُرَفٌ: جنت کے بالا خانے ، اونچے مکان ۔ واحد غُرْفَةٌ ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! جن لوگوں کی بدبختی لکھی جا چکی اور جن پر ان کی ضد وعناد اور بداعمالیوں کی بنا پر عذاب الٰہی کا حکم ثابت ہو چکا انہیں کوئی راہ راست نہیں دکھا سکتا اور نہ کوئی ان کو آگ سے بچا سکتا ہے ۔ آپ بھی ان پر رنج و ملال نہ کریں اس لیے کہ جو شخص علم الٰہی میں دوزخ کے اندر ہے

آپ اسے عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتے، کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر کبھی ایمان نہیں لائے گا۔ البتہ جو لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں وہی انعامات الٰہی کے مستحق ہیں۔ انہی کے لیے جنت کے بالا خانے ہیں۔ ان بالا خانوں کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے جو پورا ہو کر رہے گا۔

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل جنت اوپر کے بالا خانے والوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم مشرقی اور مغربی افق پر باقی رہ جانے والے چمکدار اور جگمگاتے ستاروں کو (دور سے) دیکھتے ہو۔ یہ صورت اہل جنت کے باہمی فرق مراتب کی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مکان تو انبیاء کے ہوں گے جہاں دوسروں کی رسائی نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا نہیں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور (تمام) پیغمبروں کو سچا مانا (وہ مکان ان کے بھی ہوں گے)۔

(مظہری ۲۰۳، ۲۰۴/ ۸)

زمین کے چشمے

۲۱-۲۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰي نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر وہ اس کو زمین کے سوتوں میں پہنچا دیتا ہے۔ پھر اس کے ذریعہ مختلف قسم کی کھیتیاں اگاتا ہے۔ پھر وہ (کھیتی) تیار ہو جاتی ہے تو تم اس کو زرد دیکھتے ہو۔ پھر وہ (اللہ) اس کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ بیشک اہل عقل کے لیے اس میں نصیحت ہے۔ اللہ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا ہے تو وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی میں ہے۔ سو خرابی ہے ان کے لیے جن کے دل اللہ کے ذکر سے متاثر

نہیں ہوتے۔ یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔

یَنَابِیْع : چشمے، سوتے۔ واحد یَنْبُوْعٌ۔

یَهِیْجُ : وہ خشک ہوتا ہے، وہ پک جاتا ہے، وہ تیار ہوتا ہے۔ هَیْجٌ و هَیَجَانٌ سے مضارع۔

حُطَامًا : ریزہ، ریزہ، چورہ چورہ۔

قَسِیَةِ : سخت ہونے والی، سیاہ ہونے والی قَسَاوَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اپنی قدرت سے وہ اس پانی کو زمین کے سوتوں میں داخل کر دیتا ہے اور ضرورت کے وقت اس کو کسی سوت سے چشموں کی صورت میں جاری کر دیتا ہے جس سے زمین سیراب ہوتی ہے اور مختلف قسم کی کھیتیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پھر کچھ مدت کے بعد کھیتی خشک ہو کر زرد رنگ کی ہو جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو ریزہ ریزہ کر کے بھوسہ بنا دیتا ہے۔ بلاشبہ عقلمندوں کے لیے اس میں بڑی نصیحت ہے۔ بے عقل لوگ اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے، کیونکہ وہ تو چوپایوں سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔ بس یہی حالت دنیوی زندگی کی ہے کہ جس طرح اس کھیتی کی رونق اور سرسبزی چندروزہ تھی پھر زرد ہو کر ریزہ ریزہ ہوگئی اسی طرح دنیا کی چہل پہل بھی چندروزہ ہے اس لیے آدمی کو اس عارضی بہار پر فریفتہ ہو کر اپنے انجام سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ نے جس شخص کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اسلام کی حقیقت وحقانیت کو پہچان کر اس کا فرمان بردار ہو گیا تو اس کو اپنے رب کی طرف سے ایک نور حاصل ہو گیا۔ کیا ایسا شخص اور اہل قساوت برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جس طرح زندہ و مردہ اور بینا و نابینا برابر نہیں اسی طرح یہ دونوں بھی برابر اور یکساں نہیں۔ سو جن لوگوں کے دل سخت ہو چکے ہیں اور وہ اللہ کی یاد سے غافل ہیں ان کے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔ (عثمانی: ۲/۴۵۱)

آیاتِ قرآنی کی تاثیر

۲۳: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ
جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ
يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝

اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں ملتی جلتی ہیں اور دُہرائی جاتی ہیں (اس کے پڑھنے سے) ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے جسم اور دل نرم ہو کر اللہ کی یاد میں محو ہو جاتے ہیں۔ یہی اللہ کی ہدایت ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اس (قرآن) کے ذریعے ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

تَقْشَعِرُّ : وہ کانپنے لگتی ہے۔ وہ لرزنے لگتی ہے۔ اِقْشِعْرَارٌ سے مضارع۔

جُلُوْدُ : جلدیں، کھالیں، چمڑے۔ واحد جِلْدٌ۔

تَلِيْنُ : وہ نرم ہو جاتی ہے۔ لِيْنٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صورت میں ہر اعتبار سے سب سے اچھا کلام نازل فرمایا ہے۔ اس کی تمام آیتیں اور سورتیں صحت، معنی، حسن عبارت اور افادۂ عام میں باہم متشابہ یعنی ایک جیسی اور بار بار دہرائی جانے والی ہیں۔ کوئی آیت دوسری آیت کی تکذیب نہیں کرتی۔ تمام آیات باہم تصدیق کرتی ہیں۔ اس کے احکام اور علوم میں نہ باہم اختلاف ہے اور نہ تضاد اور نہ تفاوت وفرق۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اسی قادر مطلق اور خالق کل کا کلام ہے جس نے اس کائنات کو نہایت حسن و تناسب سے بنایا۔ اگر یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتی تو یقیناً اس میں جگہ جگہ تفاوت و اختلاف پایا جاتا۔ جیسے ارشاد ہے:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۝

اور اگر وہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ (النساء: ۸۲)

اس کی آیات اس لیے ملتی جلتی رکھی گئی اور بار بار دہرائی گئی ہیں تاکہ کتاب کے مضامین دل و دماغ میں پختہ ہو جائیں اور انسان اپنی فکری اور ذہنی صلاحیتوں سے ان کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرسکے۔ ظاہر ہے یہ مقصد کسی بات کو محض ایک دفعہ پیغام کے طور پر بیان کر دینے سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو مختلف پیرایوں اور اسلوبوں کے ساتھ بار بار بیان کر کے ہی ذہن نشین کرایا جاسکتا

ہے ۔ اس کتاب کی تاثیر یہ ہے کہ اس کی آیتوں کو سنتے ہی مومنوں کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور سزاؤں کے بارے میں پڑھ کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ پھر ان کے دل انتہائی عاجزی اور گریہ وزاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاتے ہیں ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ

بیشک مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل کانپ اٹھتے ہیں ۔ (انفال : ۲)

پھر فرمایا کہ یہی قرآن اللہ کی ہدایت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعے ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ۔ (مظہری ۲۰۷ ۔ ۸/۲۰۹)

ظالموں کا انجام

۲۴ ۔ ۲۶ : اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۞ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۞

بھلا وہ شخص جو قیامت کے دن برے عذاب کو اپنے منہ پر روکے گا (اس کا کیا حال ہوگا) اور (اس روز) ظالموں سے کہا جائے گا کہ تم اپنے کئے کا مزہ چکھو ۔ ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا تھا ۔ پھر ان پر ایسی جگہ سے عذاب آیا کہ ان کے گمان میں بھی نہ تھا ۔ سو اللہ نے ان کو دنیوی زندگی میں ہی رسوائی کا مزہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے ۔ کاش یہ لوگ جانتے ۔

تشریح : یہاں دو شخصوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز ایک شخص تو ذلت و خواری کی اس حالت میں مبتلا ہوگا کہ ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور عذاب الٰہی سامنے سے آ رہا ہے ۔ اس کو اتنی بھی قدرت نہیں کہ سامنے سے آنے والے عذاب کو ہاتھ کے ذریعے روک سکے ۔ مجبوراً وہ اپنے چہرے ہی کو سامنے کرتے ہوئے اس عذاب کو دور کرنا چاہے گا ۔ دوسرا شخص وہ ہوگا جس کا دل اللہ تعالیٰ نے اسلام

کے لیے کھول دیا تھا اور وہ اعزاز و اکرام اور انعامات کا مستحق ہوگا۔ ظاہر ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب تم اپنے ان اعمال کا مزہ چکھو جو تم اس سے پہلے دنیا میں کیا کرتے تھے۔

مشرکین مکہ کو ان باتوں پر یقین کر لینا چاہئے اگر وہ اب بھی تکذیب و انکار سے باز نہ آئیں تو ان کو جان لینا چاہئے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی احکام الٰہی کا انکار کیا تھا اور اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی تھی لیکن اللہ کا عذاب ان پر اس طریقے سے آیا کہ ان کو خبر بھی نہ ہوئی۔ ان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس طرح بھی کوئی ناگہانی عذاب کسی قوم کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس دنیوی زندگی میں ہی ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جان لیتے کہ دنیا میں کتنی ہی قومیں ایسی گزری ہیں جو اللہ کے پیغمبروں کی تکذیب و نافرمانی کی وجہ سے طرح طرح کے عذابوں سے تباہ کر دی گئیں۔

شرک و توحید کی ایک مثال

۲۷۔۳۱: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝

یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (یہ) قرآن جو عربی زبان میں ہے اس میں کوئی کجی نہیں تاکہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص (غلام) میں کئی بدخو آقا شریک ہیں اور ایک دوسرا شخص ہے جو صرف ایک ہی کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کی حالت یکساں ہو سکتی ہے۔ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!) یقیناً آپ کو بھی موت آنی ہے۔ پھر قیامت کے روز تم سب اللہ کے سامنے اپنے اختلافات پیش کرو گے۔

مُتَشٰكِسُوْنَ: بدخو، ضدی۔ جھگڑالو۔ تَشَاكُسٌ سے اسم فاعل۔

تَخْتَصِمُوْنَ: تم لڑتے ہو، تم جھگڑا کرتے ہو۔ اِخْتِصَامٌ سے مضارع۔

تشریح: چونکہ مثالوں سے باتیں آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں تا کہ لوگ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔

ارشاد ہے:

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ

اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی ایک مثال بیان فرمائی ہے (الروم: ۲۸)

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝

ان مثالوں کو ہم لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں اور علماء ہی ان کو پوری طرح سمجھتے ہیں۔ (العنکبوت: ۴۳)

یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے، جس میں کوئی کجی اور کمی نہیں ہے۔ اس میں واضح اور روشن دلیلیں ہیں تا کہ لوگ تقویٰ اختیار کریں اور عذاب کی آیتوں کو سامنے رکھ کر برائیوں سے بچیں اور ثواب کی آیتوں کو پڑھ کر اعمال صالحہ میں محنت کریں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے موحد و مشرک کے فرق کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال بیان کی کہ ایک شخص غلام ہے۔ اس کے بہت سارے مالک ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ ہر ایک چاہتا ہے کہ وہ اس کی خدمت کرے۔ ایسی صورت میں ظاہر ہے وہ کسی کی بھی اطاعت نہ کر سکے گا۔ اس کے برعکس دوسرا غلام وہ ہے جو صرف ایک ہی شخص کی ملکیت ہے۔ اس کے سوا اس پر کسی اور کا اختیار نہیں۔ کیا یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسی طرح موحد جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرتا ہے اور مشرک جس نے بہت سے معبود بنا رکھے ہیں، یہ دونوں بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ پس ہر طرح کی حمد و ستائش کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ایسی صاف اور روشن مثال کے بیان پر بھی اسی کی حمد و ثنا بیان کرنی چاہیے کہ اس نے شرک کی برائی اور توحید کی خوبی اپنے بندوں کو اچھی طرح ذہن نشین

کرادی لیکن اکثر لوگ یہ باتیں جانتے ہی نہیں۔

اس دنیا سے سب جانے والے ہیں، ہر ایک کی موت یقینی ہے اور آخرت میں سب جمع ہونے والے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ مشرکوں اور موحدوں میں فیصلہ کردے گا۔ اور حق ظاہر ہو جائے گا کیونکہ اس سے اچھا فیصلہ کرنے والا اور اس سے زیادہ علم والا کوئی نہیں۔ اس دن ایمان و اخلاص اور توحید وسنت والے نجات پائیں گے اور کفر وشرک والے سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

(ابن کثیر ۵۲، ۵۳/۴، مظہری ۲۱۰/۸)

سب سے بڑا ظالم

۳۲۔۳۵: فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝ وَ الَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِیْ عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِیْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے اور جب سچ اس کے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے۔ کیا (ایسے) منکروں کا ٹھکانا جہنم نہیں ہے۔ اور جو سچی بات لایا اور جس نے اس کو سچ جانا تو یہی لوگ (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔ ان کے رب کے پاس ان کے لیے ہر وہ چیز ہے جو وہ چاہیں گے۔ نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے تاکہ اللہ ان کے برے عملوں کو جو انہوں نے کئے تھے ان سے دور کردے اور جو نیک اعمال وہ کرتے تھے ان کا اجر ان کو عطا فرمادے۔

تشریح: مشرکین نے اللہ تعالیٰ پر بہت سے جھوٹ بولے تھے اور طرح طرح کے الزام لگائے تھے۔ کبھی وہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک کرتے تھے، کبھی فرشتوں کو اس کی لڑکیاں کہتے، کبھی مخلوق میں سے کسی کو اس کا بیٹا کہتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے تمام امور سے بلند و بالا اور پاک ہے۔ اس کے علاوہ ان میں ایک بدخصلت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیا علیہم السلام پر جو کچھ نازل ہوتا یہ اس کی

تکذیب کرتے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب سے بڑھ کر ظالم ہیں اور ظالموں اور حق سے منہ موڑنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو سچائی کو لایا یعنی جبرئیل علیہ السلام اور جس نے اسے سچا مانا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وہ شخص جو کلمہ توحید کا اقرار کرے، تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی اتباع کرنے والے سب اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ جاء بالصدق سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کیوں کہ وہ اللہ کی طرف سے دین اسلام اور قرآن دنیا میں لائے اور وصدق بہ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق یا تمام اہل اسلام ہیں، مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے گو اس میں یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ داخل ہیں بلکہ جو بھی کلمہ توحید کی طرف بلائے اور احکام الٰہی کی تعلیم دے اور جو اس کو قبول کرے وہ سب اس میں داخل ہیں۔ یہی لوگ متقی اور پرہیزگار ہیں جو اللہ سے ڈرتے رہے اور کفر و شرک سے بچتے رہے۔ ان لوگوں کے لیے جنت میں وہ سب کچھ ہے جو وہ چاہیں گے، نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔ یہ صلہ اور انعام ان کے لیے اس لیے تجویز کیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال کی سزا کو معاف کردے اور ان کے بہترین کاموں کا جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے ان کو اجر و ثواب دے۔ (ابن کثیر ۴/۵۳، حقانی ۴/۱۵۹)

اللہ کی کفایت

۳۶-۴۰: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ
مِنْ مُّضِلٍّ ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ
مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ
كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ
قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ
اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ
عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ۔ یہ لوگ آپ کو اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرا رہے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور اس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ۔ کیا اللہ زبردست انتقام لینے والا نہیں؟ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے (پیدا کیا)۔ آپ کہہ دیجئے کہ بھلا بتاؤ تو کہ تم اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اللہ کی دی ہوئی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اگر وہ مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ کافی ہے ۔ توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر اپنا کام کئے جاؤ، میں بھی کر رہا ہوں ۔ سو بہت جلد تم جان لو گے کہ کس پر (دنیا میں) رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے اور (آخرت میں) اس پر ہمیشہ رہنے والا عذاب نازل ہوگا۔

تشریح: مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بتوں سے ڈرایا کرتے تھے کہ آپ ہمارے بتوں کی توہین کر کے ان کو غصہ نہ دلائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ آپ کو (معاذ اللہ) بالکل ہی خبطی اور پاگل بنا دیں ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا بندہ بن چکا ہو اس کو ان عاجز و بے بس بتوں سے کیا ڈر ۔ بس اللہ اپنے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت و نصرت کے لیے کافی ہے ۔ جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا اور جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ، اللہ زبردست اور غالب ہے ۔ اس پر بھروسہ کرنے والے کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور اس کی طرف جھکنے والا کبھی محروم نہیں رہ سکتا ۔ اس سے بڑھ کر عزت و غلبہ والا کوئی نہیں اور نہ ہی کوئی اس سے بڑھ کر انتقام پر قادر ہے ۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ کفر و شرک کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں وہ انہیں سخت سزائیں دے گا ۔ پھر مشرکین کی جہالت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو خالق کل ماننے کے باوجود باطل معبودوں کی پرستش کرتے ہیں جو کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ، نہ وہ اللہ کی دی ہوئی کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ اس کی عطا کو روک سکتے ہیں ۔ اس لیے ان سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اللہ کو یاد رکھ وہ تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو ہر وقت اسے اپنے پاس پائے گا، آسانی کے وقت اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار رہ، وہ سختی کے وقت تیرے کام آئے گا، کچھ مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگ اور جب مدد طلب کرنی ہو تو اللہ ہی سے مدد طلب کر۔ یقین جان کہ اگر تمام دنیا مل کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے اور اللہ کا ارادہ نہ ہو تو وہ سب مل کر تجھے ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ سب جمع ہو کر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں جو اللہ نے مقدر میں نہ لکھا ہو تو وہ ہرگز نہیں پہنچا سکتے۔ صحیفے خشک ہو چکے اور قلم اٹھا لیے گئے۔ یقین اور شکر کے ساتھ نیکیوں میں مشغول رہا کر اور جان لے کہ تکلیفوں پر صبر کرنے میں بہت بھلائیاں (نیکیاں ملتی) ہیں اور یہ کہ (اللہ کی) مدد صبر کے ساتھ ہے اور فراخی رنج و تکلیف کے ساتھ ہے اور ہر تنگی اپنے ساتھ آسانی کو لیے ہوئے ہے۔

آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے لیے اللہ کافی ہے، توکل کرنے والے اسی کی پاک ذات پر توکل کرتے ہیں اور میں بھی اسی پر توکل کرتا ہوں اس لیے مجھے نہ تمہاری دھمکیوں کی پرواہ ہے اور نہ تمہارے باطل معبودوں کا خوف۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سب سے زیادہ قوی ہونا چاہے اس کو چاہیے کہ وہ اللہ پر بھروسہ رکھے اور جو سب سے زیادہ غنی بننا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ اس چیز پر زیادہ اعتماد رکھے جو اللہ کے ہاتھ میں ہے بہ نسبت اس چیز کے جو خود اس کے ہاتھ میں ہے اور جو سب سے زیادہ بزرگ ہونا چاہے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم ان کھلے اور واضح دلائل و براہین کے باوجود اپنی روش سے باز نہیں آتے تو تم اپنے طریقے پر عمل کرتے رہو اور میں بھی اپنے طریقے پر عمل پیرا ہوں۔ پھر بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں کون ذلت و رسوائی کے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور کون آخرت کے دائمی عذاب میں گرفتار ہوتا ہے۔ چنانچہ ہجرت کے دوسرے ہی سال بدر کے مقام پر اللہ نے مشرکوں کو ایسا ذلیل و رسوا کیا کہ ہر قسم کے سامان حرب وضرب سے لیس اور تعداد میں تین گنا ہونے کے باوجود تین سو بے سرو سامان مسلمانوں کے ہاتھوں نامور سرداروں اور سپہ سالاروں سمیت ان کے بہتر آدمی قتل ہوئے۔ آخرت کی ذلت اور دائمی عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔

(ابن کثیر ۴،۵۴)

نیند کی حقیقت

۴۱۔۴۲: اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ
وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿﴾
اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ
مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ
الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿﴾

بیشک ہم نے یہ کتاب لوگوں (کی ہدایت کے لیے) حق کے ساتھ آپ پر نازل کی ۔ سو جو شخص راہ راست پر آئے گا تو اپنے ہی لیے (آئے گا) اور جو گمراہ ہوا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا اور (اے رسول) آپ ان کے ذمہ دار نہیں ۔ اللہ روحوں کو ان کی موت کے وقت اور جن کو موت نہیں آئی ان (کی روحوں) کو ان کی نیند کے وقت قبض کر لیتا ہے ۔ پھر جن پر موت کا حکم لگ چکا ہے ان کو تو روک لیتا ہے اور دوسری (روحوں کو) ایک مقررہ مدت تک کے لیے (واپس) بھیج دیتا ہے ۔ بیشک غور کرنے والوں کے لیے اس میں یقیناً بہت سی نشانیاں ہیں ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے یہ قرآن حق و صداقت کے ساتھ لوگوں کے نفع کے لیے آپ پر نازل فرمایا ہے ۔ اب جو شخص راہ راست پر آئے گا تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے آئے گا ۔ اسی طرح جو شخص اس سے اعراض کر کے غلط راہ پر چلے گا وہ بھی اپنا ہی نقصان کرے گا ۔ آپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ۔ آپ کا کام تو صرف اللہ کا پیغام لوگوں کو پہنچا دینا تھا سو وہ آپ نے پہنچا دیا ۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک و خالق ہے اس لیے وہ جس طرح چاہتا ہے ان میں تصرف کرتا رہتا ہے ۔ وہی وفاتِ کبریٰ کے وقت فرشتوں کے ذریعے روح کو قبض کرتا ہے اور وفات صغریٰ جو نیند کی حالت میں واقع ہوتی ہے وہ بھی اسی کے قبضے میں ہے ۔ نیند کی حالت میں وفات یعنی روح قبض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نیند میں حواس تو معطل کر دیئے جاتے ہیں مگر حیات باقی رہتی ہے ۔ پس جب کسی کی موت کا وقت

آتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتے بھیج کر اس کی روح قبض فرمالیتا ہے۔ پھر اس کی روح دنیا میں دوبارہ کبھی نہیں آتی۔ جس شخص کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا اللہ تعالیٰ اس کو بھی نیند کی حالت میں موت دے دیتا ہے۔ یہ عمل ہر شخص کے ساتھ روزانہ ہوتا ہے خواہ وہ ایسا شخص ہو جس کی طبعی موت کا وقت آگیا ہے یا ایسا ہو جس کی دنیوی حیات کا کچھ حصہ ابھی باقی ہے۔ پس جس شخص کی موت کا طبعی وقت نیند کے دوران آجاتا ہے تو اس کی روح کو روک لیا جاتا ہے۔ اب وہ اس دنیاوی زندگی میں اپنے بدن میں کبھی نہیں آئے گی۔ البتہ جس شخص کی طبعی موت کا وقت ابھی نہیں آیا اس کی روح کو بیداری کے وقت اس کے جسم میں دوبارہ داخل کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی مقررہ مدت تک دنیا میں رہے۔ بلاشبہ روحوں کو قبض کرنے اور رہا کرنے کے معاملے میں ان لوگوں کے لیے قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

(مواہب الرحمٰن ۲۴/۸،۷)

سفارش کی حقیقت

۴۳-۴۵: اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝

کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو سفارش کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر یہ کچھ بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں (پھر بھی سفارش کریں گے) آپ کہہ دیجئے کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اسی کی حکومت ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل تنگ ہونے لگتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے تو وہ یکایک خوش ہو جاتے ہیں۔

اِتَّخَذُوْا: انہوں نے مقرر کیا، انہوں نے اختیار کیا، انہوں نے بنایا۔ اتّخاذٌ سے ماضی۔

اشمازّت : وہ رک جاتی ہے۔ وہ تنگ ہو جاتی ہے اس نے نفرت کی، اشمیزاز سے ماضی۔

تشریح: مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا بتوں اور باطل معبودوں کو اپنے لیے سفارشی مقرر کر رکھا ہے۔ ان کو اپنے معبودوں پر کامل بھروسہ اور اعتماد ہے کہ وہ ان کو کسی قسم کی تکلیف اور عذاب نہ پہنچنے دیں گے، حالانکہ ان بتوں کو نہ کچھ اختیار و قدرت ہے اور نہ عقل و شعور اور علم۔ وہ تو محض پتھر اور جمادات ہیں جو حیوانوں سے بھی بدتر ہیں۔ پس جو معبود نہ علم رکھتے ہوں اور نہ اُن کو کسی چیز کی ذرہ برابر قدرت ہو وہ کسی کی کیا سفارش کریں گے یا مصیبت کے وقت وہ کسی کو کیسے بچائیں گے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تمام شفاعتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کوئی نہیں جو اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر اس کے سامنے لب کشائی بھی کر سکے۔ وہی زمین و آسمان کا بادشاہ اور مالک و خالق ہے وہ جس طرح چاہتا ہے اپنی ملک میں تصرف کرتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر حرکت تک نہیں کر سکتی۔ قیامت کے دن تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت تمہارے سب دھوکے اور فریب زائل ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے ساتھ تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

ان کافروں کی حالت یہ ہے کہ کلمہ توحید سن کر ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کو ایمان و توحید سے نفرت ہے اور جب اللہ کے سوا اوروں یعنی بتوں وغیرہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل فوراً کھل اٹھتے ہیں اس لیے کہ کفر و شرک ان کے دلوں میں رچا بسا ہوا ہے۔

مشرکین کی بے بسی

۴۶ ۔ ۴۸ : قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝
وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ
لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا
كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے،

پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے ،تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان امور کا فیصلہ فرمائے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ۔ اگر ظلم کرنے والوں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تو قیامت کے روز اپنے آپ کو بدترین عذاب سے بچانے کے لیے وہ سب دے ڈالیں (تب بھی) اللہ کی طرف سے ان کو وہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔ اور ان پر ان کے تمام برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے ۔ اور جس (عذاب) کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گا۔

بَدَالَهُمْ : وہ ظاہر ہو گیا، وہ کھل گیا۔ بَدْوٌ اور بُدُوٌّ سے ماضی۔

حاق : اس نے گھیر لیا، وہ نازل ہوا۔ حَیْقٌ سے ماضی۔

تشریح: مشرکین کی توحید سے نفرت اور شرک سے محبت کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ صرف اللہ واحد واحد ہی کو پکاریے جو آسمان و زمین کا خالق ہے۔ اس نے انہیں اس وقت پیدا کیا جب ان کا کوئی نمونہ تک نہ تھا۔ وہ ظاہر و باطن کے احوال کو خوب جانتا ہے۔ قیامت کے روز جب یہ لوگ اپنی قبروں سے نکل کر میدان حشر میں جمع ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ ان کے درمیان ان امور کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ دنیا میں اختلاف کرتے تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ اس دعا کو پڑھے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اپنے فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے اس بندے نے مجھ سے عہد لیا ہے سو اس کو پورا کرو۔ پھر اس کو جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيْ اَعْهَدُ اِلَيْكَ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ . فَاِنَّكَ اِنْ تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ تُقَرِّبْنِيْ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدْنِيْ مِنَ الْخَيْرِ وَاِنِّيْ لَآ اَثِقُ اِلَّا بِرَحْمَتِكَ فَاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا تُوَفِّيْنِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۔

اے اللہ! آسمان و زمین کو بغیر نمونے کے پیدا کرنے والے، اے غائب و

حاضر کے جاننے والے میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو اکیلا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں۔ اگر تو مجھے میری ہی طرف سونپ دے گا تو میں برائی سے قریب اور بھلائی سے دور جا پڑوں گا۔ اے اللہ مجھے صرف تیری رحمت کا سہارا اور بھروسہ ہے۔ پس تو بھی مجھ سے عہد کر جس کو تو قیامت کے دن پورا کردے۔ یقیناً تو عہد شکن نہیں۔

اگر بالفرض قیامت کے دن ان مشرکین کے پاس دنیا بھر کی تمام چیزیں ہوں اور ان کے ساتھ اتنی ہی اور بھی ہوں تب بھی یہ اپنے آپ کو بدترین عذابوں سے بچانے کے لیے ان تمام چیزوں کو اپنے فدیے میں دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے لیکن اس دن ان سے کوئی فدیہ اور بدلہ قبول نہ کیا جائے گا۔ اس دن وہ اللہ کے ایسے ذلت آمیز عذابوں سے دوچار ہوں گے کہ کبھی ان کو خیال بھی نہ گزرا تھا۔ وہ اپنے تمام گناہوں اور بداعمالیوں کی سزا اپنے آگے موجود پائیں گے اور جس عذاب کا وہ دنیا میں مذاق اڑاتے تھے وہ آ کر ان کو گھیر لے گا۔ (ابن کثیر ۴/۵۶)

مشرکین کی دو عملی

۴۹۔۵۲ فَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۞ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۞ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ۞ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۞

جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارنے لگتا ہے۔ پھر جب ہم

اپنی طرف سے اسے کوئی نعمت عطا فرما دیں تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے میرے علم کی بنا پر ملی ہے، بلکہ یہ ایک آزمائش ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ بے علم ہیں۔ ان سے پہلے (گزرے ہوئے) لوگ بھی یہی (بات) کہہ چکے ہیں۔ سو ان کے کچھ بھی کام نہ آیا جو وہ کیا کرتے تھے۔ پھر اُن کی تمام بداعمالیاں ان پر آ پڑیں اور ان (مشرکین مکہ) میں سے بھی جو لوگ ظالم ہیں اُن پر بھی ان کی بداعمالیاں بہت جلد آ پڑیں گی اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔ بیشک اس میں ایمان والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

خَوَّلْنٰهُ : ہم نے اُس کو دیا، ہم نے اس کو عطا کیا۔ تَخْوِیْلٌ سے ماضی۔

یَقْدِرُ : وہ (رزق) تنگ کرتا ہے، وہ کم کرتا ہے۔ قَدْرٌ سے مضارع۔

تشریح: حقیقت یہ ہے کہ جب انسان پر کوئی مشکل وقت آتا ہے تو وہ اپنے باطل معبودوں کو چھوڑ کر نہایت آہ و زاری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگتا ہے۔ اور پوری طرح اس کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ لیکن جب مصیبت دور ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ تکبر اور سرکشی کے ساتھ کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو مجھے اپنے علم و ہنر اور خوش تدبیری سے حاصل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ یہ نعمت اس کے علم و ہنر اور خوش تدبیری کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک آزمائش ہے تاکہ ہم دیکھ لیں کہ بندہ ہماری نعمت کا شکر ادا کرتا ہے یا ناشکری لیکن اکثر لوگ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں نے بھی ایسی ہی بات کہی تھی مگر ان کی کوئی بھی تدبیر ان کو عذاب الٰہی سے بچانے میں ذرا کام نہ آئی۔ جس طرح وہ مصیبت و عذاب میں مبتلا ہوئے، اسی طرح ایک دن ان پر بھی ان کی بداعمالیوں کا وبال آ پڑے گا اور یہ اس سے بچ نہیں سکتے اور نہ یہ اللہ کو عاجز و بے بس کر سکتے ہیں۔ کیا انہیں اب تک یہ معلوم نہیں کہ رزق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے سو رزق کی وسعت اور فراخی نہ حق کی دلیل ہے اور نہ غلبے کی نشانی اور نہ یہ کسی انسان کے ہنر اور علم پر موقوف ہے بلکہ یہ تو اللہ کی تقسیم اور دین ہے۔ عام مشاہدہ یہ ہے کہ بہت سے بے ہنر اور بے تدبیر لوگوں کے پاس مال و دولت کے

انبار ہیں اور بہت سے سمجھدار اور ہنر و تدبیر والے خسارے اور ناکامی سے دوچار رہتے ہیں ۔ بیشک اہل ایمان کے لیے اس میں طرح طرح کی عبرتیں اور دلیلیں ہیں ۔

بے پایاں رحمت

۵۳۔۵۴: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

آپ (میری طرف سے) کہہ دیجئے کہ اے میرے (وہ بندو) جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، یقیناً اللہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا ۔ اور تم اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اسی کی فرماں برداری کرتے رہو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آئے پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا ۔

تقنطوا: تم مایوس ہو، تم ناامید ہو ۔ قُنُوْط سے مضارع ۔

اَنِیْبُوْا: تم رجوع ہو جاؤ ۔ اِنَابَةٌ سے امر ۔

شانِ نزول: حاکم نے حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ ہم کہا کرتے تھے کہ مسلمان ہونے اور ایمان لانے کے بعد جو لوگ مصائب میں مبتلا ہو کر اپنا دین چھوڑ بیٹھے ان کی توبہ قبول نہ ہوگی ۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے تشریف لے آئے تو انہی لوگوں کے متعلق اللہ نے **قل یعبادی الذین اسرفوا** الخ نازل فرمائی ۔ بغوی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول عیاش بن ربیعہ، ولید بن ولید اور مسلمانوں کی ایک جماعت کے حق میں ہوا جو ایمان لے آئے تھے ۔ پھر جب ان کو دکھ اور تکلیفیں دی گئیں تو وہ فتنہ میں پڑ گئے (اسلام چھوڑ بیٹھے) ۔ ہم کہا کرتے تھے کہ اللہ ان کا کوئی عمل کبھی قبول نہیں کرے گا، نہ نفل، نہ فرض یعنی ان کی توبہ کسی طرح قبول نہ ہوگی ۔ یہ لوگ پہلے تو مسلمان ہو گئے پھر دکھ تکلیف پہنچنے پر اپنا دین چھوڑ بیٹھے ۔ اس پر اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں

صحیحین میں ہے کہ بعض مشرکین نے جو قتل اور زنا کے بھی مرتکب تھے آپ کی خدمت میں

حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کی باتیں اور آپ کا دین ہمیں ہر لحاظ سے اچھا اور سچا معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بڑے بڑے گناہ جو ہم سے سرزد ہو چکے ہیں ان کا کفارہ کیا ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مظہری ۲۲۱،۲۲۲/ ۸)

تشریح: یہاں تمام نافرمانوں کو توبہ کی دعوت دی گئی ہے خواہ وہ مشرک اور کافر ہی ہوں نیز بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات غفور رحیم ہے۔ وہ ہر توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرتا ہے اور ہر جھکنے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے سابقہ گناہ معاف فرما دیتا ہے خواہ وہ کیسے ہی ہوں اور کتنے ہی ہوں۔ اس لیے ایمان لانے اور توبہ کرنے میں کوئی تامل و تردد نہیں ہونا چاہئے بلکہ فوراً دل سے اس کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور اس کی فرماں برداری کرنی چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا عذاب آ جائے اور توبہ کی مہلت نہ ملے۔ اس وقت کہیں سے کوئی مدد نہیں آئے گی جو عذاب الٰہی سے بچا سکے کیونکہ جب عذاب الٰہی آ جاتا ہے تو دفع نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آدمی مرنے سے پہلے پہلے بڑے سے بڑے گناہ یہاں تک کہ کفر و شرک سے سچی توبہ کر لے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس لیے کسی کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ البتہ اس آیت کو توبہ کے بغیر گناہوں کی بخشش کے معنیٰ میں لینا صحیح نہیں اس لیے شرک توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کی خدمت میں کچھ قیدی پیش کیے گئے۔ قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کے پستانوں سے دودھ ٹپک رہا تھا اور وہ (ادھر ادھر) دوڑتی پھر رہی تھی۔ قیدیوں میں سے جو شیر خوار بچہ اس کو ملتا وہ اس کو لے کر اپنے پیٹ سے چمٹا لیتی اور دودھ پلاتی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ عورت کبھی اپنے بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے جبکہ وہ دوسروں کے بچوں سے اتنا پیار کر رہی ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ جب تک اس میں طاقت ہوگی وہ اپنے بچے کو کبھی آگ میں نہیں پھینکے گی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اپنے بندوں پر اس سے زیادہ مہربان ہے جتنی یہ عورت اپنے بچے پر۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک بوڑھے شخص نے لکڑی ٹیکتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے چھوٹے موٹے گناہ بہت زیادہ ہیں۔ کیا مجھے بھی بخشا جائے گا؟ آپ نے فرمایا کیا تو اللہ کی توحید کی گواہی نہیں دیتا۔ اس نے کہا ہاں اور آپ کی رسالت کی گواہی بھی دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے چھوٹے موٹے گناہ معاف ہیں۔ (ابن کثیر ۵۸۔۶۰/ ۴، مظہری ۲۲۶/ ۸)

کفار کی ندامت

۵۵۔۵۹: وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ
نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ
لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ
مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ
كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ
بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

اور تم اس بہترین (کتاب) کی اتباع کرتے رہو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل ہوئی ہے، اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہے کہ افسوس اس کوتاہی پر جو میں اللہ کے حق میں کرتا رہا اور میں تو (دین کی) ہنسی ہی اڑاتا رہا یا یہ کہے کہ اگر اللہ مجھے راہ حق دکھاتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا یا عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے کہ کاش (دنیا میں) ایک بار پھر جانا ہو تو میں بھی نیک بندوں میں سے ہو جاؤں۔ ہاں تیرے پاس میری آیتیں پہنچ چکی تھیں سو تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو تھا ہی کافروں میں سے۔

بَغْتَةً: یکا یک، ایک دم، اچانک۔

فَرَّطْتُ: میں نے کوتاہی کی، میں نے تقصیر کی۔ تفریطٌ سے ماضی۔

كَرَّةً: لوٹ جانا، (دنیا میں) پھر جانا۔ مصدر ہے۔

تشریح: تمہارے رب نے جو بہترین ہدایت اور احکام (قرآن مجید) تمہارے پاس بھیجے ہیں تم ان کی پوری پوری اتباع کرو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب الٰہی آجائے اور تمہیں احساس و گمان بھی نہ ہو کہ یہ عذاب کہاں سے اور کیسے آگیا۔ آج اگر ایمان نہ لائے اور اللہ کے احکام کی اتباع نہ کی اور توبہ کے بغیر ہی مر گئے تو کل قیامت کے روز اپنی غفلت و کوتاہی اور احکام خداوندی کا تمسخر اڑانے پر

حسرت وافسوس ہوگا لیکن اس وقت یہ اظہار حسرت وافسوس کچھ کام نہ آئے گا، اس لیے یہ کہنے کی نوبت آنے سے پہلے ہی ایمان لے آؤ کہ کاش اللہ مجھے دنیا میں ہدایت دے دیتا تو میں بھی دنیا میں شرک وگناہ سے بچنے والوں میں سے ہوجاتا اور آخرت میں اللہ کے عذابوں سے بچ جاتا مگر میں اپنے اعمال واحوال کی وجہ سے ایمان کی دولت سے محروم رہا، یا کوئی شخص عذاب کو دیکھ کر یہ کہنے لگے کہ کاش مجھے دنیا میں واپس جانے کا موقع مل جائے تو میں بھی نیک بندوں میں سے ہوجاؤں۔

خبردار اے منکر! یہ باتیں تجھے زیب نہیں دیتیں۔ نہ تو حق پوشیدہ اور مشتبہ تھا اور نہ تو ہی احمق و غافل تھا کہ حماقت وغفلت کا پردہ ہٹنے کے بعد تو حق وہدایت کو قبول کرلیتا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تیرے پاس میری آیات پہنچی تھیں مگر اطاعت وفرماں برداری کے ساتھ اللہ کے سامنے سر جھکانے کی بجائے تو نے ان کی تکذیب کی اور تکبر کیا اور کافروں میں شامل رہا اس لیے اب حسرتیں اور آرزوئیں بے سود ہیں۔

مکذبین کا انجام

۶۰۔۶۱: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

قیامت کے روز آپ ان کے چہرے سیاہ دیکھیں گے جو اللہ پر جھوٹ بولتے رہے۔ کیا تکبر کرنے والوں کا ٹھکانا جہنم نہیں اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے رہے، اللہ ان کو کامیابی کے ساتھ نجات دے گا۔ انہیں کوئی برائی چھو بھی نہ سکے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

مُسْوَدَّةٌ: سیاہ کی ہوئی، کالی۔ اِسْوِدَادٌ سے اسم مفعول۔

مَثْوٰی: رہنے کی جگہ، ٹھکانا۔ ثُوِیًّا سے ظرف مکان۔

تشریح: قیامت کے روز دو طرح کے لوگ ہوں گے۔ ایک وہ جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، دوسرے وہ جن کے چہرے نورانی ہوں گے۔ جو لوگ دنیا میں اللہ پر دروغ بندی کرتے تھے، اللہ کے شریک ٹھہراتے تھے، اس کی اولاد مقرر کرتے تھے، فرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہتے تھے، اس کی نافرمانی کرتے تھے، اس کے احکام کا تمسخر اڑاتے تھے، اس کے انبیاء کی تکذیب کرتے تھے اور اس کے فرماں

برداروں کی تذلیل وتوہین کرتے تھے، قیامت کے روز ایسے لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے اور حق کو قبول نہ کرنے اور تکبر وخود نمائی کے وبال میں ان نافرمانوں کو جہنم میں ڈالدیا جائے گا جہاں نہایت ذلت ورسوائی کے ساتھ بدترین سزائیں بھگتیں گے۔ اس کے برعکس جولوگ اللہ کا خوف رکھتے تھے اور کفر ونافرمانی سے بچتے تھے ان کے چہرے نورانی ہوں گے۔ وہ اپنی کامیابی اور سعادت مندی کی وجہ سے جہنم کے عذاب اور ذلت ورسوائی سے بچے رہیں گے۔ ان کو ذرہ برابر بھی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے بلکہ نہایت امن وراحت کے ساتھ اللہ کی نعمتوں میں رہیں گے کیونکہ جنت تو نام ہی فرحت وراحت کا ہے۔ وہاں غم اور فکر وپریشانی کا تصور تک نہیں۔

حقیقی خسارے والے

۶۲۔۶۳: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اللہ ہی ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا وہی خسارے میں ہیں۔

وَکِیْلٌ: وکیل، کارساز۔ وَکْلٌ سے صفت مشبہ۔

مَقَالِیْدُ: کنجیاں، خزانے۔ واحد مِقْلَدٌ۔

تشریح: بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی ہر جاندار و بے جان کا خالق و مالک اور ہر چیز کا نگہبان و کارساز ہے۔ تمام کاموں کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ آسمان و زمین کے خزانوں کی کنجیاں بھی اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس کے سوا کوئی بھی اس کے خزانوں میں تصرف نہیں کر سکتا اس لیے وہ دنیا میں جس کے لیے چاہتا ہے ہدایت و رحمت کے اور آخرت میں نجات و مغفرت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے بند کر دیتا ہے۔ اس کے کھولے ہوئے دروازے کو کوئی بند نہیں کر سکتا اور بند کئے ہوئے دروازے کو کوئی کھول نہیں سکتا۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ ایمان نہ لائیں اور اللہ کی آیتوں اور اس کے احکام کا انکار کرتے رہیں تو وہی حقیقی خسارے میں ہیں۔ یہاں خسارے کو کافروں کے

ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مومن اگر دنیاوی آسائش ونعمت سے محروم بھی ہوں تب بھی ان کو آخرت میں دنیوی نعمتوں کا بدلہ ضرور ملے گا جو ایسی نعمتوں کی شکل میں ہوگا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گی اور نہ کسی کان نے ان کے بارے میں کچھ سنا ہوگا اور نہ کسی کے دل میں ان کا خیال آیا ہوگا۔ اس کے برعکس کافروں کو دنیا میں جو خوش نصیبیاں اور عیش وآرام حاصل ہوگا وہی آخرت میں ان کے لیے وبال جان بن جائے گا اور ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہ اس عذاب سے کبھی چھٹکارا پائیں گے اور نہ اس میں کچھ تخفیف ہوگی۔

آپ کو شرک کی دعوت

۶۴-۶۶: قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اے نادانو! کیا تم مجھے (بھی) اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے کو کہتے ہو۔ یقیناً آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیا کی طرف بھی یہ وحی کی جا چکی ہے کہ (اے مخاطب) اگر تو شرک کرے گا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور تو خسارے میں پڑ جائے گا بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرنا اور شکرگزار رہنا۔

شانِ نزول: طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ قریش نے آپ کو اتنا مال دینے کی پیش کش کی کہ آپ مکہ میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں اور یہ بھی کہا کہ آپ جس عورت کو پسند کریں ہم اس کو آپ کی زوجیت میں دے دیں گے شرط یہ ہے کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ اگر آپ کو یہ منظور نہ ہو تو پھر ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں۔ اس پر سورۃ الکفرون اور یہ آیت قل افغیر اللہ الخسرین تک نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۳۱/ ۸)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان جاہلوں سے کہہ دیجئے کہ کیا تم توحید ثابت ہو جانے

کے بعد بھی اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور الٹا مجھ سے غیر اللہ کی عبادت کی فرمائش کر رہے ہو۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بلاشبہ آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں کی طرف بھی وحی بھیجی جا چکی ہے کہ جو بھی شرک کرے گا یعنی جس طرح اسلام تمام سابقہ گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اسی طرح ارتداد ساری گزشتہ نیکیوں کو اکارت کر دیتا ہے۔ ارتداد سے سابقہ اعمال اس وقت اکارت ہوں گے جب توبہ کئے بغیر ارتداد ہی کی حالت میں موت واقع ہو جائے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

اور تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا پھر حالت کفر ہی میں مرجائے گا تو اس کے (گزشتہ نیک) اعمال اکارت ہو جائیں گے۔

(البقرہ: ۲۱۷)

وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

(بالفرض) اگر یہ (پیغمبر بھی) شرک کرتے تو جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب ضائع ہو جاتا۔ (انعام: ۸۸)

پس آپ تو اللہ ہی کی عبادت کرتے رہئے اور اس نے جو انعام آپ پر فرمایا ہے اس کا شکر ادا کرتے رہیے۔ (ابن کثیر ۶۱/۴)

اللہ کی عظمتِ شان

۶۷: وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝

اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسی قدر پہچانی چاہئے تھی (حالانکہ اس کی عظمت شان تو یہ ہے کہ) قیامت کے دن تمام سرزمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک اور برتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

شان نزول: ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ ایک یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گزرا اور کہنے لگا ابو القاسم! جب اللہ آسمانوں کو اس (انگلی) پر اور زمینوں کو اس پر اور سمندروں کو اس پر اور پہاڑوں کو اس پر رکھے گا تو آپ کا کیا خیال ہے (وہ پھر کیا کرے گا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن المنذر نے ربیع بن انس کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت وسع کرسیہ السموت و الارض نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کرسی ایسی (وسیع) ہے تو عرش کی کیا کیفیت ہوگی۔ اس پر آیت وما قدروا اللہ حق قدرہ نازل ہوئی۔ (مظہری ۲۳۲، ۲۳۳ / ۸)

تشریح: اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا حق اس کی عظمت و توحید پر ایمان لانا اور شرک سے اجتناب کرنا ہے اس لیے جو لوگ شرک کرتے ہیں حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اور قدر و منزلت کو نہیں پہچانتے حالانکہ وہ سب سے بڑھ کر عزت و غلبے والا ہے۔ اس سے زیادہ بادشاہت والا اور اس سے بڑھ کر غلبہ و قدرت والا کوئی نہیں اور نہ کوئی اس کا ہمسر اور برابری کرنے والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ قیامت کے روز ساری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ جس ذات کی ایسی ہمہ گیر قدرت ہے وہ ان مشرکوں کے ہر شرک سے پاک اور بلند و بالا ہے۔

یہ آیت متشابہات میں سے ہے۔ اس کی حقیقی مراد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس سے اللہ کی عظمت عالیہ اور قدرت کاملہ پر تنبیہ کرنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ عظیم الشان کام جہاں انسانی فہم حیرت میں پڑ جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہیں اور پوری کائنات کی شکست و ریخت اس کے لیے ذرا دشوار نہیں۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ زمین کو مٹھی میں لے لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لے لے گا اور فرمائے گا (آج) میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں۔ (مظہری ۲۳۲، ۲۳۳ / ۸)

قیامت کی ہولناکیاں

۶۸۔۷۰ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۚ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ

يَنْظُرُوْنَ ۞ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۞ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۞

اور (جب) صور پھونکا جائے گا تو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ چاہے۔ پھر (جب) دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے اور (حشر کی) زمین اپنے رب کے نور سے چمک اُٹھے گی اور نامۂ اعمال رکھ دیا جائے گا اور نبیوں اور گواہوں کو لایا جائے گا اور لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر (ذرا) ظلم نہ ہوگا اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور اللہ ان کے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

نُفِخَ : وہ پھونکا گیا۔ نَفْخٌ سے ماضی مجہول۔

صَعِقَ : ان کے ہوش اڑ جائیں گے، وہ بے ہوش ہو جائیں گے۔ صَعْقٌ سے ماضی۔

اَشْرَقَتْ: وہ روشن ہوگئی، وہ چمک اٹھی۔ اِشْرَاقٌ سے ماضی۔

تشریح: قیامت کے روز جب صور میں پھونک ماری جائے گی تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق فوراً بے ہوش ہو کر گر پڑے گی سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ بے ہوشی سے محفوظ رکھے گا۔ اس کے بعد صور میں دوبارہ پھونک ماری جائے گی تو دفعتہً سب کے سب ہوش میں آ کر اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے اور حیرت و استعجاب کے ساتھ چاروں طرف دیکھنے لگیں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مناسب نزول اجلال فرمائے گا تو اس کی تجلی اور نور سے میدان قیامت کی زمین روشن ہو جائے گی اور حساب و کتاب کا دفتر کھول دیا جائے گا۔ اس وقت ہر ایک کا اعمال نامہ اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، انبیاء علیہم السلام اور دوسرے گواہوں کو بلایا جائے گا۔ انبیاء علیہم السلام گواہی دیں گے کہ ہم نے اللہ کے احکام پہنچا دیئے تھے اور گواہوں میں ان کے ہاتھ پاؤں، فرشتے اور امت محمدیہ کے لوگ ہوں گے جو ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

جب اُمت محمدیہ کے لوگ گواہی دیں گے تو منکرین کہیں گے کہ یہ لوگ تو ہمارے زمانے میں

موجود نہ تھے بلکہ بہت بعد میں پیدا ہوئے ۔ پھر ہم پر ان کی گواہی کیسے جائز ہوگی ۔ پس امت محمدیہ عرض کرے گی کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ کیونکہ اللہ نے اپنی کتاب میں ہمیں آگاہ فرمایا کہ تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی امت کو پیغام حق پہنچایا۔ حاصل یہ کہ آیت میں شہداء سے مراد امت محمدیہ کے اصحاب عدل ہیں ۔

اس طرح ہر شخص کے اعمال کا نہایت انصاف کے ساتھ ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا ۔ اور کسی پر ذرا بھی ظلم و زیادتی نہ ہوگی ۔ نہ کسی کی بدیاں بڑھائی جائیں گی اور نہ کسی کی نیکیاں کم کی جائیں گی ۔ ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اچھے یا برے اعمال سے خوب واقف ہے ۔ (مظہری ۲۳۴، ۲۳۵/ ۸، مواہب الرحمٰن ۴۵ ۔ ۲۴/۵۰)

کافروں کا انجام

۷۱۔۷۲: وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ ۝ قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝

اور (قیامت کے روز) کافروں کو گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکا جائے گا یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور دوزخ کے محافظ ان سے پوچھیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تمہارے رب کی آیتیں پڑھ کر تمہیں سناتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈرایا کرتے تھے ۔ وہ جواب دیں گے کہ ہاں (آئے تھے) لیکن کافروں پر عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا ۔ (کافروں سے) کہا جائے گا کہ جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے اب اس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ۔ سو تکبر کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے ۔

سِيْقَ : وہ ہانکا گیا ۔ سَوْقٌ سے ماضی مجہول ۔

زُمراً: گروہ در گروہ، جوق در جوق۔ واحد زُمْرَۃٌ،

تشریح: قیامت کے روز کافروں کو گروہ در گروہ دھکے دے کر نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ جانوروں کی طرح دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا۝ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۝

اُس دن دھکے دے کر ان کو جہنم کی آگ کی طرف لایا جائے گا (ان سے کہا جائے گا) یہی وہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ (الطور: ۱۴،۱۳)

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا۝ وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۝

اُس روز ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کے مہمان بنا کر جمع کریں گے اور گناہ گاروں کو دوزخ کی طرف پیاسا ہانکیں گے۔ (مریم: ۸۶،۸۵)

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا۝

قیامت کے دن ہم انہیں چہروں کے بل گھسیٹ کر لائیں گے۔ یہ اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جب اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی تو ہم اسے اور تیز کر دیں گے۔ (الاسراء: ۹۷)

جس طرح دنیا میں جیل کا پھاٹک کھلا نہیں چھوڑا جاتا بلکہ جب کسی قیدی کو جیل میں داخل کرنا مقصود ہو تو اس وقت پھاٹک کھول کر اس کو داخل کیا جاتا ہے اور فوراً پھاٹک بند کر دیا جاتا ہے، اسی طرح جب دوزخی دوزخ کے قریب پہنچیں گے تو دوزخ کے دروازے کھول کر ان کو اس میں دھکیل دیا جائے گا اور اس کے بعد دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ اس وقت دوزخ کے نگران فرشتے ملامت کے طور پر ڈانٹ کر ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہاری ہی جنس سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں تمہارے رب کی آیتیں سنایا کرتے تھے، اللہ کے احکام سکھایا کرتے تھے اور تمہیں اس دن کے پیش آنے سے ڈرایا کرتے تھے۔ اس وقت کافر ذلت و لاچاری کے عالم میں جواب دیں گے کہ بیشک ہمارے پاس اللہ کے رسول آئے اور انہوں نے ہمیں عذاب الٰہی سے ڈرایا لیکن ہم نے ان کی بات

نہیں مانی ۔ آخر اللہ کی اٹل تقدیر سامنے آئی اور عذاب کا حکم ہم پر ثابت ہو کر رہا ۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

پھر وہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے سو لعنت ہے دوزخیوں پر (الملک : ۱۱)

پھر ان کافروں سے کہا جائے گا کہ تم نے غرور میں آ کر اللہ کی بات نہ مانی ۔ اب ہمیشہ دوزخ میں پڑے اس کا مزہ چکھتے رہو جو اللہ کے احکام کے مقابلے میں تکبر کرنے والوں کا بہت ہی برا ٹھکانا ہے ۔ (عثمانی ۴۶۴، ۴۶۵/۲، ابن کثیر ۶۵/۴)

مومنوں کا انعام

۷۳۔۷۵۔ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا
جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاۗءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ وَتَرَى الْمَلٰۗىِٕكَةَ
حَاۗفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ
بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور جنت کے محافظ ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو، تم پاکیزہ ہو سو تم ہمیشہ رہنے کے لیے اس میں داخل ہو جاؤ ۔ وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کر دیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنایا کہ جنت میں جہاں چاہیں رہیں سو (دنیا میں نیک) عمل کرنے والوں کا کیا خوب بدلہ ہے اور آپ (اس دن) فرشتوں کو اللہ کے عرش کے گرد حلقہ باندھے ہوئے اپنے رب کی حمد و تسبیح کرتے ہوئے دیکھیں گے اور (اس دن) لوگوں کے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا

کہ تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔

طِبْتُم　　تم مزے میں رہے، تم خوشحال ہوئے، تم پاکیزہ ہوئے۔ طِیْبٌ سے ماضی۔

حافّین :　　حلقہ بنائے ہوئے، احاطہ کئے ہوئے گرداگرد۔ حفٌّ سے اسم فاعل۔

تشریح: جو لوگ دنیا میں اپنے رب سے ڈرتے تھے اور اس کے احکام کی تعمیل میں لگے رہتے تھے قیامت کے روز ان کو نہایت عزت و اکرام کے ساتھ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ جب یہ پل صراط پار کر کے جنت کے قریب پہنچیں گے جس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے تو جنت کے محافظ فرشتے ان سے کہیں گے کہ تم پر اللہ کی عنایتوں اور رحمتوں کے ساتھ سلامتی ہو اور خوش رہو اور اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔ یہاں نہ کسی قسم کی محنت و مشقت ہوگی اور نہ رنج و غم۔ مومن جنت کے اندر ایسی ایسی نعمتیں پائیں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہوں گے اور نہ کسی کان نے سنی ہوں گی اور نہ کسی کے دل میں ان کا تصور آیا ہوگا اور وہ فرطِ مسرت اور جذبۂ تشکر سے اللہ کی حمد اور شکر کرتے ہوئے کہیں گے کہ اس نے محض اپنے فضل سے ہم سے اپنا وعدہ سچ کر دیا اور ہمیں اس سرزمین جنت کا مالک بنا دیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں قیام کریں۔ سو یہ نیک عمل کرنے والوں کا بہترین اجر و ثواب ہے۔

جب اللہ تعالیٰ حساب و کتاب کے لیے نزول اجلال فرمائے گا تو اس وقت فرشتے اللہ تعالیٰ کی عرش کے چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے ہوئے ہوں گے اور اپنے رب کی حمد و تسبیح اور بڑائی میں مشغول ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اس پر ہر طرف سے جوش و خروش کے ساتھ الحمد للّٰہ رب العلمین کا نعرہ بلند ہوگا یعنی سب تعریفیں اسی اللہ کو سزاوار ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے۔ (مظہری ۲۳۵، ۲۳۶/ ۸، عثمانی ۴۶۶/ ۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ المؤمن

وجہ تسمیہ: اس سورت کی تیسری آیت میں جو لفظ غافر آیا ہے اسی کی نسبت سے اس کا نام سورۂ غافر ہے۔ اس کو سورۂ مومن اور سورۂ الطَّول بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں ۹ رکوع ۸۵ آیات، ۱۰۹۹ کلمات اور ۴۹۶۰ حروف ہیں۔ ابن عباس، ابن الزبیر، مسروق اور سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس اور قتادہ کہتے ہیں کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْ اٰیٰتِ اللّٰہِ سے دو آیتیں مدینے میں نازل ہوئی ہیں۔

بنیادی طور پر اس سورت کے مضامین اثبات توحید، وحی الٰہی کی حقانیت اور اثبات رسالت پر مشتمل ہیں۔ (مواہب الرحمٰن ۶۵، ۶۶/ ۲۴ روح المعانی ۳۹/ ۲۴)

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مغز ہوتا ہے اور قرآن کا مغز حٰم والی سورتیں ہیں۔ (مظہری ۲۳۹/ ۸)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے آیۃ الکرسی اور حٰم المؤمن کا ابتدائی حصہ (الیہ المصیر تک) صبح کے وقت پڑھا تو اس روز وہ ہر برائی سے محفوظ رہا اور جس نے ان دونوں کو شام کے وقت پڑھا تو اس روز وہ صبح تک ہر برائی سے محفوظ رہا۔

بیہقی نے شعب الایمان میں خلیل بن مرۃ کی روایت سے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حوامیم سات ہیں اور جہنم کے دروازے بھی سات ہیں۔ پس جہنم کے ہر دروازے پر ان حوامیم میں سے ایک حٰم آکر کھڑی ہو جائے گی اور کہے گی اے اللہ اس دروازے سے ایسے بندے کو داخل نہ کرنا جو مجھ پر ایمان رکھتا تھا اور مجھے تلاوت کرتا تھا۔ (روح المعانی ۴۰/ ۲۴)

مضامین کا خلاصہ

رکوع۱: توبہ کی فضیلت، مکذبین کے انجام اور فرشتوں کی استغفار کا بیان ہے۔

رکوع۲: شروع میں کفار کی ابدی ہلاکت کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کا حاکم اعلیٰ ہونا اور حشر کی ہولناکی مذکور ہے۔

رکوع۳: انبیا کی تکذیب کا انجام اور فرعون کی شقاوت و بدبختی کا بیان ہے۔

رکوع۴: فرعون کی قوم میں سے ایک مرد مومن کی طرف سے اپنی قوم کو نصیحت و تنبیہ اور فرعون کے تکبر و سرکشی کا بیان ہے۔

رکوع۵: دنیا و آخرت کی حقیقت اور آل فرعون کا انجام مذکور ہے۔

رکوع۶: ابتدا میں انبیا و مومنین کی نصرت بیان کی گئی ہے۔ پھر کائنات کی تخلیق کا بیان ہے۔

رکوع۷: انعامات خداوندی اور تخلیق کے انسانی مدارج بیان کیے گئے ہیں۔

رکوع۸: شروع میں مکذبین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ پھر آپ ﷺ سے فتح و نصرت کا وعدہ مذکور ہے۔

رکوع۹: انسانوں کے لیے چوپایوں میں منافع کا بیان ہے، پھر عذاب دیکھ کر منکرین کا ایمان لانا مذکور ہے۔

حروف مقطعات

۱: حٰمٓ ۝

حٰم: حروف مقطعات ہیں۔ ان کے معنی و مراد اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔

توبہ کی فضیلت

۲۔۳: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝

یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو غالب (اور) علم والا ہے۔ وہ
گناہوں کو معاف کرنے والا اور توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا،
قدرت والا ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اسی کی طرف
(سب کو) واپس جانا ہے۔

عِقَاب: عقوبت، عذاب، سزا۔ مصدر ہے۔

الطَّوْلِ: مال، دولت، وسعت، قدرت۔ مصدر ہے۔

الْمَصِيْرُ: لوٹنے کی جگہ، ٹھکانہ۔ صَيْرٌ سے اسم ظرف ومصدر میمی۔

تشریح: یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو زبردست ہے اور ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ اس پر کوئی ذرہ تک مخفی نہیں گو وہ کتنے ہی پردوں میں چھپا ہوا ہو۔ اسی لیے وہ اپنے بندوں کے ہر عمل کو پوری طرح جانتا ہے اور ہر عمل کا بدلہ دینے پر پوری طرح قادر ہے۔ اس کے باوجود وہ اہل ایمان کے گناہوں کو بخشتا اور ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور جو اس سے بے پروائی کرے، اس کے سامنے سرکشی اور تکبر کرے اور دنیا کو پسند کر کے آخرت سے بے رغبت ہو جائے اور اللہ کی اطاعت وفرماں برداری کو چھوڑ دے تو وہ اس کو سخت ترین سزا اور عذاب دینے کی پوری قدرت رکھتا ہے، جیسے ارشاد ہے:

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٩﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿٥٠﴾

آپ میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں مغفرت کرنے والا (اور) مہربان بھی
ہوں اور میرے عذاب بھی بڑے دردناک عذاب ہیں۔ (الحجر: ۴۹، ۵۰)

حضرت ابن عباس نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخشنے والا ہے اور جو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہے وہ اس کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

بندوں پر اس کے انعام واحسان اس قدر ہیں کہ کوئی انہیں شمار بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ان کا شکر ادا کر سکے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بندے سے اس کی کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی نعمت کا بھی پورا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ اس جیسا کوئی نہیں بلکہ اس کی ایک صفت بھی کسی میں نہیں اس لیے صرف وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔ (ابن کثیر ۶۹، ۴/۷۰، مظہری ۸/۲۴۰)

مکذبین کا انجام

۴۔۶: مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ
تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ
جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ
كَانَ عِقَابِ ۝ وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

کافر اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں سو (اے پیغمبر) ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے۔ ان سے پہلے قوم نوح اور ان کے بعد دوسری جماعتوں نے بھی جھٹلایا اور ہر امت نے اپنے رسول کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اور ناحق کے جھگڑے نکالے تاکہ اس سے دین حق کو ناکام بنادیں سو میں نے ان کو (عذاب میں) پکڑ لیا پھر (دیکھ لو) میری (طرف سے) کیسی سزا ہوئی۔ اور اسی طرح آپ کے رب کی بات کافروں پر ثابت ہو چکی کہ وہ دوزخی ہیں۔

تَقَلُّبُهُمْ: ان کا چلنا پھرنا، ان کا لوٹ جانا۔ مصدر ہے۔

هَمَّتْ: اس نے ارادہ کیا۔ هَمٌّ سے ماضی۔

يُدْحِضُوْا: وہ زائل کرتے ہیں، وہ ڈگمگاتے ہیں، وہ باطل کرتے ہیں۔ اِدْحَاضٌ سے مضارع۔

تشریح: حق ظاہر ہو جانے کے بعد اسے نہ ماننا اور اللہ کی آیات میں تناقض و اختلاف ثابت کرنا یا آیات متشابہات کی ایسی تاویلیں کرنا جو آیات محکمات یا متواتر احادیث کے خلاف ہیں، کافروں ہی کا کام ہے۔ بغوی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن میں جھگڑا کرنا کفر ہے۔

عمرو بن شعیب کے دادا سے روایت ہے کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے دو آدمیوں کو ایک آیت (کے مفہوم) میں اختلاف کرتے ہوئے

سنا تو ہماری طرف نکل کر تشریف لائے ۔ اس وقت چہرۂ مبارک سے غصے کی علامات دکھائی دے رہی تھیں ۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے لوگ کتاب میں اختلاف کرنے ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئے ۔

(مظہری ۲۴۱، ۸)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی حکمت کے تحت جو ڈھیل دے رکھی ہے اور دنیا کے اعتبار سے جو یہ مال دار اور عزت والے ہیں اس سے کسی کو دھوکہ نہیں ہونا چاہئے کہ اگر یہ اللہ کے نزدیک برے ہوتے تو وہ ان کو اپنی نعمتیں کیوں عطا کرتا اور نہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اللہ کے عذاب سے ہمیشہ بچے رہیں گے ۔ یہ تو ایک عارضی مہلت ہے ۔ ان کا آخری انجام تو جہنم ہی ہے جو بدترین جگہ ہے، جیسے ارشاد ہے:

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ

یہ تھوڑا سا فائدہ ہے، پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور بہت ہی برا ٹھکانہ ہے ۔

(آل عمران ۱۹۷)

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ

(دنیا میں) ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ دے رہے ہیں پھر ہم ان کو سخت عذاب کی طرف گھسیٹ کر لے جائیں گے ۔ (لقمن ۲۴)

پھر اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ ان مشرکین ومنکرین کی تکذیب کو خاطر میں نہ لائیں ۔ ان سے پہلے قوم نوح نے پھر ان کے بعد دوسرے گروہوں عاد وثمود وغیرہ نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی تھی ۔ یہی نہیں بلکہ سب نے اپنے اپنے زمانے کے نبی کو قید کرنا اور مار ڈالنا چاہا اور بعض اس میں کامیاب بھی ہوئے اور انہوں نے باطل طریقے سے جھگڑنا شروع کر دیا تاکہ اس طرح حق کو مٹا دیں بالآخر ہم نے ان کو سزا دینے کے لیے پکڑ لیا اور ہلاک کر دیا سو دیکھ لو ان کو کیسی سزا ملی ۔ جس طرح ماضی میں گزری ہوئی قوموں پر اللہ کا عذاب آیا اسی طرح تمام کافروں کے حق میں آپ کے رب کا فیصلہ ہو چکا کہ وہ سب آخرت میں دوزخی ہوں گے ۔ اللہ کے اس فیصلے سے ان مجرموں پر دنیا میں بھی ذلت ورسوائی کا عذاب آئے گا اور آخرت میں بھی یہ لوگ دوزخ میں جلیں گے ۔

(ابن کثیر ۷۰/۴، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۱۱۲/۶)

مومنوں کے لیے فرشتوں کا استغفار

۷۔۹: اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ
رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَ
سِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا
سَبِیْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ
عَدْنِ ﹰالَّتِیْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ
اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝
وَقِهِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَ مَنْ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ؕ
وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے اردگرد ہیں (وہ سب) وہ سب اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تیری رحمت اور علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے سو تو ان کو معاف کردے جو توبہ کریں اور تیرے راستے پر چلیں اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے رب! ان کو ہمیشہ رہنے کی جنتوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے والدین اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک ہوں (ان کو بھی ان جنتوں میں داخل فرما) یقیناً تو ہی غالب (اور) حکمت والا ہے اور (قیامت کے دن) ان کو تکلیفوں سے بچا اور اس دن جس کو تو نے تکلیفوں سے بچالیا تو اس پر تو نے (بڑی) مہربانی فرمائی اور یہی عظیم کامیابی ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کو کسی کی عبادت اور ایمان کی حاجت نہیں۔ اس کی عظمت شان تو یہ ہے کہ جو فرشتے عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے عرش الٰہی کے اردگرد ہیں وہ سب حمد کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے، واحد اور بے نیاز ہے۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ بیٹا۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

وہ فرشتے ایمان والوں کے لیے اس طرح استغفار کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تیرے رحمت اور علم نے ہر چیز کو گھیر رکھا ہے سو جن لوگوں نے کفر و شرک سے توبہ کر لی اور تیرے دین کو اختیار کر لیا تو تو ان کی مغفرت فرما دے اور ان کو جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ اے ہمارے پروردگار تو ان کو جنت کے ان باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک و صالح، برگزیدہ اور جنت کی نعمتوں کے لائق ہیں ان کو بھی جنت کے باغوں میں داخل کر دے بے شک تو بڑی عزت و حکمت والا ہے۔ اے اللہ قیامت کے روز ان کو ہر طرح کی سزاؤں اور تکلیفوں سے بچالینا۔ اور جس کو تو نے قیامت کے روز کی تکلیفوں سے بچالیا تو اس پر تو تو نے بڑا ہی رحم و کرم فرما دیا۔ یہی تو سب سے بڑی کامیابی ہے کہ مغفرت بھی ہوگئی اور اللہ کی رضا اور خوشنودی بھی مل گئی۔

کفار کی ہلاکتِ ابدی

۱۰۔۱۳: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰہِ اَکْبَرُ مِنْ مَّقْتِکُمْ
اَنْفُسَکُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَی الْاِیْمَانِ فَتَکْفُرُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَآ
اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا
فَھَلْ اِلٰی خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِیْلٍ ۝ ذٰلِکُمْ بِاَنَّہٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ
وَحْدَہٗ کَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ یُّشْرَکْ بِہٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ
الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ ۝ ھُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ
السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَمَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ۝۱۳

بیشک جن لوگوں نے کفر کیا (قیامت کے روز) ان کو پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ جیسی تمہیں (آج) اپنے آپ سے نفرت ہے اس سے زیادہ اللہ کو تم سے نفرت تھی جب (دنیا میں) تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا اور تم انکار کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی سو اب ہم اپنے گناہوں کا قرار کرتے ہیں تو کیا اب کوئی (عذاب سے بچ) نکلنے کی راہ ہے، یہ (عذاب) اس لیے ہے کہ جب صرف

اللہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے سو اب فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے جو سب سے بلند اور بڑا ہے۔ (اللہ) وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے اور نصیحت تو وہی قبول کرتا ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

مقْتُ: ناپسند کرنا، نفرت کرنا، سخت ناراض ہونا، بیزار ہونا۔ مصدر ہے۔

یُنِیْبُ: وہ رجوع کرتا ہے، وہ توبہ کرتا ہے، وہ لوٹتا ہے۔ انابۃ سے مضارع۔

تشریح: قیامت کے روز جب کافر دوزخ کے اندر عذاب کا مزہ چکھ چکے ہوں گے اور تمام عذاب ان کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اس وقت وہ اپنے آپ سے سخت بیزار اور متنفر ہوں گے اس وقت فرشتے بآواز بلند ان سے کہیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نالاں ہو اور جتنی دشمنی تمہیں خود اپنی ذات سے ہے اللہ کے نزدیک تم دنیا میں اس سے کہیں زیادہ برے تھے جبکہ دنیا میں تمہیں اسلام و ایمان کی دعوت دی جاتی تھی اور تم اسے مانتے نہ تھے۔ یہ سن کر ان کی حسرت و اذیت میں اضافہ ہو جائے گا اور وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار تو نے ہمیں دو بار موت دی، پہلی موت تو وہ تھی جب ہم پیدائش سے قبل بے جان تھے اور عدم تھے پھر دوسری موت ہماری دنیوی زندگی کے بعد۔ اسی طرح تو نے ہمیں دو بار حیات دی۔ ایک حیات تو دنیا میں تھی اور موت کے بعد دوسری حیات اب آخرت میں حاصل ہے۔ ہم موت کے بعد زندہ ہونے کو نہیں مانتے تھے۔ اسی انکار کے باعث ہم نے کفر و شرک کیا اور تیرے احکام سے منہ موڑے رہے لیکن اب ہم اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہیں تو کیا اب یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت ہے۔ اے اللہ تو قادر مطلق ہے اور دو دو مرتبہ ہمیں موت و حیات دے چکا ہے اب تیسری مرتبہ دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم دنیا میں واپس جا کر ایمان لے آئیں اور مطیع و فرماں بردار بن جائیں، اور خوب نیکیاں سمیٹ کر لائیں۔ لیکن ان کی یہ آرزو قبول نہیں کی جائے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی ان کو اللہ کی طرف بلایا جاتا تو یہ انکار کر دیتے تھے اور توحید سے نفرت کرتے تھے۔ اس کے برعکس اگر اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تو یہ اس کو مان لیتے تھے سو آج یہ اسی اللہ کا فیصلہ ہے جو بڑی شان اور بڑے رتبے والا ہے کہ کافر اب ہرگز دنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

اللہ تو ہمیشہ سے تمہیں اپنی توحید کی نشانیاں دکھاتا رہا ہے جو تمہاری ہدایت کے لیے کافی

تھیں۔ وہی تمہارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے مگر تم تو ان سب آیات کے باوجود غافل ہی رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان نشانیوں سے نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتا ہے جو تعصب و عناد کو چھوڑ کر اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جب تم نے زندگی میں کبھی اللہ کی طرف رخ ہی نہیں کیا تو تمہیں ہدایت کیسے ہوتی۔ (مظہری ۲۴۶، ۲۴۷/ ۸، معارف القرآن مولانا ادریس کاندھلوی ۱۱۷، ۱۱۸/ ۶)

حاکم اعلیٰ

۱۴۔۱۷: فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ۝ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝

سو تم اللہ کو خالص اعتقاد کے ساتھ پکارتے رہو گو کافر برا مانیں۔ وہ بلند درجوں والا (اور) عرش کا مالک ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو ملاقات (قیامت) کے دن سے ڈرائے جس دن وہ (قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ ان کی کوئی بات اللہ سے چھپی ہوئی نہ ہوگی (پوچھا جائے گا، آج کس کی حکومت ہے (ندا آئے گی) اللہ کی، جو واحد و قہار ہے آج ہر شخص کو اس کے کیے کا بدلہ ملے گا۔ آج کوئی ظلم نہ ہوگا۔ یقیناً اللہ سرعت سے حساب لینے والا ہے۔

التَّلَاقِ: ایک دوسرے سے ملاقات کرنا، جمع ہونا۔ مصدر ہے۔

بٰرِزُوْنَ: ظاہر ہونے والے، نمودار ہونے والے۔ بُرُوْزٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: مومنوں کو چاہئے کہ وہ نہایت خلوص کے ساتھ صرف اللہ کی عبادت کریں اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اسی سے مانگیں۔ اس کے سوا کسی سے کچھ نہ مانگیں اگرچہ کافروں کو یہ بات ناگوار ہی ہو۔ وہ عالی درجات والا اور عرش کا مالک ہے اور اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے وحی

کے ذریعے اپنا حکم نازل فرماتا ہے، تا کہ وہ لوگوں کو اس دن سے ڈرائے جس دن سب لوگ قبروں سے نکل کر اللہ کے سامنے پیش ہوں گے اور اللہ پر ان کی کوئی بات پوشیدہ نہیں ہوگی۔

پھر ساری مخلوق کے فنا ہو جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ بطور سوال فرمائے گا:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ

آج کس کی حکومت ہے۔

لیکن کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا تو خود ہی فرمائے گا:

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝

اللہ ہی کی حکومت ہے، جو واحد اور سب پر غالب ہے۔

آج ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں ہوگی، نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی اور نہ عذاب میں زیادتی۔ جس طرح اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اسی طرح بدلہ دیا جائے گا کیونکہ اس وقت صرف اللہ کی حکومت ہوگی۔ اور اللہ کی حکومت میں ظلم و زیادتی کا تصور بھی محال ہے۔ بیشک اللہ بہت سریع الحساب ہے، ساری مخلوق کا حساب لینا اس کے لیے ایسا ہے، جیسے ایک شخص کا حساب لینا۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب اللہ عز و جل تمام مخلوق کی روح قبض کر لے گا اور اس وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا اس وقت تین مرتبہ فرمائے گا آج ملک کس کا ہے۔ پھر خود ہی جواب دے گا اللہ اکیلے غالب کا یعنی اس کا جو واحد ہے، اس کا جو ہر چیز پر غالب ہے اور جس کی ملکیت میں ہر چیز ہے۔ (ابن کثیر ۷۵/۴، مظہری ۲۴۸، ۲۴۹/ ۸)

حشر کی ہولناکی

۱۸۔۲۰: وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ۝ يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ ۝ وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

اور آپ ان کو قریب آنے والی (قیامت) کے دن سے ڈرایئے جب کلیجے
منہ کو آ جائیں گے (اور) غم سے بھرے ہوئے ہوں گے (اس دن) ظالموں
کا کوئی دوست ہوگا نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔ وہ (اللہ) آنکھوں کی
خیانت اور سینوں کی پوشیدہ (باتوں) کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ ٹھیک ٹھیک
فیصلہ کر دے گا۔ یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ
نہیں کر سکتے۔ بیشک اللہ ہی خوب سننے والا (اور) خوب دیکھنے والا ہے۔

اٰزِفَةِ: نزدیک آنے والی مراد قیامت۔ اَزْفٌ و اُزُوْفٌ سے اسم فاعل۔

حَنَاجِرِ: گلے، نرخرے، حلق۔ واحد حَنْجَرَةٌ۔

کٰظِمِیْنَ: غصہ روکنے والے۔ کَظْمٌ و کُظُوْمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین و منکرین کو قریب آنے والی مصیبت کے دن یعنی قیامت کے دن سے ڈرایئے۔ اس وقت کلیجے منہ کو آ جائیں گے خوف و ہراس کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کا دل ٹھکانے نہ رہے گا۔ کسی کے منہ سے کوئی بات نہ نکلے گی۔ سب حیران و پریشان ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی لب نہ ہلا سکے گا۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہوگا اس وقت ان کا کوئی دوست اور غم گسار نہ ہوگا جو ان کے کچھ کام آئے۔ نہ کوئی شفیع اور سفارشی ہوگا جو ان کی شفاعت کے لیے زبان ہلا سکے۔ ظاہری اعمال و افعال اور نافرمانیاں تو درکنار وہ تو آنکھوں کی خیانت کو بھی جانتا ہے اور سینوں میں چھپے ہوئے رازوں کو بھی، جس ذات کا علم اس قدر وسیع اور محیط ہو اور جو مالک مطلق ہو وہی ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے گی۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہیں وہ کسی قسم کا بھی فیصلہ نہیں کر سکتے کیونکہ ان کو نہ علم ہے اور نہ قدرت۔ علم کے بغیر فیصلہ درست نہیں ہو سکتا اور قدرت کے بغیر نافذ نہیں ہو سکتا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اسی لئے اس کا فیصلہ برحق ہوگا اور بدلہ بھی اعمال کے مطابق ہوگا۔

انبیا کی تکذیب کا انجام

۲۱۔۲۲: اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً

وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۞

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں (منکرین) کا کیسا برا انجام ہوا۔ وہ لوگ قوت میں اور ان آثار میں جو وہ زمین پر چھوڑ گئے ہیں ان سے بہت زیادہ تھے سو اللہ نے ان کے گناہوں پر ان کو پکڑ لیا اور کوئی (بھی) انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ ہوا۔ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلیلیں لیکر آتے رہے مگر وہ انکار ہی کرتے رہے تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔ بیشک اللہ بڑا قوت والا (اور) سخت سزا دینے والا ہے۔

اٰثارًا : نشانیاں، نقوش قدم۔ واحد اثرٌ۔

وَاقٍ : بچانے والا، نجات دینے والا۔ وَقْیٌ و وِقَایَةٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: کیا ان منکرین توحید و رسالت نے ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو منکرین و مکذبین پہلے گزر چکے ہیں ان کا کیا انجام ہوا۔ وہ ان سے کہیں زیادہ قوی، طاقتور اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے۔ ان کے مکانات اور عالیشان عمارتوں کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ یہ لوگ اپنے تجارتی سفروں کے دوران کھنڈروں کے پاس سے گزرتے ہیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ ان لوگوں نے بھی اپنے زمانے کے پیغمبروں کو جھٹلایا تھا جیسے قوم عاد و ثمود۔ پھر ان کے کفر و تکذیب اور گناہوں کی پاداش میں اللہ کے عذاب نے ان کو آ لیا اور ہلاک کر دیا۔ کسی کو طوفان سے، کسی کو چیخ سے وغیرہ وغیرہ۔ اور اللہ کے عذاب سے ان کو کوئی نہ بچا سکا۔

یہ عذاب الٰہی ان پر اس لیے آیا کہ ان کے پاس بھی ان کے رسول واضح اور روشن دلیلیں اور احکام خداوندی لیکر آئے تھے مگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا اور دوسروں کے لیے نشان عبرت بنا دیا۔ بیشک وہ بڑی قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔ پس اے مشرکین مکہ! اگر تم بھی ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور تکذیب پر قائم رہے

اوران پر ایمان نہ لائے تو ہلاکت اور ذلت ورسوائی کے اعتبار سے تمہارا انجام بھی ایسا ہی ہوگا۔

فرعون کی شقاوت و بدبختی

۲۳۔۲۷: وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝ اِلٰی
فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ فَلَمَّا
جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْیُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَ مَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا
فِیْ ضَلٰلٍ ۝ وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَ لْیَدْعُ
رَبَّهٗ ۚ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی
الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝ وَ قَالَ مُوْسٰٓی اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ
مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ۝

اور ہم نے (حضرت) موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور کھلی دلیل کے ساتھ فرعون اور ہامان اور قارون کے پاس بھیجا تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادوگر (اور) جھوٹا ہے۔ پھر جب وہ (موسیٰ) ہماری طرف سے ان کے پاس (دین) حق لیکر آئے تو وہ کہنے لگے جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کے لڑکوں کو تو قتل کر دو اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی تدبیر محض بے اثر رہی۔ اور فرعون نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں اور اسے چاہئے کہ وہ اپنے رب کو پکارے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ کہیں تمہارا دین نہ بدل دے یا ملک میں فساد برپا کر دے۔ موسیٰ نے کہا کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں ہر تکبر کرنے والے کی برائی سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کا یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح انجام کار حضرت موسیٰ علیہ السلام کامیاب و کامران رہے اسی طرح آپ بھی ان کفار و مشرکین پر غالب رہیں گے۔ آپ کو ان سے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو اپنے احکام اور ان کی نبوت و رسالت کی کھلی نشانیاں دیکر فرعون و ہامان اور قارون کی طرف بھیجا تھا۔ ان بدنصیبوں نے معجزات اور واضح دلائل دیکھ کر بھی نہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے انکار کیا بلکہ ان کو جادوگر اور جھوٹا قرار دیا۔ سابقہ امتوں کے کافر بھی اسی طرح اپنے رسولوں کی تکذیب کرتے رہے۔ سو جب موسیٰ علیہ السلام ہماری طرف سے دین حق لیکر ان لوگوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ جس طرح اس سے پہلے ان کے بیٹوں کو قتل کیا تھا اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیا تھا تاکہ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہی نہ ہوں، اسی طرح اب جو لوگ ان پر ایمان لے آئیں ان کے بیٹوں کو قتل کرادو اور لڑکیوں کو ہماری قوم کی خدمت کے لیے زندہ چھوڑ دو تاکہ یہ لوگ حضرت موسیٰ کی مدد نہ کرسکیں، مگر اللہ تعالیٰ نے کافروں کی طرف سے حضرت موسیٰ کے لائے ہوئے پیغامِ حق کو روکنے اور باطل کرنے کی ساری تدبیروں کو بے اثر کردیا اور ان کو ہلاک کردیا اور موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی اور غلبہ عطا کردیا۔

پھر فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا اور اپنی قوم سے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ میں موسیٰ ہی کو قتل کردوں۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں چاہے وہ اپنی مدد کے لیے اپنے خدا ہی کو پکارے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے اس کو زندہ چھوڑ دیا تو وہ تمہارے دین کو بدل دے گا اور اپنے وعظ و تلقین کے ذریعے تمہارے مذہبی طور طریقوں کو بگاڑ دے گا یا سازشوں کے ذریعے ملک میں بدامنی پھیلا دے گا، جس کے نتیجے میں تمہاری حکومت کا خاتمہ ہو جائے اور ملک بنی اسرائیل کے ہاتھ میں چلا جائے۔ جب حضرت موسیٰ کو فرعون کے ارادے کی خبر ملی تو وہ اپنی قوم سے کہنے لگے کہ میں دھمکیوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ فرعون تو کیا اگر ساری دنیا کے متکبرین و سرکش بھی جمع ہو جائیں جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتے، تب بھی میرا اور تمہارا پروردگار مجھے ان کے شر سے بچانے کے لیے کافی ہے۔ میں تو اپنے آپ کو اس کی پناہ میں دے چکا ہوں وہی میرا حامی و مددگار ہے۔ (عثمانی ۴۷۳/۲، مظہری ۲۵۱، ۲۵۲/ ۸)

قومِ فرعون کے ایک مردِ مومن کا قصہ

۲۸۔۲۹: وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ

يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۞ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۚ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۞

فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص نے کہا، جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں لیکر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر پڑے گا اور اگر وہ سچا ہے تو جن عذابوں کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے تو اس میں سے کچھ تو تم پر (بھی) پڑ کر رہے گا۔ بیشک اللہ اس کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گزرنے والا اور بہت جھوٹا ہو۔ اے میری قوم! آج تمہاری حکومت ہے اور تم اس زمین پر غالب ہو پھر اگر اللہ کا عذاب آجائے تو ہمیں کون اس سے بچا سکتا ہے۔ فرعون نے کہا میں تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو میں دیکھ رہا ہوں اور میں تو تمہیں بھلائی ہی کی راہ بتا رہا ہوں۔

تشریح: فرعون کے خاندان کے ایک مومن شخص نے جس نے اپنے ایمان کو چھپایا ہوا تھا ان لوگوں کو جو حضرت موسیٰ کے قتل کا مشورہ کر رہے تھے، مخاطب کر کے کہا کہ کیا تم ایک شخص کو محض اس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ اللہ کو اپنا رب کہتا ہے حالانکہ وہ اپنے دعوے کی صداقت پر تمہارے رب کی طرف سے کھلی نشانیاں اور دلائل لے کر آیا ہے۔ ایسے معجزات وہی عطا کر سکتا ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری پرورش کی۔ وہی ہر چیز پر قادر ہے اس لیے وہ تم پر عذاب نازل کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہے۔ تم نہ صرف یہ کہ اس کی بات کو قبول نہیں کر رہے، بلکہ تم تو اس کے قتل ہی کے درپے ہو جو نہایت نامناسب بات ہے۔ اگر بالفرض وہ جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا۔ وہ خود ذلیل و ناکام ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں سزا دے گا۔ اگر وہ سچا ہے جیسا کہ معجزات اور دلائل سے معلوم ہوتا ہے، اور تم نے اسے ستایا اور تکلیفیں دیں تو کم از کم اس عذاب کا کچھ حصہ تو تم پر ضرور آنے گا

جس سے وہ تمہیں ڈرا رہا ہے اور تمہاری ہلاکت کے لیے عذاب الٰہی کا تھوڑا حصہ بھی کافی ہے۔ اگر یہ شخص اپنے نبوت کے دعوے میں جھوٹا اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد نہیں کرے گا بلکہ وہ خود ہی اس کو ہلاک کر دے گا۔ تمہیں اس کو قتل کرنے کی ضرورت نہیں۔

اے میری قوم کے لوگو! اس ملک میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو حکومت واقتدار عطا فرمایا ہے اور بڑی عزت دی ہے تو تمہیں اللہ کی اس نعمت پر اس کا شکر کرنا چاہئے۔ اور اس کے رسول کو سچا ماننا چاہئے۔ اگر تم نے ناشکری کی اور رسول کی تکذیب کی اور اس کو ایذائیں دیں تو یقیناً تم پر اللہ کا عذاب آ جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو اس وقت کون ہماری مدد کو آئے گا اور ہمیں اللہ کے عذاب سے بچائے گا۔ اللہ کے مقابلے میں یہ لاؤ لشکر اور جان و مال کچھ کام نہ آئے گا۔ فرعون اس مومن بندے کی گفتگو کا کوئی معقول جواب تو نہ دے سکا بلکہ کھسیانا ہو کر قوم کو اپنی خیر خواہی جتانے لگا کہ میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہا بلکہ میں تمہیں وہی رائے دے رہا ہوں جو میں مناسب سمجھتا ہوں۔ میری رائے میں موسیٰ کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے۔ (ابن کثیر ۷۷،۷۸/۴، مظہری ۲۵۳،۲۵۴/۸)

قومِ فرعون کو مومن کی تنبیہ

۳۰۔۳۳۔ وَ قَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝ وَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ یَوْمَ التَّنَادِ ۝ یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝

اس مومن نے کہا کہ اے میری قوم! مجھے تم پر بھی دوسری امتوں جیسے روز (بد) کا اندیشہ ہے۔ جیسا قوم نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد آنے والوں کا حال ہوا۔ اور اللہ (اپنے) بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا اور اے میری قوم مجھے تو تم پر پکار (ندا) کے دن کا بھی اندیشہ ہے۔ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے۔ اس دن تمہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور اللہ جسے گمراہ کر دے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔

دَاْب: دستور، عادت، حال۔ مصدر ہے۔

التَّنَاد: فریاد کرنا، پکارنا۔ مصدر ہے۔

عَاصِم: بچانے والا، حفاظت کرنے والا۔ عِصْمَۃٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: فرعون کا جواب سن کر اس مومن نے جس نے اپنا ایمان فرعون اور اپنی قوم سے پوشیدہ رکھا ہوا تھا، اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر تم نے اللہ کے رسول کی بات نہ مانی اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں سابقہ قوموں، قوم نوح اور قوم عاد و ثمود اور ان کے بعد قوم لوط وغیرہ کی طرح تم پر بھی اللہ کا قہر و عذاب نہ آ جائے۔ ان مذکورہ قوموں نے بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کی، اللہ کے احکام کو پس پشت ڈالا اور اپنی سرکشی پر اڑے رہے۔ پھر جب ان پر اللہ کے عذاب آئے تو کوئی بھی ان کو ان عذابوں سے نہ بچا سکا اور سب ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم کرنا نہیں چاہتا کہ بلا قصور سزا دے۔ اس کی ذات بندوں پر ظلم کرنے سے پاک ہے۔ بندے خود اپنی سرکشی اور ظلم و تعدی کی بنا پر عذاب کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔ اے میری قوم کے لوگو! مجھے تو تم پر قیامت کے دن کے شدید عذابوں کا بھی اندیشہ ہے۔ اس دن کثرت سے ندائیں اور آوازیں دی جائیں گی جن سے لوگوں کے ہوش اڑے ہوئے ہوں گے۔ یوم التناد وہ دن ہوگا جب لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے لیکن بھاگنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔ اس دن تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ جسے گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ (ابن کثیر ۷۸، ۷۹/۴)

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جنت والے جنت میں اور دوزخ والے دوزخ میں چلے جائیں گے تو موت کو لا کر جنت و دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ پھر ایک منادی ندا دے گا۔ اے اہل جنت آئندہ موت نہیں اور اے دوزخ والو آئندہ موت نہیں۔ اس ندا سے اہل جنت کو فرحت بالائے فرحت حاصل ہوگی اور دوزخ والوں پر غم بالائے غم سوار ہو جائے گا۔ (مظہری ۲۵۶/۸)

فرعون کی سرکشی و تکبر

۳۴۔۳۷: وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ
فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ

اللّٰهُ مِنۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ
مُّرْتَابُۨ ۝۳۴ ۣالَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ
اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ
يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۝۳۵ وَقَالَ فِرْعَوْنُ
يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝۳۶ اَسْبَابَ
السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَ
كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ
وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۝۳۷

اور اس سے پہلے (حضرت) یوسف تمہارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے سو، تم ان کے لائے ہوئے (امور) میں بھی شک ہی کرتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم کہنے لگے کہ اب ان کے بعد اللہ ہرگز کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اسی طرح اللہ ہر اس شخص کو گمراہ کرتا ہے جو حد سے بڑھ جانے والا (اور) شک کرنے والا ہو۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں بلا کسی سند کے جو (اللہ کی طرف سے) ان کے پاس آئی ہو (یہ) اللہ اور مومنوں کے نزدیک بڑی بیزاری کی بات ہے۔ اللہ اسی طرح ہر مغرور و سرکش کے دل پر مہر کر دیتا ہے۔ فرعون نے کہا اے ہامان میرے لیے ایک بلند عمارت بنوا شاید میں (آسمان پر جانے کے) راستوں تک پہنچ جاؤں (جو) آسمانوں کے راستوں سے (جا ملتے ہیں) اور میں موسیٰ کے خدا کو جھانک کر دیکھ لوں اور میں تو اس کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کو اس کی بداعمالیاں خوشنما معلوم ہوتی تھیں اور وہ راہ (حق) سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی (ہر) تدبیر غارت ہی گئی۔

مُرْتابٌ : شبہے میں پڑنے والا، شک کرنے والا۔ ازتیابٌ سے اسم فاعل۔

مقتاً : ناپسندیدہ، نفرت کیا ہوا۔ مصدر بمعنیٰ مفعول۔

صرحاً : محل، بلند مکان، برج۔ جمع صُرُوْحٌ۔

اَسْبَابَ : راہیں، راستے، سیڑھیاں۔ رسیاں۔ واحد سَبَبٌ ۔

تَبَاب : ہلاکت، بربادی، خسارہ۔ مصدر ہے۔

تشریح: اس مرد مومن نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تمہارے پاس تو اس سے پہلے اللہ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام بھی واضح دلائل لے کر آ چکے ہیں۔ وہ بھی لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے تھے مگر تم ان امور میں بھی جو حضرت یوسف علیہ السلام لے کر آئے تھے شک ہی میں مبتلا رہے یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہوگئی تو تم مایوسی کے عالم میں کہنے لگے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا۔ جو لوگ بے جا کام کرنے والے، حد سے گزر جانے والے اور شک وشبے میں مبتلا رہنے والے ہوں ان کو اللہ تعالیٰ اسی طرح گمراہ کر دیتا ہے۔ جو لوگ کسی سند اور دلیل کے بغیر اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں تو اُن کی اس کج بحثی سے اللہ تعالیٰ اور مومنوں کو سخت نفرت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر جابر ومغرور کے دل پر اسی طرح مہر لگا دیتا ہے جس سے اس کے اندر نور ایمان کے داخل ہونے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اسی طرح مہر لگ جانے کے بعد مہر شدہ چیز کے اندر سے بھی کچھ باہر نکلنے کا امکان نہیں رہتا۔

فرعون نے اپنے وزیر ہامان سے کہا کہ تم میرے لیے ایک بلند ترین عمارت بنواؤ شاید میں اس کے ذریعے آسمان کے دروازوں اور راستوں تک رسائی حاصل کرلوں اور وہاں پہنچ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھ لوں۔ میں تو رسالت کے دعوے میں موسیٰ کو جھوٹا ہی سمجھتا ہوں۔ اسی طرح فرعون کی بصیرت تباہ کر کے اس کی نظر میں اس کی بداعمالیاں مزین کر دی گئی تھیں اور اس کو عقل وہدایت کے راستے سے روک دیا گیا تھا۔ اور حضرت موسیٰ کے بارے میں اس کی تمام تدبیریں غارت ہو گئیں۔

دنیا وآخرت کی حقیقت

۳۸-۴۰: وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝ مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

اس مومن نے کہا اے میری قوم تم میری پیروی کرو میں تمہیں نیکی کی راہ بتاتا

ہوں ۔ یہ دنیا کی زندگی محض چند روزہ ہے اور آخرت ہی ہمیشہ رہنے کی جگہ
ہے ۔ جس نے (دنیا میں) برائی کی تو اس کو اس (برائی) کے برابر بدلہ ملے گا
اور جس نے نیکی کی خواہ وہ مرد ہو یا عورت (بشرطیکہ) وہ مومن ہو تو ایسے
لوگ جنت میں جائیں گے جہاں ان کو بے حساب رزق ملے گا۔

تشریح: مرد مومن نے سلسلۂ کلام جاری رکھا اور فرعون کی احمقانہ اور سراپا جہالت کی بات سن کر اپنی قوم کے سرکشوں، متکبروں اور خود پسندوں کو مخاطب کر کے دوبارہ ناصحانہ انداز میں کہا کہ تم میری بات مان لو۔ میں تمہیں ہدایت و کامیابی کا ایسا راستہ بتاتا ہوں جس پر چل کر تم منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے۔ یہ مرد مومن فرعون کی طرح اپنی بات میں جھوٹا اور کاذب نہ تھا بلکہ یہ ان کی حقیقی خیر خواہی کر رہا تھا جبکہ فرعون اپنی سلطنت کے غرور میں انہیں کھلا دھوکہ دے رہا تھا۔ پھر مرد مومن نے اپنی قوم کو دنیا سے بے رغبت کرنے اور آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے کہا کہ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی اور سلطنت و دولت اور عیش و آرام محض چند روزہ ہے۔ یقیناً آخرت ہی لازوال اور ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ آخرت کی زندگی غیر فانی اور ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ وہاں کی راحت و نعمت بھی دائمی ہے اور عذاب و زحمت بھی دائمی ہے اس لیے عارضی متاع دنیا سے دھوکہ اور فریب کھا کر اصل، دائمی اور لازوال دار آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمہ وقت اس کی تیاری اور فکر میں لگے رہنا چاہئے۔ جو شخص دنیا میں کوئی برائی کرتا ہے تو قیامت کے روز اس کو اسی کے برابر بدلہ ملے گا۔ اسی طرح مومن مرد یا عورت میں سے جو بھی دنیا میں نیک کام کرے گا اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا جہاں انہیں اعمال کے برابر نہیں بلکہ اللہ کی رحمت سے بلا حساب بدلہ دیا جائے گا۔

آلِ فرعون کا انجام

۴۱۔۴۶: وَ يٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ؕ
تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ
وَّ اَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ
اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ
مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

فَسَتَذْكُرُونَ مَآ أَقُولُ لَكُمْ ۚ وَأُفَوِّضُ أَمْرِيٓ إِلَى ٱللَّهِ ۚ
إِنَّ ٱللَّهَ بَصِيرٌۢ بِٱلْعِبَادِ ۞ فَوَقَىٰهُ ٱللَّهُ سَيِّـَٔاتِ مَا مَكَرُوا۟ ۖ وَ
حَاقَ بِـَٔالِ فِرْعَوْنَ سُوٓءُ ٱلْعَذَابِ ۞ ٱلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا
وَعَشِيًّا ۖ وَيَوْمَ تَقُومُ ٱلسَّاعَةُ أَدْخِلُوٓا۟ ءَالَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ
ٱلْعَذَابِ ۞

اے میری قوم! یہ کیا بات ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔ تم مجھے دعوت دے رہے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ ایسے کو شریک کروں جس کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں اور میں تو تمہیں غالب (اور) بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ یہ بات یقینی ہے کہ تم جس چیز کی طرف مجھے بلا رہے ہو وہ نہ تو دنیا میں پکارنے کے قابل ہے اور نہ آخرت میں اور یہ کہ ہم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی دوزخی ہیں۔ سو آگے چل کر تم میری باتوں کو یاد کرو گے اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ سو اللہ نے اس (مؤمن) کو لوگوں کی بری تدبیروں سے محفوظ رکھا اور آل فرعون کو سخت عذاب نے آگھیرا۔ وہ آگ ہے جس کے سامنے (عالم برزخ میں) وہ صبح و شام لائے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ آلِ فرعون کو سخت ترین عذاب میں ڈالو۔

جَرَمَ: شک، شبہ۔ لَاجَرَمَ: یقیناً۔ ضرور۔

اُفَوِّضُ: میں سپرد کرتا ہوں، میں سونپتا ہوں۔ تَفْوِیْضٌ سے مضارع۔

وَقٰهُ: اس نے اس کو محفوظ رکھا۔ وِقَایَۃٌ سے ماضی۔

حَاقَ: اس نے گھیر لیا، وہ نازل ہوا۔ حَیْقٌ سے ماضی۔

تشریح: قوم فرعون کے مرد مومن نے اپنا وعظ اور نصیحت جاری رکھتے ہوئے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو یہ کیا بات ہے کہ میں تو تمہیں اللہ واحد و یکتا کی طرف بلا رہا ہوں اور اس کے رسول کی تصدیق کی دعوت دے رہا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی آگ کی طرف بلا رہے ہو۔ تم مجھے اس بات کی دعوت

دے رہے ہو کہ میں اس خالق و مالک حقیقی کا انکار کر کے ایسی چیزوں کو اس کا شریک ٹھہراؤں جس کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں ۔ اس کے برعکس میں تمہیں اس اللہ کی طرف بلا رہا ہوں جو سب پر غالب اور سب خطاؤں کو بخشنے والا ہے ۔ یقیناً یہ بات سچ اور حق ہے کہ تم مجھے جس کی طرف بلا رہے ہو ان کو تو دنیا اور آخرت کا کوئی اختیار ہی نہیں ۔ وہ نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان بلکہ وہ تو اپنے پکارنے والے کی پکار کو بھی نہیں سن سکتے ۔ جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

اور اس سے بڑھ کر کوئی گمراہ نہیں جو اللہ کے سوا اوروں کو پکارتا ہے جو اس کی پکار کو قیامت تک نہیں سن سکتے ۔ (الاحقاف: ۵)

پھر مرد مومن نے کہا کہ یقیناً ہم سب کو اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے جہاں ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ ملے گا ۔ وہاں حد سے گزر جانے والوں اور دوسروں کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کو ہمیشہ کے لیے واصل جہنم کر دیا جائے گا ۔ اگرچہ اس وقت میری نصیحت تمہارے دل کو نہیں لگتی لیکن بہت جلد میری باتوں کی صداقت اور حقانیت تم پر واضح ہو جائے گی ۔ اس وقت تم میری نصیحت کو یاد کرو گے لیکن اس وقت نصیحت یاد کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا ۔

جب فرعونیوں نے مرد مومن کی طرف سے اپنے دین کی علی الاعلان مخالفت دیکھی تو وہ اس کو سزا کی دھمکیاں دینے لگے ۔ اس وقت مرد مومن نے کہا کہ میں تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور اسی کی ذات پر بھروسہ کرتا ہوں ۔ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں ۔ میں تم سے الگ اور تمہارے کاموں سے بیزار ہوں ۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات کو خوب جانتا ہے ۔ اسے خوب معلوم ہے کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مرد مومن کو فرعونیوں کی ضرر رساں تدبیروں سے بچا لیا اور فرعون اور آل فرعون پر عذاب نازل کر کے ان کو سمندر میں غرق کر دیا اور مرنے کے بعد صبح شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا رہے گا ۔ جب قیامت قائم ہوگی تو اس وقت فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ فرعون اور فرعونیوں کو سخت سے سخت عذاب میں داخل کر دو ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں روزانہ دو مرتبہ صبح شام دوزخ کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے ۔

(ابن کثیر ۸۰ ۔ ۴/۸۲، مظہری ۲۶۱/ ۸)

آل فرعون کی ذلت وخواری

۴۷۔۵۰: وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ
اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا
نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ۞ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ
فِیْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ۞ وَ قَالَ الَّذِیْنَ
فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا
مِّنَ الْعَذَابِ ۞ قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ
قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ
ضَلٰلٍ ۞

جب کافر دوزخ میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے تو کمزور لوگ ان سے کہیں گے جو (دنیا میں) بڑے بنتے تھے کہ ہم تمہارے تابع تھے سو کیا اب تم ہم سے اس آگ کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو۔ وہ بڑے لوگ جواب دیں گے کہ ہم سب ہی اس میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ بیشک اللہ بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے اور جو لوگ دوزخ میں ہوں گے وہ جہنم کے محافظوں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ کسی دن تو ہمارے عذاب میں کمی کر دے (جہنم کے محافظ) جواب دیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے رسول کھلی نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے۔ دوزخی کہیں گے کہ ہاں (آئے تھے) جہنم کے محافظ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا تو محض بے اثر ہے۔

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی قوم کے سامنے اس وقت کا حال بیان کیجئے کہ جب دوزخ کے اندر اہل دوزخ آپس میں جھگڑا کریں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو دنیا میں ان کے مقتدا اور پیشوا بنے ہوئے تھے ہم تو دنیا میں تمہارے تابع تھے اور تمہارے ہی بہکانے اور ورغلانے سے ہم نے کفر کیا تھا، سو کیا آج تم ہمارے عذاب کا کچھ حصہ ہٹا سکتے ہو۔ سردار اور رہنما اپنی پیروی کرنے والوں کو جواب میں کہیں گے کہ اب تو ہم سب ہی دوزخ میں پڑے

ہوئے ہیں ایسے میں ہم تمہارا عذاب کیسے دور کر سکتے ہیں۔ اگر ہمیں عذاب دور کرنے کی قدرت ہوتی تو پہلے ہم اپنے اوپر سے عذاب دور کرتے۔ اب تو اللہ تعالیٰ اہل جنت کے لیے جنت کا اور اہل دوزخ کے لیے دوزخ فیصلہ کر چکا۔ اس کے فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔

پھر اہل دوزخ شدید عذاب سے بے قرار ہو کر جہنم کے کارندوں سے کہیں گے کہ تم اپنے رب سے اتنی درخواست کرو کہ وہ ایک دن ہی ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے۔ جہنم کے کارندے ان کے جواب میں کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کے پیغمبر دلائل و معجزات اور واضح احکام لے کر نہیں آئے تھے۔ اہل دوزخ کہیں گے کہ بیشک وہ سب کچھ لے کر آئے تھے ہم ہی بدنصیب تھے کہ ان کی بات نہ مانی اور ان کی تکذیب و تمسخر کرتے رہے۔ اہل دوزخ کا جواب سن کر دوزخ کے فرشتے استہزا کے طور پر کہیں گے کہ اب تم خود ہی دعا کرو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ اب کوئی سفارش یا خوشامد درآمد کام نہیں دے سکتی، نہ ہم ایسے معاملات میں سفارش کر سکتے ہیں اور نہ تمہاری چیخ و پکار سے کوئی فائدہ ہے۔ کافروں کی دعا نامقبول اور مردود ہے۔

انبیا و مومنین کی نصرت

۵۱۔۵۶: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ
يَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ
وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى
الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ۝ هُدًى وَّذِكْرٰى
لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ
لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝
اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ
اَتٰىهُمْ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ
فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝

بیشک ہم اپنے رسولوں اور ایمان والوں کی مدد دنیا کی زندگی میں بھی کریں گے اور اُس دن بھی جب گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔ اُس دن

ظالموں کو اُن کی معذرت کچھ نفع نہ دے گی اور ان کے لیے (اللہ کی) لعنت ہوگی اور (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت (کتاب) دی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔ وہ اہل عقل کے لیے ہدایت اور نصیحت تھی ۔ سو آپ صبر کیجئے ۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہ کی مغفرت طلب کیجئے اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح کرتے رہئے ۔ بیشک جو لوگ اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں بلا کسی سند کے جو اُن کے پاس آئی ہو ۔ اُن کے دلوں میں نرا تکبر ہے کہ وہ اس تک کبھی نہیں پہنچیں گے سو آپ اللہ کی پناہ مانگتے رہئے ۔ بیشک وہ سب کچھ سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے ۔

تشریح: بیشک ہم اپنے رسولوں اور مومن بندوں کی دنیا میں بھی مدد کرتے اور ان کا بول بالا کرتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے ظاہر ہے اور قیامت کے روز بھی اس وقت اُن کی مدد کریں گے جب گواہ قائم ہوں گے اور اعمال نامے لکھنے والے فرشتے گواہی دیں گے کہ پیغمبروں نے اللہ کے احکام اپنی امتوں کو پہنچا دیئے تھے اور کافروں نے ان کی تکذیب کی تھی ۔ کافر اگر اپنے اعمال بد پر دنیا میں معذرت کرتے تو ان کو نفع دیتی مگر دنیا میں تو وہ معذرت کی بجائے عمر بھر رسولوں اور مومنوں کی دشمنی پر قائم رہے یہاں تک کہ اگر ان کو ہزار برس کی زندگی بھی دی جاتی تب بھی وہ اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آتے اور اپنے کفر پر قائم رہتے ۔ جیسا کہ قوم فرعون نے کہا:

مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

(اے موسیٰ) تو ہم پر جادو کرنے کے لیے کیسی ہی نشانیاں ہمارے پاس لے آ، ہم کبھی تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے (الاعراف ۱۳۲)

سو قیامت کے روز کسی قسم کی معذرت و ندامت کافروں کے کام نہ آئے گی ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کا پروردگار آپ کی بھی اسی طرح مدد کرے گا اور آپ کی تکذیب و انکار کرنے والوں کے لیے دنیا میں لعنت ہوگی اور آخرت میں بھی ان کو شدید عذاب ہوگا ۔ جس طرح ہدایت کے لیے ہم نے مشرکین مکہ کو آپ کے ذریعے قرآن دیا اور وہ اس سے نفع اٹھانے کی بجائے اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں، اسی طرح آپ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی کتاب ہدایت دی تھی اور بنی

اسرائیل کو توریت کا وارث بنایا تھا جو عقل سلیم والوں کے لیے ہدایت و نصیحت کی کتاب تھی ۔ سو آپ بھی مشرکین مکہ کی ایذاؤں پر صبر کیجیے اور یقین رکھیے کہ اللہ کا وعدہ حق اور سچ ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی طلب کرتے رہیے اور صبح شام اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے ۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں میں خوامخواہ جھگڑا کرتے ہیں اور بے سند باتیں نکال کر حق کی آواز کو دبانا چاہتے ہیں وہ اس میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے ۔ ان کو آپ کی تکذیب پر آمادہ کرنے والا محض ان کا غرور و تکبر ہے جو ان کے دلوں کے اندر بھرا ہوا ہے ۔ وہ اپنے آپ کو آپ سے بڑا جانتے ہیں اسی لیے آپ کی اتباع کرنے سے نفرت کرتے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ جس بڑائی اور نخوت کی وجہ سے ان کو آپ کی اتباع کرنے سے عار ہے وہ اس بڑائی کو کبھی نہیں پہنچ سکیں گے ۔ ان کو حق کے سامنے سر تسلیم خم کر کے پیغمبر کی اتباع کرنی ہی پڑے گی ورنہ سخت ذلیل و رسوا ہوں گے ۔ سو آپ ان کی شرارتوں سے اللہ کی پناہ مانگئے بیشک وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے اس لیے آپ کے دشمنوں کا کوئی قول و فعل اس سے چھپا ہوا نہیں ۔ (مظہری ۲۶۳، ۲۶۴/ ۸، عثمانی ۴۸۰، ۴۸۱/ ۲)

کائنات کی تخلیق

۵۷۔۵۹: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا انسان کو (دوبارہ) پیدا کرنے کے مقابلے میں یقیناً بہت بڑا کام ہے لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے اور نابینا اور بینا برابر نہیں اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے ۔ بدکاروں کے برابر ہیں تم لوگ بہت ہی کم سمجھتے ہو ۔ بیشک قیامت ضرور آنے کی اس میں کچھ شبہ نہیں لیکن اکثر لوگ (اس کے آنے پر) ایمان نہیں لاتے ۔

الْمُسِیْءُ : برائی کرنے والا، گنہگار ۔ اساءۃ سے اسم فاعل ۔

السَّاعۃ : گھڑی، وقت، قیامت کا دن۔ قرآن مجید میں یہ لفظ جہاں جہاں بھی آیا ہے اس سے مراد قیامت ہے۔

تشریح : یہ مشرکین مکہ آپ کی باتوں کو کیوں جھٹلاتے ہیں اور قیامت پر ایمان کیوں نہیں لاتے ؟ کیا ان کو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر تعجب ہے یقیناً آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا تو انسان کو دوبارہ پیدا کرنے کے مقابلے میں کہیں بڑا کام تھا۔ سو جس پاک ذات عزوجل نے اپنی قدرت کاملہ سے آسمانوں اور زمین کو کسی سابقہ مثال کے بغیر نہایت حسن وخوبی کے ساتھ پیدا فرمادیا اس کے لیے انسان کے جسم حقیر کو دوبارہ پیدا کرنا نہایت آسان ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝

کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ ان آدمیوں کے مثل پیدا فرمادے کیوں نہیں (وہ قادر ہے) اور وہی کامل خالق اور خوب جاننے والا ہے۔ (یٰسٓ : ۸۱)

پس جب اس کی قدرت میں زمین و آسمان جیسے عظیم اجسام کا پیدا کرنا ذرا دشوار نہیں تو انسانوں کے حقیر اجسام کا دوبارہ پیدا کرنا تو بہت ہی آسان ہوا لیکن اکثر لوگ حقائق اور شواہد میں غور نہیں کرتے اور اپنی غفلت و جہالت کی بنا پر قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے ہیں۔

جس طرح اندھا اور بینا کبھی برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور حقائق و شواہد میں غور و فکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی تو ان کو بدکاروں (کافروں) سے کوئی نسبت نہیں۔ دونوں طبقوں کے اس واضح فرق سے بہت کم لوگ نصیحت اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔ کوئی یقین کرے یا نہ کرے بیشک قیامت ضرور آئے گی۔ اس کے آنے میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں لیکن بہت سے پھر بھی یقین نہیں کرتے۔ (مواہب الرحمٰن ۱۴۸، ۲۴/۱۵۲)

بندگی کی شرط

۶۰ : وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۝

اور تمہارا رب کہتا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرتے رہو۔ میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ بہت جلد ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

دٰخِرِیْنَ: ذلیل ہونے والے، جھکنے والے۔ دَخْرٌ و دُخُوْرٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے مسلمانو! تم اپنی تمام تکلیفوں اور پریشانیوں میں توحید کے صحیح اعتقاد کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو، اس کے سوا کسی کو مت پکارو، اسی سے مدد مانگو وہی تمہاری دعاؤں کو قبول کرتا ہے اور وہی حاجت روا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور مہربانی ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو دعا کرنے کا شوق دلایا اور اس کے ساتھ ہی دعا کی قبولیت کی ضمانت دی۔ اپنے رب سے مانگنا بندگی کی شرط ہے اور نہ مانگنا غرور ہے پس جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے تو وہ گویا متکبر و مغرور ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ بیشک جو لوگ میری عبادت سے تکبر و سرکشی کرتے ہیں وہ بہت جلد ذلت و رسوائی کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

ترمذی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے بعض لوگ (ایسے بھی ہیں جو) اپنی ضرورت کی ہر چیز اپنے رب ہی سے مانگتے ہیں یہاں تک کہ اگر ان کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی اپنے رب ہی سے مانگتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا رب بڑا حیادار اور کریم ہے۔ جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اونچے کرتا (پھیلاتا) ہے تو اس کو اپنے بندے کے خالی ہاتھ واپس کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ امام احمد نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ سے دعا کرتا ہے تو اللہ اس کا سوال پورا کرتا ہے یا بقدر سوال کسی تکلیف کو اس سے روک دیتا ہے بشرطیکہ دعا کسی گناہ یا قطع قرابت کی نہ ہو۔ (مظہری ۲۶۸، ۲۷۳/ ۸)

انعاماتِ خداوندی

۶۱-۶۵: اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ
مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾
كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾
اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ
بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ
مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

اللہ ہی نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا۔ بیشک لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سو تم کہاں بہکے پھرتے ہو۔ اسی طرح وہ لوگ بھی بھٹکتے رہے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لیے قیام کی جگہ بنایا اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو کیسی اچھی صورتیں بنائیں اور تمہیں پاکیزہ رزق دیا یہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں سو تم خالص اعتقاد کے ساتھ اس کو پکارو۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔

تُؤْفَكُوْنَ: تم پھیرے جاتے ہو، تم لوٹائے جاتے ہو۔ اَفْكٌ سے مضارع مجہول۔

يَجْحَدُوْنَ: وہ انکار کرتے ہیں۔ جَحْدٌ و جُحُوْدٌ سے مضارع۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا ذکر فرمایا ہے تاکہ ان سے اس کی معرفت اور قدرتِ کاملہ کا یقین حاصل ہو جائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ہی نے رات کو سکون و راحت حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا کہ دن بھر کا تھکا ماندہ آدمی رات کو نیند سے آرام حاصل کر کے اگلے روز کی مصروفیات کے لیے تازہ دم ہو جائے۔ اسی نے دن کو روشن بنایا تاکہ اس کی روشنی میں لوگوں کو ان کے کام کاج، سفر اور طلب معاش وغیرہ میں سہولت ہو بیشک اللہ تعالیٰ مخلوق پر بہت ہی فضل و کرم کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے۔

دن رات کو پیدا کرنے والا اور راحت و آرام کے سامان مہیا کرنے والا ہی اللہ ہے۔ وہ واحد و یکتا ہے اور تمام چیزوں کا خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ اس کے سوا کوئی مخلوق کی پرورش کرنے والا ہے۔ پھر تم اس کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو جو مخلوق ہیں اور انہوں نے کسی چیز کو بھی پیدا نہیں کیا۔ ان کفار مکہ سے پہلے کے مشرکین بھی اسی طرح بھٹکتے اور نفسانی خواہشات کے تابع دلائل قدرت کی تکذیب کرتے رہے۔

اللہ ہی نے تمہارے لیے زمین کو قرار کی جگہ اور فرش کی طرح بچھی ہوئی بنایا تاکہ تم اس پر چل پھر سکو اور سکون و اطمینان سے زندگی گزار سکو۔ اسی نے آسمان کو چھت کی طرح محفوظ بنایا اور تمہیں بہترین صورتوں میں پیدا کیا اور نفیس اور بہترین چیزیں کھانے کو دیں۔ جس نے تمہیں یہ تمام نعمتیں دیں حقیقت میں وہی خالق و رازق اور تمہارا رب ہے۔ وہ بڑی شان والا اور سارے جہان کا رب ہے۔ وہی زندہ ہے، اس پر کبھی موت نہیں، وہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہے۔ اس کی کوئی نظیر و عدیل نہیں اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ سو تم اسی کو پکارو اور اپنے اعتقاد کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرو۔ تمام خوبیاں اسی اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (ابن کثیر ۸۶، ۸۷/۴)

آدمی کی حقیقت

۶۶۔۶۸: قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے ان کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اس بناء پر کہ میرے پاس میرے رب کی کھلی نشانیاں آ چکی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں رب العلمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دوں۔

(اللہ) وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفے سے، پھر خون کے لوتھڑے سے پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے، پھر (تمہیں بڑھاتا ہے) تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچ جاؤ پھر (بڑھاتا ہے) تاکہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور تم میں سے بعض پہلے ہی فوت ہو جاتے ہیں (بچپن یا جوانی میں) اور (بعض کو زندہ چھوڑ دیتا ہے) تاکہ تم مقررہ عمر تک پہنچ جاؤ اور تاکہ تم عقل سے کام لو۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ پھر جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو وہ اسے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین کو صاف صاف بتا دیجئے کہ چونکہ میرے پاس توحید والوہیت کی کھلی ہوئی دلیلیں آ چکی ہیں اس لیے مجھے ان تمام معبودوں کی عبادت سے روک دیا گیا ہے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو۔ مجھے تو یہی حکم ہے کہ میں اپنی عبادت و اطاعت کو شرک سے پاک رکھوں اور صرف رب العالمین کے سامنے سر جھکاؤں۔ اسی وحدہ لاشریک لہ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے تھے۔ پھر آئندہ کے لیے ان کا سلسلۂ نسل اس طرح قائم کیا کہ تمہیں نطفے سے اور پھر خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ اسی نے تمہیں ماں کے پیٹ سے بچے کی صورت میں نکالا۔ اس وقت تم ایسے مجبور ہوتے ہو کہ نہ اپنا کوئی نفع حاصل کر سکتے ہو اور نہ اپنی ذات سے کوئی ضرر دور کر سکتے ہو اور نہ تمہارے کھانے پینے کا کوئی سامان نظر آتا ہے۔ تم ہر چیز سے بے فکر و بے نیاز اپنے خالق و مالک کے قبضۂ قدرت میں ہوتے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نہایت عیش و راحت کے ساتھ لطیف غذا سے تمہاری پرورش کرتا ہے اور تمہارے ماں باپ کو تمہاری خدمت پر لگا دیتا ہے۔ پھر اسی نے تمہیں زندہ رکھا تاکہ تم جوانی کو پہنچ جاؤ۔ پھر اس نے تمہیں مزید زندگی دے کر بڑھاپے تک پہنچایا۔ تم میں سے بعض لوگ جوانی یا بڑھاپے کو پہنچنے سے پہلے ہی وفات پا جاتے ہیں۔ یہ سارا تقدیری نظام اس لیے ہے تاکہ تم اپنی مقررہ زندگی کو پہنچ جاؤ۔ دنیا کی کوئی طاقت اس مقررہ وقت کو آگے پیچھے نہیں کر سکتی۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے تاکہ تم سوچ سمجھ لو کہ اپنے اختیار میں کچھ نہیں۔ زندگی اور موت سب اسی کے اختیار اور قدرت میں ہے۔ اس کے سوا کسی میں یہ قدرت نہیں۔ وہ جب بھی کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو صرف اتنا کہتا ہے کہ ہو جا سو وہ اسی وقت ہو جاتا ہے۔

(ابن کثیر ۴/۸۷، مواہب الرحمن ۲۴: ۱۶۵، ۱۶۷)

مشرکین کا انجام

۶۹-۷۶ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ
يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾
فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ
اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا
عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَـيْـــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ
اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ۔ یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ۔ جن لوگوں نے (اللہ کی) کتاب کو جھٹلایا اور اسے بھی جو ہم نے رسولوں کے ساتھ بھیجا ۔ سو بہت جلد انہیں (اس تکذیب کا انجام) معلوم ہو جائیگا ۔ جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں (پڑی) ہوں گی (اور) وہ (جہنم کی طرف) گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں ۔ پھر وہ آگ میں جھونک دئے جائیں گے ۔ پھر ان سے پوچھا جائیگا کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے تھے، اللہ کے سوا ۔ وہ کہیں گے کہ وہ سب ہم سے غائب ہو گئے بلکہ ہم تو اس سے پہلے کسی چیز کو نہیں پکارتے تھے ۔ اللہ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے ۔ یہ اس کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں ناحق (باطل پر) خوش ہوتے تھے اور اترایا کرتے تھے (اب) تم جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لیے اس کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ۔ سو تکبر کرنے والوں کا کیا ہی برا ٹھکانا ہے ۔

اغلٰلٌ طوق، ہتھکڑیاں ۔ واحد غُلٌّ ۔

اغناقھم : ان کی گردنیں۔ واحد غنق
السلسل : زنجیریں۔ واحد سلسلۃ۔
یسجرون : وہ جھونکے جائیں گے، وہ گرم کئے جائیں گے۔ سجرٌ سے مضارع۔
تمرحون : تم اتراتے ہو، تم خوش ہوتے ہو۔ مرحٌ سے مضارع۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے ان لوگوں کی حالت کو نہیں دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کی مخالفت کے درپے ہیں۔ ان کی عقلیں ماری گئی ہیں کہ بھلائی کو چھوڑ کر برائی پر مصر ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کتاب الٰہی کی تکذیب کی اور اللہ نے اپنے پیغمبروں کو جو شریعتیں دے کر بھیجا تھا ان کو جھوٹا قرار دیا۔ سو بہت جلد ان کو حقیقت حال معلوم ہو جائیگی جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں پڑی ہوئی ہوں گی اور عذاب کے فرشتے ان کو کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹتے پھریں گے۔ پھر ان کو آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ۝

یہ ہے وہ جہنم جسے گنہگار لوگ جھٹلاتے تھے اب یہ اس کے اور آگ جیسے گرم پانی کے درمیان مارے مارے پریشان پھرا کریں گے (الرحمٰن ۴۳، ۴۴)

پھر ان سے کہا جائے گا کہ تم دنیا میں اللہ کے سوا جن کو پوجتے تھے آج وہ سب کہاں ہیں وہ تمہاری مدد کو کیوں نہیں آتے۔ وہ تمہیں اس بے بسی اور بے کسی کی حالت میں چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے۔ مجرمین جواب دیں گے کہ آج وہ سب ہم سے غائب ہو گئے۔ وہ ہمیں کہیں نظر نہیں آرہے۔ ان سے ہمیں کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ پھر انہیں کچھ خیال آئے گا اور کہیں گے کہ ہم تو اس سے پہلے بھی ان میں سے کسی کو نہیں پوجتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کبھی شرک کیا ہی نہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ۝

اے ہمارے رب ہمیں تیری قسم ہم مشرک نہیں تھے۔ (الانعام ۲۳)

اللہ تعالیٰ کافروں کو اسی طرح گمراہ کرتا ہے اور ان کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ سزا اسی کا بدلہ ہے کہ تم دنیا میں حق کو چھوڑ کر باطل عقیدے اور غلط اعمال کو اچھا سمجھ کر خوش ہوتے اور اتراتے تھے۔ سو

اب تم جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہو جو تکبر کرنے والوں کا بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ (مظہری ۲۷۵،۲۷۶/۸، ابن کثیر ۸۸/۴)

فتح و نصرت کا وعدہ

۷۷۔۷۸: فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ
نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا
رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ
مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ
بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ
وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

پس آپ (منکرین کی حرکتوں پر) صبر کیجئے۔ بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پھر جس (عذاب) کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اگر ہم اس میں سے کچھ آپ کو (آپ کی زندگی میں) دکھا دیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں اور آپ کے بعد ان کو سزا دیں) تو ان کو ہماری ہی طرف واپس آنا ہے۔ ہم آپ سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیج چکے ہیں ان میں سے بعض کے احوال ہم نے آپ سے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے نہیں کئے۔ کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لے آتا۔ پھر جب اللہ کا حکم آجائے گا تو ٹھیک ٹھیک فیصلہ کر دیا جائے گا اور اہل باطل خسارے میں رہ جائیں گے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین کی ایذا رسانیوں اور ان کے طرز عمل سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں اور کسی قسم کی فکر و تشویش میں مبتلا نہ ہوں۔ یہ اللہ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ آپ ان کی تکذیب و انکار پر صبر و تحمل سے کام لیجئے۔ آپ کو فتح و نصرت اور ان پر غلبہ ضرور حاصل ہوگا۔ بیشک یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ پھر جس عذاب کا وعدہ ہم کر رہے ہیں اگر اس میں سے کچھ آپ کی زندگی میں دکھا دیں جیسے بدر کے دن کفار کی کمر توڑ دی گئی اور ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے یا اس سے پہلے ہی آپ کو وفات دے دیں تب بھی ان کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔

پھر ہم ان کو آخرت کے دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے۔

پھر مزید تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کے حالات ہم نے آپ کے سامنے بیان کر دیئے ہیں اور بعض کے واقعات ہم نے بیان نہیں کئے۔ کسی رسول کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر اپنی مرضی سے اپنی امت کی خواہش اور مطالبے پر معجزات اور خوارقِ عادات دکھائے، کیونکہ رسول کے اختیار میں کوئی چیز نہیں۔ اسی طرح یہ کفارِ مکہ جو آپ سے خاص نشانیاں اور معجزے طلب کر رہے ہیں وہ اللہ کی حکمت و مشیت کے تحت آپ کو نہیں دیئے جا رہے۔ اس لیے آپ کو اس پر رنجیدہ اور افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے جب چاہے گا ظاہر کر دے گا۔ پھر جب منکرین و کفار ایمان نہ لائے اور اللہ کے رسول اور مومنوں کو ایذا دینے کے درپے ہوئے تو اللہ کا عذاب آ گیا اور انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے رسول اور مومنوں کی نصرت فرمائی اور باطل کی پیروی کرنے والوں کو ذلیل و رسوا کیا اور مومنوں کو نجات عطا فرمائی۔

(مواہب الرحمٰن ۲۴/۱۷۴،۱۷۳۔ معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۶/۱۶۰،۱۵۹)

چوپایوں میں منافع

۷۹۔۸۱: اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَیْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اللہ ہی نے تمہارے لیے چوپائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سواری کرو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے لیے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور تم ان پر (سوار ہو کر) اپنے سینوں میں چھپی ہوئی حاجتوں کو حاصل کرتے ہو اور تم ان پر اور کشتیوں پر لدے پھرتے ہو۔ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے سو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے انسانوں کے نفع کے لیے چوپائے یعنی اونٹ، گائے، بھینس، بیل، بکری

بھینس وغیرہ پیدا کیے ۔ اس پیدائش میں کسی مخلوق کا کچھ دخل نہیں ۔ ان میں سے بعض پر تو تم سوار ہو کر دور دراز کا سفر کرتے ہو اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو اور بعض کو کھاتے ہو ۔ جیسے اونٹ سے سواری کا کام بھی لیا جاتا ہے اور اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور دودھ پیا جاتا ہے اسی طرح گائے اور بکری وغیرہ کا گوشت کھاتے ہیں اور دودھ پیتے ہیں ان چوپایوں میں تمہارے لیے اور بھی فائدے ہیں مثلاً ان کے بالوں، اون اور کھالوں وغیرہ سے نفع حاصل کرنا ۔ اللہ تعالی نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے تابع کر دیا کہ تم ان پر سوار ہو کر اپنے اس مقصد تک پہنچ جاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ وہ مقصد ملاقات ہو یا تجارتی سفر یا تعلیم و تعلم یا جہاد اور حج کے لیے سفر ہو ۔ یہی نہیں کہ تم ان چوپایوں پر سفر کرتے ہو بلکہ تم تو کشتیوں پر بھی لدے پھرتے ہو ۔ اللہ تعالی تمہیں اور بھی اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے سو تم اس کی نشانیوں میں سے کس کس نشانی کا انکار کرو گے ۔

بے سود توبہ وندامت

۸۲۔۸۵ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ
قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَكْسِبُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا
بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ
وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ فَلَمْ يَكُ
يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ۭ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ
قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ۝

کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر اپنے سے پہلے والوں کا انجام نہیں دیکھا جو (تعداد میں بھی) ان سے زیادہ تھے اور قوت میں زیادہ شدید تھے اور ان آثار میں بھی جو وہ زمین پر چھوڑ گئے ۔ سو ان کی کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی ۔ پھر جب ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے علم پر

اترانے لگے اور ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے
تھے۔ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد
پر ایمان لائے اور ان سب کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس (اللہ) کے ساتھ
شریک ٹھہراتے تھے۔ سو ہمارے عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا ان کے کچھ کام نہ
آیا (یہ) اللہ کا معمول ہے جو اس کے بندوں میں (ہمیشہ سے) چلا آیا ہے
اور کافر خسارے میں رہ گئے۔

تشریح: کیا یہ مشرکین ملک میں چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان منکرین کا کیسا برا انجام ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ تعداد میں بھی ان سے زیادہ تھے اور طاقت کے اعتبار سے بھی ان سے زیادہ قوی تھے۔ اپنی دولت و ثروت اور عزت و حکومت کی جو نشانیاں اور آثار (محلات اور قلعے وغیرہ) انہوں نے دنیا میں چھوڑے وہ بھی ان سے زیادہ مضبوط و مستحکم تھے لیکن ان کو عذاب الٰہی سے بچانے میں ان میں سے کوئی چیز بھی ان کے کام نہ آئی۔ نہ ان کی کثرت وقوت، نہ صنعت و حرفت اور نہ دولت و ثروت، کچھ بھی کام نہ آیا۔ یہ لوگ تو تھے ہی غارت کئے جانے کے قابل کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کے پیغمبر روشن دلیلیں، کھلے معجزے اور پاکیزہ تعلیمات لیکر ان کے پاس آئے تو وہ اپنے دنیوی امور کے علم پر ناز اور غرور کرنے لگے اور پیغمبروں کی تعلیم کو حقیر جاننے لگے۔ پھر اللہ کے اس عذاب نے ان کو آلیا جس کو وہ جھٹلاتے تھے اور تمسخر اڑاتے تھے اور ان کو تہس نہس کر دیا۔

پھر جب اللہ کے عذاب کی شدت کو دیکھ کر ان کو موت کا یقین ہو گیا تو کہنے لگے کہ ہم خدائے واحد پر ایمان لائے اور ان سب چیزوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ لیکن عذاب الٰہی کو دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں اس لیے ان کا ایمان لانا ان کے لیے کسی درجے میں نفع بخش نہ ہوا کیونکہ اب نہ یہ ایمان بالغیب رہا اور نہ اختیاری بلکہ اضطراری ہو گیا۔ ایمان تو وہی معتبر ہے جو بالغیب اور بحالت اختیار ہو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون اور طریقہ پہلے سے چلا آرہا ہے کہ نزول عذاب کے وقت ایمان لانا بے سود ہے اور کافر تو ہمیشہ خسارے میں رہتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ غرغرے سے پہلے تک کی توبہ قبول ہے۔ جب دم سینے میں اٹکا، روح حلقوم تک پہنچ گئی اور فرشتوں کو دیکھ لیا تو اب کوئی توبہ نہیں۔ (ابن کثیر ۸۹/۴، مواہب الرحمٰن ۱۷۸، ۲۴/۱۸۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حٰمٓ السجدہ (سورۂ فصلت)

وجہ تسمیہ: اس سورۃ کے پانچویں رکوع میں سجدہ تلاوت آیا ہے اس لیے اس کو حٰم السجدہ کہتے ہیں۔
اس کو سورۃ فصلت اور سورۃ المصابیح بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں ۶ رکوع، ۵۴ آیات، ۷۹۹۰ کلمات اور ۳۳۵۰ حروف ہیں۔ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات میں دلائل بیان کئے گئے ہیں اور ضمناً مرنے کے بعد زندہ ہونے اور حشر و نشر کو بھی ثابت کیا گیا ہے۔ اور توحید و رسالت سے اعراض پر مشرکین و منکرین پر وعید و تہدید ہے۔

(روح المعانی ۹۴/۲۴، مواہب الرحمن ۱۸۰/۲۴)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: مشرکین کی ہٹ دھرمی اور مومنین کا دائمی اجر مذکور ہے۔

رکوع ۲: آسمان و زمین کی تخلیق، مشرکین کو دھمکی اور عاد و ثمود کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: مشرکین کے خلاف ان کے اعضا کی گواہی اور کفار پر شیاطین کے تسلط کا بیان ہے۔

رکوع ۴: آیات الٰہی کے انکار کا انجام اور مومنین کا اعزاز و اکرام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: شروع میں تبلیغ دین کے آداب پھر توحید کے دلائل اور منکرین کی کج روی کا بیان ہے۔

رکوع ۶: حضرت موسیٰ کی تکذیب، کافروں کا انجام اور منکرین قیامت کے لیے شدید عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے۔

۱۔ حروف مقطعات

۱: حٰمٓ ۝

حٰم: یہ حروف مقطعات ہیں جن کے معنیٰ و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔

مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی

۲۔۵: تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝

یہ (قرآن) بڑے مہربان اور رحم کرنے والے کی طرف سے نازل کیا گیا ہے (یہ) ایک کتاب ہے جس کی آیتیں صاف صاف بیان کی گئی ہیں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ان لوگوں کے لیے ہے جو جانتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔ پھر بھی ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا سو وہ سنتے ہی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو اس بات سے پردوں میں ہیں جس کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ (حائل) ہے سو آپ اپنا کام کرتے رہئے ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

اکنّۃ: حجاب، پردے، غلاف۔ واحد کنانٌ

اذاننا: ہمارے کان۔ واحد اُذنٌ۔

وَقْرٌ: بوجھ، بہراپن، ڈاٹ، گرانی۔

تشریح: یہ قرآن اللہ رحمن ورحیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل ہیں، ان کے معانی ظاہر ہیں اور احکام مضبوط ہیں اور الفاظ واضح اور آسان ہیں۔ جیسے دوسری آیت میں ہے:

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ

یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم و مفصل ہیں۔ یہ کلام حکیم وخبیر یعنی اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (ہود: ۱)

اور ارشاد ہے:

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۞

باطل نہ تو اس کے آگے کی طرف سے اس میں آسکتا ہے اور نہ پیچھے کی طرف سے۔ یہ تو حکیم وحمید کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ (حم السجدہ: ۴۲)

یہ قرآن اعلیٰ درجے کی صاف اور شستہ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ اہل عرب کو اس کے معارف و معانی سمجھنے میں دشواری نہ ہو اور وہ خود سمجھ کر دوسروں کو پوری طرح سمجھا سکیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عربوں پر بڑا احسان ہے کہ اس نے قرآن عربی میں نازل کیا۔ اگر یہ عربی کی بجائے کسی اور زبان میں نازل ہوتا تو اہلِ عرب کے لیے اس کا پڑھنا اور سمجھنا دشوار ہو جاتا۔ اس کے باوجود اس سے وہی لوگ نفع اٹھا سکتے ہیں جو سمجھ بوجھ رکھتے ہوں۔ اللہ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۞ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۞ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۞

یہ قرآن تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اس کو روح الامین لے کر آپ کے دل پر اترا تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں (یہ قرآن) صاف عربی زبان میں ہے۔ (الشعراء: ۱۹۲۔۱۹۵)

یہ قرآن اللہ کے دوستوں کو بشارت دیتا ہے اور اس کے دشمنوں کو عذاب سے ڈراتا ہے پھر بھی اکثر لوگ اس میں غور وفکر کرنے اور اس کو ماننے سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس

توحید کی طرف آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کی طرف سے ہمارے دل پر پردے پڑے ہوئے ہیں اس لیے آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اس لیے ہم آپ کی بات نہیں سن سکتے اور ہمارے اور آپ کے درمیان اختلاف کا پردہ پڑا ہوا ہے جو ہمیں ایک دوسرے کے قریب آنے سے روکتا ہے سو آپ اپنے مذہب کے مطابق عمل کرتے رہیے اور ہم اپنے مذہب پر عمل کریں گے۔ (ابن کثیر ۹۰، ۹۱/۴، مظہری ۲۸۰، ۲۸۱/۸)

مؤمنین کا دائمی اجر

۶۔۸: قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی (نازل) کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک اللہ ہی ہے سو تم اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے مغفرت طلب کرو اور مشرکوں کے لیے بڑی خرابی ہے جو زکوۃ ادا نہیں کرتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں۔ البتہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے ان کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والا اجر ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ میں تم ہی جیسا ایک انسان ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی انسان کو یہ قدرت نہیں کہ وہ کسی کا دل پھیر دے۔ البتہ مجھے یہ شرف و امتیاز عطا کیا گیا ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل کی جاتی ہے۔ مجھے وحی کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہی خدا ہے اس لیے تم سب خالص توجہ کے ساتھ اس کی اطاعت کرو اور اس سے اپنے شرک و گناہ کی معافی مانگو۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک کرنے والوں کے لیے بڑی ہی ہلاکت و بربادی ہے۔ یہ لوگ نہ توحید کا اقرار کرتے ہیں اور نہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت

میں لا یؤتون الزکوۃ سے مراد یہ ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہیں کرتے ۔ توحید کا اقرار ہی نفس کی زکوۃ یعنی طہارت ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ کافر توحید کا اقرار کر کے شرک کی نجاست سے اپنے نفسوں کو پاک نہیں کرتے ۔ اس آیت میں در پردہ مومنوں کو زکوۃ ادا کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے اور زکوۃ نہ دینے پر سخت تہدید کی گئی ہے ۔

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لیے آخرت میں ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا کیونکہ آخرت کی کسی نعمت کو زوال اور فنا نہیں ۔ جیسے ارشاد ہے :

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝

یہ ایک ایسی عطا ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی ۔ (ہود : ۱۰۸)

اور ارشاد ہے :

مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝

یہ انعامات کبھی ختم نہ ہوں گے ۔ (ص : ۵۴)

حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مسلمان کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کے وہی نیک اعمال لکھ دے جو (صحت کی حالت میں) وہ کیا کرتا تھا ۔ اب اگر اللہ تعالیٰ اس کو تندرستی دے دیتا ہے تو (اس بیماری کی وجہ سے) اس کے گناہ دھو دیتا ہے اور پاک کر دیتا ہے اور اگر (اس بیماری میں) اس کی روح قبض کر لیتا ہے تو اس کی مغفرت فرما دیتا ہے اور اس کو رحمت سے نوازتا ہے ۔

(روح المعانی ۹۸،۹۷/۲۴ ، مظہری ۲۸۲،۲۸۱ / ۸)

آسمان و زمین کی تخلیق

۹-۱۲: قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ
وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا
رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا
فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى
السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا

اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ ۝ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ اَوْحٰى فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ ۖۗ وَ حِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اس (اللہ) کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور تم (دوسروں کو) اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ وہی تمام جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے زمین میں پہاڑ بنا دئے اور اس (زمین) میں برکت رکھی اور اس میں اس (کے رہنے والوں) کی غذائیں ٹھہرا دیں (یہ سب) چار دن میں (ہوا) سوال کرنے والوں کا (جواب) پورا ہوا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا کہ (اس وقت) وہ دھواں سا تھا پھر اس آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے، دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ پھر دو دن میں سات آسمان بنا دیئے اور ہر آسمان میں اس کا حکم بھیج دیا۔ اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت دی اور (اس کو) محفوظ کر دیا۔ یہ تدبیر غالب (اور) علیم کی ہے۔

رَوَاسِیَ: جمے ہوئے، پہاڑ، بوجھ۔ واحد راسِیَۃٌ۔

اَقْوَاتَهَا: اُس کی غذائیں، اُس کی خوراکیں۔ واحد قُوْتٌ۔

دُخَانٌ: دھواں۔ جمع اَدْخِنۃ۔

مصابیح: چراغ، قندیل۔ واحد مِصْباحٌ۔

تشریح: ہر چیز کا خالق و مالک اور ہر چیز پر حاکم و قادر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اس لیے ہر قسم کی عبادت بھی صرف اسی کو سزاوار ہے۔ اسی نے زمین جیسی مخلوق کو اپنے کمال قدرت سے صرف دو دن میں پیدا کر دیا۔ اس لیے تمہیں اس کے ساتھ کفر و شرک نہیں کرنا چاہئے۔ جس طرح سب کا پیدا کرنے والا صرف وہی ایک اللہ ہے بالکل اسی طرح سب کا پالنے والا بھی وہی ایک اللہ ہے۔ اسی نے زمین کے اوپر پہاڑ بنائے جو زمین میں میخوں کی طرح گڑے ہوئے ہیں اور اس کو پرسکون رکھتے ہیں، ہلنے نہیں دیتے۔ اسی نے لوگوں کے فائدے کے لیے زمین میں بہت سی برکتیں رکھ دیں۔ مثلاً اس کے

اندر معدنیات، خزائن ہیں۔ جانور، چشمے، دریا اور نہریں ہیں۔ اسی سے غلے اور پھل پھول اگتے ہیں جنکو لوگ غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ جو لوگ زمین اور اس کے متعلقات کے بارے میں دریافت کریں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ چار دن میں ہوا یعنی دو دن میں زمین کو پیدا کیا اور دو دن میں اس کے اوپر پہاڑ اور درخت وغیرہ بنائے۔ اس طرح کل چار دن ہوئے۔

یہ سب کچھ پیدا کرنے کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت دھواں سا تھا۔ پھر آسمان اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں میرا حکم مانو اور میری فرماں برداری کرو خواہ خوش دلی سے قبول کر کے شرف حاصل کر دیا پھر زبردستی تم پر حکم نافذ ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ نے آسمان اور زمین سے ارشاد فرمایا کہ میں نے جو حکم تمہیں دیا ہے اس کی تعمیل کرو ورنہ میں تمہیں مجبور کر کے اپنے حکم کی تعمیل کراؤں گا۔ آسمان و زمین نے اس کے جواب میں کہا تیرے احکام کی تعمیل کے لیے ہم دونوں حاضر ہیں۔ سو دو روز کے برابر وقت میں ہم نے ان کو سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اس کے مناسب فرشتوں کو حکم جاری فرما دیا، آسمان دنیا کو چمکتے ہوئے ستاروں سے مزین اور جنوں، شیطانوں سے محفوظ کر دیا تا کہ وہ اللہ کے تکوینی امور میں سے کوئی چیز سن یا معلوم نہ کر سکیں۔ کائنات کی یہ تخلیق و تقدیر اور اندازے مطابق ہر شے کا وجود اس خالق و قادر مطلق کی زبردست قوت و عزت اور علم بے پایاں کا گواہ ہے۔ (ابن کثیر ۹۲،۹۴/۴، مظہری ۲۸۳،۲۸۵/۸)

مشرکین کو دھمکی

۱۳-۱۴: فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ۝ إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝

اگر یہ پھر بھی روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو قوم عاد و ثمود کے عذاب کی مانند ہوگا۔ جب ان کے پاس پے در پے رسول آئے (اور کہا) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو (تو) انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتوں کو بھیج دیتا سو ہم آپ کا

لایا ہوا پیغام نہیں مانتے۔

صٰعِقَةٌ : بجلی کی کڑک، سخت آواز، شدید عذاب۔ جمع صواعق۔

تشریح: اگر یہ مشرکین مکہ توحید و رسالت کے دلائل سن کر بھی توحید سے منہ موڑیں اور آپ کی تکذیب کریں تو آپ ان کو کہہ دیجئے کہ میں تمہیں ایسی کڑک اور آفت سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر آئی تھی، جس طرح تم سے پہلے سابقہ انبیاء کی مخالف امتیں زیروزبر کردی گئی تھیں کہیں تمہاری شامت اعمال تمہیں بھی انہی جیسے عذاب میں مبتلا نہ کردے۔ عاد وثمود اور ان جیسی دوسری اقوام کے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ ان کے پاس پے در پے رسول آئے جو ان کو ایمان باللہ کی دعوت دیتے رہے اور ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے رہے کہ تم اللہ کے سوا ہرگز کسی کی عبادت نہ کرو مگر انہوں نے کسی ایک کی بھی نہ مانی۔ وہ اپنی آنکھوں سے اللہ کے رسول اور اس کی اتباع کرنے والوں کی بہتری اور کامیابی اور مکذبین ومنکرین کی ہلاکت اور تباہی دیکھتے رہتے پھر بھی رسول کی تکذیب وتمسخر سے باز نہ آتے تھے، کٹ حجتی کرتے اور کہتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو رسول بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتے کو ہماری طرف اتارتا، تم تو ہماری ہی طرح کے انسان ہو۔ تمہیں ہم پر کوئی فوقیت و برتری حاصل نہیں پھر تم رسول کیسے بن گئے۔ ایسی صورت میں ہم تمہاری رسالت اور پیغام توحید کو نہیں مانتے۔ (ابن کثیر: ۴؍۹۴)

عاد وثمود کا انجام

۱۵۔۱۸: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا
مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ
خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝۱۵
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ
لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ
الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝۱۶ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ
فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ
الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۷ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۱۸

سو جو عاد تھے وہ دنیا میں ناحق تکبر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ کون ہے ہم سے

زیادہ قوت میں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے انہیں پیدا کیا ہے وہ قوت میں ان سے کہیں زیادہ ہے، اور وہ آخر تک ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے۔ پھر منحوس دنوں میں ہم نے ان پر ایک زور کی ہوا بھیج دی تاکہ دنیا میں انہیں ذلت کے عذاب کا مزہ چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو اس سے کہیں زیادہ رسوائی ہوگا اور ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی اور جو ثمود تھے ہم نے ان کو بھی ہدایت کی تھی۔ پھر بھی انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا سو ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ذلت کے عذاب کی کڑک نے پکڑ لیا اور ہم نے مومنوں کو (اس عذاب سے) بچا لیا (کیونکہ) وہ پرہیزگار تھے۔

یجحدُون: وہ انکار کرتے ہیں۔ جحدٌ سے مضارع۔

صرصرا: تیز آندھی جس میں سخت آواز ہو، سخت ٹھنڈک۔ جمع صراصرَ۔

نحسات: منحوس، برے، متواتر۔ نحسٌ سے صفت مشبہ۔

هُون: ذلت، رسوائی، خواری۔

تشریح: قوم عاد کے لوگ دنیا میں ناحق غرور و تکبر کرنے لگے تھے اور اپنے آپ کو استحقاق کے بغیر دوسروں سے بڑا اور برتر سمجھنے لگے تھے۔ جب ان کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا تو ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور کہنے لگے کہ ہم سے زیادہ طاقتور اور مضبوط کون ہے۔ ہم ہر عذاب کو اپنی طاقت سے دفع کردیں گے۔ وہ اس بات کو بھول گئے کہ جس ذات نے ان کو ایسا تن ومند، مضبوط اور طاقتور پیدا کیا ہے وہ ان سے کہیں زیادہ طاقت والا ہے۔ اس کی طاقت کا اندازہ کوئی نہیں کرسکتا۔ جیسے ارشاد ہے

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ۝

اور ہم نے اپنے ہاتھوں سے آسمان کو بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں۔

(الذریت ۴۷)

پس اللہ کی نافرمانی کرنے، اس کی آیتوں کے انکار، رسولوں کی تکذیب، ان کی خودسری اور تکبر پر ہم نے ان کو ایسے دنوں میں عذاب میں پکڑ لیا جو ان کے لیے سخت منحوس تھے۔ اور ان پر ایک نہایت تند و تیز ہوا بھیج دی جو ہر چیز کو اکھاڑ پھینک دینے والی تھی تاکہ دنیوی زندگی ہی میں ہم ان کو

ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھا دیں۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تند و تیز ہوا مسلسل کئی روز تک رہی۔ پھر فرمایا کہ آخرت کا عذاب تو بہت ہی رسوا کرنے والا ہے اور ان کو کہیں سے بھی مدد نہیں دی جائے گی۔

جہاں تک قوم ثمود کا تعلق ہے تو ہم نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ان کو ہدایت کا راستہ بتا دیا تھا لیکن ایمان کے مقابلے میں انہوں نے جہالت اور کفر کو پسند کیا اور اللہ کے نبی کی تکذیب کرتے رہے۔ سو ان کو بھی انکی بداعمالیوں کی پاداش میں ذلت و رسوائی کے عذاب کی کڑک نے آ لیا۔ اور ہم نے مومنوں کو اس ذلت و رسوائی کے عذاب سے بچا لیا کیونکہ وہ ہم سے ڈرتے تھے۔

منکرین کے خلاف ان کے اعضا کی گواہی

۱۹۔۲۱: وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

جس دن اللہ کے دشمن جمع کر کے دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے تو ان کی جماعتیں بنائی جائیں گی یہاں تک کہ جب وہ جہنم کے بالکل قریب آ جائیں گے تو ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں، ان کے اعمال کی گواہی دیں گی اور وہ اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی وہ (کھالیں) جواب دیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے (قوت) گویائی دی جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرمائی ہے اور اسی نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

يُوْزَعُوْنَ: ان کو روکا جائے گا۔ ان کی ٹولیاں بنائی جائیں گی۔ ان کی جماعتیں بنائی جائیں گی۔ وزع سے مضارع مجہول۔

اَنْطَقَنَا: اس نے ہمیں بولنے کی طاقت عطا فرمائی۔ انطاق سے ماضی۔

تشریح: قیامت کے روز اللہ کے دشمنوں کو ذلت و رسوائی کے ساتھ گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لیجایا جائے گا کیونکہ یہ لوگ دنیا میں اللہ کے دشمن تھے، توحید اور اس کی آیات کا انکار کرتے تھے اور اللہ کے رسولوں سے عداوت رکھتے تھے۔ اس دن ان مجرموں کے الگ الگ گروہ ہوں گے۔ ہر پیغمبر کی کافر امت ایک گروہ ہوگی۔ اس طرح کافروں کے گروہ کے گروہ آگے پیچھے جہنم کی طرف گھسیٹے جائیں گے۔ ان میں سے آگے والے گروہوں کو جہنم کے قریب روک لیا جائے گا تاکہ بعد والے گروہ ان سے آملیں پھر جب لوگ جہنم کے کنارے پر آکھڑے ہوں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور کھالیں ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گے اور کہیں گے اس نے یہ یہ گناہ کیا۔ اس طرح ان کے اگلے پچھلے تمام عیوب کھل جائیں گے۔ اس وقت کافر بے بسی کے عالم میں حیران ہوکر اپنی جلدوں اور اپنے اعضاء کو ملامت کریں گے کہ تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی حالانکہ تم میں بولنے کی صلاحیت اور قدرت نہیں ہے۔ ان کی جلدیں کہیں گی کہ ہمیں اس اللہ نے بولنے کی طاقت دی جس نے ہر بولنے والی چیز کو بولنے والا بنایا۔ پس اسی نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

کفار کو ملامت

۲۲۔۲۴: وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَاۤ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا جُلُوْدُكُمْ وَ لٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ۝

اور تم اپنی بداعمالیوں کو پوشیدہ نہیں رکھتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی لیکن تم تو یہ سمجھتے رہے کہ تمہارے بہت سے اعمال کی اللہ کو خبر ہی نہیں اور تمہاری اسی بدگمانی نے تمہیں ہلاک کردیا جو تم نے اپنے رب کے ساتھ کر رکھی تھی پھر تم (ابدی) خسارے میں پڑ گئے۔ اب اگر یہ (لوگ) صبر کریں، تب بھی ان کا ٹھکانا

جہنم ہی ہے۔اور اگر وہ عذر (توبہ) کریں تو وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اَرْدٰىكُمْ: اس نے تمہیں برباد (غارت) کیا۔اِرْدَاءٌ سے ماضی۔

يَسْتَعْتِبُوْا: وہ توبہ کرتے ہیں، وہ خوش کرتے ہیں۔اسْتِعْتَابٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: شیخین نے صحیحین میں اور بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ دو ثقفی اور ایک قریشی یا دو قریشی ایک ثقفی بیت اللہ کے قریب جمع ہوئے۔ان تینوں کے پیٹ موٹے تھے جن پر چربی کی تہ جمی ہوئی تھی اور دلوں میں سمجھ کم تھی۔ایک کہنے لگا کہ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ ہماری باتیں سنتا ہے۔دوسرا کہنے لگا کہ ہم چلا کر بولیں تو سنتا ہے اور چپکے چپکے بات کریں تو نہیں سنتا۔تیسرے نے کہا کہ اگر وہ چلا کر بات کرنے کو سنتا ہے تو چپکے چپکے بات کرنے کو بھی ضرور سنے گا۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔بغوی نے لکھا ہے کہ ثقفی شخص عبد یالیل تھا اور دونوں قریشی آدمی ربیعہ اور صفوان بن امیہ تھے۔(مظہری: ۲۹۰/۸)

تشریح: تمہیں تو دنیا میں اس بات کا خیال بھی نہ تھا کہ قیامت کے روز تمہارے بدن کے اعضا یعنی ہاتھ، پاؤں، کان، آنکھ اور جلدیں وغیرہ تمہارے خلاف گواہی دیں گے۔اسی لیے تم بے دھڑک بدکاریوں اور بداعمالیوں میں مبتلا رہے بلکہ تم تو اس گمان میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے بہت سے اعمال کی خبر ہی نہیں۔تمہارے اسی گمان فاسد نے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہاری بداعمالیوں کی خبر نہیں، تمہیں ہلاک و برباد کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو گئے۔اگر ان کافروں نے دنیا میں واپس بھیجے جانے کی درخواست نہ کی بلکہ جہنم میں پڑے رہنے پر صبر کیا تو بھی ان کا ٹھکانا وہی جہنم کی آگ ہے جس میں صبر کرنا ممکن نہیں۔اگر وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ ان کا عذر قبول کر کے ان کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تاکہ وہ وہاں جا کر اس کی اطاعت و فرماں برداری کریں تو ان کا یہ عذر قبول نہیں ہوگا اور وہ عذاب الٰہی سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے کیونکہ بالفرض اگر ان کو دنیا میں واپس بھی کر دیا جائے تب بھی وہ وہی کام کریں گے جن سے منع کئے گئے تھے۔اللہ تعالیٰ کو یہ بات خوب معلوم ہے۔

کفار پر شیاطین کا تسلّط

۲۵: وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ
مَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝

اور ہم نے (دنیا میں) ان کے ساتھ (برے ساتھی) لگا دیئے تھے جنہوں نے ان کے اگلے پچھلے اعمال ان کی نظر میں خوبصورت بنا رکھے تھے اور ان کے حق میں بھی (عذاب کی) بات پوری ہو کر رہی جو ان سے پہلے گزرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے گروہوں کے حق میں پوری ہو چکی تھی۔ بیشک وہ سب خسارے میں رہے۔

قَیَّضْنَا: ہم نے پیچھے لگا دیا، ہم نے (شیاطین کو) مقرر کیا۔ تَقْیِیْضٌ سے ماضی۔

قرناء ساتھی (شیاطین)۔ ہم نشین۔ واحد قرینٌ۔

تشریح: منکرین توحید و رسالت کے کفر و شرک اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے شیاطین کو ان پر اس طرح مسلط کر دیا جیسے انڈے کے اوپر اس کا چھلکا مسلط ہوتا ہے اور اس کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ۝

اور جو شخص اللہ کے ذکر سے انحراف کرتا ہے ہم اس پر شیطان مسلط کر دیتے ہیں۔ پھر شیطان ہی اس کا قرین (ساتھی) ہو جاتا ہے (الزخرف: ۳۶)

سو ان شیاطین نے منکرین کے برے کام جو انہوں نے پہلے کئے تھے یا بعد میں کرتے ان کی نظروں میں اچھے کر کے دکھائے اور ان کے تباہ کن ماضی اور مستقبل کو خوبصورت بنا کر ان کے سامنے پیش کیا۔ اس طرح ان شیاطین نے کافروں کو آخرت کے انکار اور دوسری زندگی یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی تکذیب پر آمادہ کیا۔

ان کافروں سے پہلے بھی بہت سے امتیں گزری ہیں، ان کے بھی ایسے ہی اعمال تھے جیسے ان کافروں کے ہیں۔ ان پر بھی اللہ کا قول یعنی عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا جیسے ان سے پہلے گزری ہوئی کافر امتوں پر ہو چکا اور وہ اس دنیا سے خسارہ اٹھا کر ہلاک ہو چکے۔ یہ کافر بھی نقصان اٹھا کر خسارے میں ان کے برابر ہو جائیں گے کیونکہ سابقہ امتوں کی طرح یہ بھی اللہ کی توحید سے بیزار ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت سے منہ موڑ کر اس کی دشمنی کرتے ہیں۔

(ابن کثیر ۹۷/۴)

منکرین آیاتِ الٰہی کا انجام

۲۶۔۲۹: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ۝ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا
وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ
اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا
يَجْحَدُوْنَ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا
مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا
مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ۝

کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی نہیں اور اس (کے پڑھتے) میں غل مچایا کرو (اس طرح) شاید تم غالب آ جاؤ۔ یقیناً ہم ان کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور ان کو ان کے برے اعمال کی سزا دیں گے۔ اللہ کے دشمنوں کی سزا یہی دوزخ کی آگ ہے۔ وہی ان کے ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔ یہ اس کی سزا ہے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور (قیامت کے روز) کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں وہ جن اور انسان دونوں دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تاکہ ہم ان دونوں کو اپنے پاؤں تلے روند کر خوب ذلیل کر دیں۔

اَلْغَوْا: تم غل مچاؤ، تم بک بک کرو۔ لغوٌ سے امر۔

تَحْت: نیچے۔ اسم ظرف مکان۔

تشریح: منکرین نے آپس میں مشورہ کر کے اس پر اتفاق کر لیا کہ وہ اللہ کے کلام پر ایمان نہیں لائیں گے، اس کے احکام کی پیروی نہیں کریں گے اور جب قرآن پڑھا جانے کا تو شور و غل کریں گے، آوازیں نکالیں گے۔ سیٹیاں اور تالیاں بجائیں گے اور اپنی ان بیہودگیوں کو اپنے غلبے کا باعث سمجھتے تھے۔ اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا:

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ

تُرْحَمُوْنَ۝

جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کو سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

(الاعراف ۲۰۴)

پھر فرمایا کہ ہم کافروں کو ان کی بیہودہ حرکتوں پر سخت عذاب کا مزہ ضرور چکھا ئیں گے اور ان کو بداعمالیوں کی بدترین سزا دیں گے۔ دوزخ کی آگ ہی اللہ کے دشمنوں کی سزا ہے۔ وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔ یہ سزا ہماری آیتوں کے انکار کے بدلے میں ہے۔ دوزخ میں ڈالے جانے کے بعد منکرین غصے کے عالم میں کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار جنوں اور انسانوں میں سے ان لوگوں کو ہمارے سامنے لے آ جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا اور گناہوں پر آمادہ کیا تھا تاکہ ہم انہیں اپنے قدموں کے نیچے روندیں اور وہ خوب ذلیل و خوار ہو کر دوزخ کے سب سے نیچے والے طبقے میں چلے جائیں اور ان کا عذاب ہمارے عذاب سے سخت ہو جائے۔

مومنین کا اعزاز و اکرام

۳۰-۳۲۔ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ۝

جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے تو ان پر فرشتے اترتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ) تم کچھ اندیشہ اور غم نہ کرو بلکہ جنت کی بشارت سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ دنیاوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ہم تمہارے رفیق ہیں اور تمہارے لیے وہاں وہ سب موجود ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لیے وہ سب بھی جو مانگو گے یہ اس بخشنے والے مہربان کی طرف سے بطور مہمانی ہوگا۔

اِسْتَقَامُوْا: وہ قائم رہے، وہ ثابت قدم رہے۔ اِسْتِقَامَةٌ سے ماضی۔

نُزُلًا: دعوت، مہمانی، آؤ بھگت۔

تشریح: جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اعتراف اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا اور پھر مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہے اور اس کے احکام کے تحت اپنی زندگی گزارتے رہے تو موت کے وقت ان پر فرشتے نازل ہوں گے اور ان کو بشارت دیں گے کہ جس رب عز وجل کے پاس جارہے ہو وہ تم پر بہت مہربان ہے اس لیے تمہیں عذاب سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور دنیا میں جو اہل وعیال تم نے چھوڑے ہیں ان کے بارے میں بھی فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ تمہارے رب کے حکم سے ان کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ ہم تمہیں خوشخبری سناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ جس جنت کا تم سے وعدہ کیا تھا اس کے ملنے پر خوش ہو جاؤ۔ ہم دنیا میں بھی تمہارے رفیق اور ولی تھے اور تمہارے دل میں اچھی باتیں ڈالتے تھے اور شیطان سے بھی تمہاری حفاظت کرتے تھے۔ آخرت میں بھی اسی طرح تمہارے ساتھ رہیں گے، تمہاری وحشت و دہشت دور کرتے رہیں گے۔ قبر میں، حشر میں، پل صراط پر غرض ہر جگہ ہم تمہارے ساتھ رہیں گے جب تک تم جنت میں داخل نہ ہو جاؤ جہاں تمہارے لیے ہر وہ نعمت ہوگی جس کو تمہارا دل چاہے گا اور تمہارے لیے ہر وہ چیز ہوگی جو تم طلب کرو گے۔ یہ سب کچھ اس پروردگار کی طرف سے بطور مہمانی اور اکرام کے ہوگا جو بہت مغفرت کرنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے۔ اس کا لطف ورحم اور اس کی بخشش وکرم بہت وسیع ہے۔

ابونعیم نے لکھا ہے کہ ثابت بنانی نے حم السجدہ پڑھی۔ جب آیت **تتنزل علیهم الملئکة** پر پہنچے تو کہا کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ مومن بندے کو جب قبر سے اٹھایا جائے گا تو وہ فرشتے جو دنیا میں اس کے ساتھ رہتے تھے اس سے ملیں گے کہ تم کچھ خوف و رنج نہ کرو اور جس جنت کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا اس کے حصول سے خوش ہو جاؤ۔ اس کے بعد اللہ اس کو خوف سے مامون کر دے گا اور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے گا۔

بزار، ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنت کے اندر پرندوں کو دیکھ کر جونہی (ان کا گوشت کھانے کی) خواہش کرو گے وہ فوراً بھنے بھنائے تمہارے سامنے گر پڑیں گے۔ (مظہری ۲۹۳، ۸/۲۹۴)

صفاتِ حمیدہ

۳۳۔۳۶: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا

السَّيِّئَةَ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ
بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ
صَبَرُوْا ۚ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ وَ اِمَّا
يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

اس سے بہتر کس کی بات ہے جو (دوسروں کو) اللہ کی طرف بلائے اور (خود) نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی ۔ آپ (ہر برائی کو اپنے) نیک برتاؤ سے ٹال دیا کیجئے پھر آپ کا دشمن دلی دوست کی مانند ہو جائے گا اور یہ بات صبر کرنے والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے اور یہ بات انہی کو نصیب ہوتی ہے جو خوش قسمت ہوتے ہیں ۔ اگر آپ کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجئے ۔ یقیناً وہ بہت ہی سننے والا (اور) جاننے والا ہے ۔

حَمِيْمٌ: دلی دوست، غم کھانے والا ۔ جمع اَحِمَّاءُ ۔

حَظٍّ: حصہ، نصیب ۔ جمع حُظُوْظٌ ۔

ينزغنك: وہ تجھ کو فتنے میں ڈال دے گا ۔ وہ تجھ کو شبے میں ڈال دے گا ۔ نزغ سے مضارع بانون تاکید ۔

تشریح: جس شخص نے لوگوں کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا اور خود بھی نیک کام کئے اور اسلام قبول کیا اس سے بہتر کسی کی بات نہیں ۔ محمد ابن سیرین اور سدی نے کہا کہ من دعا الی اللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جو لوگوں کو لا الہ الا اللہ کی دعوت دیتے تھے ۔ حسن کے نزدیک اس سے ہر وہ مومن مراد ہے جس نے دعوت الی اللہ قبول کی اور نیک کام کئے اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کیا ۔ یہ آیت عام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اُولیٰ طور پر اس کے مصداق ہیں ۔

جزا اور حسن انجام کے اعتبار سے بھلائی اور برائی ، نیکی اور بدی برابر نہیں ۔ نیکی کا انجام فلاح و کامرانی ہوتا ہے اور بدی کا انجام ذلت و ناکامی ۔ نیکی سے اللہ راضی ہوتا ہے اور اس پر ثواب دیتا ہے اور برائی سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور اس پر عذاب دیتا ہے ۔ اس لیے آدمی کو چاہئے کہ جہاں تک ممکن ہو اچھی خصلتیں اختیار کرے اور برائیوں کو ترک کرے ۔ غصے کو چھوڑ کر صبر اختیار کرے ، جہالت کو

ترک کر کے برداشت کو اختیار کرے، انتقام کی بجائے درگزر کرے، بخل کی بجائے سخاوت اور بزدلی پر دلیری کو ترجیح دے اور بدکردار کی بدی کو نیک خصلت سے دفع کرنا چاہئے۔ مثلاً اگر وہ برائی پہنچائے تو اس کے مقابلے میں احسان کرے اور وہ کوئی جرم کرے تو اس کے مقابلے میں عفو کرے۔ اگر وہ غصہ دلائے تو نرمی سے کام لے اور اگر وہ بیہودہ گوئی کرے تو اس کے مقابلے میں حلم اختیار کرے۔ جو شخص دشمنی پر آمادہ ہو تو ملاقات کے وقت اس کو سلام کرے، اس کے نتیجے میں جانی دشمن بھی دلی دوست بن جائے گا۔ یہ بات انہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو نفسانیت اور خواہشات کی مخالفت پر جمے رہتے ہیں اور یہ خصلت انہی لوگوں کو ملتی ہے جو بڑے خوش نصیب ہوں۔

شیطانی وسوسوں سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ فوراً اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔ اسی نے شیطان کو طاقت دے رکھی ہے کہ وہ دل میں وساوس پیدا کرے۔ اس کے شر سے محفوظ رکھنا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ بیشک وہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے اس لیے وہ تیرے عمل و اخلاص کو دیکھ کر اور تیرے قول کو سن کر تجھے دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔ (مواہب الرحمن ۲۲۵، ۲۲۸/۲۴)

توحید کے دلائل

۳۷۔۳۹: وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۭ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۭ اِنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

رات اور دن اور سورج و چاند بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ تم نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا اگر تم (واقعی) اس کے عبادت گزار ہو۔ اگر یہ لوگ پھر بھی تکبر کریں تو جو (فرشتے) اللہ کے پاس ہیں وہ شب و روز اس کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ کسی

وقت بھی اُکتاتے نہیں ۔ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو زمین کو
جھکنے والی (خشک) دیکھتا ہے ۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ
تر و تازہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے ۔ بیشک جس نے اس (خشک) زمین کو زندہ کیا
وہی قیامت کے دن) مردوں کو زندہ کرے گا ۔ بلا شبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔

یَسْئَمُوْن : وہ اکتاتا ہے، وہ تھکتا ہے ۔ سَاٰمَۃٌ سے مضارع ۔

اِھْتَزَّتْ : وہ حرکت کرتی ہے، وہ تر و تازہ ہوتی ہے ۔ اِھْتِزَازٌ سے ماضی ۔

رَبَتْ : وہ پھولی، وہ بڑھی، وہ لہلہائی ۔ رَبْوٌ و رُبُوٌّ سے ماضی ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و قدرت کی نشانیوں میں رات اور دن اور سورج و چاند بھی ہیں ۔ رات کو اس کے اندھیروں سمیت اور دن کو اس کے اجالوں سمیت اسی نے بنایا ہے ۔ دونوں یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں ۔ دن کا تعلق سورج سے ہے جب سورج ہماری نظروں سے مخفی ہوتا ہے تو چاند ظاہر ہو جاتا ہے ۔ سورج سے حدت و شدت ہے اور چاند سے خنکی و رطوبت ہے ۔ ہر ایک کی منازل مقرر ہیں اور ان کی کیفیت بھی جدا جدا ہے ۔ ان میں سے ہر ایک اپنے بنانے والے کے وجود اس کی وحدانیت اور صفات کاملہ پر دلالت کر رہا ہے ۔ اس لیے تم چاند و سورج کو سجدہ نہ کرو ۔ یہ تو مخلوق و محکوم ہیں اور مخلوق سجدے کے قابل نہیں ہوتی ۔ اگر تم خدا کے بندے ہو تو اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان چاروں کو پیدا کیا ۔ پس اگر یہ لوگ اللہ کی عبادت اور توحید سے تکبر کریں اور اپنے کفر و شرک پر قائم رہیں تو اللہ تعالیٰ کو ان کی عبادت کی کچھ حاجت نہیں کیونکہ اس کے مقرب فرشتے دن رات اس کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں اور کسی وقت بھی نہیں اکتاتے بلکہ اللہ کی پاکی بیان کرنے میں ان کو لذت آتی ہے ۔

اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ زمین خشوع کی حالت میں (خشک) پڑی ہوئی ہے ۔ پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ لہلہانے لگتی ہے ۔ اور خوب پھلتی پھولتی ہے ۔ بیشک جس نے زمین کی روئیدگی کو زندہ کیا وہی قیامت کے روز مردوں کو زندہ کرے گا ۔ بیشک وہ زندہ کرنے اور مردہ کرنے پر قادر ہے ۔

منکرین کی کج روی

۴۰ ۔ ۴۳ : اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا ؕ اَفَمَنْ یُّلْقٰی
فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا
جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ
يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿﴾ مَا
يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ﴿﴾

بیشک جو لوگ ہماری آیتوں کو توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ بھلا جو آگ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے روز امن و امان سے (جنت میں) آئے۔ تم جو چاہو کرتے رہو۔ بلا شبہ اللہ وہ سب دیکھ رہا ہے جو تم کرتے ہو۔ بیشک جن لوگوں نے قرآن پہنچ جانے کے باوجود اس کا انکار کیا (تو یہ ان کی جہالت ہے) حالانکہ وہ تو بڑی باوقار کتاب ہے۔ جس میں باطل نہ آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔ یہ تو حکیم و حمید کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ آپ سے وہی کہا جاتا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا تھا۔ یقیناً آپ کا رب بڑا مغفرت کرنے والا بھی ہے اور دردناک سزا دینے والا بھی۔

یُلْحِدُوْنَ: وہ توڑ مروڑ کر بیان کرتے ہیں، وہ حق سے پھرتے ہیں۔ اَلْحَادٌ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ ہماری آیتوں میں کج روی کرتے ہیں یقیناً وہ ہم سے پوشیدہ نہیں۔ ہم ان کو خوب دیکھ رہے ہیں اور ان کو سزا دینے پر بھی قادر ہیں۔ بھلا وہ شخص اچھا ہے جو آگ میں ڈالا جائے گا جیسا کہ ان مکذبین و مجرمین کو ڈالا جائے گا یا وہ شخص جو قیامت کے روز نہایت امن و سکون کی حالت میں آئے۔ سو اب تم جو چاہو کرو۔ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے اس لیے وہ تمہیں تمہارے اعمال کی سزا ضرور دے گا۔ جو لوگ اللہ کا پیغام نصیحت (قرآن) آ جانے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں تو وہ درحقیقت اپنی کج روی، عناد اور حق سے بغاوت کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔ خود پیغام خداوندی میں کوئی کمی نہیں وہ تو یقیناً ایک بلند پایہ اور عزت والی کتاب ہے۔ اس کے مثل کسی کا کلام نہیں۔ باطل تو اس کے قریب بھی نہیں آ سکتا۔ یہ اس اللہ کا نازل کیا ہوا ہے جو حکیم و حمید ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر یہ بدنصیب ایسی بلند پایہ اور حکمت سے لبریز کتاب پر بھی ایمان نہ لائیں تو آپ کو اس پر غمگین ہونے

کی ضرورت نہیں۔ ان منکرین کی طرف سے آپ کو بھی تکذیب وایذا کی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پہلے پیغمبروں کو کہی جا چکی ہیں۔ جس طرح انہوں نے ان باتوں کو برداشت کیا آپ بھی برداشت کریں، بے شک آپ کا رب مومنوں کی مغفرت کرنے والا اور مشرکین کو دردناک سزا دینے والا ہے۔

ہدایت وشفا کا ذریعہ

۴۴: وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ

اگر ہم اس قرآن کو عجمی بناتے تو یہ لوگ کہتے کہ اس کی آیتیں (ہماری عربی زبان میں) صاف صاف کیوں نہیں بیان کی گئیں اور یہ کیا کہ (قرآن تو) عجمی ہے اور (رسول) عربی آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو ایمان والوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں ڈاٹ ہے اور یہ (قرآن) ان کے حق میں نابینائی ہے گویا کہ یہ لوگ کسی دور کی جگہ سے پکارے جا رہے ہیں (آواز) سنتے ہیں مگر سمجھتے نہیں۔

شان نزول: مقاتل نے بیان کیا کہ عامر حضرمی کا ایک یہودی عجمی غلام تھا۔ اس کا نام یسار اور کنیت ابوفکیہہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آتے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر مشرکوں نے کہنا شروع کیا کہ یسار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہے۔ یسار کے آقا نے اس کو مارا اور کہا کہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دیتا ہے۔ یسار نے کہا کہ وہ تو مجھے تعلیم دیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ قریش نے کہا کہ یہ قرآن عجمی اور عربی (زبانوں میں) کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لقالوا لولا فصلت الخ نازل فرمائی۔

(مظہری ۸/۳۰۲)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جو قرآن آپ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں اگر ہم اس کو کسی عجمی زبان میں نازل کر دیتے تو اہل مکہ یہ کہتے کہ اس کی آیتیں عربی زبان میں صاف صاف کیوں نہیں

بیان کی گئیں کہ ہم بھی ان کو سمجھ لیتے ۔ مخاطب جب عرب ہیں تو ان پر عجمی زبان میں کتاب کیوں نازل کی گئی ۔ اگر کچھ حصہ عربی زبان میں اور کچھ عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تب بھی انہیں اعتراض ہوتا ۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ یہ قرآن ایمان والوں کے لیے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے ۔ اس میں ان تمام بیماریوں کے لیے شفا ہے جو برے کاموں سے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو درحقیقت ان کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے جس کی وجہ سے وہ لوگ نصیحت و حکمت کی کوئی بات سننے پر قادر نہیں ، ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی دور سے کسی سے کچھ کہہ رہا ہو اور سننے والا آواز تو سنتا ہو مگر سمجھتا کچھ نہ ہو ، جیسے ارشاد ہے :

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ

کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پکارتا ہے مگر آواز اور پکار کے سوا کچھ اور اس کے کان میں نہیں پڑتا بہرے ، گونگے ، اندھے ہیں پھر وہ کیسے سمجھیں گے ۔ (البقرۃ : ۱۷۱)

حضرت موسیٰؑ کی تکذیب

۴۵-۴۶: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی سو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہے تو ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور بیشک یہ لوگ اس کی طرف سے ایسے شک میں ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے ۔ جس نے نیک کام کیا تو اپنے ہی نفع کے لیے کیا اور جس نے برا کام کیا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہے اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا ۔

مُرِیْب : شک میں ڈالنے والا ۔ اِرابۃٌ سے اسم فاعل ۔

اَسَاءَ : اس نے برائی کی، اس نے برا کام کیا ۔ اِسَاءَۃٌ سے ماضی ۔

تشریح: کفارِ مکہ کی یہ روش جو گزشتہ آیت میں بیان ہوئی کوئی نئی اور عجیب نہیں ۔ اللہ کے رسولوں کے ساتھ منکرین و مکذبین کا رویہ ایسا ہی رہا ہے ۔ چنانچہ ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تو اس میں بھی اختلاف کیا گیا اور انہیں جھٹلایا اور ستایا گیا ۔ آپ کو مشرکین مکہ کی اس روش پر رنجیدہ نہیں ہونا چاہئے بلکہ حضرت موسیٰ کی طرح صبر کرنا چاہئے ۔ اگر آپ کا رب پہلے سے یہ فیصلہ نہ کر لیتا کہ ایک مقررہ وقت یعنی قیامت تک ان کو دنیا میں مہلت ہے اور اس مقررہ وقت سے پہلے ان پر عذاب نہیں آئے گا تو ان کے کرتوتوں کے سبب ان کا فیصلہ دنیا ہی میں ہو چکا ہوتا اور یہ دنیا ہی میں عذاب الٰہی سے ہلاک کر دیئے جاتے ۔

بیشک یہ لوگ عذاب الٰہی کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں تردد میں ڈالا ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ طے کر دیا ہے کہ جو شخص نیک کام کرتا ہے اس کا فائدہ اسی کو پہنچتا ہے اور جو شخص برے کام کرے گا ان کا وبال بھی اسی پر ہوگا ۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا ۔ نہ وہ کسی کی نیکی کو ضائع کرتا ہے اور نہ بدکاروں کو جرم سے زیادہ سزا دیتا ہے ۔ وہ ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف سے وہی معاملہ کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے ۔

کافروں کا انجام

۴۷ ۔ ۴۸: اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ
اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۚ وَيَوْمَ
يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۚ
وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ
مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝

قیامت کا علم اللہ ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور جو (بھی) پھل اپنے خوشوں سے نکلتا ہے اور جو مادہ حمل سے ہوتی ہے اور جو (بچہ) وہ جنتی ہے سب کا علم اللہ ہی کو ہے اور جس دن اللہ ان کو پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک وہ کہیں گے کہ ہم تو کہہ چکے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں اور جن کو یہ لوگ (دنیا میں)

پہلے پکارتے تھے (قیامت کے روز) وہ سب ان سے گم ہو جائیں گے اور وہ سمجھ لیں گے کہ ان کے لیے کوئی بچاؤ کی صورت نہیں۔

اَکْمَامِهَا: اس کے غلاف، اس کے خوشے۔ واحد کِمٌّ۔

مَحِيْصٍ: پناہ گاہ، بھاگنے کی جگہ، حَيْصٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: قیامت واقع ہونے کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝

اس (قیامت کے علم) کی انتہا تیرے رب ہی کی طرف ہے۔ (النزعت: ۴۴)

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ

قیامت کے وقت کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (الاعراف ۱۸۷)

پھر فرمایا کہ قیامت ہی نہیں بلکہ اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے یہاں تک کہ اگر کوئی پھل شگوفے سے نکلتا ہے یا عورت کو حمل رہنا اور بچہ جننا اور بچہ کب ہوگا، کیسا ہوگا وغیرہ سب اس کے علم میں ہوتا ہے۔ زمین و آسمان کا کوئی ذرہ بھی اس کے وسیع علم سے باہر نہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا

جو پتہ جھڑتا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے (الانعام: ۵۹)

قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کے سامنے استہزا کے طور پر مشرکوں سے پوچھے گا کہ جن کو تم دنیا میں میری عبادت اور الوہیت میں شریک کرتے تھے، آج وہ کہاں ہیں۔ ان کو لاؤ تا کہ وہ تمہیں اس مصیبت اور پریشانی سے نجات دلا دیں۔ مشرکین عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ کر شرک سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔ ان کے تمام باطل معبود جن کو وہ دنیا میں پوجا کرتے تھے غائب ہو جائیں گے۔ کوئی بھی ایسا نظر نہ آئے گا جو ان کو نفع پہنچا سکے اور ان کو یقین ہو جائے گا کہ اللہ کے عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں۔ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے۔ (ابن کثیر ۴/۱۰۴)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

اور گنہگار لوگ جہنم کو دیکھیں گے تو ان کو یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں گرنے

والے ہیں۔ وہ اس سے بچنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ (الکہف: ۵۳)

عذابِ شدید کی وعید

۴۹۔۵۱: لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۡ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ۝

آدمی بھلائی مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو ناامید ہوکر آس توڑ دیتا ہے اور اگر ہم اسے تکلیف پہنچنے کے بعد اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں تو کہتا ہے کہ میں تو اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے اور اگر (بالفرض) مجھے اپنے رب کی طرف واپس جانا بھی پڑا تو یقیناً اس کے پاس بھی میرے لیے بہتری ہی ہے سو ہم ان کافروں کو ان کے اعمال کے بارے میں ضرور بتائیں گے اور ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ جب ہم انسان پر اپنا انعام فرماتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کروٹ بدل لیتا ہے اور جب اس کو مصیبت پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔

یَسْـَٔمُ : وہ اکتاتا ہے، اس کا جی بھرتا ہے۔ سامۃٌ سے مضارع۔

یَئُوْسٌ : مایوس، ناامید۔ یأسٌ سے صفت مشبہ۔

قَنُوْطٌ : ناامید، مایوس۔

تشریح: انسان کی طبیعت عجیب طرح کی ہے، وہ مال کی خواہش وطلب، دنیاوی عیش وآرام اور تندرستی کے حصول میں حریص رہتا ہے۔ اس کی حرص کی کوئی حد نہیں۔ اگر اس کا بس چلے تو ساری دنیا

کی دولت لے کر اپنے گھر میں ڈال لے لیکن جہاں اس کو کچھ تکلیف پہنچنا شروع ہوئی اور اسباب ظاہری کا سلسلہ اس کے خلاف ہوا تو مایوس و ناامید ہونے میں دیر نہیں کرتا۔ اس میں وہ پیش آمدہ اسباب پر نظر کر کے ناامید ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر اعتماد نہیں رکھتا جو قادر مطلق اور مسبب الاسباب ہے۔ اس مایوسی کے بعد اگر بالفرض اللہ نے اس کی تکلیف و مصیبت دور کر کے اپنی مہربانی سے پھر عیش و آرام اور راحت و سکون کا سامان کر دیا تو کہنے لگتا ہے کہ یہ تو میری حسن تدبیر اور لیاقت و فضیلت سے اسی طرح ہونا تھا۔ یہ تو میرا حق ہے جو مجھے ملنا ہی چاہئے تھا۔ اس وقت نہ اس کو اللہ کی مہربانی یاد رہتی ہے اور نہ وہ مایوسی کی کیفیت جو چند منٹ پہلے اس کے قلب پر طاری تھی۔ اب عیش و آرام کے نشے میں ایسا مخمور ہے کہ آئندہ بھی کسی مصیبت اور تکلیف کے پیش آنے کا خطرہ نہیں رہتا اور سمجھتا ہے کہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔ اپنی اس خود فریبی کے دوران اگر کبھی قیامت کا نام سن لیتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تو نہیں سمجھتا کہ قیامت آنے والی ہے۔ اگر بالفرض قیامت آ ہی گئی اور مجھے لوٹ کر اپنے رب کے پاس جانا ہی پڑا تو مجھے یقین ہے کہ جس طرح میں یہاں سکھ چین سے ہوں وہاں بھی ہوں گا۔ اگر میں اللہ کے نزدیک برا اور نالائق ہوتا تو وہ مجھے دنیا میں عیش و آرام نہ دیتا۔

پھر فرمایا کہ ہم منکروں کو اُن کی تمام بداعمالیوں کے بارے میں ضرور بتائیں گے اور بلاشبہ ہم ان کو شدید عذاب کا مزہ ضرور چکھائیں گے جس سے رہائی ممکن نہ ہوگی۔ جب ہم انسان پر کافر ہونے کے باوجود مال و اولاد اور صحت و تندرستی جیسے انعامات فرماتے ہیں تو شکر کرنے کی بجائے منہ پھیر لیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو خوب لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔ (عثمانی ۲/۵۰۳)

بڑی گمراہی

۵۲۔۵۴: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۝ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کر دو تو

ایسے شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اس کی مخالفت میں (حق سے) دور جا پڑا۔ بہت جلد ہم آفاق میں بھی ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن حق ہے۔ کیا آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہونے کے لئے کافی نہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ وہ (اللہ) ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تشریح: آپ ان منکرین قرآن کو بتا دیجئے کہ اگر یہ قرآن جیسا کہ حقیقت ہے، اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آیا ہوا ور پھر بھی تم اس کا انکار کر دو اور اس کو جھٹلاؤ تو اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اپنے کفر و مخالفت کی وجہ سے راہ حق اور ہدایت سے بہت دور جا پڑا ہو۔ بہت جلد ہم اپنی قدرت کی نشانیاں ان کے گرد و نواح میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کی ذات میں بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ قرآن اللہ کا بھیجا ہوا اور حق ہے، اہل اسلام کو فتوحات ہوں گی، وہ سلطنتوں کے سلطان بنیں گے اور اسلام تمام دینوں پر غالب ہوگا۔ فتح بدر اور فتح مکہ کی نشانیاں خود ان کی اپنی جانوں میں ہوں گی کہ مشرکین مکہ تعداد اور شان و شوکت میں زیادہ ہونے کے باوجود مٹھی بھر اہل حق کے ہاتھوں زیر و زبر ہو جائیں گے۔

کیا آپ کے رب کی یہ بات آپ کی تصدیق کے لیے کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے اور ہر چیز کو دیکھتا اور جانتا ہے۔ ایسے علیم و خبیر سے بڑھ کر کس کی شہادت ہو سکتی ہے۔ کسی معاملے میں اللہ کا گواہ ہونا بڑی بات ہے۔ حقیقت میں ان لوگوں کو قیامت کے قائم ہونے کا یقین ہی نہیں حالانکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ اس کے باوجود وہ بے فکر ہیں، نیکیوں سے غافل اور برائیوں میں مبتلا ہیں۔ خوب سن لو کہ اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے۔ ساری مخلوق اس کے قبضے میں ہے۔ وہ جو چاہے کرے تو اس کا ہاتھ نہیں روک سکتا۔ (ابن کثیر ۱۰۴، ۴/۱۰۵۔ مظہری ۳۰۵، ۸/۳۰۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الشوریٰ

وجہ تسمیہ: اس کی آیت ۳۸ میں مذکور ہے کہ مسلمانوں کے امور باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الشوریٰ مشہور ہوگیا۔ اس کو سورۃ حٰم عسق بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں پانچ رکوع، ۵۳ آیات، ۸٦٦ کلمات اور ۳۵۸۸ حرف ہیں، مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباس اور قتادہ کی روایت میں ہے کہ اس کی چار آیتیں قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (سے ۴ آیتیں) مستثنیٰ ہیں جو ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئیں۔ اس سورت میں زیادہ تر اثبات رسالت، وحی الٰہی اور عظمت قرآن کا بیان ہے اور منکرین و مجرمین کے لئے تنبیہ ہے کہ یہ اپنی بداعمالیوں کی سزا سے نہیں بچ سکتے۔ (مواہب الرحمٰن ۳/ ۴۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: وحی الٰہی اور اولین و آخرین کے جمع ہونے کے دن کا بیان ہے۔

رکوع ۲: ابتدا میں بتایا گیا ہے کہ آسمان و زمین کے خزانوں کا مالک اللہ ہی ہے، وہی جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں وسعت پیدا کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی پیدا کرتا ہے۔ پھر مشرکین پر توحید کا گراں ہونا اور آپ ﷺ کو دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہنے کا حکم ہے۔

رکوع ۳: دنیا و آخرت کی کھیتی کا بیان ہے۔ پھر مومنوں کو بشارت اور ان کے انعامات کا بیان ہے۔

رکوع ۴: اس کی قدرت کی نشانیوں، سمندروں کی تسخیر، مومنین کی صفات اور عدل کے ساتھ بدلہ لینے کا بیان ہے۔

رکوع ۵: کفار کی ذلت و رسوائی اور انسان کا ناشکرا پن بیان کیا گیا ہے۔ پھر وحی کے مراتب و کیفیات مذکور ہیں۔

حروف مقطعات

۱۔۲: حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾

یہ حروف مقطعات ہیں، ان کے معنی و مراد اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔

وحیٔ الٰہی کی کیفیت

۳۔۶: كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۭ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ڮ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶﴾

اللہ تعالیٰ جو زبردست (اور) حکمت والا ہے، اسی طرح آپ پر اور آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء پر وحی بھیجتا رہا۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اسی کا ہے، وہی سب سے برتر اور عظیم ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ (اللہ کی ہیبت سے) آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی حمد و تسبیح کر رہے ہیں اور اہل زمین کے لیے بخشش طلب کر رہے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ ہی معاف کرنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے۔ جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو (اپنا) کارساز بنا رکھا ہے تو اللہ ان کو دیکھ رہا ہے اور آپ پر ان کی ذمے داری نہیں۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جس طرح یہ قرآن وحی کے ذریعے آپ پر نازل ہوا ہے اسی طرح آپ سے پہلے گزرے ہوئے پیغمبروں پر بھی وحی کے ذریعے کتابیں اور صحیفے نازل ہو چکے ہیں، یہ سب اللہ کی طرف سے نازل ہوئے جو بڑی عزت اور زبردست حکمت والا ہے۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی کی کیفیت پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک زنجیر کی گڑگڑاہٹ سنتا ہوں پھر کان لگا لیتا ہوں۔ ایسی وحی میں مجھ پر اتنی شدت ہوتی ہے کہ ہر مرتبہ اپنی روح نکل جانے کا گمان ہوتا ہے۔ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ پر وحی کس طرح نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کبھی تو گھنٹی کی مسلسل آواز کی طرح، جو مجھ پر بہت بھاری پڑتی ہے۔ جب وہ ختم ہوتی ہے تو مجھے جو کچھ کہا گیا وہ سب یاد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اسے یاد رکھ لیتا ہوں۔ بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں بھی جب آپ پر وحی اترتی تھی تو وحی کی شدت سے آپ پسینے پسینے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ پسینے کی بوندیں پیشانی سے ٹپکنے لگتی تھیں۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی کا ہے۔ تمام مخلوق اس کے سامنے عاجز و مجبور ہے اور وہی سب سے بالا اور عظیم الشان ہے۔ اس کی عظمت و جلالت کا یہ حال ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ آسمان اس کی ہیبت سے پھٹ پڑے۔ فرشتے اس کی عظمت سے کپکپاتے ہوئے اس کی پاکی اور تعریف بیان کرتے رہتے ہیں اور زمین والوں کے لیے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں۔

جیسے ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ

عرش کو اٹھانے والے اور اس کے قرب و جوار کے فرشتے اپنے رب کی تسبیح اور حمد بیان کرتے رہتے ہیں۔ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اہل ایمان کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ (مومن: ۷)

پھر فرمایا کہ خوب سن لو کہ اللہ ہی بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں نے اس کے سوا دوسروں کو کارساز قرار دے رکھا ہے ان کے اعمال کی دیکھ بھال میں خود کر رہا ہوں۔ میں خود ہی ان کو پورا پورا بدلہ دوں گا۔ آپ کا کام صرف ان کو آگاہ کرنا ہے۔ آپ کو ان پر اختیار نہیں دیا گیا کہ آپ ان کو اپنے مقصد کے مطابق ہدایت پر لے آئیں اور نہ آپ ان کے ذمے دار ہیں۔ (ابن کثیر ۱۰۵، ۱۰۶/۴)

حشر کا یقینی دن

۷۔۹: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى
وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي
الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ۝ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَاۗءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ
مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۚ
فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُـحْيِ الْمَوْتٰى ۡ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف عربی قرآن کی وحی کی ہے تاکہ آپ مکہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو ڈرائیں اور قیامت کے روز سے بھی ڈرائیں جس کے (واقع ہونے میں) کوئی شبہ نہیں (اس دن) ایک گروہ جنت میں ہوگا اور ایک گروہ جہنم میں۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کا کوئی حامی اور مددگار نہیں۔ کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو کارساز بنا رکھا ہے سو اللہ ہی کارساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریح: جس طرح آپ سے پہلے انبیا پر وحی آتی رہی اسی طرح آپ پر بھی یہ قرآن وحی کے ذریعے نازل کیا گیا ہے جو عربی زبان میں بالکل واضح اور صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔ سب سے پہلے آپ مکہ میں بسنے والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے اردگرد رہتے ہیں، اللہ کی نافرمانی سے ڈرایئے اور ان کو اللہ کے عذابوں سے آگاہ کر دیجئے۔ آپ ان سب کو قیامت کے دن کا خوف بھی دلایئے جو میدانِ حشر میں تمام اولین و آخرین کے جمع ہونے کا دن ہے اور جس کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ اس دن کچھ لوگ جنتی ہوں گے اور کچھ جہنمی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝
وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ
نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝

یہ (آخرت کا دن) ایک ایسا دن ہوگا جس میں سب لوگ جمع کیے جائیں گے اور وہ سب کے پیش ہونے کا دن ہے اور ہم نے اس کو ایک مقررہ مدت کے لیے ملتوی کیا ہوا ہے۔ جب وہ دن آ جائے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات بھی نہ کر سکے گا۔ پھر ان میں سے کچھ بد بخت اور کچھ نیک ہوں گے۔ (ہود:۱۰۳،۱۰۵)

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی دین پر کر دیتا یعنی اسلام پر اور ان میں ایمان و کفر اور توحید و شرک کا فرق و اختلاف نہ ہوتا لیکن یہ اس کی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کہ وہ جس کو چاہتا ہے ایمان و ہدایت کے ذریعہ اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کی بدنصیبی اور شقاوت کی وجہ سے اپنی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن ظالموں کا نہ کوئی حامی ہوگا کہ ان کے عذاب کو دفع کر سکے اور نہ کوئی مددگار جو ان کو دوزخ سے بچا سکے۔ کافروں نے چونکہ اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا حامی اور کارساز بنا رکھا ہے اسی لیے وہ ان کی پرستش کرتے ہیں اور ان کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں حالانکہ حقیقی ولی اور کارساز تو اللہ ہی ہے جو مردوں کو زندہ کرتا اور ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تمام خزانوں کا مالک

۱۰۔۱۲: وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۞ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۞ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۞

جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔ وہی اللہ میرا رب ہے میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہارے لیے تمہاری جنس کے جوڑے بنائے اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے۔ اس طرح وہ

تمہیں اس (زمین) میں پھیلاتا رہتا ہے۔ کوئی اس کے مثل نہیں۔ وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو کشادہ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ یقیناً وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

فاطِرٌ: پیدا کرنے والا، عدم کو پھاڑ کر وجود میں لانے والا۔ فطرٌ سے اسم فاعل۔

یذرءُ: وہ پیدا کرتا ہے، وہ پھیلاتا ہے۔ ذرءٌ سے مضارع۔

مقالِیْدُ: کنجیاں، خزانے۔ واحد مِقلدٌ۔

یقْدِرُ: وہ (رزق) تنگ کرتا ہے، وہ کم کرتا ہے۔ قدْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اے لوگو! اگر کسی امر میں تم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے سو وہ جو حکم فرمادے اسی پر یقین کرنا چاہئے کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اس کا حکم اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے معلوم کیا جائے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ

پھر اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔ (النساء: ۵۹)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ جو اللہ ہر چیز پر حاکم و قادر ہے وہی میرا رب ہے۔ میں دشمنوں کی شرارتوں کو دفع کرنے اور تمام امور میں اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرتا ہوں اور ہر قسم کی مشکلات میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ وہ آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی تمام مخلوق کا خالق ہے۔ اس نے تمہاری ہی جنس سے تمہارے جوڑے یعنی عورتیں پیدا کیں اور چوپایوں کے بھی جوڑے پیدا کئے۔ جوڑے بنانے کی اس تدبیر سے اللہ تعالیٰ تمہاری اور چوپایوں کی نسل پھیلا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس خالق و مالک جیسا کوئی نہیں وہ واحد وصمد ہے، بے مثل و بے نظیر ہے اور سمیع و بصیر ہے۔ سارے عالم کا متصرف، مالک و حاکم اور لاشریک لہ ہے۔ زمین و آسمان کے خزانے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے روزی تنگ کر دیتا ہے۔ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور اس کا وسیع علم ساری مخلوق کو گھیرے ہوئے ہے۔

مشرکین پر توحید کا گراں ہونا

۱۳-۱۴: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا
الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ
اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۝ وَ
مَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ
مُرِيْبٍ ۝

اللہ نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے وحی کے ذریعے آپ کی طرف بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا، مشرکوں پر وہ بات بڑی گراں گزرتی ہے جس کی طرف آپ ان کو بلا رہے ہیں۔ اللہ ہی جسے چاہتا ہے منتخب فرمالیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کی صحیح رہنمائی فرماتا ہے۔ وہ لوگ علم آجانے کے بعد آپس کی ضد سے باہم متفرق ہوگئے اور اگر آپ کے رب کی طرف سے ایک مقررہ وقت کے لیے ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب کا وارث بنایا گیا وہ اس کی طرف سے شک اور تردد میں پڑے ہوئے ہیں۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اس امت پر اپنے ایک انعام کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے تمہارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا حکم حضرت آدم علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے پاس بھی اسی دین کو قائم رکھنے کا حکم بھیجا ہے اور آپ سے پہلے حضرت ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے ذریعے ان کی امتوں کو بھی اسی دین کو قائم رکھنے اور اپنی

خواہشات کی پیروی، تعصب اور ضد کی بنا پر اس میں تفرقہ نہ ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ پس دین اسلام کوئی نیا دین نہیں بلکہ یہی تمام انبیاء کا دین رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہر مذہب گمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کے انبیاء، اس کی کتابوں، اس کے فرشتوں، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے، جو کچھ انبیاء لیکر آئے سب کو ماننے، اللہ کے احکام پر عمل کرنے اور ممنوع باتوں سے اجتناب کرنے کا نام دین اسلام ہے۔ سب شریعتیں اس پر متفق ہیں۔

احمد اور ابو داؤد میں حضرت ابو ذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جماعت کو ایک بالشت ترک کیا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے نکال دی۔ ترمذی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جس پیغام توحید اور حق کی طرف آپ لوگوں کو بلا رہے ہیں اور ان کو بت پرستی ترک کرنے کا جو حکم آپ دیتے ہیں اس پر اہل حق تو ایمان لے آتے ہیں مگر مشرکین پر یہ پیغام بہت گراں گزرتا ہے کہ ان کے دلوں سے نہ بت پرستی نکلتی ہے اور نہ ان کی سمجھ میں توحید آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی بندگی کے لیے خالص فرما لیتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ اس کو اپنی طرف پہنچنے کی توفیق دے دیتا ہے۔ سابقہ امم، حق کا علم حاصل ہو جانے کے باوجود آپس کے تعصب اور ضد بحث کی بنا پر مختلف فرقوں میں تقسیم ہوئیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی ایک مقررہ مدت تک ان کو مہلت دینے کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا یعنی قیامت کا دن حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لیے مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو دنیا ہی میں ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور ان کو بد اعمالیوں کی سزا دے دی جاتی اور دنیا دیکھ لیتی کہ حق سے اختلاف کرنے والوں کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ بیشک جن لوگوں کو یہود و نصاریٰ کے بعد کتاب الٰہی دی گئی (مشرکین مکہ) وہ اس کتاب کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے ان کو تردد میں ڈال رکھا ہے۔ (مظہری ۳۱۲، ۸، مواہب الرحمٰن ۲۲، ۲۶، ۲۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتِ حق کا حکم

۱۵: فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ
قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ

اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ۝

سو آپ اسی (دین) کی طرف بلاتے رہیے اور جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر قائم رہیے اور ان کی خواہشات پر نہ چلئے اور آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے جو بھی کتاب نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کرتا رہوں۔ اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے۔ ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

تشریح: آپ غیر متزلزل عزم کے ساتھ لوگوں کو اسی دین کی طرف بلاتے رہئے جس کی دعوت آدم ونوح اور ان کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام دیتے رہے، آپ اپنے پروردگار کے حکم سے ذرہ برابر بھی ادھر ادھر نہ ہوں بلکہ اسی راستے پر چلتے رہئے جس پر اب تک چلتے رہے۔ مکذبین و معاندین کی خواہشات کی ذرا پرواہ نہ کیجئے اور صاف صاف اعلان کر دیجئے کہ میں اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر سچے دل سے یقین رکھتا ہوں خواہ وہ توریت ہو یا انجیل یا قرآن یا کوئی اور صحیفہ میرا کام پہلی صداقتوں کو جھٹلانا نہیں بلکہ ان کو تسلیم کرنا اور باقی رکھنا ہے۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں اور جو اختلافات تم نے پیدا کر رکھے ہیں ان کا منصفانہ فیصلہ کروں۔ تمہارا اور ہمارا رب ایک ہی ہے اس لیے ہم سب کو اسی کی خوشنودی کے لیے کام کرنا چاہئے۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میرا تم سے کچھ تعلق نہیں، میں تو دعوت و تبلیغ کا فرض ادا کر چکا، نہ میں تمہارے اعمال کا ذمہ دار ہوں اور نہ تم میرے اعمال کے ذمہ دار۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے موافق بدلہ ملے گا۔ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا اور بحث و تکرار نہیں۔ قیامت کے روز اللہ ہم سب کو جمع کر کے ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر تھا اور کون باطل پر (عثمانی ۲/۵۱۰)

قیامت کا استہزاء

۱۶۔۱۹: وَالَّذِيْنَ يُحَاۤجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ۝

اَللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَؕ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیْبٌ ۝ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَاۚ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَاۙ وَ یَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِیْنَ یُمَارُوْنَ فِی السَّاعَةِ لَفِیْ ضَلٰلٍۭ بَعِیْدٍ ۝ اَللّٰهُ لَطِیْفٌۢ بِعِبَادِهٖ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُۚ وَهُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ۠ ۝۱۹

جو لوگ اللہ کی دعوت قبول کرنے والوں سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اللہ کے نزدیک ان کی بحث وتکرار فضول ہے اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے اللہ نے ہی حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے اور میزان اتارا ہے۔ آپ کو کیا معلوم شاید قیامت قریب ہی ہو۔ جو لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے وہی اس کے لیے جلدی کرتے ہیں۔ اور جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں وہ اس سے ڈرتے رہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔ یاد رکھو جو لوگ قیامت کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ بڑی گمراہی میں ہیں۔ اللہ اپنے بندوں سے نرمی برتتا ہے۔ جس کو جو چاہتا ہے رزق دیتا ہے۔ وہ قوی (اور) زبردست ہے۔

داحضۃ: باطل، گرنے والی، کمزور، ختم ہونے والی، فضول۔ دَحوض سے اسم فاعل۔

یُمارُوْنَ: وہ جھگڑا کرتے ہیں، وہ لڑتے ہیں۔ مُماراۃ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ اللہ کا دین قبول کئے جانے کے بعد بھی اس کے بارے میں حجت بازی کرتے ہیں تو اللہ کے نزدیک ان کی حجت اور بحث ومباحثہ بے بنیاد ہے۔ ان پر اللہ کا غضب ہوگا کہ انہوں نے اپنے خالق ومالک عز وجل کا انکار کیا، اس کی بندگی چھوڑ کر دوسروں کی بندگی کی اور اس کے بھیجے ہوئے رسول کو ماننے اور اس پر ایمان لانے کی بجائے اس کے ساتھ عداوت وقتال پر آمادہ ہوئے اس لیے ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اللہ ہی نے حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور عدل وانصاف اتارا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِۚ

بیشک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔ (الحدید: ۲۵)

پھر فرمایا کہ آپ کو کیا معلوم کہ قیامت کب آئے گی۔ ممکن ہے وہ بہت قریب ہو۔ اس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی لوگ کرتے ہیں جو اس پر ایمان و یقین نہیں رکھتے کیونکہ ان کو قیامت کی عظمت و ہیبت کا اندازہ نہیں۔ اس کے برعکس مومن اس کا یقین رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس کا آنا برحق ہے۔ وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے اور قیامت کے تصور سے کانپتے ہیں پس قیامت کا وقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ جو لوگ قیامت کے آنے میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں، اس کے منکر ہیں اور اسے محال جانتے ہیں وہ نرے جاہل ہیں۔ وہ سیدھے راستے سے بھٹک کر بہت دور نکل گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے۔ وہ بڑی قوت اور غلبے والا ہے۔ (ابن کثیر ۱۱۰/۴)

نیکیوں کے ثواب میں زیادتی

۲۰۔۲۲: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَاۗءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝

جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہو تو ہم اس کو اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ کیا ان لوگوں کے لیے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کر دیا جس کا حکم اللہ نے نہیں دیا اور اگر فیصلے کی

ایک بات (مقرر) نہ ہو چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ ہو چکا ہوتا ۔ یقیناً ان ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے ۔ (قیامت کے دن) آپ ان ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے ۔ اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے وہ جنتوں کے باغوں میں ہوں گے ۔ وہ جو چاہیں گے ان کے رب کے پاس ملے گا ۔ یہی بڑا فضل ہے ۔

حَرْثٌ : کھیتی ۔ مصدر ہے ۔

نَصِیبٌ : حصہ ، ٹکڑا ، قسمت ۔ جمع نُصُبٌ ۔

مُشْفِقِیْنَ : ڈرنے والے ۔ اشفاق سے اسم فاعل ۔

تشریح : جو شخص آخرت کا طالب ہو ہم خود اس کی مدد کرتے ہیں ، اسے قوت دیتے ہیں اور اس کی نیکیاں بڑھاتے رہتے ہیں ۔ کسی کی نیکی کو دس گنا کر دیتے ہیں ، کسی کی سات سو گنا اور کسی کو اس سے بھی زیادہ ۔ غرض جس کے دل میں آخرت کی چاہت ہوتی ہے اس کو نیک اعمال کی توفیق ملتی رہتی ہے اور جس کی تمام کوشش حصول دنیا میں صرف ہوتی ہے اور آخرت کی طرف توجہ نہیں ہوتی تو اگر ہم چاہیں تو اس کو دنیا میں کچھ دیدیں گے لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا ۔ اللہ کے دین کی پیروی کرنے کی بجائے مشرکوں نے جنوں اور شیطانوں کو اپنا بڑا سمجھ رکھا ہے ۔ ان شیاطین نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی ۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے شدہ نہ ہوتی کہ وہ مجرموں کو قیامت تک ڈھیل دے گا تو دنیا میں ہی ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ۔ بلاشبہ ظالموں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے ۔

قیامت کے دن تم دیکھو گے کہ یہ ظالم لوگ اپنے کفر و شرک اور معاصی کی سزا سے خوفزدہ ہوں گے مگر ان کو عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا ۔ اور یہ اپنے اعمال کا مزہ چکھ کر رہیں گے ۔ اس کے برعکس مومن جنہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے ہوں گے وہ جنت کے باغوں میں مزے کر رہے ہوں گے ۔ ان کو ان کے رب کے پاس ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے ۔ یہی اللہ کا بڑا فضل اور انعام ہے ۔

مومنوں کو بشارت

۲۳ ۔ ۲۴ : ذٰلِکَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ

قُلْ لَّاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰىؕ وَ مَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًاؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًاۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَؕ وَ یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝

یہ بشارت اللہ اپنے اُن بندوں کو دے رہا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے۔ آپ کہہ دیجئے میں اس پر تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا بجز رشتہ داری کی محبت کے اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کی خوبی اور بڑھا دیں گے۔ بیشک اللہ بخشنے والا (اور) بڑا قدر دان ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ (پیغمبر نے) اللہ پر جھوٹ باندھا ہے۔ سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے کلام سے ثابت کرتا ہے۔ بیشک وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے۔

یقترف : وہ نیکی کرے گا، وہ کمائے گا۔ اقتراف سے مضارع۔

یمح : وہ محو کرتا ہے، وہ مٹاتا ہے، وہ منسوخ کرتا ہے۔ محوٌ سے مضارع۔

تشریح: گزشتہ آیتوں میں جنت کی نعمتوں کا ذکر کر کے فرمایا کہ اعمال صالحہ پر کاربند مومنوں کو جنت کی ان نعمتوں کی بشارت ہو پھر اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان مشرکین مکہ سے کہہ دیجئے کہ اس مشفقانہ وعظ و نصیحت اور ہمدردانہ دعوت و تبلیغ پر میں تم سے کسی قسم کا معاوضہ طلب نہیں کر رہا۔ صرف اتنا چاہتا ہوں کہ قرابت دار ہونے کے ناتے تم سے جو میرے خاندانی اور نسبی تعلقات ہیں کم از کم ان کو نظر انداز نہ کرو۔ بسا اوقات تم اپنے اقارب اور رشتہ داروں کی تو بے موقع بھی حمایت کرتے ہو، تم اگر میری بات نہیں مانتے تو نہ مانو، میرا دین قبول نہیں کرتے یا میری تائید و حمایت میں نہیں کھڑے ہوتے تو نہ سہی لیکن تم کم از کم قرابت کا خیال کر کے ظلم و ایذا رسانی سے تو باز رہو اور مجھے اتنی آزادی دو کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام دنیا کو پہنچاتا رہوں۔ کیا میں اس کا بھی مستحق نہیں ہوں۔

جو شخص کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکی کے اجر و ثواب کو بڑھا دیتا ہے۔

جیسے ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ ۚ وَ اِنْ تَکُ حَسَنَۃً یُّضٰعِفْھَا وَ یُؤْتِ مِنْ لَّدُنْہُ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر ظلم نہیں کرتا اگر نیکی ہو تو اس کو اور بڑھا دیتا ہے اور اپنے پاس سے اجرِ عظیم عنایت فرماتا ہے۔ (النساء: ۴۰)

بیشک اللہ تعالیٰ گناہوں کو بہت بخشنے والا اور نیکیوں کی قدر کرنے والا ہے کہ ان کا اجر بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جاہل کفار کا یہ کہنا کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کرکے یا قرآن کو اللہ کی کتاب کہہ کر، اللہ پر بہتان تراشی کی ہے، درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم آپ کے دل پر مہر لگا دیتے اور آپ کو کچھ بھی یاد نہ رہتا۔ جیسے ارشاد ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ ۝ فَمَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْہُ حٰجِزِیْنَ ۝

اگر رسول ہمارے ذمے کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا (ہاتھ) پکڑ کر ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے اور تم میں سے کوئی بھی انہیں اس سزا سے نہ بچا سکتا۔ (الحاقۃ: ۴۴۔۴۷)

اگر وہ ہمارے کلام میں کچھ بھی زیادتی کرتے تو ہم ایسا انتقام لیتے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے نہ بچا سکتی۔ اگر رسول افترا پرداز ہوتے تو اللہ ان کے افترا کو مٹا دیتا کیونکہ اللہ کا دستور یہی ہے کہ وہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو وحی کے ذریعے ثابت کرتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ دلوں کے احوال خوب جاننے والا ہے اس لیے وہ سب کے اقوال و افعال اور عقائد و خیالات سب پر مطلع ہے۔

(عثمانی ۲:۵۱۲، ابن کثیر ۴:۱۱۴)

مومنوں پر انعامات

۲۵۔۲۸: وَھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَیَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَ یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیْدُھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ۚ وَ الْکٰفِرُوْنَ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۝ وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰہُ الرِّزْقَ لِعِبَادِہٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ

وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ
وَ هُوَ الَّذِىْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ
رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِىُّ الْحَمِيْدُ ۝

وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ وہ ان کی دعا قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔ اگر اللہ اپنے سب بندوں کے لیے رزق کشادہ کر دیتا تو وہ زمین میں فساد برپا کر دیتے لیکن وہ اندازے کے ساتھ (جس قدر مناسب سمجھتا ہے) نازل فرماتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کی ضرورتوں) سے باخبر ہے اور خوب دیکھنے والا ہے۔ وہی لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے۔ وہی کارساز اور قابل حمد ہے۔

الغیث : بارش۔ جمع غُیُوْثٌ ۔

قَنَطُوْا : وہ نااُمید ہو گئے، وہ مایوس ہو گئے۔ قُنُوْطٌ سے ماضی۔

يَنْشُرُ : وہ پھیلاتا ہے۔ نَشْرٌ سے مضارع۔

تشریح: وہ اپنے بندوں پر اس قدر مہربان ہے کہ بد سے بد گناہ گار بھی جب اپنی بدکرداری سے باز آ جائے، خلوص کے ساتھ اس کے سامنے جھکے اور سچے دل سے توبہ کرے تو وہ اپنے رحم و کرم سے اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس کے تمام گزشتہ گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اپنا فضل اس کے شامل حال کر دیتا ہے۔ وہ تمہارے ہر قول و عمل کو جانتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ سے اس قدر خوش ہوتا ہے کہ اتنی خوشی اس کو بھی نہیں ہوتی جو ایسی جگہ میں ہو جہاں پیاس کے مارے ہلاک ہو رہا ہو اور وہیں اس کی سواری کا جانور گم ہو گیا ہو، جو اسے دفعتاً مل جائے۔ (ابن کثیر ۴/۱۱۵)

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب (گناہ کا) اقرار کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ ابن ماجہ اور بیہقی

نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گناہ سے توبہ کر لینے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ (مظہری ۳۲۳/ ۸)

وہ ایمان والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کی دعا قبول فرمالیتا ہے خواہ وہ اپنے لیے دعا کریں یا دوسروں کے لیے اور اپنے فضل سے ان کو اور زیادہ ثواب دیتا ہے۔ اس کے برعکس کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ اپنی سرکشی اور شرارت کے سبب حد سے بڑھ جاتے اس لیے وہ ایک اندازے کے مطابق جتنا چاہتا ہے رزق پہنچاتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ غنا اور فقیری کا مستحق کون ہے۔ جب لوگ باران رحمت کا انتظار کرتے کرتے مایوس ہو جاتے ہیں تو اس سخت حاجت اور شدید مصیبت کے وقت میں اللہ تعالیٰ ہی اپنی مہربانی سے بارش برساتا اور اپنی رحمت پھیلاتا ہے جس سے ان کی مایوسی اور خشک سالی دور ہو جاتی ہے اور ہر طرف پھل پھول، غلے اور نباتات پیدا ہوتے ہیں۔ وہی سب کا کارساز اور حمد و ستائش کے لائق ہے۔

قدرت کی نشانیاں

۲۹۔۳۱۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَهُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ۝ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور ان میں جانداروں کا پھیلانا (بھی) ہے اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر قادر ہے اور تم پر جو مصیبت پڑتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور بہت سے گناہوں کو تو اللہ معاف فرما دیتا ہے۔ تم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی کارساز ہے اور نہ مددگار۔

تشریح: آسمانوں اور زمین اور ان جانداروں کا پیدا کرنا بھی اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے جن کو اس نے آسمان و زمین میں پھیلا رکھا ہے۔ قیامت کے دن وہ ان سب کو ایک ہی میدان میں

جمع کرے گا جہاں اُن کے حواس اُڑے ہوئے ہوں گے اور ان میں عدل و انصاف کیا جائے گا۔ جو کچھ مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ حلیم ہے۔ وہ بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ان پر عذاب نہیں دیتا۔ اگر وہ ہر گناہ پر پکڑے تو تم زمین پر چل پھر بھی نہ سکو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جن مصائب کا فیصلہ کر دیا ہے تم قضائے الٰہی سے بھاگ کر زمین یا آسمان میں کہیں پناہ لے کر ان مصائب سے نہیں بچ سکتے اور اللہ کے مقابلے میں تمہارا کوئی حامی نہیں جو تمہیں بچا سکے اور نہ کوئی مددگار ہے جو مصیبت کو دفع کر سکے۔ بیہقی اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ (مظہری: ۳۲۵، ۳۲۶/ ۸)

سمندروں کی تسخیر

۳۲-۳۵: وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿٣٤﴾ وَّ يَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿٣٥﴾

اس کی نشانیوں میں سے پہاڑ جیسے جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ہوا بند کر دے۔ پھر وہ (جہاز) سمندر کی پیٹھ پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ بیشک اس میں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے نشانیاں ہیں یا وہ ان (جہازوں) کو (ان پر سوار) لوگوں کے اعمال کے سبب تباہ کر دے۔ وہ تو بہت سے لوگوں سے درگزر ہی کرتا ہے اور تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے جو ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں کہ ان کے لیے کہیں پناہ نہیں۔

جَوَار: کشتیاں، جہاز۔ واحد جارِیَۃٌ۔

اَعْلَام: پہاڑ۔ واحد عَلَمٌ۔

یَظْلَلْنَ: وہ ہو جائیں گے۔ ظُلُوْلٌ سے مضارع۔ فعل ناقص ہے۔

رَوَاکِد: ٹھہری ہوئیں، تھمی ہوئیں۔ واحد رَاکِدَۃٌ۔

یُوْبِقْهُنَّ: وہ ان کو تباہ کرتا ہے، وہ ان کو ہلاک کرتا ہے۔ اِیْبَاقٌ سے مضارع۔

محیص پناہ گاہ، بھاگنے کی جگہ۔ حَیْصٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے سمندر میں چلنے والے جہاز اور کشتیاں بھی ہیں جو پہاڑوں کی طرح بلند اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کشتیوں اور جہازوں کو ادھر سے ادھر لے جانے والی ہوائیں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اگر وہ چاہے تو ان ہواؤں کو روک لے جس کے نتیجے میں جہازوں کے بادبان بیکار ہو جائیں اور تمام جہاز اور کشتیاں سمندر کی سطح پر کھڑی کی کھڑی رہ جائیں۔ بلا شبہ ان جہازوں اور کشتیوں کے چلنے میں ہر صابر و شاکر مومن کے لیے قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے دو حصے ہیں۔ آدھا صبر ہے اور آدھا شکر۔

جس طرح ہوائیں بند کر کے کشتیوں کو ٹھہرا لینا اور روک لینا اس کی قدرت و اختیار میں ہے اسی طرح سمندر میں طوفان پیدا کر کے ان پہاڑوں جیسی کشتیوں کو دم بھر میں ڈبو دینا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو اہل کشتی کے گناہوں اور بداعمالیوں کے باعث انہیں غرق کر دے لیکن وہ حلیم ہے اور بہت سے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے اور اپنے لطف و کرم سے خوشگوار اور موافق ہوائیں چلاتا ہے اور لوگ ان کشتیوں پر لمبے لمبے سفر طے کرتے ہیں۔ یہی حال پانی کا ہے کہ اگر بالکل نہ برسائے تو خشک سالی سے دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر زیادہ مقدار میں برسا دے تو طغیانی آ جائے، مکان گر پڑیں، مویشی اور لوگ ہلاک ہو جائیں اور زمینی پیداوار ختم ہو جائے مگر وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے ان شہروں اور زمینوں میں زیادہ بارش برساتا ہے جہاں زیادہ پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور جہاں کم پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہاں کم پانی برساتا ہے۔ اگر ہم نے ان ناشکرے کافروں کو چند روز کے لیے سمندر میں غرق ہونے سے بچا دیا تو بھی بہت جلد ہم ان کو ایسے عذاب میں گرفتار کریں گے کہ ان کو معلوم ہو جائے گا کہ عذاب الٰہی سے بچ نکلنے کی اب کوئی صورت نہیں۔ (مظہری ۳۲۶، ۳۲۷/ ۸ مواہب الرحمٰن ۶۹، ۷۰/ ۲۵)

مومنین کی صفات

۳۶۔۳۹: فَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ

يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۖ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾

سو جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ دنیوی زندگی کو برتنے کے لیے ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ (اس سے) بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے (اور) وہ ان کے لیے ہے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اور جو کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے رب کا حکم مانتے اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کا ہر کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب ان پر زیادتی ہو تو برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔

تشریح: کافر دنیاوی مال ومتاع اور اس کی ہوس میں آخرت کا انکار کرتے ہیں اور مال کی کثرت کی بنا پر اپنے آپ کو تمام جہان سے بہتر و برتر اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب و معزز سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ تم کس بات پر متکبر و مغرور ہو کر آیاتِ الٰہی کا انکار کرتے ہو اور اہلِ ایمان پر اپنی فضیلت کا اظہار کرتے ہو۔ تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے وہ محض چند روزہ دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ تم میں سے ہر ایک کی زندگی کے اختتام کے ساتھ ہی یہ سارا ساز و سامان ختم ہو جائے گا۔ اس کے برعکس جو نعمتیں اور اجر و ثواب اللہ کے ہاں ہے وہ دائمی اور باقی رہنے والا ہے اور ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں، کبیرہ گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے رہتے ہیں اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ حقیقت میں یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی فرماں برداری کی، نماز کی پابندی کی، ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے وہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور جب کسی طرف سے ان پر ظلم و زیادتی ہوتی ہے تو برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت علی کی روایت نقل کی ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امین ہو اور وہ وہی مشورہ دے جو اپنے لیے اختیار کرنے والا ہو۔ یعنی وہ ایسا نہ ہو کہ اپنے لیے تو ایک بات پسند کرتا ہو اور دوسروں کو اس کے خلاف مشورہ دے۔ (مظہری: ۳۲۸/۸)

عدل کے ساتھ بدلہ لینا

۴۰۔۴۳ وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ
عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ۞ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ
عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۞

برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے اور جو معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد برابر کا بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق سرکشی کرتے ہیں۔ انہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو صبر کرے اور معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

تشریح: برائی کے بدلے میں ویسی ہی برائی کرنا جائز ہے جیسی اس کے ساتھ کی گئی۔ جیسے ارشاد ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪

پھر جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی کی مانند زیادتی کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ (البقرۃ: ۱۹۴)

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔ (النحل: ۱۲۶)

لیکن جو شخص معاف کر دے اور صلح صفائی کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور اس کا اجر و ثواب دے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو انتقام لینے میں برابری کی حد سے بڑھ جاتے ہیں

۔ جو لوگ اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد اسی قدر بدلہ لیتے ہیں جس قدر ان پر ظلم ہوا ہو تو بیشک ایسے لوگوں پر بدلہ لینے میں کسی قسم کا مواخذہ نہیں البتہ گناہ تو ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں اور زمین میں ناحق شر وفساد پھیلاتے ہیں ۔ یقیناً ایسے ظالموں اور مفسدوں کے لیے دردناک عذاب ہے ۔ جس شخص نے اپنے نفس کے لیے انتقام نہ لیا اور ظلم وزیادتی پر صبر کیا اور ظلم کرنے والے کو معاف کردیا ، نہ بددعا کی اور نہ ملامت کی تو بیشک ایسا کرنا بڑی ہمت کا کام ہے ۔ سو جو لوگ ان اوصاف کے ساتھ متصف ہوں گے اللہ کے ہاں ان کا بہت بلند مقام ہوگا ۔

کفار کی ذلت ورسوائی

۴۴۔۴۶ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْ بَعْدِهٖ ۭ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ
لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۝۴۴ وَ
تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ
طَرْفٍ خَفِيٍّ ۭ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ۝۴۵ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَاۗءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ۝۴۶

جس کو اللہ گمراہ کردے تو اس کے بعد اس کا کوئی چارہ ساز نہیں اور آپ دیکھیں گے کہ یہ ظالم عذاب کو دیکھ کر (حسرت سے) کہیں گے کہ کیا (دنیا میں) واپس جانے کی کوئی سبیل ہے اور آپ دیکھیں گے کہ (اس روز) وہ اس (جہنم) کے سامنے لائے جائیں گے تو ذلت سے جھکے جا رہے ہوں گے اور کن انکھیوں سے (دوزخ کو) دیکھ رہے ہوں گے اور ایمان والے کہیں گے کہ یقیناً وہی لوگ خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو (آج) قیامت کے دن خسارے میں ڈالا ۔ یاد رکھو ! ظالم لوگ یقیناً دائمی عذاب میں رہیں گے (وہاں) ان کے کوئی مددگار نہیں جو اللہ سے الگ (ہوکر) ان کی مدد کریں اور جسے اللہ گمراہ کردے اس کے لیے کوئی راہ (نجات) نہیں ۔

مَرَدّ: لوٹائے جانے کا وقت یا مقام۔ ردٌّ سے اسم ظرف زمان ومکان۔

طَرْف: نظر، نگاہ، آنکھ ہر چیز کا منتہیٰ، آنکھ جھپکانا۔ جمع اطراف۔

تشریح: اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اسے کوئی نہیں روک سکتا اس لیے وہ جسے سیدھا راستہ دکھادے اسے کوئی نہیں بہکا سکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی راہ راست نہیں دکھا سکتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۟

جسے وہ گمراہ کردے اس کا کوئی چارہ ساز اور رہبر نہیں۔ (الکہف: ۱۷)

قیامت کے روز یہ مشرکین اللہ کے عذابوں کو دیکھ کر دنیا میں دوبارہ آنے کی تمنا کریں گے۔

جیسے ارشاد ہے:

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۟

اور کاش تو انہیں دیکھتا جب وہ دوزخ کے پاس کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کیا ہی اچھا ہو کہ ہم دنیا میں دوبارہ بھیج دیئے جائیں تو ہم اپنے رب کی آیتوں کی ہرگز تکذیب نہیں کریں گے بلکہ ایمان لے آئیں گے۔

(الانعام: ۲۷)

یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔ اگر ان کو دوبارہ دنیا میں بھیج دیا جائے تب بھی یہ وہی کریں گے جس سے منع کئے جاتے ہیں۔ قیامت کے دن جب ان کو دوزخ کے پاس لاکر کھڑا کیا جائے گا تو اس وقت ذلت وشرمساری سے جھکے ہوئے ہوں گے اور نظریں بچا کر جہنم کو دیکھ رہے ہوں گے لیکن اس سے بچ نہ سکیں گے۔ اس وقت اہل ایمان کہیں گے کہ بیشک پورا پورا نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے آج اپنے آپ کو، اپنے گھر والوں اور متعلقین کو ہلاکت وخسارے میں ڈالا۔ یاد رکھو ظالم لوگ یعنی مشرکین ومنکرین دائمی عذاب میں رہیں گے۔ وہاں اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار بھی نہ ہوگا جو ان عذابوں سے بچا سکے یا ان میں کمی کر سکے پس جس کو اللہ گمراہ کردے اس کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ اس کے لیے خیر کے تمام دروازے بند ہیں۔

(ابن کثیر ۴/۱۲۰)

انسان کا ناشکرا پن

۴۷۔۵۰: اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ
اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝ فَاِنْ
اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ
وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ
سَيِّئَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ۝ لِلّٰهِ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا
وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ
وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝

لوگو! اپنے رب کا حکم مان لو قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے جو اللہ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ اس دن تمہارے لیے نہ کوئی پناہ کی جگہ ہوگی اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔ پھر اگر یہ لوگ (دعوت حق سے) منہ پھیر لیں تو ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کے ذمے تو صرف (پیغام کا) پہنچا دینا ہے اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بیشک انسان بہت ناشکرا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جس کو چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا انہیں بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بیشک وہ بڑے علم والا اور کامل قدرت والا ہے۔

عَقِيْمًا : بے اولاد، بانجھ، بے اثر، منحوس۔

تشریح: قیامت آ جانے سے پہلے پہلے تم اللہ کے احکام کو قبول کرلو اور اس کی اطاعت و فرماں برداری میں لگ جاؤ۔ جب قیامت کا دن آ جائے گا تو کوئی اسے لوٹانے والا نہ ہوگا۔ اس دن تمہیں کہیں جائے پناہ نہ ملے گی اور نہ تم کہیں چھپ کر اپنے آپ کو بچا سکو گے اور اللہ سے غائب ہو سکو گے۔

اگر یہ مشرکین پھر بھی اعراض کریں اور ایمان نہ لائیں تو آپ کو اس پر رنج و ملال کرنے کی ضرورت نہیں ۔ ہم نے آپ کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ سے ان کی روگردانی اور اعراض کی باز پرس کی جائے ۔ آپ کے ذمے تو صرف اللہ کا پیغام ہدایت پہنچا دینا ہے ان کا حساب ہم پر ہے سو قیامت کے روز ہم ان سے ذرّے ذرّے کا حساب لیں گے ۔

انسان کی حالت یہ ہے کہ جب ہم اس کو اپنی عنایت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہونے لگتا ہے اور اتراتا ہے ۔ اگر ایسے لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کے سبب جو وہ پہلے کر چکے ہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ناشکری کرنے لگتے ہیں اور گزشتہ تمام نعمتوں کو بھول جاتے ہیں ۔ آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک اور متصرف اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے ۔ وہ جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے ۔ وہ جسے چاہے لڑکیاں دے اور جسے چاہے لڑکے دے اور جسے چاہے لڑکے اور لڑکیاں دونوں دے اور جسے چاہے بے اولاد رکھے ۔ سب اسی کی قدرت اور اختیار میں ہے ۔ بیشک وہ بڑے علم اور قدرت والا ہے اور ہر مستحق کو جانتا ہے ۔

وحی کے مراتب و کیفیات

۵۱۔۵۳: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ۝

کسی انسان کی یہ (شان) نہیں کہ اللہ اس سے (براہ راست) بات کرے مگر بذریعہ الہام یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو بھیج دے کہ وہ اللہ کے حکم سے جو چاہے وحی کرے ۔ بے شک وہ بلند مرتبہ اور حکمت والا ہے ۔ اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے ایک فرشتہ آپ کی طرف اتارا ہے ۔ اس سے

پہلے آپ یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا لیکن ہم نے اس
(قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے
چاہتے ہیں راہِ راست دکھا دیتے ہیں اور بے شک آپ سیدھے راستے کی
طرف رہنمائی کر رہے ہیں۔ اُس اللہ کے راستے کی طرف جو آسمانوں اور زمین
کی سب چیزوں کا مالک ہے۔ یاد رکھو سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا موسیٰ علیہ السلام نے تو اللہ سے کلام کیا اور اُس کی طرف دیکھا بھی تھا۔ اگر آپ نبی ہیں تو آپ نے اللہ سے کلام کیوں نہیں کیا اور اُس کو کیوں نہیں دیکھا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۳۳۲/۸)

تشریح: اس آیت میں یہود کی اس بات کا رد ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کو دیکھا اور بلا واسطہ کلام کیا تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کسی انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ رُو در رُو کلام کرے۔ خود موسیٰ علیہ السلام نے بھی بالمشافہ اللہ تعالیٰ سے کلام نہیں کیا بلکہ پس پردہ صرف آواز سنی۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں کسی انسان سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کی صرف تین صورتیں ہیں۔

۱۔ وَحْیاً: کسی مضمون کو دل میں ڈال دینا۔ یہ جاگتے ہوئے بھی ہو سکتا ہے اور نیند میں بصورتِ خواب بھی جیسا کہ بہت سی احادیث میں منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات میرے دل میں القا کی گئی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ ان میں شیطانی تصرف نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں عموماً الفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوتے۔ صرف ایک مضمون دل میں آتا ہے جس کو وہ اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

۲۔ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ: جاگتے ہوئے پردے کے پیچھے سے کوئی حکم سننا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا مگر اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں۔ اسی لیے حضرت موسیٰ نے ارنی انظر الیک کی درخواست کی جس کا جواب نفی میں دیا گیا کہ لن ترانی تو ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ بات دنیا کے لیے ہے کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو بالمشافہ یعنی حجاب کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ جنت میں ہر شخص اللہ کو دیکھ سکے گا۔

۳۔ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا: کسی فرشتے (جبرئیل وغیرہ) اپنا کلام دے کر بھیجے اور وہ رسول کو

پڑھ کر سنا دے۔ یہی طریقہ عام رہا ہے۔ بے شک وہ بلندی و بزرگی والا ہے اور ساتھ ہی حکمت والا بھی ہے۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قرآن آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے جس کو ہم نے بذریعہ وحی آپ کی طرف اُتارا ہے۔ اس قرآن کے نازل ہونے سے پہلے اُمی ہونے کی بنا پر آپ ﷺ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ جس کی طرف دنیا کو دعوت دے رہے ہیں لیکن اس قرآن کو ہم ہی نے نور ہدایت بنایا ہے۔ اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں راہ ہدایت دکھاتے ہیں۔ جیسے کوئی بینا شخص آفتاب کی روشنی میں ذرہ برابر شک وشبہ نہیں کر سکتا اسی طرح اس قرآن میں بھی ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں جو تمام عالم کے لیے نور مبین اور نور ہدایت ہے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن کے ذریعے یقیناً آپ مخلوق خدا کو سیدھا راستہ دکھاتے ہیں جو اس خدا کا راستہ ہے جو آسمانوں اور زمین کے درمیان کی ہر چیز کا مالک و رب ہے۔ ان میں حکم چلانے والا بھی وہی ہے۔ کوئی اس کے حکم کو نہیں ٹال سکتا۔ آگاہ ہو جاؤ تمام امور اسی کی طرف پھیرے جاتے ہیں اور وہی تمام امور کے فیصلے کرتا ہے۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۱۳۔۱۴/۷، ابن کثیر ۱۲۱، ۱۲۲/۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الزخرف

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام سورۃ زخرف مشہور ہے کیونکہ یہ لفظ اس کی آیت ۳۵ میں آیا ہے۔

تعارف: اس میں سات رکوع، ۸۹ آیات، ۸۳۰ کلمات اور ۳۴۰۰ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی لیکن مقاتل سے نقل کیا گیا ہے کہ اس کی ایک آیت ۴۵ وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ ..... ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔

اس سورت میں کتاب الٰہی کی عظمت وحقانیت کا بیان اور بعض انبیاء کے احوال مذکور ہیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اقوام سابقہ کے حال سے عبرت اور سواری پر بیٹھنے کے آداب مذکور ہیں۔

رکوع ۲: بیٹی کی پیدائش پر رنجیدہ ہونا اور باپ دادا کی اندھی تقلید کا بیان ہے۔

رکوع ۳: حضرت ابراہیم کا اعلان توحید اور نبوت ورسالت کا عطیۂ خداوندی ہونا مذکور ہے۔

رکوع ۴: ذکرِ الٰہی سے اعراض کی سزا اور قرآن کا نعمتِ عظمیٰ ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۵: فرعون اور قوم فرعون کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۶: حضرت عیسیٰ کی مثال اور ان کا پیغام توحید۔

رکوع ۷: جنت کی نعمتیں، اہل جہنم کا دائمی عذاب اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وشان کبریائی کا بیان ہے۔

حروف مقطعات

۱: حٰمٓ ۝

یہ حروف مقطعات ہیں جن کے حقیقی معنی ومراد اللہ اور اُس کا رسول صلی اللہ

علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔

اقوام سابقہ کے احوال سے عبرت

۲۔۸: وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝
وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ اَفَنَضْرِبُ
عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۝ وَكَمْ اَرْسَلْنَا
مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا
بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى
مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

قسم ہے اس واضح کتاب کی بے شک ہم نے اسے عربی زبان کا قرآن بنایا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔ یقیناً یہ (قرآن) ہمارے پاس لوح محفوظ میں ہے، بلند مرتبہ اور حکمت والا ہے کیا اس نصیحت کو ہم تم سے اس لیے ہٹا لیں کہ تم حد سے بڑھ گئے ہو اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی بہت سے نبی بھیجے اور ان کے پاس کوئی نبی ایسا نہیں آیا جس کی انہوں نے ہنسی نہ اڑائی ہو، سو ہم نے ان میں سے زیادہ قوت والوں کو ہلاک کر دیا اور پہلے لوگوں کا قصہ گزر چکا ہے۔

تشریح: قسم ہے اس واضح اور روشن کتاب کی جس کے الفاظ نورانی ہیں اور جو سب سے زیادہ فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل ہوئی ہے تاکہ تم سوچو، سمجھو اور نصیحت و عبرت حاصل کرو۔ بیشک یہ قرآن ہمیشہ سے ہمارے پاس لوح محفوظ میں ہے اور نہایت بلند پایہ، شرافت و فضیلت والا، بہت محکم و مضبوط اور حکمتوں سے لبریز ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا
الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

یہ قرآن کریم لوح محفوظ میں درج ہے۔ فرشتوں کے سوا اس کو کوئی نہیں چھوتا یہ اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (الواقعہ: ۷۷۔۸۰)

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿١٤﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿١٥﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿١٦﴾

بیشک یہ قرآن نصیحت کی چیز ہے جس کا دل چاہے اسے قبول کرے۔ وہ معزز بلند مرتبہ اور مقدس صحیفوں میں ہے اور ایسے لکھنے والوں کے ہاتھ میں ہے جو ذی عزت اور پاک ہیں۔ (عبس: ۱۱، ۱۶)

پھر فرمایا کہ تم ایسی توقع مت رکھو کہ ہم تمہاری زیادتیوں، شرارتوں اور حد سے گزرنے کے سبب کتاب الٰہی کا نزول اور دعوت و نصیحت کا سلسلہ بند کر دیں گے اور تمہاری برائیوں پر تمہیں تنبیہ نہیں کریں گے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا بلکہ ہم تمہاری اصلاح کے لیے تمہیں تنبیہ بھی کریں گے اور وعظ و نصیحت بھی، تاکہ منکرین پر اتمامِ حجت ہو جائے۔ پھر آپ ﷺ کی تسلی کے لیے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کی تکذیب پر نہ گھبرائیں بلکہ صبر سے کام لیں۔ ان سے پہلے جو قومیں گزری ہیں ان کے پاس بھی ہم نے اپنے رسول بھیجے تھے اور سب ہی نے اپنے اپنے نبیوں کا تمسخر اڑایا۔ سو انجام کار ہم نے بھی ان میں سے بڑے بڑے سرکشوں کو ہلاک کر دیا جو ان مشرکین مکہ سے کہیں زیادہ زور آور تھے۔ اور ان کے واقعات کو ضرب المثل بنا دیا۔ جس طرح ان مشرکین و منکرین سے پہلے والوں پر عذاب آیا اسی طرح ان پر بھی آئے گا اور یہ اللہ کی پکڑ سے نہیں بچ سکیں گے۔ (عثمانی: ۵۲۱، ۲/۵۲۲)

سواری پر بیٹھنے کے آداب

۹۔۱۵: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٩﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿١١﴾ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿١٢﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿١٣﴾ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٤﴾ وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥﴾

اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو زبردست (اور) علم والے نے پیدا کیا ہے۔ اسی نے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لیے راستے بنائے تاکہ تم (منزل مقصود کی) راہ پاؤ۔ اسی نے ایک خاص مقدار میں آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس سے مردہ زمین کو زندہ کر دیا۔ تم بھی اسی طرح نکالے جاؤ گے۔ اسی نے تمام چیزوں کے جوڑے بنائے اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم اس کی پشت پر جم کر بیٹھو اور جب تم اس پر (سکون سے) بیٹھ جاؤ تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو اور کہو کہ پاک ہے وہ جس نے اسے ہمارے تابع کر دیا اور ہم اس کو قابو میں نہیں لا سکتے تھے۔ اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں اور انہوں نے اللہ کے بندوں میں سے (بعض کو) اس کا جزو ٹھہرایا۔ یقیناً انسان صریح ناشکرا ہے۔

مھدا: بچھونا، فرش، راستہ ہموار کرنا۔ مصدر بمعنی مفعول۔

انشرنا: ہم نے زندہ کر دیا، ہم نے اٹھا کھڑا کیا۔ اِنشارٌ سے ماضی۔

مُقرِنِینَ: قوت والے، طاقت رکھنے والے، قابو میں لانے والے۔ اِقرانٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ ان مشرکین و منکرین سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ لوگ اس بات کا ضرور اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان کا خالق ہے جو بڑی عزت اور علم والا ہے۔ اسی نے تمہارے آرام کے لیے زمین کو فرش کی مانند بنایا تاکہ تم اس پر چلو پھرو، رہو سہو، اٹھو بیٹھو اور سوؤ جاگو۔ اسی نے مضبوط پہاڑوں کے ذریعے اس کو ہلنے جلنے سے روک دیا ہے اور اس میں راستے بنائے ہیں تاکہ تم اپنی ضروریات کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک سفر کر سکو۔ وہ پروردگار ایسا مہربان ہے کہ اس نے اندازے کے مطابق آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے ایک بے آب و گیاہ علاقے کو سرسبز و شاداب کر دیا، زمین کی خشکی تری میں تبدیل ہو گئی۔ جنگل لہلہا اٹھے اور طرح طرح کے پھل اور پھول اگنے لگے۔ اسی طرح قیامت کے روز تم بھی زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے خواہ تم زمین میں دفن ہونے کے بعد زمین کے اجزا کے ساتھ خلط ملط ہو کر ریزہ ریزہ ہی کیوں نہ ہو جاؤ۔

اسی پروردگار نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے بنایا اور تمہارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہو کر بحر و بر کا سفر کرتے ہو پھر جب تم ان جانوروں پر جم کر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو کہ اس نے کیسے کیسے طاقتور و جو تمہارے قابو میں کر دیئے اور یہ کہو کہ ''پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا ورنہ ہم ان کو قابو میں نہیں کر سکتے تھے اور ہم اپنی موت کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں''۔ ان مشرکین و منکرین نے اللہ کی مخلوق میں سے بعض کو اس کی اولاد ٹھہرایا جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا جو صریح شرک اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت و وحدانیت کا انکار ہے بے شک انسان کھلا ناشکرا اور نافرمان ہے۔

بیٹی کی پیدائش پر رنجیدہ ہونا

۱۶۔۲۰: أَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ ۝ وَإِذَا بُشِّرَ
أَحَدُهُم بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ
كَظِيمٌ ۝ أَوَمَن يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ
مُبِينٍ ۝ وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا ۚ
أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ۚ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ۝ وَقَالُوا
لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُم ۗ مَّا لَهُم بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ
هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝

کیا اس (اللہ) نے مخلوق میں سے بیٹیاں خود رکھ لیں اور تمہیں چن کر بیٹے دے دیئے، حالانکہ جب ان میں سے کسی (کافر) کو اس کی خبر دی جائے جس کو وہ رحمٰن کی طرف منسوب کرتا ہے تو اس کا چہرا سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غمگین ہو جاتا ہے۔ کیا (اللہ اس کو اولاد بنائے گا) جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے میں (اپنی بات بھی) واضح نہ کر سکے۔ انہوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں عورتیں قرار دے لیا۔ کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے۔ البتہ ان کی گواہی لکھی جاتی ہے اور (قیامت کے روز) ان سے باز پرس ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے ان

کو اس کا کچھ علم نہیں وہ (صرف) اٹکل سے بات کہہ رہے ہیں۔

اصفٰکُمْ : اس نے تم کو خاص کیا، اس نے تم کو پسند کیا۔ اصفاءٌ سے ماضی۔

کظِیْمٌ : سخت غمگین۔ کظمٌ و کظومٌ سے صفت مشبہ۔

یُنَشَّؤُا : وہ نشوونما پاتا ہے، وہ پرورش پاتا ہے۔ تنشئۃٌ سے مضارع مجہول۔

حِلْیَۃٍ : زیور، گہنے، آرائش۔ جمع حُلیٰ۔

یَخْرُصُوْنَ : وہ اٹکل دوڑاتے ہیں، وہ قیاسی باتیں کرتے ہیں۔ خَرْصٌ سے مضارع۔

تشریح: مشرکین نے لڑکے اور لڑکیوں کی تقسیم کر کے لڑکیاں تو اللہ تعالیٰ کے لیے تجویز کر دیں جو ان کے خیال میں ذلیل و خوار تھیں اور لڑکے اپنے لیے پسند کر لئے۔ جیسے ارشاد ہے:

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَ لَہُ الْاُنْثٰی ۝ تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی ۝

کیا تمہارے لیے تو لڑکے ہوں اور اللہ کے لیے لڑکیاں؟ یہ تو بڑی بے ڈھنگی تقسیم ہے۔ (النجم: ۲۲،۲۱)

ان مشرکین کا اپنا حال یہ ہے کہ جب بھی ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس چیز کو یہ خود ناپسند کرتے ہیں اسی کو اللہ کے لیے تجویز کرتے ہیں۔ عورتیں جو ناقص سمجھی جاتی ہیں، زیور میں پلتی ہیں، زینت کو اپنے لیے کمال سمجھتی ہیں، نہ ان کی عقل کامل ہے اور نہ دین کامل اور نہ مباحثے کے وقت اپنی صفائی میں کوئی دلیل بیان کر سکتی ہیں، ایسی ضعیف اور ناقص مخلوق کو اللہ کی اولاد قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں نے فرشتوں کو عورتیں سمجھ رکھا ہے۔ کیا یہ فرشتوں کی پیدائش کے وقت وہاں موجود تھے۔ مشرکین کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم ان کی باتوں سے بے خبر ہیں۔ ہمارے پاس سب لکھی ہوئی ہیں۔ قیامت کے روز ہم ان سے ہر بات کی باز پرس کریں گے۔

مشرکین کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم فرشتوں کی مورتوں وغیرہ کو نہ پوجتے۔ جب اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہر بات کو جانتا ہے تو اس نے ہماری یہ بات جاننے کے باوجود ہمیں ان کی عبادت سے نہیں روکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا یہ عمل اس کی مرضی سے ہے اور پسندیدہ ہے۔ اگرچہ خیر و شر سب اللہ کے ارادے اور قدرت سے ہے لیکن انسان اپنے اعمال و افعال کا خود ذمے دار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے اس کو دعوت توحید پہنچا دی اور اس کو نیکی و بدی کا

انجام بھی بتا دیا اس لیے کافروں کا ملائکہ کی مورتوں کو پوجنے پر اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ ان سے راضی ہے صحیح نہیں بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان مشرکین کو جنہوں نے شرک کے ساتھ دنیا کو اختیار کیا، اپنی بدعملی کا نتیجہ جہنم کی صورت میں ضرور ملے گا۔

(مواہب الرحمٰن ۱۰۱۔۱۰۵/ ۲۵، مظہری ۳۴۱، ۳۴۳/ ۸)

باپ دادا کی اندھی تقلید

۲۱۔۲۵: اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

کیا اس (قرآن) سے پہلے ہم نے ان کو کوئی کتاب دی ہے جس کو وہ مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں۔ (نہیں) بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اسی طرح آپ سے پہلے جب بھی ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا بھیجا تو وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم انہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ (ان کے رسول نے) کہا اگر میں تمہارے پاس اس سے بہتر طریقہ لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم تمہارا لایا ہوا دین نہیں مانیں گے۔ سو ہم نے ان سے انتقام لیا۔ پھر دیکھ لو تکذیب کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

مُسْتَمْسِكُوْنَ: مضبوط پکڑنے والے۔ اِسْتِمْسَاکٌ سے اسم فاعل۔

مُتْرَفُوْهَا: اس (بستی) کے دولت مند، اس کے خوشحال۔ اِتْرَاف سے اسم مفعول۔

تشریح: یہ مشرکین جن چیزوں کی الوہیت کا دعویٰ کر کے ان کی بندگی کرتے ہیں اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے کوئی کتاب نازل کر کے اس کے ذریعے ان کو شرک کی تعلیم دی ہے اور یہ اس کتاب پر استقامت کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ سب انکل پچو باتیں ہیں جو انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ رکھی ہیں بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم بھی ان ہی کے طریقے پر ہدایت یافتہ ہیں۔ جس طرح یہ مشرکین و منکرین اپنے باپ دادا کی اتباع میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اسی طرح جب بھی ہم نے ان سے پہلے لوگوں کی طرف کسی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ ہم نے تو اپنے آباؤ اجداد کو ایک دین پر پایا اور ہم بھی ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکشی میں اگلے پچھلے سب لوگ یکساں ہیں۔ منکرین کی بات کے جواب میں ان کے پیغمبر نے کہا کہ اگر میں تمہارے باپ دادا کے طریقے سے زیادہ بہتر چیز تمہیں بتاؤں تو کیا پھر بھی تم میرا انکار کرو گے اور اپنے باپ دادا کے طریقے پر چلتے رہو گے۔ وہ کہنے لگے کہ ہم اس دین کو نہیں مانتے جس کو آپ لے کر آئے ہیں۔ آخر ہم نے بھی ایسے اڑیل اور ضدی لوگوں سے ان کی گستاخیوں کا انتقام لیا اور شدید عذاب بھیج کر ان کی جڑ ہی کاٹ دی اور جس فانی دنیا کے لیے انہوں نے اپنی عاقبت خراب کی تھی وہ بھی ان سے جاتی رہی۔ سو دیکھ لو تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اعلانِ توحید

۲۶-۳۱ وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِۦٓ إِنَّنِى بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ
إِلَّا ٱلَّذِى فَطَرَنِى فَإِنَّهُۥ سَيَهْدِينِ ۝ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً
فِى عَقِبِهِۦ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ بَلْ مَتَّعْتُ هَٰٓؤُلَآءِ وَءَابَآءَهُمْ حَتَّىٰ
جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ۝٢٩ وَلَمَّا جَآءَهُمُ ٱلْحَقُّ قَالُوا۟
هَٰذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِۦ كَٰفِرُونَ ۝ وَقَالُوا۟ لَوْلَا نُزِّلَ هَٰذَا ٱلْقُرْءَانُ عَلَىٰ
رَجُلٍ مِّنَ ٱلْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ۝

جب ابراہیم نے اپنے والد اور اپنی قوم سے کہا کہ میں ان سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو بجز اس خدا کے جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی میری

رہنمائی کرے گا۔ اور وہ اسی کلمہ (توحید) کو اپنے پیچھے اپنی اولاد میں چھوڑ گئے تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں بلکہ میں نے ان کو اور ان کے باپ دادا کو خوب سامان دیا یہاں تک کہ اُن کے پاس حق (قرآن) اور صاف صاف بیان کرنے والا رسول آ گیا اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ (تو) جادو ہے۔ ہم اس کو نہیں مانتے۔ اور کہنے لگے کہ یہ قرآن دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔

شانِ نزول: ابن المنذر نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ ولید بن مغیرہ نے کہا تھا کہ اگر یہ قرآن جس کا نزول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا ہے حق (من جانب اللہ) ہوتا تو مجھ پر یا ابن مسعود ثقفی پر نازل ہوتا اس پر آیت **وقالو لولانزل** الخ نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۴۵/ ۸)

تشریح: منکرین قریش اگر اپنے باپ دادا کی تقلید کے دعویٰ میں سچے ہوتے تو ان کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کرنی چاہئے تھی کیونکہ دین کے اعتبار سے یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کی طرف منسوب کرتے تھے۔ لیکن کافر ومشرک ہمیشہ اپنے نفس کا مطیع وفرماں بردار ہوتا ہے مگر غایت جہالت سے اس کو اپنے آباواجداد کی طرف منسوب کرکے افترا باندھتے ہیں۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید خداوندی پر استقامت اور کفر وشرک سے بیزاری بیان کی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر اور اپنی قوم سے کہا تھا کہ جن باطل معبودوں کی تم عبادت کرتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ جس خالق عزوجل نے مجھے پیدا کیا ہے وہی معبود حقیقی ہے۔ اس لیے میں اسی کی عبادت کرتا ہوں۔ بلاشبہ وہی مجھے اپنے دین کی راہ دکھاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسی بات کو اپنی اولاد میں باقی چھوڑا تاکہ ہر زمانے میں شرک سے باز آتے رہیں۔

پھر فرمایا کہ یہ کافر کفر کرتے رہے، بہکتے اور بھٹکتے رہے اور میں ان کو متاعِ دنیا دیتا رہا یہاں تک کہ جب ان کے پاس اللہ کا پیغمبر دینِ حق لے کر آ گیا، اس نے واضح دلائل سے حق کو ثابت کیا، قرآن کی آیات پڑھ کر سنائیں اور حق وباطل کے فرق اور ان کے ثمرات کو صاف صاف بیان کر دیا تو کہنے لگے کہ اللہ کا کلام اور نبی کے معجزے جادو ہیں۔ ہم اس کو نہیں مانتے۔ یہ منکرین اپنی سرکشی، ضد

اور بغض و عناد سے حق کے خلاف باتیں بنانے لگے کہ اگر یہ قرآن سچ مچ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو پھر یہ مکے اور طائف کے کسی رئیس یا کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے کہا کہ کافروں کی مراد یہ تھی کہ مکہ میں عتبہ بن ربیعہ پر اور طائف میں عبد یا لیل پر نازل ہوتا۔ بعض نے کہا مکہ میں ولید بن مغیرہ پر اور طائف میں حبیب بن عمرو بن عبید ثقفی پر قرآن کا نزول مراد تھا۔

(مظہری ۳۴۵، ۸/۳۴۶)

عطیۂ نبوت و رسالت

۳۲۔۳۵: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۗ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَزُخْرُفًا ۗ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

کیا وہ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔ دنیا کی زندگی میں بھی ہم خود ان کی روزی تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی نے بعض کے درجات بعض پر بلند کر دیئے ہیں تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتے رہیں؟؟ اور آپ کے رب کی رحمت اس (دولت) سے بہتر ہے جس کو یہ جمع کر رہے ہیں۔ اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب ایک ہی گروہ ہو جائیں گے (کافروں کو عیش میں دیکھ کر سب کافر ہو جائیں گے) تو ہم رحمان کے ساتھ کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کی بنا دیتے اور زینے بھی (چاندی کے بنا دیتے) جن پر وہ چڑھا کرتے اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں۔ اور سونا بھی (بہت وافر دے دیتے) اور یہ سب دنیوی زندگی میں

فائدہ اٹھانے کے لیے ہے اور آپ کے رب کے نزدیک آخرت تو صرف
پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے۔

سُخْرِيًّا: خدمت گار، تابعدار، مزدور، مددگار۔

سُقُفًا: چھتیں، واحد سَقْف۔

زُخْرُفًا: سونا کرنا، سونا بنانا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے کافروں کے مذکورہ قول کی تردید میں فرمایا کہ کیا یہ لوگ رحمتِ خداوندی کے مالک ہیں کہ اسے تقسیم کرنے بیٹھ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ دنیا کے مال و دولت، سرداری اور عزت و وجاہت سے نبوت و رسالت کا کوئی تعلق نہیں۔ جس طرح دنیا کی نعمتیں تقسیم کرنے میں وہ قادر و مختار مطلق ہے اسی طرح نبوت و رسالت کی عطا میں بھی وہ قادر و مختار مطلق ہے اس لیے وہ جس کو چاہے اس منصب سے سرفراز فرمانے اور وہ خوب جانتا ہے کہ نبوت و رسالت کا حق دار کون ہے۔ منکرین کا حال تو یہ ہے کہ ان کی اپنی روزیاں بھی ان کے قبضے اور اختیار میں نہیں۔ وہ بھی ہم ہی تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی درجات کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دیتے ہیں اور ہم ہی نے بعض کو غنی بنایا اور بعض کو فقیر۔ کسی کو بلند مرتبہ بنایا اور کسی کو کم مرتبے والا تاکہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار رہیں اور ایک دوسرے کے کام آتے رہیں اور دنیا کا نظام بحسن وخوبی چلتا رہے۔

جو کچھ یہ لوگ دنیا میں جمع کرتے ہیں اللہ کی رحمت اس سے بہت بہتر اور افضل ہے۔ یعنی نبوت و رسالت کا شرف دنیوی مال و دولت اور عزت و جاہ سے کہیں بڑھ کر ہے اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ نبی اور رسول کسی بستی کا دولت مند ہی ہونا چاہئے۔

اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ کافروں اور مشرکوں کو دنیاوی عیش و راحت میں دیکھ کر لوگ جہالت سے یہ گمان کرلیں گے کہ کافروں کے پاس دنیوی مال و متاع اور سونے چاندی کی کثرت اس لیے ہے کہ وہ اللہ کے محبوب اور پسندیدہ ہیں تو ہم ان کافروں کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں چاندی کی بنادیتے جن پر چڑھ کر وہ چھتوں پر پہنچتے ہیں اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت اور سامان آرائش بھی چاندی کا بنادیتے جن پر وہ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں۔ ہم سونا بھی ان کو وافر مقدار میں دے دیتے، اس قدر سونے چاندی اور زیب و زینت کو دیکھ کر لوگوں کا ان چیزوں کی طرف مائل ہونا فطری تھا جس کے نتیجے میں وہ آخرت سے ترک تعلق کر کے صرف دنیوی ساز و سامان اور زیب و

زینت ہی کے ہو کر رہ جاتے یہ بات حکمت الٰہی کے خلاف تھی اس لیے کافروں کو بھی دنیا کی دولت کم دی گئی۔ یہ سب یعنی سونے چاندی کی سیڑھیاں اور چھتیں وغیرہ محض دنیوی زندگی کا ساز و سامان ہے اور آخرت اور اس کی تمام نعمتیں صرف پرہیزگاروں کے لیے ہیں۔ (ابن کثیر ۴/۱۲۷)

احمد اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں کوئی گھر نہیں اور یہ اس کے لیے مال ہے جس کا آخرت میں کوئی مال نہیں۔ اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کے اندر عقل نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔ (مظہری ۳۳۸: ۸)

ترمذی اور ابن ماجہ میں سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ کے نزدیک دنیا کی قدر ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو یہاں پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ (ابن کثیر ۱۲۷، ۴)

ذکرِ الٰہی سے اعراض کی سزا

۳۶۔۴۰: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ۝ وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

جو اپنے رب کی یاد سے غفلت کرے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں سو وہ اس کے ساتھ رہتا ہے اور وہ (شیاطین) انہیں راہ راست سے روکتے رہتے ہیں اور وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں یہاں تک کہ (قیامت کے روز) جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے شیطان سے) کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا۔ سو کیا ہی برا ساتھی ہے اور جب تم ظالم ٹھہر چکے تو آج تم سب کا عذاب میں شامل

ہونا تمہارے لیے فائدہ مند نہیں۔ سو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں یا اندھوں اور کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے لوگوں کو راہِ راست دکھا سکتے ہیں؟

یَعْشُ: وہ اندھا بنتا ہے، وہ غفلت کرتا ہے۔ عَشْوٌ سے مضارع۔

نُقَیِّضْ: ہم مقرر کرتے ہیں، ہم مسلط کرتے ہیں۔ تَقْیِیْض سے مضارع۔

قَرِیْنٌ: ساتھی، ہم نشین۔ مصاحب۔ جمع قُرَنَاء۔

تشریح: جو شخص خواہشاتِ نفسانی میں منہمک ہونے اور دنیوی لذتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت و بے رغبتی کرے جیسا کہ اہل کتاب سب کچھ جاننے کے باوجود اس سے منہ موڑے ہوئے ہیں تو ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو دوزخ تک اس کا ساتھ نہیں چھوڑتا، ہر وقت ساتھ لگا رہتا ہے، اس کو راہِ حق سے روکتا رہتا ہے، گناہوں اور بدکاریوں کو آراستہ کر کے اس کو دکھاتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ خیال پختہ کر دیتا ہے کہ جس طریقے پر وہ عمل پیرا ہے وہی ہدایت کا راستہ ہے مگر اس کی عقل ایسی مسخ ہو جاتی ہے کہ وہ اسی کو صحیح راستہ سمجھتا ہے۔ اس کی یہ حالت برقرار رہتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز جب وہ ہمارے پاس آئے گا اور معاملہ کھل جائے گا تو اپنے اس ساتھی شیطان سے برأت ظاہر کرے گا اور کہے گا کہ کاش میرے اور تیرے درمیان اتنا فاصلہ ہوتا جتنا مشرق و مغرب کے درمیان ہے تو تو بہت ہی برا ساتھی ہے کہ تو نے مجھے بھی گمراہ کیا۔ یہ عام قاعدہ ہے کہ جس مصیبت میں چھوٹے بڑے سب شریک ہوں وہ قدرے ہلکی معلوم ہونے لگتی ہے مگر دوزخ میں ان شیاطین اور ان کی اتباع کرنے والوں کا عذاب میں شریک ہونا کسی کو فائدہ نہ دے گا۔ عذاب کی شدت ایسی ہوگی کہ اس طرح کی معمولی باتوں سے اس میں کچھ تخفیف نہیں ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے لوگوں کو دعوت و تبلیغ میں بہت کوشش کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ لوگ حق بات کو سن لیں اور سیدھے راستے کو دیکھ لیں مگر آپ جس قدر زیادہ کوشش کرتے وہ لوگ اسی قدر اپنے کفر پر پختہ ہوتے اور حق کے خلاف عناد میں اضافہ کرتے۔ اس سے آپ کو رنج و ملال ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی آگہی کے لیے فرمایا کہ ہم نے اپنے علم قدیم اور عدلِ مستقیم سے ہر ایک کی طبیعت اور جبلت پیدا فرمائی ہے۔ وہ اس سے تجاوز نہیں کر سکتا اور نہ آپ ان کی جبلت اور طبیعت کو بدل سکتے ہیں۔ اس لیے آپ ایسے ازلی بہروں کے کانوں میں حق بات کی صدا نہیں ڈال سکتے اور نہ آپ

ایسے اندھوں اور صریح گمراہوں کو راہِ حق دکھا سکتے ہیں جنکی آنکھوں پر کفر و گمراہی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۱۲۴،۱۲۷/ ۲۵، عثمانی ۲/۵۲۷)

نعمتِ عظمیٰ

۴۱-۴۵۔ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَ
عَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ
اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ
لِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ
مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

پھر اگر ہم آپ کو (دنیا سے) لے بھی جائیں تو بھی ہم ان سے بدلہ لینے والے ہیں یا ہم نے ان سے جو (عذاب کا) وعدہ کیا ہے وہ آپ کو دکھا دیں تو بھی ہم ان پر قدرت رکھتے ہیں۔ سو آپ اس کو مضبوطی سے تھامے رہئے جو آپ پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے۔ یقیناً آپ سیدھے راستے پر ہیں اور وہ (قرآن) آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے (باعث) نصیحت ہے اور عنقریب تم لوگوں سے پوچھا جائے گا۔ ہم نے آپ سے پہلے جو رسول بھیجے تھے ان سے پوچھ لیجئے کہ کیا ہم نے رحمان کے سوا اور معبود مقرر کئے تھے، جن کی عبادت کی جائے۔

تشریح: ایسے سرکش و نافرمان جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہو چکا ہے، اپنے انجامِ بد سے نہیں بچ سکتے۔ اللہ کا عذاب ان پر آکر رہے گا خواہ وہ آپ کی حیات میں آئے یا آپ کی وفات کے بعد۔ اگر ہم نے کسی حکمت و مصلحت کے تحت ان منکرین کو عذاب دینے سے پہلے ہی آپ کو وفات دیدی تو بلاشبہ ہم آپ کے بعد ان کو دنیا میں بھی عذاب دیں گے اور آخرت میں بھی۔ اس بارے میں آپ کو ذرا بھی فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ مجرمین کسی حالت میں بھی ہمارے انتقام سے نہیں بچ سکتے۔ یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے وہ ہم آپ کو آپ کی زندگی ہی میں دکھا دیں۔ ہم ان کو عذاب دینے پر بہرحال قادر ہیں یہ ہمارے قبضے سے باہر نہیں۔ ہم جب چاہیں ان کو عذاب دے سکتے ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مذکورہ آیت میں مشرکین مکہ مراد ہیں جن سے بدر

کی لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے انتقام لیا۔

آپ تو اللہ کے کلام اور دین کو مضبوطی سے پکڑے رہئے اور اس پر عمل کرتے رہئے جو اللہ نے وحی کے ذریعے آپ پر نازل کیا ہے بلاشبہ آپ سیدھے راستے پر ہیں۔ یقیناً یہ قرآن آپ کے لیے اور آپ کی قوم قریش کے لیے عظیم الشان شرف و رحمت ہے۔ آپ کے لیے تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا مخاطب بنایا اور آپ کو نبوت و رسالت کے منصب سے سرفراز فرمایا اور آپ کی قوم آپ کے توسط سے اس کلام الٰہی کی مخاطب بنی اور یہ کلام ان کی زبان میں نازل کیا گیا اس لیے قیامت تک ان کو تمام اقوام پر شرف حاصل ہو گیا لہٰذا ان کو چاہئے کہ جس طرح وہ اس کلام کو سب سے بہتر سمجھنے والے ہیں اسی طرح وہ اس پر سب سے بہتر عمل کرنے والے بنیں۔ عنقریب (قیامت کے روز) تم سے اس بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے اس کا کیا حق ادا کیا اور کہاں تک اس پر عمل کیا۔

کسی دین و شریعت اور کسی نبی کی تعلیم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی معبود کا کوئی تصور ہی نہیں۔ تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو دے رہے ہیں۔ تمام انبیا نے توحید پھیلائی اور شرک کو مٹایا۔ کسی نبی نے شرک کی تعلیم نہیں دی اور نہ اللہ نے کسی دین میں اس بات کو جائز رکھا کہ اس کے سوا کسی دوسرے کی پرستش کی جائے۔ پھر ان مشرکین مکہ نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ان بتوں کو کیوں شریک کر لیا اور نصاریٰ نے تین خداؤں کا عقیدہ کہاں سے نکال لیا۔ غرض تمام انبیاء کی تعلیمات صرف توحید خداوندی ہے اس لیے کفار مکہ اور یہود و نصاریٰ کو آپ کی ہدایت و تعلیم کی پیروی کرنی چاہئے۔ (مواہب الرحمن ۱۲۸،۱۳۰/۲۵ مظہری ۳۵۱،۳۵۳/۸)

قوم فرعون کا حال

۴۶۔۵۰: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ
رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا
يَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۡ
وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ
السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝

ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے امراء کے پاس بھیجا تو موسیٰ نے کہا کہ میں تمام جہان کے پروردگار کا رسول ہوں۔ پھر جب موسیٰ ان کے پاس ہماری نشانیاں لائے تو وہ بے ساختہ ان پر ہنسنے لگے اور ہم ان کو جو نشانیاں دکھاتے تھے وہ پہلی سے بڑھ کر ہوتی تھی اور ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ باز آجائیں اور (ہر عذاب کے موقع پر) وہ کہتے کہ اے جادوگر اپنے رب سے ہمارے لیے اُس کی دعا کر جس کا اُس نے آپ سے عہد کر رکھا ہے۔ بے شک ہم ضرور راہِ راست پر آجائیں گے۔ پھر جب ہم ان سے عذاب ہٹا دیتے تو وہ وعدہ توڑ دیتے۔

یَضْحَکُوْنَ: وہ ہنستے ہیں۔ ضِحْکٌ سے مضارع۔

یَنْکُثُوْنَ: وہ توڑتے ہیں۔ نَکْثٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا رسول بنا کر اپنے دلائل و معجزات کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا تا کہ حضرت موسیٰ ان کو توحید سکھائیں اور شرک سے بچائیں۔ حضرت موسیٰ نے فرعون اور اس کے لوگوں کے پاس جا کر کہا کہ بلا شبہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ مجھے تمہاری ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے لیکن فرعونیوں نے اپنے نبی کی کوئی قدر نہ کی اور دلائل و معجزات دیکھ کر ان کو قبول کرنے اور ان سے ہدایت حاصل کرنے کی بجائے ان کا تمسخر اڑانے لگے۔ حضرت موسیٰ ان کو جو نشانی بھی دکھاتے وہ سابقہ نشانی سے بڑھ کر ہوتی مگر ان کی سرکشی اور نافرمانی بڑھتی ہی گئی۔ جب وہ کسی طرح باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تا کہ وہ کفر و نافرمانی سے باز آجائیں۔ ان پر قحط کا عذاب آیا۔ ٹڈیاں آئیں، جوئیں آئیں، مینڈک آئے وغیرہ۔

جیسے ارشاد ہے:

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَ الْجَرَادَ وَ الْقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ

پھر ہم نے کھلی کھلی نشانیاں بنا کر ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (کا عذاب) بھیجا۔ پھر بھی وہ تکبر ہی کرتے رہے اور وہ تھے ہی مجرم لوگ۔ (الاعراف: ۱۳۳)

جب بھی کوئی عذاب آتا تو تلملا اٹھتے، حضرت موسیٰ کی خوشامد کرتے، انہیں رضا مند کرتے، ان سے قول وقرار کرتے کہ آپ اپنے رب سے اس عذاب کو دور کرنے کی دعا کیجئے۔ اگر یہ عذاب دور ہو گیا تو یقیناً ہم ہدایت قبول کرلیں گے، آپ پر ایمان لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی آپ کے ساتھ کردیں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ ان سے عذاب کو ہٹا دیتا تو وہ پھر سرکشی پر اتر آتے اور اپنا ایمان لانے کا عہد توڑ کر کفر ومعصیت پر جمے رہتے۔ (ابن کثیر ۱۲۹/۴)

قوم فرعون کی حماقت

۵۱۔۵۶: وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَ
هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۞ اَمْ اَنَا خَيْرٌ
مِّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ مَهِيْنٌ ۙ وَّلَا يَكَادُ يُبِيْنُ ۞ فَلَوْلَآ اُلْقِيَ
عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ۞
فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۞ فَلَمَّآ
اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا
وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ۞

فرعون نے اپنی قوم میں منادی کرائی اور کہا کہ اے میری قوم! کیا مصر کی سلطنت میری نہیں اور یہ نہریں جو میرے (محل کے) نیچے بہہ رہی ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں، بلکہ میں اس سے بہتر ہوں جس کی کوئی عزت نہیں اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔ پھر کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن آپڑے یا اس کے ساتھ فرشتے ہی پر باندھ کر آجاتے۔ سو اس (فرعون) نے اپنی قوم کی عقل کھو دی اور وہ (اس کی قوم کے لوگ) اس کے کہنے میں آگئے۔ بے شک وہ تھے ہی نافرمان۔ پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان سب کو غرق کردیا۔ پھر ہم نے ان کو گیا گزرا کردیا اور بعد والوں کے لیے نمونۂ عبرت (بنا دیا)۔

مَهِيْنٌ: ذلیل، بے عزت، حقیر۔ ھُوْنٌ سے صفت مشبہ۔

اَسْوِرَةٌ : کنگن۔ واحد سِوارٌ۔

مُقْتَرِنِیْنَ: ساتھ ساتھ آنے والے، پر باندھ کر آنے والے۔ اِقْتِرانٌ سے اسم فاعل۔

اٰسَفُوْنَا : انہوں نے ہم کو ناراض کیا۔ انہوں نے ہم کو غصہ دلایا۔ اِیْسافٌ سے ماضی۔

تشریح: فرعون کی سرکشی اور ہٹ دھرمی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا کہ کیا میں ملک مصر کا تنہا بادشاہ نہیں ہوں؟ کیا میں ان نہروں کا مالک نہیں ہوں جو میرے باغات اور محلات کے نیچے بہہ رہی ہیں؟ کیا تم میری عظمت و سلطنت کو نہیں دیکھ رہے؟ کیا میں اس شخص سے بہتر نہیں ہوں جو حقیر و ذلیل ہے، جس کی کوئی عزت نہیں اور جو صاف اور واضح طور پر بات بھی نہیں کر سکتا۔ اگر وہ اپنے پیغمبری کے دعوے میں سچا ہے تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہیں ڈالے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے صف بستہ ہو کر آتے۔ مجاہد نے کہا کہ اہل مصر کا دستور تھا کہ جب کسی شخص کو اپنا سردار بناتے تو اس کو سونے کے کنگن اور طوق پہناتے تھے۔ یہ سردار ہونے کی علامت تھی اسی لیے فرعون نے کہا کہ جب موسیٰ کے رب نے ان کو پیغمبر بنایا تو اس کو سونے کے کنگن کیوں نہیں پہنائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی اس لیے وہ صاف نہیں بول سکتے تھے آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اے اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے تا کہ لوگ میری بات کو سمجھ سکیں۔ دعا سے حضرت موسیٰ کی زبان اتنی کھل گئی کہ لوگ ان کی بات سمجھنے لگے مگر پھر بھی کچھ بندش رہ گئی۔ اسی کو فرعون نے نقص اور عیب قرار دیا۔

غرض فرعون نے بے معنیٰ اور مہمل باتوں کے ذریعے اپنی قوم کو اپنا ہم خیال بنالیا۔ بلاشبہ وہ لوگ تھے ہی نافرمان اسی لیے وہ عقل کو بالائے طاق رکھ کر فرعون کی باتوں سے بے وقوف بن گئے۔ پھر جب اپنی سرکشی اور نافرمانی سے انہوں نے ہمیں غضبناک کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور سب کو غرق کر دیا اور ان کو باعث عبرت بنا دیا تا کہ بعد والے ان کے واقعات میں غور کریں اور اپنا انجام صحیح کر لیں۔

حضرت عیسیٰؑ کی مثال

۵۷۔۶۲: وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَ
قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ۭ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ۭ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا
لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝ وَلَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰۗىِٕكَةً فِي الْاَرْضِ
يَخْلُفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ۭ

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

جب ابن مریم کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم کے لوگ (اہل مکہ) چلا اُٹھے اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ؟ انہوں نے محض جھگڑے کی غرض سے یہ بات کہی ہے بلکہ وہ تو ہیں ہی جھگڑالو۔ وہ (عیسیٰ) تو محض ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا تھا اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے نشان (قدرت) بنایا۔ اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے جو زمین میں (تمہارے) جانشین ہوتے۔ یقیناً وہ (عیسیٰ) قیامت کی ایک نشانی ہیں سو تم قیامت کے بارے میں شک نہ کرو اور میری اتباع کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے اور شیطان تمہیں (راہِ حق سے) روکنے نہ پائے۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

يَصِدُّوْنَ : وہ شور کرتے ہیں، وہ چیختے ہیں۔ صَدِيْدٌ سے مضارع۔

تَمْتَرُوْنَ : تم ضرور شک وشبہ کرو گے، تم ضرور تردد کرو گے۔ اِمْتِرَاءٌ سے مضارع بانون تاکید۔

شانِ نزول: ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ عبداللہ بن زبعری نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا خیال ہے کہ اللہ نے آیت

اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝

(الانبیاء: ۹۸)

آپ پر نازل کی ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ ابن زبعری نے کہا کہ چاند، سورج، ملائکہ اور عزیر کی پوجا کی جاتی ہے۔ یہ سب بھی ہمارے معبودوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ اس پر آیت

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ۝

(الانبیاء: ۱۰۱)

اور آیات:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ۝ وَقَالُوٓا ءَأَٰلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝ (الزخرف: ۵۸،۵۷)

نازل ہوئیں۔ (مظہری ۳۵۶/ ۸)

تشریح: آیت انکم و ماتعبدون میں یہ ذکر نہیں کہ تمام جہان کے مشرکین جن کو معبود بناتے ہیں وہ سب جہنم کا ایدھن ہیں بلکہ آیت میں تو صاف طور پر مشرکین مکہ کو خطاب ہے کہ تم اور تمہارے وہ معبود جن کو تم پوجتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ اس سے مراد وہ معبود ہیں جو یا تو بے جان ہیں جیسے پتھر اور لکڑی کے بت وغیرہ یا جاندار ہوں اور خود اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوں جیسے شیاطین، فرعون اور نمرود وغیرہ۔ مشرکین کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور یہود حضرت عزیز کی عبادت کرتے ہیں تو کیا حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام بھی یہود و نصاریٰ کے ساتھ جہنم میں جائیں گے۔ اگر یہ جہنم میں نہیں جائیں گے تو ہم اور ہمارے معبود بھی جہنم میں نہیں جائیں گے۔ مشرکین کی یہ بات اس لیے صحیح نہیں کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام نے کبھی نہیں کہا کہ ان کی عبادت کی جائے بلکہ وہ ہمیشہ لوگوں کو توحید کی تعلیم دیتے رہے۔ اسی طرح کسی اور نبی نے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود بنانے کا حکم نہیں دیا۔ اگر نصرانیوں اور یہودیوں نے اپنے بیہودہ خیالات کے مطابق حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیز کو معبود بنایا تو یہ ان کی گمراہی اور شرک ہے۔

پھر فرمایا کہ مشرکین نے حضرت عیسیٰ کی جو مثال پیش کی وہ حق و باطل میں تمیز کے لیے نہیں بلکہ محض جھگڑا کرنے کے لیے کی کیونکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ وہ تو محض اللہ کے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا تھا اور ان کو نبوت کی نعمت سے سرفراز کیا تھا اور بنی اسرائیل کے لیے اپنی قدرت کا ایک نمونہ بنایا تھا کہ اللہ تعالیٰ باپ کے بغیر پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے پیدا کر دیتے جو تمہاری جگہ تمہاری نسل سے اور تمہارے جانشین ہوتے اور زمین پر آباد ہوتے۔ ہمیں سب طرح کی قدرت ہے۔ بیشک حضرت عیسیٰ قیامت کی ایک علامت ہیں۔ ان کا پہلی مرتبہ آنا تو خاص بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ وہ باپ کے بغیر پیدا ہوئے اور عجیب عجیب معجزے دکھائے۔ ان کا دوسری بار آنا قیامت کی علامت ہوگا۔ ان کے نزول سے لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ قیامت بالکل نزدیک آگئی ہے۔ سو تم قیامت کے آنے میں

ہرگز شک وشبہ نہ کرو اور ایمان و توحید کا جو سیدھا راستہ میں تمہیں بتا رہا ہوں اسی پر چلو۔ اس پر چلنے والا کبھی گمراہ نہ ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارا ازلی دشمن شیطان تمہیں اس راستے سے روک دے کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (عثمانی: ۵۳۰، ۲/۵۳۱ معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۷/۷۴۶)

حضرت عیسیٰؑ کا پیغامِ توحید

۶۳۔۶۷: وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۶۳ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۶۴ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝۶۵ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۶۶ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝۶۷

جب عیسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں تاکہ تم پر وہ باتیں واضح کر دوں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو۔ سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک میرا اور تمہارا رب صرف اللہ ہے سو اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ پھر (بنی اسرائیل کی) جماعتوں نے آپس میں اختلاف کیا سو ان ظالموں کے لیے بڑی خرابی ہے ایک دردناک دن کے عذاب سے، کیا وہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان پر اچانک آ پڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔ اس دن گہرے دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔

اخلّاءُ: گہرے دوست۔ احباب، دلی دوست، واحد خلیلٌ۔

تشریح: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھلے معجزات لے کر آئے تو انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت یعنی نبوت لے کر آیا ہوں اور تم نے دینی امور میں جو اختلافات پیدا کر رکھے ہیں، ان میں سے جو حق ہے اس کو واضح طور پر ظاہر کرنے کے لیے آیا ہوں سو تم اللہ سے ڈرو اور جو کچھ میں

تمہیں اللہ کی طرف سے پہنچا رہا ہوں اس میں میری اطاعت کرو۔ بیشک میرا اور تمہارا معبود صرف اللہ ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت میں کسی اور کو شامل نہ کرو۔ توحید اور شرعی احکام کی پابندی ہی سیدھا راستہ ہے۔

پھر لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہتے تھے۔ یہی گروہ حق پر تھا۔ بعض نے ان کو اللہ کا بیٹا کہا اور بعض نے کہا کہ حضرت عیسیٰ ہی اللہ ہیں اور بعض نے کہا کہ وہ تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے دعوؤں سے پاک اور بلند و برتر ہے۔ ان ظالموں کے لیے خرابی ہے جنہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کر کے اور کتاب و سنت کو ترک کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا، قیامت کے دن ایسے لوگوں کے لیے المناک عذاب اور دردناک سزائیں ہوں گی۔ یہ لوگ کسی طرح اپنی باغیانہ روش ترک نہیں کرتے تو گویا یہ مشرکین قیامت کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کے آنے کا صحیح وقت کسی کو معلوم نہیں۔ وہ ان پر اچانک بے خبری میں آ جائے گی۔ یہ لوگ قیامت کا آنا محال سمجھتے ہیں لیکن وہ یقیناً آنے والی ہے۔ وہ دن تو ایسی گھبراہٹ اور بے چینی کا ہوگا کہ اس روز تمام دوست ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے اہل ایمان وتقویٰ کے۔ اہل ایمان وتقویٰ وہاں بھی دنیا کی دوستی کو یاد رکھتے ہوئے اپنے دوستوں کے بارے میں پوچھیں گے۔

(ابن کثیر ۱۳۳،۱۳۴/ ۴)

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دو بندے اللہ کے واسطے باہم محبت کرنے والے ہوں، ایک مشرق میں ہو اور دوسرا مغرب میں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دونوں کو جمع کر دے گا اور فرمائے گا یہی وہ شخص ہے جس سے تو میرے لیے محبت کرتا تھا۔

(مظہری ۳۶۱: ۸)

جنت کی نعمتیں

۶۸-۷۳: يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۞ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۞ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۞ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ

فِيهَا خٰلِدُونَ ۝ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝

اے میرے (پرہیزگار) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے، جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرماں بردار بن کر رہے تھے۔ تم اور تمہاری (مومن) بیویاں راضی خوشی جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے پاس سونے کی رکابیاں اور آبخورے لائے جائیں گے اور وہاں وہ سب کچھ ہوگا جس کے لیے دل چاہے گا اور جس سے آنکھیں لذت پائیں گی اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی وہ جنت ہے جو تمہیں تمہارے اعمال کے بدلے میں دی گئی ہے اس میں تمہارے لیے بکثرت میوے ہیں جن میں سے (جو تمہارا دل چاہے) کھاتے رہو۔

تُحْبَرُوْنَ : تمہیں خوشحال کیا جائے گا، تمہاری خاطر مدارت کی جائے گی، تمہاری عزت کی جائے گی۔ حَبْرٌ سے مضارع مجہول۔

صِحَافٌ : رکابیاں، پلیٹیں، طباق۔ واحد صَحْفَةٌ۔

اَكْوَابٌ : پانی پینے کے برتن، کوزے۔ آبخورے، واحد كُوْبٌ۔

تشریح: قیامت کے روز اہل ایمان وتقوی کو اللہ کی طرف سے ندا دی جائے گی کہ اے میرے بندو! آج تمہیں کسی قسم کا خوف اور غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ تم ہر طرح امن وچین سے رہو۔ یہ تمہارے ایمان واسلام کا بدلہ ہے۔ حضرت معمر بن سلیمان نے اپنے والد کی روایت سے بیان کیا کہ قیامت کے دن جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو ہر ایک گھبرایا ہوا ہوگا۔ اس وقت اللہ کی طرف سے ایک منادی ندا دے گا:

یعباد لاخوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون

یہ سن کر لوگوں کو کچھ امید بندھے گی لیکن فوراً ہی منادی کہے گا کہ:

الذین امنوا بایتنا و کانوا مسلمین

یہ سن کر سوائے اطاعت گزار مومنوں کے سب مایوس ہو جائیں گے۔

پھر ان مومنوں سے کہا جائے گا کہ تم اور تمہاری مومن بیویاں خوش خوش جنت میں داخل

ہو جاؤ۔ ان کے پاس غلمان سونے کی رکابیوں اور گلاسوں میں خوش ذائقہ کھانے اور مشروب لئے پھریں گے۔ ان کو وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کی ان کو خواہش ہو گی اور جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے میرے بندو تم اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے اور یہ جنتیں جن کا تمہیں وارث (مالک) بنایا گیا ہے تمہارے ان نیک اعمال کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے ان میں تمہارے لیے بہت سے پھل اور میوے ہیں جن کو تم کھاتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے نیچے درجے کا جنتی جو سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اس کی نگاہ سو سال کے راستے تک جائے گی لیکن اسے وہاں تک برابر اپنے ہی خیمے اور سونے و زمرد کے محل نظر آئیں گے۔ جو تمام کے تمام قسم قسم اور رنگ برنگ کے ساز و سامان سے پر ہوں گے، صبح شام الگ الگ وضع کی ستر ستر ہزار رکابیاں اور پیالے کھانے سے پر اس کے سامنے رکھے جائیں گے۔ (ابن کثیر ۴/۱۳۴، ۱۳۵، مظہری ۸/۳۱)

اہل جہنم کا دائمی عذاب

۷۴-۸۰: اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۞ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۞ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۗ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ۞ لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۞ اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ۚ اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ۭ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ۞

بے شک گنہگار لوگ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں رہیں گے۔ وہ (عذاب) ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ہی ظالم تھے۔ اور وہ پکاریں گے اے مالک (بہتر ہے) تیرا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے (موت دیدے) وہ کہے گا بے شک تم ہمیشہ اسی حال میں رہو گے۔ بے شک ہم تمہارے پاس (دین) حق لائے لیکن تم میں سے اکثر لوگ حق سے نفرت رکھنے والے ہیں۔ کیا انہوں نے کچھ طے کرلیا ہے سو ہم نے بھی طے کرلیا ہے۔ کیا ان کا یہ خیال ہے کہ ہم

ان کی سرگوشیاں اور ان کے مشورے نہیں سنتے ۔ ہم ضرور سنتے ہیں اور
ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ان کے پاس ہی لکھ رہے ہیں ۔

یُفَتَّرُ : وہ ہلکا کیا جائیگا، وہ کم کیا جائے گا ۔ تَفْتِیْرٌ سے مضارع مجہول ۔

مُبْلِسُوْنَ : حیرت زدہ ۔ ناامید ۔ مایوس ۔ اِبْلَاسٌ سے اسم فاعل ۔

مٰکِثُوْنَ : ٹھہرنے والے ۔ رہنے والے ۔ مَکْثٌ سے اسم فاعل ۔

اَبْرَمُوْا : انہوں نے طے کرلیا، انہوں نے پختہ ارادہ کرلیا ۔ اِبْرَامٌ سے ماضی ۔

نَجْوٰهُمْ : ان کی سرگوشیاں، ان کا مشورہ کرنا، راز کی بات ۔ اسم بھی ہے اور مصدر بھی ۔

تشریح : گزشتہ آیتوں میں مومنوں کے لیے جنت کی نعمتوں کا بیان تھا ۔ اب ان آیتوں میں منکرین و مجرمین کا حال بیان کیا گیا ہے کہ بے شک یہ نافرمان دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے ۔ وہاں ان کا عذاب نہ کسی وقت ہلکا ہوگا اور نہ منقطع ہوگا بلکہ اسی شدت کے ساتھ مسلسل جاری رہے گا اور وہ تمام امیدیں ختم ہو جانے کے بعد مایوسی کے عالم میں اسی میں پڑے رہیں گے ۔ بلاشبہ یہ سب کچھ ان کی بداعمالیوں اور نافرمانیوں کا بدلہ ہے ۔ ہم نے ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں کی اور نہ ہم کسی پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں بلکہ اپنی سرکشی اور عناد پر پختہ رہ کر انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا ۔
جب اہل جہنم ہر طرف سے مایوس ہو جائیں گے اور ان کو عذاب جہنم کے ٹل جانے کی کوئی امید باقی نہ رہے گی تو بے قرار ہو کر جہنم کے داروغہ سے کہیں گے کہ اے مالک اب ہم میں برداشت کی طاقت نہیں تم اپنے رب سے ہماری موت کی دعا کرو تا کہ ہم عذاب سے چھوٹ جائیں ۔ مالک انہیں جواب دے گا کہ اب تم ہمیشہ اسی عذاب میں مبتلا رہو گے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے :

لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۔

نہ انہیں موت آئے گی اور نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی ۔ (فاطر : ۳۶)

جب ہم نے پیغمبر اور کتابیں بھیج کر ان کے سامنے سچا دین پیش کر دیا تو وہ اس کو ماننے کی بجائے اس سے نفرت ہی کرتے رہے اور ناحق کی طرف مائل رہے ۔ کیا انہوں نے کسی کام کا پختہ ارادہ کرلیا ہے اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اللہ کے پیغمبر کو ناکام بنا دیں

گئے تو ہم نے بھی ایک کام کی تدبیر کر رکھی ہے۔ ظاہر ہے ان کی تدبیر ہماری تدبیر پر غالب نہیں آسکتی۔ کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے دلوں میں پوشیدہ باتیں اور خفیہ سرگوشیاں نہیں سنتے حالانکہ ہمارے بھیجے ہوئے کارندے ہر وقت ان کے ساتھ ہیں جو ان کی ہر بات اور ہر فعل کو دیکھتے اور لکھتے ہیں۔

(ابن کثیر: ۴/۱۳۵، مظہر ۳۶۳، ۳۶۴، ۸)

معبودِ حقیقی

۸۱۔۸۵ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۞ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۞ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَ يَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۞ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۞ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۚ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۞

آپ کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض رحمان کے کوئی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔ آسمانوں اور زمین کا رب (اور) عرش کا مالک اس سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ آپ انہیں لغو باتوں اور کھیل کود میں پڑا رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ آسمانوں میں بھی وہی اللہ عبادت کے لائق ہے اور زمین میں بھی وہی قابل عبادت ہے اور وہ بڑی حکمت والا اور پورے علم والا ہے، وہ بہت برکتوں والا ہے جس کے پاس آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کی بادشاہت ہے اور قیامت کا علم بھی اسی کے پاس ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

یَخُوْضُوْا: وہ بحث کرتے ہیں، وہ مصروف ہوتے ہیں، خوض سے مضارع۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکین مکہ سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کے کوئی اولاد ہوتی

تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا لیکن تم دیکھتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا پھر تم کیسے اس کے اولاد تجویز کرتے ہو۔ آسمانوں، زمین اور عرش کا مالک و خالق اس سے بالکل پاک اور منزہ ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ وہ فرد، اور واحد وصمد ہے۔ اس کے کوئی اولاد اور مثیل ونظیر نہیں۔ آپ ان کو ان کی بیہودہ باتوں اور لہو ولعب میں پڑا رہنے دیجئے یہاں تک کہ ان کو اس دن سے سابقہ پڑے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اس وقت ان کو اپنا انجام معلوم ہو جائے گا۔ ان بدنصیبوں کے انکار سے اللہ کی ربوبیت اور شان کبریائی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ آسمانوں میں بھی وہی عبادت کے لائق ہے اور زمین میں بھی وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ وہی حکمت کے ساتھ کائنات کا انتظام کرنے والا ہے اور وہی مخلوق کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو جاننے والا ہے وہ بڑی برکتوں والا ہے۔ آسمان اور زمین اور ان کے درمیان کی کائنات پر اسی کی حکومت ہے اور قیامت برپا ہونے کا ٹھیک وقت بھی اسی کو معلوم ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔ سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے پھر وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا۔

عاجز و بے اختیار معبود

۸۶۔۸۹: وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۭ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے مگر جو حق کی گواہی دیں اور اس کا علم بھی رکھیں۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر یہ کہاں بہکے پھرتے ہیں۔ قسم ہے رسول کے یہ کہنے کی کہ اے میرے رب یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ سو آپ ان سے منہ پھیر لیجئے کہ تمہیں سلام۔ سو بہت جلد ان کو (اپنا انجام) معلوم ہو جائے گا۔

اصفح: آپ منہ پھیر لیں، آپ بے رخ رہئے۔ صفح سے امر۔

تشریح: کفار و مشرکین جب باطل معبودوں کو اپنا سفارشی سمجھتے ہیں وہ کسی کو از خود تو کیا دیں گے وہ تو ان کی سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتے کہ اس جہان میں یا آخرت میں سفارش کر کے کسی کو کچھ دلوا دیں یا عذاب الٰہی سے چھڑا دیں لیکن جو لوگ حق یعنی ایمان کا اقرار کرتے ہیں اور اس کی تصدیق بھی کرتے ہیں تو اللہ کے حکم سے نیک لوگوں کی شفاعت ان کے کام آئے گی۔ اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً اقرار کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے (پیدا کیا)۔ پھر یہ لوگ کہاں بھٹک رہے ہیں کہ اس ذات واحد کو اپنا خالق ماننے کے باوجود دوسروں کی عبادت کرتے ہیں جو محض مجبور اور بالکل بے اختیار ہیں۔ قسم ہے رسول کے اس کہنے کی کہ اے میرے پروردگار یہ قوم ایمان لانے کے لیے تیار نہیں۔ آپ ان کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ نہ ہوں، اللہ آپ کی مدد ضرور کرے گا اور اپنی رحمت سے آپ کو ضرور غلبہ عطا فرمائے گا۔ آپ تو بس ان کو تبلیغ دین کر کے ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ان سے اعراض کر لیجئے۔ بہت جلد ان کو اپنی بداعمالیوں کی سزا مل جائے گی کیونکہ موت ہر شخص کے بہت قریب ہے۔ مرتے ہی سب نیک و بد سامنے آجائے گا۔

(ابن کثیر ۱۳۶، ۱۳۷/۴، حقانی ۲۶۶، ۲۶۷/۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الدخان

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام الدخان مشہور ہے جو اس کی آیت ۱۰ میں آیا ہے۔

تعارف: اس میں تین رکوع ۵۹ آیات، ۳۴۶ کلمات اور ۱۴۳۱ حروف ہیں۔ یہ سورت ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔ اس کا شمار اُن عظیم سورتوں میں ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔ گزشتہ سورۃ کے بیشتر مضامین توحید و رسالت، قرآن کی حقانیت اور مجرمین کے عبرتناک احوال پر مشتمل تھے۔ اس سورت میں قرآن کی عظمتوں اور جس رات میں قرآن کا نزول ہوا اس کی برکتوں کا بیان ہے۔

ابن مردویہ نے ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص جمعے کی شب میں یا جمعے کے دن سورۃ الدخان کی تلاوت کرے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔ بیہقی نے مرفوعاً روایت کی کہ جو شخص جمعے کی شب میں حٰم الدخان اور سورت یٰسٓ کی تلاوت کرے تو صبح کو وہ اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کے گناہوں کی مغفرت ہو چکی ہوگی۔

(روح المعانی ۱۱: ۲۵، مواہب الرحمٰن ۱۶۹، ۲۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قرآن کی عظمتوں اور اس رات کی برکتوں کا بیان ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا۔ پھر قوم فرعون کی آزمائش مذکور ہے۔

رکوع ۲: فرعون سے نجات اور مشرکین کا انکار قیامت بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: منکرین قیامت کا انجام اور اہل تقویٰ کا حال مذکور ہے۔

حرف مقطعات

۱: حٰمٓ

ان کے معنیٰ و مراد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔

قضا و قدر کے فیصلوں کی رات

۲۔۸: وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ
فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا
مُرْسِلِيْنَ ۚ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ
رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَاۗىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ

قسم ہے اس واضح کتاب کی۔ یقیناً ہم نے اس کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے۔ بیشک ہم (عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔ اسی (رات) میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے پاس سے حکم ہو کر، بے شک ہم ہی (آپ کو رسول بنا کر) بھیجنے والے ہیں۔ آپ کے رب کی مہربانی سے۔ بے شک وہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے، جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے، وہ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی رب ہے۔

تشریح: قسم ہے اس کتاب کی جو نہایت واضح اور روشن ہے جس کے نورِ ہدایت سے سارا عالم منور ہوا۔ جس کے علوم ہدایت نے لوگوں کو ضلالت و گمراہی کی تاریکی سے نکال کر ایمان و معرفت کی روشنی عطا کی اور جو حلال و حرام کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ کتاب الٰہی ایسی عظیم الشان ہے کہ ہم نے اس کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا پر ایک بابرکت رات یعنی شبِ قدر میں اتارا جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝
لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝

بے شک ہم نے اس کو لیلۃ القدر میں نازل کیا اور آپ کو کیا معلوم لیلۃ القدر کیا ہے۔ (لیلۃ القدر ہزار مہینوں کی عبادت) سے بہتر ہے۔ (القدر: ۱، ۳)

یہ رات یعنی لیلۃ القدر رمضان المبارک میں ہے، جیسے ارشاد ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن کریم اتارا گیا۔ (البقرہ: ۱۸۵)

قتادہ اور ابن زید کا بیان ہے کہ قرآن مجید شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل ہوا۔ پھر بیس سال میں حضرت جبرائیل کی وساطت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ شب قدر میں آئندہ سال ہونے والے تمام واقعات لوح محفوظ سے نقل کر لئے جاتے ہیں، خیر وشر، رزق اور میعاد زندگی یعنی موت یہاں تک کہ یہ بھی لکھ لیا جاتا ہے کہ فلاں شخص اس سال حج کرے گا۔

بے شک اس قرآن کے ذریعہ ہم لوگوں کو خیر وشر، نیکی و بدی اور عذاب سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ مخلوق پر حجت قائم ہو جائے۔ اسی رات میں تمام محکم معاملات کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ یہ سب ہمارے حکم سے ہوتا ہے۔ ہم ہی بندوں کو عذاب سے ڈرانے کے لیے پیغمبروں کو کتابیں دے کر بھیجتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو ہمارے احکام سے آگاہ کریں اور ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ یہ سب آپ کے رب کی رحمت کے سبب سے ہے۔ بلاشبہ وہ بندوں کے اقوال کو سنتا اور ان کے احوال کو جانتا ہے۔ اس لیے وہی آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی کائنات کا رب اور مالک و خالق ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو تو ان روشن اور واضح دلائل سے بخوبی جان سکتے ہو کہ اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ وہی تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا رب ہے جو پہلے گزر چکے۔ (مظہری: ۳۶۷، ۳۶۹/ ۸)

دخانِ مبین

۹۔۱۲: بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ

مُّبِيْنٍ ⑩ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑪ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا
الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ⑫ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ⑬ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ⑭ اِنَّا
كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ⑮ يَوْمَ نَبْطِشُ
الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ⑯

بلکہ وہ دھوکے میں ہیں اور کھیل رہے ہیں سو آپ اس دن کا انتظار کیجئے جب آسمان صریح دھواں لائے جو لوگوں کو گھیر لے۔ یہ ایک دردناک عذاب ہے ۔اے ہمارے رب ہم پر سے اس آفت کو دور کر دے۔ ہم ایمان قبول کرتے ہیں ۔ان کے لیے نصیحت کہاں حالانکہ ان کے پاس کھول کر بیان کرنے والا رسول آ چکا۔ پھر بھی وہ (کافر) اس (رسول سے) منہ موڑے رہے اور یہی کہتے رہے کہ سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے بیشک کچھ دنوں کے لیے ہم عذاب کو ہٹا دیتے ہیں یقیناً تم پھر وہی کرو گے۔ جس دن ہم بہت سختی سے پکڑیں گے۔ بے شک ہم بدلے لے کر رہیں گے۔

ارتقب: تو انتظار کر، تو راہ دیکھ۔ ارتقابٌ سے امر۔

دُخان: دھواں۔ جمع اَدخِنَۃٌ۔

نَبطِشُ: ہم سختی سے پکڑیں گے۔ بطشٌ سے مضارع۔

تشریح: توحید و الوہیت کے واضح دلائل اور نشانات دیکھنے کے باوجود مشرکین و منکرین ایمان لانے کی بجائے شک اور کھیل تماشے میں پڑے ہوئے ہیں۔ نصیحت و عبرت کی باتوں کو ہنسی مذاق میں اُڑا دیتے ہیں اور ان کو اللہ کے سامنے پیشی کا خیال تک نہیں، سو آپ ان کو اُس دن کے بارے میں آگاہ کر دیجئے جس دن آسمان سے سخت دھواں آئے گا جو لوگوں کو ڈھانک لے گا۔ یہ ایسا دردناک عذاب ہوگا کہ لوگ بے قرار ہو کر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار اس عذاب کو ہم پر سے دور کر دے ہم ایمان لاتے ہیں۔ آیت میں دخان سے کونسا دخان مراد ہے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اور حسن کا قول ہے کہ دھواں قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہوگی۔ ابن جریر، ثعلبی اور بغوی نے حضرت حذیفہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (قیامت کی) سب سے پہلے نشانی دھواں اور عیسیٰ ابن مریم کا نزول اور ایک آگ ہوگی جو عدن کے کسی غار سے نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہنکا کر لے جائے گی۔ دوپہر کو لوگ جہاں ٹھہریں گے آگ بھی ٹھہر جائے گی۔ حضرت حذیفہ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دھواں کیسا ہوگا۔ آپ نے آیت یوم تاتی السماء بدخان مبین تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ وہ دُھواں مشرق سے مغرب تک فضا کو بھر دے گا اور چالیس شب و روز قائم رہے گا۔ مومن پر اُس کا اثر صرف زکام کی مانند ہوگا اور کافر اس کے اثر سے ایسا ہو جائے گا جیسے نشے میں مدہوش آدمی ہوتا ہے۔ دُھواں اس کی ناک کے نتھنوں، کانوں کے سوراخوں اور مبرز سے نکلے گا۔

احادیث سے جو بات ظاہر و ثابت ہے وہ یہ ہے کہ دخان قیامت کی ایک علامت ہے جو آنے والی ہے۔ قرآن کریم کے ظاہری الفاظ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیونکہ قرآن نے اسے واضح اور ظاہر دھواں کہا ہے جسے ہر شخص دیکھ سکے۔ بھوک کے دھوئیں سے اسے تعبیر کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ وہ ایک خیالی چیز ہے۔ بھوک و پیاس کی سختی سے آنکھوں کے آگے جو دھواں سا نمودار ہو جاتا ہے وہ حقیقت میں دھواں نہیں ہوتا۔ قرآن کے الفاظ دخانِ مبین کے ہیں اور اس کے بعد یغشی الناس آیا ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ لوگوں کو ڈھانک لے گا۔

پھر فرمایا کہ ان منکرین کو اس عذاب سے عبرت و نصیحت کہاں ہوتی، ان کے پاس تو صاف صاف اور کھول کر بیان کرنے والا پیغمبر بھی آچکا پھر بھی یہ لوگ اس سے روگردانی کرتے رہے، اس سے منہ پھیرے رہے اور کہتے رہے کہ یہ تو کسی کا سکھایا ہوا دیوانہ ہے۔ اگر بالفرض ہم حجت پوری کرنے کے لیے کچھ مدت تک عذاب کو ہٹا بھی دیں تب بھی یہ لوگ اپنی پہلی حالت پر لوٹ آئیں گے اور وہی کفر و شرک کریں گے جو اس سے پہلے کرتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس دن ہم ان کو بڑی سختی کے ساتھ پکڑیں گے اس دن ہم ان سے پورا پورا بدلہ لیں گے۔ (ابن کثیر ۱۳۹ ۴، مظہری ۳۶۹، ۳۷۰ ۸)

قومِ فرعون کی آزمائش

۱۷۔۲۱: وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۙ
اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۙ﴿۱۸﴾ وَّاَنْ لَّا
تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّىْٓ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۚ وَاِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ

وَرَبِّكُمْ أَنْ تَرْجُمُوْنِ ۝ وَإِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ

ان سے پہلے ہم قوم فرعون کو بھی آزما چکے ہیں جن کے پاس ایک معزز رسول آئے تھے (موسیٰ نے فرعون سے کہا) کہ اللہ کے (ان) بندوں کو میرے حوالے کردو۔ بے شک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں اور یہ کہ تم اللہ کے مقابلے میں سرکشی نہ کرو۔ یقیناً میں تمہارے پاس ایک کھلی دلیل لایا ہوں۔ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے چکا ہوں اس سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے دور ہی رہو۔

اَدُّوْا: تم ادا کرو، تم حوالے کرو۔ تادية سے امر۔

تعلوا: تم چڑھنے لگو، تم سرکشی کرو۔ عُلُوٌّ سے ماضی۔

تشریح: مشرکین مکہ سے پہلے ہم قوم فرعون کا امتحان لے چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت فرعون اور اس کی قوم کے لیے ایک امتحان تھی کہ وہ اس معزز پیغمبر پر ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر فرعون کے پاس پہنچے کہ تم بنی اسرائیل و میرے حوالے کردو اور ان کو تکلیف نہ دو، میں اپنی نبوت پر گواہی دینے والے معجزے لایا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی وحی کا امانت دار بنا کر تمہاری طرف بھیجا ہے۔ تم اللہ سے سرکشی نہ کرو۔ میں تمہارے سامنے اپنی نبوت کی ایک دلیل پیش کرتا ہوں اور اس بات سے کہ تم مجھے قتل کرو میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لیتا ہوں۔ لہٰذا میں تمہاری دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا اور نہ مجھے تمہاری طرف سے کسی قسم کی ایذا کا خوف ہے۔ اگر تم اپنی بدنصیبی سے میری بات نہیں مانتے، مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے جدا رہو اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دو اور میری راہ نہ روکو تاکہ میں بنی اسرائیل کو لے جاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک طویل عرصے تک ان میں رہے اور خوب دل کھول کر تبلیغ کرتے رہے اور ان کی خیر خواہی اور ہدایت کے لیے ہر طرح کوشش کرتے رہے لیکن وہ راہ راست پر نہ آئے۔

قومِ فرعون کا انجام

۲۲۔۲۹: فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۝۲۲ فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۝ وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۝

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝
وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۖ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝
فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۝

پھر (موسیٰ نے) اپنے رب سے دعا کی کہ یہ لوگ مجرم ہیں۔ سو (اللہ نے حکم دیا کہ) میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جاؤ۔ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا اور سمندر کو ساکن چھوڑ دینا بلاشبہ یہ لشکر غرق ہونے والا ہے وہ لوگ کتنے ہی باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور بہترین مکانات اور وہ آرام کی چیزیں جن میں وہ مزے کر رہے تھے۔ اسی طرح ہوا کہ ہم نے دوسری قوم کو ان (چیزوں) کا مالک بنا دیا۔ سو نہ تو ان پر زمین و آسمان روئے اور نہ انہیں مہلت ملی۔

رھواً : تھما ہوا، ساکن، خشک۔

بَکَتْ : وہ روئی۔ بُکاءٌ سے ماضی۔

تشریح: آخر جب قوم فرعون اپنے کفر و سرکشی میں بڑھتی ہی گئی اور کسی طرح راہ راست پر نہ آئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ لوگ بڑے سخت مجرم ہیں، اپنی سرکشی سے کسی طرح باز نہیں آ رہے۔ پس اب میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا فوراً قبول فرمائی اور حکم دیا کہ فرعون کی بے خبری میں میرے بندوں کو لے کر راتوں رات چلے جاؤ۔ یہ لوگ یقیناً تمہارا تعاقب کریں گے۔ جب تم اور تمہارے ساتھی دریا کو عبور کر لیں تو دریا کو اسی طرح خشک چھوڑ کر چلے جائیں یعنی اس میں وہ خشک اور کشادہ راستہ جس سے تم دریا کو عبور کرو گے اسی طرح کھلا چھوڑ دینا تاکہ فرعون اور اس کے لشکر کو اس میں غرق کر دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا غرق کیا کہ سب جہنم واصل ہو گئے اور بدترین جگہ پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب سے تباہ ہونے والے یہ نافرمان کیسے کیسے باغات، چشمے، نہریں، کھیتیاں، عزت کے ٹھکانے اور نعمتیں اور عیش و عشرت کے سامان جن میں یہ مست تھے، سب چھوڑ گئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بنی اسرائیل کو عطا کر دیا۔ یہ لوگ ایسے بدنصیب اور قابل نفرت تھے کہ اللہ کی مخلوق میں سے کوئی بھی ان کی بربادی پر رنجیدہ نہ ہوا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

فرعون سے نجات

۳۰۔۳۳ وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ مِن فِرْعَوْنَ ۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَلَقَدِ اخْتَرْنَٰهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَٰلَمِينَ ۝ وَءَاتَيْنَٰهُم مِّنَ الْءَايَٰتِ مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٌا۟ مُّبِينٌ ۝

بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو ذلت کے عذاب سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے تھا۔ یقیناً وہ بڑا سرکش (اور) حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا اور ہم نے دانستہ طور پر ان (بنی اسرائیل) کو جہان کے لوگوں پر فوقیت دی اور ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دیں جن میں صریح آزمائش تھی۔

المُهِين: ذلیل کرنے والا، بے عزت کرنے والا۔ اهانةٌ سے اسم فاعل۔

اخترنٰهم: ہم نے ان کو پسند کیا، ہم نے ان کو فوقیت دی۔ اختیارٌ سے ماضی۔

تشریح: فرعون اور اس کی قوم کو سمندر میں غرق کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو سخت ذلت کے عذاب سے نجات دی جو فرعون کی طرف سے اُن پر مسلط تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کو پست و خوار کر رکھا تھا، ان سے ذلیل خدمتیں لیتا تھا اور ان کے کام کا کوئی معاوضہ نہیں دیتا تھا۔ اس کے ظلم و تعدی اور بدکاریوں میں اس کی قوم بھی اس کے ساتھ تھی۔ یقیناً وہ اپنی سرکشی و تکبر اور ظلم و تعدی میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ہم نے اپنے قدیم علم کے مطابق بنی اسرائیل کو بعض امور میں ان کے زمانے کے لوگوں پر فضیلت دی تھی۔ یہاں یہ مراد نہیں کہ ان کو اگلے پچھلے سب لوگوں پر فضیلت دی۔ جیسے ارشاد ہے:

يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّي ٱصْطَفَيْتُكَ عَلَى ٱلنَّاسِ

اے موسیٰ میں نے تمہیں لوگوں پر بزرگی عطا فرمائی۔ (اعراف: ۱۴۴)

یہاں بھی حضرت موسیٰ کے زمانے کے لوگ مراد ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس زمانے کے لوگوں پر فضیلت دی تھی۔

پھر فرمایا کہ ہم نے انہیں ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں واضح طور پر ان کی مدد تھی اور وہ محض انعام خداوندی تھا مثلاً دریا کو پھاڑ کر اُن کے لیے خشک راستہ بنانا۔ تیہ کے میدان میں ان پر ابر کا سایہ کرنا، ان کے کھانے کے لیے آسمان سے من و سلویٰ اتارنا اور ان کو فرعون کی سلطنت و دولت کا وارث بنانا وغیرہ۔ یہ سب محض انعامات الٰہی تھے اور بنی اسرائیل کے لیے امتحان تھے۔

مشرکین کا انکارِ قیامت

۳۴۔۳۷ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ۝ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ۝ فَاْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَهُمْ خَيْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ اَهْلَكْنٰهُمْ ۡ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

البتہ یہ (کافر) کہتے ہیں کہ بس یہی پہلی بار مرنا ہے اور ہم دوبارہ نہیں اُٹھائے جائیں گے۔ سو اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لے آؤ۔ بھلا یہ بہتر ہیں یا تبع کی قوم جو ان سے بھی پہلے تھے۔ ہم نے ان سب کو ہلاک کیا۔ یقیناً وہ گناہ گار تھے۔

تشریح: بنی اسرائیل کے مذکورہ واقعات، قیامت اور قدرت خداوندی پر ایمان و یقین کے لیے سامانِ عبرت اور مضبوط دلائل ہیں مگر مشرکین مکہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود ایمان لانے کی بجائے کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد زندگی ختم ہو جائے گی۔ اس کے بعد نہ قیامت آئے گی، نہ دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور نہ حساب و کتاب اور جزا و سزا ہوگی۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اپنی اس بات میں سچے ہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حساب و کتاب اور جزا و سزا ہوگی تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لائیے تاکہ ہمیں آپ کی بات کے صحیح ہونے کا یقین آ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان بدنصیبوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا یہ لوگ قوت و شوکت کے اعتبار سے قوم تبع اور ان قوموں سے بہتر ہیں جو ان سے پہلے گزری ہیں، مثلاً عاد و ثمود وغیرہ۔ ہم نے نافرمانیوں اور بداعمالیوں کے سبب ان سب کو ہلاک کر ڈالا۔ قوم تبع یمن میں رہتی تھی۔ یہ لوگ نہایت طاقتور اور ہر طرح کے مادی ساز و سامان سے آراستہ تھے۔ جس طرح فارس کے لوگ اپنے بادشاہ کو کسریٰ، روم والے قیصر، مصر والے فرعون اور حبشہ کے ہر بادشاہ کو نجاشی کہا جاتا ہے اسی طرح یمن کے رہنے والے حمیر اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے۔ یمن میں تبع کے لقب سے بہت سے بادشاہ گزرے ہیں۔ جس تبع کا یہاں ذکر ہے بعض روایات میں اس کا ایمان لانا ثابت ہے۔ حضرت کعب فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم سے تبع کی تعریف معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قوم کی مذمت کی ہے، ان کی نہیں کی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تبع کو برا نہ کہو، وہ مسلمان ہو چکا تھا۔ (ابن کثیر: ۱۴۳، ۱۴۴/ ۴)

فیصلے کا دن

۳۸۔۴۲: وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور ان چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں کھیلنے کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ ہم نے ان کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ بے شک فیصلے (قیامت) کا دن ان سب کا مقررہ وقت ہے۔ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کی امداد کی جائے گی مگر جس پر اللہ مہربان ہو جائے۔ بے شک وہ زبردست اور رحم والا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے درمیان کی چیزوں کو محض بے کار اور کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا بلکہ یہ کائنات ایک حکمت کے ساتھ پیدا کی گئی ہے مگر لوگ اپنے عناد اور سرکشی کی بنا پر اس کی حقیقت اور حکمت کو نہیں سمجھتے اور حقائق و دلائل سے چشم پوشی کرتے ہوئے قیامت اور بعث بعد الموت کے انکار پر قائم ہیں حالانکہ یہ بات قطعی اور تسلیم شدہ ہے کہ جو ذات کسی چیز کو پہلی مرتبہ کسی نمونے کے بغیر پیدا کرنے پر قادر ہے وہ یقیناً اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝

اور ہم نے آسمان و زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا۔ یہ خیال تو کافروں کا ہے۔ سو افسوس ہے۔ کافروں کے لئے آگ کی سزا ہے۔ (ص: ۲۷)

اور ارشاد ہے:

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے اور تمہیں ہماری طرف لوٹ کر نہیں آنا۔ (المؤمنون: ۱۱۵)

بے شک لوگوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے اور بدلہ دینے کا وقت مقرر ہے۔ اس دن اول تا آخر سب جمع ہوں گے اور اپنے اپنے اعمال و افعال کی جزا یا سزا پائیں گے۔ اس دن کوئی دوست کسی دوست کے ذرا بھی کام نہ آئے گا اور نہ کسی کو کسی ذریعے سے عذاب سے بچنے میں کوئی مدد مل سکے گی سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے خود معاف فرما دے یا کسی کی شفاعت کی وجہ سے اس کے گناہ معاف فرما دے۔ وہ ایسا غالب ہے کہ جب وہ کسی کو عذاب دینا چاہے گا تو کوئی بھی اس کو عذاب سے نہ بچا سکے گا اور وہ وسیع رحمت والا ہے۔

منکرین قیامت کا انجام

۴۳-۵۰: اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

بے شک زقوم کا درخت گناہ گار کا کھانا ہے جو تلچھٹ کی مانند پیٹ میں کھولتا رہتا ہے (اور) کھولتے ہوئے گرم پانی کی مانند۔ اس کو پکڑ لو اور گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ۔ پھر عذاب دینے کے لیے اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈالو (اس کو) چکھ۔ بے شک تو بڑا معزز و مکرم سردار (بنتا) ہے بے شک یہ وہی ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

اَلْمُهْل: تیل کی تلچھٹ، پیپ، پگھلا ہوا تانبا۔ اسم ہے۔

يَغْلِيْ: وہ جوش مارے گا، وہ ابلے گا۔ غَلْيٌ سے مضارع۔

اعْتِلُوْهُ: اس کو گھسیٹ کر لے جاؤ، اس کو دھکیل کر لے جاؤ۔ عَتْلٌ سے امر۔

صُبُّوْا: وہ ڈالے گئے، وہ گرائے گئے۔ صَبٌّ سے ماضی مجہول۔

تَمْتَرُوْنَ: تم شک کرتے ہو، تم تردد کرتے ہو۔ امتراءٌ سے مضارع۔

تشریح: یہاں اس سزا کا بیان ہے جو منکرین قیامت کو آخرت میں ملے گی۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جہنم

میں ان منکرین کو زقوم کا درخت کھانے کو ملے گا جو اپنی شدید تلخی کے علاوہ پگھلے ہوئے تانبے کی مانند اور سخت کھولتے ہوئے پانی کی طرح پیٹ میں کھولے گا۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اللہ سے ڈرو جتنا ڈرنے کا حق ہے۔ اگر زقوم کی ایک بوند زمین پر ٹپکا دی جائے تو دنیا والوں کی زندگی تلخ کر دے۔ پھر کیا حال ہوگا اُن کا جن کا کھانا ہی زقوم ہوگا۔ زقوم کے سوا اُن کا کوئی کھانا نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ دوزخ کے کارندوں کو حکم دے گا کہ اس کافر کو پکڑ کر اوندھا کر کے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے عین درمیان میں ڈال دو۔ پھر اس کے سر کے اوپر کھولتا ہوا پانی ڈالو جس سے اس کی کھال اور پیٹ کے اندر کی تمام چیزیں جل جائیں گی۔ جہاں جہاں یہ پانی پہنچے گا ہڈی کو کھال سے جدا کر دے گا یہاں تک کہ اس کی آنتیں کاٹتا ہوا پنڈلیوں تک پہنچ جائے گا۔ پھر مزید شرمسار کرنے کے لیے ان سے کہا جائے گا کہ لو اب ذلت کے عذاب کا مزہ چکھو۔ تم ہماری نگاہوں میں نہ عزت والے ہو اور نہ بزرگی والے۔ یہی وہ دوزخ ہے جس کے بارے میں تم ہمیشہ شک و شبہ کرتے رہے۔

(مظہری: ۳۷۵، ۳۷۶/ ۸)

اہل تقویٰ کا حال

۵۱۔۵۹ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿٥١﴾ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٥٢﴾
يَلْبَسُونَ مِن سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُّتَقَابِلِينَ ﴿٥٣﴾ كَذَٰلِكَ وَزَوَّجْنَاهُم
بِحُورٍ عِينٍ ﴿٥٤﴾ يَدْعُونَ فِيهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ آمِنِينَ ﴿٥٥﴾ لَا يَذُوقُونَ
فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ ۖ وَوَقَاهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿٥٦﴾ فَضْلًا
مِّن رَّبِّكَ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٥٧﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ فَارْتَقِبْ إِنَّهُم مُّرْتَقِبُونَ ﴿٥٩﴾

بے شک پرہیزگار لوگ امن کی جگہ میں ہوں گے۔ باغوں اور چشموں میں باریک اور دبیز ریشم کے لباس پہنے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (پھر وہاں) اسی طرح ہوگا۔ ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کر دیں گے۔ وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگوائیں گے۔

وہاں نہ ان کو موت نہیں آئے گی سوائے اس پہلی موت کے (جو دنیا میں آ چکی) اور اللہ نے انہیں دوزخ سے بچا لیا۔ (یہ سب) آپ کے رب کا فضل ہوگا۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ اب آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار میں ہیں۔

سُنْدُس : باریک کپڑا۔

اِسْتَبْرَق : دبیز ریشمی کپڑا۔ دیبا۔

اِرْتَقِبْ : تو انتظار کر، تو راہ دیکھ۔ اِرْتِقَابٌ سے امر۔

تشریح: جو لوگ دنیا میں اپنے مالک و خالق سے ڈرتے رہتے ہیں قیامت کے روز وہ جنت میں نہایت امن و چین کی جگہ میں ہوں گے۔ کافروں کے برعکس جن کو دوزخ میں زقوم کا درخت اور آگ جیسا گرم پانی ملے گا، پرہیزگاروں کو باغات اور بہتی ہوئی نہریں ملیں گی۔ ان کا لباس نہایت نرم و لطیف ریشم سے بنا ہوا ہوگا۔ بعض لباس باریک ریشم کا ہوگا اور بعض دبیز ریشم کا۔ ان نعمتوں اور کرامتوں کے ساتھ وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کئے ہوئے بالکل آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ یہ سب باتیں اسی طرح ہوں گی۔ ہم بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ان کا نکاح کریں گے۔ یہ لوگ جنت میں جس میوے اور پھل کی خواہش کریں گے وہ ان کو نہایت اطمینان سے ارادے اور خواہش کے ساتھ ہی مل جائے گا۔ ان کو جنت میں کبھی موت نہیں آئے گی، جو طبعی موت ان کو دنیا میں آنی تھی وہ آ چکی۔ اس راحت و نعمت کے ساتھ یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ اللہ نے ان کو جہنم کے عذاب سے نجات دے دی۔ اہل تقویٰ کو جنت میں جو کچھ بھی ملے گا وہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور مہربانی سے ملے گا۔ بلاشبہ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ مشرکین مکہ جو آپ کے اولین مخاطب ہیں ان حقائق کو نہیں سمجھتے جو ہم نے قرآن اور وحی کے ذریعے اُن کے سامنے بیان کر دیئے۔ ہم نے تو اس قرآن کو آپ کی زبان یعنی عربی میں نہایت ہی آسان کر دیا ہے تا کہ یہ لوگ سمجھیں اور نصیحت قبول کریں۔ اس کے باوجود اگر یہ لوگ نہ مانیں تو پھر آپ ان کی شقاوت و نافرمانی کے برے انجام کا انتظار کیجئے اور وہ بھی اس کے منتظر رہیں۔ (ابن کثیر: ۱۴۶، ۱۴۷/۴، مظہری ۳۷۷، ۳۷۹/۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الجاثیہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی آیت ۲۸ میں لفظ الجاثیہ (زانو کے بل گرے ہوئے) آیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الجاثیہ مشہور ہے۔

تعارف: اس میں چار رکوع، ۳۷ آیات، ۴۸۸ کلمات اور ۲۱۹۱ حروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے۔

قرطبی نے کہا کہ حسن، جابر اور عکرمہ کے قول میں یہ پوری سورت مکیہ ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور خطیب نے کہا کہ اس میں ایک آیت قل للذین امنوا یغفروا مستثنیٰ ہے۔ اس کا نزول مدینے میں حضرت عمر کے حق میں ہوا۔ اس سورت کی ابتدا قرآن کی عظمت کے بیان سے کی گئی ہے۔ اس کے بعد قادر مطلق کی قدرت وعظمت اور منعم حقیقی کی نافرمانی پر تنبیہ و وعید ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۲۹، ۲۳۰ / ۲۵، روح المعانی ۱۳۸ / ۲۵)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قدرت کاملہ کی نشانیاں اور کفار کی بے بسی کا بیان ہے۔

رکوع ۲: اللہ کی نعمتوں اور بنی اسرائیل میں فرقہ بندی کا احوال مذکور ہے۔

رکوع ۳: مومن و کافر کے مراتب اور باطل عقائد کا بیان ہے۔

رکوع ۴: آخرت کے احوال اور منکرین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

حروفِ مقطعات

۱　حٰمٓ ﴿۱﴾

ان کے معنی و مراد اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔

قدرتِ کاملہ کی نشانیاں

۲۔۶: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ۝ اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝ وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ
مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۝ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ
وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ
مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ
نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ
يُؤْمِنُوْنَ۝

یہ کتاب غالب (اور) حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں مومنوں کے لیے (اس کی قدرت کی) بہت سی نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہاری پیدائش اور جانوروں کے پھیلانے میں ان لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں جو یقین رکھتے ہیں اور رات اور دن کے بدلنے میں اور اس رزق (پانی) میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا اور رات و دن کے بدلنے میں پھر اس (پانی) کے ذریعے مردہ زمین کو زندہ کر دیا اور ہواؤں کے بدلنے میں بھی ان لوگوں کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں۔ پھر یہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کن باتوں پر ایمان لائیں گے۔

تشریح: یہ کتاب یعنی قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے جو غالب و قوی ہے اور جس نے کمال حکمت کے ساتھ کتاب کو اتارا۔ مخلوق کو چاہئے کہ وہ اس عزیز و حکیم کی قدرت کی نشانیوں میں غور و فکر کریں، اس کی نعمتوں کو پہچانیں اور ان کا شکر بجا لائیں۔ وہ تنِ عظیم قدرتوں والا ہے۔ اس نے آسمان و زمین اور تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ فرشتے، جن، انسان، چوپائے، پرند، درند، کیڑے، پتنگے وغیرہ سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور سمندر کی بے شمار مخلوق کا خالق بھی وہی ہے۔ وہی دن کو رات کے بعد اور رات کو دن کے بعد لاتا ہے۔ رات کا اندھیرا اور دن کا اجالا سب اسی کے اختیار میں

ہیں ۔ وہی ضرورت کے وقت بادلوں سے ایک مقدار میں پانی برساتا ہے جس سے بنجر اور مردہ زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور طرح طرح کی کھانے کی چیزیں اگاتی ہے وہی مختلف سمتوں اور مختلف حالات میں ہواؤں کو بدل بدل کر چلاتا ہے ۔ کبھی مشرق سے، کبھی مغرب سے، کبھی شمال سے، کبھی جنوب سے، کبھی دن میں اور کبھی رات میں چلاتا ہے ۔ بعض ہوائیں بارش کے لیے بادلوں کو جمع کر کے لاتی ہیں اور بعض برستے ہوئے بادلوں کو اڑا کر تحلیل کر دیتی ہیں ۔ یہ سب اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں ۔ ہم آپ کو یہ آیتیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں ۔ منکرین و مشرکین ان دلائل و حقائق کو سننے اور دیکھنے کے باوجود نہ ان پر ایمان لاتے ہیں اور نہ عمل کرتے ہیں آخر یہ کس چیز پر ایمان لائیں گے اور کس دلیل کو مانیں گے ۔ (ابن کثیر ۱۴۷، ۱۴۸ / ۴)

کفار کی بے بسی

۷۔۱۱ وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٧﴾ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٨﴾ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٩﴾ مِّن وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠﴾ هَٰذَا هُدًى ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لیے جو جھوٹا اور گنا گار ہو جو اللہ کی آیتوں کو سنتا ہو جو اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں ۔ پھر وہ تکبر کرتا ہوا (اپنے کفر پر) اڑا رہتا ہے گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں تو آپ ایسے شخص کو دردناک عذاب کی بشارت سنا دیجئے اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پالیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے ۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے، ان کے آگے دوزخ ہے ۔ جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کمایا ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ وہ (کام آئیں گے) جن کو انہوں نے اللہ کے سوا

کارساز بنا رکھا تھا اوران کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یہ(قرآن تو سرتا سر)
ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کے منکر ہیں ان کے لیے سخت
دردناک عذاب ہے۔

اَفَّاک : بہت جھوٹا، بہتان تراش ۔اِفک سے مبالغہ۔

رِجز : سخت، عذاب، آفت۔

تشریح : ہلاکت و بربادی ہے ہر جھوٹے افترا پرداز گناہ گار کے لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو سنتا ہے جو اس کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں مگر پھر بھی اپنے کفرو نافرمانی پر غرور و تکبر کے ساتھ اس طرح جما رہتا ہے جیسے اس نے سنا ہی نہیں۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ایسے لوگوں کو یہ خبر سنا دیجئے کہ اللہ تعالی کے ہاں ان کے لیے ایک دردناک عذاب ہے۔ اگر کسی وقت وہ ہماری نشانیوں میں سے کوئی نشانی جان لیتا ہے یعنی اس کو قرآن کا کچھ حصہ پہنچ جاتا ہے تو فوراً اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ جس طرح آج یہ لوگ میرے کلام کی اہانت کرتے ہیں کل قیامت کے روز میں بھی ان کو بڑی دردناک اور ذلت و رسوائی کی سزا دوں گا۔ ان کے پیچھے جہنم ہے یعنی ان کے اور جہنم کے درمیان دنیا کی زندگی حائل ہے۔ جوں ہی یہ دنیا سے کوچ کریں گے جہنم کا عذاب ان کو گھیر کر ان پر مسلط ہو جائے گا اور اس وقت دنیا میں کئے ہوئے کاموں میں سے کوئی کام ذرہ برابر بھی ان کے کام نہ آئے گا اور نہ وہ معبود کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ کے سوا اپنا کارساز بنا رکھا تھا۔ ان کے لیے عذاب عظیم ہے۔ یہ قرآن تو سراسر ہدایت ہے، اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے سخت دردناک عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

۱۲۔۱۵: اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ وَ
لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ
لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ
عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ ہی نے تمہارے لیے سمندروں کو مسخر کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل (روزی) تلاش کرو اور تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ یقیناً غور کرنے والوں کے لیے ان میں (بھی) بہت سی نشانیاں ہیں۔ آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ان لوگوں سے درگزر کریں جو اللہ کے دنوں کی امید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ایک قوم کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے۔ جس نے نیک کام کئے تو اس نے اپنے ہی (فائدے کے) لیے (کیے) اور جو برائی کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر ہے پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تشریح: وہ اللہ ہی ہے جس نے سمندر کو تمہارے تابع کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس میں بڑی بڑی کشتیاں اور جہاز چلیں۔ ان کے ذریعے انسان سمندروں میں سفر کرتا ہے، سیر و سیاحت اور تجارت کرتا ہے اور اس کی تہوں سے موتی اور جواہرات بھی نکالتا ہے۔ یہ بے شمار منافع اور فوائد اس خالق کائنات کی قدرت اور اس منعم حقیقی کے عظیم دلائل و شواہد ہیں۔ یہ سب انعامات و احسانات اس کے مقتضی ہیں کہ انسان اپنے خالق و مالک کا شکر بجالائے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے جیسے سورج، چاند، ستارے وغیرہ اور جتنی چیزیں زمین میں ہیں جیسے حیوانات، معدنیات، نباتات، پہاڑ، چشمے اور نہریں وغیرہ ان سب کو اس ذات واحد نے تمہارے فائدے کے لیے تمہارے تابع کر رکھا ہے یعنی اس نے ان جملہ مخلوقات میں تصرف کرنے اور ان سے نفع اٹھانے کی تم میں صلاحیت پیدا کی ورنہ ایک معمولی جانور بھی انسان سے کہیں زیادہ طاقت رکھتا ہے اس لیے انسان کے لیے اس پر قابو رکھنا ممکن نہ ہوتا۔ یہ سب اس کا فضل و احسان اور انعام و اکرام ہے اور اسی کی طرف سے ہے جیسے۔ ارشاد ہے:

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ ۝

تمہارے پاس جو نعمتیں ہیں وہ سب اللہ کی دی ہوئی ہیں اور تم سختی اور مصیبت کے وقت اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو۔ (النحل: ۵۳)

جو لوگ عجائبات قدرتِ خداوندی میں غور و فکر کرتے ہیں ان کے لیے یقیناً ان سب چیزوں

میں بڑی نشانیاں اور دلائل ہیں۔آپ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ صبر وتحمل کی عادت ڈالیں۔منکرین کی کڑوی کسیلی سن لیا کریں اوران کی ایذاؤں کو برداشت کرلیا کریں تاکہ اللہ مسلمانوں کو صبر کرنے کی جزاعطا فرمائے یا کافروں کو پوری سزادے، جوشخص کوئی نیک کام کرتا ہے تو وہ اپنے ہی نفع کے لیے کرتا ہے،اس کا ثواب اسی کو ملے گا اور جوشخص برائی کرتا ہے تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑے گا۔پھر تم سب کو اسی کی طرف لوٹایا جائے گا تاکہ وہ تمہیں اعمال کے مطابق ثواب یا عذاب دے۔

بنی اسرائیل میں فرقہ بندی

۱۶۔۲۰: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰي شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۚ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ھٰذَا بَصَاۗىِٕرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکومت اور نبوت دی تھی اور ان کو پاکیزہ رزق عطا کیا اور (ان کے زمانے میں) ان کو تمام اہل جہان پر فضیلت دی تھی،ہم نے ان کو دین کے واضح احکام دیئے سوانہوں نے علم آجانے کے بعد آپس کی ضد سے باہم اختلاف کیا۔بے شک آپ کا رب قیامت کے دن ان امور کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقے پر (قائم) کردیا سوآپ اسی طریقے پر چلتے رہیے اور ان نادانوں کی خواہشات پر نہ چلیے۔یقیناً یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کے ذرا کام نہیں آسکتے، بے شک کافر ایک دوسرے کے دوست ہیں اور پرہیزگاروں کا دوست اللہ ہے (جو ہر چیز پر قادر ہے) یہ (قرآن

لوگوں کے لیے نصیحت کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ ہے ۔ اور یقین کرنے والوں کے لیے بڑی رحمت (کا سبب) ہے ۔

اَھْوَاء: خواہشیں، خیالات ۔ واحد ھوٰی ۔

بصائر: واضح نصیحتیں، روشن دلیلیں ۔ واحد بصیرۃ ۔

تشریح: ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب، سلطنت اور نبوت عطا کی تھی ۔ ان روحانی انعامات و اعزازات کے ساتھ ہم نے ان کو پاکیزہ رزق اور بہترین غذائیں دیں اور ان کو اس زمانے کے لوگوں پر فضیلت عطا کی ۔ ان سب کے علاوہ ہم نے انہیں کھلی نشانیاں اور نہایت واضح اور مفصل دلائل و احکام دیئے جس کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ متحد ہو کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی اتباع کرتے اور آپس میں کسی قسم کا اختلاف نہ کرتے مگر افسوس انہوں نے علم و ہدایت آ جانے کے باوجود آپس کی ضد، عناد، حسد اور نفسانی خواہشات کی وجہ سے باہم اختلاف کیا اور اصل کتاب و چھوڑ کر مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے ۔ قیامت کے دن آپ کا رب یقیناً اس بارے میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے آپ کو پیغمبر بنا کر دین کے صحیح راستے پر قائم کر دیا سو آپ اسی طریقے پر چلتے رہیے اور ان نادانوں کی خواہشات پر کبھی نہ چلیے جو آپ کو راہ حق سے ہٹا کر اپنے طریقے پر چلانا چاہتے ہیں ۔ اگر بالفرض محال آپ ان کے طریقے پر چلے تو اللہ کے عذاب سے بچانے میں یہ آپ کے کسی کام نہ آئیں گے ۔ یقیناً یہ ظالم و مجرم ایک دوسرے کے ہی دوست اور مددگار ہیں ۔ پرہیزگاروں کا ولی اور مددگار تو خود اللہ تعالیٰ ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ۔ وہ ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے ۔ یہ قرآن تو بصیرت و عبرت کی باتوں پر مشتمل ہے اور لوگوں کو ہدایت و کامیابی کا راستہ دکھاتا ہے ۔ جو خوش نصیب اس کی ہدایتوں اور نصیحتوں پر یقین کر کے عمل کرتے ہیں ان کے حق میں خاص طور پر رحمت و برکت ہے ۔ (عثمانی: ۵۴۴ ـ ۲/۵۴۶)

مومن و کافر کے مراتب

۲۱ ـ ۲۳ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا
يَحْكُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾ أَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ
إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَ
جَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ ۚ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾

جو لوگ برے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے کہ ان سب کا مرنا اور جینا یکساں ہو جائے برے دعوے ہیں جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور اللہ نے بھی اس کو علم کے باوجود گمراہی میں ڈال دیا اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا سوایسے شخص کو اللہ کے سوا کون راہ راست پر لا سکتا ہے۔ کیا تم غور نہیں کرتے۔

اجترحوا: انہوں نے گناہ اختیار کیا۔ اِجتراح سے ماضی۔

سواء: برابر، پورا، ٹھیک۔ اسم مصدر۔

تشریح: کیا یہ مشرکین و منکرین جو گمراہیوں اور بدکاریوں میں مبتلا ہیں یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ مرنے کے بعد ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور ان سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے گا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ نہ اس زندگی میں دونوں برابر ہو سکتے ہیں اور نہ مرنے کے بعد آخرت میں جو حیات طیبہ مومن صالح کو نصیب ہوئی وہ ایک بدکار کو کہاں میسر۔ الغرض کافروں کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدوں کا مرنا اور جینا برابر کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا تاکہ اس کی ہستی، اس کی قدرت اور کامل صفات پر ان کی تخلیق سے استدلال کیا جا سکے، نیک و بد میں امتیاز ہو جائے، ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا یعنی نہ کسی کو گناہ سے زیادہ عذاب دیا جائے گا اور نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائے گی۔ پھر فرمایا کہ جس شخص نے اپنی خواہشات کو

اپنا معبود بنائے رکھا اور جس طرف اس کی خواہش لیجانا چاہتی ہے وہ اسی طرف چل پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اس کی اختیار کردہ گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دیتا ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اس لیے اب نہ وہ نصیحت کی بات سن سکتا ہے اور نہ اللہ کی آیات پر غور کر سکتا ہے۔ اس محرومی اور بدنصیبی کے بعد کون ایسے شخص کو ہدایت دے سکتا ہے۔ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے۔

(مظہری: ۳۸۵، ۳۸۷/ ۸، عثمانی ۶۴۲ د ۲)

باطل عقائد

۲۴-۲۶: وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

وہ کہتے ہیں کہ ہماری تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے (اسی دنیا میں) ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں تو صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انہیں اس کا کچھ علم نہیں۔ وہ محض انکل سے کام لیتے ہیں جب ان کے سامنے ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے پاس اس قول کے سوا کوئی دلیل نہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو لاؤ۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی تمہیں زندہ کرتا ہے پھر تمہیں موت دیتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس (کے بارے) میں ذرا شبہ نہیں۔ لیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ اہل جاہلیت (کافر) کہا کرتے تھے کہ رات اور دن کا چکر ہمیں ہلاک کرتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۳۸۷/ ۸)

تشریح: یہاں ان منکرین خدا کے باطل نظریے کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور قدرت کا انکار

کرتے ہیں اور کائنات کی ہر چیز کو زمانے اور اس کے انقلابات کی طرف منسوب کر دیتے ہیں کہ سب کچھ زمانہ ہی ہے، اس کی پشت پر نہ کسی خالق و قادر کی طاقت و ارادہ کارفرما ہے اور نہ زمانے کا کوئی خالق ہے۔ اسی لیے اس فرقے کو دہریہ کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب زمانہ ہی کرتا ہے۔ نہ خدا ہے اور نہ خدا کا حکم اور نہ موت و حیات کا کوئی مالک۔ بس انسان دنیا میں یونہی آ جاتا ہے اور یونہی مر جاتا ہے۔ ان کی موت و حیات کسی کے حکم و ارادے کے تابع نہیں۔ یہ فرقہ حوادث و آفات اور عزت و ذلت اور نفع و نقصان وغیرہ کو بھی دہر کی طرف منسوب کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں۔ کسی زمانے میں ہم مر جاتے ہیں اور کسی زمانے میں زندہ ہو جاتے ہیں۔ موت و حیات کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری ہے اور ہمیں صرف زمانے ہی کی گردش سے موت آتی ہے۔ سب انقلابات اور تبدیلیاں زمانہ ہی لاتا ہے۔ یہی مؤثر و کارساز ہے۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ ان کو کچھ بھی خبر نہیں اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔ ان کا گمان تو محض اٹکل ہے۔ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ دہر کو برا نہ کہو کیونکہ حقیقت میں اللہ ہی دہر ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ زمانے کو برا کہنا اس خیال پر مبنی ہے کہ دہر ہی تمام حوادث و مصائب لاتا ہے۔ حقیقت میں حوادث لانے والا اور تمام مصائب نازل کرنے والا اللہ ہے۔ پس دہر کو برا کہنا حقیقت میں اللہ کو برا کہنا ہوا۔ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ جب ان لوگوں کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر واضح اور صاف طور پر دلالت کر رہی ہیں اور منکرین کے عقیدے کے خلاف کھلا ثبوت پیش کر رہی ہیں، تو اس کے جواب میں ان کی دلیل اور حجت صرف یہ ہوتی ہے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے گا تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمہیں زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پھر قیامت کے روز، جس کے واقع ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں، وہ تمہیں جزا و سزا کے لیے جمع کرے گا لیکن اکثر لوگ اس کی قدرت کو نہیں جانتے کہ جو پروردگار ایک مرتبہ زندہ کرنے پر قادر ہے اس کے لیے مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا کچھ دشوار نہیں۔

(مظہری: ۳۸۸، ۳۸۹/ ۸، معارف القرآن: مولانا کاندھلوی، ۳۹۸: ۷)

آخرت کے احوال

۲۷۔۲۹: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ
يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۣ كُلُّ اُمَّةٍ
تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا
كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ
تَعْمَلُوْنَ ۝

آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی حکومت ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن اہل باطل ہی خسارے میں رہیں گے (اس روز) آپ ہر امت کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا دیکھیں گے۔ ہر امت کو اس کے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ آج تمہیں اپنے کئے کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہے ہماری کتاب (تمہارا اعمال نامہ) جو تمہارے بارے میں سچ سچ بول رہی ہے۔ بیشک ہم تمہارے اعمال لکھواتے جاتے تھے۔

جاثِیَۃً : زانو کے بل گری ہوئی، گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی۔ جثوٌّ سے اسم فاعل۔

نَسْتَنْسِخُ : ہم لکھواتے ہیں۔ اِسْتِنْسَاخٌ سے مضارع۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی سلطنت اللہ ہی کے لیے ہے اس لیے وہ جس طرح چاہے آسمانوں اور زمین میں اپنا حکم جاری و نافذ کرے۔ اس کا ہر ارادہ اور فیصلہ اٹل ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کے ارادے اور حکم کو نہیں بدل سکتی۔ قیامت کے روز تمام جھوٹے اور باطل پرست خسارے میں ہوں گے۔ وہ دن ایسا ہولناک اور شدید ہوگا کہ ہر گروہ خوف کے مارے گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہوگا۔ یہ اس وقت ہوگا جب جہنم سامنے لائی جائے گی اور وہ ایک جھرجھری لے گی جس سے ہر شخص کانپ اٹھے گا اور اپنے گھٹنوں پر گر جائے گا۔ اس وقت ہر ایک کی زبان سے نفسی نفسی نکلے گا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گویا میں تمہیں جہنم کے پاس زانو پر جھکے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

پھر لوگوں کو ان کے اعمال ناموں کی طرف بلایا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ آج تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہے ہمارا رجسٹر جو تمہارے بارے میں ٹھیک ٹھیک بول

رہا ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی کمی بیشی نہیں کیونکہ ہم فرشتوں کے ذریعے تمہارے تمام اعمال لکھواتے جاتے تھے۔ بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے اعمال نامے عرش کے نیچے جمع ہوں گے۔ جب (حساب کے لیے) لوگوں کو میدان میں کھڑا کیا جائے گا تو ایک ہوا آئے گی جو اعمال ناموں کو اڑا کر لوگوں کے دائیں اور بائیں ہاتھوں میں پہنچا دے گی۔ اعمال ناموں میں سب سے پہلی تحریر یہ ہوگی:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۞ (الاسراء ۱۴)

اپنی کتاب (نامۂ اعمال) پڑھ۔ آج اپنا حساب لینے کے لئے تو خود ہی کافی ہے۔

(ابن کثیر ۴/۱۵۱،۱۵۲، مظہری ۸/۳۸۹،۳۹۰)

منکرین قیامت کا حال

۳۰۔۳۲: فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۞ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۞ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۞

سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہی صریح کامیابی ہے جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے پوچھا جائے گا) کیا تمہیں میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تو تھے ہی نافرمان۔ جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے۔ ہم تو اسے محض ایک خیال سمجھتے ہیں اور ہمیں (اس پر) یقین نہیں۔

تشریح: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو ان کا رب انہیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا یہی صریح کامیابی ہے۔ جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے پوچھا جائے گا) کیا تمہیں میری

آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، پھر بھی تم تکبر کرتے رہے اور تم تو تھے ہی نافرمان۔ جب تم سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک نہیں تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے۔ ہم تو اسے محض ایک خیال سمجھتے ہیں اور ہمیں (اس پر) یقین نہیں۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک نیتی کے ساتھ اچھے کام کئے تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم اور مہربانی سے ان کو جنت عطا فرمائے گا جہاں ہر قسم کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں ہوں گی۔ یہی کھلی اور واضح کامیابی ہے۔ آیت میں رحمت سے مراد جنت ہے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے جسے میں چاہوں عطا فرماؤں گا۔

جن لوگوں نے کفر کیا وہ بلاشبہ ناکام و ذلیل ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ کیا تمہیں میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں مگر تم نے ان کو قبول کرنے سے غرور سرکشی کی اور تمہاری تو عادت ہی کفر و جرم کرنے کی تھی۔ جب مومن تم سے کہتے تھے کہ اللہ کا وعدہ قطعاً سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں، وہ ضرور آئے گی تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے۔ قیامت کے جو عجیب و غریب احوال تم بیان کر رہے ہو ہم ان پر بالکل یقین نہیں رکھتے۔ ان کی سنائی باتوں سے تو بس ہمیں وہم سا ہوتا ہے لیکن ہمیں ہرگز یقین نہیں کہ قیامت آئے گی۔

دائمی عذاب

۳۳۔۳۷: وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

اور ان (منکرین) پر ان کے اعمال کی برائی ظاہر ہو جائے گی اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہ انہیں آگھیرے گی اور (ان سے) کہا جائے گا

کہ آج ہم تمہیں بھلائے دیتے ہیں جیسا کہ تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلا رکھا تھا اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کی ہنسی اڑائی تھی اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ اس (دوزخ) سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ پس تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو آسمان اور زمین اور تمام عالم کا رب ہے۔ آسمانوں اور زمین میں تمام بڑائی اسی کے لیے ہے اور وہی غالب (اور) حکمت والا ہے۔

حَاقَ : اس نے گھیر لیا، وہ نازل ہوا۔ حَیْقٌ سے ماضی۔

یُسْتَعْتَبُوْنَ : ان کی توبہ قبول کی جائے گی، ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔ اسْتِعْتَابٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: قیامت کے روز منکرین کی تمام بداعمالیاں جو انہوں نے دنیا میں کی تھیں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کا وہ دنیا میں تمسخر اڑاتے تھے وہ ان پر مسلط ہو جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے دنیا میں اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا آج ہم بھی تمہیں بھلائے دیتے ہیں۔ اب تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی نہیں جو تمہاری کسی قسم کی مدد کر سکے۔ تمہاری یہ سزائیں اور ذلت و رسوائی اس وجہ سے ہے کہ دنیا میں تم نے اللہ کی آیتوں کا خوب تمسخر اڑایا تھا اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور تمہیں کبھی خیال بھی نہ آیا کہ ایک دن تمہیں اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے سو اب تم دوزخ سے کبھی نہ نکالے جاؤ گے اور نہ تم سے کوئی معذرت اور توبہ قبول کی جائے گی اور نہ اس کا امکان ہے کہ وہ کسی طرح اللہ کو راضی کر لیں۔

پس تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو آسمانوں اور زمین اور سارے جہان کا پروردگار ہے۔ آسمانوں اور زمین میں اسی کی سلطنت اور بڑائی ہے۔ وہ بڑی عظمت اور بزرگی والا ہے۔ ہر چیز اس کے سامنے پست ہے اور ہر ایک اس کا محتاج ہے۔ وہ ایسا زبردست ہے کہ اس پر کوئی غالب نہ آ سکے اور اس کا کوئی کام یا فیصلہ حکمت سے خالی نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ الاحقاف

وجہ تسمیہ: احقاف یمن میں ایک وادی ہے جہاں قوم عاد کی بستیاں تھیں ۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الاحقاف ہے۔

تعارف: اس میں ۴ رکوع ۳۵ آیات، ۶۴۵ کلمات اور ۲۷۰۹ حروف ہیں ۔ حضرت ابن عباس اور ابن الزبیر سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ۔ بعض مفسرین نے آیت ۱۰ قل ارئیتم ان کان من عند اللہ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی ۔
شیخ جلال الدین محلی نے چند آیات مستثنیٰ کی ہیں ۔ ۱ ۔ قل ارئیتم ان کان (آیت ۱۰) ۲ ۔ ووصینا الانسان اساطیر الاولین O (آیت ۱۵ تا ۱۷)
۳ ۔ فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل (آیت ۳۵)
ان آیات کے مستثنیٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئیں ۔
اس سورت کے زیادہ تر مضامین قرآن کی حقانیت، دلائل قدرت اور اثبات حشر ونشر پر مشتمل ہیں ۔
(مواہب الرحمن ۲۶:۱۱، روح المعانی ۲۶:۳)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: کائنات کی تخلیق کا مقصد اور منکرین کی تکذیب وافترا کا بیان ہے ۔
رکوع ۲: کفار کی ذہنیت، والدین کے حقوق اور نافرمان اولاد کا حال مذکور ہے ۔
رکوع ۳: قوم عاد کا حال اور پھر ان کا انجام بیان کیا گیا ہے ۔
رکوع ۴: جنات کا قرآن سننا اور کفار کے احوال مذکور ہیں ۔

حروف مقطعات

۱: حٰمۤ ۝

ان کے معنیٰ و مراد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔

کائنات کی تخلیق کا مقصد

۲-۶: تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ
اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ۝ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا
يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝
وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝

یہ کتاب غالب (اور) حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے۔ ہم نے آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو بہترین تدبیر کے ساتھ اور ایک معین مدت کے لیے پیدا کیا ہے اور کافر وں کو جس چیز سے ڈرایا جاتا ہے وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ذرا یہ تو بتاؤ کہ اللہ کو چھوڑ کر تم جن کو پکارتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین کا کون سا حصہ پیدا کیا ہے یا وہ آسمانوں (کے بنانے میں) شریک ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا کوئی علم جو منقول چلا آرہا ہو، لاؤ۔ اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے (معبودوں) کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دعا کو قبول نہ کرسکیں بلکہ ان کو ان کے پکارنے کی خبر تک نہ ہو اور (قیامت کے روز) جب لوگ جمع کئے

جائیں گے تو وہ (باطل معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت ہی کے منکر ہوں گے۔

تشریح: یہ کتاب (قرآن) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہے جو غالب وقوی ہے۔ اس کی قوت و غلبے کی وجہ سے اس کے کسی حکم یا فرمان کو ٹالا نہیں جا سکتا اس نے کمال حکمت کے ساتھ اس کتاب کو نازل کیا ہے۔ آسمانوں، زمین اور ان دونوں کے درمیان کی تمام چیزوں کو اس نے عبث اور باطل پیدا نہیں کیا بلکہ اس نے ان کو سراسر حق اور بہترین تدبیر سے ایک مقررہ وقت کے لیے پیدا کیا ہے جس میں نہ کچھ کمی ہو سکتی ہے اور نہ اضافہ۔ کافر اور بد باطن لوگ قیامت کے ان عذابوں سے بے رخی کرتے ہیں جن سے ان کو ڈرایا گیا۔ عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے اپنا کس قدر نقصان کیا ہے۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پوجتے ہو، مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے کونسی زمین پیدا کی یا آسمانوں کی تخلیق میں ان کا کتنا حصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں، زمین اور تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے سوا کسی کو ایک ذرے کا بھی اختیار نہیں۔ پھر منکرین و مشرکین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کے دعوے میں سچے ہو تو میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا سابقہ انبیاء کی کوئی ایسی بات لاؤ جو منقول چلی آ رہی ہو۔ اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کا جواب نہیں دے سکتا۔ یہی نہیں بلکہ ان کو اپنے پکارے جانے کی بھی خبر نہیں کیونکہ وہ یا تو جمادات ہیں یا نباتات، یا جانور یا ستارے یا اللہ کے فرماں بردار بندے ہیں جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرشتے۔ قیامت کے روز جب لوگوں کو میدان حشر میں جمع کیا جائے گا تو باطل معبود ان پوجاریوں کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین کے باطل معبود نہ تو دنیا میں ان کے کام آ سکتے ہیں اور نہ آخرت میں لہٰذا اللہ کو چھوڑ کر باطل معبودوں کی پوجا کرنے والوں سے زیادہ گمراہ اور کون ہو سکتا ہے۔

منکرین کی تکذیب اور افترا

۷۔۸: وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ هَٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ

فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⊙

جب ہماری واضح آیتیں ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ منکر اس سچی بات کو جو ان کے پاس پہنچ چکی ہے صریح جادو کہتے ہیں بلکہ وہ کہہ دیتے ہیں کہ اس (نبی) نے اسے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہے تو تم میرے لیے اللہ کی طرف سے ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے۔ وہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم اس (قرآن) کے بارے میں کہہ رہے ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان اظہار حق (گواہی) کے لیے وہ کافی ہے۔ وہی بہت مغفرت کرنے والا (اور) بڑا رحم کرنے والا ہے۔

تُفِيْضُوْنَ : تم شروع کرتے ہو، تم (باتوں میں) مشغول ہوتے ہو۔ افاضۃ سے مضارع۔

تشریح : ان منکرین کو اپنے انجام کی ذرا بھی فکر نہیں اور نہ یہ لوگ کسی نصیحت پر دھیان دیتے ہیں بلکہ جب ان کافروں کو اللہ تعالیٰ کی واضح آیات اور کھلے احکام سنائے جاتے ہیں تو یہ اس حق کو جو ان کے پاس آ چکا ہے، صریح جادو کہتے ہیں۔ اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ اس سے بھی زیادہ قبیح اور لغو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی گھڑ لیا ہے اور پھر اس کو اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اے مشرکین مکہ تم ذرا سوچو تو سہی کہ جو شخص ساری عمر بندوں پر جھوٹ نہ بولے وہ خواہ مخواہ اللہ پر جھوٹ بول کر اپنے آپ کو ایک ایسی عظیم مصیبت میں پھنسائے گا جس سے بچانے والا کوئی نہیں۔ اللہ پر جھوٹ لگانا انتہائی جرم ہے۔ اے رسول ﷺ آپ ان مشرکین کو کہہ دیجئے کہ اگر بالفرض میں جھوٹا اور مفتری ہوں اور اس قرآن کو میں نے اپنی طرف سے بنایا ہے اور میں اللہ کا سچا رسول نہیں ہوں تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس جھوٹ اور بہتان پر مجھے سخت ترین عذاب دے گا اور تم تو کیا سارے جہان میں کوئی ایسا نہیں جو مجھے اس کے عذاب سے چھڑا سکے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝

اگر یہ ہم پر کوئی بات بنا لیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کر اس کی رگ گردن کاٹ دیتے اور تم میں سے کوئی بھی اسے نہ بچا سکتا۔ (الحاقہ ۴۴۔ ۴۷)

تم اس قرآن کے بارے میں جو کچھ باتیں بنارہے ہو اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے۔ میری اور تمہاری کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں، لہٰذا تم ان بے ہودہ خیالات کو چھوڑ کر اپنے انجام کی فکر کرو۔ وہ اپنے علم محیط کے موافق ہر ایک کے ساتھ معاملہ کرے گا اس لیے میں اپنے اور تمہارے درمیان اسی کو گواہ ٹھہراتا ہوں۔ وہی میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر ہے اور کون افترا کر رہا ہے۔ وہ بہت ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ اگر تم اب بھی اس کی طرف رجوع کرو اور اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ تو وہ تمہیں بھی معاف کردے گا اور تم پر رحم فرمائے گا۔ (عثمانی ۱:۵۵۱،۵۵۲ ۲)

قرآن کی سچائی کی شہادت

۹-۱۰: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَلٰي مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول تو ہوں نہیں اور نہ مجھے یہ معلوم کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے اور میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ آپ کہہ دیجئے کہ یہ تو بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) اللہ ہی کی طرف سے ہو اور تم نے اس کا انکار کیا اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس کی گواہی بھی دے چکا ہو اور وہ ایمان بھی لا چکا ہو اور تم نے تکبر کیا۔ بیشک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

بِدعا: انوکھا، نیا۔ صفت مشبہ ہے۔ اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

تشریح: اے مشرکین مکہ تم میری باتوں سے تنگ پا کیوں ہوتے ہو۔ میں کوئی انوکھی چیز لے کر تو نہیں آیا۔ جس طرح مجھ سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ کے رسول آتے رہے اسی طرح میں بھی اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ سابقہ انبیاء میری خبر دیتے چلے آئے ہیں۔ مجھ پر وحی کے ذریعے اس کا کلام

نازل ہوتا ہے۔ جس طرح سابقہ انبیا نے لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی دعوت دی میں بھی تمہیں اسی کی توحید کی دعوت دیتا ہوں، شرک و بت پرستی سے روکتا ہوں۔ پھر تمہیں میری نبوت و رسالت کو ماننے اور ایمان لانے میں کیا تامل ہے۔ میرا کام تو صرف اللہ کا پیغام اور اس کے احکام پہنچانا ہے مجھے اس سے کچھ سروکار نہیں کہ میرے کام کا نتیجہ کیا نکلتا ہے اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ اللہ میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا۔ میری کامیابی اور ناکامی اللہ ہی کے علم میں ہے اور تمہاری نافرمانی اور سرکشی کا انجام بھی وہی جانتا ہے۔ ان سب باتوں سے بے پروا ہو کر میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی بھیجی جاتی ہے۔ میں تمہیں زبردستی ایمان پر مجبور نہیں کرتا۔ میں تو تمہیں کفر و عصیان کے ہولناک نتائج سے صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں۔

آپ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ قرآن حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور تم پھر بھی اس کا انکار کر رہے ہو تو تمہارا کیا انجام ہوگا۔ تم اس کی تکذیب کر رہے ہو حالانکہ اس کی سچائی اور صحت کی شہادت وہ کتابیں بھی دے رہی ہیں جو اس سے پہلے سابقہ انبیا پر نازل ہوتی رہیں۔ بنی اسرائیل کے جس شخص نے اس کی سچائی کی شہادت دی وہ حقیقت کو پہچان کر اس پر ایمان لایا لیکن تم اپنے تکبر اور ضد کی بناء پر اس کی اتباع سے جی ہی چراتے رہے۔ بے شک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

جمہور مفسرین کے نزدیک شھد شاھد من بنی اسرائیل سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے ہزاروں برس پہلے گواہی دی کہ بنی اسرائیل کے اقارب اور بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے اسی کی مثل ایک رسول آنے والا ہے۔ (ابن کثیر: ۴/۱۵۶،۱۵۴، عثمانی ۵۵۲، ۲/۵۵۳)

کفار کی ذہنیت

۱۱۔۱۴ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ
اِلَيْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ۝
وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ
مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَ بُشْرٰى
لِلْمُحْسِنِيْنَ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

کافر مومنوں سے کہنے لگے کہ اگر یہ (قرآن یا دین) بہتر ہوتا تو یہ (مسلمان) اس کی طرف ہم پر سبقت نہ کرتے اور جب ان (کافروں) کو اس سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو کہنے لگے کہ یہ تو وہی پرانا بہتان ہے۔ اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ کتاب اس کی تصدیق کرتی ہے (اور) عربی زبان میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور نیکی کرنے والوں کو بشارت دے۔ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے تو (قیامت کے روز) ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (یہ) بدلہ ہے ان کاموں کا جو وہ کرتے تھے۔

تشریح: کافر مومنوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر دین اسلام بہتر اور خیر کا ذریعہ ہوتا تو اسلام قبول کرنے میں یہ نیچے درجے کے لوگ مثلاً بلال، عمار، صہیب اور خباب وغیرہ ہم پر سبقت نہ لے جاتے کیونکہ ہم لوگ اللہ کے مقبول ہیں، شرف و عزت اور عقل میں ان سے بہت زیادہ ہیں اور بہتر چیز کی طرف سبقت کرنا ہمارا ہی کام ہے اگر یہ دین بہتر ہوتا تو ہم جیسے عقل مند اور عزت و دولت والے لوگ ان غلاموں اور کنیزوں پر ضرور سبقت کرتے۔ جب ہم نے اس کو قبول نہیں کیا تو ظاہر ہے اس میں کوئی خیر نہیں۔ منکر اپنی خام خیال اور بے عقلی کی بناء پر ایسی مہمل باتیں کرتے ہیں۔ جب یہ لوگ دین حق کی ہدایت نہ پا سکے تو اپنی خجالت مٹانے کے لیے قرآن پر ہی نام رکھنے لگے کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے جس کو گزشتہ زمانے والوں نے از خود گھڑ لیا تھا۔ پھر اس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لیا اور وہ بھی وہی بات کہنے لگے جو سابقہ انبیاء کہتے تھے۔ وہ بھی اللہ پر بہتان تھا اور یہ بھی اللہ پر بہتان ہے۔

اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت ان کے لیے امام یعنی سیدھی راہ پر چلانے والی اور رحمتِ الٰہی کا سامان تھی اور یہ قرآن جو نہایت فصیح و بلیغ عربی زبان میں ہے تمام سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ظالموں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتا اور نیکوں کو جنت کی خوشخبری سناتا ہے۔ بے شک جو لوگ دل کے اعتقاد اور ایمان و یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب کہتے ہیں اور پھر اس پر ثابت قدم رہتے ہیں تو مرنے کے بعد ان پر نہ کوئی عذاب جہنم کا خوف و اندیشہ

ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔ یہی لوگ اہل جنت ہیں اور ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ یہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگا جو وہ دنیا میں کرتے تھے ۔

والدین کے حقوق

۱۵-۱۶: وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسٰنًا ۭ حَمَلَتْهُ أُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ۭ وَحَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ۭ حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِيْٓ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ أَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ إِنِّيْ تُبْتُ إِلَيْكَ وَ إِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ أَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے ۔ اس کی ماں نے اس کو بڑی مشقت کے ساتھ پیٹ میں رکھا اور بڑی مشقت سے جنا ۔ اس کے حمل کا اور اس کے دودھ چھڑانے کا (زمانہ) تیس مہینے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کا ہو جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے اس انعام کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمایا اور یہ کہ میں ایسے نیک کام کروں جن سے تو راضی ہو جائے اور میرے لیے میری اولاد میں بھی، خیر رکھ ۔ میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال ہم قبول کر لیں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر کر لیں گے ۔ (یہ لوگ) اہل جنت میں سے ہوں گے ۔ اس سچے وعدے کی بناء پر جو ان سے (دنیا میں) کیا جاتا تھا ۔

كُرْهًا : ناپسند، ناگوار ۔ اسم ہے ۔

فِصٰلُهٗ : اُس کا دودھ چھڑانا، اس کا جدا ہونا۔ مصدر بھی ہے اسم بھی۔

اَوْزِعْنِیْٓ : مجھے توفیق عطا فرما۔ اِیزاعٌ سے امر۔

نَتَجَاوَزُ : ہم معاف کرتے ہیں، ہم درگزر کرتے ہیں۔ تَجَاوُزٌ سے مضارع۔

تشریح: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر اپنے حق کے ساتھ ماں باپ کا حق بیان فرمایا ہے کیونکہ موجد حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن عالم اسباب میں والدین اولاد کے وجود کا ظاہری سبب ہیں۔ یہاں بھی پہلے اللہ تعالیٰ کے حقوق کا ذکر تھا۔ اس آیت میں والدین کے حقوق کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے، تعظیم و محبت کرنے اور خدمت گزاری کا حکم دیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اور آپ کا رب یہ فیصلہ کر چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (الاسراء: ۲۳)

آیت کے شروع میں حسن سلوک کا حکم ماں اور باپ دونوں کے لیے ہے۔ اس کے بعد ماں کی مشقت کا ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ ماں کی محنت و مشقت لازمی اور ضروری ہے مثلاً حمل کے زمانے کی تکلیفیں اور وضع حمل کی تکلیف صرف ماں ہی کو برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اسی لیے ماں حسن سلوک کی زیادہ مستحق ہے۔ ایک حدیث میں ہے آپ نے فرمایا کہ تو اپنی ماں سے حسن سلوک کر، پھر اپنی ماں سے۔ پھر اپنے باپ سے پھر جو قریب تر رشتہ دار ہو پھر جو اس کے بعد ہو۔

پھر فرمایا کہ حمل اور وضع حمل کی مشقت کے بعد بھی ماں کو محنت و مشقت سے فراغت نہیں ملتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بچے کی غذا بھی ماں کے سینے میں اتاری ہے۔ اور ماں دو سال تک بچے کو دودھ پلاتی ہے اس آیت میں حمل اور دودھ پلانے کی مدت تیس ماہ بیان کی گئی ہے۔ اسی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر استدلال کیا کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے، کیونکہ قرآن نے رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت کامل دو سال متعین فرمائی ہے، جیسے ارشاد ہے:

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ (البقرۃ: ۲۳۳)

اور یہاں حمل اور رضاعت دونوں کی مدت تیس ماہ قرار دی گئی ہے۔ لہٰذا رضاعت کے

دو سال یعنی ۲۴ ماہ نکال کر چھ ماہ باقی بچتے ہیں جس کو حمل کی کم سے کم مدت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چھ ماہ سے کم مدت میں صحیح و سالم بچہ پیدا نہیں ہوسکتا۔

پھر فرمایا کہ دودھ چھوٹنے کے بعد بچہ زندہ رہا یہاں تک کہ وہ بالغ اور قوی ہو گیا اور چالیس برس کی عمر کو پہنچ کر اس کی قوت و عقل اور فکری صلاحیتیں بھی مکمل ہوگئیں تو اس کو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع ہونے کی توفیق نصیب ہوئی اور وہ اللہ سے دعا کرنے لگا کہ اے میرے پروردگار مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام فرمائی اور تو مجھے توفیق عطا فرما کہ میں ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میری اولاد کی بھی اصلاح فرما دے۔ میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور بے شک میں آپ کے فرماں برداروں میں سے ہوں۔ اس آیت میں تمام صیغے ماضی کے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بیان کسی خاص واقعے اور خاص شخص کا ہے جو آیت کے نزول کے وقت ہو چکا ہے۔ تفسیر مظہری نے اسی کو اختیار کیا ہے کہ یہ سب حالات حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہیں۔

پھر فرمایا کہ ایسے مومن مسلمان جن کے یہ حالات ہوں جو اوپر گزرے، ان کی نیکیاں قبول کر لی جاتی ہیں اور گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور ان کا شمار اہل جنت میں ہوگا۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے جو اُن سے دنیا میں کیا جاتا تھا۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۸۰۳، ۸۰۸/ ۷، عثمانی ۵۵۴، ۲/۵۵۵)

نافرمان اولاد

۱۷۔۱۸: وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِیْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ۝

جس نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ میں تم سے بیزار ہوں۔ کیا تم مجھے یہی کہتے رہو گے کہ میں (قبر سے زندہ کر کے) نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں (کوئی بھی زندہ نہیں کیا گیا) اور وہ دونوں

(ماں باپ) اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور (کہتے ہیں کہ) تجھ پر افسوس! تو ایمان لے آ۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پھر وہ (لڑکا) کہتا ہے کہ یہ تو محض اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان لوگوں کے ساتھ اللہ کا قول پورا ہو کر رہا جو ان سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزرے ہیں۔ بے شک وہ خسارے میں رہے۔

تَعِدٰنِنِیْ۔　تم دونوں مجھ سے وعدہ کرتے ہو۔ وعْدٌ سے مضارع۔

خلَت:　وہ گزر گئی۔ خُلُوٌّ سے ماضی۔

تشریح: ماں باپ کے حق میں نیک دعائیں کرنے والوں اور ان کی خدمت کرنے والوں کے بیان کے بعد ان آیتوں میں ان بدبختوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو اپنے ماں باپ کے نافرمان ہیں کہ جس شخص کو اس کے ماں باپ نے ایمان کی دعوت دی اور اس نے ان کے جواب میں نفرت و کراہت سے کہا کہ افسوس ہے تم پر۔ تم مجھے اس بات سے کیوں ڈراتے ہو کہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کر کے مجھے قبر سے نکالا جائے گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں اور ان میں سے کوئی بھی دوبارہ زندہ ہو کر نہیں آیا۔

اس بدبخت کے ماں باپ جذبۂ محبت میں اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کے بیٹے کو ایمان توفیق عطا فرمائے اور بیٹے سے کہتے ہیں کہ تو ہلاک ہو گیا۔ اللہ اور قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے پر ایمان لے آ۔ اسی میں عافیت ہے۔ اللہ نے دوبارہ زندہ کرنے کا جو وعدہ کیا ہے بلاشبہ وہ سچ ہے۔ وہ مغرور و نافرمان اپنی ضد پر قائم رہا اور کہنے لگا کہ اللہ نے کوئی ایسا وعدہ نہیں کیا بلکہ یہ تو گزرے ہوئے لوگوں کی نقل کی ہوئی کہانیاں ہیں جو ہم پرانے وقتوں سے سنتے چلے آ رہے ہیں۔

جس طرح ان سے پہلے جنوں اور انسانوں کی بہت سی جماعتیں جہنم کی مستحق ہو چکی ہیں، یہ بدبخت یعنی ماں باپ کے نافرمان، بے ادب اور قیامت کے منکر بھی جہنم کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہر آدمی کے دل میں فطری طور پر ایمان و سعادت کا جو بیج ڈالا تھا وہ ان بدبختوں نے ضائع کر دیا۔ اس سے بڑھ کر خسارہ کیا ہوگا کہ کوئی شخص تجارت میں نفع حاصل کرنے کی بجائے اپنی غفلت و حماقت سے اصل مال کو ہی ضائع کر دے۔

کافروں کے نیک کاموں کا بدلہ

۱۹۔۲۰: وَلِكُلٍّ دَرَجَٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَٰلَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ⑲ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ ⑳

ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے مطابق (الگ الگ) درجے ہیں اور تاکہ (اللہ) ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے پیش کئے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا) تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان سے فائدہ اٹھا چکے سو آج تمہیں اس بناء پر ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس وجہ سے کہ تم نافرمانی کیا کرتے تھے۔

تشریح: اعمال کے تفاوت سے اہلِ جنت کے مختلف درجے ہیں۔ اسی طرح اہلِ دوزخ کے بھی علیحدہ علیحدہ درجے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ درجہ بندی حکمت و مصلحت کے تحت کی ہے تاکہ ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے دے اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔ نہ کسی کی نیکی کا ثواب کم کیا جائے گا اور نہ کسی کے جرم کے عذاب میں زیادتی کی جائے گی۔ قیامت کے روز جب کافر جہنم کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی لذت کی چیزیں جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر کی تھیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے ہو اور دنیا میں ان سے خوب نفع اٹھا چکے ہو۔ دنیوی زندگی کو تم نے غفلت و نافرمانی میں گزار دیا۔ اس لیے آج تمہیں تمہاری نافرمانیوں اور اس غرور و تکبر کی وجہ سے جو تم دنیا میں ناحق کیا کرتے تھے، ذلت کی سزا دی جائے گی۔ (مظہری ۴۰۶۔۴۱۱/۸، عثمانی ۵۵۵، ۲/۵۵۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہم پر ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا کہ (ہمارے گھر میں) آگ نہیں جلتی تھی۔ صرف پانی اور کھجور ہوتی تھی (جس پر بسر اوقات ہوتی تھی) ہاں اللہ جزائے خیر دے انصار کی عورتوں کو، وہ کبھی ہدیے کے طور پر ہمیں دودھ بھیج دیا کرتی تھیں۔

امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ مسلسل راتیں ایسی گزر جاتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوکے رہتے تھے۔ گھر والوں کو بھی شام کا کھانا نہیں ملتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کی روٹی اکثر جو کی ہوتی تھی۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی کی روایت سے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تھوڑے سے رزق پر اللہ سے راضی ہوگا تو اللہ (اس کے) تھوڑے عمل سے راضی ہوگا۔ (مظہری: ۴۰۹/ ۸)

حضرت ہودؑ کی دعوتِ توحید

۲۱۔۲۲: وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

آپ قوم عاد کے بھائی کا ذکر کیجئے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا جو احقاف میں رہتی تھی اور یقیناً اس سے پہلے اور اس کے بعد بھی ڈرانے والے گزر چکے ہیں، کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ بے شک مجھے تم پر ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ وہ (عاد کے لوگ) کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں اپنے معبودوں کی پرستش سے روک دیں۔ سو اگر آپ سچے ہیں تو جس (عذاب) کا وعدہ کر رہے ہو اسے لے آؤ۔

احقاف: ریت کے بلند مستطیل خم دار ٹیلے، پہاڑ، غار، حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے ملک کا نام جو یمن میں ہے۔ واحد حقف۔

تأفکنا: تو ہم کو ہٹا دے گا، تو ہم کو پھیر دے گا۔ افک سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے فرمایا کہ جس طرح آپ کی قوم آپ کو جھٹلاتی ہے اسی طرح سابقہ اقوام نے بھی اپنے انبیاء کی تکذیب کی۔ آپ قوم عاد کے بھائی

حضرت ہود علیہ السلام کا واقعہ یاد کیجئے جن کو قوم عاد کی طرف بھیجا گیا تھا جو احقاف میں رہتی تھی۔ جس طرح حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء جیسے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے انبیاء حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہم السلام وغیرہ نے اپنی اپنی امتوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی تاکید کی اور ان کو عذاب سے ڈرایا اسی طرح حضرت ہود نے بھی اپنی قوم عاد کو ڈرایا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور کفر ومعصیت کے انجام سے ڈرو۔ مجھے اندیشہ ہے کہیں تم پر بھی ایک بڑے ہیبتناک دن کا عذاب نہ آ جائے۔ اس عذاب کو کوئی ٹالنے والا نہ ہوگا۔ اور نہ اس دن کسی کی دوستی یا سفارش کسی کے کام آئے گی۔

قوم کے لوگ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ تم ہمیں ہمارے معبودوں سے کسی اور معبود کی طرف پھیر دو۔ اگر یہی غرض ہے اور تم اپنے وعدے میں سچے ہو تو پھر اس عذاب کو لے آؤ جس سے ہمیں ڈرا رہے ہو۔ ہم اپنے آباواجداد کے طریقے پر قائم رہیں گے اور اپنے معبودوں کو ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔

دردناک عذاب کی آندھی

۲۳۔۲۵ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّیْۤ
اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ
قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِیْحٌ فِيْهَا
عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَیْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰۤی
اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْقَوْمَ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۵﴾

(حضرت ہود نے) کہا کہ (اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے (کہ وہ عذاب کب آئے گا) میں تو تمہیں وہ پیغام پہنچا رہا ہوں جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم نری جہالت کی باتیں کر رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے اس (عذاب کے) بادل کو اپنی وادیوں کے سامنے آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔ بلکہ یہ وہی ہے جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔ (وہ) ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ یہ اپنے رب

کے حکم سے ہر چیز کو اکھاڑ پھینکے گی۔ پھر وہ ایسے ہوگئے کہ ان کے مکانات
کے سوا اور کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

عارضا: پھیل جانے والا بادل۔ عرضٌ وعُرُوضٌ سے اسم فاعل۔

اوْدیتھم: ان کی وادیاں، ان کے نالے۔ واحد وادی۔

مُمْطِرُنا: بارش کرنے والا، مینہ برسانے والا۔ اِمْطارٌ سے اسم فاعل۔

تُدَمِّرُ: وہ ہلاک کرتی ہے، وہ تباہ کرتی ہے، وہ اکھاڑتی ہے۔ تدمیرٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت ہودؑ نے جواب دیا کہ اس بات کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ عذاب کب آئے گا۔ میرا کام تو صرف اتنا ہے کہ میں اپنے رب کا پیغام تمہیں پہنچا دوں لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بالکل بے عقل اور نرے جاہل ہو۔ پھر جب انہوں نے سامنے سے بادل اٹھتے دیکھا جو ان کی وادیوں کی طرف آ رہا تھا تو کہنے لگے کہ یہ تو ہماری ہی طرف آ رہا ہے۔ تو اب خوب بارش ہوگی اور سب ندی نالے بھر جائیں گے۔ اس وقت خشک سالی اور سخت گرمی کے سبب پانی کی بہت ضرورت تھی اس لیے وہ بادل کو دیکھ کر خوشیاں منانے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابر نہیں بلکہ وہی عذاب ہے جس کے جلد آنے کا تم حضرت ہودؑ سے مطالبہ کر رہے تھے۔ یہ ایک آندھی ہے جس میں دردناک عذاب ہے۔ یہ آندھی جس طرف سے گزرے گی وہاں اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو اکھاڑ پھینکے گی۔ یہ غضبناک آندھی مسلسل سات رات اور آٹھ دن چلتی رہی جس کے سامنے درخت، آدمیوں اور جانوروں کی حقیقت تنکوں سے زیادہ نہ تھی۔ اس نے ہر چیز کو اکھاڑ پھینکا اور ہر طرف تباہی ہی تباہی تھی۔ پھر وہ منکرین ایسے ہو گئے کہ اس کے مکانات کے کھنڈروں کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم ان مجرموں کو جو ہمارے رسولوں کی تکذیب اور ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ ان واقعات کو سن کر قریش مکہ کو ہوش میں آ جانا چاہئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا بھی یہ حال ہو جائے۔

(عثمانی ۶۵۷، ۶۵۸/ ۲)

قوم عاد کا انجام

۲۶۔۲۸: وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ
اَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ

اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یَجْحَدُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ۠ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ؕ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

ہم نے انہیں (قوم عاد کو) ان چیزوں میں قدرت دی تھی جن میں تمہیں نہیں دی اور ہم نے ان کو کان، آنکھیں اور دل بھی دے رکھے تھے لیکن چونکہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے رہے اس لیے ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کے دل ان کے کچھ کام نہ آئے۔ اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اسی نے ان کو آ گھیرا۔ یقیناً ہم تمہارے آس پاس کی بستیاں بھی ہلاک کر چکے ہیں اور ہم نے (اپنی قدرت کی کتنی ہی) نشانیاں بیان کیں تا کہ وہ لوگ باز آ جائیں۔ پس ان لوگوں نے اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے اللہ کے سوا جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا ان معبودوں نے ان لوگوں کی مدد کیوں نہ کی بلکہ وہ تو ان سے غائب ہو گئے اور یہ تو ان کا محض جھوٹ اور بہتان تھا۔

اَفْـِٕدَتُهُمْ : ان کے دل، ان کے قلوب۔ واحد فُؤَادٌ۔

یَجْحَدُوْنَ : وہ انکار کرتے ہیں۔ جَحْدٌ سے مضارع۔

صَرَّفْنَا : ہم نے طرح طرح سے بیان کیا، ہم نے پھیر پھیر کر سمجھایا۔ تصریفٌ سے ماضی۔

اِفْكُهُمْ : اُن کا جھوٹ، اُن کا بہتان۔

تشریح : اے مشرکین مکہ جو قدرت و طاقت، دنیوی مال و اسباب اور اولاد وغیرہ ہم نے قوم عاد کو عطا کئے تھے وہ تمہیں نہیں دیئے۔ ان کے بھی کان، آنکھیں اور دل تھے تا کہ وہ ان سے ان کے بنانے والے کی قدرت پر استدلال کریں اور ان نعمتوں کی قدر جان کر ہمیشہ اس کا شکر ادا کرتے رہیں لیکن جب انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور ہمارے عذاب کا تمسخر اڑایا تو ان کو اس عذاب نے آ گھیرا جس کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے اور ان کے اعضاء کان، آنکھ، دل، مال و اسباب اور اولاد وغیرہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ اسی طرح تمہاری قوت و شوکت اور مال و اولاد بھی اللہ کے عذاب کے سامنے

ب حقیقت ہو جائے گی ۔ پھر تم کس چیز پر مغرور ہو ۔

اے اہل مکہ! تم اپنے آس پاس ہی نظر ڈال لو اور دیکھو کہ کس قدر قومیں اور ان کی بستیاں نیست و نابود کر دی گئیں اور ان کو ان کے کرتوتوں کی کیسی سزا دی گئی ۔ مثلاً قوم ثمود اور قوم لوط کی بستیاں بھی اسی طرح تباہ کر دی گئیں جس طرح قوم عاد کی بستی تباہ کی گئی ۔ اہل مکہ اپنے تجارتی سفروں میں ان بستیوں کے قریب سے گزرتے ہیں مگر ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے ۔ ہم نے ان لوگوں کو اپنی قدرت کی نشانیاں بار بار دکھائیں تاکہ وہ ہدایت کی طرف لوٹ آئیں مگر وہ اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے اس لیے ہلاک کر دیئے گئے ۔ انہوں نے قرب حاصل کرنے کے لیے اللہ کے سوا جن کو اپنا معبود بنا رکھا تھا عذاب کے وقت وہ ان کی مدد تو کیا کرتے بلکہ وہ تو سرے ہی سے غائب ہو گئے ۔ اللہ کے سوا دوسروں کو معبود قرار دینا ان کا محض جھوٹ، حق سے روگردانی اور بالکل بہتان تھا ۔

(مظہری ۴۱۴، ۴۱۵/۸، ابن کثیر ۱۶۲/۴)

جنّات کا قرآن سننا

۲۹-۳۲ وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا
حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ
مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ
مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى
طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا بِهٖ
يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ لَّا
يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ
دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

ہم نے جنوں کے ایک گروہ کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں پھر جب وہ وہاں پہنچ گئے تو کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ ۔ پھر جب وہ ختم ہو گیا تو وہ اپنی قوم کو آگاہ کرنے کے لیے واپس چلے گئے ۔ وہ کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! ہم نے یقیناً وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے ۔ جو اپنے

سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، حق اور راہِ راست کی طرف رہنمائی
کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی (بات) مانو اور
اس پر ایمان لے آؤ۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ اور تمہیں دردناک
عذاب سے بچادے گا اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی (بات) نہ
مانے گا تو وہ زمین میں کہیں بھاگ کر (اللہ کو) عاجز نہیں کرسکے گا اور نہ اللہ
کے سوا اور کوئی اس کے مددگار ہوں گے۔ ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

نفراً : جماعت، تین سے دس افراد پر مشتمل جماعت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جمع انفار۔

یُجِرْکُمْ: وہ تم کو پناہ دے گا، وہ تم کو محفوظ رکھے گا۔ اِجارۃً سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بطن نخلہ میں قرآن پڑھ رہے تھے۔ اس وقت کچھ جن اوپر جارہے تھے قرآن سن کر نیچے اتر آئے اور جب قرآن سنا تو کہنے لگے کہ خاموش ہو توجہ سے سنو۔ یہ جن نو تھے جن میں سے ایک (کا نام) رزبعہ تھا۔ اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

تشریح: ہم نے جنات کی ایک جماعت کو قرآن سننے کے لیے آپ کی طرف متوجہ کیا۔ جب وہ قرآن سننے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خاموش ہو جاؤ۔ قرآن کا حق یہی ہے کہ جب اس کی تلاوت کی جائے تو سب سننے والے خاموشی اور توجہ کے ساتھ سنیں۔ پھر جب قرآن کی تلاوت ختم ہوگئی تو جنات کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دینے اور عذابِ الٰہی سے ڈرانے کے لیے واپس چلی گئی۔

جنوں کی اس جماعت نے اپنی قوم کے پاس جاکر ان کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے اور اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں توریت و انجیل وغیرہ کی تصدیق کرتی ہے اور صحیح عقائد اور راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم کے لوگو تم اللہ کی طرف بلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو اور ان پر ایمان لے آؤ۔ اس کے نتیجے میں اللہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی بات نہیں مانے گا تو وہ اللہ کو زمین میں مغلوب نہیں کرسکتا۔ اگر اللہ اس کو عذاب دینا چاہے تو وہ اللہ کی دسترس سے چھوٹ نہیں سکتا۔ اور نہ اللہ کے سوا اس کا کوئی

حامی و مددگار ہوگا جو اس کو اللہ کے عذاب سے محفوظ رکھ سکے ۔ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانیں گے وہ کھلی گمراہی میں ہوں گے کیونکہ ہدایت کا انحصار صرف اتباع رسول میں ہے۔

کفار کا اقرار

۳۳۔۳۴: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا اور وہ ان کی تخلیق میں ذرا نہیں تھکا (تو) وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ ہاں ۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ جس دن کافر جہنم کے سامنے لائے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا کہ) کیا یہ حق نہیں ہے ۔ وہ کہیں گے ہاں قسم ہے ہمارے رب کی (یہ حق ہے) اللہ فرمائے گا تو اب اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔

یعْیَ: وہ عاجز ہوتا ہے، وہ تھکتا ہے ۔ عیٌّ وعیاءٌ سے مضارع۔

یُعْرَضُ: وہ سامنے لایا جائے گا، وہ پیش کیا جائے گا۔ عَرْضٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: جو لوگ قیامت کے منکر ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو محال جانتے ہیں کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی نے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور وہ ان کو پیدا کرنے سے تھکا نہیں بلکہ اس کے صرف "ہو جا" کہنے ہی سے یہ سب پیدا ہو گئے ۔ کیا ایسی کامل قدرت وقوت والا مردوں کو زندہ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے :

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسان کی پیدائش سے کہیں بڑی اور مشکل ہے

لیکن اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔ (المؤمن: ۵۷)

پھر فرمایا کہ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے اس لیے مرنے کے بعد زندہ کرنے پر بھی وہ پوری طرح قادر ہے۔ قیامت کے روز کافروں کو دوزخ کے سامنے لاکر پوچھا جائے گا کہ کیا یہ دوزخ جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے امر واقعی نہیں ہے؟ کیا اب بھی تمہیں اس میں شک وشبہ ہے اور تم اب بھی اس کا انکار وتکذیب کرتے ہو؟ اس وقت اقرار کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا اور وہ کہیں گے کہ ہاں صحیح ہے۔ خدا کی قسم اب ہمیں ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں۔ سو اب تم اپنے کفر وانکار کا مزہ چکھو۔

آپ کو صبر کی تلقین

۳۵: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوعَدُونَ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّن نَّهَارٍ بَلَاغٌ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٣٥﴾

آپ (بھی) صبر کیجئے جیسے اُولوالعزم رسولوں نے صبر کیا اور ان لوگوں کے لیے (عذاب طلب کرنے میں) جلدی نہ کیجئے جس دن یہ لوگ اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کے بارے میں ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے تو (ان کو ایسا محسوس ہوگا) گویا کہ وہ دن کی ایک گھڑی (دنیا میں) رہے۔ (آپ کے ذمے تو پیغام) پہنچا دینا ہے۔ سو وہی برباد ہوں گے جو نافرمان ہیں۔

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کی طرف سے پہنچنے والی ایذاؤں اور تکلیفوں پر آپ بھی صبر کیجئے جس طرح آپ سے پہلے عالی ہمت پیغمبروں نے کیا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: گویا وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے جن کو اُن کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا لیکن وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے اے اللہ! میری قوم کو معاف کر دے۔ یہ لوگ نادان ہیں۔ (غالباً نبی سے مراد آپ کی اپنی ذاتِ مبارک تھی)۔

پھر فرمایا کہ ان لوگوں پر جلد عذاب الٰہی نازل ہونے کی دعا نہ کیجئے۔ عذاب تو اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گا۔ جس روز یہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے اس دن ان کو

ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دن بھر میں سے صرف ایک گھڑی دنیا میں رہے یعنی عذاب کی ہولناکی کی وجہ سے دنیوی زندگی ان کو بہت ہی تھوڑی محسوس ہوگی۔ جیسے ارشاد ہے:

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا

جس دن وہ قیامت کو دیکھیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا دنیا میں صرف ایک صبح یا ایک شام ہی گزری تھی۔ (النزعت ۴۶)

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

جس دن ہم انہیں جمع کریں گے تو یہ محسوس کرنے لگیں گے گویا دن کی ایک ساعت ہی دنیا میں رہے تھے۔ (یونس: ۴۵)

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت پوری طرح پہنچادی۔ اب اگر کوئی شخص نہ مانے تو اس کے لیے کچھ عذر نہیں۔ پس سوائے نافرمان لوگوں کے کسی کو عذاب سے ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ (مظہری ۴۱۶، ۴۱۹/ ۸)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ محمد

وجہ تسمیہ: اکثر اہل تفسیر نے اس کا نام سورۂ محمد لکھا ہے کیونکہ اس کی دوسری آیت میں لفظ محمد آیا ہے۔ اس کو سورۃ القتال اور سورۃ الذین کفروا بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں ۴ چار رکوع، ۳۸ آیات، ۵۵۸ کلمات اور ۲۴۷۵ حروف ہیں۔ یہ سورت مدنی ہے۔ عبداللہ بن عباس اور قتادہ سے منقول ہے کہ اس کی تمام آیتیں مدنیہ ہیں، لیکن آیت وکاین **من قریۃ ھی اشد قوۃ من قریتک** (آیت ۱۳) اس وقت نازل ہوئی جب ہجرت مدینہ کے موقع پر آپ مکہ مکرمہ سے نکل کر غار ثور کی طرف تشریف لے جا رہے تھے اور مکے پر الوداعی نظر ڈالتے ہوئے فرما رہے تھے کہ اے سرزمین مکہ! تو مجھے روئے زمین میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر تیرے یہ باشندے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کرتے تو میں ہرگز یہاں سے نہ نکلتا۔ طبرانی نے اوسط میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے تھے۔ (روح المعانی: ۲۶/۳۶)

اس کی ابتدا ایک عجیب اعلان سے ہوئی ہے کہ کافر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔ ان کا مقصد زندگی لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنا ہے۔ ان کے اعمال برباد ہیں۔ اس کے بعد مسلمانوں کو جہاد کا حکم اور مسلمانوں کی فتح و نصرت اور غلبہ و عزت کا معیار بیان کیا گیا ہے اور ضمناً منافقین کی سازشوں کا ذکر ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: شروع میں منکرین کے کفر کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ پھر جہاد میں سختی کرنے کا حکم ہے۔

رکوع ۲: اقوام سابقہ کا انجام اور اہل سعادت کے انعامات مذکور ہیں۔ آخر میں منافقین کی جہالت کا بیان ہے۔

رکوع ۳: منافقین کا جہاد سے دہشت زدہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۴: منافقین کی کینہ پروری اور جہاد کے خوف سے صلح کرنے کی ممانعت مذکور ہے۔ آخر میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ہے۔

اعمال کی بربادی

۱-۳ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور وہ اس پر (بھی) ایمان لائے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا گیا اور (دراصل) وہی ان کے رب کی طرف سے سچا دین ہے تو اللہ نے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔ یہ اس لیے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس دین حق کی اتباع کی جو ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اسی طرح اللہ لوگوں کو ان کے احوال بتاتا ہے۔

تشریح: جن لوگوں نے خود بھی اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ اعمال جو بظاہر بہت اچھے دکھائی دیتے تھے جیسے غریبوں کو کھانا کھلانا اور رشتے داروں سے حسن سلوک کرنا وغیرہ، ضائع کر دیئے۔ ان کی تمام نیکیاں بے کار ہو گئیں۔ چونکہ کافر اللہ کی خوشنودی کے لیے نیک کام نہیں کرتے اس لیے اللہ تعالیٰ آخرت میں ان کا کوئی بدلہ نہیں دے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور وہ اس پر بھی ایمان لائے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اور ان کے رب کی طرف سے سراسر حق ہے تو آخرت میں ایمان اور اچھے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا اور ان کو دائمی راحت و خوشنودی عطا

فرمائے گا اور دنیا میں ان کی برائیوں کی عادات چھڑا کر ان کا حال درست کر دے گا اور وہ دن بدن نیکی میں ترقی کرتے رہیں گے اور ان کو دشمنوں پر فتح عنایت فرمائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار باطل اور غلط راستے کو اختیار کرتے ہیں اور اہل ایمان باطل کو چھوڑ کر صحیح راستے پر چلتے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے کھول کھول کر مثالیں بیان کرتا ہے۔ منکرین اور نافرمانوں کے لیے ان لوگوں کی مثالیں ہیں جن کے نقش قدم پر چل کر بعد والے گمراہ ہوتے ہیں۔ اہل ایمان اور فرماں بردار لوگوں کے لیے بھی مثالیں ہیں جن کی پیروی کر کے وہ نجات و کامیابی کے مستحق ہوتے ہیں۔ یہی وہ معیار ہے جس پر اعمال کی بربادی یا احوال کی اصلاح موقوف ہے۔

(مظہری: ۴۲۰، ۴۲۱/ ۸ عثمانی ۶۱ ۵، ۶۲ ۵، ۲)

جہاد میں سختی کا حکم

۴۔۹: فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّىٰ تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ ذَٰلِكَ ۖ وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُم بِبَعْضٍ ۗ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَن يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝ وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَأَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ۝

پس جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو یہاں تک کہ جب خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ بچیں) ان کو خوب مضبوط باندھ لو۔ پھر اس کے بعد یا تو احسان کر کے بلا معاوضہ چھوڑ دو یا معاوضہ لے کر چھوڑ دو یہاں تک کہ لڑنے والے اپنے ہتھیار رکھ دیں۔ یہی حکم ہے اور اگر اللہ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا لیکن (اس نے ایسا نہیں کیا) تاکہ ایک دوسرے کے ذریعے تمہارا امتحان لے اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے

جاتے ہیں تو اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ ان کو مقصود تک پہنچادے گا اور ان کے حال کی اصلاح کردے گا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس سے ان کو (انبیا کے ذریعے دنیا میں) متعارف کرادیا تھا ۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے تباہی ہے اور اللہ نے ان کے اعمال برباد کردیئے ۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے اتارے ہوئے (احکام) کو ناپسند کیا سو اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کردیا۔

الرِّقاب : گردنیں۔ واحد رَقَبَۃٌ ۔

اَثْخَنْتُمُوْھُمْ : تم نے اُن کو خوب قتل کیا، تم نے اُن کی بہت خونریزی کی ۔ اِثْخانٌ سے ماضی ۔

الوَثَاق : قید، بندش۔ اسم ہے۔

تَعْساً : تباہی، ذلت، اوندھے منہ گرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: یہاں مومنوں کو جنگی احکام دیئے گئے ہیں کہ جب کافروں سے تمہارا مقابلہ ہو جائے اور دست بدست لڑائی شروع ہو جائے تو ان کی خوب گردنیں مارو۔ پھر کافی خونریزی کے بعد جب تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور دشمن کا زور ٹوٹ جائے یعنی ہار جائے تو ان کے باقی لوگوں کو مضبوطی سے باندھ کر قید کرلو تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔ ممکن ہے وہ اس قید و بند سے عبرت حاصل کرلیں اور مسلمانوں کے پاس رہ کر ان کو اسلامی تعلیمات میں غور کرنے کا موقع مل جائے اور ان میں سے کچھ لوگ حق کا راستہ اختیار کرلیں۔ جب لڑائی ختم ہو جائے اور معرکہ پورا ہو جائے تو پھر تمہیں صرف دو باتوں کا اختیار ہے کہ یا تو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا کچھ لئے بغیر ہی احسان کے طور پر قیدیوں کو چھوڑ دو۔ ممکن ہے اس طرح بعض تمہارے حسن سلوک اور حسن اخلاق سے متاثر ہو کر تمہارے دین سے محبت کرنے لگیں اور بالآخر اسلام قبول کرلیں۔ مشرکوں کے بارے میں یہی حکم ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو خود ہی کافروں سے انتقام لے لیتا اور تمہارے جہاد کے بغیر ہی ان کو قوم عاد و ثمود کی طرح ہلاک کردیتا لیکن اللہ نے جنگ اور قتال کا حکم اس لیے دیا تاکہ وہ تم میں سے بعض کی بعض کے ذریعہ جانچ کرلے یعنی مومنوں اور کافروں کی جانچ ہو جائے یعنی مومن کافروں سے جہاد کر کے ثواب کے مستحق ہو جائیں اور کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سزا مل جائے تاکہ کچھ لوگ کفر سے باز آجائیں اور بعض لوگ کفر پر قائم رہ کر دوزخ کے مستحق ہو جائیں۔ تم میں

سے جو لوگ جہاد کے دوران اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے خواہ بظاہر وہ یہاں کامیاب نظر نہ آتے ہوں لیکن حقیقت میں وہ کامیاب ہیں ۔ اللہ تعالیٰ انکے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ انجام کار ان کی محنت کو ٹھکانے لگائے گا اور دونوں جہانوں میں ان کے حالات کو درست رکھے گا اور ان کو جنت میں داخل فرمائے گا جہاں پہنچ کر وہ اپنے ٹھکانوں کو خود بخود پہچان لیں گے ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے ۔ تم لوگ دنیا میں اپنی بیویوں اور اپنے گھروں کو اس سے زیادہ شناخت نہیں کرتے جتنی شناخت اہل جنت اپنی بیویوں اور اپنے گھروں کی رکھتے ہوں گے ۔

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرو گے تو اللہ تمہیں تمہارے دشمن پر فتح دے گا اور میدان جہاد میں تمہیں ثابت قدم رکھے گا اللہ کی مدد سے تمہارے قدم کبھی نہیں ڈگمگائیں گے ۔ اس کے برعکس کافروں کے لیے تباہی اور ہلاکت ہے اور اللہ ان کے اعمال ضائع کر دے گا ۔ اس لیے کوئی اچھا اور نیک عمل ان کے کام نہ آئے گا ۔ کافروں کی ہلاکت اور تباہی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو پسند نہیں کیا اس لیے ان کے تمام اعمال برباد ہو گئے ۔ اگر یہ لوگ ایمان کی حالت میں خیر کے کام کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو اجر و ثواب دیتا ۔

(عثمانی: ۵۶۲، ۲/۵۶۳، مظہری ۴۲۳ ـ ۴۲۵/ ۸)

اقوام سابقہ کا انجام

۱۰ ـ ۱۳: اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ○ ذٰلِكَ بِاَنَّ
اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ اِنَّ
اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ
الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ
قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان لوگوں کا انجام کیسا

ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ نے انہیں تباہ کر دیا اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں یہ اس لیے کہ مومنوں کا کارساز خود اللہ ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو یقیناً اللہ انہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو کافر ہیں وہ (گو دنیا میں کچھ) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور وہ اس طرح کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور جہنم ان کا ٹھکانا ہے اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جو قوت میں آپ کی اس بستی سے زیادہ تھیں جس نے آپ کو نکالا ہے۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا سو ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔

دمّر: اُس نے تباہی ڈالی، اُس نے اُکھاڑ ڈالا۔ تدمیرٌ سے ماضی۔

مثوی: رہنے کی جگہ، ٹھکانا۔ ثَوِیًا سے ظرف مکان۔

تشریح: کیا ان مشرکین مکہ نے زمین میں گھوم پھر کر نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے گزرے ہوئے منکرین کا کیسا انجام ہوا۔ اللہ نے ان کو کس طرح جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ ان میں سے صرف اہل ایمان و اسلام ہی نجات پا سکے اور کافروں کے لیے اسی طرح عذاب آیا کرتے ہیں۔ مشرکین مکہ کو گزشتہ اقوام کے واقعات سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ ابھی وقت ہے کہ وہ راہ راست پر آجائیں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں۔ ورنہ ان پر بھی سابقہ اقوام جیسی تباہی آسکتی ہے۔ یہ سب اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے۔ وہ ان کی مدد کرے گا، ان کو نیکی کی توفیق دے گا اور ان کو شیطانی خطرات سے محفوظ کر دے گا۔

جیسے ارشاد ہے:

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ

بے شک تیرا تسلط میرے بندوں پر نہ ہوگا۔ (الاسراء، ۶۵)

اس کے برعکس کافروں کا کوئی مددگار نہیں حتیٰ کہ ان کے معبود بھی ان کو عذاب سے نہ بچا سکیں گے، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے، اللہ تعالیٰ ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ اور کافر جو دنیا کے

مزے اڑاتے رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھانے کی حرص کرتے ہیں، اپنے منعم حقیقی سے غافل ہیں، اس کا شکر ادا نہیں کرتے اور نہ اپنے انجام بد سے ڈرتے ہیں، ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کتنی ہی بستیاں ایسی تھیں جنکے رہنے والے قوت و طاقت کے اعتبار سے آپ کی بستی کے رہنے والوں سے جنہوں نے آپ کو وطن سے نکال دیا ہے، کہیں زیادہ طاقتور تھے۔ ہم نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کا کوئی مددگار بھی نہ تھا۔ اے مشرکین مکہ تم قوم عاد و ثمود اور مدین والوں کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی اسی طرح ہلاک کر دیا جائے۔

اہل سعادت کے انعامات

۱۴-۱۵: أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ﴿١٤﴾ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾

پھر جو شخص اپنے رب کی طرف سے ایک واضح راستے پر ہو، کیا وہ اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جس کے برے اعمال اس کی نگاہ میں خوشنما بنا دیئے گئے ہوں اور وہ اپنے نفس کی خواہشوں کی اتباع کرتا ہو۔ جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں ایسے پانی کی نہریں ہیں جن میں ذرا تغیر نہ ہوگا۔ اور دودھ کی ایسی نہریں ہیں جس کا ذائقہ ذرا نہیں بدلے گا۔ اور شراب کی ایسی نہریں ہیں جس میں پینے والوں کے لئے بڑی لذت ہے اور بالکل صاف شہد کی نہریں ہیں اور ان کے لئے وہاں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہوگی۔ کیا ایسے لوگ اس کی مانند ہو سکتے ہیں۔ جو ہمیشہ آگ میں رہنے والا ہے۔ اور جنہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو کاٹ ڈالے گا۔

اٰسِنٍ: سخت بدبودار، متغیر، بدل جانے والا۔ اَسنٌ سے اسم فاعل۔

لَبَنٍ: دودھ، جمع اَلْبَانٌ۔ اسم جنس ہے۔

خَمْرٍ: انگوری شراب۔ جمع خُمُوْرٌ۔

عَسَلٍ: شہد۔ مذکر و مونث دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جمع اَعْسَالٌ و عُسُلٌ۔

حَمِیْمًا: کھولتا ہوا پانی۔ جمع حمائم۔

اَمْعَاءَ: آنتیں۔ واحد مِعًاءٌ۔

تشریح: جو شخص اپنے رب کے واضح راستے پر ہو۔ وہ اس شخص کی طرح نہیں ہو سکتا جو اپنی بد اعمالیوں کو اچھا سمجھتا ہوا وراپنے نفس کی خواہشات پر چلتا ہو اور بتوں کی پوجا کرتا ہو۔ جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں تو ایسے پانی کی ہیں جو کبھی خراب نہیں ہوتا نہ اس کی بو بدلتی ہے اور نہ مزہ، خواہ کتنے ہی زمانے تک رکھا رہے۔ اس میں بہت سی نہریں ایسے دودھ کی ہیں جن کے مزے میں ذرا بھی فرق نہیں آتا خواہ کتنا ہی وقت گزر جائے اور اس میں بہت سی نہریں شراب کی ہیں جس میں پینے والوں کے لئے سراسر لذت ہی لذت ہے۔ دنیا کی شراب کی طرح نہ اُس کی بو ناگوار ہوگی اور نہ اس میں ایسا نشہ اور خمار ہوگا۔ جو انسان کو مدہوش اور حواس باختہ کر دے۔ اس میں بہت سی نہریں صاف و شفاف شہد کی ہوں گی جس کے اندر نہ موم کی آمیزش ہوگی اور نہ مکھیوں کے فضلے کی۔

بیہقی اور ترمذی نے حضرت معاویہ بن حیدہ کی روایت سے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جنت کے اندر پانی کا دریا ہے اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے۔ پھر ہر ایک سے نہریں نکالی گئی ہیں۔ ابن حبان، بیہقی، حاکم، طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کی نہریں مشک کے پہاڑ سے پھوٹ کر نکلتی ہیں۔

پھر فرمایا کہ پرہیزگاروں کے لئے جنت میں ہر قسم کے مفرح اور لذیذ پھل ہوں گے۔ ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے بخشش و مغفرت ہوگی اب ان کو اللہ کی طرف سے کسی بات پر عتاب و عقاب کا کوئی خوف ہوگا اور نہ کسی نعمت کے زائل ہونے کا اندیشہ۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جنتی آدمی جوں ہی جنت کا کوئی

پھل درخت سے توڑے گا فوراً اس کی جگہ ویسا ہی دوسرا پھل لگ جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی پھل ایسا نہیں جو جنت میں نہ ہو۔ میٹھا ہو یا کڑوا یہاں تک کہ حنظل بھی۔

کیا وہ لوگ جن کو مذکورہ بالا نعمتیں حاصل ہوں گی ان کافروں کی مانند ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور ان کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردے گا۔ یقیناً یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ (مظہری ۴۲۷۔۴۲۹/۸)

منافقین کی جہالت

۱۶۔۱۹: وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ ۝ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَاۗءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَاۗءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝

ان میں سے بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو اہل علم سے پوچھتے ہیں کہ رسول اللہ نے ابھی کیا کہا تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر کردی اور وہ اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں۔ جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے اور ان کو تقویٰ عطا فرماتا ہے۔ پس وہ لوگ تو قیامت کے منتظر ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے۔ سو اس کی علامتیں تو آچکی ہیں۔ پھر جب قیامت ان کے پاس آجائے گی تو ان کو نصیحت کہاں میسر ہوگی سو آپ یقین رکھیئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنی خطاؤں کے لئے استغفار کرتے رہیے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے بھی۔ اور اللہ تمہاری آمد و رفت اور رہنے سہنے کی خبر رکھتا ہے۔

انفا: اب، ابھی اسی وقت ۔ اسم ظرف ہے۔

مُتقلّبکُمْ: تمہارے چلنے پھرنے کی جگہ، تمہاری آمدورفت کی جگہ۔ تقلّبٌ سے اسم ظرف مکان ۔

تشریح: ان آیتوں میں منافقین کی جہالت اور بیوقوفی کا بیان ہے کہ آپ کی مجلس میں شریک ہونے اور آپ کا کلام سننے کے باوجود ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا پھر جب وہ آپ کی مجلس سے اٹھ کر باہر جاتے ہیں۔ تو دوسرے اہل علم صحابہ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے کیا فرمایا۔ ایسے ہی لوگوں کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر لگا دیتا ہے۔ پھر ان کو نیکی کی توفیق نہیں ملتی اور وہ محض اپنے نفس کی خواہشات پر چلتے رہتے ہیں۔ ان کے برعکس جن لوگوں نے ہدایت قبول کی اور سچائی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں روز بروز اضافہ کرتا رہتا ہے۔ اور وہ سوجھ بوجھ اور پرہیزگاری میں بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ جو لوگ قرآن کی نصیحتیں، گزشتہ اقوام کی عبرتناک مثالیں اور جنت و دوزخ کا احوال سن لینے کے بعد بھی اپنے کفر و شرک سے توبہ نہیں کرتے اور اطاعت و فرماں برداری اختیار نہیں کرتے تو کیا وہ اسی انتظار میں ہیں کہ قیامت کی گھڑی اُن کے سر پر اچانک آ کھڑی ہو۔ سو قیامت کی کئی نشانیاں تو آ چکیں اور جب خود قیامت آ جائے گی تو اس وقت سمجھنے اور ماننے کا موقع کہاں رہے گا کیونکہ قیامت آ جانے کے بعد ایمان لانا اور توبہ کرنا نافع نہ ہوگا۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے :

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○

قیامت قریب ہو گئی اور چاند پھٹ گیا۔ (القمر ۱)

اور ارشاد ہے

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ

لوگوں کا حساب قریب آ گیا پھر بھی وہ غفلت میں منہ موڑے ہوئے ہیں۔

(الانبیاء ۱)

پس آپ کا دنیا میں آنا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ آپ خاتم النبیین ہیں آپ کی آمد کے ساتھ ہی وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کر دیا۔

مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے درمیانی انگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو جو انگوٹھے سے متصل ہے جوڑ کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں قیامت کے ساتھ ان دونوں انگلیوں کی طرح متصل بھیجا گیا ہوں۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوران گفتگو ایک بدوی آیا اور عرض کیا کہ قیامت کب ہوگی۔ آپ نے فرمایا جب امانت ضائع کر دی جائے تو اس وقت قیامت کا انتظار کر۔ اس نے عرض کیا امانت ضائع کرنے کا کیا مطلب ہے۔ آپ نے فرمایا جب معاملات (حکومت) ایسے لوگوں کے سپرد کر دیئے جائیں جو اہل نہیں ہیں تو قیامت (قائم) ہونے کا منتظر رہ۔ (مظہری: ۸/۴۳۰)

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! مشرکین و منکرین خواہ دعوت توحید کو مانیں یا نہ مانیں آپ یقین رکھیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اپنے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کرتے رہیے یعنی اُن کے لئے دعائے مغفرت کیجیے اور ان کو ایسے عمل پر آمادہ کیجیے جو باعث مغفرت ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور رہنے سہنے کو خوب جانتا ہے۔ تمہارا کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں۔ (عثمانی: ۵۲۵،۵۲۶/۲، ابن کثیر ۱۷۷،۱۷۸/۴)

منافقین کا جہاد سے دہشت زدہ ہونا

۲۰-۲۳۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۚ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ۞ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۞ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۞ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ۞

جو لوگ ایمان والے ہیں وہ کہتے ہیں کہ (جہاد کے بارے) میں کوئی سورت کیوں نہ نازل ہوئی پھر جب کوئی واضح (مضمون کی) سورت نازل ہوتی ہے اور اس میں قتال (جہاد) کا ذکر ہوتا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے

دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہوتی ہے وہ آپ کو اس طرح دیکھتے ہیں جیسے کوئی موت کی بے ہوشی طاری ہونے پر دیکھتا ہے۔ سو اُن کے لئے خرابی ہے۔ حکم ماننا اور بہتر بات کہنا۔ سو اگر منافق بھی اللہ سے سچے رہتے تو اُن کے لئے بہتر تھا۔ پھر تم سے یہ بھی بعید نہیں کہ اگر تم (جہاد) سے اعراض کرو گے۔ تو تم ملک میں فساد برپا کر دو اور قرابتیں توڑ لو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پھر ان کو بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔

مُحْكَمَةٌ: صاف صاف مضمون والی، واضح۔ اِحْكَامٌ سے اسم مفعول۔ جمع مُحْكَمٰتٌ۔

الْمَغْشِيِّ: بے ہوشی۔ غَشْيٌ سے اسم مفعول۔

اَصَمَّهُمْ: اُس نے ان کو بہرا کر دیا۔ اِصْمَامٌ سے ماضی۔

تشریح: جہاد کی فرضیت سے پہلے صحابہ کرام تمنا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کوئی ایسی سورت کیوں نہیں نازل کی گئی جس میں خاص طور پر جہاد کی اجازت دی جائے اور اس میں احکام جہاد کا مفصل بیان ہو۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جب جہاد کے بارے میں صاف صاف مضمون والی سورت نازل کی گئی۔ تو وہ منافقوں اور ان لوگوں پر گراں گزری جو ابھی ایمان میں پختہ نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے وہ خوف کی وجہ سے آپ کو اس طرح دیکھنے لگے۔ جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو رہی ہو اور وہ خوفزدہ ہو کر پھٹی پھٹی اور بے رونق آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ پس ہلاکت و بربادی ہے اُن کے واسطے جو نفاق کی وجہ سے اس طرح کی کیفیات میں مبتلا ہیں۔ ان کے حق میں بہتر تو یہی ہوتا کہ یہ زبان سے اسلام اور احکام اسلام کا اقرار کرتے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانتے اور جب جہاد کا موقع آتا اور معرکہ کارزار گرم ہو جاتا تو نیک نیتی کے ساتھ جہاد کر کے اپنے خلوص کا ثبوت دیتے۔

اے بزدل منافقو! اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد سے اعراض کرو گے تم سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ تم اپنے کفر و معاصی اور منافقانہ شرارتوں سے ملک میں تباہی اور فتنہ و فساد پھیلاؤ گے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابتیں ہیں ان کی مطلق پرواہ نہ کرتے ہوئے کافروں کے کھلے مددگار بن جاؤ گے زمین میں فساد کرنے والے اور قرابت داریاں منقطع کرنے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ کلام حق سننے سے بہرا کر دیا اور حقائق کے مشاہدے سے اُن کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔ اس لئے اب ان کو نہ تو کوئی حق بات سننے کی توفیق ہوتی ہے اور نہ حق کا مشاہدہ ممکن ہے۔

(ابن کثیر: ۴/۱۷۸،۱۷۹)

منافقین کو شیطانی دھوکہ

۲۴۔۲۸: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ بیشک جو لوگ سیدھی راہ ظاہر ہو جانے کے بعد اپنی پشت پھیر کر ہٹ گئے تو شیطان نے ان کو دھوکہ دیا اور ان کو بڑی امیدیں دلائیں۔ یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے ایسے لوگوں سے جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کو ناپسند کرتے ہیں کہا کہ بعض کاموں میں ہم تمہارا کہنا مان لیں گے اور اللہ ان کی پوشیدہ باتیں خوب جانتا ہے۔ سو (اس وقت ان کا) کیا حال ہوگا جب فرشتے اُن کی روح قبض کریں گے اور ان کے منہ اور پیٹھوں پر ماریں گے۔ یہ اس لئے ہوگا کہ وہ اسی راستے پر چلے جو اللہ کی ناراضی کا موجب تھا اور انہوں نے اس کی خوشنودی کو پسند نہ کیا سو اللہ نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے۔

سَوَّلَ: اُس نے چکمہ دیا، اس نے فریب دیا، اس نے زینت دلائی۔ تسویلٌ سے ماضی۔

اَمْلٰی: اُس نے دور کی سجھائی، اس نے ڈھیل دلائی، اس نے مہلت دلائی۔ املاءٌ سے ماضی۔

اَسْخَطَ: اُس نے بیزار کر دیا، اُس نے ناراض کر دیا، اُس نے ناخوش کر دیا۔ اسخاطٌ سے ماضی۔

تشریح: کیا یہ لوگ قرآن کریم میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر غفلت اور بداعمالیوں کے تالے پڑے ہوئے ہیں کہ ان کے اندر نصیحت داخل ہونے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا اس لئے کوئی کلام ان پر اثر ہی نہیں کرتا۔ اگر بالفرض اس حال میں یہ لوگ قرآن پر غور بھی کریں تب بھی یہ اسے سمجھ نہیں پائیں گے۔ یہ منافقین اسلام کا اقرار کرنے اور اس کی سچائی ظاہر ہو جانے کے بعد وقت آنے

پرا پنے قول و قرار سے پھر جاتے ہیں اور جہاد میں شرکت نہیں کرتے ۔ شیطان نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور ان کے دل میں یہ بات بٹھادی ہے کہ لڑائی میں شرکت نہ کر کے زیادہ عرصے تک زندہ رہ سکتے ہیں اس لئے خواہ مخواہ لڑائی میں جا کر مرنے سے کیا فائدہ۔

منافقین جو ہدایت آنے کے بعد الٹے پھر گئے تھے اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کے دشمنوں سے خفیہ طور پر وعدہ کیا تھا یعنی منافقوں نے یہودی کافروں یا مشرکوں سے کہا تھا کہ بعض باتوں میں ہم تمہارے مشورے پر عمل کریں گے مثلاً تمہارے کہنے سے جہاد میں شریک نہیں ہوں گے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دشمنی میں تمہارے ساتھ رہیں گے وغیرہ ۔ اگرچہ ہم نے ظاہر میں اسلام کا دعویٰ کیا ہے لیکن ہم حقیقت میں ان کے ساتھ نہیں بلکہ دل سے تمہارے ساتھ ہیں ۔ منافقین اپنے ان معاہدوں اور رازدارانہ مشوروں کے بارے میں یہ سمجھتے تھے کہ کسی کو ان کی خبر نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ان کی خفیہ باتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ ان کو منافقانہ سازشوں کی سزا ضرور دے گا ۔ اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے، ان کے چہروں اور پیٹھ پر مارتے جا رہے ہوں گے اور ان کی روحیں جسموں میں چھپتی پھر رہی ہوں گے ۔ یہ اس وجہ سے ہوگا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی چھوڑ کر اس کی ناراضگی کا راستہ اختیار کیا سو اللہ نے ان کے تمام اعمال اکارت کر دیئے اور انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو خفیہ تدبیریں اور سازشیں کی تھیں ۔ وہ سب برباد ہوگئیں اور ان کو ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا ۔ (عثمانی ۲،۵۶۷، ۵۶۸ ۔ مظہری ۴۳۵، ۸/۴۳۶)

منافقین کی کینہ پروری

۲۹-۳۱ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۭ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ۝

کیا انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ اللہ ان کی عداوتوں کو ظاہر نہ کرے گا ۔ اگر ہم چاہیں تو آپ کو وہ لوگ دکھا دیں اور آپ ان کو ان کے چہروں سے پہچان لیں اور یقیناً آپ ان کو ان کے طرز کلام

سے پہچان لیں گے یہاں تک کہ معلوم کر لیں کہ تم میں مجاہد کون ہیں اور صبر
کرنے والے کون اور ہم تمہاری حالتوں کا بھی امتحان لیں گے۔

اضغانھم: اُن کی بدنیتی، ان کی عداوت، اُن کا حسد۔ واحد ضغن۔

سیمٰھم: اُن کا حلیہ، اُن کا چہرہ، اُن کی علامت۔

تشریح: کیا منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اُن کے دلوں میں چھپی ہوئی عیاری و مکاری اور حسد و عناد کو مسلمانوں پر ظاہر نہیں کرے گا۔ اُن کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ اُن کا بغض و عناد اور خبث باطن ظاہر ہو کر رہے گا۔ ان کو امتحان و آزمائش کی ایسی بھٹی میں ڈالا جائے گا کہ سب کھرا کھوٹا الگ ہو جائے گا۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر ہم چاہیں تو ان کے وجود آپ کو دکھا دیں اور آپ کو نام بنام مطلع کر دیں کہ فلاں فلاں آدمی منافق ہیں مگر یہ حکمت الٰہی کے خلاف ہے۔ آپ تو ان کو علامات اور نشانات ہی سے پہچان لیں گے۔ آپ کو ان کی بات چیت اور طرز کلام سے صاف صاف پتہ چل جائے گا کہ کون منافق ہے کیونکہ مخلص اور منافق کی بات چیت کا انداز الگ الگ ہوتا ہے۔ بعض احادیث سے ثابت ہے کہ بہت سے منافقین کو آپ نے نام بنام پکار کر اپنی مجلس سے اٹھا دیا۔ یہ تو ممکن ہے کہ بندوں سے تمہاری کوئی بات چھپی رہے مگر اللہ تعالیٰ تمہارے اچھے برے تمام کاموں سے واقف ہے خواہ تم ظاہر کر کے کرو یا چھپا کر کرو۔ پھر فرمایا کہ ہم جہاد کا حکم دے کر تم سب کا امتحان ضرور لیں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون لوگ جہاد کرنے والے ہیں اور کون صبر کرنے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں اور ہم تمہارے اندرونی احوال کا بھی امتحان لیں گے۔ (عثمانی: ۵۲۸۔ ۵۲۹/ ۲)

جہاد سے بچنے کے لئے صلح کی ممانعت

۳۲۔۳۵: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ
مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ
اَعْمَالَهُمْ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ
وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۝ فَلَا تَهِنُوْا
وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ
يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ۝

جن لوگوں نے ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور عن قریب اللہ اُن کے اعمال کو غارت کر دے گا۔ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا پھر وہ کفر کی حالت ہی میں مر گئے تو اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا۔ سو تم (کافروں سے مرعوب ہو کر) ہمت نہ ہارو اور دب کر صلح کی طرف مت بلاؤ اور تم ہی غالب رہو گے۔ اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال میں کمی نہ کرے گا۔

شاقّوا: وہ مخالف ہوئے۔ مُشاقّۃ سے ماضی۔

تھِنوا: تم ہمت ہارو، تم کمزور پڑ جاؤ تم سست ہو جاؤ۔ وھنٌ سے مضارع۔

یتِرکُم: وہ تم سے کم کرے گا، وہ تم سے چھین لے گا، وہ تم سے ضائع کر دے گا۔ وترٌ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ ہدایت اور راہِ راست ظاہر ہو جانے کے باوجود اپنے کفر و انکار پر قائم ہیں اور وہ دوسروں کو ایمان لانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے روکتے ہیں اور اللہ کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں تو ایسے لوگ اپنے کفر و انکار سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد ان تمام کوششوں کو خاک میں ملا دے گا جو وہ اسلام اور اللہ کے رسول کو نقصان پہنچانے کے لئے کرتے ہیں۔ قیامت کے روز ایسے لوگ خالی ہاتھ ہوں گے ایک بھی نیکی ان کے پاس نہ ہوگی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بدر کے زمانے میں (کافروں کے لشکر کو) کھانا دیا تھا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ

بے شک جو لوگ کافر ہیں وہ اپنے مال اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکیں، سو یہ لوگ ابھی اور بھی خرچ کریں گے۔ پھر وہ مال ان کے لئے حسرت و افسوس کا باعث ہو جائے گا۔ پھر بھی وہ مغلوب ہو کر رہیں گے۔ (الانفال: ۳۶)

یہ آیت بھی ان ہی لوگوں کے بارے میں ہے جنہوں نے بدر کے موقع پر کافروں کو کھانا دیا تھا۔

پھر فرمایا اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔ جہاد یا اللہ کی عبادت میں محنت و ریاضت کرنا اس وقت مقبول ہے جب وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے موافق ہو۔ محض اپنے شوق یا نفس کی خواہش کے تحت کیا ہوا عمل یا عبادت ضائع جائے گی۔ جو کافر دوسرے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور اسی حالت کفر میں اُن کی موت واقع ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اُن کو ہرگز معاف نہیں کرے گا اس لئے کہ اللہ کے ہاں کفر و شرک کی معافی نہیں۔ سو اے مومنو! تم کافروں کے مقابلے میں عاجزی اور کمزوری کا اظہار نہ کرو اور جنگ کی سختیوں سے گھبرا کر ان کو صلح کی دعوت نہ دو ورنہ دشمن شیر ہو کر تمہیں دباتا چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے تم ہی غلبہ پاؤ گے کیونکہ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہارے اعمال کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کرے گا۔ وہ تمہیں چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا بھی پورا پورا اجر و ثواب دے گا۔

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا

۳۶۔۳۸: اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا یُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا یَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۝ اِنْ یَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَیُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ یُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۝ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ یَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ یَّبْخَلْ فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِیُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ ۝

دنیوی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے اور اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کرو تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور تم سے تمہارے مال طلب نہ کرے گا۔ اگر وہ تم سے تمہارے مال مانگے اور زور دے کر مانگے تو تم بخل کرنے لگو اور (اللہ) تمہاری ناگواری ظاہر کر دے۔ دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلایا جاتا ہے۔ پھر تم میں سے بعض بخل کرنے لگتے ہیں اور جو شخص بخل کرتا ہے وہ خود اپنی ذات سے بخل کرتا ہے اور اللہ کسی کا محتاج نہیں اور تم سب محتاج ہو اور اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تمہاری جگہ

دوسری قوم لے آئے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔

لَهْوٌ: کھیل، تماشا، غفلت کرنا۔ مصدر و اسم۔

یخفکُمْ: وہ تم سے مانگتے ہیں، وہ ضد کرتے ہیں، وہ تم سے اصرار کرتے ہیں۔ اِخفَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اگر دنیا کی زندگی میں اللہ کی یاد نہ ہو تو وہ یقیناً محض کھیل تماشا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا ملعون ہے۔ اس میں اللہ کی ذات کے سوا جو کچھ ہے وہ سب ملعون ہے۔ اگر تم ایمان لے آؤ اور پرہیزگاری اختیار کرو، اس کھیل تماشے سے بچ کر چلو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا پورا پورا اجر ثواب دے گا اور تم سے تمہارا مال بھی طلب نہیں کرے گا کیونکہ اس کو تمہارے اموال کی حاجت نہیں۔ وہ تو خود دینے والا ہے۔ اگر وہ طلب کرے تو اس کو اس کا پورا پورا حق ہے کیونکہ وہی اس کا حقیقی مالک ہے مگر اس کے باوجود جب وہ دین کے معاملے میں خرچ کرنے کا کہتا ہے۔ تو وہ تم سے سارے مال کا مطالبہ نہیں کرتا بلکہ ایک تھوڑا سا حصہ خرچ کرنے کو کہتا ہے اور وہ بھی اپنے لئے نہیں بلکہ تمہارے ہی فائدے کے لئے ہے۔

اگر وہ سختی کے ساتھ تمام مال طلب کرنے لگے جو اس نے تمہیں دے رکھا ہے تو کتنے ہی لوگ ایسے ہوں گے جو خوش دلی اور خندہ پیشانی سے اس حکم کی تعمیل کریں گے لیکن اکثر لوگ بخل اور تنگدلی کا مظاہرہ کریں گے اور مال خرچ کرنے کے وقت ان کے دل کی خفگی ظاہر ہو جائے گی۔ جب تم لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے کہا جاتا ہے خواہ وہ زکوٰۃ ہو۔ جہاد کے مصارف ہوں یا کچھ اور ہو تو تم میں سے کچھ لوگ بخل کرنے لگتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس بخل کا نقصان خود انہی کو ہوگا اس لئے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے جو فوائد اور برکات اس کو حاصل ہوتے، خرچ نہ کرنے کی صورت میں وہ ان سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں اور نہ وہ کسی کے خرچ کرنے کا محتاج ہے۔

اگر تم انفاق فی سبیل اللہ میں کوتاہی کرو گے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے روگردانی کرو گے تو وہ تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے بلکہ وہ سننے اور ماننے والے اور فرماں بردار ہوں گے۔ (عثمانی: ۲-۵۷۰، مظہری: ۴۴۵، ۸/۴۴۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الفتح

وجہ تسمیہ: یہ سورت حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی۔ اس میں صلح حدیبیہ کو فتح مبین کہا گیا ہے، اس لئے اس کا نام الفتح ہو گیا۔

تعارف: اس میں ۴ رکوع، ۲۹ آیات، ۵۶۸ کلمات اور ۲۵۵۵ حروف ہیں۔ یہ سورت واقعہ حدیبیہ کے موقع پر ۶ ھ میں حدیبیہ اور مدینے کے درمیان دوران سفر نازل ہوئی۔ اس لئے یہ سورت مدنیہ ہے۔ اس میں مسلمانوں کے غلبے اور کامیابی کا ذکر ہے اور فتح مبین کی بشارت ہے، نیز بیعتِ رضوان جیسے عظیم واقعے اور حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم کے فضائل و کمالات کا بیان ہے۔ اس کے اہم مقاصد میں سے وہ معاہدہ ہے جو صلح حدیبیہ کے عنوان سے کفار قریش اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان طے پایا تھا۔ یہی معاہدہ اسلام کی اشاعت اور دین کے غلبے کا سبب بنا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مکہ کی نعمت سے نوازا۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: واقعہ حدیبیہ کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۲: شروع میں منافقین کے حیلوں بہانوں کا بیان ہے۔ پھر ان لوگوں کو غزوہ خیبر کے لئے ساتھ لیے جانے کی ممانعت ہے جو واقعہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ آخر میں مستقبل کے معرکوں کی خبر دی گئی ہے۔

رکوع ۳: بیعت رضوان کا بیان اور غنائم کی بشارت مذکور ہے، پھر مشرکین پر غلبے کی بشارت اور حدیبیہ کے موقع پر جنگ نہ ہونے کی مصلحت بیان کی گئی۔

رکوع ۴: آپ کا خواب اور صحابہ کرام کے فضائل مذکور ہیں۔

فتح مبین

۱۔۳: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ۝

بیشک ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے اور آپ پر اپنی نعمت تمام کردے اور آپ کو سیدھے راستے پر لے چلے۔ اور اللہ آپ کی ایسی مدد کرے جس میں عزت اور غلبہ ہو۔

شانِ نزول: شیخین نے صحیحین میں اور ترمذی و حاکم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ حدیبیہ سے واپسی میں صحابۂ کرامؓ بہت کبیدہ خاطر اور غمگین تھے اس وقت آیت **انا فتحنا لک فتحا مبینا الخ** نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے جو مجھے ساری دنیا سے زیادہ محبوب ہے (مظہری: ۹/۴، ابن کثیر ۴/۱۸۳)

تشریح: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو رنج تھا کہ مکہ کے قریب آجانے کے باوجود مشرکین مکہ نے مسلمانوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں داخل ہو کر عمرہ کرنے سے روک دیا اور آئندہ سال پر ٹال دیا۔ اس صلح سے گویا مسلمان دب گئے۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تواضع کو اختیار کیا اور جنگ و جدل کو مناسب نہ جانا۔ اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور جلد ہی پہلے خیبر پھر مکہ، طائف اور حنین وغیرہ فتح ہو گئے اور اسلام کو روز بروز غلبہ ہوتا گیا۔ (حقانی ۳۲، ۴/۳۳)

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا ہی ان الفاظ سے فرمائی کہ بیشک ہم نے آپ کو فتح مبین عطا فرمائی۔ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں کہ فتح مبین سے کونسی فتح مراد ہے صحیح قول یہ ہے کہ فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ امام احمد، ابن سعد، ابوداؤد، حاکم، ابن المنذر، ابن مردویہ اور بیہقی نے (دلائل میں) حضرت مجمع بن حارثہ انصاری کی روایت سے بیان کیا۔ حضرت مجمع نے فرمایا کہ ہم حدیبیہ سے کراع الغمیم کی طرف مڑے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کراع الغمیم کے پاس پایا۔ (آپ وہاں پہلے پہنچ گئے تھے) لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے **انا فتحنا لک**

فتحامبینا پڑھ کر سنائی۔ ایک صحابی نے عرض کیا! کیا یہ فتح ہے، آپ نے فرمایا قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ بلاشبہ یہ فتح مبین ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام میں کوئی فتح حدیبیہ کی صلح سے بڑھ کر نہیں ہوئی۔ بغوی نے حضرت براء کی روایت سے بھی یہی بیان کیا ہے۔ زہری نے کہا کہ صلح حدیبیہ سے بڑی اور کوئی فتح نہیں ہوئی۔ اسی کی وجہ سے مشرکوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے اور اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا۔ جس کے نتیجے میں بکثرت لوگ اسلام میں داخل ہوئے اور مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ ضحاک نے کہا کہ بغیر لڑے فتح مبین ہوئی۔ یہ صلح فتح ہی کا ایک حصہ تھی۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس صلح کو فتح اس لئے فرمایا کہ یہ صلح اس وقت ہوئی تھی جب آپ مشرکوں پر غالب آ چکے تھے۔ اسی لئے صلح کی درخواست مشرکوں کی طرف سے کی گئی تھی۔ یہی صلح فتح مکہ کا ذریعہ بنی، اس کے بعد آپ کو باقی عرب کی طرف متوجہ ہونے کی فراغت ملی اور خیبر سمیت بہت سے مقامات فتح کئے۔

پھر فرمایا کہ آپ کو فتح مبین اس لئے دی گئی تا کہ آپ کو یہ چار کمالات حاصل ہو جائیں۔

۱۔**غفران ذنوب**: اللہ آپ کی تمام اگلی پچھلی کوتاہیاں معاف فرما دے، واحدی وغیرہ نے مجاہد، سفیان ثوری اور ابن جریر سے نقل کیا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ زمانۂ رسالت سے پہلے اور رسالت کے بعد جو کوتاہیاں ہوئی ہوں وہ سب معاف ہیں۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں ذنب یا عصیان جیسے الفاظ ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ ان کے عالی مقام کی مناسبت سے ایسے کاموں کے لئے استعمال کئے گئے جو خلاف اولیٰ تھے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ اس قدر عبادت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے۔ صحابہ عرض کرتے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا ہے۔ آپ جواب میں فرماتے کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

۲۔**اتمام نعمت**: آپ پر اپنے انعامات کی تکمیل کر دے۔ آپ کے دین کو کامل اور تمام ادیان پر غالب کر دے۔

۳۔**صراط مستقیم کی ہدایت**: ہدایت کے معنی منزل مقصود کا راستہ دکھانا یا اُس پر پہنچانا ہے۔ انسان کی اصل منزل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا حصول ہے جس کے بے شمار درجات ہیں ایک درجہ حاصل ہونے کے بعد دوسرے اور تیسرے درجے کی ضرورت باقی رہتی ہے،

جس سے کوئی بڑے سے بڑا ولی بے نیاز ہو سکتا ہے اور نہ کوئی نبی و رسول ۔

۴ ۔ **نصر عزیز**: ایسی کامیابی اور غلبہ جو نہایت مضبوط اور مستحکم ہو اور جو کسی مخالفت اور بغاوت سے متاثر نہ ہو سکے ۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۶۶، ۶۷ / ۸، عثمانی ۲/۵۷۴)

مختصر واقعہ حدیبیہ: حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے ۔ اس کنویں سے متصل اور مکہ مکرمہ سے ۹ میل کے فاصلے پر اسی نام (حدیبیہ) سے ایک بستی آباد ہے جس کا اکثر حصہ حرم میں اور باقی حصہ حل میں ہے ۔ حدیبیہ روانگی سے پہلے شوال ۶ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک خواب دیکھا کہ آپ صحابہ کرام کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے ۔ کچھ لوگوں نے سر منڈوائے اور کچھ نے سر کے بال کتروائے ۔ اسی حالت میں آپ نے کعبے کی کنجی لی اور بیت اللہ میں داخل ہو گئے ۔ انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے اس صورت کا واقع ہونا یقینی تھا مگر خواب میں اس کے لئے کوئی مہینہ یا سال متعین نہیں کیا گیا تھا اس لئے ایک احتمال یہ تھا کہ شاید یہ مقصد ابھی حاصل ہو جائے ۔ درحقیقت یہ خواب فتح مکہ کے وقت پورا ہونے والا تھا ۔

صحابہ کرام آپ کا خواب سن کر مکہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے کے لئے بے قرار ہو گئے اور انہوں نے فوراً تیاری شروع کر دی ۔ آپ نے بھی تیاری شروع کر دی اور آس پاس کے قبائل میں بھی اعلان کرا دیا ۔ پھر یکم ذی قعدہ بروز پیر آپ مدینے سے روانہ ہو گئے ۔ آپ کے ہمراہ ۱۴ سو، ۱۵ سو یا ۱۶ سو صحابہ کرام تھے ۔ قریش کو جب آپ کے ارادے اور روانگی کی خبر ملی تو وہ سخت پریشان ہوئے کیونکہ ذیقعدہ ان حرمت والے مہینوں میں سے تھا جن میں حج یا عمرے کے لئے جانے والے قافلے کو روکنے کا کسی کو حق نہیں تھا ۔ مسلمانوں کا قافلہ بھی ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جو احرام باندھے ہوئے اور غیر مسلح تھے اور ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے قریش نے بڑے سوچ و بچار کے بعد اپنی انا کی تسکین کے لئے طے کیا کہ مسلمانوں کو کسی قیمت پر مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے ۔

بسر بن سفیان جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی خبریں معلوم کرنے کے لئے ذوالحلیفہ سے مکے بھیجا تھا وہ مکے سے واپس آ کر غدیر الاشطاط میں آپ سے ملے اور عرض کیا کہ قریش کو آپ کی اطلاع مل گئی ہے ۔ وہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ مقام ذی طویٰ میں ٹھہرے ہوئے ہیں ۔ سب نے قسمیں کھا کر معاہدہ کر لیا ہے کہ آپ کو کسی قیمت پر بھی مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے آخری کنارے پر قیام فرمایا جہاں ایک گڑھے میں تھوڑا

سا پانی تھا جو لوگوں کے استعمال سے جلد ہی ختم ہو گیا۔ لوگوں نے پیاس کی شکایت کی تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر فرمایا کہ اس کو گڑھے میں گاڑ دو۔ اسی وقت پانی جوش مارنے لگا اور سب لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا۔

بدیل بن ورقا خزاعی (فتح مکہ میں مسلمان ہوئے) نے اپنے قبیلے کے چند لوگوں کے ہمراہ آپ سے ملاقات کی اور قریش کے عزائم کے بارے میں بتایا۔ آپ نے جواب میں فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے بلکہ عمرہ کرنے آئے ہیں پھر بدیل نے قریش کے پاس جا کر ان کو آپ کی گفتگو سے مطلع فرمایا۔ اس کے بعد قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود، حلیس اور مکرز نے آ کر آپ سے گفتگو کی۔ پھر آپ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا کہ قریش کے پاس جا کر ان کو دعوت اسلام دو اور اطلاع دو کہ ہم ان سے لڑنے نہیں آئے ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، مکہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ نے قریش کے سرداروں سے ملاقات کر کے ان کو آپ کا پیغام پہنچایا مگر سب نے یہی کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مکے میں داخل نہیں ہو سکتے۔ پھر قریش نے حضرت عثمانؓ کو طواف کی اجازت دیدی مگر انہوں نے کہا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کا طواف نہ کر لیں۔ اسی اثنا میں آپ کو خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تک میں ان سے بدلہ نہ لے لوں یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر آپ نے لوگوں کو بیعت کے لئے طلب فرمایا اور اسی درخت کے نیچے اُن سے بیعت لی جس کے سائے میں آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں۔ بیعت کے بعد حضرت عثمانؓ بھی صحیح و سالم واپس پہنچ گئے۔ قریش کو جب بیعت کا علم ہوا تو وہ مرعوب اور خوفزدہ ہو گئے اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر صلح کی شرائط طے کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ شخص نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھا اور لوگ اسے خطیبِ قریش کہتے تھے۔

صلح کی شرائط: احادیث میں جو صلح کی شرائط مذکورہ ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی اور کوئی کسی سے خیانت نہیں کرے گا۔

۲۔ مسلمان اس سال عمرے کے بغیر واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال آ کر عمرہ کریں۔ سوائے تلوار کے کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔ تلوار بھی نیام میں ہو۔ صرف تین دن مکے میں قیام کریں۔

۳۔ قریش کا کوئی آدمی بھاگ کر مدینے جائے تو اس کو واپس کیا جائے گا اگرچہ وہ مسلمان ہو جائے۔

۴۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو شخص مکہ میں قریش کے پاس آ جائے اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ عرب قبائل جس فریق کے ساتھ چاہیں معاہدے میں شریک ہو جائیں۔

۶۔ مکے میں پہلے سے مقیم کسی مسلمان کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکے میں رہ جانا چاہے تو اس کو روکا نہ جائے۔

صلح کے فوائد:

۱۔ مسلمانوں کو باقاعدہ سیاسی قوت تسلیم کر کے دوسرے عرب قبائل کو اختیار دے دیا کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں حلیفانہ معاہدہ کر لیں۔

۲۔ دس سال تک جنگ نہ کرنے کے معاہدے نے مسلمانوں کو امن وسکون فراہم کیا اور عرب قبائل میں تیزی سے اسلام کی اشاعت کا موقع دیا۔ اس کے نتیجے میں صرف دو سال کے عرصے میں مسلمانوں کی تعداد دوگنی سے بھی زیادہ بڑھ گئی۔

۳۔ آپ نے اسلامی حکومت کو اچھی طرح مستحکم کیا اسلامی قوانین جاری کر کے مسلم معاشرے کو مکمل تہذیب وتمدن کی شکل دے دی۔

۴۔ مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دے کر قریش نے جو بزعم خود اسلام کو بے دینی کہتے تھے یہ تسلیم کر لیا کہ اسلام کوئی بے دینی نہیں ہے۔

۵۔ صلح کے نتیجے میں مسلمانوں نے شمالی اور وسطی عرب کی قوتوں کو آسانی سے زیر کر لیا جس میں یہود کا گڑھ خیبر اور تبوک کی یہودی بستیاں شامل ہیں۔ ان فتوحات سے مشرکین کمزور ہو گئے اور اسلام دن بدن قوی ہوتا چلا گیا۔ (ہادی اعظم: ۳۶۲۔۳۸۳/۱)

نزولِ سکینت

۴۔۷: هُوَ الَّذِيٓ اَنۡزَلَ السَّكِيۡنَةَ فِيۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لِيَزۡدَادُوۡٓا اِيۡمَانًا مَّعَ اِيۡمَانِهِمۡ ؕ وَلِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ۙ لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَ يُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۙ وَّ يُعَذِّبَ الۡمُنٰفِقِيۡنَ

وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ دَآىٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۝

اسی نے مومنوں کے دلوں میں تسکین نازل فرمائی تا کہ ان کا ایمان اور بڑھ جائے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ بڑا جاننے والا حکمت والا ہے تا کہ اللہ مومن مردوں اور عورتوں کو ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور تا کہ وہ اُن کے گناہ دور کردے اور اللہ کے نزدیک یہ بڑی کامیابی ہے تا کہ منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں بدگمانیاں رکھتے ہیں، عذاب دے۔ اُن پر براوقت آنے والا ہے اور اُن پر اللہ کا عذاب ہوگا اور اُن پر لعنت ہوگی اور اُن کے لئے دوزخ تیار ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔ آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

سَكِیْنَةَ: تسکین، اطمینان۔

دَآىٕرَةُ: دائرہ، حلقہ، مصیبت۔ دَوْرٌ سے اسم فاعل۔

سَوْء: براہونا۔ مصدر ہے۔

مَصِیْرًا: لوٹنے کی جگہ، ٹھکانا۔ صَیْرٌ سے اسم ظرف مکان ومصدر میمی۔

شانِ نزول: سورت کی ابتدائی تین آیات میں ان خاص انعامات کا ذکر ہے جو کہ فتح مبین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مبذول ہوئے۔ بعض صحابہؓ نے جو حدیبیہ کے سفر میں ساتھ تھے عرض کیا یارسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ انعامات تو آپ کے لئے ہیں اللہ آپ کو مبارک فرمائے۔ ہمارے لئے کیا ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۸/۷۰)

تشریح: حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے پاس سامانِ جنگ بھی نہ ہونے کے برابر تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں سکون وطمانیت پیدا فرمادی

تا کہ مومنین کو اپنے ایمان و یقین کے ساتھ نصرت الٰہی کا بھی پختہ یقین ہو جائے۔ پھر وہ نہایت وقار کے ساتھ پر سکون رہے۔ ان میں ذرا بھی اضطراب نہ تھا کیونکہ انہیں اللہ کی نصرت پر کامل یقین اور بھروسہ تھا۔ فتح و نصرت کا تعلق اسباب و کثرت تعداد پر نہیں بلکہ اس کا انحصار محض اس کے فضل اور مہربانی پر ہے اسی لئے مومن اللہ پر کامل بھروسہ کر کے اس کے وعدۂ نصرت پر پختہ یقین رکھتا ہے۔ اور اپنے سے کئی گنا اور ہر طرح کے سامان حرب و ضرب سے لیس دشمن پر غلبہ پا لیتا ہے۔ اس کے برعکس کافر کثرت و سامان حرب پر نظر کر کے اللہ تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ اس لئے وہ اللہ کی رحمت و مدد سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور انجام کار مسلمانوں کے مقابلے میں مغلوب ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کے لشکر آسمانوں میں بھی ہیں اور زمین میں بھی اگر وہ چاہتا تو ان سرکشوں اور متکبروں کو آسمانی لشکروں یعنی فرشتوں کے ذریعے پامال کر دیتا مگر اس نے زمین کے لشکر سے کام لیا یعنی صحابہ کرامؓ کے دلوں میں قوت و اطمینان دے کر ان کو زمین میں خدائی لشکر بنا دیا۔ ظاہر ہے خدائی لشکر سے کون مقابلہ کر سکتا تھا۔ وہ علیم و حکیم ہے اس لئے اگر وہ تمہیں صلح اور ترک قتال کا حکم دے تو ضرور اس میں بہتری اور حکمت ہوگی۔ سو تمہیں ترک قتال کے حکم پر کسی قسم کا تردد نہیں ہونا چاہئے۔ ہر قسم کی مدد و نصرت اللہ ہی کی طرف سے حکمت اور مصلحت کے تحت ہوتی ہے اسی لئے اس نے آسمانی لشکروں کو ظاہر نہیں فرمایا بلکہ مخفی رکھا تا کہ منافقین مضطرب ہو جائیں اور کفار دلیر ہو کر آگے بڑھیں اور مومنین اور منافقین میں امتیاز ہو جائے تا کہ اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے جہاد کے بدلے میں اللہ ان کے گناہوں کو دور کر دے گا، اللہ کے نزدیک یہی عظیم کامیابی ہے۔

اس کے بعد مخالفین کے بدانجام کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافقہ عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں عذاب دے گا اور ان پر برا وقت آنے والا ہے۔ آخرت میں ان پر اللہ کا غضب و لعنت ہوگی اور اللہ نے ان کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے جو برا ٹھکانا ہے۔ آیت میں ظن السوء سے ان منافقوں کا گمان مراد ہے جو عمرے کے لئے مدینے سے چلتے وقت مسلمانوں کے ساتھ نہیں آئے تھے اور بہانے کر کے وہیں ٹھہر گئے تھے ان کا خیال تھا کہ مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کی مڈبھیڑ ضرور ہوگی اور مسلمان لڑائی میں تباہ ہو جائیں گے ان میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں آئے گا کیونکہ وطن سے دور، فوج کم، دشمن کا دیس ہوگا ایسے میں ان

کے ساتھ ہم اپنے آپ کو بلا کت میں کیوں ڈالیں مشرکین ومنافقین اس گمان میں نہ رہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ سلم کے پاس ظاہری اسباب نہیں اس لئے وہ منکرین پر فتح کیسے پائیں گے۔ آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے قبضے میں ہیں وہ جس سے چاہے کام لے وہ رب الافواج ہے اس کا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔ سو وہ اپنے پیغمبر اور مومنوں کے دشمنوں کی سازشوں کو جس طرح چاہے گا دفع کردے گا۔ وہ سب پر غالب ہے اس لئے جو چاہے کرے اس کو کوئی نہیں روک سکتا اسی لئے اس کے عذاب کو کافروں سے کوئی نہیں دفع کرسکتا۔ وہی حکمت والا ہے اس لئے جس طرح چاہتا ہے انتظام وتدبیر کرتا ہے۔ (عثمانی ۵۷۵/۲، حقانی ۵۳۲/۴)

آپ کی صفات

۸۔۱۰: اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۭ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

بیشک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اُس کی مدد کرو، اُس کی تعظیم کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔ بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ یقیناً اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو شخص عہد شکنی کرے تو اس کی عہد شکنی کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا جو اُس نے اللہ سے کیا ہے تو بہت جلد اللہ اُس کو اجر عظیم دے گا۔

بُکْرَۃً: صبح، دن کا ابتدائی حصہ۔

اَصِیْلًا: شام یعنی عصر ومغرب کا درمیانی وقت۔ جمع اصائل۔

نَکَثَ: اُس نے بیعت کو توڑا، اُس نے عہد شکنی کی۔ نکث سے ماضی۔

تشریح: یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات کا بیان ہے۔

۱۔ **شاھد**: گواہی دینے والا: جب آپ نے امت کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تو جو لوگ اس پر ایمان لائے، قیامت کے روز آپ ان پر شہادت دیں گے کہ انہوں نے یقین کیا اور اطاعت کی اور جن لوگوں نے کفر کیا ان پر کفر و انکار کی گواہی دیں گے۔

۲۔ **مبشرا**: بشارت دینے والا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لائے اور آپ کے فرماں بردار ہوئے آپ ان کو جنت کی بشارت دینے والے ہیں۔

۳۔ **نذیرا**: کافروں اور فاجروں کو دوزخ کے شدید عذاب سے ڈرانے والے۔

پھر فرمایا کہ یہ سب اس لئے ہے تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اللہ کے دین کی اعانت کریں اور اس کی بزرگی و پاکیزگی کو تسلیم کریں اور صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہاں تسبیح سے مراد نماز پڑھنا ہے کہ تسبیح سے نماز بھی مراد لی جاتی ہے۔ بس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمارے لئے ایسا رسول بھیجا جو مذکورہ بالا صفات کا حامل ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں تو وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی سے بیعت کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ کا نائب ہے اور اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے اور ان کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ

جس نے رسول کی اطاعت کی تو گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء: ۸۰)

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

اللہ نے ایمان والوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے اور ان کے بدلے میں ان کو جنت عطا فرما دی۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، مرتے ہیں، مارتے ہیں۔ اللہ کا یہ سچا وعدہ توریت و انجیل میں بھی موجود ہے اور اس

قرآن میں بھی، سو اللہ سے زیادہ سچے وعدے والا کون ہے۔ سو تمہیں اس خرید وفروخت پر خوش ہو جانا چاہئے اور یہی عظیم کامیابی ہے۔ (سورۃ التوبہ: ۱۱۱)

ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی راہ میں تلوار تولی اُس نے اللہ سے بیعت کر لی۔

پھر فرمایا کہ جس نے بیعت کے بعد عہد شکنی کی تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور جو اپنی بیعت پر قائم رہے گا تو اللہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ آیت میں جس بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت رضوان ہے جو عمرہ حدیبیہ کے موقع پر ببول کے ایک درخت کے نیچے حدیبیہ کے میدان میں اس وقت ہوئی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پیغام دے کر مکے بھیجا تھا اور قریش نے اُن کو وہیں روک لیا تھا اور بعد ازاں اُن کی شہادت کی خبر مشہور ہوگئی تھی۔ اس سے آپ کو اور مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے فرمایا کہ اب ہم یہاں سے فیصلہ کئے بغیر نہیں ٹلیں گے۔ اس وقت آپ ببول کے ایک درخت کے سائے میں تشریف فرما تھے کہ آپ نے صحابہ کرام سے جہاد پر بیعت لی، صحابہؓ آتے تھے اور آپ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہتے تھے کہ ہم لڑتے لڑتے مر جائیں گے اور ہرگز کسی صورت میں میدان سے منہ نہ موڑیں گے۔ تقریباً چودہ سو صحابہؓ نے بیعت کی۔ بعض روایتوں میں ۱۳ سو اور ۱۵ سو کی تعداد بھی آئی ہے۔ اسی کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ اس بیعت سے مشرکین کانپ اُٹھے۔ اُن کے پاس جتنے مسلمان تھے انہوں نے سب کو چھوڑ دیا اور صلح کی درخواست کرنے لگے۔

(ابن کثیر: ۱۸۵، ۱۸۶، ۴، حقانی ۳۲۳، ۳۲۴، ۴)

منافقین کے حیلے بہانے

۱۱-۱۴: سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا
فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ
يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ
نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ
يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ ذٰلِكَ
فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ۝ وَ

مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾
وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ
مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

جو دیہاتی لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ اب آپ سے کہیں گے کہ ہم اپنے مالوں اور اہل و عیال میں لگے رہ گئے سو آپ ہمارے لئے مغفرت کی دعا کیجئے۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ کہتے ہیں، جو ان کے دلوں میں نہیں ہے آپ کہہ دیجئے کہ اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے یا تمہیں کوئی نفع دینا چاہے تو وہ کون ہے جو تمہارے لئے اللہ کے سامنے کسی چیز کا کچھ اختیار رکھتا ہو بلکہ اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے، بلکہ تم نے تو یہ خیال کیا تھا کہ رسول اور مومن اپنے گھر والوں میں کبھی لوٹ کر نہیں آئیں گے اور تمہارے دلوں کو یہ بات اچھی معلوم ہوئی اور تم نے برا گمان کر رکھا تھا اور تم تو تھے ہی تباہ ہونے والے۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لائے تو ہم نے بھی (ان) کافروں کے لئے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ جس کی چاہے مغفرت فرمادے اور جس کو چاہے سزا دے اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

بُوْرًا: برباد ہونے والے، ہلاک ہونے والے۔ واحد بائر۔

اَعْتَدْنَا: ہم نے تیار کیا۔ اعتاد سے ماضی۔

سَعِیْرًا: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ۔ سعرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح: مدینے سے عمرے کے لئے روانہ ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی روانگی کا اعلان فرمادیا تھا اور مسلمانوں کو ساتھ چلنے کی ترغیب دی تھی۔ اس وقت دیہاتی قبائل جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا جہاد سے جی چرا کر موت کے خوف سے گھروں میں بیٹھ رہے اور آپس میں کہنے لگے کہ جو قوم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر یعنی مدینے آکر ان کے کتنے ہی ساتھیوں کو قتل کر گئی اگر یہ لوگ اس کے گھر جا کر اس سے لڑیں گے تو اس کی زبردست طاقت انہیں چکنا چور کر دے گی اور مسلمانوں کا یہ گروہ جو اتنی بڑی جماعت سے ٹکر لینے جارہا ہے تباہ ہو جائے گا۔ اب یہ واپس نہیں

آ سکتے سب وہیں مرکٹ جائیں گے۔ابن عباس اور مجاہد نے کہا کہ آیت میں اعراب سے قبائل غفار مزینہ، جہنیہ، نخع اور اسلم کے بدوی مراد ہیں۔ جب حدیبیہ کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تو قریش سے لڑائی کا ڈر اُن کے دلوں میں بیٹھ گیا۔ان کے خیال میں مسلمان کمزور تھے اور تعداد میں بھی کم تھے اس لئے ان کی شکست یقینی تھی اسی لئے انہوں نے جانے سے گریز کیا اور آپ ﷺ کی دعوت کو ٹال دیا۔

پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان صحیح سلامت مدینے واپس آ گئے تو ان لوگوں نے ساتھ نہ جانے کی معذرت پیش کی کہ ہمارے اموال اور اہل عیال کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں تھا، اس لئے ہم ساتھ نہ جا سکے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری کوتاہی کو معاف کر دینے کی دعا کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے مدینے پہنچنے سے پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا تھا کہ اعراب یہ بات کہیں گے اور اللہ نے آپ کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ لوگ جو معذرت کریں گے اور معافی کی درخواست کریں گے وہ محض زبانی بات ہوگی ان کے دلوں میں ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ آپ ان کو جواب دے دیجئے کہ تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہے وہ دلوں کے بھید خوب جانتا ہے۔اگر اللہ تمہارے مال اولاد میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے تو کیا تم گھر میں رہ کر اسے روک دو گے یا اگر وہ تمہیں کچھ فائدہ پہنچانا چاہے اور تم سفر میں ہو تو کیا کوئی اسے روک سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی مشیت وارادے کے سامنے کسی کا کچھ بس نہیں چلتا۔اس کو منظور نہیں تھا کہ تمہیں اس مبارک سفر کے فوائد حاصل ہوں اور نہ اب منظور ہے کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں۔

حقیقت یہ ہے کہ تمہارا پیچھے رہ جانا کسی عذر کے باعث نہ تھا بلکہ نافرمانی کے طور پر تھا تمہارا خیال تھا کہ اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اپنے گھروں کو کبھی نہیں لوٹ کر آئیں گے۔ شیطان نے اس خیال کو تمہارے دلوں میں مزین کر دیا تھا۔تم اللہ اور اس کے رسول کے بارے میں برے گمان رکھتے تھے اور تم تو اپنے برے گمانوں اور بداعتقادیوں کی وجہ سے تھے ہی برباد ہونے والے لوگ۔ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر خلوص کے ساتھ ایمان نہ لائے تو ایسے منکرین کے لئے ہم نے دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔تمام آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی حکومت ہے۔ وہی مالک ومتصرف ہے وہ جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے عذاب دے۔ وہ قادر مطلق ہے اور بڑا مغفرت کرنے والا مہربان ہے جو اس کی طرف جھکے اور اس کا دروازہ کھٹکھٹائے تو اس کے لئے وہ اپنا دروازہ کھول دیتا ہے خواہ اس نے کتنے ہی گناہ کئے ہوں۔ وہ نہ صرف توبہ قبول اور گناہ معاف فرما دیتا ہے بلکہ وہ مہربانی

سے پیش آتا ہے۔ (مظہری ۲۰/۹، عثمانی ۲/۵۷۸،۵۷۷)

خیبر میں ساتھ لے جانے کی ممانعت

۱۵۔ سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا
ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ ۖ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ
تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ
بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝

جب تم غنیمتیں لینے چلو گے تو پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہمیں بھی ساتھ چلنے کی اجازت دو۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ پہلے ہی فرما چکا ہے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ سو وہ لوگ کہیں گے کہ تم ہم سے حسد کرتے ہو۔ بلکہ وہ بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔

انطلقتم: تم چلے۔ انطلاق سے ماضی۔

ذرونا: تم ہم کو چھوڑ دو۔ وذر سے امر۔

تشریح: حدیبیہ سے واپس آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ماہ مدینے میں قیام فرمایا۔ پھر محرم یا جمادی الاولی ۷ھ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے خیبر پر چڑھائی کی جہاں غدار یہود آباد تھے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر انہی یہود نے بدعہدی کی اور دیگر کافر قوموں کو جمع کر کے مدینے پر یلغار کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے خیبر روانگی سے پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا تھا کہ جو اعراب حدیبیہ کے سفر میں آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے وہ اب ساتھ چلنے کو کہیں گے کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ تمہاری درخواست سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کہہ چکا ہے کہ تم اس سفر میں ہمارے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے کیونکہ تم جنگ سے جی چرا کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے اس لئے خیبر کی غنیمت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے خیبر کی غنیمت کا وعدہ اہل حدیبیہ سے کیا ہے، نہ کہ ان لوگوں سے جو عین مصیبت کے وقت گھروں میں دبک گئے تھے۔ اب یہ لوگ چاہتے ہیں کہ معرکہ خیبر میں شریک ہو کر اللہ کے کلام کو بدل دیں۔

پھر فرمایا کہ حدیبیہ میں شرکت نہ کرنے والے اعراب اب یہ کہیں گے کہ اللہ نے اس بارے میں کچھ بھی نازل نہیں فرمایا بلکہ تم لوگ ہم سے حسد کرتے ہو کہ ہم مال غنیمت میں تمہارے ساتھ شریک

ہو جائیں گے اور چاہتے ہو کہ ہمارا فائدہ نہ ہو اور غنیمت کا حصہ تمہارے سوا کسی اور کو نہ ملے ۔ در حقیقت یہ لوگ حق بات تو بہت ہی کم سمجھتے ہیں ۔

مستقبل کے معرکوں کی خبر

۱۶-۱۷ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۞ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۞

آپ پیچھے رہ جانے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجئے کہ بہت جلد تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے ۔ تم ان سے لڑتے رہو یا وہ اطاعت قبول کر لیں ۔ سو اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اچھا بدلہ دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے جیسا کہ تم اس سے پہلے کر چکے ہو تو تمہیں دردناک عذاب دے گا ۔ نہ اندھے پر (جنگ میں عدم شرکت کا) کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرے گا تو اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ۔ اور جو شخص روگردانی کرے گا تو وہ اس کو دردناک عذاب دے گا ۔

باس: قتال، لڑائی، جنگ ۔

اعرج: لنگڑا ۔ عرج سے صفت مشبہ ۔

تشریح: غزوۂ خیبر کے وقت جتنے متخلفین حدیبیہ تھے، سب کو غزوۂ خیبر میں شرکت سے روک دیا گیا تھا حالانکہ ان میں سب منافق نہیں تھے بلکہ ان میں سے بعض مسلمان تھے نیز حدیبیہ کے موقع پر جو لوگ منافق تھے ان میں سے بھی بعض کو سچے ایمان کی توفیق ہو گئی تھی ۔ اس لئے ایسے لوگوں کی دلجوئی اور تسلی کے لئے فرمایا کہ اللہ کے وعدے کے مطابق اگرچہ غزوۂ خیبر اہل حدیبیہ کے لئے

مخصوص کر دیا گیا ہے مگر متخلفین حدیبیہ میں سے جو لوگ مخلص مسلمان ہیں اور دل سے جہاد میں شرکت چاہتے ہیں ان کے لئے دوسرے مواقع آنے والے ہیں۔ قرآن کریم نے ان مواقع کو ایک خاص پیشنگوئی کی صورت میں بیان کیا ہے جس کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہونے والا ہے۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۸/۷۷)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ حدیبیہ کے موقع پر پیچھے رہ جانے والوں سے کہہ دیجئے کہ تم خیبر کی لڑائی میں تو نہیں جا سکتے لیکن اس کے بعد بہت سے معرکے پیش آنے والے ہیں۔ بڑی سخت جنگجو قوموں سے مسلمانوں کے مقابلے ہوں گے۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک وہ قومیں مسلمان ہو کر یا جزیہ وغیرہ دے کر اسلام کے فرماں بردار نہ ہو جائیں۔ اگر تمہیں واقعی جہاد کا شوق ہے تو اُس وقت دادِ شجاعت دینا۔ اگر اُس وقت تم اللہ کی عبادت کرو گے تو وہ تمہیں بہترین بدلہ دے گا۔ اور اگر اُس وقت بھی تم نے روگردانی کی جیسا کہ حدیبیہ کے موقع پر کر چکے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

جنگجو قوم سے کون سی قوم مراد ہے اس میں کئی اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک ہوازن کا قبیلہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے ثقیف کا قبیلہ مراد ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد اہل فارس یا اہل روم وغیرہ ہیں جن سے خلفائے راشدین کے زمانے میں لڑائیاں ہوئیں اور بعض کے نزدیک کوئی خاص قبیلہ یا گروہ مراد نہیں بلکہ مطلق جنگجو قوم مراد ہے جو ابھی تک مقابلے پر نہیں آئی۔ زہری اور مقاتل کہتے ہیں کہ اس سے بنی حنیفہ مراد ہیں یعنی اہل یمامہ جو مسیلمہ کذاب کے ساتھی تھے، حضرت رافع بن خدیج نے کہا کہ ہم یہ آیت پڑھتے تھے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ قوم سے کون لوگ مراد ہیں یہاں تک کہ حضرت ابوبکر نے بنی حنیفہ سے لڑنے کے لئے لوگوں کو دعوت دی۔ اس وقت ہم سمجھے کہ قوم سے مراد بنی حنیفہ ہیں۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ بیضاوی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت ۱۶/ نازل ہوئی تو معذور لوگوں نے دریافت کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے کیا حکم ہے، اس پر یہ آیت ۱۷/ نازل ہوئی کہ جو شخص اندھا یا لنگڑا ہو یا بیمار ہو اس پر جہاد فرض نہیں ہے پہلے دونوں عذر یعنی اندھا یا لنگڑا ہونا، مستقل ہیں اور تیسرا عذر یعنی بیمار ہونا عارضی ہے یعنی بیمار صرف بیماری کے زمانے میں معذور ہے۔ بیماری سے تندرست ہونے کے بعد اس

کا عذر ختم ہو جائے گا اور جو شخص جہاد وغیرہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر چلے گا تو اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور جو اللہ کی اطاعت سے روگردانی کرے گا تو اللہ اس کو دردناک عذاب دے گا۔ (روح المعانی: ۱۰۲، ۲۶/۱۰۳، مظہری ۹/۳۲)

بیعتِ رضوان

۱۸۔۱۹ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

(اس وقت) یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے (جہاد کے لئے) آپ سے بیعت کر رہے تھے۔ اور جو کچھ ان کے دلوں میں تھا وہ اللہ کو خوب معلوم تھا پھر اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو فتح قریب بطور انعام عطا فرمائی اور بہت سی غنیمتیں جن کو وہ حاصل کریں گے اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

تحت نیچے۔ اسم ظرف مکان ہے۔

شجرت درخت، پیڑ۔ جمع شجرات۔

اثابهم اس نے ان کو ثواب دیا۔ اس نے ان کو انعام دیا۔ اثابۃ سے ماضی۔

تشریح: حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کے ہاتھوں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے میدان میں صحابۂ کرامؓ سے آخری دم تک لڑنے کی جو بیعت لی تھی اس آیت میں اسی کا ذکر ہے۔ اس سے پہلے اسی سورت کی آیت ۱۰ میں اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کے شرکاء سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا ہے۔ اسی لئے اس کو بیعت رضوان کہتے ہیں۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن ہماری تعداد ۱۴۰۰ نفر تھی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ تم لوگ روئے زمین کے تمام انسانوں سے بہتر ہو۔ صحیح مسلم میں ام بشرؓ سے مرفوعاً روایت ہے جن لوگوں نے اس درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی جہنم میں نہیں جائے گا۔ گویا بیعت رضوان کے شرکاء کی مثال غزوۂ بدر کے شرکاء جیسی ہے۔ جس طرح

قرآن وحدیث میں اُن کے متعلق رضائے الٰہی اور جنت کی بشارتیں بیان ہوئی ہیں اسی طرح بیعت رضوان کے شرکاء کے لئے بھی رضائے الٰہی اور جنت کی بشارتیں ہیں۔

پھر فرمایا کہ صحابۂ کرامؓ کے دلوں میں صدق اخلاص اور بیعت کے عہد کو پورا کرنے کا جو عزم تھا وہ اللہ کو معلوم تھا پھر اللہ نے اُن کے دلوں میں سکون واطمینان پیدا فرما دیا جس سے ان کو اللہ کا حکم ماننے میں ذرا بھی پس وپیش اور تردد نہیں ہوا اور اس کے ساتھ ہی اللہ نے ان کو ایک فتح (خیبر کی فتح) بھی عنایت فرما دی جس میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا اور مسلمانوں کو خوشحالی حاصل ہوئی۔ اللہ بڑا زبردست اور حکمت والا ہے۔

آیت میں جس شجرہ کا ذکر ہے اس سے مراد ببول کا وہ درخت ہے جس کے نیچے آپ نے صحابۂ کرامؓ سے بیعت لی تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبدالرحمن سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حج کیلئے گیا۔ راستے میں میرا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جو ایک مقام پر جمع تھے اور نماز پڑھ رہے تھے میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون سی مسجد ہے انہوں نے کہا کہ یہ وہ درخت ہے جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ رضوان لی تھی۔ میں اس کے بعد حضرت سعید بن مسیبؒ کے پاس حاضر ہوا اور ان کو واقعے کی خبر دی انہوں نے فرمایا! کہ میرے والد اُن لوگوں میں سے تھے جو اس بیعت رضوان میں شریک تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ جب ہم (بیعت رضوان کے) اگلے سال مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو ہم نے وہ درخت تلاش کیا۔ وہ ہم سب کو بھلا دیا گیا اور ہمیں اس کا پتہ نہ چل سکا۔ پھر سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ تعجب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو تو اس درخت کا پتہ نہیں جو خود اس بیعت میں شریک تھے تمہیں وہ معلوم ہو گیا، کیا تم اُن سے زیادہ واقف ہو۔ (روح المعانی: ۱۰۸، ۲۶، ابن کثیر: ۱۹۰، ۱۹۱/ ۴)

مغانم کی بشارت

۲۰۔۲۱: وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے۔ جن کو تم حاصل کرو گے سو یہ

غنیمت تو تمہیں جلد ہی عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تاکہ مومنوں کے لئے یہ ایک نمونہ ہو جائے تاکہ وہ تمہیں سیدھے راستے پر چلائے۔ ایک فتح (فتح مکہ) اور بھی ہے جو تمہارے قابو میں نہیں آئی۔ وہ اللہ کے احاطۂ قدرت میں ہے اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مَغَانِمَ : غنیمت کے مال۔ واحد مَغْنَمٌ۔

کَفَّ : اُس نے روک دیا، اُس نے باز رکھا۔ کَفٌّ سے ماضی۔

تشریح : خیبر کی فتح اور اُس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے مال غنیمت کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے بہت سے مغانم کا وعدہ فرمایا جن کو وہ بعد کے زمانے میں حاصل کریں گے۔ ان مغانم سے قیامت تک حاصل ہونے والی تمام فتوحات اور اُن کے اموال غنیمت مراد ہیں جن پر ابھی ان کو قدرت نہیں۔ ان فتوحات میں چونکہ سب سے پہلے فتح مکہ ہوئی اس لئے بعض حضرات نے اس سے فتح مکہ مراد لی مگر الفاظ عام ہیں اس لئے قیامت تک ہونے والی فتوحات اس میں شامل ہیں اگرچہ خیبر کے مغانم اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص تھے مگر اُس کے بعد کی فتوحات کے اموال غنیمت سب کے لئے عام ہیں۔

پھر فرمایا کہ اُس نے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے تاکہ اہل ایمان کے لئے یہ واقعہ دوسرے وعدوں کے سچا ہونے کا ایک نمونہ بن جائے، یعنی اللہ کے وعدوں کے سچا ہونے پر اُن کا ایمان اور زیادہ پختہ ہو جائے اور تمہیں توکل کے راستے پر ڈال دے تاکہ آئندہ تم ہر کام میں اللہ پر بھروسہ کرنے لگو اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آیت میں کف ایدالناس میں کف ماضی کا صیغہ ہے اور آئندہ ہونے والی چیزوں کو ماضی کے صیغے سے بیان کرنا قرآن کا محاورہ ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل خیبر کو اپنی قوت دکھانے کا موقع ہی نہیں دیا، بغوی کہتے ہیں کہ قبیلہ غطفان خیبر کے یہود کا حلیف تھا جب اس قبیلے کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر چڑھائی کر دی ہے تو وہ پوری حربی تیاری کے ساتھ یہود کی مدد کے لئے نکلے مگر اللہ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور ان کو یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم یہود کی مدد کے لئے جائیں۔ اور مسلمانوں کا کوئی لشکر ہماری عدم موجودگی میں ہمارے گھروں پر حملہ کر دے اس لئے ان میں سے کوئی بھی یہود کی مدد کو نہ جا سکا۔

(مظہری: ۹/۲۳، معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۸/۸۲)

مشرکین پر غلبہ

۲۲۔۲۴: وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ
وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ۝ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ
عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ
عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝

اگر کافر تم سے لڑتے تو ضرور پیٹھ پھیر کر بھاگتے پھر نہ ان کو کوئی حمایتی ملتا اور نہ مددگار۔ اللہ کا یہی دستور پہلے سے چلا آ رہا ہے اور آپ اللہ کے دستور میں ہرگز ردو بدل نہ پائیں گے۔ اور اللہ وہی ہے جس نے اُن کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے خاص مکے میں روک دیا بعد اس کے کہ اُس نے تمہیں اُن پر فتح یاب کر دیا تھا اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

تشریح: حدیبیہ کے موقع پر اگر لڑائی کی نوبت آ جاتی تو اس میں مسلمان ہی غالب رہتے اور کفار پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور ان کو کوئی مددگار بھی نہ ملتا مگر اللہ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ فی الحال فریقین میں صلح ہو اور صلح کی عظیم الشان برکات سے مسلمان مستفید ہوں جب اہل حق اور اہل باطل میں فیصلہ کن مقابلہ ہو جائے تو آخر کار اہل حق ہی غالب ہوتے ہیں اور اہل باطل مغلوب ومقہور کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ سے یہی دستور چلا آ رہا ہے کہ اللہ کے اولیا اور انبیا، اللہ کے دشمنوں پر غالب رہیں گے جیسے ارشاد ہے:

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ

بلاشبہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ (المجادلہ: ۲۱)

اور ارشاد ہے

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝

بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب رہے گا۔ (المائدۃ: ۵۶)

اُس کا دستور بدلتا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین بھی اسی دستور کے تحت غلبہ

پائے گا۔ یہی آسمانی منشا ہے آپ کے بارے میں سابقہ انبیاء فرما گئے ہیں کہ یہ پتھر جس پر گرے گا اس کو چور چور کر دے گا اور جو اس پر گرے گا وہ پاش پاش ہو جائے گا۔

مشرکین مکہ نے اپنے کچھ آدمی ٹولیوں کی شکل میں حدیبیہ میں بھیجے تھے تاکہ وہ موقع پا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ شہید کر دیں یا مسلمانوں میں سے جو اکا دکا لوگ اُن کے ہاتھ آ جائیں اُن کو ستائیں۔ چنانچہ انہوں نے بعض لوگوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ بھی کی، اشتعال انگیز کلمات کہے اور ایک مسلمان کو قتل بھی کیا۔ صحابہؓ کرامؓ نے ان میں سے بعض کو زندہ گرفتار کر کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے اُن کو معاف فرما دیا اور کچھ انتقام نہیں لیا۔ آیت وھو الذی کف ایدیھم اسی کے بارے میں نازل ہوئی اور اس میں اسی قسم کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

(عثمانی ۱۹۱/۲/۵، حقانی ۴/۳۵)

حدیبیہ کے موقع پر جنگ نہ ہونے کی مصلحت

۲۵۔۲۶: هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۞ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۞

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا اور قربانی کے جانور بھی اپنی (ذبح ہونے کی) جگہ پہنچنے سے رکے رہے۔ اگر (اس وقت مکہ میں) بہت سے مومن مرد اور مومن عورتیں جن کو تم نہیں جانتے تھے، نہ ہوتیں اور یہ کہ تم ان کو پیس ڈالو گے پھر اُن کی وجہ سے تمہیں بھی ایسے کام کی بنا پر نقصان پہنچ جاتا جو تم نے بے خبری میں کیا (تو ان کافروں

کا قصہ ہی تمام کر دیا جاتا لیکن ایسا نہیں کیا) تا کہ اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ اگر وہ (کلمہ گو) کافروں سے الگ ہو جاتے تو اُن میں سے جو کافر تھے ہم اُن کو دردناک عذاب دیتے۔ جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کو جگہ دی اور ضد بھی جاہلیت کی تو اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر تسکین نازل فرمائی اور ان مومنوں کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ اس کے اہل اور مستحق تھے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

معکوفا: بند کیا ہوا، روکا ہوا۔ عکف سے اسم مفعول۔

تطئوھم: تم اُن کو روند ڈالو گے، تم اُن کو پامال کرو گے۔ وطأ سے مضارع۔

معرّۃ: ایذا، ضرر، تکلیف، عیب۔

تزیّلوا: وہ ٹل گئے، وہ جدا ہو گئے۔ تزیُّل سے ماضی۔

تشریح: وہ اہل مکہ ہی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور حدیبیہ کے موقع پر تمہیں مسجد حرام جانے اور قربانی کے جانور کو حرم کے اُس حصے تک پہنچنے سے روکا جہاں لے جا کر ذبح کرنے کا عام دستور اور معمول ہے۔ قربانی کے یہ جانور حدیبیہ ہی میں رکے رہے اور مجبوراً وہیں ذبح کئے گئے۔ مکے میں کچھ مرد اور کچھ عورتیں در پردہ ایمان لائے ہوئے تھے اور مسلمان اُن کو پوری طرح جانتے نہ تھے اگر اس موقع پر مشرکین کے ساتھ لڑائی ہو جاتی تو یہ مسلمان بے خبری میں تمہارے ہاتھوں پامال ہو جاتے اور کافروں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ مسلمان، مسلمانوں کو بھی نہیں چھوڑتے اسی لئے فی الحال لڑائی کو موقوف رکھا گیا تھا تا کہ وہ مسلمان محفوظ رہیں اور اس بے مثال صبر و تحمل کی بدولت اللہ تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے، اللہ جس پر چاہتا ہے مہربانی فرماتا ہے۔ اگر مکے میں محبوس مسلمان مشرکین سے الگ اور ممتاز ہوتے کہ مسلمان اُن کو پہچان کر جنگ کے مصائب سے محفوظ رکھتے تو ان کفار کے حالات کا تقاضا یہی تھا کہ اُن کو اسی وقت مسلمانوں کے ہاتھوں سخت سزا دلوا دی جاتی۔

پھر فرمایا گویا کہ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب مشرکین مکہ نے اپنے دلوں میں نادانی کی ضد کو بٹھا لیا تھا، جاہلیت کی حمیت کو جما لیا تھا کہ اس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرہ نہ کرنے دیا جائے۔ صلح نامے پر بسم اللہ نہ لکھی جائے اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے صرف محمد بن عبداللہ تحریر کیا جائے وغیرہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سب باتیں قبول فرمالیں اور مسلمانوں نے سخت اضطراب کے باوجود اللہ کے رسول کے ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ پھر اللہ نے مومنوں کو سکون

وطمانیت عطا فرمائی اور انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور جنگ پر قدرت رکھنے کے باوجود لڑائی سے باز رہے اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (عثمانی: ۵۸۱، ۵۸۲/۲، مظہری ۳۳، ۳۴)

آپ ﷺ کا خواب

۲۷۔۲۸: لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۞ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۞

یقیناً اللہ نے اپنے رسول کو واقعے کے مطابق سچا خواب دکھایا کہ انشاء اللہ تم امن وامان کے ساتھ مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے بعض سر منڈواتے ہوئے اور بعض بال کترواتے ہوئے کسی اندیشے کے بغیر، سو اللہ کو وہ معلوم ہے جو تم نہیں جانتے، پھر اس نے اس (فتح مکہ) سے پہلے ہی ایک نزدیک کی فتح دیدی (یعنی خیبر کی فتح) اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کردے اور اللہ حق ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

مُحَلِّقِیْنَ: بال منڈوانے والے، سر منڈوانے والے۔ تحلیق سے اسم فاعل۔

مُقَصِّرِیْنَ: بال کتروانے والے، کم کرنے والے۔ تقصیر سے اسم فاعل۔

شان نزول: حدیبیہ میں جب صلح مکمل ہوئی اور یہ بات یقینی ہوئی کہ عمرہ ادا کئے بغیر مدینے واپس جانا ہے تو صحابۂ کرامؓ کے دلوں میں شکوک پیدا ہونے لگے کہ آپ نے مدینے میں جو خواب دیکھا تھا کہ ہم مکے میں امن وامان کے ساتھ داخل ہوئے اور عمرہ کر کے حلق اور قصر کرایا تو (معاذ اللہ) آپ کا خواب سچا نہ تھا ادھر کفار ومنافقین نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ تمہارے رسول کا خواب صحیح نہیں ہوا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرے کیلئے مدینے میں خواب دیکھا تھا اس میں سال کا تعین

نہیں تھا مگر صحابہ کرامؓ نے خیال کیا کہ شاید یہ اسی سال ہو اس لئے انہوں نے آپ کا خواب سن کر مکہ میں رغبت ظاہر کی اور اسی سال سفر کا ارادہ کر لیا۔ آپ نے بھی اپنے اصحاب کے اشتیاق کی وجہ سے ان کی موافقت فرمائی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں تھیں جن کا ظہور صلح حدیبیہ کے وقت ہوا۔ جب صلح مکمل ہوگئی تو حدیبیہ سے واپسی کے وقت بعض صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے نہیں فرمایا تھا کہ ہم امن وامان سے مکے میں داخل ہوں گے اور عمرہ کریں گے۔ آپ نے فرمایا کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال ایسا ہوگا صحابہؓ نے عرض کیا! نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بیشک اسی طرح ہو کر رہے گا۔ امن وامان کے ساتھ مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا طواف کرو گے اور تم میں سے کوئی سر منڈوا کر اور کوئی بال کترا کر احرام کھولے گا اور وہاں کسی قسم کا کھٹکا نہ ہوگا چنانچہ حدیبیہ سے اگلے سال اسی طرح ہوا، پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کو بیان فرمایا ہے کہ بیشک اللہ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا ہے۔ اللہ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ وہ اسی سال تمہیں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے کی سعادت نصیب فرما دیتا مگر ایک سال تک تاخیر کرنے میں بڑی مصلحتیں تھیں جن کو اللہ خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے تھے انہی مصلحتوں میں سے ایک خیبر کی فتح بھی ہے تاکہ مسلمانوں کی قوت اور سامان میں اضافہ ہو اور وہ فراغت وسکون کے ساتھ عمرہ ادا کریں۔

اللہ ہی نے اپنے رسول برحق کو سچے دین اور ہدایت کے سامان (قرآن) کے ساتھ بھیجا تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اگر حمیت جاہلیت والے (مشرکین مکہ) آپ کے نام کے ساتھ رسول کا لفظ لکھنے سے گریز کرتے ہیں تو آپ اس پر رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ آپ کی رسالت پر اللہ کی گواہی کافی ہے جس نے آپ کی رسالت کو دلائل اور کھلے معجزات سے ثابت کر دکھایا ہے۔ سو آپ کے اللہ کا رسول ہونے میں کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں۔

(عثمانی: ۲/۵۸۳، معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۸۹۔۸/۹۱)

صحابہ کرامؓ کے اوصاف

۲۹: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ
بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ
رِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ

مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ اُن کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت ہیں آپس میں رحم دل، اے مخاطب تو اُنہیں دیکھے گا کہ وہ رکوع کر رہے ہیں سجدہ کر رہے ہیں اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلب گار ہیں۔ اُن کی نشانی سجدوں کے اثر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہے۔ ان کے یہ اوصاف توریت اور انجیل میں آئے ہیں، ان کی مثال ایک کھیتی کی مانند ہے کہ اس نے پہلے زمین سے سوئی کی طرح ایک پتی نکالی پھر اسے مضبوط کیا۔ پھر وہ موٹی ہوئی اور اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی اور کسانوں کو خوش کرنے لگی تاکہ ان سے کافروں کا جی جلے۔ اللہ نے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔

سِيْمَاهُمْ : اُن کا حلیہ، ان کا چہرہ، ان کی علامت۔

شَطْئَهٗ : اُس کی سوئی، اُس کی کونپل، اس کا پتہ۔ جمع شُطُوْءٌ۔

اٰزر اُس نے قوی کیا۔ مُوءَ ازرۃٌ سے ماضی۔

سُوْقِهٖ : کھیتی کی نالیں، اس کی جڑیں، اس کے تنے۔ واحد ساقٌ۔

تشریح : چار جگہ کے سوا اللہ تعالیٰ نے آپ کو پورے قرآن میں القاب واوصاف کے ساتھ مخاطب فرمایا ہے جیسے **یاایھا النبی۔ یاایھا المزمل۔ یاایھاالمدثر** وغیرہ۔ جن چار مقامات پر آپ کا نام مبارک مذکور ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ **ومامحمد الارسول** (آل عمران ۱۴۴) ۲۔ **ماکان محمد ابا احد من رجالکم** (الاحزاب ۴۰) ۳۔ **وامنو بمانزل علی محمد** (محمد:۲) ۴۔ **محمد رسول اللہ** (الفتح:۲۹) اس کے برعکس دوسرے انبیا کو نام کے ساتھ پکارا گیا ہے جیسے یاابراہیم یاموسیٰ، یاعیسیٰ۔ یایحییٰ وغیرہ۔ حدیبیہ کے صلح نامے میں جب حضرت علیؓ نے محمد رسول اللہ لکھا تو مشرکین مکہ نے اس

کو مٹا کر محمد بن عبداللہ لکھنے پر اصرار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو قبول فرمالیا پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ رسول اللہ کے الفاظ لا کر اس کو دائمی بنادیا۔ اب قیامت تک یہ اسی طرح پڑھا اور لکھا جائے گا۔

اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی صفات بیان فرمائی ہیں کہ وہ کفار کے لئے بہت سخت اور آپس میں مہربان ہیں کیونکہ ان کی دوستی اور دشمنی اور محبت یا عداوت سب اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو ایمان کامل کا اعلیٰ مقام ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کے لئے محبت کی اور اللہ ہی کے لئے بغض کیا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کرلیا۔ (بخاری: ۱/۱۰)

پھر فرمایا کہ وہ لوگ رکوع اور سجود اور نماز میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کو دیکھنے والے ان کو اکثر اسی کام میں مشغول پائیں گے۔ سو پہلا وصف کمال ایمان کی علامت تھی تو دوسرا وصف کمال عمل کی علامت ہے کیونکہ اعمال میں سب سے افضل عمل نماز ہے۔ رکوع اور سجود کے آثار ان کے چہرے سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اس سے مراد وہ نشان نہیں جو سجدے کی وجہ سے بعض لوگوں کی پیشانی پر پڑ جاتا ہے بلکہ وہ انوار مراد ہیں جو متقی اور عبادت گزار لوگوں کے چہروں پر مشاہدہ کئے جاتے ہیں اس آیت میں اگر لفظ توریت پر وقف کیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ صحابہ کرامؓ کے مذکورہ اوصاف کی مثال توریت میں بیان کی گئی ہے اور انجیل میں ان کی ایک اور مثال یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ایسے ہیں جیسے کوئی کاشت کار زمین میں بیج اُگائے تو پہلے وہ ایک کمزور سی سوئی کی شکل میں نمودار ہوتا ہے، پھر اُس میں شاخیں نکلتی ہیں اور رفتہ رفتہ مضبوط تنا بن جاتا ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب شروع میں بہت کم اور کمزور تھے۔ پھر رفتہ رفتہ ان کی تعداد اور قوت بڑھتی رہی یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کی تعداد ڈیڑھ لاکھ کے قریب تھی۔

اگر توریت کی بجائے انجیل پر وقف کیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ چہروں کے نور کی نشانی توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی اور کزرع سے علیحدہ مثال ہے، اکثر مفسرین نے پہلے معنی کو ترجیح دی ہے اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو ضعف کے بعد قوت اور قلت کے بعد کثرت اس لئے عطا فرمائی تاکہ ان کو دیکھ کر کافر حسد کی آگ میں جلیں۔ سو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے تو اللہ نے ان سے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۸/۹۱،۹۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الحجرات

وجہ تسمیہ: اس سورت کی چوتھی آیت میں بنوتمیم کے وفد کے بارے میں ہے کہ جو لوگ حجروں کے پیچھے سے آپ کو پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں اسی مناسبت سے اس کا نام الحجرات مشہور ہو گیا۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۸ آیات، ۳۴۳ کلمات اور ۱۴۷۶ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاجماع مدنیہ ہے، یعنی ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں آداب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حقوق رسالت کا بیان ہے کہ امتی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا حقوق عائد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو جو فضائل وکمالات عطا فرمائے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع ہی کے سبب سے تھے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب وحقوق اور جھوٹی خبروں کے تحقیق کرنے کا حکم ہے۔ آخر میں لڑائی کی صورت میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرانے کا حکم ہے۔

رکوع ۲: ایک دوسرے کا مذاق اڑانے، بدگمانی اور غیبت کی ممانعت کا بیان ہے۔ پھر فضلیت وبزرگی کا مدار اور ایمان واسلام کا فرق مذکور ہے۔ آخر میں اعراب کی طرف سے اپنے ایمان کا احسان جتانا بیان کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے آداب وحقوق

۱۔۲: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ

بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے (کسی معاملے میں) سبقت نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے اونچی آواز میں بات کرو، جس طرح تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

تجھروا: تم پکارتے ہو، تم آواز بلند کرتے ہو۔ **جھر** سے مضارع۔

تحبط: وہ مٹ جائے، وہ ضائع ہو جائے، وہ اکارت ہو جائے۔ **حبط** سے مضارع۔

شانِ نزول: ان آیات کے شانِ نزول میں متعدد واقعات منقول ہیں۔ قرطبی کے مطابق حدیث میں ۶ واقعات منقول ہیں۔ قاضی ابوبکر بن عربی کہتے ہیں کہ تمام واقعات صحیح ہیں کیونکہ وہ سب واقعات آیات کے عمومی مفہوم میں داخل ہیں۔ بخاری وغیرہ نے بطریق ابن جریج ابوملیکہ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا بنی تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا (یہ بات زیرِغور تھی کہ اس قبیلے پر کس کو حاکم بنایا جائے) حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا قعقاع ابن معبد کو ان کا امیر بنا دیجئے اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اقرع بن حابس کو سردار مقرر کر دیجئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا آپ تو میرے خلاف ہی چلنا چاہتے ہیں، حضرت عمرؓ نے فرمایا میرا مقصد آپ کی مخالفت کرنا نہیں ہے۔ دونوں کی گفتگو بڑھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دونوں کی آوازیں اونچی ہو گئیں۔ اس پر آیت نمبر ۱ نازل ہوئی۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ کچھ لوگ ماہ رمضان کے شروع ہونے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے رکھنے سے بھی پہلے روزے رکھ لیا کرتے تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۳۹، ۹/۴۰، معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۹۸، ۸/۱۰۳)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے حکم ملنے کی توقع ہو اس کا فیصلہ اپنی رائے سے نہ کرو بلکہ اللہ اور اس کے رسول کے حکم کا انتظار کرو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرمائیں تو خاموشی سے کان لگا کر سنو اور ان سے

پہلے بولنے کی کوشش نہ کرو اور جو حکم وہ دیں اس پر بلا چوں و چرا عمل کرو۔ ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی فرماں برداری اور تعظیم اسی وقت میسر ہوگی جب دل میں اللہ کا خوف ہوگا۔ بیشک اللہ تمہارے سب اقوال کو سننے والا اور تمام افعال کو جاننے والا ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک اصل مقصد اللہ کے رسول کے سامنے پیش دستی کی ممانعت کرنا ہے۔ آیت میں اللہ کا ذکر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لئے کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اللہ کے رسول پر تقدم گویا اللہ پر تقدم ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک آپ کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ آپ کی تعظیم اللہ کی تعظیم اور آپ سے بے ادبی اللہ سے بے ادبی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ

جس نے رسول کی اطاعت کی گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء: ۸۰)

اور ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

بیشک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ یقیناً اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے (الفتح: ۱۰)

پھر فرمایا کہ جب تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرو تو اپنی آواز کو اُن کی آواز سے بلند نہ کرو اور اُن کو اس طرح مخاطب نہ کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہو۔ جیسے ارشاد ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ

تم رسول کے بلانے کو ایسا نہ سمجھو جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔ (النور: ۶۳)

بلکہ آپ سے گفتگو کے وقت ادب احترام اور تعظیم و تکریم کا پورا پورا خیال رکھنا چاہئے کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا سی بے احتیاطی سے تمام اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے۔ آپ ﷺ کے انتقال فرمانے کے بعد روضۂ مبارک پر حاضری اور آپ کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی اسی طرح ادب و احترام ملحوظ رکھنا چاہئے۔

آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم کے ثمرات

۳: إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ ۚ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

بے شک جو لوگ رسول اللہ کے سامنے اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لئے آزمالیا ہے۔ اُن کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

یَغُضُّوْن: وہ نیچی رکھتے ہیں، وہ بند رکھتے ہیں۔ غَضٌّ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن جریر نے محمد بن ثابت بن قیس بن شماس کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت یاایھا الذین امنو لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی نازل ہوئی تو حضرت ثابتؓ راستے ہی میں بیٹھ کر رونے لگے۔ حضرت عاصم بن عدیؓ ادھر سے گزرے اور رونے کا سبب دریافت کیا تو حضرت ثابتؓ نے کہا کہ مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے، میری آواز بلند ہے۔ حضرت عاصمؓ یہ سن کر چلے گئے ادھر حضرت ثابتؓ کی ہچکی بندھ گئی اور وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے اور گھر جا کر اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہا کہ میں اپنے گھوڑے کے بندھنے کی جگہ جارہا ہوں۔ تم اس کا دروازہ باہر سے بند کر کے لوہے کی کیلوں سے جڑ دینا۔ خدا کی قسم میں اس میں سے نہ نکلوں گا یہاں تک کہ یا تو مر جاؤں یا اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو مجھ سے راضی کر دے۔ ادھر حضرت عاصمؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ثابتؓ کی حالت بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ اور ثابت کو بلا لاؤ۔ حضرت عاصمؓ جب اس جگہ پہنچے تو حضرت ثابتؓ وہاں موجود نہیں تھے۔ پھر وہ ان کے گھر گئے تو اُن کو گھوڑا باندھنے کی جگہ میں بند پایا۔ حضرت عاصمؓ نے ان سے کہا کہ چلو رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے تم دروازے کے کیل نکال دو۔ پھر وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے رونے کی وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت ثابتؓ نے کہا کہ میری آواز اُونچی ہے مجھے خوف ہے کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی گزارو گے، شہادت کی موت مارے جاؤ گے اور جنت میں داخل ہو گے۔ یہ سن کر حضرت ثابتؓ نے

کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ اور آپ کی بشارت پر راضی ہوں۔ اب میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کبھی آواز اُونچی نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(ابن کثیر: ۴/۲۰۶، مظہری: ۴۱، ۹/۴۲)

تشریح: جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کی وجہ سے آپ کے سامنے اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں کو کمال تقویٰ سے خالص کر دیا۔ ایسے متقی اور پرہیزگاروں کے لئے مغفرت اور ثوابِ عظیم ہے۔ اگر ان لوگوں سے کبھی بے دھیانی میں ایسی حرکت واقع ہوئی جس سے آواز بلند ہوگئی تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا اور ان کی حسن نیت پر ان کو ثوابِ عظیم دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کی وجہ سے آہستہ آواز سے بات کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے اور ایسے لوگ کمال کے انتہائی درجے پر فائز ہیں اس کے برعکس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُونچی آواز سے بات کرنا اور شور غل مچانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت ہی برا ہے۔ بغوی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت سے بیان کیا کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت آہستگی سے بات کرتے تھے۔ حضرت ابن زبیرؓ کی روایت میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی پست آواز سے بات کرتے تھے۔ کہ آپ سن بھی نہ پاتے تھے اور (دوبارہ) دریافت فرماتے تھے۔ (مظہری: ۴۲، ۹/۴۳)

آپ ﷺ کا ادب واحترام

۴-۵: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

بے شک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔ اگر یہ لوگ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ خود نکل کر ان کے پاس آ جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

شانِ نزول: احمد، ابن جریر، ابوالقاسم البغوی، طبرانی اور ابن مردویہ نے صحیح سند کے ساتھ ابی سلمہ

بن عبدالرحمن کے طریق سے اقرع بن حابس سے بیان کیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری طرف نکل کر آیئے۔ آپ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے کہا سنو اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میری تعریف کرنا بڑائی کا سبب ہے اور میری مذمت کرنا ذلت کا سبب ہے۔ آپ نے فرمایا ایسی ذات محض اللہ تعالیٰ کی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت ان الذین ینادونک الخ نازل فرمائی۔ (روح المعانی ۲۶/۱۳۹)

حضرت زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ کچھ اعراب جمع ہو کر کہنے لگے کہ ہمیں اس شخص کے پاس لے چلو اگر وہ سچا نبی ہے تو اس سے سعادت حاصل کرنے کے ہم سب سے زیادہ مستحق ہیں اور اگر وہ بادشاہ ہے تو ہم اس کے پیروں تلے پل جائیں گے۔ میں نے آکر آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ پھر وہ لوگ آئے اور حجرے کے پیچھے سے آپ کا نام مبارک لے کر پکارنے لگے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ آپ نے میرا کان پکڑ کر فرمایا اللہ نے تیری بات سچی کر دی۔ اللہ نے تیری بات سچی کر دی۔ (ابن کثیر ۴/۲۰۸)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے حجروں کے پیچھے جا کر آوازیں دیتے اور پکارتے ہیں۔ ان میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ وہ آپ کی عظمت اور ادب احترام کو نہیں سمجھتے کیا معلوم اس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو یا آپ کسی اور اہم کام میں مشغول ہوں، اس لئے ان کو چاہئے تھا کہ کسی ذریعے سے آپ کو اطلاع کراتے اور آپ کے باہر تشریف لانے تک انتظار کرتے، پھر جب آپ باہر تشریف لا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے تو اس وقت بات کرتے۔ یہی ان کے حق میں بہتر ہوتا اور اسی میں دین و دنیا کی بہتری تھی۔ اب ایسے لوگوں کو اپنی تقصیر پر نادم ہو کر توبہ واستغفار کرنی چاہئے کیونکہ اللہ بہت معاف کرنے والا مہربان ہے۔ وہ ناسمجھی اور نادانستگی میں سرزد ہونے والی باتوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ (عثمانی ۵۸۶، ۲/۵۸۷)

فاسق کی خبر کی تحقیق

۶۔۸: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ

لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کرلیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو نادانی میں ایذا پہنچا دو پھر اپنے کئے پر پچھتانے لگو اور جان لو کہ تم میں اللہ کے رسول موجود ہیں۔ اگر وہ تمہاری اکثر باتیں مان لیا کریں تو تم مشکل میں پڑ جاؤ، لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں مزین کر دیا اور کفر وگناہ اور نافرمانی سے تمہیں متنفر کر دیا۔ یہی لوگ راہ راست پر ہیں اللہ کے فضل اور انعام کے باعث اور اللہ بڑے علم والا حکمت والا ہے۔

تَبَيَّنُوْا: تم بیان کرو، تم ظاہر کرو، تم تحقیق کرلو۔ تَبَيَّنْ سے امر۔

عَنِتُّمْ: تم کو تکلیف پہنچی، تم مشقت میں پڑے۔ عَنَتٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: اکثر مفسرین کے مطابق یہ آیتیں ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبیلہ بنی مصطلق سے زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا تھا۔ مسند احمد میں اُم المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت حارث بن ضرار خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی جو میں نے قبول کرلی اور مسلمان ہوگیا۔ پھر آپ نے زکوٰۃ کی فرضیت سنائی۔ میں نے اس کا بھی اقرار کرلیا اور کہا کہ میں اپنی قوم کے پاس واپس جاتا ہوں اور ان میں سے جو ایمان لائیں اور زکوٰۃ ادا کریں میں اُن کی زکوٰۃ جمع کرتا ہوں آپ میرے پاس فلاں وقت میں کسی کو بھیج دیجئے میں اس کے ہاتھ جمع شدہ مال زکوٰۃ آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

حضرت حارثؓ نے واپس جاکر مال زکوٰۃ جمع کرلیا جب مقررہ وقت گزر چکا اور آپ کا کوئی قاصد نہ آیا تو انہوں نے اپنی قوم کے سرداروں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ یہ تو ناممکن ہے کہ اللہ کے رسول اپنے وعدے کے مطابق آدمی نہ بھیجیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے ہم سے ناراض نہ ہوگئے ہوں اور اس بنا پر آپ نے مال زکوٰۃ کے لئے اپنا کوئی قاصد نہ بھیجا

ہو۔ اگر آپ لوگ متفق ہوں تو اس مال کو لے کر ہم خود ہی مدینہ منورہ چلیں اور آپ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ چنانچہ یہ حضرات اپنا مالِ زکوٰۃ لے کر چل دیئے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولید بن عقبہ کو اپنا قاصد بنا کر بھیج چکے تھے مگر وہ ڈر کے مارے راستے ہی سے لوٹ آئے اور آکر کہہ دیا کہ حارث نے زکوٰۃ روک لی ہے اور میرے قتل کے درپے ہو گیا۔ اس پر آپ ناراض ہوئے اور حارث کی تنبیہ کے لئے کچھ آدمی روانہ فرمائے جنہوں نے مدینے کے قریب راستے ہی میں حضرت حارثؓ کو پالیا۔ حضرت حارثؓ نے پوچھا کہ تم کہاں اور کس کے پاس جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم تیری ہی طرف بھیجے گئے ہیں کیونکہ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ولید کو زکوٰۃ نہیں دی بلکہ اُس کے قتل کے درپے ہو گئے۔ حضرت حارث نے کہا قسم ہے اُس خدا کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ نہ میں نے اسے دیکھا ہے اور نہ وہ میرے پاس آیا۔ چلو میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہوں۔

حضرت حارثؓ جب آپ ﷺ کے پاس پہنچے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تو نے زکوٰۃ بھی روک لی اور میرے آدمی کو بھی قتل کرنا چاہا، حضرت حارث نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قسم ہے اُس خدا کی جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا، نہ میں نے انہیں دیکھا اور نہ وہ میرے پاس آئے بلکہ میں خود اس ڈر سے حاضر ہوا ہوں کہ کہیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول مجھ سے ناراض نہ ہو گئے ہوں اور اسی لئے قاصد نہ بھیجا ہو۔ اس پر یہ آیتیں حکیم تک نازل ہوئیں۔

(ابن کثیر: ۲۰۸، ۲۰۹ / ۴)

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کسی معاملے کی کوئی خبر لائے تو پوری تحقیق و تفتیش اور چھان بین کے بغیر اس کی خبر پر اعتماد نہ کرو۔ ممکن ہے اس نے کوئی جھوٹ بات کہہ دی ہو یا بات کہنے اور سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ اگر تم نے بلا تحقیق یقین کر لیا اور اس پر کاربند ہو گئے تو اس بات کا امکان ہے کہ جلد بازی اور معاملے کی حقیقت معلوم نہ ہونے کی بنا پر تم کسی قوم کو ایذا اور نقصان پہنچا دو اور بعد میں جب حقیقت حال معلوم ہو تو اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔ لہٰذا خبر کی تصدیق اور چھان بین ضروری ہے اور یہ بھی خیال رکھو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں اس لئے تم ان سے جھوٹ نہ بولو اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے ان کو واقعے کی صحیح اطلاع دیدے گا جس سے جھوٹ کا پردہ فاش ہو جائے گا۔ سو تم ان کی حد درجہ تعظیم و توقیر کرو۔ اُن کے ساتھ

ادب سے پیش آؤ اور ہر معاملے میں ان کی پوری پوری اطاعت و فرماں برداری کرو اور ایسے معاملات میں اپنی رائے پر اصرار نہ کرو کیونکہ مشورہ طلب امور میں کوئی رائے دے دینا تو درست ہے لیکن یہ کوشش کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری رائے کے مطابق ہی عمل کریں درست نہیں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر معاملات میں تمہاری رائے پر عمل کرنے لگیں اور وحی کا انتظار نہ کریں تو تم گناہ اور ہلاکت میں پڑ جاؤ گے، کیونکہ تمہاری بہت سی باتیں خطا سے خالی نہیں ہوتیں اس لئے ان پر چلنے کا انجام برا ہوگا۔ لیکن اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو پسندیدہ بنا دیا اور تمہارے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی اور کفر و بدکاری اور نافرمانی سے تمہیں نفرت دلا دی۔ اس لئے تم دل سے رسول کی اطاعت کو پسند کرتے ہو۔ اللہ کے فضل اور احسان سے ایسے ہی لوگ راہ راست پر ہیں اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے احوال کو خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

(حقانی ۳۴۱: ۳۴۲، ۳۴۲/۴، مواہب الرحمٰن ۱۷۱۔ ۱۷۷/۲۶)

مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرانا

۹۔۱۰: وَإِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَإِنْۢ
بَغَتْ إِحْدٰىهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ
إِلٰٓى أَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَإِنْ فَآءَتْ فَأَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ
أَقْسِطُوْا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ
فَأَصْلِحُوْا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو تم سب زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ رجوع کرے تو دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کا خیال رکھو اور بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ بیشک مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

طائفتن: دوگروہ، دو جماعتیں ۔ طوفٌ سے اسم فاعل ۔

تفئیءَ: وہ رجوع کرے ۔ وہ لوٹ آئے ۔ فَیٔ سے مضارع ۔

شانِ نزول: اس کے شانِ نزول میں کئی روایتیں ہیں ۔ احمد، ابن مردویہ، ابن المنذر، ابن جریر، شیخین اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گدھے پر سوار ہو کر عبداللہ ابن ابی کی طرف تشریف لے گئے ۔ عبداللہ نے کہا کہ آپ گدھے کو ادھر ہی رکھیے ۔ مجھے آپ کے گدھے کی بدبو سے اذیت ہوتی ہے ۔ اس پر ایک انصاری نے کہا واللہ ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گدھا تجھ سے زیادہ خوشبودار ہے ۔ یہ سن کر عبداللہ کا ایک طرف دار بھڑک اٹھا ۔ دونوں باہم سخت سست کہنے لگے ۔ ہر ایک کے ساتھی بھی اپنے آدمی کی طرف داری میں غضب آلود ہو گئے ۔ یہاں تک کہ کچھ ہاتھا پائی ہوئی، چھڑیوں اور جوتوں سے لڑائی ہونے لگی ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم نیز بغوی نے سدی کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک عمران نامی انصاری تھے ۔ اُن کی بیوی اُم زید نے اپنے میکے جانے کا ارادہ کیا تو شوہر نے روک دیا اور اُس کو ایک بالا خانے میں رکھا ۔ عورت نے اپنے میکے میں خبر کر دی وہاں سے اُس کے قبیلے والے آ گئے اور اس کو بالا خانے سے اُتار کر لے جانے لگے ۔ اس کا شوہر باہر گیا ہوا تھا ۔ اُس کے لوگوں نے اپنے کنبے والوں سے مدد طلب کی ۔ اُس کے چچا کے بیٹے آ گئے اور عورت کو لے جانے میں مزاحمت کی ۔ آخر دونوں فریقوں میں دھکم دھکا ہونے لگی اور جوتوں سے لڑائی شروع ہو گئی ۔ ان ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھیج کر ان میں صلح کرا دی اور سب اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے ۔ (روح المعانی ۱۵۰، ۲۶/۱۵۱)

تشریح: اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں لڑائی ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں صلح کرا دیں اور دونوں گروہوں کو آپس کی عداوت اور بغض چھوڑ دینے کی ہدایت کریں ۔ اگر کوئی گروہ اس کے بعد بھی دوسرے پر زیادتی کرے اور وہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا انکار کر دے اور اُس کے پاس ایسی طاقت ہو کہ اُس کو ظلم سے نہ روکا جا سکے تو اس زیادتی کرنے والے سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے ۔ پھر اگر وہ باغی گروہ لڑائی میں مغلوب ہو کر اللہ کے حکم کو قبول کر لے تو دونوں گروہوں میں عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور تمام امور میں انصاف سے کام لو ۔ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ۔ تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں

اگر کسی وقت ان میں اختلاف ہو جائے تو ان میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو امید ہے کہ اللہ تم پر مہربان ہوگا اس لئے کہ خوف خدا اور تقویٰ ہی تمام احوال کی اصلاح کا ضامن اور اللہ تعالیٰ کی عنایات اور مہربانیوں کا موجب ہے۔

بغوی وغیرہ نے حضرت سالم کی وساطت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اس کی حق تلفی نہ کرے نہ گالی دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی حاجت پوری کرتا رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے روز قیامت کی سختیوں میں سے کوئی سختی دور کر دے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ (مظہری: ۹/۴۹)

باہم مذاق اُڑانے کی ممانعت

۱۱: يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۱۱

اے ایمان والو! کوئی جماعت دوسری جماعت کا مذاق نہ اڑایا کرے ممکن ہے وہ اس سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ آپس میں طعنہ دو اور نہ ایک دوسرے کو برے لقب سے پکارو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا بھی گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم ہیں۔

تَلْمِزُوْا: تم عیب دو، تم طعنہ دو۔ لَمْزٌ سے مضارع۔

تَنَابَزُوْا: تم برے نام سے پکارو، تم برے لقب سے پکارو۔ تَنَابُزٌ سے مضارع۔

تشریح: قرطبی کہتے ہیں کہ تمسخر اور استہزا یہ ہے کسی کی تحقیر و تذلیل کے لئے اس کے کسی عیب کا اس طرح ذکر کرنا کہ لوگ ہنسنے لگیں۔ جس طرح یہ زبان سے ہوتا ہے اسی طرح ہاتھ پاؤں وغیرہ سے اس

کی نقل اُتارنے یا اشارہ کرنے سے بھی ہوتا ہے ۔قرآن کریم نے مردوں اورعورتوں کو علیحدہ علیحدہ مخاطب کر کے تمسخراور استہزا سے منع فرمایا اسی سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔سو ایسا مذاق اور تمسخر جو کسی کی تحقیر اور دل آزادی کے لئے کیا جائے وہ حرام ہے خواہ کوئی مرد کسی مرد کے ساتھ ایسا مذاق کرے یا عورت کسی عورت کے ساتھ یا مرد ،عورت کے ساتھ اور عورت ،مرد کے ساتھ تحقیر آمیز مذاق کرے ۔البتہ جس مزاح سے دوسرے کی تحقیر اور دل آزاری نہ ہو وہ جائز ہے ۔پس جو شخص کسی کے ساتھ تمسخر کرتا ہے وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ کے نزدیک اس کا کیا درجہ ہے جس کا وہ تمسخر اڑا رہا ہے ،بہت ممکن ہے وہ اللہ کے ہاں استہزا کرنے والے سے بہتر اور افضل ہو ۔اسی طرح تمسخر کرنے والی عورتوں کا معاملہ ہے ۔شاید وہ عورت جس کا تمسخر اڑایا جا رہا ہے اللہ کے نزدیک تمسخر کرنے والی عورت سے بہتر و افضل ہو ۔صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی صورتوں اور اُن کے مال و دولت پر نظر نہیں فرماتا بلکہ وہ اُن کے قلوب اور اعمال کو دیکھتا ہے ۔

پھر فرمایا کہ کوئی شخص کسی کو طعنہ نہ دے ۔طعنہ زنی بھی دل دکھانے والی چیز ہے اس سے اتفاق و محبت میں فرق آجاتا ہے ۔اسی طرح کوئی کسی کو برے لقب سے نہ پکارے ،مثلاً اے فاسق ،اے منافق ،اے کافر نہ کہے یا اگر کوئی یہودی یا عیسائی یا ہندو مسلمان ہو جائے تو اس کو اے یہودی ،اے عیسائی اے ہندو کہہ کر پکارنا یا اگر کسی کے کئی نام ہوں تو ان میں سے برے نام سے اس کو پکارنا یا کسی کو لنگڑا ،اندھا ،کانا ،لولا وغیرہ صفات مذمومہ سے یاد کرنا خواہ وہ اوصاف اس میں موجود ہوں ،یہ سب ممنوع ہے کیونکہ یہ سب باتیں دل دکھانے والی اور باہمی رنجش و عداوت کو پیدا کرنے والی ہیں ۔پھر مزید تاکید کے لئے فرمایا کہ ایمان لانے کے بعد برے ناموں سے یاد کرنا بری بات ہے ۔اگر کسی نے تمسخر و استہزا یا طنز کیا یا کسی کو برے لقب سے یاد کیا تو اسے چاہئے کہ نادم و شرمندہ ہو کر توبہ کرے ۔ اگر ایسے لوگوں نے توبہ نہ کی تو وہی ظالم گنہگار اور دل دکھانے والے ہوں گے ۔(حقانی ۵۷ ،۴/۵۸)

بدگمانی اور غیبت کی ممانعت

۱۲: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَ

اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ⑫

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو بیشک بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔ اور جاسوسی نہ کیا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ تمہیں اس سے کراہت آئے گی اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تشریح: یہاں مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سے فساد اور باہمی عداوت پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو ہر بات اور ہر ایک کے بارے میں برا خیال ہی پیدا ہوتا ہے۔ جس سے بڑی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ پس کسی معقول وجہ کے بغیر بدگمانی نہیں کرنی چاہئے اس لئے کہ اس سے انسان گنہگار ہوتا ہے۔ بدگمانی کی طرح لوگوں کے عیوب دریافت کرنا ان کی تفتیش کرنا اور ان کی پوشیدہ باتیں معلوم کرنے کے پیچھے پڑے رہنا بھی سب ممنوع ہیں، جب اللہ نے کسی کے عیوب پر پردہ ڈال دیا۔ تو تم بھی اُن کی پردہ کشائی نہ کرو۔ اسی طرح کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی یعنی غیبت نہیں کرنی چاہئے۔ غیبت ایسی برائی ہے جیسے کوئی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے جو سخت مکروہ اور قابل نفرت فعل ہے۔ چونکہ غیبت کے وقت وہ شخص موجود نہیں ہوتا جس کی غیبت کی جاتی ہے اس لئے آیت میں اس کو مردہ سے تشبیہ دی گئی، یعنی وہ مردے کی مانند بے خبر ہے۔ لہٰذا اس کی برائی کرنا اس کا گوشت کھانا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس کام کی برائی کر دی گئی ہے اس کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جو کچھ ممنوع فعل سرزد ہو گیا ہو اس پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ توبہ کرو۔ بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

مالک، احمد، ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بدگمانی سے پرہیز کرو) بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے، کسی کے عیب کی ٹوہ میں نہ لگو۔ باہم نفرت نہ کرو۔ آپس میں بغض و حسد نہ کرو۔ ایک دوسرے کی طرف سے پشت نہ موڑو (یعنی عداوت اور نفرت کی وجہ سے دوسرے کی طرف سے منہ نہ موڑو) اور سب اللہ کے بندے اور بھائی بھائی ہو جاؤ۔ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام نکاح نہ دے یہاں تک کہ اس کا نکاح نہ ہو جائے یا لڑکی والوں کی طرف سے انکار ہو جائے۔

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت بہت بری ہے صحابہ نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیبت زنا سے زیادہ سخت کیسے ہو سکتی ہے؟۔ آپ نے فرمایا آدمی زنا کرتا ہے پھر توبہ کر لیتا ہے تو اللہ اس کو معاف فرما دیتا ہے لیکن غیبت کرنے والے کو تو اللہ اس وقت تک معافی نہیں دے گا جب تک وہ شخص معاف نہ کر دے جس کی غیبت کی گئی ہو۔ (مظہری: ۵۴۔۵۶/۹)

فضیلت و بزرگی کا معیار

۱۳ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ بیشک اللہ خوب جاننے والا اور پوری طرح باخبر ہے۔

شانِ نزول: بغوی نے مقاتل کا بیان نقل کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان دی عتاب بن اسید نے اذان سن کر کہا۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ دن دیکھنے سے پہلے میرا باپ مر گیا۔ حارث بن ہشام نے کہا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کالے کوے کے سوا کوئی اور موذن نہیں ملا، سہیل بن عمرو نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو حالت کو بدل دے گا۔ ابوسفیان نے کہا میں اپنی زبان سے کچھ نہیں کہوں گا مجھے ڈر ہے کہ میری زبان سے جو لفظ نکلے گا اس کی اطلاع آسمان کا رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دے گا، اس پر جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور ان لوگوں نے جو کچھ کہا اس کی اطلاع آپ کو دے دی، آپ ﷺ نے ان لوگوں کو طلب فرمایا اور جو کچھ انہوں نے کہا تھا اس کی باز پرس کی۔ انہوں نے اپنی باتوں کا اقرار کیا اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری: ۵۶/۹)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے تمام لوگوں کو ایک مرد یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور ایک عورت حضرت حوا علیہا السلام سے پیدا کیا ہے اس لئے سب کی ذات اور نسب ایک ہے۔ حضرت آدم

علیہ السلام چونکہ مٹی سے پیدا کئے گئے تھے اور تمام جہان کے آدمی انہی کی اولاد ہیں۔ اس لئے اُن کی طرف نسبت کے اعتبار سے سب ہم مرتبہ ہیں اب اگر کسی کو کچھ فضیلت حاصل ہوگی تو وہ اطاعت خداوندی اور اتباعِ رسول کی وجہ سے ہوگی نہ کہ ذات پات، کنبے، قبیلے، برادریوں، جماعتوں اور علاقوں کی سے وجہ سے، کنبے، قبیلے اور برادریاں وغیرہ تو محض پہچان کے لئے ہیں آپس میں تفاخر کے لئے نہیں۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگ اور عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ اور جو فاجر و فاسق ہے وہ اللہ کی نظر میں ذلیل و خوار ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے فضائل اور باطنی احوال سے خوب باخبر ہے۔

نسب کے اعتبار سے عرب کے چھوٹے بڑے چھ دائرے تھے۔ سب سے بڑے دائرے کو شعب کہتے تھے۔ جو گویا اپنی تمام شاخوں کی جڑ ہوتی تھی۔ اس کے اندر تمام قبائل شامل ہوتے تھے اس سے چھوٹے دائرے کو قبیلہ کہا جاتا تھا۔ قبیلے سے چھوٹے دائرے کو جو قبیلے کے اندر ہوتا تھا۔ عمارہ کہتے تھے عمارہ کے اندر بطون ہوتے تھے اور ہر بطن کے اندر مختلف افخاذ اور فخذ کے اندر متعدد فصائل اور فصیلے کے دائرے میں مختلف عشائر ہوتے تھے۔ عشیرہ سے چھوٹے دائرے کا کوئی نام نہیں تھا۔ گویا عشیرہ سب سے چھوٹے خاندانی حلقے کو کہتے ہیں۔ (مظہری ۹/۵۷،۵۶، ابن کثیر ۴/۲۱۸،۲۱۷)

ایمان اور اسلام کا فرق

۱۴۔۱۵: قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۞

یہ دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے البتہ تم یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے کیونکہ ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ

تمہارے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان
ہے۔ مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر پختہ ایمان لائیں اور شک
میں نہ پڑیں اور اپنے اموال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے
رہیں۔ یہی لوگ اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں۔

یرتابو: وہ شک کرتے ہیں، وہ شبہ کرتے ہیں۔ ارتیابٌ سے مضارع۔

یلتکم: وہ تم کو کم کردے گا۔ ولت سے مضارع۔

شانِ نزول: بغوی نے لکھا ہے کہ بنی اسد کے کچھ لوگ قحط کے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بظاہر مسلمان ہو گئے لیکن باطن میں وہ مومن نہیں تھے۔ ان لوگوں نے مدینے کے راستے (قضائے حاجت کی) گندگیوں سے بھر دیئے اور مدینے میں چیزوں کے نرخ گراں کر دیئے، صبح شام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہتے تھے کہ دوسرے عرب آپ کے پاس اونٹنیوں پر سوار ہو کر تنہا آئے اور ہم سارا سامان اور اہل وعیال کو لے کر آئے ہیں فلاں فلاں قبائل نے آپ سے جنگ کی پھر مسلمان ہوئے لیکن ہم آپ سے کبھی نہیں لڑے۔ اس کلام سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے اسلام کا احسان رکھنا چاہتے تھے اور مال صدقات کے طلب گار تھے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۵۷،۹/۵۸)

تشریح: کچھ اعرابی اسلام میں داخل ہوتے ہی اپنے ایمان کا بڑھا چڑھا کر دعویٰ کرنے لگتے تھے حالانکہ حقیقت میں ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہیں ہوا تھا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے دعوے سے روکا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ چونکہ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا اس لئے تم یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرماں برداری میں آ گئے۔

ایمان دل کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے جس کو تصدیق قلبی کہتے ہیں اور زبان سے اقرار، ایمان کا ایک زائد رکن ہے جو اسلامی احکام جاری کرنے کے لئے ضروری ہے۔ آیت میں جن اعراب کا ذکر ہے وہ منافق نہ تھے بلکہ وہ مسلمان ہی تھے مگر اب تک ایمان ان کے دلوں میں صحیح طور پر مستحکم نہیں ہوا تھا۔ اس کے باوجود انہوں نے اس بلند مقام تک اپنی رسائی کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اس لئے انہیں ادب سکھایا گیا۔ پھر فرمایا کہ اگر تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت

وفرماں برداری کرتے رہو گے تو پچھلی کمزوریوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں سے کسی عمل کے اجر میں ذرا بھی کمی نہیں کرے گا۔ جو شخص برائی کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اُس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اُس کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرتا ہے۔

بیشک کامل ایمان والے صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خلوص دل سے یقین رکھتے ہیں اور آپ کے لائے ہوئے دین میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ایسے لوگ اگر اپنے ایمان کا دعویٰ کریں تو وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ (ابن کثیر: ۲۱۸، ۲۱۹/۴)

اعراب کا احسان جتانا

۱۶۔۱۸: قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ؀ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ؀ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؀

آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جتاتے ہو حالانکہ اللہ خوب جانتا ہے ان چیزوں کو جو آسمان اور زمین میں ہیں اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ لوگ آپ پر اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ رکھو بلکہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی راہ دکھائی، اگر تم واقعی اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہو۔ بیشک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

شانِ نزول: مذکورہ بالا آیتیں نازل ہونے کے بعد کچھ بدوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم سچے مومن ہیں لیکن اللہ جانتا تھا کہ وہ ایسے نہیں۔ اس

پر آیت ذیل نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۵۹)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان اعراب سے کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی دینداری جتاتے ہو حالانکہ وہ تو آسمانوں اور زمین کی ساری چیزوں سے باخبر ہے۔ آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ بھی اس سے مخفی نہیں۔ وہ تو تمہارے دلوں میں آنے والے خیالات سے بھی واقف ہے بلکہ جو خیالات ابھی تمہارے دلوں میں آئے نہیں اور آئندہ آنے والے ہیں وہ سب اس کو معلوم ہیں۔ اس لئے اس کو تمہارے اظہار ایمان کی ضرورت نہیں۔ تم تو اپنی اندرونی حالت درست کرنے کی فکر کرو۔

جو اعراب آپ پر اسلام لانے کا احسان رکھتے ہیں آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم اپنے اسلام لانے کا احسان مجھ پر نہ رکھو۔ تم جو اسلام قبول کرو گے، میری اتباع اور مدد کرو گے تو اس کا نفع بھی تمہیں ہی ملے گا۔ اگر تم اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہو اور تمہارے قول کے مطابق تمہارا ایمان اخلاص کے ساتھ ہے تو یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان نہیں بلکہ تم پر اللہ کا بڑا انعام و احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی توفیق دی۔ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی مخفی باتوں کو جانتا ہے اور تمہارے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ پر آسمانوں اور زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں اور وہ تمام اعمال و افعال حتیٰ کہ دلوں کے بھید اور راز بھی جانتا ہے تو اس رب العالمین سے کسی کا ایمان و اطاعت اور اس کا اخلاص و نفاق کیسے مخفی رہ سکتا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ قٓ

وجہ تسمیہ: سورت کی ابتدا حروف تہجی کے اکیسویں حرف ق سے ہوئی ہے جو حروف مقطعات میں سے ہے۔ اسی سے اس کا نام سورۃ ق مشہور ہوگیا۔ اس کو سورۃ الباسقات (بلند و بالا) بھی کہتے ہیں جو اس کی دسویں آیت میں مذکور ہے۔

تعارف: اس میں ۳ رکوع، ۴۵ آیتیں ۳۵۷ کلمات اور ۱۴۹۴ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس اور قتادہ کہتے ہیں کہ پوری سورت مکیہ ہے سوائے آیت ولقد خلقنا السموت والارض کے جو یہود کے بارے میں مدینے میں نازل ہوئی۔ جن سورتوں کو مفصل کی سورتیں کہا جاتا ہے۔ ان میں سب سے پہلی سورت یہی ہے، گو ایک قول یہ بھی ہے کہ مفصل کی سورتیں سورۃ حجرات سے شروع ہوتی ہیں۔ اس سورت کے اکثر مضامین تخلیق کائنات کی ابتدا، بعث بعد الموت، حشر نشر، جنت و جہنم، ثواب و عقاب اور ترغیب و ترہیب پر مشتمل ہیں۔ اس لحاظ سے یہ سورت قرآن کریم کے اہم اور اعظم مضامین کا خلاصہ ہے۔

ابن مردویہ میں ابی العلا رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ق والقرآن مجید سیکھو کیونکہ یہ عظیم سورتوں میں سے ہے۔ مسلم وغیرہ میں جابر بن سمرہ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فجر کی نماز میں اس کو پڑھتے تھے۔ ابن ماجہ میں قطبہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت کو نماز فجر کی پہلی رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ احمد، مسلم ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی اور نسائی میں بھی واقد اللیثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز میں "ق" اور "اقترب" پڑھتے تھے۔

(روح المعانی: ۱۷۰، ۱۷۱/ ۲۶، ابن کثیر: ۲۲۰، ۲۲۱/ ۴، مواہب الرحمٰن: ۲۲۰-۲۲۳/ ۲۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: کلام خداوندی کی عظمت، پھر زمین اور اُس کی نعمتوں کا بیان ہے۔ آخر میں امم سابقہ کی ہلاکت مذکور ہے۔

رکوع ۲: اللہ تعالیٰ کا انسان کی رگِ جان سے بھی زیادہ قریب ہونا مذکور ہے، پھر مشرکین کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: جہنم کی وسعت مشرکین مکہ کو تنبیہ اور قیامت کے روز زمین کا پھٹنا بیان کیا گیا ہے۔

حروفِ مقطعات

قٓ: حروف ہجا میں سے اکیسواں حرف ہے۔ حروف ہجا میں سے بعض حروف سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں، جیسے ص، ن، الٓمٓ، حٰمٓ، وغیرہ ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔ ان کی اصل مراد اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

کلامِ خداوندی کی عظمت

۱۔۵: قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝

ق۔ قسم ہے بزرگی والے قرآن کی، بلکہ انہیں اس پر تعجب ہے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا۔ سو کافر کہنے لگے یہ تو عجیب چیز ہے۔ کیا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو دوبارہ زندہ ہوں گے) یہ تو بہت بعید ہے۔ ہم ان (کے اُن اجزا) کو جانتے ہیں جن کو مٹی کم کرتی ہے

اور ہمارے پاس تو وہ کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے ۔ بلکہ انہوں نے دین حق کی تکذیب کی جب کہ وہ ان تک پہنچ گیا سو وہ اُلجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔

تُرَابًا : مٹی، خاک۔

مَرِیْجٍ : اُلجھا ہوا کام، اُلجھی ہوئی بات ۔ مَرْجٌ سے مفعول کے معنی میں صفت مشبہ ۔

تشریح: قسم ہے اس بڑی شان اور عظمت والے قرآن کی جس میں آگے یا پیچھے کہیں سے بھی باطل داخل نہیں ہو سکتا جو حکمتوں اور تعریفوں والے خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے ۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہیں قیامت سے ڈرا رہے ہیں یقیناً سچے ہیں ۔ چاہئے تو یہ تھا کہ لوگ اس قرآن اور اللہ کے رسول پر ایمان لاتے اور اس کے ذریعے ہدایت اور سعادت حاصل کرتے لیکن افسوس کہ اہل مکہ اس پر ایمان لانے کی بجائے اس پر تعجب کرنے لگے کہ ان کے پاس انہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آیا جو اُن کو عذاب آخرت سے خبردار کرتا ہے ۔ اور کہنے لگے کہ یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے کہ ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوں گے ۔ جب ہم مر جائیں گے اور ہمارے جسم ریزہ ریزہ ہو کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہم دوبارہ زندہ ہوں گے ۔ یہ تو بالکل ناممکن اور عقل و عادت اور امکان سے بہت بعید ہے ۔

ہم اُن کے جسم کے اُن اجزا کو جانتے ہیں جن کو زمین کھا کر کم کرتی ہے ۔ ہمیں خوب معلوم ہے کہ اُن کے جسم کے ذرے کہاں گئے اور کس حالت میں ہیں، کوئی چیز ہمارے علم سے باہر نہیں اور ان تمام ذرات کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کرنا ہمارے لئے ذرا دشوار نہیں ۔ ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں یہ تمام تفصیلات موجود و محفوظ ہیں اور جس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا ۔ یہ لوگ اپنے عناد و سرکشی کی بنا پر حق آ جانے کے بعد بھی اس کو جھٹلاتے ہیں اور حیرت و تردد میں پڑے ہوئے ہیں ۔

زمین اور اُس کی نعمتیں

۶ ۔ ۱۱: اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا
مِنْ فُرُوْجٍ ۝ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا
فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ
مُّنِيْبٍ ۝ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ

وَّ حَبَّ الۡحَصِیۡدِ ۙ﴿۹﴾ وَ النَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّہَا طَلۡعٌ نَّضِیۡدٌ ﴿ۙ۱۰﴾ رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ وَ اَحۡیَیۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ؕ کَذٰلِکَ الۡخُرُوۡجُ ﴿۱۱﴾

کیا اُنہوں نے اپنے اوپر آسمان کونہیں دیکھا کہ ہم نے اُسے کیسا بنایا اور اس کو زینت دی ہے اور اس میں شگاف (تک) نہیں۔ ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے اور اس میں پہاڑ ڈال دیئے ہیں اور ہم نے اس میں ہر قسم کی خوش نما چیزیں اُگائیں تاکہ ہر رجوع کرنے والے بندے کے لئے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ ہو۔ اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی برسایا پھر اس سے باغ اُگائے۔ اور کاٹنے کا غلہ اور کھجور کے بلند درخت جن کے خوشے تہ بہ تہ ہیں۔ بندوں کو رزق دینے کے لئے اور اس پانی سے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اسی طرح قیامت کے دن قبروں سے نکلنا ہوگا۔

فُرُوْج: شرم گاہیں، شگاف۔ واحد فَرْج۔

رَوَاسِیَ: جمے ہوئے، پہاڑ، بوجھ۔ واحد رَاسِیَۃٌ۔

بھیج: بارونق، تر و تازہ، خوش منظر۔ بھج سے صفت مشبہ۔

تبصرۃ: دکھانا، سمجھانا۔ مصدر ہے۔

حصید: کٹی ہوئی کھیتی، جڑ سے کٹا ہوا۔ حصادٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

بٰسقٰت: بلند و بالا، لمبی لمبی۔ بُسُوْقٌ سے اسم فاعل۔

طلعٌ: خوشہ، گچھا، کھجور کے درخت کا پہلا پھول۔ واحد طَلْعَۃٌ۔

نضیدٌ: اُوپر تلے، تہ بہ تہ، گوندھے ہوئے۔ نضدٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح: مشرکین مکہ قیامت کے روز مردوں کو زندہ کر کے اٹھائے جانے کو ناممکن خیال کرتے ہیں۔ کیا یہ لوگ اپنے اوپر آسمان اور روشن ستاروں کو نہیں دیکھتے جن سے ہم نے آسمان کو مزین کیا ہوا ہے اور اس کی بناوٹ میں غور نہیں کرتے کہ ہم نے اتنے بڑے آسمان کو کسی ستون کے بغیر اتنی بلندی پر قائم کر رکھا ہے اور ہزاروں لاکھوں سال گزرنے پر بھی نہ اس کے رنگ میں کچھ فرق آیا، نہ اس میں کوئی چھید اور شگاف نظر آیا اور نہ کوئی دراڑ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ

كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان اوپر نیچے پیدا کئے۔ (اے مخاطب) تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔ تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھے کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار باغور کر کے دیکھ تیری نگاہ نامراد اور عاجز ہو کر تیری طرف لوٹ آئے گی۔ (الملک: ۳،۴)

ہم نے زمین کو پھیلا کر بچھا دیا اور اس میں پہاڑوں کو جما دیا تا کہ وہ ہل نہ سکے کیونکہ وہ ہر طرف سے پانی میں گھری ہوئی ہے۔ ہم نے اس میں ہر قسم کی خوشنما اور فرحت بخش چیزیں، سبزہ اور پھل اُگائے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

اور ہم نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا کیا تا کہ تم نصیحت وعبرت حاصل کرو۔

(الذٰریٰت: ۴۹)

آسمان و زمین اور اس کی قدرت کاملہ کے دوسرے نشانات ہر اس شخص کے لئے دانائی اور رہنمائی کا ذریعہ ہیں جو اللہ کی طرف رجوع کرے اور ان عجائباتِ قدرت کو دیکھ کر ان کے خالق و مالک کو پہچانے، ہم ہی آسمان سے برکت والا پانی برساتے ہیں، جس سے باغات، سبزہ، اناج کے دانے جن کے کھیتوں کو کاٹا جاتا ہے، اور لمبے لمبے کھجور کے درخت جن کے خوشے خوب گوندھے ہوئے اور پھل سے لدے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ مخلوق کی روزیاں ہیں۔ اسی پانی سے ہم مردہ زمین کو زندہ کرتے ہیں کہ وہ تر و تازہ ہو کر لہلہانے لگتی ہے اور چٹیل سوکھے میدان سرسبز ہو جاتے ہیں۔ میدان حشر میں بھی تمام انسان اسی طرح زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔ یہ موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی مثال ہے۔ (ابن کثیر: ۲۲۲، ۲۲۳/۴)

اُممِ سابقہ کی ہلاکت

۱۲۔۱۵: كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝ وَعَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ
وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝ وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ۭ كُلٌّ كَذَّبَ
الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ۝ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ۭ بَلْ هُمْ فِيْ

لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ۝

ان سے پہلے قوم نوح اور کنویں والوں اور قوم ثمود نے جھٹلایا، اور قوم عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے اور بن کے رہنے والوں اور تبع کی قوم، سب نے رسولوں کو جھٹلایا۔ سو میرا وعدۂ عذاب پورا ہو کر رہا۔ کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے بلکہ یہ لوگ از سر نو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

عیینا: ہم تھک گئے، ہم عاجز ہوگئے۔ عیٌّ سے ماضی۔

لبس شک، شبہ، دھوکہ دینا۔ مصدر ہے۔

تشریح: ان مشرکین مکہ سے پہلے قوم نوح، اصحٰب الرس، قوم ثمود، عاد وفرعون، لوطؑ کے بھائی **اصحٰب الایکہ** اور قوم تبع سب پیغمبروں کی تکذیب کر چکے ہیں۔ تکذیب انبیا پر ان کو جس عبرت ناک انجام اور عذاب سے ڈرایا گیا تھا وہ ان پر آ کر رہا۔ کسی کو طوفان سے ہلاک کیا گیا، کوئی آندھیوں سے ہلاک ہوا، کسی کو زلزلے نے تباہ کیا، کسی کو زمین میں دھنسا کر نیست و نابود کیا گیا اور کسی کو آسمان سے پتھروں کی بارش نے تباہ کیا۔ یہ سب عبرت ناک واقعات ہیں جو اللہ کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو پیش آئے۔ تاریخ عالم اس کی گواہ ہے سو مشرکین مکہ کو ڈرنا چاہئے کہ کہیں ان کو بھی اسی طرح کا کوئی عذاب ہلاک و برباد نہ کردے۔ پھر فرمایا کہ جب یہ کچھ نہ تھے تو ان کا پیدا کرنا ہم پر ذرا بھی بھاری نہ پڑا تو اب یہ دوبارہ پیدا کرنے کا انکار کیوں کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلی دفعہ کرنے کے مقابلے میں دوبارہ کرنا تو بہت آسان ہوتا ہے۔

مذکورہ قوموں کا مختصر حال درج ذیل ہے:

۱۔ **قوم نوح**: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نوسو پچاس برس تک اللہ کے عذاب سے ڈرایا مگر وہ حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلاتے ہی رہے۔ آخر طوفان نے ان کو آ پکڑا اور سوائے اُن لوگوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے، سب غرق ہوگئے۔

۲۔ **اصحٰب الرس**: رس اُس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کی منڈیر پتھروں سے بنائی گئی ہو۔ یہاں وہ کنواں مراد ہے جو نسل ثمود کے بقیہ لوگوں نے بنایا تھا۔ صاحب قاموس کے مطابق اس سے نسل ثمود کے

بقیہ لوگ مراد ہیں۔ بغوی نے ضحاک کا قول بیان کیا ہے کہ حضرموت کے ایک شہر حاضورا میں ایک کنواں تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد چار ہزار تھی جو حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ مقام حضرموت آ کر آباد ہو گئے تھے یہیں حضرت صالح علیہ السلام کی موت واقع ہوئی، اسی لئے اس مقام کا نام حضرموت ہو گیا یعنی حضرت صالح کی موت اس جگہ حاضر ہوگئی۔ یہ لوگ ایک طویل مدت تک یہاں رہے اور رفتہ رفتہ بتوں کو پوجنے لگے۔ اللہ نے ان کی ہدایت کیلئے ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا مگر ان کی سرکشی بڑھتی گئی آخر اللہ نے ان سب کو اور ان کے کنوئیں کو زمین میں دھنسا دیا۔

۳۔ **قوم ثمود**: قوم ثمود نے بھی اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ ان ظالموں کی نافرمانی کے نتیجے میں ایک شدید چیخ کے عذاب نے ان کو آ پکڑا اور سب کے سب اپنے گھروں میں زمین سے چپٹے ہوئے مر گئے۔ ان کا ذکر قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے۔

۴۔ **قوم عاد**: یہ لوگ خوب لمبے تڑنگے تھے اور اپنے ڈیل ڈول اور قوت وشجاعت میں ضرب المثل تھے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے حضرت ہودؑ کو ستایا، ان کی تکذیب کی آخر ہوا کے طوفان کے عذاب نے آ لیا جو سات رات اور آٹھ دن تک ان پر مسلط رہا اور ان کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکا۔ مرنے کے بعد یہ لوگ زمین پر ایسے پڑے ہوئے تھے جیسے کھجور کے درخت کے کھوکھلے تنے۔

۵۔ **قوم فرعون**: مصر کے مشہور بادشاہ کا لقب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون اور اس کی قوم عمالقہ کی طرف بھیجا تھا، مگر انہوں نے حضرت موسیٰ کی تکذیب کی اللہ تعالیٰ نے ان پر متعدد عذاب بھیجے۔ مثلاً پانی کے طوفان کا عذاب، ٹڈی دل کا عذاب، جوؤں کا عذاب، مینڈکوں کا عذاب، خون کا عذاب۔ جب وہ اپنی سرکشی سے کسی طرح باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بحرِ قلزم (احمر) میں غرق کر دیا۔

۶۔ **اخوان لوط**: حضرت لوط علیہ السلام کی امت مراد ہے۔ جن کا قصہ کئی جگہ گزر چکا ہے۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا اور انجام کار عذاب الٰہی میں ہلاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے کنکر ملے پتھر برسائے جو ہر ایک کے لئے الگ الگ نشان زدہ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے اہل وعیال کے سوا سب ہلاک ہو گئے۔ ہلاک ہونے والوں میں حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی تھی۔ جب حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے اہل وعیال بستی سے نکلے تو ان کی بیوی پیچھے رہ گئی تھی، وہ کافروں میں سے تھی اس لئے ہلاک کر دی گئی۔

۷۔ **اصحٰب الایکہ** : ایکہ گھنے جنگل کو کہتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے ہی مقام پر آباد تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبر کی تکذیب کی آخر ایک (آتشیں) سائے کے عذاب نے ان کو آ پکڑا۔ سخت گرمی کی وجہ سے سب لوگ تہ خانوں میں جا گھسے وہاں بھی گرمی محسوس ہوئی تو باہر نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر ایک آتشیں بادل کے ٹکڑے سے سایہ کر دیا۔ جب سب لوگ اس بادل کے نیچے جمع ہو گئے تو بادل سے ایک آگ برسی اور سب جل کر ہلاک ہو گئے۔

۸۔ **قوم تبع** : تبع یمن کے بادشاہ کا لقب ہے یہ شخص حمیر کا بادشاہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تبع کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ اس کی قوم کا فر و فاجر تھی۔ حضرت عائشہ فرماتی تھیں کہ تبع کو برا مت کہو وہ اسلام لے آیا تھا۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آسمان کو بغیر کسی شگاف اور رخنے کے بنایا۔ زمین کو پھیلایا، پہاڑوں کو جمایا آسمان سے پانی برسایا، پانی سے کھیتوں کو اُگایا۔ اور تم سب دیکھتے اور اعتراف کرتے ہو کہ ہم ان سب چیزوں کو پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوئے تو ان کی دوبارہ تخلیق سے کیسے عاجز ہو سکتے ہیں۔ تخلیق اول تخلیق دوم سے آسان نہیں تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تخلیق اول کا اعتراف کرنے والے تخلیق ثانی کا انکار کرتے ہیں۔

(مظہری ۶۳۔۶۷/ ۹، معارف القرآن مفتی محمد شفیع، ۱۳۶،۱۳۵/ ۸)

رگِ جان سے قریب

۱۶۔۲۲: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۚ وَنَحْنُ
اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۞ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ
وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۞ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ
عَتِيْدٌ ۞ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۗ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ
تَحِيْدُ ۞ وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ ۗ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ۞ وَجَآءَتْ
كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۞ لَقَدْ كُنْتَ فِىْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا
فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۞

اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم ان خیالات کو جانتے ہیں جو اُس کے دل میں گزرتے ہیں اور ہم اُس کی رگِ جان سے بھی زیادہ اُس کے قریب ہیں۔ جب دو لینے والے (فرشتے) لے لیتے ہیں۔ ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف بیٹھا ہوا ہے۔ انسان منہ سے کوئی لفظ نکالنے نہیں پاتا مگر ایک نگہبان اُس کے پاس لکھنے کے لئے تیار رہتا ہے اور موت کی سختی (قریب) آ پہنچی۔ یہ وہ ہے جس سے تو کتراتا تھا۔ اور صور پھونک دیا جائے گا۔ یہی عذاب کے وعدے کا دن ہے۔ ہر شخص (میدانِ قیامت میں) اس طرح آئے گا کہ اُس کے ساتھ ایک اس کو ہمراہ لانے والا ہوگا اور ایک اُس کے (اعمال) کی گواہی دینے والا، یقیناً تو اس دن سے غافل رہا سو ہم نے تجھ پر سے غفلت کا پردہ ہٹادیا اور آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

حبلِ: رسی، سلسلہ، عہد۔ جمع حبائل۔

ورید: گردن کی رگ، شہ رگ۔ جمع اوردۃ۔

یتلقی: وہ لیتے ہیں، وہ اخذ کرتے ہیں۔ تلقیٌ سے مضارع۔

لَدَیہ: اُس کے پاس۔

رقیبٌ: منتظر، نگہبان۔ رُقُوبٌ سے صفت مشبہ۔

عتیدٌ: موجود، حاضر، تیار۔ عتادٌ سے صفت مشبہ۔

سَکرۃٌ: بیہوشی، ضلالت، گمراہی۔ جمع سکراتٌ۔

تحِیدُ: تو مڑتا ہے، تو کنارہ کرتا ہے، تو کتراتا ہے۔ حَیدٌ سے مضارع۔

سائقٌ: ہمراہ لانے والا، ہانکنے والا، یہاں وہ فرشتہ مراد ہے جو حشر میں کھینچ کر لائے گا۔ سَوقٌ سے اسم فاعل۔

غطاءکَ: تیرا (غفلت کا) پردہ، تیری جہالت۔ جمع اغطیۃٌ۔

حدیدٌ: لوہا، تیز چیز۔ دوسرے معنی میں حِدۃٌ (تیزی) سے صفت مشبہ۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان نہ تو اپنے آپ پیدا ہوا ہے اور نہ کسی اور نے اُس کو پیدا کیا بلکہ ہم ہی نے اُس کو پیدا کیا ہے اور ہمارا علم تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ

انسان کے دل میں جو برے خیالات وخطرات پیدا ہوتے ہیں ہم انہیں بھی جانتے ہیں ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں اس لئے انسان کو اتنا زیادہ جانتے ہیں کہ وہ خود بھی اپنے آپ کو اتنا نہیں جانتا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں قرب سے علمی قرب مراد ہے کیونکہ ذات باری تعالیٰ تو ہر مکان سے بالا اور منزہ ہے۔ وہ نہ جسم ہے نہ جسمانی، وہ ہر قرب وبعد مکانی سے پاک ہے، ہر انسان پر دو فرشتے مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی تاک میں لگے رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک اس کے دائیں طرف بیٹھا رہتا ہے اور دوسرا بائیں طرف اور اس کے ہر قول وفعل کو حفاظت سے ساتھ لکھتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کے لکھنے اور محفوظ رکھنے کی ضرورت نہیں وہ تو ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جو فرشتوں سے پوشیدہ ہیں لیکن حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان کے اقوال وافعال پر فرشتوں کی شہادت پیش کر کے حجت قائم کر دی جائے۔

پھر فرمایا کہ موت برحق ہے اس میں کسی کو بھی کلام وشبہ نہیں، اس کی بیہوشی اور سختی جو آدمی پر چھا جاتی ہے اس کی عقل کو زائل کر دیتی ہے وہ یقیناً آئے گی۔ اس وقت اس کا وہ شک وشبہ دور ہو جائے گا جس میں وہ دنیا میں مبتلا تھا۔ اور اس سے کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جس سے تو نفرت کرتا اور بھاگتا تھا۔ اب تو اس سے کسی طرح نجات نہیں پا سکتا۔ نہ تو اس سے بچ سکتا ہے نہ اسے روک سکتا ہے اور نہ ٹال سکتا ہے۔ نہ مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ کسی کی مدد وسفارش کچھ کام آ سکتی ہے۔ پھر مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھانے کے لئے صور پھونکا جائے گا۔ یہ وہی دن ہوگا جس سے تمام انبیا اپنی اپنی قوموں کو ڈراتے رہے اور یہی وہ پیغام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر تمام قبائل قریش کو پہنچایا تھا۔ اس دن ہر انسان میدان حشر میں اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا فرشتہ ہوگا اور ایک گواہی دینے والا فرشتہ، جو اس کے احوال واعمال کی گواہی دے گا۔ اس وقت اس سے کہا جائے گا کہ اے دنیا کی لذتوں میں پڑ کر آخرت سے غافل ہونے والے انسان! بیشک تو اس دن کے بارے میں بڑی غفلت میں پڑا رہا اور مادی لذتوں نے تیری آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ سو اب وہ غفلت کا پردہ ہم نے تجھ سے ہٹا دیا تو آج تیری نظر خوب تیز ہے، جس چیز کا تجھے دنیا میں انکار تھا اور تجھے نظر نہیں آتی تھی۔ آج تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ (ابن کثیر ۲۲۳-۲۲۵/۴)

مشرکین کا انجام

۲۳-۲۹: وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ

كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ قَالَ قَرِيْنُهٗ
رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا
لَدَيَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ۝ مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ
وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

اس کے ساتھ رہنے والا فرشتہ کہے گا یہ اعمال نامہ حاضر ہے جو میرے پاس تھا۔ تم دونوں ہر کافر سرکش کو جہنم میں ڈال دو جو نیک کام سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا اور شک کرنے والا تھا۔ جس نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود بنا رکھا تھا سو اسے سخت عذاب میں ڈال دو۔ اُس کا ساتھی (شیطان) کہے گا کہ اے ہمارے رب میں نے اُس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ (خود ہی) گمراہ ہو کر (حق سے) دور ہو گیا تھا۔ اللہ فرمائے گا میرے سامنے جھگڑا نہ کرو۔ میں تو پہلے ہی تمہارے پاس (عذاب کی) وعید بھیج چکا تھا۔ میرے ہاں بات نہیں بدلا کرتی اور میں اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

قرِینُہٗ: اُس کا ساتھی، اس کا ہم نشین ۔ جمع قُرناء۔

عنید: عناد رکھنے والا، مخالف ۔ عُنُوْدٌ سے صفت مشبہ ۔ جمع عُنُدٌ۔

منّاع: بہت منع کرنے والا ۔ بخیل مَنْعٌ سے مبالغہ۔

تشریح: انسان کے اعمال پر جو فرشتہ مقرر ہے قیامت کے روز وہ اس کے اعمال کی شہادت دے گا اور کہے گا کہ یہ اس کا اعمال نامہ میرے پاس تیار ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سائق اور گواہ دونوں فرشتوں کو حکم دے گا کہ تم دونوں ہر اس شخص کو جہنم میں ڈال دو جو نافرمان، سرکش ہو، جو لوگوں کو بھلائی کے کاموں سے روکنے والا ہو، حد سے بڑھنے والا اور دین کے بارے میں شک و شبہ میں ڈالنے والا ہو اور جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبود بنائے ہوئے ہوں۔ اس وقت اُس کا ساتھی شیطان کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو زبردستی گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ تو خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے تو اس کو صرف دعوت دی تھی اور اس کو تو حق و ہدایت کی دعوت بھی پہنچی تھی ۔ یہ تو خود قصوروار ہے کہ اس نے اپنے اختیار سے ہادیٔ حق کی دعوت ٹھکرا کر گمراہی کی دعوت

کو قبول واختیار کیا اور برضاو رغبت تمام عمر گمراہی کی راہ پر چلتا رہا۔ جب یہ گفتگو ہو رہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے سامنے جھگڑا مت کرو۔ اب اس سے کوئی فائدہ نہیں، میں تو اپنے پیغمبروں اور کتابوں کے ذریعے پہلے ہی تمہارے پاس وعید بھیج چکا ہوں اور یہ بتا چکا ہوں کہ کس جرم کی کیا سزا ہوگی اور کوئی شخص بھی اپنے اعمال کی جزا یا سزا سے نہ بچ سکے گا۔

اس کے بعد یہ لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے یہ چاہیں گے کہ دوبارہ دنیا قائم کر کے ان کو دنیا میں واپس بھیج دیا جائے۔ حالانکہ یہ بات بھی ان کو دنیا ہی میں بتادی گئی تھی کہ ایک دفعہ مرنے کے بعد دوبارہ کبھی دنیا میں واپس آنا نہ ہوگا۔ بلکہ دارالآخرت ہمیشہ ہمیشہ کا گھر ہے۔ اگر دنیا میں اللہ اور اس کے رسول کی اتباع کرو گے تو آخرت میں جنت ملے گی اور اگر ان کی نافرمانی کرو گے تو جہنم میں جانا ہوگا۔ ان کی دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے ہاں بات نہیں بدلتی اب دنیا میں واپس جانے کی کوئی صورت نہیں۔ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بے شک اللہ اس کو معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ (النساء: ۴۸)

اس لئے اب میری طرف سے مغفرت کی امید نہ رکھو۔ میرا قانون اٹل ہے۔ میں بندوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا اور نہ میں کسی کو دوسرے کے گناہ پر سزا دیتا ہوں اور نہ کسی کو بغیر گناہ کے عذاب میں پکڑتا ہوں بلکہ جب اس کا گناہ اس کے اقرار و حجت سے اس پر ثابت ہو جاتا ہے۔ تو بقدر گناہ عذاب دیتا ہوں۔ (مواہب الرحمن ۲۳۹ /۲۴۰/ ۲۶)

جہنم کی وسعت

۳۰۔۳۵: يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝ وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝ اِۨدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝

جس دن ہم دوزخ سے کہیں گے کہ کیا تو بھر چکی اور وہ کہے گی کچھ اور بھی ہے
اور جنت پرہیزگاروں کے قریب کر دی جائے گی ذرا بھی دور نہ رہے گی ۔ یہ
ہے وہ جنت جس کا تم سے (دنیا میں) وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہر رجوع کرنے
والے (اور) یاد رکھنے والے کے لئے جو بن دیکھے اللہ سے ڈرتا رہا اور (اللہ کی
طرف) رجوع ہونے والا دل لے کر آیا (اس سے کہا جائے گا) تم اس جنت
میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے ۔ ان کو جنت
میں وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے اور ہمارے پاس اور بھی زیادہ ہے۔

امتلئت: تُو بھر گئی، تو پُر ہوگئی۔ امتلاءٌ سے ماضی ۔

اُزْلِفتِ: وہ قریب کی جائے گی، وہ نزدیک کی جائے گی ۔اِزْلاف سے ماضی مجہول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے جہنم سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ اس کو جنوں اور انسانوں سے بھر دے گا اس لئے قیامت کے دن جنوں اور انسانوں میں سے جو لوگ جہنم کے قابل ہوں گے ان کو اس میں ڈال دیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ کیا تو پر ہوگئی جہنم کہے گی کہ کیا کچھ مجرم اور گنہگار باقی ہیں۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گنہگار جہنم میں ڈالے جائیں گے ۔اور وہ زیادتی طلب کرتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا قدم اس میں رکھے گا تو وہ کہے گی بس بس۔

اُس وقت جب کہ کافروں کے سامنے قہر خداوندی کا یہ ہیبت ناک منظر ہوگا تو جنت پرہیزگاروں کے بالکل قریب کر دی جائے گی اور فرشتوں کے ذریعے ان کو بشارت دی جائے گی کہ یہ ہے وہ عظیم نعمت جس کا دنیا میں رسولوں کے ذریعے تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ جنت کی یہ بشارت ہر اس متقی کے لئے ہوگی جو ہر کام میں اپنے رب کی طرف بہت رجوع کرنے والا اور گناہ کے کام سے توبہ کرنے والا ہوگا۔اور اپنی شرم گاہ کو بدکاری، مال کو اسراف اور لہو ولعب میں صرف کرنے سے اور اوقات کو بے کار ضائع کرنے سے حفاظت کرنے والا ہوگا۔ جس نے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ جہاں اُس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں دیکھتا وہاں اپنے رب سے خشیت اور پرہیزگاری اختیار کی اور خلوص دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہوا تو ایسے لوگوں کے لئے جنت نزدیک کر دی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ تم اس میں امن وسلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ یہی دن ہمیشہ رہنے کا ہے ۔ اس دن پرہیزگار دگ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کئے جائیں گے۔ پھر یہاں سے کبھی نہ نکالے جائیں گے اور نہ یہاں کبھی موت آئے گی۔ جنت میں ان کو وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے بلکہ

ہمارے پاس تو ان کے لئے اس کے علاوہ مزید نعمتیں ہیں جن کا نہ کسی کے دل میں خیال آیا نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان نے اُن کے بارے میں کچھ سنا، سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ ان سے راضی ہوگا اور ان کو اپنے دیدار سے نوازے گا۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۴۱۔ ۲۴۸/ ۲۶)

مشرکین مکہ کو تنبیہ

۳۶۔۴۰: وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا
فِى الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۞ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ
كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ۞ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا
مِنْ لُّغُوْبٍ ۞ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ
طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۞ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ
السُّجُوْدِ ۞

ان سے پہلے بھی ہم بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو طاقت میں ان سے بہت زیادہ تھیں (لیکن جب عذاب آیا) تو وہ پناہ کے لئے شہروں کو چھانتے پھرتے تھے (مگر کہیں پناہ نہ ملی) بیشک اس میں ہر صاحب دل کے لئے بڑی نصیحت ہے جو متوجہ ہو کر کان لگائے اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو چھ دن میں پیدا کیا اور ہمیں تکان نے چھوا تک نہیں بس جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں آپ اس پر صبر کرتے رہئے اور سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے اور رات میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور نماز کے بعد بھی۔

نَقَّبُوْا　وہ گھومے پھرے، اُنہوں نے سوراخ کر دیئے۔ تَنْقِیْبٌ سے ماضی۔

محیص　پناہ گاہ، بھاگنے کی جگہ۔ حَیْصٌ سے اسم ظرف مکان۔

لغوب　تھکنا، ماندگی، خستگی۔

تشریح: یہ مشرکین مکہ تو کیا چیز ہیں ہم ان سے پہلے بہت سی امتوں کو اسی جرم میں تہ و بالا کر چکے ہیں، جیسے قوم عاد و ثمود اور قوم فرعون وغیرہ۔ وہ لوگ قد و کاٹھ۔ قوت و طاقت مال و اسباب اور تعداد

کے اعتبار سے ان سے کہیں زیادہ تھے۔ انہوں نے زمین میں خوب فساد کیا تھا، لمبے لمبے سفر کرتے تھے، ہمارے عذاب کو دیکھ کر پناہ کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے مگر ان کی تمام کوششیں بے سود رہیں اوران کو کہیں پناہ نہ ملی۔ اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر اوراُس کی پکڑ سے کون بچ سکتا ہے۔ سوائے مشرکین مکہ تم بھی یادرکھو کہ جب میرا عذاب آئے گا تو تم کہیں جائے فرار اور جائے پناہ نہ پاؤ گے اور تمہیں نیست ونابود کر دیا جائے گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نقبوا کی ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہو یعنی اہل مکہ ملکوں ملکوں گھومے پھرے، گزشتہ امتوں کی بستیوں کی سیر کی، آثار قدیمہ دیکھے تو کیا انہوں نے اقوام پارینہ کے بچاؤ کا کوئی مقام بھی پایا کہ ان کو بھی اپنے بچاؤ کی توقع ہو سکے۔ بیشک اس میں ہر شخص کے لئے عبرت ونصیحت کا کافی سامان ہے۔ جس کا دل پاک صاف یا کم از کم وہ اللہ کی باتوں کو توجہ اور انہماک سے سنتا ہو اور ان میں غوروفکر کرتا ہو۔

پھر فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین اوران کے درمیان کی چیزوں کو چھ روز میں پیدا کردیا اور اسے ذرا بھی تکان نہیں ہوئی۔ سو آپ یہودیوں کے اس قول پر صبر کیجئے کہ اللہ تھک گیا۔ پھراس نے آرام کیا۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ مشرکین جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور آپ کی باتوں کا تمسخر اڑاتے ہیں تو آپ اس پر صبر کیجئے کیونکہ جو خدا ابتدائی تخلیق پر قادر ہے وہ ان کو دوبارہ زندہ کرنے اوران سے انتقام لینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ آپ تو بس طلوع وغروب آفتاب سے پہلے اور رات کے کچھ حصے میں اور فرض نمازوں کے بعد اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہیے یعنی ہمہ وقت اللہ کی یاد میں لگے رہیے۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح وشام سو بار سبحان اللہ پڑھتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی اس سے بہتر عمل لے کر نہیں آئے گا ہاں اُس شخص کا عمل اس سے بہتر ہوگا جو دوسرے نیک اعمال کے ساتھ یہ عمل بھی کرتا ہے۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہؓ کی ایک مرفوع حدیث بیان کی کہ جو شخص ایک دن میں سو بار سبحان اللہ وبحمدہ پڑھتا ہے اس کے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں۔ خواہ سمندر کے برابر ہوں۔ (ابن کثیر: ۲۲۹، ۲۳۰/ ۴، مظہری: ۴۷۔ ۷۷/ ۹)

قیامت کے روز زمین کا پھٹنا

۴۱۔۴۵: وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ۙ يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ۝ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَ

نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۙ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝

اور سن لو کہ جس دن ایک پکارنے والا قریب ہی کی جگہ سے پکارے گا۔ جس دن لوگ چیخ کو یقیناً سن لیں گے وہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔ بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ جس دن زمین ان (مُردوں) پر سے پھٹ جائے گی اور یہ دوڑتے ہوئے (نکل پڑیں گے) یہ جمع کر لینا ہم پر بہت آسان ہے۔ جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں۔ سو آپ تو اس شخص کو نصیحت کرتے رہیے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔

تشریح: خوب سن لو کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب ایک پکارنے والا قریب کی جگہ سے پکارے گا اُس دن لوگ ایک چیخ کو ٹھیک ٹھیک سنیں گے۔ یہی وہ دن ہوگا جس میں مردے دوبارہ زندہ ہو کر اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔ یہی زمین اُن کی قبر ہے خواہ مرنے کے بعد کے اُن کے اجسام اس میں دفن کئے گئے ہوں یا جل کر راکھ ہو گئے ہوں یا سمندر میں غرق ہوئے ہوں یا درندوں کی غذا بن کر زمین میں مل گئے ہوں بہرصورت سب اسی زمین سے نکالے جائیں گے۔

بلاشبہ ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور پھر سب کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہوگا۔ مردوں کو زندہ کر کے اس روز اٹھایا جائے گا، ان کو حساب وکتاب کے لئے پکارا جائے گا۔ اس روز زمین پھٹ جائے گی اور لوگ نکل کر تیزی سے دوڑتے ہوئے میدان حشر میں جمع ہو رہے ہوں گے۔ لوگوں کو اس طرح جمع کرنا ہمارے لئے بہت ہی آسان ہے۔ کفار مکہ جو کچھ کہتے ہیں اور آپ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں ہم اس سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کا کام زبردستی کرنا نہیں۔ آپ نہ تو کسی کو زبردستی ہدایت پر لا سکتے اور نہ کسی کو بے ہودہ باتوں سے روک سکتے ہیں۔ آپ تو ہر اُس شخص کو قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہیے جو میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا ہو۔

(مواہب الرحمٰن: ۲۶۰۔۲۶۳/۲۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الذٰریٰت

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ ذاریٰت سے ہوئی ہے اور یہی اس کے نام کے طور پر مشہور ہو گیا۔

تعارف: اس میں تین رکوع، ساٹھ آیتیں، ۳۶۰ کلمات اور ۱۲۸۹ حروف ہیں۔ حضرت ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم کی روایتوں کے مطابق یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔ گزشتہ سورت کی طرح اس سورت کے مضامین بھی زیادہ تر اثبات حشر ونشر پر مشتمل ہیں اس میں نہایت عظمت واہمیت کے ساتھ قیامت کی خبر دی گئی ہے اور لوگوں کو آخرت کی فکر اور اس کی تیاری کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

(روح المعانی ۲/۲۷، مواہب الرحمٰن ۲۶۳/۲۶)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: منکرین حشر کا انجام اور پرہیزگاروں کی صفات کا بیان ہے۔

رکوع ۲: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمان اور قوم لوط کی ہلاکت بیان کی گئی ہے، آخر میں قوم فرعون اور عاد وثمود کا اجمالی تذکرہ ہے۔

رکوع ۳: ہر نوع میں جوڑے پیدا کرنا اور جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔

منکرین حشر کا انجام

۱۔۱۴: وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۝ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۝ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ۝ فَالْمُقَسِّمٰتِ

أَمْرًا ۝ إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۝
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝ إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝ يُؤْفَكُ
عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝ قُتِلَ الْخَرّٰصُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي
غَمْرَةٍ سَاهُونَ ۝ يَسْـَٔلُونَ أَيَّانَ يَوْمُ الدِّينِ ۝ يَوْمَ هُمْ
عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۝ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِي كُنتُم
بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝

قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑا کر بکھیرتی ہیں پھر ان بادلوں کی جو بارش کا بوجھ اٹھاتے ہیں پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو حکم کے مطابق تقسیم کرتے ہیں۔ بیشک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ بیشک انصاف ہونے ہی والا ہے۔ اور قسم ہے راستوں والے آسمان کی یقیناً تم (قیامت کے بارے میں) اختلاف میں پڑے ہوئے ہو اس سے وہی پھرتا ہے جس کو پھرنا ہوتا ہے۔ بے سند باتیں کرنے والے غارت ہو گئے جو غفلت میں بھولے ہوئے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہوگا جس دن وہ آگ پر الٹے سیدھے پڑیں گے۔ اپنی شرارت کا مزہ چکھو یہ وہی ہے جس کی تم جلدی کیا کرتے تھے۔

ذریت: بکھیرنے والیاں، اڑانے والیاں۔ مراد ہوائیں۔ ذرو سے اسم فاعل۔
وقرا: بوجھ۔ پانی سے بھرا ہوا بادل مراد ہے۔ اسم ہے جمع اوقار۔
حبک: راستے، راہیں۔ واحد حباک و حبیکۃ۔
یوفک: اس کو لوٹایا جاتا ہے، اس کو پھیرا جاتا ہے۔ افک سے مضارع مجہول۔
خرصون: اٹکل دوڑانے والے، جھوٹ بکنے والے۔ خرص سے مبالغہ۔
غمرۃ: کثیر پانی، جہالت، غفلت۔ مراد حیرت۔ جمع غمرات۔

تشریح: قسم ہے اُن ہواؤں کی، جو گرد کو اُڑا کر بکھیرتی ہیں پھر اُن بادلوں کی قسم جو بارش کا بوجھ اٹھاتے ہیں یا ان عورتوں کی قسم جو حمل کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ پھر ان کشتیوں کی جو نرمی سے چلتی ہیں یا ان ستاروں کی جو اپنی اپنی منزلوں میں آہستہ آہستہ چلتے ہیں۔ پھر ان فرشتوں کی قسم جو اللہ کے حکم سے

مطابق تقسیم کرتے ہیں۔ ان چار قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لوگوں سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا جو وعدہ کیا جا رہا ہے وہ یقیناً حق اور سچ ہے اور حساب و کتاب، جزا اور سزا ضرور واقع ہونے والی ہے۔ اس روز نہ کسی کی کوئی نیکی ضائع ہوگی اور نہ کوئی اپنی بداعمالی کی سزا سے بچ سکے گا۔ پھر آسمان کی قسم جس میں فرشتوں کے چلنے کے راستے ہیں۔ اے مشرکین و منکرین بیشک تم لوگ قیامت کے بارے میں پراگندہ خیالوں میں بھٹکے پھرتے ہو۔ تم لوگ نہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچے ہو اور نہ کسی ایک رائے پر متفق ہو۔ تم لوگ رسول کی حق بات کو نہیں مانتے اور قرآن کا انکار کرتے ہو یہ ہی تمہاری بے عقلی اور گمراہی کی دلیل ہے۔ پس جس کو اللہ نے قرآن اور رسول پر ایمان لانے سے محروم کر دیا وہی محروم رہتا ہے۔ جھوٹی اور بے سند باتیں بنانے والے، رسولوں اور آسمانی کتابوں کا انکار کرنے والے غارت ہوگئے۔ غفلت اور جہالت نے ان کو احکام خداوندی سے غافل کر رکھا ہے۔ وہ تمسخر اور مذاق کے طور پر پوچھتے ہیں کہ جزا اور بدلے کا دن کب آئے گا، ایسے احمقانہ سوال کرنے والوں کو بتا دو کہ جب وہ دن آنے گا تو ان کو آگ پر جلایا جائے گا۔ اور ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب اپنی شرارت اور خباثت کا مزہ چکھو۔ یہی ہے وہ عذاب یا جزا کا دن جس کی تم جلدی کر رہے تھے۔ (مظہری: ۹۷۔۸۱/ ۹، مواہب الرحمٰن ۲۶۴، ۲۶۸/ ۲۶)

پرہیزگاروں کی صفات

۱۵۔۲۳: اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۙ اٰخِذِیْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ ؕ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ ۝ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ ۝ وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَ فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَ فِی السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوْعَدُوْنَ ۝ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَاۤ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۝

بے شک متقی لوگ باغوں میں چشموں میں ہوں گے۔ ان کے رب نے جو کچھ انہیں عطا فرمایا ہے وہ اسے لے رہے ہوں گے۔ بیشک وہ تو اس سے

پہلے دنیا میں بھی نیکی کرنے والے تھے وہ رات کو کم سوتے تھے، اخیر شب
میں استغفار کرتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں
کا حق تھا۔ اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (بھی بہت سی نشانیاں
ہیں اور خود تمہاری ذات میں بھی کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔ تمہارا رزق اور جو
تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان میں ہے۔ سو قسم ہے آسمان اور زمین
کے رب کی کہ یہ بالکل اسی طرح حق ہے جیسے تم بات کرتے ہو۔

یھجعون: وہ سوتے ہیں۔ ھجوع سے مضارع۔

تنطقون: تم بولتے ہو۔ نطق سے مضارع۔

تشریح: بلاشبہ قیامت کے روز پرہیزگار لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام سے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ ان لوگوں کو جنت میں جو محل ملیں گے، یہ نہریں اور چشمے ان کے نیچے بہہ رہے ہوں گے۔ اس کے برخلاف نافرمان اور منکرین عذاب وسزا اور طوق وزنجیر کی سختیوں میں ہوں گے۔ پرہیزگار لوگ چونکہ دنیا میں نیک کام کرتے تھے اور اللہ کے احکام پر عمل کرتے تھے اس لئے جنت میں وہ بڑی فرحت وخوشی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتیں حاصل کریں گے۔ یہ نیک لوگ دنیا میں اللہ کی محبت اور ذوق عبادت سے ایسے سرشار تھے کہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ بعض مفسرین کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی رات ایسی نہ گزرتی تھی جس کا کچھ حصہ اللہ کی یاد میں نہ گزارتے ہوں خواہ رات کے ابتدائی حصے میں کچھ عبادت کریں یا درمیان میں یا آخر میں۔ پھر آخری رات میں بارگاہ الٰہی میں گڑ گڑا کر توبہ واستغفار کرتے تھے۔ یہ لوگ مسکینوں اور ضرورت مندوں میں سے سوال کرنے والوں اور ان لوگوں کو جو محتاج وتنگ دست ہونے کے باوجود سوال سے بچتے ہیں اپنے مال کا ایک حصہ ان کا حق سمجھ کر ادا کرتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ پر ایمان اور آخرت پر یقین رکھنے والوں کے لئے زمین میں بھی اس کی قدرت کی بہت سی نشانیاں ہیں جو خالق کی عظمت وعزت اور ہیبت وجلالت پر دلالت کرتی ہیں اور خود تمہارے اندر بھی اللہ کی قدرت کی بے شمار نشانیاں ہیں۔ کیا تمہیں یہ نشانیاں نظر نہیں آتیں؟ پھر تم ان میں غور وفکر کیوں نہیں کرتے تمہارا رزق آسمان میں ہے جو کچھ تمہارے لئے لکھ دیا گیا ہے وہ تمہیں ضرور اور ہر حال میں ملے گا اور تمہیں وہ نعمت ملے گی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ سو قسم ہے آسمان

وزمین کے رب کی کہ یہ بات حق اور قطعی ہے کہ قیامت قائم ہوگی ۔ مردوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا ۔ حساب وکتاب اور جزا اور سزا ہوگی ۔ جس طرح تم کوئی بات کہتے ہو اور تمہیں اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوتا اسی طرح اللہ کا وعدہ بھی یقینی اور حق ہے اس میں بھی کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ۔

(ابن کثیر ۲۲۳۔۲۲۵/۴)

حضرت ابراہیمؑ کے مہمان

۲۴۔۳۰: هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ۞ اِذْ دَخَلُوْا
عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۚ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۞ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ
فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ ۞ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۞ فَاَوْجَسَ
مِنْهُمْ خِيْفَةً ۚ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۞ فَاَقْبَلَتِ
امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ۞
قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۞

کیا آپ کو ابراہیم کے معزز مہمانوں فرشتوں کی خبر پہنچی ۔ جب وہ ان کے پاس آئے تو ان کو سلام کیا ۔ ابراہیم نے بھی (جواب میں) سلام کیا ۔ دل میں خیال فرمایا کہ یہ تو اجنبی لوگ ہیں پھر وہ اپنے گھر والوں کے طرف گئے اور ایک فربہ بچھڑا (بھنا ہوا) لا کر ان کے پاس رکھا اور کہا کہ تم کھاتے کیوں نہیں ۔ پھر وہ اپنے دل میں ان سے خوفزدہ ہو گئے انہوں نے (فرشتوں نے) کہا آپ خوف نہ کریں اور ابراہیم کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی ۔ پھر ان کی بیوی نے حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا (ایک تو میں) بڑھیا ہوں (اور ساتھ میں بانجھ) انہوں نے کہا تیرے رب نے اسی طرح فرمایا ہے ۔ بیشک وہ بڑا حکمت والا، بڑا جاننے والا ہے ۔

عِجْلٍ　بچھڑا، گائے کا بچہ ۔ جمع عجول وعجلان ۔

سَمِيْنٍ　فربہ، موٹا تازہ ۔ سمن سے صفت مشبہ ۔

اَوْجَسَ　اس نے دل میں محسوس کیا، وہ دل میں گھبرایا ۔ ایجاس سے ماضی ۔

صَرَّۃٍ: چیخ، فریاد، شور، حیرت۔

صَکَّتْ: اُس نے ہاتھ مارا، اُس نے پیٹ لیا۔ صکٌّ سے ماضی۔

عَجُوْزٌ: بوڑھی عورت۔ جمع عجائزُ۔

عَقِیْمٌ: بے اولاد، بانجھ، بے اثر، منحوس۔

تشریح: یہ واقعہ سورۃ ہود اور سورہ حجر میں بھی گزر چکا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جن معزز مہمانوں کا یہاں ذکر ہے وہ فرشتے تھے، جو انسانی شکل میں آئے تھے۔ جب یہ مہمان ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور سلام کیا، حضرت ابراہیم نے بھی جواب میں سلام کیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ لوگ تو اجنبی ہیں جن کو میں نہیں پہچانتا۔ فرشتوں نے جو سلام کیا تھا حضرت ابراہیم کا جواب اس سے بہتر اور احسن تھا کیونکہ حضرت ابراہیم نے جملہ فعلیہ کی بجائے جملہ اسمیہ بولا تھا کہ سلامتی کی دعا دوامی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی یہی ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا

جب تمہیں سلام کیا جائے تو جواب میں اُس سے بہتر سلام کرو یا ویسا ہی جواب لوٹا دو۔ (النساء: ٨٦)

پھر حضرت ابراہیم گھر میں گئے اور جلد ہی ایک تلا ہوا فربہ بچھڑا لا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔ چونکہ وہ فرشتے تھے اور فرشتے کھاتے پیتے نہیں، اس لئے انہوں نے کچھ نہیں کھایا۔ حضرت ابراہیم نے فرشتوں سے فرمایا کہ تم کھاتے کیوں نہیں۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ مہمان کھانے کی طرف مائل نہیں ہیں اور کھانے سے اعراض کر رہے ہیں تو انہوں نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا کہ کہیں یہ لوگ دشمن تو نہیں۔ اُس زمانے میں جب کوئی دشمن کسی کے ہاں آتا تو اس کے ہاں کھانا نہیں کھاتا تھا کیونکہ کھانا کھا کر دشمنی کرنا انسانی وقار کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کیفیت کا اندازہ کر کے معزز مہمانوں نے کہا کہ آپ خوفزدہ نہ ہوں ہم آپ کے دشمن نہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور قوم لوط کی ہلاکت کے لئے آئے ہیں۔ پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک لڑکے کی (حضرت اسحاقؑ) کی بشارت دی جو بڑا عالم ہوگا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی پاس ہی کھڑی ہوئی یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ سو انہوں نے حیرت سے اپنے منہ پر ہاتھ مار کر کہا کہ اب میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا میں تو بالکل بوڑھی اور بانجھ ہوں اور میرے شوہر بھی بالکل بوڑھے ہیں۔

حضرت سارہ کی عمر اس وقت نوے سال تھی اور ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا تھا۔ فرشتوں نے کہا کہ کیا تم اللہ کے کاموں سے تعجب کرتی ہو۔ اللہ تعالیٰ بڑی بزرگی اور اعلیٰ شان والا ہے۔ ہم اُسی کے حکم سے بشارت دے رہے ہیں، سو یہ اسی طرح ہوگا۔ آپ کے رب نے اسی طرح فرمایا ہے وہ بڑی حکمتوں والا اور بڑے علم والا ہے۔ (مظہری: ۸۶، ۹/۸۷)

قومِ لوط کی ہلاکت

۳۱۔۳۷۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ۝ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝

ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اے فرشتو! پھر تمہارا کیا مقصد ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایک گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں تاکہ ہم اُن پر مٹی کے پتھر برسائیں جو آپ کے رب کی طرف سے ان حد سے گزرنے والوں کے لئے نامزد ہو چکے ہیں۔ پس جتنے ایماندار وہاں تھے۔ ہم نے ان سب کو نکال لیا اور ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا اور ہم نے ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں وہاں ایک نشان (عبرت) چھوڑا۔

خَطْبُكُمْ: تمہارا معاملہ، تمہارا مقصد، تمہارا حال، تمہاری حقیقت۔ جمع خُطُوْبٌ۔

حِجَارَةً: پتھر، کنکریاں۔ واحد حَجَرٌ۔

مُسَوَّمَةً: نامزد، نشان کی ہوئی۔ تَسْوِيْمٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ تمہارا یہاں آنے کا کیا مقصد ہے۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ ہمیں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے گناہ گاروں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ ہم ان پر پتھراؤ اور سنگ باری کریں گے۔ جو پتھر اُن پر برسائے جائیں گے۔ اُن پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پہلے ہی ان حد سے تجاوز کرنے والوں کے نام لکھے جا چکے ہیں اور ہر گناہ گار کے

لئے الگ الگ پتھر مقرر کر دیئے گئے ہیں۔

یہ لوگ ایسے بے حیائی کے کام کرتے تھے جو ان سے پہلے کسی نے نہیں کئے تھے۔ یہ عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے تھے۔ رہزن تھے، لٹیرے تھے، اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت لوطؑ کو بھیجا تھا مگر انہوں نے حضرت لوطؑ کی تکذیب کی اور کہا کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آ۔ آخر حضرت لوط علیہ السلام نے اللہ سے دعا کی جو اللہ نے قبول فرمائی اور فرشتوں کو ان کی ہلاکت کے لئے بھیج دیا۔ فرشتوں نے حضرت لوطؑ سے کہا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ سکیں گے، اس لئے آپ رات کے آخری حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے نکل جایئے اور کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔ البتہ آپ کی بیوی پیچھے مڑ کر دیکھے گی۔ اس لئے جو پتھر اوروں کو لگیں گے ویسا ہی پتھر اس کو بھی لگے گا۔ پھر جب ان بستیوں پر عذاب کا وقت آیا تو جتنے ایماندار وہاں تھے ان سب کو صحیح سلامت نکال لیا گیا سوائے حضرت لوطؑ کی بیوی کے۔ جو مجرموں میں سے تھی اور انہی کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ پھر فرشتوں نے بستی کی تلاشی لی تو انہوں نے وہاں مسلمانوں کا ایک گھر کے سوا کوئی گھر نہ پایا۔ یہ گھر حضرت لوطؑ اور ان کی مومنہ اولاد کا تھا۔ انہوں نے اس گھرانے کو بچالیا باقی سب کو ہلاک کر دیا، ان کی شاد و آباد بستی کو عذاب سے برباد کر کے اسے کھنڈر بنا دینے میں لوگوں کے لئے عبرت کا پورا سامان ہے۔ جو لوگ اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوں وہ ان نشانات کو دیکھ کر عبرت و نصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ (مظہری ۸۷، ۸۸/۹، مواہب الرحمٰن ۱-۳، ۲۷)

قومِ فرعون اور عاد و ثمود کا حال

۳۸-۴۶۔ وَفِي مُوسَىٰٓ إِذْ أَرْسَلْنَٰهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَٰنٍ مُّبِينٍ ۝ فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِۦ
وَقَالَ سَٰحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ۝ فَأَخَذْنَٰهُ وَجُنُودَهُۥ فَنَبَذْنَٰهُمْ فِي ٱلْيَمِّ وَ
هُوَ مُلِيمٌ ۝ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ ٱلرِّيحَ ٱلْعَقِيمَ ۝ مَا تَذَرُ
مِن شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَٱلرَّمِيمِ ۝ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ
لَهُمْ تَمَتَّعُوا۟ حَتَّىٰ حِينٍ ۝ فَعَتَوْا۟ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ
ٱلصَّٰعِقَةُ وَهُمْ يَنظُرُونَ ۝ فَمَا ٱسْتَطَٰعُوا۟ مِن قِيَامٍ وَمَا كَانُوا۟
مُنتَصِرِينَ ۝ وَقَوْمَ نُوحٍ مِّن قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ ۝

اور موسیٰ (کے واقعے) میں بھی عبرت ہے جب ہم نے ان کو ایک واضح دلیل دے کر فرعون کی طرف بھیجا، سو اُس نے مع اپنے اراکین سلطنت منہ موڑا اور کہنے لگا کہ یہ موسیٰ جادوگر یا دیوانہ ہے۔ پھر ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور وہ تھا ہی ملامت کے قابل، اسی طرح عاد (کے قصے) میں بھی عبرت ہے جب ہم نے ان پر خیر و برکت سے خالی آندھی بھیجی۔ وہ جس چیز پر گزرتی تھی اس کو بوسیدہ ہڈی کی مانند ریزہ ریزہ کر دیتی تھی۔ اور ثمود (کے واقعے) میں بھی عبرت ہے جب ان سے کہا گیا کہ کچھ دنوں تک دنیا میں فائدہ اُٹھالو۔ سو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی تو اُن کو ایک کڑک نے آ پکڑا اور وہ دیکھتے رہ گئے پھر نہ وہ کھڑے ہو سکے اور نہ ہم سے بدلہ لے سکے۔ اس سے پہلے قوم نوح کو بھی (ہم ہلاک کر چکے ہیں) بیشک وہ بھی بڑے نافرمان تھے۔

نَبَذْنٰهُمْ: ہم نے اُن کو پھینک دیا۔ نبذ سے ماضی۔

یَمّ: دریا، سمندر گہرا پانی۔ جمع یُمُوْمٌ۔

عَقِیْم: بے اولاد، بے اثر منحوس۔

تَذَرُ: تو چھوڑتا ہے۔ وَذْرٌ سے مضارع۔

رَمِیْم: بوسیدہ، ریزہ ریزہ، گلی ہوئی۔ رِمّۃٌ سے صفت مشبہ۔

عَتَوْا: اُنہوں نے سرکشی کی، انہوں نے نافرمانی کی۔ عُتُوٌّ سے ماضی۔

تشریح: جس طرح قوم لوط کے انجام سے لوگ عبرت حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں بھی عبرت کا سامان اور ہمارے قہر کی نشانیاں موجود ہیں۔ جب ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روشن دلائل کے ساتھ فرعون کے پاس بھیجا تو اپنی طاقت کے گھمنڈ پر اس نے اپنے ارکان سلطنت سمیت ہمارے احکام سے روگردانی کی اور حضرت موسیٰ کے بارے میں کہنے لگا کہ یہ تو جادوگر یا دیوانہ ہے۔ سو ہم نے اُس کو اور اُس کے لشکر کو پکڑ کر دریا میں پھینک دیا اور اُس نے کام ہی ملامت کا کیا تھا اس لئے اس کو ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ غرق کیا گیا کہ تاریخ ہمیشہ اس پر ملامت کرتی رہے گی۔ اسی طرح تم قوم عاد کے عبرت ناک واقعات بھی سن چکے ہو۔ ہم نے ان پر ایک بہت

منحوس آندھی بھیجی تھی۔ وہ جس چیز سے گزرتی اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتی۔ قوم ثمود کے حالات اور اُن کے انجام پر بھی غور کرو جبکہ اُن سے کہہ دیا گیا تھا کہ تم ایک مقررہ مدت تک مزے اُڑا لو اور یہ مقررہ وقت تین دن ہے۔ اگر تم اپنے کفر و سرکشی سے باز نہ آئے تو مقررہ مدت گزرنے پر تباہ کر دیئے جاؤ گے مگر وہ پھر بھی اپنی سرکشی پر قائم رہے اور تین دن تک عذاب کے انتظار میں رہے۔ آخر چوتھے دن صبح ہی صبح اللہ کا عذاب دفعتاً اُن پر آ پڑا اور بجلی جیسی کڑک نے اُن کو آ دبوچا۔ انہیں اتنی مہلت بھی نہ ملی کہ کھڑے ہو کر کہیں بھاگ جانے کی کوشش کرتے بلکہ وہیں اوندھے منہ پڑے رہے۔ اُن سے پہلے قوم نوح بھی ہمارے عذاب کا مزہ چکھ چکی ہے ایک مدت تک حضرت نوحؑ اُن کو وعظ و نصیحت کرتے رہے مگر وہ اپنی بداعمالیوں اور نافرمانیوں سے باز نہ آئے۔ آخر طوفان میں غرق کر دیئے گئے اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ ان واقعات کی تفصیل اس سے پہلے کئی سورتوں میں گزر چکی ہے۔

ہر نوع میں جوڑے بنانا

۴۷۔۵۵۔ وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۞ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ۞ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۞ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۞ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۞ وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

ہم نے آسمان کو اپنے دست قدرت سے بنایا اور ہم ہی وسیع قدرت والے ہیں اور ہم ہی نے زمین کو فرش بنایا اور سو ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کئے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ سو تم اللہ ہی کی طرف دوڑو یقیناً میں تمہیں اس (اللہ) کی طرف سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جب بھی کوئی رسول آیا تو انہوں نے اس کو جادوگر اور دیوانہ ہی کہا۔ کیا وہ ایک دوسرے کو اس کی

وصیت کرتے آئے ہیں بلکہ یہ سب سرکش ہیں۔ سو آپ ان سے منہ پھیر
لیجئے۔ آپ پر ان کے ایمان نہ لانے کا کچھ الزام نہیں۔ آپ تو نصیحت
کرتے رہیے۔ یقیناً یہ نصیحت ایمان والوں کو نفع دے گی۔

مهِدُوْن: بچھانے والے، تیار کرنے والے۔ مھْدٌ سے اسم فاعل۔

ملُوْم: ملامت کیا ہوا۔ لَوْمٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: ہم وسیع قدرت والے ہیں اس لئے ہم نے اپنی قدرت سے آسمان کو محفوظ اور بلند چھت بنادیا اور اس کو کشادہ اور بغیر ستون کے قائم کر رکھا ہے۔ اسی طرح ہم نے زمین کو نہایت عمدہ بچھونا بنادیا ہے تاکہ لوگ اس پر سکون واطمینان سے رہ سکیں اور نقل وحرکت کرسکیں۔ ہم نے تمام مخلوق کو جوڑے جوڑے پیدا کیا ہے۔ جیسے دن ورات، تلخ وشیریں، سورج وچاند، خشکی وتری، اندھیرا واجالا۔ بلند وپست، خوبصورت وبدصورت، ایمان وکفر، زندگی وموت، نیکی وبدی، جنت ودوزخ یہاں تک کے حیوانات، نباتات کے بھی جوڑے بنائے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور جان لو کہ ان سب کا خالق اللہ ہی ہے۔ وہ واحد ویکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، سو تم اسی کی طرف دوڑو، اپنے تمام امور میں اسی پر اعتماد کرو۔ ہمہ وقت اسی کے احکام کی تعمیل میں لگے رہو اور اس کے ساتھ کسی کو معبود نہ ٹھہراؤ۔ اے مشرکین مکہ! میں تو تمہیں اللہ کے عذاب سے صاف صاف آگاہ کردینے والا ہوں۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ کفار جو آپ کو ساحر اور مجنون کہتے ہیں وہ کوئی نئی بات نہیں۔ ان سے پہلے گزرے ہوئے کافروں نے بھی اپنے اپنے زمانے کے رسولوں کو ساحر اور مجنون کہا، کافروں کا یہ کہنا سلسلہ بسلسلہ اسی طرح چلا آرہا ہے جیسے یہ آپس میں ایک دوسرے کو وصیت کر کے جاتے ہوں، حقیقت یہ ہے کہ سرکشی اور عناد میں سب یکساں ہیں اس لئے جو بات پہلے والوں کے منہ سے نکلی وہی ان کی زبان سے نکلتی ہے، سو آپ ان کی احمقانہ باتوں پر نہ جایئے بلکہ ان کو صبر وتحمل سے سنتے رہیے اور ان کو نصیحت کرتے رہیے۔ جن لوگوں کے دلوں میں ایمان کی قبولیت کا مادہ ہے وہ ایک نہ ایک دن راہ راست پر آجائیں گے۔ (ابن کثیر ۴/۲۳۸،۲۳۷)

جنوں اور انسانوں کی تخلیق کا مقصد

۵۶۔۶۰: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ مَآ أُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ

رِزْقٍ وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ۝ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ۝ فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ۝ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ۝

ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے نہ میں ان سے رزق چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بیشک اللہ ہی رزق دینے والا، قوت والا اور مضبوط ہے۔ پس جن لوگوں نے ظلم کیا ہے انہیں بھی عذاب میں ان کے ساتھیوں کے حصے کی مانند حصہ ملے گا۔ سو یہ مجھ سے جلدی طلب نہ کریں۔ پس منکرین کے لئے اس دن بڑی خرابی ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جا چکا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی کسی ضرورت کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ میں نے ان کے نفع کے لئے ان کو عبادت کی ادائیگی کی صلاحیت اور استعداد کے ساتھ پیدا کیا ہے تاکہ وہ میرے معبود برحق ہونے کا اقرار کریں اور مجھے پہچانیں۔ صحیحین کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم نے کسی چوپائے کو ناک کان کٹا پیدا ہوتے دیکھا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۔

اللہ کی دی ہوئی فطرت پر (قائم ہو جائیے) جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ (الروم: ۳۰)

غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔ جو شخص یکسوئی کے ساتھ اس کی عبادت بجا لائے گا اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو پوری پوری جزا عنایت فرمائے گا اور جو شخص اس کی نافرمانی کرے گا اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کرے گا تو اس کو بدترین سزا ملے گی۔

پھر فرمایا کہ میں ایسا مالک و آقا نہیں کہ اپنے غلاموں سے کہوں کہ تم میرے لئے کما کر لاؤ

یا میرے سامنے کھانا لا کر رکھو۔ میری ذات ایسے خیالات سے پاک و برتر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی سب کو روزی دینے والا زورآور اور مضبوط ہوں۔ میں کسی کا محتاج نہیں۔ تمام مخلوق ہر وقت اور ہر حال میں میری محتاج ہے۔ عبادت کا حکم بھی اس لئے دیا کہ لوگ میری عظمت اور کبریائی کو پہچان کر میری بندگی کریں اور میرے الطاف و انعامات کے مستحق بنیں۔

اگر یہ ظالم بندگی کی طرف نہیں آتے تو سمجھو کہ دوسرے ظالموں کی طرح ان کا ڈول بھی بھر چکا ہے، بس اب ڈوبنے ہی والا ہے۔ جس طرح دوسرے ظالم میرے عذاب سے نہ بچ سکے اسی طرح ان کے لئے بھی میرا عذاب طے ہو چکا ہے۔ اس لئے یہ لوگ عذاب کی جلدی نہ کریں۔ سو اس دن کافروں کے لئے ہلاکت ہے جس کا ان سے وعدہ ہو چکا ہے یعنی قیامت کے دن۔

(مظہری ۹/۹۲،۹۰۔ عثمانی ۲/۶۰۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ الطور

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ الطور سے ہوئی ہے جس سے مراد طور سینا ہے۔ اس لئے یہ سورت اسی نام سے مشہور ہو گئی۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۴۹ آیات، ۳۱۲ کلمات اور ۱۵۰۰ حروف ہیں۔ قرطبی نے کہا کہ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے یعنی یہ سورت ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔

مؤطا امام مالک میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کی نماز میں سورۃ الطور پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ سے زیادہ خوش آواز اور آپ سے زیادہ اچھی قرأت والا میں نے کسی کو نہیں سنا۔

اس سورت میں توحید و رسالت، بعث بعد الموت، جزا اور سزا اور قیامت کے احوال کی شدت اور ہولناکی کو نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(مواہب الرحمٰن: ۲۴، ۲۷، ابن کثیر ۴/۲۳۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: کفار کا انجام بد اور جنت کی نعمتوں پر اہل جنت کا اظہار اطمینان مذکور ہے۔

رکوع ۲: منکرین کی بے عقلی ضد اور عناد کا بیان ہے۔

کفار کا انجامِ بد

۱۔۱۶: وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ وَّالْبَيْتِ
الْمَعْمُوْرِ ۙ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ اِنَّ عَذَابَ

رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ ۝ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ۝ وَ
تَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝ فَوَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ
فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ۝ يَوْمَ يُدَعُّونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝ هَٰذِهِ
النَّارُ الَّتِي كُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ۝ أَفَسِحْرٌ هَٰذَا أَمْ أَنتُمْ لَا
تُبْصِرُونَ ۝ اصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ
إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝

قسم ہے (کوہ) طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی (جو) کشادہ اوراق میں ہے، اور قسم ہے آباد گھر کی اور اونچی چھت (آسمان) کی اور اُبلتے ہوئے سمندر کی، بیشک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ اس کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اُس دن آسمان لرزنے لگے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے، سو اُس دن جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے جو باطل میں پڑے کھیل رہے ہیں، یہ وہ دن ہوگا جس دن دھکے دے کر اُن کو جہنم کی آگ کی طرف لایا جائے گا۔ یہی وہ دوزخ ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ تو کیا یہ سحر ہے یا تمہیں نظر ہی نہیں آتا۔ اس دوزخ میں داخل ہو جاؤ اب تمہارا صبر کرنا اور نہ کرنا تمہارے لئے برابر ہے تمہیں صرف تمہارے اعمال کا بدلہ مل رہا ہے۔

رَقٍّ: کاغذ، باریک جھلی، ورق۔ جمع رُقُوْق۔

مَنْشُوْرٍ: کھلا ہوا، پھیلا ہوا۔ نَشْرٌ سے اسم مفعول۔

مَعْمُوْرٌ: آباد، وہ گھر مراد ہے جو ساتویں آسمان پر ہے اور ہر وقت فرشتوں سے آباد رہتا ہے، یعنی فرشتوں کا کعبہ۔ عِمَارَۃٌ سے اسم مفعول۔

سَقْفِ: چھت، آسمان۔ جمع سُقُوْف۔

مَسْجُوْرِ: خشک کیا ہوا، بھڑکایا ہوا، لبریز۔ سِجْرٌ و سُجُوْرٌ سے اسم فاعل۔

تَمُوْرُ: وہ لرزتی ہے، وہ تھرتھراتی ہے، وہ پھٹتی ہے۔ مَوْرٌ سے مضارع۔

خَوْضٍ: جھگڑا کرنا، باتیں بنانا۔ مصدر ہے۔

تشریح: ۱۔ **والطور**: عربی زبان میں طور ایسے پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت اُگتے ہوں۔

یہاں طور سے مراد طور سینا ہے جو ارض مدین میں واقع ہے۔ اسی پہاڑ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے شرف ہم کلامی نصیب ہوا تھا۔

۲۔ وکتب مسطور فی رق منشور: کتاب مسطور سے مراد انسان کا اعمال نامہ ہے بعض کے نزدیک اس سے مراد قرآن کریم ہے، لفظ رق باریک کھال کے لئے بولا جاتا ہے، جو کاغذ کی جگہ لکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جس پر قرآن کریم لکھا ہوا ہو۔

۳۔ والبیت المعمور: یہ فرشتوں کے کعبے کا نام ہے جو ساتویں آسمان میں دنیا کے کعبے کے بالمقابل ہے۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں جن کو قیامت تک دوبارہ کبھی یہاں آنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

۴۔ والسقف المرفوع: یہاں اونچی چھت سے مراد آسمان ہے۔

۵۔ والبحر المسجور: بحر سے مراد سمندر ہے۔ مسجور کے کئی معنی ہیں ان میں سے ایک معنی آگ بھڑکانے کے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں یہی معنی لئے ہیں کہ قسم ہے سمندر کی جو آگ بنادیا جائے گا۔ قتادہ وغیرہ نے مسجور کے معنی مملو یعنی پانی سے بھرا ہوا کئے ہیں۔ ابن جریر نے اسی معنی کو اختیار کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے مذکورہ بالا پانچ چیزوں کی قسم کھا کر جو اس کی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں ہیں، فرمایا کہ اس کا عذاب کافروں پر واقع ہو کر رہے گا۔ جب وہ عذاب آئے گا تو کسی کی مجال نہ ہوگی کہ وہ اسے ٹال سکے۔ اس دن آسمان تھرتھرانے لگے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور آخر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑ کر بے نام و نشان ہو جائیں گے۔ اس روز ان لوگوں کی کم بختی اور خرابی ہوگی جو عذاب قیامت حساب و کتاب اور جزا و سزا کو جھٹلاتے تھے اور دنیوی عیش و آرام میں مگن تھے۔ اس دن ان کو دھکے دے کر جہنم کی آگ کی طرف دھکیلا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی جہنم ہے جس کو تم نہیں مانتے تھے۔ اب بتاؤ کیا یہ جادو ہے جیسا کہ تم دنیا کی زندگی میں کہا کرتے تھے۔ یا تمہیں اب بھی نظر نہیں آتا۔ پس اب تم اس میں داخل ہو جاؤ خواہ تم اس کو برداشت کرو یا نہ کرو۔ تمہارے حق میں دونوں برابر ہیں۔ اب تم یہاں سے کسی طرح نہ چھوٹ سکو گے۔ یہ تمہارے ساتھ کوئی ظلم و زیادتی نہیں بلکہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے کیونکہ تم دنیا میں اپنے ہوش و حواس اور اپنے اختیار سے کفر کرتے رہے جو اللہ کی سب سے بڑی نافرمانی ہے، اور تم نے دنیا

میں کبھی اس کفر و معصیت سے باز آنے کا سوچا بھی نہیں تھا۔ جس طرح تم دنیا میں ساری زندگی کفر کرتے رہے اسی طرح اس کی سزا بھی دوامی ہے۔ اب واویلا کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۸/۱۷۹،۱۷۸، ابن کثیر ۲۳۹،۴/۲۴۱)

حضرت جبیر بن معطم فرماتے ہیں کہ مسلمان ہونے سے پہلے ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ اس لئے آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں گفتگو کروں۔ جب میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ مغرب کی نماز میں سورۃ طور پڑھ رہے تھے اور آواز مسجد سے باہر تک پہنچ رہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ **اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ** تو اچانک میری یہ حالت ہوگئی کہ گویا میرا دل خوف سے پھٹ جائے گا۔ میں نے فوراً اسلام قبول کیا۔ مجھے اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹ نہیں سکوں گا کہ مجھ پر عذاب آ جائے گا۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۸/۱۸۰)

پرہیزگاروں کا انعام

۱۷۔۲۰: اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ ۙ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـــًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ مُتَّكِـــِٕيْنَ عَلٰي سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝

بلاشبہ متقی لوگ جنتوں اور نعمتوں میں ہوں گے جو کچھ ان کے رب نے ان کو دیا ہوگا اس پر خوش ہوں گے اور ان کے رب نے ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیا۔ اپنے اعمال کے بدلے میں مزے سے کھاؤ پیو۔ وہ برابر برابر بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگا بیٹھے ہوں گے اور ہم ان کا نکاح بڑی آنکھوں والی حوروں سے کر دیں گے۔

فکهین: خوش ہونے والے، مزے اڑانے والے۔ فکاهۃٌ سے اسم فاعل۔

وقهم: اُس نے ان کو محفوظ رکھا۔ وقایۃٌ سے ماضی۔

هنیئا: خوش مزہ، پاکیزہ، زود ہضم۔ ھَنَاءٌ سے صفت مشبہ۔

سُرُر: تخت۔ واحد سریر۔

تشریح: قیامت کے روز بدبختوں کو جو عذاب اور سزا دی جائے گی، پرہیزگاروں کو اس سے محفوظ کر کے جنتوں میں پہنچا دیا جائے گا۔ جہاں وہ ہر طرح کی عظیم الشان نعمتوں سے لطف اندوز اور مسرور ہوں گے۔ قسم قسم کے کھانے، طرح طرح کے مشروبات، بہترین لباس، عمدہ سواریاں، بلند و بالا مکانات غرض ہر طرح کی نعمتیں انہیں مہیا ہوں گی اور اُن کو کسی قسم کا خوف و اندیشہ نہ ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہمان نوازی کے طور پر ان سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال کے بدلے میں جو تم نے دنیا میں کئے تھے خوش ذائقہ مزیدار اور مرغوب چیزیں خوب کھاؤ پیو، اور عیش و راحت سے رہو۔ ان انعامات اور عزت و اکرام کے ساتھ سکون و اطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ یہ لوگ برابر برابر بچھائے ہوئے تختوں پر بے فکری اور فارغ البالی سے تکیہ لگائے ہوئے بیٹھے ہوں گے بے شمار سلیقہ شعار باادب خدام ہر وقت خدمت کے لئے حاضر اور جس چیز کو دل چاہا آن کی آن میں حاضر۔ پھر فرمایا کہ ہم کشادہ چشم حوروں کو ان کی زوجیت میں دے دیں گے۔ (ابن کثیر: ۴/۲۴۱)

اہل جنت کا اظہار اطمینان

۲۱۔۲۸: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ
مَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ ۝
وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا یَشْتَهُوْنَ ۝ یَتَنَازَعُوْنَ فِیْهَا
كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِیْهَا وَلَا تَاْثِیْمٌ ۝ وَیَطُوْفُ عَلَیْهِمْ غِلْمَانٌ
لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ
یَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ۝ فَمَنَّ اللّٰهُ
عَلَیْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِیْمُ ۝

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی تو ہم (جنت میں) ان کی اولاد کو بھی ان سے ملا دیں گے اور ان کے اعمال جزا میں ذرا بھی کمی نہ کریں گے ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں پھنسا ہوا

ہوگا اور ہم اُن کو میوے اور گوشت اور جو وہ چاہیں گے دیتے رہیں گے۔ وہ (خوش طبعی کے ساتھ) جام شراب جھپٹ لیا کریں گے جس میں نہ بے ہودہ گوئی ہوگی اور نہ گناہ، اور اُن کے اردگرد خدمت گار لڑکے پھر رہے ہوں گے گویا کہ وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں، وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر بات چیت کریں گے کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھروں میں ڈرتے رہتے تھے۔ سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہمیں گرم ہواؤں کے عذاب سے بچالیا۔ ہم اس سے پہلے اس سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ بیشک وہ بڑا محسن اور مہربان ہے۔

اَلَتْنٰهُمْ: ہم نے اُن کو گھٹا دیا، ہم نے اُن کو کم کردیا۔ اَلْاَلَتَةُ سے ماضی۔

رَهِيْنٌ: گروی، پھنسا ہوا، محبوس۔ رَهْنٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

مَكْنُوْنٌ: چھپایا ہوا، پوشیدہ، محفوظ۔ كَنٌّ سے اسم مفعول۔

مُشْفِقِيْنَ: ڈرنے والے۔ اِشْفَاقٌ سے اسم فاعل۔

سَمُوْم: گرم ہوا، لُو، تیز بھاپ۔ جمع سَمَائِمُ۔

تشریح: جن مومنوں کی اولاد ایمان کی حالت میں اپنے والدین کی پیروی کرے گی تو ہم ان کے ماں باپ کی خوشنودی کے لئے اُن کو بھی اُن کے اعمال کے اجر میں اضافہ کرکے انہی کے ساتھ شامل کردیں گے خواہ اُن کے اعمال اپنے بزرگوں جیسے نہ ہوں تاکہ اُن بزرگوں کی آنکھیں اپنی اولاد کو اپنے پاس دیکھ کر ٹھنڈی رہیں اور اولاد بھی اپنے والدین کے پاس ہشاش بشاش رہے، اور ہم اہلِ جنت کے اعمال میں ذرا بھی کمی نہیں کریں گے، یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ ماں باپ کی کچھ نیکیاں کم کرکے اُن کی اولاد کے حساب میں جمع کردیں اور اس طرح دونوں کے درجے برابر ہوجائیں بلکہ اولاد کو اُن کے استحقاق سے زیادہ دے کر اُن کے ماں باپ کے برابر کردیا جائے گا۔

ہم ان اہل جنت کی نعمتوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ کرتے رہیں گے۔ اور ان کو ان کی پسند کے ہر قسم کے پھل اور گوشت دیں گے۔ جس چیز کو اُن کا دل چاہے گا اور جو اُن کو پسند ہوگی وہ فوراً آموجود ہوگی۔ وہ جنت کی نعمتوں اور راحتوں سے اس قدر مسرور ہوں گے کہ خوش طبعی کے طور پر ایک دوسرے سے شراب طہور کے پیالوں کی چھینا جھپٹی کریں گے۔ اس چھینا جھپٹی میں کوئی لغو اور بے ہودہ بات نہ

ہوگی جیسے دنیا کی شراب میں بدمست لوگ بے ہودہ گوئی اور گناہ کے کام کرتے ہیں۔ان کی خدمت کے لئے اُن کے پاس ایسے لڑکے حاضر رہیں گے جو خاص انہی کے لئے ہوں گے گویا کہ وہ حفاظت سے رکھے ہوئے موتی ہیں۔اہلِ جنت ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر گزشتہ دنیوی احوال وواقعات پوچھیں گے اور کہیں گے کہ ہم اس سے پہلے دنیوی زندگی میں اپنے گھروں میں رہتے ہوئے ڈرا کرتے تھے کہ پتہ نہیں ہمارا انجام کیا ہوگا۔اور ہم پر کیا گزرے گی لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم پر بڑا احسان فرمایا کہ ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا جس سے ہم ڈرا کرتے تھے اور جنت کی راحتوں سے نواز دیا۔ بیشک ہم دنیا میں بھی اس کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔اُس نے ہماری دعائیں قبول کیں۔ واقعی وہ بڑا محسن اور مہربان ہے۔(مظہری ۹۵۔۹۸/۹)

منکرین کی بے عقلی

۲۹۔۳۴: فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

سو آپ نصیحت کرتے رہیے کیونکہ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ کاہن ہیں اور نہ دیوانے۔کیا یہ کافر کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور ہم ان کے بارے میں موت کے حادثے کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں۔ یا یہ شریر لوگ ہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ انہوں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے بلکہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔اگر یہ لوگ سچے ہیں تو ان کو چاہئے کہ یہ بھی اسی طرح کی بات لے آئیں۔

نَتَرَبَّصُ: ہم انتظار کریں گے۔تَرَبُّصٌ سے مضارع۔

اخلامھم: اُن کے خواب، اُن کی عقلیں ۔ واحد حلم و حُلم۔

تقوّلہٗ: اُس نے اس کو گھڑ لیا، اُس نے اس کو بنالیا۔ تقوّل سے ماضی۔

تشریح: آپ تو ان منکرین و مکذبین کو نصیحت کرتے رہئے خواہ یہ آپ کو کچھ بھی کہیں کیونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں کہ کوئی جن آ کر آپ کو کچھ بتاتا ہو، اور نہ آپ مجنون ہیں ۔ مشرکین مکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہیں جن کے متعلق ہم حادثۂ موت کا انتظار کر رہے ہیں ۔ جس طرح دنیا میں شاعر آئے اور اپنی زندگی گزار کر چلے گئے اسی طرح یہ بھی اپنی زندگی گزار کر چلے جائیں گے، آپ ان کو کہہ دیجئے کہ تم لوگ انتظار کرتے رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں کہ تمہارے کفر و انکار کی سزا تمہیں کب ملتی ہے ۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا ۔ جو کچھ میں کہتا ہوں وہی حق اور اللہ کا دین ہے اور اللہ کا دین غالب ہو کر رہتا ہے ۔ یہ منکرین خلاف فطرت اور خلاف عقل باتیں کر رہے ہیں ۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ کاہن ہے حالانکہ کاہن تو بڑا زیرک اور دقیق النظر ہوتا ہے ۔ کبھی آپ کو مجنون کہتے ہیں اور مجنون تو بے عقل اور مخبوط الحواس ہوتا ہے ۔ اس کے کلام میں نہ وزن ہوتا ہے نہ بلاغت، اور نہ تخیل، کبھی یہ آپ کو شاعر کہتے ہیں ۔ اور شاعر وہ ہوتا ہے جس کا کلام بلیغ موزوں اور تخیل کا حامل ہوتا ہے ۔ قریش کے لوگ جو بڑے عقلمند سمجھے جاتے ہیں، اُن کو تو دانا اور پاگل میں بھی امتیاز نہیں اور نہ یہ حق و باطل میں تمیز کر سکتے ہیں پھر یہ کیسے عقلمند ہیں ۔ کیا ان کی عقلیں ان کو ایسی ہی باتوں کی تعلیم دے رہی ہیں یا یہ لوگ ہیں ہی سرکش کہ عناد و عداوت میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں ۔

یہ لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ اس قرآن کو آپ نے خود بنایا ہے حالانکہ یہ خوب جانتے ہیں کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں ۔ اس بارے میں ان کو ذرا بھی شک و شبہ نہیں ۔ لیکن چونکہ ان کو ایمان نہیں لانا اس لئے ایسی باتیں کرتے ہیں ۔ اگر یہ مشرکین اسی پر اصرار کرتے رہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ آپ نے خود گھڑ لیا ہے تو ان کو چاہئے کہ یہ بھی اس جیسا فصیح و بلیغ اور غیب کی خبریں دینے والا کلام بنا لائیں اگر یہ اپنی بات میں سچے ہیں کیونکہ یہ بھی عرب ہیں اور بڑے فصیح و بلیغ قادر الکلام اور مایہ ناز شاعر ہیں ۔

قدرتِ کاملہ کا اظہار

۳۵-۴۳: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ

وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ
هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ
مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٨﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿٣٩﴾
اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿٤٠﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ
الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿٤١﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۚ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ
الْمَكِيْدُوْنَ ﴿٤٢﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٣﴾

کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود بخود پیدا ہو گئے یا یہ خود خالق ہیں؟ کیا انہوں نے ہی آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ لوگ یقین نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں یا یہ ان خزانوں کے داروغے ہیں؟ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر آسمان کی باتیں سن آتے ہیں۔ ان میں سے جو سن آتا ہے اس کو چاہئے کہ وہ واضح دلیل پیش کرے۔ کیا اللہ کے لئے تو بیٹیاں اور تمہارے لئے بیٹے ہیں؟ کیا آپ ان سے کچھ معاوضہ طلب کرتے ہیں کہ تاوان کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں، کیا ان کے پاس غیب کا علم ہے کہ اسے لکھتے جاتے ہیں؟ کیا یہ کوئی چال چلنا چاہتے ہیں۔ سو یہ کافر خود ہی اپنی چال میں آنے والے ہیں۔ کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے۔ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔

مُصَيْطِرُوْنَ: داروغہ، حاکم، نگران۔ جمع کا صیغہ ہے۔

سُلَّمٌ: سیڑھی، زینہ۔ جمع سلالم۔

مغرم: جرمانہ، تاوان۔ غرم سے مصدر میمی۔ جمع مغارم۔

مُثْقَلُوْنَ: گراں بار، لدے ہوئے۔ بوجھل ثقل وثقالۃ سے اسم مفعول۔

تشریح: کیا یہ لوگ خالق کے بغیر خود بخود پیدا ہو گئے یا یہ خود ہی اپنے خالق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں نہیں بلکہ ان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے ان کو اس وقت پیدا کیا جب یہ کچھ بھی نہ تھے۔ کیا آسمانوں اور زمین کو انہوں نے پیدا کیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت میں شریک ہو گئے ہیں۔ اس لئے اس کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ یہ خوب جانتے

ہیں کہ خود ان کا اور تمام مخلوق کا خالق اللہ تعالیٰ ہے پھر بھی یہ اپنے جہل کی بنا پر اپنی بے یقینی سے باز نہیں آتے۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کیا ان کے پاس آپ کی نعمتوں اور رحمتوں کے خزانے ہیں جن میں نبوت بھی شامل ہے کہ جس کو چاہیں نبوت و رسالت دے دیں یا یہ لوگ محکمۂ نبوت کے حکمران ہیں کہ یہ لوگ جس کو رسول بنانے کی اجازت دیں اُسی کو رسول بنایا جائے۔ پھر یہ آپ کی نبوت کا انکار کیوں کرتے ہیں حقیقت میں مالک متصرف تو صرف اللہ تعالیٰ عزوجل ہی ہے، وہ قادرِ مطلق ہے جو چاہے کرے، کیا ان کے پاس کوئی ایسی سیڑھی ہے جس پر چڑھ کر یہ لوگ آسمان کی باتیں سن لیں اور پھر یہ دعویٰ کریں کہ ہمارے پاس بھی آسمانی وحی آتی ہے جس سے ظاہر ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ اگر کوئی ایسی جرأت کرتا ہے تو اُس کو چاہئے کہ وہ کوئی واضح دلیل لے کر آئے اور ثابت کرے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں (العیاذ باللہ) بلکہ فلاں شخص کو رسول بنایا گیا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ بھی ان کی بڑی بھاری غلطی ہے کہ یہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ کیا خوب تقسیم ہے کہ اپنے لئے تو لڑکے پسند کریں اور اللہ کے لئے لڑکیاں تجویز کریں۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی توحید اور آپ کی رسالت دلائل سے ثابت ہو چکی ہے پھر بھی یہ لوگ آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو کیا آپ اپنی تبلیغ پر ان سے کوئی معاوضہ طلب کر رہے ہیں جو ان پر بھاری پڑ رہا ہے یا ان کے پاس علم غیب ہے جس کو یہ لوگ لکھ کر اپنے پاس محفوظ کر رہے ہیں۔ نہیں بلکہ زمین و آسمان کی تمام مخلوق میں سے کوئی بھی غیب کی باتیں نہیں جانتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ کے رسول کے ساتھ کچھ برائی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کی مخفی سازشیں بھی ظاہر ہو رہی ہیں۔ یاد رکھو یہ خود بالآخر خود ہی اس برائی کا شکار ہوں گے۔ غرض یہ سب حقائق اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکتا ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں، وہ قادرِ مطلق اور خالق کائنات ہے، اگر ان کو اب بھی تسلیم نہیں تو بتائیں کہ کیا اللہ کے سوا اُن کا کوئی اور معبود ہے۔ ہرگز نہیں، اللہ کی ذات اُن چیزوں سے پاک و مبرا ہے جن کو یہ اُس کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۱۸۳۔۸/۱۸۵)

منکرین کی ضد اور عناد

۴۴۔۴۹: وَإِن يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿٤٤﴾
فَذَرْهُمْ حَتَّىٰ يُلَٰقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿٤٥﴾ يَوْمَ لَا

يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاصْبِرْ
لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝
وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝

اگر یہ لوگ آسمان سے کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھ لیں تب بھی کہہ دیں گے کہ یہ تو تہ بہ تہ بادل ہے سو آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ انہیں اس دن سے سابقہ پڑے جس میں ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ اس دن ان کی چالاکی ان کے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ ان کو کہیں سے مدد پہنچے گی۔ بیشک ظالموں کے لئے اس کے علاوہ اور بھی عذاب ہیں لیکن ان میں سے اکثر کو معلوم نہیں۔ آپ اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر سے کام لیجئے۔ آپ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں اور سونے یا مجلس سے اٹھتے وقت اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیے اور رات کو بھی ستاروں کو ڈوبنے کے وقت بھی اس کی تسبیح کرتے رہیے۔

کِسْفًا ایک ٹکڑا۔ اسم جنس۔

مَرْكُوْمٌ تہ بہ تہ، جما ہوا، گہرا بادل۔ رکم سے اسم مفعول۔

يُصْعَقُوْنَ وہ بے ہوش کئے جائیں گے، ان کے ہوش اڑ جائیں گے۔ پہلے معنی میں اصعاق سے اور دوسرے معنی میں صعق سے مضارع مجہول۔

تشریح: یہ مشرکین و منکرین اپنی سرکشی ضد اور ہٹ دھرمی میں اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اللہ کے عذاب کو محسوس کر لینے کے بعد بھی ان کو ایمان کی توفیق نہ ہوئی۔ ان کی کیفیت تو یہ ہے کہ اگر یہ دیکھ لیں کہ آسمان کا کوئی ٹکڑا اللہ کا عذاب بن کر ان کے سروں پر گر رہا ہے تو بھی انہیں یقین نہیں آئے گا۔ اور صاف کہہ دیں گے کہ یہ آسمان کا ٹکڑا نہیں بلکہ ایک گہرا بادل ہے جو پانی برسانے آرہا ہے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝
لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝

اگر ہم ان کے لئے آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور یہ وہاں چڑھ
جائیں تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں۔ بلکہ ہم
پر جادو کر دیا گیا ہے۔ (الحجر: ۱۴، ۱۵)

پس ان معاندین کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے یہ چند روز اور باتیں بنالیں۔ آخر جب قیامت کا دن آئے گا تو قہر الٰہی کی کڑک سے ان کے ہوش وحواس جاتے رہیں گے کوئی مکاری وہاں کام نہ دے گی۔ آج جن معبودوں کو یہ پکارتے ہیں اور اپنا مددگار جانتے ہیں اُس دن یہ لوگ ان سب کے منہ تکتے رہ جائیں گے اور کوئی ان کی ذرا بھی مدد نہ کر سکے گا۔ یہی نہیں کہ انہیں صرف قیامت کے دن ہی عذاب ہوگا اور یہ دنیا میں اطمینان وآرام سے زندگی گزار لیں بلکہ ان کے لئے دنیا میں بھی عذاب تیار ہے جو ان پر آکر رہے گا لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝

ہم انہیں آخرت کے بڑے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی عذاب کا مزہ
چکھائیں گے تاکہ یہ رجوع کریں۔ (الم السجدہ: ۲۱)

پھر فرمایا کہ آپ ان کی ایذارسانیوں سے تنگ دل نہ ہوں بلکہ صبر واستقامت کیساتھ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے جو بہت جلد آپ کے اور ان کے درمیان فیصلہ کردے گا۔ آپ کو ان معاندین کی طرف سے ذرا بھی نقصان نہ پہنچے گا۔ کیونکہ آپ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری حفاظت میں ہیں آپ تو بس ہر وقت اپنے رب کی تحمید وتسبیح کرتے رہیے، خاص طور پر جب آپ سوکر اٹھیں یا نماز کے لئے کھڑے ہوں یا مجلس سے اُٹھ کر تشریف لے جائیں اور تہجد کے وقت اور صبح کے وقت جب ستارے غائب ہونے لگیں۔ (عثمانی: ۲/ ۶۱۱، ابن کثیر: ۲۴۵، ۴/۲۴۶)

درس سیرت

سید عزیز الرحمٰن

مقدمہ: مولانا زاہد الراشدی

ہمارے فاضل دوست مولانا سید عزیز الرحمٰن نے زیر نظر کتاب میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے اور ہماری عملی اور معاشرتی زندگی سے تعلق رکھنے والے سبق آموز واقعات اور ارشادات کا انتخاب پیش کیا ہے۔

پیش لفظ: ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری

مصنف نے سیرت پاک کے بے کراں سمندر میں غوطہ زن ہو کر قارئین کے سامنے نہایت درخشاں موتی نکال کر پیش کر دیئے ہیں اس کتاب سے رسالت مآب ﷺ کی زندگی کی ایک چلتی پھرتی تصویر نگاہوں کے سامنے پھرنے لگتی ہے۔

تعارف: ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

یہ پچاس مختصر مضامین کا مجموعہ ہے، اگر ہر دن ایک درس پڑھا جائے اور اس پر غور کیا جائے تو پڑھنے والے کی فکر اور عمل کی کتنی ہی راہیں روشن ہو جائیں گی

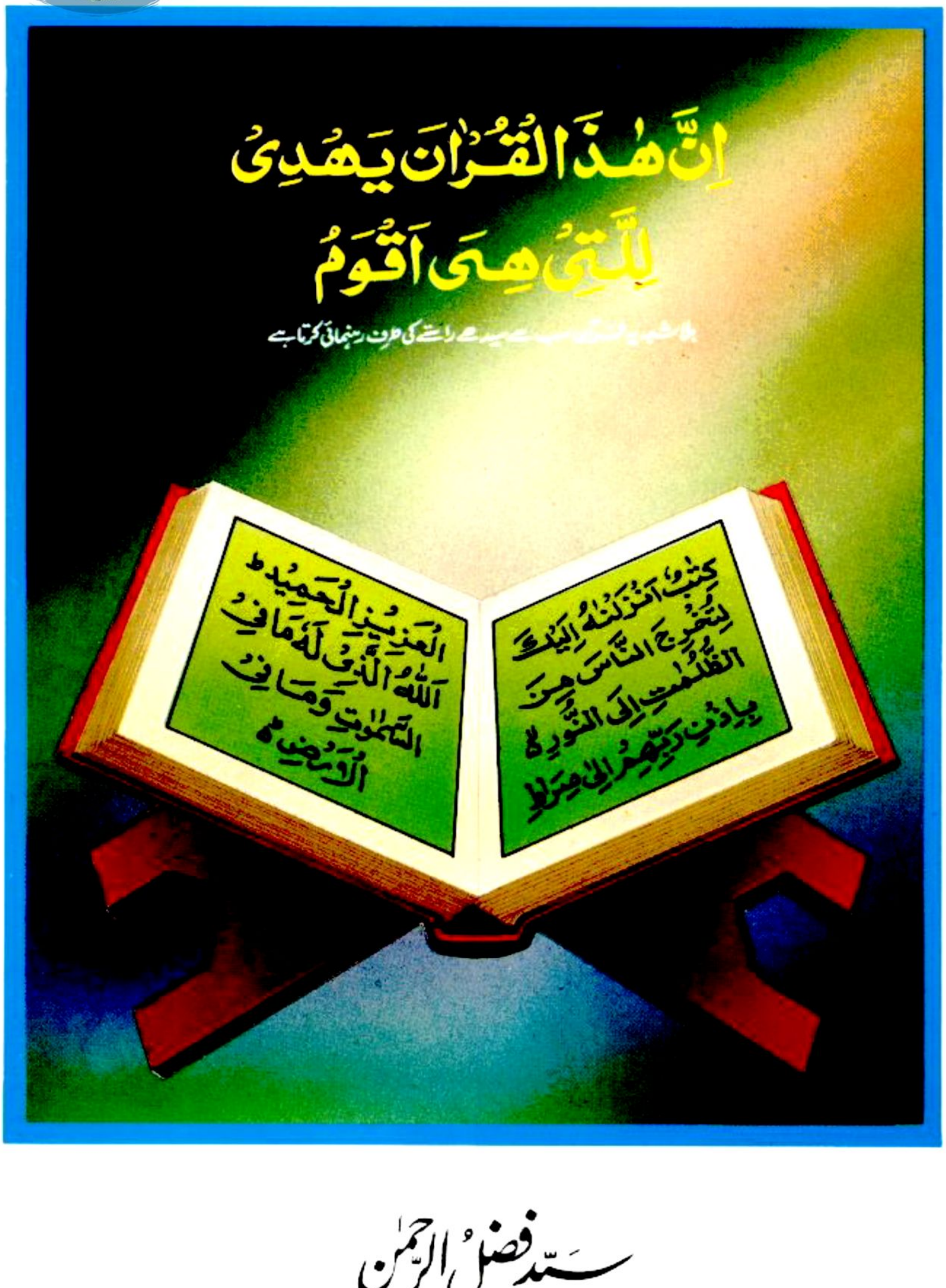
صفحات: ۲۷۲ قیمت: ۱۴۰ روپے

ناشر

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

احسن البیان

فی تفسیر القرآن



سید فضل الرحمن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقرأ باسم ربک الذی خلق ( )

احسن البیان

فی تفسیر القرآن

حصہ ہشتم

سورۂ نجم تا سورۃ الناس

سید فضل الرحمٰن

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

نام کتاب	احسن البیان فی تفسیر القرآن (جلد ہشتم)
مؤلف	سید فضل الرحمن
کتابت قرآن کریم	سید اشرف علی
تعداد	ایک ہزار
اشاعت اول	فروری ۲۰۰۰ء
صفحات	۵۱۲

ملنے کے پتے

دارالاشاعت	اردو بازار، کراچی
فضلی بک سپر مارکیٹ	اردو بازار، کراچی، فون ۲۲۱۲۹۹۱
اسلامی کتب خانہ،	بنوری ٹاؤن، کراچی، فون ۴۹۲۷۱۵۹
کتاب سرائے	فرسٹ فلور، الحمد مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: ۷۳۲۰۳۱۸
بیت الکتب	بالمقابل اشرف المدارس، گلشن اقبال، کراچی
مکتبہ الانور	بنوری ٹاؤن، کراچی
ادارۂ اسلامیات	۱۹۰، انارکلی، لاہور، فون: ۷۲۴۳۹۹۱، ۷۳۵۳۲۵۵
مکتبہ فیض القرآن	قاسم سینٹر، اردو بازار، کراچی۔ ۲۲۱۷۷۷۶
مکتبہ القادر	نزد جامعہ خیر العلوم، خیر پور نامیوالی۔ بھاولپور

ناشر

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر۴، کراچی۔ فون: ۶۶۸۴۷۹۰

www.zawwaracademy.org

E-mail: syed.azizurrahman@gmail.com

فہرستِ عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورۃ النجم

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا ایک ستارے کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ النجم ہے۔

تعارف: اس میں ۳ رکوع، ۶۲ آیتیں، ۳۶۰ کلمات اور ۱۴۰۵ احروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے اور معراج کے بعد مکہ میں نازل ہوئی۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ سے روایت ہے کہ سب سے پہلے یہی سورت النجم نازل ہوئی جس میں سجدہ تلاوت تھا سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ تلاوت کیا اور آپ کے ساتھ (وہاں موجود) تمام لوگوں نے سجدہ کیا سوائے ایک شخص کے۔ میں نے دیکھا کہ اس شخص نے اپنی مٹھی میں مٹی لے کر اس پر سجدہ کیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کے بعد وہ کفر کی حالت ہی میں مارا گیا۔ یہ امیہ بن خلف تھا، اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ عتبہ بن ربیعہ تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ ابولہب تھا جس نے ایک مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور کہا میرے لئے یہی کافی ہے۔

(روح المعانی ۴۴/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۴۴۔ ۴۶/ ۲۷)

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات اور معراج کے احوال کا ذکر اور ان بتوں کی حقیقت کھولی گئی ہے جن کو مشرکین مکہ پوجا کرتے تھے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اثبات نبوت و رسالت اور وحی کا شک و شبہ سے بالاتر ہونا بیان کیا گیا ہے آخر میں مشرکین کے باطل عقائد مذکور ہیں۔

رکوع ۲: مشرکین کی کج فہمی اور ان کی خودستائی کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

رکوع ۳: اعمال کی جواب دہی اور اللہ کی قدرت کاملہ کا بیان ہے۔ آخر میں قیامت کا قریب ہونا مذکور ہے۔

اثبات نبوت ورسالت

۱۔۴، وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۙ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞

قسم ہے تارے کی جب وہ غروب ہونے لگے، تمہارے رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نہ بھٹکے نہ راستہ بھولے۔ وہ اپنی خواہش سے بات نہیں کرتے (بلکہ) وہ تو وہی فرماتے ہیں جو ان پر وحی کی جاتی ہے۔

نَجْمٍ: ستارہ۔ جمع نجوم یہ اسم جنس ہے۔ کبھی کبھی یہ لفظ ثریا ستارے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ اس آیت میں بعض مفسرین نے نجم سے مطلق ستارہ مراد لیا ہے اور بعض نے ثریا ستارہ۔

هَوٰى: وہ گر پڑا، وہ غروب ہوگیا، وہ اوپر سے نیچے اترا، وہ گیا گزرا ہوگیا۔ هُوِیٌّ سے ماضی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ستاروں کی قسم کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا صحیح اور شکوک وشبہات سے بالاتر ہونا بیان فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس راستے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ صراط مستقیم ہے اور رضائے الٰہی کا صحیح راستہ ہے۔ نہ آپ غلط فہمی کی بنا پر راستے سے بہکے اور نہ اپنے قصد واختیار سے جان بوجھ کر بے راہ چلے بلکہ جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقررہ رفتار سے معین راستے پر چلتے رہتے ہیں، کبھی ادھر ادھر نہیں ہٹتے اسی طرح آفتاب نبوت بھی اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک قدم ادھر یا ادھر پڑ جائے۔ انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے درخشاں ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کی راہنمائی ہوتی ہے۔ آیت میں جو لفظ صاحب آیا ہے اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں کہ تم ان کے صدق میں شبہ کرو بلکہ یہ تو تمہارے ہر وقت کے ساتھی ہیں تمہارے وطن میں ہی پیدا ہوئے اور تمہارے سامنے پلے بڑھے۔ ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہیں ان کی عادات واخلاق ان کی امانت ودیانت تمہارے سامنے ہے، تمام اہل مکہ ان کو صادق وامین کہتے ہیں اب نبوت کے دعوے کے وقت تم ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کرنے لگے، بھلا جس نے

انسانوں کے معاملے میں کبھی جھوٹ نہ بولا ہو، تم اس پر الزام لگاتے ہو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ بولا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے ایک حرف بھی ایسا نہیں نکلتا جو خواہش نفس پر مبنی ہو بلکہ دین کے بارے میں آپ جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ اللہ کی بھیجی ہوئی وحی اور اس کے حکم کے مطابق ہوتا ہے۔ وحی کی قسموں میں سے ایک قسم وہ ہے جس کے معنی اور الفاظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں اس کا نام قرآن ہے اس کو وحی متلو کہتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جس کے صرف معنی اللہ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان معنی کو اپنے الفاظ میں ادا فرماتے ہیں۔ اس کا نام حدیث ہے اور اس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

(عثمانی ۶۱۲، ۲/۶۱۳، معارف القرآن مفتی محمد شفیع: ج ۸، ص ۱۹۳۔۱۹۴)

شب معراج میں رویت ذات باری تعالیٰ

۵۔۱۸، عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ
الْاَعْلٰى ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝
فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ
الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝
مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

آپ کو سخت قوت والے نے تعلیم دی، نہایت قوی نے پھر وہ (اللہ) متوجہ ہوا اور وہ افق اعلیٰ پر تھا۔ پھر وہ آپ کے قریب ہوا۔ پھر اور قریب سو دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی فرمانا تھی فرمائی۔ جو کچھ دیکھا اس کو (رسول کے) دل نے جھوٹ نہیں جانا۔ کیا تم آپ سے اس پر جھگڑتے ہو جو آپ نے دیکھا اور آپ نے تو اس کو ایک دفعہ اور بھی دیکھا تھا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اسی کے نزدیک جنت الماویٰ

ہے جبکہ سدرہ پر چھا رہا تھا جو کچھ چھا رہا تھا۔ نہ تو (پیغمبر کی) نگاہ بہکی نہ حد سے بڑھی۔ بیشک انہوں نے اپنے رب کے بڑے بڑے عجائب دیکھے۔

شَدِیْدُ الْقُوٰی: بڑی قوتوں والا (اللہ) واحد قُوَّۃٌ.

مِرَّۃٍ: قوت، شدت، پختگی، مضبوط کرنا۔

اِسْتَوٰی: اس نے قصد کیا، وہ متوجہ ہوا، وہ سیدھا ہوا، وہ ٹھہرا۔ اِسْتِوَاءٌ سے ماضی۔ یہ لفظ متشابہات میں سے ہے جس کے معنی و مراد اللہ ہی جانتا ہے۔ سلف سے منقول ہے کہ استوی کے معنی تو معلوم ہیں لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔

دَنٰی: وہ نزدیک ہوا، وہ قریب ہوا، دُنُوٌّ سے ماضی۔

تَدَلّٰی: وہ نزدیک آیا، اُتر آیا، لٹک آیا۔ تَدَلِّی۔ ماضی۔

قَابَ: مقدار، اندازہ، آدھی کمان کی لمبائی۔

تُمٰرُوْنَ: تم گفتگو کرتے ہو، تم بحث کرتے ہو، تم جھگڑا کرتے ہو، مُمارَۃٌ سے مضارع۔

نزلۃً: ایک دفعہ، ایک مرتبہ، مصدر مرۃ۔

سِدْرَۃِ: بیری کا درخت، یہاں وہ درخت مراد ہے جو ساتویں آسمان پر عرشِ الٰہی کے دائیں جانب ہے۔ اس سے آگے فرشتوں کی رسائی نہیں۔

زَاغَ: وہ بہکا، وہ ہٹا، وہ کج ہوا، زَیْغٌ سے ماضی۔

تشریح: ان آیتوں کے بارے میں علماء و مفسرین سے دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ ان سب آیات کو واقعہ معراج کا بیان قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بلا واسطہ تعلیم اور رویت و قرب حق تعالیٰ کے ذکر پر محمول فرمایا اور شدید القوی، ذو مرۃ، فاستوی اور دنی فتدلی سب کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال قرار دیا اور اس سے آگے جو رویت اور مشاہدے کا ذکر ہے اس سے بھی اللہ تعالیٰ کی رویت مراد لی۔ حضرت انس اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر منقول ہے اخیر میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرف رجوع کیا تفسیر مظہری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے یہی راجح ہے۔ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ ان آیات کی تفسیر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ جن آیات میں لیلۃ المعراج کا ذکر ہے ان میں رویت کے بارے میں جتنے الفاظ آئے ہیں ان سب میں رویت جبرئیل اور رویت حق سبحانہ و تعالیٰ دونوں کا احتمال ہے اور حضرات نے بھی ان

کی تفسیر رویت حق تعالیٰ سے کی ہے۔ اس کی گنجائش الفاظ قرآن میں موجود ہے۔

(معارف القرآن ۸/۲۰۴)

روح المعانی میں حضرت حسن نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ **ثم دنی فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنی** میں ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اسی طرح **اوحیٰ الی عبدہ** میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے نیز **علمہ شدید القوی** اور **بالافق الاعلیٰ** سے بھی اللہ تعالیٰ مراد ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت میں حضرت انس سے منقول ہے کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی بلند ہوئے، جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں حتیٰ کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے اور جبار (اللہ رب العزت) کے قریب ہوئے یہاں تک کہ دو کمانوں بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی فرمائی جس میں پچاس نمازوں کی فرضیت بھی شامل ہے۔

(روح المعانی ۲۷/۵۲)

صوفیائے کرام بھی فرماتے ہیں **ثم دنی فتدلیٰ** سے اللہ تعالیٰ مراد ہیں اور اس قریب ہونے کی کیفیت کا علم نہیں۔ یہ ایسی صورت میں تھا جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

(روح المعانی ۲۷/۵۴)

فاوحی الی عبدہ مااوحی کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ سے جو کچھ منقول ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ نے جو وحی جبرئیل کو کی جبرئیل نے وہی وحی اللہ کے بندے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہنچادی۔ یہ تفسیر قواعد نحو کے بھی خلاف ہے اور عقل و درایت کے بھی اس لئے کہ:

۱۔ **یوحی**: یعنی سارا قرآن وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے اس کا کوئی حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ نہیں ہے۔ یوحی کی ضمیر ذوالحال ہے اور اس کے بعد سارے جملے حال ہیں۔ **شدید القوی** اور **فاستوی وھو بالافق الاعلیٰ** اور **ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی** یہ جملے حال ہیں اور عربی نحو کا ضروری قاعدہ ہے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہی ہونا چاہئے لہٰذا ان تمام جملوں کا وقوع مضمون وحی قرآن کے وقت ضرور ہونا چاہئے یعنی قرآن مجید کی ہر آیت جس وقت نازل ہوئی اس وقت جبرئیل کا استواء اور افق اعلیٰ میں موجود ہونا اور قریب آنا اور اتنا قریب آجانا جتنا دو کمانوں کا فاصلہ ہوتا ہے لازماً ہونا چاہئے ورنہ اگر کسی آیت کے نزول کے وقت یہ حالات نہ ہوں تو حال و ذوالحال کے زمانے کی تفریق لازم آئے گی یا کچھ آیات کا نزول بغیر وحی کے

ہونا جائز قرار پائے گا اور جس مضمون کو ان ھو الا وحی یوحی میں بیان کیا گیا ہے اس کی تکذیب لازم آئے گی۔

۲۔ دوسرے اوحی کی فاعل ضمیر اور عبدہ کی مجرور دونوں سے مراد اللہ ہے اس لئے اول اوحیٰ کا فاعل بھی اللہ ہی ہوگا۔ جبرئیل نہ ہوگا ورنہ انتشار ضمائر لازم آئے گا۔

۳۔ جبرئیل کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آنا اور نازل ہونا اور اتنا قریب آ جانا جتنا قوسین کا فاصلہ ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے باعث کمال نہیں۔ آپ کا رتبہ جبرئیل سے افضل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسمان میں میرے دو وزیر ہیں جبرئیل اور میکائیل۔ (مظہری ۹/۱۰۶)

دوسری تفسیر میں علما نے ان آیات میں جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کا بیان قرار دیا ہے اور شدید القوی اور ذو مرۃ جبرئیل امین کی صفات بتائی ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے یہی تفسیر منقول ہے۔ ابن کثیر نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

پھر فرمایا کہ آنکھ نے جو کچھ دیکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل نے بھی اس کے ادراک میں کوئی غلطی نہیں کی۔ اے مشرکین مکہ پھر تم کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کا انکار کرتے اور ان سے ان کی دیکھی ہوئی اور یقینی چیز میں بحث وتکرار کرتے ہو۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو ایک بار نہیں بلکہ دو بار دیکھا۔ یہاں اس رویت کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی تھی۔

لغت میں بیری کے درخت کو سدرہ کہتے ہیں اور منتہی کے معنی انتہائی یا اختتام کے ہیں۔ بیری کا یہ درخت ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے عام فرشتوں کی رسائی کی یہ آخری حد ہے اسی لئے اس کو منتہیٰ کہتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پہلے عرش الٰہی سے سدرۃ المنتہیٰ پر نازل ہوتے ہیں۔ پھر یہاں سے متعلقہ فرشتوں کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ زمین سے آسمان پر جانے والے اعمال وغیرہ بھی فرشتے اسی مقام تک پہنچاتے ہیں۔ اسی کے قریب جنۃ الماویٰ ہے جو انسان کا اصل مقام اور ٹھکانا ہے۔ یہیں آدم وحوا کی تخلیق ہوئی۔ یہیں سے ان کو زمین پر اتار گیا اور پھر یہیں اہل جنت کا مقام ہوگا۔

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت باری تعالیٰ ہوئی اس وقت سدرۃ کو اللہ تعالیٰ کے انوار وتجلیات نے ڈھانپ رکھا تھا اور فرشتوں کی کثرت وہجوم کا یہ عالم تھا کہ ہر پتے کے ساتھ ایک فرشتہ نظر آتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ سنہری پروانے تھے۔ اس وقت اس کی خوبصورتی، بہار اور حسن وجمال ایسا تھا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کی پوری کیفیت لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس وقت آنحضرت اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نہ ادھر ادھر بھٹکی اور نہ چوکی بلکہ جو کچھ آپ نے دیکھا وہ اصلی اور حقیقی حالت پر دیکھا۔ آپ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں یعنی عجائب ملکوتی جن کی سیر آپ نے شب معراج میں آمد ورفت کے دوران کی تھی مثلاً براق، آسمان، انبیاء، ملائکہ، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ۔ ان سب کا شمار عجائب ملکوتی میں ہوتا ہے۔

حضرت انس، حسن اور عکرمہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یعنی اپنی آنکھ سے دیکھا۔ بغوی نے عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہا اللہ نے حضرت ابرہیم کو خلت کے لئے چن لیا (اور خلیل اللہ فرمایا) اور حضرت موسیٰ کو کلام کے لئے اور حضرت محمد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنی) رویت کے لئے۔ ترمذی نے شعبی کی روایت سے بیان کیا کہ کعب احبار نے حضرت ابن عباس سے عرض کیا۔ اللہ نے اپنے کلام اور دیدار کو موسیٰ علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دو بار کلام کیا۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار دیکھا۔ (مظہری ۱۰۴،۱۱۵/۹، حقانی ۱۵۔۱۷/۴، ابن کثیر ۲۴۷۔۲۵۳/۴)

مولانا شبیر احمد عثانی فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں **لا تدرکه الابصار** جو فرمایا گیا ہے اس سے مراد احاطے کی نفی ہے یعنی نگاہیں (اس دنیا میں) اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اسی لئے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا۔ **ویحک ذاک اذا تجلی بنوره الذی هو نوره** (ترمذی) افسوس ہے تجھ پر! (یہ تو اس وقت ہے) جب وہ اس نور سے تجلی فرمائے جو اس کا (ذاتی) نور ہے یعنی تجلی ذاتی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مومنوں کو آخرت میں جو رویت نصیب ہوگی جبکہ نگاہیں تیز کر دی جائیں گی جو اس تجلی کو برداشت کر سکیں وہ دنیا میں کسی کو حاصل نہیں البتہ ابن عباس کی روایت کے موافق شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خاص درجے کی رویت حاصل ہوئی۔ اس خصوصیت میں کوئی بشر آپ کا شریک وسہیم نہیں۔ (عثانی ۶۱۴/۲)

حضرت امام مالک نے فرمایا کہ دنیا میں کوئی انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس کی

نگاہ فانی ہے اور اللہ تعالیٰ باقی ہے پھر جب آخرت میں انسان کو غیر فانی نگاہ عطا کر دی جائے گی تو حق تعالیٰ کی رویت میں کوئی مانع نہ رہے گا۔ تقریباً یہی مضمون قاضی عیاض سے بھی منقول ہے صحیح مسلم کی ایک حدیث میں اس کی تصریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: واعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا (فتح الباری ج ۸ ص ۴۹۳) اس سے تو اس کا امکان بھی نکل آیا کہ عالم دنیا میں بھی کسی وقت خصوصی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں وہ قوت بخش دی جائے جس سے وہ حق تعالیٰ کی زیارت کر سکیں لیکن اس عالم سے باہر نکل کر جبکہ شب معراج میں آپ کو آسمانوں اور جنت و دوزخ اور اللہ تعالیٰ کی خاص آیات قدرت کا مشاہدہ کرانے ہی کے لئے امتیازی حیثیت سے بلایا گیا ہو، اس وقت تو حق تعالیٰ کی زیارت اس عام ضابطے سے بھی مستثنیٰ ہے کہ اس وقت آپ عالم دنیا میں نہیں ہیں۔ (معارف القرآن ۸/۲۰۵)

حضرت ابن عباس کی روایت میں راہ مرتین آیا ہے۔ بعض روایات کے الفاظ سے اس کی مراد یہ لی جاتی ہے کہ مرۃ بقلبہ و مرۃ راہ بعینہ یعنی ایک ہی وقت میں دو طرح دیکھا ظاہری آنکھ سے بھی اور دل کی آنکھوں سے بھی۔ یہ بھی امکان ہے کہ ایک مرتبہ کی رویت تو شب معراج کی ہو اور دوسری مرتبہ کی رویت وہ ہو جو ایک رات آپ کو حالت منام میں ہوئی اور جس کا ذکر حدیث اختصام ملاء اعلیٰ میں ہے۔ حدیث اختصام ملا اعلیٰ یہ ہے۔ مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب ایک بہترین صورت میں میرے سامنے متجلی ہوا حالت نوم میں اور فرمایا اے محمد! جانتے ہو ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ تو رب العزت نے اپنا دست بے مثال میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دیا جس کی ٹھنڈک (لطافت و سکینت) میں اپنے سینے کے درمیان محسوس کرنے لگا۔ اس کے بعد پھر جب سوال کیا تو میں نے جواب دیا نعم! فی الکفارات والدرجات الخ (ہاں کفارات اور درجات میں جھگڑ رہے ہیں)۔ (مواہب الرحمٰن ۲۷/۶۵،۶۴، معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی ۷/۵۶۹)

مشرکین کے باطل عقائد

۱۹۔۲۵، اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ

سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

کیا تم نے لات اور عزّیٰ کو دیکھا اور تیسرے منات کو بھی کیا تمہارے لئے لڑکے اور اس کے لئے لڑکیاں؟ یہ تو بہت ہی بری تقسیم ہے۔ یہ تو صرف نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں اتاری یہ لوگ صرف گمان اور نفسانی خواہش کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے۔ کیا انسان کو مل جاتا ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے سو آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اللّٰتَ:　ایک بت کا نام ہے جسے اہل عرب پوجتے اور اس کے گرد گھومتے تھے۔

العُزّٰی:　ایک بت کا نام۔

مَنٰوۃَ:　قبیلۂ خزاعہ کے ایک بت کا نام۔

ضِیْزٰی:　بہت بھدی، بہت بے ڈھنگی، بہت ناقص۔ ضَیْزٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: عرب میں تین بت لات، عُزّیٰ اور مَناۃ زیادہ پوجے جاتے تھے۔ مشرکین کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور یہ بت ان کے مسکن ہیں۔ ان تین بتوں کے علاوہ وہ اور بھی بہت سے بت تھے جن کو عرب کے لوگ پوجتے تھے اور ان کی بے حد تعظیم کرتے تھے۔ چونکہ تین کی شہرت زیادہ تھی اس لئے یہاں صرف ان تین ہی کا ذکر فرمایا۔ لوگ ان کے طواف بھی کرتے اور ان کے نام پر جانور بھی چڑھاتے تھے۔

۱۔ **لات:** عرب میں ایک شخص حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کے مرنے کے بعد لوگ اس کی قبر پر جانے لگے اور رفتہ رفتہ اسی کی عبادت کرنے لگ گئے۔ لات (تا کی تشدید کے ساتھ) گھولنے والا کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس لئے ستو گھولنے کی نسبت سے اس کا نام لات مشہور ہو گیا۔ یہ ایک سفید منقش پتھر تھا جس پر قبہ بنا ہوا تھا۔ لوگ اس پر غلاف چڑھاتے تھے، اس کے نام پر جانور قربان کرتے تھے اور اس کے آس پاس کی جگہ کو حرم کی مانند حرمت و بزرگی والی جانتے تھے۔ یہ طائف میں تھا۔ قبیلہ ثقیف کے لوگ اس کو پوجتے تھے اور وہی اس کے متولی تھے۔ یہ لوگ قریش کے سوا باقی تمام

قبائل پر اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت ابوسفیان صخر بن حرب کو بھیجا تھا۔ انہوں نے اس کو منہدم کر کے اس کی جگہ مسجد بنادی۔

۲۔ **عزیٰ**: مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں ایک درخت تھا جس کو غطفان کا قبیلہ پوجتا تھا۔ لوگوں میں اس کی بڑی ہیبت تھی۔ غزوۂ احد کے دن ابوسفیان نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ عزیٰ ہمارا ہے۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوایا تھا کہ اللہ ہمارا والی ہے اور تمہارا کوئی والی نہیں۔ جس طرح قربانی کے جانور بیت اللہ بھیجے جاتے تھے اسی طرح عزیٰ کے نام پر بھی جانور چڑھائے جاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے حضرت خالد بن ولید کو اس کے کاٹنے کے لئے بھیجا تھا۔ حضرت خالد نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔

۳۔ **مناۃ**: یہ ایک پتھر تھا۔ اوس اور خزرج اور ان کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا اور مشلل کی طرف سمندر کے کنارے قُدَید میں نصب تھا۔ اس پر ایک مجاور اور مقرر تھا۔ فتح مکہ کے بعد آپ نے سعد بن زید اشہلی کو مناۃ کی طرف بھیجا۔ سعد بن زید ۲۰ سواروں کو لے کر وہاں پہنچے اور اس کو ڈھادیا۔ ان تین بتوں کے علاوہ اور بھی مشہور بت تھے۔ مثلاً:

۴۔ **ذوالخلصہ**: یہ قبائل دوس، خثعم اور بجیلہ کا بت تھا۔ یہ تبالہ میں تھا اور لوگ اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور بیت اللہ کو کعبہ شامیہ کہتے تھے۔ یہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کے ہاتھوں فنا ہوا۔

۵۔ **فلس**: یہ جبل طَی میں قبیلہ طَی اور ان کے آس پاس کے عربوں کا بت تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔

پھر فرمایا کہ یہ مشرکین اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹیاں۔ یہ تو بہت ہی بے جا تقسیم ہے کہ جس چیز کو تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے اس کو اللہ کے لئے خاص کرتے ہو۔ یہ فرضی معبود تو صرف چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ تو محض اپنے گمان اور اپنے نفس کی خواہشات پر چل رہے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کے پاس ہدایت آ چکی ہے اور ان کو ایسا واضح اور سیدھا راستہ دکھا دیا گیا ہے کہ جس پر چل کر ہر انسان دین و دنیا کی فلاح پا سکتا ہے۔ مشرکین کا یہ کہنا کہ اللہ کے ہاں یہ باطل معبود ان کی شفاعت کریں گے محض ان کی خام خیالی ہے۔ کسی کافر کو وہ چیز نہیں مل سکتی جس کی وہ تمنا کئے ہوئے ہے یعنی

بت اللہ کے ہاں ان کی شفاعت نہیں کر سکتے کیونکہ دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے اس لئے بتوں کو پوجنے سے کچھ نہیں ملے گا۔ جو ملے گا اللہ ہی سے ملے گا۔ اس کے دینے اور نہ دینے میں کسی کی تمنا کا کوئی دخل نہیں۔ (ابن کثیر ۲۵۳، ۲۵۴/ ۴، مظہری ۱۱۵، ۱۱۸/ ۹)

مشرکین کی کج فہمی

۲۶-۳۰۔ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى۝ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا۝ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۝ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى۝

اور آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ایسے ہیں جن کی سفارش کسی کے کچھ کام نہیں آتی سوائے اس کے کہ اللہ ہی جس کے لئے چاہے ان کو (سفارش کی) اجازت دے اور (اس سفارش کو) پسند کرے۔ بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ فرشتوں کے زنانے نام رکھتے ہیں حالانکہ ان کو اس کا کچھ علم نہیں وہ صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور بیشک گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔ سو آپ بھی اس سے منہ موڑ لیجئے جس نے ہماری یاد سے منہ موڑ اور صرف دنیا کی زندگی چاہی۔ یہی ان کے علم کی انتہا ہے۔ بیشک آپ کا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور وہ اس کو بھی خوب جانتا ہے جو راہ راست پر ہے۔

تشریح: ان بتوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے آسمانوں میں رہنے والے مقرب فرشتوں کی شفاعت بھی کافروں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ اول تو فرشتے ہوں یا کوئی اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر شفاعت

نہیں کر سکتے ۔ اگر سب مل کر کریں بھی تب بھی کچھ حاصل نہیں البتہ جس کو اللہ تعالیٰ شفاعت کی اجازت دے گا خواہ وہ فرشتہ ہو یا کوئی اور وہی شفاعت کر سکے گا پس جس کے لئے اللہ شفاعت کی اجازت دے گا اور اس کے لئے شفاعت کو پسند کرے گا اسی کی شفاعت کی جائے گی، ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نہ بتوں کو سفارش کا حکم دے گا اور نہ وہ کافروں سے راضی ہے لہٰذا بتوں کی سفارش کی امید رکھنا محض وہم ہے۔

بلاشبہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ سزا کی طرف سے بے فکر ہو کر فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں حالانکہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ یہ لوگ بے اصل خیالات اور صرف اٹکل ہی کی پیروی کرتے ہیں ۔ بلاشبہ بے اصل خیالات اور تخمینی باتیں ثابت حقیقت کے مقابلے میں ذرا بھی مفید نہیں ہوتیں ۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینا اور ان کے عورتوں جیسے نام رکھنا انتہائی بے عقلی اور فطرت سے بعید بات ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بڑی بے باکی ہے ۔ آپ ایسے لوگوں کی طرف سے منہ پھیر لیجئے جو ہماری نصیحت سے روگردانی کرتے ہیں ۔ ان سے قبول حق کی توقع رکھنا اور ان کے غم میں اپنے آپ کو گھلانا بے کار ہے ۔ ان کی زندگی کا مقصد تو صرف دنیاوی فائدہ ہے اس لئے وہ ہمہ وقت اسی کے حصول میں منہمک رہتے ہیں وہ جانتے ہی نہیں کہ مرنے کے بعد مالک حقیقی کی عدالت میں حاضر ہو کر ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہے ۔ حقیقت میں یہ لوگ چوپایوں کی طرح بے عقل بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں ۔ اس لئے ان سے قبول حق کی توقع کرنا بیکار ہے ۔

ایسے لوگوں کے علم کی رسائی اور منتہائے فکر صرف دنیاوی امور تک ہے اس سے آگے ان کی فہم و عقل کی رسائی نہیں ۔ بیشک جو لوگ گمراہی میں پڑے رہے اور جو راہ راست پر رہے اللہ تعالیٰ ان کو خوب جانتا ہے ۔ اس لئے وہ اپنے علم محیط کے مطابق ہر ایک سے اس کے احوال کے مناسب ٹھیک ٹھیک معاملہ کرے گا ۔ (عثمانی ۲/۲۱۶)

خودستائی کی مذمت

۳۱، ۳۲ ۔ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿٣٢﴾

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (انجام کار) اللہ بدکاروں کو ان کی بداعمالیوں کی سزا دے گا اور نیک کام کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا۔ جو لوگ کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے بچتے ہیں مگر ان سے کچھ لغزشیں (سرزد ہو جاتی ہیں) تو آپ کے رب کی مغفرت بڑی وسیع ہے۔ وہ تمہیں خوب جانتا ہے جبکہ اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور جبکہ تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے سو تم اپنی پاکیزگی نہ جتاؤ وہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

اَسَاءُوْا: اُنہوں نے برا کام کیا۔ انہوں نے برائی کی۔ اِسَاءَةٌ سے ماضی۔

اللَّمَمَ: کچھ آلودگی۔ گناہ کے نزدیک جانا۔ صغیرہ گناہ۔

اَجِنَّةٌ: (پیٹ کے) بچے۔ واحد جَنِیْنٌ.

تشریح: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ وہی مالک وشہنشاہ حقیقی ہے اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔ وہ نیکی پر اچھا بدلہ اور بدی پر بری سزا دے گا اس کے نزدیک بھلے لوگ وہ ہیں جو اس کی حرام کردہ چیزوں اور کاموں سے اور بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے بچتے رہتے ہیں۔ اگر کبھی بمقتضائے بشریت ان سے کوئی چھوٹا سا گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیتا ہے جیسے ارشاد ہے:

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾

اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمہیں منع کر دیا گیا ہے تو ہم تمہاری برائیاں معاف کر دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ یعنی جنت میں داخل کر دیں گے۔ (النساء:۳۱)

پھر فرمایا کہ تیرے رب کی مغفرت بہت وسیع ہے تمام گناہوں پر اس کا احاطہ ہے وہ جس کے چاہے گا گناہ معاف فرما دے گا جیسے ارشاد ہے:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ

رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝

اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جان پر اسراف کیا تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ یقیناً وہ بڑی بخشش والا اور بڑے رحم والا ہے۔ (الزمر: ۵۳)

وہ تمہیں دیکھتا اور تمہارے ہر حال کا علم رکھتا ہے۔ وہ تمہارے ہر کلام کو سنتا اور تمہارے چھوٹے بڑے اور ظاہر و پوشیدہ تمام اعمال سے واقف ہے وہ تمہیں اس وقت سے جانتا ہے جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے۔ وہ تمہارے ظاہر و باطن سے خوب واقف ہے لہٰذا تم اپنی پاکیزگی اور تقویٰ و طہارت کے دعوے نہ کیا کرو۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون تقوے والا ہے اور کس کا خاتمہ عمل صالح پر ہوگا۔ (ابن کثیر ۲۵۵۔۲۵۷/ ۴)

اعمال کی جوابدہی

۳۳۔۴۱، اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ۝ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ۝ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ۝ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ۝ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَاۗءَ الْاَوْفٰى ۝

کیا آپ نے اس کو دیکھا جس نے ایمان لانے سے منہ پھیر لیا اور تھوڑا سا دیا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ کیا اس کو اس کی خبر نہیں دی گئی جو موسیٰ اور وفادار ابراہیم کے صحیفوں میں تھا کہ کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی اس نے کوشش کی اور یہ کہ اس کی کوشش جلد دکھائی جائے گی۔ پھر اس کو پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اَکْدٰی: اُس نے بند کر دیا، اس نے روک دیا، وہ پتھر کی مانند سخت نکلا۔ اِکْدَاءٌ سے ماضی۔

تَزِرُ: وہ بوجھ اٹھاتی ہے۔ وِزْرٌ سے مضارع۔

تشریح: مجاہد وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن کر اس کو اسلام کی طرف تھوڑی سی رغبت ہو چلی تھی۔ اللہ کے عذاب سے ڈر کر وہ اسلام قبول کرنے کے قریب تھا کہ مشرکین اس کو ملامت کرنے لگے۔ اس نے کہا کہ اگر قیامت آ گئی جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں تو پھر وہاں کا عذاب کس طرح برداشت کروں گا۔ مجھے اس سے خوف آتا ہے۔ اس پر ایک کافر نے کہا کہ اگر وہاں عذاب کی نوبت آئی تو میں ضامن ہوں۔ میں تیرے سب گناہ اپنے اوپر لیے لیتا ہوں اور تیری طرف سے میں سزا بھگت لوں گا بشرطیکہ تو مجھے اس قدر مال دیدے۔ ولید نے وعدہ کرلیا اور مقررہ رقم میں سے کچھ رقم ادا کردی۔ بعد میں باقی رقم سے انکار کردیا۔ اس صورت میں واعطی قلیلا واکدیٰ کے معنی یہ ہوں گے کچھ مال دیا پھر ہاتھ کھینچ لیا۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اسلام کے لئے اس کے دل میں جو نرمی پیدا ہوئی تھی وہ مشرکین کی ملامت سے پھر کفر کی قساوت وشقاوت میں تبدیل ہوگئی۔

پھر فرمایا کہ کیا یہ غیب کی بات دیکھ کر آیا ہے کہ آئندہ اس کو کفر کی سزا نہ ملے گی اور یہ اپنی جگہ دوسرے کو پیش کر کے چھوٹ جائے گا۔ کیا اس کو ان باتوں کی خبر نہیں پہنچی جو حضرت موسیٰ اور حضرت ابرہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں ہے حالانکہ وہ قرآن سے بہت پہلے نازل ہو چکے ہیں اور ان کی باتیں لوگوں میں معروف ومشہور ہیں۔ ان صحیفوں میں یہ بات واضح طور پر بیان کردی گئی کہ کوئی مجرم دوسرے گنہگار کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک کو اپنی اپنی جوابدہی کرنا ہوگی۔ آدمی کوشش کر کے جو کچھ کما تا ہے وہی اس کا ہے کسی کی جد وجہد اور عملی کوشش ضائع نہیں ہوتی خواہ خیر ہو یا شر اس کو اس کی کوشش کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

طبرانی نے حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوسعید کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اللہ جنت کے اندر نیک بندے کے درجے کو اونچا کر دے گا۔ بندہ عرض کرے گا۔ اے میرے رب میرے اس درجے کی بلندی کیسے ہوئی۔ اللہ فرمائے گا کہ تیرے بیٹے نے تیرے لئے مغفرت کی دعا کی تھی (اس کی وجہ سے) تیرا درجہ بلند کردیا گیا۔

طبرانی نے الاوسط میں مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا میری امت مرحومہ امت ہے۔ اپنے ساتھ گناہ لے کر قبروں میں جائے گی اور قبروں سے بے گناہ ہوکر نکلے گی۔ مومن اس

کے لئے دعا مغفرت کریں گے جس کی وجہ سے وہ گناہوں سے پاک ہو جائے گی۔

(عثمانی ۶۱۸/ ۲، مظہری ۱۲۳، ۹/۱۳۰)

خالق و قادر مطلق

۴۲۔۵۵۔ وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی ۝ وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَ اَبْکٰی ۝ وَ اَنَّہٗ
ھُوَ اَمَاتَ وَاَحْیَا ۝ وَ اَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَ الْاُنْثٰی ۝
مِنْ نُّطْفَۃٍ اِذَا تُمْنٰی ۝ وَاَنَّ عَلَیْہِ النَّشْاَۃَ الْاُخْرٰی ۝ وَ اَنَّہٗ
ھُوَ اَغْنٰی وَ اَقْنٰی ۝ وَ اَنَّہٗ ھُوَ رَبُّ الشِّعْرٰی ۝ وَ اَنَّہٗٓ اَھْلَکَ
عَادَا ۨ الْاُوْلٰی ۝ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰی ۝ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ
اِنَّھُمْ کَانُوْا ھُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰی ۝ وَ الْمُؤْتَفِکَۃَ اَھْوٰی ۝
فَغَشّٰھَا مَا غَشّٰی ۝ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکَ تَتَمَارٰی ۝

اور یہ کہ آپ کے رب ہی کے پاس جانا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے اور یہ کہ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے اور یہ کہ اسی نے نطفے سے مذکر و مونث کا جوڑا پیدا کیا، جبکہ وہ ڈالا جاتا ہے اور یہ کہ دوبارہ پیدا کرنا اسی کے ذمے ہے اور یہ کہ وہی غنی کرتا اور فقیر بناتا ہے اور یہ کہ وہی شعریٰ ستارے کا رب ہے اور یہ کہ اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کر دیا اور ثمود کو بھی پھر (ان میں سے) کوئی بھی باقی نہ رہا اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی، بیشک وہ بڑے ظالم اور بڑے سرکش تھے۔ اور (قوم لوط کی) بستیوں کو بھی الٹ دیا تھا۔ پھر ان بستیوں پر آ پڑا جو کچھ کہ آ پڑا۔ پھر تو اپنے رب کس کس نعمت کو جھٹلائے گا۔

اَقْنٰی: اس نے عطا کیا۔ اس نے خزانے والا بنایا۔ اس نے فقیر بنایا۔ اِقْنَاءٌ سے ماضی۔

الشِّعْرٰی: ایک ستارے کا نام، قبیلۂ خزاعہ کے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔

الْمُؤْتَفِکَۃَ: الٹی ہوئی، منقلب، مراد قوم لوط کی بستیاں۔

اَھْوٰی: اس نے پھینک مارا، اس نے دے پٹکا۔ اِھْوَاءٌ سے ماضی۔

تَتَمَارٰی: تو جھٹلاتا ہے، تو جھگڑا کرتا ہے، تو شک کرتا ہے۔ تَمَارِیٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں یہ بھی ہے۔ اسی کی ذات پر شے کا منتہیٰ ہے سب کی حاجتیں اسی کی طرف پہنچتی ہیں اور آخر کار سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہی ہر ایک کو نیکی و بدی کا پھل دے گا۔ بندے جو اعمال کرتے ہیں ان کا خالق اللہ ہی ہے یہاں تک کہ ہنسی اور رونا بھی اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس لئے غمی اور خوشی کے احوال واقعات سے دو چار کر کے وہی انسان کو ہنساتا اور رلاتا ہے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ ہر خوشی و مسرت اللہ ہی سے مانگے اور رنج و غم کے وقت اسی کو پکارے۔ موت و حیات کا خالق اللہ ہی ہے اس لئے وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی عطا کرتا ہے اور اسی نے نطفے سے جوڑا پیدا کیا یعنی نر و مادہ۔ پس جس ذات کی شان خالقیت ایسی ہو اس کے لئے قیامت کے دن انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے اس لئے قیامت کے روز وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر کے ضرور اٹھائے گا اور وہی اپنے بندوں کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے اور رزق کے معاملے میں کسی کا محتاج نہیں رکھتا۔ وہ جس کو چاہتا ہے زمین، جائیداد، مویشی اور اموال دے کر مال دار بنا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے فقیر بنا دیتا ہے۔

پھر فرمایا کہ شعریٰ ستارے کا پروردگار بھی وہی ہے تمام اُلٹ پھیر اسی کے دست قدرت میں ہیں۔ شعریٰ ایک بہت بڑا ستارہ اور اللہ کی مخلوق ہے، لات و عزیٰ کی طرح یہ بھی قابل عبادت نہیں۔ اہل عرب اور مشرکین اس کو پوجتے تھے اور سمجھتے تھے کہ احوال عالم میں اس کی بڑی تاثیر ہے۔ اللہ ہی نے قوم ہود اور قوم ثمود کو ہلاک کیا اور ان میں سے کسی کو بھی باقی نہ چھوڑا۔ ان سے پہلے قوم نوح کو بھی اسی نے ہلاک کیا، بیشک یہ سب بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اسی نے بستیاں الٹ کر قوم لوط کو ہلاک کیا اور اوپر سے نامزد کنکر برسائے۔ تو اے مخاطب تو اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت میں شک کرے گا اور کس کس نعمت کو جھٹلائے گا۔ (عثمانی ۲/۶۱۸)

قیامت کا قریب ہونا

۵۶-۶۲۔ هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ۞ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۞ لَيْسَ لَهَا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۞ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۞ وَ
تَضْحَكُوْنَ وَلَا تَبْكُوْنَ ۞ وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ۞ فَاسْجُدُوْا
لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۞

یہ نبی بھی پہلے ڈرانے والوں میں سے ایک ڈرانے والے ہیں۔ آنے والی (قیامت) قریب آ گئی اللہ کے سوا اس (کے ٹھیک وقت) کو کوئی کھول کر نہیں دکھا سکتا۔ کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو، روتے نہیں اور غفلت میں پڑے ہو۔ اب اللہ کو سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔

تشریح: اے مشرکین مکہ جس طرح سابقہ انبیاء اپنی اپنی امتوں کو ڈراتے رہے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی مجرموں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہیں۔ یہ اللہ کے آخری نبی ہیں ان پر ایمان لانے میں کسی طرح تامل نہیں کرنا چاہئے کیونکہ قیامت قریب آ چکی ہے۔ اس کے آنے کا صحیح وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا البتہ جب وہ آ جائے گی تو کسی کی طاقت نہیں کہ اس کو ٹال سکے۔ اس کی ہولناکیاں اور شدید مصائب اللہ کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔

کیا تم کلام خداوندی یعنی قرآن مجید پر تعجب کرتے ہو حالانکہ قیامت اور اس کے قرب کا ذکر سن کر تو تمہیں اللہ کے خوف سے رونا چاہئے تھا۔ اور اپنے بچاؤ کی تیاری کرنی چاہئے تھی۔ مگر تم تو الٹا اس پر تعجب کرتے اور ہنستے ہو اور عذاب کے خوف سے رونے کی بجائے تکبر کرتے ہو۔ قرآن اور اللہ کے احکام ہنسی مذاق کی چیزیں نہیں اس لئے ان سے غفلت و اعراض اور تکبر نہیں کرنا چاہئے۔ سو اب خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے وعدۂ ثواب اور وعید عذاب پر یقین رکھتے ہوئے اسی کو سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو۔

بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ (مذکورہ آیات کے نزول کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن و انس نے سجدہ کیا۔ (مظہری: ج ۹، ص ۱۳۴)

سورۃ القمر

وجہ تسمیہ: اس کو سورۃ القمر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں آنحضرت ﷺ کے عظیم الشان معجزۂ شق القمر کا ذکر ہے۔ جو قیامت کی نشانی اور اس کے قریب آ جانے کی علامت تھا۔

تعارف: اس میں تین رکوع، ۵۵ آیات، ۳۴۲ کلمات اور ۱۴۲۳ حروف ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکے میں نازل ہوئی، لیکن مقاتل کہتے ہیں کہ یہ سورت مکیہ ہے سوائے تین آیتوں کے (**ام یقولون نحن ادھیٰ وامرّ تک**)۔ سورۃ کی ابتدا شق القمر کا عظیم الشان معجزہ بیان کر کے فرمائی گئی۔ پھر اقوامِ سابقہ کا مختصر احوال اور مجرموں کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

ابو واقد اللیثی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید و بقر عید میں سورۂ ق اور سورت اقتربة الساعة پڑھتے تھے۔ (روح المعانی ۲۷/۷۳، مواہب الرحمٰن ۲۷/۱۲۲)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: شق القمر کا واقعہ اور قوم نوح اور قومِ عاد کی طرف سے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کا حال مذکور ہے۔

رکوع ۲: قوم ثمود اور قوم لوط کی طرف سے پیغمبروں کی تکذیب کا بیان ہے۔

رکوع ۳: آلِ فرعون کی طرف سے اپنے پیغمبر کی تکذیب اور مجرموں اور پرہیزگاروں کا حال مذکور ہے۔

واقعۂ شق القمر

۱، ۸۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا
وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ
اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝

حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ
إِلَىٰ شَيْءٍ نُّكُرٍ ۝ خُشَّعًا أَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ
كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝ مُّهْطِعِينَ إِلَى الدَّاعِ ۖ يَقُولُ الْكَافِرُونَ
هَٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝

قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ اگر وہ (منکرین) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جادو ہے جو پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ انہوں نے تکذیب کی اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔ یقیناً اُن کے پاس ایسی خبریں پہنچ چکیں جن میں (کافی) عبرت اور کامل دانائی ہے لیکن خوف دلانے والی چیزوں نے (بھی) ان کو کچھ فائدہ نہ دیا، سو آپ ان سے کنارہ کرلیں۔ جس (قیامت کے) دن بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف بلائے گا (اس دن) وہ آنکھیں جھکائے ہوئے قبروں سے اس طرح نکل کھڑے ہوں گے کہ گویا وہ پھیلا ہوا ٹڈی دل ہے۔ (وہ) بلانے والے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (اور) کافر کہیں گے کہ یہ تو بڑا ہی سخت دن ہے۔

اِنْشَقَّ: وہ شق ہوگیا، وہ پھٹ گیا۔ اِنْشِقَاقٌ سے ماضی۔

مُسْتَمِرٌّ: قدیمی، ہمیشہ کا، مضبوط۔ اِسْتِمْرَارٌ سے اسمِ فاعل۔

مُسْتَقِرٌّ: قرار پکڑنے والا، ٹھہرنے والا۔ اِسْتِقْرَارٌ سے اسمِ فاعل۔

مُزْدَجَرٌ: ڈانٹ، نصیحت، منع کرنا۔ اِزْدِجَارٌ سے مصدر میمی۔

نُكُرٍ: ناگوار، انجان، نہایت ہولناک۔

خُشَّعًا: خشوع کرنے والے، عاجزی کرنے والے۔ خُشُوْعٌ سے اسمِ فاعل۔

اَجْدَاث: قبریں۔ واحد جدث۔

جَرَادٌ: ٹڈیاں۔ اسم جنس ہے۔ واحد جَرَادَةٌ۔

مُهْطِعِيْنَ: دوڑ کر آنے والے، اُمنڈ کر آنے والے۔ اِهْطَاعٌ سے اسمِ فاعل۔

عَسِرٌ: سخت، مشکل، دشوار۔ عُسْرٌ سے صفت مشبہ۔

شانِ نزول: ہجرت سے کوئی پانچ سال پہلے آپ ﷺ کے عہد میں چاند دوٹکڑے ہوا۔ ابن جریر نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ مشرکین مکہ جمع ہوکر آپؐ کے پاس آئے اور آپ سے نبوت کی نشانی طلب کی تو آپ ﷺ نے چاند کے دوٹکڑے کرکے دکھادیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ مشرکین کہنے لگے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کے دوٹکڑے کرکے دکھادیں کہ نصف ٹکڑا جبل ابی قبیس پر اور نصف حصہ جبل قعیقعان پر ہو۔ شق القمر کا مطالبہ کرنے والوں میں قریش کے بڑے بڑے سردار ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن مطلب، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث اور زمعہ بن اسود شامل تھے۔

آپ نے فرمایا کہ اگر یہ معجزہ دکھادوں تو ایمان بھی لاؤ گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئیں گے۔ یہ چاند کی چودھویں رات تھی اور آپ منیٰ میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اپنے رب عزوجل سے دعا کی کہ جو کچھ مشرکین سوال کررہے ہیں وہ آپ کو عطا فرمادے۔ پھر آپؐ نے انگشتِ شہادت سے چاند کی طرف اشارہ فرمایا۔ اسی وقت چاند کے دوٹکڑے ہوگئے۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا جبل قعیقعان پر تھا۔ اس وقت لوگوں کی حیرت کا یہ عالم تھا کہ وہ بار بار اپنی آنکھوں کو کپڑے سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو دوٹکڑے نظر آتے تھے، آپ ﷺ لوگوں سے فرمارہے تھے کہ دیکھو اور شہادت دو۔ عصر سے رات تک جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر تک چاند اسی حالت میں رہا۔ نہ صرف قریش نے چاند کو اس حالت میں دیکھا بلکہ اطراف و جوانب سے آنے والوں نے بھی شقِ قمر کی تصدیق کی کہ فلاں شب کو انہوں نے چاند کو دوحصوں میں دیکھا۔

طبرانی اور ابنِ مردویہ نے عکرمہ کے طریق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں چاند گرہن ہوا تو منکرین کہنے لگے کہ چاند پر جادو کردیا گیا ہے۔ اس پر آیات **اقتربت الساعة** .... **الی مستمر** نازل ہوئیں۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قریب آگئی اور اس کے قریب آنے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ چاند پھٹ گیا اور دوٹکڑے ہوکر ایک ٹکڑا ایک طرف چلا گیا اور دوسرا دوسری طرف۔ ایسا عظیم الشان معجزہ اور نشانی دیکھنے کے بعد ان مشرکوں کو فوراً ایمان لے آنا چاہئے تھا مگر اُن کا حال یہ ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی بے رخی کرتے ہیں اور تسلیم کرنے کی بجائے اس کو بے حقیقت جادو بتاتے ہیں۔

کافروں کی پرانی عادت ہے کہ وہ وحی کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ اسی لئے مشرکینِ مکہ نے بھی معجزہ اور پیغمبر کی نشانی کو دیکھ کر قدرتِ خداوندی کی تکذیب کی اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔ اُن کی اس بے رخی اور اعراض کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کو عذابِ الٰہی سے اسی وقت ہلاک کر دیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اُن کو مہلت دی کیونکہ اللہ کی طرف سے ہر کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ عذاب کا بھی وقت مقرر ہے، وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اللہ کے علم میں اُن کی جو گمراہی اور ہلاکت ٹھہر چکی ہے وہ کسی صورت ٹلنے والی نہیں۔

قرآنِ کریم تو حکمت اور عقل کی باتوں کا مجموعہ ہے، جو ذرا سی نیک نیتی اور توجہ سے دل میں اُترتی چلی جاتی ہیں۔ اس قرآن کے ذریعے ان کے پاس گزشتہ اقوام اور آخرت کی بہت سی خبریں اور احوال پہنچ چکے ہیں جن میں اُن کے لئے عبرت و نصیحت کا کافی سامان ہے لیکن ان کافروں کو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا، کوئی نصیحت و فہمائش ان پر اثر نہیں کرتی، اب ان بدبختوں سے ہدایت قبول کرنے کی توقع نہیں۔ سو آپ بھی ایسے سنگ دلوں سے رُخ پھیر لیجئے اور اُس دن کا انتظار کیجئے جس دن ایک پکارنے والا، ایک ناگوار چیز یعنی حساب و کتاب کے لئے بلائے گا۔ اس وقت ان کافروں کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ وہ قبروں سے اس طرح نکلیں گے جیسے زمین پر ٹڈی دل پھیلا ہوا ہو اور وہ اپنی گردنوں کو دراز کئے ہوئے پکارنے والے کی آواز کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہوں گے۔ یہ ایسا منظر ہوگا کہ کافر پکار اُٹھیں گے کہ یہ تو بہت ہی سخت دن ہے۔ ظاہر ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری اور حساب و کتاب کے لئے پیشی کوئی آسان معاملہ نہیں۔ البتہ اہلِ ایمان و تقویٰ اطمینان و سکون اور فرحت و انبساط سے میزانِ عمل کی طرف جائیں گے۔ (عثمانی ۶۲۲/۲، مظہری ۱۳۵۔۱۳۷/۹)

قومِ نوح کی تکذیب

۹۔۱۷۔ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ
وَازْدُجِرَ ۝ فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ۝ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ
السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ ۝ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ
قَدْ قُدِرَ ۝ وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ ۝ تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا ۚ
جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ۝

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی ہمارے بندے کو جھٹلایا تھا اور کہہ دیا تھا کہ (یہ تو) دیوانہ اور دھتکارا ہوا ہے، سو اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر، پھر ہم نے موسلا دھار بارش سے آسمان کے دہانے کھول دیئے اور زمین سے (پانی کے) چشمے بہادیئے اور اس کام کے لئے جو مقدر کیا گیا تھا خوب پانی جمع ہوگیا اور ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی کشتی پر سوار کرلیا جو ہماری نگرانی میں چل رہی تھی۔ یہ سب اس (نبی) کا بدلہ لینے کے لئے کیا گیا جس کی بے قدری کی گئی تھی۔ ہم نے (اس کشتی یا واقعے کو) نشانی کے طور پر باقی رکھا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ پھر دیکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ بے شک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

اُزْدُجِرَ: وہ ڈانٹا گیا، اس کو دھتکارا گیا۔ اِزْدِجَارٌ سے ماضی مجہول۔

مُنْهَمِرٍ: موسلا دھار برسنے والا، خوب برسنے والا۔ اِنْهِمَارٌ سے اسمِ فاعل۔

فَجَّرْنَا: ہم نے پھاڑا، ہم نے جاری کیا، ہم نے ملایا۔ تَفْجِيْرٌ سے ماضی۔

دُسُرٍ: کیلیں، میخیں، رسیاں۔ واحد دِسَارٌ۔

مُدَّكِرٍ: نصیحت حاصل کرنے والا، عبرت پکڑنے والا۔ اِدِّكَارٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: ان مشرکینِ مکہ سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی اپنے پیغمبر حضرت نوحؑ کو جھٹلایا اور دیوانہ کہا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر تم باز نہ آئے تو ہم تمہیں سنگسار کردیں گے۔ پھر جب اللہ کی طرف سے وحی آ گئی کہ قوم میں سے جو لوگ ایمان لانے والے تھے وہ ایمان لا چکے۔ اب آئندہ ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا، تو اس وقت حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! میں تو عاجز و بے بس ہوگیا ہوں۔ یہ لوگ مجھ پر غالب آ گئے ہیں۔ اب تو ہی میرا انتقام لے اور میری مدد فرما۔ سو اللہ نے اُن کی دعا قبول فرمائی اور آسمان سے طوفانی بارش برسائی اور زمین سے چشمے جاری کردیئے۔ پھر زمین سے اُبلنے والے اور آسمان سے برسنے والے دونوں پانی

اسی طرح مل گئے کہ قوم نوح اس میں غرق ہوگئی اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک بھی کسی کو پناہ نہ ملی ۔ اس طرح قوم نوح کی غرقابی کا فیصلہ جو اللہ کے ہاں مقدر تھا، نافذ ہوگیا۔

پھر فرمایا کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو ایک کشتی پر سوار کر کے اس طوفان سے بچا لیا۔ یہ کشتی جو تختوں اور میخوں سے بنائی گئی تھی ہماری حفاظت اور نگرانی میں چل رہی تھی ۔ ہر نبی اپنی امت کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام بھی اپنی قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمت تھے لیکن قوم نے اس نعمت کا کفران کیا جو اللہ نے ان کو نوح کی صورت میں عطا کی تھی، اس لئے اللہ نے اس ناشکری پر قوم کو غرق کر دیا اور حضرت نوح کو کشتی پر سوار کر کے بچا لیا۔

ہم نے اس واقعے کو نشانی بنا کر ہمیشہ کے لئے باقی رکھا تا کہ اللہ کے پیغمبروں کی نافرمانی اور انکار کرنے والے اس سے عبرت و نصیحت حاصل کریں۔ کیا کوئی اس میں غور وفکر کر کے نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو حفظ کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ اس سے پہلے یہ بات کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ پوری کتاب جیسے توریت یا انجیل یا زبور، زبانی یاد ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی ہی کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پورے قرآن کو ایسا حفظ کر لیتے ہیں کہ ایک زبر زیر کا فرق نہیں آتا، چودہ سو برس سے ہر زمانے، ہر طبقے اور ہر خطے میں ہزاروں، لاکھوں حافظوں کے سینوں میں یہ قرآن محفوظ ہے۔ آیت کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے اپنے مضامینِ عبرت و نصیحت کو ایسا آسان کر کے بیان کیا ہے کہ جس طرح بڑے بڑے عالم، فلسفی اور حکیم اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اسی طرح عام آدمی بھی اس کے عبرت و نصیحت کے مضامین پڑھ کر اس سے متاثر ہوتا ہے۔ (معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ۲۳۰/ ۸، مظہری ۱۳۷، ۹/۱۳۸)

قومِ عاد کی تکذیب

۱۸، ۲۲۔ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۞ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ۞ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۞ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۞ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۞

قومِ عاد نے (بھی) تکذیب کی، سو دیکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا،

بے شک ہم نے ایک دائمی نحوست کے دن میں اُن پر ایک تند ہوا بھیجی جو
لوگوں کو اس طرح اُکھاڑ پھینک رہی تھی کہ گویا وہ جڑ سے اُکھڑے ہوئے کھجور
کے درخت ہیں ۔ سو دیکھ لو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا ۔ بے شک ہم نے
قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ۔

صَرْصَرًا: تیز آندھی جس میں سخت آواز ہو ۔ سخت ٹھنڈک ۔

تَنْزِعُ: وہ اُکھاڑ پھینکتی ہے، وہ چھین لیتی ہے، وہ گرا دیتی ہے ۔ نَزْعٌ سے مضارع ۔

اَعْجَازُ: (درختوں کے) تنے ۔ واحد عَجُزٌ ۔

مُنْقَعِرٍ: جڑ سے اُکھڑا ہوا ۔ اِنْقِعَارٌ سے اسمِ فاعل ۔

تشریح: قومِ نوح کی طرح قومِ عاد بھی سرکشی پر اُتر آئی تھی ۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تھی، سو دیکھ لو کہ نزولِ عذاب سے پہلے میں نے ان کو جس عذاب سے ڈرایا تھا اور جس کا وہ تمسخر اور ہنسی اُڑایا کرتے تھے وہ ان کے لئے کیسا ہولناک ثابت ہوا، پھر جب عذاب آیا تو سب ہلاک ہو گئے اور اُن کی ہلاکت و تباہی کی عبرت ناک تاریخ قیامت تک نمونۂ عبرت بنا دی گئی ۔

بے شک ہم نے ان پر اُکھاڑ پھینکنے والی تند و تیز ہوا بھیجی تھی ۔ یہ دن اُن کے لئے بہت ہی منحوس تھا کہ اس دن شروع ہونے والی سخت آندھی مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک چلتی رہی اور ان کو تہ و بالا کرتی رہی ۔ اس نے چھوٹے بڑے اور بچے بوڑھے کسی کو نہ چھوڑا، سب کو ہلاک کر دیا ۔ یہ آندھی لوگوں کو اس طرح اُٹھا اُٹھا کر پھینک رہی تھی کہ گویا وہ جڑ سے اُکھڑے ہوئے کھجور کے تنے ہیں ۔ اُن کو کھجور کے تنوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ وہ لوگ نہایت تنومند اور بڑے ڈیل ڈول والے تھے ۔ وہ زمین پر ایسے پچھڑے ہوئے تھے گویا کہ کھجور کے درخت اُکھاڑ کر پھینک دیئے گئے ہیں ۔ میں نے تو اس قرآن کو عبرت حاصل کرنے یا یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے، جو چاہے اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے یا اس کو زبانی یاد کرے ۔

قومِ ثمود کی تکذیب

۲۳-۳۲۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ۝ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ
اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۝ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ۝ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ۝
اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ۝ وَنَبِّئْهُمْ
اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ۝ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ
فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ۝ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا
عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا
الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ۝

قومِ ثمود نے بھی رسولوں کو جھٹلایا، وہ کہنے لگے کہ کیا ہم ایک ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہم ہی میں سے ہے اور تنہا ہے۔ تب تو ہم ضرور گمراہی، اور دیوانگی میں جا پڑیں گے۔ کیا ہم میں سے اسی پر نصیحت اُتری بلکہ وہ تو بڑا جھوٹا اور خود پسند ہے۔ اس کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا اور خود پسند ہے، بے شک ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجیں گے، سو (اے صالح) تم انہیں دیکھتے رہنا اور صبر سے کام لینا اور اُن کو بتا دینا کہ ان کے درمیان پانی تقسیم کر دیا گیا ہے، ہر ایک اپنی باری پر آیا کرے۔ پھر انہوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے دست درازی کی اور (اُونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔ ہم نے ان پر ایک چیخ (کا عذاب) بھیجا تو وہ ایسے ہو گئے جیسے کانٹوں کی روندھی ہوئی باڑھ ہو اور ہم نے نصیحت کے لئے قرآن کو آسان کر دیا تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

سُعُرٌ: آگ بھڑکانا، جنون، دیوانگی۔

اَشِرٌ: بڑائی مارنے والا، بہت زیادہ اترانے والا۔ اَشَرٌ سے صفت مشبہ۔

اِرْتَقِبْهُمْ: تو اُن کا انتظار کر۔ اِرْتِقَابٌ سے امر۔

اِصْطَبِرْ: تو صبر کر۔ تو قائم رہ۔ اِصْطِبَارٌ سے امر۔

تَعَاطٰی: اس نے دست درازی کی، اس نے وار کیا، اس نے پکڑا۔ تَعَاطِی سے ماضی۔

عَقَرَ: اس نے کونچیں کاٹ دیں، اس نے پاؤں کاٹ دیئے، اس نے ذبح کر دیا۔ عَقْرٌ سے ماضی۔

هَشِيْم: بھس، روندا ہوا، ریزہ ریزہ۔

مُحتَظِرِ: کانٹوں کی باڑ لگانے والا۔ اِحْتِظَارٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: قومِ ثمود نے بھی اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔ جب ان کو انکار اور تردید کی کوئی دلیل نہیں ملی تو کہنے لگے، کہ کیا ہم ایسے شخص کی اتباع کریں جو ہماری طرح کا آدمی ہے اور اکیلا ہے اور کوئی بھی اس کے تابع نہیں ہے۔ اگر ہم نے اس کی تابع داری اختیار کر لی تو یہ ہماری بڑی غلطی اور دیوانہ پن ہوگا۔ آخر اس پر کیوں وحی نازل کی گئی حالانکہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو وحی کے اس سے زیادہ مستحق ہیں۔ حقیقت میں یہ سچا نہیں ہے، بلکہ نبوت کا دعویٰ کر کے یہ ہم سے بلند مرتبہ بننا چاہتا ہے۔

ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عن قریب جب عذاب نازل ہوگا تو یہ لوگ جان لیں گے کہ کون جھوٹا اور بڑائی مارنے والا ہے۔ پھر جب قومِ ثمود نے نبوت کے ثبوت کے لئے حضرت صالح علیہ السلام سے معجزہ طلب کیا اور خود ہی اس کی صورت بھی تجویز کر دی کہ پتھر کی ایک چٹان کے اندر سے ایک دس ماہ کی حاملہ سرخ اونٹنی برآمد کر دو تو اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح سے فرمایا کہ ہم ان کی آزمائش کے لئے ایک اونٹنی بھیجنے والے ہیں، سو آپ ان کے انجام کا انتظار کیجئے اور صبر کیجئے اور ان لوگوں کو بتا دیجئے کہ کنویں کا پانی ان لوگوں اور اونٹنی میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک دن تمام پانی اونٹنی کے لئے ہے اور ایک دن تمام پانی قوم کے لئے ہے۔ ہر فریق اپنی اپنی باری کے دن پانی پر آئے گا۔ پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بلایا جس نے آکر اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ سو دیکھ لو کہ میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا ہوا۔ ہم نے ان پر ایک ہولناک آواز بھیجی جس سے وہ روندی ہوئی کانٹوں کی باڑ یا کٹی ہوئی کھیتی کے سوکھے ہوئے پتوں کی مانند ہو گئے جو اُڑ کر بے نام و نشان ہو جاتے ہیں۔ بے شک ہم نے اس قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے یا زبانی یاد کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ سو جو چاہے اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے یا اس کو زبانی یاد کرے۔

قومِ لوط کی تکذیب

۳۳۔۴۰۔ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ
اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ
مَنْ شَكَرَ ۝ وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ۝

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ۝ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

قوم لوط نے بھی رسولوں کی تکذیب کی۔ ہم نے اُن پر پتھر برسانے والی ہوا بھیجی، سوائے لوط کے گھر والوں کے کہ ہم نے اپنے فضل سے ان کو اخیر شب میں بچالیا۔ جو شکر کرتا ہے ہم اس کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ البتہ لوط نے تو ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا بھی لیکن انہوں نے اس ڈرانے میں جھگڑے پیدا کئے اور انہوں نے لوط کے مہمانوں کو (برے ارادے سے) لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں چوپٹ کردیں کہ لو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ چکھو۔ بیشک ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کردیا، سو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔

حَاصِبًا: پتھر برسانے والی تیز ہوا۔ سخت آندھی۔ حَصَبٌ سے اسمِ فاعل۔

تَمَارَوْا: انہوں نے گفتگو کی، انہوں نے بحث کی، انہوں نے جھگڑا کیا۔ تَمَارِیٌ سے ماضی۔

طَمَسْنَا: ہم نے بےنور کردیا، ہم نے مٹا دیا۔ طَمْسٌ سے ماضی۔

تشریح: قومِ لوط نے بھی اپنے پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی تکذیب کی، جنہوں نے قوم کو اللہ کی نافرمانی پر آخرت کے عذاب سے ڈرایا تھا۔ اس بد بخت قوم کی بداعمالیوں کی سزا میں ہم نے اُن پر ایسے پتھروں کی بارش کی جن پر اُن کے نام لکھے ہوئے تھے، اور محض اپنے فضل سے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کو رات کے آخری حصے میں بستی سے نکال کر عذاب سے بچالیا۔ شکر گزاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔

بے شک اللہ کے رسول نے تو پہلے ہی اُن کو ہمارے عذاب سے خبردار کردیا تھا مگر انہوں نے اس خبردار کرنے میں شک و شبہ اور جھگڑا کیا۔ پھر جب اللہ کے فرشتے مہمانوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے اور قوم کو خبر ہوئی تو وہ اپنے بےہودہ جذبات کی تسکین کے لئے ان پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اگرچہ گھر کا دروازہ بند کردیا تھا تاکہ یہ بدبخت، مہمانوں تک نہ پہنچ سکیں مگر وہ دروازہ توڑنے کے درپے ہوگئے۔ جب کسی طرح باز نہ آئے تو اللہ نے

ان کو بالکل اندھا کر دیا۔ اب ان کو کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دیواریں ٹٹولتے ہوئے باہر نکلے۔

پھر فرمایا کہ اب میرے عذاب اور ڈرانے کا مزہ چکھو۔ اندھا کرنے کے بعد صبح سویرے ہی ان کی بستیاں اُلٹ دی گئیں اور اُوپر سے ان پر پتھر برسائے گئے۔

بے شک ہم نے اس قرآن کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے۔ کوئی بھی اس سے عبرت و نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔

آلِ فرعون کی تکذیب

۴۱۔۴۶۔ وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۚ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۚ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝

البتہ آلِ فرعون کے پاس بھی ڈرانے والے آئے تھے، انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا، سو ہم نے بھی اُن کو بڑی زبردست گرفت سے قابو میں لے لیا۔ اے اہلِ مکہ! کیا تم میں جو کافر ہیں وہ ان کافروں سے بہتر ہیں یا پہلی کتابوں میں تمہارے لئے نجات لکھ دی گئی ہے یا وہ کہتے ہیں کہ ہم (بدلہ لینے کے لئے) زبردست جماعت ہیں۔ عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی بلکہ قیامت (کی گھڑی) اُن کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ ہے۔

مُقْتَدِرٍ: ہر طرح کی قدرت والا، قابو والا۔ اِقْتِدَارٌ سے اسمِ فاعل۔

مُنْتَصِرٌ: بدلہ لینے والا، طاقت ور۔ اِنْتِصَارٌ سے اسمِ فاعل۔

يُهْزَمُ: وہ شکست دیئے جائیں گے، اُن کو ہرایا جائے گا۔ هَزِيْمَةٌ سے مضارع۔

اَدْهٰى: بہت سخت، بڑی آفت، سخت رُسوا کرنے والا۔ دَهْىٌ سے اسمِ تفضیل۔

اَمَرُّ: بہت تلخ، ناگوار۔ مَرَارَةٌ سے اسمِ تفضیل۔

تشریح: ہم نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو بڑے بڑے معجزے اور زبردست نشانیاں دے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا تھا لیکن فرعون اور اُس کی قوم نے تمام معجزوں اور نشانیوں کو جھٹلایا۔ اس پر ہم نے بھی اُن کو اپنی ایسی سخت گرفت اور عذاب میں پکڑ لیا کہ وہ اس سے بچ کر نہ نکل سکے اور فرعون کو اس کے لشکر سمیت غرق کر دیا۔

اے مشرکینِ مکہ! کیا تم میں کے کافر گزشتہ کافروں سے کچھ بہتر ہیں کہ اس بنا پر عذاب سے بچ جائیں گے یا تمہارے لئے آسمانی کتابوں میں عذاب الٰہی سے امان لکھی ہوئی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی کفر اور پیغمبروں کی تکذیب کرے گا تب بھی اس کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ظاہر ہے ایسی کوئی بات نہیں تو پھر کیا یہ لوگ ایسی مضبوط جماعت ہیں کہ یہ ہر اُس طاقت سے بدلہ لیں گے جو ان پر کسی قسم کی گرفت کرے گی، نہیں ہرگز ایسا نہیں بلکہ عن قریب یہ سب شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس وقت ان کو اپنی قوت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ چنانچہ بدر میں یہ پیش گوئی پوری ہوئی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اِن سب کے عذاب پانے کا وقت مقرر ہو چکا ہے جو قیامت کا دن ہے۔ بلاشبہ قیامت بہت بڑی آفت اور سخت مصیبت کا وقت ہوگا۔ اس کے عذاب و شدت کو کوئی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔

مجرموں اور پرہیزگاروں کا حال

۴۷۔۵۵، اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ۝ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ
عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ۝ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ۝
وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ۝ وَكُلُّ
صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ۝ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ۝ فِيْ
مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

بے شک گناہ گار بڑی گمراہی اور جہالت میں پڑے ہوئے ہیں، جس دن وہ منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (تو اُن سے کہا جائے گا کہ) آگ میں جلنے کا مزہ چکھو۔ بے شک ہم نے ہر چیز ایک مقررہ اندازے سے بنائی ہے اور ہمارا حکم بس ایسا یک بارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ کا جھپکنا۔ ہم تو

تمہارے جیسے بہت سے لوگوں کو غارت کر چکے ہیں، تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا۔ جو کچھ اُنہوں نے کیا وہ ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (نامۂ اعمال میں) لکھی ہے۔ یقیناً پرہیزگار باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ ایک اعلیٰ مقام میں صاحب قدرت بادشاہ کے پاس (بیٹھے) ہوں گے۔

یُسْحَبُوْنَ: وہ گھسیٹے جائیں گے، وہ کھینچے جائیں گے۔ سَحْبٌ سے مضارع مجہول۔

سَقَرَ: آگ، دوزخ کے ایک طبقے کا نام۔

قَدَرٍ: مقدار، تخلیق سے پہلے اندازہ کر لینا یا امرِ مقدر جو لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے۔

لَمْحٍ: پلک جھپکنا، نظر چُرا کر دیکھنا۔

اَشْیَاعَکُمْ: تمہارے ہم مذہب، تمہارے ساتھی۔ واحد شِیْعَةٌ۔

مُسْتَطَرٌ: لکھا ہوا۔ اِسْتِطَارٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: بے شک مجرمین و منکرین خواہ وہ مشرکینِ مکہ ہوں یا کوئی اور، بڑی گمراہی اور حماقت میں پڑے ہوئے ہیں۔ قیامت کے روز اُن کی یہ گمراہی اُنہیں گھسیٹ کر اوندھے منہ جہنم کی آگ میں لے جائے گی۔ اس وقت ان سے کہا جائے گا کہ اب جہنم کی آگ بدن کو لگنے کا مزہ چکھو۔ تب اُن کو معلوم ہوگا کہ پیغمبروں کی تکذیب کر کے انہوں نے کیسی حماقت اور پاگل پن کیا۔

بے شک ہم نے اس کائنات کی ہر چیز کو پہلے سے مقرر کردہ اندازے یعنی تقدیر کے مطابق پیدا کیا ہے۔ ہدایت ہو یا گمراہی، نیکی ہو یا بدی، تنگ دستی ہو یا فراخ دستی، سعادت ہو یا شقاوت، بیماری ہو یا تندرستی غرض ہر چیز کو ہم نے اپنی حکمت اور تقدیر کے مطابق بنایا ہے اور ہمارا حکم تو بس پلک جھپکنے کی مانند ہے یعنی چیز کو پیدا کرنے یا معدوم کرنے یا دوبارہ موجود کرنے کے لئے نہ تو کچھ وقت درکار ہوتا ہے اور نہ کسی قسم کی مشقت بلکہ ہمارا اس چیز کو یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ ''ہو جا'' سو وہ اُسی وقت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مُردوں کا زندہ کرنا اور قیامت کا قائم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کے محض ایک دفعہ ''ہو جا'' کہنے ہی سے واقع ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب یا ہلاکت کا حکم دے تو ایک لمحے میں تمام قوم ہلاک ہو جائے گی۔

پھر فرمایا کہ اے مشرکینِ مکہ! بے شک ہم تو تم جیسی بہت سی قوموں کو جن کے پاس تم سے زیادہ ساز و سامان اور قوت و اقتدار تھا، ہلاک کر چکے ہیں تو کیا تم میں سے کوئی ان حالات سے عبرت و نصیحت حاصل کرنے والا نہیں۔ جو کچھ یہ لوگ کرتے ہیں وہ سب لوحِ محفوظ میں پہلے سے درج تھا۔ اس کے ساتھ ہی کراماً کاتبین ان کی ہر چھوٹی بڑی حرکت ان کے اعمال ناموں میں تحریر کرتے رہتے ہیں۔ جب ان کے اعمال ناموں میں درج اعمال کا لوحِ محفوظ یعنی سابقہ تقدیر سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو ایک نقطے کا بھی فرق نہیں ہوتا۔ ہر چھوٹا بڑا عمل دونوں جگہ بعینہٖ درج ہوتا ہے، اس لئے قیامت کے دن اُسی کے مطابق سزا و جزا ہوگی۔

ان مشرکین و منکرین کے برعکس جو لوگ کفر و شرک چھوڑ کر توحید و تقدیر پر ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے وہ ایسے باغوں میں ہوں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ ان باغوں میں ایسے پسندیدہ مقام میں عزت و اکرام کے ساتھ اپنے اس بادشاہ کے نزدیک بیٹھے ہوں گے جو تمام چیزوں کا مالک و حکمران اور ہر شے پر قادر ہے۔ کوئی چیز بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں۔

(مواہب الرحمٰن ۱۵۴۔۱۶۱/ ۲۷)

سورۃ الرحمٰن

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ الرحمٰن سے ہوئی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا ذکر ہے اس لئے یہ "الرحمٰن" کے نام سے مشہور ہے۔ اس کو عروس القرآن بھی کہتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر چیز کا عروس ہے اور قرآن کا عروس سورۃ الرحمٰن ہے۔ (روح المعانی ۹۶/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۱۶۲/ ۲۷)

تعارف: اس میں تین رکوع، ۷۸ آیات، ۳۵۱ کلمات اور ۱۶۳۶ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے، یعنی ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔ حسن، عروہ، عکرمہ، جابر اور ابن عباس کا یہی قول ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی ایسی عظیم الشان نعمتوں کا ذکر ہے کہ انسانی فکر اُن کی عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ فقہا کے نزدیک اس سورۃ میں **فبای الاء ربکما تکذبن** کی تلاوت یا سماعت کے دوران **لا بشیء من نعمک ربنا نکذب** (اے ہمارے پروردگار! ہم تیری نعمتوں میں سے کسی بھی نعمت کا انکار نہیں کر سکتے) کہنا مسنون ہے۔ (روح المعانی ۹۷/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۱۶۲، ۱۶۳/ ۲۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ کی نعمتوں اور جنوں و انسانوں کی تخلیق کا بیان ہے۔

رکوع ۲: اللہ کی عظمت و شان کا بیان ہے۔ پھر قیامت کے روز گناہ گاروں کو پہچاننے کی علامت مذکور ہے۔

رکوع ۳: خوفِ خدا رکھنے کا انعام، اہلِ جنت کے بچھونے اور اللہ کے مزید انعامات مذکور ہیں۔

اللہ کی نعمتیں

۱، ۴۔ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ وَالسَّمَآءَ
رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۝ اَلَّا تَطْغَوْا فِى الْمِيْزَانِ ۝ وَاَقِيْمُوا
الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا
لِلْاَنَامِ ۝ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝ وَالْحَبُّ
ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝

رحمٰن (وہی ہے جس نے) قرآن سکھایا۔ اس نے انسان کو پیدا کیا (اور) اُس کو بات کرنا سکھایا۔ سورج اور چاند حساب سے (چل رہے) ہیں، تنے اور بغیر تنے کے درخت دونوں سربسجود ہیں۔ اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی تاکہ تم تولنے میں کمی بیشی نہ کرو، انصاف سے تولو اور تول میں کمی نہ کرو۔ اُسی نے مخلوق کے (فائدے کے) لئے زمین کو بچھایا، اس میں میوے اور خوشے والے کھجور کے درخت ہیں اور اناج ہے جس میں بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول ہیں۔ سو (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

اَنَام: خلق۔ جن وانس جو کچھ زمین پر ہے۔
اَکْمَام: خوشے، میوے کے غلاف۔ واحد کِمٌّ۔
عَصْف: بھوسہ، چھلکا۔ واحد عَصْفَۃٌ۔
رَیْحَانُ: رزق والا، غذا والا، خوشبودار پھول۔
اٰلَاء: احسانات، نعمتیں، واحد اِلْیٌ۔

تشریح: مشرکین مکہ رحمٰن کو نہیں جانتے تھے اور پوچھتے تھے کہ رحمٰن کیا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رحمٰن وہی اللہ ہے جو تمام دنیوی اور اُخروی نعمتیں عطا کرتا ہے۔ قرآن مجید تمام دینی نعمتوں کی اصل اور سب سے بڑی نعمت ہے۔ انسان کی فلاحِ دارین اسی سے وابستہ ہے۔ اسی لئے تمام نعمتوں کے بیان سے پہلے تعلیمِ قرآن کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد تخلیقِ انسان کو بیان کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کا اصل منشا تعلیمِ قرآن ہی ہے۔ اسی لئے اس کو قوتِ بیانیہ اور اظہارِ مدعا کی تعلیم دی تاکہ وہ اللہ کا کلام پڑھ سکے، اس کے معارف وحقائق لوگوں تک پہنچائے اور ان

کو خیر کی طرف بلائے اور برائی سے روکے۔ کافر چونکہ اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے تھے اسی لئے اس سورت میں ان کی تنبیہ کے لئے ۳۱ مرتبہ اللہ کی نعمتوں کو یاد دلایا گیا ہے۔ آٹھ مرتبہ تو اللہ کی آٹھ حقیقی صفات کے موافق ذکر کیا گیا۔ ان آٹھوں مقامات پر یعنی کُلَّ یَوْمٍ اللہ نے اپنی نادر صفات اور عجائب تخلیق کو بیان کیا ہے۔ سات جگہ یعنی سنفرغ لکم سے آیت یطوفون بینھا...... تک جہنم کے ابواب کی تعداد کے مطابق عذاب کی وعید اور سزا کی تخفیف مذکور ہے۔ پھر ابوابِ جنت کی تعداد کے مطابق آٹھ جگہ جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آٹھ بار جنت کی دوسری نعمتوں کا ذکر ہے۔ تاکہ جنت کی نعمتوں کی طرف رغبت ہو اور ایسی قدرت والے منعم کی نعمتوں کی ناشکری نہ کی جائے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار کہتے تھے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ کوئی شخص محمد ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے، اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا کہ یہ انسان کا کلام نہیں۔ کوئی انسان ایسا کلام نہیں بنا سکتا۔ یہ اُسی رحمٰن کا کلام ہے جس نے انسان کو اپنی رحمت سے تمام نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن ہے، سو اُسی نے اس کو قرآن کی تعلیم دی۔

چاند اور سورج کی رفتار کا حساب مقرر ہے۔ ہر ایک اپنی مقررہ رفتار اور مقررہ راستے پر چل رہا ہے۔ ان ہی کی رفتار سے گرمی سردی کے موسموں کا آنا، ماہ و سال کا امتیاز اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی مدت متعین ہوتی ہے۔ تنے اور بغیر تنے کے درخت اور سبزہ سب اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ جس طرح انسان اپنے ارادے سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے اسی طرح درخت بھی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اسی نے اپنی قدرت سے آسمان کو اونچا بنایا اور میزان قائم کر کے عدل قائم رکھنے کا حکم دیا اور سب کو عدل کا ذمے دار ٹھہرایا تاکہ تم وزن میں حق سے تجاوز نہ کرو، ٹھیک ٹھیک وزن کرو، اس میں کمی نہ کرو۔ پہلی آیت میں طغیان یعنی حق سے زیادہ لینے کی ممانعت فرمائی اور دوسری آیت میں وزن میں کمی کرنے کی ممانعت ہے۔ دونوں آیتوں میں لفظ میزان تین دفعہ آیا ہے جس کا مقصد حکم کی تاکید ہے۔

اسی نے مخلوق کے لئے زمین کو بچھادیا جس میں پھل اور میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن کے پھلوں کے گچھوں پر غلافت ہوتا ہے۔ پھر اس غلاف کے شق ہونے پر کھجوریں بڑی ہوتی ہیں اور پکتی ہیں۔ اسی زمین سے غلہ اُگتا ہے جس میں دانہ بھی ہے جو انسانوں کی غذا ہے اور بھوسہ بھی جو جانوروں کی خوراک ہے اور زمین ہی سے بعض ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو کھانے کے کام نہیں آتیں بلکہ ان کی خوشبو وغیرہ سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ سوائے جن وانس تم اپنے رب کی ان نعمتوں میں سے

کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ (مظہری ۱۴۵۔ ۱۴۸، ۱۵۶/ ۹)

جن وانس کی تخلیق

۲۵،۱۴۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن
مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ
وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ
يَلْتَقِيَانِ ۝ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝
يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبَانِ ۝

اس نے انسان کو ٹھیکرے کی مانند کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب ہے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اس نے دو دریا رواں کئے جو باہم ملے ہوئے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے کہ اس سے تجاوز نہیں کرتے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں (دریاؤں) میں سے موتی اور مرجان نکلتے ہیں سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اسی کے اختیار میں ہیں وہ جہاز جو سمندروں میں پہاڑوں کی طرح بلند (نظر آتے) ہیں۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

صَلصَالٍ: بجتی ہوئی مٹی، وہ خشک مٹی جو انگلی مارنے سے بجنے لگے۔

الفَخَّارِ: ٹھیکرے، کھنکھنانے والے۔ واحد فَخَّارَۃٌ۔

مَارِجٍ: آگ کی لپٹ، بھڑکتا ہوا شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔

مَرَجَ: اس نے ایک دوسرے سے ملایا، اس نے آزاد چھوڑ دیا۔ مَرْجٌ سے ماضی۔

بَرْزَخٌ: پردہ، آڑ۔

الجَوَارِ: کشتیاں، جہاز، واحد جَارِیَۃٌ۔
المُنْشَئٰتُ: اُونچی کی ہوئی (کشتیاں)۔ اِنْشَاءٌ سے اسمِ مفعول۔
اَعْلَام: پہاڑ۔ واحد عَلَمٌ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو ایسی مٹی سے پیدا کیا جو ٹھیکرے کی طرح بجتی تھی اور جنوں کو بھڑکتی ہوئی خالص آگ سے پیدا کیا۔ پھر تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ وہی دونوں مشرقوں یعنی موسمِ گرما اور موسمِ سرما میں سورج کے طلوع ہونے کی جگہ اور دونوں مغربوں یعنی گرمی اور سردی میں سورج کے غروب ہونے کے مقام کا پروردگار ہے۔ یہ اختلاف مشارق و مغارب بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ انہی کے تغیر و تبدل سے موسموں اور فصلوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس سے اہلِ زمین کو جو فوائد و منافع حاصل ہوتے ہیں اُن کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ ان عظیم الشان نعمتوں میں سے کوئی بھی نعمت ایسی نہیں کہ اس کا انکار کیا جا سکے۔

اسی نے دو دریاؤں کو باہم ملایا۔ دونوں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور وہ اپنی اپنی حد سے نہیں بڑھتے اور نہ آپس میں خلط ملط ہوتے ہیں بلکہ نمکین پانی ایک طرف بہتا ہے اور میٹھا پانی دوسری طرف، نہ نمکین پانی میٹھے پانی میں ملتا ہے اور نہ میٹھا پانی نمکین میں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں دریاؤں کو الگ الگ راستوں پر بہایا اور دونوں کے درمیان زمین حائل کر دی۔ ان کو اس طرح آزاد نہیں چھوڑا کہ دونوں زور لگا کر زمین کو درمیان سے ہٹا دیتے۔ یہ بھی اس کی قدرت کی ایک عظیم نشانی اور بڑا انعام ہے۔ ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگا برآمد ہوتے ہیں۔

اسی کے قبضے اور قدرت میں وہ بڑے بڑے جہاز ہیں جو سمندروں میں پہاڑوں کی مانند بلند کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ کس قدر عظیم انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسی صلاحیت اور عقل سے نوازا کہ وہ بڑے بڑے جہاز اور کشتیاں بنا کر ان کو سمندروں میں چلائے۔ بلا شبہ نہ انسان اپنے رب کی ایسی بلند پایہ نعمتوں کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ جن ان کو جھٹلا سکتے ہیں۔

(عثمانی ۲۱۱، ۶۳۰، ۲/۶۳۱)

اللہ تعالیٰ کی عظمت وشان

۲۶۔۳۰۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۞ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ
وَالْاِكْرَامِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِى
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِىْ شَاْنٍ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ
رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞

جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے صرف آپؐ کے رب کی ذات باقی رہے گی جو عظمت و بزرگی والا ہے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے، آسمانوں اور زمین میں جو ہیں سب اُسی سے مانگتے ہیں۔ ہر روز اُس کی ایک نئی شان ہے سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

تشریح: زمین وآسمان کی تمام مخلوق فنا ہونے والی ہے، جن وانس، شجر وحجر سب موت کا مزہ چکھیں گے، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات باقی رہ جائے گی جو بزرگی اور عظمت والی ہے اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۚ (القصص۔۸۸)

اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ختم ہونے والی ہے۔

پھر فرمایا کہ وہ ذوالجلال ہے یعنی وہ اسی لائق ہے کہ اس کی عزت کی جائے، اس کا جاہ و جلال مانا جائے۔ اس کے احکام کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی سے رکا جائے۔ قیامت کے دن سب اُس کے سامنے پیش ہوں گے۔ اس دن وہ اُن کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمائے گا۔ سو تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کا انکار کرو گے۔

وہ ساری مخلوق سے بے نیاز ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے۔ آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق زبانِ حال وقال سے اپنی تمام حاجتیں اسی سے مانگتی ہے۔ کسی کو ایک لمحے کے لئے بھی اس سے استغنا نہیں۔ وہ اپنی حکمت کے موافق سب کے سوال پورے کرتا ہے۔ وہ غنی ہے اور سب فقیر ہیں جیسے ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۤءُ ۚ (محمد:۳۸)

اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے اور تم فقیر و محتاج ہو۔

ہر وقت اس کا ایک الگ کام اور ہر روز ایک نئی شان ہے۔ اس کی شان و عظمت و کبریائی تو یہ ہے کہ وہ ہر پکارنے والے کو جواب دیتا ہے، ہر مانگنے والے کو عطا کرتا ہے، تنگ دست کو فراخ دست کرتا ہے، بیماروں کو تندرستی عنایت فرماتا ہے، غم زدوں کا غم دور کرتا ہے، بے قراروں کو قرار و آرام عنایت فرماتا ہے، مصیبت زدہ کو مصیبت سے نجات دیتا ہے گناہ گاروں کی خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔ موت و حیات، قیدیوں کی رہائی، غلاموں کی آزادی سب اُسی کے اختیار میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ یہی اس کی شان ہے۔ پھر تم اس کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

(ابن کثیر ۴/۲۷۳،۲۷۴)

جن و انس کے لئے کوئی راہِ فرار نہیں

۳۱، ۳۶۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ۚ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞

اے جن و انس! ہم بہت جلد سب سے فارغ ہو کر تمہاری طرف متوجہ ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن و انس! اگر تم آسمانوں اور زمین کی حدود سے باہر نکل سکتے ہو تو نکل بھاگو۔ لیکن تم (اللہ کی مدد) اور قوت کے بغیر نہیں نکل سکتے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا۔ پھر تم ہٹا نہ سکو گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

تَنْفُذُوْا: تم نکل بھاگو، تم باہر چلے جاؤ۔ نُفُوْذٌ سے مضارع۔

اَقْطَارِ: کنارے، اطراف۔ واحد قُطْرٌ۔

شُوَاظٌ: شعلے، لپٹ، وہ شعلہ جس میں دھواں نہ ہو۔

نُحَاسٌ: دھواں، لپٹ جس میں آگ اور دھواں دونوں ہوتے ہیں، پگھلا ہوا تانبہ۔

تشریح: یہاں فارغ ہونے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی مشغولیت میں ہے بلکہ بطور ڈانٹ اور تہدید کے کہا گیا ہے کہ اے انس و جن! اب صرف تمہاری خبر لینے کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ اب صرف تمہارا ہی حساب و کتاب ہوگا اور صحیح صحیح فیصلہ کیا جائے گا اور مجرموں کو اُن کی بداعمالیوں کی سزا دی جائے گی، اور وفاداروں کو پورا پورا صلہ دیا جائے گا۔ سو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ اے جنو اور انسانو! تمہیں یہ طاقت و قدرت حاصل نہیں کہ تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے باہر نکل کر اللہ کے حکم اور اس کی مقرر کردہ تقدیر سے بچ سکو بلکہ وہ تم سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا ہر حکم تم پر بلا روک ٹوک جاری ہے۔ جہاں جاؤ گے اسی کی حکومت ہے۔ سو قیامت کے روز قبروں سے اُٹھائے جانے کے بعد جب تم سب کو حساب و کتاب کے لئے میدانِ حشر میں لے جایا جائے گا، اس وقت اگر تم میدانِ حشر سے کہیں بھاگ جانا چاہو گے تو فرشتے اور جہنم کے کارندے تم پر آگ برسا کر، دھواں چھوڑ کر اور تمہارے سروں پر پگھلا ہوا تانبا بہا کر تمہیں واپس لے آئیں گے۔ تم نہ ان کا مقابلہ کر سکو گے، نہ انہیں دفع کر سکو گے اور نہ ان سے انتقام لے سکو گے اور نہ کوئی تمہارا ہمدرد و مددگار ہوگا جو تمہیں میدانِ حشر میں لے جانے سے روک لے۔ اے جن و انس! مجرموں کو سزا دینا کتنا بڑا انعام ہے۔ پھر تم اپنے رب کی نعمتوں کو کس طرح جھٹلاؤ گے۔ (ابن کثیر ۴/۲۷۳، ۴/۲۷۴)

گناہ گاروں کی علامت

۳۷، ۴۵۔ فَإِذَا انشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿٣٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٣٨﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْأَلُ عَن ذَنبِهِ إِنسٌ وَلَا جَانٌّ ﴿٣٩﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٠﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾ هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾

پھر جب آسمان پھٹ کر سرخ ہو جائے جیسے نری کا چمڑہ، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اس دن نہ کسی آدمی سے اس کے گناہ کی پرسش ہوگی

اور نہ کسی جن سے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ گناہ گار اُن
کے چہروں سے پہچانے جائیں گے، پھر پیشانی اور پاؤں سے پکڑ لئے
جائیں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جس
کو گناہ گار جھٹلاتے تھے۔ گناہ گار جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان
پھریں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

وَرْدَةً: سرخ، گلابی۔ اسمِ جنس ہے۔

الدِّهَانِ: نری، سرخ چمڑا، تیل کی تلچھٹ۔

بِسِيْمٰهُمْ: اُن کا حلیہ، اُن کا چہرہ، اُن کی علامت۔

نَوَاصِيْ: پیشانیاں، پیشانی کے بال۔ واحد نَاصِيَةٌ۔

حَمِيْمٍ: کھولتا ہوا پانی، نہایت گرم پانی۔

اٰنٍ: کھولتا ہوا پانی۔ اِنیٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: جب قیامت آئے گی تو ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ آسمان پھٹ کر سرخ چمڑے کی مانند ہو جائے گا۔ اس روز جنوں اور انسانوں میں سے کسی سے اس کے گناہوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے یہ کام کیا تھا یا نہیں کیا تھا کیونکہ یہ سب تو اللہ کے علم میں ہے اور فرشتے سب کچھ اعمال ناموں میں درج کر چکے ہیں۔ البتہ اُن سے یہ پوچھا جائے گا کہ ممانعت کے باوجود تم نے ایسا کیوں کیا اور جس کام کو کرنے کا حکم دیا گیا وہ کیوں نہیں کیا۔ ایسی باتوں سے دنیا ہی میں آگاہ کر دینا کتنا بڑا انعام ہے۔ تو اے جن و انس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

اُس دن فرشتے مجرموں کو اُن کے چہرے دیکھ کر پہچان لیں گے کہ ہر مجرم کا چہرہ اُس کے جرائم کا آئینہ دار ہوگا۔ جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آلِ عمران:۱۰۶)

اُس دن مومنوں کے چہرے روشن ہوں گے اور کافروں کے سیاہ۔

پھر مجرموں کو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑا جائے گا اور جہنمی زنجیروں سے باندھ کر اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اُن کی ذلت و رسوائی اور خفت و ندامت بڑھانے کے لئے اُن سے کہا جائے گا کہ دنیا میں تم جس جہنم کا انکار کرتے تھے اب تم اسے اپنی آنکھوں سے

دیکھ لو۔ یہ وہی جہنم ہے جسے تم زندگی بھر جھٹلاتے رہے۔ جہنم کا ایک حصہ دہکتی ہوئی آگ کے شعلوں کا ہوگا اور دوسرا کھولتے ہوئے پانی کا جیسے سمندر موجیں مار رہا ہو۔ یہ مجرم ان دونوں کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے یعنی کبھی آگ اور کبھی کھولتے ہوئے پانی کے عذاب میں مبتلا رہیں گے۔ یہ اُس کا کتنا بڑا انعام ہے کہ اُس نے مجرموں کے احوال تمہیں دنیا میں ہی بتا دیئے تاکہ تم اُن سے اجتناب کرو اور اللہ کی اطاعت و بندگی کا راستہ اختیار کرو۔ پھر تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ (مظہری ۱۵۳۔۱۵۵، ۹)

خوفِ خدا رکھنے کا انعام

۴۶۔۵۳۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾ ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾

جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا، اس کے لئے دو باغ ہیں۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ دونوں باغ بہت سی ٹہنیوں اور شاخوں والے ہیں۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں دو بہتے ہوئے چشمے ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان دونوں میں ہر میوے کی دو دو قسمیں ہوں گی۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

افنان: شاخیں۔ واحد فننٌ۔

فاکھۃ: میوہ، پھل۔ جمع فواکہ۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے عطاء کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قیامت، میزان اور جنت و دوزخ کے بارے میں سوچنے لگے اور فرمایا کہ کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا۔ کاش! میں گھاس ہوتا کہ کوئی چوپایہ مجھے آکر چر لیتا (اور مجھے دوبارہ پیدا نہ کیا جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۱۵۶)

تشریح: جو شخص قیامت کے دن حساب دینے کے لئے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہتا ہے، اپنے ظاہر و باطن کی نگرانی رکھتا ہے، دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دیتا بلکہ آخرت کی فکر زیادہ کرتا ہے، فرائض بجالاتا ہے اور محرمات سے بچتا رہتا ہے تو اس کو خصوصیت کے ساتھ دو جنتیں عطا کی جائیں گی۔ مقاتل نے کہا کہ ایک جنت عدن ہے اور دوسری جنت نعیم۔ یعنی مذکورہ اشخاص کو جنت عدن اور جنتِ نعیم میں داخل کیا جائے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک جنت اُن لوگوں کو دی جائے گی جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور دوسری جنت ان جنات کو دی جائے گی جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرنے والے ہر شخص کو جنت کے دو باغ دیئے جائیں گے۔ حدیث میں ہے کہ کل جنتیں چار ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن قیس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل سامان بھی چاندی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہوں گی، اُن کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے سب سونے کا ہوگا۔ ان جنتیوں اور دیدارِ باری تعالیٰ میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے اُس کبریائی کے پردے کے، جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے۔

یہ آیت عام ہے۔ انسانوں اور جنوں دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنوں میں سے جو ایمان لائیں اور پرہیزگاری اختیار کریں وہ جنت میں جائیں گے، اسی لئے اس کے بعد جن وانس کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کی تکذیب کرو گے۔

پھر ان دونوں جنتوں کے اوصاف کا بیان ہے کہ یہ نہایت سرسبز و شاداب ہیں۔ اُن کے درختوں کی شاخیں کثرت کی بنا پر ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوں گی۔ ان میں ہر قسم کے خوش ذائقہ، عمدہ اور تیار پھل ہوں گے۔ ان دونوں جنتوں میں دو چشمے بہہ رہے ہوں گے تاکہ ان کے درختوں کو سیراب کرتے رہیں۔ ہر قسم کے پھلوں کے جوڑے ہوں گے جو دیکھنے میں تو دنیا کے پھلوں کی مانند ہوں گے مگر اُن کا ذائقہ اُن سے بالکل مختلف ہوگا۔ سو تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ (ابن کثیر: ۲۷۶/۴، مظہری: ۱۵۷/۹)

اہلِ جنت کے بچھونے

۵۴، ۶۱۔ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۢ بَطَاۤىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَيْنِ

دَانٍ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۞ فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ
لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۞ كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۞ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۞ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا
تُكَذِّبٰنِ ۞

وہ (جنتی) تکیے لگائے ہوئے ایسے فرشوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، جن کے استر دبیز ریشم کے ہوں گے، اور ان باغوں کے پھل بالکل جھکے ہوئے ہوں گے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہوں گی جن کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ گویا کہ وہ (حوریں) یاقوت و مرجان ہیں۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اور احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہے۔ سوتم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔

بَطَآئِنُهَا: اُن کے استر۔ واحد بِطَانَةٌ۔

جَنَا: درختوں سے چنے اور توڑے جانے والے پھل، میوہ، شہد، یہاں پھل مراد ہیں۔ اسم بمعنی مفعول۔ جمع اَجْنَاءٌ۔

دَانٍ: نزدیک، جھکنے والے۔ دُنُوٌّ سے اسمِ فاعل۔

قٰصِرٰتٌ: نیچی نظر رکھنے والیاں، پاک دامن عورتیں۔ قَصْرٌ سے اسمِ فاعل۔

يَطْمِثْهُنَّ: وہ ان (عورتوں) کے ساتھ سوتا ہے، وہ ان سے جماع کرتا ہے۔ طَمْثٌ سے مضارع۔

تشریح: اہل جنت کو ہر قسم کے پھلوں اور میوؤں کے علاوہ ہر قسم کے راحت و آرام کے سامان بھی عطا کئے جائیں گے۔ وہ ایسے فرشوں پر تکیے لگا کر بیٹھیں گے، جن کے استر دبیز اور خالص ریشم کے ہوں گے، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ استر ایسا ہوگا تو ابرے (اُوپر کا کپڑا) کی کیا کیفیت ہوگی۔ ان جنتوں کے پھل جنتیوں کے بالکل قریب ہوں گے۔ وہ جب چاہیں گے اور جس حال میں چاہیں گے توڑ لیں گے۔ اگر لیٹے ہوئے ہوں گے اور پھل توڑنے کی خواہش ہوگی تو لیٹے لیٹے ہی توڑ لیں گے، بیٹھنے کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر بیٹھے ہوئے پھل توڑنا چاہیں گے تو بیٹھے بیٹھے ہی توڑ لیں گے، کھڑے

ہونے کی ضرورت نہ ہوگی، درختوں کی شاخیں خود بخود جھوم جھوم کر اُن کے پاس جھکتی رہیں گی۔ ان جنتوں میں اُن کے پاس نیچی نگاہ والی حوریں ہوں گی جو اپنے خاوند کے سوا کسی پر نظر نہیں ڈالیں گی اور اُن کے خاوندوں سے پہلے کسی جن وانس نے اُن کو ہاتھ نہ لگایا ہوگا، اپنے حسن و جمال اور طہارت و پاکیزگی میں یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے یاقوت و مرجان۔ پھر فرمایا کہ جس نے دنیا میں نیکی کی، آخرت میں اس کا بدلہ سلوک واحسان کے سوا کچھ نہیں۔ سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

بغوی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** تلاوت فرمائی۔ پھر ارشاد فرمایا: جانتے ہو تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ ہی خوب واقف ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس کو میں نے توحید کی نعمت عطا کی اس کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں۔ (مظہری: ۱۵۸۔۱۶۰/۹)

اللہ تعالیٰ کے مزید انعامات

۶۲۔۷۱۔ وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُدْهَآمَّتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ فِيهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ حُورٌ مَّقْصُورٰتٌ فِي الْخِيَامِ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

اور ان دونوں باغوں کے سوا دو باغ اور ہوں گے، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ دونوں گہرے سبز ہوں گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا

نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے اُبل رہے ہوں گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا
کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ اُن میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے۔ سو تم اپنے
رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیک سیرت خوب صورت عورتیں
ہوں گی، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ حوریں ہوں گی جو
خیموں میں محفوظ ہوں گی، سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے، جن کو
اس سے پہلے نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ سو تم اپنے رب
کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ وہ سبز مسندوں اور عمدہ نفیس فرشوں پر تکیے لگائے
ہوئے ہوں گے۔ سو تم اپنے رب کی کیا کیا نعمتیں جھٹلاؤ گے۔ آپ کے رب
کا نام بڑا با برکت اور عظمت و بزرگی والا ہے۔

مُدْهَامَّتٰنِ: دو گہرے سبز، دو سیاہی مائل سبز۔ اِدْهِيْمَامٌ سے اسم فاعل واسمِ مفعول۔

نَضَّاخَتٰنِ: دو جوش مارنے والے، دو بہت پانی والے۔ نَضْخٌ سے مبالغہ۔

رُمَّانٌ: انار۔ واحد رُمَّانَةٌ۔

خَيْرٰتٌ: نیک عورتیں، خوب سیرت عورتیں۔ واحد خَيْرَةٌ۔

حِسَانٌ: حسین، خوب صورت۔ واحد حَسَنٌ و حَسِيْنٌ۔

مَقْصُوْرٰتٌ: محفوظ کی ہوئی عورتیں، چھپائی ہوئی عورتیں۔ قَصْرٌ سے اسمِ مفعول۔

خُضْرٍ: سبز، ہرے، واحد اَخْضَرُ۔

عَبْقَرِيٍّ: نادر، عجیب، ہر نفیس اور اعلیٰ چیز۔

تشریح: مذکورہ بالا دونوں جنتوں کے علاوہ دو جنتیں اور ہیں جو پہلی دو جنتوں سے کم مرتبے کی ہیں۔ چونکہ اول الذکر دونوں جنتوں کا مرتبہ مؤخر الذکر جنتوں سے اعلیٰ تھا۔ اس لئے چاروں جنتوں کا ذکر ایک ساتھ نہیں کیا بلکہ اول درجے کی جنتوں کا ذکر پہلے کیا، پھر دوسرے درجے کی جنتوں کی صراحت کی۔ پہلی دونوں جنتیں مقربین خاص کے لئے ہیں اور دوسری دو جنتیں اُن کی پیروی کرنے والوں کے لئے یا اصحب الیمین کے لئے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ پہلی دو جنتیں سونے کی ہیں اور سابقین اولین کے لئے ہیں اور دوسری دو جنتیں اُن کی پیروی کرنے والوں کے لئے ہیں اور چاندی کی ہیں۔

بعض نے کہا کہ دو جنتیں کم درجے کی نہیں ہیں بلکہ وہ پہلی دو جنتوں کے بالمقابل یعنی سامنے ہیں۔ بغوی نے کہا کہ کسائی نے من دونھما کا ترجمہ کیا ہے۔ ان دونوں کے سامنے۔ دونوں کے مقابل اور ضحاک کا قول ہے کہ دو جنتیں سونے کی ہیں اور دوسری دونوں یاقوت کی۔ لہٰذا یاقوت کی جنتیں سونے کی جنتوں سے کم مرتبہ نہیں ہوسکتیں۔ اس لئے من دونھما سے مراد کم مرتبہ نہیں بلکہ سامنے اور مقابل ہے۔

دونوں باغ گہرے سرسبز مائل بہ سیاہی ہوں گے۔ اور ان میں فوارے کی مانند دو اُچھلتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ ان باغوں میں میوے، کھجوریں اور انار ہوں گے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت میں (اتنا بڑا) انار دیکھا کہ جیسے اونٹ جس پر پالان کسا ہوا ہو۔ سوائے جن وانس! تم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔

ان باغوں میں اچھے اخلاق کی حامل نہایت خوب صورت اور پاکیزہ عورتیں ہوں گی جو خیموں میں ٹھہری ہوئی ہوں گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت ذات کی خوبی گھر میں رکے رہنے میں ہے۔ جنتی آدمیوں سے پہلے ان حوروں کو کسی نے ہاتھ بھی نہ لگایا ہوگا۔ یہ جنتی سبز رنگ کے مخملی اور نہایت نرم بچھونوں، اور بہترین منقش تکیوں پر انتہائی راحت اور اطمینان وسکون سے ٹیک لگائے بیٹھے ہوئے ہوں گے۔ آپ کے رب کا نام بڑا بابرکت ہے، وہ عظمت وکبریائی والا ہے۔ وہ اس قابل ہے کہ اس کا اکرام کیا جائے یعنی اُس کی عبادت کی جائے، اُس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس کا شکر کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے، اُسے بھلایا نہ جائے۔ (مظہری: ۱۶۰۔۱۶۴/۹)

سورۃ الواقعہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام سورۃ الواقعہ ہے کیونکہ اس میں قیامت واقع ہونے کا بیان ہے۔ اس کو سورۃ الغنا بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس سورت میں تین رکوع، ۹۶ آیات، ۳۹۸ کلمات اور ۱۷۰۳ حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے۔ اس میں احوالِ قیامت، حشر ونشر اور جزا وسزا کا بیان ہے۔

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر رات کو سورۂ واقعہ کی تلاوت کرے اس کو کبھی فقر و فاقہ پیش نہیں آئے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سورۂ واقعہ سورۃ الغنا ہے، سو تم اس کو پڑھو اور اپنی اولاد کو سکھاؤ۔ سورۃ الغنا سے مراد یہ ہے کہ اس کا پڑھنے والا کبھی محتاج وفقیر نہ ہوگا۔

الدیلمی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو سورۃ الواقعہ سکھاؤ کیونکہ یہ سورۃ الغنا ہے۔

(مواہب الرحمٰن: ۲۴۰، ۲۴۱/ ۲۷، روح المعانی ۱۲۸، ۱۲۹/ ۲۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیامت کا یقیناً واقع ہونا، سابقین مقربین اور ابرار کے احوال کا بیان ہے۔

رکوع ۲: اہلِ دوزخ کا حال، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور کھیتی کا اُگانا بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۳: قرآن کی حقانیت کا بیان اور منکرین کو چیلنج دیا گیا ہے کہ تم قریب المرگ آدمی کی روح کو نکلنے سے روک کر یا نکلنے کے بعد اس میں لوٹا کر دکھاؤ۔ پھر آخرت کی یقینی جزا وسزا کا بیان ہے۔

قیامت کا یقیناً واقع ہونا

۱۔۱۲، اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ خَافِضَةٌ
رَّافِعَةٌ ۙ اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۙ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ
فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۙ وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ؕ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ
مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ؕ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ؕ
وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۚ ۙ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ

جب قیامت واقع ہو جائے گی جس کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں وہ (کسی کو) پست کر دے گی (اور کسی کو) بلند۔ جب زمین بڑے زور سے لرزنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور غبار ہو کر اُڑنے لگیں گے اور تمہارے تین گروہ ہو جائیں گے۔ سو دائیں طرف والے، کیا خوب ہیں دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے، کیا ہی برے ہیں بائیں طرف والے اور آگے والے تو آگے والے ہی ہیں، وہی (اللہ کے) مقرب ہیں۔ وہ نعمتوں سے معمور جنتوں میں ہوں گے۔

خافِضَةٌ: پست کرنے والی، جھکا دینے والی، ذلیل کرنے والی۔ خَفض سے اسم فاعل۔

رُجَّتِ: وہ ہلائی گئی، وہ لرزی۔ رَجّ سے ماضی مجہول۔

بُسَّتِ: وہ ریزہ ریزہ کر دی گئی، وہ آہستہ آہستہ چلائی گئی۔ بَسّ سے ماضی مجہول۔

هَبَاءً: گرد، غبار، جمع اَهْبَاءٌ۔

مُنْبَثًّا: منتشر، بکھرا ہوا، اُڑتا ہوا۔ اِنْبِثَاث سے اسم فاعل۔

اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ: داہنی طرف والے۔ بڑے نصیب والے۔ جن کو دائیں سمت میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔

اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ: بائیں طرف والے، مراد دوزخی۔ جن کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوگا۔ بائیں ہاتھ کو عرب شوم کہتے ہیں۔ ملک شام کو شام اور یمن کو یمن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ملک

شام کعبے سے بائیں جانب اور یمن کعبے سے دائیں جانب واقع ہے۔

تشریح: قیامت کا واقع ہونا یقینی امر ہے، جیسے ارشاد ہے:

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (الحاقہ: ۱۵)

اس دن واقع ہونے والی یعنی قیامت واقع ہو کر رہے گی۔

جب قیامت واقع ہوگی تو اُس کے وقوع کو کوئی جھٹلانے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کو کسی تدبیر یا حیلے سے ٹال سکے گا۔ وہ اپنے مقررہ وقت پر آ کر رہے گی۔ اس وقت ہر کافر و منکر کے سامنے یہ حقیقت کھل جائے گی کہ قیامت کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے کہا تھا وہ بالکل حق تھا۔ پھر وہ بعض کو جو دنیا میں اللہ کے دشمن اور مغرور تھے، پست اور ذلیل کر دے گی۔ جب قیامت برپا ہوگی تو زمین لرزنے لگے گی اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر پراگندہ غبار اور روئی کے اُڑتے ہوئے گالوں کی مانند ہو جائیں گے۔

اُس دن لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ان میں سے ایک گروہ عرش کے دائیں طرف ہوگا۔ ان کا نامۂ اعمال اُن کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ان کو دائیں طرف کے راستے سے جنت میں لے جایا جائے گا۔ یہ جنتیوں کا عام گروہ ہوگا۔ کیا ہی خوب ہیں داہنی طرف والے۔ دوسرا گروہ عرش کے بائیں جانب ہوگا۔ ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں ہوگا اور ان کو بائیں طرف کے راستے پر چلا کر جہنم میں لے جایا جائے گا۔ یہ سب جہنمی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ کیا ہی بدنصیب ہیں بائیں طرف والے۔ تیسرا گروہ عرش کے سامنے ہوگا۔ یہ خاص الخاص لوگ ہوں گے جو اصحابِ یمین سے بھی زیادہ وقعت اور خاص قرب کے مالک ہوں گے اور اہلِ جنت کے سردار ہوں گے۔ ان میں رسول، انبیا، صدیق، شہدا اور صالحین ہوں گے۔ یہ سب مقربینِ خدا ہوں گے اور نعمتوں والی جنت میں ہوں گے۔ تعداد کے اعتبار سے یہ لوگ دائیں ہاتھ والوں سے کم ہوں گے۔ پس جس نے دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کی اور نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھا رہا تو آخرت میں بھی وہ اللہ کی نعمتوں کی طرف سبقت کرے گا کیونکہ آخرت کی جزا عمل کی مناسبت سے دی جائے گی۔ (ابن کثیر: ۲۸۲، ۲۸۳/۴، مظہری: ج ۹، ص ۱۶۵، ۱۶۷)

سابقین مقربین کے احوال

۱۳۔۲۶، ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۝ عَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ۝
مُّتَّكِئِينَ عَلَيْهَا مُتَقَابِلِينَ ۝ يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۝
بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۝ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ۝ لَّا يُصَدَّعُونَ
عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ۝ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ۝ وَلَحْمِ
طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَحُورٌ عِينٌ ۝ كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ
الْمَكْنُونِ ۝ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا
لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝

ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں سے ہوں گے۔ سونے کے مرصع تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ اُن کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے رہیں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ آب خورے اور آفتابے اور پاکیزہ شراب کے جام (لئے ہوئے) جس سے نہ سر میں درد ہوگا نہ عقل میں فتور آئے گا اور ان کی پسند کے میوے (لئے ہوئے) اور پرندوں کا گوشت جس کی وہ خواہش کریں اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں جیسے پوشیدہ رکھا ہوا موتی۔ یہ اُن کے اعمال کا صلہ ہوگا۔ وہ وہاں نہ کوئی بے ہودہ گفتگو سنیں گے اور نہ گناہ کی بات۔ بس (وہاں) سلام ہی سلام کی آواز آئے گی۔

ثُلَّةٌ: ایک بڑا گروہ، ایک بڑی جماعت۔

سُرُرٍ: تخت۔ واحد سَرِیْرٌ۔

مَوْضُوْنَةٍ: وہ کپڑا جس پر سونے کے تاروں سے کام کیا گیا ہو، جڑی ہوئی، بُنی ہوئی۔ وَضْنٌ سے اسمِ مفعول۔

مُخَلَّدُوْنَ: کسی چیز کا ہمیشہ رہنا۔

اَكْوَابٌ: پانی پینے کا برتن، کوزے، آب خورے۔ واحد کُوْبٌ۔

اَبَارِیْقَ: لوٹے۔واحد اِبْرِیْقٌ۔

کَاْسٍ: ایسا جام جو لباب بھرا ہوا ہو۔جمع کُئُوسٌ۔

مَعِیْنٍ: بہتا ہوا،آبِ رواں،جاری چشمہ۔عَیْنٌ و مَعْنٌ سے اسم مفعول۔

یُصَدَّعُوْنَ: ان کو دردِ سر ہوگا۔تَصْدِیْعٌ سے مضارع مجہول۔

یُنْزِفُوْنَ: وہ مدہوش ہوں گے،وہ خبطی ہوں گے۔اِنْزَافٌ سے مضارع۔

الْمَکْنُوْنِ: چھپایا ہوا،پوشیدہ۔کَنٌّ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: سابقین مقربین جن کا ذکر اوپر گزرا،اُن کی بڑی تعداد تو اگلے لوگوں میں سے ہوگی اور اُن کی کچھ تعداد پچھلے لوگوں میں سے بھی ہوگی۔آیت میں اوّلین وآخرین سے کیا مراد ہے تو اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اگلے لوگوں سے مراد وہ سب امتیں ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ تک ہیں اور پچھلوں سے مراد امتِ محمد ﷺ ہے۔ابن ابی قاسم نے یہ تفسیر مجاہد اور حسن بصری سے نقل کی ہے۔پس پہلی امتوں میں سے جو لوگ سابقین ہیں وہ ایک بڑی جماعت ہیں۔ اور آخرین یعنی امتِ محمدیہ میں سے قلیل ہیں۔دوسری تفسیر جس کو ابن کثیر،قرطبی،روح المعانی اور مظہری وغیرہ نے ترجیح دی ہے یہ ہے کہ اولین وآخرین دونوں طبقے اسی امت محمدیہ کے ہیں۔اولین اس امت کے قرون اولیٰ کے لوگ ہیں جن کو حدیث میں خیر القرون کہا گیا ہے اور آخرین قرون اولیٰ کے بعد والے لوگ ہیں۔پس آیت میں **ثلة من الاولین** سے اسی امت کے قرون اولیٰ کے لوگ مراد ہیں اور **قلیل من الآخرین** سے بعد کے لوگ مراد ہیں،کہ ان میں سابقین مقربین کی تعداد کم ہوگی۔

مسدد نے اپنی مسند میں اور ابن المنذر،طبرانی اور ابن مردویہ نے سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابوبکرہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت **ثلة من الاولین و ثلة من الآخرین** کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں اسی امت (محمدیہ) میں سے ہوں گی۔

امام بخاری نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم پسند کرو گے کہ اہل جنت میں تم ایک چوتھائی ہو۔ہم نے عرض کیا جی ہاں! پھر آپ نے فرمایا کہ قسم ہے اُس کی،جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،میں اُمید کرتا ہوں کہ (کل) جنتیوں میں تم نصف ہو گے۔

ترمذی،بیہقی اور حاکم نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا اہلِ جنت کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ اسّی تمہاری اور چالیس باقی امتوں میں سے۔

یہ سابقین مقربین ایسی مسندوں اور تختوں پر تکیہ لگائے نہایت سکون و اطمینان سے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے ہوں گے جن پر سونے کے تاروں کا جڑاؤ ہوگا۔ اُن کے پاس ایسے خدمت گار لڑکے آتے جاتے رہیں گے جو ہمیشہ ایک ہی حالت میں رہیں گے۔ ان لڑکوں کے پاس ایسی شرابِ طہور کے جام ہوں گے جو صاف و شفاف چشمے سے بہتے ہوئے پانی کی مانند ہوگی۔ اس کو پینے سے نہ اُن کے سر میں درد ہوگا اور نہ اُن کی عقل میں کسی قسم کا فتور واقع ہوگا۔ اُن کو اُن کی پسند کے پھل اور میوے اور پرندوں کا گوشت دیا جائے گا۔ وہ جس پرندے کی خواہش کریں گے وہ بھنا بھنایا اُن کے سامنے آجائے گا۔ اس کے علاوہ اُن کے لئے بڑی آنکھوں والی حوریں ہوں گی جو سیپ میں محفوظ رکھے ہوئے چمک دار موتیوں کی مانند ہوں گی۔ یہ سب لذتیں اور راحتیں اُن اعمالِ صالحہ کا بدلہ ہوگا جو وہ دنیا میں اللہ کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے۔ یہ لوگ جنت میں کوئی لغو، بے ہودہ اور خلافِ طبع کلمہ نہیں سنیں گے۔ حقارت و برائی کا ایک لفظ بھی اُن کے کان میں نہیں پڑے گا۔ وہ صرف سلام سلام کی آواز سنیں گے۔ (مواہب الرحمٰن ۲۴۹۔۲۵۲/ ۲۷، مظہری: ج ۹، ص ۱۶۷۔۱۷۰)

ابرار کے احوال

۲۷۔۴۰۔ وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۝ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ۝ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ۝ وَّمَاۗءٍ مَّسْكُوْبٍ ۝ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ۝ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ۝ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ۝ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَاۗءً ۝ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ۝ عُرُبًا اَتْرَابًا ۝ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝

اور دائیں طرف والے۔ کیا کہنا ہے دائیں طرف والوں کا۔ بیری کے درختوں میں رہیں گے، جن میں کانٹے نہیں ہوں گے، اور تہ بہ تہ کیلے اور لمبے لمبے سائے ہوں گے، بہتا ہوا پانی اور بکثرت میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اُن کی ممانعت ہوگی اور بلند فرش ہوں گے۔ ہم نے ان (حوروں) کو خاص طور پر بنایا۔ پھر ہم نے ان کو کنواریاں بنایا۔ (وہ) محبوبہ

ہیں، ہم عمر ہیں (اور) دائیں طرف والوں کے لئے ہیں ۔ اُن کا ایک بڑا گروہ اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے ہوگا ۔

مَخْضُوْدٍ: بغیر کانٹے کا، کانٹا دور کیا ہوا ۔ خَضْدٌ اسمِ مفعول ۔

طَلْحٍ: کیلے، کیلے کا درخت ۔ واحد طَلْحَةٌ ۔

مَنْضُوْدٍ: تہ بہ تہ، جمایا ہوا ۔ گھنا ۔ نَضْدٌ سے اسمِ مفعول ۔

مَسْكُوْبٍ: گرتا ہوا، بہتا ہوا ۔ سَكْبٌ و سُكُوْبٌ سے اسمِ مفعول ۔

اَبْكَارًا: کنواری لڑکیاں ۔ واحد بِكْرٌ ۔

عُرُبًا: سہاگ والیاں، محبوبہ، پسندیدہ ۔ واحد عُرُوْبٌ ۔

اَتْرَابًا: ہم عمر عورتیں ۔ ہمجولیاں ۔ واحد تِرْبٌ ۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں ابرار کا حال بیان کیا ہے کہ ان پر انعامات کا یہ عالم ہوگا کہ وہ ایسے باغوں میں ہوں گے جہاں بیری کے درخت ہوں گے، جن میں کانٹے نہیں ہوں گے ۔ اور وہاں تہ بہ تہ کیلے ہوں گے ۔ ان درختوں میں پھلوں کی ایسی کثرت ہوگی کہ اُن کی شاخیں پھلوں کے بوجھ سے جھکی جارہی ہوں گی اور وہاں خوب لمبا لمبا اور پھیلا ہوا سایہ ہوگا جو کبھی ختم نہ ہوگا، اس لئے وہاں نہ سورج آئے گا اور نہ گرمی ستائے گی ۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جنت میں ہمیشہ ایسا وقت رہے گا جیسا صبحِ صادق کے بعد سے آفتاب طلوع ہونے کے درمیان رہتا ہے ۔

ان باغوں میں ہموار زمین پر پانی بہہ رہا ہوگا جس کی روانی کبھی منقطع نہ ہوگی ۔ اہل جنت کے پاس بکثرت طرح طرح کا لذیذ پھل ہوں گے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے، نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی انسان کے دل میں اُن کا خیال گزرا ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ۭ

جب وہ وہاں پھلوں سے روزی دیئے جائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو ہمیں پہلے بھی دیئے گئے تھے کیونکہ وہ بالکل ہم شکل ہوں گے ۔ (البقرۃ ۲۵)

لیکن جب وہ جنت کے پھل کھائیں گے تو ان کا ذائقہ بالکل مختلف ہوگا ۔ جو جنتی بھی ان پھلوں کو توڑنا چاہے گا وہ لیٹے، لیٹے اور کھڑے ہوئے ہر حال میں توڑ لے گا ۔ یہ پھل کبھی منقطع نہیں

ہوں گے بلکہ ہمیشہ رہیں گے اور اہلِ جنت کو ان پھلوں کو توڑنے سے کبھی نہیں روکا جائے گا۔

اہلِ جنت کے فرش بلند و بالا، نرم گدگدے اور راحت و آرام دینے والے ہوں گے۔

وہاں ایسی عورتیں ہوں گی جن کو ہم نے اس طور پر بنایا ہے کہ وہ کنواریاں ہیں۔ وہ اپنی ظرافت و ملاحت اور حسنِ صورت و حلاوت کی وجہ سے اپنے شوہروں کی محبوبہ ہیں، ہم عمر ہیں اور دائیں طرف والوں کے لئے ہیں۔ ان اصحب الیمین کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں سے ہوگا اور ایک بڑا گروہ پچھلے لوگوں میں سے بھی ہوگا۔ (ابن کثیر ٢٨٨۔٢٩٠/٤)

اصحب الشمال کا حال

٤١۔٥٦۔ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ ۝ وَّ
ظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِیْمٍ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ
ذٰلِكَ مُتْرَفِیْنَ ۝ وَ كَانُوْا یُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِیْمِ ۝
وَكَانُوْا یَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝
اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ ۝
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَیُّهَا
الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝ فَمَالِـُٔوْنَ
مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ فَشٰرِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ ۝ فَشٰرِبُوْنَ
شُرْبَ الْهِیْمِ ۝ هٰذَا نُزُلُهُمْ یَوْمَ الدِّیْنِ ۝

اور بائیں طرف والے، کیا ہیں بائیں طرف والے، گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں جو نہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ فرحت بخش۔ بے شک اس سے پہلے یہ لوگ نازونعمت میں تھے اور بڑے بھاری گناہ پر اصرار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مرکر مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر بھی ہمیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔

آپ کہہ دیجئے کہ بے شک اگلے اور پچھلے سب جمع کئے جائیں گے، ایک مقررہ دن کے وقت سے آگاہ ہو، جھٹلانے والو! پھر تمہیں یقیناً زقوم کا درخت

کھانا ہوگا، اُسی سے پیٹ بھرنا ہوگا پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہوگا اور پینا بھی پیاسے اُونٹوں کا سا۔ قیامت کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔

سَمُوْمٍ: گرم ہوا، لو، تیز بھاپ۔

حَمِیْمٍ: انتہائی گرم، کھولتا ہوا پانی۔ جمع حَمَائِمٌ۔

یَحْمُوْمٍ: سیاہ دھواں، بے حد کالا دھواں۔ اسم ہے۔

مُتْرَفِیْنَ: دولت مند، خوش حال۔ اِتْرَافٌ سے اسمِ مفعول۔

الحِنْثِ: گناہ، قسم توڑنا، مصدر بھی ہے، اسم بھی۔ جمع اَحْنَاثٌ۔

الهِیْمِ: پیاسا اُونٹ۔ هُیَامٌ سے صفتِ مشبہ۔

نُزُلُهُمْ: اُن کی دعوت، اُن کی مہمانی، اُن کی آؤ بھگت۔

تشریح: بائیں طرف والے بھی کیسے بدنصیب ہیں کہ قیامت کے روز اُن پر مصائب وشدائد کی کوئی حد نہ ہوگی۔ یہ لوگ دہکتی ہوئی آگ، کھولتے ہوئے گرم پانی اور ایسے سائے میں ہوں گے جو گہرا سیاہ ہوگا۔ نہ وہ جسم کو ٹھنڈا لگے گا اور نہ آنکھوں کو بھلا معلوم ہوگا۔ اُن کو ایسے شدید عذاب میں اس لئے مبتلا کیا جائے گا کہ اس سے پہلے وہ دنیا میں بڑی عیش وراحت میں تھے، اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر کرنے کی بجائے بغاوت وسرکشی اور نافرمانی میں حد سے بڑھتے گئے، رسولوں اور اُن کی تعلیمات کو جھٹلاتے رہے، قیامت کو بھی محال جانتے تھے، اس کی تکذیب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہماری ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو پھر ہم کیسے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے۔ اور کیا ہمارے باپ دادا بھی زندہ کئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان کو بتا دیجئے کہ سب اگلے پچھلے لوگوں کو نئے سرے سے پیدا کر کے حساب فہمی اور جزا وسزا کے لئے ایک مقررہ وقت پر ایک میدان میں جمع کیا جائے گا۔ اس وقت تم خود دیکھ لوگے کہ تمہیں کس طرح دوبارہ زندہ کر کے اُٹھایا گیا ہے۔ اے گمراہو، اے اللہ کے رسولوں کو جھٹلانے والو! پھر تمہیں زقوم کھلایا جائے گا اور تمہارے لئے اس کے سوا کوئی غذا نہ ہوگی، اسی سے پیٹ بھرنا ہوگا۔ پھر اس پر کھولتا ہوا گرم پانی پینا پڑے گا اور وہ بھی اس طرح جیسے پیاسا اُونٹ پی رہا ہو۔ قیامت کے روز یہی اُن کی دعوت ہوگی۔

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا

۵۷۔۶۲۔ نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ۝ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ۝ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ۝ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ۝ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ۝

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ پھر تم (دوبارہ زندہ ہونے کو) کیوں سچ نہیں مانتے۔ بھلا جو منی تم (رحم میں) ڈالتے ہو، کیا اس کو تم تخلیق کرتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی نے تم میں موت کو مقدر کیا ہے اور ہم عاجز نہیں ہیں کہ تمہاری جگہ تمہاری طرح اور لوگ پیدا کر دیں اور تمہیں ایسی حالت میں بنا دیں جس کو تم جانتے بھی نہیں اور تمہیں پہلی دفعہ کی پیدائش تو یقیناً معلوم ہی ہے۔ پھر تم کیوں نہیں سمجھتے۔

مَسْبُوْقِيْنَ: پیچھے چھوڑے ہوئے، عاجز۔ سَبْقٌ سے اسمِ مفعول۔

نُنْشِئَكُمْ: ہم تم کو پیدا کریں گے۔ اِنْشَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اُس وقت پیدا کیا جب سرے سے تمہارا کوئی وجود ہی نہیں تھا اور ظاہر ہے اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ اب فنا ہونے کے بعد جب تم کچھ نہ کچھ تو باقی رہو گے ہی تو تمہارا دوبارہ پیدا کرنا ہمارے لئے کیا مشکل ہے۔ جب تم ابتدائی اور پہلی پیدائش کو مانتے ہو تو دوسری مرتبہ پیدا ہونے سے کیوں انکار کرتے ہو۔ اگر بالفرض تم اس کو تسلیم نہیں کرتے اور اس پر ایمان نہیں تو پھر بتاؤ کہ جو منی تم عورت کے رحم میں ٹپکاتے ہو، اس سے بچہ تم بناتے ہو یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں تمہارا کوئی دخل نہیں۔ پیدا کرنا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ وہی رحمِ مادر میں نطفے سے علقہ (دم بستہ) علقہ سے مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) پھر اُس کی ساخت، ہڈیوں اور جوڑوں کو مرتب کرنا اور اس میں روح ڈالنا، یہ سب اُسی کی قدرت اور اختیار میں ہے۔

پھر فرمایا کہ زندگی اور موت کے مالک بھی ہم ہی ہیں۔ جس طرح اپنی مشیت کے مطابق ہم نے تمہارے لئے رزق تقسیم کر رکھا ہے اسی طرح ہم نے تمہاری موت کو بھی تقسیم کر دیا ہے۔ اسی

لئے تم میں سے کسی کی عمر لمبی ہوتی ہے، کسی کی بہت کم اور کسی کی درمیانی۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے تم میں سے ہر ایک کا وقت مقرر کر دیا جس سے تم آگے پیچھے نہیں ہٹ سکتے اور نہ کوئی ہمیں عاجز کر سکتا ہے کہ موت سے بھاگ جائے یا موت کے وقت کو بدل دے اور نہ ہم اس بات سے عاجز ہیں کہ تمہارے بدلے کوئی اور قوم لے آئیں جو تم جیسی ہو اور تمہیں نئے سرے سے ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس سے تم بالکل بے خبر ہو۔ یقیناً تم پہلی مرتبہ پیدا ہونے کو جانتے ہو، پھر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ پہلی مرتبہ تخلیق کرنے والا تخلیقِ ثانی پر بھی قادر ہے۔ کیونکہ دوسری تخلیق تو پہلی تخلیق سے بہت آسان ہوتی ہے۔ (مظہری ۱۷۷، ۱۷۸/۹)

کھیتی کا اُگانا

۶۳۔۷۴۔ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ۝ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَاۤ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

اچھا یہ بتاؤ کہ تم جو کچھ بوتے ہو اس کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس (کھیتی) کو چورا چورا کر دیں اور تم باتیں بناتے ہی رہ جاؤ کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا بلکہ ہم تو محروم ہی رہے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ جس پانی کو تم پیتے ہو، کیا اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کو کھارا کر دیں۔ پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے۔ اچھا بتاؤ وہ آگ جس کو تم سلگاتے ہو کیا اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرتے ہیں۔ ہم ہی نے اُسے نصیحت کی چیز بنایا ہے اور مسافروں کے فائدے کی چیز بنایا ہے، سو (اے مخاطب) تو اپنے رب کے نام کی تسبیح کر، جو بہت بڑا ہے۔

تَحْرُثُوْنَ: تم بوتے ہو، تم بیج بکھیرتے ہو۔ حَرْثٌ سے مضارع۔

حُطَامًا: ریزہ ریزہ، چوراچورا۔

تَفَکَّھُوْنَ: تم تعجب کرتے ہو، تم باتیں بناتے ہو۔ تَفَکُّہٌ سے مضارع۔

مُغْرَمُوْنَ: تاوان زدہ، قرض دار۔ اِغْرَامٌ سے اسمِ مفعول۔

اُجَاجًا: تلخ، کڑوا، کھاری پانی۔

تُوْرُوْنَ: تم سلگاتے ہو، تم روشن کرتے ہو۔ اِیْرَاءٌ سے مضارع۔

مُقْوِیْنَ: مسافر۔ اِقْوَاءٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: جو کچھ تم بوتے اور زمین میں بیج ڈالتے ہو، تو کیا اُن بیجوں کو اُگانا تمہارے بس میں ہے۔ نہیں بلکہ ہم ہی اُن کو اُگاتے اور اُن کو پھل پھول دیتے ہیں۔ پیدا ہونے کے بعد بھی ہم ہی ان کی نشوونما کرتے ہیں ورنہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو سکھا کر ریزہ ریزہ کردیں اور اُن کا نام ونشان بھی نہ رہے اور تم ہاتھ ملتے ہی رہ جاؤ کہ ہائے ہم پر آفت آ گئی، بڑا نقصان ہوگیا۔ نفع تو ایک طرف پونجی بھی گئی۔

پھر اپنی ایک اور نعمت کا ذکر فرمایا کہ جس پانی کو تم پیتے ہو، اس کو بادل سے تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ یہ ہمارا کتنا بڑا انعام اور ہماری قدرت کی کیسی واضح دلیل ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس شیریں پانی کو کھارا بنادیں اور تم اس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ پی سکو۔ پھر تم ہمارا شکر کیوں نہیں کرتے کہ ہم نے میٹھے پانی کے اتنے عظیم ذخیرے تمہارے قبضے میں دے دیئے ہیں۔

اب ذرا یہ بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو کیا اس درخت کو تم نے پیدا کیا ہے جس سے یہ آگ پیدا ہوتی ہے۔ یقیناً وہ درخت ہماری ہی قدرت سے پیدا ہوا ہے۔ ہم ہی نے اس درخت کو آخرت کی یاد دلانے کا سامان بنایا کہ اس کو دیکھ کر آخرت کی آگ کے دہکنے اور شدت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، یہ درخت مسافروں کے لئے بھی نافع ہے کہ وہ جنگلوں میں سفر کے دوران اس آگ سے نفع اُٹھاتے ہیں مثلاً کھانا پکانا، روشنی حاصل کرنا، موسم سرما میں حرارت حاصل کرنا وغیرہ۔ سو اے مخاطب تو اپنے عظیم الشان رب کے نام کی تسبیح کر اور اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔

قرآن کی حقانیت

۷۵۔۸۲۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ۝

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ ۝ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝
تَنْزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَفَبِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ۝
وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُونَ ۝

سو، میں تاروں کے ڈوبنے کی قسم کھاتا ہوں اور اگر تم سمجھو تو یہ ایک بڑی قسم ہے۔ یہ بڑی عزت والا قرآن ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ کیا تم اس کو سرسری بات سمجھتے ہو اور تکذیب کو اپنی غذا بنا رہے ہو۔

مَكْنُوْنٍ: چھپایا ہوا۔ پوشیدہ۔ کَنٌّ سے اسمِ مفعول۔

مُدْهِنُوْنَ: سستی کرنے والا، سرسری سمجھنے والا۔ اِدْهَانٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: میں ستاروں کے غروب ہونے کے مقامات یا اوقات کی پختہ قسم کھاتا ہوں۔ بلاشبہ یہ ایک بہت ہی بڑی قسم ہے، اس لئے کہ جس امر پر یہ قسم کھائی جا رہی ہے وہ بہت بڑا امر ہے یعنی یہ کہ جو قرآن محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے وہ بہت ہی قدر و منزلت اور بڑی عظمت و بزرگی والا ہے۔ یہ لوحِ محفوظ میں درج ہے اگر لَا یَمَسُّہٗ میں لا کی ضمیر کتاب کی طرف راجع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ اس کو فرشتوں کے سوا کوئی چھو بھی نہیں سکتا۔ صحیح یہ ہے کہ لَا یَمَسُّہٗ کی ضمیر لوحِ محفوظ کی طرف راجع نہیں بلکہ قرآن کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لئے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کو وہی لوگ چھوتے ہیں جو پاک ہوں، بے وضو نہ ہوں۔

یہ قرآن کوئی شعر و سخن یا جادو نہیں اور نہ شیاطین اس کو لے کر اُترتے ہیں جیسا کہ مشرکین کہا کرتے تھے، بلکہ یہ تو اللہ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ یہ سراسر حق ہے بلکہ صرف یہی حق ہے اور جو کچھ اس کے خلاف ہے وہ سب باطل اور بالکل مردود ہے۔ جس طرح اس کی کائنات میں کسی جگہ کوئی عیب اور نقص نہیں اسی طرح اس کا کلام بھی ہر قسم کے عیب و نقص سے پاک ہے۔ اے اہل مکہ! تم ایسے پاک کلام کا انکار کیوں کرتے ہو۔ تم نے تو اس میں اپنا حصہ بس اتنا ہی سمجھ لیا ہے کہ اس کی تکذیب کرتے رہو۔ یہ تو بڑی بدبختی اور بدنصیبی ہے۔ کیا کسی نعمت کی شکر گزاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔

منکرین کو چیلنج

۸۳۔۸۷ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ ۝ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ ۝ وَنَحْنُ

أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ ۝ فَلَوْلَآ إِن كُنتُمْ غَيْرَ مَدِينِينَ ۝ تَرْجِعُونَهَآ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝

سو جس وقت جان حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت دیکھتے رہ جاتے ہو۔ ہم اس (مرنے والے) کے تم سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم دیکھتے نہیں۔ پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں (کسی کے مملوک نہیں) ہو تو اس (روح) کو لوٹا کیوں نہیں لیتے، اگر تم سچے ہو۔

تشریح: مشرکین و منکرین کی طرف سے قیامت اور مرنے کے بعد زندہ ہونے کے انکار کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی جان اور روح خود اُن کے قبضے میں ہے۔ ان آیتوں میں اُن کے اس باطل خیال کی تردید کے لئے ایک قریب الرگ انسان کی مثال دے کر بتایا گیا ہے کہ جب اُس کی روح حلق تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے عزیز و اقارب اور دوست واحباب اس کے اس حال کو دیکھتے ہیں تو بتقاضائے محبت وہ چاہتے بھی ہیں کہ اس کی روح نہ نکلے اور وہ زندہ رہے مگر وہ سب مرنے والے کی جان بچانے سے عاجز و بے بس ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اپنے علم وقدرت کے لحاظ سے اس وقت ہم تمہارے مقابلے میں اس مرنے والے سے زیادہ قریب ہوتے ہیں مگر تم اس قرب کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے۔ اگرچہ تم سب مل کر اُس کی اس زندگی کی حفاظت چاہتے ہو مگر تم کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ تمہیں اس پر کچھ بھی قدرت واختیار نہیں۔ ہم اپنے علم وقدرت کے اعتبار سے اس کے زیادہ قریب ہیں اور وہ ہمارے زیرِ تصرف اور ہماری مشیت وحکم کے تابع ہے۔ ہم اس کی روح نکالنے کا جو وقت مقرر کر چکے ہیں اس کو کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں زندہ نہیں کیا جا سکتا اور تم اپنی قوت و بہادری کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور گرفت سے باہر ہو تو مرنے والے کی روح کو نکلنے سے روک لو یا نکلنے کے بعد اس میں لوٹا دو۔ اگر تم یہ نہیں کر سکتے اور تم یقیناً ایسا نہیں کر سکتے تو پھر تمہارا اپنے آپ کو اللہ کی گرفت سے باہر سمجھنا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنا نہایت بے عقلی ہے۔ (معارف القرآن/مفتی محمد شفیع: ۲۸۸، ۲۸۹/ ۸)

مرنے کے بعد یقینی جزا یا سزا

۸۸۔۹۶، فَأَمَّآ إِن كَانَ مِنَ ٱلْمُقَرَّبِينَ ۝ فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتُ

نَعِيْمٍ ۝ وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ فَسَلٰمٌ لَّكَ
مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝ وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ
الضَّآلِّيْنَ ۝ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ۝ اِنَّ
هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

پھر اگر وہ (مردہ) مقربین میں سے ہے تو (اس کے لئے) راحت اور روزی اور نعمتوں والی جنت ہے۔ اگر وہ دائیں طرف والوں میں سے ہے تو (اُس سے کہا جائے گا) کہ تیرے لئے سلامتی ہے کہ تو داہنی طرف والوں میں سے ہے۔ اگر وہ مکذبین، گمراہوں میں سے ہوگا تو کھولتے ہوئے پانی سے اُس کی ضیافت ہوگی اور دوزخ میں داخل ہونا ہوگا۔ بے شک یہ سراسر حق اور قطعاً یقینی ہے۔ سو تو اپنے رب کے نام کی تسبیح کر جو بہت بڑا ہے۔

رَوْحٌ: آرام، رحمت، فیض، مصدر ہے۔

رَيْحَانٌ: رزق والا، غذا والا۔ جمع رِيَاحِيْنُ۔

تشریح: جس طرح دُنیا کی زندگی کا ایک روز ختم ہو جانا یقینی امر ہے، اُسی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اپنے اعمال کا حساب کتاب دینا اور اُس کے نتیجے میں جزا یا سزا پانا بھی یقینی ہے۔ قیامت کے دن جزا وسزا کے اعتبار سے مخلوق کے تین گروہ ہوں گے اور ہر ایک کی جزا الگ ہوگی جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ یہاں دوبارہ اس کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے کہ اگر مرنے کے بعد وہ شخص مقربین یعنی سابقین میں سے ہے تو اس کے لئے راحت ہی راحت اور آرام ہی آرام ہے۔ اگر وہ سابقین مقربین میں سے نہیں ہے مگر اصحاب الیمین یعنی عام مومنین صالحین میں سے ہے تو بھی جنت کی نعمتوں سے سرفراز ہوگا اور اگر وہ اصحاب الشمال یعنی کفار ومشرکین میں سے ہوا تو جہنم کی آگ اور کھولتے ہوئے پانی سے اس کو سابقہ پڑے گا۔

پھر فرمایا کہ جس جزا وسزا کا اُوپر ذکر ہوا ہے وہ حق اور بالکل یقینی ہے۔ اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں۔ سوائے مخاطب تو اپنے عظیم الشان رب کے نام کی تسبیح کر اور اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کر۔ (معارف القرآن/ مفتی محمد شفیع: ۸/۲۸۹)

سورۃ الحدید

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پچیسویں آیت میں حدید یعنی لوہے کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الحدید مشہور ہو گیا۔

تعارف: اس میں چار رکوع، ۲۹ آیات، ۵۴۴ کلمات اور ۲۴۷۶ حروف ہیں۔ مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مدنیہ ہے۔ بعض دوسری مدنی سورتوں کی طرح اس میں بھی شریعت کے بنیادی احکام اور عقائدِ توحید کی تحقیق و تفصیل اور ایمان و تقویٰ کی دعوت کا بیان ہے۔

احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن مردویہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں عرباض بن ساریہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے المسبحات پڑھا کرتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ ان مسبحات میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیات سے افضل ہے۔ (روح المعانی ۱۶۴/ ۲۷، مواہب الرحمٰن ۳۲۰، ۳۲۱/ ۲۷)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: موت و حیات کا اختیار اور اللہ کی چند صفات کا بیان ہے۔ پھر لوگوں کو دعوتِ ایمان دی گئی ہے۔

رکوع ۲: ملکیت خاصہ و کاملہ، ایمان و اعمال کی روشنی اور اہل کتاب کی قساوتِ قلبی کا بیان ہے۔ آخر میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر و ثواب مذکور ہے۔

رکوع ۳: حیاتِ دُنیوی کی بے ثباتی، صبر و قناعت کی تعلیم اور کتاب و میزان کا نازل کرنا مذکور ہے۔

رکوع ۴: رہبانیت کی بدعت اور اتباعِ رسولؐ کے ثمرات بیان کئے گئے ہیں۔

موت وحیات کا اختیار

۱-۳، سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے۔ وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اوّل ہے وہی آخر، وہی ظاہر و پوشیدہ اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی ہر چیز زبانِ حال یا قال سے اُس کی تسبیح میں مشغول ہے۔ وہ بڑی عزت و حکمت والا ہے کہ کائنات کی ہر چیز اس کی کبریائی اور شانِ حکیمی کی گواہی دے رہی ہے۔ اس کے سامنے ہر ایک پست و عاجز و لاچار ہے۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے اور وہی آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ اور وہی ان سب کا نظام چلا رہا ہے۔ اس کی ملکیت و حاکیت میں کوئی شریک نہیں۔ اسی کے قبضے میں زندگی اور موت ہے، وہی فنا کرتا ہے اور وہی پیدا کرتا ہے۔ وہی سب کو عدم سے وجود میں لانے والا اور سب پر تصرف کرنے والا ہے۔ وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور کوئی طاقت اس کے حکم کو روک نہیں سکتی۔ وہی ایسا اول ہے کہ اس کی کوئی ابتدا نہیں یعنی وہ ازل سے ہے۔ وہی ایسا آخر کہ اس کی کوئی انتہا نہیں یعنی وہ ابدی ہے کہ ہر چیز فنا ہو جائے گی لیکن وہ باقی رہے گا، جیسے ارشاد ہے:

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

جو کچھ بھی زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ صرف تیرے رب کی ذات باقی رہے گی، جو عظمت و بزرگی والی ہے۔ (الرحمٰن ۲۶، ۲۷)

وہی ظاہر اور وہی باطن ہے۔ وہ ایسا علیم ہے کہ اس کی نظر و علم سے ایک ذرہ بھی اوجھل نہیں ہے۔ ہر شے کا وجود، اس کا ظہور، اُس کی بقا اور اُس کے زمانۂ بقا کے تغیرات اور جملہ احوال اُسی کے علم میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی چند صفات

۴-۶۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

اُسی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے، اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو اُوپر چڑھتا ہے وہ سب کو جانتا ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اُس کو دیکھ رہا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اُسی کی ہے اور سب کام اللہ ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں اور وہ دل کی باتوں تک کو جانتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور عرش پر قرار پکڑا۔ وہ خوب جانتا ہے ہر اُس چیز کو جو زمین میں داخل ہوتی ہے، جیسے بیج، بارش کے قطرے، معادن جو زمین کی تہوں میں چھپے ہوئے ہیں، مدفون خزانے اور مردے وغیرہ۔ وہ ان چیزوں کو بھی خوب جانتا ہے جو زمین سے باہر نکلتی ہیں جیسے کھیتی، نباتات، پودے اور بخارات وغیرہ۔ قیامت کے روز مُردے بھی اسی زمین سے برآمد ہوں گے۔

وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ جو کچھ آسمانوں سے اُترتا ہے جیسے بارش، اُس کی مقدار، زمانہ اور

جگہ، فرشتے جو آسمانوں سے احکام اور تکوینی اُمور لے کر اُترتے ہیں وغیرہ۔ اور جو کچھ آسمانوں میں چڑھتا ہے جیسے لوگوں کی رُوحیں اور اعمال واحوال، فرشتے جو بندوں کے اعمال لے کر آسمانوں میں جاتے ہیں اور بارگاہِ خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ غرض جو چیز بھی آسمان سے اترتی ہے اور جو آسمان پر جاتی ہے وہ سب اس کے علم میں ہے اور اسی کے حکم کے مطابق ہے۔ تم جہاں کہیں بھی ہو اور جس حال میں ہو وہ ہر وقت اور ہر حال میں تمہارے ساتھ ہے، اور کسی وقت بھی تم سے غائب نہیں۔ وہ تمہارے تمام اعمال وافعال کو دیکھ رہا ہے، اور اعمال کے مطابق ہی تمہیں بدلہ دے گا۔

آسمان وزمین کی سلطنت اُسی کی ہے، جیسے ارشاد ہے:

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ (اللیل ۱۳)

دُنیا اور آخرت کی ملکیت ہماری ہی ہے۔

تمام اُمور اُسی کی طرف لوٹتے ہیں، وہی ہر کام کا فیصلہ کرتا ہے اور وہی ہر عمل کی جزا وسزا دیتا ہے۔ اُس کی بارگاہ میں اعمال اسی لئے پیش کئے جاتے ہیں کہ وہ اُن کی جزا یا سزا دے۔ وہی رات کو گھٹا کر دن کو بڑا کر دیتا ہے اور دن کو کم کر کے رات کو طویل کر دیتا ہے۔ سب کچھ اُسی کی قدرت میں ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت دن اور رات کی مقدار میں ایک لحہ بھر بھی تغیر نہیں کر سکتی۔ وہ دلوں کی پوشیدہ باتوں، ارادوں اور وساوس وخطرات سے بھی خوب واقف ہے۔ (مظہری ۱۷۸/ ۹)

دعوتِ ایمانی

۷۔۹۔ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِيْنَ فِيْهِ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں جانشین بنایا۔ سو تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئیں اور (اللہ کی راہ

میں) خرچ کریں تو اُن کے لئے بڑا ثواب ہے۔ تمہیں کیا ہوا کہ اللہ پر ایمان
نہیں لاتے۔ حالانکہ (اللہ کا) رسول تمہیں اپنے رب پر ایمان لانے کی دعوت
دے رہا ہے اور اگر تمہیں یقین ہو تو وہ (اللہ) تم سے پختہ عہد بھی لے چکا ہے۔
وہی اپنے بندے پر کھلی کھلی آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے
نکال کر روشنی کی طرف لائے۔ بے شک اللہ تم پر بڑا شفیق اور مہربان ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور اس پر مضبوطی سے جمے رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہی نجات اور ابدی حیات کا ذریعہ ہے لیکن ایمان لانا ہی کافی نہیں بلکہ اس کے بعد اچھے کام بھی کرنے چاہئیں۔ انہی میں سے ایک عمدہ کام خلقِ خدا کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ اگرچہ تمام مال اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے اور وہی اُس کا حقیقی مالک ہے مگر اُس نے انسان کو اس میں تصرف کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس مال کا تمہیں وارث بنایا ہے اس کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہاں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں گزشتہ لوگوں کا قائم مقام بنایا ہے۔ پہلے اس مال کے وہ مالک و متصرف تھے، اب اُن کی جگہ تم اس کے مالک و متصرف ہو اور آئندہ تمہاری جگہ اس مال کی ملکیت اور اس میں تصرف کا اختیار ان لوگوں کو ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے۔ سو ایسی فانی چیز کو ضروری اور مناسب جگہ خرچ کرنے سے گریز کرنا نادانی ہے۔ لہٰذا تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا تو اللہ کے ہاں اُن کے لئے بڑا اجر و ثواب ہے۔

پھر فرمایا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ اللہ کے رسول ﷺ واضح دلائل اور نشانیوں کے ساتھ تمہیں دعوتِ ایمان دے رہے ہیں اور خود اللہ نے بھی تم سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تھا۔ اگر تم اپنے خیال میں اللہ پر ایمان لانے کے مدعی ہو تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ کہ ایمان لانے کا یہ سب سے بہتر وقت ہے۔ دلائل موجود ہیں، رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہو چکی ہے اور قرآن نازل ہو چکا ہے۔ اسی لئے ایمان لانے کا اس سے بہتر کون سا وقت ہوگا۔ رسول کی وساطت کے بغیر اللہ پر ایمان لانا اللہ کے ہاں قبول نہیں۔ آیت میں میثاق سے یا تو وہ عہدِ ازلی مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کے پیدا ہونے سے پہلے وجود میں آنے والی تمام ارواح کو جمع کر کے اپنی

ربوبیت کے بارے میں لیا تھا، جو قرآنِ کریم میں الست بربکم قالوا بلیٰ کے الفاظ سے آیا ہے یا اس سے وہ عہد مراد ہے جو سابقہ انبیا اور اُن کی اُمتوں سے لیا گیا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تو وہی ہے جو اپنے بندے محمد ﷺ پر کھلی کھلی نشانیاں اور واضح احکام نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نورِ ہدایت کی طرف لے آئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بہت شفیق اور مہربان ہے کہ وہ تمہیں کفر و انکار اور نافرمانی پر فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ مہلت دیتا ہے تاکہ تم کفر کی تاریکی سے نکل کر ایمان کی روشنی میں آ جاؤ۔ (مظہری: ۱۸۸۔۱۹۰/۹)

ملکیتِ خاصہ و کاملہ

۱۰۔۱۱۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث تو اللہ ہی کی ہے۔ تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور جہاد کیا وہ (دوسروں کے) برابر نہیں۔ ان لوگوں کا درجہ اُن سے بڑا ہے جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد خرچ کیا اور جہاد کیا اور اللہ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسن دے۔ پھر اللہ اس کو اس کے لئے بڑھاتا چلا جائے اور اس کے لئے عمدہ بدلہ ہے۔

تشریح: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ حقیقت میں آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ میراث اس ملکیت کو کہتے ہیں جو سابقہ مالک کے انتقال کے بعد اس کے زندہ رہنے والے وارثوں کو ملتی ہے۔ یہ ملک جبری ہوتی ہے۔ مرنے والا چاہے یا نہ چاہے یہ

ملکیت وارث کی طرف منتقل ہوجاتی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی ملکیت کو میراث کہنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ آج تم اپنے آپ کو جن چیزوں کا مالک سمجھتے ہو، اُن سب کا حقیقی مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اگرچہ بعض اشیا اس نے عارضی طور پر تمہاری ملکیت میں دے رکھی ہیں۔ قیامت کے روز تمہاری یہ ظاہری ملکیت بھی ختم ہوجائے گی اور تمام چیزوں کی ملکیتِ خاصہ وکاملہ حقیقتاً اور ظاہراً اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہوجائے گی۔ اس لئے اس وقت مال کی جو ظاہری ملکیت تمہیں حاصل ہے اگر تم اس مال میں سے اللہ کے نام پر خرچ کردو گے تو اس کا بدلہ تمہیں آخرت میں مل جائے گا اور تمہاری خرچ کی ہوئی چیز کی ملکیت تمہارے لئے دائمی ہوجائے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَھُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

جو کچھ تم (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو گے، اللہ تمہیں اس کا بہترین بدلہ دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ (سبا ۳۹)

اور ارشاد ہے:

مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ (نحل:۹۶)

جو کچھ مال تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوجائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔

مسلمانوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو فتح مکہ یا صلح حدیبیہ سے پہلے ایمان لائے اور انہوں نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جہاد کیا۔ دوسرے وہ جو فتحِ مکہ کے بعد ایمان لائے، جہاد میں شریک ہوئے اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا۔ اللہ کے نزدیک یہ دونوں قسم کے لوگ برابر نہیں بلکہ ثواب کے اعتبار سے پہلا گروہ دوسرے گروہ سے بڑھا ہوا ہے۔ جو لوگ فتح مکہ سے پہلے ایمان لائے، خاص طور پر جو ابتدائی ایام میں ایمان لائے، اُن کے سامنے مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اُس کے نتیجے میں مشرکین کی ایذا رسانی جیسے حالات تھے۔ ایسے حالات میں اسلام وایمان کا اظہار کرنا اپنی جان کی بازی لگانے اور اپنے گھر بار کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ ظاہر ہے جن لوگوں نے ان حالات میں اسلام قبول کر کے اپنی جانوں اور اموال کو خطرے میں ڈالا، اُن کی قوتِ ایمان اور اخلاصِ عمل کو دوسرے لوگ نہیں پہنچ سکتے۔ آیت کے آخر میں وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى فرما کر باہمی فرقِ مراتب کے باوجود اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کرام

کے دونوں طبقوں سے جنت و مغفرت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

پھر فرمایا کہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے خلوص کے ساتھ اس کو بہت عمدہ قرض دے تا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوب بڑھا چڑھا کر بدلہ اور عزت و کرامت والا ثواب عنایت فرمائے۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع، ۲۹۶۔۲۹۹/ ۸)

ایمان و اعمال کی روشنی

۱۲۔۱۵، يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ
وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ
وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ
قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَاۗءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ
بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ
الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى
وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ
الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَاۗءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ فَالْيَوْمَ
لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ
النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

(قیامت کے) دن تم مومن مردوں اور عورتوں کو دیکھو گے کہ اُن کا نور اُن کے آگے اور دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ (اُن سے کہا جائے گا کہ) آج تمہارے لئے ان جنتوں کی بشارت ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، جس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔ اس دن منافق مرد اور عورتیں مومنوں سے کہیں گے، ذرا ٹھہرو، ہم بھی تمہارے نور سے روشنی لے لیں۔ اُن سے کہا جائے گا کہ اپنے پیچھے لوٹ جاؤ اور روشنی تلاش کرو۔ پھر اُن کے

درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندر کی طرف تو رحمت ہوگی اور باہر کی طرف (جدھر کافر ہوں گے) عذاب ہوگا۔ منافق (مومنوں کو) پکار کر کہیں گے۔ کیا تم ہمارے ساتھ نہ تھے۔ وہ کہیں گے کہ تھے تو سہی لیکن تم نے اپنے آپ کو گمراہی میں پھنسا رکھا تھا اور (ہم پر) مصیبت آنے کا انتظار کرتے تھے اور تم شک کرتے رہے (تمہاری بے جا) آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں رکھا، یہاں تک کہ حکمِ الٰہی آ پہنچا اور اللہ کے بارے میں دغاباز (شیطان نے) تمہیں دھوکے ہی میں رکھا۔ سو آج تم سے نہ کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا اور نہ کافروں سے۔ (اب) تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ وہی تمہاری رفیق ہے اور (یقیناً) وہ برا ٹھکانہ ہے۔

نَقْتَبِسُ: ہم روشنی حاصل کریں۔ ہم فائدہ اُٹھائیں۔ اِقْتِبَاسٌ سے مضارع۔

سُوْرٍ: دیوار، فصیل، شہر پناہ۔ جمع اَسْوَارٌ۔

تَرَبَّصْتُمْ: تم نے انتظار کیا، تم نے راہ دیکھی۔ تَرَبُّصٌ سے ماضی۔

اِرْتَبْتُمْ: تم شبہے میں پڑے، تم شک میں پڑے۔ اِرْتِيَابٌ سے ماضی۔

اَمَانِیُّ: جھوٹی آرزوئیں، تمنائیں۔ واحد اُمْنِيَّةٌ۔

تشریح: قیامت کے روز جب لوگ میدانِ حشر سے پلِ صراط پر جائیں گے تو ہر طرف اندھیرا ہوگا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن مردوں اور عورتوں کو ایمان و عملِ صالح کا نور عطا کیا جائے گا جو اُن کے آگے اور اُن کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا اور اُن کو جنت کی طرف جانے کا راستہ دکھائے گا۔ جس درجے کا ایمان و عملِ صالح ہوگا، اُسی درجے کا نور ملے گا۔ فرشتے مومنوں سے کہیں گے کہ تمہیں ایسے باغوں کی بشارت ہو، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور جہاں ہمیشہ رہنا ہے، اہلِ جنت کو فنا ہوگی اور نہ وہاں کی نعمتیں کبھی ختم ہوں گی۔ یہی عظیم کامیابی ہے۔

ابنِ جریر اور ابنِ ابی حاتم نے حضرت ابنِ مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کو بقدرِ اعمال نور عطا کیا جائے گا۔ ان میں سے بعض کا نور پہاڑ کے برابر ہوگا اور بعض کا کھجور کے درخت کے برابر اور بعض کا کھڑے ہوئے انسان کے قد کے برابر۔ سب سے کم نور جس گناہ گار مومن کا ہوگا اس کے پیر کے انگوٹھے پر نور ہوگا جو کبھی روشن ہوگا اور کبھی بجھ جائے گا۔

اس کے برعکس کافروں اور منافقوں کے لئے تاریکی ہی تاریکی ہوگی۔ اُس روز جب اہل ایمان منافقوں سے آگے نکلے جارہے ہوں گے تو منافق مرد اور عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے کہ ذرا ہمارا انتظار کرو تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہارے ساتھ چلیں۔ اس وقت ان منافقین سے کہا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے اسی تاریک مقام کی طرف لوٹ جاؤ جہاں سے آئے تھے اور وہیں روشنی تلاش کرو۔ یہ جواب سن کر منافقین تقسیمِ نور کے مقام پر لوٹ جائیں گے لیکن وہاں کچھ نہیں پائیں گے۔ پھر وہ لوٹ کر مسلمانوں کی طرف جائیں گے تو مسلمانوں اور اُن کے درمیان ایک دیوار قائم کردی جائے گی۔ جس میں ایک دروازہ ہوگا۔ اس دیوار کے ایک طرف جہاں مومن ہوں گے، رحمت ہوگی اور دوسری طرف جہاں منافق ہوں گے، عذاب ہوگا۔

منافق یہ سوچ کر کہ ہم تو دنیا میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہا کرتے تھے، اُن کو پکار کر کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں رہتے تھے، اب اس مصیبت کے وقت ہمیں اندھیرے میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ اُس وقت اہلِ ایمان ان کو جواب دیں گے کہ بے شک ظاہر میں تو تم ہمارے ساتھ تھے لیکن تم نے تو اپنے آپ کو فتنوں میں ڈال کر رکھا تھا، مسلمانوں کی ذلت و ناکامی کے منتظر اور اُن کی طرف شک سے میں پڑے ہوئے تھے، تمہاری تمناؤں اور شیطان نے تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکے میں ڈال رکھا تھا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ پہنچا۔ سو اے منافقو! آج نہ تمہیں کسی فدیے یا عوض کے بدلے میں چھوڑا جائے گا اور نہ کافروں کو۔ اب دوزخ کی آگ ہی تم سب کا ٹھکانہ ہے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے، وہی تم سب کی رفیق اور ساتھی ہے۔ کسی اور سے رفاقت کی توقع نہ رکھو۔

(مظہری: ۱۹۲۔۱۹۷/۹، عثمانی: ۶۳۶۔۶۳۷/۲)

اہلِ کتاب کی قساوتِ قلبی

۱۶۔۱۷۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا
نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ
فٰسِقُوْنَ ۞ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞

کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وقت نہیں آیا کہ اُن کے دل اللہ کی یاد
سے اور جو دینِ حق نازل ہوا ہے، اُس کے سامنے جھک جائیں اور وہ ان
لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں، جن کو اُن سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ پھر جب
اُن پر ایک طویل زمانہ گزر گیا تو اُن کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے اکثر
لوگ فاسق ہیں۔ جان لو کہ اللہ ہی زمین کو اُس کی موت کے بعد زندہ کرتا
ہے۔ہم نے تو تمہارے لئے کھول کھول کر نشانیاں بیان کر دیں تا کہ تم سمجھو۔

یَأْنِ: وہ آیا۔ اَنِیٌّ اور اِنِیٌّ سے مضارع۔

اَمَدُ: مدت، زمانہ دراز۔ جمع اَمَادٌ۔

قَسَتْ: وہ (دل) سخت پڑ گئے۔ وہ سیاہ ہو گئی۔ قَسْوَۃٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمانوں کے دل سست پڑ گئے تھے، کہ نزولِ قرآن کے تیرہویں سال کے خاتمے پر اللہ تعالیٰ نے یہ عتاب فرمایا۔

ابن مبارک نے الزہد میں بروایتِ سفیان بیان کیا کہ اعمش نے کہا صحابہ پر ہجرت سے پہلے اپنی جگہ بڑی تنگ حالی اور تکلیف تھی۔ جب مدینے ہجرت کر کے آ گئے تو یہاں آرام و سکون ملا، اس وجہ سے بعض کاموں میں سستی کرنے لگے، اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔

(روح المعانی: ۱۷۹/۹/ ۲۷)

تشریح: یہاں مومنوں کو کمالِ خشوع اور عملِ صالح کے لئے مستعد رہنے کی تعلیم دی گئی ہے اور خشوعِ قلب ہی پر تمام اعمال کا دارومدار ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کیا مومنوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ اللہ کا ذکر، وعظ و نصیحت، آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی سن کر اُن کے دل نرم ہو جائیں، وعظ و نصیحت قبول کریں. اللہ کے احکام بجالائیں اور ممنوعات سے اجتناب کریں۔ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی روش اختیار نہیں کرنی چاہئے جنہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور اس کو تھوڑی سی قیمت لے کر فروخت کر دیا، اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال کر اپنی رائے سے فیصلے کرنے لگ گئے، اپنے علما اور درویشوں کی بے سند باتوں کو دین میں داخل کر لیا اور نیکیاں چھوڑ کر برائیوں میں منہمک ہو گئے۔ ان بداعمالیوں کی سزا میں اللہ نے اُن کے دل سخت کر دیئے۔ اب اللہ کے احکام سن کر اُن کے دل نرم نہیں ہوتے، کوئی وعظ و نصیحت اُن پر اثر نہیں کرتی، کوئی وعدہ وعید اُن کے دل کو اللہ کی

طرف مائل نہیں کرتا، بلکہ اُن میں سے اکثر لوگ فاسق اور بدکار ہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَ جَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ

پھر ہم نے اُن کی عہد شکنی کی وجہ سے اُن پر لعنت کر دی اور ہم نے اُن کے دلوں کو سخت کر دیا، وہ (توریت کے) الفاظ کو اُن کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ اس نصیحت میں سے ایک بڑا حصہ بھول گئے جو اُن کو کی گئی تھی۔ (المائدہ: ۱۳)

پھر فرمایا کہ جان لو کہ جس طرح اللہ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اسی طرح وہ دلوں کی سختی کے بعد اُن میں نرمی پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ گمراہیوں کی تہ میں اُتر جانے کے بعد اللہ ہی راہِ راست پر لاتا ہے۔ جس طرح بارش خشک زمین کو تر کر کے سرسبز بنا دیتی ہے اسی طرح کتاب اللہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے، اور اُن کی ظلمت و تاریکی کو دور کر کے اُن کو منور کر دیتی ہے۔ ہم نے تمہارے لئے بہت سی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں تا کہ تم سمجھو۔ (ابنِ کثیر: ۳۱۰، ۳۱۱/۴)

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا اجر

۱۸۔۱۹، اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

بے شک صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں اور جنہوں نے خوش دلی سے اللہ کو قرض دیا، اُن کو دو چند (اجر) دیا جائے گا اور اُن کے لئے عمدہ بدلہ ہے۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے وہی اپنے رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔ ان کو اُن کا اجر اور نور ملے گا۔ اور جو کفر کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، وہی دوزخی ہیں۔

تشریح: جو مرد و عورت، فقیروں، مسکینوں، محتاجوں اور حاجت مندوں پر اپنے حلال مال میں سے

نیک نیتی کے ساتھ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ کو قرضِ حسن دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو اس کا بدلہ بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے گا۔ دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اس کے علاوہ اُن کے لئے آخرت میں بے حساب ثواب اور بڑا اجر ہے۔

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ پر پورے اخلاص کے ساتھ ایمان و یقین رکھنے والے ہی صدیق اور شہید ہیں۔ انہی کے لئے اجر ہے اور انہی کو نور دیا جائے گا جو اُن کے اعمال کے مطابق ہوگا اور اُن کے سامنے رہے گا۔ یہ لوگ نہایت سکون و اطمینان اور اعزاز و اکرام کے ساتھ اس روشنی میں جنت کی طرف جائیں گے۔ البتہ اہل ایمان میں سے جو گناہگار سزا کے لئے جہنم میں جائیں گے تو ان کو سزا کے بعد شفاعت یا رحمتِ خداوندی کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

صدیق سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی دی ہوئی تمام خبروں کو سچا جانتے اور اُن کی تصدیق کرتے ہیں۔ مجاہد نے اسی آیت کی روشنی میں کہا کہ جو شخص بھی اللہ اور اُس کے رسولؐ پر ایمان لایا وہ صدیق اور شہید ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا کہ صدیق کا ایک خاص مفہوم بھی ہے کہ جو لوگ کمالاتِ نبوتؐ کے وارث ہوں اور اتباعِ نبوت کی وجہ سے اُن کے اندر اوصافِ نبوت پیدا ہو گئے ہوں، اُن کو صدیق کہا جاتا ہے۔ آیت

مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِينَ (النساء:٦٩)

سو وہ لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور وہ انبیاء، صدیقین، شہدا اور نیک لوگ ہیں۔

مذکورہ آیت میں صدیق کے یہی معنی مراد ہیں۔ اس اعتبار سے ہر مومن کو صدیق نہیں کہا جا سکتا بلکہ خاص اوصاف رکھنے والوں کو ہی صدیق کہا جاتا ہے۔

شہدا وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دینے والے ہیں یا قیامت کے دن تمام امتوں پر گواہ ہوں گے جیسے ارشاد ہے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا ۝ (النساء: ۴۱)

پھر کیا ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ حاضر کریں گے اور اے نبی (ﷺ) ہم آپ کو بھی ان پر گواہ بنا کر لائیں گے۔

مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ شہدا سے مراد اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے ہیں ۔ ابن جریر نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے سب مومن شہید ہیں ۔ پھر آپؐ نے آیتِ مذکورہ تلاوت فرمائی ۔

پھر فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر وانکار کیا اور ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو وہی لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ دوزخ انہی کے لئے بنائی گئی ہے ۔ یہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ۔ ان کو دوزخ سے کبھی نہیں نکالا جائے گا ۔

حیاتِ دنیوی

٢٠۔٢١۔ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

خوب جان لو کہ دُنیا کی زندگی محض لہو ولعب، آرائش، آپس میں فخر کرنا اور مال واولاد کی کثرت طلب کرنا ہے، جیسے بارش کہ اُس کی پیداوار کسانوں کو بھی معلوم ہوتی ہے ۔ پھر وہ خشک ہو جاتی ہے، سو تم اس کو زرد دیکھتے ہو، پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں تو (کافروں کے لئے) شدید عذاب ہے اور (مومنوں کے لئے) اللہ کی طرف سے مغفرت اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں ۔ تم اپنے رب کی مغفرت اور ایسی جنت کی طرف دوڑو، جس کی وسعت آسمان وزمین کی مانند ہے، جو اُن کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے ۔ یہ اللہ کا فضل

ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

غَيْثٌ: بارش۔ جمع غُيُوثٌ۔

يَهِيْجُ: وہ خشک ہوتا ہے، وہ پک جاتا ہے، وہ تیار ہوتا ہے۔ هَيْجٌ و هَيَجَانٌ سے مضارع۔

حُطَامًا: ریزہ ریزہ، چورا چورا۔

تشریح: اہلِ دنیا کو لہو ولعب، زینت وفخر اور مال واولاد کی بہتات وکثرت کی چاہت کے سوا کچھ غرض نہیں۔ انسان اپنی تمام زندگی ان ہی چیزوں میں مصروف ومنہمک رہ کر گزار دیتا ہے۔ بچپن کھیل تماشے میں گزار دیتا ہے اور جوانی، بناؤ سنگھار میں۔ جب عمر کچھ پختہ ہوتی ہے تو مال واولاد، عزت و جاہ، نام ونمود اور اپنی ساکھ بنانے کی فکر دامن گیر ہو جاتی ہے اور جائز وناجائز ہر طریقے سے مال جمع کرتا ہے تاکہ اولاد کے کام آئے، عزت بڑھے اور قوم وبرادری میں بلند مقام حاصل ہو۔ پس انسان اسی تگ ودو میں اپنی تمام عمر برباد کر دیتا ہے اور کبھی سوچتا تک نہیں کہ جس دنیا کے حصول کے لئے اس نے اپنی ساری عمر وقف کی اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کیں، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اُس کی نعمتوں اور راحتوں کا انجام کیا ہے حالانکہ دنیا کی مثال بارش کی سی ہے، جب برستی ہے تو اس سے کھیتی اور طرح طرح کی نباتات اُگتی ہیں، جب وہ خوب ہری بھری اور لہلہانے لگتی ہیں تو کاشت کار اس کو دیکھ کر خوش ہو جاتا ہے پھر وہ زرد ہو کر خشک ہونے لگتی ہے اور آخرکار بالکل خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے اور منتشر ہو کر ناپید ہو جاتی ہے۔ یہی حال دنیا کی زندگی اور اس کے ساز وسامان کا ہے۔ یہ چند روزہ بہار ہے جس سے فریب کھا کر انسان اپنا انجام تباہ کر لیتا ہے۔ موت کے بعد کوئی چیز کام آنے والی نہیں سوائے عملِ صالح کے۔ جو شخص دنیا سے ایمان وعملِ صالح لے کر گیا اس کے لئے اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے اور جو ایمان کی دولت سے تہی دست رہا اور کفر وعصیان کا بوجھ لے کر گیا، اس کے لئے سخت عذاب ہے۔ یہ دنیا اور اس کا سامان اور متاع تو سراسر دھوکے کا سامان ہے، اس کی لذتیں فانی اور ناپائیدار ہیں۔ اس لئے انسان کو دنیا میں منہمک ہو کر آخرت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

پھر فرمایا کہ اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف مسابقت کرو جس کا عرض آسمان و زمین کے عرض کے برابر ہے۔ مسابقت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عمر، صحت اور قدرت وطاقت کا کچھ بھروسہ نہیں۔ اس لئے نیک اعمال میں سستی اور ٹال مٹول نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی بیماری یا عذر آ کر کام کے قابل نہ چھوڑے یا موت ہی آ جائے۔ لہٰذا موت اور بیماری کے آنے سے پہلے پہلے

ایسے اعمال کا ذخیرہ کرلو جو جنت تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکیں۔ مسابقت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ کہ نیک اعمال میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ یہ جنت ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے۔ کوئی بھی شخص اپنے اعمال کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ محض اللہ کے فضل و احسان سے داخل ہوگا کیونکہ آدمی کے عمر بھر کے اعمال تو اُن نعمتوں کا بھی بدل نہیں ہو سکتے جو دنیا میں اس کو مل چکی ہیں۔ اللہ بڑے ہی فضل والا ہے جو بندوں کو اپنے انعامات سے نوازتا ہے۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۳۱۴۔۳۱۷/ ۸)

صبر وقناعت کی تعلیم

۲۲۔۲۴، مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا
فِىْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿٢٢﴾
لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿٢٣﴾ ۨالَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ
النَّاسَ بِالْبُخْلِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٤﴾

کوئی مصیبت زمین پر نہیں آتی اور نہ تمہاری ذات پر، مگر قبل اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ بے شک یہ بات اللہ پر آسان ہے۔ تاکہ جو چیز تم سے جاتی رہے اس پر غم نہ کرو اور جو کچھ وہ عطا کرے اس پر اتراؤ نہیں اور اللہ اترانے والوں اور بڑائی مارنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو روگردانی کرے تو اللہ بھی بے نیاز (اور) سزاوارِ حمد ہے۔

نَبْرَاَ: ہم نے پیدا کیا، بَرْءٌ سے مضارع۔

تَاْسَوْا: تم افسوس کرو، تم غم کھاؤ۔ اَسیٰ سے مضارع۔

تَفْرَحُوْا: تم فرحت پاؤ، تم خوش ہو جاؤ، تم اتراؤ۔ فَرْحٌ سے مضارع۔

مُخْتَالٍ: تکبر کرنے والا، غرور کرنے والا۔ اِخْتِيَالٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: یہ حقیقت خوب سمجھ لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھلائی کسی کی تقدیر میں لکھ دی ہے وہ اس کو

حاصل ہو کر رہے گی اور جو چیز اُس کے مقدر میں نہیں، وہ کبھی بھی ہاتھ نہیں آ سکتی۔ لہٰذا اگر کوئی نفع یا خیر کی چیز حاصل نہ ہو سکے تو اس پر غمگین و مضطرب نہیں ہونا چاہئے اور نہ نعمتوں کے ملنے پر غرور و تکبر کی ضرورت ہے۔ بلکہ دل میں یہ اعتقاد پختہ کر لینا چاہئے کہ جو آفت یا مصیبت ملک میں یا کسی شخص کی جان پر آتی ہے مثلاً قحط، خشک سالی، زلزلہ، بیماری، مال کا نقصان، اموات وغیرہ، وہ سب لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی اور اللہ کے علم میں پہلے سے موجود ہیں اور ان کا واقع ہونا یقینی ہے۔ ان سب واقعات و حوادث کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اُن کا اندازہ کر لینا، ان کے ہونے کا علم حاصل کر لینا اور اسے تفصیل کے ساتھ لوحِ محفوظ میں لکھ دینا اللہ تعالیٰ کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ یہ سب اس لئے بتایا جا رہا ہے کہ تم دنیوی نعمتوں کے فوت ہو جانے پر ان کا غم نہ کرو بلکہ ان پر صبر کرو اور اللہ نے جو نعمتیں تمہیں عطا فرمائی ہیں، ان پر غرور و تکبر نہ کرو بلکہ شکر کرو۔ یہاں غم سے فطری غم مراد نہیں بلکہ اس سے وہ غم مراد ہے جو اللہ کے حکم، راضی ہونے اور صبر کرنے سے مانع ہو۔ اسی طرح فرح سے فطری مسرت نہ ہونا مراد نہیں بلکہ وہ مسرت مراد ہے جو آدمی کے اندر غرور اور تکبر پیدا کر دے۔

پھر فرمایا کہ اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو اُس کی عطا کردہ نعمتوں پر غرور و تکبر کرے اور دوسروں پر فخر جتانے لگے۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل پر آمادہ کرتے ہیں، ان کا طرزِ عمل یقیناً اللہ اور اس کے احکام سے روگردانی ہے۔ جو شخص بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑے گا اس کو اپنے انجام کی فکر کرنی چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی روگردانی اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے سے اللہ بے نیاز ہے۔ کوئی اُس کی حمد کرے یا نہ کرے وہ ہر وقت اور ہر حال میں سزاوارِ حمد ہے۔

کتاب و میزان نازل کرنا

۲۵۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ
بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ
بِالْغَيْبِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾

یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب

اور ترازو نازل کی تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں، اور ہم نے لوہا اُتارا جس میں شدید لڑائی ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی فائدے ہیں تا کہ اللہ جان لے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی غائبانہ مدد کرتا ہے۔ بے شک اللہ قوی ہے، زبردست ہے۔

القِسْطِ: انصاف، عدل، برابری، اسم ہے۔ جمع اَقْسَاطٌ۔

الحَدِیْدَ: لوہا۔

بَأسٌ: قتال، لڑائی، جنگ، آفت۔

تشریح: ہم نے اپنے پیغمبروں کو معجزے اور کھلے کھلے احکامات دے کر دنیا میں بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور ترازو اُتاری تا کہ لوگ کتاب سے ہدایت کی باتیں سیکھیں اور ان پر عمل کر کے نجاتِ اُخروی حاصل کریں اور ترازو کے ذریعے عدل وانصاف قائم کریں، کسی کی حق تلفی نہ کریں اور افراط وتفریط سے بچیں۔

پھر فرمایا کہ ہم نے منکرینِ حق کی سرکوبی کے لئے لوہا عطا کیا تا کہ جو لوگ آسمانی کتاب سے راہِ راست پر نہ آئیں اور دنیا میں عدل وانصاف نہ کریں تو ان کی گوشمالی کے لئے لوہے کے ہتھیار بنا کر استعمال کئے جائیں۔ پس لوہے سے لڑائیوں میں استعمال ہونے والے ہتھیار بھی بنتے ہیں جیسے تلوار، نیزے، تیر اور زرہیں اور آج کل کے جدید ہتھیار وغیرہ اور زرعی وصنعتی آلات، کھانا پکانے کے برتن، توے، لکڑی چیرنے کے آرے، کلہاڑی، کدال اور پھاوڑے وغیرہ بھی بنائے جاتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اللہ کو دیکھے بغیر ان ہتھیاروں کے ذریعے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار بنتے ہیں اور دین کے لئے جہاد کرتے ہیں۔ بے شک اللہ بڑی قوت و غلبے والا ہے۔ وہ جس کو ہلاک کرنا چاہے اس کو ہلاک کر سکتا ہے۔ وہ تمہاری مدد واعانت کا محتاج نہیں بلکہ اس نے جہاد تو صرف اپنے بندوں کی آزمائش کے لئے مقرر فرمایا ہے تا کہ جو بندے اس میں کامیاب ہوں، ان کو اعلیٰ مقام عطا کئے جائیں ورنہ غلبہ ونصرت تو اسی کی طرف سے ہے۔

رہبانیت کی بدعت

۲۶۔۲۷۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۞

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۲۷

بے شک ہم نے نوح اور ابراہیم کو بھیجا اور ہم نے ان دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب قائم رکھی۔ سو ان میں سے کچھ تو ہدایت یافتہ ہوئے اور اکثر نافرمان۔ پھر ان کے بعد ہم اپنے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا اور ان کو انجیل دی اور ان کی اتباع کرنے والوں کے دلوں میں شفقت اور مہربانی پیدا کر دی اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کی تھی، ہم نے ان پر واجب نہیں کی تھی، لیکن انہوں نے رضائے الٰہی کے لئے اس کو اختیار کیا تھا۔ سو انہوں نے اس کی پوری رعایت نہ کی۔ پھر بھی ہم نے ان میں سے ایمانداروں کو اُن کا اجر دیا اور اُن میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

قَفَّيْنَا: ہم نے پیچھے بھیجا، ہم نے یکے بعد دیگرے بھیجا۔ تَقْفِيَةٌ سے ماضی۔

رَاْفَةً: رحم کرنا، ترس کھانا، نرمی کرنا، مصدر ہے۔

رَهْبَانِيَّةً: دنیا ترک کرنا، گوشہ نشینی اختیار کرنا۔

تشریح: ہم نے حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیجا اور ان دونوں بزرگوں کی نسل میں نبوت اور کتاب جاری رکھی۔ پس جتنے انبیا اور آسمانی کتابیں دنیا میں آئیں گی وہ سب ان ہی دونوں پیغمبروں کی اولاد میں ہوں گی۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کی وہ شاخ اس فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دی گئی جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں جتنے انبیا مبعوث ہوئے اور جتنی کتابیں نازل ہوئیں وہ سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ ان کے بعد جب اُن کی اولاد میں رسول آئے تو ان کی امتوں میں سے بعض تو راہِ راست پر آ گئے اور ان

میں سے بہت سے لوگ نافرمان ہی رہے۔ ان کے بعد بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلنے کے لئے اپنے رسولوں کو یکے بعد دیگرے بھیجا۔ اصولی اعتبار سے سب کی تعلیم ایک ہی تھی، پھر رسول اللہ ﷺ سے پہلے اورانبیائے بنی اسرائیل کے آخر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دے کر بھیجا۔ جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی، ہم نے ان کے دلوں میں شفقت و رحمت اور محبت و نرمی پیدا کردی۔ اس لئے وہ خلق خدا کے ساتھ محبت و شفقت کا برتاؤ کرتے تھے اور آپس میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے تھے۔ بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع کرنے والوں نے خود ہی رہبانیت کو ایجاد کیا اور اللہ کی رضا کے لئے اختیار کیا تھا حالانکہ یہ اللہ نے ان پر واجب نہیں کی تھی پھر وہ اس کو پوری طرح نباہ نہ سکے۔ پھر ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو اجر دیا جو ایمان پر قائم رہے اور اللہ کے احکام کی پیروی کرتے رہے۔ ان میں سے بکثرت لوگ نافرمان ہیں۔ اسی لئے دل میں یقین رکھنے کے باوجود خاتم الانبیا محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے۔

اتباعِ رسول ﷺ کے ثمرات

۲۸۔۲۹۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دہرا اجر دے گا اور تمہیں ایسا نور دے گا جس کی روشنی میں تم چلو پھرو گے اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے تا کہ اہل کتاب جان لیں کہ اللہ کے فضل پر ان کو کچھ بھی اختیار نہیں اور یہ کہ فضل تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

شانِ نزول: مقاتل کا بیان ہے کہ جب آیت اولٰئک یوء تون اجرھم مرتین (القصص: ۵۴) نازل ہوئی تو (مسلم) اہلِ کتاب نے تمام صحابہ پر فخر کیا اور کہنے لگے کہ ہمیں دوگنا اجر ملے گا اور تمہیں اکہرا۔ صحابۂ کرام کو مسلم اہلِ کتاب کا یہ فخر کرنا ناگوار گزرا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تمام مومنوں کے لئے مسلم اہلِ کتاب کی طرح دوگنا اجر ہونے کی صراحت فرما دی۔

(مظہری: ۹/۲۰۵)

تشریح: حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان رکھنے والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے رسول خاتم الانبیاء پر ایمان لاؤ۔ اس کے نتیجے میں اللہ تمہیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر عنایت فرمائے گا۔ ایک اجر حضرت موسیٰ اور توریت یا حضرت عیسیٰ اور انجیل پر ایمان لانے کا اور دوسرا اجر محمد ﷺ اور قرآن کو سچا ماننے کا اور تمہیں ایسا نور ہدایت عطا فرمائے گا جس سے تمہاری دنیوی زندگی بھی منور و مزین ہوگی اور آخرت میں بھی یہ نور تمہارے ساتھ رہے گا۔ قیامت کے روز تم اس کی روشنی میں پل صراط پر چلو گے اور اللہ تمہاری مغفرت بھی فرما دے گا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔

بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ خطاب ان عیسائیوں کو ہے جو آپ کے زمانے میں موجود تھے اور بعض کے نزدیک اس سے وہ اہلِ کتاب مراد ہیں جو آپ پر ایمان لا چکے تھے۔ اوپر شانِ نزول میں بتایا گیا ہے کہ اس آیت میں مسلم اہلِ کتاب کی طرح تمام مومنوں کے لئے دوگنا اجر کا وعدہ کیا ہے۔ اس اعتبار سے یایھا الذین امنوا کے مخاطب تمام صحابہ کرامؓ ہوں گے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا نہ ہوں۔ حضرت ابن عباس اور مقاتل نے کہا کہ اس آیت یایھا الذین امنو میں اہلِ کتاب کو خطاب نہیں بلکہ تمام مومنوں کو ہے۔

پھر فرمایا کہ اہلِ کتاب کو جان لینا چاہئے کہ وہ اللہ کی مشیت کے بغیر اس کے فضل کا کوئی حصہ اپنے اختیار سے حاصل نہیں کر سکتے بلکہ اس کا فضل اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اسی طرح اہلِ کتاب میں سے آپ کی نبوت پر ایمان لانے والوں کو دوگنا اجر و ثواب دینا بھی اسی کا فضل و انعام ہے۔ وہ جس کو چاہے اپنے انعام سے نوازے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے انعام کو روک لے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل و انعام والا ہے (مظہری: ۲۰۵۔۴/۲۰۷)

سورۃ المجادلہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں اس مجادلے کا ذکر ہے جو اوس بن الصامت کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ آپ ﷺ سے اپنے شوہر کے ظہار کر لینے پر کر رہی تھی۔ اسی مناسبت سے اس کا نام المجادلہ ہو گیا۔ اس کو سورۃ قد سمع اور الظہار بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۲/ ۲۸)

تعارف: اس میں تین رکوع، ۲۲ آیات، ۴۷۳ کلمات اور ۲۷۷ احروف ہیں۔ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ کلبی کی روایت میں اس کی ایک آیت (۷) مایکون من نجوی کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کہ وہ مکہ میں نازل ہوئی۔ (مواہب الرحمٰن: ۱/ ۲۸)

یہ سورت بہت سے فقہی اور شرعی احکام پر مشتمل ہے، ابتدا میں اس جھگڑے کا بیان ہے جو خولہ بنت ثعلبہ کو اپنے سے پیش آیا تھا کہ اُن کے خاوند اوس بن صامت نے ظہار کر کے اُن کو اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا اور خولہ شکایت لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ اس کے بعد آپ کی مجلس میں حاضری کے آداب و احکام، یہود کی بے ہودگی اور منافقوں کے احوال کا بیان ہے۔ سورت کے آخر میں ایمان کی اصل بنیاد اور اساس کا ذکر ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: خولہ بنتِ ثعلبہ کا واقعہ اور ظہار کے کفارے کا بیان ہے۔ آخر میں اللہ کی حدود سے تجاوز کی ممانعت ہے۔

رکوع ۲: منافقین کی سرگوشیاں اور مجلس کے آداب کا بیان ہے۔

رکوع ۳: ابتدا میں منافقین کی حالت بیان کی گئی ہے۔ پھر اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے غلبے کا اعلان ہے۔

خولہ بنتِ ثعلبہ کا واقعہ

۱۔ قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ①

(اے نبی! ﷺ) یقیناً اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ (ﷺ) سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی، اور اللہ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ (سب کچھ) سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

تُجَادِلُکَ: وہ تجھ سے جھگڑتی ہے۔ مُجَادَلَۃٌ سے مضارع۔

تَحَاوُرَکُمَا: تم دونوں کی گفتگو، تم دونوں کے سوال اور جواب۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: حاتم نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان کی انہوں نے فرمایا کہ بابرکت ہے وہ خدا جو اُونچی نیچی آواز کو سنتا ہے۔ حضرت خولہ بنتِ ثعلبہ اپنے خاوند کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو اس طرح سرگوشیاں کر رہی تھیں کہ کوئی لفظ تو کان تک پہنچ جاتا تھا اور نہ اکثر باتیں اسی گھر میں ہونے کے باوجود میرے کانوں تک نہیں پہنچتی تھیں۔ اپنے شوہر کی شکایت کرتے ہوئے انہوں نے کہا: یارسول اللہ! میری جوانی تو اُن کے ساتھ گئی، بچے اُن سے ہوئے، اب جبکہ میں بڑھیا ہوگئی، بال بچوں کے قابل نہیں رہی تو میرے شوہر نے مجھ سے ظہار کرلیا۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنی شکایت کرتی ہوں۔ خولہ ابھی جگہ سے بھی نہیں ہٹی تھی کہ جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لے کر اُترے۔ (ابن کثیر: ۴/۳۱۸)

تشریح: حضرت خولہ کے خاوند کا نام اوس بن صامت تھا۔ انہیں کبھی کبھی جنون سا ہو جاتا تھا۔ اسی حالت میں وہ اپنی بیوی سے ظہار کر لیتے تھے۔ پھر جب ٹھیک ہو جاتے تو ایسے ہو جاتے جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس دن جب اُنہوں نے ظہار کیا تو حضرت خولہ مسئلہ پوچھنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ پھر اللہ سے شکایت کی۔ اس واقعے سے حضرت خولہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید طلاق ہوگئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی شکایت کے ازالے کے

لئے اسی وقت یہ آیت نازل فرمائی کہ اے پیغمبر ﷺ بے شک اللہ تعالیٰ نے اُس عورت کی شکایت سن لی جو اپنے شوہر کے معاملے میں آپؐ سے جھگڑ رہی تھی اور اللہ سے اپنے رنج و غم کا اور مصیبت و پریشانی کا شکوہ کر رہی تھی۔ اللہ تم دونوں کے سوال و جواب سن رہا تھا جبکہ خولہ کہہ رہی تھی: یا رسول اللہ ﷺ اُس نے مجھے طلاق نہیں دی اور اب میں کس طرح زندگی گزاروں کہ اس کے یہ کہنے سے کہ "تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے" میں اس پر حرام ہوگئی اور آپ کہہ رہے تھے کہ اس معاملے میں اللہ کی طرف سے مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب سنتا اور دیکھتا ہے اس لئے اس نے ایک مصیبت زدہ عورت کی التجا کو سن کر اُس کی پریشانی سے نجات کا راستہ پیدا کر دیا۔

ظہار کا کفارہ

۲۔۴۔ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۞ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۞ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھتے ہیں تو وہ اُن کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں، بلکہ اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے۔ یقیناً وہ لوگ ایک نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔ بے شک اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں، پھر اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہیں تو وہ ایک غلام آزاد کر دیں قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ اس لئے کہ تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ پھر جس کو (غلام) میسر نہ ہو تو دو ماہ متواتر

روزے رکھے قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پھر جو روزے بھی نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ اس لئے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھو۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یُظٰهِرُوْنَ: وہ ظہار کرتے ہیں، وہ بیوی کو ماں کہہ دیتے ہیں۔ مُظَاهَرَةٌ سے مضارع۔ یہ ظَهْرٌ بمعنی پیٹھ سے مشتق ہے۔ فقہا نے عورت کے بدن کے ہر اُس حصے کو، جس کو کھلا رکھنا حرام ہے، جیسے ران یا شرم گاہ وغیرہ، ظہر کے حکم میں شامل کیا ہے۔ اسی طرح بیوی کو، اپنی دادی، نانی، بیٹی، پھوپھی، خالہ یا ایسی عورت سے تشبیہ دینا جس سے نکاح کرنا اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہے، بھی ظہار میں داخل ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں ظہار کو طلاق سمجھا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو طلاق میں شمار نہیں کیا بلکہ اس اُمت کے لئے اس میں کفارہ مقرر کردیا۔ (مظہری: ۹/۲۰۹)

الّٰٓئِیْ: وہ (مؤنث) سب، جو، جنہوں۔ اسم موصول۔ واحد اَلَّتِیْ

زُوْرًا: جھوٹ، انحراف۔

تَحْرِیْرُ: تحریر کرنا، لکھنا، آزاد کرنا۔ مصدر۔

رَقَبَۃٍ: گردن، جان، غلام۔

تشریح: جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں تو اس سے وہ اُن کی حقیقی مائیں نہیں بن جاتیں کہ اُن کے لئے وہ ماؤں کی طرح حرام ہوں بلکہ اُن کی حقیقی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے۔ بلاشبہ یہ لوگ ایک جھوٹی اور نامعقول بات کہتے ہیں۔ پس جس عورت نے اُن کو جنا نہیں وہ اُن پر ماں کی طرح حرام کیسے ہو سکتی ہے۔ یہ نامعقول بات ایسی نہ تھی کہ اس پر اُن کو معاف کردیا جاتا مگر چونکہ اللہ بہت معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اس لئے اُس نے آئندہ ایسی بات کرنے والوں کو روکنے کے لئے یہ حکم نازل کردیا کہ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر بیٹھیں، پھر وہ اپنی کہی ہوئی بات کی تلافی کرنا چاہیں تو اُن کے ذمے ایک غلام آزاد کرنا ہے، قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔ تمہیں اسی بات کی نصیحت کی جاتی ہے اور اسی حکم کا پابند کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔

جس کے پاس غلام یا کنیز موجود نہ ہو اور وہ حاصل بھی نہ کر سکتا ہو تو وہ لگاتار دو مہینے کے روزے رکھے، قبل اس کے کہ دونوں باہم اختلاط کریں، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ یہ حکم اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور احکام شرعیہ پر عمل کرو اور جاہلیت کے دستور اور رواج کو چھوڑ دو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود ہیں۔ جو لوگ اُن کے مامور ہیں وہ ظہار جیسی ممنوعات کے ارتکاب سے باز رہتے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ جو لوگ اللہ کے احکام قبول نہیں کرتے اور ممنوعات کے ارتکاب سے باز نہیں رہتے اور اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں تو اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

حدود اللہ سے تجاوز کی ممانعت

۵۔۷، اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل ہوں گے جیسے اُن سے پہلے والے ذلیل ہوئے۔ بے شک ہم نے صاف صاف آیتیں اُتاری ہیں اور کافروں کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ اس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا اور ان کو اُن کا کیا ہوا وہ سب بتا دے گا جو اس نے محفوظ کر رکھا ہے اور وہ اس کو بھولے ہوئے ہیں۔ ہر چیز اُس کے سامنے ہے۔ کیا آپ کو نہیں معلوم کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز سے واقف

ہے۔ تین آدمیوں کے درمیان کوئی سرگوشی ایسی نہیں ہوتی جس میں چوتھا اللہ نہ ہو۔ نہ پانچ کی ہوتی ہے جس میں چھٹا اللہ نہ ہو اور نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے دن وہ اُن کو اُن کے تمام اعمال بتا دے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

یُحَادُّوْنَ: وہ دشمنی کرتے ہیں، وہ مخالفت کرتے ہیں۔ مُحَادَّۃٌ سے مضارع۔

کُبِتُوْا: وہ ہلاک کئے جائیں گے، وہ ذلیل کئے جائیں گے۔ کَبْتٌ سے ماضی مجہول۔

نَجْوٰی: سرگوشی کرنا، مشورہ کرنا، راز کی بات کرنا۔ اسم بھی ہے مصدر بھی۔

تشریح: بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں اور احکامِ شرعیہ سے سرتابی کرتے ہیں وہ دنیا میں بھی ایسے ذلیل و رُسوا ہوں گے جیسے ان سے پہلے والے لوگ اپنی سرکشی کے باعث برباد و رُسوا کر دیئے گئے۔ ہم نے ایسی واضح اور صاف صاف آیتیں بیان کر دی ہیں اور ایسی کھلی نشانیاں ظاہر کر دیں کہ سوائے اُس کے جو سرکش ہو، کوئی بھی اُن سے انکار نہیں کر سکتا۔ ایسے کافروں کے لئے دنیا کی ذلت و رسوائی کے بعد آخرت میں بھی بے عزت کر دینے والا عذاب ہے۔

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب اگلے پچھلے لوگوں کو دوبارہ زندہ کر کے ایک ہی میدان میں جمع کرے گا اور جو بھلائی یا برائی بھی کسی نے دنیا میں کی ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کو اس سے آگاہ کر دے گا کیونکہ اللہ نے ان سب کو محفوظ کر رکھا ہے، اگرچہ یہ لوگ اُن کو بھولے ہوئے ہوں گے۔ تم جہاں ہو، جس حالت میں ہو، تمہاری کوئی بھی حالت اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اس کے علم نے ساری دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر زمان و مکان کی اُسے ہر وقت اطلاع ہے۔

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ان سب چیزوں کو جانتا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ انسانوں کے اعمال تو کیا، کائنات کا ہر ذرہ اُس کی نظروں کے سامنے ہے۔ کوئی بھی تین آدمی آپس میں مل کر نہایت پوشیدگی اور رازداری سے باتیں کریں تو وہ اُن کو بھی سنتا ہے اور وہ لوگ اپنے آپ کو تین ہی نہ سمجھیں بلکہ اپنے ساتھ چوتھا اللہ تعالیٰ کو گنیں اور اگر پانچ شخص تنہائی میں رازداریاں کر رہے ہوں تو وہ بھی یقین رکھیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے، اُن کے ساتھ چھٹا اللہ ہے جو اُن کے کلام کو سن رہا ہے اور اُن کی حالتوں کو دیکھ رہا ہے۔ لوگ خواہ اس سے کم تعداد میں سرگوشی کریں یا زیادہ

تعداد میں، ہر حال میں اللہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ لوگ کہیں بھی ہوں۔ پھر قیامت کے روز وہ اُن کو اُن کے تمام اعمال سے مطلع کر دے گا۔ بے شک اللہ ہر بات سے باخبر ہے۔

(ابن کثیر: ۳۲۲/۴)

منافقین کی سرگوشیاں

۸۔۱۰۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا
عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا
جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا
يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ
الْمَصِيْرُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ
لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں سرگوشیوں سے منع کر دیا گیا تھا، پھر بھی وہ وہی کرتے ہیں جس سے منع کیا گیا تھا اور گناہ، سرکشی اور رسول کی نافرمانی کے لئے سرگوشیاں کرتے ہیں اور جب آپ کے پاس آتے ہیں تو ایسے الفاظ سے سلام کہتے ہیں جن سے اللہ نے آپ کو سلام نہیں بھیجا اور اپنے دل میں کہتے ہیں جو ہم کہتے ہیں اس پر اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا۔ اُن کے لئے جہنم کافی ہے جس میں وہ داخل ہوں گے۔ سو وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔
اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کرو تو گناہ اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کیا کرو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کے پاس تم سب جمع کئے جاؤ گے۔ (ایسی) سرگوشی تو شیطانی کام ہے تاکہ مومنوں کو رنج پہنچے اور اللہ کے حکم کے بغیر وہ اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا

اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے۔

حَیَّوْکَ: اُنہوں نے تجھے سلام کیا، اُنہوں نے تجھے دُعا دی۔ تَحِیَّۃٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: احمد اور بزار نے بسندِ جید ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ (سلام کے وقت) یہودی، رسول اللہ ﷺ کو سَامٌ علیک (تجھ پر ہلاکت ہو) کہتے تھے۔ پھر آپس میں کہتے کہ یہ لفظ کہنے پر اللہ ہمیں عذاب نہیں دیتا (یعنی اگر یہ سچے رسول ہیں تو اللہ ہمیں اس گستاخی پر عذاب کیوں نہیں دیتا) اس پر آیت واذجاء وک حیوک الخ نازل ہوئی۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کرنے کے بعد یہود، مسلمانوں کے خلاف کھل کر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ مگر اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے اُن کے دلوں میں بغض بھرا ہوا تھا۔ اس لئے جب وہ صحابۂ کرامؓ میں سے کسی کو اپنے قریب آتا ہوا دیکھتے تو آپس میں سرگوشی اور خفیہ مشورے کرنے لگتے اور آنے والے مسلمان کی طرف کچھ اشارے کرتے، جس سے آنے والا یہ سمجھتا کہ یہ لوگ اس کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں اور اس سے اس کو رنج اور پریشانی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہود کو ایسی سرگوشی سے منع فرمادیا لیکن یہ لوگ پھر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے۔

یہود جب آپ ﷺ کے پاس آتے تو آپ کو ایسے لفظ سے سلام کرتے جو اللہ نے آپؐ کے لئے استعمال نہیں کیا یعنی السلام علیک کی بجائے سَامٌ علیک (تجھ پر ہلاکت ہو) کہتے اور اپنے باطنی خبث کی وجہ سے اپنی اس حرکتِ مذمومہ پر خوش ہوتے اور آپس میں کہتے کہ اگر یہ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اللہ ہماری اس گستاخی پر ہمیں دنیا میں سزا کیوں نہیں دیتا۔ وہ تو ہمارے باطنی حال سے خوب واقف ہے۔ اُن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو عذاب دینے کے لئے تو جہنم کافی ہے۔ یہ لوگ قیامت کے روز اس میں داخل ہوں گے اور وہ رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر السام علیکم کہا۔ آپ نے بھی جواب میں وعلیکم فرمادیا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا السام علیکم ولعنکم اللہ وغضبَ علیکم۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہؓ! نرمی اختیار کرو۔ درشت کلامی اور فحش سے پرہیز کرو۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: کیا آپؐ نے ان کی بات نہیں سنی۔ آپؐ نے فرمایا: میں نے جو کہا وہ تم نے نہیں سنا۔ میں نے تو اُن کی بات اُن پر ہی لوٹا دی۔ میری بددُعا ان کے حق میں قبول ہوگی اور ان کی بد دعا میرے حق میں قبول نہیں ہوگی۔

پھر فرمایا اے ایمان والو! جب کسی ضرورت کے تحت تمہیں سرگوشی کرنی پڑے تو یہودیوں کی طرح گناہ اور مسلمانوں پر زیادتی اور رسول کی نافرمانی کے مشورے میں سرگوشی نہ کرو بلکہ مسلمانوں کی بھلائی اور پرہیزگاری کی باتوں میں سرگوشی کرو اور ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ قیامت کے روز تم سب اُس کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔ ایسی سرگوشی جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے اور اُن کو بدگمانی ہو، وہ شیطان کی طرف سے ہے۔ شیطان ان منافقوں اور کافروں سے یہ کام اس لئے کراتا ہے کہ مومنوں کو رنج و غم ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہ شیطان ان کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کافروں کی سرگوشی، کیونکہ نفع نقصان سب اللہ کے اختیار میں ہے، پس جس شخص کو کوئی ایسی حرکت معلوم ہو، تو اُسے چاہئے کہ وہ اعوذ پڑھ کر اللہ کی پناہ میں آ جائے اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھے۔ انشاء اللہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ (مظہری: ۲۲۲، ۲۲۳/ ۹)

مجلس کے آداب

۱۱۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کھل کر بیٹھو تو کھل کر بیٹھو، اللہ تمہیں کشادگی دے گا اور جب کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اُٹھ جایا کرو۔ اللہ تم میں سے مومنوں اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے، اُن کے درجات بلند کر دے گا اور اللہ تمہارے سب اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

تَفَسَّحُوْا: تم کشادگی کرو۔ تم کھل کر بیٹھو۔ تَفَسُّحٌ سے امر۔

اُنْشُزُوْا: تم اُٹھ کھڑے ہو۔ نَشْزٌ سے امر۔

شانِ نزول: مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت جمعے کے روز نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ اُس دن صفہ میں تھے، جگہ تنگ تھی، آپ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جو مہاجر اور انصار بدر کی لڑائی میں آپ کے ساتھ تھے، آپ اُن کی بڑی عزت اور تکریم کیا کرتے تھے۔ اس دن اتفاق سے چند بدری صحابہؓ را

تاخیر سے آئے تو آپ کے آس پاس کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ کو سلام کیا، آپ نے جواب دیا، پھر اہل مجلس کو سلام کیا، انہوں نے بھی جواب دیا۔ یہ لوگ اس اُمید پر کھڑے رہے کہ مجلس میں کہیں جگہ دیکھیں تو بیٹھ جائیں لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا، آپ نے یہ دیکھا تو بعض لوگوں کو نام لے کر اُن کی جگہ سے کھڑا کر دیا اور ان بدری صحابہؓ کو بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ جو لوگ کھڑے کئے گئے تھے انہیں یہ بات ناگوار گزری۔

تشریح: اس آیت میں عام مجالس کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ جہاں مسلمانوں کی مجلس ہو اور کچھ لوگ مجلس میں شرکت کے لئے بعد میں آئیں تو پہلے سے موجود لوگوں کو چاہئے کہ ان کو جگہ دینے کے لئے سمٹ کر بیٹھ جائیں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اُن کے لئے بھی وُسعت پیدا فرمادے گا۔ اس لئے کہ ہر عمل کا بدلہ اسی جیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دے گا۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی تنگی والے پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر دنیا و آخرت میں آسانی کرے گا اور اللہ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

اسی آیت میں آدابِ مجلس سے متعلق دوسرا حکم یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی سے یہ کہا جائے کہ مجلس سے اُٹھ جاؤ تو اُسے اُٹھ جانا چاہئے۔ اللہ ایسے مومنوں کو نیک نام کرتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں اُن کو باوقار بناتا ہے اور وہ مومنوں اور علم والوں کے درجات بلند کرتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود آنے والا شخص اپنے لئے جگہ بنانے کے واسطے کسی کو اُس کی جگہ سے اُٹھا دے، البتہ صاحبِ مجلس اور منتظمین کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسا طریقہ اختیار کریں کہ اُٹھنے والا اپنی خفت محسوس نہ کرے۔

صحیحین اور مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: کوئی شخص دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے اُٹھا کر خود اُس کی جگہ نہ بیٹھے، بلکہ مجلس میں کشادگی پیدا کر کے آنے والے کو جگہ دے دیا کرو۔ دوسری روایاتِ حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنے والوں کے لئے ادب یہ ہے کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں میں گھسنے کی بجائے کسی کنارے پر بیٹھ جائیں۔ مجلس کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ دو شخصوں کے درمیان اُن کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہوں۔

اُسامہ بن زید لیثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کے لئے

حلال نہیں کہ دو شخص جو ملے بیٹھے ہیں، اُن کے درمیان تفریق پیدا کرے جب تک کہ اُن سے اجازت نہ ملے۔ (ابن کثیر: ۳۲۴۔۳۲۶/ ۴، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۴۵۔۳۴۷/ ۸)

آپ ﷺ سے سرگوشی کے وقت صدقے کا حکم

۱۲۔۱۳، يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جب تم رسول کے کان میں کوئی بات کہنا چاہو تو اپنی بات کہنے سے پہلے صدقہ دے دیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر اور پاکیزہ ہے۔ پھر اگر نہ پاؤ تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تم اپنی راز کی بات کہنے سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے۔ سو جب تم نے ایسا نہ کیا اور اللہ نے بھی تمہیں معاف کر دیا تو نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

اَشْفَقْتُمْ: تم ڈر گئے۔ اِشْفَاقٌ سے ماضی۔

تشریح: آپ ﷺ کی مجالس عام ہوتی تھیں، کوئی بھی شخص آپ کی مجلس میں آ کر آپ کے ارشادات سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا، البتہ بعض لوگ آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت مانگنے لگے اور جان بوجھ کر مجلس کو طویل کر دیتے تھے۔ اُن کی دیکھا دیکھی بعض ناواقف مسلمان بھی بات لمبی کر کے مجلس کو طویل کرنے لگے۔ اس کے تدارک کے لئے ابتدا میں تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ جو شخص آپ سے علیحدگی میں خفیہ بات کرنا چاہے تو پہلے وہ کچھ صدقہ کرے۔ تمہارے لئے یہی بہتر اور زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے، اگر صدقے کے لئے تمہارے پاس کچھ نہ ہو تو بے شک اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔ اس صورت میں تم صدقے کے بغیر ہی بات کر سکتے ہو۔ قرآن کریم نے اس

صدقے کی کوئی مقدار مقرر نہیں فرمائی لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی تو سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل فرمایا اور ایک دینار صدقہ کر کے آپ سے علیحدگی میں بات کرنے کا وقت لیا۔ اسی لئے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک ایسی آیت ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا، نہ مجھ سے پہلے کسی نے اس پر عمل کیا اور نہ میرے بعد کوئی کرے گا۔

اس حکم سے چونکہ صحابۂ کرامؓ کو تنگی پیش آئی اس لئے اس کو جلد ہی منسوخ کر دیا گیا۔ البتہ جس مصلحت کے تحت یہ حکم جاری کیا گیا تھا وہ اس طرح حاصل ہوگئی کہ مسلمان تو اپنی دلی محبت کے تقاضے سے ایسی مجلس طویل کرنے سے بچ گئے اور منافقین اس لئے رک گئے کہ اگر انہوں نے عام مسلمانوں کے طرز کے خلاف کیا تو اُن کا نفاق کھل جائے گا۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۴۷، ۸/۳۴۸)

منافقین کی حالت

۱۴۔۱۹، اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

کیا آپ (ﷺ) نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا، جنہوں نے ایسے لوگوں سے دوستی کی، جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے۔ یہ منافق نہ تمہارے ہیں اور نہ اُن کے اور وہ جان بوجھ کر جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں۔ اللہ نے اُن کے لئے شدید

عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یقیناً وہ بہت ہی برے کام ہیں جو وہ کرتے ہیں۔ اُنہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، سو اُن کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ اللہ کے ہاں اُن کے مال اور اولاد کچھ کام نہ آئیں گے۔ یہی لوگ جہنمی ہیں، ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ جس دن اللہ ان سب کو دوبارہ زندہ کرے گا تو یہ اس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جیسے تمہارے سامنے کھاتے ہیں۔ اور خیال کریں گے کہ وہ ٹھیک بات کر رہے ہیں۔ خوب سن لو! یہی جھوٹے ہیں۔ شیطان نے ان پر غلبہ پالیا ہے۔ سو اُس نے ان کو اللہ کی یاد بھلا دی۔ یہی شیطان کا گروہ ہے۔ خوب سن لو! شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔

جُنَّۃٌ: سپر، ڈھال، آڑ، پردہ۔

مُهِيْنٌ: ذلیل کرنے والا۔ اهانۃ سے اسمِ فاعل۔

اِسْتَحْوَذَ: وہ غالب آیا، اُس نے تسلط جما لیا، اُس نے قابو میں کر لیا۔ اِسْتِحْواذٌ سے ماضی۔

شانِ نزول: امام احمد، بزار، ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے کسی حجرے میں یا کسی حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے اور سایہ سکڑ رہا تھا، آپؐ نے فرمایا: ایک جبار آدمی تمہارے پاس (ابھی) آئے گا۔ جب وہ آئے تو تم لوگ اس سے کلام نہ کرنا۔ آپ ﷺ کے اس فرمان کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ سامنے سے ایک شخص نمودار ہوا جو نیلی آنکھوں والا اور کانا تھا۔ آپ نے اس کو بلا کر فرمایا: تم اور تمہارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہیں؟ اُس شخص نے جواب دیا: مجھے ذرا دیر کی اجازت دیجئے، میں جا کر ابھی آپ کے پاس آتا ہوں۔ چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو بلا لایا اور سب نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے قسمیں کھائیں، کہ ہم نے یہ باتیں نہ کہی ہیں اور نہ کی ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۲۲۶)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا انجام بیان فرمایا ہے جو اللہ کے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں، خواہ وہ کفار و مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ۔ جس شخص کے دل میں کسی کی سچی محبت اور دوستی ہو، اس سے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اس کے دشمن سے بھی محبت اور دوستی رکھے۔ جو مسلمان کسی کافر سے

دلی دوستی رکھے تو اس کو کفار ہی کے زمرے میں شامل سمجھے جانے کی وعید آئی ہے۔ البتہ کفار کے ساتھ حسن سلوک، ہمدردی، خیر خواہی، حسن اخلاق سے پیش آنا، اُن سے تجارتی واقتصادی معاملات کرنا، دوستی کے مفہوم میں داخل نہیں۔ اس لئے یہ سب امور کفار کے ساتھ بھی جائز ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کا کھلا ہوا تعامل اس پر شاہد ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا: کیا آپ نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اُن لوگوں کو دوست رکھتے ہیں جن پر اللہ نے غضب نازل کیا یعنی یہ منافق یہود کے دوست اور خیر خواہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے راز یہودیوں کو بتا دیتے ہیں کیونکہ اُن کے دل ایمان سے خالی ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا محض زبانی دعویٰ کرتے ہیں۔ اسی لئے نہ یہ تم میں سے ہیں اور نہ یہود میں سے بلکہ یہ تو دانستہ جھوٹی قسمیں کھا کر اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ بلاشبہ ان کے کرتوت بہت ہی برے ہیں۔

ان لوگوں نے اپنی جان و مال اور حفاظت کے لئے اپنے جسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، پھر اس ڈھال کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ یقیناً اللہ کے ہاں اُن کے لئے ذلت کا عذاب تیار ہے۔ ان کو اس گمان میں نہیں رہنا چاہئے کہ کوئی تدبیر اور ذریعہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچالے گا۔ حتیٰ کہ ان کا مال و اولاد بھی ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔ یہی لوگ جہنم والے ہیں اور یہ ہمیشہ جہنم کے عذاب میں ہی رہیں گے۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان کو زندہ کر کے اُٹھائے گا تو اُس دن یہ لوگ دنیا کی عادت کی طرح وہاں بھی اللہ کے سامنے اسی طرح جھوٹی قسمیں کھائیں گے، جس طرح وہ یہاں تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی اچھی حالت پر ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ ان کی کسی بات میں بھی صداقت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان پر شیطان غالب آ گیا ہے اور اس نے ان کو اللہ کی یاد سے بالکل غافل کر دیا ہے۔ یہی لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ خوب سن لو! شیطان کا گروہ ہی خسارے میں ہے۔ یہ لوگ دنیا میں بھی ناکام اور ذلیل و رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی ان کو عذاب سے نجات نصیب نہ ہوگی۔

(مظہری: ۲۲۶، ۲۲۷/ ۹، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۵۱/ ۸)

اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا غلبہ

۲۰۔۲۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اُولٰٓئِكَ فِي الْاَذَلِّيْنَ ۞ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۞ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞

بے شک جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ سب سے بڑے ذلیل ہیں۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسولؑ ہی غالب رہیں گے، بے شک اللہ قوت والا (اور) غلبے والا ہے۔ آپ ایسی قوم نہ پائیں گے جو اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتی ہو اور اُن لوگوں سے بھی دوستی رکھتی ہو جو اللہ اور اُس کے رسول کے مخالف ہوں، خواہ وہ اُن کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اُن کو اپنے نور سے قوت دی ہے۔ وہ اُن کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے خوش۔ یہی اللہ کا گروہ ہے۔ خوب سن لو! اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا ہے۔

يُحَادُّوْنَ: وہ دشمنی کرتے ہیں، وہ مخالفت کرتے ہیں۔ مُحَادَّۃٌ سے مضارع۔

يُوَادُّوْنَ: وہ باہم دوستی کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ مُوَادَّۃٌ سے مضارع۔

تشریح: جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں، حق سے برگشتہ اور احکامِ الٰہی سے منہ موڑے ہوئے ہیں، وہ انتہائی درجے کے ذلیل اور رحمتِ الٰہی سے دور ہیں، اللہ تعالیٰ تو فیصلہ کر چکا ہے اور لوحِ محفوظ میں لکھ چکا ہے کہ وہ اور اُس کے رسول اور اُس کے مومن بندے ہی دُنیا

و آخرت میں غالب رہیں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝

ہم اپنے رسولوں کی اور مؤمنوں کی ضرور مدد کریں گے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، جس دن گواہ قائم ہو جائیں گے اور جس دن گناہ گاروں کو کوئی عذر و معذرت فائدہ نہ پہنچائے گی۔ اُن پر لعنتیں برستی ہوں گی اور اُن کے لئے برا گھر ہوگا۔ (المؤمن: ۵۱، ۵۲)

اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا اٹل ہے۔ اس کا لکھا ہوا نہ مٹے گا اور نہ اس میں رد و بدل ہوگا۔ وہ غالب و قہار ہے اور اپنے دشمنوں پر ہر وقت قابو رکھنے والا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ اور روزِ قیامت پر پوری طرح ایمان و یقین رکھنے اللہ والے اور اُس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے محبت رکھیں۔ خواہ وہ اللہ کے دشمن اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا بھائی یا اُن کے کنبے والے ہی ہوں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا ولی دوست نہ بنائیں۔ ایسا کرنے والے اللہ کے ہاں کسی شمار میں نہیں۔ (آلِ عمران: ۲۸)

پھر فرمایا کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان کو پختہ اور راسخ کر دیا ہے۔ اب ان کے دلوں میں شک و شبہ آ ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے اُن کو غیبی تائید و حمایت اور قوت عطا فرمائی ہے اور ان کو روحانی برکات سے ایسا مضبوط کر دیا ہے کہ وہ ایسے احوال کا مقابلہ کرتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی تمام نعمتیں دائمی ہوں گی، ان پر مزید انعام یہ ہوگا کہ اُن کی اطاعت و فرماں برداری کی بنا پر اللہ اُن سے راضی اور اللہ کی طرف سے عطائے ثواب پر وہ اللہ سے راضی ہوں گے اور اُس کے انعامات پر خوش ہوں گے۔ یہی اللہ کا گروہ ہے جو اس کے دین کا مددگار اور اس کے اوامر و نواہی کا پابند ہے۔ یقیناً اللہ کا گروہ ہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہونے والا ہے۔ (ابنِ کثیر: ۳۲۹، ۴/۳۳۰)

سورۃ الحشر

وجہ تسمیہ: حشر کے لغوی معنی جلاوطنی کے ہیں۔ چونکہ اس سورت میں یہودیوں کی جلاوطنی اور ذلت و رسوائی کا ذکر ہے، اس لئے اس کا نام سورۃ الحشر رکھا گیا۔ حضرت ابن عباس نے اس کا نام سورۃ بنی النضیر بتایا ہے کیونکہ اس میں بنی النضیر کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

(بخاری، ج ۳، ص ۱۴۱۔ روح المعانی: ۳۸ ۲۸)

تعارف: اس میں تین رکوع، ۲۴ آیات، ۴۵۴ کلمات اور ۱۹۱۳ حروف ہیں۔ یہ سورت مدنیہ ہے یعنی ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں بنونضیر کی جلاوطنی اور اُن کی ذلت و شکست کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اُن کو اُن کی زمینوں اور قلعوں سے بے دخل کر کے مسلمانوں کو اُن کا وارث بنا دیا حالانکہ یہودی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ حشر تک اپنی زمین نہیں چھوڑیں گے، اللہ تعالیٰ نے انہی کا حشر اور جلاوطنی اُن کو دکھا دی۔

(مواہب الرحمٰن: ۵۷ ۲۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: بنونضیر کا مدینے سے اخراج اور مال فے کے مصارف کا بیان ہے۔

رکوع ۲: منافقین کے احوال مذکور ہیں۔

رکوع ۳: تقویٰ و فکرِ آخرت کی دعوت۔ قرآن کی عظمت اور صفاتِ الٰہیہ مذکور ہیں۔

بنونضیر کا مختصر واقعہ

بنونضیر، یہود کا بہت بڑا قبیلہ تھا جو مسجد قبا کے قریب عوالی کی طرف آباد تھا۔ غزوۂ اُحد کے بعد یہ لوگ علی الاعلان مسلمانوں کی مخالفت کرنے لگے تھے اور انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا ہوا وہ

معاہدہ توڑ دیا، جو آپ نے ہجرت کے بعد اُن سے کیا تھا۔ اسی لئے اُن پر اللہ کا غضب نازل ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اُن پر غالب کیا اور آپ نے انہیں مدینے سے نکال باہر کیا۔ اس معاہدے میں یہ طے کیا گیا تھا کہ فریقین میں سے کوئی کسی سے جنگ نہیں کرے گا اور بنو نضیر نہ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مل کر آپ کے دشمنوں سے لڑیں گے اور نہ آپ کے دشمنوں سے مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے۔ آپ نے ان کو مدینے سے نکل جانے کا حکم دیا تو پہلے تو انہوں نے انکار کیا پھر جب آپ نے اُن کا محاصرہ کرلیا تو چھ رات کے محاصرے کے بعد یہود قلعے سے اتر آئے۔ آپ ﷺ نے اُن کو حکم دیا کہ زرہ اور اسلحے کے علاوہ ایک اُونٹ پر جتنا سامان لاد سکتے ہو وہ لے جاؤ اور اپنے گھروں سے نکل جاؤ۔ اس طرح بنی نضیر کے لوگ مدینے سے نکل کر ملک شام چلے گئے۔ اُن میں سے کچھ خاندان شام کے شہر اَذرِعات میں اور کچھ اَرِیحا میں آباد ہو گئے۔ البتہ ان کے دو خاندان ایک آلِ حُقیق کا خاندان اور دوسرا حُیَی بن اخطب کا خاندان شام کی بجائے خیبر چلے گئے۔

بنو نضیر کا اِخراج

۱۔۵۔ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اسی نے اہلِ کتاب کافروں کو اُن کے گھروں سے پہلی ہی

بار اکٹھا کر کے نکال دیا حالانکہ تمہیں اُن کے نکلنے کا گمان بھی نہ تھا اور وہ خود بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ ان کے قلعے، ان کو اللہ (کے عذاب) سے بچالیں گے۔ پھر اُن پر اللہ (کا عذاب) ایسی جگہ سے آیا کہ انہیں گمان بھی نہیں تھا اور اللہ نے اُن کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ اپنے گھروں کو اپنے ہی ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں برباد کر رہے تھے۔ سواے اہلِ بصیرت! عبرت حاصل کرو۔ اگر اللہ نے اُن کے لئے جلاوطن ہونا نہ لکھ دیا ہوتا تو اُن کو دنیا ہی میں عذاب دیتا اور آخرت میں (تو) ان کے لئے دوزخ کا عذاب (تیار ہی) ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ سخت سزا دیتا ہے۔ کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جس کو تم نے اُس کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب اللہ کے حکم سے ہوا تاکہ وہ (اللہ) نافرمانوں کو رسوا کرے۔

حُصُوْنُهُمْ: ان کے قلعے، واحد حِصْنٌ۔

قَذَفَ: اُس نے ڈالا، اُس نے پھینکا، اُس نے زنا کی تہمت لگائی۔ قَذْفٌ سے ماضی۔

الْجَلَاءَ: جلاوطنی، اُجڑنا۔ مصدر ہے۔

شَاقُّوا: وہ مخالف ہوئے۔ مُشَاقَّةٌ سے ماضی۔

لِيْنَةٍ: کھجور کا تروتازہ درخت۔ اسمِ جنس ہے۔

تشریح: آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید اور تقدیس وتمجید میں مشغول ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ

اور ہر چیز اللہ کی تسبیح وتحمید کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

(الاسراء:۴۴)

وہ بڑے غلبے والا، زبردست حکمت والا اور اپنے تمام احکام وفرامین میں حکمت والا ہے۔

اسی نے اہلِ کتاب کافروں کو یعنی بنی نضیر کے یہودیوں کو پہلی مرتبہ جلاوطن کرنے کے لئے اُن کے

گھروں سے نکال باہر کیا۔ یہود کا یہ پہلا حشر اور جلاوطنی تھی، جو آپ کے حکم سے ربیع الاول ۴ھ میں ہوئی۔ اس سے پہلے اُن کے ساتھ ترکِ وطن کا واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ دوسری جلاوطنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوئی، جس میں یہود کے ساتھ ساتھ نصاریٰ کو بھی جزیرۃ العرب سے نکال باہر کیا گیا اور آپ کے فرمان اخرجوا الیھود و النصاریٰ من جزیرۃ العرب (یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو) کی تکمیل ہوئی۔

پھر فرمایا کہ مسلمانوں کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہودی اپنے گھروں سے نکل جائیں گے کیونکہ وہ بہت محفوظ اور طاقت ور تھے اور خود یہود بھی سمجھ رہے تھے کہ ان مضبوط اور محفوظ قلعوں کے ہوتے ہوئے کوئی اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لیکن جب اللہ کا عذاب اور حکم اُن پر آیا تو اُن کے مضبوط و محفوظ قلعے اور ہتھیار اُن کے کچھ کام نہ آئے اور وہ جلاوطنی پر مجبور ہو گئے۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا یعنی خوف بٹھا دیا کہ وہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے گھروں کو اُجاڑ رہے تھے اور اس کام میں مسلمانوں سے بھی مدد لے رہے تھے۔ سوائے اہلِ عقل و بصیرت! اللہ اور اُس کے مخالفین کا انجام دیکھو اور اس سے عبرت حاصل کرو کہ کس طرح عذابِ الٰہی سے تباہ و برباد ہوئے۔ اگر اللہ نے اُن کی قسمت میں جلاوطن ہونا نہ لکھا ہوتا تو وہ اُن کو اس سے بھی شدید عذاب دیتا جیسے پہلی اُمتوں عاد و ثمود وغیرہ کو دیا گیا۔ لیکن یہ لوگ آخرت کے شدید اور دردناک عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ یہ سب اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص بھی اللہ کی مخالفت کرے گا تو اللہ بھی اُس کو سخت سزا دینے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ کھجور کے جو درخت تم لوگوں نے کاٹ دیئے اور جو نہیں کاٹے اور جن کو اُن کی جگہ پر کھڑا رہنے دیا تو یہ سب کام اللہ کے حکم اور اُس کی اجازت سے ہوا۔ سو، جن لوگوں نے ان درختوں کو کاٹا وہ بھی حق بجانب ہیں اور جنہوں نے کاٹنے سے منع کیا وہ بھی حق پر ہیں۔ دونوں کے لئے اجر ہے۔ ایک گروہ کی نیت مسلمانوں کے نفع کی ہے اور دوسرے کی کافروں کو غصہ دلانے اور اُن کو اُن کی شرارتوں کا مزہ چکھانے کی ہے۔ اس لئے دونوں اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

مالِ غنیمت اور مالِ فئے

۶۔ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اور اللہ نے جو (مال) اُن سے لے کر اپنے رسول کو عطا کیا تو تم نے اس پر نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اُونٹ بلکہ اللہ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے غالب کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اَفَاءَ: اُس نے لوٹایا، اُس نے فئے کے طور پر دیا۔ اِفَاءَۃٌ سے ماضی۔ شرعی اصطلاح میں فئے اُس مال کو کہتے ہیں جو جنگ کے بغیر دشمن سے حاصل ہو۔ یہ قطعاً بیت المال کی ملک ہوتا ہے۔

اَوْجَفْتُمْ: تم نے گھوڑے دوڑائے، تم نے پیچھا کیا۔ اِیْجَاف سے ماضی۔

خَیْلٍ: گھوڑے۔ جمع خُیُوْلٌ و اَخْیَالٌ۔

رِکَابٍ: اُونٹ۔ سواری۔ جمع رُکُبٌ۔

تشریح: مالِ غنیمت کافروں کا وہ مال ہے جو جہاد و قتال کے نتیجے میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہ مال، مالِ غنیمت کے قانون کے مطابق مجاہدین میں تقسیم کیا جائے گا۔ اس کے برعکس مالِ فئے کافروں کے اُس مال کو کہتے ہیں جو اُن سے جہاد و قتال کے بغیر مسلمانوں کے قبضے میں آ جائے، جیسے بنی نضیر کا مال تھا۔ مالِ غنیمت کے قانون کے مطابق یہ مال مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوگا بلکہ یہ کُلی طور پر رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہوگا کہ وہ اس میں سے جس کو جتنا چاہیں عطا فرما دیں یا اپنے لئے رکھ لیں، البتہ اس مال کی تقسیم کے لئے مستحق لوگوں کی چند اقسام متعین فرما دی گئی ہیں کہ یہ مال صرف ان ہی لوگوں میں تقسیم ہو سکتا ہے۔ درحقیقت یہ سب اموال رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفا کے مکمل اختیار میں ہوتے ہیں، وہ چاہیں تو اس سب اموال کو عام مسلمانوں کے مفاد کے لئے روک لیں اور بیت المال میں جمع کرا دیں اور کسی کو کچھ بھی نہ دیں اور چاہیں تو سارا مال تقسیم کر دیں البتہ تقسیم ان ہی پانچ قسموں تک رہے گی جن کا ذکر آگے آیت میں آ رہا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بنی نضیر کا جو کچھ مال اس نے اپنے رسول ﷺ کو عطا فرمایا ہے اس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی مشقت اُٹھانی نہیں پڑی۔ نہ لڑائی لڑنی پڑی اور نہ اُونٹ گھوڑے دوڑانے پڑے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں اپنے رسول کی ہیبت بٹھادی اور اُن پر غلبہ دے دیا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس لئے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، نہ اس پر کسی کا غلبہ، نہ اسے کوئی روکنے ٹوکنے والا، بلکہ وہ سب پر غالب اور سب اُسی کے تابع فرمان ہیں۔

(معارف القرآن: ۳۶۶، ۳۶۸/ ۸، مظہری: ۲۳۶ ۔ ۲۳۸/ ۹)

مالِ فئے کے مصارف

۷۔ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

اللہ نے بستیوں والوں کا جو مال اپنے رسول کو دیا ہے تو وہ اللہ اور اُس کے رسول، قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ (مال) تمہارے دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے اور رسول جو کچھ تمہیں دیں، اُس کو لے لو اور جس سے روکیں اُس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

دُوْلَۃً: ہاتھوں ہاتھ لینا، لین دین، مال کی گردش۔ جمع دُوَلَاتٌ و دُوَلٌ۔

تشریح: جو شہر بھی لڑے بھڑے بغیر فتح کئے جائیں۔ اُن میں ملنے والے مال کا یہی حکم ہے کہ وہ:

۱۔ اللہ کا حق ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ نے اپنا کوئی خاص حصہ مقرر کیا ہے بلکہ اس سے اس مال کا بابرکت ہونا ظاہر کیا گیا ہے۔ ۲۔ اللہ کے رسول کے قرابت داروں کے لئے ہے۔ ۳۔ یتیموں کے لئے یعنی اُن چھوٹے بچوں کے لئے جن کا باپ مرگیا ہو۔ ۴۔ مساکین یعنی محتاج لوگ۔ ۵۔ مسافر۔ جن کے پاس مال نہ ہو، خواہ وطن میں مال دار ہوں۔

مالِ فئے کے مستحقین کا تعین اس لئے کرا دیا تا کہ یہ مال دولت مندوں ہی میں گردش نہ کرتا رہے اور غریب لوگ محروم رہیں جیسا کہ دورِ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ تمام مال پر رئیس خود ہی قابض اور مالک ہو جاتا تھا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مالِ فئے کی تقسیم کے لئے مستحقین کی تعیین فرما دی لیکن اُن میں سے کس کو دیں اور کتنا دیں یہ سب رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور مسلمانوں کو بھی ہدایت کر دی کہ اس مال میں سے جتنا آپ عطا فرمائیں اس کو رضا و رغبت سے لے لیں، زیادہ کی طمع نہ کریں اور اگر وہ نہ دیں تو اس کی فکر میں نہ پڑیں۔ اگر اس معاملے میں کسی نے غلط بیانی یا حیلے بہانے بنا کر زائد حصہ وصول بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے۔ وہ اس کو اس کی سزا دے گا۔

یہ آیت اگرچہ مالِ فئے کی تقسیم سے متعلق ہے لیکن اس کے الفاظ عام ہیں۔ اس لئے اس میں آپ کے احکام اور اوامر ونواہی سب داخل ہیں۔ اس لئے آپ جو کچھ مال یا کوئی اور چیز عطا فرمائیں تو اس کو لے لینا چاہئے یا کسی کام کے کرنے کا حکم دیں تو اُس کے مطابق عمل کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور آپ ﷺ جس چیز سے روک دیں اُس سے رک جانا چاہئے۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۶۸۔۳۴۰/ ۸، مظہری: ۲۳۸، ۲۳۹/ ۹)

مالِ فئے کے مزید مصارف

۸۔۱۰۔ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ۭ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ
مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ
حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ
خَصَاصَةٌ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا
الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

وہ (مالِ فئے) اُن مساکین مہاجروں کے لئے بھی ہے جو اپنے گھروں اور

مالوں سے نکالے گئے ۔ وہ اللہ کے فضل اور رضامندی کے طالب ہیں اور
اللہ اور اُس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں ۔ یہی لوگ سچے ہیں اور (وہ مال)
اُن کے لئے بھی ہے جنہوں نے اس گھر (مدینے) اور ایمان میں اُن سے
پہلے جگہ بنائی، جو ہجرت کر کے اُن کے پاس آتا ہے وہ اس سے محبت کرتے
ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملتا ہے اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہیں پاتے اور
اُن کو اپنے اُوپر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود اُن کو شدید ضرورت ہو اور جس نے
اپنے نفس کو حرص سے بچالیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔ وہ (مال)
اُن کے لئے بھی ہے جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے
ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم
سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دلوں میں
کینہ نہ ڈال ۔ اے ہمارے رب بے شک تو بڑا شفیق (اور) رحیم ہے ۔

يُؤْثِرُوْنَ: وہ ایثار کرتے ہیں، وہ ترجیح دیتے ہیں ۔

خَصَاصَةٌ: تنگی، بھوک، احتیاج ۔ مصدر ہے ۔

يُوْقَ: اس کو محفوظ رکھا جائے گا، اس کو بچایا جائے گا ۔ وِقَايَةٌ سے مضارع مجہول ۔

شُحَّ: حرص، لالچ، کنجوسی ۔

غِلًّا: کینہ، برائی، دل میں چھپی ہوئی دشمنی ۔ مصدر ہے ۔

تشریح: گزشتہ آیت میں عام یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کو ان کے فقر و احتیاج کی بنا پر مال فئے کے مستحقین میں شمار کیا گیا تھا ۔ ان آیات میں اس کی مزید وضاحت کی گئی ہے کہ اگرچہ مال فئے عام فقرا کی حاجت رفع کرنے کے لئے ہے لیکن ان میں بھی نیک، صالح، دین دار خصوصاً دینی خدمات انجام دینے والے طلبا اور علما دوسرے لوگوں سے مقدم رکھے جائیں ۔ ان آیات میں صحابۂ کرامؓ کے دو طبقات بتائے گئے ہیں ۔ ایک مہاجرین جنہوں نے سب سے پہلے اسلام اور رسول اللہ ﷺ کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کیں ۔ بالآخر اپنا وطن، مال و جائیداد اور خویش و اقارب کو خیر باد کہہ کر مدینے ہجرت کی ۔ دوسرے انصارِ مدینہ ہیں، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ آنے والے مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دی اور اُن کی ایسی میزبانی کی جس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی ۔ ان دونوں

طبقات کے بعد تیسرا طبقہ ان مسلمانوں کو قرار دیا جو صحابہؓ کرام کے بعد مشرف بہ اسلام ہوا اور صحابہؓ کے نقشِ قدم پر چلا۔ اس میں قیامت تک آنے والے سب مسلمان شامل ہیں۔

مہاجرین کے فضائل

۱۔ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو صرف اس جرم میں اپنا وطن اور مال و جائیداد اور عزیز و اقارب چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں اور رسول اللہ ﷺ کے حامی و مددگار ہو گئے تھے۔

۲۔ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے اور مال و وطن اور عزیز و اقارب چھوڑنے کی کوئی دنیاوی غرض نہ تھی بلکہ صرف اللہ کا فضل اور رضا مطلوب تھی جس سے ان کے کمالِ اخلاص کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ یہ سب کچھ انہوں نے اللہ کے دین اور اُس کے رسول ﷺ کی مدد کے لئے کیا۔

۴۔ یہی لوگ قول و عمل کے سچے ہیں۔ ان لوگوں نے دعوتِ اسلام قبول کر کے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جو عہد کیا تھا اس میں وہ پورے اُترے۔

انصار کے فضائل

۱۔ انصارِ مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دار الہجرت اور دار الایمان بننے والا تھا، اس میں ان لوگوں کا قیام مہاجرین سے بہت پہلے ہو چکا تھا اور وہ مہاجرین کے آنے سے پہلے ہی ایمان قبول کر کے اس میں پختہ ہو چکے تھے۔

۲۔ یہ انصار ان لوگوں سے محبت رکھتے ہیں جو ہجرت کر کے اُن کے شہر میں آئے ہیں۔ یہی نہیں کہ انہوں نے مہاجرین کا اپنی بستی میں نہایت عزت و احترام کے ساتھ استقبال کیا بلکہ اُن کو اپنے مکانوں میں آباد کیا اور اپنے اموال میں اُن کو حصے دار بنایا۔

۳۔ بنی نضیر کے مال میں سے جو کچھ مہاجرین کو دیا گیا، انصارِ مدینہ نے اس کو اس طرح خوشی سے قبول کیا کہ گویا اُن کو ان چیزوں کی کوئی حاجت ہی نہیں۔ بنو نضیر کے اموال فئے حاصل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے انصارِ مدینہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد آپ ﷺ نے انصارِ مدینہ کی تعریف فرمائی کہ انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ جو حسنِ

سلوک کیا وہ بڑے عزم و ہمت کا کام تھا۔ اس کے بعد آپ ؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے اموال آپ کو دے دیئے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان اموال کو مہاجرین و انصار سب میں تقسیم کردوں اور مہاجرین بدستور آپ کے مکانوں میں رہائش پذیر رہیں اور آپ چاہیں تو یہ اموال صرف ان بے گھر و بے زر لوگوں میں تقسیم کر دیئے جائیں اور یہ لوگ آپ کے گھروں کو چھوڑ کر اپنے اپنے گھر علیحدہ بسالیں۔ یہ سن کر انصار مدینہ کے دونوں سرداروں حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سب اموال مہاجرین میں تقسیم فرما دیجئے اور وہ پھر بھی بدستور ہمارے مکانوں میں مقیم رہیں۔ یہ سن کر تمام حاضرین انصار بول اُٹھے کہ ہم اس فیصلے پر راضی اور خوش ہیں۔ اس وقت آپ نے تمام انصار کو دُعا دی اور ان اموال کو صرف مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔

۴۔ انصار کے لوگ مہاجرین کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے اور اپنی ضروریات پوری کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے، اگرچہ وہ خود حاجت مند اور فقر و فاقے میں ہوں۔

اس کے بعد فرمایا کہ جو لوگ اپنے نفس کے بخل سے بچ گئے تو اللہ کے نزدیک وہی فلاح و کامیابی پانے والے ہیں۔

امت کے عام مسلمانوں کے فضائل

تیسری آیت کے مفہوم میں مہاجرین و انصار صحابہ کے بعد قیامت تک پیدا ہونے والے مسلمان شامل ہیں، اور اس آیت نے ان سب کو مال فئے میں حق دار قرار دیا ہے۔ ان لوگوں کے فضائل میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ تمام صحابہؓ کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں کیونکہ صحابہؓ کو ایمان میں ان پر سبقت حاصل ہے اور ایمان و اسلام صحابہؓ ہی کے ذریعے اُن تک پہنچا۔ اور وہ اپنے لئے یہ دعا کرتے ہیں کہ اُن کے دلوں میں کسی مسلمان کی طرف سے کینہ و نفرت نہ رہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بعد والے جتنے بھی مسلمان ہیں، اُن کا ایمان و اسلام قبول ہونے اور نجات پانے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابۂ کرامؓ کی عظمت و محبت اپنے دلوں میں رکھتے ہوں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہوں۔

(معارف القرآن، مفتی محمد شفیع: ۳۷۱۔۳۸۱/ ۸)

منافقین کے احوال

۱۱۔۱۲۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ نَافَقُوۡا يَقُوۡلُوۡنَ لِاِخۡوَانِهِمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَئِنۡ اُخۡرِجۡتُمۡ لَنَخۡرُجَنَّ مَعَكُمۡ وَلَا نُطِيۡعُ فِيۡكُمۡ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنۡ قُوۡتِلۡتُمۡ لَنَنۡصُرَنَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَشۡهَدُ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ۞ لَئِنۡ اُخۡرِجُوۡا لَا يَخۡرُجُوۡنَ مَعَهُمۡ ۚ وَلَئِنۡ قُوۡتِلُوۡا لَا يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ ۚ وَلَئِنۡ نَّصَرُوۡهُمۡ لَيُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا يُنۡصَرُوۡنَ ۞

کیا آپ نے منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے اہلِ کتاب کافر بھائیوں (یہود) سے کہتے ہیں کہ اگر تم نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے اور تمہارے معاملے میں کبھی کسی کی بات نہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اللہ گواہ ہے کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔ اگر وہ (اہلِ کتاب) نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر اُن سے جنگ ہوئی تو یہ اُن کی مدد بھی نہ کریں گے اور اگر (بالفرض) ان کی مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا آپ نے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اُس کے ساتھیوں کی حالت نہیں دیکھی کہ یہ لوگ اپنے کافر بھائیوں بنی نضیر سے کہتے ہیں کہ تم لوگ مدینے سے کسی حال میں نہ نکلنا۔ ہم دو ہزار آدمیوں سے تمہاری مدد کریں گے۔ اگر مسلمانوں نے تمہیں مدینے سے نکالنے کی کوشش کی تو ہم بھی احتجاجاً تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے اور اگر جہاد و قتال کی نوبت آئی تو ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔ یہ ہمارا ایسا قطعی فیصلہ ہے کہ اس کے خلاف نہ ہم رسول اللہ ﷺ کی بات مانیں گے اور نہ کسی اور مسلمان کی۔ منافقین کے ان باطل دعووں کو رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ بالکل جھوٹے ہیں۔ محض یہود کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانے کے لئے باتیں بنا رہے ہیں۔ اگر

یہودی مدینے سے نکالے گئے تو یہ اُن کے ساتھ ہرگز نہیں نکلیں گے اور اگر اُن سے قتال ہوا تو یہ اُن کی مدد نہیں کریں گے اور اگر دکھاوے کے لئے انہوں نے کچھ مدد کی بھی تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ اس کے بعد یہ خود ایسے بے یارو مددگار ہو جائیں گے کہ خود ان کو کہیں سے مدد نہ ملے گی چہ جائیکہ وہ دوسروں کی مدد کریں۔ یہ پیشین گوئی آپ ﷺ کی نبوت کا ایک معجزہ تھا۔ اس پیشین گوئی کے مطابق بنی نضیر مدینے سے نکالے گئے لیکن عبداللہ بن ابی بن سلول نے اُن کا ساتھ نہ دیا۔

منافقوں کی بزدلی

۱۳۔۱۴۔ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۚ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝

اُن کے دلوں میں تمہارا خوف اللہ (کے خوف) سے زیادہ ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ بے سمجھ لوگ ہیں۔ وہ سب مل کر بھی تم سے نہیں لڑ سکتے۔ مگر محفوظ بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ میں۔ اُن کی لڑائی تو آپس میں ہی سخت ہے۔ تم خیال کرتے ہو کہ وہ متحد ہیں حالانکہ دل جدا جدا ہیں یہ اس لئے کہ وہ بے عقل ہیں۔

رَهْبَةً: ڈر، خوف، رعب۔

بَاْسُهُمْ: اُن کی لڑائی۔

شَتّٰى: جدا جدا، مختلف، متفرق۔ واحد شَتِیْتٌ۔

تشریح: یہ منافقین لوگوں کے ڈر سے بظاہر ایمان تو لے آتے ہیں، لیکن اُن کے دلوں میں کفر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے باطنی کفر کو جانتا ہے مگر وہ اللہ سے نہیں ڈرتے اور نہ دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اُن کے دلوں میں بہ نسبت اللہ کے مسلمانوں کا ڈر زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کو نہیں پہچانتے اور نہ اُن کی عظمت کو جانتے ہیں۔ اُن کو اتنی بھی سمجھ نہیں کہ سب نفع ونقصان اللہ کے اختیار میں ہے۔ بندوں کے سارے اعمال وافعال اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہر وقت اس سے ڈرتے رہنا

چاہئے اور نفاق کی بجائے دل سے ایمان لانا چاہئے۔

یہ لوگ مسلمانوں سے اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہیں کہ اب یہ اُن سے کسی کھلی جگہ میں جنگ نہیں کر سکتے، البتہ یہ لوگ گنجان بستیوں میں محفوظ اور قلعہ بند ہو کر یا شہرِ پناہ کی دیوار کی آڑ میں رہ کر لڑ سکتے ہیں۔ پس جو قوم ایسی بزدل ہو وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی اور نہ مسلمانوں کو ایسی بزدل قوم سے خائف ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر چہ یہ لوگ بظاہر متحد نظر آتے ہیں مگر اُن کے دل متفرق ہیں وہ کسی ایک بات پر نہیں جمتے، سب کے خیالات جدا ہیں، ہر ایک اپنی خواہش اور غرض کا بندہ ہے۔ اس کی وجہ ان کی بے عقلی ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز نہیں کرتے۔ (مظہری: ۲۵۰،۵۲۱/ ۹)

منافقین کی مثال

۱۵۔۱۷، كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾

اِن کا حال تو اُن لوگوں جیسا ہے جو اِن سے کچھ ہی پہلے گزرے ہیں اور اپنی بداعمالیوں کا مزہ چکھ چکے ہیں اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ان کی مثال شیطان کی سی ہے جو آدمی سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا۔ پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں۔ میں تو رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پھر دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ڈال دیئے گئے۔ اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

تشریح: بنی نضیر کے یہود کی مثال اُن لوگوں کی سی ہے جو قریب کے زمانے میں اُن سے پہلے گزر چکے ہیں۔ انہوں نے دنیا میں بھی اپنے کفر اور عداوتِ رسول ﷺ کے انجام کا مزہ چکھ لیا اور آخرت میں بھی اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔

مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں وہ مشرکین مراد ہیں جو بدر میں لڑے تھے۔ حضرت ابن

عباس نے فرمایا کہ اس سے بنی قینقاع کے یہودی مراد ہیں جو حضرت عبداللہ بن سلام کے قبیلے والے تھے۔ یہ لوگ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر تھے۔ جب ان لوگوں نے بدعہدی کی تو مسلمانوں نے ایک مختصر سی لڑائی کے بعد ان کو ان کے گھروں سے نکال باہر کیا۔

پھر فرمایا کہ شیطان پہلے تو انسان سے کہتا ہے کہ کفر کر، پھر جب وہ کفر کر لیتا ہے اور عذاب خداوندی کو دیکھ کر اپنے کفر کی ذمے داری شیطان پر ڈالتا اور کہتا ہے کہ اُس نے مجھ سے کفر کرایا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں۔ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ پھر آخر کار دونوں کا انجام ایک ہی ہوگا یعنی کفر کرنے والا انسان اور گمراہ کرنے والا شیطان، دونوں جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ وہ جہنم کے عذاب سے کبھی چھٹکارا نہیں پائیں گے۔ ظالموں کی یہی سزا ہے۔ اس لئے منافقوں کو اپنی حرکتوں سے باز آجانا چاہئے۔ یہی مثال منافقین کی ہے کہ پہلے تو وہ بنی نضیر کو اپنی حمایت و رفاقت کا یقین دلاتے رہے۔ آخر جب وہ مصیبت میں پھنس گئے تو یہ ان سے لاتعلق ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔

تقویٰ و فکرِ آخرت کی دعوت

۱۸۔۲۰۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَلۡتَنظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍۖ وَٱتَّقُوا ٱللَّهَۚ إِنَّ ٱللَّهَ خَبِيرُۢ بِمَا تَعۡمَلُونَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُونُوا كَٱلَّذِينَ نَسُوا ٱللَّهَ فَأَنسَىٰهُمۡ أَنفُسَهُمۡۚ أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡفَٰسِقُونَ ﴿١٩﴾ لَا يَسۡتَوِيٓ أَصۡحَٰبُ ٱلنَّارِ وَأَصۡحَٰبُ ٱلۡجَنَّةِۚ أَصۡحَٰبُ ٱلۡجَنَّةِ هُمُ ٱلۡفَآئِزُونَ ﴿٢٠﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ لے کہ اس نے (آنے والی) کل کے لئے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔ اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا، جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی انہیں ایسا کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو ہی بھول گئے۔ یہی لوگ نافرمان ہیں۔ اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت برابر نہیں ہو سکتے۔ اہلِ جنت ہی کامیاب ہیں۔

تشریح: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے احکام بجالا کر اور اُس کی نافرمانیوں سے اجتناب کر کے

اپنے آپ کو اُس کے عذابوں سے بچاتے رہو اور اپنا حساب کر کے دیکھ لیا کرو کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اس وقت کام آنے والے نیک اعمال کا کتنا ذخیرہ تمہارے پاس ہے۔ اس روز ایمان و عملِ صالح کا ذخیرہ ہی کام آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ وہ تمہارے تمام اعمال و احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔ نہ کوئی چھوٹا کام اس سے پوشیدہ ہے اور نہ بڑا، اسی اعتقاد سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور اسی پر ایمان و اخلاص کا انحصار ہے۔

تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور دن رات اپنی خواہشات اور دنیوی لذتوں میں منہمک اور آخرت سے غافل رہتے ہیں اور اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کرتے رہے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کو بھلا دیا اور ان کو اعمالِ صالحہ کی توفیق سے محروم کر دیا جو اُن کو آخرت میں نفع دیتے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری سے خارج اور قیامت کے دن نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جنتی اور جہنمی برابر نہیں کیونکہ اہلِ جہنم ایسے عذابوں میں مبتلا ہوں گے جن کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اُن کے مقابلے میں اہلِ جنت کو ایسی ایسی نعمتیں حاصل ہوں گی جو آدمی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ یقیناً اہلِ جنت ہی کامیاب اور اپنی مراد پانے والے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا بدکاروں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم انہیں ایمان دار اور نیک لوگوں کی مانند کر دیں گے۔ اُن کا جینا اور مرنا یکساں ہے۔ اُن کا یہ دعویٰ بہت ہی برا ہے۔ (الجاثیہ:۲۱)

اور ارشاد ہے:

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اندھا اور دیکھنے والا اور مومن، نیک، صالح اور بدکار برابر نہیں۔ تم بہت ہی

کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ (المؤمن: ۵۸)

اور ارشاد ہے:

أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ۝

کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک اعمال کرنے والوں کو فسادیوں کی مانند کردیں گے یا پرہیزگاروں کو فاجروں کی مثل کردیں گے۔ (ص: ۲۸)

پس کافروں کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکوں اور بدکاروں کا مرنا اور جینا برابر کردے گا۔ یہ دونوں نہ اس دنیوی زندگی میں برابر و یکساں ہو سکتے ہیں اور نہ مرنے کے بعد۔ آخرت میں جو حیاتِ طیبہ ایک مومن صالح کو نصیب ہوگی وہ ایک کافر و بدکار کو کہاں میسر۔

(ابن کثیر: ۳۴۱، ۴/۳۴۲)

قرآن کی عظمت اور صفاتِ الٰہیہ

۲۱۔۲۴: لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کی ہیبت سے پھٹ پڑتا۔ ہم یہ مثالیں لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر ہر چیز کو

جانتا ہے۔ وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ بادشاہ ہے، پاک ہے، سلامتی دینے والا ہے، امن دینے والا، نگہبان، زبردست اور عظمت والا ہے، اللہ اُن کے شرک سے پاک ہے، وہی اللہ خالق ہے، ٹھیک ٹھیک بنانے والا ہے، صورت بنانے والا ہے، اُسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں۔

اَلْمُھَیْمِنُ: نگہبان، محافظ، امین، اللہ تعالیٰ کا اسمِ صفت۔

اَلْبَارِءُ: بنانے والا، پیدا کرنے والا، درست کرنے والا، اللہ تعالیٰ کا اسمِ صفت۔ بَرْءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: اگر آدمی کے دل پر قرآن کا کچھ اثر نہ ہو تو یہ بہت ہی حسرت و افسوس کا مقام ہے حالانکہ یہ اس قدر پُر تاثیر، زبردست اور قوی ہے کہ اگر پہاڑ جیسی سخت چیز پر اس کو نازل کیا جاتا تو وہ بھی قرآن کی عظمت کے سامنے جھک جاتا اور خوفِ خدا سے پھٹ کر پارہ پارہ ہو جاتا۔ لوگوں کے لئے ایسی مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ ان میں غور و فکر کریں اور ان سے نصیحت حاصل کریں۔

پھر فرمایا کہ اللہ وہی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی پوشیدہ باتوں اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا بڑا مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ وہ اپنی رحمتوں سے مومن و کافر، انسان و حیوان، حجر و شجر سب کو نوازتا ہے۔ غرض وہ پروردگار ہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی تمام کائنات کا بادشاہ ہے۔ تمام کائنات میں اُسی کا حکم جاری ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اس کی حکم عدولی یا بغاوت کر سکے۔ وہ ہر عیب سے پاک اور ہر نقصان و زوال سے محفوظ و سالم ہے۔ وہی مصیبتوں اور پریشانیوں سے امن دینے والا اور وہی محافظ و نگہبان ہے۔ وہ بڑا غالب اور عزت و عظمت والا ہے۔ وہ ان کافروں کے شرک اور شریک سے پاک ہے، وہی اللہ پیدا کرنے والا ہے۔ ایجاد کرنے والا اور صورتیں بنانے والا ہے۔ تمام پاکیزہ نام اسی کے لئے ہیں۔ وہ تمام چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اُسی کی پاکی بیان کرتی ہیں، وہی زبردست اور حکمت والا ہے۔

حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رات کو یا دن کو سورۂ حشر کی آخری آیات پڑھے گا اور اُس رات میں یا دن میں اُس کی روح قبض کر لی جائے تو اُس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔ (مظہری: ۲۵۵۔۲۵۷/۹)

سورۃ الممتحنہ

وجہ تسمیہ: اس سورت میں مومنہ عورتوں کے امتحان کا ذکر ہے، اس لئے یہ سورت اسی نام سے موسوم ہوگئی۔ اگرچہ سورت کے شروع میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی مذکور ہے مگر یہ اس واقعے سے موسوم نہیں ہوئی۔ اسی لئے علما نے کہا ہے کہ سورتوں کے نام توقیفی ہیں، یعنی جس نام سے واقف کیا گیا ہے وہی اُس کا نام رہے گا۔ کوئی شخص اپنے قیاس سے اس کا دوسرا نام نہیں رکھ سکتا۔ اس کو سورۃ الامتحان اور سورۃ المودۃ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۶۵/ ۲۸)

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۳ آیات، ۳۴۸ کلمات اور ۱۵۱۰ حروف ہیں۔ ابن عباس اور ابن الزبیر نے کہا کہ یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ یہی سب علما کا قول ہے۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۴۴/ ۲۸، روح المعانی: ۶۵/ ۲۸)

اس میں مومنوں کو کافروں سے دوستی رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے اور اُن عورتوں کا ذکر ہے جو اسلام لانے کے بعد ہجرت کر کے مدینے آ جائیں۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: کفار سے دوستی کی ممانعت اور اُسوۂ ابراہیمی کا بیان ہے۔

رکوع ۲: ترکِ موالات پر مسلمانوں کو تسلی اور مسلمان عورتوں کے امتحان کا بیان ہے۔

کفار سے دوستی کی ممانعت

۱۔۳، يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ
إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ
الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ

جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۗ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۗ
وَ اَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَ مَآ اَعْلَنْتُمْ ۗ وَ مَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ
فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۞ اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ
اَعْدَآءً وَّ يَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا
لَوْ تَكْفُرُوْنَ ۞ لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ ۚ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ ۚ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، کہ اُن کے پاس دوستی کے پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو دینِ حق تمہارے پاس آیا ہے وہ اُس کے منکر ہیں۔ وہ رسول کو اور تمہیں اس بنا پر نکالتے ہیں کہ تم اپنے پروردگار، اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضا جوئی کے لئے نکلے ہو (تو اُن کو دوست نہ بناؤ) تم پوشیدہ طور پر اُن کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو حالانکہ میں خوب جانتا ہوں، جو تم نے چھپایا اور جو تم نے ظاہر کیا۔ تم میں سے جس نے یہ کام کیا وہ راہِ راست سے بھٹک گیا۔ اگر وہ تم پر قابو پالیں تو وہ تمہارے کھلے دشمن ہو جائیں اور برائی کے ساتھ تم پر دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں اور چاہنے لگیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن تمہاری رشتے داریاں اور تمہاری اولاد تمہارے کچھ کام نہ آئیں گی۔ اللہ تمہارے درمیان فیصلہ کردے گا اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔

یَثْقَفُوْکُمْ: وہ تم پر قابو پالیں گے، وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ ثَقِفَ سے مضارع۔

اَرْحَامُکُمْ: تمہاری رشتے داری۔

شانِ نزول: صحیحین میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اور زبیر اور مقداد بن اسود کو بھیجا اور فرمایا کہ جب نخلستان خاخ پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں اُونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی۔ اُس کے پاس ایک خط ہوگا، اُس خط کو میرے پاس لے آنا۔ پھر ہم نکل پڑے اور اسی نخلستان پر اُس عورت کو پایا۔ ہم نے کہا: خط نکال۔ کہنے لگی کہ میرے پاس خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا: خط نکال کر

دے دے ورنہ کپڑے اُتار۔ آخر اپنے بالوں کے جُوڑے سے اس نے خط نکال کر دیا۔ ہم خط لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تھا۔ حاطب نے آپ ﷺ کی کچھ باتوں کی اطلاع مشرکوں کو دی تھی۔ آپؐ نے حاطب سے دریافت فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! جلدی نہ فرمائیے۔ بات یہ ہے کہ میں قریش میں سے نہیں ہوں، اُن کے ساتھ ملحق ہوں، آپؐ کے پاس جتنے مہاجر ہیں، اُن کی رشتے داریاں قریشیوں سے ہیں، جس کی بنا پر وہ مہاجروں کے گھر والوں اور اُن کے متروکہ مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں ہی ایک ایسا شخص ہوں کہ میری اُن سے نسبی شرکت نہیں اس لئے میں نے چاہا کہ اُن پر کوئی ایسا احسان کردوں جس کی وجہ سے وہ میرے قرابت داروں کی حفاظت کریں، میں نے یہ حرکت کفر یا مرتد ہو جانے کی وجہ سے نہیں کی، نہ میں کفر کو پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔ انہی کے معاملے میں یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۲۵۹)

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے حکم دیا کہ تم میرے دشمن اور اپنے دشمن کو ہرگز دوست نہ بناؤ اور مشرکین سے دوستی کے سبب تم اُن کو رسول اللہ ﷺ کی خبریں نہ پہنچاؤ۔ حالانکہ جو دینِ حق تمہارے پاس آچکا ہے وہ اُس کے منکر ہیں۔ وہ نہ اس دین کو مانتے ہیں اور نہ اس پر ایمان لاتے ہیں، بلکہ وہ تمہاری دشمنی اور اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ اُن کی دشمنی کی انتہا یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اور تمہیں محض اس بنا پر مکے سے نکال چکے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، جو تمہارا ربّ ہے۔ اے ایمان والو! اگر تم میری رضا کے لئے میری راہ میں جہاد کے لئے نکلے ہو تو پھر دشمن کو دوستی اور خیر خواہی کا پیغام بھیجنے کی بجائے اس کو دشمن ہی سمجھو اور اُس سے دشمن جیسا معاملہ کرو۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ مجھے اس کی کسی خفیہ بات کا علم نہیں ہوگا۔ میں تمہاری خفیہ اور علانیہ سب باتوں کو خوب جانتا ہوں۔ غرض ایسی باتیں انتہائی ناپسندیدہ ہیں، سو تم میں سے جو شخص بھی ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک جائے گا۔

ان کافروں کا تو یہ حال ہے کہ اگر اُن کا بس چلے اور اُن کو موقع مل جائے تو تمہاری دوستی کی پیش کش کے بعد بھی وہ تمہارے دشمن ہی رہیں گے۔ تم پر دست درازی اور زبان درازی کریں گے، تمہیں گالیاں دیں گے اور برا بھلا کہیں گے۔ غرض جو کچھ اُن کے امکان میں ہوگا وہ کر گزریں گے بلکہ وہ اپنی تمام تر کوشش اس امر پر صرف کریں گے کہ تمہیں بھی اپنی طرح کافر بنالیں۔ وہ تم سے کبھی راضی نہ ہوں

گے اور نہ کبھی تمہارے دوست ہوں گے، یہاں تک کہ تم بھی کفر میں مبتلا ہو جاؤ۔ جب اُن کی دشمنی کا یہ حال ہے تو تم اُن کو دوست سمجھ کر اپنی راہ میں کانٹے کیوں بوتے ہو۔ قیامت کے دن نہ تو مشرکین سے تمہاری قرابتیں اور رشتے داریاں کام آئیں گی اور نہ مشرک اولاد، جن کی وجہ سے تم اُن سے دوستی کرتے ہو۔ قیامت کے روز تو اولاد، ماں باپ سے اور ماں باپ، اولاد سے بھاگتے پھریں گے۔ اُس دن اللہ تعالیٰ مومنوں اور مشرکوں کو جدا جدا کر دے گا۔ مومنوں کو جنت میں داخل کرے گا اور مشرکوں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے اس لئے وہ اُن کے مطابق بدلہ دے گا۔

اُسوۂ ابراہیمی

۴۔۶۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ إِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ
إِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ
أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرٰهِيْمَ لِأَبِيْهِ
لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ رَبَّنَا عَلَيْكَ
تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً
لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ
وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

تمہارے لئے ابراہیم اور اُن کے ساتھیوں میں ایک عمدہ نمونہ ہے جبکہ اُنہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، اُن سب سے بیزار ہیں، ہم تمہارے منکر ہیں۔ ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض پیدا ہو گیا ہے، جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ لیکن ابراہیم کی اپنے باپ سے اتنی بات تو ہوئی تھی کہ میں تمہارے لئے استغفار ضرور کروں گا اور مجھے اللہ کے سامنے تمہارے معاملے میں کسی بات کا اختیار نہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری ہی

طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہماری مغفرت فرما۔ بے شک تو ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ یقیناً تمہارے لئے ان میں عمدہ نمونہ ہے (خاص طور پر) اس کے لئے جو اللہ کی اور روزِ قیامت کی ملاقات کا اعتقاد رکھتا ہو اور جو کوئی روگردانی کرے تو اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد ہے۔

تشریح: مومن بندوں کو کفار سے دوستی نہ کرنے کی ہدایت فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کے سامنے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کے اصحاب کا نمونۂ عمل پیش فرمایا کہ اُنہوں نے اپنے رشتے، کنبے اور قوم کے لوگوں سے برملا کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم پوجتے ہو، بیزار اور بری الذمہ ہیں۔ ہم تمہارے دین اور طریقے سے نفرت کرتے ہیں۔ جب تک تم اس طریقے اور مذہب پر قائم ہو، ہمیں اپنا دشمن سمجھو۔ تمہارے کفر کے سبب، برادری کی بنا پر تم سے بھائی چارہ اور دوستانہ تعلقات رکھنا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے دے اور تم اللہ واحدہ ویکتا پر ایمان لے آؤ، اُس کی توحید کو مان لو اور جن بتوں کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور جن کی پوجا میں تم مشغول رہتے ہو، اُن کو ترک کر کے شرک سے توبہ کرلو، تو پھر بے شک تم ہمارے بھائی ہو، ہمارے عزیز ہو، ورنہ ہم میں اور تم میں کوئی اتحاد و اتفاق نہیں۔ ہم تم سے علیحدہ اور تم ہم سے علیحدہ ہو۔

مسلمانوں کو اُسوۂ ابراہیمی ہی کی اتباع کرنی چاہئے، سوائے اس قول کے جس میں انہوں نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لئے معافی کی درخواست ضرور کروں گا اور مجھے اللہ کی طرف سے تیرے لئے اس سے زیادہ کسی چیز کا اختیار نہیں۔ یعنی معاف کرنا یا نہ کرنا میرے اختیار میں نہیں۔ یہ دُعا بھی حضرت ابراہیم کے اُسوۂ حسنہ میں سے ہے کہ اے ہمارے رب! ہم نے تجھ ہی پر بھروسہ کیا، اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کیا اور آخرکار تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کا تختۂ مشق نہ بنا اور ہماری مغفرت فرمادے۔ بے شک تو ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

بے شک ان لوگوں کے قول وعمل اور عقیدے میں اس شخص کے لئے نہایت عمدہ نمونہ ہے جو اللہ کے سامنے جانے اور آخرت کے دن کا یقین رکھتا ہو، اور جو اس حکم سے روگردانی کرے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا کیونکہ اللہ بالکل بے نیاز اور حمد کا سزاوار ہے۔

ترکِ موالات پر مسلمانوں کو تسلی

۷۔۹۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ
مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰكُمُ
اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ
دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ
الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْ
هُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

کیا عجب کہ اللہ بہت جلد تم میں اور تمہارے دشمنوں میں محبت پیدا کر دے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ تمہیں اُن لوگوں سے بھلائی اور انصاف کا (سلوک) کرنے سے منع نہیں کرتا، جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور نہ اُنہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، اللہ تو تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع کرتا ہے جو دین کے بارے میں تم سے لڑیں اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالیں اور تمہیں نکالنے والوں کی مدد کریں۔ جس نے اُن سے دوستی کی تو وہی ظالم ہیں۔

تَبَرُّوْهُمْ: تم اُن سے نیکی کرتے ہو، تم ان سے احسان کرتے ہو۔ بِرٌّ سے مضارع۔

ظٰهَرُوْا: انہوں نے مدد کی، اُنہوں نے پُشت پناہی کی۔ مُظَاهَرَةٌ سے ماضی۔

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکینِ مکہ سے یہ ترکِ موالات تھوڑے عرصے کے لئے ہے۔ اس کے بعد اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔ اس لئے موجودہ حالات میں ترکِ موالات پر مضبوطی سے قائم رہو۔ اگر اس سلسلے میں کسی سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے تو اُس کو چاہئے کہ اللہ سے معافی مانگے۔ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس کی قدرت اور رحمت سے بعید نہیں کہ جو لوگ آج تمہارے بدترین دشمن ہیں، کل اللہ تعالیٰ اُنہیں مسلمان کر دے۔ اس طرح تمہارے اور اُن کے درمیان

برادرانہ تعلقات قائم ہو جائیں، چنانچہ فتح مکہ کے بعد ایسا ہی ہوا۔ تقریباً سب مکے والے مسلمان ہو گئے۔ کل تک جو ایک دوسرے پر تلوار اُٹھاتے تھے آج وہ ایک دوسرے پر جان قربان کرنے لگے۔

مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے، جنہوں نے مسلمان نہ ہونے کے باوجود مسلمانوں سے معاندانہ اور نامناسب رویہ نہیں رکھا، نہ دین کے معاملے میں اُن سے لڑے اور نہ اُن کو ایذا دینے اور وطن سے نکالنے میں ظالموں کے مددگار بنے۔ اسلام ایسے کافروں کے ساتھ بھلائی اور خوش خلقی کے ساتھ پیش آنے سے نہیں روکتا۔ جب وہ تمہارے ساتھ نرمی اور رواداری سے پیش آتے ہیں تو تم بھی اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اسلام کی تعلیم یہ نہیں کہ اگر کافروں کی ایک قوم مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہے تو تم تمام کافروں کو بلا امتیاز ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا شروع کر دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تو تمہیں اُن لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے قتال کیا اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالنے کی کوشش کی یا نکالنے والوں کی مدد کی۔ جو شخص ایسے ظالموں سے دوستی کرے گا تو وہ سخت گناہ گار ہوگا۔ (عثمانی: ۶۷۶، ۲/۶۷۷)

مسلمان عورتوں کا امتحان

۱۰۔۱۱: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ
اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا
تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ
وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْــَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ
وَلْيَسْــَٔـلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ
فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ۭ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝

اے ایمان والو! جب مومن عورتیں ہجرت کر کے تمہارے پاس آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو۔ اللہ اُن کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر وہ تمہیں ایمان

دار معلوم ہوں تو اُنہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو۔ یہ ان کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال ہیں۔ اور جو کچھ کافروں نے (ان پر) خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کر دو۔ ان عورتوں کو ان کے مہر دے کر اُن سے نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اور تم کافر عورتوں سے تعلقات باقی نہ رکھو اور جو تم نے (اُن پر) خرچ کیا ہو وہ مانگ لو اور جو ان (کافروں) نے خرچ کیا وہ مانگ لیں۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے جو وہ تمہارے درمیان کر رہا ہے اور اللہ بہت جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی کافروں کی طرف چلی جائے پھر تمہیں موقع ملے (کفار سے جنگ ہو مالِ غنیمت ہاتھ آئے) تو جن (مسلمانوں) کی بیویاں چلی جائیں اُن کو اتنا دے دو جتنا اُنہوں نے (ان پر) خرچ کیا تھا اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

شانِ نزول: حضرت اُمِ کلثوم بنتِ عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے چلی آئیں۔ اُن کے دونوں بھائی عمارہ اور ولید اُن کو واپس لینے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے بات چیت کی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس میں مومنہ عورتوں کو واپس لوٹانے کی ممانعت کر دی گئی۔ (مظہری: ۹/۲۶۳)

تشریح: صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور مشرکین مکہ کے درمیان صلح کی جو شرائط طے ہوئی تھیں اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ جو کافر مسلمان ہو کر آپؐ کے پاس چلا آئے تو آپ ﷺ اُسے اہل مکہ کو واپس کر دیں۔ بعد میں قرآنِ کریم نے عورتوں کو اس شرط سے مستثنیٰ کر دیا کہ جو عورت ایمان قبول کر کے آئے اور وہ ہو بھی واقعتاً سچی مومنہ تو مسلمان اُسے کافروں کو واپس نہ کریں البتہ امتحان کے ذریعے اُس کے ایمان کے بارے میں گمانِ غالب ضرور حاصل کر لیا کریں اور یہ دیکھ لیا کریں کہ کوئی دنیاوی یا نفسانی غرض ہجرت کا سبب نہ ہو۔

حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ آنحضرت ﷺ اُن عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے؟ تو آپؓ نے جواب دیا اس طرح کہ اللہ کی قسم کھا کر سچ سچ کہے کہ وہ اپنے خاوند سے ناراض ہو کر نہیں آئی اور نہ آب و ہوا اور زمین کی تبدیلی اور سیر و سیاحت کے لئے آئی ہے۔ کسی دنیا طلبی کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی محبت میں اسلام کی خاطر ترکِ وطن کیا ہے اور کوئی غرض نہیں،

قسم دے کران سوالات کا کرنا اور خوب آزمالینا یہ کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ اگر آزمائش میں کسی دنیاوی غرض کا پتہ چل جاتا تو اُنہیں واپس لوٹانے کا حکم تھا۔

پھر فرمایا کہ مسلمان عورتیں کافروں پر اور کافر مرد مسلمان عورتوں کے لئے حلال نہیں۔ اگر کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر دارالسلام میں آجائے تو جو مسلمان اُس سے نکاح کا خواہش مند ہو، اُس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے کافر خاوند نے جتنا مہر اُس عورت پر خرچ کیا تھا وہ اُس کافر کو واپس کردے اور اب نیا مہر جو مقرر ہوگا وہ بھی اُس کے ذمے ہوگا۔ یہ دونوں شرطیں پوری کرنے کے بعد عدت گزرنے پر ولی مقرر کر کے اُس عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔ اسی طرح جس مسلمان کی عورت کفر پر قائم رہے وہ اُس عورت کو چھوڑ دے۔ اس کے بعد جو کافر اُس سے نکاح کرے وہ اُس مسلمان کا خرچ کیا ہوا مہر واپس کر دے۔ اس طرح دونوں فریق ایک دوسرے سے اپنا حق طلب کر لیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے۔ وہی تمہارے درمیان فیصلہ کر رہا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی تمام مصلحتوں سے باخبر ہے اور اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد مسلمان تو کافروں کا حق دینے اور اپنا حق لینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن کافروں نے مسلمانوں کا حق دینا قبول نہ کیا۔ اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔

اس آیت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر تم میں سے کوئی عورت کافروں کے پاس چلی جائے اور وہ تمہاری خرچ کی ہوئی رقم ادا نہ کریں تو جب اُن میں سے کوئی عورت مسلمان ہو کر تمہارے پاس آجائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر جو باقی بچے وہ دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔

(مظہری: ۲۶۳۔۲۶۶/۹)

عورتوں کی بیعت

۱۲۔۱۳: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ

مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ؀

اے نبی (ﷺ) جب مومن عورتیں اس بات پر آپؐ سے بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ اُمورِ شریعت میں آپؐ کی نافرمانی کریں گی، تو آپؐ ان سے بیعت لے لیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کیا کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! تم ان لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ تو آخرت کے (اجر و ثواب) سے ایسے مایوس ہو چکے ہیں جیسے کافر اُن سے نا اُمید ہیں، جو قبروں میں ہیں۔

تشریح: اے نبی ﷺ! اگر مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آپؐ کے پاس آئیں اور اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ زمانۂ جاہلیت کی رسم کے مطابق اپنی اولاد کو قتل کریں گی یعنی اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن نہیں کریں گی اور نہ وہ کسی پر ایسا بہتان لگائیں گی جس کا افترا اور الزام وہ اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان باندھتی ہوں یعنی جان بوجھ کر غیر کے بچے کو اپنے شوہر سے منسوب نہیں کریں گی اور نہ کسی اچھے کام میں آپؐ کی نافرمانی کریں گی، تو آپ اُن سے بیعت لے لیا کریں اور اُن کے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیا کریں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اس لئے وہ آپ کی استغفار اور دعا کی برکت سے اُن کی کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور اُن کو اپنی رحمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

اے ایمان والو! اُن لوگوں سے بھی دوستی مت کرو جن پر اللہ نے اپنا غضب نازل فرمایا۔ اس سے مراد یہود ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو نبیٔ برحق نہیں مانتے تھے حالانکہ توریت میں آپ کی بشارت موجود تھی مگر وہ آپ ﷺ سے دانستہ حسد و دشمنی کرتے تھے۔ جس طرح کفار قبروں کے مردوں کے دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائے جانے یا اُن کے ثواب پانے کی اُمید نہیں رکھتے اسی طرح یہود بھی آخرت کی فلاح و بہبود سے نا اُمید ہو گئے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ آخرت کے ثواب میں اُن کا کوئی حصہ نہیں۔

سورۃ الصّف

وجہ تسمیہ: اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ کی راہ میں صف بستہ ہو کر لڑنا مذکور ہے۔ اسی لئے اس کا نام سورۃ الصف ہو گیا۔ اس کو سورۃ الحوارییّن اور سورۃ عیسیٰ علیہ السلام بھی کہتے ہیں۔

(روح المعانی: ۲۸/۸۳)

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۴ آیتیں، ۲۲۱ کلمات اور ۹۰۰ حروف ہیں۔ جمہور علما کے نزدیک یہ سورت مدنیہ ہے۔ ابن عباس، ابن الزبیر، حسن، قتادہ، عکرمہ اور مجاہد سے بھی یہی ثابت ہے۔ اس کا آغاز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید سے ہوا ہے پھر دشمنانِ اسلام سے متحد و متفق ہو کر جہاد و قتال کی ترغیب و تاکید اور آپ ﷺ کی بشارت مذکور ہے۔ آخر میں اہل ایمان کو ایک نفع بخش تجارت بتائی گئی ہے۔

(مواہب الرحمٰن: ۲۹۹۔۳۰۰/ ۲۸۔ روح المعانی: ۲۸/۸۳)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: جہاد کی ترغیب، حضرت موسیٰ کو اپنی قوم سے شکایات، آپ کی بشارت اور دین حق کے غلبے کا بیان ہے۔

رکوع ۲: خسارے سے پاک تجارت اور مومنوں کو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا مددگار بننے کا حکم۔

جہاد کی ترغیب

۱۔۴: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
الْحَكِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲
كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ

مَّرْصُوْصٌ۝

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی پاکی بیان کرتی ہے۔ وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، اللہ کو یہ بہت ناگوار ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں۔ بے شک اللہ اُن کو پسند کرتا ہے جو اُس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

مَقْتًا: ناپسندیدہ، نفرت کیا ہوا۔ مصدر بمعنی مفعول۔

بُنْیَانٌ: عمارت، دیوار

مَرْصُوْصٌ: مضبوط، سیسہ پلائی ہوئی۔ رصٌّ سے اسم مفعول۔

شانِ نزول: ابن جریر نے ابوصالح کی روایت سے بیان کیا کہ مسلمانوں نے کہا تھا کہ اگر ہمیں علم ہو جاتا کہ کون سا عمل اللہ کو زیادہ محبوب ہے تو ہم اُسی کو کرتے۔ اس پر آیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝

(الصف: ۱۰، ۱۱)

نازل ہوئی مگر کچھ مسلمانوں پر جہاد شاق گزرا اس پر آیت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۝

نازل ہوئی۔ محمد بن کعب نے بیان کیا ہے کہ جب اللہ نے شرکائے بدر کا ثواب بیان فرمایا تو صحابہؓ کہنے لگے کہ اگر آئندہ کبھی لڑائی کا موقع ملا تو ہم اپنی ساری طاقت لگا دیں گے لیکن جب اُحد کی لڑائی ہوئی تو یہ حضرات بھاگ کھڑے ہوئے، اللہ نے ان کو عار دلانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری: ۲۷۰/ ۹)

تشریح: آسمان اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید اور تقدیس و تمجید میں مشغول ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ

تَسۡبِیۡحَهُمۡ ؕ (الاسراء:۴۴)

اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اُس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو لیکن تم اُن کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔

پس کائنات کی ہر چیز کا اُس کی تسبیح اور پاکی بیان کرنے میں مشغول ہونا اُس کی عظمت و کبریائی کی دلیل ہے۔ بے شک وہ بڑے غلبے والا، زبردست قوت والا اور اپنے تمام احکام و فرامین میں حکمت والا ہے۔

اے ایمان والو! تم اپنے منہ سے ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ زبان سے ایک بات کہہ دینا تو بہت آسان ہے لیکن اُس کا نباہنا آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس شخص سے سخت ناراض اور بے زار ہوتا ہے جو زبان سے تو بہت کچھ کہے مگر عمل کچھ نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ اُن لوگوں سے محبت ہے جو اللہ کی راہ میں اُس کے دشمنوں کے مقابلے پر ڈٹ جاتے ہیں اور میدانِ جنگ میں ایسی صف بندی کرتے ہیں کہ گویا وہ سب مل کر ایک مضبوط اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں جس میں کہیں کوئی رخنہ نہیں پڑ سکتا۔ زبانی دعوے کرنا اور جہاد سے جی چرانا تو منافقین کا شیوہ ہے جس کو قرآنِ کریم نے اس طرح بیان فرمایا کہ پہلے تو یہ لوگ جہاد کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو کہنے لگے کہ:

رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ؕ

اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دے دیتا۔ (النساء:۷۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم سے شکایت

۵۔۶: وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ
أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ ۖ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ۚ وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا
بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي

اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری جانب اللہ کا رسول ہوں، پھر جب وہ ٹیڑھے ہی رہے تو اللہ نے بھی اُن کے دل ٹیڑھے کر دیئے اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ مجھ سے پہلے جو توریت آ چکی ہے اُس کی تصدیق کرتا ہوں اور میرے بعد جو ایک رسول آنے والے ہیں، جن کا نام احمد ہوگا، میں اُن کی بشارت دیتا ہوں، پھر جب وہ اُن کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں فرعون کے عذاب سے بچایا اور سمندر پار کرایا، تم نے میرے معجزے بھی دیکھے ہیں اور تمہیں خوب معلوم ہے کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔ نبوت کا تقاضا تو یہ ہے کہ نبی کی تعظیم کی جائے اور اس کو تکلیف نہ دی جائے پھر تم مجھے کیوں ستاتے ہو۔ پھر جب وہ راہِ حق سے بالکل ہٹ گئے، اپنی شقاوت اور حضرت موسیٰ کو ایذا دینے سے کسی طرح باز نہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے بھی اُن کے دلوں کو قبولِ حق سے پھیر دیا اور اللہ تعالیٰ نافرمان قوم کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ۝

ہم اُن کے دل اور آنکھیں اُلٹ دیں گے جیسا کہ یہ ہماری آیتوں پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دیں گے جس میں وہ سرگرداں رہیں گے۔ (الانعام: ۱۱۰)

اور ارشاد ہے:

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝ (النساء: ۱۱۵)

جو شخص ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا کسی کی تابع داری کرے تو ہم اُسے اُسی طرف متوجہ کریں گے جس طرف وہ متوجہ ہوا ہے اور بالآخر ہم اُسے جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

پھر فرمایا کہ وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مخاطب کر کے کہا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ میں توریت کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اس لئے تمہیں مجھ پر ایمان لانے میں کوئی تأمل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ میں توریت اور حضرت موسیٰ پر ایمان رکھتا ہوں اور دونوں کی تصدیق کرتا ہوں اور اسی کی دعوت دیتا ہوں جو حضرت موسیٰ دیتے تھے، اس کے ساتھ ہی تمہیں ایک رسول کی خوشخبری سناتا ہوں جو میرے بعد آئیں گے اور ان کا نام مبارک احمد ہوگا۔ سو تم ان پر ایمان لانا۔ اگر تم ان پر ایمان نہیں لاؤ گے تو تم بھی ان یہودیوں کی طرح ہو جاؤ گے جو مجھ پر ایمان نہیں لاتے۔ پھر جب وہ عظیم الشان پیغمبر جن کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اپنے معجزات اور کھلی کھلی نشانیوں کے ساتھ تشریف لے آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

(ابن کثیر: ج ۴، ص ۳۵۹، ۳۶۰، مواہب الرحمٰن: ج ۲۸، ص ۳۱۵)

دینِ حق کا غلبہ

۷۔۹: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِــــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے حالانکہ وہ اسلام کی طرف بلایا جاتا ہو اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو کمال تک

پہنچا کر رہے گا خواہ کافر براہی مانیں ۔اُسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین
حق دے کر بھیجا تا کہ اُسے تمام دینوں پر غالب کرے خواہ مشرک براہی مانیں۔

یُطْفِئُوْا: وہ اس کو بجھاتے ہیں۔اطْفَاءٌ سے مضارع۔

یُظْهِرَهٗ: وہ اس کو ظاہر کرتا ہے، وہ اُس کو غالب کرتا ہے۔اِظْهَارٌ سے مضارع۔

تشریح: اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس کو اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ حق کو قبول کرنے کی بجائے اللہ پر جھوٹ اور افترا باندھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف شرک اور صاحبِ اولاد ہونے کی نسبت کرتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہیں اُتارا، کبھی کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت دوامی شریعت ہے جو قیامت تک باقی رہے گی اور کبھی منسوخ نہیں ہوگی۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت کی توفیق نہیں دیتا۔ یہ لوگ اللہ کے دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جس طرح کوئی احمق آفتاب کے نور کو منہ سے پھونک مار کر نہیں بجھا سکتا، اسی طرح یہ لوگ اللہ کے دین کو جو نورِ خداوندی ہے، منہ کی پھونک یا جھوٹی باتوں اور افترا سے ختم نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو ضرور غالب اور سربلند کرے گا خواہ اس سے کافروں کو خوشی ہو یا رنج، اُس کو اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

اسی نے اپنے رسول ﷺ کو دینِ حق دے کر بھیجا تا کہ آپؐ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دیں خواہ مشرکوں کو یہ بات کتنی ہی بری لگے۔ مشرکین کے برا ماننے کی اس کو کوئی پرواہ نہیں۔ اُس نے جو ارادہ کر لیا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔

خسارے سے پاک تجارت

۱۰۔۱۳: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ۭ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے بچالے۔ (وہ یہ کہ) اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو اللہ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور عمدہ مکانوں میں (رکھے گا) جو جنت عدن میں ہیں۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔ ایک اور چیز بھی دے گا جسے تم پسند کرتے ہو۔ وہ اللہ کی مدد اور جلد فتح یابی ہے۔ اور مومنوں کو خوش خبری سنا دیجئے۔

اَدُلُّکُمْ: میں تمہیں بات بتاؤں، میں تمہیں بتاؤں۔ دَلَالَۃٌ سے مضارع۔

عَدْنٍ: ہمیشہ رہنا، بسنا، کسی جگہ مقیم ہونا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے لیکن تمہارے ذمے یہ ہے کہ تم ایمان و اسلام پر پوری طرح قائم رہتے ہوئے اللہ کے راستے میں اپنی جانوں اور اموال سے جہاد کرو اور جان لو کہ یہ دنیا کی سب تجارتوں سے بہتر تجارت ہے۔ یہ ایسی تجارت ہے جس میں نفع ہی نفع ہے، خسارے کا کوئی احتمال نہیں۔ اس کی عظمت و اہمیت کا اندازہ اس سے لگالو کہ اس کا نفع، مغفرت اور دائمی جنت کی صورت میں ملے گا جہاں صاف و شفاف نہریں جاری ہوں گی اور مومنوں کے لئے صاف ستھرے گھر ہوں گے۔ یہ گناہوں کی مغفرت اور جنت میں داخلہ اتنی بڑی کامیابی ہے کہ دوسری ہر کامیابی اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔ اس کے علاوہ ایک نعمت اور ملے گی جس کو تم پسند کرتے ہو اور وہ ہے اللہ کی طرف سے مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح۔ فتح و نصرت کی بشارت اس لئے دی گئی تا کہ مومنین موجودہ تکالیف کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہیں اور پورے ایمانی جذبے سے اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں۔ (ابن کثیر: ۴/۳۶۱۔ عثمانی: ۲/۶۸)

اللہ کے مددگار

۱۴: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ
مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ

اَنْصَارُ اللّٰہِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَکَفَرَتْ طَّآئِفَۃٌ ۚ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّھِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰھِرِیْنَ ۝

اے ایمان والو! اللہ کے مددگار ہو جاؤ جیسا کہ عیسیٰ بن مریم نے حواریوں سے کہا کہ اللہ کی راہ میں کون میرا مددگار ہے؟ حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ نے کفر کیا۔ سو ہم نے اُن کے دشمنوں کے مقابلے میں مومنوں کی مدد کی تو وہ غالب ہو گئے۔

تشریح: اے ایمان والو! تم اللہ اور اُس کے پیغمبر ﷺ کے مددگار بن جاؤ اور اُس کے دین اور پیغمبر کی نصرت و حمایت میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑو۔ اس کام کے لئے تمہیں بھی اسی طرح لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھنا چاہئے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو اللہ کے دین کی مدد کے لئے پکارا تو وہ اللہ کے دین کی مدد و نصرت اور اُس کے پیغمبر کی حمایت و اعانت کے لئے تیار ہو گئے۔

حواری وہ بارہ آدمی تھے جو حضرت عیسیٰ پر سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ جب حواریوں نے انصار اللہ بننے کا اعلان کر دیا تو حضرت عیسیٰ نے اُن کو تبلیغ دین کے لئے شام و یونان وغیرہ ملکوں میں بھیجا۔ سو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لایا اور اُنہوں نے بڑی قربانیاں دے کر دیار و امصار میں حضرت عیسیٰ کی دعوت کو پھیلایا اور دوسرے گروہ نے کفر و انکار کیا اور گمراہی پر جما رہا۔ یہ دونوں گروہ آپس میں دست و گریباں رہے آخران خانہ جنگیوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو منکرین پر غلبہ عطا فرمایا یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام لیوا جن کو نصاریٰ کہتے ہیں یہود پر غالب رہے۔

جس طرح حضرت عیسیٰ کے بعد ان کے پیروکاروں نے اُن کے دین کی نشر و اشاعت کے لئے بڑی محنتیں کیں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کے بعد آپ کے خلفاء اور صحابۂ کرامؓ نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت میں اُن سے کہیں زیادہ محنت و کوشش کی۔ دین کی خاطر عرب و عجم سے دشمنی خریدی۔ اُن کی ایذائیں سہیں، اپنے جان و مال اور اولاد کی قربانی دی۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اُن کو فتح و نصرت سے نوازا اور اُن کو سب دشمنوں پر غالب فرمایا۔

(مواہب الرحمٰن: ج ۲۸، ص ۲۲۱۔ ۲۲۴۔ عثمانی: ۲/۶۸۴)

سورۃ الجمعہ

وجہ تسمیہ: اس سورت میں نماز جمعہ کے احکام کا بیان ہے، اس لئے یہ اسی نام سے موسوم ہوگئی۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۱ آیتیں، ۱۸۰ کلمات اور ۷۲۰ حروف ہیں۔ ابن عباس، ابن الزبیر، حسن، مجاہد، عکرمہ و قتادہ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدنیہ ہے یعنی ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب کا قول ہے۔

مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جمعے کی نماز میں یہ سورت یعنی سورۃ الجمعہ اور سورۂ منافقون پڑھتے تھے۔ ابن حبان اور بیہقی نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ جمعے کی رات میں مغرب کی نماز میں قل یایھا الکفرون اور قل ھواللہ احد پڑھتے اور عشا کی نماز میں سورۃ الجمعہ اور المنافقون پڑھتے تھے۔

(مواہب الرحمن: ۳۲۴، ۳۲۵/ ۲۸۔ روح المعانی: ۹۲/ ۲۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: مقاصدِ بعثت، یہود کی بے عملی اور اُن کے اس جھوٹے دعوے کا بیان ہے کہ وہ اللہ کی اولاد اور اُس کے محبوب ہیں۔

رکوع ۲: جمعے کی اذان کے بعد کاروبار کی ممانعت بیان کی گئی ہے۔

مقاصدِ بعثت

۱۔۴: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ
الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا
يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ
يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے، جو بادشاہ ہے، پاک ہے، زبردست ہے (اور) حکمت والا ہے۔ اُسی نے اَن پڑھوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اللہ کی آیتیں پڑھ کر اُن کو سناتا ہے اور اُن کا تزکیہ کرتا ہے اور اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے اور دوسروں کے لئے بھی (رسول بنا کر بھیجا) جو اب تک ان سے نہیں ملے اور وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تشریح: تمام مخلوق خواہ وہ آسمانوں کی ہو یا زمین کی، اللہ تعالیٰ عزوجل کی تسبیح وتحمید میں مصروف و مشغول رہتی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا بادشاہ اور ان میں اپنا کامل تصرف اور اٹل حکم جاری کرنے والا ہے۔ وہ تمام نقصانات سے پاک اور بے عیب ہے، تمام صفاتِ کمالیہ کے ساتھ موصوف ہے، وہ بڑے غلبے والا، زبردست قوت والا اور اپنے تمام احکام وفرامین میں حکمت والا ہے۔ اُسی نے ان پڑھ عربوں میں اپنا رسول بھیجا جو اُنہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، پاکیزگی سکھاتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کئے ہیں: ۱۔ آیات کی تلاوت ۲۔ تزکیۂ نفوس ۳۔ تعلیمِ کتاب ۴۔ تعلیمِ حکمت۔ یہی چار مقاصدِ بعثت الفاظ کی تقدیم وتاخیر کے ساتھ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ آیات ۱۲۹، ۱۵۱، آل عمران آیت ۱۶۴ میں بھی بیان ہو چکے ہیں۔

۱۔ **آیات کی تلاوت**: الفاظ ومعانی دونوں کا نام قرآن ہے۔ تلاوت کے اصل معنی اتباع اور پیروی کے ہیں۔ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں یہ لفظ، قرآنِ کریم اور دوسری آسمانی کتابوں اور کلامِ الٰہی کے پڑھنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس طرح یہ کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اس کو اسی طرح پڑھنا ضروری ہے۔ اپنی طرف سے کسی لفظ یا اُس کی حرکات میں کمی بیشی یا تبدیلی کی اجازت نہیں۔ امام راغب اصفہانی نے مفردات میں فرمایا ہے کہ کلامِ الٰہی کے سوا کسی

دوسری کتاب یا کلام کے پڑھنے کو تلاوت نہیں کہا جا سکتا۔ (المفردات ۷۵)

مذکورہ آیت میں تلاوت اور تعلیم کتاب کو الگ الگ ذکر کر کے یہ بتا دیا گیا کہ جس طرح قرآنِ کریم کے معانی سمجھنا اور اُس کے بتائے ہوئے احکام پر عمل کرنا فرض اور اعلیٰ عبادت ہے اُسی طرح اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود اور عبادت ہیں۔ اگر قرآن کے معانی ومطالب کو قرآنی الفاظ کے علاوہ دوسرے الفاظ یا کسی دوسری زبان میں لکھا جائے تو وہ قرآن نہیں کہلائے گا۔ اگر چہ مضامین ومعانی بالکل صحیح اور درست ہی ہوں۔ پس جس طرح قرآن کے معانی ومطالب کی تعلیم رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں داخل ہے اُسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت اور اُن کو ٹھیک اُسی لب و لہجے پر پڑھنا جس پر وہ نازل ہوئے ہیں، بھی ایک مستقل فرض ہے۔ اسی لئے صحابہؓ کرامؓ نے تمام عمر تلاوتِ قرآن کو جاری رکھا۔ بعض صحابہؓ روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ بعض دو دن اور بعض تین دن میں ختم کرتے تھے۔

۲۔ **تزکیۂ نفوس** : تزکیہ کے معنی طہارت کے ہیں۔ انسان کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ جس طرح شریعت ظاہر کے لئے ہے بالکل اُسی طرح باطن کے لئے بھی ہے۔ جس طرح انسانوں کو بے شمار جسمانی بیماریاں لاحق ہوتی ہیں اُسی طرح ان کے باطن یعنی قلب کے اندر بھی بے شمار بیماریاں ہیں جیسے کفر وشرک، عہدے کی محبت، بغض، حسد، کینہ، تکبر، عداوت، بخل، غیبت وغیرہ۔ اسی باطن یعنی قلب کی اصلاح کا نام تزکیہ اور طہارت ہے جس سے لوگوں کے دلوں کو شرک اور گندے افکار واعمال سے پاک وصاف کیا جاتا ہے۔ اسی کو احسان اور تصوف کہتے ہیں۔

۳۔ **تعلیم کتاب** : تلاوتِ آیات کے ساتھ تعلیمِ کتاب کو جداگانہ فرض اس لئے قرار دیا گیا کہ قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لئے صرف عربی زبان کا جان لینا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تعلیم ضروری ہے۔ اگر محض زبان کا جان لینا کسی فن کے حصول یا کسی کتاب کو سمجھنے کے لئے کافی ہوتا تو دنیا کے تمام علوم وفنون اُس شخص کو حاصل ہو جاتے جو ان علوم وفنون اور کتابوں کی زبان جانتا، مگر واقعتاً ایسا نہیں ہے۔ بڑے فنون تو ایک طرف کسی معمولی فن کو سمجھنے کے لئے بھی زبان دانی کافی نہیں بلکہ اُستاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس طرح انگریزی زبان میں مہارت پیدا کر لینے اور ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر لینے سے کوئی شخص ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بن جاتا اور استاد سے سیکھے بغیر محض کتاب پڑھ کر کوئی شخص لوہار، بڑھئی، درزی یا باورچی نہیں بن جاتا، اسی طرح محض عربی زبان پر عبور حاصل کر لینے سے کوئی شخص معارفِ قرآن کا ماہر نہیں بن سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو عہدِ

رسالتؐ میں ابوجہل، ابولہب اور عتبہ جیسے لوگ جو عربی زبان میں کامل مہارت رکھتے تھے، قرآن کے ماہر سمجھے جاتے۔ مختصر یہ کہ قرآنی تعلیمات کا صحیح علم صرف رسول ہی کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔

۴۔ **تعلیمِ حکمت** :۔ عربی زبان کے اعتبار سے لفظ حکمت کئی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے لیکن اس آیت اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۹/۱ اور آلِ عمران کی آیت ۱۴۶/۱ کی تفسیر میں صحابۂ کرامؓ اور تابعینؒ نے حکمت کے معنیٰ سنتِ رسول بیان کئے ہیں۔ لہٰذا جس طرح آپ کے ذمے قرآنِ کریم کا سمجھانا اور اُس کی تعلیم دینا فرض ہے اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب جن کا نام سنت ہے ان کی تعلیم بھی آپ کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس معلم کی حیثیت سے رسول کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تعلیم دے اور اس کے قوانین کی تشریح و تفسیر بیان کرے۔

پھر فرمایا کہ یہ عظیم الشان پیغمبر جو اُمّی ہے ان دوسرے لوگوں کو بھی کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے جو ابھی ایمان لا کر پہلے مومن لوگوں میں شامل نہیں ہوئے۔ وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔ اس آیت میں آپ کی عام بعثت کا بیان ہے۔ سب سے پہلے وہ لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے جہاں آپ مبعوث ہوئے اور جنہوں نے دارِ ہجرت میں آپ کی مدد کی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو **سابقون الاولون من المهاجرين والانصار** فرمایا یعنی مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین، پھر وہ لوگ ہیں جو اُن کے بعد ایمان لائے جن کو **والذين اتبعوهم باحسان** فرمایا یعنی وہ لوگ جو خوبی کے ساتھ اولین کے تابع ہوئے۔ پھر ان کے بعد وہ لوگ ہیں جن کا بیان یہاں **واخرين منهم لما يلحقوا بهم** میں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو آخرین کے ساتھ لاحق نہیں ہوئے۔ اس سے فارس، روم، چین اور ہندوستان کی قومیں مراد ہیں جو بعد میں اسلامی برادری میں شامل ہو کر انہی میں سے ہو گئیں۔ جب قرآنِ مجید نازل ہو رہا تھا اُس وقت یہ لوگ اہلِ عرب کے ساتھ نہیں ملے تھے۔ یہ بعثت محمد ﷺ پر اللہ کا فضل ہے کہ اُس نے اس کو پیغمبری کے لئے چن لیا اور ہادی بنا دیا اور یہ اُمت پر بھی اللہ کا فضل ہے کہ اُنہوں نے رسول کی اتباع کی اور رسول نے اُن کو کتاب و حکمت کی تعلیم دی اور اُن کا تزکیہ کیا، پس اللہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عنایت فرماتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۳۲۲-۳۲۵/۱، مواہب الرحمٰن ۳۲۶-۳۳۱/۲۸)

یہود کی مثال

۵۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جن لوگوں کو توریت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر اُنہوں نے اس پر عمل نہیں کیا، اُن کی مثال اُس گدھے کی سی ہے جو کتابیں اُٹھائے پھرتا ہے، اُن لوگوں کی بہت بری مثال ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

الحِمارِ: گدھا۔ جمع حُمُرٌ و حمیرٌ۔

اَسفاراً: کتابیں۔ واحد سفرٌ۔

تشریح: جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بن مانگے توریت جیسی نعمت عطا کی تھی، اُنہوں نے اس کے احکام کی پرواہ نہیں کی۔ اُن کی مثال ایسی ہے جیسے گدھے کی پشت پر علوم وفنون کی بڑی بڑی کتابیں لدی ہوئی ہوں۔ وہ اُن کا بوجھ تو اُٹھائے پھرتا ہے مگر اسے ان کے مضامین اور اسرار و لطائف کی کچھ خبر نہیں اور نہ اسے ان سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ یہود کا بھی یہی حال ہے کہ وہ دنیاوی فوائد کے لئے توریت تو لیے پھرتے ہیں اور اس کے ذریعے لوگوں میں اپنا مقام پیدا کرنا چاہتے ہیں لیکن نہ اس کو پڑھتے ہیں اور نہ اس کے احکام پر عمل کرتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اپنی خواہشات کے تحت اس میں تحریف کرتے رہتے ہیں۔ ان یہود کی بری حالت ہے جنہوں نے قرآن کو جھٹلایا اور توریت کی ان آیتوں کی تکذیب کی جو رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر دلالت کر رہی تھیں اور تحریفات سے ان احکام کو مسخ کیا جو اللہ نے اُن کو دیئے تھے یقیناً اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، اس لئے اب ایسے بدبختوں کے راہِ راست پر آنے کی توقع نہیں۔

یہود کا باطل دعویٰ

۶۔۸: قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ

دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا
يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًا ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ
مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ
فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

آپ یہود سے کہہ دیجئے کہ اگر تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تمام لوگوں میں تم ہی اللہ کے دوست ہو تو اپنے مرنے کی آرزو کرو، اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔ وہ اپنے اعمال کے باعث جو وہ اپنے ہاتھوں آگے بھیج چکے ہیں کبھی اس کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ آکر رہے گی۔ پھر تم ہر ظاہر و پوشیدہ جاننے والے (اللہ) کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔ پھر وہ تمہیں تمہارے کئے ہوئے سب کام بتا دے گا۔

تشریح: یہود اپنے کفر و شرک اور ساری بداخلاقیوں کے باوجود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ اللہ کی اولاد اور اُس کے محبوب ہیں۔ یہ لوگ اپنے اور نصاریٰ کے سوا کسی کو جنت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور کہتے تھے:

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ

یہود و نصاریٰ کے سوا جنت میں، کوئی ہرگز داخل نہیں ہوگا۔ (البقرۃ: ۱۱۱)

گویا یہ اپنے آپ کو آخرت کے عذاب سے بالکل محفوظ و مامون سمجھتے اور جنت کی نعمتوں کو اپنی ذاتی جاگیر جانتے تھے۔ سو جس شخص کا یہ ایمان ہو کہ آخرت کی نعمتیں دنیا کی نعمتوں سے ہزار ہا درجے افضل و بہتر ہیں اور دنیا کی زندگی رنج والم اور تکلیفوں اور محنتوں سے خالی نہیں اور اس کو یہ بھی یقین ہو کہ موت آتے ہی اُس کو وہ عظیم اور دائمی نعمتیں ضرور مل جائیں گی تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ موت جلد آنے کی تمنا کرے تاکہ دنیا کی رنج و غم سے بھری زندگی سے نکل کر خالص راحت اور آرام کی دائمی زندگی میں پہنچ جائے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ یہود سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ تمام مخلوق میں تم ہی اللہ کے محبوب ہو اور تمہیں آخرت کے عذاب سے کوئی خطرہ نہیں تو پھر عقل کا تقاضا یہ ہے کہ تم موت کی تمنا کرو تاکہ تم دنیا کی پریشانیوں

سے نکل کر آخرت کی دائمی راحت اور آرام میں پہنچ جاؤ۔ پھر قرآن نے خود ہی فرمایا کہ یہ لوگ اپنی بداعمالیوں کے سبب موت کی تمنا کبھی نہیں کریں گے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ آخرت میں ان کو عذابِ جہنم کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اے نبی ﷺ آپ ان یہود کو بتا دیجئے کہ جس موت سے وہ بھاگ رہے ہیں وہ ایک دن آ کر رہے گی۔ پھر ان سب کو اس رب کی طرف لوٹایا جائے گا جو ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے اور وہ ان کو ان کے تمام اعمال کے بارے میں بتا دے گا اور ان کو انہیں کے مطابق بدلہ ملے گا۔

اذانِ جمعہ کے بعد کاروبار کی ممانعت

۹۔۱۱: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَۨا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَاۗىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝

اے ایمان والو! جب جمعے کے روز نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کے لئے جلدی چلو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم کچھ جانتے ہو۔ پھر جب نماز ہو چکے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ جب وہ لوگ سودا بکتا ہوا یا تماشا ہوتا ہوا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو (اکیلا) کھڑا ہوا چھوڑ دیتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

ذَرُوْا: تم چھوڑ دو۔ وَذْرٌ سے امر۔

اِنْفَضُّوْا: وہ منتشر ہو جاتے، وہ علیحدہ ہو جاتے۔ اِنْفِضَاضٌ سے ماضی۔

تشریح: اے ایمان والو! جمعے کے روز جب نمازِ جمعہ کے لئے اذان کہی جائے تو تم خرید و فروخت اور دوسرے مشاغل چھوڑ کر فوراً اللہ کے ذکر کے لئے چل پڑو۔ اگر تم اس بات کو سمجھو تو تمہارے لئے یہی بہتر ہے کیونکہ دنیاوی فوائد اور منافع آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ پھر جب نمازِ جمعہ سے فارغ ہو جاؤ تو حسبِ سابق اپنے اپنے کام میں لگ جاؤ اور اپنا اپنا رزق حاصل کرنے کا اہتمام کرو لیکن کافروں کی طرح اللہ کی یاد سے غفلت نہ کرو بلکہ عین خرید و فروخت اور محنت مزدوری کے دوران بھی اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو تاکہ تمہیں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔ اس کے برعکس اگر تم نے دنیا کی محبت اور کاروبار کے نفع کی اُمید میں اللہ کے ذکر اور جمعے کی نماز اور خطبے کو ترک کیا تو اس سے دنیا و آخرت دونوں کا خسارہ ہے۔

اس آیت میں اُن لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو جمعے کا خطبہ چھوڑ کر خرید و فروخت کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب رسول اللہ ﷺ عیدین کے خطبے کی طرح جمعے کا خطبہ بھی نمازِ جمعہ کے بعد دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ جمعے کے روز یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ نماز کے بعد خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک ایک تجارتی قافلہ مدینے کے بازار میں پہنچا اور ڈھول سے اس کا اعلان ہونے لگا۔ اُس وقت نماز ہو چکی تھی اور خطبہ ہو رہا تھا۔ بہت سے حضرات خطبہ چھوڑ بازار چلے گئے اور آپ کے ساتھ تھوڑے سے حضرات رہ گئے۔ اس لغزش اور چوک پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کو بتا دیجئے کہ اللہ کے پاس نماز اور رسول اللہ کے ساتھ جمے رہنے کا جو ثواب ہے وہ تجارت اور کھیل سے کہیں بہتر ہے۔ تم نے جس کام کو بہتر سمجھا ہے اس کا نفع تو یقینی نہیں لیکن اللہ کی طرف سے جو ثواب ملنے والا ہے وہ یقینی بھی ہے اور بہت بڑا بھی۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۴۴۰۔۴۴۴/ ۸۔ ابن کثیر ۳۶۵۔۳۶۷/ ۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگو! دنیاوی سامان کی کثرت سے غنا حاصل نہیں ہوتا۔ استغنا تو دل کا استغنا ہے، اللہ نے جو کچھ بندے کے لئے لکھ دیا ہے وہ ضرور عطا فرمائے گا اس لئے حسنِ طلب سے کام لو اور جو حرام ہے اس کو چھوڑ دو۔

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رزق انسان کو ڈھونڈتا ہے جیسے موت انسان کو ڈھونڈتی ہے۔ (مظہری: ۲۷۷۔۳۰۰/ ۹)

سورۃ المنافقون

وجہ تسمیہ: اس سورت میں منافقوں کے نفاق اور اخلاقی برائیوں کا بیان ہے۔اس لئے اس کا نام سورۃ المنٰفقون ہے

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۱ آیتیں، ۱۸۰ کلمات اور ۷۷۶ حروف ہیں۔

ابن عباس اور ابن الزبیر کی روایت میں ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔قرطبی نے کہا کہ بالاتفاق سب کے نزدیک مدنیہ ہے۔

(مواہب الرحمٰن: ۲۸/۳۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ پڑھتے تھے اور اس سے مومنوں کو رغبت دلاتے اور دوسری رکعت میں سورۃ المنافقون پڑھتے اور اس سے منافقوں کو کھڑکاتے تھے۔ (روح المعانی: ۲۸/۱۰۸)

اس میں نفاق کی گندگی اور منافقین کی بدخصالی اور بداخلاقی کا بیان ہے۔سورت کے آخر میں مومنوں کو ذکر الٰہی اور انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: منافقین کی حالت اور عبداللہ بن ابی کی شرارت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مومنوں کو ذکرِ الٰہی کی تاکید کی گئی ہے۔

منافقین کی حالت

۱۔۴: اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ
اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
لَكٰذِبُوْنَ ۟ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ۭ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۭ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۭ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۭ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۡ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

جب آپ کے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافق جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ پھر یہ (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بے شک یہ بہت ہی برا کر رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ ایمان لا کر کافر ہو گئے سو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، اس لئے اب وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اے مخاطب! تو انہیں دیکھے تو ان کے جسم تجھے خوش نما معلوم ہوں، اور اگر وہ کچھ کہیں تو، تو ان کی بات سنے۔ گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں سہارے لگائی ہوئی، ہر سخت آواز کو اپنی ہلاکت سمجھتے ہیں۔ یہی حقیقی دشمن ہیں، سو ان سے بچتے رہو۔ ان کو اللہ کی مار یہ کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔

جُنَّةً: سپر، ڈھال، آڑ، پردہ۔

صَدُّوْا: انہوں نے روکا۔ صَدٌّ سے ماضی۔

طُبِعَ: مہر کر دی گئی، بندش کر دی گئی۔ طَبْعٌ سے ماضی مجہول۔

تُعْجِبُكَ: وہ تجھے تعجب میں ڈال دے، وہ تجھے پسند آئے۔ اِعْجَابٌ سے مضارع۔

خُشُبٌ: لکڑیاں۔ واحد خشبٌ۔

مُسَنَّدَةٌ: دیوار سے لگائی ہوئی، سہارا لگائی ہوئی۔ تَسْنِيْدٌ سے اسم مفعول۔

يُؤْفَكُوْنَ: وہ لوٹائے جاتے ہیں، وہ پھیرے جاتے ہیں، وہ بھٹکے جاتے ہیں۔ اَفْكٌ و اُفُوْكٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے پیغمبر ﷺ! یہ منافقین آپ کے پاس آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں حالانکہ یہ دل سے آپ کو رسول نہیں مانتے ۔ یہ تو محض اپنی اغراض کے پیش نظر زبان سے باتیں بناتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں ۔ گواہی تو اس اقرار و اعلان کا نام ہے جو دل کے اعتقاد و یقین کے ساتھ ہو اور منافق چونکہ دل سے آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے اُن کا یہ کہنا کہ ہم آپ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں، جھوٹ اور دھوکہ ہے ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جانتا ہے کہ آپ اُس کے سچے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں ۔ اُن کا حال یہ ہے کہ بات بات میں جھوٹ بولتے اور جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں ۔ جب ان سے کوئی قابل گرفت بات سرزد ہو جاتی ہے اور مسلمانوں کی طرف سے مواخذے کا خوف ہوتا ہے تو مجاہدین کے ہاتھ اپنی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے اپنی ان قسموں کو ڈھال کے طور پر استعمال کرتے ہیں ۔ یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں پر طعن و تشنیع اور عیب جوئی کر کے دوسرے لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں ۔ اور لوگ ان کے ظاہری اسلام سے دھوکہ کھا جاتے ہیں ۔ ان کی جھوٹی قسموں کا ضرر اور نقصان ان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دوسروں تک پھیلتا ہے ۔ اس سے بڑھ کر برا کام اور کیا ہوگا ۔

یہ لوگ زبان سے تو ایمان لائے، دل سے منکر رہے اور ایمان کے دعوے کے ساتھ کافروں والے کام کرتے رہے ۔ اس فریب اور دھوکہ دہی کا اثر یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر مہر لگ گئی ۔ اب ان کے دلوں میں ایمان اور حق و صداقت داخل ہونے کی گنجائش ہی نہیں رہی ۔ اسی لئے اب وہ ایمان کی حقیقت کو نہیں سمجھتے ۔ اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو بہت بھلے اور خوش نما معلوم ہوں گے اور اگر وہ کوئی بات کہیں تو چرب زبانی کی بنا پر آپ اُن کی بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے ۔ وہ دیوار کے سہارے کھڑی ہوئی بے جان و بے عقل لکڑی کی مانند ہیں کہ دیکھنے میں کتنی موٹی مگر ایک منٹ بھی سہارے کے بغیر کھڑی نہیں رہ سکتی ۔ ان کے موٹے تازے جسم بھی خالی اور بے جان ہیں ۔ دوزخ کا ایندھن بننے کے سوا کسی کام کے لائق نہیں ۔ ان کی بزدلی کا یہ عالم ہے کہ ذرا کہیں شور و غل ہوا تو دل دہل گئے اور سمجھنے لگے کہ اب ان پر کوئی مصیبت آ گئی ہے ۔ یہی لوگ آپ ﷺ کے دشمن ہیں ۔ آپ ان کی چالوں سے ہوشیار رہیے ۔ اللہ تعالیٰ ان کو غارت کرے یہ کہاں بھٹک رہے ہیں ۔ (عثمانی: ۶۸۹ ۔ ۲/۶۹۰)

عبداللہ بن ابی کی شرارت

۵۔۸: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ
وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ
اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا
عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ
لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ
الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ ۝

جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ! رسول اللہ تمہارے لئے استغفار کریں تو وہ اپنے سر مٹکاتے ہیں اور آپ اُن کو دیکھیں گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے رُک جاتے ہیں۔ اُن کے حق میں آپ کا استغفار کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا۔ بے شک اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہیں، اُن پر کچھ خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے جائیں گے تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت تو اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔

لَوَّوْا: وہ پھیرتے ہیں، وہ موڑتے ہیں، وہ مٹکاتے ہیں۔ تَلْوِيَةٌ سے ماضی۔

يَنْفَضُّوْا: وہ منتشر ہو جائیں گے، وہ بھاگ جائیں گے۔ اِنْفِضَاضٌ سے مضارع۔

تشریح: جب کبھی ان منافقوں کی کوئی شرارت ظاہر ہو جاتی اور ان کے کذب و خیانت کا پردہ فاش

ہو جاتا تو بعض لوگ انہیں سمجھانے کے لئے کہتے کہ اپنی حرکتیں چھوڑ کر راہِ راست پر آ جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے لئے استغفار کی درخواست کرو۔ آپ کے استغفار کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری خطائیں معاف فرما دے گا۔ منافقین اس پر آمادہ ہونے کی بجائے غرور و تکبر سے گردن ہلا کر اور سر منکا کر رہ جاتے بلکہ بعض بد بخت تو یہ تک کہہ دیتے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔ اُن کی اس حرکت پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت ہرگز نہیں کرے گا۔ بے شک جو لوگ کفر و نفاق میں اس قدر ڈوبے ہوئے ہیں کہ ان کو اپنی اصلاح کا خیال تک نہیں تو ایسے لوگوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا۔

یہی منافقین انصار سے کہتے ہیں کہ تم ان مہاجرین پر کچھ خرچ نہ کرو جو رسول اللہ ﷺ کے قریب ہیں۔ تم ان کی خبر گیری کرتے ہو اسی لئے یہ لوگ رسول اللہؐ کے ساتھ جمع رہتے ہیں۔ اگر تم ان کی خبر گیری چھوڑ دو تو یہ خرچے سے تنگ آ کر ابھی متفرق ہو جائیں گے۔ ایسے ذلیل اور بداخلاق منافقوں سے کہہ دینا چاہئے کہ آسمانوں اور زمین کے خزانے تو اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ کیا اللہ اپنے رسول کے پاس رہنے والوں کی مدد نہیں کرے گا اور ان کو رزق نہیں دے گا۔ لیکن یہ منافق اللہ کی شان اور قدرت سے واقف نہیں اس لئے ایسی بات کہتے ہیں۔

یہ غزوۂ مریسیع کا واقعہ ہے۔ اس سفر میں عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ نے کہا تھا کہ ہم معزز لوگ مدینے واپس پہنچ کر ان ذلیل مسلمانوں کو نکال دیں گے، ایک صحابی زید بن ارقمؓ نے یہ باتیں سن کر رسول اللہ ﷺ کو بتا دیں، آپ نے عبداللہ بن ابی وغیرہ کو بلا کر تحقیق کی تو وہ قسمیں کھا گئے کہ زید بن ارقم نے ہماری دشمنی میں جھوٹ کہا ہے۔ لوگ زید کو برا بھلا کہنے لگے وہ سخت نادم اور پریشان تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی اور آپؐ نے زید کو بلا کر فرمایا کہ اللہ نے تجھے سچا کر دیا۔

یہ لوگ نہ تو عزت و ذلت کی حقیقت جانتے ہیں اور نہ ان کو یہ معلوم ہے کہ عزت و ذلت کس کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ عزت و قوت تو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ اور مومنوں ہی کے لئے ہے لیکن منافقین جہالت و غرور کے سبب اس کو نہیں جانتے۔

(عثمانی: ۶۹۰۔۶۹۲/۲۔ ابن کثیر: ۳۶۹۔۳۷۲/۴)

ذکرِ الٰہی کی تاکید

۹۔۱۱: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ
ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۹
وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ
وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝۱۰ وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ
اَجَلُهَا ؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱

اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے وہی خسارے میں ہے اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آ جائے پھر وہ (حسرت سے) کہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے تھوڑی سی مہلت کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کرتا اور نیک لوگوں میں سے ہو جاتا اور جب کسی کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو اللہ کسی کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تشریح: ان آیتوں میں مومنوں کو مخاطب کر کے تاکیداً کہا گیا ہے کہ تم اُن بدبخت یہود کی طرح دنیاوی اُمور اور مال و اولاد کی محبت میں پڑ کر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو جانا۔ مال و اولاد وہی اچھے ہیں جو اللہ کی یاد اور اُس کی عبادت سے غافل نہ کریں۔ اگر آدمی آخرت کو چھوڑ کر جو باقی رہنے والی ہے، دنیا میں مشغول ہو جائے جو فانی ہے اور اعلیٰ سے ہٹ کر ادنیٰ میں پھنس جائے تو اس کے لئے اس سے بڑھ کر خسارہ کوئی نہیں۔

پھر فرمایا کہ تم اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے جو کچھ صدقہ و خیرات کرنا چاہتے ہو وہ اپنی موت کی علامات ظاہر ہونے سے پہلے پہلے اُس کی راہ میں خرچ کر لو ورنہ موت سر پر آ جانے کے بعد پچھتاؤ گے۔ اس وقت بخیل تمنا کرے گا کہ اے پروردگار! کاش میری موت کو چند روز کے لئے ملتوی

کردیتا کہ میں خوب صدقہ وخیرات کرتا اور نیک کام کرنے والوں میں شامل ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنی عمر لکھ دی ہے اور جو میعاد مقرر کردی ہے اس کے ختم ہونے پر ایک لمحے کی بھی ڈھیل اور تاخیر نہیں ہوسکتی اور اللہ تمہارے ظاہری اور باطنی تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے اور اسی کے مطابق ہر ایک سے معاملہ کرے گا۔ لہٰذا انسان کو جو بھی مہلت میسر ہے اس کو آخرت بنانے میں صرف کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہؐ! کون سی خیرات سب سے بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایسی حالت میں خیرات کرنا افضل ہے جب کہ تم تندرست ہو، مال کی محبت رکھتے ہو، تمہیں مفلس ہوجانے کا اندیشہ ہو اور مالداری کے خواہش مند ہو اور اتنی تاخیر نہ کرتے چلے جاؤ کہ جان حلق میں آ پہنچے اور اُس وقت تم کہو کہ اتنا فلاں کو دے دو۔ وہ تو اُس (وارث) کا ہو ہی چکا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک اور عطیہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جس شخص کے پاس مال ہو اور اُس نے اُس کی زکوٰۃ نہ دی ہو یا حج کی طاقت رکھتا ہو اور حج نہ کیا ہو اور اُسی حالت میں وہ مرنے لگے تو موت کے وقت وہ (زندگی کی طرف) لوٹنے کی درخواست کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کاش! میں نیک لوگوں میں سے ہوجاتا اور حج کرلیتا۔ پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (مظہری: ۹/۳۱۰،۳۰۹)

سورۃ التغابن

وجہ تسمیہ: اس سورت کی نویں آیت میں لفظ ''تغابن'' آیا ہے جس کے معنی نقصان پہنچانے کے ہیں، اسی کی مناسبت سے یہ سورت التغابن مشہور ہوگئی۔

تعارف: اس میں ۲ رکوع، ۱۸ آیتیں، ۲۴۱ کلمات اور ۱۰۷۰ حروف ہیں۔ اکثر علما کے نزدیک یہ سورت مدنیہ ہے یعنی ہجرت کے بعد مدینے میں نازل ہوئی۔ ابن عباس اور ابن الزبیر بھی اس کو مدنیہ کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۱۱۹/ ۲۸۔ مواہب الرحمٰن: ۳۸۶/ ۲۸)

اس میں توحید و الوہیت کا اثبات اور عقائد اسلام کا بیان ہے۔ رسولوں کی تکذیب اور گزشتہ اقوام کی مثالیں اور بعث بعد الموت کا اثبات اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے ایثار و قربانی کی ترغیب ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: تقدیر اور اللہ کا علم و ارادہ بیان کیا گیا ہے۔ پھر کفار کی طرف سے موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے انکار کا بیان ہے۔

رکوع ۲: تمام مصائب کا منجانب اللہ ہونا اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے والوں کا بیان ہے۔

تقدیر اور اللہ کا علم و ارادہ

۱۔۴: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ
وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ
فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ② خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۖ وَإِلَيْهِ
الْمَصِيرُ ③ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا

تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ اُسی کی بادشاہی اور وہی حمد کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے تمہیں پیدا کیا، پھر کوئی تم میں سے کافر ہے اور کوئی مومن اور اللہ تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔ اُسی نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک طور پر پیدا کیا اور تمہاری صورتیں بنائیں تو بہت اچھی بنائیں اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور جو تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو وہ سب کو جانتا ہے اور اللہ تو دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے۔

تشریح: تمام مخلوق خواہ وہ آسمانوں کی ہو یا زمین کی، اللہ تعالیٰ عزوجل کی تسبیح وتحمید میں معروف و مشغول رہتی ہے، اسی کی بادشاہت ہے اور وہی تعریف کے لائق ہے۔ وہ جس چیز کا ارادہ کرلے اُس کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ نہ کوئی اس کا مزاحم اور نہ کوئی اسے روکنے والا۔ وہی تمام مخلوق کا خالق ہے۔ اسی نے تمہیں پیدا کیا۔ اُس نے انسان میں اچھائی اور برائی دونوں طرف جانے کی استعداد و قوت رکھی اور سب کو فطرتِ صحیحہ پر پیدا کیا۔ پھر کوئی اس فطرت پر قائم رہا اور کسی نے گردوپیش کے حالات سے متاثر ہو کر اُس کے خلاف راہ اختیار کرلی یعنی کافر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ سے اس کا علم ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون اپنے ارادے اور اختیار سے کس طرف جائے گا اور پھر اسی کے موافق انعام وسزا کا مستحق ہوگا۔ وہ اپنے بندوں کے اعمال کو دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر، کون فرماں بردار ہے اور کون نافرمان وہ ہر ایک کو اُس کے اعمال کی پوری پوری جزا یا سزا دے گا۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی مرفوع روایت میں ہے کہ قسم ہے اُس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم میں سے بعض لوگ (ساری عمر) اہل جنت جیسے عمل کرتے رہے یہاں تک کہ جنت اور اُن کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ (تقدیر کا) لکھا ہوا آگے آتا ہے اور وہ جہنم میں چلے جاتے ہیں۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت سے مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں اور اس وقت اُس کا عرش پانی پر تھا۔ (مظہری:۳۱۱/۹)

پھر فرمایا کہ اُسی نے آسمانوں اور زمین کو عدل و حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔ اُسی نے تمہیں پاکیزہ اور خوب صورت شکلیں دے رکھی ہیں۔ پھر آخر کار تم سب کو اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اُس کو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کا کامل علم ہے۔ وہ تمہارے پوشیدہ اور علانیہ تمام اعمال سے واقف ہے یہاں تک کہ دل کے ارادوں اور پوشیدہ باتوں سے بھی خوب واقف ہے۔ (عثمانی: ۲/۶۹۳)

مشرکینِ مکہ کو تنبیہ

۵۔۶: اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۡ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

کیا تمہیں اُن کافروں کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کفر کر چکے ہیں کہ اُنہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھ لیا اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ اس لئے کہ جب اُن کے رسول اُن کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ کیا انسان ہمیں ہدایت کریں گے۔ سو اُنہوں نے انکار کیا اور (ہدایت) سے منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی بے نیازی کی اور اللہ تو ہے ہی بے نیاز (اور) بڑا تعریفوں والا۔

تشریح: اے مشرکینِ مکہ! کیا تمہیں عاد و ثمود وغیرہ قوموں کے حالات اور عذاب و سزا کی خبریں نہیں پہنچیں جو اس سے پہلے کفر و تکذیب کر چکی ہیں اور دنیا ہی میں اپنے کفر و شرک اور اعمالِ بد کی سزا بھگت چکی ہیں۔ آخرت میں بھی اُن کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہے جس سے کوئی منکر اور کافر نہیں بچ سکتا۔ یہ دنیا اور آخرت کا عذاب اس لئے ہے کہ ان سابقہ اُمتوں کے پاس اُن کے رسول کھلی نشانیاں اور معجزے لے کر آئے تھے لیکن اُنہوں نے یہ کہہ کر حق کی مخالفت اور تکذیب کی کہ ہم ہی جیسا آدمی ہمارا ہادی اور رسول نہیں ہو سکتا۔ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتا حالانکہ پیغمبروں کا بھیجنا تو اُس کی مہربانی اور احسان ہے۔ سو اُنہوں نے کفر کیا اور حق سے منہ موڑ لیا۔ اُن کی اطاعت و فرماں برداری کی تو حیثیت ہی کیا ہے، اللہ تعالیٰ تو ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ اُس کو کسی

کی تعریف کی حاجت نہیں وہ ہر حال میں ہر چیز سے بے نیاز اور حمد وثنا کا سزاوار ہے۔

موت کے بعد یقینی طور پر زندہ ہونا

۷۔۸: زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ۭ وَذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

کافروں کا خیال ہے کہ وہ ہرگز دوبارہ زندہ نہ کئے جائیں گے۔ آپ کہہ دیجیے ہاں خدا کی قسم! تم ضرور دوبارہ زندہ کئے جاؤ گے۔ پھر جو کچھ تم نے کیا ہے وہ سب تمہیں بتادیا جائے گا اور یہ اللہ پر بہت آسان ہے۔ سو تم اللہ اور اُس کے رسول پر اور اُس نور پر جسے ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

تشریح: کفار ومشرکین رسالت کی طرح مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بھی منکر ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کرکے ہرگز نہیں اُٹھایا جائے گا۔ اُن کے رد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ کہہ دیجیے کہ خدا کی قسم تم ضرور دوبارہ زندہ کرکے اُٹھائے جاؤ گے اور تمہارے چھوٹے بڑے، اچھے برے اور کھلے چھپے تمام اعمال تم پر ظاہر کردیئے جائیں گے۔ تمہارا دوبارہ پیدا کرنا اور تمہیں اعمال کا بدلہ دینا اللہ تعالیٰ پر نہایت آسان ہے کیونکہ اُس کی قدرت کامل ہے اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ محال نہیں۔ سو تم اللہ پر، اُس کے رسول پر اور اُس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

یہ تیسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو قسم کھا کر حقانیت بیان کرنے کے لئے فرمایا۔ اس سے پہلے سورۂ یونس میں ہے:

وَيَسْتَنْۢبِـــُٔـوْنَكَ اَحَقٌّ ھُوَ ڼ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ڼ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ (سورۂ یونس: ۵۳)

اور یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ حق ہے۔ آپ کہہ دیجیے کہ میرے رب کی قسم! وہ حق ہے اور تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے۔

اور ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ ۙ (سورۂ سبا:۳)

اور کافر کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً اور بالضرور آئے گی۔

سو جب حشر اور قبروں سے اُٹھایا جانا ضروری اور یقینی ہے تو تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اُس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔

نقصان اُٹھانے کا دن

۹۔۱۰: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

جس دن وہ تم سب کو جمع ہونے کے دن اکٹھا کرے گا وہ ہار جیت کا دن ہوگا اور جو اللہ پر ایمان لایا اور اُس نے اچھے کام کیے تو اللہ اُس کے گناہ دور کردے گا اور اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ اُن میں ہمیشہ رہے گا۔ یہی بڑی کامیابی ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ سب جہنمی ہیں، ہمیشہ اُسی میں رہیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

اَلتَّغَابُنِ: ظاہر کرنا، نقصان پہنچانا۔ مصدر ہے۔

يَوْمُ التَّغَابُنِ: نقصان اُٹھانے کا دن، فیصلے کا دن، قیامت کا دن۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یوم التغابن قیامت کا ایک نام ہے۔

اَلْمَصِيْرُ: لوٹنے کی جگہ، ٹھکانا۔ صَيْرٌ سے اسم ظرف ومصدر میمی۔

تشریح: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم سب کو حساب و کتاب اور جزا و سزا کے لئے جمع کرے گا۔ اس لئے اس کا نام یوم الجمع ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝

یہ لوگوں کے جمع کئے جانے اور اُن کے حاضر ہونے کا دن ہے۔ (ہود: ۱۰۳)

یہی ہار جیت اور خسارے کا دن ہے۔ اُس دن کافر اور نافرمان ذلیل و ناکام ہوں گے اور مومن و فرماں بردار کامیاب و سربلند ہوں گے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں تو اللہ تعالیٰ اُن کے نیک کاموں کی برکت سے اُن کی برائیوں کو مٹا دے گا اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ لوگ ہمیشہ ان باغوں میں رہیں گے۔ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے کفر کیا، اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جو بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔ (ابن کثیر: ۳۷۴، ۳۷۵/۴)

عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (جنت کے اندر) مومن اپنے مکانوں کے بھی مالک ہوں گے اور بدنصیب کافروں کے مکانوں کے بھی وارث ہوں گے۔ جنت کے اندر کافروں کے یہ وہی مکان ہوں گے کہ اگر وہ اللہ کی اطاعت کرتے تو یہ مکان اُن کو عطا کیے جاتے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (آخرت میں) تم میں سے ہر ایک کے دو گھر ہوں گے۔ ایک جنت میں دوسرا دوزخ میں۔ جب کوئی مر کر دوزخ میں چلا جائے گا تو اُس کے جنت والے مکان کے مالک اہل جنت ہوں گے۔ آیت اولئک هم الوارثون کا یہی مطلب ہے۔ (مظہری: ۳۱۳/۹)

مصیبت کا اللہ کی طرف سے ہونا

۱۱۔۱۳: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ
يَهْدِ قَلْبَهٗ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا
الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ اَللّٰهُ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

کوئی مصیبت اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اللہ
اُس کے دل کو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔
(لوگو!) اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اگر تم اعراض کرو گے تو
ہمارے رسول کے ذمے تو صاف صاف (پیغام) پہنچا دینا ہے۔ اللہ کے سوا
کوئی معبود نہیں اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

تشریح: دنیا میں انسان کو کوئی بھی مصیبت، سختی، پریشانی، رنج و تکلیف، بیماری، کاروبار میں نقصان وغیرہ، اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کے بغیر نہیں پہنچتی۔ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے کہ اس پر جو مصیبت آتی ہے وہ اللہ کے حکم کے بغیر نہیں آتی اور جو مصیبت آنے والی ہے وہ ٹلتی نہیں، آ کر رہتی ہے اور جو مصیبت آنے والی نہیں وہ کبھی نہیں آئے گی تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو صبر اور تسلیم و رضا کی توفیق عطا فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہاں تک کہ وہ دلوں کے احوال بھی جانتا ہے۔

ابن دیلمی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابی بن کعبؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ تقدیر کے متعلق میرے دل میں کچھ شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ اب آپ کوئی حدیث بیان فرما دیجیے تا کہ اللہ میرے دل سے شبہے کو دور فرما دے۔ حضرت ابی نے فرمایا: اگر اللہ تمام آسمان والوں اور زمین کے باشندوں کو عذاب دے تو دے سکتا ہے اور وہ ظالم قرار نہیں پائے گا اور اگر ان پر اپنی رحمت کرے تو اُس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔ اگر تم اللہ کی راہ میں اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرو گے تو جب تک تقدیر پر تمہارا ایمان نہیں ہوگا، اللہ قبول نہیں فرمائے گا۔ جان لو کہ جو کچھ تمہیں ملنے والا ہے وہ تم سے چوکے گا نہیں اور جو ملنے والا نہیں وہ ملے گا نہیں۔ اگر اس عقیدے کے خلاف (دوسرے عقیدے پر) تم مرجاؤ گے تو تم دوزخ میں جاؤ گے۔ (مظہری: ج ۹، ص ۳۱۴)

پھر فرمایا کہ تم نرمی، سختی، راحت و آسائش، خوشی اور رنج ہر حال میں اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے، اگر ایسا نہ کرو گے تو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے۔ اللہ کو تمہاری طاعت و معصیت سے کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ رسول کا کام تو تبلیغ دین تھا سو وہ کر چکے۔ اب اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل نہ کرنے کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی۔ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات واحد و صمد اور ہر طرح کی عبادت کے لائق ہے۔ اُس کے سوا کسی کی ذات کسی طرح کی عبادت کے لائق نہیں۔

چونکہ اللہ ہی توکل اور بھروسے کے لائق ہے، اس لئے مومنوں کو اُسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

اللہ کی یاد سے غافل کرنے والے

۱۴، ۱۵: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

اے ایمان والو! تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، سو تم ان سے بچتے رہو اور اگر تم معاف کردو، درگزر کردو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔ بے شک تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس تو بڑا اجر ہے۔

احْذَرُوْا: تم ڈرو، تم بچو۔ حَذَرٌ سے امر۔

تَصْفَحُوْا: تم معاف کرو، تم درگزر کرو۔ صَفْحٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ترمذی اور حاکم نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب وہ لوگ مدینے پہنچ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ (ان سے پہلے ہجرت کر کے آنے والے) کچھ لوگ دینی مسائل سیکھ چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُن کو (اپنے اہل وعیال پر) غصہ آیا۔ اُنہوں نے ارادہ کیا کہ اہل وعیال کو سزا دیں کیونکہ اہل وعیال ہی نے اُن کو ہجرت کرنے سے روک رکھا تھا۔ اس پر آیت وان تعفوا...... الخ نازل ہوئی۔

تشریح: بعض دفعہ آدمی بیوی بچوں کی محبت اور فکر میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اُس کے احکام سے غافل ہو جاتا ہے۔ اُن کی رضا جوئی اور اُن کی فرمائشوں کو پورا کرنے کے لئے کتنی ہی برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور کتنی ہی بھلائیوں سے محروم رہتا ہے۔ سب سے بڑی محرومی تو آخرت سے غفلت ہے۔ ظاہر ہے جو اہل وعیال اتنے بڑے خسارے اور نقصان کا سبب بنیں وہ حقیقتاً اُس کے دوست اور خیر خواہ نہیں بلکہ بدترین دشمن ہیں۔ بسا اوقات آدمی کو اس دشمنی کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرما دیا کہ ان دشمنوں سے ہوشیار رہو اور ایسا رویہ اور طرزِ عمل اختیار کرنے سے بچو جس سے اُن کی

دنیا سنوارتے سنوارتے اپنی آخرت برباد ہو جائے۔اللہ تعالیٰ یہ تنبیہ گزشتہ سورت میں بھی فرما چکا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝

اے ایمان والو! تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے وہی خسارے میں ہے۔(المنفقون:۹)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمام بیویاں اور ساری اولاد اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بہت سی اللہ کی بندیاں اپنے شوہروں کے دین کی حفاظت کرتی ہیں اور نیک کاموں میں اُن کا ہاتھ بٹاتی ہیں۔اسی طرح کتنی ہی سعادت مند اولاد ہے جو اپنے والدین کے لئے باقیات الصالحات بنتی ہے۔اگر بیوی بچوں کی وجہ سے دینی نقصان پہنچ جائے تو ان سے انتقام نہیں لینا چاہئے۔اور نہ اُن پر نامناسب سختی کرنی چاہئے بلکہ جہاں تک ہو سکے اُن کی کوتاہیوں کو معاف کر دو اور آئندہ کے لئے ہوشیار رہو۔اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بھی تمہیں معاف فرمائے گا اور تم پر مہربانی کرے گا کیونکہ وہ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

تمہارے اہل و عیال اور اموال خواہ وہ تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل کریں یا نہ کریں، تمہارے لئے آزمائش اور کسوٹی ہیں، سو اللہ تعالیٰ مال و اولاد کے ذریعے انسان کو پرکھ لیتا ہے کہ معصیت میں مبتلا ہونے والے کون ہیں اور اطاعت گزار کون ہیں۔سو تم مال و اولاد کی محبت کی بجائے اس اجرِ عظیم کے طلب گار بنو جو اللہ کے پاس ہے۔

اللہ کی خوشنودی کے لئے مال خرچ کرنا

۱۶۔۱۸: فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَنْ يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ۝ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

پھر جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور (حکم) سنو اور مانو اور اپنے بھلے کے لئے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہو اور جو شخص نفس کی حرص سے

محفوظ رہا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ تمہارے لئے اسے بڑھاتا جائے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ بڑا قدر دان (اور) بڑا بردبار ہے۔ وہ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا اور زبردست حکمت والا ہے۔

یُوْقَ: اس کو محفوظ رکھا جائے گا، اس کو بچایا جائے گا۔ وِقَایَۃٌ سے مضارع مجہول۔

شُحَّ: حرص، لالچ، کنجوسی۔ وہ بخل جس میں حرص ہو اور جو عادت بن جائے۔

یُضٰعِفْهُ: وہ اس کو بڑھا دے گا۔ مُضَاعَفَۃ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیرؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت **اتقوا الله حق تقاته** (اٰل عمران: ۱۰۲) نازل ہوئی تو لوگوں کے لئے اس کے حکم پر عمل کرنا سخت دشوار ہو گیا۔ راتوں کو نماز میں اتنا طویل قیام کرتے کہ پاؤں سوج جاتے اور کثرتِ سجود سے پیشانیاں زخمی ہونے لگیں۔ اس پر آیت **فاتقوا الله ما استطعتم** نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کے لئے سابقہ حکم میں تخفیف کر دی گئی۔ (مظہری: ۹/۳۱۶)

تشریح: تقویٰ اختیار کرنے میں تم اپنی پوری کوشش اور طاقت صرف کرو، اُس کی نصیحتوں کو سنو اور اُس کے احکام پر چلو اور اُس کی خوشنودی کے لئے اُس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرو۔ جو لوگ اپنے آپ کو اپنے نفس کی خواہش اور مال کی محبت سے بچالیں تو وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے کسی کو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اس سے اس کے مال میں کمی آ جائے گی بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسنہ دینا ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں اخلاص اور نیک نیتی سے پاک صاف مال خرچ کرو گے تو اللہ تمہیں اس سے کہیں زیادہ دے گا اور اس کی برکت سے تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دے گا اور اللہ قدر دان ہے کہ تھوڑی سی نیکی کے بدلے میں بہت زیادہ اجر دیتا ہے۔ وہ بہت ہی بردبار اور تحمل والا ہے کہ گناہوں کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ تمام ظاہر و پوشیدہ اعمال کو جاننے والا ہے۔ وہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔

(عثمانی: ۶۹۰، ۲/۶۹۲، ابن کثیر: ۳۷۶، ۴/۳۷۷)

سورۃ الطلاق

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں احکامِ طلاق تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، اس لئے اس کا نام سورۃ الطلاق ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۱۲ آیتیں، ۲۴۹ کلمات اور ۱۰۶۰ احروف ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ بالاتفاق یہ سورت مدنیہ ہے۔ اس میں احکام طلاق، احکام عدت اور نفقہ وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔

(مواہب الرحمٰن: ۴۱۶/۲۸)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: طلاق دینے کا طریقہ، بوڑھی اور حاملہ عورت کی عدت، سکنی اور نفقے کی ذمے داری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: عورتوں کے حقوق کا تحفظ اور اللہ کے علم وقدرت کا بیان ہے۔

طلاق دینے کا طریقہ

۱: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ
وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ
بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ
وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ
اَمْرًا ۝

اے نبی (لوگوں سے کہہ دیجئے کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو اُن کی عدت سے پہلے طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو، جو تمہارا

پروردگار ہے۔ تم ان عورتوں کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو اُن کو نکال دو)۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اُس نے اپنے اُوپر ظلم کیا۔ آپ کو کیا معلوم شاید اس (طلاق) کے بعد اللہ کوئی نئی بات پیدا کر دے۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے قتادہ کی وساطت سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حصرت صفیہؓ کو طلاق دے دی، حضرت صفیہ اپنے گھر چلی گئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ کسی نے حضرت صفیہؓ سے جا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (طلاق سے) رجوع کر لیا کیونکہ حضرت صفیہؓ صائم الدہر اور قائم الیل تھیں۔ (مظہری: ۹/۳۱۷)

تشریح: اس آیت میں خطاب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن حکم عام ہے کہ جب کوئی شخص کسی ضرورت اور مجبوری کے تحت اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو اس کو زمانۂ عدت میں طلاق دے۔ مطلقہ کی عدت تین حیض ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں بیان ہو چکا ہے۔ پس مشروع طریقہ یہ ہے کہ حیض سے پہلے حالتِ طہر میں طلاق دینی چاہئے تا کہ سارا حیض گنتی میں آ جائے اور اس طہر میں صحبت نہ کی ہو۔ مرد اور عورت دونوں کو چاہئے کہ وہ عدت کو یاد رکھیں تا کہ غفلت اور بھول کی وجہ سے کوئی بے احتیاطی نہ ہو جائے۔

پھر فرمایا کہ طلاق اور عدت کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو، جو تمہارا پروردگار ہے۔ لہٰذا نہ تو حیض کے دنوں میں طلاق دو اور نہ تین طلاقیں ایک ساتھ دو۔ عدت کے دنوں میں مطلقہ کی رہائش کا مکان خاوند کے ذمے ہے، اس لئے ان کو اپنے گھروں سے نہ نکالو اور نہ طلاق کے بعد اُن پر زیادتی کرو اور نہ اُن کا نان نفقہ روکو جس کے سبب وہ گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوں۔ عدت چونکہ نکاح سے متعلق ایک شرعی حکم ہے اسی لئے عورت عدت کے دنوں میں دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ مطلقہ عورتوں کو خود بھی اپنے گھروں سے نہیں نکلنا چاہئے کیونکہ عورت پر لازم ہے کہ وہ عدت کے دنوں میں گھر ہی میں رہے۔ لہٰذا اس کا باہر نکلنا اللہ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہوگا۔ اگر وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں، مثلاً بدکاری یا سرقہ کی مرتکب ہوں، بدمزاجی، بدکلامی اور لڑائی جھگڑا کرنے لگیں تو اس صورت میں خاوندوں کے لئے اُن کو گھروں سے نکالنا جائز ہے۔ یہ سب اللہ کی مقرر کردہ حدود اور اُس کے بتائے ہوئے احکام ہیں جن کی پابندی لازم ہے، اور جو شخص اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا تو وہ اپنے اُوپر ہی

ظلم کرے گا۔ عدت کا زمانہ خاوند کے گھر گزارنے کا حکم اس مصلحت سے ہے کہ شاید اس مدت میں خاوند کے خیالات بدل جائیں، طلاق دینے پر نادم ہو اور دل میں لوٹا لینے کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر رجوع کر کے دونوں میاں بیوی امن وسکون سے رہنے لگیں۔ آیت میں جونئی بات پیدا ہونے کا ذکر ہے، اس سے مراد بھی رجوع کرنا ہے۔ (عثمانی: ۶۹۷۔۶۹۸/۲، ابن کثیر: ۳۷۷۔۳۷۹/۴)

رجوع کے وقت دو گواہ کرنا

۲۔۳: فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۚ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ ۚ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

پھر جب وہ اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو اُن کو دستور کے موافق نکاح میں رہنے دو یا دستور کے موافق علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو عادل گواہ کر لو اور تم اللہ کے لئے ٹھیک ٹھیک گواہی دو۔ ان باتوں سے اسی کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور جو اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اُس کے لئے نجات کی صورت پیدا فرما دیتا ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اَجَلَهُنَّ: ان عورتوں کا وقت، ان عورتوں کی عدت۔

اَمْسِكُوْا: تم روک کر رکھو۔ اِمْسَاکٌ سے امر۔

ذَوَیْ: والے۔ ذُو کا تثنیہ۔

يَحْتَسِبُ: وہ گمان کرتا ہے، وہ خیال کرتا ہے۔ اِحْتِسَابٌ سے مضارع۔

قَدْرًا: اندازہ، مالی گنجائش۔ جمع اَقْدَارٌ۔

تشریح: طلاقِ رجعی میں جب عورتیں اپنی عدت پوری کرنے کے قریب پہنچ جائیں تو مرد کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے کہ یا تو عدت ختم ہونے سے پہلے دستور کے مطابق طلاق سے رجوع کر لے اور عورت کو اپنے ہی نکاح میں رہنے دے۔ اس صورت میں مرد عورت کو ایذا نہ پہنچائے اور نہ اس پر طعن وتشنیع کرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عدت پوری ختم ہونے پر حسنِ سلوک اور شریفانہ طریقے سے اس کو جدا کر دے۔ اگر مرد طلاق دینے کے بعد عدت ختم ہونے سے پہلے عورت کو نکاح میں رکھنا چاہے تو وہ رجوع کرنے پر دو گواہ بنالے تاکہ باہمی نزاع ختم ہو جائے مگر گواہ عادل ہوں فاسق نہ ہوں۔

پھر فرمایا کہ گواہ مقرر کرنے اور سچی شہادت دینے کا حکم اُن کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں، اللہ کے احکام کے پابند اور اُس کے عذاب سے ڈرتے ہوں، جو شخص اللہ کے احکام پر عمل کرتا ہے، اُس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لئے تمام مشکلات سے نکلنے کے اسباب پیدا فرما دیتا ہے اور اُس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جو اُس کے خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتا۔ لہٰذا تم اللہ ہی پر بھروسہ رکھو، محض اسباب پر تکیہ نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسباب کا پابند نہیں۔ وہ اپنے ارادے کو ضرور پورا کرتا ہے۔ کوئی اُس کو ارادے کی تکمیل سے روک نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر دیا ہے، اس لئے وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ اگر اُس کی حکمت وتقدیر نے کسی کام کے لئے تاخیر مقرر کر دی تو وہ کام اسی تاخیر سے ہوگا اور اگر کسی کام کا فوراً ہونا مقدر ہے تو وہ فوراً ہو جائے گا۔ (عثمانی: ۶۹۸، ۲/۶۹۹)

بوڑھی اور حاملہ عورت کی عدت

۴-۵: وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝ ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْکُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُکَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَیُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝

تمہاری مطلقہ بیویوں میں سے جو حیض سے نا اُمید ہو چکی ہوں، اگر تمہیں

(ان کی عدت کے تعین میں) شبہ ہو تو اُن کی عدت تین مہینے ہے اور ان (عورتوں) کی عدت بھی یہی (تین ماہ) ہے جن کو ابھی حیض آنا شروع ہی نہیں ہوا اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔ اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اُس کے کام آسان کر دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اُس کے گناہوں کو دور کر دے گا اور اُس کو بڑا اجر بھی دے گا۔

اَلّٰئِیْ: وہ سب۔

یَئِسْنَ: وہ مایوس ہو گئیں، وہ نا اُمید ہو گئیں۔ یَأسٌ سے ماضی۔

اِرْتَبْتُمْ: تم شبے میں پڑے۔ اِرْتِیَابٌ سے ماضی۔

تشریح: جس طرح ایام والی عورت کی عدت تین حیض ہے، اُسی طرح جن بوڑھی عورتوں کے ایام بڑی عمر کے سبب بند ہو گئے ہوں اور اب ان کو حیض آنے کی اُمید نہیں رہی تو اُن کی عدت تین ماہ ہے۔ اگر تمہیں ان کی عدت کے تعین میں شبہ ہو تو ان کی عدت کی مدت تین مہینے یاد رکھو۔ اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جو اس عمر کو نہیں پہنچیں کہ ان کو ایام آئیں تو ان کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ اس کے بعد حاملہ عورت کی عدت بیان فرمائی کہ اس کی عدت وضعِ حمل ہے خواہ وضع حمل طلاق یا خاوند کی موت کے فوراً ہی ہو جائے۔

جو شخص احکامِ خداوندی کی تکمیل اور پابندی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو اللہ اُس کے دنیا و آخرت کے اُمور میں آسانی پیدا کر دیتا ہے اور اُس کو بھلائی اور خیر کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ جو کچھ بیان ہوا یہ اللہ کا حکم ہے جو اُس نے تمہارے پاس بھیجا ہے، سو جو شخص احکامِ خداوندی کی تکمیل اور پابندی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے، اللہ اُس کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے اور اُس کے اجر و ثواب کو بڑھا کر کئی گنا کر دیتا ہے۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو زائل کر دیتی ہیں، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ (ہود: ۱۱۴)

بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

سکنیٰ اور نفقے کی ذمے داری

۶۔۷: اَسۡکِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ وَلَا تُضَآرُّوۡ
هُنَّ لِتُضَيِّقُوۡا عَلَيۡهِنَّ‌ؕ وَاِنۡ كُنَّ اُولَاتِ حَمۡلٍ فَاَنۡفِقُوۡا
عَلَيۡهِنَّ حَتّٰى يَضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ‌ۚ فَاِنۡ اَرۡضَعۡنَ لَـكُمۡ فَاٰتُوۡهُنَّ
اُجُوۡرَهُنَّ‌ۚ وَاۡتَمِرُوۡا بَيۡنَكُمۡ بِمَعۡرُوۡفٍ‌ۚ وَاِنۡ تَعَاسَرۡتُمۡ
فَسَتُرۡضِعُ لَهٗۤ اُخۡرٰى ؕ لِيُنۡفِقۡ ذُوۡ سَعَةٍ مِّنۡ سَعَتِهٖ‌ؕ
وَمَنۡ قُدِرَ عَلَيۡهِ رِزۡقُهٗ فَلۡيُنۡفِقۡ مِمَّاۤ اٰتٰٮهُ اللّٰهُ‌ ؕ لَا يُكَلِّفُ
اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰٮهَا‌ ؕ سَيَجۡعَلُ اللّٰهُ بَعۡدَ عُسۡرٍ يُّسۡرًا ۞

تم اپنی وسعت کے مطابق ان کو وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے تکلیف نہ پہنچاؤ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، پھر اگر وہ تمہارے لئے دودھ پلائیں تو اُن کو اُن کی اُجرت دو اور باہم مناسب طور پر مشورہ کر لیا کرو اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو کوئی اور عورت دودھ پلائے گی۔ وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہئے اور جو تنگ دست ہو تو وہ اسی میں سے خرچ کرے جو کچھ اللہ نے اُس کو دیا ہے۔ اللہ کسی کو اس سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جتنا اُس نے اُس کو دیا ہے۔ اللہ تنگی کے بعد بہت جلد فراغت بھی دے دے گا۔

تُضَيِّقُوْا: تم تنگی کرو۔ تَضْيِيْقٌ سے مضارع۔

اِئْتَمِرُوْا: تم مشورہ کر لیا کرو، تم موافقت رکھو۔

تَعَاسَرْتُمْ: تم نے ایک دوسرے پر تنگی کی۔ تَعَاسُرٌ سے ماضی۔

قُدِرَ: اُس کی روزی تنگ کر دی گئی۔ قَدْرٌ سے ماضی مجہول۔

عُسْرٌ: تنگی، سختی، دشواری۔

تشریح: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو عدت گزر جانے تک اُس کو رہنے کے لئے اپنا مکان

دے کیونکہ سُکنیٰ کی وجہ سے وہ اُس کی مستحق ہے کہ تمہارے مکان میں رہے اور سُکنیٰ اُس کو کہتے ہیں کہ مرد عدت کے زمانے میں عورت کو رہنے کے لئے مکان دے۔ ظاہر ہے کہ رہائش کے ساتھ اُس کو نفقہ بھی مہیا کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی اس کو تکلیفیں دے کر اتنا تنگ اور پریشان نہ کرو کہ وہ مکان چھوڑ کر چلی جائے یا تم سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنا حق مہر چھوڑ دے یا تم نے طلاق دی، عدت سے ایک دو روز پہلے رجوع کر لیا، پھر طلاق دے دی اور عدت ختم ہونے کے قریب پھر رجوع کر لیا تاکہ وہ درمیان میں لٹکی رہے۔

عام حالات میں تو عدت تین ماہ میں پوری ہو جائے گی لیکن اگر عورت حاملہ ہو تو چونکہ اُس کی عدت وضع حمل ہے، اس لئے وضع حمل تک اُس کا نان نفقہ خاوند کے ذمے ہے۔ وضع حمل پر مطلقہ عورت کی عدت ختم ہو جائے گی اور عدت کے بعد چونکہ احکامِ زوجیت باقی نہیں رہے اس لئے بچے کو دودھ پلانا بھی اب عورت کے ذمے نہیں رہا۔ ایسی صورت میں اگر عورت تمہاری اولاد کو دودھ پلائے تو اُس کو دودھ پلانے کی اُجرت ادا کرو اور اُجرت کالین دین آپس کے مشورے اور اچھے طریقے سے دستور کے مطابق مناسب طور پر طے کر لیں۔ اس میں ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں ہونی چاہئے۔ اگر آپس میں اختلاف پیدا ہو جائے، مثلاً باپ کم اُجرت دینا چاہتا ہے جو بچے کی ماں کو منظور نہیں یا ماں زیادہ اُجرت مانگتی ہے جو باپ پر گراں ہے اور دونوں کسی بات پر رضامند نہیں ہوتے تو اس صورت میں اختیار ہے کہ باپ کسی اور دایہ کو اُجرت دے کر بچے کو دودھ پلوائے۔ البتہ جو اُجرت دوسری دایہ کو دینا منظور کی جائے اگر اسی اُجرت پر اُس بچے کی ماں رضامند ہو جائے تو وہ زیادہ مستحق ہے۔

پھر فرمایا کہ بچے کے باپ یا ولی کو چاہئے کہ وہ بچے کی تربیت پر اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے یعنی وسعت والا اپنی وسعت وفراخی کے مطابق خرچ کرے اور تنگی والا اپنی طاقت کے مطابق خرچ کرے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب تم تنگی کی حالت میں اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرو گے تو وہ بہت جلد تنگی اور سختی کو فراخی اور آسانی سے بدل دے گا۔ (ابن کثیر: ۴/۳۸۴،۳۸۳)

عورتوں کے حقوق کا تحفظ

۸۔۱۱: وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ
فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝
فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ
اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۛ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ
صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
اَبَدًا ۭ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝

اور کتنی ہی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم اور اُس کے رسولوں سے سرتابی کی، تو ہم نے بھی اُن سے سخت حساب لیا اور اُن کو بڑی بھاری سزا دی۔ پھر اُنہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھا اور انجامِ کار اُن کا خسارہ ہی ہوا۔ اللہ نے اُن کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اے عقل مند مومنو! اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ نے تمہاری طرف ایک نصیحت بھیج دی۔ ایک رسول جو تمہیں اللہ کی کھلی کھلی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں تاکہ ایسے لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اچھے کام کریں، تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں اور جو اللہ پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے گا تو اللہ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ وہ اُن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک اللہ نے اُس کو خوب رزق دیا۔

كَاَيِّنْ: بہت سے، کتنے ہی، اسمِ تکثیر ہے۔

عَتَتْ: وہ حد سے گزری، اُس نے سرکشی کی، اُس نے انکار کیا۔

نُکْرًا: برا، بے جا، ہولناک، انجان۔

تشریح: عورتوں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھو۔ اگر ہمارے احکام کی خلاف ورزی کرو گے تو یاد رکھو کہ کتنی ہی بستیوں کے باشندوں نے اپنے رب کے حکم اور رسولوں کی اطاعت سے سرکشی کی اور بغاوت کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے بھی اُن کو حساب میں پکڑ لیا اور ان سے بہت ہی سخت حساب لیا اور ان کو بڑی سخت اور نا قابل برداشت سزا دی۔ غرض اُنہوں نے دنیا ہی میں اپنے اعمال کے وبال کا مزہ چکھ لیا اور انجامِ کار وہ خسارے ہی میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں بھی اُن کے لئے سخت ترین عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اے ایمان والو! عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے سرکشی نہ کرو تا کہ تم اس عذاب سے محفوظ رہو جو سرکش بستیوں پر آ چکا ہے۔

بے شک اللہ نے قرآن دے کر ایک ایسا رسول تمہارے پاس بھیجا ہے جو تمہیں اللہ کے واضح اور صاف صاف احکام پڑھ کر سناتا ہے۔ تاکہ وہ مومنوں اور نیک کام کرنے والوں کو کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت کی روشنی میں لے آئے۔ جو شخص ایمان لائے اور نیک کام کرے تو اللہ اُس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ نے اُن کو بہت ہی اچھی روزی عنایت فرمائی ہے۔ (عثمانی: ۱۰۷/۲)

اللہ کا علم و قدرت

۱۲: اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ۠

اللہ وہی تو ہے جس نے سات آسمان بنائے اور انہی کی طرح زمین بھی۔ ان میں اُس کے احکام نازل ہوتے ہیں تا کہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور عظیم الشان سلطنت کا ذکر فرمایا ہے کہ وہی ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کا خالق ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَوْا كَیْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۙ (نوح: ۱۵)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کو کس طرح اُوپر نیچے پیدا کیا ہے۔

پھر فرمایا کہ آسمانوں کی طرح سات زمینیں بھی اُوپر نیچے پیدا کی ہیں۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جو شخص ظلم کر کے کسی کی ایک بالشت بھر زمین لے لے گا تو قیامت کے روز اُسے ساتوں زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ اُسے ساتویں زمین تک دھنسایا جائے گا۔

ان آسمانوں اور زمینوں کے اندر امرِ خداوندی اور قضائے الٰہی جاری اور نافذ ہے۔ آسمان پر رہنے والے فرشتے ہوں یا زمین پر بسنے والے انسان، سب کے لئے تکوینی احکام اور تشریعی ہدایات ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور علم کے لحاظ سے اُس نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے۔ کوئی چیز اُس کے علم وقدرت سے باہر نہیں۔ (ابنِ کثیر: ۴/۳۸۵)

سورۃ التحریم

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شانِ نزول میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مباح چیز یعنی شہد اپنے اُوپر حرام کرلیا تھا۔ اسی مناسبت سے اس کا نام التحریم ہو گیا۔ اس کو سورۃ المحرم، سورۃ لم تحرم، سورۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۱۴۶/ ۲۸)

تعارف: اس میں دو رکوع، ۱۲ آیتیں، ۲۴۰ کلمات اور ۱۰۶۰ حروف ہیں۔ ابنِ عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کے مطابق یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب علما کا قول ہے۔ (مواہب الرحمٰن: ۴۵۰/ ۲۸)

اس سورت میں بعض ایسے طبعی جذبات کا بیان ہے جن کے باعث خانگی زندگی کا اعتدال و توازن ختم ہوسکتا ہے۔ اور اس سے تفریق و جدائی کی بھی نوبت آ سکتی ہے۔ ایک خاص واقعے کا بھی ذکر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجؓ کی طرف سے پیش آیا تھا اور اس کی مناسبت سے بعض احکام و ہدایات کا بھی بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حلال چیزوں کو اپنے اُوپر حرام کرنے کی ممانعت۔ اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو آتشِ جہنم سے بچاؤ کی تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے۔

رکوع ۲: سچی توبہ اور کفار پر سختی کی تاکید اور فرعون کی بیوی کی فضیلت مذکور ہے۔

حلال چیز کو حرام کرنے کی ممانعت

۱۔۲: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ
اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ
اَیْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۝

اے نبی (ﷺ)! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا، آپ اُس کو
حرام کیوں کرتے ہیں (کیا) آپ اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہیں اور اللہ
بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا
ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔

تَحِلَّةَ: حلال کرنا، کھولنا، قسم کا کفارہ ادا کرنا۔ مصدر ہے۔

اَیْمَانِکُمْ: تمہاری قسمیں۔ واحد یَمِیْنٌ۔

شانِ نزول: صحیحین میں حضرت عطا کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ عبید بن عمیرؓ نے کہا کہ میں نے خود سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب بنت جحشؓ کے پاس ٹھہر کر شہد کا شربت پیا کرتے تھے، میں نے اور اُم المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے باہم مشورے سے طے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے کسی کے پاس تشریف لائیں تو وہ کہے کہ مجھے آپ (ﷺ) کی طرف سے کچھ مغافیر (ایک قسم کا گوند) کی بو محسوس ہو رہی ہے۔ چنانچہ آپ دونوں میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو اُس بی بی نے (مشورے کے مطابق) وہی بات کہہ دی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے زینب بنت جحشؓ کے پاس شہد کا شربت پیا تھا۔ آئندہ نہیں پیوں گا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری: ۹/۳۳۵)

تشریح: ان آیات میں اُس واقعے کا ذکر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حلال چیز یعنی شہد کو قسم کے ذریعے اپنے اُوپر حرام کر لیا تھا۔ چونکہ آپ ﷺ نے یہ کام ازواج مطہراتؓ کو راضی کرنے کے لئے کیا تھا اور اس معاملے میں اُن کا راضی کرنا آپؐ پر لازم نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے شفقت وعنایت کے طور پر فرمایا کہ اپنی ازواج کی دل جوئی کے لئے آپ اپنے اُوپر ایک حلال چیز کو حرام کیوں کر لیتے ہو، اللہ تعالیٰ نے اُن کو حلال بنانے اور قسم کی گرہ کھولنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔ پس اگر کوئی شخص کسی چیز پر قسم کھالے تو وہ کفارہ دے کر اپنی قسم کھول سکتا ہے۔ اللہ ہی تمہارا کارساز اور مددگار ہے اور وہی ان باتوں کو خوب جانتا ہے جن سے تمہاری اصلاح ہو۔ اُس کا ہر کام اور حکم حکمت سے پُر ہے۔ (مظہری: ۳۳۶۔۹/۳۳۸)

آپ ﷺ کے ایک راز کا افشا

۳: وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ
اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۖ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ
قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا ۖ قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ۝

اور جب نبی (ﷺ) نے اپنی کسی بیوی سے ایک بات پوشیدہ طور پر کہی۔ پھر جب اُس بیوی (حفصہؓ) نے وہ بات (دوسری بیوی عائشہؓ کو) بتا دی تو اللہ نے وہ (بات) نبی پر ظاہر کر دی اور نبی نے کچھ بات تو (اُس بیوی کو) بتا دی اور کچھ ٹال گئے۔ پھر جب نبی نے اُس عورت کو خبر کر دی تو کہنے لگی کہ آپ کو کس نے بتایا۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ مجھے اُس نے بتایا جو بڑا جاننے والا (اور) بڑا خبر رکھنے والا ہے۔

اَسَرَّ: اُس نے آہستہ آہستہ بات کی، اُس نے سرگوشی کی، اُس نے چھپایا۔ اِسْرَارٌ سے ماضی۔

نَبَّأَتْ: اُس عورت نے خبر دی، اُس نے آگاہ کیا۔ تَنْبِئَةٌ سے ماضی۔

تشریح: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی سے ایک راز کی بات کہی یعنی شہد کو اپنے اُوپر حرام کر لینے کی اور اُس بیوی سے یہ بھی فرما دیا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو، تاکہ حضرت زینبؓ کو اس سے رنج نہ پہنچے تو اُس بیوی نے وہ راز کی بات دوسری بیوی سے کہہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر کر دی کہ اُس نے آپ کا راز فاش کر دیا تو آپ ﷺ نے اُس بیوی سے راز فاش کرنے کا شکوہ کیا لیکن اُس کو پوری بات نہیں بتائی۔ یہ آپ کا حسنِ خلق تھا۔ اگر آپ پوری بات بتا دیتے تو اُن کو زیادہ شرمندگی ہوتی۔ روایاتِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ (ﷺ) نے راز کی بات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہی تھی اور اُنہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کا ذکر کر دیا تھا۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ سے راز فاش کرنے کا شکوہ کیا تو حضرت حفصہؓ نے کہا کہ آپ کو اس بات کی خبر کس نے دی کہ میں نے آپ ﷺ کا راز فاش کر دیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس کی اطلاع اُس اللہ نے دی ہے جو علیم و خبیر ہے۔

بعض روایاتِ حدیث میں ہے کہ حضرت حفصہؓ کے راز فاش کرنے پر آپ ﷺ نے اُن کو طلاق دینے کا ارادہ فرما لیا تھا مگر اللہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر آپ کو اُن کی طلاق سے روک دیا اور فرمایا کہ وہ بہت نماز پڑھنے والی اور بہ کثرت روزے رکھنے والی ہیں اور اُن کا نام جنت میں آپ ﷺ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔ (مظہری: ۳۳۹، ۹/۳۴۰)

حضرت عائشہ و حفصہؓ کو توبہ کی تاکید

۴۔۵: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبْكَارًا ۝

اگر تم اللہ سے توبہ کرو (تو یہی بہتر ہے) یقیناً تمہارے دل کج ہو گئے ہیں۔ اگر تم نبی کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو یقیناً اُن کا کارساز اللہ اور جبرائیل اور نیک مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے بھی مددگار ہیں۔ اگر نبی تم سب کو طلاق دے دیں تو بہت جلد اُن کا رب تمہارے بدلے میں اُن کو تم سے بہتر بیویاں دے دے گا جو مسلمان، ایمان والیاں، فرماں بردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ رکھنے والیاں (بعض) بیوہ اور (بعض) کنواریاں (ہوں گی)۔

صَغَتْ: وہ جھک گئی، وہ مائل ہو گئی۔ صَغْوٌ اور صَغْیٌ سے ماضی۔

ظَهِيْرٌ: پشت پناہی کرنے والا، مددگار۔ ظَهْرٌ سے فاعل کے معنی میں صفتِ مشبہ۔

قٰنِتٰتٍ: فرماں بردار عورتیں، اطاعت گزار عورتیں۔ قُنُوْتٌ سے اسمِ فاعل۔

تٰٓئِبٰتٍ: توبہ کرنے والیاں، باز آنے والیاں۔ تَوْبَةٌ سے اسمِ فاعل۔

سٰٓئِحٰتٍ: سیاحت کرنے والیاں، روزہ رکھنے والیاں۔ سِيَاحَةٌ سے اسمِ فاعل۔

ثَیِّبٰت: شادی شدہ عورتیں، بیوہ عورتیں، لوٹ آنے والیاں۔ واحد ثَیِّبٌ۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اگر تم دونوں نے اللہ سے توبہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی نہ کیا اور تم پیغمبر کی مرضی کے خلاف باہم تعاون کرتی رہیں تو یاد رکھو کہ اس میں صرف تمہارا ہی نقصان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کیونکہ آپ ﷺ کا مولیٰ اور رفیق تو اللہ ہے اور جبرائیل امین اور نیک مسلمان ہیں اور اس کے علاوہ فرشتے آپ ﷺ کے مددگار ہیں۔

آپ ﷺ کی ازواج کا گمان تھا کہ اگر ہمیں طلاق دے دی تو آپ ﷺ کو شاید ہم جیسی دوسری عورتیں نہ ملیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں طلاق دے دیں تو اُن کا رب اُن کو تم جیسی ہی نہیں بلکہ تم سے بہتر عورتیں عطا فرما دے گا کیونکہ اُس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں اور وہ نئی عورتیں اللہ کی فرماں بردار، پیغمبروں کی تصدیق کرنے والیاں، نماز پڑھنے والیاں، گناہوں سے توبہ کرنے والیاں، اللہ کی عبادت کرنے والیاں، روزے رکھنے والیاں ہوں گی اور ان میں سے کچھ بیوہ اور کچھ کنواریاں ہوں گی۔

(معارف القرآن/مفتی محمد شفیع، ۴۹۹۔۸/۵۰۱)

آتشِ جہنم سے بچاؤ کا حکم

۶۔۷: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْیَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو (بھی) حکم دیا جاتا ہے وہ اُس کو بجالاتے ہیں۔ اے کافرو! آج بہانے نہ بناؤ۔ تمہیں اسی کی سزا مل رہی ہے جو تم کرتے تھے۔

وَقُوْدُهَا: اُس کا ایندھن ۔ اسم ہے۔

غِلَاظٌ: سخت دل، بے رحم ۔ واحد غَلِیْظٌ ۔

تَعْتَذِرُوْا: تم عذر کرتے ہو، تم بہانہ کرتے ہو ۔ اِعْتِذَارٌ سے مضارع ۔

تشریح: اے ایمان والو! تم خود بھی اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جن اُمور سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا ہے تم خود بھی اُن سے رک جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی اُن سے منع کرو اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، اُن پر عمل کرو اور اپنے اہل وعیال کو بھی اُن پر عمل کرنے کی تاکید کرو۔ جس طرح دنیا کی آگ لکڑی سے بھڑکتی ہے، اُسی طرح دوزخ کی آگ آدمیوں اور پتھروں سے بھڑکے گی۔ جو شخص جہنم کا مستحق ہوگا وہ طاقت یا خوشامد یا رشوت وغیرہ کے ذریعے ان فرشتوں کی گرفت سے نہیں بچ سکے گا جو جہنم پر متعین ہیں۔ وہ فرشتے نہایت تندخو اور قوی ہیں اور وہ اللہ کی ذرا نافرمانی نہیں کرتے بلکہ وہ وہی کرتے ہیں جس کا اُنہیں حکم دیا جاتا ہے۔ سو جس جہنم پر ایسے فرشتے نگران ہوں گے جن کو مجرموں پر نہ ترس آئے گا اور نہ وہ نرم دل ہوں گے تو یقیناً اُس کے عذاب سے کوئی مجرم نہیں بچ سکتا۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کی فکر میں لگا رہے۔

پھر فرمایا کہ کافروں کو دوزخ میں ڈالتے وقت اُن سے کہا جائے گا کہ اب حیلے بہانے مت بناؤ۔ آج کوئی حیلہ بہانہ نہیں چلے گا، بلکہ جو کچھ تم دنیا میں کرتے رہے آج اُس کی پوری پوری سزا بھگتنے کا دن ہے۔ ہماری طرف سے تم پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں۔ آج تمہیں تمہارے ہی اعمال کی سزا مل رہی ہے۔

مومنوں کو سچی توبہ کا حکم

۸: يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ تُوبُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ
أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا
ٱلْأَنْهَٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِى ٱللَّهُ ٱلنَّبِىَّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ نُورُهُمْ
يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَٰنِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَآ أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا
وَٱغْفِرْ لَنَآ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ قَدِيرٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ کے سامنے خالص توبہ کرو۔ شاید تمہارے گناہ تم سے دور کر دے اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اُس دن اللہ نبی کو اور اُن کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رُسوا نہیں کرے گا۔ اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ وہ کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہمارے لئے نور کو پورا کر دے اور ہماری مغفرت فرمادے۔ یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے۔

نَصُوْحًا: حقیقی، خالص، صاف، سچی۔ نُصْحٌ سے مبالغہ۔

یُخْزِی: وہ ذلیل کرے گا، وہ اُس کو رُسوا کرے گا۔ اِخْزَاءٌ سے مضارع۔

تشریح: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرو۔ اپنے کئے پر ندامت و شرمندگی کے ساتھ آئندہ ایسی خطاؤں اور گناہوں کے نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرو۔ وہ بڑا غفور و رحیم اور قادرِ مطلق ہے۔ چاہے تو گناہوں پر گرفت فرمائے اور چاہے معاف فرمادے۔ اس لئے اُمید ہے وہ تمہارے گناہ سچی توبہ سے معاف فرمادے گا اور اپنے فضل اور مہربانی سے تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں ہر قسم کی راحت اور ہر طرح کی نعمت موجود ہوگی۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن پر ایمان لانے والوں کو شرمندہ نہیں کرے گا بلکہ ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہوگا اور پل صراط پر اُن کا نور اُن کے سامنے اور اُن کے دائیں جانب دوڑ رہا ہوگا۔ اُس وقت یہ لوگ منافقوں کا نور بجھتا ہوا دیکھ کر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارے نور کو آخر تک قائم رکھنا اور ہماری تمام خطاؤں اور کوتاہیوں کو معاف کر۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

کفار پر سختی کی تاکید

۹۔۱۰: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّ قِیْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ ۝

• اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجئے اور اُن پر سختی کیجئے اور اُن کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ اللہ کافروں کے لئے نوحؑ کی بیوی اور لوطؑ کی بیوی کی مثال بیان فرماتا ہے۔ وہ دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں۔ پھر ان دونوں نے اُن کی خیانت کی تو وہ دونوں (نیک بندے) اللہ کے مقابلے میں اُن (عورتوں) کے ذرا کام نہ آئے اور حکم ہوا کہ دوزخ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم دونوں بھی داخل ہو جاؤ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کافروں اور منافقوں سے ہتھیاروں کے ساتھ جہاد کرتے رہیے اور اُن پر سختی کیجئے۔ وہ اس قابل نہیں کہ اُن پر نرمی کی جائے۔ آخرت میں بھی اُن کا ٹھکانا جہنم ہے جو رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔ کافروں کا مسلمانوں سے ملنا جلنا اور اُن کے ساتھ خلط ملط رہنا، اُن کے کفر کے باعث اللہ کے ہاں اُن کو کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کو کافروں کے لئے مثال اور نمونہ بنا دیا ہے کہ اگر پیغمبروں سے کافروں کا رشتۂ قرابت ہو تو خواہ وہ رشتۂ زوجیت ہی ہو، تب بھی وہ اللہ کے مقابلے میں کافروں کے ذرا کام نہیں آئے گا۔ یہ دونوں خواتین اللہ کے اُن نیک و صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں اور خلوصِ دل سے اُن پر ایمان لانے کے بجائے منافق ہی رہیں۔ بظاہر اُن سے تعلق تھا مگر اُن کی ساری ہمدردیاں کافروں کے ساتھ تھیں۔ اس لئے یہ دونوں صالح بندے اُن عورتوں کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکے اور دونوں کو کہہ دیا گیا کہ دوزخ میں جانے والے دوسرے لوگوں کے ساتھ تم بھی اس میں داخل ہو جاؤ۔ محض پیغمبر کی بیوی ہونا تمہیں دوزخ سے نہیں بچا سکتا۔

آیت میں حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویوں کے خیانت کرنے سے بدکاری مراد نہیں، بلکہ اُن کا کافر اور منافق ہونا مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ کسی نبی کی بیوی نے زنا اور بدکاری نہیں کی۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی لوگوں سے کہتی تھی کہ نوحؑ دیوانہ ہے۔ اگر کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لے آتا تھا تو وہ قوم والوں کو اُس کی خبر پہنچا دیتی تھی۔ اسی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی حضرت لوطؑ کے پاس آنے والے مہمانوں کی اطلاع اپنی قوم والوں کو کر دیتی تھی۔ (مظہری: ۲/۳۴۶)

فرعون کی بیوی کی فضیلت

۱۱ـ۱۲: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ
رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ
وَعَمَلِهٖ وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ
الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ
بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ۝

اللہ مومنوں کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال بیان فرماتا ہے۔ جب اُس نے کہا اے میرے پروردگار! میرے لئے اپنے پاس جنت میں ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اُس کے کام سے بچا اور مجھے ظالموں سے نجات دے اور (اللہ) عمران کی بیٹی مریم کی (مثال بیان فرماتا ہے) جس نے اپنی شرم گاہ کو محفوظ رکھا۔ پھر ہم نے اُس میں اپنی روح پھونک دی اور اُس نے اپنے رب کی باتوں اور اُس کی کتابوں کو سچا جانا اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی۔

اَحْصَنَتْ: اُس نے حفاظت کی، وہ پاک دامن رہی، اُس نے بچایا۔ اِحْصَانٌ سے ماضی۔

القٰنِتِیْنَ: فرماں بردار، عبادت گزار، خاموش۔ قُنُوتٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ روئے زمین کے تمام لوگوں میں فرعون سب سے زیادہ سرکش تھا لیکن اُس کی سرکشی اور کفر نے بھی اُس کی بیوی کو کچھ نقصان نہیں پہنچایا، اس لئے کہ وہ اپنے ایمان پر پوری طرح قائم رہیں۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل حاکم ہے۔ وہ ایک کے گناہ پر دوسرے کو نہیں پکڑتا۔

اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں پر غالب آ گئے اور اس سے متاثر ہو کر فرعون کی بیوی آسیہ ایمان لے آئیں۔ جب فرعون کو اُن کے اسلام کی اطلاع ملی تو وہ اُن کو طرح طرح سے تکلیفیں دینے لگا۔ حضرت آسیہ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! اپنے پاس جنت میں میرے لئے ایک مکان بنا دے اور مجھے فرعون، اُس کی ایذا رسانی اور اُس کے کفر و شرک سے محفوظ رکھ اور مجھے اُن لوگوں سے نجات دے جنہوں نے کفر و معصیت کر کے اپنے اُوپر ظلم کیا ہے۔

دوسری مثال حضرت مریم بنت عمران علیہا السلام کی ہے، کہ وہ نہایت پاک دامن تھیں۔ ہم نے اپنے فرشتے جبرائیل کے ذریعے اُن میں روح پھونکی۔ چنانچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انسانی صورت میں آ کر اپنے منہ سے اُن کے گریبان میں پھونک ماردی۔ اسی پھونک سے وہ حاملہ ہوئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ حضرت مریم علیہ السلام اپنے رب کی تقدیر اور شریعت کو سچ ماننے والی تھیں۔ وہ اطاعت شعار، عبادت گزار اور پوری طرح فرماں بردار تھیں۔ اس طرح یہ دونوں عورتیں یعنی فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران دنیا میں مومن عورتوں کے لئے نمونہ ہیں۔ ان کے ایمان وتقویٰ کو دنیا کے سامنے مثال بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔

احمد، صحیحین، ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامل مرد تو بہت ہیں، کامل عورتیں سوائے آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے، اور کوئی نہیں اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید (عربوں کا معروف اور عمدہ کھانا) کی برتری۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا بھر کی عورتوں میں سے مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آسیہ زوجہ فرعون تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی صرف یہی چار عورتیں کامل ہیں)۔

(ابن کثیر: ۳۹۳، ۴/۳۹۴، مظہری: ۹/۳۴۷)

سورۃ الملک

وجہ تسمیہ: اس سورت کے بہت سے نام ہیں، مثلاً سورۃ الملک، سورۃ تبارک، سورۃ الواقیہ (عذاب سے بچانے والی) سورۃ المنجیہ (عذاب سے نجات دینے والی) سورۃ المانعہ (مؤمنین عذاب کو روکنے والی) سورۃ المجادلہ وغیرہ۔ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں لفظ الملک آیا ہے، اس لئے اور ناموں کے مقابلے میں اس کا یہ نام مشہور ہو گیا۔

(روح المعانی: ۲/ ۲۹، مواہب الرحمٰن: ۱/ ۲۹)

تعارف: اس میں دو رکوع، تیس آیتیں، ۳۳۰ کلمات اور ۱۳۰۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ اس کے مکیہ ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اس میں پہلے اللہ تعالیٰ کی عظمت و خالقیت اور وحدانیت والوہیت کا اثبات ہے۔ پھر اثباتِ رسالت کے مضامین اور اُن مجرمین کی سرکوبی کا ذکر ہے جو اللہ کی اطاعت و فرماں برداری سے سرتابی کرتے ہیں۔

ابن مردویہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات کو سونے سے پہلے الم تنزیل السجدہ اور تبارک الذی پڑھتے تھے، خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں، آپ ﷺ ان کا پڑھنا ترک نہیں فرماتے تھے۔ امام احمد، ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن میں ایک سورت تیس آیات کی ہے جس نے اپنے قاری کے لئے شفاعت کی یہاں تک کہ اُس کی مغفرت کی گئی۔ وہ تبارک الذی بیدہ الملک ہے۔

(روح المعانی: ۳/ ۲۹)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ تعالیٰ کی عظمت و خالقیت، کفار کی حسرت و ندامت اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے

خوش خبری کا بیان ہے۔

رکوع ۲: کافروں کو عذاب کی تہدید اور مومن و کافر کی مثال کا بیان ہے۔ پھر قیامت کے بارے میں کافروں کے سوال کا جواب مذکور ہے۔

موت وحیات سے اعمال کو جانچنا

۱۔۲: تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۝

بڑی بابرکت ذات ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اُسی نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کے اعمال اچھے ہیں۔ وہی غالب ہے، بخشنے والا ہے۔

تشریح: وہ ذات بڑی عظمت و برکت والی ہے، جس کے ہاتھ میں تمام کائنات کی سلطنت و حکمرانی ہے اور اُس کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔ اُس کی قدرت اور گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی اُس کی سلطنت سے باہر نکل سکتا ہے۔ اُسی نے تمہارے اعمال کو جانچنے کے لئے موت وحیات کو پیدا کیا۔ اُسی نے تمہیں معدوم سے موجود یعنی پیدا کیا، اُس کے بعد موت دی، پھر مرنے کے بعد زندہ کیا۔ جیسے ارشاد ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

(اے کافرو!) تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم بے جان تھے، پھر اُس نے تمہیں زندگی عطا فرمائی، پھر وہ تمہیں موت دے گا پھر (قیامت کے دن) وہ تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (البقرہ: ۲۸)

پس موت و حیات کا یہ سلسلہ اس لئے ہے تا کہ اللہ تعالیٰ اس دنیاوی زندگی میں ہی پتا چلا لے کہ کس کے اعمال اچھے ہیں اور کس کے برے اور پھر مرنے کے بعد آخرت میں ان اعمال کے

مطابق جزا یا سزا دے۔ گویا دنیوی زندگی امتحان ہوا اور مرنے کے بعد دوسری زندگی میں اُس کا نتیجہ دکھا دیا۔ اگر یہ دنیا کی زندگی نہ ہوتی تو عمل کا موقع کیسے ملتا۔ اور اگر موت نہ ہوتی تو لوگ آخرت سے غافل و بےفکر ہو کر عمل سے دور ہو جاتے۔ اسی طرح اگر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ نہ کئے جاتے تو اچھے برے اعمال کا بدلہ کہاں ملتا۔

وہ غالب اور بخشنے والا ہے۔ وہ اپنی عزت و غلبے کی وجہ سے اس پر قادر ہے کہ بندوں پر جزا و سزا جاری کرے اور اس کے ساتھ ہی وہ بڑا مغفرت فرمانے والا بھی ہے کہ بندوں میں سے جس کی خطاؤں کو چاہے معاف فرما دے۔

اللہ تعالیٰ کا کمالِ تخلیق

٣۔٥: الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ۝ وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ۝

اُسی نے اُوپر نیچے سات آسمان بنائے۔ کیا تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی فرق دیکھتا ہے، سو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ کیا تجھے کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ تیری نگاہ ذلیل اور تھکی ہوئی تیری طرف لوٹ آئے گی اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت دی اور ان (ستاروں) کو شیاطین کو مارنے کا ذریعہ بنایا اور ہم نے ان کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

طِبَاقًا: اُوپر تلے، تہ بہ تہ۔ مصدر بمعنی صفت۔

خَاسِئًا: ذلیل کرنے والا، خوار کرنے والا۔ خَسْئًا سے اسمِ فاعل۔

حَسِیْرٌ: درماندہ، تھکا ہوا، عاجز۔ حَسْرٌ سے صفتِ مشبہ۔

مَصَابِیْحَ: چراغ، قندیل۔ واحد مِصْبَاحٌ۔

رُجُوْمًا: پتھر مارنا۔ واحد رَجْمٌ۔

السَّعِيْرِ: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ۔ سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

تشریح: اسی عظمت و برکت والی ذات نے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ بنایا۔ سوائے مخاطب! کیا تو اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی کمی اور بے قاعدگی دیکھتا ہے۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ بار بار دیکھنے سے آسمانوں کی تخلیق میں کسی جگہ کچھ عدم تناسب دکھائی دے جائے گا تو پھر خوب غور سے دیکھ لے۔ کیا کہیں کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ پھر بار بار دیکھ لے۔ تیری نگاہ ناکام و نامراد اور عاجز و تھکی ہوئی تیری طرف واپس آجائے گی۔ ہم ہی نے آسمانِ دنیا کو جو انسانوں کی نظروں کے سامنے ہے، ستاروں سے آراستہ کیا ہے، اور ہم ہی نے ان شیاطین پر برسانے کے لئے شہاب ثاقب بنا دیئے جو چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے ان شیاطین کے لئے دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس لئے مجرمین کو اللہ کے عذاب سے بے فکر نہیں ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ کے عذاب سے نہ شیاطین بچ سکتے ہیں اور نہ وہ لوگ جن کو شیاطین گمراہ کرتے ہیں۔

کفار کی حسرت و ندامت

۶۔۱۱: وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اِذَآ اُلْقُوْا
فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ
اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ
جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا
فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ
السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

اور جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا اُن کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ جب وہ اُس میں ڈالے جائیں گے تو اس کا دھاڑنا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی گویا جوش کے مارے پھٹ پڑے گی۔ جب بھی کوئی گروہ اس میں ڈالا جائے گا تو اس سے جہنم کے داروغے پوچھیں

گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کہ ہاں واقعی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے جھٹلایا اور کہا کہ اللہ نے کچھ نازل نہیں کیا، تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں نہ ہوتے۔ پھر وہ اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے، سو اہل دوزخ پر لعنت ہے۔

شَهِيْقًا: دھاڑنا، چیخنا، چلانا۔ مصدر ہے۔

تَفُوْرُ: وہ اُبلتی ہے، وہ جوش کرتی ہے۔ فَوْرٌ سے مضارع۔

تَمَيَّزُ: وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، وہ پھٹ جائے۔ تَمَيُّزٌ سے مضارع۔

سُحْقًا: دور کرنا، دفع ہونا، لعنت کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا، اُن کے لئے عذابِ جہنم ہے، جو رہنے کے لئے بہت ہی بری جگہ ہے۔ اس کی شدت و ہیبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب یہ لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے تو اس کے دھاڑنے کی آوازیں سنیں گے، جو نہایت ہولناک ہوگی اور جہنم میں ہانڈی کی طرح اُبال آ رہا ہوگا اور وہ اپنی لپٹوں، شعلوں اور حرارت کی شدت سے پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے قریب ہوگی۔ جب بھی کافروں کی کسی جماعت کو اُس میں ڈالا جائے گا تو جہنم کے نگران فرشتے اُن کی ذلت و رُسوائی کے طور پر اُن سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا، کہ تم اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے۔ وہ جواب دیں گے کہ بے شک ہمارے پاس اللہ کے پیغمبر آئے تھے اور اُنہوں نے ہمیں عذابِ آخرت سے آگاہ بھی کر دیا تھا، لیکن ہم نے اُن کو جھوٹا جانا، اللہ کی کتاب کو بھی نہ مانا اور پیغمبروں سے کہہ دیا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور تم ہی بڑی گمراہی میں مبتلا ہو۔

اہل جہنم نہایت حسرت اور ملال کے ساتھ یہ بھی کہیں گے کہ اے کاش! اگر ہم اللہ کے پیغمبروں کی باتوں اور اُن کی نصیحتوں کو سنتے یا سمجھتے اور اُن پر عمل کرتے تو آج یہ دن دیکھنا نہ پڑتا، اور جہنمیوں میں سے نہ ہوتے۔ اس طرح وہ اپنے جرم کا اعتراف کریں گے لیکن کافروں کا یہ اعترافِ کفر اُن کے کچھ کام نہ آئے گا، اس لئے اعلان کر دیا جائے گا کہ یہ اہل دوزخ دفع ہو جائیں۔ پھر فرشتے دھکیل کر اُن کو جہنم میں ڈال دیں گے۔

اللہ سے ڈرنے والوں کو خوشخبری

۱۲۔۱۵: اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۞
وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞
اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۞ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ ۞

جو لوگ بن دیکھے اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں تو اُن کے لئے بخشش اور بڑا اجر ہے اور تم اپنی بات پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو۔ بے شک وہ دلوں کی بات بھی خوب جانتا ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا حالانکہ وہ باریک بین خوب باخبر ہے۔ اُسی نے زمین کو تمہارے لئے پست (فرش) بنایا تاکہ تم اُس کے راستوں میں چلتے پھرتے رہو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ اور اسی کے پاس دوبارہ زندہ ہو کر جانا ہے۔

مَنَاكِبِهَا: اُس کے راستے، اُس کے کندھے۔ واحد مَنْكِبٌ۔

اَلنُّشُوْرُ: زندہ ہونا، اُٹھ کھڑا ہونا۔ مصدر۔

تشریح: جن لوگوں نے اللہ کو دیکھا نہیں مگر اُس پر اور اُس کی صفات پر ایمان رکھتے ہیں اور اُس کی عظمت و جلال کے تصور سے لرزتے ہیں، اور اللہ کے خوف سے اُس کی نافرمانی کا کوئی کام نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی اُن کے گناہ معاف فرما دے گا اور ان کو بڑا ثواب اور بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ اے لوگو! تمہارا چپکے چپکے باتیں کرنا یا بلند آواز سے بولنا، علمِ الٰہی میں دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ دونوں سے خوب واقف ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ تو دلوں میں آنے والے خیالات و خطرات سے بھی واقف ہے۔ کیا خالق بھی بے خبر ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے جس نے سینوں کو اور سینوں کے اندرونی خیالات کو بلکہ ہر چیز کو پیدا کیا وہ قلبی اسرار سے ناواقف نہیں ہو سکتا۔ وہ بہت ہی لطیف، باریک بین اور مخلوق کے احوال سے پوری طرح باخبر ہے۔

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو ایسا مسخر کر دیا کہ وہ سکون سے ٹھہری ہوئی ہے اور ہل جل کر تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاتی۔ اس میں چشمے جاری کر دیئے تاکہ اس سے پھل اور

اناج اُگ سکیں اور تمہارے لئے اس میں راستے بنادیئے تاکہ تم آسانی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکو اور اس کے رزق میں سے کھاؤ جو اس نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کیا ہے اور اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ یاد رکھو دوبارہ زندہ ہو کر تمہیں اُسی کی طرف لوٹنا اور میدانِ حشر میں جمع ہونا ہے۔

کافروں کو عذاب کی تہدید

۱۶۔۱۹: ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ۘؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۚ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ۝

کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ آسمان والا تمہیں زمین میں دھنسا دے۔ پھر وہ (زمین) لرزنے لگے۔ کیا تمہیں اس بات کا خوف نہیں کہ آسمان والا تم پر پتھر برسا دے، پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا میرا ڈرانا کیسا ہے۔ اور ان سے پہلے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں، سو (دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا۔ کیا اُنہوں نے اپنے اُوپر پرندوں کو پر پھیلائے (اُڑتے ہوئے) نہیں دیکھا جو کبھی اپنے پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ اُن کو رحمٰن کے سوا کوئی تھامے ہوئے نہیں۔ بے شک ہر چیز اُس کی نگاہ میں ہے۔

يَخْسِفَ: وہ دھنسا دے گا۔ خَسْفٌ سے مضارع۔

تَمُوْرُ: وہ لرزتی ہے، وہ تھرتھراتی ہے، وہ پھٹتی ہے۔ مَوْرٌ سے مضارع۔

حَاصِبًا: پتھروں کی بارش کرنے والی تیز ہوا، سخت آندھی۔ حَصْبٌ سے اسمِ فاعل۔

نَكِيْرِ: میرا عذاب، بدل ڈالنا۔

يقبضن: وہ سمیٹتی ہیں۔ وہ بند کرتی ہیں، وہ سکیڑتی ہیں۔ قَبْضٌ سے مضارع۔

يُمْسِكُهُنَّ: وہ اُن کو روکتا ہے، وہ اُن کو تھامتا ہے۔ اِمْسَاكٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ دُنیا میں طرح طرح کے عذاب بھیجنے پر قادر ہے لیکن وہ اپنے حلم وعفو کی بنا پر ایسا

نہیں کرتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝ (فاطر:۴۵)

اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اُن کی برائیوں پر پکڑ لیتا تو روئے زمین پر کسی کو باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ایک مقررہ وقت تک اُنہیں مہلت دیئے ہوئے ہے۔ جب اُن کا وہ مقررہ وقت آ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے مجرم بندوں سے خود سمجھ لے گا۔

اگر چہ زمین تمہارے لئے مسخر کر دی گئی ہے مگر اس پر حکومت اُسی آسمان والے کی ہے، اگر وہ چاہے تو تمہیں اس زمین میں دھنسا دے اور اس میں اچانک لرزہ پیدا کر دے اور تم اس کے اندر اُترتے چلے جاؤ، بے شک تم زمین پر چلو پھرو، روزی کماؤ مگر اللہ کو نہ بھولو، ورنہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر ایک سخت آندھی بھیج دے یا پتھروں کی بارش کر دے۔ اُس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری دھمکیوں اور نہ ماننے کا کیا انجام ہوتا ہے۔ پہلے لوگوں نے بھی میرے احکام کا انکار اور اُن کی تکذیب کی تھی، سو دیکھ لو کہ اُن کا کیسا برا اور عبرت ناک انجام ہوا۔ اس سلسلے میں عاد و ثمود اور قومِ لوط وغیرہ کی تاریخ اہلِ عرب کے سامنے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی اور اُس کی قدرت وعظمت کی گواہی فضا میں اُڑتے ہوئے پرندے بھی دے رہے ہیں۔ کیا اُنہوں نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو ان کے اوپر بازو پھیلائے ہوئے اُڑتے ہیں۔ کیا ان پرندوں کو اللہ کے سوا کوئی اور تھامے ہوئے ہے۔ اللہ ہی نے ہواؤں کو ان کے لئے مسخر کر رکھا ہے اور یہ اس میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ بے شک وہ پروردگار جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا ہے ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (ابن کثیر: ۴/۳۹۸، عثمانی: ۲/۷۱۲)

مومن اور کافر کی مثال

۲۰۔۲۲: اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۝ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۝ اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

بھلا تمہارا وہ کون سا لشکر ہے جو اللہ کے مقابلے میں تمہاری مدد کرے گا۔ کافر تو سراسر دھوکے میں ہیں۔ اگر وہ (اللہ) اپنا رزق روک لے تو بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے گا۔ بلکہ یہ لوگ سرکشی اور نفرت پر جمے ہوئے ہیں۔
بھلا جو شخص اندھا ہو کر منہ کے بل چلتا ہے وہ سیدھی راہ پر ہوگا یا وہ جو سیدھا ایک ہموار راستے پر چلا جارہا ہے۔

جُنْدٌ: لشکر، فوج۔ جمع جُنُوْدٌ۔

غُرُوْرٍ: فریب، دھوکہ، جھوٹا وعدہ۔ مصدر ہے۔

لَجُّوْا: اُنہوں نے اصرار کیا، وہ اڑے رہے، وہ جمے رہے۔ لَجَاجٌ سے ماضی۔

عُتُوٍّ: سرکشی کرنا، نافرمانی کرنا۔ مصدر ہے۔

نُفُوْرٍ: نفرت کرنا، فرار ہونا، بھاگنا۔ مصدر ہے۔

مُكِبًّا: منہ کے بل گرتا ہوا، اوندھا۔ اِكْبَابٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: مشرکوں کا عقیدہ تھا کہ جن بتوں کی وہ عبادت کرتے ہیں وہ اُن کی مدد کر سکتے ہیں اور ان کو رزق پہنچا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس عقیدے کی تردید میں فرمایا کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا نہ تو کوئی مدد دے سکتا ہے، نہ روزی پہنچا سکتا ہے، اور نہ کسی مصیبت سے بچا سکتا ہے۔ کوئی لشکر ایسا نہیں جو اللہ کے مقابلے میں ان مشرکین کی حمایت کر سکے اور اللہ کے بھیجے ہوئے عذاب کو دفع کر سکے۔ یہ لوگ محض دھوکے میں ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا رزق روک لے تو کوئی بھی اسے جاری نہیں کر سکتا۔ رزق دینے اور روکنے پر، پیدا کرنے اور فنا کرنے پر، مدد کرنے اور مصیبت لانے پر اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے لیکن یہ کفار اپنی کج روی اور سرکشی پر اڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان کا انجام ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

پھر فرمایا کہ کافر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ناہموار راستے پر اوندھا ہو کر منہ کے بل چل رہا ہو۔ نہ اُسے راستہ دکھائی دیتا ہے اور نہ اُسے منزل کا پتا ہے بلکہ حیران و پریشان راستہ بھولا ہوا اور ہکا بکا ہے۔ اس کے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔

بخاری و مسلمؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کافر کو منہ کے بل کیسے چلایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ اللہ جو دنیا میں پیروں سے چلاتا ہے قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں؟ (مظہری: ۱۰/۲۷)

۰ اس کے برعکس مومن کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی صاف اور سیدھے راستے پر آدمیوں کی طرح سیدھا کھڑا ہو کر صحیح اور اچھی چال سے چل رہا ہو اور وہ راستے کو بھی جانتا ہو۔ ظاہر ہے ایسا ہی شخص منزلِ مقصود تک پہنچے گا۔ قیامت کے روز کافروں کا یہی حال ہوگا کہ وہ اوندھے منہ جہنم کی طرف جمع کیے جائیں گے اور مومن عزت کے ساتھ جنت میں پہنچائے جائیں گے۔

قیامت کا علم

۲۳۔۲۷: قُلْ هُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـــــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اُسی نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے۔ تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ اُسی نے تمہیں زمین پر پھیلایا اور تم اُسی کے پاس اکٹھے کیے جاؤ گے۔ وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو (تو بتاؤ) وہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا۔ آپ کہہ دیجئے کہ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔ میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔ پھر جب وہ اس وعدے (کے وقت) کو قریب آتا دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور (ان سے) کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کو تم مانگا کرتے تھے۔

اَنْشَاَ: اُس نے پیدا کیا، اُس نے پرورش کی۔ اِنْشَاءٌ سے ماضی۔

اَفْئِدَةٌ: دل، قلوب۔ واحد فُؤَادٌ۔

ذَرَءَ: اُس نے پیدا کیا۔ اُس نے پھیلایا۔ ذَرْءٌ سے ماضی۔

زُلْفَةٌ: نزدیک، قریب، درجہ، گھڑی۔

سِیْئَتْ: وہ بدشکل کر دی گئی۔ سُوْءٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو وہی وحدہٗ لاشریک ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا جب تم کچھ نہ تھے، تمہیں رُشد و ہدایت اور نصیحت کی باتیں سننے کے لئے کان دیئے، قدرتِ الٰہی کی نشانیاں دیکھنے کے لئے آنکھیں دیں اور غور و فکر اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے دل دیئے لیکن ایسے شکرگزار بہت کم ہیں جو ان قوتوں کو ٹھیک مصرف میں لگاتے اور اُس کی اطاعت و فرماں برداری میں خرچ کرتے ہیں۔ اگر یہ مشرکین و منکرین اس پر بھی قبولِ حق کی طرف مائل نہ ہوں تو پھر آپ کہہ دیجئے کہ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہیں زمین پر پھیلایا اور اس کے مختلف خطوں اور علاقوں میں آباد کیا۔ پھر اس پراگندگی اور انتشار کے بعد ایک وقت آئے گا کہ تم سب کو جمع کر کے اس کے سامنے لا کھڑا کیا جائے گا۔ جس طرح اُس نے تمہیں زمین میں ادھر اُدھر پھیلایا ہے، اسی طرح وہ سب کو سمیٹ کر اکٹھا کر لے گا۔ جس طرح اُس نے پہلی بار پیدا کیا تھا اُسی طرح مرنے کے بعد زندہ کر کے اُٹھائے گا۔

پھر فرمایا کہ کافر مر کر دوبارہ زندہ ہونے کو نہیں مانتے، اسی لئے وہ دوسری زندگی کو محال سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے ہیں تو بتاؤ کہ وہ قیامت کب آئے گی جس کی آپ ہمیں خبر دے رہے ہیں۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کا علم تو صرف علام الغیوب ہی کو ہے۔ میرا کام تو صرف تمہیں اُس دن کی ہولناکیوں سے خبردار کرنا ہے۔ سو میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ اب تو تم جلدی مچا رہے ہو مگر جب قیامت قائم ہونے لگے گی اور کفار اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو بڑے بڑے سرکشوں کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور وہ حواس باختہ ہو جائیں گے۔ اُس وقت اُن سے کہا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی کر رہے تھے۔

اللہ پر ایمان و بھروسہ

۲۸۔۳۰: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھ والوں کو ہلاک

مَنْ هُوَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝

کرے یا ہم پر مہربانی کرے تو وہ کون ہے جو کافروں کو دردناک عذاب سے بچا سکے۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ رحمان ہے، ہم اُسی پر ایمان لائے اور اُسی پر ہمارا بھروسہ ہے، سوعن قریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اچھا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو وہ کون ہے جو تمہارے پاس صاف پانی لے آئے۔

يُجِيْرُ: وہ حفاظت کرتا ہے، وہ پناہ دیتا ہے۔ اِجَارَۃ سے مضارع۔

غَوْرًا: خشک ہونا، جذب ہونا، نیچے چلے جانا۔ مصدر بہ معنی فاعل۔

مَعِيْنٍ: بہتا ہوا، آبِ رواں، جاری، چشمہ۔ عَيْنٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: آپ ﷺ ان مشرکوں کو کہہ دیجئے کہ تم جو میری اور میرے ساتھیوں کی موت کے متمنی ہو، اس سے تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، اور نہ اس سے تمہاری نجات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا جو عذاب کافروں اور منکروں پر ہونے والا ہے اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا اور اسی طرح اس کے جو انعامات اور مہربانیاں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے ساتھیوں پر ہونے والی ہیں ان کو بھی کوئی نہیں روک سکتا۔ عذابِ الٰہی سے بچنے کی صورت تو یہ ہے کہ تم اپنے گناہوں اور خطاؤں سے توبہ کرو، اللہ اور اس کے رسول پر خلوصِ دل سے ایمان لاؤ، اُس کے احکام بجالاؤ اور منہیات سے رُک جاؤ۔

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ رحمٰن تو وہی ہے جس پر ہم ایمان لائے اور جس پر ہم نے بھروسہ کیا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہی ہدایت و کامیابی ہے۔ تم اس دولت سے محروم ہو، نہ تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے اور نہ بھروسہ اس لئے تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ ہم دونوں میں سے کون کھلی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اور آخرت کی فلاح و بہبود کس کو حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا کہ زندگی اور موت کے تمام اسباب اُسی ذاتِ واحد کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اس پانی ہی کو لے لو جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ اگر زمین چشموں اور کنوؤں کے پانی کو روک لے اور اُس کو نکلنے ہی نہ دے، اگرچہ تم کھودتے کھودتے تھک جاؤ تو اللہ کے سوا کون اس پر قادر ہے جو تمہیں بہنے والا اور جاری پانی دے سکے۔ وہی اپنے فضل و کرم سے صاف و شفاف پانی زمین پر جاری کرتا ہے جس سے بندوں کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔

سورۃ القلم

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ ''قلم'' سے ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام القلم ہے۔ اس کو سورۃ ''ن'' بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۲ آیتیں، ۳۰۰ کلمات اور ۱۲۵۶ حروف ہیں۔ حسن بصری، عکرمہ، عطا و جابر بن زید نے کہا ہے کہ یہ مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت، کا اثبات، مشرکین و منکرین کے شبہات واعتراضات کا جواب ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: آپ کا خلقِ عظیم اور ایک کافر کے اوصاف مذکور ہیں۔ پھر اہل مکہ اور باغ والوں کی آزمائش کا بیان ہے۔

رکوع ۲: کفار کی خوش فہمی کا جواب اور اہل نفاق کی سجدے سے محرومی کا بیان ہے۔ آخر میں کفار کا غیظ وغضب میں آنا مذکور ہے۔

آپ (ﷺ) کا خلق عظیم

۱۔۷: نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۞ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۞
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۞ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۞
فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۞ بِاَيِّىكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۞ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ
ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۞

اور قسم ہے قلم کی اور اس کے لکھنے کی، آپ اپنے رب کی عنایت سے دیوانے

نہیں اور آپ کے لئے تو بے انتہا اجر ہے اور یقیناً آپ کا خلق عظیم الشان ہے۔ سو عن قریب آپ بھی دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

یَسْطُرُوْنَ: وہ لکھتے ہیں۔ سَطْرٌ سے مضارع۔

مَمْنُوْنٍ: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔ مَنٌّ سے اسمِ مفعول۔

مَفْتُوْنُ: فتنہ، جنون، دیوانہ۔ فَتْنٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: یہاں قلم سے مراد عام قلم بھی ہوسکتا ہے۔ جس میں قلمِ تقدیر، فرشتوں اور انسانوں کے قلم جن سے کچھ لکھا جاتا ہے سب داخل ہیں اور اس سے خاص قلمِ تقدیر بھی مراد ہوسکتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیر کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا۔

بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے قلمِ تقدیر پیدا فرمایا جس نے تمام کائنات اور مخلوق کی تقدیریں لکھ دیں۔ پھر دوسرا قلم پیدا فرمایا جس سے زمین پر بسنے والے لکھتے ہیں اور لکھیں گے۔ اس دوسرے قلم کا ذکر سورۂ علق میں (علم بالقلم) آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھا کر فرمایا کہ آپ اپنے رب کی نعمت اور فضل سے دیوانے نہیں ہیں بلکہ تمام دنیا کے انسانوں میں سب سے زیادہ علم و حکمت اور عقل و دانائی کے مالک ہیں۔ جس شخص کو فضلِ الٰہی سے عقل و حکمت، دانائی اور دوسرے کمالات حاصل ہوں اس کو دیوانہ کہنے والا خود دیوانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں مایسطرون کے لفظ سے، دنیا کی تاریخ میں جو کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے اس کو شہادت کے طور پر پیش کیا ہے کہ دنیا کی تاریخ کو دیکھو۔ ایسے اعلیٰ اخلاق و اعمال والے کہیں دیوانے ہوتے ہیں۔ وہ تو دوسروں کی عقل درست کرنے والے ہوتے ہیں۔

یہ مشرکینِ مکہ آپ ﷺ کے جس کام کو جنون کہہ رہے ہیں وہ تو اللہ کے نزدیک سب سے مقبول عمل ہے اس پر تو آپ کو ایسا اجرِ عظیم ملنے والا ہے جو دائمی ہوگا اور کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ کہیں کسی مجنون کو اس کے عمل پر اجر ملتا ہے۔ بلاشبہ آپ تو خلقِ عظیم کے مالک ہیں کیونکہ آپ نہایت تکلیف دہ باتیں برداشت کر لیتے ہیں جو دوسرے لوگ برداشت نہیں کر سکتے۔ بہت جلد آپ بھی دیکھ لیں گے اور

کفار و مشرکین بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے کون مجنون ہے۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہنے والوں میں سے ہزاروں لوگ اسلام قبول کر کے آپ کی اتباع و محبت کو سرمایۂ سعادت سمجھنے لگے اور بہت سے بد بخت ایسے تھے جن کو توفیق نہیں ہوئی، وہ آخرت میں تو رسوا ہوں گے ہی، دنیا میں بھی ذلیل و خوار ہوئے۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے کہ کون اُس کے راستے سے بھٹکا ہوا ہے۔ حقیقت میں کافر ہی دیوانے ہیں کیونکہ یہ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور راہِ حق سے بہک جانا ہی دیوانگی کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں سے بھی خوب واقف ہے جو کمالِ عقل کی وجہ سے کامیاب ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہنچے ہوئے ہیں۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع۔ ۵۳۱۔۵۳۳/ ۸)

ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے حسن خلق کی بدولت اُس شخص کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو ہمیشہ رات کو عبادت میں جاگتا ہو اور دن بھر روزہ رکھتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو اخلاق میں سب سے اچھا ہو۔

(مظہری: ۱۰/۳۳)

ایک کافر کے اوصافِ رذیلہ

۸۔۱۶: فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍۢ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ۝

سو آپ (ﷺ) مکذبین کی نہ مانیں وہ تو چاہتے ہیں کہ آپ ذرا نرم پڑیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں۔ آپ کسی ایسے کے کہنے میں نہ آئیں جو بہت قسمیں کھانے والا، بے وقعت ہو، طعنے باز، چغل خور ہو، بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گناہ گار ہو، سخت مزاج ہو، اس کے علاوہ بدذات ہو (یہ

سب) اس لئے کہ وہ مال واولاد رکھتا ہے۔ جب اُس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے قصے ہیں۔ ہم بہت جلد اُس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔

تُدْهِنُ: تو نرمی کرتا ہے، تو سستی کرتا ہے، تو ڈھیلا پڑتا ہے۔ اِدْهَانٌ سے مضارع۔

مَهِيْنٍ: ذلیل، حقیر، بے عزت۔ هُوْنٌ سے صفتِ مشبہ۔

هَمَّازٍ: بڑا عیب گو، بہت طعن کرنے والا۔ هَمْزٌ سے مبالغہ۔

مَشَّاءٍ: بہت زیادہ چلنے والا۔ مَشْيٌ سے اسمِ مبالغہ۔

نَمِيْمٍ: چغلی۔ جمع نَمَائِمُ۔

عُتُلٍّ: سخت مزاج، بدخو۔ عَتْلٌ سے مبالغہ۔

زَنِيْمٍ: زناکار، بے نصیب، بدذات۔

نَسِمُهٗ: ہم اُس کو داغ لگائیں گے۔ وَسْمٌ سے مضارع۔

خُرْطُوْمِ: ناک، سونڈ۔ جمع خَرَاطِيْمُ۔

تشریح: آپ ﷺ ان جھٹلانے والوں کی بات نہ مانئے، یہ تو چاہتے ہیں کہ اگر آپ تبلیغ دین میں کچھ نرم پڑ جائیں اور ان کو شرک و بت پرستی سے روکنا چھوڑ دیں تو یہ بھی آپ پر طعن وتشنیع اور آپ کو تکلیفیں دینا چھوڑ دیں گے، ان مکذبین کی غرض محض آپ کو ان کے بتوں کے بارے میں نرم کرنا ہے، ایمان لانا اور حق وصداقت کو قبول کرنا نہیں۔ آپ کسی ایسے شخص کی بھی بات نہ مانیں جو خوب قسمیں کھانے والا، حقیر و ذلیل انسان ہو، طعن وتشنیع کرنے والا اور لوگوں پر عیب لگانے والا ہو، چغل خوری کرتا پھرتا ہو اور ہر اچھے کام سے لوگوں کو روکتا ہو، حد سے زیادہ ظالم وسرکش اور بکثرت گناہ کرنے والا ہو، بہت قسمیں کھانے والا، کج خلق اور بخیل ہو اور ان سب صفاتِ رذیلہ کے ساتھ وہ ایسا شخص ہو جس کا نسب کسی باپ سے ثابت نہ ہو۔ اُس شخص کا غرور و تکبر اور سرکشی اس وجہ سے تھا کہ وہ بہت مال دار اور بیٹوں والا تھا۔ اُس کا غرور اور سرکشی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتیں تو وہ ان کو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کی کہانیاں بتاتا۔ اس بدبخت کو اپنی سرکشی میں یہ تک احساس نہ رہا کہ دنیا میں کسی کا دولت مند یا کثیر الاولاد ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ اس کی بات حق ہے اور وہی کامیاب ہے۔ اصل عزت وکامیابی تو انسان کے اخلاق وعادات اور کردار کی خوبی

ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم اس کی ناک پر داغ لگا دیں گے۔ ہم اُسے اس قدر رسوا کریں گے کہ اُس کی برائی کسی پر پوشیدہ نہیں رہے گی۔ ہر ایک اسے پہچان لے گا جیسے کوئی نشان زدہ ناک والے کو ہزاروں کے مجمع میں ایک نگاہ میں پہچان لیتا ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ مذکورہ بالا صفاتِ رذیلہ ولید بن مغیرہ کی ہیں۔

اہلِ مکہ اور باغ والوں کی آزمائش

۱۷۔۲۲: إِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾
وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿١٩﴾
فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ اغْدُوا عَلَىٰ حَرْثِكُمْ
إِن كُنتُمْ صَارِمِينَ ﴿٢٢﴾

بے شک ہم نے باغ والوں کی طرح اُن کی آزمائش کی ہے جب اُنہوں نے قسم کھائی تھی کہ صبح ہوتے ہی ہم اس کا پھل ضرور توڑ لیں گے اور اُنہوں نے انشاء اللہ نہیں کہا، سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ آپ کے رب کی طرف سے اُس (باغ) پر ایک آفت پھر گئی اور وہ (باغ) کٹی ہوئی کھیتی کی مانند ہو گیا۔ پھر وہ صبح کو ایک دوسرے کو پکارنے لگے، اگر تمہیں پھل توڑنا ہے تو اپنی کھیتی پر صبح سویرے چلو۔

یَصْرِمُنَّهَا: اُس کو ضرور کاٹیں گے، وہ ضرور اُس کے پھل توڑیں گے۔ صَرْمٌ سے مضارع۔

صَرِیْم: کٹی ہوئی کھیتی، ٹوٹا ہوا (پھل)۔ صَرْمٌ سے مفعول کے معنی میں۔

حَرْثِکُمْ: تمہاری کھیتی۔ مصدر ہے۔

تشریح: یہاں ان کافروں کی مثال بیان فرمائی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو جھٹلا رہے تھے۔ جس طرح ایک مخصوص باغ والوں نے اللہ کی نعمت کی ناشکری کر کے اپنے آپ کو عذابِ الٰہی سے دوچار کر لیا، اُسی طرح یہ کافر بھی اللہ کی نعمت یعنی آپ کی رسالت کا انکار کر کے اُس کی ناراضگی کے مستحق ہو گئے۔ سو ہم نے باغ والوں کی طرح اہلِ مکہ کو بھی آزمائش میں ڈال دیا۔

ہم نے باغ والوں کو اُس وقت قحط میں مبتلا کیا جب اُنہوں نے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم صبح

ہوتے ہی فقرا و مساکین کو خبر ہونے سے پہلے پہلے باغ کے پھل توڑ لیں گے اور کھیتی کاٹ لیں گے۔ اپنے منصوبے پر اُن کو اتنا یقین تھا کہ انشاء اللہ کہنے کی بھی توفیق نہ ہوئی۔ جب رات کو وہ سوئے ہوئے تھے تو آپ کے رب کی طرف سے اُس باغ پر ایک آسمانی آفت آئی اور اُس کو جلا کر رات کی تاریکی کی مانند سیاہ کر گئی اور وہاں درختوں اور کھیتی کے بجائے صاف زمین رہ گئی۔ پھر علی الصبح اندھیرے میں وہ ایک دوسرے کو آواز دے کر جگانے لگے کہ اگر کھیتی کاٹنی ہے تو سویرے سویرے چلو۔

اعترافِ حماقت

۲۳۔۳۳: فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ۝ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ۝ وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ۝ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ۝ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ ۝ عَسٰى رَبُّنَآ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

پھر وہ چپکے چپکے یہ باتیں کرتے ہوئے چلے کہ آج تمہارے پاس اُس (باغ) کے اندر کوئی محتاج نہ آنے پائے اور وہ اپنے آپ کو قادر سمجھ کر سویرے ہی لپکتے ہوئے چلے۔ پھر جب اُس کو (اس حالت میں) دیکھا تو کہنے لگے کہ یقیناً ہم راہ بھول گئے بلکہ ہماری قسمت پھوٹ گئی۔ اُن میں سے جو بہتر تھا، اُس نے کہا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے۔ بے شک ہم ہی قصور وار تھے۔ پھر وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے ہائے افسوس! یقیناً ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔ شاید ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ دے دے۔ ہم تو اب اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اسی طرح عذاب آتا ہے اور آخرت کا

عذاب تو سب سے بڑھ کر ہے۔ کاش وہ جانتے۔

اِنْطَلَقُوْا: وہ چلے۔ اِنْطِلَاقٌ سے ماضی۔

حَرْدٍ: بخیلی، تیزی اور غصے کے ساتھ روکنا، قصد کرنا۔ مصدر ہے۔

يَتَلَاوَمُوْنَ: وہ ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہیں، وہ ایک دوسرے کو الزام دیتے ہیں۔ تَلَاوُمٌ سے مضارع۔

تشریح: گھر سے نکلتے وقت اہل باغ آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے کہ کہیں کسی فقیر و مسکین کو خبر نہ ہو جائے اور پوری قوت و شدت اور غریبوں پر غصے کے ساتھ جا رہے تھے، لیکن وہاں پہنچے تو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے کہ ہرا بھرا لہلہاتا ہوا اور پھلوں سے لدا ہوا باغ جل کر کوئلہ ہو گیا تھا۔ پہلے تو یہ سمجھے کہ راستہ بھول کر کسی اور باغ میں چلے آئے پھر غور سے دیکھنے پر یقین ہو گیا کہ باغ تو ہمارا ہی ہے لیکن ہم بدقسمت ہیں۔ ہمارے نصیب میں اس کا پھل اور فائدہ نہیں۔

ان میں سے ایک درمیانی عمر کے آدمی نے جو سب سے زیادہ انصاف پسند اور سمجھ دار تھا کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم انشاءاللہ کیوں نہیں کہتے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ ہمارا رب پاک ہے، ہم ہی نے مسکینوں کا حق روک کر اپنے اُوپر ظلم کیا، پھر وہ مسکینوں کا حق روکنے پر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہائے افسوس! ہم ہی نے زیادتی کی۔ اللہ نے تو ہمیں نعمتیں عطا فرمائیں اور ہم نے اُس کا شکر ادا نہیں کیا جیسے ہمارے باپ نے کیا تھا۔ اب ہم ندامت و شرمندگی کے ساتھ توبہ کرتے ہیں اور اپنے رب کی طرف رجوع کرتے ہیں، اُمید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے گا۔ بس ہم تو اپنے رب ہی سے آرزو رکھتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کرے، اُس کی نعمتوں میں بخل کرے اور مسکینوں و محتاجوں کا حق ادا نہ کرے اور اُس کی نعمتوں کی ناشکری کرے تو اُس پر اسی طرح کا عذاب آتا ہے۔ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔ جو اس دنیوی عذاب سے کہیں زیادہ اور سخت ہوگا۔ اگر وہ یہ بات جانتے تو ایسی حماقت نہ کرتے جو اُنہوں نے کی۔

کفار کی خوش فہمی کا جواب

۳۴۔۴۱: اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ

كَالْمُجْرِمِيْنَ ۞ مَا لَكُمْ ۔ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۞ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ
تَدْرُسُوْنَ ۞ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ۞ اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا
اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۙ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ۞ سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ
زَعِيْمٌ ۞ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ ۚ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ۞

بے شک پرہیزگاروں کے لئے اُن کے رب کے پاس نعمتوں والی جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کے برابر کر دیں گے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھ لیتے ہو کہ اس میں تمہارے لئے وہ چیز (لکھی ہوئی ہو) جو تم پسند کرتے ہو۔ کیا ہم نے تمہارے لئے قیامت تک باقی رہنے والی قسمیں کھالی ہیں کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے۔ آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے کون اس کا ذمہ لیتا ہے۔ کیا ان کے معبود ہیں۔ سو ان کو چاہئے کہ وہ اپنے معبودوں کو لے آئیں، اگر سچے ہیں۔

تَخَيَّرُوْنَ: تم پسند کرتے ہو، تم اختیار کرتے ہو۔ تَخَيُّرٌ سے مضارع۔

زَعِيْمٌ: ذمے دار، ضامن، کہنے والا۔ زَعْمٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: پرہیزگاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے باغ ہیں جن کے اندر ہر قسم کی راحت و آسائش اور ایسی نعمتیں ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی کے قلب و دماغ میں ان کا تصور گزرا۔ ظاہر ہے کہ یہ کفار و مجرمین ان نعمتوں سے محروم ہوں گے۔ مشرکین مکہ نے غرور و تکبر سے اپنے دل میں یہ خیال پختہ کر رکھا تھا کہ اگر قیامت کے روز مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی بخشش و عنایت ہو گی تو اللہ تعالیٰ ہم پر ان سے زیادہ مہربان ہو گا کیونکہ اُس نے مسلمانوں کے مقابلے میں ہمیں دنیا میں بھی عیش و آرام دے رکھا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کے برابر کر دیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ بات تو عقلِ سلیم اور فطرت کے خلاف ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم یہ فیصلہ کیسے کرتے ہو، کیا تمہارے پاس اس دعوے پر کوئی لکھی ہوئی چیز ہے جس کو تم دلیل کے طور پر سنا سکو یا ایسی کوئی قابلِ اعتبار کتاب ہے جس کو سند کے طور پر پیش کر سکو اور اس میں وہی کچھ لکھا ہوا ہو جو تم چاہتے ہو اور جو تم کہہ رہے ہو یا تم سے ہمارا کوئی مضبوط وعدہ اور عہد

ہے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی ہوگا اور تمہاری بے جا اور غلط خواہشیں پوری ہو کر رہیں گی۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان سے پوچھئے کہ ان میں سے اس بات کا کون ذمے دار ہے۔ ہم بھی تو دیکھیں کہ وہ کیسا ذمہ لیتا ہے۔ اُن کے پاس عقلی یا نقلی کوئی دلیل نہیں۔ انہوں نے تو محض باطل معبودوں پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ سو اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ثبوت میں اپنے باطل معبودوں سے اپنی بے جا اور غلط خواہشیں پوری کرا کر دکھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے باطل معبود ان سے بھی زیادہ عاجز و بے بس ہیں۔ وہ ان کی مدد تو کیا کریں گے خود اپنی بھی نہیں کر سکتے۔

اہلِ ریا کی سجدے سے محرومی

۴۲۔۴۷: یَوْمَ یُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّ یُدْعَوْنَ اِلَی السُّجُوْدِ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ﴿۴۲﴾
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَ قَدْ كَانُوْا یُدْعَوْنَ اِلَی
السُّجُوْدِ وَ هُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرْنِیْ وَ مَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ
سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ اُمْلِیْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَیْدِیْ
مَتِیْنٌ ﴿۴۵﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ
الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾

جس دن پنڈلی کھولی جائے گی اور وہ سجدے کے لئے بلائے جائیں گے تو وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور اُن پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی حالانکہ وہ سجدے کے لئے (اُس وقت بھی) بلائے جاتے تھے جب وہ صحیح سالم تھے۔ سو مجھے اور انہیں جو اس کلام کو جھٹلاتے ہیں، چھوڑ دو۔ ہم انہیں آہستہ آہستہ (جہنم کی طرف) لے جا رہے ہیں کہ انہیں خبر بھی نہیں۔ میں ان کو ڈھیل دے رہا ہوں۔ بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ کیا آپ ان سے کچھ صلہ طلب کرتے ہیں کہ یہ تاوان سے دبے جا رہے ہیں یا ان کے پاس غیب کی خبر ہے کہ وہ اس کو لکھ لیتے ہیں۔

سَاقٍ: پنڈلی، ٹانگ کا وہ حصہ جو ٹخنے اور گھٹنے کے درمیان ہے۔

نَسْتَدْرِجُهُمْ: ہم ان کو بتدریج (جہنم کی طرف) لے جائیں گے، ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑتے ہیں۔ اِسْتِدْرَاجٌ سے مضارع۔

اُمْلِيْ: میں ڈھیل دوں گا۔ اِمْلَاءٌ سے مضارع۔

كَيْدِيْ: میرا مکر، میرا فریب، میری تدبیر، میری چالاکی۔

مَتِيْنٌ: مضبوط، قوی، محکم۔ مَتَانَةٌ سے صفتِ مشبہ۔

مَغْرَمٍ: جرمانہ، تاوان۔ غَرْمٌ سے مصدر میمی۔

تشریح: قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ پنڈلی کھول دے گا یعنی تجلی فرمائے گا اور اُس کی عظمت سے لوگ پہچان لیں گے کہ وہ اُن کا رب ہے، اُس وقت تمام مومنین اور مومنات سجدے میں گر پڑیں گے مگر جو دنیا میں دکھاوے کے لئے سجدہ کرتے تھے اُس وقت اُن کی کمر نہیں مڑے گی بلکہ تختے کی مانند سخت ہو جائے گی اور وہ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔ قیامت کے روز میدانِ حشر میں یہ سب کچھ اس لئے کیا جائے گا تاکہ مومن و کافر اور مخلص و منافق صاف صاف ظاہر ہو جائیں۔ اُس وقت ندامت و شرمندگی سے اُن کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ حالانکہ دنیا میں جب ان کو سجدے کے لئے بلایا جاتا تھا تو اُس وقت وہ صحیح سالم تھے اور سجدے کی قدرت رکھتے تھے لیکن بغاوت و سرکشی میں اللہ کو کبھی سجدہ نہیں کیا۔ قیامت کے روز جب اُن کی پشت لکڑی کے تختے کی مانند سخت ہو جائے گی تو اُس وقت دلی خواہش کے باوجود اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہ کر سکیں گے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے اور میرے قرآن کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دیجئے۔ ان بدبختوں سے میں خود نبٹ لوں گا اور ان کو نافرمانی کی سزا مل کر رہے گی۔ ہم ان کو آہستہ آہستہ عذاب میں گرفتار کر لیں گے۔ ابھی تو ہم ان کو مہلت دے رہے ہیں۔ پھر میں ان کو اچانک پکڑ لوں گا۔ ان کو معلوم ہی نہیں کہ میری تدبیر بہت مضبوط ہے، یہ اس سے بچ نہیں سکتے۔

پھر فرمایا کہ آپ ان سے کوئی اُجرت اور بدلہ تو طلب نہیں کر رہے کہ ان پر بھاری پڑتا ہو اور جس کے بوجھ تلے دبے جا رہے ہوں، اس لئے ایمان لانے کے لئے تیار نہیں اور نہ ان کے پاس کوئی غیبی اطلاعات ہیں جن کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہو کہ انہیں ایمان لانے کی ضرورت نہیں۔

کفار کا غیظ وغضب میں آنا

۴۸۔۵۲: فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ
مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾ لَوْلَا أَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِنْ رَبِّهِ لَنُبِذَ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ مَذْ
مُومٌ ﴿٤٩﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٥٠﴾ وَإِنْ يَكَادُ الَّذِينَ
كَفَرُوا لَيُزْلِقُونَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُولُونَ إِنَّهُ
لَمَجْنُونٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٥٢﴾

پس آپ تو اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جایئے جبکہ اُس نے غم کی حالت میں دعا کی۔ اگر آپ کے رب کی نعمت اُن کی دست گیری نہ کرتی تو وہ برے حال میں بنجر زمین پر ڈال دیئے جاتے۔ پھر اُن کے رب نے اُن کو نوازا اور ان کو صالحین میں سے کر دیا اور یقیناً یہ کافر تو چاہتے ہیں کہ اپنی تیز نگاہوں سے آپ کو پھسلا دیں۔ جب بھی یہ قرآن سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ضرور دیوانہ ہے۔ حالانکہ یہ (قرآن) تمام جہان کے لئے نصیحت ہے۔

حُوتِ: مچھلی۔ جمع حِیتَانٌ۔

مَكْظُومٌ: غمگین، غم زدہ۔ کَظْمٌ سے اسم مفعول۔

تَدَارَكَهُ: اُس نے اس کا تدارک کیا، اس نے اس کو پالیا۔ تَدَارُکٌ سے ماضی۔

نُبِذَ: وہ پسِ پشت ڈال دیا گیا، وہ پھینکا گیا۔ نَبْذٌ سے ماضی مجہول۔

عَرَاء: چٹیل میدان، بغیر گھاس کی زمین۔ جمع اَعْرَاءٌ۔

يُزْلِقُونَ: وہ پھسلا دیں گے، وہ گرا دیں گے۔ اِزْلَاقٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کی ایذا رسانی اور اُن کی تکذیب پر صبر کیجئے کیونکہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں وہ بے دلیل ہے، اللہ نے ان کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ ڈھیل ختم ہونے پر وہ اُن کی گرفت کرے گا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے آپ اس پر صبر کیجئے آخرکار آپ کو اور آپ کی

اتباع کرنے والوں ہی کو غلبہ حاصل ہوگا۔ آپ ان مکذبین کے معاملے میں مچھلی والے نبی حضرت یونس علیہ السلام کی طرح تنگ دلی اور غصے کا اظہار نہ کیجئے جبکہ وہ اپنی قوم کی مسلسل نافرمانی پر دل برداشتہ ہوکر غصے میں بستی سے نکل کھڑے ہوئے تھے اور قوم کے حق میں عذاب کی دعا کی بلکہ پیشین گوئی بھی کر دی تھی۔ جب قوم پر عذاب نازل نہ ہوا اور اُن کی بات غلط ثابت ہوگئی تو قوم کے سامنے جانے سے کترائے اور سمندر پر پہنچ کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو بیچ سمندر میں پہنچ کر ٹھہر گئی، نہ آگے چلتی تھی اور نہ پیچھے ہٹتی تھی۔ ملاحوں نے اپنے عقیدے کے مطابق کہا کہ کشتی میں کوئی اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام ہے اس لئے کشتی نہیں چلتی۔ پھر ملاحوں نے قرعہ ڈالا تو حضرت یونس کے نام نکلا۔ یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام نے خود ہی اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیا۔ اُسی وقت اللہ کے حکم سے ایک مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ پھر آپ نے مچھلی کے پیٹ میں ہی اللہ کی تسبیح پڑھی اور اُس کی برکت سے اُن کی دعا قبول ہوئی اور اس مصیبت سے نجات پائی (مزید تفصیل سورۂ یونس اور سورۃ الصفت میں دیکھئے)۔

پھر فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور مہربانی اُن پر نہ ہوتی تو وہ اسی چٹیل میدان میں برے حال میں پڑے رہتے جہاں مچھلی کے پیٹ سے نکال کر ڈالے گئے تھے اور وہ کمالات و کرامات باقی نہ رہتے جو محض اللہ کی مہربانی سے اس ابتلا کے وقت میں بھی باقی رہے مگر یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اُس نے اُن کی توبہ قبول کی، اُن کو اپنی گراں قدر نعمتوں سے نوازا اور اُن کو پھر سے نیک اور برگزیدہ لوگوں میں سے بنادیا۔ اور اُن کے مراتب و درجات مزید بلند کر دیئے۔ یہ مشرکینِ مکہ آپ کو غضب ناک اور ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ کو اپنی جگہ اور مقام سے ہٹادیں۔ جب وہ اللہ کا قرآن اور ذکرِ الٰہی سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے اس کی کوئی بات قابلِ التفات نہیں، حالانکہ قرآن تو تمام جہانوں کے لئے پیغامِ نصیحت ہے اور فلاح کا ذریعہ ہے۔ اس کی ایک ایک آیت حکمتوں اور نصیحتوں سے لبریز ہے۔ بھلا ایسے کلام کو پیش کرنے والا دیوانہ ہوسکتا ہے۔ یقیناً ایسا کہنے والے ہی دیوانے ہیں۔

سورۃ الحاقہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ الحاقہ سے ہوئی ہے اور یہ اسی نام سے مشہور ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۲ آیات، ۲۶۰ کلمات اور ۱۰۶۴ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیر نے کہا کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ سب علما کا یہی قول ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز میں سورۃ الحاقہ اور اسی طرح کی دوسری سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ (مواہب الرحمٰن: ۶۰ / ۲۹)
اس سورت میں بھی عقیدۂ توحید، قیامت کے ہولناک احوال اور قرآنِ کریم کی صداقت وحقانیت کا بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: معذب قوموں کی ہلاکت کا احوال اور قیامت کے روز آسمان کا پھٹ جانا مذکور ہے۔ آخر میں قیامت کے دن کفار کی حسرت وندامت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: اس میں عظمتِ قرآن کا بیان ہے۔

عاد وثمود کی ہلاکت

۱۔۸: اَلْحَآقَّةُ ۝ مَا الْحَآقَّةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝

وہ حق ہونے والی (قیامت)۔ کیا ہے وہ حق ہونے والی اور تجھے کیا معلوم وہ

حق ہونے والی کیا ہے۔ثمود اور عاد نے کھڑ کھڑا دینے والی کو جھٹلایا تھا، سو ثمود
تو ایک زور کی آواز سے ہلاک کر دیئے گئے اور عاد تند و تیز ہوا سے ہلاک
ہوئے، جو ان پر سات رات اور آٹھ دن لگا تار مسلط رہی (اے مخاطب) تو
اس قوم کو اس طرح گرے ہوئے دیکھتا گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں۔ کیا
تو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے۔

اَلْحَاقَّةُ: حق ہونے والی (قیامت)، ثابت ہونے والی، نہ ٹلنے والی مصیبت۔ حَقٌّ سے اسم فاعل۔

اَلْقَارِعَةِ: قیامت، بڑا حادثہ، کھڑ کھڑا دینے والی۔ قَرْعٌ سے اسم فاعل۔

صَرْصَرٍ: نہایت تند و تیز آندھی، سخت ٹھنڈک۔ جمع صَرَاصِرٌ۔

عَاتِيَةٍ: تیز، نافرمان، سرکش، حد سے نکل جانے والی۔ عُتُوٌّ سے اسم فاعل۔

حُسُوْمًا: لگا تار، پے در پے، جڑ کاٹنے والی، منحوس۔ مصدر بھی ہے اور حَسْمٌ سے اسم فاعل بھی۔

صَرْعٰى: زمین پر گرے ہوئے۔ بیہوش۔

اَعْجَازُ: (درختوں کے) تنے۔ واحد عَجُزٌ۔

خَاوِيَةٍ: کھوکھلے۔ گرے ہوئے۔ خَوَاءٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: قرآنِ کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں۔ ان ہی میں سے حاقہ (حق اور ثابت) اور قارعہ (کھڑ کھڑانے والی) بھی ہیں۔ قیامت چونکہ حق ہے، امرِ واقعہ ہے اور اس کے وقوع میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں، اس لئے اس کو حاقہ کہا گیا یا اس وجہ سے اس کو حاقہ کہا گیا کہ اُس روز تمام اُمور کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ پس قیامت ایسی ہول ناک چیز ہے کہ کوئی بھی اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود اور حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد نے قیامت کو جھٹلایا تھا جو تمام زمین، آسمان، چاند، سورج، پہاڑوں اور انسانوں کو کوٹ کر رکھ دے گی اور سخت سے سخت مخلوق کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔ سو دیکھ لو دونوں کا انجام کیا ہوا۔ پس ثمود کو تو ایک سخت بھونچال سے تہ و بالا کر دیا گیا جو ایک نہایت ہی سخت آواز کے ساتھ آیا اور عاد کے لوگ اس دعوے کے باوجود کہ ہم سے زیادہ طاقت ور کون ہے (من اشد منا قوۃ۔ حم السجدہ: ۱۵) ہماری شدید ٹھنڈی ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے اور اپنے ڈیل ڈول اور قوت کے ہوتے ہوئے ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے گویا کھجور کے کھوکھلے اور بے جان تنے ہیں، جن کے سر اُوپر سے کٹ گئے ہوں۔ یہ ہوا اُن پر

لگا تار سات رات اور آٹھ دن تک مسلط رہی اور یہ قومیں صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹادی گئیں کہ اُن کا
بیج بھی باقی نہ رہا۔ (عثمانی: ۲۲۷،۳۲۷/۲، مظہری: ۴۸، ۱۰/۵۰)

قیامت کی منکر قوموں کا انجام

۹۔۱۲: وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ
فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي
الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝

فرعون اور اس سے پہلے کے لوگوں اور جن کی بستیاں اُلٹ دی گئیں، اُنہوں نے بھی خطائیں کیں۔ سو اُنہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے اُن کو بہت سخت پکڑا۔ بے شک جب پانی میں طغیانی آ گئی تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کر لیا تاکہ ہم اس کو تمہارے لئے یادگار بنادیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

مُؤْتَفِكٰتُ: اُلٹی ہوئی۔ منقلب۔ اِئْتِفَاكٌ سے اسم فاعل بمعنی مفعول۔

رَابِيَةً: سخت، بلند، بڑھا ہوا۔ رَبْوٌ سے اسم فاعل۔

تَعِيَهَا: وہ اس پر نگاہ رکھے، وہ اس کو یاد رکھے۔ وَعْیٌ سے مضارع۔

وَاعِيَةٌ: یاد رکھنے والی مراد کان، محفوظ رکھنے والی۔ وَعْیٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: عاد و ثمود کے بعد فرعون بہت بڑھ چڑھ کر باتیں بناتا ہوا آیا اور اس سے پہلے بھی کئی خطاکار قومیں آئیں، مثلاً قوم نوح، قوم شعیب اور قوم لوط جن کی بستیاں اُلٹ دی گئی تھیں۔ ان سب قوموں نے اپنے اپنے پیغمبر کی نافرمانی کی اور ان کو جھٹلایا۔ آخر اللہ نے سب کو بڑے سخت عذاب میں پکڑ لیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب پانی کا طوفان آیا تو ظاہری اسباب کے اعتبار سے کوئی انسان بھی زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔ یہ تو ہماری قدرت و حکمت اور انعام و احسان تھا کہ سب منکرین کو غرق کر کے حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو کشتی میں سوار کر کے پانی میں غرق ہونے سے بچالیا تاکہ لوگ رہتی دنیا تک اس واقعے سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے

رہیں اور معقول بات سن کر سمجھنے اور یاد رکھنے والے بھی اس کو یاد رکھیں کہ جس طرح دنیا میں فرماں برداروں کو نافرمانوں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح قیامت کے ہولناک حاقہ میں بھی فرماں برداروں اور نافرمانوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ معاملہ ہوگا۔ (عثمانی: ۲/۲۳۷، مظہری: ۱۰/۵۰)

قیامت کے دن آسمان کا پھٹ جانا

۱۳۔۱۸: فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَاحِدَةٌ ۝ وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ۝ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝ وَانْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ۝ وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ۝ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝

پھر جب صور میں ایک بار پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑ اُٹھا لئے جائیں گے اور ایک ہی چوٹ میں دونوں ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے تو اُس دن واقع ہونے والی (قیامت) واقع ہو جائے گی اور آسمان پھٹ جائے گا، پھر اُس دن وہ بالکل کمزور ہو جائے گا اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور آٹھ (فرشتے) آپ کے رب کا عرش اپنے اوپر اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اُس دن تم سب اللہ کے سامنے پیش کئے جاؤ گے۔ تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔

دَكَّةً: ایک دم ریزہ ریزہ کر دینا، توڑنا۔ مصدر برائے مرۃ۔

وَاهِيَةٌ: سست، کمزور۔ وَهْیٌ سے اسم فاعل۔

اَرْجَائِهَا: اس کے کنارے۔ واحد رَجَاءٌ۔

تشریح: جب صور میں جو ایک سینگ کی مانند ہوگا، ایک پھونک ماری جائے گی اور زمین اور پہاڑوں کو ان کی جگہ سے اُٹھا لیا جائے گا اور زمین اپنی قوت و مضبوطی اور پہاڑ اپنی عظمت و پختگی کے باوجود کوٹ پیٹ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے، تو اُس وقت دنیا ختم ہو جائے گی اور قیامت واقع ہو جائے گی۔ جو آسمان آج اس قدر مضبوط و محکم ہے کہ لاکھوں سال گزرنے پر بھی اس میں کہیں ذرا

سا شگاف نہیں پڑا، اُس روز پھٹ کر ٹکڑ ے ٹکڑ ے ہو جائے گا۔ جس وقت وہ درمیان سے پھٹنا شروع ہوگا تو فرشتے اس کے کناروں پر چلے جائیں گے۔ اُس روز اللہ تعالیٰ کے عرش کو آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہوں گے۔ پھر نفخۂ ثانی کے بعد لوگ اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر کئے جائیں گے اور کسی کی کوئی بدی یا نیکی تو کیا کوئی معمولی سے معمولی حرکت بھی چھپی ہوئی نہ رہے گی، سب منظرِ عام پر آ جائے گی۔

اعمال نامے کا دائیں ہاتھ میں ملنا

۱۹۔۲۴: فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَٰبَهُۥ بِيَمِينِهِۦ فَيَقُولُ هَآؤُمُ ٱقْرَءُوا۟ كِتَٰبِيَهْ ۝ إِنِّى ظَنَنتُ أَنِّى مُلَٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝ فَهُوَ فِى عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ فِى جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ هَنِيٓـًٔۢا بِمَآ أَسْلَفْتُمْ فِى ٱلْأَيَّامِ ٱلْخَالِيَةِ ۝

پھر جس کو اس کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ (خوشی سے) کہے گا، لو میرا اعمال نامہ پڑھو۔ مجھے یقین تھا کہ (ایک دن) مجھے حساب ملنا ہے۔ پس وہ پسندیدہ عیش میں ہوگا، عالی شان جنت میں جس کے میوے جھکے پڑے ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ پیو ان کاموں کے صلے میں جو تم نے گزشتہ زمانے میں کئے تھے۔

هَاؤُمُ: تم لو، تم پکڑو۔ اسم فعل۔

قُطُوفُها: اس کے پھل، اس کے میوے، اس کے خوشے۔ واحد قِطْفٌ۔

دَانِيَةٌ: نزدیک، جھکنے والی۔

هَنِيئًا: خوش مزہ، پاکیزہ، زود ہضم۔ هَنَاءٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: قیامت کے روز جس کا اعمال نامہ اُس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوشی کے مارے اپنا اعمال نامہ ہر ایک کو دکھاتا اور پڑھواتا پھرے گا اور کہے گا کہ میرے رب نے مجھ پر کیسا عظیم انعام و احسان فرما دیا۔ میرا تو پہلے ہی سے گمان تھا کہ میرے اعمال کا حساب ہوگا اور اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل سے نوازے گا۔ اسی لئے میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا رہتا تھا۔

پھر فرمایا کہ جس کو دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا گیا وہ خوشی اور عیش و آرام کے ساتھ نہایت بلند اور عظیم المرتبت باغ میں ہوگا جس کے خوشے اور پھل اس پر جھکے ہوئے ہوں گے تا کہ ان کو حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔ اس حالت میں اہل جنت سے کہا جائے گا کہ تم نے دنیا میں اللہ کے لئے اپنے نفس کی خواہشوں کو روکا تھا اور بھوک پیاس کی تکلیفیں اُٹھائی تھیں اس لئے آج کوئی روک ٹوک نہیں، خوشی سے خوب سیر ہو کر کھاؤ پیو۔ اب نہ یہ نعمتیں کبھی کم ہوں گی اور نہ ان سے پیٹ میں کسی گرانی کا اندیشہ ہے۔ یہ سب تمہارے گزشتہ زمانے میں کئے ہوئے ان اعمال کا صلہ ہے جو تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دنیا میں کرتے تھے۔

اعمال نامے کا بائیں ہاتھ میں ملنا

۲۵۔۲۹: وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِیَهْ ۝ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ ۝ یٰلَیْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِیَةَ ۝ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّیْ مَالِیَهْ ۝ هَلَكَ عَنِّیْ سُلْطٰنِیَهْ ۝

اور جس کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ کہے گا کاش مجھے میرا اعمال نامہ دیا ہی نہ جاتا اور مجھے خبر ہی نہ ہوتی کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش موت ہی میرا کام تمام کر دیتی۔ میرا مال بھی میرے کام نہ آیا۔ میری حکومت بھی مجھ سے جاتی رہی۔

الْقَاضِیَةَ: ختم کر دینے والی، کام تمام کر دینے والی۔ قَضَاءٌ سے اسمِ فاعل۔

سُلْطٰنِیَهْ: میری حکومت، میری قوت، میرا غلبہ۔

تشریح: جس کے بائیں ہاتھ کو اُس کی پشت کے پیچھے کر کے اُس کا نامۂ اعمال اُس میں دیا جائے گا تو وہ اپنے اعمال بد اور اُن کا برا انجام دیکھ کر حسرت و پشیمانی کے عالم میں کہے گا، کاش میرا اعمال نامہ مجھے نہ دیا جاتا اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش موت میرا قصہ ہمیشہ کے لئے تمام کر دیتی اور میرا نام و نشان ہی مٹ جاتا اور یہ عذاب و ہلاکت کی نوبت ہی نہ آتی۔ افسوس میرا وہ مال و دولت اور جاہ و حکومت اور اولاد و خدام بھی کچھ کام نہ آئے، جن پر مجھے بھروسہ اور گھمنڈ تھا اور میں سمجھتا تھا کہ جو بھی مصیبت آئے گی، میں اپنی دولت، اولاد اور خدام کے ذریعے اس سے بچ جاؤں گا۔ آج ان میں سے

کسی چیز کا پتہ نہیں، سب غائب ہیں۔اب نہ میری کوئی دلیل چلتی ہے اور نہ معذرت کی گنجائش ہے۔

نافرمانوں کا انجام

۳۰۔۳۷: خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۝ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۝ لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ۝

(پھر حکم ہوگا) اس کو پکڑ لو اور طوق پہناؤ۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو پھر اس کو ایک ایسی زنجیر میں جکڑ دو جس کا طول ستر گز ہے کیونکہ یہ خدائے عظیم پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور نہ مسکین کو کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔ سو آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں اور نہ اس کے لئے کوئی کھانا ہے سوائے پیپ کے جس کو گناہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

غُلُّوْهُ: تم اس کو باندھ دو، تم اس کو طوق پہناؤ۔ غلّ سے امر۔

سِلْسِلَةٍ: زنجیر۔ جمع سَلَاسِلُ۔

ذَرْعُهَا: اس کی پیمائش، اس کی لمبائی، اس کی طاقت۔

ذِرَاعًا: گز، ہاتھ (کہنی سے لے کر بیچ کی انگلی کے سرے تک)۔ جمع اَذْرُعٌ۔

يَحُضُّ: وہ آمادہ کرتا ہے، وہ ترغیب دیتا ہے، وہ تاکید کرتا ہے۔ حَضٌّ سے مضارع۔

حَمِيْمٌ: دلی دوست، غم کھانے والا۔

غِسْلِيْنٍ: پیپ، دوزخیوں کے زخموں کا دھوون۔

تشریح: اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں لینے والا حسرت و پشیمانی کے عالم میں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کے دربانوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑ کر اس کی گردن میں طوق ڈال دو اور گھسیٹ کر جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو اور اس کو ایک ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو تاکہ یہ آگ کی سوزش سے بچنے کے لئے ذرا

بھی حرکت نہ کر سکے۔ آیت میں گز سے مراد آخرت کا گز ہے جس کی مقدار اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔

مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ دوزخ کے اندر کافر کی ڈاڑھ کوہِ اُحد کے برابر اور اُس کی کھال کی موٹائی تین روز کی راہ کے بقدر ہوگی۔

(مظہری: ج ۱۰، ص ۵۵)

پھر فرمایا کہ اس کو یہ سزا اس لئے دی جائے گی کہ دنیا میں رہتے ہوئے یہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، اس کے احکام کا انکار کرتا تھا۔ نہ اللہ کے حقوق ادا کرتا تھا اور نہ بندوں کے حقوق پہچانتا تھا۔ فقیر محتاج کو خود تو کیا کھلاتا دوسروں کو بھی اس کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ سو ایسے نافرمان کے لئے آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ اس کے واسطے کھانے کی کوئی چیز ہے، سوائے زخموں کے دھوون کے اور ان میں سے بہتی ہوئی پیپ کے جس کو خطا کاروں اور مجرموں کے سوا کوئی نہیں کھا سکتا۔ (عثمانی: ۷۲۴، ۷۲۵/۲)

عظمتِ قرآن

۳۸۔۴۷: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ۙ﴿﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۭ﴿﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ﴿﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ﴿﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۡ﴿﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿﴾

میں اُن چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جن کو تم دیکھتے ہو اور اُن کی بھی جن کو تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قرآن ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا کلام ہے۔ یہ کسی شاعر کا کلام نہیں (لیکن) تم بہت کم یقین کرتے ہو اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے (لیکن) تم بہت کم سمجھتے ہو۔ یہ تو رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے۔ اگر یہ (نبی) ہمارے متعلق کوئی بات اپنی طرف سے کہتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔ اور ان کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

وَتِیْنُ: شہ رگ، دل کی رگ جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ اسم ہے۔

حٰجِزِیْنَ: روکنے والا، بچانے والا۔ حَجْزٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: قسم ہے اُن تمام چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو، یا دیکھ سکتے ہو اور جن کو تم نہ دیکھتے ہو اور نہ دیکھ سکتے ہو۔ اس میں تمام مخلوقات آ گئیں۔ بعض کے نزدیک دیکھنے کی چیزوں سے مراد دنیا کی چیزیں ہیں اور نہ دیکھنے کی چیزوں سے مراد آخرت کی اشیا ہیں۔

اے مشرکینِ مکہ! جو کچھ جنت و دوزخ وغیرہ کا بیان ہوا، یہ کوئی شاعری نہیں جیسا کہ تم کبھی کبھی دعویٰ کرتے ہو اور نہ یہ کاہنوں کی انکل پچو باتیں ہیں، بلکہ یہ قرآن ہے جو اللہ کا کلام ہے جس کو آسمان سے ایک بزرگ فرشتہ لے کر ایک بزرگ ترین پیغمبر پر اُترا۔ جو آسمان سے لایا وہ اور جس نے زمین والوں کو پہنچایا وہ دونوں رسولِ کریم ہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں کفارِ مکہ کے اس بے ہودہ خیال کا رد تھا کہ ان میں سے کوئی آپ کو شاعر کہتا تھا اور کوئی آپ کے کلام کو شعر کہتا تھا۔ اسی طرح ان میں سے بعض آپ کا ہن اور آپ ﷺ کے کلام کو کہانت کہتے تھے۔ غرض آپ کو شاعر یا کاہن کہنے والوں کے الزام کا حاصل یہ تھا کہ آپ جو کلام سناتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے بلکہ آپ نے خود اپنے خیالات سے یا کاہنوں کی طرح شیاطین سے کچھ کلمات جمع کر لئے ہیں اور آپ ان کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل خیال کے رد میں فرمایا کہ اگر بفرضِ محال یہ رسول معاذ اللہ ہماری طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے اور ہم پر افترا کرتے تو ہم ان کو یونہی آزاد نہ چھوڑ دیتے کہ خلقِ خدا کو گمراہ کرتے رہیں بلکہ ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر ان کی رگِ جان کاٹ دیتے اور ہماری سزا سے ان کو کوئی بھی نہ بچا سکتا۔ (معارف القرآن: ۵۴۷-۵۴۸/ ۸، ابن کثیر: ۴/۴۱۷)

نصیحت کا ذریعہ

۴۸-۵۲: وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

بے شک یہ (قرآن) پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض (اس کو) جھٹلاتے ہیں۔ بے شک یہ (قرآن) کافروں کے حق میں موجب حسرت ہے اور بے شک یہ (قرآن) یقیناً حق ہے۔ سو آپ اپنے رب عظیم کے نام کی تسبیح کرتے رہیے۔

تشریح: یہ قرآن پرہیزگاروں کے لئے نصیحت کا ذریعہ ہے۔ جس شخص میں ادنیٰ درجے کا بھی خوف خدا ہوگا وہ اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ یہ قرآن تو ایمان داروں کے لئے ہدایت اور شفا کا ذریعہ ہے اور جو بے ایمان ہیں وہ بہرے اور اندھے ہیں۔ (حٰم السجدہ: ۴۴)

چونکہ دنیا میں اہل تقویٰ بہت کم ہوتے ہیں، اس لئے ہمیں معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسے جھٹلاتے ہیں۔ قیامت کے دن یہ تکذیب ان مکذبین کے لئے باعثِ حسرت و ندامت ہوگی۔ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے بلاشبہ یہ قطعی اور یقینی امر ہے۔ اس میں کسی کو کسی بھی طرح کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی ان حقائق کو نہیں مانتا اور ان پر ایمان و یقین نہیں رکھتا تو آپ اس سے غمگین اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں بلکہ آپ تو اپنے ربِّ عظیم کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے رہیے۔ اسی سے سب غم دور ہوں گے۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع، ۵۴۸/ ۸۔ ابن کثیر: ۴/۴۱۷)

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو لفظ زبان پر ہلکے ہیں، وزن میں بھاری ہیں اور رحمان کو محبوب ہیں (وہ یہ ہیں) **سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم۔**

ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو "**سبحان الله العظيم و بحمده**" کہتا ہے اس کے لئے جنت کے اندر کھجور کا ایک درخت بو دیا جاتا ہے۔ (مظہری: ۱۰/۵۹)

سورۃ المعارج

وجہ تسمیہ: اس سورت کا نام المعارج ہے جو اس کی تیسری آیت میں آیا ہے۔ اس کو سورۃ سال سائل بھی کہتے ہیں۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۴۴ آیتیں، ۲۱۶ کلمات اور ۱۰۶۱ حروف ہیں۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ گزشتہ سورت کی طرح اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ قیامت کے احوال شدیدہ، مومنین پر انعامات اور مجرمین پر عذابوں کی شدت کا بیان ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: کافروں کے لئے یوم قیامت کا غیر معمولی طویل ہونا اور قیامت کے احوال کا بیان ہے۔ اس کے بعد مومنوں کے اوصاف مذکور ہیں۔

رکوع ۲: کفار کی جنت سے محرومی کا بیان ہے۔

پچاس ہزار سال طویل دن

۱۔۷: سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۙ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۙ مِّنَ اللّٰهِ ذِى الْمَعَارِجِ ۭ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِىْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۭ

ایک سوال کرنے والے نے اس عذاب کا سوال کیا جو واقع ہونے والا ہے (اور جو) کافروں کے لئے ہے، جسے کوئی دفع کرنے والا نہیں۔ وہ (اس) اللہ کی طرف سے ہوگا جو درجات کا مالک ہے۔ فرشتے اور روح اس دن کی

طرف چڑھیں گے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، سو آپ (ان کی مخالفت پر) صبرِ جمیل کیجئے۔ بے شک ان کی نگاہ میں وہ (دن) دور ہے اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

تشریح: یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک مانگنے والے نے اپنے منہ سے اللہ تعالیٰ کا عذاب مانگا تھا۔ نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا نضر بن حارث تھا جس نے قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں اس جرأت سے کام لیا کہ کہنے لگا:

اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم،

اگر یہ (قرآن) حق ہے اور آپ اللہ! کی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی دوسرا دردناک عذاب بھیج دے۔

اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا۔ اب آگے اس عذاب کی حقیقت کا بیان ہے جو اُس نے اپنے منہ سے مانگا تھا۔ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہوگا خواہ اسی دنیا میں ہو یا آخرت میں یا دونوں جگہ۔ اس عذاب کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور یہ اُس اللہ کی طرف سے ہے جو بڑے اُونچے درجوں والا ہے۔ اس کی عظمت و برتری اور درجات کی بلندی کا یہ عالم ہے کہ فرشتے اور روح الامین یعنی جبرائیل علیہ السلام تمام آسمانوں کو درجہ بہ درجہ طے کرتے ہوئے اُس کی بارگاہ تک چڑھتے ہیں۔ جس عذاب کا اُوپر ذکر ہوا ہے وہ کافروں پر اُس روز واقع ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کے لئے تو یہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا اور مومنوں کے لئے بہت مختصر۔

احمد، ابو یعلی، ابن حبان اور بیہقی نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس روز کے متعلق دریافت کیا گیا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی کہ وہ کس قدر طویل ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قسم ہے اُس کی! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ دن مومن کے لئے ہلکا ہوگا یہاں تک کہ دنیا میں جو فرض نماز پڑھتا تھا اُس کے لئے اتنے وقت سے بھی آسان (کم) ہوگا۔ (مظہری: ج۱۰، ص ۶۱)

حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ مومنوں کے لئے قیامت کا

دن اتنا ہوگا جتنا ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا ہے۔ (مظہری: ج ۱۰، ص ۶۲)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! تمسخر اور استہزا کرنے والوں کا رویہ بے شک نہایت تکلیف دہ ہے اور اس پر رنج و غم کا ہونا فطری امر ہے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تنگ دل نہ ہوا اور نہ حرف شکایت زبان پر لایئے بلکہ آپ ﷺ تو خوبی کے ساتھ صبر کیجئے۔ بے شک یہ لوگ تو قیامت کو دور ہی نہیں بلکہ محال اور واقع نہ ہونے والی سمجھ رہے ہیں، لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں۔ نہ تو عذابِ خداوندی کے آنے میں کوئی دیر ہے اور نہ قیامت کے آنے میں۔

(معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۵۵۴، ۸/۵۵۵، مظہری: ۶۰۔۱۰/۶۳)

قیامت کے احوال

۸۔۱۸: يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍۢ بِبَنِيْهِ ۙ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُــْٔوِيْهِ ۙ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۙ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ښ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ۝

جس دن آسمان پگھلے ہوئے تانبے کی مانند ہوگا اور پہاڑ رنگین اُون کی طرح ہوں گے، کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (حالانکہ) وہ ان کو دکھائے جائیں گے۔ گناہ گار اُس دن کے عذاب کے فدیے میں اپنی اولاد کو دینا چاہے گا اور اپنی بیوی اور بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اُسے پناہ دیتا تھا اور سب اہل زمین کو تاکہ اس کو نجات مل جائے۔ ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ یقیناً وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو کھال ادھیڑ ڈالے گی وہ اس کو بلائے گی جس نے پیٹھ پھیری اور منہ موڑا اور مال جمع کیا اور سنبھال کر رکھا۔

اَلْمُهْلِ: تیل کی تلچھٹ، پیپ، پگھلا ہوا تانبا۔ اسم ہے۔

اَلْعِهْنِ: رنگین اُون۔ جمع عُهُوْنٌ۔

یفتدی: وہ فدیہ دیتا ہے، وہ بدلے میں دیتا ہے۔ اِفْتِدَاءٌ سے مضارع۔

فَصِیْلَتِهٖ: اُس کا کنبہ، اُس کا قبیلہ۔ جمع فَصَائِلُ۔

لَظٰی: دہکتی ہوئی آگ، بھڑکتی ہوئی آگ۔ مبالغے کے طور پر صفت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نَزَّاعَةً: اُدھیڑنے والی، اُتارنے والی۔ نَزْعٌ سے مبالغہ۔

الشَّوٰی: منہ کی کھال، اطراف بدن یعنی ہاتھ، پیر وغیرہ۔ واحد شَوَاةٌ۔

اَوْعٰی: اُس نے حفاظت سے رکھا۔ اِیْعَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: جس عذاب کو یہ مشرکین و منکرین طلب کر رہے ہیں وہ ان پر اُس دن آئے گا جس دن آسمان تیل کی تلچھٹ جیسا ہو جائے گا اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہوں گے، جیسے ارشاد ہے:

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ (القارعہ: ۵)

اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے۔

اُس دن پریشانی اور بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی دوست کسی کو نہیں پوچھے گا حالانکہ سب ایک دوسرے کو بری حالت میں دیکھ رہے ہوں گے، ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی، دوسرے کا حال پوچھنے کا ہوش بھی نہ رہے گا۔ وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ ہر گناہ گار تمنا کرے گا کہ کاش آج وہ عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو فدیے میں دے دیتا یا اپنی بیوی اور اپنے بھائی کو اور اپنے کنبے کو جو اسے ٹھکانا دیتا تھا فدیہ میں دے دیتا حتیٰ کہ اگر اُس کے امکان میں ہوتا تو روئے زمین کے سب لوگوں کو بطور فدیہ دے دیتا اور اپنے آپ کو اس عذاب سے بچالیتا۔ غرض وہ تمام محبوب ہستیوں کو اپنی طرف سے فدیے میں دینے پر تیار ہوگا لیکن کوئی چیز اُس کے کام نہ آئے گی۔ کوئی بدلہ اور عوض قبول نہ کیا جائے گا۔

پھر فرمایا ہرگز نہیں! یقیناً اُس کو ایسی آگ میں ڈالا جائے گا جو سخت بھڑکنے اور شعلے والی ہوگی اور سر کی کھال تک جھلسا کر کھینچ لائے گی اور ہڈیوں کو گوشت سے الگ کر دے گی۔ وہ آگ ہر اُس شخص کو پکارے گی جس نے دنیا میں اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری سے منہ موڑا ہوگا اور جو مال کی محبت میں اس کو خوب سمیٹ سمیٹ کر جمع رکھتا تھا۔ اس میں سے نہ اللہ کا حق ادا کرتا تھا اور نہ مسکین و محتاج کی مدد کرتا تھا۔ اس کے برعکس مومن اپنے دوستوں کی خبر گیری کریں گے اور اُن کی شفاعت بھی کریں گے۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی اپنے واضح حق کے

لئے اتنا نہیں جھگڑتا جتنا قیامت کے روز مومن اپنے دوزخی بھائیوں کی رہائی کے لئے اللہ سے جھگڑیں گے اور عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے۔

(مظہری: ۶۳، ۶۴ / ۱۰)

مومنین کے اوصاف

۱۹۔۲۸: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۝ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۝ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝

بے شک انسان کم ہمت پیدا ہوا ہے۔ جب اُس کو مصیبت پہنچتی ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور جب اُس کو بھلائی پہنچتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے۔ بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز کے پابند ہیں اور جن کے مال میں (حق داروں کا) حق مقرر ہے۔ مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا اور جو قیامت کے دن پر یقین رکھتے ہیں اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بے شک اُن کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں۔

هَلُوْعًا: کم ہمت، بہت بے صبرا، لالچی۔ هَلَعٌ سے مبالغہ۔

جَزُوْعًا: پریشان ہونے والے، مضطرب ہونے والے۔ جَزْعٌ سے صفتِ مشبہ یا مبالغہ۔

مَنُوْعًا: بہت منع کرنے والا، بڑا بخیل، بڑا کنجوس۔ مَنْعٌ سے مبالغہ۔

مُشْفِقُوْنَ: ڈرنے والے۔ اِشْفَاقٌ سے اسمِ فاعل۔

مَاْمُوْنٌ: پناہ دیا ہوا، بے خوف کیا ہوا۔ اَمْنٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: انسان بہت ہی بے صبرا اور کم ہمت پیدا کیا گیا ہے اور اس کا حوصلہ اور دل نہایت ہی کمزور واقع ہوا ہے۔ اس کی کم ہمتی اور بے صبری کا یہ عالم ہے کہ جب اس کو کوئی تکلیف اور مصیبت پیش آجاتی

ہے تو صبر سے کام لینے کی بجائے بے قرار ہو جاتا ہے اور جب کوئی راحت و آرام اور مال و دولت مل جاتی ہے تو اس میں بخل کرنے لگتا ہے۔ نہ اللہ کا شکر کرتا ہے اور نہ بھلائی کے کاموں میں خرچ کرتا ہے۔

بخاری و مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اس کی دو چیزیں جوان ہو جاتی ہیں۔ مال کی حرص اور (درازیٔ) عمر کی حرص۔ (مظہری: ۶۵، ۶۶ / ۱۰)

یہ بری خصلت ہر انسان میں ہوتی ہے سوائے: ۱۔ اُن نمازی بندوں کے جو اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں، واجباتِ نماز کو اچھی طرح بجالاتے ہیں، سکون و اطمینان اور خشوع و خضوع کے ساتھ پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں۔

۲۔ ان کے مالوں میں سائل اور محتاج و مسکین کے لئے بھی مقررہ حصہ ہے جیسے زکوٰۃ اور مقررہ صدقات وغیرہ۔

۳۔ یہ لوگ حساب اور جزا کے دن یعنی قیامت پر بھی یقینِ کامل اور پورا ایمان رکھتے ہیں۔ اسی لئے وہ ایسے اعمال کرتے ہیں جن کا اللہ کے ہاں اجر و ثواب ہے۔

۴۔ وہ لوگ اپنے ربّ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بے شک اُن کے رب کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اُس سے ڈرا جائے۔

مومنین کے مزید اوصاف

۲۹۔۳۵: وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اُن کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں جن کے وہ مالک ہیں، اُنہیں کوئی ملامت نہیں۔ پھر جو اس کے سوا کچھ اور چاہے تو وہی حد سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد

کا پاس کرتے ہیں اور جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہی لوگ جنتوں میں عزت سے رہیں گے۔

رٰعُوْنَ: رعایت کرنے والے، خیال رکھنے والے۔ رِعَایَۃٌ سے اسم فاعل۔ واحد رَاعِیْ۔

مُکْرَمُوْنَ: بزرگ، عزت دیئے ہوئے۔ اِکْرَامٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: مومنین کے مزید اوصاف یہ ہیں:

۵۔ وہ لوگ اپنی شرم گاہوں کو اپنی بیویوں اور اپنی مملوکہ کنیزوں کے علاوہ سب سے بچائے رکھتے ہیں، البتہ اپنی بیویوں اور اپنی مملوکہ کنیزوں سے خواہش پوری کرنے میں اُن پر کوئی ملامت نہیں۔

۶۔ وہ لوگ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں اور امانتوں کو اُن کے مالکوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ اپنے عہد کو بھی پورا کرتے ہیں۔

۷۔ وہ لوگ اپنی شہادتوں (گواہیوں) پر بھی قائم رہتے ہیں، نہ شہادت کو چھپاتے ہیں، نہ اُس کو بدلتے ہیں خواہ شہادت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حقوق سے ہو. جیسے شہادتِ توحید و رسالت، رمضان کے چاند کی شہادت، اللہ تعالیٰ کی حدود قائم کرنے کی شہادت وغیرہ یا بندوں کے حقوق کے بارے میں شہادت ہو جیسے باہمی لین دین وغیرہ کی شہادت۔

۸۔ وہ نماز کے اوقات، ارکان، سنن اور مستحبات کی نگہداشت کرتے ہیں، کسی ضروری رکن یا وقت کو فوت نہیں ہونے دیتے۔ یہی لوگ جنتی ہیں۔ جنت میں ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہوگا۔ (مظہری: ۶۶۔ ۶۸/ ۱۰)

کفار کی جنت سے محرومی

۳۶۔۳۹: فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝

پھر ان کافروں کو کیا ہوا ہے جو آپ کی طرف سے دوڑے چلے آتے ہیں۔ دائیں اور بائیں (جانب سے) گروہ کے گروہ۔ کیا ان میں سے ہر ایک کو

توقع ہے کہ اس کو نعمت کے باغوں میں داخل کر لیا جائے گا۔ ہر گز نہیں ۔ بے
شک ہم نے انہیں ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ بھی جانتے ہیں ۔

مُهْطِعِينَ: دوڑ کر آنے والے، اُمنڈ کر آنے والے ۔ اِھطاع سے اسم فاعل ۔

عِزِيْنَ: جماعت در جماعت، گروہ در گروہ ۔ واحد عزۃ ۔

تشریح: یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کافروں کا ذکر ہے کہ وہ خود آپ کو دیکھ رہے ہیں اور جو دین آپ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں وہ اُن کے سامنے ہے ۔ آپ ﷺ کے کھلے معجزے بھی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ۔ ان تمام باتوں کے باوجود وہ دین اسلام کی ہنسی اور مذاق اُڑاتے ہیں ۔ قرآن سن کر بدکتے اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر آپ ﷺ سے دائیں بائیں کترا جاتے ہیں ۔ اس کے باوجود یہ لوگ اُمید رکھتے ہیں کہ ان کو جنت کے باغوں میں داخل کیا جائے گا جیسا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر ہمیں لوٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہی پڑا تو وہاں بھی ہمارے لئے بہتری ہی بہتری ہوگی ۔ ہر گز نہیں ۔ اللہ تعالیٰ عادل اور حکیم ہے ۔ اس کے ہاں اندھیر نہیں ہو سکتا ۔ وہ کسی کو ایمان وعملِ صالح کے بغیر جنت میں داخل نہیں کرے گا ۔

بے شک ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جس کو وہ خود بھی جانتے ہیں اور وہ مٹی جیسی حقیر چیز اور ایک ناپاک پانی کا قطرہ ہے ۔ لہٰذا اس طرح پیدا کیا ہوا انسان اس لائق نہیں کہ اس کو بہشت کے باغات ملیں ۔ یہ نعمتیں تو ایمان وعملِ صالح کے ذریعے پاک وصاف اور مکرم ومحترم ہو کر ہی مل سکتی ہیں جس سے یہ لوگ عاری ہیں ۔ (عثمانی: ۷۳۱/۲ ۔ ابن کثیر: ۴۲۲، ۴۲۳/۴)

کفار کو تھوڑے دن کی مہلت

۴۰ ۔ ۴۴: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓى اَنْ
نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا
وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ
الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ
تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

سو میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ اُن کی جگہ ان سے بہتر لوگ لے آئیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔ پس آپ ان کو چھوڑ دیں کہ یہ باتیں بناتے اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ انہیں اُس دن سے سابقہ پڑے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ جس دن یہ قبروں سے دوڑتے ہوئے نکلیں گے گویا کہ وہ کسی نشان کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

مَسْبُوْقِيْنَ: پیچھے چھوڑے ہوئے، عاجز۔ سَبْقٌ سے اسمِ مفعول۔

یَخُوْضُوْا: وہ بحث کرتے ہیں، وہ مصروف ہوتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

اَجْدَاث: قبریں۔ واحد جَدَثٌ۔

نُصُبٍ: پرستش گاہ، نشان۔ اسم ہے۔ جمع اَنْصَابٌ۔

یُوْفِضُوْنَ: وہ دوڑ کر جاتے ہیں۔ اِیْفَاضٌ سے مضارع۔

تَرْهَقُهُمْ: وہ ان کو ڈھانکتی ہے، وہ ان پر چھا جائے گی۔ رَهْقٌ سے مضارع۔

تشریح: میں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم کھاتا ہوں۔ یقیناً ہم اس پر قادر ہیں کہ اسلام کی خدمت کے لئے، ہم ان مشرکین و منکرین کو ہلاک کر کے ان کی جگہ ان سے بہتر لوگوں کو لے آئیں۔ کیا وہ ہمارے قابو سے نکل کر کہیں جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قریش کی جگہ انصار مدینہ کو کھڑا کر دیا اور مکے والے پھر بھی اس کے قابو سے نکل کر کہیں نہ جا سکے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی پرواہ نہ کیجئے اور ان کو کھیل تماشے میں لگا رہنے دیجئے یہاں تک کہ وہ دن آ جائے جس کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے۔ اُس وقت حقیقت کھل کر ان کی نظروں کے سامنے آ جائے گی۔ اُس دن یہ اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف اس طرح دوڑیں گے جیسے کوئی کسی نشان یا علامت کی طرف تیزی سے دوڑتا ہے تاکہ وہ دوسروں سے پہلے وہاں پہنچے۔ اُس وقت اُن کی نظریں نیچی ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی وہ دن ہوگا جس کے عذاب کی وعید ان کو دنیا میں دی جاتی تھی اور یہ اس کا انکار کرتے تھے۔

(عثمانی: ۷۳۲/۲۔ ابن کثیر: ۴۲۴،۴۲۳/۴)

سورۃ النوح

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کا بیان ہے اس لئے یہ اسی نام سے مشہور ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۸ آیات، ۲۲۴ کلمات اور ۹۲۹ حروف ہیں۔ ابن الزبیر سے روایت ہے کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید کا اثبات اور شرک و بت پرستی کی تردید ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ اور بارگاہِ الٰہی میں حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قومِ نوح کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

۱۔۴: إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن
يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَنِ
اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُونِ ۝ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ
وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ ۖ
لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

یقیناً ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کی طرف بھیجا تھا تاکہ وہ اپنی قوم کو خبردار کریں قبل اس کے کہ اُن پر دردناک عذاب آئے۔ نوح نے کہا اے میری قوم! میں تمہیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو،

اُس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو (تاکہ) وہ تمہارے گناہ معاف فرما دے اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے۔ یقیناً اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آ جاتا ہے تو ٹلتا نہیں۔ کاش تم سمجھتے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسول بنا کر اُن کی قوم کی طرف بھیجا تاکہ اُن کی بت پرستی اور نافرمانی کے نتیجے میں ان پر آنے والے دردناک عذاب سے پہلے ہی وہ ان کو خبردار کر دیں۔ اگر وہ شرک و نافرمانی سے توبہ کر لیں گے اور اللہ کی طرف رجوع کریں گے تو اللہ کا عذاب ان سے اُٹھ جائے گا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے صاف صاف لفظوں میں خبردار کرتا ہوں، اللہ سے ڈرو، شرک و بت پرستی چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو، اُس کے احکام بجالاؤ۔ جو کام اللہ نے تم پر حرام کئے ہیں اُن سے بچو، گناہ کے کاموں سے اجتناب کرو، میری رسالت کی تصدیق کرو، توحید و اطاعتِ الٰہی کے بارے میں جو کچھ میں حکم دوں اس کو مانو، اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور تمہاری خطاؤں اور غلط کاریوں پر جس عذاب سے وہ تمہیں ہلاک و برباد کرنے والا ہے اس کو بھی تم سے ہٹا دے گا اور تمہیں ایک مقررہ وقت تک مہلت دے گا تاکہ تم اپنی طبعی عمر پوری کر لو۔

پھر فرمایا کہ اللہ کا عذاب آنے سے پہلے نیک اعمال کر لو اس لئے کہ جب وہ آ جاتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں ٹال سکتا اور نہ روک سکتا ہے اور نہ اس میں ایک لمحے کی تاخیر ہو سکتی ہے۔ کاش تم یہ باتیں سمجھتے۔ (ابنِ کثیر: ۴/۴۲۴)

حضرت نوح علیہ السلام کی شکایت

۵۔۷: قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاءِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَأَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝

نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! میں اپنی قوم کو رات دن (تیری طرف) بلاتا رہا مگر میرے بلانے سے وہ (دین سے) اور زیادہ بھاگتے رہے اور جب بھی میں نے اُن کو بلایا تاکہ تو اُن کو بخش دے تو اُنہوں نے

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے اوپر کپڑے ڈال لئے اور وہ
(کفر پر) اڑے رہے اور انتہائی تکبر کرتے رہے۔

اَصَابِعَهُمْ: اُن کی انگلیاں۔ واحد اِصْبَعٌ۔

اِسْتَغْشَوْا: اُنہوں نے اوڑھ لئے، اُنہوں نے لپیٹ لئے۔ اِسْتِغْشَاءٌ سے ماضی۔

ثِيَابَهُمْ: اُن کے کپڑے، اُن کی پوشاک۔ واحد ثَوْبٌ۔

اَصَرُّوْا: اُنہوں نے اصرار کیا۔ اِصْرَارٌ سے ماضی۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی بے رخی و نافرمانی کا شکوہ کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے رب! میں نے تیرے حکم کی پوری سرگرمی سے تعمیل کی اور اپنی قوم کو دن رات تیری توحید و بزرگی کی طرف بلاتا رہا۔ میں جتنا ان کو دین کی طرف بلاتا اُتنا ہی یہ ایمان وطاعت سے بھاگتے رہے اور حق سے روگردانی کرتے رہے یہاں تک کہ جب میں نے ان سے کہا کہ آؤ ایمان و توحید کی بات سنو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے تو انہوں نے میری دعوت کو سننے کے بجائے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیں اور اپنے منہ کپڑوں سے چھپالئے تاکہ وہ پہچانے نہ جائیں اور نہ کوئی حق بات ان کے کانوں میں پڑے۔ وہ اپنے کفر و شرک اور عناد و ضد پر جمے رہے اور حق کی اتباع کو حقیر جان کر نہایت غرور اور تکبر سے پیٹھ پھیر لی۔ یہی حال کفارِ قریش کا تھا کہ وہ اللہ کا کلام سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ
لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ۝

اور ان کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو نہ سنو۔ اور جب یہ پڑھا جائے تو شور
وغل کرو تاکہ تم غالب رہو۔ (حٰم السجدہ: ۲۶)

علی الاعلان دعوت و تبلیغ

۸۔۱۲: ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْۤ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ
اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ
السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ

لَكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝

پھر میں نے ان کو باآوازِ بلند بلایا۔ پھر میں نے ان کو علانیہ بھی کہا اور پوشیدہ طور پر بھی اور میں نے کہا اپنے رب سے گناہوں کی معافی مانگو۔ یقیناً وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر خوب بارش برسائے گا اور تمہیں مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا۔

جِهَارًا: پکارنا، بلند آواز کرنا، برملا۔ مصدر ہے۔

مِدْرَارًا: بہت برسنے والا۔ درٌّ سے مبالغہ۔

يُمْدِدْكُمْ: وہ تمہاری مدد کرے گا، وہ تم کو بڑھائے گا۔ اِمْدَادٌ سے مضارع۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے مزید عرض کی کہ اے میرے رب! میں نے ان کو علی الاعلان تیرا پیغام پہنچایا اور ان کو واضح طور پر بتایا کہ اللہ کی بندگی ہی میں نجات ہے اور اکثر اوقات ان میں سے ایک ایک کو چپکے چپکے نصیحت کے انداز میں سمجھایا۔ غرض تمام جتن کر لئے کہ شاید کسی طرح یہ راہِ راست پر آ جائیں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ تم اپنے رب سے معافی ہی مانگ لو، وہ غفار ہے، ہر جھکنے والے کی طرف توجہ فرماتا ہے، خواہ اُس سے کیسے ہی بدترین اعمال سرزد ہوئے ہوں وہ ایک آن میں معاف فرما دیتا ہے اور یہی نہیں بلکہ تمہارے استغفار کی وجہ سے وہ تمہیں دنیا میں بھی طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائے گا اور تمہاری تکلیفیں اور پریشانیاں دور کر دے گا اور تم پر خوب موسلا دھار بارش برسائے گا جس سے رزق کی فراوانی اور مال و اولاد میں ترقی ہوگی۔ تمہارے باغ سرسبز و شاداب ہو جائیں گے۔ اور تمہاری نہریں پانی سے لبریز ہو کر بہنے لگیں گی جیسے تکذیب سے پہلے بہتی تھیں۔ اس طرح ایمان استغفار کی برکت سے وہ قحط سالی بھی دور ہو جائے گی جو برسوں سے تم پر مسلط ہے اور بارش کی کثرت سے تمہارے کھیت اور باغات سرسبز و شاداب ہو جائیں گے اور غلے اور پھلوں کی کثرت ہو جائے گی۔ نیز ایمان و استغفار کی برکت سے دنیا کی خوشحالی کے ساتھ ساتھ آخرت کی نجات بھی حاصل ہو جائے گی۔

آسمان و چاند و سورج کی تخلیق

۱۳۔۲۰: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ
تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّ
جَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ
يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ
بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی عظمت پر اعتقاد نہیں رکھتے حالانکہ اُس نے تمہیں طرح طرح سے پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے کس طرح اُوپر تلے سات آسمان بنائے اور ان میں چاند کو چمکتا ہوا اور سورج کو (روشن) چراغ بنایا اور اللہ ہی نے تمہیں زمین سے ایک خاص طریقے سے اُگایا اور پیدا کیا ہے۔ پھر وہ تمہیں اسی زمین میں لوٹائے گا اور (اسی سے) تمہیں نکال کر کھڑا کرے گا اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھرو۔

وَقَارًا: وقار، عزت، بزرگی۔ مصدر و اسم۔

اَطْوَارًا: طرح طرح سے، کئی بار۔ واحد طَوْرٌ۔

طِبَاقًا: اُوپر تلے، تہ بہ تہ۔ مصدر بمعنی صفت۔

اَنْۢبَتَكُمْ: اُس نے تم کو اُگایا۔ اِنْبَاتٌ سے ماضی۔

بِسَاطًا: بچھونا، فرش۔

فِجَاجًا: دو پہاڑوں کے درمیان کشادہ راستے۔ واحد فَجٌّ۔

تشریح: اے میرے پروردگار! میں نے ان سے یہ بھی کہا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ سے اُمید نہیں رکھتے کہ وہ تمہاری عبادت کی قدر دانی اور تمہارا اکرام کرے گا، حالانکہ اُسی نے تمہیں مختلف طور سے مختلف حالات میں پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے سات آسمانوں کو کس طرح ایک کے

اُوپر ایک بنایا ہے۔ پھر ان میں چاند اور سورج پیدا کئے جن کی چمک دمک، روشنی اور اُجالا الگ الگ ہے، جس سے دن رات کی تمیز ہو جاتی ہے۔ اُس نے تمہیں بڑی حکمت کے ساتھ زمین سے اُگایا یعنی آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر مرنے کے بعد وہ تمہیں اسی زمین کے اندر قبروں میں لوٹا دے گا۔ پھر قیامت کے دن تمہیں اسی زمین سے دوبارہ پیدا کرے گا۔ جیسے پہلی دفعہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا، نہ زیادہ سخت ہے کہ تم اس پر لیٹ یا بیٹھ نہ سکو اور نہ ایسی نرم کہ تم اس میں دھنستے چلے جاؤ بلکہ وہ ایسی نرم اور مضبوط ہے کہ تم اس کے کشادہ راستوں میں اطمینان سے چلتے پھرتے ہو۔

قوم کا انجام

۲۱۔۲۵: قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ۝ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝ وَقَدْ أَضَلُّوا كَثِيرًا ۖ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ۝ مِّمَّا خَطِيئَاتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا فَلَمْ يَجِدُوا لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ أَنصَارًا ۝

نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے رب! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور ان کی پیروی کی جن کے مال واولاد نے ان کو نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا اور انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور انہوں نے (آپس میں) کہا کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور نہ وَدّ اور سُواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو چھوڑنا حالانکہ وہ بہت سوں کو گمراہ کر چکے ہیں اور (اے اللہ!) تو بھی ان ظالموں کی گمراہی اور بڑھا دے (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب غرق کر دیئے گئے اور جہنم میں داخل کر دیئے گئے۔ پھر انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو مددگار نہ پایا۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب! ان لوگوں نے میری نافرمانی کی اور کسی طرح میری بات سننے پر تیار نہیں ہوئے۔ یہ لوگ اپنے مال داروں اور سرداروں کی ہی بات

ماننے رہے جو تیرے احکام سے بالکل غافل تھے اور مال و اولاد میں مست تھے اگر چہ مال و اولاد نے ان کے نقصان ہی میں اضافہ کیا۔ ان سرداروں نے جو مال و اولاد والے تھے ان سے بڑی مکاری کی ۔ وہ ایک دوسرے کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا ۔ نہ وَدّ اور سُواع کو اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو ۔ اس طرح انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا۔ اگر یہ لوگ سازش نہ کرتے اور قوم کو نہ بہکاتے تو ممکن تھا کہ قوم کے بہت سے لوگ ایمان لے آتے ۔ اے میرے پروردگار! اب تو بھی ان ظالموں کی گمراہی کو اور بڑھا دے ۔

پھر جب قوم نوح کی سرکشی، ضد، ہٹ دھرمی اور اللہ کے رسول کی مخالفت و دشمنی حد سے بڑھ گئی تو ان کو غرق کر دیا گیا اور آگ میں دھکیل دیا گیا اور اللہ کے سوا ان کو عذابوں سے بچانے کے لئے کوئی بھی ان کی مدد کو نہ آیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا

۲۶۔۲۸: وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝

اور نوح نے کہا اے میرے ربّ! تو روئے زمین پر کسی کافر کو بستا ہوا نہ چھوڑنا ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یقیناً یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی فاجر اور کافر ہی ہوگی ۔ اے میرے ربّ! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو ایمان لا کر میرے گھر میں داخل ہو اور تمام مومن مردوں اور عورتوں کی مغفرت فرما دے اور تو ظالموں کی ہلاکت اور بڑھا دے ۔

دَیَّارًا: بسنے والا، رہنے والا ۔

تَبَارًا: ہلاکت، بربادی ۔ تَبَرٌ سے اسمِ مصدر ۔

تشریح: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے دُعا کی کہ اے میرے ربّ! اب ان

کافروں میں سے کسی ایک کو بھی زمین پر چلتا پھرتا ہوا نہ چھوڑ۔ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے اور بندوں کو گمراہ کریں گے اور جو نسل ان سے پھیلے گی وہ بھی ان ہی جیسی بدکار اور نافرمان ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمالی اور سب کو غرق کر دیا۔ سوائے اُن لوگوں کے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام کا سگا بیٹا جو کافروں میں شامل تھا، وہ بھی نہ بچ سکا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ میں کسی بلند پہاڑ پر چڑھ کر پانی سے بچ جاؤں گا حالانکہ وہ پانی نہیں تھا بلکہ عذابِ الٰہی تھا، اس سے کون بچ سکتا تھا۔ پانی نے اُسے وہیں جالیا جہاں کھڑا ہوا وہ حضرت نوح علیہ السلام سے باتیں کر رہا تھا (واقعے کی مزید تفصیل سورۂ ہود میں دیکھئے)۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش دے اور ہر اُس شخص کو بھی بخش دے جو ایمان کی حالت میں میرے گھر میں آ جائے اور تمام ایمان دار مردوں اور عورتوں کو بھی بخش دے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ۔ پھر فرمایا کہ ان کافروں کی ہلاکت و تباہی اور نقصان میں اضافہ فرما۔ وہ اسی قابل ہیں کہ انہیں پوری طرح ہلاک و برباد کر دیا جائے اور وہ دنیا و آخرت میں برباد ہی رہیں۔

سورۃ الجنّ

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں جنات کا قرآنِ کریم سن کر اُس کی حقانیت پر ایمان لانا اور اپنی قوم کو دعوتِ ایمان دینا مذکور ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الجن ہے۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۸ آیتیں، ۲۸۵ کلمات اور ۸۷۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن عباسؓ، اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اُن کے بھانجے عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم کی روایت میں ہے کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ سب علما کا یہی قول ہے کہ یہ مکیہ ہے۔ اس میں بھی اُصولِ توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے۔ جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا، دیگر معجزات رسالت ﷺ اور عجائباتِ قدرت کا بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن: ۱۱۲/۲۹)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا، اُن کے فرقوں اور ایمان کے دنیوی منافع کا بیان ہے۔

رکوع ۲: مساجد میں غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت اور اللہ کے سوا کسی کو قیامت کے مقررہ وقت کا علم نہ ہونا مذکور ہے۔

جنوں کا قرآن سن کر ایمان لانا

۱۔۵: قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا
عَجَبًا ۝ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝
وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝ وَّ اَنَّهٗ كَانَ
یَقُوْلُ سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ۝ وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ
الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ۝

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا پھر (اپنی قوم میں واپس جاکر) کہا کہ ہم نے عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راہ بتاتا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں بنائیں گے اور ہمارے رب کی شان بڑی بلند ہے۔ نہ اس کے بیوی ہے اور نہ اولاد اور ہم میں سے بعض بے وقوف اللہ کی شان میں حد سے بڑھی ہوئی باتیں کہتے تھے۔ ہمارا خیال تھا کہ انسان اور جنات اللہ کی شان میں کبھی جھوٹ بات نہیں کہیں گے۔

جدُّ: بزرگی، شان، عظمت۔ اسم مصدر ہے۔

سَفِیْھُنَا: ہم میں کا بے وقوف، ہم میں کا نادان۔ سَفَاھَۃٌ سے صفت مشبہ۔

شططا: زیادتی، ناحق، جھوٹ۔ حد سے تجاوز کرنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: جن جنات کا یہاں ذکر ہے وہ نصیبین کے رہنے والے تھے اور ان کی تعداد نو یا سات تھی۔ نصیبین، موصل سے شام جانے والے قافلوں کے راستے میں ایک بڑا شہر تھا۔ جن ایسی مخلوق کا نام ہے جن کے جسم بھی ہیں اور وہ ذی روح بھی ہیں۔ انسان کی طرح ان میں عقل و شعور بھی ہے لیکن وہ لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں، اسی لئے ان کو جن کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا اسی طرح جنوں کو آگ سے بنایا۔ جیسے ارشاد ہے:

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۝ (الحجر: ۲۷)

اور اس (انسان) سے پہلے ہم نے جنوں کو لُو والی آگ سے پیدا کیا۔

انسانوں کی طرح ان میں بھی مذکر و مؤنث ہوتے ہیں۔ شیاطین بھی جنات کی ایک قسم ہے۔ جنات کے جس واقعے کا یہاں ذکر ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمایا تھا۔ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب جنات کو شہابِ ثاقب کے ذریعے آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا تھا۔ جنات نے ابلیس سے شکایت کی جس نے اس واقعے کا سبب معلوم کرنے کے لئے ہر طرف وفود بھیجے۔ اُن میں سے ایک وفد تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا۔ یہ وفد وادیٔ نخلہ میں اُس وقت پہنچا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ

دین کے لئے سوقِ عکاظ جاتے ہوئے وادیٔ نخلہ میں ٹھہرے ہوئے تھے اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ فجر کی نماز ادا فرما رہے تھے۔ جنات نے قرآن سن کر آپس میں کہا کہ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے اُن کی اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ پھر اُنہوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر اُن کو مطلع کیا۔ ان آیات میں اسی کا ذکر ہے۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی قوم کو بتا دیجئے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآنِ کریم سن کر اپنی قوم کو جا کر خبر دی ہے کہ آج ہم نے ایک عجیب وغریب کتاب سنی جو نیکی اور نجات کا راستہ دکھاتی ہے اور ہدایت وتقویٰ اور سعادت وفلاح کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ یقیناً یہ اللہ کا کلام ہے سو ہم تو اس پر ایمان لا چکے ہیں۔ اب ہم اپنے رب کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ وہ اس سے پاک اور بلند و بالا، عزت وشان والا ہے کہ اس کے بیوی اور اولاد ہو۔ یقیناً ہم میں سے کوئی بے وقوف ہی تھا جس نے اللہ کی طرف اس طرح کی نازیبا اور لغو باتیں منسوب کیں ورنہ ہمارا تو خیال تھا کہ جن اور انسان اللہ پر جھوٹ نہیں بولتے، اس لئے ان بے وقوفوں کی باتوں میں آکر ہم بھی اب تک کفر وشرک میں مبتلا تھے۔ اب قرآن سنا تو حقیقت کھلی۔

(مظہری: ۹ ۷-۸۳/۱۰)

ویرانوں میں جنات کی پناہ لینا

۶-۱۰: وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًاۙ۝ وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًاۙ۝ وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّ شُهُبًاۙ۝ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًاۙ۝ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًاۙ۝

اور انسانوں میں سے کچھ لوگ بعض جنات کی پناہ لیا کرتے تھے، سو اس نے ان (جنات) کی بددماغی اور بڑھا دی اور انہوں نے بھی تمہاری طرح گمان

کرلیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ نہ کرے گا اور ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہروں اور شعلوں (شہاب ثاقب) سے بھرا ہوا پایا۔ اور اس سے پہلے ہم (وہاں کی) باتیں سننے کے لئے بہت سے مقامات میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ اب جو بھی کان لگاتا ہے وہ ایک شعلے کو اپنی تاک میں پاتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کا رب انہیں راہِ ہدایت پر لانا چاہتا ہے۔

رَهَقًا: بد دماغی، سرکشی، تکبر۔ مصدر ہے۔

مُلِئَتْ: وہ بھر گئی۔ مَلْأٌ و مِلْئَةٌ سے ماضی مجہول۔

رَصَدًا: تیار، گھات لگانا، نگہبان۔ مصدر بمعنی اسم فاعل۔

تشریح: یہ بھی نہایت تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ انسانوں میں سے بعض لوگ جب بھی کسی جنگل یا ویرانے میں جاتے تو وہ شر اور ایذا سے بچنے کے لئے وہاں کے جن سردار کی پناہ طلب کرتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادت تھی کہ جب وہ کسی پڑاؤ پر اترتے تو کہتے کہ ہم اس جنگل کے بڑے جن کی پناہ میں آتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ اس طرح کہہ لینے کے بعد وہ تمام جنات کے شر سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ جنوں نے جب یہ دیکھا کہ انسان اُن کی پناہ لیتے ہیں تو اُن کی سرکشی اور بڑھ گئی اور اُنہوں نے انسانوں کو بری طرح ستانا شروع کر دیا۔ آج جتنا انسان جنوں سے ڈرتا ہے پہلے جنات انسان سے اس سے بھی زیادہ ڈرتے تھے یہاں تک کہ جس جنگل بیابان میں انسان جا پہنچتا تھا، وہاں سے جنات بھاگ کھڑے ہوتے تھے لیکن جب اہل شرک نے اُن سے پناہ مانگنی شروع کی اُس وقت سے جنوں کو پتہ چل گیا کہ انسان تو خود اُن سے ڈرتا ہے، اس لئے اُن کی جرأت بہت بڑھ گئی اور انہوں نے انسانوں کو ڈرانا اور طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔

پھر فرمایا کہ ان مسلمان جنوں نے اپنی قوم سے کہا کہ جس طرح تمہارا گمان تھا اسی طرح انسان بھی اس خیال میں تھے کہ بس جو رسول پہلے آ چکے وہ آ چکے اب اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہیں بھیجے گا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا اور نہ قیامت ہوگی اور نہ حشر و نشر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے شیاطین کسی رکاوٹ کے بغیر آسمان کے

قریب پہنچ کر فرشتوں کی کچھ باتیں سن لیا کرتے تھے اور پھر زمین پر آ کر کاہنوں کو بتا دیتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت آپ ﷺ کی آسمان سے حفاظت کے لئے اس سلسلے کو بند کر دیا گیا۔ آج کل بہت سخت پہرے لگے ہوئے ہیں جو کسی شیطان کو غیب کی خبریں سننے نہیں دیتے اور جب کوئی شیطان سن گن لینے آسمان کا رخ کرتا ہے تو فوراً اُس پر شہابِ ثاقب پھینکا جاتا ہے۔ اس سے پہلے اتنی سختی اور روک ٹوک نہ تھی۔ یہی وہ نیا حادثہ تھا جس کی تحقیق کے لئے جنات کے وفود دنیا کے ہر کونے میں گئے تھے اور ایک وفد مقامِ نخلہ میں آپ سے قرآن سن کر ایمان لایا۔

پھر جنات نے اپنی قوم سے مزید کہا کہ جنات و شیاطین کو آسمانی خبریں سننے سے روک دینا سزا کے طور پر بھی ہوسکتا ہے کہ زمین والوں کو آسمانی خبریں نہ ملا کریں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ نے آسمانی وحی کی حفاظت کا انتظام کیا ہو کہ جنات و شیاطین آسمانی وحی میں کوئی خلل نہ ڈال سکیں۔ (معارف القرآن: مفتی محمد شفیع ۹ ۷ ۔ ۵۸۱/ ۸، مظہری: ۸۵ ۔ ۸۷/ ۱۰)

جنات کے فرقے

۱۱۔۱۵: وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤی اٰمَنَّا بِهٖ ۚ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۚ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝

اور یہ کہ ہم میں سے بعض نیک ہیں اور بعض اس کے برعکس۔ ہم بھی مختلف طریقوں پر تھے اور ہمیں یقین ہے کہ ہم اللہ کو زمین میں ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ کہیں بھاگ کر اسے عاجز کر سکتے ہیں۔ اور جب ہم نے ہدایت کی بات سنی تو ہم اُس پر ایمان لے آئے۔ اور جو اپنے رب پر ایمان لے آیا تو اُسے نہ کسی نقصان کا اندیشہ ہوگا اور نہ ظلم کا اور ہم میں سے بعض تو مسلمان ہیں اور بعض نافرمان۔ پس جو اسلام لے آیا اُس نے بھلائی کا راستہ تلاش

کرلیا اور جو نافرمان ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

قِدَدًا: مختلف، علیحدہ علیحدہ، جدا جدا۔ واحد قِدَّۃٌ۔

ھَرَبًا: بھاگنا، فرار ہونا۔ مصدر ہے۔

بَخْسًا: بہت کم، ناقص۔ صفت مشبہ۔

رَھَقًا: بد دماغی، سرکشی، تکبر۔ مصدر ہے۔

تَحَرَّوْا: وہ چلے، انہوں نے ارادہ کیا۔ تَحَرِّیٌ سے ماضی۔

حَطَبًا: لکڑی، ایندھن۔ جمع اَحْطَابٌ۔

تشریح: جنات کا وہ گروہ جو نخلہ میں ایمان لایا تھا، اپنی قوم کا اختلاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم میں نیک بھی ہیں اور بد بھی اور قرآن نازل ہونے سے پہلے ہم متفرق طریقوں پر بٹے ہوئے تھے۔ اب بھی اس بات کی توقع نہیں کہ سب ایک ہی راستے یعنی حق و ہدایت کو قبول کرلیں گے۔ اختلاف تو بہر حال رہے گا۔ اب جبکہ حق ظاہر ہوگیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت و خالقیت ثابت ہوچکی ہے تو ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی زمین میں رہتے ہوئے عاجز و بے بس نہیں کرسکتے اور نہ اس سے بھاگ کر اس کو مغلوب کرسکتے ہیں کیونکہ نہ تو ہم اس کی سلطنت سے نکل سکتے ہیں اور نہ اس کے علم و قدرت سے باہر ہوسکتے ہیں۔ اسی لئے ہم ہدایت کی بات سنتے ہی اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اس میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی۔ بلاشبہ یہ بات ہمارے لئے فخر اور سعادت کی ہے۔ پس جو شخص بھی اللہ پر ایمان رکھے گا اس کو نہ تو اجر و ثواب میں کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ ذلت و رسوائی کا۔ ہم میں سے بعض تو مسلمان اور فرماں بردار ہیں اور بعض ظالم و نافرمان، حق سے ہٹے ہوئے اور عدل کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ مسلمان تو نجات کے متلاشی ہیں اور ظالم جہنم کی لکڑیاں اور ایندھن ہیں۔

ایمان کے دنیوی منافع

۱۶۔۱۷: وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝

اگر یہ لوگ راہِ راست پر رہتے تو ہم ان کو بافراغت پانی پلاتے تاکہ اس میں

ہم اُن کو آزمالیں اور جو شخص اپنے رب کی یاد سے منہ موڑے گا تو اللہ اُس کو
سخت عذاب دے گا۔

غَدَقًا: پانی کا بہت ہونا، کثیر، وافر۔ مصدر ہے۔

صَعَدًا: کٹھن، سخت، الم ناک، مشکل کام۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کہہ دیجئے کہ میرے پاس یہ بھی وحی آئی ہے کہ اگر جن و انس اسلام اور اس فطرت پر قائم رہیں گے جس پر اللہ نے اُن سب کی تخلیق کی ہے تو ہم اُن پر کثرت سے بارشیں برسائیں گے اور ان کو خوب فراخی اور وسعت سے رزق دیں گے تا کہ رزق کی اس وسعت و فراخی سے ہم اُن کی آزمائش کر لیں کہ نعمتوں سے بہرہ ور ہو کر کون ہدایت پر جما رہتا ہے اور ہماری نعمت کا شکر ادا کرتا ہے اور کون کفرانِ نعمت کر کے پھر سے گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ
السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ

اور اگر ان بستیوں والے ایمان لے آتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم
ان پر آسمان و زمین کی برکتیں کھول دیتے۔ (الاعراف:۹۶)

اور ارشاد ہے کہ:

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ
مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

اور اگر یہ لوگ توریت و انجیل کو قائم رکھتے اور اس کو جو ان کے رب کی طرف
سے ان کی طرف نازل کیا گیا تو یہ اپنے اوپر اور اپنے نیچے سے خوب
کھاتے۔ (المائدہ:٦٦)

آیت کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر یہ سب کے سب گمراہی پر جم جاتے تو ہم ان پر رزق کے دروازے کھول دیتے تا کہ یہ خوب مست ہو جائیں، اللہ کو بھول جائیں اور بدترین سزاؤں کے قابل ہو جائیں، جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى

إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ ۝

جب وہ نصیحتیں بھلا بیٹھے تو ہم نے بھی اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، جس سے وہ مست ہوئے اور ناگہاں ہم نے ان کو پکڑ لیا اور پھر وہ مایوس ہو گئے۔ (الانعام: ۴۴)

جو لوگ اللہ کی یاد سے منہ موڑتے ہیں اور شیاطین سے تعلق قائم کرتے ہیں، اُن کو کبھی سکون اور چین نصیب نہیں ہوتا بلکہ اُن کی پریشانی اور عذاب ہمیشہ بڑھتا رہتا ہے۔ ہم ان کو دنیا میں بھی سخت عذاب میں مبتلا کریں گے اور آخرت میں بھی۔ (ابن کثیر: ۴/۴۳۱، مظہری ۹۰۔۱۰/۰۲)

غیر اللہ کو پکارنے کی ممانعت

۱۸۔۲۴: وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ۝ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ أَحَدًا ۝ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ۝ قُلْ إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝ إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَاتِهِ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۝ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضْعَفُ نَاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ۝

اور مسجدیں اللہ (کی عبادت) کے لئے ہیں، سو تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو اور جب اللہ کا بندہ (نبی) اُس کی عبادت کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس پر ہجوم کرنے لگتے ہیں۔ آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اختیار میں نہ تمہیں نقصان پہنچانا ہے اور نہ ہدایت دینا۔ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اللہ سے کوئی نہیں بچا سکتا اور نہ میں اس کے سوا کہیں پناہ پا سکتا ہوں۔ میں تو اللہ کی طرف سے اُس کے پیغام کو پہنچاتا ہوں اور جو اللہ اور

اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا تو اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ جب اُس (دن) کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ سو بہت جلد ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کس کے مددگار کمزور اور گنتی میں کم ہیں۔

لِبَدًا: ٹھٹ کے ٹھٹ، ہجوم، بھیڑ۔ واحد لِبْدَۃٌ۔

یُجِیْرَنِیْ: وہ مجھ کو پناہ دے گا۔ اِجَارَۃٌ سے مضارع۔

مُلْتَحَدًا: پناہ کی جگہ۔ اِلْتِحَادٌ سے مصدر میمی و اسم ظرف۔

تشریح: مساجد کے نام سے خاص اللہ کی عبادت کے لئے جو جگہیں بنائی جاتی ہیں وہاں اللہ کے سوا کسی اور کو پکارنا ظلمِ عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں حکم دیا ہے کہ اس کی مسجدوں کو شرک سے پاک رکھو، وہاں کسی اور کا نام نہ پکارو اور نہ کسی اور کو اُس کی عبادت و اطاعت میں شریک کرو۔

جب آپ کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے ہیں تو لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ آپ (ﷺ) پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مومنین تو شوق و رغبت سے قرآنِ کریم سننے کے لئے اور کفار و مشرکین تمسخر و عداوت سے آپ پر ہجوم کرنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے لئے تلاوتِ قرآن فرماتے ہیں تو جنوں کے غول کے غول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ جمع ہوتے ہیں۔

آپ ان کفار سے کہہ دیجئے کہ تم مخالفت میں مجھ پر ہجوم کیوں کرتے ہو۔ میں کوئی بری اور نامعقول بات نہیں کہتا۔ میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی چیز میں بھی کسی کو اُس کا شریک نہیں ٹھہراتا، نہ اُس کی ذات و صفات میں اور نہ اُس کے حقوق و افعال میں۔ میں تو اُسی کی پناہ میں ہوں اور اُسی پر میرا توکل اور بھروسہ ہے۔ میں تمہارے نفع و نقصان اور ہدایت و گمراہی کا مالک نہیں بلکہ اپنا نفع و ضرر بھی میرے اختیار میں نہیں۔ اگر بالفرض میں اپنے فرائض میں کوتاہی کروں تو کون ہے جو مجھے اللہ کے ہاتھ سے بچالے اور نہ کوئی ایسی جگہ ہے جہاں بھاگ کر میں پناہ حاصل کر سکوں۔ میرا کام تو صرف اللہ کا پیغام لانا اور اُس کے بندوں کو پہنچا دینا ہے سو وہ میں نے پہنچا دیا۔ اب خوب سمجھ لو کہ جو شخص بھی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اُس کے لئے جہنم کی

آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور اس سے کبھی نجات نہیں پائیں گے۔ قیامت کے دن جب یہ مشرکین جن و انس اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اُس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ کس کے ساتھی کمزور اور گنتی میں کم تھے۔

قیامت کا علم

۲۵۔۲۸: قُلْ إِنْ أَدْرِيٓ أَقَرِيبٌ مَّا تُوعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُۥ رَبِّيٓ أَمَدًا ۝ عَٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِۦٓ أَحَدًا ۝ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُۥ يَسْلُكُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦ رَصَدًا ۝ لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا۟ رِسَٰلَٰتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَىْءٍ عَدَدًۢا ۝

آپ (ﷺ) کہہ دیجئے کہ مجھے نہیں معلوم کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لئے میرے رب نے کوئی مدت دراز مقرر کر رکھی ہے۔ وہ غیب کا جاننے والا ہے۔ سو وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا، سوائے اپنے کسی پسندیدہ رسول کے۔ پھر اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے تاکہ جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور اللہ اُن کے تمام احوال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اُس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے۔

اَمَدًا: مدت، زمانۂ دراز۔ جمع اٰماد۔

اَحْصٰی: اُس نے احاطہ کر لیا، اُس نے گن لیا۔ اِحصاءٌ سے ماضی۔

تشریح: آپ ﷺ ان مشرکین سے کہہ دیجئے کہ جس قیامت کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے مجھے اس کے واقع ہونے کا علم نہیں بلکہ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا دور، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے مقرر کردہ وقت کے بارے میں کسی کو نہیں بتایا۔ یہ ان غیوب میں سے ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ غیب کی خبروں کا جاننے والا صرف اللہ ہے وہ اپنے بھیدوں کی پوری خبر کسی کو نہیں دیتا۔ البتہ وہ اپنے رسولوں میں سے جن کو چاہے وحی کے ذریعے اس قدر بتا دیتا ہے کہ جس قدر

اُن کی شان اور منصب کے لائق ہو اور وہ اتنا ہی جانتے ہیں جتنا ان کو بتایا جاتا ہے اور اس وحی کے ساتھ فرشتوں کا زبردست پہرہ ہوتا ہے تاکہ وحیٔ الٰہی ہر طرح محفوظ رہے اور جب اللہ کا رسول اس وحی کو بیان کرے تو اس میں شک وشبہ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ یہ اس لئے تاکہ وہ جان لے اور دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اللہ کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں اور اُن میں کسی قسم کی تبدیلی اور کمی بیشی نہیں ہوئی۔ ہر چیز اُسی کی نگرانی میں ہے۔ کسی کی مجال اور طاقت نہیں کہ وہ ان پہروں کو توڑ سکے۔ اللہ نے ان تمام چیزوں کا احاطہ کیا ہوا ہے جو اُن کے پاس ہیں اور اُس نے ہر چیز کی گنتی کر رکھی ہے۔ اس لئے کوئی بھی چیز اس کے علم کے احاطے سے باہر نہیں۔ وہی عالم الغیب ہے اور اُسی کے پاس غیب کے خزانے ہیں۔ (عثمانی: ۴۴۲، ۴۴۳/۲)

سورۃ المزمّل

وجہ تسمیہ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو **یا ایھا المزمل** اے اوڑھ لپیٹ کر لیٹنے والے کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ اسی لئے اس کا نام المزمل ہو گیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۲۰ آیتیں، ۲۸۵ کلمات اور ۸۳۸ حروف ہیں۔ حسن، عکرمہ، عطا اور جابر بن زیدؒ کے قول کے مطابق یہ پوری سورت مکیہ ہے۔ ابن عباسؓ اور قتادہؒ نے کہا کہ **واصبر علی مایقولون** سے اس کی دو آیتیں مدنیہ ہیں اور ثعلبی کہتے ہیں کہ **ان ربک یعلم انک تقوم** سے آخر سورت تک مدینے میں نازل ہوئی۔

(مواہب الرحمٰن: ۱۵۴، ۱۵۵/ ۲۹)

اس میں وحیِ الٰہی کی عظمت اور قیام اللیل کی تاثیر و برکت کا بیان ہے۔ اس کے ساتھ ہی مشرکین مکہ کی بے رُخی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین و گستاخی کا ذکر کر کے آپ کو تسلی دی گئی ہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کی تلقین ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیام اللیل کی تاثیر و برکت اور بچوں کو بوڑھا کر دینے والے دن کا بیان ہے۔

رکوع ۲: قیام اللیل کے حکم میں تخفیف مذکور ہے۔

قیام اللیل کا حکم

۱۔۴: يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۞ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۞ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۞ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۞

اے کپڑا اوڑھنے والے! رات کو قیام کیا کیجئے مگر تھوڑی رات، آدھی رات یا

اس سے کچھ کم یا اس (نصف) سے کچھ زیادہ اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے۔

اَلْمُزَّمِّلُ: کپڑے میں لپٹنے والا، مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ تزمُّلٌ سے اسم فاعل۔

رَتِّلْ: تو خوب صاف صاف پڑھ، تو خوب کھول کھول کر پڑھ۔ تَرْتِیْلٌ سے امر۔

تشریح: یہ سورت ابتدائی سورتوں میں سے ہے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ صحیح روایتوں میں ہے کہ ابتدا میں جب وحی کی دہشت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن کانپنے لگا تو آپ ﷺ نے گھر آکر فرمایا زملونی زملونی۔ مجھے کپڑا اوڑھاؤ، مجھے کپڑا اوڑھاؤ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑا اوڑھادیا گیا۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسی نام سے مخاطب کیا کہ اے چادر میں لپٹنے والے! اپنی طبیعت و ہمت کے لحاظ سے رات کے آخری نصف حصے یا کم و بیش میں اُٹھ کر نماز پڑھا کریں۔ اگر اتفاقاً یا عذر سے کسی رات کو نہ اُٹھ سکو تو کوئی مضائقہ نہیں اور نماز میں حسن صوت کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قرآن کی تلاوت کیا کریں تاکہ اس کو سمجھنے اور اس میں غور کرنے میں آسانی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ مجید کی تلاوت اسی طرح فرمایا کرتے تھے۔ قرآنِ مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لئے تلاوت کے وقت اس کی عظمت و ادب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عمر بھر اس حکم کی بجا آوری کرتے رہے۔ تہجد کی نماز صرف آپ ﷺ پر واجب تھی۔ اُمت پر واجب نہیں مستحب ہے۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھ اور چڑھ اور ترتیل کر۔ تیری منزل اس آخری آیت کے پاس ہے جو تو پڑھتا تھا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ (سننے میں) اتنی توجہ کسی چیز کی طرف نہیں کرتا جتنی اس خوش آواز نبی کی طرف کرتا ہے جو بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو۔ (مظہری: ۱۰۲۔۱۰۴/۱۰)

رات کی عبادت کی فضیلت

۵۔۹: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا۝اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً

وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝

عنقریب ہم آپ (ﷺ) پر ایک بھاری کلام نازل کریں گے۔ بے شک رات کا اُٹھنا نفس کو خوب پامال کرتا ہے اور سیدھی بات نکلتی ہے۔ بے شک دن میں آپ کے لئے بڑے مشغلے رہتے ہیں اور آپ اپنے رب کا ذکر کرتے رہیے اور سب کو چھوڑ کر اُسی کے ہو جائیے۔ وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سو آپ اسی کو کارساز بنائے رکھیے۔

نَاشِئَةَ: رات کا اُٹھنا، رات کی عبادت، مراد نمازِ تہجد۔ مصدر ہے۔

وَطْاً: روندنا، پامال کرنا، مراد نفس کا کچلنا۔ مصدر ہے۔

تَبَتَّلْ: تو سب سے الگ ہو جا، تو سب سے تعلق ختم کر لے۔ تَبَتُّلٌ سے امر۔

تشریح: اب ہم آپ صلی اللہ علیہ پر قولِ ثقیل القا کریں گے یعنی اس کے بعد آپ پر پے در پے قرآن نازل کریں گے جو اپنی قدر و منزلت کے اعتبار سے بہت قیمتی اور اپنی عظمت و کیفیات کے اعتبار سے بہت بھاری ہے، قوائے بشریہ اس کا تحمل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کی بنا پر نبی ہی اس کا تحمل کرتا ہے۔ احادیث میں ہے کہ نزولِ وحی کی کیفیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت گراں گزرتی تھی اور آپ ﷺ سخت سردی کے موسم میں بھی پسینے پسینے ہو جاتے تھے۔ اُس وقت اگر آپ کسی سواری پر ہوتے تو سواری بھی آپ ﷺ کا بوجھ برداشت نہیں کرتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک زید بن حارث رضی اللہ عنہ کی ران پر تھا۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔ زیدؓ فرماتے ہیں اُس وقت مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میری ران ٹوٹ رہی ہو۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر وحی کس طرح آتی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے اور یہ زیادہ سخت ہوتی ہے۔ جب وحی کی کیفیت دور ہوتی ہے تو میں اس کو محفوظ کر چکا ہوتا ہوں۔ کبھی فرشتہ آدمی کی شکل میں آ کر کلام کرتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے میں یاد رکھتا ہوں۔

(مظہری: ۱۰/۱۰۶)

بے شک نفس کو زیر کرنے کے لئے رات کو اُٹھ کر عبادت کرنا کوئی آسان کام نہیں ۔ یہ نفس پر بہت شاق ہے۔اس سے نیند اور آرام جیسی خواہشات پامال ہوتی ہیں ۔تہجد کی نماز کی خوبی یہ ہے کہ اس وقت دل اور زبان ایک ہو جاتے ہیں ۔ زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ دل میں اُتر جاتی ہے جبکہ دن میں یہ بات نہیں ہوتی کیونکہ دن میں ویسی فارغ البالی نہیں ہوتی جیسی رات میں ہوتی ہے ۔ نیز تہجد کا وقت اللہ ربُّ العزت کے آسمانِ دنیا پر نزول کرنے اور اپنے بندوں پر خاص عنایت و رحمت کے ساتھ متوجہ ہونے کا وقت ہوتا ہے اس لئے یہ وقت خاص روحانی برکات کا حامل ہے ۔ لہٰذا عبادت ، مناجات ، ذکر و تسبیح اور دعا یکسوئی کے ساتھ رات کے اسی حصے میں ہو سکتی ہے ۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ '' جب رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا ہے ،تو ہمارا رب نیچے والے آسمان پر نزولِ اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں قبول کروں ، کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں عطا کروں ، کوئی ہے کہ مجھ سے مغفرت طلب کرے اور میں اُس کے گناہ معاف کر دوں ''۔

مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ اگر ٹھیک اُس ساعت میں کوئی مسلمان اللہ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی طلب کرے تو اللہ اُس کو ضرور عطا فرماتا ہے ۔ (مظہری : ۱۰۸، ۱۰/۱۰۹)

بے شک دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت سے مشاغل ہوتے ہیں ، مثلاً تبلیغِ دین ، لوگوں کو احکامِ الٰہی سے آگاہ کرنا اور ان کے مطابق عمل کی تلقین و تربیت وغیرہ ۔اس لئے آپ قیام اللیل کے علاوہ بھی دن رات اُسی کی طرف متوجہ رہئے اور چلتے پھرتے ، اُٹھتے بیٹھتے اُسی کی تسبیح و تحمید کرتے رہئے اور اسی پر بھروسہ رکھیے کیونکہ اُس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کارساز ۔

(عثمانی : ۲/۷۴۶،۷۴۵ ، ابنِ کثیر : ۴/۴۳۷ ۔ ۴۳۴)

ترمذی اور ابنِ ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اللہ پر پورا توکل کر لو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو جس طرح وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے تم کو بھی دے گا ۔ پرندے صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں ۔

(مظہری : ۱۰/۱۱۲)

زمین اور پہاڑوں کا کانپنا

۱۰۔۱۴: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝ وَذَرْنِيْ
وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ۝ اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا
وَّجَحِيْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ۝ يَوْمَ تَرْجُفُ
الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝

جو کچھ وہ (کافر) کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور اچھے انداز سے ان سے کنارہ کش ہو جائیے۔ مجھے اور ان جھٹلانے والوں کو جو ناز و نعمت میں رہتے ہیں چھوڑ دیجئے اور ان کو تھوڑی سی مہلت دیجئے۔ بے شک ہمارے پاس بیڑیاں اور دوزخ ہے اور حلق میں اٹکنے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔ جس دن زمین اور پہاڑ لرزنے لگیں گے اور پہاڑ بھربھری ریت کے ٹیلوں کی مانند ہو جائیں گے۔

اُهْجُرْهُمْ: تو اُن کو چھوڑ دے، تو ان کو الگ کر دے۔ هَجْرٌ سے امر۔

اَنْكَالًا: بیڑیاں۔ واحد نِكْلٌ۔

تَرْجُفُ: وہ کانپے گی، وہ ہلنے لگے گی، وہ لرزے گی۔ رَجْفٌ سے مضارع۔

كَثِيْبًا: جمع کرنا، ریت کا ٹیلہ، بالوں کا ڈھیر۔ كَثْبٌ سے صفتِ مشبہ بمعنی مفعول۔

مَهِيْلًا: بھربھرا، ریزہ ریزہ۔ هَيْلٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان مشرکینِ مکہ کی طعن آمیز اور دل آزار باتوں کو نہایت صبر اور ہمت و استقلال سے برداشت کرتے رہیے اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ نہ کسی کے سامنے اُن کی بدسلوکی کی شکایت کی ضرورت ہے اور نہ آپ غیض و غضب میں آ کر اُن سے انتقام لینے کے درپے ہوں، بلکہ جہاں تک ہو سکے اُن کی ہدایت و رہنمائی میں کوشش کرتے رہیے۔ حق و صداقت کو جھٹلانے والے یہ مکذبین و متکبرین جو دنیا میں عیش و آرام سے رہ رہے ہیں تو اُن کی یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی۔ آپ ان کا معاملہ میرے سپرد کر دیجئے اور ان کو کچھ مہلت دیجئے، پھر میں

خود ان سے نمٹ لوں گا۔ یہ لوگ میری گرفت اور عذاب سے نہ دنیا میں بچ سکیں گے اور نہ آخرت میں۔ بے شک ہمارے پاس بڑی سخت بیڑیاں، دہکتی ہوئی آگ اور ایسا کھانا ہے جو حلق میں اٹک جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی دردناک عذاب ہیں جیسے نہایت زہریلے اور ہیبت ناک سانپ وغیرہ جن کے زہر سے پتھر بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ اس عذاب کی ابتدا اُس دن سے ہوگی جب زمین کانپنے لگے گی اور پہاڑ زلزلے سے ڈھیلے ہو کر زمین پر گر پڑیں گے اور ریزہ ریزہ ہو کر ریت کے ایسے تودے کی مانند ہو جائیں گے جس پر قدم نہ جم سکے۔

بچوں کو بوڑھا کر دینے والا دن

۱۵۔۱۹: اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۖ﴿۱۷﴾ ۨالسَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾

ہم نے تمہاری طرف بھی تم پر گواہی دینے والا رسول بھیج دیا جیسا کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا۔ پھر فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اس کو سختی سے پکڑ لیا۔ سو اگر تم کفر کرو گے تو اُس دن کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ جس دن آسمان پھٹ جائے گا، اللہ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ بے شک یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف (ہدایت کا) راستہ اختیار کر لے۔

وَبِيْلًا: سخت، بھاری۔ وَبْلٌ سے صفتِ مشبہ۔

شِيْبًا: بڑھاپا۔ واحد اَشْيَبُ۔

مُنْفَطِرٌ: پھٹ جانے والا۔ اِنْفِطَارٌ سے اسمِ مفعول۔

تشریح: اے مشرکینِ مکہ! جس طرح ہم نے ایک مستقل شریعت اور کتاب دے کر حضرت موسیٰ علیہ

السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تھا، اسی طرح ہم نے تم پر گواہی دینے والا ایک رسول تمہاری طرف بھیج دیا ہے۔ جس طرح فرعون نے ہمارے رسول کی بات نہ مانی تو ہم نے اسے سخت عذاب میں پکڑ لیا اور اس کو اپنے لاؤ لشکر، طاقت و قوت اور مال و دولت کے باوجود ایسی ذلت و رسوائی کے ساتھ دریا میں غرق کر دیا کہ تاریخ عالم اس سے زیادہ ذلت و بے بسی کی ہلاکت کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ اسی طرح اگر تم نے بھی اس نبی آخر الزماں کی بات نہ مانی تو تم پر بھی اللہ کا عذاب آ جائے گا اور تمہیں تہس نہس کر دے گا کیونکہ یہ رسول تمام رسولوں کے سردار ہیں، اُن کی تکذیب کا وبال بھی سب سے زیادہ ہے۔ اگر تم کفر کرتے رہے تو اُس دن کے عذاب سے کیسے نجات پاؤ گے جس کی ہیبت اور خوف بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔ اُس دن کی شدت سے آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا خواہ تم اپنی شقاوت و بدبختی سے اس کو کتنا ہی بعید اور محال سمجھو۔ بلا شبہ یہ سورت عقل مندوں کے لئے سراسر نصیحت و عبرت ہے۔ جو بھی طالب ہدایت ہوگا وہ اس نصیحت پر عمل کر کے اس کو اپنے رب کی طرف پہنچنے کا ذریعہ بنا لے گا۔

قیام اللیل کے حکم میں تخفیف

۲۰: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ
وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۚ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ اَنْ
لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۚ

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھ والوں میں سے ایک جماعت (بھی) دو تہائی رات (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات (نماز تہجد میں) کھڑے رہتے ہیں اور رات اور دن کا صحیح اندازہ اللہ ہی کو ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ تم اس کو پورا نہ کر سکو گے اس لئے اُس نے تم پر مہربانی فرمائی۔ سو تم جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو، پڑھ لیا کرو۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آپ کا اور آپ کے اصحابؓ کی ایک جماعت کا کبھی رات کے دو تہائی حصے میں قیام اللیل میں مشغول رہنا، کبھی آدھی رات اور کبھی سفر و مرض اور مصروفیت

کی وجہ سے تہائی رات میں تہجد پڑھنا اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے۔ روایات میں ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے پاؤں راتوں کو نماز میں کھڑے کھڑے سوج جاتے تھے اور پھٹنے لگتے تھے۔

رات اور دن کی پوری پیمائش تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ وہی ایک خاص انداز ے سے کبھی رات کو گھٹا دیتا ہے اور دن کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دن کو گھٹا دیتا ہے اور رات کو بڑھا دیتا ہے اور کبھی دونوں کو برابر کر دیتا ہے۔ بندوں کو نیند اور غفلت کے وقت روزانہ آدھی، تہائی اور دو تہائی رات کی پابندی کرنا آسان نہیں تھا جبکہ وقت کا اندازہ کرنے کے لئے گھڑیاں بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس لئے بعض صحابہؓ رات بھر نہ سوتے تھے کہ کہیں نیند میں ایک تہائی رات جاگنا بھی نصیب نہ ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس حکم میں تخفیف فرما دی کہ تم اس کو ہمیشہ پوری طرح نہ نبھا سکو گے اس لئے اب تمہاری راحت و سہولت کے پیش نظر اجازت دی جاتی ہے کہ جس کو تہجد میں اُٹھنے کی توفیق ہو وہ اتنی نماز پڑھے جتنی آسانی سے پڑھ سکتا ہو۔ اس میں قرآن بھی جتنا دل چاہے پڑھ لے۔ اب وقت یا مقدار تلاوت کی کوئی قید نہیں۔

تخفیف کی حکمت

۲۰: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۗ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ۗ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ تم میں سے بعض بیمار ہوں گے اور بعض روزی کی تلاش میں ملک میں سفر کریں گے اور بعض اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے سو جتنا آسانی سے پڑھا جا سکے اس میں سے پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرضِ حسن دو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے

بھیجو گے تو اللہ کے پاس (جا کر) اس کو بہتر اور اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا
پاؤ گے اور اللہ سے معافی مانگتے رہو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح: اس تخفیف کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے کیونکہ کوئی بھی انسان ہمیشہ تندرست نہیں رہتا اور کچھ مسافر بھی ہوں گے جو روزی اور علم وغیرہ کی تلاش میں مختلف علاقوں کا سفر کریں گے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ اس لئے ان عذروں کے باعث تمہیں رخصت دی جاتی ہے کہ تم آسانی سے جس قدر بھی قرآن پڑھ سکو، اسی قدر پڑھ لیا کرو۔ اپنے آپ کو زیادہ مشقت میں ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ فرض نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کو قرضِ حسن دیتے رہو۔ یعنی اللہ کے راستے میں صدقہ و خیرات کرتے رہو جس پر اللہ تعالیٰ تمہیں بہت بہتر اور پورا پورا بدلہ دے گا اور خوب جان لو کہ تم جو بھی نیکیاں اپنے لئے آگے بھیجو گے یقیناً تم ان کو اللہ کے ہاں پاؤ گے کیونکہ وہ بہت ہی بہتر اور عظیم اجر و ثواب عطا کرنے والا ہے۔ انسان اپنی طبعی کمزوریوں سے بہت کچھ کوتاہیاں اور خطائیں کرتا ہے اس لئے اس کو اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگتے رہنا چاہئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی نظر میں سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر مداومت (پابندی) کی جائے خواہ وہ عمل تھوڑا ہی ہو۔

سورۃ المدّثر

وجہِ تسمیہ: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''مدثر'' یعنی کپڑا اوڑھنے والے کہہ کر مخاطب فرمایا ہے، اسی لئے اس کا نام سورۃ المدثر ہو گیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۶ آیتیں، ۲۵۵ کلمات اور ۱۰۱۰ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ نے کہا کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ قرطبی نے کہا کہ یہی سب علماء کا قول ہے۔ کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۹/۱۹۹)

اس سورت کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب رسالت کی ذمے داریاں پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ پھر یہ واضح کیا گیا کہ مجرمین کو اُن کے کفر و نافرمانی کی سزا مل کر رہے گی اور مومنین کو انعاماتِ الٰہی سے سرفراز کیا جائے گا۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: لوگوں کو آخرت کے بارے میں خبردار کرنے کی تاکید اور کفرانِ نعمت کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

رکوع ۲: اہل جنت کے سوال کرنے پر اہل دوزخ کا جواب۔

انذار کا حکم

۱۔۷: يَآاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

اے کپڑے میں لپٹنے والے، اُٹھیے اور لوگوں کو ڈرائیے اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھیے اور گندگی سے دور رہیے اور احسان کر کے زیادتی کی خواہش نہ کیجئے اور اپنے رب کی راہ میں صبر کیجئے۔

مُدَثِّرٌ: چادر میں لپٹنے والا، لحاف میں لپٹنے والا، مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۔ تدثّرٌ سے اسم فاعل ۔

رُجْزٌ: بت، نجاست ۔

شانِ نزول: شیخین نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فترۃ الوحی کے بارے میں بیان فرما رہے تھے ۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''راستہ چلتے ہوئے میں نے اُوپر سے ایک آواز سنی، نظر اُٹھائی تو وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا ۔ مجھے اُس سے اتنا ڈر لگا کہ میں زمین کی طرف جھک گیا اور گھر آ کر کہا کہ مجھے اوڑھاؤ'' ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے **یاایھا المدثر قم فانذر فاھجر** نازل فرمائی ۔ (مظہری: ج ۱۰، ص ۱۲۳)

تشریح: یہ اُن سورتوں میں سے ہے جو نزولِ قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہیں ۔ بعض نے اس کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت کہا ہے ۔ صحیح روایات کی رُو سے سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں ۔ پھر کچھ مدت تک نزولِ قرآن کا سلسلہ بند رہا جس کو زمانۂ فترتِ وحی کہتے ہیں ۔ اس کے بعد یہ آیات نازل ہوئیں ۔ سورۂ مزمل کی طرح یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو کپڑا اوڑھنے والے کہہ کر مخاطب فرمایا اور اس کے بعد آپ کو چھ احکام دیئے ۔

۱ ۔ **قُمْ فانذر:** منصبِ رسالت کی ذمے داریاں پوری کرنے کے لئے عزم و ہمت اور قوی ارادے کے ساتھ کمربستہ اور تیار ہو جایئے، خلقِ خدا کی اصلاح کا کام سنبھال لیجئے، لوگوں کو ہماری ذات سے، جہنم سے اور اُن کی بداعمالیوں سے ڈرایئے اور اُن کی غفلت دور کیجئے ۔

۲ ۔ **وربک فکبر:** اپنے قول و عمل سے صرف اپنے رب کی عظمت و کبریائی بیان کرتے رہیے ۔ تمام جہان کا پالنے والا صرف اللہ ہی ہے، اس لئے وہی ہر بڑائی کا مستحق ہے ۔ اس کی بڑائی اور بزرگی بیان کرنے ہی سے اس کا خوف دلوں میں پیدا ہوتا ہے ۔

۳ ۔ **وثیابک فطھر:** ثِیَابٌ ثَوْبٌ کی جمع ہے ۔ اس کے حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب اور لباس کہا جاتا ہے ۔ قلب اور نفس کو بھی، خلق اور دین کو بھی اور انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ یہاں اس لفظ کے سبھی معنی مراد لئے جا سکتے ہیں ۔ مطلب یہ ہے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھیے، قلب و

نفس کو باطل عقائد و خیالات اور اخلاقِ رذیلہ سے پاک رکھیے۔ بہر حال آیت میں ظاہری و باطنی طہارت کی تاکید ہے۔

۴۔ والرجز فاھجر: بتوں کو یا گناہ و معصیت کو چھوڑ دیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سب کو چھوڑے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کو اس کا حکم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آئندہ بھی ان چیزوں سے دور رہئے۔

۵۔ ولاتمنن تستکثر: کسی شخص پر اس نیت سے احسان نہ کیجئے کہ جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ وصول ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اس نیت سے تحفہ دینا کہ وہ بدلے میں اس سے زیادہ دے گا، مذموم و مکروہ ہے۔

۶۔ ولربک فاصبر: صبر کے لفظی معنی اپنے نفس کو روکنے اور قابو میں رکھنے کے ہیں۔ اس لئے صبر کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی پر قائم رکھئے اور صبر میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے نفس کو روکے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مصائب اور تکلیف میں اپنے اختیار کی حد تک جزع و فزع اور شکوہ و شکایت سے بچے۔ اس لحاظ سے یہ ایک جامع حکم ہے جو تقریباً پورے دین کو شامل ہے۔

(معارف القرآن: ج ۸، ص ۶۱۰، ۶۱۲)

کافروں پر یومِ قیامت کا سخت ہونا

۸۔۱۰: فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ ایک سخت دن ہوگا (جو) کافروں پر آسان نہ ہوگا۔

نُقِرَ: وہ پھونکا جائے گا۔ نَقْرٌ سے ماضی مجہول۔

عَسِيرٌ: سخت، مشکل، بھاری۔ عُسْرٌ سے صفتِ مشبہ۔

تشریح: پھر جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت برپا ہو جائے گی تو وہ دن کافروں کے لئے بہت ہی سخت اور دشوار ہوگا اور کسی طرح آسان نہ ہوگا بلکہ اس کی دشواری بڑھتی ہی جائے گی۔ اس کے

برخلاف اُس دن اگر مومنوں پر سختی ہوگی بھی تو کچھ مدت کے بعد پھر آسانی کردی جائے گی۔ اس لئے آپ صبر واستقامت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہیے اور منکرین ومخالفین کی عداوتوں اور سازشوں کو خاطر میں نہ لائیے۔

احمد اور ترمذی نے بہ سندِ قوی حضرت زید بن ارقمؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں کس طرح آرام پاؤں، صور والا تو صور منہ میں لئے پیشانی جھکائے کانوں کو حکمِ خدا کی طرف متوجہ کئے موجود ہے کہ کب اُس کو (صور پھونکنے کا) حکم دیا جاتا ہے''۔ یہ بات صحابہؓ پر شاق گزری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھو۔

(مظہری: ج ۱۰، ص ۱۲۶)

ولید کا غرور وتکبر

۱۱۔۲۵: ذَرْنِىْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِيْنَ
شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ
كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝
فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ
وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝
اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝

آپ (ﷺ) مجھے اور اُسے چھوڑ دیجئے، جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور میں نے اُسے کثرت سے مال دیا اور پاس رہنے والے بیٹے دیئے اور اُس کو سب طرح کا سامان مہیا کردیا۔ پھر بھی وہ اس بات کی ہوس رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔ عن قریب میں اُس کو دوزخ کے پہاڑ پر چڑھادوں گا۔ اُس نے سوچا پھر ایک بات تجویز کی۔ وہ غارت ہو، اُس نے کیسی (بات) تجویز کی۔ پھر غارت ہو اُس نے کیسی تجویز کی۔ پھر اُس نے دیکھا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بنایا، پھر پیٹھ پھیرلی اور تکبر کیا۔ پھر کہنے لگا یہ تو ایک جادو ہے جو نقل ہوتا آرہا ہے۔ یہ تو بس آدمی کا کلام ہے۔

وَحِیْدًا: تنہا، اکیلا، جس کا نسب کسی باپ سے نہ ملتا ہو۔ (مظہری: ج ۱۰، ص ۱۲۷)۔ وَحْدٌ و وُحْدَۃٌ سے صفت مشبہ۔

مَمْدُوْدًا: پھیلا ہوا، کثرت سے دیا ہوا۔ مَدٌّ سے اسمِ مفعول۔

شُھُوْدًا: گواہ، حاضرین، بیٹھنے والے۔ واحد شَاھِدٌ۔

مَھَّدْتُّ: میں نے مہیا کیا، میں نے بچھایا۔ تَمْھِیْدٌ سے ماضی۔

عَنِیْدًا: عناد رکھنے والا، مخالف۔ عُنُوْدٌ سے صفتِ مشبہ۔

اُرْھِقُہٗ: میں اس کو چڑھاؤں گا، میں اس کو سخت مشقت میں جتلا کروں گا۔

عَبَسَ: اُس نے تیوری چڑھائی، اُس نے منہ بنایا، وہ ترش رو ہوا۔ عَبْسٌ و عُبُوْسٌ سے ماضی۔

بَسَرَ: اُس نے منہ بسورا، اُس نے منہ بنایا۔ بُسُوْرٌ سے ماضی۔

یُؤْثَرُ: وہ ترجیح دیتا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے۔ اِیْثَارٌ سے مضارع مجہول۔

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اُس (ولید بن مغیرہ) کی پرواہ نہ کیجئے جس کو میں نے تنہا کسی شریک کے بغیر پیدا کیا، میں آپ ﷺ کی طرف سے اُس کے لئے کافی ہوں۔ پیدائش کے وقت اُس کے ساتھ کوئی چیز بھی نہ تھی۔ وہ بالکل خالی ہاتھ اور تنہا دنیا میں آیا تھا۔ ہر انسان ماں کے پیٹ سے اسی طرح پیدا ہوتا ہے، نہ مال و اولاد ساتھ لے کر آتا ہے اور نہ لشکر و سامان۔ اُس شخص کو بھی یہ مال و اولاد، کنیز و غلام، نوکر چاکر اور ہر طرح کا آرام و آسائش وغیرہ اللہ تعالیٰ کی بخشش اور عطا سے دنیا ہی میں ملا ہے۔ اس لئے اس کو اس پر غرور و تکبر زیب نہیں دیتا۔

اتنا کچھ ہونے کے باوجود اس کی ہوس اور خواہش نفس پوری نہیں ہوتی اور چاہتا ہے کہ اس میں مزید اضافہ ہو اور جو کچھ اس کو دنیا میں ملا ہوا ہے وہ سب آخرت میں بھی مل جائے لیکن اب ہرگز ایسا نہیں ہوگا۔ آخرت تو کیا وہ تو دنیا میں بھی دیکھ لے گا کہ کیسا ذلیل و خوار ہوتا ہے کیونکہ یہ ہماری آیتوں کو جاننے کے باوجود جھٹلاتا اور اُن کو جادو کہتا ہے اور یہ بہت ہی بغض و عناد رکھنے والا ہے۔ میں بہت جلد اس کو ایسے سخت عذاب سے ڈھانک دوں گا جو ہر عذاب سے بڑھ کر ہوگا کیونکہ یہ قرآن کے بارے میں خوب سوچ سوچ کر گھڑنت گھڑتا ہے اور بار بار غور و فکر کر کے پیشانی پر بل ڈال کر اور منہ بنا بنا کر حق و صداقت سے منہ موڑ کر صاف صاف کہتا ہے کہ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ انسانی قول اور جادو ہے جو پہلے لوگوں کے منتروں سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس ملعون کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی تھا جو

قریش کا سردار تھا۔

ولید کا انجام

۲۶۔۳۰: سَاُصۡلِیۡهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾ لَا تُبۡقِیۡ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾
لَوَّاحَةٌ لِّلۡبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَیۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

میں عن قریب اُسے دوزخ میں ڈالوں گا اور تجھے کیا خبر کہ دوزخ کیا ہے، نہ باقی رکھتی اور نہ چھوڑتی ہے۔ وہ آدمی کو جھلسا دیتی ہے۔ اس پر ۱۹ (فرشتے) مقرر ہیں۔

سَقَرَ: آگ، دوزخ کے ایک طبقے کا نام۔

لَوَّاحَةٌ: جھلس دینے والی، رنگ بدل دینے والی۔ لَوۡحٌ سے مبالغہ۔

تشریح: میں عن قریب اُس ملعون کو دوزخ میں ڈالوں گا جس کی آگ ایسی زبردست اور خوف ناک ہے کہ ایک ہی لپٹ میں وہ گوشت پوست، رگوں اور پٹھوں کو کھا جاتی ہے۔ یہ سب پھر نئے سرے سے پیدا ہو جاتے ہیں اور پھر جلائے جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا، نہ موت آئے گی اور نہ راحت والی زندگی ملے گی۔ دوزخ پر ۱۹ فرشتے مقرر ہیں جو نہ تھکتے ہیں اور نہ کسی پر رحم کرتے ہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **سارھقہ صعودا** کی تشریح میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں آگ کا ایک پہاڑ ہے۔ ولید کو اُس پر چڑھنے کا حکم ہوگا۔ جب وہ اپنا ہاتھ اُس پر رکھے گا تو ہاتھ پگھل جائے گا اور جب ہاتھ اُٹھائے گا تو وہ دوبارہ اصلی حالت پر ہو جائے گا اور جب اُس پہاڑ پر قدم رکھے گا تو قدم پگھل جائے گا۔ پھر جب قدم کو اُٹھائے گا تو قدم اصلی حالت پر ہو جائے گا۔ حضرت ابوسعیدؓ کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ کے اندر ایک پہاڑ ہوگا۔ ولید ستر سال تک اُس پر چڑھے گا پھر لڑھک کر نیچے گر جائے گا اور ہمیشہ اسی طرح کرتا رہے گا۔ (ابن کثیر: ۴/۴۴۴،۴۴۳)

کفار کے استہزا کا جواب

۳۱: وَمَا جَعَلۡنَاۤ اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّمَا جَعَلۡنَا عِدَّتَهُمۡ اِلَّا فِتۡنَةً

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ
وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ
بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا
يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۞

ہم نے دوزخ کے کارکن صرف فرشتے بنائے ہیں اور ہم نے اُن کی تعداد کافروں کے لئے آزمائش بنائی ہے تاکہ اہلِ کتاب یقین کرلیں اور مومنوں کا ایمان بڑھے اور تاکہ اہلِ کتاب اور مومن شک نہ کریں اور تاکہ جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے وہ اور کافر کہیں کہ اس مثال سے اللہ کی کیا غرض ہے۔ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور آپ کے رب کے لشکروں کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو لوگوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

یَرْتَابَ: وہ شک کرتا ہے، وہ شبہ کرتا ہے۔ اِرْتِیَابٌ سے مضارع۔

جُنُوْدَ: لشکر، فوجیں۔ واحد جُنْدٌ۔

تشریح: دوزخ کے نگراں فرشتوں کی تعداد ۱۹ سن کر مشرکینِ مکہ تمسخر کے طور پر کہنے لگے کہ ہم تو ہزاروں ہیں۔ اُنیس ہمارا کیا کرلیں گے۔ ان کو ہرانے کے لئے تو ہمارے زیادہ سے زیادہ ۱۹۰ آدمی کافی ہوں گے۔ ان میں سے ایک جو بڑا مغرور تھا کہنے لگا میں تو اکیلا سترہ کو کافی ہوں گا، جو دو بچیں گے اُن کا تم مل کر تیا پانچہ کرلینا۔ مشرکین کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو ہم نے دوزخ کی نگرانی پر مقرر کیا ہے وہ انسان نہیں فرشتے ہیں۔ نہ تم انہیں ہرا سکو گے اور نہ تھکا سکو گے۔ وہ کسی پر رحم نہیں کھاتے بلکہ پوری پوری سزا دیتے ہیں۔ اُن کی قوت کا یہ حال ہے کہ صرف ایک فرشتے نے قومِ لوط کی ساری بستی کو ایک بازو پر اُٹھا کر پٹخ دیا تھا۔

پھر فرمایا کہ دوزخ کے فرشتوں کی تعداد کا ذکر تو تمہارے امتحان کے لئے، اس سے ایک طرف تو کافروں کا کفر کھل گیا، دوسری طرف اہل کتاب کا یقین پختہ ہوگیا کہ اس رسول کی رسالت

حق ہے کیونکہ اُن کی کتاب میں بھی تعداد لکھی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ اس سے اہل ایمان کا ایمان بھی مزید پختہ ہوا اور اہل کتاب اور مومنوں کو کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہا۔البتہ جن لوگوں کے دلوں میں کفر ونفاق کی بیماری ہے وہ چیخ اُٹھے کہ اس تعداد کو یہاں ذکر کرنے میں کیا حکمت ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسی ہی باتیں بہت سے لوگوں کے ایمان کی مضبوطی کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگ شک و شبے میں پڑ کر گمراہ ہو جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کے سب کام حکمت سے پُر ہیں۔اس کے لشکروں کی صحیح تعداد اور اُن کی کثرت کا کسی کو علم نہیں۔وہی خوب جانتا ہے۔یہ جہنم جس کا حال تم گزشتہ آیات میں سن چکے ہو،لوگوں کے لئے سراسر باعثِ عبرت ونصیحت ہے۔

اہل دوزخ سے سوال

۳۲۔۴۲: كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿٣٢﴾ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿٣٣﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿٣٤﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ﴿٣٥﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿٣٦﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿٣٧﴾ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾

نہیں نہیں۔قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے اور صبح کی، جب وہ روشن ہو جائے کہ یقیناً وہ (دوزخ) بڑی بھاری چیز ہے،لوگوں کو ڈرانے والی ہے، ہر اُس شخص کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہے، ہر شخص اپنے اعمال کے وبال میں مبتلا ہے،سوائے داہنی طرف والوں کے، کہ وہ بہشتوں میں ہوں گے اور گناہ گاروں سے پوچھیں گے کہ تمہیں کس چیز نے دوزخ میں پہنچایا۔

اَسْفَرَ: وہ روشن ہوا۔اِسْفَارٌ سے ماضی۔

رَهِينَةٌ: گروی رکھی ہوئی، پھنسا ہوا،محبوس۔رَھْنٌ سے صفتِ مشبہ بہ معنی مفعول۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے چاند کی، رات کے جانے کی اور صبح کے روشن ہونے کی قسمیں کھا کر فرمایا کہ بے شک وہ جہنم جس پر ۱۹ فرشتوں کے پہرے اور انتظام کا ذکر کیا گیا ہے وہ زبردست اور بڑی بڑی

بلاؤں میں سے ایک بلا ہے جو بنی آدم کو ڈرانے اور خبردار کرنے والی ہے۔ سو تم میں سے جو چاہے آگے بڑھ کر سعادت و فلاح اور پرہیزگاری کا راستہ اختیار کر کے جنت اور اُس کی نعمتیں حاصل کر لے اور جو چاہے شقاوت و بدی کا راستہ اختیار کر کے جہنم حاصل کر لے۔ پس جو جیسا کرے گا وہ ویسا ہی پائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ ہر شخص کو پورا پورا اختیار ہے کہ وہ چاہے تو بھلائی کا راستہ اختیار کر لے اور چاہے برائی کا راستہ اختیار کر لے۔

ایمان و کفر اور نیکی و بدی کے نتائج قیامت کے روز ہی سامنے آئیں گے۔ اُس دن ہر شخص اپنے اعمال میں بندھا ہوا ہوگا لہٰذا قیامت کے روز کوئی بھی اپنے کفر و شرک، بداعمالیوں اور گناہوں کی سزا سے نہیں بچ سکے گا مگر دائیں طرف والے اس سے مستثنیٰ ہوں گے، یعنی جن لوگوں کو اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ جنت کے بالا خانوں میں نہایت آرام و سکون سے بیٹھے ہوئے اہل جہنم کو بدترین عذابوں میں مبتلا دیکھ کر اُن سے پوچھیں گے کہ تم تو بڑے عقل مند تھے۔ اپنی عقل و دانائی کے باوجود تم اس ہلاکت و تباہی کے مقام پر کیسے پہنچ گئے۔

اہلِ دوزخ کا جواب

۴۳۔۵۱: قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝

وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ مسکین کو کھانا کھلاتے تھے اور ہم بحث کرنے والوں کے ساتھ بحث کرتے تھے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔ پھر کسی سفارش کرنے والے کی سفارش اُن کے کام نہ آئے گی۔ پھر ان کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں جو شیر سے (ڈر کر) بھاگ رہے ہیں۔

نَخُوْضُ: ہم بحث کرتے ہیں، ہم باتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ خَوْضٌ سے مضارع۔

حُمُرٌ: گدھے ۔ واحد حِمَارٌ۔

مُسْتَنْفِرَةٌ: بدکنے والی، وحشی ۔ اِسْتِنْفَارٌ سے اسمِ فاعل ۔

قَسْوَرَة: شوروغل، شیر، شکاری لوگ ۔ جمع قَسَاوِرَةٌ۔

تشریح: اہلِ دوزخ اپنے جرموں کا اقرار کرتے ہوئے جنت والوں کو جواب دیں گے کہ نہ ہم نے اپنے رب کی عبادت کی اور نہ مخلوقِ خدا کے ساتھ احسان کیا، یہاں تک کہ ہم نے کبھی ایک مسکین کو بھی کھانا نہیں دیا بلکہ ہم تو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن وتشنیع کرنے والوں کے ساتھ مل کر اُس کے دین کا تمسخر اُڑاتے رہتے اور قیامت کو جھٹلاتے رہتے تھے ۔ یہاں تک کہ ہم پر قیامت آ گئی اور جن باتوں میں ہم شک وشبہ کرتے تھے، اُن پر یقین حاصل ہوگیا۔ کاش ہم اپنی غلط روش کو ترک کر کے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر توبہ کر لیتے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیتے مگر ہم نے اپنی روش نہ بدلی، اس لئے یہ دن دیکھنا پڑا۔

یہ لوگ کبھی جہنم سے چھٹکارا نہیں پائیں گے، نہ ان کو سفارش کرنے والوں کی سفارش کوئی نفع دے گی ۔ قریشِ مکہ میں سے جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لا رہے، آخر اُن کو کیا ہوگیا ہے کہ وہ ہر نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں اور قرآن وحدیث سے اس طرح بھاگ رہے ہیں جیسے جنگلی گدھے شکاری شیر سے بھاگتے ہیں ۔

مغفرت کا ذریعہ

۵۲۔۵۶: بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ۖ بَلْ لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ۝ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ۝ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝

بلکہ ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ اُس کو کھلی ہوئی کتابیں دی جائیں ۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے ۔ نہیں نہیں ۔ یہ (قرآن) ایک نصیحت ہے ۔ اب جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے اور اللہ کے چاہے بغیر یہ لوگ نصیحت قبول نہیں کریں گے ۔ اسی سے ڈرنا چاہئے اور وہی بخشنے والا ہے ۔

تشریح: یہ مشرکین تو چاہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ کتابیں اُتریں، جن میں ان

کے لئے یہ تحریر ہو کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو نصیحت کرتے ہیں، اُس کو سنو۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ

اور ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ آپ ﷺ ہم پر ایسی کتاب نازل کرادیں جس کو ہم خود پڑھ لیا کریں۔ (الاسراء:۹۳)

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ

وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسی ہی چیز نہ دی جائے جیسی رسولوں کو دی گئی۔ (الانعام:۱۲۴)

خبردار! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اُن کی یہ بے ہودہ خواہش اس لئے نہیں کہ ایسا کر دیا جائے تو وہ واقعی ایمان لے آئیں گے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ تو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہی نہیں اور نہ ان کو آخرت کے حساب کتاب اور جزا و سزا کا یقین ہے۔ یہ قرآن تو سراسر پیغامِ نصیحت ہے جو ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سب کو پہنچا دیا۔ اب جس کا دل چاہے اس کو قبول کرلے اور جس کا دل چاہے چھوڑ دے۔ اس کو وہی قبول کریں گے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق دے گا اور ان کے دلوں میں ایمان پیدا فرمادے گا اور جو اس سے منہ موڑے گا تو اللہ اُس کے دل میں کفر پیدا کردے گا۔ اُسی کی ذات اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اپنے لطف و کرم اور مہربانی سے اپنے بندوں کی خطائیں معاف فرماتا ہے۔ (عثمانی: ج ۲، ۷۵۴، ۷۵۵)

احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور حاکم وغیرہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ھو اھل التقویٰ کے بارے میں فرمایا ''تمہارے رب نے فرمایا کہ میں اسی قابل ہوں کہ میرا شریک قرار دینے سے اجتناب کیا جائے اور کسی کو میرا سا بھی نہ بنایا جائے اور میں اس بات کا اہل ہوں کہ جو تقویٰ رکھے اور کسی کو میرا شریک نہ بنائے تو میں اُس کی بخشش کردوں''۔ (مظہری: ۱۰/۱۳۵)

سورۃ القیامہ

وجہ تسمیہ: اس سورت میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے اور اس کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کی قسم کھائی ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۃ القیٰمہ ہو گیا۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۴۰ آیتیں، ۱۵۷ کلمات اور ۶۵۲ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ سے روایت ہے کہ اس کا نزول مکے میں ہوا۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ بالا جماع سب علما کے نزدیک مکیہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ (مواہب الرحمٰن: ۲۳۰/ ۲۹)

اس میں قیامت کے احوال کا ذکر ہے جو اُس دن لوگوں پر گزریں گے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: اللہ کی قدرتِ کاملہ اور آخرت سے غفلت کا بیان ہے۔

رکوع ۲: انسان کی حقیقت و انجام مذکور ہے۔

اللہ کی قدرتِ کاملہ

۱۔۵: لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝

قسم ہے قیامت کے دن کی! اور قسم ہے اُس نفس کی! جو (برائی پر) ملامت کرے۔ کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں ہرگز جمع نہ کریں گے۔ کیوں نہیں۔ ہم اس بات پر بھی قادر ہیں کہ اُس کی انگلیوں کی پور پور تک درست کر دیں بلکہ انسان چاہتا ہے کہ آئندہ بھی نافرمانیاں کرتا رہے۔

لَوَّامَۃ: بہت ملامت کرنے والا۔ لَوْمٌ سے مبالغہ۔

عِظَامَہٗ: اُس کی ہڈیاں۔ واحد عَظْمٌ۔

نُسَوِّیَ: ہم برابر کرتے ہیں، ہم ٹھیک ٹھاک کرتے ہیں۔ تَسْوِیَۃٌ سے مضارع۔

بَنَانَہٗ: اُس کی پوریں، اُس کی انگلیوں کے سرے۔ واحد بَنَانَۃٌ۔

یَفْجُرَ: وہ نافرمانی کرتا ہے، وہ کھلے عام گناہ کرتا ہے۔ فُجُوْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے منکرین کے اس قول کی تردید میں کہ قیامت قائم نہیں ہوگی، قیامت اور نفسِ لوامہ کی قسم کھا کر فرمایا کہ کوئی مانے یا نہ مانے قیامت ضرور قائم ہوگی اور مرنے کے بعد تمہیں زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا، تمہارے اچھے برے اعمال کا حساب ہوگا، اور تمہیں اسی کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ نفسِ لوامہ سے مراد یہ ہے کہ قیامت کے روز ہر شخص خواہ وہ نیک ہو یا بد اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ اگر اُس نے اچھے کام کئے ہوں گے تو نفس سے کہے گا کہ تو نے اس سے زیادہ نیک کام کیوں نہیں کئے اور اگر برے کام کئے ہوں گے تو کہے گا کہ تو نے یہ برے کام کیوں کئے۔

اگر انسان یہ سوچے ہوئے ہے کہ قیامت کے دن ہم اُس کی ہڈیوں کو جو ریزہ ریزہ ہو کر منتشر ہو چکی ہیں، جمع کرنے پر قادر نہیں ہوں گے تو یہ اُس کی محض خام خیالی ہے۔ ہم تو اس پر بھی پوری طرح قادر ہیں کہ اُس کی ہڈیوں اور جسم کے منتشر اجزا کو متفرق مقامات سے جمع کر کے اُس کو دوبارہ کھڑا کر دیں اور اُس کی انگلیوں کی پوریں بھی ٹھیک بنا دیں۔ جب ہم اُنگلیوں کی پوروں جیسی نازک اور باریک ہڈیوں کو جوڑ کر درست کر سکتے ہیں تو پھر تمام اجزا اور ہڈیوں کا جوڑنا کیا مشکل ہے۔

جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کو محال جانتے ہیں تو اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ کوئی بہت مشکل بات ہے یا اس سلسلے میں اللہ کی قدرت کے دلائل و نشانات صاف اور واضح نہیں بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ اُس کی جو عمر باقی رہ گئی وہ اس میں بے فکری سے فسق و فجور کرتا رہے۔ اگر کہیں قیامت کا اقرار کر لیا اور اعمال کے حساب و کتاب کا خوف دل میں بیٹھ گیا تو پھر فسق و فجور میں اس قدر بے باکی اور ڈھٹائی نہ ہو سکے گی۔ اس لئے وہ دل میں ایسا خیال ہی نہیں آنے دیتا جس سے اُس کے عیش و لذت میں خلل پڑے۔

قیامت کے دن جائے پناہ نہ ملنا

۶۔۱۵: يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۝
وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۝ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝
اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمُسْتَقَرُّ ۝ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ
وَاَخَّرَ ۝ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝

وہ پوچھتا ہے قیامت کا دن کب آئے گا؟ پھر جب آنکھیں پتھرا جائیں اور چاند گہنا جائے اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں، اُس دن انسان کہے گا کہ کہاں ہے بھاگ کر جانے کی جگہ۔ نہیں کہیں پناہ نہیں۔ اُس روز صرف آپ (ﷺ) کے رب کے پاس ٹھکانا ہوگا۔ اُس دن انسان کو بتا دیا جائے گا کہ وہ کیا لایا اور کیا (پیچھے) چھوڑ آیا بلکہ انسان اپنی حالت پر خوب مطلع ہوگا اگرچہ اپنے حیلے پیش کرے گا۔

اَیَّانَ: کب، حرف استفہام زمان۔

بَرِقَ: وہ خیرہ ہوگئی، وہ چندھیا گئی، وہ پتھرا گئی۔ بَرَقٌ سے ماضی۔

خَسَفَ: وہ بے نور ہوا، وہ گہن میں آیا۔ خُسُوْفٌ سے ماضی۔

وَزَرَ: پناہ کی جگہ، پناہ گاہ۔

مَعَاذِیْرَہٗ: اُس کے عذر، اُس کے بہانے۔ واحد مَعْذِرَۃٌ۔

تشریح: پھر انسان بطور تمسخر اور استہزا سوال کرتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قیامت کوئی کھیل تماشا نہیں بلکہ وہ تو ایسی ہول ناک ہوگی کہ اُس وقت آنکھیں حیرت سے پتھرا جائیں گی اور گہن لگنے کی طرح چاند کی روشنی بالکل جاتی رہے گی اور چاند و سورج کو بے نور کر کے لپیٹ دیا جائے گا یعنی آسمان و زمین کا تمام نظام جو شمس و قمر کی گردش پر قائم ہے درہم برہم کر دیا جائے گا۔ وہ ایسا ہیبت ناک دن ہوگا کہ آدمی بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر بھاگے گا اور کہے گا کہ پناہ کی جگہ کہاں ہے جہاں میں اس بدحواسی اور ہول سے نکل کر جا سکوں۔ اُس وقت اُس کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے جواب ملے گا کہ آج کوئی پناہ کی جگہ نہیں۔ آج نہ کوئی تجھے بچا سکتا ہے اور نہ پناہ دے سکتا ہے۔ آج سب کو اپنے پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونا اور اُس کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ۝

اُس دن تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔ (الشوریٰ:۴۷)

آج ہر شخص کو اُس کے اگلے پچھلے، اچھے برے اور چھوٹے بڑے اعمال سے مطلع کر دیا جائے گا بلکہ اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ تو اپنے آپ کو خوب جانتا ہے اور اپنے اعمال کا خود آئینہ ہے۔ اُس وقت وہ عذر، حیلے اور بہانے کرے گا لیکن سب بے سود۔ (عثمانی: ۷/۵۸)

آپ (ﷺ) کے سینے میں قرآن محفوظ کرنا

۱۶-۱۹: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝

آپ (ﷺ) اس (قرآن) کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں کیونکہ اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ پھر جب ہم اس کو پڑھ چکیں تو آپ بھی اس کو اسی طرح پڑھیں۔ پھر اس کو کھول کر بیان کرا دینا (بھی) ہمارے ذمے ہے۔

شانِ نزول: صحیحین میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیاتِ وحی کو یاد رکھنے کے لئے اپنی زبان اور لبوں کو حرکت دیتے تھے (یعنی جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ دہراتے تھے) اور یہ عمل آپ ﷺ پر سخت گزرتا تھا جس کے آثار نمایاں ہوتے تھے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (مظہری: ۱۰/۱۳۹)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو اُس کو یاد کرنے کے لئے آپ ﷺ کو جلدی کرنے اور محنت و مشقت اُٹھانے کی ضرورت نہیں، اس وقت آپ ﷺ تو

بس سنتے رہیں ۔ پھر جب جبرائیل علیہ السلام پڑھ چکیں تو اُن کی تلاوت کردہ آیات کو آپ بھی پڑھیں تا کہ وہ آپ کو ذہن نشین ہو جائیں ۔ بلاشبہ اس قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں جمع کرنا پھر آپ کی زبان پر اس کا ورد کر دینا اور اس کی تفسیر و بیان اور اس کے معنی و مطالب واضح کرانا سب ہمارے ذمے ہے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۚ

اور اے نبی! جب تک اس کی پوری وحی آپ کی طرف نازل نہ ہو جائے آپ قرآن (پڑھنے) میں جلدی نہ کیجئے ۔ (طٰہٰ:۱۱۴)

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اس مفید اور عجیب قرآن کو آپ پر بہ تدریج نازل کرتے ہیں ۔ آپ بھی اس کو جبرائیل علیہ السلام سے لینے میں جلدی نہ کیا کریں ۔ جب فرشتہ آپ ﷺ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ وحی کے پورا ہونے سے پہلے اس کو دہرانے میں جلدی نہ کیا کریں ۔ قرآنِ کریم کو آپ ﷺ کے سینے میں محفوظ رکھنے کا ذمہ ہم لے چکے ہیں ، اس لئے اس کو یاد رکھنے کی فکر میں پڑھنے کی ضرورت نہیں ۔

حصولِ دنیا میں انہماک

۲۰ ۔ ۲۵: كَلَّا بَلۡ تُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ ۞ وَتَذَرُوۡنَ الۡاٰخِرَةَ ۞ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۞ وَوُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ۞ تَظُنُّ اَنۡ يُّفۡعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۞

ہرگز نہیں بلکہ تم تو دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ بیٹھے ہو ۔ اُس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے ، اپنے ربّ کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور بہت سے چہرے اُس دن اُداس ہوں گے اور خیال کر رہے ہوں گے کہ اُن پر کمر توڑ دینے والی مصیبت آئے گی ۔

نَاضِرَةٌ: بارونق ، تر و تازہ ۔ نَضۡرٌ و نَضۡرَةٌ سے اسمِ فاعل ۔

نَاظِرَةٌ: دیکھنے والی ، انتظار کرنے والی ۔ نَظۡرٌ سے اسمِ فاعل ۔

بَاسِرَةٌ: پریشان، اُداس، بے رونق۔ بَسْرٌ و بُسُوْرٌ سے اسمِ فاعل۔

فَاقِرَةٌ: کمر توڑ دینے والی ہر مصیبت۔ فَقْرٌ سے اسمِ فاعل۔

تشریح: انسان اس بات سے خوب واقف ہے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ حشر ونشر اور تخلیق پر قادر ہے اور قیامت کے دن کوئی عذر و معذرت اس کو نفع نہ دے گی۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگ دنیا کی محبت میں خواہشات کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہوا و ہوس نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور دلوں کو نابینا کر رکھا ہے اسی لئے وہ آخرت سے غافل اور بے پرواہ ہیں، حالانکہ قیامت کا دن بڑی اہمیت والا دن ہے۔ اُس دن بہت سے لوگ تو ایسے ہوں گے جن کے چہرے تر و تازہ، ہشاش بشاش اور خوش و خرم ہوں گے اور ان کی آنکھیں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ اُس دن بہت سے چہرے اُداس اور بے رونق ہوں گے۔ انہیں یقین ہوگا کہ اُن پر اب کوئی سخت مصیبت اور اللہ کی پکڑ آنے والی ہے اور اُنہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

احمد، ترمذی اور دارقطنی وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "ادنیٰ درجے کا جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغوں کو، بیویوں کو، سامان و آسائش کو، خدمت گاروں کو اور مسہریوں کو ایک ہزار سال کی راہ کے بقدر دیکھا کرے گا اور اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ جنتی ہوگا جو صبح و شام اللہ کا دیدار کرے گا۔ پھر آپ ﷺ نے آیت وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ تلاوت فرمائی۔

صحیحین میں حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم آپ کی خدمتِ گرامی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا "بلاشبہ تم اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے چودھویں کے اس چاند کو دیکھ رہے ہو، دیکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ جہاں تک ہو سکے طلوع و غروب سے پہلے کی نمازوں کی پابندی کرو۔

مرتے وقت جدائی کا احساس ہونا

۲۶۔۳۰: كَلَّآ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ۝

ہرگز نہیں۔ جب جان گلے تک پہنچ جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کون جھاڑ پھونک کرنے والا ہے اور وہ (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ اب جدائی کا وقت آ گیا ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جاتی ہے۔ اُس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی طرف ہی جانا ہوتا ہے۔

اَلتَّرَاقِیَ: گلے کی ہڈی، ہنسلی۔ واحد تَرْقُوَۃٌ۔

رَاقٍ: جھاڑ پھونک کرنے والا، منتر پڑھنے والا۔ رُقْیَۃٌ سے اسم فاعل۔

اِلْتَفَّتِ: وہ لپٹ گئی۔ اِلْتِفَافٌ سے ماضی۔

اَلسَّاقُ: پنڈلی، ٹانگ کا وہ حصہ جو ٹخنے اور گھٹنے کے درمیان ہے۔ جمع سُوْقٌ۔

اَلْمَسَاقُ: چلنا، ہنکانا۔ سَوْقٌ سے مصدر میمی۔

تشریح: جب انسان کی روح سمٹ کر گلے تک پہنچنے لگے اور سانس حلق میں رُکنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اُس کا آخرت کا سفر شروع ہو گیا ہے۔ ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی۔ لوگ ظاہری علاج اور تدبیروں سے مایوس ہو جاتے ہیں اور جھاڑ پھونک والوں کو تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اُس وقت مرنے والے کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اب عزیز و اقارب اور محبوب چیزوں سے جدا ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

بعض اوقات موت کی سختی سے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لپٹ جاتی ہے۔ نیز نیچے کے بدن یعنی ٹانگوں سے روح کا تعلق ختم ہونے کے بعد پنڈلیوں کا ہلانا اور ایک کو دوسرے سے جدا رکھنا اس کے اختیار میں نہیں رہتا۔ اس لئے ایک پنڈلی دوسری پر بے اختیار جا گرتی ہے۔ بعض سلف نے یہاں پنڈلی کو سخت مصیبت کے معنی میں لیا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک سختی دوسری سختی کے ساتھ مل گئی کیونکہ مرنے والے کو اُس وقت دو سختیاں پیش آتی ہیں۔ ایک سختی تو اہل و عیال، عزیز و اقارب، دوست احباب اور مال و اسباب وغیرہ چھوڑنے کا رنج و غم ہے اور دوسری سختی قبر اور آخرت کے احوال کی ہے جس کی کیفیت کوئی بھی بیان نہیں کر سکتا۔ پس اب بندے کو اللہ ہی کی طرف جانا ہے۔

انسان کی کم بختی

۳۱۔۳۵: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ۝ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝

نہ تو اُس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی لیکن تکذیب کی اور منہ موڑا پھر اتراتا ہوا اپنے گھر والوں کی طرف روانہ ہوا۔ تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔ پھر تیری کم بختی پر کم بختی آنے والی ہے۔

يَتَمَطّٰى: وہ اترا کر چلتا ہے، وہ غرور سے اکڑتا ہے۔ تَمَطِّیٌ سے مضارع۔

اَوْلٰى: زیادہ قریب، بہت لائق، زیادہ مستحق، تباہی ہو، کم بختی ہو۔ وَلْیٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: افسوس کہ انسان سمجھتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں نہیں جوڑیں گے اور قیامت کے روز اُس کو زندہ کر کے نہیں اُٹھائیں گے، اسی لئے اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی بات پر یقین نہیں کیا اور نہ اپنے رب کی اطاعت و بندگی کرتے ہوئے نماز پڑھی۔ اس کے برعکس اُس نے اللہ کی باتوں کو جھٹلایا اور غرور و تکبر کرتے ہوئے ان سے منہ موڑا۔ پھر وہ اپنے اس ناکارہ عمل پر اتراتا ہوا اپنے متعلقین کے پاس جاتا تھا گویا کہ وہ کوئی بڑا کارنامہ انجام دے کر آ رہا ہے۔ اے بدنصیب انسان! اب تیری کم بختی آ ئی۔ ایک مرتبہ نہیں چار مرتبہ۔ دنیا میں بھی تیری بربادی ہو اور مرنے کے وقت بھی تیری ہلاکت ہو۔ جب قبر سے اُٹھایا جائے اُس وقت بھی تیری تباہی ہو اور جہنم میں داخل ہوتے وقت بھی تو تباہ و برباد ہو۔ پہلا اور دوسرا اَوْلٰی دنیوی تباہی کے لئے ہے یعنی دنیوی زندگی میں اور مرتے وقت تیری تباہی ہوگی۔ تیسرا اور چوتھا اَوْلٰی آخرت کی تباہی کے لئے ہے یعنی حشر کے وقت اور جہنم میں داخلے کے وقت تیری تباہی ہوگی۔ (عثمانی: ۲/۷۶۰،۷۵۹، مظہری: ج ۱۰، ص ۱۴۶،۱۴۵)

انسان کی حقیقت و انجام

۳۶۔۴۰: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۝ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۝

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا، پھر وہ خون کا لوتھڑا بنا، پھر اللہ نے اُس کو پیدا کیا اور اعضا درست کئے۔ پھر اُس سے مرد و عورت کا جوڑا بنایا۔ کیا وہ (اللہ) اس پر قادر نہیں کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔

سُدیً: بے کار، بے قید، مہمل۔ واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

عَلَقَۃٌ: جمے ہوئے خون کی ایک پھٹکی، خون کا لوتھڑا۔

تشریح: کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُسے یونہی بے کار چھوڑ دیا جائے گا۔ نہ اُس کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جائے گا، نہ کسی فعل سے منع کیا جائے گا، نہ مرنے کے بعد اُس کو زندہ کیا جائے گا اور نہ اُس سے نیک و بد کا حساب لے کر اُس کو جزا یا سزا دی جائے گی حالانکہ اُس کی پیدائش کی تو غرض ہی یہ ہے کہ وہ اوامر و نہی کی پابندی کرے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۝ (الذّٰریٰت:۵۶)

اور ہم نے جن اور انسان اپنی عبادت کے لئے پیدا کئے ہیں۔

پھر فرمایا کہ انسان حشر کا کیسے انکار کرتا ہے اور وہ دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھنے کو کس طرح ناممکن قرار دیتا ہے۔ کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو چالیس روز کے بعد خون کا لوتھڑا ہوا، پھر اتنے ہی دنوں بعد بوٹی بنا، پھر ہڈیاں بنیں اور پھر ان کو گوشت پہنایا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام ظاہری اعضا اور باطنی قوتیں ٹھیک کر کے اُس میں روح پھونک کر اس کو انسانِ عاقل بنا دیا۔ پھر اسی نطفے سے دو قسمیں مرد اور عورت پیدا کئے اور ان میں سے ہر ایک کی ظاہری و باطنی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ کیا وہ قادرِ مطلق جس نے پہلی مرتبہ سب کو ایسی حکمت و قدرت سے بنایا، اس پر قادر نہیں کہ مرنے کے بعد ان کو دوبارہ زندہ کر دے۔ بے شک وہ قادر ہے۔ (عثمانی: ۷۶۱/۲، مظہری: ۱۴۶/۱۰)

احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن المنذر، ابن مردویہ، بیہقی اور حاکم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے جو شخص سورۂ والتین آخر تک پڑھے یعنی الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے تو وہ بلٰی و انا علی ذالک من الشٰھدین (ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں) کہے اور جو شخص سورۂ قیامت الیس ذالک بقدر علیٰ ان یحیی الموتیٰ تک پڑھے تو وہ بلیٰ کہے اور جو سورۃ والمرسلٰت فبای حدیث بعدہ یؤمنون تک پڑھے وہ امنا باللہ کہے"۔ (روح المعانی: ۱۵۰/۲۹)

سورۃ الدہر

وجہ تسمیہ: حدیث میں اس کا نام سورۃ الدہر اور سورۃ الانسان آیا ہے کیونکہ اس میں دہر اور انسانی تخلیق کا ذکر ہے۔ اس کو سورۃ ھل اتی اور سورۃ الامشاج بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی: ۱۵۰/۲۹)

تعارف: اس میں دو رکوع، ۳۱ آیتیں، ۲۴۰ کلمات اور ۱۰۵۴ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے۔ یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعے کے روز فجر کی نماز میں الم السجدہ اور سورۂ دہر پڑھتے تھے یعنی پہلی رکعت میں الم السجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھتے تھے۔ یہ اکثر اوقات کے لحاظ سے ہے۔ کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھتے تھے۔

اس میں آخرت کے احوال کا خصوصیت سے ذکر ہے اور پرہیزگاروں کو جن انعامات سے نوازا جائے گا ان کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: انسان کی تخلیق، ابرار کے اوصاف اور جنت کی نعمتوں کا بیان ہے۔

رکوع ۲: ذکرِ الٰہی کی تاکید مذکور ہے۔

انسان کی تخلیق

۱۔۳ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ۝

بیشک انسان پر ایسا زمانہ آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بیشک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا تا کہ ہم اس کو آزمائیں سو ہم نے اس کو سننے والا

اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اس کو راہ دکھائی اب خواہ وہ شکر گزار بنے یا ناشکرا۔

اَمْشَاج: ملے ہوئے، مخلوط۔ واحد مَشَج

تشریح: بیشک انسان پر ایک زمانۂ دراز گزر چکا ہے جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ کوئی اسے جانتا اور پہچانتا نہ تھا بلکہ وہ فراموش کردہ اور متروک الذکر تھا۔ ہم نے اسے مرد و عورت کے ملے جلے پانی سے پیدا کیا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے اسے مختلف قسم کی غذاؤں اور ان کے جوہر اور خلاصے سے پیدا کیا اور عجیب عجیب طرح کے الٹ پھیر کرنے کے بعد ہم اسے موجودہ شکل و صورت میں لے آئے۔ اب وہ کانوں سے سنتا ہے اور آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ان قوتوں سے وہ کام لیتا ہے جو کوئی دوسرا حیوان نہیں لے سکتا، گویا دوسرے سب حیوانات اس کے سامنے بہرے اور اندھے ہیں۔

بیشک ہم نے اپنے پیغمبروں کو بھیج کر کتابیں نازل کر کے اور معجزات و دلائل کے ذریعے انسان کے لئے اللہ کی خوشنودی، حق و ہدایت کا خوب واضح، صاف اور سیدھا راستہ کھول دیا ہے۔ اب یہ انسان پر ہے کہ وہ چاہے تو ہماری ہدایت کا شکر کرے اور اس کو قبول کرے اور چاہے اس نعمت کو ٹھکرا کر ناشکری کرے۔ اب اس کے لئے کوئی عذر باقی نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد:۱۰)

ہم نے انسان کو دونوں راہیں دکھا دیں یعنی بھلائی اور برائی کی۔

مسند احمد میں حضرت کعب بن عجرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تجھے بیوقوفوں کی سرداری سے بچائے۔ حضرت کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ میرے بعد کے سردار ہوں گے جو میری سنتوں پر عمل کریں گے اور نہ میرے طریقے پر چلیں گے۔ پس جو لوگ ان کے جھوٹ کی تصدیق کریں اور ان کے ظلم کی امداد کریں وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں۔ یاد رکھو وہ میرے حوض کوثر پر بھی نہیں آ سکتے اور جو ان کے جھوٹ کو سچا نہ کرے اور ان کے ظلموں میں ان کا مددگار نہ بنے وہ میرا ہے اور میں اس کا ہوں۔ یہ لوگ میرے حوض کوثر پر مجھ سے ملیں گے۔ اے کعب! روزہ ڈھال ہے اور صدقہ خطاؤں کو مٹا دیتا ہے اور نماز قرب خدا کا سبب ہے۔ اے کعب! وہ گوشت پوست جنت میں جا سکتا جو حرام سے پلا ہو؟ وہ تو جہنم ہی میں جانے کے قابل ہے۔ اے کعب لوگ ہر صبح اپنے نفس کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ کوئی تو اسے آزاد کرا لیتا ہے اور کوئی ہلاک کر گزرتا ہے۔ (ابن کثیر: ج ۴ ص ۵۵۴)

ابرار پر اللہ کا خاص انعام

۴۔۶ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝ اِنَّ الْاَبْرَارَ
يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ
يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝

بے شک ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور دہکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے البتہ نیک لوگ ایسے جام سے پئیں گے جن میں کافور کی آمیزش ہوگی جو ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے خاص بندے پئیں گے جس کو وہ (جہاں چاہیں گے) بہا کر لے جائیں گے۔

اَغْلَالًا: طوق، ہتھکڑیاں۔ واحد غُلٌّ

كَاْسٍ: ایسا جام جو لبالب بھرا ہوا ہو۔ جمع كُئُوْسٌ

يُفَجِّرُوْنَ: وہ بہا کر لے جائیں گے۔ وہ نکال کر لے جائیں گے۔ تَفْجِيْرٌ سے مضارع۔

تشریح: مخلوق میں سے جو بھی اللہ کے احکام کا انکار کرتا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرتا ہے اور اپنے کفر و معصیت پر قائم رہتا ہے تو ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے زنجیریں، طوق اور شعلوں والی دہکتی ہوئی تیز آگ تیار کر رکھی ہے۔ وہ اسی لائق ہیں کہ طوق و سلاسل میں جکڑے ہوئے، ہمیشہ دہکتی ہوئی آگ میں جلتے رہیں۔ ان کے برعکس نیک اور فرماں بردار لوگوں کو ایسے جام پلائے جائیں گے جن میں کافور نامی چشمے کا پانی ملا ہوا ہوگا۔ اس کا ذائقہ بھی اعلیٰ ہوگا اور خوشبو بھی بہت عمدہ۔ یہ ایک خاص چشمہ ہوگا جس سے اللہ کے خاص برگزیدہ بندے پئیں گے۔ ان کو اس چشمے تک آنے کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ وہ اپنے باغوں اور مکانوں میں بیٹھے بیٹھے ہی جس طرف چاہیں گے اسی طرف اس کی شاخ پہنچ جائے گی۔ چشمہ ان کے حکم کے تابع ہوگا۔

ابرار کے اوصاف

۷۔۱۲ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا

نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۞ اِنَّا نَخَافُ
مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۞ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ
وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۞ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۞

(ابرار وہ ہیں) جو نذر پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی عام ہوگی۔ وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور امیر کو کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) ہم تو تمہیں اللہ کی رضا کے لئے کھلاتے ہیں، نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری۔ ہم تو اپنے رب سے اس دن کا خوف رکھتے ہیں جو تنگی اور سختی والا ہوگا۔ سو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے محفوظ رکھے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا اور ان کے صبر کے بدلے میں ان کو جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔

مُسْتَطِيْرًا: پھیلنے والا، عام۔ استطارۃ سے اسم فاعل۔

عَبُوْسًا: اداس کرنے والا (قیامت کا دن)، منہ بنانے والا۔ عَبْسٌ و عُبُوْسٌ سے صفت مشبہ۔

قَمْطَرِيْرًا: مصیبت اور رنج کا طویل دن (مراد قیامت کا دن)۔

تشریح: اللہ کے برگزیدہ بندوں کی نیکیوں کا بیان ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان عبادتوں کو تو بجا ہی لاتے ہیں جو ان کے ذمے ہیں بلکہ وہ تو اس نذر کو بھی پورا کرتے ہیں جو کسی چیز کے حاصل ہونے پر یا کسی مصیبت کے ٹلنے پر مان لیتے ہیں۔ یہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی گھبراہٹ عام طور پر سب کو گھیر لے گی۔ کوئی بھی اس کی ہیبت و پریشانی سے مستثنیٰ نہیں سوائے ان لوگوں کے جن پر اللہ کا فضل وکرم ہو۔ اسی لئے یہ لوگ نافرمانیوں سے بچتے رہتے ہیں۔ ان کے اندر ایمان وتقویٰ کے ساتھ ایثار و ہمدردی کا جذبہ بھی ہے کہ یہ اللہ کی محبت میں نہایت اخلاص کے ساتھ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اس نیک سلوک پر وہ ان لوگوں سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ بلکہ وہ تو اس دن کے بارے میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو سخت اداسی اور ہیبت کا سبب ہوگا سو اللہ ان کی نیک نیتی اور حسن عمل کے سبب ان کو اس دن کی تکلیف اور ... سے بچالے گا اور ان کو تازگی اور خوشی عطا فرمائے گا اور ان کے صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس عطا فرمائے گا۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۴۵۴، ۴۵۵)

جنت کی نعمتیں

۱۳۔۱۸ مُتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِیْرًا ۚ۝ وَ دَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا ۝ وَ یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِاٰنِیَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِیْرَا ۝ قَوَارِیْرَا مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِیْرًا ۝ وَ یُسْقَوْنَ فِیْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِیْلًا ۚ۝ عَیْنًا فِیْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِیْلًا ۝

وہ لوگ اس میں تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے، نہ وہاں تپش پائیں گے اور نہ سردی کی شدت اور اس کے سائے ان پر جھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے پھلوں کے گچھے نیچے لٹکے ہوئے ہوں گے اور ان پر چاندی کے برتنوں اور شیشے کے آبخوروں کا دور چل رہا ہوگا۔ شیشے بھی چاندی کے ہوں گے جن کو (خدام) نے ٹھیک انداز سے بھرا ہوگا، ان کو وہاں وہ جام پلایا جائے گا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ اس (جنت) میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔

اَرَائِک: بہت سے تخت، مسہریاں۔ واحد اَرِیْکَۃٌ

زَمْهَرِیْرًا: جاڑا، سخت سردی۔

قُطُوْفُهَا: اس کے پھل، اس کے میوے، اس کے خوشے۔ واحد قِطْفٌ

قَوَارِیْرًا: شیشے کے برتن۔ واحد قَارُوْرَۃٌ

فِضَّةٍ: چاندی۔ اسم جنس۔

زَنْجَبِیْلًا: ادرک، سونٹھ، جنت کے ایک چشمے کا نام۔

سَلْسَبِیْلًا: بہتا ہوا صاف پانی، جنت کے ایک چشمے کا نام۔

تشریح: اہل جنت نہایت آرام و اطمینان اور خوش دلی کے ساتھ جنت کے مرصع اور مزین جڑاؤ تختوں پر بے فکری سے تکیے لگائے ہوئے جنت کے باغوں میں ہوں گے جہاں نہ سخت گرمی ہوگی اور نہ سخت سردی بلکہ وہاں کا موسم ہمیشہ معتدل رہے گا۔ وہاں آرام و راحت اور نعمتوں کی فراوانی کا یہ عالم ہوگا کہ جنت کے درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر ان پر سایہ کیے ہوئے ہوں گی اور اس کے پھلوں کے خوشے لٹکا کر نیچے

کر دیئے جائیں گے تاکہ اہل جنت جو پھل بھی لینا چاہیں تو بلا تکلف ہاتھ بڑھا کر لے لیں۔ یہ پھل ان کے اتنے قریب ہوں گے کہ چاہے وہ کھڑے کھڑے توڑ لیں یا بیٹھ کر یا لیٹے لیٹے۔ ان کو درختوں پر چڑھنے اور اس کے لئے تکلیف اٹھانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ بس ہاتھ بڑھا کر توڑا اور کھالیا۔

ایک طرف تو خوش وخرم، باادب، سلیقہ شعار، فرماں بردار خادم، قسم قسم کے کھانے، چاندی کی کشتیوں میں لئے کھڑے ہوں گے اور دوسری طرف شراب طہور سے چھلکتے ہوئے بلوریں جام ہوں گے۔ یہ جام صاف وشفاف اور چمکدار ہونے میں شیشے کی مانند اور سفیدی میں چاندی کی مانند ہوں گے کہ اندر کی چیز باہر سے صاف نظر آئے گی۔ اہل جنت کو جس قدر پینے کی خواہش ہوگی یہ جام ٹھیک اسی اندازے کے مطابق بھرے ہوئے ہوں گے تاکہ نہ پینے والے کے لئے کم پڑے اور نہ بچے۔ ایک جام شراب تو وہ تھا جس میں کافور ملی ہوئی تھی اور دوسرا وہ ہوگا جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ سونٹھ دنیا کی سونٹھ کی مانند نہیں بلکہ جنت میں وہ ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہتے ہیں اور یہ بڑے عالی مقام مقربین کے لئے ہیں۔ (عثمانی: ج ٦، ص ٧٦٧، ٧٦٥)

اہلِ جنت کے خدام

۱۹۔۲۰ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ۝ وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ۝

ان کے پاس ایسے لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ لڑکے ہی رہیں گے۔ اگر تو ان کو دیکھے تو سمجھے گا کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں اور جب تو نظر اٹھا کر دیکھے گا تو تجھے (ہر طرف) نعمت ہی نعمت اور بڑی بادشاہت نظر آئے گی۔

مَنْثُوْرًا: بکھرا ہوا، غیر منظوم۔ نَثْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ خوبصورت نوعمر لڑکے ان کی خدمت کے لئے کمر بستہ ہوں گے۔ یہ جنتی خدمت گار نہ مریں گے اور نہ بوڑھے ہوں گے بلکہ ان کا حسن و جمال ہمیشہ قائم رہے گا اور وہ لطافت وصفائی میں ایسے خوش منظر ہوں گے کہ دیکھنے والا ان کو دیکھ کر محسوس کرے گا کہ گویا زمین پر خوبصورت موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ اے مخاطب! جنت کا حال یہ ہوگا کہ جب تو وہاں نظر ڈالے گا تو دیکھے گا کہ وہاں بہت ہی عظیم نعمتیں اور بڑا ہی عظیم الشان ملک ہے۔ وہاں کا چپہ چپہ راحت وسرور اور

نعمت ونور سے معمور ہے۔ وہاں اہل جنت کو وہ سب کچھ ملے گا جس کی وہ خواہش کریں گے۔ نہ ان کو ان نعمتوں میں کسی کمی کا اندیشہ ہوگا اور نہ ان کے فنا ہونے کا احتمال ہوگا۔ اس دنیا میں نہ ان نعمتوں کی خوبی کا اندازہ ہوسکتا ہے اور نہ وہاں کی سلطنت کی شان وشوکت کا کوئی تصور ہوسکتا ہے۔

اہلِ جنت کا لباس اور زیور

۲۱۔۲۲ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ
وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۞ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ
مَّشْكُوْرًا ۞

ان جنتیوں پر باریک سبز ریشم اور دبیز ریشم کے کپڑے ہوں گے اور ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب انہیں شراب طہور پلائے گا (ان سے کہا جائے گا) یہ تمہارے اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدر دانی ہے۔

سُنْدُسٍ: باریک کپڑا، باریک ریشمی کپڑا۔

خُضْرٌ: سبز، ہرے۔ واحد اَخْضَرُ

اِسْتَبْرَقٌ: دبیز ریشمی کپڑا۔ دیبا۔

حُلُّوْا: ان کو پہنایا جائے گا۔ تَحْلِيَةٌ سے ماضی مجہول۔

اَسَاوِرَ: کنگن۔ واحد سِوَارٌ

تشریح: اہل جنت کا لباس سبز رنگ کا باریک نہایت نرم اور چمکدار ریشم کا ہوگا۔ نیز ان کے لئے قیمتی، دبیز ریشمی کپڑے بھی ہوں گے تاکہ وہ باریک اور دبیز قسم کے لباس استعمال کریں۔ اس کے علاوہ ان کو چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے تاکہ ریشمی اور قیمتی لباس کی آرائش کے ساتھ زیور سے بھی ان کو مزین کیا جائے۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کے (ہاتھ کے) زیور وہاں تک پہنچیں گے جہاں تک وضو کا پانی پہنچتا ہے۔

(مظہری: ۱۰، ص ۱۶۰)

ان ظاہری نعمتوں کے ساتھ ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا جو مذکورہ دونوں قسم کی

شرابوں کے علاوہ ہوگی یعنی شراب طہور کا فور اور سونٹھ کی آمیزش والی شرابوں سے مختلف ہوگی۔ اس میں نہ نجاست ہوگی نہ کدورت، نہ گرانی نہ بدبو۔ اس کے پینے سے دل پاک اور پیٹ صاف ہوں گے۔ اس کے پینے کے بعد جو پسینہ آئے گا اس کی خوشبو مشک کی طرح ہوگی۔ پھر ان کی خوشی دوبالا کرنے کے لئے ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے نیک اعمال کا بدلہ اور تمہاری کوششوں کی قدر دانی ہے۔ یہ سن کر اہل جنت اور زیادہ خوش ہوں گے۔ (عثمانی: ج ۲، ص ۳۶۵)

ذکرِ الٰہی کی تاکید

۲۳۔۲۶ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۚ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۚ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝

بیشک ہم نے آپ پر قرآن بتدریج نازل کیا ہے۔ آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور ان میں سے کسی گنہگار یا کافر کے کہنے میں نہ آیئے اور صبح و شام اپنے رب کا نام لیتے رہئے اور رات کے کچھ حصے میں اس کو سجدہ کیا کیجئے اور رات کے بڑے حصے میں اس کی تسبیح کرتے رہئے۔

تشریح: مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ قرآن جادو ہے، کوئی جن آپ کو سکھاتا ہے۔ اس کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ قرآن جادو نہیں بلکہ جامع ہدایت اور وحی حق ہے اور بلاشبہ اللہ ہی نے تھوڑا تھوڑا کرکے اس کو آپ پر نازل کیا ہے تاکہ اس کے احکام بتدریج نافذ ہوں اور لوگوں پر گراں نہ گزریں۔ اگر پوری کتاب ایک ہی دفعہ میں نازل کر دی جاتی تو اس کے تمام احکام بھی اسی وقت نافذ ہو جاتے جو لوگوں پر بھاری پڑتے اور یہ بھی ہوسکتا تھا کہ جس طرح بنی اسرائیل نے توریت کے احکام کو دیکھ کر اس کا انکار کر دیا تھا یہ لوگ بھی قرآن کے منکر ہو جاتے۔ اگر یہ لوگ بتدریج احکام نازل فرمانے پر بھی نہ مانیں اور اپنی ضد اور عناد پر قائم رہیں تو آپ بھی اپنے رب کے حکم پر جمے رہئے، اپنے فریضۂ تبلیغ و دعوت میں لگے رہئے اور کفار و مشرکین میں سے کسی کی بات نہ مانئے بلکہ آپ تو صبح شام اللہ کو یاد کرتے رہئے اور رات کے طویل حصے میں نماز، اس کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے رہئے۔

(عثمانی: ج ۲، ص ۷۶۵۔ مواہب / ج ۲۹، ص ۲۸۹، ۲۹۰)

منکرین کے کفر کا سبب

۲۷۔۲۸ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝
نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝

بیشک یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور انہوں نے ایک سخت دن کو اپنے پیچھے چھوڑ رکھا ہے، ہم ہی نے ان کو پیدا کیا اور ہم ہی نے ان کے جوڑ و بند مضبوط کئے اور جب ہم چاہیں ان کے بدلے میں ان ہی جیسے اور لے آئیں۔

شَدَدْنَا: ہم نے مضبوط کیا، ہم نے قوت دی۔ شَدٌّ سے ماضی

اَسْرَهُمْ: ان کی جوڑ بندی، ان کی قید۔

شِئْنَا: ہم نے چاہا۔ مَشِيْئَةٌ سے ماضی۔

تشریح: یہ مشرکین و منکرین جو آپ کی ہدایت اور نصیحت قبول نہیں کرتے اس کا سبب دنیا کی محبت ہے۔ دنیا کی راحت و لذت چونکہ جلد حاصل ہو جاتی ہے اس لئے یہ اسی کو پسند کرتے ہیں اور اسی کے لئے تگ و دو کرتے ہیں اور قیامت کے اس ہول ناک دن سے غافل اور منہ موڑے ہوئے ہیں جو ان کے سامنے آنے والا ہے بلکہ ان کو اس کے آنے کا یقین بھی نہیں۔ سو یہ ظالم دنیا کی لذتوں میں منہمک ہو کر اپنے خالق و مالک کو بھولے ہوئے ہیں حالانکہ ہم ہی نے ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جسم کے تمام جوڑ مضبوط کئے ہیں کہ یہ دنیا میں چلتے پھرتے ہیں اور سرکش ہو کر آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ قیامت کے دن ہم ان کو دوبارہ زندہ کرنے پر پوری طرح قادر ہیں اور اگر ہم چاہیں تو ان کو ان ہی کی مثل لوگوں سے بدل دیں جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝

اے لوگو! اگر اللہ چاہے تو تم سب کو سمیٹ لے جائے اور دوسروں کو لے آئے، اور اللہ اس پر قادر ہے۔ (النساء: ۱۳۳)

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر دے اور ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور یہ بات اللہ کے لئے ذرا مشکل نہیں ۔ (الفاطر: ۱۶، ۱۷)

پیغام نصیحت

۲۹۔۳۱ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۞ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۞ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۞

یقیناً یہ ایک نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے رب (تک پہنچنے) کا راستہ اختیار کرے اور تم جب ہی چاہو گے جب اللہ چاہے گا۔ بیشک اللہ بڑا جاننے والا حکمت والا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے لئے تو اس نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تشریح: یہ ایک پیغام نصیحت ہے جو ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ دنیا کو پہنچا دیا۔ اب جس کا دل چاہے اپنے رب کی خوشنودی کا راستہ اختیار کر لے اور جس کا دل چاہے گمراہی اختیار کر لے۔ کسی مخلوق میں یہ قدرت نہیں کہ وہ اپنے لئے کوئی نفع یا ضرر پیدا کر لے اس لئے تم میں بھی یہ قدرت نہیں کہ تم اپنے لئے کوئی نفع پیدا کر لو۔ یہ اسی وقت ہوگا جب اللہ چاہے گا کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے اس لئے وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ہدایت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ جو لوگ اپنی کج روی اور گمراہی پر قائم رہیں اور حق کو نہ سنیں اور نہ سمجھیں تو ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔ بس موت آنے کی دیر ہے۔ جیسے ہی جسم سے روح نکلے گی ان ظالموں کو اپنا انجام نظر آ جائے گا اور جس عذاب کا یہ انکار کرتے ہیں اس سے کسی طرح نہ بچ سکیں گے۔

(مواہب الرحمٰن: ج ۲۹، ص ۲۹۰، ۲۹۱)

سورۃ المرسلات

وجہِ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا المرسلت کے لفظ سے ہوئی ہے جس کے معنی چلنے والی ہواؤں کے ہیں ۔ اسی مناسبت سے اس کا نام المرسلت ہو گیا ۔ اس کا ایک نام سورۃ العرف بھی ہے ۔

تعارف: اس میں دو رکوع، ۵۰ آیات، اور ۸۱۶ حروف ہیں ۔ حسن، عکرمہ اور جابر نے کہا کہ یہ سورت مکیہ ہے ۔ ابن عباس اور قتادہ نے کہا کہ اس میں ایک آیت واذا قیل لہم الرکعوا لا یرکعون مدنیہ ہے ۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی عقیدۂ توحید، آخرت اور بعث بعد الموت جیسے مضامین کا مفصل بیان ہے ۔ (مواہب الرحمٰن / ج ۲۹، ص ۲۹۴ ۔ روح المعانی / ج ۲۹، ص ۱۶۹)

مضامین کا خلاصہ

رکوع ۱: قیامت کے احوال، تخلیق انسانی میں قدرت الٰہی کی نشانیاں اور منکرین کا انجام بیان کیا گیا ہے ۔

رکوع ۲: پرہیزگاروں کا حال مذکور ہے ۔

قیامت کا یقینی طور پر آنا

۱ ۔ ۷: وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝

اور قسم ہے چلتی ہوئی خوشگوار ہواؤں کی پھر ان (ہواؤں) کی جو تیز چلتی ہیں اور ان کی جو بادلوں کو پھیلاتی ہیں پھر ان کی جو (بادلوں) کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں پھر ان فرشتوں کی جو وحی اتار کر لاتے ہیں، حجت تمام کرنے یا ڈرانے کے لئے ۔ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والی ہے ۔

عُرْفًا: نرمی، نرمی پے در پے جمع غرف واَغراف ۔

الْعٰصِفٰتِ: آندھیاں، تیز چلنے والی ہوائیں ۔ واحد عَاصِفٌ ۔ عَصْفٌ سے اسم فاعل

الْمُلْقِیٰتِ: ڈالنے والیاں (دل میں) مراد ملائکہ یا ہوائیں ۔ واحد مُلْقِیَةٌ

تشریح: اللہ تعالیٰ نے پانچ قسمیں کھا کر قیامت کے یقینی طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ کسی نے ان پانچوں قسموں کا مصداق ہواؤں کو ٹھہرایا ہے، کسی نے فرشتوں کو، کسی نے پیغمبروں کو، بعض مفسرین نے پہلی چار قسموں سے ہوائیں مراد لی ہیں اور پانچویں سے فرشتے اور بعض نے پہلی تین سے ہوائیں اور آخری دو سے فرشتے مراد لئے ہیں۔ ابن کثیر کے مطابق ان میں سے ابتدائی تین صفتیں ہواؤں کی ہیں اور آخری دو فرشتوں کی صفات ہیں۔ اس طرح ہواؤں کی قسم بھی ہوگئی اور فرشتوں کی قسم بھی ہوگئی۔ پس ان آیتوں کے معنی یہ ہوئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کے لئے بھیجی جاتی ہیں پھر قسم ہے ان ہواؤں کی جو سختی سے چلتی ہیں اور ان ہواؤں کی جو بادلوں کو اٹھا کر پھیلاتی ہیں جس سے بارش ہونے لگتی ہے، اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو وحی کے ذریعے حق و باطل میں فرق و امتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیا علیہم الاسلام پر وحی اور قرآن کو القا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کے عذر ختم ہو جائیں اور منکرین کو تنبیہ ہو جائے۔ سو انبیا علیہم السلام کے ذریعے تم سے جس قیامت اور حساب و کتاب اور جزا و سزا کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ یقیناً حق ہے اور ضرور پورا اور واقع ہو کر رہے گا تاکہ مجرموں کو حقیقتاً ان کی بداعمالیوں کی پوری سزا دی جائے اور مومنوں کو ان کے ایمان و اعمال صالحہ کا بہترین بدلہ دیا جائے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۴۵، عثمانی / ج ۲، ص ۷۶۸)

قیامت کے احوال

۸۔۱۵　فَإِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ۝ وَإِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ۝ وَإِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝
وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ ۝ لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَمَا
أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ۝

پھر جب تارے بے نور ہو جائیں گے اور آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ اڑتے پھریں گے اور جب رسولوں کو مقررہ وقت پر لایا جائے گا کس دن کے لئے ان چیزوں میں دیر ہے۔ فیصلے کے دن کے لئے اور تجھے کیا معلوم فیصلے کا دن کیسا ہے۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی۔

طُمِسَتْ: وہ (ستارے) بے نور کردیئے جائیں گے، وہ مٹا دیئے جائیں گے۔ طَمْسٌ سے ماضی مجہول۔

فُرِجَتْ: وہ (آسمان) پھاڑ دیا جائے گا، وہ کھولا جائے گا۔ فَرْجٌ سے ماضی مجہول۔

نُسِفَتْ: وہ اڑائے جائیں گے، وہ ریزہ ریزہ کئے جائیں گے۔ نَسْفٌ سے ماضی مجہول۔

اُقِّتَتْ: اس کا وقت مقرر کیا گیا۔ تَوْقِیْتٌ سے ماضی مجہول۔

اُجِّلَتْ: وقت مقرر کیا گیا، تاخیر کی گئی۔ تَاجِیْلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: اس دن ستارے بے نور ہو جائیں گے اور ان کی چمک دمک ماند پڑ جائے گی۔ آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے اور رسولوں کو اپنی اپنی امت پر شہادت دینے کے لئے قبروں سے باہر لایا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ کس دن کے لئے ان امور کو اٹھا رکھا ہے۔ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ اس دن کے لئے جس میں ہر بات کا دوٹوک فیصلہ ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا تو ابھی ہاتھوں ہاتھ ہر چیز کا فیصلہ کر دیتا لیکن اس نے اپنی حکمت سے اس کو ایک خاص وقت کے لئے مؤخر کر رکھا ہے۔ اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس کی ہیبت و شدت اور ہولناکی کی کوئی حد نہیں۔ اس روز مکذبین کو سخت تباہی اور مصیبت کا سامنا ہوگا کیونکہ جس چیز کی انہیں کوئی امید نہ تھی وہ یکا یک اپنی ہولناک صورت میں آپہنچے گی اور وہ حیرت و ندامت سے حواس باختہ ہو جائیں گے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع۔ مواہب الرحمٰن)

تخلیق انسانی میں قدرت کی نشانیاں

۱۶۔۲۴ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ
بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ
مَّهِيْنٍ ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ فَقَدَرْنَا ۖ
فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کیا پھر پچھلوں کو بھی ہم انہی کے ساتھ کر دیں گے۔ ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کرتے ہیں اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے

پیدا نہیں کیا پھر ہم نے اسے ایک محفوظ جگہ (رحم) میں رکھا، ایک مقررہ وقت تک ۔ پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا سو ہم کیا خوب اندازہ ٹھہرانے والے ہیں ۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑا خرابی ہے ۔

مَهِيْنٍ: ذلیل، حقیر، بے عزت ۔ هُوْنٌ سے صفت مشبہ ۔

قَرَارٍ: قرار، آرام کی جگہ، ٹھکانا ۔ مصدر بھی ہے اسم بھی ۔

تشریح: کیا ان منکرین و مکذبین کو یہ معلوم نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی ہی امتوں کو رسولوں کی تکذیب کرنے پر ہلاک کر چکے ہیں، پھر ان کے بعد اور امتیں آئیں ۔ انہوں نے بھی رسولوں کی اسی طرح تکذیب کی تو ہم نے انہیں بھی غارت کر دیا ۔ اگر یہ مشرکین مکہ بھی اپنے کفر و تکذیب پر قائم رہے تو ہم ان کو بھی پہلے والوں کی طرح عذاب سے ہلاک کر دیں گے ۔ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے چلے آئے ہیں ۔

کیا ہم نے تمہیں ایک حقیر پانی سے نہیں پیدا کیا اور کیا تمہیں ٹھہرنے کی ایک محفوظ جگہ میں نہیں رکھا یعنی رحم مادر میں جہاں اس نطفے نے نہایت محفوظ طریقے سے نشو و نما پائی، اعضا کی ساخت ہوئی، شکل و صورت بنی اور اس میں روح ڈالی اور ایک مقررہ مدت تک وہ وہیں رہا یعنی ۶ تا ۹ مہینے ۔ ہمارے اس اندازے کو دیکھو کہ کس قدر صحیح اور بہترین ہے ۔ اگر پھر بھی تم اس آنے والے دن کو نہیں مانو گے یعنی قیامت کو تو یقین جانو کہ قیامت کے دن تمہیں بڑی حسرت اور سخت افسوس ہوگا ۔

زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی

۲۵ ۔ ۲۸ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا، زندوں اور مردوں کو اور ہم نے اس (زمین) میں بلند پہاڑ بنا دئے اور تمہیں میٹھا پانی پلایا ۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے ۔

كِفَاتًا: سمیٹنے والی، اکٹھا کرنے والی ۔

رَوَاسِيَ: جمے ہوئے، پہاڑ، بوجھ ۔ واحد رَاسِيَةٌ ۔

شٰمِخٰتٍ: بلند ہونے والیاں، تکبر کرنے والیاں ۔ شُمُوْخٌ سے اسم فاعل ۔

فُرَاتًا: بہت شریں اور ٹھنڈا پانی، پیاس بجھانے والا۔

تشریح: کیا یہ تمام چیزیں جو گزشتہ آیات میں بیان ہوئیں اس بات کا ثبوت نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنے پر قادر ہے اور منکرین کا یہ کہنا نہایت لغو ہے کہ مرنے کے بعد جب وہ مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو پھر وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتے ہیں۔ کیا ہم نے زمین کو یہ خدمت سپرد نہیں کی کہ وہ زندگی میں تمہیں اپنی پشت پر چلاتی ہے اور موت کے بعد تمہیں اپنے اندر چھپالیتی ہے۔ پھر ہم نے اس زمین میں مضبوط، وزنی اور بلند پہاڑ گاڑ دیئے تاکہ یہ ہلے جلے نہیں بلکہ اپنی جگہ ساکن رہے اور تم اطمینان و سکون سے اس پر چلتے پھرتے رہو اور ہم نے تمہیں بادلوں سے برستا ہوا اور چشموں سے رستا ہوا نہایت زود ہضم، میٹھا اور خوشگوار پانی پلایا۔ ان نعمتوں کے باوجود اگر تم تکذیب ہی کرتے رہے تو یاد رکھو وہ وقت بہت جلد آنے والا ہے جب تم حسرت و افسوس کرو گے اور وہ کچھ کام نہ آئے گا۔

مشرکین کا انجام

۲۹-۳۴ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝ اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۝ لَّا ظَلِيْلٍ وَّلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ۝ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

(ان سے کہا جائے گا) جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس (دوزخ) کی طرف چلو۔ اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ نہ گھنی چھاؤں اور نہ شعلے سے بچاتا ہے۔ یقیناً وہ محل جیسے بڑے بڑے انگارے برسائے گی گویا وہ زرد اونٹ ہیں۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

اِنْطَلِقُوْا: تم چلو۔ اِنْطِلَاقٌ سے امر۔

شُعَبٍ: شاخیں، پھانکیں، قبیلے۔ واحد شُعْبَۃٌ

لَهَبٍ: آگ بھڑکنا، شعلہ۔ مصدر ہے۔

جِمٰلَتٌ: کئی اونٹ۔ واحد جَمَلٌ

صُفْرٌ: زرد، پیلا۔ صُفْرَۃٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: جو کفار و مشرکین دنیا میں قیامت، جزا و سزا اور جنت و دوزخ کو جھٹلاتے تھے، قیامت کے

روز ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی دوزخ ہے جس کو تم دنیا میں سچا نہیں مانتے تھے۔ اب تم اس کی طرف چلو۔ اس کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور اونچے ہو کر ان میں تین شاخیں بن رہی ہیں اور ساتھ ہی دھواں بھی اوپر کی طرف چڑھ رہا ہے جس کا سایہ نیچے کی طرف پڑتا ہے۔ حقیقت میں یہ ایسا سایہ ہوگا جس میں کوئی ٹھنڈک اور سکون نہ ہوگا اور نہ وہ آگ کی حرارت سے بچانے والا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سایہ نہیں ہوگا بلکہ وہ تو جہنم سے اٹھنے والے سیاہ شعلے اور دھواں ہوگا جو دور سے سایہ کی طرح محسوس ہوگا۔ جہنم اتنی تیز و تند اور شدید آگ والی ہے کہ اس کی چنگاریاں جو اڑتی ہیں وہ قلعے اور محل کی مانند بلند ہوں گی اور دیکھنے میں ایسی محسوس ہوں گی گویا کہ وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ یہ وہ عذاب ہے جو آخرت میں مجرمین و منکرین کے لئے ہوگا۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۴۶۰)

منکرین پر حسرت و افسوس

۳۵۔۴۰ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ۝ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

یہ وہ دن ہوگا کہ وہ بول ہی نہ سکیں گے اور نہ ان کو عذر کرنے کی اجازت ہوگی۔ اس دن (حق کو) جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ یہ فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور اگلوں کو جمع کر لیا ہے سو اگر مجھ سے کوئی چال چل سکتے ہو تو چل لو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

تشریح: اس دن عذاب کی شدت اور سختی کا یہ عالم ہوگا کہ کافر کچھ بھی نہ بول سکیں گے اور نہ انہیں عذر و معذرت کی اجازت ملے گی کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی۔ آج فیصلے کا دن ہے۔ سب اگلے پچھلے یہاں جمع ہیں۔ اگر تم کسی چالاکی، مکاری، تدبیر اور فریب دہی سے میرے قبضے سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ اور اس کے لئے پوری کوشش کر لو اور وہ بھی آ جائیں جو دنیا میں اہل ایمان کے سامنے آپس میں کہتے تھے کہ کیا تم میں سے دس دس آدمی بھی جہنم کے ایک ایک کارندے کو پکڑ لینے سے عاجز ہیں اور وہ

بھی آ جائے جو دوزخ پر ۱۹ فرشتوں کی تقرری کا سن کر کہتا تھا کہ سترہ کو تو میں اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا باقی دو سے تم نبٹ لینا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا

اے جن وانس کے گروہ اگر تم آسمان وزمین کے کناروں سے باہر نکل جانے کی طاقت رکھتے ہو تو نکل جاؤ۔ (الرحمن: ۳۳)

یاد رکھو! آج کوئی سرکش ومتکبر اور منکر ومکذب میری پکڑ سے نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی نافرمان اور شیطان میرے عذاب سے نجات پا سکتا ہے۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۴۶۰۔ ۴۶۲)

پرہیزگاروں کا حال

۴۱۔۴۵ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝
وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

بیشک پرہیزگار (اس کی رحمت کے) سایوں اور چشموں میں ہوں گے اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں گے۔ مزے سے کھاؤ پیو ان کاموں کے صلے میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم نیکوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔

تشریح: اس سے پہلے بدکاروں کی سزاؤں کا بیان تھا اب نیک لوگوں کی جزا کا بیان ہے کہ دنیا میں جو لوگ پرہیزگار تھے، اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتے تھے، فرائض وواجبات کی پابندی کرتے تھے اور اس کی نافرمانیوں سے بچتے رہتے تھے قیامت کے روز وہ نہایت راحت وسکون کے ساتھ ایسے باغوں میں ہوں گے جہاں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ وہ جنت کے گھنے، ٹھنڈے اور پر کیف سایوں میں اطمینان وآرام سے رہیں گے۔ قسم قسم کے پھل اور میوے ان کے لئے موجود ہوں گے۔ جب بھی اور جس پھل کو جی چاہے گا وہ ان کے پاس آ موجود ہوگا۔ نہ وہاں کوئی روک ٹوک ہوگی اور نہ کسی کمی اور نقصان کا اندیشہ ہوگا اور نہ ان نعمتوں کے ختم ہونے کا خطرہ ہوگا۔ پھر ان کی خوشی کو دوبالا کرنے کے

لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوگا کہ اے میرے بندو! تم خوشی خوشی اور خوب سیر ہو کر بلا روک ٹوک کھاؤ یہ تمہارے اعمال کا بدلہ ہے جو تم دنیا میں کرتے تھے۔ ہم نیک لوگوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیتے ہیں۔ البتہ جھٹلانے والوں کی آج بڑی ہلاکت و تباہی ہے۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۴۶۱)

منکرین کی چندروزہ عیش

۴۶۔۵۰ كُلُوْا وَ تَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝

(اے کافرو! دنیا میں) تھوڑا سا کھالو اور برت لو، بے شک تم گنہگار ہو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اللہ کے آگے) جھکو تو نہیں جھکتے۔ اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے۔ آخر اس (قرآن) کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

تشریح: ان مجرمین و مکذبین کو جو دنیا کی لذتوں اور عیش و عشرت میں مست تھے اور جنہوں نے آخرت کو فراموش کر رکھا تھا، دنیا ہی میں بتا دیا گیا تھا کہ تم دنیا میں کچھ کھا پی لو اور اس کی لذتوں سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالو۔ پھر بہت جلد یہ نعمتیں بھی فنا ہو جائیں گی اور تمہیں بھی موت آ لے گی۔ پھر تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ قیامت کے روز منکرین و مکذبین سخت نقصان اور پورے خسارے میں ہوں گے۔

دنیا کی زندگی نے ان منکرین کو ایسا سرکش و نافرمان بنا دیا تھا کہ جب ان سے کہا جاتا کہ تم آ کر نماز ادا کرو اور اللہ کے سامنے جھکو تو حقارت اور تکبر کے ساتھ اس کا انکار کر دیتے تھے۔ قیامت کے دن ان جھٹلانے والوں کے لئے بری ہلاکت اور مصیبت ہوگی۔

پھر فرمایا کہ جب یہ لوگ قرآن پر بھی ایمان نہیں لاتے جس کے دلائل نہایت واضح اور روشن ہیں تو پھر کس کلام کو مانیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اس سورت کی اس آیت کو پڑھے تو اسے اس کے جواب میں امنت باللہ و بما انزل کہنا چاہئے یعنی میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کی اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لایا۔ (ابن کثیر: ج ۴، ص ۴۶۱)

سورۃ النباء

وجہ تسمیہ: نباء کے معنی بڑی خبر کے ہیں۔ اس سورت میں عظیم الشان خبر یعنی قیامت کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورۃ النباء ہوگیا۔ اس کو سورۂ عم، سورۂ عم یتساءلون، سورۃ التساؤل اور سورۃ المعصرات بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی/ ج ۲، ص ۳۰)

تعارف و خلاصہ: اس میں دو رکوع، چالیس آیات، ۱۷۳ کلمات اور ۷۷۰ حروف ہیں۔ قرطبی وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین ومنکرین پر تشنیع کی ہے کہ وہ جہالت کی بنا پر قیامت کا انکار کرتے ہیں، پھر اللہ نے اپنی آیاتِ قدرت بیان فرمائیں کہ اس نے ان کو اور کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا۔ وہی ان کو موت دیتا ہے اور پھر قیامت کے روز ان کو دوبارہ زندہ کرے گا، اور مومنوں اور کافروں سے ان کے اعمالِ نیک وبد کا حساب لے کر ان کو جزا یا سزا دے گا۔ (مواہب الرحمٰن/ ج ۱، ص ۳۰)

سابقہ سورت سے ربط: اس سے پہلے سورۃ المرسلٰت میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا تھا کہ جس قیامت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا ہے وہ یقیناً آئے گی اور ان کے حساب وکتاب اور جزا وسزا کا وعدہ پورا اور واقع ہو کر رہے گا۔ پھر احوال قیامت بیان کئے کہ جب نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا تو ستارے بے نور ہو جائیں گے، آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ اس سورت میں اسی مناسبت سے قیامت کے بارے میں مجرمین ومنکرین کے گستاخانہ اور بیہودہ سوال کہ قیامت کب آئے گی کا رد ہے اور ساتھ ہی دلائل قدرت اور جزا وسزا کا بیان۔

قیامت کے بارے میں سوال

۱۔۵۔ عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿١﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ﴿٢﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ
مُخْتَلِفُوْنَ ﴿٣﴾ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٤﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ﴿٥﴾

وہ آپس میں کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں، اس عظیم خبر کے متعلق، جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ یقیناً وہ (اس خبر کے بارے میں) بہت جلد جان لیں گے اور یقیناً انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

عَمَّ: کسی چیز سے یہ اصل میں عنْ اور مَا سے مرکب ہے۔ ما استفہامیہ اور ما خبریہ میں فرق کرنے کے لئے الف حذف کر دیا گیا۔

یَتَسَاءَ لُوْنَ: وہ باہم سوال کرتے ہیں۔ وہ باہم پوچھتے ہیں۔ تَسَاءُ لٌ سے مضارع۔

النَّبَاءِ: خبر، خبر دینا، اطلاع، واقعہ۔ یہاں اس سے مراد قیامت ہے۔ جمع اَنْبَـــاءٌ اسم بھی ہے مصدر بھی۔

شانِ نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حسن کی روایت سے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو لوگ (قیامت کے بارے میں) ایک دوسرے سے سوال کرنے لگے۔ اس پر عم یتساء لون عن النباء العظیم نازل ہوئی۔ (مظہری ۔ ج ۱۰، ص ۱۷۱)

تشریح: اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں، اس لئے اس کے کلام میں استفہام سوال کے لئے نہیں ہوتا بلکہ جس چیز کے متعلق سوال کیا جاتا ہے، اس کی عظمت اور ہولناکی کو ظاہر کرنا مراد ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اہل مکہ کو توحید کی دعوت دی، ان کو مرنے کے بعد زندہ ہونے کے بارے میں بتایا اور قرآن کریم کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو وہ آپس میں پوچھنے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے ہولناک واقعے کی خبر دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، قیامت کا قائم ہونا اور اس میں لوگوں کے اعمال کا حساب وکتاب اور جزا وسزا کا تعین ناممکن اور محال تھا۔ اس لئے ان میں سے کچھ لوگ تو نباءِ عظیم کے بالکل منکر ہو گئے اور کچھ تردد میں پڑ گئے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین ومنکرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال تحقیق کے طور پر نہیں بلکہ بطور تمسخر پوچھتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ کس چیز کی تحقیق وتفتیش میں لگے ہوئے ہیں۔ کیا ان میں ایسی استعداد وصلاحیت ہے کہ یہ اس عظیم خبر کو سمجھ سکیں جس کے بارے میں بحث وتمحیص میں پڑے ہوئے ہیں۔ پھر تاکید کے لئے کلا سیعلمون دو مرتبہ فرمایا کہ وہ بحث وتمحیص اور سوال وجواب سے سمجھ میں آنے والی چیز نہیں بلکہ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب مرنے کے بعد دوسرے عالم کے احوال ان پر ظاہر ہوں گے، اور وہ وہاں کے ہولناک مناظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جان لیں گے کہ قیامت کیا چیز

ہے اور ان کے بحث و مباحثے اور اختلاف کی کیا حیثیت تھی۔ لیکن اس وقت کا جاننا ان کے کچھ کام نہ آئے گا، کیوں کہ وہ عمل کرنے کی جگہ نہیں بلکہ بداعمالیوں کی سزا پانے کی جگہ ہے۔ ابھی دنیا میں ان کے پاس وقت اور مہلت ہے کہ وہ اپنے کفر وشرک سے تائب ہو کر قیامت کی ہولناکی سے بچ سکتے ہیں۔

قدرتِ کاملہ کے عظیم آثار

۶،۱۶۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝ وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۝ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۝ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ۝ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝

کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔ اور تمہیں جوڑا جوڑا بنایا، اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام کا باعث بنایا اور رات کو پردے کی چیز بنایا، اور ہم نے دن کو (حصول) معاش کے لئے بنایا اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے اور ہم نے ایک روشن چراغ بنایا اور ہم نے بھرے بادلوں سے موسلا دھار پانی برسایا، تاکہ اس (بارش) سے اناج اور سبزہ اگائیں اور گھنے باغ (اگائیں)۔

مِهٰدًا: بچھونا، ٹھکانا۔ فرش۔ جمع مُهُدٌ و اَمْهِدَةٌ

اَوْتَادًا: میخیں۔ کھونٹیاں۔ واحد وَتَدٌ

سُبَاتًا: آرام، راحت، تکان دور کرنا۔ قطع کرنا۔ مصدر ہے۔ جس کے معنی مونڈنے اور قطع کرنے کے ہیں۔ نیند بھی انسان کے تمام رنجوں، غموں اور افکار کو قطع کر کے اس کے قلب و دماغ کو ایسی راحت دیتی ہے کہ دنیا کی کوئی راحت اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

مَعَاشًا: معاش کا وقت، روزی کا وقت، کمائی کرنا۔ عَيْشٌ سے اسم ظرف و مصدر میمی۔

وَهَّاجًا: جگمگاتا ہوا، بہت روشن (مراد سورج)، بہت چمکدار، ایسی روشنی جس میں گرمی بھی ہو۔ وَهْجٌ سے مبالغہ۔

الْمُعْصِرٰتِ: نچوڑنے والیاں ۔ یعنی وہ ہوائیں جو بادلوں سے پانی نچوڑتی ہیں ۔ پانی سے بھرے ہوئے بادل جو برسنے ہی والے ہوں، اِعْصَارٌ سے اسم فاعل ۔

ثَجَّاجًا: موسلا دھار بارش، خوب برسنے والا، خوب لگا تار بہنا ۔ ثَجٌّ سے مبالغہ ۔

اَلْفَافًا: باہم لپٹے ہوئے، گنجان، ایک دوسرے سے پیوست، گھنے درخت ۔ واحد لَفِيْفٌ یا لَفَافَةٌ

تشریح: عظیم خبر کے بیان کے بعد ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے اثبات کے لئے ایسی نو چیزوں کا ذکر کیا ہے جن کے بنانے میں انسان یا کسی اور مخلوق کی ذرا بھی شرکت نہیں ۔ جو حکیم برحق اور قادر مطلق ان چیزوں کو بغیر نمونے کے پیدا کر سکتا ہے وہ اس عالم کو درہم برہم کر کے دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور دوبارہ پیدا کرنے میں جو حکمت ہے اور جو کچھ اس کی کیفیات اور خصوصیات ہوں گی ان تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ۔ اس لئے ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنا محض نادانی ہے ۔ وہ نو چیزیں یہ ہیں ۔

۱ ۔ **اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا**: ہم نے تمہارے چلنے پھرنے، رہنے سہنے اور سکون و اطمینان کے لئے زمین کو فرش کی طرح ہموار بنا دیا ۔ اگر ہم اس کو ہوا کی طرح خفیف اور پانی کی طرح نرم اور آگ کی طرح گرم بنا دیتے تو تم اس پر آباد نہیں ہو سکتے تھے ۔ ہمارے اس انعام میں مومن و کافر سب شریک ہیں ۔ جس خالق کائنات نے زمین کو پہلی مرتبہ کسی نمونے کے بغیر ایسا بنایا یقیناً وہ اس کو فنا کر کے دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے ۔

۲ ۔ **وَالْجِبَالَ اَوْتَادًا**: اور ہم نے پہاڑوں کو زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیا تاکہ وہ ہلنے جلنے، حرکت کرنے اور ڈگمگانے سے محفوظ رہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور اس کی قدرت کاملہ کا نمونہ ہے ۔

۳ ۔ **وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا**: اے بنی آدم ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا ۔ مرد کا جوڑا عورت اور عورت کا جوڑا مرد بنایا تاکہ وہ اس زمین پر رہیں سہیں، پھلیں پھولیں اور ایک دوسرے سے راحت و سکون حاصل کریں ۔ ازواج کے معنی یہ بھی ہیں کہ صفات کے لحاظ سے بھی لوگ ایک دوسرے کے مقابل ہیں مثلاً بادشاہ کے مقابلے میں فقیر ہے، مالدار کے مقابلے میں مفلس، خوبصورت کے مقابلے میں بدصورت، نیک کے مقابلے میں بدکردار، کالے کے مقابلے میں گورا، عقلمند کے مقابلے میں احمق وغیرہ وغیرہ، اس میں بھی اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہے کہ اس نے ایک ہی زمین پر ایک ہی مادے سے کیسی مختلف چیزیں بنا دیں ۔

۴۔ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا: اور ہم نے نیند کو تمہارے بیداری کے اعمال قطع کر دینے والی چیز بنا دیا تاکہ تمہارے جسمانی اعضا کو آرام و سکون مل جائے۔ انسان کی ساری راحتوں کا مدار اسی نیند پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت پوری مخلوق کے لئے عام ہے، امیر و غریب، بادشاہ و مزدور، عالم و جاہل، مومن و کافر اور جانور کے لئے یہ دولت مفت اور بلا محنت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اس کو جبری بنا دیا ہے اور آدمی نا چاہتے ہوئے بھی سونے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس طرح اس کی دن بھر کی تکان دور ہو جاتی ہے اور وہ نیند کے بعد بیدار ہونے پر پھر سے تازہ دم اور کام کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔

۵۔ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا: اور ہم نے رات کو لباس یعنی چھپانے کی چیز بنا دیا۔ عموماً نیند اس وقت آتی ہے جب روشنی زیادہ نہ ہو، ماحول پر سکون ہو اور شور و غل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے رات کو لباس فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس نے تمہیں نیند کی کیفیت ہی عطا نہیں فرمائی بلکہ پورے عالم میں ایسے حالات پیدا کر دیئے جو نیند کے لئے سازگار ہوں، مثلاً رات کی تاریکی، تمام انسانوں اور جانوروں پر بیک وقت نیند طاری ہونا، اگر دوسرے کاموں کی طرح نیند کے اوقات بھی مختلف لوگوں کے لئے مختلف ہوتے تو نیند کے وقت کسی کو بھی سکون میسر نہ آتا۔

۶۔ وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا: اور ہم نے دن کو حصول معاش کا سبب بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے بندوں کے لئے جو رزق مقرر کیا ہے بندے اس کے حصول کے لئے دن میں محنت اور بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔ اگر ہمیشہ رات ہی رہتی اور آدمی سوتا ہی رہتا تو وہ اپنی غذائی ضروریات کیسے پوری کرتا۔ اسی طرح اگر دن ہی دن رہتا تو آدمی ہر وقت بھاگ دوڑ میں ہی رہتا اور آرام و سکون نہ ملتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت و قدرت سے زمین اور آفتاب کی گردش کو اس انداز سے مقرر فرما دیا کہ دن اور رات اپنے مقررہ وقت پر آتے جاتے ہیں اور آدمی کا سکون و عافیت برقرار رہتی ہے۔ اس طرح وہ اپنی معاش بھی حاصل کرتا ہے اور آرام و سکون بھی۔

۷۔ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا: اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنا دیئے جن پر گردشِ زمانہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ اسی طرح قائم ہیں اور اس کی صناعی اور کاریگری پر دلیل ہیں۔

۸۔ وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا: اور ہم نے ایک روشن چراغ یعنی سورج بنا دیا جس میں روشنی اور حرارت دونوں موجود ہیں۔ دن کے وقت اس کی روشنی سے ہر شخص اور ہر جاندار بلکہ نباتات بھی نفع اٹھاتے ہیں۔

۹۔وَاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَاءً ثَجَّاجًا: اور ہم نے بادلوں سے خوب اور بکثرت برسنے والا پانی برسایا جو پاک وصاف، بابرکت اور نفع بخش ہے تاکہ ہم اس پانی سے تمہارے لئے غلہ اور تمہارے جانوروں کے لئے چارہ پیدا کریں اور اس پانی سے گھنے باغات اور گھنے ہو جاتے ہیں اور خوب پھلتے پھولتے ہیں اور ان سے مختلف ذائقوں، رنگوں اور خوشبو والے پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں۔

پس جو ذات مذکورہ بالا چیزوں کو ابتداً یعنی عدم سے وجود میں لا سکتی ہے وہ ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ جس طرح نیند کے بعد بیداری اور رات کے بعد دن آتا ہے اسی طرح اس دنیا کے ختم ہونے پر آخرت کا آنا بھی یقینی ہے۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۵۳، ۶۵۵۔ مظہری / ج ۱۰، ص ۱۷۲)

فیصلے کا دن

۱۷،۲۰۔ اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا ۝ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۝ وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۝ وَّسُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝

بیشک فیصلے کا دن مقرر ہے، اس دن صور پھونکا جائے گا اور تم سب گروہ در گروہ آؤ گے اور آسمان کھول دیا جائے گا تو اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے اور پہاڑ چلائے جائیں گے سو وہ چمکتی ہوئی ریت ہو جائیں گے۔

مِیْقَاتًا: مقررہ وقت۔ جمع مَوَاقِیْتُ. ظرفِ زمان۔

یُنْفَخُ: اس میں پھونک ماری جائے گی۔ نَفْخٌ سے مضارع مجہول۔

سُیِّرَتْ: وہ چلائی گئی، وہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھریں گے۔ تَسْیِیْرٌ سے ماضی مجہول۔

سَرَابًا: دھوکا، چلے جانا۔ وہ ریت جو موسم گرما میں دور سے پانی کی طرح چمکتی ہو۔ اس کو سراب اسی بنا پر کہتے ہیں کہ قریب پہنچتے ہی وہ نظر سے جاتا رہتا ہے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کے علم میں اعمال کی جزا و سزا کے فیصلے کا دن (یعنی قیامت کا دن) مقرر ہو چکا ہے۔ اب وہ اپنے مقررہ وقت سے نہ پہلے آ سکتا ہے اور نہ اس سے مؤخر ہو سکتا ہے۔ اس کا صحیح وقت

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس روز صور میں پھونک ماری جائے گی جو سینگ کی شکل کا ہوگا۔ اس وقت تمام مردے زندہ ہوکر اپنی قبروں سے نکل پڑیں گے اور گروہ در گروہ اس مقام پر آ جائیں گے جہاں حساب و کتاب ہوگا۔ صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکے جانے کے بعد تمام عالم فنا ہو جائیں گے۔ دوسری مرتبہ پھونکے جانے کے بعد آسمان و زمین پھر سے قائم ہو جائیں گے اور مردے زندہ ہوکر قبروں سے نکل پڑیں گے۔ یہاں دوسری مرتبہ صور پھونکنا مراد ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝

اور (جب) صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق بیہوش ہوکر گر پڑے گی، سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ بیہوشی سے محفوظ رکھے، پھر (جب) دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو (دفعتاً) سب (ہوش میں آ کر) ایک دم کھڑے ہوکر (چاروں طرف) دیکھنے لگیں گے۔ (الزمر، ۶۸)

اس روز ہر امت اپنے نبی کے ساتھ آئے گی، جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (الاسراء، ۷۱)

جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے اماموں سمیت بلائیں گے۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز آسمان کھول دیا جائے گا اور وہ پھٹ کر ایسا ہو جائے گا گویا دروازے ہی دروازے ہیں، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر بے حقیقت ہو جائیں گے اور ان کو زمین سے اٹھا کر فضا میں ریت کے ذروں کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔ جس طرح چمکتی ہوئی ریت پر دور سے پانی کا گمان ہوتا ہے اسی طرح دُور سے وہ پہاڑ نظر آئیں گے حالانکہ حقیقت میں وہ پہاڑ نہیں ہوں گے بلکہ ریت کے ڈھیر ہوں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

اور تم پہاڑوں کو دیکھ رہے ہو اور جان رہے ہو کہ وہ پختہ مضبوط اور جامد ہیں لیکن یہ بادلوں کی طرح چلنے پھرنے لگیں گے۔ (النمل، ۸۸)

اور ارشاد ہے:

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ۝ (القارعۃ، ۵)

اور پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی مانند ہو جائیں گے۔

اور ارشاد ہے:

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً (الکہف، ۴۷)

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل کھل گئی ہے۔

دوزخیوں کا حال

۲۱، ۳۰۔ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِلطَّاغِينَ مَآبًا ۝ لَابِثِينَ فِيهَا أَحْقَابًا ۝ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا ۝ إِلَّا حَمِيمًا وَغَسَّاقًا ۝ جَزَاءً وِفَاقًا ۝ إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۝ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ۝ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ۝ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ۝

بیشک دوزخ تاک میں ہے، سرکشوں کا ٹھکانا (وہی) ہے۔ جہاں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ نہ وہ وہاں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا، سوائے گرم پانی اور پیپ کے (جو اعمال کا) پورا پورا بدلہ ہے۔ بیشک ان کو حساب کی امید نہ تھی اور ہماری آیتوں کو خوب جھٹلاتے تھے اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر محفوظ کر رکھا ہے۔ سو تم (اپنے کئے کا) مزہ چکھو، ہم تمہاری سزا بڑھاتے جائیں گے۔

جَهَنَّمَ: دوزخ کا ایک طبقہ، دوزخ۔ یہاں جہنم سے مراد پل صراط ہے۔

مِرْصَادًا: وہ جگہ جہاں بیٹھ کر کسی کی نگرانی یا انتظار کیا جائے، گھات لگانے کی جگہ، کمین گاہ۔ جس طرح کسی خفیہ مقام پر گھات لگا کر بیٹھنے والے سے دشمن بچ نہیں سکتا اسی طرح کافر دوزخ سے نہیں بچ سکتے۔ رَصْدٌ سے مبالغہ یا ظرف مکان۔ جمع مَرَاصِدُ۔

لٰبِثِيْنَ: رہنے والے، ٹھہرنے والے، اقامت کرنے والے۔ لَبْثٌ سے اسم فاعل۔

اَحْقَابًا: ایک لمبا زمانہ مراد ہمیشگی۔ واحد حُقُبٌ

حَمِیْمًا: بہت ہی گرم پانی، کھولتا ہوا پانی۔ جمع حَمَائِمُ

غسّاقًا: پیپ، کچ لہو، دوزخیوں کے زخموں سے بہنے والا خون، انتہائی ٹھنڈا بدبودار پانی۔ غَسْقٌ سے مبالغہ۔

وِفَاقًا: موافق، پورا پورا، مکمل۔ مصدر بمعنی اسم فاعل۔

اَحْصَیْنٰهُ: ہم نے اس کو محفوظ کر دیا، ہم نے اس کو گن لیا، ضبط کر لیا۔ اِحْصَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: بلاشبہ جہنم سرکش اور نافرمان لوگوں کی گھات میں ہے، یہی ان کے لوٹنے اور رہنے کی جگہ ہے۔ یہاں جہنم سے مراد پل صراط ہے جہاں مومنوں کو ثواب دینے والے اور مجرموں کو عذاب دینے والے فرشتے انتظار کر رہے ہوں گے۔ ثواب کے فرشتے اہل جنت کو ان کے مقام تک پہنچا دیں گے اور عذاب کے فرشتے اہل جہنم کو پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیں گے۔ طاغین سے یا تو وہ کافر مراد ہیں جو سرکشی اور نافرمانی میں حد سے گزر گئے اور کفر و انکار پر پختہ ہو گئے، یا مسلمانوں کے وہ گمراہ فرقے مراد ہیں جو قرآن و سنت کی حد سے نکلے ہوئے ہیں اگرچہ انہوں نے صراحتاً کفر اختیار نہیں کیا۔

یہ لوگ دوزخ میں مدتوں پڑے رہیں گے جہاں ان کو نہ ٹھنڈک کی راحت ملے گی اور نہ پینے کو کوئی خوش گوار چیز، بلکہ ان کو پینے کے لئے نہایت گرم پانی اور بہتی ہوئی پیپ ملے گی جس میں خون ملا ہوا ہوگا اور جو نہایت ٹھنڈی ہوگی کہ دوزخی اس کو پی نہ سکیں گے۔

بغوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جس طرح آگ گرمی کی وجہ سے جلاتی ہے اسی طرح غساق ٹھنڈک کی وجہ سے ان کو جلا دے گا۔

جس طرح دنیا میں کافروں کو حساب و کتاب کا یقین ہی نہ تھا اور وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے اور اپنے کفر و انکار میں بڑھتے ہی چلے گئے تھے، اسی طرح آخرت میں ان کا عذاب بھی بڑھتا ہی رہے گا اور یہ سزا عین ان کے اعمال کے مطابق ہوگی جو ہم نے لکھ رکھے ہیں۔ سوائے اہل دوزخ اب تم دوزخ میں اس عذاب کا مزہ چکھتے رہو جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔ ہم تمہارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۱۷۴، ۱۷۹، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۶۳، ۴۶۴)

جنت کی نعمتیں

۳۱، ۳۷۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ۝ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ۝ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝

وَّكَاْسًا دِهَاقًا ۝ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ جَزَآءً مِّنْ
رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ
لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۝

یقیناً پرہیز گاروں کے لئے کامیابی ہے، باغات ہیں اور انگور ہیں اور ہم عمر نوجوان عورتیں ہیں اور چھلکتے ہوئے جام، وہ وہاں نہ کوئی بیہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔ یہ تیرے رب کا بدلہ ہے، حساب سے دیا ہوا۔ آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب کا رب ہے (اور) رحمٰن ہے۔ کسی کو اس سے بات کرنے کی قدرت نہیں۔

الْمُتَّقِيْنَ: پرہیز گار، ڈرنے والے۔ اِتِّقَاءٌ سے اسم فاعل جمع مذکر۔ یہ اصل میں مُوْتَقِيِيْنَ تھا۔ واؤ کو تا سے بدل کر تا کا تا میں ادغام کردیا تو متقیین ہوگیا۔ یا پر کسرہ ثقیل تھا اس لئے اس کو گرادیا پھر اجتماع ساکنین کی وجہ سے ایک یا کو گرادیا تو متقین ہوگیا۔

مفازًا: کامیابی، کامیاب ہونا، نجات پانا۔ فَوْزٌ سے مصدر میمی یا ظرف مکان۔

حَدَائِقِ: وہ باغ جس کے گرد چار دیواری بنی ہوئی ہو۔ واحد حَدِيْقَةٌ

كَوَاعِبَ: دوشیزہ، نوجوان لڑکیاں۔ واحد كَاعِبٌ۔

اَتْرَابًا: ہم سن، ہم عمر عورتیں۔ جمع تِرْبٌ

كَاْسًا: پیالہ، گلاس، جام۔ جمع اَكْوَاسٌ

دِهَاقًا: لبالب بھرا ہوا، چھلکتا ہوا، لبریز۔ دَهْقًا سے مفعول کے معنی میں اسم صفت۔

تشریح: ان آیتوں میں ان نعمتوں کا بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاروں کے لئے تیار کر رکھی ہیں کہ قیامت کے روز پرہیز گار لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔ ان کے لئے وہاں باغات ہوں گے جو ہر قسم کے پھلوں اور میووں سے لدے ہوئے ہوں گے خاص طور پر ان میں انگور بکثرت ہوں گے جو غذا بھی ہے اور مشروب بھی۔ پرہیز گاروں کو جنت میں نوجوان ہم عمر عورتیں اور شراب طہور کے چھلکتے ہوئے جام ملیں گے جس میں دنیوی شراب کی طرح نشہ نہ ہوگا کہ بے ہودہ، لغو اور جھوٹی باتیں منہ سے نکلیں اور کان میں پڑیں، بلکہ وہ شراب ان خرابیوں سے پاک ہوگی۔

پرہیزگاروں کو جنت میں جو بدلہ ملے گا بظاہر وہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہوگا مگر حقیقت میں وہ اللہ تعالیٰ کی عطا، اس کا فضل و کرم اور اس کا انعام و احسان ہوگا۔ اور یہ عطا اور احسان ایسا بھرپور ہوگا کہ اس کے بعد کوئی تمنا اور خواہش باقی نہ رہے گی۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں اور مخلوقات کا پالنے والا ہے جو آسمانوں اور زمین کے درمیان ہیں، وہی رحمٰن ہے۔ اس کے رحم نے سب چیزوں کو گھیر رکھا ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کوئی لب کشائی نہیں کرسکتا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ

جب وہ دن آجائے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات بھی نہ کرسکے گا۔ (ہود، ۱۰۵)

عظمت وجلالِ خداوندی

۳۸، ۴۰۔ يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا ۖ لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾ ذَٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۖ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ مَآبًا ﴿٣٩﴾ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿٤٠﴾

جس دن روح اور فرشتے صف بستہ کھڑے ہوں گے (اس روز) کوئی بول نہ سکے گا سوائے اس کے جس کو رحمٰن اجازت دیدے اور وہ شخص بات بھی ٹھیک کہے۔ اس دن (کا آنا) یقینی ہے۔ اب جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنالے۔ بیشک ہم نے تمہیں ایک نزدیک آنے والے عذاب سے خبردار کردیا ہے۔ اس دن ہر شخص (ان اعمال کو) دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے ہیں اور کافر کہے گا کہ کاش میں مٹی ہوتا۔

اَذِنَ: اس نے حکم دیا، اس نے اجازت دی۔ اِذْنٌ سے ماضی۔

صوَابًا: ٹھیک بات، حق، درست۔

مآبًا: واپس ہونے کی جگہ، لوٹنے کی جگہ۔ اَوْبٌ سے اسم ظرف مکان۔

تشریح: جس روز روح یعنی جبرئیل علیہ السلام اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوئے ہوں گے، اس روز کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے بات نہ کر سکے گا اور نہ کسی کی سفارش کر سکے گا خواہ روح و ملائکہ ہوں یا انبیاء علیہم السلام یا کوئی اور، سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ نے بولنے یا شفاعت کرنے کی اجازت دی ہو اور وہ بات بھی صحیح اور حق کہے۔ البتہ اس کو بھی کسی کافر کی شفاعت کرنے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ کسی کی مجال ہوگی کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں کسی کافر کے حق میں کوئی لفظ کہہ سکے۔

جس دن یہ کیفیت ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی اس کا آنا یقینی اور برحق ہے، اس کے آنے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اب جو چاہے وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وفرمان برداری اور ہدایت کا راستہ اختیار کر کے سیدھا اپنے رب کی پاس جا پہنچے۔ بیشک ہم نے تمہیں عذاب قریب یعنی آخرت کے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے۔ اس دن ہر شخص اپنے اچھے برے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، خواہ یہ دیکھنا اس طرح ہو کہ جب اعمال نامہ ہاتھ میں آئے گا تو اس وقت اپنے اعمال کو اس میں دیکھے، یا حشر کے دن اس کے تمام اعمال مجسم اور متشکل ہو کر سامنے آجائیں گے۔ یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ یوم سے مراد موت کا دن ہو اور اعمال کو دیکھنے سے قبر و برزخ کو دیکھنا مراد ہو۔

قیامت کے روز کافر اپنی شامت اعمال کو دیکھ کر کہیں گے کہ کاش وہ مٹی ہوتے اور پیدا ہی نہ ہوتے۔ آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے روز جب جانوروں کا فیصلہ ہوگا اور ان کو ایک دوسرے سے بدلہ دلوایا جائے گا یہاں تک کہ اگر ایک بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس سے بھی بدلہ دلوایا جائے گا۔ پھر ان جانوروں سے کہا جائے گا کہ مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر کہیں گے کہ کاش ہم بھی جانور ہوتے اور اب مٹی بن کر حساب و کتاب اور عذاب جہنم سے بچ جاتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل قبر ہے۔ اگر اس سے بچ گیا تو اس کے بعد والی منزلیں آسان ہیں اور اس سے نہ بچا تو بعد والی منزلیں اس سے زیادہ سخت ہوں گی۔

(مظہری/ ج ۱۰، ص ۱۸۲، ۱۸۳، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۶۵)

سورۃ النازعات

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ النازعات سے ہوئی ہے، جس کے معنی ہیں روح کو بدن کی رگ رگ سے کھینچ کر نکالنا۔ یہ سورت اسی نام سے مشہور ہے۔ اس کو سورۃ الساہرۃ اور سورۃ الطامہ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی / ج ۳۰، ص ۲۲)

تعارف و خلاصہ: اس میں دو رکوع، ۴۶ آیات، ۱۷۰ کلمات اور ۷۶۰ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔

(مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۵۳۔ روح المعانی / ج ۳۰، ص ۲۲)

اس میں عقیدہ توحید کا بیان، رسالت کا اثبات، بعث بعد الموت اور حشر و نشر کے دلائل و شواہد مذکور ہیں۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے بارے میں منکرین قیامت کے سوال کا جواب اور روز محشر کی حاضری اور وہاں کی کچھ کیفیات کا بیان تھا۔ اس سورت میں خاص طور پر اس بے چینی، اضطراب اور بدحواسی کا ذکر ہے جو قیامت کے روز لوگوں پر طاری ہوگی۔ نیز جزا و سزا اور مومنین و مجرمین کا فرق بھی بیان کیا گیا ہے۔

فرشتوں کی پانچ صفات

۱،۵۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝

اور قسم ہے ان (فرشتوں) کی جو سختی سے جان نکالتے ہیں اور بند کھول دینے والوں کی اور تیزی سے تیرنے والوں کی پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی اور ہر کام کا انتظام کرنے والوں کی (قیامت ضرور آئے گی)۔

النازعٰتِ: سختی سے کھینچنے والیاں، سختی سے نکالنے والیاں، وہ فرشتے جو کافروں کی جانیں سختی کے ساتھ ان کے بدنوں سے کھینچتے ہیں۔ نَزْعٌ و نُزُوْعٌ سے اسم فاعل۔ واحد نَازِعَۃٌ

النّٰشِطٰتِ: گرہ کھولنے والے، بند کھولنے والے، اس سے مراد رحمت کے وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روح آسانی سے نکالتے ہیں۔ نَشْطٌ سے اسم فاعل۔ واحد ناشطۃٌ

السّٰبِحٰتِ: تیرنے والیاں، کشتیاں، وہ فرشتے جو ارواح کو لے کر اس طرح سہولت اور تیزی سے چلتے ہیں گویا کہ تیر رہے ہیں۔ سَبْحٌ سے اسم فاعل۔ واحد سَابِحَۃٌ

المُدَبِّرٰتِ: تدبیر کرنے والیاں، انتظام کرنے والیاں، فرشتوں کی وہ جماعت جو اللہ کی طرف سے کائنات کے انتظام پر مامور ہے۔ تَدْبِیْرٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُدَبِّرَۃٌ

تشریح: جمہور مفسرین کے مطابق قیامت کی حقانیت بیان کرنے کے لئے سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایسی پانچ صفات کی قسم کھائی ہے جن کا تعلق انسان کی موت اور حالت نزع سے ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی موت بھی قیامت ہی کا نمونہ ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

اذا مات احدکم فقد قامت قیامتہ۔ (کشف الخفاء)

جب تم میں سے کسی کی موت واقع ہوگئی تو گویا اس کی قیامت قائم ہوگئی۔

وہ پانچ صفات یہ ہیں۔

۱۔ وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو غوطہ لگا کر روح نکالتے ہیں، اس سے مراد عذاب کے وہ فرشتے ہیں جو کافروں کی روح سختی سے نکالتے ہیں۔ چوں کہ نزع کے وقت کافر کی روح برزخ کا عذاب دیکھ کر گھبرا جاتی ہے اور اس کے بدن میں چھپنے کی کوشش کرتی ہے اس لئے فرشتے کافر کے بدن میں گھس کر اس کو سختی کے ساتھ کھینچ کر نکال لیتے ہیں جس سے اس کو شدید تکلیف ہوتی ہے۔ اس تکلیف سے مراد روحانی تکلیف ہے، یعنی اس کی روح کو تکلیف ہوتی ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ کافر کی روح بظاہر آسانی سے نکل جاتی ہے لیکن یہ آسانی ہمارے دیکھنے کی حد تک ہے ورنہ اس کی روح پر جو سختی ہوتی ہے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکتا اور نہ کوئی اس کا اندازہ کرسکتا ہے۔

وَالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا۔ اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو بند کھولنے والے ہیں۔ یہاں وہ فرشتے مراد ہیں جو مومنوں کی روح آسانی اور نرمی سے نکالتے ہیں، گویا کہ وہ مومن کے بدن سے جان کی گرہ کھول دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں مومن کی روح اس کے جسم سے نکل کر عالم برزخ کے ثواب اور نعمتوں

کی طرف جلد سے جلد جانا چاہتی ہے، کیوں کہ وہ ان کو اپنے سامنے دیکھ کر ان کے حصول کے لئے بے تاب ہو جاتی ہے۔ یہاں بھی آسانی سے مراد روح کی آسانی ہے۔ اگر کسی نیک آدمی کی روح نکلنے کے وقت اس کے جسم پر سختی کے آثار نظر آئیں تو اس کے بارے میں یہ نہیں کہا سکتا کہ واقعتاً اس پر سختی ہو رہی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب مومن دنیا سے انقطاع اور آخرت کی طرف توجہ کی حالت میں ہوتا ہے تو آفتاب جیسے روشن چہروں والے فرشتے جنتی کفن اور خوشبو لے کر آتے ہیں، اور حد نظر تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اے نفس مطمئنہ! اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل کر چل۔ فوراً جان اس طرح بہہ کر باہر آ جاتی ہے جیسے مشکیزے سے پانی کا قطرہ، ملک الموت اس کو لے لیتا ہے مگر وہ فرشتے لمحے بھر بھی اس کو ملک الموت کے پاس نہیں چھوڑتے اور خود اپنے قبضے میں لے کر اس کو جنتی کفن اور خوشبو میں رکھ دیتے ہیں اور اس سے بہترین مشک کی خوشبو نکلتی ہے۔

اور جب کوئی کافر دنیا سے قطع تعلق کی حالت میں ہوتا ہے تو آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے ٹاٹ لے کر اس کے پاس آتے ہیں اور حد نظر تک بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ کر کہتا ہے اے خبیث نفس اللہ کے غضب کی طرف نکل کر چل۔ جان بدن کے اندر دوڑتی پھرتی ہے مگر ملک الموت اس کو اس طرح کھینچ کر نکالتا ہے جسے خاردار تاروں سے کھینچ کر نکالا جاتا ہے۔ آخر وہ اس کو پکڑ کر نکال لیتا ہے۔ پھر وہ فرشتے لمحے بھر تاخیر کئے بغیر اس کو ملک الموت سے لے لیتے ہیں اور ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے مردار جیسی بو نکلتی ہے۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۱۸۵، ۱۸۶)

۳۔ وَالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۔ قسم ہے ان فرشتوں کی جو تیرنے والے ہیں یعنی وہ فرشتے جو روح کو تیزی سے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں۔

۴۔ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا۔ پھر سبقت کرنے والے فرشتوں کی قسم۔ یہ فرشتے روح کو دربار خداوندی میں پیش کرتے ہیں۔ پھر جب اس روح کو جنت یا جہنم میں لے جانے کا حکم ہوتا ہے تو اس حکم کی تعمیل میں بہت جلدی کرتے ہیں۔

۵۔ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا۔ پھر اللہ کے حکم کا انتظام کرنے والے فرشتوں کی قسم۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس روح کو راحت دینے کا حکم ہوگا اس کے لئے راحت کا سامان جمع کرتے ہیں اور جس روح کو عذاب اور تکلیف میں ڈالنے کا حکم ہوگا اس کے لئے عذاب کے اسباب کا انتظام کرتے ہیں۔ روح

کو یہ عذاب وثواب قبر یعنی برزخ میں ہوگا۔ حشر کا عذاب وثواب اس کے بعد ہوگا۔

قیامت کا بھونچال

۱۴۔۶ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ قُلُوْبٌ
يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ
فِى الْحَافِرَةِ ۝ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ
خَاسِرَةٌ ۝ فَاِنَّمَا هِىَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝

جس دن ہلا دینے والی چیز ہلا ڈالے گی (نفخۂ اولیٰ) اس کے بعد ایک پیچھے آنے والی چیز آ جائے گی (نفخۂ ثانی) اس دن بہت سے دل (ہیبت سے) دھڑک رہے ہوں گے، ان کی آنکھیں (ندامت سے) جھک رہی ہوں گی۔ وہ (منکرین) کہتے ہیں کہ کیا ہم پھر الٹے پاؤں لوٹیں گے (پھر زندہ کئے جائیں گے)۔ کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے (پھر زندہ کئے جائیں گے)۔ وہ کہتے ہیں پھر تو یہ واپسی بڑے خسارے کی ہوگی۔ سو وہ تو صرف ایک خوفناک آواز ہوگی جس سے وہ سب میدان (حشر) میں آ جمع ہوں گے۔

الرَّاجِفَةُ: ہلا دینے والی، کانپنے والی، لرزنے والی۔ قیامت کا نفخۂ اولیٰ مراد ہے۔ رَجْفٌ و رُجُوْفٌ سے اسم فاعل۔

الرَّادِفَةُ: پیچھے آنے والی، نفخۂ ثانیہ مراد ہے۔ رَدْفٌ سے اسم فاعل۔

وَاجِفَةٌ: دھڑکنے والی، کانپنے والی، مضطرب۔ وَجْفٌ سے اسم فاعل۔

الحَافِرَة: پہلی حالت پر لوٹنا، الٹے پاؤں، قبر کی زمین، کھدی ہوئی زمین۔ حَفْرٌ سے اسم فاعل بمعنی مفعول۔

نَخِرَةً: بوسیدہ۔ ریزہ ریزہ۔ نَخَرٌ سے صفت مشبہ۔

كَرَّةٌ: لوٹ جانا (دنیا میں)، پھر جانا، واپس جانا۔ مصدر کَرَّةٌ

زَجْرَةٌ: ڈانٹ، تہدید، جھڑکی، ہیبت ناک آواز۔

السَّاهِرَةِ: میدان، صاف ہموار زمین۔

شانِ نزول: سعید بن منصور نے محمد بن کعب کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیتء اِئَّـا لَـمَـرْدُوْدُوْنَ فِـي الْحَافِرَةِ نازل ہوئی تو کافر قریش کہتے تھے کہ اگر مرنے کے بعد ہمیں دوبارہ زندہ کیا گیا تو ہم بہت خسارے میں رہیں گے۔ اس پر آیت قَالُوْا تِلْکَ اِذًا کَرَّةٌ خَاسِرَةٌ نازل ہوئی۔

(باب النقول فی اسباب النزول، ۔ سیوطی)

تشریح: بے شک قیامت آکر رہے گی، وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ ایک ہلا دینے والی چیز یعنی نفخۂ اولیٰ ہر چیز کو ہلا کر رکھ دے گا۔ اس دن زمین و پہاڑ، حجر وشجر، بحر و بر ہر چیز لرز رہی ہوگی اور بالآخر فنا ہو جائے گی۔ پھر اس نفخۂ اولیٰ کے چالیس سال بعد دوسرا نفخہ ہوگا (دوسری مرتبہ صور پھونکا جائے گا) جس سے تمام مخلوق زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عدالت میں حاضر ہو جائے گی۔

پہلے نفخے کو راجفہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی بار صور پھونکنے سے زلزلہ آجائے گا اور ہر چیز ہل جائے گی اور مخلوق مر جائے گی، دوسرے نفخہ کو رادفہ اس لیے کہا کہ وہ پہلے کے پیچھے آئے گا۔

ابن مبارک نے حسن بصری کا مرسل قول نقل کیا ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چالیس برس کی مدت ہوگی۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں نفخوں کے درمیان چالیس کی مدت ہوگی۔ لوگوں نے پوچھا اے ابو ہریرہ کیا چالیس دن کی میعاد ہوگی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے جواب دیا مجھے اس سے انکار ہے۔ لوگوں نے کہا تو چالیس مہینے ہوں گے، حضرت ابو ہریرہ نے کہا مجھے اس سے بھی انکار ہے، پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے لوگ (قبروں سے) ایسے اگیں گے جیسے سبزی اگتی ہے۔ (مظہری/ج ۱۰، ص ۱۸۸)

اس روایت میں چالیس کا لفظ تو ہے مگر سال کا ذکر نہیں لیکن حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی دوسری روایت میں جس کو ابن ابی داؤد نے البعث میں لکھا ہے چالیس سال کے الفاظ آئے ہیں۔

قیامت کے روز جب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گے تو اس کے جلال وغضب اور جہنم کے خوف کے سبب ان کے دل اضطراب و بے چینی سے کانپ رہے ہوں گے اور شرم وندامت اور خوف و ہراس کی وجہ سے آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور کسی کو نگاہ اوپر کر کے دیکھنے کی بھی ہمت نہ ہوگی۔

کافروں کو دنیا میں جب قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، حساب وکتاب اور جزا وسزا کے

بارے میں بتایا جاتا تھا کہ تو وہ تمسخر کے طور پر کہا کرتے تھے کہ کیا قبروں میں چلے جانے اور جسم اور ہڈیوں کے گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد بھی ہم زندہ کئے جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ دوسری زندگی تو ہمارے لئے بڑے خسارے کی ہوگی، کیوں کہ اس کے لئے ہم نے کوئی تیاری نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ جس کام کو یہ کافر بڑا بھاری اور ناممکن و محال سمجھ رہے ہیں وہ ہمارے لئے بہت ہی معمولی کام ہے۔ ادھر ایک آواز دی یعنی دوسری مرتبہ صور پھونکا، ادھر سب اگلے پچھلے زندہ ہو کر حساب و کتاب کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے میدان حشر میں کھڑے دکھائی دیں گے۔ جیسے گویا سوتے ہوئے لوگوں کو جگا دیا گیا ہو۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ

۱۵، ۲۶۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۞ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۞ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۞ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۞ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۞ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۞ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۞ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۞ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۞ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۞ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۞ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞

کیا آپ کو (حضرت) موسیٰ کی خبر پہنچی جب ان کے رب نے طویٰ کی مقدس وادی میں ان کو پکارا کہ تم فرعون کے پاس جاؤ، بیشک وہ سرکش ہو گیا ہے، پھر اس سے کہو کہ کیا تو اپنی اصلاح چاہتا ہے اور میں تجھے تیرے رب کا راستہ دکھاؤں تاکہ تجھ میں اللہ کا خوف پیدا ہو۔ سو (حضرت موسیٰ نے) اس کو بڑی نشانی دکھائی۔ پھر بھی اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر وہ الگ ہٹ کر (موسیٰ کے خلاف) کوشش کرنے لگا کہ میں ہی تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ پھر اللہ نے اس کو آخرت اور دنیا کی سزا میں پکڑ لیا۔ بے شک خوف

خدا رکھنے والوں کے لئے اس (واقعے) میں بڑی عبرت ہے۔

حَدِیْثُ: بات، خبر، قصہ۔ جمع اَحَادِیْثُ

الْوَادِ: دو پہاڑوں کے درمیان کا میدان، وادی، راستہ۔ یہاں مقدس وادی طویٰ مراد ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی۔ جمع اَوْدِیَۃ

طوی: وادیٔ طوی، وہ مقام جہاں مدین سے واپس آتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قیام کیا تھا۔ اسی مقدس وادی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملی تھی۔

حَشَرَ: اس نے اکٹھا کیا، اس نے جمع کیا۔ حَشْرٌ سے ماضی۔

نَکَالَ: ایسا عذاب جو باعث عبرت ہو، سزا۔ اسم ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین ومنکرین کی طرف سے تکذیب وانکار اور ایذا رسانی صرف آپ ہی کے ساتھ نہیں بلکہ آپ سے پہلے جو انبیائے علیہم السلام گزرے ہیں ان کی بھی تکذیب کی جاتی رہی اور ان کو بھی تکلیفیں دی جاتی رہیں۔ جس طرح انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر سے کام لیتے رہیے۔ جب فرعون اپنے کفر وانکار میں حد سے بڑھتا چلا گیا تو اس کی قوت اور کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس کو ہلاک کر دیا۔ یہ مشرکین مکہ مال ودولت اور قوت وکثرت میں فرعون کے برابر نہیں اس لئے ان کو اس واقعے سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ نیک بخت وہ ہے جو دوسروں کے معاملات سے عبرت حاصل کرے۔

ایک روز اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طویٰ کی مقدس وادی میں پکار کر ان سے کلام کیا اور ان کو حکم دیا کہ فرعون کے پاس جا کر اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دو۔ بلاشبہ وہ بہت سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تو کفر ونافرمانی اور غرور وتکبر کی گندگی سے پاک ہو کر راہ راست پر آنا نہیں چاہتا؟ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجھے اس تک پہنچنے کا سیدھا راستہ دکھا سکتا ہوں جس پر چلنے سے تیرے دل میں اللہ کا خوف اور اس کی کامل معرفت پیدا ہو جائے گی اور تیری زندگی سنور جائے گی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ کی بعثت کا مقصد بنی اسرائیل کو قید سے چھڑانے کے ساتھ ساتھ فرعون کی اصلاح بھی تھا۔ چناں چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے پاس پہنچ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اسے دعوت ایمان دی، اور حجت قائم کرنے کے لئے اس کو عظیم الشان معجزے

دکھائے جو واضح طور پر حضرت موسیٰ کی صداقت بتا رہے تھے لیکن اس نے تکذیب و نافرمانی کی اور وہ حق سے منہ موڑ کر حق کے خلاف ساحروں کو جمع کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ پھر اس نے حضرت موسیٰ کو نیچا دکھانے کے لئے بے شمار ساحر جمع کر لئے اور ان کو مرعوب کرنے کے لئے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ میں ہی تمہارا سب سے اعلیٰ پروردگار ہوں اور میں ہی سب پر غالب ہوں۔ مجھ سے اوپر تمہارا کوئی رب نہیں۔ یہ موسیٰ کہاں سے آ گیا؟ اس کو کس نے بھیجا؟

فرعون اپنی سرکشی اور نافرمانی سے باز نہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو آخرت کے عذاب اور دنیا کی سزا میں پکڑ لیا۔ دنیا میں یہ سزا دی کہ اس کو پانی میں غرق کر دیا اور آخرت کی سزا یہ ہے کہ وہاں جہنم اس کی منتظر ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ جلتا رہے گا۔ بیشک اس قصے میں ہر اس شخص کے لئے عبرت کا سامان ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف و خشیت ہو۔

قدرتِ کاملہ کے دلائل

۲۷، ۳۳۔ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا ۝ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰهَا ۝ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰهَا ۝ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ۝ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ۝ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ۝ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝

کیا تمہارا (دوسری بار) پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا جس کو اس (اللہ) نے بنایا۔ اسی نے اس کا درمیانی حصہ بلند کیا اور اس کو ٹھیک ٹھیک بنایا، اور اس کی رات کو تاریک اور دن کو روشن بنایا اور اس کے بعد زمین کو بچھا دیا۔ اسی نے (زمین سے) پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو (اس پر) قائم کر دیا (یہ سب) تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے فائدے کے لئے ہے۔

سَمْكَهَا: اس کا ابھار، اس کی چھت، اس کی بلندی۔

اَغْطَشَ: اس نے ڈھانپ دیا، اس نے تاریک بنایا، اِغْطَاش سے ماضی۔

ضُحٰهَا: اس کی دھوپ، اس کی روشنی، چاشت کا وقت، اس کا دن۔

دَحٰهَا: اس نے اس کو بچھا دیا، اس نے اس کو پھیلایا، اس نے اس کو ہموار کیا۔ دَحْوٌ سے ماضی،

مَرْعٰهَا: اس کی چراگاہ، چارہ۔ رَعْیٌ سے اسم ظرف مکان۔

اَرْسٰهَا: اس نے اس کو گاڑ دیا، اس نے اس کو قائم کر دیا، اس نے اس کو جما دیا۔ اِرْسَاءٌ سے ماضی۔

تشریح: جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آسمان و زمین کی موجودات کی تخلیق تمہاری تخلیق سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ انسان تو کائنات ساوی کا جز ہے اور جز کی تخلیق کل کی تخلیق سے بدیہی طور پر آسان ہوتی ہے۔ نیز انسان تو پہلے ہی تخلیق ہو چکا ہے اس لئے قیامت کے روز اس کو دوبارہ تخلیق کرنا تو پہلی تخلیق کے مقابلے میں بہت ہی آسان ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (مومن:۵۷)

آسمانوں اور زمین کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے زیادہ بھاری ہے۔

• ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اَوَ لَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝

کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر دیا وہ ان جیسے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ضرور قادر ہے اور وہی بڑا پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (یٰس:۸۱)

پس جو ذات کسی چیز کو ابتدا میں پیدا کر سکتی ہے اس کے لئے اس کو دوبارہ پیدا کرنا آسان ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ جب کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اس کو کسی قسم کے آلات، مشینری اور دیگر سامان وغیرہ کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ ''ہو جا'' بس وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ یعنی کسی چیز کی تخلیق کے لئے صرف اس کا ارادہ اور مشیت کافی ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

بے شک جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس کو کہہ دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ (یٰس:۸۲)

اللہ تعالیٰ ہی نے آسمان کو وسیع اور بلند و بالا بنایا، زمین سے اس کی بلندی لاکھوں کروڑوں میل ہے۔ نہ وہ کسی ستون پر قائم ہے اور نہ کسی دیوار پر رکھا ہوا ہے۔ نہ اس میں کہیں کوئی شگاف ہے اور نہ ٹیڑھا ترچھا پن بلکہ وہ خوب کشادہ، مضبوط، صاف، بالکل برابر و ہموار اور مرتب و منظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسے ستارے جڑ دیئے جو اندھیری راتوں میں خوب چمکتے ہیں۔ اسی نے رات کو تاریک اور دن کو روشن اور نور والا بنایا۔ پھر آسمان کو سنوارنے اور سجانے کے بعد اس کے نیچے زمین کو ہموار کر کے بچھا دیا اور انسانوں اور کل جانداروں کے فائدے کے لئے اس سے دریا اور چشمے جاری کر کے سبزہ پیدا کر دیا۔ پھر پہاڑوں کو زمین پر خوب مضبوط گاڑ دیا تاکہ وہ ڈگمگائے نہیں اور انسان اور کل جاندار اس سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ جانور بھی انسان ہی کے فائدے کے لئے ہیں کیوں کہ وہ ان میں سے بعض کا گوشت کھاتا ہے، بعض پر سواری کرتا ہے اور ان سے بار برداری کا کام لیتا ہے، اور دنیا میں اپنی زندگی نہایت سکون و اطمینان سے بسر کرتا ہے۔

پس چاند اور سورج کا طلوع و غروب ہونا، دن رات کا تبدیل ہونا اور ستاروں کی گردش وغیرہ کا سارا نظام فلکیات ایسا محکم و منظم ہے کہ دیکھنے والا اس کے صانع اور خالق کی حکمت اور کمال قدرت پر یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سو جس ذات نے آسمانوں اور زمین جیسی عظیم مخلوق کو پیدا کیا ہے اس کے لئے مرنے کے بعد انسان کی بوسیدہ ہڈیوں اور منتشر و متفرق جسمانی اجزا کو جوڑ کر دوبارہ پیدا کرنا کچھ دشوار نہیں جب کہ وہ اس کو ایک بار پیدا بھی کر چکا ہو۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۶۸، ۴۶۹۔ عثمانی/ ج ۲، ص ۷۷۸، ۷۷۹)

دوزخ کا منظر عام پر آنا

۳۴۔۳۶۔ فَإِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرٰى ﴿۳۶﴾

جب وہ بڑا ہنگامہ (قیامت کا دن) آئے گا تو اس دن انسان اپنے کئے کو یاد کرے گا اور جہنم ہر دیکھنے والے کے سامنے کر دی جائے گی۔

الطَّآمَّةُ: بڑی مصیبت، بڑا حادثہ، قیامت۔ طَمٌّ سے اسم فاعل، طَمٌّ کا معنی ہے غلبہ۔ سمندر کو اسی

لئے طَمّ کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ عرب نا قابل برداشت مصیبت کو الطامہ کہتے ہیں۔ قیامت کو بھی طامہ اسی لئے کہتے ہیں کہ قیامت کا حادثہ تمام حوادث و مصائب پر غالب ہے، یعنی سب سے بڑی مصیبت ہے۔

بُرِّزَتْ: وہ ظاہر کردی گئی۔ تَبْرِیْزٌ سے ماضی مجہول۔

اَلْجَحِیْمُ: دوزخ، دہکتی ہوئی آگ۔ جَحْجَمٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: جس نے آسمانوں، زمین، چاند اور سورج، تارے، دن، رات اور پہاڑوں اور سمندر کو تمہاری حاجت روائی اور راحت رسانی کے لئے پیدا کیا اس منعم حقیقی کی قدرت کے اقرار کے ساتھ ساتھ ہر وقت اور ہر حال میں اس کا شکر کرتے رہنا چاہئے ورنہ جب قیامت آئے گی تو اس دن انسان کو اپنے تمام اچھے برے اعمال جو وہ دنیا میں کر کے بھول گیا سب یاد آجائیں گے اور ان اعمال کا نیک و بد نتیجہ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ اس وقت وہ اپنے انجام کو دیکھ کر کافی نصیحت حاصل کرے گا اور پچھتائے گا لیکن اس وقت کا نصیحت حاصل کرنا اور پچھتانا کچھ کام نہ آئے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَوْمَىِٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ۝ (الفجر، ۲۳)

اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا لیکن اب نصیحت کا کیا فائدہ۔

پھر فرمایا کہ قیامت کے روز جہنم لوگوں کے سامنے ظاہر کردی جائے گی اور ہر شخص بلا کسی رکاوٹ کے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا۔ کافروں کو اس منظر سے ہول اور اضطراب ہوگا۔ وہ اپنے نامۂ اعمال میں ہر چھوٹے بڑے عمل کو دیکھ کر مایوس ہوں گے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

اور وہ کہیں گے ہائے ہماری خرابی یہ کیسا اعمال نامہ ہے جو نہ کسی چھوٹی بات کو چھوڑتا ہے اور نہ بڑی کو جو اس میں نہ آگئی ہو، اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا وہ سب اپنے سامنے موجود پائیں گے، اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔ (الکہف: ۴۹)

اس کے برعکس مومنین اپنے رب کی رحمت سے نجات کے امیدوار ہوں گے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا

۳۷۔۴۱۔ فَاَمَّا مَنْ طَغٰیۙ۝ وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَاۙ۝ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰیؕ۝ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰیۙ۝ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰیؕ۝

جس نے (دنیا میں) سرکشی کی ہوگی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا اور (اپنے) نفس کو (بری) خواہش سے روکے رہا تو اس کا ٹھکانا جنت ہی ہے۔

اٰثَرَ: اس نے ایثار کیا، اس نے ترجیح دی، اس نے پسند کیا۔ ایثارٌ سے ماضی۔

اَلْهَوٰی: نفسانی خواہش، ناجائز رغبت۔ جمع اَهْوَاءٌ

شانِ نزول: ضحاک نے عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ یہ دو آیتیں حضرت مصعب اور ان کے کافر بھائی ابو عزیز کے حق میں نازل ہوئیں، بدر کے روز انصار نے ابو عزیز کو گرفتار کیا۔ اس نے کہا کہ میں (حضرت) مصعب کا بھائی ہوں۔ یہ سن کر انصار نے ان کے بند کھول دیئے اور اس کا اکرام کیا اور آرام سے سلا دیا۔ صبح کو حضرت مصعب رضی اللہ عنہ سے (واقعہ) بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بھائی مومنین ہیں۔ وہ میرا بھائی نہیں۔ تم اپنے قیدی کو مضبوط باندھو۔ اس کی ماں کے پاس اہل بطحا میں سب سے زیادہ مال و دولت ہے۔ انصار نے ابو عزیز کو مضبوط باندھ دیا۔ آخر اس کی ماں نے فدیہ بھیج کر اس کو چھڑایا، یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں آیت فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ہے اور آیت وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے۔

عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ یہ دونوں آیتیں ابو جہل اور حضرت مصعب بن عمیر کے بارے میں نازل ہوئیں، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی آیت نضر اور اس کے بیٹے حرث کے بارے میں نازل ہوئی جو کفر و سرکشی اور حد سے تجاوز کرنے میں مشہور تھے۔

(روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۳۶، ۳۷۔ مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۱۱۰)

تشریح : قیامت کے دن سرکشوں، حد سے نکلنے والوں اور دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینے والوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

حضرت ابوموسیٰ کی روایت میں ہے کہ جو اپنی دنیا سے محبت کرے گا وہ اپنی آخرت کو پیچھے ڈال دے گا، اور جو اپنی آخرت سے محبت کرے گا وہ اپنی دنیا کو پیچھے کر دے گا۔ سو تم فانی کے مقابلے میں باقی کو اختیار کرو۔ (مظہری/ ج ۱۰،ص۱۹۲)

ایک حدیث میں ہے کہ دنیا کی محبت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان دنیا کی زندگی پر فریفتہ ہو جاتا ہے اور آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتا تو وہ دن رات عیش و آرام کے اسباب جمع کرنے میں لگا رہتا ہے خواہ وہ حرام سے حاصل ہوں یا حلال سے۔ پھر وہ جھوٹ کی پرواہ کرتا ہے نہ دھوکہ دہی سے بچتا اور ظلم و زیادتی سے رکتا ہے۔ بس ہر وقت مال و زر اور زمین و جائیداد بنانے کی فکر میں رہتا ہے۔ نہ اس کو نماز روزے کی فرصت اور نہ کسی نیک کام کی مہلت۔ آخر اسی حال میں دنیا سے چلا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے شخص کا ٹھکانا جہنم ہی ہوگا جس سے اس کو کبھی چھٹکارا نہیں ملے گا۔

اس کے برعکس جو شخص قیامت کے روز حساب و کتاب کے لئے اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اس نے اس خیال کو دل میں پختہ کر لیا تو وہ نفسانی خواہشات اور ہر قسم کی بدکاری اور گناہ سے دور رہے گا اور احکام الٰہی کے تابع رہے گا۔ ایسے پاک لوگوں کا ٹھکانا جنت ہے جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور انہیں ہر قسم کی نعمتیں ملیں گی۔ جو کبھی کم ہوں گی نہ ختم ہوں گی۔

قیامت قائم ہونے کا وقت

۴۲، ۴۶۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ۝ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۝ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۝ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۝ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝

لوگ آپ سے قیامت قائم ہونے کا وقت پوچھتے ہیں۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق، آپ کے رب ہی کی طرف اس کی انتہا ہے۔ آپ کا کام تو صرف اس کو ڈرانا ہے جو اس سے ڈرتا ہو، جس دن یہ اس کو دیکھ لیں گے تو (ان کو) ایسا معلوم ہوگا کہ گویا وہ (دنیا میں) صرف ایک شام یا صبح ہی رہے تھے۔

مُرْسٰی: رکنا، ٹھہرنا، جمنا۔ اِرْسَاءٌ سے مصدر میمی۔

یَلْبَثُوْا: وہ ٹھہرتے ہیں، وہ رہتے ہیں۔ لُبْثٌ سے مضارع۔

ضُحٰی: دن کی روشنی، دن چڑھے، چاشت کے وقت، صبح کے وقت۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے ضحاک کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ مشرکین مکہ نے استہزاء کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔ اس پر آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَةِ سے سورت کے آخر تک نازل ہوئی۔

طبرانی اور ابن جریر نے طارق بن شہاب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے قیامت کا ذکر فرمایا کرتے تھے اس پر آیت فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِکْرٰهَا اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَهٰهَا نازل ہوئی۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۱۵۹۔ باب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی آپ اس کو بیان کرنے کی فکر میں نہ پڑیں، یہ آپ کا کام نہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو بھی علم نہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اس کا صحیح اور معین وقت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ

بیشک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ (لقمان: ۳۴)

آپ کو قیامت کا وقت بیان کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا، بلکہ اس لئے بھیجا گیا کہ آپ لوگوں کو قیامت کے شدائد اور مصائب سے ڈرائیں اور ان کی غفلت کو دور کردیں۔ آپ کا ڈرانا صرف اسی کو نفع دے گا جو اس ہیبت ناک دن پر ایمان رکھتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے اور جانتا ہے کہ ایک روز اسے اللہ کے سامنے حاضر ہوکر اپنے اچھے برے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔ سو جو لوگ قیامت کے آنے کا یقین رکھتے ہیں وہ اس کی تیاری کرلیں گے اور اس کے مصائب سے بچ جائیں گے۔ اور جو لوگ آپ کی بات نہیں مانیں گے بلکہ آپ کی مخالفت کریں گے اور قیامت کو جھٹلائیں گے تو وہ اس دن بدترین نقصان اور مہلک عذابوں میں گرفتار ہوں گے، جس دن لوگ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔ اس وقت ان کو اپنی دنیا کی زندگی بہت مختصر نظر آئے گی اور ان کو ایسا محسوس ہوگا کہ صرف صبح یا شام کا کچھ حصہ دنیا میں گزارا ہے۔

سورۂ عبس

وجہ تسمیہ: اس کو سورۂ عبس اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے نزول کا سبب عبوس یعنی ترش روئی تھی ۔ اس کو سورۃ الصاخۃ، سورۃ السفرۃ اور سورۃ الاعمٰی بھی کہتے ہیں ۔

(حقانی / ج ۵، ص ۲۳۶، روح المعانی / ج ۳۰، ص ۳۹)

تعارف و خلاصہ: اس میں ۴۲ آیات، ۱۲۰ کلمات اور ۳۳۰ حروف ہیں ۔ ابن عباس اور ابن الزبیر سے روایت ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ۔ قرطبی وغیرہ نے کہا کہ یہ سورت بالاجماع مکیہ ہے ۔ (مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۱۵)

اس میں رسالت کا اثبات، قیامت بعث بعد الموت اور دلائل قدرت کا بیان ہے ۔

حصول علم کا شوق اور خشیت

۱،۱۶۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ اَنْ جَاۗءَهُ الْاَعْمٰى ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۙ
اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۭ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ فَاَنْتَ
لَهٗ تَصَدّٰى ۭ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۭ وَاَمَّا مَنْ جَاۗءَكَ يَسْعٰى ۙ
وَهُوَ يَخْشٰى ۙ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَاۗءَ
ذَكَرَهٗ ۘ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۢ ۙ بِاَيْدِيْ
سَفَرَةٍ ۙ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ۭ

اس نے ترش رو ہو کر منہ موڑ لیا، (اس بات پر) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا، اور آپ کو کیا خبر شاید وہ (نابینا آپ کی تعلیم سے) سنور جاتا یا نصیحت سنتا اور اسے نصیحت فائدہ پہنچاتی، لیکن جو (دین) کی پرواہ نہیں کرتا آپ اس کی طرف پوری توجہ کرتے ہیں، حالانکہ اس کے درست نہ ہونے کا

آپ پر کوئی الزام نہیں، اور جو شخص (دین کے لئے) آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ (اللہ سے) ڈرتا (بھی) ہے تو آپ نے اس سے بے رخی کی۔ یہ مناسب نہیں، یہ قرآن تو نصیحت ہے اب جو چاہے اسے یاد کرلے، یہ معزز اوراق میں (لکھا ہوا) ہے، جو بلند مرتبہ اور پاک صاف ہیں (یہ قرآن) ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہے جو بزرگ اور نیک ہیں۔

عَبَسَ: وہ ترش رو ہوا، اس نے منہ بنایا، اس نے تیوری چڑھائی۔ عَبْسٌ وعُبُوْسٌ سے ماضی۔

یُدْرِیْ: وہ جتاتا ہے، وہ آگاہ کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے۔ اِدْرَاءٌ سے مضارع۔

تصدّی: تو توجہ کرتا ہے، تو فکر میں ہوتا ہے، تو پیچھے لگتا ہے۔ تَصَدِّیٌ سے مضارع۔ اصل میں تتصدی تھا ایک تا حذف ہوگئی۔

سَفَرَةٍ: لکھنے والے، قاصد، سفیر۔ واحد سَافِرٌ۔ یہ سَافِرٌ کی جمع بھی ہوسکتی ہے جس کے معنی کاتب کے ہیں، اس صورت میں اس سے مراد فرشتے ہوں گے جو اس کو لوح محفوظ سے صحف میں نقل کرتے ہیں۔ سفیر بمعنی قاصد کی جمع بھی ہوسکتی ہے، اس صورت میں اس سے پیغام لانے والے فرشتے یا انبیاء علیہم السلام اور وحی کی کتابت کرنے والے حضرات صحابہ ہوں گے۔

شان نزول: ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کی روایت سے اور ابویعلی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ عَبَسَ و تَوَلّٰی حضرت ابن ام مکتوم نابینا رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دین سکھایئے۔ اس وقت زعمائے مشرکین میں سے کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ مشرکین کی طرف متوجہ رہے اور ابن ام مکتومؓ کی طرف توجہ نہیں فرمائی، وہ کہنے لگے کہ کیا آپ کو میری بات سے کچھ حرج ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ عَبَسَ وَ تَوَلّٰیO اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰیO (باب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

روایات میں ہے کہ اس کے بعد جب وہ آپ کے پاس آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی تعظیم وتکریم کرتے اور فرماتے مرحباً بمن عاتبنی فیه ربی۔

تشریح: قریش کے کچھ سردار، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب،

امیہ بن خلف، اور ولید بن مغیرہ وغیرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ ان کو تبلیغ دین کرنے میں مصروف تھے کہ ایک نابینا صحابی عبداللہ ابن ام مکتومؓ آ گئے جو دین سیکھنے کے لئے اکثر آتے رہتے تھے۔ انہوں نے آتے ہی قرآن کی ایک آیت کے بارے میں سوال کیا۔ نابینا ہونے کی بنا پر ان کو معلوم نہ تھا کہ آپ دوسری طرف متوجہ ہیں، اس لئے وہ آپ کو بار بار اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا یہ طرز عمل ناگوار گزرا اور آپ کی پیشانی مبارک پر بل پڑ گئے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن ام مکتوم پکے مسلمان تھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اس لئے وہ کسی دوسرے وقت میں بھی سوال کر سکتے تھے۔ اس کے برخلاف قریش کے رؤسا نہ تو ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے اور نہ ہر وقت ان کو اللہ کا پیغام پہنچایا جا سکتا تھا۔ اس وقت چوں کہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے اور آپ کی گفتگو نہایت توجہ سے سن رہے تھے اس لئے ان کے ایمان لانے کی توقع کی جا سکتی تھی۔ اگر آپ ان کی طرف سے توجہ ہٹاتے تو اس بات کا امکان تھا کہ وہ آپ کے دوبارہ مخاطب ہونے سے پہلے ہی اٹھ کر چلے جاتے اور ان کے ایمان کی جو امید تھی وہ ختم ہو جاتی۔ اگر یہ سردار مسلمان ہو جاتے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ مسلمان ہو جاتے اور اسلام کا دائرہ وسیع ہو جاتا۔ انہی مقاصد کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ام مکتوم کی طرف سے منہ پھیر لیا اور ناگواری کا اظہار فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کو ناپسند فرمایا لیکن آپ کو براہ راست خطاب نہیں فرمایا بلکہ آپ کی تکریم اور بزرگی کے اظہار کے لئے غائب کا صیغہ استعمال فرمایا کہ ایک نابینا کے آنے پر اس نے اس سے ترش رو ہو کر ناگواری سے منہ پھیر لیا، حالانکہ وہ طالب صادق تھا۔ اور اس نے آپ ﷺ سے دین کی بات پوچھی تھی، تاکہ وہ اپنے نفس کو پاکیزہ کرے۔ آپ کو اس کی معذوری کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ آپ کو کیا معلوم شاید آپ کی توجہ اور نصیحت سے اس کا حال سنور جاتا اور توفیق الٰہی سے اس کا نفس کامل طور پر پاک ہو جاتا۔ اور جو کافر و مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے وہ تو اپنے غرور و تکبر اور مال و دولت کے سبب اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے گریز کرتے ہیں اور آپ سے بے رخی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی مغرور و متکبر کو ہدایت نہیں دیتا۔ آپ ایسے بدکرداروں کے لئے تو فکرمند ہیں کہ وہ کسی طرح مسلمان ہو جائیں حالانکہ آپ کا کام تو صرف انجام سے خبردار کرنا اور اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اگر یہ مغرور کافر پھر بھی ایمان و توحید سے پاکیزگی حاصل نہ کریں تو اس کی

ذمے داری آپ پر نہیں اور نہ آپ پر اس بات کا الزام ہے کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہوئے۔

اس کے برعکس جو شخص دل میں اللہ کا خوف و خشیت لئے ہوئے حصول علم دین کے شوق میں دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا، اس کی طرف آپ توجہ نہیں دیتے۔ آئندہ ہرگز ایسا نہ کیجئے، کیوں کہ قرآن تو محض ایک نصیحت کی چیز ہے، سو جس کا دل چاہے اس کو قبول کرے اور یاد کرے اور جو اس کو قبول نہیں کرے گا وہ اپنے نفع و نقصان کا خود ذمہ دار ہے۔ یہ قرآن مجید تو وہ ہے جو اس لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جس میں دیگر صحف آسمانی مکتوب ہیں۔ خود اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول و مکرم ہے۔ عالی شان اور نہایت پاکیزہ ہے، اور فرشتوں کے پاک ہاتھوں میں ہے، اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ہاتھوں میں ہے، کسی ناپاک مرد و عورت اور بے وضو کے لئے اس کو چھونا جائز نہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لَّا يَمَسُّهُۥٓ إِلَّا ٱلْمُطَهَّرُونَ ۝ (واقعہ ۷۹)

اس کو پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں۔

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کو پڑھے اور اس کی مہارت حاصل کرے وہ بزرگ لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا، اور جو مشقت کے باوجود پڑھے اسے دوہرا اجر ملے گا۔

(معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۷۲، ۶۷۵، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۱۱۶، ۱۲۴)

بعث بعد الموت کے منکرین کی مذمت

۱۷۔۲۳۔ قُتِلَ ٱلْإِنسَـٰنُ مَآ أَكْفَرَهُۥ ۝ مِنْ أَىِّ شَىْءٍ خَلَقَهُۥ ۝ مِن نُّطْفَةٍ خَلَقَهُۥ فَقَدَّرَهُۥ ۝ ثُمَّ ٱلسَّبِيلَ يَسَّرَهُۥ ۝ ثُمَّ أَمَاتَهُۥ فَأَقْبَرَهُۥ ۝ ثُمَّ إِذَا شَآءَ أَنشَرَهُۥ ۝ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ أَمَرَهُۥ ۝

خدا کی مار! انسان بھی کیسا ناشکرا ہے۔ اللہ نے اس کو کس چیز سے پیدا کیا، اس کو ایک حقیر قطرے سے پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر مقرر کی، پھر اس کے لئے راستہ آسان کر دیا، پھر اس کو موت دی اور قبر میں رکھوا دیا، پھر جب اللہ چاہے گا اسے زندہ کر دے گا۔ ہرگز نہیں! (اللہ نے) اس کو جس چیز کا

حکم دیا تھا اس نے اس کو پورا نہیں کیا۔

قَدَّرَ: اس نے اندازہ کیا، اس نے تجویز کیا، اس نے غور و فکر کیا۔ تَقْدِیْرٌ سے ماضی۔

اَنْشَرَ: اس نے زندہ کر دیا، اس نے اٹھایا، اس نے پھیلایا۔ اِنْشَارٌ سے ماضی۔

یَقْضِ: وہ پورا کرتا ہے، وہ ادا کرتا ہے، وہ تمام کرتا ہے۔ قَضَاءٌ سے مضارع۔

شانِ نزول: ابن المنذر نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ آیت قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَهٗ عتبہ بن ابی لہب کے بارے میں (اس وقت) نازل ہوئی جب اس نے کہا کہ میں ستارے کے رب کا انکار کرتا ہوں۔ (باب النقول فی اسباب النزول، سیوطی)

تشریح: ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان کی گئی ہے جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرتے تھے اور اس کو ناممکن و محال سمجھتے تھے، چناں چہ انسان کی اصلیت جتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت فرمائی ہے کہ انسان کس قدر ناشکرا ہے۔ اس کے غرور و سرکشی کی کوئی حد نہیں۔ کیا وہ اپنی حقیقت کو نہیں جانتا۔ وہ اس پر غور کیوں نہیں کرتا کہ اللہ نے اس کو کس قدر حقیر اور ذلیل چیز سے پیدا کیا ہے؟ جس میں عقل و شعور، شکل و صورت، حسن و جمال اور فہم و ادراک کچھ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ سب کچھ اپنی مہربانی سے عطا فرمایا۔ اسی نے رحم مادر کے اندر اس کے اعضا یعنی ہاتھ، پیر، آنکھ، ناک وغیرہ اور جسم کو ایک خاص اسلوب اور بہترین اندازے سے بنایا کہ کوئی چیز بے تکی اور غیر مناسب نہیں بلکہ اس کو احسن تقویم اور بہترین پیکر جسمانی عطا کیا اور اس کی تقدیر مقرر فرما دی، یعنی فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کے لئے چار باتیں لکھ دیں۔ ۱۔ عمل کی مقدار، ۲۔ عمر، ۳۔ رزق، ۴۔ شقی یا سعید ہونا۔ پھر اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس کے لئے ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ تنگ ہونے کے باوجود آسان کر دیا اور سہولت کے ساتھ پیدائش ہو گئی، اور ماں کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

بعض مفسرین نے یہاں یہ معنی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اور کتابیں بھیج کر اس کے لئے دین کا راستہ آسان کر دیا یعنی ظاہر اور واضح کر دیا، جیسے ارشاد ہے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا۝ (الدھر ۳)

بے شک ہم نے انسان کے لئے صاف اور سیدھا راستہ کھول دیا ہے، اب چاہے وہ ہماری ہدایت کا شکر کرے (قبول کرے) اور چاہے ناشکری کرے۔ (اس نعمت کو ٹھکرا دے)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی کی مقررہ مدت پوری ہونے پر اس کو موت دی اور موت کے بعد اس کو جانوروں کی طرح یونہی نہیں چھوڑ دیا کہ زمین پر پڑا سڑتا رہے اور اس کو کتے بلیاں، چیل کوے اور گدھ کھاتے رہیں، بلکہ اس کا اکرام کیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے احکام و ہدایات کے تحت قبر میں داخل کرایا، تاکہ زندوں کے سامنے بھی اس کی لاش کی بے حرمتی نہ ہو۔ پھر جب اللہ چاہے گا اپنی قدرت کاملہ سے اس کو دوبارہ زندہ کر دے گا، کیوں کہ جو خدا تخلیق اول کی قدرت رکھتا ہے وہ اس کو قبر سے زندہ اٹھانے کی بھی قدرت رکھتا ہے، یہ بات وہ اپنے پیغمبروں کے ذریعے پہلے ہی بتا چکا ہے۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ۝

اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر تم انسان بن کر چلتے پھرتے ہو۔ (روم: ۲۰)

اور ارشاد ہے:

وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ

اور تو ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح جوڑتے ہیں پھر (کس طرح) ان کو گوشت پہناتے ہیں۔ (البقرۃ: ۲۵۹)

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابن آدم گل سڑ جاتا ہے سوائے ریڑھ کی ہڈی کے کہ اسی سے پیدا کیا گیا ہے اور اسی سے پھر دوبارہ ترکیب دیا جائے گا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۷۲)

افسوس! کہ ان تمام روشن دلائل و حقائق کو جاننے کے باوجود انسان نے اپنے رب کا حق نہیں پہچانا، اور اس کو جو حکم دیا گیا تھا اس کو اب تک بجا نہیں لایا یعنی نہ ایمان لایا اور نہ اس کا شکر کیا۔

اللہ کا احسان و انعام

۲۴۔۳۲۔ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ۝

وَّزَيْتُونًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ
وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

انسان کو چاہئے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے کہ ہم نے خوب پانی برسا کر زمین کو جا بجا پھاڑا، اور اس میں اناج اگایا اور انگور اور سبزی اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ (اگایا) تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے فائدے کے لئے۔

صَبَبْنَا: ہم نے اوپر سے ڈالا، ہم نے اوپر سے بہایا، ہم نے برسایا۔ صَبٌّ سے ماضی۔

شَقَقْنَا: ہم نے پھاڑا، ہم نے چیرا۔ شَقٌّ سے ماضی۔

قَضْبًا: ترکاری، سبزی، وہ سبز چارہ جسے جانور کھاتے ہیں۔

حَدَائِقَ: باغات، وہ باغ جس کی چار دیواری بنی ہوئی ہو، ہر وہ باغ جو گھنا، بھرا ہوا، گھرے سائے والا اور بڑے درختوں والا ہو۔

غُلْبًا: گنجان، گھنے درختوں والا باغ، کھجور کے بڑے بڑے پھل دار درخت۔ واحد غُلْبَاءُ

اَبًّا: گھاس، چارہ، زمین کا وہ سبزہ جسے جانور کھاتے ہیں اور انسان نہیں کھاتے جیسے گھاس وغیرہ، اَبّ جانور کے لئے ایسا ہی ہے جیسے انسان کے لئے پھل۔ جمع اَوُبٌ

تشریح: انسان کو آغازِ حیات سے آخرِ حیات تک اپنے اوپر گزرنے والے مختلف ادوار میں غور کرنا چاہئے پھر اپنی غذاؤں کو بھی دیکھے کہ ہم نے کس طرح اپنی قدرت کاملہ سے اس کی روزی کے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اس میں بھی موت کے بعد زندہ ہونے کی دلیل ہے کہ جس طرح ہم نے خشک اور غیر آباد زمین سے تروتازہ درخت اور پودے اگائے اور ان سے اناج وغیرہ پیدا کر کے تمہارے لئے غذا مہیا کی، اسی طرح گلی سڑی اور ریزہ ریزہ شدہ ہڈیوں کو گوشت پوست پہنا کر تمہیں دوبارہ زندہ کر دیں گے۔

یہ سب تمہاری نظروں کے سامنے ہے کہ ہم ہی نے آسمان سے بارش برسائی۔ پھر اس پانی کو زمین میں پہنچایا جس سے زمین میں پڑے ہوئے بیجوں اور دانوں میں کونپلیں نکلیں، پودے بنے اور کھیتیاں لہلہانے لگیں، کہیں غلہ پیدا ہوا، کہیں انگور اور کہیں سبزیاں، کہیں زیتون پیدا ہوا جو روٹی کے ساتھ سالن کا کام دیتا ہے اور اس کا تیل بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور کہیں کھجور کے درخت اور گھنے باغات پیدا ہوئے، اور مزیدار پھل اور چارہ پیدا ہوا۔ یہ سب تمہاری زندگی قائم رکھنے، تمہیں فائدہ

پہنچانے اور تمہارے جانوروں کے لئے ہے۔ قیامت تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور تم اس سے فائدہ اٹھاتے رہو گے، ان سب کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے خالق و مالک کو پہچان کر ہمہ تن اس کی اطاعت وفرماں برداری میں لگ جاتا، مگر یہ اس کی انتہائی بدنصیبی اور محرومی ہے کہ وہ ان چیزوں میں غور وفکر نہیں کرتا اور اپنی زندگی غفلت و نافرمانی میں گزار دیتا ہے۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۷۲، ۴۷۳)

قیامت کے احوال

۳۳، ۴۲۔ فَإِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

پھر جب وہ کان پھاڑنے والی (قیامت) آئے گی تو اس دن آدمی اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنی اولاد سے (دور) بھاگے گا۔ اس دن ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی جو اس کو اوروں کی طرف سے بے پرواہ کردے گی۔ اس دن بہت سے چہرے روشن ہوں گے، ہنستے ہوئے اور شادمان، اور اس دن بہت سے چہرے غبار آلود ہوں گے، ان پر سیاہی چھائی ہوئی ہوگی۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کافر و بدکار ہیں۔

الصَّاخَّةُ: بڑی سخت آواز، بہرا کردینے والی آواز یعنی نفخہ صور۔ وہ شور جو قیامت کے دن ہوگا اور بہرہ کردے گا۔ صخٌّ سے اسم فاعل۔

شَأْنٌ: حالت، مشغلہ، فکر، اہم معاملہ، جمع شُئُوْنٌ

مُسْفِرَةٌ: چمکنے والی، روشن۔ اِسْفَارٌ سے اسم فاعل۔

تَرْهَقُ: وہ ڈھانکتی ہے، وہ چھا جاتی ہے۔ وہ چڑھ جاتی ہے۔ رَهَقٌ سے مضارع۔

قَتَرَةٌ: غبار (غم کا)، سیاہی، کدورت، بے رونقی۔

تشریح: جب قیامت آ جائے گی اور صور پھونک دیا جائے گا تو اس دن بدحواسی اور بے چینی کا یہ عالم ہوگا کہ ہر انسان اپنے بھائی اور ماں باپ حتیٰ کہ اپنی بیوی اور اولاد سے بھی بھاگے گا، جو دنیا میں اس کو سب سے زیادہ محبوب اور عزیز تھے، اس دن سب کا حال ایسا ہوگا کہ وہ ایک دوسرے سے بیگانہ ہو جائیں گے۔ ہر ایک کو اپنی اپنی فکر لگی ہوگی۔ نفسا نفسی کا عالم ہوگا۔ نہ دوست واحباب اور اقارب کی طرف توجہ ہوگی، اور نہ وہ ان کی طرف رخ کرے گا جو زندگی میں اسے محبوب تر تھے۔ الغرض دوست و اقارب سب ایک دوسرے سے منہ چھپاتے پھریں گے۔

ایک حدیث میں ہے کہ (اس روز لوگ) اولوالعزم پیغمبروں سے شفاعت کی خواہش کریں گے اوران میں سے ہر ایک یہی کہے گا کہ نفسی نفسی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج میں خدا سے اپنی جان کے سوا اور کسی کے لئے کچھ نہ کہوں گا۔ میں تو آج اپنی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کے لئے بھی کچھ نہ کہوں گا جن کے بطن سے میں پیدا ہوا ہوں۔

وہ دن یوم الحساب ہوگا ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس روز بعض چہرے روشن، مطمئن ہنستے ہوئے اور شگفتہ ہوں گے۔ اپنے رب کے انعام اور اپنی مغفرت پر شاداں وفرحاں ہوں گے۔ یہ جنتی لوگ ہوں گے۔ اس دن بعض چہرے غبار آلود ہوں گے۔ کفر و نافرمانی کی کدورت اور بداعمالیوں کی سیاہی اور نحوست ان کے چہروں پر چھائی ہوئی ہوگی۔ یہ کافر اور بدکار لوگ ہوں گے جو دنیا میں نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کرتے رہے۔ اب یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

سورۃ التکویر

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ کُوِّرَتْ آیا ہے۔ جس کے معنی بے نور و بے کار ہونے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ کُوِّرت اور سورۃ التکویر ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۲۹ آیتیں، ۱۰۴ کلمات اور ۴۳۴ حروف ہیں۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجرت مدینہ سے پہلے آپ کے قیام مکہ کے زمانے میں نازل ہوئی۔

امام احمد، ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ قیامت کا منظر یہاں اس طرح دیکھے کہ گویا وہ آنکھوں کے سامنے ہے تو اس کو چاہئے کہ اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت تینوں سورتوں کی تلاوت کرے۔ یعنی ان سورتوں میں قیامت کا پورا نقشہ کھینچ کر دکھا دیا گیا ہے کہ وہ اس طرح برپا ہوگی۔

(روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۴۹، مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۱۳۶، ۱۳۷)

اس سورت میں ان ہولناک مناظر و حوادث کا بیان ہے جو قیامت کے دن پیش آئیں گے۔ انہی حوادث کے ذریعے تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔ سورت کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خاص احوال و اوصاف مذکور ہیں جو نزول وحی کے وقت پیش آئے تھے۔

سابقہ سورت سے ربط: سورۂ عبس کے آخر میں تھا کہ قیامت کے روز انسان کی بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہ ہوگی ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ اسی مناسبت سے اس سورت میں دو اہم حقیقتوں کو واضح کیا گیا ہے، ۱۔ قیامت کی حقیقت، ۲۔ وحی و رسالت کی حقیقت

تخریب عالم کی بارہ نشانیاں

اس سورت میں تخریب عالم کی بارہ نشانیاں بتائی گئی ہیں کہ جب یہ بارہ حوادث واقع ہو جائیں گے تو اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ وہ دنیا سے کیا لے کر آیا ہے یعنی اس نے دنیا میں کیا کیا

نیک یا بد اعمال کئے تھے۔ ان بارہ نشانیوں میں سے چھ تو پہلی دفعہ صور پھونکے جانے کے وقت واقع ہوں گی جب دنیا ابھی آباد ہوگی اور ٦ دوسری مرتبہ صور پھونکے جانے کے بعد واقع ہوں گی۔

چھ حوادث جو نفخۂ اول کے وقت ہوں گے

۱۔۶ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ ۝ وَاِذَا النُّجُوۡمُ انْكَدَرَتۡ ۝ وَاِذَا الۡجِبَالُ سُيِّرَتۡ ۝ وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۝ وَاِذَا الۡوُحُوۡشُ حُشِرَتۡ ۝ وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ ۝

جب سورج بے نور ہو جائے، اور جب تارے ماند پڑ جائیں، اور جب پہاڑ چلائے جائیں (ریزہ ریزہ ہو کر اڑتے پھریں) اور جب دس مہینے کی حاملہ اونٹنیاں آزاد (لاوارث) پھریں، اور جب وحشی جانور خلط ملط ہو جائیں، اور جب سمندر بھڑکائے جائیں۔

کُوِّرَتۡ: وہ بے نور کیا گیا، وہ تاریک کیا گیا، وہ لپیٹا گیا، وہ بے رونق کیا گیا۔ تَکۡوِیۡرٌ سے ماضی مجہول۔

اِنۡکَدَرَتۡ: وہ میلی ہوگئی، وہ بکھر گئی، وہ ٹوٹ کر گری، وہ منتشر ہوگئی۔ اِنۡکِدَارٌ سے ماضی۔

اَلۡعِشَارُ: دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں۔ واحد عُشَرَاءُ۔

عُطِّلَتۡ: وہ بیکار چھوڑ دی گئی، اس سے غفلت برتی گئی، اس سے نفع نہیں اٹھایا گیا۔ تَعۡطِیۡلٌ سے ماضی مجہول۔

حُشِرَتۡ: وہ اکٹھی کی گئی، وہ جمع کی گئی، وہ خلط ملط کی گئی۔ حَشۡرٌ سے ماضی مجہول۔

سُجِّرَتۡ: وہ بھڑکائے جائیں گے۔ وہ آگ سے پُر کی گئی۔ وہ خالی کی گئی۔ تَسۡجِیۡرٌ سے ماضی مجہول

تشریح: ۱۔ اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ: جب سورج بے نور ہو جائے گا۔ ان ٦ حوادث میں سے جو نفخۂ اول کے وقت واقع ہوں گے سب سے بڑا حادثہ سورج کا بے نور و بے کار ہو کر سمندر میں گر پڑنا اور نیست و نابود ہو جانا ہے، کیوں کہ دنیا کی بنیاد آفتاب کے نور اور اس کے وجود پر قائم ہے۔ یہ گویا دنیا کا چراغ ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن شمس وقمر سمندر میں ڈال دیئے جائیں گے۔

۲۔وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ : اور جب آسمان کے سب ستارے بےنور ہو جائیں گے اور ٹوٹ ٹوٹ کر سمندر میں یا زمین پر گر پڑیں گے۔کلبی نے کہا کہ اس روز آسمان سے ستاروں کی بارش ہوگی،کوئی تارہ بغیر گرے نہیں رہے گا۔

۳۔وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ : اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔جب سورج اور ستارے باقی نہ رہیں گے تو زمین بھی رخصت ہو جائے گی،اس لئے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر روئی کے گالوں کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں گے۔

۴۔وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ : اور جب حاملہ اونٹنیاں جو بچہ دینے کے قریب ہوں یونہی بیکار و بے مہار اور لاوارث ماری ماری پھریں گی اور کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا۔عربوں کے نزدیک وہ اونٹنی جو بچہ دینے کے قریب ہو بڑی دولت سمجھی جاتی تھی کہ اس سے دودھ اور بچے کا انتظار ہوتا تھا۔اس لئے وہ اس کی سخت نگہداشت کرتے تھے اور اسے کسی وقت بھی آزاد نہ چھوڑتے تھے۔

۵۔وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ : جب یہ حادثات رونما ہو رہے ہوں گے تو اس وقت انسان تو کیا وحشی جانوروں کے بھی ہوش وحواس بجا نہ رہیں گے،اس لئے وحشی جانور جو آج انسانوں سے دور بھاگتے ہیں اس وقت شہر اور آبادی میں آکر جمع ہو جائیں گے اور انسانوں اور پالتوں جانوروں میں مل جائیں گے۔

۶۔وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ : اور جب سمندر خشک کر دیئے جائیں گے یا کھولا دیئے جائیں گے اور ان میں اس طرح ابال آ رہا ہوگا جس طرح کھولتے ہوئے پانی میں اٹھتا ہے،یا ان کو آگ لگا کر بھڑکا دیا جائے گا۔مقاتل کہتے ہیں کہ بعض سمندر بعض میں داخل ہو کر باہم مل جائیں گے یعنی میٹھے اور نمکین پانی مل کر گرم پانی کا ایک سمندر بن جائے گا۔

(حقانی/ص ۵۶۔۵۸،معارف القرآن از مفتی محمد شفیع/ج ۸،ص ۶۸۱)

۶ حوادث جو نفخۂ دوم کے بعد ہوں گے

۷۔۱۴۔ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ وَاِذَا

الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ ۝

اور جب ایک ایک قسم کے لوگ ملا دیئے جائیں، اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی، اور جب اعمال نامے کھولے جائیں، اور جب آسمان کھل جائے (اور اس کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں) اور جب دوزخ دہکائی جائے، اور جنت قریب لائی جائے تو ہر شخص جان لے گا کہ وہ (دنیا سے) کیا لیکر آیا ہے (نیکی یا بدی)

زُوِّجَتْ: اسے اکٹھا کیا جائے گا، اس کا جوڑا ملایا جائے گا۔ تَزْوِیْجٌ سے ماضی مجہول۔

الْمَوْءُدَةُ: زمین میں گاڑی ہوئی، زندہ دفن کی ہوئی۔ وَأْدٌ سے اسم مفعول۔

نُشِرَتْ: وہ کھولے جائیں گے، وہ پھیلائے جائیں گے۔ نَشْرٌ سے ماضی مجہول۔

كُشِطَتْ: وہ (آسمان) کھول دیا جائے گا، اس کی کھال اتاری جائے گی، اس کا سرپوش ہٹایا جائے گا۔ كَشْطٌ سے ماضی مجہول۔

سُعِّرَتْ: وہ دہکائی گئی، وہ بھڑکائی گئی۔ تَسْعِیْرٌ سے ماضی مجہول۔

أُزْلِفَتْ: وہ قریب کی جائے گی، وہ نزدیک کی جائے گی۔ إِزْلَافٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: ۱۔ وَإِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ: اور جب حشر کے میدان میں موجود لوگوں کے جوڑے اور گروہ بنا دیئے جائیں گے۔ یہ جوڑے اور گروہ ایمان اور عمل کے اعتبار سے ہوں گے کہ کافر ایک جگہ اور مومن ایک جگہ۔ پھر کافروں کے بھی اعمال و عادات کے فرق سے مختلف گروہ ہو جائیں گے۔ اسی طرح عقیدے اور عمل کے اعتبار سے مسلمانوں کے بھی مختلف گروہ ہوں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جن لوگوں کے ایک جیسے اعمال ہوں گے خواہ وہ اچھے اعمال ہوں یا برے وہ ایک جگہ کر دیئے جائیں گے۔ مثلاً مسلمانوں میں علما ایک جگہ، عابد و زاہد ایک جگہ، جہاد کرنے والے ایک جگہ، کثرت سے صدقہ خیرات کرنے والے ایک جگہ وغیرہ۔ اسی طرح بداعمال لوگوں میں سے چور ڈاکو ایک جگہ، زناکار و فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہو جائیں گے۔

۲۔ وَإِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ: اور جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے بعض قبائل دامادی کی عار یا بھوک وافلاس کے خوف سے اپنی لڑکی کو زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حشر کے روز اس لڑکی سے سوال کیا جائے گا جس کو زندہ درگور کر دیا گیا تھا کہ تجھے کس جرم میں قتل کیا گیا۔ آیت کے الفاظ سے تو یہی ظاہر ہے کہ یہ سوال خود اس لڑکی سے ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سوال لڑکی کے قاتلوں سے ہو کہ تم نے اس کو کس جرم میں قتل کیا۔

۳۔ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ: اور جب اعمال نامے حساب کے لئے پھیلا دیئے جائیں گے یا لوگوں کو دے دیئے جائیں گے تاکہ سب لوگ اپنے اپنے اعمال اپنے اپنے اعمال نامے میں دیکھ لیں جو ایک کھلی ہوئی کتاب کی شکل میں نظر آ رہا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

اور قیامت کے دن ہم اس (نامۂ اعمال) کو کتاب بنا کر نکال لیں گے جس کو وہ کھلی ہوئی پائے گا (اور ہم اس سے کہیں گے کہ) اپنی کتاب (نامۂ اعمال) پڑھ، آج اپنا حساب لینے کے لئے تو ہی کافی ہے۔ (اسراء: ۱۳، ۱۴)

۴۔ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ: اور جب آسمان کھول دیا جائے اور اس کے کھلنے سے آسمان کے اوپر کی چیزیں نظر آنے لگیں، یعنی جس طرح جانور ذبح کرنے کے بعد اس کی کھال اتار لینے سے اس کا گوشت اور اندرونی اعضا ظاہر ہو جاتے ہیں اسی طرح آسمان کا غلاف اتار لینے سے اس کے اوپر کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں گی، جب کہ اس سے پہلے جب دنیا قائم تھی تو کسی انسان کو نظر نہیں آ سکتا تھا کہ آسمان کے اوپر کیا ہے۔

۵۔ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ: جب آسمان کھل جائے گا اور جو کچھ عالم بالا میں ہے وہ ظاہر ہو جائے گا تو بدکار لوگوں کے لئے دوزخ مزید دہکائی جائے گی جس سے اس کے شعلے اور لپٹیں سمندر کی لہروں کی طرح بلند ہونے لگیں گے، اور اس کے جوش وخروش اور شعلوں کی آواز دور تک سنائی دے گی۔ اور بڑے بڑے انگارے اور چنگاریاں باہر آ رہی ہیں گی اس حالت کو دیکھتے ہی لوگوں کی جان پر بن جائے گی۔ مجرم تو خاص طور پر اس سے حواس باختہ ہو جائیں گے۔

وَّهِيَ تَفُوْرُ ۝ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۭ (الملک: ۷، ۸)

اور وہ جوش مار رہی ہوگی گویا ابھی غصے کے مارے پھٹ جائے گی،

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ۝

یقیناً دوزخ قلعے کی مانند چنگاریاں پھینکتی ہے گویا کہ وہ زرد اونٹ ہیں۔

(المرسلت: ۳۲،۳۳)

۶۔ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ: اور جب جنت اہل ایمان پرہیزگاروں کے قریب لائی جائے گی۔ جیسے ارشاد ہے:

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝ (ق: ۳۱)

اور پرہیزگاروں کے لئے جنت بالکل قریب کردی جائے گی، ذرا بھی دور نہ ہوگی۔

اہل ایمان اور پرہیزگار جنت کو دیکھ کر فرحت و مسرت محسوس کریں گے اور کافر اس کی نعمتوں اور اس کے بے حد اسباب آسائش و تجمل کو دیکھ کر حسرت و افسوس کریں گے، اور سخت رنج و الم میں مبتلا ہوں گے، خاص طور پر جب وہ غریب و نادار مومنوں کو نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت کے لئے منتخب ہوتا دیکھیں گے جن کو وہ دنیا میں ذلیل و حقیر سمجھتے تھے اور ان کا تمسخر اڑایا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تمام حوادث رونما ہو جانے کے بعد ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ دنیا سے اپنے ساتھ کیا لایا، نیک اعمال لایا یا بد اعمال، اس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تحت پاکیزہ زندگی گزاری تھی یا اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانیوں میں مبتلا رہا اور نفسانی خواہشات پر چلتا رہا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ (ال عمران: ۳۰)

اس دن ہر شخص اپنے کئے ہوئے اچھے کاموں کو بھی اور اپنے کئے ہوئے برے کاموں کو بھی اپنے سامنے موجود پائے گا۔

غرض اس وقت وہ تمام اچھے برے اعمال اس کے سامنے آجائیں گے جو اس نے دنیا میں کئے تھے۔ خواہ وہ اعمال ناموں میں لکھے ہوئے اس کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں یا کسی خاص شکل و صورت میں اس کے سامنے کردیئے جائیں جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(حقانی/ ج ۵/ ص ۵۹، ۶۲۔ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع/ ج ۸، ص ۶۸۱، ۶۸۳)

قرآن کی حقانیت اور اثباتِ رسالت

۱۵۔۲۱ فَلَآ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ۙ﴿۱۵﴾ الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿۱۷﴾
وَ الصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّہٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ کَرِیۡمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیۡ قُوَّۃٍ عِنۡدَ
ذِی الۡعَرۡشِ مَکِیۡنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیۡنٍ ﴿۲۱﴾

سو میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والوں کی، سیدھے چلنے والے اور چھپنے والے تاروں کی، اور رات کی جب (اس کی تاریکی) ختم ہونے لگے، اور صبح کی جب وہ روشن ہونے لگے یقیناً یہ (قرآن) ایک معزز فرشتے کی زبانی (پیغام) ہے، جو قوت والا ہے (اور) عرش والے کے نزدیک ذی عزت ہے، سردار ہے پھر امانت دار ہے۔

الخُنَّسِ: پیچھے ہٹ جانے والے، چھپ جانے والے، رک جانے والے۔ خَنَسٌ وخُنُوْسٌ و خنَاسٌ سے اسم فاعل۔ واحد خَانِسٌ۔

الجَوَارِ: کشتیاں، جہاز، چلنے والے۔ واحد جارِیَۃٌ۔

الکُنَّسِ: چھپنے والے (ستارے)۔ کِنَاسٌ سے اسم فاعل۔ واحد کَانِسٌ

عَسْعَسَ: وہ جانے لگے، وہ تاریک ہو جائے۔ عَسْعَسَۃٌ سے ماضی عِسَاس اس ہلکے اندھیرے کو کہتے ہیں جو رات کے ابتدائی اور آخری حصے میں ہوتا ہے۔ (المفردات/ص ۳۳۴)

تشریح: پس قسم ہے ان ستاروں کی جو سیدھے چلتے چلتے پیچھے کی طرف ہٹنے لگتے ہیں اور پھر پیچھے ہی کی طرف چلتے رہتے ہیں، اور کبھی پیچھے کی طرف چلتے چلتے اپنے مطلع میں جا چھپتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک خُنَّسُ، جَوَار اور کُنَّس سے وہ پانچ ستارے مراد ہیں جن کو اہل ہیئت خمسہ متحیرہ کہتے ہیں۔ ان ستاروں کے نام یہ ہیں: ۱۔ زحل، ۲۔ مشتری، ۳۔ مریخ، ۴۔ زہرہ، ۵۔ عطارد، ان پانچوں ستاروں کی چال عجیب اور حیرت انگریز ہے۔ کبھی یہ سیدھے چلتے ہیں تو اس اعتبار سے ان کو جوار کہتے ہیں اور کبھی الٹے چلتے ہیں کہ جس طرف سے آئے تھے لوٹ کر پھر اسی طرف چلے جاتے ہیں، اس لحاظ سے ان کو خُنَّسُ کہتے ہیں اور کبھی غائب ہو جاتے ہیں یا حرکت منقطع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کو کُنَّسُ کہتے ہیں، یہ تین حالتیں ان ہی مذکورہ پانچ ستاروں کی ہیں۔ ان کا اس طرح مختلف حالتوں میں

چلنا پھرنا اور آنا جانا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ یہ قادر مطلق اور حکیم مطلق کے تابع ہیں اور اس کی قدرت و کبریائی کے روشن دلائل ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی۔

پھر فرمایا کہ قسم ہے رات کی جب وہ آکر اندھیرا پھیلائے اور قسم ہے صبح کی جب وہ آکر روشنی پھیلائے، بلاشبہ یہ قرآن جو صبح صادق کی طرح روشنی پھیلا رہا ہے یقیناً حق ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتے کے ذریعے بڑی حفاظت کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ جس ذات پر یہ نازل ہوا ہے وہ بڑی برگزیدہ اور چنیدہ ہے۔ انہوں نے اس قرآن کو اپنے دل سے نہیں بنالیا جیسے عام طور پر شعراء و مصنفین بنالیا کرتے ہیں بلکہ یہ ایک معزز رسول (وحی لانے والے فرشتے) حضرت جبرئیل کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا ہے۔ یہاں قول سے مراد یہ نہیں کہ یہ قرآن حضرت جبرئیل کی تصنیف ہے بلکہ جبرئیل علیہ السلام صرف اللہ کا کلام پڑھ کر سناتے ہیں۔

پھر فرمایا کہ وہ معزز فرشتہ (حضرت جبرئیل) قوت والا ہے اور اللہ تعالیٰ تک اس کی رسائی ہے اور وہ وہاں (اللہ کے ہاں) بلند پایہ اور ذی مرتبہ ہے۔ بے شمار فرشتے اس کے زیر فرمان ہیں اور اس کے احکام مانتے ہیں۔ وہ معزز فرشتہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک امین بھی ہے، اس لئے وحی لانے میں کسی قسم کی کمی بیشی کا احتمال نہیں۔ (حقانی / ج ۵، ص ۶۴، ۶۸، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۸۴)

جنون کے الزام کی تردید

۲۲، ۲۹۔ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ لِمَنْ شَاۗءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ۝ وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور تمہارے ساتھ رہنے والے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیوانے نہیں۔ انہوں نے اس (فرشتے) کو آسمان کے کھلے کنارے پر دیکھا ہے اور وہ (رسول) پوشیدہ باتوں کے بتانے میں بخیل نہیں۔ یہ (قرآن) شیطان مردود کا کلام نہیں سو (اے منکرین) تم کہاں (بہکے) جا رہے ہو۔ یہ تو تمام جہانوں کے لئے ایک نصیحت ہے (خاص طور پر) اس کے لئے جو تم میں سے سیدھی راہ پر

چلنا چاہے اور تم اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے ۔

ضَنِیْنٍ: کنجوسی کرنے والے ، بخیل ۔ ضنّ سے صفت مشبہ ۔

رَجِیْمٍ: دھتکارا ہوا ۔ مردود ، ملعون ۔ رَجْمٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول ۔

یَسْتَقِیْمَ: اس کا سیدھا رہنا ، اس کا سیدھا چلنا ۔ اِستِقامۃٌ سے مضارع بمعنی مصدر ۔

شان نزول: ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سلیمان بن موسیٰ کی روایت سے اور ابی حاتم نے ایک دوسرے طریق سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ جب آیت لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ نازل ہوئی تو ابو جہل نے کہا کہ یہ ہم پر ہے کہ ہم چاہیں تو استقامت اختیار کریں اور چاہیں نہ کریں ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ نازل فرمائی ۔

(باب النقول فی اسباب النزول ، سیوطی)

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین مکہ کو مخاطب کر کے ان کے اس بیہودہ خیال کے جواب میں کہ آپ معاذ اللہ مجنون ہیں ، فرمایا کہ اے مشرکین مکہ تمہارا یہ صاحب دیوانہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے جھوٹ بنا کر کہے ، بلکہ جو کچھ یہ کہتے اور پڑھ کر سناتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے معزز فرشتے کے ذریعے ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے ۔ یہ گزشتہ چالیس برس سے تمہارے ساتھ ہیں ، اس طویل عرصے میں ان سے کوئی حرکت ایسی نہیں ہوئی جو کمال عقل و ہوش کے خلاف ہو ۔ تم ہمیشہ ان کے صدق و امانت اور عقل و دانائی کے معترف رہے ۔ لہٰذا ان کو مجنون کہنا یا تو محض ضد و عناد ہے یا بجائے خود جنون ہے ۔ یہاں آیت میں جبرئیل کو دیکھنا مذکور ہے تا کہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ فرشتہ جو اللہ کی طرف سے وحی لے کر آتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھا ہوا ہے ۔ اس میں جن یا شیطان کا شبہ نہیں ہو سکتا ۔

یہ رسول لوگوں کو غیب کی باتیں بتانے میں بخیل نہیں بلکہ غیب کی جو باتیں اللہ کی طرف سے ان کو پہنچتی ہیں وہ سب لوگوں کو سکھا دیتے ہیں ، ان باتوں پر نہ وہ تم سے اجرت مانگتے ہیں ، نہ نذرانہ ، نہ بخشش ، پھر وہ کاہن کیسے ہو سکتے ہیں ؟ کاہن تو غیب کی نامکمل بات میں اپنی طرف سے بہت کچھ جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے ۔ اس میں بھی اس قدر بخل سے کام لیتا ہے کہ نذرانہ یا بخشش وغیرہ کے بغیر ایک حرف زبان سے نہیں نکالتا ۔ اس لئے کاہن کو پیغمبر کی سیرت سے کوئی نسبت نہیں ۔ نیز یہ قرآن شیطان مردود کا کلام نہیں ، نہ وہ اس کو لے سکتا ہے اور نہ یہ اس کے مطلب کی چیز ہے ، جیسے ارشاد ہے :

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا

يَسْتَطِيعُونَ ۞ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ۞

اور نہ شیطان اسے لے کر اترے اور نہ انہیں یہ لائق ہے اور نہ ان کو اس کی طاقت ہے وہ تو اس کے سننے سے بھی محروم اور دور ہیں۔ (الشعراء، ۲۱۰۔۲۱۲)

وہ انسان کو ایسی نیکی اور پرہیزگاری کی باتیں کیوں سکھانے لگا جس میں سراسر انسان کا فائدہ اور خود اس کی مذمت ہو۔ اے لوگو! جب قرآن کی حقانیت وصداقت ظاہر اور ثابت ہوگئی تو پھر تم راہ حق سے بھٹک کر کدھر جا رہے ہو، اور اسے کیوں جھٹلا رہے ہو۔ یہ قرآن تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت اور ہدایت کا ذریعہ ہے، اس لئے ہر شخص کو اس پر عمل پیرا ہونا چاہئے، مگر اس سے وہی فائدہ اٹھا سکتا اور نصیحت حاصل کرسکتا ہے جو راہ راست پر آنا چاہتا ہو، اور راہ راست پر آنے کا ارادہ بھی وہی کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ سدھارنا چاہتا ہو، سو سدھرنے اور راہ راست پر آنے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔

سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے اس کے متعلق کسی اور سے نہ پوچھنا پڑے، آپ نے فرمایا کہ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ استقم یعنی اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہو اور پھر اس پر قائم رہو۔

(مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۱۰، ۲۱۲، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۸۰)

سورۃ الِا نفطار

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ انفطرت آیا ہے جس کے معنی پھٹ جانے اور چِر جانے کے ہیں ۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الانفطار اور المنفطرہ ہے ۔

(روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۶۲، مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۱۷۴)

تعارف و خلاصہ: اس میں ۱۹ آیات، ۸۰ کلمات اور ۳۲۷ حرف ہیں ۔ یہ سورت مکیہ ہے یعنی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی ۔ اس میں بھی قیامت کے ہولناک حوادث و احوال کا بیان ہے ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو قیامت کا منظر آنکھوں سے دیکھنا پسند ہوا سے چاہئے کہ وہ **اذا الشمس کورت**، **اذا السماء انفطرت** اور **اذا السماء انشقت** پڑھے ۔

(مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۰۴، مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۱۷۴)

سابقہ سورت سے ربط: سورۂ تکویر کی طرح اس میں بھی نظام عالم کا درہم برہم ہونا اور حشر میں نیک لوگوں اور کافروں کو پیش آنے والے واقعات مذکور ہیں ۔

قیامت کی ہولناکیاں

۱، ۵۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ۝

جب آسمان پھٹ جائے، اور تارے جھڑ جائیں، اور جب سمندر بہ (کر باہم مل) جائیں، اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں، تب ہر شخص جان لے گا جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑ آیا ۔

اِنْفَطَرَتْ: وہ پھٹ گئی، وہ چر گئی۔ اِنْفِطَارٌ سے ماضی۔

الْكَوَاكِبُ: ستارے، واحد کَوْکَبٌ

اِنْتَثَرَتْ: وہ جھڑ گئی، وہ بکھر گئی، وہ منتشر ہوگئی۔ اِنْتِشَارٌ سے ماضی۔

فُجِرَتْ: وہ پھاڑ دیئے جائیں گے، وہ آپس میں ملا دیئے جائیں گے۔ وہ بہا دیئے جائیں گے۔ تَفْجِیْرٌ سے ماضی مجہول۔

بُعْثِرَتْ: وہ الٹ پلٹ کی گئی، وہ اکھاڑ دی گئی۔ وہ اٹھائی گئی۔ بَعْثَرَۃٌ سے ماضی مجہول۔

قَدَّمَتْ: وہ پہلے کر چکی، وہ پہلے بھیج چکی۔ تَقْدِیْمٌ سے ماضی۔

اَخَّرَتْ: اس نے تاخیر کی، اس نے پیچھے چھوڑا۔ تَاخِیْرٌ سے ماضی۔

تشریح: قیامت کے دن آسمان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور ستارے ٹوٹ کر بکھر جائیں گے، سمندر پھاڑ دیئے جائیں گے اور ایک کا راستہ دوسرے میں کھول دیا جائے گا، جس سے میٹھے اور نمکین پانی کے سمندر آپس میں خلط ملط ہو جائیں گے اور زمین میں زلزلہ پیدا ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں قبریں شق ہو جائیں گی اور مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝

جب زمین اس کے بھونچال سے ہلا دی جائے گی اور وہ اپنے بوجھ (دفینے) نکال باہر کرے گی۔ (الزلزال: ۲،۱)

اس طرح زمین و آسمان کا تمام نظام درہم برہم ہو کر فنا ہو جائے گا۔ اس وقت ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آخرت کے لئے کیا کیا اچھے اعمال کئے یا برے اعمال اور کون سے اچھے یا برے طریقے کی بنیاد ڈال کر وہ اپنے پیچھے دنیا میں چھوڑ آیا ہے۔ اگر وہ نیک کام ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ جاریہ ہو جائے گا اور اس کا ثواب اس کو ملتا رہے گا، اور اگر وہ برا کام ہے تو جب تک وہ برا کام ہوتا رہے گا اس کی برائی اس کے نامۂ اعمال میں بھی لکھی جاتی رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ جاری کیا اس کا ثواب ہمیشہ اس کو ملتا رہے گا، اور جس نے کوئی بری رسم اور گناہ کا کام دنیا میں جاری کیا تو جب تک لوگ اس برے کام میں مبتلا رہیں گے اس کا گناہ اس شخص کے لئے بھی لکھا جاتا رہے گا، جس نے اس کو جاری کیا تھا۔ پس جس نے اعمال صالحہ کئے اور کبائر سے بچتا رہا تو اس کا ٹھکانا جنت ہے اور جس نے اس کے برخلاف کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

(حقانی / ج ۵، ص ۲۷۶، ۲۷۷، معارف القرآن مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۸۷)

انسان کی غفلت

۶۔۱۲۔ یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۙ الَّذِیْ خَلَقَكَ
فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ؕ كَلَّا بَلْ
تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۙ وَ اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ۙ كِرَامًا
كَاتِبِیْنَ ۙ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکا دیا، جس نے تجھے پیدا کیا، پھر درست کیا، اور اعتدال پر کیا اور جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔ ہرگز نہیں، بلکہ تم تو جزا سزا کو جھٹلاتے ہو۔ یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں، جو بزرگ ہیں (اور) لکھنے والے ہیں۔ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔

غَرَّ: اس نے دھوکے میں ڈالا، اس نے بھول میں رکھا، اس نے فریب دیا۔ غُرُوْرٌ سے ماضی،

سَوّٰی: اس نے پورا پورا بنایا، اس نے ٹھیک ٹھیک بنایا، اس نے برابر کیا۔ تَسْوِیَةٌ سے ماضی۔

عَدَلَ: اس نے اعتدال پر بنایا، اس نے برابر کیا۔ عَدْلٌ سے ماضی۔

رَكَّبَ: اس نے ترکیب دیا، اس نے جوڑ دیا۔ تَرْكِیْبٌ سے ماضی۔

الدِّیْن: جزا، بدلہ، مذہب، جمع ادیانٌ

كِرَامًا: بزرگ، نیک، فرشتے مراد ہیں۔ واحد كَرِیْمٌ

كَاتِبِیْنَ: کتابت کرنے والے، لکھنے والے، مراد وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی حفاظت اور اس کے اعمال و اقوال کو لکھتے ہیں۔ واحد كَاتِبٌ

تشریح: جب یہ معلوم ہو گیا کہ قیامت کا آنا یقینی ہے اور ہر ایک کو اس کے نیک و بد اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی تو اے انسان تو اپنے عظمت و کبریائی والے خدا سے کیوں غافل ہے، کس چیز نے تجھے اپنے رب کریم کے بارے میں دھوکے اور غفلت میں ڈال رکھا ہے اور تو دن رات اس کی نافرمانی میں

لگا ہوا ہے۔ اسی خدا نے تجھے عدم سے پیدا کیا اور یونہی بے ڈول اور بے ہنگم نہیں بنایا بلکہ پوری طرح درست اعضا والا، خوش شکل وخوبصورت بنایا اور اعضا میں بہترین تناسب اور اعتدال رکھا۔

ان سب باتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے رب کو اور اس کے انعامات کو پہچانتا اور اس کی اطاعت وفرماں برداری کرتا، لیکن افسوس کہ اس نے مذکورہ بالا فریب خوردگی ہی پر بس نہیں کی بلکہ وہ تو قیامت اور جزا وسزا کی بھی تکذیب کرتا ہے اور ان کو برحق نہیں جانتا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر معزز نگہبان فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو صرف اس کی حفاظت ہی نہیں کرتے بلکہ اس کے نیک و بد اعمال کو دفتر غیب یعنی اس کے اعمال نامے میں لکھتے رہتے ہیں، وہ یونہی اپنی طرف سے نہیں لکھتے رہتے بلکہ جو کچھ اچھا یا برا عمل وہ کرتا ہے وہ اس کو خوب جانتے ہیں، وہ ان سے اپنا کوئی معمولی سے معمولی عمل بھی نہیں چھپا سکتا۔

پس خوب سمجھ لو کہ اس رب کریم نے تمہیں یونہی شتر بے مہار پیدا نہیں کیا، بلکہ اس نے تمہیں اپنی اطاعت وفرماں برداری کے لئے پیدا کیا ہے، اسی لئے قیامت کے دن وہ تمہیں تمہارے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔ (حقانی/ ج ۵، ص ۷۵، ۸۰۷، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۸۱، ۴۸۲)

فیصلے کا دن

۱۳۔۱۹۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿۱۴﴾ يَّصْلَوْنَهَا
يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿۱۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ
مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ
لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾

یقیناً نیک لوگ (جنت کی) نعمتوں میں ہوں گے اور بدکار جہنم میں ہوں گے، وہ بدلے کے دن اس (جہنم) میں ڈالے جائیں گے، اور وہ اس (جہنم) سے کہیں غائب نہ ہو سکیں گے، اور (اے رسول ﷺ) آپ کو کیا معلوم کہ وہ بدلے کا دن کیا ہے، پھر بھی آپ کو کیا خبر کہ وہ بدلے کا دن کیا ہے، اس دن کوئی کسی کے کچھ کام نہ آ سکے گا، اور اس دن تمام حکم اللہ ہی کا ہوگا۔

اَبْرَارٌ: نیک لوگ، واحد بَرٌّ

فُجَّارَ: بدکار، نافرمان۔ واحد فَاجِرٌ

یَصْلَوْنَ: وہ داخل ہوں گے۔ صَلْیٌ سے مضارع

الدِّیْنِ: مذہب، جزاء، بدلہ۔ جمع اَدْیَانٌ

تَمْلِکُ: وہ مالک ہوتی ہے، وہ اختیار رکھتی ہے۔ مِلْکٌ سے مضارع

اَمْرُ: کام، حکم، معاملہ۔ پہلے دو معانی کے اعتبار سے جمع اُمُوْرٌ، تیسرے معنی کے اعتبار سے جمع اَوَامِرٌ

تشریح: جو لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں، غلط عقائد اور برے اخلاق و اعمال سے پرہیز کرتے ہیں اور اللہ کے احکام بجالاتے ہیں، قیامت کے روز وہ یقیناً جنت کی نعمتوں اور راحتوں میں ہوں گے۔ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، نہ وہاں سے نکلنے کا کھٹکا اور نہ نعمتوں کے ختم یا کم ہونے کا اندیشہ۔

اس کے برعکس سرکش و نافرمان جہنم کی آگ میں ہوں گے، جو فیصلے کے دن اس میں داخل ہوں گے اور پھر کبھی اس میں سے نہ نکل سکیں گے، نہ وہاں ان کو کبھی موت آئے گی، نہ کسی وقت ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ کسی قسم کی راحت ملے گی۔ قید خانے سے چھٹکارے کی ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ قیدی مرجائے اور مرکر چھوٹ جائے، دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ قیدی کسی تدبیر سے نکل بھاگے مثلاً دیوار پھاند کر بھاگ جائے، یا نگہبانوں سے چھپ کر یا رشوت دے کر نکل جائے، وہاں ایسی کوئی بات بھی نہ ہو پائے گی۔

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو صبح شام اس کے سامنے اس کی جگہ لائی جاتی ہے۔ اگر وہ جنتی ہے تو جنت والوں کی جگہ اور اگر دوزخی ہے تو دوزخ والوں کی جگہ پیش ہوتی ہے، اور اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ تیری جگہ ہے یہاں تک کہ اللہ تجھے اٹھا کر قیامت کے دن وہاں لے جائے گا۔

(مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۱۶)

اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ وہ انصاف کا دن کیسا ہے؟ کوئی انسان اس کی ہیبت و عظمت کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ بس وہ ایسا ہولناک دن ہوگا کہ کوئی اپنے اختیار سے کسی کو ذرا بھی نفع نہ پہنچا سکے گا اور نہ کسی کی تکلیف کو کم کر سکے گا اور نہ عذاب سے نجات دلوا سکے گا، سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ خود کسی کو کسی کے لئے سفارش کی اجازت دے تو اور بات ہے۔ اس روز کسی کو کچھ اختیار نہ

ہوگا صرف اللہ تعالیٰ کی حکومت ہوگی ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ (المؤمن: ۱۶)

آج کس کی حکومت ہے (ندا آئے گی) اللہ کی جو واحد ہے، قہار ہے ۔

اور ارشاد ہے:

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ

اس دن حقیقی سلطنت رحمٰن ہی کی ہوگی ۔ (الفرقان: ۲۶)

سورۃ التطفیف

وجہ تسمیہ: اس سورت میں خاص طور پر ناپ تول میں کمی کی ممانعت کی گئی ہے، اوراس کی ابتدا ہی اس مضمون سے ہوئی ہے، اس لئے اس کوسورۃ التطفیف اورسورۃ المطففین کہا جاتا ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۳۶ آیتیں، ۱۹۹ کلمات اور ۷۸۰ حرف ہیں۔

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، ابن مسعود اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ سورت مکی ہے، عکرمہ اور حسن کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے، قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے سوائے آٹھ آیتوں ان الذین اجرموا الخ کے جو مکہ میں نازل ہوئیں۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہا کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینے میں آئے تو یہاں کے لوگ ناپ تول میں سب سے زیادہ خبیث تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ویل للمطففین کو نازل فرمایا، اس کے بعد ان کی ناپ تول بہت ٹھیک اور بہتر ہوگئی، اس سے معلوم ہوا کہ سورت کا ابتدائی حصہ مدینے میں نازل ہوا اور آخری حصہ مکے میں۔

(روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۶۷، مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۱۹۶، ۱۹۷)

سورت کی ابتدا میں لین دین میں خیانت اور دھوکہ دہی پر وعید مذکور ہے، پھر کافروں کے احوال وانجام اور مومنین کے انعام واکرام کا بیان ہے۔

ناپ تول میں کمی بیشی کا انجام

۱، ۳۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝

خرابی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔

وَیْلٌ: ہلاکت، خرابی، جہنم کی ایک وادی کا نام، کلمۂ زجر وعذاب ہے۔

الْمُطَفِّفِیْنَ: تول اور ناپ میں کمی کرنے والے، تَطْفِیْفٌ سے اسم فاعل۔

اِکْتَالُوْا: انہوں نے پیمانے سے ناپا، انہوں نے ناپ کرلیا۔ اِکْتِیَالٌ سے ماضی۔

یَسْتَوْفُوْنَ: وہ پورا پورا لیتے ہیں۔ اِسْتِیْفَاءٌ سے مضارع۔

کَالُوْا: انہوں نے ناپ کردیا۔ کَیْلٌ سے ماضی۔

وَزَنُوْا: انہوں نے تول کردیا۔ وَزْنٌ سے ماضی۔

یُخْسِرُوْنَ: وہ خسارا دیتے ہیں، وہ کم دیتے ہیں۔ اِخْسَارٌ سے مضارع۔

تشریح: پیمائش اور وزن میں لوگوں کا حق تلف کرنے والوں کی خرابی ہے، یہ لوگ جب ناپ کر یا وزن کر کے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور دوسروں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو اس میں کمی کرتے ہیں، اپنا حق پورا لینا مذموم نہیں اور نہ یہاں پورا حق لینے کی مذمت مقصود ہے، بلکہ آیت میں اس بات کی تاکید ہے کہ جس طرح تم اپنا حق پورا پورا وصول کرتے ہو، اسی طرح دوسروں کا حق بھی پورا پورا دینا چاہئے۔ عربوں میں زیادہ تر ناپ (کیل) کا دستور تھا اسی لئے یہاں ناپ کو اختیار کیا گیا۔

اگرچہ آیت میں ناپ اور تول میں کمی کا ذکر ہے، لیکن ہر وہ چیز جس سے کسی کے حق میں کمی کی جائے خواہ وہ ناپ تول سے ہو یا عدد شماری سے یا کسی اور طریقے سے، اس حکم میں داخل ہے اور حرام ہے۔ امام مالک نے فرمایا کہ پورا حق دینا یا کم کرنا ہر چیز میں ہے یہاں تک نماز، وضو، حقوق اللہ اور عبادات میں کمی کرنے والا بھی تطفیف کا مجرم ہے۔ اسی طرح حقوق العباد میں مقررہ حق سے کم کرنا، مزدور و ملازم کا مقررہ وقت تک کام نہ کرنا اور اس میں کمی یا سستی کرنا یہ سب تطفیف میں داخل ہے۔ (معارف القرآن از مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۹۳، ۶۹۴)

ناپ تول درست رکھنے کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ

ناپ تول پورا کرو اور وزن بھی سیدھے ترازو سے تول کر دیا کرو۔

(الاسراء، ۳۵)

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ

ناپ تول انصاف کے ساتھ برابر دیا کرو۔ (الانعام ۱۵۲)

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ۝

اور انصاف کے ساتھ وزن کو ٹھیک رکھو، اور تول میں کمی مت کرو۔ (الرحمٰن، ۹)

اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو اسی عادت بد کی وجہ سے تباہ و برباد کر دیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین! میں اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے پانچ باتوں میں پڑنے سے پناہ مانگتا ہوں۔

۱۔ جب کسی قوم میں برملا فحش کام ہونے لگیں تو وہ لوگ طاعون میں اور دوسری ایسی گوناگوں بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن سے ان کے اسلاف ناآشنا اور بے خبر تھے۔

۲۔ جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہیں تو وہ قحط، سخت مصائب اور حکمرانوں کے مصائب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔

۳۔ جب کوئی قوم مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتی تو اس پر آسمان سے بارش بند کر دی جاتی ہے، اور اگر چوپائے نہ ہوں تو اُن پر کبھی بارش نہ ہو۔

۴۔ جو قوم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد شکنی کرتی ہے تو اللہ ان پر ایسا دشمن مسلط کر دیتا ہے جو ان کے اموال چھین لیتا ہے۔

۵۔ اور جب کسی قوم کے حکام، احکام خداوندی میں اپنی مرضی برتتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان خانہ جنگی پیدا کر دیتا ہے۔ (ابن ماجہ فی الفتن باب العقوبات، مستدرک/ ج ۴، ص ۵۸۳)

یوم عظیم کی ہولناکی

۴، ۶۔ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ ان کو مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے، اس عظیم دن میں جس دن سب لوگ رب العلمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

يَظُنُّ: وہ گمان کرتا ہے، وہ خیال کرتا ہے۔ ظَنٌّ سے مضارع۔

مَبْعُوْثُوْنَ: قبروں سے اٹھائے جانے والے، دوبارہ زندہ کئے جانے والے۔ بَعْثٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: کیا یہ لوگ ناپ تول میں کمی اور لوگوں کی حق تلفی کرتے ہوئے قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے۔ اس دن یہ لوگ حساب وکتاب اور جزاوسزا کے لئے یقیناً ایک ایسی ذات کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے جس پر نہ کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے اور نہ چھپ کر کی ہوئی، وہ دن نہایت ہولناک، بڑی پریشانی اور گھبراہٹ والا ہوگا، اور اس دن لوگ مصائب وشدائد سے حواس باختہ ہوں گے، اگر ان منکرین کو ذرا بھی خیال ہوتا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوکر ایک بڑے سخت اور مصیبت کے دن ان کو عدالت الٰہی میں حاضر ہونا اور تمام حقوق وفرائض کا حساب دینا ہے اور وہاں ان کے اعمال کا بھی وزن ہونا ہے تو یہ لوگ ایسی حرکت کبھی نہ کرتے۔

یہاں قیامت کے دن کو یوم عظیم اس لئے فرمایا کہ اول تو وہ دن پچاس ہزار سال کا ہوگا، دوم اس دن ذرے ذرے کا حساب ہوگا، سوم اس دن اللہ جل شانہٗ کے سامنے حاضری ہوگی، پس جو شخص دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہوں میں مبتلا رہا تو اس پر معاملہ نہایت سخت اور شدید ہوگا اس لئے ہر شخص کو اس سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کے آنے سے پہلے پہلے دنیا میں اللہ کی وحدانیت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرکے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے تحت زندگی گزارنی چاہئے اسی میں نجات اخروی ہے اور اسی سے اس روز رحمت الٰہی کے سائے میں جگہ ملے گی۔

مسلم میں حضرت مقداد بن اسودؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ قیامت کے دن سورج مخلوق کے قریب آجائے گا یہاں تک کہ ایک میل کے بقدر ہوگا، لوگ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے۔ بعض لوگوں کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا، بعض کے زانو تک، بعض کے کمر تک ہوگا اور بعض کو پسینے کی لگام لگی ہوگی یعنی منہ تک ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے منہ کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۸۴)

کفار کے احوال

۷۔۹، كَلَّآ إِنَّ كِتَٰبَ ٱلْفُجَّارِ لَفِى سِجِّينٍ ۝ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا سِجِّينٌ ۝
كِتَٰبٌ مَّرْقُومٌ ۝

نہیں بدکاروں کا نامہ اعمال یقیناً سجین میں ہے اور (اے رسول ﷺ)
آپ کو کیا معلوم سجین کیا ہے وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے۔

سِجِّيْنٌ: یہ سِکِّیْن کے وزن پر سجن سے مشتق ہے جس کے معنی تنگ جگہ میں قید کرنے کے ہیں، دوزخیوں کی روح کا قید خانہ، احادیث وآثار سے ظاہر ہے کہ سجین اس مقام کا نام ہے جہاں کفار کا رجسٹر ہے، جہنم کی ایک وادی کا نام۔

مَرْقُوْمٌ: لکھا ہوا، مہر لگی ہوئی تحریر، نشان کیا ہوا۔ رقم سے اسم مفعول۔

تشریح: بدکاروں کا روز نامچہ جس میں ان کے چھوٹے بڑے، ظاہری اور پوشیدہ تمام اعمال لکھے ہوئے ہیں، یقیناً سجین میں ہے جو ایک دفتر ہے۔ اس دفتر میں بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتے، بدکاروں کے مرنے اور ان کے اعمال کا سلسلہ منقطع ہونے پر ان میں سے ہر ایک کا نام ونشان اور اعمال کی کیفیت علیحدہ علیحدہ فردوں میں لکھ کر اس دفتر میں داخل کر دیتے ہیں اور اس فرد پر ایک علامت بنا دیتے ہیں جس کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے گا کہ یہ دوزخی ہے۔ سجین ساتویں زمین میں یا ساتویں زمین کے نیچے ہے۔

ابن مندہ، طبرانی اور ابوالشیخ نے حمزہ بن حبیب کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل ایمان کی ارواح کے بارے میں دریافت کیا گیا، آپ نے فرمایا سبز پرندوں (کی شکل) میں جنت کے اندر جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی پھرتی ہیں، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی روحیں (کہاں ہوتی ہیں) آپ نے فرمایا سجین میں بند ہوتی ہیں۔

بغوی نے اپنی سند سے بروایت حضرت براء بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجین سات زمینوں کے نیچے اور علیین ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے ہے۔

پھر فرمایا اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ سجین کیا ہے، وہ ایک مقام ہے جہاں کفار و فجار کے اعمال نامے مہر لگا کر محفوظ کر دیئے گئے ہیں۔ اب ان میں کسی کمی بیشی اور تغیر وتبدل کا امکان نہیں۔ کفار کی ارواح کو بھی یہیں جمع کیا جائے گا۔ یہاں مرقوم کے معنی مختوم کے ہیں، کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ مقام سجین کی تفسیر نہیں بلکہ کتاب الفجار کا بیان ہے۔ بعض مفسرین نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ان کافروں کا انجام سجین میں ہونا اللہ کی کتاب میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اپنے قدیم علم سے ہر شخص کا انجام معلوم کر کے لکھ دیا ہے۔ (مظہری/ ج۱۰، ص۲۰۹۔۲۲۱، عثمانی/ ج۲، ص۷۹۱)

مکذبین کی ہلاکت

۱۰،۱۳۔ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ
الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اس دن جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہوگی، جو بدلے کے دن کو جھٹلاتے ہیں، اس کو وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے نکل جانے والا گناہ گار ہو، جب اس کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

مُعْتَدٍ: ظالم، حد سے تجاوز کرنے والا۔ اِعْتِدَاءٌ سے اسم فاعل۔

اَثِیْمٍ: گناہ گار۔ اِثْمٌ سے صفت مشبہ۔

تُتْلٰی: اس کی تلاوت کی جاتی ہے، وہ پڑھی جاتی ہے۔ تِلَاوَۃٌ سے مضارع مجہول۔

اٰیٰتُنَا: ہماری نشانیاں، ہمارے احکام۔ واحد آیَۃٌ۔

اَسَاطِیْرُ: کہانیاں، بے سند باتیں، من گھڑت۔ واحد اُسْطُوْرَۃٌ

تشریح: قیامت کے روز ان لوگوں کی ہلاکت اور خرابی ہوگی جو حد سے نکلے ہوئے اور گناہ گار ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ کی آیات سناتے ہیں کہ قیامت کے روز تمام مخلوق دوبارہ زندہ کر کے اٹھائی جائے گی اور لوگوں کو ان کے نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا تو یہ کفار و فجار انتہائی نادانی، غرور اور تکبر سے قیامت، جنت و دوزخ اور جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں، اور اس کے واقع ہونے کو جھوٹ، خلاف عقل اور محال کہتے ہیں اور قرآنی آیات کو گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی داستانیں، من گھڑت کہانیاں اور فرسودہ افسانے بتاتے ہیں۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

البتہ یہ وعدہ تو ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے ہی سے ہوتا چلا آیا

ہے۔ یہ محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (المؤمنون ۸۳)

مطلب یہ کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا وعدہ تو ہمارے باپ دادا سے بھی کیا جاتا رہا مگر اب تک پورا نہیں ہوا۔ ہم نے آج تک کسی کو مرنے کے بعد زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ سو ان باتوں کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ تو گزشتہ لوگوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں۔ پہلے بھی لوگ ایسی باتیں کرتے آئے ہیں۔ اور ارشاد ہے:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَّاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوٓا أَسَـٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ۝

جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ (النحل ۲۴)

ان بدکاروں سے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آیات قرآن کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ نازل نہیں کیا بلکہ اگلے لوگوں کے جو قصے کہانیاں لکھی گئی تھیں یہ محض انہی کو وحی کا نام لے کر سناتا ہے۔ پس جو شخص گمراہ ہو جاتا ہے اس کی عقل اس حد تک سلب ہو جاتی ہے کہ اگر اعلیٰ مضامین بھی اس کو سنائے جائیں تو اس کو وہ قصے کہانیاں ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی عقل کام نہیں کرتی اس لئے ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا، گمراہی کے سبب ان کفار و مشرکین کی بھی عقل ماری گئی ہے، اسی لئے وہ قرآنی آیات میں غور و فکر کرنے اور ان سے نصیحت حاصل کرنے کی بجائے ان کو من گھڑت کہانیاں اور فرسودہ افسانے بتاتے ہیں۔

دلوں کا زنگ آلود ہونا

۱۴۔۱۷ كَلَّا ۖ بَلْ ۜ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ كَلَّآ إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّهُمْ لَصَالُوا ٱلْجَحِيمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هَـٰذَا ٱلَّذِى كُنتُم بِهِۦ تُكَذِّبُونَ ۝

نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے اعمال کا زنگ لگ گیا ہے، ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے۔ پھر یقیناً وہ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ پھر کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ جسے تم جھٹلاتے تھے۔

رَانَ: اس نے زنگ پکڑ لیا، وہ زنگ آلود ہو گیا، یہاں دل کا زنگ پکڑنا مراد ہے۔ رَیْنٌ سے ماضی۔

یَکْسِبُوْنَ: وہ کرتے ہیں، وہ کماتے ہیں۔ کَسْبٌ سے مضارع۔

مَحْجُوْبُوْنَ: حجاب میں کئے ہوئے، پردے میں کئے ہوئے، روکے ہوئے، منع کئے ہوئے۔ حِجَابٌ سے اسم مفعول واحد مَحْجُوْبٌ۔

صَالُوا: داخل ہونے والے، آنے والے۔ صَلْیٌ سے اسم فاعل، یہ اصل میں صَالُوْنَ تھا۔ اضافت کے سبب جمع کا نون حذف ہو گیا۔

تشریح: ان کفار کے خیال کے مطابق یہ قرآن ہرگز اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں نہیں بلکہ یہ تو کلام الٰہی ہے جو اس نے وحی کے ذریعے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، البتہ ان کفار کے دلوں پر ان کی بداعمالیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ گناہوں اور خطاؤں نے ان کے دلوں کو زنگ آلود کر دیا ہے۔ جس طرح زنگ لوہے کو کھا کر مٹی بنا دیتا ہے اسی طرح ان کے گناہوں کے زنگ نے ان کے دلوں کی اس صلاحیت کو ختم کر دیا جس سے بھلے برے کی تمیز ہوتی ہے۔ سو ان کا قرآن کو جھٹلانا کسی دلیل یا عقل وفہم کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بداعمالیوں کی تاریکیاں ان کے دلوں پر اتنی غالب آ گئیں کہ اب وہ حق و باطل کی تمیز کے قابل ہی نہیں رہے۔ اس لئے اب انہیں برا بھلا نظر ہی نہیں آتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پیدا ہو جاتا ہے، پھر اگر وہ توبہ و استغفار کر لیتا ہے تو یہ سیاہ نقطہ صاف ہو جاتا ہے (اور دل اپنی اصل حالت پر منور ہو جاتا ہے) اور اگر اس نے توبہ نہ کی اور گناہوں میں زیادتی کرتا چلا گیا تو یہ سیاہ نقطہ بھی بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ اس کے سارے دل پر سیاہی چھا جاتی ہے۔ اسی کا نام رَانَ ہے جو آیت بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ میں مذکور ہے۔

قیامت کے دن جب مومن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے تو اس روز کافر یقیناً دیدار الٰہی سے محروم رہیں گے اور پردوں کے پیچھے کر دیئے جائیں گے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى

جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ (الاسراء، ۷۲)

یہ ان کافروں کے اعمال کی سزا ہوگی کہ جس طرح انہوں نے دنیا میں حق کو نہیں پہچانا تھا تو

اب وہ دیدارِ الٰہی کے قابل ہی نہیں رہے۔ صرف یہی نہیں کہ یہ لوگ دیدارِ الٰہی سے محروم رہیں گے بلکہ ان کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا جہاں قسم قسم کے عذاب ہوں گے اور نہایت ذلت اور حقارت کے ساتھ ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کو تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع / ج ۸، ص ۶۹۶، مظہری / ج ۱۰، ص ۲۲۲)

مومنین کے احوال

۱۸۔۲۱۔ كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

یقیناً نیک لوگوں کا اعمال نامہ علیین میں ہے اور (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو کیا معلوم کہ علیین کیا ہے۔ وہ ایک لکھا ہوا دفتر ہے، جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

اَبْرَارِ: نیک لوگ۔ واحد برٌّ و بارٌّ

عِلِّيِّيْنَ: وہ بلند مقام جہاں، مرنے کے بعد اہل ایمان کے اعمال نامے اور ارواح جمع ہوتی ہیں۔ یہ ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے۔

يَشْهَدُ: وہ (مقرب فرشتے) دیکھتے ہیں، وہ حاضر ہوتے ہیں۔ شَهَادَةٌ و شُهُوْدٌ سے مضارع۔

مُقَرَّبُوْنَ: قریب کئے ہوئے۔ عزت دیئے ہوئے۔ تَقْرِيْبٌ سے اسم فاعل۔

تشریح: بدکاروں اور نیکوں کا انجام ہرگز ایک نہیں ہوسکتا، بلکہ نیک لوگوں کا روزنامچہ جس میں ان کے نام اور اعمال لکھے ہوئے ہیں علیین میں ہوگا، اور وہی ان کا ٹھکانا بھی ہے، جو سجین کے بالکل برعکس ہے۔ پھر علیین کی عظمت و بزرگی کے اظہار کے لئے فرمایا کہ تمہیں اس کی حقیقت معلوم ہی نہیں۔ یہ بات یقینی ہے اور کتاب میں لکھی جاچکی ہے کہ نیک لوگ علیین میں جائیں گے جہاں ان کے اعمال نامے مقرب فرشتوں کی حفاظت اور نگرانی میں ہوں گے۔ آیت کے یہ معنی اس صورت میں ہیں جب يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ کو كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ کی صفت مانا جائے۔ اگر يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ کو عِلِّيِّيْنَ کی صفت مانا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ علیین عالم بالا کی ایک نہایت عمدہ جگہ ہے، جہاں وہ لکھا ہوا دفتر ہے جس میں نیک لوگوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ چوں کہ وہ مقام بلند ہے اور نیکوں میں سے بھی وہاں ہر

ایک نہیں پہنچتا، بلکہ وہاں مقربین حضرات یعنی انبیا علیہم السلام اور صدیقین ہی پہنچتے ہیں۔ اس لئے عام مومنین وصلحاء اپنے اپنے درجات کے مطابق اس کے نیچے کے مقامات میں ہوتے ہیں مگر ان کے نام بھی اسی بلند دفتر یعنی علیین میں درج ہوتے ہیں۔ (حقانی ج ۵، ص ۲۸۸)

ابرار کے احوال

۲۸،۲۲۔ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ مِسْكٌ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾

بے شک نیک لوگ نعمتوں میں ہوں گے، تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ تو ان کے چہروں پر نعمتوں کی تازگی پہچان لے گا۔ ان کو سربمہر خالص شراب پلائی جائے گی جس پر مشک کی مہر ہوگی اور رغبت کرنے والوں کو اسی کی رغبت کرنی چاہئے، اور اس (مشروب) میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ وہ (تسنیم) ایک چشمہ ہے جس سے مقرب لوگ پیتے ہیں۔

نَعِيم: کثیر نعمت، بڑی نعمت، آرام، آسائش۔

اَرَائِک: بہت سے تخت، مسہریاں، واحد اَرِيكَة

نَضْرَة: تازگی، شادابی، رونق۔

يُسْقَوْنَ: ان کو پلایا جائے گا۔ سَقْیٌ سے مضارع مجہول۔

رَحِيق: خالص شراب، صاف وشفاف شراب۔

مَخْتُوم: مہر لگی ہوئی۔ خَتْم سے اسم مفعول۔

خِتَام: مہر جمانے کی چیز، مہر جمانے کا مسالہ، خاتمہ۔

مِسْک: مشک، کستوری۔

يتنافس: وہ بڑھ چڑھ کر رغبت کریں، وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حرص کریں۔ تنافسٌ سے امر

مِزَاجُ: آمیزش، باہم ملانا، مصدر ہے۔

تَسْنِیْم: جنت کے چشمے کا نام۔

تشریح: بلاشبہ نیک لوگ جنت کی عظیم الشان نعمتوں راحتوں اور باغات میں ہوں گے جہاں وہ اپنی اپنی شاہی مسندوں پر بیٹھے ہوئے نہایت فرحت وانبساط کے ساتھ جنت کے مناظر دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں گے۔ یہ مسندیں سایہ دار ہوں گی اور بیش بہا جواہرات، قیمتی موتیوں کی جھالروں اور اطلس و دیبا وغیرہ سے مزین ہوں گی۔ جنت کے یہ انعامات کبھی کم ہوں گے نہ فنا ہوں گے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں کے آرام وراحت سے ان کے چہرے ایسے پر رونق اور تروتازہ ہوں گے کہ دیکھنے والا دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ یہ لوگ نہایت خوش وخرم اور عیش وآرام میں ہیں۔

• نیک لوگوں کو جنت میں سربمہر مشروب پلایا جائے گا۔ جس طرح دنیا میں لاکھ وغیرہ پر مہر جمائی جاتی ہے اسی طرح اس مشروب کی مہر مشک پر جمی ہوئی ہوگی۔ یہ مشروب نہایت لطیف اور پاکیزہ ہے۔ لوگوں کو اس کے لئے ٹوٹ پڑنا چاہئے اور اس کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرنی چاہئے اور اسی کی آرزو اور خواہش رکھنی چاہئے، دنیا کی بے حقیقت چیزوں کی رغبت کر کے جن کو دوام اور بقا بھی حاصل نہیں، اپنی عاقبت برباد نہیں کرنی چاہئے۔ رغبت وسبقت کے لائق تو بس آخرت ہی کی نعمتیں ہیں۔

مقرب لوگ جو اہل جنت میں سب سے افضل ہیں چشمۂ تسنیم کا خالص مشروب پیتے ہیں جو جنت میں سب سے بہتر واشرف مشروب ہے اور ابرار یعنی اصحب الیمین کو تسنیم کا مشروب ان کی شراب رحیق میں ملا کر دیا جاتا ہے۔ رحیق اس سے کم درجے کا مشروب ہے۔

(حقانی / ج ۵، ص ۲۸۹، ۲۹۰، عثمانی / ج ۲، ص ۷۹۲، ۷۹۳)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ سب سے کم درجے کا جنتی اپنے ملک و ملکیت کو اپنے تخت سے ۲ ہزار سال کی راہ تک دیکھے گا اور سب سے آخر کی چیزیں اس کی نظروں کے سامنے اس طرح ہوں گی جس طرح سب سے اول چیزیں اور اہل جنت میں سب سے اعلیٰ درجے والا وہ ہوگا جو دن میں دو مرتبہ دیدار الٰہی کی نعمت سے مشرف ہوگا۔ (ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۸۶)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس مومن نے دوسرے مومن کو پیاس میں پانی پلایا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو رحیق مختوم سے

پلائے گا اور جس نے دوسرے مومن کو بھوک میں کھانا کھلایا اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے پھلوں سے کھلائے گا اور جس نے دوسرے مومن کو بدن ڈھانکنے کی ضرورت کے وقت کپڑا پہنایا، اللہ تعالیٰ اس کو جنتی سبز ریشم کا لباس پہنائے گا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۶۸)

اہل ایمان کی تضحیک کا انجام

۲۹، ۳۶۔ إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٩﴾ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٣٠﴾ وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٣٢﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٣٣﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٣٤﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٣٥﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

یقیناً گناہ گار لوگ (دنیا میں) ایمانداروں پر ہنستے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے، اور جب اپنے گھر لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ بے شک یہی گمراہ ہیں، حالانکہ یہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے، سو آج ایماندار کافروں پر ہنسیں گے، مسندوں پر بیٹھے (کافروں کا انجام) دیکھ رہے ہوں گے کہ اب ان کافروں نے اپنے کئے کا بدلہ پایا۔

اَجْرَمُوْا: انہوں نے جرم کیا، انہوں نے گناہ کیا۔ اِجْرَامٌ سے ماضی۔

یَضْحَکُوْنَ: وہ ہنستے ہیں۔ ضِحْکٌ سے مضارع۔

مَرُّوْا: وہ گزرے، مُرُوْرٌ سے ماضی۔

یَتَغَامَزُوْنَ: وہ آنکھوں سے اشارہ کرتے ہیں، وہ حقارت سے دیکھتے ہیں، تَغَامُزٌ سے مضارع۔

اِنْقَلَبُوْا: وہ لوٹ کر آئے، وہ پھر گئے، اِنْقِلَابٌ سے ماضی۔

فَکِھِیْنَ: باتیں بناتے ہوئے، اتراتے ہوئے، مذاق اڑاتے ہوئے، واحد فَکِهٌ

حٰفِظِیْنَ: حفاظت کرنے والے، نگرانی کرنے والے۔ حِفْظٌ سے اسم فاعل۔

ثُوِّبَ: اس کو بدلہ دیا گیا۔ تَثْوِیبٌ سے ماضی مجہول، قرآن مجید میں یہ لفظ برے اعمال کے بدلے کے لئے استعمال ہوا ہے۔

تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق کے ساتھ اہل باطل کے طرزِ عمل کا نقشہ کھینچا ہے کہ کفار و مشرکین دنیا میں نہایت حقارت سے مومنین کا تمسخر اور ہنسی اڑاتے تھے اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو ان کی تحقیر و تذلیل کے لئے آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے۔ پھر جب اپنے اہل و عیال میں واپس جاتے تو انہوں نے مومنوں کے ساتھ جو تمسخر اور اہانت آمیز ہنسی مذاق کیا تھا ان سے اس کا تذکرہ خوب مزے لے لے کر کرتے۔ یہ کفار جب مومنین کو دیکھتے تو بظاہر ہمدردی کے طور پر اور حقیقت میں تمسخر کے لئے کہتے کہ یہ بے چارے بڑے سادہ لوح اور بیوقوف ہیں کہ دنیا کے مزے چھوڑ کر قیامت کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے گمراہ کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

ظاہر ہے ان کی یہ تمام باتیں احمقانہ تھیں اور کوئی شریف آدمی ایسی بیہودہ باتوں کو گوارا نہیں کر سکتا اور نہ یہ لوگ اہل ایمان پر محافظ و نگراں بنا کر بھیجے گئے تھے کہ اپنی بداعمالیوں سے آنکھیں بند کر کے ان کی نگرانی کریں۔ بہرحال ان مجرموں نے دنیا میں خوب ذلیل حرکتیں کیں لیکن آج ایمان والے اپنی مسندوں پر بیٹھے ہوئے ان مجرموں کی ذلت و رسوائی اور ان کو عذاب جہنم میں مبتلا دیکھ کر ان پر ہنسیں گے کہ یہ کیسے کوتاہ اندیش اور احمق تھے جو فانی دنیا اور اس کے عیش و آرام کو آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں پر ترجیح دیتے تھے۔ سو منکروں نے اپنے کئے کا بدلہ پا لیا۔

سورۃ الانشقاق

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظِ انشقت آیا ہے جو انشقاق سے مشتق ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الانشقاق ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۵ آیتیں، ۱۰۰ کلمات اور ۴۳۴ حروف ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن الزبیرؓ نے کہا کہ اس کا نزول مکہ میں ہوا۔ قرطبی نے کہا کہ یہ بلا خلاف مکیہ ہے۔ اس سورت میں سجدۂ تلاوت ہے۔ سب علما اس سجدہ پر متفق ہیں۔

بخاری ومسلم میں ابو رافعؒ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اذا السماء انشقت پڑھی اور سجدہ کیا۔ میں نے حضرت ابو ہریرہ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا ہے۔ میں تو ہمیشہ اس سورت میں سجدہ کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاملوں۔ (یعنی انتقال کروں)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو قیامت کا منظر آنکھوں سے دیکھنا پسند ہو وہ اذا الشمس کورت، اذا السماء انفطرت اور اذا السماء انشقت پڑھے۔ (مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۲۳۵، ۲۳۶)

اس سورت میں بھی احوال قیامت، حشر ونشر اور جزا وسزا کے مضامین ہیں۔ نیز غافل انسان کو اپنے گرد وپیش کے حالات میں غور وفکر کی دعوت اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

قیامت کے ہولناک مناظر

۱، ۵۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ وَاَلْقَتْ مَافِيْهَا وَتَخَلَّتْ ۝ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ۝

جب آسمان پھٹ جائے اور اپنے رب کا حکم بجالائے اور وہ (آسمان) اسی لائق ہے اور جب زمین (کھینچ کر) پھیلا دی جائے اور جو کچھ اس میں ہے اسے (باہر) اگل دے اور خالی ہو جائے اور اپنے رب کا حکم بجالائے اور وہ (زمین) اسی لائق ہے۔

اِنْشَقَّتْ: وہ شق ہوگئی، وہ پھٹ گئی۔اِنْشِقاقٌ سے ماضی۔

اَذِنَتْ: اس نے حکم سن لیا، اس نے کان لگائے۔اذنٌ سے ماضی۔

حُقَّتْ: وہ اسی لائق ہے، وہ ثابت کی گئی۔ حقٌّ سے ماضی مجہول۔

مُدَّتْ: وہ دراز کی گئی، وہ کھینچی گئی۔مَدٌّ سے ماضی مجہول۔

اَلْقَتْ: اس نے نکال ڈالا۔اس نے اگل دیا۔اِلْقَاءٌ سے ماضی۔

تَخَلَّتْ: وہ خالی ہوگئی، وہ فارغ ہوگئی۔تَخَلِّیٌ سے ماضی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ پورا ہو جائے گا تو اس جہان کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا، اس کے بعد ایک دوسرا جہان قائم کیا جائے گا، جہاں لوگوں کو ان کے اس دنیا میں کئے ہوئے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا دی جائے گی۔ اس نئے جہان کی ابتدا اس وقت ہوگی جب آسمان اپنے رب کا حکم پاتے ہی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا، کیونکہ وہ پہلے ہی اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہوگا، اور اسے چاہئے بھی یہی کہ اپنے مالک و خالق کی فرماں برداری میں ذرا چون و چرا نہ کرے، اس لئے کہ یہ اس خدا کا حکم ہے جس سے بڑا کوئی اور نہیں، وہ سب پر غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں ہر چیز اس کے سامنے مجبور و لاچار ہے۔ مخلوق میں سے کسی کو مجال نہیں کہ اس کے حکم سے ذرا بھی منحرف ہو سکے۔ قیامت کے روز زمین پھیلا کر بچھا دی جائے گی اور اس کو کھینچ کر بڑھا دیا جائے گا، تاکہ تمام اولین و آخرین اس پر جمع ہو سکیں۔ اس وقت وہ ہر چیز کو باہر اگل دے گی جو اس کے اندر ہے جیسے ارشاد ہے:

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝

جب زمین اس کے بھونچال سے ہلا دی جائے گی اور وہ اپنے بوجھ (دفینے) نکال باہر کرے گی۔ (الزلزال ۱، ۲)

مطلب یہ کہ اس روز زمین تمام مردے، خزائن و دفائن اور زر و جواہر وغیرہ سب اگل

دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی، وہ چاندنی کی طرح بچھی ہوئی ایک صاف اور مستوی سطح ہو گی کہ اس میں نہ کوئی پہاڑ ہو گا اور نہ غار اور نہ مکان اور نہ کوئی درخت، یہ سب اس لئے ہو گا کہ وہ بھی آسمان کی طرح اپنے رب کے حکم پر کاربند ہونے کے لئے اپنے کان لگائے ہوئے ہو گی اور اسے چاہئے بھی یہی کہ وہ اپنے مالک و خالق کی فرماں برداری میں ذرا چون و چرا نہ کرے۔

احکام الٰہیہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ۱۔ تشریعی یعنی شرعی قوانین۔ انسان اور جن ان کے مکلف ہوتے ہیں اور ان کو اختیار رہتا ہے کہ وہ چاہیں تو ان پر عمل کریں یا ان کے خلاف کریں۔ اگر وہ ان پر عمل کریں گے تو ان کو اس کی جزا ملے گی اور اگر ان کے خلاف کریں گے تو سزا ملے گی، ۲۔ تکوینی احکام۔ ان کو تقدیری یا احکام مقدری بھی کہتے ہیں، تمام مخلوق پر ان کی تعمیل جبری ہوتی ہے، کسی کو بھی سر مو ان کی خلاف ورزی یا دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ ان آیتوں میں زمین اور آسمان کے سننے اور ماننے میں دونوں کا احتمال ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ان کو شعور و ادراک عطا فرما کر مکلف بنا دے اور ان کو حکم دے تو وہ پوری طرح فرماں بردار ثابت ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم تکوینی ہو جس سے دونوں مجبور محض ہوں۔

حاکم نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن زمین کو اس طرح پھیلایا جائے گا جیسے چمڑے کو پھیلایا جاتا ہے، پھر بھی آدمی کو زمین پر صرف قدم رکھنے کی جگہ ملے گی۔ پھر سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ میں سجدے میں گر جاؤں گا تو مجھے (کچھ عرض کرنے کی) اجازت دی جائے گی۔ اس وقت جبرئیل اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے، واللہ اس سے پہلے جبرئیل نے اللہ کو کبھی نہ دیکھا ہو گا، میں عرض کروں گا اے میرے رب! اے میرے رب! مجھے جبرئیل نے خبر دی تھی کہ تو نے اس کو میرے پاس بھیجا تھا۔ جبرئیل خاموش ہوں گے کوئی بات نہیں کریں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس نے سچ کہا، پھر اللہ تعالیٰ مجھے شفاعت کی اجازت دے گا اور میں عرض کروں گا کہ اے میرے رب تیرے بندے تمام زمین پر پھیلے ہوئے ہیں، مقام محمود (شفاعت کا مقام) یہی ہو گا۔

(مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۲۸، ۲۲۹)

مومنین کا حساب

۶۔ ۹۔ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ۚ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ
اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿۸﴾
وَّيَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ﴿۹﴾

انسان! تجھے اپنے رب کی طرف (پہنچنے کے لئے) خوب کوشش کرنی ہے پھر اس سے ملنا ہے۔ پس (اس وقت) جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے متعلقین کے پاس خوش خوش واپس آئے گا۔

کَادِحٌ: سخت محنت کرنے والا، سخت تکلیف اٹھانے والا، سخت کوشش کرنے والا۔ کَدْحٌ سے اسم فاعل۔

مُلَاقٍ: ملاقات کرنے والا، ملنے والا، پانے والا، مُلَاقَاتٌ سے اسم فاعل۔

اُوْتِیَ: اسے دیا گیا، اسے ملا۔ اِیْتَاءٌ سے ماضی۔

یُحَاسَبُ: اس سے حساب لیا جائے گا، مُحَاسَبَۃٌ سے مضارع مجہول۔

یَسِیْرًا: آسان، سہل، یُسْرٌ سے صفت مشبہ۔

یَنْقَلِبُ: وہ پلٹے گا۔ وہ لوٹے گا۔ اِنْقِلَابٌ سے مضارع۔

مَسْرُوْرًا: مسرور، خوش کیا ہوا۔ سُرُوْرٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: اے انسان! تو دنیا میں کوشش کرتا رہتا اور اچھے یا برے اعمال کرکے اپنے رب کی طرف بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ ایک دن اس سے مل جائے گا اور حساب و کتاب کے لئے اس کے سامنے کھڑا ہوگا اور اپنے اعمال و سعی و کوشش کو اپنے آگے دیکھ لے گا۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں جب فَمُلٰقِیْهِ کی ضمیر رب کی طرف راجع ہو۔ اگر یہ ضمیر کَدْحًا کی طرف راجع ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ اے انسان! تو جو محنت اور کوشش کر رہا ہے، اپنے رب کے پاس پہنچ کر اسی کا بدلہ پائے گا۔

قیامت کے روز مومن اور کافر دو علیحدہ علیحدہ فریق ہوں گے اور دونوں علیحدہ علیحدہ

کھڑے ہوں گے ۔ اس دن مومن کے سوا کسی کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں نہیں دیا جائے گا ۔ سو جس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے تو اس سے بہت آسان حساب لے کر اس کو جنت کی بشارت دے دی جائے گی ، یعنی یہ حساب اسی قدر ہوگا کہ اس کو نامہ اعمال دکھا دیا جائے گا اور کچھ تحقیق وتفتیش نہیں ہوگی ۔ بعض مفسرین کے نزدیک آسان حساب یہ ہے کہ مومن بندے کی برائیاں اس پر پیش کی جائیں گی پھر اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمالے گا ۔ پھر وہ خوشی خوشی جنت میں اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ کر چلا جائے گا ، یا حشر میں اپنے جنتی لوگوں میں مل جائے گا ۔ وہ اس قدر مسرور ہوگا کہ خوشی کے مارے کہے گا :

هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۞

یہ لو میرا اعمال نامہ پڑھو کیسا عمدہ ہے ۔ (الحاقہ ، ۱۹)

بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ حُوْسِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عُذِّبَ یعنی قیامت کے روز جس سے حساب لیا جائے گا وہ عذاب سے نہیں بچے گا ۔ اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا کیا قرآن میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں ہے فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا آپ نے فرمایا اس آیت میں جس حساب یسیر کا ذکر ہے وہ حقیقت میں مکمل حساب نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور جس سے اس کے اعمال کا پورا پورا حساب لیا گیا وہ عذاب سے ہرگز نہیں بچے گا ۔

امام احمد ، عبد بن حمید ، ابن جریر ، حاکم اور ابن مردویہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت بیان کی ، وہ فرماتی ہیں کہ بعض نماز میں میں نے آپ کو یہ دعا مانگتے سنا کہ اے اللہ مجھ سے آسان حساب لینا اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا جب آپ فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آسان حساب کیا ہے ۔ آپ نے فرمایا آسان حساب یہ ہے کہ بندے کو نامۂ اعمال دیا جائے کہ وہ اس میں (اپنے گناہ) دیکھ لے پھر اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمائے ، اے عائشہ اس روز جس سے حساب لینے کا مناقشہ کیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا ۔

(روح المعانی / ج ۳۰ ، ۸۰ ، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰ ، ص ۲۴۰ ، ۲۴۱)

منکرین کا حساب

۱۰، ۱۵۔ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿١٠﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿١١﴾ وَّيَصْلٰى
سَعِيْرًا ﴿١٢﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿١٣﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿١٤﴾
بَلٰٓى ۚ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿١٥﴾

اور جس کا نامۂ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا گیا تو وہ موت کو پکارے گا اور جہنم میں داخل ہوگا، بے شک وہ تو اپنے گھر میں خوش خوش رہا کرتا تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ (اللہ کی طرف) ہرگز نہیں لوٹے گا، کیوں نہیں، بے شک اس کا رب اس کو خوب دیکھتا تھا۔

وَرَاءَ: پس پشت، پیچھے۔

ظَهْرِ: پیٹھ، پشت، جمع ظُهُوْرٌ۔

ثُبُوْرًا: ہلاکت، تباہی، موت، مصدر ہے۔

يَصْلٰى: وہ داخل ہوگا۔ صَلْیٌ و صِلِیٌّ سے مضارع۔

سَعِيْرًا: دہکتی ہوئی آگ، دوزخ، سَعْرٌ سے صفت مشبہ بمعنی مفعول۔

يَحُوْرَ: وہ لوٹے گا، وہ پھرے گا۔ حَوْرٌ سے مضارع۔

تشریح: اس روز کافر کا نامۂ اعمال پشت کی طرف سے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، یعنی کافر کا دایاں ہاتھ طوق سے اس کی گردن میں جکڑا ہوا ہوگا اور بایاں ہاتھ اس کی پیٹھ کے پیچھے کر دیا جائے گا تو لامحالہ اس کا نامۂ اعمال اڑ کر اس کی پیٹھ کے پیچھے آئے گا اور وہ اس کو بائیں ہاتھ میں لے گا۔ اس وقت اس کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ جہنمی ہے اس لئے وہ یقیناً موت اور ہلاکت کو پکارے گا کہ کاش وہ مر کر مٹی ہو جائے اور عذاب سے بچ جائے، مگر وہاں اس بات کا کوئی امکان نہیں ہوگا بلکہ اس کو جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا، کیوں کہ وہ دنیا میں آخرت سے غافل و بے فکر ہو کر اپنے اہل وعیال میں مگن اور خوش رہتا تھا اور خوب مزے اڑا رہا تھا۔ آخرت کی فکر تو کیا سرے سے اس کا قائل ہی نہیں تھا۔ اسی لئے جائز و ناجائز، حلال وحرام ہر طرح سے مال و دولت جمع کرنے میں لگا رہا۔ اس کے علاوہ اس کا خیال تھا کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں اس لئے حساب و کتاب کے لئے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس جانے کا کوئی

سوال ہی نہیں اور نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہے۔ وہ ہمیشہ اسی حال میں اور اسی دنیا میں رہے گا۔

پھر فرمایا کہ جس طرح اللہ نے اس کو پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اسی طرح مرنے کے بعد وہ اس کو ضرور دوبارہ زندہ کرے گا اور اس کے نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ضرور دے گا، کیوں کہ وہ اس کے اعمال و احوال کو دیکھ رہا ہے اور ان سے خوب واقف ہے۔

(حقانی / ج ۵، ص ۱۰۲، ۱۰۳، مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۲۴۱، ۲۴۲)

کفار کے لئے دردناک عذاب

۱۶۔۲۵۔ فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ
عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

سو میں شفق کی قسم کھاتا ہوں اور رات کی اور ان چیزوں کی جو اس میں سمٹ آتی ہیں اور چاند کی جب وہ پورا ہو جائے یقیناً تم ایک حالت سے دوسری حالت کو پہنچو گے، انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے بلکہ کافر (اسے) جھٹلاتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو یہ دل میں رکھتے ہیں سو (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر دے دیجئے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا ثواب ہے۔

شَفَقِ: کنارہ، آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب میں آسمان پر جو سرخی ہوتی ہے اس کو شفق کہتے ہیں۔ جمع اَشْفَاق

وَسَقَ: اس نے اکٹھا کیا۔ اس نے سمیٹ لیا۔ وَسْقٌ سے ماضی۔

اِتَّسَقَ: وہ مکمل ہوا، وہ پورا ہوا۔ اِتِّسَاق سے ماضی۔

تَرْكَبُنَّ: تم ضرور سوار ہو گے۔ رُكُوْبٌ سے مضارع بانون تاکید۔

طَبَقًا: درجہ، طبقہ، حالت، منزل، جمع اَطْبَاقٌ

یُوْعُوْنَ: وہ دل میں رکھتے ہیں، وہ جمع کرتے ہیں۔ اِیْعَاءٌ سے مضارع۔

اَلِیْمٍ: دردناک، تکلیف دہ، اَلَمٌ سے صفت مشبہ، جمع آلامٌ

مَمْنُوْنٍ: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہو۔ مَنٌّ سے اسم مفعول۔

غَیْرُ مَمْنُوْنٍ: بے شمار، بے انتہا، کبھی ختم نہ ہونے والا۔

تشریح: پس میں شفق کی قسم کھاتا ہوں اور رات کی اور ہر اس چیز کی جو رات کے اندھیرے میں سمٹ آئے، اور چاند کی قسم جب پورا اور بھرپور روشنی والا ہو جائے یقیناً تمہیں درجہ بدرجہ مختلف احوال و ادوار سے گزرنا ہے اور تدریجی مراحل مثلاً بچپن، جوانی، بڑھاپا وغیرہ طے کرتے ہوئے عمر کے اختتام کو پہنچنا ہے۔ یہ سب دلائل قدرت انسان کی ہدایت و راہنمائی کے لئے کافی ہیں اور عقل و فطرت کا تقاضا ہے کہ ان مشاہدات و دلائل کے بعد لوگ ایمان لے آئیں لیکن افسوس! ان جاہل و غافل لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ سب کچھ جاننے اور دیکھنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے کلام پر ایمان نہیں لاتے اور اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے۔ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی آیاتِ مقدسہ تلاوت کی جاتی ہیں تو اس وقت بھی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں جھکتے۔ صرف یہی نہیں کہ قرآن کریم سنتے وقت یہ اللہ کی طرف نہیں جھکتے بلکہ یہ تو اپنی جبلی مخالفت اور عناد کے سبب قرآن ہی کو جھٹلاتے ہیں اور حق کی مخالفت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں بھرے ہوئے کفر و عداوت کو خوب جانتا ہے اس لئے وہ ان کو اس کی سزا ضرور دے گا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کفار و مکذبین کو خبر دے دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، جس کی شدت و سختی کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس دردناک عذاب سے صرف وہ لوگ محفوظ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے کلام پر ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے۔ ان کے لئے بے انتہا اور کبھی ختم نہ ہونے والا ثواب ہے۔

سورۃ البروج

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں لفظ بروج آیا ہے، اسی مناسب سے اس کا نام البروج ہو گیا۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۲ آیتیں، ۱۰۹ کلمات اور ۴۵۸ حروف ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں میں والسماء ذات البروج اور والسماء والطارق پڑھا کرتے تھے۔

جب مکے میں آفتاب نبوت جلوہ گر ہوا اور دین اسلام کی بدولت کفر وشرک کی ظلمت کم ہونے لگی تو کفار ومشرکین مکہ کو یہ ناگوار گزرا، کیوں کہ دین اسلام ان کے محبوب ومرغوب دین یعنی شرک وبت پرستی کے خلاف تھا، اس لئے انہوں نے اسلام کی مخالفت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوران پر ایمان لانے والوں کو طرح طرح سے ستانا اور ایذائیں دینا شروع کر دیا، پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا جاتا تھا مشرکین کی طرف سے اسلام کی مخالفت بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی تسلی اور مشرکین کی تنبیہ کے لئے یہ سورت نازل ہوئی۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی عقیدۂ توحید اور اس کے دلائل کا ذکر ہے، یہی عقیدۂ توحید اسلام کی روح ہے، عقیدے کی یہ عظمت اس امر کی متقاضی ہے کہ دین اسلام کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا جائے۔

(مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۲۸۲، معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی/ ج ۸، ص ۴۱۷)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر، مومنین ومنکرین کے حساب اور کافروں کی سزا کا بیان تھا۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت وکبریائی کے دلائل وشواہد بیان کر کے انسان کی نافرمانی اور احکام خداوندی سے سرتابی پر تنبیہ فرمائی ہے۔ نیز یہ کہ مومنوں کو مصائب پر صبر واستقامت اختیار کرنی چاہئے اور راہ حق میں استقامت کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

اصحاب الاخدود: اس عنوان سے مفسرین نے کئی واقعات نقل کئے ہیں، ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مختلف زمانوں اور مختلف ملکوں میں آگ کی خندق کے مختلف واقعات ہوئے ہیں، ان میں سے ایک خندق یمن میں تھی۔ جس کا واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ستر سال پہلے زمانۂ فترت میں پیش آیا، اس سورت میں یہی خندق مراد ہے، کیونکہ عرب کے لوگ اس سے واقف تھے۔ دوسری خندق شام میں اور تیسری فارس میں تھی۔ صحیح مسلم، ترمذی اور مسند احمد وغیرہ میں جو واقعہ مذکور ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک کافر بادشاہ کے ہاں ایک ساحر رہتا تھا، اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کو ایک ہوشیار اور ہونہار لڑکا دیا جائے تا کہ وہ اس کو اپنا علم سکھا دے۔ چنانچہ ایک لڑکا منتخب کیا گیا جو روزانہ ساحر کے پاس جا کر جادو سیکھتا۔ راستے میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا جو اپنے زمانے کے اعتبار سے دین حق پر تھا۔ ساحر کے پاس آتے جاتے وقت لڑکا راہب کے پاس بھی ٹھہرنے لگا اور اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا اور اس کی صحبت سے با کرامت ہو گیا۔

ایک دن لڑکے نے دیکھا کہ ایک بڑے ہیبت ناک جانور (شیر وغیرہ) نے راستہ روک رکھا ہے، لوگ حیران و پریشان کھڑے ہیں، ادھر والے اُدھر نہیں جا سکتے اور اُدھر والے ادھر نہیں آ سکتے۔ اس نے ایک پتھر یہ کہہ کر جانور پر پھینک مارا کہ اے اللہ! اگر راہب کا دین سچا ہے تو اس جانور کو میرے پتھر سے ہلاک کر دے۔ پتھر لگتے ہی جانور کا کام تمام ہو گیا اور حاجت مند لوگ لڑکے کے پاس آنے جانے لگے۔ اس کی دعا سے مادر زاد اندھے، کوڑھی، جذامی اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کا ایک نابینا وزیر بھی تحائف لے کر پہنچا، لڑکے نے کہا کہ میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینے والا تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں، وزیر کے اقرار پر لڑکے نے اللہ سے دعا کی تو اس کی بینائی واپس آ گئی اور اس کی آنکھیں پہلے کی طرح روشن ہو گئیں۔

جب یہ خبریں بادشاہ کو پہنچیں تو اس نے برہم ہو کر اس لڑکے کو مع راہب اور نابینا وزیر کے (جس کی بینائی بحال ہو گئی تھی) طلب کیا۔ اور کچھ بحث وتمحیص کے بعد راہب اور وزیر کو تو قتل کر دیا اور لڑکے کے بارے میں حکم دیا کہ اس کو اونچے پہاڑ سے گرا دیا جائے، لیکن اللہ کی قدرت جو لوگ اس کو پہاڑ پر لے گئے وہ سب تو گر گر کر ہلاک ہو گئے اور لڑکا صحیح وسالم چلا آیا، پھر بادشاہ نے اس کو دریا میں غرق کرنے کا حکم دیا۔ وہاں بھی یہی صورت پیش آئی کہ لڑکا تو بچ گیا اور اس کو لے جانے والے سب

ڈوب گئے، آخر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ میں تمہیں اپنے مرنے کی ترکیب بتاتا ہوں، سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے مجھے ان کے سامنے سولی پر لٹکا دو اور ''بسم اللہ رب ہذا الغلام'' کہہ کر میرے تیر مارو، چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا، اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور اپنے رب کے نام پر قربان ہو گیا۔ لڑکے کے شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا یقین ہو گیا اور وہ سب اس کے رب پر ایمان لے آئے، یہ دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی گھبرائے اور کہنے لگے کہ ہم نے لڑکے کو اسی لیے قتل کیا تھا کہ یہ مذہب عام لوگوں میں نہ پھیلے لیکن پھر بھی جو اندیشہ تھا وہ ہو کر رہا۔

بادشاہ نے غصے میں آکر بڑی بڑی خندقیں کھدوائیں اور ان میں خوب آگ بھڑکانے کا حکم دیا۔ جب آگ خوب بھڑک اٹھی تو اس نے اعلان کیا کہ جو شخص اسلام سے نہ پھرے اس کو ان خندقوں میں ڈال دو۔ آخر ان مسلمانوں نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے آگ میں جلنا منظور کر لیا۔ لوگ آگ میں ڈالے جا رہے تھے لیکن اسلام سے نہیں ہٹتے تھے البتہ ایک عورت جس کی گود میں ایک دودھ پیتا بچہ تھا ذرا جھجکی تو اللہ نے بچے کو بولنے کی طاقت دے دی۔ اس نے کہا اماں تم تو حق پر ہو، صبر کرو اور اس میں کود پڑو، چنانچہ یہ عورت بھی بچے سمیت آگ میں کود پڑی۔ پھر اللہ تعالیٰ کا غضب آیا اور وہی آگ خندق سے باہر پھیل گئی اور اس کے شعلوں نے خندق کے کناروں پر بیٹھے ہوئے ظالموں، سرکشوں اور بدکرداروں کو جلا دیا۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۹۲، ۴۹۳، عثمانی/ ج ۲، ص ۷۹۸)

کفار کی شقاوت

۱تا۷۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝
قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا
قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝

قسم ہے برجوں والے آسمان کی اور وعدے کے دن کی اور اس کی جو حاضر ہوتا ہے اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوتے ہیں کہ خندقوں والے ہلاک کئے گئے، وہ ایک آگ تھی ایندھن والی جب وہ اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور جو کچھ ایمان والوں کے ساتھ کر رہے تھے (اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے تھے۔

الْبُرُوْج: ستارے، محلات، بلند عمارتیں، ظاہر ہونا۔ واحد بُرْجٌ

الْمَوْعُوْد: قیامت کا دن، وعدہ کیا ہوا۔ وَعْدٌ سے اسم مفعول۔

شَاهِدٍ: شاہد، گواہ، حاضر ہونے والا، یہاں جمعہ کا دن مراد ہے، شُهُوْدٌ وشَهَادَةٌ سے اسم فاعل،

مَشْهُوْدٍ: شہادت دیا ہوا، حاضر کیا ہوا، یہاں عرفہ کا دن مراد ہے، شُهُوْدٌ وشَهَادَةٌ سے اسم مفعول،

اُخْدُوْدِ: خندق، کھائی۔ جمع اخادید

وَقُوْدِ: آگ جلانے کا ایندھن، بھڑکنا، جلنا، روشن ہونا، شعلہ۔ اسم ہے۔

قُعُوْدٌ: بیٹھنا، مصدر ہے۔

شُهُوْدٌ: دیکھنے والے، گواہ، حاضرین، واحد شَاهِدٌ

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں چار چیزوں کی قسم کھائی ہے، ا۔ برجوں والے آسمان کی، بڑے محل یا قلعے کو برج کہتے ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہاں بروج سے بڑے بڑے ستارے مراد ہیں، ۲۔ یوم موعود کی جس سے مراد قیامت کا دن ہے، ۳۔ شاہد کی، جس سے مراد جمعہ کا دن ہے۔ حضرت ابو درداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعے کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ وہ مشہود دن ہے، جس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یوم موعود سے مراد قیامت کا دن ہے اور شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے، جن جن دنوں پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے ان میں سب سے اعلیٰ اور افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس میں ایک ساعت ایسی ہے کہ بندہ مسلم اس میں اللہ تعالیٰ سے جو بھلائی طلب کرے مل جاتی ہے اور جس برائی سے پناہ چاہے ٹل جاتی ہے، ۴۔ مشہود کی اس سے مراد عرفہ کا دن ہے۔ (عثمانی/ ج ۲، ص ۷۹۷، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۹۱، ۴۹۲)

ان قسموں کے بعد ارشاد فرمایا کہ خندق والوں پر لعنت ہو جنہوں نے زمین میں خندقیں کھود کر ان میں خوب آگ بھڑکائی پھر مسلمانوں کو آگ سے ڈرا کر کہا کہ یا تو اپنے دین سے پھر جاؤ اور بت پرستی قبول کرلو ورنہ اس آگ میں ڈال دیئے جاؤ گے۔ مسلمانوں کے انکار پر ان شقی القلب اور بے رحم کافروں نے ان کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا اور خندقوں کے کناروں پر بیٹھ کر مسلمانوں کے جلنے کا تماشا دیکھتے رہے۔

اللہ کا انتقام

۱۰،۸۔ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ۝ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ شَهِيْدٌ ؕ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ؕ۝

اور وہ ان (مومنوں) سے اسی کا بدلہ لے رہے تھے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آئے تھے جو زبردست ہے، تعریفوں والا ہے جس کی حکومت آسمان اور زمین پر ہے اور وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے، بیشک جن لوگوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو تکلیف دی، پھر توبہ بھی نہیں کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے۔

نَقَمُوْا: انہوں نے بدلہ لیا، انہوں نے سزا دی، انہوں نے ناپسند کیا، انہوں نے عیب لگایا۔ نَقْمٌ سے ماضی۔

فتنوا: انہوں نے آزمائش میں ڈالا، انہوں نے ایذا دی۔ فِتْنَۃٌ سے ماضی۔

الحریق: جلتی ہوئی آگ، بھڑکتی ہوئی آگ، شعلہ والی آگ۔ حَرْقٌ سے صفت شبہ۔

تشریح: ان مومنوں کا کوئی جرم وقصور نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ کفر وشرک کی ظلمت وتاریکی سے نکل کر ایک زبردست اور ہر طرح کی تعریف کے لائق خدا پر ایمان لائے جس کی بادشاہت وحکومت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز پر ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے اور ہر شخص کے اچھے برے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال سے باخبر ہے، کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ مومنوں کا صبر اور ان کی استقامت اور کفار کے مظالم سب اس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ وہ مومنوں کو ان کے صبر واستقامت پر انعام دے گا، اور کافروں سے ان کے ظلم وستم پر انتقام لے گا۔

بیشک جو لوگ بھی مومنوں کو دین حق سے برگشتہ کرنے کی کوشش کریں گے خواہ وہ اصحاب الاخدود ہوں یا مشرکین مکہ یا کوئی اور ہوں اور پھر وہ اپنی نالائقیوں اور حرکات بد سے توبہ نہ کریں تو

آخرت میں ان سب کے لئے دوزخ کا عذاب اور دنیا میں دہکتی ہوئی آگ کا عذاب ہے۔ اگر یہاں پہلا جملہ دوسرے جملے کی تاکید ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ دوزخ میں جا کر ان کو ہمیشہ ہمیشہ آگ میں جلنے کا عذاب ہوتا رہے گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پہلے جملے میں اصل بڑے عذاب کا بیان ہو جو آخرت میں ہوگا اور دوسرے جملے میں اس سزا کا بیان ہو جو ان کو دنیا میں بطور نمونہ ملی، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آگ اتنی بھڑکی کہ خندق سے نکل کر شہر میں پھیل گئی اور ان سب کو جلا ڈالا جنہوں نے مسلمانوں کو آگ میں ڈالا تھا۔

پس جس طرح اصحب الاخدود نے مومنوں کو ستایا اور اللہ کے عذاب اور سزا سے نہ بچ سکے اسی طرح کفار مکہ کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ان کو مسلمانوں کو ستانے اور ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے کی سزا دنیا اور آخرت میں بھگتنا پڑے گی۔ (عثمانی / ج ۲، ص ۷۹۸، ۷۹۹، ابن کثیر / ج ۴، ص ۴۹۱، ۴۹۲)

اللہ کی پکڑ

۱۱، ۱۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ؕ۝۱۱ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ؕ۝۱۲ اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ۝۱۳ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝۱۴ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝۱۵ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ؕ۝۱۶

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ بیشک تیرے رب کی پکڑ بہت شدید ہے۔ بیشک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا اور وہی بخشنے والا (اور) محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک (اور) بڑی شان والا ہے جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔

الفَوْزُ: فتح، کامیابی، نجات پانا، مصدر ہے۔

الکَبِیْر: بڑا، بزرگ، کِبَرٌ سے صفت مشبہ، جمع کُبَراء

بَطْشَ: گرفت، پکڑ، سختی سے پکڑنا، مصدر ہے۔

یُبْدِئُ: وہ ایجاد کرتا ہے۔ وہ تخلیق اول کرتا ہے، ابداءٌ سے مضارع۔

یُعِیۡدُ: وہ اعادہ کرے گا، وہ دوبارہ کرے گا، وہ لوٹائے گا، اِعَادَۃٌ سے مضارع۔

الوَدُوۡدُ: بہت محبت کرنے والا، بڑا مہربان، اللہ تعالیٰ کا اسم صفت۔ وُدٌّ سے مبالغہ۔

المَجِیۡدُ: بزرگ۔ عظمت والا، رفیع الشان، مَجۡدٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: مجرمین و منکرین کا انجام بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لئے آخرت میں ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ دنیا اور اس کی ہر چیز اس کے مقابلے میں حقیر ہے۔ پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ اس سے بچنا محال ہے، وہ کسی وقت بھی گرفت کرسکتا ہے خواہ اس دنیا میں کرے یا آخرت میں۔ جو لوگ اللہ کے رسولوں کی تکذیب اور استہزا کرتے اور اس کی نافرمانیوں میں لگے رہتے ہیں وہ ان کو ایسی شدید قوت کے ساتھ پکڑے گا کہ ان کے لئے کوئی بچاؤ کی صورت باقی نہ رہے گی۔ وہ بڑی قوتوں والا ہے اور جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ وہی ہر چیز کو ابتدا میں وجود عطا کرتا ہے یعنی عدم سے وجود میں لاتا ہے اور مرنے کے بعد قیامت کے روز وہی انسان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ وہی اپنی شان رحیمی اور کریمی سے اپنے بندوں کے گناہوں کو معاف کرتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی طرف جھکیں اور توبہ کریں۔ وہ اپنے فرماں برداروں کو بہت محبوب رکھتا ہے، وہی عرش عظیم کا مالک اور بزرگی والا ہے، وہ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ کائنات کی ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کی قدرت و کبریائی کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ وہ ایسا قادر مطلق ہے کہ جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ ایسے شہنشاہ عالی صفات سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہئے اور اس کی کامل اطاعت و فرماں برداری کی کوشش میں لگے رہنا چاہئے۔ اسی میں دونوں جہان کی بھلائی ہے۔

فرعون و ثمود کے لشکر

۱۷، ۲۲۔ هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡجُنُوۡدِ ﴿۱۷﴾ فِرۡعَوۡنَ وَ ثَمُوۡدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فِىۡ تَكۡذِيۡبٍ ﴿۱۹﴾ وَّ اللّٰهُ مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ مُّحِيۡطٌ ﴿۲۰﴾ بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ ﴿۲۱﴾ فِىۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴿۲۲﴾

(اے رسول) کیا آپ کو فرعون و ثمود کے لشکروں کی خبر پہنچی، بلکہ کافر تو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں اور اللہ انہیں ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے

بلکہ یہ قرآن بڑی شان والا ہے (اور) لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے۔

الجُنُوْد: لشکر، فوجیں، واحد جُنْدٌ

مُحِیْطٌ: احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا۔ اِحَاطَۃٌ سے اسم فاعل۔

وَرَاءِ: پیچھے، پس پشت۔

لَوْح: لوح، تختی، جمع اَلْوَاح

تشریح: اے مخاطب! کیا تجھے فرعون اور قوم ثمود کے لشکروں کی خبر پہنچی جو بڑے طاقتور تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے قہر وغضب سے ان کو ہلاک کر دیا اور دنیا کی کوئی طاقت اللہ کے عذاب کو نہ ٹال سکی، چاہئے تو یہ تھا کہ مشرکین منکرین ان واقعات کو سن کر کفر و نافرمانی اور طغیان وسرکشی سے توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے لیکن افسوس! انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ منکرین برابر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اللہ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اور ان کے حالات سے خوب واقف اور ان سے انتقام لینے پر قادر ہے، یہ اس کی قدرت اور گرفت سے نہیں نکل سکتے۔

یہ قرآن مجید کوئی قصے کہانیوں کی کتاب نہیں بلکہ یہ تو بڑی عظمت وشرف والا کلام ہے، تمام کتابوں میں عالی مرتبہ اور بے مثال ہے یہ وحی الٰہی ہے اور لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے، جہاں جن وانس اور شیاطین میں سے نہ کسی کی نظر پہنچ سکتی ہے اور نہ ہاتھ کہ وہ اس میں کوئی کمی یا بیشی کر سکے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ لوح محفوظ کی پیشانی پر یہ عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے، اس کا دین اسلام ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کے وعدے کو سچا جانے، اس کے رسولوں کی اتباع کرے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۹۶، ۴۹۷)

سورۃ الطارق

وجہ تسمیہ: اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے رات کو نمودار ہونے والے روشن ستارے (طارق) کی قسم کھائی ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الطارق ہو گیا۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۱۷ آیتیں، ۷۲ کلمات اور ۲۷۱ حروف ہیں، یہ سورت بالا جماع مکیہ ہے، نسائی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز میں سورۂ بقرہ یا سورۂ نساء پڑھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے معاذ! کیا تو فتنے میں ڈالنے والا ہے؟ کیا تجھے یہ کافی نہ تھا کہ والسماء و الطارق اور والشمس و ضحٰھا اور ایسی ہی سورتیں پڑھ لیتا۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۴۹۷، مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۳۱۳، ۳۱۴)

اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ نے توحید اور قیامت کے اثبات میں ارض و سماء اور کواکب و نجوم کے تغیرات کو شہادت اور حجت کے طور پر پیش فرمایا ہے، اور انسانی تخلیق پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں ایمان اور اس پر استقامت اور اللہ کی راہ میں صبر و قربانی کا بیان تھا، نیز یہ کہ دنیا کی کوئی طاقت ایمان کو کفر کی طرف نہیں لوٹا سکتی۔ اس سورت میں قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے اثبات میں انسان کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ خود اپنی تخلیق میں غور وفکر کرے، ارض و سماء اور روشن ستاروں کو دیکھے اور ان سے عبرت حاصل کرے۔

نگہبان فرشتے

۱۔۴۔ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾
اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات میں نمودار ہونے والے کی اور (اے رسول

ﷺ) آپ کو کیا معلوم کہ رات میں نمودار ہونے والا کیا ہے، وہ روشن ستارہ
ہے، کوئی انسان ایسا نہیں جس پر ایک نگہبان (فرشتہ) مقرر نہ ہو۔

الطَّارِقِ: رات کو نمودار ہونے والا ستارہ، رات کو آنے والا، ستارۂ ثریا کا نام، یہاں یہی مراد ہے، طُرُوْق سے اسم فاعل۔

النَّجْمُ: ستارہ، جمع نُجُوْمٌ۔ اسم جنس ہے۔

الثَّاقِبُ: جلا دینے والا، دہکتا ہوا، چمک دار، روشن، ثُقُوْبٌ سے اسم فاعل۔

لَمَّا: حرف جازم، مضارع کو منفی ماضی کے معنی میں کر دیتا ہے، استثنا کے لئے بھی آتا ہے، یہاں استثنا کے لئے اِلَّا کے معنی میں ہے۔

حَافِظٌ: حفاظت کرنے والا، نگہبان، اللہ تعالیٰ کا اسم صفت، حِفْظٌ سے اسم فاعل۔

شان نزول: ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا جس کی چمک سے وہاں کی ہر چیز روشن ہوگئی، ابو طالب نے پریشان ہو کر کہا کہ یہ کیا تھا، آپ نے فرمایا کہ ایک ستارہ تھا جو شیطان کو مارا گیا، یہ قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ابو طالب یہ سن کر متعجب ہوئے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(روح المعانی، ج ۳۰، ص ۹۵)

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور عظیم الشان ثاقب ستارے کی قسم کھا کر فرمایا کہ ہر انسان پر ایک محافظ اور نگران مقرر ہے جو اس کے تمام افعال واعمال اور حرکات وسکنات کو دیکھتا اور جانتا ہے جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝١٠ كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝١١ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝١٢

اور یقیناً تم پر نگہبان مقرر ہیں جو بزرگ (اور) لکھنے والے ہیں، وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ (الانفطار، ۱۰، ۱۲)

یہ معزز نگہبان فرشتے صرف تمہاری حفاظت ہی نہیں کرتے بلکہ تمہارے نیک و بد اعمال کو دفتر غیب یعنی تمہارے اعمال ناموں میں لکھتے رہتے ہیں، وہ یونہی اپنی طرف سے نہیں لکھتے بلکہ جو کچھ اچھا یا برا عمل تم کرتے ہو وہ اس کو خوب جانتے ہیں، تم ان سے اپنا کوئی معمولی سے معمولی عمل بھی نہیں چھپا سکتے۔

اس طرح آدمی کا برا اچھا یا برا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہو رہا ہے، تا کہ قیامت کے روز اس کے اعمال کا حساب وکتاب کر کے اس کو جزا یا سزا دی جائے، لہٰذا آدمی کو کسی وقت بھی آخرت اور فیصلے کے دن سے غافل نہیں ہونا چاہئے، اگر حافظ کے معنی نگران کے لئے جائیں تو اس سے مراد اعمال لکھنے والا فرشتہ ہوگا، اور اگر اس کے معنی محافظ کے لئے جائیں تو وہ فرشتے مراد ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر کر رکھے ہیں، وہ دن رات تمام آفات و مصائب سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں، سوائے اس مصیبت اور آفت کے جو اللہ نے اس کے لئے مقدر کر دی ہے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مومن پر اس کی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۱۶۰ فرشتے مقرر ہیں، یہ فرشتے انسان سے (ہر بلا و مصیبت جو اس کے لئے مقدر نہیں اس سے اس طرح) دفع کرتے ہیں جیسے شہد کے برتن پر آنے والی مکھیوں کو (پنکھے وغیرہ سے) دفع کیا جاتا ہے، اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیاطین اس کو اچک لیں۔ (روح المعانی / ج ۳۰، ص ۹۶)

انسان کی حقیقت

۵۔۱۰۔ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ۝ إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ۝ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ۝ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝

پس انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا، وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے، بے شک وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے، جس دن بھید کھل جائیں گے تو نہ (خود) اس کا کچھ زور چلے گا اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا۔

دَافِقٍ: اچھلنے والا، بہانے والا، دَفْقٌ سے اسم فاعل۔

الصُّلْبِ: پشت، پیٹھ، کمر۔ جمع اَصْلَابٌ

التَّرَائِبِ: سینے، سینے کی ہڈیاں، سینے کا بالائی حصہ، واحد تَرِيْبَةٌ

تُبْلٰی: وہ آزمائی جائے گی، وہ ظاہر ہو جائے گی، وہ کھل جائے گی۔ بَلاءٌ سے مضارع مجہول۔

السَّرَائِرُ: بھید، راز، پوشیدہ باتیں، واحد سَرِیْرَۃٌ

نَاصِرٍ: مددگار، مدد کرنے والا۔ نَصْرٌ سے اسم فاعل،

تشریح: یہاں اس شبہ کا جواب ہے جو شیطان لوگوں کے دلوں میں ڈالتا رہتا ہے کہ مرنے کے بعد جب انسان مٹی اور ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے تو ان سب اجزا کا پھر سے جمع ہو جانا اور اس میں از سرِ نو زندگی پیدا ہو جانا محال و ناممکن ہے، انسان کو اپنی تخلیق پر غور کرنا چاہئے کہ اس کو ایک اچھلتے ہوئے پانی (منی) سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے، چوں کہ مادۂ منویہ کا تعلق اعضائے رئیسہ سے ہے، اس لئے اس کا سینے اور پشت کی ہڈیوں سے نکلنا بیان کیا گیا، پس جو قادر مطلق انسان کو اپنی قدرت و حکمت سے ایک قطرۂ آب سے پیدا کرنے پر قادر ہے، بلاشبہ وہ اس کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، حالانکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا اس قدر عجیب اور مشکل نہیں جتنا کہ اس کو پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل ہے۔

مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا اس روز ہوگا جس (قیامت کے) روز پوشیدہ اعمال اور مخفی عقائد و ارادے اور دلوں میں چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہو جائیں گی، اس روز دوبارہ پیدا ہونے کے بعد آدمی کے پاس نہ تو ذاتی قوت اور طاقت ایسی ہوگی جس کی وجہ سے وہ عذاب سے بچ سکے اور نہ اس کا کوئی ایسا مددگار ہوگا جو ایسے سخت مرحلے پر اس کی مدد کرکے اس کو عذابِ الٰہی سے بچالے۔

فیصلہ کن قول

۱۱، ۱۷۔ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ
فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾
فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

اور قسم ہے بارش والے آسمان کی اور زمین کی جو (بیج اگنے کے وقت) پھٹ جاتی ہے، بیشک یہ (قرآن) قطعی بات ہے اور یہ کوئی بے فائدہ (لغو) چیز نہیں، بیشک وہ اپنی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں اور میں بھی تدبیریں کر رہا ہوں، سو آپ کافروں کو تھوڑی مہلت دیجئے۔

الرَّجْعِ: بارش، مینہ، چکر، مصدر ہے۔

الصَّدْعِ: پھٹنا، شق ہونا، ظاہر ہونا، یہاں زمین سے کھیتی کا پھوٹ نکلنا مراد ہے۔ مصدر ہے۔

فَصْلٌ: دوٹوک بات، حق بات، سچا فیصلہ کرنے والا قول۔ مصدر ہے۔

الْهَزْلِ: لغو، بے فائدہ، بیہودہ، دل لگی کی چیز، ہنسی مذاق کی بات۔

يَكِيْدُوْنَ: وہ خفیہ تدبیر کرتے ہیں، وہ حیلہ کرتے ہیں۔ کَیْدٌ سے مضارع۔

مَهِّلْ: تو مہلت دے۔ تَمْهِيْلٌ سے امر۔

رُوَيْدًا: ایک مدت تک، تھوڑے دنوں تک۔

تشریح: بار بار بارش برسانے والے آسمان کی قسم اور زمین کی قسم جو بیج ڈالنے سے شق ہو جاتی ہے اور اس سے سبزہ اور درخت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں، بلاشبہ قرآن کریم ایک فیصلہ کن قول ہے جو حق و باطل میں فیصلہ کرتا ہے اور ہدایت و گمراہی کو جدا جدا کر دیتا ہے، جس طرح آسمان سے بارش برسنے پر مردہ اور غیر آباد، بنجر زمین زندہ اور آباد ہو جاتی ہے، پھل پھول، کھیتیاں اور درخت اگتے ہیں اور ہر طرف سبزہ لہلہانے لگتا ہے، اسی طرح آسمان سے وحی کے نزول سے انسانی زندگی سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اور ان کے قلوب سے حسن اخلاق اور معارف و حکم کے پھول اور پھل اگنے لگتے ہیں۔

یہ قرآن یقیناً کوئی ہنسی مذاق کی بات اور دل لگی کی چیز نہیں بلکہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے، اس لئے اس پر ایمان لانا چاہئے اور اس کو پڑھنے اور سننے کے وقت ہنسی اور دل لگی کرنے کی بجائے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اس کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، اگر یہ منکرین اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو مومنوں کو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، جس طرح یہ لوگ دین حق کے خلاف سازشوں اور تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں اسی طرح اللہ بھی ان کو مہلت اور ڈھیل دے کر ان سے سخت مواخذے کی تدبیر کر رہا ہے، ظاہر ہے اللہ کی تدبیر کے مقابلے میں کسی کا مکر اور سازش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی ان کو کچھ مہلت دے دیجئے، پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں پکڑے گا تو یہ بچ کر کہیں نہ جا سکیں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بدر کی لڑائی میں پکڑ لیا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝

اور آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے، جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے، بے شک اس کی گرفت سخت تکلیف دینے والی ہے۔ (ہود،۱۰۲)

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے، پھر جب اس کو پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔

(معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی/ ج ۸، ص ۴۲۹، ۴۳۰)

سورۃ الاعلیٰ

وجہ تسمیہ: اس کی ابتدا لفظ سبح سے ہوئی ہے اس لئے اس کا نام سورۂ سبح ہوگیا۔ اسی آیت میں لفظ اعلیٰ بھی مذکور ہے، اس مناسبت سے اس کو سورۃ الاعلیٰ بھی کہتے ہیں اور یہی نام زیادہ مشہور ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۱۹ آیات، ۷۲ کلمات اور ۲۸۴ حروف ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ بھی ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں ذات خداوندی، اس کی عظمت، دلائل قدرت، وحدانیت اور قرآن کی حقانیت کا بیان ہے۔

فضائل: احمد اور بزار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سورت **سبح اسم ربک الاعلیٰ** کو محبوب رکھتے تھے، اور ایک حدیث میں ابوتمیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو افضل **المسبحات** فرمایا ہے۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر، عید الاضحیٰ اور جمعہ کے روز **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اور **ھل اتک حدیث الغاشیۃ** پڑھا کرتے تھے اور بعض اوقات دونوں جمع ہوئیں تو دونوں میں انہی سورتوں کی قرأت فرمائی، یعنی اگر عید جمعہ کے روز واقع ہوگئی تو آپ نے عید کی نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھیں پھر جمعہ کی نماز میں بھی یہی دونوں سورتیں پڑھیں۔

نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں **سبح اسم ربک الاعلیٰ** اور دوسری میں **قل یایھا الکفرون** اور تیسری میں **قل ھو اللہ** اور معوذتین پڑھا کرتے تھے۔

(روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۱۰۱، ۱۰۲، مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۳۲۷، ۳۲۸)

سابقہ سورت سے ربط: سابقہ سورت میں انسان کو خود اپنی تخلیق پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ جو ذات انسان کو ابتدا میں وجود عطا کرنے پر قادر ہے وہ بلاشبہ اس کے

اعادے پر بھی قادر ہے۔ اس سورت میں عظمت خداوندی اور اس کی ذات وصفات کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ انسان کی فلاح وسعادت کا انحصار ذکر خدا اور یاد الٰہی میں ہے۔ اس لئے اسے اپنے رب کی یاد اور بندگی میں لگے رہنا چاہئے نیز اس میں انسان اور دوسری مخلوقات کی انتہا کا بیان ہے کہ آخرکار کمزور ہو کر ختم ہو جاتے ہیں اور ریزہ ریزہ ہو کر نیست ونابود ہو جاتے ہیں۔

اللہ کی قدرت وحکمت کے مظاہر

۱،۵۔ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّىٰ ۝ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ۝ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۝ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ۝

آپ اپنے رب کے نام کی تسبیح کیجئے، جس نے پیدا کیا اور صحیح سالم بنایا، اور جس نے اندازہ کیا پھر راہ دکھائی، اور جس نے چارہ نکالا پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا بنا دیا۔

الْمَرْعٰی: چراگاہ۔ رَعْیٌ سے اسم ظرف مکان۔

غُثَاءً: خس وخاشاک، خشک گھاس، وہ کوڑا کرکٹ جو سیلابی پانی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جمع اَغْثَاءٌ

اَحْوٰی: سیاہ، سبز یا سرخی مائل سیاہ ہونا، حَوّٰی سے صفت مشبہ۔

تشریح: نماز کے سوا جب بھی اس سورت کی تلاوت کی جائے تو مستحب یہ ہے کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی کے بعد سبحان ربی الاعلیٰ کہے، تسبیح کے معنی پاک رکھنے اور پاکی بیان کرنے کے ہیں اور سبح اسم ربک سے مراد یہ ہے کہ اپنے رب کے نام کی تعظیم وتکریم کیجئے اور اللہ کا نام لیتے وقت خشوع وخضوع کا لحاظ رکھئے، ہر ایسی چیز سے اس کے نام کو پاک رکھئے جو اس کے شایاں نہیں، جو نام اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں ان کا مخلوق کے لئے استعمال اس کی تقدیس کے خلاف ہے اس لئے مخلوق کے لئے ان کا استعمال جائز نہیں۔

پھر فرمایا کہ اس ذات کی تسبیح کر جو انسان کو کسی سابقہ مادہ کے بغیر عدم سے وجود میں لائی، پھر پیدا کر کے اس کو یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کی جسامت اعضا اور وضع وہیئت کو اس کی ضرورت وحاجت کے مطابق نہایت متوازن ومتناسب بنایا، انسان کے ہاتھوں، پاؤں اور ان کی انگلیوں کے جوڑوں کو ہی دیکھ لو کہ ان میں کیسی نرمی اور لچک رکھی کہ ان کو دائیں بائیں، اوپر نیچے کسی طرف بھی

نہایت آسانی سے موڑا جاسکتا ہے، اسی طرح دوسرے اعضا کی بناوٹ اور ان میں ایسا تناسب ہے کہ عقل حیران ہے، یہ سب انسان کو خالق کائنات کی قدرت وحکمت پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو کسی خاص کام کے لئے پیدا کیا اور اسی کے مناسب اس کو وسائل دیئے اور اسی کام میں اس کو لگا دیا اور اس کو اس کام کی ہدایت ورہنمائی بھی فرما دی کہ وہ اس کام کو کس کس طرح انجام دے، اس طرح ہر چیز اپنے رب کی مقرر کردہ ڈیوٹی اور کام پر لگی ہوئی ہے، انسان تو سب سے زیادہ عقل وشعور والا ہے۔ جنگل کے جانوروں اور درندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کو دیکھو کہ اللہ نے ہر ایک کو اپنی ضروریات زندگی حاصل کرنے، رہنے بسنے اور اپنی مخالف چیزوں کو دفع کرنے کے لئے کیسے کیسے طریقے سکھائے، یہ چیزیں انہوں نے کسی اسکول کالج میں داخل ہو کر یا کسی استاد سے نہیں سیکھیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت عامہ اور تلقین وتعلیم کے ثمرات ہیں، جیسے ارشاد ہے:

اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ○

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کر کے اس کو وجود بخشا پھر اس کو اس کے متعلقہ کام کی ہدایت کر دی۔ (طٰہٰ، ۵۰)

پھر فرمایا کہ اس ذات کی تسبیح بیان کر جس نے زمین سے سبزہ اگایا اور اس کو خوب لہلہاتا ہوا سرسبز وشاداب اور خوش منظر بنا دیا۔ پھر چند روز بعد وہ زرد اور خشک ہو کر ریزہ ریزہ اور سیاہ ہو جاتا ہے، یہ سب اس کی حکمت اور کمال قدرت کی نشانیاں ہیں جو اس کی عظمت وبلندی کی گواہی دے رہی ہیں۔ (حقانی/ ج ۵، ص ۱۳۳، ۱۳۴، معارف القرآن از مفتی محمد شفیع/ ج ۸، ص ۷۲۲، ۷۲۵)

آپ کو قرآن یاد کرانے کا وعدہ

۶، ۷۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ○ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ○

بہت جلد ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ (اسے) نہ بھولیں گے مگر جتنا اللہ چاہے، بیشک وہ تو ظاہر اور پوشیدہ (باتوں) کو جانتا ہے۔

تشریح: بعثت کے بعد ابتدا میں جب قرآن مجید نازل ہوتا اور جبرئیل امین وحی لے کر آتے اور آپ

کو قرآن مجید کی کوئی آیت سناتے تو اس خیال سے کہ کہیں آیت کے الفاظ ذہن سے نہ نکل جائیں، آپ بھی جبرئیل امین کے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کا یاد کرا دینا اپنے ذمے لے لیا کہ جبرئیل کے چلے جانے کے بعد قرآن کی آیات کا صحیح پڑھوا دینا اور ان کو ذہن میں محفوظ کرا دینا ہماری ذمے داری ہے، اس کے لئے[1] آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، ہم آپ کو ایسا یاد کرا دیں گے کہ آپ قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں بھولیں گے سوائے اس کے جس کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر آپ کو بھلا دے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿١٦﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿١٧﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿١٨﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ قرآن کو یاد کرنے کے لئے (جبرئیل کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ) اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کریں، بے شک (آپ کے سینے میں) اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے اس کا) پڑھوا دینا ہمارے ذمے ہے۔ (القیٰمۃ ۱۶، ۱۹)

اور ارشاد ہے:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (طٰہٰ: ۱۱۴)

جب تک آپ کے پاس پوری وحی نہ آ جائے آپ پڑھنے میں جلدی نہ کریں۔

بعض مفسرین نے آیات کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ اے انسان مرنے کے بعد ہم تجھ سے تیرا نامۂ اعمال پڑھوائیں گے اگرچہ اس وقت تو اس کو نہیں پڑھ سکتا۔ جیسے ارشاد ہے:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ (بنی اسرائیل: ۱۴)

(حشر کے روز اس سے کہا جائے گا) اپنا نامۂ اعمال پڑھ۔

اس وقت انسان اپنے نیک و بد اعمال میں سے کچھ بھی نہ بھولے گا، سب یاد آ جائے گا مگر جن کو اللہ تعالیٰ بھلانا چاہے گا وہ یاد نہ آئیں گے۔ نیک لوگوں کے بعض برے کام جو دنیا میں ان سے سرزد ہو گئے تھے اور انہوں نے ان کے لئے توبہ و استغفار کر لی تھی، اللہ تعالیٰ ان کاموں کو وہاں یاد نہیں دلائے گا تاکہ وہ ان کے لئے شرمندگی اور رنج کا باعث نہ ہوں۔

پھر فرمایا کہ ہم یہ تمام باتیں اس لئے یاد دلائیں گے کہ کوئی چیز ہم پر مخفی نہیں۔ ہم ہر ایک

کی کھلی اور چھپی سب باتوں کو جانتے ہیں، کسی کا کوئی عمل خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، علانیہ کیا ہو یا چھپا کر، ہم سے پوشیدہ نہیں۔ اس لئے جو کچھ کرو خوب سوچ سمجھ کر کرو اور جان لو کہ ایک روز تم سب کو ہمارے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس وقت ہم تم سب کو تمہارے اعمال نامے پڑھوائیں گے۔

(حقانی ج ۵، ص ۱۳۴)

اعمال جنت کی توفیق کا وعدہ

۱۳۰۸۔ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۞ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۞ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۞ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۞ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۞ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۞

ہم آپ کے لئے بہت آسانی پیدا کر دیں گے، اگر نصیحت کرنا فائدہ دے تو آپ نصیحت کرتے رہئے، جس کو خوف خدا ہوگا وہ جلد نصیحت قبول کر لے گا اور اس سے بدنصیب ہی دور رہے گا، جو بڑی آگ میں داخل ہوگا، پھر وہ اس میں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔

الذِّکریٰ: ذکر کرنا، نصیحت کرنا، یاد کرنا۔ مصدر ہے۔

یَتَجَنَّبُ: وہ دور رہتا ہے، وہ کنارہ کشی کرتا ہے، وہ ترک کرتا ہے، وہ اجتناب کرتا ہے۔ تَجَنُّبٌ سے مضارع۔

تشریح: ہم آپ کے لئے وحی الٰہی کو یاد رکھنا آسان کر دیں گے اور اللہ کی معرفت وعبادت اور امت کی فلاح وصلاح کے طریقے سہل کر دیں گے اور کامیابی کی راہ سے تمام مشکلات دور کر دیں گے۔ اس لئے آپ بھی وعظ وتذکیر کے ذریعے لوگوں کو نفع پہنچاتے رہئے۔ آپ کا کام نصیحت کر دینا اور لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے، اگر کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا تو آپ کو اس پر رنجیدہ اور افسردہ ہونے کی ضرورت نہیں، آپ کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ جیسے ارشاد ہے۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۞

اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں، سو آپ تو اس شخص کو نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہو۔ (ق، ۴۵)

پھر فرمایا کہ سمجھانے اور نصیحت کرنے سے وہی سمجھتا ہے اور نصیحت پر غور کرتا اور اس سے فائدہ اٹھاتا ہے جس کے دل میں تھوڑا بہت اللہ کا ڈر اور اپنے انجام کی فکر ہو ورنہ بدبخت و بدنصیب تو اس نصیحت اور پیغام ہدایت سے دور ہی رہتا اور اجتناب کرتا ہے، ایسا شخص جہنم کی آگ میں داخل ہوگا جہاں نہ اسے موت آئے گی کہ مر کر عذاب سے چھٹکارا پالے اور نہ وہ وہاں زندگی کی کوئی راحت و چین پائے گا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کے ہولناک عذاب میں رہے گا۔

(عثمانی/ ج ۲، ص ۸۰۴، مظہری/ ج ۱۰، ص ۲۴۵)

فلاح پانے والے

۱۴، ۱۹۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۭ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۧ

بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی حاصل کی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا (اور) نماز پڑھتا رہا، تم دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور بہت باقی رہنے والی ہے، بیشک یہ بات پہلے صحیفوں میں بھی ہے (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

تشریح: جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اپنے آپ کو اخلاق رذیلہ اور ظاہری و باطنی نجاستوں سے پاک کرلیا، اپنے دل دماغ کو عقائد صحیحہ، اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ سے آراستہ کرلیا، احکام اسلام کی پیروی کی اور نماز کو ٹھیک وقت پر تعدیل ارکان کے ساتھ ادا کیا تو اس نے نجات اور فلاح پالی۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى تلاوت کر کے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی دے،

اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور میری رسالت کی گواہی دے اور پانچوں وقت کی نماز کی پوری طرح حفاظت واہتمام کرے، وہ فلاح پاگیا اور پاکیزہ ہوگیا۔

پھر فرمایا کہ تم یہ بھلائی کیسے حاصل کر سکتے ہو جب کہ تمہیں نہ صرف یہ کہ آخرت کی فکر نہیں بلکہ تم تو اس دنیا کی زندگی اور اس کے عیش وآرام کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دیتے ہو، حالانکہ تمہارا فائدہ اور نفع آخرت کی زندگی کو دنیا کی چندروزہ زندگی پر ترجیح دینے میں ہے، دنیا ذلیل و حقیر اور فانی ہے اور آخرت اس سے کہیں بہتر، پائدار اور باقی رہنے والی ہے۔ کوئی عقل مند آدمی فانی کو باقی پر ترجیح نہیں دے سکتا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے آخرت سے محبت کی اس نے دنیا کو نقصان پہنچایا، سو تم باقی رہنے والی کو فنا ہونے والی پر ترجیح دو۔

پھر فرمایا کہ یہ فلاح وسعادت اور نصیحت کا بیان حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی تھا، پس جو نصیحت پہلی کتابوں اور صحیفوں میں جلیل القدر انبیاء پر نازل ہو چکی ہے، اس کی عظمت وافادیت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہو سکتا، اس لئے لوگوں کو حیات دنیا کی بجائے آخرت کی فلاح وسعادت کی فکر کرنی چاہئے۔

(روح المعانی / ج ۳۰، ص ۱۰۹، ۱۱۰، ابن کثیر / ج ۴، ص ۵۰۱)

سورۃ الغاشیہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ غاشیۃ (چھپا لینے والی) آیا ہے، جس سے مراد قیامت ہے، اسی لئے اس کا نام سورۃ الغاشیہ ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۶ آیتیں، ۹۲ کلمات اور ۳۸۱ حرف ہیں، یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت سے سورۃ الاعلیٰ میں گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین اور نماز جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔

مؤطا امام مالک، ابوداؤد، مسلم، ابن ماجہ اور نسائی میں ہے کہ آپ جمعہ کے دن (نماز جمعہ کی) پہلی رکعت میں سورۃ الجمعہ اور دوسری میں ھل اتک حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے۔

(مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۳۶۱، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۲)

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی قیامت اور بعث بعد الموت کے احوال، کافروں کو پیش آنے والے مصائب و شدائد اور مومنوں کے اعزاز و اکرام کا بیان ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے دلائل وشواہد مذکور ہیں۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں انسان کو اللہ کی پاکی بیان کرنے کا حکم اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے کی ترغیب تھی، نیز یہ بتایا گیا تھا کہ ایمان وتقویٰ ہی نجات کا معیار ہے۔ اس سورت میں قیامت کی چونکا دینے والی خبر سے انسان کی اس غفلت کو دور کیا گیا ہے جو دنیاوی لذتوں سے اس پر طاری ہوگئی ہے۔

قیامت کی خبر

۱۔ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ①

کیا آپ کو چھپا لینے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے؟

الغاشیۃ: اچانک ڈھانک لینے والی (قیامت)، اچانک چھا جانے والی۔ غَشْیٌ وغِشَاءٌ سے

اسم فاعل ۔

تشریح: اے مخاطب! کیا تجھے ایک چھپا لینے والی چیز (قیامت) کی خبر پہنچی جو تمام مخلوق پر اچانک اس طرح چھا جائے گی جیسے رات کی تاریکی دن کی روشنی پر چھا جاتی ہے۔ اس وقت تمام کائنات اور اس کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء یہ خبر دیتے چلے آئے ہیں اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ لوگوں کو یہ خبر نہ پہنچی ہو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک الغاشیہ سے مراد قیامت ہے جو اچانک آ کر تمام کائنات اور مخلوقات پر چھا جائے گی۔

ابن ابی حاتم میں عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے کہ ایک عورت کی قرآن پڑھنے کی آواز آئی، آپ کھڑے ہو کر سننے لگے۔ اس نے یہ آیت هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ پڑھی آپ نے جواب میں فرمایا نَعَمْ قَدْ جَاءَ نِیْ، یعنی ہاں میرے پاس قیامت کی خبر پہنچ چکی ہے۔ (روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۱۱۲، ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۲)

اہل دوزخ کا حال

۲۔۷۔ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ تَصْلٰی نَارًا حَامِیَةً ۙ تُسْقٰی مِنْ عَیْنٍ اٰنِیَةٍ ؕ لَیْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِیْعٍ ۙ لَّا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ ؕ

اس دن بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے، محنت کرنے والے (اور) تھکے ہوئے، دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، ان کو کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا۔ ان کا کھانا ایک خاردار جھاڑ کے سوا کچھ نہ ہوگا جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔

نَاصِبَةٌ: محنت کرنے والی، مصیبت جھیلنے والی، تھکی ماندی۔ نَصَبٌ سے اسم فاعل۔

حَامِیَةٌ: دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی۔ حَمْیٌ سے اسم فاعل۔

اٰنِیَةٌ: سخت کھولتی ہوئی۔ اِنیٌ سے اسم فاعل۔

ضَرِیْعٍ: خاردار جھاڑ، کانٹے دار گھاس، دوزخ کا ایک کانٹے دار درخت جو بہت کڑوا، بدبودار، اور آگ سے زیادہ گرم ہوگا۔

تشریح: قیامت کے روز بہت سے چہرے اس کی ہیبت اور ہولناکی سے ذلیل، خائف، خستہ حال اور تھکے ہوئے نظر آئیں گے، اگرچہ انھوں نے دنیا میں بڑی بڑی محنتیں کی ہوں گی، سخت تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائی ہوں گی لیکن حق پر نہ ہونے کی بنا پر وہ سب برباد ہو جائیں گی۔ دنیا میں بھی تکلیفیں اٹھائیں اور آخرت میں بھی مصیبت میں رہیں گے اسی کا نام ہے خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۝ (الحج ۱۱) ''اس نے دنیا اور آخرت کا نقصان اٹھایا یہی صریح خسارہ ہے''۔

آخرت کے عذاب کے آثار دیکھ کر ان کے چہروں پر بدحواسی طاری ہوگی، پھر ان کو منہ کے بل دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ۝

اس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) کہ دوزخ کی آگ لگنے کا مزہ چکھو۔ (القمر، ۴۸)

اور ارشاد ہے:

وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝

اور جو لوگ برائی لے کر آئیں گے وہ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا کہ) تمہیں وہی بدلہ مل رہا ہے جو تم (دنیا میں) کرتے تھے۔ (النمل، ۹۰)

جب جہنم کی گرمی سے ان کو سخت پیاس لگے گی اور وہ پیاس پیاس پکاریں گے تو ان کو ایک کھولتے ہوئے چشمے کا پانی پلایا جائے گا، جس کو پیتے ہی ہونٹ جل جائیں گے اور آنتیں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑیں گی، پھر ان کے ہونٹوں اور آنتوں کو ٹھیک کر دیا جائے گا، وہ پیاس پیاس پکاریں گے تو وہی کھولتے ہوئے چشمے کا پانی دیا جائے گا، وہ ہمیشہ اسی طرح عذاب میں گرفتار رہیں گے، وہاں ان کو کھانے کے لئے ضریع دیا جائے گا جو آگ کا ایک خاردار درخت ہوگا، یہ بدترین اور نہایت برا کھانا ہوگا جو نہ بدن کو بڑھائے گا، نہ بھوک دور کرے گا اور نہ توانائی پہنچائے گا۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۲، ۵۰۳، عثمانی/ ج ۲، ص ۸۰۶، ۸۰۷)

مومنین کا انعام

۸-۱۶۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ
لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۙ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۘ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ
وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ۙ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۙ

اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے، اپنے اعمال سے خوش ہوں گے، بلند باغوں میں ہوں گے جہاں کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔ اس میں بہتا ہوا چشمہ ہوگا اور اونچے تخت ہوں گے اور آب خورے رکھے ہوئے ہوں گے اور قطار سے رکھے ہوئے تکیے ہوں گے اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے۔

نَاعِمَةٌ: خوش۔ تر و تازہ، آسودہ زندگی والی۔ نُعُوْمَۃٌ سے اسم فاعل۔

سُرُرٌ: تخت۔ واحد سَرِیْرٌ۔

اَکْوَابٌ: کوزے، آب خورے، پانی پینے کے برتن۔ واحد کُوْبٌ

مَوْضُوْعَةٌ: رکھی ہوئی۔ وَضْعٌ سے اسم مفعول۔

نَمَارِقُ: تکیے، گدے، بچھونے۔ واحد نَمْرُقَۃٌ

زَرَابِیُّ: قالین، مخمل کے گدے، نفیس بچھونے، عمدہ فرش، واحد زِرْبٌ

مَبْثُوْثَةٌ: بچھے ہوئے، پھیلے ہوئے، منتشر۔ بَثٌّ سے اسم مفعول۔

تشریح: مجرموں اور نافرمانوں کا حال بیان کرنے کے بعد ان آیتوں میں نیک لوگوں کے احوال اور ان کے انعام کا بیان ہے کہ اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ اور مسرور ہوں گے، انھوں نے دنیا میں اعمال صالحہ اور احکام شرعیہ کی اطاعت و پابندی کے لئے جو کوششیں کی تھیں، قیامت کے روز وہ اپنی جہد و سعی کا ثمرہ اور انعام دیکھ کر خوش ہوں گے، وہ عالی مرتبہ اور بلند مقام والی جنت کے محلات اور بالا خانوں میں ہوں گے جہاں سکون و اطمینان کا یہ عالم ہوگا کہ ان کے کانوں میں کوئی لغو اور بیہودہ بات نہیں پڑے گی۔ جیسے ارشاد ہے:

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ (مریم ۶۲)

وہ وہاں صرف سلامتی کی بات سنیں گے اور کوئی لغو بات نہیں سنیں گے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ۝ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝

وہ وہاں کوئی لغو بات سنیں گے اور نہ گناہ کی بات، صرف سلام ہی سلام کی آواز ہوگی۔ (الواقعہ۔ ۲۵، ۲۶)

پھر فرمایا کہ جنت میں صاف و شفاف پانی کے بہتے ہوئے چشمے، بلند و بالا تخت، چشموں کے کنارے نہایت قرینے اور سلیقے سے رکھے ہوئے گلاس، قطاروں میں لگے ہوئے نرم و لطیف ریشمی گدے ہوں گے اور ہر طرف قالین پھیلے ہوئے ہوں گے۔ یہ ہیں وہ نعمتیں اور اعزاز و اکرام جو قیامت کے روز اہل ایمان اور اللہ کے فرماں بردار بندوں کو ملیں گے، اس لیے ان کے چہرے فرحت و خوشی سے چمک رہے ہوں گے۔

توحید کے دلائل

۱۷۔۲۰۔ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۝

کیا یہ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ وہ کیسا (عجیب) پیدا کیا گیا ہے اور آسمان کو کہ وہ کیسا بلند کیا گیا ہے اور پہاڑوں کو کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔

الْاِبِلِ: اونٹ، اسم جنس ہے یعنی واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

نُصِبَتْ: وہ (پہاڑ) کھڑے کئے گئے، وہ بلند کئے گئے۔ نَصْبٌ سے ماضی مجہول۔

سُطِحَتْ: وہ بچھائی گئی۔ سَطْحٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: ان آیتوں میں ان چار چیزوں کا ذکر ہے جو قرآن کے مخاطب عربوں کے پیش نظر ہر وقت رہتی تھیں، یعنی اونٹ، آسمان، پہاڑ اور زمین، ایک عرب بدوی جب اپنے اونٹ پر سوار ہو کر نکلتا تھا تو زمین اس کے نیچے ہوتی تھی اور آسمان اس کے اوپر، پہاڑ اس کے دائیں بائیں اور سامنے ہوتے تھے اور وہ خود اونٹ پر سوار ہوتا تھا، اونٹ ہی عربوں کا عزیز ترین مال تھا، کیوں کہ ان کی تمام ضروریاتِ زندگی اسی سے وابستہ تھیں، وہ اس کا گوشت کھاتے تھے، اسی کا دودھ پیتے تھے، اسی پر سامان لادتے اور سواری کرتے تھے، اونٹ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ لمبی گردن ہونے کی بنا پر درختوں کے پتے کھا

کر گزارہ کر لیتا ہے، اگر صحرا میں کئی روز تک پانی نہ ملے تب بھی یہ گزارہ کر لیتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو ان چیزوں میں غور و فکر کی دعوت دی کہ اگرچہ تمام موجوداتِ عالم اس کی قدرت و خالقیت پر دلالت کر رہی ہیں لیکن ذرا ان چار چیزوں ہی پر نظر ڈال لو اور ان میں غور و فکر کر لو کہ ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حسن خلاقیت پر دلالت کر رہی ہے۔ اونٹ ہی کو دیکھو کہ کیسی عجیب و غریب ہیئت اور کیسی عظیم جسامت کا مالک ہے اور مضبوط و قوی ہے، اس کے باوجود کتنی آسانی سے بوجھ لدوا لیتا ہے اور ایک چھوٹے سے بچے کے ساتھ نہایت فرمانبرداری سے چل پڑتا ہے۔

پھر فرمایا کہ یہ لوگ آسمان کو کیوں نہیں دیکھتے اور اس میں غور کیوں نہیں کرتے کہ ہم نے اس کو کسی ستون اور سہارے کے بغیر کس طرح بلند کیا اور کس طرح اس کو چاند ستاروں سے مزین کیا ہے۔ پہاڑوں کو دیکھو کہ زمین پر کس طرح تنے ہوئے ہیں، بلند و بالا ہونے کے باوجود ذرا بھی ادھر ادھر نہیں جھکتے، ان میں کیسی کیسی قیمتی معدنیات اور پانی کے چشمے ہیں۔ زمین پر نظر ڈالو کہ کس طرح پھیلا کر بچھائی گئی ہے، یہ سب ایسے دلائل قدرت ہیں کہ ہر شخص ان کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کوئی شخص اس کی قدرت اور خالقیت پر ایمان نہ لائے تو یہ اس کی انتہائی بدنصیبی ہے۔

منکرین کو نصیحت کرنے کا حکم

۲۱، ۲۶۔ فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ
وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾
ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

سو آپ تو نصیحت کرتے رہئے، بے شک آپ کا کام تو نصیحت کرنا ہی ہے، آپ ان پر حاکم نہیں ہیں (کہ زبردستی کریں) مگر جو روگردانی کرے اور منہ موڑے تو اللہ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا، بے شک ان کو ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے، پھر بیشک ان سے حساب لینا ہمارے ہی ذمہ ہے۔

مُصَيْطِرٍ: داروغہ، حاکم، نگران۔ سَيْطَرَةٌ سے اسم فاعل، اصل میں مُسَيْطِرٍ تھا۔ س کو ص سے بدل دیا جیسے سراط کو صراط کیا گیا۔

اِیَابًا: لوٹنا، واپس آنا۔ مصدر ہے۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جب یہ لوگ ان واضح دلائل کے باوجود غور نہیں کرتے تو آپ کو بھی ان منکرین مکذبین کے لئے زیادہ پریشان اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، بلکہ آپ تو ان کو نصیحت کرتے رہئے کیوں کہ آپ نصیحت کرنے اور سمجھانے ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اگر یہ نہیں سمجھتے تو آپ زبردستی ان کے دلوں میں ایمان پیدا نہیں کر سکتے اور نہ انہیں ایمان لانے پر مجبور کر سکتے ہیں اور نہ ان کے دلوں کو بدل سکتے ہیں، یہ کام تو مقلب القلوب ہی کا ہے، البتہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرے گا اور کفر و شرک پر قائم رہے گا تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو بہت بڑا عذاب دے گا۔ اس دن کوئی کافر و منکر اپنے آپ کو اس عذاب سے نہیں بچا سکے گا۔ یقیناً ان سب کو لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے، اور ان سے ان کی بداعمالیوں کا حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے، لہٰذا کوئی کافر اور مجرم ہماری گرفت اور ہمارے حساب سے نہیں بچ سکتا اور نہ کوئی مجرم ہمارے عذاب سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ (عثمانی / ج ۲، ص ۸۰۷، ۸۰۸)

سورۃ الفجر

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا الفجر کی قسم سے کی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الفجر ہوگیا۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۳۰ آیتیں، ۱۳۹ کلمات اور ۵۹۷ حرف ہیں، جمہور کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے۔ اس کی ابتدا میں بعض سابقہ اقوام کے واقعات کا اجمالی ذکر اور ان کے انکار و نافرمانی کی سزا میں عذاب الٰہی سے ان کی تباہی مذکور ہے۔ پھر بندوں کی آزمائش، آخرت کے احوال اور حشر کے دن واقع ہونے والے ہولناک امور کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں قیامت کے ہولناک احوال بیان کئے گئے تھے، اس سورت میں بعض سابقہ اقوام کے عبرتناک انجام کا بیان ہے، تاکہ انسان ان سے سبق حاصل کرے اور جان لے کہ جب ایسی طاقتور قومیں نافرمانی کی سزا میں نشان عبرت بنادی گئیں تو کس کی مجال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اس کے عذاب سے بچ سکے۔

پانچ قسمیں

۱،۵۔ وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب چلنے لگے (گزرنے لگے) کیا ان چیزوں کی قسم عقلمند کے لئے کافی ہے۔

حِجْر: عقل، دانا، ممنوع، روکنا، رکاوٹ، قوم ثمود کی بستی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں پانچ چیزوں کی قسم کھا کر کہا کہ تم اس دنیا میں جو کچھ کر رہے ہو اس پر جزا یا سزا کا ہونا لازمی اور یقینی ہے۔ بلاشبہ تمہارا رب تمہارے اعمال کی نگرانی میں ہے، چوں کہ یہ دنیا عمل کی جگہ ہے بدلہ پانے کی نہیں، اس لئے اس کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہے کہ اعمال کی جزا کے لئے ایک

دن مقرر ہو اور اس میں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے اسی کا نام قیامت ہے،

یہاں جن پانچ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ **والفجر**: فجر کی قسم یعنی صبح صادق کے وقت کی قسم۔ بعض مفسرین کے نزدیک فجر سے مراد بقرعید کے دن کی صبح ہے۔

۲۔ **ولیالٍ عشر**: اور دس راتوں کی قسم۔ صحیح قول کے مطابق اس سے ماہ ذی الحجہ کی پہلی دس راتیں مراد ہیں، مسند احمد اور بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں (عشرۂ ذی الحجہ) کی عبادت سے زیادہ محبوب کوئی عبادت نہیں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کی راہ کا جہاد بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، مگر وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کیا اور پھر کچھ بھی ساتھ لے کر نہ پلٹا۔

۳۔ **وَالشَّفْعِ**: اور جفت کی قسم۔ یعنی جفت اعداد ۲، ۴، ۶، ۸ وغیرہ۔

۴۔ **وَالْوَتْرِ**: اور وتر کی قسم، یعنی طاق، مفرد اعداد ۱، ۳، ۵ وغیرہ۔

مسند احمد میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشر سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں، وتر سے مراد عرفہ کا دن یعنی ۹ ذی الحجہ ہے جو طاق ہے اور الشفع سے مراد قربانی کا دن ہے یعنی دس ذی الحجہ ہے جو جفت ہے۔

۵۔ **وَالَّیْلِ اِذَا یَسْرِ**: اور رات کی قسم جب وہ ختم ہونے لگے۔

پھر فرمایا کہ یہ قسمیں معمولی نہیں بلکہ نہایت معتبر اور مہتم بالشان ہیں، کیا عقلمندوں کے لئے یہ قسمیں کافی نہیں۔ بلاشبہ ان احوال اور اوقات کی عظمت ہر صاحب عقل جانتا ہے، وہ خدا جس نے یہ قسمیں کھائی ہیں بڑی قدرت و عظمت والا ہے، وہ خالق و مالک اور واحد و یکتا ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری میں لگا رہے اور جان لے کہ نافرمانی کا انجام ہلاکت و بربادی ہے۔

(ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۵، روح المعانی/ ج ۳۰، ص ۱۱۹)

عاد و ثمود اور فرعون

۱۴،۶۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ

مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرْعَوْنَ
ذِي الْأَوْتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾

(اے پیغمبر ﷺ) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے قوم عاد کے ساتھ کیا (معاملہ) کیا جو ارم میں بڑے ستونوں والے تھے، جن کا مثل دنیا بھر میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جو وادی میں پتھر تراشا کرتے تھے اور فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا، ان سب نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور بہت فساد مچا رکھا تھا، آخر آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا، بیشک آپ کا رب (نافرمانوں کی) تاک میں ہے۔

اِرَمَ: ایک قبیلے کا نام، ایک قوم کا نام، یہ لوگ بڑے ڈیل ڈول والے اور بڑے طاقتور تھے، انہوں نے بڑی شاندار اور بڑے بڑے ستونوں والی عمارتیں بنائی تھیں، اس وقت دنیا میں کوئی قوم ان جیسی طاقتور اور متمدن نہ تھی۔

عِمَادِ: ستون، کھمبے۔ جمع عَمَدٌ

جَابُوْا: انھوں نے تراشا، انہوں نے کاٹا۔ جَوْبٌ سے ماضی۔

الاَوْتَادِ: میخیں، کھونٹیاں، واحد وَتَدٌ

صَبَّ: اس نے برسایا، اس نے اوپر سے ڈالا۔ صَبٌّ سے ماضی۔

سَوْطَ: کوڑا مارنا، سختی، شدت۔ جمع اَسْوَاطٌ

الْمِرْصَادِ: گھات لگانے کی جگہ، کمین گاہ۔ رَصَدٌ سے مبالغہ یا اسم ظرف۔

تشریح: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سرکش و متکبر قوم عاد کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح غارت کیا، یہاں عاد سے مراد عاد اولیٰ ہیں جو عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت ہود علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر ان کے پاس بھیجا تھا لیکن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور حضرت ہود کی تکذیب میں لگے رہے، قرآن کریم نے ان کو ذات العماد اس لئے کہا کہ یہ بڑے طویل القامت تھے، قوم عاد اپنے ڈیل ڈول اور قوت و طاقت میں دوسری قوموں سے ممتاز تھی،

ان کے بارے میں خود قرآن کریم نے کہا کہ ایسی طویل القامت اور قوی قوم اس سے پہلے دنیا میں پیدا نہیں کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان میں سے مومنوں کو تو نجات دے دی اور نافرمانوں کو تند و تیز ہواؤں سے ہلاک کر دیا، اپنے اس دعوے کے باوجود کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے (مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّۃً) یہ لوگ اللہ کی بھیجی ہوئی تیز اور ٹھنڈی ہوا کا مقابلہ نہ کر سکے اور اپنے ڈیل ڈول اور قوت کے ہوتے ہوئے ہوا کے تھپیڑوں سے اس طرح پچھاڑ کھا کر گرے کہ گویا کھجور کے کھوکھلے تنے ہیں، یہ ہوا مسلسل سات رات اور آٹھ دن تک ان پر مسلط رہی۔

قوم ثمود نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی تھی اور نافرمانی میں حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ یہ لوگ پتھروں کو تراش کر پہاڑوں کے اندر نہایت مضبوط اور کشادہ مکان بنایا کرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے:

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ (الشعراء:۱۴۹)

اور تم پہاڑوں کے پرتکلف گھر تراشتے ہو۔

ان کی سرکشی اور نافرمانی کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک سخت بھونچال سے تہ و بالا کر دیا جو ایک نہایت سخت آواز کے ساتھ آیا تھا۔

عاد و ثمود کے بعد فرعون نے اپنی قوت کے نشہ میں مست ہو کر دنیا میں خوب فساد برپا کیا۔ آخر جب اس کا کفر و تکبر اور جور و ستم حد سے بڑھا اور وہ کسی طرح راہ راست پر نہ آیا تو اس پر اللہ کا قہر نازل ہوا اور وہ اپنی قوم سمیت سمندر میں غرق ہو گیا، اس کو میخوں والا اس لئے کہا گیا کہ اس کو اپنی فوجی ضروریات کے لئے کثیر مقدار میں میخیں رکھنی پڑتی تھیں، یا یہ مطلب کہ وہ لوگوں کو ان کے ہاتھوں اور پیروں میں میخیں گاڑ کر سزا دیتا تھا۔

پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات کو دیکھ رہا ہے، قیامت کے روز وہ سب کو ان کے اعمال کی جزا یا سزا دے گا۔

انسان کی خود پسندی

۱۵، ۱۶۔ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ۝ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ

اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب اس کا رب اس کو آزماتا ہے اور اس کو عزت اور نعمت عطا کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت دی، اور جب اس کو (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

تشریح: جب اللہ تعالیٰ کسی کو رزق میں وسعت اور کشادگی اور صحت وتندرستی سے نوازتا ہے تو وہ وہ اس کو اپنی ذاتی صلاحیت، عقل وفہم اور سعی وعمل کا نتیجہ سمجھنے لگتا ہے، یہ تو اس کو ملنا ہی چاہئے تھا کیوں کہ وہ اس کا مستحق ہے، اگر وہ اللہ کے نزدیک مردود ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کو نعمتیں اور یہ وسعت وفراخی اور صحت وتندرستی نہ دیتا، یہ دونوں باطل اور شیطانی خیالات ہیں۔ حقیقت میں یہ وسعت وفراخی اور صحت وتندرستی اللہ کے نزدیک محبوب ومقبول ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔

اسی طرح جب اللہ کسی کے رزق میں تنگی کرتا ہے، اس کو فقر وفاقہ اور بیماری میں مبتلا کرتا ہے تو اس کو اپنی اہانت نہیں سمجھنا چاہئے اور نہ یہ اس کے مردود ہونے کی دلیل ہے، اس لئے اس پر خفا ہونے کی ضرورت نہیں کہ میں تو انعام واکرام کا مستحق تھا، مجھے اللہ نے ذلیل وحقیر کر دیا، وسعت و فراخی کی طرح تنگی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں لفظ کلّا کہہ کر دونوں باتوں کی تردید فرمادی کہ تمہارا خیال بالکل باطل اور بے بنیاد ہے، دنیا میں رزق کی وسعت، اللہ کے نزدیک نیک اور مقبول ہونے کی علامت نہیں، اسی طرح رزق میں تنگی اور فقر وفاقہ بھی اللہ کے نزدیک مردود یا ذلیل ہونے کی علامت نہیں، یہ دونوں حالتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر آتی ہیں، اس لئے جب کسی کو رزق میں وسعت وفراخی حاصل ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے اور اگر رزق میں تنگی ہو جائے تو صبر کرنا چاہئے۔

یتیم کے احترام کی تاکید

۱۷، ۲۰۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾
وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے اور نہ تم باہم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو اور میراث کا مال (بھی) سمیٹ کر کھا جاتے ہو، اور مال سے بھی بہت محبت رکھتے ہو۔

تَحٰضُّوْنَ: تم آپس میں تاکید کرتے ہو، تم آپس میں رغبت دلاتے ہو، مُحَاضَۃٌ سے مضارع، اصل تَتَحَاضُّوْنَ تھا ایک تا کو حذف کر دیا گیا کیوں کہ باب تفعل، تفاعل اور تفعلل میں جب دو تا، جمع ہو جائیں تو ایک تا، کو حذف کرنا جائز ہے۔

لَمًّا: جمع کرنا، درست کرنا، سارے کا سارا، لَمٌّ سے مضارع۔

جَمًّا: جی بھر کر، کثیر، بہت، شدید، صفت کے معنی میں مصدر ہے۔

تشریح: یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فقیر و تنگدست رکھ کر تمہاری بے عزتی کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس نے جو مال تمہیں دیا ہے اس کے شکر کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم نہ صرف یتیموں محتاجوں کی پرورش کرو اور ان کو ذلت و حقارت سے نہ دیکھو اور یتیموں کو ان کا پورا پورا حق دو بلکہ اپنے مال میں سے بھی ان پر خرچ کرو، ان کا احترام و اکرام کرو، ان سے محبت کرو اور ان سے اپنے بچوں کی طرح شفقت سے پیش آؤ کیوں کہ وہ باپ کی شفقت سے محروم ہیں، ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں، تم ان سے شفقت و احترام کا معاملہ تو کیا کرتے تم تو ان کو منہ بھی نہیں لگاتے، اور نہ ان کے حقوق ادا کرتے ہو، تمہاری یہی حرکتیں تمہاری ذلت و رسوائی اور روزی میں کمی کا سبب ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے اچھا گھروہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس سے بدسلوکی کی جاتی ہو، پھر آپ نے انگلی اٹھا کر فرمایا کہ میں اور یتیم کو پالنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یعنی قریب قریب۔ ابوداؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے کلمہ کی اور درمیان کی انگلی ملا کر دکھائی اور فرمایا کہ میں اور یتیم کو پالنے والا جنت میں اس طرح (قریب قریب) ہوں گے۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۰۹)

پھر فرمایا کہ تم لوگ خود تو اپنے مال میں سے کسی غریب و مسکین کو کیا دیتے تم تو دوسروں کو بھی بھوکوں اور محتاجوں کی خبر گیری کی ترغیب نہیں دیتے، تم تو الٹا یہ کہتے ہو کہ جب اللہ نے ان کو نہیں دیا اور ان پر رحم نہیں کیا تو ہم کیوں کریں، تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم میراث کا مال بھی حلال ہو یا حرام، حق ہو

یا ناحق سب سمیٹ کر کھا جاتے ہو اور اپنے حصے کے ساتھ کمزور عورتوں اور بچوں کے حصے بھی ہڑپ کر جاتے ہو، یہ سب اس لئے کہ تمہیں مال سے بہت محبت ہے، تمہارے دل حرص اور مال کی محبت سے بھرے ہوئے ہیں تم تو ایک پیسہ بھی اپنے ہاتھ سے اللہ کی رہ میں دینے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے حالاں کہ یہی مال کی محبت اور طمع تمام گناہوں اور برائیوں کی جڑ ہے، یہی جھوٹ بلواتی اور چوری کراتی ہے اور یہی مکر وفریب، دھوکہ دہی اور قتل وغارت کراتی ہے۔

آخرت کے احوال

۲۱، ۲۶۔ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿۲۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾

ہرگز نہیں! جب زمین کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دی جائے اور آپ کا رب آ جائے اور فرشتے صف بستہ (کھڑے) ہوں اور اس دن جہنم (بھی سامنے) لائی جائے، (تو) اس دن انسان نصیحت حاصل کرے گا اور اب نصیحت حاصل کرے گا کیا فائدہ، وہ کہے گا کاش میں نے اس زندگی کے لئے کچھ آگے بھیجا ہوتا، سو اس دن اللہ کے عذاب جیسا عذاب کسی کا نہ ہوگا اور نہ اس کی گرفت جیسی کسی کی گرفت ہوگی۔

دُکَّتِ: وہ ریزہ ریزہ کر دی گئی، وہ توڑی گئی، وہ ہموار کر دی گئی، دَکٌّ سے ماضی مجہول۔

یُوْثِقُ: وہ مضبوط باندھتا ہے، وہ جکڑتا ہے۔ اِیْثَاق سے مضارع۔

تشریح: جب تمام ٹیلے اور پہاڑ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیئے جائیں گے اور تمام زمین بالکل ہموار اور چٹیل میدان ہو جائے گی، تمام مخلوق قبروں سے نکل آئے گی اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے فیصلے کرنے کے لئے اپنی شان کبریائی کے لائق میدان حشر میں آئے گا، اللہ تعالیٰ کے آنے کی شان کیا ہوگی اس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ متشابہات میں سے ہے۔ اس روز جہنم بھی اہل محشر کے سامنے لائی جائے گی۔ اس وقت فرشتے صف بستہ حاضر ہوں گے اور تمام مخلوق اور فرشتے منتظر ہوں گے کہ کیا

فرمان الٰہی صادر ہوتا ہے۔

مسلم میں حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس روز جہنم کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے گھسیٹ رہے ہوں گے۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۱۰)

اس دن انسان اپنے تمام اعمال کو یاد کرے گا اور سوچے گا کہ یہ کیا ہوا۔ میں نے کتنی بڑی غلطی کی کہ ساری عمر غفلت اور نافرمانی میں گزار دی مگر اس وقت کا سوچنا کہاں کام آئے گا۔ سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کا موقع تو دنیا میں تھا جو اس نے ضائع کر دیا۔ پھر بڑی حسرت سے کہے گا کہ کاش میں اپنی اس زندگی کے لئے پہلے سے کچھ بھیج دیتا جو اب کام آتا اور ان مصائب و شدائد سے دو چار نہ ہونا پڑتا۔

پھر فرمایا کہ اس دن اللہ کی سزا جیسی سخت سزا کسی کی نہ ہوگی، جو وہ اپنے نافرمان بندوں کو دے گا اور نہ اس جیسی سخت پکڑ اور قید و بند کسی کی ہو سکتی ہے۔ فرشتے نافرمانوں کو بدترین بیڑیاں اور جھکڑیاں پہنائے ہوئے ہوں گے۔

رضائے الٰہی کی سند

۲۷، ۳۰۔ يَآأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِيٓ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝
فَادْخُلِي فِي عِبٰدِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝

اے مطمئن روح! اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی،
سو تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

تشریح: مجرموں اور ظالموں کے احوال بیان کرنے کے بعد اب ان لوگوں کا انجام بتایا جا رہا ہے جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی اطاعت سے ایسا آرام و سکون ملتا ہے جیسا مچھلی کو پانی میں حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۝ (الرعد، ۲۸)

آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

اسی لئے مسنون یہ ہے کہ آدمی خوف و اندوہ کے وقت نماز اور یاد الٰہی میں مشغول ہو جائے۔
ایسا سکون و اطمینان اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب نفس کو امارہ بنانے والی صفات رذیلہ

سے بالکل پاک کرلیا جائے۔ قیامت کے روز ایسے ہی لوگوں سے کہا جائے گا کہ اے نفس مطمئنہ جس محبوب حقیقی سے تو لو لگائے ہوئے تھا اب راضی خوشی اس کے مقام قرب کی طرف چل، اس کے خاص بندوں کے زمرے میں ہو کر اس کی عالیشان جنت میں قیام کر جو اس کی رضا کا مقام ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو یہ کلام اس وقت ہوگا جب وہ حساب سے فارغ ہو جائیں گے، بعض نے کہا کہ جب قیامت کے دن قبروں سے اٹھائے جائیں گے اس وقت یہ بشارت دی جائے گی اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت بھی یہ بشارت سنائی جاتی ہے۔

ابن عساکر میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا کہ یہ دعا پڑھا کر:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّةً تُوْءِ مِنُ بِلِقَائِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِکَ۔ (ابن کثیر/ ج۴،ص۵۱۱)

اے اللہ! میں تجھ سے ایسا نفس طلب کرتا ہوں جو تیری ذات پر اطمینان اور بھروسہ رکھتا ہو، تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، تیری قضا پر راضی ہو اور تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہو۔

یہاں جنت میں داخل ہونے سے پہلے اللہ کے نیک اور مخلص بندوں میں شامل ہونے کا حکم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدمی دنیا میں نیک صالح لوگوں کی محبت و معیت اختیار کرکے اس کے نیک و مخلص بندوں میں شامل ہو جائے تو ان کے ساتھ وہ بھی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اسی لئے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی دعا میں فرمایا:

وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ۝

اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔ (النمل،۱۹)

اور حضرت یوسف نے فرمایا:

وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

اور مجھے صالحین کے ساتھ ملادے۔ (یوسف،۱۰۱)

سورۃ البلد

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا مکہ معظمہ کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ البلد ہے۔ اس کو سورۃ لا اقسم بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۰ آیتیں، ۸۲ کلمات اور ۳۲۰ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکیہ ہے، دیگر مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی عقیدۂ توحید، قیامت اور جزا وسزا کا اثبات ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر میں پانچ اہم امور کی قسم کھا کر ہر صاحب عقل و فہم کو اس امر کی دعوت دی تھی کہ وہ عقل وفطرت کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وقدرت کو پہچانے، اس کی خالقیت اور ربوبیت پر ایمان لائے، اسی میں دنیا وآخرت کی فلاح ہے۔ جو قومیں سرکشی و نافرمانی پر قائم رہتی ہیں جیسے عاد وثمود اور فرعون وغیرہ تو وہ عبرتناک انجام سے دوچار ہوتی ہیں۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے سرزمین مکہ کی قسم کھا کر مخاطب کو اس کی عظمت کی جانب متوجہ کیا ہے اور انسان کو حق وہدایت کی ترغیب اور ہلاکت وشر سے بچنے کی تنبیہ کی ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۴۵۷/۳۰ معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ ۴۵۴/۸)

حرم میں قتال کا حلال ہونا

۲،۱۔ لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی اور اس شہر میں آپ پر ممانعت نہیں رہے گی۔

تشریح: لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ: میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔ یہاں یا تو لا زائدہ ہے اور قسموں میں یہ حرف زائد لانا عرب محاورے میں عام اور مشہور ہے۔ یا یہ لا نافیہ ہے جو مخاطب کے خیال باطل

تردید کے لئے قسم کے شروع میں لایا جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تمہارا جو خیال ہے وہ صحیح نہیں بلکہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ حقیقت وہ ہے جو میں بیان کر رہا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عاد وثمود اور فرعون وغیرہ کا حال بیان کیا تو مشرکین مکہ کہنے لگے کہ اگر آپ ﷺ اپنی بات میں سچے ہیں تو ہم پر بھی عاد وثمود جیسا عذاب نازل کرا دیں اور مکہ شہر کو غارت کرا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ یہ شہر مقدس ومحترم اور حضرت خلیل اللہ کا بنایا ہوا ہے، یہ دنیا کا سب سے پہلا معبد ہے، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی شہر میں مقیم ہیں، یہ ان کا مولد اور اسلام و برکات کا سرچشمہ ہے۔ پھر تم جیسے بیہودہ لوگوں کے کہنے سے ہم اس کو کیوں غارت کریں۔ تم خود ہی برباد ہو جاؤ گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ ان کو عذاب دے اور آپ ان میں موجود بھی ہوں اور جب تک وہ (کمزور مسلمان جو ہجرت نہیں کر سکتے تھے اور مکہ میں رہ گئے تھے) معافی مانگتے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان (مشرکوں) کو عذاب نہیں دے گا۔ (انفال ۳۳)

پھر آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان بدبختوں کی شرارت کے سبب آپ کے لئے ایک مرتبہ ان سے انتقام لینا اور ان کو سزا دینا حلال ہونے والا ہے جس میں کوئی گناہ اور حرج نہ ہوگا اور جو کچھ اس میں ملے وہ آپ کے لئے حلال ہوگا۔ یہ حکم صرف اسی وقت کے لئے ہوگا جس میں آپ کو قتال کی اجازت دی جائے گا۔

ابو شریح خزاعی سے روایت ہے کہ بنو خزاعہ نے جب بنی ہذیل کا ایک شخص قتل کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا، آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! بلا شبہ اللہ نے مکہ کو اسی روز سے حرمت والا شہر قرار دیا ہے جب اس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی تھی سو یہ قیامت تک کے لئے حرمت والا ہے۔ کسی شخص کے لئے جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ وہ اس میں خون بہائے، نہ یہ کہ اس کے درخت کاٹے۔ یہ بات نہ تو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال تھی نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگی اور میرے لئے بھی صرف ایک ساعت کے لئے حلال ہوئی تھی،

اللہ کے غضب کے طور پر ۔ اس کے بعد اس کی حرمت اپنی جگہ پر پھر لوٹ آئی ہے سو اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلال کر دیا تھا تو تم کہہ دینا کہ بلا شبہ اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اسے حلال کیا تھا اور یہ تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

(مسند احمد/ ج ۴، ص ۶۱۵، رقم ۱۵۹۴۲)

اللہ تعالیٰ نے مکی زندگی میں یہ وعدہ اس وقت فرمایا تھا جب اسلام اور مسلمانوں کی حالت کے پیش نظر کوئی اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ اللہ کا وعدہ ۸ھ میں فتح مکہ کی صورت میں اس طرح پورا ہوا کہ آپ بیت اللہ کے سامنے کھڑے تھے اور سرداران عرب سرنگوں معافی مانگتے ہوئے آپ کے سامنے حاضر ہو رہے تھے اور آپ ان کو معاف فرماتے جاتے تھے۔

انسان کا غرور

۳، ۷۔ وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ۝ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝ یَقُوْلُ اَهْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝

اور قسم ہے والد کی اور اس کی اولاد کی کہ ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے والا) پیدا کیا ہے۔ کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ وہ کسی کے قابو میں نہیں آئے گا۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو کسی نے دیکھا ہی نہیں۔

کَبَدٍ: دشواری، محنت، مشقت کرنا۔ سختی۔ مصدر و اسم۔

لُبَدًا: کثیر (مال)، تہ بہ تہ، چمٹنا۔ لُبُود، لُبَدٌ سے صفت مشبہ۔

تشریح: قسم ہے اس محترم شہر کی اور باپ کی اور اولاد کی یعنی آدم اور اولاد آدم کی۔ بیشک ہم نے انسان کو بہت ہی مشقت میں پیدا کیا ہے۔ وہ ابتدائے عمر سے آخر تک سخت محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے اور طرح طرح کے آلام و مصائب سے گزرتا ہے۔ ان مشقتوں اور مصائب و آلام کو دیکھ کر کوئی بھی عقل و فہم رکھنے والا آدمی اندازہ کرسکتا ہے کہ انسان کس قدر عاجز و بے بس ہے اور اس کو پیش آنے والے تمام مصائب و حوادث ایک قادر مطلق کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ حقیقت میں وہی اس کا خالق و مالک اور

معبود و مسجود ہے۔ اس لئے ہر انسان کو اپنے خالق کا مطیع و فرماں بردار رہنا چاہئے لیکن جو لوگ نافرمان اور کافر ہیں وہ بڑی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ قیامت اور جزا اور سزا کے مرحلے سے غافل ہیں۔

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ کسی کو اس پر قدرت حاصل نہیں جو اس کے کفر و نافرمانی پر اس کو سزا دے سکے اور اس سے اس کے مال کے بارے میں پوچھے کہ کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ وہ کہتا ہے کہ اس نے اپنی حفاظت اور بے دینی کے فروغ کے لئے بڑا مال خرچ کیا ہے، عمدہ گھوڑے اور ہتھیار خریدے ہیں اور تنخواہیں دے کر لوگوں کو تیار کیا ہے (جیسا کہ مشرکین مکہ اسلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اپنا مال خرچ کرتے تھے) اب ان محافظ قلعوں، جانباز فوج اور خادمین کے ہوتے ہوئے اسے کون پکڑ سکتا ہے اور بداعمالیوں کی سزا دے سکتا ہے۔ اس کی یہ سوچ قطعاً غلط ہے۔ اس کے تمام اسباب و وسائل اور فوج و محافظین اس کو اللہ تعالیٰ کی گرفت اور اس کے عذاب سے ہرگز نہیں بچا سکتے۔ وہ قادر مطلق ہے، ہر چیز اور ہر شخص ہر وقت اس کے علم اور احاطۂ قدرت میں ہے۔

وہ قادر مطلق کی قدرت کاملہ پر غور کیوں نہیں کرتا کہ وہ کیا تھا اور اس کو کیا بنا دیا۔ کیا اس کی پہلی حالت کسی نے نہیں دیکھی جب وہ ایک حقیر قطرۂ آب تھا۔ پھر پیدا ہوا تو ایسا بے بس تھا کہ اپنے اوپر سے مکھی بھی نہیں ہٹا سکتا تھا، نہ کچھ ہوش و ادراک تھا اور نہ اس کے پاس کچھ مال و زر اور زور و بل تھا۔ پھر جس نے اس کو یہ زور و زر اور ہوش و ادراک عطا کی، کیا وہ اس کو واپس نہیں لے سکتا۔ وہاں مال و زر کچھ کام نہیں آتا۔

خیر و شر کے راستے کی راہنمائی

۸-۱۰۔ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝

کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے) اور ہم نے تو اس کو دونوں راہیں (خیر و شر) دکھا دیں۔

شَفَتَيْنِ: دو ہونٹ۔ شَفَةٌ کا تثنیہ۔ جمع شِفَاهٌ و شَفَوَاتٌ۔

اَلنَّجْدَيْنِ: دو راستے، نیکی اور بدی کے راستے۔ نَجْدٌ کا تثنیہ۔ جمع اَنْجُدٌ وَ نُجُوْدٌ۔

تشریح: کیا ہم نے انسان کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے جن سے وہ سب کچھ دیکھتا ہے، دن رات بولتا ہے اور اللہ کی پیدا کی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور ہم نے عقل و فہم اور

انبیاء کے ذریعے اس کو خیر اور شر دونوں راستے دکھادئے، تاکہ وہ برے راستے سے بچے اور اچھے راستے پر چلے۔ اب یہ اپنی عقلی اور فکری صلاحیت کو استعمال کر کے معلوم کرسکتا ہے کہ کیا چیز خیر ہے اور کیا شر ہے۔ کونسی بات مفید ہے اور کونسی نقصان دہ۔ اب بھی اگر یہ شر اور گمراہی کا راستہ اختیار کرے تو قیامت کے دن اس کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔

پس جس رب العالمین نے انسان اور ہر جاندار کو آنکھیں اور بینائی عطا کی ہے تو کیا وہ انسان کے اعمال واطوار کو نہیں دیکھتا، جس نے سب کو بینائی دی وہ یقیناً سب سے بڑھ کر بینا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں اور صلاحیتوں کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی گمراہی اور شر کا راستہ چھوڑ کر ہدایت اور خیر کا راستہ اختیار کرے اور اس کی اطاعت وفرماں برداری میں زندگی گزارے، بعض مفسرین نے نجدین سے عورت کے پستان مراد لئے ہیں، یعنی بچے کو دودھ پینے اور غذا کا راستہ بتادیا۔

دین کی گھاٹی

۱۱، ۱۶۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝

پھر (بھی) وہ (خیر کی) گھاٹی میں داخل نہیں ہوا اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ کسی کی گردن چھڑا دینا (غلام آزاد کرنا) ہے یا بھوک کے دن کھانا کھلانا کسی رشتہ دار یتیم کو یا کسی خاک نشین محتاج کو۔

اِقْتَحَمَ: وہ گھسا، وہ بیچ میں سے نکلا، وہ چڑھا۔ اِقْتِحَامٌ سے ماضی۔

العَقَبَةَ: گھاٹی، دشوار پہاڑی راستہ۔ جمع عُقَبٌ و عَقَبَاتٌ۔

فَکٌّ: آزاد کرنا، چھڑانا، گرہ کھولنا، جدا جدا کرنا۔ مصدر ہے۔

مَسْغَبَةٍ: بھوک، فاقہ، کھانے کی شدید خواہش۔ مصدر میمی بھی اور اسم بھی۔

مَتْرَبَةٍ: محتاج، مفلس، نادار، مٹی والا۔

تشریح: اس قدر انعامات اور اسباب ہدایت کی موجودگی میں بھی اسے دین کی گھاٹی میں داخل ہونے کی توفیق نہیں ہوئی، جہاں ہر آفت ومصیبت سے محفوظ ہوتا اور ہر طرح کی فلاح وسعادت سے

ہم کنار ہوتا ۔ یہاں طاعات اور عبادات کو عقبہ (گھاٹی) سے تعبیر فرمایا گیا کہ جس طرح عقبہ میں داخل ہوکر انسان دشمن سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اسی طرح عبادات اور اعمال صالحہ کے ذریعے عذاب خداوندی سے نجات مل سکتی ہے۔

اے انسان تجھے معلوم بھی ہے وہ گھاٹی کیا ہے۔وہ گھاٹی یہ ہے

۱۔ گردن چھڑانا یعنی غلام آزاد کردینا۔ یا اس کی قیمت مالک کو ادا کر کے آزاد کرادینا، کوئی قصاص میں گرفتار ہو تو اس کا خون بہا ادا کر کے اس کو آزادی دلانا یا کسی قرض دار کا قرض ادا کر کے اس کو قرض سے آزادی دلانا، وغیرہ۔

۲۔ ضرورت کے وقت کسی کو کھانا کھلانا، جیسے قحط کے دنوں میں یا غلے کی قلت کے وقت کسی بھوکے کو کھانا کھلانا۔

۳۔ یتیم کو کھانا کھلانا، یہ اور بھی بہتر ہے کیونکہ اس کا کوئی سرپرست نہیں۔ پھر یتیموں میں سے بھی اگر کوئی اہل قرابت میں سے ہے جیسے چچا کا لڑکا، بھائی یا بہن کا لڑکا وغیرہ تو اس میں دوہرا اجر ہے۔ ایک یتیم کو کھلانے کا دوسرے صلہ رحمی کا۔

۴۔ فقیر و حاجت مند کو کھلانا۔

مال صرف کرنے کے پسندیدہ اور عمدہ مواقع یہی ہیں۔ جن مواقع کو دولت مند صحیح سمجھ رہا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکے وہ صحیح نہیں۔ لیکن مذکورہ اعمال صالحہ اسی وقت مقبول ہوتے ہیں جب ایمان بھی ہو۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں خواہ وہ کتنا ہی بڑا اور کتنا ہی اچھا ہو۔ آخرت میں ایسے اعمال کا کوئی اجر و ثواب نہیں، جیسے ارشاد ہے:

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝

جو شخص آخرت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لئے جیسی کوشش کرنی چاہئے ویسی کوشش بھی کرتا ہے اور وہ مومن بھی ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش مقبول ہوگی۔ (الاسراء ۱۹)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

یَعْمَلُوْنَ۝

جو شخص بھی نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم (دنیا میں بھی) اس کی اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی) ان کے کاموں کا ضرور عمدہ بدلہ دیں گے ۔ (النحل ۹۷)

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا۝

جو شخص نیک کام کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور اور ان پر تل بھر بھی ظلم نہ کیا جائے گا ۔ (النساء:۱۲۴)

باہم رحم وصبر کی تلقین کرنے والے

۱۷، ۲۰۔ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ۝

پھر ان لوگوں میں سے ہو جاتا جو ایمان لائے اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کرنے کی وصیت کرتے رہے ۔ یہی لوگ خوش نصیب ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہی بد بخت ہیں ۔ انہی کو ہر طرف سے آگ گھیرے ہوئے ہوگی ۔

تَوَاصَوْا: انہوں نے وصیت کی، انہوں نے نصیحت کی ۔ تَوَاصِیْ سے مضارع ۔

مُؤْصَدَةٌ: بند کی ہوئی ۔ اِیْصَادٌ سے اسم مفعول ۔

تشریح: سو انسان کو چاہیے کہ ایمان لا کر وہ اعمال صالحہ اختیار کرے جو اوپر مذکور ہوئے اور ان لوگوں میں شامل ہو جائے جو ایک دوسرے کو لوگوں کی سختیاں برداشت کرنے اور ان کے ساتھ رحم و مہربانی کا معاملہ کرنے کی نصیحت کرتے ہیں ۔ ایک حدیث میں ہے کہ رحم کرنے والوں پر رحمان بھی رحم

کرتا ہے سوتم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والاتم پر رحم کرے گا۔ (ترمذی/ رقم ۱۹۲۳) ایک اور حدیث میں ہے کہ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

یہی لوگ بڑے خوش نصیب مبارک اور کامیاب ہیں جن کو عرش عظیم کے دائیں جانب جگہ ملے گی۔ انہی لوگوں کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس کے برعکس جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کا انکار کرتے ہیں وہ بڑے بدنصیب اور شامت زدہ ہیں۔ ان کو عرش کے بائیں جانب کھڑا کیا جائے گا اور ان کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ ان پر ایک آگ ہوگی جو ڈھانک دی گئی ہوگی جیسے کوئی چیز کسی ڈھکنے سے بند کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد نہ اس کی بھاپ اور شعلے باہر نکل سکیں گے کہ اس کی شدت میں کمی آجائے اور نہ باہر کی کوئی چیز یا ہوا اس میں داخل ہو کر اس کی شدت اور لپٹ کر کم کر سکے گی، سو وہ جہنم کی اس آگ سے نہ کبھی چھٹکارا پائے گا اور نہ اس کو وہاں کسی قسم کا آرام و راحت ملے گی۔

سورۃ الشمس

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ الشمس سے ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام الشمس ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۱۵ آیتیں، ۵۴ کلمات اور ۲۴۷ حروف ہیں، یہ سورت بالاتفاق مکیہ ہے۔ احمد، ترمذی اور نسائی نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز میں والشمس وضحٰها اور اس کے مانند سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں والیل اذا یغشٰی اور والشمس وضحٰها پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی فطرت میں خیر و شر اور ہدایت و گمراہی کی استعداد رکھی گئی ہے۔ پھر قوم ثمود کا واقعہ بطور مثال بیان کر کے مشرکین مکہ کو ان کے انجام سے ڈرایا گیا ہے۔
(مواہب الرحمٰن ۴۸۴/۳۰، حقانی ۳۷۱/۵)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں انسانی تخلیق کے ذکر کے ساتھ یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور ہدایت کا راستہ بھی دکھا دیا اور شر و گمراہی کا بھی۔ پھر اس کو فلاح اور سعادت اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی تھی۔ اب اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان فطری اور جبلی طور پر خیر و شر دونوں کی استعداد رکھتا ہے۔ جس طرح انسان سورج کی روشنی سے سیاہ و سفید اور نافع و مضر کو پہچان سکتا ہے اسی طرح انسان تعلیمات نبویہ سے خیر و شر اور سعادت و شقاوت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

حقیقی کامیابی

۱۔۱۰۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝
وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ
زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝

قسم ہے سورج کی اور اس کی دھوپ کی اور چاند کی جب وہ اس (سورج) کے پیچھے آئے اور دن کی جب اس (سورج) کو روشن کر دے اور رات کی جب اس (سورج) کو چھپالے اور آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی اور زمین کی اور اس کے بچھانے والے کی اور انسانی جان کی اور جس نے اس کو درست بنایا۔ پھر اس کو بدی اور پرہیز گاری کی سمجھ دی۔ بیشک وہ کامیاب ہوا جس نے اس (نفس) کو پاک کرلیا، اور بیشک وہ ناکام ہوا جس نے اس کو خاک میں ملادیا۔

تَلٰهَا:　وہ اس کے پیچھے آیا۔ تُلُوٌّ سے ماضی۔

جَلّٰهَا:　اس نے اس کو روشن کیا، اس نے اس کو ظاہر کیا۔ تَجْلِيَةٌ سے ماضی۔

طَحٰهَا:　اس نے اس کو بچھایا، اس نے اس کو پھیلایا۔ طَحْوٌ سے ماضی۔

اَلْهَمَ:　اس نے سمجھ دی، اس نے دل میں ڈالا۔ اِلْهَامٌ سے ماضی۔

دَسّٰى:　اس نے گاڑ دیا، اس نے خاک میں ملادیا، اس نے چھپادیا۔ تَدْسِيَةٌ سے ماضی۔

تشریح: وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا: اور قسم ہے سورج کی جب وہ طلوع ہو کر بلند ہو جائے اور اس کی روشنی زمین پر پھیل جائے۔ اس وقت وہ انسان کو قریب نظر آتا ہے اور تمازت و چمک زیادہ نہ ہونے کی بنا پر اس کو پوری طرح دیکھ بھی سکتے ہیں۔

۲۔ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا: اور چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آئے یعنی سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہو اور ایسا ہر قمری مہینے کے وسط میں ہوتا ہے جب چاند تقریباً مکمل ہوتا ہے۔

۳۔ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا: یہاں جَلّٰهَا کی ضمیر سورج کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے دن کی جب سورج کو روشن کر دے، اور اگر ضمیر کو زمین یا دنیا کی طرف راجع سمجھا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے دن کی اور دنیا کی یا زمین کی جس کو دن نے روشن کر دیا۔

۴۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا: اور قسم ہے رات کی جب اس کی تاریکی خوب چھا جائے اور سورج کو ڈھانک لے یعنی سورج کی روشنی کا نام و نشان نہ رہے۔

۵۔ وَالسَّمَاۤءِ وَمَا بَنٰهَا: یہاں بھی اگر مَا مصدریہ ہو تو معنیٰ ہوں گے قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی۔ اگر مَا بمعنیٰ مَن ہو تو معنیٰ ہوں گے قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی۔

۶۔ وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا: اور قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے پھیلانے کی۔ اگر مَا بمعنیٰ

مَن ہو تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے زمین کی اور اس کے پھیلانے والے کی۔

۷۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا: یہاں بھی اگر مَا کو مصدر یہ مان لیا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے انسانی جان کی اور اس کے درست و مناسب کرنے کی، اور اگر مَا کو مَن کے معنیٰ میں لیا جائے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔

اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کی تخلیق میں گناہ اور اطاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے اور انسان کو انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے خوب کھول کھول کر بتا دیا کہ شر اور برائی کا راستہ یہ ہے اور خیر و پرہیزگاری کا راستہ یہ ہے۔ پھر ایک حد تک انسان کو اختیار و قدرت بھی دے دی ہے کہ وہ اپنے اختیار سے خواہ گناہ کا راستہ اختیار کرے یا طاعت کا راستہ اختیار کرے۔ آخرت میں اس کو اسی قصد و اختیار کے تحت گناہ یا اطاعت کا راستہ اختیار کرنے کا ثواب یا عذاب ملے گا۔

ان سات قسموں کے بعد فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا یعنی اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کر لیا، اپنے رب کو یاد کیا اور نماز کی پابندی کی تو وہ کامیاب و بامراد ہوا اور جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا، اطاعت کو چھوڑ کر نافرمانی میں لگا رہا، وہ محروم و نامراد ہوا۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۷۵۵، ۸/۷۵۶، حقانی)

قوم ثمود کا حال

۱۵،۱۱۔ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۟ فَدَمْدَمَ
عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝

قوم ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (حضرت صالح کو) جھٹلایا۔ جب ان میں کا ایک بڑا بدبخت اٹھا۔ اللہ کے رسول نے (پہلے ہی) ان سے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کی باری سے خبردار رہنا۔ سو انہوں نے (پیغمبر کو) جھٹلایا اور اس (اونٹنی) کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر ان کے رب نے بھی ان کے گناہوں کے سبب ان کو ہلاک کر کے خاک میں ملا دیا اور اللہ کو ان کے انتقام کا کچھ ڈر نہیں۔

اِنۡبَعَثَ: وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ انبعاثٌ سے ماضی۔

عَقَرُوۡا: انہوں نے پاؤں کاٹ دیئے، انہوں نے اس کو ذبح کر دیا۔ عَقۡرٌ سے ماضی۔

دَمۡدَمَ: اس نے ہلاک کر دیا، اس نے تباہ کر دیا۔ دَمۡدَمَۃ سے ماضی۔ یہ رباعی مجرد ہے۔

تشریح: دنیا میں ایسے بہت سے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے احکام الٰہی اور شریعت کو چھوڑ کر ہلاکت و تباہی کی روش اختیار کی اور اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ایسے طور طریقے اختیار کئے کہ جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل ہو گئے۔ تاریخ عالم ایسے لوگوں کے عبرت ناک انجام کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ انہی میں سے ایک مثال قوم ثمود کی ہے۔ ان کے خاص شہر کا نام حجر تھا جو وادی القریٰ میں مدینے اور شام کے درمیان تبوک سے چار میل کے فاصلے پر تھا۔ یہ نہایت سرسبز و شاداب تھا۔ یہاں چشموں اور باغات کی کثرت تھی۔ یہ مقام اب تک ویران موجود ہے۔ ان کے پاس مال و دولت کی بہتات تھی اور پتھروں کو تراش کر پہاڑوں کے اندر بڑے بڑے عالیشان مکان بناتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ بت پرست، بدکار، رہزن، سفاک اور نہایت بے رحم تھے۔ خدا پرستی، رحم دلی اور پرہیز گاری کا ان میں شائبہ تک نہ تھا۔ قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لئے انہی میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ تمہیں ان دنیاوی نعمتوں میں، جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں جیسے باغات، چشمے، کھیتیاں اور کھجور کے درخت جن کے خوشے کھجوروں سے خوب گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ وغیرہ، میں یونہی بےفکری کے ساتھ چھوڑ دیا جائے گا اور تم پر کوئی آفت نہ آئے گی اور نہ تمہیں موت آئے گی۔ حالانکہ ان نعمتوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ تم ان نعمتوں پر منعم حقیقی کا شکر ادا کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔ کیا تم اس لئے بےفکر ہو کہ تم پہاڑوں کو تراش کر مکانات بناتے ہو اور پھر اس پر اتراتے ہو۔ یہ مضبوط اور پتھروں کے مکانات تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔ وہ اللہ اس پر قادر ہے کہ تمہارے امن و امان کو خاک میں ملا دے، سو تم اللہ کے عذاب سے ڈرو اور میری اطاعت کرو اور اپنے سرداروں کی بات نہ مانو جو بندگی کی حد سے تجاوز کر گئے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اصلاح اور وعظ و نصیحت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی مگر قوم کسی طرح نہ مانی اور کہنے لگی تم پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے اسی لئے بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔ تم

اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہتے ہو حالانکہ تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ہم میں سے تو کسی پر وحی نہیں آتی، پھر تم پر کیسے آتی ہے۔اللہ کا رسول تو فرشتے کو ہونا چاہئے تم ہم جیسے ہو کر رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ یہ تو بے عقلی کی دلیل ہے۔سو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو ہماری آنکھوں کے سامنے اس خاص چٹان میں سے ایک اونٹنی پیدا کر کے دکھاؤ جو ایسی ایسی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی دعاء سے اسی وقت پتھر کی چٹان کے اندر سے ان کی مطلوبہ اونٹنی برآمد فرمادی۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ ہے تمہاری مطلوبہ اونٹنی اور اس کے کچھ حقوق ہیں،ان حقوق میں سے یہ ہے کہ پانی کا حصہ مقرر ہے،ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے گی اور ایک دن تمہارے جانور پئیں گے،تم اس کی باری کے دن اپنے جانوروں کو پانی نہ پلانا اور تمہارے جانوروں کی باری کے دن یہ اونٹنی پانی نہیں پیئے گی،اس کا دوسرا حق یہ ہے کہ تکلیف پہنچانے کی نیت سے تم اس کو ہاتھ بھی نہ لگانا ورنہ تمہیں یوم عظیم کا عذاب آ پکڑے گا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائی اور نہ انہوں نے حضرت صالح کی تصدیق کی اور نہ اس اونٹنی کے حقوق ادا کئے بلکہ ان میں سے ایک بد بخت نے کھڑے ہو کر اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔حالانکہ وہ اونٹنی خود اس بد بخت قوم کی فرمائش پر معجزے کے طور پر ایک پہاڑ کی چٹان سے نکلی تھی،مگر یہ لوگ ایمان لانے کی بجائے اللہ کی اونٹنی ہی کے دشمن بن گئے۔ پھر اللہ نے بھی ان کے گناہوں کے سبب ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور جب عذاب کے آثار نمودار ہوئے تو اپنے کئے پر نادم ہوئے لیکن اس ندامت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔آخر جس عذاب کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس نے ان کو آ پکڑا،اور وہ ایسے ہلاک ہوئے کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا۔اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و کبریائی کے سبب کسی مجرم کو سزا دینے یا کسی قوم کی ہلاکت و بربادی کے انجام سے قطعاً نہیں ڈرتا اور نہ اس کو اس کی پرواہ ہے کہ کوئی مجرم قوم اس کا تعاقب کرے گی۔

سورۃ الّیل

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا والیل (رات کی قسم) سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الیل ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۲۱ آیات، ۷۱ کلمات اور ۳۱۰ حروف ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ بیہقی نے اپنی سنن میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں والیل اذا یغشٰی جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو آواز بلند فرمائی۔ آپ سورۂ والشمس وضحٰها اور والیل اذا یغشٰی پڑھ رہے تھے۔

(مواہب الرحمٰن / ج ۳۰، ص ۵۰۳۔ حقانی / ج ۵، ص ۳۸۲، ۳۸۳)

اس میں خاص طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ انسان کی عملی کوششیں مختلف قسم کی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ایمان وتقویٰ اور سخاوت واحسان کی ہے۔ جو لوگ اس راہ کو اختیار کرتے ہیں وہی فلاح و کامیابی کے مستحق ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے یہ راستہ آسان کر دیتا ہے۔ دوسری قسم کی عملی کوشش تکذیب حق، غرور واستکبار اور بخل وحق تلفی کی ہے۔ جو لوگ اس دوسرے راستے کو اختیار کرتے ہیں وہ شقاوت ومحرومی کی منزل پر پہنچتے ہیں۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں بتایا گیا تھا کہ اگر انسانی نفس طہارت وتزکیے سے آراستہ ہو جائے تو اس کو دنیا میں عزت وسربلندی اور آخرت کی فلاح وکامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ نفسانی خواہشات میں پڑا رہے تو اس کا نتیجہ تباہی وہلاکت اور عذاب آخرت کے سوا کچھ نہیں۔ دنیا میں بڑی بڑی طاقتیں اسی بدنصیبی کا شکار ہو کر ہلاک وبرباد ہوئیں۔ اس سورت میں انسان کی عملی جدوجہد کے تفاوت کا بیان ہے۔

پرہیزگاروں کے لئے آسانی

۱۔۱۱۔ وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۙ
اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۭ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ وَصَدَّقَ
بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۭ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ
وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۭ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ
اِذَا تَرَدّٰى ۭ

اور قسم ہے رات کی جب چھا جائے اور دن کی جب وہ روشن ہو جائے، اور اس کی جس نے مذکر اور مؤنث کو بنایا، بیشک تمہاری کوشش مختلف ہے۔ سو جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیزگاری کی اور اچھی بات (کلمۂ توحید) کی تصدیق کی تو ہم بھی اس کے لئے آسانی پیدا کر دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور (آخرت سے) بے پرواہ رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم بھی اس کے لئے تنگی کے سامان پیدا کر دیں گے۔ اور اس کا مال اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ جب وہ برباد ہونے لگے گا۔

تَجَلّٰی: اس نے تجلی کی، وہ روشن ہوا، وہ ظاہر ہوا۔ تَجَلِّیٌ سے ماضی۔

شَتّٰی: جدا جدا، مختلف، متفرق۔ واحد شَتِیْتٌ۔

اَعْطٰی: اس نے عطا کیا، اس نے دیا۔ اِعْطَاءٌ سے ماضی۔

حُسْنٰی: اچھی، عمدہ۔ حُسْنٌ سے فُعْلٰی کے وزن پر تفضیل۔

نُیَسِّرُ: ہم آسان کرتے ہیں۔ تَیْسِیْرٌ سے مضارع

یُسْرٰی: آسانی، بہت آسان، پہلے معنی میں یُسْرٌ سے اسم مصدر اور دوسرے معنیٰ میں اسم تفضیل۔

عُسْرٰی: تنگی، سختی، دشواری۔ مصدر ہے۔

تَرَدّٰی: وہ نیچے گرا، وہ گڑھے میں گرا، وہ ہلاک ہوا۔ تَرَدِّیٌ سے ماضی۔

شان نزول: حاکم اور ابن جریر میں عامر بن عبداللہ بن الزبیر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی زمانے میں مکہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ضعیف مسلمان مردوں اور

عورتوں کو خرید کر آزاد کر دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے والد حضرت ابوقحافہ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے کہا بیٹا تم جوان کمزور لوگوں کو آزاد کراتے پھرتے ہو اس سے اچھا تو یہ ہے کہ نو جوان طاقت والوں کو آزاد کراؤ تاکہ وقت پر وہ تمہارے کام آئیں، تمہاری مدد کریں اور تمہارے دشمنوں سے لڑیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میرا ارادہ دنیوی فائدے کا نہیں، میں تو صرف رضائے الٰہی چاہتا ہوں۔ اس پر آیت نازل ہوئی۔ فَأَمَّا مَنْ ...... الیسریٰ (ابن کثیر۔ ۴/۵۲۰)

تشریح: قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے اور اپنی تاریکی سے تمام فضا کو ڈھانک لے اور قسم ہے دن کی جب وہ روشن ہو جائے اور اس کی روشنی تمام عالم پر پھیل جائے۔ اور قسم ہے نر اور مادہ کی جو اس نے پیدا کئے۔ جس طرح اپنی صورت اور خواص و آثار کے اعتبار سے دن اور رات اور نر و مادہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اسی طرح تمہاری کوشش اور عملی محنت بھی جدا جدا ہے، تم میں بھلائی کرنے والے بھی ہیں اور برائیوں میں مبتلا رہنے والے بھی۔ پس جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا، تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کی اور زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتا رہا اور اس نے اچھی بات کی تصدیق کی یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا تو ہم اس کے لئے نیکی کا راستہ آسان کر دیں گے، اور اس کے صلے میں اس کو جنت میں پہنچا دیں گے جو نہایت آرام و آسائش کا مقام ہے۔

اس کے برعکس جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کیا اور فرض زکوٰۃ اور صدقات واجبہ ادا کرنے سے بھی گریز کیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی طرف جھکنے اور اس کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کی بجائے اس سے بے نیازی اور بے رخی کی اور اچھی بات یعنی کلمۂ ایمان کی تکذیب کی تو ہم اس کے لئے جہنم میں لیجانے والے اعمال پر عمل کرنا آسان کر دیں گے۔ یہ بد بخت جس مال کی خاطر صدقات واجبہ کی ادائیگی سے گریز کرتا ہے وہ مال عذاب الٰہی آنے کے وقت اس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۶۰ ۷، ۷۶۱/ ۸)

بخاری شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم جنت البقیع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازے میں شریک تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا سنو! تم میں سے ہر ایک کی جگہ جنت یا دوزخ میں مقرر کردہ اور لکھی ہوئی ہے۔ لوگوں نے کہا پھر ہم اس پر بھروسہ کر کے کیوں نہ بیٹھ رہیں۔ آپ نے فرمایا عمل کرتے رہو۔ ہر شخص کو اسی کی توفیق ملے گی جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ جو خوش نصیب ہوگا اس کو اہل سعادت کے اعمال کی توفیق مل جائے گی اور

جو بدنصیب ہوگا اس کے لئے اہل شقاوت کے اعمال آسان کر دیئے جائیں گے۔

(روح المعانی ۱۴۹/۳۰)

حق کا راستہ

۱۲، ۱۸۔ اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡهُدٰی ۫ۖ وَ اِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَ الۡاُوۡلٰی ۝ فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ۝ لَا یَصۡلٰهَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی ۝ الَّذِیۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ۝ وَ سَیُجَنَّبُهَا الۡاَتۡقَی ۝ الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ۝

ہمارے ذمے تو صرف رہنمائی کر دینا ہے اور دنیا و آخرت ہمارے ہی ہاتھ میں ہے سو میں نے تو تمہیں ایک دہکتی ہوئی آگ سے خبردار کر دیا۔ اس میں صرف وہی بد بخت داخل ہوگا جو (دین کو) جھٹلاتا اور منہ موڑتا ہے۔ اور اس (آگ) سے وہ دور رہے گا جو بڑا پرہیزگار ہے۔ جو پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے اپنا مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے۔

تَلَظّٰی: وہ شعلہ مارتی ہے، وہ بھڑکتی ہے۔ تَلَظِّیٌ سے مضارع۔ اصل میں تتلظی تھا ایک تا حذف ہوگئی۔

اَتۡقٰی: بڑا پرہیزگار، بڑا ڈرنے والا۔ وَقۡیٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حلال و حرام کا ظاہر کر دینا اور حق و ہدایت کا راستہ دکھا دینا ہمارے ذمے ہے۔ نیکی و پرہیزگاری اور بدی و گمراہی کی راہوں میں سے کسی ایک راہ کا انتخاب کرنا خود انسان کا کام ہے۔ اس لئے وہ جس راہ کو اختیار کرے گا اور جیسے عمل کرے گا اسی کے مطابق اس کو بدلہ ملے گا۔ آخرت اور دنیا ہماری ہی ملکیت اور ہماری ہی مخلوق ہے۔ اس لئے ہدایت یافتہ لوگوں کو ہم ہی اجر و ثواب دیں گے۔ اگر کوئی شخص حق و ہدایت کا راستہ اختیار نہیں کرتا تو اس سے ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ میں تو تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈراتا ہوں جس میں صرف ایسا بدنصیب ہی داخل ہوگا جو اللہ کے رسول کی تکذیب کرتا ہے اور ایمان سے منہ موڑتا ہے۔

بیضاوی نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہنم کی شدت کو برداشت کرنے والا اور اس میں دوامی طور پر داخل ہونے والا صرف اشقیٰ یعنی کافر ہوگا۔ اگرچہ مسلم بدکار بھی جہنم میں داخل ہوگا لیکن

اس کا داخلہ ہمیشہ کے لئے نہ ہوگا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ لَا یَصْلٰھَا میں ضمیر ھَا صرف نَارا کی طرف راجع نہیں بلکہ نَاراً تَلَظّٰی کی طرف راجع ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بھڑکتی ہوئی آگ میں صرف کافر جائے گا۔ رہا فاسق مسلمان اگرچہ وہ بھی جہنم میں داخل ہوگا مگر بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل نہ ہوگا۔ کافر کی آگ سے اس کی آگ کا درجہ کم ہوگا۔ (بیضاوی ۵۱۳ مظہری ۲۲۷/۱۰)

مسلم میں نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہوگا جس کی دونوں جوتیاں اور دونوں تسمے آگ کے ہوں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح ابل رہا ہوگا جس طرح ہنڈیا میں ابال آتا ہے۔ باوجودیکہ سب سے ہلکے عذاب والا وہی ہوگا لیکن اس کے خیال میں اس سے زیادہ عذاب والا کوئی نہ ہوگا۔ (ابن کثیر ۵۲۰/۴)

مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں جائے گی سوائے ان کے جو انکار کریں۔ لوگوں نے پوچھا انکار کرنے والا کون ہے۔ آپ نے فرمایا جو میری اطاعت کرے وہ جنت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔ (ابن کثیر/ ج ۴، ص ۵۲۰، ۵۲۱)

پھر فرمایا کہ اس شخص کو دوزخ سے ضرور بچایا جائے گا جو گناہوں سے بچنے والا، اللہ سے ڈرنے والا اور اپنا مال اس کی راہ میں خرچ کرنے والا ہے تاکہ وہ خود بھی پاک ہو جائے اور اپنے مال کو بھی پاک کر لے۔

حضرت ابوبکر کی فضیلت

۲۱،۱۹۔ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾

اور اس پر کسی کا احسان نہیں کہ جس کا بدلہ اتارتا ہے۔ وہ تو صرف اپنے خدائے برتر کی رضا کے لئے (دیتا ہے)۔ یقیناً وہ شخص عنقریب خوش ہو جائے گا۔

شان نزول: جب امیہ بن خلف نے حضرت بلال کو نسطاش کے عوض بیچنے کا اظہار کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے اس کو غنیمت جانا اور تبادلہ کر لیا۔ اس پر مشرک کہنے لگے کہ حضرت بلال کا ابوبکر پر کوئی احسان

ہوگا جس کی وجہ سے ابوبکر نے یہ سودا کیا۔ اس پر یہ آیت **وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ** نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۱۵۲/۳۰)

تشریح: حضرت بلال رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے غلام کا حضرت ابوبکر صدیق پر کوئی احسان نہ تھا جس کا بدلہ دیا جاتا بلکہ انہوں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لئے ایسا کیا تاکہ وہ آخرت میں جنت لیں اور وہاں ان کو اللہ کا دیدار نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس فعل سے ضرور راضی ہوگا۔ آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی پاکیزہ صفتوں والا شخص اللہ کی عطا کردہ جزا اور عزت و اکرام سے بہت جلد آخرت میں خوش ہو جائے گا۔

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیتیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ بعض مفسرین نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ گو آیت کے الفاظ عام ہیں، صدیق اکبر یقیناً اس میں داخل ہیں اور سب سے پہلے اس کے مصداق ہیں کیونکہ آپ ہی صدیق تھے۔ پرہیزگار تھے، سخی تھے۔ اپنے مال کو اللہ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد میں خرچ کرتے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے جو نہ کسی دنیوی فائدے کے لئے ہوتا تھا اور نہ کسی کے احسان کے بدلے میں ہوتا تھا بلکہ یہ سب محض اللہ کی رضا اور اس کے رسول کی فرماں برداری کے لئے ہوتا تھا۔ تمام چھوٹے بڑے لوگوں پر حضرت ابوبکر کے احسانات تھے یہاں تک کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب حضرت ابوبکر صدیق نے عروہ بن مسعود کو جو اپنے قبیلے ثقیف کا سردار تھا، ڈانٹا تو اس نے کہا کہ اگر مجھ پر آپ کا احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں نہیں دے سکا تو میں آپ کو ضرور اس کا جواب دیتا۔
(ابن کثیر ۵۲۱/۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کا ہم پلہ کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے بعد حضرت عمر تھے، پھر حضرت عثمان تھے۔ پھر باقی صحابہ کو ہم یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دیتے تھے۔

بخاری میں ہے محمد بن حنفیہ نے حضرت علی سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل کون تھا، حضرت علیؓ نے فرمایا ابوبکر، پوچھا پھر کون؟ فرمایا عمر (مظہری ۲۸۰/۱۰)

سورۃ الضحیٰ

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدا چاشت کے وقت کی قسم سے فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام والضحیٰ ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں گیارہ آیتیں، ۴۰ کلمات اور ۱۷۷ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق مکہ میں نازل ہوئی۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر (اللہ اکبر) کہی۔ روایت ہے کہ اس کے خاتمے پر اور اس کے بعد ہر سورت کے خاتمے پر تکبیر کا حکم ہے۔ یعنی اللہ اکبر کہے یا لا الہ الا اللہ واللہ اکبر کہے۔ ابوشام نے شرح شاطبیہ میں نقل کیا کہ امام شافعی نے ایک شخص سے سنا کہ وہ نماز میں تکبیر کہتا ہے تو کہا کہ تو نے خوب کیا اور سنت کو پہنچ گیا۔ اگر سورۃ الیل کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سورت کہا جائے تو سورۂ والضحیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سورت ہے۔ اس میں آپ کی عظیم شخصیت کے اہم ترین اوصاف اور ان انعامات کی تفصیل ہے جن سے آپ ﷺ کی ذات اقدس کو نوازا گیا۔ (مواہب الرحمٰن ۵۳۲/۳۰ روح المعانی ۱۵۳/۳۰)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ چند سورتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اثبات اور آخرت پر ایمان و یقین اور اس کے دلائل کا بیان تھا۔ اس سورت میں ان خصوصی انعامات کا ذکر ہے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو سرفراز فرمایا گیا۔

فترت وحی اور مشرکین کے طعنے

۱، ۵۔ وَالضُّحٰىۙ ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰىۙ ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰىؕ ﴿۳﴾
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰىؕ ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ
فَتَرْضٰىؕ ﴿۵﴾

اور قسم ہے روشن دن کی اور رات کی جب وہ چھا جائے (اے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم) نہ تو آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور
آخرت آپ کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے، اور عنقریب آپ کا رب آپ کو
(اتنا) دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔

سَجٰی: اس نے قرار پکڑا، وہ چھا گیا، وہ ساکن ہوگیا۔ اس نے ڈھانپ لیا۔ سُجُوٌّ سے ماضی۔

وَدَّعَ: اس نے چھوڑ دیا، اس نے جدا کر دیا، اس نے رخصت کر دیا۔ تَوْدِیْعٌ سے ماضی۔

قَلٰی: اس نے نفرت کی، اس نے دشمنی کی، اس نے بغض رکھا۔ قَلْوٌ و قِلًی سے ماضی۔

شان نزول: مسند احمد، بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دفعہ) بیمار ہو گئے اور ایک دو دن تک تہجد کی نماز کے لئے نہ اٹھ سکے تو ایک عورت کہنے لگی کہ آپ ﷺ کو آپ کے شیطان نے چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبرئیل امین کے آنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو مشرکین کہنے لگے کہ یہ تو چھوڑ دیئے گئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے وَالضُّحٰی سے مَا قَلٰی تک کی آیتیں نازل فرمائیں۔ (ابن کثیر ۴/۵۲۲)

تشریح: چاشت کے وقت کی یا دن کی قسم اور رات کی قسم جب اپنی تاریکی سے ہر چیز کو ڈھانپ لے۔ نزول وحی میں تاخیر پر آپ کے دشمنوں کا یہ کہنا کہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے قطعاً غلط اور لغو بات ہے۔ آپ کے رب نے نہ تو آپ کو چھوڑا اور نہ آپ سے قطع تعلق کیا اور نہ آپ سے متنفر ہوا۔ جس طرح دن کی روشنی کے بعد رات کی تاریکی کا چھا جانا اللہ کی ناراضی کی دلیل نہیں اور نہ اس بات کا ثبوت ہے کہ رات کی تاریکی چھا جانے کے بعد اب کبھی اجالا نہ ہوگا، بالکل اسی طرح چند روز وحی کے رکے رہنے سے یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب کئے ہوئے پیغمبر سے ناراض ہو گیا ہے اور اس نے وحی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا ہے۔ اگر بالفرض اس کو صحیح سمجھ لیا جائے تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے بے خبر تھا کہ وہ جس کو نبی بنا رہا ہے وہ آگے چل کر نبوت و رسالت کا اہل ثابت نہ ہوگا۔ (نعوذ باللہ)

وحی کی یہ چند روزہ رکاوٹ آپ کے تنزل و انحطاط کا سبب نہیں بلکہ آپ کے عروج و ارتقا کا ذریعہ ہے۔ اس لئے آخرت میں آپ کا درجہ، آپ کی بزرگی اور فضیلت دنیا کے اعزاز و اکرام سے بہت بڑھ کر ہوگی۔ وہاں آپ کو تمام انبیاء کی سرداری حاصل ہوگی۔ مقام محمود عطا کیا جائے گا، جس پر

سب اگلے پچھلے رشک کریں گے، اللہ تعالیٰ آخرت میں آپ کو شفاعت کی اجازت عطا فرمائے گا اور آپ کی شفاعت سے آپ کی امت کو بخش دے گا یہاں تک کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ اور آپ کی امت ساری امتوں کی شاہد ہوگی۔ بہت جلد اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی آپ پر بہ کثرت عنایات فرمائے گا، مثلاً دشمنوں پر فتح، اقتدار کامل، اہل ایمان کی کثرت، تمام عالم میں دین کی اشاعت وغیرہ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا (اور اللہ ان کو بخش دے گا) یہاں تک کہ میرا رب ندا دے گا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ (اب) راضی ہو گئے۔ میں عرض کروں گا ہاں میرے رب میں راضی ہو گیا۔
(مظہری ۲۸۳/۱۰)

اللہ تعالیٰ کے انعامات

۶-۱۱۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۞ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۞ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞

کیا اس نے آپ کو یتیم پا کر ٹھکانا نہیں دیا اور آپ کو بے خبر پا کر منزل پر (نہیں) پہنچایا اور آپ کو تنگدست پا کر غنی (نہیں) بنایا تو آپ بھی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور سائل کو نہ جھڑکیے اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرتے رہئے۔

اٰوٰی: اس نے جگہ دی، اس نے اتارا، اس نے ٹھہرایا، اس نے پناہ دی اِیْوَاءٌ سے ماضی۔

عَآئِلاً: فقیر محتاج، تنگدست، مفلس، نادار، عَیْلَۃٌ سے اسم فاعل

تَقْھَرْ: تو سختی کر، تو ظلم کر تو غالب ہو۔ قَھْرٌ سے مضارع۔

تَنْھَرْ: تو ڈانٹ، تو جھڑک۔ نَھْرٌ سے مضارع۔

حَدِّثْ: تو بتا، تو بیان کر۔ تَحْدِیْثٌ سے امر۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیم پایا یعنی والد کی وفات کے بعد اللہ نے آپ کو نادار بچہ پایا جس کے لئے باپ نے مال چھوڑا تھا اور نہ کوئی ٹھکانا۔ آپ کی ولادت باسعادت سے پہلے ہی آپ کے والد

وفات پا چکے تھے۔ ٦ سال کی عمر میں والدہ محترمہ نے داغ مفارقت دیا۔ پھر آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آپ کا ٹھکانا بنا دیا اور ان کو آپ کا کفیل بنا دیا۔ انہوں نے آپ کی نصرت وحمایت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آسمانی علوم اور احکام شریعت سے بے خبر پایا تو آپ کو علوم النبیہ، شعائر دین اور نفس کو پہچاننے کا راستہ بتا دیا۔ سو جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ط

اس سے پہلے آپ یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا لیکن ہم نے اس (قرآن) کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ راست دکھاتے ہیں۔ (الشوریٰ ۵۲)

پھر فرمایا کہ اللہ نے آپ کو نادار پایا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال یا تجارتی منافع یا مال غنیمت کے ذریعہ آپ کو غنا اور بے نیازی کا ایسا مقام عطا فرمایا کہ آپ کو کسی چیز کی بھی احتیاج اور پرواہ نہ رہی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص کامیاب ہو گیا جو اسلام لایا اور اس کو بقدر ضرورت مل گیا اور اللہ نے اس کو قناعت عطا کر دی۔
(مظہری بحوالہ مسلم ۱۰/۲۸٦)

پھر فرمایا کہ یتیم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو اور نہ اس کی کمزوری کو دیکھ کر اس کے مال پر قبضہ کرو جیسا کہ عرب کے لوگ کرتے تھے۔ یہاں خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر ممانعت کا حکم امت کے لئے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا وہ مکان بہترین ہے جس میں کسی یتیم سے اچھا سلوک کیا جائے مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بدسلوکی کی جائے۔ آپ نے اپنی دونوں انگلیوں (کو جوڑ کر ان) سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ میں اور یتیم کا سرپرست جنت میں اس طرح (متصل) ہوں گے۔

پھر فرمایا کہ دروازے پر آئے ہوئے سائل کو نہ جھڑکو اور نہ ڈانٹو یا تو اس کو کھانا دیدو ورنہ نرمی اور خوش خلقی سے واپس کردو۔ اللہ تعالیٰ نے جن جن نعمتوں سے آپ کو نوازا ہے ان کا شکر ادا کرتے رہئے اور جو علوم و ہدایت آپ کو عطا کئے گئے ہیں ان کو بیان کیجئے اور لوگوں تک پہنچایئے۔

حضرت اشعث بن قیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا سب سے زیادہ شکرگزار وہ ہے جو لوگوں (کے احسان) کا بہت شکر ادا کرنے والا ہو۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر فرما رہے تھے کہ جس نے تھوڑے کا شکر ادا نہیں کیا اس نے زیادہ کا بھی شکر نہیں کیا۔ جس نے لوگوں کا شکر نہیں کیا اس نے اللہ کا بھی نہیں کیا۔ اللہ کی نعمت کو یاد کرنا شکر ہے، نہ یاد کرنا ناشکری ہے۔ جماعت (اہل اسلام) اللہ کی رحمت ہے، تفرقہ اللہ کا عذاب ہے۔ (مظہری ۲۸/۱۰)

سورۃ الانشراح

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کے انشراح کا ذکر ہے اسی لئے اس کو سورۃ الانشراح کہتے ہیں۔ اس کو سورۃ الم نشرح بھی کہتے ہیں

تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں ۲۹ کلمات اور ۱۰۳ احروف ہیں۔ یہ سورت بالاتفاق ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں آپ کے قلب اطہر کے انشراح اور اس پر پیدا ہونے والے بوجھ کو دور کرنے کی بشارت ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی عزت وعظمت کا بیان ہے اور کافروں کی ایذا پر یہ کہہ کر آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہر تنگی کے بعد سہولت ہے سورۃ الضحیٰ کی مانند یہ سورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے متعلق ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۵۷۸/۳۰)

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات، آپ کے اخلاق عالیہ اور محاسن واوصاف کا بیان تھا۔ اس سورت میں آپ پر اللہ تعالیٰ کے ایک اور انعام شرح صدر کا بیان اور شدائد کے بعد آسانی کی بشارت ہے۔

انشراحِ قلبِ اطہر

۱۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝

کیا ہم نے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا۔

نَشْرَحْ: ہم نے کھول دیا، ہم نے کشادہ کر دیا۔ شَرْحٌ سے مضارع۔

صَدْرَ: سینہ۔ جمع صُدُورٌ۔

تشریح: ہم نے آپ کے سینے کو انوار الٰہیہ، علوم صادقہ اور معارف دینیہ کے لئے ایسا کشادہ اور رحمت وکرم والا کر دیا ہے کہ تمام علوم ومعارف کے سمندر سمٹ کر آپ کے قلب اطہر میں سما گئے۔ یہ علوم ومعارف کسی دانش مند کو عقل ودانش کے ذریعہ حاصل نہیں ہو سکتے۔ اس کے ساتھ ہی ایسا حوصلہ

اور ہمت عطا فرمائی کہ آپ لوازم نبوت اور فرائض رسالت کی ادائیگی میں ہر مشقت اور تکلیف نہایت ہمت اور اولوالعزمی سے برداشت کرتے ہیں اور تبلیغ دین میں مخالفین کی پیدا کردہ رکاوٹوں کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ

سو اللہ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ (الانعام ۱۲۵)

یہ اسی شرح صدر کا نتیجہ تھا کہ آپ کو مخلوق کی طرف توجہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ میں مخل نہیں ہوتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ کشادہ کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کی شریعت بھی وسعت ونرمی اور آسانی والی بنائی، جس میں نہ تنگی نہ ترشی اور نہ تکلیف وسختی بلکہ ہر قسم کے حالات میں اس پر آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہاں شرح صدر سے بچپن اور شب معراج میں شق صدر کیا جانا مراد لیا ہے جیسا کہ مالک بن صعصعہ کے حوالے سے حضرت انس کی روایت میں آیا ہے کہ آپ نے صحابہ سے بیان فرمایا کہ جبرئیل نے اس کے اور اس کے درمیان یعنی ہنسلی کے گڑھے سے (پیٹ کے) بالوں تک (سینہ) چاک کیا۔ پھر دل کو باہر نکالا، دھویا اور ایمان سے بھر کر دوبارہ دل کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ یہاں دونوں واقعے مراد ہو سکتے ہیں۔ (ابن کثیر ۴/۲۲۴)

آپ کا بار دور کرنے کی بشارت

۲، ۳۔ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝

اور ہم نے آپ کا بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی۔

وَضَعْنَا: ہم نے اتار دیا، ہم نے ہلکا کر دیا۔ وَضْعٌ سے ماضی۔

وِزْر: بوجھ، وزن۔ جمع اَوْزَارٌ۔

اَنْقَضَ: اس نے توڑ دی، اس نے جھکا دی۔ اِنْقَاضٌ سے ماضی۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے وہ بھاری بوجھ جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی آپ سے ہٹا دیا۔ اس بوجھ کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ اس سے وہ جائز اور مباح کام مراد ہیں جو بعض اوقات آپ نے حکمت ومصلحت سمجھ کر اختیار کر لئے بعد میں جب معلوم ہوا کہ وہ مصلحت کے خلاف یا خلاف اولیٰ

تھے تو آپ کو اپنی علوشان اور تقرب الٰہی میں خاص مقام حاصل ہونے کی بناء پر سخت رنج و ملال ہوتا تھا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت سنا کر کہ ایسی چیزوں پر آپ سے مواخذہ نہ ہوگا وہ بوجھ آپ سے ہٹا دیا۔

نبوت کے ابتدائی زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا جو شدید اثر ہوتا تھا اور استقامت کے ساتھ ساری دنیا میں کلمۂ حق کو پھیلانے اور کفر و شرک کو مٹا کر خلق خدا کو توحید پر جمع کرنے کی جو ذمے داری آپ پر ڈالی گئی تھی آپ اس بارِ عظیم کو محسوس فرماتے تھے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک میں چند بال سفید ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ نے بوڑھا کر دیا۔ بعض مفسرین کے نزدیک بوجھ سے یہی بارِ عظیم مراد ہے اور مذکورہ بالا آیت میں اسی کو ہٹانے کی بشارت دی گئی ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۷۷۱/ ۸)۔

آپ کا رفع ذکر

۴۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾

اور ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔

تشریح: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کا ذکر مبارک بلند کر دیا۔ چنانچہ تمام اسلامی شعائر میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آپ کا نام مبارک بھی لیا جاتا ہے۔ مثلاً آپ کا دین مشرق و مغرب میں پھیلا۔ اذان میں **اشھد ان لا الٰہ الا اللہ** کے ساتھ **اشھد ان محمداً رسول اللّٰہ** کہا جاتا ہے۔ کوئی خطیب، کوئی واعظ، کوئی کلمہ گو، کوئی نمازی ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کا کلمہ نہ پڑھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں بندوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تاکید فرمائی ہے۔

بخاری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے آیت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے معنی پوچھے تو جبرئیل امین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو میرے ساتھ آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا۔

بغوی نے اپنی اسناد سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ لوح محفوظ کے وسط میں لکھا ہوا ہے **لا الٰہ الا اللہ وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبدہ ورسولہ** ۔ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود

نہیں ۔ اسلام اس کا دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں ۔
(مظہری ۲۹۲/۱۰)

بعض علما کے نزدیک رفع ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے (ازل میں) آپ کے لئے تمام انبیاء سے میثاق لیا تھا اور آپ پر ایمان لانے کو لازم کیا تھا اور آپ کی فضیلت کا اقرار کرایا تھا ۔

مشکل کے بعد آسانی

۵، ۸ ۔ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝

سو بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے، بے شک ہر تنگی کے ساتھ فراخی ہے ۔ سو جب آپ کو فراغت ملے تو (عبادت میں) محنت کیجئے اور اپنے رب ہی کی طرف دل لگا لیجئے ۔

فَرَغْتَ: تو فارغ ہوا، تو خالی ہوا ۔ فَرَاغ و فَرْغَةٌ سے ماضی ۔

اِنْصَبْ: تو محنت کر، تو مشقت اٹھا ۔ نَصَبٌ سے امر ۔

اِرْغَبْ: تو رغبت کر، تو دل لگا ۔ رَغْبَةٌ سے امر ۔

تشریح: بلاشبہ تنگی کے بعد آسانی ہے ۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جس کلمے کے شروع میں لام تعریف ہوتا ہے اگر اسی کلمے کو لام تعریف کے ساتھ مکرر لایا جائے تو دونوں کلموں کا مفہوم ایک ہی ہوتا ہے ۔ اگر لام تعریف کے بغیر مکرر لایا جائے تو دونوں کے مفہوم الگ الگ ہوتے ہیں ۔ یہاں العُسر لام تعریف کے ساتھ مکرر آیا ہے اس لئے اس سے دونوں جگہ ایک ہی عسر مراد ہے یعنی جو عسر پہلے کلمے میں مراد ہے دوسرے کلمے میں بھی وہی مراد ہے ۔ لفظ یُسر دونوں جگہ لام تعریف کے بغیر (نکرہ) ہے اس لئے دوسرا یسر پہلے یسر کے علاوہ ہے ۔ سو آیت میں ایک تنگی اور سختی کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے ۔ اور دو سے بھی خاص دو کا عدد مراد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے ۔ یعنی جو بھی تنگی یا مشکل پیش آئے گی اس کے ساتھ بہت سی آسانیاں ملیں گی ۔

بغوی نے اس آیت کی تشریح میں کہا ہے کہ ایک عسر کے ساتھ دو یسر کا مراد ہونا اس وجہ

سے نہیں کہ نکرہ بصورت نکرہ مکرر آیا ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق گزشتہ کلام سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی تھی اور خصوصیت کے ساتھ دنیا میں یسر اور غنا عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس وعدے کو پورا فرمایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فراخ دست بنا دیا۔ مختلف بستیاں آپ کے زیر اقتدار کر دیں یہاں تک کہ (بعض حالات میں) آپ نے دو دو سو اونٹ ایک ایک شخص کو عطاء کئے اور بیش قیمت چیزیں عنایت فرمائیں۔

اب بھی عادت اللہ یہی ہے کہ جو شخص سختی اور مصائب و تکالیف پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اسی سے لو لگائے اور اسی کے فضل و رحمت کا امیدوار رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حق میں ضرور آسانی فرمائے گا۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب آپ دعوت حق اور احکام دین کی تبلیغ اور امت کی تعلیم سے فارغ ہو جایا کریں تو نہایت رغبت اور خلوص دل سے نماز، اللہ کے ذکر اور دعا و استغفار میں لگ جایا کریں۔ تمام مخالفتوں اور دشواریوں سے بے نیاز ہو کر اور ہر طرف سے رخ موڑ کر صرف اپنے رب کی طرف رخ کر لیا کریں کیونکہ وہی کارساز اور ہر تدبیر کو کامیاب بنانے والا ہے۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۷۷۱،۷۷۲/ ۸،مظہری ۲۹۳/۱۰)

سورۃ التین

وجہ تسمیہ: اللہ تعالیٰ نے التین یعنی انجیر کی قسم سے اس سورت کی ابتدا فرمائی ہے۔ اسی مناسبت سے سورت کا نام التین ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں، ۳۴ کلمات اور ۱۵۰ حروف ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ دیگر مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی ایمان بالآخرت، حساب اور اعمال کی جزا کا بیان ہے۔ (مواہب الرحمٰن ۶۲۰/۳۰)۔

چار قسمیں

۱، ۳۔ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝

اور قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینا اور اس امن والے شہر کی۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہاں چار قسمیں کھائی ہیں۔ ۱۔ وَالتِّيْنِ، اور انجیر کی قسم۔ ۲۔ والزیتون، اور زیتون کی قسم۔

حضرت ابن عباس، مجاہد، حسن بصری، ابراہیم عطا، مقاتل اور کلبی نے کہا کہ التین سے مراد یہی انجیر ہیں جن کو تم کھاتے ہو اور الزیتون سے مراد زیتون کے پھل ہیں جن کا روغن نکالتے ہو۔

۳۔ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ، اور طور سینا کی قسم۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا۔ یہ مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے۔

۴۔ وَهٰذَا البلد الْاَمِيْنَ، اور اس امن والے شہر کی قسم۔ اس سے مراد مکہ شہر ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں مکہ معظمہ امن کا شہر تھا۔

بعض کا قول یہ ہے کہ یہ تینوں (تین، طور سینین اور بلد الامین) وہ مقامات ہیں جہاں تین اولوالعزم صاحب شریعت پیغمبر بھیجے گئے۔ ان میں تین سے مراد بیت المقدس ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا۔ طور سینا وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے

کلام فرمایا تھا اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں ہمارے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجے گئے تھے۔ تورات کے آخر میں بھی ان تینوں جگہوں کا نام ہے (ابن کثیر ۵۲۶/۴)

تخلیق میں سب سے بہتر

۴۔۶۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر بنایا۔ پھر ہم اس کو پست ترین حالت میں کر دیتے ہیں، لیکن جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے تو ان کے لئے بے انتہا بدلہ ہے۔

تَقْوِيْمٍ: سیدھا کرنا، درست کرنا، ٹھیک کرنا، سانچہ۔ مصدر ہے۔

رَدَدْنَا: ہم نے واپس کر دیا، ہم نے لوٹا دیا۔ رَدٌّ سے ماضی۔

اَسْفَلَ: سب سے نیچا، سب سے پست، سب سے حقیر۔ سُفُوْلٌ سے اسم تفضیل۔

مَمْنُوْنٍ: احسان کیا ہوا، قطع کیا ہوا۔ مَنٌّ سے اسم مفعول

تشریح: قسموں کے بعد فرمایا کہ جس طرح ہم نے انسان کو عقلی اور فکری صلاحیتوں کی عظمت و بلندی عطا کی اسی طرح اس کو ظاہری پیکر کے لحاظ سے بھی دوسری مخلوقات کے مقابلے میں متناسب اعضا کے ساتھ نہایت حسین و جمیل اور بہت ہی خوبصورت پیدا کیا ہے، سو وہ ظاہر و باطن ہر اعتبار سے تمام مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ حسین و جمیل ہے۔

پھر ہم نے اسے نہایت پستی میں پہنچا دیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کر کے جہنمی ہوگیا۔ اسی لئے ایمان والوں کو اس سے الگ کرلیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اسفل سافلین میں لوٹانے سے انتہائی بڑھاپے کی طرف لوٹانا مراد ہے کہ نہ قوی رہے اور نہ شکل وصورت کا حسن و جمال باقی رہا۔ پیدائش کے وقت بھی نہایت کمزور تھا۔ پھر نشو ونما پا کر جوان ہوا۔ بدن میں قوت ومضبوطی پیدا ہوئی اور بھر پور حسن و جمال والا ہوگیا۔ کچھ مدت تک اسی طرح رہا پھر ضعف وانحطاط کی طرف لوٹنا شروع کر دیا یہاں تک کہ ضعف وپستی کی انتہا کو پہنچ کر بدشکل اور بدہیئت نظر آنے لگتا ہے۔

بیکار اور دوسروں پر بار بن کر رہ جاتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ۝

وہ اللہ ہی ہے جس نے کمزوری کی حالت میں تمہاری تخلیق کی۔ پھر کمزوری کے بعد قوت عطا فرمائی۔ پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی علم (اور) قدرت والا ہے۔ (الروم: ۵۴)

پھر فرمایا کہ جو ایمان اور عمل صالح والے ہیں وہ ذلت و پستی کے مقام میں گرنے سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان پر بڑھاپا، عجز اور درماندگی نہیں آتی، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو اس جسمانی بیکاری اور مادی خرابی کا نقصان نہیں پہنچتا، کیونکہ ایمان اور عمل صالح سے وہ اپنی آخرت سنوار چکے ہیں۔ اللہ کے ہاں ان کے لئے جو اجر وثواب ہے وہ یقیناً کبھی منقطع نہ ہوگا۔

اگر دنیا میں بڑھاپے، کمزوری اور عجز سے سابقہ پڑا تب بھی آخرت میں ان کے لئے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت ہے اور بڑھاپے کی وجہ سے عمل کم ہو جانے کے باوجود ان کے نامۂ اعمال میں وہ سب اعمال لکھے جاتے ہیں جو وہ قوت کے زمانے میں کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ یہ جو جو اچھے اعمال اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا وہ سب اس کے نامۂ اعمال میں لکھتے رہو۔

اس کے برعکس جسمانی بیکاری اور عجز و درماندگی کا نقصان صرف ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی اور توانائی اسی دنیا کی زندگی کو سنوارنے میں صرف کردی۔ اب آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ (ابن کثیر ۵۲۷/۴، معارف القرآن، مفتی محمد شفیع ۷۷۶، ۷۷۷/۸)

اللہ کی حاکمیت

۷، ۸۔ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝

(اے انسان) اب تجھے قیامت کے جھٹلانے پر کونسی چیز آمادہ کرتی ہے۔ کیا

اللہ سب حاکموں کا حاکم نہیں ہے؟ (ضرور ہے)۔

تشریح: اے انسان جب تو اپنی پہلی اور ابتدائی پیدائش کو جانتا ہے اور اپنی ذات میں رونما ہونے والے تغیرات کا مشاہدہ کرتا ہے تو پھر تو قیامت اور بعث بعد الموت (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا) اور جزا و سزا کا انکار کیوں کرتا ہے۔ جس قادر مطلق نے تجھے پہلی دفعہ پیدا کیا اس پر دوسری مرتبہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں۔ یقیناً وہ سب سے بڑا حاکم ہے۔ وہ نہ ظلم کرتا ہے اور نہ بے انصافی۔ اس کے احکام تمام کائنات میں نافذ و جاری ہیں اور کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہے۔ چاند، سورج، ستارے، ہوائیں، بادل، بارش، چرند، پرند، چوپائے اور درندے غرض ہر چیز اس کی مطیع و فرماں بردار ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ قیامت اسی لئے قائم کرے گا تاکہ ہر ایک ظالم سے مظلوم کا انتقام لے۔

ترمذی، ابوداؤد اور ابن مردویہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص سورۂ والتین پڑھتے ہوئے اس آیت **الیس اللہ باحکم الحٰکمین** پر پہنچے تو اس کو کہنا چاہئے **بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ**۔ بیشک اللہ ہی احکم الحاکمین ہے اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔ (روح المعانی ۷۷/۱۷۰/۳۰)

فقہائے حنفیہ کے نزدیک جب بھی یہ آیت تلاوت کی جائے تو ان کلمات کا کہنا مسنون ہے سوائے نماز کے۔

سورۃ العلق

وجہ تسمیہ: اس سورت کی دوسری آیت میں لفظ علق (جما ہوا خون) آیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام العلق ہے۔ اس کو سورۂ اقرا بھی کہتے ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۱۹ آیات، ۷۲ کلمات اور ۲۷۰ حروف ہیں۔ جمہور صحابہ و تابعین کے مطابق مکہ میں سب سے پہلے اسی سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں مَـالَـمْ يَعْلَمْ تک غار حرا میں نازل ہوئیں۔ صحیح بخاری میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے اس کی تعبیر صبح صادق کی روشنی کی مانند بالکل ظاہر اور کھلی ہوئی ہوتی تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی محبوب بنا دی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا (یہ کوہ حرا پر واقع ہے، آج کل اس پہاڑ کو جبل نور کہتے ہیں) میں جا کر کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے۔ (اس عبادت کی کیا کیفیت ہوتی تھی اس کا کسی حدیث میں ذکر نہیں، حضرت عائشہؓ کی روایت میں تَحَنُّثْ کا لفظ آیا ہے۔ جس کے معنی عبادت کرنے کے ہیں) اور جتنے دن وہاں رہنے کا ارادہ ہوتا اتنے دنوں کا سامان خوراک ساتھ لے جاتے۔ جب کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آ کر حضرت خدیجہؓ سے مزید چند روز کے لئے سامان خوراک تیار کرا کر لے جاتے اور عبادت میں مشغول ہو جاتے، یہاں تک کہ اس غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حق یعنی وحی پہنچی اور ایک فرشتہ (جبرائیل امین) نے غار کے اندر آ کر آپ سے کہا ''پڑھیئے'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ آپؐ نے بیان فرمایا کہ اس پر اس فرشتے نے مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھے اس سے تکلیف محسوس ہونے لگی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیئے۔ میں نے دوبارہ کہا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سن کر اس نے مجھے پھر زور سے بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی تو اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھیئے، میں

نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھ نہیں سکتا اس پر اس نے تیسری مرتبہ مجھے آغوش میں لے کر خوب بھینچا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا!

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۞ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۞ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۞ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۞ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۞

اپنے پروردگار کے نام سے پڑھیے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی اور انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ (علق:۱-۵)

یہاں پہنچ کر وہ (جرائیل امین) خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ گھر تشریف لائے تو آپ کا دل کانپ رہا تھا اور آپ سخت سردی محسوس کر رہے تھے، اس لئے آتے ہی آپ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا۔ ''مجھے اوڑھاؤ مجھے اوڑھاؤ'' کچھ دیر کے بعد جب طبیعت پرسکون ہوئی تو آپ ﷺ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہؓ سے بیان کیا اور فرمایا کہ اس سے مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے تمام واقعہ سننے کے بعد کہا کہ ''خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو کبھی رنج نہ دے گا، آپ تو امانت ادا کرتے ہیں، آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، آپ ناتوانوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، آپ ﷺ ناداروں کے لئے کماتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، آپ لوگوں کی ان حوادث پر مدد کرتے ہیں جو حق ہوتے ہیں''۔ (بخاری شریف/ ج ا،ص ۲)

اس کے بعد حضرت خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ نے آپ سے تمام واقعہ سنتے ہی کہا یہ وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ کاش میں آپ ﷺ کی نبوت کے زمانے میں قوی اور توانا ہوتا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو وطن سے نکال دے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا کہ کیا یہ لوگ مجھے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا۔ بلاشبہ یہ آپ کو نکال دیں گے، کیونکہ جب بھی کوئی آدمی اس قسم کی دعوت لے کر آیا جو آپ لے کر آئے ہیں تو لوگ اس کے دشمن ہو گئے۔ اگر میں نے آپ کا وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی پرزور حمایت کروں گا۔ اس کے چند روز بعد ورقہ انتقال کر گئے۔ (بخاری/ ج ا،ص ۷، مسند ابوداؤد طیالسی/ ج ۲،ص ۱۶۹)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں۔ پھر چھ ماہ (یا دوسری روایت کے مطابق تقریباً ۲ سال یا اڑھائی سال) تک وحی کا سلسلہ بند رہا، جس کو زمانۂ فترت وحی کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد لگاتار قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا۔ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اقرأ اور مدثر کے بعد سب سے پہلے جو پوری اور مکمل سورت نازل ہوئی وہ سورۂ فاتحہ ہے۔

(مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۶۳۰، مظہری ۱۰/۳۰۱)

اس سورت میں انسان کی اس کمزور اور غلط فطرت کا بیان ہے کہ جس قدر اس پر اللہ کے انعامات و احسانات ہوتے ہیں اسی قدر اس کی سرکشی اور بغاوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ کے عذاب اور قہر کی وعید ہے کہ وہ وقت بہت قریب ہے جب جہنم کے فرشتے ایسے سرکشوں کو چوٹی سے پکڑ پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ خداوندی میں سجدہ ریز ہونے اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا حکم ہے۔

انسان کی تخلیق و تعلیم

۱۔۵۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَۚ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍۚ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُۙ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِۙ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْؕ۝

اپنے رب کا نام لیکر پڑھیئے جس نے (سب کچھ) پیدا کیا۔ اور انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیئے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم سے تعلیم دی (اور) انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔

اِقْرَاْ: تو پڑھ۔ قِرَاءَةٌ سے امر۔

عَلَقٍ: جما ہوا خون جو خشک نہ ہوا ہو، خون کا لوتھڑا، گاڑھا خون۔ اسم جنس ہے۔

اَکْرَمُ: بہت کریم، بہت باعزت۔ کَرَمٌ سے اسم تفضیل۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ آپ پر وحی کی جاتی ہے یا نازل کیا جاتا ہے اس کو اپنے اس رب جلیل کے نام کی مدد سے پڑھیے جس نے کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود عطا کیا۔ پس جو ذات کائنات کی ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والی ہے اور جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا اور اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھ، ناک اور کان وغیرہ اعضا بنائے تو کیا وہ خالق وقادر مطلق ایک زندہ، بینا و بصیر اور عقل وشعور رکھنے والے انسان کو جو اگرچہ پڑھا ہوا نہیں ہے، قرأت کی صفت عطا نہیں کر سکتا۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم آپ کو پہلے دیا گیا ہے آپ اس کو بجا لایئے، کیوں کہ آپ کا پروردگار نہایت کرم والا ہے۔ اس سے بڑھ کر کریم ہونا ممکن نہیں۔ وہ اتنا کریم ہے کہ بندوں کی ناشکری اور نافرمانی کی پرواہ نہیں کرتا اور ان کی سرکشی اور نافرمانیوں کو برداشت کرتا ہے اور قدرت کے باوجود ان سے فوری انتقام نہیں لیتا۔ وہ رب کریم اپنی غیبی مدد سے آپ کے لئے اس کا پڑھنا آسان کر دے گا۔ اسی نے قلم کے ذریعے علم سکھایا اور یہی قلم دنیا میں ایک نسل سے دوسری نسل تک علوم وفنون منتقل کرنے والا ہے۔ کیا وہ رب کریم اس پر قادر نہیں کہ اپنے فرشتے کے ذریعے یا براہ راست لوح محفوظ اور ملاء اعلیٰ کے علوم اپنے پیغمبر کے قلب پر وارد کر دے۔ یقیناً وہ ہر صورت پر قادر ہے۔ اسی نے انسان کو وہ تمام علوم سکھائے جو وہ نہیں جانتا تھا۔

سرکش انسان

۶، ۸۔ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝

بیشک انسان تو حد سے نکل جاتا ہے اس لئے وہ اپنے آپ کو بے پرواہ سمجھتا ہے۔ بیشک تجھے اپنے رب ہی کے پاس لوٹنا ہے۔

تشریح: نبوت کے ابتدائی دنوں میں کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف نہ تھا۔ سب آپ کو امین اور صادق کے القاب سے پکارتے تھے۔ آپ سے محبت اور آپ کی نہایت تعظیم کرتے تھے۔ ابو جہل کی دشمنی اور آپ کو نماز پڑھنے سے روکنے کا واقعہ جو آئندہ آیتوں میں مذکور ہے وہ شب معراج کے بعد کا ہے۔ اگرچہ اس آیت کا روئے سخن ابو جہل کی طرف ہے، جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی لیکن یہاں عام انسانوں کی ایک عام کمزوری بیان کی گئی ہے کہ جب

تک انسان دوسروں کا محتاج رہتا ہے تو عاجزی کرتا اور سیدھا چلتا ہے۔ جب اس کے پاس دو پیسے ہوجاتے ہیں اور اسے فارغ البالی حاصل ہوجاتی ہے تو اس کو یہ گمان ہوجاتا ہے کہ اب وہ مستغنی ہوگیا ہے اور اب اسے کسی کی حاجت اور پرواہ نہیں۔ اس میں سرکشی، کبروغرور اور عجب وخود پسندی آجاتی ہے اور اس میں دوسروں پر ظلم وستم روا رکھنے کے رجحانات پیدا ہوجاتے ہیں، جیسا کہ عموماً مالداروں، حاکموں اور اولاد واحباب کی کثرت رکھنے والوں میں دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ اپنے مال واولاد اور جماعت وجتھے کی طاقت میں مست ہوکر کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ابوجہل کا بھی یہی حال تھا۔ وہ مکے کے مالدار لوگوں میں سے تھا۔ شہر کے لوگ اس کی بات مانتے اور اس کا احترام کرتے تھے۔ اسی لئے وہ مغرور اور سرکش ہوگیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا تھا۔

ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور یوم حشر سے ڈرتے رہنا چاہئے اور انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک دن سب کو لوٹ کر اللہ کے پاس جانا ہے جہاں ان سے چھوٹے بڑے اور ظاہر و پوشیدہ تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا اور ان سے یہ بھی پوچھا جائے گا کہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔ اس گستاخ رسول ابوجہل کو بھی وہاں اپنے اعمال کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً مروی ہے کہ دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ ہی نہیں بھرتا۔ ایک طالبِ علم اور دوسرا طالبِ دنیا۔

ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ علم کا طالب تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے میں بڑھتا رہتا ہے اور دنیا کا طالب سرکشی اور خود پسندی میں بڑھتا رہتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰی اَنْ رَّاٰہُ اسْتَغْنٰی تلاوت فرمائی جس میں دنیاداروں کا ذکر ہے۔ اور طالب علموں کی فضیلت میں آیت اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸) تلاوت کی۔

(ابن کثیر ۵۲۸/۴، معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۷۷۸)

ابوجہل کا ایک واقعہ

۹، ۱۶۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۝ اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰٓی ۝
اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ۝ اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ
یَرٰی ۝ کَلَّا لَئِنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ۝ نَاصِیَةٍ کَاذِبَةٍ

خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾

(اے مخاطب) کیا تو نے اس کو بھی دیکھا جو ایک بندے کو منع کرتا ہے جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھو تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیزگاری کا حکم کرتا۔ بھلا دیکھو تو اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑ لیا۔ تو کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔ خبردار! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ ایسی پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے۔

نَسْفَعًا: ہم گھسیٹیں گے، ہم پکڑ کر کھینچیں گے۔ سَفْعٌ سے مضارع۔

نَاصِيَةٍ: پیشانی کے بال، چوٹی۔ جمع نَوَاصِیْ

شانِ نزول: ابن المنذر نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابوجہل نے لوگوں سے پوچھا کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری موجودگی میں خاک پر چہرہ رگڑتے (سجدہ کرتے) ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ ابوجہل نے کہا لات وعزیٰ کی قسم اگر میں نے ان کو ایسا کرتے ہوئے دیکھا تو (نعوذ باللہ) پاؤں سے ان کی گردن روند ڈالوں گا۔ اور ان کے منہ کو مٹی میں رگڑ دوں گا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ ابوجہل آ گیا اور اس نے (آپ کو) نماز سے روکا۔ اس پر اَرَاَیْتَ سے کَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ تک آیات نازل ہوئیں۔ (مظہری ۱۰/۳۰۶)

تشریح: یہاں سے سورت کے آخر تک ابوجہل کا واقعہ مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کر دی تو ابوجہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ اگر آپ نے آئندہ نماز پڑھی اور سجدہ کیا تو میں (نعوذ باللہ) آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مخاطب! کیا تو نے اس بدبخت کو دیکھا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ایک برگزیدہ بندے کو اللہ کی بندگی سے روکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر سرکشی اور بغاوت کیا ہوگی کہ خود تو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑے ہوئے ہے، دوسروں کو بھی اس کی عبادت نہیں کرنے دیتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بہترین طریقے سے وعظ ونصیحت کی کہ بھلا اگر وہ بندہ سیدھی راہ پر ہو جس کو تو نماز سے روکتا ہے اور وہ دوسروں کو تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیتا ہو اور اللہ کے عذاب سے ڈراتا

ہو، پھر بھی تو اس کو اللہ کے گھر سے روکے اور ڈانٹ ڈپٹ کرے تو کیا یہ تیری بدبختی اور بدنصیبی کی انتہا نہیں۔ بھلا اگر تو نے اللہ کی بات کو جھٹلایا اور منہ موڑا اور سرکشی و نافرمانی پر قائم رہا تو اس سے ہمارا کیا نقصان، تو خود ہی ہلاک و برباد ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ تقدیر کلام اس طرح ہے کہ دیکھو تو کیسے تعجب کی بات ہے کہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو یہ اس کو روکتا ہے حالانکہ وہ بندہ ہدایت پر ہے اور تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور یہ روکنے والا جھٹلانے والا اور ایمان سے روگرداں ہے۔ (مظہری ۳۰۸/۱۰)

پھر اس کی تنبیہ کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نماز پڑھنے والی اس بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور روکنے والے بدبخت کو بھی اور اس کی باتوں کو بھی سن رہا ہے۔ وہ اس کو اس کے کام اور کلام دونوں پر سزا دے گا، اگر وہ اپنی سرکشی اور ایذا دہی سے باز نہ آیا تو ہم بھی اس کو جانوروں کی طرح پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ ایسی پیشانی جو جھوٹی، نافرمان اور خطا کار ہے۔ قیامت کے دن کافروں کو پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹنا ان کی ذلت و رسوائی کے لئے ہوگا۔ پیشانی انسان کے جسم میں سب سے زیادہ عزت و کرامت کی چیز ہے، اس لئے کسی کو اس کے ذریعے گھسیٹنا اس کی انتہائی تحقیر و تذلیل ہے۔ کافر چونکہ اللہ کے سامنے سر جھکانے سے اعراض کرتا ہے اس لئے وہ اسی لائق ہے کہ اس کو پیشانی کے بل گھسیٹ کر ذلیل و خوار کیا جائے جیسے ارشاد ہے:

يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ ﴿٤٨﴾

اس دن منہ کے بل ان کو آگ میں گھسیٹا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) دوزخ کی آگ چھونے کا مزہ چکھو۔ (القمر ۴۸)

ابوجہل کے تکبر کا جواب

۱۷، ۱۹۔ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾

سو یہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے ہم بھی (دوزخ کے معمولی) پیادے بلاتے ہیں۔ خبردار (اے رسول ﷺ) آپ اس کا کہنا نہ مانیے اور سجدہ کیجئے اور قرب الٰہی حاصل کرتے رہئے۔

نَادِیَ: مجلس، مجلس کے ساتھی۔

الزَّبَانِیَۃَ: دوزخ کے پیادے، دوزخ کے فرشتے جو عذاب پر متعین ہیں۔ واحد زَبْنِیّ

شانِ نزول: ترمذی نسائی اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ ادھر سے ابوجہل گزرا اور کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) کیا میں نے منع نہیں کیا تھا کہ یہاں یہ حرکت نہ کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعین کو جھڑک دیا۔ وہ کہنے لگا اے محمد (ﷺ) آپ خوب جانتے ہیں کہ واللہ اس وادی میں میری چوپال (مجلس) والے سب سے زیادہ ہیں، آپ مجھے جھڑکتے ہیں، خدا کی قسم میں اس وادی کو آپ کے خلاف اعلیٰ گھوڑوں کے سواروں اور نوجوان پیادوں سے بھر دوں گا۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (مظہری ۳۰۸/۱۰، مواہب الرحمٰن ۶۴۶/۳۰)

تشریح: یہاں اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کے بارے میں فرمایا کہ اس کو اپنے جتھے اور چوپال والوں پر اس قدر غرور ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے سب مددگاروں ہمنشینوں، قرابتداروں اور کنبے قبیلے والوں کو بلالے۔ ہم بھی اپنے عذاب کے فرشتوں کو بلا لیتے ہیں جو اس کو گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیں گے، اور ہم دیکھیں گے کہ کون اس کو ہمارے عذاب سے بچاتا ہے۔

ترمذی وغیرہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر ابوجہل اپنے حامیوں کو پکارتا تو عذاب کے فرشتے اسی وقت اسے اچک لیتے۔ (ابن کثیر ۵۲۹/۴)

پھر فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس مردود و بدبخت کی بات نہ مانیے اور نہ آپ کو اس کی دنیوی وجاہت اور مال و دولت سے متاثر ہونے کی ضرورت ہے۔ آپ تو اپنے رب کی کثرت سے عبادت کرتے رہئے، جہاں دل چاہے نماز پڑھئے اور اللہ کا قرب حاصل کیجئے اور اس بدبخت و بدنصیب کی بالکل پرواہ نہ کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہے۔ وہ آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔

مسلم وغیرہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب سے بہت ہی زیادہ قریب ہوتا ہے۔ سو تم سجدے کی حالت میں بکثرت دعائیں مانگو۔ (ابن کثیر ۵۲۹/۴)

سورۃ القدر

وجہ تسمیہ: اس سورت میں شب قدر کا بیان ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام القدر ہے۔ اس کو سورۃ لیلۃ القدر اور سورۃ لیلۃ المبارک بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں پانچ آیتیں، ۳۰ کلمات اور ۱۱۲ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ماوردی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی۔ ابن الزبیر، ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا بھی یہی قول ہے۔ ثعلبی اور واقدی کہتے ہیں کہ اکثر کے نزدیک یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ پہلا قول زیادہ معتبر اور قرین قیاس ہے۔ (حقانی ۲۴۰/۵، مواہب الرحمٰن ۶۴۹/۳۰)

اس میں خاص طور پر نزول قرآن، شب قدر کی عظمت وفضیلت اور اس میں اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں وحی کے آغاز کا ذکر تھا۔ اس سورت میں شب قدر کی فضیلت بیان کی گئی ہے، جس میں قرآن کریم جیسی عظیم کتاب کا نزول ہوا۔

نزولِ قرآن

۱۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا ہے۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسلاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک جہاد میں مشغول رہا۔ مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی ایک ہزار مہینے کی عبادت سے بہتر قرار دیا۔

ابن جریر نے مجاہد کی روایت سے ایک دوسرا واقعہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ

حال تھا کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا اور دن بھر جہاد میں مشغول رہتا۔ اس نے ایک ہزار مہینے اسی مسلسل عبادت میں گزار دیئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی۔ (مظہری ۱۰، ۳۱۰)

تشریح: ہم نے اس قرآن کو لیلۃ القدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا جو بڑی متبرک رات ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین اسی رسول اور اسی کتاب کے منتظر تھے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ لیلۃ القدر وہی لیلۃ المبارکہ ہے جس کا بیان دوسری آیت میں ہے:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةٍ مُّبَٰرَكَةٍ

بیشک ہم نے اس کو ایک مبارک رات میں نازل کیا۔ (الدخان ۳)

یہ مبارک رات یعنی لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہوتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْءَانُ

ماہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ (البقرۃ ۱۸۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شب قدر میں اللہ تعالیٰ نے پورا قرآن ایک دفعہ میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کر دیا۔ پھر وہاں سے ۲۳ برس تک حسب ضرورت تھوڑا تھوڑا کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا رہا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے رمضان کی تیسری تاریخ کو، توریت چھٹی تاریخ کو اور انجیل تیرھویں رمضان کو اور زبور اٹھارہویں رمضان کو اتاری گئیں، اور قرآن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چوبیسویں رمضان کو نازل ہوا جب رمضان کی چھ راتیں باقی تھیں۔ (مظہری ۳۱۱، ۱۰/۳۱۲)

شب قدر

۲۔۵۔ وَمَآ أَدْرَىٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلَٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلَٰمٌ هِىَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

اور کیا آپ کو معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے

بہتر ہے۔اس میں فرشتے اور روح (جبرئیل) اپنے رب کے حکم سے ہر امر (خیر) کو لے کر (زمین کی طرف) اترتے ہیں وہ سلامتی (کی رات) ہے فجر طلوع ہونے تک۔

تشریح: اے مخاطب تجھے کیا معلوم کہ شب قدر اور اس کی عظمت و برکت کیا ہے۔اس میں قرآن مجید کیوں نازل کیا گیا اور اس میں عبادت و ذکر الٰہی کا اجر و ثواب کس قدر ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اس کی فضیلت اور برکات عقل کی رسائی سے زیادہ ہیں۔بس اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اس ایک رات کی عبادت کا ثواب ہزار مہینوں کی عبادت کے ثواب سے زیادہ اور بہتر ہے۔اسی رات میں فرشتے اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر امر خیر لیکر زمین اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے مومن بندوں کی طرف اترتے ہیں اور ان کے واسطے دعا کرتے ہیں۔اس رات کا ایک ایک لمحہ ہر شر و آفت اور برائی سے سلامتی کا ہے اور اس میں خیر ہی خیر اور برکت و رحمت ہے۔اس میں شر کا نام تک نہیں۔یہ رات غروب شمس سے لیکر فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے اس لئے اس دوران اس کے جس حصے میں بھی عبادت کی جائے گی اس کی وہ رحمتیں اور برکتیں حاصل ہو جائیں گی جو اللہ تعالیٰ نے اس رات میں رکھی ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان کی حالت میں ثواب کی امید سے شب قدر میں (نماز کے لئے) کھڑا ہوتا ہے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبرئیل امین فرشتوں کی فوج کے ساتھ اترتے ہیں (اس وقت) جتنے اللہ کے بندے مرد و عورت نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں وہ سب کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

مسلم میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جماعت کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی اس نے گویا نصف شب قیام کیا اور جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز بھی پڑھی اس نے گویا پوری رات عبادت کی۔

احمد، ابن ماجہ اور ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھے شب قدر معلوم ہو جائے تو میں کیا کہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی کہو۔(مظہری ۱۰/۳۱۶)

سورۃ البیّنہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کو بینہ اس لئے کہتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عرب کے مشرکین اور اہل کتاب اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جب تک کوئی بینہ (حجت و دلیل) سامنے نہ آئے ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ اس کو سورۃ المنفکین اور سورۃ البریہ بھی کہتے ہیں۔ (روح المعانی ۳۰/۲۰۰)

تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں ۹۴ کلمات اور ۳۹۰ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی اور بعض کے نزدیک مدینہ میں۔ ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ اس کا نزول مدینہ میں ہوا۔ یہی جمہور کا قول ہے۔ امام احمد نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تجھے فلاں سورت پڑھ کر سناؤں۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا وہاں میرا نام لیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن البزیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوالمنذر (حضرت ابی کی کنیت) پھر تو تم بہت ہی خوش ہوئے ہوگے۔ حضرت ابی نے کہا ہاں خوش کیوں نہ ہوتا، اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور مہربانی پر خوش ہونا چاہئے، یہ اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کر رہے ہیں۔ (یونس: ۵۸)

(مواہب الرحمٰن ۳۰/۶۶۷، ابن کثیر ۴/۳۳۶)

سورت کے شروع میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کا رسول، ان کی بعثت و نبوت، ان کے اوصاف و کمالات اور ان کا قرآن کریم کی تلاوت کرنا، یہ سب بذات خود بینہ ہیں۔ پھر عبادت کی روح یعنی

اخلاص وتوحید کا بیان ہے۔ اس کے بعد آخرت میں اہل شقاوت واہل سعادت کے انجام کا بیان ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں شب قدر کی عظمت وفضیلت کا ذکر تھا۔ اسی مناسبت سے اس سورت میں عبادت کی قبولیت کی اساس یعنی اخلاص وتوحید کا بیان ہے۔

اہل کتاب اور مشرکین کا حال

۱،۲۔ لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُوا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ اور مشرکین (کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ اللہ کا ایک رسول (آئے) اور پاک صحیفے پڑھ کر سنائے، جن میں درست احکام ہوں

مُنفَكِّينَ: باز آنے والے، جدا ہونے والے۔ اِنْفِكَاکٌ سے اسم فاعل۔

البَيِّنَةُ: واضح دلیل، روشن دلیل۔ جمع بَيِّنٰتٌ۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین سب شرک وکفر کرتے تھے، جیسے یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے تھے۔ وہ اپنے کفر وشرک سے باز آنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی ہوئی حقیقت اور واضح دلیل وحجت یعنی عظیم المرتبت رسول نہ آجائے، جن کے ساتھ اللہ کی کتاب بھی ہو اور اس کی مدد بھی ان کے شامل حال ہو۔

یہ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو امی ہونے کے باوجود ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ قرآن پاکیزہ صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ اس کے احکام درست، سچے اور مضبوط ہیں جو قیامت تک قائم رہیں گے۔ یہ صحیفے باطل اور شیطانی تصرف سے پاک رکھے گئے ہیں اور بے وضو، ناپاک اور حائضہ کے چھونے سے محفوظ ہیں۔ جیسے ارشاد ہے:

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝

اس میں باطل نہ آگے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے ۔ یہ تو حکیم وحمید کی طرف سے نازل شدہ ہے ۔ (حم السجدہ ۴۲)

لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝

اس کو پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں ۔ (الواقعہ ۷۹)

بغوی نے لکھا ہے کہ بعض ائمہ لغت نے منفکین کا ترجمہ ہالکین کیا ہے ۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبر کو بھیجنے اور کتاب نازل کرنے سے پہلے اہل کتاب ہلاک ہونے والے نہ تھے ، کیونکہ پیغمبر کو احکام دیکر بھیجنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک اور برباد نہیں کرتا ۔ جیسا کہ ارشاد ہے :

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝

اور ہم کسی کو سزا نہیں دیتے جب تک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے ۔ (الاسراء ۱۵)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے رسول کی آمد بذات خود ایک بیّنہ اور واضح ثبوت ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تلاوت کردہ آیات ہی کی برکت تھی کہ دور جاہلیت کے وہ عرب جو کفر وشرک کی ظلمتوں میں غرق تھے وہ نور ہدایت سے مشرف ہوئے ورنہ ایسی گمراہ قوم کے راہ راست پر آنے کی کوئی توقع نہ تھی ۔

اہل کتاب کا تفرقہ

۴، ۵۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ۝

اور اہل کتاب واضح دلیل آنے کے بعد ہی (دین میں) متفرق ہوئے ۔ حالانکہ ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ کی بندگی کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیتے رہیں اور یہی مستحکم دین ہے ۔

قَیِّمَۃٌ: مضبوط، درست، ٹھیک، مستحکم ۔ قِیَامٌ سے صفت مشبہ ۔

حُنَفَاءَ: حنیفی، یکسو ہونے والے، مائل ہونے والے، اللہ کی طرف ہونے والے ۔ واحد حَنِیۡفٌ

تشریح: آپ کی بعثت سے پہلے کسی یہودی یا نصرانی کو اس میں اختلاف نہیں تھا کہ آخری زمانے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ پر قرآن نازل ہوگا اور آپ کی اتباع سب پر لازم ہوگی ۔ اسی لئے اہل کتاب آپ کی بعثت کے منتظر تھے ۔ جیسے ارشاد ہے:

وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

حالانکہ اس سے پہلے وہ (اس کی برکت سے) کافروں پر فتح (کی دعا) مانگتے تھے ۔ (البقرہ ۸۹)

جب بھی مشرکین سے اہل کتاب کا مقابلہ ہوتا تو وہ آپ کے وسیلے سے کافروں کے خلاف فتح کی دعا کرتے تھے، کیونکہ آپ کے اوصاف ان کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیئے گئے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیج دیا تو ان لوگوں نے محض حسد اور عناد کی وجہ سے آپ کی تصدیق نہیں کی ۔ دوسری آیت میں ہے:

فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ

پھر جب وہ (رسول) ان کے پاس آ گیا جس کو انہوں نے پہچان بھی رکھا تھا تو وہ اس کے منکر ہو گئے ۔ (البقرہ ۸۹)

ہر پیغمبر نے مشرکین و منکرین کو یہی حکم دیا تھا کہ ہر قسم کے باطل اور جھوٹ سے علیحدہ ہو کر خالص خدائے واحد کی بندگی کریں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف اس ایک مالک و خالق کے غلام بن جائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں ۔ دوسری آیت میں ہے:

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ۝

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں سو تم میری ہی عبادت کرو ۔ (الانبیاء: ۲۵)

اور ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

اور ہم نے ہر امت میں (اسی تبلیغ کے لئے) رسول بھیجے ہیں کہ تم (صرف) اللہ کی عبادت کرو اور بتوں (کی عبادت) سے بچو۔ (النحل:۳۶)

یہی سابقہ انبیاء اور ان لوگوں کا دین ہے جو توحید پر قائم تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کا حکم دیتے ہیں کہ اپنی عبادت و اطاعت کو اللہ کے لئے خالص رکھو۔ کسی کو بھی اس کی عبادت میں شریک نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔

بہترین اور بدترین لوگ

۸۰۶۔ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۝

بیشک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا وہ دوزخ کی آگ میں جائیں گے اور اسی میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی بدترین مخلوق ہیں۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے وہی تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ ان کے رب کے ہاں ان کا بدلہ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہونگی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ (صلہ) اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

الْبَرِیَّةِ: مخلوق، جمع بَرَایَا۔

عَدْن: ہمیشہ رہنا، بسنا، کسی جگہ مقیم ہونا، جنت کے ایک خاص درجے کا نام۔ مصدر ہے۔

خَشِیَ: وہ ڈرا، اس نے خوف کھایا۔ خَشْیَۃٌ سے ماضی۔

تشریح: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کر کے اہل کتاب نے خود اپنے رسول اور اپنی کتاب کا انکار کیا۔ لہٰذا جن اہل کتاب اور مشرکوں نے کفر و انکار کیا وہ سب ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔ بلا شبہ یہی لوگ مخلوق میں سب سے بدتر ہیں ان کے برعکس جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے ایمان و اعمال صالحہ کا صلہ یہ ہوگا کہ وہاں ان کے رہنے کے لئے ایسی جنتیں ہیں جن کے محلات کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ جنت کی نعمتیں نہ کبھی ختم ہوں گی اور نہ اس میں کوئی کمی واقع ہوگی۔ ان سب نعمتوں سے بڑھ کر رضائے خداوندی کی نعمت ہوگی یعنی اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ کی رحمتوں اور انعامات سے خوش ہوں گے۔ اللہ کی رضا اور خوشنودی اس شخص کو حاصل ہوگی جو دل میں اللہ کا خوف وخشیت رکھتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جنت والوں سے فرمائے گا کہ اے جنت کے رہنے والو! اہل جنت جواب دیں گے لبیک ربنا و سعدیک و الخیر کله فی یدیک اللہ فرمائے گا کیا تم راضی ہو۔ اہل جنت عرض کریں گے اے ہمارے پروردگار! ہمارے راضی نہ ہونے کی کیا وجہ ہے، تو نے ہمیں وہ چیزیں عطا فرما دیں جو تیری مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میں تمہیں ان سے بڑھ کر چیز نہ دوں۔ اہل جنت عرض کریں گے پروردگار ان سے اعلیٰ چیز کیا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی رضامندی نازل کرتا ہوں۔ آئندہ تم سے کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ متفق علیہ۔ (مظہری ۳۱۹/۱۰)

سورۃ الزلزال

وجہ تسمیہ: اس سورت میں زمین کے لرزنے (زلزلے) کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کا نام الزلزال ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں، ۳۵ کلمات اور ۱۴۹ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابن عباس، قتادہ اور جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ مگر ابن مسعود وعطاء اور جابر کہتے ہیں کہ یہ مکے میں نازل ہوئی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تو نے نکاح کیا ہے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ میں نے نکاح نہیں کیا اور نہ میرے پاس اس قدر ہے کہ نکاح کرسکوں۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس **قل هو الله** نہیں ہے اس نے کہا ہاں یہ تو ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس **اذا جـــــاء** نہیں ہے اس نے کہا وہ بھی ہے۔ آپ نے فرمایا وہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس **قـل یـا یهـا الکفرون** نہیں ہے۔ اس نے کہا ہاں ہے آپ نے فرمایا یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ کیا تیرے پاس **اذا زلـزلت الارض** نہیں ہے۔ اس نے کہا وہ بھی ہے آپ نے فرمایا کہ یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ جا اب نکاح کرلے۔ (مواہب الرحمٰن ۶۸۱، ۶۸۲/ ۳۰، ابن کثیر ۴/۵۳۹)

جب آسمان اور زمین اور کائنات کا تمام نظام درہم برہم کردیا جائے گا اور قیامت قائم ہوگی تو ہر انسان کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ نہ کسی کا کوئی عمل خیر ضائع ہوگا اور نہ کوئی برے عمل کی سزا سے بچ سکے گا۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں اہل سعادت اور اہل شقاوت کے اعمال وافعال اور ان کے انجام کا بیان ہے۔ اس سورت میں سعادت وشقاوت کے ثمرات مرتب ہونے کا وقت بتایا گیا ہے کہ وہ نظام عالم کا درہم برہم ہونا اور قیامت کا قائم ہونا ہے۔ اس دن ہر شخص اپنے چھوٹے بڑے اور اچھے برے تمام اعمال کا بدلہ پائے گا۔

زمین کا زلزلہ

۳،۱۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝
وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝

جب زمین اس کے بھونچال سے ہلا دی جائے اور زمین اپنے بوجھ (دفینے)
نکال باہر کرے تو آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔

زُلْزِلَتِ: وہ زلزلہ میں آ گئی، وہ ہلائی گئی۔ زُلْزِلَتْ سے ماضی مجہول۔

اَثْقَالَ: بوجھ، دفینے، مردے اور خزانے مراد ہیں۔ واحد ثِقْلٌ

تشریح: قیامت کے روز زمین کو ایک نہایت سخت اور ہولناک زلزلے سے خوب جھنجوڑ دیا جائے گا اور وہ اوپر سے نیچے تک کپکپانے لگے گی، پہاڑ اور بلند و بالا عمارتیں گر کر چورا چورا ہو جائیں گی اور زمین چٹیل میدان کی طرح بالکل صاف اور ہموار ہو جائے گی۔ دوسری آیت میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ
عَظِيْمٌ ۝

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے،
(الحج:۱)

یہ زلزلہ کب آئے گا اس میں دو قول ہیں۔ بعض کے نزدیک نفخۂ اولیٰ سے پہلے والا زلزلہ مراد ہے جو علامات قیامت میں سے ہے۔ ۲۔ بعض کے نزدیک نفخۂ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ مراد ہے جب مُردے دوبارہ زندہ ہوں گے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد کا زلزلہ مراد ہو کیونکہ آگے قیامت کے احوال کا بیان ہے۔

جب مذکورہ زلزلہ آئے گا تو زمین اپنے اندر کی ہر چیز یعنی خزانے، کانیں، دفینے اور مردے وغیرہ سب کچھ باہر اگل دے گی اور بالکل خالی ہو جائے گی لیکن مال لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر انسان ہکا بکا رہ جائے گا اور حیرت و استعجاب سے کہے گا کہ زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ کپکپانے اور تھرتھرانے لگی اور اپنے اندر کی چیزیں باہر پھینکنے لگی۔ یہ تو کبھی ہلتی جلتی نہ تھی بالکل ٹھہری اور جمی ہوئی تھی۔ اس کے باغات اور عمارتیں کہاں گئیں۔ جس مال و دولت پر انسان ایک دوسرے کے

خوں کے پیاسے اور قتل و غارت گری پر آمادہ رہتے تھے وہ سب زمین نے باہر اگل دیا ہے۔ پس زمین اور آسمان بالکل بدل جائیں گے اور سب لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ بعض کے نزدیک یہاں انسان سے مراد کافر ہے جس کو قبر سے اٹھنے کی امید ہی نہ تھی، اس لئے وہ قبر سے اٹھنے کے وقت یہ بات کہے گا۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین اپنے جگر پاروں کو اگل دے گی۔ سونا چاندی مثل ستونوں کے باہر نکل پڑے گا۔ قاتل اسے دیکھ کر افسوس کرتا ہوا کہے گا اسی مال کے لئے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا۔ آج کوئی اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ اسی طرح قطع رحمی کرنے والا کہے گا اسی کی محبت میں آکر رشتے داروں سے سلوک نہیں کرتا تھا، چور کہے گا اسی کی محبت میں میں نے ہاتھ کٹوائے۔ وہ مال اسی طرح پڑا رہے گا کوئی بھی اس کو نہ لے گا۔ (مظہری/ ج ۱۰، ص ۳۲۲)

زمین کی خبریں

۴۔۸ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

اس دن یہ اپنی تمام خبریں بیان کر دے گی اس لئے کہ آپ کے رب کا اس کو یہی حکم ہوگا۔ اس دن لوگ مختلف حالتوں پر لوٹ آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ پس جس نے ذرہ برابر بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔

تُحَدِّثُ: تو بیان کرتا ہے، تو خبر دیتا ہے۔ تَحْدِیْثٌ سے مضارع۔

یَصْدُرُ: وہ نکلے گا، وہ واپس لوٹے گا، وہ ظاہر ہوگا۔ صَدْرٌ و صُدُوْرٌ سے مضارع۔

اَشْتَاتاً: الگ الگ، جدا جدا، ٹولیاں ٹولیاں۔ واحد شَتٌّ وَشَتَاتٌ

تشریح: اس دن زمین صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں فلاں شخص نے اس پر فلاں فلاں نافرمانی کی۔ فلاں نے فلاں جگہ زنا کیا، فلاں نے چوری کی، فلاں نے قتل کیا۔ اگر کسی نے عبادت کی ہوگی تو اس کی بھی گواہی دے گی کہ فلاں نے یہاں مجھ پر نماز پڑھی اور فلاں نے فلاں جگہ مجھ پر فلاں نیک

کام کیا وغیرہ۔ وہ یہ سب کچھ اس لئے بتائے گی کہ اللہ تعالیٰ اس کو سب کچھ بتانے کا حکم دے گا۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ کیا تم جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہوں گی۔ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا زمین کی خبریں یہ ہوں گی کہ بنی آدم نے جو اعمال زمین پر کئے ہوں گے وہ تمام ظاہر کردے گی کہ فلاں فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے۔ (روح المعانی ۳۰/۲۱۰)

معجم طبرانی میں حضرت ربیعہ حرثی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین سے احتیاط رکھو۔ یہ تمہاری ماں ہے۔ جس شخص نے بھی اس پر کوئی اچھا یا برا کام کیا ہوگا وہ سب کھول کر بیان کردے گی۔ (ابن کثیر ۴/۵۳۹)

اس دن لوگ حساب و کتاب کے بعد مقام حساب سے مختلف ٹولیوں کی صورت میں لوٹیں گے۔ کچھ دائیں طرف جنت میں جائیں گے اور کچھ بائیں سمت میں دوزخ کی طرف جائیں گے، تاکہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ پالیں جو میدان حشر میں حساب و کتاب کے بعد طے کردیا گیا ہے۔ پس جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا وہ اس کو وہاں ضرور دیکھ لے گا اور اس کو نیکی کا بدلہ مل کر رہے گا اور جو شخص ذرہ برابر بھی برائی کرے گا اور اس سے توبہ نہیں کرے گا وہ یقیناً اس کو وہاں دیکھ لے گا اور اس کی سزا بھگتے گا کیونکہ انسان کو یہ بات پہلے ہی بتادی گئی تھی۔ جیسے دوسرے آیت میں ہے:

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا

اگر تم نے بھلائی کی تو اپنے ہی نفع کے لئے کی اور اگر تم نے برائی کی تو وہ بھی اپنے ہی لئے کی۔ (الاسراء:۷)

حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ضرور ایسی (عمومی) مغفرت فرمائے گا کہ ابلیس بھی اس کی طرف بڑھے گا اور اس کو پالینے کے قریب پہنچ جائے گا (مگر پا نہ سکے گا)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ حقیر گناہوں سے پرہیز رکھ۔ اللہ کی طرف سے ان کی باز پرس کرنے والا بھی ہوگا۔ مسلم میں حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تھوڑی بھلائی کو بھی حقیر نہ سمجھو، خواہ اتنا ہی کہ اپنے بھائی سے شگفتہ روئی سے پیش آؤ۔ (مظہری ۱۰/۳۲۵-۳۲۴)

سورۃ العٰدیٰت

وجہ تسمیہ: اس کی ابتدا والعٰدیٰت یعنی دوڑتے ہوئے گھوڑوں کی قسم سے ہوئی ہے، اسی لئے اس کا نام العٰدیٰت ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں گیارہ آیتیں، ۴۰ کلمات اور ۱۶۳ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین نے اس کو مکی کہا ہے۔ ابن مسعود، جابر، حسن، عکرمہ اور عطا کا یہی قول ہے۔ ابن عباس، انس بن مالک اور قتادہ کے مطابق یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ حسن بصری نے مرسل روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِذَا زُلْزِلَتِ نصف قرآن کے برابر ہے اور العٰدیٰت نصف قرآن کے برابر ہے۔ سورۃ الزلزال کی طرح اس میں بھی نیکی اور بدی کا انجام بیان کیا گیا ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں بتایا گیا تھا کہ انسان جو بھی نیکی یا گناہ کا کام کرے گا قیامت کے روز وہ اس کا بدلہ پا کر رہے گا۔ اس سورت میں اس کی غفلت و لاپرواہی اور اپنے رب کی ناشکری کی مذموم عادت بیان کی گئی ہے۔

انسان کی ناشکری

۱تا۷۔ وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ

قسم ہے ان گھوڑوں کی جو ہانپتے ہوئے دوڑتے ہیں۔ پھر ٹاپ مار کر چنگاریاں نکالنے والوں کی۔ پھر صبح کے وقت دھاوا بولنے والوں کی۔ پھر اس میں غبار اڑاتے ہیں۔ پھر فوجوں کے درمیان گھس جاتے ہیں۔ یقیناً انسان

اپنے رب کا ناشکرا ہے اور یقیناً وہ اس سے باخبر ہے۔

العٰدِیٰتِ: تیز دوڑنے والیاں (گھوڑے یا اونٹنیاں) عَدْوٌ سے اسم فاعل واحد عَادِیَۃٌ۔

ضَبْحاً: ہانپتے ہوئے (گھوڑے)، تیز دوڑنے کی حالت میں گھوڑے کا پیٹ سے آواز نکالنا۔ مصدر ہے۔

المُوْرِیٰتِ: آگ روشن کرنے والے، پتھر پر ٹاپ مار کر آگ نکالنے والے (گھوڑے)۔ اِیْرَاءٌ سے اسم فاعل۔ واحد مُوْرِیَۃٌ

قَدْحاً: چقماق کو مار کر آگ نکالنا۔ گھوڑے کا ٹاپ مار کر آگ نکالنا۔ مصدر ہے۔

المُغِیْرٰتِ: غارت کرنے والیاں، شب خون مارنے والے (جنگی گھوڑے)۔ یہاں مجاہدین کی وہ فوجیں مراد ہیں جو صبح کے وقت دشمن پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ اِغَارَۃٌ سے اسم فاعل۔

اَثَرْنَ: وہ اڑاتے ہیں، وہ اٹھاتے ہیں۔ اِثَارَۃٌ سے ماضی۔

نَقْعاً: دھول، غبار۔

فَوَسَطْنَ: وہ بیچ میں گھس گئیں۔ سِطَۃٌ و وَسَطٌ سے ماضی۔

کَنُوْدٌ: بڑا ناشکرا، کافر، بخیل۔ کُنُوْدٌ سے مبالغہ۔

تشریح: اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات و صفات کی قسم کھا کر انسان کے بارے میں دو باتیں کہی ہیں، ۱۔ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا بڑا ناشکرا ہے۔ مصیبتوں اور تکلیفوں کو یاد رکھتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے، ۲۔ وہ مال کی محبت میں شدید ہے۔ یہ دونوں باتیں شرعاً وعقلاً مذموم ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھا کر خاص واقعات اور احکام بیان فرمائے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے۔ انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔ قرآن کریم میں جب کسی چیز کی قسم کھا کر کوئی مضمون بیان کیا جاتا ہے تو اس چیز کو اس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور وہ چیز گویا اس مضمون کی شہادت دیتی ہے۔ یہاں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر اس بات کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔

میدان جنگ میں گھوڑے اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر انسان کے حکم کے تابع نہایت سخت خدمات انجام دیتے ہیں۔ حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا اور نہ وہ چارہ اور دانہ

اس نے پیدا کیا جو وہ ان گھوڑوں کو کھانے کے لئے دیتا ہے۔ انسان تو صرف اللہ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو ان گھوڑوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اب ذرا گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کا کیسا خیال رکھتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارے پر اپنی جان کو خطرے میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے۔ اس کے بالمقابل انسان کو دیکھئے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک حقیر قطرۂ آب سے پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی قوت عطا کی، عقل و شعور دیا اور اس کے کھانے پینے کے لئے ہر چیز پیدا کی۔ وہ ان تمام انعامات و احسانات سے دن رات فائدہ اٹھاتا ہے لیکن ان پر نہ تو اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور نہ اس کی فرماں برداری کرتا ہے۔ یہ بات وہ خود بھی جانتا ہے اور اس کا طرز عمل بھی اس کی شہادت دیتا ہے۔ پس انسان کو ان گھوڑوں سے سبق سیکھنا چاہئے کہ اس کا بھی کوئی مالک ہے جس کی وفاداری میں اسے جان و مال خرچ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے، لیکن یہ بڑا ناشکرا ہے کہ ایک گھوڑے کے برابر بھی وفاداری نہیں دکھاتا۔

حرص اور مال کی محبت

۸،۱۱۔ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝ وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝

یقیناً وہ مال کی محبت میں بھی بڑا سخت ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب قبروں سے مردے اٹھائے جائیں گے اور سینوں کی پوشیدہ باتیں ظاہر کردی جائیں گی۔ بیشک اس دن ان کا رب ان (کے حال) سے پوری طرح باخبر ہوگا۔

الخَيرُ: مال، نیکی، بھلائی، پسندیدہ۔ جمع اَخیارٌ۔

بُعْثِر: وہ زندہ کیا گیا، وہ اٹھایا گیا۔ بَعْثَرَۃٌ سے ماضی مجہول۔

حُصِّلَ: وہ حاصل کیا گیا، وہ ظاہر کیا گیا۔ تَحْصِیْلٌ سے ماضی مجہول۔

تشریح: مال کی حرص اور محبت نے انسان کو فکر آخرت سے بیگانہ بنا دیا ہے۔ اس لئے اس نے اپنے خالق و مالک کو فراموش کر رکھا ہے اور اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتا۔ مال کا کسب و اکتساب اور بہ قدر

ضرورت حاصل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے، اس لئے اس سے کام لینا مذموم نہیں بلکہ دل میں اس کی محبت ہونا اور اس کی وجہ سے مالک حقیقی سے غافل ہونا مذموم ہے۔ اس لئے اللہ کے نزدیک مومن کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ بقدر ضرورت مال حاصل بھی کرے، اس کی حفاظت بھی کرے اور مواقع ضرورت میں اس سے کام بھی لے مگر اس کا دل مال کے ساتھ مشغول نہ ہو۔

پھر انسان کو آخرت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا اس غافل انسان کو معلوم نہیں کہ بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے جب قیامت کے روز مُردے زندہ کر کے قبروں سے اٹھا لئے جائیں گے اور ان کو میدان حشر میں جمع کر دیا جائے گا۔ اس وقت دلوں میں چھپی ہوئی باتیں کھل کر سامنے آجائیں گی اور انسان دیکھ لے گا کہ وہ کیسا ہولناک دن ہے جس سے وہ دنیا میں غافل رہا اور اس کی تکذیب کرتا رہا۔ اس کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ جس مال کی محبت میں وہ اللہ کی ناشکری اور نافرمانی کرتا رہا وہ اس کے ذرا کام نہ آیا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب کے حالات و اعمال سے پوری طرح باخبر ہے اس لئے وہ اعمال کے مطابق ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۰۳،۸۰۴/۸)

سورة القارعہ

وجہ تسمیہ: اس سورت کی ابتدا لفظ القارعہ (کھڑ کھڑا دینے والی) سے ہوئی ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام القارعہ ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں گیارہ آیتیں ۳٦ کلمات اور ۱۵۲ حروف ہیں۔ یہ سورت بلا خلاف مکیہ ہے۔ القارعہ قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ عام مکی سورتوں کے مضامین کی طرح اس میں بھی اثبات قیامت اور حشر ونشر کے احوال کا بیان ہے، تاکہ انسان غفلت سے نکل کر آخرت کی فکر کرے۔

قیامت کے احوال

۱،۵۔ اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝

کھڑ کھڑا دینے والی (قیامت)۔ وہ کھڑ کھڑا دینے والی کیا ہے اور (اے مخاطب!) تجھے کیا معلوم کہ وہ کھڑ کھڑانے والی کیا ہے۔ اس دن لوگ پتنگوں کی طرح منتشر ہو جائیں گے اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی مانند ہو جائیں گے۔

القَارِعَةُ: کھڑ کھڑانے والی، قیامت، بڑا حادثہ۔ قَرْعٌ سے اسم فاعل۔

الفَرَاشِ: پتنگے، پروانے، ٹڈیاں۔ واحد فَرَاشَةٌ۔

المَبْثُوْثِ: پریشان، بکھرے ہوئے، منتشر۔ بَثٌّ سے اسم مفعول۔

العِهْنِ: رنگین اون۔ جمع عُهُوْنٌ

المَنْفُوْشِ: دھنا ہوا۔ نَفْشٌ سے اسم مفعول۔

تشریح: قرآن کریم میں قیامت کے بہت سے نام آئے ہیں جیسے حاقہ، طامۃ وغیرہ۔ انہی میں سے قارعہ ہے۔ قیامت ایسی عظیم الشان اور ہولناک چیز ہے کہ تم اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کی ہیبت انسانی تصور سے بہت بلند اور بالا ہے۔ اس لئے کوئی نہیں بتا سکتا کہ وہ کیسی ہولناک ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ اس دن لوگ پروانوں کی طرح منتشر، پراگندہ، حیران و پریشان ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہوں گے۔ جیسے دوسری جگہ ہے:

يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝

وہ قبروں سے اس طرح نکل پڑیں گے جیسے ٹڈی پھیلی ہوئی ہو۔ (القمر ۷)

پروانوں سے اس لئے تشبیہ دی گئی کہ اس دن تمام اولیں و آخرین میدان حشر میں جمع ہوں گے تو ان کی تعداد بہت کثیر ہوگی، جیسے بارش کے بعد پتنگے زمین سے نکل کر کثیر تعداد میں فضا میں پھیل جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دن ہر شخص پتنگوں کی طرح ضعیف و عاجز ہوگا اور بے تابانہ ادھر ادھر پھر رہا ہوگا۔

اس دن پہاڑوں کا یہ حال ہوگا کہ وہ دھنی ہوئی روئی یا رنگین اون کی طرح ادھر ادھر اڑتے پھریں گے۔ رنگین اس لئے کہا گیا کہ پہاڑ مختلف رنگوں کے ہیں مثلاً سفید، سرخ، سبز، زرد اور سیاہ وغیرہ۔ جب یہ ریزہ ریزہ ہو کر اڑیں گے تو مختلف رنگ ہوں گے۔ جب قارعہ کے اثر سے پہاڑوں کی یہ حالت ہوگی تو اس سے اندازا کیا جا سکتا ہے کہ خود انسان کا کیا حال ہوگا۔

اعمال کا وزن

۶، ۱۱۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَاَمَّا
مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝
نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

پھر جس (کے نیک اعمال) کا پلہ بھاری ہوگا تو وہ پسندیدہ زندگی میں ہوگا اور جس کا پلہ ہلکا ہوگا تو اس کا ٹھکانا گڑھا ہوگا۔ اور تجھے کیا معلوم وہ کیا ہے، وہ دہکتی ہوئی آگ ہے۔

اُمُّهٗ: اس کا ٹھکانا، اس کی ماں۔

ھَاوِیَۃٌ: دوزخ کے ایک درجے کا نام، گڑھا۔

حَامِیَۃٌ: دہکتی ہوئی، جلتی ہوئی۔ حَمِیَ سے اسم فاعل۔

تشریح: اس بدحواسی اور اضطرار کے عالم میں میدان حشر میں انسانوں کے اعمال کا وزن اور حساب ہوگا اور ہر نیک و بد کا انجام ظاہر ہو جائے گا۔ جس کی نیکیاں وزن میں برائیوں سے بڑھ جائیں گی وہ عیش و آرام کی جنت میں داخل ہو جائے گا جہاں اس کو ہر پسندیدہ اور مطلوب چیز ملے گی۔ جس کی نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہوگا اور اس کی برائیاں نیکیوں پر چھا جائیں گی تو وہ اوندھے منہ جہنم کی دہکتی ہوئی آگ اور بھڑکتے ہوئے شعلوں میں جا گرے گا۔

یہ جہنم ان بدنصیبوں کے لئے ہوگی جن کے پاس نہ ایمان ہوگا اور نہ عمل صالح اور نہ اس میں اخلاص۔ چونکہ آخرت کی ترازو میں وزن نہیں تولا جاتا بلکہ اس میں ایمان و اخلاص کا وزن کیا جاتا ہے اس لئے جن کے پاس ایمان نہیں ہوگا ان کے اعمال کا کچھ بھی وزن نہیں ہوگا جیسے ارشاد ہے:

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ (الکہف: ۱۰۵)

پس قیامت کے روز ہم ان (کے اعمال) کا کچھ بھی وزن قائم نہ کریں گے۔

اس کے برعکس اہل ایمان اور نیک لوگوں کے اعمال و اخلاص کے وزن سے ترازو جھک جائے گی جس کے نتیجے میں ان کو نجات اور کامیابی حاصل ہوگی۔ اور جنت میں ان کو پسندیدہ اور محبوب زندگی ملے گی یہی حقیقی فلاح ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری یہ آگ جس کو تم جلاتے ہو جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلاکت کے لئے تو یہی کافی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن دوزخ کی آگ تو اس سے انہتر حصے تیز ہے۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے ہلکے عذاب والا جہنمی وہ ہے جس کے پیروں میں آگ کی دو جوتیاں ہوں گی جس سے اس کا دماغ کھول رہا ہوگا۔

(ابن کثیر ۵۴۴،۵۴۳/۴)

سورۃ التکاثر

وجہ تسمیہ: اس کی ابتدا میں لفظ التکاثر یعنی کثرت کی طلب آیا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام التکاثر ہے۔ اس کو المقبرہ بھی کہتے ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں آٹھ آیتیں، ۲۸ کلمات اور ۱۲۰ حروف ہیں۔ یہ سورت سب کے نزدیک ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایک دن میں ہزار آیتیں نہیں پڑھ سکتا۔ صحابہ نے عرض کیا بھلا ہر روز کون پڑھ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم الھکم التکاثر نہیں پڑھ سکتے۔ (مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۷۰۰، ۷۰۲)

اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اپنی ساری زندگی مال و اولاد کی فکر میں برباد کر دیتا ہے اور مرتے دم تک اسی میں لگا رہتا ہے، آخرت کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ پھر مرنے کے بعد جب آنکھیں کھلتی ہیں تو پچھتاتا ہے۔

سابقہ سورت سے ربط: گزشتہ سورت میں انسان کو قیامت میں پیش آنے والے ہولناک حوادث سے آگاہ کیا گیا تھا۔ اس سورت میں انسان کی آخرت سے غفلت کے اسباب بتائے گئے ہیں۔

مال و دولت کی حرص پر وعید

۱، ۲۔ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

کثرت مال کی ہوس نے تمہیں غافل کر دیا، یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔

اَلْهٰى: اس نے غفلت میں رکھا۔ اِلْهَاءٌ سے ماضی۔

شان نزول: قتادہ نے کہا کہ یہودی اپنی کثرت پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم فلاں قبیلے سے زیادہ ہیں۔ اسی شیخی بازی نے مرتے دم تک ان کو (اعتراف حق اور اطاعت سے) باز رکھا۔ کلبی نے کہا کہ یہ آیات قریشی قبائل کے حق میں نازل ہوئیں۔ بنی عبد مناف اور بنی سہم میں سے ہر قبیلے نے کہا

ہم میں سردار اور عزت مند آدمی تم سے زیادہ ہیں اور ہماری تعداد بھی تم سے زیادہ ہے۔ گنتی کی تو بنی عبد مناف زیادہ نکلے۔ پھر کہنے لگے اب ہم اپنے مردوں کو شمار کریں گے۔ چنانچہ قبرستان جا کر مردوں کو شمار کیا تو بنی سہم کی تعداد کے تین گھر بڑھ گئے، کیونکہ دور جاہلیت میں ان کی تعداد زیادہ تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۳۳/۱۰)

تشریح: مال و اولاد اور کنبہ و قبیلہ کی کثرت اور دنیا کے ساز و سامان کی حرص نے تمہیں اللہ کی عبادت، آخرت کی طلب اور نیک کاموں سے غافل کر دیا ہے۔ بس دن رات یہی دھن لگی رہتی ہے کہ جس طرح بن پڑے مال و دولت کی بہتات ہو جائے اور میرا کنبہ اور جماعت دوسروں کے کنبوں اور جماعتوں پر غالب رہے، یہاں تک کہ تمہیں اسی حالت میں موت آ جاتی ہے اور تم قبرستان پہنچ جاتے ہو۔ اس وقت پتہ چلتا ہے کہ سخت غفلت اور بھول میں پڑے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ ابن شخیر فرماتے ہیں کہ ایک روز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ الھکم التکاثر پڑھ رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ آدمی کہتا ہے کہ میرا مال میرا مال، حالانکہ اس میں تیرا حصہ تو اتنا ہی ہے جس کو تو نے کھا کر فنا کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر کے اپنے آگے بھیجدیا۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ تیرے ہاتھ سے جانے والا ہے، تو اس کو لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۰۹/۸)

امام بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ابن آدم کے پاس ایک وادی سونے سے بھری ہوئی موجود ہو تو وہ (اس پر قناعت نہیں کرے گا بلکہ) چاہے گا کہ ایسی دو وادیاں ہو جائیں اور اس کے منہ کو تو (قبر کی) مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے جو اس کی طرف رجوع ہو۔

(مسلم ۲/۱۱۰، رقم ۱۰۴۸، بخاری کتاب الرقاۃ باب ۱۰)

غفلت کا انجام

۳۔۸۔ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

خبردار! بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ پھر خبردار! بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ کاش تم یقینی طور پر جان لیتے کہ تم ضرور جہنم کو دیکھو گے اور تم اسے بالیقین دیکھو گے۔ پھر اس دن تم سے نعمتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔

تشریح: قیامت کے روز جب تمہیں عذاب دیا جائے گا تو تم اس تفاخر و تکاثر کے برے انجام کو جان لو گے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ مال و اولاد کی بہتات کام آنے والی چیز نہیں اور نہ یہ فخر و مباہات کے لائق ہے۔ اصل زندگی اور عیش و راحت تو آخرت ہی کا ہے۔ اس کے مقابلے میں دنیا ایک خواب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ اگر تمہیں قیامت کے حساب و کتاب کا یقین ہوتا تو تم اس تکاثر اور تغافل میں نہ پڑتے بلکہ ہمہ تن آخرت کی تیاری میں لگے رہتے۔ مگر افسوس انسان اسی طرح غفلت و جہالت میں زندگی گزار دیتا ہے۔ لہٰذا جب موت کے وقت تمہیں آخرت کا یقینی علم حاصل ہوگا تو تم جہنم کو خود دیکھ لو گے۔ لیکن تلافی مافات کا وقت جا چکا ہوگا، اس لئے اس وقت کا جاننا کچھ نفع نہ دے گا۔

پھر فرمایا کہ یہی نہیں کہ تم دور سے دیکھ لو اور وہ تمہیں نظر آ جائے بلکہ تم اس دوزخ کو آنکھوں کے مشاہدے اور یقین کے ساتھ دیکھو گے اور تمہیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہے گا۔ تم اپنی غفلت اور نافرمانیوں کے باعث اسی جہنم میں داخل ہو گے اور اس کا مزہ چکھو گے۔ پھر اس روز تم سے یقیناً ان نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا جو اللہ کی طرف سے دنیا میں تمہیں دی گئی تھیں کہ تم نے ان کا شکر کیوں نہیں کیا۔ (معارف القرآن ۸۰۹، ۸۱۰/ ۸، مظہری ۳۳۴، ۳۳۵/ ۱۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن نعمتوں کے سوال میں سب سے پہلے یہ کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے صحت نہیں دی تھی اور ہم تجھے ٹھنڈے پانی سے آسودہ نہیں کیا کرتے تھے؟ (ابن کثیر ۵۴۶/ ۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پل صراط سے بندے کے قدم نہیں ہٹیں گے جب تک کہ اس سے چار باتوں کے متعلق باز پرس نہیں کر لی جائے گی۔ ۱۔ عمر کن کاموں میں ختم کی ۲۔ جسم کس کام میں دبلا کیا۔ ۳۔ اللہ نے جو علم اس کو دیا تھا اس پر کتنا عمل کیا ۴۔ مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ (مظہری ۳۳۶/ ۱۰)

سورۃ العصر

وجہ تسمیہ: یہ سورت العصر (زمانہ) کی قسم سے شروع ہوئی ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام العصر ہے
تعارف وخلاصہ: اس میں تین آیات ۱۴ کلمات اور ۶۸ حروف ہیں، جمہور علماء کے مطابق یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ میں نازل ہوئی۔ اس میں بے شمار علوم اور دین و دنیا کے منافع ہیں۔

دین و دنیا کا خسارہ

۱، ۲۔ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝

اور قسم ہے زمانے کی۔ بیشک انسان خسارے میں ہے۔

تشریح: قرآن کریم کی یہ سورت نہایت مختصر اور ایسی جامع ہے کہ بقول امام شافعی رحمہ اللہ، اگر لوگ اسی سورت کو غور و تدبر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین و دنیا کی درستی کے لئے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قسم ہے زمانے کی جس میں یہ انسان زندہ ہے کہ یہ ایک نہایت قیمتی اور گراں مایہ سرمایہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سرمایہ دے کر انسان کو ایمان اور نیکی کی تجارت کرنے کے لئے دنیا میں بھیجا ہے۔ یہ سرمایہ ایسا بے ثبات ہے کہ برف کی طرح ہر لحہ خود بخود پگھلتا جارہا ہے۔ اگر اس نے ایمان اور نیک عمل کی بجائے برا سودا خریدا یا کچھ بھی نہیں خریدا، تب بھی انسان خسارے میں ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس قیمتی وقت کی قسم کھائی جس کو انسان گناہوں اور فانی لذتوں میں صرف کرتا ہے یا یونہی لہو ولعب میں ضائع کر دیتا ہے۔ انسان بڑے خسارے میں ہے کیونکہ اس کی عمر تو بہت ہی تھوڑی ہوتی ہے۔ اگر اس مختصر عمر میں سے لڑکپن، بیماری اور بڑھاپے کا زمانہ نکال دیا جائے تو نیکیوں کے لئے بہت ہی کم وقت بچتا ہے۔ اگر انسان اس کو بھی غفلت، دنیا طلبی اور لہو ولعب میں گزار دے تو خسارہ ہی خسارہ ہے۔ دنیا میں ہر خسارے کی تلافی ممکن ہے لیکن اس خسارے کی تلافی کا کوئی امکان نہیں۔

والعصر کہہ کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اب وقت ہی نہیں رہا کہ کوئی اور نبی آئے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلہ نبوت ختم ہے۔ اگر اب بھی کوئی ہدایت پر نہ آئے تو وہ ازلی بدنصیب ہے کیونکہ کاروبار دنیا ختم ہونے والا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور قیامت اس طرح (ساتھ لگے ہوئے) ہیں اور آپ نے اپنی انگلی سے انگلی ملا کر دکھائی۔

عصر کے معنیٰ میں مفسرین کے چند قول ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک عصر سے مطلق زمانہ مراد ہے جس کو عربی میں دہر کہتے ہیں اور اس کی قسم کھانے میں اپنی قدرت وحکمت کی باریکیوں کا اظہار کرنا مقصود ہے۔

۲۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ عصر سے دن کا آخری حصہ یعنی زوال سے غروب تک کا وقت مراد ہے۔ اس کی قسم کھانے کی وجہ یہ ہے کہ دن بھر کے کاروبار کا نفع یا نقصان دن کے آخری حصے میں ظاہر ہوتا ہے نیز دن کا آخر ایک عظیم انقلاب کی تمہید ہے یعنی دن کا جانا اور رات کا آنا، اس میں اشارہ ہے کہ اے انسان تیری زندگی کا بہت سا زمانہ گزر گیا اب اخیر وقت رہ گیا ہے۔ اس لئے تو اپنی اس تجارت میں سرگرم ہو جا جو آخرت میں کام آئے، ورنہ پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

۳۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے آنحضرت ﷺ کا زمانہ مراد ہے جو بڑا مبارک زمانہ ہے جس میں آخرت کی تجارت کا بازار بڑا گرم تھا۔ اس میں جس نے سعادت کی طرف توجہ کی اس نے سلطنت آسمانی حاصل کر لی۔ اور جس نے برا سودا کیا اور کفر وبدکاری خریدی اس نے نقصان کے سوا کچھ نہ پایا۔

۴۔ بعض کے نزدیک اس سے نماز عصر کی قسم مراد ہے۔ اس کی قسم اس لئے کھائی کہ یہ آخرت کی تجارت کا ایک خاص وقت ہے۔ نیز دنیاوی کاروبار میں مصروف ہونے کا بھی وقت ہے۔ اس کے علاوہ یہ دن کے اعمال کے دفتر بند ہونے کا وقت ہے۔ اس کے بعد رات کے اعمال کا دفتر کھلتا ہے۔

(حقانی ۴۷۳، ۴۷۴/۵)

خسارے سے محفوظ لوگ

۳۔ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝

سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور باہم حق پر قائم

رہنے کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

تشریح: جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، اپنے قول و فعل سے ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید کرتے رہے اور ایک دوسرے کو یہ نصیحت و وصیت کرتے رہے کہ حق کے معاملے میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں ان کو نہایت صبر و تحمل سے برداشت کریں، وہ لوگ اس خسارے سے محفوظ ہیں جو اوپر مذکور ہوا۔

پس اس خسارے سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔

۱۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانا یعنی دل سے اللہ کے ایک ہونے کی تصدیق اور اس کے تمام رسولوں، فرشتوں، کتابوں اور قیامت پر ایمان لائے، ۲۔ اعمال صالحہ، ۳۔ ایک دوسرے کو حق پر قائم رہنے کی تاکید، ۴۔ ایک دوسرے کو سختیوں پر صبر و برداشت کی وصیت و نصیحت۔

ان میں سے پہلی دو باتیں اپنی ذات کی اصلاح کے لئے ہیں اور آخری دو باتیں دوسروں کی اصلاح سے متعلق ہیں۔ جتنا اپنے عمل کو قرآن و سنت کے تابع کر لینا اہم اور ضروری ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ آدمی دوسروں کو بھی ایمان و عمل صالح کی طرف بلانے کی مقدور بھر کوشش کرے ورنہ صرف اپنا عمل نجات کے لئے کافی نہ ہوگا۔ خصوصاً اپنے اہل و عیال اور احباب و متعلقین کے برے اعمال سے غفلت برتنا اپنی نجات کا راستہ بند کرنا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۱۴)

ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جس شخص کے سامنے کوئی برا عمل آئے تو اس کو اپنے ہاتھ (کی قوت) سے بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے ہی روک دے، اتنی بھی طاقت نہ ہو تو اپنے دل سے ہی (برا جانے) اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔

ابوداؤد نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ جس قوم کے درمیان گناہ کئے جاتے ہوں اور وہ (ان کو) بدلنے (روکنے) کی طاقت بھی رکھتے ہوں مگر نہ روکیں تو خوب سن لو عنقریب ان پر عمومی وبال آئے گا۔ (مظہری ۱۰/۳۳۷)

سورۃ الہُمزہ

وجہ تسمیہ: اس کا نام ہُمزہ (طعنہ دینا) ہے۔ یہ لفظ سورت کے شروع میں آیا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام ہُمزہ ہے۔

تعارف و خلاصہ: اس میں ۹ آیات، ۳۰ کلمات اور ۱۳۰ حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے۔ اس میں طعن و تشنیع اور عیب جوئی کی مذمت اور جہنم کی آگ کی شدت و ہیبت کا بیان ہے۔

طعنہ زنی کی مذمت

۱، ۳۔ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۨ ۝ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۝

بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو طعنہ دیتا اور عیب جوئی کرتا ہے، جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس رہے گا۔

وَيْلٌ: ہلاکت ہے، بڑی خرابی ہے، جہنم کی ایک وادی کا نام، کلمۂ زجر و عذاب ہے۔

هُمَزَةٍ: بڑا عیب گو، بہت طعن کرنے والا۔ هَمْزٌ سے مبالغہ۔

لُمَزَةٍ: بہت غیبت کرنے والا، عیب۔ طعنہ، لَمْزٌ سے مبالغے کے معنیٰ میں صفتِ مشبہ۔

اَخْلَدَ: وہ ہمیشہ رہا، وہ سدا رہا۔ اِخْلادٌ سے ماضی

تشریح: گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱۔ حقوق اللہ میں کوتاہی یا تجاوز کرنا۔ ۲۔ حقوق العباد کا خیال نہ رکھنا جیسے کسی کا حق ادا نہ کرنا۔ بلا وجہ کسی کو تکلیف و ایذا پہنچانا۔ دل آزاری کرنا وغیرہ۔ یہ گناہ توبہ و استغفار سے بھی معاف نہیں ہوتے بلکہ یہ اسی صورت میں معاف ہو سکتے ہیں، جب وہ شخص معاف کر دے جس کو ایذا دی گئی یا جس کا حق مارا گیا۔ نیز ایسے افعال قبیحہ سے جماعت میں تفرقہ پڑتا اور فساد کا دروازہ کھلتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے غیبت کو اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی

ہے۔اسی طرح لوگوں پر طعن کرنا، ٹھٹھا کرنا، مضحکہ اڑانا، رذیلہ اخلاق اور خسارے کا باعث ہیں۔ان سب سے اجتناب ضروری ہے۔

مشرکین مکہ اس عادت بد میں مبتلا تھے خاص طور پر ولید بن مغیرہ، اخنس بن شریق، امیہ بن خلف وغیرہ۔ یہ بدنصیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی کیا کرتے تھے اور لوگوں کو ہنسانے کے لئے غریب و نادار لوگوں کی نماز اور عبادت کی نقلیں اتارتے تھے اور ان کا تمسخر اڑاتے تھے۔سو اس سورت میں بڑے پر اثر الفاظ میں اخلاق رذیلہ کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔چنانچہ ارشاد ہے کہ ہر اس شخص کے لئے بڑی ہلاکت اور تباہی ہے جو پس پشت طعنہ دینے والا اور عیب جوئی کرنے والا ہو۔ یہ بری عادت جو کافروں میں رائج تھی اب مسلمانوں نے اختیار کر لی ہے۔اب دوسروں پر طعن و تشنیع کرنا، ان کا تمسخر اڑانا اور لوگون کی دل آزاری کرنا عام ہے۔

پھر فرمایا کہ ایسا بد باطن اور کمینہ خصلت آدمی جو حرص اور لالچ کی بناء پر مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے کہ کہیں کوئی پیسہ کم نہ ہو جائے، نہ بھلائی کے کام میں خرچ کرتا ہے اور نہ زکوۃ و خیرات کرتا ہے بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ دنیا میں رکھے گا۔وہ دولت مند ہونے کی وجہ سے کبھی نہیں مرے گا اور نہ قیامت میں اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔(حقانی ۴۷۹، ۴۸۰/ ۵)

بہر بن حکم کی رُوایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خرابی ہے اس کی جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے۔خرابی ہے اس کی خرابی ہے اسکی۔

(ابوداؤد ۳۲۵/۴، رقم ۴۹۹۰، ترمذی ۱۴۲/۴، رقم ۲۳۲۲، مستدرک ۱۰۸/ا رقم ۱۴۲)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جانتے ہو غیبت کیا چیز ہے۔صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ کسی کا اپنے بھائی کے متعلق ایسی باتیں بیان کرنا جو اسے ناگوار ہوں۔ایک شخص نے عرض کی کہ اگر اس میں واقعی وہ بات موجود ہو جو میں کہتا ہوں۔آپ نے فرمایا تم جو کچھ کہتے ہو اگر وہ واقعی اس میں موجود ہے تو یہ غیبت ہوگی اور اگر اس میں وہ بات نہ ہو جو تم کہہ رہے ہو تو یہ بہتان ہوگا۔

(مسلم ۱۸۱/۴، رقم ۲۵۸۹، ترمذی ۳۷۵/۳، رقم ۱۹۴۱، ابوداؤد ۲۹۰/۴، رقم ۴۸۷۴)

اللہ کی سلگائی ہوئی آگ

۹۔۴۔　كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ
الْمُوقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۝
فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

ہرگز نہیں! وہ تو حطمہ (روندنے والی) میں پھینکا جائے گا اور تجھے کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی دہکائی ہوئی ایک آگ ہے جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ وہ اس میں بند کئے جائیں گے۔ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں (کی صورت) میں ہوں گے۔

يُنْبَذَنَّ: اس کو ضرور پھینکا جائے گا۔ نَبْذٌ سے مضارع مجہول۔

حُطَمَة: توڑ پھوڑ دینے والی، روندنے والی، جہنم کے ایک طبقے کا نام۔ حَطْمٌ سے مبالغہ۔

مُوْقَدَةُ: بھڑکائی ہوئی، دہکائی ہوئی، اِیْقَادٌ سے اسم مفعول۔

مُوْءْصَدَةٌ: بند کی ہوئی۔ اِیْصَادٌ سے اسم مفعول۔

عَمَدٍ: ستون، کھمبے۔ واحد عَمُوْدٌ۔

مُمَدَّدَةٍ: طویل کی ہوئی، کھینچی ہوئی۔

تشریح: دنیا میں دو قسم کے انسان ہیں۔ ایک اہل ایمان جو مال اور متاع دنیا سے محبت نہیں رکھتے بلکہ مال و متاع کو طاعت الٰہی میں صرف کرتے ہیں۔ تاکہ اللہ کی رضا اور جنت حاصل ہو۔ دوسرے کفار و مشرکین ہیں جو آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے دنیا کی زندگی کو اختیار کیا۔ وہ اس کے سوا کسی اور زندگی کے قائل نہیں اسی لئے وہ دنیاوی مال و متاع پر جان دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انسان کا یہ خیال کہ وہ ہمیشہ اسی دنیا میں رہے گا محض حماقت اور غفلت ہے۔ قیامت کے روز اس کو دوبارہ زندہ ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ پھر اس کو اس کی حرص و طمع اور بداعمالیوں کے وبال میں چورا چورا کر دینے والی حطمہ (بھڑکتی ہوئی آگ) میں جھونک دیا جائے گا۔ اے مخاطب! تجھے کیا معلوم کہ وہ حطمہ کیسی شدید اور ہولناک چیز ہے۔ اس کی

شدت نا قابل تصور ہے۔ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے اس لئے اس کو کوئی نہیں بجھا سکتا۔ وہ ایسی آگ ہے کہ بدن کو جلاتی ہوئی دلوں تک پہنچ جائے گی۔ دنیا کی کوئی آگ بدن کو جلا کر دل تک نہیں پہنچتی اور نہ ہی اس کی نوبت آتی ہے کہ آگ انسان کے بدن کو جلا دے اور اس کے شعلے دلوں پر ظاہر ہوں، بلکہ اس سے قبل ہی آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے، مگر حطمہ کی آگ بدن کو جلاتی ہوئی دلوں پر ظاہر ہوگی اور اس کے شعلے دلوں کے اوپر بھڑک رہے ہوں گے۔

پھر وہ آگ ان کو ہر طرف سے اس طرح ڈھانپ لے گی جیسے کسی چیز کو سرپوش میں ڈھانک دیا جاتا ہے۔ نہ اندر کا گرم سانس باہر نکلنے دے گی اور نہ باہر سے سرد سانس اندر آنے دے گی۔ ان کے لئے یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ تڑپ کر یا پھڑک کر باہر نکل جائیں، کیونکہ وہ بڑے بڑے آتشیں ستونوں میں ایسے جکڑے ہوئے ہوں گے کہ ہل بھی نہ سکیں گے۔ (حقانی ۴۸۱، ۴۸۲/۵، مظہری ۳۳۹، ۱۰/۳۴۰)

سورۃ الفیل

وجہ تسمیہ: اس میں اصحاب فیل کا واقعہ مذکور ہے، اسی لئے اس کا نام الفیل ہے۔
تعارف و خلاصہ: اس میں پانچ آیات، ۲۰ کلمات اور ۹۶ حروف ہیں۔ یہ سورت بلا خلاف مکی ہے۔ اس میں اصحاب فیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے سال مکہ پر چڑھائی کی تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیجے جو ان پر کنکریاں مارتے تھے، جس سے وہ جانوروں کے چبائے ہوئے بھوسے کی مانند ہو جاتے تھے۔ سورۂ فیل کے نزول کے وقت مکہ میں اصحاب فیل کا واقعہ دیکھنے والے بہت سے لوگ موجود تھے، اور بعض کنکریاں بھی بعض صحابہ کے پاس موجود تھیں۔ خطیب نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی باقی نہ تھا جس نے ہاتھیوں کے قائد اور سائس کو نہ دیکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مدت تک ان دونوں کو اسی حالت پر زندہ رکھا۔
(مواہب الرحمٰن/ ج ۳۰، ص ۱۷۳۹)

اصحاب فیل کا انجام

۱، ۵۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۞ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَ هُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۞ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۞ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۞ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۞

(اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا۔ کیا ان کی تدبیر کو ناکام نہیں بنایا اور ان پر پرندوں کے غول بھیج دیئے جو ان پر کنکریلی پتھریاں پھینک رہے تھے۔ سو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی مانند کر دیا۔

اَلْفِيْلِ: ہاتھی۔ اسم جنس ہے۔

کَیْدَ: خفیہ تدبیر، مکر، فریب، مصدر۔ واسم۔

تَضْلِیْلٍ: گمراہ کرنا، بے راہ کرنا، بہکانا۔ مصدر ہے۔

اَبَابِیْلَ: غول کے غول (پرندوں کے)، جھنڈ کے جھنڈ۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد نہیں آتا۔

سِجِّیْلٍ: کنکر، آگ میں پکی ہوئی مٹی سے بنے ہوئے کنکر، سنگِ گِل سے معرب۔

عَصْفٍ: بھوسا، چھلکا۔ واحد عَصْفَۃٌ۔

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے اصحاب فیل کا کیا حشر کیا جو ہاتھیوں کا ایک عظیم لشکر لیکر بیت اللہ پر حملے کے لئے آرہے تھے تاکہ ہاتھیوں کی مدد سے بیت اللہ کو منہدم کردیں سو آپ کے دشمنوں کے ساتھ بھی وہی کیا جائے گا جو اصحاب فیل کے ساتھ کیا گیا۔ یہاں اصحاب الفیل سے ابر ہہ اور اس کے ساتھی مراد ہیں۔ ضحاک نے کہا کہ ابر ہہ کے ساتھ آٹھ ہاتھی تھے۔ بعض نے کہا کہ ۱۳ ہاتھی تھے اور ان میں سب سے بڑے ہاتھی کا نام محمود تھا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ واقعہ فیل ۲۲ محرم کو اتوار کے دن ہوا بعض علماء نے اس کو متفق علیہ قول قرار دیا ہے۔ اس سال واقعہ فیل کے تقریباً دو ماہ بعد ربیع الاول کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی۔ اکثر علماء کا یہی قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی وہ چال اور تدبیر جو انہوں نے بیت اللہ کو ڈھانے کے لے کی تھی ناکام اور باطل کردی، اور ان کو ایسا تباہ و برباد کردیا کہ ہر شخص پر ظاہر ہوگیا کہ وہ گمراہ اور خطاوار تھے۔ ان کو سزا دینے کے لئے اللہ نے ان پر پرندوں کے غول بھیج دئے جو ان پر جہنم کی کنکریاں مار رہے تھے۔ یہ کنکریاں کھنگر کی بنی ہوئی تھیں یعنی جو مٹی آگ میں پک کر کھنگر بن جائے یہ کنکریاں اس کھنگر کی بنی ہوئی تھیں۔ پرندوں کا ایک غول پتھریاں مارتا ہوا چلا جاتا تھا تو دوسرا آجاتا تھا۔ یہ کنکریاں اصحاب فیل پر گولیوں کی طرح برس رہی تھیں۔ جس شخص پر کنکری گرتی اس کے جسم سے پار ہو جاتی تھی اور وہ اپنی حسرتوں کو ساتھ لے کر واصل جہنم ہو جاتا۔ پھر فرمایا کہ ہم نے ان کو کھائے ہوئے بھوسے کی طرح چورا چورا کردیا، جیسے گائے بیل چارہ کھانے کے بعد کچھ پراگندہ اور منتشر اجزا چھوڑ دیتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ غلاف کی طرح جو چھلکا گیہوں کے دانے پر ہوتا ہے وہ عصف ہے اور ماکول سے مراد جانوروں کا کھایا ہوا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ہاتھیوں جیسے طاقتور لشکر کو معمولی پرندوں اور چھوٹی چھوٹی کنکریوں سے ہلاک کر کے نشان عبرت بنا دیا (مظہری ۳۴۱، ۳۴۵/۱۰)

واقعے کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

اصحاب فیل کا واقعہ: یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے پچاس یا پچپن دن پہلے پیش آیا۔ ابن کثیر نے اس واقعے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یمن پر قوم حمیر کا قبضہ تھا اور ان کا آخری بادشاہ ذونواس تھا جو یہودی ہو گیا تھا۔ پھر قیصر روم کے حکم پر شاہ حبشہ نے اپنا عظیم لشکر دو امیروں ار یاط اور ابو یکسوم ابرہہ بن الصباح حبشی کی قیادت میں یمن بھیج دیا جس نے پورے یمن کو قوم حمیر سے آزاد کرا لیا۔ ذونواس نے شکست کھائی اور فرار ہوتے ہوئے دریا میں غرق ہو گیا اس طرح یمن کی بادشاہت ار یاط اور ابرہہ میں مشترک ہو گئی۔ کچھ عرصے کے بعد دونوں میں اختلاف ہوا اور مقابلے میں ار یاط ہلاک ہو گیا اور شاہ حبشہ نے ابرہہ کو یمن کا گورنر مقرر کر دیا۔

یمن اور دیگر ممالک کے لوگ حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ جاتے تھے اور بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ ابرہہ نہایت بد باطن اور کمینہ خصلت تھا۔ اس نے بیت اللہ کی رونق کم کرنے کے لئے یمن کے دارالخلافہ صنعاء میں ایک عالیشان کنیسہ تعمیر کیا اور مملکت میں اعلان کرا دیا کہ اب کوئی بیت اللہ کے حج کے لئے نہ جائے بلکہ اس کنیسہ کا حج کرے جو مسیح کے نام سے ہے۔ اس اعلان سے عدنان، قحطان اور قریش کے قبائل میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے رات کے وقت کنیسہ میں داخل ہو کر اس کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ادھر قریش کے ایک مسافر قبیلے نے کنیسہ کے قریب اپنی ضرورت کے لئے آگ جلائی جو تیز ہوا کے سبب اڑ کر کنیسہ میں لگ گئی اور اس کو سخت نقصان پہنچا۔ اطلاع ملتے ہی ابرہہ غیض و غضب سے بھڑک اٹھا اور اس نے قسم کھائی کہ میں فوج کشی کر کے ان کے کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ پھر وہ ایک عظیم لشکر لے کر جس میں نو یا تیرہ ہاتھی تھے بیت اللہ کے انہدام کے لئے روانہ ہو گیا۔

عربوں کو جب حملے کی خبر ملی تو پورا عرب مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔ چونکہ عربوں میں اتفاق و اتحاد نہ تھا اس لئے ہر قبیلے نے تنہا مقابلے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پہلے ذونفر نامی سردار نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گرفتار ہو گیا۔ پھر قبیلہ خثعم سے مقابلہ ہوا اور وہ بھی شکست کھا گئے۔ پھر وہ مکہ کے قریب مقام مغمس میں پہنچ گیا۔ یہاں قریش کے اونٹ چر رہے تھے۔ ابرہہ کے لشکر نے

حملہ کر کے اونٹ پکڑ لئے۔ ان میں دو سو اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدالمطلب رئیس قریش کے بھی تھے۔ ابرہہ نے اپنا ایک سفیر حناط حمیری مکہ شہر میں بھیجا، تاکہ وہ قریش کے سرداروں کو مطلع کردے کہ بادشاہ تم سے جنگ کرنے نہیں آیا بلکہ اس کا مقصد صرف کعبہ ڈھانا ہے۔ اگر تم روکو گے تو لڑائی ہوگی اور تم سب مارے جاؤ گے۔ حناطہ نے مکہ پہنچ کر عبدالمطلب کو ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ عبدالمطلب نے حناطہ کو جواب دیا کہ ہم بھی ابرہہ سے جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے، کیونکہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں کہ ہم اس کا مقابلہ کرسکیں البتہ یہ سن لو کہ یہ اللہ کا گھر ہے اور اس کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا ہے۔ وہ خود اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ اگر اللہ سے جنگ کا ارادہ ہے تو پھر جو چاہو کرو اور دیکھو اللہ کیا معاملہ کرتا ہے۔

حناطہ عبدالمطلب کو ساتھ لیکر ابرہہ کے پاس آیا۔ ابرہہ نے ترجمان کے ذریعے بات کی تو عبدالمطلب نے کہا کہ میں تو صرف اس لئے آیا ہوں کہ بادشاہ کے لشکریوں نے جو میرے دو سو اونٹ پکڑ لئے ہیں ان کو چھوڑ دیں۔ یہ سنکر ابرہہ کہنے لگا کہ آپ نے مجھے تعجب میں ڈال دیا۔ آپ صرف اپنے اونٹوں کی بات کر رہے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کے کعبہ کو ڈھانے آیا ہوں جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد کا دین ہے، آپ نے اس کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے میں نے اونٹوں کا سوال کیا۔ بیت اللہ کا مالک رب جلیل ہے وہ اپنے گھر کی حفاظت کرنا جانتا ہے۔ ابرہہ نے کہا تمہارا خدا اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔ عبدالمطلب نے کہا پھر تمہیں اختیار ہے جو چاہو کرو۔

عبدالمطلب اونٹ لیکر واپس آئے اور اہل قریش کو حکم دیا کہ وہ مکہ سے نکل کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھیل جائیں اور خود بیت اللہ کے دروازے کا حلقہ پکڑ کر دعا میں مشغول ہوگئے۔ قریش کی ایک بڑی جماعت بھی ان کے ساتھ تھی۔ صبح ہوئی تو ابرہہ نے بیت اللہ پر چڑھائی کے لئے اپنے عظیم الشان ہاتھی محمود کو تیار کیا جو سب سے بڑا تھا۔ جسامت اور قوت کے اعتبار سے اس کی نظیر نہیں پائی جاتی تھی۔ محمود کسی طرح بھی مکہ کی طرف چلنے پر راضی نہ ہوا تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ لشکر سے علیحدہ ہو کر ہولناک آوازیں نکالتا ہوا دوسری سمت میں چل دیا۔ پھر انہوں نے دوسرے ہاتھی کو تیار کیا۔ وہ ہمت کر کے چلنے پر تیار ہوا ہی تھا کہ عذاب الٰہی آگیا اور جدہ شہر کی طرف سے جو بحر قلزم کے کنارے پر واقع ہے پرندوں کے غول کے غول آتے دکھائی دیئے۔ ہر

پرندے کے پاس تین کنکریاں تھیں ایک چونچ میں دو پنجوں میں یہ کنکریاں چنے اور مسور کے برابر تھیں۔ ایک غول کے بعد دوسرا غول آتا تھا اور کنکریاں پھینکتا تھا۔ یہ عجیب وغریب پرندے جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے کبوتر سے چھوٹے تھے اور ان کے پنجے سرخ تھے۔ کنکری جس پر پڑتی تھی خواہ وہ انسان ہو یا حیوان اس کے بدن کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی۔ سب ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف وہ ہاتھی رہ گیا جو محمود کے بعد حملے کے لئے آمادہ ہوا تھا۔ یہ ہاتھی کنکری لگنے سے ہلاک ہوا، بہت سے لوگ تو اسی وقت مر گئے باقی مختلف اطرف میں بھاگتے ہوئے راستے میں مرمر کر گرتے گئے۔ اور بہت سے لوگوں کے اعضا ایک ایک کر کے گل کر گرتے گئے اور مرتے گئے۔ ابرہہ کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ اس کے اعضا بھی ایک ایک کر کے گلنا شروع ہوئے یہاں تک کہ بلاد خثعم میں پہنچ کر مر گیا۔

(تفسیر ابن کثیر ۵۴۹۔۵۵۲/۴۔ ابن ہشام ۶۱، ۷۰/۱، زرقانی ۸۳۔۸۸/۱، تفسیر مظہری ۳۴۲/۱۰)

سورۃ القریش

وجہ تسمیہ: اس سورت میں قریش کا ذکر ہے، اس لئے اس کا نام القریش ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں چار آیات ۱۷ کلمات اور ۷۳ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ اس سورت میں قریش پر اللہ تعالیٰ کے خاص انعام کا ذکر ہے کہ ان کے لئے اللہ نے تجارتی سفر آسان اور محفوظ بنا دیئے تھے۔ اس انعام کے شکر میں ان کو اللہ پر ایمان لا کر اس کی عبادت کرنی چاہئے تھی مگر وہ اپنے کفر وشرک پر ہی قائم رہے۔

سابقہ سورت سے ربط: سورۂ فیل میں اللہ تعالیٰ کے اس خاص انعام واکرام کا ذکر تھا کہ اس نے اہل مکہ کو ابرہہ کے حملے سے محفوظ رکھا اور ان کے مال سے مالا مال کر دیا۔ اہل مکہ کی یہ حفاظت اس بنا پر تھی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور قدسی ہونے والا تھا۔ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر مزید انعام یہ کیا کہ ان کے لئے تجارتی سفر محفوظ بنائے اس لئے کفر وشرک چھوڑ کر ان کو اللہ کی عبادت کرنی چاہئے۔

اہل مکہ پر اللہ کے انعامات

۱،۴۔ لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

اس لئے کہ مانوس رکھا قریش کو سردی اور گرمی کے سفر سے، ان کو چاہئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں، جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور (دشمنوں کے خوف سے) امن دیا۔

اِيْلٰفِ: مانوس رکھنا، الفت دلانا۔ مصدر ہے۔

رِحْلَةَ: سفر کرنا، کوچ کرنا، کجاوہ کسنا، مصدر ہے۔

الشِّتَاءِ: جاڑا، موسم سرما۔ جمع اَشْتِیَةٌ

الصَّیْف: موسم گرما۔ جمع اَصْیَاف

جُوْع: بھوک۔

تشریح: مکے میں نہ زراعت ہوتی تھی اور نہ کسی قسم کی صنعت تھی۔ اسی لئے وہ تجارتی سفر کے محتاج تھے اور سال بھر میں دو سفر کرتے تھے۔ سردیوں میں تجارت کے لئے یمن کی طرف جاتے تھے جو گرم ملک تھا اور گرمیوں میں شام کی طرف سفر کرتے تھے جو سرد اور سرسبز وشاداب ملک تھا۔ دونوں جگہوں کے باشندے اور جو آبادیاں راستے میں پڑتی تھیں، سب ان کا احترام کرتے تھے اور ان کو اہل حرم اور بیت اللہ کا خادم سمجھ کر ان کی خدمت کرتے تھے اور ان کے جان و مال کی حفاظت کرتے تھے حالانکہ حرم کے چاروں طرف لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم تھا لیکن کعبہ کے ادب سے کوئی چور ڈاکو قریش پر ہاتھ صاف نہ کرتا تھا اس لئے یہ لوگ بلا روک ٹوک سامان تجارت لیکر نہایت امن وسکون سے آتے جاتے تھے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو امن کی جگہ بنا دیا حالانکہ ان (اہل مکہ) کے اردگرد سے لوگ اچک لئے جاتے ہیں۔ (العنکبوت: ۶۷)

اللہ تعالیٰ نے یہاں اسی انعام کو یاد دلایا ہے کہ اس نے تمہیں اسی گھر کے طفیل روزی اور امن وسکون دیا۔ لوگوں کے دل تمہاری طرف مائل کرنے کے لئے اس نے اصحاب فیل کو ہلاک کر دیا اور تمہیں ان کی زد سے محفوظ رکھا اور ان کے مال سے مالا مال کیا۔ اس لئے تمہیں اس کا شکر اس طرح ادا کرنا چاہئے تھا کہ تم سب باطل معبودوں کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے جیسے ارشاد ہے:

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا
وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے اس رب کی عبادت کیا کروں جس نے اس کو محترم بنایا ہے اور ہر چیز اسی کی ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے

ہو جاؤں۔ (النمل: ۹۱)

لیکن تم تو اس گھر کے مالک کو چھوڑ کر جس نے تمہیں ان تمام انعامات سے نوازا ہے، بتوں کو پوجتے ہو اور اس کے رسول پر ایمان لانے کی بجائے اسے ستاتے ہو۔ یہ تو انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرے گا وہ دنیا کے امن کے ساتھ آخرت میں بھی امن و امان سے رہے گا اور اگر اس کی نافرمانی کرے گا تو نہ دنیا میں امن ملے گا اور نہ آخرت میں۔ اور ارشاد ہے:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان فرمائی جو امن و اطمینان سے تھی۔ اس کا رزق بھی فراغت کے ساتھ ہر طرف سے اس کے پاس پہنچ رہا تھا۔ پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، سو اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھا دیا اور ان کے پاس انہی میں سے ایک رسول (بھی) آیا مگر انہوں نے اس کو بھی جھٹلایا، پھر ان کو عذاب الٰہی نے آ پکڑا اور وہ واقعی ظالم تھے۔ (النحل: ۱۱۲، ۱۱۳)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ لایلاف قریش تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ آپ فرما رہے تھے۔ اے قریش کے لوگو! افسوس تم پر! اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھوک کی حالت میں رزق دیا اور تمہیں خوف سے مامون کیا۔ (معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی/ ج ۸، ص ۵۹۲)

سورة الماعون

وجہ تسمیہ: اس سورت کے نام یہ ہیں۔ ارء یت الذی، الدِین، الیتیم، الماعون۔ یہ سب کے سب اسی سورت میں مذکور ہیں۔

تعارف و خلاصہ: اس میں سات آیات، ۲۵ کلمات اور ۱۲۳ حروف ہیں۔ اس کے نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن الزبیر، عطا اور جابر کہتے ہیں کہ یہ مکیہ ہے۔ ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے کہ یہ مدنیہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا نصف اول مکہ میں نازل ہوا اور نصف اخیر مدینے میں۔ مقاتل اور کلبی نے کہا کہ اس میں عاص بن وائل السہمی کی مذمت ہے جو نصف اول میں ہے اور اخیر میں ابن ابی سلول منافق کی مذمت ہے۔

(مواہب الرحمٰن ۶۸۷/۳۰)

فیصلے کے دن کی تکذیب

۳،۱۔ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ نے اسے بھی دیکھا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے۔ یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

الدِّیْنِ: مذہب، جزا، بدلہ دینا، اطاعت، مصدر و اسم۔ جمع اَدیان

یَدُعُّ: وہ دھکے دیتا ہے۔ دَعٌّ سے مضارع۔

یَحُضُّ: وہ آمادہ کرتا ہے، وہ ترغیب دیتا ہے، وہ تاکید کرتا ہے۔ حَضٌّ سے مضارع۔

تشریح: اس سورت میں کفار و منافقین کے بعض مذموم افعال کا ذکر اور ان پر جہنم کی وعید ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت اور اعمال کی جزا و سزا کے دن یا دینِ اسلام کو جھٹلاتا ہے اور غرور تکبر کے نشے میں مست یہ سمجھتا ہے کہ نہ قیامت ہوگی، نہ انصاف ہوگا اور نہ اچھے اور برے اعمال کا بدلہ ملے گا۔ یہ شخص یتیم کے ساتھ ہمدردی و غم خواری تو کیا کرتا الٹا اس پر ظلم و ستم کرتا ہے اور اس کا حق مارتا ہے۔ چونکہ اس کو جزا و سزا کا یقین ہی نہیں اس لئے نہ وہ مسکین کو کھانا کھلانے پر اپنے نفس کو ابھارتا ہے اور نہ اپنے گھر والوں اور دوسرے لوگوں کو اس کارِ خیر پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے اس کی ذات سے کسی کو بھی فائدہ نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝

ہرگز ایسا نہیں بلکہ تم یتیم کی قدر نہیں کرتے اور نہ تم باہم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ (الفجر۔ ۱۷، ۱۸)

ظاہر ہے یتیموں اور محتاجوں کی خبر گیری کرنا اور ان کے حال پر رحم کھانا دنیا کے ہر مذہب و ملت کی تعلیم میں شامل ہے اور ان مکارمِ اخلاق میں سے ہے جن کی خوبی پر تمام عقلاء متفق ہیں۔ پس جو شخص ان ابتدائی اخلاق سے بھی عاری ہو تو گویا وہ جانور سے بھی بدتر ہے۔

نماز میں غفلت کرنے والے

۴۔۷۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

سو خرابی ہے ان نمازیوں کی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور جو ریا کاری کرتے ہیں اور برتنے کی چیز عاریتاً نہیں دیتے۔

سَاهُوْنَ: بے خبر، بھولنے والے، غافل۔ سَهْوٌ سے اسم فاعل۔ واحد سَاهِيْ

يُرَآءُوْنَ: وہ ریا کاری کرتے ہیں۔ وہ دکھاوا کرتے ہیں۔ مُرَاءَۃٌ سے مضارع۔

الْمَاعُوْنَ: برتنے کی خانگی چیزیں، معمولی چیزیں، حسن سلوک۔

شانِ نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ الخ منافقوں کے متعلق نازل ہوئی جو مسلمانوں کو دکھانے کے لئے نماز پڑھتے تھے لیکن اگر مسلمان موجود نہ

ہوتے تو نماز نہیں پڑھتے تھے اور عام استعمال کی چیزیں دینے سے انکار کرتے تھے۔ (مظہری ۳۵۰/۱۰)
تشریح: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کا حال بیان فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو دکھانے اور اپنے اسلام کے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے نماز پڑھتے ہیں مگر چونکہ وہ نماز کی فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھتے اس لئے نہ اوقات کی پابندی کرتے ہیں نہ نماز کی۔ جب دکھانے کا موقع ہوا پڑھ لی ورنہ ترک کردی۔ **عن صلاتهم ساهون** کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اصل نماز سے بے پروائی اختیار کی جائے۔ یہ منافقین کی عادت ہے۔ رہا نماز کے اندر سہو و نسیان ہو جانا جس سے کوئی مسلمان خالی نہیں، وہ یہاں مراد نہیں۔ اگر یہ مراد ہوتی تو عن **صَلَاتِهِمْ** کی بجائے **فی صلاتهم** ہوتا۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے نمازیوں کے لئے بڑی ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل اور بے خبر ہیں۔ نہ اس کی پابندی کرتے ہیں اور نہ اس کو وقت پر ادا کرتے ہیں۔ اگر پڑھتے بھی ہیں تو نہ رکوع و سجود پورا کرتے ہیں اور نہ قاعدہ و قیام۔ بس یونہی ٹکریں سی مار کر فارغ ہو جاتے ہیں۔ نہ اس میں خشوع و خضوع اور سکون و طمانیت ہوتی ہے اور نہ ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ احکم الحاکمین کے سامنے کھڑے ہیں اور اس کے سامنے کس کیفیت سے کھڑا ہونا چاہئے۔ ان لوگوں کی نماز ہی کیا ان کے دوسرے اعمال بھی ریا کاری اور نمود و نمائش سے خالی نہیں ہوتے۔ جیسے دوسری جگہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿﴾

بلاشبہ منافق اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ انہی کو دھوکے میں ڈالے ہوئے ہے اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کاہلی کے ساتھ صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت ہی کم یاد کرتے ہیں۔ (النساء: ۱۴۲)

امام احمد نے شداد بن اوس سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دکھاوے کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے دکھاوے کے لئے روزا رکھا اس نے شرک کیا، جس نے دکھاوے کے لئے خیرات کی اس نے شرک کیا۔ (مظہری: ۳۵/۱۰)

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ منافق کی نماز ہے، یہ منافق

کی نماز ہے، یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کا انتظار کرتا رہے جب وہ غروب ہونے کے قریب پہنچے اور شیطان اپنے سینگ اس میں ملالے تو کھڑا ہو اور مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مارے جس میں اللہ کا ذکر بہت ہی کم کرے۔ (ابن کثیر ۴/۵۵۴)

پھر فرمایا کہ یہ لوگ زکوٰۃ وصدقات تو کیا دیتے یہ تو عام برتنے کی چیزیں مثلاً رسی، ڈول، دیگچی، کلہاڑی، سوئی، دھاگہ وغیرہ بھی مانگنے پر کسی کو نہیں دیتے۔ حالانکہ ان چیزوں کے دینے کا عام رواج ہے۔ یہ مسلمانوں کا شیوہ نہیں۔ یہ تو ان بدبختوں کا شیوہ ہے جو اللہ اور روز جزا کو نہیں مانتے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ کلہاڑی، ڈول، ہانڈی، اور انہی جیسی چیزیں ماعون ہیں۔ عکرمہ نے کہا ماعون سے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر چیز مراد ہے۔ اعلیٰ چیز فرض زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ چیز مستعار لیا ہوا استعمال کا گھریلو سامان ہے۔

(روح المعانی ۳۰/۲۴۲ معارف القرآن مفتی محمد شفیع / ۸/۸۲۶)

سورۃ الکوثر

وجہ تسمیہ: اس میں الکوثر (ایک جنتی نہر) اور النحر (قربانی) کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الکوثر بھی ہے اور النحر بھی ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں تین آیات، دس کلمات اور ۴۲ حروف ہیں۔ ابن عباس، ابن الزبیر، حضرت عائشہ وغیرہ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہ سورت مکے میں نازل ہوئی۔ حسن، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ سورت مدنی ہے، اس میں بے شمار مطالب اور اسرار وحکم ہیں جس کا مقابلہ عرب کا کوئی فصیح وبلیغ ادیب وشاعر نہ کر سکا۔ (مواہب الرحمٰن ۸۷۷/۳۰)

نماز اور قربانی کی تاکید

۱،۲۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝

(اے رسول) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔ سو اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔

شانِ نزول: بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے درمیان تھے کہ اچانک آپ پر کچھ غفلت طاری ہوئی۔ پھر کچھ دیر بعد مسکراتے ہوئے سر مبارک اٹھایا۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کے مسکرانے کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا مجھ پر ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ نے بسم اللہ ...... ھو الابتر پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم ہے کوثر کیا چیز ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی خوب جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جنت کی ایک نہر ہے جس کو عطا فرمانے کا اللہ نے مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے۔ اس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر قیامت کے روز میری امت پانی پینے کے لئے آئے گی۔ اس کے پانی پینے کے برتن آسمان کے تاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے۔ اس وقت فرشتے ایک شخص کو حوض سے ہٹادیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار یہ تو میرا امتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد اس نے (دین میں) کیا کیا نئی چیزیں نکالی تھیں۔

حوض کے بارے میں احادیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پرنالے آسمان سے گریں گے جو حوض کو نہر کوثر کے پانی سے بھر دیں گے۔ مسند بزار میں ہے کہ جب کعب بن اشرف مکہ معظمہ آیا تو قریشیوں نے اس کے پاس جا کر اس سے کہا کہ اس نوجوان کو نہیں دیکھتے جو کہتا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے حالانکہ ہم محتاج کی خدمت کرتے ہیں، بیت اللہ کی حفاظت کرتے ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتے ہیں۔ یہ سن کر کعب نے کہا کہ نہیں تم لوگ اس سے بہتر ہو۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی ((ابن کثیر ۴/۵۵۶۔ مظہری ۱۰/۳۵۱)

تشریح: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطاء کی۔ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے۔ کوثر میں دنیا اور آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے۔ یعنی اس میں ہر قسم کی دینی و دنیوی دولتیں اور نعمتیں داخل ہیں۔ ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت مشہور حوض کوثر ہے جس کے پانی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حشر میں اپنی امت کو سیراب فرمائیں گے۔

صحیحین میں حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (شب معراج میں) میں جنت میں گیا تو وہاں ایک نہر دیکھی جس کے دونوں کناروں پر موتی کے خیمے تھے۔ میں نے نہر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو (اس کا پانی) خالص مشک (کی طرح خوشبودار) تھا۔ میں نے کہا جبرئیل یہ کیا ہے۔ جبرئیل نے کہا یہی وہ کوثر ہے جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی ہے۔

حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (ﷺ) کوثر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ جنت میں ایک نہر ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ اس کے کنارے دراز گردن والے پرندے بیٹھے ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا وہ پرندے تو بہت ہی خوبصورت ہوں گے۔ آپ نے فرمایا وہ کھانے میں بہت لذیذ ہوں گے۔ (ابن کثیر ۴/۵۵۷)

اتنے بڑے انعام اور احسان کا شکر بھی بہت بڑا ہونا چاہئے۔ اسی لئے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بدن اور مال سے خاص اپنے رب کی عبادت میں لگے رہئے، نماز پڑھتے رہئے اور قربانی کرتے رہئے تاکہ اس عظیم انعام کا حق بدنی اور مالی دونوں اعتبار سے ادا ہو جائے۔ بدنی عبادات میں نماز اور مالی عبادات میں قربانی کا ایک ممتاز مقام ہے۔ مشرکین سجدے اور قربانیاں اللہ کے سوا اوروں کے نام کی کرتے تھے اسی لئے یہاں صرف خالص اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا۔

مقطوع النسل

۳۔ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

یقیناً آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے۔

شَانِئَکَ: تیرا دشمن ۔شَنَأَ سے اسم فاعل۔

اَبْتَرُ: بے اولاد، بے نسل، مقطوع النسل ۔بَتْرٌ سے صفت مشبہ۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ جب کسی شخص کی نرینہ اولاد مرجاتی (اور کوئی لڑکا باقی نہ رہتا) تو قریش کہتے فلاں شخص کی نسل کٹ گئی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے کی وفات ہوگئی تو عاص بن وائل نے کہا کہ محمد ﷺ کی نسل کٹ گئی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۲۸/ ۸)

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لا رہے تھے اور عاص بن وائل اندر داخل ہو رہا تھا۔ دونوں کی ملاقات ہوگئی اور باب بنی سہم کے پاس دونوں باتیں کرنے لگے۔ قریش کے سردار اس وقت بیت اللہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ عاص جب قریش کے پاس پہنچا تو وہ کہنے لگے کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔ اس نے کہا ابتر تھا (یعنی آپ ﷺ) اس زمانے میں آپ کے صاحبزادے کی وفات ہو چکی تھی جو حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے۔ (مظہری ۳۵۱/۱۰)

تشریح: عرب میں جب کسی کی نرینہ اولاد مرجاتی تو وہ کہتے کہ یہ ابتر یعنی تنہا ہوگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں کے انتقال پر دشمنی کی وجہ سے مشرکین مکہ نے آپ کے بارے میں بھی یہی خیال کیا کہ آپ کے لڑکے تو انتقال کر گئے جن کے ذریعے دنیا میں آپ کا نام باقی رہتا، اس لئے آپ کے انتقال کے بعد آپ کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بیشک آپ کے دشمن ہی کا نام مٹنے والا ہے۔ آپ کا نام تو رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔

اب ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیسی رفعت وعظمت عطا فرمائی کہ آپ کے عہد مبارک سے لیکر آج تک پوری دنیا کے چپے چپے پر آپ کا نام مبارک پانچ وقت اللہ کے نام کے ساتھ مساجد کے مناروں پر پکارا جاتا ہے۔ آخرت میں آپ کو شفاعت کبریٰ کے مقام محمود پر فائز کیا جائے گا۔ اس کے برعکس عاص بن وائل اور کعب بن اشرف وغیرہ کی اولاد کہاں ہے اور ان کا خاندان کیا ہوا۔ خود ان کا نام بھی قرآنی آیات کی تفسیر کے ذیل میں محفوظ ہوگیا ورنہ آج دنیا میں ان کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۳۱/ ۸، ابن کثیر ۵۵۹/۴)

سورۃ الکافرون

وجہ تسمیہ: اس میں کفار کے بعض سرداروں کی ایک پیش کش کا ذکر ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام الکفرون ہے۔ اس کو سورۃ العبادۃ اور سورۃ الاخلاص اور سورۃ المقشقشہ بھی کہتے ہیں۔ آخری دونام قل ھواللہ کے ساتھ مشترک ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ٦ آیات، ٢٦ کلمات اور ٩٤ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مکے میں نازل ہوئی لیکن قتادہ ابن الزبیر اور ضحاک کہتے ہیں کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ اس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ معبود حقیقی کی عبادت کرنے والا اب کبھی بھی باطل کی طرف رخ نہ کرے گا۔ حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قل ھواللہ تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یایھا الکفرون چوتھائی قرآن کے برابر۔

ابو یعلیٰ اور طبرانی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں ایسا کلمہ نہ بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک سے نجات پاؤ۔ سوتے وقت قل یا یھا الکفرون پڑھ لیا کرو۔

(روح المعانی ٢٤٩/٣٠، مواہب الرحمٰن ٨٧، ٨٨/٣٠)

مشرکین مکہ کی پیشکش

۱،۵۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ
عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ
مَآ اَعْبُدُ ۝۵

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! میں تمہارے معبودوں کو نہیں پوجتا اور تم (بھی) میرے معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ میں (آئندہ) تمہارے معبودوں کو

پوجوں گا اور نہ تم (آئندہ) میرے معبود کی عبادت کرو گے۔

شان نزول: طبرانی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم آپ کو اتنا مال دیں گے کہ آپ مکہ میں سب سے زیادہ مال دار ہو جائیں گے اور جس عورت سے چاہیں گے آپ کا نکاح کر دیں گے لیکن ہمارے معبودوں کو گالیاں دینا چھوڑ دو اور ان کو برا نہ کہو۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو پھر یہ کریں کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں، آپ نے فرمایا میں دیکھ لوں میرے رب کی طرف سے کیا حکم آتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے سعید کی روایت بیان کی کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف آپ سے ملے اور کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اس کی عبادت کریں جس کو ہم پوجتے ہیں اور ہم اس کی عبادت کریں جس کی آپ عبادت کرتے ہیں۔ اس تمام معاملے میں ہم اور آپ شریک ہو جائیں۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۵۴/۱۰)۔

تشریح: مشرکین کی پیشکش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ آپ ان کے دین سے پوری بیزاری کا اعلان فرما دیں اور ان کو صاف صاف بتا دیں کہ خواہ تم میرے معبود برحق کی عبادت کرو یا نہ کرو میں تمہارے معبودوں کو جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو ہرگز نہ پوجوں گا۔

اس سورت میں چند کلمات مکرر آئے ہیں۔ اس تکرار کو ختم کرنے کے لئے ایک تفسیر تو وہ ہے جو بخاری نے بہت سے مفسرین سے نقل کی ہے کہ یہاں دو کلمے مکرر آئے ہیں۔ ایک مرتبہ زمانہ حال کے لئے اور دوسری مرتبہ زمانہ مستقبل کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے کوئی تکرار نہیں۔ پس مطلب یہ ہوگا کہ نہ تو اب ایسا ہو رہا ہے کہ میں تمہارے معبودوں کو پوجوں اور تم میرے معبود کی عبادت کرو اور نہ آئندہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں اپنے اپنے طریقے پر یعنی میں اپنی توحید پر قائم رہتے ہوئے اور تم اپنے کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے ایک دوسرے کے معبود کی عبادت کریں۔

دوسری تفسیر وہ ہے جو ابن کثیر نے بیان فرمائی ہے کہ لغت میں حرف ما جس طرح اسم موصول الذی کے معنیٰ میں آتا ہے اسی طرح کبھی مصدر کے معنیٰ میں بھی آتا ہے یعنی وہ جس فعل پر داخل ہوتا ہے اس کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ اس سورت میں پہلی جگہ تو ما اسم موصول الذی کے معنیٰ میں ہے اور دوسری جگہ ما مصدر یہ ہے، سو **لا اعبد ماتعبدون ولا انتم عبدون ما اعبد** کے معنیٰ

یہ ہوئے کہ جن معبودوں کو تم پوجتے ہو میں ان کو نہیں پوجتا اور جس معبود کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی عبادت تم نہیں کرتے۔ دوسرے جملے ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عبدون ما اعبد میں حرف ما مصدریہ ہے۔ اس لئے معنیٰ یہ ہیں کہ ہماری اور تمہاری عبادت کے طریقے ہی الگ الگ ہیں لہذا میں تمہاری طرز کی عبادت نہیں کرسکتا اور تم جب تک ایمان نہ لاؤ میری طرز کی عبادت نہیں کرسکتے۔ پس پہلے جملے میں معبودوں کا اختلاف ظاہر کیا ہے اور دوسرے جملے میں عبادت کے طریقے کے اختلاف کو ظاہر کیا گیا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۳۳/۸)

علیحدہ دین

۶۔ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

تشریح: اے مشرکین تمہارے لئے تمہاری راہ ہے جس پر تم بھٹک رہے ہو اور جس کو تم چھوڑنے کے لئے تیار نہیں سو تم اسی پر بھٹکتے رہو۔ میرے لئے میرا راستہ ہے جس پر میں قائم ہوں۔ اور میرے رب کا پسندیدہ اور بتایا ہوا ہے۔ اس لئے اس کو ترک نہیں کرسکتا۔ اس کے برعکس تمہارا طریقہ نفسانی خواہشات کے تابع ہے اس لئے اس میں گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے۔ جو کچھ میں کرتا ہوں اس کے تم ذمہ دار نہیں اور جو تم کرتے ہو اس کا میں ذمے دار نہیں۔ (یونس ۴۱)

لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ

ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں۔

(الشوریٰ ۱۵)

صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر میں ہے کہ تمہارے لئے تمہارا دین ہے یعنی کفر اور میرے لئے میرا دین ہے یعنی اسلام۔

سورۃ النصر

وجہ تسمیہ: اس کو سورۃ النصر اور التودیع کہتے ہیں۔ تودیع کے معنی کسی کو رخصت کرنے کے ہیں۔ اس سورت میں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کا وقت قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس کو سورۃ التودیع بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۳ آیات ۱۶ کلمات اور ۷۹ حروف ہیں۔ یہ سورت بالاجماع مدنیہ ہے اور مکمل سورت نازل ہونے کے اعتبار سے یہ سب سے آخری سورت ہے۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد الیوم اکملت لکم (مائدہ:۳) نازل ہوئی۔ ان کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں صرف اسی دن رہے۔ ان دونوں کے بعد کلالہ (نساء:۱۷۶) نازل ہوئی جس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے کل پچاس دن رہ گئے تھے۔ پھر آیت وَاتقوا یوما ترجعون (بقرہ:۲۸۱) نازل ہوئی جس کے بعد صرف ۲۱ روز اور مقاتل کے مطابق سات روز بعد وفات ہوئی۔

(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۳۶/۸، مواہب الرحمٰن ۷۹۳، ۷۹۴، ۸۰۰/۳۰)

سورۃ اذا الزلزلت کے ذیل میں حضرت انس کی روایت سے گزر چکا کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

تکمیل بعثت

۱،۳۔ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۝ وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

جب اللہ کی مدد اور فتح آ چکی اور آپ نے لوگوں کو دین میں جوق در جوق داخل ہوتے دیکھ لیا تو اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے مغفرت طلب

کیجئے بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔

تشریح: متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورت میں آپ کی وفات کا زمانہ قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا مقصد پورا ہو چکا ہے۔ اب آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار میں لگ جائیے۔

مسند احمد میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اب اسی سال میرا انتقال ہو جائے گا۔ مجھے میرے انتقال کی خبر دیدی گئی ہے۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اذا جاء نصر اللہ والفتح میں فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔

بخاری شریف میں حضرت عمرو بن سلمہ سے روایت ہے مکہ معظمہ فتح ہوتے ہی ہر قبیلے نے اسلام کی طرف سبقت کی۔ ان سب کو اسی کا انتظار تھا اور کہتے تھے کہ انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو اور دیکھو اگر یہ نبیٔ برحق ہیں تو اپنی قوم پر غالب آجائیں گے اور مکہ معظمہ پر ان کا جھنڈا نصب ہو جائے گا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ معظمہ کی فتح سے سرفراز فرمایا تو تمام قبائل فوج در فوج اسلام میں داخل ہو گئے اور صرف دو سال کے عرصے میں سارا عرب مسلمان ہو گیا۔ ابن کثیر نے سورت کی یہ تفسیر بھی بیان فرمائی ہے کہ بعض صحابہ نے حضرت عمر کے سامنے اس سورت کا یہ مطلب بیان فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ ہم پر شہر اور قلعے فتح کر دے اور ہماری مدد فرمائے تو گویا ہمیں حکم مل رہا ہے کہ ہم اس کی تعریف بیان کریں، اس کا شکر ادا کریں اور اس کی پاکیزگی بیان کریں، نماز ادا کریں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری عمر میں ان کلمات کا ورد اکثر فرماتے تھے **سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ و اتوب الیہ** ''اللہ کی ذات پاک ہے اور سب تعریفیں اسی کے لئے سزاوار ہیں، میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور اسی کی طرف جھکتا ہوں'' اور آپ فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب نے حکم دے رکھا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں کہ مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور دین اسلام میں فوجیں کی فوجیں داخل ہونے لگیں تو میں ان کلمات کو بکثرت کہوں۔ چنانچہ بحمد اللہ میں اسے دیکھ چکا، لہٰذا اب ان کلمات میں مشغول ہوں۔ (روح المعانی ۳۰/۲۵۷، ابن کثیر ۵۶۲، ۴/۵۶۳)

ابو ہریرہ سے روایت ہے اس سورت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت میں بڑا مجاہدہ فرمایا یہاں تک آپ کے پاؤں مبارک ورم کر گئے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸/۸۳۷)

سورۃ الہب

وجہ تسمیہ: اس سورت کا مضمون ابولہب اور اس کی بیوی کے بارے میں ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۃ الہب ہے۔ اس کو سورۂ تبت اور سورۃ المسد بھی کہتے ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں پانچ آیات ۲۳ کلمات اور ۷۷ حروف ہیں۔ یہ سورت بلا خلاف مکے میں نازل ہوئی۔ ابولہب کا نام عبد العزیٰ بن عبد المطلب تھا۔ یہ آپ کا چچا تھا۔ اس کی کنیت ابو عتبہ تھی۔ سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اس کو ابولہب کہتے تھے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن اور اسلام کا شدید مخالف تھا۔ آپ کو سخت ایذائیں دیتا تھا اور جب آپ لوگوں کو دعوت اسلام دیتے تو یہ آپ کی تکذیب کرتا تھا۔ اس کی بیوی بھی آپ کی سخت دشمن تھی۔ (مواہب الرحمٰن ۸۱۰، ۸۱۱/۳۰)

ابولہب کی بدبختی

۱۔ تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝

ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ ہلاک ہو جائے۔

تَبَّتْ: وہ ہلاک ہوئی، وہ برباد ہوئی، وہ ٹوٹ گئی۔ تَبٌّ و تَبَابٌ سے ماضی۔

لَهَبٍ: آگ بھڑکنا، شعلہ۔ مصدر ہے۔

شانِ نزول: بخاری و مسلم اور احمد میں ہے کہ جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی۔ جب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں خبر دوں کہ دشمن صبح یا شام تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم مجھے سچا جانو گے؟ سب نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا سنو! میں تمہیں آنے والے عذاب شدید سے پہلے ڈراتا ہوں۔ ابولہب کہنے لگا آپ کو ہلاکت ہو، کیا اسی لئے آپ نے ہمیں جمع کیا تھا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (مظہری ۳۶۷/۱۰)

تشریح: جب ابولہب نے آپ کی شان میں تبًا کہا تو مسلمانوں کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ

آپ اس کے لئے بددعا فرمائیں۔اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کی بات خود ہی فرمادی کہ ابولہب ہلاک و برباد ہو۔ پھر تَبَّ کہہ کر یہ خبر بھی دیدی کہ یہ بددعا اس کو لگ گئی اور وہ ہلاک ہوگیا۔ چنانچہ واقعہ بدر کے سات روز بعد اس کو طاعون کی گلٹی نکلی۔مرض دوسرں کو لگ جانے کے خوف سے گھر والوں نے اس کو بالکل علیحدہ ایک طرف ڈال دیا اور اسی بے کسی کی حالت میں اس کو موت آگئی۔تین روز تک اس کی لاش اسی حالت میں پڑی رہی۔جب سڑنے لگا تو گھر والوں نے ایک گڑھا کھود کر لکڑی کے ذریعے اس کی لاش کو گڑھے میں ڈال دیا اور اس کو پتھروں اور مٹی سے پاٹ دیا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک روز ابولہب نے لوگوں سے کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ مرنے کے بعد فلاں فلاں کام ہوں گے۔ پھر اپنے ہاتھوں کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا کہ ان ہاتھوں میں ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں آیا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا کہ برباد ہو جاؤ۔ میں تمہارے اندر ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھتا جن کے ہونے کی خبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیتے ہیں۔(معارف القرآن مفتی محمد شفیع ۸۳۹/۸)۔

مال واولاد کام نہ آنا

۲،۳۔ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ۝

نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب شعلے والی آگ میں داخل ہوگا۔

شانِ نزول: حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا تو ابولہب کہنے لگا کہ اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کے دن اپنا مال و اولاد اللہ کو فدیے میں دیکر اس کے عذاب سے چھوٹ جاؤں گا۔اس پر آیت مَآ اَغْنٰى عنہ الخ اتری۔
(ابن کثیر ۵۶۴/۴)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابولہب ہلاک و برباد ہوگیا۔کوئی چیز اس کو ہلاکت سے نہ بچا سکی۔ نہ اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اولاد اور نہ عزت و سرداری اور نہ قبائل عرب میں اس کی مقبولیت و محبوبیت اس کے کچھ کام آئی۔اللہ کا فیصلہ نافذ ہوکر رہا اور لوگوں نے دنیا ہی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ کس طرح ذلت و رسوائی اور بے کسی میں مرا۔کوئی اس کے قریب آنے کو بھی تیار نہ تھا۔ بلاشبہ

یہ بھی اللہ کا عذاب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور توہین کی سزا تھی جو اس کو دنیا میں بھگتنی پڑی۔ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جس کے بارے میں فرمایا وہ بہت جلد ایسی دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا جو سخت جلانے والی اور بڑے شعلے برسانے والی ہوگی۔

ربیعہ بن عباد دیلی سے روایت ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا۔ میری جوان عمر تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک قبیلے کے پاس جاتے اور فرماتے لوگو! میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، مجھے سچا جانو، مجھے میرے دشمنوں سے بچاؤ تاکہ میں اس کام کو بجا لاؤں جس کا حکم دیکر مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔ آپ یہ پیغام پہنچا کر فارغ ہوتے تو آپ کا چچا ابولہب پیچھے سے پہنچتا اور کہتا اے فلاں قبیلے کے لوگو یہ شخص تمہیں لات وعزیٰ سے ہٹانا چاہتا ہے اور بنو مالک بن اقیش کے تمہارے حلیف جنوں کو تم سے دور کر رہا ہے اور تمہیں اپنی لائی ہوئی گمراہی کی طرف کھینچ رہا ہے۔ خبردار اس کی نہ سننا اور نہ ماننا۔ (ابن کثیر ۴/۵۶۴)۔

ابولہب کی بیوی کا انجام

۴،۳۔ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

اور اس کی بیوی (بھی) جو لکڑیاں اٹھا کر لانے والی ہے اس کی گردن میں کھجور کے پوست کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔

حَمَّالَةَ: خوب اٹھانے والی۔ حَمْلٌ سے مبالغہ

الحَطَبِ: لکڑی، ایندھن۔ جمع اَحْطَابٌ

جِيْدِ: گردن، جمع اَجْيَاد

حَبْلٌ: رسی، سلسلہ، عہد، جمع حِبَالٌ

مَسَدٍ: خوب بٹی ہوئی، مونج، کھجور کی چھال۔

تشریح: ابولہب کی بیوی جس طرح یہاں حق کی دشمنی اور اللہ کے پیغمبر کی ایذا رسانی میں اپنے شوہر کی مددگار ہے اسی طرح جہنم میں بھی اس کے ساتھ ہی داخل ہوگی۔ اس طرح یہ بدبخت ابولہب بھی ہلاک وبرباد ہوگا اور اس کی بدنصیب بیوی بھی تباہ و برباد ہوگی۔

ابولہب کی بیوی کی کنیت ام جمیل تھی اور نام اَرْوٰی تھا۔ یہ حرب بن امیہ کی لڑکی اور ابو سفیان کی بہن تھی۔ اپنے خاوند کے کفر وعناد اور سرکشی و دشمنی میں یہ بھی اس کے ساتھ تھی۔ قیامت کے دن عذابوں میں بھی یہ اسی کے ساتھ ہوگی کٹریاں اٹھا اٹھا کر لائے گی اور جس آگ میں اس کا خاوند جل رہا ہوگا اس پر ڈالتی جائے گی۔ اس کے گلے میں ایک رسی ہوگی اور جہنم کا ایندھن سمیٹتی رہے گی۔

ابن عباس نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ جنگل سے خار دار لکڑیاں چن کر لاتی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں بچھاتی تھی تا کہ آپ کو تکلیف پہنچے۔

ابن مسیّب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے پاس نفیس ہار تھا اور کہتی تھی کہ میں اسے فروخت کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت میں خرچ کروں گی، تو یہاں فرمایا گیا کہ اس کے بدلے اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا (تا کہ گردن ہار سے خالی نہ رہے)۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس بد بخت کی موت بھی طوق سے ہی واقع ہوئی کہ لکڑیوں کے گٹھے کی رسی اس کے گلے میں آپڑی جس سے گلا گھٹ کر دم نکل گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب یہ سورت اتری تو یہ بھینگی عورت ام جمیل بنت حرب اپنے ہاتھ میں ایک نوکیلا پتھر لئے یہ کہتی ہوئی آپ کی طرف آئی کہ ہم مذمّم کے منکر ہیں، اس کے دین کے دشمن اور اس کے نافرمان ہیں۔ اس وقت آپ بیت اللہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور میرے والد حضرت ابو بکر بھی آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر نے عرض کی یا رسول اللہ یہ آرہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو دیکھ لے۔ آپ نے فرمایا صدیق بے غم رہو یہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ پھر آپ نے قرآن کی تلاوت شروع کر دی جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۙ

اور (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں۔ (الاسراء: ۴۵)

پھر وہ آکر حضرت ابو بکر کے پاس کھڑی ہوگئی۔ اگر چہ آنحضرت ﷺ بھی حضرت ابو بکر کے پاس ہی بیٹھے تھے لیکن اللہ نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ آپ کو نہ دیکھ سکی۔ (ابن کثیر ۴/۵۶۵)

سورۃ الاخلاص

وجہ تسمیہ: سورۂ فاتحہ کی طرح اس کے بھی بہت سے نام ہیں۔ ان میں سے الاخلاص سب سے زیادہ مشہور ہے۔ چوں کہ اس میں توحید خالص کا بیان ہے اس لئے اسے اخلاص کہتے ہیں، دوسرے ناموں میں التفرید، التوحید، الصمد اور المعرفہ وغیرہ ہیں۔

تعارف وخلاصہ: اس میں چار آیتیں، ۱۵ کلمات اور ۴۷ حروف ہیں۔ اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ مکہ میں نازل ہوئی لیکن قتادہ وضحاک وسُدی کہتے ہیں کہ یہ مدینے میں نازل ہوئی۔ (مواہب الرحمٰن ۸۱۹/۳۰)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ قل ھو اللہ پڑھ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا واجب ہوگئی۔ میں نے عرض کیا کیا واجب ہوگئی۔ آپ نے فرمایا جنت۔ (مواہب الرحمٰن ۸۲۳/۳۰)

حضرت ابو سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک رات میں ایک تہائی قرآن پڑھ لو تو یہ صحابہ پر بھاری پڑا اور کہنے لگے کہ یا رسول اللہ اتنی طاقت کس کو ہے۔ آپ نے فرمایا سنو قل ھو اللہ احد تہائی قرآن ہے۔ (ابن کثیر ۵۶۶/۴)

واحد وصمد ذات

۱، ۴۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۚ

آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ کوئی اس سے پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

اَلصَّمَدُ: بے نیاز، بے احتیاج، جو کھاتا پیتا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔

كُفُوًا: مرتبے میں برابر، ہمسر، مثل۔

شان نزول: امام احمد، ترمذی ابن خزیمہ، ابن جریر اور حاکم نے اور بخاری نے اپنی تاریخ میں ابی بن کعب سے روایت کی کہ مشرکین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔(حقانی ۵/۵۱۸)۔

بغوی نے ضحاک، قتادہ اور مقاتل کے حوالے سے لکھا کہ کچھ یہودی عالم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اپنے رب کی صفات بیان کیجئے ممکن ہے ہم آپ پر ایمان لے آئیں کیونکہ اللہ نے توریت میں اپنے احوال بیان کر دیئے ہیں اور ہمیں بتادیا ہے کہ وہ کس چیز سے (بنا ہوا) ہے اور کھاتا پیتا ہے (یا نہیں) اور وہ کس کا وارث ہوا ہے اور کون اس کا وارث ہوگا۔اس کے جواب میں اللہ نے یہ سورت نازل فرمائی (مظہری ۱۰/۳۶۹)

تشریح: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! یہ مشرکین جو آپ سے آپ کے رب کی صفت پوچھتے ہیں تو آپ ان کو بتادیجئے کہ ہمارا معبود تو اللہ تعالیٰ ہے جو اپنی ذات وصفات میں واحد واحد ہے۔وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔وہی قادر مطلق اور علیم وخبیر ہے۔کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں، خواہ ظاہر ہو یا باطن حتیٰ کہ وہ دلوں میں آنے والے خیالات بلکہ جو خیالات آئندہ آئیں گے وہ ان کو بھی جانتا ہے۔کوئی بھی اس جیسا نہیں، نہ اس کا کوئی وزیر اور نہ شریک، نہ کوئی اس کا ہمسر اور برابر اور نہ ہم جنس۔وہ بے نیاز ہے اس کو کسی کی حاجت نہیں۔ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ صمد وہ ہے جو اپنی سرداری میں، اپنی شرافت میں، اپنی بزرگی میں، اپنی عظمت میں، اپنے حلم وعلم میں اور اپنی حکمت وتدبیر میں سب سے بڑھا ہوا ہے۔یہ صفتیں صرف اللہ تعالیٰ ہی میں پائی جاتی ہیں اس لئے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ایسے خدا کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا یا اس کے ساتھ کسی کو اس کی عبادت میں شریک کرنا عقل وفطرت کے خلاف اور بدترین ظلم ہے۔پس وہ اپنی ذات وصفات میں ایسا یکتا اور بے نظیر ہے کہ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کے کوئی اولاد ہے۔دوسری جگہ ارشاد ہے:

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ

وہ زمین وآسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اس کی اولاد کیسے ہوگی اور اس کے بیوی نہیں، ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے۔(انعام:۱۰۱)

اور ارشاد ہے:

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ﴿۸۹﴾ تَكَادُ
السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾
اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾

وہ کفار کہتے ہیں کہ اللہ کے اولاد ہے۔ بیشک تم تو بہت بھاری (بری) بات (زبان پر) لائے۔ کچھ بعید نہیں اس (گستاخی) پر ابھی آسمان پھٹ پڑے، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اس بات پر کہ وہ اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے ہیں اور رحمٰن کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ (مریم: ۸۸-۹۲)

اس کی شان احدیت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اس کا کوئی ہمسر و برابر اور مثال و نمونہ نہ ہو جیسے ارشاد ہے:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ

کوئی چیز اس کے مثل نہیں۔ (الشوریٰ ۱۱)

صحیح بخاری میں ہے کہ ایذا دینے والی باتوں کو سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ صابر کوئی نہیں۔ لوگ اس کی اولاد بتاتے ہیں اور وہ پھر بھی انہیں رزق دیتا ہے اور عافیت و تندرستی عطا فرماتا ہے۔ (ابن کثیر ۴/۵۷۰)

سورۃ الفلق

وجہ تسمیہ: لفظ الفلق اس سورت کی ابتدا میں آیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام الفلق (صبح) ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں پانچ آیات ۲۳ کلمات اور ۷۴ حروف ہیں۔ جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورت مدینے میں نازل ہوئی۔ یہی صحیح اور قوی تر ہے۔ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے۔ آپ کو کچھ وہم سا ہونے لگ گیا تھا کہ جو کام آپ نے ابھی کیا نہیں اس کے بارے میں آپ کو یہ خیال ہو جاتا تھا کہ آپ نے اس کام کو کر لیا ہے۔ پھر آپ نے اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالی نے جبرئیل امین کے ذریعے آپ کو اس کی خبر دی۔ صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ آج رات مجھ پر چند ایسی آیتیں نازل ہوئی ہیں کہ ان جیسی کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ پھر آپ نے ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کیا میں تمہیں تین سورتیں نہ سکھاؤں کہ ان جیسی نہ توریت میں نازل ہوئیں اور نہ انجیل میں اور نہ زبور میں اور نہ فرقان میں۔ وہ سورتیں یہ ہیں: قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق، قل اعوذ برب الناس (ابن کثیر ۴/۵۷۲)

ہر شر سے پناہ

۱-۵۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝

آپ کہہ دیجئے کہ میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، تمام مخلوق کے شر سے اور اندھیرے کے شر سے جب وہ چھا جائے اور ان عورتوں کے شر سے

جو گرہوں میں پھونکتی ہیں اور حاسد کے شر سے جب وہ حسد کرے۔

الفَلَقِ: تڑکا، صبح سویرے، علی الصبح، جمع فُلُوْق

غاسِقٍ: اندھیری رات، تاریک رات، غَسَقٌ سے اسم فاعل۔

وَقَبَ: وہ داخل ہوا، وہ چھا گیا، وہ چھپ گیا۔ وُقُوْبٌ سے ماضی۔

النَّفّٰثٰتِ: گرہوں میں پھونکنے والیاں، خوب دم کرنے والیاں مراد جادوگر عورتیں۔ نَــفْــثٌ سے مبالغہ، واحد نَفَّاثَةٌ

العُقَد: گرہیں۔ واحد عُقْدَةٌ

شانِ نزول: بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے آپ پر سحر کیا تو اس کا اثر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کرلیا ہے مگر وہ کام کیا ہوا نہیں ہوتا تھا۔ پھر ایک روز آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے۔ ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف۔ سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے۔ دوسرے نے کہا کہ سحر زدہ ہیں۔ پہلے نے پوچھا کہ سحر کس نے کیا ہے۔ اس نے جواب دیا لبید بن اعصم یہودی نے۔ اس نے پوچھا کس چیز پر جادو کیا ہے۔ دوسرے نے بتایا کہ ایک کنگھے اور اس کے دانوں میں۔ پھر اس نے پوچھا کہ وہ (چیزیں) کہاں ہیں۔ اس نے بتایا کہ کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل ہوتا ہے اور بنی زریق کے کنویں ذروان میں پتھر کے نیچے مدفون ہیں۔ آپ اس کنویں پر تشریف لے گئے اور ان چیزوں کو نکال لیا اور فرمایا مجھے خواب میں یہی کنواں دکھایا گیا تھا۔ اس پر یہ سورتیں نازل ہوئیں۔

آپ اس یہودی کو جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملے میں کسی سے انتقام لینا آپ کی عادت نہ تھی اس لئے آپ نے عمر بھر اس یہودی سے کچھ نہیں کہا۔

تشریح: آپ کہہ دیجئے کہ میں اس رب کی پناہ میں آتا ہوں جس نے ایسی روشنی پیدا کی جو رات کی تاریکی کو پھاڑ کر نمودار ہوتی ہے اور سارے جہان پر چھا جاتی ہے اور اس کو روشن کر دیتی ہے۔ چونکہ خالق ہی مخلوق کے شر سے بچا سکتا ہے اس لئے میں ہر ایسی مخلوق کے شر سے جو اس نے پیدا کی ہو اور جس میں کوئی برائی اور بدی ہو، اسی خالق حقیقی کی پناہ میں آتا ہوں۔ جب ظلمت و تاریکی پھیل جائے تو میں اس کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں کیونکہ عموماً بدکار و مفسدین، درندے، موذی جانور، ساحر،

جنات، شیاطین، حشرات الارض، چور، ڈاکو وغیرہ رات کی تاریکی میں اپنے شر سے مخلوق خدا کو ایذا پہنچاتے ہیں نیز جادو کی تاثیر بھی رات میں زیادہ ہوتی ہے۔ میں گرہوں میں پھونکنے والی عورتوں، جماعتوں اور نفوس کے شر سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

زمانۂ جاہلیت میں عام طور پر ساحر عورتیں شیاطین و جنات کے اسماء پڑھ پڑھ کر پھونک مار کر رسی، یا تانت یا بالوں پر گرہیں لگاتی تھیں جیسے لبید بن الاعصم اور اس کی بیٹیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں پر اسی طرح ساحرانہ عمل کیا تھا۔

میں حاسد کے شر سے بھی اللہ کی پناہ میں آتا ہوں جبکہ وہ حسد کرے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ کا مطلب یہ ہے کہ جب حاسد اپنی قلبی کیفیت کو ضبط نہ کر سکے اور عملی طور پر حسد کا اظہار کرنے لگے تو اس بدی اور شر سے پناہ مانگنی چاہئے۔ حسد کہتے ہیں کسی کی نعمت و راحت کو دیکھ کر جلنا اور یہ چاہنا کہ اس سے یہ نعمت زائل ہو جائے چاہے خود اس کو بھی حاصل نہ ہو۔ یہ حسد حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور یہ سب سے پہلا گناہ ہے جو ابلیس نے آسمان میں حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کر کے کیا اور یہی سب سے پہلا گناہ ہے جو زمین پر کیا گیا اور حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل سے کیا۔ البتہ یہ آرزو کرنا کہ مجھے بھی ایسی نعمت یا اس سے زائد عطا ہو جو فلاں کو عطا ہوئی ہے حسد میں داخل نہیں۔

سورۃ الناس

وجہ تسمیہ: اس کا نام سورۃ الناس ہے۔

تعارف وخلاصہ: اس میں ۶ آیات، ۲۰ کلمات اور ۹۹ حروف ہیں۔ سورۂ فلق کی طرح یہ بھی مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کا شان نزول بھی وہی ہے جو سورۂ فلق کا ہے۔

جنوں اور انسانوں کے شیاطین

۱،۶۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ
النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

آپ کہہ دیجئے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی۔ وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے،

الْوَسْوَاسِ: وسوسہ، برا خیال، وَسْوَسَةٌ سے مبالغہ۔

الْخَنَّاسِ: پیچھے ہٹ جانے والا، چھپ جانے والا، کھسک جانے والا خَنَسٌ مبالغہ۔

تشریح: اس سورت میں اللہ عزوجل کی تین صفات بیان ہوئی ہیں۔ پالنے اور پرورش کرنے کی، مالک وشہنشاہ ہونے کی اور معبود ولائق عبادت ہونے کی۔ تمام چیزیں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں اور اسی کی ملکیت میں ہیں اور اسی کی غلامی میں مشغول ہیں۔ اس لئے جو بھی پناہ اور بچاؤ کا طالب ہو ... ن پاک وبرتر صفات والے خدا کی پناہ میں آ جائے۔ شیطان ہر وقت انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے برائیوں کو مزین کر کے اس کے سامنے پیش کرتا رہتا ہے، اور اس کو بہکانے اور راہ راست سے ہٹانے میں کوئی کمی نہیں کرتا، اس کے شر سے وہی محفوظ رہ سکتا ہے جس کو اللہ بچالے۔ اس لئے انسان کو شیطان

کے شر اور بدی سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کرنی چاہئے خواہ وہ شیطان جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یا وہ ابلیس ہو۔ اللہ تعالیٰ ان سب سے اپنی پناہ میں رکھے۔

شیطان چونکہ نظروں سے غائب رہ کر آدمی کو بہکاتا اور پھسلاتا ہے اس لئے اس کے وساوس بہت باریک اور سخت ہوتے ہیں۔ وہ غفلت کا موقع تلاش کرتا ہے۔ جونہی انسان اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔ پھر جیسے ہی اس کی غفلت دور ہوتی ہے اور وہ اللہ کو یاد کرنے لگتا ہے تو شیطان فوراً فو چکر ہو جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی کے دل میں دو خانے ہوتے ہیں۔ ایک فرشتے کا اور دوسرا شیطان کا۔ جب آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور جب وہ اللہ کی یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل میں چبھو دیتا ہے اور اس کو بہکا دیتا ہے۔ (مظہری ۳۸۰/ ۱۰، ابن کثیر ۴/۵۷۵۔۵۷۴)

تمت بعون اللّٰہ و توفیقہ، والحمد للّٰہ علی ذالک

اَللّٰھُمَّ آنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْآنِ
الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَاماً وَّنُوْراً وَّرَحْمَةً اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْهُ
مَانَسِیْتُ وَ عَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَھِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ آنَاء
الَّیْلِ وَ اَطْرَافَ النَّھَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً
یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ